اصلاحی خطبات

جلد ۱

- عقل کا دائرہ کار
- ماہِ رجب
- نیک کام میں دیر نہ کیجئے
- سفارش شریعت کی نظر میں
- آزادیٔ نسواں کا فریب
- روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟
- دین کی حقیقت
- بدعت ایک سنگین گناہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

اصلاحی خطبات

(۱)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات ← حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ← محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام ← جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل ← مئی ۱۹۹۳ء
تعداد ← دو ہزار
ناشر ← میمن اسلامک پبلشرز، فون: ۔ ۴۹۹۰۳۳
باہتمام ← ولی اللہ میمن

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ

کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست مضامین

(۱) عقل کا دائرہ کار

(۲) ماہ رجب

(۳) نیک کام میں دیر نہ کیجئے

(۴) سفارش، شریعت کی نظر میں

(۵) روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

(۶) آزادی نسواں کا فریب

(۷) دین کی حقیقت، تسلیم ورضا

(۸) بدعت ایک سنگین گناہ

عقل کا دائرہ کار

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

عقل کا دائرہ کار

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد۔

میرے لئے اس اکیڈمی کے مختلف تربیتی کورسوں میں حاضری کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی جو تربیتی کورس منعقد ہوتے رہے ہیں۔ ان سے بھی خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اس مرتبہ مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ میں "اسلامائیزیشن آف لاز" (ISLAMISATION OF LAWS) کے سلسلے میں آپ حضرات سے کچھ گفتگو کروں۔ اتفاق سے "اسلامائیزیشن آف لاز" کا موضوع بڑا طویل اور ہمہ گیر ہے اور مجھے اس وقت ایک اور جگہ بھی جانا ہے۔ اس لئے وقت بھی مختصر ہے۔ لیکن اس مختصر سے وقت میں "اسلامائیزیشن آف لاز" کے صرف ایک پہلو کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"بنیاد پرست" ایک گالی بن چکی ہے۔
جب یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ ہمارا قانون، ہماری معیشت، ہماری سیاست یا ہماری زندگی کا ہر پہلو اسلام کے سانچے میں ڈھلنا چاہئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ڈھلنا چاہئے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ آج ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں سیکولر تصورات (Secular Ideas) اس دنیا کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور یہ بات تقریباً ساری دنیا میں بطور ایک مسلمہ مان لی گئی ہے کہ کسی ریاست کو چلانے کا بہترین سسٹم سیکولر سسٹم (SECULAR SYSTEM) ہے اور اسی سیکولرازم (Secularism) کے دائرے میں رہتے ہوئے ریاست کو کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں دنیا کی بیشتر ریاستیں بڑی سے لے کر چھوٹی تک، وہ نہ صرف یہ کہ سیکولر (Secular) ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتی ہیں۔ ایسے معاشرے میں یہ آواز بلند کرنا کہ "ہمیں اپنے ملک کو، اپنے قانون کو اپنی معیشت اور سیاست کو، اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسلامائیز (Islamize) کرنا چاہئے" یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ معاشرے کو چودہ سو سال پرانے اصولوں کے ماتحت چلانا چاہئے تو یہ آواز آج کی اس دنیا میں اچنبھی اور اجنبی معلوم ہوتی ہے اور اس کو طرح طرح کے طعنوں سے نوازا جاتا ہے۔ بنیاد پرستی اور فنڈامینٹل ازم (Fundame-ntalism) کی اصطلاح ان لوگوں کی طرف سے ایک گالی بنا کر دنیا میں مشہور کر دی گئی ہے۔ اور ان کی نظر میں ہر وہ شخص بنیاد پرست (Fundamentalist) ہے جو یہ کہے کہ "ریاست کا نظام دین کے تابع ہونا چاہئے۔ اسلام کے تابع ہونا چاہئے۔" ایسے شخص کو بنیاد پرست کا خطاب دے کر بدنام کیا جارہا ہے، حالانکہ اگر اس لفظ کے اصل معنی پر غور کیا جائے تو یہ کوئی برا لفظ نہیں تھا۔ فنڈامینٹلسٹ کے معنی یہ ہیں کہ جو بنیادی اصولوں (Fundamental Principles) کو اختیار کرے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو گالی بنا کر مشہور کر دیا ہے۔

اسلامائیزیشن کیوں؟

آج کی مجلس میں، میں صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں کہ ہم کیوں اپنی زندگی کو اسلامائیشنر (ISLAMIZE) کرنا چاہتے ہیں؟ اور ہم ملکی قوانین کو اسلام کے

سانچے میں کیوں ڈھالنا چاہتے ہیں؟ جبکہ دین کی تعلیمات چودہ سو سال بلکہ بیشتر تو ہزارہا سال پرانی ہیں۔

ہمارے پاس عقل موجود ہے

اس سلسلے میں، میں جس پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک سیکولر ریاست (SECULAR STATE) جس کو لادینی ریاست کہا جائے۔ وہ اپنے نظام حکومت اور نظام زندگی کو کس طرح چلائے؟ اس کے لئے اس کے پاس کوئی اصول موجود نہیں ہیں بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس عقل موجود ہے۔ ہمارے پاس مشاہدہ اور تجربہ موجود ہے اس عقل، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہماری اس دور کی ضروریات کیا ہیں؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اور پھر اس کے لحاظ سے کیا چیز ہماری مصلحت کے مطابق ہے؟ اور پھر اسی مصلحت کے مطابق ہم اپنے قوانین کو ڈھال سکتے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات میں ہم اس کے اندر تبدیلی لا سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔

کیا عقل آخری معیار ہے؟

ایک سیکولر نظام حکومت میں عقل، تجربے اور مشاہدے کو آخری معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ معیار کتنا مضبوط ہے؟ کیا یہ معیار اس لائق ہے کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی رہنمائی کر سکے؟ کیا یہ معیار تنہا عقل کے بھروسے پر، تنہا مشاہدے اور تجربے کے بھروسے پر ہمارے لئے کافی ہو سکتا ہے؟

ذرائع علم

اس کے جواب کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی بھی نظام جب تک اپنی پشت پر اپنے پیچھے علمی حقائق کا سرمایہ نہ رکھتا ہو اس وقت تک وہ کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ اور کسی بھی معاملے میں علم حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ ذرائع عطا فرمائے ہیں۔ ان ذرائع میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار تک وہ

ذریعہ کام دیتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ ذریعہ کام نہیں دیتا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

حواس خمسہ کا دائرہ کار

مثال کے طور پر انسان کو سب سے پہلے جو ذرائع علم عطا ہوئے وہ اس کے حواس خمسہ ہیں، آنکھ، کان، ناک اور زبان وغیرہ۔ آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ زبان کے ذریعہ چکھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ناک کے ذریعہ سونگھ کر علم حاصل ہوتا ہے۔ ہاتھ کے ذریعہ چھو کر حاصل ہوتا ہے۔ لیکن علم کے یہ پانچ ذرائع جو مشاہدے کی سرحد میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا ایک دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار سے باہر وہ ذریعہ کام نہیں کرتا، آنکھ دیکھ سکتی ہے لیکن سن نہیں سکتی کان سن سکتا ہے، لیکن دیکھ نہیں سکتا۔ ناک سونگھ سکتی ہے، دیکھ نہیں سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ تو بند کر لوں اور کان سے دیکھنا شروع کر دوں تو اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی۔ اس لئے کہ کان اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ تمہارا کان نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کان سے دیکھنے کی تمہاری کوشش بالکل بیکار ہے۔ جواب میں وہ شخص کہے کہ اگر کان دیکھ نہیں سکتا تو وہ بیکار چیز ہے تو اس کو ساری دنیا احمق کہے گی۔ اس لئے کہ وہ اتنی بات بھی نہیں جانتا کہ کان کا ایک دائرہ کار ہے، اس حد تک وہ کام کرے گا۔ اس سے اگر آنکھ کا کام لینا چاہو گے تو وہ نہیں کرے گا۔

دوسرا ذریعہ علم "عقل"

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم کے حصول کے لئے یہ پانچ حواس عطا فرمائے ہیں۔ ایک مرحلہ پر جاکر ان پانچوں حواس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر نہ تو آنکھ کام دیتی ہے، نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ کام دیتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اشیا براہ راست مشاہدہ کی گرفت میں نہیں آتیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو علم کا ایک اور ذریعہ عطا فرمایا ہے اور وہ ہے "عقل" جہاں پر

حواس خمسہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں پر "عقل" کام آتی ہے، مثلاً میرے سامنے یہ میز رکھی ہے، میں آنکھ سے دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ ہاتھ سے چھو کر معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ سخت لکڑی کی ہے، اور اس پر فارمیکا لگا ہوا ہے۔ لیکن اس بات کا علم کہ یہ میز وجود میں کیسے آئی؟ یہ بات میں نہ تو آنکھ سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں، نہ کان سے سن کر، نہ ہاتھ سے چھو کر بتا سکتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے بننے کا عمل میرے سامنے نہیں ہوا۔ اس موقع پر میری عقل میری رہنمائی کرتی ہے کہ یہ چیز جو اتنی صاف ستھری بنی ہوئی ہے۔ خود بخود وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے اور وہ بنانے ولا اچھا تجربہ کار ماہر بڑھئی (Carpenter) ہے۔ جس نے اس کو خوبصورت شکل میں بنایا ہے۔ لہٰذا یہ بات کہ اس کو کسی کارپینٹر نے بنایا ہے مجھے میری عقل نے بتائی۔ تو جس جگہ پر میرے حواس خمسہ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہاں میری عقل آئی اور اس نے میری رہنمائی کر کے ایک دوسرا علم عطا کیا۔

عقل کا دائرہ کار

لیکن جس طرح ان پانچوں حواس کا دائرہ کار لامحدود (Unli mited) نہیں تھا۔ بلکہ ایک حد پر جاکر ان کا دائرہ کار ختم ہو گیا تھا۔ اسی طرح عقل کا دائرہ کار (Jurisdiction) بھی لامحدود (Unlimited) نہیں ہے۔ عقل بھی ایک حد تک انسان کو کام دیتی ہے۔ ایک حد تک رہنمائی کرتی ہے۔ اس حد سے آگے اگر اس عقل کو استعمال کرنا چاہیں گے تو وہ عقل صحیح جواب نہیں دیگی صحیح، رہنمائی نہیں کرے گی۔

تیسرا ذریعہ علم "وحی الٰہی"

جس جگہ عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔ اور وہ ہے "وحی الٰہی" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی اور آسمانی تعلیم۔ یہ ذریعہ علم شروع ہی اس جگہ سے ہوتا ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس جگہ "وحی الٰہی" آتی ہے۔ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ آنکھ کے کام کے لئے کان کو استعمال کرنا۔ کان کے کام کے

لئے آنکھ کو استعمال کرنا۔ اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ عقل بیکار ہے، نہیں بلکہ وہ کار آمد چیز ہے، بشرطیکہ آپ کو اس کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں استعمال کریں۔ اگر اس کے دائرہ کار سے باہر استعمال کریں گے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص آنکھ اور کان سے سونگھنے کا کام لے۔

اسلام اور سیکولر نظام میں فرق

اسلام اور ایک سیکولر نظام حیات میں یہی فرق ہے کہ سیکولر نظام میں علم کے پہلے دو ذرائع استعمال کرنے کے بعد رک جاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے پاس علم کے حصول کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے بس ہماری آنکھ، کان، ناک ہے اور ہماری عقل ہے۔ اس سے آگے کوئی اور ذریعہ علم نہیں ہے۔ اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ان دونوں ذرائع کے آگے تمہارے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے اور وہ ہے "وحی الٰہی"۔

وحی الٰہی کی ضرورت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ کہ عقل کے ذریعہ ساری باتیں معلوم نہیں کی جاسکتیں، بلکہ آسمانی ہدایت کی ضرورت ہے، وحی الٰہی کی ضرورت ہے پیغمبروں اور رسولوں کی ضرورت ہے، آسمانی کتابوں کی ضرورت ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہمارے موجودہ معاشرے میں کس حد تک درست ہے؟

عقل دھوکہ دینے والی ہے

آج کل عقل پرستی (Rationalism) کا بڑا زور ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کو عقل کی میزان پر پرکھ کر اور تول کر انتقید کریں گے لیکن عقل کے پاس کوئی ایسا لگا بندھا ضابطہ (Formula) اور کوئی لگا بندھا اصول (Principle) نہیں ہے، جو عالمی حقیقت (Universal Truth) رکھتا ہو۔ جس کو ساری دنیا کے انسان تسلیم کرلیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے خیر و شر اور اچھائی برائی کا معیار تجویز کرسکیں۔ کون سی چیز اچھی

ہے؟ کون سی چیز بری ہے؟ کون سی چیز اختیار کرنی چاہئے؟ کون سی چیز اختیار نہیں کرنی چاہئے؟ یہ فیصلہ جب ہم عقل کے حوالے کرتے ہیں تو آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے، اس میں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ اس عقل نے انسان کو اتنے دھوکے دیئے ہیں جس کا کوئی شمار اور حد و حساب ممکن نہیں۔ اگر عقل کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لئے میں تاریخ سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

بہن سے نکاح خلاف عقل نہیں

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے عالم اسلام میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا۔ جس کو "باطنی فرقہ" اور "قرامطہ" کہتے ہیں۔ اس فرقے کا ایک مشہور لیڈر گزرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے۔ اس نے اپنے پیرو کاروں کے نام ایک خط لکھا ہے وہ خط بڑا دلچسپ ہے۔ جس میں اس نے اپنے پیرو کاروں کو زندگی گزارنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

> "میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی ہے کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بڑی خوبصورت، سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے۔ اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے۔ لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ نباہ صحیح ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایک ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی، سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی، مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس بہن کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔
>
> میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دے۔ اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت و آرام نہ دے۔ یہ بے عقلی ہے۔ عقل کے خلاف ہے میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر ہی میں رکھیں۔ (الفرق بین

الفرق للبغدادی ص ۲۹۷۔ وبیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

بہن اور جنسی تسکین

اور دوسری جگہ عبید اللہ بن حسن قیروان عقل کی بنیاد پر اپنے پیروؤں کو یہ پیغام دے رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ:

"یہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کھانا پکا سکتی ہے، اس کی بھوک دور کر سکتی ہے، اس کی راحت کے لئے اس کے کپڑے سنوار سکتی ہے، اس کا بستر درست کر سکتی ہے تو اس کی جنسی تسکین کا سامان کیوں نہیں کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔" (الفرق بین الفرق للبغدادی، ص ۲۹۷۔ وبیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن ہے

آپ اس کی بات پر جتنی چاہے لعنت بھیجیں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو۔ جس کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو۔ اس عقل کی بنیاد پر آپ اس کے اس استدلال کا جواب دیں۔ خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک اس کے اس استدلال کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

عقلی اعتبار سے بد اخلاقی نہیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو بڑی بد اخلاقی کی بات ہے، بڑی گھناؤنی بات ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ یہ بد اخلاقی اور گھناؤنا پن یہ سب ماحول کے پیدا کردہ تصورات ہیں۔ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جہاں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ورنہ عقلی اعتبار سے کوئی عیب نہیں۔

نسب کا تحفظ کوئی عقلی اصول نہیں

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس سے حسب و نسب کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ نسبوں کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو ہونے دو۔ اس میں کیا برائی

ہے؟ نسب کا تحفظ کون سا ایسا عقلی اصول ہے کہ اس کی وجہ سے نسب کا تحفظ ضرور کیا جائے۔

یہ بھی ہیومین ارج (Human Urge) کا حصہ ہے۔

اگر آپ اس استدلال کے جواب میں یہ کہیں کہ اس سے طبی طور پر نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اب یہ تصورات سامنے آئے ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) سے طبی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آج مغربی دنیا میں اس موضوع پر کتابیں آرہی ہیں کہ استلذاذ بالا قارب (Incest) انسان کی فطری خواہش (HUMAN URGE) کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کے جو طبی نقصانات بیان کئے جاتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔ وہی نعرہ جو آج سے آٹھ سو سال پہلے عبید اللہ بن حسن قیروان نے لگایا تھا۔ اس کی نہ صرف صدائے بازگشت بلکہ آج مغربی ملکوں میں اس پر کسی طرح عمل ہو رہا ہے۔

وحی الٰہی سے آزادی کا نتیجہ

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو عقل کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں نہیں ہے۔ جہاں وحی الٰہی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور عقل کو وحی الٰہی کی رہنمائی سے آزاد کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ ہم جنس پرستی (Sexuality) کے جواز کا بل تالیوں کی گونج میں منظور کر رہی ہے۔

اور اب تو باقاعدہ یہ ایک علم بن گیا ہے۔ میں ایک مرتبہ اتفاق سے نیو یارک کے ایک کتب خانہ میں گیا۔ وہاں پر پورا ایک علیحدہ سیکشن تھا جس پر یہ عنوان لگا ہوا تھا کہ "گے اسٹائل آف لائف" (GAY STYLE OF LIFE) تو اس موضوع پر کتابوں کا ایک ذخیرہ آچکا ہے اور باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں۔ ان کے گروپ اور جماعتیں ہیں، اور وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس زمانے میں نیو یارک کا میئر (Mayor) بھی ایک Gay تھا۔

عقل کا فریب

پچھلے ہفتے کے امریکی رسالے ٹائم کو اگر آپ اٹھا کر دیکھیں تو اس میں یہ خبر آئی ہے کہ خلیج کی جنگ میں حصہ لینے والے فوجیوں میں سے تقریباً ایک ہزار افراد کو صرف اس لئے فوج سے نکال دیا گیا کہ وہ ہم جنس پرست (Homo Sexual) تھے۔ لیکن اس اقدام کے خلاف شور مچ رہا ہے۔ مظاہرے ہو رہے ہیں اور چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ بات کہ ہم جنس پرست ہونے کی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کو فوج کے عہدوں سے برخاست کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے اور ان کو دوبارہ بحال کرنا چاہئے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو ایک ہیومن ارج (Human Urge) ہے۔ اور آج (Human Urge) کا بہانہ لے کر دنیا کی ہر بری سے بری بات کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ سب عقل کی بنیاد پر ہو رہا ہے کہ جناب عقلی اعتبار سے اس میں کیا خرابی ہے۔ اور یہ تو صرف جنس انسانی کی بات تھی۔ اب تو بات جانوروں، کتوں، گدھوں اور گھوڑوں تک نوبت پہنچ گئی ہے اور اس کو بھی باقاعدہ نظریہ بیان کیا جا رہا ہے۔

عقل کا ایک اور فریب

بات واضح کرنے کے لئے ایک اور مثال عرض کر دوں کہ یہ ایٹم بم جس کی تباہ کاریوں سے تمام دنیا آج خوف زدہ اور پریشان ہے بطور ایٹمی اسلحہ میں تخفیف کے طریقے تلاش کر رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Encyclopaedia of Britan-nica) میں ایٹم بم پر جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو ذرا کھول کر دیکھیں۔ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں ایٹم بم کا تجربہ دو جگہ پر کیا گیا ہے۔ ایک ہیروشیما اور دوسرے ناگا ساکی پر اور ان دونوں مقامات پر ایٹم بم کے ذریعہ جو تباہی ہوئی اس کا ذکر تو بعد میں آگے چل کر کیا ہے، لیکن اس مقالے کو شروع یہاں سے کیا گیا ہے کہ ہیروشیما اور ناگا ساکی پر جو ایٹم بم برسائے گئے اس کے ذریعہ ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں اور ان کو موت کے منہ سے نکالا گیا۔ اور اس کی منطق یہ لکھی ہے کہ اگر ہیروشیما اور ناگا

ساکی پر بم نہ گرائے جاتے تو پھر جنگ مسلسل جاری رہتی اور اس میں اندازہ یہ تھا کہ تقریباً ایک کروڑ انسان مزید مر جاتے۔ تو ایٹم بم کا تعارف اس طرح کرایا گیا کہ ایٹم بم وہ چیز ہے جس سے ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں۔ یہ اس واقعے کا جواز (Jus-tification) پیش کیا جارہا ہے۔ جس پر ساری دنیا لعنت بھیجتی ہے کہ ان ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما اور ناگا ساکی میں ان بچوں کی نسلیں تک تباہ کر دی گئیں۔ بے گناہوں کو مارا گیا اور یہ جواز (Justification) بھی عقل کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا کوئی بری سے بری بات اور کوئی سنگین سے سنگین خرابی ایسی نہیں ہے جس کے لئے عقل کوئی نہ کوئی دلیل اور کوئی نہ کوئی جواز فراہم نہ کر دے۔

آج ساری دنیا فاشزم (Fascism) پر لعنت بھیج رہی ہے اور سیاست کی دنیا میں ہٹلر اور مسولینی کا نام ایک گالی بن گیا ہے۔ لیکن آپ ذرا ان کا فلسفہ تو اٹھا کر دیکھیں کہ انہوں نے اپنے فاشزم (Fascism) کو کس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی اگر فاشزم کے فلسفے کو پڑھے گا تو اسے اعتراف ہونے لگے گا کہ بات تو سمجھ میں آتی ہے معقول بات ہے۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ عقل ان کو اس طرف لے جارہی ہے ...... بہر حال! دنیا کی کوئی بد سے بدتر برائی ایسی نہیں ہے جس کو عقل کی دلیل کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو۔ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جارہا ہے جہاں اس کے استعمال کی جگہ نہیں ہے۔

عقل کی مثال

علامہ ابن خلدون جو بہت بڑے مؤرخ اور فلسفی گزرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے وہ بڑی کام کی چیز ہے۔ لیکن یہ اسی وقت تک کام کی چیز ہے جب اس کو اس کے دائرے میں استعمال کیا جائے۔ لیکن اگر اس کو اس کے دائرہ سے باہر استعمال کرو گے تو یہ کام نہیں دے گی اور پھر اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی ہے کہ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے سونا تولنے کا کانٹا۔ وہ کانٹا چند گرام سونا تول لیتا ہے اور بس اس حد تک وہ کام دیتا ہے۔ اور وہ صرف سونا تولنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کانٹے میں پہاڑ تولنا چاہے گا تو اس کے نتیجے میں وہ کانٹا ٹوٹ

جائے گا اور جب پہاڑ تولنے کے نتیجے میں وہ ٹوٹ جائے تو اگر کوئی شخص کہے کہ یہ کانٹا تو بیکار چیز ہے، اس لئے کہ اس سے پہاڑ تو تلتا نہیں ہے۔ اس نے تو کانٹے کو توڑ دیا تو اسے ساری دنیا احمق کہے گی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس نے کانٹے کو غلط جگہ پر استعمال کیا اور غلط کام میں استعمال کیا اس لئے وہ کانٹا ٹوٹ گیا۔ (مقدمہ ابن خلدون، بحث علم کلام، ص ۴۴۰)

اسلام اور سیکولرازم میں فرق

اسلام اور سیکولرازم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ بیشک تم عقل کو استعمال کرو۔ لیکن صرف اس حد تک جہاں تک وہ کام دیتی ہے۔ ایک سرحد ایسی آتی ہے جہاں عقل کام دینا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے، جیسے کمپیوٹر ہے۔ اگر آپ اس کو اس کام میں استعمال کریں جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو وہ فوراً جواب دے دے گا۔ لیکن جو چیز اس کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) نہیں کی گئی۔ وہ اگر اس سے معلوم کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا، بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دے گا۔ اسی طرح جو چیز اس عقل کے اندر فیڈ نہیں کی گئی۔ جس چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، جو وحی الٰہی ہے۔ جب وہاں عقل کو استعمال کرو گے تو یہ عقل غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جس کے لئے قرآن کریم اتارا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی جس سے واقع کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ (سورہ النساء ۱۰۵)

یہ قرآن کریم آپ کو بتائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ یہ سب باتیں آپ کو محض عقل کی بنیاد پر نہیں معلوم ہو سکتیں۔

آزادی فکر کے علم بردار ادارے کا حال

ایک معروف بین الاقوامی ادارہ ہے۔ جس کا نام "ایمنسٹی انٹرنیشنل" ہے۔ اس کا ہیڈ آفس پیرس میں ہے۔ آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے اس کے ایک ریسرچ اسکالر سروے کرنے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ خدا جانے کیوں وہ میرے پاس بھی انٹرویو کرنے کے لئے آگئے اور انہوں نے آکر مجھ سے گفتگو شروع کی کہ ہمارا مقصد آزادی فکر اور حریت فکر کے لئے کام کرنا ہے۔ بہت سے لوگ آزادی فکر کی وجہ سے جیلوں اور قیدوں میں بند ہیں۔ ان کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا غیر متنازعہ موضوع ہے۔ جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے اس لئے پاکستان بھیجا گیا کہ میں اس موضوع پر مختلف طبقوں کے خیالات معلوم کروں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کا بھی مختلف اہل دانش سے تعلق ہے۔ اس لئے میں آپ سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل کا سروے

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ سروے کس مقصد سے کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے مختلف حلقوں میں اس سلسلے میں کیا رائیں پائی جاتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کراچی کب تشریف لائے؟ جواب دیا کہ آج صبح پہنچا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ واپس کب تشریف لے جائیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کل صبح میں اسلام آباد جا رہا ہوں (رات کے وقت یہ ملاقات ہو رہی تھی) میں نے پوچھا اسلام آباد میں کتنے روز قیام رہے گا؟ فرمایا کہ ایک دن اسلام آباد میں رہوں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں آپ پاکستان کے مختلف حلقوں کے خیالات کا سروے کرنے جا رہے ہیں اور اس کے بعد آپ رپورٹ تیار کر کے پیش کریں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ان دو تین شہروں میں دو تین دن گزارنا آپ کے لئے کافی ہو گا؟ کہنے لگے: کہ ظاہر ہے کہ تین دن میں سب کے خیالات تو معلوم نہیں ہو سکتے۔ لیکن میں مختلف حلقہ ہائے فکر سے مل

رہا ہوں۔ کچھ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور اسی سلسلے میں آپ کے پاس بھی آیا ہوں، آپ بھی میری کچھ رہنمائی کریں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آج آپ نے کراچی میں کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہنے لگے میں نے پانچ آدمیوں سے ملاقات کر لی ہے، اور چھٹے آپ ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ ان چھ آدمیوں کے خیالات معلوم کرکے ایک رپورٹ تیار کر دیں گے کہ کراچی والوں کے خیلات یہ ہیں۔ معاف کیجئے مجھے آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر شبہ ہے اس لئے کہ تحقیقی ریسرچ اور سروے کا کوئی کام اس طرح نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس لئے میں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے سے معذور ہوں۔ اس پر وہ معذرت کرنے لگے کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ اس لئے صرف چند حضرات سے مل سکا ہوں۔ احقر نے عرض کیا کہ وقت کی کمی کی صورت میں سروے کا یہ کام ذمہ لینا کیا ضروری تھا؟ پھر انہوں نے اصرار شروع کر دیا کہ اگرچہ آپ کا اعتراض حق بجانب ہے، لیکن میرے چند سوالات کا جواب تو آپ دے ہی دیں۔ احقر نے پھر معذرت کی اور عرض کیا میں اس غیر سنجیدہ اور ناتمام سروے میں کسی تعاون سے معذور ہوں۔ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے اس ادارے کی بنیادی فکر کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ "دراصل تو میں آپ سے سوال کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن اگر آپ جواب نہیں دینا چاہتے تو بیشک آپ ہمارے ادارے کے بارے میں جو سوال کرنا چاہیں کرلیں۔

کیا آزادی فکر کا نظریہ بالکل مطلق (Absolute) ہے؟

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ ادارہ جس کی طرف سے آپ کو بھیجا گیا ہے یہ آزادی فکر کا علم بردار ہے۔ بیشک یہ آزادی فکر بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی فکر آپ کی نظر میں بالکل مطلق (Absolute) ہے؟ یا اس پر کوئی پابندی بھی ہونی چاہئے؟ کہنے لگے کہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ میں نے کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ آزادی فکر کا یہ تصور کیا اتنا اب سلوٹ (Absolute) ہے کہ جو بھی انسان کے دل میں آئے وہ دوسروں کے سامنے برملا کہے اور اس کی تبلیغ کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے؟ مثلاً میری سوچ یہ کہتی ہے کہ سرمایہ داروں نے بہت

دولت جمع کرلی ہے اس لئے غریبوں کو یہ آزادی ہونی چاہئے کہ وہ ان سرمایہ داروں پر ڈاکے ڈالیں اور ان کا مال چھین لیں اور میں اپنی اسی سوچ کی تبلیغ بھی شروع کر دوں کہ غریب جا کر ڈاکہ ڈالیں اور کوئی ان کو پکڑنے والا نہ ہو۔ اس لئے کہ سرمایہ داروں نے غریبوں کا خون چوس کر یہ دولت جمع کی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ کیا آپ اس آزادی فکر کے حامی ہوں گے یا نہیں؟

آپ کے پاس کوئی نپا تلا معیار (Yardstick) نہیں

وہ کہنے لگے اس کے تو ہم حامی نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں یہی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جب آزادی فکر کا تصور بالکل اب سلوٹ (Absolute)، نہیں ہے۔ تو کیا آپ اس کو مانتے ہیں کہ کچھ قیدیں ہونی چاہئے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! کچھ قیدیں تو ہونی چاہئے۔ مثلاً میرا خیال یہ ہے کہ آزادی فکر کو اس شرط کا پابند ہونا چاہئے کہ اس کا نتیجہ دوسروں پر تشدد (Violance) کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ قید تو آپ نے اپنی سوچ کے مطابق عائد کر دی، لیکن اگر کسی شخص کی دیانت دارانہ رائے یہ ہو کہ بعض اعلیٰ مقاصد تشدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتے، اور ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے تشدد کے نقصانات برداشت کرنے چاہئیں تو کیا اس کی یہ آزادی فکر قابل احترام ہے یا نہیں؟ دوسرے جس طرح آپ نے اپنی سوچ سے "آزادی فکر" پر ایک پابندی عائد کر دی۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اسی قسم کی کوئی اور پابندی اپنی سوچ سے عائد کرنا چاہے تو اس کو بھی اس کا اختیار ملنا چاہئے، ورنہ کوئی وجہ ہونی چاہئے کہ آپ کی سوچ پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی سوچ پر عمل نہ کیا جائے لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ وہ کچھ قیدیں کیا ہونی چاہئے؟ اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ قید ہونی چاہئے؟ اور آپ کے پاس وہ معیار کیا ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ یہ فیصلہ کریں کہ آزادی فکر پر فلاں قسم کی پابندی لگائی جا سکتی ہے اور فلاں قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی؟ آپ مجھے کوئی نپا تلا معیار (Yardstick) بتائیں۔ جس کے ذریعہ آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ فلاں قسم کی پابندی جائز ہے اور فلاں قسم کی پابندی ناجائز ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ صاحب! ہم نے اس پہلو پر کبھی باقاعدہ غور نہیں کیا،

میں نے کہا آپ اتنے بڑے عالمی ادارے سے وابستہ ہیں اور اسی کام کے سروے کے لئے آپ جا رہے ہیں اور اسی کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ لیکن یہ بنیادی سوال کہ آزادی فکر کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ اس کا اسکوپ (Scope) کیا ہونا چاہئے؟ اگر یہ آپ کے ذہن میں نہیں ہے پھر آپ کا یہ پروگرام مجھے بار آور ہوتا نظر نہیں آتا۔ براہ کرم میرے اس سوال کا جواب آپ مجھے اپنے لٹریچر سے فراہم کر دیں، یا دوسرے حضرات سے مشورہ کر کے فراہم کر دیں۔

انسان کے پاس وحی کے علاوہ کوئی معیار نہیں

کہنے لگے کہ آپ کے یہ خیالات اپنے ادارے تک پہنچاؤں گا اور اس موضوع پر جو ہمارا لٹریچر ہے وہ بھی فراہم کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرا پھیکا سا شکریہ ادا کیا اور جلد رخصت ہو گئے۔ میں آج تک ان کے وعدے کے مطابق لٹریچر یا اپنے سوال کے جواب کا منتظر ہوں اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ قیامت تک نہ سوال کا جواب فراہم کر سکتے ہیں، نہ کوئی ایسا معیار پیش کر سکتے ہیں جو عالمگیر مقبولیت (Universally Applica-ble) کا حامل ہو۔ اس لئے کہ آپ ایک معیار متعین کریں گے دوسرا شخص دوسرا معیار متعین کرے گا۔ آپ کا بھی اپنے ذہن کا سوچا ہوا معیار ہو گا۔ اس کا معیار بھی اس کے ذہن کا سوچا ہوا ہو گا۔ اور دنیا میں کوئی شخص ایسا معیار تجویز کر دے جو ساری دنیا کے لئے مکمل طور پر قابل قبول ہو۔ یہ بات میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ واقعتاً انسان کے پاس وحی الٰہی کے سوا کوئی معیار نہیں ہے جو ان مبہم تصورات پر جائز حدیں قائم کرنے کا کوئی لازمی اور ابدی معیار فراہم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سوا انسان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔

صرف مذہب معیار بن سکتا ہے

آپ فلسفہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کیا تعلق ہے؟ قانون میں ایک مکتب فکر ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اچھے برے کا تصور غلط ہے۔ نہ کوئی چیز اچھی ہے، نہ کوئی چیز بری

ہے۔ وہ کہتا کہ یہ Shouldاور Shoud notاور Ought وغیرہ کے الفاظ در حقیقت انسان کی خواہش نفس کے پیدا کردہ ہیں۔ ورنہ اس قسم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس واسطے جو معاشرہ جس وقت جو چیز اختیار کر لے وہ اس کے لئے درست ہے۔ اور ہمارے پاس اچھائی اور برائی کے لئے کوئی معیار نہیں ہے جو یہ بتا سکے کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں چیز بری ہے۔ اور یہ اصول قانون پر مشہور ٹیکسٹ بک Jurisprudence ہے، اس میں اس بحث کے آخر میں ایک جملہ لکھا ہے کہ:

"انسانیت کے پاس ان چیزوں کے تعین کے لئے ایک چیز معیار بن سکتی تھی، وہ ہے مذہب (Religion) لیکن چونکہ ریلیجن (Religion) کا تعلق انسان کی بلیف (Belief) اور عقیدے سے ہے اور سیکولر نظام حیات میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس واسطے ہم اس کو ایک بنیاد کے طور پر نہیں اپنا سکتے۔"

ہمارے پاس اس کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے

ایک اور مثال یاد آگئی ہے جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا تھا جس وقت برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) کا بل تالیوں کی گونج میں پاس ہوا۔ اس بل کے پاس ہونے سے پہلے کافی مخالفت بھی ہوئی اور اس بل پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو اس مسئلہ پر غور کرے کہ آیا یہ بل پاس ہونا چاہئے یا نہیں؟ اس کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اور فریڈ مین (Fridman) کی مشہور کتاب "دی لیگل تھیوری" (The Legaltheory) میں اس رپورٹ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے ساری رپورٹ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ چیز اچھی نہیں لگتی۔ لیکن چونکہ ہم ایک مرتبہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں قانون کو دخل انداز نہیں ہونا چاہئے اس لئے اس اصول کی روشنی میں جب تک ہم سن (Sin) اور کرائم (Crime) میں تفریق برقرار رکھیں گے کہ سن اور چیز ہے اور کرائم علیحدہ چیز ہے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اس عمل کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں! اگر سن اور کرائم کو ایک تصور کر لیا جائے تو پھر بیشک

اس بل کے خلاف رائے دی جا سکتی ہے۔ اس واسطے ہمارے پاس اس بل کو رد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لئے یہ بل پاس ہو جانا چاہئے۔"

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ (Law) کو اسلامائز کیا جائے تو اس کے معنی یہی ہیں کہ سیکولر نظام نے حصول علم کی جو دو بنیادیں، آنکھ، کان، ناک، زبان وغیرہ اور عقل اختیار کی ہوئی ہیں، اس سے آگے ایک اور قدم بڑھا کر وحی الٰہی کو بھی حصول علم اور رہنمائی کا ذریعہ قرار دے کر اس کو اپنا شعار بنائیں۔

اس حکم کی ریزن (Reason) میری سمجھ میں نہیں آتی

اور جب یہ بات ذہن میں آ جائے کہ وحی الٰہی شروع ہی وہاں سے ہوتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ تو پھر وحی الٰہی کے ذریعہ قرآن و سنت میں جب کوئی حکم آ جائے۔ اس کے بعد اس بناء پر اس حکم کو رد کرنا کہ صاحب اس حکم کا ریزن (Reas-on) میری سمجھ میں نہیں آتا احمقانہ فعل ہو گا۔ اس واسطے کہ وحی کا حکم آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں ریزن کام نہیں دے رہی تھی۔ اگر ریزن کام دے چکی ہوتی تو پھر وحی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر اس حکم کے پیچھے جو حکمتیں ہیں اگر وہ ساری حکمتیں تمہاری عقل ادراک کر سکتی تھی تو پھر اللہ کو وحی کے ذریعہ اس کے حکم دینے کی چنداں حاجت نہیں تھی۔

قرآن و حدیث میں سائنس اور ٹیکنالوجی

یہیں سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا۔ جو اکثر ہمارے پڑھے لکھے طبقے کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ صاحب! آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ساری دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہی ہے لیکن ہمارا قرآن اور ہماری حدیث سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں کوئی فارمولا ہمیں نہیں بتاتا۔ کہ کس طرح ایٹم بم بنائیں، کس طرح ہائیڈروجن بم بنائیں۔ اس کا کوئی فارمولا نہ تو قرآن کریم میں ملتا ہے اور نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض لوگ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں کہ صاحب! دنیا چاند اور مریخ پر پہنچ رہی ہے اور ہمارا قرآن ہمیں اس بارے

میں کچھ نہیں بتاتا کہ چاند پر کیسے پہنچیں؟

سائنس اور ٹیکنالوجی تجربہ کا میدان ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قرآن ہمیں یہ باتیں اس لئے نہیں بتاتا کہ وہ دائرہ عقل کا ہے۔ وہ تجربہ کا دائرہ ہے۔ وہ ذاتی محنت اور کوشش کا دائرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان کے ذاتی تجربے عقل اور کوشش پر چھوڑا ہے کہ جو شخص جتنی کوشش کرے گا اور عقل کو استعمال کرے گا، تجربہ کو استعمال کرے گا، اس میں آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کا دائرہ ختم ہو رہا تھا۔ عقل اس کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتی، ان چیزوں کا ہمیں قرآن کریم نے سبق پڑھایا ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کی ہیں۔

لہٰذا اسلامائزیشن آف لاز کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو اس کے تابع بنائیں۔

اسلام کے احکام میں لچک (Elasticity) موجود ہے

آخر میں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ جب اوپر کی بات سمجھ میں آگئی تو پھر دل میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہم چودہ سو سال پرانی زندگی کو کیسے لوٹائیں؟ چودہ سو سال پرانے اصولوں کو آج کی بیسویں اور اکیسویں صدی پر کیسے اپلائی کریں؟ اس لئے کہ ہماری ضروریات نوع بنوع ہیں، بدلتی رہتی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلامی علوم سے انسیت کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام نے اپنے احکام کے تین حصے کئے ہیں، ایک حصہ وہ ہے جس میں قرآن و سنت کی نص قطعی موجود ہے۔ جس میں قیام قیامت تک آنے والے حالات کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول غیر متبدل ہیں۔ زمانہ کیسا ہی بدل جائے، لیکن اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اجتہاد اور استنباط کی گنجائش رکھی گئی ہے، اور اس میں اس درجہ کی نصوص قطعیہ نہیں ہیں جو زمانہ کے حال پر اپلائی کریں۔ اس میں اسلامی احکام کی لچک (Elas-ticity) خود موجود ہے۔ اور احکام کا تیسرا حصہ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن و سنت

خاموش ہیں۔ جن کے بارے میں کوئی ہدایت اور کوئی رہنمائی نہیں کی گئی۔ جن کے بارے میں قرآن وسنت نے کوئی حکم نہیں دیا۔ حکم کیوں نہیں دیا؟ اس لئے کہ اس کو ہماری عقل پر چھوڑ دیا ہے۔ اور اس کا اتنا وسیع دائرہ ہے کہ ہر دور میں انسان اپنی عقل اور تجربہ کو استعمال کر کے اس خالی میدان (Unoccupied Area) میں ترقی کر سکتا ہے اور ہر دور کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

ان احکام میں قیامت تک تبدیلی نہیں آئے گی

دوسرا حصہ، جس میں اجتہاد اور استنباط کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کے اندر بھی حالات کے لحاظ سے علتوں کے بدلنے کی وجہ سے احکام کے اندر تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلا حصہ بیشک کبھی نہیں بدل سکتا۔ قیامت آجائے گی لیکن وہ نہیں بدلے گا۔ اس لئے کہ وہ در حقیقت انسان کے فطرت کے ادراک پر مبنی ہے۔ انسان کے حالات بدل سکتے ہیں، لیکن فطرت نہیں بدل سکتی۔ اور چونکہ وہ فطرت کے ادراک پر مبنی ہیں اس لئے ان میں بھی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

بہر حال! جہاں تک شریعت نے ہمیں گنجائش دی ہے گنجائش کے دائرہ میں رہ کر ہم اپنی ضروریات کو پورے طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں۔

اجتہاد کہاں سے شروع ہوتا ہے

اجتہاد کا دائرہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں نص قطعی موجود نہ ہو۔ جہاں نص موجود ہو وہاں عقل کو استعمال کر کے نصوص کے خلاف کوئی بات کہنا در حقیقت اپنے دائرہ کار (Jurisdiction) سے باہر جانے والی بات ہے اور اسی کے نتیجے میں دین کی تحریف کا راستہ کھلتا ہے۔ جس کی ایک مثال آپ حضرات کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

خنزیر حلال ہونا چاہئے۔

قرآن کریم میں خنزیر کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ حرمت کا حکم وحی کا حکم ہے۔ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا کہ صاحب! یہ کیوں حرام ہے؟ یہ عقل کو غلط جگہ پر استعمال کرنا ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ بات دراصل یہ

ہے کہ قرآن کریم نے خنزیر اس لئے حرام کیا تھا کہ اس زمانے میں خنزیر بڑے گندے تھے اور غیر پسندیدہ ماحول میں پرورش پاتے تھے اور غلاظتیں کھاتے تھے۔ اب تو خنزیر کے لئے بڑے ہائی جینک فارم (Hygenic Farm) تیار کئے گئے ہیں اور بڑے صحت مندانہ طریقے سے پرورش ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ حکم اب ختم ہونا چاہئے یہ اس جگہ پر عقل کو استعمال کرنا ہے جہاں وہ کام دینے سے انکار کر رہی ہے۔

سود اور تجارت میں کیا فرق ہے؟

اسی طرح ربا اور سود کو جب قرآن کریم نے حرام قرار دے دیا۔ بس وہ حرام ہو گیا۔ عقل میں چاہے آئے یا نہ آئے۔ دیکھئے قرآن کریم میں مشرکین عرب کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" (سورہ البقرہ: ۲۷۵)

کہ بیع بھی ربا جیسی چیز ہے۔ تجارت اور بیع و شراء سے بھی انسان نفع کماتا ہے اور ربا سے بھی نفع کماتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کے جواب میں فرق بیان نہیں کیا کہ بیع اور ربا میں یہ فرق ہے بلکہ یہ جواب دیا کہ:۔

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"

بس! اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اب آگے اس حکم میں تمہارے لئے چوں چرا کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ نے بیع کو حلال کر دیا ہے تو حلال ہے اور جب اللہ نے ربا کو حرام کر دیا اس لئے حرام ہے۔ اب اس کے اندر چوں چرا کرنا در حقیقت عقل کو غلط جگہ پر استعمال کرنا ہے۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ہمارا ایک ہندوستانی گویہ ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا۔ حج کے بعد وہ جب مدینہ شریف جا رہا تھا۔ راستے میں منزلیں ہوتی تھیں۔ ان پر رات گزارنی پڑتی تھی۔ ایک منزل پر جب رات گزارنے کے لئے ٹھہرا تو وہاں ایک عرب گویہ آگیا۔ وہ بدو قسم کا عرب گویہ تھا۔ اس نے بہت بھدے انداز سے سارنگی بجا کر گانا شروع کیا۔

آواز بڑی بھدی تھی اور اس کو سارنگی اور طبلہ بھی صحیح بجانا نہیں آتا تھا جب ہندوستانی گویئے نے اس کی آواز سنی تو اس نے کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے کو کیوں حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ آپ نے تو ان بدووں کا گانا سنا تھا۔ اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو حرام قرار نہ دیتے۔ تو اس قسم کی فکر اور تھنکنگ (Thinking) ڈیولپ (Develop) ہو رہی ہے۔ جس کو اجتہاد کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ نصوص قطعیہ کے اندر اپنی خواہشات نفس کو استعمال کرنا ہے۔

آج کے مفکر کا اجتہاد

ہمارے ہاں ایک معروف مفکر ہیں۔ "مفکر" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ اپنی فیلڈ (Field) میں "مفکر" (Thinker) سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی یہ جو آیت ہے۔

"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا"

کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

ان مفکر صاحب نے اس آیت کی یہ تفسیر کی کہ چور سے مراد سرمایہ دار ہیں جنہوں نے بڑی بڑی صنعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور "ہاتھ" سے مراد ان کی انڈسٹریاں (Industries) اور "کاٹنے" سے مراد ان کا نیشنلائیزیشن (NATIONALIZATION) ہے، لہٰذا اس آیت کے معنی ہیں کہ سرمایہ داروں کی ساری انڈسٹریوں کو نیشنلائیز کر لیا جائے اور اس طریقے سے چوری کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

اس قسم کے اجتہادات کے بارے میں اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ:

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

کہ ایسے کم نظر لوگوں کے اجتہاد سے پرانے لوگوں کی باتوں کی اقتدا کرنا وہ زیادہ محفوظ ہے۔

لیکن یہ ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

بہر حال میں آج کی اس نشست سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اور شاید میں نے اپنے استحقاق اور اپنے وعدے سے بھی زیادہ وقت آپ حضرات کا لیا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جب تک "اسلامائیزیشن آف لاز" کا فلسفہ ذہن میں نہ ہو، اس وقت تک محض "اسلامائیزیشن آف لاز" کے لفظ کی دروبست درست کر لینے سے بات نہیں بنتی۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس لئے اسلامائیزیشن کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ ڈنکے کی چوٹ پر، سینہ تان کر، کسی معذرت خواہی کے بغیر کسی سے مرعوب ہوئے بغیر یہ بات کہہ سکیں کہ ہمارے نزدیک انسانیت کی فلاح کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ صرف "اسلامائیزیشن" (Islamisation) میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم آپ کو اس کی حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمادے آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ماہِ رجب

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹

واقعہ معراج کے بعد ۱۸؍ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما رہے، لیکن ان ۱۸؍ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو، یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو، یا اس کے بارے میں فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، اور نہ ہی آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ رجب

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

امّا بعد!

ماہ رجب کے بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں۔ ان کی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

رجب کا چاند دیکھ کر آپ ﷺ کا عمل

اس پورے مہینے کے بارے میں جو بات صحیح سند کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تھے تو چاند دیکھ کر آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

اللھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان۔

"اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرمائیے، اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے"۔

یعنی ہماری عمر اتنی کردیجئے کہ ہم اپنی زندگی میں رمضان کو پالیں، گویا کہ پہلے سے رمضان المبارک کی آمد کا اشتیاق ہوتا تھا۔ یہ دعا آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، اس لئے یہ دعا کرنا سنت ہے، اور اگر کسی نے شروع رجب میں یہ دعا نہ کی ہو تو وہ اب یہ دعا کرلے۔ اس کے علاوہ اور چیزیں جو عام لوگوں میں مشہور ہوگئی ہیں، ان کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

شب معراج کی فضیلت ثابت نہیں

مثلاً ۲۷ ر رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ یہ شب معراج ہے، اور اس شب کو بھی اسی طرح گزارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے، اور جو فضیلت شب قدر کی ہے، کم وبیش شب معراج کی بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے، بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "شب معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے" اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کردیئے کہ اس رات میں اتنی رکعات پڑھی جائیں، اور ہر رکعت میں فلاں فلاں خاص سورتیں پڑھی جائیں۔ خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوگئیں۔ خوب سمجھ لیجئے: یہ سب بے اصل باتیں ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں۔

شب معراج کی تعیین میں اختلاف

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷ ر رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی رات ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے، کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لے گئے تھے، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا

ہے۔ اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسی رات صحیح معنی میں معراج کی رات تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔

اگر یہ فضیلت والی رات ہوتی تو اسکی تاریخ محفوظ ہوتی

اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی، اور اس کے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب قدر کے بارے میں ہیں تو اس کی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا۔ لیکن چونکہ شب معراج کی تاریخ محفوظ نہیں تو اب یقینی طور سے ۲۷ رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں۔

وہی ایک رات فضیلت والی تھی

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ رجب ہی کو معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے، جس میں یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا، اور جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام قرب عطاء فرمایا، اور اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا، اور امت کے لئے نمازوں کا تحفہ بھیجا، تو بے شک وہی ایک رات بڑی فضیلت والی تھی۔ کسی مسلمان کو اس کی فضیلت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ فضیلت ہر سال آنے والی ۲۷ رجب کی شب کو حاصل نہیں۔

آپ کی زندگی میں ۱۸ ر مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی لیکن

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ معراج سن ۵ ر نبوی میں پیش آیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بننے کے پانچویں سال یہ شب معراج پیش آئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۱۸ ر سال تک آپ دنیا میں تشریف فرما رہے، لیکن ان اٹھارہ سال کے دوران یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہو، یا اس کو منانے کا اہتمام فرمایا ہو، یا اس کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ اس رات میں شب قدر کی طرح جاگنا زیادہ اجروثواب کا باعث ہے۔ نہ تو آپ کا ایسا کوئی ارشاد ثابت ہے، اور نہ آپ کے زمانے میں اس رات میں جاگنے کا اہتمام ثابت ہے، نہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کی تاکید فرمائی، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے طور پر اس کا اہتمام فرمایا۔

اس کے برابر کوئی احمق نہیں

پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سو سال تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا میں موجود رہے، اس پوری صدی میں کوئی ایک واقعہ ایسا ثابت نہیں ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ۲۷ ر رجب کو خاص اہتمام کرکے منایا ہو۔ لہٰذا جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کی، اس کو دین کا حصہ قرار دینا، یا اس کو سنت قرار دینا یا اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کرنا بدعت ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

زیادہ جانتا ہوں کہ کونسی رات زیادہ فضیلت والی ہے، یا کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ مجھے عبادت کا ذوق ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ عمل نہیں کیا تو میں اس کو کروں گا تو اس کے برابر کوئی احمق نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ دین کو جاننے والا کون؟

لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے اور دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں، یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں، یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے، وہ دین کی فہم نہیں رکھتا۔

اس رات میں عبادت کا اہتمام بدعت ہے

لہٰذا اس رات میں عبادت کے لئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے۔ یوں تو ہر رات میں اللہ تعالیٰ جس عبادت کی توفیق دے دیں وہ بہتر ہی بہتر ہے، لہٰذا آج کی رات بھی جاگ لیں، کل کی رات بھی جاگ لیں، اسی طرح پھر ستائیسویں رات کو بھی جاگ لیں، لیکن اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق اور کوئی نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

۲۷ر رجب کا روزہ ثابت نہیں

اسی طرح ستائیس رجب کا روزہ ہے، بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھتے ہیں، جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے، اسی طرح ستائیس رجب کے روزے کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں، لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدعت کا سدباب کیا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بعض لوگ ۲۷ر رجب کو روزہ رکھنے لگے، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ ۲۷ر رجب کا خاص اہتمام کرکے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں، تو چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا ادھر ادھر ہونا ممکن نہیں تھا، چنانچہ وہ فوراً گھر سے نکل پڑے، اور ایک ایک شخص کو جاکر زبردستی فرماتے کہ تم میرے سامنے کھانا کھاؤ، اور اس بات کا ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے، باقاعدہ اہتمام کرکے لوگوں کو کھانا کھلایا تاکہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ آج کا روزہ زیادہ فضیلت کا ہے۔ بلکہ جیسے اور دنوں میں نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں، اسی طرح اس دن کا بھی نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ آپ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا تاکہ بدعت کا سدباب ہو، اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو۔

اس رات میں جاگ کر کونسی برائی کرلی؟

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس رات میں جاگ کر عبادت کرلی اور دن میں روزہ رکھ لیا تو کونسا گناہ کرلیا؟ کیا ہم نے چوری کرلی؟ یا شراب پی لی؟ یا ڈاکہ ڈالا؟ ہم نے رات میں عبادت ہی تو کی ہے، اور اگر دن میں روزہ رکھ لیا تو کیا خرابی کا کام کیا؟

دین "اتباع" کا نام ہے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتلادیا کہ خرابی یہ ہوئی کہ اس دن کے اندر روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا، اور خود ساختہ اہتمام والتزام ہی اصل خرابی ہے۔ میں یہ کئی بار عرض کرچکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ "اتباع" ہے کہ ہمارا حکم مانو، نہ روزہ رکھنے میں کچھ رکھا ہے، نہ افطار کرنے میں کچھ رکھا ہے اور نہ نماز پڑھنے میں کچھ رکھا ہے جب ہم کہیں کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت ہے، اور جب ہم کہیں کہ نماز نہ پڑھو تو نماز نہ پڑھنا عبادت ہے، جب ہم کہیں کہ روزہ رکھو تو روزہ رکھنا عبادت ہے اور جب ہم کہیں کہ روزہ نہ رکھو تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے، اگر اس وقت روزہ رکھو گے تو یہ دین کے خلاف ہوگا۔ تو دین کا سارا کھیل "اتباع" میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ حقیقت دل میں اتاردے تو ساری بدعتوں کی خود ساختہ التزامات کی جڑ کٹ جائے۔

وہ دین میں زیادتی کررہا ہے

اب اگر کوئی شخص اس روزے کا زیادہ اہتمام کرے تو وہ شخص دین میں اپنی طرف سے زیادتی کررہا ہے، اور دین کو اپنی طرف سے گھڑ رہا ہے۔ لہٰذا اس نقطہ نظر سے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ہاں! البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں

بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے، اس کی ممانعت نہیں، لیکن اس کی زیادہ فضیلت سمجھ کر، اس کو سنت سمجھ کر، اس کو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اس دن روزہ رکھنا، یا اس رات میں جاگنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

کونڈوں کی حقیقت

شب معراج کی تو پھر بھی کچھ اصل ہے کہ اس رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اعلیٰ مقام پر تشریف لے گئے تھے، لیکن اس سے بھی زیادہ آج کل معاشرے میں فرض وواجب کے درجے میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کئے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے۔ اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے۔ خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے؟ نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے نہ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور نہ بزرگان دین سے۔ کہیں سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں، اور اس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو، لیکن کونڈے ضرور ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذرا مزہ اور لذت آتی ہے، اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے، کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہئے، اور کوئی حظ نفس کا سامان ہونا چاہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جناب! پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے، اور ادھر سے ادھر جارہی ہیں، اور ادھر سے ادھر آرہی ہیں اور ایک میلہ لگا ہوا ہے، تو چونکہ یہ بڑے مزے کا کام ہے، اس واسطے شیطان نے اس میں مشغول کردیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، وہ کوئی ضروری نہیں، مگر یہ کام ضرور ہونا چاہئے۔

یہ امت خرافات میں کھو گئی

بھائی! ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کر دیا ہے۔

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں۔ اس کے بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا، لیکن دین سے واقف نہیں، ان بیچاروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہوتی ہے، اور گوشت ادھر سے ادھر جاتا ہے، یہ بھی قربانی کی طرح کوئی ضروری چیز ہوگی، اور قرآن وحدیث میں اس کا بھی کوئی ثبوت ہوگا، اس لئے ایسے لوگوں کو محبت، پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے، اور ایسی تقریبات میں خود شریک ہونے سے پرہیز کیا جائے۔

خلاصہ

بہرحال! خلاصہ یہ ہے کہ رجب کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے، اس لئے رمضان کے لئے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینے پہلے سے دعا بھی فرمارہے ہیں، اور لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اب اس مبارک مہینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو، اور اپنا نظام الاوقات ایسا بنانے کی فکر کرو کہ جب یہ مبارک مہینہ آئے تو اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ

کی عبادت میں صرف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی فہم عطاء فرمائے، اور صحیح طور پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ ــــــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

(سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشّٰھدین والشّٰکرین والحمد للہ رب العالمین۔

مبادرت الی الخیرات

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے جو باب قائم کیا ہے۔ وہ ہے :

﴿باب المبادرۃ الی الخیرات﴾

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب انسان اپنی حقیقت پر غور کرے گا' اور اللہ جلّ جلالہٗ کی عظمتِ شان' اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر غور کرے گا' اور اس کی شان ربوبیت پر غور کرے گا' تو اس غور و فکر کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف دل مائل ہوگا اور خود بخود دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ جس مالک نے یہ ساری کائنات بنائی ہے اور جس مالک نے یہ نعمتیں مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور جس مالک نے مجھے رحمتوں کی بارش میں رکھا ہے' اس مالک کا بھی مجھ پر کوئی حق ہوگا؟ جب یہ داعیہ اور میلان پیدا ہو' اس وقت کیا کرنا چاہئے؟

اس سوال کے جواب کے لئے علامہ نوویؒ نے یہ باب قائم فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو' اور نیک کام کے کرنے کا محرک سامنے آئے' تو اس وقت ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ جلد از جلد اس نیک کام کو کرلے۔ اس میں دیر نہ لگائے۔ یہی معنی ہیں "مبادرۃ" کے' یعنی کسی کام کو جلدی سے کرلینا' ٹال مٹول نہ کرنا' اور آئندہ کل پر نہ ٹالنا۔

نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ

علامہ نوویؒ سب سے پہلے یہ آیتِ کریمہ لائے ہیں کہ :

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

تمام انسانیت کو خطاب کرکے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جلدی سے دوڑو' جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر' بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے اور وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

"مسارعت" کے معنیٰ ہیں' جلد سے جلد کوئی کام کرنا' دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ ایک دوسرے آیت میں فرمایا کہ :

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (سورۃ بقرۃ: ۱۴۸)

یعنی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب کسی نیک کام کا ارادہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔

شیطانی داؤ

اس لئے کہ شیطان کے داؤ اور اس کے حربے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں' کافر کے لئے اور ہیں' مؤمن کے لئے اور ہیں۔ مؤمن کے دل میں شیطان یہ بات نہیں ڈالے گا کہ یہ نیکی کا کام مت کیا کرو' یہ بُرے کام ہیں۔ یہ بات براہِ راست اس کے دل میں نہیں ڈالے گا' اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحبِ ایمان ہونے کی وجہ سے نیکی کے کام کو بُرا نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن مؤمن کے ساتھ اس کا یہ حربہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ کہتا ہے کہ یہ نماز پڑھنا' یہ فلاں نیک کام کرنا تو اچھا ہے' اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن انشاء اللہ کل سے

شروع کریں گے۔ اب جب کل آئے گی تو پھر یہ کہے گا اچھا بھائی! کل سے شروع کروں گا؛ تو وہ کل کبھی زندگی بھر نہیں آئے گی۔ یا کسی اللہ والے کی بات دل میں اثر کر گئی کہ یہ بات تو صحیح ہے، عمل کرنا چاہئے، اپنی زندگی میں تبدیلی لانی چاہئے، گناہوں کو چھوڑنا چاہئے، نیکیوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن انشاء اللہ اس پر جلد از جلد عمل کریں گے، جب اس کو ٹلا دیا تو پھر کبھی اس پر عمل کی نوبت نہیں آئے گی۔

عمرِ عزیز سے فائدہ اٹھالو

اسی طرح زندگی کے اوقات گزرتے جا رہے ہیں۔ عمرِ عزیز گزرتی جا رہی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ کتنی عمر باقی ہے؟ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ کل پر مت ٹالو، جو داعیہ اس وقت پیدا ہوا ہے، اس پر اسی وقت عمل کرو، کیا معلوم کہ کل تک یہ داعیہ رہے یا نہ رہے، اوّل تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تم خود زندہ رہو یا نہ رہو اور اگر تم خود زندہ رہو تو یہ پتہ نہیں کہ یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر داعیہ باقی رہا تو کیا معلوم کہ اس وقت حالات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ بس! اس وقت جو داعیہ پیدا ہوا ہے اس پر عمل کر کے فائدہ حاصل کرلو۔

نیکی کا داعیہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے

یہ داعیہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مہمان ہے، اس مہمان کی خاطر مدارات کرلو، اس کی خاطرِ مدارات یہ ہے کہ اس پر عمل کرلو، اگر نفل نماز پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور یہ سوچا کہ یہ فرض وواجب تو ہے نہیں۔ اگر نہیں پڑھیں گے تو کوئی گناہ تو ہوگا نہیں، چلو چھوڑو۔ یہ تم نے اس مہمان کی ناقدری کردی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری اصلاح کی خاطر بھیجا تھا۔ اگر تم نے اسی وقت فوراً عمل نہ کیا تو پیچھے رہ جاؤ گے، پھر معلوم نہیں کہ دوبارہ مہمان آئے، یا نہ

آئے' بلکہ وہ آنا بند کر دے گا' کیونکہ وہ مہمان یہ سوچے گا کہ یہ شخص میری بات تو مانتا نہیں' اور میری ناقدری کرتا ہے' میری خاطرمدارات نہیں کرتا' میں اب اس کے پاس نہیں جاتا اس طرح دل میں نیکی کا داعیہ پیدا ہونا ہی بند ہو جائے گا۔ بہرحال ویسے تو ہر کام میں جلدی اور عجلت کرنا بُرا ہے' لیکن جب دل میں کسی نیک کام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہو تو اس پر جلدی عمل کرلینا ہی اچھا ہے۔

فرصت کے انتظار میں مت رہو

اگر اپنی اصلاح کی فکر کا دل میں خیال آیا کہ زندگی ویسے ہی گزری جارہی ہے' نفس کی اصلاح ہونی چاہئے' اور اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہونی چاہئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ سوچا کہ جب فلاں کام سے فارغ ہوجائیں گے' پھر اصلاح شروع کریں گے۔ یہ فرصت کے انتظار میں عمرِ عزیز کے جو لمحات گزر رہے ہیں' وہ فرصت کبھی آنے والی نہیں ہے۔

کام کرنے کا بہترین گُر

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ :

> "جو کام فرصت کے انتظار میں ٹال دیا' وہ ٹل گیا' وہ پھر نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ تم نے اس کو ٹال دیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو گھسا دو' یعنی وہ دو کام جو تم پہلے سے کر رہے ہو' اب تیسرا کام کرنے کا خیال آیا' تو ان دو کاموں کے درمیان تیسرے

کام کو زبردستی گھسادو، وہ تیسرا کام بھی ہو جائے گا، اور اگر یہ سوچا کہ ان دو کاموں سے فارغ ہو کر پھر تیسرا کام کریں گے تو پھر وہ کام نہیں ہو گا۔ یہ منصوبے اور پلان بنانا کہ جب یہ کام ہو جائے گا تو پھر کام کریں گے، یہ سب ٹالنے والی باتیں ہیں، شیطان عموماً اسی طرح دھوکہ میں رکھتا ہے۔

نیک کاموں میں ریس لگانا برا نہیں

اس لئے "مبادرت الی الخیرات" یعنی نیک کاموں میں جلدی کرنا اور آگے بڑھنا قرآن وسنت کا تقاضہ ہے۔ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے "باب المبادرت الی الخیرات" یعنی بھلائیوں کی طرف جلدی سے سبقت کرنا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو لفظ استعمال کئے ہیں: ایک "مبادرت" یعنی جلدی کرنا، دوسرا "مسابقت" یعنی مقابلہ کرنا، ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اور یہ مقابلہ کرنا اور ریس لگانا نیکی کے معاملے میں محبوب ہے، لیکن دوسری چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا برا ہے، جیسے مال کے حصول میں، عزت کے حصول میں، شہرت کے معاملے میں، دنیا کے حصول میں، جاہ طلبی کے معاملے میں، ان سب میں یہ بات بُری ہے کہ انسان دوسرے سے آگے بڑھنے کی حرص میں لگ جائے۔ لیکن نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ایک محمود اور قابلِ تعریف جذبہ ہے۔ قرآن کریم خود کہہ رہا ہے کہ

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص کو تم دیکھ رہے ہو کہ ماشاء اللہ عبادت میں لگا ہوا ہے، طاعات میں لگا ہوا ہے، گناہوں سے بچ رہا ہے، اب کوشش کرو کہ میں اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ جاؤں، اس میں ریس لگانا بُرا نہیں۔

دُنیاوی اسباب میں ریس لگانا جائز نہیں

یہاں معاملہ الٹا ہوگیا ہے، اس وقت ہماری پوری زندگی ریس لگانے میں گزر رہی ہے۔ لیکن ریس اس میں لگ رہی ہے کہ پیسہ زیادہ سے زیادہ کہاں سے آجائے، دوسرے نے اتنا کمالیا، میں اس سے زیادہ کمالوں۔ دوسرے نے ایسا بنگلہ بنالیا، میں اس سے اعلیٰ درجہ کا بنالوں، دوسرے نے ایسی کار خریدی، میں اس سے اعلیٰ درجے کی خریدلوں، دوسرے نے ایسا ساز و سامان جمع کرلیا، میں اس سے اعلیٰ درجے کا جمع کرلوں۔ پوری قوم اسی ریس کے اندر مبتلا ہے، اور اس ریس میں حلال و حرام کی فکر مٹ گئی ہے، اس لئے کہ جب دماغ پر یہ جذبہ سوار ہوگیا کہ دنیاوی ساز و سامان میں دوسرے سے آگے بڑھنا ہے، تو حلال مال کے ذریعہ آگے نکلنا تو بڑا مشکل ہے، تو پھر حرام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اب حلال و حرام ایک ہو رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز میں ریس لگانا اور مقابلہ کرنا شرعاً برا تھا وہاں سب مقابلے پر لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں، اور جس چیز میں مقابلہ کرنا، ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرنا مطلوب تھا، اس میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عمرؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے مقابلہ

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھئے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر انہوں نے کیا کیا، غزوۂ تبوک بڑا کٹھن غزوہ تھا۔ ایسا صبر آزما غزوہ اور ایسی صبر آزما مہم شاید کوئی اور پیش نہیں آئی جیسی غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آئی، سخت گرمی کا موسم، وہ موسم جس میں آسمان سے شعلے برستے ہیں، زمین آگ اگلتی ہے اور تقریباً بارہ سو کلومیٹر کا صحرائی سفر، اور کھجوریں پکنے کا زمانہ، جس پر سارے سال کی معیشت کا دارومدار ہوتا ہے، سواریاں میسّر

نہیں، پیسے موجود نہیں، اور اس وقت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے نفیرِ عام ہے کہ وہ اس غزوہ میں چلے، اور اس میں شریک ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ یہ غزوہ کا موقع ہے، اور سواریوں کی ضرورت ہے، اونٹنیاں چاہئیں، پیسوں کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ بڑھ چڑھ کر اس میں چندہ دیں، اور جو شخص اس میں چندہ دے گا، میں اس کے لئے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب صحابۂ کرام کہاں پیچھے رہنے والے تھے، جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ سن لیں کہ ان کے لئے جنّت کی ضمانت ہے، اب ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا، اور میں نے اپنے گھر کا جتنا کچھ سازوسامان اور روپیہ پیسہ تھا وہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا، اور پھر آدھا حصّہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا گیا، اور دل میں خیال آنے لگا کہ آج وہ دن ہے کہ شاید میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نکل جاؤں۔ یہ جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں ان سے آگے بڑھ جاؤں، یہ ہے "مسابقت الی الخیرات" مگر کبھی ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیسے میں آگے بڑھ جاؤں، کبھی یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بہت پیسے ہیں، ان سے زیادہ پیسے مجھے حاصل ہو جائیں، لیکن یہ جذبہ پیدا ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا جو مقام بخشا ہے، ان سے آگے بڑھ جاؤں ______ تھوڑی دیر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لائے، اور جو کچھ تھا حاضر کر دیا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آدھا مال گھر والوں کے

لئے چھوڑ دیا' اور آدھا غزوہ کے لئے اور جہاد کے لئے لے آیا ہوں۔ آپ نے ان کو دعائیں دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے۔ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کہ تم نے اپنے گھر میں کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گھر میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں' جو کچھ گھر میں تھا سارا کا سارا سمیٹ کر یہاں لے آیا ہوں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے پتہ چلا کہ میں چاہے ساری عمر کوشش کرتا رہوں لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(ابوداؤد' کتاب الزکوۃ' باب فی الرخصۃ فی الرجل یخرج من مالہ' حدیث نمبر ۱۶۷۸)

ایک مثالی معاملہ

ایک مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ ایک معاملہ کریں تو میں بڑا احسان مند ہوں گا۔ انہوں نے پوچھا: کیا معاملہ؟ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ساری عمر کی جتنی نیکیاں ہیں' جتنے اعمالِ صالحہ ہیں' وہ سب مجھ سے لے لیں' اور وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری' اس کا ثواب مجھے دے دیں (یعنی وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری' وہ میرے سارے اعمال پر بھاری ہے۔

غرض یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کو دیکھیں تو کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ یہ سوچیں کہ فلاں نے اتنے پیسے جمع کر لئے' میں بھی جمع کرلوں۔ فلاں کا مکان بڑا شاندار ہے' میرا بھی ویسا ہو جاتا۔ فلاں کی سواری بہت اچھی ہے' ویسی مجھے بھی مل جاتی۔ لیکن اعمالِ صالحہ میں

مسابقت نظر آتی ہے۔ اور آج ہمارا معاملہ بالکل الٹا چل رہا ہے' اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھنے کی کوئی فکر نہیں' اور مال کے اندر صبح سے لے کر شام تک دوڑ ہو رہی ہے' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہیں۔

ہمارے لئے نسخۂ اکسیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب ارشاد فرمایا' جو ہمارے لئے نسخۂ اکسیر ہے' فرمایا کہ :

"دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو' اور اپنے سے کمتر حیثیت والوں کے ساتھ رہو' اُن کی صحبت اختیار کرو' اور ان کے حالات کو دیکھو۔ اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو' اور ان کی صحبت اختیار کرو"۔

کیوں؟ اس لئے کہ جب دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں' ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھی ہے' اور اس سے قناعت پیدا ہوگی' شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا۔ اور دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھو گے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اس وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا' اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیسے راحت حاصل کی؟

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو محدث بھی ہیں' فقیہ بھی

ہیں، صوفی بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصّہ مالداروں کے ساتھ گزارا (خود بھی مالدار تھے) صبح سے شام تک مالداروں کے ساتھ رہتا تھا، لیکن جب تک مالداروں کی صحبت میں رہا، مجھ سے زیادہ غمگین انسان کوئی نہیں تھا، کیونکہ جہاں جاتا، یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے، اس کی سواری میری سواری سے اچھی ہے، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کڑھن پیدا ہوتی تھی کہ مجھے تو ملا نہیں اور اس کو مل گیا۔ لیکن بعد میں دنیاوی حیثیت سے جو کم مال والے تھے، اُن کی صحبت اختیار کی، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا، تو فرماتے ہیں کہ "فاسترحتُ" یعنی میں راحت میں آگیا، اس واسطے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت خوشحال ہوں، میرا کھانا بھی اس کے کھانے سے اچھا ہے، میرا کپڑا بھی اس کے کپڑے سے اچھا ہے، میرا گھر بھی اس کے گھر سے اچھا ہے، میری سواری بھی اس کی سواری سے اچھی ہے، اس واسطے میں اب الحمد للہ راحت میں آگیا ہوں۔

ورنہ کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی برکت ہے، کوئی شخص تجربہ کرکے دیکھ لے۔ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھتے رہو گے تو کبھی پیٹ نہیں بھرے گا، کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی، کبھی آنکھوں کو سیری نصیب نہیں ہوگی، ہر وقت یہی فکر ذہن پر سوار رہے گی جس کے بارے

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

لو کان لابن آدم وادیا من ذھب أحب ان یکون لہ
وادیان۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنۃ المال، حدیث نمبر ۶۴۳۹)

"اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں"۔

اور جب دو مل جائیں گی تو چاہے گا کہ تین مل جائیں۔ اور اسی طرح پوری زندگی اسی دوڑ میں صرف ہو جائے گی' اور کبھی راحت کی منزل پر' قناعت اور سکون کی منزل پر پہنچ نہیں پائے گا۔

مال و دولت کے ذریعہ راحت نہیں خریدی جاسکتی

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھی بات فرمایا کرتے تھے' لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ :

"راحت اور آرام اور چیز ہے اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں۔ اسبابِ راحت سے راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں' "راحت" اللہ جل جلالہٗ کا عطیہ ہے۔ اور ہم نے آج اسبابِ راحت کا نام راحت رکھ دیا ہے۔ بہت سارا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اس کو کھالے گا؟ کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہوگی تو اسی کو پہن لے گا؟ کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اس کو ٹھنڈک پہنچا سکے گا؟ بذاتِ خود

نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ تم راحت خرید سکتے ہو۔ اور اگر اس کے ذریعے تم نے اسبابِ راحت خرید بھی لئے، مثلاً آرام کے خاطر تم نے اس کے ذریعے کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں، اچھے کپڑے خرید لئے، گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا، لیکن کیا راحت حاصل ہو گئی؟ یاد رکھو! محض ان اسباب کو جمع کر لینے سے راحت کا مِل جانا کوئی ضروری نہیں، اس لئے کہ ایک شخص کے پاس راحت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی، بستر آرام دہ، ایر کنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی کچھ موجود ہیں، لیکن نیند نہیں آرہی ہے۔ اب بتاؤ! اسبابِ راحت سارے موجود، لیکن نیند ملی؟ راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پر نہ تو پکّی چھت ہے، بلکہ ٹین کی چادر ہے، نہ چارپائی ہے، بلکہ فرش پر سو رہا ہے، لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا، اور سیدھا نیند کی آغوش میں چلا گیا، اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح کو بیدار ہوا۔ بتاؤ! راحت اُس کو ملی یا اِس کو ملی؟ اُس کے پاس اسباب راحت موجود تھے، لیکن راحت نہیں ملی، اور اِس مزدور کے پاس اسباب راحت موجود نہیں تھے۔ لیکن راحت مِل گئی۔ یاد رکھو! اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے، اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے، تو خوب سمجھ لو کہ اسبابِ راحت تو جمع ہو جائیں گے، لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہو گی"۔

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ کے زمانے میں ایک صاحب تھے' بہت بڑے مل اونر' اور ان کا کاروبار یہاں صرف پاکستان میں ہی نہیں تھا' بلکہ مختلف ممالک میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن ویسے ہی والد صاحب نے پوچھا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا سنگاپور میں ہے' ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے' سب دوسرے ملکوں میں ہیں۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ کی لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہوگی' وہ آتے جاتے رہتے ہوں گے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے ۱۵ سال ہوگئے ہیں' ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی' اور بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی۔ تو اب بتاؤ ایسا روپیہ اور ایسی دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل بھی نہ دکھا سکے' اور باپ کو اولاد کی شکل نہ دکھا سکے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ اسبابِ راحت کے لئے ہو رہی ہے' لیکن راحت مفقود ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعہ نہیں خریدی جاسکتی۔

پیسے سے ہر چیز نہیں خریدی جاسکتی

ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ رمضان میں عمرے کو تشریف لے گئے' اور ایک اور صاحب دولت مند بھی عمرے کو جارہے تھے' تو میں نے ان سے کہا کہ عمرے کو جارہے ہو' پہلے سے ذرا انتظام کرلینا' تاکہ رہنے کے لئے اور کھانے پینے کے لئے صحیح انتظام ہو جائے۔ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں تھے' کہنے لگے : ارے میاں! چھوڑو انتظام وغیرہ اللہ کا شکر ہے' پیسے بہت موجود ہیں' پیسے سے دنیا کی ہر چیز مل جاتی ہے' آرام وہ رہائش بھی مل جاتی ہے' کھانا بھی مل جاتا ہے' کوئی فکر کی بات نہیں' ہمارے پاس پیسہ خوب ہے' دس

ریال کی جگہ بیس ریال خرچ کردیں گے۔ وہی صاحب بتا رہے تھے کہ میں نے دو دن کے بعد دیکھا تو حرم شریف کے دروازے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں' میں نے پوچھا بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگے سحری میں اٹھے تھے' لیکن ہوٹل میں کھانا نہیں ملا' کھانا ختم ہوگیا تھا۔ دماغ میں گھمنڈ تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے' اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا کہ دیکھو! پیسہ تمہاری جیب میں رکھا رہ گیا' اور روزہ بغیر سحری کے رکھا۔

سکون حاصل کرنے کا راستہ

یہ پیسہ' یہ ساز و سامان' یہ مال و دولت جو کچھ تم جمع کر رہے ہو' یہ بذاتِ خود راحت دینے والی چیز نہیں ہے' راحت پیسے سے خریدی نہیں جاسکتی' وہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' جب تک قناعت پیدا نہیں ہوگی' اور جب تک یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقے سے جتنا مجھے دے رہے ہیں' اسی سے میرا کام چل رہا ہے' اس وقت تک تمہیں سکون حاصل نہیں ہوگا۔ ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت بے حد و حساب ہے لیکن ایک لمحے کا سکون نہیں' ایک لمحے کا قرار نہیں' رات کو نیند نہیں آتی' اور بھوک اڑی ہوئی ہے۔ یہ سب اس دنیا کی دوڑ کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ : دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے آدمی کو نہ دیکھو کہ وہ کہاں جارہا ہے' بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو کہ ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعے تمہیں قرار آئے گا۔ تمہیں راحت ملے گی اور سکون حاصل ہوگا۔ لیکن دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے کو دیکھو' کیوں؟ اس لئے کہ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا' اور آگے بڑھنے کی بے تابی ہوگی۔ لیکن یہ بے تابی بڑی لذیذ بے تابی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں دنیا جمع کرنے کی بے تابی اور بے چینی تکلیف دہ ہے' وہ

پریشان کن ہے، وہ راتوں کی نیند اُڑا دیتی ہے، وہ بھوک اُڑا دیتی ہے۔ لیکن دین کے لئے جو بے تابی ہوتی ہے وہ بڑی مزیدار ہے، بڑی لذیذ ہے۔ اگر انسان ساری عمر اسی بے تابی میں رہے، تب بھی وہ لذّت میں رہے گا، راحت اور سکون میں رہے گا۔ لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیہ الٹا چل رہا ہے۔ اللہ تعالی ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے، اور جو راستہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے، اس پر اللہ تعالی ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی سلسلے میں آگے یہ حدیثیں آرہی ہیں۔

فتنے کا زمانہ آنے والا ہے

یہ پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

بادروا بالاعمال الصالحة فتکون فتن کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا ویمسی مؤمنا ویصبح کافرا یبیع دینه بعرض من الدنیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الحث علی المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن، حدیث نمبر ۱۸۶)

فرمایا کہ نیک عمل جلدی جلدی کرلو، جتنا وقت مل رہا ہے، اس کو غنیمت جانو، کیوں؟ اس لئے کہ بڑے فتنے آنے والے ہیں، ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے ______ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیری رات شروع ہوتی ہے، اور اس کا ایک حصّہ گزر جاتا ہے تو اس کے بعد آنے والا دوسرا حصّہ بھی رات ہی کا حصّہ ہوتا ہے، اور اس میں تاریکی اور بڑھتی چلی جاتی

ہے' اور پھر تیسرے حصے میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے۔ اب اگر آدمی اس انتظار میں رہے کہ ابھی مغرب کا وقت ہے' تھوڑی سی تاریکی ہے' کچھ وقت گزرنے کے بعد روشنی ہوجائے گی' اس وقت کام کروں گا تو وہ شخص احمق ہے۔ اس واسطے کہ اب جو وقت گزرے گا تو اور زیادہ تاریکی کا وقت آئے گا۔ لہٰذا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہے کہ اور تھوڑا سا وقت گزرجائے پھر کام شروع کروں گا تو یاد رکھو! کہ اور وقت جو آنے والا ہے' وہ زیادہ تاریکی والا ہے' آئندہ جو فتنے آنے والے ہیں وہ بھی اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں کہ ہر فتنے کے بعد بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ صبح کو انسان مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوجائے گا یعنی ایسے فتنے آنے والے ہیں جو انسان کے ایمان کو سلب کرلیں گے' صبح کو مؤمن بیدار ہوا تھا' لیکن فتنے کا شکار ہوکر شام کے وقت کافر ہوگیا' اور شام کو مؤمن تھا' صبح کو کافر ہوگیا' اور یہ کافر اس طرح ہوجائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سازو سامان کے بدلے میں بیچ ڈالے گا۔ صبح کو مؤمن اٹھا تھا اور جب کاروبار زندگی میں پہنچا تو فکر لگی ہوئی تھی دنیا جمع کرنے کی' مال ودولت جمع کرنے کی' اور اس دوران مال حاصل کرنے کا ایک ایسا موقع سامنے آیا جس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ دین چھوڑو تو تمہیں دنیا مل جائے گی۔ اب اس وقت دل میں کش مکش پیدا ہوئی کہ اپنے دین کو چھوڑ کر یہ مال حاصل کرلوں' یا اس مال پر لات مار کر دین کو اختیار کرلوں۔ لیکن چونکہ وہ شخص پہلے سے ٹلانے کا عادی بنا ہوا تھا' اس لئے اس نے سوچا کہ دین کے بارے میں بازپرس معلوم نہیں کب ہوگی؟ کب مریں گے؟ اور کب حشر ہوگا؟ کب ہمارا حساب وکتاب ہوگا؟ وہ تو بعد کی بات ہے' ابھی فوری معاملہ تو یہ ہے کہ یہ مال حاصل کرلو۔ اب وہ دنیا کا سازو سامان حاصل کرنے کے لئے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ اس لئے فرمایا کہ صبح کو مؤمن اٹھا تھا' شام کو کافر ہوکر سویا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے' اللہ

تعالیٰ بچائے، آمین۔

"ابھی تو جوان ہیں" شیطان کا دھوکہ ہے۔

لہٰذا کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اگر نیک عمل کرنا ہے اور مسلمان کی طرح زندہ رہنا ہے تو انتظار کس چیز کا؟ جو عمل کرنا ہے بس جلدی کرلو۔ اب ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے دلوں میں دن رات یہ خیال آتا رہتا ہے کہ اچھا اب نیک عمل کریں گے، اور شیطان یہ دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے، ابھی تو نوجوان ہیں، ابھی تو ادھیڑ عمر کو پہنچیں گے، اور پھر بوڑھے ہوں گے، پھر اس وقت نیک اعمال شروع کردیں گے۔ نبی کریم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو حکیم ہیں، اور ہماری رگوں سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شیطان ان کو اس طرح بہکائے گا۔ اس لئے فرمادیا کہ جلدی جلدی نیکیاں کرلو، اور جو نیک کاموں کی باتیں سن رہے ہو، اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ کل کا انتظار مت کرو، اس لئے کہ کل آنے والا فتنہ معلوم نہیں تمہیں کہاں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

نفس کو بہلا کر اور دھوکہ دے کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکہ دے کر اس سے کام لیا کرو۔ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا۔ آخر عمر اور ضُعف کے زمانے میں ایک دن بحمد اللہ تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سُستی اور کَسل تھا، دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں، کَسل بھی ہے، اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے، اور تہجد کی نماز کوئی فرض وواجب بھی نہیں ہے، پڑے رہو، اور آج

اگر تہجد چھوڑ دو گے تو کیا ہو جائے گا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد فرض واجب بھی نہیں ہے' اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے' باقی یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہلِ زمین پر متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے' ایسے وقت کو بیکار گزارنا بھی ٹھیک نہیں ہے' نفس کو بہلا دیا کہ اچھا ایسا کرو کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعا کرلو اور دعا کرکے سو جانا' چنانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرنی شروع کردی' دعا کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی' اب غسل خانے تک چلے جاؤ' اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ' پھر آرام سے آکر لیٹ جانا۔ پھر جب غسل خانے پہنچا اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کرلو' اس لئے کہ وضو کرکے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے' چنانچہ وضو کرلیا اور بستر پر واپس آکر بیٹھ گیا' اور دعا شروع کردی' پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے' دعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے' وہیں جا کر دعا کرلو' اور نفس کو جائے نماز تک کھینچ کرلے گیا' اور جا کر جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس نفس کو تھوڑا سا دھوکہ دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے' جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے' اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو' اور اس کو کھینچ کھینچ کرلے جایا کرو' انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

اگر اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام آجائے

ایک مرتبہ فرمایا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد ۲ گھنٹے تک اپنے معمولات'

تلاوت، ذکر و اذکار اور تسبیح میں گزارتا ہوں۔ ایک دن طبیعت میں کچھ سستی تھی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آج تو یہ کہہ رہے ہو کہ طبیعت میں کسل ہے، سستی ہے، اٹھا نہیں جاتا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام لے کر آئے کہ آپ کو کوئی انعام دینے کے لئے بلایا گیا ہے تو کیا پھر بھی سستی باقی رہے گی؟ پھر بھی یہ کسل باقی رہے گا؟ نفس نے جواب دیا کہ نہیں، اس وقت تو کسل اور سستی باقی نہیں رہے گی، بلکہ دوڑے جائیں گے، اور جا کر انعام وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ وقت بھی اللہ جلّ جلالہٗ کے دربار میں حضوری کا وقت ہے، اور حضوری کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے انعامات وصول کرنے کا وقت ہے، پھر کہاں کی سستی اور کہاں کا کسل، چھوڑو اس کسل اور سستی کو۔ بس یہ سوچ کر اپنے دل کو بہلایا، اور اپنے معمولات میں مشغول ہوگیا۔ بہرحال یہ نفس اور شیطان تو انسان کے بہکانے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کو بھی بہلایا کرو، اور جلدی سے ان اعمال کو کرنے کی فکر کیا کرو۔

جنّت کا سچّا طلب گار

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

> "غزوہ اُحد کی لڑائی کے دوران جبکہ معرکہ گرم ہے، مسلمان اور کافروں کی لڑائی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیادت فرما رہے ہیں، مسلمان کم ہیں اور کافر زیادہ ہیں، مسلمان بے سروسامان ہیں، اور کافر مسلح ہیں، اور ہر لحاظ سے معرکہ سخت ہے۔ اس وقت میں ایک دیہاتی قسم کا آدمی کھجوریں کھاتا جا رہا تھا، اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ لڑائی جو آپ کروا رہے
ہیں اس میں اگر ہم قتل ہوگئے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس کا
انجام جنّت ہے، سیدھے جنّت میں جاؤ گے۔ حضرت جابر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ
کھجوریں کھاتا جارہا تھا، لیکن جب اس نے یہ سنا کہ اس کا
انجام جنّت ہے تو کھجوریں پھینک کر سیدھا لڑائی میں گھس
گیا، یہاں تک کہ اسی میں شہید ہوگیا"۔

اس لئے کہ جب اس نے سن لیا کہ اس جہاد کا انجام جنّت ہے، تو پھر اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ وہ ان کھجوروں کو پورا کرکے پھر جہاد میں شریک ہو۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنّت کے مقام تک پہنچادیا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ نیکی کا جو داعیہ پیدا ہوا، اس پر عمل کرنے میں تاخیر نہیں کی، بلکہ فوراً آگے بڑھ کر اس پر عمل کرلیا۔

اذان کی آواز سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ امّ المؤمنین! سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر جو ارشادات فرماتے ہیں، اور گھر کے باہر جیسی زندگی گزارتے ہیں وہ تو ہم سب کو پتہ ہے، لیکن یہ بتایئے کہ گھر میں کیا عمل کرتے ہیں؟ (ان کے ذہن میں یہ ہوگا کہ گھر میں جاکر مصلّی بچھاتے ہوں گے، اور نماز اور ذکر واذکار اور تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہوں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

"جب آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں تو ہمارے ساتھ

ہمارے گھر کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں' اور ہمارا دکھ درد بھی سنتے ہیں' ہمارے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں' ہمارے ساتھ گھلے ملے رہتے ہیں۔ البتہ ایک بات ہے کہ جب اذان کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں جس طرح ہمیں پہچانتے بھی نہیں"۔

اعلیٰ درجے کا صدقہ

تیسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یارسول اللہ! ای الصدقة اعظم اجرًا؟ قال: ان تصدق وانت صحیح" شحیح" تخشی الفقر وتأمل الغنیٰ ولاتمهل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت: لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان۔

(صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الصدقة عند الموت)

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے' اور پوچھا کہ سب سے زیادہ ثواب والا صدقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے اعلیٰ درجہ کا صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی صحت کی حالت میں صدقہ کرو' اور ایسے وقت میں صدقہ کرو جب تمہارے دل میں مال کی محبت ہو' اور دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مال ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے یونہی لٹا دیا جائے' اور مال خرچ کرنے میں تکلیف بھی ہو رہی ہو اور یہ بھی اندیشہ ہو کہ اس صدقہ کرنے کے نتیجے میں بعد میں فقر کا شکار ہو جاؤں گا' اور بعد میں معلوم نہیں کیا حالات ہوں

گے؟ اس وقت جو صدقہ کرو گے وہ بڑا اجر والا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ صدقہ دینے کا دل میں خیال آیا ہے تو اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ صدقہ کرنے کو ٹلاتے رہتے ہیں' اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مرنے کا وقت بالکل قریب آجائے گا تو اس وقت کچھ وصیّت کر جائیں گے کہ مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا' اور اتنا مال فلاں کو دینا' اور اتنا مال فلاں کام میں لگا دینا وغیرہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دینا؟ ارے اب تو وہ تمہارا مال رہا ہی نہیں' وہ تو کسی اور کا ہوگیا' کیوں؟ اس لئے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں کوئی صدقہ کرے' یا صدقہ کرنے کی وصیّت کرے کہ اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے' یا کسی شخص کو ہبہ کرے' اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں صرف ایک تہائی مال کی حد تک صدقہ نافذ ہوگا' اور باقی دو تہائی مال ورثاء کو ملے گا' اس لئے کہ وہ وارثوں کا حق ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے بیماری ہی میں اس مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔

سوچا یہ تھا کہ آخری عمر میں جاکر سارا مال کسی صدقہ جاریہ میں لگادیں گے تو ساری عمر ثواب ملتا رہے گا۔ حالانکہ وہ تو حالتِ مجبوری کا صدقہ ہے' اور اجر وثواب والا صدقہ تو وہ ہے جو صحت کے وقت میں مال کی ضرورت اور محبت اور اس کے جمع کرنے کے خیال کے وقت میں کیا جائے۔

وصیت ایک تہائی مال کی حد تک نافذ ہوتی ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ بعض لوگ وصیّت کے خواہش مند تو ہوتے ہیں کہ صدقہ جاریہ میں کوئی چیز لگ جائے' اور مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب ملتا رہے لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں یہ وصیّت لکھ گئے کہ

میرے مرنے کے بعد اتنا مال فلاں ضرورت مند کو دے دیا جائے' تو یہ وصیّت صرف ایک تہائی کی حد تک نافذ ہوگی' ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی' اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ :

"صدقہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا ہے اس پر ابھی عمل کرلو"۔

اپنی آمدنی کا ایک حصّہ صدقہ کرنے کے لئے علیحدہ کردو

اور اس کا ایک طریقہ میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کرچکا ہوں' جس کا بزرگوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ اس پر اگر انسان عمل کرلے تو پھر صدقہ کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے' ورنہ ہم لوگ تو نیک کام کو ٹلانے کے عادی بن چکے ہیں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ کی جو آمدنی ہے اس کا ایک حصّہ مقرر کرلیں کہ یہ حصّہ اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے' چاہے وہ دسواں حصّہ مقرر کریں یا بیسواں حصّہ وغیرہ۔ اور پھر جب آمدنی آئے تو اس میں سے وہ مقرر حصّہ نکال کر علیٰحدہ رکھ دیں اور اس کے لئے کوئی لفافہ بنالیں' اس میں ڈالتے جائیں۔ اب وہ لفافہ خود یاد دلاتا رہے گا کہ مجھے خرچ کرو۔ کسی صحیح مصرف پر لگاؤ' اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ورنہ اگر خرچ کرنے کا موقع سامنے آتا ہے تو آدمی سوچتا رہتا ہے کہ خرچ کروں یا نہ کروں۔ لیکن جب وہ لفافہ موجود ہوگا' اور پہلے سے اس کے اندر پیسے موجود ہوں گے' تو وہ خود یاد دلائے گا' اور موقع سامنے آنے کی صورت میں سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق یہ معمول بنالے تو اس کے لئے خرچ کرنا آسان ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں گنتی نہیں دیکھی جاتی

یاد رکھو: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں گنتی اور تعداد نہیں دیکھی جاتی' بلکہ جذبہ اور اخلاص دیکھا جاتا ہے' ایک آدمی جس کی آمدنی سو روپے ہے' وہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے' وہ اس آدمی کے برابر ہے جس کی آمدنی ایک لاکھ روپے ہے' اور ایک ہزار روپے اللہ کی راہ میں دیتا ہے' اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ ایک روپیہ دینے والا اپنے اخلاص کی وجہ سے اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اس واسطے گنتی کو نہ دیکھو۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنی ہے تو پھر اپنی آمدنی کا تھوڑا سا حصّہ اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کردو۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کا معمول

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصّہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصّہ علیحدہ لفافے میں رکھ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا' اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اس کا دسواں حصّہ نکال کر اس کی ریزگاری کرا کر اس لفافے میں ڈال دیتے' اور اگر سو روپے آئے ہیں تو دس روپے ڈال دیتے' وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں' اب کیا کریں' اس کے لئے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا' لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے تخلّف نہیں دیکھا اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر بھی خالی نہیں دیکھا۔ الحمد اللہ۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی اس طرح نکال نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو' اور کسی صحیح

مصرف پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انفاق کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کرے

ایک صاحب ایک مرتبہ کہنے لگے کہ صاحب! ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ ہم کہاں سے خرچ کریں؟ میں نے عرض کیا کہ ایک روپیہ ہے؟ اور ایک روپیہ میں سے ایک پائی نکال سکتے ہو؟ فقیر سے فقیر آدمی کے پاس بھی ایک روپیہ ضرور ہوتا ہے' اور ایک روپیہ میں سے ایک پیسہ نکالنے میں کوئی بڑی کمی نہیں ہو جائے گی؟ بس ایک پیسہ نکال دو۔ تو اس شخص کے ایک پیسہ نکالنے میں اور دوسرے شخص کے ایک لاکھ میں سے ایک ہزار نکالنے میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے مقدار کو نہ دیکھو' بلکہ جس وقت جو جذبہ پیدا ہوا' اس پر عمل کر لو۔

یہ ہے اپنی اصلاح کا نسخہ اکسیر۔ بس اپنے آپ کو ٹلانے سے بچاؤ۔ اگر انسان اس پر عمل کر لے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے لئے صحیح راہ پر مال خرچ کرنے کے بڑے راستے پیدا ہو جاتے ہیں' اور مال خرچ کرنے کے فضائل حاصل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

کس کا انتظار کر رہے ہو؟

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: بادروا بالأعمال سبعا، هل تنتظرون إلا فقرا منسيا، او غنى مطغيا او مرضا مفسدا، او هرما مفندا،

اوموتاً مجهزاً، او الدجال فشر غائب ينتظر، أو الساعة، فالساعة ادهى وأمر - أوكما قال صلى الله عليه وسلم۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی المبادرۃ بالعمل)

یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں "مبادرت الی الخیرات" یعنی نیک کاموں کی طرف بڑھنے کی جلدی سے فکر کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا ﴾

سات چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو، جس کے بعد اچھا عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا، اور پھر ان سات چیزوں کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔

کیا فقر کا انتظار ہے؟

﴿ هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا ﴾

کیا تم نیک اعمال کرنے کے لئے ایسے فقروفاقے کا انتظار کر رہے ہو جو بھلا دینے والا ہو؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تمہیں خوش حالی میسر ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے، کھانے پینے کی تنگی نہیں ہے، اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔ ان حالات میں اگر تم نیک اعمال کو ٹال رہے ہو تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ جب موجودہ خوش حالی دور ہو جائے گی، اور خدا نہ کرے فقروفاقہ آجائے گا، اور اس فقروفاقے کے نتیجے میں تم اور چیزوں کو بھول جاؤ گے تو اس وقت نیک اعمال کرو گے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ اس

خوش حالی کے زمانے میں تو عیش ہیں' اور مزے ہیں' اور پھر جب دوسرا وقت آئے گا' تو اس میں نیک عمل کریں گے' تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جب مالی تنگی آجائے گی تو اس وقت نیک اعمال سے اور دور ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ ضروری کام بھی بھول جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اور تمہیں مالی پریشانی لاحق ہو' معاشی طور پر تنگی کا سامنا ہو' اس سے پہلے پہلے جو کچھ تمہیں خوش حالی میسّر ہے' اس کو غنیمت سمجھ کر اس کو نیک عمل میں صرف کرو۔ آگے فرمایا :

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

﴿ اَوْغِنًى مُّطْغِيًا ﴾

یا تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو انسان کو سرکش بنادے؟ یعنی اگر اس وقت بہت زیادہ مالدار نہیں ہو اور یہ خیال کررہے ہو کہ ابھی ذرا مالی تنگی ہے یا یہ کہ مالی تنگی تو نہیں ہے لیکن دل یہ چاہ رہا ہے کہ ذرا اور پیسے آجائیں' اور دولت مل جائے' تب نیک اعمال کریں گے۔ یاد رکھو! اگر مالداری زیادہ ہوگئی' اور پیسے بہت زیادہ آگئے' اور دولت کے انبار جمع ہوگئے تو اس کے نتیجے میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مال و دولت تمہیں اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کردے۔ اس لئے کہ انسان کے پاس جب مال زیادہ ہوجاتا ہے' اور عیش و آرام زیادہ میسّر آجاتا ہے وہ خدا کو بھلا بیٹھتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

﴿ اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا ﴾

یا ایسی بیماری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہاری صحت کو خراب کر دے؟ یعنی اِس وقت تو صحت ہے، طبیعت ٹھیک ہے۔ جسم میں طاقت اور قوت ہے۔ اگر اس وقت کوئی عمل کرنا چاہو گے تو آسانی کے ساتھ کر سکو گے، تو کیا نیک عمل کو اِس لئے ٹال رہے ہو کہ جب یہ صحت رخصت ہو جائے گی اور خدا نہ کرے جب بیماری آجائے گی تو پھر نیک عمل کریں گے۔ ارے جب صحت کی حالت میں نیک عمل نہیں کر پائے تو بیماری کی حالت میں کیا کرو گے؟ اور پھر بیماری خدا جانے کیسی آجائے، اور کس وقت آجائے، تو قبل اس کے کہ وہ بیماری آئے، نیک عمل کر لو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

﴿ اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا ﴾

یا تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ اور یہ خیال کر رہے ہو کہ ابھی تو ہم جوان ہیں، ابھی تو ہماری عمر ہی کیا ہے، ابھی تو دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ اس جوانی کے زمانے کو ذرا عیش اور لذّتوں کے ساتھ گزر جانے دو، پھر نیک عمل کرلیں گے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ حالانکہ بعض اوقات بڑھاپے میں انسان کے حواس خراب ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی کام کرنا بھی چاہے تو نہیں کر پاتا، تو قبل اس کے کہ بڑھاپے کا دور آئے اس سے پہلے نیک

عمل کرلو۔ بڑھاپے میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اور اب گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی، اس وقت اگر گناہ سے بچ بھی گئے تو کیا کمال کرلیا؟ جب جوانی ہو، طاقت موجود ہو، گناہ کرنے کے سامان موجود ہوں، گناہ کرنے کے اسباب موجود ہوں، گناہ کرنے کا جذبہ دل میں موجود ہو، اس وقت اگر انسان گناہ سے بچ جائے تو درحقیقت یہ ہے پیغمبرانہ طریقہ۔ چنانچہ اسی کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؂

کہ وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔ وہ اس لئے پرہیزگار نہیں بنا کہ اس کو کسی اخلاقی فلسفے نے پرہیزگار بنادیا، یا اس کے دل میں خدا کا خوف آگیا، بلکہ اس لئے پرہیزگار بن گیا کہ اب کچھ کرہی نہیں سکتا، کسی کو چیر پھاڑ کر کھا نہیں سکتا، اب وہ طاقت ہی باقی نہیں رہی، اس لئے ایک گوشہ کے اندر پرہیزگار بنا بیٹھا ہے۔ یاد رکھو! جوانی کے اندر توبہ کرنا، یہ ہے پیغمبری کا شیوہ، یہ ہے پیغمبروں کا شِعار۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، طاقت ہے، قوت ہے، حالات میسّر ہیں، اور گناہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ لیکن اس وقت زبان پر یہ کلمہ آتا ہے:

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (سورۃ یوسف: ۲۳)

"میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

یہ ہے پیغمبری کا شیوہ، کہ انسان جوانی کے اندر گناہ سے تائب ہوجائے، جوانی کے اندر انسان نیک عمل کرے۔ بڑھاپے میں تو اور کوئی کام بن نہیں

پڑتا، ہاتھ پاؤں چلانے کی سکت ہی نہیں۔ اب گناہ کیا کرے؟ گناہ کے مواقع ہی ختم ہو گئے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تب نیک عمل کریں گے، تب نماز شروع کریں گے، اس وقت اللہ کو یاد کریں گے۔ اگر حج فرض ہو گیا تو یہ سوچتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائے گی، تب جائیں گے۔ خدا جانے کتنے دن کی زندگی باقی ہے؟ کتنی مہلت ملی ہوئی ہے؟ بڑھاپا آتا ہے یا نہیں، اگر بڑھاپا آبھی گیا تو معلوم نہیں اس وقت حالات سازگار رہوں، یا نہ ہوں۔ اس لئے اسی وقت کر گزرو۔

کیا موت کا انتظار ہے؟

﴿ أَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا ﴾

یا تم اس موت کا انتظار کر رہے ہو جو اچانک آجائے۔ ابھی تو تم نیک اعمال کو ٹلا رہے ہو کہ کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، کچھ اور وقت گزر جائے تو شروع کردیں گے، کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ موت اچانک بھی آسکتی ہے۔ بعض اوقات تو موت پیغام دیتی ہے، الٹی میٹم دیتی ہے۔ لیکن بعض اوقات بغیر الٹی میٹم کے بھی آجاتی ہے اور آج کی دنیا میں تو حادثات کا یہ عالم ہے کہ کچھ معلوم نہیں، کس وقت انسان کے ساتھ کیا ہو جائے؟ ویسے تو اللہ تعالیٰ نوٹس بھیجتے رہتے ہیں۔

ملک الموت سے ملاقات

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کی ایک مرتبہ ملک الموت سے ملاقات ہو گئی (خدا معلوم کیسی حکایت ہے، لیکن بہرحال عبرت کی حکایت ہے) تو اس نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب: آپ کا بھی عجیب

معاملہ ہے، جب آپ کی مرضی ہوتی ہے آدھمکتے ہیں۔ دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو پہلے سے اس کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہونے والا ہے، اس کے لئے تیار ہو جانا۔ اور آپ تو نوٹس کے بغیر چلے آتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ارے بھائی! میں تو اتنے نوٹس دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی نہیں دیتا ہو گا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ کوئی نوٹس سنتا ہی نہیں؟ تمہیں معلوم نہیں کہ جب بخار آتا ہے تو وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سر میں درد ہوتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب بڑھاپا آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سفید بال آجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب آدمی کے پوتے پیدا ہو جاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تو میں تو مسلسل نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ تم سنتے ہی نہیں۔ یہ ساری بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں کہ دیکھو! وقت آنے والا ہے، قرآن کریم میں فرماتے ہیں :

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیۡهِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ۔

(سورۃ فاطر: ۳۷)

”یعنی آخرت میں ہم تم سے پوچھیں گے کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آگیا تھا“۔

یہ کون ڈرانے والا آیا تھا؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر لوگوں کو ڈرایا کہ موت کا وقت جب آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے

سامنے پیش ہونا ہوگا۔ بعض مفسّرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد سفید بال ہیں' جب سر میں یا داڑھی میں سفید بال آگئے تو یہ "نذیر" ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے کہ اب وقت قریب آرہا ہے' تیار ہو جاؤ۔ اور بعض مفسّرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد "پوتا" ہے کہ جب کسی کے یہاں پوتا پیدا ہو جائے تو یہ پوتا "نذیر" ہے' ڈرانے والا ہے کہ اب وقت آنے والا ہے' تیار ہو جاؤ۔ اسی کو کسی عربی شاعر نے ایک شعر میں نظم کر دیا ہے کہ ؎

اذا الرجال ولدت أولادها
وبليت من كبر أجسادها
وجعلت أسقامها تعتادها
تلك زروع قد دنا حصادها

یعنی جب انسان کی اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہو جائے۔ اور بیماریاں یکے بعد دیگرے آنے لگیں' کبھی ایک بیماری' کبھی دوسری بیماری' ایک بیماری ٹھیک ہوئی تو دوسری آگئی' تو سمجھ لو کہ یہ وہ کھیتیاں ہیں جن کی کٹائی کا وقت آگیا ہے۔ بہرحال! سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں۔ اگرچہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ نوٹس آتے رہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات موت اچانک بغیر نوٹس کے بھی آجاتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم ایسی موت کا انتظار کر رہے ہو جو نوٹس دیئے بغیر اچانک آجائے۔ کیا معلوم کہ کتنے سانس ابھی باقی ہیں۔ اس کا انتظار کیوں کر رہے ہو؟ اس کے بعد فرمایا :

کیا دجّال کا انتظار ہے؟

اَوِالدَّجَّال

کیا تم دجّال کا انتظار کررہے ہو؟ اور یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی تو زمانہ نیک عمل کے لئے سازگار نہیں ہے۔ تو کیا دجّال کا زمانہ سازگار ہوگا؟ جب دجّال ظاہر ہوگا تو کیا اس فتنے کے عالم میں نیک عمل کرسکو گے؟ خدا جانے اس وقت کیا عالم ہو' گمراہی کے کیسے محرکات اور دواعی پیدا ہوجائیں' تو کیا تم اس وقت کا انتظار کررہے ہو؟ فشر غائب ینتظر 'یعنی دجال اَن دیکھی چیزوں میں بدترین چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے' بلکہ اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔ اور آخر میں فرمایا :

کیا قیامت کا انتظار ہے؟

﴿اَوِالسَّاعَةُ. فَالسَّاعَةُ اَدْھٰى وَاَمَرُّ﴾

یا پھر قیامت کا انتظار کررہے ہو؟ تو سُن رکھو کہ قیامت جب آئے گی تو اتنی مصیبت کی چیز ہوگی کہ اس مصیبت کا کوئی علاج انسان کے پاس نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو۔

ساری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو ٹلاؤ نہیں' اور آج کے نیک عمل کو کل پر مت چھوڑو' بلکہ جب نیک عمل کا جذبہ پیدا ہو' اس پر فوراً ابھی عمل کرلو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سفارش

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

سفارش

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له۔ واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا۔

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه قال كان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا اتی طالب حاجة اقبل علی جلساء فقال اشفعوا توجروا

(صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی الصدقۃ والشفاعۃ فیہا، حدیث نمبر ۱۳۳۲)

حاجت مند کی سفارش کر دو

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آتا، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوتے تھے، آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ تم اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کر دو کہ "آپ اس کی حاجت پوری کر دیں" تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجر و ثواب مل جائے۔ البتہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی کرائے گا جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ یعنی تمہاری سفارش کی وجہ سے کوئی غلط فیصلہ تو میں نہیں کروں گا۔ فیصلہ تو وہی کرونگا جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ لیکن تم جب سفارش کرو گے تو سفارش کرنے کا ثواب تم کو بھی مل جائے گا۔ اس لئے تم سفارش کرو۔

سفارش موجب اجر و ثواب ہے

اس حدیث میں در حقیقت اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی سفارش کرنا، تاکہ اس کا کام بن جائے۔ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور اسی کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ اور اس کی حاجت روائی میں جتنی کوشش ہو سکتی ہے۔ وہ کرے اور اس کی سفارش سے اس کا کوئی کام بن سکتا ہے تو اس کی سفارش کرے اور اس سفارش کرنے کا انشاء اللہ اس کو اجر ملے گا۔ اس سے سفارش کے عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اچھی سفارش کرنا بڑا باعث اجر و ثواب ہے، اور اسی وجہ سے بزرگوں کے یہاں اس کا بڑا معمول رہا کہ جب کوئی حاجت مند آکر سفارش کراتا تو وہ عموماً اس کی سفارش کر دیتے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میں نے سفارش کر کے اس پر بہت بڑا احسان کر دیا، بلکہ اپنے

لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے۔ غالباً حضرت شاہ عبد القادر صاحب" کا واقعہ ہے ۔۔ نام صحیح طور پر یاد نہیں ۔۔ ایک شخص ان بزرگ کی خدمت میں آیا۔ اور کہا کہ حضرت! میرا ایک کام رکا ہوا ہے، اور فلاں صاحب کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ اس سے کچھ سفارش فرمادیں تو میرا کام بن جائے، تو حضرت" نے فرمایا جن صاحب کا تم نام لے رہے ہو۔ وہ میرے بہت سخت مخالف ہیں۔ اور مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر میری سفارش ان تک پہنچ گئی تو اگر وہ تمہارا کام کرتے ہوئے بھی ہوں گے تو بھی نہیں کریں گے، میں تمہاری سفارش کر دیتا، لیکن میری سفارش سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن وہ شخص ان بزرگ کے پیچھے ہی پڑ گیا، کہنے لگا بس! آپ لکھ دیجئے، اس لئے اگرچہ وہ آپ کا مخالف ہے، لیکن آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ امید ہے کہ وہ اس کو رد نہیں کریں گے، ان بزرگ نے مجبور ہو کر ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا، جب وہ شخص پرچہ لے کر وہاں پہنچا تو ان بزرگ کا جو خیال تھا کہ یہ میرا مخالف ہے، اور کام کرتا ہوا بھی ہو گا تو نہیں کرے گا۔ وہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اس پرچہ کی کچھ قدر کرتا، یا اس پر عمل کرتا، اس اللہ کے بندے نے ان بزرگ کو گالی دے دی، اب وہ شخص ان بزرگ کے پاس واپس آیا، اور آکر کہا کہ حضرت! آپ کی بات سچی تھی۔ واقعۃً بجائے اس کے کہ وہ اس کی قدر اور احترام کرتا، اس نے تو الٹی گالی دے دی، ان بزرگ نے فرمایا کہ اب میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کام بنا دے۔

سفارش کر کے احسان نہ جتلائے

معلوم ہوا کہ سفارش کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، بشرطیکہ اس سے کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہنچانا اور ثواب حاصل کرنا مقصود ہو۔ احسان جتلانا مقصود نہ ہو کہ فلاں وقت میں نے تمہارا کام بنا دیا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو کہ اللہ کے ایک بندے کے کام میں میں نے تھوڑی سے مدد کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس نقطہ نظر سے جو سفارش کی جائے۔ وہ بہت باعث اجر و ثواب ہے۔

سفارش کے احکام

لیکن سفارش کرنے کے کچھ احکام ہیں۔ کس موقع پر سفارش کرنا جائز ہے اور کس موقع پر جائز نہیں؟ سفارش کا مطلب کیا ہے؟ سفارش کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے؟ کس طرح سفارش کرنی چاہئے؟ یہ ساری باتیں سمجھنے کی ہیں، اور ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے سفارش، جو بہت اچھی چیز بھی تھی۔ فائدہ مند اور باعث اجر و ثواب چیز تھی۔ الٹی باعث گناہ بن رہی ہے۔ اور اس سے معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔ اس لئے ان احکام کو سمجھنا ضروری ہے۔

نااہل کیلئے منصب کی سفارش

پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ہمیشہ ایسے کام کی ہونی چاہئے جو جائز اور برحق ہو۔ کسی ناجائز کام کے لئے یا ناحق کام کے لئے سفارش کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ ایک شخص کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ فلاں منصب اور فلاں عہدہ کا اہل نہیں ہے۔ اور اس نے اس عہدہ کے حصول کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔ اور آپ کے پاس سفارش کے لئے آتا ہے، لیکن آپ نے صرف یہ دیکھ کر کہ یہ ضرورت مند ہے۔ سفارش لکھ دی کہ اس کو فلاں منصب پر فائز کر دیا جائے، یا

فلاں ملازمت اس کو دے دی جائے، تو یہ سفارش ناجائز ہے۔

سفارش، شہادت اور گواہی ہے

اس لئے کہ سفارش جس طرح اس شخص کی حاجت برلری کا ایک ذریعہ ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ ایک شہادت اور گواہی بھی ہے۔ جب آپ کسی شخص کے حق میں سفارش کرتے ہیں تو آپ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میری نظر میں یہ شخص اس کام کے کرنے کا اہل ہے، لہذا میں آپ سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ اس کو یہ کام دے دیا جائے۔ تو یہ ایک گواہی ہے، اور گواہی کے اندر اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ واقعہ کے خلاف نہ ہو، اگر آپ نے اس شخص کے بارے میں لکھ دیا، اور حقیقت میں وہ نااہل ہے تو گواہی حرام ہوئی۔ اور باعث ثواب ہونے کے بجائے الٹا باعث گناہ بن گئی، اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اگر اس کی نااہلی کے باوجود آپ کی سفارش کی بنیاد پر اس کو اس عہدہ پر رکھ لیا گیا، اور اپنی نااہلی کی وجہ سے اس نے لوگوں کو نقصان پہنچایا، یا کوئی غلط کام کیا۔ تو سارے نقصان اور غلط کاموں کے وبال کا ایک حصہ سفارش کرنے والے پر بھی آئے گا۔ کیونکہ اس نااہل کے اس عہدہ تک پہنچنے میں یہ سبب بنا ہے۔ لہذا یہ سفارش بھی ہے۔ اور گواہی بھی ہے۔ اور ناجائز کام کے لئے سفارش کرنا اور گواہی دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ممتحن سے سفارش کرنا

کسی زمانہ میں میرے پاس یونیورسٹی سے ایم اے اسلامک اسٹڈیز کے پرچے جانچنے کیلئے آجایا کرتے تھے۔ اور میں لے بھی لیا کرتا تھا، لیکن لینے کیا شروع کئے کہ اسکے نتیجے میں لوگوں کی قطار لگ گئی، کبھی کوئی ٹیلیفون آرہا ہے کبھی کوئی آدمی آرہا ہے۔ اور آدمی بھی ایسے جو بظاہر بڑے دیانتدار اور امانت دار، اور ثقہ قسم کے لوگ باقاعدہ میرے پاس اسی مقصد کے لئے آتے، اور ان کے ہاتھوں میں نمبروں

کی ایک فہرست ہوتی، اور آکر کہتے کہ ان نمبر والوں کا ذرا خاص خیال رکھئے گا۔

سفارش کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک بڑے عالم شخص بھی اس طرح نمبروں کی فہرست لے کر آ گئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو بڑی غلط اور ناجائز بات ہے کہ آپ یہ سفارش لے کر آ گئے ہیں۔ انشاء اللہ حق و انصاف کے مطابق جو جتنے نمبر کا مستحق ہو گا اتنے نمبر لگائے جائینگے۔ جواباً انہوں نے فوراً قرآن کریم کی آیت پڑھ دی:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (سورة النساء: ۸۵)

مولوی کا شیطان بھی مولوی

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے۔ عام آدمی کا شیطان تو دوسرے طریقوں سے بہکاتا ہے۔ اور جو شیطان مولوی کو بہکاتا ہے، وہ مولوی بن کر بہکاتا ہے۔

ان عالم صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ قرآن کریم میں ہے کہ سفارش کرو، اس لئے کہ سفارش بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اس لئے میں سفارش لے کر آیا ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سفارش جائز نہیں۔

سفارش سے منصف کا ذہن خراب نہ کریں

کسی قاضی اور جج کے پاس تصفیہ کے لئے کوئی فیصلہ درپیش ہے، اور اس کے سامنے فریقین کی طرف سے گواہیاں پیش ہو رہی ہیں۔ اس وقت میں اگر کوئی یہ سفارش کرے کہ فلاں کا ذرا خیال رکھئے گا۔ یا فلاں کے حق میں فیصلہ کر دیجئے گا۔ تو یہ سفارش جائز نہیں۔ اور جو ممتحن امتحان لے رہا ہے اس کے پاس بھی سفارش لے کر جانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس سفارش کے نتیجے میں اس کا ذہن

خراب ہو سکتا ہے۔ اور وہ قاضی تو اسی کام کے لئے بیٹھا ہے کہ دونوں طرف کے معلات کو تول کر پھر اپنا فیصلہ دے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔

عدالت کے جج سے سفارش کرنا۔

اس لئے شریعت میں اس کا بہت اہتمام کیا گیا کہ جب ایک قاضی کے سامنے کوئی مقدمہ درپیش ہو، تو اس قاضی کے لئے حکم یہ ہے کہ اس مقدمہ سے متعلق کسی ایک فریق کی بات دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں نہ سنے، جب تک دونوں فریق موجود نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک شخص نے آکر آپ کو تنہائی میں معاملہ بتا دیا اور دوسرا آدمی اس سے بے خبر ہے، وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا، اور وہ بات آپ کے ذہن پر مسلط ہو گئی، اور آپ کا ذہن اس سے متاثر ہو گیا تو یہ انصاف کے خلاف ہے۔ اس واسطے جب معاملہ قاضی کے پاس چلا جائے تو اس کے بعد سفارش کا دروازہ بند۔

سفارش پر میرا ردعمل

میرے پاس بھی کچھ مقدمات آجاتے ہیں۔ اور ان مقدمات سے متعلق بعض لوگ میرے پاس پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ درپیش ہے۔ آپ اس کا خیال رکھیں، تو میں کبھی ان کی بات نہیں سنتا، اور یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرے لئے اس مقدمہ سے متعلق آپ کی کوئی بات سننا اس وقت تک شرعاً جائز نہیں جب تک کہ دوسرا فریق موجود نہ ہو، لہذا آپ کو جو کچھ کہنا ہو آپ عدالت میں آکر کہئے، تاکہ دوسرا فریق بھی سامنے موجود ہو، اور اس کی موجودگی میں بات کہی جائے اور سنی جائے، تاکہ اگر آپ کوئی غلط بات کہیں تو وہ اس کا جواب دے سکے، یہاں تنہائی میں آکر آپ میرے ذہن کو خراب کر جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ صاحب! ہم تو ناجائز سفارش نہیں کر رہے ہیں۔ ہم تو بالکل جائز بات لے کر آئے ہیں۔

ارے بھائی! مجھے کیا پتہ کہ جائز لے کر آئے ہو، یا ناجائز لے کر آئے ہو۔ دوسرا فریق بھی موجود ہو، اور اس کے دلائل، اس کی گواہیاں اور شہادتیں بھی سامنے ہوں، اس وقت آمنے سامنے فیصلہ ہو گا۔ بہر حال! علیحدگی میں جا کر اس کے ذہن کو متاثر کرنا جائز نہیں۔

تو ایسے موقع پر یہ کہنا کہ قرآن کریم میں ہے کہ "مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا" یہ کسی طرح بھی جائز نہیں چونکہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے اسلام کا نظام قضاء ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ مسائل بھی لوگوں کو یاد نہیں رہے۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے علماء بھی بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ان کی طرف سے بھی سفارش آجاتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہوئی کہ سفارش ایسی جگہ کرنی چاہئے جہاں سفارش جائز ہے۔

بری سفارش گناہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ سفارش ایسے کام کے لئے ہونی چاہئے جو کام شرعاً جائز ہو، لہٰذا ناجائز کام کرانے کے لئے سفارش کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ مثلاً آپ کا دوست کہیں افسر لگا ہوا ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں۔ اور آپ نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نااہل کو بھرتی کرا دیا تو یہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جہاں اچھی سفارش کو باعث اجر قرار دیا گیا ہے وہاں بری سفارش کو باعث گناہ قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا

(سورۃ النساء: ۸۵)

جو شخص بری سفارش کرے گا تو اس سفارش کرنے والے کو بھی اس گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

سفارش کا مقصد صرف توجہ دلانا

یہ بات تو اہم ہے ہی، اور لوگ اعتقادی طور پر اس کو جانتے بھی ہیں کہ ناجائز سفارش نہیں کرنی چاہئے ...... لیکن اس سے بھی آگے ایک اور مسئلہ ہے۔ جس کی طرف عموماً دھیان نہیں۔ اور آج کل لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ وہ یہ ہے کہ لوگ آج کل سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس سفارش کی جا رہی ہے اس کو صرف توجہ دلانا ہے۔ یعنی اس کے علم اور ذہن میں ایک بات نہیں ہے، آپ نے اپنی سفارش کے ذریعے یہ توجہ دلا دی کہ یہ بھی ایک موقع ہے۔ اگر تم کرنا چاہو تو کر لو، سفارش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس پر دباؤ اور پریشر ڈالا جائے کہ وہ یہ کام ضرور کر لے، اس لئے کہ ہر انسان کے اپنے کچھ حالات ہوتے ہیں، اور اس کے کچھ قواعد اور ضوابط اور اصول ہوتے ہیں، اور وہ آدمی ان اصولوں کے تحت رہ کر کام کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ نے سفارش کر کے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، اور دباؤ ڈال کر اس سے کام کرانا چاہا، تو یہ سفارش نہیں، زبردستی ہے، اور کسی بھی مسلمان کے اوپر زبردستی کرنا جائز نہیں، اس کا عام طور پر لوگ خیال نہیں کرتے۔

ایسے آدمی کی سفارش لے کر جائینگے جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ جب اس کی سفارش جائے گی تو وہ انکار نہ کر سکے گا، یہ تو دباؤ ڈالا جا رہا ہے، اور شخصیت کا وزن ڈالا جا رہا ہے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔

یہ تو دباؤ ڈالنا ہے

کئی لوگ میرے پاس بھی سفارش کرانے آجاتے ہیں، ایک صاحب آئے، اور آکر کہا کہ حضرت! آپ سے ایک کام کے لئے کہنا ہے، لیکن پہلے یہ بتائیے کہ آپ انکار تو نہیں کرینگے؟ گویا اس کا اقرار پہلے لینا چاہتے ہیں کہ انکار مت

کیجئے گا، میں نے کہا: بھائی! پہلے یہ بتاؤ تو سہی کہ کیا کام ہے؟ وہ کام میری قدرت میں ہے یا نہیں؟ میری استطاعت میں ہے یا نہیں؟ میں اس کو کر سکوں گا یا نہیں؟ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ تو سہی۔ لیکن پہلے یہ اقرار لینا چاہتے ہیں کہ آپ پہلے یہ طے کر لیں کہ اس کام کو ضرور کریں گے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔ بلکہ یہ دباؤ ڈالنا ہے۔ جو جائز نہیں۔

سفارش کے بارے حضرت حکیم الامت" کا فرمان

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ ـــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــ حقیقت یہ ہے کہ دین کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی، اور دین کے مخفی گوشوں کو انہوں نے جس طرح آشکارہ فرمایا، اور ملفوظات میں جگہ جگہ اس پر تنبیہ فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ سفارش اس طرح نہ کراؤ جس سے دوسرا آدمی مغلوب ہو جائے۔ جس سے دباؤ پڑے، یہ سفارش جائز نہیں، اس لئے کہ سفارش کی حقیقت "توجہ دلانا" ہے کہ میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے، اور میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے۔ اس پر اگر آپ کچھ خرچ کر دیں گے تو انشاء اللہ اجر و ثواب ہوگا۔ یہ نہیں کہ اس کام کو ضرور کرو، اگر تم نہیں کروگے تو میں ناراض ہو جاؤنگا، خفا ہو جاؤں گا، یہ سفارش نہیں ہے۔ یہ دباؤ ہے۔

مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے یہی بات چندہ کے بارے میں بیان فرمائی کہ اگر مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر دیا کہ فلاں کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے۔ چندہ دیں۔ اب جناب! جس شخص کا چندہ دینے کا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے، اب اس نے دوسروں کو دیکھ کر شرما شرمی میں چندہ دے دیا، اور یہ سوچا کہ اگر نہیں دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ تو چونکہ وہ چندہ اس نے خوش [illegible] سے نہیں دیا، اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

" لا یحل مال امرائٍ مسلم الا بطیب نفس منه "

"کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں"

(مجمع الزوائد، ص ۱۷۲، ج ۴۔ بحوالہ مسند ابو یعلی)

اگر کسی نے زبان سے مال لینے کی اجازت بھی دے دی ہو، لیکن وہ مال اس نے خوش دلی سے نہیں دیا تو وہ حلال نہیں۔ لہٰذا اس طریقے سے چندہ کرنا جائز نہیں۔

مدرسہ کے مہتمم کا خود چندہ کرنا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات چندہ وصول کرنے کے لئے کسی بڑے مولانا صاحب کو ساتھ لے گئے۔ یا کوئی بڑے مولانا صاحب یا مدرسہ کے مہتمم خود چندہ وصول کرنے کسی کے پاس چلے گئے۔ تو ان کا خود چلا جانا بذات خود ایک دباؤ ہے، کیونکہ سامنے والا شخص یہ خیال کرے گا کہ یہ تو بڑے مولانا صاحب خود آئے ہوئے ہیں۔ اب میں ان کو کیسے انکار کروں۔ اور چنانچہ دل نہ چاہنے کے باوجود اس کو چندہ دیا۔ یہ چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

سفارش کے الفاظ کیا ہوں؟

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ سفارش کا انداز دباؤ ڈالنے والا نہ ہو۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ جب کسی کے نام سفارش لکھتے تو اکثر و بیشتر یہ الفاظ لکھتے کہ "میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کے لئے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا کام کر دیجئے" اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی الفاظ میں سفارش لکھتے تھے۔

دو چار مرتبہ ہمیں بھی سفارش لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو چونکہ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ بات سنی ہوئی تھی۔ اور حضرت تھانوی" کے مواعظ بھی دیکھے ہوئے تھے، اس لئے میں نے بھی وہی جملے سفارش کے اندر لکھ دیئے کہ "اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کر دیجئے" نتیجہ یہ ہوا کہ جن صاحب کی سفارش لکھی تھی وہ ناراض ہو گئے۔ "اور کہنے لگے کہ" یہ آپ نے قیدیں اور شرطیں کیوں لگا دیں کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کر دیجئے۔ آپ کو تو سیدھا سادہ لکھنا چاہئے تھا کہ "یہ کام ضرور کر دیجئے" ان الفاظ کے بغیر تو یہ سفارش نامکمل ہے۔

سفارش میں دونوں طرف کی رعایت

لیکن جس شخص کو دونوں طرف کی رعایت کرنی مقصود ہے۔ ایک طرف اس کو جائز حدود میں رہتے ہوئے حاجت مند کی مدد بھی مقصود ہے۔ اور دوسری طرف اس کی بھی رعایت کرنی ہے جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اور اس پر بھی بوجھ نہیں ڈالنا کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کرے کہ صاحب! اتنے بڑے صاحب کا پرچہ آگیا ہے۔ اب میرے لئے اس کا ٹالنا ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ کام میری مصلحت کے خلاف، میرے اصول کے خلاف، اور میرے قواعد و ضوابط کے خلاف ہے۔ لیکن چونکہ اتنے بڑے آدمی کا پرچہ آگیا ہے اب میں کیا کروں؟ لہٰذا اب وہ کشمکش اور مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اگر سفارش کے مطابق عمل کیا تو اپنے قواعد اور اصول کے خلاف کیا، اور اگر سفارش کے مطابق عمل نہ کیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اتنے بڑے صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ اور پھر ان کو کیا منہ دکھاؤں گا، وہ کہیں گے کہ میں نے ایک ذرا سے کام کی سفارش کی تھی، اور آپ نے اس کو پورا نہیں کیا۔ یہ سب سفارش کے اصول کے خلاف ہیں

سفارش معاشرے میں ایک لعنت

اور اسی وجہ آج سفارش معاشرے میں ایک لعنت بن گئی ہے آج کوئی کام ناجائز سفارش کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سفارش کے احکام لوگوں نے بھلا دیئے ہیں۔ شریعت کے تقاضوں کو فراموش کر دیا ہے۔ لہٰذا جب ان رعایتوں کے ساتھ سفارش کی جائے گی تب جائز ہوگی۔

سفارش ایک مشورہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ سفارش ایک مشورہ بھی ہے، دباؤ ڈالنا نہیں ہے۔ آج کل لوگ مشورہ کو نہیں سمجھتے کہ مشورہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بارے میں فرمایا کہ:

المستشار مؤتمن

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی المشورۃ حدیث نمبر ۵۱۲۸)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔ یعنی اس کا فرض ہے کہ اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے جس بات کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہو، وہ مشورہ لینے والے کو بتا دے، یہ ہے مشورہ کا حق، اور پھر جس کو مشورہ دیا گیا ہے، وہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ آپ کے مشورے کو ضرور قبول کرے، اگر وہ رد بھی کر دے تو اس کو اختیار ہے، کیونکہ مشورہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ دوسرے کو توجہ دلا دینا۔ اسی حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے سفارش کرو، اور یہ ضروری نہیں کہ میں تمہاری سفارش قبول بھی کرلوں، بلکہ فیصلہ میں وہی کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کے خلاف بھی عمل کر لیا جائے تو اس سے سفارش کی ناقدری نہیں ہوتی، آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب! ہم نے سفارش بھی کی، اور بات کہہ کر کھوئی، اور فائدہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ حقیقت میں یہ بات نہیں۔ اس لئے کہ سفارش کا

مقصد تو صرف یہ تھا کہ ایک بھائی کی مدد میں میرا حصہ لگ جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ اب وہ مقصد حاصل ہو گیا یا نہیں؟ کام ہوا یا نہیں؟ یہ سفارش کا لازمی حصہ نہیں، اگر کام نہیں ہوا، اور اس نے آپ کی سفارش نہیں مانی، تو اس کی وجہ سے کوئی جھگڑا اور ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔ اور اس کو برا ماننا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ مشورہ تھا۔ اور مشورہ کے اندر دونوں باتیں ہوتی ہیں۔

حضرت بریرہؓ اور حضرت مغیثؓ کا واقعہ

اب سنئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی زندگی کے متعلق باریک باریک باتیں تفصیل سے بیان فرما دیں۔ اب یہ بتائیے کہ اس دنیا میں، بلکہ پوری کائنات میں کس شخص کا مشورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے زیادہ قابل احترام اور قابل تعمیل ہو سکتا ہے؟ لیکن واقعہ سنئے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز تھیں، جن کا نام حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھا، پہلے یہ کسی اور کی کنیز تھیں، اور اس نے ان کا نکاح حضرت مغیث سے کر دیا تھا...... اور چونکہ اصول یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کی کسی سے شادی کر دے تو آقا کو اپنی باندی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے، اس واسطے اس سے اجازت بھی نہیں لی جاتی، بلکہ آقا جس سے چاہے۔ اس کا نکاح کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے آقا نے حضرت مغیثؓ سے کر دیا۔ اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ صورت شکل کے اعتبار سے کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے، بلکہ سیاہ فام تھے، اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حسین و جمیل خاتون تھیں، اس حالت میں ان کا نکاح ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ ان کو خرید کر آزاد کر دیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خریدا، اور پھر آزاد کر دیا۔

باندی کو فسخ نکاح کا اختیار

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی کنیز آزاد ہو جائے اور اس کا نکاح پہلے سے کسی کے ساتھ ہو چکا ہو۔ تو آزادی کے وقت اس کنیز کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے، اور اگر چاہے تو اس نکاح کو ختم کر دے۔ اور فسخ کر دے، اور پھر کسی اور سے نکاح کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ

جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں تو شریعت کے قاعدہ کے مطابق ان کو بھی فسخ نکاح کا اختیار مل گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم چاہو تو مغیث سے اپنا نکاح برقرار رکھو، اور چاہو تو اس نکاح کو ختم کر دو۔ انہوں نے فوراً یہ کہہ دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہتی، اور اپنے نکاح کو فسخ کر دیا، اب چونکہ حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر اب تک مجھے نہیں بھولتا کہ حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی گلیوں میں اس طرح گھوم رہے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے ہیں۔ اور ان آنسوؤں سے داڑھی بھیگ رہی ہے۔ حضرت بریرہ کی خوشامد کر رہے ہیں، اور ان کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا کے لئے اپنے اس فیصلے کو تبدیل کر لو، اور دوبارہ مجھ سے نکاح کر لو، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مانتی نہیں تھیں۔ آخر کار حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا قصہ پیش آیا ہے، چونکہ مجھے ان سے بہت تعلق ہے۔ اور اتنا عرصہ ساتھ گزارا ہے۔ اب وہ میری بات نہیں مانتیں۔ لہذا اب آپ ہی ان سے میری کچھ سفارش فرما دیجئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو

بلایا، اور فرمایا کہ:

لو راجعتیہ، فانہ ابو ولدک

(ابن ماجہ کتاب الطلاق، باب خیار الامۃ اذا اعتقت، حدیث نمبر ۲۰۸۵)

اگر تم اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لو تو اچھا ہو، اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کے باپ ہیں بچارے اتنے پریشان ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً سوال کیا۔ یارسول اللہ! آپ یہ فرمارہے ہیں کہ رجوع کر لو، یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ اگر آپ کی طرف سے یہ حکم ہے تو بیشک سر تسلیم خم ہے۔ اور میں ان کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما اشفع

میں یہ صرف سفارش کر رہا ہوں ـــــ یہ میرا حکم نہیں ہے، جب حضرت بریرہ نے یہ سنا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ صرف سفارش اور مشورہ ہے، تو فوراً فرمایا کہ: یارسول اللہ! اگر یہ مشورہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آزادی ہے کہ قبول کروں یا نہ کروں۔ لہٰذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں دوبارہ ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔ چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوبارہ ان کے پاس نہیں گئیں۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک خاتون نے حضور کا مشورہ رد کر دیا۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ ہے۔ اور آپ کی سفارش ہے۔ لیکن ایک عورت، جو اب تک کنیز تھی، اور آپ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صدقہ سے آزاد ہوئیں، اس کو بھی یہ حق دیا جارہا ہے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں۔ وہ مشورہ ہے، تمہارا دل چاہے تو مانو۔ اور تمہارے دل نہ چاہے تو نہ مانو، اور رد کر دو، چنانچہ وہ مشورہ ان خاتون نے رد کر دیا۔ اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں

فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک مشورہ دیا تھا۔ لیکن تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو تعلیم دے دی کہ مشورہ اور سفارش یہ ہے کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے، یا جس سے سفارش کی گئی ہے بس اس کو توجہ دلانا مقصود ہے، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں مشورہ دیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ نکاح خود ختم کر دیا، اور وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو پھر آپ نے سفارش ہی کیوں کی؟

آپ نے سفارش اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مغیث کے اندر سوائے شکل وصورت کے کوئی خرابی نہیں ہے۔ اگر یہ ان کی بات مان لے گی۔ اور دوبارہ ان کے نکاح میں آجائے گی تو ان کو اجر و ثواب بہت ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے ایک بندے کی خواہش کو پورا کیا۔ اور اس واسطے آپ نے سفارش بھی کر دی۔ لیکن جب انہوں نے سفارش کو قبول نہیں کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

امت کو سبق دے دیا

لہذا آپ نے قیامت تک آنے والی امت کو یہ سبق دے دیا کہ مشورہ کو کبھی بھی یہ نہ سمجھو کہ یہ دباؤ ڈالا جارہا ہے، یا لازمی کیا جارہا ہے۔ بلکہ مشورہ کا حاصل صرف توجہ دلانا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے، چاہے وہ اس پر عمل کرے، چاہے نہ کرے۔

سفارش ناگواری کا ذریعہ کیوں ہے؟

آج ہمارے اندر سفارش اور مشورہ باقاعدہ ناگواری کا ذریعہ بن گئیں ہیں۔ اگر کسی کے مشورہ کو قبول نہ کیا جائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تو بھائی ایسا

مشورہ دیا تھا۔ لیکن ہماری بات نہیں چلی، ہماری بات نہیں مانی گئی۔ اس پر ناراض ہو رہی ہے۔ خفا ہو رہے ہیں۔ برا منایا جا رہا ہے۔ اور یہ سوچا جا رہا ہے کہ اب آئندہ ان سے رابطہ نہیں رکھیں گے۔ اس لئے کہ یہ ہماری بات تو ملتے ہی نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سفارش کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمادیں کہ سفارش کرو، اجر ملے گا۔ لیکن اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو تمہارے دل میں اس کے خلاف کوئی ناراضگی اور بددلی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ اس نے ہماری بات نہیں مانی۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر سفارش کی جائے گی وہ انشاء اللہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگی۔

خلاصہ

ایک مرتبہ پھر خلاصہ عرض کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ان معاملات میں کریں جن میں سفارش کرنا جائز ہے۔ جہاں سفارش کرنا جائز نہیں، جیسے مقدمات ہیں، یا امتحانی پرچوں کی جانچ کا معاملہ ہے، ان جگہوں پر سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ سفارش جائز کام کی ہو، ناجائز کام کی نہ ہو، تیسرے یہ کہ سفارش کا انداز مشورے کا ہو، دباؤ ڈالنے کا نہ ہو، چوتھے اگر مشورہ اور سفارش نہ مانی جائے تو اس پر کوئی ناراضگی اور ناگواری نہ ہونی چاہئے۔ ان چار چیزوں کی رعایت کے ساتھ اگر سفارش کی جائے گی تو سفارش کی وجہ سے کوئی فساد برپا نہیں ہو سکتا۔ اور وہ سفارش اجر و ثواب کا سبب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

روزہ

ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے پینے سے اجتناب کرنا اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا ، روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو فی نفسہ حلال ہیں ، کھانا حلال پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال ، اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں اور نہ پی رہے ہیں لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں مثلاً جھوٹ بولنا ، غیبت کرنا ، بدنگاہی کرنا جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں اب روزہ رکھا ہوا ہے اور بدنگاہی کر رہے ہیں اور روزہ رکھا ہوا ہے لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں ، یہ کیا یہ روزہ ہوا۔

روزہ
ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔ اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القران ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔

(سورۃ بقرۃ: ۱۸۵)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشٰھدین والشٰکرین والحمد للہ رب العالمین۔

برکت والا مہینہ

انشاء اللہ چند روز کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے، اور کون مسلمان ایسا ہو گا جو اس مہینے کی عظمت اور برکت سے واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے۔ اور نہ معلوم کیا کیا رحمتیں اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اپنے بندوں کی طرف مبذول فرماتے ہیں۔ ہم اور آپ ان رحمتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس مہینے کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں۔ جن کو ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ مثلاً اس ماہ میں روزے فرض ہیں۔ الحمد للہ۔ مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اور تراویح کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سنت ہے، اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس وقت ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور رات کے وقت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ اور بس، اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اس مہینے کی بڑی اہم عبادات میں سے ہیں۔ لیکن بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ در حقیقت رمضان المبارک ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(سورۃ الذاریات: ۵۶)

یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا، وہ یہ کہ میری عبادت کریں، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد یہ بتایا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔

"کیا فرشتے کافی نہیں تھے؟"

یہاں بعض لوگوں کو خاص کر نئی روشنی کے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت تھا، تو اس کام کے لئے انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کام تو فرشتے پہلے سے بہت اچھی طرح انجام دے رہے تھے؟ اور وہ اللہ کی عبادت تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمانے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو بتایا کہ میں اس طرح کا ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے بیساختہ یہ کہا کہ آپ ایک ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں۔ جو زمین میں فساد مچائے گا۔ اور خون ریزی کرے گا، اور عبادت، تسبیح و تقدیس ہم انجام دے رہے ہیں ــــ اسی طرح آج بھی اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہوتا تو اسکے لئے انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کام تو فرشتے پہلے ہی انجام دے رہے تھے۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں

بیشک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ لیکن ان کی عبادت بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اور انسان کے سپرد جو عبادت کی گئی وہ بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اس لئے کہ فرشتے جو عبادت کر رہے تھے۔ ان کے مزاج میں اس کے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ وہ اگر چاہیں کہ عبادت نہ کریں تو ان کے اندر عبادت چھوڑنے کی صلاحیت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر سے گناہ کرنے کا امکان ہی ختم فرما دیا اور نہ انہیں بھوک لگتی ہے، نہ ان کو پیاس لگتی ہے، اور نہ ان کے اندر شہوانی تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے دل میں گناہ کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا، گناہ کی خواہش اور گناہ پر اقدام تو دور کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں رکھا۔ کیونکہ اگر فرشتے گناہ

نہیں کر رہے ہیں تو اس میں ان کا کوئی کمال نہیں۔ اور جب کوئی کمال نہیں تو پھر جنت والا اجر و ثواب بھی مرتب نہیں ہو گا۔

نابینا کا بچنا کمال نہیں

مثلاً ایک شخص بینائی سے محروم ہے، جس کی وجہ سے ساری عمر اس نے نہ کبھی فلم دیکھی، نہ کبھی ٹی وی دیکھا۔ اور نہ کبھی غیر محرم پر نگاہ ڈالی۔ بتایئے کہ ان گناہوں کے نہ کرنے میں اس کا کیا کمال ظاہر ہوا؟ اس لئے کہ اس کے اندر ان گناہوں کے کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ لیکن ایک دوسرا شخص جس کی بینائی بالکل ٹھیک ہے۔ جو چیز چاہے دیکھ سکتا ہے۔ لیکن دیکھنے کی صلاحیت موجود ہونے کے باوجود جب کسی غیر محرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ فوراً صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ نیچے کر لیتا ہے۔ اب بظاہر دونوں گناہوں سے بچ رہے ہیں۔ لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ اور دوسرا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے۔ لیکن پہلے شخص کا گناہ سے بچنا کوئی کمال نہیں۔ اور دوسرے شخص کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔

یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں ہے

لہٰذا اگر ملائکہ صبح سے شام تک کھانا نہ کھائیں تو یہ کوئی کمال نہیں۔ اس لئے کہ انہیں بھوک ہی نہیں لگتی۔ اور انہیں کھانے کی حاجت ہی نہیں۔ لہٰذا ان کے نہ کھانے پر کوئی اجر ثواب بھی نہیں۔ لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لے کر پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی انسان کتنے ہی بڑے سے بڑے مقام پر پہنچ جائے۔ حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مقام یعنی نبوت پر پہنچ جائے۔ تب بھی وہ کھانے پینے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کفار نے انبیاء پر یہی اعتراض کیا کہ:

مالھٰذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق

(سورۃ الفرقان : ۷)

یعنی یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ تو کھانے کا تقاضہ انبیاء کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے۔ تو یہ کمال کی بات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہوں، جس کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی، اور اس کے اندر شہوانی تقاضے بھی پیدا ہوں گے۔ اور گناہ کرنے کے داعیے بھی ان کے اندر پیدا ہوں گے، لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو گا، اس وقت وہ مجھے یاد کرلے گا۔ اور مجھے یاد کر کے اپنے نفس کو اس گناہ سے بچالے گا۔ اس کی یہ عبادت اور گناہ سے بچنا ہمارے یہاں قدر وقیمت رکھتا ہے۔ اور جس کا اجر و ثواب اور بدلہ دینے کے لئے ہم نے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے۔ جس کی صفت عرضھا السمٰوٰت والارض ہے۔ اس لئے کہ اس کے دل میں داعیہ اور تقاضہ ہو رہا ہے، اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں۔ اور گناہ کے محرکات سامنے آرہے ہیں۔ لیکن یہ انسان ہمارے خوف اور ہماری عظمت کے تصور سے اپنی آنکھ کو گناہ سے بچالیتا ہے۔ اپنے کان کو گناہ سے بچالیتا ہے۔ اپنی زبان کو گناہ سے بچالیتا ہے۔ اور گناہوں کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے۔ تاکہ میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں تھی۔ اس عبادت کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو فتنہ زلیخا کے مقابلے میں پیش آیا۔ کون مسلمان ایسا ہے جو اس کو نہیں جانتا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی۔ اس وقت زلیخا کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا خیال آگیا۔ عام لوگ

تو اس سے حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض اور ان کی تنقیص بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ گناہ کا خیال آجانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی عظمت کے استحضار سے اس گناہ کے خیال پر عمل نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیا۔ لیکن اگر گناہ کا خیال بھی دل میں نہ آتا۔ اور گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی۔ اور گناہ کا تقاضہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ تو پھر ہزار مرتبہ زلیخا گناہ کی دعوت دے پھر تو کمال کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ کمال تو یہی تھا کہ گناہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور ماحول بھی موجود۔ حالات بھی ساز گار، اور دل میں خیال بھی آرہا ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے فرمایا کہ "معاذ اللہ" کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ عبادت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ (سورۃ یوسف: ۲۴)

ہماری جانوں کا سودا ہو چکا ہے

جب انسان کا مقصد تخلیق عبادت ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ جب انسان دنیا میں آئے تو صبح سے لے کر شام تک عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے، اور اس کو دوسرے کام کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ

(سورۃ التوبہ: ۱۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے۔ اور اس کا معاوضہ یہ مقرر فرمایا کہ آخرت میں ان کو جنت ملے گی۔ جب ہماری جانیں بک چکی ہیں۔ تو یہ جانیں جو ہم لئے بیٹھے ہیں۔ وہ ہماری نہیں ہیں۔ بلکہ بکا ہوا مال ہے۔ اس کی قیمت لگ چکی ہے۔ جب یہ جان اپنی نہیں ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس جان اور جسم کو سوائے اللہ کی عبادت کے دوسرے کام میں نہ لگایا جائے۔ لہذا

اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں صبح سے شام تک دوسرے کام کرنے کی اجازت نہیں۔ بس صرف سجدے میں پڑے رہا کرو۔ اور اللہ اللہ کیا کرو۔ دوسرے کاموں کی اجازت نہیں۔ نہ کمانے کی اجازت ہے، نہ کھانے کی اجازت ہے۔ تو یہ حکم انصاف کے خلاف نہ ہوتا۔ اس لئے کہ پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا ہے۔

ایسے خریدار پر قربان جایئے

لیکن قربان جایئے ایسے خریدار پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کو خرید بھی لیا، اور اس کی قیمت بھی پوری لگا دی۔ یعنی جنت، پھر وہ جان و مال ہمیں واپس بھی لوٹا دیا کہ یہ جان و مال تم اپنے پاس رکھ لو۔ اور ہمیں اس بات کی اجازت دے دی کہ کھاؤ، پیو، کماؤ، اور دنیا کے کاروبار کرو۔ بس پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرو۔ اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو۔ باقی جس طرح چاہو، کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت اور عنایت ہے۔

اس ماہ میں اصل مقصد کی طرف آجاؤ

لیکن جائزہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ جب یہ انسان دنیا کے کاروبار اور کام دھندوں میں لگے گا تو رفتہ رفتہ اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جایا کریں گے۔ اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھو جائے گا۔ تو اس غفلت کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کچھ اوقات مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اس لئے کہ سال کے گیارہ مہینے تو آپ تجارت میں، زراعت میں، مزدوری میں اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں، کھانے کمانے اور ہنسنے بولنے میں لگے رہے۔ اور اس کے نتیجے میں دلوں پر غفلت کا پردہ پڑنے لگتا ہے۔ اس لئے ایک مہینہ اللہ تعالیٰ نے اس کام

کے لئے مقرر فرمادیا کہ اس مہینے میں تم اپنے اصل مقصد تخلیق یعنی عبادت کی طرف لوٹ کر آؤ۔ جس کے لئے تمہیں دنیا میں بھیجا گیا، اور جس کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا، اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں لگو، اور گیارہ مہینے تک تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں، ان کو بخشواؤ، اور دل کی صلاحیتوں پر جو میل آچکا ہے۔ اس کو دھلواؤ، اور دل میں جو غفلت کے پردے پڑ چکے ہیں، ان کو اٹھواؤ۔ اس کام کے لئے ہم نے یہ مہینہ مقرر کیا ہے۔

رمضان کے معنی

لفظ "رَمْضان" میم کے سکون کے ساتھ ہم غلط استعمال کرتے ہیں۔ صحیح لفظ "رَمَضان" میم کے زبر کے ساتھ ہے۔ اور "رمضان" کے لوگوں نے بہت سے معنی بیان کئے ہیں۔ لیکن اصل عربی زبان میں "رمضان" کے معنی ہیں۔ "جھلسا دینے والا اور جلا دینے والا" اور اس ماہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ سب سے پہلے جب اس ماہ کا نام رکھا جارہا تھا۔ اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کا نام "رمضان" رکھ دیا۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو

لیکن علماء نے فرمایا کہ اس ماہ کو "رمضان" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں۔ اور جلا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے دنیاوی کاروبار، دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھا گئیں، اور اس عرصہ میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا، ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر انہیں بخشوالو۔ اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھا دو۔ تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم نے

فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

(سورۃ البقرہ : ۱۸۳)

یعنی یہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں۔ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا، اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا۔ اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا۔ جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے تو اس کے بعد اس کی سروس کرانی پڑتی ہے۔ اس کی صفائی کرانی ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور اوور ہالنگ کے لئے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے۔ تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ، اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

اس ماہ کو فارغ کرلیں

لہٰذا صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس مہینے کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کرلے۔ اس لئے کہ گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے۔ لیکن یہ مہینہ انسان کے لئے اس کی اصل مقصد تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے۔ اس لئے اس مہینے کے تمام اوقات، ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔ اللہ کی عبادت میں صرف کرے۔ اور اس کے لئے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہئے۔ اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہئے۔

استقبال رمضان کا صحیح طریقہ

آج کل عالم اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے۔ جس کی ابتداء عرب

ممالک خاص کر مصر اور شام سے ہوئی۔ اور پھر دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہو گئی۔ اور ہمارے یہاں بھی آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کچھ محفلیں منعقد ہوتی ہیں جس کا نام "محفل استقبال رمضان" رکھا جاتا ہے۔ جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن کریم اور تقریر اور وعظ رکھا جاتا ہے۔ جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کو "خوش آمدید" کہہ رہے ہیں ــــ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد بدعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ بعض جگہوں پر اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کر لی ــــ لیکن رمضان المبارک کا اصل استقبال یہ ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظام الاوقات بدل کر ایسا بنانے کی کوشش کرو کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ جل شانہ کی عبادت میں صرف ہو، رمضان کا مہینہ آنے سے پہلے یہ سوچو کہ یہ مہینہ آرہا ہے، کس طرح میں اپنی مصروفیات کم کر سکتا ہوں۔ اس مہینے میں اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بالکلیہ عبادت کے لئے فارغ کر لے تو سبحان اللہ، اور اگر کوئی شخص بالکلیہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کر سکتا تو پھر یہ دیکھئے کہ کون کون سے کام ایک ماہ کے لئے چھوڑ سکتا ہوں، ان کو چھوڑے۔ اور کن مصروفیات کو کم کر سکتا ہوں، ان کو کم کرے، اور جن کاموں کو رمضان کے بعد تک مؤخر کر سکتا ہے۔ ان کو مؤخر کرے۔ اور رمضان کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبال رمضان کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ اگر یہ کام کر لیا تو انشاء اللہ رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوں گے، ــــ ورنہ یہ ہو گا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا۔ اور اس سے صحیح طور پر فائدہ ہم نہیں اٹھا سکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کر لیا، تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے؟ جہاں تک روزوں کا تعلق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ رکھنا فرض ہے۔ اور جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے۔ اس سے بھی ہر شخص واقف ہے۔ لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے۔ اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت ہے کہ لوگ عبادت میں، نماز میں، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزار لو

لیکن ان سب نفلی نمازوں، نفلی عبادات، نفلی ذکر و اذکار، اور نفلی تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے۔ جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مہینے کو گناہوں سے پاک کر کے گزارنا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے، نظر غلط جگہ پر نہ پڑے، کان غلط چیز نہ سنیں۔ زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے۔ اور اللہ تبارک کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو، یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح گزار لیا۔ پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو۔ اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو۔ اور نہ ذکر و اذکار کیا ہو۔ لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابل مبارک باد ہیں۔ اور یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے

تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور یہ اللہ تبارک کا ایک مہینہ آرہا ہے۔ کم از کم اس کو تو گناہوں سے پاک کر لو۔ اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔ اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو۔ اس میں تو غیبت نہ کرو۔ اس میں تو بد نگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو۔ اس میں تو رشوت نہ کھاؤ، اس میں سود نہ کھاؤ، کم از کم یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟

اس لئے کہ آپ روزے تو ماشاء اللہ بڑے ذوق و شوق سے رکھ رہے ہیں، لیکن روزے کے کیا معنی ہیں؟ روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا، پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا، روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہ حلال ہیں، کھانا حلال، پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال، اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں۔ اور نہ پی رہے ہیں۔ لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں، مثلاً جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا، بد نگاہی کرنا، جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں۔ اب روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے۔ اور بد نگاہی کر رہے ہیں، اور روزہ رکھا ہوا ہے۔ لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں، یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی۔ اس لئے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لئے جب جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا جو پہلے سے حرام تھا۔ تو کھانا چھوڑ کر اس نے کونسا بڑا عمل

کیا۔

روزہ کا ثواب ملیامیٹ ہو گیا

اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہو گیا۔ اگر کسی مفتی سے پوچھو گے کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا۔ اور جھوٹ بھی بولا تھا۔ تو وہ مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ درست ہو گیا۔ اس کی قضا واجب نہیں۔ لیکن اس کی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیامیٹ ہو گئیں، اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

روزہ کا مقصد تقویٰ کی شمع روشن کرنا

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے۔ کیوں روزے فرض کئے گئے؟ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، یعنی روزہ اصل میں اس لئے تمہارے ذمہ مشروع کیا گیا، تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہو۔ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقوے کی سیڑھی ہے

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ روزے سے تقویٰ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزہ انسان کی قوت حیوانیہ اور قوت بہیمیہ کو توڑتا ہے، جب آدمی بھوکا رہے گا تو اس کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں گے۔ جس کے نتیجے میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ جائے گا۔

لیکن ہمارے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ ــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ــ نے فرمایا کہ صرف قوت بہیمیہ توڑنے کی بات نہیں ہے، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی صحیح طریقے سے روزہ رکھے گا تو یہ روزہ خود تقویٰ کی ایک عظیم الشان سیڑھی ہے۔ اس لئے کہ تقویٰ کے کیا معنی ہیں؟ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے عظمت کے استحضار سے اس کے گناہوں سے بچنا، یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر مجھے جواب دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس تصور کے بعد جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اسی کا نام تقویٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى

(سورۃ النازعات: ۴۰)

یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ اور کھڑا ہونا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات سے روکتا ہے، یہی تقویٰ ہے۔

میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے

لہٰذا "روزہ" حصول تقویٰ کے لئے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے، جب روزہ رکھ لیا تو آدمی پھر کیسا ہی گنہگار، خطاکار اور فاسق و فاجر ہو، جیسا بھی ہو، لیکن روزہ رکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سخت گرمی کا دن ہے۔ اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ میں اکیلا ہے۔ کوئی دوسرا پاس موجود نہیں، اور دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہے۔ اور کمرہ میں فرج موجود ہے، اور اس فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اس وقت انسان کا نفس یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس شدید گرمی کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا وہ شخص فرج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے گا؟ ہر

گز نہیں پیئے گا۔ حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہو گا۔ اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا، اور شام کو باہر نکل کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھا لے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیتا ہے، کیوں نہیں پیتا؟ پانی نہ پینے کی اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن میرا مالک جس کے لئے میں نے روزہ رکھا ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اس کا بدلہ دوں گا

اسی لئے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ:

الصوم لی و انا اجزی به

(ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم حدیث نمبر ۷۶۴)

یعنی روزہ میرے لئے ہے۔ لہذا میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اور اعمال کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ کسی عمل کا دس گنا اجر، کسی عمل کا ستر گنا اجر، اور کسی عمل کا سو گنا اجر ہے۔ حتیٰ کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے، لیکن روزے کے بارے میں فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا۔ کیونکہ روزہ اس نے صرف میرے لئے رکھا تھا۔ اس لئے کہ شدید گرمی کی وجہ سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں، اور زبان پیاس سے خشک ہے۔ اور فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ اور تنہائی ہے۔ اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود میرا بندہ صرف اس لئے پانی نہیں پی رہا ہے کہ اس کے دل میں میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر اور احساس ہے۔ اس احساس کا نام تقویٰ ہے۔ اگر یہ احساس پیدا ہو گیا تو تقویٰ بھی پیدا ہو گیا۔ لہذا تقویٰ روزے کی ایک شکل بھی ہے۔ اور اس کی حصول کی ایک سیڑھی بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزے اس لئے فرض کئے تاکہ تقویٰ کی عملی تربیت

دیں۔

ورنہ یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہو گا

اور جب تم روزے کے ذریعہ یہ عملی تربیت حاصل کر رہے ہو، تو پھر اس کو اور ترقی دو، اور آگے بڑھاؤ، لہٰذا جس طرح روزے کی حالت میں شدت پیاس کے باوجود پانی پینے سے رک گئے تھے، اور اللہ کے خوف سے کھانا کھانے سے رک گئے تھے، اسی طرح جب کاروبار زندگی میں نکلو، اور وہاں پر اللہ کی معصیت اور نافرمانی کا تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو تو یہاں بھی اللہ کے خوف سے اس معصیت سے رک جاؤ، لہٰذا ایک مہینے کے لئے ہم تمہیں ایک تربیتی کورس سے گزار رہے ہیں۔ اور یہ تربیتی کورس اس وقت مکمل ہو گا جب کاروبارِ زندگی میں ہر موقع پر اس پر عمل کرو، ورنہ اس طرح یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہو گا کہ اللہ کے خوف سے پانی پینے سے تو رک گئے، اور جب کاروبارِ زندگی میں نکلے تو پھر آنکھ غلط جگہ پر پڑ رہی ہے۔ کان بھی غلط باتیں سن رہے ہیں۔ زبان سے بھی غلط باتیں نکل رہی ہیں۔ اس طرح تو یہ کورس مکمل نہیں ہو گا۔

روزہ کا ایئر کنڈیشنر لگا دیا، لیکن؟

جس طرح علاج ضروری ہے۔ اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے رکھوایا، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، لیکن تقویٰ اس وقت پیدا ہو گا، جب اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں سے پرہیز کرو گے۔ مثلاً کمرہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آپ نے اس میں ایئر کنڈیشنر لگایا، اور ایئر کنڈیشنر کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پورے کمرے کو ٹھنڈا کر دے، اب آپ نے اس کو اون کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھول دیئے۔ اِدھر سے ٹھنڈک آ رہی ہے، اور اُدھر سے نکل رہی ہے۔ لہٰذا کمرہ ٹھنڈا نہیں ہو گا۔ بالکل اسی طرح یہ سوچئے کہ

روزہ کا ایئر کنڈیشنر تو آپ نے لگا دیا۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف اللہ کی نافرمانی اور معصیتوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ اب بتایئے ایسے روزے سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا؟

اصل مقصد "حکم کی اتباع"

اسی طرح روزے کے اندر یہ حکمت کہ اس کا مقصد قوت بہیمیہ توڑنا ہے۔ یہ بعد کی حکمت ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے حکم کی اتباع ہو۔ اور سارے دین کا مدار اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع ہے۔ وہ جب کہیں کہ کھاؤ، اس وقت کھانا دین ہے۔ اور جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ۔ اس وقت نہ کھانا دین ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنی اتباع کا عجیب نظام بنایا ہے کہ سارا دن تو روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور اس پر بڑا اجر و ثواب رکھا۔ لیکن ادھر آفتاب غروب ہوا۔ ادھر یہ حکم آگیا کہ اب جلدی افطار کرو، اور افطار میں جلدی کرنے کو مستحب قرار دیا۔ اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ کیوں ناپسندیدہ ہے؟ اس لئے کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تو اب ہمارا یہ حکم آگیا کہ اب بھی اگر نہیں کھاؤ گے۔ اور بھوکے رہو گے تو یہ بھوک کی حالت ہمیں پسند نہیں۔ اس لئے کہ اصل کام ہماری اتباع کرنا ہے۔ اپنا شوق پورا نہیں کرنا ہے۔

ہمارا حکم توڑ دیا

عام حالات میں دنیا کی کسی چیز کی حرص اور ہوس بہت بری چیز ہے۔ لیکن جب وہ کہیں کہ حرص کرو، تو پھر حرص ہی میں لطف اور مزہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب سلطان دین یہ چلا رہے ہیں کہ میں حرص اور طمع کروں تو پھر قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت میں مزہ نہیں ہے۔ پھر تو طمع اور حرص میں مزہ ہے، یہ افطار میں جلدی کرنے کا حکم اسی وجہ سے ہے، غروب آفتاب سے پہلے تو یہ حکم تھا ایک ذرہ بھی اگر منہ میں چلا گیا تو گناہ بھی لازم اور کفارہ بھی لازم، مثلاً سات بجے آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اب اگر کسی شخص نے چھ بج کر انسٹھ منٹ پر ایک چنے کا دانہ کھالیا۔ اب بتایئے کہ روزہ میں کتنی کمی آئی؟ صرف ایک منٹ کی کمی آئی، ایک منٹ کا روزہ توڑا، لیکن اس ایک منٹ کے روزے کے کفارے میں ساٹھ دن کے روزے رکھنے واجب ہیں، اس لئے کہ بات صرف ایک چنے اور ایک منٹ کی نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ اس نے ہمارا حکم توڑا، ہمارا حکم یہ تھا کہ جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے اس وقت تک کھانا جائز نہیں، لیکن تم نے یہ حکم توڑ دیا، لہٰذا اب ایک منٹ کے بدلے میں ساٹھ دن کے روزے رکھو۔

افطار میں جلدی کرو

اور پھر جیسے ہی آفتاب غروب ہو گیا تو یہ حکم آگیا کہ اب جلدی کھاؤ، اگر بلاوجہ تاخیر کر دی تو گناہ ہو گا، کیوں؟ اس واسطے کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ کھاؤ، اب کھانا ضروری ہے۔

سحری میں تاخیر افضل ہے

سحری کے بارے میں حکم یہ ہے کہ سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے۔ جلدی کھانا خلاف سنت ہے، بعض لوگ رات کو بارہ بجے سحری کھا کر سو جاتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے، چنانچہ صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا کہ بالکل آخری وقت تک کھاتے رہتے تھے۔ اس واسطے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کھانے کی اجازت ہے بلکہ کھانے کا حکم ہے، اس لئے جب تک وہ وقت

باقی رہے گا، ہم کھاتے رہیں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اطاعت اسی میں ہے، اب اگر کوئی شخص پہلے سحری کھالے تو گویا کہ اس نے روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا، اس لئے پہلے سے سحری کھانے کو ممنوع قرار دیا۔ پورے دین میں سارا کھیل اتباع کا ہے، جب ہم نے کہا کہ کھاؤ تو کھانا ثواب ہے، اور جب ہم نے کہا کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا ثواب ہے۔ اس لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ میاں کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ، اور بندہ کہے کہ میں تو نہیں کھاتا۔ یا میں کم کھاتا ہوں۔ یہ تو بندگی اور اطاعت نہ ہوئی۔ ارے بھائی! نہ تو کھانے میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے۔ سب کچھ ان کی اطاعت میں ہے، اس لئے جب انہوں نے کہہ دیا کہ کھاؤ، تو پھر کھاؤ، اس میں اپنی طرف سے زیادہ پابندی کرنے کی ضرورت نہیں،

ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزار لو

البتہ اہتمام کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب روزہ رکھ لیا تو اب اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ آنکھوں کو بچاؤ۔ کانوں کو بچاؤ، زبانوں کو بچاؤ، ایک رمضان کے موقع پر ہمارے حضرت قدس اللہ سرہ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو کوئی اور نہیں کہے گا۔ وہ یہ کہ اپنے نفس کو اس طرح بہلاؤ، اور اس سے عہد کر لو کہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزار لو۔ جب یہ ایک مہینہ گزر جائے تو پھر تیرا جو جی چاہے کرنا' چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جب یہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزر جائے گا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں گناہ چھوڑنے کا داعیہ پیدا فرما دینگے۔ لیکن یہ عہد کر لو کہ یہ اللہ کا مہینہ آرہا ہے۔ یہ عبادت کا مہینہ ہے۔ یہ تقویٰ پیدا کرنے کا مہینہ ہے، ہم اس میں گناہ نہیں کریں گے، اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہے۔ پھر ان سب کے بارے میں یہ عہد کرلے کہ میں ان میں مبتلا نہیں ہوں گا۔

مثلاً یہ عہد کرلے کہ رمضان المبارک میں آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ کان غلط بات نہیں سنیں گے۔ زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے۔ اور فواحشات کو بھی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں، اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس ماہ میں رزق حلال

دوسری اہم بات جو ہمارے حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم اس ایک مہینے میں تو رزق حلال کا اہتمام کر لو، جو لقمہ آئے، وہ حلال کا آئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ تو اللہ کے لئے رکھا، اور اس کو حرام چیز سے افطار کر رہے ہیں سود پر افطار ہو رہا ہے۔ یا رشوت پر افطار ہو رہا ہے۔ یا حرام آمدنی پر افطار ہو رہا ہے۔ یہ کیسا روزہ ہوا؟ کہ سحری بھی حرام اور افطاری بھی حرام، اور درمیان میں روزہ۔ اس لئے خاص طور پر اس مہینے میں حرام روزی سے بچو۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! میں رزق حلال کھانا چاہتا ہوں۔ مجھے رزق حرام سے بچا لیجئے۔

حرام آمدنی سے بچیں

بعض حضرات وہ ہیں، جن کا بنیادی ذریعہ معاش ...... الحمد للہ ...... حرام نہیں ہے، بلکہ حلال ہے، البتہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حرام آمدنی کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ایسے حضرات کے لئے حرام سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں ہے، وہ کم از کم اس ماہ میں تھوڑا سا اہتمام کرلیں، اور حرام آمدنی سے بچیں...... یہ عجیب قصہ ہے کہ اس ماہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ یہ مواسات اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی کا مہینہ ہے۔ لیکن اس ماہ میں مواسات کے بجائے لوگ الٹا کھال کھینچنے کی فکر کرتے ہیں۔ ادھر رمضان المبارک کا مہینہ آیا۔ اور اُدھر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دی۔ لہٰذا کم از کم اس ماہ میں اپنے آپ کو ایسے حرام کاموں سے بچالو۔

اگر آمدنی مکمل حرام ہے تو پھر؟

بعض حضرات وہ ہیں جن کا ذریعہ آمدنی مکمل طور پر حرام ہے، مثلاً وہ کسی سودی ادارے میں ملازم ہیں، ایسے حضرات اس ماہ میں کیا کریں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ ...... اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ...... ہر آدمی کے لئے راستہ بتا گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میں ایسے آدمی کو جس کی مکمل آمدنی حرام ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو رمضان میں چھٹی لے لے، اور کم از کم اس ماہ کے خرچ کے لئے جائز اور حلال ذریعہ سے انتظام کر لے۔ کوئی جائز آمدنی کا ذریعہ اختیار کر لے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے سے اس ماہ کے خرچ کے لئے کسی سے قرض لے لے۔ اور یہ سوچ کہ میں اس مہینہ میں حلال آمدنی سے کھاؤں گا۔ اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلاؤں گا، کم از کم اتنا تو کر لے۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے

بہر حال! میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ لوگ اس مہینے میں نوافل وغیرہ کا تو اہتمام بہت کرتے ہیں، لیکن گناہوں سے بچنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کو آسان فرما دیا ہے۔ چنانچہ اس ماہ میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ اور ان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ لہذا شیطان کی طرف سے گناہ کرنے کے وسوسے اور تقاضے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

روزے میں غصے سے پرہیز

تیسری بات جس کا روزے سے خاص تعلق ہے، وہ ہے غصے سے اجتناب اور پرہیز، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مواسات کا مہینہ ہے۔ ایک دوسرے سے غمخواری کا مہینہ ہے۔ لہذا غصہ اور غصہ کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ، مثلاً جھگڑا، مار پٹائی اور تو تکار، ان چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ:

وان جھل علی احدکم جاھل وھو صائم۔ فلیقل انی صائم

(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، حدیث نمبر: ۷۶۴)

یعنی اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔ میں لڑنے کے لئے تیار نہیں۔ نہ زبان سے لڑنے کے لئے تیار ہوں، اور نہ ہاتھ سے۔ اس سے پرہیز کریں۔ یہ سب بنیادی کام ہیں۔

رمضان میں نفلی عبادات زیادہ کریں

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے، تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا، تراویح پڑھنا ضروری ہے، اور تلاوت قرآن کو چونکہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے، اس مہینے میں تلاوت کریں۔ اور اس کے علاوہ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر کریں۔ اور تیسرا کلمہ: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور درود شریف۔ اور استغفار کا چلتے پھرتے اس کی کثرت کا اہتمام کریں۔ اور نوافل کی جتنی کثرت ہو سکے، کریں۔ اور عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، لیکن رمضان المبارک میں چونکہ انسان سحری کے لئے اٹھتا ہے۔ تھوڑا پہلے اٹھ جائے۔ اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنالے۔ اور اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ اور مرد با جماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرلیں۔ یہ سب کام تو اس ماہ میں کرنے ہی چاہئیں۔ یہ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہیں۔ لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ...... وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آزادیٔ نسواں کا فریب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ ہے کہ اگر ایک عورت اپنے گھر میں اپنے لئے اور اپنے شوہر کے لئے اور اپنے بچوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہے، تو یہ رجعت پسندی اور دقیانوسیت ہے۔ اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئرہوسٹس بن کر سینکڑوں انسانوں کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بن کر ان کی خدمت کرتی ہے تو اس کا نام آزادی اور جدت پسندی ہے۔ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے، لیکن دوکانوں پر "سیلز گرل" بن کر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے، یا دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آزادیٔ نسواں کا فریب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلاهادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، واشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمّداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔ امابعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذالك من الشهدين والشكرين والحمد لله رب العالمين۔

آج کا موضوع

میرے محترم بھائیوں اور بہنوں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج کی اس گفتگو کا موضوع "حجاب کی اہمیت" مقرر کیا گیا ہے' اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلامی احکامات کی رُو سے' اور قرآن سنّت کی تعلیمات کی روشنی میں عورت کے لئے "حجاب" کا کیا حکم ہے؟ اور وہ کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

اس موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ عورت کے لئے "حجاب" اور "پردہ" کیوں ضروری ہے' اور اس کے شرعی احکام کیا ہیں؟ اور یہ بات اس وقت تک ٹھیک ٹھیک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ عورت کے اس دنیا میں آنے اور اس کے پیدا کئے جانے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

تخلیق کا مقصد خالق سے پوچھو

آج مغربی افکار کی یورش میں یہ پروپیگنڈہ ہر جگہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کے اندر عورت کو نقاب اور پردے میں رکھ کر گھونٹ دیا گیا ہے' اس کو چار دیواری کے اندر قید کردیا گیا ہے' لیکن یہ سارا پروپیگنڈہ درحقیقت اس بات کا نتیجہ ہے کہ عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں' انسان کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں' مرد اور عورت دونوں کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر ان کا مقصد تخلیق بھی معلوم کرے گا اور اگر خدانخواستہ اس پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی۔ اور اس زمانے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں رکھتے ہیں' اور لادینیت کے میدان میں روز بروز آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں' ان کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اور علامات دکھا

رہے ہیں جن سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ پر ایمان نہ ہو تو پھر بات آگے چل ہی نہیں سکتی، لیکن اگر اللہ پر ایمان ہے، اور یہ پتہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، اور مرد کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے، عورت کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے تو اب پیدائش کا مقصد بھی اسی سے پوچھنا چاہئے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا؟ اور عورت کو کیوں پیدا کیا؟ اور دونوں کی تخلیق کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

مرد اور عورت دو مختلف صنفیں ہیں

یہ نعرہ آج بہت زور و شور سے لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے۔ اور مغربی افکار نے یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں کردیا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اگر مرد اور عورت دونوں ایک ہی جیسے کام کے لئے پیدا ہوئے تھے، تو پھر دونوں کو جسمانی طور پر الگ الگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مرد کا جسمانی نظام اور ہے، عورت کا جسمانی نظام اور ہے، مرد کا مزاج اور ہے، اور عورت کا مزاج اور ہے، مرد کی صلاحیتیں اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں اور ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفیں اس طرح بنائی ہیں کہ دونوں کی تخلیقی ساخت اور اس کے نظام میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ مرد اور عورت میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے، یہ خود فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ مرد اور عورت کی ساخت میں فرق ہے، نئے فیشن نے مرد اور عورت کے اس فطری فرق کو مٹانے کی کتنی کوششیں کردیکھیں، چنانچہ عورتوں نے مردوں جیسا لباس پہننا شروع کردیا، اور مردوں نے عورتوں جیسا لباس پہننا شروع کردیا، عورتوں نے مردوں جیسے بال رکھنے شروع کردیئے، اور مردوں نے عورتوں جیسے بال رکھنے شروع کردیئے۔ لیکن اس بات سے انکار اب بھی نہیں کیا جاسکتا کہ مرد اور

عورت دونوں کا جسمانی نظام مختلف ہے۔ دونوں مختلف صنفیں ہیں، دونوں کے انداز زندگی مختلف ہیں، اور دونوں کی صلاحیتیں مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کا ذریعہ پیغمبر ہیں

لیکن یہ کس سے معلوم کیا جائے کہ مرد کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اور عورت کو کیوں پیدا کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ جس ذات نے پیدا کیا ہے، اسی سے پوچھو کہ آپ نے مرد کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور عورت کو کس مقصد کے تحت پیدا کیا ہے؟ اور اس سے پوچھنے کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انسانی زندگی کے دو شعبے

قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ درحقیقت انسانی زندگی دو مختلف شعبوں پر منقسم ہے، ایک گھر کے اندر کا شعبہ ہے، اور ایک گھر کے باہر کا شعبہ ہے۔ یہ دونوں شعبے ایسے ہیں کہ ان دونوں کو ساتھ لئے بغیر ایک متوازن اور معتدل زندگی نہیں گزاری جاسکتی، گھر کا انتظام بھی ضروری ہے، اور گھر کے باہر کا انتظام یعنی کسب معاش اور روزی کمانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ جب دونوں کام ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھیک چلیں گے تب انسان کی زندگی استوار ہوگی، اور اگر ان میں سے ایک انتظام بھی ختم ہوگیا، یا ناقص ہوگیا تو اس سے انسان کی زندگی میں توازن (Balance) ختم ہو جائے گا۔

مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار

ان دونوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم فرمائی کہ مرد کے ذمے گھر کے

باہر کے کام لگائے، مثلاً کسبِ معاش اور روزی کمانے کا کام، اور سیاسی اور سماجی کام وغیرہ۔ یہ سارے کام درحقیقت مرد کے ذمے عائد کئے ہیں، اور گھر کے اندر کا شعبہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوالے کیا ہے، وہ اس کو سنبھالیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا کہ عورت باہر کا انتظام کرے گی، اور مرد گھر کا انتظام کرے گا، تو بھی کوئی چوں وچرا کی مجال نہیں تھی۔ لیکن اگر عقل کے ذریعے انسان کی فطری تخلیق کا جائزہ لیں تو بھی اس کے سوا اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا کہ مرد گھر کے باہر کا کام کرے اور عورت گھر کے اندر کا کام کرے، اس لئے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر تقابل کر کے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جسمانی قوت جتنی مرد میں ہے، اتنی عورت میں نہیں، اور کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ نے مرد میں عورت کی نسبت جسمانی قوت زیادہ رکھی ہے، اور گھر کے باہر کے کام قوت کا تقاضہ کرتے ہیں، محنت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وہ کام قوت اور محنت کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے۔ لہٰذا اس فطری تخلیق کا بھی تقاضا یہی تھا کہ گھر کے باہر کا کام مرد انجام دے، اور گھر کے اندر کے کام عورت کے سپرد ہوں۔

عورت گھر کا انتظام سنبھالے

ابتداء میں جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو براہِ راست خطاب فرمایا، اور ان کے واسطے سے ساری مسلمان خواتین سے خطاب فرمایا، وہ یہ ہے کہ:

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ

یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اس میں صرف اتنی بات نہیں کہ

عورت کو ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے' بلکہ اس آیت میں ایک بُنیادی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' وہ یہ کہ ہم نے عورت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ گھر میں قرار سے رہ کر گھر کے انتظام کو سنبھالے۔

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تقسیمِ کار

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے باہر کے کام انجام دیتے' اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کا انتظام سنبھالتیں۔ چنانچہ گھر کی جھاڑو دیتیں' چکی چلا کر آٹا پیستیں' پانی بھرتیں' کھانا پکاتیں۔

عورت کو کس لالچ پر گھر سے باہر نکالا گیا؟

لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو' اور جہاں عفت و عصمت کے بجائے اخلاق باختگی اور حیاسوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو' ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیمِ کار اور پردہ اور حیاء کو نہ صرف غیرضروری' بلکہ راستے کی رُکاوٹ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اس کی ہوسناک طبیعت عورت کی کوئی ذمّہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی' اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصوّر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں مُشکلات کا جو عیّارانہ حل نکالا' اس کا خوبصورت اور

معصوم نام "تحریکِ آزادئ نسواں" ہے۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو' اب آزادی کا دور ہے' اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصّہ لینا چاہئے۔ اب تک تمہیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے' اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصّہ لو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دلفریب نعروں سے متأثر ہو کر گھر سے باہر آگئی' اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعے شور مچا مچا کر اسے یہ باوَر کرا دیا گیا کہ اُسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے' اور اب اس کے رنج و محن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا' اُسے دفتروں میں کلرکی عطاء کی گئی' اسے اجنبی مردوں کی پرائیوٹ سیکریٹری کا "منصب" بخشا گیا' اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا اعزاز دیا گیا۔ اُسے تجارت چمکانے کے لئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا گیا' اور اس کے ایک ایک عضو کو برسرِ بازار رُسوا کر کے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ اور ہم سے مال خریدو' یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دینِ فطرت نے عزّت و آبرو کا تاج رکھا تھا' اور جس کے گلے میں عفّت و عصمت کے ہار ڈالے تھے' تجارتی اداروں کے لئے ایک شو پیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

آج ہر گھٹیا کام عورت کے سپرد ہے

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کو "آزادی" دے کر سیاست و حکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جا رہے ہیں' لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر یا وزیرِ اعظم بن گئیں؟ کتنی

خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب کا اعزاز نصیب ہوا؟ اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں گھسیٹ کر لایا گیا ہے وہ "آزادیٔ نسواں" کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں جاکر دیکھئے تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذونادر ہی کہیں نظر آئے گا' ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں' ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے' ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور "روم اٹنڈنٹ" کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں۔ دوکانوں پر مال بیچنے کے لئے مرد خال خال نظر آئیں گے' یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جارہا ہے۔ دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور پر عورتیں ہی تعینات ہیں۔ اور بیرے سے لے کر کلرک تک کے تمام "مناصب" زیادہ تر اسی صنف نازک کے حصے میں آئے ہیں جسے "گھر کی قید سے آزادی" عطا کی گئی ہے۔

نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب و غریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر' اپنے ماں باپ' بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلّت ہے' لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے' ان کے کمروں کی صفائی کرے' ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے' دوکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ "آزادی" اور "اعزاز" ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ

سخت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی۔ گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسی کے ذمے ہیں، اور یورپ اور امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جن کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دینے کے بعد اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔

کیا نصف آبادی عُضوِ مُعطّل ہے؟

عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے آج کل ایک چلتا ہوا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی نصف آبادی کو عُضوِ معطّل بنا کر قومی تعمیر و ترقی کے کام میں نہیں ڈال سکے۔ یہ بات اس شان سے کہی جاتی ہے کہ گویا ملک کے تمام مردوں کو کسی نہ کسی کام پر لگا کر مردوں کی حد تک "مکمل روزگار" کی منزل حاصل کرلی گئی ہے۔ اب نہ صرف یہ کہ کوئی مرد بے روزگار نہیں رہا بلکہ ہزار ہا کام "مین پاور" کے انتظار میں ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک ایسے ملک میں کہی جارہی ہے جہاں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل مرد سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں، جہاں کوئی چپڑاسی یا ڈرائیور کی آسامی نکلتی ہے تو اس کے لئے دسیوں گریجویٹ اپنی درخواستیں پیش کردیتے ہیں اور اگر کوئی کلرک کی جگہ نکلتی ہے تو اس کے لئے دسیوں ماسٹر اور ڈاکٹر تک کی ڈگریاں رکھنے والے اپنی درخواستیں پیش کردیتے ہیں۔ پہلے مردوں کی "نصف آبادی" ہی کو ملکی تعمیر و ترقی کے کام میں پورے طور پر لگا لیجئے۔ اس کے بعد باقی نصف آبادی کے بارے میں سوچئے کہ وہ عُضوِ معطّل ہے یا نہیں؟

آج فیملی سسٹم تباہ ہوچکا ہے

اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی ذمہ دار بنایا تھا، گھر کی منتظمہ بنایا تھا، کہ وہ

فیملی سسٹم استوار رکھ سکے، لیکن جب وہ گھر سے باہر آگئی تو یہ ہوا کہ باپ بھی باہر، اور ماں بھی باہر، اور بچے اسکول میں یا نرسری میں، اور گھر پر تالا پڑ گیا، اب وہ فیملی سسٹم تباہ اور برباد ہو کر رہ گیا۔ عورت کو تو اس لئے بنایا تھا کہ جب وہ گھر میں رہے گی تو گھر کا انتظام بھی کرے گی، اور بچے اس کی گود میں تربیت پائیں گے، ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ وہیں سے وہ اخلاق سیکھتے ہیں، وہیں سے وہ کردار سیکھتے ہیں، وہیں سے زندگی گزارنے کے صحیح طریقے سیکھتے ہیں، لیکن آج مغربی معاشرے میں فیملی سسٹم تباہ ہو کر رہ گیا ہے، بچوں کو ماں اور باپ کی شفقت میسر نہیں ہے، اور جب عورت دوسری جگہ کام کر رہی ہے اور مرد دوسری جگہ کام کر رہا ہے، اور دونوں کے درمیان دن بھر میں کوئی رابطہ نہیں ہے، اور دونوں جگہ پر آزاد سوسائٹی کا ماحول ہے تو بسا اوقات ان دونوں میں آپس کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے، اور ٹوٹنے لگتا ہے، اور اس کی جگہ ناجائز رشتے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچتی ہے اور گھر برباد ہو جاتا ہے۔

عورت کے بارے میں "گورباچوف" کا نظریہ

اگر یہ باتیں صرف میں کہتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ سب باتیں آپ تعصب کی بناء پر کہہ رہے ہیں لیکن اب سے چند سال پہلے سوویت یونین کے آخری صدر "میخائل گورباچوف" نے ایک کتاب لکھی ہے "پروسٹرائیکا" آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور شائع شدہ شکل میں موجود ہے، اس کتاب میں گورباچوف نے "عورتوں کے بارے" میں (Status of Women) کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، اس میں اس نے صاف اور واضح لفظوں میں یہ بات لکھی ہے کہ:

"ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا

گیا، اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بیشک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کئے، اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا، اس لئے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورتیں بھی کام کر رہی ہیں، لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا، اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں، وہ نقصانات اُن فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈیکشن کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے۔ لہٰذا میں اپنے ملک میں "پروسٹرائیکا" کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں، اس میں میرا ایک بڑا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے، اس کو واپس گھر میں کیسے لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے، اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ ہو جائے گی"۔

یہ الفاظ میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں، وہ کتاب آج بھی بازار میں دستیاب ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

روپیہ پیسہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں

اس فیملی سسٹم کی تباہ کاری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے عورت کی مقصدِ تخلیق کو نہیں جانا کہ عورت کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ گھر کے نظام اور فیملی سسٹم کو استوار کرے۔ آج کے معاشی دور کی ساری کوششوں کا حاصل یہ ہے کہ روپیہ پیسہ زیادہ ہو جائے، لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا یہ روپیہ پیسہ بذاتِ خود کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر آپ کو بھوک لگ

رہی ہو' اور آپ کے پاس پیسے موجود ہوں' تو کیا آپ اس کو کھا کر بھوک مٹا لیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پیسہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں' جب تک کہ اس کے ذریعہ ضرورت کی چیزیں مہیا کر کے آدمی سکون حاصل نہ کرے۔

آج کا نفع بخش کاروبار

پچھلے دنوں ایک رسالے میں ایک سروے کی تفصیل آئی ہے۔ اس سروے کا مقصد یہ تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار کونسا ہے؟ چنانچہ اس سروے کی رپورٹ یہ لکھی ہے کہ آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار "ماڈل گرل" کا کاروبار ہے۔ اس لئے کہ ایک "ماڈل گرل" مصنوعات کے اشتہارات پر اپنی عُریاں تصویر دینے کے لئے صرف ایک دن کے ۲۵ ملین ڈالر وصول کرتی ہے' اور اس ایک دن میں وہ تاجر اور سرمایہ کار اپنی مرضی سے جتنی تصویریں جس انداز سے اور جس زاویے سے اتارنا چاہے' اتارتا ہے' اور اس کے ذریعہ وہ اپنی مصنوعات کو بازار میں پھیلاتا ہے۔ آج یہ عورت ایک بکاؤ مال بن چکا ہے' اور سرمایہ دار اس کو جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے' وجہ یہ ہے کہ عورت نے گھر سے باہر نکل کر اپنی قدر ومنزلت اور اپنا مرتبہ کھودیا اور اس کا یہ نتیجہ نکلا۔

ایک یہودی کا عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ پہلے زمانے ایک یہودی بہت بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا' اس زمانے میں لوگ اپنی دولت زیرِ زمین خزانے بنا کر اس میں رکھا کرتے تھے' اس یہودی نے خزانے میں سونے چاندی کے انبار اور ڈھیر جمع کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ قارون کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ اس نے بہت بڑا خزانہ جمع کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ وہ یہودی اپنے خزانوں کا خفیہ

طور پر معائنہ کرنے کے لئے گیا' اور جب اندر گیا تو اس چوکیدار کو بھی اطلاع نہیں کی جس کو وہاں خزانے پر اس نے مقرر کیا تھا' تاکہ یہ دیکھے کہ وہ چوکیدار کہیں خیانت تو نہیں کر رہا ہے۔ اور اس خزانے کے دروازے کا سسٹم ایسا تھا کہ وہ اندر سے بند تو ہوتا تھا' لیکن اندر سے کھل نہیں سکتا تھا' صرف باہر سے کھل سکتا تھا۔ اب اس نے بے خیالی میں دروازہ اندر سے بند کر لیا' اب کھولنے کا کوئی راستہ نہیں تھا' باہر جو چوکیدار تھا وہ یہ سمجھتا رہا کہ خزانہ بند ہے' اور اس کے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ خزانے کا مالک اندر ہے۔ اب یہ مالک اندر جاکر خزانہ کی تفتیش کرتا رہا اور جب دیکھ بھال کر تفتیش سے فارغ ہو کر واپس باہر نکلنا چاہا تو باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اب وہاں پر قید ہے' بھوک لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے' لیکن بھوک نہیں مٹا سکتا' پیاس لگ رہی ہے اور خزانہ سارا موجود ہے' لیکن پیاس نہیں بجھا سکتا' رات کو نیند آرہی ہے' اور خزانہ سارا موجود ہے' لیکن بستر فراہم نہیں کر سکتا' حتیٰ کہ جتنے دن بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا تھا زندہ رہا' اور پھر اسی خزانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

تو یہ روپیہ پیسہ اپنی ذات میں انسان کو نفع پہنچانے والی چیز نہیں ہے' جب تک کہ نظام درست نہ ہو' اور جب تک راستہ درست نہ ہو۔

گنتی میں اگرچہ دولت زیادہ ہو جائے گی

آج کی دنیا یہ کہتی ہے کہ اگر عورت کو گھر سے باہر نکالیں گے تو ہمیں ورکرز مہیا ہوں گے' اور اس کے نتیجے میں پروڈکشن زیادہ ہوگی اور دولت زیادہ ہوگی' تو یہ بات ٹھیک ہے کہ گنتی میں تو دولت زیادہ ہو جائیگی' لیکن جب تمہارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا اور اس کے نتیجے میں تمہاری قومی ترقی کا راستہ بند ہو گیا یہ کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔

دولت کمانے کا مقصد کیا ہے؟

اس لئے قرآن کریم میں جو آیت :

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ ہم نے عورت کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ زندگی کی یہ اہم ترین خدمت انجام دے کر اپنے فیملی سسٹم کو استوار کرے' اور اپنے گھر کو سنبھالے۔ اس کے تو کوئی معنیٰ نہیں ہیں کہ گھر کا گھر اجڑا پڑا ہے' اور ساری توجہ باہر کے کاموں میں صرف ہو رہی ہے۔ باہر رہ کر انسان جو کچھ کماتا ہے وہ تو اس لئے کماتا ہے کہ گھر کے اندر آکر سکون حاصل کرے' لیکن اگر گھر کا سکون تباہ ہے' تو پھر اس نے جتنی کچھ کمائی کی ہو' وہ کمائی بیکار ہے' اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بچے کو ماں کی ممتا کی ضرورت ہے

اس لئے گھر کے نظام کو استوار کرنے کے لئے اور بچوں کی صحیح تربیت کے لئے اور بچوں کو صحیح فکر پر ڈھالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرائض عورت کے سپرد کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ بچہ ماں اور باپ دونوں کا ہوتا ہے' لیکن جتنا پیار اور جتنی ممتا اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں رکھی ہے باپ کے دل میں اتنی نہیں رکھی' اور بچے کو جتنا پیار اپنی ماں سے ہوتا ہے اپنے باپ سے اتنا نہیں ہوتا' اور جب بچے کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ چاہے کسی بھی جگہ پر ہو' وہ فوراً ماں کو پکارے گا' باپ کو نہیں پکارے گا' اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ماں میری مصیبت کا علاج کر سکتی ہے' اور اسی محبت کے رشتے سے بچے کی تربیت ہوتی ہے۔ اور جو کام ماں انجام دے سکتی ہے' وہ باپ انجام نہیں دے سکتا'

اگر کوئی باپ یہ چاہے کہ میں ماں کی مدد کے بغیر بچے کی پرورش خود کرلوں' تو باپ کے لئے یہ بات ممکن نہیں' تجربہ کرکے دیکھ لیں۔ آج کل لوگ بچوں کو نرسریوں کے اندر پالتے ہیں۔ یاد رکھو! کوئی بھی نرسری بچے کو ماں کی ممتا فراہم نہیں کرسکتی' بچے کو کسی پولٹری فارم قسم کے ادارے کی ضرورت نہیں' بلکہ بچے کو ماں کی ممتا اور اس کی شفقت کی ضرورت ہے' اور ماں کی ممتا اور اس کی شفقت کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ عورت گھر کا نظام سنبھالے۔ اگر کوئی عورت گھر کا نظام نہیں سنبھال رہی ہے تو وہ فطرت سے بغاوت کررہی ہے اور فطرت سے بغاوت کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اس وقت آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

بڑے کارناموں کی بنیاد "گھر" ہے

قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا دیا تھا کہ :

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

یعنی اپنے گھروں میں قرار سے رہو' یہ گھر ہی تمہاری دنیا و آخرت ہے' یہ گھر تمہاری زندگی ہے' اور یہ خیال مت کرو کہ مرد گھر سے باہر نکل کر بڑے بڑے کام انجام دے رہا ہے' لہٰذا میں بھی باہر نکل کر بڑے بڑے کارنامے انجام دوں ______ ارے یہ تو سوچو کہ سارے بڑے کارناموں کی بنیاد گھر ہے' اگر تم نے اولاد کی صحیح تربیت کردی' اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا کردیا' اور ان کے اندر تقویٰ اور عملِ صالح پیدا کرلیا تو یقین رکھو کہ مرد باہر نکل کر جتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے' ان تمام کارناموں پر تمہارا یہ کارنامہ فوقیت رکھے گا کہ تم نے ایک بچے کی تربیت دین کے مطابق کردی۔

مغرب کے الٹے پروپیگنڈے نے اور مغرب کی اندھی تقلید نے ہمارے معاشرے کی خواتین سے اولاد کی دینی تربیت کی فکر کو رفتہ رفتہ ختم کرنا شروع

کردیا ہے اور جو خواتین اپنے گھروں میں بیٹھی ہیں' وہ بھی کبھی کبھی یہ سوچنے لگتی ہیں کہ واقعۃً یہ لوگ درست کہتے ہیں کہ ہم گھر کی چار دیواری میں مقید اور بند ہوگئے ہیں' اور جو خواتین گھروں سے باہر نکل رہی ہیں شاید یہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں ...... لیکن خوب سمجھ لیں کہ عورت جو خدمت اپنے گھر میں بیٹھ کر انجام دے رہی ہے' یاد رکھو اس کا کوئی بدل نہیں ہے' اور وہ خدمت گھر سے باہر نکل کر' بازاروں میں جاکر' دوکانوں پر بیٹھ کر نہیں انجام دی جاسکتی' جو گھر میں بیٹھ کر انجام دی جاسکتی ہے۔

تسکین وراحت پردہ کے اندر ہے

اور خواتین یہ نہ سمجھیں کہ یہ پردہ ہمارے لئے دشواری کا سبب ہے' بلکہ عورت کی فطرت میں پردہ داخل ہے' اور "عورت" کے معنی ہی "چھپانے والی چیز" کے ہیں' اور پردہ عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ اگر فطرت مسخ ہوجائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں' لیکن جو تسکین اور راحت پردہ کی حالت میں ہوگی' وہ تسکین بے پردگی اور کھلم کھلا اور علانیہ رہنے کی حالت میں نہیں ہوگی' لہٰذا پردہ کا تحفظ حیاء کا ایک لازمی حصہ ہے۔

ایسے بال قیامت کی نشانی ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں آج کے حالات دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ :

"قیامت کے قریب ایسی عورتیں ہوں گی کہ ان کے سر کے بال لاغر اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے"۔

اونٹ کے کوہان کی طرح بال بنانے کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانے میں تصور بھی نہیں آسکتا تھا۔ آج دیکھ لیں کہ عورتیں اونٹوں کے کوہان کی طرح بال بنارہی ہیں۔

لباس کے اندر بھی عریاں

اور فرمایا کہ وہ عورتیں بظاہر تو لباس پہنی ہوئی ہوں گی' لیکن وہ لباس ایسے ہوں گے کہ جن سے ستر کا مقصد حاصل نہیں ہوگا' اس لئے کہ وہ لباس اتنا باریک ہوگا' یا وہ لباس اتنا چست ہوگا کہ اس کی وجہ سے جسم کے تمام نشیب وفراز عیاں ہوجائیں گے' اور یہ سب حیاء کے ختم ہونے کا نتیجہ ہوگا۔ آج سے پہلے اس کا تصور اور خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ عورت ایسا لباس پہنے گی' اس لئے کہ اس کے دل میں حیا تھی' اور اس کی طبیعت ایسی تھی کہ وہ ایسا لباس پہننا پسند نہیں کرتی تھی' لیکن آج سینہ کھلا ہوا ہے' گلہ کھلا ہوا ہے' بازو کھلے ہیں' یہ کیسا لباس ہوا؟ لباس تو ستر پوشی کے لئے تھا جو عورت کو اس کی اصل فطرت کی طرف لوٹانے کے لئے تھا۔ وہ لباس ستر پوشی کا کام دینے کے بجائے جسم کو اور زیادہ نمایاں کرنے کا کام انجام دے رہا ہے۔

مخلوط تقریبات کا سیلاب

شادی بیاہ کی تقریبات میں بے حیائی کے مناظر ان گھرانوں میں بھی نظر آنے لگے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں' جن کے مرد مسجد میں صفِ اوّل میں نماز پڑھتے ہیں' ان کے گھرانوں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں جاکر دیکھو کہ کیا ہورہا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جس میں اس بات کا خیال اور تصور نہیں آسکتا تھا کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوگا' لیکن اب تو مرد و عورت کی مخلوط دعوتوں کا ایک سیلاب ہے اور عورتیں بن سنور کر' سنگھار پٹار کرکے' زیب وزینت سے آراستہ ہوکر ان مخلوط دعوتوں میں شریک

ہوتی ہیں۔ نہ پردہ کا کوئی تصور ہے' نہ حیاء کا کوئی خیال ہے۔

یہ بدامنی کیوں نہ ہو؟

اور پھر ان تقریبات کی ویڈیو فلمیں بن رہی ہیں' تاکہ جو کوئی اس تقریب میں شریک نہ ہو سکا' اور اس نظارے سے لطف اندوز نہیں ہو سکا' اس کے لئے اس نظارہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے ویڈیو فلم تیار ہے' اس کے ذریعہ وہ اس کا نظارہ کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے' لیکن پھر بھی دیندار ہیں' پھر بھی نمازی پرہیزگار ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے' لیکن کان پر جوں نہیں رینگتی' اور ماتھے پر شکن نہیں آتی' اور دل میں اس کو ختم کرنے کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ بتائے کیا پھر بھی یہ فتنے نہ آئیں؟ کیا پھر بھی بدامنی اور بے سکونی پیدا نہ ہو؟ اور آج کل ہر ایک کی جان و مال و عزت آبرو خطرے میں ہے۔ یہ سب کیوں نہ ہوں ـــــــ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنیمت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ ایسا قہر ہم پر نازل نہیں ہوتا کہ ہم سب ہلاک ہو جائیں' ورنہ ہمارے اعمال تو سارے ایسے ہیں کہ ایک قہر اور ایک عذاب کے ذریعہ سب کو ہلاک کر دیا جاتا۔

ہم اپنی اولاد کو جہنم کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں

اور یہ سب گھر کے بڑوں کی غفلت اور بے حسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے دل سے احساس ختم ہو گیا' کوئی کہنے والا اور کوئی ٹوکنے والا نہیں رہا' بچے جہنم کی طرف دوڑے ہوئے جا رہے ہیں' کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر روکنے والا نہیں ہے' کسی باپ کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم اپنی اولاد کو کس گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ اور دن رات سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب اگر کوئی ان کو سمجھاتا ہے تو ان بڑوں کا یہ جواب ہوتا ہے کہ ارے بھائی! یہ تو

نوجوان ہیں، لگے رہنے دو، ان کے کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ اس طرح ان اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال کر نتیجہ یہاں تک پہنچ گیا۔

ابھی پانی سر سے نہیں گزرا

اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اب بھی اگر گھر کے سربراہ اور گھر کے ذمہ دار اس بات کا تہیہ کرلیں کہ یہ چند کام نہیں کرنے دیں گے، ہمارے گھر میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع نہیں ہوگا، ہمارے گھر میں کوئی تقریب عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ نہیں ہوگی، وڈیو فلم نہیں بنے گی۔ اگر گھر کے بڑے ان باتوں کا تہیہ کرلیں تو اب بھی اس سیلاب پر بند باندھا جاسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سیلاب قابو سے باہر ہوا ہو، لیکن اس وقت سے ڈرو کہ جب کوئی کہنے والا خیرخواہ اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا، اور نہیں کرسکے گا۔ کم از کم وہ گھرانے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں، جو دین اور اسلام کے نام لیوا ہیں، اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ہیں، وہ تو کم از کم اس بات کا تہیہ کرلیں کہ ہم یہ مخلوط اجتماع نہیں ہونے دیں گے۔

ایسے اجتماعات کا بائیکاٹ کردو

ہمارے بزرگوں نے بائیکاٹ وغیرہ کے طریقے نہیں سکھائے، لیکن یاد رکھو! ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں انسان کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یا تو ہماری یہ بات مانی جائے گی، ورنہ اس تقریب میں ہماری شرکت نہیں ہوگی۔ اگر شادی کی تقریبات ہورہی ہیں، اور مخلوط اجتماعات ہورہے ہیں، اور آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر اس دعوت میں نہیں جاتے تو خاندان والوں کو شکایت ہوجائے گی، کہ آپ اس مخلوط دعوت میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ ــــــــ ارے یہ تو سوچو کہ ان کی شکایت کی تو آپ کو پرواہ ہے، لیکن ان کو آپ کی شکایت کی پرواہ نہیں۔

اگر تم پردہ نشین خاتون ہو' اور وہ تم کو دعوت میں بلانا چاہتے ہیں تو انہوں نے تمہارے لئے پردہ کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ جب انہوں نے تمہارا اتنا خیال نہیں کیا' تو پھر تم پر بھی ان کا خیال کرنا واجب نہیں ہے' ان سے صاف صاف کہہ دو کہ ہم ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گی۔ جب تک کچھ خواتین ڈٹ کر یہ فیصلہ نہیں کریں گی' یقین رکھو کہ اس وقت تک یہ سیلاب بند نہیں ہوگا۔ کب تک ہتھیار ڈالتے جاؤ گے؟ کب تک ان کے آگے سپر ڈالتے جاؤ گے؟ یہ سیلاب کہاں تک پہنچے گا؟

دنیا والوں کا کب تک خیال کرو گے؟

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے' آمین۔ اس دور کے اندر اللہ تعالیٰ نے جنتی بزرگ پیدا فرمائے تھے' ان کے گھر کی بیٹھک میں فرشی نشست تھی' گھر کی خواتین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے' فرشی نشست کا زمانہ نہیں رہا' اس لئے آکر مولانا سے کہا کہ اب آپ یہ فرشی نشست ختم کردیں اور صوفے وغیرہ لگا دیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو نہ صوفے کا شوق ہے اور نہ مجھے اس پر آرام ملتا ہے' مجھے فرش پر بیٹھ کر آرام ملتا ہے' میں تو اسی پر بیٹھ کر کام کروں گا۔ خواتین نے کہا کہ آپ کو اس پر آرام ملتا ہے مگر دنیا والوں کا کچھ خیال کرلیا کریں' جو آپ کے پاس ملنے کے لئے آتے ہیں ان کا ہی کچھ خیال کرلیں۔ اس پر حضرت مولانا نے کیا عجیب جواب دیا' فرمایا : بی بی! دنیا والوں کا تو میں خیال کرلوں' لیکن یہ تو بتاؤ کہ دنیا والوں نے میرا کیا خیال کرلیا؟ میری وجہ سے کسی نے اپنے طرز زندگی میں' یا کسی نے اپنے کسی کام میں کوئی تبدیلی لائی؟ جب انہوں نے میرا خیال نہیں کیا تو میں ان کا کیوں خیال کروں؟

دنیا والوں کے بُرا ماننے کی پرواہ مت کرو

لہٰذا جس کے دل میں تمہارے پردے کا احترام نہیں، جس کے دل میں تمہارے پردے کی وقعت اور عظمت نہیں، وہ اگر تمہارا خیال نہیں کرتا تو تم ان کا خیال کیوں کرتی ہو؟ حالانکہ اگر ایک بے پردہ عورت، عورتوں کے لئے علیحدہ انتظام کی ہوئی جگہ میں آکر بیٹھ جائے، اور مردوں کے سامنے نہ آئے، تو اس میں اس کا کوئی نقصان اور کوئی خرابی نہیں، لیکن اگر پردہ دار عورت مردوں کے سامنے چلی جائے، تو اس پر قیامت گزر جائے گی ـــــــ اگر پردہ کا انتظام نہ ہونے کے باوجود تم صرف اس لئے جاتی ہو تاکہ وہ بُرا نہ مانیں، کہیں ان کو بُرا نہ لگ جائے۔ ارے، کبھی تم بھی تو بُرا مانا کرو کہ ہم اس بات کو برا مانتے ہیں کہ ہمیں ایسی دعوت میں کیوں بلایا جارہا ہے، ہمارے لئے ایسی دعوتیں کیوں کی جاتی ہیں جس میں پردہ کا انتظام نہیں ہے۔ یاد رکھو! جب تک یہ نہیں کریں گی، یہ سیلاب نہیں رُکے گا۔

ان مردوں کو باہر نکال دیا جائے

جہاں تقریبات میں بظاہر خواتین کا انتظام علیحدہ بھی ہے، مردوں کے لئے علیحدہ شامیانے ہیں، اور عورتوں کے لئے علیحدہ، لیکن اس میں بھی یہ ہوتا ہے کہ عورتوں والے حصے میں بھی مردوں کا ایک طوفان ہوتا ہے، مرد آرہے ہیں جارہے ہیں، ہنسی مذاق ہورہا ہے، دل لگی ہو رہی ہے، فلمیں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور بظاہر دیکھنے میں الگ انتظام ہے۔ ایسے موقع پر خواتین کھڑے ہو کر کیوں یہ نہیں کہتیں کہ مرد یہاں کیوں آرہے ہیں؟ ہم پردہ نشین خواتین ہیں، لہٰذا ان مردوں کو باہر نکالا جائے۔

دین پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور پھر خاموشی!

شادی بیاہ میں بہت سے معاملات پر لڑائی جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات پر ناراضگیاں ہو جاتی ہیں کہ ہمارا فلاں جگہ پر خیال نہیں کیا' اور ہمارا فلاں جگہ پر خیال نہیں کیا' اسی پر لڑائی جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں' اور ایک دوسرے کے ساتھ تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تم اگر پردہ نشین خاتون ہو تو اور چیزوں پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو' اگر تمہاری زیادہ آؤ بھگت نہیں ہوئی تو اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرو' لیکن جب تمہارے دین پر ڈاکہ ڈالا جائے تو وہاں تمہارے لئے خاموش رہنا جائز نہیں' کھڑے ہو کر بھری تقریب میں کہہ دو کہ یہ چیز ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ جب تک کچھ مرد اور خواتین اس بات کا تہیہ نہیں کرلیں گے اس وقت تک یاد رکھو! حیاء کا تحفظ نہیں ہو سکے گا' اور یہ سیلاب بڑھتا چلا جائے گا۔

ورنہ عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ

بہرحال! ہم لوگ جو کم از کم دین کا نام لیتے ہیں' جب تک اس کا عزم اور تہیہ نہیں کرلیں گے' اس وقت تک یہ سیلاب نہیں رُکے گا۔ خدا کے لئے اس کا عزم کرلیں' ورنہ پھر اللہ کے عذاب کے لئے تیار رہیں' کسی کے اندر اگر اس عذاب کے سہارنے کی ہمت ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہو جائے' یا پھر اس کا عزم کرلیں۔

اپنا ماحول خود بناؤ

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ بڑے

کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ :

"تم کہتے ہو کہ ماحول خراب ہے' معاشرہ خراب ہے' ارے تم اپنا ماحول خود بناؤ' تمہارے تعلقات ایسے لوگوں سے ہونے چاہئیں جو ان اصولوں میں تمہارے ہم نوا ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں میں تمہارے ہم نوا نہیں' ان کا راستہ الگ ہے' اور تمہارا راستہ الگ ہے۔ لہذا اپنا ایک ایسا حلقہ احباب تیار کرو جو ایک دوسرے کے ساتھ ان معاملات میں تعاون کے لئے تیار ہو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق گھٹاؤ جو ایسے معاملات میں تمہارے راستے میں رکاوٹ ہیں"۔

آزادانہ میل جول کے نتائج

بہرحال! عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک خرابی تو یہ ہوئی کہ فیملی سسٹم تباہ ہو گیا' اور دوسری خرابی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی کشش رکھی ہے' اور عورت کے دل میں مرد کی کشش رکھی ہے' یہ فطری بات ہے' آپ اس پر کتنے بھی پردے ڈالیں' لیکن یہ ایک حقیقت ہے' جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ تو جب ان دونوں کے درمیان آزادانہ میل جول ہوگا' اور آزادانہ اجتماع ہوگا اور ہر وقت میل ملاپ ہوگا' اور ہر وقت ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو وہ کشش جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے' کسی نہ کسی وقت رنگ لاکر گناہ پر آمادہ کرے گی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ یقیناً گناہ کی طرف بڑھیں گے۔ آپ اپنی اسی سوسائٹی میں رہتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کے نتیجے میں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں اس وقت اس ملک میں کوئی مرد یا عورت ناجائز طریقے سے اپنی جنسی

تسکین کرنا چاہے تو اس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں' کوئی قانون ان کو روکنے والا نہیں ہے' کوئی معاشرہ ان کو روکنے والا نہیں ہے' کوئی معاشرتی رکاوٹ ان پر عائد نہیں' لیکن اس کے باوجود اس ملک (امریکہ) میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ کل ہی کے اخبار میں میں نے پڑھا کہ اس ملک (امریکہ) میں ہر ۴۶ سیکنڈ پر ایک زنا بالجبر کا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ جس ملک میں رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش پوری کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو' اس کے باوجود زنا بالجبر اتنی کثرت سے ہو رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ کیا ہے؟

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان اپنی فطری حدود سے باہر نکل گیا ہے' جب تک انسان فطری حدود کے اندر رہ کر جنسی خواہشات کی تسکین کا راستہ اختیار کرے گا' اس وقت تک انسان جنسی خواہشات کی تکمیل کے ذریعہ سکون حاصل کرے گا۔ لیکن جب وہ فطری حدود سے آگے بڑھے گا تو پھر وہ جنسی خواہش ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتی ہے' پھر وہ ایسی بھوک ہے جو کبھی نہیں مٹتی۔ اور ایسی پیاس ہے جو کبھی نہیں بجھتی' اور اس کے بعد پھر انسان کسی ایک حد پر جا کر قانع نہیں ہوتا' بلکہ وہ مزید کا طلب گار رہتا ہے۔

اس لئے مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کا وہی نتیجہ ہوگا جو آپ دیکھ رہے ہیں' اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ اس حکم سے بغاوت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ:

﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ﴾

اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ آج ہم یہ حکم چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل پڑے ہیں۔

ضرورت کے وقت گھر سے باہر جانے کی اجازت

البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر عورت بھی ایک انسان ہے' اس کو بھی گھر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے' اس کے دل میں بھی گھر سے باہر نکلنے کی خواہش ہوتی ہے' تاکہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملاقات کرے' اور بعض اوقات اپنی ذاتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے' اور بعض اوقات اس کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو ان کاموں کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ جو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہو' اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں تالہ لگا کر عورت کو اندر بند کردیا جائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے' البتہ ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر بھی جاسکتی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے عورت پر کسی زمانے میں بھی روزی کمانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی' شادی سے پہلے اس کی مکمل کفالت باپ کے ذمے ہے' اور شادی کے بعد اس کی تمام کفالت شوہر کے ذمے ہے' لیکن جس عورت کا نہ باپ ہو' نہ شوہر ہو اور نہ معاشی کفالت کا کوئی ذریعہ موجود ہو' تو ظاہر ہے کہ اس کو معاشی ضرورت کے لئے گھر سے باہر جانا پڑے گا' اس صورت میں باہر جانے کی اجازت ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ جائز تفریح کے لئے بھی گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ گھر سے باہر بھی لے کر گئے۔

کیا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی دعوت ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ :

﴿ أعائشة معي؟ ﴾

کیا عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ زمانہ سادگی اور بے تکلفی کا تھا' اور اس وقت ان صحابی کے ذہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بلانے کا ارادہ نہیں تھا' اس لئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یا رسول اللہ! میں صرف آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف جواب دے دیا :

﴿ إذا فلا ﴾

یعنی اگر عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی دعوت نہیں تو میں بھی نہیں آتا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ صحابی پھر حاضر ہوئے' اور عرض کیا : یا رسول اللہ! میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں' آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ :

﴿ أعائشة معي؟ ﴾

کیا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے یا نہیں؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ یا رسول اللہ! صرف آپ کی دعوت ہے' آپ نے پھر انکار فرمادیا کہ پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد تیسری مرتبہ آکر پھر دعوت دی' اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ میری دعوت قبول فرمالیں' آپ نے پھر وہی پوچھا کہ :

﴿ أ مائشة معی ؟ ﴾

کیا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی میرے ساتھ دعوت ہے؟ اب کی مرتبہ انہوں نے کہا :

﴿ نعم ! یا رسول اللہ ! ﴾

جی ہاں یا رسول اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی آپ کے ساتھ دعوت ہے' آپ نے فرمایا :

﴿ إذا فنعم ! ﴾

اب میں دعوت قبول کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم' کتاب الاطعمۃ' باب مایفعل الضیف اذا اتبعہ غیر من دعاہ صاحب الطعام' حدیث نمبر ۲۰۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار کی وجہ

روایت میں تو اس کی صراحت نہیں ہے' البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ ضرور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط لگاتے' بلکہ آپ کا معمول یہی تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس کو قبول فرما لیتے تھے' لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو صحابی آپ کی دعوت کر رہے تھے' شاید ان کے دل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے کوئی میل اور کدورت ہوگی' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس کدورت کو دور کرنا چاہتے تھے' اس لئے آپ نے بار بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے جانے کی شرط

لگائی۔

بیوی کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہے

یہ دعوت مدینہ طیبہ میں نہیں تھی' بلکہ مدینہ طیبہ سے باہر کچھ فاصلے پر ایک بستی میں یہ دعوت تھی' اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر چلے' راستے میں ایک کھلا میدان آیا' جس میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا' اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانا ایک جائز تفریح تھی' اس جائز تفریح کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا۔ کیونکہ ایک خاتون کو جائز تفریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے' اور اس قسم کی تفریح کی اجازت ہے' بشرطیکہ جائز حدود میں ہو' بے پردگی کے ساتھ نہ ہو' اور غیر محرموں کے ساتھ نہ ہو۔

(ابوداؤد' کتاب الجہاد' باب فی السبق علی الرجل' حدیث نمبر ۲۵۷۸)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا واقعہ اور دوڑنے کا واقعہ ایک ہی سفر میں پیش آیا' البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ سفر میں پیش آئے ہیں۔ (میمن)

زیب و زینت کے ساتھ نکلنا جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے' مگر باہر نکلنے کے لئے یہ شرط لگادی کہ پردے کی پابندی ہونی چاہئے' اور اپنے جسم کی نمائش نہیں ہونی چاہئے' اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ﴾

یعنی اگر کبھی نکلنے کی ضرورت ہو تو اس طرح زیب و زینت کے ساتھ نمائش کرتی ہوئی نہ نکلو' جیسا کہ جاہلیت کی عورتیں نکلا کرتی تھیں' اور ایسی آرائش اور زیب و زینت کے ساتھ نہ نکلو جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو' بلکہ حجاب کی پابندی کے ساتھ پردہ کر کے نکلو' اور جسم ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا ہوا ہو۔ ہمارے زمانے میں تو برقع کا رواج ہے' اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چادریں استعمال ہوتی تھیں' اور وہ چادریں سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم کو چھپالیتی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت تو دی گئی' لیکن اس کے باہر نکلنے سے فتنے کا اندیشہ ہے' اور اس فتنے کا سدِّباب پردہ کے ذریعہ ہو جائے گا' اس لئے حجاب کا حکم عائد کیا گیا۔

کیا پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو تھا؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کے لئے تھا۔ اور یہ حکم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے لئے نہیں ہے' اور اسی مندرجہ بالا آیت ہی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب صرف ازواجِ مطہّرات کو کیا جارہا ہے۔ یاد رکھو! یہ بات نقلی اور عقلی ہر اعتبار سے غلط ہے' اس لئے کہ ایک طرف تو اس آیت میں شریعت کے بہت سے احکام دیئے گئے ہیں' مثلاً ایک حکم تو یہی ہے کہ :

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ﴾

"جاہلیت کی عورتوں کی طرح خوب زیب و زینت اور آرائش کر کے باہر نہ نکلو"۔

تو کیا یہ حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ اور دوسری عورتوں کو اس کی اجازت ہے کہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح زیب وزینت کرکے باہر نکلا کریں؟ ظاہر کہ دوسری عورتوں کو بھی اجازت نہیں۔ اور آگے ایک حکم یہ دیا کہ :

﴿وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ﴾

"اور نماز قائم کرو"۔

تو کیا نماز قائم کرنے کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کے لئے ہے؟ اور دوسری عورتوں کو نماز کا حکم نہیں؟ اور اس کے بعد ایک حکم یہ دیا گیا کہ :

﴿وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ﴾

"اور زکوٰۃ ادا کرو"۔

تو کیا زکوٰۃ کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں؟ اور آگے فرمایا کہ :

﴿وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"۔

تو کیا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم صرف ازواجِ مطہّرات کو ہے؟ دوسری عورتوں کو نہیں ہے؟ پوری آیت کا سیاق وسباق یہ بتا رہا ہے کہ اس آیت میں جتنے احکام ہیں، وہ سب کے لئے عام ہیں، اگرچہ براہِ راست خطاب ازواجِ مطہّرات کو ہے، لیکن ان کے واسطے سے پوری امت کی عورتوں کو خطاب ہے۔

یہ پاکیزہ خواتین تھیں

دوسری بات یہ ہے کہ حجاب اور پردے کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کے اندر بے پردگی کے نتیجے میں جو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا سدّباب کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا فتنہ صرف ازواجِ مطہرات کے باہر نکلنے سے پیدا ہوگا؟ معاذاللہ! وہ ازواجِ مطہّرات کہ ان جیسی پاکیزہ خواتین اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئیں، کیا انہیں سے فتنے کا خطرہ تھا؟ کیا دوسری عورتوں کے نکلنے سے فتنے کا اندیشہ نہیں ہے؟ تو جب ازواجِ مطہّرات کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ تم پردہ کے ساتھ نکلو تو دوسری عورتوں کو یہ حکم بطریق اولیٰ دیا جائے گا، اس لئے کہ ان سے فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

پردہ کا حکم تمام خواتین کو ہے

اس کے علاوہ دوسری آیت میں پوری امتِ مسلمہ سے خطاب ہے۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔ (سورۃ الاحزاب: ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے بھی کہہ دو، اور اپنی بیٹیوں سے بھی کہہ دو، اور تمام مومنوں کی عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنے چہروں پر اپنی چادریں لٹکالیا کریں"۔

اس سے زیادہ صاف اور واضح حکم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ "جلابیب" جمع ہے۔ "جلباب" کی اور "جلباب" اس چادر کو کہا جاتا ہے جس میں سر سے پاؤں

تک عورت کا پورا جسم اس میں چھپا ہوا ہو۔ اور پھر قرآن کریم نے صرف چادر پہننے کا حکم نہیں دیا، بلکہ لفظ "یُدْنِیْنَ" لائے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چادر آگے ڈھلکالیں، تاکہ چہرہ بھی نمایاں نہ ہو، اور اس چادر میں چھپ جائے۔ اب اس سے زیادہ واضح اور کیا حکم ہو سکتا ہے۔

حالتِ احرام میں پردہ کا طریقہ

آپ کو معلوم ہے کہ حج کے موقع پر احرام کی حالت میں عورت کے لئے کپڑے کو چہرے پر لگانا جائز نہیں، مرد سر نہیں ڈھک سکتے، اور عورتیں چہرہ نہیں ڈھک سکتیں، تو جب حج کا موسم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو حج کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا کہ ایک طرف تو پردہ کا حکم ہے، اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ حالتِ احرام میں کپڑا منہ پر نہ لگنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حج کے سفر پر اونٹ پر بیٹھ کر جا رہی تھیں تو ہم نے اپنے اپنے ماتھے پر ایک لکڑی لگائی ہوئی تھی، تو راستے میں جب سامنے کوئی اجنبی نہ ہوتا تو ہم اپنے نقاب الٹے رہنے دیتیں، اور جب کوئی قافلہ یا اجنبی مرد سامنے آتا دکھائی دیتا تو ہم اپنا نقاب اس لکڑے پر ڈال دیتیں، تاکہ وہ نقاب چہرے پر نہ لگے، اور پردہ بھی ہو جائے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں بھی ازواجِ مطہرات نے پردہ کو ترک نہیں فرمایا۔

(ابو داؤد کتاب الحج، باب فی المحرمۃ تغطی وجہہا حدیث نمبر ۱۸۳۳)

ایک خاتون کا پردہ کا اہتمام

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک خاتون کا بیٹا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا ہوا تھا، جنگ کے بعد تمام مسلمان واپس آئے،

لیکن اس کا بیٹا واپس نہیں آیا' اب ظاہر ہے کہ اس وقت ماں کی بے تابی کی کیا کیفیت ہوگی' اور اس بے تابی کے عالم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے دوڑیں کہ میرے بیٹے کا کیا بنا؟ اور جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ تمہارا بیٹا تو اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا۔ اب بیٹے کے مرنے کی اطلاع اس پر بجلی بن کر گری' اس اطلاع پر اس نے جس صبر وضبط سے کام لیا' وہ اپنی جگہ ہے' لیکن اسی عالم میں کسی شخص نے اس خاتون سے یہ پوچھا کہ اے خاتون! تم اتنی پریشانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں' اس حالت میں بھی تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا ہے؟ اور اس وقت بھی نقاب ڈالنا نہیں بھولیں؟ جواب میں اس خاتون نے کہا کہ :

﴿ ان أرزأ ابنی فلن أرزأ حیائی ﴾

"میرا بیٹا تو فوت ہوا ہے' لیکن میری حیاء تو فوت نہیں ہوئی"۔

یعنی میرے بیٹے کا جنازہ نکلا ہے' لیکن میری حیاء کا جنازہ تو نہیں نکلا۔ تو اس حالت میں بھی پردہ کا اتنا اہتمام فرمایا۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرھم من الأمم۔ حدیث نمبر ۲۴۸۸)

اہل مغرب کے طعنوں سے مرعوب نہ ہوں

غرض یہ کہنا تھا کہ حجاب کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا' اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی' اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ اب اہلِ مغرب نے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ مسلمانوں نے عورتوں کے ساتھ بڑا

ظالمانہ سلوک کیا ہے کہ ان کو گھروں میں بند کردیا' ان کے چہروں پر نقاب ڈال دی' اور ان کو ایک کارٹون بنا دیا۔ تو کیا مغرب کے اس مذاق اور پروپیگنڈے کے نتیجے میں ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کو چھوڑ دیں؟ یاد رکھو! جب ہمارے اپنے دلوں میں یہ ایمان اور اعتقاد پیدا ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ سیکھا ہے' وہی طریقہ برحق ہے تو پھر اہلِ مغرب کے طعنوں کی پرواہ نہیں' کوئی مذاق اڑاتا ہے تو اڑایا کرے' کوئی طعنے دیتا ہے تو دیا کرے' یہ طعنے تو مسلمان کے گلے کا زیور ہیں' انبیاء علیہم السلام جو اس دنیا میں تشریف لائے' کیا انہوں نے کچھ کم طعنے سہے؟ جتنے انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے' ان کو یہ طعنے دیئے گئے کہ یہ تو پسماندہ لوگ ہیں' یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں' یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سارے طعنے انبیاء کو دیئے گئے۔ اور تم جب مؤمن ہو تو انبیاء کے وارث ہو' اور جس طرح وراثت میں دوسری چیزیں ملتی ہیں' یہ طعنے بھی ملیں گے' کیا اس وراثت سے گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار کو چھوڑ دو گے؟ اگر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے تو پھر ان طعنوں کو سننے کے لئے کمر کو مضبوط کرکے بیٹھنا ہوگا۔

پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے

اور اگر فرض کرو کہ ان طعنوں کے نتیجے میں ان کے کہنے پر عمل کرلیا' پھر بھی تیسرے درجے کے شہری رہو گے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو گھر میں مت بٹھاؤ اور ان کو پردہ نہ کراؤ' حجاب نہ کراؤ' اب آپ نے ان کی بات مانتے ہوئے اس پر عمل کرلیا' اور عورتوں کو گھر سے باہر نکال دیا' ان کا پردہ بھی اتار دیا' دوپٹہ بھی اتار دیا' سبھی کچھ کرلیا' لیکن کیا انہوں نے یہ مان لیا کہ تم ہمارے ہو؟ اور کیا انہوں نے تمہیں وہی حقوق دے دیئے؟ کیا تمہیں وہی عزت دے

دی؟ نہیں، بلکہ اب بھی تم رجعت پسند اور دقیانوس ہو۔ اور اب بھی جب تمہارا نام آئے گا تو طعنوں کے ساتھ آئے گا، اگر تم نے سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز میں ان کی بات مان لی، پھر بھی تم تیسرے درجے کے شہری رہو گے۔

کل ہم ان کا مذاق اڑائیں گے

لیکن اس کے برخلاف اگر تم نے ان طعنوں سے ایک مرتبہ صرف نظر کرلی، اور یہ سوچا کہ یہ لوگ تو طعنے دیا ہی کریں گے، اور برا کہتے ہی رہیں گے، لیکن ہمیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنا ہے، اور ازواجِ مطہرات کے راستے پر چلنا ہے تو پھر ہزاروں طعنے دیں، اور ہمارا مذاق اڑائیں، اور ہم پر ہنسیں ہمیں پرواہ نہیں۔ لیکن ایک دن آئے گا کہ ہم ان پر ہنسیں گے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا کہ :

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ (سورۃ المطففین: ۳۴)

کفار کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفار مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں تو یہ معاملہ کرتے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کی ہنسی مذاق اڑاتے تھے، اور جب ان کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا تو یہ لوگ ایک دوسرے کو اشارے کرتے کہ دیکھو مسلمان جارہا ہے۔ لیکن جب آخرت کا مرحلہ آئے گا تو یہ ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے، اور صوفوں پر بیٹھ کر ان کو دیکھ رہے ہوں گے، انشاء اللہ۔ یہ دنیا کی زندگی کتنے دن کی ہے؟ یہ کفار کتنے دن ہنسی مذاق اڑائیں گے؟ جس دن آنکھ بند ہوگی، اس دن معلوم ہوگا کہ جو لوگ مذاق اڑاتے تھے، ان کا انجام کیا ہوا؟ اور جن کا مذاق اڑایا جاتا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اس ہنسی سے مرعوب ہو کر اپنا راستہ چھوڑ دیں اور اپنے طریقے کو خیر آباد کہہ

دیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواجِ مطہرات کا راستہ اپنائیں۔ کیونکہ نجات کا راستہ صرف یہی ہے۔ لہٰذا کفّار ہنسیں، مذاق اڑائیں، طعنہ دیں، جو کچھ چاہیں کریں، لیکن ہم اپنا طریقہ چھوڑنے والے نہیں۔

عزّت اسلام کو اختیار کرنے میں ہے

یاد رکھو! جو شخص اس کام کے لئے ہمّت کرکے اپنی کمر باندھ لیتا ہے، وہی شخص دنیا سے اپنی عزّت بھی کراتا ہے۔ عزّت در حقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں ہے، بلکہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ:

﴿ ان اللّٰہ قد اعزنا بالاسلام ﴾

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عزّت دی ہے وہ اسلام کی بدولت دی ہے"۔
اگر ہم اسلام کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں عزّت کے بجائے ذلّت سے ہمکنار کر دیں گے۔

داڑھی بھی گئی، اور ملازمت بھی نہیں ملی

میرے ایک بزرگ نے ایک سچّا واقعہ سنایا، جو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ان کے ایک دوست لندن میں تھے، اور کسی ملازمت کی تلاش میں تھے، ملازمت کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے کے لئے گئے، اس وقت ان کے چہرے پر داڑھی تھی، جو شخص انٹرویو لے رہا تھا اس نے کہا کہ داڑھی کے ساتھ یہاں کام کرنا مشکل ہے، اس لئے یہ داڑھی ختم کرنی ہوگی۔ اب یہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اپنی داڑھی ختم کروں یا نہ کروں۔ اس وقت تو وہ واپس چلے آئے، اور دو تین روز تک دوسری جگہوں پر ملازمت تلاش کرتے رہے اور کشمکش میں

جتلا رہے' دوسری ملازمت نہیں مل رہی تھی اور بے روزگار اور پریشان بھی تھے' آخر میں فیصلہ کرلیا کہ چلو داڑھی کٹوا دیتے ہیں' تاکہ ملازمت تو مل جائے' چنانچہ داڑھی کٹوادی اور اسی جگہ ملازمت کے لئے پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ یہ داڑھی کٹوا دو تو تمہیں ملازمت مل جائے گی تو میں داڑھی کٹوا کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ آپ مسلمان ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! اس نے پھر پوچھا کہ آپ اس داڑھی کو ضروری سمجھتے تھے یا غیر ضروری سمجھتے تھے؟ جواب دیا کہ میں اس کو ضروری سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے رکھی تھی۔ اس نے کہا کہ جب آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے' اور اللہ کے حکم کے تحت داڑھی رکھی تھی' اور اب آپ نے صرف میرے کہنے کی وجہ سے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کے وفادار نہیں' اور جو شخص اپنے اللہ کا وفادار نہ ہو' وہ اپنے افسر کا بھی وفادار نہیں ہو سکتا' لہٰذا اب ہم آپ کو ملازمت پر رکھنے سے معذور ہیں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ "داڑھی بھی گئی' اور ملازمت بھی نہ ملی"۔

صرف داڑھی نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے جتنے احکام ہیں' ان میں کسی کو یہ سوچ کر چھوڑنا کہ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے' یہ بسا اوقات دنیا و آخرت دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

چہرے کا بھی پردہ ہے

"حجاب" کے بارے میں اتنی بات ضرور عرض کروں کہ "حجاب" میں اصل بات یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم چادر سے یا برقع سے یا کسی ڈھیلے ڈھالے گون سے ڈھکا ہوا ہو' اور بال بھی ڈھکے ہوئے ہوں' اور چہرے کا حکم یہ ہے کہ اصلاً چہرے کا بھی پردہ ہے' اس لئے چہرے پر بھی نقاب ہونا چاہئے۔ اور یہ آیت جو میں نے ابھی تلاوت کی کہ :

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خواتین یہ کرتی تھیں کہ چادر اپنے اوپر ڈال کر اس کا ایک پلّہ چہرے پر ڈال لیتی تھیں' اور صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں' اور باقی چہرہ چادر کے اندر ڈھکا ہوتا تھا' تو "حجاب" کا اصل طریقہ یہ ہے' البتہ چونکہ ضروریات بھی پیش آتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے چہرے کی حد تک یہ گنجائش دی ہے کہ جہاں چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت داعی ہو' اس وقت صرف چہرہ کھولنے اور ہاتھوں کو گٹوں تک کھولنے کی اجازت ہے' ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ چہرہ سمیت پورا جسم ڈھکا ہونا چاہئے۔

مَردوں کی عقلوں پر پردہ پڑگیا

بہرحال! یہ "حجاب" کے مختصر احکام ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کی پاکیزہ اور پارسا زندگی کے لئے حجاب ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے' لہٰذا مَردوں کا فرض ہے کہ وہ خواتین کو اس پر آمادہ کریں اور خواتین کا فرض ہے کہ وہ اس کی پابندی کریں۔ اس وقت بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے جب بعض اوقات خواتین "حجاب" کرنا چاہتی ہیں لیکن مرد راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا اچھا قطعہ کہا ہے کہ:

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا
کہنے لگیں عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

آج حقیقت میں پردہ تمردوں کی عقلوں پر پڑ گیا ہے' وہ پردے کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو غلط خیالات سے نجات عطا فرمائیں' اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں' آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دین کی حقیقت

تسلیم و رضا

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

دین کا سارا کھیل یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا
کرنے کا نام دین نہیں، اپنے معمولات پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ بلکہ
دین ان کی اتباع کا نام ہے۔ وہ جیسا کہیں، ویسا کرنے کا نام
دین ہے، ان کو جو چیز پسند ہے اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے
اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے

دین کی حقیقت
تسلیم و رضا

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ـ واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا ـ

امّا بعد!

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرض العبد او سافر کتب له مثل ما کان يعمل مقيما صحيحا ـ

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الاقامۃ، حدیث نمبر ۲۹۹۲)

بیماری اور سفر میں نیک اعمال کا لکھا جانا

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلہ صحابہ اور فقہا صحابہ میں سے ہیں، اور ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ حبشہ کی طرف، اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے۔ یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو جو عبادات اور نیک اعمال صحت کی حالت میں یا اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ جب بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ سارے اعمال اس کے نامہ اعمال میں لکھتے رہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ اعمال نہیں کر پا رہا ہے، اس لئے کہ اگر وہ تندرست ہوتا، یا اپنے گھر میں ہوتا تو یہ اعمال کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی تسلی اور نعمت کی بات بتادی کہ بیماری میں معذوری اور مجبوری کی وجہ سے جب معمولات چھوٹ رہے ہیں تو اس پر بہت صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، کہ اگر تندرست ہوتا تو یہ کام کر لیتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو لکھ رہے ہیں۔

نماز کسی حالت میں معاف نہیں

۔ لیکن اس کا تعلق صرف نفلی عبادت سے ہے۔ جو عبادات فرض ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے جو تخفیف کر دی۔ اس تخفیف کے ساتھ ان کو انجام دینا ہی ہے۔ مثلاً نماز ہے۔ انسان کتنا ہی بیمار ہو۔ بستر مرگ پر ہو۔ اور مرنے کے قریب ہو۔ تب بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی تو فرمادی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لو۔ وضو نہیں کر سکتے تو تیمم کر لو، اگر کپڑے پاک رکھنا بالکل ممکن نہیں تو اسی حالت میں پڑھ لو، لیکن نماز کسی حالت میں معاف نہیں۔ جب تک انسان کے دم میں دم ہے۔ ہاں! اگر کوئی بے ہوش ہو جائے۔ یا غشی طاری ہو جائے۔ اور اسی حالت میں چھ نمازوں کا وقت گزر جائے تو اس وقت نماز معاف ہو جاتی ہے، لیکن جب تک ہوش میں ہے۔ اور دم میں دم ہے۔ اس

وقت تک نماز معاف نہیں۔

بیماری میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان بیمار ہوا۔ اور اب کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ بیٹھ کر پڑھنے کی قدرت نہیں تو لیٹ کر پڑھ رہا ہے۔ ایسے موقع پر بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دل تنگ کرتے رہتے ہیں۔ کہ اس حالت میں اب کھڑے ہو کر پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ اور بیٹھ کر پڑھنے کا بھی موقع نہیں مل رہا ہے۔ لیٹے لیٹے نماز پڑھ رہا ہوں۔ پتہ نہیں کہ وضو بھی ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔ تیمم بھی صحیح ہو رہا ہے یا نہیں، ان چیزوں میں پریشان رہتے ہیں۔ حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تسلی دے رہے ہیں کہ جب تم مجبوری کی وجہ سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں جو تندرستی کی حالت میں تم کیا کرتے تھے۔

اپنی پسند کو چھوڑ دو

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ یحب ان توتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ"

(مجمع الزوائد، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲)

یعنی جس طرح عزیمت جو اعلیٰ درجے کا کام ہے اس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی طرح مجبوری کی وجہ سے اگر رخصت پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی پسند کرتے ہیں۔ لہذا اپنی پسند کی فکر نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو جو حالت پسند ہے۔ وہی حالت مطلوب ہے۔

آسانی اختیار کرنا سنت ہے

بعض لوگوں کی طبیعت سخت کوشی کی ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مشقت کا کام کریں۔ بلکہ مشقت ڈھونڈتے ہیں، اس لئے ڈھونڈتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس

میں زیادہ ثواب ہے، چونکہ بہت سے بزرگوں سے بھی اس قسم کی باتیں منقول ہیں۔ لہذا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن سنت کا طریقہ وہ نہیں۔ سنت کا طریقہ یہ ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ

"ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسرھما"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۱۲۶)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آسانی اختیار کرنا۔ معاذ اللہ۔ تن آسانی کے لئے تھا؟ اور کیا مشقت اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا دنیاوی راحت اور آرام حاصل کرنے کے لئے تھا؟ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ تن آسانی اور راحت و آرام حاصل کرنے کے لئے آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ لہذا اس کی وجہ وہی ہے کہ آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں ہے۔ بلکہ شکستگی ہے، میں تو عاجز بندہ ہوں، ناکارہ ہوں۔ میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی کا اظہار ہے، اور اگر مشکل راستہ اختیار کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری جتاتا ہے۔

دین "اتباع" کا نام ہے

دین کی ساری بنیاد یہ ہے کہ کسی خاص عمل کا نام دین نہیں۔ کسی خاص شوق کا نام دین نہیں۔ اپنے معمولات پورے کرنے کا نام دین نہیں۔ اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں، دین نام ہے ان کی اتباع کا۔ وہ جیسا کہیں ویسا کرنے کا نام دین ہے۔ ان کو جو چیز پسند ہے۔ اس کو اختیار کرنے کا نام دین ہے۔ اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینے کا نام دین ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں۔ وہی بہتر ہے۔ یہ جو صدمہ اور حسرت ہوتی رہتی ہے کہ ہم تو بیمار ہو گئے۔ اس واسطے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھی جا رہی ہے۔ لیٹ کر پڑھ رہے ہیں۔ یہ صدمہ کرنے کی بات نہیں۔ ارے اللہ تعالیٰ کو

وہی پسند ہے۔ اور جب یہی پسند ہے تو اس وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ کرو۔ اور ان کو ویسا ہی کرنا پسند ہے۔ اگرچہ اس وقت تم کو زبردستی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پسند ہے۔ لیکن اپنی تجویز کو فنا کر دیجئے۔ اور اللہ جل جلالہ نے جیسا مقدر کر دیا اس پر راضی رہنے کا نام بندگی ہے۔ اپنی طرف سے تجویز کرنا کہ یوں ہوتا تو یوں کر لیتا۔ یہ کوئی بندگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ

جب اللہ تعالیٰ یہ چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کرے۔ تو ہائے ہائے کرو۔ ایک بزرگ دوسرے بزرگ کے پاس عیادت کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ بزرگ بڑی سخت تکلیف میں ہیں، لیکن بجائے کچھ کراہنے کے "اللہ اللہ" اور "الحمد للہ۔ الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا: بھائی! یہ تمہارا "الحمد للہ" کرنا بڑا قابل مبارک باد ہے۔ لیکن یہ موقع اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا ہے کہ "یا اللہ! مجھے عافیت عطا فرما دیجئے" اس وقت میں "الحمد للہ" کہنا، یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا ہے کہ اللہ میاں! آپ تو مجھے بیمار کر رہے ہیں۔ لیکن میں اتنا بہادر ہوں کہ میری زبان پر کبھی آہ نہیں آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا یہ کوئی بندگی نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی دکھانا بندگی ہے۔ وہ جب چاہ رہے ہیں کہ بندہ تھوڑا سا ہائے ہائے کر کے پکارے۔ تو عاجز اور بے بس بن کر اللہ میاں کو پکارو۔ کیسے پکارو؟ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے پکارا تھا کہ:

أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۝

(سورۃ الانبیاء: ۸۳)

پیغمبر سے زیادہ کون بہادر ہوگا۔ اتنی زبردست بیماری اور اتنی زبردست تکلیف، لیکن اللہ میاں کو پکار رہے ہیں کہ "مسنی الضر" اے اللہ! مجھے تکلیف پہنچ گئی ہے۔ "وانت ارحم الراحمین" لہٰذا وہ جب چاہ رہے ہیں کہ ان کو پکارا جائے۔ اور آدمی تھوڑا سا کراہے تو پھر کراہنے میں ہی مزہ ہے۔ وہ جیسا کہیں اسی کے کرنے میں مزہ ہے، اللہ میاں کے سامنے اتنا ضبط بھی اچھا نہیں، یہ بھی بندگی کے خلاف ہے۔

انسان کا اعلیٰ ترین مقام

یاد رکھو! انسان کا اعلیٰ ترین مقام، جس سے اونچا مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ "عبدیت" اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف بیان فرمائے، فرمایا کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○

(سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

یعنی ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اوصاف ذکر فرمائے۔ لیکن جہاں معراج کا ذکر آیا، اور اپنے پاس بلانے کا ذکر فرمایا۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "عبد" کا لفظ ذکر کیا۔ فرمایا:

"سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ"

(سورۃ بنی اسرائیل: ۱)

یعنی وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گیا" یہاں "شاہد" "مبشر" اور "سراج منیر" کے الفاظ نہیں لائے بلکہ صرف ایک لفظ "عبد" لائے۔ یہ بتلانے کے لئے کہ انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، شکستگی اور عاجزی کا مقام ہے۔

توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

ہمارے بڑے بھائی تھے محمد ذکی کیفی مرحوم۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بہت اچھا شعر کہا ہے۔ لوگ اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔ اسی بات کو انہوں نے بڑے خوبصورت پیرائے میں کہا ہے۔ کہتے ہیں کہ:۔

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

(کیفیات: ذکی کیفی ص ۱۳۱)

یہ جو غم کو اتنا ضبط کر رہے ہو کہ منہ سے "آہ" بھی نہ نکلے "کراہ" بھی نہ نکلے۔ تو کیا تم اس کے پندار کو توڑنا چاہتے ہو۔ جو تمہیں اس غم میں مبتلا کر رہا ہے؟ اس کا پندار توڑنا مقصود ہے؟ اس کے آگے بہادری دکھانا چاہتے ہو؟۔ یہ بندہ کا کام نہیں۔ بندہ کا کام تو یہ ہے کہ جب اس نے ایک تکلیف دی تو اس تکلیف کا مقتضا یہ ہے کہ اس تکلیف کے ازالے کے لئے اس کو پکارا جائے۔ اگر اس نے غم دیا ہے۔ تو اس غم کا اظہار شرعی حدود میں رہ کر کیا جائے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ جب بچے کا انتقال ہو گیا تو فرمایا:

انا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون۔

"اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر بڑے غمگین ہیں"

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انا بک لمحزونون، حدیث نمبر ۱۳۰۳)

بات یہ ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں وہی حالت پسندیدہ ہے۔ جب وہ چاہ رہے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھو تو پھر لیٹ کر ہی نماز پڑھو۔ اس وقت لیٹ کر پڑھنے ہی میں وہ ثواب اور وہ اجر ہے۔ جو عام حالت میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں ہے۔

رمضان کا دن لوٹ آئے گا

ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا۔ اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا، اب اس کو غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا۔ حضرت" فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر یہ روزہ اپنی ذات کے لئے رکھ رہے ہو، اپنی خوشی کے لئے اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو تو بے شک اس پر صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور روزہ چھوٹ گیا۔ لیکن اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔ تو مقصود پھر بھی حاصل ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے۔

لیس من البر الصیام فی السفر

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیس من البر الصوم فی السفر، حدیث نمبر ۱۹۴۶)

سفر کی حالت میں جب کہ شدید مشقت ہو۔ اس وقت روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں۔ لیکن قضا کرنے کے بعد جب عام دنوں میں روزہ رکھو گے تو اس میں وہ تمام انوار و برکات حاصل ہوں گے جو رمضان کے مہینے میں حاصل ہوتے تھے۔ گویا کہ اس شخص کے حق میں رمضان کا دن لوٹ آئے گا، اور رمضان کے دن روزہ رکھنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا۔ وہ فائدہ اس دن قضا کرنے میں حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ مثلاً بیماری ہے سفر ہے۔ یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے۔ اس کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں۔ تو غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس وقت میں روزہ چھوڑ دینا اور کھانا پینا ہی اللہ کو پسند ہے، اور لوگوں کو روزہ رکھ کر جو ثواب مل رہا ہے۔ تمہیں روزہ نہ رکھ کر وہی ثواب مل رہا ہے۔ اور عام لوگوں کو بھوکا رہ کر جو ثواب مل رہا ہے۔ تمہیں کھانا کھا کر مل رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ وہی انوار و برکات عطا فرما رہے ہیں۔ جو عام روزہ داروں کو عطا فرما رہے ہیں۔ اور پھر جب بعد میں اس روزے کی قضا کرو گے تو قضا کے دن رمضان کی ساری برکتیں اور سارے انوار حاصل ہوں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں رہتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بیماری کے اندر جو صدمہ ہو رہا ہے کہ "روزہ" چھوٹ گیا، اس صدمہ سے دل ٹوٹا، دل شکستہ ہوا۔ دل کی اس شکستگی کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو نواز دیتے ہیں، چاہے صدموں سے دل ٹوٹے، یا غموں سے ٹوٹے یا افکار سے ٹوٹے، یا خوف خدا سے ٹوٹے۔ یا فکر آخرت سے۔ کسی بھی طرح ہو۔۔ بس جب دل ٹوٹتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتوں کا مورد بن جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

انا عند المنکسرۃ قلوبھم من اجلی

میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوں

(اتحاف: ۶/ ۲۹۰)

(اگرچہ محدثین نے حدیث کی حیثیت سے اس کو بے اصل کہا ہے۔ لیکن جو معنی اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں) دل پر یہ چوٹیں جو پڑتی رہتی ہیں۔ اس طرح کہ کبھی کوئی تکلیف آگئی۔ کبھی کوئی صدمہ آگیا، کبھی کوئی پریشانی آگئی۔ یہ دل کو توڑا جا رہا ہے، کیوں توڑا جا رہا ہے؟ اس کو اس لئے توڑا جا رہا ہے کہ اس کو اپنی رحمتوں اور اپنے فضل و کرم کا مورد بنایا جا رہا ہے۔

تو بچا بچا کر نہ رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں
(اقبال)

یہ دل جتنا ٹوٹے گا، اتنا ہی آئینہ ساز یعنی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز ہوگا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل کو توڑتے ہیں۔ تو اس کے ذریعہ اس کو بلندیوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صدمے، یہ افکار یہ غم جو انسان کو آتے ہیں، یہ مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں، جس سے انسان کے درجات میں اتنی ترقی ہوتی ہے کہ عام حالات میں اتنی ترقی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ شعر اکثر سناتے کہ۔

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

جب یہ دل ٹوٹ ٹوٹ کر بگڑتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اس کی رحمتوں کا مورد بنتا ہے۔ ایک غزل کا شعر حضرت والا سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے۔

بتان ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دل میں تجلی فرماتے ہیں۔ اس لئے ان غموں اور صدموں سے ڈرو نہیں، یہ آنسو جو گر رہے ہیں۔ یہ دل جو ٹوٹ رہا ہے۔ یہ آہیں جو نکل رہی ہیں، اگر اللہ جل جلالہ پر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی تصدیق دل میں ہے تو یہ سب چیزیں تمہیں کہیں سے کہیں پہنچا رہی ہیں۔

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے
(ابن..)

وادی عشق کا راستہ بڑا لمبا چوڑا راستہ ہے، لیکن بعض اوقات سو سال کا فاصلہ ایک آن میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ان صدموں اور غموں اور پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

دین تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ نہیں

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات اتار دے کہ دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، اپنی عادت پوری کرنے کا نام دین نہیں۔ دین اس کا نام ہے کہ جس وقت جو کام کرنے کو کہا جا رہا ہے وہ کریں۔ نہ کسی عمل میں کچھ رکھا ہے۔ نہ نماز میں کچھ رکھا ہے۔ نہ روزے میں کچھ رکھا ہے۔ کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ ہے وہ ان کی رضا میں ہے۔

عشق تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں
(کیفیات۔ ذکی کیفی ۲۰۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ جس کام سے خوش ہوں۔ وہی کام کرنے کا ہے۔ اسی کام میں مزہ ہے

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے
(غالب)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں میں پیوست فرما دے تو دین کو سمجھنے کے راستے کھل جائیں۔

تیمار داری میں معمولات کا چھوٹنا

اور یہ جو بتایا کہ بیماری کی حالت میں اگر معمولات چھوٹ جائیں تو اس پر وہی کچھ

لکھا جارہا ہے جو صحت کی حالت میں کرنے سے ملتا۔ علماء کرام نے فرمایا کہ اس میں جس طرح اپنی بیماری داخل ہے۔ ان لوگوں کی بیماری بھی داخل ہے جن کی تیمار داری اور خدمت انسان کے فرائض میں شامل ہے۔ کسی کے والدین بیمار ہو گئے۔ اب دن رات ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ ان کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے معمولات چھوٹ گئے، اب نہ تلاوت ہو رہی ہے۔ نہ نوافل ہو رہے ہیں۔ نہ ذکر ہے نہ تسبیح ہے۔ سب کچھ چھوٹا جارہا ہے۔ اور دن رات ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ خود بیمار نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی جو اعمال چھوٹ رہے ہیں۔ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھے جا رہے ہیں۔ کیوں؟

وقت کا تقاضہ دیکھو

اس لئے کہ ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کی زندگی درست کرنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ فرماتے تھے میاں! ہر وقت کا تقاضہ دیکھو۔ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ اس وقت مجھ سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ نہ سوچو کہ اس وقت میرا کس کام کو دل چاہ رہا ہے۔ دل چاہنے کی بات نہیں۔ بلکہ یہ دیکھو اس وقت تقاضہ کس کام کا ہے؟ اس تقاضے کو پورا کرو۔ یہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی ہے۔ تم نے تو اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا کہ روزانہ تہجد پڑھا کروں گا، روزانہ اتنے پارے تلاوت کیا کروں گا۔ روزانہ اتنی تسبیحات پڑھا کروں گا، اب جب ان کاموں کا وقت آیا تو دل چاہ رہا ہے کہ یہ کام میں پورے کروں۔ اور دھن پر اس کام کا بوجھ ہے۔ اب عین وقت پر گھر میں سے بیمار ہو گئیں۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی تیمار داری، علاج اور دوا دارو میں لگنا پڑا۔ اور اس میں لگنے کی وجہ سے وہ معمول چھوٹنے لگا۔ اس وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ کیا ہو گیا۔ میرا تو آج کا معمول قضا ہو جائے گا۔ اس وقت تو میں بیٹھ کر تلاوت کرتا۔ ذکر واذکار کرتا، اب مارا مارا پھر رہا ہوں کہ کبھی ڈاکٹر کے پاس، کبھی حکیم کے پاس، کبھی دوا خانے، یہ میں کس چکر میں پھنس گیا۔ ارے! اللہ تعالیٰ نے جس چکر میں ڈالا، اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کرو، اگر اس وقت وہ کام چھوٹ کر تلاوت

کرنے بیٹھ جاؤ گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اب وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کام کرو۔ اب اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تلاوت کرنے میں ملتا۔ اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تسبیحات میں ملتا۔ یہ ہے اصل دین۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان حضرات میں سے تھے جن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کام کی بات القا فرماتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ فلاں کام کا شوق ہو گیا۔ لہٰذا اب تو وہی کام کریں گے۔ مثلاً علم دین پڑھنے اور عالم بننے کا شوق ہو گیا۔ اس سے قطع نظر کہ تمہارے لئے عالم بننا جائز بھی ہے یا نہیں؟ گھر میں ماں بیمار پڑی ہے، باپ بیمار پڑا ہے۔ اور گھر میں دوسرا کوئی خدمت کرنے والا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا موجود نہیں، لیکن آپ کو شوق ہو گیا کہ عالم بنیں گے، چنانچہ ماں باپ کو بیمار چھوڑ کر مدرسہ میں پڑھنے چلے گئے۔ یہ دین کا کام نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ دین کا کام تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر ماں کی خدمت کرو۔ باپ کی خدمت کرو۔

مفتی بننے کا شوق

یا مثلاً تخصص پڑھنے اور مفتی صاحب بننے کا شوق ہو گیا۔ بہت سے طلبہ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمیں تخصص پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ اور ہم فتویٰ نویسی سیکھنا چاہتے ہیں، ان سے پوچھا کہ آپ کے والدین کا کیا منشا ہے؟ جواب دیا کہ والدین تو راضی نہیں ہیں۔ اب دیکھئے کہ والدین تو راضی نہیں ہیں اور یہ مفتی صاحب بننا چاہتے ہیں۔ یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔

تبلیغ کرنے کا شوق

یا مثلاً تبلیغ کرنے اور چلے میں جانے کا شوق ہو گیا۔ ویسے تو تبلیغ کرنا بڑی فضیلت

اور ثواب کا کام ہے، لیکن گھر میں بیوی بیمار پڑی ہے، کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے۔ اور آپ کو چلّہ لگانے کا شوق ہو گیا، یہ دین نہیں ہے، یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ اب اس وقت دین کا تقاضہ اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بیمار کی تیمارداری کرو، اور اس کا خیال کرو، اور اس کا علاج کرو، یہ دنیا نہیں ہے۔ یہ بھی دین ہے۔

مسجد میں جانے کا شوق

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلس میں اس پر یہ مثال دی کہ ایک شخص جنگل اور ویرانے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں۔ بس میاں بیوی دونوں اکیلے رہتے ہیں۔ اب میاں صاحب کو آبادی کی مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا، اب بیوی کہتی ہے کہ یہ تو جنگل اور ویرانہ ہے۔ اگر تم نماز پڑھنے آبادی کی مسجد میں چلے گئے تو مجھے اس ویرانے میں ڈر لگے گا۔ اور ڈر کے مارے میری جان نکل جائے گی، اس لئے بجائے مسجد جانے کے آج تم یہیں نماز پڑھ لو۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ وہ میاں صاحب تو تھے شوقین، چنانچہ شوق میں آکر اپنی بیوی کو وہیں جنگل میں اکیلا چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔ فرمایا کہ یہ شوق پورا کرنا ہے۔ یہ دین نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ گھر میں نماز پڑھتا۔ اور اپنی بیوی کی یہ پریشانی دور کرتا۔

یہ اس وقت ہے جہاں بالکل ویرانہ ہے۔ کوئی آبادی نہیں ہے، البتہ جہاں آبادی ہو تو وہاں مسجد میں جا کر نماز پڑھنی چاہئے۔

لہٰذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، کسی کو جہاد میں جانے کا شوق۔ کسی کو تبلیغ میں جانے کا شوق، کسی کو مولوی بننے کا شوق۔ کسی کو مفتی بننے کا شوق اور اس شوق کو پورا کرنے کے نتیجے میں ان حقوق کا کوئی خیال نہیں جو اس پر عائد ہو رہے ہیں۔ اس بات کا کوئی خیال نہیں کہ اس وقت میں ان حقوق کا تقاضہ کیا ہے؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرو، یہ در حقیقت اسی لئے ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ اس وقت تمہیں کونسا کام کرنا چاہئے؟ اب یہ باتیں جو اس وقت کہہ رہا ہوں۔ اس کو کوئی آگے اس طرح نقل کر دے گا کہ وہ مولانا صاحب تو یہ کہہ رہے تھے کہ مفتی بننا بری بات ہے۔ یا تبلیغ کرنا بری بات ہے۔ وہ صاحب تو تبلیغ

کے مخالف ہیں۔ کہ تبلیغ میں اور چلے میں نہیں جانا چاہئے۔ یا جہاد میں نہیں جانا چاہئے۔ ارے بھائی! یہ سب کام اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام ہیں۔ یہ دیکھو کہ کس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ تم سے کس وقت کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟ اس مطالبے اور تقاضے پر عمل کرو۔ اپنے دل و دماغ سے ایک راستہ متعین کر لیا اور اس پر چل کھڑے ہوئے، یہ دین نہیں ہے۔ دین یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اس وقت کس بات کا حکم دے رہے ہیں؟

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندی زبان کی ایک مثل بہت کثرت سے سنایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ:

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

قصہ یوں ہے کہ ایک لڑکی کو دلہن بنایا جا رہا تھا۔ اور اس کا سنگھار پٹار کیا جا رہا تھا، اب جو کوئی آتا اس کی تعریف کرتا کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے۔ تیرا چہرہ اتنا خوبصورت ہے۔ تیرا جسم اتنا خوبصورت ہے۔ تیرا زیور اتنا خوبصورت ہے۔ اس کی ایک ایک چیز کی تعریف کی جا رہی تھی۔ لیکن وہ لڑکی ہر ایک کی تعریف سنتی، لیکن خاموش رہتی۔ اور سنی ان سنی کر دیتی۔ کسی خوشی کا اظہار نہ کرتی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ تیری سہیلیاں تیری اتنی تعریفیں کر رہی ہیں۔ تجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ اس لڑکی نے جواب دیا کہ ان کی تعریف سے کیا خوشی ہو۔ اس لئے کہ یہ جو کچھ تعریفیں کریں گی۔ وہ ہوا میں اڑ جائیں گی۔ بات جب ہے کہ جس کے لئے مجھے سنوارا جا رہا ہے، وہ تعریف کرے۔ وہ پسند کر کے کہہ دے کہ ہاں! تو اچھی لگ رہی ہے، تب تو فائدہ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں میری زندگی سنور جائے گی۔ لیکن اگر یہ عورتیں تو تعریف کر کے چلی گئیں اور جس کے لئے مجھے سنوارا گیا تھا۔ اس نے ناپسند کر دیا تو پھر اس دلہن بننے اور اس سنگھار پٹار کا کیا فائدہ؟

بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

یہ قصہ سنانے کے بعد حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ دیکھو کہ جو کام تم کر رہے ہو۔ جس کے لئے کر رہے ہو اس کو پسند ہے یا نہیں؟ لوگوں نے تو تعریف کر دی

کہ بڑے مفتی صاحب ہیں۔ بڑے عالم اور بڑے مولانا صاحب ہیں۔ لوگوں نے تعریف کر دی کہ تبلیغ میں بہت وقت لگاتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں نکلتا ہے۔ کسی کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ مجاہد اعظم ہے۔ ارے ان لوگوں کے کہنے سے کیا حاصل! جس کے لئے کر رہے ہو وہ یہ کہہ دے کہ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے

(ظفر علی خان)

اس وقت فائدہ ہے۔ لہٰذا جب ہر کام کا مقصد ان کو راضی کرنا ہے تو پھر ہر وقت انسان کو یہ فکر رہنی چاہئے کہ اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہو رہا ہے؟

اذان کے وقت ذکر چھوڑ دو

اچھے خاصے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ لیکن جیسے ہی اذان کی آواز کان میں پڑی، حکم آگیا کہ ذکر چھوڑ دو۔ اور خاموش ہو کر مؤذن کی آواز سنو۔ اور اس کا جواب دو۔ اگرچہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اذان کے وقت اگر ذکر کرتے رہتے تو کئی تسبیحات اور پڑھ لیتے۔ مگر ذکر سے روک دیا گیا۔ جب روک دیا تو اب رک جاؤ۔ اب ذکر میں فائدہ نہیں۔ اب آذان سننے اور اس کا جواب دینے میں فائدہ ہے۔

جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج بڑی عجیب وغریب عبادت بنائی ہے۔ اگر آپ حج کی عاشقانہ عبادت کو شروع سے آخر تک دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قدم قدم پر قاعدوں کے بت توڑے ہیں۔ اب دیکھیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ لیکن آٹھ ذی الحجہ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مسجد حرام چھوڑو۔ اور منیٰ میں جا کر پڑاؤ ڈالو۔ وہاں نہ حرم، نہ کعبہ، اور نہ وہاں پہ کوئی کام، نہ وقوف ہے۔ نہ رمی جمرات ہے۔ بس یہ حکم دے دیا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑو۔ اور منیٰ کے جنگل میں جا کر پانچ نمازیں ادا کرو، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ

یہ بتانا مقصود ہے کہ نہ اس کعبہ میں کچھ رکھا ہے اور نہ حرم میں کچھ رکھا ہے۔ نہ مسجد حرام میں کچھ رکھا ہے۔ جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہہ دیا کہ مسجد حرام میں جا کر نماز پڑھو، تو اب ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اور جب ہم نے کہہ دیا کہ مسجد حرام کو چھوڑو۔ اب اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھے گا تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کیا ملے گا۔ بلکہ الٹا گناہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس نے ہمارے حکم کو توڑ دیا۔

نماز اپنی ذات میں مقصود نہیں

قرآن و سنت میں نماز وقت پر پڑھنے کی بہت تاکید وارد ہے۔ فرمایا کہ:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

(سورۃ النساء ١٠٣)

نماز کو وقت کے ساتھ پابند کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے سے پہلے نماز پڑھ لو۔ مغرب کی نماز کے بارے میں حکم دے دیا کہ تعجیل کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے پڑھ لو۔ تاخیر نہ ہو۔ لیکن عرفات کے میدان میں مغرب کی نماز جلدی پڑھو گے تو نماز ہی نہ ہوگی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے وقت عرفات کے میدان سے نکل رہے ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بار بار فرما رہے ہیں کہ "الصلاۃ یا رسول اللہ" "الصلاۃ یا رسول اللہ" اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ "الصلاۃ امامک" (نماز تمہارے آگے ہے) سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ اس مغرب کے وقت میں کچھ رکھا ہے۔ ارے بھائی! جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے۔ جب ہم نے کہا کہ جلدی پڑھو تو جلدی پڑھنا باعث ثواب تھا۔ اور جب ہم نے کہا کہ مغرب کا یہ وقت گزار دو۔ اور مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو اب تمہارے ذمے وہی فرض ہے۔ حج میں قدم قدم پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قاعدوں کے بت توڑے ہیں، عصر کی نماز میں تقدیم کرا دی، اور مغرب میں تاخیر کرا دی۔ ہر کام الٹا کرایا جا رہا ہے۔ اور تربیت اس بات کی دی جا رہی ہے کہ کسی چیز کو اپنی ذات میں مقصود نہ سمجھنا۔ نہ نماز اپنی ذات میں مقصود ہے۔ نہ روزہ اپنی ذات میں مقصود ہے۔ نہ کوئی اور

عبادت اپنی ذات میں مقصود ہے۔ مقصود اللہ جل جلالہ کی اطاعت ہے۔

افطار میں جلدی کیوں؟

یہ جو حکم دیا گیا کہ افطار میں جلدی کرو۔ اور بلاوجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ابتک تو بھوکا رہنا اور نہ کھانا باعث ثواب تھا۔ پیاسا رہنا باعث ثواب تھا، اس کی بڑی فضیلت اور بڑا اجر و ثواب تھا۔ لیکن جب ہم نے کہہ دیا کہ کھاؤ اب کھانے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ اس لئے کہ اب اگر کھانے میں تاخیر کرو گے تو اپنی طرف سے روزے میں اضافہ کرنا لازم آئے گا۔

سحری میں تاخیر کیوں؟

سحری میں تاخیر افضل ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے سے سحری کھا کر سو جائے۔ تو یہ سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ عین وقت پر جب سحری کا وقت ختم ہو رہا ہو۔ اس وقت کھانا افضل ہے۔ کیوں؟ اس لئے اگر پہلے سے کوئی شخص سحری کھا کر سو گیا تو اس نے اپنی طرف سے روزے کی مقدار میں اضافہ کر دیا۔ وہ اتباع میں نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے کر رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ساری بات ان کی اتباع میں ہے۔ ہم ان کے بندے ہیں۔ اور بندے کے معنی یہ ہیں کہ جو کہیں وہ کرو۔

"بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ایک ہوتا ہے "ملازم" اور "نوکر"، ملازم اور نوکر خاص وقت اور خاص ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ملازم کا کام صرف جھاڑو دینا ہے۔ کوئی دوسرا کام اس کے ذمے نہیں۔ یا ایک ملازم آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ آٹھ گھنٹے کے بعد اس کی چھٹی۔ اور ایک ہوتا ہے "غلام" جو نہ وقت کا ہوتا ہے اور نہ ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ وہ تو حکم کا ہے۔ اگر آقا اس سے کہے کہ تم یہاں قاضی اور جج بن کر بیٹھ جاؤ۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تو وہ

قاضی بن کر فیصلے کرے گا۔ اور اگر آقا اس سے کہہ دے کہ پاخانہ اٹھاؤ تو وہ پاخانہ اٹھائے گا۔ اس کے لئے نہ وقت کی قید ہے اور نہ کام کی قید، بلکہ آقا جیسا کہہ دے غلام کو ویسا ہی کرنا ہو گا۔

"غلام" سے آگے بھی ایک درجہ اور ہے۔ وہ ہے "بندہ" وہ غلام سے بھی آگے ہے۔ اس لئے کہ "غلام" کم از کم اپنے آقا کی پرستش تو نہیں کرتا ہے۔ لیکن "بندہ" اپنے آقا کی عبادت اور پرستش بھی کرتا ہے۔ اور "بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنے آقا کی مرضی کا ہوتا ہے۔ وہ جو کہے وہ کرے، دین کی روح اور حقیقت یہی ہے۔

بتاؤ! یہ کام کیوں کر رہے ہو؟

میں نے صبح سے شام تک کا ایک نظام بنا رکھا ہے کہ اس وقت تصنیف کرنی ہے۔ اس وقت درس دینا ہے۔ اس وقت فلاں کام کرنا ہے۔ تصنیف کے وقت جب تصنیف کرنے بیٹھے، مطالعہ کیا۔ اور ابھی ذھن کو لکھنے کے لئے تیار کیا۔ اور قلم اٹھایا تھا یہ سوچ کر یوں لکھنا چاہئے کہ اتنے میں ایک صاحب آگئے۔ اور آکر "السلام علیکم" کہا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ اب اس وقت بڑا دل کڑھتا ہے کہ یہ خدا کا بندہ ایسے وقت آگیا، بڑی مشکل سے ابھی تو کتابیں دیکھ کر لکھنے کے لئے ذھن بنایا تھا۔ اور یہ صاحب آگئے۔ اور اس کے ساتھ پانچ دس منٹ باتیں کیں، اتنے میں جو کچھ ذھن میں آیا تھا۔ وہ سب نکل گیا۔ اب اس کو از سر نو ذھن میں جمع کیا۔ اس طرح صبح سے شام تک یہ دھندہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسی وقت میں بڑی کڑھن ہوتی تھی کہ ہم نے سوچا تھا کہ اس وقت میں اتنا کام ہو جائے گا۔ دو تین صفحے لکھ لیں گے۔ لیکن صرف چند سطروں سے زیادہ کام نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ فرماتے تھے کہ میاں! یہ بتاؤ کہ یہ کام کیوں کر رہے ہو؟ یہ تصنیف، یہ تدریس، یہ فتوی کس کے لئے ہے؟ کیا یہ سب اس لئے ہے کہ تمہاری سوانح حیات میں لکھا جائے کہ اتنے ہزار صفحات تصنیف کر گیا۔ اور اتنی بہت سی تصانیف اور کتابیں لکھیں۔ یا اتنے بہت شاگرد پیدا کر دیئے۔ اگر یہ سب کام اس لئے کر رہے ہو تو بے شک اس پر افسوس کرو کہ اس شخص کی ملاقات کی وجہ سے حرج ہوا۔ اور تعداد میں اتنی

کمی ہو گئی۔ جتنے صفحات لکھنے چاہئے تھے۔ اتنے نہ لکھے، جتنے شاگردوں کو پڑھانا چاہئے تھا۔ اتنوں کو نہ پڑھایا، اس پر افسوس کرو۔ لیکن یہ سوچو کہ اس کا حاصل کیا ہے؟ محض لوگوں کی طرف سے تعریف توصیف، شہرت، پھر تو یہ سب کام اکارت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی ایک دھیلہ قیمت نہیں، اور اگر مقصود ان کی رضا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ یہ قلم اس لئے مل رہا ہے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ ان کے یہاں یہ عمل مقبول ہو جائے۔ تو جب مقصود ان کی رضا ہے۔ وہ قلم چلے، یا نہ چلے، وہ قلم چلنے سے راضی ہوں تو قلم ہلانا بہتر ہے، اگر قلم نہ چلنے سے راضی ہو جائیں تو وہی بہتر ہے بس دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے۔ تم نے بے شک اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ آج دو صفحے ہو جانے چاہئیں۔ لیکن وقت کا تقاضہ یہ ہوا کہ ایک ضرورت مند آگیا۔ وہ کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے۔ کوئی اپنی ضرورت لے کر آیا ہے۔ اس کا بھی حق ہے۔ اس کا حق ادا کرو۔ اب وہ اس کا حق ادا کرنے میں راضی ہیں۔ اس سے بات کرنے میں۔ اس کو مسئلہ بتانے میں وہ راضی ہیں۔ تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے کہ میرا یہ معمول رہ گیا، اب تمہاری تصنیف میں اتنا ثواب نہیں، جتنا اس شخص کی حاجت پوری کرنے میں ثواب ہے۔ بس! یہ دیکھو کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ جس وقت کا جو تقاضہ ہو۔ اس کے مطابق عمل کرو۔ یہ ہے دین کی فہم اور سمجھ کہ اپنی طرف سے کوئی تجویز نہیں، ہر بات ان کے حوالے ہے۔ وہ جیسا کرا رہے ہیں۔ انسان ویسا کر رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی میں راضی ہیں۔ ہر چیز میں یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کس میں ہے۔ اس کے مطابق عمل کرو بیماری ہو تو، سفر ہو تو، حضر ہو تو، صحت ہو تو، ہر حالت میں ان کی رضا کی فکر کرو۔ اس لئے یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے منصوبے بنائے تھے۔ وہ منصوبے ٹوٹ گئے۔ ارے وہ منصوبے تو تھے ہی ٹوٹنے کے لئے۔ انسان کیا؟ اور اس کا منصوبہ کیا؟ منصوبہ تو انہیں کا چلتا ہے۔ کسی کا منصوبہ نہیں چلتا۔ جب بیماری آئے گی تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ سفر آئے گا تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ جب عوارض پیش آئیں گے تو منصوبہ ٹوٹے گا۔ منصوبوں کے پیچھے مت چلو۔ ان کی رضا کو دیکھو۔ انشاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ملا۔ کون مسلمان ایسا ہو گا جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیدار کی خواہش نہ ہو۔ خواہش تو کیا؟ تڑپ نہ ہو۔ جب کہ دیدار ہو بھی سکتا ہو۔ آپ کے عہد مبارک میں موجود بھی ہو۔ لیکن سرکار کی طرف سے حکم یہ ہو گیا کہ تمہیں دیدار نہیں کرنا۔ تمہیں اپنی ماں کی خدمت کرنی ہے۔ اب ماں کی خدمت ہو رہی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار چھوڑا جا رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو یہ فرمایا دیا کہ فائدہ اس میں ہے کہ ہمارا حکم مانو، ہمارا حکم یہ ہے کہ مدینہ نہ جاؤ۔ ہمارا حکم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو۔ حضور کی زیارت نہ کرو۔ بلکہ حضور کی کہی ہوئی بات پر عمل کرو، اب ماں کی خدمت کر رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور دیدار سے محروم رہے تو جو لوگ دیدار سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا تھا یعنی صحابہ کرام، وہ آ آکر حضرت اویس قرنیؒ سے دعائیں کراتے تھے کہ خدا کے واسطے ہمارے لئے دعا کر دو۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ وہاں قرن میں میرا ایک امتی ہے۔ جس نے میرے حکم کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر میرے دیدار کو قربان کیا ہے، اے عمر! وہ جب کبھی مدینہ آئیں تو جا کر ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اگر کوئی شوقین ہوتا تو کہتا کہ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق ہے۔ اور یہ دیکھے بغیر کہ میری ماں بیمار ہے، اور اس کو میری خدمت کی حاجت ہے۔ دیدار کے شوق میں چل کھڑا ہوتا۔ کیوں؟ صرف اپنا شوق پورا کرنے کے لئے۔ لیکن وہ اللہ کے بندے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو آپ نے فرمایا وہ کرتے ہیں۔ میرا شوق کچھ نہیں۔ میری تجویز کچھ نہیں۔ میری رائے کچھ نہیں۔ بلکہ جو انہوں نے فرمایا، وہی برحق ہے، اس پر عمل کرنا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ۲۵۴۲)

تمام بدعات کی جڑ یہ ہے

اور یہ ساری بدعتیں جتنی رائج ہیں۔ ان سب کی جڑ یہاں سے کٹتی ہے۔ اگر یہ فہم دل میں پیدا ہو جائے کہ ہمارا شوق کچھ نہیں۔ وہ جو حکم دیں۔ اس پر عمل کرنا ہے۔ بدعت کے معنی کیا ہیں؟ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود راستہ نکالیں گے کہ اللہ کو راضی کرنے کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھیں گے۔ ہمیں یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا اور میلاد پڑھنا یہ صحیح طریقہ ہے، اپنے دماغ سے یہ راستہ نکالا۔ اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اور نہ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ بلکہ ہم نے اپنے دماغ سے نکال دیا کہ یہ طریقہ موجب ثواب ہے، کسی کے مرنے کے بعد اس کا تیجہ کرنا اپنے دماغ سے نکال لیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر اس پر چل کھڑا ہوا، اسی کا نام بدعت ہے۔ اسی کے بارے میں فرمایا:

کل محدث بدعة وكل بدعة ضلالة

(سنن نسائی، کتاب صلاۃ العیدین۔ باب کیف الخطبة، حدیث نمبر ۱۵۷۸)

یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں تیجہ ایک اچھا عمل ہے کہ بیٹھ کر قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ کھانا پکا کر لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ اور اس میں کیا گناہ ہیں؟ گناہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پوچھے بغیر کیا ہے۔ اور جو کام بظاہر نیک ہو۔ لیکن ان کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف کیا جائے۔ وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

(کیفیات۔ ذکی کیفی ص ۷۸)

یعنی جو چیز بظاہر وفاداری نظر آ رہی ہے۔ لیکن حقیقت میں تیرے دل کی کدورت کا سبب بن رہی ہے۔ ایسی وفاداری سے توبہ مانگتا ہوں۔ اور اسی کا نام بدعت ہے۔ جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں، بس! اسی حال میں خوش رہو۔ اور اس کا تقاضہ پورا کرو۔

اپنا معاملہ اللہ میاں پر چھوڑ دو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی کہ:

چونکہ بر میخت ببندد بستہ باش

چوں کشاید چابک و برجستہ باش

وہ اگر تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیں تو بندھے پڑے رہو۔ اور جب کھول دیں تو پھر چھلانگیں لگاؤ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تلقین فرمارہے ہیں کہ بیماری کی وجہ سے گھبراؤ نہیں، رخصت پر عمل کرنا بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ میرے بندے نے میری دی ہوئی رخصت پر عمل کیا۔ اور اس رخصت کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ استعمال کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے۔ آمین

شکر کی اہمیت اور اس کا طریقہ

اس باب کی آخری حدیث ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرضی عن العبد ان یاکل الاکلۃ فیحمدہ علیہا اویشرب الشربۃ فیحمدہ علیہا۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب، حدیث نمبر ۲۷۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اس سے راضی ہو جاتے ہیں جو بندہ کوئی لقمہ کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور پانی کا کوئی گھونٹ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر کثرت سے شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بار بار عرض کر چکا ہوں کہ شکر سو عبادتوں کی ایک عبادت ہے۔ اور ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کرو گے

مجاہدات اور ریاضتیں۔ اور کہاں وہ مشقتیں اٹھاؤ گے جیسی صوفیا اکرام نے اٹھائیں؟ لیکن یہ ایک چٹکلا اختیار کر لو کہ ہر بات پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈال لو۔ کھانا کھاؤ تو شکر، پانی پیو تو شکر، ہوا چلے تو شکر، بچہ سامنے آئے۔ اچھا لگے تو شکر۔ گھر والوں کو دیکھو۔ اور دیکھ راحت ہو تو شکر ادا کرو۔ شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، اور رٹ لگاؤ "الحمد للہ" اللھم لک الحمد ولک الشکر، اللھم لک الحمد ولک الشکر، یاد رکھو کہ یہ شکر کی عادت ایسی چیز ہے کہ یہ بہت سارے امراض باطنی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ یہ تکبر، یہ حسد، یہ عجب ان سب کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جو آدمی کثرت سے شکر ادا کرتا ہے۔ وہ عام طور سے تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہ بزرگوں کا تجربہ ہے۔ بلکہ اس پر نص وارد ہے۔

شیطان کا بنیادی داؤ ــــ ناشکری پیدا کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو راندہ درگاہ کیا۔ اور نکال دیا۔ تو کم بخت نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ مجھے ساری عمر کی مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ اس نے کہا کہ اب میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کو گمراہ کرنے کے لئے دائیں طرف سے آؤں گا۔ بائیں طرف سے آؤں گا، آگے سے آؤں گا۔ پیچھے سے آؤں گا۔ چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا، اور ان کو تیرے راستے سے بھٹکاؤں گا۔ اور آخر میں اس نے کہا کہ:

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۔

(سورۃ الاعراف: ۱۷)

یعنی میرے بہکانے کے نتیجے میں آپ اپنے بندوں میں سے اکثر کو ناشکرا پائیں گے۔

شیطانی داؤ کا توڑ ــــ اداءِ شکر

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا جو بنیادی داؤ ہے۔ وہ ہے ناشکری پیدا کرنا۔ اگر ناشکری پیدا ہو گئی تو معلوم نہیں کتنے امراض میں مبتلا ہو گیا، اور اس داؤ کا توڑ شکر کرنا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے اتنا

ہی شیطان کے حملوں سے محفوظ رہو گے۔ اس لئے روحانی بیماریوں سے بچنے کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، دن رات صبح شام رٹ لگاؤ "اللھم لک الحمد ولک الشکر" اس سے انشاء اللہ شیطان کے حملوں کا سد باب ہو جائے گا۔

پانی خوب ٹھنڈا پیا کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی! جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو۔ تاکہ روئیں روئیں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ ان میں سے ایک ٹھنڈا پانی ہے۔ اور کسی کھانے پینے کی چیز کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی خاص چیز کہیں سے منگوائی جارہی ہے۔ لیکن صرف ٹھنڈا پانی تھا جو سرکار دو عالم کے لئے تین میل کے فاصلے سے آیا کرتا تھا۔ بیرِ غرس نامی کنواں جو اب بھی مدینہ طیبہ میں موجود ہے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر ٹھنڈا پانی منگوایا جاتا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب پیاس کی حالت میں ٹھنڈا پانی پیا جائے گا تو روئیں روئیں سے شکر نکلے گا۔

سونے سے پہلے نعمتوں کا استحضار اور ان پر شکر

اور رات کو سونے سے پہلے بیٹھ کر ساری نعمتوں کا استحضار کر لو۔ کہ گھر عافیت کا ہے۔ الحمد للہ۔ بستر آرام دہ ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ میں عافیت سے ہوں۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ بچے عافیت سے ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ ایک ایک نعمت کا استحضار کر کے رٹ لگاؤ۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ چیز اپنے ناناسے سیکھی ہے۔ ایک مرتبہ میں ان کے گھر گیا تو رات کو میں نے دیکھا کہ وہ سونے سے پہلے بستر پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور بار بار: بار بار اللھم لک الحمد ولک الشکر۔

اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ پڑھ رہے ہیں۔ اور عجیب کیفیت میں یہ عمل کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمانے لگے: بھائی! سارے دن تو معلوم نہیں کس حالت میں رہتا ہوں۔ اور یہ پتہ نہیں لگتا کہ شکر ادا ہو رہا ہے یا نہیں، اس وقت بیٹھ کر دن بھر کی ساری نعمتوں کا استحضار کرتا ہوں، اور پھر ہر نعمت پر "اللھم لک الحمد ولک الشکر" کہتا جاتا ہوں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب" فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو اس کے بعد الحمد للہ میں نے بھی اس کو اپنے معمول میں شامل کر لیا، کہ رات کو سوتے وقت سب نعمتوں کا استحضار کر کے شکر ادا کرتا ہوں۔

شکر ادا کرنے کا آسان طریقہ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں۔ آپ نے ہر ہر چیز کے طریقے بتا دیئے ہیں۔ کہاں تک انسان شکر ادا کرے گا۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں کہ ایک سانس پر دو شکر واجب ہیں۔ سانس اندر جائے اور باہر نہ آئے تو موت، اور اگر سانس باہر آئے پھر اندر نہ جائے تو موت، تو ایک سانس پر دو نعمتیں، اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے۔ اس طرح ہر سانس پر دو شکر واجب ہو گئے۔ اس لئے اگر انسان سانس ہی کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو کہاں تک کرے گا " وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا " اسلئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر ادا کرنے کا ایک آسان طریقہ بتا دیا اور چند کلمات تلقین فرما دیئے۔ ہر مسلمان کو یاد کر لینے چاہئیں۔ فرمایا کہ:

" اللھم لک الحمد حمدًا دائمًا مع دوامک، وخالدا مع خلودک، ولک الحمد حمدًا لا منتھی لہ دون مشیئتک، ولک الحمد حمدا لا یرید قائلہ الا رضاک "

(کنز العمال، ج ۲ ص ۲۲۳، حدیث نمبر ۳۸۵۷)

"اے اللہ! آپ کا شکر ہے۔ ایسا شکر کہ جب تک آپ ہیں۔ اس وقت تک وہ شکر جاری رہے، اور جس طرح آپ جاوداں ہیں۔ اسی طرح وہ شکر بھی جاوداں رہے۔ اور آپ کی مشیت کے آگے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ اور آپ کی ایسی حمد کرتا

ہوں۔ جس کے کہنے والے کو سوائے آپ کی رضا کے کچھ اور مطلوب نہیں۔ "
اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اللھم لك الحمد زنة عرشك، و مداد کلماتك۔ وعدد خلقك، ورضا نفسك

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصیٰ)
فرمایا: میں آپ کا شکر کرتا ہوں جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے۔ اور اتنا شکر ادا کرتا ہوں جتنی آپ کے کلمات کی سیاہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کو لکھنا چاہے، اور ساتوں کے ساتوں سمندر اس کے لئے سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھے جائیں تو سارے سمندر خشک ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہو۔ تو آپ کے کلمات لکھنے کے لئے جتنی سیاہی درکار ہو سکتی ہے۔ اس کے بقدر شکر ادا کرتا ہوں۔ اور جتنی آپ کی مخلوقات ہیں۔ یعنی انسان، جانور، درخت، پتھر، جمادات، نباتات سب جتنی مقدار میں ہیں۔ اس کے برابر شکر ادا کرتا ہوں۔ اور آخر میں فرمایا کہ اتنا شکر ادا کرتا ہوں جس سے آپ راضی ہو جائیں۔ اب اس سے زیادہ انسان اور کیا کہہ سکتا ہے لہٰذا رات کو سوتے وقت ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور یہ کلمات کہہ لینے چاہئیں۔

اللھم لک الحمد ملیا عند طرفة کل عین۔ و تنفس نفس

(کنزالعمال، ج ۲ ص ۲۲۳۔ حدیث نمبر ۳۸۵۷)
اے اللہ! آپ کی تعریف اور آپ کا شکر ہے ہر آنکھ جھپکنے کے وقت اور ہر سانس لینے کے وقت۔ بہر حال! یہ شکر کے کلمات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں، یاد کر لینے چاہئیں۔ اور رات کو سوتے وقت ان کلمات کو پڑھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بدعت

ایک سنگین گناہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے حالانکہ دین کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بدعت کرنے والا درپردہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دین کو جانتا ہوں اور صحابہ کرام سے بڑھ کر میں دیندار ہوں۔ یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے

بدعت
ایک سنگین گناہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله۔

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتى كان منذر جيش، يقول صبحكم ومساكم، ويقول: بعثت انا والساعة كهاتين، ويقرن بين اصبعيه السبابة والوسطى، ويقول اما بعد: فان خير الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الامور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة، ثم يقول: انا اولى بكل مؤمن من نفسه من ترك مالاً فلاهله، ومن ترك ديناً او ضياعاً فالي وعلي۔

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة - حدیث نمبر ۸۶۷)

لفظ "جابر" اور "جبّار" کے معنی

یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کرام میں سے ہیں، اور انصاری صحابی ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، ان کا نام "جابر" ہے، بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ "جابر" تو ظالم آدمی کو کہتے ہیں، تو پھر ان صحابی کا نام "جابر" کیسے رکھ دیا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ کے نام گرامی "جبّار" کے بارے میں بھی یہی شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام "جبار" بھی ہے، اور اردو میں "جبّار" کے معنی ہیں بہت ظلم کرنے والا، اس لئے عام طور پر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے "جبار" کا لفظ کیسے استعمال کیا گیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں "جابر" کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں، اور جو شخص ٹوٹی ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں تو "جابر" کے معنی ہوئے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، اور یہ کوئی غلط معنی نہیں ہیں، بلکہ بہت اچھے معنی ہیں۔ اسی طرح "جبار" کے معنی ہوئے بہت زیادہ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "جبّار" ہے، اس کے معنی معاذ اللہ۔ ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف ایک ہے

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہت سی دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے پکارا گیا ہے کہ:

"یا جابر العظم الکسیر"

اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے

(الحزب الاعظم ملا علی قاری، ص ۲۲۳)

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطبا، معالج اور ڈاکٹر اس

بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو کوئی دوا اور کوئی علاج ایسا نہیں ہے جو اس کو جوڑ سکے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح پوزیشن پر رکھ دے، لیکن کوئی مرہم کوئی لوشن، کوئی دوا، کوئی معجون ایسی نہیں ہے جو ٹوٹی ہڈی پر لگادی جائے اور وہ جڑ جائے، جوڑنے والی ذات تو صرف وہی ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "جبار" کہا جاتا ہے، نہ کہ اس معنی میں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

لفظ "قہّار" کے معنی

اسی طرح باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک نام "قہّار" ہے، اردو کی اصطلاح میں "قہّار" اس کو کہتے ہیں جو لوگوں پر بہت قہر کرے، غصہ کرے، اور لوگوں کو بہت تکلیف پہنچائے، لیکن باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں جو لفظ "قہّار" ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے، اور عربی زبان میں "قہار" کے معنی ہیں غلبہ پانے والا، غالب، جو ہر چیز پر غالب ہو، اس کو "قہّار" کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے، اور وہ سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نام عذاب پر دلالت نہیں کرتا

بلکہ باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسماء گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں، یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں، یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں لیکن ـــ جہاں تک مجھے یاد ہے ـــ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو، اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے، وہ کریم ہے، ہاں: جب بندے حد سے گزر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جو اسماء حسنیٰ سے موسوم ہیں، ان میں عذاب کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت آپ کی کیفیت

بہر حال: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ، واشتد غضبہ"

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے خطاب فرماتے تھے تو بکثرت آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، اور آواز بلند ہو جاتی تھی، یہ اس لئے ہوتا تھا کہ جو بات کہتے تھے وہ دل کی آواز تھی، اور دل میں یہ جذبہ تھا کہ کسی طرح سننے والے کے دل میں اتر جائے، اور اس کو سمجھ لے، اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے، اس جذبہ کے تحت کبھی کبھی آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا جوش زیادہ ہو جاتا تھا،

آپ کا انداز تبلیغ

حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم

بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ آپ لوگوں کو کسی آنے والے لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ بھائی تمہارے اوپر دشمن کا لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، خدا کے لئے اس سے بچنے کا کوئی سامان کرو، اور یہ فرماتے تھے کہ وہ لشکر صبح پہنچا یا شام پہنچا، یعنی وہ لشکر عنقریب پہنچنے والا ہے، اس کے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہے، لہٰذا تم اس لشکر سے بچاؤ کا سامان کرو۔

اس لشکر سے مراد ہے قیامت کا دن اور حساب و کتاب، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے جواب دہی، اور اس جواب دہی کے نتیجے میں عذاب جہنم ــ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے ــ اس سے ڈراتے تھے کہ یہ وقت صبح یا شام کسی بھی وقت آسکتا ہے، اس سے ڈرو، اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

آپ حضرات نے سنا ہو گا کہ سب سے پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو جبل صفا پر چڑھ کر دین کی دعوت دی، جتنے خاندان مکہ میں تھے، ان سب کا نام لے کر پکارا، اور ان کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ

کے پیچھے ایک لشکر چھپا بیٹھا ہے، اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اے محمد! ہم آپ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کی، اور کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ "صادق" اور "امین" کی حیثیت سے مشہور ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا بہت سخت عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، اس عذاب سے اگر بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (انذر عشیرتک الاقربین۔ حدیث نمبر ۴۷۷۰)

اہل عرب کا مانوس عنوان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں یہ تصور بکثرت پایا جاتا ہے کہ "میں تم کو دشمن کے لشکر سے ڈرانے والا ہوں جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔" ڈرانے کے لئے یہ تعبیر اور یہ عنوان اہل عرب کے لئے بڑا مانوس تھا۔ کیونکہ عرب لوگ آپس میں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کر رہا ہے، دوسرا تیسرے پر حملہ کر رہا ہے، دن رات یہی سلسلہ رہتا تھا جو شخص ان کو آکر یہ بتادے کہ فلاں دشمن تمہاری گھات میں ہے، اور تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے، وہ خبر دینے والا بڑا ہمدرد سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے تم کو کوئی شخص دشمن کے لشکر سے باخبر کرتا ہے، ایسے ہی میں تم کو باخبر کر رہا ہوں کہ ایک بہت بڑا عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، وہ عذاب صبح پہنچا یا شام۔

آپ کی بعثت اور قرب قیامت

پھر آگے فرمایا:

"بعثت انا والساعة کھاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی"

میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔ اور

دونوں انگلیاں اٹھا کر آپ نے فرمایا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، بلکہ دونوں ملی ملی ہیں، اسی طرح میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں کہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، وہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ان کو انبیا علیہم الصلاۃ والسلام لوگوں کو قیامت سے ڈراتے تھے تو قیامت کی ایک بہت بڑی علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرماتے تھے، کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ آخری دور میں نبی کریم سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔

(أخرجه ابن ابی حاتم عن الحسن رضی الله عنه فی قوله: "فقد جاء اشراطها" قال: محمد صلی الله علیه وسلم عن اشراطها۔ تفسیر الدالمنثور للسیوطی، آیت: فهل ینظرون الا الساعة ج ۶ ص ۵۰)

ایک اشکال کا جواب

اب لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ چودہ سو سال تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گزر گئے اب تک تو قیامت آئی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ساری دنیا کی عمر کے لحاظ سے اگر دیکھو گے، اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس کا لحاظ کر کے اگر دیکھو گے تو ہزار دو ہزار سال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے اور قیامت کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے، وہ قیامت بہت قریب آنے والی ہے۔

ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے

اور ساری دنیا کی جو مجموعی قیامت آنے والی ہے، وہ خواہ کتنی ہی دور ہو، لیکن ہر انسان کی قیامت تو قریب ہے، کیونکہ:

من مات فقد قامت قیامته

(رواه الدیلمی عن انس مرفوعاً بلفظه: اذا مات احدکم فقد قامت قیامته، المقاصد الحسنة للسخاوی - ص ۴۲۸)

جو مر گیا، اور جس کو موت آ گئی، اس کی قیامت تو اسی دن قائم ہو گئی۔ اس واسطے جب

قیامت آنے والی ہے، خواہ وہ مجموعی قیامت ہو، یا انفرادی، اور اس کے بعد خدا جانے کیا معاملہ ہونے والا ہے، اس لئے میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ وہ وقت آنے سے پہلے تیاری کر لو، اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہوشیار ہو جاؤ۔ اور اپنے آپ کو عذاب جہنم اور عذاب قبر سے بچالو۔

بہترین کلام اور بہترین طرز زندگی

پھر فرمایا کہ:

فان خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس روئے زمین پر بہترین کلام اور سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر، اس سے اعلیٰ، اس سے زیادہ افضل، اس سے زیادہ بہتر کلام کوئی نہیں۔ اور زندگی گزارنے کے جتنے طریقے ہیں جتنے طرز زندگی ہیں۔ ان میں سب سے بہترین طرز زندگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی ہے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ میرا طریقہ سب سے اعلیٰ ہے، مجھ سے زیادہ بہتر کوئی نہیں، لیکن چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نمونہ ہوں، زندگی گزارنی ہے تو اس طرح گزارو، اگر زندگی گزارنے کا طریقہ اختیار کرنا ہے تو یہ طریقہ اختیار کرو، اس واسطے دعوت و تبلیغ کی ضرورت کے تحت ارشاد فرما رہے ہیں کہ بہتر طریقہ وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے چھوڑا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں، دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں جو طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دیا، اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا۔

بدعت بدترین گناہ ہے

پھر آگے جن چیزوں سے گمراہی کے امکانات ہو سکتے تھے، ان کی جڑیں بتادیں،

فرمایا کہ :

شر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة

اس روئے زمین پر بدترین کام وہ ہیں جو نئے نئے طریقے دین میں ایجاد کئے جائیں، حدیث میں "بدترین کام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بدعت ایک ایسی چیز ہے جو ایک لحاظ سے ظاہری گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ ظاہری فسق وفجور اور گناہ وہ ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ ان کو برا سمجھے گا، کوئی مسلمان اگر کسی گناہ میں مبتلا ہے، مثلاً شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ یہ کام تمہارے خیال میں کیسے ہیں؟ جواب میں یہی کہے گا یہ کام ہیں تو برے، لیکن میں کیا کروں، میں مبتلا ہوگیا۔ لہٰذا ان برائیوں کو کرنے والا برا سمجھے گا، اور جب برا سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق بھی عطا فرمادیں گے۔

لیکن بدعت، یعنی جو چیز دین میں نئی ایجاد کی گئی ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ حقیقت میں تو وہ گناہ ہوتی ہے، لیکن جو شخص اس بدعت کو کر رہا ہوتا ہے، وہ اس کو برا نہیں سمجھتا، وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو بہت اچھا عمل ہے، اور دوسرا کوئی اگر اس سے یہ کہے کہ یہ بری بات ہے تو بحث کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس سے مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کہ اس میں کیا خرابی اور کیا حرج ہے۔ اور جب ایک شخص گناہ کو گناہ سمجھتا ہی نہیں ہے، اور برائی کو برائی سمجھتا ہی نہیں ہے تو اس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں اور زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شر الامور" جس کے معنی یہ ہیں کہ جتنے برے کام ہیں ان میں سب سے بدتر کام بدعت ہے، جو دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے سے مختلف ہو، اور پھر آگے اس کی وجہ بھی بتادی کہ ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا جو شخص کسی بدعت کے اندر مبتلا ہے، وہ لازماً گمراہی کے اندر مبتلا ہے۔

بدعت، اعتقادی گمراہی ہے

ایک ہوتی ہے عملی کوتاہی، یعنی ایک شخص کسی عملی کوتاہی کے اندر مبتلا ہے، اس

سے غلطیاں ہو رہی ہیں، گناہ سرزد ہو رہے ہیں، اور ایک ہوتی ہے اعتقادی گمراہی کہ کوئی شخص کسی ناحق بات کو حق سمجھ رہا ہے، اور گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہے، کفر کو ایمان سمجھ رہا ہے، پہلی چیز یعنی عملی کوتاہی کا مداوا تو آسان ہے، کہ کبھی نہ کبھی توبہ کر لے گا، تو معاف ہو جائے گی، لیکن جو شخص گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہو، اس کی ہدایت بہت مشکل ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ بدترین گناہ بدعت کا گناہ ہے، اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بدعت سے اتنے بھاگتے تھے کہ کوئی حد نہیں۔

بدعت کی سب سے بڑی خرابی

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے، حالانکہ دین کا موجد کون ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو دین بنایا وہ ہمارے لئے قابل اتباع ہے لیکن بدعت کرنے والا خود دین کا موجد بن جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کا راستہ میں بنا رہا ہوں، اور در پردہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا جو راستہ بتایا، اور جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا۔ میں ان سے بڑھ کر دیندار ہوں، میں دین کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، تو یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے، بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے۔

دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی خسارہ

ہندو مذہب میں کتنے لوگ گنگا کے کنارے اللہ کو راضی کرنے کے لئے ایسی ایسی ریاضتیں اور ایسی ایسی محنتیں کرتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے، کوئی آدمی اپنا ہاتھ بلند کر کے سالہا سال تک اسی طرح کھڑا ہے، ہاتھ نیچے بھی نہیں کرتا۔ کسی آدمی نے سانس کھینچا ہوا ہے، اور گھنٹوں تک سانس نہیں لے رہا ہے، اور حبس دم کر رہا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ تو یہ کام کیوں کر رہا ہے؟ جواب دے گا کہ یہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ میرا اللہ راضی ہو جائے، اب چاہے وہ اللہ کو بھگوان کا نام دے یا کچھ اور کہے، لیکن بتایئے اس کے اس عمل کی کوئی قیمت ہے؟ حالانکہ اس کی نیت بظاہر

درست معلوم ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں، اس لئے کہ اللہ کو راضی کرنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا نہیں ہے، بلکہ وہ طریقہ اس نے اپنے دل اور دماغ سے گھڑ لیا ہے۔ اس واسطے اللہ کے یہاں اس کا کوئی عمل مقبول نہیں۔ ایسے اعمال کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا۔

(سورۃ الفرقان: ۲۳)

جو لوگ ایسے عمل کرتے ہیں، ہم ان کے عمل کو اس طرح اڑا دیتے ہیں جیسے ہوا میں اڑائی ہوئی مٹی اور گرد و غبار۔ عمل کیا لیکن اکارت گیا۔ محنت بھی کی لیکن بیکار گئی۔ اور دوسری جگہ پر کتنے پیارے اور شفقت بھرے انداز سے قرآن کریم نے فرمایا:

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ

الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا

(سورۃ الکہف: ۱۰۴)

قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا عمل اس دنیا میں اکارت ہو گیا۔ اور دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں --- یہ لوگ اس لئے خسارے میں ہیں کہ جو فاسق و فاجر تھا، یا جو کافر تھا۔ اس نے کم از کم دنیا میں عیش کر لئے، آخرت اگرچہ تباہ ہوئی، لیکن دنیا میں تو عیش کر گیا، اور یہ شخص تو اپنی دنیا کے عیش و آرام بھی خراب کر رہا ہے، اور محنت اٹھا رہا ہے، اور آخرت بھی بگاڑ رہا ہے، اس واسطے کہ اس نے عبادت کا وہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا۔

اسی لئے بدعت کے بارے میں فرمایا "شر الامور" سارے کاموں میں بدترین کام بدعت ہے، اس لئے کہ آدمی محنت تو کرتا ہے، لیکن حاصل کچھ نہیں۔

دین نام ہے اتباع کا

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ

دین اصل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اتباع کا نام ہے، اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنے کا نام دین نہیں ہے، عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک اتباع اور ابتداع، اتباع کے معنی ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی پیروی کرنا۔ اور ابتداع کے معنی ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کر کے اس کے پیچھے چل پڑنا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو سب سے پہلا جو خطبہ دیا۔ اس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ:

انی متبع ولست بمبتدع

(طبقات ابن سعد، جلد ثالث ص ۱۸۳)

میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کا متبع ہوں، مبتدع نہیں۔ یعنی کوئی نیا راستہ ایجاد کرنے والا نہیں ہوں، لہٰذا ساری قیمت اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کی ہے، اپنی طرف سے جو بات کی جائے اس کا کوئی وزن کوئی قدر و قیمت نہیں۔

ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ آپ نے بکثرت سنا ہوگا حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات دیکھنے کے لئے نکلتے تھے، کہ کون کیا کر رہا ہے، ایک مرتبہ تہجد کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، آپ نے دیکھا کہ وہ عاجزی کے ساتھ نہایت آہستہ آواز سے تہجد کی نماز میں تلاوت کر رہے ہیں، آگے جا کر دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تہجد پڑھ رہے تھے، اور اس میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اور ان کی تلاوت کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی، خیر، آپ یہ دیکھتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں آپ ؐ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے پاس بلایا، اور پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں رات کو تہجد کے وقت تمہارے پاس سے گزرا تو تم بہت آہستہ آواز سے تلاوت کر رہے تھے۔ آپ

اتنی آہستہ آواز سے کیوں تلاوت کر رہے تھے؟

اس کے جواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

اسمعت من ناجیت

یارسول اللہ! جس ذات سے میں مناجات کر رہا تھا، جس سے تعلق قائم کیا تھا، جس ذات کو میں سنانا چاہتا تھا، اس کو تو سنا دیا اب آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے میں آہستہ تلاوت کر رہا تھا۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور زور سے تلاوت کر رہے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

اوقظ الوسنان واطرد الشیطان

میں زور سے اس لئے تلاوت کر رہا تھا کہ جو لوگ پڑے سو رہے ہیں وہ بیدار ہو جائیں، اور شیطان بھاگ جائے، اس لئے جتنی زور سے تلاوت کروں گا، شیطان بھاگے گا، اس لئے میں زور سے تلاوت کر رہا تھا۔

اب ذرا دیکھئے کہ دونوں کی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات بھی صحیح کہ میں تو اللہ میاں کو سنا رہا ہوں، کسی دوسرے کو سنانے کی کیا ضرورت؟ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بات بھی درست کہ میں سونے والوں کو جگا رہا تھا، شیطان کو بھگا رہا تھا، لیکن اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو بکر! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ بہت آہستہ تلاوت کرنی چاہئے، اور اے فاروق! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ زور سے تلاوت کرنی چاہئے، لیکن تم دونوں نے چونکہ اپنی اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا تھا، اس لئے یہ پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ نہ زیادہ زور سے تلاوت کرو، اور نہ زیادہ آہستہ تلاوت کرو، بلکہ معتدل آواز سے تلاوت کرو، اسی میں زیادہ نور اور برکت ہے، اور اسی میں زیادہ فائدہ ہے، اس کو اختیار کرو۔

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ۔ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلاۃ اللیل۔ حدیث نمبر ۱۳۲۹)

معلوم ہوا کہ عبادت کے اندر اپنی طرف سے کوئی راستہ اختیار کر لینا، اللہ تعالیٰ

کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہیں، جتنا اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا راستہ پسندیدہ ہے، بس، جو راستہ ہم نے بتایا ہے وہ راستہ اختیار کرو، اس میں جو نور اور فائدہ ہے وہ کسی اور میں نہیں۔

دین کی ساری روح یہ ہے کہ اطاعت اور عبادت اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنی ہے، اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ لینا درست نہیں۔

ایک بزرگ کا آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بیان کیا کہ ان کے قریب کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، وہ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے تھے، اور فقہا کرام نے لکھا ہے کہ نماز میں ویسے تو آنکھ بند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو اس کے بغیر خشوع حاصل نہ ہوتا ہو، تو اس کے لئے آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں ہے ــ تو وہ بزرگ نماز بہت اچھی پڑھتے تھے، تمام ارکان میں سنت کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے، لیکن آنکھ بند کر کے نماز پڑھتے تھے، اور لوگوں میں ان کی نماز مشہور تھی، کیونکہ نہایت خشوع و خضوع اور نہایت عاجزی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، وہ بزرگ صاحب کشف بھی تھے، ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ! میں یہ جو نماز پڑھتا ہوں میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں میری نماز قبول ہے یا نہیں؟ اور کس درجہ میں قبول ہے؟ اور اس کی صورت کیا ہے؟ وہ مجھے دکھا دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی، اور ایک نہایت حسین و جمیل عورت سامنے لائی گئی، جس کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضا میں نہایت تناسب اور توازن تھا، لیکن اس کی آنکھیں نہیں تھیں، بلکہ اندھی تھی، اور ان سے کہا گیا کہ یہ ہے تمہاری نماز، ان بزرگ نے پوچھا کہ یا اللہ! یہ اتنے اعلیٰ درجہ کی حسن و جمال والی خاتون ہے، مگر اس کی آنکھیں کہاں ہے؟ جواب میں فرمایا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو، وہ آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہو، اس واسطے تمہاری نماز ایک اندھی عورت کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔

نماز میں آنکھ بند کرنے کا حکم

یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے بیان فرمایا، اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: بات دراصل یہ تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے نماز پڑھنے کا جو سنت طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھو، سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہونی چاہئے، یہ ہمارا بتایا ہوا طریقہ ہے، اگرچہ دوسرا طریقہ جائز ہے، گناہ نہیں ہے، لیکن سنت کا نور اس میں حاصل نہیں ہو سکتا، اگرچہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ اگر نماز میں خیالات بہت آتے ہیں، اور خشوع حاصل کرنے کے لئے اور خیالات کو دفع کرنے کے لئے کوئی شخص آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے تو کوئی گناہ نہیں، جائز ہے مگر پھر بھی خلاف سنت ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کوئی نماز آنکھیں بند کر کے نہیں پڑھی، اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کبھی کوئی نماز آنکھ بند کر کے نہیں پڑھی، اس لئے فرمایا کہ ایسی نماز میں سنت کا نور نہیں ہو گا۔

(لم یکن من ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تغمیض عینیہ فی الصلاۃ، زاد المعاد لابن قیم ج ا ص ۷۵۔)

نماز میں وساوس اور خیالات

اور یہ جو خیال ہو رہا ہے کہ چونکہ نماز میں خیالات و وساوس بہت آتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے نماز پڑھ لو، تو بھائی، اگر خیالات غیر اختیاری طور پر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی مواخذہ کوئی پکڑ نہیں، وہ نماز جو آنکھیں کھول کر اتباع سنت میں پڑھی جا رہی ہے، اور اس میں غیر اختیاری خیالات آرہے ہیں، وہ نماز پھر بھی اس نماز سے اچھی ہے جو آنکھ بند کر کے پڑھی جا رہی ہے، اور اس میں خیالات بھی نہیں آرہے ہیں، اس لئے کہ وہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ادا کی جا رہی ہے، اور یہ دوسری نماز اتباع رسول میں نہیں ہے۔

بس، یہ سارا معاملہ اتباع کا ہے، اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑنے کا نہیں، اسی

کا نام دین ہے لب ہم نے یہ جو سوچ لیا ہے کہ فلاں عبادت اس طرح ہوگی، اور فلاں عبادت اس طرح ہوگی۔ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہے، اس لئے فرمادیا کہ "کل بدعة ضلالة" کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کی صحیح تعریف اور تشریح

ایک بات اور عرض کر دوں، جس کے بارے میں لوگ بکثرت پوچھا کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب ہر نئی بات گمراہی ہے، تو یہ پنکھا بھی گمراہی ہے، یہ ٹیوب لائٹ بھی گمراہی ہے۔ یہ بس بھی یہ موٹر بھی گمراہی ہے، اس لئے کہ یہ چیزیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھیں، بعد میں پیدا ہوئی ہیں، ان کے استعمال کو بدعت کیوں نہیں کہتے؟

خوب سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ نے بدعت کو جو ناجائز اور حرام قرار دیا، یہ وہ بدعت ہے جو دین کے اندر کوئی نئی بات نکال جائے، دین کا جز اور دین کا حصہ بنالیا جائے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے، مثلاً یہ کہنا کہ ایصال ثواب اس طرح ہوگا، جس طرح ہم نے بتا دیا یعنی تیسرے دن تیجہ ہوگا، پھر دسواں ہوگا، پھر چہلم ہوگا، اور جو اس طریقے سے ایصال ثواب نہ کرے وہ مردود ہے۔

میت کے گھر میں کھانا بنا کر بھیجو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں صدمہ ہو، تو دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس کے گھر میں کھانا تیار کر کے بھیجیں، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ:

اصنعوا لآل ابی جعفر طعاماً فانه قد اتاهم امر شغلهم

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لاهل الميت، حدیث نمبر ۳۱۳۲)

جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بنا کر بھیجو، اس لئے کہ وہ بے چارے مشغول ہیں اور

صدمہ کے اندر ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے لئے کھانا بناؤ جس کے گھر صدمہ ہو گیا، تاکہ وہ کھانا پکانے میں مشغول نہ ہو، ان کو صدمہ ہے۔

آجکل کی الٹی گنگا

آجکل الٹی گنگا یہ بہتی ہے کہ جس کے گھر صدمہ ہے، وہ کھانا تیار کرے، اور نہ صرف یہ کہ کھانا تیار کرے، بلکہ دعوت کرے، شامیانے لگائے، دیگیں چڑھائے، اور اگر دعوت نہیں دے گا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی، یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ جو بیچارہ مر گیا ہے، اس کو بھی نہیں بخشتے، اس کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً یہ کہا جاتا کہ:

مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود

اگر مرنے والے کے گھر میں دعوت نہ ہوئی تو پھر اس کی بخشش نہیں ہوگی، معاذ اللہ، اور پھر وہ دعوت بھی مرنے والے کے ترکے سے ہوگی، جس میں اب سارے ورثاء کا حق ہو گیا، ان میں نابالغ بھی ہوتے ہیں، اور نابالغ کے مال کو ذرہ برابر چھونا شرعاً حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، پھر بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور جو شخص یہ سب نہ کرے وہ مردود ہے۔

دین کا حصہ بنانا بدعت ہے

لہٰذا دین کا حصہ بنا کر، لازم اور ضروری قرار دے کر دین میں کوئی چیز ایجاد کی جائے، وہ بدعت ہے، ہاں! اگر کوئی چیز دین کا حصہ نہیں ہے، بلکہ کسی نے اپنے استعمال اور آرام کے لئے کوئی چیز اختیار کر لی، مثلاً ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا بنا لیا، روشنی حاصل کرنے کے لئے بجلی استعمال کر لی، سفر کرنے کے لئے کار استعمال کر لی، یہ کوئی بدعت نہیں، کیونکہ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے جو چاہو کرو، لیکن دین کا حصہ بنا کر، یا کسی غیر مستحب کو مستحب قرار دے کر، یا کسی غیر سنت کو سنت کہہ کر، یا کسی غیر واجب کو واجب کہہ کر جب کوئی چیز ایجاد کی جائے گی تو وہ بدعت ہوگی، اور حرام ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بدعت سے بھاگنا

حضرات صحابہ کرام بدعت سے انتا درجہ کا پرہیز کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اذان ہو گئی، ابھی جماعت نہیں کھڑی ہوئی تھی کہ اس موذن نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دے دی کہ "الصلاۃ جامعۃ" کہ نماز کھڑی ہو رہی ہے، آجاؤ، اور ایک مرتبہ شاید "حی علی الصلاۃ" بھی دوبارہ کہہ دیا، تاکہ جو لوگ اب تک نہیں آئے ہیں، وہ جلدی سے آجائیں، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ:

اخرج بنا من عند هذا المبتدع

(سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر۔ حدیث نمبر ۱۹۸۔)

مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو، اس لئے کہ یہ شخص بدعت کر رہا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان کا طریقہ بتایا تھا وہ تو ایک مرتبہ ہوتی ہے، اور وہ ہو چکی، دوبارہ اعلان کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، یہ طریقہ بدعت ہے، لہذا مجھے اس مسجد سے نکالو، میں جا رہا ہوں۔

قیامت اور بدعت دونوں ڈرنے کی چیزیں ہیں

لہذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اندر جہاں اپنی امت کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ ایک لشکر صبح یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، وہاں ساتھ ساتھ آئندہ آنے والی گمراہیوں سے بچانے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ: بدترین چیزیں وہ ہیں جو انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں، اور ان کو دین کا حصہ بنا دیا ہے، جبکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا وہ طریقہ نہیں بتایا۔ اس سے پرہیز کرو، ورنہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف لے جائے گی۔

ہمارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ کون؟

پھر اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ:

انا اولی بکل مؤمن من نفسہ

میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، یعنی انسان خود اپنی جان کا اتنا خیر خواہ نہیں ہو سکتا جتنا میں تمہارا خیر خواہ ہوں، جیسے باپ اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے کہ اپنے اوپر مشقت جھیل لے گا، محنت اٹھا لے گا، لیکن اولاد کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے تمہاری جان سے زیادہ قریب ہوں، جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ کوئی اپنے مفاد کے خاطر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ تمہارے فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں اس لئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں یہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو کر اپنے کو جہنم کا مستحق نہ بنا لے، آگے فرمایا کہ:

من ترك مالا فلاهله، ومن ترك دينا اوضياعا فالى وعلى۔

یعنی آخرت میں تو میں تمہارا خیر خواہ ہوں ہی، دنیا کے اندر بھی یہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ مال بطور ترکہ کے چھوڑ کر گیا ہے، تو وہ میراث اس کے گھر والوں کے لئے ہے، شریعت کے مطابق وہ میراث آپس میں تقسیم کر لیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر قرضہ چھوڑ کر گیا ہے، اور ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے کہ اس سے قرضہ ادا کیا جا سکے، یا ایسی اولاد چھوڑ گیا، جس کی کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے، تو وہ قرضے اور وہ اولاد میرے پاس لے آؤ، میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا، یہ سب اس لئے فرمایا تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے، تمہارا روپیہ پیسہ مطلوب نہیں ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں فرمایا کہ میں تمہیں کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روکنا چاہتا ہوں، اور تم اس میں گرے جا رہے ہو، اور میں تمہیں پکار رہا ہوں کہ خدا کے لئے ان گناہوں سے رک جاؤ، خدا کے لئے ان بدعتوں سے باز آجاؤ، تاکہ اس عذاب جہنم سے نجات پا جاؤ۔

(فانا آخذ بحجزكم عن النار وانتم تقتحمون فيها، صحيح بخاری، کتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصی، حدیث نمبر ۶۴۸۳)

صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب کہاں سے آیا؟

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ باتیں تھیں جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں انقلاب برپا کیا، اور ایسی تبدیلیاں لائیں کہ ایک ایک

صحابہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ جب بات دل سے نکلتی تھی، دل پر اثر کرتی تھی، اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک جملے نے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں، آج ہم گھنٹوں تقریر کرتے ہیں، گھنٹوں دین کی باتیں کرتے ہیں، لیکن کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آتا، کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا، اس لئے کہ بسا اوقات کہنے والا خود اس پر کاربند نہیں ہوتا، اور ہمارے دل میں وہ جذبہ اور درد نہیں، جس کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے صحابہ کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، آج بھی جتنا اثر براہ راست کتاب اللہ کے کلمات میں ہے، اور براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں ہے کتنی لچھے دار تقریریں کر لو، اس میں وہ اثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بدعت کیا ہے؟

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک بدعت حسنہ اور ایک بدعت سیۂ، یعنی بعض کام بدعت تو ہوتے ہیں، لیکن اچھے ہوتے ہیں۔ اور بعض کام بدعت بھی ہیں اور برے بھی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی اچھا کام شروع کیا جائے تو اس کو بدعت حسنہ کہا جائے گا، اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

بدعت کے لغوی معنی

خوب سمجھ لیجئے کہ بدعت کوئی اچھی نہیں ہوتی، جتنی بدعتیں ہیں، وہ سب بری ہیں، اصل بات یہ ہے کہ بدعت کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک لغوی، اور ایک اصطلاحی، اگر آپ لغت اور ڈکشنری میں بدعت کے معنی دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ لغت میں اس کے معنی نئی چیز کے ہیں، لہٰذا جو بھی نئی چیز ہے اس کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں، مثلاً یہ پنکھا، یہ بجلی، یہ ٹرین اور ہوائی جہاز وغیرہ لغت اور ڈکشنری کے اعتبار سے سب بدعت ہیں کیونکہ یہ چیزیں ہمارے دور کی ہی پیداوار ہیں مسلمانوں کے اولین دور میں ان کا وجود نہ تھا یہ سب نئی چیزیں ہیں۔
لیکن شریعت کی اصطلاح میں ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے، بلکہ بدعت کے معنی

یہ ہیں کہ دین میں کوئی نیا طریقہ نکالنا، اور اس طریقہ کو از خود مستحب یا لازم یا مسنون قرار دینا، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے مسنون قرار نہیں دیا، اس کو بدعت کہیں گے، اس اصطلاحی معنی کے لحاظ سے جن چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے ان میں سے کوئی بدعت اچھی نہیں ہوتی۔ اور ایسی کوئی بدعت "حسنہ" نہیں ہے بلکہ ہر بدعت بری ہی ہے۔

شریعت کی دی ہوئی آزادی کو کسی قید کا پابند بنانا جائز نہیں

البتہ کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دی ہیں۔ یا کچھ چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون اور اجر و ثواب کا موجب تو قرار دی ہیں۔ لیکن ان چیزوں میں شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا کہ اس طرح کرو گے تو ثواب زیادہ ملے گا، اور اس طرح کرو گے تو ثواب کم ملے گا، ایسے کاموں کو جس طریقے سے بھی انجام دے لیا جائے وہ موجب ثواب ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کا طریقہ

مثلاً کسی مردہ کو ایصال ثواب کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، جو شخص کسی مرنے والے کو ایصال ثواب کرے تو اس کو دگنا ثواب ملتا ہے، ایک اس عمل کے کرنے کا ثواب، اور دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب، لیکن شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا کہ ایصال ثواب صرف قرآن شریف پڑھ کر ہی کرو، یا صدقہ کر کے کرو، یا نماز پڑھ کر کرو، بلکہ جس وقت جس نیک کام کی توفیق ہو جائے اس نیک کام کا ایصال ثواب جائز ہے، تلاوت کلام پاک کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں، صدقہ کا بھی کر سکتے ہیں۔ نفلی نماز پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ ذکر و تسبیح کا بھی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کتاب لکھی ہے، اور کوئی تصنیف و تالیف کی ہے، اس کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی وعظ و نصیحت کی ہے تو اس کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، غرض یہ کہ جتنے بھی نیک کام ہیں، سب کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مقرر

نہیں کیا کہ فلاں دن کرو، اور فلاں دن نہ کرو، بلکہ جس وقت اس شخص کا انتقال ہوا ہے، اس کے بعد جس وقت چاہیں ایصال ثواب کر سکتے ہیں، چاہے پہلے دن کرے، چاہے دوسرے دن کرے، چاہے تیسرے دن کرے، جب چاہے کرے، کوئی دن مقرر نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص ایصال ثواب کا کوئی بھی طریقہ اختیار کرے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔

کتاب تصنیف کر کے اس کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں

مثلاً میں نے عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے ایک کتاب لکھی، اور کتاب لکھنے کا مقصد تبلیغ و دعوت ہے، اور کتاب لکھنے کے بعد دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کتاب لکھنے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیجئے۔ تو یہ ایصال ثواب درست ہے، حالانکہ کتاب لکھ کر ایصال ثواب کرنے کا عمل نہ تو کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور نہ صحابہ کرام نے کیا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں، لیکن آپ نے ایصال ثواب کرنے کی فضیلت بیان فرمائی، لہٰذا یہ جو میں ایصال ثواب کر رہا ہوں یہ بدعت نہیں، لیکن اگر میں یہ کہوں کہ کتاب لکھ کر ایصال ثواب کرنے کا طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہے، اور یہی طریقہ سنت ہے، اس صورت میں میرا یہی عمل جو موجب اجر و ثواب تھا، بدعت ہو جائے گا، اس لئے کہ میں نے اپنی طرف سے دین میں ایک ایسی چیز داخل کر دی جو دین کا حصہ نہیں تھی۔

تیسرا دن لازم کر لینا بدعت ہے

اسی طرح ہر دن ایصال ثواب کرنا جائز تھا، پہلے دن بھی، دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی، فرض کرو کہ ایک شخص تیسرے دن گھر پر بیٹھے ایصال ثواب کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تیسرا دن خاص طور پر ایصال ثواب کے لئے مقرر ہے، اور اس تیسرے دن میں ایصال ثواب کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، یا یہ سنت ہے، یا یہ کہے کہ اگر کوئی شخص تیسرے دن ایصال

ثواب نہیں کرے گا تو اس کو ناواقفوں کی لعنت وملامت کا شکار ہونا پڑے گا، اب یہ ایصال ثواب بدعت ہو جائے گا، اس لئے کہ اس عمل کو اپنی طرف سے ایک خاص دن میں لازم اور ضروری قرار دے دیا۔

جمعہ کے دن روزہ کی ممانعت فرمادی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی کتنی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :۔

قل ما کان یفطر یوم الجمعة

(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الجمعة، حدیث نمبر ۷۴۲)

یعنی بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جمعہ کے روز آپ نے روزہ نہ رکھا ہو، بلکہ اکثر جمعہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اسلئے کہ یہ فضیلت والا دن روزے کے ساتھ گزرے تو اچھا ہے، لیکن آپ کو دیکھ کر رفتہ رفتہ لوگوں نے بھی جمعہ کے دن روزہ رکھنا شروع کر دیا اور جمعہ کے دن کو روزے کے ساتھ اس طرح مخصوص کر دیا جس طرح یہودی لوگ ہفتہ کے دن کو مخصوص کرتے ہیں، اس لئے یہودیوں کے یہاں ہفتہ کے دن روزہ رکھا جاتا تھا، اور ان کے ذہنوں میں ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی خاص فضیلت اور اہمیت تھی، چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے صحابہ کرام کو منع فرمادیا، اور باقاعدہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کوئی شخص روزہ نہ رکھے۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس دن کو اللہ تعالیٰ نے روزے کے لئے متعین نہیں کیا، لوگ اس کو اپنی طرف سے متعین کر دیں، اور وہ عمل دوسروں کی نظر میں ضروری نہ سمجھا جانے لگے، اس لئے آپ نے روزے کے لئے جمعہ کی تعیین کر لینے سے منع فرمادیا کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضروری اور لازمی نہیں سمجھتے تھے نہ دوسروں کے لئے اس طرح کا کوئی اہتمام والتزام جاری کرانا چاہتے تھے۔

(ترمذی۔ کتاب الصوم، باب ماجاء کراھیة صوم یوم الجمعة وحدہ۔ حدیث نمبر ۷۴۳)

تیجہ، دسواں، چالیسواں کیا ہیں؟

بہر حال! میں یہ جو عرض کر رہا تھا کہ یہ تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں جائز نہیں ہے، یہ اس لئے کہ لوگوں نے ان دنوں کو ایصال ثواب کے لئے مخصوص کر دیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مخصوص نہ کرے، بلکہ اتفاقاً وہ تیسرے دن ایصال ثواب کر لے، تو اس میں بھی کوئی خرابی نہیں، البتہ چونکہ آجکل تیسرے ہی دن کو بعض لوگوں نے لازم سمجھ رکھا ہے اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے بطور خاص تیسرے دن یہ کام نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

انگوٹھے چومنا کیوں بدعت ہے؟

آپ نے مسجد سے اذان کی آواز سنی، اور اذان کے اندر جب "اشہدان محمداً رسول اللہ" سنا، آپ کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا داعیہ پیدا ہوا، اور محبت سے بے اختیار ہو کر آپ نے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لئے تو بذات خود یہ عمل کوئی گناہ اور بدعت نہیں، اس لئے کہ اس نے یہ عمل بے اختیار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت ایک قابل تعریف چیز ہے اور ایمان کی علامت ہے، اور انشاء اللہ اسی محبت پر اجر و ثواب ملے گا، لیکن اگر کوئی شخص ساری دنیا کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ جب کبھی اذان میں "اشہدان محمداً رسول اللہ" پڑھا جائے، تو تم سب اس وقت اپنے انگوٹھوں کو چوما کرو اس لئے کہ اس وقت انگوٹھوں کو چومنا مستحب یا سنت ہے اور جو شخص انگوٹھوں کو نہ چومے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہے، تو وہی عمل جو محبت کے جذبے سے بالکل جائز تھا۔ اب بدعت بن گیا۔ اس میں باریک فرق ہے کہ اگر یہ جائز عمل صحیح جذبے سے کیا جا رہا ہے اور اس میں خود ساختہ کوئی قید نہیں ہے تو وہ بدعت نہیں ہے۔ اور جب اسی عمل کو اپنے اوپر لازم کر لیا، یا اس کو سنت سمجھ لیا، اور اگر کوئی دوسرا شخص وہ عمل نہ کرے تو اس کو مطعون کرنا شروع کر دیا۔ بس وہی عمل بدعت بن جائے گا۔

یارسول اللہ! کہنا کب بدعت ہے؟

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص کے سامنے کسی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آیا۔ اور اس کو بے اختیار یہ تصور آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں، اور اس نے یہ تصور کر کے کہہ دیا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ!" اور حاضر ناظر کا عقیدہ اس کے دل میں نہیں تھا۔ بلکہ جس طرح ایک آدمی غائب چیز کا تصور کر لیتا ہے کہ یہ چیز میرے سامنے موجود ہے، تو اس تصور کرنے میں اور یہ الفاظ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ الفاظ اس عقیدے کے ساتھ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر اس طرح حاضر و ناظر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، تو یہ شرک ہو جائے گا، معاذ اللہ، اور اگر اس عقیدے کے ساتھ تو نہیں کہے، لیکن یہ سوچا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کہنا سنت ہے، اور اس طرح درود پڑھنا ضروری ہے، اور جو شخص اس طرح یہ الفاظ نہ کہے گویا اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے۔ تو پھر یہی عمل بدعت، ضلالت اور گمراہی ہے۔

عمل کا ذرا سا فرق

لہٰذا عقیدے اور عمل کے ذرا سے فرق سے ایک جائز چیز ناجائز اور بدعت بن جاتی ہے، آپ جتنی بدعتیں دیکھیں گے، ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو بذات خود مباح تھیں اور جائز تھیں، لیکن جب اسے فرض کی طرح لازم کر لیا گیا تو اس سے وہ بدعت بن گئیں۔

عید کے روز گلے ملنا کب بدعت ہے؟

عید کے دن آپ نے عید کی نماز پڑھی، اور عید کی نماز کے بعد دو مسلمان بھائیوں نے خوشی کے جذبے میں آکر آپس میں ایک دوسرے سے گلے مل لئے، تو اصلاً گلے ملنا کوئی ناجائز فعل نہیں، یا مثلاً ابھی آپ یہاں مجلس سے اٹھیں، اور کسی سے گلے مل

لیں تو کوئی گناہ کی بات نہیں، جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ عید کی نماز کے بعد گلے ملنا عید کی سنت ہے، اور یہ بھی عید کی نماز کا حصہ ہے اور جب تک گلے نہیں ملیں گے، اس وقت تک عید نہیں ہوگی، تو یہی عمل اس وقت بدعت بن جائے گا، اس لئے کہ ایک ایسی چیز کو سنت قرار دیا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار نہیں دیا، اور صحابہ کرام نے اس کو نہ سنت قرار دیا، اور نہ اس کی پابندی کی، اب اگر کوئی شخص گلے ملنے سے انکار کردے کہ میں تو نہیں ملتا، اور آپ اس سے کہیں کہ آج عید کا دن ہے، کیوں گلے نہیں ملتے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے عید کے دن گلے ملنے کو لازمی قرار دے دیا، اور از خود لازمی قرار دے لینا ہی اس کو بدعت بنا دیتا ہے۔ لیکن ویسے ہی اتفاقی طور پر گلے ملنے کو دل چاہا، اور گلے مل لئے تو یہ بذات خود بدعت نہیں بہر حال! کسی بھی مباح عمل کو لازم قرار دینے یا اس کو سنت یا واجب قرار دینے سے وہ بدعت بن جاتی ہے۔

کیا "تبلیغی نصاب" پڑھنا بدعت ہے؟

ایک صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ تبلیغی جماعت والے تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں۔ اور لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں تبلیغی نصاب کون پڑھتا تھا۔ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں کون پڑھتا تھا؟ لہٰذا یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت ہو گیا۔ لیکن میں نے آپ کے سامنے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ علم اور دین کی بات کہنا اور اس کی تبلیغ کرنا ہر وقت اور ہر آن جائز ہے، مثلاً ہم اور آپ جمعہ کے روز عصر کے بعد یہاں جمع ہوتے ہیں، اور دین کی بات سنتے اور سناتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا کہ لوگ خاص طور پر جمعہ کے روز عصر کے بعد جمع ہوتے ہوں، اور پھر ان کے سامنے دین کی بات کی جاتی ہو، لہٰذا یہ ہمارا جمع ہونا بھی بدعت ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اس لئے بدعت نہیں کہ دین کی تعلیم و تبلیغ ہر وقت اور ہر آن جائز ہے۔ لیکن اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد مسجد بیت المکرم ہی میں یہ اجتماع مسنون ہے، اور اگر

کوئی شخص اس اجتماع میں شریک نہ ہو تو اس کو تو دین کا شوق نہیں ہے، اس کے دل میں دین کی عظمت اور محبت نہیں ہے، اس لئے کہ بیت المکرم میں جمعہ کے دن نہیں آتا۔ تو اس صورت میں یہی اجتماع کا عمل جو ہم اور آپ کر رہے ہیں، بدعت بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اب ایک آدمی یہاں آنے کے بجائے کسی دوسری جگہ پر چلا جاتا ہے۔ اور وہاں جا کر دین کی باتیں سن لیتا ہے، تو وہ بھی ثواب کا کام کر رہا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ بیت المکرم ہی میں دین کی باتیں سننے کے لئے آئے، اور جمعہ کے دن ہی آئے، اور عصر کے بعد ہی آئے، اور بیان بھی فلاں شخص ہی کا ہو تو اس صورت میں یہی عمل بدعت بن جائے گا۔

اسی طرح لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور دینی اعمال کی فضیلتیں سناتے ہیں، یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ اب اگر کوئی اس کو متعین کرے کہ تبلیغی نصاب ہی پڑھنا ضروری ہے، اور یہی سنت ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری کتاب پڑھی جائے گی تو وہ مقبول نہیں، تو اس صورت میں یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا۔ لہٰذا کسی بھی عمل مباح کو یا اجر و ثواب والے عمل کو خاص وقت اور خاص حالات کے ساتھ مربوط کر کے لازم قرار دے دیا جائے تو وہی بدعت بنا دیتا ہے۔

سیرت کے بیان کے لئے خاص طریقہ مقرر کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا کتنے اجر و فضیلت کا کام ہے۔ وہ لمحات جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی بھی حیثیت سے ہو، وہ حاصل زندگی ہے۔

اوقات ہمہ بود کہ بیان بسر کرد

حقیقت میں قابل قدر اوقات تو وہی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں صرف ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے لئے کوئی خاص طریقہ متعین کر دے، خاص دن متعین کرے۔ یا خاص مجلس متعین کر لے، اور یہ کہے کہ اسی خاص دن اور صورت ہی میں اجر و ثواب منحصر ہے تو یہی قیودات اس جائز اور مبارک عمل کو بدعت بنا دیں گی۔

درود شریف پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا

اس کی آسان سی مثال سمجھئے کہ ہمیں نماز میں التحیات پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، اللھم صلی علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید، یہ درود شریف پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھا دیا اس کو پڑھنا جائز اور مسنون ہے۔ اب اگر کوئی شخص دوسرا درود شریف پڑھے، جس کے الفاظ اس سے مختلف ہوں۔ مثلاً: اللھم صلی علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم، پڑھے تو یہ بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، اور درود شریف پڑھنے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ درود شریف نہ پڑھو، بلکہ یہ دوسرا والا درود شریف پڑھو اور یہی پڑھنا سنت ہے، تو اس صورت میں درود شریف پڑھنا جو بڑی فضیلت والا عمل تھا۔ بدعت بن جائے گا۔

دنیا کی کوئی طاقت اس کو سنت نہیں قرار دے سکتی

خوب سمجھ لیجئے کہ لوگوں نے جو بدعت کی قسمیں نکال لیں ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہوتی ہے، اور ایک بدعت سیہ ہوتی ہے، ایک اچھی ہوتی ہے، اور ایک بری ہوتی ہے۔ یاد رکھو، بدعت کوئی حسنہ نہیں، کوئی بدعت اچھی نہیں، جو طریقہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ضروری قرار نہیں دیا، اور سنت قرار نہیں دیا، مستحب قرار نہیں دیا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو واجب، سنت اور مستحب قرار نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ ضلالت اور گمراہی ہوگی اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام دین کو اتنا نہیں سمجھتے تھے، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ بعض نئی چیزیں تو وہ ہوتی ہیں جن کو کوئی بھی شخص دین کا حصہ نہیں سمجھتا، مثلاً یہ پنکھا، یہ لائٹ، ٹرین، ہوائی جہاز، وغیرہ۔ یہ چیزیں اس لئے بدعت نہیں ہیں کہ ان کو کوئی بھی دین کا حصہ اور لازم اور ضروری نہیں سمجھتا، اور دین کے جن کاموں کو انجام دینے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا، ان کاموں کو جس طرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں، لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر کر لیا جائے، اور اسی طریقے کو لازم اور ضروری قرار دے دیا جائے تو وہ بدعت بن جائے گا۔ یہ بات اگر ذہن میں رہے تو اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بدعت سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، اور دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مواعظ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

نام کتاب	قیمت
پڑھنے کا شوق	۱۲/=
مستقبلات	۱۲/=
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے	۱۲/=

خطبات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

﴿ ا ﴾

نام کتاب		قیمت
اصلاحی خطبات	جلد اوّل	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۲	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۳	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۴	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۵	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۶	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۷	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۸	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۹	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۱۰	۱۳۰/=
اصلاحی خطبات	جلد ۱۱	زیر طبع
اصلاحی خطبات ڈیلکس ایڈیشن		زیر طبع
اصلاحی خطبات انگریزی		۲۳۰۰/=
اصلاحی مجالس جلد اوّل		زیر طبع
آزادی نسواں کا فریب		۱۶/=
اسلام اور جدید اقتصادی مسائل		۱۵/=
اولاد کی اصلاح وتربیت		۱۹/=
انسانی حقوق اور اسلام		۱۳/=
اپنی فکر کریں		۱۳/=
اسلام میں خلع کی حقیقت		۲۰/=
آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں		۱۸/=
ایکسپورٹ کے شرعی احکام		۱۳/=
امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے		[illegible]
آنکھوں کی حفاظت کیجئے		۱۳/=
ایمان کامل کی چار علامتیں		۱۳/=
اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ		۱۳/=
استخارہ کا مسنون طریقہ		۱۶/=

﴿ ب ـ پ ـ ت ﴾

نام کتاب	قیمت
بدعت ایک سنگین گناہ	۱۲/=
بیوی کے حقوق	۲۰/=
بڑوں کی اطاعت	۱۵/=
بھائی بھائی بن جاؤ	۱۳/=

بیمار کی عیادت کے آداب .... ۱۰/=
بینکوں سے زکوٰۃ کی وصولی .... ۲۳/=
بحث و مباحثہ اور جھوٹ ترک کریں .... ۱۳/=
بری حکومت کی نشانیاں .... ۱۷/=
بیماری اور پریشانی ایک نعمت .... ۱۳/=
پریشانیوں کا علاج .... ۱۶/=
پینے کے آداب .... ۱۳/=
پی ایل ایس اکاؤنٹ .... ۱۳/=
تعلیم القرآن کی اہمیت .... ۱۵/=
توبہ، گناہوں کا تریاق .... ۲۰/=
تقدیر پر راضی رہیں .... ۱۵/=
تبلیغ و دعوت کے اصول .... ۱۳/=
تواضع .... ۱۶/=

﴿ ج-ح-خ ﴾

جھوٹ اور اس کی مروجہ صورتیں .... ۱۳/=
جدید فقہی مسائل .... ۱۷/=
جہاد، اقدامی یا دفاعی .... ۱۳/=
جنت کے مناظر .... ۱۲/=
حسد، ایک مہلک آگ .... ۱۵/=
حضور ﷺ کی زریں نصیحتیں .... ۱۲/=
حقوق مجردہ کی خرید و فروخت .... ۲۲/=
خواب کی حیثیت .... ۱۳/=
خلق خدا سے محبت کیجئے .... ۱۵/=

﴿ د-ر-ز ﴾

دوستی اور دشمنی میں اعتدال .... ۱۷/=
دوسروں کی چیزوں کا استعمال .... ۱۳/=
دین کی حقیقت .... ۱۵/=

دل کی بیماریاں .... ۱۳/=
دنیا سے دل نہ لگاؤ .... ۱۷/=
درس ختم بخاری .... ۱۷/=
دعوت کے آداب .... ۱۳/=
درود شریف ایک اہم عبادت .... ۱۷/=
دینی مدارس، دین کی حفاظت کے قلعے .... ۱۳/=
دوسروں کو تکلیف مت دیجئے .... ۱۶/=
دولت قرآن کی قدر و عظمت .... ۱۵/=
رزق حلال کی طلب .... ۱۶/=
رمضان کس طرح گزاریں .... ۱۳/=
روزہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ .... ۱۳/=
روزہ (انگریزی) .... ۱۷/=
رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک .... ۱۳/=

راحت کس طرح حاصل کریں .... ۱۸/=
زبان کی حفاظت کیجئے .... ۱۶/=

﴿س-ش﴾

سفارش شریعت کی نظر میں .... ۱۳/=
سیرت النبی ﷺ .... ۱۶/=
سستی کا علاج، چستی .... ۱۲/=
سونے کے آداب .... ۱۵/=
سنت کی تحقیر سے بچیں .... ۱۳/=
سودی نظام کی خرابیاں .... ۱۵/=
سلام اور مصافحہ کے آداب .... ۱۵/=
شوہر کے حقوق .... ۲۰/=
شب برات کی حقیقت .... ۲۲/=
شیئرز کی خرید و فروخت .... ۱۳/=

﴿ع-غ-ف﴾

علماء کی توہین سے بچیں .... ۱۳/=
عقل کا دائرہ کار .... ۱۳/=
غریبوں کی تحقیر مت کیجئے .... ۱۶/=
غصہ کو قابو میں کیجئے .... ۱۶/=
غیبت زبان کا ایک عظیم گناہ .... ۱۶/=
فقہی مقالات جلد اول .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات جلد دوم .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات جلد سوم .... ۱۳۰/=
فقہی مقالات اعلیٰ ایڈیشن .... زیر طبع
فتنہ کے دور کی نشانیاں .... ۱۸/=
فکر آخرت .... ۱۳/=

﴿ق-ک-ل﴾

قربانی، حج، عشرہ ذی الحجہ .... ۱۶/=
قسطوں پر خرید و فروخت .... ۲۲/=
کھانے کے آداب .... ۲۷/=
کیا خیالات آپ کو پریشان کرتے ہیں .... ۱۲/=
کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم .... ۲۲/=
گناہوں کی لذت ایک دھوکہ .... ۱۳/=
گناہ گار سے نفرت نہ کریں .... ۱۵/=
گناہوں کا علاج، خوف خدا .... ۲۶/=
گناہوں کے نقصانات .... ۱۳/=
لباس کے شرعی اصول .... ۱۸/=

﴿م-ن-و-ہ﴾

ماہ رجب .... ۱۰/=
معاشرے کی اصلاح کیسے ہو .... ۱۳/=
منافق کی دو نشانیاں .... ۱۸/=
ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی .... ۱۲/=
معاملات جدیدہ اور علماء کی ذمہ داری ....

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

اصلاحی خطبات

جلد ۲

- بیوی کے حقوق
- شوہر کے حقوق
- قربانی، حج، عشرہ ذی الحجہ
- سیرت النبی اور ہماری زندگی
- سیرت النبی کے جلسے اور جلوس
- غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے
- نفس کی کشمکش
- مجاہدہ کی ضرورت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

(۳)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ اکتوبر ۱۹۹۳ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر: ۱۳۵۷۵

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی دوسری جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد اول کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد ثانی کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف تین ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد ثانی کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمادے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد۔ کراچی

عنوان	صفحہ

اجمالی فہرست

صفحہ	عنوان

تفصیلی فہرست مضامین

(۹) بیوی کے حقوق

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
۴۱..... عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔	۴۸
۴۲..... اس کے علاوہ تمہارے ان پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔	۴۸
۴۳..... کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔	۴۸
۴۴..... ساس سسر کی خدمت واجب نہیں ہے۔	۵۰
۴۵..... ساس سسر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے۔	۵۰
۴۶..... بہو کی خدمت کی قدر کریں۔	۵۰
۴۷..... ایک عجیب واقعہ۔	۵۱
۴۸..... ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا۔	۵۲
۴۹..... شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے۔	۵۲
۵۰..... عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں۔	۵۲
۵۱..... دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔	۵۳
۵۲..... اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو!۔	۵۴
۵۳..... بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے۔	۵۴
۵۴..... خرچ میں فراخدلی سے کام لینا چاہئے۔	۵۵
۵۵..... رہائش جائز، آسائش جائز۔	۵۵
۵۶..... آرائش بھی جائز۔	۵۶
۵۷..... نمائش جائز نہیں۔	۵۶
۵۸..... فضول خرچی کی حد۔	۵۷
۵۹..... یہ اسراف میں داخل نہیں۔	۵۷
۶۰..... ہر شخص کی کشادگی الگ الگ ہے۔	۵۸
۶۱..... اس محل میں خدا کو تلاش کرنے والا احمق ہے۔	۵۸
۶۲..... غلبہ حال کی کیفیت قابل تقلید نہیں۔	۵۹

عنوان	صفحہ

(۱۰) شوہر کے حقوق

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۱۱) حج اور قربانی

عنوان	صفحہ
۲۸ ...... حضرت ابراہیم نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی۔	۱۳۵
۲۹ ...... کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟	۱۳۶
۳۰ ...... قربانی کی اصل روح۔	۱۳۶
۳۱ ...... تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں۔	۱۳۷
۳۲ ...... سنت اور بدعت میں فرق۔	۱۳۷
۳۳ ...... مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟	۱۳۸
۳۴ ...... سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال۔	۱۳۸
۳۵ ...... حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا نماز تہجد پڑھنا۔	۱۴۰
۳۶ ...... اعتدال مطلوب ہے۔	۱۴۰
۳۷ ...... اپنی تجویز فنا کر دو۔	۱۴۱
۳۸ ...... پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے۔	۱۴۱
۳۹ ...... قربانی کی فضیلت۔	۱۴۲
۴۰ ...... ایک دیہاتی کا قصہ۔	۱۴۲
۴۱ ...... ہماری عبادات کی حقیقت۔	۱۴۴
۴۲ ...... تم اس کے زیادہ محتاج ہو۔	۱۴۵
۴۳ ...... ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے۔	۱۴۵
۴۴ ...... کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہونگی؟	۱۴۶
۴۵ ...... سپردم بتو مایہ خویش را	۱۴۶
(۱۲) سیرت النبی اور ہماری زندگی	
۱ ...... آپ کا تذکرہ باعث سعادت	۱۵۲
۲ ...... تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ	۱۵۲
۳ ...... ۱۲ ربیع الاول اور صحابہ کرام	۱۵۳

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۱۳) سیرت النبی کے جلسے اور جلوس

عنوان	صفحہ
۱۳...... سیرت کے جلسے اور موسیقی	۱۸۳
۱۴...... سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا	۱۸۴
۱۵...... سیرت کے جلسے اور ایذاء مسلم	۱۸۵
۱۶...... دوسروں کی نقالی میں جلوس	۱۸۵
۱۷...... حضرت عمر اور حجر سود	۱۸۷
۱۸...... خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں۔	۱۸۸
(۱۴) غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے	
۱...... وہ لوگ کمزور نہیں	۱۹۲
۲...... اللہ کے محبوب کون؟	۱۹۳
۳...... محبوبانہ عتاب	۱۹۳
۴...... طالب مقدم ہے	۱۹۵
۵...... جنتی کون لوگ ہیں؟	۱۹۵
۶...... اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں	۱۹۶
۷...... جہنمی کون لوگ ہیں؟	۱۹۷
۸...... یہ بڑی فضیلت والے ہیں	۱۹۸
۹...... یہ فاقہ مست لوگ۔	۱۹۸
۱۰...... انبیاء کے متبعین	۱۹۹
۱۱...... حضرت زاہر رضی اللہ عنہ	۲۰۰
۱۲...... نوکر آپ کی نظر میں	۲۰۱
۱۳...... جنت اور دوزخ کے درمیان مناظرہ	۲۰۲
۱۴...... جنت اور دوزخ کیسے کلام کریں گے؟	۲۰۳
۱۵...... قیامت کے روز اعضا کس طرح بولیں گے؟	۲۰۳
۱۶...... جہنم متکبرین سے بھر جائیگی۔	۲۰۴

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
۴...... جنت میں مجاہدہ نہ ہوگا	۲۴۹
۵...... عالم جنہم۔	۲۴۹
۶...... یہ عالم دنیا ہے	۲۵۰
۷...... یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرلو	۲۵۱
۸...... اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے	۲۵۱
۹...... اللہ ان کے ساتھ ہوگئے	۲۵۲
۱۰...... وہ کام آسان ہو جائے گا۔	۲۵۳
۱۱...... آگے قدم تو بڑھاؤ۔	۲۵۳
۱۲...... جائز کاموں سے رُکنا بھی مجاہدہ ہے	۲۵۴
۱۳...... جائز کاموں میں مجاہدہ کی کیا ضرورت؟	۲۵۵
۱۴...... چار مجاہدات	۲۵۵
۱۵...... کم کھانے کی حد	۲۵۶
۱۶...... وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی	۲۵۷
۱۷...... نفس کو لذت سے دور رکھا جائے۔	۲۵۷
۱۸...... پیٹ بھرے کی مستیاں	۲۵۷
۱۹...... کم بولنا، ایک مجاہدہ ہے	۲۵۸
۲۰...... زبان کے گناہوں سے بچ جائیگا۔	۲۵۸
۲۱...... جائز تفریح کی اجازت ہے	۲۵۹
۲۲...... مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے	۲۵۹
۲۳...... اصلاح کا ایک طریقہ علاج۔	۲۶۰
۲۴...... کم سونا	۲۶۱
۲۵...... لوگوں سے تعلقات کم کرنا	۲۶۱

بیوی کے حقوق

اور اس کی حیثیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی عظیم العالی۔
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن۔
تاریخ : ۲۹ر مئی ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر۔
مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی۔
کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

جب نکاح کے دو بول پڑھ لینے کے بعد شوہر سے تعلق قائم ہو گیا۔ تو اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا۔ باپ کو اس نے چھوڑا۔ بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا۔ اپنے گھر بار کو چھوڑا۔ اپنے خاندان کو چھوڑا، پورے کنبے کو چھوڑا۔ اور شوہر کی ہو گئی۔ اب اس کے لئے اجنبی ماحول ہے۔ اجنبی گھر ہے۔ اور ایک اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کے لئے وہ عورت مقید ہو گئی۔ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کرو گے؟ اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا اور تم سے کہا جاتا کہ تمہیں شادی کے بعد اپنا خاندان چھوڑنا ہو گا۔ ماں باپ چھوڑنے ہوں گے۔ اس وقت تمہارے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔ اس کی اس قربانی کا لحاظ کرو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

بیوی کے حقوق
اور اس کی حیثیت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"

(سورۃ النساء ۱۹)

قال اللہ تعالٰی: ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما ٥

(سورۃ النساء: ۱۲۹)

"وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیرا فان المراۃ خلقت من ضلع وان اعوج ما فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب المداراۃ مع النساء حدیث نمبر ۵۱۸۴)

حقوق العباد کی اہمیت

ان آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد کا بیان شروع فرمارہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے جو حقوق ضروری قرار دیئے ہیں اور جن کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ ان کا بیان یہاں سے شروع فرمارہے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بار بار عرض کر چکا ہوں کہ "حقوق العباد" دین کا بہت اہم شعبہ ہے اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ "حقوق اللہ" تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خدانخواستہ حقوق اللہ سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے (خدانہ کرے) تو اس کا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب کبھی اس پر ندامت پیدا ہو تو توبہ واستغفار کر لینے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اگر اس پر کبھی ندامت ہو اور اس پر توبہ استغفار کرے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حقدار کو اس کا حق نہ پہنچایا جائے، یا جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے، اس لئے حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

حقوق العباد سے غفلت

حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے ہمارے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے ہم لوگوں نے چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ذکر، تلاوت، تسبیح وغیرہ ان چیزوں کو تو ہم دین سمجھتے ہیں، لیکن حقوق العباد کو ہم نے دین سے خارج کیا ہوا ہے، اور اسی طرح معاشرتی حقوق کو بھی دین سے خارج کر رکھا ہے، اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے۔ تو اس کو اس کی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

غیبت حقوق العباد میں داخل ہے

اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ (خدانہ کرے) کوئی مسلمان شراب نوشی کی لت

میں مبتلا ہو۔ تو ہر وہ مسلمان جس کو ذرا سا بھی دین سے لگاؤ ہے۔ وہ اس کو برا سمجھے گا، اور خود وہ شخص بھی اپنے فعل پر نادم ہو گا کہ میں یہ ایک گناہ کا کام کر رہا ہوں، لیکن ایک دوسرا شخص ہے جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ اس غیبت کرنے والے کو معاشرے میں شراب پینے والے کے برابر برا نہیں سمجھا جاتا، اور نہ خود غیبت کرنے والا اپنے آپ کو گناہ گار اور مجرم خیال کرتا ہے۔ حالانکہ گناہ کے اعتبار سے شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، غیبت کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، بلکہ غیبت اس لحاظ سے شراب پینے سے زیادہ سنگین ہے کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور اس لحاظ سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس کی ایسی مثال دی ہے کہ دوسرے گناہوں کی ایسی مثال نہیں دی۔ چنانچہ فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا، لیکن اتنی سنگینی کے باوجود یہ گناہ معاشرے میں عام ہو گیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس گناہ سے خالی ہوتی ہو اور پھر اس کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا، گویا کہ دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

"احسان" ہر وقت مطلوب ہے

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے۔ اور آکر بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ "احسان" ایک بڑا درجہ ہے جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن
تراه فانه يراك .

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل حدیث نمبر ۵۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح جیسے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس خیال کے ساتھ عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں، اس کو درجہ "احسان" کہا جاتا ہے۔ ان صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مبارک باد دی کہ اللہ

تعالیٰ مبارک فرمائے، یہ تو بہت بڑی نعمت ہے، البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ "احسان" کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے، اور جب بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے ہو اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جب عبادت کرے تو اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں، وہ تو صرف عبادت میں ہے ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ "احسان" کا تعلق صرف نماز سے ہے، دوسری چیزوں کے ساتھ احسان کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا اس لئے کہ آج کل عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ "احسان" صرف نماز ہی میں مطلوب ہے، یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے، حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے، زندگی کے ہر مرحلے اور شعبے میں مطلوب ہے، دکان پر بیٹھ کر تجارت کر رہے ہو وہاں پر "احسان" مطلوب ہے۔ یعنی دل میں یہ استحضار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں جب اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی "احسان" مطلوب ہے۔ جب بیوی بچوں اور دوست احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہو۔ اس وقت بھی یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں "احسان" کا مرتبہ یہ ہے، صرف نماز تک محدود نہیں ہے۔

وہ خاتون جہنم میں جائے گی

خوب سمجھ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہماری زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے، اسی واسطے روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون کے بارے میں پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ! ایک خاتون ہے۔ جو دن رات عبادت میں لگی رہتی ہے، نفل نماز اور ذکر و تلاوت بہت کرتی ہے۔ اور ہر وقت اسی میں مشغول رہتی ہے، اس خاتون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اس کا انجام کیسا ہوگا؟ تو آپ نے ان صحابہ کرام سے پوچھا کہ وہ خاتون پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی

ہے؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ پڑوسیوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے. پڑوس کی خواتین تو اس سے خوش نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جہنم میں جائے گی۔

(الادب المفرد للبخاری ص ۳۸ رقم ۱۱۹ باب لا یئوذی جارہ)

وہ خاتون جنت میں جائیں گی

پھر ایک ایسی خاتون کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا کہ جو نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی تھی، صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ سنت موکدہ ادا کرلیتی۔ بس اس سے زیادہ نوافل، ذکر و تلاوت نہیں کرتی تھی۔ مگر پڑوسیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خاتون جنت میں جائے گی۔

(حوالہ بالا)

مفلس کون؟

ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگر کوئی شخص نفلی عبادت کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہے، اور اگر نفلی عبادت نہ کرے تو آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے فلاں نفل عبادت کیوں نہیں کی۔ اس لئے کہ نفل کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کرے تو ثواب ملے گا۔ اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، لیکن حقوق العباد وہ چیز ہے کہ اس کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا اور اس پر جنت اور جہنم کا فیصلہ موقوف ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز بڑی مقدار میں نماز روزے لے کر آئیگا۔ لیکن دنیا میں کسی کا حق مار دیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی دل آزاری کری تھی اور کسی کا دل دکھا دیا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ اعمال لے کر آیا تھا۔ وہ سارے کے سارے دوسرے کو دے دیے۔ اور دوسروں کے گناہ اس پر ڈال دیئے

گئے۔ اس لئے حقوق العباد کا باب شریعت کا بہت اہم باب ہے۔

(ترمذی، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص، ابواب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر ۲۵۳۴)

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے

اور یہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ "اسلامی فقہ" جس میں شریعت کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کو اگر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ عبادات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور بقیہ تین حصے حقوق العباد کے بیان میں ہیں، یعنی معاملات اور معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے "ہدایہ" کا نام سنا ہو گا جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں عبادات کا ذکر ہے۔ جس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ باقی تین جلدیں معاملات، معاشرت اور حقوق العباد سے متعلق ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے۔ اس لئے یہ بڑا اہم باب شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو عمل کے جذبے سے پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے اور حقوق العباد کی اپنی رضا اور خوشنودی کے مطابق ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسلام سے پہلے عورت کی حالت

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب یہ قائم فرمایا "باب الوصیۃ بالنساء" یعنی ان نصیحتوں کے بارے میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق سے متعلق بیان فرمائی ہیں، اور سب سے پہلے یہ باب اس لئے قائم فرمایا کہ سب سے زیادہ بے اعتدالیاں اور سب سے زیادہ کوتاہیاں اس حق میں ہوتی ہیں۔ جب تک اسلام نہیں آیا تھا۔ اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہیں آئی تھیں۔ اس وقت تک عورت کو ایسی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ جو معاذ اللہ گویا انسانیت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک ہوتا تھا، اس کو انسانیت کے حقوق

دینے سے لوگ انکار کرتے تھے۔ کسی بھی معاملے میں اس کے حقوق کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا جیسے کسی نے اپنے گھر میں بھیڑ بکری پال لی۔ بالکل اسی طریقے سے اپنے گھر میں ایک عورت کو لاکر بٹھا دیا۔ سلوک کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

خواتین کے ساتھ حسن سلوک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایات سے بے خبر تھی خواتین کے حقوق کا احساس دلایا۔ کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کی ایک آیت نقل فرمائی۔ جو اس باب میں جامع ترین آیت ہے۔
فرمایا کہ:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم خواتین کے ساتھ "معروف" یعنی نیکی کے ساتھ، اچھا سلوک کر کے زندگی گزارو، ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، یہ عام ہدایت ہے، یہ آیت گویا اس باب کا متن اور عنوان ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا اس درجہ اہتمام تھا کہ آپ نے فرمایا کہ:

"خیارکم خیارکم لنساءھم
وانا خیارکم لنسائی"

تم میں سے سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں، (ترمذی۔ باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث نمبر ۱۱۷۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے حقوق کی محمداشت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اہتمام

تھا کہ بے شمار احادیث میں اس کی تشریح فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"استوصوا بالنساء خیراً"

میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں، تم میری اس نصیحت کو قبول کرلو۔

قرآن کریم صرف اصول بیان کرتا ہے

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک بات عرض کردوں کہ قرآن کریم میں آپ یہ دیکھیں گے کہ عام طور پر قرآن کریم موٹے موٹے اصول بیان کر دیتا ہے، تفصیلات اور جزئیات میں نہیں جاتا۔ انہیں بیان نہیں کرتا یہاں تک کہ نماز جیسا اہم رکن جو دین کا ستون ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے تمتر مقامات پر حکم دیا کہ نماز قائم کرو۔ لیکن نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی رکعتیں کتنی ہوتی ہیں؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتی؟ یہ تفصیلات قرآن نے بیان نہیں کیں۔ یہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں، آپ نے اپنی سنت سے بیان فرمائیں، اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآن کریم میں کم و بیش اتنی ہی مرتبہ آیا ہے، لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر فرض ہوتی ہے؟ کتنی فرض ہوتی ہے؟ کن کن چیزوں پر فرض ہوتی ہے؟ یہ تفصیلات قرآن کریم نے بیان نہیں کیں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر چھوڑ دیں، معلوم ہوا کہ قرآن کریم عام طور پر اصول بیان کرتا ہے، تفصیلی جزئیات میں نہیں جاتا۔

گھریلو زندگی، پورے تمدن کی بنیاد ہے

لیکن مرد و عورت کے تعلقات، خاندانی تعلقات ایسی چیز ہے کہ قرآن کریم

نے اس کے نازک نازک جزوی مسائل بھی صراحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے، اور پھر بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ مرد و عورت کے جو تعلقات ہیں، اور انسان کی جو گھریلو زندگی ہے یہ پورے تمدن کی بنیاد ہوتی ہے۔ اور اس پر پورے تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر مرد و عورت کے تعلقات استوار ہیں۔ خوشگوار ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو اس سے گھر کا نظام درست ہوتا ہے اور گھر کا نظام درست ہونے سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ سنورتا ہے۔ اور اس پر پورے معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، لیکن اگر گھر کا نظام خراب ہو، اور میاں بیوی کے درمیان رات دن تو تو میں میں ہوتی ہو۔ تو اس سے اولاد پر برا اثر پڑے گا۔ اور اس کے نتیجے میں جو قوم تیار ہوگی اس کے بارے میں آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کسی شائستہ قوم کے افراد بن سکتے ہیں یا نہیں۔ اس واسطے اس کو "عائلی احکام" یعنی گھرداری کے احکام کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کریم نے ان تعلقات کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔

عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہونے کا مطلب

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھی تشبیہ بیان فرمائی ہے، اور یہ اتنی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ ہے کہ ایسی تشبیہ ملنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا، اور بعض علماء نے اس کی دوسری تشریح یہ بھی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی تشبیہ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ عورت کی مثال پسلی کی سی ہے، کہ جس طرح پسلی دیکھنے میں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے، لیکن پسلی کا حسن اور اس کی صحت اس کے ٹیڑھا ہونے میں ہی ہے، چنانچہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے، اس کو سیدھا کر دوں تو جب اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ سیدھی تو

نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی، وہ پھر پسلی نہیں رہے گی اب دوبارہ پھر اس کو ٹیڑھا کر کے پلستر کے ذریعہ جوڑنا پڑے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں عورت کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ:

ان ذھبت تقیمھا کسرتھا۔

اگر تم اسی پسلی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ پسلی ٹوٹ جائے گی۔

"وان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج"

اور اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو، تو اس کے ٹیڑھے ہونے کے باوجود فائدہ اٹھاؤ گے یہ بڑی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، کہ اس کی صحت ہی اس کے ٹیڑھے ہونے میں ہے اگر وہ سیدھی ہوگی تو وہ بیمار ہے صحیح نہیں ہے۔

یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں ہے

بعض لوگ اس تشبیہ کو عورت کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، لہٰذا اس کی اصل ٹیڑھی ہے چنانچہ میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں جس میں کئی لوگ یہ لکھتے کہ یہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مخلوق ہے۔ گویا کہ اس کو مذمت اور برائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے

عورت کا ٹیڑھا پن ایک فطری تقاضہ ہے

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا ہے، اور عورت کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا، دونوں کی فطرت اور سرشت میں فرق ہے، سرشت میں فرق ہونے کی وجہ سے مرد عورت کے بارے میں یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ میری طبیعت اور فطرت کے خلاف ہے، حالانکہ عورت کا تمہاری طبیعت کے خلاف ہونا یہ کوئی عیب نہیں ہے، کیونکہ یہ ان کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو۔ کوئی شخص پسلی کے بارے میں یہ کہے کہ پسلی کے اندر جو ٹیڑھا پن ہے وہ اس کے اندر عیب ہے،

ظاہر ہے کہ وہ عیب نہیں، بلکہ اس کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ ٹیڑھی ہو اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تمہیں عورت میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہو، اور اس کی وجہ سے تم اس کو ٹیڑھا سمجھ رہے ہو تو اس کو اس بناء پر کنڈم نہ کرو بلکہ یہ سمجھو کہ اس کی فطرت کا مقتضی یہ ہے، اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر فائدہ اٹھانا چاہو گے تو ٹیڑھا ہونے کی حالت میں بھی فائدہ اٹھا سکو گے۔

"غفلت" عورت کے لئے حسن ہے

آج الٹا زمانہ آگیا ہے، اس واسطے قدریں بدل گئیں ہیں، خیالات بدل گئے، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے، بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور اچھائی ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کو غور سے پڑھیں تو قرآن کریم سے یہ بات نظر آتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی۔ اور اس کو نیکی اچھائی کی بات کہا گیا۔ مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جاہل اور غافل ہو۔ اور دنیا کی اس کو خبر نہ ہو، اس لئے کہ مرد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے، اس لئے اس کے پاس علم بھی ہونا چاہئے، اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہئے، اگر باخبر نہیں ہے، بلکہ غافل ہے، اور غفلت میں مبتلا ہے تو یہ مرد کے حق میں عیب ہے لیکن قرآن کریم نے غفلت کو عورت کے حق میں حسن قرار دیا، چنانچہ سورۃ نور میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

(سورۃ النور: ۲۳)

"یعنی وہ لوگ جو ایسی عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں، اور غافل ہیں، یعنی دنیا سے بے خبر ہیں" تو دنیا سے بے خبری کو ایک حسن کی صفت کے طور پر قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو۔ اور اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور دنیا کے معاملات استے نہ

جاتی ہو تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں، بلکہ وہ صفت حسن ہے، جس کو قرآن کریم نے صفت حسن کے طور پر ذکر فرمایا۔

زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو

لہٰذا جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی، وہ عورت کے حق میں عیب نہیں اور جو چیز مرد کے حق میں عیب نہیں تھی بعض اوقات وہ عورت کے حق میں عیب ہوتی ہے۔ اس لئے اگر تمہیں ان کے اندر کوئی ایسی چیز نظر آئے جو تمہارے لئے تو عیب ہے لیکن عورت کے لئے عیب نہیں تو اس کی وجہ سے عورت کے ساتھ برتاؤ میں خرابی نہ کرو، اس لئے کہ پسلی ہونے کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تمہاری طبیعت سے مختلف ہو تو اب اس کو زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

سارے جھگڑوں کی جڑ

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور آپ سے زیادہ مرد و عورت کی نفسیات سے کون واقف ہو سکتا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جھگڑوں کی جڑ پکڑ لی کہ سارے جھگڑے صرف اس بنا پر ہوتے ہیں کہ مرد یہ چاہتا ہے کہ جیسا میں خود ہوں، یہ بھی ویسی بن جائے، تو بھائی! یہ تو ویسی بننے سے رہی، اگر ویسی بنانا چاہوگے تو ٹوٹ جائے گی اس لئے اس فکر کو تو چھوڑ دو ہاں! جو چیزیں اس کے حق میں اس کے حالات کے لحاظ سے اس کی فطرت اور سرشت کے لحاظ سے اس کے لئے عیب ہیں، ان کی اصلاح کی فکر کرو، اور ان کی اصلاح کی فکر بھی مرد کی ذمہ داری ہے لیکن اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمہارے مزاج اور طبیعت کے موافق ہو جائے، یہ نہیں ہو سکتا۔

اس کی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی

اس باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:
لا یفرک مومن مومنة ان کره منها خلقا رضی منها آخر۔
(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب و غریب اصول بیان فرمایا۔ کہ کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے، یعنی یہ نہ کرے کہ اس کو بالکلیہ کنڈم قرار دے دے، اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہے تو اس کی دوسری کوئی بات پسند بھی ہوگی۔

پہلا اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جب دو انسان ایک ساتھ رہتے ہیں تو کوئی بات دوسرے کی اچھی لگتی ہے، اور کوئی بری لگتی ہے۔ اگر کوئی بات بری لگ رہی ہے تو اس کی وجہ سے اس کو علی الاطلاق برا نہ سمجھو، بلکہ اس وقت اس کے اچھے اوصاف کا استحضار کرو، اس کے اندر آخر کوئی اچھائی بھی تو ہوگی۔ بس اس اچھائی کا استحضار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یہ اچھائی تو اس کے اندر ہے، اگر یہ عمل کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر جو برائیاں ہیں۔ تمہارے دل کے اندر اس کی اتنی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی ناشکرا ہے۔ اگر دو تین باتیں ناپسند ہوئیں اور بری لگیں بس! انہیں کو لے کر بیٹھ گیا کہ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اب اچھائی کی طرف دھیان نہیں۔ اس لئے ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت اس کی برائیاں کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔

ہر چیز خیر و شر سے مخلوط ہے

دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے اندر برائی نہ ہو اور اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا یہ بنائی ہے۔ اس میں ہر چیز کے اندر خیر اور شر مخلوط ہے۔ کوئی چیز اس کائنات میں خیر مطلق نہیں اور کوئی شر مطلق نہیں۔ اس میں خیر و شر ملے جلے ہوتے ہیں، کوئی کافر ہے یا مشرک ہے یا کوئی برا انسان ہے، اگر اس کے اندر بھی اچھائی تلاش کرو گے تو کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور مل جائے گی۔

انگریزی کی ایک کہاوت

انگریزی کی ایک کہاوت ہے۔ اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ جہاں وہ اس کو پائے۔ اسے لے لے"۔ لہٰذا انگریزی کی کہاوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور غلط ہی ہو۔ بات بڑی حکیمانہ ہے، کسی نے کہا کہ "وہ گھنٹہ یا گھڑی جو بند ہو گئی ہو۔ وہ بھی دن میں دو بار سچ بولتی ہے۔" مثلاً فرض کرو کہ بارہ بج کر پانچ منٹ پر گھڑی بند ہو گئی، اب ظاہر ہے کہ ہر وقت تو وہ صحیح ٹائم نہیں بتائے گی۔ بلکہ غلط بتائے گی۔ لیکن دن میں دو مرتبہ ضرور صحیح ٹائم بتائے گی۔ ایک دن میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر، اور ایک رات میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر، تو دو مرتبہ وہ ضرور سچ بولے گی۔

اچھائی تلاش کرو گے تو مل جائے گی

کہاوت کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ چاہے کتنی بھی بیکار اور بری چیز ہو۔ لیکن اگر اس میں اچھائی تلاش کرو گے تو مل ہی جائے گی۔ اسی طرح دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے کہ ۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے۔ اگر غور کرو گے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئے گی لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ اس وجہ سے وہ بد دل ہو کر ظلم اور ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

(سورۃ النساء: ۱۹)

کہ اگر تمہیں وہ عورتیں پسند نہیں ہیں جو تمہاری نکاح میں آگئیں، تو اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت خیر رکھی ہو۔ اس لئے حکم یہ ہے کہ عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو اس سے تمہارے دل کو تسلی بھی ہوگی۔ اور بد سلوکی کے راستے بھی بند ہوں گے۔

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت لڑنے جھگڑنے والی تھی۔ ہروقت لڑتی رہتی تھی۔ جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے، یہ قصہ ختم کر دیجئے اور طلاق دیدیجئے۔ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی! طلاق دینا تو آسان ہے، جب چاہوں گا، دیدوں گا، بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن اس کے اندر ایک وصف ایسا ہے۔ جس کی وجہ سے میں ان کو کبھی نہیں چھوڑ ونگا۔ اور کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں گرفتار ہو جاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کو جس کونے میں بٹھا کر جاؤں گا اسی کونے میں بیٹھی رہے گی۔ اور کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔ اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہو گا بڑے ولی اللہ گزرے ہیں، اور ایسے نفیس مزاج اور نازک مزاج بزرگ تھے کہ اگر کسی نے صراحی کے اوپر گلاس ٹیڑھا رکھ دیا تو اس کو ٹیڑھا دیکھ کر سر میں درد ہو جاتا تھا۔ ایسے نازک مزاج آدمی تھے۔ ذرا بستر پر شکنیں آ جائیں تو سر میں درد ہو جاتا تھا۔ لیکن ان کو بیوی جو ملی وہ بڑی بدسلیقہ بد مزاج، زبان کی پھوہڑ، ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عجیب عجیب طریقے سے آزماتے ہیں اور ان کے درجات بلند فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی لیکن انہوں نے ساری عمر ان کے ساتھ نبھایا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو شاید اس طرح معاف فرما دیں۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

ہماری حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان پاکستان کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ان کے اندر وفاداری کا وصف ہے جب سے مغربی تہذیب و تمدن کا وبال آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جارہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے لیکن یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس کی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔

بہر حال ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کر کے دکھلایا کہ

ان کرہ منہا خلقا رضی منہا آخر

کہ اگر ایک بات ناپسند ہے اس عورت کی، تو دوسری بات پسند بھی ہوگی اس کی طرف دھیان اور خیال کرو، اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ساری خرابی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے، اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں ہوتی۔

بیوی کو مارنا بد اخلاقی ہے

اس باب کی تیسری حدیث ہے:

عن عبد اللہ بن زمعۃ رضی اللہ عنہ أنہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب ثم ذکر النساء فوعظ فیھن فقال: یعمد احدکم فیجلد امرأتہ جلد العبد فلعلہ یضاجعھا من آخر یومہ۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ضرب النساء حدیث نمبر ۵۲۰۴)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، لیکن اس خطبے میں اس باب سے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے آقا اپنے غلام کو مارتا ہے۔ اور دوسری طرف اسی سے اپنے جنسی خواہش

بھی پوری کرتا ہے یہ کتنی بد اخلاقی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طرح مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے۔

بیوی کی اصلاح کے تین درجات

جیسا کہ میں نے عرض کیا، قرآن کریم نے میاں بیوی کے تعلقات کی چھوٹی چھوٹی جزئیات اور مسائل کا حکم بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے میاں بیوی کے درمیان چپقلش کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوگئی اس کا حل قرآن کریم نے یہ بتا دیا کہ جب ایک بات تمہیں ناپسند ہوگئی تو تم یہ دیکھو کہ دوسری بات اس کے اندر پسندیدہ ہوگی، اور پھر بھی اگر شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر بعض باتیں ایسی ہیں جو قابل برداشت نہیں ہیں بلکہ اصلاح کے لائق ہیں اور ظاہری ہے کہ مرد کو اس بات کا بھی مکلف بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قابل اصلاح اور بری دیکھے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے لیکن اس کی اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ وہ طریقہ قرآن کریم نے یہ بتا دیا کہ:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔

(سورۃ النساء: ۳۴)

سب سے پہلے تو ان کو نرمی خوش اخلاقی اور محبت سے نصیحت کرو، یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے، اگر نصیحت کے ذریعہ وہ باز آجائیں تو بس، اب آگے قدم نہ بڑھاؤ، اور اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ سونا چھوڑ دو، اپنا بستر الگ کر دو، اگر ذرا بھی سمجھ ہوگی، فہم میں درستگی ہوگی تو اب باز آجائیں گی (بستر الگ کرنے کی تفصیل آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)

بیوی کو مارنے کی حد

اور اگر اصلاح کا دوسرا درجہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا درجہ اختیار کرو، وہ

ہے مارنا، لیکن مار کیسی ہونی چاہئے؟ اور کس قدر ہونی چاہئے؟ اس کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو آخری نصیحت فرمائی، ان میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "واضربوھن ضربا غیر مبرح" یعنی اول تو مار کا مرحلہ آنا بھی نہیں چاہئے اور اگر آئے بھی تو اس صورت کو صرف اس وقت استعمال کیا جائے جب اسکے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے۔ اس لئے کہ مار بالکل آخری چارہ کار ہے، اور اس میں یہ قید لگادی کہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو، یعنی اس مار سے تکلیف دینا مقصود نہ ہو بلکہ تادیب مقصود ہو اور اصلاح مقصود ہو اس لئے تکلیف دینے والی ایسی مار جائز نہیں جس سے نشان پڑ جائے۔ (مارنے کے بارے میں مزید تفصیل انشاء اللہ آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)

بیویوں کے ساتھ آپ کا سلوک

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت نو ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں اور وہ ازواج مطہرات آسمان سے نزل کئے ہوئے فرشتے نہیں تھے وہ اسی معاشرے کے افراد تھے اور ان کے درمیان وہ باتیں بھی ہوا کرتی تھیں جو سوکنو کے درمیان آپس میں ہوا کرتی ہیں۔ اور وہ مسائل بھی کھڑے ہوتے تھے جو بعض اوقات شوہر اور بیوی میں کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساری عمر نہ صرف یہ کہ کسی خاتون پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ جب بھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

آپ کی سنت

تو سرکار دو عالم کی سنت یہی ہے کہ ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، اور مارنے کی جو اجازت ہے، وہ ناگزیر حالات کے اندر ہے، ورنہ عام حالات میں تو مارنے کی اجازت بھی نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی نہیں ہے، سنت وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب ؒ کی کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ ...... اللہ ان تعالیٰ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ...... ہمیں کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ " آج میرے نکاح کو پچپن ۵۵ سال ہوگئے ہیں لیکن الحمد اللہ کبھی اس پچپن سال کے عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی " میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اڑنے کو کرامت سمجھتے ہیں اصل کرامت تو ہے کہ پچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری۔ اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقیناً ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ بات ممکن نہیں کہ ناگوار زی نہ ہوتی ہو، لیکن فرماتے ہیں کہ " میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی " اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی اہلیہ اور ہماری پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ " مجھے پانی پلادو " یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کر دو۔ میں خود اپنے شوق اور جذبے سے سعادت سمجھ کر ان کا خیال رکھتی اور ان کا کام کرتی تھی، لیکن ساری عمر زبان سے انہوں نے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب ؒ فرماتے تھے کہ " میں نے تو اپنے آپ کو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں، اور اسی پر خاتمہ چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے، جتنے میرے اہل تعلقات ہیں، ان کی خدمت میرے ذمے ہے میں مخدوم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں، بلکہ میں خادم ہوں، اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں اس لئے کہ بندے کے لئے خادمیت کا مقام اچھا ہے اس لئے میں خادم ہوں " ۔ فرمایا کہ ۔

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

طریقت در حقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں۔ مخدوم نہیں ہوں۔ تو خادم دوسروں پر کیسے حکم

چلائے کہ یہ کام کر دو۔ ساری عمر اس طرح گزاری کہ جب ضرورت پیش آئی، خود کام کرتے، کسی سے نہیں کہتے۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع، ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کا اتباع کر لیتے ہیں۔ لیکن اخلاق میں معاملات میں معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی سنت کی اتباع کرنی چاہئے۔

صرف دعویٰ کافی نہیں

اتباع سنت بڑی عجیب و غریب چیز ہے۔ یہ انسان کی دنیا بھی بناتی ہے اور آخرت بھی بناتی ہے، اور زندگی کو استوار کرتی ہے، اور یہ صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

وكل يدعى حبا لليلى

وليلى لا تقربهم بذاك

(یعنی لیلیٰ سے محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر رہا ہے، لیکن خود لیلیٰ ان کے اس دعوے کا اقرار نہیں کرتی ہے) یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنے اخلاق میں، اپنے کردار میں، اور اپنے عمل سے اس چیز کو اپنائے کہ جس کے ساتھ ادنیٰ تعلق بھی ہو گیا، اس کو اپنی ذات سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم نے بیوی کی اصلاح کا تیسرا درجہ جو بتایا ہے۔ اس کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی ہے کہ ساری عمر میں کبھی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، چاہے کتنی ناگواری کیوں نہ ہو گئی، اور ان لوگوں کو جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، برے لوگ اور بدترین لوگ قرار دیا۔

عن عمرو بن الاحوص الجشمی رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یقول بعد ان حمد اللہ تعالیٰ واثنی علیہ وذکر ووعظ، ثم قال: الا واستوصوا بالنساء خیرًا، فانما ھن عوان عندکم، لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک، الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔ الخ

(ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۰۸۷)

خطبہ حجۃ الوداع

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ کا ایک اقتباس بیان کیا گیا ہے، یہ خطبہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج، حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا، اس خطبہ میں صراحتاً آپ نے یہ فرمادیا کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو یہاں نہ دیکھ سکوں، لہٰذا اس خطبہ میں آپ نے وہ باتیں چن چن کر ارشاد فرمائیں جن کے اندر امت کے پھسل جانے اور گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ تاکہ قیامت تک امت کے لئے ایک دستور العمل اور ایک لائحہ عمل سامنے آجائے؟ اور امت کی گمراہی کے جتنے راستے ہیں۔ اس خطبہ میں ان راستوں کو بند کرنے کی کوشش فرمائی۔

خطبہ تو بہت طویل ہے، لیکن اس خطبہ کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی خطبہ کا حصہ ہے، جس میں مرد و عورت کے باہمی حقوق کو بیان فرمایا گیا ہے پھر خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرما رہے ہیں جبکہ یہ خیال بھی ہے کہ آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن چیزوں کو بیان کرنے کے لئے منتخب فرمایا، اور جن باتوں کی اہمیت آپ نے محسوس فرمائی کہ امت کو ہر حال میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، ان میں مرد و عورت کے باہمی حقوق بھی داخل ہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی میں شوہر اور بیوی کے تعلقات کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اور خود صاحب شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے۔ کیونکہ اگر میاں بیوی آپس میں ایک دوسروں کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کریں۔ اور باہم تلخیوں پر کمر باندھ لیں تو اس کے ذریعہ صرف ایک دوسرے

کے حقوق ہی ضائع نہیں ہوتے، بلکہ بالآخر اس کا اثر دونوں خاندانوں پر پڑتا ہے اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اولاد خراب ہوتی ہے اور چونکہ سارے تمدن کی بنیاد خاندان اور گھر پر ہے اس لئے اس کے نتیجے میں پورا تمدن بگڑ جاتا ہے، اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی۔

عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں

چنانچہ حضرت عمرو بن الاحوص جشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی۔ اور وعظ، نصیحت فرمائی، اور پھر فرمایا کہ خوب سن لو میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم اس نصیحت کو قبول کرلو۔ یہ وہی جملہ ہے جو پچھلی حدیث میں آیا تھا۔ اور اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ فانما ھن عوان عندکم اس لئے کہ وہ خواتین تمہارے پاس تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا یہ ایک ایسا وصف بیان فرمایا کہ اگر مرد صرف اس وصف پر غور کرے تو اس کو کبھی ان کے ساتھ بدسلوکی کا خیال بھی نہ آئے۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھ کر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہو گیا ایک نے کہا کہ میں نے نکاح کیا۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا۔ اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا، باپ کو اس نے چھوڑا، بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا۔ اپنے خاندان کو چھوڑا، اور پورے کنبے کو چھوڑا، اور شوہر کی ہو گئی۔ اور اس کے پاس آکر مقید ہو گئی تو ان دو بول کی اس نادان لڑکی نے اتنی لاج رکھی اور اتنی وفاداری کی۔ تو حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ایک نادان لڑکی تو اس دو بول کا اتنا بھرم رکھتی ہے کہ سب کو چھوڑ کر ایک کی ہو گئی، لیکن تم سے یہ نہیں ہو سکا کہ تم ان دو بول

پڑھ کر اس اللہ کے ہو جاؤ جس کے لئے یہ دو بول پڑھے تھے۔ تم سے تو وہ نادان لڑکی اچھی کہ یہ دو بول پڑھ کر اس کا اتنی لاج رکھتی ہے، تم سے اتنی لاج بھی نہیں رکھی جا سکتی کہ اس اللہ کے ہو جاؤ۔

عورت نے تمہارے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔

تو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہاری خاطر کتنی بڑی قربانی دی۔ اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا۔ اور تم سے یہ کہا جاتا کہ تمہاری شادی ہوگی، لیکن تمہیں اپنا خاندان چھوڑنا ہوگا۔ اپنے ماں باپ چھوڑنے ہوں گے۔ تو یہ تمہارے کے لئے کتنا مشکل کام ہوتا، ایک اجنبی ماحول، اجنبی گھر، اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کے لئے وہ عورت مقید ہو گئی۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ یہ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کرو گے؟ اس قربانی کا لحاظ کرو، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

اس کے علاوہ تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں

اس کے بعد بڑا سنگین جملہ ارشاد فرمادیا، جب کبھی اس جملے کی تشریح کی نوبت آتی ہے تو مرد لوگ ناراض ہو جاتے ہیں وہ جملہ یہ ہے کہ:

لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک

یعنی تمہیں ان پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ وہ تمہارے گھر میں رہیں، اس کے علاوہ شرعاً ان پر تمہارا کوئی مطالبہ نہیں۔

کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں

اسی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا جو بڑا نازک مسئلہ ہے۔ جس کے

بیان کرنے سے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے ہیں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ گھر کا کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔ یعنی شرعاً یہ فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا کہ وہ ضرور کھانا پکائیں۔ بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان عورتوں کی ہے جو اپنے گھر میں اپنے میکے میں بھی گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ اور دوسری قسم کی عورتیں وہ ہیں۔ جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتیں تھیں۔ بلکہ نوکر چاکر تھے۔ وہ کھانا پکاتے تھے۔ اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجب نہیں نہ دیانۃً نہ قضاءً، نہ اخلاقاً نہ شرعاً، بلکہ وہ عورت شوہر سے کہہ سکتی ہے کہ میرا نفقہ تو تمہارے ذمہ واجب ہے بجائے اس کے کہ میں کھانے پکاؤں تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لا کر دو چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ:

یاتھا بطعام مھیئا

اس صورت میں پکا پکایا کھانا لا کر عورت کو دینا یہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اور اس عورت، سے نہ قضاء کھانا پکانے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ دیانتاً، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور واضح الفاظ میں یہ فرمایا:

لیس تملکون منھن شیئا غیر ذلک

یعنی تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو اپنے گھر پر رکھو اور تمہاری اجازت کے بغیر ان کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان پر کوئی ذمہ داری شرعاً نہیں ہے۔

اور اگر وہ پہلی قسم کی عورت ہے یعنی جو اپنے گھر میں کھانا پکاتی تھی۔ اور کھانا پکاتی ہوئی شوہر کے گھر آئی ہے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا قضاء واجب نہیں ہے۔ لیکن دیانۃ واجب ہے۔ یعنی بزور عدالت تو اس سے کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! البتہ اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے۔ اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان لا کر دے دے۔ باقی شوہر یا بچوں کے لئے کھانا پکانا۔ یہ اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ اور یہ عورت شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ تم میرے لئے پکا پکایا کھانا لا کر دو۔ لیکن اگر وہ شوہر اور بچوں کے لئے کھانا پکانے سے انکار کر دے تو اب اس سے عدالت کے زور پر کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، فقہاء کرام

نے اتنی تفصیل کے ساتھ یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ساس، سسر کی خدمت واجب نہیں

ایک بات اور سمجھ لیجئے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لئے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی۔ تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے، اور ہمارا حق پہلے ہے، لہذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے۔ چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے نتیجے میں ساس بہو کے جھگڑے اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

ساس سسر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے

خوب سمجھ لیجئے۔ اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمے واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادتمندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے، لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے، جبکہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو۔ اور نہ والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے، لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادتمندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہو گا۔ اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہئے۔ تاکہ گھر کی فضا خوش گوار رہے۔

بہو کی خدمت کی قدر کریں

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ

خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے اسکا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں۔ اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں۔ ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں۔ ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں میری مجلس میں آیا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک مرتبہ اپنے گھر میری دعوت کی چنانچہ، میں ان کے گھر گیا، اور جاکر کھانا کھایا اور کھانا بڑا اچھا بنا ہوا تھا۔ ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ ہی عادت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کھانے کے بعد کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف کرتے کہ تم نے بہت اچھا کھانا پکایا، تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اس کا دل بڑھے۔ چنانچہ جب حضرت والا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آکر حضرت والا کو سلام کیا تو حضرت والا نے فرمایا تم نے بڑا لذیذ کھانا اور اچھا کھانا بنایا کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا حضرت والا فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں کہ میری کس بات سے ان کو تکلیف پہنچی اور ان کا دل ٹوٹا میں نے پوچھا کہ: کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت: آج مجھے ان شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں کبھی میں نے ان کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا اچھا بنا ہے" آج جب آپ کے منہ سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا۔

ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا۔

حضرت والا بکثرت یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانے پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے، یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے، لیکن جو شخص اپنی بیوی کو نوکر اور خادم سمجھتا ہو کہ یہ میری خادمہ ہے۔ اس کو تو یہ کام ضرور انجام دینا ہے۔ کھانا پکانا اس کا فرض ہے۔ اگر کھانا اچھا پکا رہی ہے تو اس پر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے

ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ضعیف ہیں۔ یا بیمار ہیں۔ اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے، گھر میں صرف بیٹا اور بہو ہے، اب کیا کیا جائے؟ اس صورت میں بھی شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بہو کے ذمے واجب نہیں کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے، البتہ اس کی سعادت اور خوش نصیبی ہے، اور اجر و ثواب کا موجب ہے، اگر خدمت کرے گی۔ تو انشاء اللہ بڑا ثواب حاصل ہو گا۔ لیکن بیٹے کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کام میرا ہے۔ مجھے چاہئے کہ اپنے والدین کی خدمت کروں، اب چاہے وہ خدمت خود کرے، یا کوئی نوکر اور خادمہ رکھے، لیکن اگر بیوی خدمت کر رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک اور احسان سمجھنا چاہئے۔

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں

لیکن ایک قانون اس کے ساتھ اور بھی سن لیں، ورنہ معاملہ الٹا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ لوگ جب یک طرفہ بات سن لیتے ہیں تو اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا کہ کھانا پکانا عورت کے ذمہ شرعاً واجب نہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ یہ تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لئے کہیں جانا جائز نہیں۔

لہٰذا جس طرح فقہاء کرام نے کھانا پکانے کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح فقہاء نے یہ قانون بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر عورت سے یہ کہہ دے کہ تم گھر سے باہر نہیں جاسکتیں۔ اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں جاسکتیں۔ حتیٰ کہ اس کے والدین سے بھی ملنے کے لئے جانے سے منع کر دے تو عورت کے لئے ان سے ملاقات کے لئے گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر والدین اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آجائیں تو اب شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، لیکن فقہاء نے اس کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس کے والدین ہفتے میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کر کے چلے جائیں۔ یہ اس عورت کا حق ہے۔ شوہر اس سے نہیں روک سکتا لیکن اجازت کے بغیر اس کے لئے جانا جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح توازن برابر کیا ہے کہ عورت کے ذمے قانونی اعتبار سے کھانا پکانا واجب نہیں تو دوسری طرف قانونی اعتبار سے اس کا گھر سے باہر نکلنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں

یہ قانون کی بات تھی۔ لیکن حسن سلوک کی بات یہ ہے کہ وہ اس کی خوشی کا خیال رکھے۔ اور یہ اس کی خوشی کا خیال رکھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرمار کھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے تمام کام انجام دیتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے اندر کے تمام کام انجام دیتی تھیں۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ دونوں میاں بیوی قانون کی باریکیوں میں ہر وقت نہ پڑے رہیں۔ بلکہ شوہر بیوی کے ساتھ اور بیوی شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرے۔ اور یہ فطری تقسیم بھی ہے کہ گھر کے کام بیوی کے ذمے اور باہر کے کام شوہر کے ذمہ ہوں۔ اس طرح دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو؟

الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرح۔ فان اطعن فلا تبغوا علیھن سبیلا۔

ہاں! اگر وہ عورتیں گھر میں کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو وہ بے حیائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں۔ اس صورت میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے نسخے کے مطابق پہلے ان کو نصیحت کرو۔ اور اس کے بعد اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا بستر الگ کر دو۔ اور پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو بدرجہ مجبوری اس بے حیائی پر مارنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو۔ اور اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں۔ اور باز آجائیں تو اب اس کے بعد کوئی راستہ ان کے خلاف تلاش نہ کرو۔ یعنی ان کو مزید تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں۔

"الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن"

خبردار! ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔ ان کے لباس میں اور ان کے کھانے میں اور ان کی دوسری ضروریات جو تمہارے ذمہ واجب ہیں تم ان میں احسان سے کام لو۔ صرف یہ نہیں کہ انتہائی ناگزیر ضرورت پوری کر دی۔ بلکہ احسان، فراخدلی اور کشادگی سے کام لو۔ اور ان کے لباس اور کھانے پر خرچ کرو۔

بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے

یہاں دو تین باتیں اس سلسلے میں عرض کرنی ہیں۔ جن پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں جابجا زور دیا ہے۔ اور عام طور پر ان باتوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ نفقہ صرف یہ نہیں ہے کہ بس! کھانے کا انتظام کر دیا، اور کپڑے کا انتظام کر دیا۔ بلکہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ بھی کچھ رقم بطور جیب خرچ کے بیوی کو دی جائے۔ جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق صرف کر سکے۔ بعض لوگ کھانے اور کپڑے کا تو انتظام کر دیتے ہیں۔ لیکن جیب خرچ

کا اہتمام نہیں کرتے، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جیب خرچ دینا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جس کو بیان کرتے ہوئے بھی انسان شرماتا ہے، یا اس کو بیان کرتے ہوئے الجھن محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ رقم بیوی کے پاس ایسی ضروریات کے لئے بھی ہونی چاہئے، تاکہ وہ دوسرے کی محتاج نہ ہو۔ یہ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جو لوگ یہ جیب خرچ نہیں دیتے، وہ اچھا نہیں کرتے۔

خرچہ میں فراخدلی سے کام لینا چاہئے

دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں اچھا سلوک کرو، یہ نہ ہو کہ صرف "قوت لایموت" دیدی، یعنی اتنا کھلا دیا جس سے موت نہ آئے۔ بلکہ احسان کرو، اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آمدنی کے معیار کے مطابق فراخی اور کشادگی کے ساتھ گھر کا خرچہ اس کو دے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خلجان رہتا ہے کہ شریعت میں ایک طرف تو فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت آئی ہے، اور دوسری طرف یہ حکم دیا جارہا ہے کہ گھر کے خرچ میں تنگی مت کرو، بلکہ کشادگی سے کام لو اب سوال یہ ہے کہ دونوں میں حد فاصل کیا ہے؟ کونسا خرچہ اسراف میں داخل ہے اور کونسا خرچہ اسراف میں داخل نہیں؟

رہائش جائز آسائش جائز

اس خلجان کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کے بارے میں فرمایا کہ ایک "گھر" وہ ہوتا ہے جو قابل رہائش ہو۔ مثلاً جھونپڑی ڈال دی، یا چھپر ڈال دیا، اس میں بھی آدمی رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ یہ تو پہلا درجہ ہے، جو بالکل جائز ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہو، اور ساتھ میں آسائش بھی ہو، مثلاً پختہ مکان ہے۔ جس میں انسان آرام کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اور گھر میں آسائش کے لئے کوئی کام کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی اسراف میں داخل نہیں مثلاً ایک شخص ہے وہ

جھونپڑی میں بھی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور دوسرا شخص جھونپڑی میں نہیں رہ سکتا اس کو تو رہنے کے لئے پختہ مکان چاہئے۔ اور پھر اس مکان میں بھی اسکو پنکھا اور بجلی چاہیئے۔ اب اگر وہ شخص اپنے گھر میں پنکھا اور بجلی اس لئے لگاتا ہے تاکہ اس کو آرام حاصل ہو۔ تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

آرائش بھی جائز

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مکان میں آسائش کے ساتھ آرائش بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا پختہ مکان بنا ہوا ہے۔ پلاستر کیا ہوا ہے بجلی بھی ہے پنکھا بھی ہے۔ لیکن اس مکان پر رنگ نہیں کیا ہوا ہے، اب ظاہر ہے کہ رہائش تو ایسے مکان میں بھی ہو سکتی ہے لیکن رنگ و روغن کے بغیر آرائش نہیں ہو سکتی، اب اگر کوئی شخص آرائش کے حصول کے لئے مکان پر رنگ و روغن کرائے تو شرعاً وہ بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رہائش جائز، آسائش جائز، آرائش جائز، اور آرائش کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام کرلے، تاکہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہو، دیکھ کر دل خوش ہو جائے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، شرعاً یہ بھی جائز ہے۔

نمائش جائز نہیں۔

اس کے بعد چوتھا درجہ ہے "نمائش" اب جو کام کر رہا ہے اس سے نہ تو آرام مقصود ہے، نہ آرائش مقصود ہے۔ بلکہ اس کام کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ مجھے بڑا دولت مند سمجھیں، اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہے، اور تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں پر اپنی فوقیت جتاؤں، اور اپنے آپ کو بلند ظاہر کروں، یہ سب "نمائش" کے اندر داخل ہے اور یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اور اسراف میں داخل ہے۔

فضول خرچی کی حد

یہی چار درجات لباس اور کھانے میں بھی ہیں بلکہ ہر چیز میں ہیں ایک شخص اچھا اور قیمتی کپڑا اس لئے پہنتا ہے تاکہ مجھے آرام ملے اور تاکہ مجھے اچھے لگے، اور میرے گھر والوں کو اچھا لگے، اور میرے ملنے جلنے والے اس کو دیکھ کر خوش ہوں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس اس نیت سے پہنتا ہے۔ تاکہ مجھے دولت مند سمجھا جائے، مجھے بہت پیسے والا سمجھا جائے، اور میرا بڑا مقام سمجھا جائے تو یہ نمائش ہے اور ممنوع ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراف کے بارے ایک واضح حد فاصل کھینچ دی کہ اگر ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی خرچ کیا جارہا ہے۔ یا آسائش کے حصول کے لئے یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آرائش کی خاطر کوئی خرچہ کیا جارہا ہے وہ اسراف میں داخل نہیں۔

یہ اسراف میں داخل نہیں۔

میں ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر میں تھا۔ اور واپس کراچی آنا تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ایئر کنڈیشن کوچ میں میرا ٹکٹ بک کرا دو، اور میں نے ان کو پیسے دے دیے۔ ایک دوسرے صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فوراً کہا کہ صاحب! یہ تو آپ اسراف کر رہے ہیں، اس لئے کہ ایئر کنڈیشن کوچ میں سفر کرنا تو اسراف میں داخل ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر اوپر کے درجے میں سفر کر لیا تو یہ اسراف میں داخل ہے خوب سمجھ لیجئے، اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد راحت حاصل کرنا ہے، مثلاً گرمی کا موسم ہے۔ گرمی برداشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے پیسے دیے ہیں تو پھر اس درجے میں سفر کرنا کوئی گناہ اور اسراف نہیں ہے۔ لیکن اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب میں ایئر کنڈیشن کوچ میں سفر کروں گا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا دولت مند آدمی ہے تو پھر وہ اسراف اور ناجائز ہے۔ اور نمائش میں داخل ہے، یہی تفصیل کپڑے اور کھانے میں بھی ہے۔

ہر شخص کی کشادگی الگ الگ ہے

لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ ان درجات کو مد نظر رکھتے ہوئے بیوی کے نفقہ اور لباس میں کشادگی کے ساتھ خرچ کرے۔ ہر آدمی کی کشادگی الگ الگ ہوتی ہے۔ میرے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیان فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ بھائی! ایک آدمی ایسا ہے جس کا نہ کوئی آگا نہ پیچھا یعنی نہ کوئی اس کا رشتہ دار ہے۔ نہ کوئی عزیز واقارب ہے، اور نہ کوئی دوست ہے، اگر ایسا شخص اپنے گھر میں ایک بستر، ایک رکابی، ایک ڈونگا رکھ لے تو بس! اس کے لئے یہ برتن کافی ہیں اب اگر اور زیادہ برتن جمع کرے گا تو اس کا مقصد سوائے نمائش کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور اسراف ہوگا، لیکن ایک دوسرا آدمی جس کے مہمان آتے ہیں، جس کے تعلقات وسیع ہیں۔ جس کے عزیز واقارب بہت زیادہ ہیں، اس کی ضرورت اور کشادگی کا معیار اور ہے اب اگر ایسے شخص کے گھر میں بعض اوقات برتنوں کے سو سیٹ بھی ہوں یا سو بستر بھی ہوں تب بھی ان میں سے ایک برتن اور ایک بستر بھی اسراف میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ سب اس کی ضرورت میں داخل ہیں، اس لئے فرمایا کہ ہر آدمی کا کشادگی کا معیار الگ ہوتا ہے۔

اس محل میں خدا کو تلاش کرنے والا احمق ہے۔

بعض اوقات لوگ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بادشاہ تھے ان کا قصہ سن کر اسی سے استدلال کرتے ہیں، جن کا قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے وقت ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ محل کی چھت پر گھوم رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پکڑ کر پوچھا کہ رات کے وقت یہاں محل کی چھت پر کیا کر رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ۔ اونٹ تلاش کرنے آیا ہوں، میرا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارے بے وقوف کم عقل، رات کے وقت محل کی چھت پر اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ تجھے یہاں اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے حیرت سے پوچھا یہاں اونٹ نہیں مل سکتا؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں، تجھے یہاں محل کی چھت پر اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل میں

اونٹ نہیں مل سکتا اور اس محل میں اونٹ تلاش کرنے والا احمق ہے۔ تو یہ بھی سمجھ لو کہ تم یہاں رہتے ہوئے خدا کو تلاش کر رہے ہو، تمہیں خدا بھی نہیں مل سکتا، اگر میں احمق ہوں تو مجھ سے زیادہ تم احمق ہو۔ بس! اس وقت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی، اور اسی وقت ساری بادشاہت چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور روانہ ہوتے وقت سوچا کہ اب تو اللہ کی یاد میں زندگی بسر کرنی ہے۔ اس لئے صرف ایک تکیہ اور ایک پیالہ ساتھ لے لیا تاکہ کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے گی تو اس پیالے میں کھا پی لیں گے۔ اور سونے کی ضرورت پیش آئے گی تو زمین پر تکیہ رکھ کر سو جائیں گے، جب کچھ آگے چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور چلو بنا کر پانی پی رہا ہے آپ نے سوچا کہ یہ پیالہ میں نے اپنے ساتھ فضول لے لیا۔ یہ کام تو ہاتھوں کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے چنانچہ وہ پیالہ پھینک دیا اور آگے روانہ ہو گئے کچھ اور آگے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی سر کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ کر سو رہا ہے، پھر سوچا کہ یہ تکیہ بھی میں نے فضول لیا۔ تکیہ تو اللہ تعالیٰ نے خود دے رکھا ہے۔ اس سے کام چلائیں گے چنانچہ وہ تکیہ بھی پھینک دیا۔

غلبہ حال کی کیفیت قابل تقلید نہیں

اس قصہ کی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ پیالہ رکھنا بھی اسراف ہے۔ اور تکیہ رکھنا بھی اسراف ہے اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی نکھار کر چلے گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے حالات کو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر قیاس مت کرو، ایک تو اس وجہ سے کہ جو کیفیت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوئی، وہ غلبہ حال کی کیفیت تھی، وہ قابل تقلید کیفیت نہیں تھی۔ اور غلبہ حال کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت طبیعت پر کسی بات کا اتنا غلبہ ہو جاتا ہے کہ آدمی اس حالت میں معذور ہو جاتا ہے، معذور ہونے کی وجہ سے اس کے حالات دوسروں کے لئے قابل تقلید نہیں رہتے۔ اس لئے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ حالات ہمارے اور آپ کے لئے قابل تقلید نہیں۔ ورنہ دماغ میں یہ بات جم جائے گی کہ تکیہ بھی چھوڑو، اور پیالہ

بھی چھوڑی اور گھر بار بھی چھوڑی بیوی بچے چھوڑی اس لئے کہ خدا اس کے بغیر نہیں ملے گا۔ حالانکہ دین کا یہ تقاضہ نہیں، بلکہ یہ غلبہ حال کی کیفیت ہے جو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ پر طاری ہوئی۔

آمدنی کے مطابق کشادگی ہونی چاہئے

دوسرے یہ کہ ہر آدمی کی ضرورت اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، لہذا کشادگی کا معیار بھی ہر انسان کا الگ ہے۔ اب جو شخص کم آمدنی والا ہے۔ اس کی کشادگی کا معیار اور ہے، اور جو متوسط آمدنی والا ہے۔ اس کا معیار اور ہے، اور جو زیادہ آمدنی والا ہے اس کی کشادگی کا معیار اور ہے اس لئے ہر شخص کی آمدنی کے معیار کے اعتبار سے کشادگی ہونی چاہئے، یہ نہ ہو کہ شوہر بیچارے کی آمدنی تو کم ہے۔ اور ادھر بیوی صاحبہ نے دولت مند قسم کے لوگوں کے گھر میں جو چیزیں دیکھیں، ان کی نقل اتارنے کی فکر لگ گئی، اور شوہر سے اس کی فرمائش ہونے لگی۔ اس قسم کی فرمائشوں کا تو کوئی جواز نہیں۔ لیکن شوہر کو چاہئے کہ اپنی آمدنی کو مد نظر رکھتے ہوئے کشادگی سے کام لے۔ اور اپنی بیوی کے حق میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔

بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟

"عن معاوية بن حيدة رضي الله عنه قال: قلت: يا رسول الله

ماحق زوجة احدنا عليه؟ قال: ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها

اذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح، ولا تهجر الا في البيت"

(ابو داؤد، کتاب النکاح، باب حق المراۃ علی زوجھا، حدیث نمبر ۲۱۴۲)

حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! ہم لوگوں کی بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ، اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور یہ کہ چہرے پر نہ مارو، اور برا بھلا مت کہو "تقبح" کے معنی ہیں

کوسنے دینا۔ برا بھلا کہنا۔ اور اس سے دل آزاری کی باتیں کرنا۔ اور اس کو مت چھوڑ مگر گھر ہی میں۔

اس کا بستر چھوڑ دو

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ اگر تم عورت کے اندر کوئی بے حیائی کی بات دیکھو تو پہلے اس کو سمجھاؤ اگر سمجھانے سے باز نہ آئے تو اس کا بستر چھوڑ دو۔ اور الگ بستر پر سونا شروع کر دو، اس حدیث میں بستر چھوڑنے کی تفصیل یہ بیان فرما دی کہ بستر چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم گھر سے باہر چلے جاؤ۔ بلکہ گھر کے اندر ہی رہو۔ البتہ احتجاج کے طور پر، مادی طور پر، اور ایک نفسیاتی مار کے طور پر کمرہ بدل دو، یا بستر بدل دو اور اس سے علیحدگی اختیار کر لو۔

ایسی علیحدگی جائز نہیں

علماء نے اس حدیث کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ ایسے موقع پر اگرچہ بستر تو الگ کر دو لیکن بالکلیہ بات چیت ختم نہ کرو اور ایسی علیحدگی نہ ہو کہ ایک دوسرے کو سلام بھی نہ کیا جائے۔ اور سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے اور کوئی ضروری بات کرنی ہو تو اس کا جواب بھی نہ دیا جائے۔ اس طرح کی علیحدگی جائز نہیں ہے۔

چار ماہ سے زیادہ سفر میں بیوی کی اجازت

اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرد کے لئے چار مہینے سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت اور اس کی خوش دلی کے بغیر جائز نہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام قلم رو میں یہ حکم جاری فرما دیا کہ جو مجاہدین گھر سے باہر رہتے ہیں، وہ چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہیں، اور اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو چار چار ماہ سے کم کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن اگر چار ماہ سے زیادہ کا سفر درپیش ہو تو اس کے لئے بیوی سے اجازت لینی ضروری ہے۔ چاہے وہ سفر کتنا ہی بابرکت کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ اگر حج کا

سفر ہو تو اس میں بھی اگر وہ چار ماہ کے اندر واپس آسکتا ہے، تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں، اگر نفلی طور پر وہاں زیادہ قیام کا ارادہ ہے تو پھر اجازت لینی ضروری ہے، یہی حکم تبلیغ، دعوت اور جہاد کے سفر کا ہے۔ لہٰذا جب ان مبارک سفروں میں بیوی کی اجازت ضروری ہے تو پھر جو لوگ ملازمت کے لئے پیسہ کمانے کے لئے لمبے سفر کرتے ہیں ان میں تو بطریق اولیٰ بیوی کی اجازت ضروری ہے، اگر بیوی کی اجازت کے بغیر جائیں گے تو یہ بیوی کی حق تلفی ہو گی اور شرعاً ناجائز ہو گا اور گناہ ہو گا۔

بہتر لوگ کون ہیں؟

وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقاً وخیارکم خیارکم لاھلہ۔

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث نمبر ۱۱۶۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام مومنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے۔ جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھا ہو۔ جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق ہو گا، وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہو گا۔ اس لئے کامل ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ کرے، اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ہوں۔

آج کے دور میں ”خوش اخلاقی“

آج کل ہر چیز کے معنی بدل گئے ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا۔ ہمارے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: پہلے زمانے کے مقابلے میں اب اس دور میں ہر چیز الٹی ہو گئی، یہاں تک پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا، اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے، پھر فرماتے کہ آج کل ہر چیز کی قدریں بدل گئیں ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا۔ حتیٰ کہ اخلاق کا مفہوم بھی بدل گیا آج صرف چند ظاہری حرکات کا نام اخلاق ہے

مثلاً مسکرا کر مل لئے، اور ملاقات کے وقت رسمی الفاظ زبان سے ادا کر دیئے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ "آپ سے مل کی بڑی خوشی ہوئی" یا "آپ سے مل کر بڑا اچھا معلوم ہوا" وغیرہ۔ اب زبان سے تو یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں، لیکن دل کے اندر عداوت اور حسد کی آگ سلگ رہی ہے، دل کے اندر نفرت کروٹیں لے رہی ہے بس آج اسی کا نام خوش اخلاقی ہے۔ اور آج باقاعدہ یہ ایک فن بن گیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے تاکہ دوسرے لوگ ہمارے گرویدہ ہو جائیں اور باقاعدہ اس پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ دوسرے کو گرویدہ بنانے کے لئے اور دوسرے کو متاثر کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں؟ لہٰذا سارا زور اس پر صرف ہو رہا ہے کہ دوسرا گرویدہ ہو جائے دوسرا ہم سے متاثر ہو جائے اور ہم کو اچھا سمجھنے لگے۔ آج اسی کا نام "اخلاق" رکھا جاتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے: اس کا اس اخلاق سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ یہ اخلاق نہیں، بلکہ ریاکاری اور دکھاوا ہے اور یہ نمائش ہے اور یہ دوسرے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے اور اپنے گرد اکٹھا کرنے کا بہانہ ہے، یہ حب جاہ ہے، یہ حب شہرت ہے، جو بذات خود بیماری اور بداخلاقی ہیں، حسن اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

"حسن اخلاق" دل کی کیفیت کا نام ہے

حقیقت میں اخلاق دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا مظاہرہ اعضا اور جوارح سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں ساری مخلوق خدا کی خیر خواہی ہو۔ اور ان سے محبت ہو، خواہ وہ دشمن اور کافر ہی کیوں نہ ہو، اور یہ سوچ کر یہ میرے مالک کی مخلوق ہے لہٰذا مجھے اس سے محبت رکھنی چاہئے، اس کے ساتھ مجھے اچھا سلوک کرنا چاہئے، اولاً دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس جذبے کے ماتحت اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے اب اس جذبہ کے بعد چہرے پر جو مسکراہٹ اور تبسم آتا ہے وہ بناوٹی نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کو اپنا گرویدہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی دلی خواہش اور دلی جذبے کا ایک لازمی اور منطقی تقاضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

بیان کردہ اخلاق میں اور آج کے اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اخلاق پیدا کرنے کا طریقہ

اور ان اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے، نہ محض وعظ سن لینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی مربی اور کسی مصلح کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے تصوف اور پیری مریدی کا جو سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہوں اور برے اخلاق دور ہوں۔ بہرحال ایمان میں کامل ترین افراد وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں، جن کے دل میں صحیح داعیے پیدا ہوتے ہوں اور ان صحیح داعیوں کا اظہار ان کے اعمال وافعال سے ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان کاملین میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

اللہ کی بندیوں کو نہ مارو

"وعن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتضربوا اماء اللہ، فجاء عمر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ذئرن النساء علی ازواجھن الخ"

(ابو داؤد، کتاب النکاح باب فی ضرب النساء، حدیث نمبر ۲۱۴۶)

حضرت ایاس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: اللہ کی بندیوں کو مارو نہیں، یعنی عورتوں کو مارنا اچھی بات نہیں ہے، مت مارا کرو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا کہ یہ کام مت کرو تو جس شخص نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا، اس کے لئے وہ کام حرام قطعی ہو گیا، اب اس کے لئے کسی بھی حالت میں مارنا جائز نہیں۔

حدیث ظنی یا قطعی

یہ بات سمجھ لیجئے کہ ایک تو وہ حدیث ہے، جو ہم اور آپ کتاب میں پڑھتے ہیں۔ یا سنتے ہیں، اور جو لمبی سند کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے حدثنا فلان قال حدثنا فلان قال حدثنا فلان۔ ایسی حدیث ظنی کہلاتی ہے، اس لئے کی ظنی طریقوں سے ہم تک پہنچی ہے، لہٰذا اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اگر عمل نہیں کرے گا تو گناہ گار ہو گا لیکن صحابہ کرام نے جو بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن لی، وہ حدیث ظنی نہیں ہے، بلکہ قطعی ہے، لہٰذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا تو صرف گناہ گار نہیں ہو گا، بلکہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا انکار کر دیا، لہٰذا فوراً کافر ہو گیا۔

صحابہ کرام ہی اس لائق تھے

کبھی کبھی ہمارے دلوں میں یہ احمقانہ خیال آتا ہے کہ کاش! ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے، اور اس زمانے کی برکات حاصل کرتے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور وہی اپنی حکمت سے فیصلہ فرماتے ہیں اور اپنی حکمت سے ہمیں اس دور میں پیدا فرمایا، اگر ہم اس دور میں پیدا ہو جاتے تو خدا جانے کس اسفل السافلین میں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ بچائے آمین۔ اس لئے کہ وہاں ایمان کا معاملہ اتنا نازک تھا کہ ذرا سی دیر میں انسان ادھر سے ادھر ہو جاتا تھا۔

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس جانثاری کا معاملہ فرمایا، وہ انہیں کا ظرف تھا۔ اور اسی کے نتیجے میں وہ اس درجے تک وہ پہنچے، اگر ہم جیسا آرام پسند اور عافیت پسند آدمی اس دور میں ہوتا تو خدا جانے کیا حشر بنتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس انجام سے بچایا۔ اور ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں ہمارے لئے بہت سی آسانیاں ہیں۔ آج ایک حدیث کے بارے میں ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ظنی ہے۔ اور ظنی ہونے کی وجہ سے اگر کوئی انکار کر دے گا تو کافر نہ ہو گا۔ صرف گناہ گار ہی ہو گا۔ لیکن صحابہ کرام کا معاملہ تو یہ تھا کہ اگر کوئی

شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی حکم سننے کے بعد انکار کر دے کہ میں نہیں کرتا، فوراً کافر ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

یہ عورتیں شیر ہو گئیں ہیں

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ عورتوں کو نہ مارو تو اب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام تو ایسے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں ممانعت سنیں، اور پھر بھی وہ کام جاری رکھیں۔ جب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

ذئرن النساء علی ازواجھن

یا رسول اللہ! یہ عورتیں تو اب اپنے شوہروں پر شیر ہو گئیں، اس لئے کہ آپ نے مارنے کی ممانعت کر دی۔ جس کے بعد اب کوئی شخص اپنی بیوی کو نہیں مارتا۔ بلکہ مار کے قریب جانے سے بھی ڈرتا ہے۔ اور اس نہ مارنے کے نتیجے میں عورتیں شیر ہو گئی ہیں۔ اور شوہروں کی حق تلفیاں کرنے لگی ہیں۔ اور ان کے ساتھ بد سلوکی کرنے لگی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ ان حالات میں ہم کیا کریں؟

فرخص فی ضربھن

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ اگر عورتیں شوہروں کی حق تلفی کریں۔ اور مارنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو تمہیں مارنے کی بھی اجازت ہے۔ اب اس اجازت دینے کے نتیجے میں یہ ہوا کہ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سی خواتین آنی شروع ہو گئیں۔ اور آکر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ! آپ نے شوہروں کو مارنے کی اجازت دے دی۔ جس سے لوگوں نے غلط فائدہ اٹھایا۔ اور ہمیں اس طرح مارا۔

یہ اچھے لوگ نہیں ہیں

"فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لقد اطاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئک بخیارکم"

آپ نے اپنا نام لے کر فرمایا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بہت سی خواتین چکر لگاتی ہیں۔ اور وہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی ہیں کہ وہ شوہر ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ ان کو بری طرح مارتے ہیں۔ لہٰذا خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہ مار پیٹ کر رہے ہیں وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ اور اچھے مومن اور مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ مار پیٹ کرے، اس سارے مجموعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح فرما دی کہ اگرچہ ناگزیر حالت میں، جب کوئی اور چارہ نہ رہے اس وقت شریعت کی طرف سے ایسی مار کی اجازت ہے جس سے نشان نہ پڑے، اور بہت زیادہ تکلیف نہ ہو لیکن اس کے باوجود محمد رسول اللہ کی سنت اور آپ کی اصل خواہش یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت پر کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ چنانچہ حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا، لہٰذا سنت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

دنیا کی بہترین چیز "نیک عورت"

"وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الدنیا متاع وخیر متاعھا المرأۃ الصالحۃ"

(صحیح مسلم کتاب الرضاع باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ حدیث نمبر ۱۴۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دنیا ساری کی ساری لطف اندوزی کی چیز ہے۔ یعنی ایسی چیز ہے جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ نفع اٹھاتا ہے۔ اور لطف اٹھاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

(سورۃ البقرہ: ۲۹)

کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔ اور تمہارے نفع کے لئے، اور تمہارے لطف اٹھانے کے لئے اور تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کیا۔ اور دنیا کی بہترین متاع جس سے انسان نفع اٹھائے۔ وہ نیک اور صالح عورت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"حبب الی من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ"

(کنز العمال، حدیث نمبر ۱۸۹۱۳)

مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیز بہت زیادہ محبوب ہیں۔ کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ "تمہاری دنیا" میں سے، یہ اس لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جگہ پر یہ ارشاد فرما چکے تھے کہ:

"مالی وللدنیا ما انا والدنیا الاکراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا"

(ترمذی۔ کتاب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۷۸)

میرا دنیا سے کیا تعلق! میں تو ایک ایسے سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں ذرا سی دیر کے لئے ٹھہرتا ہے۔ اور پھر چلا جاتا ہے۔ اور اس درخت کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے بہت زیادہ محبوب اور پسند ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ ایک عورت دوسری خوشبو اور تیسری ٹھنڈا پانی، اس لئے دنیا کی ساری نعمتوں میں سے یہ تین چیزیں اول درجے کی نعمتیں ہیں۔

ٹھنڈا پانی عظیم نعمت ہے

چنانچہ احادیث میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کبھی کسی خاص کھانے کا اہتمام فرمایا ہو نہ کبھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے کسی کھانے کی فرمائش کی ہو کہ فلاں کھانا پکالو۔ بلکہ جو کچھ آپ کے سامنے آیا، آپ نے

تناول فرمالیا۔ لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ پینے کے لئے ٹھنڈا پانی آپ کے لئے بئر غرس سے لایا جاتا تھا۔ جو مسجد نبوی سے تقریباً دو یا ڈھائی میل دور تھا۔ اس لئے کہ اس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا تھا۔ اور اسی لئے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ انتقال کے بعد مجھے اسی کنوے کے پانی سے غسل دیا جائے۔

ٹھنڈا پانی پیا کرو

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکمت بیان فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ: میاں اشرف علی! جب کبھی پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو، تاکہ رگ رگ سے شکر نکلے، اس لئے کہ جب ٹھنڈا پانی پئے گا تو رگ رگ سیراب ہوگی، تو پھر رگ رگ سے "الحمد للہ" نکلے گا اور بیساختہ رگ رگ سے شکر ادا ہوگا۔

بری عورت سے پناہ مانگو

بہرحال تین پسندیدہ چیزوں میں سے ایک نیک عورت ہے، اس لئے کہ اگر عورت نیک نہ ہو تو اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی:

"اللھم انی اعوذ بك عن امراۃ تشیبنی قبل المشیب واعوذ بك من ولد یکون علی وبالا"

اے اللہ! میں اس عورت سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دے، اور اس اولاد سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے لئے وبال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ اس لئے جب اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے تلاش کرو تو ایسی عورت تلاش کرو جس میں دین ہو۔ صلاح ہو۔ نیکی ہو۔ اگر خدانہ کرے۔ نیکی نہیں ہے تو وہ پھر عذاب بننے کا اندیشہ ہے۔ لہذا اگر کسی شخص کو صالح بیوی کی نعمت میسر آئی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی قدر کرے۔ اس کی ناقدری نہ کرے۔ اور اس کی قدر یہی ہے کہ اس کے حقوق

ادا کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان ارشادات پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شوہر کے حقوق
اور اس کی حیثیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو "قوام" بنایا ہے۔ اس لئے فیصلہ اسی کا ماننا ہوگا۔ البتہ تم اپنی رائے اور مشورہ دے سکتی ہو۔ اور دوسری طرف ہم نے مرد کو یہ ہدایت دی ہے کہ حتی الامکان تمہاری دلداری کا خیال کرے۔ لیکن فیصلہ اسی کا ہوگا۔ لہٰذا اگر بیگم صاحبہ یہ چاہیں کہ ہر معاملے میں میرا فیصلہ چلے، مرد "قوام" نہ بنے۔ بلکہ میں "قوام" بن جاؤں۔ تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہے۔ شریعت کے خلاف ہے، عقل کے خلاف ہے، انصاف کے خلاف ہے، اور اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

شوہر کے حقوق
اور اس کی حیثیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرًا كثيرًا

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

"الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله" (سورة النساء: ۳۴)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين۔

پچھلا باب ان حقوق کے بیان میں تھا جو ایک بیوی کے اس کے شوہر کے ذمے عائد ہوتے ہیں۔ اس میں یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ ایک شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کس قسم کا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن شریعت، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے، وہ صرف ایک پہلو کو مدنظر رکھنے والا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دونوں جانبوں کی برابر رعایت ہوتی ہے، اور دونوں کے لئے دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کی ضمانت ہوتی ہے، چنانچہ جس طرح شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق عائد کئے گئے۔ اسی طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ذمے شوہر کے حقوق بھی بیان فرمائے۔ اور قرآن و حدیث میں ان دونوں قسموں کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا زور اور بڑی تاکید کی گئی ہے۔

آج ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے

شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، حقوق کے مطالبے پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ آج کی دنیا، حقوق کے مطالبے کی دنیا ہے۔ ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے۔ اور اس کے لئے مطالبہ کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے، ہڑتال کر رہا ہے، گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لئے دنیا بھر کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور اس کے لئے باقاعدہ انجمنیں قائم کی جا رہی ہیں۔ جن کا نام "انجمن تحفظ حقوق فلاں" رکھا جاتا ہے، لیکن آج "ادائیگی فرائض" کے لئے کوئی انجمن موجود نہیں، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمے عائد ہیں۔ وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے۔ سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں؟ مرد کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے۔ اور عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں۔ اور اس کے لئے کوشش اور جدوجہد جاری ہے۔ لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔ جنگ جاری ہے۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمے عائد ہو رہے ہیں، وہ میں ادا کر رہا ہوں، یا نہیں؟۔

ہر شخص اپنے فرائض ادا کرے

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں۔ اگر مزدور اپنے فرائض ادا کر دے تو سرمایہ دار اور مالک کے حقوق ادا ہو گئے، اگر سرمایہ دار اور آجر اپنے فرائض ادا کر دے تو مزدور کے حقوق ادا ہو گئے۔ شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق ادا ہو گیا۔ اور اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

پہلے اپنی فکر کرو

آج ہمارے زمانے میں عجیب الٹی گنگا بہنی شروع ہو گئی ہے۔ کہ جب کوئی شخص اصلاح کا جھنڈا اٹھاتا ہے، تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر بھی کچھ کوتاہی ہے۔ میں بھی غلطی کا شکار ہوں۔ میں اس کی فکر کروں۔ حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔

(سورۃ المائدۃ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنے آپ کی فکر کرو کہ تمہارے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسول کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ شریعت، دیانت، امانت اور اخلاق کے تم سے کیا مطالبات ہیں، ان مطالبات کو بجالاؤ۔ دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے، اور اپنے فرائض انجام نہیں دے رہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں ہو گا بشرطیکہ تم اپنے فرائض صحیح طریقے سے انجام دے رہے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بات دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے، اور اس زمانے میں زیادہ تر مال مویشیوں یعنی اونٹ،

بکریاں، گائے وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عاملوں کو بھیجتے تو ان کو ایک ہدایت نامہ عطا فرماتے، کہ تمہیں وہاں جا کر کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس ہدایت نامے میں یہ بھی تحریر فرماتے کہ:

• لاجلب ولاجنب فی زکاۃ، ولا تؤخذ زکاتھم الا فی دورھم۔

(ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب این تصدق الاموال حدیث نمبر ۱۵۹۱)

یعنی تم خود لوگوں کے گھروں پر جا کر زکوٰۃ وصول کرنا۔ ایسا مت کرنا کہ تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ، اور لوگوں کو اس بات کی تکلیف دو کہ وہ زکاۃ کا مال تمہارے پاس لا کر دیں، اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ:

"المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا"

(ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ السائمۃ۔ حدیث نمبر ۱۵۸۵)

یعنی جو شخص زکاۃ وصول کرنے میں زیادتی کر رہا ہے، مثلاً جتنی زکاۃ واجب تھی، مقدار میں اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے، یا کیفیت میں زیادہ وصول کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسا شخص بھی اتنا ہی گناہ گار ہے۔ جتنا زکوٰۃ نہ دینے والا گناہ گار ہے۔ لہٰذا ایک طرف عاملوں کو تو یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ وصول نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔ دوسری طرف جن لوگوں کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ان عاملوں کو بھیجا جا رہا تھا۔ ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

اذا جاءکم المصدق فلا یفارقنکم الا عن رضی۔

(ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی رضی المصدق، حدیث نمبر ۶۴۷)

یعنی تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناراض ہو کر جائیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو راضی کرو، اور کوئی ایسی غلطی نہ کرو جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔ کیونکہ درحقیقت وہ میرے فرستادہ اور میرے نمائندے ہیں، اور ان کو ناراض کرنا گویا مجھے ناراض کرنا ہے۔ لہٰذا عاملین کو یہ تاکید فرمائی کہ تم کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ اور زکوٰۃ دینے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ جب عاملین تمہارے پاس آئیں تو وہ تم سے راضی ہو کر جائیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ آپ نے زکوٰۃ دینے والوں کو یہ نہیں فرمایا کہ تم سب مل کر ایک تحریک چلاؤ

کہ یہ جو عاملین زکوۃ وصول کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ وہ ہمارے حقوق پامال نہ کریں۔ اس کے لئے انجمن قائم کرو۔ اس لئے کہ یہ ایک لڑائی کا ذریعہ بن جاتا۔

شریعت میں سارا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اس کی فکر کرے کہ میں اللہ کے سامنے ٹھیک جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سارا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں ہے کہ ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے۔ اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔

زندگی استوار کرنے کا طریقہ

میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ دونوں کو ان کے فرائض بتادیئے۔ شوہر کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، اور بیوی کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض یہ ہیں۔ ہر ایک اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرے۔ اور در حقیقت زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے کہ دونوں اپنے فرائض کا احساس کریں، اور دوسرے کے حقوق کا پاس کریں۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو۔ جتنی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہو۔ اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر یہ زندگی استوار ہو جاتی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کو ہماری زندگی کے استوار کرنے کی اتنی زیادہ فکر ہے کہ قرآن و حدیث ان ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، اور تمہارے فرائض یہ ہیں۔ اور اگر ان فرائض اور تعلقات میں رخنہ پڑ جائے تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں کوئی بات اتنی ناپسند نہیں جتنے میاں بیوی کے باہمی جھگڑے ناپسند ہیں۔

ابلیس کا دربار

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ابلیس اور شیطان کبھی کبھی سمندر میں پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے، اور اپنا دربار منعقد کرتا ہے، اس وقت دنیا میں اسکے جتنے چیلے ہیں۔ جو اس کی اسکیموں پر اور اس کی ہدایات پر

عمل کر رہے ہیں۔ وہ سب اس دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان تمام چیلوں سے ان کی کارکردگی کی رپورٹیں طلب کی جاتی ہیں کہ تم نے کیا فرائض انجام دیئے؟ اس وقت ہر ایک چیلا اپنی کار گزاری بیان کرتا ہے، اور یہ ابلیس تخت پر بیٹھ کر ان کی کار گزاری سنتا ہے۔ ایک چیلا آکر اپنی یہ کار گزاری سناتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے درمیان میں اس کو ایک ایسے کام میں پھنسا دیا جس سے اس کی نماز چھوٹ گئی ابلیس سن کر خوش ہوتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ لیکن بہت زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ دوسرا چیلا آکر بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص فلاں عبادت کی نیت سے جا رہا تھا میں نے اس کو عبادت سے روک دیا۔ ابلیس سن کر خوش ہوتا ہے کہ تم نے اچھا کیا۔ اسی طرح ہر چیلا اپنی کار گزاری سناتا ہے۔ اور ابلیس سن کر خوش ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک چیلا آکر یہ بیان کرتا ہے کہ دو میاں بیوی باہمی اتفاق اور محبت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، بڑی اچھی زندگی گذر رہی تھی، میں نے جا کر ایک ایسا کام کیا جس کے نتیجے میں دونوں میں لڑائی ہو گئی، اور لڑائی کے نتیجے میں دونوں میں جدائی واقع ہو گئی۔ جب ابلیس یہ سنتا ہے کہ اس چیلے نے دونوں میاں بیوی کو آپس میں لڑا دیا جو اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ خوش ہو کر اپنے تخت سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس چیلے سے معانقہ کرتا ہے۔ اور اس کو گلے لگالیتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے کہ صحیح معنی میں میرا نمائندہ تو ہے۔ اور تو نے جو کارنامہ انجام دیا وہ اور کسی نے انجام نہیں دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان، حدیث نمبر ۳۸۱۲)

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میاں بیوی کے باہمی جھگڑے اور ایک دوسرے سے نفرت اور قطع تعلق کتنے ناپسندیدہ ہیں۔ اور شیطان کو یہ اعمال کتنے محبوب ہیں۔ اس لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث میں دونوں پر ایک دوسرے کے فرائض اور حقوق بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اگر انسان ان پر عمل کر لے تو دنیا بھی درست ہو جائے، اور آخرت بھی درست ہو جائے۔

مرد عورت پر حاکم ہے

اس لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دوسرا باب قائم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے: باب حق الزوج علی المراۃ یعنی شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں۔ اور اس کے تحت قرآنی آیات اور احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت لائے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

(سورۃ النساء: ۳۴)

یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور ان کے منتظم ہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ ترجمہ بھی کیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ "قوام" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام کے کرنے یا اس کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہو گویا کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ ان کے کاموں کے منتظم ہیں۔ اور ان کے حاکم ہیں۔ یہ ایک اصول بیان فرما دیا۔ اس لئے کہ اصولی باتیں ذہن میں نہ ہونے کی صورت میں جتنے کام انسان کرے گا وہ غلط تصورات کے ماتحت کرے گا، لہٰذا مرد کے حقوق بیان کرتے ہوئے عورت کو پہلے اصولی بات سمجھا دی کہ وہ مرد تمہاری زندگی کے امور کا نگہبان اور منتظم ہے۔

آج کی دنیا کا پروپیگنڈہ

آج کی دنیا میں جہاں مرد و عورت کی مساوات، ان کی برابری اور آزادی نسواں کا بڑا زور و شور ہے۔ ایسی دنیا میں لوگ یہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں کہ شریعت نے مرد کو حاکم بنایا ہے۔ اور عورت کو محکوم بنایا ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مرد کی عورت پر بالا دستی قائم کر دی گئی ہے۔ اور عورت کو محکوم بنا کر اس کے ہاتھ میں قید کر دیا گیا ہے۔ اور اس کو چھوٹا قرار دے دیا گیا ہے۔

سفر کے دوران ایک کو امیر بنا لو

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے سفر کے طے کرنے میں

انتظام کے خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک شخص سفر کا ذمہ دار ہو۔ حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جب بھی دو آدمی کوئی سفر کر رہے ہوں، چاہے وہ سفر چھوٹا سا کیوں نہ ہو اس سفر میں اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو، امیر بنائے بغیر سفر نہیں کرنا چاہئے۔ تاکہ سفر کے جملہ انتظامات اور پالیسی اس امیر کے فیصلے کے تابع ہو۔ اگر امیر نہیں بنائیں گے تو ایک بدنظمی ہو جائے گی۔

(ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی القوم یسافرون یومرون احدھم، حدیث نمبر ۲۶۰۸)

لہذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا یہ طویل سفر جو ایک ساتھ گزارنا ہے۔ اس میں یہ تاکید کیوں نہیں ہوگی اپنے میں سے ایک کو امیر بنالو۔ تاکہ بدنظمی پیدا نہ ہو۔ بلکہ انتظام قائم رہے۔ اس انتظام کو قائم کرنے کے لئے کسی ایک کو امیر بنانا ضروری ہے۔

زندگی کے سفر کا امیر کون ہو؟

اب دو راستے ہیں۔ یا تو مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنا دیا جائے، یا عورت کو امیر بنا دیا جائے، اور مرد کو اس کا محکوم بنا دیا جائے۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی اور عقل کے ذریعہ انسان غور کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوت مرد کو عطا کی ہے۔ بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے۔ وہ عورت کو عطا نہیں کی۔ لہذا اس امارت اور اس سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کے بجائے اس ذات سے پوچھا جائے جس نے ان دونوں کو بنایا اور پیدا کیا کہ آپ نے دونوں کو سفر پر روانہ کیا۔ اب آپ ہی بتائیں کس کو امیر بنائیں، اور کس کو مامور بنائیں؟ اور سوائے اس کے فیصلے کے کسی اور کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ فیصلہ عقلی دلائل سے آراستہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ اس زندگی کے سفر کو طے کرنے کے لئے مرد "قوام، حاکم اور منتظم" ہیں، اگر تم اس فیصلے کو صحیح جانتے ہو اور مانتے ہو تو اسی میں تمہاری سعادت اور کامیابی ہے۔ اور اگر نہیں مانتے، بلکہ اس فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ اور اس کے ساتھ بغاوت کرتے ہو، تو پھر تم جانو۔ اور تمہاری

زندگی جائے، اب تمہاری زندگی خراب ہوگی۔ اور ہو رہی ہے، جن لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف بغاوت کی ان کا انجام دیکھ لیجئے کہ کیا ہوا؟

اسلام میں امیر کا تصور

البتہ اللہ تعالیٰ نے جو لفظ یہاں استعمال فرمایا، اس کو سمجھ لیجئے، اللہ تعالیٰ نے یہاں "امیر" "حاکم" اور "بادشاہ" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ "قوام" کا لفظ استعمال کیا۔ اور "قوام" کے معنی وہ شخص جو کسی کام کا ذمہ دار ہو۔ اور ذمہ دار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بحیثیت مجموعی زندگی گزارنے کی پالیسی وہ طے کرے گا اور پھر اس پالیسی کے مطابق زندگی گزاری جائے گی۔ لیکن "قوام" ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ آقا ہے۔ اور بیوی اس کی کنیز ہے۔ یا بیوی اس کی نوکر ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان امیر اور مامور، حاکم اور محکوم کا رشتہ ہے۔ اور اسلام میں "امیر" کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکم چلائے۔ بلکہ اسلام میں امیر کا تصور وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سید القوم خادمهم

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۱۷۵۱۶)

قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔

امیر ہو تو ایسا

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دیوبند سے کسی دوسری جگہ سفر پر جانے لگے تو ہمارے استاد حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند میں "شیخ الادب" کے نام سے مشہور تھے، وہ بھی ہمارے ساتھ سفر میں تھے، جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی کے آنے میں دیر تھی، مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کہیں سفر پر جاؤ تو کسی کو اپنا امیر بنالو لہذا ہمیں بھی اپنا امیر بنالینا چاہئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم شاگرد تھے وہ استاد تھے۔ اس

لئے ہم نے کہا کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ امیر تو بنے بنائے موجود ہیں۔ حضرت مولانا نے پوچھا کہ کون؟ ہم نے کہا کہ امیر آپ ہیں، اس لئے کہ آپ استاد ہیں۔ ہم شاگرد ہیں، حضرت مولانا نے کہا: اچھا آپ لوگ مجھے امیر بنانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں: آپ کے سوا اور کون امیر بن سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ: اچھا ٹھیک ہے، لیکن امیر کا ہر حکم ماننا ہوگا۔ اس لئے کہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے، ہم نے کہا: جب امیر بنایا ہے تو انشاء اللہ ہر حکم کی اطاعت بھی کریں گے، مولانا نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے، میں امیر ہوں۔ اور میرا حکم ماننا۔ جب گاڑی آئی تو حضرت مولانا نے تمام ساتھیوں کا کچھ سامان سر پر اور کچھ ہاتھ میں اٹھایا، اور چلنا شروع کر دیا۔ ہم نے کہا کہ: حضرت: یہ کیا آپ غضب کر رہے ہیں؟ ہمیں اٹھانے دیجئے۔ مولانا نے فرمایا کہ: نہیں۔ جب امیر بنایا ہے تو اب حکم ماننا ہوگا، اور یہ سامان مجھے اٹھانے دیں، چنانچہ وہ سارا سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھا۔ اور پھر پورے سفر میں جہاں کہیں مشقت کا کام آتا تو وہ کام خود کرتے، اور جب ہم کچھ کہتے تو فوراً مولانا فرماتے کہ دیکھو: تم نے مجھے امیر بنایا ہے، اور امیر کا حکم ماننا ہوگا۔ لہٰذا میرا حکم مانو۔ ان کو امیر بنانا ہمارے لئے قیامت ہو گیا۔ حقیقت میں امیر کا تصور یہ ہے۔

امیر وہ جو خدمت کرے

آج ذہن میں جب امیر کا تصور آتا ہے تو وہ بادشاہوں اور بڑے سربراہوں کی صورت میں آتا ہے۔ جو اپنے رعایا کے ساتھ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے، لیکن قرآن وحدیث کا تصور یہ ہے کہ امیر وہ شخص ہے جو خدمت کرے، جو خادم ہو۔ امیر کے یہ معنی نہیں ہے کہ اس کو بادشاہ بنا دیا گیا ہے۔ اب وہ حکم چلایا کریگا۔ اور دوسرے اس کے ماتحت نوکر اور غلام بن کر رہیں گے، بلکہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ بیشک فیصلہ اس کا معتبر ہوگا، ساتھ ہی وہ فیصلہ ان کی خدمت کے لئے ہوگا، ان کی راحت اور خیر خواہی کے لئے ہوگا۔

میاں بیوی میں دوستی کا تعلق ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات

بلند فرمائے۔ آمین۔ کہ مردوں کو یہ آیت تو یاد رہتی ہے کہ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" یعنی مرد عورتوں پر حکمران اور حاکم ہیں۔ اب بیٹھ کر عورتوں پر حکم چلا رہے ہیں۔ اور ذہن میں یہ بات ہے کہ عورت کو ہر حال میں تابع اور فرمانبردار ہونا چاہئے اور ہمارا ان کے ساتھ آقا اور نوکر جیسا رشتہ ہے۔ معاذ اللہ۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت بھی نازل فرمائی ہے۔ وہ آیت مردوں کو یاد نہیں رہتی۔ وہ آیت یہ ہے کہ:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے، اور تم دونوں میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی)

(سورہ الروم ۲۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام ہے۔ لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے۔ انتظامی طور پر تو قوام ہے، لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، لہٰذا ایسا تعلق نہیں ہے جیسا آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو دوست کہیں سفر پر جا رہے ہوں۔ اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنالیا ہو۔ لہٰذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس دوستی کے تعلق کے کچھ آداب اور کچھ تقاضے ہیں۔ ان آداب اور تقاضوں میں ناز کی باتیں بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

ایسا رعب مطلوب نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں، لہٰذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہئے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے۔ اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کر سکے۔ میرے ایک ہم سبق دوست تھے، انہوں

نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد اپنے گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں اور مجھ سے بات کریں، بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ یا شیر چیتا بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس آنے سے ڈرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم قوام ہیں، ہمارا رعب ہونا چاہئے۔ اچھی طرح سمجھ لیں کہ قوام ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں، بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے۔ اور وہ دوستی کا تعلق کس قسم کا ہونا چاہئے؟ سنئے!

حضور کی سنت دیکھئے

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو، اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، دونوں حالتوں میں مجھے علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کس طرح علم ہو جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو رب محمد (محمد کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو رب ابراہیم (ابراہیم کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

انی لا اھجر الا اسمک

یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں۔ نام کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑتی ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب مایجوز من الہجران من عصی حدیث نمبر ۶۰۷۸)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کون ناراض ہو رہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کس سے ناراض؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض اوقات ایسی بات فرما دیتی تھیں جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کے دل میں کدورت اور ناراضگی ہے لیکن اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی "قوامیت" کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوش طبعی کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا کہ تمہاری ناراضگی کا مجھے پتہ چل جاتا ہے۔

بیوی کے ناز کو برداشت کیا جائے

جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سنگین تہمت لگائی گئی۔ استغفر اللہ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس تہمت کی وجہ سے قیامت گزر گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ظاہر ہے کہ اس بات کا قلق تھا کہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں پھیل گئی ہیں۔ لیکن ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرما دیا کہ:

> اے عائشہ! دیکھو بات یہ ہے کہ تمہیں اتنا غمگین ہونے کی ضرورت نہیں اگر تم بے خطا اور بے قصور ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری برأت ظاہر فرمادیں گے۔ اور اگر خدا نخواستہ تم سے کوئی قصور اور غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو استغفار کر لو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بہت شاق گزری کہ آپ نے یہ دو شقیں کیوں کیں کہ اگر بے قصور ہو تو اللہ تعالیٰ برأت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر قصور ہوا ہو تو توبہ کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے دل میں بھی اس بات کا ہلکا سا احتمال ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا بہت سخت صدمہ ہوا، اور صدمہ سے نڈھال ہو کر لیٹ گئیں، اور اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برأت کی آیات نازل ہوئیں۔ اس وقت گھر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب یہ آیات سنیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب انشاء اللہ یہ سارا بہتان ختم ہو جائے گا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سے فرمایا کہ خوشخبری سن لو اللہ تعالیٰ نے تمہاری برات میں آیات نازل فرمادی، اور اب کھڑی ہو جاؤ، اور آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرو اب حضرت عائشہ بستر پر لیٹی ہوئی ہیں، اور برائت کی آیات سن لیں، اور لیٹے لیٹے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے میری برائت نازل فرمادی لیکن میں اللہ کے سوا کسی کا شکر ادا نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ لوگوں نے تو اپنے دل میں یہ احتمال پیدا کر لیا تھا کہ شاید مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ النور باب (لولا اذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا) حدیث نمبر ۴۷۵۰)

بظاہر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہونے سے اعراض فرمایا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہیں سمجھا اس لئے کہ یہ ناز کی بات تھی۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سر زد ہوئی۔

یہ ناز درحقیقت اس دوستی کا تقاضہ ہے، لہٰذا میاں بیوی کے درمیان صرف حاکمیت اور محکومیت کا رشتہ نہیں ہے بلکہ دوستی کا بھی رشتہ ہے اور اس دوستی کا حق یہ ہے کہ اس قسم کے ناز کو برداشت کیا جائے۔ البتہ جہاں بات بالکل غلط ہو گئی وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری اور غصہ کا بھی اظہار فرمایا۔ لیکن اس قسم کی ناز کی باتوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا فرمایا۔

بیوی کی دلجوئی سنت ہے

اور دوستی کا حق اس طرح ادا فرمایا کہ کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات اور درجات عالیہ کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ اور ہم کلامی ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ دلداری اور دلجوئی اور حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں کہ یمن کے اندر گیارہ عورتیں تھیں۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کو اپنے اپنے شوہروں کی حقیقی اور واقعی حالت بیان کریں گی یعنی ہر عورت یہ بتائے گی کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اس کے کیا اوصاف ہیں؟ ان گیارہ عورتوں

نے اپنے شوہروں کے اوصاف کس وضاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ ساری ادبی لطافتیں اس پر ختم ہیں۔ وہ سارا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا رہے ہیں۔

(شمائل ترمذی باب ماجاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر حدیث ام زرع)

بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق سنت ہے

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مقیم تھے، اور ان کی باری کا دن تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک حلوہ پکایا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر لائیں، اور لاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور حضرت سودہ بھی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں ان سے کہا کہ آپ بھی کھائیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات گراں گزری کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے اور میری باری کا دن تھا تو پھر یہ حلوہ پکا کر کیوں لائیں؟ اس لئے حضرت سودہ نے انکار کر دیا کہ میں نہیں کھاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ حلوہ کھاؤ اور اگر نہیں کھاؤ گی تو پھر یہ حلوہ تمہارے منہ پر مل دونگی، حضرت سودہ نے فرمایا کہ میں تو نہیں کھاؤں گی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا سا حلوہ اٹھا کر حضرت سودہ کے منہ پر مل دیا۔ اب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! انہوں نے میرے منہ پر حلوہ مل دیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں آیا کہ:

"وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا"

یعنی کوئی شخص اگر تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم بھی بدلے میں اس کے ساتھ برا سلوک کر سکتے ہو۔ اب اگر انہوں نے تمہارے منہ پر حلوہ مل دیا ہے تو تم بھی ان کے چہرے پر حلوہ مل دو، چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تھوڑا سا حلوہ اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا، اب دونوں کے چہروں پر حلوہ ملا ہوا ہے اور یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو رہا ہے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا کہ کون ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں (شاید اس وقت تک پردے کے احکام نہیں آئے تھے) جب آپ نے یہ سنا کہ حضرت عمر تشریف لائے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں جلدی جاکر اپنے چہرے دھولو۔ اس لئے کہ عمر آرہے ہیں چنانچہ دونوں نے جاکر اپنا چہرہ دھویا۔

(مجمع الزوائد للہیثمی، جلد ۴ ص ۳۱۶)

وہ ذات جس کا ہر آن اللہ جل جلالہ کے ساتھ رابطہ قائم ہے۔ جس کی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، اور وحی آرہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کا وہ مقام حاصل ہے جو اس روئے زمین پر کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے باوجود ازواج مطہرات کے ساتھ یہ انداز اور ان کی دلداری کا اتنا خیال ہے۔

مقام "حضوری"

ہم اور آپ زبان سے "حضوری" کا لفظ بول دیتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کا مزہ چکھ لے تو اس کو پتہ لگے گا کہ یہ کیا چیز ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کا خیال اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ پاؤں پھیلا کر نہیں سو سکتے، لیٹ نہیں سکتے، اس لئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا احساس ہے، اور جب اپنا بڑا سامنے ہو تو کوئی شخص پاؤں پھیلا کر لیٹے گا؟ ہرگز نہیں لیٹے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کا احساس اور خیال اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ انسان پاؤں پھیلا کر لیٹ نہیں سکتا۔ لہذا جس ذات کو "حضوری" کا اتنا بڑا مقام حاصل ہو جو دنیا میں کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ وہ ازواج مطہرات کے ساتھ کس طرح خوش طبعی کے معاملات کر لیتے ہیں؟ یہ مقام صرف ایک پیغمبر ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

ورنہ گھر برباد ہو جائے گا

بہر حال! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو "قوام" بنایا ہے اس لئے فیصلہ اسی کا ماننا

ہوگا۔ ہاں تم اپنی رائے اور مشورہ دے سکتی ہو۔ اور ہم نے مرد کو یہ ہدایت بھی دے رکھی ہے کہ وہ حتی الامکان تمہاری دلداری کا خیال بھی کرے لیکن فیصلہ اسی کا ہوگا۔ لہٰذا اگر یہ بات ذہن میں نہ ہو، اور بیگم صاحبہ یہ چاہیں کہ ہر معاملے میں فیصلہ میرا چلے اور مرد قوام نہ بنے میں قوام بن جاؤں تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہے۔ شریعت کے خلاف ہے۔ عقل کے خلاف ہے اور انصاف کے خلاف ہے اور اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

عورت کی ذمہ داریاں

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا کہ:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ

فرمایا کہ نیک عورتوں کا کام کیا ہے؟ نیک عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ "قانتات" ہیں یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والی۔ اللہ نے جو حقوق شوہر کے عائد کئے ہیں ان حقوق کو صحیح طور بجالانے والی اور شوہر کی غیر موجودگی میں شوہر کے گھر کی حفاظت کرنے والی۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کا لازمی وصف قرار دیا۔ اور اس کے ذمے یہ فریضہ عائد کیا کہ جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اس وقت وہ اس کے گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اول تو خود اپنی حفاظت کرے کہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو اور شوہر کا جو مال و متاع ہے، اس کی حفاظت کرے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بیوی پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا

(صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن رقم ۸۹۳)

عورت اپنے شوہر کی گھر کی نگہبان ہے۔ یعنی اس کے مال و متاع کی حفاظت عورت کے ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اکثر حالات میں عورت کے ذمہ کھانا پکانا واجب نہیں ہوتا۔ لیکن شوہر کے گھر کی حفاظت اور اس کے مال و متاع کی اس طرح حفاظت کہ وہ مال بیجا خرچ نہ ہو۔ قرآن کریم نے یہ اس کی ذمہ داری قرار دی ہے۔

زندگی قانون کے خشک تعلق سے نہیں گزر سکتی

یہ جو میں نے کہا کہ عورت کے ذمے کھانا پکانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ ایک قانون کی بات تھی۔ لیکن زندگی قانون کے خشک تعلق سے نہیں چلا کرتی، لہٰذا جس طرح قانوناً عورت کے ذمہ کھانا پکانا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت بیمار ہو جائے تو قانوناً شوہر کے ذمہ اس کا علاج کرانا، یا علاج کے لئے خرچہ دینا بھی ضروری نہیں۔ اور قانوناً شوہر کے ذمہ یہ بھی نہیں ہے کہ وہ عورت کو اس کے والدین کے گھر ملاقات کے لئے لیجایا کرے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب عورت کے ماں باپ اپنی بیٹی سے ملاقات کے لئے آئیں تو ان کو گھر میں بٹھائے۔ بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عورت کے ماں باپ آئیں اور دور سے ملاقات اور زیارت کر کے چلے جائیں۔ گھر میں بٹھا کر ملاقات کرانا شوہر کے ذمہ ضروری نہیں۔ لہٰذا اگر قانون کے خشک تعلق کی بنیاد پر اگر زندگی بسر ہونی شروع ہو جائے تو دونوں کا گھر برباد ہو جائے۔ بات جب چلتی ہے جب دونوں میاں بیوی قانون کی بات سے آگے بڑھ کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ اور بیوی ازواج مطہرات کی سنت کی اتباع کرے۔

بیوی کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے مواعظ میں ذکر فرمایا کہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ اس کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو، شوہر کا پیسہ غلط جگہ پر بلاوجہ صرف نہ ہو۔ اور فضول خرچی میں اس کا پیسہ ضائع نہ ہو۔ یہ چیز عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ نہ ہو کہ شوہر کا پیسہ دل کھول کر خرچ کیا جارہا ہے۔ یا گھر کو نوکرانیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ جس طرح چاہ رہی ہیں کر رہی ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو یہ قانونی فرائض کے خلاف کر رہی ہے۔

ایسی عورت پر فرشتوں کی لعنت

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:

اذا دعا الرجل امراته إلى فراشه فابت ان تجئ لعنتها الملائكة

حتی تصبح۔

(صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، باب اذا باتت امراۃ مہاجرۃ فراش زوجہا۔ حدیث نمبر ۵۱۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور یہ میاں بیوی کے مخصوص تعلقات سے کنایہ ہے۔ یعنی شوہر اپنی بیوی کو ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے بلائے۔ اور وہ عورت نہ آئے۔ یا ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے شوہر کا وہ منشا پورا نہ ہو اور اس کی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے، ساری رات صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو اور لعنت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ تمہارے اتنے حقوق بیان کئے گئے۔ تمہارے حقوق کا لحاظ کیا گیا۔ اس کا منشا در حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان جو تعلق ہے وہ درست ہو جائے۔ اور اس تعلق کی درستی کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ شوہر کو عفت حاصل ہو۔ پاک دامنی حاصل ہو۔ نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پاک دامنی حاصل ہو۔ اور نکاح کے بعد شوہر کو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس لئے تمہارے ذمے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس معاملے میں تمہارے طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اگر کوتاہی ہوگی تو پھر فرشتوں کی طرف سے تم پر لعنت ہوتی رہے گی۔

دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

اذا باتت المرأۃ مھاجرۃ فراش زوجھا لعنتھا الملائکۃ حتی تصبح۔

(حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۱۹۴)

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر رات گزارے تو اس کو فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ حدیث شریف میں ایک چھوٹی بات کہی گئی ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کام کے لئے دعوت دی ہے اور وہ انکار کرے، یا ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے شوہر کا منشا پورا نہ ہو سکے تو ساری رات لعنت ہوتی رہتی ہے۔ اور اگر شوہر کی اجازت اور شوہر کی مرضی کے بغیر عورت گھر سے باہر چلی جائے تو جب تک وہ گھر سے باہر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی لعنت ہوتی رہے گی۔ ان تمام معاملات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ ایک

ایک چیز بیان فرمادی، اس لئے کہ یہی چیزیں جھگڑا اور فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

شوہر کی اجازت سے نفلی روزہ رکھے

وعن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لایحل للمرأة ان تصوم وزوجها شاهد إلا باذنه، ولا تأذن فی بیته إلا باذنه۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا تأذن المرأة فی بیت زوجها، حدیث نمبر ۵۱۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں روزہ رکھے۔ مگر شوہر کی اجازت سے، یعنی کسی عورت کیلئے نفلی روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں۔ نفلی عبادت کے کتنے فضائل احادیث میں مذکور ہیں لیکن عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت روزہ سے ہونے کی وجہ سے شوہر کو تکلیف ہو۔ اس لئے پہلے شوہر سے اجازت لے لے۔ البتہ شوہر کو چاہئے کہ وہ بلاوجہ بیوی کو نفلی روزے سے منع نہ کرے، بلکہ روزے کی اجازت دیدے۔ بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان اس بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے کہ بیوی کہتی ہے کہ میں روزہ رکھنا چاہتی ہوں اور شوہر کہتا ہے میں اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے مرد کو چاہئے کہ وہ بلاوجہ اس فضیلت کو حاصل کرنے سے بیوی کو منع نہ کرے۔ لیکن عورت کے لئے بلا اجازت روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اگر شوہر اجازت نہیں دیتا تو عورت وہ نفلی روزہ چھوڑ دے۔ اس لئے کہ شوہر کی اطاعت زیادہ مقدم ہے۔

شوہر کی اطاعت نفلی عبادت پر مقدم ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی اطاعت کو تمام نفلی عبادتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا جو ثواب اس عورت کو روزہ رکھ کر ملتا، اب شوہر کی اطاعت کرنے میں اس سے زیادہ ثواب ملے گا اور وہ عورت یہ نہ سمجھے میں روزہ سے محروم ہو گئی۔ اس لئے کہ وہ یہ سوچے کہ روزہ کس لئے رکھ رہی تھی؟

روزہ تو اس لئے رکھ رہی تھی کہ ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک تیرا شوہر تجھ سے راضی نہیں ہوگا اس لئے جو ثواب تمہیں روزہ رکھ کر ملتا، وہی روزے کا ثواب کھانے پینے کے بعد بھی ملے گا۔ انشاء اللہ

گھر کے کام کاج پر اجر ثواب

بعض مرتبہ ہم لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ یہ میاں بیوی کے تعلقات ایک دنیاوی قسم کا معاملہ ہے۔ اور یہ صرف نفسانی خواہشات کی تکمیل کا معاملہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دینی معاملہ بھی ہے اس لئے کہ اگر عورت یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے یہ فریضہ عائد کیا ہے، اور اس تعلق کا مقصد شوہر کو خوش کرنا ہے۔ اور شوہر کو خوش کرنے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے۔ تو پھر یہ سارا عمل ثواب بن جاتا ہے۔ گھر کا جو کام خواتین کرتی ہیں، اور اس میں نیت شوہر کو خوش کرنے کی ہے۔ تو صبح سے لے کر شام تک وہ جتنا کام کر رہی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں لکھا جاتا ہے، چاہے وہ کھانا پکانا ہو گھر کی دیکھ بھال ہو یا بچوں کی تربیت ہو یا شوہر کا خیال ہو یا شوہر کے ساتھ خوش دلی کی باتیں ہوں، ان سب پر اجر لکھا جارہا ہے بشرطیکہ نیت درست ہو۔

جنسی خواہش کی تکمیل پر اجر و ثواب

اور اس موضوع پر بالکل صریح حدیث موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میاں بیوی کے جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کرتا ہے۔ اس پر کیا اجر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ان نفسانی خواہشات کو ناجائز طریقے سے پورا کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گناہ ضرور ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میاں بیوی ناجائز طریقے کو چھوڑ کر جائز طریقے سے نفسانی خواہشات کو میری وجہ سے اور میرے حکم کے ماتحت کر

رہے ہیں اس لئے اس پر بھی ثواب ہوگا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۶۷، ۶۹)

اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

ایک حدیث جو میں نے خود تو نہیں دیکھی البتہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مواعظ میں یہ حدیث پڑھی ہے اور حضرت تھانویؒ نے کئی جگہ اس حدیث کا ذکر فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ شوہر باہر سے گھر کے اندر داخل ہوا اور اس نے محبت کی نگاہ سے بیوی کو دیکھا اور بیوی نے محبت کی نگاہ سے شوہر کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہذا یہ میاں بیوی کے تعلقات محض دنیوی قصہ نہیں ہے۔ یہ آخرت اور جنت و جہنم بنانے کا راستہ بھی ہے۔

قضا روزوں میں شوہر کی رعایت

ترمذی شریف میں حدیث ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے مہینے میں طبعی مجبوری کی وجہ سے جو روزے مجھ سے قضا ہو جاتے تھے، میں عام طور پر ان روزوں کو آنے والے شعبان کے مہینے میں رکھا کرتی تھی یعنی تقریباً گیارہ ماہ بعد یہ میں اس لئے کرتی تھی کہ شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ لہذا اگر اس زمانے میں بھی میں روزے سے ہوں گی۔ اور آپ بھی روزے سے ہوں گے تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ میں روزہ سے ہوں۔ اور آپ کا روزہ نہ ہو حالانکہ وہ نفلی روزے نہیں تھے۔ بلکہ رمضان کے قضا روزے تھے۔ اور قضا روزوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کو جتنا جلدی ہو سکے، ادا کر لینے چاہئیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف آپ کی تکلیف کے خیال سے شعبان تک مؤخر فرماتی تھیں۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الصیام. باب قضاء رمضان فی شعبان۔ حدیث نمبر ۱۱۴۶)

بیوی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے

اس حدیث کا اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

ولا تأذن فی بیتہ إلا بإذنہ

یعنی عورت کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ شوہر کے گھر میں کسی کو شوہر کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔ یا کسی ایسے شخص کو گھر کے اندر آنے کی اجازت دینا جس کو شوہر ناپسند کرتا ہو۔ یہ عورت کے لئے بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس بات کو اور تفصیل سے بیان فرمایا کہ:

الاان لکم علی نسائکم حقا ونسائکم علیکم حقا فحقکم

علیھن ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا یاذن فی بیوتکم

لمن تکرھون۔

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث نمبر ۱۱۶۳)

یاد رکھو، تمہارا تمہاری بیویوں پر بھی کچھ حق ہے اور تمہارے بیویوں کا تم پر کچھ حق ہے یعنی دونوں کے ذمے ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں اور دونوں کے حقوق کی نگہداشت اور پاسداری فریقین پر لازم ہے۔ وہ حقوق کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اے مردو! تمہارا حق ان بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ایسے لوگوں کو استعمال نہ کرنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں، جن کا آنا تم ناپسند کرتے ہو یہاں دو حق بیان فرمائے ایک یہ کہ بیوی کے ذمہ یہ فرض ہے کہ وہ گھر کے اندر کسی ایسے شخص کو آنے نہ دے جس کے آنے کو شوہر ناپسند کرتا ہو حتیٰ کہ اگر بیوی کے کسی عزیز کا گھر میں آنا شوہر کو ناپسند ہو تو اس صورت میں اپنے عزیزوں کو بھی گھر میں آنے کی اجازت دینا بھی جائز نہیں۔ اور والدین کو بھی صرف اتنی اجازت ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ آکر بیٹی کی صورت دیکھ لیں۔ اس سے تو شوہر ان کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ان کے لئے بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر میں ٹھہرنا اور رہنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو آنے کی اجازت نہ دو، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ بیویاں تمہارے بستروں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو، بستر کے استعمال میں سب چیزیں داخل ہیں یعنی بستر پر بیٹھنا، بستر پر لیٹنا، بستر پر سونا یہ سب اس میں داخل ہیں۔

حضرت ام حبیبہ کا اسلام لانا

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کے واقعات کے اندر نور بھرا ہوا ہے۔ یہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جنہوں نے تقریباً اکیس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں گزارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑیں اور مکہ مکرمہ کے سرداروں میں سے تھے اور آخر میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو کر صحابی بن گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ تھا کہ کافروں کے اتنے بڑے سردار کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر دونوں مسلمان ہو گئے، باپ مسلمان کی مخالفت اور ان کے ساتھ عداوت میں لگا ہوا ہے، اور بیٹی اور داماد دونوں مسلمان ہو گئے، ان دونوں کے مسلمان ہونے سے ابو سفیان کے کلیجے پر چھری چلتی تھی اور ان کو بیٹی اور داماد کا مسلمان ہونا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کو تکلیفیں پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ اس زمانے میں بہت سے مسلمان کافروں کی تکلیفوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی تھے۔ یہ دونوں وہاں جاکر رہنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عجیب و غریب انداز ہیں، جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ میں قیام کیا تو کچھ دنوں کے بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میرے شوہر کی صورت بالکل بدل گئی ہے۔ اور مسخ ہو گئی ہے۔ جب یہ بیدار ہوئیں تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے شوہر کے دین و ایمان پر کچھ خلل آ جائے اس کے بعد جب کچھ دن گزرے تو اس خواب کی تعبیر سامنے آگئی اور یہ ہوا کہ ان کے شوہر ایک عیسائی کے پاس جایا کرتے تھے اس کے پاس جانے کے نتیجے میں دل سے ایمان نکل گیا اور عیسائی بن گئے۔

اب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تو بجلی گر گئی اسلام کے خاطر ماں باپ کو چھوڑا، وطن کو چھوڑا، سارے عزیز و اقارب کو چھوڑا، اور آکر اس دیار غربت میں مقیم ہو گئے۔ اور لے دے کر ایک شوہر جو ہمدرد اور دم ساز ہو سکتا تھا۔ وہ کافر ہو گیا، اب ان پر تو قیامت گزر گئی۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کے شوہر کا اسی حالت میں انتقال ہو گیا، اب یہ حبشہ کے اندر بالکل تنہا رہ گئیں، کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

ادھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اس کی اطلاع ملی کہ ان کے شوہر عیسائی بن کر انتقال کر گئے ہیں اور حضرت ام حبیبہ دیار غیر میں اکیلی اور تنہا ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پیغام بھیجا کہ چونکہ ام حبیبہ دیار غیر میں اکیلی اور تنہا ہیں۔ ان کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو، چنانچہ نجاشی کی معرفت ان کو نکاح کا پیغام بھیجا گیا۔

چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنا واقعہ سناتی ہیں کہ ایک دن میں اسی بے بسی کے عالم میں گھر میں بیٹھی تھی، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ باہر ایک کنیز کھڑی ہوئی ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ: کہاں سے آئی ہو؟ اس کنیز نے جواب دیا کہ: مجھے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھیجا ہے (یہ وہی نجاشی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئے تھے) انہوں نے پھر پوچھا کہ: کیوں بھیجا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اور نجاشی بادشاہ کی معرفت بھیجا ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ الفاظ میرے کان میں پڑے، اس وقت مجھے اس قدر مسرت اور حیرت ہوئی کہ میرے پاس اس وقت جو کچھ بھی تھا۔ وہ میں نے اٹھا کر کنیز کو دیدیا اور کہا کہ تو میرے لئے اتنی اچھی خبر لائی ہے۔ اس لئے یہ تیرا انعام ہے۔ اس کے بعد اس حالت میں ان دونوں کے درمیان نکاح ہوا کہ حضرت ام حبیبہ حبشہ ہی میں تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ بلوانے کا انتظام فرمایا۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۴ ص ۲۹۸۔ لفظ۔ "رملۃ")

متعدد نکاح کی وجہ

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد نکاح فرمائے۔ ناحق شناس لوگ تو معلوم نہیں کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ لیکن ہر نکاح کے پیچھے بڑی عظیم الشان

حکمتیں ہیں۔ اس نکاح میں دیکھ لیجئے کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ میں کس مپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس طرح دلداری نہ فرماتے تو ان کا کیا بنتا، آپ نے اس طریقے سے ان سے نکاح فرما کر ان کو مدینہ طیبہ بلوایا۔

غیر مسلم کی زبان سے تعریف

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ اور معجزہ ہے کہ جس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا۔ تو اس کی اطلاع مکہ مکرمہ میں حضرت ابو سفیان کو پہنچی، اور اس وقت حضرت ابو سفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور کافر تھے۔ جب ان کو یہ اطلاع ملی کہ میری بیٹی کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا ہے۔ اس وقت بیساختہ ان کی زبان پر جو کلمہ آیا، وہ یہ تھا کہ: یہ خبر تو خوشی کی خبر ہے، اس لئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے پیغام کو رد کیا جائے۔ لہٰذا یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) وہاں چلی گئیں۔

معاہدے کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو سفیان کے درمیان جنگ بندی کا ایک معاہدہ ہوا تھا۔ کتب سیرت میں جس کی تفصیل موجود ہے۔ ایک سال تک حضرت ابو سفیان اور دوسرے کافروں نے اس معاہدے کی شرائط کی پابندی کی، لیکن ایک سال کے بعد انہوں نے عہد شکنی شروع کر دی۔ اس عہد شکنی کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ اب ہم اس معاہدے کے پابند نہیں رہے، اس لئے اب ہم جب چاہیں گے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیں گے۔ کیونکہ ہمارے دشمنوں نے جب عہد کا پاس نہیں کیا تو اب ہم بھی اس کے پابند نہیں رہے، اس اعلان کے بعد حضرت ابو سفیان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کسی وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔

آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں

ایک مرتبہ حضرت ابو سفیان شام سے واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں نے ان کو اور ان کے قافلے کو گرفتار کر لیا تو حضرت ابو سفیان راتوں رات چھپ چھپا کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اور یہ خیال ہوا کہ میری بیٹی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہیں، لہٰذا میں ان سے بات کروں گا تو شاید میری جان بخشی ہو جائے۔ چنانچہ یہ چھپ کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔ بیٹی نے ان کا استقبال کیا۔ جس وقت یہ گھر میں داخل ہوئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر گھر میں بچھا ہوا تھا۔ حضرت ابو سفیان گھر میں داخل ہو کر اس بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیزی سے آگے بڑھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک طرف ہٹا کر لپیٹ کر رکھ دیا۔ (حضرت) ابو سفیان کو بیٹی کا طرز عمل بڑا اچھنبا اور عجیب محسوس ہوا اور ایک جملہ یہ کہا کہ:

رملہ! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے،
یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ:

"ابا جان! بات یہ ہے کہ کہ آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں اس واسطے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور جو آدمی مشرک ہو میں اس کو اپنی زندگی میں اس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی"

اس پر (حضرت) ابو سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ:

"رملہ! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم اتنی بدل جاؤ گی کہ اپنے باپ کو بھی اس بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دو گی"

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عمل کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر اپنے باپ کو بھی بیٹھنے سے منع فرمایا۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے کہ: "لا یطئن فرشکم من تکرھون" جن کو تم ناپسند کرتے ہو، ان لوگوں کو وہ بیویاں تمہارا بستر استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۴ ص ۲۹۸۔ لفظ "رملۃ")

بیوی فوراً آجائے

"وعن طلق بن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا دعا الرجل زوجتہ لحاجتہ فلتأتہ وان کانت علی التنور"

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ۔ حدیث نمبر ۱۱۶۰)

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے۔ تو اس عورت پر واجب ہے کہ وہ آجائے، خواہ وہ تنور پر بھی کیوں نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ عورت روٹی پکانے کے کام میں مشغول ہو، اس وقت بھی اگر شوہر اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے اس کو دعوت دے اور بلائے تو وہ انکار نہ کرے۔

نکاح جنسی تسکین کا حلال راستہ

ان سب احکام کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و عورت کے اندر فطری طور پر ایک جنسی جذبہ اور خواہش رکھی ہے۔ اور اس فطری جذبے اور خواہش کی تسکین کے لئے ایک حلال راستہ تجویز فرمادیا ہے، وہ ہے نکاح کا راستہ، اور شوہر بیوی کے تعلقات میں اس ضرورت کو پورا کرنا اولین اہمیت کا حامل ہے، اس لئے حلال کے سارے راستے کھول دیئے، تاکہ کسی بھی مرد و عورت کو حرام طریقے سے اس جذبہ اور خواہش کی تسکین کا خیال پیدا نہ ہو، بیوی کو شوہر سے تسکین ہو، اور شوہر کو بیوی سے تسکین ہو، تاکہ دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

نکاح کرنا آسان ہے

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے نکاح کے رشتے کو بہت آسان بنایا۔ کہ صرف مرد و عورت موجود ہوں، اور دو گواہ موجود ہوں، اور وہ مرد عورت ان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرلیں۔ بس نکاح ہوگیا، حتیٰ کہ خطبہ نکاح پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ البتہ

خطبہ پڑھنا سنت ہے، اسی طرح کسی قاضی سے یا کسی اور سے نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، اگر دوسرے سے پڑھوالے تو یہ سنت ہے، لیکن اس کے بغیر بھی اگر مرد و عورت خود دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کر لیں ایک کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا، اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا، بس! نکاح منعقد ہو گیا۔ نکاح کے لئے نہ تو مسجد میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ درمیان میں تیسرے شخص کو ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ حلال کا راستہ آسان سے آسان ہو جائے۔

برکت والا نکاح

اور دوسری طرف یہ تاکید فرمائی کہ نکاح کا معاملہ اور نکاح کی تقریب سادگی اور آسانی کے ساتھ انجام دی جائے، کوئی رسم کوئی شرط، کوئی لمبی چوڑی تقریب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کی فکر کرو، تاکہ اس کو حرام کی طرف جانے کی خواہش اور ضرورت پیدا نہ ہو، اور حلال کا راستہ آسان ہو جائے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

أن اعظم النكاح بركة أيسره مؤنة

(مسند احمد۔ ۶:۸۲)

سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بہت سے زیادہ آسانی ہو۔ اور سادگی ہو۔ نکاح کو جتنا پھیلایا جائے گا اور جتنا اس کے اندر دھوم دھڑکا ہو گا، اسی قدر اس میں برکت کم ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں خوش خبری سنا دی تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے، ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی قمیص کے اوپر زرد نشان اور رنگ لگا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قمیص پر یہ زرد نشان کیسا لگا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے۔ اور نکاح کے وقت ایک خوشبو لگائی تھی۔ اور یہ خوشبو کا نشان ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بارك الله لك وعليك اولم ولو بشاة

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب " فاذا قضيت الصلاة فانتشروا " حدیث نمبر ۲۰۴۸)

اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت عطا فرمائیں ولیمہ کر لو چاہے وہ ایک بکری سے کیوں نہ ہو۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابی ہیں، لیکن نکاح کی تقریب میں صرف یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا نہیں، بلکہ ذکر تک نہیں کیا۔ اور پھر جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ کے بارے میں پوچھا تو اس کے جواب کے ضمن میں نکاح کی اطلاع دی۔ اور نکاح کی خبر سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت نہیں کی کہ تم اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے۔ ہمیں بلایا تک نہیں ...... اس لئے کہ شریعت نے نکاح کی تقریب پر سرے سے کوئی شرط اور قید عائد نہیں کی۔

آج نکاح کو مشکل بنا دیا گیا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات، حدیث نمبر ۵۰۷۹) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی صحابہ میں سے تھے۔ اور ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہتے تھے، لیکن نکاح میں شرکت کی دعوت نہیں دی۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا نام رواج تھا کہ نکاح کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا تھا یہ نہیں تھا کہ نکاح ہو رہا ہے تو ایک طوفان برپا ہے۔ مہینوں سے اس کی تیاریاں

ہو رہی ہیں ۔ اور پورے خاندان میں اس کی دھوم ہے اس کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ شریعت نے نکاح کو جتنا آسان کیا تھا، ہم نے اس کو اپنی غلط رسموں کے ذریعہ اتنا ہی مشکل بنا دیا، اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ لڑکیاں بغیر نکاح کے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ وہ اس لئے گھروں میں بیٹھی ہیں کہ جہیز مہیا کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ یا عالی شان تقریب کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ اب ان کاموں کے لئے پیسے جمع کرنے کے لئے حلال و حرام ایک ہو رہا ہے۔ یہ سب رسومات ہم نے ہندوؤں سے اور عیسائیوں سے لے لی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کا جو طریقہ ہمارے لئے فرمایا تھا کہ وہ ہم نے چھوڑ دیا اور آج اس کا نتیجہ ہے کہ حلال کے راستے بند ہیں، حلال طریقے سے خواہش پوری کرنے کے لئے بہت مال و دولت والا ہونا ضروری ہے لاکھوں روپیہ ہو۔ تب جاکر نکاح کر سکے گا۔ ورنہ نہیں، اور دوسری طرف حرام کے ذرائع چاروں طرف چوپٹ کھلے ہیں۔ جب چاہے، جس طرح چاہے پوری کر لے ...... دن رات گھر میں ٹی وی چل رہا ہے، فلمیں آرہی ہیں، اور اس کے ذریعہ نفسانی اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے۔ ان کو بھڑکایا جا رہا ہے، اگر بازار میں نکلو تو آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔ اور اس کے نتیجے میں فحاشی، عریانی، بے غیرتی اور بے حیائی۔ اور بے پردگی کی لعنت مسلط ہو رہی ہیں۔ لہذا ان رسومات نے ہمارے معاشرے کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے۔

جہیز موجودہ معاشرے کی ایک لعنت

اس معاملے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو کھاتے پیتے، امیر اور دولت مند گھرانے کہلاتے ہیں۔ اس عذاب سے نجات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کھاتے پیتے اور امیر کہلانے والے لوگ اس بات کا اقدام نہ کریں کہ ہم اپنے خاندان میں شادیاں اور نکاح سادگی کے ساتھ کریں گے، اور ان غلط رسموں کو ختم کریں گے، اس وقت تک تبدیلی نہیں آئے گی، اس لئے کہ ایک غریب آدمی تو یہ سوچتا ہے کہ مجھے اپنی سفید پوشی برقرار رکھتے ہوئے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے مجھے یہ کام کرنا ہی ہے۔ اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہو گا، اگر لڑکی کو جہیز نہیں دیں گے تو

سسرال والے طعنے دیا کریں گے کہ کیا لیکر آئی تھی...... آج جہیز کو شادی کا ایک لازمی حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گھر گرہستی کا سامان مہیا کرنا جو شوہر کے ذمے واجب تھا۔ وہ آج بیوی کے باپ کے ذمے واجب ہے، گویا کہ وہ باپ اپنی بیٹی اور اپنے جگر کا ٹکڑا بھی شوہر کو دے، اور اس کے ساتھ لاکھوں روپیہ بھی دے، گھر کا فرنیچر مہیا کرے اور اس طرح وہ دوسرے کا گھر آباد کرے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ٹھیک ہے اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو وہ سادگی کے ساتھ دے دے، بہرحال جو متمول اور کھاتے پیتے گھرانے کہلاتے ہیں۔ ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ جب تک اس سادگی کو نہیں اپنائیں گے اور اس کو ایک تحریک کی شکل میں نہیں چلائیں گے اس وقت تک اس عذاب سے نجات ملنی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ آمین

عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها"

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث نمبر ۱۱۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میرے لئے کسی کو یہ حکم دینا جائز ہوتا کہ ایک شخص دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں، لہٰذا میں یہ سجدہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ لیکن اگر اس دنیا میں کسی انسان کے لئے دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

یہ دو دلوں کا تعلق ہے

زندگی کے سفر میں جہاں مرد و عورت ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس میں اللہ

تعالیٰ نے مرد کو "امیر" اور "نگران" بنایا ہے۔ اس "امارت" کے علاوہ اور جتنی امارتیں ہیں وہ سب وقتی اور عارضی ہیں۔ آج ایک آدمی امیر اور حاکم بن گیا۔ یا ملک کا بادشاہ بنا دیا گیا لیکن اس کی حاکمیت اور بادشاہت اور امارت ایک مخصوص وقت تک کے لئے ہے۔ کل تک حاکم اور امیر بنا ہوا تھا، اور آج وہ جیل خانے میں ہے، کل تک بادشاہ بنا ہوا تھا۔ اور آج دو کوڑی کے لئے پوچھنے کو تیار نہیں، لہٰذا یہ امارتیں اور حکومتیں آنی جانی چیزیں ہیں۔ آج ہے، کل نہیں۔ لیکن میاں بیوی کا تعلق یہ زندگی بھر کا تعلق ہے۔ دم دم کا ساتھ ہے، ایک ایک لمحے کی رفاقت ہے، لہٰذا اس تعلق کے نتیجے میں مرد کو جو امارت حاصل ہوتی ہے، وہ مرتے دم تک برقرار رہتی ہے یا جب تک نکاح کا رشتہ برقرار ہے۔ اس لئے یہ "امارت" عام امارتوں سے مختلف ہے۔ دوسری امارتوں میں حاکم کا محکوم کے ساتھ، امیر کا رعیت کے ساتھ صرف ایک ضابطے کا دستوری اور قانونی تعلق ہوتا ہے، لیکن میاں بیوی کا تعلق محض ضابطے، قانون اور محض خانہ پری کا تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دلوں کا جوڑ ہے، یہ دلوں کا تعلق ہے، جس کے اثرات ساری زندگی پر محیط ہیں۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، کیونکہ وہ اس کی زندگی بھر کے سفر کا امیر ہے۔

سب سے زیادہ قابل محبت ہستی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں، جب شوہر سے خطاب تھا اس وقت ساری باتیں عورت کے حقوق کے بارے میں بیان کی جا رہی تھیں کہ عورت کے یہ حقوق ہیں، عورت کے یہ حقوق ہیں۔ اب جب عورت سے خطاب ہو رہا ہے تو عورت کو اس کے فرائض کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بعد تمہارے لئے سب سے زیادہ قابل احترام اور سب سے زیادہ قابل محبت ہستی اس روئے زمین پر تمہارا شوہر ہے۔ جب تک یہ بات نہیں سمجھوگی، شوہر کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کر پاؤگی۔ البتہ اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم سب پر مقدم ہے، جب اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم آجائے تو پھر

نہ باپ کی اطاعت، نہ ماں کی اطاعت، اور نہ شوہر کی اطاعت، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کے بعد شوہر کا درجہ ہے۔ اس کو خوش کرنے کی فکر کرو، اس کے حقوق ادا کرنے کی فکر کرو، اس کی اطاعت کی فکر کرو۔

جدید تہذیب کی ہر چیز الٹی

آج ہمارے دور میں ہر چیز کے اندر الٹی گنگا بہنے لگی ہے، حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کی تہذیب میں ہر چیز الٹی ہو گئی ہے، یہاں تک کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوا کرتا تھا۔ اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے اور اس درجہ الٹی ہو گئی ہے کہ گھر کا کام کاج اگرچہ شرعاً عورت کے ذمے واجب نہ ہو لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ضرور ہے، اس لئے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھیں۔ اور دوسری طرف عورت کو شوہر کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا کہ ان کی اطاعت کرو۔ اب اگر ایک عورت گھر کا کام کاج کرتی ہے اور اپنے شوہر اور بچوں کے لئے کھانا پکاتی ہے تو اس پر اس کے لئے اعلیٰ ترین اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ لیکن آج کی الٹی تہذیب کا فیصلہ یہ ہے کہ عورت کا گھر میں بیٹھنا اور گھر کا کام کاج تو رجعت پسندی، دقیانوسیت اور پرانا طریقہ ہے، اور یہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کرنا ہے، لیکن اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر چار سو آدمیوں کو کھانا کھلائے، اور ان کے سامنے ٹرے سجا کر لے جائے، اور چار سو آدمیوں کی ہولناک نگاہوں کا نشانہ بنے، ایک شخص اس سے کوئی خدمت لے رہا ہے، دوسرا شخص اس سے کوئی خدمت لے رہا ہے، اور بعض اوقات بلا وجہ خدمت لیتے ہیں، کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی، کسی نے بیل بجا کر اس کو بلایا، اور اسی سے کہا کہ یہ تکیہ اٹھا کر دے دو، اس خدمت کا نام آج کی جدید تہذیب میں آزادی ہے اور اگر وہی عورت گھر میں اپنے شوہر اپنے بچوں اور اپنے بہن بھائیوں کے لئے یہ خدمت انجام دے تو اس کا نام "دقیانوسیت" ہے اور یہ ترقی کے خلاف ہے،

اگر وہی عورت ہوٹل میں "ویٹرس" بنی ہوئی ہے، اور دن رات لوگوں کی خدمت انجام دے رہی ہے، کھانا کھلا رہی ہے، تو وہ "آزادی نسواں" کا ایک حصہ ہے، یا وہ کسی کی سیکریٹری بن جائے۔ یا وہ عورت کسی کی اسٹینو گرافر بن جائے۔ یہ تو آزادی

ہے اور اگر یہی عورت کام گھر میں رہ کر اپنے شوہر اپنے بچوں اور ماں باپ کے لئے یہ کام کرے تو اس کو "دقیانوسیت" کا نام دے دیا گیا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

عورت کی ذمہ داری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ عورت کے ذمے دنیا کے کسی فرد کی خدمت واجب نہیں، نہ اس کے ذمے کوئی ذمہ داری ہے اور نہ اس کے کاندھوں پر کسی کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، تم ہر بوجھ اور ہر ذمہ داری سے آزاد ہو۔ لیکن صرف ایک بات ہے کہ تم اپنے گھر میں قرار سے رہو۔ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو، اور اپنے بچوں کی تربیت کرو، یہ تمہارا فریضہ ہے اور اس کے ذریعہ تم قوم کی تعمیر کر رہی ہو۔ اور اس کی معمار بن رہی ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں عزت کا یہ مقام دیا تھا۔ اب تم میں سے جو چاہے اس عزت کے مقام کو اختیار کرے، اور جو چاہے ذلت کے مقام کو اختیار کرے۔ جو آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

وہ عورت سیدھی جنت میں جائیگی

"وعن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أیما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة"

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة حدیث نمبر ۱۱۶۱)

حضرت ام سلمة رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ سیدھی جنت میں جائے گی۔

وہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان ہے

"عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تؤذی امرأۃ زوجها فی الدنیا الا قالت زوجتہ من الحور العین لا تؤذیہ قاتلک اللہ! فانما ھو عندک دخیل یوشک أن یفارقک الینا"

(ترمذی، کتاب الرضاع، باب نمبر ۱۹ حدیث نمبر ۱۱۷۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کبھی کوئی بیوی اپنے شوہر کو کوئی تکلیف پہنچاتی ہے۔ (اس لئے کہ بسا اوقات عورت کی طبیعت سلامتی کی حامل نہیں ہوتی۔ اور اس کی طبیعت میں فساد اور بگاڑ ہوتا ہے۔ اور اس فساد اور بگاڑ کے نتیجے میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچارہی ہے) تو اس کے شوہر کی جو بیویاں اللہ تبارک و تعالٰی نے جنت میں حوروں کی شکل میں اس کے لئے مقدر فرمائی ہیں، وہ حوریں جنت سے اس دنیاوی بیوی سے خطاب کر کے کہتی ہیں کہ:

"تو اس کو تکلیف مت پہنچا اس لئے کہ یہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان ہے، اور قریب ہے کہ وہ تم سے جدا ہو کر ہمارے پاس آجائے"

یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فساد طبیعت رکھنے والی بیوی کو متوجہ کر کے فرمارہے ہیں کہ تم جو اپنے شوہر کو جو تکلیف پہنچارہی ہو۔ اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس لئے کہ دنیا میں تو اس کو جو چاہو گی تکلیف پہنچادو گی۔ لیکن آخرت میں اللہ تبارک و تعالٰی اس کا رشتہ ایسی "حور عین" کے ساتھ قائم فرمائیں گے، جو ان شوہروں سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ ان کے دل کو ابھی سے اس بات کی تکلیف ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہمارے شوہر کے ساتھ یہ کیسا تکلیف پہنچانے والا معاملہ کیا جارہا ہے۔

مردوں کے لئے شدید ترین آزمائش

"وعن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال ماترکت بعدی فتنة هی أضر علی الرجال من النساء " ۱

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایتقی من شوم المرأة حدیث نمبر ۵۰۹۶)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو بنسبت عورتوں کے فتنے کے، عورتوں کا فتنہ اس دنیا میں مردوں کے لئے شدید ترین فتنہ ہے، اس حدیث کی اگر تشریح لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے کہ یہ عورتیں مردوں کے لئے کس کس طریقے سے فتنہ ہیں۔

عورت کس طرح آزمائش ہے؟

فتنہ کے معنی ہیں "آزمائش" اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس دنیا میں مردوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ عورت کس کس طریقے سے آزمائش ہے؟ ایک مختصر مجلس میں اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ یہ عورت اس طریقے سے بھی آزمائش ہے جس طریقے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی۔ یعنی مرد کی طبیعت میں عورت کی طرف کشش کا ایک میلان رکھ دیا گیا۔ اب اس کے حلال راستے بھی بیان کر دیئے، اور حرام راستے بھی بیان کر دیئے۔ اب آزمائش اس طرح ہے کہ یہ مرد حلال کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یا حرام کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یہ مرد کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہے۔

اس کے ذریعہ دوسری آزمائش اس طرح ہے کہ یہ بیوی جو اس کے لئے حلال ہے۔ اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ویسا سلوک کرتا ہے یا اس کی حق تلفی کرتا ہے۔

تیسری آزمائش یہ ہے کہ یہ شخص بیوی کی محبت اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ایسا غلو اور انہماک تو نہیں کرتا کہ اس کے مقابلے میں دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے، یہ تو اس نے سن لیا کہ بیوی کو خوش کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔ لیکن اب حرام اور ناجائز کاموں میں بھی اس کی دلجوئی کر رہا ہے۔ اور اس کی صحیح

دینی تربیت نہیں کر رہا ہے۔ اس طرح بھی یہ آزمائش ہے۔ اس لئے کہ مرد کو دونوں طرف خیال رکھنا ہے۔ ایک طرف محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ بیوی پر روک ٹوک نہ کرے، اور دوسری طرف دین کا تقاضہ یہ ہے خلاف شرع کاموں پر روک ٹوک کرے۔ غرض آزمائشوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انسان ان تمام آزمائشوں سے سرخ روئی کے ساتھ اس طرح نکل سکتا ہے کہ اس کے حقوق بھی ادا کرے۔ اس کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھے۔ اس کے نفع و نقصان کا بھی خیال رکھے، اور حرام کی طرف بھی متوجہ نہ ہو، ان تمام باتوں کا خیال کرنا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص توفیق ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے۔ جو آپ کی ماثور دعاؤں میں سے ہے کہ:

اللھم انی اعوذ بك من فتنة النساء

اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں عورتوں کے فتنے سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اس آزمائش میں کھرا اترنا اور سرخ رو ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے رہنا چاہئے کہ اے اللہ! مجھے اس آزمائش میں پورا اتار دیجئے، اور بہکنے اور پھسلنے سے اور غلطی کا مرتکب ہونے سے بچا لیجئے، اس لئے اس ماثور دعا کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لینا چاہئے۔

ہر شخص نگہبان ہے

وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم

قال: کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیته ۞

(صحیح بخاری کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث نمبر ۸۹۳)

یہ بڑی عجیب و غریب حدیث ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص اس حدیث کا مخاطب ہے، چنانچہ فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے۔ اور ہر شخص سے اس کے زیر نگہبان اشیاء اور افراد کے بارے میں سوال ہوگا، یعنی جن چیزوں کی نگہبانی اس کے سپرد کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا، "راعی" کے اصل معنی ہوتے ہیں "نگہبان" اور چرواہے کو بھی "راعی" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ

بکریوں کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور "راعی" کے معنی "حاکم" کے بھی ہوتے ہیں، اور حاکم کے جو ماتحت ہوتے ہیں۔ ان کو "رعیت" کہا جاتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص "راعی" ہے۔ اور ہر شخص سے اس کی "رعیت" کے بارے میں سوال ہوگا۔ کہ ان کی نگہبانی تم نے کس طرح کی؟

"امیر" رعایا کا نگہبان ہے

"والامیر راع"

ہر امیر اپنے زیر نگہبانی افراد کا "راعی" اور "نگہبان" ہے۔ اور اس سے سوال ہوگا کہ تم نے ان کی کیسی نگہبانی کی "امیر" کے بارے میں اسلام کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ امارت کا تاج سر پر لگا کر لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ جائے، بلکہ امیر کا تصور یہ ہے کہ وہ راعی ہے۔ اسی واسطے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے سوال ہوگا کہ اے عمر! تیری حکومت میں ایک کتا بھوکا مر گیا۔

"خلافت" ذمہ داری کا ایک بوجھ

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت سے پہلے زخمی ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے کسی کو نامزد کر دیں۔ اور اس وقت لوگوں نے آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا کہ ان کو خلافت کے لئے نامزد فرما دیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بلا شبہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے علم فضل، تقوی، اخلاص کسی چیز میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ جب لوگوں نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے ان کے بیٹے کا نام لیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: تم میرے بعد ایسے شخص کو مجھ سے خلیفہ نامزد کرانا چاہتے ہو جس کو اپنی بیوی کو طلاق دینا بھی نہیں آتا۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ اپنی اہلیہ کو ایسی حالت میں طلاق دے دی تھی، جب ان کی اہلیہ ماہواری کی حالت میں تھیں، اور ماہواری کی حالت میں طلاق دینا ناجائز ہے۔ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ اس لئے طلاق دے دی۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔ اس واقعہ کی طرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ تم مجھ سے ایسے شخص کو خلیفہ بنوانا چاہتے ہو۔ جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔ میں اس کو کیسے خلیفہ بنا دوں؟

لوگوں نے پھر اصرار کیا اور کہا حضرت! وہ قصہ آیا گیا ہو گیا۔ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایسا کر لیا تھا۔ اس واقعہ کی وجہ سے وہ خلافت کی اہلیت سے تو نہیں نکلے، بلکہ وہ اس کے اہل ہیں، آپ ان کو بنا دیں۔ اس کے جواب میں جو جملہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ خلافت کا پھندا خطاب کی اولاد میں سے ایک ہی شخص کے گلے میں پڑ گیا تو کافی ہے۔ اب میں اپنے خاندان میں سے کسی اور فرد کے گلے میں یہ پھندا ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس لئے یہ امارت اور خلافت در حقیقت ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر حساب کتاب دوں۔ تو اگر برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو بہت غنیمت سمجھوں گا۔

یہ ہے امیر کا تصور، اور اس کے راعی ہونے کا تصور، کہ اس نے اس امارت کے حق کو کیسے ادا کیا۔ آگے فرمایا کہ:

مرد، بیوی بچوں کا نگہبان ہے

والرجل راع علی أهل بيته

یعنی مرد اپنے گھر والوں کا راعی اور نگہبان ہے۔ گھر والوں میں بیوی اور بچے جو اس کے ماتحت ہیں جس فیملی کا وہ سربراہ ہے، وہ سب آ گئے۔ ہر مرد سے اس کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس گھرانے کو تمہارے زیر انتظام دیا گیا تھا۔ بیوی بچے تھے۔ ان کے

ساتھ تمہارا کس طرح معاملہ رہا؟۔ اور ان کی کیسی نگہبانی کی؟ ان کے حقوق کیسے ادا کئے؟ اور کیا تم نے اس بات کی نگہبانی کی کہ وہ دین پر چل رہے ہیں یا نہیں؟ کہیں وہ جہنم کی طرف تو نہیں جارہے ہیں؟ یہ کام تم نے کیا یا نہیں؟ اس کام کا خیال تمہارے دل میں آیا یا نہیں؟ قیامت کے روز مرد سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

(سورۃ التحریم:۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، ایسا کرنا درست نہیں کہ خود تو آگ سے بچ کر بیٹھ گئے، خود تو نماز بھی پڑھ رہے ہیں، اور روزہ بھی رکھ رہے ہیں۔ فرائض، واجبات اور نوافل و تسبیحات، سب ادا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اولاد غلط راستے پر جارہی ہے، اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس کا کوئی خیال نہیں، تو پھر یاد رکھو قیامت کے روز تم سوال سے بچ نہیں سکو گے تم سے بھی سوال ہوگا، اور اس کا عذاب بھی ہوگا کہ تم نے اپنا فریضہ کیوں انجام نہیں دیا تھا؟ اس لئے فرمایا کہ مرد اپنے گھر والوں کے لئے "راعی" ہے۔ آگے فرمایا:

"عورت" شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے

والمرأة راعية على بيت زوجها وولده

اور عورت اپنے شوہر کے گھر پر اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے، گویا عورت کو دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں: ایک شوہر کا گھر، دوسرے اس کی اولاد، یعنی گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کا انتظام صحیح رکھے۔ گھر کے معاملات کی دیکھ بھال صحیح کرے، اور دوسرے اولاد کی دیکھ بھال صحیح کرے۔ دنیوی دیکھ بھال بھی، اور دینی دیکھ بھال بھی، یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ اور اس حدیث میں ہر ایک فرائض بیان کر دیئے گئے ہیں۔

خواتین حضرت فاطمہ کی سنت اختیار کریں

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جنت کی خواتین کی سردار، نکاح کے بعد

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں، تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے آپس میں یہ بات طے کرلیا کہ حضرت علی گھر کے باہر کے کام کریں گے، اور حضرت فاطمہ گھر کے اندر کے کام کریں گی، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی محنت سے گھر کے کام انجام دیتی تھیں۔ اور بڑے شوق و ذوق سے کرتی تھیں، اور اپنے شوہر کی خدمت کرتی تھیں۔ لیکن محنت کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا۔ وہ زمانہ آجکل کے زمانے کی طرح تو تھا نہیں آجکل تو بجلی کا سوئچ آن کر دیا۔ اور کھانا تیار ہو گیا۔ بلکہ کھانا تیار کرنے کے لئے چکی کے ذریعہ آٹا پیستیں، تندور کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لاتیں۔ اور تندور سلگاتیں۔ اور پھر روٹی پکاتیں۔ ایک لمبا چوڑا عمل تھا، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑے شوق و ذوق سے یہ مشقت اٹھاتیں تھیں۔ لیکن جب غزوہ خیبر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مال غنیمت آیا، اس مال غنیمت میں غلام اور باندیاں بھی تھیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں ان کو تقسیم کرنا شروع کیا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے کہا کہ آپ بھی جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ ایک کنیز اور باندی آپ کو بھی دے دیں۔

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حاضر ہوئیں۔ اور ان سے کہا کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں۔ اس وقت چونکہ مال غنیمت میں اتنے سارے غلام اور باندیاں آئی ہیں، کوئی غلام یا باندی اگر مجھے مل جائے تو میں اس مشقت سے نجات پالوں، یہ کہہ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس اپنے گھر آگئیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ تشریف لائیں تھیں۔ اور یہ فرما رہی تھی، آخر باپ تھے، اور جب ایک باپ کے سامنے چہیتی بیٹی یہ جملہ کہے کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں۔ اور پانی کی مشک اٹھانے سے سینے پر نیل کے نشان آگئے ہیں۔ آپ

اندازہ لگائیں کہ اس وقت باپ کے جذبات کا کیا عالم ہو گا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر بلایا، اور فرمایا: فاطمہ! تم نے مجھ سے باندی یا غلام کی درخواست کی ہے۔ لیکن جب تک سارے اہل مدینہ کو غلام اور باندی میسر نہ آجائیں، اس وقت تک میں محمد کی بیٹی کو غلام اور باندی دینا پسند نہیں کرتا۔

خواتین کے لئے نسخہ کیمیا "تسبیح فاطمی"

البتہ میں تمہیں ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں جو تمہارے لئے غلام اور باندی سے بہتر ہو گا، وہ نسخہ یہ ہے کہ جب تم رات کے وقت بستر پر لیٹنے لگو تو اس وقت ۳۳ مرتبہ "سبحان اللہ" ۳۳ مرتبہ "الحمد للہ" اور ۳۴ مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے غلام اور باندی سے زیادہ بہتر ہو گا۔ بیٹی بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی۔ پلٹ کر کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی پر مطمئن ہو گئیں۔ اور واپس تشریف لے گئیں۔ اسی وجہ سے اس تسبیح کو "تسبیح فاطمی" کہا جاتا ہے۔ (جامع الاصول ج ۶ ص ۱۰۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو "خواتین کے لئے ایک مثال بنا دیا کہ

بیوی ایسی ہو قانونی اختیار سے خواہ کچھ بھی حق ہو۔ لیکن سنت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے۔ اور اس نگہبان ہونے کی وجہ سے وہ اس کے کاموں کو اپنا کام سمجھ کر انجام دے رہی ہے۔

اولاد کی تربیت ماں کے ذمہ ہے

اور وہ عورت صرف گھر کی نگہبان نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اولاد کی بھی نگہبان ہے۔ اولاد کی پرورش، اولاد کی خدمت، اولاد کی تربیت اور اس کی تعلیم کی ذمہ داری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر ڈالی ہے۔ اگر اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہو رہی ہے۔ ان کے اندر اسلامی آداب نہیں آرہے ہیں۔ تو اس کے بارے میں پہلے عورت سے سوال ہو گا اور بعد میں مرد سے ہو گا۔ اس لئے کہ ان چیزوں کی پہلی ذمہ داری

عورت کی ہے۔ لہٰذا عورت سے سوال ہوگا کہ تمہاری گود میں پلنے والے بچوں میں دین وایمان کیوں پیدا نہیں ہوا؟ ان کے دلوں میں اسلامی آداب کیوں پیدا نہیں ہوئے؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کے بارے میں سوال ہوگا۔ آگے پھر دوبارہ وہی جملہ دھرا دیا کہ:

وکلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ

کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی زیر رعایت چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان فرائض کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حج اور قربانی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹

خطاب : شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن

تاریخ و وقت : ۵؍ جون ۱۹۹۲ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر۔

مقام : برمکان عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ

کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

قربانی، حج اور عشرہ ذی الحجہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ. (سورۃ الفجر: ۱-۵)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

یہ مقام ایک مینارہ نور تھا

آج ایک عرصہ دراز کے بعد ایک اجتماع کی صورت میں یہاں (حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ کے مکان پر) حاضری کی سعادت مل رہی ہے۔ یہاں بیٹھتے ہوئے کچھ لب کشائی، ایک صبر آزما جسارت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مقام پر ہم سب لوگ ایک مستفیض، اور سامع کی حیثیت سے آیا کرتے تھے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مقام کو ہمارے لئے ایک مینارہ نور بنایا تھا۔ جہاں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے دین کے حقائق و معارف حضرت والا قدس اللہ سرہ کے زبانی سننے اور سمجھنے کا موقع ملتا تھا۔ اس مقام پر جہاں ایک سامع اور مستفیض کی حیثیت سے میری حاضری ہوتی تھی۔ وہاں کسی واعظ اور مقرر کی حیثیت سے لب کشائی صبر آزما معلوم ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ ہی کا فیض ہے۔ اور جو بات دل میں آئے، یا زبان پر آئے یہ سب ان کی عنایت، شفقت کا نتیجہ ہے اور ان کا بے پایاں کرم تھا کہ ہم جیسے لوگوں کو ہماری طلب کے انتظار اور استحقاق کے بغیر بار بار وہ باتیں سنا گئے۔ اور کانوں میں ڈال گئے۔ اور دل میں بٹھا گئے۔ جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک محفوظ رہیں گی۔ اس لئے اپنے برادر مکرم جناب محترم بھائی حسن عباس صاحب دامت برکاتہم کے حکم کی تعمیل میں یہ صبر آزما فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ وہ ہمیشہ یہاں آکر مہینے کے پہلے جمعہ میں بیان فرماتے ہیں، وہ ماشاء اللہ اس کے اہل بھی ہیں۔ بھائی حسن عباس صاحب نے فرمایا کہ ان کے حج پر جانے کی صورت میں آج تم کچھ باتیں بیان کر دو۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں یہ گزارشات پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص کے ساتھ بیان کرنے اور اخلاص کے ساتھ سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبادات میں ترتیب

ذی الحجہ کے یہ دس دن جو کیم ذی الحجہ سے ۱۰/ الحجہ تک ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ان کو ایک عجیب خصوصیت اور فضیلت بخشی ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ فضیلت کا یہ سلسلہ رمضان المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادتوں کے درمیان عجیب و غریب ترتیب رکھی ہے۔ کہ سب سے پہلے رمضان لائے اور اس میں روزے فرض فرما دیئے، اور پھر رمضان المبارک ختم ہونے پر فوراً اگلے دن سے حج کی عبادت کی تمہید شروع ہو گئی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج کے تین مہینے ہیں، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجۃ۔ اگرچہ حج کے مخصوص ارکان تو ذی الحجہ ہی میں ادا ہوتے ہیں۔ لیکن حج کے لئے احرام باندھنا شوال سے جائز اور مستحب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے۔ تو اس کے لئے شوال کی پہلی تاریخ سے حج کا احرام باندھ کر نکلنا جائز ہے، اس تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ پہلے زمانے میں حج پر جانے کے لئے کافی وقت لگتا تھا۔ اور بعض اوقات دو دو تین تین مہینے وہاں پہنچنے میں لگ جاتے تھے۔ اس لئے شوال کا مہینہ آتے ہی لوگ سفر کی تیاری شروع کر دیتے تھے۔ گویا کہ روزے کی عبادت ختم ہوتے ہی حج کی عبادت شروع ہو گئی، اور پھر حج کی عبادت اس پہلے عشرہ میں انجام پا جاتی ہے۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن جو "وقوف عرفہ" ہے (جو انشاء اللہ آج ہو رہا ہو گا) ۹ ذی الحج کو انجام پا جاتا ہے۔

"قربانی" شکر کا نذرانہ ہے

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے پورے کرنے کی اور حج کے ارکان پورے کرنے کی توفیق عطا فرما دی اور یہ دو عظیم الشان عبادتیں تکمیل کو پہنچ گئیں۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ضروری دیا کہ مسلمان ان عبادتوں کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کریں۔ جس کا نام "قربانی" ہے۔ لہٰذا ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے ہمیں یہ دو عظیم عبادتیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عید الفطر کو اس وقت رکھا جب روزے کی عبادت کی تکمیل ہو رہی تھی۔ اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رکھا جب حج کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ لیکن اس میں حکم یہ دیا کہ

عیدالفطر میں خوشی کا آغاز صدقۃ الفطر سے کرو۔ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر خوشی کا آغاز اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کر کے کرو۔

دس راتوں کی قسم

چونکہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اور عشرہ ذی الحجہ کا آغاز ہے۔ اس لئے خیال ہوا کہ کچھ باتیں اس عشرہ ذی الحجہ کے متعلق عرض کر دی جائیں۔ یہ عشرہ جو یکم ذی الحجہ سے شروع ہوا، اور دس ذی الحجہ پر جس کی انتہا ہوگی، یہ سال کے بارہ مہینوں میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور پارہ عم میں یہ جو سورۃ فجر کی ابتدائی آیات ہیں: "وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ" اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا اس چیز کی عزت اور حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ فجر میں جن راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ اس سے ان دس راتوں کی عزت، عظمت اور حرمت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دس ایام کی فضیلت

اور خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد میں واضح طور پر ان دس ایام کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کے اعمال کسی دوسرے دن میں اتنے محبوب نہیں ہیں جتنے ان دس دنوں میں محبوب ہیں۔ خواہ وہ عبادت نفلی نماز ہو۔ ذکر یا تسبیح ہو، یا صدقہ خیرات ہو (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق، حدیث نمبر ۹۶۹) اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی ایک روزے کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اور فرمایا ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک

رات میں عبادت کی توفیق ہو گئی تو گویا اس کو لیلۃ القدر میں عبادت کی توفیق ہو گئی، اس عشرہ ذی الحجۃ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔
(سنن ترمذی، کتاب الصوم باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر، حدیث نمبر ۷۵۸)

ان ایام کی دو خاص عبادتیں

اور ان ایام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہو گی کہ وہ عبادتیں جو سال بھر کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتیں۔ ان کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے کو منتخب فرمایا ہے۔ مثلاً حج ایک ایسی عبادت ہے جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں انجام نہیں دی جاسکتی۔ دوسری عبادتوں کا یہ حال ہے کہ انسان فرائض کے علاوہ جب چاہے نفلی عبادت کر سکتا ہے۔ مثلاً نماز پانچ وقت کی فرض ہے۔ لیکن ان کے علاوہ جب چاہے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رمضان میں روزہ فرض ہے۔ لیکن نفلی روزہ جب چاہے رکھیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ لیکن نفلی صدقہ جب چاہے ادا کر دے۔ لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرما دیا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اگر ان عبادتوں کو کیا جائے گا تو وہ عبادت ہی نہیں شمار ہو گی۔ ان میں سے ایک عبادت حج ہے۔ حج کے ارکان مثلاً عرفات میں جا کر ٹھیرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا۔ جمرات کی رمی کرنا وغیرہ یہ ارکان و اعمال ایسے ہیں کہ اگر انہی ایام میں انجام دیا جائے تو عبادت ہے اور دنوں میں اگر کوئی شخص عرفات میں دس دن ٹھیرے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ جمرات سال بھر کے بارہ مہینے تک منیٰ میں کھڑے ہیں۔ لیکن دوسرے ایام میں کوئی شخص جا کر ان کو کنکریاں مار دے تو یہ کوئی عبادت نہیں۔ تو حج جیسی اہم عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایام کو مقرر فرما دیا کہ اگر بیت اللہ کا حج ان ایام میں انجام دو گے تو عبادت ہو گی۔ اور اس پر ثواب ملے گا۔

دوسری عبادت قربانی ہے۔ قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کے تین دن یعنی دس گیارہ اور بارہ تاریخ مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان ایام کے علاوہ اگر کوئی شخص قربانی کی عبادت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص صدقہ کرنا چاہے تو بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کر سکتا ہے، لیکن یہ قربانی کی عبادت ان تین دنوں کے سوا کسی

اور دن میں انجام نہیں پا سکتی۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس زمانے کو یہ امتیاز بخشا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے ایام عشرہ ذی الحجہ کے ایام ہیں، ان میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان ایام میں اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ لیکن کچھ اور اعمال خاص طور پر ان ایام میں مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم

ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی جو حکم سب سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک عجیب و غریب حکم ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کو قربانی کرنی ہو تو جس وقت وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے اس کے بعد اس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا درست نہیں۔ چونکہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس واسطے اس عمل کو مستحب قرار دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے ناخن اور بال اس وقت تک نہ کاٹے جب تک قربانی نہ کر لے۔ (ابن ماجہ کتاب الاضاحی، باب من أراد أن یضحی فلا یأخذ فی العشر من شعرہ واظفارہ۔ حدیث نمبر ۳۱۸۷)

ان کے ساتھ تھوڑی سے شباہت اختیار کر لو

بظاہر یہ حکم بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ چاند دیکھ کر بال اور ناخن کاٹنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے حج کی عظیم الشان عبادت مقرر فرمائی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد الحمد للہ اس وقت اس عبادت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے۔ اس وقت وہاں یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک ایسا مقناطیس لگا ہوا ہے۔ جو چاروں طرف سے فرزندانِ توحید کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے ہر لمحے ہزاروں افراد اطراف عالم سے وہاں پہنچ رہے ہیں۔ اور بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حج بیت اللہ کی ادائیگی کی یہ سعادت بخشی ہے۔ ان حضرات کے لئے یہ حکم ہے کہ جب وہ بیت اللہ شریف کی طرف

جائیں تو وہ بیت اللہ کی وردی یعنی احرام پہن کر جائیں۔ اور پھر احرام کے اندر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کر دیں۔ مثلاً یہ کہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے۔ خوشبو نہیں لگا سکتے۔ منہ نہیں ڈھانپ سکتے۔ وغیرہ ان میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اور ان لوگوں پر جو بیت اللہ کے پاس حاضر نہیں ہیں۔ اور حج بیت اللہ کی عبادت میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کو متوجہ فرمانے اور ان کی رحمت کا مورد بنانے کے لئے یہ فرمایا کہ ان حجاج بیت اللہ کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت اختیار کر لو۔ تھوڑی سی ان کی شباہت اپنے اندر پیدا کر لو اور جس طرح وہ بال نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔ جس طرح وہ ناخن نہیں کاٹ رہے ہیں تم بھی مت کاٹو۔، یہ ان اللہ کے بندوں کے ساتھ شباہت پیدا کر دی جو اس وقت حج بیت اللہ کی عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

اور ہمارے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کر لو۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے۔ اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں، اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسا دے، تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرما دے۔ اور اس رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی انشاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

تھوڑے سے دھیان اور توجہ کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بناء پر محروم فرما دیں گے کہ ایک شخص کے پاس جانے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ کیا اس واسطے اس کو عرفات کی رحمتوں سے محروم فرما دیں گے کہ اس کو حالات نے جانے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس واسطے وہ نہیں جاسکا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس رحمت میں شامل فرمانا چاہتے ہیں۔ البتہ تھوڑی سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔ بس تھوڑی سے فکر اور توجہ کر لو کہ میں تھوڑی سے شباہت پیدا کر رہا ہوں، اور اپنی صورت تھوڑی سی اس جیسی بنا رہا ہوں۔ تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس رحمت میں شامل فرما دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یوم عرفہ کا روزہ

دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایام اتنی فضیلت والے ہیں کہ ان ایام میں ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک مسلمان جتنا بھی ان ایام میں نیک اعمال اور عبادات کر سکتا ہے وہ ضرور کرے۔ اور نو ذی الحجہ کا دن عرفہ کا دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لئے حج کا عظیم الشان رکن یعنی وقوف عرفہ تجویز فرمایا اور ہمارے لئے خاص اس نویں تاریخ کو نفلی روزہ مقرر فرمایا اور اس روزے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ اس کے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عرفۃ، حدیث نمبر ۱۷۳۰)

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بعض لوگ جو دین کا کما حقہ علم نہیں رکھتے تو اس قسم کی جو حدیثیں آتی ہیں کہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف ہو گئے اور ایک سال

آئندہ کے گناہ معاف ہو گئے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال پہلے کے گناہ تو معاف کر ہی دیئے اور ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف فرما دیئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے لئے چھٹی ہو گئی۔ جو چاہیں، کریں سب گناہ معاف ہیں، خوب سمجھ لیجئے جن جن اعمال کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ گناہوں کو معاف کرنے والے اعمال ہیں، مثلاً وضو کرنے میں ہر عضو کو دھوتے وقت اس عضو کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، نماز پڑھنے کے لئے جب انسان مسجد کی طرف چلتا ہے تو ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے، اس قسم کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں، اور جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بخش دیں وہ الگ بات ہے، لیکن قانون یہ ہے کہ جب تک توبہ نہیں کر لے گا، معاف نہیں ہوں گے۔ اور پھر توبہ سے بھی وہ گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے مثلاً کسی کا حق دبا لیا ہے۔ کسی کا حق مار لیا ہے کسی کی حق تلفی کر لی ہے اس کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کر دے یا اس سے معاف نہ کرا لے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ تمام فضیلت والی احادیث جن میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ وہ صغیرہ گناہوں کی معافی سے متعلق ہیں۔

تکبیر تشریق

ان ایام میں تیسرا عمل تکبیر تشریق ہے۔ جو عرفہ کے دن کی نماز فجر سے شروع ہو کر ۱۳ تاریخ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ اور یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ وہ تکبیر یہ ہے: "اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" مردوں کے لئے اسے متوسط بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳ ص ۱۷۱، شامی ج ۲ ص ۱۷۸)

گنگا الٹی بہنے لگی ہے

ہمارے یہاں ہر چیز میں ایسی الٹی گنگا بہنے لگی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا ہے کہ آہستہ آواز سے کہو ان چیزوں میں تو لوگ شور مچا کر بلند آواز سے پڑھتے ہیں مثلاً دعا کرنا ہے قرآن کریم میں دعا کے بارے میں فرمایا کہ:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً

(سورۃ الاعراف: ۵۵)

یعنی آہستہ اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارو اور آہستہ دعا کرو، چنانچہ عام اوقات میں بلند آواز سے دعا کرنے کے بجائے آہستہ آواز سے دعا کرنا افضل ہے (البتہ جہاں زور سے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہو وہاں اسی طرح مانگنا افضل ہے) اور اسی دعا کا ایک حصہ درود شریف بھی ہے۔ اس کو بھی آہستہ آواز سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اس میں تو لوگوں نے اپنی طرف سے شور مچانے کا طریقہ اختیار کر لیا اور جن چیزوں کے بارے میں شریعت نے کہا تھا کہ بلند آواز سے کہو مثلاً تکبیر تشریق۔ جو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے کہنی چاہئے، لیکن اس کے پڑھنے کے وقت آواز ہی نہیں نکلتی، اور آہستہ سے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

شوکت اسلام کا مظاہرہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تکبیر تشریق رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس سے شوکت اسلام کا مظاہرہ ہو اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد مسجد اس تکبیر سے گونج اٹھے، لہٰذا اس کو بلند آواز سے کہنا ضروری ہے۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے جارہے ہوں تو اس میں بھی مسنون یہ ہے کہ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتے جائیں۔ البتہ عید الفطر میں آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔

یہ تکبیر تشریق خواتین کے لئے بھی مشروع ہے اور اس میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ اور خواتین کو یہ تکبیر پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ مرد حضرات تو چونکہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جب سلام کے بعد تکبیر تشریق کہی جاتی ہے تو یاد آجاتا ہے اور وہ کہہ لیتے ہیں۔ لیکن خواتین میں اس کا رواج بہت کم ہے، اور عام طور پر خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ اگرچہ خواتین پر واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین پر واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے مردوں پر واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں بھی پانچ روز تک یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہیں البتہ مردوں پر تو بلند آواز سے کہنا واجب ہے اور خواتین کو آہستہ آواز سے کہنا چاہئیے اور لہٰذا خواتین کو بھی اس کی فکر کرنی چاہئے۔ اور خواتین کو یہ مسئلہ جاننا چاہئے اور چونکہ خواتین کو اس کا پڑھنا یاد نہیں رہتا۔ اس لئے میں [illegible] ہوں کہ خواتین گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں۔ وہاں یہ دعا لکھ کر لگائیں۔ تاکہ ان کو یہ تکبیر یاد آجائے۔ اور سلام کے بعد کہہ لیں

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۰ شامی ج ۲ ص ۱۷۹)

قربانی دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتی

اور پھر چوتھا اور سب سے افضل عمل جو اللہ تعالیٰ نے ایام ذی الحجہ میں مقرر فرمایا ہے وہ قربانی کا عمل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل سال کے دوسرے ایام میں انجام نہیں دیا جاسکتا صرف ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو انجام دیا جاسکتا ہے ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں آدمی چاہئے کتنے جانور ذبح کر لے لیکن قربانی نہیں ہوسکتی۔

دین کی حقیقت حکم کی اتباع

لہذا حج اور قربانی جو ان ایام کے بڑے اعمال ہیں۔ ان کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کس عمل میں، نہ کس وقت میں، ان چیزوں میں جو فضیلت آتی ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے آتی ہے، اگر ہم کہہ دیں کہ فلاں کام کرو۔ تو وہ اجر و ثواب کا کام بن جائے گا۔ اور اگر ہم اس کام سے روک دیں تو پھر اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔ "میدان عرفہ" کو لے لیجئے۔ ۹ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے ۳۵۹ دن وہاں گزار دیں، ذرہ برابر بھی عبادت کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالانکہ وہی میدان عرفات ہے۔ وہی جبل رحمت ہے، اس واسطے کہ ہم نے عام دونوں میں وہاں وقوف کرنے کے لئے نہیں کہا، جب ہم نے کہا کہ تو ذی الحجہ کو آؤ، تو اب نو ذی الحجہ کو آنا تو عبادت ہو گی۔ اور ہماری طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہو گے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ میدان عرفات میں کچھ رکھا ہے۔ اور نہ اس وقت میں کچھ رکھا ہے اور نہ اس عمل میں کچھ رکھا ہے، لیکن جب ہم کہہ دیں تو پھر عمل میں بھی فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جگہ میں بھی اور وقت میں فضیلت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب مسجد حرام سے کوچ کر جائیں

آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے، اور حج کے لئے جانے والے حضرات، ہر نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب ۸ ذی الحجہ کی تاریخ آتی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسجد حرام کو چھوڑو، اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب جو اب تک مل رہا تھا۔ اس کو ترک کرو، اور اب منیٰ میں جاکر پڑاؤ ڈالو، چنانچہ ۸ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر ۹ ذی الحجہ کی فجر تک کا وقت منیٰ میں گزارنے کا حکم دے دیا گیا۔ اور ذرا یہ دیکھئے کہ اس وقت میں حاجی کا منیٰ کے اندر کوئی کام ہے؟ کچھ نہیں، نہ اس میں جمرات کی رمی ہے۔ اور نہ اس میں وقوف ہے، اور نہ کوئی اور عمل ہے۔ بس صرف یہ ہے کہ پانچ نمازیں وہاں پڑھو، اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب

چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھو اس حکم کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کا جو ثواب ہے وہ ہمارے کہنے کی وجہ سے ہے اب جب ہم نے یہ کہہ دیا کہ جنگل میں جاکر نماز پڑھو تو جنگل میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ مسجد حرام میں بھی نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ منیٰ میں اس روز کوئی عمل تو کرنا نہیں ہے۔ چلو مکہ میں رہ کر یہ پانچ نمازیں مسجد حرام میں پڑھ لوں تو اس نماز سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو کجا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا۔ اور حج کے مناسک میں کمی کر دی۔

کسی عمل اور کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا

حج کی عبادت میں جگہ جگہ قدم قدم پر یہ بات نظر آتی ہے ان بتوں کو توڑا گیا ہے جو انسان بعض اوقات اپنے سینوں میں بسالیتا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی ذات میں کسی عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ کسی مقام میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے جب ہم کسی چیز کا حکم دیں تو اس میں برکت اور اجر و ثواب ہے۔ اور جب ہم کہیں کہ یہ کام نہ کرو کہ اس وقت نہ کرنے میں اجر ثواب ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دیوانگی ہے

حج کی پوری عبادت میں یہی فلسفہ نظر آتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ایک پتھر منیٰ میں کھڑا ہے، اور لاکھوں افراد اس پتھر کو کنکریاں مار رہے ہیں، کوئی شخص اگر یہ پوچھے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر پر کنکر برسائے جارہے ہیں، اس پتھر نے کیا قصور کیا ہے؟ لیکن چونکہ ہم نے کہہ دیا کہ یہ کام کرو، اس کے بعد اس میں حکمت، مصلحت اور عقلی دلائل تلاش کرنے کا مقام نہیں ہے بس اب اس پر عمل ہی میں اجر و ثواب ہے۔ اس دیوانگی ہی میں لطف بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

حج کی عبادت میں قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ تم نے اپنی عقل کے سانچے میں جو چیزیں بنا رکھی ہیں اور سینے میں جو بت بسا رکھے ہیں ان کو توڑو۔ اور اس بات کا ادراک پیدا کرو کہ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع میں ہے۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

یہی چیز قربانی میں ہے، قربانی کی عبادت کا سارا فلسفہ یہی ہے۔ اس لئے کہ قربانی کے معنی ہیں "اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز" اور یہ لفظ "قربانی" "قربان" سے نکلا ہے، اور لفظ "قربان" "قرب" سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے، نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں و چرا کرنے کا موقع ہے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حکم آگیا کہ بیٹے کو ذبح کر دو۔ اور وہ حکم بھی خواب کے ذریعہ سے آیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی کے ذریعہ حکم نازل فرمادیتے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ خواب میں آپ کو یہ دکھایا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اگر ہمارے جیسا تاویل کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ یہ تو خواب کی بات ہے۔ اس پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت میں ایک امتحان تھا کہ چونکہ جب انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے تو کیا وہ اس وحی پر عمل کرتے یا نہیں؟ اس لئے آپ کو یہ عمل خواب میں دکھایا گیا۔ اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو باپ نے پلٹ کر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ! یہ حکم آخر کیوں دیا جارہا ہے؟ اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام زندگی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے، عقل کی کسی میزان پر اس حکم کو اتار کر دیکھئے تو کسی میزان پر یہ پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مصلحت نہیں پوچھی، البتہ بیٹے سے امتحان اور

آزمائش کرنے کے لئے سوال کیا کہ:

"یٰبُنَیَّ اِنِّیۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی"

(سورہ الصافات ۱۰۲)

اے بیٹے میں نے تو خواب میں یہ دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان کی رائے اس لئے نہیں پوچھی کہ اگر ان کی رائے نہیں ہوگی تو ذبح نہیں کروں گا۔ بلکہ ان کی رائے اس لئے پوچھی کہ بیٹے کو آزمائیں کہ بیٹا کتنے پانی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا تھا۔ وہ بیٹا جن کے صلب سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے؟ میرا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بلکہ بیٹے کی زبان پر ایک ہی جواب تھا کہ:

یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ

ابا جان آپ کے پاس جو حکم آیا ہے اس کو کر گزریئے، اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں آہ و بکا نہیں کروں گا۔ میں روؤں گا اور چلاؤں گا نہیں۔ اور آپ کو اس کام سے نہیں روکوں گا۔ آپ کر گزریئے۔

چلتی چھری رُک نہ جائے

جب باپ بھی ایسا اولو العزم اور بیٹا بھی اولو العزم، دونوں اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابا جان! آپ مجھے پیشانی کے بل لٹائیں۔ اس لئے کہ اگر سیدھا لٹائیں گے تو میری صورت سامنے ہوگی۔ جس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دل میں بیٹے کی محبت کا جوش آجائے۔ اور آپ چھری نہ چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اداؤں کا ذکر قرآن کریم میں بھی فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ

(سورۃ الصافات: ۱۰۳)

قرآن کریم نے بڑا عجیب و غریب لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا "فَلَمَّآ اَسْلَمَا" یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں جھک گئے۔ اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب باپ اور بیٹے دونوں اسلام لے آئے۔ اس لئے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا اور اسی سے اس طرف اشارہ کیا کہ اصل اسلام یہ ہے کہ حکم کیسا بھی آجائے۔ اور اس کی وجہ سے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں۔ اور وہ حکم عقل کے خلاف ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ اور اس کی وجہ سے جان و مال اور عزت اور آبرو کی کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، بس انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔ یہ ہے حقیقت میں اسلام۔ اس لئے فرمایا کہ جب دونوں اسلام لے آئے۔ اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے۔ اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اور قرآن کریم نے لٹانے کے اس وصف کو خاص زور دیکر بیان کیا ہے اور اس طرح اس لئے لٹایا کہ بیٹے کی صورت سامنے ہونے کی وجہ سے کہیں چلتی ہوئی چھری رک نہ جائے اس لئے پیشانی کے بل لٹایا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لٹانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: اباجان! آپ مجھے ذبح تو کر رہے ہیں، ایک کام یہ کر لیجئے کہ میرے کپڑے اچھی طرح سمیٹ لیجئے اس لئے کہ جب میں ذبح ہوں گا تو فطری طور پر تڑپوں گا۔ اور تڑپنے کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ خون کے چھینٹے دور تک جائیں اور اس کی وجہ سے میرے کپڑے جگہ جگہ سے خون میں لت پت ہو جائیں۔ اور پھر میری والدہ جب میرے کپڑوں کو دیکھیں گی تو ان کو بہت ملال ہو گا۔ اس لئے آپ میرے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ لیں۔

قدرت کا تماشہ دیکھئے

پھر کیا ہوا؟ جب ان دونوں نے اپنے حصے کا کام پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندوں نے اپنے حصے کا کام کر لیا۔ تو اب مجھے اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا

(سورہ الصافات ۱۰۴، ۱۰۵)

اے ابراہیم! تم نے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ اب ہماری قدرت کا تماشہ دیکھو۔ چنانچہ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ اور وہاں ایک دنبا ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔

اللہ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے

یہ پورا واقعہ جو در حقیقت قربانی کے عمل کی بنیاد ہے۔ روز اول سے یہ بتا رہا ہے کہ قربانی اس لئے مشروع کی گئی ہے تاکہ انسانوں کے دل میں یہ احساس، یہ علم اور یہ معرفت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور دین در حقیقت اتباع کا نام ہے اور جب حکم آجائے تو پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع نہیں۔ حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع نہیں ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقلی حکمت تلاش نہیں کی

آج ہمارے معاشرے میں جو گمراہی پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت تلاش کرو کہ اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ اور اس کا عقلی فائدہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقلی فائدہ نظر آئے گا تو کریں گے اور اگر فائدہ نظر نہیں آئے گا تو نہیں کریں گے۔ یہ کوئی دین ہے؟۔ کیا اسکا نام اتباع ہے؟ اتباع تو وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ کو انکا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے اسکو جاری کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ"

(سورۃ الصافات: ۱۰۸)

یعنی ہم نے آنے والے مسلمانوں کو اس عمل کی نقل اتارنے کا پابند کر دیا۔ یہ جو ہم قربانی کرنے جا رہے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام

کی اس عظیم الشان قربانی کی نقل اتارنی ہے۔ اور نقل اتارنے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حکم آگے انہوں نے سر تسلیم خم کیا، انہوں نے کوئی عقلی دلیل نہیں مانگی۔ اور کوئی حکمت اور مصلحت طلب نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اب ہمیں بھی اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے اور قربانی کی عبادت سے یہی سبق دینا منظور ہے۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی، آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خوامخواہ رکھ دی گئی ہے۔ لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے، اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے، کتنے جانور کم ہو جاتے ہیں، اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہٰذا قربانی کرنے کے بجائے یہ کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کر کے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا۔ جو یہ باتیں کہتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کا حرج ہے؟

قربانی کی اصل روح

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور ایک محل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں، اور اس کے بجائے غریب کی مدد کر دوں۔ تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا۔ غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں۔ وہ اپنی جگہ۔ فرض و واجب ہیں۔ اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے، اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے، اور معاشی اعتبار

سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ در حقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے۔ ارے بھائی، قربانی تو مشروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو، یا نہ آرہا ہو، پھر بھی یہ کام کرو، اس لئے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں، اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے، یاد رکھو، جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہو جاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بد عنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ در حقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

اور عبادات کے اندر یہ ہے کہ وہ نفلی طور پر جس وقت چاہیں ادا کریں۔ لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھا دیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کرو گے تو کوئی عبادت نہیں۔ کیوں؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہو جائے۔ دین کا سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آگیا، وہ مانو اور اس پر عمل کرو، اور جہاں حکم نہیں آیا، اس میں کچھ نہیں ہے۔

سنت اور بدعت میں فرق

بدعت اور سنت کے درمیان بھی یہی امتیاز اور فرق ہے کہ سنت باعث اجر و ثواب ہے اور بدعت کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ہم نے تیجہ کر لیا، دسواں کر لیا، چالیسواں کر لیا تو ہم نے کونسا گناہ کا کام کر لیا؟ بلکہ یہ ہوا کہ لوگ جمع ہوئے انہوں نے قرآن شریف پڑھا، اور قرآن شریف پڑھنا تو بڑی عبادت کی بات ہے اور اس میں کیا خرابی کی بات ہوئی؟ ارے بھائی! اس میں خرابی

یہ ہوئی کہ قرآن شریف اپنی طرف سے پڑھا، اور اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا اس وقت باعث اجر و ثواب ہے جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس کے خلاف ہو تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

مغرب کی چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں ہے؟

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے، اب ایک شخص کہے کہ "معاذ اللہ" یہ تین کا عدد کچھ بے تکا سا ہے۔ چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ اب وہ شخص تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھتا ہے۔ بتایئے۔ اس نے کیا گناہ کیا؟ کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کر لی؟ یا ڈاکہ ڈالا، یا کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا؟ صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا۔ ایک رکوع زیادہ کیا، اور دو سجدے زیادہ کئے، اور اللہ کا نام لیا۔ اب اس میں اس نے کیا گناہ کر لیا؟ لیکن ہو گا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی۔ نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر و ثواب کا موجب نہیں ہوگی۔ بلکہ ان پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی۔ اور ان کو بھی خراب کر دے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے، سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے وہ سنت ہے اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے، اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ، کوئی اجر و ثواب نہیں۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ "دعاجو" شریف لایا کرتے تھے تبلیغی جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے۔ ایک دن آکر انہوں نے والد صاحب سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجد کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے

پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں حضرت والد صاحب" نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱) بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپ نے اس ایک کے عدد سے کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ بنایا، لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہو گیا۔ اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہو گیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار ۱۰۰۰ ہو گیا۔ پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جارہا ہوں یہ دس گناہ بڑھتا جارہا ہے۔ پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیئے۔ اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک ہندسے کے بائیں طرف (۰۱) لگایا۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ اعشاریہ ایک ہو گیا۔ یعنی ایک کا دسواں حصہ، اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا۔ (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہو گیا یعنی ایک کا سوواں حصہ، پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہو گیا (۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک، یعنی ایک ہزارواں حصہ بن گیا۔ پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گناہ کم کر رہے ہیں پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں، دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں، لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو سنت ہے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے۔ اور جو بائیں طرف لگائے جارہے ہیں تو وہ اجر و ثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ اس کو گھٹا رہے ہیں، اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں، بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔

بھائی! دین سارا کا سارا اتباع کا نام ہے جس وقت ہم نے جو کام کہہ دیا، اسوقت اگر کرو گے تو باعث اجر ہو گا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچ کر کرو گے تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نماز تہجد پڑھنا

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ مشہور واقعہ ہے، آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرام کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہت زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اس کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ یا رسول اللہ!

اسمعت من ناجیت

میں جس سے مناجات کر رہا تھا۔ اس کو سنا دیا، اس لئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا، اس کے لئے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اسکے بعد آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

اوقظ الوسنان واطرد الشیطان

میں اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا تاکہ جو سونے والے ہیں انکو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ارفع قلیلا" تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "اخفض قلیلا" تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کر دو۔

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

اعتدال مطلوب ہے

بہر حال! یہ مشہور واقعہ ہے جو احادیث میں منقول ہے۔ اور اس کی تشریح میں

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعتدال کی تعلیم دی کہ نہ بہت زیادہ اونچی آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے پڑھو اور یہ قرآن کریم کے ارشاد کے بھی مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے کہ "وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا" کہ نماز میں نہ بہت زیادہ زور سے پڑھو نہ بہت زیادہ آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ پڑھو۔

اپنی تجویز فنا کر دو

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس حدیث کی ایک عجیب توجیہ ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں جس کو سنا رہا ہوں۔ اس نے سن لیا۔ زیادہ زور سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو یہ بات غلط نہیں تھی۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعی طور پر چونکہ تیز آواز والے تھے۔ اس لئے نماز میں اگر ان کی آواز بلند ہو گئی تو کوئی ناجائز بات نہیں تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم دونوں اپنی مرضی اور اپنی رائے سے پڑھ رہے تھے، اور اب ہمارے کہنے کے مطابق پڑھو، اور اب ہماری تجویز کے مطابق پڑھو۔ تو پہلے جس طریقے سے پڑھ رہے تھے۔ وہ چونکہ اپنی تجویز اور اپنی مرضی کے مطابق تھا۔ اس میں اتنی نورانیت اور اتنی برکت نہیں تھی، اب ہماری تجویز کے مطابق جب پڑھو گے تو اس میں نورانیت اور برکت ہوگی۔

پوری زندگی اتباع کا نمونہ ہونا چاہئے۔

یہ ہے سارے دین کا خلاصہ، کہ اپنی تجویز کو دخل نہ ہو۔ جو کوئی عمل ہو، وہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو ساری بدعتوں کی جڑ کٹ جائے۔ اور اسی حقیقت کو سکھانے

کے لئے قربانی شروع کی گئی ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں ہر چیز ایک غفلت اور بے توجہی کے عالم میں گزر جاتی ہے۔ قربانی کرتے وقت ذرا سا اس حقیقت کو تازہ کیا جائے کہ یہ قربانی در حقیقت یہ سبق سکھا رہی ہے کہ ہماری پوری زندگی اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہونی چاہئے، اور پوری زندگی اتباع کا نمونہ چاہئے۔ چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہئے۔ بس! اس قربانی کا سارا فلسفہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فلسفے کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کی برکات عطا فرمائے۔ آمین۔

قربانی کی فضیلت

حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے۔ اس قربانی کے نتیجے میں یہ ہوگا اس جانور کے جسم پر جتنے بال ہیں، ایک ایک بال کے عوض ایک ایک گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان تین دنوں میں کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جتنا زیادہ قربانی کرے گا۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ اور فرمایا کہ جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دیکھے بغیر کہ یہ بات عقل میں آرہی ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان ہو رہا ہے، صرف میرے حکم پر جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عظیم اجر رکھا ہے۔

ایک دیہاتی کا قصہ

بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک قاعدہ تھا کہ جب کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہو تو کوئی ہدیہ یا تحفہ بطور نذرانہ ساتھ لے جاتے، اور در حقیقت اس بادشاہ کو تمہارے نذرانے کی ضرورت نہیں لیکن اس نذرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ اس

نذرانے کو قبول کرلے گا۔ تو اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں اور کچھ حاصل ہو گا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر واقعہ لکھا ہے کہ بغداد کے قریب ایک گاؤں تھا اس گاؤں میں ایک دیہاتی رہتا تھا۔ اس دیہاتی نے ارادہ کیا کہ میں بغداد جاکر بادشاہ اور امیر المؤمنین سے ملاقات کروں اور وہ آج کل کے بادشاہ کی طرح نہیں ہوتے تھے کہ چھوٹی سی ریاست لے کر بیٹھ گئے، اور بادشاہ بن گئے بلکہ اس وقت بغداد کے خلیفہ کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی۔ بہر حال! جاتے وقت اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میں بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں تو ان کے لئے کوئی تحفہ اور نذرانہ بھی لے کر جانا چاہئے۔ اب کیا تحفہ لے کر جاؤں؟ جو بادشاہ کے لائق ہو، اور بادشاہ اس کو دیکھ کر خوش ہو جائے؟ وہ چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ دنیا کی خبر بھی نہیں تھی، اس لئے بیوی نے مشورہ دیا کہ ہمارے گھر کے مٹکے میں جو پانی ہے وہ نہر کا ٹھنڈا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے۔ ایسا پانی بادشاہ کو کہاں میسر آتا ہو گا۔ لہذا یہ پانی لے جاؤ۔ اس دیہاتی کی عقل میں بیوی کی بات آگئی، اور اب اس نے وہ پانی کا گھڑا سر پر اٹھایا، اور بغداد کی طرف چل دیا۔ آج کی طرح ہوائی جہاز یا ریل کا سفر تو تھا نہیں، پیدل یا اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ وہ دیہاتی پیدل ہی روانہ ہوا، اب راستے میں ہوا چل رہی ہے مٹی اڑ اڑ کر مٹکے کے اوپر جم رہی ہے اور بغداد پہنچتے پہنچتے مٹی کی تہ جم گئی، جب بادشاہ کے دربار میں حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تحفہ لائے ہو؟ اس دیہاتی نے وہ مٹکا پیش کر دیا۔ اور کہا کہ یہ میرے گاؤں کے کنویں کا صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، میں نے یہ سوچا کہ اتنا اچھا پانی آپ کو کہاں میسر آتا ہو گا اس لئے میں یہ آپ کے لئے لایا ہوں، یہ آپ کے لئے نذرانہ ہے، آپ قبول فرمالیں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس مٹکے کا ڈھکن کھولو جب اس نے دیہاتی نے ڈھکن کھولا تو پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی، اس لئے کہ اس کو بند کئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اس کے اوپر مٹی کی تہ جمی ہوئی تھی، بادشاہ نے یہ سوچا کہ یہ بیچارہ ایک دیہاتی آدمی ہے اور اپنی سوچ اور اپنی سمجھ کے مطابق ہدیہ پیش کر کے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہا ہے اس لئے اس کا دل نہیں توڑنا چاہئے چنانچہ اس گھڑے کو بند کرا دیا۔ اور اس

دیہاتی سے کہا کہ تم ماشاء اللہ بہت اچھا تحفہ لائے ہو۔ واقعی ایسا پانی مجھے کہاں میسر آسکتا ہے اس پانی کی بڑی تعریف کی، اور پھر حکم جاری کر دیا کہ اس کے عوض اس کو ایک گھڑا اشرفیوں سے بھر کر دے دو۔ چنانچہ وہ دیہاتی بہت خوش ہوا کہ میرا تحفہ بادشاہ کے دربار میں قبول ہو گیا۔ اور اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک گھڑا مل گیا۔ جب وہ دیہاتی واپس جانے لگا تو بادشاہ نے اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کو دریائے دجلہ کے کنارے سے واپس لیجانا۔

اب وہ دیہاتی بڑا خوش خوش واپس جارہا تھا۔ بادشاہ کا نوکر اس کے ساتھ تھا۔ جب دریائے دجلہ راستے میں آیا تو اس دیہاتی نے دجلہ کو دیکھ نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ نوکر نے کہا کہ یہ دریا ہے، اور اس کا پانی پی کر دیکھو، اب جب اس دیہاتی نے دجلہ کا پانی پیا تو دیکھا کہ وہ تو انتہائی صاف شفاف اور میٹھا پانی ہے، اب اس دیہاتی کو خیال آیا کہ یا اللہ! میں بادشاہ کے لئے کس قسم کا پانی لے گیا تھا۔ اس کے محل کے اندر تو کتنے صاف شفاف اور اعلیٰ درجے کا پانی بہہ رہا ہے۔ اس کو تو پانی کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے تو بڑی کرم نوازی کی کہ میرے خاطر اس گھڑے کو قبول کر لیا۔ ورنہ میں تو اس لائق تھا کہ اس ہدیہ دینے پر مجھے سزا دی جاتی کہ تو ایسا سڑا ہوا گندہ پانی لے کر آیا ہے۔ لیکن اس بادشاہ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے سزا نہیں دی، بلکہ میرے گھڑے کو قبول بھی کر لیا اور اس کے بدلے میں مجھے ایک اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا دے دیا۔

ہماری عبادات کی حقیقت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جو عبادتیں کرتے ہیں اس وہ پانی کے گھڑے کی طرح ہیں جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہے۔ گرد و غبار اور مٹی سے اٹا ہوا ہے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہ عبادتیں ہمارے منہ پر مار دی جائیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بجائے لوٹانے کے اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس پر اور زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ یہ میرا بندہ ہے جو اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اور اس سے زیادہ بہتر عبادت انجام نہیں دے سکتا، چونکہ اخلاص

کے ساتھ لایا ہے۔ اس لئے اس کی عبادت قبول کر لو، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول فرما لیتے ہیں۔ مولانا روی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثال دی ہے وہ ہماری تمام عبادات اور اطاعات پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ ہماری عبادات در حقیقت دیہاتی کے پانی کے مشکے کی طرح ہیں۔

تم اس کے زیادہ محتاج ہو

اور اگر بالفرض تم بادشاہ کے دربار میں بہت اچھی اور قیمتی چیز مثلاً ہیرے جواہرات بطور ہدیہ اور نذرانہ لے کر گئے تو پہلے زمانے کے بادشاہوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ درجے کا تحفہ لے کر جاتا تو وہ بادشاہ اس تحفہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا تھا اور ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت تھی کہ تمہارا ہدیہ اور تحفہ قبول ہے، اور پھر وہ تحفہ اس دینے والے کو واپس کر دیا جاتا تھا اس لئے کہ ہم سے زیادہ تم اس تحفے کے محتاج اور ضرورت مند ہو۔ لہٰذا تم ہی اس کو رکھ لو۔

ہمیں دلوں کا تقویٰ چاہئے

مولانا روی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حضور جو قربانی پیش کرتے ہیں یہ ایک ایسا نذرانہ ہے کہ ادھر اس نے اللہ کے لئے قربانی اور نذرانہ پیش کرتے ہوئے جانور کے گلے پر چھری پھیری، ادھر قربانی کی عبادت ادا ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ نے وہ نذرانہ قبول کر لیا۔ اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور اب وہ جانور بھی پورا کا پورا تمہارا ہے۔ اور فرما دیا کہ یہ جانور لیجا کر کھاؤ اس کا گوشت تمہارا ہے، اس کی کھال تمہاری ہے۔ اس جانور کی ہر چیز تمہاری ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا اکرام دیکھئے کہ نذرانہ مانگا جا رہا ہے۔ لیکن جب بندہ نے خون بہا دیا، اور نذرانہ پیش کر دیا اور ہمارے حکم کی تعمیل کر لی تو بس کافی ہے۔ ہمیں اتنا ہی چاہئے تھا چنانچہ فرمایا کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

ہمیں تو اس کا گوشت نہیں چاہئے، ہمیں اس کا خون نہیں چاہئے، ہمیں تو

تمہارے دل کا تقویٰ چاہئے، جب تم نے اپنے دل کے تقوے سے یہ قربانی پیش کر دی، وہ ہمارے یہاں قبول ہو گئی۔ اب اس کو تم ہی کھاؤ، چنانچہ اگر کوئی شخص قربانی کا سارا گوشت خود کھالے، اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود کھائے۔ ایک حصہ عزیزوں میں تقسیم کرے، اور ایک حصہ غرباء میں خیرات کرے، لیکن اگر ایک بوٹی بھی خیرات نہ کرے۔ تب بھی قربانی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی، اس لئے کہ قربانی تو اس وقت مکمل ہو گئی، جس وقت جانور کے گلے پر چھری پھیر دی جب میرے بندے نے میرے حکم پر عمل کر لیا۔ تو بس! قربانی کی فضیلت اس کو حاصل ہو گئی۔

کیا یہ پل صراط کی سواریاں ہوں گی؟

لوگوں میں یہ بات بہت کثرت سے کہی جاتی ہے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر سے گزرنے کے لئے سواری بنیں گے اور قربانی کرنے والے اس کے اوپر بیٹھ کر گزریں گے، یہ ایک ضعیف، اور کمزور روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ آئے ہیں:

سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم

"یعنی اپنی قربانی کے جانوروں کو موٹا تازہ بناؤ، کیونکہ پل صراط پر یہ تمہاری سواریاں بنیں گی" لیکن یہ انتہاء درجے کی ضعیف حدیث ہے، اور ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کی صراحت کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، اس لئے اس حدیث پر زیادہ اعتقاد رکھنا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔ لیکن لوگوں میں یہ حدیث اتنی مشہور ہو گئی ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کا اعتقاد نہ رکھا تو قربانی ہی نہ ہوگی، ہم اس حکم کی نہ نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات کرتے ہیں۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قربانی قبول ہو جاتی ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

بہر حال: یہ سب اس لئے کرایا جارہا ہے، تاکہ دل میں اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ پیدا ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

(سورۃ الاحزاب: ۳۶)

جب اللہ یا اللہ کا رسول کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کے بعد اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہتا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

تو دین کی ساری حقیقت یہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی اجر و فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے اندر جتنے انوار و برکات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب ہمیں عطا فرمائے۔ اور اپنی زندگی میں اس سبق کو یاد رکھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت : ۱۱ر ستمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر
مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والے جلسوں اور محفلوں میں عین جلسے کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں۔ جو سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جارہا ہے، آپ کی تعلیمات آپ کی سنتوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایت کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

سیرت النبیؐ اور ہماری زندگی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

(سورۃ الاحزاب ۲۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

آپ کا تذکرہ باعث سعادت

۱۲ ربیع الاول ہمارے معاشرے، ہمارے ملک اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور ایک تہوار کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر کوئی اور سعادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آپ کے مبارک تذکرہ کو اس ماہ ربیع الاول کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲ ربیع الاول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کا یوم ولادت منایا جائے گا۔ اور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا بیان ہو گا۔

لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس ذات اقدس کی سیرت کا یہ بیان ہو رہا ہے، اور جس ذات اقدس کی ولادت کا یہ جشن منایا جا رہا ہے، خود اس ذات اقدس کی تعلیم کیا ہے؟ اور اس تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا، تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پر مسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی واقعہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا، اور اگر اسلام میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے، اور اس کو عید قرار دیا جائے، لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے، اور

ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم پیدائش نہیں منایا، بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول آپ کی پیدائش کا دن ہے۔ اس لئے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا چاہئے۔

۱۲ ربیع الاول اور صحابہ کرام

اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ گئے، وہ صحابہ کرام ایسے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سانس کے بدلے اپنی پوری جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپ کے جانثار، آپ پر فدا کار، آپ کے عاشق زار تھے۔ لیکن کوئی ایک صحابی ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو، یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو۔ یا کوئی جلوس نکالا ہو، یا کوئی چراغاں کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں سجائی ہوں، صحابہ کرام نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے اہل مذاہب ہیں کہ ان کے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے۔ جب وہ رسمیں ادا کرلیں تو بس پھر چھٹی ہو گئی۔ بلکہ اسلام عمل کا دین ہے۔ اور یہ تو جنم روگ ہے۔ یہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگا رہے۔

"کرسمس" کی ابتداء

یوم پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵ / دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے حواریین اور صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد

کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کر دی۔ اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے۔ اس وقت بھی جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے، اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گا، اس لئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

"کرسمس" کی موجودہ صورتحال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵/ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتے۔ اس کے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں۔ مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لئے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے دل کش ہو۔ اور اس کو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی ہونی چاہئے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے، چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب نوشی اس میں، قمار بازی اور جوا اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی تعلیمات

پیچھے رہ گئیں۔

"کرسمس" کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے۔ تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے، اسی ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی، اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتدا

اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اسکو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہنچائے گا۔ اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا۔ جس طرح "کرسمس" کے ساتھ ہوا، اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آگیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوا۔ اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں۔ لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمد للہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہنچی جس طرح عیسائیوں کے ہاں پہنچ چکی ہے۔

لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے، کس طرح روضہ اقدس کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح کعبہ شریف کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں۔ کس طرح لوگ اس کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں کس طرح اس کے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغاں کیا جا رہا ہے، اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جا رہی ہیں، معاذ اللہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا کوئی جشن نہیں ہے۔ بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے عام جشن ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ ساری خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے، اور یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اور سب کچھ یہ سوچ کر ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاول کو چراغاں کر کے، اور اپنی عمارتوں کو روشن کر کے، اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا، اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو میلاد ہوتا ہے، ہمارے یہاں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر چراغاں ہوتا ہے، اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ کے صحابہ کرام کا طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر اس طریقے میں خیر و برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، فاروق اعظم، عثمان غنی، اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

بنیے سے سیانا سو باؤلا

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہندی زبان کی ایک مثل اور کہاوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ:

(بنیے سے سیانا سو باؤلا)

یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجارت میں بنیے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں، اور اس سے زیادہ تجارت جانتا ہوں، تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجارت کے اندر کوئی شخص بنیے سے زیادہ سیانہ نہیں ہو سکتا یہ کہاوت سنانے کے بعد حضرت والد صاحب فرماتے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کرام سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوں اور صحابہ کرام سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں، وہ حقیقت میں پاگل ہے، بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام سے بڑا عاشق اور محبّ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

آپ کا مقصد بعثت کیا تھا؟

صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے، نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے، اور نہ سجاوٹ ہے۔ لیکن ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے۔ ان کا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے۔ ان کا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کرائیں۔ اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں، خدانہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کفار مکہ نے آپ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ مال و دولت کے طلب گار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمال کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپ کی خدمت میں نذر کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں، اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیتے۔ سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا، اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک

ہاتھ میں ماہتاب بھی لاکر رکھ دو گے، تب بھی میں اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اس لئے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ کے آنے کا منشاوہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ، وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم ان کی نقل اتارو، اور اس شخص کے لئے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمادی تھی، ہم اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر لیتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ نمونے بھیجنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتاب اس کی اصلاح کے لئے اور اس کو کوئی فن، کوئی علم و ہنر سکھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی، بلکہ انسان کو سکھانے کے لئے کسی مربی کے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہیں ہو گا، اس وقت تک محض کتاب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آئے گا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں داخل فرمائی ہے۔

ڈاکٹر کے لئے "ہاؤس جاب" لازم کیوں؟

ایک انسان اگر یہ سوچے کہ میڈیکل سائنس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کتابوں کو پڑھ کر دوسروں کا علاج شروع کر دوں۔ وہ پڑھنا بھی جانتا ہے۔ سمجھ دار بھی

ہے۔ ذہین بھی ہے، اور اس نے کتابیں پڑھ کر علاج شروع کر دیا، تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے کوئی اور خدمت انجام نہیں دے گا۔

چنانچہ دنیا بھر کا قانون یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرلی۔ اس کو اس وقت تک عام پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں، جب تک وہ ایک مدت تک ہاؤس جاب نہ کرے، اور جب تک کسی ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی نمونہ نہیں دیکھے گا اس وقت تک صحیح ڈاکٹری نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس نے اب تک بہت سی چیزوں کو صرف کتاب میں پڑھا ہے، ابھی اسکے عملی نمونے اس کے سامنے نہیں آئے۔ اب مرض۔ کتابی تفصیل کے ساتھ۔ اس کی عملی صورت مریض کی شکل میں دیکھ کر اسے صحیح معنی میں علاج کرنا آئے گا اس کے بعد اس کو عام پریکٹس کی اجازت دے دی جائے گی۔

کتاب پڑھ کر قورمہ نہیں بنا سکتے۔

کھانے پکانے کی کتابیں بازار میں چھپی ہوئی موجود ہیں، اور ان میں ہر چیز کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریانی اس طرح بنتی ہے، پلاؤ اس طرح بنتا ہے، کباب اس طرح بنتے ہیں، قورمہ اس طرح بنتا ہے۔ اب ایک آدمی ہے جس نے آج تک کبھی کھانا نہیں بنایا، کتاب سامنے رکھ کر اور اس میں ترکیب پڑھ کر قورمہ بنالے، خدا جانے وہ کیا چیز تیار کرے گا۔ ہاں اگر کسی استاد اور جاننے والے نے اس کو سامنے بیٹھا کر بتا دیا کہ دیکھو، قورمہ اس طرح بنتا ہے، اور اس کی عملی تربیت دیدی، پھر وہ شاندار طریقے سے بنا لے گا۔

تنہا کتاب کافی نہیں

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ رکھی ہے کہ جب تک کسی مربی کا عملی نمونہ اس کے سامنے نہ ہو، اس وقت تک وہ صحیح راستے پر صحیح طریقے پر نہیں آسکتا۔ اور کوئی علم و فن صحیح طور پر نہیں سیکھ سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو

سلسلہ جاری فرمایا، وہ در حقیقت اسی مقصد کو بتانے کے لئے تھا کہ ہم نے کتاب تو بھیج دی۔ لیکن تنہا کتاب تمہاری رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی، جب تک اس کتاب پر عمل کرنے کے لئے نمونہ تمہارے سامنے نہ ہو، اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ تم یہ دیکھو کہ یہ قرآن کریم تو ہماری تعلیمات ہیں اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری تعلیمات پر عمل کرنے کا نمونہ ہیں۔

تعلیمات نبوی کا نور درکار ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ پر کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

(سورہ مائدہ: ۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن آیا ہے، اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتاب موجود ہے، اور کتاب میں سب کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس کے پاس روشنی نہیں ہے، نہ سورج کی روشنی ہے، نہ دن کی روشنی ہے، نہ بجلی کی روشنی ہے، نہ چراغ کی روشنی، بلکہ اندھیرا ہے۔ اس لئے اب روشنی کے بغیر اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے، بجلی کی روشنی موجود ہے، لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے۔ تب بھی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا جس طرح روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمہارے پاس نہیں ہوگا، تم قرآن کریم نہیں سمجھ سکو گے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمہیں نہیں آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں

اب بعض ناسمجھ اور ناقدر شناس لوگ اس آیات کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی اعتبار سے بشر نہیں تھے۔ بلکہ "نور" تھے، ارے یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نور کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتاب مبین پر صحیح صحیح عمل کر سکو گے اور اس نمونہ کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کرے گا۔ یہ تمہیں تربیت دے گا۔ اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کر کے دکھائے گا کہ یہ دیکھو۔ اللہ کی کتاب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے، اور اب ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنا دیا، یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، اور یہ نمونہ اس لئے بھیجا کہ تم اس کو دیکھو، اور اس کی نقل اتارو، تمہارا کام بس یہی ہے،

آپ کی ذات ہر شعبہ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہ کے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو یہ دیکھو کہ عائشہ اور خدیجہ کے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو یہ دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح حکومت کی اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو، بس! تم اس نمونے کو دیکھو اور اس کی پیروی کرو، اسی مقصد کے لئے ہم نے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا یوم پیدائش منایا جائے، اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن منا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان کا حق ادا کر دیا۔ بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کی ایسی اتباع کرو، جیسی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اتباع کر کے دکھائی۔

مجلس کا ایک ادب

صحابہ کرام کو ہر آن اس بات کا دھیان تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کس طرح ہو؟ صحابہ کرام ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے۔ سنئے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، خطبہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بھی آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی تقریر یا جلسہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ لوگ نہ تو بیٹھتے ہیں، اور نہ جاتے ہیں، اس طرح کناروں پر کھڑا ہونا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، اگر تمہیں سننا ہے تو بیٹھ جاؤ، اور اگر نہیں سننا ہے تو جاؤ، اپنا راستہ دیکھو، اس لئے کہ اس طرح کھڑے ہونے سے بولنے والے کا ذہن بھی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے، اور سننے والوں کا ذھن بھی انتشار کا شکار رہتا ہے۔

اتباع ہو تو ایسی

بہر حال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "بیٹھ جاؤ" جس وقت آپ نے یہ حکم دیا اس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر سڑک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے، اور ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ کہ اس وقت ان کے کان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز آئی کہ "بیٹھ جاؤ" آپ وہیں سڑک پر بیٹھ گئے، خطبہ کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ

میں نے تو بیٹھنے کا حکم ان لوگوں کو دیا تھا جو یہاں مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے تھے، لیکن تم تو سڑک پر تھے، اور سڑک پر بیٹھنے کو تو میں نہیں کہا تھا، تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور (اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ "بیٹھ جاؤ" تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم آگے بڑھ جائے......

اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ مجھے سڑک پر بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ "بیٹھ جاؤ" تو اب اس کے بعد قدم نہیں اٹھ سکتا، صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا، ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے تھے، عشق و محبت کے دعوے دار تو بہت ہیں لیکن ان صحابہ کرام جیسا عشق کوئی لے کر تو آئے۔

میدان جنگ میں ادب کا لحاظ

میدان احد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیر برسائے جارہے ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آڑ بن جائیں، لیکن اگر ان تیروں کی طرف سینہ کر کے آڑ بنتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جاتی ہے اور یہ گوارا نہیں کہ میدان جنگ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنا سینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور پشت کفار کے تیروں کی طرف کر دی، اور اس طرح تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے، تاکہ جنگ کے میدان میں بھی یہ بے ادبی نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا تھا، وہاں رہنے لگے تھے، اور دوری کی وجہ سے وہاں سے روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا، چنانچہ ان کے قریب ایک صاحب رہتے تھے، ان سے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو، اور ایک دن میں جایا کروں گا، جس دن تم جاؤ، اس دن واپس آکر مجھے یہ بتانا کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، اور جب میں جایا کروں گا تو میں واپس آکر تمہیں بتا دیا کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، تاکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات چھوٹنے نہ پائے، اس طرح صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور سنتوں پر جان دی ہے۔

اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملات طے کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں جا کر اپنے چچازاد بھائی کے گھر ٹھہر گئے، اور جب صبح کے وقت مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کے لئے گھر سے جانے لگے تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا تو بالکل ناجائز ہے۔ اگر ٹخنوں سے اوپر ہو تو جائز ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اور عادت یہ تھی کہ آپ آدھی پنڈلی تک اپنا ازار رکھتے تھے، اس سے نیچے نہیں ہوتا تھا...... چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے کہا کہ جناب! عربوں کا دستور یہ ہے کہ جس شخص کا ازار اور تہبند جتنا لٹکا ہوا ہو، اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے، اور سردار قسم کے لوگ اپنی ازار کو لٹکا کر رکھتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازار اس طرح اونچی پہن کر ان لوگوں کے پاس جائیں گے تو اس صورت میں ان کی نظروں میں آپ کی وقعت نہیں ہوگی، اور مذاکرات میں جان نہیں پڑے گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچا

زاد بھائی کی باتیں سنیں تو ایک ہی جواب دیا، فرمایا کہ:

لا ہٰکذا ازرۃ صاحبنا صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں میں اپنا ازار اس سے نیچا نہیں کر سکتا، میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہے، یعنی اب یہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، میری عزت کریں، یا بے عزتی کریں، جو چاہیں کریں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار دیکھ چکا ہوں، اور آپ کا جیسا ازار ہے، ویسا ہی میرا رہے گا اسے میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، فاتح ایران، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے مذاکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لاکر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اسکو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کونسے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھالو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اسکو صاف کر لو، اور پھر کھالو...... چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا

کہ۔ أأترك سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لهولاء الحمقى؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتایئے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ: اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

اس واقعہ سے پہلے یہ ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوتے تھے، چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے، تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی

لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں، تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہذا ہم واپس جارہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں، اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے، جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس چوکیدار نے تلوار دیکھ کر کہا۔ ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تلوار اس کو دے دی، اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ: کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے: تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربعی بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو حضرت ربعی بن عامر نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے۔

یہ ہیں فاتح ایران

بہرحال! اس کے بعد دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ ایک عجیب و غریب مخلوق آئی ہے۔ جو نہ تمہارا دیا ہوا لباس پہنتی ہے، اور ان کی تلوار بظاہر تو ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے، لیکن اس نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان کو اندر

بلوایا گیا...... کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے...... حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیرو کار ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو...... کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آگئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کردو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا ان کو دیدیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ: اے کسریٰ! یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہوگئے .... ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ "ایران کی مٹی ہمیں دے دی" یہ تو بڑی بد فالی ہوگئی، اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے، چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہوگئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

آج مسلمان ذلیل کیوں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں، آپ کی سنتوں کی تعمیل میں، ان حضرات صحابہ نے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا، اور آج ہم پر یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا، تو لوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا، تو دنیا والے مذاق اڑائیں گے۔ انگلینڈ مذاق اڑائے گا۔ فلاں ملک والے مذاق اڑائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا میں آج ذلیل ہو رہے ہیں، آج دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے، آج دنیا میں جتنے مسلمان ہیں، اتنے مسلمان اس سے پہلے

کبھی نہیں ہوئے، اور آج مسلمانوں کے پاس جتنے وسائل ہیں، اتنے وسائل اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے، لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تم ایسے ہوگے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے ہوتے ہیں، جن کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا، آج ہمارا یہ حال ہے، وہ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنے کردار چھوڑے، اور اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے لے کر پاؤں تک ان کی نقل اتار کر یہ دکھادیا کہ ہم تمہارے غلام ہیں، لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں، اور روزانہ پٹائی کرتے ہیں، کبھی اسرائیل پٹائی کر رہا ہے۔ کبھی کوئی دوسرا ملک پٹائی کر رہا ہے، لہٰذا ایک مسلمان جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دے گا تو یاد رکھو اس کے لئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک ڈرو گے

ایک شاعر گزرے ہیں اسعد ملتانی مرحوم، انہوں نے بڑے اچھے حکیمانہ شعر کہے ہیں: فرماتے ہیں کہ:

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

جب تک تم اس بات سے ڈرو گے کہ فلاں ہنسے گا، فلاں مذاق اڑائے گا تو زمانہ ہنستا ہی رہے گا، اور دیکھ لو کہ ہنس رہا ہے، اور اگر تم نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور آپ کی سنتوں کی اتباع کرلی تو پھر دیکھو کہ دنیا تمہاری کیسی عزت کرتی ہے۔

صاحب ایمان کے لئے اتباع سنت لازم ہے

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ سنتیں چھوڑنے سے ذلت ہوتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کفار و مشرکین، امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک والے، سب نے سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ اور اسکے باوجود وہ خوب ترقی کر رہے ہیں، اور خوب ان کی عزت ہو رہی ہے، ان کو کیوں ترقی ہو رہی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو، تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، تم جب تک ان کے قدموں پر سر نہیں رکھو گے، اس وقت تک اس دنیا میں تمہاری پٹائی ہوتی رہے گی، اور تمہیں عزت حاصل نہیں ہوگی، کافروں کے لئے تو صرف دنیا ہی دنیا ہے، وہ اس دنیا میں ترقی کریں، عزت کرائیں، جو چاہے کرائیں، تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرو، چودہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، جب تک مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا، اس وقت تک عزت بھی پائی، شوکت بھی حاصل کی، اقتدار بھی حاصل کیا، لیکن جب سے سنتیں چھوڑ دی ہیں. اس وقت سے دیکھ لو، کیا حالت ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں

بہر حال! تقریریں تو ہوتی رہتی ہیں، جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس تقریر کے نتیجے میں ہمارے اندر کیا فرق واقع ہوا؟ اس لئے آج ایک کام کا عہد کریں کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے؟ لہٰذا جو سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں، وہ آج سے شروع کر دیں۔ اور اس کا اہتمام کریں۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ بیت الخلا یا غسل خانے میں داخل ہو رہے ہو، بایاں پاؤں پہلے داخل کر دو، اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو کہ "اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث" اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں، بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ"

(سورہ آل عمران: ۳۱)

"اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لیں گے" لہٰذا اگر چھوٹے چھوٹے کام، سنت کا لحاظ کرتے ہوئے کر لئے جائیں، بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی، اور جب سراپا اتباع بن جاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے مدتوں اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے۔ اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے...... لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ جب آپ کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے، اب ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے...... لہٰذا اب جو کھانا کھایا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہو گئی، اور طبیعت بھی سیر ہو گئی۔

یہ عمل کر لیں

گھر میں داخل ہوئے، اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا، اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا لیں، لیکن ایک لمحے رک گئے کہ نہیں اٹھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ

خیال لائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے ان کو گود میں اٹھالیا کرتے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤ نگا، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی اتباع میں جب بچے کو اٹھایا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ بن گیا...... دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں اتباع سنت کی نیت نہ کر سکتے ہوں، آپ کی سنتوں پر کتاب چھپی ہوئی ہے "اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" وہ کتاب سامنے رکھ لیں۔ ایک ایک سنت دیکھتے جائیں اور اپنی زندگی میں داخل کرتے جائیں، پھر دیکھو گے انشاء اللہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے، اور پھر تمہارا ہر دن سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہوگا، اور ہر لمحہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لمحہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سیرت النبیؐ کے جلسے اور جلوس

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم العالی
ضبط و ترتیب : محمد عبد اللہ میمن
تاریخ و وقت : ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ بروز جمعہ
مقام : جامع مسجد نعمان، لسبیلہ چوک۔ کراچی
کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

سیرت النبیؐ کے جلسے اور جلوس

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا.

(سورۃ الاحزاب : ۲۱)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

آپ کا ذکر مبارک

بزرگان محترم و برادران عزیز، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا تذکرہ اتنا باعث اجر و ثواب اتنا باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتا جتنا سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان سیرت طیبہ کی محفلوں میں ہم نے بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے ذکر مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح ثمرہ ہمیں حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک صرف ایک مہینے یعنی ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اور ربیع الاول کے بھی صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا ظلم سیرت طیبہ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی میں کہیں یہ بات آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ اور نہ آپ کو اس کی ایک مثال ملے گی کہ انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کو خاص جشن منایا ہو۔ عید میلاد النبی کا اہتمام کیا ہو، یا اس خاص مہینے کے اندر سیرت طیبہ کے محفلیں منعقد کی ہوں۔ اس لئے کہ بجائے صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں دو صحابہ ملے انہوں نے آپ کی احادیث اور آپ کے ارشادات آپ کی دی ہوئی تعلیمات کا آپ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اس لئے ان کی ہر محفل سیرت طیبہ کی محفل تھی۔ ان کی ہر نشست سیرت طیبہ کی نشست تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور تعلق کے اظہار کے لئے رسمی مظاہروں کی ضرورت نہ تھی کہ عید میلاد النبی منائی جا رہی ہے اور جلوس نکالے جا رہے

ہیں۔ جلسے ہو رہے ہیں۔ چراغاں کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے کاموں کی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں

بات در حقیقت یہ تھی کہ رسمی مظاہرہ کرنا صحابہ کرام کی عادت نہیں تھی، وہ اس کی روح کو اپنائے ہوئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ کا کیا پیغام تھا؟ آپ کی کیا تعلیم تھی؟ آپ دنیا سے کیا چاہتے تھے؟ اس کام کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی کو وقف کر دیا۔ لیکن اس قسم کے رسمی مظاہرے نہیں کئے۔ اور یہ طریقہ ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ غیر مسلم اقوام اپنے بڑے بڑے لیڈروں کے دن منایا کرتی ہیں۔ اور ان دنوں میں خاص جشن اور خاص محفل منعقد کرتی ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم نے سوچا کہ ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے لئے عید میلاد النبی منائیں گے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کے نام پر کوئی دن منایا جاتا ہے۔ در حقیقت یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کے تمام لمحات کو قابل اقتداء اور قابل تقلید نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ یا تو وہ سیاسی لیڈر ہوتا ہے۔ یا کسی اور دنیاوی معاملے میں لوگوں کا قائد ہوتا ہے، تو صرف اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے اس کا دن منایا گیا لیکن اس قائد کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابل تقلید ہے۔ اور اس نے دنیا میں جو کچھ کیا، وہ صحیح کیا ہے، وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک تھا لہٰذا اس کی ہر چیز کو اپنایا جائے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا......

آپ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے

لیکن یہاں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں، جس کو دیکھ کر لوگ نقل

اتاریں۔ اس کی تقلید کریں، اس پر عمل پیرا ہوں، اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثال ہے۔ ایک نمونہ ہے۔ اور ایک قابل تقلید عمل ہے۔ اور ہمیں آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی نقل اتارنی ہے۔ اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے، لہٰذا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کہ ان کا ایک دن منالیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نمونہ بنا دیا ہے۔ اور سب چیزوں میں ہمیں ان کی اقتدا کرنی ہے، ہمارا زندگی کا ہر دن ان کی یاد منانے کا دن ہے۔

ہماری نیت درست نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ سیرت کی محفلیں اور جلسے جگہ جگہ منعقد ہوتے ہیں، اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ کام کتنا ہی اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو۔ مگر جب تک کام کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہو گی جب تک اس کے دل میں داعیہ اور جذبہ صحیح نہیں ہو گا۔ اس وقت تک وہ کام بے کار، بے فائدہ، بے مصرف، بلکہ بعض اوقات مضر، نقصان دہ اور باعث گناہ بن جاتا ہے، دیکھئے، نماز کتنا اچھا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور قرآن حدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص نماز اس لئے پڑھ رہا ہے تاکہ لوگ مجھے نیک متقی اور پارسا سمجھیں، ظاہر ہے کہ وہ ساری نماز اکارت ہے، بے فائدہ ہے، بلکہ ایسی نماز پڑھنے سے ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہو گا، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

من صلی یرائی فقد اشرک باللہ

(مسند احمد، ج ۴ ص ۱۲۶)

"جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھے تو گویا کہ اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھیرایا ہے"

اس لئے کہ وہ نماز اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں پڑھ رہا ہے۔ بلکہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور مخلوق میں اپنا تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کے لئے پڑھ رہا ہے، اس لئے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھیرایا، اتنا اچھا کام تھا، لیکن صرف نیت کی خرابی کی وجہ سے بیکار ہو گیا، اور الٹا باعث گناہ بن گیا۔

یہی معاملہ سیرت طیبہ کے سننے اور سنانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سناتا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعث خیر و برکت ہے۔ اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح نیت سے نہیں سنتا، اور صحیح نیت سے نہیں سناتا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ کچھ اور اغراض و مقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جن کے تحت سیرت طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ تو بھائیو! یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے، اس لئے کہ ظاہر میں تو نظر آ رہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ الٹا گناہ کا سبب بن رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عتاب کا سبب بن رہا ہے۔

نیت کچھ اور ہے

اس نقطہ نظر سے اگر ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں، اور سچے دل سے نیک نیتی کے ساتھ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان تمام محفلوں میں جو کراچی سے پشاور تک منعقد ہو رہی ہیں، کیا ان کے منتظمین اس بناء پر محفل منعقد کر رہے ہیں کہ ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے؟ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقصود ہے؟ کیا اس لئے محفل منعقد کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ان محفلوں میں سنیں گے اس کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے؟ بعض اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہوں گے جن کی یہ نیت ہو گی۔ لیکن ایک عام طرز عمل دیکھئے تو یہ نظر آئے گا محفل منعقد کرنے کے مقاصد ہی کچھ اور ہیں۔ نیتیں ہی کچھ اور ہیں، یہ نیت نہیں ہے کہ اس جلسے میں شرکت کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے، بلکہ نیت یہ ہے کہ محلے کی کوئی انجمن ہے، جو اپنا اثر رسوخ بڑھانے کے لئے جلسہ منعقد کر رہی ہے، اور یہ خیال ہے کہ جلسہ سیرت النبی

کرنے سے ہماری انجمن کی شہرت ہو جائے گی، کوئی جماعت اس لئے جلسہ سیرت النبی منعقد کر رہی ہے کہ اس جلسہ کے ذریعہ ہماری تعریف ہوگی کہ بڑا شاندار جلسہ کیا، بڑے اعلیٰ درجے کے مقررین بلائے، اور بڑے مجمع نے اس میں شرکت کی اور مجمع نے ان کی بڑی تحسین کی...... کہیں جلسے اس لئے منعقد ہو رہے ہیں کہ اپنی بات کہنے کا کوئی اور موقع تو ملتا نہیں ہے، کوئی سیاسی بات ہے یا کوئی فرقہ وارانہ بات ہے جس کو کسی اور پلیٹ فارم پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا، اس لئے سیرت النبی کا ایک جلسہ منعقد کر لیں، اور اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں، چنانچہ اس جلسے میں پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کے دو چار جملے بیان ہو گئے اور اس کے بعد پوری تقریر میں اپنے مقاصد بیان ہو رہے ہیں، اور فریق مخالف پر بمباری ہو رہی ہے۔ اس غرض کے لئے جلسے منعقد ہو رہے ہیں۔

دوست کی ناراضگی کے ڈر سے شرکت

پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر واقعۃً سچے دل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی نیت سے ہم نے یہ محفلیں منعقد کی ہوتیں تو پھر ہمارا طرز عمل کچھ اور ہوتا، ایک گھر میں ایک محفل میلاد منعقد ہو رہی ہے، اب اگر اس محفل میں اس کا کوئی دوست یار رشتہ دار شریک نہیں ہوا تو اس کو مطعون کیا جا رہا ہے اور اس پر ملامت کی جا رہی ہے۔ اور اس سے شکایتیں ہو رہی ہیں، اس محفل میں شرکت کرنے والوں کی نیت یہ نہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سننی ہے اور اس پر عمل کرنا ہے بلکہ نیت یہ ہے کہ کہیں محفل منعقد کرنے والے ہم سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اور ان کے دل میں شکایت پیدا نہ ہو جائے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے، محفل منعقد کرنے والوں کو راضی کرنے کی فکر ہے۔

مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے

کوئی شخص اس لئے جلسے میں شرکت کر رہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب

تقریر کریں گے۔ ذرا جا کر دیکھیں کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں، سنا ہے کہ بڑے جوشیلے اور شاندار مقرر ہیں۔ بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں...... گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کے لئے جا رہے ہیں، تقریر کے جوش و خروش کا اندازہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ اور یہ دیکھنے کے لئے جا رہے ہیں کہ فلاں مقرر کیسے گا گا کر شعر پڑھتا ہے کتنے واقعات سناتا ہے۔

وقت گزاری کی نیت ہے

کچھ لوگ اس لئے سیرت النبی کے جلسے میں شرکت کر رہے ہیں کہ چلو، آج کوئی اور کام نہیں ہے، اور وقت گزاری کرنی ہے، چلو، کسی جلسے میں جا کر بیٹھ جاؤ تو وقت گزر جائے گا...... اور بے شمار افراد اس لئے شریک ہو رہے ہیں کہ گھر میں تو دل نہیں لگ رہا ہے اور محلے میں ایک جلسہ ہو رہا ہے، چلو، اس میں تھوڑی دیر جا کر بیٹھ جائیں، اور جتنی دیر دل لگے گا، وہاں بیٹھے رہیں گے، اور جب دل گھبرائے گا، اٹھ کر چلے جائیں گے۔ لہذا مقصد یہ نہیں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو حاصل کیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ کچھ وقت گزاری کا سامان ہو جائے، اگرچہ بعض اوقات اس طرح وقت گزاری کے لئے جانا بھی فائدہ مند ہو جاتا ہے، اللہ رسول کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہے۔ اور اس سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے، ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں...... لیکن میں نیت کی بات کر رہا ہوں کہ جاتے وقت نیت درست نہیں ہوتی۔ یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سن کر اس پر عمل پیرا ہوں گا۔

ہر شخص سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اور آپ کی حیات

طیبہ مشعل راہ ہے، یہ ایک پیغام ہدایت ہے، اور یہ ایک اسوہ حسنہ ہے، ایک مکمل نمونہ ہے، لیکن ہر شخص کے لئے نمونہ نہیں ہے، بلکہ اس شخص کیلئے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہو۔ اور اس شخص کے لئے جو یوم آخرت کو سنوارنا چاہتا ہو۔ اور یوم آخرت پر اس کا پورا ایمان اور یقین اور بھروسہ ہو۔ اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔ لہٰذا جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اس کے لئے سیرت طیبہ ایک پیغام ہدایت ہے۔

لیکن جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود نہیں اور جو اللہ کو راضی کرنا نہیں چاہتا۔ اور جو یوم آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتا، اور یوم آخرت کو سنوارنے کے لئے یہ کام نہیں کرتا۔ اور وہ اللہ کو کثرت سے یاد نہیں کرتا، اس کے لئے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کے لئے ہدایت کا پیغام بن جائے گی۔ سیرت طیبہ تو ابوجہل کے سامنے بھی تھی، اور ابو لہب کے سامنے بھی تھی، امیہ بن خلف کے سامنے بھی تھی۔ لیکن وہ سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی وہ زمین ہی بنجر تھی۔ اور اس بنجر زمین میں ہدایت کا بیج ڈالا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بار آور نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہیں، اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نہیں، اور اللہ کی یاد اس کے دل میں نہیں ہے تو پھر کسی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے وہ شخص اپنی زندگی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

لہٰذا یہ سارے مناظر جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں بسا اوقات ہماری نیتیں درست نہیں ہوتیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں تقریریں سن لیں، اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کر لی۔ لیکن زندگی جیسے پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کی طرف رغبت تھی وہ آج بھی موجود ہے اس کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ کی سنتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انہی سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں جو سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جارہا ہے۔ آپ کی تعلیمات، آپ کی سنتوں کا ذکر کیا جارہا ہے، لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایات کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

سیرت کے جلسے اور بے پردگی

چنانچہ ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں کثرت سے ہونے لگی ہیں جن میں مخلوط اجتماع ہے اور عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور سیرت طیبہ کا بیان ہو رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمہیں نماز بھی پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو، اور گھر میں صحن کے بجائے کمرے میں پڑھو، اور کمرے میں بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو، عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دے رہے ہیں۔ لیکن انہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو رہا ہے۔ جس میں عورتیں اور مرد مخلوط اجتماعات میں شریک ہیں، اور کسی اللہ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ سیرت طیبہ کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے، پوری آرائش اور زیبائش کے ساتھ سج دھج کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں، اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

سیرت کے جلسے میں موسیقی

نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ میں ان باجوں بانسریوں کو اور ساز و سرور کو اور آلات موسیقی کو اس دنیا سے مٹا دوں ۔ لیکن آج انہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر محفل منعقد ہو رہی ہے۔ جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں

ساز و سرور کے ساتھ نعت پڑھی جارہی ہے، اور اس میں قوالی شریف ہورہی ہے قوالی کے ساتھ لفظ "شریف" بھی لگ گیا ہے۔ اور اس میں پورے آب و تاب کے ساتھ ہار مونیم بج رہا ہے، ساز و سرور ہورہا ہے۔ عام گانوں میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کوئی فرق نہیں رکھا جارہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہوسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر عورتیں اور مرد مل کر نعتیں پڑھ رہے ہیں ٹیلیویژن دیکھنے والوں نے بتایا کہ عورتیں پورے آرائش اور زیبائش کے ساتھ ٹیلیویژن پر آرہی ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے جو آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے ساتھ ہورہا ہے۔ عورت جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى

(سورۃ الاحزاب: ۳۳)

یعنی زمانہ جاہلیت کی طرح تم بناؤ سنگھار کر کے مردوں کے سامنے مت آؤ، آج وہی عورت پورے میک اپ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ مردوں کے سامنے آرہی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھ رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور سیرت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی تو پھر آپ سے زیادہ دھوکے میں کوئی اور نہیں ہے۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو مٹا کر، آپ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے، آپ کی سیرت طیبہ کی مخالفت کر کے اور اس کا مذاق اڑا کر بھی اگر آپ اس کے متمنی ہیں کہ اللہ کی رحمتیں آپ پر نچھاور ہوں تو اس سے بڑا مغالطہ اور اس سے بڑا دھوکہ اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ معاذ اللہ ...... یہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے عتاب کو دعوت دینی والی باتیں ہیں، وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے کام ہیں، وہ ہم عین سیرت طیبہ کو بیان کرتے وقت کرتے ہیں

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے، اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو، کسی کو پروا نہیں، لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں، کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں، پھر رات کے دو دو بجے تک تقریریں ہو رہی ہیں۔ اور صبح فجر کی نماز جا رہی ہے۔ جب کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک عصر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس کے تمام مال اور تمام اہل و عیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا۔ اتنا عظیم نقصان ہے...... لیکن سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں، اس لئے کہ ہم تو ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سیرت کے جلسے اور ایذاء مسلم

اور سنئے: سیرت طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ جس میں کل پچیس تیس سامعین بیٹھے ہیں۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر اتنا بڑا لگانا ضروری ہے کہ اس کی آواز پورے محلے میں گونجے. جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جلسہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک محلے کا کوئی بیمار، کوئی ضعیف، کوئی بوڑھا اور معذور آدمی سو نہ سکے۔ حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو یہ تھا کہ آپ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو رہے ہیں، لیکن کس طرح بیدار ہو رہے ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ "فقام رویداً آپ دھیرے سے اٹھے کہیں ایسا نہیں ہو کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے۔ "فتح الباب رویداً" آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ کی آنکھ کھل جائے (رضی اللہ عنہا) اور نماز جیسے فریضے کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نماز کے کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کی آواز سن کر اس کی ماں کسی مشقت

میں مبتلا ہو جائے ..... لیکن یہاں بلا ضرورت، بغیر کسی وجہ کے، صرف ۲۵، ۳۰ سامعین کو سنانے کے لئے اتنا بڑا لاؤڈ اسپیکر نصب ہے کہ کوئی ضعیف، بیمار آدمی اپنے گھر میں سو نہیں سکتا، اور انتظام کرنے والے اس سے بے خبر ہیں کہ کتنے بڑے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ اس لئے (نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ، حدیث نمبر ۳۹۶۳) کہ ایذاء مسلم کبیرہ گناہ ہے، اس کا کسی کو احساس نہیں۔

دوسروں کی نقالی میں جلوس

ہمارا یہ سارا طرز عمل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ در حقیقت نیت درست نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی نیت نہیں ہے بلکہ مقاصد کچھ اور ہیں..... اور جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے صرف جلسوں کی حد تک بات تھی، اب تو جلسوں سے آگے بڑھ کر جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ اور اس کے لئے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فرقہ فلاں مہینے میں اپنے امام کی یاد میں جلوس نکالتا ہے تو پھر ہم اپنے نبی کے نام پر ربیع الاول میں جلوس کیوں نہ نکالیں، گویا کہ اب ان کی نقل اتاری جا رہی ہے کہ جب محرم کا جلوس نکلتا ہے تو ربیع الاول کا بھی نکلنا چاہئے، بزعم خود یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور آپ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

لیکن اس پر ذرا غور کریں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جلوس کو دیکھ لیں جو آپ کے نام پر نکالا جا رہا ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گوارا اور پسند فرمائیں گے؟۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ اس امت کو ان رسمی مظاہروں سے اجتناب کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظاہری اور رسمی چیزوں کی طرف جانے کے بجائے میری تعلیمات کی روح کو دیکھو، اور میری تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری حیات طیبہ میں کوئی شخص ایک نظیر یا ایک مثال اس بات پر پیش کر سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے نام پر ربیع الاول میں یا کسی مہینے میں کوئی جلوس نکالا گیا ہو؟۔ بلکہ پورے تیرہ سو سال کی تاریخ میں کوئی ایک مثال کم از کم مجھے تو نہیں ملی کہ کسی نے آپ

کے نام پر جلوس نکلا ہو۔ ہاں! شیعہ حضرات محرم میں اپنے امام کے نام پر جلوس نکالا کرتے تھے، ہم نے سوچا کہ ان کی نقالی میں ہم بھی جلوس نکالیں گے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، حدیث نمبر ۴۰۳۱)

جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو جاتا ہے اور صرف جلوس نکالنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہو رہا ہے کہ کعبہ شریف کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں، روضہ اقدس کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں۔ گنبد خضراء کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں۔ پورا الاوکھیت ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور دنیا بھر کی عورتیں، بچے، بوڑھے اس کو متبرک سمجھ کر برکت حاصل کرنے کے لئے اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہاں جا کر دعائیں مانگی جارہی ہیں، منتیں مانی جارہی ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے نام پر یہ کیا ہو رہا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک کو، بدعات کو، اور جاہلیت کو مٹانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ اور آج آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر یہ ساری بدعات شروع کر دیں، روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گنبد سے کوئی مناسبت نہیں، جو آپ نے اپنے ہاتھوں بنا کر کھڑا کر دیا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو مقدس سمجھ کر تبرک کے لئے کوئی اس کو چوم رہا ہے، کوئی اس کو ہاتھ لگا رہا ہے۔

حضرت عمر اور حجر اسود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حجر اسود کو چومتے وقت فرماتے ہیں کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں تو ایک پتھر کے سوا کچھ نہیں ہے، خدا کی قسم! اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے تجھے چومتا ہوا نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا، لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے دیکھا ہے، اور ان کی یہ سنت ہے اس واسطے میں تجھے چومتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود، حدیث نمبر ۱۵۹۷)

وہاں تو حجرِ اسود کو یہ کہا جارہا ہے۔ اور یہاں اپنے ہاتھ سے ایک گنبد بنا کر کھڑا کر دیا، اپنے ہاتھ سے ایک کعبہ بنا کر کھڑا کر دیا، اور اس کو متبرک سمجھا جارہا ہے اور اس کو چوما جارہا ہے، یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے، اسی کو زندہ کیا جارہا ہے، چراغاں ہو رہا ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے۔ گانے بجائے ہو رہے ہیں، تفریح بازی ہو رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر میلہ منعقد کیا ہوا ہے۔ یہ دین کو کھیل کو د بنانے کا ایک بہانہ ہے، جو شیطان نے ہمیں سکھادیا ہے خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کریں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کریں اور اس کی عظمت اور محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ان کے راستے پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔

خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں

سیرت طیبہ کے جلسے میں کوئی آدمی اس نیت سے نہیں آتا کہ ہم اس محفل میں اس بات کا عہد کریں گے کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف پہلے پچاس کام کیا کرتے تھے تو اب کم از کم اس میں سے دس چھوڑ دیں گے، کسی نے اس طرح عہد کیا؟ کسی شخص نے اس طرح عید میلاد النبی منائی؟ کوئی ایک شخص بھی اس کام کے لئے تیار نہیں، لیکن جلوس نکالنے کے لئے، میلے سجانے کے لئے، محرابیں کھڑی کرنے کے لئے، چراغاں کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، ان کاموں پر جتنا چاہو، روپیہ خرچ کروالو، اور جتنا چاہو، وقت لگوالو، اس لئے کہ ان کاموں میں نفس کو حظ ملتا ہے، لذت آتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا جو اصل راستہ ہے اس میں نفس و شیطان کو لذت نہیں ملتی۔ خدا کے لئے ہم اپنے اس طرز عمل کو ختم کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا حق پہچانیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب :	جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی
ضبط و ترتیب :	محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت :	۲۱ فروری ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر
مقام :	جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
کمپوزنگ :	پرنٹ ماسٹرز

آج قدریں بدل گئیں، تصورات بدل گئے، اب دنیا کے اندر جو باوقعت ہے، جو اونچے مقام اور منصب والا ہے۔ جو روپے پیسے والا ہے، اس کی عزت بھی ہے، اس کا اکرام بھی ہے۔ اس کی طرف توجہ بھی ہے، اور جو شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور ہے، اس کے پاس پیسے نہیں ہے، وہ معمولی پیشے والا ہے، نہ تو دل میں اس کی عزت ہے، نہ اس کا احترام ہے۔ نہ اس کی طرف توجہ ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ حقارت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے اس طرز عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا
اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (الکہف، ۲۸)
آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذلک من الشاھدین۔

یہ علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دوسرا باب قائم فرمایا "باب فضل ضعفة

المسلمین والفقراء والخاملین " یعنی کمزور مسلمانوں کی فضیلت کے بیان میں یعنی ایسے مسلمان جو مالی اعتبار سے کمزور، منصب اور عہدہ کے اعتبار سے کمزور، جسمانی اعتبار سے کمزور ہیں، ان کے فضائل کے بیان میں یہ باب قائم فرمایا ہے۔

وہ لوگ کمزور نہیں

اس باب کے قائم کرنے کا مقصد در حقیقت اس بات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ دنیاوی اعتبار سے کوئی مقام عطا فرما دیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پیسے زیادہ دے دیئے۔ یا بڑا منصب دے دیا۔ عہدہ دے دیا۔ یا شہرت دے دی۔ یہ لوگ عام طور پر کمزور قسم کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، اور ان کے ساتھ تحقیر آمیز برتاؤ کرتے ہیں، ان کو متنبہ کرنے کے لئے یہ بتایا جارہا ہے کہ ایک آدمی جو بظاہر کمزور نظر آرہا ہے، چاہے وہ مالی اعتبار سے کمزور ہو۔ یا جسمانی اعتبار سے کمزور ہو۔ اس کے بارے میں یہ خیال مت کرو کہ وہ حقیر ہے، کیا پتہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں یہ شخص تم سے کہیں زیادہ آگے نکل جائے، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے شروع میں پہلے قرآن کریم کی آیت نقل کی ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ۔

اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جارہا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز کر کے دنیاوی زندگی کی رونق کی طرف بڑھنے لگیں...... یعنی آپ کہیں نہ سوچیں کہ یہ تو غریب، فقیر اور معمولی قسم کے لوگ ہیں۔ اور معمولی حیثیت کے آدمی ہیں، ان کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ مالداروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔

اللہ کے محبوب کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو رابطہ اور تعلق ہے، کون مسلمان اس سے ناواقف ہو گا، اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے زیادہ محبوب اس کائنات میں کوئی ہو نہیں سکتا، ایسے محبوب ہیں کہ سارا قرآن کریم آپ کی وصف و ثنا میں آپ کی تعریف میں آپ کے اوصاف کے بیان میں بھرا ہوا ہے، فرمایا کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

(سورۃ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو الفاظ کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔

محبوبانہ عتاب

لیکن سارے قرآن کریم میں دو یا تین جگہیں ایسی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا سا محبوبانہ عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا یہ عمل ہمیں پسند نہیں آیا، ان میں سے ایک "سورہ عبس" میں ہے، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے کچھ سردار آئے ہوئے تھے، آپ نے یہ محسوس کیا کہ چونکہ یہ بااثر اور سردار لوگ ہیں، اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو ان کے ذریعہ پوری قوم کی اصلاح کا راستہ کھل سکتا ہے، اس لئے آپ کے دل میں ان کو تبلیغ کرنے اور دعوت اسلام دینے کی زیادہ اہمیت پیدا ہو گئی، اس لئے آپ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے، اسی دوران حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا صحابی تھے، جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں موذن بھی مقرر فرمایا تھا، وہ حضور کی خدمت اس وقت آگئے، اور حضور سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ یہ تو اپنے ہی آدمی ہیں، روزانہ ملاقات ہوتی ہے، اگر ان اس وقت مسئلہ نہ بتایا تو بعد میں بتا دیں گے اس لئے آپ نے ان سے عرض کیا کہ تم

ذرا سا ٹھیر جاؤ، اور مشرکین کے جو سردار تھے، ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول رہے، تاکہ ان کو اسلام کی توفیق ہو جائے، اس لئے کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں گے تو پوری قوم کے مسلمان ہونے کا راستہ کھل جائے گا۔ بس اتنا سا واقعہ پیش آیا، لیکن اللہ جل جلالہ نے اس پر بھی تنبیہ فرمائی، اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

" عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ "

ان آیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب کے صیغے سے خطاب فرمایا کہ: انہوں نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، اس لئے کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آیا (گویا کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا)

وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ○

اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ○

تمہیں کیا پتہ شاید وہ نابینا شخص سنور جاتا۔ اور نصیحت حاصل کر لیتا تو آپ کی نصیحت اس کو فائدہ پہنچا دیتی

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○

جو شخص بے پروائی برتتا ہے (اور طلب لے کر آپ کے پاس نہیں آئے، بلکہ دین حق کی طرف سے استغناء کا اظہار کرتے ہیں) آپ ان کی فکر میں پڑتے ہیں۔

وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ○

حالانکہ (یاد رکھو) اگر وہ ٹھیک نہ ہوں تو آپ پر کوئی وبال نہیں (جب ان کے اندر خود طلب نہیں، بلکہ ان کے اندر استغناء ہے تو پھر آپ پر کوئی گرفت نہیں۔ اور آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا)

وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ○ وَهُوَ یَخْشٰی ○

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ○

اور جو شخص دوڑ کر آپ کے پاس آیا ہے اور دل میں اللہ کا

خوف لئے ہوئے ہے، تو آپ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

(سورۃ عبس، ابتدائی آیات)

طالب مقدم ہے

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک محبوبانہ عتاب فرمایا گیا، ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا کہ یہ کمزور آدمی ہے، اور وہ طاقتور ہیں، لہٰذا ان سے اعراض کریں، اور طاقت ور کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ بلکہ آپ کے ذہن میں یہ مصلحت تھی کہ یہ تو اپنا آدمی ہے، ان سے تو بعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔ اور یہ لوگ پتہ نہیں پھر دوبارہ آئیں یا نہ آئیں۔ لہٰذا ان کو حق کا کلمہ پہنچا دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ شخص جو طلب لے کر آیا ہے وہ اس شخص پر مقدم ہے جو طلب کے بغیر بیٹھا ہے، اور استغناء کا اظہار کرتا ہے، اس کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں، جو طلب لے کر آیا ہے اس کی طرف توجہ کریں۔

ان آیت میں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ لیکن آپ کے واسطے سے پوری امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ بظاہر معمولی حیثیت کے آدمی کو حقیقت میں معمولی مت سمجھو، کیا پتہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا کیا درجہ ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ عزت واکرام سے پیش آؤ۔

جہنمی کون لوگ ہیں؟

علامہ نووی ؒ اس باب میں پہلی حدیث یہ نقل کی ہے کہ:

عن حارثة بن وهب رضی اللہ عنه قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیه وسلم یقول: الا اخبرکم باهل الجنة؟ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابره، الا اخبرکم باهل النار؟ کل عتل جواظ مستکبر۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الکبر، حدیث نمبر ۶۰۷۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اس کو کمزور سمجھتے ہیں، یا تو جسمانی اعتبار سے کمزور ہو، یا مالی اعتبار سے کمزور ہو، یا حیثیت اور رتبے کے اعتبار سے کمزور ہو یعنی دنیا والے اس کو کم حیثیت اور کم رتبہ والا سمجھتے ہیں، لیکن وہ کمزور شخص اللہ کے یہاں اتنا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ کے اوپر کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں، یعنی اگر وہ شخص یہ قسم کھالے کہ فلاں کام اس طرح ہو گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام اسی طرح فرما دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی محبت اور قدر کی بنا پر ایسا ہی کر دیتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا، اور جھگڑے میں ایک عورت نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا، اور اسلامی قانون یہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، جب یہ سزا سنائی گئی تو وہ عورت جس کا قصاص جس میں دانت توڑنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس کے سرپرست نے کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیا: والذی بعثک بالحق لاتکسر ثنیتها یا رسول اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا، اس کا مقصد ...... معاذ اللہ ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا نہیں تھا، اور نہ عناد تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس نے کہا کہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ انشاء اللہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا چونکہ اس کا جذبہ معاندانہ نہیں تھا، اور نہ آپ کے فیصلے پر اعتراض مقصود تھا۔ اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا برا نہیں مانا۔

جہاں اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ، وہاں اسلام نے یہ بھی رکھا ہے کہ اگر ورثاء معاف کر دیں، یا صاحب حق معاف کر دے تو پھر قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اور پھر بدلہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس عورت کا دانت ٹوٹا تھا اس کے دل میں بات آگئی اور اس نے کہا کہ میں معاف کرتی ہوں، اور اس کا دانت نہیں تڑوانا چاہتی۔ چنانچہ اس کے معاف کرنے سے قصاص ختم ہو گیا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ

اللہ کے یہاں بڑے محبوب ہوتے ہیں۔ اور ظاہری حالت ان کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے بال پراگندہ، دیکھنے میں کمزور، اور اگر لوگوں کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکا دے کر نکال دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی ایسی عزت ہوتی ہے کہ اللہ پر اگر کوئی قسم کھالیں تو تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیں۔ اور یہ بھی ایسا شخص ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کر دی۔ اور وارثوں نے خود ہی معاف کر دیا۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیۃ، حدیث نمبر ۲۷۰۳)

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ایسا شخص جو دیکھنے میں کمزور ہے، اور لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں، لیکن اپنے تقویٰ کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں: ایسے لوگ جنت والے ہیں۔

جہنمی کون لوگ ہیں؟

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہل جہنم کے بارے میں نہ بتلاؤں کہ اہل جہنم کون لوگ ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ:

"کل عتل جواظ مستکبر"

ہر وہ شخص جو سخت مزاج ہو، لفظ "عتل" کے معنی ہیں، درشت مزاج، اور کھردرا آدمی جو بات کرے تو لٹھ مارے، اور بات کرتے وقت نرمی سے بات نہ کرے، سختی سے بات کرے، غصہ سے بات کرے، اور دوسروں کو حقیر سمجھے، ایسے شخص کو "عتل" کہا جاتا ہے، دوسرا لفظ فرمایا "جواظ" اس کے معنی ہیں "تک چڑھا" جس کی پیشانی پر ہر وقت بل پڑے رہتے ہوں، اور معمولی قسم کے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں، اور کمزور، کم حیثیت اور کم رتبہ آدمی سے بات کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہو۔ اور ہر وقت اکڑتا ہو، شیخی باز ہو۔ تیسرا لفظ فرمایا "مستکبر" جو تکبر کرنے والا ہو، اور اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو، اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے والا ہو۔ ان صفات والوں کے بارے

میں فرمایا کہ جہنم والے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عتل، جواظ اور مستکبر ہیں، اور اپنے کو بڑا سمجھنے والے ہیں۔

یہ بڑی فضیلت والے ہیں

اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ غریب اور مسکین لوگوں کو کم حیثیت اور کم رتبہ سمجھ کر ان کی حقارت دل میں مت لاؤ، اس لئے کہ اللہ تبارک کے یہاں ان کی بڑی فضیلت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرام میں ہر طرح کے لوگ تھے، بلکہ زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جو مالی اعتبار سے بڑی حیثیت نہیں رکھتے تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب ملکر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں۔ جو بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے، اور دوسری طرف حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہیں۔ جو کبھی دو دو تین تین وقت کے فاقے سے ہوتے تھے۔

یہ فاقہ مست لوگ

چنانچہ ایک دن کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں۔ اور آپ کی بات سننے کو تیار ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کے پاس ہر وقت معمولی قسم کے فاقہ مست لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ اس سے ہماری شان میں فرق آتا ہے۔ اس لئے آپ ان کی مجلس الگ کر دیں اور ہمارے لئے علیحدہ مجلس منعقد کریں۔ اس وقت ہم آپ کے پاس آکر آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار ہیں۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی کہ ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا جاتا۔ تاکہ اس وقت میں آکر آپ کی باتیں سن لیتے۔ اور ہو سکتا ہے دین کی باتیں سن کر ان کی اصلاح ہو جائے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو ان کی بات مان بھی لیتا۔ لیکن بات اصول کی تھی۔ اس لئے فوراً قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

"اور ان لوگوں کو مت دور کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام اس کی رضا کا قصد کرتے ہوئے پکارتے ہیں" (الانعام: ۵۲)

چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ حق کی طلب لے کر آنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہوگا۔ اور اگر نہیں بیٹھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔ اور اللہ کا رسول تم سے بے نیاز ہے۔ لیکن تمہارے لئے الگ مجلس منعقد نہیں کی جائیں گی۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

انبیاء کے متبعین

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ اس وقت کے کفار نے بھی ان سے یہی کہا کہ:

مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ

(سورۃ ہود: ۲۷)

(ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اتباع انہی لوگوں نے کی ہے، جو ہم میں بالکل رذیل قسم کے لوگ ہیں، وہ بھی محض سرسری رائے سے) مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کے پیچھے کس طرح آسکتے ہیں، اس لئے کہ ہم تو بڑے عقل مند اور بڑی شان والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جن کو تم رذیل کہہ رہے ہو، کمزور غریب اور فقیر سمجھ رہے ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں یہ لوگ بڑے رتبے والے ہیں، لہٰذا ان کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ یہاں اصول کا معاملہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری امارت اور تمہاری سرداری اور دولت مندی کے بل بوتے پر تمہیں فوقیت دے دی جائے اور یہ وہ اصول ہے جس پر اللہ اور اللہ کے رسول نے کبھی مصالحت نہیں کی، وہ ہمارے بندے دیکھنے میں چاہے کتنے کمزور ہوں اور کتنے برے لگتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت اونچا مقام ہے۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی کبھی گاؤں سے ایک صاحب آیا کرتے تھے، اور ان کا نام زاہر تھا، اور بالکل سیاہ فام آدمی اور دیہاتی تھے، اور روپے پیسے کے اعتبار سے کم حیثیت تھے۔ اور لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زاہر بازار میں کھڑے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ بازار میں ایک دیہاتی، سیاہ فام، کم حیثیت، کم رتبہ والا شخص کھڑا ہو تو اس کی طرف کون دھیان کرے گا۔ اور لباس بھی پھٹا پرانا اس کی طرف کوئی التفات بھی نہ کرے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اس بازار سے گزرے تو سارے بازار والوں کو چھوڑ کر حضرت زاہر کے پاس پیچھے سے تشریف لے گئے۔ اور پیچھے سے کولی بھر کر اس کی آنکھیں بند کرلیں۔ جیسے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی مذاق میں پیچھے سے آنکھیں بند کرلیتا ہے، جب آپ نے آنکھیں بند کرلیں تو حضرت زاہر اپنے آپ کو چھڑانے لگے کہ معلوم نہیں کس نے آکر پکڑ لیا۔ اور پھر آپ نے اس طرح آواز لگائی جس طرح سامان بیچنے والا آواز لگاتا ہے کہ

من	یشتری	العبد؟
غلام	کون	خریدے گا؟

اب تک تو حضرت زاہرؓ کو معلوم نہیں تھا کہ مجھے کس نے پکڑ لیا ہے۔ اس لئے چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن جب یہ الفاظ سنے تو فوراً پہچان گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اب اپنے آپ کو چھڑانے کے بجائے اپنی کمر کو زیادہ سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل کرنے لگے۔ اور بیساختہ ان کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ:

یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے غلام بنا کر بیچیں گے تو میری قیمت بہت کم لگے گی۔ اس لئے کہ میری قیمت لگانے والا کوئی بڑی قیمت نہیں لگائے گا اس لئے کہ میری حیثیت تو معمولی ہے۔ سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

"لکن عند اللہ لست بکاسد"

اے زاہر، لوگ تمہاری قیمت کچھ لگائیں یا نہ لگائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں۔ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اب دیکھئے کہ سارے بازار میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے تجارت کر رہے ہوں گے، اور وہ روپے پیسے والے ہوں گے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے بازار والوں کو چھوڑ کر ان کا دل رکھنے اور بشارت سنانے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح بے تکلف دوست کے ساتھ انسان پیش آتا ہے۔

(مسند احمد، ج ۳ ص ۱۶۱)

اور ساری عمر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے کہ

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المہاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیاءھم حدیث نمبر ۲۳۵۲)

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھئے، مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے۔ اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔

نوکر آپ کی نظر میں

آج قدریں بدل گئیں تصورات بدل گئے، اب دنیا کے اندر جو بلوقعت ہے۔ اونچے مقام اور منصب والا ہے، روپے پیسے والا ہے تو اس کی عزت بھی ہے اس کا اکرام بھی ہے۔ اس کی طرف توجہ بھی ہے۔ اور جو شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور ہے۔ اس کی عزت دل میں نہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں۔ اس کے ساتھ حقارت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں بعض اوقات ہم زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

(الحجرات۔ ۱۳)

جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے۔ اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور معزز ہے۔ لیکن

عملاً ہمارا ان کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔ تمہارے گھر میں جو نوکر کام کر رہے ہیں۔ یا تمہارے پاس جو فقیر لوگ آتے ہیں۔ ان کے ساتھ کس طرح بات کرتے ہو؟ ان کا دل ٹھنڈا کرتے ہو؟ یا ان کی تحقیر کرتے ہو؟ کیا ان احادیث پر عمل کرتے ہو؟ (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ان کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے آمین۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: احتجت الجنة والنار، فقالت النار: فی الجبارون والمتکبرون، قالت الجنة: فی ضعفاء الناس ومساکینهم، فقضی اللہ بینهما انک الجنة رحمتی ارحم بک من اشاء، وانک النار عذابی اعذب بک من اشاء، ولکلیکما علی ملؤها۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار یدخلها الجبارون، حدیث نمبر ۲۸۴۷)

جنت اور دوزخ کے درمیان مناظرہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان آپس میں مناظرہ اور مباحثہ ہو گیا کہ دونوں میں سے کون بہتر ہے۔ دوزخ نے کہا کہ میری شان اونچی ہے۔ اس لئے کہ میرے اندر بڑے بڑے جبار اور متکبر لوگ آکر آباد ہوں گے۔ یعنی جتنے جابر اور متکبر لوگ ہیں۔ بڑے منصب والے، بہت زیادہ مال و دولت والے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے، بڑا کہنے والے، وہ سب میرے اندر آباد ہو گئے۔ اور اس بات پر اس نے فخر کیا۔ اس کے مقابلے میں جنت نے کہا کہ میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ آباد ہوں گے، اور جنت نے اس بات پر فخر کیا، پھر ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور جنت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو جنت ہے اور میری رحمت کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے۔ تیرے ذریعہ سے میں جس پر چاہوں گا، اپنی رحمت نازل

فرمادوں گا، اور دوزخ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تو دوزخ، ہے جو میرے عذاب کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے۔ اور تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا، عذاب دوں گا، اور دونوں سے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تم دونوں کو بھروں گا، جنت کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میری رحمت نازل ہوئی، اور دوزخ کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میرا عذاب نازل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

جنت اور دوزخ کیسے کلام کریں گی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان یہ ایک مباحثہ اور مناظرہ بیان فرمایا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان واقعی یہ مکالمہ ہوا ہو، کیونکہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ ان دونوں کو زبان عطا فرما دیں، ان کو بولنے کی صلاحیت دے دیں۔ ان کے درمیان آپس میں بات چیت ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ایسی چیز کیسے بول دے گی جس کے پاس زبان نہیں ہے، جنت تو ایک علاقے، زمین اور باغات کا نام ہے۔ اور دوزخ آگ کا نام ہے۔ وہ کیسے بولیں گی؟ تو یہ دیکھئے کہ انسان کیسے بولتا ہے؟ انسان کے پاس بولنے کی قدرت کہاں سے آگئی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی، تب انسان بولنے لگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ دیتے تو انسان کے پاس بولنے کی طاقت کہاں سے آتی، اگر یہ طاقت اللہ تعالیٰ کسی پتھر کو دے دے تو وہ بول پڑے گا۔ اگر کسی درخت کو دے دے تو وہ بول پڑے گا، کسی زمین کو دے دی تو وہ بول پڑے گی۔

قیامت کے روز اعضاء کس طرح بولیں گے؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کہیں سفر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں نئی تعلیم کے دلدادہ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کسی حدیث یا آیت پر یہ شبہ پیش کیا کہ حضرت! قرآن شریف میں آتا ہے کہ

قیامت میں انسان کے اعضاء بولیں گے، قرآن کریم میں ہے کہ یہ اعضاء گواہی دیں گے، ہاتھ گواہی دے گا کہ مجھ سے یہ گناہ کیا گیا تھا۔ ٹانگ بول پڑے گی کہ میرے ذریعہ سے یہ گناہ کیا گیا تھا۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ ہاتھ بول پڑے گا، ٹانگ بول پڑے گی، یہ کیسے بول پڑیگی؟ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے، گویائی دے دیں۔ بولنے کی طاقت دے دیں، ان صاحب نے کہا کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم دلیل پوچھ رہے۔ تھے یا نظیر پوچھ رہے تھے؟ یہ ایک منطق کی اصطلاح ہے۔ دلیل تو اتنی بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، جس کو چاہے گویائی عطا فرمادیں، اور ہر چیز کی نظیر ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی مثال بھی ہو وہ صاحب کہنے لگے ویسے اطمینان کے لئے کوئی نظیر بتا دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ یہ زبان کیسے بولتی ہے؟ چونکہ اس نے پوچھا کہ ہاتھ بغیر زبان کے کیسے بولے گا؟ حضرت نے فرمایا کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ بھی تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہی ہے، اس کے اندر گویائی کی قوت کہاں سے آگئی؟ بس اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمادی، تو جو اللہ تعالیٰ اس گوشت کے اس لوتھڑے کو زبان عطا فرما سکتا ہے، وہ ہاتھ کو بھی عطا فرما سکتا ہے۔ اس لئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ؟

بہر حال! نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان جو یہ مکالمہ بیان فرمایا، اس کے بالکل ٹھیک ٹھیک حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت دیں دیں، اور ان کے درمیان مکالمہ ہو، تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک تمثیل ہو۔

جہنم متکبرین سے بھر جائیں گی

بہر حال! جہنم جبار اور متکبر لوگوں سے بھری ہوگی، جو لوگوں پر اپنی بڑائی جتاتے ہیں، اور تکبر کا معاملہ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لوگوں کے ساتھ بڑائی جتاتے اور شیخیاں بھگارتے ہیں ایسے لوگوں سے جہنم بھری ہوگی۔

جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی

اور جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی، جو بظاہر دیکھنے میں کمزور معلوم ہوں۔ جو متواضع اور مسکین طبع ہوں۔ جو دوسروں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں، تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھیں، ایسے لوگوں سے جنت بھری ہوگی۔

تکبر اللہ کو ناپسند ہے

جہنم اللہ تعالیٰ نے متکبرین سے بھردی ہے۔ اس واسطے کہ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے، اپنے آپ کو بڑا سمجھے، اور دوسروں کو چھوٹا سمجھے، اپنے آپ کو عظیم سمجھے، دوسروں کو حقیر سمجھے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر اور بڑائی ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الکبریاء ردائی فمن نازعنی فیہ قذفتہ فی النار

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الکبر، حدیث نمبر ۴۰۹۰)

بڑائی تو درحقیقت میری چادر ہے، میری صفت ہے، اللہ اکبر، اللہ بڑا ہے جو شخص مجھ سے اس چادر میں جھگڑا کرے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا۔ حقیقت میں یہ تکبر جہنم کی طرف لیجانے والا عمل ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس گناہ سے بچائے۔ آمین۔ اور یہ اتنا شدید گناہ ہے کہ یہ ام الامراض ہے، گناہوں کی جڑ ہے، اس ایک تکبر سے نہ جانے کتنے گناہ نکلتے ہیں، ایک مرتبہ جب انسان کے دل میں تکبر آگیا، اور اپنی بڑائی کا خیال آگیا تو اس کے بعد وہ انسان کو طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

متکبر کی مثال

عربی زبان کی ایک بڑی عجیب اور حکیمانہ مثل ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ متکبر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، اور وہ بلند ہونے کی وجہ دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور دوسرے اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں، تو متکبر جب بھی وہ

دوسرے پر نگاہ ڈالے گا تو اس کے دل میں دوسروں کی حقارت آئے گی۔ اور کسی بھی مومن کے اوپر، مومن تو کجا، کافر کے اوپر بھی حقارت کی نگاہ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔ اب جو شخص متکبر ہوگا وہ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور جتنے انسانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اتنے ہی گناہ کبیرہ اس کے نامہ اعمال میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

پھر متکبر جب دوسروں سے بات کرے گا تو ایسے کرخت انداز میں بات کرے گا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے۔ اور کسی مسلمان کا دل توڑنا بھی گناہ ہے۔

کافر کو بھی حقارت سے مت دیکھو

اور یہ جو میں نے کہا کہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو، یہ بھی گناہ ہے۔ اس لئے کہ کیا پتہ کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کافر کو ایمان کی توفیق دے دیں۔ اور وہ تم سے آگے بڑھ جائے۔ لہٰذا کافر کی حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ کفر کی حقارت ہونی چاہئے۔ فسق اور گناہ کی حقارت تو دل میں ہو، لیکن گناہ گار کی ذلت سے حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ فرق کہ کس وقت دل میں گناہ اور کفر کی حقارت ہے، اور کس وقت اس آدمی کی حقارت دل میں ہے جو اس کفر اور گناہ میں مبتلا ہے۔ آدمی کو بسا اوقات اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

حکیم الامت ؒ کی تواضع

ہم اور آپ تو کس شمار میں ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنے آپ کو ہر مسلمان سے فی الحال اور کافر سے فی المآل والاحتمال کمتر سمجھتا ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو ہر مسلمان سے اس وقت اور کسی کافر کو اس احتمال پر کہ شاید یہ کسی وقت مسلمان ہو جائے۔ اور مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں"

"تکبر" اور "ایمان" جمع نہیں ہوسکتے

اور تکبر ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، جب انسان کے دل میں تکبر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔ تو بعض اوقات ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ آخر یہ تکبر ہی تو تھا جو شیطان اور ابلیس کو لے ڈوبا، اس سے کہا گیا کہ سجدہ کر، بس دماغ میں یہ تکبر آگیا کہ میں تو آگ سے بنا ہوا ہوں، اور یہ مٹی سے بنا ہوا ہے، دل میں اس کی حقارت آگئی، اور اپنی بڑائی آگئی۔ ساری عمر کے لئے راندہ درگاہ اور متروک اور مردود ہو گیا، یہ تکبر اتنی خطرناک چیز ہے۔

"تکبر" ایک خفیہ مرض ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم اور آپ پر کہیں زیادہ مہربان ہیں، وہ اس حدیث کے ذریعہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو، تکبر قریب پھٹکنے نہ پائے، یہ ایسی بیماری ہے کہ بسا اوقات بیمار کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہوں۔ حقیقت میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، لیکن حقیقت میں اس کے اندر تکبر ہوتا ہے اس کا پتہ چلانا بھی آسان نہیں، اسی لئے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی اللہ والے سے کسی شیخ کامل سے تعلق قائم کرو۔

پیری مریدی کا مقصد

یہ پیری مریدی کا جو رواج ہے کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو برکت ہوگی، اور وہ کچھ وظیفے بتا دیں گے تو وظیفہ پڑھ لیں گے، وغیرہ۔ خوب یاد رکھئے! کہ یہ اس کا اصل مقصد نہیں ہے۔ کسی شیخ کے پاس جانے یا کسی مصلح کے پاس جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ جو دل کی بیماریاں ہیں۔ جن میں سر فہرست یہ تکبر کی بیماری ہے۔ ان کا علاج کرائیں۔ جیسے بیمار کو پتہ نہیں ہوتا

کہ میں کس بیماری میں مبتلا ہوں۔ اور پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے، اسی طرح شیخ روحانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ اسی تشخیص کے لئے شیخ سے رجوع کیا جاتا ہے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا معالج سے رابطہ قائم کرنے کی ایک صورت ہے۔

روحانی علاج

آج کل ایک مصیبت یہ آگئی ہے کہ تعویذ گنڈوں کا نام "روحانی علاج" رکھ دیا ہے، تعویذ لکھوالئے۔ گنڈے لکھ والئے۔ دم درود کرالیا۔ بس اس کا نام "روحانی علاج" رکھ لیا۔ خوب سمجھ لیجئے۔ یہ روحانی علاج نہیں، بلکہ روحانی علاج یہ ہے کہ اپنے دل کی جو بیماریاں ہیں۔ مثلاً۔ تکبر، حسد، بغض، عداوت وغیرہ جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاج کے لئے کسی شیخ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور شیخ پھر پتہ لگاتا ہے کہ اس کے دل میں تکبر تو نہیں ہے اگر ہے تو اس کا آسان علاج اس شخص کے لئے کیا ہے؟ پھر وہ اپنے تجربہ سے مناسب حال علاج تجویز کرتا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی تجویز پر عمل کرنا یہ بیعت کی حقیقت ہے۔

حضرت تھانوی ؒ کا طریقہ علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے یہاں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ ان بیماریوں میں مبتلا لوگ آتے، اور آپ ان کا علاج فرماتے، ان کا علاج بھی کوئی دوا پلا کر نہیں ہوتا تھا۔ وظیفے پڑھوا کر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ عمل سے ہوتا تھا۔ بہت سے لوگوں کا علاج اس طرح کیا گیا کہ ایک تکبر میں مبتلا شخص آیا، بس اس کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں، تم ان کے جوتے سیدھے کیا کرو، بس اس کام پر لگا دیا، نہ کوئی وظیفہ، نہ کوئی تسبیح، نہ کوئی ورد، اس کو دیکھ کر پہچان لیا کہ اس کے اندر تکبر کی بیماری ہے۔ اور اس کا یہ علاج اس کے لئے مناسب ہوگا۔

تکبر کا راستہ جہنم کی طرف

اللہ تعالیٰ اس بیماری سے ہمیں بچائے۔ غرض یہ بیماری انسان کے قلب کے اندر اس طرح داخل ہوتی ہے کہ بسا اوقات اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا، وہ تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ٹھیک ٹھاک آدمی ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ تکبر کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا سیدھا راستہ جہنم کی طرف جارہا ہے، اور ایمان حقیقی تکبر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، اس واسطے اس کے علاج کی فکر کی ضرورت ہے۔ اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

جنت میں ضعفاء اور مساکین کی کثرت

اس حدیث کے دوسرے حصے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوئی ہے، یعنی جن کو تم دنیا کے اندر بے حقیقت سمجھتے ہو، غریب، غرباء، فقیر فقراء، معمولی حیثیت والے۔ معمولی کپڑے پہننے والے، ایسے لوگ جن کی طرف لوگ التفات بھی نہیں کرتے، ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ جل جلالہ سے قریب ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں۔ اور جنت کے اندر اکثر لوگ ایسے ہوں گے۔

انبیاء کے متبعین اکثر غرباء ہوتے ہیں

قرآن کریم کے اندر انبیاء علیہم السلام کے واقعات دیکھ لیجئے کہ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے، ان سب کی اتباع کرنے والے اور پیچھے چلنے والے۔ یہ غریب غرباء اور کمزور مسکین قسم کے لوگ تھے۔ اور یہی وجہ کہ تمام مشرکین یہ اعتراض کرتے تھے ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں۔؟ ان میں تو کوئی ماہی گیر ہے۔ کوئی مچھیرا ہے۔ کوئی بڑھئی ہے۔ کوئی دوسرا معمولی پیشے والا ہے۔ یہ سب آپ کے پاس آکر بیٹھتے ہیں۔ اور ہم تو بڑے سردار ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں؟ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہی کے اوپر فضل فرمایا۔ اور ان کو وہ مقام بخشا کہ دوسرے اس مقام

کو ترستے رہے۔ لہٰذا ظاہری اعتبار سے جو لوگ کمزور نظر آتے ہیں ان کو کبھی یہ نہ سمجھو کہ معاذ اللہ یہ حقیر ہیں۔ ان کی تحقیر کبھی دل میں نہ لاؤ۔ اور ان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ ایسا نہ کرو۔

ضعفاء اور مساکین کون ہیں؟

اس حدیث میں دوسری بات جو خاص طور پر عرض کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ استعمال فرمائے۔ ایک "ضعفاء۔" اور دوسرے "مساکین" ضعفاء کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعتبار سے کمزور، مالی اعتبار سے کمزور، رتبے کے اعتبار سے کمزور، منصب کے اعتبار سے کمزور، اور لفظ "مساکین" جمع ہے "مسکین" کی۔ اور "مسکین" کے دو معنی آتے ہیں، ایک تو مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں، اور جو مفلس ہو، دوسرے مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس کے مزاج میں مسکنت ہو۔ اس کی طبیعت میں مسکنت ہو، چاہے اس کے پاس پیسے ہوں۔ اور وہ مالدار بھی ہو، لیکن طبیعت میں تکبر پاس سے نہیں گزرا، وہ مسکینوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مسکینوں کو اپنے قریب رکھتا ہے۔ اس کی طبیعت میں عاجزی ہے۔ تکبر کی بات کبھی نہیں کرتا۔ ایسا شخص مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

مسکین اور مالداری جمع ہو سکتے ہیں

لہٰذا یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ صاحب! اگر کسی کے پاس مال ہے۔ اور وہ خوش حال ہے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال دیا ہے۔ دولت عطا فرمائی ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن اگر طبیعت میں مسکنت اور عاجزی ہے۔ تکبر نہیں ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے تو وہ بھی انشاء اللہ مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

فقر اور مسکینی الگ الگ چیزیں ہیں

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔

(ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فقراء المہاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم حدیث نمبر ۲۳۵۲)

اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھیو، اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے۔ اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔ اور ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اللھم انی اعوذبک من الفقر

(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاستعاذہ، حدیث نمبر ۱۵۴۴)

اے اللہ! میں فقر سے مفلسی سے اور دوسروں کی احتیاج سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، آپ نے فقر سے تو پناہ مانگی اور مسکینی کی دعا فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ مسکینی کوئی اور چیز ہے۔ یہ فقرو فاقہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ مسکینی سے مراد طبیعت کی مسکینی مزاج کی مسکینی تواضع خاکساری اور مسکینوں کے ساتھ اچھا معاملہ وغیرہ ہے۔ اگر یہ خاکساری دلوں میں پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس بشارت میں داخل ہو سکتے ہیں جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

پھر حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمایا دیا کہ جنت سے تو یہ کہہ دیا کہ تم تو میری رحمت کا نشان ہو، لہٰذا جس پر مجھے رحمت کرنی ہوگی، تمہارے ذریعے رحمت کروں گا۔ اور جہنم سے فرما دیا کہ تم میرے عذاب کا نشان ہو۔ جس کو عذاب دینا ہوگا۔ تمہارے ذریعے دوں گا، اور دونوں کو بھر کے رہوں گا، جنت کو بھی انسانوں سے بھروں گا اور جہنم کو بھی بھروں گا، اس واسطے کہ دنیا میں دونوں قسم کے انسان پائے جائیں گے، وہ بھی جو جنت کے حقدار ہیں جنت کے اعمال کرنے والے

ہیں، اور وہ بھی جو جہنم کے اعمال کرنے والے ہیں۔ بس! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمادے جن کو اللہ تعالیٰ، جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ آمین ثم آمین۔

ایک بزرگ زندگی بھر نہیں ہنسے

ایک بزرگ تھے، ان کے بارے یہ بات مشہور ہے کہ ساری زندگی میں ساری عمر میں کبھی نہیں ہنسے، ان کے منہ پر کبھی تبسم بھی نہیں دیکھا گیا۔ ہروقت فکرمند رہتے تھے، کسی شخص نے ان پوچھا کو حضرت! ہم نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ آپ کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نظر آئی۔ آپ ہمیشہ فکر مند نظر آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ کچھ مخلوق تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے، اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو جہنم کے لئے پیدا فرمائی ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کونسے زمرے میں داخل ہوں۔ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے کہ میں جنت والے زمرے میں داخل ہوں، اس وقت تک ہنسی کیسے آئے؟ بس اس فکر کے اندر ہروقت مبتلاء رہتا ہوں۔

مومن کی آنکھیں کیسے سو سکتی ہیں

کسی بزرگ کا شعر ہے کہ:

وکیف تنام العین وھی قریرۃ
ولم تدر فی ای المحلین تنزل!

کہ مومن کی آنکھ اطمینان اور چین سے کیسے سو سکتی ہے، جب تک کہ اس کو یہ پتہ نہ چلے کہ دونوں مقامات میں سے کس مقام پر اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

روح قبض ہوتے ہی مسکراہٹ آگئی

لہٰذا ساری عمران بزرگ کو ہنسی نہیں آئی، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ جس وقت انتقال ہوا تو روح قبض ہوتے ہی چہرے پر مسکراہٹ آگئی کہ آج پتہ چل گیا کہ کس

زمرے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔

غفلت کی زندگی بری ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ جن لوگوں کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقام رضا میں ہیں، یا معاذ اللہ۔ مقام غضب میں ہیں۔ ان کو خوشی کیسے آسکتی ہے۔ لیکن یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم اور آپ پر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت طاری نہیں ہونے دیتے۔ اگر سارے انسانوں پر یہی کیفیت طاری ہو جائے تو دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔ دنیا کا کاروبار نہ چل سکے، اس واسطے یہ کیفیت طاری نہیں ہونے دیتے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جابجا احادیث میں متنبہ فرماتے رہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غفلت میں مبتلا ہو جاؤ، اور ساری عمر یہ خیال نہ آئے کہ کہاں جارہے ہو۔ جنت کی طرف جارہے ہو یا جہنم کی طرف جارہے ہو، بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھ لو کہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ جنت کی طرف جانے والا ہے یا جہنم کی طرف جانے والا ہے، اور اپنے اعمال پر نظر رکھو کہ ہم کونسے اعمال کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس مخلوق میں شامل فرمادے جو اس نے جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے ...... آمین ......

ظاہری صحت وقوت، حسن و جمال پر مت اتراؤ

اگلی حدیث ہے کہ:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: انہ لیاتی الرجل العظیم السمین یوم القیامۃ لایزن عند اللہ جناح بعوضۃ ؛

(صحیح بخاری، کتاب تفسیر سورۃ الکھف، باب اولئک الذین کفروا، حدیث نمبر ۴۷۲۹)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص لایا جائے گا جو جسمانی اعتبار سے بڑا موٹا تازہ ہو گا اور بڑے مرتبے والا ہو گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر

کے برابر بھی نہیں ہوگا...... یہ ساری دنیاوی عظمت اور یہ جسمانی صحت اور جسمانی حسن یہ سب دھرا رہ گیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس شخص نے باوجود صحت و طاقت کے اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے والے کام نہیں کئے، اس لئے اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں۔

اس حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ اپنے ظاہری حسن و جمال پر اپنی صحت پر، اپنی قوت پر اپنے مرتبے پر اپنے مال و دولت پر کبھی نہ اتراؤ، ہو سکتا ہے کہ یہ مال و دولت، یہ مرتبہ، یہ صحت و قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اعمال کیسے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہے ہو یا نہیں۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والی خاتون

وعنه رضي الله عنه ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد او شابا ففقدها او فقده رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عنها او عنه، فقالوا: مات، قال: افلا كنتم آذنتموني به، فكأنهم صغروا امرها او امره، فقال: دلوني على قبره، فدلوه فصلى عليه، ثم قال: ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله ينورها لهم بصلاتي عليهم۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر بعد ما یدفن، حدیث نمبر ۱۳۳۷)

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرما رہے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون تھیں۔ جو کبھی کبھی مسجد نبوی میں آکر جھاڑو دیا کرتی تھیں، اور وہ خاتون سیاہ فام تھیں، لیکن وہ خاتون چند روز

تک آپ کو نظر نہیں آئیں۔ اور مسجد نبوی کی جھاڑو اور صفائی کے لئے نہ آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے بارے میں صحابہ کرام سے پوچھا کہ کافی دن سے وہ خاتون نظر نہیں آرہی ہیں، اور مسجد کی جھاڑو لگانے نہیں آرہی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک فرد کے ساتھ کس درجہ کا تعلق تھا۔ وہ خاتون آتیں جھاڑو لگا کر چلی جاتیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ اور یادداشت میں وہ محفوظ تھیں، اس لئے صحابہ کرام سے آپ نے پوچھا کہ کیوں نہیں آئیں، کیا بات ہے؟ صحابہ کرام سے عرض کیا! یا رسول اللہ! ان کا تو انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے انتقال کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا تک نہیں تو صحابہ کرام سے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن، انداز ایسا اختیار فرمایا جس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ حضور! وہ تو ایک معمولی قسم کی خاتون تھیں، اگر انتقال ہو گیا تو اتنی بڑی اہم بات نہیں تھی کہ آپ جیسی ہستی کو اس کے بارے میں بتایا جاتا...... تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ کس جگہ ان کو دفن کیا ہے؟ آپ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اور جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی......

قبر پر نماز جنازہ کا حکم

عام طور سے نماز جنازہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تب بھی شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک میت کے پھولنے پھٹنے کا احتمال نہ ہو اس وقت تک تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اگر اندیشہ ہو کہ اتنے دن گزرنے کی وجہ سے لاش پھول پھٹ گئی ہو گی تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

قبریں اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کی خصوصیت کے طور پر، اس کے امتیاز کے طور پر اور صحابہ کرام کو جتانے کے لئے آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ قبریں ظلمتوں اور اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے ان قبروں میں نور پیدا فرما دیتے ہیں۔

کسی کو حقیر مت سمجھو

یہ عمل آپ نے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ کسی بھی شخص کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، وہ اگر دنیاوی اعتبار سے معمولی رتبے کا ہے، اس کو یہ نہ سمجھو کہ یہ حقیقت میں بھی معمولی رتبے کا ہے اس کو اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ وہ اللہ جل شانہ کے نزدیک کیا مقام رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہو،

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

لہٰذا کسی بھی انسان کو معمولی ہیئت میں دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ ایک بے حقیقت انسان ہے، کیا پتہ کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کتنا مقبول ہے۔

یہ پراگندہ بال والے

وعنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الضعفاء والخاملین، حدیث نمبر ۳۱۲۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے ایسے لوگ جو پراگندہ بال والے ہیں، ان کے بالوں میں کنگھی نہیں کی گئی ہے، اور غبار آلود جسم اور چہرہ والے،

محنت اور مزدوری کر کے کماتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے جسم پر اور چہرہ پر گرد کی تہہ جمی ہوئی ہے اور یہ لوگ اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ ان کو دھکا دے کر ان کو نکال دیں۔ یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے تو بے حقیقت ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں ان کی یہ قدر و قیمت ہوتی ہے کہ اگر اللہ جل جلالہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پوری کر دیں۔ یعنی اگر یہ لوگ قسم کھا کر کہہ دیں کہ فلاں کام ہو گا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ وہی کام کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ کام نہیں ہو گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام روک دیتے ہیں۔

غرباء کے ساتھ ہمارا سلوک

ان تمام حدیثوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ظاہری اعتبار سے کسی انسان کو دیکھ کر اس کو معمولی اور بے حقیقت نہ سمجھو۔ زبان سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک امیر غریب برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں غریب کی بڑی قیمت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم ان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، کیا اس وقت واقعی یہ باتیں ہمارے ذہن میں رہتی ہیں؟ اپنے نوکروں کے ساتھ، اپنی خادموں کے ساتھ، اپنے ماتحتوں کے ساتھ، اور دنیا میں جو غریب غرباء نظر آتے ہیں، ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ حقیقت ہمارے ذہن میں رہتی ہے یا نہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ زبان سے تو میں تقریر کر لوں گا۔ اور آپ تقریر سن لیں گے۔ لیکن جب کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس وقت سب بھول جائیں گے۔

حضرت تھانوی" کا اپنے خادم کے ساتھ برتاؤ

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان حقائق کو مدنظر رکھنے کی توفیق دیتے ہیں، ان کا قصہ سن لیجئے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے بھائی نیاز، خانقاہ میں آنے جانے والے تمام حضرات انہیں "بھائی نیاز" کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت تھانوی" کے خاص منہ چڑھے خادم تھے، اور چونکہ حضرت" کی خدمت کرتے تھے

اور حضرت والا کی صحبت بھی حاصل تھی، تو ایسے لوگوں میں کبھی ناز بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تھے تو "نیاز" لیکن تھوڑا سا "ناز" بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے خانقاہ میں آنے جانے والوں سے کبھی چھیڑ ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرت والا سے بھائی نیاز کی شکایت کی حضرت یہ لوگوں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں، اور مجھے بھی انہوں نے برا بھلا کہا ہے، چونکہ حضرت والا کو پہلے بھی ان کی کئی شکایتیں پہنچ چکی تھیں، اس لئے حضرت والا کو بہت تکلیف ہوئی کہ یہ دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں حضرت والا نے ان کو بلایا، اور ڈانٹ کر فرمایا کہ میاں نیاز! یہ تم کیا ہر آدمی سے لڑتے جھگڑتے پھرتے ہو، انہوں نے سن کر چھوٹتے ہی جواب میں کہا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔ اب یہ الفاظ ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے۔ آقا بھی کونسے "حکیم الامت حضرت تھانوی" ...... حقیقت میں ان کا مقصد بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت! آپ جھوٹ نہ بولیں۔ بلکہ اصل میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے آپ تک شکایت پہنچائی ہے، انہوں نے جھوٹی شکایت پہنچائی ہے۔ ان کو چاہئے کہ جھوٹ نہ بولیں، اللہ سے ڈریں۔ لیکن جذبات میں بے اختیار لفظ زبان سے یہ نکلا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔ اب دیکھئے کہ اگر ایک آقا اپنے نوکر کو ڈانٹ رہا ہو۔ اور نوکر یہ کہہ دے کہ جھوٹ نہ بولو تو اور زیادہ غصہ آئے گا اور زیادہ اشتعال پیدا ہو گا۔ لیکن یہ حضرت حکیم الامت" تھے، ادھر ہر انہوں نے کہا کہ جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو، ادھر حضرت والا نے فوراً گردن جھکالی اور فرمایا استغفر اللہ استغفر اللہ، استغفر اللہ،

کان وقافاً عند حدود اللہ

اور پھر بعد فرمایا میں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، وہ یہ کہ میں نے ایک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا، اور حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی ایک بات کی سن کر فوراً فیصلہ نہ کریں، جب تک دوسری طرف کی بات بھی نہ سن لیں، پہلے مجھے ان سے پوچھنا چاہئے تھا کہ کیا قصہ ہوا؟ وہ اپنا موقف پہلے بیان کر دیتا، پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کرتے، لیکن میں نے پہلے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تو غلطی مجھ سے ہوئی، اور جب اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو تو میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا معلوم ہوا کہ واقعۃً مجھ سے غلطی ہوئی، اور

میں نے استغفراللہ استغفراللہ پڑھا۔
یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے کہا گیا کہ:

کان وقافاعند حدود اللّٰہ

اللہ کے حدود کے آگے رک جانے والے۔ بھائی نوکروں کے ساتھ اور خادموں کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، ان کے ساتھ کسی وقت تحقیر کا معاملہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

جنت اور دوزخ میں جانے والے

"وعن اسامة رضی اللّٰہ عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال قمت علی باب الجنة، فاذا عامة من دخلها المساکین واصحاب الجد محبوسون غیر اصحاب النار قد امر بھم الی النار، وقمت علی باب النار، فاذا عامة من دخلها النساء"

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا تأذن المرأة فی بیت زوجھا لاحد الا باذنہ، حدیث نمبر ۵۱۹۶)

حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، گویا کہ یہ منہ بولے پوتے ہیں، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا ...... یہ شاید معراج کا واقعہ ہوگا، کیونکہ معراج کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ دونوں کی سیر کرائی گئی، یا کسی اور موقع پر عالم رویت یا عالم کشف میں ایسا ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ جو مجھے جنت میں نظر آئے، وہ مسکین قسم کے لوگ تھے، اور میں نے دیکھا کہ دنیا میں جن کو خوش بخت شمار کیا جاتا تھا کہ بڑے خوش حال ہیں، بڑے صاحب منصب ہیں، اور دولت مند ہیں، جن کو لوگ دنیا میں بڑی قسمت والے سمجھتے ہیں، وہ سب جنت کے دروازے پر رکے کھڑے ہیں، جیسا کہ ان کو کسی نے روکے رکھا

ہے کہ داخل نہیں ہو سکتے، ...... اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس لئے رکے کھڑے تھے کہ وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق تو تھے، لیکن حساب و کتاب اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب تک اس حساب کتاب کو صاف نہ کریں، اس وقت تک جنت میں داخلے کی اجازت نہیں، اس لئے وہ دروازے پر کھڑے ہیں ...... اور ان میں جو جہنم والے تھے ان کے بارے میں حکم ہو گیا تھا کہ ان کو جہنم میں لے جایا جائے اور جہنم کے دروازے پر میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو اکثر اس میں داخل ہونے والی عورتیں ہیں، عورتوں کی تعداد جہنم کے اندر زیادہ نظر آئی۔

مساکین جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں دو حصے بیان فرمائے، ایک یہ کہ جنت میں اکثر و بیشتر داخل ہونے والے لوگ مساکین نظر آئے، اس کی تفصیل پیچھے بھی آچکی ہے، اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ ضروری نہیں مساکین سے مفلس اور فقیر مراد ہوں، بلکہ وہ لوگ جو طبیعت کے اعتبار سے مسکین ہیں، وہ بھی انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے مسکین کے اندر داخل ہیں۔

عورتیں دوزخ میں زیادہ کیوں ہوں گی

دوسرا حصہ یہ ہے کہ جہنم میں جو اکثر آبادی نظر آئی وہ عورتوں کی نظر آئی۔ ایک دوسری حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کر کے فرمایا:

انی أریتکن اکثر اھل النار

(مسند احمد ج ۲ ص ۶۷)

مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کے اکثر باشندے تم ہو، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت بحیثیت عورت ہونے کے جہنم کی زیادہ مستحق ہے۔ بلکہ دوسری حدیث میں سرکار دو عالم صلی علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرمائی وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کہ جہنم کی آبادی میں اکثر حصہ عورتوں کا

ہے۔ تو خواتین نے عرض کیا کہ: بم یارسول اللہ؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی؟ آپ نے اس کی دو وجہیں بنیادی طور پر بیان فرمائیں وہ یہ کہ "تکثرن اللعن و تکفرن العشیر" دو خرابیاں خواتین کے اندر ایسی ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں، جو عورت ان سے بچ جائے گی وہ انشاء اللہ جہنم سے بھی بچ جائے گی۔ پہلی وجہ بیان فرمائی کہ "تکثرن اللعن" کہ لعن طعن بہت کرتی ہو، یعنی ایک دوسری کو لعنت دینے کا رواج تمہارے اندر بہت زیادہ ہے۔ معمولی معمولی بات پر کسی کو بد دعا دے دی کسی کو کوسنا دے دیا کسی کو برا بھلا کہہ دیا اور طعنہ دینا بھی بہت ہے۔ طعنہ اس بات کو کہتے ہیں کہ ایسا جملہ بول دیا جس سے دوسرے کے جسم میں آگے لگ گئی اس کا دل ٹوٹ گیا اس کے نتیجے میں دوسرے کو پریشان کر دیا اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس میں خواتین بہت مبتلا ہوتی ہیں۔

شوہر کی ناشکری

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ "تکفرن العشیر" یعنی تم شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو یعنی اگر کوئی بیچارہ شریف سیدھا شوہر وہ جان مال اور محنت خرچ کر کے تمہیں راضی کرنے کی فکر کر رہا ہے، لیکن تمہاری زبان پر شکر کا کلمہ مشکل ہی سے آتا ہے بلکہ ناشکری کے کلمات زبان سے نکالتی ہو۔ یہ دو سبب ہیں جن کی وجہ تم جہنم میں زیادہ جاؤ گی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناشکری کفر ہے

ناشکری یوں تو ہر حالت میں بری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے، اور اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ عربی زبان اور شریعت کی اصطلاح میں "ناشکری" کا نام "کفر" ہے اس لئے "کفر" جس سے "کافر" بنا ہے، اس کے اصلی معنی ہیں "ناشکری" اور کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی نعمتوں سے نوازا، اس کو پیدا کیا اس کی پرورش کی، اس پر نعمتوں کی بارش فرمائی اور وہ ناشکری کر کے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرا دیتا

ہے۔ یا ایسی محسن ذات کے وجود کا انکار کرتا ہے اس لئے یہ اتنی خطرناک چیز ہے۔

شوہر کے آگے سجدہ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں دنیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرے، لیکن سجدہ چونکہ کسی اور کے لئے حلال نہیں اس لئے یہ حکم نہیں دیتا۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی ناشکری نہ کرے اور جب وہ اس کی ناشکری کرے گی تو وہ در حقیقت اللہ کی ناشکری ہوگی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو شوہر کی ناشکری اتنی ناپسند ہے کہ خواتین کو بتلا دیا کہ اس کی وجہ سے تم جہنم میں جاؤ گی یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

(ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث نمبر ۲۱۴۰)

جہنم سے بچنے کے دو گر

اللہ تعالیٰ نے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق رکھے ہیں اور بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق رکھے ہیں خاص طور سے ہماری بہنوں کے لئے بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اہتمام کر کے خواتین کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تمہارے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ دو باتیں ہیں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اللہ تعالیٰ کے دین کا مزاج شناس ہوگا اور اپنی امت کے افراد کا مزاج شناس ہوگا؟ آپ سے زیادہ کوئی مرض کو پہچاننے والا نہیں ہو سکتا۔ اور مرض کی تشخیص کرنے والا اور علاج بتانے والا نہیں ہو سکتا۔ تو عورتوں کو جہنم سے بچانے کے لئے آپ نے دو گر بتا دیئے ایک یہ کہ لعن طعن نہ کرو، اور دوسرے شوہر کی ناشکری نہ کرو۔

اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں

حدیث شریف میں یہاں تک فرمایا کہ اگر شوہر عورت کو بستر پر بلائے اور وہ نہ جائے یا فرمایا کہ اگر عورت ایک رات اس طرح گزارے کہ اس کا شوہر اس سے خفا ہو اور اس کے حقوق اس عورت نے ادا نہ کئے ہوں ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں اتنی خطرناک وعید حضور اقدس صلی اللہ وسلم نے بیان فرمائی۔

زبان پر قابو رکھیں

اس وقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جو فرمایا جارہا ہے کہ عورتوں کی تعداد جہنم میں مردوں کے نسبت زیادہ ہو گی، آج کل یہ عورتوں کے حقوق کا بڑا چرچہ ہے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ عورت کو نہ بہت نچلا مقام دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جہنم میں بھی عورتیں زیادہ بھر دی گئیں لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ وہ عورتیں جہنم میں اس لئے نہیں بھری گئیں کہ وہ عورتیں ہیں بلکہ اس لئے بھر دی گئیں کہ ان کے اندر بد اعمالیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر زبان ان کو جہنم میں لے جانے والی ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جہنم میں اوندھا گرانے والی چیز اس کی زبان ہے اور عام طور پر جب یہ زبان قابو میں نہیں ہوتی تو اس سے بے شمار گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ مرد کی زبان پھر بھی کچھ قابو میں ہوتی ہے۔ اور خواتین زبان کو قابو میں رکھنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتیں۔ اس کے نتیجے میں یہ فساد پیدا ہوتا ہے خدا کے لئے اپنی زبانوں کو احتیاط سے استعمال کرنے کی کوشش کریں کہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالیں جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور خاص طور پر شوہر، جس کا دل رکھنا اللہ تعالیٰ نے بیوی کے فرائض میں شامل فرمایا ہے، لہذا یہ جو کہا گیا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبردستی جہنم میں عورتوں کی تعداد بڑھادی گئی ہے بلکہ وہ تو درحقیقت ان اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو ان اعمال سے بچائیں۔ اور اگر یہ خود اہتمام سے بچنے کی کوشش کریں تو انشاء اللہ ضرور بچ جائیں گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنت کی خواتین کی سردار بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون کو بنایا ہے۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کو جنت کا مستحق بھی قرار

دیا۔ لیکن سارا مدار ان اعمال پر ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

دوسری ایک بات اور سمجھ لیں جو اسی حدیث سے نکلتی ہے وہ یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ عبادت کم کرتی ہیں یہ نہیں فرمایا کہ نفلیں کم پڑھتی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تلاوت کم کرتی ہیں وظیفے کم کرتی ہیں۔ بلکہ سبب کے اندر جو دو باتیں بتائیں لعنت اور شوہر کی ناشکری ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس سے نفلی عبادات کے مقابلے میں حقوق العباد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اپنی رحمت سے ان تمام حقوق کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیرہ خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ آمین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نفس کی کش مکش

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہم العالی
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت : ۱۰ر مئی ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر۔
مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال۔ کراچی
کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

ہمارا نفس دنیاوی لذتوں کا عادی ہو چکا ہے، جس کام میں اس کو لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس کی طرف یہ دوڑتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہار چھوڑ دے۔ اس کی ہر بات مانتا جائے، اور لذت کے حصول کا جو بھی تقاضہ پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان، انسان نہیں رہتا ہے، بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

نفس کی کش مکش

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

امابعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ،

(سورۃ العنکبوت: ٦٩)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔

"مجاہدے" کا مطلب

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے "باب فی المجاھدة" "مجاہدہ" کے لفظی معنی ہیں "کوشش کرنا، محنت کرنا"، "جہاد" بھی اسی سے نکلا ہے، اس لئے کہ عربی زبان میں "جہاد" کے معنی لڑنے کے نہیں ہیں، بلکہ محنت اور کوشش کرنے کے ہیں، اور لفظ "مجاہدہ" کے معنی بھی یہی ہیں، یعنی "کوشش کرنا" اور قرآن و سنت اور صوفیاء کی اصطلاح میں "مجاہدہ" اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے اعمال درست ہو جائیں، اس کے اخلاق درست ہو جائیں، اور گناہوں سے بچ جائے، اور اپنے نفس کو غلط سمت میں جانے سے بچائے، اس کا نام "مجاہدہ" ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المجاهد من جاهد نفسه

(ترمذی، فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل من مات مرابطاً، حدیث نمبر ۱۶۲۱)

فرمایا کہ اصلی "مجاہد" وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، لڑائی کے میدان دشمن سے لڑنا بھی "جہاد" ہے، لیکن اصلی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اس طرح جہاد کرے کہ نفس کی خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے ایک طرف بلا رہے ہیں اور انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوؤں کو پامال کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کا نام "مجاہدہ" ہے، لہٰذا جو شخص بھی اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اللہ جل شانہ کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو اس کو "مجاہدہ" کرنا ہی پڑتا ہے یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرنا اور نفسانی خواہشات کے خلاف زبردستی کر کے محنت کر کے کوشش کر کے کڑوا گھونٹ پی کر عمل کرنا، اور کسی طرح اپنے نفس کی خواہشات کو دبا کر اور کچل کر اس کی خلاف ورزی کرنا، اس کا نام "مجاہدہ" ہے۔

انسان کا نفس، لذتوں کا خوگر ہے

ہمارا اور آپ کا نفس یعنی وہ قوت جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف ابھارتی ہے، وہ نفس دنیاوی لذتوں کا عادی بنا ہوا ہے، لہٰذا جس کام میں اس کو ظاہری لذت اور مزہ آتا ہے، اس کی طرف یہ دوڑتا ہے، یہ اس کی جبلت اور خصلت ہے کہ اپنے کاموں کی

طرف انسان کو مائل کرے، یہ انسان سے کہتا ہے کہ یہ کام کر لو تو مزہ آجائے گا۔ یہ کام کر لو تو لذت حاصل ہو جائے گی، لہٰذا یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے، اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہار چھوڑ دے، اور جو بھی لذت کے حصول کا تقاضہ پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے، اور نفس کی ہر بات مانتا جائے، تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان انسان نہیں رہتا، بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

خواہشات نفسانی میں سکون نہیں

نفسانی خواہشات کا اصول یہ ہے کہ اگر ان کی پیروی کرتے جاؤ گے، اور ان کے پیچھے چلتے جاؤ گے، اور اس کی باتیں مانتے جاؤ گے، تو پھر کسی حد پر جا کر قرار نہیں آئے گا، انسان کا نفس کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اب ساری خواہشات پوری ہو گئیں، اب مجھے کچھ نہیں چاہئے، یہ کبھی زندگی بھر نہیں ہو گا، اس لئے کہ کسی انسان کی ساری خواہشات اس زندگی میں پوری نہیں ہو سکتیں، اور اس کے ذریعہ کبھی قرار اور سکون نصیب نہیں ہو گا، یہ قاعدہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نفس کے ہر تقاضے پر عمل کرتا جاؤں، اور ہر خواہش پوری کرتا جاؤں تو کبھی اس شخص کو قرار نہیں آئے گا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اٹھانے کے بعد اور ایک مرتبہ لذت حاصل کر لینے کے بعد یہ فوراً دوسری لذت کی طرف بڑھتا ہے، لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل چل کر سکون حاصل کر لیں، تو ساری عمر کبھی سکون نہیں ملے گا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

لطف اور لذت کی کوئی حد نہیں ہے

آج جن کو ترقی یافتہ اقوام کہا جاتا ہے انہوں نے یہ ہی کہا ہے کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں کوئی دخل اندازی نہ کرو، جس کی مرضی میں جو کچھ آرہا ہے، وہ اس کو کرنے دو، اور جس شخص کو جس کام میں مزہ آرہا ہے، وہ اسے کرنے دو، نہ اس کا ہاتھ روکو، اور نہ اس پر کوئی پابندی لگاؤ، اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو،

چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج انسان کو لطف حاصل کرنے اور مزہ حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی رکاوٹ، نہ اخلاق کی رکاوٹ، نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے، کوئی پابندی نہیں ہے، اور ہر شخص وہ کام کر رہا ہے جو اس کی مرضی میں آ رہا ہے اور اگر اس شخص سے کوئی پوچھے کہ کیا تمہارا مقصد حاصل ہو گیا؟ تم جتنا لطف اس دنیا سے حاصل کرنا چاہتے تھے، کیا لطف کی وہ آخری منزل اور مزے کا وہ آخری درجہ تمہیں حاصل ہو گیا، جس کے بعد تمہیں اور کچھ نہیں چاہئے؟ کوئی شخص بھی اس سوال کا "ہاں" میں جواب نہیں دے گا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے اور مل جائے، مجھے اور مل جائے، آگے بڑھتا چلا جاؤں، اس لئے کہ ایک خواہش دوسری خواہش کو ابھارتی رہتی ہے۔

علانیہ زنا کاری

مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جاؤ. کوئی رکاوٹ نہیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں، حد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ آنکھوں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ زنا اس قدر عام ہو جائے گا کہ دنیا میں سب سے نیک شخص وہ ہو گا کہ دو آدمی ایک سڑک کے چوراہے پر بدکاری کا ارتکاب کر رہے ہوں گے، وہ شخص آ کر ان سے کہے گا کہ اس درخت کی اوٹ میں کر لو، وہ ان کو اس کام سے منع نہیں کرے گا کہ یہ کام برا ہے، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ یہاں سب کے سامنے کرنے کے بجائے اس درخت کی اوٹ میں جا کر کر لو، وہ کہنے والا شخص سب سے نیک آدمی ہو گا، آج وہ زمانہ تقریباً آ چکا ہے، آج کھلم کھلا بغیر کسی رکاوٹ اور پردے کے یہ کام ہو رہا ہے۔

امریکہ میں "زنا بالجبر" کی کثرت کیوں؟

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے جنسی جذبات کو تسکین دینے کے لئے حرام طریقہ اختیار

کرنا چاہے، تو اس کے لئے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں. لیکن اس کے باوجود "زنا بالجبر" کے واقعات جتنے امریکہ میں ہوتے ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتے. حالانکہ رضا مندی کے ساتھ یہ کام کرنے کے لئے کوئی روکاوٹ نہیں، جو آدمی جس طرح چاہے، اپنے جذبات کو تسکین دے سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا کر کے دیکھ لیا، اس میں جو مزہ تھا، وہ حاصل کر لیا، لیکن اس کے بعد اس میں بھی قرار نہ آیا تو اب باقاعدہ یہ جذبہ پیدا ہوا کہ یہ کام زبردستی کرو، تاکہ زبردستی کرنے کا جو مزہ ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔ لہذا یہ انسانی خواہشات کسی مرحلے پر جا کر رکتی نہیں ہیں، بلکہ اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں، اور یہ ہوس کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ پیاس بجھنے والی نہیں

آپ نے ایک بیماری کا نام سنا ہو گا جس کو "جوع البقر" کہتے ہیں، اس بیماری کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بھوک لگتی رہتی ہے، جو دل چاہے، کھالے، جتنا چاہے، کھالے، مگر بھوک نہیں مٹتی۔ اسی طرح ایک اور بیماری ہے، جس کو "استسقاء" کہا جاتا ہے اس بیماری میں انسان کو پیاس لگتی رہتی ہے، گھڑے کے گھڑے پی جائے، کنویں بھی ختم کر جائے، مگر پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حال انسان کی خواہشات کا ہے، اگر ان کو قابو نہ کیا جائے، اور ان پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور جب تک ان کو شریعت اور اخلاق کے بندھن میں نہ باندھا جائے، اس وقت تک اس کو "استسقاء" کی بیماری کی طرح لطف ولذت کے کسی بھی مرحلے پر جا کر قرار نصیب نہیں ہوتا، بلکہ لذت کی وہ ہوس بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

تھوڑی سی مشقت برداشت کر لو

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو، ان کا اتباع مت کرو، اس لئے کہ یہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے میں لے جا کر ڈال دے گی۔ بلکہ اس کو ذرا قابو میں رکھو، اور اسکو کنٹرول کر

کے شریعت کی معقول حدود کے اندر رکھو، اور اگر تم رکھنا چاہو گے تو شروع شروع میں یہ نفس تمہیں ذرا تنگ کرے گا، تکلیف ہوگی، صدمہ ہوگا، دکھ ہوگا، ایک کام کو دل چاہ رہا ہے، مگر اس کو روک رہے ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ ٹی وی دیکھیں، اور اس میں جو خراب خراب فلمیں آرہی ہیں، وہ دیکھیں، یہ نفس کا تقاضہ ہو رہا ہے، اب جو آدمی اس کا عادی ہے۔ اس سے کہو کہ اس کو مت دیکھ، اور اس نفسانی تقاضہ پر عمل نہ کر، اگر وہ نہیں دیکھے گا، اور آنکھ کو اس سے روکے گا، تو شروع میں اس کو دقت ہوگی، اور مشقت ہوگی، برا لگے گا، اس لئے کہ وہ دیکھنے کا عادی ہے اس کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا، لطف نہیں آتا۔

یہ نفس کمزور پر شیر ہے

لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس مشقت اور تکلیف کے باوجود ایک مرتبہ ڈٹ جائے کہ چاہے مشقت ہو، یا تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، تب بھی یہ کام نہیں کروں گا، جس دن یہ شخص نفس کے سامنے اس طرح ڈٹ گیا، بس اس دن سے یہ نفسانی خواہش خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہو جائیں گی، یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیر ہیں، جو اسکے سامنے بھیگی بلی بنا رہے، اور اسکے تقاضوں پر چلتا رہے، اس کے اوپر یہ چھا جاتا ہے، اور غالب آجاتا ہے، اور جو شخص ایک مرتبہ پختہ ارادہ کر کے اس کے سامنے ڈٹ گیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، چاہے کتنا تقاضہ ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، پھر یہ نفس ڈھیلا پڑ جاتا ہے، اور اس کام کے نہ کرنے پر پہلے دن جتنی تکلیف ہوئی تھی، دوسرے دن اس سے کم ہوگی، اور تیسرے دن اس سے کم، اور ہوتے ہوتے وہ تکلیف ایک دن بالکل رفع ہو جائے گی، اور نفس اسکا عادی بن جائے گا۔

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کا

"قصیدہ بردہ" بہت مشہور ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس میں انہوں نے ایک عجیب و غریب حکیمانہ شعر کہا ہے، ۔

النفس کالطفل ان تمهله شب علی

حب الرضاع وان تفطمه ینفطم

یہ انسان کا نفس ایک چھوٹے بچے کی طرح ہے۔ جو ماں کا دودھ پیتا ہے: اور وہ بچہ دودھ پینے کا عادی بن گیا، اب اگر اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو وہ بچہ کیا کرے گا؟ روئے گا، چلائے گا، شور کرے گا۔ اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ دودھ چھڑانے سے بچے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے، چلو چھوڑو۔ اسے دودھ پینے دو، دودھ پیتا رہے۔ تو علامہ بوصیری" فرماتے ہیں کہ اگر بچے کو اس طرح دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جوان ہو جائے گا، اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائے گا۔ اس لئے کہ تم اس کی تکلیف، اس کی فریاد اور اس کی چیخ پکار سے ڈر گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دودھ نہیں چھڑا سکے۔ اب اگر اس کے سامنے روٹی لاتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے میں تو نہیں کھاؤں گا۔ میں تو دودھ ہی پیوں گا۔ لیکن دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوں گے جو یہ کہیں کہ چونکہ بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے دودھ نہیں چھڑاتے۔ ماں باپ جانتے ہیں کہ دودھ چھڑانے سے روئے گا، چلائے گا، رات کو نیند نہیں آئے گی۔ خود بھی جاگے گا، ہمیں بھی جگائے گا، لیکن پھر بھی دودھ چھڑاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ بچے کی بھلائی اسی میں ہے۔ اگر آج اس کو دودھ نہ چھڑایا گیا تو ساری عمر یہ کبھی روٹی کھانے کے لائق نہیں ہو گا۔

اس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ انسان کا نفس بھی بچے کی مانند ہے۔ اس کے منہ کو گناہ لگے ہوئے ہیں۔ گناہوں کا ذائقہ اور اس کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ اگر تم نے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا کہ چلو کرنے دو، گناہ چھڑانے سے تکلیف ہوگی۔ نظر غلط جگہ پر پڑتی ہے اور اس کو ہٹانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ زبان کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر جھوٹ بولنا چھوڑیں گے تو بڑی تکلیف ہوگی۔ اور اس زبان کو

مجلسوں کے اندر بیٹھ کر غیبت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر اس کو روکیں گے تو بڑی دقت ہوگی۔ نفس ان باتوں کا عادی بن گیا ہے، رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اللہ بچائے، سود کھانے کی عادت پڑ گئی۔ اور بہت سے گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے، اور اب ان عادتوں کو چھڑانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر نفس کی اس تکلیف سے گھبرا کر اور ڈر کر بیٹھ گئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری عمر نہ کبھی گناہ چھوٹیں گے، اور نہ قرار ملے گا۔

سکون اللہ کے ذکر میں ہے

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قرار اور سکون نہیں ہے، ساری دنیا کے اسباب و وسائل جمع کر لئے۔ لیکن اس کے باوجود سکون نصیب نہیں۔ چین نہیں ملتا۔ میں نے آپ کو ابھی مغربی معاشرے کی مثال دی تھی کہ وہاں پیسے کی ریل پیل، تعلیم کا معیار بلند، لذت حاصل کرنے کے سارے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے کہ جس طرح چاہو، لذت حاصل کر لو، لیکن اس کے باوجود یہ حال ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کھا کر اس کی مدد سے سو رہے ہیں۔ کیوں! دل میں سکون و قرار نہیں، سکون کیوں نہیں ملا؟ اس لئے کہ گناہوں میں سکون کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہو، یاد رکھو! ان گناہوں اور نافرمانیوں اور معصیتوں میں سکون نہیں۔ سکون تو صرف ایک چیز میں ہے، اور وہ ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(سورۃ الرعد۔ ۲۸)

اللہ کی یاد میں اطمینان اور سکون ہے، اس واسطے یہ سمجھنا دھوکہ ہے کہ نافرمانیاں کرتے جائیں گے، اور سکون ملتا جائے گا۔ یاد رکھو! زندگی بھر نہیں ملے گا، اس دنیا سے تڑپ تڑپ کر جاؤ گے، اگر نافرمانیوں کو نہ چھوڑا تو سکون کی منزل حاصل نہ ہوگی۔

سکون اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو دیتے ہیں جن کے دل میں اس کی محبت ہو جن کے دل میں اس کی یاد ہو، جن کا دل ان کے ذکر سے آباد ہو۔ ان کے سکون اور اطمینان کو دیکھو کہ ظاہری طور پر پریشان حال بھی ہیں، فقر ہے فاقے بھی گزر رہے ہیں، لیکن دل کو سکون اور قرار کی نعمت میسر ہے، لہٰذا اگر دنیا کا بھی سکون حاصل کرنا چاہتے ہو

تو ان نافرمانیوں اور گناہوں کو تو چھوڑنا پڑے گا، اور گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ذرا سا مجاہدہ کرنا پڑے گا، نفس کے مقابلے میں ذرا سا ڈٹنا پڑے گا۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی فرمالیا کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا شیطان کا اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کیا کرتے ہیں:

"لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ "یہ راستہ ہے۔" بلکہ فرمایا! کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے، لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے۔ ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا "مجاہدہ" اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کر لے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے خواہشات پامال ہو جائیں گی، دل و دماغ پر قیامت گزر جائے گی، لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا، جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا، اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جائیں گے،

اب تو اس دل کو تیرے قابل بناتا ہے مجھے

اس لئے اصلاح کے راستے میں سب سے پہلا قدم "مجاہدہ" ہے اس کا عزم کرنا ہو گا ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں، وہ چاہے برباد ہو جائیں، چاہے ان کا خون ہو جائے، اب میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اب تو اس کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے، اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہوگا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہوگی، اب یہ گناہ نہیں ہوں گے، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو! کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے، اور اللہ کی احکام کو خاطر چھوڑ رہے ہیں اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے، اور لطف آنے لگتا ہے، جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کو جو خون کر رہا ہوں، یہ اپنے مالک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں، اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟

ماں کو دیکھئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے، اور کڑ کڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لیٹی ہوئی ہے، اور بچہ پاس پڑا ہے۔ اس حالت میں اس بچے نے پیشاب کر دیا، اب نفس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں، یہ تو جاڑے کا موسم ہے، گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا، اسکے کپڑے گیلے ہیں۔ اس طرح گیلا پڑا رہے گا، تو کہیں اس کو بخار نہ ہو جائے۔ اس کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضہ چھوڑ کر سخت کڑاکے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اس کے کپڑے دھو رہی ہے، اور اس کے کپڑے بدل رہی ہے، یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے؟ لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اس کی صحت ماں کے

پیشِ نظر ہے، اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پامال کر کے یہ سارے کام کر رہی ہے

محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے

ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں، وہ کہتی ہے بھائی: کسی طرح میرا علاج کراؤ، تاکہ بچہ ہو جائے، اولاد ہو جائے، اور اس کے لئے دعائیں کراتی پھرتی ہے کہ دعا کرو اللہ میاں سے مجھے اولاد دے دے، اور اس کے لئے تعویز، گنڈے اور خدا جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے، ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ ارے! تو کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہو گا تو تجھے بہت سے مشقتیں اٹھانی پڑیں گی، جاڑے کی راتوں میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھونے ہوں گے، تو وہ عورت جواب دیتی ہے کہ میرے ایک بچے پر ہزار جاڑوں کی راتیں قربان ہیں، اس لئے کہ اس بچے کی قدر و قیمت اور اس کے دولت ہونے کا احساس اس کے دل میں ہے، اس واسطے اس ماں کے لئے ساری تکلیفیں راحت بن گئیں، وہ ماں جو اللہ سے مانگ رہی ہے کہ یا اللہ! مجھے اولاد دے دے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں ہیں، جتنی تکلیفیں ہیں، وہ دے دے، لیکن وہ تکلیفیں اس کی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں، بلکہ وہ راحت ہیں اب جو ماں جاڑے کی رات میں اٹھ کر کپڑے دھو رہی ہے اس کو طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے، لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے میں یہ کام اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں، جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنی آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے۔

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں:

از محبت تلخہا شیریں شود

کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی، محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر کر رہا ہوں۔

مولیٰ کی محبت لیلیٰ سے کم نہ ہو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں، لیلیٰ مجنون کا قصہ لکھا ہے کہ مجنون لیلیٰ کی خاطر کس طرح دیوانہ بنا، اور کیا کیا مشقتیں اٹھائیں، دودھ کی نہر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا، اور کام شروع بھی کر دیا، یہ ساری مشقتیں اٹھا رہا ہے، کوئی اس سے کہے کہ تو یہ جو کام کر رہا ہے، یہ بڑی مشقت کا کام ہے، اسے چھوڑ دے، تو وہ کہتا ہے کہ ہزار مشقتیں قربان، جس کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں، اس کی محبت میں کر رہا ہوں، مجھے تو اسی نہر کھودنے میں مزہ آرہا ہے، اس لئے کہ یہ اپنی محبوب کی خاطر کر رہا ہوں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے۔ مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے، لہٰذا جب آدمی محبت کی خاطر یہ تکلیفیں اٹھاتا ہے تو پھر بڑا لطف آنے لگتا ہے۔

تنخواہ سے محبت ہے

ایک آدمی ملازمت کرتا ہے، جس کے لئے صبح کو سویرے اٹھنا پڑتا ہے، اچھی خاصی سردی میں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جا رہا ہے، نفس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا، لیکن گھر چھوڑ کر بیوی بچوں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اور سارا دن محنت کی چکی پیسنے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے۔ اور بیشتر لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں، اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں غرضیکہ یہ شخص یہ تکلیفیں برداشت کر رہا ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو، چلو میں تمہاری ملازمت چھڑا دیتا ہوں۔ وہ جواب دے گا: نہیں، بھائی نہیں بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے، اس کو مت چھڑوانا۔ اس کو صبح سویرے اٹھ کر جانے

میں ہی مزہ آرہا ہے، اور اولاد کو بیوی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو اس تنخواہ سے محبت ہو گئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنے والی ہے، اس محبت کے نتیجے میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں، اب اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے، جب صبح صبح کو سویرے اٹھ کر جایا کرتا تھا، اور لوگوں سے سفارشیں کراتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے، اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستے کی ساری تکلیفیں آسان اور مزے دار ہو جاتی ہیں، اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے، شروع میں مشقت ہو گی، لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے، اور اسکے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہو گی، اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب و غریب بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسان کے اس نفس کو لذت اور مزہ چاہئے، اس کی خوراک لذت اور مزہ ہے، لیکن لذت اور مزے کی کوئی خاص شکل اس کو مطلوب نہیں کہ فلاں قسم کا مزہ چاہئے، اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے، بس اس کو تو مزہ چاہئے، اب تم نے اس کو خراب قسم کے مزے کا عادی بنا دیا ہے، خراب قسم کی لذتوں کا عادی بنا دیا ہے، ایک مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کی لذت سے آشنا کر دو پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

مجھے تو دن رات بے خودی چاہئے

غالب کا ایک مشہور شعر ہے، خدا نے جانے لوگ اس کا کیا مطلب لیتے ہوں

گے، لیکن ہمارے حضرت" نے اس کا بڑا اچھا مطلب نکالا ہے وہ شعر ہے ۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

شراب سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں، مجھے تو دن رات لذت کی بے خودی چاہئے، تم نے میں مجھے شراب کا عادی بنا دیا تو مجھے شراب میں بے خودی حاصل ہو گئی، شراب میں لذت آنے لگی، اگر تم مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر اور اس کی اطاعت کا عادی بنا دیتے تو یہ بے خودی مجھے اللہ کے ذکر میں حاصل ہو جاتی، میں تو اسی میں خوش ہو جاتا، لیکن یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم نے مجھے ان چیزوں کے بجائے شراب کا عادی بنا دیا۔

نفس کو کچلنے میں مزہ آئے گا

اسی طرح یہ مجاہدہ شروع میں تو بڑا مشکل لگتا ہے کہ بڑا کٹھن سبق دیا جا رہا ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرو، اپنے نفس کے خواہشات کی خلاف ورزی کرو نفس تو چاہ رہا ہے کہ غیبت کروں، مجلس میں غیبت کرنے کا موضوع چھڑ گیا، اب جی چاہ رہا ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں، اب اس وقت اس کو لگام دینا کہ نہیں۔ یہ کام مت کرو، یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے، لیکن یاد رکھئے کہ دور دور سے یہ مشکل نظر آتا ہے، جب آدمی نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ یہ کام نہیں کروں گا، تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور فضل و کرم سے مدد بھی ہوگی، اور پھر تم نے اس لذت آرزو اور خواہش کو جو کچلا ہے، اس کچلنے میں جو مزہ آئے گا۔ انشاء اللہ تم انشاء اللہ اس کی حلاوت اس غیبت کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ایمان کی حلاوت حاصل کر لو

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
ایک شخص کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈالوں۔ اور کون شخص

ہے جس کے دل میں یہ تقاضہ نہیں ہوتا، اب دل بڑا کسمسا رہا ہے کہ اس کو دیکھ ہی لوں، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت کے خیال سے نظر کو بچالیا۔ اور نگاہ نہیں ڈالی، بڑی تکلیف ہوئی، دل پر آرے چل گئے، لیکن اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے دیکھنے کی لذت ہیچ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے، اور حدیث میں موجود ہے۔ (مسند احمد، جلد ۵ ص ۲۶۴)

یہ وعدہ صرف نگاہ کے گناہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر گناہ چھوڑنے پر یہ وعدہ ہے، مثلاً غیبت میں بڑا مزہ آرہا ہے، لیکن ایک مرتبہ آپ نے اللہ جل جلالہ کے خیال سے غیبت چھوڑ دی، اور غیبت کرتے کرتے رک گئے۔ اللہ کے ڈر کے خیال سے غیبت کا کلمہ زبان پر آتے آتے رک گیا، پھر دیکھو کیسی لذت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان گناہوں کی لذتوں کے مقابلے میں اس لذت کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

حاصل تصوف

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی، یاد رکھنے کے لائق ہے، فرمایا: "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب دل میں کسی طاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو، مثلاً نماز کا وقت ہو گیا، لیکن نماز کو جانے میں سستی ہو رہی ہے "اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے" پھر فرمایا کہ: "بس! اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے، اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے، اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں" لہٰذا نفسانی خواہشات پر آرے چلا چلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر جب اس کو کچل دیا، تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن گیا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک مثال دیا کرتے تھے۔ اب تو وہ زمانہ چلا گیا، پہلے زمانے میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے، وہ کشتہ بنایا کرتے تھے، سونے کا کشتہ، چاندی کا کشتہ، سنکھیا کا کشتہ، اور نہ جانے کیا کیا کشتے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بن جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلایا جائے گا، اتنا ہی اسکی طاقت میں اضافہ ہو گا، اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتہ طلا تیار ہو گیا، کوئی اسکو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی، تو جب سونے کو جلا جلا کر مٹا مٹا کر پامال کر کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہو گیا۔ ہمارے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان خواہشات نفس کو جب کچلو گے، اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کر دو گے، تب یہ کشتہ بن جائے گا، اس میں اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق کی قوت آجائے گی، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت آجائے گی۔ اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جائے گا، اس دل کو جتنا توڑو گے، اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تم اس پر جتنی چوٹیں لگاؤ گے، اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہو گا، بنانے والے نے اس کو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے، اس کی خاطر اس کی خواہشات کو کچلا جائے، اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھا شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

اور کچھ بنائیں گے، یعنی جو وہ چاہیں گے۔ وہ بنائیں گے، لہذا یہ نہ سمجھو کہ خواہشات نفس کو کچلنے سے جو چوٹیں لگ رہی ہیں، اور جو تکلیف ہو رہی ہے وہ بے کار جا رہی ہیں بلکہ اس کے بعد جب یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل بنے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے

ذکر اور اس کی یاد کا محل بنے گا۔ اس وقت اس کو جو حلاوت نصیب ہوگی، خدا کی قسم ...... اس کے مقابلے میں گناہوں کی یہ ساری لذتیں خاک در خاک ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں...... بس! شروع میں تھوڑی سی محنت اور مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اور اسی کا نام مجاہدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو حدیث شریف میں اسی طرح بیان فرمایا کہ:

المجاهد من جاهد نفسه

مجاہد در حقیقت وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنے نفس کی خواہشات کو اللہ کی خاطر کچلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اپنے نفس کی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بچائے، اور ان خواہشات نفس کو قابو کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مجاہدہ کی ضرورت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت : ۱۷ر مئی ۱۹۹۱ء بروز جمعہ۔ بعد نماز عصر
مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال۔ کراچی
کمپوزنگ : پرنٹ ماسٹرز

اصلی "مجاہد" وہ ہے جو نفس سے اس طرح جہاد کرے کہ نفس کی خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے اس کو ایک طرف بلا رہے ہیں۔ لیکن انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوں کو پامال کر کے دوسرا راستہ اختیار کرے، چنانچہ جو شخص اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس کو "مجاہدہ" کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور نفسانی خواہشات کے خلاف زبردستی کر کے، محنت کر کے، کوشش کر کے کڑوا گھونٹ پینا پڑتا ہے۔ اسی کا نام "مجاہدہ" ہے۔

مجاہدہ کی ضرورت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ
من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی
لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا
عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا
اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

(سورۃ العنکبوت: ۶۹)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاہدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العالمین

گزشتہ جمعہ کو "مجاہدہ" سے متعلق جو گزارشات کی تھیں۔ ان کا خلاصہ یہ تھا کہ "مجاہدہ" کے معنی یہ ہیں کہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کر کے اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق چلنے کی فکر کرنا۔ یہ مجاہدہ ہے۔ آج اس کی مزید تفصیل عرض کرنی ہے۔ تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ مجاہدہ کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے۔؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

دنیاوی کاموں میں "مجاہدہ"

دین کا کام "مجاہدہ" کے بغیر نہیں چلتا، بلکہ دنیا کے کام بھی مجاہدے کے بغیر نہیں ہو سکتے، اگر کوئی شخص روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کے تقاضوں کو کچلنا پڑتا ہے، اس لئے نفس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آرام سے گھر میں پڑا سوتا رہے، لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں سوتا رہ گیا تو روزی کیسے کماؤں گا۔

بچپن سے "مجاہدہ" کی عادت

بچپن ہی سے بچے کو مجاہدے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ بچے کو جب شروع شروع میں پڑھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے۔ پڑھنے کے لئے جانے کو اس کا دل نہیں چاہتا، لیکن اس کو اس کی طبیعت کے خلاف پڑھنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، یہ "مجاہدہ" ہے، لہٰذا تعلیم حاصل کرنے کے لئے، روزی کمانے کے لئے، بلکہ دنیا کے تمام مقاصد کے لئے انسان کو اپنی طبیعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے، اگر انسان یہ سوچے کہ میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، ایسا شخص نہ دنیا کا کوئی مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ دین کا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

جنت میں مجاہدہ نہ ہو گا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی، اس میں خواہش کے خلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو دل چاہے گا، وہ ہو گا۔ اس میں انسان نفس کے خواہش کے مطابق کرنے کے لئے آزاد ہو گا، اس کو اس کے مواقع میسر ہونگے، وہ عالم "جنت" ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ.

(سورۃ حم سجدہ: ۳۱)

یعنی جو تمہارا دل چاہے گا، وہ ملے گا، اور جو مانگو گے وہ ملے گا، بعض روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ مثلاً بیٹھے بیٹھے یہ دل چاہا کہ انار کا جوس پی لوں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قریب میں نہ تو انار ہے، اور نہ انار کا درخت ہے، اور نہ جوس نکالنے والا ہے، لیکن یہ ہو گا کہ جس وقت تمہارے دل میں اس کے پینے کا خیال آیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انار کا جوس نکل کر تمہارے پاس پہنچ جائیگا، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قدرت عطا فرمائینگے کہ جس چیز کا دل چاہے گا، وہ ملے گا، وہاں پر تمہیں کسی خواہش کو کچلنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی تقاضے کو دبانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کسی خواہش کے خلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ عالم جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے وہ عالم عطا فرمادے۔ آمین۔

عالم جہنم

دوسرا عالم اس کے بالکل برعکس ہے، وہاں ہر کام طبیعت کے خلاف ہو گا، ہر کام دکھ دینے والا ہو گا، ہر کام غم میں مبتلا کرنے والا، ہر کام میں تکلیف اور مصیبت ہوگی، کوئی آرام، کوئی راحت اور کوئی خوشی نہیں ہوگی، وہ عالم دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

یہ عالم دنیا ہے

تیسرا عالم وہ ہے جس میں طبیعت کے مطابق بھی کام ہوتے ہیں، اور طبیعت کے خلاف بھی کام ہوتے ہیں، خوشی بھی حاصل ہوتی ہے، غم بھی آتا ہے، تکلیف بھی پہنچتی ہے، راحت بھی ملتی ہے، اس عالم میں کسی کی کوئی تکلیف خالص نہیں، کوئی راحت خالص نہیں، ہر راحت میں تکلیف کا کوئی کانٹا لگا ہوا ہے، اور ہر تکلیف میں راحت کا پہلو بھی ہے۔ یہ عالم دنیا ہے، اس دنیا میں آپ بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے دولت مند، بڑے سے بڑے صاحب وسائل سے پوچھ لیجئے کو تمہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے یا نہیں؟ یا تم ساری عمر آرام اور اطمینان سے رہے؟ کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اور کوئی کام میری طبیعت کے خلاف نہیں ہوا، اس لئے کہ یہ عالم دنیا ہے، جنت نہیں ہے، یہاں راحت بھی پہنچے گی، تکلیف بھی پہنچے گی، یہ دنیا تو اسی کام کے لئے بنائی گئی ہے، کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے راحت ہی راحت ملے، کبھی تکلیف نہ ہو، تو ایسا کبھی زندگی بھر نہیں ہو سکتا، ایک شاعر نے کہا ہے کہ ؎

قید حیات بند و غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لہذا یہ دنیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی کام کے لئے بنائی ہے کہ اس میں تمہارے دل کو راحتیں بھی ملیں گی، اور اس کو توڑنے والے اسباب اور حالات بھی پیدا ہونگے، اس لئے جیتے جی مرتے دم تک غم سے نجات ممکن نہیں۔ اور تو اور انبیاء علیہم السلام جو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، ان کو بھی تکلیفیں پیش آئیں، بلکہ بسا اوقات عام لوگوں سے زیادہ پیش آئیں، ان کو بھی طبیعت کے خلاف واقعات پیش آئے، اس دنیا کے اندر کوئی انسان بھی ان سے بچ نہیں سکتا، اگر انسان کافر بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، اگر مومن بن کر رہے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، خدا کا انکار کرے، تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا۔

یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کر لو

لہذا جب اس دنیا میں طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنی ہی ہیں، تو پھر طبیعت کے خلاف کام کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ طبیعت کے خلاف کام بھی کرو، صدمے بھی اٹھاؤ، تکلیفیں بھی برداشت کرو، لیکن ان تکلیفوں کے بدلے میں آخرت میں کوئی نتیجہ نہ نکلے، اس غم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے خلاف کام کرے، نفس کے تقاضے کو کچلے، تاکہ آخرت سنور جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ ہے کہ اس دنیا میں طبیعت کے خلاف تو ہونا ہی ہے۔ تمہارا دل چاہے، یا نہ چاہے، لیکن ایک مرتبہ یہ عہد کر لو کہ طبیعت کے خلاف وہ کام کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

مثلاً نماز کا وقت ہو گیا۔ مسجد سے پکار آرہی ہے، لیکن جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ اور سستی ہو رہی ہے، تو اب ایک راستہ یہ ہے کہ دل کے چاہنے پر عمل کر لیا، اور بستر پر لیٹے رہے، اور اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، معلوم ہوا کہ دروازے پر ایک ایسا آدمی آگیا ہے جس کے لئے نکلنا ضروری ہے، چنانچہ اس کی خاطر بستر چھوڑا، اور باہر نکل گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ طبیعت کے خلاف بھی ہوا۔ خواہش کے خلاف بھی ہوا، اور آرام بھی نہیں ملا، تکلیف جوں کی توں رہی۔ لہذا آدمی یہ سوچے کہ تکلیف سے بچنا تو میرے قبضہ اور قدرت میں نہیں ہے، اس لئے کیوں نہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے تکلیف برداشت کر لوں۔ یہ سوچ کر اس وقت اٹھ کر نماز کے لئے چلا جائے۔

اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ ہمارے لئے بڑی کار آمد باتیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے کہ بھئی! اگر تمہیں نماز کے لئے جانے میں سستی ہو رہی ہو۔ یا کسی دین کے کام میں سستی ہو رہی ہو، مثلاً فجر کی نماز کے لئے یا تہجد

کی نماز کے لئے سستی ہو رہی ہے۔ آنکھ تو کھل گئی، مگر نیند کا غلبہ ہے، بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اس نیند کے غلبے کے عالم میں اگر تمہارے پاس یہ پیغام آجائے کہ سربراہ مملکت تمہیں بہت بڑا اعزاز دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اعزاز اسی وقت تمہیں ملے گا، تو یہ بتاؤ کہ اس وقت وہ نیند اور وہ سستی باقی رہے گی؟ ظاہر ہے کہ وہ نیند اور سستی سب غائب ہو جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے دل میں اس اعزاز کی قدر و منزلت ہے، جس کی وجہ سے تم طبیعت کے خلاف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے، اور یہ سوچو گے کہ کہاں کی غفلت، کہاں کی نیند، اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ جاؤ، اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں، چنانچہ اس کام کے لئے نیند اور آرام چھوڑ کر فوراً نکل کھڑے ہو گے لہذا جب تم ایک دنیا کے بادشاہ سے اعزاز حاصل کرنے کے لئے نیند چھوڑ سکتے ہو، اپنی راحت چھوڑ سکتے ہو، تو پھر اللہ جل جلالہ اور احکم الحاکمین کو راضی کرنے کے لئے راحت اور نیند نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کسی نہ کسی وجہ سے راحت اور نیند چھوڑنی ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے راحت و آرام چھوڑا جائے؟

اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو گا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی پیغام ہے کہ اپنے نفس کو طبیعت کے خلاف ایسے کام کرنے کی عادت ڈالو جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہوں، اسی کا نام "مجاہدہ" ہے۔ جو صدمے اور جو تکلیفیں غیر اختیاری طور پر پہنچ رہی ہیں، بظاہر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو لوگ ہماری خاطر یہ "مجاہدہ" کرینگے، ہماری خاطر نفس کے خلاف کام کرینگے تو ہم ضرور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلیں گے،

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

اور وہ راستہ پر تنہا نہیں ہونگے، بلکہ جو شخص اس راستے پر چل رہا ہے، وہ محسنین میں سے ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ محسنین کا ساتھی بن جاتا ہے۔

وہ کام آسان ہو جائیگا

اللہ تبارک و تعالیٰ کیسے ان کا ساتھی بن جاتا ہے؟ اس طرح کہ شروع میں نفس کی مخالفت میں بڑی دشواری معلوم ہو رہی تھی، طبیعت کے خلاف کرنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے تو پھر وہی راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نماز کی عادت نہیں ہے، نماز پڑھنا بھاری معلوم ہوتا ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھنا مشکل لگتا ہے۔ لیکن اس نے نفس کے اس تقاضے کے باوجود نماز پڑھنی شروع کر دی، یہاں تک کہ نماز کا عادی بن گیا، اب عادی بننے کے بعد اسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نماز پڑھنے میں کوئی مشقت ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہزار روپے لے لو، اور آج کی نماز چھوڑ دو، بتایئے کیا وہ شخص نماز چھوڑنے پر راضی ہو گا؟ ہرگز نہیں، جو شخص ایک مرتبہ نماز کا عادی بن گیا، وہ کبھی ہزاروں روپے لے کر بھی ایک نماز چھوڑنے پر راضی نہیں ہو گا، اس لئے کہ جس کام کو پہلے وہ مشکل سمجھ رہا تھا، تھوڑے سے عرصے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو آسان کر دیا۔

آگے قدم تو بڑھاؤ

یہی حال پورے دین کا ہے، اگر انسان بیٹھ کر سوچتا رہے تو اس کو مشکل نظر آئیگا، لیکن جب دین کے راستے پر چلنا شروع کر دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے آسان فرما دیتے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک لمبی سڑک سیدھی جا رہی ہو، اور اس کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں، دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی، اب اگر کوئی شخص اس سڑک پر کھڑا ہو کر دیکھے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں آگے جا کر مل گئی ہیں۔ اور آگے راستہ بند ہے، اگر کوئی احمق شخص یہ کہے کہ چونکہ آگے چل کر درختوں کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں۔ اس لئے اس سڑک پر چلنا بیکار ہے، تو یہ شخص کبھی راستہ قطع نہیں کر سکے گا، اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا، وہی شخص منزل تک

پہنچ سکے گا جو راستہ کو بند دیکھنے کے باوجود آگے قدم بڑھائے گا۔ اس لئے کہ جب وہ آگے قدم بڑھائیگا تو اسے نظر آئے گا کہ حقیقت میں راستہ بند نہیں تھا، بلکہ آنکھیں دھوکہ دے رہی تھی، جوں جوں وہ آگے بڑھتا چلا جائیگا، راستے کھلتے چلے جائیں گے، اس لئے دین کے راستے پر چلنے والوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دور دور سے مشکل سمجھ کر مت بیٹھ جاؤ، اللہ کے بھروسے پر آگے قدم بڑھانا شروع کر دو، جب آگے قدم بڑھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راستہ آسان فرما دیں گے۔ البتہ ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، اور طبیعت کے خلاف کام کرنے کا عزم کرنا پڑے گا۔ اور اسی کا نام "مجاہدہ" ہے۔

جائز کاموں سے رکنا بھی مجاہدہ ہے

اصل مجاہدہ تو یہ ہے کہ انسان جو ناجائز اور شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچائے، اور اپنے نفس پر زبردستی دباؤ ڈال کر ان سے باز رہے، لیکن چونکہ ہمارا نفس لذتوں کا، خواہشات کا اور راحتوں کا عادی ہو چکا ہے۔ اور اتنا زیادہ عادی بنا ہوا ہے کہ اگر اس کو اللہ کے راستے کی طرف اور شریعت کی طرف موڑنا چاہو تو آسانی سے نہیں مڑتا، بلکہ دشواری پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس نفس کو رام کرنے کے لئے اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے تابع بنانے کے لئے اس کو بعض مباح اور جائز کاموں سے بھی روکنا پڑتا ہے، اس لئے کہ جب نفس کو جائز کاموں سے روکیں گے تو پھر اس کو لذتوں کو چھوڑنے کی عادت پڑے گی، اور پھر اس کے لئے ناجائز امور سے بچنا بھی آسان ہو جائیگا، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کو بھی "مجاہدہ" کہا جاتا ہے۔

مثلاً خوب پیٹ بھر کر کھانا کوئی گناہ کا کام نہیں، لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خوب پیٹ بھر کر مت کھاؤ، اس لئے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نفس غافل ہو جائیگا، اور لذتوں کا خوگر ہو جائیگا، اس لئے نفس کو عادی بنانے کے لئے کھانے میں تھوڑی سی کمی کر دو، یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

جائز کاموں میں مجاہدہ کیوں؟

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے کہ صوفیاء کرام بعض جائز کاموں سے بھی روک دیتے ہیں؟ اور ان کو چھڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جائز قرار دیا ہے؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو اس کی مثال یہ ہے کہ یہ کتاب کا ورق ہے، اس ورق کو موڑ دو، موڑ دیا، اچھا اس کو سیدھا کرو، اب وہ ورق سیدھا نہیں ہوتا، بہت کوشش کر لی۔ لیکن وہ دوبارہ مڑ جاتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس ورق کو مخالف سمت میں موڑ دو، یہ سیدھا ہو جائیگا، پھر فرمایا کہ یہ نفس کا کاغذ بھی گناہوں کی طرف مڑا ہوا ہے، معصیتوں کی طرف مڑا ہوا ہے، اب اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ سیدھا نہیں ہو گا، اس کو دوسری طرف موڑ دو، اور تھوڑے سے مباحات بھی چھڑا دو جس کے نتیجے میں یہ بالکل سیدھا ہو جائیگا۔ اور راستے پر آجائیگا، یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

چار مجاہدات

چنانچہ صوفیاء کرام کے یہاں چار چیزوں کا مجاہدہ کرانا مشہور ہے، ۱۔ تقلیل طعام، کم کھانا۔ ۲۔ تقلیل کلام، کم بولنا۔ ۳۔ تقلیل منام، کم سونا، ۴۔ تقلیل الاختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملنا۔

کم کھانے کی حد

۱۔ تقلیل طعام، کم کھانا۔ پہلے زمانے میں صوفیاء کرام کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے، یہاں تک کہ فاقہ کشی تک نوبت آجاتی تھی، لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ یہ زمانہ اب اس قسم کی مجاہدوں کا نہیں ہے، اب تو لوگوں ویسے ہی کمزور ہیں۔ اگر کھانا کم کر دیں گے تو اور بیماریاں آجائیں گی، اور اس کے نتیجے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے جو عبادت کرتا تھا، اس سے بھی محروم ہو جائے۔ اس لئے فرمایا کہ آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کرلے تو پھر تقلیل طعام کا مقصد حاصل ہو جائے گا، وہ یہ کہ جب کھانا کھانے

تیسرا تو کھانا کھاتے وقت ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اس وقت دل میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ اب مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ کچھ اور کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ بس جس وقت یہ تردد کا مرحلہ آئے، اس وقت کھانا چھوڑ دو، اس سے تقلیل طعام کا منشا پورا ہو جائے گا۔

اور یہ جو تردد پیدا ہوتا ہے کہ مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ یہ عقل اور طبیعت کے درمیان لڑائی ہوتی ہے۔ کیونکہ کھانا کھانے میں مزہ آرہا ہے، تو اب نفس یہ تقاضہ کر رہا ہے کہ اور کھانا کھا کر مزہ لے لے، اور عقل کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اب مزید کھانا مت کھاؤ، اب مزید کھاؤ گے تو کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ، نفس اور عقل کے درمیان یہ لڑائی ہوتی ہے، اور اس لڑائی کا نام تردد ہے، لہذا ایسے موقع پر نفس کے تقاضے کو چھوڑ دو، اور عقل کے تقاضے پر عمل کر لو۔

وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی

یہ مضمون میں نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے اور حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا، اور مواعظ میں بھی پڑھا، لیکن بعد میں ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون نظر سے گزرا، جس میں لکھا تھا کہ:

آج کل لوگ اپنے بدن کا وزن کم کرنے کے لئے طرح طرح کے نسخے استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے روٹی چھوڑ دی۔ کسی نے دوپہر کا کھانا چھوڑ دیا۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو "ڈائیٹنگ" کہتے ہیں۔ یورپ میں اس کا بہت رواج ہے، یہ چیز وہاں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کا وزن کم ہو جائے۔ اور خاص طور پر خواتین میں اس کا اتنا رواج ہے کہ گولیاں کھا کھا کر وزن کم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور بعض اوقات اس میں مر بھی جاتی ہیں۔

اس کے بعد وہ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ میرے نزدیک وزن کم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی نہ تو کسی وقت کا کھانا مستقل چھوڑے، نہ روٹی کم کرے، بلکہ ساری عمر اس کا معمول بنالے کہ جتنی بھوک ہے۔ اس سے تھوڑا سا کم کھا کر کھانا بند کر دے۔ اس کے بعد اس ڈاکٹر نے بعینہ یہ بات لکھی ہے کہ جس وقت کھانا کھاتے ہوئے یہ تردد ہو جائے کہ کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں، اس وقت کھانا چھوڑ دے، جو شخص

اس پر عمل کرے گا، اس کو کبھی بدن بڑھنے کی اور معدے کے خراب ہونے کی شکایت نہیں ہوگی، اور نہ اس کو ڈائیٹنگ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

یہی بات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کئی سال پہلے لکھ گئے تھے۔ اب چاہو تو وزن کم کرنے کی خاطر اس پر عمل کر لو، چاہو تو اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس مشورے پر عمل کر لو۔ لیکن اگر نفس کے علاج کے طور پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کرو گے تو اس کام میں اجر و ثواب بھی ملے گا، اور وزن بھی کم ہو جائے گا۔ اور اگر صرف وزن کم کرنے کی خاطر کرو گے تو شاید وزن تو کم ہو جائے گا۔ لیکن اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

نفس کو لذت سے دور رکھا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہمارے لئے یہ عمل کتنا آسان کر دیا۔ ورنہ پہلے زمانے میں تو صوفیاء کرام خدا جانے کیا کیا ریاضتیں کرایا کرتے تھے، صوفیاء کرام کے یہاں لنگر ہوا کرتے تھے، اس لنگر کے اندر شوربا بنتا تھا۔ خانقاہ میں جو مریدین ہوا کرتے تھے، ان کو یہ حکم ہوتا تھا کہ جس کے پاس ایک پیالہ شوربے کا آئے تو وہ اس شوربے میں ایک پیالہ پانی ملائے، اور پھر کھائے، تاکہ نفس کو لذت گیری کی قید سے آزاد کیا جائے، اس کے علاوہ ان سے فاقے بھی کرواتے تھے۔ لیکن وہ زمانہ اور تھا، اور آج کل کا زمانہ اور ہے، جیسے طب کے اندر زمانے کے بدلنے سے علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ہمارے زمانے کے لحاظ سے، ہمارے مزاجوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نسخے تجویز کر گئے، تقلیل طعام کا یہ نسخہ ہمارے لئے تجویز کر گئے، جس سے تقلیل طعام کا منشا حاصل ہو جائے گا۔

پیٹ بھرنے کی مستیاں

پورا پیٹ بھر کر اس طرح کھانا کہ اس کا کوئی حصہ خالی نہ رہے، اگرچہ فقہی اعتبار سے ناجائز نہیں۔ حرام نہیں، لیکن یہ انسان کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی بیماریوں کا سبب اور ذریعہ ہے، اس لئے کہ جتنی معصیتیں اور نافرمانیاں ہیں۔ وہ سب

بھرے ہوئے پیٹ پر سوجھتی ہیں، اگر آدمی کا پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو یہ گناہ اور بافرماتیاں نہیں سوجھتیں، اس لئے حکم یہ ہے کہ "شبع" یعنی پیٹ بھرے ہونے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اسی کا نام "تقلیل طعام" کا مجاہدہ ہے۔

کم بولنا "ایک مجاہدہ" ہے

دوسری چیز ہے "تقلیل کلام" بات کم کرنا۔ یعنی صبح سے شام تک یہ ہماری زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ جو منہ میں آرہا ہے۔ انسان بول رہا ہے، یہ صورت حال غلط ہے۔ اس لئے جب تک انسان اس زبان کو لگام نہیں دے گا، اور اس کو قابو نہیں کرے گا، اس وقت تک یہ گناہ کرتی رہے گی، یاد رکھیے، حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز اس کی زبان ہے، اس لئے کہ جب زبان کو آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ اس پر روک ٹوک نہیں ہے تو پھر وہ زبان جھوٹ میں مبتلا ہوگی۔ غیبت میں مبتلا ہوگی، دل آزاری میں مبتلا ہوگی، ان گناہوں کے سبب وہ جہنم میں جائے گا۔

زبان کے گناہوں سے بچ جائے گا۔

اس لئے انسان کو "تقلیل کلام" کا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے کہ بات کم کرے، زبان سے فضول بات نہ نکالے، ضرورت کے مطابق بات کرے، اور بولنے سے پہلے یہ سوچے کہ یہ بات کرنا میرے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ کہیں گناہ کی بات تو نہیں، اور بلاوجہ زبان چلانے سے بچے، اور پھر آہستہ آہستہ انسان کم بولنے کا عادی ہو جاتا ہے، پھر یہ ہوتا ہے کہ بولنے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن اس نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا تو اس کے نتیجے میں زبان پر قابو پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ جھوٹ، غیبت اور اس طرح کے دوسرے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔

جائز تفریح کی اجازت ہے

یہ جو فضول قسم کی مجلس آرائی ہوتی ہے، جس کو آج کل کی اصطلاح میں گپ شپ کہا جاتا ہے، کوئی دوست مل گیا تو فوراً اس سے کہا کہ آؤ ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں، یہ گپ شپ لانا انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ ہاں! شریعت نے ہمیں تھوڑی بہت تفریح کی بھی اجازت دی ہے۔ نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

روحوا القلوب ساعة فساعة

(کنز العمال۔ ۵۳۵۴)

یعنی دلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام بھی دیا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیے کہ ہمارے مزاج، ہماری نفسیات اور ہماری ضروریات کو ان سے زیادہ پہچاننے والا اور کون ہوگا، وہ جانتے ہیں کہ اگر ان سے کہا گیا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کچھ نہ کرو، ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہو تو یہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ فرشتے نہیں ہیں۔ یہ تو انسان ہیں۔ ان کو تھوڑے سے آرام کی بھی ضرورت ہے، تھوڑی سی تفریح کی بھی ضرورت ہے، اس لئے تفریح کے لئے کوئی بات کرنا، خوش طبعی کے ساتھ ہنس بول لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے۔ بلکہ پسندیدہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لیکن اس میں زیادہ منہمک ہو جانا کہ اسی میں کئی کئی گھنٹے برباد ہو رہے ہیں یعنی اوقات ضائع ہو رہے ہیں تو یہ چیز انسان کو لازمی طور پر گناہ کی طرف لیجانے والی ہے۔ اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تم باتیں کم کرنے کی عادت ڈالو، اور یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے۔ جب کبھی آتے تو بس ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتے، اور رکنے کا نام نہ لیتے، ہمارے سب بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان بن کر ملنے کے لئے آتا تو اس کا اکرام کرتے، اس کی بات

سنتے، اور حتی الامکان اس کی تشفی کی کوشش کرتے، یہ کام ایک معروف آدمی کے لئے بڑا مشکل ہے، جن لوگوں کی زندگی معروفیات سے بھری ہو، وہ جان سکتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سے کوئی شخص ملنے کے لئے آتا، اور آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے، جب تک وہ خود ہی منہ نہ موڑ لے، اس کی بات سنتے رہتے تھے، چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ:

حتی یکون ھو المنصرف

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حتی کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے، یہ کام بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ بعض لوگ لمبی بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں، ان کی پوری بات پوری توجہ سے سننا ایک مشکل کام ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آنے والے کی بات سنتے، اس کی تشفی کرتے،

اصطلاح کا ایک طریقہ

لیکن اگر کوئی شخص اصطلاح کی غرض سے آتا تو اس پر روک ٹوک ہوتی تھی، بہر حال! وہ صاحب آکر باتیں شروع کر دیتے۔ اور حضرت والد صاحب سکینیت سے اس کی باتیں سنتے رہتے، ایک دن ان صاحب نے آکر حضرت والد صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت! میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، میرے لئے کوئی وظیفہ کوئی تسبیح بتا دیجئے، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لئے کوئی تسبیح اور وظیفہ نہیں ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرو، اس پر تالا ڈالو، تم جو ہر وقت بولتے رہتے ہو، زبان نہیں رکتی، یہ غلط ہے۔ آئندہ جب آؤ تو بالکل خاموش بیٹھے رہو، زبان سے کوئی لفظ نہ نکالنا۔ اب اس پابندی کے نتیجے میں ان صاحب پر قیامت گزر گئی۔ یہ خاموش بیٹھنے کا مجاہدہ ان کے لئے ہزار مجاہدوں سے بھاری تھا۔ اب یہ ہوتا کہ بار بار ان کے دل میں بولنے کا تقاضہ پیدا ہوتا، لیکن پابندی کی وجہ سے نہ بولنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی علاج کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سارا طریق طے کرا

دیا۔ اس لئے کہ حضرت والد صاحب یہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی بنیادی بیماری یہ ہے، جب یہ قابو میں آجائے گی تو سب کام آسان ہو جائے گا، چنانچہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ہر ایک کی بیماری الگ الگ ہے، لہٰذا حالات کو دیکھ کر شیخ علاج تجویز کرتا ہے کہ اس کے لئے کونسا علاج مفید ہو گا، بہر حال یہ "تقلیل کلام" کا مجاہدہ ہے۔

کم سونا

تیسرا مجاہدہ ہے "تقلیل منام" یعنی کم سونا، اس میں بھی پہلے تو نہ سونے کا مجاہدہ ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ کم سونے کی حد یہ ہے کہ آدمی کو دن رات میں کم از کم چھ گھنٹے ضرور سونا چاہئے، چھ گھنٹے سے کم نہ کرے، ورنہ بیمار ہو جائے گا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو بے وقت سونے کی عادت ہے تو وہ اس کو ختم کرے، یہ بھی کم سونے کی حد میں داخل ہے، اور یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

لوگوں سے تعلقات کم رکھنا

چوتھا مجاہدہ ہے "تقلیل الاختلاط مع الانام" یعنی لوگوں سے میل جول کم کرنا، اور بہت زیادہ میل جول سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ انسان کے جتنے زیادہ تعلقات ہوں گے، اتنی ہی گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ تجربہ کر کے دیکھ لو، آج کل تو تعلقات بڑھانا باقاعدہ ایک فن اور ہنر بن گیا ہے، جس کو "پبلک ریلیشن" (Public Relation) کہا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات زیادہ پیدا کرو، اور اپنا اثر رسوخ بڑھاؤ، اور ان تعلقات کی بنیاد پر اپنا کام نکالو، لیکن ہمارے بزرگوں نے اس سے منع فرمایا ہے کہ بلا ضرورت تعلقات نہ بڑھائے جائیں۔ بلکہ تعلقات کو کم کیا جائے۔

دل ایک آئینہ ہے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو ایک آئینہ بنایا ہے، جو تصویر انسان کے سامنے سے گزرتی ہے، اس کا عکس دل پر جم جاتا ہے، لہٰذا جب انسان کے تعلقات زیادہ ہونگے تو اس میں پھر اچھے لوگ بھی آئیں گے، اور برے بھی آئیں گے، اور جب برے کاموں میں مصروف لوگ ملاقات کریں گے تو ان کے کاموں کا عکس دل پر پڑے گا، اور اس سے دل خراب ہوگا، اس لئے فرمایا کہ دوسرے لوگوں سے بلا ضرورت زیادہ نہ ملو، دوسرے لوگوں سے تعلقات جتنے کم ہوں گے، اتنا ہی اللہ جل شانہ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؂

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چوں پیوندھا بگسلی واصلی

یعنی یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں حجاب اور پردے بن جاتے ہیں، دنیا کی جتنی محبتیں بڑھیں گی، کہ اس سے بڑی محبت ہے، اس سے بھی محبت ہے اتنا ہی اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق میں کمی آئے گی، البتہ جو حقوق العباد ہیں۔ وہ بے شک ادا کرنے ہیں، ان میں کوتاہی نہیں کرنی ہے۔ لیکن بلاوجہ تعلقات نہیں بڑھانا چاہئے، اسی کا نام "تقلیل الاختلاط مع الانام" ہے۔

بہر حال یہ مجاہدات اس لئے کرائے جاتے ہیں، تاکہ ہمارا یہ نفس قابو میں آجائے۔ اور ناجائز کاموں پر اکسانا چھوڑ دے، اس لئے یہ مجاہدات ہر انسان کو کرنے چاہئیں اور بہتر یہ ہے کہ یہ مجاہدات کسی رہنما کی نگرانی میں کرے، خود اپنی مرضی، اور اپنے فیصلے سے نہ کرے، اس لئے کہ اگر انسان خود سے یہ فیصلہ کرے گا کہ میں کتنا کھاؤں، کتنا نہ کھاؤں، کتنا سوؤں، کتنا نہ سوؤں، کتنے لوگوں سے تعلقات رکھوں۔ کن سے تعلقات نہ رکھوں، تو اس میں بے اعتدالی ہو سکتی ہے لیکن جب کسی رہنما کی رہنمائی میں یہ کام کریگا تو انشاء اللہ اسکے فوائد حاصل ہونگے، اور ہر کام اعتدال میں رہ کر ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصلاحی خطبات

جلد ۳

- اسلام اور جدید اقتصادی مسائل
- دولتِ قرآن کی قدر و عظمت
- دل کی بیماریاں اور طبیبِ روحانی کی ضرورت
- دنیا سے دِل نہ لگاؤ
- کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟
- جھوٹ اور اس کی مروّجہ صورتیں
- وعدہ خلافی
- امانت میں خیانت
- معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟
- بڑوں کی اطاعت اور ادب کے تقاضے
- تجارت دین بھی، دنیا بھی
- خطبۂ نکاح کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

۳

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط وترتیب : محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی۔

تاریخ اشاعت : دسمبر ۱۹۹۳ء

تعداد : دو ہزار

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز۔ ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹۔

باہتمام : ولی اللہ میمن۔

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر: ۱۳۵۷۶

ملنے کے پتے

- ...... میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹۔
- ...... ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی۔ لاہور۔
- ...... ادارۃ المعارف۔ دارالعلوم کراچی ۱۴۔
- ...... دارالاشاعت۔ اردو بازار۔ کراچی
- ...... کتب خانہ مظہری۔ گلشن اقبال۔ کراچی
- ...... مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرو اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی تیسری جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد ثانی کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد ثالث کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف تین ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری معروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد ثالث کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین اس کے علاوہ ہم مولوی محمد طارق اکی اور مولوی سفیر احمد ثاقب کشمیری کے بھی شکر گزار ہیں۔ جنہوں نے احادیثوں کے حوالوں کے سلسلے میں اور تصحیح مضامین کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد۔ کراچی

اجمالی فہرست خطبات

تفصیلی فہرست مضامین

(۱۷) اسلام اور جدید اقتصادی مسائل

(۱۸) دولت قرآن کی قدر و منزلت

صفحہ	عنوان

(۱۹) دل کی بیماریاں

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۲۰) دنیا سے دل نہ لگاؤ

صفحہ	عنوان

(۲۱) کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟

عنوان	صفحہ

(۲۲) جھوٹ اور اس کی مروجہ صورتیں

عنوان	صفحہ

(۲۳) وعدہ خلافی

(۲۴) خیانت اور اس کی مروجہ صورتیں

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

(۲۵) معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

(۲۶) بڑوں کی اطاعت اور ادب کے تقاضے

(۲۷) تجارت، دین بھی، دنیا بھی

صفحہ	عنوان

(۲۸) خطبہ نکاح کی اہمیت

اسلام
اور
جدید اقتصادی مسائل

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن

تاریخ و وقت : ۵ر جولائی ۱۹۹۲ء ۱۱ بجے دن

مقام : سیمینار ہال، جامعہ کراچی، گلشن اقبال

بیشک "معیشت" اسلامی تعلیمات کا ایک بہت اہم شعبہ ہے اور اسلام کی معاشی تعلیمات کا وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اگر اسلامی فقہ کی کسی بھی کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے دو حصے معیشت سے متعلق ہونگے، لیکن یہ بات ہر وقت ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دوسرے معاشی نظاموں کی طرح اسلام میں "معیشت" انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ در حقیقت اسلام کی نظر میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس کے اندر انسان آیا ہے یہ اس کی آخری منزل نہیں ہے بلکہ آخری منزل تک پہنچانے کے لئے ایک سیڑھی ہے اور ایک عبوری دور ہے اب عبوری دور پر ساری توانائیاں اور ساری طاقت خرچ کرنا اسلام کے بنیادی مزاج سے میل کھانے والی نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام

اور

جدید اقتصادی مسائل

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد النبی الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد!

آج کا موضوع

جناب صدر، و معزز خواتین و حضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج کی اس نشست کا موضوع اسلام اور جدید اقتصادی مسائل" مقرر کیا گیا ہے اور اس پر گفتگو کے لئے مجھ ناکارہ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں اس موضوع کے بنیادی خدوخال آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔

یہ موضوع درحقیقت بڑا طویل الذیل اور تفصیل طلب موضوع ہے جس کے لئے ایک گھنٹے کی وسعت نہایت ناکافی ہے بلکہ مجھے یہاں "ناکافی" کا لفظ بھی ناکافی معلوم

ہو رہا ہے اس لئے تمہید سے قطع نظر کر کے براہ راست اصل موضوع کی طرف آنا چاہتا ہوں تاکہ اس مختصر وقت میں اپنی بساط کے مطابق اس موضوع کے چند خدوخال آپ حضرات کی خدمت میں عرض کر دوں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ موضوع نہ صرف یہ کہ ایک گھنٹے کا موضوع نہیں ہے بلکہ ایک نشست کا موضوع بھی نہیں ہے، اس پر بڑی طویل کتابیں لکھی گئی ہیں، اور لکھی جا رہی ہیں۔ اور ایک مختصر سی نشست میں اس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔

جدید اقتصادی مسائل اتنے زیادہ اور اتنے متنوع ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کا انتخاب کر کے اس پر بات کی جائے، اور دوسرے مسائل کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی ایک مشکل آزمائش ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ جزوی اقتصادی مسائل پر گفتگو کی جائے۔ میں اسلام کی اقتصادی اور معاشی تعلیمات کا بنیادی اور اصولی خاکہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، تاکہ کم از کم اسلامی معیشت کے بنیادی تصورات ذہن نشین ہو جائیں۔ کیونکہ جتنے جزوی اقتصادی مسائل ہیں جن کی طرف مجھ سے پہلے ڈاکٹر اختر سعید صاحب نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ سارے کے سارے اقتصادی مسائل در حقیقت بنیادی تصورات پر مبنی ہونگے اور ان کا جو حل بھی تلاش کیا جائے گا۔ وہ انہیں بنیادی تصورات کے ڈھانچے میں تلاش کیا جائیگا۔

لہٰذا سب سے پہلی اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے ذہن میں اسلامی معیشت کا تصور واضح ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اسلامی معیشت کس چیز کا نام ہے؟ اس کی کیا بنیادی خصوصیات ہیں؟ وہ کس طرح دوسری معیشتوں سے ممتاز ہے؟ جب تک یہ بات واضح نہ ہو، اس وقت تک اقتصادی مسائل پر گفتگو یا بحث یا ان کا کوئی حل منطقی طور پر درست نہیں ہوگا اس لئے میں اس وقت مختصراً اسلامی معیشت کے بنیادی تصورات اور آج کی دنیا میں جاری معیشت کے نظام کے ساتھ اس کا تقابل او موازنہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں اور اس مختصر وقت میں اس اہم موضوع کو صحیح طور پر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسلام ایک نظام زندگی ہے

سب سے پہلی بات جو اسلامی معیشت کے حوالے سے یاد رکھنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسلام در حقیقت ان مخصوص معنوں میں ایک "معاشی نظام" نہیں جن معنوں میں آج کل "معاشی نظام" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جو اس کے معنی سمجھے جاتے ہیں، بلکہ اسلام ایک نظام زندگی ہے جس کا ایک اہم شعبہ معیشت اور اقتصاد بھی ہے۔ لیکن پورے اسلام کو ایک معاشی نظام کی حیثیت میں متعارف کرانا یا اسلام کو ایک معاشی نظام سمجھنا درست نہیں جیسے کیپٹل ازم ہے یا سوشلزم ہے لہٰذا جب ہم اسلام کی معیشت کا نام لیتے ہیں، یا اسلامی معیشت کے تصورات اور اس کی بنیادوں کی بات کرتے ہیں، تو ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم میں اور سنت رسول اللہ میں معیشت کے اسی طرح کے نظریات ہونگے، جو آدم سمتھ اور مارشل اور دوسرے ماہرین معاشیات کی کتابوں میں موجود ہیں کیونکہ اسلام اپنی ذات اور اصل میں معاشی نظام نہیں، بلکہ وہ ایک نظام زندگی ہے جس کا ایک چھوٹا سا شعبہ معیشت بھی ہے اس پر اسلام نے اہمیت ضرور دی ہے لیکن اس کو مقصد زندگی قرار نہیں دیا۔ اس لئے جب میں آگے آپ حضرات کی خدمت میں معیشت کی بات کروں گا، تو یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن اور سنت میں اگر کوئی شخص اس طرح کے معاشی نظریات، ان اصطلاحوں اور ان تصورات کے تحت تلاش کریگا۔ جن تصورات اور اصطلاحات کے ساتھ معیشت کی عام کتابوں میں ملتے ہیں تو اس طرح کے تصورات ان میں نہیں ملیں گے البتہ اسلام کے اندر وہ بنیادی تصورات انسان کو ملیں گے جن پر بنیاد رکھ کر ایک معیشت کی تعمیر کی جا سکتی ہے اس لئے میں اپنی ذاتی گفتگو اور تحریروں میں بھی "اسلام کا معاشی نظام" کے بجائے "اسلام کی معاشی تعلیمات" کا لفظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اسلام کی ان معاشی تعلیمات کی روشنی میں معیشت کی کیا شکل ابھرتی ہے؟ اور کیا ڈھانچہ سامنے آتا ہے؟ یہ سوال ایک معیشت کے طالب علم کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

"معیشت" زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ معیشت بے شک اسلامی تعلیمات کا ایک بہت اہم شعبہ

ہے۔ اور معاشی تعلیمات کی وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اگر اسلامی فقہ کی کسی بھی کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے دو حصے معیشت سے متعلق ہونگے آپ نے فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" کا نام ضرور سنا ہو گا، اس کی چار جلدیں ہیں جس میں سے آخری دو جلدیں تمام تر معیشت کی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ اس سے آپ اسلامی کی معاشی تعلیمات کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہر وقت ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دوسرے معاشی نظاموں کی طرح اسلام میں معیشت انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے، جتنی سکولر معیشتیں ہیں، ان میں معیشت کو انسان کی زندگی کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ قرار دیا گیا ہے، اور اس بنیاد پر تمام نظام کی تعمیر کی گئی ہے لیکن اسلام میں معیشت اہمیت ضرور رکھتی ہے، لیکن وہ انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔

اصل منزل آخرت ہے

اسلام کی نظر میں بنیادی مسئلہ درحقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا جس کے اندر انسان آیا ہے۔ یہ اس کی آخری منزل اور آخری مطمح نظر نہیں ہے۔ بلکہ یہ آخری منزل تک پہنچانے کے لئے ایک مرحلہ ہے اور ایک عبوری دور ہے اس عبوری دور کو بھی یقیناً اچھی حالت میں گزارنا چاہئے لیکن یہ سمجھنا کہ میری ساری کوششوں، ساری توانائیوں اور ساری جدوجہد کا محور یہ دنیاوی زندگی کی معیشت ہو جائے، یہ بات اسلام کے بنیادی مزاج سے میل کھانے والی نہیں۔

اسلام نے ایک طرف دنیا کو اس درجہ اہمیت دی کہ دنیاوی منافع کو قرآن کریم میں "خیر" اور اللہ کا "فضل" کہا گیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ

(کنزالعمال حدیث نمبر ۹۲۳۱)

یعنی معیشت کو حلال طریقے سے حاصل کرنا یہ انسان کے فرائض کے بعد دوسرے درجہ کا اہم فریضہ ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ اپنی تمام جدوجہد کا

محور اس دنیا کو نہ بنانا، کیونکہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری ابدی زندگی آخرت کی شکل میں آنے والی ہے۔ اس کی بہبود درحقیقت انسان کا سب سے بنیادی مسئلہ ہے۔

دنیا کی بہترین مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے اس نقطہ نظر کو ایک خوبصورت مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ:

آب اندر زیر کشتی پشتی است.
آب در کشتی ہلاک کشتی است

(مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم جلد ۲ ص ۲۷)

دنیا کی مثال پانی جیسی ہے اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے جس طرح کشتی بغیر پانی کے نہیں چل سکتی۔ اسی طرح انسان دنیا اور اس کے ساز و سامان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ پانی کشتی کے لئے اس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک وہ کشتی کے چاروں طرف اور ارد گرد ہو، لیکن اگر یہ پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو اس وقت وہ پانی کشتی کو سہارا دینے کے بجائے اسے ڈبو دیگا، اسی طرح دنیا کے یہ سارے ساز و سامان انسان کے لئے بڑے فائدہ مند ہیں اور اس کے بغیر انسان کی زندگی نہیں گزر سکتی، لیکن یہ اس وقت تک فائدہ مند ہیں جب تک یہ دل کی کشتی کے چاروں طرف اور ارد گرد رہیں، لیکن اگر یہ ساز و سامان انسان کی دل کی کشتی میں سوار ہو جائیں تو وہ پھر انسان کو ڈبو دیں گے اور ہلاک کر دیں گے۔

اسلام کا معیشت کے بارے میں یہی نقطہ نظر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معیشت فضول چیز ہے اس لئے کہ اسلام رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ معیشت بڑی کار آمد چیز ہے۔ بشرطیکہ اس کو اس کی حدود میں استعمال میں کیا جائے۔ اور اس کو اپنا بنیادی مطمح نظر اور آخری مقصد زندگی قرار نہ دیا جائے۔

ان دو بنیادی نکتوں کی تشریح کے بعد سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ کسی معیشت کے بنیاد مسائل کیا ہوتے ہیں؟ اور ان بنیادی معاشی مسائل کو موجودہ معاشی نظاموں یعنی سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت نے کس طرح حل کیا ہے؟ اور پھر تیسرے

نمبر ۲ یہ کہ اسلام نے ان کو کس طرح حل کیا ہے؟

"معیشت" کا مفہوم

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ کسی معیشت کے بنیادی مسائل کیا ہوتے ہیں؟ معاشیات کا ایک مبتدی طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ کسی معیشت کے بنیادی مسائل چار ہیں ان چار مسائل کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم جس چیز کو اکنامکس (Economics) کہتے ہیں اور عربی میں جس کا ترجمہ "اقتصاد" سے کیا جاتا ہے، اگر ڈکشنری میں اس کے لغوی معنی دیکھے جائیں تو "اکنامکس" کے معنی یہ ملیں گے کہ انسان اپنی ضرورت کو کفایت کے ساتھ پورا کر لے، "اکنامکس" کے اندر بھی کفایت کا تصور موجود ہے، اور عربی میں اس کا جو ترجمہ "اقتصاد" سے کیا جاتا ہے اس میں بھی کفایت کا تصور موجود ہے لہٰذا "اکنامکس" کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی ضروریات، بلکہ خواہشات غیر متناہی ہیں۔ اور ان ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے وسائل کم اور محدود ہیں اگر وسائل بھی اتنے ہی ہوتے جتنی ضرویات اور خواہشات ہیں، تو پھر کسی علم معاشیات کی ضرورت نہ ہوتی، علم معاشیات کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی ضروریات اور خواہشات زیادہ ہیں، اور اس کے مقابلے میں وسائل کم ہیں تو اب اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ کس طرح ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کی جائے؟ جس کے ذریعہ کفایت کے ساتھ اپنی ضرویات اور خواہشات پوری ہو سکیں۔ اور یہی درحقیقت علم معاشیات کا موضوع ہے اور اس نقطہ نظر سے کسی معیشت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ چار بنیادی مسائل ہیں۔

"ترجیحات کا تعین"

(Determination of Priorities)

پہلا مسئلہ، جس کو معیشت کی اصطلاح میں "ترجیحات کا تعین" کہا جاتا ہے، یعنی ایک انسان کے پاس وسائل تو تھوڑے سے ہیں، اور ضروریات اور خواہشات بہت زیادہ ہیں، اب کون سی خواہش کو مقدم کرے، اور کون سی خواہش کو مؤخر کرے۔ یہ

معاشیات کا سب سے پہلا مسئلہ ہے: مثلاً میرے پاس پچاس روپے ہیں، اب ان پچاس روپے سے میں خوراک کے لئے بازار سے آٹا بھی خرید سکتا ہوں، اور اس پچاس روپے سے کپڑا بھی خرید سکتا ہوں۔ اور کسی ہوٹل میں بیٹھ کر ریفریشمنٹ کھانے میں بھی خرچ کر سکتا ہوں۔ اور ان پچاس روپے سے کوئی فلم بھی دیکھ سکتا ہوں، اب یہ چار پانچ ضرورتیں میرے سامنے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان چار پانچ اختیارات میں سے کس کو ترجیح دوں؟ اور وہ پچاس روپے کس طرح استعمال کروں؟ اس مسئلہ کا نام "ترجیحات کا تعین" ہے۔

یہ مسئلہ جس طرح ایک انسان کو پیش آتا ہے، اسی طرح پورے ملک، پوری ریاست اور پوری معیشت کو بھی پیش آتا ہے، مثلاً پاکستان کے کچھ قدرتی وسائل ہیں۔ کچھ انسانی وسائل ہیں، کچھ معدنی وسائل ہیں۔ کچھ نقدی وسائل ہیں، یہ سارے وسائل محدود ہیں، اور ہماری ضروریات اور خواہشات لامتناہی ہیں، اب جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں، ان کے ذریعہ ہم کھیت میں گندم بھی اگا سکتے ہیں، چاول بھی اگا سکتے ہیں۔ اور تمباکو بھی اگا سکتے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سارے وسائل عیاشی پر خرچ کر دیں۔ یہ مختلف اختیارات (Options) ہمارے سامنے موجود ہیں تو کسی معیشت کا سب سے پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ترجیحات کا تعین کس طرح کریں؟ اور کس کام کو فوقیت دی جائے؟۔

۲۔ "وسائل کی تخصیص"

دوسرا مسئلہ، جسے معاشیات کی اصطلاح میں "وسائل کی تخصیص" (Allocation of Resources) کہا جاتا ہے، یعنی جو وسائل ہمارے پاس موجود ہیں، ان کو کس کام میں کس مقدار میں لگایا جائے؟ مثلاً ہمارے پاس زمینیں بھی ہیں، اور ہمارے پاس کارخانے بھی ہیں، ہمارے پاس انسانی وسائل بھی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کتنی زمین پر گندم اگائیں؟ اور کتنی زمین پر روئی اگائیں؟ کتنی زمین پر چاول اگائیں، اس کو معیشت کی اصطلاح میں "وسائل کی تخصیص" کہا جاتا ہے، کہ کونسے وسیلے کو کس کام کے لئے اور کس مقدار میں مخصوص کیا جائے؟

۳۔ آمدنی کی تقسیم

تیسرا مسئلہ ہے کہ جب پیداوار (Production) شروع ہو تو اس پیداوار کو کس طرح معاشرے اور سوسائٹی میں تقسیم کیا جائے؟ اس کو معیشت کی اصطلاح میں "تقسیم آمدنی" (Distribution of Income) کہا جاتا ہے۔

۴۔ ترقی

چوتھا مسئلہ جس کو معاشیات کی اصطلاح "ترقی" (Development) کہا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری جو معاشی سرگرمیاں ہیں، ان کو کس طرح ترقی دی جائے؟ تاکہ جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے۔ وہ معیار کے اعتبار سے اور زیادہ اچھی ہو جائے، اور مقدار کے لحاظ سے زیادہ ہو جائے؟ اور اس میں ترقی ہو، اور نئی مصنوعات وجود میں آئیں، تاکہ مزید اسباب معیشت لوگوں کے سامنے آئیں۔

یہ چار اسباب معیشت ہوتے ہیں۔ جن کا ہر معیشت کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان چار مسائل کے تعین کے بعد ایک نظر اس پر ڈالنی ہوگی کہ موجودہ رائج الوقت معیشت کے نظاموں نے ان چار مسائل کو کس طرح حل کیا ہے؟ پھر یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ اسلام ان مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے کیونکہ عربی کا یہ مصرعہ آپ نے سنا ہوگا کہ:

و بضدھا تتبین الاشیاء

جب تک کسی چیز کی ضد سامنے نہ آئے، اس وقت تک کسی چیز کی حقیقی محاسن سامنے نہیں آتے، اگر رات کا اندھیرا نہ ہو تو دن کی روشنی کی قدر نہ ہوتی، اگر حبس اور گرمی نہ ہو تو بارش کا رحمت ہونا معلوم نہ ہوتا۔ اس لئے مختصراً پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ رائج الوقت معاشی نظاموں نے ان چار مسائل کو کس طرح حل کیا ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام میں ان کا حل

سب سے پہلے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کو لیا جاتا ہے، سرمایہ

دارانہ نظام نے ان چار مسائل کو حل کرنے کے لئے جو فلسفہ پیش کیا، وہ یہ ہے کہ ان چار مسائل کو حل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی جادو کی چھڑی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دو، اور پھر جب ہر شخص اپنا منافع کمانے کی فکر کریگا۔ اور آزاد جدوجہد کریگا تو اس وقت یہ چاروں مسائل خود بخود (Automatically) حل ہوتے چلے جائیں گے اب سوال یہ ہے کہ یہ چار مسائل خود بخود کس طرح حل ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ در حقیقت اس کائنات میں قدرتی قوانین کار فرما ہیں۔ جن کو رسد اور طلب (Supply and Demand) کے قوانین کہا جاتا ہے۔ معاشیات کے طالب علم کے علاوہ ہر عام آدمی بھی ان قوانین کے بارے اتنا جانتا ہے کہ جس چیز کی طلب اس کی رسد کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور اگر طلب رسد کے مقابلے میں کم ہو جائے تو اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے، مثلاً فرض کیجئے کہ بازار میں آم موجود ہیں، اور آم کے خریدار اور شوقین زیادہ ہیں۔ اس کے مقابلے میں اس کی سپلائی کم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بازار میں آم کی قیمت بڑھ جائیگی، لیکن اگر وہ آم ایسے علاقے میں پہنچا دیئے جائیں جہاں لوگ آم کھانا پسند نہیں کرتے، اور ان کے اندر آم کھانے کی طلب اور رغبت نہیں ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آم کی قیمت گھٹ جائیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ طلب کے بڑھنے سے قیمت بڑھتی ہے، اور طلب کے گھٹنے سے قیمت گھٹتی ہے، یہ ایک عام اصول اور قانون ہے، جسے ہر انسان جانتا ہے

سرمایہ دارانہ (Capitalism) نظریہ کہتا ہے کہ یہی قانون جو در حقیقت اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کیا چیز پیدا کی جائے اور کس مقدار میں پیدا جائے، اور کس طرح وسائل کی تخصیص کی جائے، ان سب چیزوں کا تعین در حقیقت طلب و رسد کے قانون سے ہوتا ہے، اس لئے کہ جب ہم نے ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا، تو اب ہر شخص اپنے منافع کے خاطر وہی چیز پیدا کرنے کی کوشش کریگا جس کی مارکیٹ میں طلب زیادہ ہے۔

میں آج اگر ایک کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں، تو پہلے میں یہ معلوم کروں گا کہ بازار میں کس چیز کی طلب زیادہ ہے، تاکہ جب وہ چیز میں مارکیٹ میں لاؤں تو اس کو زیادہ

قیمت میں فروخت کر کے اپنا منافع کما سکوں،

لہٰذا لوگ جب اپنے منافع کے محرک کے تحت کام کرینگے تو وہی چیز بازار میں لائینگے جس کی طلب زیادہ ہوگی، اور جب بازار میں اس چیز کی طلب کم ہو جائیگی تو لوگ اس پیداوار کو بازار میں مزید لانے سے اس لئے رک جائیں گے کہ مزید لانے کی صورت میں اس کی قیمت گھٹے گی، اور قیمت گھٹنے سے ان کا نقصان ہو گا۔ یا کم از کم منافع پورا نہیں کما سکیں گے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ طلب و رسد کے قوانین مارکیٹ میں اس طرح جاری ہیں کہ اس کے ذریعہ ترجیحات کا تعین بھی خود بخود ہو جاتا ہے کہ کیا چیز پیدا کی جائے، اور کتنی مقدار میں پیدا کی جائے، اور وسائل کی تخصیص بھی اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ انسان اپنی زمین اور اپنے کارخانے کو اس چیز کے پیدا کرنے میں استعمال کریں گے، جس کی طلب ملک میں زیادہ ہے تاکہ اس سے زیادہ منافع حاصل کر سکے، لہٰذا منافع کے حصول کے محرک کے ذریعہ ان چاروں مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد رسد اور طلب کے بنیادی قوانین ہوتے ہیں۔ اور اس سسٹم کو پرائز میکنزم (Price Mechanism) کہا جاتا ہے، اور اسی پرائز میکنزم کے تحت یہ سارے وسائل انجام پاتے ہیں۔

اسی طرح آمدنی کی تقسیم کا نظام ہے، اس کے بارے میں سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ یہ ہے کہ رسد اور طلب کے قوانین ہی کے تحت آمدنی کی تقسیم ہوتی ہے، مثلاً ایک کارخانہ والے نے ایک کارخانہ لگایا، اور اس میں ایک مزدور کو کام پر لگایا، اب سوال یہ ہے کہ کارخانے سے ہونے والی آمدنی کا کتنا حصہ مزدور وصول کرے، اور کتنا کارخانے والا حاصل کرے؟ اس کا تعین بھی درحقیقت رسد اور طلب کے قوانین کے تحت ہو گا۔ یعنی مزدور کی طلب جتنی زیادہ ہوگی۔ اس کی اجرت بھی اتنی زیادہ ہوگی، اور جتنی اس کی طلب کم ہوگی، اس کی اجرت بھی کم ہو جائے گی، تو اسی اصول پر آمدنی کی تقسیم ہوگی،

آخری مسئلہ یعنی ترقی (Development) کا مسئلہ بھی اسی بنیاد پر حل ہو گا کہ جب ہر شخص زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی فکر میں ہے، تو اب وہ منافع کے حصول کے لئے نت نئی ایجادات سامنے لائے گا۔ اور ایسی چیزیں پیدا کرے گا جس کے ذریعہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکے۔

لہٰذا جب ہر شخص کو منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے تو اس کے ذریعہ

چاروں مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں، انہی کے ذریعہ ترجیحات کا تعین ہوتا ہے۔ انہی کے ذریعہ وسائل کی تقسیم ہوتی ہے، انہی کے ذریعہ آمدنی کی تقسیم ہوتی ہے۔ اور انہی کے ذریعہ معاشی ترقی عمل میں آتی ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظریہ ہے۔

اشتراکیت میں ان کا حل

جب اشتراکیت میدان میں آئی تو اس نے یہ کہا کہ جناب! آپ نے معیشت کے سارے اہم اور بنیادی مسائل کو بازار کی اندھی اور بہری قوتوں کے حوالے کر دیا ہے، اس لئے کہ رسد اور طلب کی قوتیں اندھی بہری قوتیں ہیں اور یہ جو آپ نے کہا کہ انسان وہی چیز پیدا کرے گا جس کی مارکیٹ میں طلب ہے، اور اسی وقت تک پیدا کرے گا جب تک طلب ہوگی، یہ بات نظریاتی طور پر تو چاہے درست ہو، لیکن عملی میدان میں جب انسان قدم اٹھاتا ہے تو اس کو اس بات کا علم بہت مدت کے بعد ہوتا ہے کہ اس چیز کی طلب کم ہو گئی یا زیادہ ہو گئی، ایک مدت ایسی آتی ہے جس میں طلب حقیقتاً گھٹی ہوئی ہوتی ہے لیکن پیدا کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ طلب بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ پیداوار میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بالآخر کساد بازاری پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر کساد بازاری کے مہلک نتائج معیشت کو بھگتنے پڑتے ہیں، لہٰذا ان مسائل کو ان اندھی، بہری قوتوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

سرمایہ دارانہ نظام نے ایک جادو کی چھڑی پیش کی تھی، اور اشتراکیت نے دوسری جادو کی چھڑی پیش کر دی کہ ان چاروں مسائل کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ کہ کہ سارے وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں رکھنے کے بجائے اجتماعی ملکیت میں لائے جائیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ سارے وسائل پیداوار حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں، اور پھر حکومت ان وسائل کی منصوبہ بندی کرے گی کہ کتنی زمین پر گندم پیدا کی جائے، کتنی زمین پر چاول پیدا کیا جائے کتنی زمین پر روئی پیدا کی جائے، کتنے کارخانوں میں کپڑا بنے گا. اور کتنے کارخانوں میں جوتے بنیں گے، یہ ساری پلاننگ حکومت کرے گی، اور جو انسان زمین یا کارخانے میں کام کریں گے ان کی بحیثیت محنت کار کے اجرت مہیا کی جائے گی، اور اس

اجرت کی مقدار بھی پلاننگ کے ذریعے طے کی جائے گی۔ لہٰذا ترجیحات کا تعین بھی حکومت کرے گی۔ وسائل کی تخصیص بھی حکومت کرے گی آمدنی کی تقسیم بھی حکومت کرے گی اور ترقی کی منصوبہ بندی بھی حکومت کرے گی۔

چونکہ اشتراکی معیشت میں یہ سارے کام حکومت اور منصوبہ بندی کے حوالے کئے گئے ہیں، اس لئے اشتراکی معیشت کو منصوبہ بند معیشت (Planned Economy) بھی کہتے ہیں۔ اور سرمایہ دارانہ معیشت نے چونکہ اپنے وسائل کو مارکیٹ کی رسد اور طلب کی قوتوں پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے اس کو "بازاری معیشت" (Market Economy) اور عدم مداخلت معیشت (Laissez - Faire Economy) بھی کہتے ہیں۔

یہ دو مختلف نظریات ہیں، جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں، اور دنیا میں رائج ہیں۔

سرمایہ دارانہ معیشت کے بنیادی اصول

سرمایہ دارانہ معیشت کے بنیادی اصول جو اس کے فلسفے سے نکلتے ہیں، ان میں سے پہلا اصول "انفرادی ملکیت" (Private Ownership) ہے، یعنی تمام وسائل پیداوار کا ہر شخص انفرادی طور پر مالک بن سکتا ہے، دوسرا اصول "حکومت کی عدم مداخلت" (Laissez - Faire Policy ofstate) ہے، یعنی انسان کو منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے، حکومت کی طرف سے مداخلت نہ کی جائے، اور اس پر کوئی پابندی اور کوئی روک عائد نہ کی جائے، تیسرا اصول "ذاتی منافع کا محرک" ہے، کہ انسان کے اپنے ذاتی منافع کو ایک محرک کے طور پر استعمال کیا جائے، معاشی سرگرمیوں میں تیزی لانے کے لئے اس کی ترغیب دی جائے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول ہیں۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول

اس کے بر خلاف اشتراکیت کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ وسائل کی پیداوار کی حد تک "انفرادی ملکیت" کی بالکلیہ نفی کی جائے، یعنی وسائل پیداوار کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتے یعنی نہ کوئی زمین کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتی ہے، اور نہ کارخانہ کس کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے۔ دوسرا اصول ہے "منصوبہ بندی" یعنی ہر کام پلاننگ اور منصوبہ بندی کے تحت کیا جائے۔ یہ دو مختلف نظریات ہیں، جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔

اشتراکیت کے نتائج

اس وقت دنیا میں ان دونوں نظاموں کے تجربات اور نتائج سامنے آ چکے ہیں، اور اشتراکیت کے نتائج آپ حضرات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ چوہتر سال کے تجربے کے بعد پورے نظام کی عمارت زمین پر اس طرح گری کہ بڑے بڑے سورما بچھڑے ہوئے نظر آئے، حالانکہ ایک زمانے میں نیشنلائیزیشن ایک فیشن کے طور پر دنیا میں رائج تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف زبان کھولتا تو اس کو سرمایہ دار کا ایجنٹ اور رجعت پسند کہا جاتا تھا۔ لیکن آج خود روس کا سربراہ یہ کہہ رہا ہے کہ:

> "کاش: یہ اشتراکیت کے نظریہ کا تجربہ روس کے بجائے افریقہ کے کسی چھوٹے ملک میں کر لیا گیا ہوتا۔ تاکہ کم از کم ہم اس کی تباہ کاریوں سے بچ جاتے"

"اشتراکیت" ایک غیر فطری نظام تھا

بہر حال: طبعی طور پر یہ ایک غیر فطری نظام تھا، اس لئے کہ دنیا میں بے شمار معاشرتی مسائل ہیں، صرف ایک معیشت ہی کا مسئلہ نہیں ہے، اب اگر ان مسائل کو منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے بیٹھ جائیں تو یقین کیجئے کبھی حل نہیں ہو سکیں گے، آخر یہ بھی تو ایک معاشرتی مسئلہ کہ ایک مرد کو ایک عورت سے شادی کرنی ہے، اور شادی

کے لئے مرد کو مناسب بیوی درکار ہے اور بیوی کو مناسب شوہر چاہئے، اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ شادی کا نظام لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، طلاقیں ہو رہی ہیں گھر اجڑ رہے ہیں اور دونوں کے درمیان ناچاقیاں پیدا ہو رہی ہیں، لہٰذا اس نظام کو چلانے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ اس نظام کو حکومت کے حوالے کر دیا جائے، اور پلاننگ کے ذریعہ یہ طے کیا جائے کہ کونسا مرد کس عورت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ اور کونسی عورت کس مرد کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ پلاننگ کے ذریعہ اگر کوئی شخص اس مسئلے کو حل کرنا چاہے گا تو وہ ایک غیر فطری اور مصنوعی نظام ہوگا، جس سے بہتر نتائج کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔

یہی صورت حال اشتراکیت میں پیش آئی، اس میں چونکہ یہ سارے مسائل پلاننگ اور منصوبہ بندی کے حوالے کئے گئے، تو اب سوال یہ ہے کہ پلاننگ کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ حکومت کرے گی اور حکومت کیا چیز ہے؟ وہ چند فرشتوں کے مجموعے کا نام نہیں، بلکہ وہ بھی انسانوں ہی کے اندر سے وجود میں آنے والے گروپ کا نام ہے اشتراکیت کا کہنا یہ ہے کہ سرمایہ دار دولت کے بہت بڑے وسائل پر قبضہ کر کے من مانی کرتا ہے، لیکن اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اشتراکیت کے نتیجے میں اگرچہ بہت سارے سرمایہ دار تو ختم ہو گئے، لیکن ایک بہت بڑا سرمایہ دار وجود میں آگیا، جس کا نام بیورو کریسی، افسر شاہی اور نوکر شاہی ہے اور اب سارے وسائل پیداوار اور ساری معیشت اور بیورو کریسی (افسر شاہی) کے ہاتھ میں آگئے، لہٰذا اب اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ ناانصافی نہیں کریں گے، وہ کون سے آسمان سے اترنے والے فرشتے ہیں، یا وہ کونسا معصومیت کا پروانہ اپنے ساتھ لائے ہیں؟ یقیناً اس نظام میں بھی خرابیاں ہونگی اور وہ خرابیاں پیدا ہوئیں اور آپ حضرات نے اس کو دیکھ لیا۔ اور یہ نظام اپنے انجام کو پہنچ گیا اور آج اس کا نام لینے والے بھی شرما شرما کر اس کا نام لیتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں

اب اشتراکیت کے فیل ہونے کے بعد آج سرمایہ دار مغربی ممالک بڑے زور و

شور کے ساتھ بغلیں بجا رہے ہیں۔ کہ چونکہ اب اشتراکیت فیل ہو گئی ہے، لہٰذا اب سرمایہ دارانہ نظام کی حقانیت ثابت ہو گئی، اب انسان کے لئے سرمایہ دارانہ نظام کے علاوہ کوئی نظام کار آمد نہیں ہو سکتا، اور اب یہ بات بالکل طے ہو چکی ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ سرمایہ دارانہ معیشت کا جو بنیادی فلسفہ ہے وہ یہ کہ آزاد بازار کا وجود، اور لوگوں کو منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑنا اگرچہ نظریاتی طور پر ایک معقول فلسفہ ہے، لیکن جب اس فلسفے پر حد سے زیادہ عمل کیا گیا تو اس فلسفہ نے آگے چل کر خود اپنی جڑ کاٹ لی، یہ بات درست ہے کہ جب لوگوں کو منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑا جائے گا تو رسد و طلب کی قوتیں بر سرکار آئیں گی اور وہ ان مسائل کو حل کر دیں گی، لیکن یہ بات خوب سمجھ لیجئے کہ رسد و طلب کی یہ قوتیں اس وقت تک کار آمد ہوتی ہیں جب بازار میں مسابقت کی فضا ہو، اور آزاد مقابلہ ہو، اور اجارہ داری نہ ہو۔

مثلاً میں بازار سے ایک چھتری خریدنا چاہتا ہوں۔ اور بازار میں بہت سے لوگ چھتری بیچنے والے موجود ہیں، جو مختلف قیمتوں پر چھتری بیچ رہے ہیں، ایک دکاندار =/۵۰۰ روپے میں بیچ رہا ہے۔ اور دوسرا دکاندار =/۴۵۰ روپے کی بیچ رہا ہے۔ اب مجھے اختیار ہے کہ چاہے وہ چھتری /۵۰۰ روپے کی خریدوں یا =/۴۵۰ روپے کی خریدوں، اس صورت میں تو رسد اور طلب کی قوتیں صحیح طور پر کام کرتی ہیں، اور ان کا صحیح عمل ظاہر ہوتا ہے، لیکن اگر بازار میں چھتری بیچنے والا صرف ایک دکاندار ہے، اور میرے پاس کوئی چوائس اور انتخاب نہیں ہے۔ اگر مجھے چھتری خریدنی ہے تو اسی سے خریدنی ہوگی، تو اب وہ اپنی من مانی قیمت میں چھتری بیچے گا، اور اس کے اندر مجھے کوئی اختیار نہیں ہوگا، اور اب رسد و طلب کی قوتیں یہاں ختم ہو گئیں۔ اس لئے اب تو صرف یک طرفہ قیمت کا تعین ہے۔ جو اس اجارہ دار نے مقرر کر دیا، اور مجھے کوئی اختیار نہیں رہا۔

لہٰذا یہ رسد اور طلب کی قوتیں وہاں کام کرتی ہیں جہاں آزاد مقابلہ ہو، اور اگر اجارہ داری ہو تو وہاں یہ قوتیں کام نہیں دیتیں

پھر جب انسان کو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا کہ جو طریقہ تم اختیار کرنا چاہو، اختیار کر لو، تو اس نے ایسے ایسے طریقے اختیار کئے، جس کے ذریعہ بازار میں اجارہ داری قائم ہو گئی، اور دوسری طرف سرمایہ داری نظام میں انسان کو

سود کے ذریعہ منافع کمانا بھی جائز، قمار کے ذریعہ منافع کمانا بھی جائز، سٹے کے ذریعہ نفع کمانا جائز، اور ان تمام طریقوں سے بھی نفع کمانا جائز ہے جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جو طریقہ چاہے اختیار کرے، انسان کو اس کی بالکل کھلی اجازت ہے، اور اس کی کھلی چھوٹ کی وجہ سے بسا اوقات اجارہ داریاں قائم ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے میں رسد و طلب کی قوتیں کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں اور مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ عملی طور پر وجود میں نہیں آتا۔

منافع کمانے کے لئے بالکل آزادی دینے کے نتیجے میں دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ کوئی اخلاقی قدر ایسی باقی نہیں رہی جو اس بات کا خیال کرے کہ معاشرے کو کونسی چیز مفید ہوگی۔ اور کونسی چیز مضر ہوگی، ابھی چند روز پہلے امریکی رسالے ٹائم میں، میں نے پڑھا کہ ایک موڈل گرل مصنوعات کے اشتہار پر اپنی تصویر دینے کے لئے ایک دن میں ۲۵ ملین ڈالر وصول کرتی ہے اب سوال یہ ہے کہ وہ تاجر اور کارخانہ دار یہ ۲۵ ملین ڈالر کہاں سے حاصل کرے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ غریب عوام سے وصول کرے گا، اس لئے کہ جب وہ چیز اور وہ پیداوار بازار میں آئے گی تو یہ ۲۵ ملین ڈالر اس کی لاگت اور کوسٹ میں شامل ہو کر میری اور آپ کی جیب سے وصول کریں گے۔

یہ فائیو اسٹار ہوٹل جن میں ایک دن کا کرایہ ۲۵۰۰ روپے یا =/۳۰۰۰ روپے ہے۔ ایک متوسط درجے کا آدمی ان ہوٹلوں کی طرف رخ کرتے ہوئے ڈرتا ہے، لیکن وہ تمام فائیو اسٹار ہوٹل ان غریب عوام کی آمدنیوں سے وجود میں آئے۔ کہ آپ یہ دیکھیں ان ہوٹلوں میں کون جا کر ٹھہرتا ہے؟ یا تو سرکاری ملازمین اور سرکاری افسران گورنمنٹ کے اخراجات پر ٹھہرتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ ان کا خرچہ گورنمنٹ ادا کرتی ہے، اور گورنمنٹ کا مطلب ہے ٹیکس ادا کرنے والوں کا روپیہ، اور یا پھر دوسرا طبقہ ان ہوٹلوں میں آکر ٹھہرتا ہے وہ تاجر، صنعتکار ہوتے ہیں۔ جو اپنے تجارت کے سفروں کے دوران ان ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں۔ لیکن وہ ان ہوٹلوں کا خرچہ کہاں سے وصول ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ سرمایہ دار اپنی جیب سے خرچ نہیں کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ اخراجات اس چیز کی لاگت (Cost) میں شامل ہونگے۔ جو چیز وہ بازار میں فروخت کر رہا ہے۔ اور اس کی لاگت میں شامل ہو کر اس کی قیمت میں اضافہ کریں گے، اور پھر وہ قیمت

عوام سے وصول کی جائیگی۔

لہذا کوئی اخلاقی قدر اور کوئی اخلاقی پیمانہ اس بات کا موجود نہیں ہے کہ منافع کمانے کا کونسا طریقہ درست اور معاشرے کے لئے مفید ہے۔ اور کونسا طریقہ معاشرے کے لئے مضر اور مہلک ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بد اخلاقیاں، ناانصافیاں اور مظالم وجود میں آرہے ہیں۔

اسلام کے معاشی احکام

اب میں اسلام کی معاشی تعلیمات کی طرف آتا ہوں، تاکہ مندرجہ بالا پس منظر میں اس کو اچھی طرح سمجھا جاسکے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے یہ فلسفہ کہ معاشی مسائل کا تصفیہ پلاننگ کے بجائے مارکیٹ کی قوتوں کے تحت ہونا چاہئے، اس بنیادی فلسفہ کو اسلام تسلیم کرتا ہے، قرآن کریم کہتا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

(الزخرف۔ ۳۲)

یعنی ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی ہے، اور ایک کو دوسرے پر درجات کے اعتبار سے فوقیت عطا کی ہے۔ اور اس کے بعد کتنا خوب صورت جملہ ارشاد فرمایا کہ " لیتخذ بعضهم بعضاً سخرياً " تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی معیشت تقسیم کی ہے، یعنی وسائل کی تقسیم، اور قیمتوں کا تعین، اور تقسیم دولت کے اصول یہ سارے کے سارے کسی انسانی پلاننگ کی بنیاد پر وجود میں نہیں آتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس بازار اور اسی دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ معیشت خود بخود تقسیم ہو جائے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تقسیم کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آکر خود دولت تقسیم فرمادی کہ اتنا تم لے لو، اور اتنا تم لے لو، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فطرت کے ایسے قوانین بنا دیئے ہیں، جن کی روشنی میں انسانوں کے درمیان معیشت کی تقسیم کا عمل خود بخود ہو جائے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ درجے کا معاشی اصول یہ بیان فرمایا کہ:

دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر للبادی۔ حدیث نمبر ۱۵۲۲)

یعنی لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرماتے ہیں۔ یعنی ان پر بلاوجہ پابندیاں نہ لگاؤ۔ بلکہ آزاد چھوڑو، اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا عجیب و غریب نظام بنایا ہے مثلاً میرے دل میں اس وقت یہ خیال آیا کہ بازار جاکر "لیچی" خریدوں، اور بازار میں جو شخص پھل بیچنے والا ہے اس کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم جاکر "لیچی" فروخت کرو، اور اب جب میں بازار گیا تو دیکھا کہ ایک شخص "لیچی" بیچ رہا ہے، اس کے پاس گیا اور اس سے بھاؤ تاؤ کر کے اس سے "لیچی" لے لی۔ اور اس کو پیسے دے دیئے، تو یہ مطلب اس حدیث کا کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرماتے ہیں۔

بہر حال یہ بنیادی اصول کہ مارکیٹ کی قوتیں ان بنیادی مسائل کا تعین کرتی ہیں، یہ اصول تو اسلام کو تسلیم ہے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا یہ بنیادی امتیاز کہ معیشت کو مارکیٹ کی قوتوں پر بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اس کو اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ انسانوں کو منافع کمانے کے لئے اتنا آزاد نہ چھوڑو کہ ایک کی آزادی دوسرے کی آزادی کو سلب کر لے۔ یعنی ایک کو اتنا آزاد چھوڑا کہ وہ اجارہ دار بن گیا۔ اور بازار میں اس کی اجارہ داری قائم ہو گئی، اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی آزادی سلب ہو گئی، لہٰذا اسلام نے اس آزادی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں وہ پابندیاں کیا ہیں؟ ان کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ نمبر ایک شرعی اور الٰہی پابندی، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ تم اپنا منافع تو کماؤ، لیکن تمہیں فلاں کام نہیں کرنا، اس کو دینی پابندی بھی کہتے ہیں دوسری قسم ہے "اخلاقی پابندی"، "تیسری قسم" قانونی پابندی" ہے۔ یہ تین قسم کی پابندیاں ہیں جو انسان پر شریعت نے عائد کی ہیں۔

۱۔ دینی پابندی

پہلی قسم کی پابندی جو "دینی پابندی" ہے یہ بہت اہمیت کی حامل ہے، جو اسلام کو دوسرے معاشی نظریات سے ممتاز کرتی ہے، اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام اب اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر اتنا نیچے آگیا ہے کہ اب اس میں حکومت کی کچھ نہ کچھ مداخلت ہوتی ہے، لیکن حکومت کی یہ مداخلت ذاتی عقل اور سیکولر تصورات کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور اسلام جو پابندی عائد کرتا ہے، وہ "دینی پابندی" ہوتی ہے، وہ دینی پابندیاں کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ تم بازار میں منافع کماؤ، لیکن تمہارے لئے سود کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اسی طرح "قمار" کو ممنوع قرار دے دیا، "قمار" کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اور احتکار" ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے یا "سٹہ" کو ممنوع قرار دے دیا، ویسے تو شریعت نے یہ کہہ دیا ہے کہ جب دو آدمی اگر کوئی معاملہ کرنے پر راضی ہو جائیں، تو پھر وہ قانونی معاملہ ہو جاتا ہے، لیکن وہ دونوں اگر کسی ایسے معاملہ پر راضی ہو جائیں جو معاشرے کی تباہی کا سبب ہو، اس معاملے کی اجازت نہیں، مثلاً "سود" کے معاملے پر دو آدمی رضامندی سے معاملہ کر لیں، تو چونکہ "سود" کے ذریعہ معاشی طور پر نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔ تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں، اب "سود" کے ذریعہ معاشی طور پر کیا تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، لیکن میں آپ کے سامنے ایک سادہ سی مثال پیش کرتا ہوں، جس سے ان تباہ کاریوں کا ذرا سا اشارہ ہو جائیگا۔

سودی نظام کی خرابی

سود کے نظریئے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ایک شخص کی آمدنی یقینی اور دوسرے کی آمدنی خطرے میں ہے اور غیر یقینی ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی سے سود پر قرض لیا۔ تو اب اس نے جس سے قرض لیا اس کو تو ایک متعین رقم بطور سود کے ضرور ادا کرنی ہے،

اور جس نے قرض لیا ہے وہ اس قرض کی رقم سے جب کاروبار کرے گا تو ہو سکتا ہے تو اس کی کاروبار میں نفع ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کو کاروبار میں نقصان ہو جائے۔ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں، اور اب جس صورت میں قرض لینے والا نقصان میں رہا، اس صورت میں بھی ۱۶/ فیصد قرض دینے والے بنک یا ادارے کو ادا کرنا اس کے ذمہ ضروری اور لازم ہے، لہٰذا قرض لینے والا نقصان میں رہا۔ اور بعض مرتبہ اس کے برعکس قرض دینے والا نقصان میں ہوتا ہے، اور قرض لینے والا فائدہ میں رہتا ہے۔

مثلاً ایک شخص نے بنک سے سود پر دس کروڑ روپیہ قرض لیا اور اس سے کاروبار شروع کیا، بہت سی تجارتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں سو فیصد بھی نفع ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ اس شخص کو دس کروڑ پر پچاس فیصد نفع ہوا اب وہ بنک کو صرف سود کی متعین شرح مثلاً ٪ ۱۵ اس نفع میں سے بنک کو ادا کرے گا اور باقی پورا ۳۵ فیصد خود اس کی جیب میں چلا گیا، اب یہ دیکھئے کہ جو اس نے تجارت کی وہ پیسہ کس کا تھا؟ وہ تو عوام کا تھا، اور اس کے ذریعہ جو نفع کمایا گیا، اس کا ٪ ۳۵ نفع صرف ایک شخص کی جیب میں چلا گیا جس نے تجارت کی اور صرف ۱۵ فیصد بنک کے پاس پہنچا اور پھر بنک نے اس میں سے اپنا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ تھوڑا سا حصہ مثلاً دس فیصد تمام ڈیپازیٹر کے درمیان تقسیم کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کے پیسے سے جو ۵۰ فیصد نفع ہوا تھا اس کا صرف دس فیصد عوام میں تقسیم ہوا اور ۳۵ فیصد صرف ایک آدمی کی جیب میں چلا گیا اور عوام وہ دس فیصد لے کر بہت خوش ہے کہ ہم نے بنک میں سو روپے رکھوائے تھے اور اب سال بھر کے بعد ایک سو دس ہو گئے لیکن اس بچارے کو یہ معلوم نہیں کہ یہ دس روپے پھر واپس اس سرمایہ دار تاجر کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس تاجر نے ۱۵ فیصد بنک کو جو سود کی شکل میں دیا تھا، وہ اس کو اپنی پروڈکشن کی لاگت میں شامل کرے گا اور لاگت میں شامل ہو کر اس کی قیمت کا حصہ بن جائے گا اور وہ قیمت پھر عوام سے وصول کرے گا لہٰذا ہر اعتبار سے وہ فائدے میں رہا پھر اس کو نقصان کا بھی خطرہ نہیں اور اگر بالفرض اس کو نقصان ہو بھی جائے تو اس کی تلافی کے لئے انشورنس کمپنیاں موجود ہیں وہ انشورنس کمپنیاں جس میں ان عوام کے پیسے رکھے ہیں جو اپنی گاڑی اس وقت تک سڑک پر نہیں لا سکتے جب تک وہ انشورنس کی قسط (Premium) ادا نہ کرے، ان عوام کے پیسوں سے اس سرمایہ دار

کے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے۔

بہر حال سودی نظام کے ظالمانہ طریقے کی طرف میں نے تھوڑا سا اشارہ کر دیا لہذا سود کے ذریعہ معیشت میں ناانصافی، ناہمواری پیدا ہونا لازم ہے اس لئے شریعت نے اس کو منع کیا ہے۔

شرکت اور مضاربت کے فوائد

اب اگر یہی تجارت سود کے بجائے "شرکت" اور "مضاربت" کی بنیاد پر ہو تو اس صورت میں بنک اور سرمایہ لینے والے کے درمیان یہ معاہدہ نہیں ہو گا کہ یہ بنک کو ۱۵ فیصد ادا کرے گا، بلکہ یہ معاہدہ ہو گا کہ یہ سرمایہ لینے والا جو کچھ نفع کمائے گا اس کا آدھا مثلاً بنک کو ادا کرے گا اور آدھا تجارت کرنے والے کا ہو گا اب اگر پچاس فیصد نفع ہوا ہے تو پچیس فیصد بنک کو ملے گا اور پچیس فیصد اس کو ملے گا اس طرح دولت کا رخ اوپر کے بجائے نیچے کی طرف ہو گا اس لئے کہ بنک کے واسطے سے وہ پچیس فیصد ڈپازیٹر کو ملے گا اس سے معلوم ہوا کہ "سود" کا برا اثر تقسیم دولت پر بھی پڑتا ہے اور اس کے نتائج معیشت کی پشت پر نظر آتے ہیں۔

قمار حرام ہے

اسی طرح اسلام نے "قمار" کو حرام قرار دیا ہے۔ "قمار" کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص نے تو اپنا پیسہ لگا دیا اب دو صورتیں ہوں گی یا تو جو پیسہ اس نے لگایا، وہ بھی ڈوب گیا، یا اپنے ساتھ بہت بڑی دولت لے آیا، اس کو "قمار" کہتے ہیں۔ اس کی بے شمار شکلیں ہیں عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے اس مغربی نظام زندگی میں "جوا" (Gambling) کو بہت سی جگہوں پر قانون کے اندر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جب (Gambling) مہذب شکل اختیار کر لیتی ہے تو پھر وہ جائز ہو جاتی ہے اور خلاف قانون نہیں رہتی مثلاً ایک غریب آدمی سڑک کے کنارے "جوا" کھیل رہا ہے تو پولیس اس کو پکڑ کر لے جائے گی لیکن اگر "جوا" کو مہذب شکل دے دی جائے اور اس کے لئے کوئی

ادارہ قائم کر لیا جائے اور اس کا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو اس کو جائز سمجھا جاتا ہے اس قسم کا "قمار" ہمارے سرمایہ دارانہ معاشرے میں پھیلا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں بے شمار انسانوں سے پیسے جوڑ جوڑ کر ایک انسان پر اس کی بارش برسا دی جاتی ہے اس لئے یہ "جوا" شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

ذخیرہ اندوزی

اسی طرح "احتکار" (Hoarding) یعنی ذخیرہ اندوزی شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے چوں کہ ہر انسان اس کو جانتا ہے اس لئے اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

اکتناز جائز نہیں

اسی طرح "اکتناز" یعنی انسان اپنا پیسہ اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھے کہ اس پر جو شرعی فرائض ہیں ان کو ادا نہ کرے مثلاً زکوۃ اور دیگر مالی حقوق ادا نہیں کرتا۔ اس کو شریعت میں اکتناز کہتے ہیں اور شرعاً یہ بھی حرام اور ناجائز ہے۔

ایک اور مثال

اور سنئے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"لا یبیع حاضر لباد"

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الحاضر للبادی، حدیث نمبر ۱۵۲۲)

کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ یعنی دیہاتی اپنا مال دیہات سے شہر میں بیچنے کے لئے لا رہا ہے اس وقت میں کسی شہری کے لئے جائز نہیں کہ وہ جا کر اس سے کہے کہ میں تمہارا مال فروخت کر دوں گا، بظاہر تو اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، اس لئے کہ اس معاملے میں شہری بھی راضی اور دیہاتی بھی راضی لیکن سرکار دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔ اس لئے کہ شہری جب دیہاتی کا مال اپنے قبضہ میں کرلے گا تو وہ اس مال کو اس وقت تک روکے رکھے گا جب تک کہ بازار میں اس کی قیمت زیادہ نہ ہو جائے اس لئے عام گرانی پیدا کرنے سبب بنے گا، اس کے بر خلاف اگر دیہاتی خود اپنا مال شہر میں لاکر فروخت کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا مال نقصان پر تو فروخت نہیں کرے گا لیکن اس کی خواہش یہ ہوگی کہ جلدی سے اپنا مال فروخت کر کے واپس اپنے گھر چلا جاؤں تو اس طرح حقیقی طلب اور حقیقی رسد کے ذریعہ قیمتوں کا تعین ہو جائے گا اور اگر درمیان میں (Middleman) آگیا تو اس کی وجہ سے رسد اور طلب کی قوتوں کو آزادانہ کام کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس (Middleman) کی وجہ سے قیمت بڑھ جائے گی۔

اس لئے وہ تمام ذرائع اور تمام راستے جن کے ذریعہ معاشرے کو گرانی کا شکار ہونا پڑے اور جن کے ذریعہ معاشرے کو ناانصافی کا شکار ہونا پڑے ان پر شرعی اعتبار سے پابندی عائد کی گئی ہے۔ بہرحال یہ پابندیوں کی پہلی قسم ہے جو اس آزاد معیشت پر شرعاً عائد کی گئی ہیں۔

۲۔ اخلاقی پابندی

آزاد معیشت پر شرعاً دوسری پابندی جو عائد کی گئی ہے اس کو "اخلاقی پابندی" کہتے ہیں اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو شرعاً حرام تو نہیں اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے البتہ ان کی ترغیب ضروری دی ہے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام ایک معاشی نظام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک دین ہے اور ایک نظام زندگی ہے جس میں سب سے پہلے یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ انسان کا بنیادی مقصد آخرت کی بہبود ہے لہٰذا اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ اگر تم فلاں کام کرو گے تو آخرت میں تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا اسلام ذاتی منافع کا محرک تو ہے لیکن وہ صرف دنیاوی منافع کی حد تک محدود نہیں۔ بلکہ ذاتی منافع میں آخرت کے منافع کو بھی لازماً شامل سمجھتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے بہت سے احکام ہمیں اس بات کے دیئے ہیں کہ تمہیں دنیا میں اگرچہ نفع کچھ کم ملے لیکن

آخرت میں اس کا نفع بہت ملے گا مثلاً شرعاً یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ انسان جو اپنی معیشت کو کمانے کے لئے بازار میں نکلا ہے اگر یہ نیت کرے کہ وہ اس لئے بازار میں نکلا ہے کہ معاشرے کی فلاں ضرورت کو پورا کروں گا تو اس کی اس نیت کی وجہ سے اس کا یہ سارا عمل عبادت بن جائے گا اور باعث اجر ہو جائے گا اور پھر اس نقطہ نظر سے انسان اس چیز کا انتخاب کرے گا جس کی معاشرے کو ضرورت ہوگی۔ اور حقیقت میں معاشرے کو دینی اعتبار سے ضرورت ہونی چاہئے۔ مثلاً فرض کریں کہ لوگ اگر رقص و سرور کے زیادہ شائق ہیں تو اس صورت میں کیپٹل ازم کا تصور تو یہ ہے کہ لوگ زیادہ منافع کمانے کے لئے ناچ گھر قائم کریں چوں کہ طلب اس کی زیادہ ہے، لیکن اسلام کی اس دینی پابندی کے تحت اس کے لئے ناچ گھر قائم کرنا جائز نہیں، یا مثلاً ایک شخص یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں فلاں کارخانہ لگاؤں گا تو اس میں مجھے منافع تو بہت ہو گا۔ لیکن اس وقت چونکہ رہائشی ضرورت کے لئے لوگوں کو مکانات کی ضرورت ہے اور اس میں منافع تو زیادہ نہیں ہو گا لیکن لوگوں کی ضرورت پوری ہوگی تو اس وقت شریعت کی اس اخلاقی پابندی پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت کے منافع کا حق دار ہو گا۔

قانونی پابندی

تیسری پابندی "قانونی پابندی" ہے یعنی اسلام نے اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس مرحلے پر حکومت یہ محسوس کرے کہ معاشرے کو کسی خاص سمت پر ڈالنے کے لئے کوئی خاص پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے تو ایسے وقت میں حکومت کوئی حکم جاری کر سکتی ہے، اور پھر وہ حکم تمام انسانوں کے لئے قابل احترام ہے چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا

"یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"

(سورۃ النساء ۵۹)

یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو اور اولی الامر یعنی اہل ریاست کی بھی اطاعت کرو اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر حاکم وقت جو صحیح معنی میں اسلامی حکومت کا سربراہ ہو اگر کسی مصلحت کی بنیاد پر یہ حکم دے دے کہ فلاں دن تمام لوگ روزہ رکھیں تو اس دن روزہ رکھنا پوری رعایا پر عملاً واجب ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص روزہ نہیں رکھے گا تو عملی طور پر اس کو ایسا ہی گناہ ہو گا جیسے رمضان کا روزہ چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے اس لئے کہ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے۔

(دیکھیں شامی ج ۴ ص ۲۶۴، روح المعانی، ج ۵، ص ۶۹)

اسی طرح فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر اولی الامر یہ حکم جاری کر دے کہ لوگوں کے لئے خربوزہ کھانا منع ہے تو اب رعایا کے لئے خربوزہ کھانا حرام ہو جائے گا بہر حال اولی الامر کو ان چیزوں کا اختیار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ یہ احکام عام لوگوں کی مصلحت کے تحت جاری کرے اب اس میں جزوی منصوبہ بندی بھی داخل ہے مثلاً حکومت یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میں لوگ سرمایہ کاری کریں اور فلاں چیز میں سرمایہ کاری نہ کریں تو حکومت حدود شرعیہ میں قانونی طور پر اس قسم کی پابندی عائد کر سکتی ہے۔

بہر حال کیپیٹل ازم کے مقابلے میں اسلام کے معاشی نظام میں یہ بنیادی امتیاز اور فرق ہے اور یاد رکھئے کہ جہاں تک قانونی پابندی کا تعلق ہے یہ پابندی کیپیٹل ازم میں بھی پائی جاتی ہے لیکن یہ پابندیاں انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور اسلام میں اصل امتیاز دینی پابندیوں کا ہے جو "وحی" کے ذریعہ مستفاد ہوتی ہیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے وہ یہ ہدایت کرتا ہے کہ فلاں چیز تمہارے لئے مضر ہے اور منع ہے در حقیقت یہ چیز ایسی ہے کہ جب تک انسانیت اس راستے پر نہیں آئے گی اس وقت تک انسانیت افراط و تفریط کا شکار رہے گی۔

بیشک اشتراکیت میدان میں شکست کھا گئی۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی جو خرابیاں تھیں یا اس کی جو ناانصافیاں اور ناہمواریاں تھیں۔ کیا وہ ختم ہو گئیں؟ وہ یقیناً آج بھی اسی طرح برقرار ہیں اور ان کا حل اگر ہے تو وہ ان الٰہی پابندیوں میں ہے، اور ان الٰہی پابندیوں کی طرف آئے بغیر انسان کو سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ بس ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ابھی تک ان "الٰہی پابندیوں" پر مبنی معیشت کا کوئی عملی ڈھانچہ اور عملی نمونہ دنیا کے

سامنے پیش نہیں کر سکے اور ہمارے ملک پاکستان کے سامنے یہی سب سے بڑا چیلنج ہے کہ وہ ان معاشی تعلیمات کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے دکھائے تاکہ دنیا کو پتہ چلے کہ حقیقت میں اسلامی معیشت کن بنیادی خصوصیات کی حامل ہے اور کس طرح ان کو اپنایا جا سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے استحقاق سے زیادہ آپ حضرات کا وقت لے لیا اور اس بات کا بھی احساس ہے کہ ایک خشک موضوع کے اندر میں نے آپ کو مشغول رکھا، اور میں آپ حضرات کے حسن سماعت کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بڑے صبر و ضبط اور تحمل کے ساتھ اس گفتگو کو سنا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے بھی اور سننے والوں کے لئے مفید بنائے اور اس کی بہتر نتائج پیدا کرے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دولت قرآن کی
قدر و عظمت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب : مولانا صابر دانش صاحب حیدر آبادی

تاریخ و وقت : ۵ر شعبان ۱۴۰۷ء ــ ۲۳ر مارچ ۱۹۸۸ء رات ساڑھے دس بجے

مقام : مدرسہ اشرف العلوم ۔ لیاقت کالونی ۔ حیدر آباد ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دولت قرآن کی قدر و عظمت

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان سيدنا و سندنا وشفيعنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله و اصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم

ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم۔

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم۔ ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين۔

حضرت علماء کرام، بزرگان محترم اور برادران عزیز! اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان وکرم ہے کہ آج ایک ایسی مجلس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، جو قرآن کریم کی تعلیم کے اختتام سال پر منعقد ہوئی اور اس موقع پر کئی بچوں نے قرآن کریم حفظ مکمل کیا ہے اس قرآن کریم کی درس و تدریس کی تکمیل کے موقعہ پر شریک ہونا ہر مسلمان کے لئے باعث سعادت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور سب کو قرآن کریم کی اس برکت میں حصہ دار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

نعمت و دولت قرآن کی قدر

حقیقت یہ ہے کہ آج ہم لوگوں کو قرآن کریم کی اس نعمت اور دولت کی قدر معلوم نہیں، بچے قرآن کریم پڑھتے ہیں، حفظ کرتے ہیں اور الحمد للہ حسب توفیق ہم اس پر خوشی منا لیتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس قرآن کریم کی دولت کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہمیں آپ کو اس دنیا میں رہتے ہوئے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ قرآن کی دولت ہمیں گھر بیٹھے چھپر پھاڑ کر عطا کر دی۔ ہمیں اس دولت کو حاصل کرنے کے لئے اس نعمت کے حصول کے لئے. کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی ہم نے کوئی محنت نہیں اٹھائی۔ کوئی قربانی نہیں دی، کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا، کوئی جان ومال کی قربانی اس راہ میں پیش نہیں کی، اس واسطے اس کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ ہمیں آپ کو نہیں، اس دولت قرآن کریم کی قدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے پوچھئے، جنہوں نے ایک ایک آیت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی، مال کی، آبرو کی، خاندان کی، جذبات کی ایسی قربانیاں دیں کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

قرآن کریم اور صحابہ کرامؓ

قرآن کریم کی ایک ایک آیت کو سیکھنے کے لئے صحابہ کرام، نے جو دشواریاں اٹھائی ہیں، جو محنتیں اٹھائی ہیں، ان کا حال آج ہمیں معلوم نہیں، قرآن ہمارے سامنے ایک نہایت خوشنما مجلد کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ مدرسہ کھلا ہوا ہے۔ استاد پڑھانے کے لئے موجود ہے اور ہمارا کام صرف یہ ہے کہ نوالہ بنا کر منہ میں لے جائیں اور حلق سے اتار دیں، لیکن وہ بھی صحیح معنوں میں جس طرح اتارنا چاہیے اس طرح نہیں اترتا۔

قرآن کریم کی قدر ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھئے جنہوں نے ایک ایک چھوٹی چھوٹی آیت کے خاطر مارین کھائی ہیں، کفار کے ظلم و ستم برداشت کئے ہیں۔ اور کس کس طرح اس قرآن کریم کا علم حاصل کیا ہے، صحیح بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے، ایک صحابیؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چھوٹے بچے تھے، اور مدینہ طیبہ سے بہت فاصلہ پر ایک بستی میں رہتے تھے، مدینہ طیبہ آنا جانا ممکن نہ تھا۔ مسلمان ہو چکے تھے، لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جا کر علم حاصل کرنا، ان کی اپنی ذاتی مجبوری کی وجہ سے مشکل تھا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ کیا کرتا تھا کہ روزانہ اس سڑک پر چلا جاتا جہاں سے مدینہ طیبہ کے قافلے آیا کرتے تھے۔ جو کوئی قافلہ آتا تو ان سے پوچھتا کہ بھائی اگر آپ لوگ مدینہ طیبہ سے آرہے ہیں تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد ہے؟ اگر کسی کو قرآن کریم کی کوئی آیت یاد ہو تو مجھے سکھا دیجئے، قافلہ میں کسی کو ایک آیت یاد ہوتی، کسی کو دو آیتیں یاد ہوتیں، کسی کو تین آیتیں یاد ہوتیں، اس طرح ان قافلے والوں سے سن سن کر، اور ان کے پاس جا جا کر میں نے ایک ایک دو دو آیتیں حاصل کیں اور الحمدللہ اس طرح میرے پاس قرآن کریم کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔

ان سے اس قرآن کی قدر پوچھئے، جن کو ایک ایک آیت حاصل کرنے کے لئے قافلے والوں کی منت سماجت کرنی پڑ رہی ہے، لیکن ہمارے پاس پورا قرآن تیار شکل میں موجود ہے۔ جن اللہ کے بندوں نے اسے ہم تک پہنچایا، جن محنتوں، قربانیوں اور مشکلات سے گزر کر اس کو ہمارے لئے تیار کر کے چھوڑ گئے۔ ہمارا کام صرف اتنا رہ گیا ہے کہ اس کو پڑھ لیں، پڑھنا سیکھ لیں اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر عمل کریں، گویا پکی پکائی روٹی تیار ہے صرف کھانے کی دیر ہے، اس واسطے قدر نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی اور بہن کا واقعہ ہے (اس واقعہ کو ہر مسلمان جانتا ہے) وہ دونوں جانتے تھے اگر ہم یہ قرآن حضرت عمرؓ کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں گے (اس وقت تک حضرت عمر مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو وہ ہمیں پڑھنے نہیں دیں گے، بلکہ ہمیں سزا دیں گے اس واسطے چھپ چھپ کر پڑھتے، ایک روز حضرت عمرؓ حضور کے قتل کے ارادے سے جارہے تھے کسی نے کہا کہ دوسروں کو تو اسلام سے روکتے ہیں، اپنے گھر کی جاکر خبر نہیں لیتے، وہاں پر کیا ہو رہا ہے، واپس آکر دیکھا کہ بہن اور بہنوئی قرآن کریم کھولے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ اس وقت سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے (لمبا واقعہ ہے جو آپ حضرات کو معلوم ہے)

بہر حال ان مشکلات کے دور میں ایک ایک آیت صحابہ کرامؓ نے اس طرح حاصل کی ہے۔ اس لئے وہ اس کی قدر و قیمت پہچانتے تھے، چونکہ ہم اور آپ کو بیٹھے بٹھائے یہ دولت مل گئی ہے اس لئے اس کی قدر نہیں پہچانتے، جب تک یہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، جب تک یہ دنیا کا نظام چل رہا ہے، جب تک موت نہیں آتی۔ اس وقت تک ذہن دنیا کی ظاہری چمک دمک میں، اور دوسری چیزوں میں لگا ہوا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب دنیا سے جاتا ہے جب انسان قبر کے اندر پہنچے گا، وہاں اس قرآن کریم کی دولت اور عظمت کا پتہ چلے گا، وہاں جاکر اس نعمت کا پتہ

چلے گا، ایک ایک آیت پر کیا کچھ انوار، کیا کچھ نعمتیں اور کیا کچھ انعامات ملیں گے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا اجر

ایک حدیث شریف میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہے۔ تو اس کو ایک ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ پھر تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، م ایک حرف، تو جب الم پڑھا تو اس الم کے پڑھنے سے نامہ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو گیا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو بغیر سمجھے، پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ تو ایک نسخہ ہدایت ہے، اس کو سمجھ کر انسان پڑھے، اور اس پر عمل کرے تو اس کا فائدہ حاصل ہو گا، محض طوطے مینا کی طرح اس کو رٹ لیا، اس سے فائدہ کیا؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ یہ قرآن ایسا نسخہ شفا ہے کہ جو شخص اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ اس کے لئے تو باعث شفا ہے ہی، لیکن اگر کوئی شخص محض اس کی تلاوت کیا کرے، بغیر سمجھے بھی تو اس پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی نیکیاں لکھی ہیں کہ ایک الم کے پڑھنے پر تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم سے غفلت کا باعث

ان نیکیوں کو حاصل کرنے کے لئے کوئی کشش پیدا نہ ہوئی، کوئی جنبش نہ ہوئی، کوئی حرکت نہیں ہوئی کوئی جذبہ دل میں پیدا نہ ہوا۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آج کی دنیا کا سکہ نیکیاں نہیں، یہ جو کہا جا رہا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہو جائے گا نامہ اعمال میں اضافہ ہو جائے گا یہ سکہ رائج الوقت نہیں، اگر یوں کہا جاتا کہ الم کے الف پر دس روپے ملیں گے، لام پر دس روپے ملیں گے، میم پر دس روپے ملیں

گے یعنی الم پڑھنے پر تیس روپے ملیں گے، تو دل اس کی طرف کھنچتا، کشش ہوتی۔ لوگ دوڑتے اور بھاگتے۔ یہاں تو بہت سستا سودا مل رہا ہے کہ الم پڑھو اور تیس روپے کماؤ۔ لیکن چونکہ یہ کہا جارہا ہے کہ روپوں کے بجائے نیکیاں ملیں گی۔ کوئی کشش کوئی جنبش کوئی حرکت دل میں پیدا نہیں ہورہی۔ اس واسطے کہ نیکیوں کی قدر نہیں معلوم، جانتے نہیں کہ نیکی کے بڑھنے سے کیا ہوتا ہے اور روپے کی قدر معلوم ہے، دس روپے ملیں گے تو ان سے اتنا کام ہوگا۔ اور تیس روپے ملیں گے تو اتنا کام ہوگا اس واسطے ان کی قدر وقیمت کا پتہ ہے، نیکیاں بڑھنے سے کون سی کل ہاتھ آگئی، کونسا بنگلہ بن گیا، کونسے بینک بیلنس میں اضافہ ہوگیا، نیکیاں بڑھ گئیں تو کیا ہوگیا، سکہ رائج الوقت تو ہے نہیں، اس واسطے اس کی طرف کشش نہیں ہوتی۔ اس کی طرف دل میں حرکت نہیں ہوتی۔

جس روز یہ آنکھ بند ہوگئی، جس روز اس قلب کی حرکت رک جائے گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضری ہوگئی اس دن پتہ چلے گا کہ یہ نیکیاں کیا چیز تھیں اور یہ روپے جس کی ہم قدر کیا کرتے تھے جو آج بڑی قیمتی چیز ہیں یہ کیا تھے؟

در حقیقت مفلس کون ہے؟

حدیث میں آتا ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا۔ کہ یہ بتاؤ، مفلس کسے کہتے ہیں؟ مفلس کے معنی کیا ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! مفلس تو اس کو کہتے ہیں جس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں یعنی جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ اس زمانے میں درہم چلتے تھے اشرفیاں سونے کی اور درہم چاندی کے، تو جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، دولت نہ ہو وہ مفلس ہے حضور نے فرمایا وہ حقیقی مفلس نہیں۔ حقیقی مفلس کون ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں حقیقی مفلس وہ ہے کہ جب [illegible]ت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی

بارگاہ میں حاضر ہوا تو نیکیوں سے اس کا میزان عمل کا پلہ بھرا ہوا تھا، بہت سی نیکیاں لے کر آیا تھا، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے، تسبیحات پڑھی تھیں۔ اللہ کا ذکر کیا تھا، تعلیم کی تھی، تبلیغ کی تھی، دین کی خدمات انجام دی تھی، بہت ساری نیکیاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں لے کر آیا تھا۔

لیکن جب نیکیاں پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ نیکی تو بہت کی تھیں نماز بھی پڑھی، روزہ بھی رکھا، زکوۃ بھی دی، حج بھی کیا، سب کچھ کیا۔ لیکن بندوں کے حقوق ادا نہ کئے کسی کو مارا، کسی کو برا کہا۔ کسی کا دل دکھایا، کسی کو تکلیف پہنچائی۔ کسی کی غیبت کی، کسی کی جان پر حملہ آور ہوا۔ کسی کا مال کھایا ـــــ کسی کی آبرو پر حملہ کیا۔ یہ اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کئے، نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے عبادتیں کی تھیں، قرآن کریم کی تلاوت کی تھی سب کچھ کیا تھا۔ لیکن لوگوں کو اپنے ہاتھ سے اپنی زبان سے اور مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچائی تھی، اب جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ وہاں تو عدل ہے انصاف ہے۔ اس لئے جن کے حق مارے تھے ان سے کہا گیا کہ تم اس سے اپنا حق وصول کرو۔ کس کا پیسہ کھایا تھا اس سے پیسے وصول کرو۔ اب وہاں کوئی پیسے تو ہیں نہیں۔ نہ روپیہ نہ پیسہ نہ دولت وہاں دنیا کی سب کرنسیاں ختم ہو چکیں وہ حق کیسے ادا کرے؟

باری تعالیٰ فرمائیں گے یہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں، یہاں سکہ تو نیکیاں ہیں۔ وہ نیک اعمال ہیں جو اس نے دنیا کے اندر کئے تھے، لہٰذا اسی کے ذریعہ تبادلہ ہو گا، چنانچہ جس کے پیسے کھائے تھے اس سے کہا جائے گا اس کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں سے لیلو، اس نے بہت ساری نفلی نمازیں پڑھی تھیں وہ سب ایک صاحب حق کو مل گئیں، دوسری نمازیں دوسرا صاحب حق لے گیا روزے تیسرا صاحب حق لے گیا، حج چوتھا صاحب حق لے گیا اور جتنے نیک اعمال کئے تھے ایک ایک کر کے لوگ لے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی، وہ

جتنا ڈھیر لے کر آیا تھا کہ وہ سارا کا سارا ختم ہو گیا۔ اب کچھ باقی نہیں، کچھ لوگ پھر بھی کھڑے ہیں کہ پروردگار ہمارا حق تو رہ گیا ہے ہمارے بھی پیسے کھائے تھے۔ ہمیں بھی برا بھلا کہا تھا، ہماری بھی غیبت کی تھی، اس سے ہمارا بھی بدلا دلوایئے۔

لیکن اس کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ تو ختم ہو گیا۔ بدلہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب راستہ یہ ہے کہ تمہارے جو گناہ ہیں وہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا کر اس کے نامہ اعمال میں ڈالدیئے جائیں، تم نے غیبت کی تھی تمہارے سے وہ گناہ معاف، وہ گناہ اس کو دے دیا جائے۔ تم نے کوئی اور ناجائز کام کیا تھا، اس ناجائز کام کا گناہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا کر اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جائے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکیوں کا ڈھیر لے کر آیا تھا لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ ہوا تو بجائے اس کے لئے کہ وہ نیکیاں باقی رہتیں اور لوگوں کے گناہ بھی اس کے گردن پر ڈالدیئے گئے، فرمایا حقیقت میں مفلس وہ ہے جو نیکیاں لے کر آیا تھا اور گناہوں کا بوجھ لے کر جا رہا ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

اس لئے یہ حقوق العباد بڑے ڈرنے کی چیز ہے، لوگوں کے حقوق مارنا خواہ پیسے کی شکل میں ہو یا عزت کی شکل میں ہو، یا جان کی شکل میں ہو، یہ اتنا خطرناک معاملہ ہے، کہ اور گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص شراب پیئے معاذ اللہ، زنا کرے، جوا کھیلے، کوئی اور گناہ کرے اور کتنے ہی بڑے سے بڑے گناہ کئے ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر سچے دل سے توبہ کرے، اور استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ پڑھ لے تو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ جو ایک مرتبہ گناہ سے تائب ہو جائے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، سب معاف فرما دیتے ہیں۔

لیکن اگر بندوں کے حقوق مارے، مثلاً ایک پیسہ بھی کسی کا ناجائز کھالیا۔ کسی کو برا بھلا کہہ دیا۔ کسی کا دل دکھا دیا، یہ ایسا گناہ ہے۔ اس کی معافی کی کوئی شکل نہیں۔ یہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ جب تک وہ وہ صاحب حق معاف نہ کرے، جس کا حق سلب کیا ہے، اس واسطے اس معاملہ میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

ابھی مدرسہ دیکھنے کے لئے بالائی حصہ پر جانا ہوا۔ بڑا دل خوش ہوا اللہ تبارک وتعالیٰ اس مدرسہ کو ظاہری و باطنی ہر طرح کی ترقیات عطا فرمائے، یہاں پر دین کے سچے طالب پیدا فرمائے۔ ماشاء اللہ بڑا کام ہو رہا ہے، لیکن جب اوپر بیٹھا تو لاؤڈ اسپیکر کی آواز اتنی تیز کان میں آرہی تھی، باہر بھی، اوپر بھی کہ چاروں طرف اس کا شور مچ رہا تھا، میں نے گذارش کی کہ اس کی آواز ہلکی کرنی چاہئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی گذارش کی کہ کسی ایک جگہ پر بات چیت سننے کے لئے لوگ جمع ہوں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ آواز اتنی ہی ہونی چاہئے۔ جتنی کہ حاضرین کہ پہنچانے کے لئے کافی ہو، لیکن سارے محلّہ کو سارے شہر کو سنانا کئی وجہ سے جائز نہیں،

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس آواز کی وجہ سے کوئی اللہ کا بندہ کسی گھر میں بیمار ہے اور سونا چاہتا ہے اور اس آواز کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچ رہی ہے اس کی بیماری میں اضافہ ہو رہا ہے یا کوئی اور شخص ہے جو بیمار تو نہیں لیکن سونا چاہتا ہے اور ہماری آواز کی وجہ سے اس کی نیند میں خلل آرہا ہے اس کی نیند خراب ہو رہی ہے۔ ہم خوش ہیں کہ ہماری تقریر کی آواز دور دور تک پہنچ رہی ہے قیامت کے دن پوچھا ہو گئی کہ میرا ایک بندہ تمہاری وجہ سے تکلیف میں تھا تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

مسلمان کون ہے؟

حدیث میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ رہیں، اس کے ہاتھ سے بھی دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس کی زبان سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہم تو اپنے زعم میں دین کی بات کر رہے ہیں لیکن دین کی بات کرنے کا بھی شریعت نے طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ کی بات سننا نہیں چاہتا، آپ اس کے کان کے اوپر لاؤڈ اسپیکر لگا کر زبردستی اس کو بات سنائیں، اس کا شریعت میں کوئی جواز نہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ ایک صاحب وعظ کہہ رہے ہیں اور لوگ جمع ہیں، لوگ تھوڑے سے ہیں لیکن واعظ آواز بہت تیز نکال رہے ہیں، جو باہر دور تک جارہی ہے، حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ اے واعظ! اتنی آواز نکالو، جتنے تمہارے سننے والے موجود ہوں، اس سے باہر تمہاری آواز نہیں جانی چاہئے اور اگر آئندہ تمہاری آواز باہر جائے گی تو سمجھ لو میں اپنا درہ کام میں لاؤں گا۔ اس واسطے کہ باہر کے لوگ سننے والے نہیں ہیں جن کو سننا ہی ہے وہ آپ کے پاس آکر بیٹھ جائیں۔ اس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر کا تو رواج ہی نہیں تھا ویسے ہی آواز باہر جارہی تھی، تب بھی فاروق اعظمؓ نے روکا، اگر اس زمانے میں فاروق اعظم ہوتے تو نہ جانے ہم میں سے کتنوں کے کمر پر فاروق اعظمؓ کا درہ ہوتا، کہ دن رات جہاں دیکھو دین کے نام پر ہم وہ کام کرتے ہیں جو دین کے خلاف ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی کے ساتھ تھا۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا معمول تھا کہ وہ

جمعہ کے بعد کچھ آرام کیا کرتی تھیں، وہاں ایک صاحب وعظ کہنے کے لئے تشریف لے آتے تھے اور وہ بڑی بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پیغام بھجوایا کہ آپ جب وعظ کریں تو جتنے لوگ جمع ہوں۔ ان کے مطابق آواز نکالا کریں، باہر دور تک آواز نہ پہنچایا کریں، وہ نہیں مانے اور کہنے لگے میں تو دین کا حکم سنارہا ہوں دین کی تبلیغ کررہا ہوں صدیقہ عائشہؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس شکایت کی اور کہا کہ وہ شخص یہاں آکر وعظ کہتا ہے اور میری نیند میں خلل واقع ہوتا ہے آپ اس کو روکیں۔

تعلیم نبوی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ طریقہ سکھایا، آج ہم نے پتہ نہیں کس چیز کا نام دین سمجھ لیا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ سکھایا وہ کیا ہے؟ آپ تہجد کے لئے بیدار ہو رہے ہیں۔ اور اس وقت بستر سے کس انداز سے اٹھتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے۔ "قام رویدا" آہستہ سے اٹھتے ہیں "وفتح الباب رویدا" دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں، کیوں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اٹھنے سے صدیقہ عائشہؓ کی نیند میں خلل آجائے، وہ صدیقہ عائشہؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم پر آپ کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، ایک نیند تو کیا، کروڑوں نیندیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر، لیکن تعلیم یہ دے رہے ہیں کہ اپنی عبادت انجام دینی ہے تو س طرح نہ دو جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

یہ ہے حقوق العباد، جو نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے۔ آج اگر ہم کوئی دین کی بات کررہے ہیں تو سدی دنیا کو سنانا ضروری ہے، پاہے کوئی سو رہا ہو، یا مر رہا ہو، یا کوئی بیمار ہو، اس بات کا کوئی لحاظ نہیں، کسی کے

ذہن میں بھی نہیں آتا کہ ہم یہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔

مسلمان کی عزت و عظمت

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے، ایسا ہی گناہ ہے، جیسے شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا، چوری کرنا، زنا کرنا، ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں، اے اللہ کے گھر! تو کتنی حرمت والا ہے، کتنی عظمت والا ہے، کتنے تقدس والا ہے، کتنا مقدس ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ لیکن ایک چیز ایسی ہے۔ جس کی عظمت، جس کا تقدس تجھ سے بھی زیادہ ہے یہ کعبۃ اللہ سے خطاب کر کے فرمایا، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دم سے میرے کان کھڑے ہو گئے، میں چونکا، کہ وہ کونسی چیز ہے کہ جس کی عزت و حرمت اور جس کی عظمت بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ چیز ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال اس کی آبرو۔

مسلمان کی جان، مسلمان کا مال اور مسلمان کی آبرو، یہ تین چیزیں ایسی ہیں اے کعبۃ اللہ ان کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے، کیا مطلب؟ کہ اگر کوئی شخص ناجائز طور پر کسی مسلمان کی جان پر حملہ آور ہو اس میں جان سے مارنا، قتل کرنا، زخمی کرنا، نقصان پہنچانا، تکلیف پہنچانا، جسمانی تکلیف کوئی بھی پہنچائی جائے۔ وہ سب اس میں داخل ہیں تو کسی مسلمان کی جان یا مال یا آبرو کو نقصان پہنچانا اتنا گناہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کعبۃ اللہ کو ڈھا دے، کعبہ کا منہدم کر دینا جتنا بڑا گناہ ہے اتنا ہی کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر ناحق حملہ کرنا گناہ ہے۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو کے بارے میں کتنی تاکید فرمائی ہے، آج خدانہ کرے، خدانہ کرے، کوئی بدبخت یہ جرات کرے کہ بیت اللہ شریف پر معاذ اللہ حملہ آور ہو کر اس کو منہدم کرنے کی کوشش کرے، کیا کوئی مسلمان ایسا ہے جو اس کی تکہ بوٹی چھوڑ دے اگر اس کے قابو میں آگیا۔ تو کبھی اس کی غیرت گوارا نہیں کرے گی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی بیت اللہ پر حملہ آور ہو۔

لیکن صبح سے شام تک کتنے بیت اللہ ڈھائے جارہے ہیں، کتنے کعبے ڈھائے جارہے ہیں مسلمان کی جان جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمت والا قرار دیا تھا وہ مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے کہ ایک مکھی یا مچھر کو مارا، یا کسی مسلمان کو مارا، اور مارنے کے علاوہ تکلیف پہنچانے کے جتنے راستے ہیں، جن کا میں نے ذکر کیا وہ سب اس کے اندر داخل ہیں، اور ان سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا بڑا گناہ قرار دیا اور اسی وجہ سے آپ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا مفلس وہ شخص ہے کہ جو قیامت کے دن نیکیوں کا بڑا ذخیرہ لے کر آئے، لیکن بالآخر اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہ رہے، دوسروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈالدیئے گئے۔

دین اسلام کی حقیقت

آج ہم نے چند ظاہری عبادتوں کا نام دین رکھ لیا ہے نماز پڑھی، روزہ رکھا، کچھ زکوۃ دے دی۔ کچھ نہیں بھی دی اور حج کرنے اور عمرہ کرنے کی دولت مل گئی، یہ عبادتیں اپنی جگہ بڑی نعمتیں ہیں، لیکن دین ان میں منحصر نہیں، دین کا جو علم ہے جسے فقہ کہتے ہیں اس کے چار حصے ہیں ان میں سے ایک حصہ عبادات سے متعلق ہے باقی تین حصے حقوق العباد سے متعلق ہیں، لیکن ہم نے حقوق العباد کو

دین سے بالکل خارج کر لیا ہے۔ کسی کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ میں نے کوئی گناہ کا کام کیا۔ یا کوئی نا جائز کام کیا۔ یا اللہ تبارک و تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کام کیا ہے، اگر ایسا ناراض کرنے والا کوئی کام کیا۔ تو اس کی توبہ کی کوئی شکل نہیں جب تک وہ صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے۔

رشوتوں کا دور دورہ ہے۔ لوگوں کو ایذا پہنچا رہے ہیں، تکلیفیں پہنچائی جا رہی ہیں ان کا حق لوٹا جا رہا ہے، یہ ساری کی ساری باتیں حقوق العباد سے متعلق ہیں، تکلیف پہنچانے کی جو بھی چیزیں ہیں وہ حقوق العباد کو تلف کرنے والی ہیں، بہر حال یہ بات تو اس حدیث کے تحت زبان پر آگئی، لیکن بڑی اہم بات ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کرنے کی توفیق دے، آپ حضرات کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی اہمیت اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔

یہ دین چند ظاہری عبادتوں کا نام نہیں ہے۔ یہ ہمیں ایک ایک چیز کے بارے میں ہدایت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا ئے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ آج کی اس دنیا میں جب تک کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اس وقت تک ہمیں ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی ساری دولت روپے پیسے کو سمجھ رکھا ہے۔ میرے پاس بینک بیلنس زیادہ ہو جائے پیسے زیادہ ہو جائیں۔ بنگلہ بن جائے۔ کار مل جائے۔ بس ساری دوڑ دھوپ، سارا سوچ بچار کا محور ہم نے اس کو بنا رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ نیکیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

عبرت آموز واقعہ

اس کی مثال بالکل ایسی ہے، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ مفتی اعظم پاکستان نے ــــ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل فرمائے آمین ــــ اپنا ایک واقعہ سنایا اور جو اللہ والے ہوتے ہیں یہ اپنے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آئے۔

اس سے کوئی نہ کوئی سبق لیتے ہیں اپنے بچپن کا واقعہ سناتے ہیں کہ بچپن میں جب میں چھوٹا سا بچہ تھا، اپنے ایک بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا اور دیو بند ہندوستان میں حضرت والدؒ کے زمانے کے بچوں کے کھیل آج کل کے بچوں کی طرح نئے نئے کھیل تو تھے نہیں۔ ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کھیل ہوا کرتے تھے، یہ سرکنڈے ہوتے ہیں اس کے چھوٹے چھوٹے پورے بنا کر اس سے بچے کھیلا کرتے تھے۔ ایک بچے نے اپنا پورا نیچے کی طرف لڑکایا، دوسرے بچے نے بھی لڑکایا۔ جس کا پورا پہلے پہنچ گا وہ جیت گیا، اور وہ دوسرے سے ایک پورا لے لیتا تھا۔

فرمایا کہ میں یہ کھیل ایک مرتبہ اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا، بہت سارے پورے لے کر آیا، وہ بھی لے کر آئے تھے، اب جب کھیلنا شروع کیا تو جب بھی میں اپنا پورا لڑکاتا ہوں تو میرا پورا پیچھے رہ جاتا ہے بھائی کا پورا آگے بڑھ جاتا ہے اور ہر مرتبہ وہ مجھ سے ایک پورا لے لیتے یہاں تک کہ جتنے پورے لے کر آیا تھا وہ سارے کے سارے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ اب میرے پاس کوئی پورا نہیں، اور بھائی جتنے لائے تھے ان کے پاس اس سے دوگنے ہو گئے، فرماتے ہیں کہ جب میں سارے کے سارے پورے ہار گیا مجھے آج تک یاد ہے کہ مجھے اتنا شدید صدمہ اور اتنا غم ہوا اور میں اس پر اتنا رویا کہ اس کے بعد اس سے بڑے سے بڑے نقصان پر اتنا صدمہ نہیں ہوا، اور یہ سمجھا کہ آج تو میری کائنات لٹ گئی۔ آج تو میری دنیا تباہ ہو گئی۔ یہ صدمہ اس وقت اتنا ہو رہا تھا کہ کسی بڑی سے بڑی جائیداد کے لٹ جانے پر بھی نہیں ہوتا۔

فرماتے ہیں کہ آج جب سوچتا ہوں کہ کس بات پر رویا تھا، کس بات پر صدمہ ہوا تھا۔ کس بات پر اتنا غم کیا تھا، ان معمولی، بے حقیقت، بے قیمت پوروں کے چھن جانے سے اتنا صدمہ ہو رہا تھا تو آج اس واقعہ کو یاد کر کے ہنسی آتی ہے، کتنی حماقت کی بات تھی، کتنی بے وقوفی کی بات تھی۔ پھر فرمایا اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم بے وقوف تھے، بچے تھے عقل نہیں تھی اس واسطے اس بے حقیقت چیز

کے کھو جانے پر اتنا صدمہ کر رہے تھے، اس لئے اب اس پر ہنستے ہیں لیکن اب سمجھتے ہیں کہ اب عقل آگئی ہے کہ وہ پورے بے حقیقت تھے در حقیقت یہ روپے پیسے یہ بنگلے، یہ جائیدادیں یہ کاریں، یہ ہیں اصل چیز کہ جن کو انسان حاصل کرے۔

لیکن فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ پاس آخرت میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ تمام چیزیں جن کے اوپر دنیا میں لڑ رہے تھے یہ زمین، یہ جائیداد، یہ دولت، یہ کوٹھیاں، یہ بنگلے یہ کاریں، یہ ساری کی ساری ایسی بے حقیقت تھیں جیسے کہ وہ سرکنڈے کے پورے، اور جس طرح آج اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ پوروں کو چھن جانے سے افسوس ہو رہا تھا اسی طرح اس وقت ان کی حقیقت معلوم ہوگی کہ جو کوٹھیاں ہم بنایا کرتے تھے، جائیدادوں، پر زمینوں پر اور مال و دولت کی بنیاد پر جھگڑتے اور اکڑتے اور دنیا میں ان چیزوں کو دولت سمجھا کرتے تھے یہ حقیقی دولت نہیں تھی، حقیقت میں دولت یہ اعمال حسنہ تھے، جو جنت میں لے جانے والے ہیں۔

جنت کی راحت اور جہنم کی شدت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو بلائیں گے جس نے ساری عمر تکلیفوں میں مشقتوں میں، صدمات میں گزاری، اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری زندگی کیسی گزری؟ وہ کہے گا پروردگار! میری زندگی کا آپ کیا پوچھتے ہیں اتنے صدمے اٹھائے اتنی تکلیف سہی، اتنی پریشانیاں اٹھائیں کہ ساری عمر کوئی خوشی یاد نہیں، ساری عمر صدمات ہی صدمات میں گزری باری تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس کو ذرا جنت کی باہر سے ہوا لگاؤ۔ اس کو فرشتے لے جائیں گے، اور جنت کے باہر سے اس طرح سے ایک چکر لگا کر لے آئیں گے کہ جنت کی ہوا کا کوئی جھونکا لگ جائے گا، اس کے بعد اس سے پوچھیں گے کہ

اب بتا کیسی زندگی گزری وہ کہے گا پروردگار! میری زندگی تو اتنی عافیت میں گزری ہے کہ میں نے کسی غم کی شکل دیکھی ہی نہیں ہے۔ میں تو ساری عمر مسرتوں میں، عیش و عشرت میں اور بہت خوشی میں بسر کرتا رہا ہوں، اور میں نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی، وہ جو ذرا سی جنت کی ہوا لگ گئی اس کی لذت، اس کی راحت اس کا سکون، اس کا اطمینان قلب میں اتنا پیارا ہوگا کہ ساری دنیا کی تکلیفوں کو بھول جائے گا۔

پھر فرمائیں گے ایسے شخص کو بلاؤ کہ جس نے دنیا کے اندر کسی غم کی شکل نہیں دیکھی کوئی صدمہ نہیں دیکھا بلکہ آرام میں عیش میں ساری عمر گزاری۔ اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری زندگی کیسی گزری، وہ کہے گا کہ یا اللہ! میری زندگی تو بڑے آرام کے ساتھ گزری، بڑے عیش و عشرت میں گزری کوئی صدمہ میرے پاس نہیں پھٹکا، کہا جائے گا کہ اس کو ذرا سی ایک ہوا جہنم کی لگالاؤ باہر ہی سے اندر داخل مت کرنا۔ فرشتے اس کو لے جائیں گے اور جہنم کے پاس اس طرح سے گزار کر لے آئیں گے کہ جہنم کی لپٹ کا ذرا سا جھونکا اس کو لگ جائے گا۔

اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا اب بتاؤ، تمہاری زندگی کیسی گزری وہ کہے گا یا اللہ! میں تو ساری عمر تکلیف میں رہا ہوں، ساری عمر صدمات میں گزاری ہے خوشی کی کوئی شکل نہیں دیکھی۔ وہ چند لمحات کی جہنم کی ہوا۔ اس کی جو شدت ہے اور اس میں جو سختی ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے ساری عمر کی راحتیں، مسرتیں، بھول جائے گا، یہ ہے جنت و جہنم کی راحت و شدت کا حال کہ اس کے مقابلہ میں ہم دنیا کو بھول جائیں گے۔

ہماری زبوں حالی

اور ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہمارے دماغ پر اور دل پر جو فکر مسلط ہے جو سوچ بچار ہے، جو دوڑ دھوپ ہے۔ وہ اس دنیا کے بے حقیقت

مال و متاع کے لئے ہے آخرت کی زندگی کو درست کرنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔

ایک مسئلہ پر دنیا کے تمام انسان متفق ہیں

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بات ایسی نہیں ہے۔ جس پر سادی دنیا کے انسان متفق ہوں ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہے۔ لیکن ایک بات ایسی ہے، اس سے کسی فرد بشر کا اختلاف نہیں، اور وہ یہ ہے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے موت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے خدا سے انکار کر دیا خدا کے وجود سے انکار کر دیا۔ رسالت سے انکار کر دیا۔ لیکن موت سے انکار کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں بڑے سے بڑے دھریہ، بڑے سے بڑا ملحد، کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موت نہیں آئے گی ہر شخص اس کو مانتا ہے اور ساتھ ہی اس کو بھی مانتا ہے کہ اس مرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ہو سکتا ہے اگلے لمحہ آجائے۔ ہو سکتا ہے کل آجائے، ہو سکتا ہے کہ دو دن کے بعد آجائے، ہو سکتا ہے کہ مہینے بعد آئے، ہو سکتا ہے کہ سال بھر میں آجائے بہت زیادہ جی لئے تو ستر سال اسی سال، پھر بہت ہی زیادہ جی لئے تو سو سال، اس کے بعد تو جانا ہی جانا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور یہ بڑا عجیب واقعہ ہے یاد رکھنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سفر پر جا رہے ہیں جاتے جاتے سفر کے دوران کچھ بھوک لگی، وہ ہوٹلوں، ریسٹورینٹوں کا زمانہ تو تھا نہیں کہ بھوک لگی تو کسی ہوٹل میں گھس گئے اور وہاں جاکر کھانا کھالیا۔ حضرت فاروق نے تلاش کیا کہ آس پاس بستی ہو لیکن وہاں کوئی بستی

بھی نہیں۔ تلاش کرتے کرتے دیکھا کہ ایک بکریوں کا ریوڑ چر رہا ہے، خیال ہوا کہ اس بکری والے سے کچھ دودھ لے کر پی لیں تاکہ بھوک مٹ جائے، تو دیکھا کہ چرواہا بکریاں چرا رہا ہے اس سے جاکر کہا کہ میں مسافر ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے، مجھے ایک بکری کا دودھ نکال دو تو میں پی لوں، اور اس کی جو قیمت تم چاہو وہ میں تم کو ادا کر دوں۔

چرواہے نے کہا کہ جناب! میں ضرور آپ کو دودھ دے دیتا، لیکن یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو ملازم ہوں۔ نوکر ہوں بکریاں چرانے کے لئے مجھے میرے مالک نے رکھا ہوا ہے، اور جب تک اس سے اجازت نہ لے لوں اس وقت تک مجھے آپ کو دودھ دینے کا حق نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو آزمایا بھی کرتے تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہارے فائدے کی ایک بات بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کر لو۔ پوچھا کیا آپ نے فرمایا ایسا کرو کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو، پیسے میں تمہیں ابھی دیتا ہوں، میرا فائدہ تو یہ ہوگا کہ مجھے دودھ مل جائے گا۔ ضرورت ہوگی تو میں اسے کاٹ کر گوشت بھی کھالوں گا۔ اور پھر مالک جب تم سے پوچھے ایک بکری کہاں گئی؟ تو کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اور اس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئی اور بھیڑیا تو بکریوں کو کھاتا ہی رہتا ہے۔ کہاں مالک تمہاری تحقیق کرتا پھرے گا، بھیڑیے نے کھایا یا نہیں کھایا، تم ان پیسوں کو اپنی جیب میں رکھ کر ان کو اپنی ضرویات میں استعمال کرنا۔ ایسا کرلو، اس میں تمہارا بھی فائدہ، میرا بھی فائدہ۔

اس چرواہے نے یہ بات سنی اور سنتے ہی بے ساختہ جو کلمہ اس کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا "یاابن الملک! فاین اللہ؟ شہزادے تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں مالک سے جاکر جھوٹ بول دوں اور یہ کہہ دوں کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا: تو اللہ میاں کہاں گئے؟ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ بیشک میرا مالک مجھے نہیں دیکھ رہا ہے۔

لیکن مالک کا مالک، مالک الملک وہ دیکھ رہا ہے، اس کے پاس جاکر میں کیا

جواب دوں گا۔ ملک کو تو خاموش کر سکتا ہوں، لیکن ملک کے مالک کو کیسے خاموش کروں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک تجھ جیسے انسان اس امت کے اندر موجود ہیں اس وقت تک اس امت پر کوئی فساد نہیں آسکتا، جن کے اندر اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس موجود ہے جب تک یہ احساس باقی ہے اس وقت تک دنیا میں امن و سکون باقی ہے اور جب یہ ختم ہو گیا تو اس وقت انسان انسان نہ رہے گا۔ بلکہ بھیڑیا بن جائے گا، جیسا کہ آج کل بنا ہوا نظر آرہا ہے۔

انسان انسان نہیں درندہ بنا ہوا ہے، دوسرے کی بوٹیاں نوچنے کی فکر میں ہے دوسرے کی کھال اتارنے کی فکر میں ہے۔ دوسرے کا خون پینے کی فکر میں ہے، صرف اس دنیا کے کچھ فائدے حاصل کرنے کے لئے کہ اس کے کچھ فائدے حاصل ہو جائیں۔

ابدی زندگی کی فکر

نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فکر پیدا فرمائی کہ دنیاوی زندگی تو خدا جانے کتنے دن ہے۔ کب ختم ہو جائے اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ جو ابدی زندگی ملنے والی ہے اس کی فکر کرو اور وہاں کا سکہ روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ تم لاکھ جمع کر لو۔ کروڑ کر لو۔ ارب کر لو۔ کھرب کر لو۔ سب یہیں دنیا میں چھوڑ کر جاؤ گے۔ کوئی تمہارے ساتھ جانے والا نہیں ہے۔ وہاں اگر کوئی چیز جانیوالی ہے تو وہ نیک عمل ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مردہ قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں، ایک اس کے عزیز واقارب جاتے ہیں اس کو چھوڑنے کے لئے، دوسرے اس کا مال

جاتا ہے۔ یعنی وہ کپڑے جو اس کے اوپر ہیں اور چارپائی ہے، جن میں اس کو لپیٹ کر لٹا کر لے جایا جارہا ہے اور تیسری چیز جو اس کے ساتھ جاتی ہے وہ اس کا عمل ہے، فرمایا پہلی دو چیزیں یعنی عزیز و اقارب اور مال قبر کے کنارے جانے کے بعد واپس ہو جاتے ہیں آگے جانے والی چیز ایک ہی ہے اور وہ اس کا عمل ہے خواہ وہ نیک عمل ہے یا اس کا برا عمل ہے۔

اس واسطے وہاں کا سکہ یہ روپیہ پیسہ نہیں، یہ مال و دولت نہیں، وہاں کا سکہ نیکیاں ہیں اور ان نیکیوں کے حصول کے لئے سب سے بڑی دولت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی وہ یہ قرآن کریم کی دولت ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ قرآن کریم اس امت کے واسطے نسخہ شفا بنا کر بھیجا۔ اس کا پڑھنا اس کا سمجھنا، اس پر عمل کرنا۔ اس کی دعوت دینا، اس کی تبلیغ کرنا، سب انسان کے لئے موجب اجر و ثواب ہے موجب سعادت ہے۔

قرآن کریم کی قدر کا طریقہ

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے اس وقت تک کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب، یہ چھوڑ کر آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔
اور اس کی قدر پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کم از کم اتنا تو کرے کہ ہم مسلمانوں میں سے کسی کا بچہ بھی قرآن کریم کی تعلیم کے بغیر نہ رہے، جب تک قرآن مجید ناظرہ نہ پڑھ لے اس وقت تک اس کو کسی اور کام میں نہ لگایا جائے۔

ایک وقت تھا جب صبح کے وقت مسلمانوں کی بستیوں سے ہر طرف سے قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں، لیکن اب قرآن کریم کی تلاوت کو کان ترستے ہیں۔ اب فلمی گانوں کی آوازیں آئیں گی اور طرح طرح کے خرافات کی

آوازیں آئیں گی۔ نہیں آئے گی تو قرآن مجید کی تلاوت کی آواز نہیں آئے گی۔

مسلمانوں کا فرض

درحقیقت یہ مدارس اس غرض کے لئے ہیں کہ امت میں دینی شعور کو بیدار کیا جائے، تاکہ قرآن کریم کی طرف لوٹیں اور قرآن کریم کے الفاظ، اس کے معانی، اس کے مفاہیم پھیلانے اور پہنچانے کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کے محلے میں یہ مدرسہ یہ خدمت انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہر طرح کی ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرمائے۔ ابھی مدرسہ کے حضرات یہ کہہ رہے تھے اور بجا طور پر کہہ رہے تھے کہ یہ دین کی خدمت کا ادارہ ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کے لئے کھپائی ہے اور قرآن کریم کی خدمت کے لئے کم از کم ان کو اس فکر سے آزاد کریں کہ وہ لوگوں کے پاس پیسے نہ مانگتے پھریں، بیشک یہ مسلمانوں پر فرض ہے

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے بھی زیادہ ضروری چندہ جو مسلمانوں سے اس وقت لینے کی ضرورت ہے وہ ہے بچوں کا چندہ، جو مسلمان گھرانوں سے حاصل کئے جائیں، جن کو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے، اب یہ وبا پھیل چکی ہے کہ قرآن کریم کو پڑھائے بغیر دنیا کے دوسرے کاموں کے اندر لگا دیتے ہیں اور قرآن کریم کی دولت سے بچہ محروم رہتا ہے۔

بچپن کی تعلیم

بچپن میں ایک مرتبہ قرآن پڑھا دو۔ اس کے قلب کو قرآن کریم سے

منور کرو۔ اس کے بعد اس کو کسی بھی کام میں لگاؤ گے تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ قرآن کے انوار و برکات اس کے اندر شامل حال ہوں گے، جب قرآن اس کو پہلے پڑھا دیا اس کے کان کے ذریعے ایمان کا بیج اس کے قلب میں پیوست کر دیا اور تجربہ یہ ہے کہ جو بچے مکتب میں قرآن کریم پڑھ کر جاتے ہیں تو وہ کسی بھی ماحول میں چلے جائیں لیکن ایمان کا بیج ان کے قلب میں موجود رہتا ہے۔

اگر آپ نے شروع ہی سے بچہ کو بسم اللہ، سبحان اللہ، الحمد اللہ اور قرآن کریم کی آیات سکھانے کے بجائے اس کو کٹ پٹ سکھانی شروع کر دی اور اس کے دماغ کے اوپر کتے بلی کو مسلط رکھا، اور قرآن کریم کے انور و برکات کو اس کے دل میں داخل نہ ہونے دیا، تو اس کے دل میں ایمان کہاں سے آئے گا۔ اس کے دل میں اسلام کی محبت کہاں سے آئے گی۔ اس کے دل میں آخرت کی فکر کیسے پیدا ہوگی۔ پھر تو وہی مادہ پرست انسان پیدا ہوگا جو ہمیں چاروں طرف گھومتا ہوا نظر آرہا ہے، جس کو اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا احساس بھی نہیں، جو دوسروں پر ظلم ڈھاتا ہے۔ دوسروں کی کھال کھینچتا ہے۔

اگر اپنے بچوں کے مستقبل پر رحم کرنا ہے تو خدا کے لئے جب تک انہیں قرآن کریم کی تعلیم نہ دلا دیں اس وقت تک ان کو کسی اور کام میں نہ لگائیں، آج کی محفل سے اگر ہم یہی فائدہ اٹھالیں کہ ہم یہ عہد کر کے یہاں سے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص یہ عزم کر کے جائے کہ اپنے بچو کو جب تک قرآن کریم نہیں پڑھائیں گے ں وقت تک کسی اور کام میں نہیں لگائیں گے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس مجلس کا بہت بڑا فائدہ ہم نے حاصل کر لیا۔ ورنہ تقریریں اور باتیں تو دنیا میں بہت ہوتی ہیں۔ آپ حضرات تشریف لائے میرے جو سمجھ میں آیا وہ میں نے عرض کیا۔

نشستند و گفتند و برخاستند

ایک کان سے سنا دوسرے کان سے نکل کر اور دامن جھاڑ کر چل

دیجئے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں کچھ فائدہ نہیں، اگر کم از کم یہ ارادہ لے کر چلے کہ اپنی حد تک تمام بچوں کو قرآن کریم پڑھائیں گے اور اپنے ملنے جلنے والوں دوستوں اور عزیز واقارب کو بھی اس طرف متوجہ کریں گے، انشاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے جو باتیں کہلوا دی ہیں۔ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اس مجلس میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ اور اس مدرسہ کو بھی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دِل کی بیماریاں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : عبدالقادر احمر

تاریخ و وقت : ۱۸ر دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جس طرح انسان کے جسم کو بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی بخار ہو گیا کبھی پیٹ میں درد، کبھی قبض ہو گیا۔ کبھی دست آگئے، کبھی سر میں درد، کبھی کمر میں تکلیف، اسی طرح انسان کی روح کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ وہ بیماریاں یہ ہیں کہ کبھی تکبر پیدا ہو گیا، کبھی حسد پرورش پانے لگا، کبھی بغض پیدا ہو گیا۔ کبھی ناشکری پیدا ہو گئی، یہ سب روح کی بیماریاں ہیں۔ ان کا بھی علاج ضروری ہے، اور ان کو چھوڑنا واجب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کی بیماریاں
اور
طبیب روحانی کی ضرورت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اما بعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۵۲)

اخلاق کی اہمیت

اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ جل جلالہ کے احکام کے مطابق بنانا اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی اہم اور واجب ہے جتنا کہ عبادات کو بجالانا ضروری ہے، بلکہ اگر ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے جتنے احکام ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم اس وقت تک صحیح طریقے سے بجا نہیں لایا جا سکتا، جب تک اخلاق درست نہ ہوں۔ اگر اخلاق درست نہ ہوں تو بعض اوقات یہ نماز روزہ بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ نہ صرف بیکار، بلکہ الٹا وبال بن جاتا ہے، اسی لئے اخلاق کی درستی اور اس کو اللہ

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانا عملی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد نہ ہو تو عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

اخلاق کیا چیز ہیں؟

اخلاق کا مطلب آجکل عرف عام میں کچھ اور سمجھا جاتا ہے اور جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں وہ کچھ اور ہے۔ عرف عام میں اخلاق اس کو کہتے ہیں کہ ذرا مسکرا کر کسی آدمی سے مل لئے، اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے، نرمی سے بات کر لی؛ اس کو کہتے ہیں کہ یہ بہت خوش اخلاق آدمی ہے، اس کے اخلاقیات بہت اچھے ہیں۔ لیکن جس اخلاق کی میں بات کر رہا ہوں اور جس اخلاق کا مطالبہ دین نے ہم سے کیا ہے اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ صرف اتنی بات نہیں ہے کہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے مل لئے۔ یہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے لیکن اصل اخلاق یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل اخلاق انسان کے باطن کی، اس کے دل کی، اس کی روح کی ایک صفت ہے۔ انسان کے باطن کے اندر مختلف قسم کے جذبات، خیالات، خواہشات پروان چڑھتے ہیں، ان کو اخلاق کہتے ہیں اور ان کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

روح کی اہمیت

اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کس کو کہتے ہیں؟ انسان نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا۔ صرف جسم کا نام انسان نہیں بلکہ انسان وہ جسم ہے جس میں روح موجود ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ بتایئے کہ اس کے ظاہری جسم میں کیا فرق واقع ہوا؟ آنکھ اسی طرح موجود ہے، ناک اسی طرح موجود ہے، کان اسی طرح موجود ہیں، زبان اسی طرح موجود ہے، چہرہ ویسا ہی ہے، ہاتھ پاؤں ویسے ہی ہیں۔ سارا جسم جوں کا توں ہے لیکن کیا فرق پیدا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ پہلے اس جسم کے اندر روح سمائی ہوئی تھی، اب وہ روح نکل گئی۔ اور روح کے نکل جانے سے انسان، انسان نہیں رہتا، لاش بن جاتا ہے، جمادات میں داخل ہو جاتا ہے۔

جلدی سے دفن کر دو

وہی انسان جو روح نکلنے سے پہلے دیکھنے والوں کی نگاہوں کا پیارا تھا، عزیز تھا، لوگ اس سے محبت کرتے تھے، زمین جائداد کا مالک تھا، بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا تھا، دوست احباب کا عزیز تھا، سبھی کچھ تھا، لیکن ادھر روح جسم سے نکلی، ادھر نہ تو زمین جائداد اس کی رہی، نہ وہ بیوی کا شوہر رہا اور نہ بچوں کا خبر گیری کرنے والا رہا جو لوگ اس سے محبت کرتے تھے، اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، اب وہ اس فکر میں ہیں کہ جلد از جلد اس کو اٹھا کر قبر میں پہنچا کر ٹھکانے لگائیں۔ کوئی کہے کہ بھئی یہ تمہارا عزیز ہے اس کو ذرا اپنے گھر میں رکھ لو، تو کوئی اس کو رکھنے کو تیار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو دن رکھے گا، بہت کوئی رکھ لے گا تو برف وغیرہ لگا کر ہفتہ بھر رکھ لے گا، لیکن اس سے زیادہ کوئی نہیں رکھے گا۔ اب سب اس فکر میں ہیں کہ جلد سے جلد اٹھا کر اس کو قبر میں پھینکو اور دفن کرو۔ وہی محبت کرنے والے جو دن رات اس کی چشم و آبرو کو دیکھتے تھے، اس کے اشاروں پر ناچتے تھے، روح کے نکلنے کے بعد اب یہ حالت ہو گئی کہ بیٹا اپنے ہاتھ سے باپ کو قبر میں رکھنا چاہتا ہے اور مٹی دے کر جلد از جلد اس کو دفن کر دینا چاہتا ہے بلکہ کسی نے قصہ بتایا کہ اخبار میں چھپا تھا کہ ایک آدمی کو، جسے شاید سکتہ ہو گیا تھا، لوگوں نے غلطی سے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا۔ جب سکتہ ختم ہوا تو وہ بیچارہ قبر پھاڑ کر کسی طرح گھر پہنچا۔ جب اس نے دستک دی تو باپ نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ جب اس نے اپنا نام بتایا تو باپ گھر سے لاٹھی لے کر نکلا اور لاٹھی سے اس کو مارا کہ یہ اس کا بھوت کہاں سے آگیا۔ جو غریب پہلے نہیں مرا تھا، اب لاٹھی سے مر گیا۔

آخر یہ کیا انقلاب عظیم واقع ہوا کہ سارا جسم اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا مگر اب کوئی اس کو گھر میں رکھنے کو تیار نہیں؟ فرق یہ واقع ہوا کہ اس کے جسم سے روح نکل گئی، معلوم یہ ہوا کہ انسان کے جسم کے اندر اصل چیز اس کی روح ہے۔ جب تک یہ روح انسان کے اندر موجود ہے اس وقت تک انسان انسان ہے، لیکن جب یہ روح نکل جائے تو پھر وہ انسان نہیں ہے، محض ایک لاش ہے جس سے کسی کو کوئی تعلق نہیں، سب اس فکر میں ہیں کہ اس کو جلد سے جلد قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیں۔

روح کی بیماریاں

جس طرح انسان کے جسم کے اندر بہت سی صفات ہوتی ہیں کہ بعض اوقات جسم صحتمند ہے، خوبصورت ہے، طاقتور ہے، توانا ہے اور بعض دفعہ جسم نحیف کمزور، دبلا پتلا، بیمار، بدصورت ہے، اسی طرح انسان کی روح کی بھی کچھ صفات ہوتی ہیں۔ بعض اوقات روح طاقتور ہوتی ہے اور بعض اوقات کمزور ہوتی ہے۔ بعض اوقات روح اچھی صفات کی مالک ہوتی ہے اور بعض اوقات خراب صفات کی مالک ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کے جسم کو بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی بخار ہو گیا، کبھی پیٹ خراب ہو گیا، کبھی قبض ہو گیا، کبھی دست آگئے، اسی طرح روح کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ روح کو کیا بیماریاں لگتی ہیں؟ روح کو یہ بیماریاں لگتی ہیں کہ کبھی اس میں تکبر پیدا ہو گیا، کبھی اس میں حسد پرورش پانے لگا، کبھی اس میں بغض پیدا ہو گیا، کبھی اس میں ناشکری پیدا ہو گئی۔ یہ ساری کی ساری روح کی بیماریاں ہیں۔

روح کا حسن و جمال

اسی طرح جیسے انسان کے جسم کی خوبصورتی ہے مثلاً کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ بہت خوبصورت ہے، اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں، اس کا جسم بہت خوبصورت ہے۔ اسی طرح روح کی بھی کچھ خوبصورتی ہے، اس کا بھی کچھ جمال ہے، اس کا بھی کچھ حسن ہے۔ روح کا حسن کیا ہے؟ روح کا حسن یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع ہو، صبر و شکر ہو، اخلاص ہو، خود پسندی نہ ہو، ریاکاری نہ ہو۔ یہ سب روح کا حسن و جمال ہے۔

جسمانی عبادات

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو بہت سے احکام دیئے ہیں۔ جن کا تعلق ہمارے ظاہری جسم سے ہے، مثلاً نماز ہے کہ نماز کس سے پڑھی جاتی ہے؟ جسم کو کبھی کھڑا کیا جاتا ہے، کبھی رکوع میں چلے جاتے ہیں، کبھی سجدے میں چلے جاتے ہیں، کبھی سلام پھیرتے

ہیں۔ یہ ساری حرکات جسم کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔ تو یہ ایک جسمانی عبادت ہے۔ روزہ کس طرح رکھتے ہیں؟ ایک مقررہ وقت تک بھوکے پیاسے رہتے ہیں، یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔ مال کی ایک خاص مقدار غریب کو دینا فرض کیا گیا ہے، جس کو زکوۃ کہتے ہیں۔ یہ بھی اپنے ہاتھ سے دی جاتی ہے اور حج بھی ایک جسمانی اور مالی عبادت ہے۔ حج کے اندر محنت کرنی پڑتی ہے، سفر کرنا پڑتا ہے، خاص ارکان انجام دینے پڑتے ہیں۔ یہ سارے کام جسم سے ادا کئے جاتے ہیں اس لئے یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔

تواضع دل کا فعل ہے

جس طرح یہ ساری عبادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے جسم سے متعلق رکھی ہیں۔ اسی طرح بہت سے فرائض ہماری روح اور باطن سے متعلق رکھے ہیں، مثلاً یہ حکم دیا کہ ہر انسان کو تواضع اختیار کرنی چاہئے۔ اب یہ تواضع جسم کا فعل نہیں ہے۔ یہ دل کا فعل ہے، باطن کا فعل ہے، روح کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ صفت اپنے دل میں پیدا کی جائے۔

بہت سے بے پڑھے لکھے لوگ تواضع کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ کوئی مہمان آیا تو اس کی خاطر تواضع کر دو، کچھ کھلا دو غیرہ اس کو کھلا دو، اس کو تواضع کہتے ہیں۔ تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے۔ جو کچھ پڑھے لکھے ہیں، وہ بھی تواضع کا مطلب سمجھتے ہیں انکسار، دوسروں سے انکساری کے ساتھ پیش آنا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کی ذرا گردن جھکی ہوئی ہو، کچھ سینہ مڑا ہوا ہو، تو جو آدمی اس طرح لوگوں سے ملتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں بڑا منکسر المزاج آدمی ہے، بہت متواضع ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تواضع کا کوئی تعلق جسم سے نہیں ہے۔ تواضع کا تعلق قلب اور روح سے ہے انسان اپنے دل میں اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھے کہ میری کوئی حقیقت نہیں ہے، میری کوئی قدرت نہیں ہے، میں تو ایک بیکس، بے بس بندہ ہوں۔ یہ خیال دل کے اندر پیدا ہو جائے، اس کو کہتے ہیں تواضع اور اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

اخلاص دل کی ایک کیفیت ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اخلاص کا حکم دیا ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کرو۔ عبادتوں میں اخلاص پیدا کرو، جو کام کرو اللہ جل جلالہ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے کرو، یہ ہے اخلاص۔ اخلاص زبان سے کہنے سے نہیں حاصل ہوتا۔ یہ دل کی ایک کیفیت ہے۔ باطن کی ایک صفت ہے، جس کو حاصل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

شکر دل کا عمل ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شکر کا حکم دیا ہے کہ جب کوئی نعمت تمہیں حاصل ہو تو اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرو۔ یہ شکر بھی انسان کے قلب کا فعل ہے، انسان کی روح کا فعل ہے۔ جتنا شکر ادا کرے گا، روح اتنی ہی زیادہ طاقتور ہوگی۔

صبر کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو سمجھو کہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ہے، جو کچھ بھی ہوا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت سے ہوا ہے، اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ چاہے یہ مجھ کو کتنا ہی ناگوار ہو لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی مصلحت اسی میں تھی۔ انسان ہر ناگوار واقعے کے وقت یہ سوچے اور اس کا احساس دل میں پیدا کرے، اس کو صبر کہتے ہیں۔

اخلاق باطنہ کا حصول فرض ہے

لہٰذا بہت سے احکام ایسے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری روح اور ہمارے باطن سے متعلق، ہم کو عطا فرمائے ہیں۔ یاد رکھئے کہ صبر کے موقع پر صبر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، شکر کے موقع پر شکر کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ روزہ رکھنا فرض ہے، اخلاص کے موقع پر اخلاص کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسا کہ زکوۃ دینا فرض

ہے۔ یہ سب بھی فرائض ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔

باطنی بیماریاں حرام ہیں

بہت سے کام ظاہری اور جسمانی اعتبار سے گناہ قرار دیئے گئے ہیں، مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، رشوت لینا، سود کھانا، شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا۔ یہ سارے کے سارے کام گناہ ہیں جو ہمارے ظاہری جسم سے متعلق ہیں، ہمارے اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سے باطنی کاموں کو بھی گناہ قرار دیا ہے، مثلاً تکبر ایک باطنی بیماری ہے جو ہاتھ پاؤں سے انجام نہیں دی جاتی، یہ انسان کے باطن کا ایک روگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور یہ اتنا ہی حرام ہے جتنا شراب پینا حرام ہے، جتنا سور کھانا حرام ہے، جتنا زنا اور بدکاری کرنا حرام ہے۔ اسی طرح حسد بھی ایک باطنی بیماری ہے اور اس کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی اتنا ہی حرام ہے جتنے وہ گناہ حرام ہیں جن کا میں نے پہلے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے باطن اور روح سے متعلق بھی کچھ احکام رکھے ہیں۔ کچھ صفات کو پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ جن صفات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، وہ صفات اپنے باطن کے اندر پیدا کر لے، اور جن صفات سے بچنے کا حکم دیا ہے وہ صفات اپنے باطن سے الگ کر دے تو کہیں گے کہ اس کے اخلاق درست ہو گئے۔ اخلاق انہی باطنی کیفیات اور روح کی صفات کا نام ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اچھے اخلاق، جن کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے، ان کو اخلاق فاضلہ اور برے اخلاق، جن کو دور کرنا چاہئے، ان کو اخلاق رذیلہ کہتے ہیں۔

امید ہے کہ اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اخلاق کا مطلب ایک دوسرے سے اچھی طرح بات کر لینا یا اچھی طرح مسکرا دینا نہیں ہے۔ یہ اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو انسان کا رویہ ہر دوسرے انسان کے ساتھ بہتر ہو جاتا ہے، لیکن بنیادی طور پر اس کو اخلاق نہیں کہتے۔ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا باطن درست ہو جائے، اخلاق فاضلہ پیدا ہو جائیں، اخلاق رذیلہ دور ہو جائیں اور انسان

کا باطن اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے مطابق ڈھل جائے۔

غصہ کی حقیقت

اخلاق کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ یہ بات ایک مثال کے ذریعے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جائیگی مثلاً غصہ انسان کے باطن کی ایک صفت ہے۔ یہ غصہ انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا مظاہرہ بعض اوقات ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے، بعض اوقات زبان سے، جب غصہ آ گیا اور غصے سے مغلوب ہو گیا تو چہرہ سرخ ہو گیا، رگیں تن گئیں، زبان بے قابو ہو کر اول فول بکنے لگی، ہاتھ پاؤں چلنے لگے۔ یہ غصہ کا نتیجہ ہے لیکن اصل غصہ اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ غصہ ایسی چیز ہے کہ بے شمار باطنی رذائل کی بنیاد اور جڑ ہے اس کی وجہ سے بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور بہت سی باطنی بیماریاں پیدا ہوتی ہے۔

غصہ نہ آنا ایک بیماری ہے

اگر یہ غصہ انسان میں بالکل بھی نہ ہو، کوئی کچھ بھی کرتا رہے، لیکن اس کو کبھی غصہ آتا ہی نہیں، یہ بھی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غصہ اس مقصد کے لئے دیا ہے کہ انسان اپنا، اپنی جان کا، اپنی آبرو کا، اپنے دین کا دفاع کر سکے۔ اب اگر کوئی شخص پستول تانے کھڑا ہے اور اس کی جان لینا چاہتا ہے اور ان صاحب کو غصہ آتا ہی نہیں، یہ بیماری ہے۔ اگر کوئی آدمی ــــ نعوذ باللہ ــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو اس وقت ایک آدمی کو غصہ آتا ہی نہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ یہ بیمار ہے۔ یہ مواقع ایسے تھے کہ غصہ آنا چاہئے تھا، اگر نہیں آ رہا تو یہ بیماری ہے۔

غصہ میں بھی اعتدال مطلوب ہے

اور اگر غصہ حدِ اعتدال سے زیادہ ہے تو یہ بھی بیماری ہے۔ غصہ اس لئے آئے تاکہ دوسرے آدمی کے شر سے اپنی حفاظت کر سکے۔ اس حد تک تو غصہ صحیح ہے۔ اب

اگر غصہ کرنے کی جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ کر رہا ہے۔ مثلاً ایک تھپڑ مار دینے سے کام چل سکتا تھا لیکن اب یہ غصہ میں آکر ایک تھپڑ کے بجائے مارے چلا جارہا ہے۔ یہ غصہ حد اعتدال سے زیادہ ہے اور گناہ ہے۔ لہٰذا غصہ اگر کم ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری اور زیادہ ہو تو یہ بھی باطن کی بیماری۔ غصہ اعتدال کی حد میں ہونا چاہئے کہ ضرورت کے موقع پر آئے اور بلا ضرورت نہ آئے اور اگر بلا ضرورت آئے بھی تو آدمی اس کو استعمال نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غصہ

حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہہ دیا۔ حضرت علیؓ کہاں سننے والے تھے۔ وہ اس یہودی کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ یہودی نے جب دیکھا کہ اب کچھ اور نہیں کر سکتا تو اس نے وہیں زمین پر لیٹے لیٹے حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علیؓ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ آپؓ نے کیا کیا؟ اب تو اس نے مزید گستاخی کی۔ اس کو اور مارنا چاہئے تھا۔ فرمایا کہ "اصل میں بات یہ ہے کہ پہلے میں نے اس کو اس لئے سزا دی تھی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس وقت میرا غصہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کے لئے تھا۔ اس واسطے میں اس پر چڑھ بیٹھا۔ جب اس نے مجھ پر تھوکا تو میرے دل میں اپنی ذات کے لئے غصہ پیدا ہوا کہ اس نے میرے منہ پر کیوں تھوکا۔ اپنی ذات کا انتقام لینے کا جذبہ میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اپنی ذات کے لئے انتقام لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس لئے میں اسے چھوڑ کر الگ کھڑا ہو گیا"۔ یہ ہے غصے میں اعتدال کہ پہلے غصے کا صحیح موقع تھا تو غصہ آیا اور اس پہ عمل بھی کیا اور دوسرے غصے کا صحیح موقع نہیں تھا اس لئے اس پر عمل نہیں کیا اور اس یہودی کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔

حد اعتدال کی ضرورت

انسان کے باطن کے جتنے بھی اخلاق ہیں ان سب کا یہی حال ہے کہ اپنی ذات میں وہ برے نہیں ہوتے۔ جب تک وہ حد اعتدال میں رہیں اس وقت تک وہ صحیح ہیں لیکن اگر اعتدال سے کم ہو گئے تو وہ بھی بیماری اور اعتدال سے زیادہ ہو گئے تو وہ بھی بیماری ـــ اصلاح نفس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان اخلاق کو اعتدال پر رکھا جائے، نہ کم ہوں نہ زیادہ ہوں۔

دل کی اہمیت

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله، الا وھی القلب۔

(اتحاف ج ۳ ص ۱۰۳)

یعنی خوب یاد رکھو کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔" پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا جس کی وجہ سے سارا جسم صحیح ہوتا ہے یا خراب ہوتا ہے وہ انسان کا دل ہے۔ مگر اس لوتھڑے سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں ہے اس لئے کہ اگر دل کو چیر کر دیکھو تو اس میں یہ بیماریاں نظر نہیں آئیں گی نہ تکبر نظر آئے گا، نہ حسد نظر آئے گا، نہ بغض نظر آئے گا اور اگر ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو وہ دل کی ظاہری بیماریاں چیک کر کے بتا دے گا کہ اس کی دھڑکن صحیح ہے یا نہیں ہے، رگیں صحیح کام کر رہی ہیں یا نہیں، اس میں خون کی سپلائی صحیح ہو رہی ہے یا نہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں جو چیک اپ اور آلات کے ذریعے معلوم کی جا سکتی ہیں، یہ دل کے صرف ظاہری عمل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔

یہ اندیکھی بیماریاں ہیں

لیکن انسان کے قلب کے ساتھ کچھ چیزیں ایسی وابستہ ہیں جو اندیکھی ہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ وہ یہی ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا یعنی یہ کہ دل میں شکر ہے یا نہیں؟ حسد ہے یا نہیں؟ بغض ہے یا نہیں؟ صبرو شکر کی کیفیات ہیں یا نہیں؟ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہری امراض کا ڈاکٹر دیکھ کر نہیں بتا سکتا اور کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعے چیک کر کے بتا دیا جائے کہ اس کو یہ باطنی بیماری ہے۔

دل کے ڈاکٹر، صوفیہ کرام

اس بیماری کے ڈاکٹر، اس کی تشخیص کرنے والے، اس کا علاج کرنے والی کوئی اور ہی قوم ہے۔ یہی وہ قوم ہے جن کو "حضرات صوفیاء کرام" کہتے ہیں۔ جو علم اخلاق کے ماہر ہوتے ہیں باطن کی بیماریوں کی تشخیص اور ان کا علاج کرتے ہیں یہ ایک مستقل فن ہے ایک مستقل علم ہے اس کو بھی اسی طریقے سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جس طرح ڈاکٹری پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

پھر آپ نے ظاہری بیماری میں دیکھا ہو گا کہ بہت سی ظاہری بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا انسان کو خود پتہ لگ جاتا ہے۔ بخار ہو گیا تو معلوم ہو گا کہ گرمی لگ رہی ہے، بدن میں درد ہے، معلوم ہو گا کہ بخار ہے، بیمار خود بھی پہچان لے گا کہ بخار ہے اور اگر خود نہیں پہچان سکے گا تو تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لے گا، اس سے پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے۔ اگر خود بھی نہیں پہچان سکا، اسکے گھر والے ذاتی آلات سے بھی نہیں پہچان سکے تو ڈاکٹر کے پاس چلا جائے گا، وہ ڈاکٹر بتا دے گا کہ فلاں بیماری ہے۔

لیکن باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ نہ تو بسا اوقات مریض کو خود پتہ لگتا نہیں کہ میرے اندر یہ بیماری ہے اور نہ کوئی آلہ ایسا انسان کے پاس موجود ہے جس سے پتہ لگ جائے کہ تکبر کا ٹمپریچر کیا ہے؟ اور ظاہری ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ بھی بے چارہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے اندر یہ بیماری ہے یا نہیں؟ اس کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کسی باطن کے معالج کے پاس جا کر تشخیص کرائے کہ میرے اندر تکبر ہے یا نہیں۔

تواضع یا تواضع کا دکھلاوا

تواضع کا مطلب آپ کی سمجھ میں آگیا کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھنا۔ اس کو عرف عام میں انکساری بھی کہتے ہیں۔ اب سنئے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ میں تو بڑا بیکار آدمی ہوں، میں تو بے حقیقت ہوں، جاہل ہوں، بہت گناہ گار ہوں، بڑا ناچیز آدمی ہوں، میری کوئی حقیت نہیں ہے۔ اس سے بظاہر شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بے چارہ بہت تواضع کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو بے حقیقت، ناکارہ، ناچیز جاہل اور گناہ گار سمجھ رہا ہے۔

بظاہر دیکھنے میں یہ تواضع معلوم ہو رہی ہے لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص یہ الفاظ کہہ رہا ہوتا ہے حقیقت میں وہ متواضع نہیں ہوتا بلکہ اس میں دو بیماریاں ہوتی ہیں، ایک تکبر اور دوسری تواضع کا دکھلاوا۔ یعنی یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں بڑا بے حقیقت آدمی ہوں، جاہل آدمی ہوں، یہ سچے دل سے نہیں کہہ رہا، بلکہ اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ دیکھنے والے اس کو متواضع سمجھیں اور کہیں کہ یہ تو بڑا منکسر المزاج ہے۔

ایسے شخص کی آزمائش کا طریقہ

حضرت فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو کہ میں بڑا گناہ گار، جاہل، ناکارہ اور ناچیز ہوں، اسکے امتحان کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اگر اس وقت دوسرا آدمی یہ کہہ دے کہ بے شک آپ ناکارہ بھی اور ناچیز بھی، گناہ گار بھی، جاہل بھی اور بے حقیت بھی، پھر دیکھو کہ اس وقت اسکے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا اس کا شکر گزار ہوگا کہ آپ نے بڑی اچھی بات کہی؟ میرے خیال میں تقریباً سو فیصد معاملات میں اگر دوسرا کہہ دے گا کہ بے شک آپ ایسے ہی ہیں، تو طبیعت کو بڑی ناگواری ہوگی کہ دیکھو اس نے مجھے ناچیز، ناکارہ اور جاہل کہہ دیا۔

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کہہ رہا تھا کہ ناکارہ ہے، ناچیز ہے جاہل ہے، لیکن دل میں یہ خیال نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ جب میں اپنی زبان سے کہوں گا کہ جاہل ہوں، ناکارہ ناچیز ہوں، تو سامنے والا یہ کہے گا کہ نہیں حضرت! یہ تو آپ کی تواضع ہے۔ آپ تو حقیقت میں بڑے عالم فاضل آدمی ہیں۔ بڑے متقی پارسا ہیں۔ یہ کہلوانے کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے اور دکھلاوا کر رہا ہے کہ میں بڑا متواضع ہوں۔ حقیقت میں دل میں تکبر بھرا ہوا ہے دکھلاوا بھرا ہوا ہے اور ظاہر یہ کر رہا ہے کہ میں بہت متواضع ہوں۔

آپ اندازہ لگایئے کہ اس کو کون پہچانے گا کہ یہ الفاظ سچے دل سے کہے جا رہے ہیں یا اندر بیماری بھری ہوئی ہے؟ اس کو تو وہی پہچان سکتا ہے جو باطنی امراض کا ماہر اور معالج ہو۔ اسی لئے ضرورت ہوتی ہے معالج کے پاس جانے کی کہ اکثر اوقات انسان خود اپنے باطنی امراض کو نہیں پہچان سکتا۔

دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرنا

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن والد صاحب نے دیکھا کہ انہوں نے خود اپنی مرضی سے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے اس کے بعد سے ہر دفعہ وہ آکر پہلے مجلس میں آنے والوں کو جوتے سیدھے کرتے اور پھر مجلس میں بیٹھتے۔ والد صاحب نے کئی دفعہ ان کو یہ کام کرتے دیکھا تو ایک دن ان کو منع کر دیا کہ یہ کام مت کیا کرو۔ پھر بعد میں بتایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ یہ بے چارہ یہ سمجھا تھا کہ میرے اندر تکبر ہے اور اس تکبر کا علاج اپنی رائے سے تجویز کر لیا کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کروں گا تو اس سے میرا تکبر دور ہو گا۔ تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس علاج سے فائدہ ہونے کے بجائے اس کو الٹا نقصان ہوتا، تکبر اور عجب میں اضافہ ہوتا۔ اس لئے کہ جب جوتے سیدھے کرنے شروع کئے، تو دل و دماغ میں یہ بات پیدا ہوتی کہ میں نے تو اپنے آپ کو مٹا دیا، میں نے تو تواضع کی حد کر دی کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے۔ اس سے مزید خود پسندی پیدا ہوتی اس لئے اسے روک دیا کہ تمہارا کام یہ نہیں،

اور اس کے لئے دوسرا علاج تجویز فرمایا۔

اب بتایئے: بظاہر دیکھنے میں جو شخص دوسرں کے جوتے سیدھے کر رہا ہے وہ متواضع معلوم ہو رہا ہے لیکن جاننے والا جانتا ہے کہ یہ کام حقیقت میں تکبر پیدا کر رہا ہے تواضع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ لہذا نفس کے اندر اتنے باریک نکتے ہوتے ہیں کہ آدمی خود سے انداز نہیں لگا سکتا، جب تک کے کسی باطنی امراض کے ماہر سے رجوع نہ کرے اور وہ نہ بتائے کہ تمہارا یہ عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر ہے یا نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے کہ اس حد تک درست ہے اور اس حد سے باہر یہ عمل درست نہیں ہے۔

تصوف کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ آج تصوف نام ہو گیا اس بات کا کہ کسی پیر صاحب کے پاس چلے گئے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا، بیعت کر لی اور بیعت کرنے کے بعد انہوں نے کچھ وظیفے بتا دیئے کچھ اوراد سکھا دیئے کہ صبح کو یہ پڑھا کرو، شام کو یہ پڑھا کرو اور بس اللہ اللہ خیر سلا۔ اب نہ باطن کی فکر، نہ اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام، نہ اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنے کا شوق، نہ اخلاق رذیلہ کو ختم کرنے کی فکر۔ یہ سب کچھ نہیں بس بیٹھے ہوئے وظیفے پڑھ رہے ہیں اور بعض اوقات یہ وظیفے پڑھنا ان بیماریوں کے اندر اور زیادہ شدت پیدا کر دیتا ہے۔

وظائف و معمولات کی حقیقت

ان وظائف، اذکار، معمولات کی مثال ایسی ہے جیسے مقویات۔ اور مقویات کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے اندر بیماری موجود ہے اور بیماری کی حالت میں وہ مقویات کھاتا رہے تو بسا اوقات نہ صرف یہ کہ اس کو قوت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بیماری کو قوت حاصل ہوتی ہے، بیماری بڑھ جاتی ہے اگر دل میں تکبر بھرا ہوا ہے عجب بھرا ہوا ہے اور بیٹھ کر وظیفے گھونٹ رہا ہے اور ذکر بہت کر رہا ہے تو بعض اوقات اس کے نتیجے میں اصلاح ہونے

کے بجائے تکبر اور بڑھ جاتا ہے اس لئے یہ جو بتایا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی وظیفہ کرو یا ذکر کرو کسی شیخ کی رہنمائی میں کرو اس لئے کہ شیخ جانتا ہے کہ اس سے زیادہ اگر بتلاؤں گا تو وہ اس کے اندر بیماری پیدا کرے گا۔ اس واسطے وہ اس کو روک دیتا ہے کہ بس، اب مزید ذکر کی ضرورت نہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کتنے آدمیوں کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ تمام وظائف واذکار ترک کر دیں، حضرتؒ نے ان کے تمام معمولات چھڑوا دیئے، خاص حالات میں جب دیکھا کہ اس کے لئے یہ وظیفہ مضر ثابت ہو رہا ہے تو وہ چھڑوا دیا۔

مجاہدات کا اصل مقصد

لیکن آج کل تصوف کا اور پیری مریدی کا سارا زور اس پر ہے کہ معمولات بتا دیئے گئے کہ فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے، فلاں وقت یہ ذکر کرنا ہے۔ بس، وہ محض ذکر کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، چاہے باطن کے اندر کتنی ہی بیماریاں جوش مار رہی ہوں۔ پہلے زمانے میں صوفیائے کرام کے ہاں معمول تھا کہ کسی شخص کی اصلاح کا پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ اس کے اخلاق کی اصلاح کرنے کی فکر کرتے اس کے لئے مجاہدات کروائے جاتے تھے، ریاضتیں ہوتی تھیں، رگڑا جاتا تھا، تب جاکر اندر کی اصلاح ہوتی تھی اور اس کے بعد انسان کسی قابل ہوتا تھا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ گنگوہ کے بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے شجرے کے اندر ان کا اعلیٰ درجے کا واسطہ ہے۔ ان کے ایک پوتے تھے۔ جب تک شیخ حیات تھے، پوتے کو فکر نہ ہوئی ساری دنیا آکر دادا سے فیض حاصل کرتی رہی لیکن وہ صاحب زادگی کی موج میں رہے اور دادا کی طرف اس نقطہ نظر سے رجوع نہ کیا کہ اپنی اصلاح کرائیں جب شیخ کا انتقال ہو گیا تب ان کو حسرت ہوئی کہ یا اللہ! میں کتنا محروم رہ گیا۔ کہاں کہاں سے آکر ساری دنیا فیض اٹھا گئی، اور میں گھر

میں ہوتے ہوئے کچھ بھی حاصل نہ کر سکا، اور چراغ تلے اندھیرا۔ اب حسرت ہوئی تو سوچا کہ کیا کروں، تلافی کیسے ہو، خیال آیا کہ میرے دادا سے جن لوگوں نے اصلاح نفس کی یہ دولت حاصل کی ہے ان میں سے کسی کی طرف رجوع کروں۔ معلوم کیا کہ میرے دادا کے خلفاء میں سے کون اونچے مقام کا بزرگ ہے۔ معلوم ہوا کہ بلخ میں ایک اونچے مقام کے بزرگ ہیں، اب کہاں گنگوہ، کہاں بلخ۔ کہاں تو یہ کہ گھر میں دولت موجود تھی اور ہر وقت ان سے رجوع کر سکتے تھے وہ نہ کیا۔ آخر کار اس کی نوبت آئی کہ بلخ تک اتنا لمبا چوڑا مشقت کا سفر کریں اب چونکہ طلب صادق تھی اس لئے سفر پر روانہ ہو گئے۔

شیخ کے پوتے کا استقبال

ادھر جب شیخ کے خلیفہ کو جو بلخ میں مقیم تھے معلوم ہوا کہ میرے شیخ کے پوتے آ رہے ہیں تو اپنے شہر سے باہر نکل کر انہوں نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ اکرام کے ساتھ گھر لے کر آئے شاندار کھانے پکوائے، اعلیٰ درجے کی دعوت کی، بہت اعلیٰ درجے کی رہائش کا انتظام کیا قالین بچھوائے اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔

حمام کی آگ روشن کیجئے

جب ایک دو دن گزر گئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کیا، بڑا اکرام فرمایا، لیکن درحقیقت میں کسی اور مقصد سے آیا تھا۔ پوچھا کیا مقصد؟ کہا کہ مقصد یہ تھا کہ آپ میرے گھر سے جو دولت لے کر آئے تھے اس دولت کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرما دیں۔ اس لئے حاضر ہوا تھا۔ شیخ نے کہا "اچھا! وہ دولت لینے آئے ہو؟" کہا کہ "جی ہاں!" کہا کہ "اگر وہ دولت لینے آئے ہو تو یہ عالیچے، یہ قالین، یہ اعزاز و اکرام، یہ کھانے پینے کا انتظام، سب ختم کر دیا جائے، رہائش کا انتظام جو اعلیٰ درجے کا کیا گیا تھا وہ بھی ختم کر دیا جائے۔" انہوں نے پوچھا کہ "اب کیا کروں؟" فرمایا "ہماری مسجد کے پاس ایک حمام ہے اس میں وضو کرنے والوں کے لئے لکڑیاں جلا کر پانی گرم کیا جاتا ہے۔ تم وہاں حمام کے پاس بیٹھا کرو اور

لکڑیاں جھونک کر وضو کرنے والوں کے لئے پانی گرم کیا کرو۔ بس تمہارا یہی کام ہے۔ " نہ بیعت، نہ وظیفہ، نہ ذکر، نہ معمولات، نہ کچھ اور۔ انہوں نے پوچھا " رہائش کہاں؟ " فرمایا " رات کو جب سونا ہو تو وہیں حمام کے پاس سو جایا کرو۔ " کہاں تو یہ اعزاز و اکرام استقبال ہو رہا ہے قالین بچھ رہے ہیں کھانے پک رہے ہیں دعوتیں ہو رہی ہیں اور کہاں اب حمام جھونکنے پر لگا دیئے گئے اب حمام میں بیٹھے ہیں اور آگ میں لکڑیاں جھونک رہے ہیں۔

ابھی کسر باقی ہے

لکڑیاں جھونکتے جھونکتے شیخ نے ایک دن جمعدارنی کو ہدایت کی کہ ایسا کرنا کہ حمام کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوگا یہ کچرے کا ٹوکرا لے کر اس کے قریب سے گزر جانا اور اس طرح گزرنا کہ اس ٹوکرے کی بو ان کی ناک میں پہنچ جائے " اب وہ ٹوکرا لے کر حمام کے پاس سے جو گزری تو چونکہ یہ تو صاحب زادے تھے، نواب زادگی کی زندگی گزاری تھی۔ ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور کہا " تیری یہ مجال کہ تو یہ ٹوکرا لے کر میرے پاس سے گزرے، نہ ہوا گنگوہ، ورنہ میں تجھے بتاتا " ۔ شیخ نے جمعدارنی کو بلا کر پوچھا کہ جب تو ٹوکرا لے کر گزری تو کیا ہوا؟ " اس نے کہا کہ " جی وہ تو بہت غصے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ گنگوہ ہوتا تو تجھے بہت سخت سزا دیتا۔ " کہا کہ " اوہو! ابھی بہت کسر ہے۔ ابھی چاول گلا نہیں " ۔

پھر کچھ دن گزرے تو شیخ نے جمعدارنی سے کہا کہ " اب کے نہ صرف وہ ٹوکرا لے کر ان کے قریب سے گزرنا بلکہ اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا ان کے جسم سے لگ جائے اور پھر مجھے بتانا کہ کیا ہوا۔ " اس نے یہی کیا۔ شیخ نے پوچھا کہ " کیا ہوا؟ " اس نے کہا کہ " جی ہوا یہ کہ جب میں ٹوکرا لے کر گزری اور ٹوکرا بالکل ان کے جسم سے رگڑ کھاتا ہوا گزرا تو انھوں نے نہایت ترش نگاہ سے میری طرف دیکھا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ " شیخ نے کہا " الحمد للہ " فائدہ ہو رہا ہے "

اب دل کا طاغوت ٹوٹ گیا

پھر کچھ دن بعد شیخ نے کہا کہ "اب کے اس طرح گزرنا کہ ٹوکرا گر جائے اور اس طرح گرے کہ تھوڑا سا کچراان کے اوپر بھی پڑ جائے اور پھر مجھے بتا دینا کہ انہوں نے کیا کہا" اس نے ایسا ہی کیا، شیخ نے پوچھا کہ "اب کیسا ہوا؟" اس نے کہا "جی! اب تو عجیب معاملہ ہوا۔ میں نے جو ٹوکرا گرایا تو تھوڑا ساکوڑاان کے اوپر بھی پڑا اور میں بھی گر گئی۔ میں جو گری تو ان کو اپنے کپڑوں کا تو ہوش نہیں تھا، مجھ سے پوچھنے لگے کہ چوٹ تو نہیں لگی؟" فرمایا کہ "الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل میں جو طاغوت تھا، وہ ٹوٹ گیا۔"

زنجیر مت چھوڑنا

اب ان کو بلا کر ڈیوٹی بدل دی۔ کہا کہ "اب تمہارا وہ حمام کا کام ختم۔ اب تم ہمارے ساتھ رہا کرو۔ وہ اس طرح کہ ہم کبھی کبھی شکار کے لئے جاتے ہیں تو تم ہمارے شکاری کتوں کی زنجیر پکڑ کر ہمارے ساتھ چلا کرو۔" اب ذرا اونچا درجہ عطا ہوا کہ شیخ کے ساتھ صحبت اور ہم رکابی کا شرف بھی عطا ہو رہا ہے، لیکن کتے کی زنجیر تھام کر ساتھ چلنے کا حکم ہے۔ شکار کے دوران کتوں نے کوئی شکار دیکھ لیا اور اس کی طرف جو دوڑے تو چونکہ شیخ کا حکم تھا کہ زنجیر نہ چھوڑنا اس لئے انہوں نے زنجیر نہیں چھوڑی۔ کتے تیز بھاگے جا رہے ہیں اور یہ زنجیر چھوڑتے نہیں۔ اسی حالت میں زمین پر گر گئے اور کتوں کے پیچھے زمین پر گھسٹتے ہوئے چلے جا رہے ہیں جسم پر کئی زخم لگ گئے اور لہولہان ہو گئے۔

وہ دولت آپ کے حوالے کر دی

رات کو شیخ نے اپنے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ "میاں! ہم نے تو تم سے ایسی محنتیں نہیں لی تھیں۔" اس وقت ان کو تنبیہ ہوئی بلایا، اور بلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا "آپ جو دولت لینے آئے تھے اور جو دولت آپ کے گھر سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی تھی۔ الحمدللہ میں نے وہ ساری دولت آپ کے حوالے کر دی۔ دادا کی وراثت آپ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل

وکرم سے اب آپ اطمینان سے وطن واپس تشریف لے جائیں۔"

اصلاح کا اصل مقصد

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرات صوفیائے کرام کا اصل کام اندر کی بیماریوں کا علاج تھا۔ محض وظیفے، ذکر، تسبیح، معمولات نہیں تھیں۔ یہ ذکر، وظیفے، تسبیح معمولات، یہ سب بطور مقویات کے ہیں۔ یہ اصلاح کے عمل میں معاونت کرنے کے لئے کروائے جاتے تھے لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ باطن کی بیماریاں دور ہوں۔ تکبر دل سے نکلے، حسد دل سے نکلے، بغض دل سے نکلے، عجب دل سے نکلے، منافقت دل سے نکلے، دکھاوے کا شوق دل سے نکلے، حب جاہ دل سے نکلے، حب دنیا دل سے نکلے، قلب کو ان چیزوں سے صاف کرنا اصل مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو، اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو، توکل ہو، استقامت ہو، اخلاص ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے تواضع ہو، یہ چیزیں پیدا کرنا تصوف کا اصل مقصود ہے۔

اصلاح باطن ضروری کیوں؟

لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ چیز ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ شریعت ہی کا ایک حصہ ہے۔ شریعت، انسان کے ظاہری اعمال و افعال سے متعلق جتنے احکام ہیں ان کے مجموعے کا نام ہے اور طریقت یا تصوف باطن کے اعمال و افعال سے متعلق احکام کے مجموعے کا نام ہے اور باطن کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے اگر یہ درست نہ ہو تو ظاہری اعمال بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ اخلاص نہیں ہے۔ اخلاص کے کیا معنی ہیں؟ اخلاص کے معنی یہ ہیں ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی فکر کہ انسان جو کام بھی کرے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے۔ یہ ہے اخلاص۔
یہ اخلاص ایک باطنی فعل ہے۔ ایک شخص کو اخلاص حاصل نہیں ہے تو اگر وہ نماز بغیر اخلاص کے پڑھ رہا ہے اور اس لئے پڑھ رہا ہے کہ لوگ مجھے متقی، پرہیزگار سمجھیں، عبادت گزار سمجھیں۔ اب ظاہری اعمال تو درست ہیں، لیکن چونکہ باطن میں اخلاص کی روح نہیں ہے اس واسطے وہ ظاہری اعمال بیکار ہیں، بے مصرف ہیں، گناہ ہیں، کیونکہ

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من صلی برائی فقد اشرک باللہ

(مشکوۃ کتاب الرقاق باب الریاء والسمعۃ حدیث نمبر ۵۳۳۱)

یعنی جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے"

گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ کے بجائے مخلوق کو راضی کرنا چاہتا ہے اس لئے باطن کی اصلاح ظاہری اعمال کو درست کرنے کے لئے بھی لازمی ہے اگر یہ نہیں ہوگی تو ظاہری اعمال بھی بیکار ہو جائیں گے۔

اپنا معالج تلاش کیجئے

ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ بتلایا کہ چونکہ انسان ان چیزوں کی اصلاح خود نہیں کر سکتا، لہذا کوئی معالج تلاش کرنا چاہئے۔ اس معالج کو چاہئے پیر کہہ لو، چاہے شیخ کہہ لو، چاہے استاد کہہ لو، لیکن اصل میں وہ معالج ہے، باطن کی بیماریوں کا ڈاکٹر ہے۔ جب تک انسان یہ نہیں کریگا، اس وقت تک اسی طرح بیماریوں میں مبتلا رہے گا اور اس کے اعمال خراب ہوتے چلے جائیں گے۔

جو باب آگے شروع ہو رہا ہے یہ اس کا تھوڑا سا تعارف تھا۔ اب آگے اخلاق کے جتنے شعبے ہیں، ایک ایک کا بیان اس میں آئے گا کہ اچھے اخلاق کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دنیا سے دل نہ لگاؤ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت : ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر
مقام : جامع مسجد بیت المکرم۔ گلشن اقبال کراچی

دنیا کے یہ اسباب، یہ ساز و سامان جب تک تمہارے چاروں طرف ہیں تو پھر کوئی ڈر نہیں، اس لئے کہ یہ ساز سامان تمہاری زندگی کی کشتی کو چلائیں گے، لیکن جس دن دنیا کا یہ ساز و سامان تمہارے ارد گرد سے ہٹ کر تمہارے دل کی کشتی میں داخل ہو گیا، اس دن یہ تمہیں ڈبو دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا سے دل نہ لگاؤ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ○
(سورۃ الفاطر: ۵)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

دنیا کی راحت دین پر موقوف ہے

ہر مسلمان کے لئے اخلاق باطنہ کی تحصیل ضروری ہے جن کے حاصل کئے بغیر نہ دین درست ہو سکتا ہے۔ اور نہ دنیا درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں دنیا کی درستگی بھی دین کی درستگی پر موقوف ہے، یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ دین کے بغیر بھی دنیا اچھی پرسکون اور راحت و آرام والی ہو جاتی ہے۔ دنیا کے اسباب و وسائل کا حاصل ہو جانا اور بات ہے۔ اور دنیا میں پرسکون زندگی، اطمینان، راحت و آرام اور مسرت کی زندگی حاصل ہو جانا اور بات ہے۔ دنیا کے وسائل و اسباب تو دین کو چھوڑ کر حاصل ہو

جائیں گے، پیسوں کا ڈھیر لگ جائے گا، بنگلے کھڑے ہو جائیں گے۔ کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ کاریں حاصل ہو جائیں گی، لیکن جس کو "دل کا سکون" کہا جاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ دین کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی وجہ سے دنیا کی حقیقی راحت بھی انہی اللہ والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اپنی زندگی کو اللہ جل شانہ کے احکام کے تابع بناتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان اخلاق کی اصلاح نہ ہو، نہ دین درست ہو سکتا ہے۔ اور نہ دنیا درست ہو سکتی ہے۔ ان اخلاق میں سے دو کا بیان پچھلے جمعہ ہو چکا، ایک خوف اور ایک رجا (امید) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

"زھد" کی حقیقت

آج بھی ایک بہت بنیادی اخلاق کا بیان ہے۔ جس کو "زھد" کہا جاتا ہے۔ آپ حضرات نے یہ لفظ بہت سنا ہو گا کہ فلاں شخص بڑا عابد اور زاھد ہے۔ زاھد اس شخص کو کہتے ہیں جس میں "زھد" ہو، اور "زھد" ایک باطنی اخلاق ہے۔ جسے ہر مسلمان کو حاصل کرنا ضروری ہے، اور "زھد" کے معنی ہیں۔ "دنیا سے بے رغبتی" اور "دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہونا" دل دنیا میں اٹکا ہوا نہ ہو، اس کی محبت اس طرح دل میں پیوست نہ ہو کہ ہر وقت اسی کا دھیان اور اسی کا خیال اسی کی فکر ہے اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے اس کا نام "زھد" ہے۔

گناہوں کی جڑ "دنیا کی محبت"

ہر مسلمان کو اس کا حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہو تو پھر صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں نہیں آ سکتی اور جب اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہوتی وہ محبت غلط رخ پر چل پڑتی ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حب الدنیا راس کل خطیئۃ

"دنیا کی محبت ہر گناہ اور معصیت کی جڑ ہے"

(کنز العمال: حدیث نمبر ۶۱۱۴)

جتنے جرائم اور گناہ ہیں اگر انسان ان کی حقیقت میں غور کرے گا تو اس کو یہی نظر آئے گا کہ ان سب میں دنیا کی محبت کار فرما ہے۔ چور کیوں چوری کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہے، اگر کوئی شخص بدکاری کر رہا ہے، تو کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ دنیا کی لذتوں کی محبت دل میں جمی ہوئی ہے۔ شرابی اس لئے شراب نوشی کر رہا ہے کہ وہ دنیاوی لذتوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کسی بھی گناہ کو لے لیجئے۔ اس کے پیچھے دنیا کی محبت کار فرما نظر آئے گی۔ اور جب دنیا کی محبت دل میں سمائی ہوئی ہے تو پھر اللہ کی محبت کیسے داخل ہو سکتی ہے۔

میں ابو بکر کو اپنا محبوب بناتا

یہ دل اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں حقیقی محبت تو صرف ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ ضرورت کے وقت تعلقات تو بہت سے لوگوں سے قائم ہو جائیں گے۔ لیکن حقیقی محبت ایک ہی کی سما سکتی ہے۔ جب ایک کی محبت آگئی تو پھر دوسرے کی محبت اس درجے میں نہیں آسکے گی۔ اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

لو کنت متخذا خلیلاً لتخذت ابابکر خلیلاً

(صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد، حدیث نمبر ۴۶۶)

اگر میں اس دنیا میں کسی کو اپنا محبوب بناتا تو "ابو بکر" (رضی اللہ عنہ) کو بناتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ علیہ سے اس درجہ تعلق تھا کہ دنیا میں ایسا تعلق کسی اور سے نہیں ہوا، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی ہے، جیسے کہ ایک آئینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس آئینے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس نظر آئے، اور پھر کہا جائے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آئینے میں جو عکس ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مقام تھا...... لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کو اپنا محبوب بناتا ہوں، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا

محبوب بنانا تو ان کو بناتا، لیکن میرے محبوب حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، اور جب وہ محبوب بن گئے تو دوسرے کے ساتھ حقیقی محبت کے لئے دل میں جگہ نہ رہی۔ البتہ تعلقات دوسروں سے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ ہوتے بھی ہیں، مثلاً بیوی سے تعلق، بچوں سے تعلق، ماں سے تعلق، باپ سے تعلق، بھائی سے تعلق، بہن سے تعلق، مگر یہ تعلقات اس محبت کے تابع ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حقیقی محبت دل میں ہوتی ہے۔

دل میں صرف ایک کی محبت سما سکتی ہے

لہٰذا دل میں حقیقی محبت یا تو اللہ تعالیٰ کی ہوگی، یا دنیا کی ہوگی دونوں محبتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

یعنی دنیا کی محبت بھی دل میں سمائی ہوئی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی سمائی ہوئی ہو، یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ یہ صرف خیال ہے اور محال ہے اور جنون ہے، اس واسطے اگر دل میں دنیا کی محبت سما گئی تو پھر اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ جب اللہ کی محبت نہیں ہوگی تو پھر دین کے جتنے کام ہیں، وہ سب محبت کے بغیر بے روح ہیں، بے حقیقت ہیں، ان کے ادا کرنے میں پریشانی دشواری اور مشقت ہوگی اور صحیح معنی میں وہ دین کے کام انجام نہیں پا سکیں گے۔ بلکہ قدم قدم پر آدمی ٹھوکریں کھائے گا، اس لئے کہا گیا کہ انسان دل میں دنیا کی محبت کو جگہ نہ دے۔ اسی کا نام "زھد" ہے اور "زھد" کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے، دنیا کے اندر بھی رہنا ہے جب بھوک لگتی ہے کہ تو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی ضرورت پیش آتی ہے سر چھپانے اور رہنے

کے لئے گھر کی بھی ضرورت ہے کسب معاش کی بھی ضرورت ہے، لیکن اب سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کام بھی انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان دنیا کے اندر بھی رہے، اور دنیا کی ضروریات بھی پوری کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل میں دنیا نہ آئے، دل میں دنیا سے بے رغبتی پائی جائے۔ ان دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل نظر آتا ہے، یہی وہ کام ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین آکر سکھاتے ہیں کہ کس طرح تم دنیا میں رہو، اور دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دو، ایک حقیقی مسلمان دنیا کے اندر بھی رہے گا، دنیا والوں سے تعلق بھی قائم کرے گا۔ حقوق بھی ادا کرے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی محبت سے بھی پرہیز کرے گا حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

یہ کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی دنیا میں رہے، دنیا سے گزرے، دنیا کو برتے، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ آئے؟

دنیا کی مثال

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے سمجھایا ہے اور بڑی پیاری مثال دی ہے، فرماتے ہیں کہ دنیا کے بغیر انسان کا گزارہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے بے شمار ضرورتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے، اور دنیا کی مثال پانی جیسی ہے جیسے پانی کے بغیر کشتی نہیں چل سکتی، اس لئے کہ اگر کوئی شخص خشکی پر کشتی چلانا چاہے تو نہیں چلے گی، اسی طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے دنیا ضروری ہے، انسان کو زندہ رہنے کے لئے پیسہ چاہئے، کھانا چاہئے، پانی چاہئے، مکان چاہئے، کپڑا چاہئے، اور ان سب چیزوں کی اس کو ضرورت ہے، اور یہ سب چیزیں دنیا ہیں...... لیکن جس طرح پانی کشتی کے لئے اس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک کہ وہ پانی کشتی کے نیچے ہے اور اس کے دائیں طرف اور بائیں طرف ہے اس کے آگے اور پیچھے ہے وہ پانی اس کشتی کو چلائے گا۔ لیکن اگر وہ پانی دائیں بائیں

کے بجائے کشتی کے اندر داخل ہو گیا تو وہ کشتی کو ڈبو دے گا، تباہ کر دے گا۔

اسی طرح دنیا کا یہ اسباب اور دنیا کا یہ ساز و سامان جب تک تمہارے چاروں طرف ہے تو پھر کوئی ڈر نہیں ہے اس لئے کہ یہ ساز و سامان تمہاری زندگی کی کشتی کو چلائے گا۔ لیکن جس دن دنیا کا یہ ساز و سامان تمہارے اردگرد سے ہٹ کر تمہارے دل کی کشتی میں داخل ہو گیا، اس دن تمہیں ڈبو دے گا، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

یعنی جب تک پانی کشتی کے اردگرد ہو تو وہ کشتی کو چلاتا ہے، اور دھکا دیتا ہے، لیکن وہ اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو وہ کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔

دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

لہٰذا "زہد" اسی کا نام ہے کہ یہ دنیا تمہارے چاروں طرف اور اردگرد رہے، لیکن اس کی محبت تمہارے دل میں داخل نہ ہو، اس لئے کہ اگر دنیا کی محبت دل میں داخل ہو گئی تو پھر اللہ کی محبت کے لئے دل میں جگہ نہیں چھوڑے گی، اور اللہ کی محبت دنیا کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، غالباً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ شعر منسوب فرماتے تھے وہ انہی کے مقام کا شعر ہے، فرماتے کہ۔

بھر رہا ہے دل میں حب جاہ و مال
کب سماوے اس میں حب ذوالجلال

یعنی جب مال و جاہ اور منصب کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے سما سکتی ہے اس لئے حکم یہ ہے کہ اس دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو، دنیا کو نکالنا ضروری نہیں، دنیا کو ترک کرنا ضروری نہیں، لیکن دنیا کی محبت نکالنا ضروری ہے، اگر دنیا ہو، لیکن بغیر محبت کی ہو تو وہ دنیا نقصان دہ نہیں ہے۔

دنیا کی مثال "بیت الخلاء" ہے

عام طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک طرف تو انسان اس دنیا کو ضروری بھی سمجھے، اور اس کی اہمیت بھی ہو، لیکن دل میں اس کی محبت نہ ہو، اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔ آپ جب ایک مکان بناتے ہیں، تو اس مکان کے مختلف حصے ہوتے ہیں ایک سونے کا کمرہ ہوتا ہے، ایک ملاقات کا کمرہ ہوتا ہے ایک کھانے کا کمرہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اسی مکان میں آپ ایک بیت الخلاء بھی بناتے ہیں اور بیت الخلاء کے بغیر وہ مکان نامکمل ہے، اگر ایک مکان بڑا شاندار بنا ہوا ہے کمرے اچھے ہیں بیڈ روم بڑا اچھا ہے، ڈرائنگ روم بہت اعلیٰ ہے کھانے کا کمرہ اچھا ہے اور پورے گھر میں بڑا شاندار اور قیمتی قسم کا فرنیچر لگا ہوا ہے۔ مگر اس میں بیت الخلاء نہیں ہے، بتایئے: کہ وہ مکان مکمل ہے یا ادھورا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مکان ناقص ہے، اس لئے کہ بیت الخلاء کے بغیر کوئی مکان مکمل نہیں ہو سکتا، لیکن یہ بتایئے کہ کیا کوئی انسان ایسا ہو گا، کہ اس کا دل بیت الخلاء سے اس طرح اٹکا ہوا ہو کہ ہر وقت اس کے دماغ میں یہی خیال رہے کہ کب میں بیت الخلاء جاؤں گا، اور کب اس میں بیٹھوں گا اور کس طرح بیٹھوں گا۔ اور کتنی دیر بیٹھوں گا، اور کب واپس نکلوں گا، ہر وقت اس کے دل و دماغ پر بیت الخلاء چھایا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ کوئی انسان بھی بیت الخلاء کو اپنے دل و دماغ پر اس طرح سوار نہیں کرے گا اور کبھی اس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے گا۔ اگرچہ وہ جانتا ہے کہ بیت الخلاء ضروری چیز ہے اس کے بغیر چارہ کار نہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس کے بارے میں ہر وقت یہ نہیں سوچے گا کہ میں بیت الخلاء کو کس طرح آراستہ کروں۔ اور آرام دہ بناؤں، اس لئے کہ اس بیت الخلاء کی محبت دل میں نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے

دین کی تعلیم بھی درحقیقت یہ ہے کہ یہ سارے مال و اسباب کا بھی یہ حال ہے کہ وہ سب ضروری تو ہیں، اور ایسے ہی ضروری ہیں جیسے بیت الخلاء ضروری ہوتا ہے لیکن اس کی فکر، اس کی محبت، اس کا خیال دل و دماغ پر سوار نہ ہو جائے، بس دنیا کی حقیقت یہ ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اس بات کا استحضار بار بار کرے کہ

اس دنیا کی حقیقت کیا ہے، یہ آیت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا:

"یَآیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا، وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ" (سورۃ الفاطر: ۵)

اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، کیا وعدہ ہے؟ وہ وعدہ یہ ہے کہ ایک دن مرو گے، اور اس کے سامنے پیشی ہوگی، اور پھر تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا، لہٰذا دنیاوی زندگی تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور وہ دھوکے باز یعنی شیطان تمہیں اللہ سے دھوکے میں نہ ڈالے...... شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہو، مگر اس سے دھوکہ نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ دار الامتحان ہے، جس میں بہت سے مناظر ایسے ہیں جو انسان کا دل لبھاتے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اس لئے ان دل لبھانے والے مناظر کی محبت کو خاطر میں نہ لاؤ، اگر دنیا کا ساز و سامان جمع ہو بھی گیا تو کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ دل اس کے ساتھ اٹکا ہوا نہ ہو۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کچھ لطیف قوتیں ان کے پاس بھیج دیتے ہیں، اور ان لطیف قوتوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کو دنیا کی محبت سے نکال کر اپنی محبت کی طرف بلایا جائے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ سے سنا، فرمایا کہ شیخ فرید الدین عطار یونانی دواؤں اور عطر کے بہت بڑے تاجر تھے، اور اسی وجہ سے ان کو "عطار" کہا جاتا ہے دواؤں اور عطر کی بہت بڑی دکان تھی۔ کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا، اور اس وقت وہ ایک عام قسم کے دنیادار تاجر تھے، ایک دن دکان پر بیٹھے ہوئے تھے، اور دکان دواؤں اور عطر کی شیشیوں سے بھری ہوئی تھی، اتنے میں ایک مجذوب قسم کا درویش اور ملنگ آدمی دکان پر آگیا۔ اور دکان میں داخل ہو گیا، اور کھڑا ہو کر

پوری دکان میں کبھی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھتا، اور کبھی دائیں سے بائیں طرف دیکھتا، اور دواؤں کا معائنہ کرتا رہا۔ کبھی ایک شیشی کو دیکھتا، کبھی دوسری شیشی کو دیکھتا۔ جب کافی دیر اس طرح دیکھتے ہوئے گزر گئی تو شیخ فرید الدین نے اس سے پوچھا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟ اس درویش نے جواب دیا کہ بس ویسے ہی یہ شیشیاں دیکھ رہا ہوں، شیخ فرید الدین نے پوچھا کہ تمہیں کچھ خریدنا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے کچھ خریدنا تو نہیں ہے۔ بس ویسے ہی دیکھ رہا ہوں، اور پھر ادھر ادھر الماری میں رکھی شیشیوں کی طرف نظر دوڑاتا رہا، بار بار دیکھتا رہا۔ پھر شیخ فرید الدین نے پوچھا کہ بھائی! آخر تم کیا دیکھ رہے ہو؟ اس درویش نے کہا کہ میں اصل میں یہ دیکھ رہا ہوں جب آپ مریں گے تو آپ کی جان کیسے نکلے گی؟ اس لئے کہ آپ نے یہاں اتنی ساری شیشیاں رکھی ہوئی ہیں۔ جب آپ مرنے لگیں گے اور آپ کی روح نکلنے لگے گی تو اس وقت آپ کی روح کبھی ایک شیشی میں داخل ہو جائے گی کبھی دوسری شیشی میں داخل ہو جائے گی۔ اور اس کو باہر نکلنے کا راستہ کیسے ملے گا؟

اب ظاہر ہے کہ شیخ فرید الدین عطار اس وقت چونکہ ایک دنیا دار تاجر تھے، یہ باتیں سن کر غصہ آگیا۔ اور اس سے کہا کہ تو میری جان کی فکر کر رہا ہے۔ تیری جان کیسے نکلے گی؟ جیسے تیری جان نکلے گی۔ ویسے میری بھی نکل جائے گی۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میری جان نکلنے میں کیا پریشانی ہے۔ اس لئے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے نہ میرے پاس تجارت ہے نہ دوکان ہے اور نہ شیشیاں ہیں۔ نہ ساز و سامان ہے میری جان تو اس طرح نکلے گی .... بس اتنا کہہ کر وہ درویش دوکان کے باہر نیچے زمین پر لیٹ گیا اور کلمہ شہادت، "اشهد ان لا الہ الا اللہ واشهد ان محمداً رسول اللہ" کہا، اور روح پرواز کر گئی۔

بس! یہ واقعہ دیکھنا تھا کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ واقعۃً میں تو دن رات اسی دنیا کے کاروبار میں منہمک ہوں، اور اسی میں لگا ہوا ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف دھیان نہیں ہے، اور یہ ایک اللہ کا بندہ سبک سیر طریقے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلا گیا۔ بہر حال، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ایک لطیفہ غیبی تھا، جو ان کی ہدایت کا سبب بن گیا، بس! اسی دن اپنا سب کاروبار چھوڑ کر دوسروں کے حوالے کیا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور اسی راستے پر لگ کر اتنے بڑے شیخ بن گئے کہ دنیا کی ہدایت کا سامان بن گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک علاقے کے بادشاہ تھے رات کو دیکھا کہ ان کے محل کی چھت پر ایک آدمی ٹہل رہا ہے۔ یہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی چور ہے۔ اور چوری کی نیت سے یہاں آیا ہے، پکڑ کر اس سے پوچھا کہ تم اس وقت یہاں کہاں سے آگئے؟ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ اصل میں میرا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے اونٹ تلاش کر رہا ہوں، حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ تمہارا دماغ صحیح ہے؟ اونٹ کہاں۔ اور محل کی چھت کہاں، اگر تیرا اونٹ گم ہوگیا ہے تو پھر جنگل میں جاکر تلاش کر، یہاں محل کی چھت پر اونٹ تلاش کرنا بڑی حماقت ہے تم احمق انسان ہو۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل کی چھت پر اونٹ نہیں مل سکتا۔ تو پھر اس محل میں خدا بھی نہیں مل سکتا۔ اگر میں احمق ہوں تو تم مجھ سے زیادہ احمق ہو۔ اس لئے کہ اس محل میں رہ کر خدا کو تلاش کرنا اس سے بڑی حماقت ہے ـ بس اس کا یہ کہنا تھا کہ دل پر ایک چوٹ لگی، اور سب بادشاہت وغیرہ چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ بہر حال! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ غیبی تھا۔

اس سے سبق حاصل کریں

ہم جیسے لوگوں کے لئے اس واقعہ سے یہ سبق لینا تو درست نہیں ہے کہ جس طرح وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے نکل پڑے۔ ہم بھی ان کی طرح نکل جائیں، ہم جیسے کم ظرف لوگوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں لیکن اس واقعہ سے جو بات سبق لینے کی ہے وہ یہ کہ اگر انسان کا دل دنیا کے ساز و سامان میں دنیا کے راحت و آرام میں اٹکا ہوا ہو۔ اور صبح سے شام تک دنیا حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہو۔ ایسے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں آتی۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل

میں آجاتی ہے تو دنیا کا یہ ساز و سامان انسان کے پاس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن دل اس کے ساتھ اٹکا نہیں ہوتا۔

میرے والد ماجد اور دنیا کی محبت

میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین..... اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی ذات میں شریعت اور طریقت کے بے شمار نمونے دکھا دیئے۔ اگر ہم ان کو نہ دیکھتے تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی کہ سنت کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ انہوں نے دنیا میں رہ کر سب کام کئے، درس و تدریس انہوں کی۔ فتوے انہوں نے لکھے۔ تصنیف انہوں کی، وعظ و تبلیغ انہوں نے کی۔ پیری مریدی انہوں نے کی، اور ساتھ ساتھ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے عیلداری کے حقوق ادا کرنے کے لئے تجارت بھی کی، لیکن یہ سب ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کے دل میں دنیا کی محبت ایک رائی کے دانے کے برابر بھی داخل نہیں ہوئی۔

وہ باغ میرے دل سے نکل گیا

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو چمن کاری کا بست شوق تھا۔ چنانچہ پاکستان بننے سے پہلے دیو بند ہی میں بڑے شوق سے ایک باغ لگایا. دارالعلوم دیو بند میں ملازمت کے دوران تنخواہ کم اور عیال زیادہ تھے۔ اس تنخواہ سے گزارہ بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ لیکن تنخواہ سے بڑی مشکل سے کچھ انتظام کر کے آم کا باغ لگایا اور اس باغ میں پہلی مرتبہ پھل آرہا تھا، کہ اسی سال پاکستان بننے کا اعلان ہو گیا اور آپ نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور اس باغ اور مکان پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں حضرت والد صاحب کی زبان سے اکثر یہ جملہ سنا کہ "جس دن میں نے اس گھر اور باغ سے قدم نکالا، اس دن سے وہ باغ اور گھر میرے دل سے نکل گئے، ایک مرتبہ کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے کیسا باغ لگایا تھا، اور کیسا گھر بنایا!

تھا۔ " وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ سارے کام ضرور کئے تھے۔ لیکن ان کا مقصد اداء حق تھا۔ اور دل ان کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔

دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔

ساری عمر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول دیکھا کہ جب کبھی کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں بلاوجہ آپ سے جھگڑا شروع کرتا تو والد صاحب اگرچہ حق پر ہوتے۔ لیکن ہمیشہ آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ اس سے فرماتے کہ ارے بھائی جھگڑا چھوڑو، اور یہ چیز لے جاؤ۔ اپنا حق چھوڑ دیتے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے کہ:

انا زعیم ببیت فی ربض الجنۃ لمن ترک المراء وان کان محقاً

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، حدیث نمبر ۴۸۰۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو جنت کے اطراف میں گھر دلانے کا ذمہ دار ہوں، جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے ...... حضرت والد صاحب کو ساری عمر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ...... بعض اوقات ہمیں یہ تردد ہوتا کہ آپ حق پر تھے۔ اگر اصرار کرتے تو حق مل بھی جاتا۔ لیکن آپ چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا عطا فرمائی، اور ایسے لوگوں کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

اتتہ الدنیا وھی راغمۃ

(ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الھم بالدنیا، حدیث نمبر ۴۱۵۷)

یعنی جو شخص ایک مرتبہ اس دنیا کی طلب سے منہ پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دنیا ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ وہ دنیا اس کے پاؤں سے لگی پھرتی ہے، لیکن اس کے دل میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔

دنیا مثل سائے کے ہے

کسی شخص نے دنیا کی بڑی اچھی مثال دی ہے، فرمایا کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سایا، اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اپنے سائے کا تعاقب کروں، اور اس کو پکڑ لوں۔ تو نتیجہ یہ ہوگا وہ اپنے سائے کے پیچھے جتنا دوڑے گا۔ وہ سایہ اور آگے دوڑتا چلا جائے گا۔ کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا۔ لیکن اگر انسان اپنے سائے سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دے تو پھر سایہ اس کے پیچھے پیچھے آئے گا...... اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی ایسا ہی بنایا ہے کہ اگر دنیا کے طالب بن کر اور اس کی محبت دل میں لے کر اس کے پیچھے بھاگو گے تو وہ دنیا تم سے آگے آگے بھاگے گی۔ تم کبھی اس کو پکڑ نہیں سکو گے۔ لیکن جس دن ایک مرتبہ تم نے اس کی طلب سے منہ موڑ لیا۔ تو پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ذلیل کر کے لاتے ہیں بے شمار مثالیں ایسی ہوئی ہیں کہ دنیا اس کے پاس آتی ہے۔ اور وہ اسکو ٹھوکر مار دیتا ہے۔ لیکن پھر وہ دنیا پھر بھی پاؤں میں پڑتی ہے۔ اس کے لئے ایک مرتبہ سچے دل سے اس دنیا کی طلب سے منہ موڑنا ضروری ہے۔ اور یہ بات دنیا کی حقیقت سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا کی حقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں بیان فرمادی۔ ان احادیث کو پڑھ کر دنیا کی محبت دل سے نکالنے کی فکر کرنی چاہئے۔

بحرین سے مال کی آمد

عن عمرو بن عوف الانصاری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث ابا عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ الی البحرین۔ الخ۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۴۲۵)

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا اور ان کو یہ کام بھی سپرد کیا کہ وہاں کے کفار اور مشرکین پر جو جزیہ اور ٹیکس واجب ہے وہ ان سے وصول کر کے لایا کریں، چنانچہ ایک مرتبہ یہ بحرین سے ٹیکس اور جزیہ کا مال لے کر مدینہ

طیبہ حاضر ہوئے، وہ مال نقدی کی شکل میں بھی ہوتا تھا، کپڑے کی شکل میں بھی ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ وہ جزیہ کا مال صحابہ کرام کے درمیان تقسیم فرما دیا کرتے تھے چنانچہ جب کچھ انصاری صحابہ کو پتہ چلا کہ حضرت عبیدہ بحرین سے مال لائے ہیں تو وہ انصاری صحابہ فجر کی نماز میں مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر کی طرف تشریف لے جانے لگے تو وہ انصاری صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئے، اور زبان سے کچھ نہیں کہا، سامنے آنے کا مقصد یہ تھا کہ جو مال بحرین سے آیا ہوا ہے وہ ہمارے درمیان تقسیم فرما دیں.... یہ وہ زمانہ تھا جس میں صحابہ کرام تنگ دستی کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے، کئی کئی وقتوں کے فاقے گزر تے تھے، پہننے کو کپڑا موجود نہیں تھا۔ انتہائی تنگی کا زمانہ تھا..... جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو دیکھا کہ اس طرح سامنے آگئے ہیں تو آپ نے تبسم فرمایا، اور سمجھ گئے کہ یہ حضرات اس مال کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ عبیدہ بن جراح بحرین سے کچھ سامان لے کر آئے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان سے یہ فرمایا کہ خوشخبری سن لو کہ تمہیں خوش کرنے والی چیز ملنے والی ہے، وہ مال تمہیں مل جائے گا ــــــ

تم پر فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ صحابہ کرام کا اس طرح آنا، اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرنا، اور اس بات کا انتظار کرنا یہ مال ہمیں ملنے والا ہے، یہ عمل کہیں انکے دل میں دنیا کی محبت پیدا نہ کر دے، اس لئے آپ نے ان کو خوش خبری سنانے کے فوراً بعد فرمایا کہ:

فو اللہ ما الفقر اخشی علیکم، ولکنی اخشی ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم، فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما اھلکتھم۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا، رقم ۶۴۲۵)

خدا کی قسم، مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے، یعنی اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تمہارے اوپر فقر و فاقہ گزرے گا۔ اور تم تنگ عیشی کے اندر مبتلا ہو جاؤ گے، اور مشقت اور پریشانی ہو گی، اس لئے کہ اب تو ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ انشاء اللہ مسلمانوں میں کشادگی اور فراخی ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کے حصے کا سارا فقر و فاقہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جھیل گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور اس وقت ہمارا کھانا صرف دو چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا، ایک کھجور اور ایک پانی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی تناول نہیں فرمائی، گندم تو میسر ہی نہیں تھی۔ جو کی روٹی کا یہ حال تھا، لہٰذا فقر و فاقہ تو خود سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم جھیل گئے۔

صحابہ کے زمانے میں تنگ عیشی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس زمانے ہمارا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں چھینٹ کا کپڑا کہیں سے تحفے میں آگیا۔ یہ ایک خاص قسم کا نقش و نگار والا سوتی کپڑا تھا۔ اور کوئی بہت زیادہ قیمتی کپڑا نہیں تھا۔ لیکن پورے مدینہ منورہ میں جب بھی کسی کی شادی ہوتی، اور کسی عورت کو دلہن بنایا جاتا تو اس وقت میرے پاس یہ فرمائش آتی کہ وہ چھینٹ کا کپڑا عاریۃً ہمیں دے دیں۔ تاکہ ہم اپنی دلہن کو پہنائیں۔ چنانچہ شادیوں کے موقع پر وہ کپڑا دلہنوں کو پہنایا جاتا تھا...... بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آج اس جیسے بہت سے کپڑے بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں۔ اور وہی کپڑا آج اگر میں اپنی باندی کو بھی دیتی ہوں تو وہ بھی ناک منہ چڑھاتی ہے کہ میں تو یہ کپڑا نہیں پہنتی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتنی تنگ عیشی تھی اور اب کتنی فراوانی ہے۔

یہ دنیا تمہیں ہلاک نہ کر دے

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں اولاً تو امت پر

عام فقر و فاقہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد عام فقر و فاقہ نہیں آیا، بلکہ کشادگی کا دور آتا چلا گیا، اور آپ نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر فقر و فاقہ آ بھی گیا تو اس فقر و فاقہ سے مجھے نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دنیاوی تکلیف ہوگی، لیکن اس سے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ البتہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ تمہارے اوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح پچھلی امتوں پر پھیلا دی گئی اور تمہارے چاروں طرف دنیا کے ساز و سامان اور مال و دولت کے انبار لگے ہوں گے اور اس وقت تم ایک دوسرے سے ریس کرو گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو گے اور یہ سوچو گے کہ فلاں شخص کا جیسا بنگلہ ہے میرا بھی ویسا ہی ہو جائے، فلاں شخص کی جیسی کار ہے، میرے پاس بھی ویسی ہو جائے، فلاں شخص کے جیسے کپڑے ہیں میرے بھی ویسے ہو جائیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھنے کی خواہش ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ دنیا تمہیں اس طرح ہلاک کر دے گی جس طرح پچھلی امتوں کو ہلاک کر دیا۔

جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے؟ صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ قالین تو بہت دور کی بات ہے ہمیں تو بیٹھنے کے لئے کھجور کے پتوں کی چٹائی بھی میسر نہیں ہے، ننگے فرش پر سونا پڑتا ہے، لہٰذا قالین کہاں، اور ہم کہاں؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ!

انا لنا الا نماط، قال انها ستکون

قالین ہمارے پاس کہاں سے آئیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ آج تو تمہارے پاس قالین نہیں ہیں۔ لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارے پاس قالین ہوں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب دلائل النبوۃ، حدیث نمبر ۳۶۳۱)

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم پر فقر کا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے اس وقت کا ڈر ہے جب تمہارے نیچے قالین بچھے ہوں گے اور دنیاوی ساز و سامان کی ریل پیل ہوگی اور تمہارے چاروں طرف دنیا پھیلی ہوئی ہوگی اس وقت تم کہیں اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کر دو، اور اس وقت تم پر کہیں دنیا غالب نہ آ جائے۔

جنت کے رومال اس سے بہتر ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شام سے ریشمی کپڑا آ گیا، ایسا کپڑا صحابہ کرام نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے صحابہ کرام اٹھ اٹھ کر ہاتھ لگا کر اس کو دیکھنے لگے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام اس کپڑے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں تو آپ ؐ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ

"لمناديل سعد بن معاذ في الجنة افضل من هذا"

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی صفة الجنة، حدیث نمبر ۳۲۴۹)

"کیا اس کپڑے کو دیکھ کر تمہیں تعجب ہو رہا ہے اور کیا یہ کپڑا تمہیں بہت پسند آ رہا ہے؟ ارے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو رومال عطا فرمائے ہیں وہ اس کپڑے سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ گویا کہ آپ ؐ نے فوراً دنیا سے صحابہ کرام کی توجہ ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی محبت تمہیں دھوکے میں ڈال دے اور تم آخرت کی نعمتوں سے غافل ہو جاؤ، قدم قدم پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی کہ یہ دنیا بے حقیقت ہے، یہ دنیا ناپائیدار ہے اس دنیا کی لذتیں، اس کی نعمتیں سب فانی ہیں اور یہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں۔

پوری دنیا مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة"

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، حدیث نمبر ۲۲۲۱)

یعنی اگر اس دنیا کی حقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا کی دولت کافروں کو خوب مل رہی ہے اور وہ خوب مزے اڑا رہے ہیں باوجود یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، مگر پھر بھی دنیا ان کو ملی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حقیقت ہے پوری دنیا کی حیثیت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہے اگر اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا جاتا۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے، راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک بکری کا مرا ہوا کان کٹا بچہ پڑا ہوا ہے، اور اس کی بدبو پھیل رہی ہے۔ آپ نے بکری کے اس مردہ بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ بچہ اگر زندہ بھی ہوتا تب بھی کوئی شخص اس کو ایک درہم میں لینے کے لئے تیار نہ ہوتا، اس لئے کہ یہ عیب دار بچہ تھا۔ اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لاش کو لے کر ہم کیا کرینگے؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ، یہ ساری دنیا اور اس کے مال و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حقیقت اور بے حیثیت ہے۔ جتنا بکری کا یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک بے حقیقت ہے۔

ساری دنیا ان کی غلام ہو گئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات صحابہ کرام کے دلوں میں بٹھا دی کہ دنیا سے دل مت لگاؤ، دنیا کی طرف رغبت کا اظہار مت کرو، ضرورت کے وقت دنیا کو استعمال ضرور کرو، لیکن محبت نہ کرو، یہی وجہ ہے کہ جب دنیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل سے نکل گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ان کا غلام بنا دیا، کسریٰ ان کے قدموں میں آکر ڈھیر ہوا قیصر ان کی قدموں میں آکر ڈھیر ہوا، اور انہوں نے ان کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھی۔

شام کے گورنر حضرت عبیدہ بن جراح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنا دیا گیا، اس لئے کہ شام کا اکثر علاقہ انہوں نے ہی فتح کیا تھا، اس وقت شام ایک بہت بڑا علاقہ تھا آج اس شام کے علاقے میں چار ممالک ہیں یعنی شام، اردن، فلسطین، لبنان اور اس وقت یہ چاروں مل کر اسلامی ریاست کا ایک صوبہ تھا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اس کے گورنر تھے اور شام کا صوبہ بڑا زرخیز تھا۔ مال و دولت کی ریل پیل تھی۔ اور روم کا پسندیدہ اور چہیتا علاقہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سارے عالم اسلام کی نگران کر رہے تھے، چنانچہ وہ ایک مرتبہ معائنہ کے لئے شام کے دورہ پر تشریف لائے، شام کے دورہ کے دوران ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو عبیدہ، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں، جہاں تم رہتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ تھا کہ ابو عبیدہ اتنے بڑے صوبے کے گورنر بن گئے ہیں اور یہاں مال و دولت کی ریل پیل ہے اس لئے ان کا گھر دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کیا کچھ جمع کیا ہے۔

شام کے گورنر کی رہائش گاہ

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین! آپ میرے گھر کو دیکھ کر کیا کریں گے اس لئے کہ جب آپ میرے گھر کو دیکھیں گے تو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ امیر المومنین کو لے کر چلے، شہر کے اندر سے گزر رہے تھے، جاتے جاتے جب شہر کی آبادی ختم ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں لے جا رہے ہو؟ حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ بس اب تو قریب ہے۔ چنانچہ پورا دمشق شہر جو دنیا کے مال و اسباب سے جگمگ کر رہا تھا، گزر گیا تو آخر میں لے جا کر کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک جھونپڑا دکھایا، اور فرمایا کہ امیر المومنین، میں اس میں رہتا

ہوں، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا تو وہاں سوائے ایک مصلے کے کوئی چیز نظر نہیں آئی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے ابو عبیدہ! تم اس میں رہتے ہو؟ یہاں تو کوئی ساز و سامان، کوئی برتن، کوئی کھانے پینے اور سونے کا انتظام کچھ بھی نہیں ہے، تم یہاں کیسے رہتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین الحمد للہ میری ضرورت کے سارے سامان میسر ہیں یہ مصلی ہے، اس پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور رات کو اس پر سو جاتا ہوں اور پھر اپنا ہاتھ اوپر چھپر کی طرف بڑھایا اور وہاں سے ایک پیالہ نکالا، جو نظر نہیں آ رہا تھا، اور وہ پیالہ نکال کر دکھایا کہ امیر المومنین، برتن یہ ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس برتن کو دیکھا تو اس میں پانی بھرا ہوا تھا اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے، اور پھر حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ امیر المومنین، میں دن رات تو حکومت کے سرکاری کاموں میں مصروف رہتا ہوں، کھانے وغیرہ کے انتظام کرنے کی فرصت نہیں ہوتی ایک خاتون میرے لئے دو تین دن کی روٹی ایک وقت میں پکا دیتی ہے، میں اس روٹی کو رکھ لیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتی ہے تو میں اس کو پانی میں ڈبو دیتا ہوں اور رات کو سوتے وقت کھا لیتا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ صفحہ ۷)

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امیر المومنین، میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میرا مکان دیکھنے کے بعد آپ کو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو عبیدہ! اس دنیا کی ریل پیل نے ہم سب کو بدل دیا، مگر خدا کی قسم تم ویسے ہی ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے، اس دنیا نے تم پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ حقیقت میں یہی لوگ اس کے مصداق ہیں کہ ۔

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

ساری دنیا آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی دلکشیاں بھی سامنے ہیں اور اس کی رعنائیاں بھی سامنے ہیں اور دوسرے لوگ جو دنیا کی ریل پیل میں گھرے ہوئے ہیں وہ سب سامنے ہیں لیکن آنکھوں میں کوئی جچتا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کی محبت اس طرح دل پر چھائی ہوئی ہے کہ ساری دنیا کے جگ مگ کرتے ہوئے مناظر دھوکہ نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ کی محبت ہر وقت دل و دماغ پر مسلط اور طاری ہے، ہمارے حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

(مجذوب)

یہ صحابہ کرام تھے جن کے قدموں میں دنیا ذلیل ہو کر آئی۔ لیکن دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہیں دی۔ حقیقت میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تھی۔ آپؐ نے بار بار صحابہ کرامؓ کو دنیا کی حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ اور بار بار دنیا کی بے ثباتی کی طرف اور آخرت کی ابدی اور دائمی نعمتوں اور عذابوں کی طرف متوجہ کیا جس سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں۔

ایک دن مرنا ہے

انسان ذرا سوچے تو سہی تو یہ دنیا کس وقت تک کی ہے ایک دن کی، دو دن کی، تین دن کی، کسی کو پتہ ہے کہ کب تک اس دنیا میں رہوں گا؟ کیا اس کو یقین ہے کہ میں اگلے گھنٹے بلکہ اگلے لمحے زندہ رہوں گا؟ بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا فلسفی، بڑے سے بڑا صاحب اقتدار یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کتنی ہے؟ لیکن اس کے باوجود انسان دنیا کا ساز و سامان اکٹھا کرنے میں لگا ہوا ہے اور دن رات دنیا کی دوڑ دھوپ لگی ہے اور صبح سے شام تک اسی کا چکر چل رہا ہے اور جس دن بلاوا آئے گا سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے گا کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی۔

"دنیا" دھوکے کا سامان ہے

لہٰذا قرآن کریم کی یہ آیت:

"وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"

(سورۃ حدید: ۲۰)

یہ بتارہی ہے کہ دنیاوی زندگی دھوکے کا سودا ہے اس دھوکے کے سودے میں اس طرح نہ پڑجانا کہ وہ تمہیں آخرت سے غافل کردے اس دنیا سے ضرور گزرو مگر اس سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر یہ بات دل میں اتر جائے تو پھر چاہے تمہاری کوٹھیاں کھڑی ہوں یا بنگلے ہوں یا مال ہوں۔ یا دنیا کا ساز سامان ہو یا مال و دولت ہو اور بنک بیلنس ہو لیکن ان کی محبت دل میں نہیں ہے تو پھر زاہد ہو الحمد للہ پھر تمہیں زہد کی نعمت حاصل ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ خسارے کا سودا اس شخص کا ہے جس نے دنیا میں کمایا تو کچھ بھی نہیں اور قلاش ہے مگر دل میں دنیا کی محبت بھری ہے تو اس شخص کو زھد حاصل نہیں ہے اس کو زاھد نہیں کہیں گے اس لئے کہ دنیا کی عشق و محبت میں جتلا ہے اور ایسا شخص بڑے خسارے میں ہے۔

"زھد" کیسے حاصل ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیز کیسے حاصل ہو؟ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان قرآن و حدیث کے ان ارشادات پر غور کرے اور موت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا مراقبہ کرے اور آخرت کی نعمتوں کا، آخرت کے عذاب کا، دنیا کی بے ثباتی کا مراقبہ کرے اور اس کے لئے روزانہ پانچ دس منٹ کا وقت نکالے۔ اس سے رفتہ رفتہ دنیا کی محبت دل سے زائل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : جسٹس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن

تاریخ وقت : ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز مغرب:

مولانا رومی" فرماتے ہیں کہ دنیا جب تک انسان کے اردگرد ہے، اسکے چاروں طرف ہے، اور انسان اس سے اپنی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ کھا رہا ہے، پی رہا ہے، کما رہا ہے، اس وقت تک وہ اس کے لئے بہترین سرمایہ زندگی ہے۔ اور وہ خیر ہے اور فضل اللہ ہے، لیکن جس روز یہ دنیا اردگرد سے ہٹ کر دل کی کشتی میں اس طرح داخل ہو گئی کہ ہر وقت اس کی محبت، اس کی فکر، اس کا خیال اس طرح اس کے دل و دماغ پر چھا گیا کہ بس! اب اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے سوا کوئی خیال نہیں آتا۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا تمہیں تباہ کر رہی ہے۔ پھر یہ دنیا "متاع الغرور" ہے پھر یہ دنیا فتنہ ہے، یہ دنیا مردار ہے اور اسکے طلب گار کتے ہیں۔

کیا مال و دولت کا نام دنیا ہے؟

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا وشفيعنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً۔

امابعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم

وابتغ فيما اتاك الله الدار الآخرة، ولا تنس نصيبك من الدنيا واحسن كما احسن الله اليك ولا تبغ الفساد في الارض، ان الله لا يحب المفسدين۔

(سورة القصص: ۷۷)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

بزرگان محترم و برادران عزیز، ابھی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس کی تھوڑی سی تشریح اس مختصر وقت میں کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ صحیح طور پر اپنی رضائے کاملہ کے مطابق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ایک غلط فہمی

اس آیت کا انتخاب میں نے اس لئے کیا کہ آج ایک بہت بڑی غلط فہمی اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس غلط فہمی کا مداوی اور اس کا ازالہ قرآن کریم کی اس آیت میں کیا گیا ہے، غلط فہمی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کی اس دنیا میں دین کے مطابق زندگی گزارنا چاہے، اور اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرنا چاہے تو اسے دنیا چھوڑنی ہوگی، دنیا کا عیش و آرام، دنیا کی آسائش چھوڑنی ہوگی اور دنیا کے مال و اسباب کو ترک کئے بغیر اور اس سے قطع نظر کئے بغیر اس دنیا میں اسلام کے مطابق اور دین کے مطابق زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اور اس ناواقفی کا منشاء درحقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اسلام نے دنیا کے بارے میں کیا تصور پیش کیا ہے؟ یہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا کے مال و اسباب اور اس کے عیش و آرام کی حقیقت کیا ہے؟ کس حد تک اسے اختیار کیا جا سکتا ہے؟ اور کس حد تک اس سے اجتناب ضروری ہے؟ یہ بات ذہنوں میں پوری طرح واضح نہیں ہے۔

قرآن و حدیث میں دنیا کی مذمت

ذہنوں میں تھوڑی سی الجھن اس لئے بھی پیدا ہوتی ہے کہ یہ جملے کثرت سے کانوں میں پڑتے رہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب"

(کشف الخفاء للعجلونی، حدیث نمبر ۱۳۱۳)

کہ دنیا ایک مردار جانور کی طرح ہے، اور اس کے پیچھے لگنے والے کتوں کی طرح ہیں۔

اس حدیث کو اگرچہ بعض علماء نے لفظاً موضوع کہا ہے، لیکن ایک مقولے کے اعتبار سے اس کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ تو دنیا کو مردار قرار دیا گیا، اور اس کے طلب گار کو کتے قرار دیا گیا اسی طرح قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

(سورۃ آل عمران ۱۸۵)

یہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا:

"انما اموالکم واولادکم فتنة"

(سورۃ التغابن: ۱۵)

تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک فتنہ ہے، ایک آزمائش ہے۔

ایک طرف تو قرآن وحدیث کے یہ ارشادات ہمارے سامنے آتے ہیں، جس میں دنیا کی برائی بیان کی گئی ہے اس یک طرفہ صورت حال کو دیکھ کر بعض اوقات دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان بننا ہے تو دنیا کو بالکل چھوڑنا ہوگا۔

دنیا کی فضیلت اور اچھائی

لیکن دوسری طرف آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال کو بعض جگہ "فضل اللہ" قرار دیا، تجارت کے بارے میں فرمایا گیا کہ "ابتغوا من فضل الله" کہ تجارت کے ذریعے اللہ کے فضل کو تلاش کرتا ہے، چنانچہ سورۃ جمعہ میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، ہے اسی کے بعد آگے ارشاد فرمایا۔

"فاذا قضیت الصلاة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله"

(سورۃ الجمعة ۱۰)

کہ جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ تو

مال اور تجارت کو اللہ کا فضل قرار دیا۔ اسی طرح بعض جگہ قرآن کریم نے مال کو "خیر" یعنی بھلائی قرار دیا، اور یہ دعا تو ہم اور آپ سب پڑھتے رہتے ہیں کہ:

"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

(سورۃ البقرۃ ۲۰۱)

اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائیے اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرمائیے۔

تو بعض اوقات ذہن میں یہ الجھن پیدا ہوتی ہے کہ ایک طرف تو اتنی برائی کی جا رہی ہے کہ اس کو مردار کہا جا رہا ہے، اس کے طلب گاروں کو کتا کہا جا رہا ہے، اور دوسری طرف اس کو اللہ کا فضل قرار دیا جا رہا ہے، خیر کہا جا رہا ہے، اس کی اچھائی بیان کی جا رہی ہے تو ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

آخرت کے لئے دنیا چھوڑنے کی ضرورت نہیں

واقعہ یوں ہے کہ قرآن و حدیث کو صحیح طریقے سے پڑھنے کے بعد جو صورت حال واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ نہیں چاہتے کہ ہم دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں، عیسائی مذہب میں تو اس وقت تک اللہ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا تھا، جب تک انسان بیوی بچوں اور گھر بار اور کاروبار کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں، اس میں یہ کہیں نہیں کہا کہ تم دنیا کو چھوڑ دو، کمائی نہ کرو، تجارت نہ کرو، مال حاصل نہ کرو، مکان نہ بناؤ، بیوی بچوں کے ساتھ نہ سو بولو نہیں، کھانا نہ کھاؤ، اس قسم کا کوئی حکم شریعت محمدیہ میں موجود نہیں، ہاں! یہ ضرور کہا ہے کہ یہ دنیا تمہاری آخری منزل نہیں، یہ تمہاری زندگی کا آخری مقصد نہیں، یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہماری جو کچھ کاروائی ہے، وہ صرف اسی دنیا سے متعلق ہے، اس سے آگے ہمیں کچھ نہیں سوچنا ہے، اور نہ کچھ کرنا ہے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ دنیا درحقیقت اس لئے ہے کہ تاکہ تم اس میں رہ کر اپنی آنے والی ابدی زندگی یعنی آخرت کی زندگی کے لئے کچھ تیاری کر لو، اور آخرت کو فراموش کئے بغیر اس دنیا کو اس طرح استعمال کرو کہ اس میں تمہاری دنیاوی ضروریات بھی پوری ہوں، اور ساتھ ساتھ آخرت کی جو زندگی آنے والی ہے اس کی بھلائی بھی تمہارے

پیش نظر ہو۔

موت سے کسی کو انکار نہیں

یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بد سے بد تر کافر بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر انسان کو ایک دن مرنا ہے، موت آنی ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس میں آج تک کوئی شخص انکار نہیں کر سکا، یہاں تک کہ لوگوں نے خدا کا انکار کر دیا، لیکن موت کا منکر آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا، کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے موت نہیں آئے گی، میں ہمیشہ زندہ رہوں گا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کس کی موت کب آئے گی؟ بڑے سے بڑا سائنس دان، بڑے سے بڑا ڈاکٹر، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، بڑے سے بڑا فلسفی، وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ میری موت کب آئے گی؟

اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ آج تک کوئی سائنس فلسفہ کوئی ایسا علم ایجاد نہیں ہوا جو انسان کو براہ راست یہ بتا سکے کہ مرنے کے بعد کیا حالات پیش آتے ہیں، آج مغرب کی دنیا یہ تو تسلیم کر رہی ہے کہ کچھ ایسے اندازے معلوم ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اس نتیجے تک وہ پہنچ رہے ہیں، لیکن اس کے حالات کیا ہیں؟ اس میں انسان کا کیا حشر بنے گا؟ اس کی تفصیلات دنیا کی کوئی سائنس نہیں بتا سکی، جب یہ بات طے ہے کہ مرنا ہے، ہو سکتا ہے کہ کل ہی مر جائیں، اور یہ بھی طے ہے کہ مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے حالات کا براہ راست مجھے علم نہیں، ہاں! ایک کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ایمان لایا ہوں اور "محمد رسول اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے جو بھی خبر لے کر آئے ہیں، وہ سچی بات ہے اس میں جھوٹ کا کوئی امکان نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اصل زندگی وہ ہے جو مرنے کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ اور یہ موجودہ زندگی ایک حد پر جا کر ختم ہو جائے گی اور وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، بلکہ ابدی ہے، لامتناہی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

اسلام کا پیغام

تو اسلام کا پیغام یہ ہے کہ دنیا میں ضرور رہو، اور دنیا کی چیزوں سے ضرور فائدہ اٹھاؤ، دنیا سے لطف اندوز بھی ہو، لیکن ساتھ ساتھ اس دنیا کو آخری مشن اور آخری منزل نہ سمجھو۔

دنیا کی خوب صورت مثال

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے بارے میں ایک خوب صورت مثال دی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ بات ذہن میں ہو تو دنیا کے بارے میں کبھی غلط فہمی پیدا نہ ہو وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مثال پانی جیسی ہے، اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے، اگر ایک کشتی آپ پانی کے بغیر چلانا چاہیں تو وہ کشتی نہیں چل سکتی، کوئی کشتی ایسی نہیں ہے جو پانی کے بغیر چل سکتی ہو، پانی کشتی کے لئے ناگزیر ہے، اسی طرح انسان دنیا کے مال و اسباب کے بغیر اور کھائے کمائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن آگے فرماتے ہیں کہ یہ پانی اس وقت تک کشتی کے لئے فائدہ مند ہے جب تک کہ وہ کشتی کے ارد گرد اور نیچے ہو، اگر یہ پانی کشتی کے اندر گھس آئے تو وہ کشتی کے لئے فائدہ مند ہونے کے بجائے کشتی کو ڈبو دے گا، تو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا جب تک انسان کے ارد گرد اور اسکے چاروں طرف ہے، اور انسان اس سے اپنی ضروریات پوری کر رہا ہے، کھا رہا ہے، پی رہا ہے، کما رہا ہے، اس وقت تک وہ اس کے لئے بہترین سرمایہ زندگی ہے۔ اور وہ خیر ہے اور "فضل اللہ" ہے، لیکن جس روز یہ دنیا ارد گرد سے ہٹ کر دل کی کشتی میں اس طرح داخل ہو گئی کہ ہر وقت اس کی محبت، اس کی فکر، اس کا خیال اس طرح اس کے دل و دماغ پر چھا گیا کہ بس اب اس کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، اس کے سوا کوئی خیال نہیں آتا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا تمہیں تباہ کر رہی ہے، پھر یہ دنیا "متاع الغرور" ہے، پھر یہ دنیا "فتنۃ" ہے، یہ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں، جو اس دنیا کو اپنے ارد گرد سے ہٹا کر اپنے دل کی کشتی میں سوار کر رہے ہیں۔

(مفتاح العلوم۔ مثنوی مولانا روم ج ۲ ص ۳۷ دفتر اول۔ حصہ دوم)

دنیا آخرت کے لئے ایک سیڑھی ہے

درحقیقت ایک مسلمان کے لئے یہ پیغام ہے کہ دنیا میں رہو: دنیا کو برتو، دنیا کو استعمال کرو، لیکن فرق صرف زاویہ نگاہ کا ہے، اگر تم دنیا کو اس لئے استعمال کر رہے ہو کہ یہ آخرت کی منزل کے لئے ایک سیڑھی ہے، تو یہ دنیا تمہارے لئے خیر ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور اگر دنیا کو اس نیت سے استعمال کر رہے ہو کہ یہ تمہاری آخری منزل ہے، اور بس اس کی بھلائی بھلائی ہے، اور اس کی اچھائی اچھائی ہے، اور اس سے آگے کوئی چیز نہیں، تو پھر یہ دنیا تمہارے لئے ہلاکت کا سامان ہے۔

دنیا دین بن جاتی ہے

یہ دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں کہ یہ دنیا مردار ہے جب کہ اس کی محبت اور اس کا خیال دل و دماغ پر اس طرح چھا جائے کہ صبح سے لے کر شام تک دنیا کے سوا کوئی خیال نہ آئے، لیکن اگر اس دنیا کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کر رہے ہو تو پھر یہ دنیا بھی انسان کے لئے دنیا نہیں رہتی، بلکہ دین بن جاتی ہے، اور اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

قارون کو نصیحت

اور دنیا کو کیسے دین بنایا جاتا ہے؟ اس کا طریقہ قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے جو میں نے آپ کے سامنے ابھی تلاوت کی، یہ سورۃ قصص کی آیت ہے، اور اس میں قارون کا ذکر ہے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت بڑا سرمایہ دار تھا، اور قرآن کریم نے فرمایا کہ اس کے اتنے خزانے تھے کہ (اس زمانے میں دولت خزانوں میں رکھی جاتی تھی، اور بڑے موٹے بھاری قسم کے تالے ہوا کرتے تھے، اور چابیاں بھی بہت لمبی چوڑی ہوتی تھیں) اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھانے کے لئے پوری جماعت درکار ہوتی تھی، ایک آدمی اس کے خزانوں کی چابیاں نہیں اٹھا سکتا تھا، اتنا بڑا سرمایہ دار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جو نصیحت اور پیغام دیا گیا تھا وہ اس آیت میں

بیان کیا گیا ہے، اس نصیحت میں قارون سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اس سارے خزانوں سے دست بردار ہو جاؤ، یا اپنا مال و دولت آگ میں پھینک دو، بلکہ اس کو یہ نصیحت کی گئی کہ

"وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ"

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ مال و دولت روپیہ پیسہ، عزت شہرت، مکان، سواریاں، نوکر چاکر جو کچھ بھی دیا ہے اس سے اپنے آخرت کے گھر کی بھلائی طلب کرو، اس سے اپنی آخرت بناؤ، یہ جو فرمایا کہ "جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے" اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک انسان خواہ کتنا ماہر ہو، کتنا ذہین ہو، کتنا تجربہ کار ہو، لیکن جو کچھ وہ کماتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ قارون کہتا تھا کہ۔

"انما اوتیتہ علیٰ علم عندی"

(سورۃ القصص: ۷۸)

میرے پاس جو علم، جو ذہانت اور تجربہ ہے اس کی بدولت مجھے یہ ساری دولت حاصل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا وہ اللہ کی عطا ہے اس دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو بڑے ذہین ہیں، مگر بازار میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ایک تو اس بات کا استحضار کرو کہ جو کچھ مال ہے، خواہ وہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہو، سامان تجارت کی شکل میں ہو، مکان کی شکل میں ہو، یہ سب اللہ کی عطا ہے۔

کیا سارا مال صدقہ کر دیا جائے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جو کچھ ہمارے پاس مال ہے وہ سارا کا سارا صدقہ کر دیں؟ اس لئے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال کو آخرت کے لئے استعمال کرنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ جو کچھ بھی مال ہے وہ صدقہ کر دیا جائے، لیکن قرآن کریم نے اگلے جملے میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا"

دنیا میں جتنا حصہ تمہیں ملنا ہے، اور جو تمہارا حق ہے، اس کو مت بھولو، اور اس سے دست بردار مت ہو جاؤ، بلکہ اس کو اپنے پاس رکھو، لیکن اس مال کے ساتھ یہ معاملہ کرو کہ:

"وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ"

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا کہ تم کو یہ مال عطا فرمایا، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان کرو، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور آگے فرمایا کہ:

"وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ"

اور اس مال کو زمین میں فساد اور بگاڑ پھیلانے کے لئے استعمال مت کرو۔

زمین میں فساد کا سبب

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن کاموں کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا، اس کو انجام دینے سے قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق زمین میں فساد پھیلتا ہے، مال حاصل کرنے کے جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے ناجائز بتادیا، اگر وہ طریقہ استعمال کرو گے تو زمین میں فساد پھیلے گا، مثلاً چوری کر کے مال حاصل کرنا، ڈاکہ ڈال کر مال حاصل کرنا حرام ہے، کوئی شخص اگر یہ طریقہ اختیار کرے گا تو زمین میں فساد پھیلے گا، کوئی شخص دوسرے کا حق مار کر اور دوسرے کو دھوکہ دے کر فریب دے کر مال حاصل کرے گا تو اس سے زمین میں فساد پھیلے گا، اور سود کے ذریعہ اور قمار کے ذریعہ یا اور دوسرے حرام طریقوں سے مال حاصل کرے گا تو وہ سب فساد فی الارض میں داخل ہوگا، ہم سب سے قرآن کریم کا مطالبہ یہ ہے کہ مال ضرور حاصل کریں اور مال کو حاصل کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھیں کہ مال حاصل کرنے کا یہ طریقہ حلال ہے یا حرام، اگر وہ حرام ہے تو پھر چاہے وہ کتنی ہی بڑی دولت کیوں نہ ہو، اس کو ٹھکرا دو، اور اگر حلال ہے تو اس کو اختیار کرو۔

دولت سے راحت نہیں خریدی جا سکتی۔

یاد رکھئے مال اپنی ذات میں کوئی نفع دینے والی چیز نہیں، بھوک کے وقت ان پیسوں کو کوئی نہیں کھاتا، پیاس لگے تو اس کے ذریعے پیاس نہیں بجھا سکتے، لیکن انسان کو راحت پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے، اور راحت اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، حرام طریقوں سے مال حاصل کر کے اگر تم نے بہت بینک بیلنس بڑھالیا، اور بہت خزانے بھر لئے، لیکن اس کے ذریعہ راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں، بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ حرام دولت کے انبار جمع ہو گئے، لیکن راحت حاصل نہ ہو سکی، رات کو اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک نیند کی گولیاں نہ کھائے، مال و دولت، مل فیکٹری، سامان تجارت، نوکر چاکر سب کچھ ہے، لیکن جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھا تو بھوک نہیں لگتی، اور بستر پر سونے کے لئے لیٹا، مگر نیند نہیں آتی، دوسری طرف ایک مزدور ہے، جو آٹھ گھنٹے محنت مزدوری کرنے کے بعد ڈٹ کر کھانا کھاتا ہے اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر سوتا ہے، تو اب بتائیے اس مزدور کو راحت ملی یا اس صاحب بہادر کو جو بہت عالیشان بستر پر ساری رات کروٹیں بدلتا رہا؟ حقیقت میں راحت اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اللہ تعالیٰ کا مسلمان کے ساتھ یہ اصول ہے کہ اگر وہ حلال طریقے سے دولت حاصل کرے گا تو وہ اس کو راحت اور سکون عطا کریں گے، اگر وہ حرام طریقے سے حاصل کرے گا تو وہ شاید دولت کے انبار تو جمع کر لے، لیکن جس چیز کا نام سکون ہے، جس کا نام راحت ہے، اس کو وہ دنیا کے انبار میں بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

تو پیغام صرف اتنا ہے کہ مال کمانے میں حرام طریقوں سے بچو، اور تمہاری حاصل شدہ دولت پر جو فرائض عائد کئے گئے ہیں، خواہ وہ زکوٰۃ کی شکل میں ہو، یا خیرات و صدقات کی شکل میں ہو، ان کو بجالاؤ، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم دوسروں کے ساتھ احسان کرو، اگر انسان یہ اختیار کر لے، اور جو نعمت انسان کو ملے بس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، تو دنیا کی ساری نعمتیں اور دولتیں دین بن جائیں

گی. اور وہ سب اجر بن جائیں گی، پھر کھانا کھائے گا تو بھی اجر ملے گا اور پانی پیئے گا تو بھی اجر ملے گا، تجارت کرے گا تو بھی اجر ملے گا، اور دنیا کی اور راحتیں اختیار کرے گا تو اس پر بھی اجر ملے گا، کیونکہ اس نے اس دنیا کو اپنا مقصد نہیں بنایا، بلکہ مقصد کیلئے ایک راستہ اور ایک ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنی آخرت تلاش کر رہا ہے، حرام کاموں سے بچتا ہے، اور اپنے واجبات کو ادا کرتا ہے تو ساری دنیا دین بن جاتی ہے، اور وہ دنیا اللہ تعالیٰ کا "فضل" بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی صحیح فہم بھی عطا فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

جھوٹ

اور

اس کی مروجہ صورتیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم
ضبط و ترتیب : محمد عبد اللہ میمن
تاریخ و وقت : ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ء۔ بروز جمعہ بعد نماز عصر
مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

عرض ناشر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں منافق کی تین علامتیں بیان فرمائیں ہیں ایک جھوٹ بولنا، دوسرے وعدہ خلافی کرنا، تیسرے امانت میں خیانت کرنا. چونکہ ان تینوں علامتوں پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے علیحدہ علیحدہ تین جمعوں میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تھا، اس لئے ان تینوں خطبات کو علیحدہ علیحدہ شائع کیا جارہا ہے۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

آج "جھوٹ" ہماری زندگی میں اس طرح سرایت کر گیا ہے، جیسے رگوں میں خون سرایت کر رہا ہے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان سے جھوٹ نکل جاتا ہے، بعض اوقات ہم مذاق کی خاطر، بعض اوقات فائدہ حاصل کرنے کی خاطر، بعض اوقات اپنے کو بڑا ظاہر کرنے کی خاطر زبان سے جھوٹ بات نکال دیتے ہیں، اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اور یہ رواج اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ لوگ اس کو ناجائز اور گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اور بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہماری نیکی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جھوٹ

اور

اس کی مروجہ صورتیں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله۔ صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

اما بعد!

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية المنافق ثلاث: اذا حدث كذب، واذا وعد اخلف، واذا اؤتمن خان۔ وفي رواية وان صام وصلى وزعم انه مسلم

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق حدیث نمبر ۳۳)

منافق کی تین علامتیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں، جو منافق ہونے کی نشانی ہیں۔ یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے، اگر کسی انسان میں یہ باتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے، تو اس کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ چاہے وہ نماز بھی پڑھتا ہو، اور روزے بھی رکھتا ہو اور چاہے وہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، اس لئے کہ مسلمان ہونے کی جو بنیادی صفات ہیں، وہ ان کو چھوڑے ہوئے ہے۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے

خدا جانے یہ بات ہمارے ذہنوں میں کہاں سے بیٹھ گئی ہے، اور ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین بس! نماز روزے کا نام ہے، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اور نماز روزے کا اہتمام کر لیا، بس مسلمان ہو گئے، اب مزید ہم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں ہے، چنانچہ جب بازار گئے تو اب وہاں جھوٹ فریب اور دھوکے سے مال حاصل ہو رہا ہے، حرام اور حلال ایک ہو رہے ہیں اس کی کوئی فکر نہیں، زبان کا بھروسہ نہیں، امانت میں خیانت ہے۔ وعدہ کا پاس نہیں۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں یہ تصور کہ یہ بس نماز روزہ کا نام ہے۔ یہ بڑا خطرناک اور غلط تصور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ ایسا شخص چاہے نماز بھی پڑھ رہا ہو، اور روزے بھی رکھ رہا ہو، لیکن وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، چاہے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ، اس لئے کہ کفر کا فتویٰ لگانا بڑی سنگین چیز ہے، اور فتویٰ کے اعتبار سے اس کو کافر نہ قرار دو، دائرہ اسلام سے اس کو خارج نہ کرو لیکن ایسا شخص سارے کام کافروں جیسے اور منافق جیسے کر رہا ہے۔

فرمایا کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں، نمبر ایک جھوٹ بولنا دوسرے وعدہ

خلافی کرنا، تیسرے امانت میں خیانت کرنا، ان تینوں کی تھوڑی سی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ان تینوں کا تصور بہت محدود ہے، حالانکہ ان تینوں کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ اس لئے ان کی تھوڑی سی تفصیل کرنے کی ضرورت ہے۔

زمانہ جاہلیت اور جھوٹ

چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جھوٹ بولنا۔ یہ جھوٹ بولنا حرام ہے ایسا حرام ہے کہ کوئی ملت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ بولنا حرام نہ ہو، یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جھوٹ بولنے کو برا سمجھتے تھے، واقعہ یاد آیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لئے خط بھیجا تو خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنی درباریوں سے کہا کہ ہمارے ملک میں اگر ایسے لوگ موجود ہوں، جو ان (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقف ہوں تو ان کو میرے پاس بھیج دو، تاکہ میں ان سے حالات معلومات کروں کہ وہ کیسے ہیں، اتفاق سے اسی وقت حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے ہوئے تھے، چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لے آئے، یہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوالات کرنا شروع کئے پہلا سوال یہ کیا کہ یہ بتاؤ کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ کیسا خاندان ہے؟ اس کی شہرت کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خاندان تو بڑے اعلیٰ درجے کا ہے، اعلیٰ درجے کے خاندان میں وہ پیدا ہوئے۔ اور سارا عرب اس خاندان کی شرافت کا قائل ہے۔ اس بادشاہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا بالکل ٹھیک ہے، جو اللہ کے نبی ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ خاندان سے ہوتے ہیں پھر دوسرا سوال بادشاہ نے یہ کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے معمولی درجے کے لوگ ہیں، یا بڑے بڑے رؤساء ہیں۔ انہوں نے جواب کہ ان کے متبعین کی اکثریت کم درجے کے معمولی قسم کے لوگ ہیں، بادشاہ نے تصدیق کی نبی کے متبعین ابتداء ضعیف اور کمزور قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر سوال کیا کہ تمہاری ان کے ساتھ جب جنگ ہوتی ہے تو تم جیت جاتے ہو یا وہ جیت جاتے ہیں؟ اس وقت تک

چونکہ صرف دو جنگیں ہوئی تھیں۔ ایک جنگ بدر، اور ایک احد، اور غزوہ احد میں چونکہ مسلمانوں کو تھوڑی سی شکست ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس موقع پر جواب دیا کہ کبھی ہم غالب آجاتے ہیں اور کبھی وہ غالب آجاتے ہیں۔

جھوٹ نہیں بول سکتا تھا

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد فرماتے تھے کہ اس وقت تو میں کافر تھا۔ اس لئے اس فکر میں تھا کہ میں کوئی ایسا جملہ کہہ دوں جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تاثر قائم ہو، لیکن اس بادشاہ نے جتنے سوالات کئے، ان کے جواب میں اس قسم کی کوئی بات کہنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے کہ جو سوال وہ کر رہا تھا۔ اس کا جواب تو مجھے دینا تھا۔ اور جھوٹ بول نہیں سکتا تھا۔ اس لئے میں جتنے جوابات دے رہا تھا۔ وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جارہے تھے۔ بہرحال! جاہلیت کے لوگ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے وہ بھی جھوٹ بولنے کو گوارہ نہیں کرتے تھے، چہ جائیکہ مسلمان اسلام لانے کے بعد جھوٹ بولے؟

(صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی حدیث نمبر۷)

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

افسوس کہ اب اس جھوٹ میں عام ابتلاء ہے یہاں تک کہ جو لوگ حرام و حلال اور جائز ناجائز کا اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے، حالانکہ جھوٹا کام کر رہے ہیں۔ غلط بیانی کر رہے ہیں، اور اس میں دوہرا جرم ہے۔ ایک جھوٹ بولنے کا جرم، اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم، چنانچہ ایک صاحب جو بڑے نیک تھے، نماز روزے کے پابند، اذکار واشغال کے پابند، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، پاکستان سے باہر قیام تھا۔ ایک مرتبہ جب پاکستان آئے تو میرے پاس بھی ملاقات کے لئے آگئے، میں نے ان سے پوچھا کہ

آپ واپس کب تشریف لے جارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی آٹھ دس روز اور ٹھہروں گا، میری چھٹیاں تو ختم ہو گئیں۔ البتہ کل ہی میں نے مزید چھٹی لینے کے لئے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوا دیا ہے۔

کیا دین نماز روزے کا نام ہے؟

انہوں نے میڈیل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے، اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مزید چھٹی لینے کے لئے بھیج دیا ہے، ویسے اگر چھٹی لیتا تو چھٹی نہ ملتی، اس کے ذریعہ چھٹی مل جائیں گی، میں نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ میں کیا لکھا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ اتنے بیمار ہیں کہ سفر کے لائق نہیں، میں نے کہا کہ کیا دین صرف نماز روزے کا نام ہے؟ ذکر شغل کا نام ہے؟ آپ کا بزرگوں سے تعلق ہے، پھر یہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا جارہا ہے؟ چونکہ نیک آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے یہ بات سنی کہ یہ بھی کوئی غلط کام ہے، میں نے کہا کہ جھوٹ بولنا اور کس کو کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا کہ مزید چھٹی کس طرح لیں؟ میں نے کہا کہ جتنی چھٹیوں کا استحقاق ہے، اتنی چھٹی لو، مزید چھٹی لینی ضروری ہو تو بغیر تنخواہ کے لے لو، لیکن یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ بھیجنے کا جواز تو پیدا نہیں ہوتا۔

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوانا جھوٹ میں داخل ہی نہیں ہے، اور دین صرف ذکر و شغل کا نام رکھ دیا۔ باقی زندگی کے میدان میں جاکر جھوٹ بول رہا ہو تو اس کا کوئی خیال نہیں۔

جھوٹی سفارش

ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے نیک اور سمجھدار بزرگ کا میرے پاس سفارشی خط آیا، اس وقت میں ... میں تھا، اس خط میں یہ لکھا تھا کہ یہ صاحب جو آپ کے پاس

آرہے ہیں یہ انڈیا کے باشندے ہیں، اب یہ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ پاکستانی سفارت خانے سے ان کے لئے سفارش کر دیں کہ ان کو ایک پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا جائے اس بنیاد پر کہ یہ پاکستانی باشندے ہیں، اور ان کا پاسپورٹ یہاں سعودی عرب میں گم ہو گیا ہے، اور خود انہوں نے پاکستانی سفارت خانے میں درخواست دے رکھی ہے کہ ان کا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ ان کی سفارش کر دیں۔

اب آپ بتایئے! وہاں عمرے ہو رہے ہیں، حج بھی ہو رہا ہے، طواف اور سعی بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ میں یہ جھوٹ اور فریب بھی ہو رہا ہے، گویا کہ یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب قصد اور ارادہ کر کے باقاعدہ جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر بولا جائے تب جھوٹ ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوالینا، جھوٹی سفارش لکھوالینا۔ یا جھوٹے مقدمات دائر کر دینا، یہ کوئی جھوٹ نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید

(سورۃ ق: ۱۸)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔ وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ نہ بولو

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون ایک بچے کو بلا کر گود میں لینا چاہتی تھی، لیکن وہ بچہ قریب نہیں آرہا تھا، ان خاتون نے بچے کو بہلانے کے لئے کہا کہ بیٹا یہاں آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات وہ سن لی، اور آپ نے خاتون سے پوچھا کہ تمہارا کوئی چیز دینے کا ارادہ ہے یا ویسے ہی اس کو بلانے اور بہلانے کے لئے کہہ رہی ہو؟ اس خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا کھجور دینے کا ارادہ ہے کہ جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کو کھجور دوں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا کھجور دینے کا ارادہ نہ ہوتا، بلکہ محض بہلانے کے لئے کہتی کہ میں تمہیں کھجور دوں گی، تو تمہارے نامہ اعمال

میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب حدیث نمبر ۴۹۹۱)

اس حدیث سے یہ سبق دے دیا کہ بچے کے ساتھ بھی جھوٹ نہ بولو، اور اس کے ساتھ بھی وعدہ خلافی نہ کرو، ورنہ شروع ہی سے جھوٹ کی برائی اس کے دل سے نکل جائے گی۔

مذاق میں جھوٹ نہ بولو

ہم لوگ محض مذاق اور تفریح کے لئے زبان سے جھوٹی باتیں نکال دیتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹی باتیں زبان سے نکالنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کہ افسوس ہے اس شخص پر یا سخت الفاظ میں اس کا صحیح ترجمہ یہ کر سکتے ہیں کہ: اس شخص کے لئے کہ دردناک عذاب ہے، جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، حدیث نمبر ۴۹۹۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق

خوش طبعی کی باتیں اور مذاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا، لیکن کبھی کوئی ایسا مذاق نہیں کیا جس میں بات غلط ہو، یا واقعہ کے خلاف ہو، آپ نے کیسا مذاق کیا حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بڑھیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچا دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، اور وہ بڑھیا رونے لگی کہ یہ تو بڑی خطرناک بات ہو گئی کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی پھر آپ نے وضاحت کر کے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اس حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کہ وہ بوڑھی ہو، بلکہ وہ جوان ہو کر جائے گی، تو آپ نے ایسا لطیف مذاق فرمایا کہ اس میں کوئی بات نفس الامر کے خلاف اور جھوٹی نہیں تھی۔

(الشمائل للترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

مذاق کا ایک انوکھا انداز

ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایک اونٹنی دے دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک اونٹنی کا بچہ دیں گے، اس نے کہا! یا رسول اللہ! میں بچے کو لے کر کیا کروں گا۔ مجھے تو سواری کے لئے ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں جو بھی اونٹ دیا جائے گا وہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہو گا، یہ آپ نے اس سے مذاق فرمایا، اور ایسا مذاق جس میں خلاف حقیقت اور غلط بات نہیں کہی۔ تو مذاق کے اندر بھی اس بات کا لحاظ ہے کہ زبان کو سنبھال کر استعمال کریں، اور زبان سے کوئی لفظ غلط نہ نکل جائے، اور آج کل ہمارے اندر یہ جھوٹے قصے پھیل گئے ہیں، اور خوش گپیوں کے اندر ہم ان کو بطور مذاق بیان کر دیتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

(الشمائل للترمذی، باب ماجاء فی مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں۔ کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں، یا دوسروں کیلئے جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آگئی، اب وہ کسی کے پاس گیا، اور اس سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا، اور جاری کرنے والے نے اس کے اندر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو پانچ سال سے جانتا ہوں، یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، ان کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے، کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ ضرورت مند تھا۔ ہم نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اس کا کام کر دیا، یہ تو باعث ثواب کام ہے، حالانکہ اگر آپ اس کے کیریکٹر سے واقف نہیں ہیں تو آپ کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ جاری کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ وہ یہ سمجھے کہ میں ایک ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور

کسی ایسے شخص سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرنا جو آپ کو نہیں جانتا۔ یہ بھی ناجائز ہے، گویا کہ سرٹیفکیٹ لینے والا بھی گناہ گار ہوگا، اور دینے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

کیریکٹر معلوم کرنے کے دو طریقے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے کسی تیسرے شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص بڑے اچھے اخلاق اور کردار کا آدمی ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کبھی تمہارا اس کے ساتھ لین دین کا معاملہ پیش آیا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، لین دین کا معاملہ تو کبھی پیش نہیں آیا، پھر آپ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا؟ اس نے کہا نہیں، میں نے کبھی اس کے ساتھ سفر تو نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں کیا معلوم کہ وہ اخلاق و کردار کے اعتبار سے کیسا آدمی ہے، اس لئے کہ اخلاق و کردار کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب انسان اس کے ساتھ لین دین کرے، اور اس میں وہ کھرا ثابت ہو، تب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کردار اچھا ہے، اور اس کے اخلاق معلوم کرنے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرے۔ اس لئے کہ سفر کے اندر انسان اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے، اس کے اخلاق، اس کا کردار، اس کے حالات، اس کے جذبات، اس کے خیالات، یہ ساری چیزیں سفر میں ظاہر ہو جاتی ہیں، لہٰذا اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی لین دین کا معاملہ کیا ہوتا، یا اس کے ساتھ سفر کیا ہوتا، تب تو بیشک یہ کہنا درست ہوتا کہ وہ اچھا آدمی ہے، لیکن جب تم نے اس کے ساتھ نہ تو معاملہ کیا، نہ اس کے ساتھ سفر کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو جانتے نہیں ہو، اور جب تم جانتے نہیں تو پھر خاموش رہو، نہ برا کہو، اور نہ اچھا کہو، اور اگر کوئی شخص اس کے بارے پوچھے تو تم اس حد تک بتا دو، جتنا تمہیں معلوم ہے، مثلاً یہ کہہ دو کہ بھائی! مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے تو میں نے دیکھا ہے، باقی آگے کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

سرٹیفکیٹ ایک گواہی ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

الا من شهد بالحق وهم يعلمون

(سورۃ الزخرف: ۸۶)

یاد رکھئے: یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے، اور جو شخص اس سرٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور اس آیت کی رو سے گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو، اور یقین سے جانتا ہو کہ یہ واقع میں ایسا ہے، تب انسان گواہی دے سکتا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا۔ آجکل ہوتا یہ ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے کیریکٹر سرٹیفکیٹ جاری کر دیا، تو یہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہوا، اور جھوٹی گواہی اتنی بری چیز ہے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا، اور اس جملے کو تین مرتبہ دھرایا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان، باب بیان الکبائر حدیث نمبر ۱۴۳)

اب آپ اس سے اس کی شناعت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو اس طرح دھرایا کہ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور"

(سورۃ الحج: ۳۰)

یعنی تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو، اور جھوٹی بات سے بچو اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے۔

سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا گناہ گار ہوگا

جھوٹی گواہی دینا جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ شنیع اور خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اس میں کئی گناہ مل جاتے ہیں، مثلاً ایک جھوٹ بولنے کا گناہ، اور دوسرا دوسرے شخص کو گمراہ کرنے کا گناہ، اس لئے کہ جب آپ نے غلط سرٹیفکیٹ جاری کرکے جھوٹی گواہی دی۔ اور وہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جب دوسرے شخص کے پاس پہنچا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ آدمی بڑا اچھا ہے، اور اچھا سمجھ کر اس سے کوئی معاملہ کرے گا، اور اگر اس معاملہ کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی یا آپ نے عدالت میں جھوٹی گواہی دی۔ اور اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ہو گیا، تو اس فیصلے کے نتیجے میں جو کچھ کسی کا نقصان ہوا۔ وہ سب آپ کی گردن پر ہوگا۔ اس لئے یہ جھوٹی گواہی کا گناہ معمولی گناہ نہیں ہے، بڑا سخت گناہ ہے۔

عدالت میں جھوٹ

آج کل تو جھوٹ کا ایسا بازار گرم ہوا کہ کوئی شخص دوسری جگہ جھوٹ بولے یا نہ بولے، لیکن عدالت میں ضرور جھوٹ بولے گا بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ:

"میاں! سچی سچی بات کہہ دو کوئی عدالت میں تھوڑی کھڑے ہو"

مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی جگہ تو عدالت ہے۔ وہاں پر جاکر جھوٹ بولنا، یہاں آپس میں جب بات چیت ہو رہی ہے تو سچی سچی بات بتا دو، حالانکہ عدالت میں جاکر جھوٹی گواہی دینے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے برابر قرار دیا ہے، اور یہ

کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

مدرسہ کی تصدیق گواہی ہے

لہٰذا جتنے سرٹیفکیٹ معلومات کے بغیر جاری کئے جارہے ہیں، اور جاری کرنے والا یہ جانتے ہوئے جاری کر رہا ہے کہ میں یہ غلط سرٹیفکیٹ جاری کر رہا ہوں، مثلاً کسی کے بیمار ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ یا کسی کے پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا، یا کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ دے دیا، یہ سب جھوٹی گواہی کے اندر داخل ہیں۔

میرے پاس بہت سے لوگ مدرسوں کی تصدیق کرانے کے لئے آتے ہیں، جس میں اس بات کی تصدیق کرنی ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ قائم ہے، اس میں اتنی تعلیم ہوتی ہے۔ اور اس تصدیق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ واقعۃً یہ مدرسہ قائم ہے۔ اور امداد کا مستحق ہے، اور طبعاً ان مدرسوں کی تصدیق لکھنے کو دل بھی چاہتا ہے، لیکن میں نے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب کبھی ان کے پاس کوئی شخص مدرسہ کی تصدیق لکھوانے کے لئے آتا تھا تو آپ یہ عذر فرماتے ہوئے کہتے کہ بھائی! یہ ایک گواہی ہے، اور جب تک مجھے مدرسہ کے حالات کا علم نہ ہو، اس وقت تک میں یہ تصدیق نامہ جاری نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ جھوٹی گواہی ہو جائے گی البتہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں علم ہوتا تو جتنا علم ہوتا اتنا لکھ دیتے۔

کتاب کی تقریظ لکھنا گواہی ہے

بہت سے لوگ کتابوں پر تقریظ لکھوانے آجاتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب لکھی ہے، آپ اس پر تقریظ لکھ دیجئے کہ یہ اچھی کتاب ہے، اور صحیح کتاب ہے۔ حالانکہ جب تک انسان اس کتاب کو پورا نہ پڑھے، اس کا پورا مطالعہ نہ کرے، اس وقت تک یہ کیسے گواہی دے دے کہ یہ کتاب صحیح ہے، یا غلط ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال سے تقریظ لکھ دیتے ہیں کہ اس تقریظ سے اس کا فائدہ اور بھلا ہو جائے گا، حالانکہ تقریظ لکھنا ایک گواہی ہے، اور اس گواہی میں غلط بیانی کو لوگوں نے غلط بیانی سے خارج کر دیا ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو ایک ذرا سا کام لے کر ان کے پاس گئے تھے، اگر ذرا

سا قلم ہلا دیتے، اور ایک سرٹیفکیٹ لکھ دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، یہ تو بڑے بد اخلاق آدمی ہیں، کہ کسی کو سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کرتے، بھائی، بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک لفظ کے بارے میں سوال ہوگا، جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، جو لفظ قلم سے لکھا جارہا ہے، سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ فلاں لفظ تم نے جو زبان سے نکالا تھا۔ وہ کس بنیاد پر نکالا تھا، جان بوجھ کر بولا تھا، یا بھول کر بولا تھا۔

جھوٹ سے بچئے

بھائی! ہمارے معاشرے میں جو جھوٹ کی وبا پھیل گئی ہے، اس میں اچھے خاصے دیندار، پڑھے لکھے، نمازی، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، وظائف اور تسبیح پڑھنے والے بھی مبتلا ہیں، وہ بھی اس کو ناجائز اور برا نہیں سمجھتے کہ یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری ہو جائے گا تو یہ کوئی گناہ ہوگا، حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ "اذا حدث کذب" اس میں یہ سب باتیں بھی داخل ہیں، اور یہ سب دین کا حصہ ہیں۔ اور ان کو دین سے خارج سمجھنا بدترین گمراہی ہے، اس لئے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

جھوٹ کی اجازت کے مواقع

البتہ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن وہ مواقع ایسے ہیں کہ جہاں انسان اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے، اور جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، یا کوئی ناقابل برداشت ظلم اور تکلیف کا اندیشہ ہو، کہ اگر وہ جھوٹ نہیں بولے گا تو وہ ایسے ظلم کا شکار ہو جائے گا جو قابل برداشت نہیں ہے، اس صورت میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ اس میں بھی حکم یہ ہے کہ پہلے اس بات کی کوشش کرو کہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے، بلکہ کوئی ایسا گول مول لفظ بول دو، جس سے وقتی مصیبت ٹل

جائے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں "تعریض اور توریہ" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ بول دیا جائے، جس کے ظاہری طور پر کچھ اور معنی سمجھ میں آرہے ہیں، اور حقیقت میں دل کے اندر آپ نے کچھ اور مراد لیا ہے، ایسا گول مول لفظ بول دو تاکہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جھوٹ سے اجتناب

ہجرت کے موقع پر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمارہے تھے۔ تو اس وقت مکہ والوں نے آپ کو پکڑنے کے لئے چاروں طرف اپنے ہرکارے دوڑا رکھے تھے۔ اور یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے، اب اس وقت سارے مکہ کے لوگ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے، راستے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جاننے والا ایک شخص مل گیا، وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جانتا تھا۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتا تھا، اس شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں تک آپ کے بارے میں اطلاع پہنچ جائے۔ اب اگر اس شخص کے جواب میں صحیح بات بتاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان خطرہ ہے، اور اگر نہیں بتاتے تو جھوٹ بولنا لازم آتا ہے، اب ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

هذا الرجل يهديني السبيل

یہ میرے رہنما ہیں، جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں، اب آپ نے ایسا لفظ ادا کیا جس کو سن کر اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس طرح عام طور پر سفر کے دوران راستہ بتانے کے لئے کوئی رہنما ساتھ رکھ لیتے ہیں، اس قسم کے رہنما ساتھ جا رہے ہیں، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ مراد لیا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے

ہیں، جنت کا راستہ دکھانے والے ہیں، اللہ کا راستہ دکھانے والے ہیں ۔۔۔ اب دیکھئے کہ اس موقع پر انہوں نے صریح جھوٹ بولنے سے پرہیز فرمایا۔ بلکہ ایسا لفظ بول دیا جس سے وقتی کام بھی نکل گیا، اور جھوٹ بھی نہیں بولنا پڑا۔

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر ۳۹۱۱)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرما دیتے ہیں کہ زبان سے کوئی کلمہ خلاف واقعہ اور جھوٹ نہ نکلے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح مدد بھی فرماتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ، جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑا حصہ لیا تھا، آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وغیرہ ان سب حضرات نے اس جہاد میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اب جو لوگ اس جہاد میں شریک تھے، آخر کار انگریزوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا۔ چوراہوں پر پھانسی کے تختے لٹکا دیئے۔

؎ جسے دیکھا حاکم وقت نے
کہا یہ بھی صاحب دار ہے

اور ہر ہر محلے میں مجسٹریٹوں کی مصنوعی عدالتیں قائم کر دی تھیں، جہاں کہیں کسی پر شبہ ہوا، اس کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا، اور اس نے حکم جاری کر دیا کہ اس کو پھانسی پر چڑھا دو، پھانسی پر اسکو لٹکا دیا گیا، اسی دوران ایک مقدمہ میرٹھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی قائم ہو گیا۔ اور مجسٹریٹ کے یہاں پیشی ہو گئی، جب مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس لئے کہ اطلاع یہ ملی تھی کہ ان کے پاس بندوقیں ہیں، اور حقیقت میں حضرت کے پاس بندوقیں تھیں، چنانچہ جس وقت مجسٹریٹ نے یہ سوال کیا، اس وقت حضرت کے ہاتھ میں تسبیح تھی، آپ نے وہ تسبیح اس کو دکھاتے ہو فرمایا ہمارا ہتھیار یہ ہے، یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جھوٹ ہو جاتا ۔۔۔ آپ کا حلیہ بھی ایسا تھا کہ بالکل درویش صفت معلوم ہوتے تھے،

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد بھی فرماتے ہیں، ابھی سوال جواب ہو رہا تھا کہ اتنے میں کوئی دیہاتی وہاں آ گیا، اس نے جب دیکھا کہ حضرت سے اس طرح سوال جواب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ ارے! اس کو کہاں سے پکڑ لائے، یہ تو ہمارے محلے کا موجن (موذن) ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلاصی عطا فرمائی۔

حضرت نانوتوی ؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ چاروں طرف پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے اور آپ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما ہیں، وہاں پولیس پہنچ گئی، مسجد کے اندر آپ اکیلے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا نام سن کر ذہنوں میں تصور آتا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں تو آپ شاندار قسم کے لباس اور جبہ قبہ پہنے ہونگے، وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ تو ہر وقت ایک معمولی لنگی ایک معمولی کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ جب پولیس اندر داخل ہوئی تو یہ سمجھا کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے۔ چنانچہ پولیس نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ آپ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، اور اس کے ذریعہ اس کو یہ تاثر دیا کہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ لیکن زبان سے یہ جھوٹا کلمہ نہیں نکلا کہ یہاں نہیں ہیں، چنانچہ وہ پولیس واپس چلی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے وقت میں بھی، جب کہ جان پر بنی ہوئی ہو، اس وقت بھی یہ خیال رہتا ہے کہ زبان سے کوئی غلط لفظ نہ نکلے۔ زبان سے صریح جھوٹ نہ نکلے، اور اگر کبھی مشکل وقت آ جائے تو اس وقت بھی توریہ کر کے اور گول مول بات کر کے کام چل جائے، یہ بہتر ہے۔ البتہ اگر جان پر بن جائے، جان جانے کا خطرہ ہو، یا شدید ناقابل برداشت ظلم کا اندیشہ ہو، اور توریہ سے اور گول مول بات کرنے سے بھی بات نہ بنے تو اس وقت شریعت نے جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن اس اجازت کو اتنی کثرت کے ساتھ استعمال کرنا، جس طرح آج اس کا استعمال ہو رہا ہے، یہ سب حرام ہے، اور اس میں جھوٹی گواہی کا گناہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت

فرمائے۔ آمین۔

بچوں کے دلوں میں جھوٹ کی نفرت

بچوں کے دل میں جھوٹ کی نفرت پیدا کریں، خود بھی شروع سے جھوٹ سے بچنے کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں سے اس طرح بات کریں کہ ان کے دلوں میں بھی جھوٹ کی نفرت پیدا ہو جائے، اور سچائی کی محبت پیدا ہو، اس لئے بچوں کے سامنے کبھی غلط بات کوئی جھوٹ نہ بولیں، اس لئے کہ جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ باپ جھوٹ بول رہا ہے، ماں جھوٹ بول رہی ہے تو پھر بچے کے دل سے جھوٹ بولنے کی نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنا تو روزانہ کا معمول ہے، اس لئے بچپن ہی سے بچوں میں اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ زبان سے جو بات نکلے، وہ پتھر کی لکیر ہو، اس میں کوئی غلطی نہ ہو، اور نفس الامر کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ دیکھئے، نبوت کے بعد سب سے اونچا مقام "صدیق" کا مقام ہے۔ اور "صدیق" کے معنی ہیں "بہت سچا" جس کے قول میں خلاف واقعہ بات کا شبہ بھی نہ ہو۔

جھوٹ عمل سے بھی ہوتا ہے

جھوٹ جس طرح زبان سے ہوتا ہے، بعض اوقات عمل سے بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کرتا ہے، جو در حقیقت جھوٹا عمل ہوتا ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

المتشبع بمالم يعط كلابس ثوبي زور

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المتشبع بمالم یعط، حدیث نمبر ۴۹۹۷)

یعنی جو شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسی چیز کا حامل قرار دے جو اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کا لباس پہننے والا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرے جیسا کہ حقیقت میں نہیں ہے۔ یہ بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص جو حقیقت میں بہت دولت مند نہیں ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اپنی اداؤں سے، اپنی نشست و برخواست سے، اپنے طریق زندگی اپنے آپ کو دولتمند ظاہر

کرتا ہے، یہ بھی عملی جھوٹ ہے، یا اس کے برعکس ایک اچھا خاصا کھاتا پیتا انسان ہے۔ لیکن اپنے عمل سے تکلف کر کے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتا ہے، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ بہت مفلس ہے۔ نادار ہے۔ غریب ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ غریب نہیں ہے۔ اس کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی جھوٹ قرار دیا۔ لہٰذا عملی طور پر کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص پر غلط تاثر قائم ہو۔ یہ بھی جھوٹ کے اندر داخل ہے۔

اپنے نام کے ساتھ "سید" لکھنا

بہت سے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ اور القاب لکھتے ہیں جو واقعہ کے مطابق نہیں ہوتے، چونکہ رواج چل پڑا ہے، اس لئے بلاتحقیق لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے نام کے ساتھ "سید" لکھنا شروع کر دیا۔ جب کہ حقیقت میں "سید" نہیں ہے، اس لئے کہ حقیقت میں "سید" وہ ہے جو باپ کی طرف سے نسب کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہو، وہ "سید" ہے، بعض لوگ ماں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو "سید" لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ لہٰذا جب تک "سید" ہونے کی تحقیق نہ ہو، اس وقت تک "سید" لکھنا جائز نہیں، البتہ تحقیق کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر خاندان میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ سادات کے خاندان میں ہیں تو پھر "سید" لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر "سید" ہونا معلوم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی دلیل موجود ہے، تو اس میں بھی جھوٹ بولنے کا گناہ ہے۔

لفظ "پروفیسر" اور "مولانا" لکھنا

بعض لوگ حقیقت میں "پروفیسر" نہیں ہیں، لیکن اپنے نام کے ساتھ "پروفیسر" لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ "پروفیسر" تو ایک خاص اصطلاح

ہے۔ جو خاص لوگوں کے لئے بولی جاتی ہے۔ یا جیسے "عالم" یا "مولانا" کا لفظ
ا یا شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو درس نظامی کا فارغ التحصیل ہو۔ اور باقاعدہ اس
نے کسی سے علم حاصل کیا ہو۔ اس کے لئے "مولانا" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔،
اب بہت سے لوگ جنہوں نے باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا۔ لیکن اپنے نام کے ساتھ
"مولانا" لکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی خلاف واقعہ ہے، اور جھوٹ ہے۔ ان
باتوں کو ہم لوگ جھوٹ نہیں سمجھتے، اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بھی گناہ کے کام ہیں۔
اس لئے ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بچنے کی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وعدہ خلافی

اور

اس کی مروجہ صورتیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ و وقت : ۲ر دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر
مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

وعدہ خلافی کی بہت سی صورتیں وہ ہیں جن کو ہم نے وعدہ خلافی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے، چنانچہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ وعدہ خلافی اچھی چیز ہے؟ تو جواب میں وہ یہی کہے گا کہ یہ تو بہت بری چیز ہے، اور گناہ ہے، لیکن عملی زندگی میں جب موقع آتا ہے وہ وعدہ خلافی کر لیتا ہے۔ اور اسکو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ وعدہ خلافی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعدہ خلافی

اور

اس کی مروجہ صورتیں

الحمد للہ نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ و نؤمن به و نتوکل علیه، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له و اشھد ان لا الٰه الا اللہ وحدہ لا شریك له واشھد ان سیدنا و سندنا وشفیعنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی آله و اصحابه وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ۔ اما بعد!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: آیة المنافق ثلاث: اذا حدث کذب، واذا وعد اخلف، واذا اؤتمن خان ۔ فی روایة وان صام وصلی وزعم انه مسلم

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث نمبر ۳۳)

حتی الامکان "وعدہ" کو نبھایا جائے

پچھلے جمعہ کو اس حدیث میں بیان کی گئیں تین علامات میں سے ایک یعنی جھوٹ پر الحمد اللہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان ہو گیا تھا۔ منافق کی دوسری علامت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ:

"واذا وعد اخلف"

کہ جب وہ وعدہ کرے، تو اس کی خلاف ورزی کرے، مومن کا کام یہ ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس کو نبھاتا ہے، اس کو پورا کرتا ہے۔ چنانچہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا، اور بعد میں اس وعدہ کو پورا کرنے میں کوئی شدید عذر پیش آیا۔ یا کوئی رکاوٹ پیش آگئی جس کی وجہ سے اس کے لئے اس وعدہ کو پورا کرنا ممکن نہیں رہا، تو اس صورت یہ وعدہ کرنے والا شخص اس دوسرے شخص سے بتادے کہ اب میرے لئے اس وعدہ کو پورا کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس لئے میں اس وعدہ سے دست بردار ہوتا ہوں، مثلاً ایک شخص نے وعدہ کیا کہ میں تم کو فلاں تاریخ کو ایک ہزار روپے دونگا، بعد میں اس وعدہ کرنے والے کے پاس پیسے ختم ہو گئے۔ اور اب وہ اس قابل نہیں رہا کہ اس کی مدد کر سکے، اور اس کو ایک ہزار روپے دے سکے، تو اس صورت میں اس کو بتادے کہ میں نے ایک ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اس وعدے کو پورا کر سکوں۔ لیکن جب تک اس وعدہ کو پورا کرنے کی قدرت ہے، اور کوئی شرعی عذر نہیں ہے۔ اس وقت تک اس وعدہ کو پورا کرے۔

"منگنی" ایک وعدہ ہے

مثلاً کسی شخص نے منگنی کرلی، اور کسی سے رشتہ کرنے کے بارے میں طے کر لیا تو یہ منگنی ایک وعدہ ہے۔ اس لئے حتی الامکان اس کو نبھانا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی عذر پیش آجائے۔ مثلاً منگنی کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان اتفاق و اتحاد قائم نہیں رہے گا، طبیعتوں اور مزاجوں میں فرق ہے۔ اور کچھ حالات ایسے

سامنے آئے جو پہلے معلوم نہیں تھے۔ اس صورت میں اس کو بتادے کہ ہم نے آپ سے شادی کا وعدہ اور منگنی کی تھی۔ لیکن اب فلاں عذر کی وجہ سے ہم اس کو پورا نہیں کر سکتے، لیکن جب تک عذر نہ ہو۔ اس وقت تک وعدہ کو نبھانا اور اس وعدہ کو پورا کرنا شرعاً واجب ہے۔ اور اگر وعدہ پورا نہیں کریگا تو اس حدیث کا مصداق بن جائے گا۔

حضرت حذیفہ کا ابو جہل سے وعدہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے وعدوں کو نبھایا کہ ـــــ اللہ اکبر ـــــ آج اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، مشہور صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کی بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابو جہل اور اس کے لشکر سے ہو گئی، اس وقت ابو جہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جارہا تھا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ابو جہل سے ہوئی تو اس نے پکڑ لیا۔ اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں، ابو جہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جاکر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لوگے، انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور کی ملاقات اور زیارت ہے۔ ہم جنگ میں حصہ نہیں لینگے۔ ابو جہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جاکر صرف ملاقات کروگے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لوگے، انہوں نے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ ابو جہل نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے، اور راستے میں ملاقات ہو گئی۔

حق و باطل کا پہلا معرکہ "غزوہ بدر"

اب اندازہ لگایئے کہ اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ (غزوہ بدر) ہو رہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہو گیا۔ وہ "بدری" کہلایا، اور صحابہ کرام میں "بدری" صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور "اسمائے بدر یین" بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ "بدر یین" جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر، جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔ بخشش فرما دی ہے، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہر حال: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سارا قصہ سنا دیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابو جہل نے پکڑ لیا تھا۔ اور ہم نے یہ وعدہ کر کے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لینگے، اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے، آپ اس میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہو جائیں، اور جہاں تک اس وعدو کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لینگے، اور اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کر لیا، لیکن آپ ہمیں اجازت دیدیں۔ کہ ہم اس جنگ میں حصہ لیلیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہو جائے۔

(الاصابۃ ج ۱ ص ۳۱۶)

تم وعدہ کر کے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کر

کے آئے ہو، اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جاکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو گے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لو گے، اس لئے میں تم کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں، جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کر لیتا، مثلاً یہ تاویل کر لیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کر لیتا کہ یہ حالت عذر ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل ہوتا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جبکہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں۔ جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھالیے ہیں۔ یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جارہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے ___ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

جہاد کا مقصد حق کی سربلندی

یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہو رہا ہے۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بیکار جارہی ہیں، اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل و دماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت کا یہ

تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کر دو، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے۔ چلو، یہ کام کر لو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے۔ نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس کو نبھاؤ، چنانچہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہما، دونوں کو غزوہ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے وعدہ کا ایفاء۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

اگر آج اس کی مثال تلاش کریں تو اس دنیا میں ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟ ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ انہوں نے یہ مثالیں قائم کیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے۔۔ آمین۔۔ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شام میں تھے۔ اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ بر سرپیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا، اور ایک تاریخ متعین کر لی کہ اس تاریخ تک، ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کے

معاہدے کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو، اس وقت میں فوراً حملہ کر دوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی۔ پھر کہیں جاکر لشکر روانہ ہو گا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا۔ اس لئے معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہو گا، اس لئے وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دونگا۔ اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دوں گا تو جلدی فتح حاصل ہو جائیگی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر ان کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دے دیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ اب پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المومنین کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں:

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر، قفوا عباد اللہ قفوا عباد اللہ"

اللہ کے بندو ٹھیر جاؤ، اللہ کے بندو، ٹھیر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:

"وفاء لا غدر ا وفاء لا غدر"

مومن کا شیوہ وفاداری ہے۔ غداری نہیں ہے، عہد شکنی نہیں ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی، حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کی مدت کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں۔ اور فوج کا کچھ حصہ سرحد سے اندر بھی داخل کر دیا تھا۔ اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے ان کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلنه ولا يشد نه الى ان يمضي اجل له او ينبذ اليهم على سواء۔

(ترمذی، کتاب الجهاد، باب فی الغدر، حدیث نمبر ۱۵۸۰)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے۔ یہاں تک اس کی مدت نہ گزر جائے۔ یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، لہذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگایئے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیدیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آگئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بناء پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ پیش نظر نہیں تھا۔ کوئی اقتدار اور سلطنت [illegible] نہیں تھی۔ بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو

راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لئے واپس لوٹ گئے ــــ یہ ہے وعدہ، کہ جب زبان سے بات نکل گئی، تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

حضرت فاروق اعظم اور معاہدہ

• حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کرینگے تمہارے جان و مال کی حفاظت کرینگے، اور اس کے معاوضے سے تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے ــ "جزیہ" ایک ٹیکس ہوتا ہے، جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے ـــــ چنانچہ جب معاہدہ ہو گیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آگیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز تو بہت اچھی ہے، اور فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو۔ وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے جان و مال کی حفاظت کرینگے، اور اس کام کیلئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس ادا کیا ہے، وہ ہم آپ کو واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لیجائینگے۔ اور اب آپ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں ــــ یہ مثالیں ہیں، اور میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ جس نے اپنے مخالف مذہب والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہو۔

وعدہ خلافی کی مروجہ صورتیں

بہرحال: منافق کی دوسری علامت جو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ وعدہ کی خلاف ورزی اور وعدہ کو توڑنا ایک منافق کی نشانی ہے۔ اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے لیکن جیسے میں نے جھوٹ کے بارے میں پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ جھوٹ کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں، جن کو ہم اور آپ نے بالکل شیرمادر سمجھ لیا ہے، اور ان کو جھوٹ کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ ان کو جھوٹ سمجھتے ہی نہیں ہے، اسی طرح وعدہ خلافی کی بھی بعض صورتیں وہ ہیں۔ جن کو وعدہ خلافی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ وعدہ خلاف اچھی چیز ہے؟ تو جواب میں وہ یہی کہے گا کہ یہ تو بہت بری چیز اور گناہ ہے، لیکن عملی زندگی میں جب موقع آتا ہے تو اس وقت وہ وعدہ خلافی کر لیتا ہے۔ اور اس کو وعدہ خلافی سمجھتا ہی نہیں کہ یہ وعدہ خلافی ہے۔

ملکی قانون کی پابندی کرنا واجب ہے

مثلاً ایک بات عرض کرتا ہوں، جس کی طرف عام لوگوں کو توجہ نہیں ہے، اور اس کو دین کا معاملہ نہیں سمجھتے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ـــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "وعدہ" صرف زبانی نہیں ہوتا۔ بلکہ وعدہ عملی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک ملک میں بطور باشندے کے رہتا ہے تو وہ شخص عملاً اس حکومت سے وعدہ کرتا ہے کہ میں آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا، لہٰذا اب اس شخص پر اس وعدے کی پابندی کرنا واجب ہے، جب تک اس ملک کا قانون اس کو کسی گناہ کرنے پر مجبور نہ کرے، اس لئے کہ اگر کوئی قانون اس کو گناہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے تو پھر اس قانون پر عمل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ:

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں

(مصنف ابن ابی شیبة ج ١٢ ص ٥٤٦)

لہٰذا ایسے قانون کی پابندی نہ صرف یہ کہ واجب نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں، لیکن اگر کوئی قانون ایسا ہے جو آپ کو گناہ اور معصیت پر مجبور نہیں کر رہا ہے، اس قانون کی پابندی اس لئے واجب ہے کہ آپ نے عملاً اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ میں اس ملک کے قانون کی پابندی کرونگا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قانون

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ملک میں رہتے تھے، اور نبی بننے سے پہلے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کر دیا تھا، جس کا واقعہ مشہور ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر استغفار کیا کرتے تھے، اور فرماتے کہ: لهم علی ذنب (سورۃ الشعراء: ۱۴)

یعنی میرے اوپر ان کا ایک گناہ ہے، اور میں نے ان کا ایک جرم کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو جرم اور گناہ قرار دیتے تھے اور اس پر استغفار فرمایا کرتے تھے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، بلکہ ایک مظلوم کی مدد فرمائی تھی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ مکا مارنے سے وہ مرجائیگا اسلئے یہ حقیقۃً گناہ نہیں تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی بھی نہیں تھا، لیکن چونکہ صورت گناہ کی سی تھی، اسلئے آپنے اسے گناہ سے تعبیر فرمایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قبطی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ تو کافر تھا، اور کافر بھی حربی تھا، لہٰذا اگر اُسے جان بوجھ کر بھی قتل کرتے تو اس حربی کافر کو قتل کرنے میں کیا گناہ ہوا؟ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلئے گناہ ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے شہر میں رہ رہے ہیں تو عملاً اس بات کا وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کرینگے، اور ان کا قانون یہ تھا کہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قتل کیا، وہ اس قانون کی خلاف ورزی میں کیا، لہٰذا ہر حکومت کا ہر شہری، چاہے حکومت مسلمانوں کی ہو یا غیر مسلم حکومت ہو، عملاً اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قانون کی پابندی کریگا، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے۔

"ویزا" لینا ایک عملی وعدہ ہے

اسی طرح جب آپ ویزہ لے کر دوسرے ملک جاتے ہیں۔ چاہے وہ غیر مسلم ملک ہو۔ مثلاً ہندوستان، امریکہ یا یورپ ویزہ لے کر چلے گئے، یہ ویزہ لینا عملاً ایک وعدہ ہے کہ ہم حتیٰ الامکان اس ملک کے قوانین کی پابندی کریںگے، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے، ہاں اگر وہ قانون گناہ پر مجبور کرے تو پھر اس قانون کی پابندی جائز نہیں۔ لہٰذا جو قوانین ایسے ہیں، جو انسان کو کسی گناہ پر مجبور نہیں کرتے، یا ناقابل برداشت ظلم کا سبب نہیں بنتے، ان قوانین کی پابندی بھی وعدہ کی پابندی میں داخل ہے۔

ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی گناہ ہے

مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ دائیں طرف چلو، یا بائیں طرف چلو، یا یہ قانون ہے کہ جب سگنل کی لال بتی جلے تو رک جاؤ، اور جب سبز بتی جلے تو چل پڑو، اب ایک شہری ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ ان قوانین کی پابندی کرونگا، لہٰذا اگر کوئی شخص ان قوانین کی پابندی نہ کرے، تو یہ وعدہ خلافی ہے۔ اور گناہ ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کر لی تو اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سلیقہ اور ہوشیار جتانے کے لئے خلاف ورزی بھی کر رہا ہے، اور قانون کی گرفت میں بھی نہیں آرہا ہے۔

دنیا و آخرت کے ذمہ دار آپ ہونگے

یاد رکھئے، یہ کئی اعتبار سے گناہ ہے، ایک تو اس حیثیت سے گناہ ہے کہ یہ وعدہ کی خلاف ورزی ہے، دوسرے اس حیثیت سے بھی گناہ ہے یہ قوانین تو اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ نظم و ضبط پیدا ہو، اور اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے کو نقصان اور تکلیف پہنچانے کے راستے بند ہوں لہٰذا اگر آپ نے قانون کی خلاف ورزی کی، اور اس سے کسی کو نقصان پہنچ گیا، تو اس نقصان کی دنیا و آخرت کی ذمہ داری آپ پر ہوگی،

یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے

یہ سب باتیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کا دین سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو دنیا داری کی باتیں ہیں۔ ان کی پابندی کی کیا ضرورت ہے؟ خوب سمجھ لیجئے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دین ہے، جو ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہے، اور دین داری صرف ایک شعبے کی حد تک محدود نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو قانون کسی گناہ پر مجبور کرے۔ اس کی تو کسی حال میں بھی اطاعت جائز نہیں، اور جو قانون ناقابل برداشت ظلم کرے، اس کی بھی پابندی نہیں کرنی ہے، لیکن اس کے علاوہ جتنے قوانین ہیں ان کی پابندی شرعاً بھی ہمارے ذمے واجب ہے، اگر ان کی پابندی نہیں کرینگے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہو گا۔

خلاصہ

لہٰذا بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم وعدہ خلافی سمجھتے ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں۔ جن کو ہم وعدہ خلافی نہیں سمجھتے، مگر وہ وعدہ خلافی اور گناہ کے اندر داخل ہیں۔ ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے، دین ہماری زندگی کے ہر شعبے کے اندر داخل ہے۔ ان تمام چیزوں کا لحاظ نہ کرنا دین کے خلاف ہے۔

منافق کی دو علامتوں کا بیان ہو گیا، تیسری علامت ہے "امانت میں خیانت" اس کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ اس کی اہمیت اور فضیلت تو اپنی جگہ ہے، مگر بے شمار کام ایسے ہیں جو "خیانت" کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو خیانت نہیں سمجھتے، اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلے جمعہ اس کے بارے عرض کرونگا، جو باتیں ہم نے کہیں اور سنیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خیانت

اور اس کی مروجہ صورتیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن

تاریخ و وقت : ۱۳ر دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

سب سے بڑی امانت جو ہر انسان کے پاس موجود ہے، جس سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے، وہ انسان کا وجود اور اس کی زندگی ہے اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اس کے اوقات ہیں، کیا کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ان اعضاء آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ پاؤں کا مالک ہوں؟ اور جس طرح چاہوں ان کو استعمال کروں؟ ایسا نہیں، بلکہ یہ تمام اعضاء اللہ تعالیٰ نے ہمیں استعمال کے لئے عطا فرمائے ہیں، لہٰذا اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے اس وجود کو، ان اعضاء کو اپنی صلاحیتوں کو، اپنی توانائیوں کو صرف اسی کام میں استعمال کریں، جس کام کے لئے یہ دیئے گئے ہیں اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں صرف کریں گے تو یہ خیانت ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خیانت
اور
اس کی مروجہ صورتیں

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا و سندنا وشفیعنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آیۃ المنافق ثلاث: اذا حدث کذب، واذا وعد اخلف، واذا اؤتمن خان۔ وفی روایۃ وان صام وصلی وزعم انہ مسلم

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث نمبر ۳۳)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائیں

ہیں، اور اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ یہ تین کام مومن کے کام نہیں ہیں، اور جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں، وہ صحیح معنی میں مسلمان اور مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ ان میں سے دو کا بیان پچھلے دو جمعوں میں ۔ الحمدللہ ۔ قدرے تفصیل کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

امانت کی تاکید

منافق کی تیسری علامت جو بیان فرمائی، وہ ہے "امانت میں خیانت" یعنی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے، بلکہ یہ منافق کا کام ہے۔ بہت سی آیات اور احادیث میں امانت پر زور دیا گیا ہے، اور امانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا

(۵۸ : سورۃ النساء)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے اہل تک اور ان کے مستحقین تک پہنچاؤ، اور اس کی اتنی تاکید فرمائی گئی ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ

(مسند احمد۔ ج ۳ - ص : ۱۳۵)

یعنی جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان بھی نہیں۔ گویا کہ ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ آدمی امین ہو۔ امانت میں خیانت نہ کرتا ہو۔

امانت کا تصور

لیکن آج کی مجلس میں جس بات کی طرف توجہ دلانی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے ان تمام چیزوں کا مطلب اور مفہوم بہت محدود سمجھا ہوا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں امانت کا صرف اتنا تصور ہے کہ کوئی شخص پیسے لے کر آئے۔ اور یہ کہے کہ یہ پیسے آپ

بطور امانت اپنے پاس رکھ لیجئے۔ جب ضرورت ہوگی اس وقت میں آپ سے واپس لے لوں گا۔ تو یہ امانت ہے۔ اور اگر کوئی شخص امانت میں خیانت کرتے ہوئے ان پیسوں کو کھا کر ختم کر دے۔ یا جب وہ شخص اپنے پیسے مانگنے آئے تو اس کو دینے سے انکار کر دے تو یہ خیانت ہوئی۔ ہمارے ذہنوں میں امانت اور خیانت کا بس اتنا ہی تصور ہے۔ اس سے آگے نہیں ہے۔ بیشک یہ بھی امانت میں خیانت کا حصہ ہے۔ لیکن قرآن وحدیث کی اصطلاح میں "امانت" اس حد تک محدود نہیں، بلکہ "امانت" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اور بہت ساری چیزیں امانت میں داخل ہیں، جن کے بارے میں اکثر و بیشتر ہمارے ذہنوں میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ بھی امانت ہے۔ اور اس کے ساتھ "امانت" جیسا سلوک کرنا چاہئے۔

امانت کے معنی

عربی زبان میں "امانت" کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص پر کسی معاملے میں بھروسہ کرنا۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو دوسرے کو اس طرح سپرد کی گئی ہو، کہ سپرد کرنے والے نے اس پر بھروسہ کیا ہو کہ یہ اس کا حق ادا کرے گا، یہ ہے امانت کی حقیقت، لہٰذا کوئی شخص کوئی کام یا کوئی چیز یا کوئی مال جو دوسرے کے سپرد کرے، اور سپرد کرنے والا اس بھروسے پر سپرد کرے کہ یہ شخص اس سلسلے میں اپنے فریضے کو صحیح طور پر بجالائے گا۔ اور اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ یہ امانت ہے۔ لہٰذا "امانت" کی اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو بیشمار چیزیں اس میں داخل ہو جاتی ہیں۔

یوم الست میں اقرار

اللہ تعالیٰ نے "یوم الست" میں انسانوں سے جو عہد لیا تھا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں یا نہیں؟ اور تم میری اطاعت کرو گے یا نہیں؟ تمام انسانوں نے اقرار کیا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے، اس عہد کو قرآن کریم نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں امانت سے تعبیر فرمایا ہے، فرمایا کہ:

انا عرضنا الامانة على السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا ۰

(۷۲ الاحزاب)

یعنی ہم نے زمین پر امانت پیش کی، اور اس سے پوچھا کہ تم اس امانت کے بوجھ کو اٹھاؤ گی؟ تو اس نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ پھر آسمانوں پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھاؤ گے؟۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا، اور پھر پہاڑوں پر یہ امانت پیش کی کہ تم اس امانت کے بوجھ کو اٹھاؤ گے؟ انہوں نے بھی اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ سب اس امانت کو اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب یہ امانت اس حضرت انسان پر پیش کی گئی تو یہ بڑے بہادر بن کر آگے بڑھ کر اقرار کر لیا کہ میں اس امانت کو اٹھاؤں گا۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا کہ اتنے بڑے بوجھ کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھ گیا، اور یہ نہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے سے عاجز رہ جاؤں، جسکی وجہ سے میرا انجام خراب ہو جائے۔

یہ زندگی امانت ہے

بہر حال، اس بوجھ کو اللہ تعالیٰ نے "امانت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ یہ امانت کیا چیز تھی جو انسان پر پیش کی جارہی تھی؟ چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ یہاں امانت کے معنی یہ ہیں کہ اس انسان سے یہ کہا جارہا تھا کہ تمہیں ایک زندگی دی جائے گی، اور اس میں تمہیں اچھے کام کرنے کا بھی اختیار دیا جائے گا۔ اور برے کام کرنے کا بھی، اور جب اچھے کام کرو گے تو ہماری خوشنودی حاصل ہوگی، جنت کی ابدی اور دائمی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی۔ اور اگر برے کام کرو گے تو اس کے نتیجے میں تم پر ہمارا غضب ہوگا، اور جہنم کا ابدی عذاب تم پر ہوگا، اب بتاؤ تمہیں ایسی زندگی منظور ہے یا نہیں؟ چنانچہ اور سب نے انکار کر دیا، لیکن انسان اس کے لئے تیار ہو گیا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید

قرعہ فال بنام من دیوانہ زد

یعنی آسمان سے تو یہ بوجھ نہیں اٹھا، اس نے تو انکار کر دیا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، لیکن یہ حضرت انسان، مشت استخوان نے یہ بوجھ اٹھالیا، اور قرعہ فال میرے نام پر پڑ گیا۔ بہر حال! قرآن کریم نے اس کو "امانت" سے تعبیر فرمایا ہے۔

یہ جسم ایک امانت ہے

یہ پوری زندگی ہمارے پاس امانت ہے اور اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق گزار دیں، لہٰذا سب سے بڑی امانت جو ہر انسان کے پاس ہے، جس سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے، وہ امانت خود اس کا "وجود" اور اس کی "زندگی" اور اس کے اعضاء و جوارح، اس کے اوقات، اس کی توانائیاں ہیں، یہ سب کی سب امانت ہیں، کیا کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے اس ہاتھ کا مالک ہوں، یہ آنکھ جو مجھے ملی ہوئی ہے، میں اس کا مالک ہوں، ایسا نہیں، بلکہ یہ سارے اعضا ہمارے پاس امانت ہیں، ہم اس کے مالک نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کو استعمال کریں، بلکہ اعضا کی یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں استعمال کے لئے عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان اعضا کو، اپنے اس وجود کو، اپنی صلاحیتوں کو اور اپنی توانائیوں کو اسی کام میں صرف کریں، جس کام کے لئے یہ دی گئی ہیں، اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں صرف کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔

آنکھ ایک نعمت ہے

مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے اور یہ ایسی نعمت ہے کہ ساری دنیا کی مال و دولت خرچ کر کے اس کو حاصل کرنا چاہے تو حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اس کی قدر اس لئے نہیں ہے کہ پیدائش کے وقت سے یہ سرکاری مشین لگی ہوئی ہے۔ اور کام کر رہی ہے، اس کے حاصل کرنے میں نہ تو کوئی پیسہ لگا ہے، اور نہ محنت کرنی پڑی ہے، لیکن جس دن ــ خدا نہ کرے ــــ اس آنکھ کی بینائی پر ادنیٰ سا نقص آجائے، اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں میری یہ بینائی نہ چلی جائے، اس وقت

اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے، اور اس وقت آدمی ساری دولت ایک آنکھ کی بینائی کے لئے خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایسی سرکاری مشین ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے، نہ اس کی آور ہالنگ کی ضرورت۔ نہ اس کا ماہانہ خرچ، نہ ٹیکس، نہ کرایہ، بلکہ مفت ملی ہوئی ہے۔

آنکھ ایک امانت ہے۔

لیکن یہ مشین اللہ تعالیٰ نے بطور امانت کے دے رکھی ہے، اور یہ فرمادیا ہے کہ اس مشین کو استعمال کرو، اس کے ذریعہ دنیا کو دیکھو، دنیا کا نظارہ کرو، دنیا کے مناظر سے لطف اٹھاؤ، سب کچھ کرو، لیکن صرف چند چیزوں کو دیکھنے سے منع کر دیا کہ اس سرکاری مشین کو ان کاموں میں استعمال نہ کریں مثلاً حکم دے دیا کہ اس کے ذریعہ نامحرم پر نگاہ نہ ڈالی جائے، اب اگر اس کے ذریعہ ہم نے نامحرم کی طرف نگاہ ڈالی تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔ اسی لئے قرآن کریم نے نامحرم کی طرف نگاہ کرنے کو خیانت سے تعبیر فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ:

يعلم خائنة الاعين (۹ : غافر)

یعنی آنکھوں کی خیانت کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم نے اس کو ایسی جگہ استعمال کیا جہاں استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا، یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی شخص نے دوسرے کے پاس اپنا مال بطور امانت رکھوایا، اور اب وہ چوری چھپے آنکھ بچا کر اس کا مال استعمال کرنا چاہتا ہے، وہی معاملہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ بھی کرتا ہے، اور بے وقوف کو یہ پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عمل چھپ نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی خیانت کو بہت بڑا گناہ اور جرم قرار دیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعیدیں بیان فرمائیں۔

اور اگر آنکھ کی اس امانت اور نعمت کو صحیح جگہ استعمال کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک شخص باہر سے گھر کے اندر داخل ہوا۔ اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ اس

نے اس امانت کو صحیح جگہ پر استعمال کیا، اگرچہ اپنی ذاتی لذت کے لئے اپنے فائدے کیلئے کیا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی۔

"کان" ایک امانت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کان سننے کے لئے عطا فرمایا ہے، اور پھر ہر چیز سننے کی اجازت دے دی، صرف چند چیزوں پر پابندی لگا دی کہ تم گانا بجانا مت سننا، موسیقی مت سننا، غیبت مت سننا، غلط اور جھوٹی باتیں مت سننا، لہٰذا اگر کان ان چیزوں کے سننے میں استعمال ہو رہا ہے تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

زبان ایک امانت ہے۔

"زبان" اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جو پیدائش کے وقت سے چل رہی ہے، اور مرتے دم تک چلتی رہتی ہے، زبان کی ذرا سی حرکت سے نہ جانے کیا کیا کام انسان لے رہا ہے، یہ زبان اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ایک مرتبہ زبان کو حرکت دے، کر یہ کہہ دو:

سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

حدیث شریف میں ہے کہ اس کے ذریعہ سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے۔ اس لئے اس کے ذریعہ آخرت کی تیاری کرنی چاہئے، لیکن اگر اس زبان کو جھوٹ بولنے میں استعمال کیا۔ غیبت کرنے میں استعمال کیا۔ مسلمان کی دل آزاری کرنے میں استعمال کیا۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانے میں استعمال کیا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

خودکشی کیوں حرام ہے

یہ تو صرف اعضاء کی بات تھی۔ ہمارا یہ پورا وجود، پورا جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ جسم ہمارا اپنا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہم جو چاہیں کریں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اسی لئے شریعت میں

خودکشی کرنا حرام ہے۔ اگر یہ جسم ہمارا اپنا ہوتا تو خودکشی کیوں حرام ہوتی۔ وہ اس لئے حرام ہے کہ یہ جان، یہ جسم، یہ وجود، یہ اعضاء، حقیقت میں ہماری ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملکیت ہیں۔

مثلاً یہ کتاب میری ملکیت ہے۔ اب اگر میں کسی شخص سے کہوں کہ یہ کتاب تم لے جاؤ۔ میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ مجھے قتل کردو، میری جان لے لو، اب اس نے قتل کرنے کی اجازت دے دی۔ اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دیا۔ دستخط کر دیئے مہر بھی لگادی۔ سب کچھ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود جس کو قتل کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے لئے قتل کرنا جائز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ جان اس کی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اگر اس کی ملکیت ہوتی، تب وہ دوسرے کو اس کے لینے کی اجازت دے سکتا تھا، لہٰذا جب ملکیت نہیں، تو پھر دوسرے کو اجازت دینے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔

گناہ کرنا خیانت ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ پورا وجود، پوری جان، اور یہ صلاحیتیں اور توانائیاں یہ سب ہمیں امانت کے طور پر عطا فرمائیں ہیں، لہٰذا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پوری زندگی امانت ہے، اس لئے زندگی کا کوئی کام، اور ان اعضاء سے کیا جانے والا کوئی عمل، کوئی قول، کوئی فعل ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس امانت میں خیانت کا سبب بنے، لہٰذا امانت کا جو محدود تصور ہمارے ذہنوں میں ہے کہ کوئی شخص آکر پیسے رکھوائے گا، اور ہم صندوقچی کھول کر اس میں وہ پیسے رکھیں گے، اور تالہ لگادیں گے، اب اگر ان پیسوں کو نکال کر خرچ کر لیا تو یہ خیانت ہوگی۔ امانت کا اتنا محدود تصور غلط ہے۔ بلکہ یہ پوری زندگی ایک امانت ہے۔ اور زندگی کا ایک ایک قول وفعل امانت ہے۔

لہٰذا یہ جو فرمایا کہ امانت میں خیانت کرنا نفاق کی علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی گناہ ہیں، چاہے وہ آنکھ کا گناہ ہو، یا کان کا گناہ ہو، یا زبان کا گناہ ہو، یا کسی اور عضو کا گناہ ہو، وہ سارے امانت میں خیانت کے اندر داخل ہیں، اور وہ مومن کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ منافق کے کام ہیں۔

"عاریت" کی چیز امانت ہے

یہ تو امانت کے بارے میں عام باتیں تھیں۔ لیکن امانت کے کچھ خاص شعبے بھی ہیں، بعض اوقات ہم ان کو امانت نہیں سمجھتے، اور امانت جیسی حفاظت نہیں کرتے۔ مثلاً "عاریت" کی چیز ہے، "عاریت" اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو ایک چیز کی ضرورت تھی۔ وہ چیز اس کے پاس نہیں تھی۔ اس لئے اس نے وہ چیز استعمال کرنے کے لئے دوسرے سے مانگ لی کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے، تھوڑی دیر کے لئے دے دو، اب یہ "عاریت" کی چیز "امانت" ہے۔ مثلاً میرا ایک کتاب پڑھنے کو دل چاہ رہا تھا، لیکن وہ کتاب میرے پاس نہیں تھی، اس لئے میں نے دوسرے شخص سے پڑھنے کے لئے وہ کتاب مانگ لی کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا، اب یہ کتاب میرے پاس "عاریت" ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو عاریت کہا جاتا ہے، اور یہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے، لہٰذا اس لینے والے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ اس عاریت کی چیز کو اس طرح استعمال نہ کرے، جس سے مالک کو تکلیف ہو، اور دوسرے یہ کہ اس کو بروقت مالک کے پاس لوٹانے کی فکر کرے۔

یہ برتن امانت ہیں

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بیشمار مواعظ میں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگ بکثرت ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کے گھر کسی نے کھانا بھیج دیا، اس بیچارے بھیجنے والے سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس نے آپ کے گھر کھانا بھیج دیا، اب صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کھانا تم دوسرے برتن میں نکال لو، اور وہ برتن اس کو فوراً واپس کر دو، مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ بیچارہ کھانا بھیجنے والا برتن سے بھی محروم ہو گیا، چنانچہ وہ برتن گھر میں پڑے ہوئے ہیں، واپس پہنچانے کی فکر نہیں، بلکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ان برتنوں کو خود اپنے استعمال میں لانے شروع کر دیئے، یہ امانت میں خیانت ہے، اس لئے کہ وہ برتن آپ کے پاس بطور عاریت کے آئے تھے، آپ کو ان کا مالک نہیں بنایا گیا تھا، لہٰذا ان برتنوں کو استعمال کرنا، اور ان کو واپس پہنچانے کی فکر نہ کرنا امانت میں

خیانت ہے۔

یہ کتاب امانت ہے

یا مثلاً آپ نے کسی سے کتاب پڑھنے کے لئے لے لی، اور کتاب پڑھ کر اس کو مالک کے پاس واپس نہیں پہنچائی یہ امانت میں خیانت ہے، حتیٰ کہ اب تو لوگوں میں یہ مقولہ بھی مشہور ہو گیا ہے کہ "کتاب کی چوری جائز ہے" اور جب کتاب کی چوری جائز ہو گئی تو امانت میں خیانت بطریق اولیٰ جائز ہو گی۔ اگر کسی نے کوئی کتاب پڑھنے کے لئے دے دی تو اب لوٹانے کا کوئی سوال نہیں، حالانکہ یہ سب باتیں امانت میں خیانت کے اندر داخل ہیں۔ اسی طرح جتنی عاریت کی چیزیں ہیں، جو آپ کے پاس کسی بھی طریقے سے آئی ہوں۔ ان کو حفاظت سے رکھنا، اور ان کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرنا واجب اور فرض ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔

ملازمت کے اوقات امانت ہیں

اسی طرح ایک شخص نے کہیں ملازمت کر لی۔ اور ملازمت میں آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کا معاہدہ ہو گیا، یہ آٹھ گھنٹے آپ نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیئے، لہٰذا یہ آٹھ گھنٹے کے اوقات آپ کے پاس اس شخص کی امانت ہے جس کے یہاں آپ نے ملازمت کی ہے۔ لہٰذا اگر ان آٹھ گھنٹوں میں سے ایک منٹ بھی آپ نے کسی ایسے کام میں صرف کر دیا، جس میں صرف کرنے کی مالک کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔ تو یہ امانت میں خیانت ہے، مثلاً ڈیوٹی کے اوقات میں دوست احباب ملنے کے لئے آ گئے اب ان کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ وقت اس میں صرف ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ وقت تمہارا بکا ہوا تھا۔ تمہارے پاس امانت تھا، تم نے اس وقت کو باتوں میں اور ہنسی مذاق میں گزار دیا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

اب بتایئے، ہم لوگ کتنے غافل ہیں کہ جو اوقات ہمارے بکے ہوئے ہیں، ہم ان کو دوسرے کاموں میں صرف کر رہے ہیں، یہ امانت میں خیانت ہو رہی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مہینے کے آخر میں جو تنخواہ مل رہی ہے وہ پوری طرح حلال نہیں ہوئی، اس

لئے کہ وقت پورا نہیں دیا۔

دارالعلوم دیو بند کے اساتذہ کا معمول

دارالعلوم دیو بند کے حضرات اساتذہ کرام کو دیکھئے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ صحابہ کرام کے دور کی یادیں تازہ کرائیں، ان حضرات اساتذہ کرام کی تنخواہ ۱۰ روپے ماہانہ یا پندرہ روپے ماہانہ ہوتی تھی، لیکن چونکہ جب تنخواہ مقرر ہو گئی، اور اپنے اوقات مدرسے کے ہاتھ فروخت کر دیئے، اس لئے ان حضرات اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ اگر مدرسے کے اوقات کے دوران مہمان یا دوست احباب ملنے کے لئے آتے تو جس وقت وہ مہمان آتے فوراً گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ اور پھر ان کو جلد از جلد نمٹانے کی فکر کرتے۔ اور جس وقت وہ مہمان چلے جاتے، اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ پورا مہینہ اس طرح وقت نوٹ کرتے رہتے پھر جب مہینہ پورا ہو جاتا تو وہ اساتذہ باقاعدہ درخواست دیتے کہ اس ماہ کے دوران ہم نے اتنا وقت مدرسے کے کام کے علاوہ دوسرے کاموں میں صرف کیا ہے۔ لہٰذا براہ کرم میری تنخواہ میں سے اتنے وقت کے پیسے کاٹ لئے جائیں، وہ حضرات اساتذہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ اگر ہم نے اس وقت کی تنخواہ لے لی وہ تنخواہ ہمارے لئے حرام ہو گئی۔ اس لئے واپس کر دیتے۔ آج تنخواہ لینے کے لئے تو درخواستیں دی جاتی ہیں۔ تنخواہ کٹوانے کے لئے درخواست دینے کا آج تصور بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تنخواہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ، جو دارالعلوم دیو بند کے پہلے طالب علم ہیں، جن کے ذریعہ دارالعلوم دیو بند کا آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم میں، تقویٰ میں، معرفت میں، بہت اونچا مقام بخشا تھا۔ جس زمانے میں آپ دارالعلوم دیو بند میں شیخ الحدیث تھے، اس وقت آپ کی تنخواہ ماہانہ دس روپے تھی، پھر جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور تجربہ بھی زیادہ ہو گیا، تو اس وقت دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ نے یہ

طے کیا کہ حضرت والا کی تنخواہ بہت کم ہے۔ جبکہ آپ کی عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ ضروریات بھی زیادہ ہیں، مشاغل بھی زیادہ ہیں، اس لئے تنخواہ بڑھانی چاہئے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ اب آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے ماہانہ کر دی جائے، جب تنخواہ تقسیم ہوئی تو حضرت والا نے دیکھا کہ اب دس کے بجائے پندرہ روپے ملے ہیں۔ حضرت والا نے پوچھا کہ یہ پندرہ روپے مجھے کیوں دیئے گئے۔ لوگوں نے بتایا کہ مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی جائے، آپ نے وہ تنخواہ لینے سے انکار کر دیا، اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کے نام لیک درخواست لکھی کہ حضرت! آپ نے میری تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی ہے۔ حالانکہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، پہلے تو میں نشاط کے ساتھ دو تین گھنٹے سبق پڑھا لیتا تھا۔ اور اب تو میں کم پڑھاتا ہوں۔ وقت کم دیتا ہوں۔ لہذا میری تنخواہ میں اضافے کا کوئی جواز نہیں، لہذا جو اضافہ آپ حضرات نے کیا ہے یہ واپس لیا جائے۔ اور میری تنخواہ اسی طرح دس روپے کر دی جائے۔

لوگوں نے آکر حضرت والا سے منت سماجت شروع کر دی کہ حضرت! آپ تو اپنے تقویٰ اور ورع کی وجہ سے اضافہ واپس کر رہے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگوں کے لئے یہ مشکل ہو جائے گی کہ آپ کی وجہ سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی۔ لہذا آپ اس کو منظور کر لیں۔ مگر انہوں نے اپنے لئے اس کو گوارا نہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ ہر وقت یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ دنیا تو چند روز کی ہے۔ خدا جانے آج ختم ہو جائے۔ یا کل ختم ہو جائے۔ لیکن یہ پیسہ جو میرے پاس آرہا ہے، کہیں یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر وہاں شرمندگی کا سبب نہ بن جائے۔

دارالعلوم دیوبند عام یونیورسٹی کی طرح نہیں تھا کہ استاد نے سبق پڑھا دیا۔ اور طالب علم نے سبق پڑھ لیا۔ بلکہ وہ ان اداؤں سے دارالعلوم دیوبند بنا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر سے بنا ہے۔ اس ورع اور تقویٰ سے بنا ہے۔ لہذا یہ اوقات جو ہم نے بیچ دیئے ہیں۔ یہ امانت ہیں۔ اس میں خیانت نہ ہونی چاہئے۔

آج حقوق کے مطالبے کا دور ہے

آج سارا زور حقوق کے حاصل کرنے پر ہے، حقوق حاصل کرنے کے لئے جلوس اور جلسے ہو رہے ہیں، نعرے لگائے جارہے ہیں۔ اور اس بات پر احتجاج ہو رہا ہے کہ ہمیں ہمارا حق دو، ہر شخص یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے میرا حق دو۔ لیکن کسی کو یہ فکر نہیں کہ دوسروں کے حقوق جو مجھ پر عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ آج یہ مطالبہ تو ہر شخص کر رہا ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے۔ مجھے ترقی ملنی چاہئے، یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ مجھے اتنی چھٹیاں ملنی چاہئیں، مجھے اتنا الاؤنس ملنا چاہئے۔ لیکن جو فرائض مجھے سونپے گئے ہیں۔ وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اس کی کوئی فکر نہیں۔

ہر شخص اپنے فرائض کی نگرانی کرے

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ جب تک ہماری یہ ذہنیت برقرار رہے گی کہ میں دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتا رہوں، اور مجھ سے کوئی حقوق کا مطالبہ نہ کرے، میں اپنے فرائض سے غافل رہوں، اور دوسروں سے حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ یاد رکھو! اس وقت تک دنیا میں کسی کا حق ادا نہیں ہو گا۔ حق ادا ہونے کا صرف ایک راستہ ہے، جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگرانی کرے، میرے ذمہ جو فریضہ ہے، میں اس کو ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ جب اس بات کا احساس دل میں ہو گا تو پھر سب کے حقوق ادا ہو جائیں گے۔ اگر شوہر کے دل میں یہ احساس ہو کہ میرے ذمے بیوی کے جو فرائض ہیں، میں ان کو ادا کر دوں، بس بیوی کا حق ادا ہو گیا۔ بیوی کے دل میں یہ احساس ہو کہ میرے ذمے شوہر کے جو فرائض ہیں۔ میں ان کو ادا کر دوں۔ بس شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ مزدور کے دل میں یہ احساس ہو کہ مالک کے میرے ذمے جو فرائض ہیں۔ میں ان کو ادا کر دوں، مالک کا حق ادا ہو گیا۔ اور مالک کے دل میں یہ احساس ہو کہ مزدور کے میرے ذمے جو حقوق ہیں، وہ میں ادا کر دوں، مزدور کا حق ادا ہو گیا۔ جب تک دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہو گا۔ اس وقت تک حقوق کے مطالبے کے صرف نعرے ہی لگتے رہیں گے اور تحفظ حقوق کی انجمنیں ہی

قائم ہوتی رہیں گی۔ اور جلسے جلوس نکلتے رہیں گے، لیکن اس وقت تک کسی کا حق ادا نہ ہو گا، جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے اس کے حقوق کا جواب دینا ہے۔ بس دنیا میں امن و سکون کا یہی راستہ ہے۔ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے

لہٰذا یہ اوقات ہمارے پاس امانت ہیں، قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ویل للمطففین ○ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ○
واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون ○

(المطففین: ۳)

فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب دوسروں سے وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو پورا پورا وصول کرتے ہیں۔ تاکہ ذرا بھی کمی نہ ہو جائے، لیکن جب دوسروں کو دینے کا وقت آتا ہے تو اس میں کم دیتے ہیں اور ڈنڈی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے ـــــ اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی اس وقت ہوتی ہے۔ جب آدمی کوئی سودا بیچے، اور اس میں ڈنڈی مار جائے، حالانکہ علماء نے فرمایا کہ:

"التطفیف فی کل شئ"

یعنی ناپ تول میں کمی ہر چیز میں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ اور وہ پورے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی نہیں دے رہا ہے، وہ بھی ناپ تول میں کمی کر رہا ہے۔ اور اس عذاب کا مستحق ہو رہا ہے، اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔

"منصب" اور "عہدہ" ذمہ داری کا پھندا

آج ہم پر یہ بلا جو مسلط ہے کہ اگر کسی کو سرکاری دفتر میں کوئی کام پڑ جائے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے، اس کا کام آسانی سے نہیں ہوتا، بار بار دفتروں کے چکر

لگانے پڑتے ہیں، کبھی افسر صاحب سیٹ پر موجود نہیں ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ آج کام نہیں ہو سکتا کل کو آنا، جب دوسرے دن پہنچے تو کہا کہ پرسوں آنا، چکر پر چکر لگوائے جارہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے فرض کا احساس اور امانت کا احساس ختم ہو گیا ہے، اگر کسی کے پاس کوئی منصب ہے تو وہ کوئی منفعت نہیں ہے۔ وہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے، بلکہ وہ ذمہ داری کا ایک پھندا ہے، حکومت، اقتدار، منصب، عہدہ یہ سب ذمہ داری کے پھندے ہیں، یہ ایسی ذمہ داری ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا پیاسا مر جائے تو مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے سوال نہ ہو جائے کہ اے عمر! تیرے عہد خلافت میں فلاں کتا بھوکا پیاسا مر گیا تھا۔

کیا ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں؟

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اور آپ شدید زخمی ہو گئے تو کچھ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ حضرت آپ دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں، آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ اور جانشین نامزد فرمادیں، تاکہ آپ کے بعد وہ حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لے، اور بعض حضرات نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو نامزد فرمادیں تاکہ آپ کی وفات کے بعد وہ خلیفہ بن جائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے تو جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم مجھ سے ایسے شخص کو خلیفہ بنوانا چاہتے ہو، جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۱۳)

واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض یعنی ماہواری کے ایام میں طلاق دیدی تھی، اور مسئلہ یہ ہے کہ جب عورت ایام کی حالت میں ہو، اس وقت عورت کو طلاق دینا شرعاً ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط

کیا، اس لئے اب رجوع کر لو، اور پھر سے اگر طلاق دینی ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دینا ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتے ہو جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۱۳ و تاریخ الطبری ۳: ۲۹۲)

حضرت عمر اور احساس ذمہ داری

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو دوسرا جواب یہ دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت کے بوجھ کا پھندا خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص کے گلے میں پڑ گیا تو یہ بھی کافی ہے، مراد اپنی ذات تھی کہ بارہ سال تک یہ پھندا میرے گلے میں پڑا رہا۔ وہی کافی ہے۔ اب اس خاندان کے کسی اور فرد کے گلے میں یہ پھندا میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس واسطے کہ کچھ پتہ نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جب مجھے اس ذمہ داری کا حساب دینا ہوگا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی یہ خوشخبری سن چکے ہیں کہ: "عمر فی الجنۃ" کہ عمر جنت میں جائے گا۔ اس بشارت کے بعد اس بات کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا کہ جنت میں نہ جائیں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کا ڈر اور اس امانت کا اتنا احساس ہے۔

(تاریخ الطبری ج ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر میں اس امانت کے حساب کے نتیجے میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں کہ میرے اوپر نہ کوئی گناہ ہو، اور نہ ثواب ہو اور مجھے "اعراف" میں بھیج دیا جائے (جو جنت اور جہنم کے درمیان ایک علاقہ ہے جس میں ان لوگوں کو رکھا جائے گا، جن کے گناہ اور ثواب برابر ہوں گے) تو میرے لئے یہ بھی کافی، اور میں خلاصی پا جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے اس امانت کا احساس جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر اس احساس کا تھوڑا ذرہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے تو ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔

پاکستان کا مسئلہ نمبر ایک "خیانت" ہے

ایک زمانے میں یہ بحث چلی تھی کہ پاکستان کا مسئلہ نمبر ایک کیا ہے؟ یعنی سب سے بڑی مشکل کیا ہے جس کو حل کرنے میں اولیت دی جائے حقیقت میں مسئلہ نمبر ایک "خیانت" ہے آج امانت کا تصور ہمارے ذہنوں میں موجود نہیں ہے۔ اپنے فرائض ادا کرنے کا احساس دل سے اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس باقی نہیں رہا، زندگی تیزی سے چلی جارہی ہے۔ جس میں پیسے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ کھانے کی دوڑ لگی ہے، اقتدار کی دوڑ ہے۔ اس دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی کوئی فکر نہیں، آج سب سے بڑا مسئلہ، اور ساری بیماریوں کی جڑ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے اندر یہ احساس پیدا فرمادے تو مسائل درست ہو جائیں۔

دفتر کا سامان امانت ہے

جس دفتر میں آپ کام کر رہے ہیں۔ اس دفتر کا جتنا سامان ہے۔ وہ سب آپ کے پاس امانت ہے اس لئے کہ وہ سامان آپ کو اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو دفتری کاموں میں استعمال کریں لہذا آپ اس کو ذاتی کاموں میں استعمال نہ کریں۔ اس لئے کہ یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر دفتری معمولی چیز اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لی اس میں کیا حرج ہے؟ یاد رکھو خیانت چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی ہو، دونوں حرام ہیں، اور گناہ کبیرہ ہیں۔ دونوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس لئے ان دونوں سے بچنا ضروری ہے۔

سرکاری اشیاء امانت ہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ "امانت" کے صحیح معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے آپ پر بھروسہ کر کے اپنا کوئی کام آپ کے سپرد کیا، اور پھر آپ نے وہ کام اس کے

بھروسہ کے مطابق انجام نہ دیا تو یہ خیانت ہوگی، یہ سڑکیں جن پر آپ چلتے ہیں۔ یہ بسیں جن میں آپ سفر کرتے ہیں۔ یہ ٹرینیں جن میں آپ سفر کرتے ہیں۔ یہ سب امانت ہیں۔ یعنی ان کو جائز طریقے پر استعمال کیا جائے اور اگر ان کو اس جائز طریقے سے ہٹ کر استعمال کیا جارہا ہے۔ تو وہ خیانت کے اندر داخل ہے۔ مثلاً اس کو استعمال کرتے وقت گندہ اور خراب کر دیا۔ آج کل تو لوگوں نے سڑکوں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ رکھا ہے۔ کسی نے کھود کر نالی نکال لی اور پانی جانے کا راستہ بنا دیا۔ کسی نے سڑک گھیر کر شامیانہ لگا دیا۔ حالانکہ فقہاء کرام نے یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے گھر کا پرنالہ باہر سڑک کی طرف نکال دیا، تو اس شخص نے ایک ایسی فضا استعمال کی جو اس کی ملکیت میں نہیں تھی، اس لئے اس شخص اس کے لئے سڑک کی طرف پرنالہ نکالنا جائز نہیں، حالانکہ وہ پرنالہ کوئی جگہ نہیں گھیر رہا ہے۔ بلکہ فضا کے ایک حصے میں وہ پرنالہ نکلا ہوا ہے اس پر فقہاء کرام نے تفصیلی بحث کی ہے کہ کہاں پرنالہ نکالنا جائز ہے کتنا نکالنا جائز ہے کتنا نکالنا حرام ہے، اس لئے کہ وہ جگہ امانت ہے اپنی ملک کا حصہ نہیں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پرنالہ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کے پرنالے کا قصہ مشہور ہے ان کا گھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل ساتھ ملا ہوا تھا، ان کے گھر کا ایک پرنالہ مسجد نبوی کے صحن میں گرتا تھا ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس پرنالے پر نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ پرنالہ مسجد میں نکلا ہوا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ پرنالہ کس کا ہے جو مسجد کے صحن کی طرف لگا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پرنالہ ہے، آپ نے حکم فرمایا کہ اس کو توڑ دو۔ مسجد کی طرف کسی کو پرنالہ نکالنا جائز نہیں، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو ملاقات کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پرنالہ مسجد نبوی میں نکلا ہوا تھا۔ اس لئے گرا دیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

یہ پرنالہ میں نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگایا تھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ حضور کی اجازت سے لگایا تھا تو فوراً فرمایا کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ مسجد نبوی میں تشریف لاکر خود جھک کر رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عباس! خدا کے لئے میری کمر پر سوار ہو کر اس پرنالے کو دوبارہ لگاؤ، اس لئے کہ خطاب کے بیٹے کی یہ مجال کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دیئے ہوئے پرنالے کو توڑ دے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں لگوا لوں گا۔ آپ رہنے دیں، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، جب میں نے توڑا ہے لہٰذا اب میں ہی اس کی سزا بھگتوں گا۔ بہر حال! شریعت کا اصل مسئلہ تو یہی تھا کہ حاکم کی اجازت کے بغیر وہ پرنالہ لگانا جائز نہیں تھا۔ لیکن چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لگانے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی لئے اس کو لگانا ان کے لئے جائز ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۲۰)

آج یہ حال ہے کہ جس شخص کا جتنی زمین پر قبضہ کرنے کا دل چاہا قبضہ کر لیا۔ اور اس کی کوئی فکر نہیں کہ یہ ہم گناہ کے کام کر رہے ہیں۔ نمازیں بھی ہو رہی ہیں، اور یہ خیانت بھی ہو رہی ہے۔ یہ سب کام لغت میں خیانت کے اندر داخل ہیں، اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

مجلس کی گفتگو امانت ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"المجالس بالامانۃ"

(جامع الاصول ۶: ۵۳۵)

یعنی مجلسوں میں جو بات کی گئی ہو، وہ بھی سننے والوں کی پاس امانت ہے مثلاً دو تین آدمیوں نے آپس میں مل کر باتیں کیں۔ بے تکلفی میں باہم اعتماد کی فضا میں راز کی باتیں کر

لیں۔ اب ان باتوں کو ان کی اجازت کے بغیر دوسروں تک پہنچانا بھی خیانت کے اندر داخل ہے۔ اور ناجائز ہے۔ جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ادھر کی بات ادھر لگادی۔ اور ادھر کی بات ادھر لگادی۔ یہ سارا فتنہ فساد اسی طرح پھیلتا ہے۔ البتہ اگر مجلس میں کوئی ایسی بات کہی گئی ہو جس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، مثلاً دو تین آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی فلاں وقت پر فلاں شخص کے گھر پر حملہ کریں گے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے۔ جس کو چھپایا جائے، بلکہ اس شخص کو بتا دیا جائے کہ تمہارے خلاف یہ سازش ہوئی ہے۔ لیکن جہاں اس قسم کی بات نہ ہوئی ہو وہاں کسی کے راز کی بات دوسروں تک پہنچانا ناجائز ہے۔

راز کی باتیں امانت ہیں

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ راز کی بات مجلس میں ایک شخص نے سنی، اس نے جاکر دوسرے کو یہ تاکید کر کے سنادی کہ یہ راز کی بات بتا رہا ہوں۔ تمہیں تو بتادی، لیکن کسی اور سے مت کہنا، اب وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تاکید کر کے میں نے راز کا تحفظ کر لیا کہ آگے یہ بات کسی اور کو مت بتانا۔ اب وہ سننے والا آگے تیسرے شخص کو وہ راز کی بات اس تاکید کے ساتھ بتا دیتا ہے۔ کہ یہ راز کی بات ہے۔ تم آگے کسی اور سے مت کہنا، یہ سلسلہ آگے اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے امانت کا خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ بات راز تھی، اور دوسروں سے کہنے کو منع کیا گیا تھا تو پھر اس تاکید کے ساتھ کہنا بھی امانت کے خلاف ہے یہ خیانت ہے اور جائز نہیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے ہمارے معاشرے میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ آپ غور کر کے دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ فساد اسی طرح برپا ہوتے ہیں کہ فلاں شخص تو آپ کے بارے میں یہ کہہ رہا تھا، اب اس کے دل میں اس کے خلاف غصہ اور بغض اور عناد پیدا ہو گیا، اس لئے اس لگائی بجھائی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

ٹیلیفون پر دوسروں کی باتیں سننا

دو آدمی آپ سے علیحدہ ہو کر آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں۔ اور آپ چھپ کر ان کی باتوں کو سننے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ میں ان کی باتیں سن لوں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ امانت میں خیانت ہے۔

یا ٹیلیفون کرتے وقت کسی کی لائن آپ کے فون سے مل گئی اب آپ نے ان کی باتوں کو سننا شروع کر دیا۔ یہ سب امانت میں خیانت ہے، تجسس میں داخل ہے، اور ناجائز ہے، حالانکہ آج اس پر بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ مجھے فلاں کا راز معلوم ہو گیا۔ اس کو بڑا ہنر اور بڑا فن سمجھا تا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ کہ یہ خیانت کے اندر داخل ہے، اور ناجائز ہے۔

خلاصہ

غرض یہ ہے کہ امانت میں خیانت کے مصداق اتنے ہیں کہ شاید زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ہمیں امانت کا حکم نہ ہو۔ اور خیانت سے ہمیں روکا نہ گیا ہو، یہ ساری باتیں جو میں نے ذکر کیں ہیں، یہ سب امانت کے خلاف ہیں اور نفاق کے اندر داخل ہیں، لہٰذا یہ حدیث ہر وقت مستحضر رہنی چاہئے کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی امانت آئے تو اس میں خیانت کرے، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ سب کی اس سے حفاظت فرمائے، یہ سب دین کا حصہ ہے، ہم لوگوں نے دین کو بہت محدود کر رکھا ہے، اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان باتوں کو فراموش کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں فکر پیدا فرما دے۔ اور اس کی توفیق عطا فرما دے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اس طریقے پر ہم عمل کریں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱-لیاقت آباد کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم

ضبط و ترتیب : محمد عبد اللہ میمن

تاریخ و وقت : ۲۹/ نومبر ۱۹۹۱ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

"معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ آپ کا، میرا، اور افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے۔ اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اگر معاملہ یہ رہا کہ میں تمہارے اوپر تنقید کروں، اور تم میرے اوپر تنقید کرو، میں تمہاری برائی بیان کروں، اور تم میری برائی بیان کرو، اس طرح کبھی بھی معاشرے کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللّٰہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون ○

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۰۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علٰی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین۔

عجیب و غریب آیت

یہ ایک عجیب و غریب آیت ہے، جو ہماری ایک بہت بڑی بیماری کی تشخیص کر رہی ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ یہ آیت ہماری دکھتی ہوئی رگ پکڑ رہی ہے، اللہ جل شانہ سے زیادہ کون انسان کی نفسیات اور اسکے مزاج اور اس کی بیماریوں کو پہچان سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس آیت میں ہمارے ایک بہت بڑے سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جو آجکل کثرت سے ہمارے دلوں میں پیدا ہو رہا ہے۔

اصلاح معاشرہ کی کوششیں کیوں بے اثر ہیں؟

پہلے وہ سوال عرض کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکے گا۔ بعض اوقات ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ اصلاح حال، اور اصلاح معاشرہ کی نہ جانے کتنی کوششیں مختلف جہتوں اور مختلف گوشوں سے ہو رہی ہیں۔ کتنی انجمنیں، کتنی جماعتیں، کتنی پارٹیاں، کتنے افراد، کتنے جلسے، کتنے جلوس، کتنے اجتماع ہوتے ہیں۔ اور سب کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سد باب کیا جائے، معاشرے کو سیدھے راستے پر لایا جائے۔ اور انسان کو انسان بنانے کی فکر کی جائے۔ ہر ایک کے اغراض و مقاصد میں اصلاح حال۔ اصلاح معاشرہ۔ فلاح و بہبود جیسی بڑی بڑی باتیں درج ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں۔ جو انجمنیں اور جماعتیں اس کام پر لگی ہوئی ہیں اور جو ایسے افراد اس کام میں مصروف ہیں۔ اگر ان کو شمار کیا جائے تو شاید ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہزاروں جماعتیں ہزاروں افراد اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔

لیکن دوسری طرف اگر معاشرے کی عمومی حالت کو بازاروں میں نکل کر دیکھیں۔ دفتروں میں جا کر دیکھیں۔ جیتی جاگتی زندگی کو ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ساری کوششیں ایک طرف اور گمراہی کا سیلاب ایک طرف، معاشرے پر اس اصلاح کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا پہیہ اسی طرح غلط راستے پر گھوم رہا ہے، اگر تن... س ہے تو برائی میں ہو رہی ہے۔

اچھائی میں نہیں ہو رہی ہیں۔ تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کوششیں معاشرے کو بدلنے میں کیوں ناکام نظر آتی ہیں؟ اکا دکا مثالیں اپنی جگہ ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اگر پورے معاشرے پر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

بیماری کی تشخیص

اس سوال کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عطا فرمایا ہے۔ اور ہماری ایک بیماری کی تشخیص بھی فرمادی ہے۔ اور یہ وہ آیت ہے جو اکثر و بیشتر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اس کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں۔ مفہوم بھی پیش نظر نہیں رہتا۔

یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم تعملون۔

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آگئے (تم نے ہدایت حاصل کرلی۔ صحیح راستہ اختیار کرلیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں۔ ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو۔

اپنے حال سے غافل، اور دوسروں کی فکر

اس آیت میں ہماری ایک بہت بنیادی بیماری یہ بتادی کہ یہ اصلاح کی کوششیں جو ناکام نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جب اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسرا شخص اپنے آپ سے

کرے، یہ خود دوسروں کو بلا رہا ہے۔ دوسروں کو دعوت دے رہا ہے۔ دوسروں کو اصلاح کا پیغام دے رہا ہے۔ لیکن اپنے آپ سے اور اپنے حالات میں تبدیلی لانے سے غافل ہوتا ہے، آج ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ مختلف محفلوں اور مجلسوں میں ہمارا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم معاشرے کی برائیوں کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے ہیں "سب لوگ تو یوں کر رہے ہیں۔ "لوگوں کا تو یہ حال ہے" "معاشرہ تو اس درجے خراب ہوگیا ہے" "فلاں کو میں نے دیکھا وہ یوں کر رہا تھا" سب سے آسان کام اس بگڑے ہوئے معاشرے میں یہ ہے کہ دوسروں پر انسان اعتراض کر دے، تنقید کر دے، دوسروں کے عیب بیان کر دے کہ لوگ تو یوں کر رہے ہیں، اور معاشرے کے اندر یہ ہو رہا ہے، شاید ہی ہماری کوئی محفل اور کوئی مجلس اس تذکرے سے خالی ہوتی ہو، لیکن کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ خود میں کتنا بگڑ گیا ہوں، خود میرے حالات کتنے خراب ہیں۔ خود میرا طرز عمل کتنا غلط ہے، اس کی کتنی اصلاح کی ضرورت ہے بس دوسروں پر تنقید کا سلسلہ جاری رہتا ہے دوسروں کی عیب جوئی جاری رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری گفتگو لطف سخن کے لئے مجلس آرائی کے لئے مزہ لینے کے لئے ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اصلاح کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھتا۔

سب سے زیادہ برباد شخص!

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا عجیب ارشاد ہے ہم لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے فرمایا کہ:

من قال هلك الناس فهو اهلكهم

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهي من قول، هلك الناس حدیث نمبر ۲۶۲۳)

جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ و برباد ہو گئی (یعنی دوسروں پر اعتراض کر رہا ہے کہ وہ بگڑ گئے۔ انکے اندر بے دینی آگئی، ان کے اندر بے راہ روی آگئی، وہ بد عنوانیوں کا ارتکاب کرنے لگے) تو سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے۔

اس لئے کہ دوسروں پر اعتراض کی غرض سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ برباد ہو گئے اگر اس کو واقعی بربادی کی فکر ہوتی تو پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالتا، اپنی اصلاح کی فکر کرتا۔

بیمار شخص کو دوسرے کی بیماری کی فکر کہاں؟

جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، مروڑ اٹھ رہے ہوں۔ چین نہ آرہا ہو، وہ دوسروں کی چھینکوں کی کیا پرواہ کریگا کہ دوسرے کو چھینکیں آرہی ہیں، نزلہ ہو رہا ہے۔ خدانہ کرے، اگر میرے پیٹ میں شدید درد ہے، تو مجھے اپنی فکر ہوگی، اپنی جان کی فکر ہوگی، اپنے درد کو دور کرنے کی فکر ہوگی، اپنی تکلیف مٹانے کی فکر ہوگی، دوسرے کی بیماری اور دوسرے کی معمولی تکلیف کی طرف دھیان بھی نہیں جائیگا، بلکہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر اپنی تکلیف معمولی ہے، اور دوسرے کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔ اس کے باوجود اپنی تکلیف کا خیال اتنا چھایا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے کی بڑھی ہوئی تکلیف بھی نظر نہیں آتی۔

"لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں"

میری ایک عزیز خاتون تھی۔ ان کے پیٹ میں تکلیف تھی، اور وہ تکلیف ایسی تشویش ناک نہیں تھی۔ ان کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لئے کسی ہسپتال میں لے گیا، تو لفٹ (Lift) میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک خاتون رواں کرسی (Wheel Chair) پر سوار آئیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں سب ٹوٹے ہوئے تھے، اور اس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا، اور سینہ جلا ہوا تھا۔ اور اس کی بری حالت تھی، میں نے اپنی عزیز خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیکھئے کہ یہ عورت کتنی سخت پریشانی اور کتنی سخت تکلیف میں ہے، اس کو دیکھنے سے آدمی کو اپنی تکلیف کی کمی کا احساس ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر زبان پر جاری ہوتا ہے، تو جواب میں وہ خاتون کہتی ہیں کہ واقعی اس کے ہاتھ پاؤں تو ٹوٹ گئے ہیں، مگر کم از کم اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے۔ تو ان کے ذہن میں سب سے بڑی تکلیف یہ

تھی کہ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ اس کی جلی ہوئی کھال، اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کر بھی ان کو اپنی تکلیف کا خیال نہیں جارہا تھا۔ اس لئے کہ اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس ہے۔ لیکن جس شخص کو اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس نہیں ہوتا دوسرے کی معمولی معمولی تکلیفوں کو دیکھتا پھرتا ہے تو ہماری ایک بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہیں۔ اور دوسروں پر اعتراض اور تنقید کرنے کے لئے ہم لوگ ہر وقت تیار ہیں۔

بیماری کا علاج

اللہ جل جلالہ اس آیت کے اندر فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! پہلے اپنے آپ کی فکر کرو، اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص گمراہ ہو گیا، فلاں شخص تباہ و برباد ہو گیا۔ تو یاد رکھو کہ اگر تم سیدھے راستے پر آگئے تو اس کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا اپنا عمل جائیگا، لہذا اپنی فکر کرو، تم سب اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ وہاں وہ تمہیں بتائیگا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے، تمہارا عمل زیادہ بہتر تھا، یا دوسرے کا عمل زیادہ بہتر تھا۔ کیا معلوم کہ جس پر اعتراض کر رہے ہو۔ جس کے عیب تلاش کر رہے ہو، اس کی کوئی ادا، اس کا کوئی فعل اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اتنا مقبول ہو کہ وہ تم سے آگے نکل جائے، بہر حال! یہ صرف لطف سخن کے لئے اور مجلس آرائی کے لئے ہم لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ اصلاح کا راستہ نہیں۔

خود احتسابی کی مجلس

ہاں! اگر کسی جگہ محفل ہی اسی کام کے لئے منعقد ہو کہ اس میں اس بات کا تذکرہ ہو کہ ہم لوگوں میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی ہیں، اور لوگ اس نیت سے اس محفل میں شریک ہوں کہ ان باتوں کو سنیں گے، اور سمجھیں گے، اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرینگے، تو پھر ایسی محفل منعقد کرنا درست ہے۔

انسان کا سب سے پہلا کام

انسان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے شب و روز کا جائزہ لے اور پھر یہ دیکھئے کہ میں کتنا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہا ہوں۔ اور کتنا کام اس کے خلاف کر رہا ہوں، اگر اس کے خلاف کر رہا ہوں تو اس کی اصلاح کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ فکر ہمارے اور آپ کے دلوں میں پیدا فرما دے تو ہمارے معاشرے کی اصلاح بھی ہو جائیگی۔

معاشرہ کیا ہے؟

معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ انہیں افراد کا مجموعہ معاشرہ بن جاتا ہے، اگر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے تو سارا معاشرہ خود بخود سدھر جائے۔ لیکن اگر ہر شخص دوسرے کی فکر کرتا رہے، اور اپنے کو چھوڑتا رہے تو سارا معاشرہ خراب ہی رہیگا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات کو دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح میں درست ہو جاؤں، کسی طرح میں اپنی بیماریوں کو دور کر لوں، چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو کر اور آپ کی باتیں سن کر دلوں پر کیا اثر ہوتا ہو گا۔ کیسی رقت طاری ہوتی ہو گی، کیسا جذبہ پیدا ہوتا ہو گا ایک دن مضطربانہ چیختے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! "نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہو گیا، یعنی اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں منافق ہو گیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ کہا: یا رسول اللہ! جب تک آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں آپ کی بات سنتا ہوں تو دل پر بڑا اثر ہوتا ہے، حالات بہتر کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے، لیکن جب باہر نکلتا ہوں، اور دنیا کے کاموں کے اندر لگتا ہوں تو وہ جذبہ جو آپ کی مجلس میں بیٹھ کر پیدا

ہوا تھا، وہ ختم ہو جاتا ہے، یہ تو منافق کا کام ہے۔ کہ ظاہر حالات کچھ ہوں اور اندر کچھ ہوں، اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا۔

سرکار دو عالم صلی الہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ حنظلہ! تم منافق نہیں ہوئے، بلکہ "ساعة فساعة" یہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ ہر وقت دل کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی، کسی وقت جذبہ زیادہ ہوتا ہے کسی وقت کم ہوتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ میں منافق ہو گیا کوئی صحیح بات نہیں ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرة، حدیث نمبر ۲۷۵۰)

حضرت حنظلہ کے دل میں اپنے بارے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ میں منافق ہو گیا لیکن آپ نے کسی دوسرے کو منافق نہیں کہا، خود احتسابی سے اپنے آپ کو منافق تصور کر کے بے قرار ہو گئے کہ اپنی فکر ہے، یہ فکر ہے کہ کہیں میرے اندر تو نفاق نہیں آ گیا ہے۔؟

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی خصوصیت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے راز بتلا رکھے تھے، آپ ہی کو رازداری سے منافقین کی پوری فہرست بھی بتا رکھی تھی کہ مدینہ شریف میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ اور اس درجہ وثوق سے بتا رکھی تھی کہ جب مدینہ طیبہ میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرات صحابہ کرامؓ یہ دیکھتے تھے کہ اس نماز جنازہ میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ شامل ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ بن یمانؓ شامل ہیں تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص مومن تھا۔ اور اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جنازہ میں شامل نہیں تو صحابہ کرام یہ اندازہ کیا کرتے تھے کہ شاید یہ شخص منافق ہے، اگر مومن ہوتا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور شامل ہوتے۔

خلیفہ ثانی کو اپنے نفاق کا اندیشہ

کتب حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب کہ خلیفہ بن چکے ہیں۔ اور آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت ہے اور جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب دیکھو غلط کار لوگوں کی اصلاح کے لئے درہ لئے پھر رہے ہیں، انتظام کا رعب اور دبدبہ ہے، لیکن اسی عالم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے خوشامد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں منافقین کی جو فہرست بتادی ہے۔ اس میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں میرا نام تو اس فہرست میں شامل نہیں؟ کہیں میں منافقین میں شامل تو نہیں؟

(البدایۃ والنھایۃ ج ۵ ص ۱۹)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرا کوئی فعل، میرا کوئی عمل، میرا کوئی قول، میری کوئی ادا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے، اور جب یہ فکر لگی ہوئی ہے تو اب جب وہ کسی دوسرے سے کوئی اصلاح کی بات کہتے ہیں تو وہ بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے، اس سے زندگیاں بدلتی ہیں، اس سے انقلاب آتے ہیں، اور انقلاب برپا کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے مشہور واعظ تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ایک وعظ میں نو نو سو آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ہے۔ بس ایک وعظ کہہ دیا۔ اور سب کا دل کھینچ لیا۔ اور بات یہ نہیں تھی کہ ان کی تقریر بہت جوشیلی ہوتی تھی۔ یا بڑی فصیح بلیغ ہوتی تھی۔ بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ دل سے اٹھتا ہوا جذبہ جب زبان سے باہر نکلتا ہے تو وہ دوسرے کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔

ہمارا حال

ہماری یہ حالت ہے کہ میں آپ کو ایک بات کی نصیحت کر رہا ہوں، اور خود میرا عمل اس پر نہیں ہے۔ اس لئے اولاً تو اس بات کا اثر نہ ہوگا، اور اگر اس بات کا اثر ہو بھی گیا تو سننے والا جب یہ دیکھے گا کہ یہ خود تو اس کام کو نہیں کر رہے ہیں۔ اور ہمیں نصیحت کر رہے ہیں۔ اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو پہلے یہ خود عمل کرتے۔ اس طرح وہ بات ہوا میں اڑ جاتی ہے، اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے جو انقلاب برپا کیا۔ اور صرف ۲۳ سال کی مدت میں پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی، بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی، یہ انقلاب اس لئے آیا کہ آپ نے جس بات کا امت کو کرنے کا حکم دیا، پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا، مثلاً ہمیں اور آپ کو حکم دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو۔ لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ اشراق۔ چاشت اور تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ کی یہ حالت تھی کہ:

اذا حزبہ امر صلی

(مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، باب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۲۵)

یعنی جب آپ کو کسی کام کی پریشانی پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:

جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ۔

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

(نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب نمبر ایک)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ

اسی طرح دوسروں کو پورے سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن آپ کا خود کا معمول یہ تھا کہ پورے سال میں کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا، جس میں کم از کم تین روزے آپ نہ رکھتے ہوں، اور بعض اوقات تین سے زیادہ بھی رکھتے تھے ــ اور دوسروں کو تو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب افطار کا وقت آجائے تو فوراً افطار کر لو۔ اور دو روزوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

"صوم وصال" کی ممانعت

چنانچہ بعض صحابہ کرام کو آپ نے دیکھا کہ وہ اس طرح دو روزے ملا کر رکھ رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا کہ تمہارے لئے اس طرح ملا کر روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود "صوم وصال" رکھتے، اور یہ فرماتے کہ تم اپنے آپ کو مجھ پر قیاس نہ کرو، اس لئے کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے۔ اور پلاتا بھی ہے۔ یعنی تمہارے اندر اس روزے کی طاقت نہیں ہے، میرے اندر طاقت ہے۔ اس لئے میں رکھتا ہوں ــ گویا کہ دوسروں کے لئے آسانی اور سہولت کا راستہ بتادیا کہ افطار کے وقت خوب کھاؤ، پیو، اور رات بھر کھانے کی اجازت ہے۔

(ترمذی، کتاب الصوم، باب نمبر ۶۲ حدیث نمبر ۷۷۸)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور زکوٰۃ

ہمیں اور آپ کو تو یہ حکم دیا کہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ جتنا مال آرہا ہے، سب صدقہ ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے مصلی پر تشریف لائے، اور اقامت ہو گئی، اور نماز شروع ہونے والی ہے، اچانک آپ مصلے سے ہٹ گئے اور فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لے

آئے۔ اور نماز پڑھا دی ۔ صحابہ کرام کو اس پر تعجب ہوا چنانچہ نماز کے بعد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آج آپ نے ایسا عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس لئے گھر واپس گیا تھا کہ جب میں مصلی پر کھڑا ہوا، اس وقت مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں سات دینار (اشرفیاں) پڑے ہیں۔ اور مجھے اس بات سے شرم آئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں پیش ہو کہ اس کے گھر میں ضرورت سے زائد سات دینار رکھے ہوں، چنانچہ میں نے ان کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور پھر اس کے بعد آکر نماز پڑھائی۔

اللہ کے محبوب نے خندق بھی کھودی

غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودی جا رہی ہے، صحابہ کرام خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ تو خندق کھودیں، اور خود امیر ہونے کی وجہ سے آرام سے بستر پر سو جائیں، بلکہ وہاں یہ حال تھا کہ دوسروں کو جتنا حصہ کھودنے کے لئے ملا تھا، اتنا حصہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے بھی مقرر فرمایا، ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں جب خندق کھودی جا رہی تھی، مشقت کا وقت تھا، اور کھانے پینے کا کما حقہ انتظام نہیں تھا، اور میں بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا، تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیا تھا۔

پیٹ پر پتھر باندھنا

پیٹ پر پتھر باندھنے کا محاورہ ہم نے اور آپ نے بہت سنا ہے، لیکن کبھی دیکھا نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ نہ دکھائے آمین ۔ لیکن جس پر یہ حالت گزری ہو وہ جانتا ہے ۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور پتھر باندھنے سے کسی طرح بھوک مٹتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب بھوک کی شدت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ کام نہیں کر سکتا، اور پتھر باندھنے سے پیٹ پر ذرا تنق ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے آدمی میں کھڑا ہونے کی طاقت آجاتی

ہے۔ ورنہ وہ کمزوری کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔

تاجدار مدینہ کے پیٹ پر دو پتھر تھے

بہر حال! تو ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ شدت بھوک کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا، اور اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر سے قمیص اٹھا دی، اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

یہ ہے وہ چیز کہ جس بات کی تعلیم دی جارہی ہے، جس بات کی تبلیغ کی جارہی ہے، جس بات کا حکم دیا جارہا ہے، پہلے خود اس پر اس سے زیادہ عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشقت اٹھانا

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جنت کی خواتین کی سردار، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اور اپنے ہاتھ مبارک دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیس پیس کر گٹے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک ڈھو ڈھو کر سینے پر نیل آگئے ہیں یا رسول اللہ! خیبر کی فتح کے بعد سارے مسلمانوں کے درمیان غلام اور کنیزیں تقسیم ہوئی ہیں، جو ان کے گھروں کا کام کرتی ہیں، لہٰذا کوئی خدمت گار کنیز مجھے بھی عطا فرما دیجئے۔

اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی کنیز خدمت کے لئے مل جاتی تو اس کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹتا، لیکن جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فاطمہ! جب تک سارے مسلمانوں کا انتظام نہیں ہو جاتا، اس

وقت تک محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے گھر والوں کے لئے کوئی غلام اور کنیز نہیں آئیگی میں تمہیں اس مشقت کے عوض غلام اور کنیز سے بہتر نسخہ بتاتا ہوں، اور پھر فرمایا کہ ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ" ۳۳ بار "الحمد للہ" ۳۳ بار، اور "اللہ اکبر" ۳۴ بار پڑھا کرو

(صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۳۵۱)

اس وجہ سے اس کو "تسبیح فاطمہ" کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔۔ لہذا دوسروں کے ساتھ تو معاملہ یہ ہے کہ غلام تقسیم ہو رہے ہیں۔ کنیزیں تقسیم ہو رہی ہیں، اور پیسے بھی تقسیم ہو رہے ہیں، اور خود اپنے گھر میں یہ حالت ہے۔

لہذا جب یہ صورت ہوتی ہے کہ خود کہنے والا دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے تو اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے، اور وہ بات پھر دل پر اثر انداز ہوتی ہے وہ انسانوں کی دنیا بدل دیتی ہے، ان کی زندگیوں میں انقلابات لاتی ہے۔ اور انقلاب لائی، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں نے صحابہ کرامؓ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

۳۰ شعبان کو نفلی روزہ رکھنا

تیس شعبان کا جو دن ہوتا ہے، اس میں حکم یہ ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھا جائے، بعض لوگ اس خیال سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ شاید آج رمضان کا دن ہو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ رمضان کا چاند ہو چکا ہو، لیکن ہمیں نظر نہ آیا ہو، اس لئے احتیاط کے طور پر لوگ شعبان کی ۳۰ تاریخ کا روزہ رکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط رمضان کے طور پر تیس شعبان کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہ روزہ نہ رکھنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو صرف احتیاط رمضان کی غرض سے روزہ رکھ رہا ہو، البتہ جو شخص عام نفلی روزے رکھتا چلا آرہا ہے، اور وہ اگر

۳۰ شعبان کو بھی روزہ رکھ لے، اور احتیاط رمضان کی نیت اور خیال دل میں نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے۔

(ترمذی، کتاب الصوم، باب نمبر ۳)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ شعبان کے دن خود روزے سے ہوتے تھے۔ اور پورے شہر میں منادی کرتے ہوئے پھرتے تھے کہ آج کے دن کوئی شخص روزہ نہ رکھے، اس لئے کہ عام لوگوں کے بارے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر وہ اس دن روزہ رکھیں گے تو احتیاط رمضان کا خیال ان کے دل میں آجائے گا اور روزہ رکھنا گناہ ہو گا، اس لئے سختی سے منع فرمایا دیا۔

حضرت تھانوی ؒ کی احتیاط

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ، جن کے ہم اور آپ نام لیوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ــ آپ کو لوگوں کے لئے فتوی کے اندر آسانی پیدا کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی، تاکہ لوگوں کو مشکلات نہ ہو، جتنا ہو سکے آسانی پیدا کی جائے ــ آج کل بازاروں میں پھلوں کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے آپ حضرات جانتے ہونگے کہ آج کل یہ ہوتا ہے کہ ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آتا کہ پوری فصل فروخت کر دی جاتی ہے اور اس طرح پھل کے آئے بغیر اس کو بیچنا شرعاً جائز نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائے اس وقت بیچنا جائز نہیں ــ اس شرعی حکم کی وجہ سے بعض علماء نے یہ فتوی دیا ہے کہ بازاروں میں جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کی خرید و فروخت چونکہ اسی طریقے پر ہوتی ہے، اس لئے ان پھلوں کو خرید کر کھانا جائز نہیں لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پھلوں کو کھانے کی گنجائش ہے، البتہ خود ہمیشہ احتیاط کی اور ساری عمر بازار سے پھل لے کر نہیں کھایا، اور دوسروں کو کھانے کی اجازت دے دی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں۔ جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں، اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں، تب ان کی بات

میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

معاشرے کی اصلاح کا راستہ

لہٰذا ہمارے اندر خرابی یہ ہے کہ اصلاح کا جو پروگرام شروع ہوگا۔ جو جماعت قائم ہوگی، جو انجمن کھڑی ہوگی، جو آدمی کھڑا ہوگا، اس کے دماغ میں یہ بات ہوگی کہ یہ سب لوگ خراب ہیں، ان کی اصلاح کرنی ہے۔ اور اپنی خرابی کی طرف دھیان اور فکر نہیں ۔۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ:

یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم

(سورۃ المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اگر تم راستے پر آجاؤ تو گمراہ ہونے والے اور غلط راستے پر جانے والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، لہٰذا مجلس آرائی کے طور پر، اور محض برسبیل تذکرہ دوسروں کی برائیاں بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اپنی فکر کرو، اور اپنی جتنی اصلاح کر سکتے ہو، وہ کرلو ۔۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی یہی ہے، اس لئے معاشرہ کس کا نام ہے؟ میرا، آپ کا اور افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے، اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرلے کہ میں ٹھیک ہو جاؤں، تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اگر معاملہ یہ رہا کہ میں تمہارے اوپر تنقید کروں اور تم میرے اوپر تنقید کرو، میں تمہاری برائی بیان کروں، اور تم میری برائی بیان کرو، پھر تو اس طرح معاشرے کی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی، بلکہ اپنی فکر کرو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا جھوٹ بول رہی ہے، لیکن تم نہ بولو، دوسرے لوگ رشوت لے رہے ہیں، تم رشوت نہ لو، دوسرے لوگ سود کھا رہے ہیں، تم سود نہ کھاؤ، دوسرے لوگ دھوکہ دے رہے ہیں، تم دھوکہ نہ دو، دوسرے لوگ حرام کھا رہے ہیں، تم نہ کھاؤ، لیکن اس کے تو کوئی معنی نہیں ہیں کہ مجلس کے اندر تو کہہ دیں کہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور پھر خود بھی صبح سے شام تک جھوٹ بول رہے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فکر کو ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر ہو جائے۔

اپنا فرض بھی ادا کرو

البتہ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ نیکی کی بات پہنچانا ضروری ہے وہاں نیکی کی بات پہنچائے اور اپنا فرض ادا کرے، اس کے بغیر وہ ہدایت یافتہ نہیں کہلا سکتا، نہ اس کے بغیر اپنی اصلاح کا فریضہ مکمل ہوتا ہے یہی بات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں واضح فرمادی ہے حدیث یہ ہے

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یاایھا الناس انکم تقرئون ھذہ الآیۃ "یاایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (سورۃ المائدہ: ۱۰۵) وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منہ۔

آیت سے غلط فہمی

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی صحیح تشریح نہ سمجھنے پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور اس آیت کی تشریح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ارشاد فرمائی جس سے اس آیت کے صحیح مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ اپنی خبر لو اپنی اصلاح کی فکر کرو بس اب ہمارے ذمے تو اپنی اصلاح کی فکر واجب ہے۔ اگر کسی دوسرے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو اس کو ٹوکنا، اس کی اصلاح کی فکر کرنا ہمارے ذمے ضروری نہیں ــــ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ اس آیت کا یہ مطلب لینا غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ یہ دیکھیں کہ ایک ظالم کسی دوسرے پر ظلم کر رہا ہے، لیکن وہ لوگ اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکیں تو ان حالات میں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام افراد پر اپنا عذاب نازل فرمادیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ تمہارے سامنے ظالم ظلم کر رہا ہے اور مظلوم پٹ رہا ہے، اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی طاقت تمہارے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے یہ سوچا کہ اگر یہ ظلم کر رہا ہے یا غلط کام کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ میں تو ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس کے اس فعل میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے اور مجھے ان سے الگ رہنا چاہئے، اور وہ اپنے اس طرز عمل پر اس آیت سے استدلال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمادیا کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اگر دوسرا شخص غلط کام کر رہا ہے تو اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گی ــــ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس آیت سے یہ مطلب نکالنا بالکل غلط ہے ــــ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر ظالم کو ظلم سے روکنے کی قدرت اور طاقت تمہارے اندر ہو تو تم ضرور اس کو ظلم سے روک دو۔

آیت کی صحیح تشریح و تفسیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں یہ جو فرمایا کہ "کسی کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، بشرطیکہ تم اپنی اصلاح کی فکر کرلو" اس میں اصل بات یہ ہے کہ ایک شخص اپنی استطاعت کے مطابق اور اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف کا فریضہ ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود دوسرا شخص اس کی بات نہیں مانتا، تو تمہارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، اب تم اپنی فکر کرو، اور اپنے حالات کو درست رکھو، انشاء اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

اولاد کی اصلاح کب تک

مثلاً اولاد ہے۔ اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر والدین یہ دیکھ رہے ہیں کہ اولاد غلط راستے پر جا رہی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو روکیں، اور اسکو غلط

کاری سے بچائیں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، والدین کے ذمہ یہ فرض ہے، لیکن ایک شخص نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں، لیکن اولاد نے بات نہ مانی، تو اس صورت میں انشاء اللہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوگا، حضرت نوح علیہ اسلام کا بیٹا بھی آخر وقت تک اسلام نہیں لایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو سمجھایا، اس کو تبلیغ کی، دعوت دی، اور ان سے زیادہ کون حق تبلیغ ادا کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود آخر وقت تک وہ اسلام نہ لایا۔ اب اس کا مواخذہ حضرت نوح علیہ السلام سے نہیں ہوگا۔

ایک شخص کا دوست غلط راستے پر جارہا ہے، غلط کاموں میں مبتلا ہے۔ اور یہ شخص اپنی استطاعت کے مطابق اپنے دوست کو پیار و محبت سے ہر طرح اس کو سمجھاتا رہا، اور سمجھا سمجھا کر تھک گیا، لیکن وہ دوست غلط کاموں سے باز نہیں آیا، تو اب اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی

تم اپنے آپ کو مت بھولو

آگے علامہ نودی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت نقل کی ہے کہ:

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔

(سورۃ البقرہ: ۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، یعنی تم تورات کے عالم ہو، جس کی وجہ سے لوگ تمہاری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ حکم اگرچہ یہودیوں کے لئے تھا، لیکن مسلمانوں کے لئے بطریق اولیٰ ہوگا کہ جو شخص دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اس نصیحت کو پہلے اپنے اوپر لاگو کرے۔

یہ مسئلہ تو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ تبلیغ کے بارے یہ حکم یہ نہیں کہ جو شخص برائی میں مبتلا ہے وہ تبلیغ نہ کرے، اور دوسروں کو نصیحت نہ کرے، بلکہ حکم یہ ہے کہ نصیحت کرے، لیکن نصیحت کرنے کے بعد یہ سوچے کہ میں جب دوسرں کو نصیحت کر رہا ہوں تو خود بھی اس پر عمل کروں، او اپنے آپ کو نہ بھولے، اور یہ نہ سمجھے کہ یہ نصیحت دوسروں کے لئے ہے، بلکہ یہ سوچے کہ یہ نصیحت میرے لئے بھی ہے۔ اور مجھے بھی اس پر عمل کرنا ہے۔

مقررین اور واعظین کے لئے خطرناک بات

اس آیت کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس میں بڑی خطرناک بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مصداق بننے سے ہم سب کو بچائے۔ آمین۔ فرمایا کہ:

عن اسامة بن زيد بن حارثة رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يؤتى بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار فتندلق اقتاب بطنه فيدور كما يدور الحمار في الرحاء فيجتمع اليه اهل النار فيقولون يا فلان مالك؟ الم تكن تامر بالمعروف وتنهى عن المنكر؟ فيقول: بلى كنت آمر بالمعروف ولا آتيه وانهى عن المنكر وآتيه۔

(البدایۃ، جلد اول ص ۱۸۷)

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں گرتے ہی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی، اور وہ شخص اپنی آنتوں کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے اس زمانے میں ایک بڑی

چکی ہوا کرتی تھی اس چکی میں گدھے کو باندھ دیتے تھے، وہ اس چکی کو گھماتا تھا۔ جب اہل جہنم اس کا یہ منظر دیکھیں گے تو وہ آکر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، اور اس سے پوچھیں گے کہ یہ قصہ ہے؟ ایسی سزا تمہیں کیوں دی جارہی ہے؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو کہ تم لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے؟ اور برائی سے روکا کرتے تھے؟ تم عالم فاضل تھے اور داعی حق تھے اور لوگوں کے لئے مصلح کا درجہ رکھتے تھے۔ آج تمہارا یہ انجام کیسے ہوا؟ اس وقت وہ شخص جواب میں کہے گا کہ ہاں! میں اصل میں لوگوں کو تو نیکی کی نصیحت کرتا تھا۔ لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکتا تھا، اور میں خود اس برائی کا ارتکاب کیا کرتا تھا، اس وجہ سے آج میرا یہ انجام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ بچائے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین اس حدیث کو جب پڑھتا ہوں تو ڈر لگتا ہے وہ لوگ جن کو نیکی کی بات کہنے اور دین کی بات سنانے کا کام کرنا ہوتا ہے ان کے لئے یہ بڑا نازک اور خطرناک مرحلہ ہے، ایسا نہ ہو کر وہ اس کا مصداق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا مصداق بننے سے بچائے، آمین۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

بہرحال! اگر آدمی کو اپنی فکر نہ ہو، اور دوسرے کی اصلاح کی فکر لے کر آدمی چل کھڑا ہو، او دوسروں کے عیب تلاش کرتا رہے تو اس طرح معاشرے کی اصلاح ہونے کے بجائے اور زیادہ فساد کا راستہ کھلتا ہے۔ اور زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے سامنے ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرما دے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عیوب کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کام غلط کر رہا ہوں، اور پھر اس کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ چاہے دس سال کی زندگی باقی ہو، یا پندرہ سال اور بیس سال کی زندگی باقی ہو، آخر میں ہر ایک کو اپنی قبر میں پہنچنا ہے اور اپنے سارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہے، اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنے حالات کو دیکھے۔ اور اس میں جہاں جہاں خرابیاں نظر آئیں، اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے، پھر چاہے کوئی انجمن اور جماعت نہ بنائے لیکن ایک آدمی کم از کم اپنے

آپ کی اصلاح کر لے، اور وہ خود سیدھے راستے پر لگ جائے تو قرآن کریم کے اس حکم پر عمل ہو جائے گا ایک سے دو، دو سے تین، چراغ سے چراغ جلتا ہے شمع سے شمع روشن ہوتی ہے اور اس طرح دین کا یہ طریقہ دوسروں تک بھی پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمائیں۔ اور اپنی اصلاح کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں، اور اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بڑوں کی اطاعت

اور

ادب کے تقاضے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱-لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن

تاریخ و وقت : ۷ر فروری ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے چاہے اس بات پر عمل کرنا ادب کے خلاف معلوم ہو رہا ہو، اور ادب کا یہ تقاضہ ہو کہ وہ عمل نہ کیا جائے، لیکن جب بڑے نے حکم دے دیا تو چھوٹے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے، اس لئے کہ ادب کے مقابلہ میں حکم کی تعمیل مقدم ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑوں کی اطاعت

اور

ادب کے تقاضے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد!

عن ابی العباس سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغہ: ان بنی عمرو بن عوف کان بینھم شر فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلح بینھم فی اناس معہ فحبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحانت الصلاۃ ......

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من دخل لیؤم الناس، حدیث نمبر ۶۸۴)

"باب الاصلاح بین الناس" لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے بیان میں چل رہا ہے اور اس باب کی تین حدیثیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ اور یہ اس باب کی آخری حدیث ہے۔ جو ذرا طویل ہے اس لئے اس کا ترجمہ اور تشریح عرض کئے دیتا ہوں،

لوگوں کے درمیان صلح کرانا

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی عنہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی عمرو ابن عوف کے درمیان آپس میں جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور بعض صحابہ کرام کو بھی آپ نے ساتھ لے لیا، تا کہ اس مصالحت میں وہ مدد دیں، مصالحت کرانے کے دوران بات لمبی ہو گئی۔ اور اتنی دیر ہو گئی کہ نماز کا وقت آ گیا، یعنی وہ وقت آ گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں نماز پڑھایا کرتے تھے، لیکن چونکہ آپ ابھی تک فارغ نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان جھگڑے کو ختم کرانے اور مصالحت کرانے کو اتنی اہمیت دی اور اس میں اتنے مصروف ہوئے کہ نماز کا مقرر وقت آ گیا، اور آپ مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے۔

راوی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، تو وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، اور ان سے جا کر عرض کیا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر ہو گئی ہے، اور نماز کا وقت آ گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید کچھ دیر ہو جائے، اور لوگ نماز کے انتظار میں ہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ امامت کرا دیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہیں، ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر ہو گئی ہو گی۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ نے تکبیر کہی، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے آگے بڑھ گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع کرنے کے لئے "اللہ اکبر" کہا اور لوگوں نے تکبیر کہی، جب نماز شروع کر دی۔ تو نماز کے دوران

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور صف میں ایک جگہ پر مقتدی کی حیثیت سے کھڑے ہو گئے، جب لوگوں نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ کے آنے کے بارے میں پتہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ آگے امامت کر رہے ہیں، تو لوگوں کو خیال ہوا کہ اب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم ہو جانا چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں، تاکہ وہ پیچھے ہٹ جائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو کر نماز پڑھائیں...... اور چونکہ اس وقت لوگوں کو مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دینے کے لئے نماز کے اندر تالیاں بجانا شروع کر دیں، اور ان کو متنبہ کرنا شروع کیا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب نماز شروع کر دیتے تو ان کو دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی، اور وہ کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے کہ دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔ اس لئے شروع میں جب ایک دو آدمیوں نے تالی بجائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ اپنی نماز میں مصروف رہے، لیکن جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کچھ التفات نہیں فرما رہے ہیں تو اس وقت لوگوں نے زیادہ زور سے تالی بجانی شروع کر دی، اور جب کئی صحابہ نے تالی بجائی اور آواز بلند ہونے لگی تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ تنبہ ہوا، اور کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھنا شروع کیا تو اچانک دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صف میں تشریف فرما ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صف میں دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں، نماز پوری کر لو۔

لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو پھر ان کے بس میں نہ رہا کہ وہ اپنے مصلے پر کھڑے رہتے، اس لئے اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ صف میں آکر کھڑے ہو گئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آگے مصلے پر تشریف لے گئے۔ اور پھر باقی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

امام کو متنبہ کرنے کا طریقہ

جب نماز ختم ہو گئی تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور خطاب فرمایا کہ: یہ کیا طریقہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کوئی واقعہ پیش آجائے تو تم تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہو، یہ طریقہ نماز کے شایان شان اور مناسب نہیں، اور تالیاں بجانا تو عورتوں کے لئے مشروع ہے، یعنی بالفرض اگر خواتین کی جماعت ہو رہی ہو...... ویسے خواتین کی جماعت اچھی اور پسندیدہ نہیں ہے۔ یا خواتین نماز میں شامل ہوں، اور وہ امام کو کسی بات کی طرف متوجہ کرنا چاہیں۔ تو ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر تالیاں بجائیں ان کے لئے نماز کے اندر زبان سے "سبحان اللہ" یا "الحمد للہ" کہنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح خاتون کی آواز مردوں کے کان میں جائے گی اور خاتون کی آواز کا بھی شریعت میں پردہ ہے لہٰذا ان کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کوئی واقعہ پیش آئے تو ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متوجہ کریں لیکن اگر مردوں کی جماعت میں کوئی واقعہ پیش آجائے جس کی وجہ سے امام کو کسی بات کی طرف متوجہ کرنا منظور ہو، تو اس میں مردوں کے لئے طریقہ یہ ہے کہ وہ سبحان اللہ کہیں، مثلاً امام کو بیٹھنا چاہئے تھا، اور مقتدیوں نے دیکھا کہ کھڑا ہو رہا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ "سبحان اللہ" کہیں یا الحمد للہ کہیں یا امام کو کھڑا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ بیٹھ گیا تو اس وقت بھی سبحان اللہ کہہ دیں، یا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہری نماز ہے، اور امام نے سراً قرات شروع کر دی، تو اس وقت بھی اسکو الحمد للہ وغیرہ سے متنبہ کر دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی بھی ایسا عمل پیش آجائے، جس کی وجہ سے اس کو تنبیہ کرنا مقصود تو مقتدی "سبحان اللہ" کہہ دیں۔ تالیاں نہیں بجانی چاہئے۔

ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں تھی

اس کے بعد آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا کہ اے ابو بکر! میں نے تو آپ کو اشارہ کر دیا تھا کہ آپ اپنی نماز جاری رکھیں، اور پیچھے نہ ہٹیں، اس کے بعد پھر کیا وجہ ہوئی کہ آپ پیچھے ہٹ گئے، اور امامت کرنے

سے آپ نے تردد کیا، اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جواب دیا، فرمایا کہ:

"ماکان لابن ابی قحافۃ ان یصلی بالناس بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یارسول اللہ! ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لوگوں کی امامت کرے۔ ابو قحافہ ان کے والد کا نام ہے، یعنی میری یہ مجال نہیں تھی کہ آپ کی موجودگی میں مصلی پر کھڑا ہو کر امامت کرتا رہوں، جب تک آپ تشریف نہیں لائے تھے تو بات دوسری تھی، جب آپ کو دیکھ لیا تو میرے اندر یہ تاب نہیں تھی کہ میں امامت جاری رکھوں، اس واسطے میں پیچھے ہٹ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، بلکہ خاموشی اختیار فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مقام

اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس درجہ پیوست کر رکھی تھی کہ فرماتے ہیں کہ یہ بات میری برداشت سے باہر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے کھڑے ہوں اور میں آگے کھڑا رہوں۔ اگرچہ یہ واقعہ حضور کی غیر موجودگی میں پیش آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کھڑے نہیں ہوئے تھے لیکن جب پتہ لگ گیا کہ حضور پیچھے ہیں تو پھر آگے کھڑا رہنا برداشت سے باہر تھا اس لئے پیچھے ہٹ گئے۔

الامر فوق الادب

یہاں ایک مسئلہ اور ادب عرض کر دوں، جو مسنون ادب ہے، آپ نے وہ مشہور مقولہ سنا ہوگا کہ:

"الامر فوق الادب"

یعنی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے، چاہے اس بات پر عمل کرنا ادب کے خلاف معلوم ہو رہا ہو، اور ادب کا تقاضہ یہ ہو کہ وہ عمل نہ کیا جائے، لیکن جب بڑے نے حکم دے دیا تو چھوٹے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے، یہ بڑی نازک بات ہے اور بعض اوقات اس پر عمل بھی مشکل ہوتا ہے لیکن دین پر عمل کرنے والے تمام بزرگوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے کہ جب کسی بڑے نے کسی کام کا حکم دیا تو ادب کے بجائے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔

بڑے کے حکم پر عمل کرے

مثلاً فرض کرو کہ ایک بڑا بزرگ شخص ہے اور وہ کسی امتیازی جگہ جیسے تخت وغیرہ پر بیٹھا ہے اب ایک شخص اس کے پاس آیا جو اس سے چھوٹا ہے ان بزرگ نے کہا کہ: بھائی! تم یہاں میرے پاس آجاؤ۔ تو اس وقت اس کی بات مان لینی چاہئے اگرچہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ پاس نہ بیٹھے، دور ہو کر بیٹھے، اس کے پاس تخت پر جا کر بیٹھ جانا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن جب بڑے نے حکم دے کر کہہ دیا کہ یہاں آجاؤ تو اس وقت تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے حکم پر عمل کرے، چاہے دل میں یہ بات بری لگ رہی ہو کہ میں بڑے کے بالکل قریب جا کر بیٹھ جاؤں۔ اس لئے کہ ادب کے مقابلہ میں حکم کی تعمیل زیادہ مقدم ہے۔

دین کا خلاصہ "اتباع" ہے

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ ہے اتباع، بڑے کے حکم کو ماننا، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا، اللہ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع، اور اللہ کے رسول کے وارثین کی اتباع، بس وہ جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو، چاہے ظاہر میں وہ بات تمہیں ادب کے خلاف معلوم ہو۔

حضرت والد صاحب ؒ کی مجلس میں میری حاضری

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس اتوار کے دن ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کہ اس زمانے میں اتوار کی سرکاری چھٹی ہوا کرتی تھی، یہ آخری مجلس کا واقعہ ہے، اس کے بعد حضرت والد ؒ کی کوئی مجلس نہیں ہوئی، بلکہ اگلی مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی حضرت والد ؒ کا انتقال ہو گیا چونکہ والد صاحب بیمار اور صاحب فراش تھے. اس لئے آپ کے کمرے میں ہی لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے، والد صاحب چار پائی پر ہوتے، لوگ سامنے نیچے اور صوفوں پر بیٹھ پر جایا کرتے تھے۔ اس روز لوگ بہت زیادہ آئے اور کمرہ پورا بھر گیا، حتیٰ کہ کچھ لوگ کھڑے بھی ہو گئے۔ اور مجھے حاضری میں تاخیر ہوئی۔ میں ذرا دیر سے پہنچا، حضرت والد صاحب ؒ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: تم یہاں میرے پاس آجاؤ، میں ذرا جھجکنے لگا کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا اور چیرتا ہوا جاؤں گا اور حضرت والد صاحب کے پاس جاکر بیٹھوں گا، اگرچہ یہ بات ذہن میں مستحضر تھی کہ جب بڑا کوئی بات کہے تو مان لینی چاہئے لیکن میں ذرا ہچکچا رہا تھا، حضرت والد صاحب نے جب میری ہچکچاہٹ دیکھی تو دوبارہ فرمایا: تم یہاں آجاؤ تو تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ خیر میں کسی طرح وہاں پہنچ گیا اور حضرت والد صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔

حضرت تھانوی ؒ کی مجلس میں والد صاحب کی حاضری

والد صاحب فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہو رہی تھی۔ اور وہاں اسی طرح کا قصہ پیش آیا کہ جگہ تنگ ہو گئی اور بھر گئی اور میں ذرا تاخیر سے پہنچا اور تو حضرت والا ؒ نے فرمایا، کہ تم یہاں میرے پاس آجاؤ، میں کچھ جھجکنے لگا کہ حضرت ؒ کے بالکل پاس جاکر بیٹھ جاؤں تو حضرت والا ؒ نے دوبارہ فرمایا کہ تم یہاں آجاؤ، پھر میں تمہیں ایک قصہ سناؤں گا۔ حضرت والد صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں کسی طرح پہنچ گیا۔ اور حضرت والا کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ تو حضرت والا ؒ نے ایک قصہ سنایا۔

عالمگیر اور داراشکوہ کے درمیان تخت نشینی کا فیصلہ

قصہ یہ سنایا کہ مغل بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے انتقال کے بعد باپ کی جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اور یہ دو بھائی تھے۔ ایک عالمگیر اور دوسرے داراشکوہ، آپس میں رقابت تھی۔ عالمگیر بھی اپنے باپ کے جانشین اور بادشاہ بننا چاہتے تھے اور ان کے بھائی داراشکوہ بھی تخت کے طالب تھے، ان کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، دونوں نے ارادہ کیا کہ ان بزرگ سے جا کر اپنے حق میں دعا کرائی جائے۔ پہلے داراشکوہ ان بزرگ کے پاس زیارت اور دعا کے لئے پہنچے، اس وقت وہ بزرگ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ان بزرگ نے داراشکوہ سے کہا کہ یہاں میرے پاس آ جاؤ، اور تخت پر بیٹھ جاؤ، داراشکوہ نے کہا کہ نہیں حضرت، میری مجال نہیں ہے کہ میں آپ کے پاس تخت پر بیٹھ جاؤں، میں تو یہاں نیچے ہی ٹھیک ہوں، ان بزرگ نے پھر کہا کہ میں تمہیں بلا رہا ہوں، یہاں آ جاؤ۔ لیکن وہ نہیں مانے، اور ان کے پاس نہ گئے اور وہیں بیٹھے رہے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری مرضی، پھر ان بزرگ نے ان کو جو نصیحت فرمانی تھی وہ فرما دی اور وہ واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد عالمگیرؒ آ گئے۔ وہ جب سامنے نیچے بیٹھنے لگے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تم یہاں میرے پاس آ جاؤ وہ فوراً جلدی سے اٹھے اور ان بزرگ کے پاس جا کر تخت پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ان کو جو نصیحت فرمانی تھی وہ فرما دی جب عالمگیرؒ واپس چلے گئے تو ان بزرگ نے اپنی مجلس کے لوگوں سے فرمایا کہ ان دونوں بھائیوں نے تو خود ہی اپنا فیصلہ کر لیا۔ داراشکوہ کو ہم نے تخت پیش کیا۔ اس نے انکار کر دیا اور عالمگیرؒ کو پیش کیا تو انہوں نے لے لیا، اس واسطے دونوں کا فیصلہ ہو گیا۔ اب تخت شاہی عالمگیر کو ملے گا چنانچہ ان کو ہی مل گیا۔

یہ واقعہ حضرت تھانویؒ نے حضرت والد قدس اللہ سرہ کو سنایا۔

(مواعظ حضرت تھانویؒ)

حیل و حجت نہ کرنا چاہئے

یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے۔ بہر حال! ادب یہ ہے کہ جب بڑا کہہ رہا ہے کہ یہ کام کر لو، تو اس میں زیادہ حیل و حجت کرنا ٹھیک بات نہیں، اس وقت تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جا کر بیٹھ جائے، اس لئے کہ بڑے کے حکم کی تعمیل ادب پر مقدم ہے۔

بزرگوں کے جوتے اٹھانا

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی بزرگ کے جوتے اٹھانا چاہتے ہیں اب اگر وہ بزرگ زیادہ اصرار کے ساتھ یہ کہیں کہ یہ مجھے پسند نہیں۔ تو اس صورت میں بھی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ چھوڑ دے اور جوتے نہ اٹھائے بعض اوقات لوگ اس میں چھینا جھپٹی شروع کر دیتے ہیں اور بر سر پیکار ہو جاتے ہیں، یہ تعظیم کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

الامر فوق الادب

حکم کی تعمیل ادب کے تقاضے پر مقدم ہے بڑا جو کہے اس کو مان لو، ہاں! ایک دو مرتبہ بزرگ سے یہ کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حضرت! مجھے اس خدمت کا موقع دیجئے لیکن جب بڑے نے حکم ہی دے دیا تو اس صورت میں حکم کی تعمیل ہی واجب ہے۔ وہی کرنا چاہئے، عام حالات کا دستور یہی ہے جس کام کا حکم دیا جائے اس کے مطابق عمل کیا جائے، صحابہ کرام کا معمول بھی یہی ہے۔

صحابہ کرام کے دو واقعات

البتہ اس واقعہ میں جو آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور ادب کے تقاضے پر عمل کیا اور حکم نہیں مانا تو اس قسم کے واقعات پورے عہد صحابہ میں صرف دو ملتے ہیں کہ جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، لیکن صحابہ نے ادب کے تقاضے کو حکم کی تعمیل پر مقدم رکھا، ایک تو

یہی واقعہ ہے اور ایک واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

خدا کی قسم! نہیں مٹاؤں گا

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان صلح نامہ لکھا جارہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے بلایا کو تم لکھو، انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب معاہدے کی شرائط لکھنی شروع کیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ پر لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو جو شخص کفار کی طرف سے صلح کی شرائط طے کرنے آیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں ہم تو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں لکھنے دیں گے اور چوں کہ یہ صلح نامہ دونوں کی طرف سے ہوگا، اس لئے اس میں ایسی بات ہونی چاہئے جس پر دونوں متفق ہوں۔ ہم "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتے ہم تو "باسمک اللھم" لکھتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بجائے "باسمک اللھم" یعنی "اے اللہ! آپ کے نام سے ہم شروع کرتے ہیں" لکھتے تھے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اس کو مٹا دیں اور باسمک اللھم لکھیں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمارے لئے اس میں کیا فرق پڑتا ہے، "باسمک اللھم" بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے چلو وہ مٹا دو اور یہ لکھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "باسمک اللھم" لکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ لکھنا شروع کیا کہ "یہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران مکہ کے درمیان طے پایا۔" کفار کی طرف سے جو نمائندہ تھا، اس نے پھر اعتراض کیا کہ آپ نے یہ لفظ "محمد" کے ساتھ "رسول اللہ" کیسے لکھ دیا؟ اگر ہم آپ کو "رسول اللہ" مان لیں تو پھر جھگڑا ہی کیسا، سارا جھگڑا تو اس بات پر ہے کہ ہم آپ کو رسول تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا یہ معاہدہ جس پر آپ نے "محمد" کے ساتھ "رسول اللہ" بھی لکھا ہے۔ ہم اس پر دستخط نہیں کریں گے۔ آپ صرف یہ لکھیں کہ "یہ معاہدہ جو محمد بن عبداللہ اور سرداران قریش کے درمیان طے پایا۔" تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ "چلو، کوئی بات نہیں، تم تو مجھے اللہ کا رسول مانتے ہو اس لئے "محمد" کے ساتھ "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو

اور "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ " حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی بات تو مان لی تھی اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بجائے " باسمک اللھم " لکھ دیا تھا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ " محمد رسول اللہ " کاٹ کر " محمد بن عبداللہ " لکھ دو۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً بے ساختہ فرمایا کہ " واللہ لا امحوہ" خدا کی قسم میں لفظ "رسول اللہ " کو نہیں مٹاؤں گا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے جذبات کو محسوس فرمایا اور فرمایا اچھا تم نہ مٹاؤ مجھے دو میں اپنے ہاتھ سے مٹاؤں گا چنانچہ وہ عہد نامہ آپ نے ان سے لے کر اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔

(صحیح مسلم، باب صلح الحدیبیۃ، حدیث نمبر ۶۱۳۳)

اگر حکم کی تعمیل اختیار سے باہر ہو جائے

یہاں بھی یہی واقعہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو حکم دیا تھا انہوں نے اس کی تعمیل سے انکار فرمایا اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ ادب کو حکم پر مقدم کر لیا۔ حالانکہ حکم ادب پر مقدم ہے اس کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ اصل قاعدہ تو وہی ہے کہ بڑا جو کہہ رہا ہے اس کو مانے، اور اس کی تعمیل کرے، لیکن بعض اوقات انسان کسی حالت سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے حکم کی تعمیل کرنا اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس کے اندر اس کام کی استطاعت اور طاقت ہی نہیں ہوتی۔ اس وقت اگر وہ اس کام سے پیچھے ہٹ جائے تو اس پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے نافرمانی کی بلکہ اس پر یہ حکم صادق آئے گا کہ " لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا " یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔ تو پہلے واقعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو خود ہی فرما دیا کہ یہ بات میرے بس سے باہر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں موجود ہوں اور ابو قحافہ کا بیٹا امامت کرتا رہے اور دوسرے واقعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنے مغلوب الحال تھے کہ یہ بات ان کے بس سے باہر تھی کہ وہ " محمد " کے نام سے " رسول اللہ " کا لفظ مٹا دیں، اس واسطے انہوں نے مٹانے سے انکار کر دیا۔

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

لیکن اصل حکم وہی ہے کہ محبوب جو بات کہے اس کو مانو، اپنی نہ چلاؤ، وہ جس طرح کہہ دے اسی کے مطابق عمل کرو۔

نہ ہی ہجر اچھا نہ ہی وصل اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

عشق تسلیم و رضا کے ماسوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وفا کچھ بھی نہیں

اگر ان کی خوشی اس میں ہے کہ میں ایسا کام کروں جو بظاہر ادب کے خلاف لگ رہا ہے تو پھر وہی کام بہتر ہے جس کے اندر ان کی خوشی ہے اور ان کی رضا ہے۔

خلاصہ

بہر حال! امام نووی" جو یہاں یہ حدیث لائے ہیں، وہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے جھگڑے نمٹانے کی اور ان کے درمیان آپس میں صلح کرانے کی اتنی اہمیت تھی کہ نماز کا جو وقت مقرر تھا، اس سے آپ کو کچھ دیر بھی ہو گئی۔ لیکن آپ اس کے اندر مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپس کے جھگڑوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تجارت دین بھی دنیا بھی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم۔
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن۔
مقام تاریخ و وقت : جناب یوسف غنی صاحب کے مکان واقع کلفٹن کراچی میں ہوا

جو تجارت ہم کر رہے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس تجارت کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بھی بنا سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو جہنم تک پہنچنے کا راستہ بھی بنا سکتے ہیں اور فساق و فجار کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کونسا راستہ اختیار کرتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجارت دین بھی، دنیا بھی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

(سورۃ التوبۃ: ۱۱۹)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء۔

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التجارۃ، حدیث نمبر ۱۲۰۹)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التجار یحشرون یوم القیامۃ فجاراً الا من اتقی وبر وصدق آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

مسلمان کی زندگی کا بنیادی پتھر

بزرگان محترم و برادران عزیز! پہلے بھی ایک مرتبہ بھائی امان اللہ صاحب کی دعوت پر میری یہاں حاضری ہو چکی ہے، اور یہ ان کی اور دوستوں کی محبت کی بات ہے کہ دوبارہ ایک ایسا اجتماع انہوں نے منعقد فرمایا، میرے ذہن میں یہ تھا کہ پچھلی مرتبہ جس طرح کچھ سوالات کئے گئے تھے، جن کا میری اپنی ناقص معلومات کی حد تک جو جواب بن پڑا، وہ دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ آج بھی اسی قسم کی مجلس ہوگی، کوئی تقریر یا بیان پیش نظر نہیں تھا۔ لیکن بھائی صاحب فرمارہے ہیں کہ ابتداء میں دین کی اور ایمان ویقین کی باتیں ہو جائیں۔ تو دین کی بات بیان کرنے سے تو کبھی انکار نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ دین ایک مسلمان کی زندگی کا بنیادی پتھر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسی پتھر کو مضبوطی سے تھامنے کا توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تاجروں کا حشر انبیاء کے ساتھ

اس مجمع میں جو دوست واحباب موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر کا تعلق چونکہ تجارت سے ہے۔ اس لئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ کی دو حدیثیں میرے ذہن میں آئیں۔ اور پھر قرآن کریم کی ایک آیت بھی میں نے تلاوت کی، جس سے ان دونوں حدیثوں کے مضمون کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں متضاد نہیں ہیں۔ ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء

جو تاجر تجارت کے اندر سچائی اور امانت کو اختیار کرے تو وہ قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ یہ تجارت جس کو ہم اور آپ دنیا کا ایک کام سمجھتے ہیں۔ اور دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ یہ تجارت ہم اپنے پیٹ کے خاطر کر رہے ہیں، اور اس کا بظاہر دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تاجر میں دو باتیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ صدوق ہو، اور امین ہو، صدوق

کے لفظی معنی ہیں "سچا" اور امین کے معنی ہیں "امانت دار" اگر یہ دو صفتیں اس میں پائی جائیں تو قیامت کے دن وہ انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ایک سچائی، اور ایک امانت۔

تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ

اور دوسری حدیث جو بظاہر اس کے متضاد ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

التجار یحشرون یوم القیامۃ فجاراً الا من اتقی وبر وصدق

"تجار" قیامت کے دن فجار بنا کر اٹھائے جائیں گے، "فجار" فاجر کی جمع ہے، یعنی فاسق و فاجر اور گناہ گار، جو اللہ تعالیٰ کی معصیتوں کا ارتکاب کرنے والا ہے، سوائے اس شخص کے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔

تاجروں کی دو قسمیں

یہ دونوں حدیثیں انجام کے لحاظ سے بظاہر متضاد نظر آتی ہیں کہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ نبیوں کے ساتھ ہونگے، صدیق اور شہداء کے ساتھ ہونگے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ فساق اور فجار کے ساتھ ہونگے، لیکن الفاظ کے ترجمہ ہی سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ حقیقت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ تاجروں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک قسم وہ ہے جو انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگی، اور ایک قسم وہ ہے جو فاجروں اور فاسقوں کے ساتھ ہوگی۔

اور دونوں قسموں میں فرق بیان کرنے کے لئے جو شرائط بیان فرمائیں وہ یہ ہیں کہ سچائی ہو، امانت ہو، تقویٰ ہو، نیکی ہو تو پھر وہ تاجر پہلی قسم میں داخل ہے اور اس کو انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر یہ شرائط اس کے اندر نہ ہوں، بلکہ صرف پیسہ حاصل کرنا مقصود ہو۔ جس طرح بھی ممکن ہو، چاہے دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر ہو، دھوکہ دے کر ہو، فریب دے کر ہو، جھوٹ بول کر ہو، دغا دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو تو پھر وہ تاجر دوسری قسم میں داخل ہے کہ اس کو فاسقوں اور فاجروں کے

ساتھ اٹھایا جائے گا۔

تجارت جنت کا سبب یا جہنم کا سبب

اگر ان دونوں حدیثوں کو ہم ملا کر دیکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو تجارت ہم کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں تو اس تجارت کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بنالیں، انبیاء علیہ السلام کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں، اور اگر چاہیں تو اسی تجارت کو جہنم کا راستہ بنالیں اور فساق فجار کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس دوسرے انجام سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

ہر کام میں دو زاویئے

اور یہ بات صرف تجارت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دنیا کے جتنے کام ہیں۔ خواہ وہ ملازمت ہو، خواہ وہ تجارت ہو، خواہ وہ زراعت ہو، یا کوئی اور دنیا کا کام ہو، ان سب میں یہی بات ہے کہ اگر اس کو انسان ایک زاویئے سے اور ایک طریقے سے دیکھے تو وہ دنیا ہے، اور اگر دوسرے زوایئے سے دیکھے تو وہی دین بھی ہے۔

زاویہ نگاہ بدل دیں

یہ دین در حقیقت صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اگر آپ وہی کام دوسرے زاویہ سے کریں، دوسری نیت سے کریں۔ دوسرے ارادے سے کریں، دوسرے نقطہ نظر سے کریں، تو وہی چیز جو بظاہر ٹھیٹ دنیاوی چیز نظر آرہی تھی۔ دین بن جاتی ہے۔

کھانا کھانا عبادت ہے

اگر انسان کھانا کھا رہا ہے۔ تو بظاہر انسان اپنی بھوک دور کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہے۔ لیکن اگر کھانا کھاتے وقت یہ نیت ہو کر میرے نفس کا مجھ پر حق ہے۔ میری

ذات کا، میرے وجود کا مجھ پر حق ہے۔ اور اس حق کی ادائیگی کے لئے میں یہ کھانا کھا رہا ہوں، اور اس لئے کھا رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا حق یہ ہے کہ میں اس کی طرف اشتیاق کا اظہار کروں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو استعمال کروں۔ تو وہی کھانا جو بظاہر لذت حاصل کرنے کا ذریعہ تھا اور بظاہر بھوک دور کرنے کا ذریعہ تھا۔ پورا کھانا دین اور عبادت بن جائے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی تتلیاں

لوگ سمجھتے ہیں کہ دین یہ ہے کہ دنیا چھوڑ کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤ، اور اللہ اللہ کرو، بس یہی دین ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کا نام آپ نے سنا ہوگا، کون مسلمان ہے جو ان کے نام سے واقف نہیں ہے۔ بڑے زبردست پیغمبر اور بڑی ابتلا اور آزمائش سے گزرے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ غسل کر رہے تھے۔ اور غسل کے دوران آسمان سے ان پر سونے کی تتلیوں کی بارش شروع ہوگئی، تو حضرت ایوب علیہ السلام غسل کو چھوڑ چھاڑ کر ان تتلیوں کو پکڑنے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے پوچھا کہ اے ایوب! کیا ہم نے تم کو پہلے ہی بے شمار نعمتیں نہیں دے رکھی ہیں؟ تمہاری ضروریات کا سارا انتظام کر رکھا ہے۔ ساری کفالت کر رکھی ہے۔ پھر بھی تمہیں حرص ہے، اور تتلیوں کو جمع کرنے کی طرف بھاگ رہے ہو؟ تو حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا عجیب جواب دیا کہ: اے پروردگار

"لا غنی بی عن برکتك"

جب آپ میرے اوپر کوئی نعمت نازل فرمائیں تو یہ بات ادب کے خلاف ہے کہ میں اس سے بے نیازی کا اظہار کروں، جب آپ خود اپنے فضل سے یہ نعمت عطا فرما رہے ہیں تو اب اگر میں بیٹھا رہوں، اور یہ کہوں کہ مجھے یہ سونا چاندی نہیں چاہئے میں تو اس پر ٹھوکر مارتا ہوں تو یہ بے ادبی کی بات ہے۔ جب آپ دے رہے ہیں تو میرا یہ فرض ہے کہ میں اشتیاق کے ساتھ اس کو اوں، اس کی قدر پہچانوں اور اس کا شکریہ ادا کروں۔ اس غلئے میں آگے بڑھ کر ان کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ ایک پیغمبر کی آزمائش تھی۔

ورنہ اگر کوئی عام قسم کا خشک دیندار ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو اس دنیا کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ لیکن وہ چونکہ حقیقت سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہی چیز اگر اس نقطہ نظر سے حاصل کی جائے کہ میرے پروردگار کی دی ہوئی ہے۔ اور اس کی نعمت ہے۔ میں اس کی قدر پہچانوں۔ اس کا شکر ادا کروں، تو پھر یہ دنیا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دین ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الغسل باب من اغتسل عریانا وحدہ فی الخلوۃ حدیث نمبر ۲۷۹)

نگاہ نعمت دینے والے کی طرف ہو

ہم لوگ پانچ بھائی تھے، اور سب برسرروزگار اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی عید وغیرہ کے موقع پر جب ہم اکٹھے ہوتے تو حضرت والد صاحب ہمیں بعض اوقات عیدی دیا کرتے تھے، وہ عیدی کبھی ۲۰ روپے، کبھی ۲۵ روپے اور کبھی ۳۰ روپے ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحب ۲۵ روپے دیتے تو ہم کہتے کہ نہیں، ہم ۳۰ روپے لینگے، اور جب وہ ۳۰ روپے دیتے تو ہم کہتے کہ نہیں، ، ہم ۳۵ روپے لینگے، اور تقریباً یہ صورت ہر گھر میں ہوتی ہے کہ اولاد چاہے جوان ہو گئی ہو۔ برسرروزگار ہو گئی ہو۔ کمارہی ہو لیکن اگر باپ دے رہا ہے تو اس سے مچل مچل کر مانگتے ہیں کہ اور دیدیں، اور اب وہ باپ کی طرف سے جو ۳۰ روپے دیئے گئے، اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اس لئے کہ ہم میں سے ہر بھائی ہزاروں روپے کمانے والا تھا۔ لیکن پھر اس ۳۰ روپے کا شوق، رغبت، اشتیاق اور اس کو حاصل کرنے کے لئے بار بار مچلنا یہ سب کیوں تھا؟ بات دراصل یہ ہے کہ نگاہ اس روپے پر نہیں تھی کہ ۳۰ روپے مل رہے ہیں۔ بلکہ نگاہ اس دینے والے ہاتھ کی طرف تھی۔ کہ وہ ۳۰ روپے کس دینے والے ہاتھ سے مل رہے ہیں۔ یہ ایک باپ کی طرف سے مل رہے ہیں۔ اور یہ ایک محبت کا اظہار ہے، یہ ایک شفقت کا اظہار ہے، یہ ایک نعمت کا اظہار ہے، لہٰذا اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو اشتیاق کے ساتھ لیا جائے، اس کی قدر پہچانی جائے، چنانچہ اس کو خرچ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اٹھا کر لفافے میں بند کر کے

رکھ دیتے کہ یہ میرے باپ کے دیئے ہوئے ہیں۔ اگر وہی ۳۰ روپے کسی دوسرے آدمی کی طرف سے ملیں، اور انسان اس میں لالچ اور رغبت کا اظہار کرے۔ اور اس سے کہے کہ مجھے ۳۰ روپے کے بجائے ۳۵ روپے دو، تو یہ شرافت اور مروت کے خلاف ہے۔

اس کا نام تقویٰ ہے

دین در حقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اور یہی زاویہ نگاہ جب بدل جاتا ہے تو قرآن کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے یعنی میں دنیا کے اندر جو کچھ کر رہا ہوں، چاہے کھا رہا ہوں، چاہے سو رہا ہوں، چاہے کما رہا ہوں، اللہ کے لئے کر رہا ہوں، اللہ کے احکام کے مطابق کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی پیش نظر رکھ کر کر رہا ہوں، یہی چیز اگر حاصل ہو جائے تو اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یہ تقویٰ اگر پیدا ہو جائے، اور پھر اس تقویٰ کے ساتھ تجارت کریں، تو یہ تجارت دنیا نہیں، بلکہ یہ دین ہے۔ اور یہ جنت تک پہنچانے والی ہے۔ اور نبیوں کے ساتھ حشر کرانے والی ہے۔

صحبت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے

عموماً دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح حاصل ہو؟ یہ زاویہ نگاہ کس طرح بدلا جائے؟ تو اس کے جواب کے لئے میں نے شروع میں یہ آیت تلاوت کی تھی کہ:

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا راستہ بھی بتاتا ہے کہ اور ایسا راستہ بتاتا ہے جو ہمارے اور آپ کے لئے آسان ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ محض کسی کام کا حکم نہیں دیتے بلکہ ساتھ میں ہماری ضروریات، ہماری حاجتیں اور ہماری کمزوریوں کا احساس فرما کر ہمارے لئے آسان راستہ بھی بتاتے ہیں۔ تو تقویٰ حاصل

کرنے کا آسان راستہ بتا دیا کہ "کونوا مع الصادقین" سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، یہ صحبت جب تمہیں حاصل ہوگی تو اس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اندر خود تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ ویسے کتاب میں تقویٰ کی شرائط پڑھ کر تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ راستہ بہت مشکل نظر آئے گا، لیکن قرآن نے اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ بتلا دیا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی دولت عطا فرمائی ہو دوسرے لفظوں میں جس کو صدق کی دولت حاصل ہو، اس کی صحبت اختیار کر لو۔ کیونکہ صحبت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔ اس کا رنگ رفتہ رفتہ انسان پر چڑھ جاتا ہے۔

ہدایت کے لئے صرف کتاب کافی نہیں ہوتی

اور دین کو حاصل کرنے اور دین کو سمجھنے کا بھی یہی راستہ ہے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے تشریف لائے۔ ورنہ سیدھی بات تو یہ تھی کہ صرف قرآن کریم نازل کر دیا جاتا، اور مشرکین مکہ کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ ہمارے اوپر قرآن کریم کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ کتاب اس طرح نازل کر دیتے کہ جب لوگ صبح بیدار ہوتے تو ہر شخص بہت اچھا اور خوبصورت بائنڈنگ شدہ قرآن کریم اپنے سرہانے موجود پاتا۔ اور آسمان سے آواز آجاتی کہ یہ کتاب تمہارے لئے بھیج دی گئی ہے۔ اس پر عمل کرو تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب رسول کے بغیر نہیں بھیجی، ہر کتاب کے ساتھ ایک رسول بھیجا ہے۔ رسول تو کتاب کے بغیر آئے ہیں۔ لیکن کتاب بغیر رسول کے نہیں آئی، کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے، اور اس کو کسی خاص رنگ پر ڈھالنے کے لئے صرف کتاب کبھی کافی نہیں ہوتی۔

صرف کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر بننے کا نتیجہ

اگر کوئی شخص چاہے کہ میں میڈیکل سائنس کی کتاب پڑھ کر ڈاکٹر بن جاؤں، اور

پھر اس نے وہ کتاب پڑھ لی، اور اس کو سمجھ بھی لیا، اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹری اور علاج شروع کر دیا تو سوائے قبرستان آباد کرنے کے وہ کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ جب تک وہ کسی ڈاکٹر کی صحبت اختیار نہ کرے، اور اس کے ساتھ کچھ مدت تک رہ کر کام نہ کرے، اس وقت تک وہ ڈاکٹر نہیں بن سکتا، اور میں تو آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ بازار میں کھانا پکانے کی کتابیں موجود ہیں، جس میں کھانا پکانے کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں۔ پلاؤ اس طرح بنتا ہے، بریانی اس طرح بنتی ہے، قورمہ ایسے بنتا ہے۔ اب اگر ایک شخص صرف وہ کتاب اپنے سامنے رکھ کر بریانی بنانا چاہے گا تو خدا جانے وہ کیا ملغوبہ تیار کرے گا۔ جب تک کہ کسی ماہر کے ساتھ رہ کر اس کی ٹریننگ حاصل نہ کی ہو۔ اور اس کو سکھلانہ ہو، اس وقت تک وہ بریانی تیار نہیں کر سکتا۔

متقی کی صحبت اختیار کرو

یہی معاملہ دین کا ہے کہ صرف کتاب انسان کو کسی دینی رنگ میں ڈھالنے کے لئے کافی نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی معلم اور مربی اس کے ساتھ نہ ہو۔ اس واسطے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا اور انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ صحابہ کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی۔ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل کیا، پھر اسی طرح تابعین نے صحابہ کی صحبت سے اور تبع تابعین نے تابعین کی صحبت سے حاصل کیا تو جو کچھ دین ہم تک پہنچا ہے وہ صحبت کے ذریعہ پہنچا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی تقویٰ حاصل کرنے کا راستہ یہ بتا دیا کہ اگر تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ کسی متقی کی صحبت کا اختیار کرو، اور پھر اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے اندر بھی وہ تقویٰ پیدا فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حقیقت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خطبہ نکاح کی اہمیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ وقت : ۲۶ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعرات، بعد نماز عشاء۔
برتقریب نکاح : فرزند حاجی محمد نسیم صاحب انبالوی۔ شفیق سنز
مقام : فاران کلب، گلشن اقبال، کراچی

تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اگر دلوں میں اللہ کا خوف نہ ہو۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ ہو، اور اس بات کا ادراک نہ ہو کہ ایک دن ہمیں اللہ جل شانہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے ایک ایک قول و فعل کا جواب دینا ہے، اس وقت تک صحیح معنی میں ایک شخص دوسرے شخص کا حق ادا نہیں کر سکتا، نہ شوہر بیوی کا حق ادا کر سکتا ہے، اور نہ بیوی شوہر کا حق ادا کر سکتی ہے،

خطبہ نکاح کی اہمیت

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

ابھی انشاء اللہ پر مسرت تقریب کا آغاز ہونے والا ہے، جس میں تقریب کے دولہا اور دلہن انشاء اللہ نکاح مسنون کے رشتے میں منسلک ہونے والے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے لئے اس رشتے کو مبارک فرمائے، آمین۔

شادی کی تقریبات

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ نکاح پڑھانے سے پہلے کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، اگرچہ شادی بیاہ کی تقریبات آج کل کے ماحول کے لحاظ سے کسی وعظ ونصیحت کی مجلس کے لئے موزوں نہیں، لیکن تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کی فرمائش ہے کہ اکثر حاضرین بھی اس موقع پر کوئی دین کی بات سننا چاہتے ہیں۔ اس لئے حکم کی خاطر چند کلمات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

خطبہ نکاح کی تین آیات

ابھی انشاء اللہ نکاح کے خطبے کا آغاز ہوگا، اور یہ خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت ہے، نکاح بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ

نکاح میری سنت ہے

(ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث نمبر ۱۸۵۱)

شرعی اعتبار سے تو نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے جو مسنون طریقہ مقرر فرمایا، وہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے ایک خطبہ دیا جائے، اس خطبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد ہوتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے، اور عموماً قرآن کریم کی تین آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے موقع پر یہ تین آیتیں تلقین فرمائیں کہ نکاح کے خطبہ میں ان آیات کی تلاوت کی جائے، سب سے پہلے سورۃ نساء کی پہلی آیت تلاوت کی جاتی ہے:

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا ○

(سورۃ نساء: ۱)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو، اور تقویٰ اختیار کرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (یعنی حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے) اور اسی جان سے اس کی بیوی کو پیدا کیا (یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو) اور ان دونوں (آدم اور حوا) کے ذریعہ دنیا میں بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے (کہ ساری دنیا کی آبادی انہیں دو مقدس میاں بیوی کی اولاد ہیں) اور اس سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق کا) مطالبہ کرتے ہو (جب کسی کو دوسرے سے اپنا حق مانگنا ہوتا ہے تو

وہ اکثر اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ خدا کے واسطے میرا یہ حق دے دو) اور رشتہ داریوں (کے حقوق) سے بھی ڈرو (یعنی اس کا خیل رکھو کہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال نہ ہونے پائیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال و افعال پر نگراں ہیں (وہ دیکھ رہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اور کیا کر رہے ہو)

یہ پہلی آیت ہے جو خطبہ نکاح میں تلاوت کی جاتی ہے، دوسری آیت سورۃ آل عمران کی ہے۔ وہ یہ ہے:

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون ○

(سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (جیسا کہ اس سے) ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم نہ مرو (موت نہ آئے) مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے فرماں بردار ہو۔

تیسری آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح میں تعلیم فرمائی، وہ یہ ہے کہ:

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا ○ یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما ○

(سورۃ الاحزاب: ۷۰-۷۱)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو، اور (سیدھی) سچی بات کہو (اگر اللہ سے ڈرو گے، اور سیدھی سچی بات کہنے کی عادت ڈالو گے) تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو قبول فرمالیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا

تینوں آیتوں میں مشترک چیز

یہ تین آیتیں ہیں جو حضور نبی کریم، سرور دو عالم، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح کے موقع پر پڑھنے کی تعلیم دی، ان تینوں میں جو چیز قدر مشترک نظر آتی ہے، اور جس کا حکم تینوں آیتوں میں موجود ہے، وہ ہے "تقویٰ اختیار کرنا" تینوں آیتوں کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور تقویٰ اختیار کرو، یہ عقد نکاح کے موقع پر جو تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور خاص طور پر تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے، اور اس کو بار بار دھرایا جا رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یوں تو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کے لئے تقویٰ ایک لازمی شرط ہے، جس کے بغیر انسان دنیا اور آخرت میں صلاح و فلاح حاصل نہیں کر سکتا۔

تقویٰ کے بغیر حقوق ادا نہیں ہو سکتے

لیکن خاص طور سے نکاح کا رشتہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے حقوق اور اس کی برکات اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتیں، جب تک دونوں فریقوں کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو، تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اگر دلوں میں اللہ کا خوف نہ ہو، اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ ہو، اور اس بات کا ادراک نہ ہو کہ ایک دن، ہمیں اللہ جل شانہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے ایک ایک قول و فعل کا جواب دینا ہے، اس وقت تک صحیح معنی میں ایک شخص دوسرے شخص کا حق ادا نہیں کر سکتا، نہ شوہر بیوی کا حق ادا کر سکتا۔ نہ بیوی شوہر کا حق ادا کر سکتی ہے، نہ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کا حق ادا کر سکتا ہے۔ نہ دوست دوست کا حق ادا کر سکتا ہے، یہ حق ادا کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف ہو، اور دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر جواب دہی کا احساس ہو، ورنہ محض قانون کے ذریعے، محض محکموں اور عدالتوں کے ذریعہ حقوق نہیں دلائے جا سکتے، جب تک کہ حق دینے والے کے دل میں اس بات کا احساس نہ ہو کہ اگر میں نے دوسرے کا حق مار لیا تو شاید میں عدالت اور قانون سے بچ جاؤں، لیکن اللہ تعالیٰ

کے حضور حاضر ہو کر میں جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہو گا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب ہو گا، اس سے بچنے کی مجھے آج ہی تیاری کرنی ہے اور اس سے بچاؤ کا سامان کرنا ہے، جب تک یہ احساس دلوں میں پیدا نہ ہو، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تین آیتوں کی تلاوت سنت ہے

اس لئے خاص طور پر اس نکاح کی تقریب کے موقع پر جو خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا، اس میں ان تین آیتوں کو مقرر فرما کر تقویٰ کی تاکید فرمائی، یوں تو ہر انسان جب مسلمان ہوتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور تقویٰ کا عہد کرتا ہے۔

نئی زندگی کا آغاز

لیکن یہ موقع زندگی کا ایک دوراہا ہے، جس میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، زندگی میں ایک انقلاب آرہا ہے، اس وقت میں تقویٰ کے اس عہد کو دوبارہ تازہ کریں، اور اس کی تجدید کریں، تو ان تین آیتوں کو تلاوت کرنے کا در حقیقت یہ مقصود ہے، اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ہمیں صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس موقع پر تقویٰ حاصل کرنے کی فکر اور اس کی کوشش کو تازہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اصلاحی خطبات

جلد ۷

- اولاد کی اصلاح و تربیت
- غیبت - ایک عظیم گناہ
- تعلق مع اللہ کا طریقہ
- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ
- اسلام اور انسانی حقوق
- والدین کی خدمت
- سونے کے آداب
- زبان کی حفاظت کیجئے
- وقت کی قدر کریں
- شب برائت کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

اِصلاحی خُطبات

۳

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت ☜ ستمبر ۱۹۹۴ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم گلشنِ اقبال کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کرکے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب تقریباً چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی

خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد اللہ ''اصلاحی خطبات'' کی چوتھی جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد ثالث کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد رابع کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد رابع کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

عنوان	صفحہ

اجمالی فہرست خطبات

عنوان	صفحہ

تفصیلی فہرست مضامین

(۳۰) اولاد کی اصلاح و تربیت

(۳۱) والدین کی خدمت

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۳۲) غیبت ایک عظیم گناہ

صفحہ	عنوان

(۳۳) سونے کی آداب

عنوان	صفحہ

(۳۴) تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ

(۳۵) زبان کی حفاظت کیجئے

عنوان	صفحہ

(۳۶) حضرت ابراہیم اور تعمیر بیت اللہ

صفحہ	عنوان

(۳۷) وقت کی قدر کریں

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

(۳۹) شب برات کی حقیقت

صفحہ	عنوان
۲۶۰	۶...... نوافل گھر پر ادا کریں
۲۶۱	۷...... فرض نماز مسجد میں ادا کریں
۲۶۱	۸...... نوافل میں تنہائی مقصود ہے
۲۶۲	۹...... تنہائی میں ہمارے پاس آؤ
۲۶۲	۱۰...... تم نے اس نعمت کی ناقدری کی
۲۶۳	۱۱...... گوشہ تنہائی کے لمحات
۲۶۴	۱۲...... وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے
۲۶۴	۱۳...... اخلاص مطلوب ہے
۲۶۵	۱۴...... ہر عبادت کو حد پر رکھو
۲۶۵	۱۵...... عورتوں کی جماعت
۲۶۶	۱۶...... شب برات اور حلوہ
۲۶۶	۱۷...... بدعات کی خاصیت
۲۶۷	۱۸...... پندرہ شعبان کا روزہ
۲۶۸	۱۹...... بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں
۲۶۹	۲۰...... رمضان کے لئے پاک صاف ہو جاؤ

اولاد کی اصلاح و تربیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷؍ جولائی ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے۔ نمازوں کا اہتمام ہے۔ صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوۃ ادا کر رہا ہے، لیکن اس کے بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ کہیں جا رہا ہے۔ وہ کہیں جا رہے ہیں اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، بیوی بچے گناہوں کے سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ مگر یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہو کر با جماعت نماز ادا کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولاد کی اصلاح و تربیت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ، واشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا و نبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔

(سورۃ التحریم:۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے اس کتاب "ریاض الصالحین" میں ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جس کے ذریعہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسان کے ذمے صرف خود اپنی اصلاح ہی واجب نہیں ہے، بلکہ اپنے گھر والوں، اپنے بیوی بچوں اور اپنے ماتحت جتنے بھی افراد ہیں، ان کی اصلاح کرنا ان کو دین کی طرف لانے کی کوشش کرنا، ان کو فرائض و واجبات کی ادائیگی کی تاکید کرنا، اور گناہوں سے اجتناب کی تاکید کرنا بھی انسان کی ذمے فرض ہے اس مقصد کے تحت یہ باب قائم فرمایا ہے، اور اس میں کچھ آیات قرآنی اور کچھ احادیث نبوی نقل کی ہیں۔

خطاب کا پیارا عنوان

یہ آیت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، یہ در حقیقت اس باب کا بنیادی عنوان ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا:

یعنی اے ایمان والو ــــ آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کرنے کے لئے جگہ جگہ "یا ایها الذین آمنوا" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ "یا ایها الذین آمنوا" کا عنوان جو اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے استعمال فرماتے ہیں۔ یہ بڑا پیارا عنوان ہے، یعنی اے ایمان والو، اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اس خطاب میں بڑا پیار ہے، اس لئے کہ خطاب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کا نام لے کر خطاب کیا جائے، اے فلاں اور خطاب کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس رشتے کا حوالہ دے کر خطاب کیا جائے جو خطاب کرنے والے کا اس سے قائم ہے، مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کو بلائے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس بیٹے کا نام لے کر اس کو پکارے کہ اے فلاں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو "بیٹا" کہہ کر پکارے کہ اے بیٹے، ظاہر ہے کہ بیٹا کہہ کر پکارنے میں جو پیار، جو شفقت اور جو محبت ہے، اور سننے کے لئے اس میں جو لطف ہے، وہ پیار اور لطف نام لے کر پکارنے میں نہیں ہے،

لفظ "بیٹا" ایک شفقت بھرا خطاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہ، اتنے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا جب پاکستان میں تو کیا، ساری دنیا میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا ثانی نہیں تھا۔ ساری دنیا میں ان کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا، کوئی ان کو "شیخ الاسلام" کہہ کر مخاطب کرتا، کوئی ان کو "علامہ" کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کئے جاتے تھے، کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، اس وقت ہماری دادی بقید حیات تھیں، ہماری دادی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ کی ممانی لگتی تھیں، اس لئے وہ ان کو "بیٹا" کہہ کر پکارتی تھیں، اور ان کو دعا دیتی تھیں کہ "بیٹا! جیتے رہو" جب ہم ان کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا اچھنبا محسوس ہوتا تھا، لیکن علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔

ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مجھے "بیٹا" کہنے والا سوائے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے، صرف یہ خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں، اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں، اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ جو "بیٹا" کہہ کر پکارا جا رہا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، لیکن وقت ایسا آتا ہے جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے "یا ایھا الذین آمنوا" کا خطاب کر کے اس رشتے کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو "بیٹا"

کہہ کر پکارے، اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے وہ شفقت، محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرمارہے ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

آیات کا ترجمہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔

اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، وہ آگ کیسی ہے؟ آگے اس آگ کی صفت بیان فرمائی کہ اس آگ کا ایندھن لکڑیاں اور کوئلے نہیں ہے، بلکہ اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور اس آگ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے غلیظ اور تند خو ہیں سخت مزاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو جس بات کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی کہ بس اپنے آپ کو آگ سے بچاکر بیٹھ جاؤ، اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام ختم ہوگیا، بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستے میں مال خرچ کر رہا ہے، اور جتنے اوامر و نواہی ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس کے گھر کو دیکھو، اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ

کہیں جارہا ہے، وہ کہیں جا رہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، ان میں نہ نماز کی فکر ہے، نہ فرائض دینیہ کو بجالانے کا احساس ہے، اور نہ گناہوں کو گناہ سمجھنے کی فکر ہے، بس: گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں، اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں، اور با جماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں۔ جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو، خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا، اگر اولاد دوسری طرف جا رہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مواخذہ ہو گا۔

اگر اولاد نہ مانے تو!

○ اس آیت میں قرآن کریم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، در حقیقت اس میں ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا جو شبہ عام طور پر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے وہ شبہ یہ ہے کہ آج جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کی تعلیم دو، کچھ دین کی باتیں ان کو سکھاؤ، ان کو دین کی طرف لاؤ، گناہوں سے بچانے کی فکر کرو، تو اس کے جواب میں عام طور پر بکثرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولاد کو دین کی طرف لانے کی بڑی کوشش کی، مگر کیا کریں کہ ماحول اور معاشرہ اتنا خراب ہے کہ بیوی بچوں کو بہت سمجھایا، مگر وہ مانتے نہیں ہیں اور زمانے کی خرابی سے متاثر ہو کر انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے، اور اس راستے پر جا رہے ہیں۔ اور راستہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اب ان کا عمل ان کے ساتھ ہے ہمارا عمل ہمارے ساتھ ہے، اب ہم کیا کریں۔ اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تو آخر کافر رہا، اور حضرت نوح علیہ السلام اس کو طوفان سے نہ بچا سکے، اسی طرح ہم نے بہت کوشش کر لی ہے، وہ نہیں مانتے تو ہم کیا کریں؟

دنیاوی آگ سے کس طرح بچاتے ہو؟

چنانچہ قرآن کریم نے اس آیت میں "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس اشکال اور شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ بات ویسے اصولی طور پر تو ٹھیک ہے کہ اگر ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی ہے تو انشاء اللہ ماں باپ پھر بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اولاد کے کئے کا وبال اولاد پر پڑے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی کوشش کس حد تک کی ہے؟ اور کس درجے تک کی ہے؟ قرآن کریم نے "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کو گناہوں سے اس طرح بچانا چاہئے جس طرح ان کو آگ سے بچاتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک بہت بڑی خطرناک آگ سلگ رہی ہے، جس آگ کے بارے میں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اس آگ کے اندر داخل ہو گیا تو زندہ نہیں بچے گا، اب آپ کا نادان بچہ اس آگ کو خوش منظر اور خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اب بتاؤ تم اس وقت کیا کرو گے؟ کیا تم اس پر اکتفا کرو گے کہ دور سے بیٹھ کر بچے کو نصیحت کرنا شروع کر دو کہ بیٹا! اس آگ میں مت جانا۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے۔ اگر جاؤ گے تو تم جل جاؤ گے، اور مر جاؤ گے؟ کیا کوئی ماں باپ صرف زبانی نصیحت پر اکتفا کرے گا؟ اور اس نصیحت کے باوجود اگر بچہ اس آگ میں چلا جائے تو کیا وہ ماں باپ یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جائیں گے کہ ہم نے تو اس کو سمجھا دیا تھا۔ اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اس نے نہیں مانا اور خود ہی اپنی مرضی سے آگ میں کود گیا تو میں کیا کروں؟ دنیا میں کوئی ماں باپ ایسا نہیں کریں گے، اگر وہ اس بچے کے حقیقی ماں باپ ہیں تو اس بچے کو آگ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر ان کی نیند حرام ہو جائیگی، ان کی زندگی حرام ہو جائے گی اور جب تک اس بچے کو گود میں اٹھا کر اس آگ سے دور نہیں لے جائیں گے، اس وقت تک ان کو چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ جب تم اپنے بچے کو دنیا کی معمولی سی آگ سے بچانے کے لئے صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہیں کرتے تو جہنم کی وہ آگ جس کی حد و نہایت نہیں، اور جس کا دنیا میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس آگ سے بچے کو بچانے کے

لئے زبانی جمع خرچ کو کافی کیوں سمجھتے ہو؟ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم نے انہیں سمجھا کر اپنا فریضہ ادا کر لیا، یہ بات آسانی سے کہنے کی نہیں ہے۔

آج دین کے علاوہ ہر چیز کی فکر ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی جو مثال دی جاتی ہے کہ ان کا بیٹا کافر رہا، وہ اس کو آگ سے نہیں بچا سکے یہ بات درست نہیں اس لئے کہ یہ بھی تو دیکھو کہ انہوں نے اس کو راہ راست پر لانے کی نو سو سال تک لگاتار کوشش کی، اس کے باوجود جب راہ راست پر نہیں آیا تو اب ان کے اوپر کوئی مطالبہ اور کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دو مرتبہ کہا اور پھر فارغ ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے تو کہہ دیا، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان کو گناہوں سے اسی طرح بچاؤ جس طرح ان کو حقیقی آگ سے بچاتے ہو، اگر اس طرح نہیں بچا رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ ادا نہیں ہو رہا ہے۔ آج تو یہ نظر آرہا ہے کہ اولاد کے بارے میں ہر چیز کی فکر ہے، مثلاً یہ تو فکر ہے کہ بچے کی تعلیم اچھی ہو، اس کا کیریئر اچھا بنے یہ فکر ہے کہ معاشرے میں اس کا مقام اچھا ہو، یہ فکر تو ہے کہ اس کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اچھا ہو جائے، لیکن دین کی فکر نہیں۔

تھوڑا سا بے دین ہو گیا ہے

ہمارے ایک جاننے والے تھے، جو اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے۔ دیندار اور تہجد گزار تھے، ان کے لڑکے نے جدید انگریزی تعلیم حاصل کی، جس کے نتیجے میں اس کو کہیں اچھی ملازمت مل گئی ایک دن وہ بڑی خوشی کے ساتھ بتانے لگے کہ ماشاء اللہ ہمارے بیٹے نے اتنا پڑھ لیا، اب ان کو ملازمت مل گئی اور معاشرے میں اس کو بڑا مقام حاصل ہو گیا، البتہ تھوڑا سا بے دین تو ہو گیا، لیکن معاشرے میں اس کا کیریئر بڑا شاندار بن گیا ہے۔

اب اندازہ لگایئے کہ ان صاحب نے اس بات کو اس طرح بیان کیا کہ "وہ بچہ ذرا سا بے دین تو ہو گیا۔ مگر اس کا کیریئر بڑا شاندار بن گیا" معلوم ہوا کہ بے دین ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، بس ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے، حالانکہ وہ صاحب خود بڑے دیندار

اور تہجد گزار آدمی تھے،

"جان" تو نکل گئی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا، لیکن لوگ اس کو زندہ سمجھ رہے تھے، چنانچہ لوگوں نے ڈاکٹر کو بلایا۔ تاکہ اس کا معائنہ کرے کہ اس کو کیا بیماری ہے؟ یہ کوئی حرکت کیوں نہیں کر رہا ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک آدمی ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء ٹھیک ہیں۔ بس ذرا سی جان نکل گئی ہے۔

بالکل اسی طرح ان صاحب نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا کہ "ماشاء اللہ اس کا کیریئر تو بڑا شاندار بن گیا ہے، بس ذرا سا بے دین ہو گیا ہے۔" گویا کہ "بے دین" ہونا کوئی ایسی بات نہیں جس سے بڑا نقص پیدا ہوتا ہو۔

نئی نسل کی حالت

آج ہمارا یہ حال ہے کہ اور ہر چیز کی فکر ہے، مگر دین کی طرف توجہ نہیں، بھائی، اگر یہ دین اتنی ہی ناقابل توجہ چیز تھی تو پھر آپ نے نماز پڑھنے کی اور تہجد گزاری کی اور مسجدوں میں جانے کی تکلیف کیوں فرمائی؟ آپ نے بھی اپنے بیٹے کی طرح اپنا کیریئر بنالیا ہوتا ___ شروع سے اس بات کی فکر نہیں کہ بچے کو دین کی تعلیم سکھائی جائے آج یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو ایسی نرسری میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس کو کتا بلی تو سکھایا جاتا ہے، لیکن اللہ کا نام نہیں سکھایا جاتا، دین کی باتیں نہیں سکھائی جاتیں ___ اس وقت وہ نسل تیار ہو کر ہمارے سامنے آچکی ہے، اور اس نے زمام اقتدار سنبھال لی ہے ___ زندگی کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں آگئی ہے، جس نے پیدا ہوتے ہی اسکول کالج کی طرف رخ کیا، اور ان کے اندر ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی بھی اہلیت موجود نہیں، نماز پڑھنا نہیں آتا ___ اگر اس وقت پورے معاشرے کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو شاید اکثریت ایسے لوگوں کی ملے جو قرآن شریف ناظرہ نہیں پڑھ سکتے، جنہیں نماز صحیح طریقے سے پڑھنا نہیں آتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ نے یہ فکر تو کی کہ اس کو

کونسے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کیا جائے لیکن دین کی تعلیم کی طرف دھیان اور فکر نہیں۔

آج اولاد ماں باپ کے سر پر سوار ہیں

یاد رکھو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک سنت ہے، جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے ایک مخلوق کو راضی کرنے کے لئے گناہ کیا، اور گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا، تو بالآخر اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں، تجربہ کر کے دیکھو ــــــ

آج ہماری صورت حال یہ ہے کہ اپنی اولاد اور بچوں کو راضی کرنے کی خاطر یہ سوچتے ہیں کہ ان کا کیریئر اچھا ہو جائے، ان کی آمدنی اچھی ہو جائے۔ اور معاشرے میں ان کا ایک مقام بن جائے، ان تمام کاموں کی وجہ سے ان کو دین نہ سکھایا، اور دین نہ سکھا کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اولاد جس کو راضی کرنے کی فکر تھی۔ وہی اولاد ماں باپ کے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ آج آپ خود معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ کس طرح اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمانی کر رہی ہے۔ اور ماں باپ کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماں باپ نے ان کو صرف اس لئے بے دینی کے ماحول میں بھیج دیا، تاکہ ان کو اچھا کھانا پینا میسر آ جائے، اور اچھی ملازمت مل جائے، اور ان کو ایسے بے دینی کے ماحول میں آزاد چھوڑ دیا جس میں ماں باپ کی عزت اور عظمت کا کوئی خانہ نہیں ہے، جس میں ماں باپ کے حکم کی اطاعت کا بھی کوئی خانہ نہیں ہے، وہ اگر کل کو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے، تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں، کہ ہم نے تو اس مقصد کے لئے تعلیم دلائی تھی، مگر اس نے یہ کر لیا ــ ارے بات اصل میں یہ ہے تم نے اس کو ایسے راستے پر چلایا، جس کے نتیجے میں وہ تمہارے سروں پر مسلط ہو، تم ان کو جس قسم کی تعلیم دلوا رہے ہو، اور جس راستے پر لے جا رہے ہو، اس تعلیم کی تہذیب تو یہ ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اب وہ گھر میں رکھنے کے لائق نہیں، ان کو نرسنگ ہوم (Nursing Home) میں داخل کر دیا جاتا ہے اور پھر صاحبزادے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ وہاں ماں باپ کس حال میں ہیں، اور کس چیز کی

ان کو ضرورت ہے۔

باپ "نرسنگ ہوم" میں

مغربی ممالک کے بارے میں تو ایسے واقعات بہت سنتے تھے کہ بوڑھا باپ "نرسنگ ہوم" میں پڑا ہوا ہے، وہاں اس باپ کا انتقال ہو گیا، وہاں کے منیجر نے صاحب زادے کو فون کیا کہ جناب، آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، تو جواب میں صاحب زادے نے کہا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیں۔ اور براہ کرم بل مجھے بھیج دیجئے میں بل کی ادائیگی کر دوں گا ـــ وہاں کے بارے میں تو یہ بات سنی تھی۔ لیکن ابھی چند روز پہلے مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کراچی میں بھی ایک "نرسنگ ہوم" قائم ہو گیا ہے۔ جہاں بوڑھوں کی رہائش کا انتظام ہے، اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کا وہاں انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کو اطلاع دی گئی، بیٹے صاحب نے پہلے تو آنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس وقت فلاں میٹنگ میں جانا ہے۔ اس لئے آپ ہی اس کے کفن دفن کا بندوبست کر دیں، میں نہیں آسکوں گا ـــ یہ وہ اولاد ہے جس کو راضی کرنے کی خاطر تم نے خدا کو ناراض کیا، اس لئے وہ اب تمہارے اوپر مسلط کر دی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ جس مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرو گے اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو تمہارے اوپر مسلط کر دیں گے۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

جب وہ اولاد سر پر مسلط ہو گئی تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں کہ اولاد دوسرے راستے پر جارہی ہے، ارے جب تم نے شروع ہی سے اس کو ایسے راستے پر ڈالا، جس کے ذریعہ اس کا ذہن بدل جائے، اس کا خیال بدل جائے، اس کی سوچ بدل جائے تو اس کا انجام یہی ہونا تھا۔

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

پہلے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے سمندر کے اندر ڈبو دیا، اس کے بعد کہتے ہو کہ ہوشیار! دامن تر مت کرنا، بھائی! اگر تم نے پہلے اس کو کچھ قرآن شریف پڑھایا ہوتا۔ اس کو کچھ حدیث نبوی سکھائی ہوتی۔ وہ حدیث سکھائی ہوتی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے لئے کار آمد ہوتی ہیں، ایک علم ہے جسے وہ چھوڑ گیا، جسے سے لوگ نفع اٹھا رہے ہیں، مثلاً کوئی آدمی کوئی کتاب تصنیف کر گیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، یا کوئی آدمی علم دین پڑھاتا تھا، اب اس کے شاگرد آگے علم پڑھا رہے ہیں، اس سے اس مرنے والے شخص کو بھی فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ یا کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا۔ مثلاً کوئی مسجد بنا دی۔ کوئی مدرسہ بنا دیا۔ کوئی شفاخانہ بنا دیا۔ کوئی کنواں بنا دیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ایسے عمل کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اور تیسری چیز نیک اولاد ہے، جو وہ چھوڑ گیا۔ وہ اس کے حق میں دعائیں کریں۔ تو اس کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کیونکہ ماں باپ کی تربیت کے نتیجے میں اولاد جو کچھ کر رہی ہے، وہ سب باپ کے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے ــــ اگر یہ حدیث پڑھائی ہوتی تو آج باپ کا یہ انجام نہ ہوتا ــــ لیکن چونکہ اس راستے پر چلایا ہی نہیں۔ اس لئے اس کا انجام بد آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرات انبیاء اور اولاد کی فکر

بھائی اولاد کو دین کی طرف لانے کی فکر اتنی ہی لازمی ہے جتنی اپنی اصلاح کی فکر لازم ہے، اولاد کو صرف زبانی سمجھانا کافی نہیں۔ جب تک اس کی فکر اس کی تڑپ اسی طرح نہ ہو جس طرح اگر دہکتی ہوئی آگ کی طرف بچہ بڑھ رہا ہو، اور آپ اس کو لپک کر جب تک اٹھا نہیں لیں گے، اس وقت تک آپ کو چین نہیں آئے گا، اسی طرح کی تڑپ یہاں بھی ہونی ضروری ہے ــــ پورا قرآن کریم اس حکم کی تاکید سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

(سورہ مریم)

"یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو اپنی ساری اولاد اور بیٹوں کو جمع کیا۔ کوئی شخص اپنی اولاد کو اس فکر کے لئے جمع کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد تمہارا کیا ہو گا؟ کس طرح کماؤ گے؟ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو جمع کر رہے ہیں اور یہ پوچھ رہے ہیں کہ بتاؤ! میرے مرنے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان کو اگر فکر ہے تو عبادت کی فکر ہے۔ بس! اپنی اولاد اپنے اہل و عیال کے بارے میں اس فکر کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، (سورہ بقرہ ۱۳۳)

قیامت کے روز ماتحتوں کے بارے میں سوال ہو گا

بات صرف اہل و عیال کی حد تک محدود نہیں، بلکہ جتنے بھی ماتحت ہیں، جن پر انسان اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی جگہ افسر ہے اور کچھ لوگ اس کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اس شخص سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو دین پر لانے کی کوشش کی تھی؟ ایک استاذ ہے اس کے ماتحت بہت سے شاگرد پڑھتے ہیں۔ قیامت کے روز اس استاد سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے شاگردوں کو راہ راست پر لانے کے سلسلے میں کیا کام کیا؟ ایک مستاجر ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے مزدور محنت مزدوری کرتے ہیں، قیامت کے روز اس مستاجر سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو دین پر لانے کے سلسلے میں کیا کوشش کی تھی؟ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ

یعنی تم میں سے ہر شخص راعی اور نگہبان ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا،

(جامع الاصول: ۵/ ۲۶۳ رقم الحدیث ۳۹۳۶)

یہ گناہ حقیقت میں آگ ہیں

یہ آیت جو شروع میں تلاوت کی، اس آیت کے تحت میرے والد ماجد حضرت

مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ اس طرح کہا جارہا ہے جیسے کہ آگ سامنے نظر آرہی ہے۔ حالانکہ اس وقت کوئی آگ بھڑکتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ جتنے گناہ ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ یہ سب حقیقت میں آگ ہیں۔ چاہے دیکھنے میں یہ گناہ لذیذ اور خوش منظر معلوم ہو رہے ہوں، لیکن حقیقت میں یہ سب آگ ہیں۔ اور یہ دنیا جو گناہوں سے بھری ہوئی ہے، وہ ان گناہوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے۔ لیکن حقیقت میں گناہوں سے مانوس ہو کر ہماری حس مٹ گئی ہے، اس لئے گناہوں کی ظلمت اور آگ محسوس نہیں ہوتی۔ ورنہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ صحیح حس عطا فرماتے ہیں اور ایمان کا نور عطا فرماتے ہیں۔ ان کو یہ گناہ واقعۃً آگ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یا ظلمت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

حرام کے ایک لقمے کا نتیجہ

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص کی دعوت پر اس کے گھر کھانا کھانے چلا گیا، ابھی صرف ایک لقمہ ہی کھایا تھا کہ یہ احساس ہو گیا کہ کھانے میں کچھ گڑبڑ ہے شاید یہ حلال کی آمدنی نہیں ہے، جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعۃً حلال کی آمدنی نہیں تھی، لیکن وہ حرام آمدنی کا لقمہ نادانستہ طور پر حلق کے اندر چلا گیا۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اس پر توبہ استغفار کی۔ لیکن اس کے باوجود دو مہینے تک اس اس حرام لقمے کی ظلمت محسوس ہوتی رہی اور دو ماہ تک بار بار یہ خیال اور وسوسہ آتا رہا کہ فلاں گناہ کر لو فلاں گناہ کر لو، اور گناہ کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں کو مجلیٰ اور مزکیٰ فرماتے ہیں انہیں ان گناہوں کی ظلمت کا احساس ہوتا ہے۔ ہم لوگ چونکہ ان گناہوں سے مانوس ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔

اندھیرے کے عادی ہو گئے

ہم لوگ یہاں شہروں میں بجلی کے عادی ہو گئے ہیں ہر وقت شہر بجلی کے قمقموں سے جگمگا رہا ہے، اب اگر چند منٹ کے لئے بجلی چلی جائے۔ تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے، اس لئے کہ نگاہیں بجلی کی روشنی اور اس کی راحت کی عادی ہیں، جب وہ راحت چھن جاتی ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور وہ ظلمت بہت بری لگتی ہے، البتہ بہت سے دیہات ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے بجلی کی شکل تک نہیں دیکھی، وہاں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے۔ کبھی بجلی کے قمقمے وہاں جلتے ہی نہیں ہیں ان کو کبھی اندھیرے کی تکلیف نہیں ہوتی، اس لئے کہ انہوں نے بجلی کے قمقموں کی روشنی دیکھی ہی نہیں، البتہ جس نے یہ روشنی دیکھی ہے، اس سے جب یہ روشنی چھن جاتی ہے۔ تو اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہی ہماری مثال ہے کہ ہم صبح شام گناہ کرتے رہتے ہیں اور ان گناہوں کی ظلمت کے عادی ہو گئے ہیں، اس لئے اس ظلمت کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کا نور عطا فرمائے۔ تقویٰ کا نور عطا فرمائے، تب ہمیں معلوم ہو کہ ان گناہوں کے اندر کتنی ظلمت ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ در حقیقت آگ ہی ہیں، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا
إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، وہ در حقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں اس آیت کے تحت اکثر مفسرین نے یہ فرمایا کہ یہ مجاز اور استعارہ ہے کہ آگ کھا رہے ہیں، یعنی حرام کھا رہے ہیں، جس کا انجام بالآخر جہنم کی آگ کی شکل میں ان کے سامنے آئے گا، لیکن بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ یہ مجاز اور استعارہ نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت ہے یعنی وہ حرام کا جو لقمہ کھا رہے ہیں، وہ واقعی آگ ہے، لیکن اس وقت بے حسی کی وجہ سے آگ معلوم نہیں ہو رہی ہے۔ لہذا جتنے گناہ ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت میں آگ ہیں۔ حقیقت میں دوزخ کے انگارے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی بے حسی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔

اللہ والوں کو گناہ نظر آتے ہیں

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو چشم بصیرت عطا فرماتے ہیں، ان کو ان کی حقیقت نظر آتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں صحیح اور مستند روایتوں میں ہے کہ جس وقت کوئی آدمی وضو کر رہا ہوتا، یا غسل کر رہا ہوتا تو آپ اس کے بہتے ہوئے پانی میں گناہوں کی شکلیں دیکھ لیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں گناہ بہتے ہوئے جا رہے ہیں۔

ایک بزرگ تھے۔ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو چہرے پر کپڑا ڈال لیتے تھے۔ کسی شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ حضرت! آپ جب بھی باہر نکلتے ہیں تو چہرے پر کپڑا ڈال کر نکلتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا کہ میں کپڑا اٹھا کر باہر نکلنے پر قادر نہیں، اس لئے کہ جب میں باہر نکلتا ہوں تو کسی انسان کی شکل نظر نہیں آتی، بلکہ ایسا نظر آتا ہے کہ کوئی کتا ہے کوئی خنزیر ہے، کوئی بھیڑیا ہے، کوئی گدھا ہے، اور مجھے انسانوں کی شکلیں ان صورتوں میں نظر آتی ہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ ان شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔۔۔ بہر حال! چونکہ ان گناہوں کی حقیقت ہم پر منکشف نہیں ہے، اس لئے ہم ان گناہوں کو لذت اور راحت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ گندگی ہے، حقیقت میں وہ نجاست ہے، حقیقت میں وہ آگ ہے۔ حقیقت میں وہ ظلمت ہے۔

یہ دنیا گناہوں کی آگ سے بھری ہوئی ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا جو گناہوں کے آگ سے بھری ہوئی ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی کمرے میں گیس بھر گئی ہو، اب وہ گیس حقیقت میں آگ ہے، صرف دیا سلائی لگانے کی دیر ہے، ایک دیا سلائی دکھاؤ گے تو پورا کمرہ آگ سے دھک جائے گا، اسی طرح یہ بد اعمالیاں یہ گناہ جو معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں آگ ہیں، صرف ایک صور پھونکنے کے دیر ہے، جب صور پھونکا جائے گا تو یہ معاشرہ آگ سے دھک جائے گا، ہمارے یہ برے اعمال بھی در حقیقت جہنم ہے، ان سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ، اور اپنے اہل و عیال

کو بھی بچاؤ۔

پہلے خود نماز کی پابندی کرو

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے دوسری آیت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

(طٰہٰ: ۱۳۲)

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس نماز کی پابندی کرو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب ترتیب رکھی ہے بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ پہلے خود نماز قائم کرو۔ اور پھر اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، لیکن یہاں ترتیب الٹ دی ہے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور پھر خود بھی اس کی پابندی کرو۔ اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ تمہارا اپنے گھر والوں کو یا اولاد کو نماز کا حکم دینا اس وقت تک موثر اور فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک تم ان سے زیادہ اس کی پابندی نہیں کرو گے۔ اب زبان سے تو تم نے ان کو کہہ دیا کہ نماز پڑھو۔ لیکن خود اپنے اندر نماز کا اہتمام نہیں ہے۔ تو اس صورت میں ان کو نماز کے لئے کہنا بالکل بے کار جائے گا۔ لہٰذا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینے کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ان سے زیادہ پابندی خود کرو۔ اور ان کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنو۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ مت بولو

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لینے کے لئے بلایا، بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا، تو اس خاتون نے کہا تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے۔ اب وہ بچہ آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے پوچھا کہ تم نے بچے کو یہ جو کہا کہ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے، تو کیا تمہاری واقعی کچھ دینے کی نیت تھی؟ اس خاتون نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی۔ اور یہ کھجور اس کو دینے کی نیت تھی،

آپ نے فرمایا کہ اگر دینے کی نیت نہ ہوتی۔ تو یہ تمہاری طرف سے بہت بڑا جھوٹ ہوتا، اور گناہ ہوتا۔ اس لئے کہ تم بچے سے جھوٹا وعدہ کر رہی ہو گویا اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رہی ہو کہ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی ــــــ لہذا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیوی بچوں کو جو بھی حکم دو، پہلے خود اس پر عمل کرو، اور اس کی پابندی دوسروں سے زیادہ کرو،

بچوں کو تربیت دینے کا انداز

آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ احادیث لائے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: اخذ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلھا فی فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کخ کخ، ارم بھا، اما علمت انا لا ناکل الصدقۃ!

(جامع الاصول: ۴/ ۶۵۷ رقم الحدیث ۲۷۴۸)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب کہ ابھی بچے ہی تھے۔ ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فوراً فرمایا "کخ کخ" عربی میں یہ لفظ ایسا ہے جیسے ہماری زبان میں "تھو تھو" کہتے ہیں یعنی اگر بچہ کوئی چیز منہ میں ڈال دے، اور اس کی شناعت کے اظہار کے ساتھ وہ چیز اس کے منہ سے نکلوانا مقصود ہو تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کخ کخ" یعنی اس کو منہ سے نکال کر پھینک دو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم یعنی بنو ہاشم صدقے کا مال نہیں کھاتے

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ اور ایسے محبوب نواسے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت حسن رضی اللہ علیہ مسجد میں داخل ہو گئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے، اور آگے بڑھ کر ان کو گود میں اٹھا لیا۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ حضرت

حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے پر سوار ہو گئے اور جب آپ سجدے میں جانے لگے تو آپ نے ان کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتار دیا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان کو گود میں لیتے اور فرماتے کہ:

"مبخلة ومجبنة"

یعنی یہ اولاد ایسی ہے کہ انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے، اور بزدل بھی بنا دیتی ہے۔ اس لئے کہ انسان اولاد کی وجہ سے بعض اوقات بخیل بن جاتا ہے، اور بعض اوقات بزدل بن جاتا ہے ــ ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت ہے، دوسری طرف جب انہوں نے نادانی میں ایک کھجور بھی منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ اس کھجور کو کھا جائیں۔ مگر چونکہ ان کو پہلے سے اس چیز کی تربیت دینی تھی۔ اس لئے فوراً وہ کھجور منہ سے نکلوائی۔ اور فرمایا کہ یہ ہمارے کھانے کی چیز نہیں ہے۔

بچوں سے محبت کی حد

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بچے کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سے اس کا ذہن بنتا ہے، اسی سے اس کی زندگی بنتی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ــ آج کل یہ عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے اندر بچوں کو غلط باتوں پر ٹوکنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے ــ آج سے پہلے بھی ماں باپ بچوں سے محبت کرتے تھے۔ لیکن وہ عقل اور تدبیر کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ لیکن آج کل یہ محبت اور لاڈ اس درجے تک پہنچ چکا ہے کہ بچے کتنے ہی غلط کام کرتے رہیں، غلط حرکتیں کرتے رہیں، لیکن ماں باپ ان غلطیوں پر ٹوکتے ہی نہیں، ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نادان بچے ہیں ان کو ہر قسم کی چھوٹ ہے، ان کی روک ٹوک کرنے کی ضرورت نہیں ــ ارے بھائی، یہ سوچو کہ اگر وہ بچے نادان ہیں مگر تم تو نادان نہیں ہو، تمہارا فرض ہے کہ ان کو تربیت دو، اگر کوئی بچہ ادب کے خلاف، تمیز کے خلاف یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے۔ تو اس کو بتانا ماں باپ کے ذمے فرض ہے، اس لئے کہ وہ بچہ اسی طرح بد تہذیب بن کر بڑا ہو گیا تو اس کا وبال تمہارے اوپر

ہے کہ تم نے اس کو ابتداء سے اس کی عادت نہیں ڈالی ــــ بہر حال! اس حدیث کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو بھی نگاہ میں رکھو،

حضرت شیخ الحدیث کا ایک واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت تکیہ بنادیا تھا، جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے، مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی، اور ہر وقت میں اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا ــــ ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے۔ ان کو تکیے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ: اباجی! میرا تکیہ لے لیجئے یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا، جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا، لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے ان کو پیش کیا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کیا۔ اور کہا کہ ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو در حقیقت باپ کی عطاء ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے ــــ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا۔ اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگادیا۔ لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی۔ اور اس کے بعد سے ذہن کا رخ بدل گیا ــــ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی پڑتی ہے، تب جاکر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے، اور بچہ صحیح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔

کھانا کھانے کا ایک ادب

عن ابی حفص عمر ابن سلمۃ عبد اللہ بن عبد الاسد ربیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ، فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا غلام سم اللہ، و بیمینک، وکل مما یلیک. فما زالت تلک طعمتی بعد۔

(جامع الاصول: ۷/ ۳۸۸ رقم الحدیث ۵۳۴۵)

حضرت عمر بن ابو سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو ام المومنین ہیں، ان کے پچھلے شوہر سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہ ان کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے، اس لئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی سوتیلے بیٹے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت و شفقت فرمایا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی کی باتیں کیا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں چھوٹا بچہ تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھا، ایک روز کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پیالے میں ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا، یعنی کبھی ایک طرف سے لقمہ اٹھایا۔ کبھی دوسری طرف سے۔ اور کبھی تیسری طرف سے لقمہ اٹھالیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے لڑکے! کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھو۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، وہاں سے کھاؤ، ادھر ادھر سے ہاتھ بڑھا کر کھانا ٹھیک نہیں ہے ___ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھ کر اس پر تنبیہ فرماتے اور صحیح ادب سکھاتے۔

یہ اسلامی آداب ہیں

ایک اور صحابی حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کھانا سامنے آیا تو میں نے یہ حرکت شروع کی کہ ایک نوالہ ادھر سے لیا۔ اور دوسرا نوالہ ادھر سے لے لیا۔ اور اس طرح برتن کے مختلف حصوں سے کھانا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے عکراش، ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ کھانا ایک جیسا ہے ادھر ادھر سے کھانے سے بد تہذیبی بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور بد سلیقگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے ایک جگہ سے کھاؤ، حضرت عکراش فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک بڑا تھال لایا گیا جس میں مختلف

قسم کی کھجوریں بکھری ہوئی تھیں ۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا ہوا چھاج کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے ۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما چکے تھے کہ ایک جگہ سے کھاؤ۔ اس لئے میں نے وہ کھجوریں ایک جگہ سے کھانی شروع کر دیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک طرف سے کھجور اٹھاتے، کبھی دوسری طرف سے اٹھاتے۔ اور مجھے جب ایک طرف سے کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے پھر فرمایا کہ اے عکراش! تم جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ مختلف قسم کی کھجوریں ہیں۔ اب اگر ایک طرف سے کھاتے رہے۔ پھر دل تمہارا دوسری قسم کی کھجور کھانے کو چاہ رہا ہے۔ تو ہاتھ بڑھا کر وہاں سے کھجور اٹھا کر کھاؤ۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۳۶۷)

گویا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ اگر ایک ہی قسم کی چیز ہے تو پھر صرف اپنی طرف سے کھاؤ، اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہیں تو دوسرے اطراف سے بھی کھا سکتے ہو۔ اپنی اولاد اور اپنے صحابہ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تھی۔ یہ سارے آداب خود بھی سیکھنے کے ہیں۔ اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کے ہیں یہ اسلامی آداب ہیں جن سے اسلامی معاشرہ ممتاز ہوتا ہے۔

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده رضی اللہ عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیه وسلم: مروا اولادکم بالصلاۃ وھم ابناء سبع واضربوھم علیھا، وھم ابناء عشر، وفرقوا بینھم فی المضاجع"

(جامع الاصول: ۵/ ۸۷/ رقم الحدیث ۳۲۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں یعنی سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کی تاکید کرنا شروع کرو، اگرچہ اس کے ذمے نماز فرض نہیں ہوئی، لیکن اس کو عادی بنانے کے لئے سات سال کی عمر سے تاکید کرنا شروع کر دو، اور جب دس سال کی عمر ہو جائے، اور پھر بھی نماز نہ پڑھے تو اس کو نماز نہ پڑھنے پر مارو،

اور دس سال کی عمر میں بچوں کے بستر الگ الگ کر دو، ایک بستر میں دو بچوں کو نہ سلاؤ،

سات سال سے پہلے تعلیم

اس حدیث میں پہلا حکم یہ دیا کہ سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ سات سال سے پہلے اس کو کسی چیز کا مکلف کرنا مناسب نہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال تک نہ پہنچ جائے، اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے، جیسے کہ بعض لوگ سات سال سے پہلے روزہ رکھوانے کی فکر شروع کر دیتے ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بہت مخالف تھے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں تو سات سال سے پہلے نماز پڑھانے کو نہیں کہہ رہے ہیں، مگر تم سات سال سے پہلے اس کو روزہ رکھوانے کی فکر میں ہو، یہ ٹھیک نہیں ــــ اسی طرح سات سال سے پہلے نماز کی تاکید کی کوشش بھی درست نہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ سات سال سے کم عمر کے بچے کو مسجد میں لانا ٹھیک نہیں۔ البتہ کبھی کبھار اس کو اسی شرط کے ساتھ مسجد میں لاسکتے ہیں کہ وہ مسجد کو گندگی وغیرہ سے ملوث نہیں کرے گا۔ تاکہ وہ تھوڑا تھوڑا مانوس ہو جائے۔ لیکن سات سال سے پہلے اس پر باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں۔

گھر کی تعلیم دے دو

بلکہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ سات سال سے پہلے تعلیم کا بوجھ ڈالنا بھی مناسب نہیں۔ سات سال سے پہلے کھیل کود کے اندر اس کو پڑھا دو، لیکن باقاعدہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا، اور باقاعدہ اس کو طالب علم بنا دینا ٹھیک نہیں ــــ آج کل ہمارے یہاں یہ وبا ہے کہ بس بچہ تین سال کا ہوا تو اس کو پڑھانے کی فکر شروع ہو گئی، یہ غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب وہ تین سال کا ہو جائے تو اس کو گھر کی تعلیم دے دو۔ اس کو اللہ و رسول کا کلمہ سکھا دو، اس کو کچھ دین کی باتیں سمجھا دو، اور یہ کام گھر میں رکھ کر جتنا کر

سکتے ہو، کر لو باقی اسکو مکلف کر کے باقاعدہ نرسری میں بھیجنا۔ اور ضابطے کا طالب علم بنا دینا اچھا نہیں۔

قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ــ قرآن کریم کا زندہ معجزہ تھے، جن لوگوں نے ان کی زیارت کی ہے۔ ان کو معلوم ہو گا۔ ساری زندگی قرآن کریم کے اندر گزاری، اور حدیث میں جو یہ دعا آئی ہے کہ یا اللہ! قرآن کریم کو میری رگ میں پیوست کر دیجئے۔ میرے خون میں پیوست کر دیجئے، میرے جسم میں پیوست کر دیجئے، میری روح میں پیوست کر دیجئے ــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی یہ دعا ان کے حق میں پوری طرح قبول ہو گئی کہ قرآن کریم ان کے رگ و پے میں پیوست تھا ــ

قاری صاحب قرآن کی تعلیم کے معاملے میں بڑے سخت تھے جب کوئی بچہ ان کے پاس آتا تو اس کو بہت اہتمام کے ساتھ پڑھاتے تھے، اور اس کو پڑھنے کی بہت تاکید کرتے تھے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر تعلیم کا باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں، اس لئے اس سے اس کی نشوونما رک جاتی ہے، اور اسی مذکورہ بالا حدیث میں استدلال فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو نماز کا حکم دینے کے لئے سات سال عمر کی قید لگائی ہے۔

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو پھر رفتہ رفتہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالا جائے۔ یہاں تک کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس وقت آپ نے نہ صرف تادیبا مارنے کی اجازت دی۔ بلکہ مارنے کا حکم دیا کہ اب وہ نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو،

بچوں کو مارنے کی حد

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ استاد کے لئے یا ماں باپ کے لئے بچے کو اس حد تک مارنا جائز ہے، جس سے بچے کے جسم پر مار کا نشان نہ پڑے۔ آج کل یہ جو ہے

تحاشہ مارنے کی جو ریت ہے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں قرآن کریم کے مکتبوں میں مار کٹائی کا رواج ہے۔ اور بعض اوقات اس مار پٹائی میں خون نکل آتا ہے، زخم ہو جاتا ہے، یا نشان پڑ جاتا ہے، یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کی معافی کی کیا شکل ہو گی؟ اس لئے کہ اس گناہ کی معافی کس سے مانگے؟ اگر اسے بچے سے مانگے تو وہ نابالغ بچہ معاف کرنے کا اہل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نابالغ بچہ معاف بھی کر دے تو شرعاً اس کی معافی کا اعتبار نہیں اس لئے حضرت والا فرمایا کرتے تھے اس کی معافی کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا، اتنا خطرناک گناہ ہے۔ اس لئے استاد اور ماں باپ کو چاہئے کہ وہ بچے کو اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زخم ہو جائے یا نشان پڑ جائے، البتہ ضرورت کے تحت جہاں مارنا ناگزیر ہو جائے۔ صرف اس وقت مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔

بچوں کو مارنے کا طریقہ

اس کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک عجیب نسخہ بتایا ہے، اور ایسا نسخہ وہی بتا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے، فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو، یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مار لو اس لئے کہ جس وقت طبعی غصہ کے وقت اگر مارو گے یا غصہ کرو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورۃ مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مار لو، تاکہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے، اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا کہ طبعی غصے کے وقت نہ کسی کو مارا اور نہ ڈانٹا، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اس کو بلا کر مصنوعی قسم کا غصہ پیدا کر کے وہ مقصد حاصل کر لیتا۔ تاکہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے۔ کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان اکثر و بیشتر حد پر قائم نہیں رہتا۔

بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ

اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اصول بیان فرمایا کرتے تھے۔ جو اگرچہ کلی اصول تو نہیں ہے، اس لئے کہ حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر اس اصول پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص غلط کام کر رہا ہو، ٹھیک اس وقت میں اس کو سزا دینا مناسب نہیں ہوتا۔ بلکہ وقت پر ٹوکنے سے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے، اس لئے بعد میں اس کو سمجھا دو، یا سزا دینی ہو تو سزا دیدو، دوسرے یہ کہ ہر ہر کام پر بار بار ٹوکتے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مرتبہ بٹھا کر سمجھا دو۔ کہ فلاں وقت تم نے یہ غلط کام کیا۔ فلاں وقت یہ غلط کیا اور پھر ایک مرتبہ جو سزا دینی ہے دے دو۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ ہر انسان کی جبلت میں داخل ہے، اور یہ ایسا جذبہ ہے کہ جب ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو بعض اوقات انسان اس میں بے قابو ہو جاتا ہے اور پھر حدود پر قائم رہنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے کہ اس کا بہترین علاج وہی ہے، جو ہمارے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے تجویز فرمایا۔۔۔ بہر حال! اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کبھی کبھی مارنا بھی چاہئے، آج کل اس میں افراط و تفریط ہے، اگر ماریں گے تو حد سے گزر جائیں گے، یا پھر بالکل مارنا چھوڑ دیا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کو کبھی نہیں مارنا چاہئے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں وہ افراط ہے، اور یہ تفریط ہے، اعتدال کا راستہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔

تم میں سے ہر شخص نگران ہے

آخر میں وہی حدیث لائے ہیں جو پیچھے کئی مرتبہ آچکی ہے

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، الامام راع ومسئول عن رعیتہ، والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا و

مسئولة عن رعيتها، والخادم راع في مال سيده ومسئول
عن رعيته، فكلكم راع ومسئول عن رعيته۔
(جامع الاصول: ۴/ ۵۰ رقم الحدیث ۲۰۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے، نگہبان ہے ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی ذمہ داری اور نگہبانی کے بارے میں سوال ہو گا، امام یعنی سربراہ حکومت ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں آخرت میں سوال ہو گا کہ تم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ان کی کیسی تربیت کی؟ اور ان کے حقوق کا کتنا خیال رکھا؟ اور مرد اپنے گھر والوں کا بیوی بچوں کا نگران اور نگہبان ہے قیامت کے روز اس سے سوال ہو گا کہ بیوی بچے جو تمہارے سپرد کئے گئے تھے ان کی کیسی تربیت کی، ان کے حقوق کس طرح ادا کئے؟ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، جو چیز اس کی نگہبانی میں دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اس سے قیامت کے روز سوال ہو گا کہ تم نے اس کی کس طرح نگہبانی کی؟ اور نوکر اپنے آقا کے مال میں نگہبان ہے۔ یعنی اگر آقا نے پیسے دیئے ہیں تو وہ پیسے اس کے لئے امانت ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے، اور آخرت کے دن اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا کہ تم نے اس امانت کا حق کس طرح ادا کیا؟

لہٰذا تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے راعی ہے اور جس چیز کی نگہبانی اس کے سپرد کی گئی ہے، قیامت کے روز اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا،

اپنے ماتحتوں کی فکر کریں

اس حدیث کو آخر میں لانے کی منشاء یہ ہے کہ بات صرف باپ اور اولاد کی حد تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ان سب میں انسان کے ماتحت کچھ لوگ ہوتے ہیں، مثلاً گھر کے اندر اس کے ماتحت بیوی بچے ہیں، دفتر میں اس کے ماتحت کچھ افراد کام کرتے ہوں گے، اگر کوئی دکاندار ہے، تو اس دکان میں اس کے ماتحت کوئی آدمی کام

کرتا ہو گا، اگر کسی شخص نے فیکٹری لگائی ہے، تو اس فیکٹری میں اس کے ماتحت کچھ عملہ کام کرتا ہو گا، یہ سب اس کے ماتحت اور تابع ہیں لہٰذا ان سب کو دین کی بات پہنچانا اور ان کو دین کی طرف لانے کی کوشش کرنا انسان کے ذمے ضروری ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی ذات یا اپنے گھر کی حد تک ذمہ دار ہوں، بلکہ جو لوگ تمہارے زیر دست اور ماتحت ہیں، ان کو جب تم دین کی بات بتاؤ گے تو تمہاری بات کا بہت زیادہ اثر ہو گا، اور اس اثر کو وہ لوگ قبول کریں گے۔ اور اگر تم نے ان کو دین کی بات نہیں بتائی تو اس میں تمہارا قصور ہے۔ اور اگر وہ دین پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو اس میں تمہارا قصور ہے کہ تم نے ان کو دین کی طرف متوجہ نہیں کیا، اس لئے جہاں کہیں جس شخص کے ماتحت کچھ لوگ کام کرنے والے موجود ہیں ان تک دین کی باتیں پہنچانے کی فکر کریں۔

صرف دس منٹ نکال لیں

اس میں شک نہیں کہ آج کل زندگیاں مصروف ہو گئیں ہیں، اوقات محدود ہو گئے، لیکن ہر شخص اتنا تو کر سکتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے پانچ دس منٹ روزانہ اس کام کے لئے نکال لے کہ اپنے ماتحتوں کو دین کی بات سنائے گا۔ مثلاً کوئی کتاب پڑھ کر سنا دے، کوئی وعظ پڑھ کر سنا دے، ایک حدیث کا ترجمہ سنا دے، جس کے ذریعہ دین کی بات ان کے کان میں پڑتی رہے۔ یہ کام تو ہر شخص کر سکتا ہے، اگر ہر شخص اس کام کی پابندی کر لے تو انشاء اللہ اس حدیث پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والدین کی خدمت
جنت کا ذریعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۸ر اگست ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یاد رکھئے اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان سب میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے، ان دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، لیکن والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، ان کا جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے، لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والدین کی خدمت، جنت کا ذریعہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی، وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ، وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (النساء: ۳۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

حقوق العباد کا بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے بیان میں ہے، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ابواب جو اس کتاب "ریاض الصالحین" میں چل رہے ہیں، ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بعض حقوق العباد کا بیان گزر چکا ہے، ان حقوق کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سن چکے ہیں اس نئے باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آیات اور احادیث لائے ہیں سب سے پہلی حدیث یہ ہے کہ:

افضل عمل کونسا؟

"عن ابی عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، قال سئلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ای العمل احب الی اللہ؟ قال: الصلاۃ علی وقتہا، قلت: ثم ای؟ قال: بر الوالدین، قلت: ثم ای؟ قال: الجہاد فی سبیل اللہ"

(صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ حدیث نمبر ۵۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے، میں نے پھر پوچھا کہ نماز کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

اس حدیث میں ترتیب اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا، دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو۔

نیک کاموں کی حرص

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں: ایک یہ کہ اگر احادیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ اس سے صحابہ کرام کی یہ فکر اور یہ حرص ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور افضل ہو اس کو انجام دینے کی کوشش کی جائے، اور وہ عمل ہماری زندگیوں میں آجائے، اس لئے کہ ہر وقت دل و دماغ پر آخرت کی فکر طاری تھی، وہ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو جائے، اس لئے ہر وقت یہ معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے کہ کس عمل میں کیا اجر و ثواب ہے، اور وہ ہمیں حاصل ہو جائے۔

آج ہم لوگ فضائل کی احادیث میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے۔ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے پڑھتے بھی ہیں۔ سنتے بھی ہیں۔ لیکن اس کے بعد کماحقہ عمل داعیہ پیدا نہیں ہوتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ثواب کا کام ہے بس اس کی طرف دوڑتے تھے۔

افسوس! میں نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہو، تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا،

"قیراط" اس زمانے میں ایک پیمانہ تھا۔ جس کے ذریعہ سونا چاندی کا وزن کیا جاتا تھا اور جو شخص نماز جنازہ کے بعد اس کے پیچھے چلے اس کو دو قیراط ملیں گے، اور جو شخص اس کی تدفین میں بھی شامل ہو، اس کو تین قیراط اجر ملیں گے۔ ویسے تو "قیراط" ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جنت کا "قیراط" احد پہاڑ سے بھی

بڑا ہے۔

جب یہ حدیث حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ نے سنائی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی، جس کی وجہ سے ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کے پیچھے چلنے، اور تدفین میں شرکت کی ایسی فضیلت ہے، اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا تو میں اس کا اہتمام کرتا، اور اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے میرے بہت سے "قیراط" ضائع ہو گئے۔ حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کا مشغلہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا تھا، جن کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود جب ایک نیا عمل معلوم ہوا تو اس پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں اب تک یہ عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ تمام صحابہ کرام کا یہی حال نظر آتا ہے کہ ہر وقت اسی فکر میں ہیں کہ ذرا سی کوئی نیکی کرنے کا موقع مل جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں اضافہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

سوال ایک جواب مختلف

اسی لئے بار بار صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ روایات میں یہ نظر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو مختلف جواب دیئے۔ مثلاً اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، ہر حالت میں تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کسی صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل کونسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، غرض یہ کہ مختلف صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات عطا فرمائے، بظاہر اگرچہ ان جوابات میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیت میں تضاد نہیں۔

ہر شخص کا افضل عمل جدا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے افضل عمل بدلتا رہتا ہے، کسی شخص کے لئے نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے والدین کی اطاعت سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے جہاد سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے ذکر سب سے افضل عمل ہے، حالات کے لحاظ سے اور آدمیوں کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً بعض صحابہ کرام کے بارے میں آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ نماز کی تو ویسے بھی پابندی کرتے ہیں، ان کے سامنے نماز کی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن والدین کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے، تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت ہے کسی صحابی کا عبادت کی طرف تو زیادہ دھیان تھا۔ مگر جہاد کی طرف اتنی رغبت نہیں تھی۔ ان کے حق میں فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، کسی صحابی کو آپ نے دیکھا کہ وہ عبادت بھی کر رہے ہیں، جہاد بھی کر رہے ہیں، لیکن ذکر اللہ کی طرف اتنا التفات نہیں ہے، ان کو فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل ذکر اللہ ہے۔ لہٰذا مختلف صحابہ کرام کو ان کے حالات کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جواب دیئے۔ لیکن یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں، یعنی وقت پر نماز پڑھنا۔ والدین کی اطاعت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا، ہر وقت ذکر اللہ کرنا وغیرہ، البتہ لوگوں کے حالات کے لحاظ فضیلت بدلتی رہتی ہے۔

نماز کی افضلیت

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی ترتیب یہ بیان فرمائی کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، صرف نماز پڑھنا نہیں، بلکہ وقت کا لحاظ کر کے نماز پڑھنا، بعض اوقات انسان وقت کا دھیان نہیں کرتا۔ اور وقت گزار دیتا ہے۔ اور یہ سوچتا ہے کہ نماز قضا ہو گئی تو ہونے دو۔ یہ انسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں، بلکہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے کی فکر کرے، قرآن کریم کی آیت ہے:

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔

(الماعون: ۴)

یعنی ان نمازیوں پر افسوس ہے، جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں...... نماز کا وقت آیا۔ اور چلا گیا۔ نماز ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ نماز قضا ہو گئی۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الذی تفوته صلاة العصر کا نما وتر اهله وماله

یعنی جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی وقت گزر گیا۔ اور نماز نہیں پڑھی۔ وہ ایسا ہے جیسا اس کے سارے گھر والے لٹ گئے اور سارا مال لٹ گیا، جس طرح وہ شخص تنگ دست اور مفلوک الحال ہے اسی طرح وہ شخص بھی مفلوک الحال ہے جس کی ایک عصر کی نماز قضا ہو گئی ہو، لہذا نماز کو قضاء کرنا بڑی سنگین بات ہے، اور اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے نماز کا بھی دھیان ہونا چاہئے، اور نماز کے وقت کا بھی دھیان ہونا چاہئے۔

جہاد کی افضلیت

اس حدیث میں دوسرے نمبر پر افضل عمل "والدین کے ساتھ حسن سلوک" کو قرار دیا، اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ، گویا کہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد جیسی عبادت پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جہاد اتنی بڑی عبادت ہے، اور اس کے اتنے فضائل ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرے، اور اس جہاد میں شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے اس

طرح گناہوں سے پاک صاف کر کے لے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری باب تمنی المجاہد، حدیث نمبر ۲۶۶۲)

ایک حدیث میں ہے کہ جب ایک انسان مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقامات قرب کا مشاہدہ کرے گا، اور جنت کا مشاہدہ کرے گا تو اس کے دل میں کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش پیدا نہیں ہوگی، کہ میں دنیا میں واپس جاؤں، اس لئے کہ دنیا کی حقیقت کھل کر اس کے سامنے آجائے گی۔ کہ یہ دنیا اس جنت کے مقابلے میں کتنی بے حقیقت، کتنی ناپائیدار اور کتنی گندی چیز تھی، جو جنت اس کو مل گئی ہے۔ لیکن وہ شخص جو جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو چکا ہو۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ اور وہاں جاکر دوبارہ جہاد کروں۔ اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ تو جنت میں جانے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کی خواہش کرے گا، جہاد کی اتنی بڑی فضیلت ہے۔

(صحیح بخاری، باب تمنی الشہادۃ، حدیث نمبر ۲۶۴۴)

والدین کا حق

لیکن والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر بھی مقدم رکھا ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں، ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس سے واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اجر رکھا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے

بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں،

بے غرض محبت

یاد رکھئے: اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے، اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، سوائے والدین کی محبت کے یعنی والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، اس محبت میں ان کا اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں، اس کے علاوہ کوئی محبت بے غرض نہیں مثلاً شوہر بیوی سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے، بیوی شوہر سے محبت کرے تو اس میں غرض ہے، بھائی بھائی سے محبت کرے، یا ایک دوست دوسرے دوست سے محبت کرے، غرض یہ کہ جتنے تعلقات ہیں سب کے نمرض غرض شامل ہے، ان سب میں کوئی نہ کوئی غرض کار فرما ہوتی ہے، لیکن ایک محبت غرض سے پاک ہے، وہ ماں باپ کی محبت ہے، یعنی ماں باپ اپنی اولاد سے جو محبت کرتے ہیں اس میں ان کی ذات کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی ان کا جذبہ تو ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے۔ لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا، اور جہاد فی سبیل اللہ پر بھی اس کو مقدم فرمایا۔

والدین کی خدمت

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور جہاد سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں، اور اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں۔ صرف اسی غرض کے لئے جہاد میں جانا چاہتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ثواب حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے جوب دیا، ہاں! یارسول اللہ، میں صرف ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے والدین زندہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور جاکر ان کی خدمت

کرو، اس لئے کہ اگر تمہیں اجر حاصل کرنا ہے تو پھر والدین کی خدمت کر کے تمہیں جو اجر حاصل ہو گا وہ اجر جہاد سے بھی حاصل نہیں ہو گا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"ففیھما فجاھد"

یعنی جا کر ان کی خدمت کر کے جہاد کرو، ان روایات میں والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ فوقیت عطا فرمائی۔

(صحیح بخاری، باب نمبر ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۴۲)

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے ۔۔ فرماتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب کام دین کے کام ہیں۔ اور باعث اجر ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں، اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے صف اول میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں، اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑو، اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہو

گا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا، اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں جاکر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہئے۔

یہ دین نہیں ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال دی، فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک ویرانے جنگل میں ایک شخص اور صرف اس کی بیوی ہے۔ اور کوئی شخص قریب میں موجود نہیں، اس حالت میں نماز کا وقت ہوگیا اور مسجد آبادی کے اندر فاصلے پر ہے، اب یہ شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ چونکہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اس لئے میں تو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز ادا کروں گا، اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس ویرانے جنگل کے اندر میں تنہا ہوں۔ کوئی پاس نہیں۔ اب اگر تم نماز کے لئے دور آبادی میں چلے گئے تو اس ویرانے میں خوف کی وجہ سے میری تو جان نکل جائے گی۔ لیکن شوہر کہتا ہے کہ جماعت سے صف اول میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، میں تو صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔ اور اس فضیلت کو میں حاصل کروں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دین نہ ہوا، یہ تو صف اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا، اس شوق کو پورا کر رہا ہے، اس لئے کہ اس وقت دین کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت کی نماز کو چھوڑو۔ اور وہیں پر تنہا نماز پڑھو، اگر ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنا شوق پورا کرنا ہو جائے گا۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ ہوگی۔

یا مثلاً گھر میں والدین بیمار ہیں، بیوی بچے بیمار ہیں، اور ان کو آپ کی خدمت کی ضرورت ہے، لیکن آپ کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہوگیا۔ اور آپ نے کہا کہ میں تبلیغ میں جاتا ہوں۔ دیکھئے، ویسے تبلیغ میں جانا بڑا ثواب کا کام ہے، لیکن اس حالت میں

جب کہ والدین یا بیوی بچوں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے اور تمہاری خدمت کے بغیر ان کا کام نہیں چلے گا۔ تو اس حالت میں یہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا یہ دین کا تقاضہ نہ ہوگا۔ اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کا نام دین ہے، جس وقت جس کام کا تقاضہ ہے، اس وقت اس کو انجام دو۔

آپ نے اس حدیث میں دیکھا کہ ایک صحابی آئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن آپ نے ان کو منع فرما دیا، اور فرمایا کہ تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ جا کر والدین کی خدمت کرو۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں، اور مسلمان ہیں، اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہیں ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر آپ کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں، اور ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاضر ہونے سے منع فرما دیا۔ اور یہ فرما دیا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لئے مت آؤ۔ بلکہ والدہ کی خدمت کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

بھلا بتلایئے! کیسا بھی صاحب ایمان ہو، اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہوگا۔ اور جب آپ اس دنیا میں بقید حیات تھے، اس وقت آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے شوق کا کیا عالم ہوگا جب کہ آج یہ

حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حاضری ہو جائے، اور روضہ اقدس کی زیارت ہو جائے ــ لیکن آپ کی زیارت کے شوق، اس کی بے چینی اور بیتابی کو ماں کی خدمت پر قربان کر دیا، آپ نے حکم فرمادیا کہ ماں کی خدمت کرو، اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو، چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم پر اس سعادت کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں "صحابیت" کا مقام چھوٹ گیا۔ اس لئے کہ صحابیت" کا درجہ آپ کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے اور "صحابی" وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہ کتنے بڑے مقام پر پہنچ جائے، مگر وہ کسی "صحابی" کے گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

"صحابیت" کا مقام

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ مشہور بزرگ فقیہ، محدث گزرے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟ یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ ــ سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابہ کرام میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی مختلف باتیں مشہور کر رکھی ہیں، اور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بر حق تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے ــ بہر حال! صحابہ کرام میں سے تو ان صحابی کو لیا جن کی شخصیت متنازع فیہ رہی ہے، اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔ جن کو عدل و انصاف اور تقویٰ طہارت وغیرہ میں "عمر ثانی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا ــ بہر حال! حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ حضرت

معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں؟ ارے! حضرت معاویہ تو درکنار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی، وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے "صحابیت" کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ کو عطا فرمایا تھا، ساری زندگی انسان کوشش کرتا رہے، تب بھی "صحابیت" کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا"۔

(البدایۃ والنھایۃ، ج ا ص ۱۳۹)

ماں کی خدمت کرتے رہو

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرما دیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں، اور "صحابیت" کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ماں کی خدمت کرو۔ اگر ہم جیسا کوئی ناواشناس ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ "صحابیت" کی دولت بعد میں تو ملنے والی نہیں، اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا، کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلتا ہوتا ہی ہے، اس لئے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ۔ اور جاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس آجاؤ۔ مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا، اپنی ذاتی خواہش پوری نہیں کرنی تھی۔ بلکہ وہاں تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا۔ اس لئے آپ کی زیارت کو چھوڑ دیا۔ اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے۔

ماں کی خدمت کا صلہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ماں کی خدمت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! کسی زمانے میں "قرن" یعنی یمن کے علاقے سے ایک آدمی مدینہ آئے گا۔

جس کے یہ اوصاف یہ حلیہ ہو گا، جب یہ آدمی تمہیں مل جائے تو اے عمر! اپنے حق میں ان سے دعا کرانا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائیں گے۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بھی یمن سے کوئی قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا کر ان سے سوال کرتے کہ اس قافلے میں اویس قرنی نامی کوئی شخص ہیں؟ جب ایک مرتبہ قافلہ آیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس میں اویس قرنی تشریف لائے ہیں۔ تو آپ بہت خوش ہوئے، جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کا نام دریافت کیا اور جو حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ وہ حلیہ بھی موجود تھا۔ تو پھر آپ نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ حضرت اویس قرنی نے سوال کیا کہ آپ مجھ سے دعا کرانے کیوں کر تشریف لائے؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب "قرن" سے یہ صاحب آئیں تو ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمائیں گے۔ جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نسبت عطا فرمائی۔

دیکھئے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے حق میں دعا کرالو۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی یہ چیز ان کو والدہ کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت حاصل ہوئی۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے۔ اب میں اس پر عمل کروں گا چاہے کچھ ہو جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

صحابہ کی جانثاری

کون صحابی ایسا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانثار اور فدا کار نہ ہو، میں نے ایک مضمون میں ایک بات لکھی تھی اور وہ بات صحیح لکھی تھی کہ ہر صحابی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے کر کسی دوسرے کی زندگی میں اضافہ کرنے کے قابل ہوتا تو تمام صحابہ کرام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک سانس کے اوپر اپنی

ساری جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے، وہ صحابہ اتنے فدا کار تھے ان کا تو یہ حال تھا کہ وہ کسی وقت یہ نہیں چاہتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ انور نگاہوں سے روپوش ہو، یہاں تک جنگ کے میدان میں بھی یہ بات گوارہ نہیں تھی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جن کو جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب دشمنوں کی طرف مقابلے کے لئے نکلے تو اس وقت دشمنوں کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ آرہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تیروں کی طرف پشت کر کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور سارے تیر اپنی پشت پر روکنے لگے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے سارے تیر اپنی پشت پر لینے لگے۔ سینے پر اس لئے نہ لئے کہ اگر تیروں کو اپنے سینے پر سامنے سے روکیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوتی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آرا نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ لہٰذا جنگ کی حالت میں بھی یہ احتیاط ہے کہ پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو، بلکہ پشت تیروں کی طرف رہے۔ اور چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔

بہر حال! صحابہ کرام جو اپنا ایک ایک لمحہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کے لئے بے چین تھے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ میں سے کسی کو شام بھیج دیا۔ کسی کو یمن بھیج دیا کسی کو مصر بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں جاکر میرے دین کا پیغام پہنچاؤ۔ جب یہ حکم آگیا تو اب حضور کی خدمت میں رہنے کا شوق قربان کر دیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔ اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔

ہمارے حضرت والا ایک عجیب بات بیان فرمایا کرتے تھے، یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہ دیکھو کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ وہ کام انجام دو، لہٰذا اگر وقت کا تقاضہ والدین کی خدمت ہے، پھر جہاد بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے تبلیغ بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، پھر نماز با جماعت بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، چاہے ان سب عبادات کے اپنے فضائل کتنے زیادہ ہوں اس لئے ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے، چنانچہ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا

(العنکبوت: ۸)

یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی کہ والد کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو، اور ایک دوسری آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

(الاسراء: ۲۳)

یعنی ایک یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، دیکھئے اس آیت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا، کہ اللہ کے ساتھ توحید، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک گویا کہ توحید کے بعد انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو پھر

پھر اس کے آگے کیا خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ۔

(الاسراء: ۲۳)

یعنی اگر تمہاری زندگی میں تمہارے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ تو پھر ان والدین کو کبھی "اف" بھی مت کہنا۔ اور بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض اوقات ذہن نارمل نہیں رہتا۔ اور اس کی وجہ سے بعض اوقات غلط سلط باتوں پر اصرار بھی کرتے ہیں، اس لئے خاص طور پر بڑھاپے کا

ذکر کیا کہ چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمہارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں، لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ "اف" بھی مت کہو، اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا، اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ بات کرنا، اور آگے فرمایا کہ:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ○

(الاسراء: ۲۴)

اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کر کے رکھنا، اور یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! ان کے اوپر رحمت فرمایئے۔ جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا ــــ بڑھاپے کے اندر اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تو اس سے گھبرا کر "اف" مت کہو، اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

سبق آموز واقعہ

میں نے ایک کتاب میں ایک قصہ پڑھا تھا۔ معلوم نہیں کہ سچا ہے یا جھوٹا، لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب بوڑھے ہو گئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں باپ بیٹے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کے دیوار پر آکر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان! یہ کوا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! یہ کوا ہے، پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ بیٹے! یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوا ہے، تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا: یہ کیا ... بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی اور اس نے جھڑک کہا کہ ابا جان! کوا ہے کوا، پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا ہے۔ اب بیٹے سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے؟ آپ کے سمجھ میں نہیں آتی ــــ بہر حال، اس طرح بیٹے نے باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیا ــــ تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھ کر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا، اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھا ہوا

تھا۔ اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کوا آگیا، تو بیٹے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں ۲۵ مرتبہ اس کو جواب دیا کہ بیٹا، یہ کوا ہے، اور اس ادا پر بڑا پیار آیا ــ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا! بیٹا! دیکھو! باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے، جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا۔ اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی ادا پر بڑا پیار آیا، آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

بہر حال! اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھو! کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہو جائے گا۔ ان کی بہت سی باتیں نا گوار بھی معلوم ہوں گی۔ لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمہارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بھی ان کی نا گوار باتوں کو برداشت کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو ان کے بارے میں بھی قرآن کریم نے فرمایا:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔

(لقمان: ۱۵)

یعنی اگر تمہارے والدین کافر مشرک ہوں، تو پھر شرک میں تو ان کی اطاعت مت کرنا لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ کافر ہے، لیکن تمہارا باپ ہے، تو والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے، آج کی دنیا ہر معاملے میں الٹی جارہی ہے، اب تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ والدین کی اطاعت، ان کا احترام ان کی عظمت کا نقش اولاد کے دلوں سے مٹایا جائے۔ اور باقاعدہ اس کی تربیت ہو رہی ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ ماں باپ بھی انسان ہیں، اور ہم بھی انسان ہیں، ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے، ان کا ہم پر کیا حق ہے ــ

جب انسان سے دین سے دور ہو جاتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے، اور آخرت کی فکر ختم ہو جاتی ہے تو اوقات اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

والدین کی نافرمانی کا وبال

بہر حال! یہ عرض کرنا تھا کہ والدین کی اطاعت واجب ہے اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہو جاتا ہے، اور بالکل ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہیں، وہ شرعاً جائز ہو۔ اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے، جیسا نماز چھوڑنا گناہ ہے، اسی کو "عقوق الوالدین" کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی، اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

عبرت ناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی موت کا وقت آگیا، اور نزع کا وقت ہے، سب لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے۔ مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا، چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو لائے، اور ان سے پوچھا کہ اس کا کیا حل نکالا جائے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر اس کی والدہ یا والد حیات ہوں تو ان سے اس کے لئے معافی مانگو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے، اس کے نتیجے میں اس پر یہ وبال آیا ہے، اور جب تک ان کی طرف سے معافی نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا، اور ان کا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر قدم پر اپنی تعلیمات میں والدین کا احترام، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا لحاظ رکھا۔ جو صحابی آپ سے مشورہ کرنے آتے تو آپ ان کو حسن سلوک کا مشورہ دیتے۔

علم کے لئے والدین کی اجازت

ہمارے ہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ بعض طالب علم داخلے کے لئے آتے ہیں، ان کو پڑھنے کا شوق ہے۔ عالم بننے اور درس نظامی پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو؟ تو معلوم ہوتا کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں، اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے، اس لئے ہم بغیر اجازت کے چلے آئے ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں، مولوی بننا کوئی فرض نہیں والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے ہاں! اگر والدین اتنا علم بھی حاصل کرنے سے روک دیں جس سے انسان ایک مسلمان جیسی زندگی گزار سکے، مثلاً نماز کا طریقہ سیکھنے سے روکیں، تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں، لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں، لہٰذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے، اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے میں لگے گا تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔ یہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ

یاد رکھو! جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں جیسا کہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ہے، اسی لئے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر وہ ان کی خدمت کر کے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔ اس لئے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، بس ذرا سی ان کی خدمت کر لو گے تو ان کے دل سے دعا نکل جائے گی۔ اور تمہاری آخرت سنور جائے گی۔ بہانے بہانے سے تم جنت کما سکتے ہو، بہرحال! والدین جب تک حیات ہوں ان کو نعمت سمجھ کر ان کی

قدر کریں، اس لئے کہ جب والدین اٹھ جاتے ہیں تو اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی کے اندر ان کی کوئی قدر نہ کی، ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت نہ کمالی، بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت

اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھو دی اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا، اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے، فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو، اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، تو اس کی تلافی کے دو راستے ہیں، ایک ان کے لئے ایصال ثواب کی کثرت کرنا۔ جتنا ہو سکے ان کو ثواب پہنچائیں۔ صدقہ دیکر ہو، یا نوافل پڑھکر ہو، یا قرآن کی تلاوت کر کے ذریعہ ہو، اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ والدین کے اعزہ اقرباء دوست احباب ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا باپ کے ساتھ کرنا چاہئے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماں کے تین حق باپ کا ایک حق

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ: من احق الناس بحسن صحبتی؟ قال: امک، قال، ثم من؟ قال: امک، قال: ثم من؟ قال امک، قال: ثم من؟ قال ابوک"

(جامع الاصول، جلد ایک، ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ کس کے ساتھ میں سب سے

زیادہ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمہارے حسن سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے دوبارہ جواب دیا: تمہاری ماں، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے پھر جواب دیا: تمہاری ماں ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ تو چوتھے نمبر پر فرمایا: تمہارا باپ۔

تین مرتبہ ماں کا نام لیا، آخر میں چوتھے نمبر پر باپ کا نام لیا، اس واسطے علماء کرام نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کا حق حسن صحبت میں باپ سے بھی زیادہ ہے ماں کے تین حق ہیں، اور باپ کا ایک حق ہے، اس لئے کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں جتنی مشقتیں جھیلتی ہے، باپ اس کا چوتھائی بھی نہیں جھیلتا، اس لئے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے ماں کے بیان فرمائے۔ اور ایک حصہ باپ کا بیان فرمایا۔

باپ کی تعظیم، ماں کی خدمت

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہئے، بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے "تعظیم" اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے، اور دوسری چیز ہے "حسن سلوک" اور "خدمت" اس میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔ "تعظیم" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اسکی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے یا جو تعظیم کے آداب ہیں، اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے، اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں بیٹا کھل کر باپ سے نہیں کہہ سکتا، لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے، اور ماں کی خدمت زیادہ کرے، اس اصول کے ذریعہ احادیث کے درمیان بھی

تطبیق ہو جاتی ہے۔

ماں کی خدمت کا نتیجہ

بہر حال! ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں دیکھا، اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی حال ذکر کیا گیا ہے، مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے، کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں جب انکی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا، لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

"وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: اقبل رجل الی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ابایعک علی الھجرۃ والجھاد ابتغی الاجر من اللہ تعالیٰ، فقال: ھل من والدیک احد حی؟ قال: نعم، بل کلاھما، قال: فتبتغی الاجر من اللہ تعالیٰ؟ قال: نعم، قال: فارجع الی والدیک فاحسن صحبتھما"

(مسند احمد: ج ۵ ص ۳۶۸)

واپس جا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو

یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں آپ کے پاس دو چیزوں پر بیعت کرنے آیا ہوں، ایک ہجرت پر اور ایک جہاد پر، یعنی میں اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے لئے ہجرت کے ارادے سے آیا ہوں، اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی نیت سے آیا ہوں، اور میں اپنے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں بلکہ والد اور والدہ دونوں زندہ

ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ، آپ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

جا کر ماں باپ کو ہنساؤ

دیکھئے! اس حدیث میں اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک پر قربان فرما دیا، اور ان کو واپس فرما دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کی تیاری ہو رہی تھی، ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونے کے لئے آیا ہوں، اور فخر کے طور پر بیان کیا کہ میں جہاد میں شرکت کرنے کا اتنا سچا طالب ہوں کہ جہاد میں شرکت کے لئے اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، مطلب یہ تھا کہ میرے والدین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے، اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رو رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

ارجع فاضحکھما کما ابکیتھما

(مسند احمد: ج ۲ ص ۲۰۴)

واپس جاؤ، اور ان کو جس طرح روتا چھوڑا تھا، اب جا کر ان کو ہنساؤ اور ان کو راضی کرو، تمہیں میرے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت نہیں۔

دین "حفظ حدود" کا نام ہے

یہ ہے حفظ حدود، اسی لئے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین نام ہے "حفظ حدود" کا یہ کوئی دین نہیں کہ جب جہاد کی فضیلت سن لی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی رعایت کرتے ہوئے ہر موقع پر کام کرنا ہوتا ہے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ یک باگے ہو گئے

ہیں، جیسے اگر گھوڑے کی ایک باگ ہو تو وہ ایک صرف ایک ہی طرف چلے گا۔ دوسری طرف دھیان بھی نہیں دے گا، اسی طرح لوگ بھی یک باگ ہو گئے، یعنی جب یہ سن لیا کہ فلاں کام بڑی فضیلت والا ہے بس اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے ذمے اور کیا حقوق واجب ہیں، اور دوسرے کاموں کی کیا حد ہے؟

اہل اللہ کی صحبت

اور یہ "حفظ حدود" کی بات عادۃ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ آئے، زبان سے میں نے بھی کہہ دیا، اور آپ نے سن بھی لیا، کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہے، لیکن کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے، اور کس موقع پر کس چیز کو ترجیح دینی ہے، یہ بات کسی کامل شیخ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور آدمی افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہتا ہے شیخ کامل ہی بتاتا ہے کہ اس وقت کیا کام کرنا ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس وقت میرے لئے کیا چیز بہتر ہے، اور کیا چیز بہتر نہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس اصلاح کے لئے لوگ آتے تو آپ بہت سے لوگوں کے وظیفے چھڑا دیتے، اور دوسرے کاموں پر لگا دیتے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ اس کام پر لگا رہے گا تو حدود کی حفاظت نہیں کرے گا۔

شریعت، سنت، طریقت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "حقوق" تمام تر شریعت ہے، یعنی شریعت حقوق کا نام ہے، اللہ کے حقوق، اور بندوں کے حقوق اور "حدود" تمام تر سنت ہے یعنی سنت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس حق کی کیا حد ہے، حق اللہ کی حد کہاں تک ہے، اور حق العبد کی حد کہاں تک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یہ بتاتی ہیں کہ کس حق پر کس حد تک عمل کیا جائے گا۔ اور "حفظ حدود" تمام تر طریقت ہے، یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے۔ ان حدود کی حفاظت کا نام ہے، یعنی وہ حدود جو سنت سے ثابت ہیں، ان کی حفاظت

تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ "شریعت" تمام تر حقوق، سنت تمام تر حدود اور طریقت تمام تر حفظ حدود، بس! اگر یہ تین چیزیں حاصل ہو جائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں، لیکن عادۃ یہ چیزیں اس وقت حاصل نہیں ہوتیں، جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے، اور کسی شیخ کامل کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے۔

قال را بگزار صاحب حال شو
پیش مردے کامل پامال شو

جب تک آدمی کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کریگا۔ اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہے گا کبھی ادھر جھک گیا، کبھی ادھر جھک گیا۔ سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے بچائے اور اس کو اعتدال پر لائے، اور اس کو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضہ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

غیبت

ایک عظیم گناہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یہ غیبت ایسا کبیرہ گناہ ہے، جیسے شراب پینا گناہ کبیرہ ہے، اور جیسے بدکاری کرنا کبیرہ گناہ ہے، جس یہ گناہ حرام قطعی ہیں۔ اسی طرح غیبت کا گناہ بھی حرام قطعی ہے، پھر کیا وجہ ہے، کہ ہم شراب پینے اور بدکاری کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن غیبت کو گناہ نہیں سمجھتے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیبت

زبان کا ایک عظیم گناہ

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ و نؤمن به و نتوکل علیه، و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل له و من یضلله فلا ھادی له و اشھد ان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لا شریك له و اشھد ان سیدنا و سندنا و شفیعنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه و علٰی آله و اصحابه و بارك و سلم تسلیمًا کثیرًا۔

اَمَّا بَعْد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ، اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔

(سورۃ الحجرات: ۱۲)

اٰمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علٰی ذلك من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین۔

"غیبت" ایک سنگین گناہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان گناہوں کا بیان شروع فرمارہے ہیں، جو اس زبان

سے سرزد ہوتے ہیں، اور سب سے پہلے اس گناہ کو ذکر فرمایا جس کا رواج بہت زیادہ ہو چکا ہے، وہ ہے غیبت کا گناہ، یہ ایسی معصیت ہے جو ہماری مجلسوں پر اور ہمارے معاشرے پر چھا گئی ہے، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، کوئی گفتگو اس سے خالی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں، اور قرآن کریم نے غیبت کے لئے اتنے سنگین الفاظ استعمال کئے ہیں کہ شاید کسی اور گناہ کے لئے اتنے سنگین الفاظ استعمال نہیں کئے۔ چنانچہ فرمایا کہ

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ"

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو (کیونکہ یہ ایسا برا عمل ہے، جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے؟ تم اس کو بہت برا سمجھتے ہو" لہٰذا جب تم اس عمل کو برا سمجھتے ہو تو غیبت کو بھی برا سمجھو۔ اس میں ذرا غور کریں کہ اس میں غیبت کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے، ایک تو انسان کا گوشت کھانا، اور آدم خور بن جانا ہی کتنی شناعت کی بات ہے، اور انسان بھی کونسا؟ اپنا بھائی، اور بھائی بھی زندہ نہیں۔ بلکہ مردہ، اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جتنا سنگین ہے؟ اتنا ہی دوسرے کی غیبت کرنا سنگین اور خطرناک ہے۔

"غیبت" کی تعریف

غیبت کے کیا معنی کیا ہے؟ غیبت کے معنی ہیں! دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا، چاہے وہ برائی صحیح ہو، وہ اس کے اندر پائی جارہی ہو، غلط نہ ہو، پھر بھی اگر بیان کرو گے تو وہ غیبت میں شمار ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا

ذکرک اخاک بما یکرہ

یعنی اپنے بھائی کا اس کے پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، یعنی اگر اس کو پتہ چلے کہ میرا ذکر اس طرح اس مجلس میں کیا گیا تھا، تو اس کو تکلیف

ہو، اور وہ اس کو برا سمجھے، تو یہ غیبت ہے ان صحابی نے پھر سوال کیا کہ

ان کان فی اخی ما اقول

اگر میرے بھائی کے اندر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے جو میں بیان کر رہا ہوں، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے تب تو یہ غیبت ہے، اور اگر وہ خرابی اس کے اندر موجود نہیں ہے، اور تم اس کی طرف جھوٹی نسبت کر رہے ہو، تو پھر یہ غیبت نہیں، پھر تو یہ بہتان بن جائے گا۔ اور دوہرا گناہ ہو جائے گا۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر ۴۸۷۴)

اب ذرا ہماری محفلوں اور مجلسوں کی طرف نظر ڈال کر دیکھئے کہ کس قدر اس کا رواج ہو چکا ہے، اور دن رات اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں ـــ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین ـــ بعض لوگ اس کو درست بنانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ میں غیبت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس کے منہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں ـــ مقصد یہ ہے کہ جب میں یہ بات اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں تو میرے لئے یہ غیبت کرنا جائز ہے۔ یاد رکھو، چاہے تم وہ بات اس کے منہ پر کہہ سکتے ہو، یا نہ کہہ سکتے ہو، وہ ہر حالت میں غیبت ہے بس اگر تم کسی کا برائی سے ذکر کر رہے ہو تو یہ غیبت کے اندر داخل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

”غیبت“ گناہ کبیرہ ہے

اور یہ ایسا ہی گناہ کبیرہ ہے جیسے شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا، بدکاری کرنا، کبیرہ گناہوں میں داخل ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی حرام قطعی ہیں، یہ بھی حرام قطعی ہے بلکہ غیبت کا گناہ اس لحاظ سے ان گناہوں سے زیادہ سنگین ہے کہ غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ اس کو معاف نہ کر دے اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہو گا، دوسرے گناہ صرف توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں لیکن یہ گناہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو گا، اس سے اس گناہ کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ـــ خدا کے لئے اس کا اہتمام کریں کہ نہ غیبت کریں، اور نہ غیبت سنیں، اور جس مجلس میں غیبت ہو رہی ہو، اس میں گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کریں، کوئی دوسرا

موضوع چھیڑ دیں، اگر گفتگو کا رخ نہیں بدل سکتے، تو پھر اس مجلس سے اٹھ کر چلے آئیں۔ اس لئے کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے، اور غیبت سننا بھی حرام ہے۔

یہ لوگ اپنے چہرے نوچیں گے

عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عرج بی مررت بقوم لھم اظفار من نحاس یخمشون بھا وجوھھم وصدورھم فقلت: من ھؤلاء یا جبریل؟ قال ھؤلاء الذین یاکلون لحوم الناس، ویقعون فی اعراضھم۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث نمبر ۴۸۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات معراج میں مجھے اوپر لے جایا گیا، تو وہاں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا، جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے نوچ رہے تھے۔۔۔ میں نے حضرت نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ کا گوشت کھاتے تھے، اور لوگوں کی آبرؤں پر حملے کیا کرتے تھے۔

غیبت، زنا سے بدتر ہے

چونکہ اس گناہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے صحابہ کرام کے سامنے پیش فرمایا، ان سب کو پیش نظر رکھنا چاہئے، تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی شناعت اور قباحت بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی شناعت ہمارے دلوں میں بٹھا دے، اور اس شناعت اور قباحت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔۔۔ اس حدیث کے اندر آپ نے دیکھا کہ آخرت میں ان کا یہ انجام ہو گا کہ اپنے چہرے نوچ رہے ہوں گے۔۔۔ اور ایک روایت میں جو سند کے اعتبار سے بہت مضبوط نہیں ہے، مگر

معنی کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی بدتر ہے، اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی کہ خدانہ کرے اگر کوئی زنا میں مبتلا ہو جائے تو جب کبھی ندامت اور شرمندگی ہو گی، اور توبہ کر لے گا تو انشاء اللہ معاف ہو جائے گا، لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت اور بے آبروئی کی گئی ہے، اتنا خطرناک گناہ ہے۔
(مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الغیبة والنمیمة، ج ۸ ص ۹۱)

غیبت کرنے والے کو جنت سے روک دیا جائے گا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ غیبت کرنے والے ہوں گے۔ انہوں نے بظاہر دنیا میں بڑے اچھے اعمال کئے ہوں گے، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، عبادتیں کیں، لیکن جس وقت وہ لوگ پل صراط پر سے گزریں گے ۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ پل صراط ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے، ہر انسان کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے، اب جو شخص جنتی ہے، وہ اس پل کو پار کر کے جنت میں پہنچ جائے گا، اور اللہ بچائے ۔ جس کو جہنم میں جانا ہے، اس کو اسی پل کے اوپر سے نیچے کھینچ لیا جائے گا، اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔ لیکن غیبت کرنے والوں کو پل کے اوپر جانے سے روک دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ تم آگے نہیں بڑھ سکتے، جب تک اس غیبت کا کفارہ ادا نہ کر دو گے یعنی جس کی غیبت کی ہے ان سے معافی نہ مانگ لو گے، اور وہ تمہیں معاف نہ کر دے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

بدترین سود غیبت ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ سود اتنا زبردست گناہ ہے کہ اس کے اندر بے شمار خرابیاں ہیں، اور بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، اور اس کا ادنیٰ گناہ ایسا ہے ۔ العیاذ باللہ ۔ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے، دیکھئے، سود پر اتنی سخت وعید آئی ہے، کہ ایسی وعید اور کسی گناہ پر نہیں

آئی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بد ترین سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی آبرو پر حملہ کرے، کتنی سخت وعید بیان فرمائی۔

(ابو داؤد، کتاب الادب باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر۴۸۷۶)

غیبت، مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے

ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو خواتین تھیں، انہوں نے روزہ رکھا، اور روزہ کی حالت میں دونوں خواتین آپس میں بات چیت کرنے میں مشغول ہو گئیں، جس کے نتیجے میں غیبت تک پہنچ گئیں کسی کا ذکر شروع ہوا تو اس کی غیبت بھی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور آکر بتایا کہ یا رسول اللہ ان دو خواتین نے روزہ رکھا تھا، مگر اب کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، اور پیاس کی وجہ سے ان کی جان لبوں پر آرہی ہے، اور وہ خواتین مرنے کے قریب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان خواتین نے غیبت کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم فرمایا کہ ان خواتین کو میرے پاس لے آؤ، جب ان خواتین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ واقعۃً وہ لب دم آئی ہوئی ہیں، پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک بڑا پیالہ لاؤ، چنانچہ پیالہ آیا تو آپ نے ان میں سے ایک خاتون کو حکم فرمایا کہ تم اس پیالے میں قے کرو، جب اس نے قے کرنی شروع کی تو قے کے ذریعہ اندر سے پیپ اور خون اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ پھر دوسری خاتون سے فرمایا کہ تم قے کرو، جب اس نے قے کی تو اس میں بھی خون اور پیپ اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ یہاں تک وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے ان بہنوں اور بھائیوں کا خون اور پیپ اور گوشت ہے جو تم دونوں نے روزے کی حالت کھایا تھا۔

تم دونوں نے روزے کی حالت میں جائز کھانے سے تو اجتناب کر لیا، لیکن جو حرام کھانا تھا، یعنی دوسرے مسلمان بھائی کا خون اور گوشت کھانا اس کو تم نے نہیں چھوڑا، جس کے نتیجے میں تم دونوں کے پیٹوں میں یہ چیزیں بھر گئی تھیں، اس کی وجہ سے

تم دونوں کی یہ حالت ہوئی ــ اس کے بعد فرمایا کہ آئندہ کبھی غیبت کا ارتکاب مت کرنا ــ گویا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے غیبت کی صورت مثالی دکھادی کہ غیبت کا یہ انجام ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ذوق خراب ہو گیا ہے۔ ہماری حس مٹ چکی ہے، جس کی وجہ سے گناہ کی شناعت اور قباحت دل سے جاتی رہی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حس سلیم عطا فرماتے ہیں۔ اور ذوق سلیم عطا فرماتے ہیں۔ ان کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں۔

غیبت کرنے پر عبرت ناک خواب

چنانچہ ایک تابعی جن کا نام حضرت ربعی ہے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک مجلس میں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا اب باتیں کرنے کے دوران کسی آدمی کی غیبت شروع ہو گئی، مجھے یہ بات بری لگی کہ ہم یہاں مجلس میں بیٹھ کر کسی کی غیبت کریں، چنانچہ میں اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا ــ اس لئے اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو، تو آدمی کو چاہئے اس کو روکے، اور اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس گفتگو میں شریک نہ ہو۔ بلکہ اٹھ کر چلا جائے ــ چنانچہ میں چلا گیا، تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اب اس مجلس میں غیبت کا موضوع ختم ہو گیا ہو گا، اس لئے میں دوبارہ اس مجلس میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اب تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر غیبت شروع ہو گئی، لیکن اب میری ہمت کمزور پڑ گئی، اور میں اس مجلس سے نہ اٹھ سکا، اور جو غیبت وہ لوگ کر رہے تھے، پہلے تو اس کو سنتا رہا اور پھر میں نے خود بھی غیبت کے ایک دو جملے کہہ دیئے۔

جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر واپس آیا اور رات کو سویا تو خواب میں ایک انتہائی سیاہ فام آدمی کو دیکھا، جو ایک بڑے سے طشت میں میرے پاس گوشت لے کر آیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خنزیر کا گوشت ہے اور وہ سیاہ فام آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، میں نے کہا کہ میں مسلمان آدمی ہوں، خنزیر کا

گوشت کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ تمہیں کھانا پڑے گا، اور پھر زبردستی اس نے گوشت کے ٹکڑے اٹھا کر میرے منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے، اب میں منع کرتا جارہا ہوں۔ وہ ٹھونستا جارہا ہے یہاں تک کہ مجھے متلی اور قے آنے لگی، مگر وہ ٹھونستا جا رہا تھا، پھر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی ۔ جب بیدار ہونے کے بعد میں نے کھانے کے وقت کھانا کھایا تو خواب میں جو خنزیر کے گوشت کا بدبودار اور خراب ذائقہ تھا، وہ ذائقہ مجھے اپنے کھانے میں محسوس ہوا، اور تیس دن تک میرا یہ حال رہا جس وقت بھی میں کھانا کھاتا، تو ہر کھانے میں اس خنزیر کے گوشت کا بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہو جاتا ۔ اور اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ذرا سی دیر جو میں نے مجلس میں غیبت کر لی تھی، اس کا برا ذائقہ میں تیس دن تک محسوس کرتا رہا ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حرام کھانے کی ظلمت

بات دراصل یہ ہے کہ اس ماحول کی خرابی کی وجہ سے ہماری حس خراب ہو گئی ہے اس لئے گناہ کا گناہ ہونا محسوس نہیں ہوتا ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ دعوت میں کھانے کے ایک دو لقمے کھا لئے تھے۔ وہ کھانا کچھ مشتبہ سا تھا، اس کے حرام ہونے کا کچھ شبہ تھا ۔ بعد میں فرماتے تھے کہ میں نے وہ ایک یا دو لقمے جو کھا لئے تو اس کی ظلمت مہینوں تک قلب میں محسوس ہوتی رہی، اور بار بار برے خیالات دل میں آتے رہے، گناہ کرنے کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے، اور گناہ کی طرف رغبت ہوتی رہی۔

گناہ کا اثر ایک یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کی طرف آدمی بڑھنے لگتا ہے، اور گناہوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی حس کو درست فرما دے آمین ۔ بہرحال یہ غیبت کا گناہ بڑا خطرناک گناہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حس سلیم عطا فرما دے وہی جان سکتا ہے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، اس سے اندازہ کریں کہ

یہ غیبت کتنا بڑا گناہ ہے۔

غیبت کی اجازت کے مواقع

البتہ ایک بات ذرا سمجھ لیجئے وہ یہ کہ غیبت کی تعریف تو میں نے آپ کو بتادی تھی کہ کسی کا پیٹھ پیچھے اس طرح ذکر کرنا کہ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا اس طرح ذکر کیا گیا ہے، تو اس کو ناگوار ہو، چاہے بات صحیح کی جارہی ہو، یہ ہے غیبت۔ لیکن شریعت نے ہر چیز کی رعایت رکھی ہے، انسان کی فطرت کی بھی رعایت کی ہے، انسان کی جائز ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے، لہٰذا غیبت سے چند چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اگرچہ بظاہر وہ غیبت ہیں۔ لیکن شرعاً جائز ہیں۔

دوسرے کے شر سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

مثلاً ایک شخص ایک ایسا کام کر رہا ہے، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اب اگر اس دوسرے کو اس کے بارے میں نہ بتایا گیا تو وہ اس کے ہاتھوں سے نقصان کا شکار ہو جائے گا۔ اس وقت اگر آپ اس دوسرے شخص کو بتا دیں کہ فلاں شخص سے ہوشیار رہنا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ بات خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھادی، ہر بات بیان کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک صاحب ہماری طرف سامنے سے آرہے تھے، ابھی وہ صاحب راستے ہی میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ

بئس اخو العشیرۃ

یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی کہ یہ برا آدمی ہے، ذرا ہوشیار رہنا چاہئے، جب وہ شخص مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق نرم انداز میں گفتگو فرمائی، اس کے بعد جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص برا آدمی ہے، لیکن جب وہ

آدمی آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا تو آپ اس کے ساتھ بہت نرمی اور میٹھے انداز میں گفتگو کرتے رہے، یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو، وہ بد ترین شخص ہے جس کے شر کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں، یعنی اس آدمی میں طبیعت کے لحاظ سے فساد ہے، اگر اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے تو فتنہ فساد کھڑا کر سکتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنی عادت کے مطابق اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا۔

(ترمذی، کتاب البرو والصلۃ، باب ماجاء فی المدارۃ، حدیث نمبر ۱۹۹۶)

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو بتادیا کہ یہ برا آدمی ہے، بظاہر تو یہ غیبت ہے، اس لئے کہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کی جارہی ہے، لیکن یہ غیبت اس لئے جائز ہوئی کہ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متنبہ کر دیا جائے تاکہ آئندہ وہ اس کے کسی فساد کا شکار نہ ہو جائیں۔ لہذا کسی شخص کو دوسرے کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کر دی جائے تو یہ غیبت میں داخل نہیں، ایسا کرنا جائز ہے۔

اگر دوسرے کی جان کا خطرہ ہو

بلکہ بعض صورتوں میں اس کی برائی بیان کرنا واجب ہے، مثلاً ایک آدمی کو آپ نے دیکھا کہ وہ دوسرے پر حملے کرنے اور اس کی جان لینے کی تیاری کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اس دوسرے شخص کو بتانا واجب ہے کہ تمہاری جان خطرے میں ہے تاکہ وہ اپنا تحفظ کر سکے، لہذا ایسے موقع پر غیبت جائز ہو جاتی ہے۔

علانیہ گناہ کرنے والے کی غیبت

ایک حدیث ہے، جس کا صحیح مطلب لوگ نہیں سمجھتے، اور وہ یہ کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"لاغیبۃ لفاسق ولا مجاھر"

(جامع الاصول ج ۸ ص ۴۵۰)

وہ یہ کہ "فاسق کی غیبت غیبت نہیں" اس کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص اگر کسی گناہ کبیرہ کے اندر مبتلا ہے تو اس کی جو چاہو، غیبت کرتے رہو، وہ جائز ہے یا جو بدعات میں مبتلا ہے، تو اس کی غیبت جائز ہے ۔۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علانیہ فسق و فجور کے اندر مبتلا ہے مثلاً ایک شخص علی الاعلان کھلم کھلا شراب پیتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس کے پیٹھ پیچھے یہ کہے کہ وہ شراب پیتا ہے تو یہ غیبت نہیں، اس لئے کہ وہ تو خود ہی اعلان کر رہا ہے کہ میں شراب پیتا ہوں، اب اگر اس کے پیچھے اس کے شراب پینے کا تذکرہ کیا جائے گا تو اس کو ناگواری نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ تو خود علانیہ لوگوں کے سامنے پیتا ہے، لہذا یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ بھی غیبت میں داخل ہے

لیکن جو کام وہ دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اگر اس کا تذکرہ آپ لوگوں کے سامنے کریں گے تو وہ غیبت میں داخل ہوگا۔ مثلاً وہ شخص کھلم کھلا شراب تو پیتا ہے، کھلم کھلا سود تو کھاتا ہے۔ لیکن کوئی گناہ ایسا ہے جو وہ چھپ کر کرتا ہے۔ اور لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اور وہ گناہ ایسا ہے کہ اس کا نقصان دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا تو اب اس کی غیبت کرنا اور اس گناہ کا تذکرہ کرنا جائز نہیں، لہذا جس فسق و فجور کا ارتکاب وہ کھلم کھلا کر رہا ہو۔ اس کا تذکرہ غیبت میں داخل نہیں ورنہ غیبت میں داخل ہے۔ یہ مطلب ہے اس قول کا کہ "فاسق کی غیبت غیبت نہیں۔"

فاسق و فاجر کی غیبت جائز نہیں

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے، اسی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں شروع کر دیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور فرمایا کہ "دیکھو یہ جو تم ان کی برائیاں بیان کر رہے ہو، یہ غیبت ہے، اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سینکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اب اس

کی غیبت حلال ہو گئی، حالانکہ اس کی غیبت حلال نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں حجاج بن یوسف سے ان سیکڑوں انسانوں کے خون کا حساب لیں گے جو اس کی گردن پر ہیں تو وہاں اس غیبت کا بھی حساب لیں گے جو تم اس کے پیچھے کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین

لہٰذا یہ مت سمجھو کہ فلاں شخص فاسق و فاجر اور بدعتی ہے، اس کی جتنی چاہو غیبت کر لو، بلکہ اس کی غیبت کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے۔

ظالم کے ظلم کا تذکرہ غیبت نہیں

ایک اور موقع پر بھی غیبت کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص نے تم پر ظلم کیا اور اب اس ظلم کا تذکرہ کسی دوسرے سے کرتے ہو کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے، اور یہ زیادتی ہوئی ہے۔ یہ غیبت نہیں اس میں گناہ نہیں۔ چاہے وہ شخص جس کے سامنے تم اس ظلم کا تذکرہ کر رہے ہو اس ظلم کا تدارک کر سکتا ہو۔ چاہے تدارک نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے تمہاری چوری کر لی، اب جا کر تھانے میں اطلاع دو کہ فلاں شخص نے چوری کر لی ہے تو اب اگرچہ یہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کا تذکرہ ہے، لیکن غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ تمہیں نقصان پہنچایا گیا۔ تم پر ظلم کیا گیا اور اب تم نے اس ظلم کے خلاف جا کر شکایت کی۔ وہ تمہارے ظلم کا تدارک کر سکتے ہیں تو یہ غیبت میں داخل نہیں۔

لیکن اگر اس چوری کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کیا جا رہا ہے جو اس ظلم کا تدارک نہیں کر سکتا مثلاً چوری کے واقعے کے بعد کچھ لوگ تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے سامنے تذکرہ کر دیا کہ آج رات فلاں شخص نے چوری کر لی، یا فلاں شخص نے ہمیں یہ نقصان پہنچا دیا، یا فلاں شخص نے ہمارے ساتھ یہ زیادتی کر دی تو یہ بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں، یہ غیبت میں داخل نہیں۔

دیکھئے: شریعت ہماری فطرت کی کتنی رعایت رکھتی ہے، انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب اس کے ساتھ ظلم ہو جائے تو کم از کم وہ اپنے غم کا دکھڑا رو کر اپنے دل کی تسلی کر سکتا ہے۔ چاہے دوسرا شخص اس کا تدارک کر سکتا ہو، یا نہ کر سکتا ہو، اس لئے شریعت

نے اجازت دیدی کہ اس کی اجازت ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

(سورۃ نساء: ۱۴۸)

ویسے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ برائی کا تذکرہ کیا جائے البتہ جس شخص پر ظلم ہوا وہ اپنا ظلم دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں، بلکہ جائز ہے ــ بہر حال، یہ مستثنیات ہیں جنہیں غیبت سے اللہ تعالیٰ نے نکال دیا ہے اس میں غیبت کا گناہ نہیں لیکن ان کے علاوہ ہم لوگ مجلس میں بیٹھ کر قصہ گوئی کے طور پر، وقت گزاری کے طور پر مجلس آرائی کے طور پر دوسروں کا ذکر شروع کر دیتے ہیں، یہ سب غیبت کے اندر داخل ہے۔ خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کر کے اس کا سدباب کرنے کی کوشش کریں۔ اور ذرا اس زبان کو قابو میں لائیں۔ اس کو تھوڑا سا لگام لگائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

غیبت سے بچنے کے لئے عزم اور ہمت

غیبت کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے کر دیا اور آپ نے سن لیا۔ لیکن محض کہنے سننے سے بات نہیں بنتی، جب تک عزم اور ارادہ نہ کیا جائے ہمت نہ کی جائے اور قدم آگے نہ بڑھایا جائے، یہ عزم کر لو کہ آج کے بعد اس زبان سے کوئی غیبت کا کلمہ نہیں نکلے گا انشاء اللہ، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو، اور صحیح علاج اس کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے، اس سے معافی مانگ لو کہ میں نے تمہاری غیبت کی ہے، مجھے معاف کر دو، بعض اللہ کے بندے یہ کام کرتے ہیں۔

غیبت سے بچنے کا علاج

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی غیبت کی تھی، مجھے معاف کر دیجئے، میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا، لیکن ایک شرط ہے، وہ یہ کہ پہلے یہ بتا دو کہ کیا غیبت کی تھی؟ تاکہ مجھے پتہ تو چلے کہ میرے پیچھے کیا کہا جاتا ہے۔

کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا؟

اگر بتا دو گے تو میں معاف کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ میں اس حکمت سے پوچھتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ جو بات میرے بارے میں کہی ہو وہ درست ہو، اور واقعی میرے اندر وہ غلطی موجود ہو، اور پوچھنے سے وہ غلطی سامنے آجائے گی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچنے کی توفیق دے دیں گے، اس لئے میں پوچھ لیتا ہوں۔

لہٰذا اگر غیبت کبھی سرزد ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس سے کہہ دو کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، اس وقت دل پر بہت آرے تو چلیں گے، اپنی زبان سے یہ کہنا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن علاج یہی ہے دو چار مرتبہ اگر یہ علاج کر لیا تو انشاء اللہ آئندہ کے لئے سبق ہو جائے گا بزرگوں نے اس سے بچنے کے دوسرے علاج بھی ذکر فرمائے ہیں مثلاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے کا تذکرہ زبان پر آنے لگے تو اس وقت فوراً اپنے عیوب کا استحضار کرو، کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو عیب سے خالی ہو، اور یہ خیال لاؤ کہ خود میرے اندر تو فلاں برائی ہے، میں دوسروں کی کیا برائی بیان کروں، اور اس عذاب کا دھیان کرو جس کا بیان ابھی ہوا کہ ایک کلمہ اگر زبان سے نکال دوں گا، لیکن اس کا انجام کتنا برا ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا اللہ! اس بلا سے نجات عطا فرما دیجئے۔ جب کبھی مجلس میں کوئی تذکرہ آنے لگے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو، یا اللہ یہ تذکرہ مجلس میں آرہا ہے۔ مجھے بچا لیجئے، میں کہیں اس کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں۔

غیبت کا کفارہ

البتہ بعض روایات میں ہے، جو اگرچہ ہیں تو ضعیف، لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ کہ اگر کسی کی غیبت ہو گئی ہے تو اس غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لئے خوب دعائیں کرو، استغفار کرو، مثلاً فرض کریں کہ آج کسی کو غفلت سے تنبیہ ہوئی کہ واقعۃً آج تک ہم بڑی سخت غلطی کے اندر مبتلا رہے۔ معلوم نہیں کن کن لوگوں کی غیبت کر لی۔ اب آئندہ انشاء اللہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے۔ لیکن اب تک جن کی غیبت کی ہے، ان کو کہاں کہاں تک یاد کریں اور ان سے کیسے معافی مانگیں؟ کہاں کہاں جائیں؟ اس لئے اب ان کے لئے دعا اور استغفار کر لو،

(مشکوٰۃ، کتاب الآداب باب حفظ اللسان، حدیث نمبر ۴۸۷۷)

حقوق کی تلافی کی صورت

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے تو یہ کیا تھا کہ ایک خط لکھ کر سب کو بھجوا دیا، اس خط میں یہ لکھا کہ زندگی میں معلوم نہیں آپ کے کتنے حقوق تلف ہوئے ہوں گے، کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی، میں اجمالی طور پر آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، یہ خط اپنے تمام اہل تعلقات کو بھجوا دیا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان حقوق کو معاف کرا دیں گے۔

لیکن بالفرض ایسے لوگوں کے حقوق تلف کئے ہیں جن سے اب رجوع کرنا ممکن نہیں، یا تو ان کا انتقال ہو چکا ہے، یا کسی ایسی جگہ چلے گئے ہیں کہ ان کا پتہ معلوم کرنا ممکن نہیں تو ایسی صورت کے لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی غیبت کی گئی تھی یا جن کے حقوق تلف کئے تھے ان کے حق میں خوب دعا کرو کہ یا اللہ میں نے اس کی جو غیبت کی تھی اس کو اس کے حق میں باعث ترقی درجات بنا دیجئے اور اس کو دین و دنیا کی ترقیات عطا فرمائے اور اسکے حق میں خوب استغفار کرو تو یہ بھی اس کی تلافی کی ایک شکل ہے۔

اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو اس قسم کا خط لکھ کر بھیج دیں تو کیا اس سے ہماری ہیٹی ہو جائے گی؟ یا بے عزتی ہو جائے گی؟ کیا بعید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہماری معافی کا سامان کر دیں۔

معاف کرنے کرانے کی فضیلت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ کسی دوسرے سے معافی مانگے اور سچے دل سے مانگے اب اگر سامنے والا یہ دیکھ کر کہ یہ مجھ سے معافی مانگ رہا ہے نادم اور شرمندہ ہو رہا ہے اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس معاف کرنے والے کو اس دن معاف کرے گا جس دن اس کو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی اور اگر ایک شخص نادم ہو کر معافی مانگ رہا ہے لیکن یہ شخص معافی دینے سے انکار کر رہا ہے کہ میں معاف نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اس کو اس دن معاف نہیں کروں گا جس دن

اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی جب تو میرے بندوں کو معاف نہیں کرتا تو تجھے کیسے معاف کیا جائے۔

اس لئے یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ندامت کے ساتھ دوسرے سے معافی مانگ لی تو اس نے اپنا فریضہ ادا کر لیا اس سے عہدہ برا ہو گیا، چاہے دوسرا شخص معاف کرے یا نہ کرے۔ اس لئے حقوق کی معافی مانگ کر ہر وقت تیار رہنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معافی مانگنا

ارے ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے، اور تمام صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آج میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اگر کسی شخص کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو، یا میں نے کسی کی جانی مالی کسی بھی اعتبار سے حق تلفی کی ہو تو آج میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، اگر بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو، اور اگر مجھے معاف کرنا چاہتے ہو تو معاف کر دو، تاکہ کل قیامت کے دن تمہارا کوئی حق میرے اوپر باقی نہ رہے۔

بتائیے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہ محسن اعظم اور پیشوائے اعظم جن کے ایک سانس کے بدلے صحابہ کرام اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، وہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو یا تکلیف پہنچائی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، چنانچہ ایک صحابی کھڑے ہو گئے، اور کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ایک مرتبہ میری کمر پر مارا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ: آجاؤ، اور بدلہ لے لو، کمر پر مار لو، جب وہ صحابی کمر کے پیچھے آگئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آپ نے مجھے مارا تھا، اس وقت میری کمر ننگی تھی، اور اس وقت آپ کی کمر پر کپڑا ہے، اگر اسی حالت میں میں بدلہ لوں گا تو بدلہ پورا نہیں ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ میں چادر اٹھا دیتا ہوں، چنانچہ جس وقت آپ نے چادر اٹھائی تو ان صحابی نے آگے بڑھ کر اس مہر نبوت کو چوم لیا، جو آپ کی پشت پر تھی، اور پھر ان صحابی نے فرمایا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ گستاخی میں نے صرف اس لئے کی تاکہ مجھے اس مہر نبوت کو بوسہ لینے کا موقع مل جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف فرمادیں۔
(مجمع الزوائد، باب فی وداعہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۹ ص ۲۷)

بہرحال اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو صحابہ کرام کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو یہ لکھ کر بھیج دیں تو اس سے ہمارا کیا بگڑ جائے گا، شاید اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں، اور اتباع سنت کی نیت سے جب یہ کام کریں تو اس سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارا بیڑہ پار فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلام کا ایک اصول

دیکھئے :اسلام کا ایک اصول ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ یہ کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے لئے بھی وہی پسند کرو جو دوسرے کے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جو اپنے ناپسند ہو وہ دوسرے کے لئے بھی ناپسند کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس طرح پیٹھ پیچھے برائی سے تمہارا ذکر کرے تو اس وقت تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ تم اس کو اچھا سمجھو گے یا برا سمجھو گے؟ اگر تم اس کو برا سمجھتے ہو، اور اپنے لئے اس کو پسند نہیں کرتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو تم اپنے بھائی کے لئے پسند کرو؟ یہ دوہرے معیار وضع کرنا کہ اپنے لئے کچھ اور پیمانہ ہے، اور دوسرے کے لئے کچھ اور پیمانہ ہے۔ اسی کا نام منافقت ہے۔ گویا کہ غیبت کے اندر منافقت بھی داخل ہے، جب ان باتوں کو سوچو گے اور اس گناہ پر جو عذاب دیا جائے گا اس کو سوچو گے تو انشاء اللہ غیبت کرنے کے جذبے میں کمی آئے گی۔

غیبت سے بچنے کا آسان راستہ

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو

یہاں تک فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر کرو ہی نہیں، نہ اچھائی سے ذکر کرو، اور نہ برائی سے ذکر کرو، کیونکہ یہ شیطان بڑا خبیث ہے، اس لئے کہ جب تم کسی کا ذکر اچھائی سے کرو گے کہ فلاں شخص بڑا اچھا آدمی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے تو دماغ میں یہ بات رہے گی کہ میں اس کی غیبت تو نہیں کر رہا، بلکہ اچھائی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں، لیکن پھر یہ ہو گا کہ اس کی اچھائیاں بیان کرتے کرتے شیطان کوئی جملہ درمیان میں ایسا ڈال دے گا جس سے وہ اچھائی برائی کے اندر تبدیل ہو جائے گی مثلاً وہ کہے گا کہ فلاں شخص ہے تو بڑا اچھا آدمی، مگر اس کے اندر فلاں خرابی ہے۔ یہ لفظ "مگر" آکر سارا کام خراب کر دے گا، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہو جائے گا، اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا ذکر کرو ہی نہیں، اس لئے کہ دوسرے کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، نہ اچھائی سے کرو، اور نہ برائی سے کرو، اور اگر کسی کا ذکر اچھائی سے کر رہے ہو تو پھر ذرا کمر کس کے بیٹھو، تاکہ شیطان غلط راستے پر نہ ڈالے۔

اپنی برائیوں پر نظر کرو

ارے بھائی دوسروں کی برائی کیوں کرتے ہو، اپنی طرف نگاہ کرو، اپنے عیوب کا استحضار کرو، اگر دوسرے کے اندر کوئی برائی ہے تو اس برائی کا عذاب تمہیں نہیں ملے گا۔ اس برائی کا عذاب اور ثواب وہ جانے، اور اس کا اللہ جانے، تمہیں تو تمہارے اعمال کا صلہ ملنا ہے، اس کی فکر کرو:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اپنی طرف دھیان کرو، اپنے عیوب کو دیکھو۔ دوسرے کے عیوب کا خیال انسان کو اسی وقت آتا ہے جب انسان اپنے آپ سے اور اپنی برائیوں سے بے خبر ہوتا ہے، لیکن جب اپنے عیوب کا استحضار ہوتا ہے اس وقت کبھی دوسرے کی برائی کی طرف خیال نہیں جاتا، دوسرے کی برائی کی طرف اس کی زبان ہی نہیں اٹھ سکتی۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے بڑے اچھے شعر کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

تھے جب اپنی برائیوں سے بے خبر
رہے ڈھونڈتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائی پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے عیوب کا استحضار ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ آمین ــ یہ سارا فساد اس سے پیدا ہوتا ہے کہ اپنی طرف دھیان نہیں ہے، یہ خیال نہیں ہے کہ مجھے اپنی قبر میں جا کر سونا ہے، اس کا خیال نہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، مگر کبھی اس کی برائی ہو رہی ہے، کبھی اس کی برائی ہے، اس کے اندر فلاں عیب ہے۔ اس کے اندر فلاں عیب ہے، بس دن رات اس کے اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کے لئے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

گفتگو کا رخ بدل دو

جن حالات میں جس معاشرے سے ہم لوگ گزر رہے ہیں، اس کے اندر یہ کام ہے تو مشکل، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اگر اس سے بچنا انسان کے اختیار سے باہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام نہ کرتے، اس لئے اس سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے، جب کبھی مجلس کے اندر گفتگو کا موضوع تبدیل ہو تو اس کو واپس لے آؤ، اور اگر کبھی غیبت کے اندر مبتلا ہو جاؤ تو فوراً استغفار کرو، اور آئندہ بچنے کے لئے دوبارہ عزم کو تازہ کرو۔

"غیبت" تمام خرابیوں کی جڑ

یاد رکھو، یہ غیبت ایسی چیز ہے جو فساد پیدا کرنے والی ہے، جھگڑے اس کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں، باہمی نااتفاقیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں، اور معاشرے میں اس وقت جو بگاڑ نظر آ رہا ہے، اس میں بہت بڑا دخل اس غیبت کا ہے، اگر کوئی شخص شراب پیتا ہو ــ العیاذ باللہ تو ــ جو شخص ذرا بھی دین سے تعلق رکھنے والا ہے، وہ اس کو بہت بری نگاہ سے دیکھے گا، اور اس کو برا سمجھے گا، اور یہ سوچے گا کہ یہ شخص بری لت کے اندر مبتلا ہے،

اور جو شخص مبتلا ہو، وہ خود یہ سوچے گا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہو رہی ہے۔ میں ایک بڑے گناہ کے اندر مبتلا ہوں۔ لیکن ایک شخص غیبت کر رہا ہے تو اس کے بارے میں اتنی برائی کا احساس دل میں پیدا نہیں ہو گا، اور نہ خود غیبت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی بڑے گناہ کے اندر مبتلا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کی برائی دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں، اور اس کی حقیقت کا پورے طریقے سے اعتقاد نہیں ہے، ورنہ دونوں گناہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر اس کو برا سمجھ رہے ہیں، تو اس کو بھی برا سمجھنا چاہئے، اس لئے اس کی برائی دلوں میں پیدا کرو کہ یہ کتنی خطرناک بیماری ہے۔

اشارہ کے ذریعہ غیبت کرنا

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود تھیں۔ باتوں باتوں میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آگیا، اب بمقتضاء بشری سوکنوں کے اندر آپس میں ذرا سی چشمک ہوا کرتی ہے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد ذرا چھوٹا تھا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ چھوٹے قد والی ٹھگنی ہیں۔ زبان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں۔ بلکہ صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! آج تم نے ایک ایسا عمل کیا کہ اگر اس عمل کی بو اور اس کا زہر سمندر میں ڈال دیا جائے تو پورے سمندر کو بدبو دار اور زہریلا بنا دے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے معمولی اشارے کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے اور پھر فرمایا کہ کوئی شخص مجھے ساری دنیا کی دولت لا کر دے دے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنے کو تیار نہیں، جس میں دوسرے کا استہزاء ہو جس میں اس کی برائی کا پہلو نکلتا ہو۔

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر ۲۶۲۴)

غیبت سے بچنے کا اہتمام کریں

اب تو نقل اتارنا فنون لطیفہ کے اندر داخل ہے، اور وہ شخص تعریف و توصیف

کے کلمات کا مستحق ہوتا ہے۔ جس کو دوسرے کی نقل اتارنے کا فن آتا ہو، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ کوئی شخص ساری دنیا کی دولت بھی لاکر دے دے تب بھی میں نقل اتارنے کو تیار نہیں، اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے اہتمام سے ان باتوں سے روکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہوگیا کہ ہم شراب پینے کو برا سمجھیں گے، زنا کاری کو برا سمجھیں گے، لیکن غیبت کو برا نہیں سمجھتے، اس کو شیر مادر سمجھا ہوا ہے۔ کوئی مجلس اس سے خالی نہیں خدا کے لئے اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی برائی ذہن نشین کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! یہ غیبت بڑا سنگین گناہ ہے، میں اس سے بچنا چاہتا ہوں لیکن مجلسوں میں دوست احباب اور عزیز واقارب سے باتیں کرتے ہوئے غیبت کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں، اے اللہ! میں اپنی طرف سے اس بات کا عزم کر رہا ہوں کہ آئندہ غیبت نہیں کروں گا۔ لیکن اس عزم پر قائم اور ثابت رہنا آپ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں اے، اللہ! اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! مجھے ہمت عطا فرما، حوصلہ عطا فرما دیجئے۔ عزم کر کے یہ دعا کرلیں۔ یہ کام آج ہی کرلیں۔

غیبت سے بچنے کا عزم کریں

دیکھو جب تک انسان کسی کام کا عزم اور ارادہ نہیں کرلیتا۔ اس وقت تک دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا، اور دوسری طرف شیطان ہر اچھے کام کو ٹلاتا رہتا ہے۔ اچھا یہ کام کل سے شروع کریں گے، جب کل آئی تو کوئی عذر پیش آگیا، اب کہا کہ اچھا کل سے شروع کریں گے، اور وہ کل پھر آتی ہی نہیں، جو کام کرنا ہو وہ ابھی کرلو، اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا، وہ ٹل گیا۔

دیکھئے! اگر کسی کو روزگار نہ مل رہا ہو تو وہ روزگار کے لئے بے چین ہوگا یا

نہیں؟ کسی پر اگر قرضہ ہو تو وہ قرضہ ادا کرنے کے لئے بے چین ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی بیمار ہے تو وہ شفا حاصل کرنے تک بے چین ہے یا نہیں؟ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اندر اس بات کی بے چینی کیوں نہیں کہ ہم سے یہ بری عادت نہیں چھوٹ رہی ہے؟ بے چینی پیدا کر کے دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ میں اس برائی سے بچنا چاہتا ہوں۔ اپنی رحمت سے اس برائی سے بچا لیجئے، اور ہمیں استقامت عطا فرما دیجئے، دعا کرنے کے بعد اس بات کا عزم کر کے اپنے اوپر پابندی عائد کریں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کام نہ چلے تو اپنے اوپر جرمانہ مقرر کر لو، مثلاً یہ عزم کریں کہ جب کبھی غیبت ہوگی تو دو رکعت نفل پڑھوں گا، یا اتنی رقم صدقہ کروں گا، اس طرح کرنے سے رفتہ رفتہ انشاء اللہ اس سے نجات ہو جائے گی، اور اس بیماری سے نجات حاصل کرنی ہے، اور اس کی بے چینی ایسی ہی پیدا کرنی ہے جیسے بیماری آدمی علاج کرانے کے لئے بے چین ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی ایک بیماری ہے۔ اور خطرناک ترین بیماری ہے، اور جسمانی بیماری سے زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ یہ بیماری جہنم کی طرف لے جا رہی ہے۔ لہٰذا خود بھی اس سے بچیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں، اس لئے کہ خاص طور سے خواتین کے اندر یہ وبا بہت زیادہ عام ہے جہاں چار عورتیں جبیٹھیں، بس کسی نہ کسی کا ذکر شروع ہو گیا، اور اس میں غیبتیں شروع ہو گئیں، اگر خواتین اس پر عمل کر لیں، اور اس گناہ سے بچ جائیں تو گھرانوں کی اصلاح ہو جائے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"چغلی" ایک سنگین گناہ

ایک اور گناہ جو غیبت سے ملتا جلتا ہے، اور اتنا ہی سنگین ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ سنگین ہے۔ وہ ہے "چغلی" عربی زبان میں اس کو "نمیمۃ" کہتے ہیں۔ اردو زبان میں "نمیمۃ" کا ترجمہ چغلی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ "نمیمۃ" کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی برائی دوسرے کے سامنے اس نیت سے کی جائے، تاکہ سننے والا اس کو کوئی تکلیف پہنچائے، اور یہ شخص خوش ہو کہ اچھا ہوا اس کو یہ تکلیف پہنچی، یہ ہے نمیمۃ کی تعریف، اور اس میں ضروری نہیں کہ جو برائی اس

نے بیان کی ہو، وہ حقیقت میں اس کے اندر موجود ہو چاہے وہ برائی اس کے اندر موجود ہو، یا نہ ہو، لیکن تم نے محض اس وجہ سے اس کو بیان کیا تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے۔ یہ "نمیمۃ" ہے۔

"چغلی" غیبت سے بدتر ہے

قرآن و حدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت برائی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ غیبت سے بھی زیادہ شدید اس وجہ سے ہے کہ غیبت میں نیت کا برا ہونا ضروری نہیں کہ جس کی میں غیبت کر رہا ہوں۔ اس کو کوئی تکلیف اور صدمہ پہنچے، لیکن نمیمۃ میں بدنیتی کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے یہ نمیمۃ دو گناہوں کا مجموعہ ہے، ایک تو اس میں غیبت ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی خواہش اور نیت بھی ہے، اس لئے اس میں ڈبل گناہ ہے، اور اس لئے قرآن و حدیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ فرمایا کہ

"هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ"

(سورۃ القلم: ۱۱)

کافروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس شخص کی طرح چلتے ہیں جو دوسروں کے اوپر طعنے دیتا ہے، اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا یدخل الجنۃ قتات۔"

(بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من النمیمۃ)

"قتات" یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا، "قتات" بھی چغل خور کو کہتے ہیں۔

عذاب قبر کے دو سبب

اور ایک حدیث مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک جگہ پر دیکھا کہ دو قبریں بنی

ہوئی ہیں۔ جب آپ ان قبروں کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا کہ :

انهما ليعذبان

ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر منکشف فرما دیا تھا۔ یہ عذاب قبر ایسی چیز ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر کے اندر عذاب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اس عذاب کی آوازیں ہم لوگوں سے چھپالی ہیں، ورنہ اگر اس عذاب کی آوازیں ہم لوگ سننے لگیں تو کوئی انسان زندہ نہ رہ سکے، اور زندگی میں کوئی کام نہ کر سکے، اس لئے یہ اس کی رحمت ہے کہ انہوں نے اس کو چھپالیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے کسی بندے پر اسکو ظاہر بھی فرما دیتے ہیں بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ پھر صحابہ کرام سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان دونوں کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے؟ پھر فرمایا

ان کو ایسی دو باتوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ ان باتوں سے بچنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا، اگر یہ لوگ چاہتے تو آسانی سے بچ سکتے تھے، لیکن یہ بچے نہیں اس کی وجہ سے یہ عذاب ہو رہا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں سے ایک صاحب پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تھے۔ احتیاط نہیں کرتے تھے، مثلاً ایسی جگہ پر پیشاب کر دیا جس کی وجہ سے جسم پر چھینٹیں آگئیں۔ خاص طور پر اس زمانے میں اونٹ بکریاں چرانے کا بہت رواج تھا۔ اور ہر وقت ان جانوروں کے ساتھ رہنا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر ان کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں۔ اس سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹)

پیشاب کی چھینٹوں سے بچئے

یہ بڑی فکر کی بات ہے، الحمد للہ ہمارے یہاں اسلام میں طہارت کے آداب تفصیل کے ساتھ سکھائے ہیں کہ کس طرح طہارت کرنی چاہئے، لیکن آج مغربی تہذیب کے زیر اثر ظاہری صفائی ستھرائی کا تو بڑا اہتمام ہے، لیکن طہارت شرعیہ کے احکام کی طرف دھیان نہیں۔ بیت الخلاء ایسے طریقوں سے بنائے جاتے ہیں کہ ان میں چھینٹوں

سے احتیاط نہیں ہوتی ـــــــ

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"استنزھوا عن البول، فان عامة عذاب القبر فیہ"

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۸)

یعنی پیشاب سے بچو، اس لئے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے پیشاب کی چھینٹوں کا جسم پر لگ جانا کپڑوں پر لگ جانے کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

"چغلی" سے بچئے

اور دوسرے صاحب کو اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ دوسروں کی چغلی بہت کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چغلی کو قبر کے عذاب کا سبب قرار دیا اس لئے یہ چغلی کا عمل غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ اس میں بدنیتی سے دوسروں کے سامنے برائی بیان کرتا ہے، تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے۔

راز فاش کرنا چغلی ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے کہ دوسروں کا کوئی راز فاش کر دینا بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔ ایک آدمی یہ نہیں چاہتا ہے کہ میری یہ بات دوسروں پر ظاہر ہو، وہ بات اچھی ہو، یا بری ہو، اس سے بحث نہیں، مثلاً ایک مالدار آدمی ہے، اور وہ اپنی دولت دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ میرے پاس اتنی دولت ہے اب آپ نے کسی طرح سن گن لگا کر پتہ لگالیا کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے۔ اب آپ ہر شخص سے کہتے پھر رہے ہیں کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے۔ یہ جو اس کا راز آپ نے افشاء کر دیا۔ یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے اور حرام ہے۔

یا مثلاً ایک شخص اپنے گھریلو معاملات کے اندر کوئی پلان یا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ آپ نے کسی طرح پتہ چلا کر دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ چغلی ہے۔

اسی طرح کسی کا کسی قسم کا راز ہو، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں پر افشا کرنا چغلی کے اندر داخل ہے۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

المجالس بالامانۃ

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث، نمبر ۴۸۶۹)

مجلسوں کے اندر جو بات کی جاتی ہے۔ وہ بھی امانت ہے۔ مثلاً کسی شخص نے آپ کو محرم راز سمجھ کر رازدار سمجھ کر مجلس میں آپ سے ایک بات کہی۔ اب وہ بات جاکر آپ دوسروں سے نقل کر رہے ہیں۔ تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔

زبان کے دو اہم گناہ

بہر حال زبان کے گناہوں میں سے آج دو اہم گناہوں کا بیان کرنا مقصود تھا۔ یہ دونوں گناہ بڑے عظیم اور سنگین ہیں۔ ان کی سنگینی آپ نے احادیث کے اندر سنیں لیکن جتنے یہ سنگین ہیں آج ان کی طرف سے اتنی ہی بے پروائی اور غفلت ہے۔ مجلسیں ان سے بھری ہوئی ہیں گھر ان سے بھرے ہیں زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے۔ رکنے کا نام نہیں لیتی۔ خدا کے لئے اس کو لگام دو۔ اور اس کو قابو کرو، اور اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مطابق اس کو چلانے کی فکر کرو، ورنہ اس کا انجام یہ ہے کہ اس کی وجہ سے گھر کے گھر تباہ ہو رہے ہیں۔ آپس میں ناچاقیاں ہو رہی ہیں۔ فتنے ہیں عداوتیں ہیں۔ دشمنیاں ہیں۔ خدا جانے کتنے گناہوں اور فتنوں کا ذریعہ ہے، اور آخرت میں تو اس کی وجہ سے جو عذاب ہونے والا ہے۔ وہ اپنی جگہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے اس کی شناعت اور قباحت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سونے کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۴ر ستمبر ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یہ آداب و مستحبات جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں۔ یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں۔ اور یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ہیں، اس لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان آداب کو اختیار کرے۔ یہ ان کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر اختیار نہیں کرو گے تو گناہ نہیں دیں گے، ورنہ یہ آداب کرانا مقصود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سونے کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله اما بعد

سوتے وقت کی طویل دعا

”عن البراء بن عازب رضی اللہ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اوى الى فراشه نام على شقه الايمن، ثم قال: اللهم اسلمت نفسی اليك، ووجهت وجهی اليك، وفوضت امری اليك، والجات ظهری اليك، رغبة ورهبة اليك، لا ملجا ولا منجا منك الا اليك، امنت بكتابك الذی انزلت وبنبيك الذی ارسلت“

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا نام)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت کی دعا سکھائی ہے اور سونے کا طریقہ بتایا ہے۔ کہ جب بستر پر جاؤ تو کس طرح لیٹو، کس طرح سو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتیں اور رحمتیں اس امت کے لئے دیکھیں کہ ایک ایک چیز کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچے کو ایک ایک چیز سکھاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات اس امت کو سکھائی ہے۔ ایک اور حدیث میں انہی صحابی سے روایت ہے کہ:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اتیت مضجعک فتوضأ وضوءک للصلاۃ، ثم اضطجع علی شقک الایمن وقل، وذکر نحوہ۔

(حوالہ سابقہ)

سوتے وقت وضو کرلیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم بستر پر سونے کے لئے جانے لگو تو ویسا ہی وضو کر لو جیسا کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ اگر کوئی شخص وضو کے بغیر سو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ سونے کے واسطے وضو کرنا کوئی فرض و واجب نہیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا ادب یہ بتایا کہ سونے سے پہلے وضو کر لو۔

یہ آداب محبت کا حق ہیں

یہ آداب اور مستحبات جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں۔ یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں، اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ہیں، جو آداب آپ نے

تلقین فرمائے ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کرو گے تو کوئی گناہ نہیں دینگے، ورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرانا مقصود ہے۔ لیک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے، اس لئے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

داہنی کروٹ پر لیٹیں

بہرحال، سونے سے پہلے وضو کرنا ادب ہے، اب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حکمت کی انتہا کو کون پہنچ سکتا ہے۔ خدا معلوم اس حکم میں کیا کیا انوار و برکات پوشیدہ ہیں۔ اس کے بعد سونے کا طریقہ بتا دیا کہ دائیں کروٹ پر لیٹو، یہ بھی آداب میں ہے کہ انسان جب سونے کے لئے بستر پر لیٹے تو ابتداءً دائیں کروٹ پر لیٹے، بعد میں اگر ضرورت ہو تو کروٹ بدل دے، وہ ادب کے خلاف نہیں ہے اور لیٹ کر یہ الفاظ زبان سے ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق قائم کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور یہ دعا پڑھو:

اللهم اسلمت نفسی الیک ووجهت وجهی الیک، و فوضت امری الیک، والجات ظهری الیک، رغبةً ورهبةً الیک، لا ملجا ولا منجا منك الا الیک، آمنت بکتابك الذی انزلت، ونبیك الذی ارسلت"

دن کے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا میں ایسے عجیب و غریب الفاظ لائے ہیں کہ آدمی ان الفاظ پر قربان ہو جائے، فرمایا کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے تابع بنا دیا، اس کا ترجمہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے حوالے کر دیا، اور میں نے اپنا رخ آپ کی طرف کر دیا، اور اے اللہ، میں نے اپنے سارے معاملات آپ کو سونپ دیئے،

مطلب یہ ہے کہ سارا دن تو دوڑ دھوپ میں لگا رہا۔ کبھی رزق کی تلاش میں۔ کبھی نوکری کی تلاش میں۔ کبھی تجارت میں۔ کبھی صنعت میں۔ اور کبھی کسی اور دھندے میں لگا رہا، یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا۔ ساری کارروائیاں کر کے گھر پہنچ گیا، اور اب سونے کے لئے لیٹنے لگا ــــــ اور انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹتا ہے۔ تو جو کچھ دن میں حالات گزرے ہیں۔ اس کے خیالات دل پر چھا جاتے ہیں، اور پھر اس کو یہ فکر اور تشویش لاحق ہوتی ہے کہ خدا جانے کل کیا ہو گا؟ جو کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کا کیا بنے گا؟ دکان چھوڑ کر آیا ہوں۔ کہیں رات کو چوری نہ ہو جائے۔ یہ سب اندیشے اور تشویشات رات کو سوتے وقت انسان کو ہوتے ہیں، اور یہ اندیشے دل کو ستاتے ہیں، اس لئے دعا کر لو کہ یا اللہ دن میں تو جو کام مجھ سے ہو سکے، میں کرتا رہا، اب تو یہ سارے معاملات میں نے آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ دن میں جو کچھ کر سکتا تھا وہ کر لیا، اب میرے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ ہی کی طرف رجوع کروں، اور آپ ہی سے مانگوں، کہ یا اللہ، جو معاملات میں نے کئے ہیں۔ ان کو انجام تک پہنچا دیجئے،

سکون و راحت کا ذریعہ "تفویض" ہے

یہی "تفویض" ہے، اور اسی کا نام توکل ہے کہ اپنے کرنے کا جو کام تھا وہ کر لیا، اپنے بس میں جتنا تھا وہ کر گزرے، اور اس کے بعد اللہ کے حوالے کر دیا کہ یا اللہ۔ اب آپ کے حوالے ہے، اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا کہ اب تم سونے کے لئے جا رہے ہو۔ تو ان خیالات اور پریشانیوں کو دل سے نکال دو، اور اللہ کے حوالے کر دو۔

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

سپردگی اور "تفویض" کے لطف اور اس کے کیف اور مزے کا اندازہ انسان کو اس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک یہ سپردگی اور تفویض کی حالت اور کیفیت انسان پر گزرتی نہیں ــــــ یاد رکھو، دنیا میں عافیت، اطمینان اور سکون کا کوئی راستہ تفویض اور

توکل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، بس انسان اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، ہر کام کے لئے دوڑ دھوپ کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے انسان کچھ نہیں کر سکتا ــــ ایک مسلمان اور کافر میں یہی فرق ہے کہ ایک کافر ایک کام کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے۔ جدوجہد کرتا ہے اور پھر سارا بھروسہ اسی کوشش پر کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت تشویشات اور اندیشوں میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ "توکل" اور "تفویض" کی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ وہ اللہ میاں سے کہتا ہے کہ یا اللہ، میرے بس میں اتنا کام تھا۔ جو میں نے کر لیا۔ اب آگے آپ کے حوالے ہے اور آپ کا جو فیصلہ ہے۔ اس پر میں راضی ہوں ــــ یاد رکھو، جب انسان کے اندر یہ "تفویض" کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کے اندر اس کو ناقابل برداشت پریشانی نہیں آتی ــــ بہرحال، سوتے وقت یہ دعا کر لو کہ یا اللہ، میں نے تمام معاملات آپ کے سپرد اور آپ کے حوالے کر دیئے۔

پناہ کی جگہ ایک ہی ہے

آگے فرمایا:

"والجات ظهري اليك، رغبةً ورهبةً اليك، لاملجا ولا منجا منك الا اليك"

اور میں نے اپنے آپ کو آپ کی پناہ حاصل کرنے والا بنا دیا، یعنی میں نے آپ کی پناہ پکڑی، آپ کی پناہ میں آگیا، اور اب ساری دنیا کے وسائل اور اسباب سب منقطع کر لئے۔ اب سوائے آپ کی پناہ کے میرا کوئی سہارا نہیں، اور اس حالت میں ہوں کہ آپ کی طرف رغبت بھی ہے۔ آپ کی رحمت کی امید بھی ہے کہ آپ رحمت کا معاملہ فرمائیں گے، لیکن ساتھ میں خوف بھی ہے۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کا ڈر بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بات پر گرفت ہو جائے، اس حالت میں لیٹ رہا ہوں ــــ آگے کیا عجیب جملہ فرمایا۔ "لاملجا ولا منجا منک الا الیک" کہ آپ سے بچ کر جانے کی کوئی اور جگہ سوائے آپ کے نہیں ہے کہ خدانہ کرے ــــ اگر آپ کا کوئی قہر آجائے۔ یا آپ کا عذاب آجائے تو ہم بچ کر کہاں جائیں، اس لئے کہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے نہیں، پھر لوٹ کر

آپ ہی کے پاس آنا پڑے گا کہ اے "اللہ" اپنے غضب اور قہر سے بچا لیجئے۔

تیر چلانے والے کے پہلو میں بیٹھ جاؤ

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم یہ تصور کرو کہ ایک زبردست قوت ہے، اور اس کے ہاتھ میں کمان ہے، اور یہ پورا آسمان اس کمان کی قوس ہے، اور زمین اس کی تانت ہے، اور حوادث اور مصیبتیں اس کمان سے چلنے والے تیر ہیں، اب یہ دیکھو کہ ان حوادث کے تیروں سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ کیسے ان سے بچیں؟ کہاں جائیں؟ پھر خود ہی ان بزرگ نے جواب دیا کہ ان تیروں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود اسی تیر چلانے والے کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے، ان تیروں سے بچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے، یہی مفہوم ہے ان الفاظ کا کہ:

"لا ملجا ولا منجا منك الا اليك"

ایک نادان بچے سے سبق لو

میرے ایک بڑے بھائی ہیں ان کا ایک پوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ اس پوتے کی ماں اس پوتے کو کسی بات پر مار رہی ہیں، لیکن عجیب منظر یہ دیکھا کہ ماں جتنا مارتی جا رہی ہے۔ بچہ اسی ماں کی گود میں چڑھتا جا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وہاں سے بھاگے، وہ تو اور گود کے اندر گھس رہا ہے، اور ماں سے لپٹا جا رہا ہے ــــــ یہ بچہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ بچہ جانتا ہے کہ اس ماں کی پٹائی سے بچنے کا راستہ بھی اسی ماں ہی کے پاس ہے، اور اسی ماں ہی کے پاس جا کر قرار اور سکون ملے گا، اس ماں کی گود کے علاوہ کوئی اور سکون اور قرار کی جگہ بھی نہیں ہے ــــــ اس نادان بچے کو تو اتنا فہم ہے، وہ جانتا ہے کہ کہیں اور قرار نہیں ملے گا۔

یہی فہم اور ادراک نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور تکلیف آئی ہے، تو پناہ بھی اسی کے پاس ہے، اسی سے مانگو کہ یا اللہ، اس مصیبت اور تکلیف کو دور فرما دیجئے، آپ کے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ بھی نہیں، اس لئے آپ ہی سے آپ کے عذاب سے پناہ مانگتے

ہیں۔

سیدھے جنت میں جاؤ گے

آگے فرمایا:۔

"آمنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت"

یعنی میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جو آپ نے نازل کی، اور آپ کے نبی پر جو آپ نے بھیجا، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور پھر فرمایا کہ یہ کلمات سونے سے پہلے کہو، اور یہ کلمات تمہاری آخری گفتگو ہو۔ اس کے بعد کوئی اور بات نہ کرو، بلکہ سو جاؤ۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت چند کام کر لیا کرو۔ ایک تو دن کے بھر کے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ بلکہ سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ اور وضو کر لیا کرو۔ اور یہ مذکورہ بالا دعا پڑھ لیا کرو۔ اس دعا کے ذریعہ ایمان کی بھی تجدید ہو گئی۔ اب اس کے بعد داہنی کروٹ پر سو جاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری نیند عبادت بن گئی، اور اگر اس حالت میں رات کو سوتے سوتے موت آ گئی تو انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اللہ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

سوتے وقت کی مختصر دعا

"وعن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا اخذ مضجعه من اللیل وضع یده تحت خده ثم یقول: اللهم باسمك اموت واحییٰ' واذا استیقظ قال: الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور."

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا نام)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے، تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے

نیچے رکھ لیتے تھے، اور پھر یہ دعا پڑھتے "اللهم باسمک اموت و احیا" اے اللہ، میں آپ کے نام سے مرتا ہوں۔ آپ کے نام سے جیتا ہوں۔

نیند ایک چھوٹی موت ہے

اس سے پہلے جو حدیث گزری اس میں طویل دعا منقول تھی، اور اس حدیث میں مختصر دعا منقول ہے، بہرحال، سوتے وقت دونوں دعائیں پڑھنا ثابت ہیں، لہٰذا کبھی ایک دعا پڑھ لی جائے، اور کبھی دوسری دعا پڑھ لی جائے، اور اگر دونوں دعاؤں کو جمع کر لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے، اور یہ دوسری دعا تو بہت ہی مختصر ہے، اس کو یاد رکھنا بھی آسان ہے، اس مختصر دعا میں سوتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف توجہ دلا دی کہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے۔ اس لئے کہ نیند میں انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، جیسا کہ مردہ بے خبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس چھوٹی موت کے وقت اس بڑی موت کا احساس کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے، یہ چھوٹی نیند تو مجھے روزانہ آتی ہے اور عام طور پر میں اس سے بیدار ہو جاتا ہوں لیکن ایک نیند آنے والی ہے۔ جس سے بیداری قیامت کے دن ہو گی، اس کا استحضار کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں مدد مانگی جائے۔ کہ اے اللہ، میں آپ ہی کے نام پر مرتا ہوں۔ اور جیتا ہوں۔

بیدار ہونے کی دعا

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے، "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" یعنی اے اللہ، آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی، اور بالآخر اسی کی طرف ایک دن لوٹ کر جانا ہے ــــ یعنی آج یہ موت آئی وہ چھوٹی موت تھی، اس سے بیداری ہو گئی۔ زندگی کی طرف واپسی ہو گئی، لیکن بالآخر ایک ایسی نیند آنے والی ہے، جس کے بعد واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو گی، اس دنیا کی طرف نہیں ہو گی ــــ

موت کو کثرت سے یاد کرو

قدم قدم پر حضور اقدس قدس صلی اللہ علیہ وسلم دو باتیں سکھا رہے ہیں۔ ایک تعلق مع اللہ، اور رجوع الی اللہ، یعنی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ قدم قدم پر اللہ کا ذکر کرو ــــ اور دوسرے آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے کہ جب روزانہ انسان سوتے وقت اور جاگتے وقت یہ دعائیں پڑھے گا تو اس کو ایک نہ ایک دن موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا دھیان ضرور آئے گا۔ کب تک یہ دھیان اور خیال نہیں آئے گا۔ کب تک غفلت میں مبتلا رہے گا ــــ اس لئے یہ دعائیں آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے بڑی اکسیر ہیں، حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اکثروا ذکرھاذم اللذات الموت"

(ترمذی، صفة القیلة، حدیث نمبر ۲۳۶۰)

یعنی اس چیز کا ذکر کثرت سے کرو جو تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ یعنی موت، اس لئے کہ موت کو یاد کرنے سے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا احساس خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں جو خرابیاں آگئی ہیں۔ وہ غفلت کی وجہ سے آئی ہیں۔ موت سے غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غفلت ہے، اگر یہ غفلت دور ہو جائے، اور یہ بات مستحضر ہو جائے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ تو پھر انسان اپنے ہر قول اور فعل کو سوچ سوچ کر کرے گا۔ کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس لئے ان دعاؤں کو خود بھی یاد کرنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بچپن ہی میں یاد کرا دینا چاہئے۔

الٹا لیٹنا پسندیدہ نہیں

"عن یعیش بن طخفة الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال ابی: بینما انا مضطجع فی المسجد علی بطنی اذا رجل یحرکنی برجلہ فقال، ان ھذہ ضجعة یبغضھا اللہ، قال،

فنظرت فاذا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ، حدیث نمبر ۵۰۴۰)

حضرت یعیش بن طحفۃ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک دن مسجد میں پیٹ کے بل الٹا لیٹا ہوا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے پاؤں سے مجھے حرکت دے رہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لیٹنے کا وہ طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ جب میں نے مڑکر دیکھا تو وہ کہنے والے شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔۔۔۔ گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے لیٹنے کو پسند نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پاؤں سے حرکت دیکر ان کو اس پر تنبیہ فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت پیٹ کے بل الٹا لیٹنا مکروہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناپسند ہے۔

وہ مجلس باعث حسرت ہوگی

وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من قعد مقعدا لم یذکر اللّٰہ تعالیٰ فیہ، کانت علیہ من اللّٰہ ترۃ، ومن اضطجع مضطجعا لا یذکر اللّٰہ فیہ کانت علیہ من اللّٰہ ترۃ۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراھیۃ ان یقوم الرجل الخ۔ حدیث نمبر ۴۸۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کو یاد نہ کیا گیا ہو، اللہ کا کوئی ذکر اس مجلس میں نہ آیا ہو۔ نہ اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ تو آخرت میں وہ مجلس اس کے لئے حسرت کا باعث بنے گی۔ یعنی جب آخرت میں پہنچے گا، اس وقت حسرت کرے گا کہ کاش، میں اس مجلس میں نہ بیٹھا ہوتا۔ جس میں اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لئے فرمایا کہ مسلمان کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہونی چاہئے۔

ہماری مجلسوں کا حال

اب ذرا ہم لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہماری کتنی مجلسیں، کتنی محفلیں غفلت کی نظر ہو جاتی ہیں، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کا نام، یا اللہ کے دین کا کوئی تذکرہ ان میں نہیں ہوتا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ قیامت کے روز ایسی تمام مجلسیں وبال اور حسرت کا ذریعہ ہونگی ـــــ ہمارے یہاں مجلس آرائی کا سلسلہ چل پڑا ہے، اسی مجلس آرائی ہی کو مقصد بنا کر لوگ بیٹھ جاتے ہیں، اور فضول باتیں کرنے کے لئے باقاعدہ محفل جمائی جاتی ہے، جس کا مقصد گپ شپ کرنا ہوتا ہے، یہ گپ شپ کی مجلس بالکل فضول اور بے کار اور بے مقصد، اور اوقات کو ضائع کرنے والی بات ہے، اور جب مقصد صحیح نہیں ہوتا۔ بلکہ محض وقت گزاری مقصود ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی مجلس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے دین سے غفلت تو ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں کبھی کسی کی غیبت ہوگی، کبھی جھوٹ ہوگا۔ کبھی کسی کی دل آزاری ہوگی۔ کسی کی تحقیر ہوگی۔ کسی کا مذاق اڑایا جائے گا۔ یہ سارے کام اس مجلس میں ہوں گے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گئے۔ تو اس غفلت کے نتیجے میں وہ مجلس بہت سے گناہوں کا مجموعہ بن جائے گی، اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ مجلس قیامت کے روز حسرت کا سبب بنے گی، ہائے ہم نے وہ وقت کیسا ضائع کر دیا، کیونکہ آخرت میں تو ایک ایک لمحے کی قیمت ہوگی، ایک ایک نیکی کی قیمت ہوگی۔ جب انسان کا حساب وکتاب ہو رہا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری ہوگی۔ اس وقت ایک ایک نیکی کا کال ہوگا، اس وقت تمنا کرے گا کہ کاش، ایک نیکی میرے نامہ اعمال میں بڑھ جاتی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے، ابھی سے اس بات کا دھیان کر لو کہ یہ مجلسیں حسرت بننے والی ہیں۔

تفریح طبع کی باتیں کرنا جائز ہے

لیکن ایک بات عرض کر دوں کے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس خشک اور کھردرا ہو کر رہ جائے، اور کسی سے کوئی خوش طبعی اور شگفتگی کی بات نہ کرے، یہ مقصد ہر گز نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھتے، تو کبھی آپ سے تفریح طبع کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

روحوا القلوب ساعة فساعة

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۵۳۵۴)

کبھی کبھی اپنے دلوں کو آرام اور راحت دیا کرو۔ اس لئے کبھی کبھی خوش طبعی اور شگفتگی کی باتیں کرنے میں کچھ حرج نہیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو زمانہ جاہلیت کے واقعات بھی کبھی کبھی بیان کرتے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ایسی ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہتے، اور بعض اوقات تبسم بھی فرماتے ــــ لیکن ان مجلسوں میں اس بات کا اہتمام تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو، غیبت اور دل آزاری نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان مجلسوں کے باوجود دل کی لو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ذکر اللہ سے وہ مجلس خالی نہیں تھی، مثلاً اس مجلس میں زمانہ جاہلیت کا ذکر کیا، اور پھر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس ضلالت اور گمراہی اور تاریکی سے نکال دیا، لہٰذا یہ طریقہ تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرام کا ــ اس کا مصداق تھے کہ:

دست بکار۔ دل بیار

کہ ہاتھ اپنے کام میں مشغول ہے، زبان سے دوسری باتیں نکل رہی ہیں، اور دل کی لو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔

حضور کی شان جامعیت

یہ بات کہنے کو تو آسان ہے، لیکن مشق سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ حضرت

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا سنا کہ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذات بالا صفات جس کا ہر آن اللہ جل شانہ سے رابطہ قائم ہے۔ وحی آرہی ہے۔ ملائکہ نازل ہو رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے، ایسے جلیل القدر مقامات پر جو ہستی فائز ہیں۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دل لگی کیسے کر لیتے ہیں؟ وہ اپنے اہل وعیال سے دنیا کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ جبکہ ہر وقت حضوری کا یہ عالم ہے۔ مکررات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنا رہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں۔ ان عورتوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے شوہر کی کیفیت بیان کرے کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اب ہر عورت نے اپنے شوہر کا پورا حال بیان کیا کہ میرا شوہر ایسا ہے، میرا شوہر ایسا ہے ـــــــ اب یہ سارا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا رہے ہیں۔

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر)

بہرحال، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جس ذات گرامی کا اللہ تعالیٰ سے اس درجہ تعلق قائم ہو۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ ہنسی اور دل لگی کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ لیکن بعد میں فرمایا کہ الحمد للہ، اب سمجھ میں آگیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، کہ دل لگی بھی ہو رہی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہے۔ اس لئے کہ وہ دل لگی اور ہنسی مذاق بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور دل میں یہ خیال ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق واجب کیا ہے کہ ان کا دل خوش کروں۔ اس حق کی وجہ سے یہ دل لگی ہو رہی ہے۔ تو اللہ تبارک کے ساتھ رابطہ بھی قائم ہے، اور اس دل لگی کی وجہ سے وہ رابطہ نہ ٹوٹتا ہے، اور نہ کمزور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں آتا، بلکہ اس تعلق میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

اظہار محبت پر اجر و ثواب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت، اگر میاں بیوی

آپس میں باتیں کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، تو اس وقت ان کے ذہنوں میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس واسطے کر رہا ہوں۔ تو کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں، اور جب ایک مرتبہ دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ میں ان تمام تعلقات کا حق اللہ کے لئے ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کے حکم کے مطابق ادا کر رہا ہوں تو اب اگر ہر ہر مرتبہ میں اس بات کا استحضار بھی نہ ہو تو جب ایک مرتبہ جو نیت کر لی گئی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی کافی ہے۔

ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرو

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صبح کو بیدار ہو جاؤ، تو نماز کے بعد تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار اور معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لو کہ:

"اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

(سورۃ الانعام: ۱۶۲)

اے اللہ، آج دن بھر میں جو کچھ کام کروں گا، وہ آپ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ کماؤں گا تو آپ کی رضا کی خاطر۔ گھر میں جاؤں گا تو آپ کی خاطر، بچوں سے بات کروں گا تو آپ کی رضا کی خاطر، یہ سب کام میں اس لئے کروں گا کہ ان کے حقوق آپ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں، اور جب ایک مرتبہ یہ نیت کر لی تو اب یہ دنیا کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب دین کے کام ہیں، اور اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تعلق اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

حضرت مجذوب اور اللہ کی یاد

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے جو تربیت یافتہ حضرات تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی صفت عطا فرمائی تھی، چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب

رحمتہ اللہ علیہ، جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں تھے، ایک مرتبہ وہ اور ہم لوگ امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسے میں جمع ہو گئے۔ اس وقت آم کا موسم تھا، رات کو کھانے کے بعد سب لوگ مل کر آم کھاتے رہے، اور آپس میں بے تکلفی کی باتیں بھی ہوتی رہیں، حضرت مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ چونکہ شاعر بھی تھے، اس لئے انہوں نے بہت سے اشعار سنائے، تقریباً ایک گھنٹہ اس طرح گزر گیا کہ شعر و شاعری اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد حضرت مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ہم سے اچانک یہ سوال کیا کہ دیکھو، ہم سب ایک گھنٹے سے یہ باتیں وغیرہ کر رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے غفلت ہوئی؟ ہم نے کہا کہ ہم سب ایک گھنٹے سے انہی باتوں میں خوش گپیوں میں منہمک ہیں۔ اس لئے سب ہی اللہ کے ذکر سے غفلت میں ہیں، اس پر حضرت خواجہ صاحب ؒ نے فرمایا کہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ مجھے اس پورے عرصے میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے غفلت نہیں ہوئی ـــــ دیکھئے، ہنسی مذاق بھی ہو رہا ہے۔ دل لگی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں۔ شعر بھی سنائے جا رہے ہیں، اور شعر بھی سادہ انداز میں نہیں۔ بلکہ ترنم کے ساتھ شعر سنائے جا رہے ہیں، بعض اوقات شعر و شاعری میں گھنٹوں گزار دیتے تھے، لیکن وہ فرما رہے ہیں کہ الحمد للہ مجھے اللہ کی یاد سے غفلت نہیں ہوئی، اس پورے عرصے میں دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہا ـــــ

یہ کیفیت مشق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کیفیت کا کوئی حصہ ہم لوگوں کو عطا فرما دے، اس وقت معلوم ہو گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف

میں نے اپنے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا۔ حضرت والد صاحب ؒ نے اس مکتوب میں لکھا تھا کہ "حضرت، میں اپنے دل کی یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے۔ اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی

کام کر رہا ہوں۔ چاہے مدرسہ میں رہوں، یا گھر میں ہوں۔ یا دوکان پر ہوں، یا بازار میں ہوں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے" ـــ

اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرمادے۔ لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے۔ تو پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مگر دل کی سوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے ـــ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے۔ آمین۔

دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے

یہ ساری دعائیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرما رہے ہیں، ان سب کا منتہاء مقصود یہ ہے کہ جس کسی کام میں تم لگے ہوئے ہو، جس حالت میں بھی تم ہو، مگر تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو ـــــــ یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے۔ دوسرے جتنے اعضاء ہیں، آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ یہ سب دنیوی کاموں کے لئے ہے کہ ان کے ذریعہ دنیاوی مقاصد حاصل کرتے چلے جاؤ، لیکن یہ دل اللہ تبارک و تعالیٰ نے خالصۃً اپنے لئے بنایا ہے، تاکہ اس کے اندر اللہ کی تجلی ہو، اس کی محبت سے یہ معمور ہو، اس کے ذکر سے یہ آباد ہو، اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان الفاظ کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ "افضل عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔" اسی زبان کو اللہ تعالیٰ نے دل میں اترنے کا زینہ بنایا ہے، اس لئے جب زبان سے ذکر کرتے رہو گے تو انشاء اللہ اس ذکر کو دل کے اندر اتار دیں گے، اور طریقت، تصوف و سلوک کا اصل مقصد بھی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح سما جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن جائے،

مجلس کی دعا اور کفارہ

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص

ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، تو وہ مجلس قیامت کے دن باعث حسرت بنے گی، اور اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ وہ ہم جیسے غافلوں کے لئے کمزوروں کے لئے اور تن آسانوں کے لئے آسان آسان نسخے بتا گئے، چنانچہ آپ نے ہمیں یہ نسخہ بتا دیا کہ جب کسی مجلس سے اٹھنے لگو یہ کلمات کہہ لو:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مجلس اب تک اللہ کے ذکر سے خالی تھی، تو اب اللہ کے ذکر سے آباد ہو گئی۔ اب اس مجلس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ ذکر ہو گیا، اگرچہ آخر میں ہوا، اور دوسرے یہ کہ مجلس میں جو کمی کوتاہی ہوئی اس کے لئے یہ کلمات کفارہ ہو جائیں گے انشاء اللہ —— اور دوسرا کلمہ یہ پڑھے:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی کفارة المجلس، حدیث نمبر ۴۸۵۹)

بہرحال، یہ دونوں کلمات اگر مجلس سے اٹھنے سے پہلے پڑھ لو گے تو انشاء اللہ پھر قیامت کے دن وہ مجلس باعث حسرت نہیں بنے گی، اور اس مجلس میں جو کمی کوتاہی یا صغیرہ گناہ ہوئے ہیں۔ وہ انشاء اللہ معاف ہو جائیں گے، البتہ جو کبیرہ گناہ کئے ہیں تو وہ اس کے ذریعے معاف نہیں ہوں گے۔ جب تک آدمی توبہ نہ کر لے، اس لئے ان مجالس میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو۔ دل آزاری نہ ہو، اور جتنے کبیرہ گناہ ہیں۔ ان سے اجتناب ہو، کم از کم اس کا اہتمام کر لیں۔

سونے کو عبادت بنا لو

اس حدیث میں اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

"ومن اضطجع مضطجعا لا يذكر الله تعالىٰ فيه كانت عليه من الله ترة"

یعنی جو شخص کسی ایسے بستر پر لیٹے کہ اس لیٹنے کے سارے عرصے میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا

نام نہ لے تو وہ لیٹنا بھی قیامت کے روز اس کے لئے حسرت کا ذریعہ بنے گا کہ اس دن میں لیٹا تھا۔ لیکن میں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ نہ سوتے وقت دعا پڑھی اور نہ بیداری کے وقت دعا پڑھی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے سے پہلے بھی ذکر کر لو، اور آخر میں بھی ذکر کر لو، اور در حقیقت مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ ذکر کر کے سوئے اس لئے کہ ایک کافر بھی سوتا ہے، اور ایک مومن بھی سوتا ہے، لیکن کافر غفلت میں سوتا ہے، اللہ کو یاد کئے بغیر سوتا ہے، اور مومن اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے ساتھ سوتا ہے، اس لئے سارا سونا اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

اگر تم اشرف المخلوقات ہو

یہی وہ طریقے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا گئے، اور ہمیں جانوروں سے ممتاز کر دیا۔ کافروں سے ممتاز کر دیا۔ آخر گدھے گھوڑے بھی سوتے ہیں، کونسا جانور ایسا ہے جو نہیں سوتا ہو گا، لیکن اگر تم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتے ہو تو پھر سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت اپنے خالق کو یاد کرنا نہ بھولو۔ اسی لئے دعائیں ہمیں تلقین فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کا پابند بنا دے، اور انکے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرما دے۔ آمین۔

ایسی مجلس مردار گدھا ہے

"عن ابی هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم: ما من قوم يقومون من مجلس لا يذكرون اللہ تعالىٰ فيه الا قاموا عن مثل جيفة حمار، وكان لهم حسرة"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراهية ان يقوم الرجل من مجلس، حدیث نمبر ۴۸۵۵)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قوم کسی ایسی مجلس سے اٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو یہ

مجلس ایسی ہے جیسے کسی مردہ گدھے کے پاس سے اٹھ گئے، گویا کہ وہ مجلس مردار گدھا ہے، جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے، اور قیامت کے روز وہ مجلس ان کے لئے حسرت کا سبب بنے گی۔

نیند اللہ کی عطا ہے

یہ سونے اور اس کے آداب، لیٹنے اور اس کے آداب اور اس کے متعلقات کا بیان چل رہا ہے، اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صحیح طریقہ نہ بتایا ہو، اور جس کے بارے میں یہ نہ بتایا ہو کہ اس وقت تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ نیند بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تب پتہ لگے کہ اس کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرما دی ہے، اور اس طرح عطا فرمائی ہے کہ ہماری کسی محنت کے بغیر نظام ہی ایسا بنا دیا کہ وقت پر نیند آجاتی ہے، انسان کے جسم میں کوئی ایسا سوئچ نہیں ہے کہ اگر اس کو دبا دو گے تو نیند آجائے گی، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

رات اللہ کی عظیم نعمت ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیند کا نظام ایسا بنا دیا کہ سب کو ایک ہی وقت میں نیند کی خواہش ہوتی ہے۔ ورنہ اگر یہ ہوتا کہ ہر شخص نیند کے معاملے میں آزاد ہے کہ جس وقت وہ چاہے سو جائے۔ تو اب یہ ہوتا کہ ایک آدمی کا صبح آٹھ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ ایک آدمی کا بارہ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے، ایک آدمی کا چار بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی سونا چاہ رہا ہے، اور دوسرا آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے، اور اس کے سر پر کھٹ کھٹ کر رہا ہے، تو اب صحیح طور پر نیند نہیں آئے گی، بے آرامی رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنا دیا کہ ہر انسان کو، جانوروں کو پرندوں، چرندوں کو درندوں کو ایک ہی وقت میں نیند آتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ کیا ایک وقت میں سونے کے نظام کے لئے کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی؟ اور ساری دنیا کے نمائندوں کو بلا کر مشورہ کیا گیا تھا کہ کون سے وقت سویا کریں۔ اگر انسان کے اوپر اس معاملے کو چھوڑا جاتا تو انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ پوری دنیا کا نظام اس طرح کا بنا دیتا کہ ہر آدمی اس وقت سو رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ احساس ڈال دیا کہ یہ رات کا وقت سونے کا ہے، اور نیند کو ان پر مسلط کر دیا۔ سب اس ایک وقت میں سو رہے ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

وجعل الیل سکنا

(سورۃ الانعام:۹۶)

کہ رات کو سکون کا وقت بنایا، دن کو معیشت کے لئے اور زندگی کے کاروبار کے لئے بنایا، اس لئے یہ نیند اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس کی عطا سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو ذرا سا یاد کر لو کہ یہ عطا کس کی طرف سے ہے، اور اس کا شکر ادا کر لو، اور اس کے سامنے حاضری کا احساس کر لو۔ یہ ان ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تعلق مع اللہ
کا
آسان طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷ر ستمبر ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو پھر انسان سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتی، پھر انسان عبادت بھی اپنی بساط کے مطابق بہتر سے بہتر انجام دیتا ہے، پھر اس کو اخلاق فاضلہ ہو جاتے ہیں۔ اور اخلاق رذیلہ سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا وشفیعنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ امابعد!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استجد ثوباً سماہ باسمہ، عمامۃ او قمیصاً او رداءً یقول اللّٰھم لک الحمد انت کسوتنیہ، اسألک خیرہ وخیر ما صنع لہ، واعوذ من شرہ وشر ما صنع لہ"

(ترمذی کتاب اللباس، باب ما یقول اذا لبس ثوباً جدیداً، حدیث نمبر ۱۷۶۷)

نیا کپڑا پہننے کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب آپ کوئی نیا کپڑا پہنتے، تو اس کپڑے کا نام لیتے، چاہے وہ عمامہ یا قمیص ہو یا چادر ہو، اور اس کا نام لے کر یہ دعا کرتے کہ اے اللہ، آپ کا شکر

ہے کہ آپ نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا، میں آپ سے اس لباس کے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور جن کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، ان میں سے بہتر کاموں کا سوال کرتا ہوں، اور میں آپ سے اس لباس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اور جن برے کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

ہر وقت کی دعا الگ ہے

لباس پہنتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اگر کسی کو یہ الفاظ یاد نہ ہوں تو پھر اردو ہی میں لباس پہنتے وقت یہ الفاظ کہہ لیا کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر اللہ جل شانہ سے دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا، ہم تو وہ لوگ ہیں جو محتاج تو بے انتہا ہیں۔ لیکن ہمیں مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا، ہمیں نہ تو یہ معلوم ہے کہ کیا مانگا جائے۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح مانگا جائے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طریقہ بھی سکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو۔ صبح سے لے کر شام تک بے شمار اعمال انسان انجام دیتا ہے۔ تقریباً ہر عمل کے لئے علیحدہ دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے، مثلاً فرمایا کہ صبح کو جب بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب استنجاء کے لئے جانے لگو تو یہ دعا پڑھو، استنجاء سے فارغ ہو کر باہر آؤ تو یہ دعا پڑھو، جب وضو شروع کرو تو یہ دعا پڑھو، وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہو، وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھو، جب نماز کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، اور پھر مسجد میں عبادت کرتے رہو، پھر جب مسجد سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، جب بازار میں پہنچو تو یہ دعا پڑھو، گویا کہ ہر ہر نقل و حرکت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تلقین فرما دیں کہ یہ دعائیں اس طرح پڑھا کرو۔

تعلق مع اللہ کا طریقہ

یہ ہر ہر نقل و حرکت پر علیحدہ علیحدہ دعا کیوں تلقین فرمائی؟ یہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے لئے نسخہ اکسیر بتا دیا، اللہ

تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ ہر وقت انسان اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور دعا کرتا رہے۔۔۔ قرآن کریم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا

(سورۃ الاحزاب ۴۱)

اے ایمان والو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو، کثرت سے اس کا ذکر کرو۔۔۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ، سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ

ان یکون لسانك رطبا بذكر الله

(ترمذی کتاب الدعوات، باب فضل الذکر، حدیث نمبر ۳۳۷۲)

یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے، ہر وقت زبان پر ذکر جاری رہے۔ خلاصہ یہ کہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم قرآن کریم نے بھی دیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

اللہ ذکر سے بے نیاز ہے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کثرت ذکر کا کیوں حکم دیا؟۔۔۔ العیاذ باللہ ۔۔۔ کیا اللہ تعالیٰ کو ہمارے ذکر سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اس بات سے مزہ آتا ہے کہ میرے بندے میرا ذکر کر رہے ہیں؟ کیا اس کو اس سے لذت آتی ہے؟ یا اس کو کوئی نفع ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو، اور اس پر ایمان رکھتا ہو، وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر ساری کائنات ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے تو اس کی کبریائی میں، اس کے جلال و جمال میں، اس کی عظمت میں ایک ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر ۔۔۔ العیاذ باللہ ۔۔۔ ساری کائنات مل کر اس بات کا عہد کر لے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کو بھلا دیں، ذکر سے غافل ہو جائیں۔ اور معصیتوں کا ارتکاب کرنے لگیں نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں تو اس کی عظمت و جلال میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی، وہ ذات تو بے نیاز ہے "اللہ الصمد" وہ ہمارے ذکر سے بھی بے نیاز، ہمارے سجدوں سے بھی بے نیاز، ہماری تسبیح سے بھی بے

نیاز، اس کو ہمارے ذکر کی ضرورت نہیں۔

برائیوں کی جڑ اللہ سے غفلت

لیکن یہ جو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اس سے ہمارا ہی فائدہ ہے، اس لئے کہ دنیا میں جتنے جرائم، بدعنوانیاں اور بداخلاقیاں برائیاں ہوتی ہیں، اگر ان سب برائیوں کی جڑ دیکھی جائے تو وہ اللہ سے غفلت ہے، جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، تب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہو، اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں ہو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر گناہ سرزد نہیں ہوگا،

چور جس وقت چوری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو چوری کا ارتکاب نہیں کرتا، بدکار جس وقت بدکاری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو وہ بدکاری کا ارتکاب نہ کرتا، اسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن، لایسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن، لایشرب الشارب حین یشرب وھو مؤمن

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان، حدیث نمبر ۱۰۰)

یعنی جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے، اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، مؤمن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان اس وقت مستحضر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا، جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہیں ہوتی، اگر یاد دل میں ہوتی تو یہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ لہذا

ساری برائیاں، سارے مظالم، ساری بد اخلاقیاں جو دنیا کے اندر پائی جا رہی ہیں، ان کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہے۔

اللہ کہاں گیا؟

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر کسی علاقے میں گئے۔ ایک بکریوں کا چرواہا ان کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کر سکو، اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: فَاَیْنَ اللّٰہ؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرواہے کے اس جملے کو دھراتے رہے، مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواہے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواہے کو بھی خرید لیا، پھر چرواہے کو آزاد کر دیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دیدیں۔

ذکر سے غفلت، جرائم کی کثرت

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کی یاد، جو دل میں اس طرح جم گیا کہ کسی بھی وقت دل

سے نہیں نکلتا، نہ جنگل کی تنہائی میں، نہ رات کی تاریکی میں۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس وہ چیز ہے جو تنہائی میں بھی انسان کے دل پر پہرے بٹھا دیتا ہے، اور اگر یہ احساس باقی نہ رہے تو اس کا انجام آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج پولیس کی تعداد بڑھ رہی ہے، محکموں میں اضافہ ہو رہا ہے، عدالتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ فوج لگی ہوئی ہے، گلی کوچوں میں پہرے لگے ہوئے ہیں۔ مگر پھر بھی ڈاکے پڑ رہے ہیں، لوگوں کے جان و مال اور آبرو پر کس طرح حملے ہو رہے ہیں، جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ جرائم کی جڑ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک اللہ جل شانہ کی یاد، اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں نہ سما جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس دل میں پیدا نہ ہو، لہٰذا جب تک دل میں یہ شمع فروزاں نہیں ہوتی، اس وقت تک ہزار پہرے بٹھا لو، ہزار فوجی بلالو، مگر جرائم بند نہیں ہوں گے، ذرا سی کسی کی آنکھ بہکے گی، اور جرم ہو جائے گا، بلکہ جو آنکھ حفاظت کے لئے مقرر تھی، آج وہ آنکھ جرم کرا رہی ہے، جس کو لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے بٹھایا گیا تھا، وہی لوگ جان و مال پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا جب تک اللہ کا ذکر، اس کی یاد دل میں نہ ہو، جواب دہی کا احساس دل میں نہ ہو، اس وقت تک جرائم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

جرائم کا خاتمہ حضور نے فرمایا

جرائم کا خاتمہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ نہ پولیس ہے، نہ محکمہ ہے، نہ عدالت ہے، نہ فوج ہے، بلکہ جس کسی سے جرم صادر ہو گیا تو وہ روتا ہوا آ رہا ہے کہ یا رسول اللہ مجھ پر سزا جاری کر دیجئے، تاکہ میں آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں، اور ایسی سزا جاری کریں کہ پتھر مار مار کر مجھے ہلاک کر دیجئے، اور مجھے رجم کر دیجئے۔ بس بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا خوف دل میں سما گیا تھا، اسی لئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

کثرت سے ذکر کرو، ورنہ ہمارے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن جتنا ذکر کرو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا ہوگا، اور پھر جرم گناہ، معصیت اور نافرمانی سے انشاء اللہ بچاؤ ہوگا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

زبانی ذکر بھی مفید و مطلوب ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر صرف زبان سے "اللہ اللہ" کر رہے ہیں۔ یا "سبحان اللہ" کہہ رہے ہیں۔ یا زبان سے "الحمد للہ" کہہ رہے ہیں اور دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے تو اس سے کیا حاصل؟ یاد رکھو یہ زبان سے ذکر کرنا پہلی سیڑھی ہے، اگر یہ سیڑھی قطع نہ کی تو دوسری سیڑھی پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، زندگی بھر نہیں پہنچ سکتے، اور اگر یہ سیڑھی قطع کر لی، اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا شروع کر دیا تو کم از کم ایک سیڑھی تو طے ہو گئی پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دوسری سیڑھی بھی قطع کرا دیں گے۔ اس لئے اس ذکر کو بے کار مت سمجھو، یہ ذکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر ہمارا سارا جسم نہ سہی تو کم از کم ایک عضو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے۔ اگر اس میں لگے رہے تو انشاء اللہ آگے جا کر یہی ترقی کر جائے گا۔

تعلق مع اللہ کی حقیقت

بہر حال، اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد کے دل میں سما جانے کا نام ہی "تعلق مع اللہ" ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ رابطہ اور تعلق قائم ہے، صوفیائے کرام کے سلسلوں میں جتنی ریاضتیں مجاہدات، وظیفے اور اشغال ہیں۔ ان سب کا حاصل اور خلاصہ اور مقصود صرف ایک ہی چیز ہے، وہ ہے "تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنا" اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر انسان سے گناہ بھی نہیں ہوتے، پھر انسان اللہ کی عبادت بھی اپنی بساط کے مطابق بہتر سے بہتر انجام دیتا ہے، پھر اخلاق فاضلہ اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اخلاق رذیلہ سے نجات مل جاتی ہے یہ سب چیزیں تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

ہر وقت مانگتے رہو

اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کے یہاں بڑے لمبے چوڑے مجاہدات اور ریاضتیں کرائی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے میں تمہیں ایک مختصر اور آسان راستہ بتاتا ہوں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اور ہر لمحے مانگنے اور مانگتے رہنے کی عادت ڈالو، ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو، جو دکھ اور تکلیف پہنچے، پریشانی ہو، جو ضرورت اور حاجت ہو، بس اللہ تعالیٰ سے مانگو، مثلاً اگر گرمی لگ رہی ہے، کہو، اے اللہ، گرمی دور فرما دیجئے، بجلی چلی گئی، یا اللہ بجلی عطا فرما دیجئے، بھوک لگ رہی ہے، کہو، یا اللہ، اچھا کھانا دے دیجئے، گھر میں داخل ہو رہے ہیں، کہو یا اللہ، گھر میں اچھا منظر سامنے آئے۔ عافیت کی خبر ملے، کوئی پریشانی کی بات نہ ہو۔۔۔ دفتر میں داخل ہونے سے پہلے کہو ۔۔۔ یا اللہ، دفتر جا رہا ہوں، حالات ٹھیک رہیں۔ طبیعت کے موافق رہیں۔ کوئی ناخوش گوار بات پیش نہ آئے، کوئی تکلیف کی بات پیش نہ آئے، بازار جا رہے ہو، کہو، یا اللہ، فلاں چیز خریدنے جا رہا ہوں، مناسب قیمت پر مناسب چیز دلا دیجئے۔۔۔ ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

یہ چھوٹا سا چٹکلہ ہے

واقعہ یہ ہے کہ کہنے کو یہ معمولی بات ہے اس لئے کہ یہ کام اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، اسی وجہ سے اس کی قدر نہیں ہوتی، لیکن اس نسخے پر عمل کر کے دیکھو، اللہ تعالیٰ سے مانگ کے دیکھو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رٹ لگاؤ، جو مسئلہ سامنے آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے، اگر اس کی عادت ڈال لو تو پھر کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے خالی نہیں جائے گا، مثلاً ایک آدمی سامنے سے آپ سے ملاقات کے لئے آ رہا ہے، آپ ایک لمحے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں، کہ یا اللہ یہ شخص اچھی خبر لے کر آیا ہو، کوئی بری خبر لے کر نہ آیا ہو، یا اللہ، یہ شخص جو بات کہنا چاہ رہا ہے، اس کا اچھا نتیجہ نکال دیجئے۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس دوا کے لئے جا رہے ہیں، کہو، یا اللہ اس ڈاکٹر کے دل میں صحیح تجویز ڈال دیجئے، صحیح دوا اس کے دل میں

ڈال دیجئے، گویا کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو... یہ چھوٹا سا چٹکلہ اور چھوٹا سا نسخہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چٹکلے پر عمل کر کے دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے، انسان اس کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

ذکر کے لئے کوئی قید و شرط نہیں

اور یہ جو مسنون دعائیں ہیں، حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذریعہ اس نسخے کی طرف لارہے ہیں، کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور دعا کرو، اور اللہ تعالیٰ نے اس مانگنے کو اور فریاد کو اتنا آسان فرما دیا ہے کہ اس پر کوئی قید اور شرط نہیں لگائی، بلکہ کسی بھی حالت میں ہو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، نہ وضو کی شرط، نہ قبلہ رو ہونے کی شرط، حتی کہ جنابت کی حالت میں بھی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے، اگرچہ اس حالت میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں، لیکن دعا کر سکتے ہو، حتی کہ جس وقت انسان قضاء حاجت میں مصروف ہے، اس وقت زبان سے کوئی دعا نہیں کرنی چاہئے، زبان سے ذکر نہیں کرنا چاہئے، اس وقت بھی دل دل میں ذکر کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ___ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس ذکر کو اتنا آسان کر دیا کہ کوئی قید و شرط نہیں، اور کوئی خاص طریقہ نہیں، اگر موقع ہو تو باوضو ہو کر قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر مانگو لیکن اگر ایسا موقع نہ ملے تو نہ وضو کی شرط، نہ ہاتھ اٹھانے کی شرط، نہ زبان سے بولنے کی شرط، بلکہ دل دل میں اللہ تعالیٰ سے مانگ لو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سوال کرنے کے لئے آتا ہے، اور آکر یہ کہتا ہے کہ حضرت ایک بات پوچھنی ہے، تو اس وقت فوراً دل دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ، یہ شخص معلوم نہیں کیسا سوال کرے گا۔ اے اللہ اس سوال کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے، اور کبھی اس عمل سے تخلف نہیں ہوتا، ہمیشہ یہ عمل کرتا ہوں۔

مسنون دعاؤں کی اہمیت

اب ہر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا نکتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سکھایا کہ مانگنے کی خاص خاص جگہیں بتا دیں کہ اس جگہ تو مانگ ہی لو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان عظیم پر قربان جایئے کہ انہوں نے دعا مانگنا بھی سکھا دیا۔ ارے تم خود کیا مانگو گے؟ کس طرح مانگو گے؟ کن الفاظ سے مانگو گے؟ تمہیں تو مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ یہ مانگنے کا ڈھنگ بھی میں ہی تم کو بتا دیتا ہوں کہ یہ مانگو، اور اس طرح مانگو، ان الفاظ سے مانگو، یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے، اب ہمارا آپ کا کام یہ ہے کہ ان دعاؤں کو یاد کریں، اور جب وہ موقع آئے تو توجہ کے ساتھ وہ دعا مانگ لیا کریں، بس اتنا سا کام ہے۔ سب کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے۔ پکی پکائی روٹی تیار کر کے پوری امت کے لئے چھوڑ گئے۔ اب امت کا کام ہے کہ اس روٹی کو اٹھا کر اپنے حلق میں ڈال لے، بس اتنا کام بھی ہم سے نہیں ہوتا، اور علماء نے ادعیہ ماثورہ اور مسنون دعاؤں کے نام سے بے شمار کتابیں لکھ دیں، اور اس میں وہ دعائیں جمع کر لیں، تاکہ ہر مسلمان اس کو آسانی کے ساتھ یاد کر لے ــ پہلے مسلمان گھرانوں میں یہ رواج تھا کہ جب بچے نے بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے اس کو دعائیں سکھائی جاتیں۔ کہ بیٹا بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ، کھانے کے بعد یہ دعا پڑھو، بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو، کپڑے پہنو تو یہ دعا پڑھو، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کام کے لئے باقاعدہ کلاس لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور پھر بچپن کا حافظہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسے پتھر پر لکیر، ساری عمر یاد رہتا ہے، اب بڑی عمر میں یاد کرنا آسان کام نہیں، لیکن بہرحال، یہ کام کرنے کا ہے، ہر مسلمان اس کو غنیمت سمجھے ــ اور یہ مسنون دعائیں کوئی لمبی چوڑی نہیں ہوتیں۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں، روزانہ ان مسنون دعاؤں میں سے ایک دعا یاد کر لو، اور پھر اس کو موقع پر پڑھنے کا عزم کر لو کہ جب یہ موقع آئے گا، اس دعا کو ضرور پڑھیں گے پھر دیکھئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کیسے انوار و برکات عطا فرماتے ہیں ــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر وقت اپنا ذکر کرنے اور اس میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زبان کی حفاظت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ اور یہ بولنے کی ایک ایسی دے دی ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے۔ نہ اس کی سروس کی ضرورت، نہ پٹرول کی ضرورت، نہ اوور ہالنگ کی ضرورت لیکن یہ مشین تمہاری ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے پاس امانت ہے یہ سرکاری مشین ہے، جب یہ امانت ہے تو پھر اس کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا، بلکہ جو بات اللہ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، دوسری باتیں مت نکالو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبان کی حفاظت کیجئے

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و سندنا و شفیعنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک و سلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔ اما بعد!

تین احادیث مبارکہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرًا او لیصمت۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب باب من کان یومن باللہ والیوم آخر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ یا تو وہ اچھی اور نیک بات کہے، یا خاموش رہے۔

دوسری روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد یتکلم بالکلمۃ ما یتبین فیھا یزل بھا فی النار ابعد ما بین المشرق والمغرب۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے، جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ اور بعد ہے۔ایک تیسری حدیث بھی اس معنی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال،
ان العبد لیتکلم بالکلمۃ من رضوان اللہ تعالیٰ لا یلقی
بھا بالا یرفعہ اللہ بھا فی الجنۃ، وان العبد لیتکلم بالکلمۃ من
سخط اللہ تعالیٰ لا یلقی بھا بالا یھوی بھا فی جھنم۔
(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، یعنی ایسا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے، لیکن جس وقت وہ کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، اس وقت اس کو اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اور لاپرواہی سے وہ کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت جنت میں اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بعض اوقات ایک انسان زبان سے ایسا کلمہ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص لاپرواہی میں اس کلمہ کو نکال دیتا ہے، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لے جاکر گرا دیتا ہے۔

زبان کی دیکھ بھال کریں

ان تینوں احادیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی زبان کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، اور اس زبان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں خرچ کرے، اور اس کے ناراضگی کے کاموں سے اس کو بچائے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہتمام کی چیز یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں، گناہ

سرزد نہ ہوں۔ ان گناہوں میں یہاں زبان کے گناہوں کا بیان شروع ہوا ہے، چونکہ زبان کے گناہ ایسے ہیں کہ بعض اوقات آدمی سوچے سمجھے بغیر بے پروائی کی حالت میں باتیں کر لیتا ہے، اور وہ باتیں اس کے لئے سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبان کو دیکھ بھال کر استعمال کرو، اگر کوئی اچھی بات زبان سے کہنی ہے تو کہو، ورنہ خاموش رہو۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا۔ اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرما دی کہ جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے، اور چل رہی ہے اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے ادھر ذرا ارادہ کیا۔ ادھر اس نے کام شروع کر دیا اب چونکہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی۔ کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس نعمت کی قدر معلوم نہیں ہوتی اور جو نعمت بھی بیٹھے بٹھائے بے مانگے مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، اب یہ زبان بھی بیٹھے بٹھائے مل گئی، اور مسلسل کام کر رہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں ــــ اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں زبان موجود ہے مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے، مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں مگر ان کا اظہار نہیں کر سکتا، اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اگر زبان بند ہو جائے

اس بات کا ذرا تصور کرو کہ ــــ خدانہ کرے ــــ اس زبان نے کام کرنا بند کر دیا اور اب تم بولنا چاہتے ہو لیکن نہیں بولا جاتا، اس وقت کیسی بے چارگی اور بے بسی کا عالم ہو گا ــــ میرے ایک عزیز جن کا ابھی حال ہی میں اپریشن ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اپریشن کے بعد کچھ دیر اس حالت میں گزری کہ سارا جسم بے حس تھا، پیاس شدید لگ رہی تھی

سامنے آدمی موجود ہیں، میں اس سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے پانی پلا دو، لیکن زبان نہیں چلتی، آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا ــ بعد میں وہ کہتے تھے میری پوری زندگی میں وہ آدھا گھنٹہ جتنا تکلیف دہ تھا، ایسا وقت کبھی میرے اوپر نہیں گزرا تھا ــ

زبان اللہ کی امانت ہے

اللہ تعالیٰ نے زبان اور دماغ کے درمیان ایسا کنکشن رکھا ہے کہ جیسے ہی دماغ نے یہ ارادہ کیا کہ فلاں کلمہ زبان سے نکالا جائے، اسی لمحے زبان وہ کلمہ ادا کر دیتی ہے۔ اور اگر انسان کے اوپر چھوڑ دیا جاتا کہ تم خود اس زبان کو استعمال کرو، تو اس کے لئے پہلے یہ علم سیکھنا پڑتا کہ زبان کی کس حرکت سے الف نکلیں۔ زبان کو کہاں لے جاکر "ب" نکلیں تو پھر انسان ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر یہ بات رکھ دی کہ جو لفظ وہ زبان سے ادا کرنا چاہ رہا ہے تو بس ارادہ کرتے ہی فوراً وہ لفظ زبان سے نکل جاتا ہے لیکن اب ذرا اس کو استعمال کرتے ہوئے یہ تو سوچو کہ کیا تم خود یہ مشین خرید کر لے آئے تھے؟ نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس نے تمہیں عطا کی ہے، یہ تمہاری ملکیت نہیں، بلکہ تمہارے پاس امانت ہے اور جب ان کی دی ہوئی امانت ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا۔ بلکہ جو بات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، اور جو بات اللہ کے احکام کے مطابق نہیں وہ بات مت نکالو ــ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

زبان کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ایسا بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس زبان کو صحیح استعمال کر لے، جیسا کہ آپ نے ابھی اوپر ایک حدیث میں پڑھا کہ ایک شخص نے ایک کلمہ بے پرواہی میں زبان سے نکال دیا مگر وہ کلمہ اچھا تھا۔ تو اس کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ جانے اس کے کتنے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور اس کو کتنا اجر و ثواب حاصل ہو جاتا ہے ــ

جب ایک انسان کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کی بدولت ہوتا ہے، زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے وہ کافر تھا مگر اس کے پڑھنے کے بعد مسلمان ہو گیا، پہلے جہنمی تھا، اب جنتی بن گیا، پہلے اللہ کا مبغوض تھا، اب محبوب بن گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت میں شامل ہو گیا، یہ عظیم انقلاب اس ایک کلمہ کی بدولت آیا جو اس نے زبان سے ادا کیا۔

زبان کو ذکر سے تر رکھو

ایمان لانے کے بعد ایک مرتبہ زبان سے کہہ دیا:

"سبحان اللہ" تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اسکے ذریعہ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، یہ کلمہ چھوٹا ہے لیکن اس کا ثواب اتنا عظیم ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ: "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" یہ دو کلمے زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ادا ہو گئے، لیکن میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور رحمان کو بہت محبوب ہیں ۔۔۔ بہر حال: یہ مشین اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر ذرا سا اس کا رخ بدل دو، اور صحیح طریقے سے اس کو استعمال کرنا شروع کر دو، تو پھر دیکھو یہ تمہارے نامہ اعمال میں کتنا اضافہ کرتی ہے، اور تمہارے لئے جنت میں کس طرح گھر بناتی ہے، اور تمہیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی عطا کراتی ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور اللہ کے ذکر سے اس زبان کو تر رکھو، پھر دیکھو کس طرح تمہارے درجات میں ترقی ہوتی ہے، ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل الذکر، حدیث نمبر ۳۳۷۲)

زبان کے ذریعہ دین سکھائیں

اگر اس زبان کے ذریعہ سے تم نے کسی کو چھوٹی سی دین کی بات سکھا دی، مثلاً

ایک شخص غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا تھا، اور تمہیں معلوم تھا کہ یہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، چنانچہ تم نے چپکے سے تنہائی میں نرمی کے ساتھ محبت اور شفقت سے اس کو سمجھا دیا کہ بھائی! تمہاری نماز میں یہ غلطی تھی۔ اس طرح کر لیا کرو ــ آپ کی زبان کی ذرا سی حرکت سے اس کی اصلاح ہو گئی۔ اور اس نے نماز ٹھیک پڑھنی شروع کر دی، تو اب ساری عمر جتنی نمازیں وہ ٹھیک طریقے سے پڑھے گا تو ان سب کا اجر و ثواب تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا ــ

تسلی کا کلمہ کہنا

ایک شخص تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا، تم نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے اس سے کوئی تسلی کی بات کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا جس کے نتیجے میں اس کو کچھ ڈھارس بن گئی، اس کو کچھ تسلی حاصل ہو گئی، تو یہ کلمہ کہنا تمہارے لئے عظیم اجر و ثواب کھینچ لایا، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

من عزى ثكلى كسى بردًا في الجنة

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب فی فضل التعزیۃ، حدیث نمبر ۱۰۷۶)

یعنی اگر کوئی شخص ایسی عورت کے لئے تسلی کے کلمات کہے جس کا بیٹا گم ہو گیا ہو، یا مر گیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے والے کو جنت میں بیش بہا قیمتی جوڑے پہنائیں گے ــ

غرض یہ کہ اس زبان کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے جو راستے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، ان میں اس کو ٹھیک طریقے سے استعمال کر لو، پھر دیکھو گے کہ تمہارے نامہ اعمال میں کس طرح ثواب کے ڈھیر لگ جائیں گے، مثلاً کوئی شخص جا رہا تھا تم نے اس کی رہنمائی کر کے اس کو صحیح راستہ بتا دیا ــ اب یہ چھوٹا سا کام کر دیا، اور تمہیں خیال بھی نہیں ہوا کہ میں نے یہ کوئی نیکی کا کام کیا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار اجر و ثواب عطا فرمائیں گے ــ بہر حال: اگر ایک انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرے تو یقین کیجئے اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں، اور اس کے بے شمار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے، لیکن ــ خدا نہ کرے ــ اگر اس زبان کا ناجائز اور غلط استعمال ہو، تو پھر

یہی زبان انسان کو جہنم میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے، ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی، جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کر دی، کسی کا دل دکھا دیا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کو تکلیف پر خوشی کا اظہار کیا وغیرہ جب یہ گناہ کے کام کئے تو اس کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلا گیا، حدیث شریف میں فرمایا کہ:

هل يكب الناس في النار على وجوههم الا حصائد السنتهم

(ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، حدیث نمبر ۲۶۱۶)

یعنی بہت سے لوگ زبان کے کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔۔۔ لہٰذا یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اگر اس کو ذرا دھیان سے استعمال کرو، اس کو قابو میں رکھو، بے قابو مت چھوڑو، اور اس کو صحیح کاموں میں استعمال کرو، اس لئے فرمایا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو، ورنہ خاموش رہو، اس لئے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔۔۔

پہلے تولو پھر بولو

اسی وجہ سے کثرت کلام سے منع کیا گیا، اس لئے کہ اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی، کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضروری کرے گی، اور اس کے نتیجے میں انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، اس لئے ضرورت کے مطابق بولو، زیادہ نہ بولو، جیسے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے بات کو تولو، پھر بولو، جب تول تول کر بات کرو گے تو پھر یہ زبان قابو میں آجائے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد

تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے۔ اور "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے، یہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کے زمانے کی یادیں تازہ کر دیں، میرے حضرت والد صاحب ان سے بہت خصوصی تعلق رکھتے تھے، اور ان کی خدمت میں بہت کثرت سے جایا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی والد صاحب پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جا کر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحبؒ کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب آج ہم عربی میں بات کریں گے، اردو میں بات نہیں کریں گے۔۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا۔۔ میں نے پوچھا حضرت! کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا: نہیں بس ویسے ہی خیال آگیا کہ عربی میں بات کریں گے۔۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں، ادھر ادھر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں ہم لوگ بعض اوقات فضول باتوں کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمہیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے، اور نہ مجھے بولنی آتی ہے، لہٰذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا، تو اس کے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے، یہ قابو میں آجائے گی، اور پھر بلا ضرورت فضول گفتگو نہ ہوگی، صرف ضرورت کی بات ہوگی۔

ہماری مثال

پھر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر سے بہت ساری اشرفیاں بہت سارے پیسے لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اور ابھی اس کا سفر جاری تھا۔ ابھی منزل تک نہیں پہنچا تھا کہ اسکی ساری اشرفیاں خرچ ہو گئیں۔ اور اب چند اشرفیاں اس کے پاس باقی رہ گئیں، اور اب وہ ان اشرفیوں کو بہت سنبھال کر اور پھونک پھونک کر خرچ کرتا ہے صرف بہت زیادہ ضرورت کی جگہ پر

خرچ کرتا ہے۔ فضول جگہ پر خرچ نہیں کرتا ہے۔ تاکہ کسی طرح وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی اکثر عمر گزار دی، اور عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، یہ سب منزل تک پہنچنے کے لئے مال و دولت اور اشرفیاں تھیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔ اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا، لیکن ہم نے پتہ نہیں، کن کن چیزوں میں اس کو خرچ کر دیا، بیٹھے ہوئے گپ شپ کر رہے ہیں، مجلس آرائی ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساری توانائیاں ان فضول چیزوں میں خرچ ہو گئیں، اب پتہ نہیں کہ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں، اب یہ دل چاہتا ہے زندگی کے ان اوقات کو تول تول کر احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر استعمال کرے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں۔ ان کا پھر یہی حال ہو جاتا ہے، وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زبان کی یہ دولت عطا فرمائی ہے تو اس کو ٹھیک ٹھیک استعمال کروں، غلط جگہ استعمال نہ کروں۔

زبان کو قابو کرنے کا علاج

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے، اور اس کو مروڑ رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

ان هذا اوردنی الموارد

(موطا امام مالک کتاب الکلام، باب ماجاء فی مایخاف من اللسان)

یعنی اس زبان نے مجھے بڑی ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے، اس لئے میں اس کو قابو کرنا چاہتا ہوں، بعض روایات میں مروی ہے کہ اپنے منہ میں کنکر ڈال کر بیٹھ گئے، تاکہ بلا ضرورت زبان سے بات نہ نکلے ــ بہر حال، زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے، اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، اس کو قابو کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ بے جگہ استعمال نہ ہو، اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کثرت کلام سے پرہیز کرے، اس لئے کہ انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا، اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو گا،

چنانچہ اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات جب کسی شیخ کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں، تو شیخ ہر ایک کے لئے اس کے مناسب الگ الگ نسخہ تجویز کرتے ہیں، اور وہ بہت سے حضرات کے لئے صرف زبان کو قابو میں کرنے کا علاج تجویز کرتے ہیں۔

زبان پر تالہ ڈال لو

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا، بس ویسے ہی ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے، اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رکنے کا نام نہ لیتے، ایک قصہ بیان کیا، وہ ختم ہوا تو دوسرا قصہ سنانا شروع کر دیا، حضرت والد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے، ایک روز انہوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، حضرت والد صاحب نے قبول کر لیا، اور اجازت دے دی، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتادیں میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارا ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ کہ اس زبان پر تالہ ڈال لو، اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے، اس کو قابو میں کرو، تمہارے لئے اور کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے جب زبان کو قابو میں کیا، تو اسی کے ذریعہ ان کی اصلاح ہو گئی۔

گپ شپ میں زبان کو لگانا

ہمارے ہاں زبان کے غلط استعمال کی جو وبا چل پڑی ہے، یاد رکھو، یہ بڑی خطرناک بات ہے، دوستوں کو بلا لیا کہ آنا ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں گے اب اس گپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جارہا ہے، غیبت اس کے اندر ہو رہی ہے، دوسروں کی برائی اس میں بیان کی جارہی ہے، دوسروں کی نقل اتاری جارہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری ایک مجلس نہ جانے کتنے گناہوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے

اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

خواتین اور زبان کا استعمال

یوں تو سارا معاشرہ اس زبان کے گناہوں میں مبتلا ہے لیکن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کے پائے جانے کی نشان دہی فرمائی، ان میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ زبان ان کے قابو میں نہیں ہوتی، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

اے خواتین: میں نے اہل جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں تم کو پایا، یعنی جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ خواتین نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ:

تکثرن اللعن وتکفرن العشیر

(صحیح بخاری، کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم، حدیث نمبر ۳۰۴)

تم لعن طعن بہت کرتی ہو، اور شوہروں کی ناشکری بہت کرتی ہو، اس وجہ سے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو باتیں بیان فرمائیں، ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے۔ لعنت کی کثرت اور شوہر کی ناشکری۔ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کی تشخیص فرمائی، اس میں زبان کے بے جا استعمال کو بیان فرمایا، کہ یہ خواتین زبان کو غلط استعمال کرتی ہیں، مثلاً کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی غیبت کر دی، کسی کی چغلی کھالی، یہ سب اس کے اندر داخل ہے۔

میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں

عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من یضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے دے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں، ایک اس چیز کی گارنٹی دے دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان کہ یہ غلط استعمال نہیں ہو گی اس زبان سے جھوٹ نہیں نکلے گا، غیبت نہیں ہو گی۔ دل آزاری کسی کی نہیں ہو گی۔ وغیرہ وغیرہ اور ایک اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ کہ اس کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا۔ تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت دین کی حفاظت کا آدھا باب ہے۔ اور آدھا دین زبان کے اندر ہے آدھے گناہ زبان کے ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

نجات کے لئے تین کام

عن عقبة ابن عامر رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ ما النجاۃ؟ قال املک علیک لسانک، ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر ۲۴۰۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، نجات کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے نجات ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی عطا فرما دیں، اور جنت میں داخلہ فرما دیں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں تین جملے ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، زبان بے قابو نہ ہونے پائے، اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہو جائے، یعنی اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارے، فضول اور بلاوجہ تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاؤ، بلا ضرورت باہر مت جاؤ، تاکہ باہر جو فتنے ہیں۔ ان کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہوں پر رو

اور تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوئی گناہ یا خطا تم سے سرزد ہو جائے تو اس غلطی پر رو، رونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے توبہ کرو، اور اس پر ندامت کا اظہار کر کے استغفار کرو ـــ رونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر واقعۃً رو، جیسے ابھی چند روز پہلے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے رونا آتا ہی نہیں ہے، اس لئے میں پریشان ہوتا ہوں ـــ اصل بات یہ ہے کہ اگر خود سے غیر اختیاری طور پر رونا نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن گناہ پر دل سے نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے، کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی، آپ معاف فرما دیں۔

اے زبان اللہ سے ڈرنا

وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اصبح ابن آدم فان الاعضاء کلها تکفر اللسان، تقول اتق اللہ فینا، فانما نحن بک، فان استقمت استقمنا، وان اعوججت اعوججنا۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر ۲۴۰۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے اندر جتنے اعضاء ہیں۔ وہ سب زبان سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اے زبان، تو اللہ سے ڈرنا، اس لئے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے ـــ مطلب یہ ہے کہ انسان کا سارا جسم زبان کے تابع ہوتا ہے، اگر زبان نے غلط کام کرنا شروع کر دیا تو اس کے نتیجے میں سارے کا سارا جسم گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ زبان سے کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا ورنہ تیرے کرتوت کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب کس طرح یہ اعضاء زبان سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً کہتے ہوں اس لئے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرما دیتے ہوں، اور

اس کے نتیجے میں وہ زبان سے گفتگو کرتے ہوں، اس لئے کہ زبان کو بھی قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے۔

قیامت کے روز اعضا بولیں گے

گزشتہ زمانے میں "نیچریت" کا بڑا زور تھا۔ اور یہ فرقہ نیچریت کے لوگ معجزات وغیرہ کا انکار کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو فطرت کے خلاف ہے کیسے ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز یہ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ گفتگو کریں گے۔ یہ کس طرح گواہی دیں گے؟ ان کے اندر زبان نہیں ہے، اور بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ زبان بھی ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اس کے لئے الگ سے کوئی زبان نہیں ہے لیکن پھر بھی بول رہی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے گوشت کے اس لوتھڑے کو گویائی کی قوت عطا فرما دی، تو یہ بولنے لگی، اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو سلب کر لیں، تو بولنا بند کر دے گی ــ اور یہی گویائی کی قوت جب اللہ تعالیٰ ہاتھ کو عطا فرمائیں گے تو ہاتھ بولنے لگے گا، پاؤں کو عطا فرمائیں گے تو پاؤں بولنے لگے گا۔

بہر حال، یہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے کہ صبح کے وقت اعضاء زبان سے اس طرح گفتگو کرتے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک تمثیل ہو، کہ یہ سارے اعضاء چونکہ اس زبان کے تابع ہیں، اس لئے زبان کو صحیح رکھنے کی کوشش کرو۔

بہر حال اس زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے، جب تک انسان اس پر قابو نہ پا لے اور اس کو گناہوں سے نہ بچالے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زبان کی حفاظت کرنے اور اس کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/ ۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۶ر فروری ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : مسجد فاطمہ نزد حافظ ربڑی
ہاؤس۔ حیدر آباد

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یہ واقعہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ۔ انسانیت اور تاریخ۔ ادیان کا عظیم الشان واقعہ ہے عبادت گاہوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا جا رہا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
اور
تعمیر بیت اللہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ، وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (البقرۃ: ۱۲۷-۱۲۹)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

بزرگان دین محترم و برادران عزیز!

یہ ہم سب کیلئے بڑی عظیم سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں آج ایک مسجد کی تاسیس اور اس کی سنگ بنیاد کی

مبارک تقریب میں شرکت کا موقع عطا فرمایا۔ اس موقع پر مجھ سے فرمائش کی گئی کہ کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، الحمد للہ اس مبارک محفل میں میرے بہت سے بزرگ جو مجھ سے کہیں زیادہ علم و فضل اور فلاح و تقویٰ کے حاملین ہیں، اسی اسٹیج پر تشریف فرما ہیں اور ان کی موجودگی میں مجھ ناکارہ کی لب کشائی ایک جسارت اور جرأت معلوم ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اپنے بزرگوں سے ہمیشہ یہ سنا کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے تو چھوٹے کا یہی کام ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے اس میں چوں و چرا کی مجال نہ ہونی چاہئے اس لئے تعمیل حکم کی خاطر یہ مشکل فریضہ انجام دے رہا ہوں کہ اپنے ان بزرگوں کی موجودگی میں آپ حضرات کے سامنے خطاب کرنے کیلئے بیٹھا ہوں۔ اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کے مطابق ہو، اور اس سے مجھے اور سننے والوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دین کی جامعیت

میں سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر دین کی کون سی بات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں کیونکہ ہم اور آپ جس دین کے پیروکار ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو ایسا عظیم الشان بنایا کہ اس کا ہر گوشہ اس کا ہر پہلو ایک مستقل موضوع بنانے کے قابل ہے اور اس کیلئے ایک مستقل وقت درکار ہے۔

زفرق تابہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

دین کے ہر پہلو کا حال یہ ہے جب اس کی طرف نگاہ کی جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ اسی کو موضوع سخن بنایا جائے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں۔

لیکن اس مسجد کی سنگ بنیاد کے عظیم الشان موقع پر شرکت کرتے وقت اور حصہ لیتے وقت خیال آیا کہ آج کی گفتگو کا موضوع اسی مسجد کی تعمیر کی مناسبت سے قرآن کریم کی ان آیات کو بنایا جائے جو ابھی میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عظیم الشان واقعہ بیان فرمایا ہے۔

تعمیر بیت اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جلیل القدر فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر فرمایا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بڑے عجیب و غریب اور بڑے والہانہ انداز میں بیان فرمایا اور پوری امت کیلئے قیام قیامت تک اس کو اپنی مقرب کتاب کا حصہ بنا کر پوری امت مسلمہ کیلئے اس کو ہمیشہ کیلئے محفوظ فرما دیا۔ اور اس بات کی دعوت دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بار بار تازہ کیا جائے خیال آیا کہ آج اس محفل میں مختصراً ان آیات کی تھوڑی سی تفسیر اور اس دعا کی تھوڑی سی تفصیل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کا گھر تعمیر کرتے وقت مانگی تھی۔ اور جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا سب سے پہلے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ (البقرہ: ۱۲۷)

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ اسلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند فرما رہے تھے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی (ان کے ساتھ شامل تھے) "واذ" یہ عربی زبان میں بیان کرنے کا خاص اسلوب ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جو بات آگے بیان کی جارہی ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ ہر آن اور ہر لمحے اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے مستحضر رکھا جائے

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیت اللہ اگرچہ پہلے سے موجود تھا۔ اس کی بنیادیں موجود تھیں حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے یہ دنیا کے اندر چلا آتا تھا لیکن مرور ایام سے اس کی عمارت موجود نہ رہی تھی۔ بنیادیں باقی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بنیادوں پر اس بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس عمل میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

مشترکہ کارنامہ کو بڑے کی طرف منسوب کرنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ جب قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو تلاوت کے دوران ہی قرآن کریم کی آیتوں میں تدبر بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگوں میں سے کوئی یا حضرت کے خدام میں سے کوئی موجود ہوتا تو جو بات تلاوت کے دوران ذہن میں آتی اس کے بارے میں اس کے سامنے ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے ایک روز حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، میں قریب بیٹھا ہوا تھا جب اس آیت پر پہنچے، "واذیرفع ابراہیم القواعد من البیت و اسماعیل" تو تلاوت روک کر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو: قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عجیب اسلوب اختیار فرمایا اللہ تعالیٰ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ "واذ یرفع ابراہیم و اسماعیل القواعد من البیت" (البقرہ 127) یعنی اس وقت یاد کرو جب ابراہیم" اور اسماعیل" دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس طرح بیان نہیں فرمایا، بلکہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کا نام لیکر جملہ مکمل کر دیا کہ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل" بھی۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا آخر میں علیحدہ ذکر فرمایا والد صاحب" نے فرمایا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس

عمل میں برابر کے شریک تھے۔ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے اس تعمیر کو براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا

پھر والد صاحب نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا اور چھوٹا دونوں مل کر ایک کام انجام دے رہے ہوں تو ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کام کو بڑے کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے ساتھ چھوٹے کا ذکر یوں کیا جائے کہ چھوٹا بھی اس کے ساتھ موجود تھا نہ یہ کہ چھوٹا اور بڑے دونوں کو ہم مرتبہ قرار دیکر دونوں کی طرف اس کام کو برابر منسوب کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ادب

اسی بات کو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور واقعہ کے ذریعہ سمجھایا' فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تو یہ تھا کہ عشاء کے بعد زیادہ کسی کام میں مشغول نہیں ہوتے تھے آپ فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد قصے کہانیاں کہنا اور زیادہ فضول گوئی میں مشغول رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ تاکہ صبح کی نماز پر اثر نہ پڑے لیکن ساتھ ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا دیکھئے جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا تو یوں نہیں کہا کہ مجھ سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ ہے چھوٹے کا ادب کہ جب چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کوئی کام کر رہا ہے تو وہ کام اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ بڑے کی

طرف منسوب کرے کہ بڑے نے یہ کام کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

لہٰذا قرآن کریم نے بھی وہی اسلوب اختیار فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ شامل تھے یہاں تعمیر بیت اللہ کی اصل نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی۔ اور اسماعیل علیہ السلام کو ان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ یہ تو ایک نکتہ تھا جو حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ کے حوالے سے یاد آگیا

عظیم الشان واقعہ

غرض سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ انسانیت کا اور تاریخ ادیان کا عظیم الشان واقعہ ہے، عبادت گاہوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اللہ کا گھر تعمیر کیا جارہا تھا اس واقعہ میں بے شمار تفصیلات تھیں، مثلاً یہ کہ پتھر کہاں سے لائے گئے؟ گارہ کہاں سے جمع کیا گیا؟ کون پتھر اٹھا رہا تھا؟ کون چنائی کر رہا تھا کتنی بلندی پر تعمیر کیا گیا؟ کتنی لمبائی اور کتنی چوڑائی تھی؟ کتنا وقت اس تعمیر پر لگا؟ کتنا روپیہ اس پر خرچ ہوا؟ یہ ساری تفصیلات تھیں لیکن قرآن کریم نے ان تفصیلات میں سے کوئی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ بس اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اس وقت ان کی زبان مبارک پر کیا دعائیں تھیں؟ وہ کیا الفاظ کہہ رہے تھے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کیا مناجات کر رہے تھے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سارا عمل ایک طرف اور اس عمل کے ساتھ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی دعائیں

زبان مبارک پر تھیں۔ وہ ایک طرف' اللہ تعالیٰ کو سارے عمل کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اتنی پسند آئیں کہ اس کو قیام قیامت تک کیلئے قرآن کا حصہ بنا دیا۔ چنانچہ فرمایا جب وہ بیت اللہ کی تعمیر کا کام کر رہے تھے تو زبان مبارک پر یہ دعا تھی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

"کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے اس خدمت کو اپنی فضل و کرم سے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں۔" جو بات اللہ رب العزت کو پسند آئی' جو ادا اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھائی وہ یہ کہ کام تو اتنا عظیم الشان انجام دے رہے ہیں کہ اس روئے زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب پہلا اور آخری گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ جو قیامت تک کیلئے ساری انسانیت کے واسطے ایک مقناطیس بننے والا ہے جس کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر جانے والے ہیں وہاں پر عبادتیں کرنے والے ہیں وہ بیت اللہ کہ جس کی بنیادیں نامعلوم ہوچکی تھیں وہ بیت اللہ جس کی تعمیر ختم ہوچکی تھی اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھا رہے تھے لیکن زبان اور دل پر کوئی فخر نہیں' کوئی ناز نہیں' کوئی غرور بھی نہیں کہ میں اتنا بڑا کام انجام دے رہا ہوں اور اس کام کو انجام دیتے وقت سینہ تنا ہوا نہیں ہے' گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے اور کسی قسم کے فخر اور تکبر کے جذبات نہیں بلکہ دل میں یہ جذبات ہیں کہ یا اللہ میری خدمت اور یہ میرا عمل اس لائق تو نہیں ہے کہ آپ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرے' لیکن اے اللہ آپ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے اسے قبول فرما لیجئے۔

دل میں بڑائی نہ ہو

اس دعا میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ انسان اللہ کا بندہ ہے وہ خواہ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہو کتنی بڑی خدمت انجام دے رہا ہو' لیکن اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ میں

کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہوں یا یہ کہ میں اللہ کے دین کی کوئی بہت بڑی خدمت کر رہا ہوں۔ اس کے دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ میرا عمل میری ذات کے لحاظ سے تو اس لائق نہیں کہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور یہ التجا ہے کہ یا اللہ اس چھوٹے عمل کو اور اس ادھورے عمل کو اپنے فضل و کرم سے قبولیت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا سے یہ سبق سکھا دیا کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے کام جو شخص انجام دیتا ہے تو اس کا نفس اور اس کی نفسانی خواہشات اس کو فخر پر ابھارتی ہیں دوسروں کے سامنے شیخی بگھارنے کی طرف مائل کرتی ہیں۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی سنت سے یہ طریقہ بتایا کہ اگر تم نے کوئی نیک کام کیا' اور اس نیک کام سے تمہارے دل میں کوئی فخر اور تکبر پیدا ہوگیا تو وہ اس عمل کو ملیا میٹ کر ڈالے گا۔ اس کے بجائے جب تم کوئی عمل کرو تو یہ سوچو کہ مجھے تو اللہ کی بارگاہ میں جیسا عمل پیش کرنا چاہئے تھا ویسا عمل پیش نہیں کر سکا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے آمین۔

فتح مکہ اور آپ کی انکساری

حضور نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے' اکیس سال کی محنت کا ثمرہ مکہ مکرمہ کی فتح کی صورت میں سامنے آرہا تھا اس مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو رہے تھے جس میں رہنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے' تکلیفیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں تیار کی گئیں' قتل کے منصوبے بنائے گئے' مسلمانوں کو "لا الہ الا اللہ" کہنے کی پاداش میں ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا' اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو اس کا سینہ تنا ہوا ہوتا' گردن اکڑی ہوئی ہوتی اور "انا ولا

غیری" کے نعرے لگاتا ہوا داخل ہوتا' اور مکہ مکرمہ کی گلیاں خون سے لالہ زار ہوجاتیں۔ لیکن یہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ منظر آج بھی اس طرح یاد ہے' جیسے اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معلی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہورہے ہیں اور اپنی اونٹنی "ناقہ قصوی" پر سوار ہیں اور اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں گردن جھکی ہوئی ہے یہاں تک کہ ٹھوڑی مبارک سینے سے لگی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان مبارک پر یہ آیات ہیں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (سورۃ الفتح ۱)

کہ یا اللہ یہ جو کچھ نصرت ہوئی یہ آپ ہی کی طرف سے ہے میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں یہ آپ کے فضل وکرم سے ہے کہ آپ نے مجھے فاتحانہ شان سے یہاں داخل فرمایا لہذا اب فاتح کی شان یہ ہے کہ اس کی گردن تننے کے بجائے جھک جائے اور سینہ مبارک سے لگ جائے انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی سنت تھی اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے۔

توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے

جب اللہ تعالیٰ کسی اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے تو یاد رکھو یہ توفیق بھی اس کی طرف سے ہے' اگر عمل کی توفیق نہ ہوتی تو تم سے یہ کام بن نہیں سکتا تھا یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں اس خدمت پر لگا دیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیں کنی
منت شناس کہ اورا بخدمت گزاشتن

کہ یہ احسان کرنے کا موقع نہیں کہ میں نے بڑی نمازیں پڑھ لیں' میں نے بڑے روزے رکھ لئے' میں نے بڑا ذکر کرلیا' میں نے

بڑی عبادتیں انجام دے لیں، میں نے بڑی خدمت دین انجام دی، میں نے بڑی کتابیں لکھیں، میں نے بڑی تقریریں کیں، میں نے بڑے فتوے لکھے یہ کوئی فخر کی بات نہیں، ارے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ ایک ذرے سے جو چاہے کام لے۔ یہ دعا کرو کہ وہ نیک کام کرنے کی توفیق دے۔ اور جو کچھ عمل کرنے کی توفیق ہو تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اللہ کے سامنے اس کے قبولیت کی دعا مانگے کہ اے اللہ! اس کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما یہ بڑے پست حوصلہ انسان کا کام ہے کہ تھوڑے سے عمل کی توفیق اللہ نے دے دی تو اس پر اترانے لگا، اس کے اوپر فخر و ناز میں مبتلا ہوگیا۔ اور لوگوں کے سامنے تکبر کرنے لگا جیسے عربی زبان کی ایک مثال ہے کہ

صلی الحائک رکعتین وانتظر الوحی

ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد انتظار میں بیٹھا ہے کہ کب میرے اوپر وحی نازل ہو، یہ سمجھ رہا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھنا اتنا عظیم الشان کام ہے کہ مجھے براہ راست نبوت ملنی چاہئے تو یہ کم ظرف اور کم حوصلہ انسان کا کام ہے۔ ایک بندہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کا کام یہ ہے وہ ڈرتا رہے، کام بھی کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ سے ڈر بھی رہا ہے کہ یہ کام تو اس کے شایان شان تو نہیں ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ لیکن اللہ رب العزت سے دعا کر رہا ہے کہ اس کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے

تو سب سے پہلی بات جو اللہ تعالیٰ کو تعمیر کعبہ میں پسند آئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا تھی کہ کعبہ تعمیر کر رہے ہیں، اور اتنا عظیم الشان کام انجام دے رہے ہیں، لیکن کوئی فخر نہیں، کوئی غرور نہیں، کوئی تکبر نہیں۔

حقیقی مسلمان کون؟

آگے دعا کا دوسرا حصہ عجیب و غریب ہے جب حضرت ابراہیم علیہ

السلام بیت اللہ تعمیر فرما رہے تھے اس وقت دوسری دعا یہ فرمائی

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

اے پروردگار! ہم دونوں کو یعنی مجھے بھی اور میرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مسلمان بنا دیجئے۔ اب یہ عجیب دعا ہے کہ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام مسلمان نہ ہوں تو پھر دنیا میں کون مسلمان ہوگا؟ لیکن دعا یہ فرما رہے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے بات اصل میں یہ ہے کہ عربی زبان میں "مسلم" کے معنی ہیں: تابعدار، فرمانبردار، جھکنے والا آپ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے آگے جھکنے والا بنا دیجئے تاکہ میری پوری زندگی اور میرے بیٹے کی زندگی آپ کے تابع فرمان ہوجائے پوری زندگی آپ کی فرماں برداری میں گزر جائے، کیونکہ ویسے تو آدمی جیسے ہی کلمہ پڑھتا ہے "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله" وہ مسلمان ہوجاتا ہے چاہے ستر برس کا کافر بھی کیوں نہ ہو، لیکن صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مومن کا کام نہیں بلکہ کلمہ طیبہ کے بعد پوری زندگی کو اللہ کے تابع فرمان بنائے بغیر انسان مکمل مسلمان نہیں بنتا، اسی لئے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً

اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ یہاں خطاب کیا گیا ہے ایمان والوں کو جو پہلے سے ایمان والے ہیں اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ یہ ایمان والے اب کس میں داخل ہوجائیں؟ اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ ایمان لے آنا ایک عمل ہے اور اس کے بعد اسلام میں داخل ہونا دوسرا عمل ہے، اور اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے وجود کو، اپنی زندگی کو، اپنی نشست و برخاست کو، اپنے فکر و انداز کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنائے جب تک یہ نہیں کرو گے اسلام میں پوری طرح داخل نہیں ہو گے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے پروردگار' مجھے اور میرے بیٹے کو صحیح معنوں میں مسلمان بنایئے یعنی اپنا تابع فرمان بنایئے

تعمیر مسجد کا مقصد

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے ---- واللہ سبحانہ اعلم ---- کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد تو بنا رہے ہیں اللہ کا گھر تو تعمیر کر رہے ہیں جو بہت بڑا عظیم الشان کام ہے لیکن یہ مسجد کی تعمیر درحقیقت ایک علامت ہے' مسجد کی تعمیر بذات خود مقصود نہیں ہے' بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے بعد اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنالیا جائے جب تک یہ نہ ہوگا تو محض تعمیر مسجد تنہا کافی نہیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہمیں اپنا تابع فرمان اس طرح بنا لیجئے کہ اپنی زندگی کا ہر کام آپ کے حکم کے مطابق ہوجائے یہ ہیں مسلمین کے معنی اور اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوا تو پھر وہ مسجد اس شعر کا مصداق بن جائیگی

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

مسجد تو بڑی عالیشان تعمیر ہوگئی لیکن اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں' اللہ کا ذکر کرنے والا نہیں' اور خدا نہ کرے اور وہ کیفیت ہوجائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کی مساجد کے بارے میں فرمایا کہ "عامرۃ وھی خراب" کہ مسجدیں باہر سے بڑی اچھی' شاندار' بڑی مزین' بڑی آراستہ ہونگی' لیکن اندر سے ویران ہونگی اس کے اندر کوئی نماز پڑھنے والا موجود نہ ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اس لئے فرمایا اے اللہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے۔ ساتھ ساتھ اپنا تابع فرمان

بنا دیجئے۔

دین نماز اور روزے میں منحصر نہیں

بعض مرتبہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ مسلمانی کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھ لی اور پانچ وقت حاضری دیدی۔ روزہ رکھ لیا اور زکوۃ ادا کردی' عبادات انجام دے لیں بس ہوگئے مسلمان۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں ایک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ مسجد کی تعمیر کرنا' مسجد کے اندر جاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا' نمازیں پڑھنا' ذکر کرنا یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر باقی چیزوں کو نظر انداز کردو' آج ہمارا یہ حال ہے کہ جب تک مسجد میں ہیں تو مسلمان ہیں نمازیں بھی ہورہی ہیں' ذکر بھی ہورہا ہے' عبادت بھی انجام دی جارہی ہے۔ لیکن جب بازار میں پہنچے تو وہاں سارے معاملات اللہ کے حکم کے خلاف ہورہے ہیں۔ دفتروں میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' حکومت کے ایوانوں میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' بس دین نام رکھ لیا عبادتوں کے انجام دینے کا' نماز پڑھ لی' روزہ رکھ لیا' زکواۃ دے دی' حج کرلیا' اللہ اللہ خیر سلا' یاد رکھو! دین درحقیقت پانچ شعبوں کا مجموعہ ہے۔ عقائد کی درستی' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاق ان سب کے مجموعے سے اسلام بنتا ہے' اسلام یہ نہیں کہ مسجد میں تو مسلمان ہیں گھر میں جاکر کافر ہوگئے (معاذ اللہ) مسلمان وہ ہے جو پورا کا پورا مسلمان ہو' اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً

اے! ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ' یہ نہیں کہ بس مسجد میں چلے گئے' اور عبادات بھی کرلیں مگر معاملات خراب' معاشرت خراب' اخلاق خراب' یہ ساری چیزیں اسلام میں

داخل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

مسجد کے حقوق میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس کو مسجد میں جاکر سجدہ کررہے ہو بازار میں بھی جاکر اسی کے حکم کی اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھی اور بازار میں جاکر رشوت دیدی۔ یہ نہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد سود کھالیا بلکہ اخلاق و معاشرت کو بھی شریعت کے مطابق بنالو' ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اس بات سے بھرے ہوئے ہیں کہ جس طرح عبادت ضروری ہے اسی طرح معاشرت درست کرنا بھی ضروری ہے' اخلاق درست کرنا بھی ضروری ہے' اور معاملات درست کرنا بھی ضروری ہیں۔ آج کی دنیا اس بات کو فراموش کر بیٹھی ہے اور دین صرف نماز روزے کا نام رکھ لیا ہے یہ غلط فہمی دور کرلینی چاہئے۔

اولاد کی اصلاح کرنا واجب ہے

پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا کہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے اللہ ہماری آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنایئے' اس کو بھی اپنے تابع فرمان بنایئے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ ایک مسلمان کا کام صرف خود مسلمان بن کر ختم نہیں ہوتا' اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی اولاد کی فکر کرے' آج ہم مسلمانوں کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو خود تو نماز کے پابند' صف اول کے پابند' تلاوت قرآن کے پابند' لیکن ان کے ذہنوں میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اولاد کہاں جارہی ہے اولاد تیزی سے الحاد کے راستے پر' بے دینی کے راستہ پر' اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے راستے پر' جہنم کے راستے پر جارہی ہے لیکن کبھی خیال نہیں آتا ہے کہ ان کو کس طرح بچایا جائے' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اس طرف اشارہ کردیا کہ مسلمان کیلئے صرف اپنی اصلاح کرلینا کافی نہیں بلکہ قرآن کریم کا

ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ' اپنے بچوں کو بھی بچاؤ جس طرح خود مسلمان بننا فرض اسی طرح آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنانا اور ان کی اصلاح کی فکر کرنا بھی فرض ہے

آگے فرمایا:

وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

یہ نہیں فرمایا کہ اس عمل پر مجھے ثواب عطا فرما' اس لئے میرا یہ عمل ثواب کے لائق تو کیا ہوتا بلکہ خطرہ یہ ہے کہ میرے اس عمل میں کس قسم کی کوتاہیاں شامل نہ ہوگئی ہوں جس کی وجہ سے یہ عمل غارت ہوجائے' اے اللہ اگر ایسی کوتاہیاں ہوئی ہوں تو ہماری توبہ قبول فرما

یہ بھی عمل کی توفیق کا حصہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرے اور پھر استغفار کرے کہ اے اللہ اس عمل میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اس کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما' یہ کام ہے مومن کا۔

نماز کے بعد استغفار کیوں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو نماز ختم ہوتے ہی آپ تین مرتبہ فرماتے تھے استغفر اللہ' استغفر اللہ' استغفر اللہ اب یہ اس وقت استغفار کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ استغفار تو اس وقت ہوتا ہے جب انسان سے کوئی گناہ ہوجائے تو وہ استغفار کرے کہ یا اللہ مجھے معاف کردے تو بظاہر نماز کے بعد استغفار کا موقع نہیں' بلکہ نماز تو اللہ کے حضور حاضری ہے' اس کے بعد استغفار کیوں؟ بات دراصل یہ ہے کہ نماز تو ہم نے پڑھ لی مگر

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کبریائی کا جو حق تھا وہ نماز میں ادا نہ ہوا

"ما عبدناک حق عبادتک"

اے اللہ ہم آپ کی بندگی کا حق ادا نہ کر سکے، تو نماز کے بعد یہ استغفر اللہ اس واسطے ہے کہ جو حق تھا وہ تو ادا ہوا نہیں، اے اللہ اپنی رحمت سے ان کوتاہیوں کو دور فرما، قرآن کریم میں بھی نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے سورہ ذاریات میں باری تعالیٰ نے فرمایا

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

اللہ کے بندے وہ ہیں جو رات کو بہت کم سوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اللہ کے حضور حاضر ہیں اور دعا مانگ رہے ہیں، پوری رات عبادت میں گزاری، لیکن جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ یہ کونسا استغفار کا موقع ہے؟ ساری رات تو عبادت کرتے رہے کوئی گناہ نہیں کیا، جو استغفار کریں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: درحقیقت وہ اس بات پر استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو عبادت رات کو کی ہے وہ اس لائق تو نہیں کہ آپ کی بارگاہ میں پیش کی جائے۔ اس واسطے اے اللہ ہم ان کوتاہیوں سے استغفار کرتے ہیں۔ جو نماز کے اندر ہوئیں تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ جو نیک عمل بھی کرے نیکی کے جس کام کی جو توفیق ہو اس پر غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اس کی کوتاہیوں پر استغفار کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر کرے اور اس کی قبولیت کی دعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جامع دعا

پھر یہ ساری دعائیں کرنے کے بعد آخر میں یہ زبردست دعا فرمائی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔

کہ اے پروردگار یہ کعبہ تعمیر کرلینا کافی نہیں اے اللہ جو کعبہ کے پاس رہنے والے ہیں ان میں اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا رسول بھیجئے جوان کے سامنے آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو پاک صاف کرے، ان کے اخلاق ان کے اعمال پاک صاف کرے۔

یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ خواہ اللہ کے کتنے گھر دوبارہ تعمیر ہوجائیں کتنی مساجد بن جائیں۔ لیکن یہ مسجد اس وقت تک اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس کے ساتھ موجود نہ ہوں اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی، اور اس دعا کے اندر فرمایا کہ وہ پیغبر آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے اس میں اشارہ اس طرف کر دیا کہ آیات کی تلاوت بذات خود ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنا بذات خود ایک انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور وہ پیغبر صرف تلاوت نہیں کریگا۔ بلکہ وہ کتاب کی تعلیم بھی دیگا۔

قرآن کیلئے حدیث کے نور کی ضرورت

اس سے اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ کتاب یعنی قرآن محض مطالعہ سے حاصل ہونے والی چیز نہیں کہ اس کا مطلب ہم مطالعہ سے حاصل کرلیں، آج کل قرآن کی اسٹڈی کرنے کا بڑا رواج ہے، صرف اسٹڈی کے ذریعہ اس کو حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ یہ قرآن خود بیٹھ کر اسٹڈی کرنے کی چیز نہیں جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اسکو

نہیں پڑھا جائے اس وقت تک قرآن کا مطلب سمجھ میں نہیں آئیگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

فرمایا کہ جیسے آپ کے پاس ایک کتاب ہو لیکن روشنی نہ ہو اندھیرا ہو' اب کتاب تو موجود ہے لیکن روشنی کے بغیر آپ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حسین اشارہ فرمایا کہ تمہارے پاس ہم نے کتاب بھی بھیجی اور اس کے ساتھ اس کتاب کو پڑھ کر سمجھنے والا نور بھی بھیجا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ہے اس کی روشنی میں پڑھو گے تو کامیابی حاصل ہوگی اس سے ہٹ کر اگر پڑھنے کی کوشش کرو گے تو وہ شخص ایسا ہی ہے جیسا کہ اندھیرے میں کتاب پڑھنے والا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں پھر آخر میں فرمایا کہ وہ پیغمبر تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کریگا' بلکہ ان کو غلط اخلاق سے غلط اعمال سے صاف کریگا انکا تزکیہ کریگا اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ تعلیم بھی زبانی کافی نہیں بلکہ اس کیلئے تربیت اور صحبت کی ضرورت ہوگی جب تک کہ یہ نہیں ہوگی اس وقت تک انسان کے اعمال اور اخلاق صحیح معنوں میں درست نہیں ہونگے بہرحال' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعائیں تعمیر کعبہ کے وقت مانگی تھیں یہ اس کی تھوڑی سی تفصیل تھی' اس دعا میں پورا دین سما گیا ہے دین کے سارے شعبے اس کے اندر آگئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مسجد کی تعمیر اور اس کی تاسیس کی برکت عطا فرمائے اس کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وقت کی قدر کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت اور بے وقعت چیز وقت ہے اس کو جہاں چاہا ضائع کر دیا برباد کر دیا کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے دن مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں۔ جس میں نہ تو دنیا کا کوئی فائدہ نہ دین کا کوئی فائدہ خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں۔ اور زندگی کے قیمتی لمحات کو کام میں لگائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کی قدر کریں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحۃ والفراغ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ۶۰۴۹)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ "ریاض الصالحین" کی تکمیل کے بعد

انشاء اللہ حدیث کی کوئی دوسری کتاب شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے آج اللہ کے نام پر حدیث کی دوسری کتاب شروع کی جارہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمائے، اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ کتاب ایک بہت بڑے امام، فقیہ، محدث، صوفی، مجاہد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کا نام "کتاب الزہد والرقائق" ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہماری امت کے ان بزرگوں میں سے ہیں، جن کا نام آتے ہی دل میں عقیدت و محبت کی پھواریں محسوس ہوتی ہیں۔ اس مجلس میں پہلے بھی ان کے کئی واقعات بیان کرتا رہا ہوں۔ یہ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں ان کی پیدائش غالباً دوسری صدی ہجری کے ابتداء میں ہوئی ہے، گویا کہ یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں جبکہ ابھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے گئے ہوئے سو سال ہوئے تھے، صحاح ستہ کے نام سے حدیث شریف کی جو چھ مشہور کتابیں، بخاری شریف سے لے کر ابن ماجہ تک ہیں، یہ ان سب سے متقدم اور ان سب کے بزرگ ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر بھی ہیں۔ اور ان کے شاگرد بھی ہیں۔ اور یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں۔ جب عالم اسلام ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس زمانے کے جس خطے کو دیکھئے۔ اس میں بے نظیر شخصیتیں موجود تھیں۔ اور یہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے شہر مرو میں پیدا ہوئے، اور پھر جا کر عراق کے شہر بغداد میں آباد ہوئے، اور وہیں قیام کیا۔

آپ کی اصلاح کا عجیب و غریب واقعہ

ان کے حالات بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ ان بزرگوں کے تذکرے میں بھی بڑا نور اور بڑی برکت ہے۔ ان کے ایک ایک واقعے کے اندر یہ تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ شاید ان کا یہ قصہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا ہوگا کہ یہ امیر کبیر گھرانے کے ایک فرد تھے۔ اور خاندانی رئیس تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں ان کا یہ واقعہ نقل کیا

ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا سیب کا باغ تھا۔ اور جس طرح امیر کبیر لوگوں میں آزادی ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی آزاد منش تھے، نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق، پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے، ایک مرتبہ جب سیب کا موسم آیا تو یہ اپنے اہل وعیال سمیت اپنے باغ ہی میں منتقل ہو گئے، تاکہ وہاں سیب بھی کھائیں گے۔ اور شہر سے باہر ایک تفریح کی فضا ہوگی، چنانچہ وہاں جاکر مقیم ہو گئے ــــ دوست احباب کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اس لئے وہاں پر دوستوں کو بھی بلالیا۔ رات کو باغ کے اندر گانے بجانے کی محفل جمی، اور اس محفل میں پینے پلانے کا دور بھی چلا۔ یہ خود موسیقی کا آلہ رباط کے بجانے کے بہت ماہر تھے، اور اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے ــــ اب ایک طرف پینے پلانے کا دور اور اس کا نشہ، اور دوسری طرف سے موسیقی کی تانے، اسی نشے کے عالم میں ان کو نیند آگئی۔ اور وہ ساز اسی حالت میں گود میں پڑا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں رکھا ہوا ہے، اب اٹھ کر اس کو دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ ساز اب بجتا ہی نہیں۔ اس میں سے آواز ہی نہیں آرہی تھی ــــ چونکہ خود اس کی مرمت کرنے اور درست کرنے کے ماہر بھی تھے، اس لئے اس کے تار درست کر کے مرمت کی پھر بجانے کی کوشش کی۔ مگر وہ پھر نہیں بجا، دوبارہ اس کے تار وغیرہ درست کئے۔ اور بجانے کی کوشش کی تو اب بجائے اس میں سے موسیقی کی آواز نکلنے کے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی تھی۔ وہ یہ کہ

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

(سورۃ الحدید: ۱۶)

قرآن کریم بھی عجیب عجیب انداز سے خطاب فرماتا ہے، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر کے لئے پسیجے، اور اللہ نے جو حق بات اس قرآن کے اندر اتاری ہے۔ اس کے لئے ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو، کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ آواز اسی ساز میں سے آرہی تھی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس کے قریب ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا

تھا۔ اس پرندے کے منہ سے یہ آواز آرہی تھی۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیبی لطیفہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو نوازنا منظور تھا۔ بس، جس وقت یہ آواز سنی۔ اسی وقت دل پر چوٹ لگی، اور خیال آیا کہ اب تک میں نے اپنی عمر کس کام کے اندر گنوائی ہے۔ فوراً جواب میں فرمایا:

بلیٰ یارب قد آن ۔ بلیٰ یارب قد آن

اے پروردگار، اب وہ وقت آگیا

اب میں اپنے ان سارے دھندوں اور مشغلوں کو چھوڑتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ہمہ تن دین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ رات کے وقت بھی ساز و رباط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں۔ پینے پلانے کا مشغلہ ہو رہا ہے۔ اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ اس کتاب کے مولف بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آج پوری امت مسلمہ کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔

(بستان المحدثین ص ۱۵۵)

علم حدیث میں آپ کا مقام

اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں آپ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ علم حدیث میں بہت بڑے بڑے علماء پر تنقید کی گئی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ علیہ بھی تنقید سے نہیں بچے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بچے۔ بڑے بڑے ائمہ تنقید سے نہیں بچے۔ لیکن میری نظر میں اب تک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا۔ جس نے عبداللہ بن مبارک کی روایت اور حدیث کے بارے میں ان پر تنقید کی ہو، اتنے اونچے درجے کے محدث ہیں۔

دنیا سے آپ کی بے رغبتی اور کنارہ کشی

اور پھر دنیا سے اپنے آپ کو ایسا کاٹا، اور ایسے زاہد بن کر دنیا سے رخصت ہوئے

کہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ خاندانی رئیس اور امیر کبیر آدمی تھے۔ اس لئے حالات میں تبدیلی کے بعد بھی ایک ایک وقت میں ان کے دسترخوان پر دس دس پندرہ پندرہ قسم کے کھانے ہوتے تھے۔ اور کھانے کے وقت بڑا مجمع موجود ہوتا تھا۔ لیکن سارے مجمع کھانے میں مشغول ہوتا تھا۔ مگر یہ خود روزے سے ہوتے تھے۔ اور لوگوں کو بلا بلا کر کھانے کی دعوت دیتے، اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

حدیث رسول کا مشغلہ

خراسان کے شہر مرو جہاں یہ پیدا ہوئے، وہاں پر ان کا جو مکان تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مکان کا صرف صحن پچاس گز لمبا پچاس گز چوڑا تھا۔ وہ پورا صحن اہل حاجت سے بھرا رہتا تھا، کوئی مسئلہ پوچھنے آرہا ہے۔ تو کوئی علم حاصل کرنے کے لئے آرہا ہے۔ کوئی اپنی ذاتی ضرورت کے لئے آرہا ہے ـــــ پھر بعد میں جب بغداد میں جاکر آباد ہوئے تو وہاں پر اپنے لئے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا، اور اس میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے، تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت، آپ اپنا عالیشان مکان چھوڑ کر یہاں بغداد میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے ہیں، یہاں آپ کا دل کیسے لگتا ہوگا؟ جواب میں فرمایا کہ الحمد اللہ، یہاں میرا دل زیادہ لگتا ہے۔ اس لئے کہ پہلے لوگ میرے پاس بہت آیا کرتے تھے۔ اور اب میں تنہائی کی زندگی گزارتا ہوں۔ بس مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور پھر اپنے گھر چلا جاتا ہوں۔ اور وہاں میں ہوتا ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ یعنی گھر میں دن رات احادیث رسول اللہ کا مشغلہ ہے۔ اس میں مصروف رہتا ہوں، یہ زندگی مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔

(تاریخ بغداد : ۱۰ / ۱۵۴)

لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور محبت

بغداد کا ایک شہر رقہ تھا۔ جو اب بغداد ہی کا ایک محلہ بن گیا ہے، ہارون رشید کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ ہارون اس شہر میں اپنی والدہ یا بیوی کے ساتھ شاہی برج

میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ شہر کی فصیل کے باہر ایک شور بلند ہو رہا ہے، ہارون رشید کو خیال ہوا کہ شاید کسی دشمن نے حملہ کر دیا، یا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے، معلوم کرنے کے لئے فوراً آدمی دوڑائے تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رقہ شہر میں تشریف لائے ہیں۔ اور لوگ ان کے استقبال کے لئے جوق در جوق شہر سے باہر نکلے ہیں۔ یہ اس کا شور ہے۔

اور میرے اپنے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے سنا کہ استقبال کے دوران حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو چھینک آگئی تھی، اور اس پر انہوں نے "الحمد اللہ" کہا، اور ان کے جواب میں پورے مجمع نے "یرحمک اللہ" کہا، اس سے یہ شور بلند ہوا ـــــ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال دیکھی تو ہارون رشید سے کہا کہ ہارون، تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو، اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے۔ حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو کھینچ کر یہاں نہیں لائی ہے، بلکہ یہ صرف حضرت عبد اللہ بن مبارک کی محبت ہے، جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں پر جمع کر دیا ہے ـــ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

(تاریخ بغداد: ۱/۱۵۶)

آپ کی فیاضی کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے دولت اور دنیا کی نعمتیں بہت دیں۔ مگر وہی بات تھی کہ دنیا تو عطا فرمائی، لیکن دل دنیا کی محبت سے خالی رکھا، یہ جو کسی نے کہا ہے کہ دنیا ہاتھ میں ہو، دل میں نہ ہو، یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درجہ عطا فرمائی کہ اس کی مثالیں ملنی مشکل ہے ـــ خراسان میں قیام کے دوران ایک مرتبہ انہوں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، جب بستی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ حج پر تشریف لے جارہے ہیں۔ تو بستی کے لوگ ایک وفد بنا کر ان کے پاس آگئے کہ حضرت ہم بھی آپ کے ساتھ حج کو جائیں گے، تاکہ حج کے اندر آپ کی صحبت میسر ہو، انہوں نے فرمایا کہ اچھا اگر تم لوگ بھی میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو، البتہ تم سب اپنا اپنا سفر کا خرچ میرے پاس جمع کرا دو، تاکہ میں تم سب کی طرف سے

اکٹھا خرچ کرتا رہوں۔۔۔ چنانچہ جتنے لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا ان سب نے اپنے اپنے پیسوں کی تھیلی لاکر حضرت عبداللہ بن مبارک کے پاس جمع کرادی، انہوں نے وہ ساری تھیلیاں لے کر ایک صندوق میں رکھ دیں۔ اور اس کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے، چنانچہ تمام ساتھیوں کی سواری اور کھانے کا انتظام وغیرہ کرتے رہے، یہاں تک حج مکمل ہونے کے بعد ان سب کو مدینہ منورہ لے گئے۔ اور وہاں جاکر ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بھائی تمہارے گھر والوں نے مدینہ منورہ سے کیا چیز منگوائی تھی؟ چنانچہ ہر ایک کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی۔۔۔ پھر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور وہاں آکر پھر ہر ایک سے پوچھا کہ تمہارے گھر والوں نے مکہ مکرمہ سے کیا چیز لانے کو کہا تھا؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ فلاں چیز منگوائی تھی، چنانچہ ایک ایک فرد کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی۔ پھر واپس سفر کر کے جب خراسان پہنچے تو وہاں سب کی عالیشان دعوت کی، اور اس دعوت میں ہر ایک کو تحفے بھی پیش کئے، اس کے بعد وہ صندوق کھولا جس میں جاتے وقت ہر ایک کے پیسوں کی تھیلی رکھی تھی، اور ہر ایک کو اس کی تھیلی واپس کر دی۔۔۔ اس طریقے سے سخاوت کے دریا بہائے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۳۸۵)

آپ کی سخاوت اور غرباء پروری

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حج کو جارہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستے میں ایک جگہ پر قافلے والوں کی ایک مرغی مرگئی۔ قافلے والوں نے وہ مرغی اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک قافلے والوں سے ذرا پیچھے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قافلہ والے تو اس مردہ مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، اور وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی، اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا، اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی۔ عبداللہ بن مبارک یہ سب دیکھ رہے تھے۔ بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لیجانے والی لڑکی کون ہے۔۔۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے۔ اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟

جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہے۔ میں تنہا ہوں۔ اور لڑکی ذات ہوں۔ اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ چنانچہ اس کوڑے کے ڈھیر میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے۔ ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ کے بندے تو اس حالت میں ہیں کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں۔ اور میں حج پر جا رہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے پاس شاید دو ہزار دینار ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لئے جتنے دینار کی ضرورت ہے۔ تقریباً بیس دینار، وہ رکھ لو، اور باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور اس سال ہم حج نہیں کرتے، اور ان دیناروں سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ اجر و ثواب اس پر عطا فرمادیں گے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔

غرض یہ کہ ایک دو نہیں بلکہ ایسے ایسے بے شمار فضائل اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے کہ ہم لوگ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آپ کی دریا دلی کا ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ یاد آیا، جب کبھی یہ رقہ شہر میں جایا کرتے تھے تو ایک نوجوان ان سے آکر ملا کرتا تھا۔ اور آکر کبھی مسائل پوچھتا۔ کبھی دوسری باتیں آکر پوچھتا، ایک مرتبہ جب رقہ شہر جانا ہوا تو وہ نوجوان نہیں آیا۔ اور نہ اس نے آکر ملاقات کی، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ آکر ملاقات کیا کرتا تھا۔ وہ نظر نہیں آرہا ہے۔ وہ کہاں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرضہ بہت ہو گیا تھا۔ اور جس شخص کا قرضہ تھا۔ اس نے اس کو گرفتار کرا دیا ہے، اس لئے وہ جیل میں ہے۔ ان کو بڑا دکھ ہوا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کتنا قرضہ ہو گیا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ دس ہزار دینار، پھر معلوم کیا کہ کس کا قرضہ تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص کا قرضہ تھا، چنانچہ آپ اس

شخص کی تلاش میں نکلے، اور پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچے۔ اور جاکر اس سے کہا کہ ہمارا ایک دوست ہے۔ تمہارا قرضہ اس کے ذمے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جیل میں ہے ۔۔ میں وہ قرضہ تمہیں ادا کر دیتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ میرے سامنے وعدہ کرو۔ اور قسم کھاؤ کہ میرے جیتے جی اسکو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ قرضہ کس نے ادا کیا ہے، چنانچہ اس نے قسم کھالی کہ میں نہیں بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے دس ہزار دینار اس کو دے دیئے اور اسے کہا کہ اب اس کو رہا کرا دو۔ چنانچہ اس نے جیل جاکر اس کو رہا کرا دیا۔

جب وہ نوجوان جیل سے رہا ہو کر شہر میں آیا تو اس کو پتہ چلا کہ چند روز سے حضرت عبداللہ بن مبارک یہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے کب نکلے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابھی نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان آپ کے پیچھے دوڑا، اور راستے میں آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ تم جیل میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں، میں جیل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرما دی انہوں نے پوچھا کہ کیسے نکلے؟ اس نوجوان نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ نے غیب سے فرشتہ بھیج دیا۔ اس نے میرا قرضہ ادا کر دیا، اس لئے مجھے رہائی مل گئی۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرو، اور میں بھی تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہائی عطا فرما دے۔

وہ نوجوان بعد میں کہتے ہیں کہ ساری زندگی مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میرا قرضہ ادا کرنے والے عبداللہ بن مبارک ہیں، اس لئے کہ اس شخص نے عبداللہ بن مبارک کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں آپ کی زندگی میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا، لیکن جب عبداللہ بن مبارک کی وفات ہو گئی، اس وقت اس شخص نے مجھے بتایا کہ تمہاری رہائی کا سبب درحقیقت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

(تاریخ بغداد: ۱۰/ ۱۵۹)

کتاب الزہد والرقائق

بہرحال۔ یہ اس مقام کے بزرگ ہیں کہ ہمیں ان کا نام لیتے ہوئے بھی شرم

آتی ہے۔ یہ کتاب جو ہم آج شروع کر رہے ہیں یہ انہیں کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جس کا نام ہے "کتاب الزہد والرقائق" یعنی ان احادیث کا مجموعہ ہے۔ جن میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کی تلقین فرمائی ہے۔ اور جن کو پڑھنے سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور "رقائق" کے معنی وہ احادیث جن کے پڑھنے سے قلب میں گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل نرم ہوتے ہیں، غفلت دور ہوتی ہے، ایسی احادیث کو "رقائق" یا "رقاق" کہا جاتا ہے۔ تقریباً تمام محدثین ایسی احادیث پر ایک مستقل باب قائم کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ان احادیث پر یہ مستقل کتاب لکھ دی ہے، ویسے "کتاب الزہد" کے نام سے دوسرے محدثین نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ، ان سب کی کتابیں اس موضوع پر اس نام سے موجود ہیں۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ کی یہ کتاب سب سے زیادہ اس لئے مشہور ہوئی کہ اول تو یہ متقدمین میں سے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام کے اندر برکت عطا فرمائی تھی، ___ اس لئے خیال ہوا کہ ان کی یہ کتاب شروع کی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمارے دلوں میں کچھ نرمی پیدا کر دے، یہ دنیا جو ہمارے دلوں پر چھائی ہوئی ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ آخرت کی کچھ فکر عطا فرما دیں۔ آمین۔

دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت

اس کتاب میں احادیث بھی ہیں۔ اور صحابہ و تابعین کے کچھ آثار اور واقعات بھی ہیں۔ پہلی حدیث وہ مشہور حدیث ہے، جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ"

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ حدیث نمبر ۶۰۴۹)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت اور تندرستی ہے، اور دوسری

نعمت فراغت اور فرصت ہے یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں، اس وقت تک انسان اس دھوکے میں پڑا رہتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، چنانچہ جب تک تندرستی کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی بیماری آئے گی۔ یا فراغت کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مصروفیت اتنی زیادہ ہو جائیگی ۔۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرما دیتے ہیں یا فراغت عطا فرما دیتے ہیں وہ دھوکے میں اپنا وقت گزارتا رہتا ہے، اور اچھے کاموں کو ٹلاتا رہتا ہے، اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان نعمتوں کی اسی وقت قدر پہچان لو، جب یہ حاصل ہوں ۔۔

صحت کی قدر کر لو

یہ صحت کی نعمت جو اس وقت حاصل ہے، کیا معلوم کہ کب تک یہ حاصل رہے گی، کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت بیماری آجائے، اور کیسی بیماری آجائے، لہذا نیکی اور خیر کے کام کو، اور اپنی اصلاح کے کام کو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے کام کو، آخرت کی فکر کو اسی زمانے کے اندر اختیار کر لو، کیا پتہ پھر موقع ملے یا نہ ملے،

ارے جب بیماری آتی ہے تو پہلے نوٹس دے کر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ بچائے ۔۔ اچھا خاصا چنگا بھلا تندرست انسان ہے مگر بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو گیا۔ اور اب چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں، اس لئے یہ زمانہ ٹلا کر نہ گزارو، بلکہ جو نیک کام کرنا ہے، وہ کر گزرو، یہ صحت اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کو اس عالم کے لئے استعمال کرو جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، لیکن اگر تم نے اس صحت کو گنوا دیا۔ اور بیماری آگئی، تو پھر عمر بھر سر پکڑ کر روؤ گے، اور حسرت اور افسوس میں مبتلا ہو گے کہ کاش، اس صحت کے عالم میں کچھ کام کر لیا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت اور افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا، اس لئے ان نعمتوں کی قدر کرو۔

صرف ایک حدیث پر عمل

یہ حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے یہ "جوامع الکلم" میں سے ہے، اور غالباً امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چند حدیثیں ایسی ہیں کہ اگر مسلمان صرف ان چند حدیثوں پر عمل کر لے تو اس کی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اس حدیث سے شروع فرمائی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں "کتاب الرقاق" کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے سے تنبیہ فرما رہے ہیں۔ بعد میں تنبیہ تو خود ہو جاتی ہے، لیکن وہ تنبیہ اس وقت ہوتی ہے، جب تدارک کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں، اور ہماری نفسیات اور رگوں سے واقف ہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو، اس وقت جو تمہیں صحت اور فراغت کا جو عالم میسر ہے۔ پھر بعد میں رہے یا نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ حسرت کا وقت آجائے۔ اس کو کام میں لگالو۔

"ابھی تو جوان ہیں" شیطانی دھوکہ ہے

یہ "نفس" انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ میاں۔ ابھی تو جوان ہیں، ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، ابھی تو ذرا مزے اڑالیں۔ پھر جب موقع آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے، اور اس وقت اصلاح کی فکر کرلیں گے ابھی کیا رکھا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نفس و شیطان کے اس دھوکے میں نہ آؤ، جو کچھ کرنا ہے۔ کر گزرو، اس لئے کہ یہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے، عمر کے یہ لمحات جو اس وقت انسان کو میسر ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کو برباد اور ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو آخرت کے لئے استعمال کرو۔

کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ ہمیں ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیں، ہم نیک عمل کریں گے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے۔

"اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ"

(سورہ فاطر: ٣٧)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، صرف یہ نہیں کہ عمر دے کر تم کو ویسے ہی چھوڑ دیا، بلکہ تمہارے پاس ڈرانے والے تنبیہ کرنے والے بھیجتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام بھیجے، اور آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور وارثین تمہیں مسلسل جھنجوڑتے رہے، اور تمہیں غفلت سے بیدار کرتے رہے اور آکر یہ کہتے رہے کہ خدا کے لئے اس وقت کو کام میں لگا لو۔

ڈرانے والے کون ہیں؟

"ڈرانے والے" کی تفسیر مفسرین نے مختلف فرمائی ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین ہیں، جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد "سفید بال" ہیں یعنی جب سفید بال آگئے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آگیا، کہ اب وقت آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ، اور اب بھی اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو جاؤ، اور اپنے حالات کی اصلاح کر لو، اس لئے کہ "سفید بال" آگئے ہیں ــ اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر "پوتے" سے کی ہے "یعنی جب کسی کا پوتا پیدا ہو جائے، اور وہ دادا بن جائے، تو وہ پوتا ڈرانے والا ہے اس بات سے کہ بڑے میاں تمہارا وقت آنے والا ہے، اب ہمارے لئے جگہ خالی کرو۔

ملک الموت سے مکالمہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہو گئی۔ اس شخص نے ملک الموت سے شکایت کی آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے۔ تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے، کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہو گیا ہے، تم اس کی جواب دہی کے لئے تیاری کرو، لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں، بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں، بیٹھے بیٹھائے پہنچ گئے۔ اور روح قبض کر لی ـــ یہ کیا معاملہ ہے؟ ـــ ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا، لیکن میں کیا کروں۔ تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے، ارے جب تمہیں بخار آتا ہے۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہیں کوئی بیماری آتی ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ جب تمہارے سفید بال آتے ہیں۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہارے پوتے آتے ہیں۔۔ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ مگر تم کان ہی نہیں دھرتے ـــ

بہر حال، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو، اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ، خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے تمہیں جوانی دی ہے۔ صحت دی ہے، فراغت دی ہے اس کو کام میں لے لو اور جو کچھ کرنا ہے۔ اس وقت کر لو۔ عبادتیں اس وقت کر لو۔ اللہ کا ذکر اس وقت کر لو، اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ، پھر جب بیمار ہو جاؤ گے یا ضعیف ہو جاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا، اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

اس وقت اگر دل بھی چاہے گا کہ آخرت کا کچھ سامان کرلوں، لیکن اس وقت ممکن نہیں ہوگا۔ کر نہیں سکو گے۔

دو رکعت کی حسرت ہوگی

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعت نفل پڑھی، اور پھر سواری پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔ ساتھ میں جو حضرات تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی خاص آدمی کی قبر ہے۔ اس لئے یہاں اتر کر دو رکعت پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ حضرت، کیا بات ہے۔؟ آپ یہاں کیوں اترے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا عمل منقطع ہوچکا ہے، اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع اور مل جائے کہ ہم دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ اور ہماری نیکیوں میں اور ہمارے اعمال میں دو رکعت نفل کا اور اضافہ ہو جائے۔ لیکن اس حسرت کے باوجود ان کے پاس نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے رکھا ہے، اس لئے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس لئے میں نے اتر کر دو رکعت نفل پڑھ لیں۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ جن کو یہ فکر عطا فرمادیتے ہیں وہ اپنے ایک ایک لمحے کو اس طرح کام میں لاتے ہیں۔

نیکیوں سے میزان عمل بھر لو

یہ وقت کے لمحات بڑے قیمتی ہیں، اسی واسطے کہا گیا کہ موت کی تمنا نہ کرو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔

ارے جو کچھ فرصت اور مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمار کھی ہے، سب کچھ اسی میں ہونا

ہے۔ آگے جاکے کچھ نہیں ہوگا، اس لئے اس دنیا میں جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، اس کو غنیمت سمجھو، اور اس کو کام میں لے لو۔۔ مثلاً ایک لمحہ میں اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ دو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ "الحمد للہ" کہہ دیا تو اب میزان عمل کا پورا پلڑا بھر گیا، دیکھئے یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں۔ لیکن تم اس کو گنواتے پھر رہے ہو، خدا کے لئے اس کو اس کام میں استعمال کر لو۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۰۱۸)

حافظ ابن حجرؒ اور وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور بخاری شریف کے شارح ہیں، اور علم کے پہاڑ ہیں، عمل کے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنچایا تھا۔ آج انسان اس مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتا، عالم اور مصنف اور محدث کے نام سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت تصنیف کر رہے ہوتے تو کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہو جاتا۔۔ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، اور بار بار اس کا قط بنانا پڑتا تھا۔۔ تو اس کو چاقو سے دوبارہ درست کرنا پڑتا تھا۔ اور اس میں تھوڑا سا وقت لگتا تو یہ وقت بھی بیکار گزارنا گوارہ نہیں تھا، چنانچہ جتنا وقت قط لگانے میں گزرتا۔ اتنی دیر تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتے رہتے تھے۔ تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ جائے۔ اس لئے کہ جو وقت تصنیف کرنے میں گزر رہا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں گزر رہا ہے۔ لیکن جو چند لمحات ملے ہیں۔ اس کو کیوں ضائع کریں۔ اور اس میں تیسرا کلمہ پڑھ لیں۔ تاکہ یہ لمحات بھی بیکار نہ جائیں۔۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ وقت کی قدر پہچانیں۔

حضرت مفتی صاحب اور وقت کی قدر

آج ہمارے ماحول میں سب سے زیادہ بے قدر اور بے وقت چیز وقت ہے۔ اس کو جس طرح چاہا گنوا دیا۔ گپ شپ میں گزار دیا۔ یا فضولیات میں گزار دیا۔ یا بلاوجہ ایسے کام کے اندر گزار دیا جس میں نہ دنیا کا نفع نہ دین کا نفع ـــ میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتا ہوں، تاکہ کوئی لمحہ بیکار نہ گزرے۔ یا دین کے کام میں گزرے۔ یا دنیا کے کام میں گزرے۔ اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو وہ بھی بالآخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے ـــ اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی، لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں، کہ جب انسان بیت الخلا میں بیٹھا ہوتا ہے۔ تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کر سکتا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنا منع ہے۔ اور نہ کوئی اور کام کر سکتا ہے، اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں بیکاری میں گزرتا ہے۔ وہ بہت بھاری ہوتا ہے۔ کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت کے اندر میں بیت الخلا کے لوٹے کو دھو لیتا ہوں۔ تاکہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے، اور تاکہ جب بعد میں دوسرا آدمی آکر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور برا معلوم نہ ہو،

اور فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے، اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد یہ دس منٹ فلاں کام میں صرف کرنے ہیں، چنانچہ اس وقت میں وہ کام کر لیتا ہوں،

جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے، اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر سفر کے دوران بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں، اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جو سب کے لئے یاد رکھنے کا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرماتے تھے کہ

دیکھو،

کام کرنے کا بہترین گُر

جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا، یعنی جس کو اس انتظار میں رکھا کہ جب فرصت ملے گی تب کریں گے، وہ ٹل گیا۔ وہ کام پھر نہیں ہو گا۔ کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کر دو، تو وہ کام ہو جائیگا۔ میں تو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ... آپ کا فرمایا ہوا یہ جملہ ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے، اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ واقعی جس کام کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ فرصت ملے گی تو کریں گے، وہ کام کبھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ حوادث روزگار ایسے ہیں کہ پھر وہ موقع دیتے ہیں ہی نہیں، ہاں جس کام کی انسان کے دل میں اہمیت ہوتی ہے، انسان اس کام کو کر ہی گزرتا ہے، زبردستی کر لیتا ہے، چاہے وقت ملے یا نہ ملے ـــ

کیا پھر بھی نفس سستی کریگا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو، وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ سن لو، مثلاً تمہیں یہ خیال ہوا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے، یا نفل نماز پڑھیں گے، لیکن جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہو رہی ہے۔ اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو۔ اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے۔ اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ، یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ ـــ بتاؤ کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم یہ جواب دے دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا، اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے ـــ کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، بادشاہ کا

یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی کاہلی اور نیند دور ہو جائیگی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا، کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔

لہذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں ہے، اگر حقیقت میں واقعۃً اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے، اور بلکہ بستر پر پڑے رہتے، لہذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز، در عاجز، در عاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے لئے اتنا بھاگ رہے ہو لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضہ و قدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہ ہے چھیننے والا وہ ہے، اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے۔ تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ — اس تصور سے انشاء اللہ ہمت پیدا ہو گی، اور وہ وقت جو بیکار جارہا ہے۔ وہ انشاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا، ؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھو نگا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھو نگا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہو گا تو میں اپنی نظر نیچی کر لو نگا۔ اور یہ کام نہیں کرو نگا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو۔

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے۔ اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی

برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ: اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے۔ تمہارے دوست احباب ہونگے۔ اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائیگا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کر لے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے...... لہذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز واقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کر لو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

کل پر مت ٹالو

بہرحال، یہ حدیث جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی یہ بڑے کام کی حدیث ہے، اور لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، جو وقت اس وقت ملا ہوا ہے۔ اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اور یہ جو انسان سوچتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے، وہ کل پھر آتی نہیں، جو کام کرنا ہے۔ وہ ابھی اور آج ہی شروع کر دو، بلا تاخیر شروع کر دو۔ کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے۔ کیا پتہ کہ کل کو یہ

داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کیا پتہ کہ کل کو قدرت رہے یا نہ رہے۔ اور کیا پتہ کہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے، — اس لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"وَسَارِعُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ"

(سورہ آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہے۔

نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے

جلد بازی ویسے تو کوئی اچھی چیز نہیں۔ لیکن نیکی کے کام میں جلدی کرنا اور جس نیکی کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے، اس نیکی کو کر گزرنا، یہ اچھی بات ہے۔ اور "مسارعت" کے معنی ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، ریس کرو، مقابلہ کرو، اگر دوسرا آگے بڑھ رہا ہے تو میں اس سے اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور اسی کام کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ وقت عطا فرمایا ہے، اس حدیث کو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

آج ہم لوگوں نے اپنے آپ کو غفلت اور بے فکری میں مبتلا کیا ہوا ہے چوبیس گھنٹے کے سوچ بچار میں آخرت کی فکر اور آخرت کا دھیان بہت کم آتا ہے۔ غفلت میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں — اس مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

عن عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل وھو یعظہ: اغتنم خمسا قبل خمس، شبابك قبل ھرمك، وصحتك قبل سقمك وغناك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك وحیاتك قبل موتك"

(مشکاۃ کتاب الرقاق رقم ۵۹۸۷)۔

عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو، اور بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت سمجھو، اور اپنی مالداری کو محتاجی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو،

جوانی کی قدر کر لو

مطلب یہ ہے یہ پانچوں ایسی ہیں کہ ان کا خاتمہ ہونے والا ہے اس وقت جوانی ہے، لیکن جوانی کے بعد بڑھاپا آنے والا ہے، یہ جوانی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے، بلکہ یا تو اس کے بعد بڑھاپا آئیگا۔ یا موت آئیگی، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لئے اس بڑھاپے سے پہلے اس جوانی کو غنیمت سمجھو۔ یہ قوت اور توانائی، اور صحت اللہ تعالیٰ نے اس وقت عطا فرمائی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اچھے کام میں لگا لو ــــ بڑھاپے میں تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اس وقت کیا کرو گے جب ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکو گے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ۔

وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ کھا ہی نہیں سکتا، طاقت ہی نہ رہی، اب کس کو کھائیگا۔ ارے جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، اس لئے فرمایا کہ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو

اس وقت صحت ہے، لیکن یاد رکھو، کوئی انسان دنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ صحت کے بعد اس کو بیماری نہ آئے۔ بیماری ضرور آئیگی۔ لیکن پتہ نہیں کب آجائے، اس لئے اس سے پہلے اس موجودہ صحت کو غنیمت سمجھ لو۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت اور مالداری عطا فرمائی ہے، کچھ پتہ نہیں کہ یہ کب تک کی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے حالات بدل گئے ہیں، اچھے خاصے امیر کبیر تھے، مگر اب فقیر ہوگئے۔ خدا جانے کب کیا حال پیش آجائے، اس وقت کے آنے سے پہلے اس مالداری کو غنیمت سمجھو اور اس کو اپنی آخرت سنوارنے کے لئے استعمال کرلو۔

اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی فرصت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں گے، کبھی نہ کبھی مشغولی ضرور آئیگی۔ اس لئے اس فرصت کو صحیح کام میں لگالو۔ اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

صبح کو یہ دعائیں کرلو

اور اس زندگی کے اوقات کو کام میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا نظام الاوقات بناؤ، اور پھر اس کا جائزہ لو کہ میں کیا کیا کر رہا ہوں، اور میں اعمال خیر کے اندر کیا کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔ ان کا اضافہ کرو۔ اور میں کن کن گناہوں کے اندر مبتلا ہوں ان کو چھوڑو، اور صبح کو نماز پڑھ کے یہ دعا مانگا کرو کہ یا اللہ یہ دن آنے والا ہے میں باہر نکلوں گا۔ خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ یا اللہ میں اس کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آج کے دن کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناؤں گا، اے اللہ، مجھے اس کی توفیق عطا فرما۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کو یاد کرلینا چاہئے، اور صبح کو وہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئے، چنانچہ آپ دعا فرماتے:

اللھم انی اسألک خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہ

اللھم انی اعوذبک من شر ما فی ھذا الیوم وشر ما بعدہ۔

(ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء لذااصبح۔)

اللھم انی اسألک خیر ھذا الیوم وفتحہ ونصرہ ونورہ وبرکتہ وھداہ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح، حدیث نمبر ۴۹۲۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ایسی دعائیں بتا گئے کہ دین و دنیا کی کوئی حاجت نہیں چھوڑی، جن کو یہ دعائیں یاد ہوں، وہ صبح کے وقت ان دعاؤں کو پڑھ لے۔ اور جن کو یہ دعائیں یاد نہ ہوں، وہ اردو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لے کہ یا اللہ، یہ دن شروع کر رہا ہوں، اور یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو صحیح استعمال کروں گا، غلط استعمال اور بے فائدہ ضائع کرنے سے بچاؤں گا، میں تو ارادہ کر رہا ہوں، لیکن یا اللہ، میں کیا، اور میرا ارادہ کیا، میرا عزم کیا۔ میری ہمت اور میرے حوصلے کی کیا حقیقت ہے، عزم دینے والے بھی آپ ہیں، ہمت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں۔ آپ ہی اپنے فضل سے مجھے ایسے راستے پر لگا دیجئے، ایسے حالات پیدا فرما دیجئے کہ میں اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو آپ کی مرضی کے مطابق صرف کر دوں ــــ بس صبح اٹھ کر روزانہ یہ دعا مانگ لیا کرو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس دن کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچالیں گے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری کے دو قول نقل فرماتے ہیں:

عن الحسن رحمه الله تعالى انه كان يقول: ادركت اقواما كان احدهم اشح على عمره منه على دراهمه ودنانيره
وعن الحسن انه كان يقول: ابن آدم، اياك والتسويف فانك بيومك ولست بغد، وان يكن غد لك فكس في غد كما كست في اليوم والا يكن لك لم تندم على ما فرطت في اليوم.

(کتاب الزہد والرقائق ص ۳)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور ہمارے مشائخ اور طریقت کے جتنے سلسلے ہیں۔ ان سب کی انتہا حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ پر ہوتی ہے، یعنی ابتداء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس کے بعد

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چنانچہ جو حضرات شجرہ پڑھتے ہیں، ان کو معلوم ہوگا کہ اس میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آتا ہے۔ اس طرح ہم سب ان کے احسان مند ہیں۔ ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں، اس لئے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے۔ وہ انہی بزرگوں کے واسطے سے عطا فرمایا ہے، بہر حال یہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کے دو قول نقل کئے ہیں، پہلے قول میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے۔ "لوگوں" سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں، اس لئے ان کے اساتذہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے اور ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جن کا اپنے عمر کے لحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراھم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا۔ یعنی جس طرح عام آدمی کی طبیعت سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے۔ تو وہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے۔ اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے۔ تاکہ کہیں چوری نہ ہو جائے، یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لحات کی حفاظت کرتے تھے، اس لئے کہ زندگی کا ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بیکار کام میں، یا ناجائز کام میں، یا غلط کام میں صرف ہو جائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حد حساب نہیں، اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

دو رکعت نفل کی قدر

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت صحابہ جو ساتھ تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت نفل کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو۔ اور ان کو تم بہت معمولی سمجھتے ہو۔ لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں دو منٹ اور مل جاتے تو میں اس میں دو رکعت نفل اور پڑھ لیتا۔ اور اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

مقبرے سے آواز آرہی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے۔ جو اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے۔ "مقبرے کی آواز" جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے۔ چنانچہ وہ نظم اس طرح شروع کی ہے:

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر، ہم پر گزرنے والے سن

ہم بھی ایک دن زمیں پر چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبان حال سے اپنی داستان سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے ایک فرد تھے۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا، اس میں سے ایک ذرہ بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہو گئی تھی۔ وہ تو ساتھ آگیا، لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہ

آئی۔ اس لئے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آکر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر دے، اور اے گزرنے والے، تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں۔ جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

صرف "عمل" ساتھ جائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے کیا عجیب و غریب انداز ہیں۔ کس کس طریقے سے اپنی امت کو سمجھایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مردے کو قبرستان لے جایا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے عزیز و اقارب، اور رشتہ دار، جو اس کو چھوڑنے کیلئے قبر تک جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا مال، مثلاً چارپائی، کفن وغیرہ۔ اور تیسرے اس کا عمل، اور پھر پہلی دو چیزیں۔ یعنی رشتہ دار، اور مال قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد واپس آجاتے ہیں۔ لیکن آگے جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ صرف اس کا عمل ہے۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت)

کسی نے خوب کہا ہے ۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

وہاں کوئی نہیں جائے گا۔ بہرحال اس "مقبرے کی آواز" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سبق دیا کہ جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرو، ذرا سی دیر کیلئے یہ سوچ لیا کرو کہ یہ بھی ہماری طرح ایک انسان تھا۔ اور ہماری طرح اس کو بھی زندگی میسر تھی۔ اس کا بھی مال تھا، دولت تھی۔ اس کے بھی عزیز و رشتہ دار تھے۔ اس کے بھی چاہنے والے تھے۔ اس کی بھی خواہشات تھیں۔ اس کے بھی جذبات تھے، مگر آج وہ سب رخصت ہو چکیں، ہاں اگر کوئی چیز اس کے ساتھ ہے۔ تو وہ صرف اس کا عمل ہے۔ اور اب یہ چند لمحات کو ترس رہا ہے کہ اگر چند لمحات مجھے مل جائیں تو میں اپنی نیکیوں میں اضافہ کر لوں۔

موت کی تمنامت کرو

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی موت کی تمنانہ کرو، چاہے تم کتنی ہی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ہو، اس وقت بھی یہ دعانہ کرو کہ یا اللہ، مجھے موت دے دے۔ اس لئے کہ اگرچہ تم تکلیفوں میں گھرے ہوئے ہو۔ لیکن عمر کے یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں۔ اس میں پتہ نہیں کہ کس وقت کس نیکی کی توفیق ہو جائے۔ اور پھر اس نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ کے یہاں بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کبھی موت کی تمنانہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، یہ دعا کرو کہ یا اللہ، آپ نے زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ ان کو نیک کاموں میں اور اپنی رضا کے کاموں میں صرف فرما دے۔

حضرت میاں صاحب کا کشف

حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے، اور بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے میرے استاد مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم سوات میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب قدس اللہ سرہ حج سے واپس تشریف لائے، ہم اس وقت طالب علم تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، طلبہ میں سے ایک طالب علم نے کہا میاں صاحب حج کر کے آئے ہیں۔ چلو ان کے یہاں جاکر کھجوریں کھائیں گے۔ گویا کہ اس نے حضرت میاں صاحب کے پاس جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہاں کھجوریں ملیں گی، ہمیں یہ بات بری لگی کہ یہ طالب علم میاں صاحب کے پاس صرف کھجور کھانے کیلئے جانا چاہتا ہے، حالانکہ وہ تو اتنے بڑے بزرگ ہیں اور حج کر کے آئے ہیں ان سے تو جاکر دعائیں لینی چاہئے۔ چنانچہ ہم چھ سات طلبہ ان سے ملاقات کیلئے چلے۔ جب میاں صاحب کے گھر پہنچے اور ان کو جاکر سلام کیا تو میاں صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ صاحب تو کھجوریں کھانے آئے ہیں، ان کو تو کھجوریں دے کر

رخصت کر دو۔ اور باقی طلبہ کو اندر بلا لو۔ ایسے صاحب کشف بزرگ تھے۔

زیادہ باتوں سے بچنے کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی شفیع صاحب آج ہم آپس میں عربی میں بات کریں گے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ آج تک تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج معلوم نہیں کیا بات ہو گئی، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ کوئی وجہ تو بتایئے؟ فرمایا کہ جب ہم آپس میں بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات فضول ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ زبان قابو میں نہیں رہتی، اور (عربی) بے تکلف عربی تم بول سکتے ہو، اور نہ میں بول سکتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صرف ضرورت کی بات ہو گی، بے ضرورت بات نہ ہو گی،

ہماری مثال

پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت مال و دولت، سونا چاندی لیکر سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اور پھر وہ سارا مال و دولت اور سونا چاندی راستے میں خرچ ہو گیا۔ اور اب صرف چند سکے باقی رہ گئے۔ اور سفر لمبا ہے۔ اس لئے اب ان چند سکوں کو بہت دیکھ بھال کر بہت احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔ تاکہ وہ سکے بے جا خرچ نہ ہو جائیں — پھر فرمایا کہ ہماری بہت بڑی عمر تو بہت سے فضول کاموں میں گزر گئی۔ اور اب چند لمحات باقی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کسی بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں — یہ وہی بات ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی — حقیقت یہ ہے کہ دیو بند میں اللہ تعالیٰ نے جو علماء پیدا فرمائے تھے انہوں نے صحابہ کرام کی یادیں تازہ کر دیں۔

حضرت تھانوی اور وقت کی قدر

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ ــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ــ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے، اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں ــ ایک دن آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ بھائی۔ مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ۔ چنانچہ بلایا گیا، جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ "احکام القرآن" لکھ رہے ہیں، مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے، اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے، اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے آپ کو اس لئے بتا دیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلے کو بھی لکھ لیجئے گا یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ صاحب آ گئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے۔ اور حضرت تھانوی" سے بھی بے تکلف تھے۔ انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت، ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ خدا کیلئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں ۔ ان کے جواب میں حضرت والا نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ:

> وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں، اگر کسی کی خدمت کے اندر عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

حضرت تھانوی اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لیکر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا، یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس

تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے پاس عصر کے بعد عدل و انصاف کے ساتھ ان کی خیرو خبر لینے کیلئے اور ان سے بات چیت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی، حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کیلئے تشریف لے جاتے تھے، اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ اب دیکھئے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جہاد بھی ہو رہے ہیں، تعلیم بھی ہو رہی ہے۔ تدریس بھی ہو رہی ہے۔ دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ اور ساتھ میں ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی دل جوئی بھی ہو رہی ہے۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا۔ اور اسی اتباع سنت میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ لیکن وقت مقرر تھا۔ مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ اور پندرہ منٹ دوسری بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے۔ اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہو جائیں۔ یا چودہ منٹ ہو جائیں، بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تک دونوں کے پاس تشریف رکھتے، تول تول کر، ایک منٹ کا حساب رکھ کر خرچ کیا جا رہا ہے۔

دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت دی ہے، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اور یہ دولت جا رہی ہے۔ یہ پگھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا کہ:

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

جس طرح برف ہر لمحے پگھلتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پگھل رہی ہے، اور جا رہی ہے۔

"سال گرہ" کی حقیقت

جب عمر کا ایک سال گزر جاتا ہے تو لوگ سالگرہ مناتے ہیں۔ اور اس میں اس بات کی بڑی خوشی مناتے ہیں۔ کہ ہماری عمر کا ایک سال پورا ہو گیا، اور اس میں موم بتیاں جلاتے ہیں۔ اور کیک کاٹتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ اس پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے۔ وہ یہ کہ:

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

"عقدہ" بھی عربی میں "گرہ" کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گرہ میں زندگی کے جو برس دیئے تھے، اس میں ایک اور کم ہو گیا۔ ارے یہ رونے کی بات ہے۔ یا خوشی کی بات ہے؟ یہ تو افسوس کرنے کا موقع ہے کہ تیری زندگی کا ایک سال اور کم ہو گیا۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ خود کہا کرتے تھے۔ اور اس کا نام رکھتے "مرثیہ عمر رفتہ" یعنی گزری ہوئی عمر کا مرثیہ، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا، وہ اب واپس آنے والا نہیں، اس لئے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے، بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کس طریقے سے کام میں لگ جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے، اس کو جہاں چاہا، کھو دیا، اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے، دن، مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ۔ نہ دین کا فائدہ۔

کاموں کی تین قسمیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں کچھ نفع اور فائدہ ہے، چاہے دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا فائدہ ہو، دوسرے وہ کام ہیں۔ جو مضرت والے اور نقصان دہ ہیں۔ ان میں یا تو دین کا نقصان ہے۔ یا دنیا کا نقصان ہے، اور تیسرے وہ کام ہیں۔ جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے، نہ دنیا کا نفع، نہ دین کا نفع، نہ دنیا کا نقصان، نہ دین کا نقصان، بلکہ فضول کام ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے جو نقصان دہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے۔ اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے۔ جس میں نہ نقصان ہے، اور نہ نفع ہے، وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں۔ اس لئے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو۔ جس میں کوئی نفع نہیں ہے، حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے۔ جس میں نفع ہو، تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا۔ اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔

یہ بھی حقیقت میں بڑا نقصان ہے

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ فرض کریں کہ ایک شخص ایک جزیرے میں گیا، اور اس جزیرہ میں ایک سونے کا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے کے مالک نے اس شخص سے کہا کہ جب تک تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اس وقت تک تم اس میں سے جتنا سونا چاہو۔ نکال لو۔ وہ سونا تمہارا ہے۔ لیکن ہم کسی بھی وقت تمہیں اچانک سونا نکالنے سے منع کر دیں گے، کہ بس اب اجازت نہیں۔ البتہ ہم تمہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ کس وقت تمہیں سونا نکالنے سے منع کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تمہیں جبراً اس جزیرے سے نکلنا پڑے گا۔ کیا وہ شخص کوئی لمحہ ضائع کرے گا؟ کیا وہ شخص یہ سوچے گا کہ ابھی تو بہت وقت ہے۔ پہلے تھوڑی سی تفریح کر کے آجاؤں۔ پھر سونا نکال لوں گا۔ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یہ کوشش کرے گا کہ اس میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ سونا نکال سکتا ہوں۔ وہ نکال لوں۔ اس لئے کہ جو سونا نکال لوں گا۔ وہ میرا ہو جائے گا۔ اب اگر وہ شخص سونا نکالنے کے

بجائے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ تو بظاہر اس میں تو نہ نفع ہے۔ نہ نقصان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا نقصان ہے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ جو بہت بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ وہ صرف اپنی غفلت سے چھوڑ دیا۔

ایک تاجر کا انوکھا نقصان

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک تاجر آیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک مرتبہ وہ آکر کہنے لگے کہ حضرت کیا عرض کروں، کوئی دعا فرمادیں، بہت سخت نقصان ہو گیا ہے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا دکھ ہوا کہ یہ بیچارہ پتہ نہیں کس مصیبت کے اندر گرفتار ہو گیا، پوچھا کہ کتنا نقصان ہو گیا، اس نے کہا کہ حضرت، کروڑوں کا نقصان ہو گیا، والد صاحب نے فرمایا کہ ذرا تفصیل تو بتاؤ کہ کس قسم کا نقصان ہوا؟ کس طرح ہوا؟ جب انہوں نے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کا ایک سودا ہونے والا تھا۔ وہ نہیں ہو پایا۔ بس اس کے علاوہ جو لاکھوں پہلے سے آرہے تھے۔ وہ اب بھی آرہے ہیں۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، لیکن ایک سودا جو ہونے والا تھا۔ وہ نہیں ہوا۔ اس کے نہ ہونے کے بارے میں جتایا کہ یہ بہت زبردست نقصان ہو گیا۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس شخص نے نفع نہ ہونے کو نقصان سے تعبیر کر دیا۔ یعنی جس نفع کی توقع تھی۔ وہ نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑا نقصان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بیان کے بعد والد صاحب فرماتے کہ کاش کہ یہ بات وہ دین کے بارے میں بھی سوچ لیتا، کہ اگر میں اس وقت کو ڈھنگ کے کام میں لگاتا۔ تو اس کے ذریعہ دین کا اور آخرت کا اتنا بڑا فائدہ ہوتا، وہ رہ گیا، جس کی وجہ سے یہ نقصان ہو گیا۔

ایک بنیے کا قصہ

ایک بات ہے تو ہنسی کی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ سمجھنے والی عقل دے تو اس میں

سے بھی کام کی باتیں نکلتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ جو مشہور حکیم ہیں۔ انہوں نے ایک دن یہ قصہ سنایا کہ ایک بنیا عطار تھا۔ جو دوائیں بیچا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ دوکان پر بیٹھتا تھا۔ ایک دن اس کو کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا۔ مجھے ذرا ایک کام سے جانا ہے، تو ذرا دوکان کی دیکھ بھال کرنا۔ اور احتیاط سے سودا وغیرہ فروخت کرنا، بیٹے نے کہا کہ بہت اچھا۔ اور اس بنیے نے اپنے بیٹے کو ہر چیز کی قیمت بتادی کہ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ یہ کہہ کر وہ بنیا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گاہک آیا۔ اور شربت کی دو بوتلیں اس نے خریدیں۔ بیٹے نے وہ دو بوتلیں سو سو روپے کی فروخت کر دیں، تھوڑی دیر کے بعد جب باپ واپس آیا تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ کیا کیا بکری ہوئی؟ بیٹے نے بتادیا کہ فلاں فلاں چیزیں بیچ دیں۔ اور یہ دو بوتلیں بھی بیچ دیں۔ باپ نے پوچھا کہ یہ بوتلیں کتنے میں بیچیں؟ بیٹے نے کہا کہ سو سو روپے کی بیچ دیں۔ یہ جواب سن کر باپ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور بیٹے سے کہا کہ تم نے تو میرا کباڑہ کر دیا۔ یہ بوتلیں تو دو دو ہزار کی تھیں، تو نے سو سو روپے کی بیچ دیں! بڑا ناراض ہوا۔ اب بیٹا بھی بڑا رنجیدہ ہوا کہ افسوس، میں نے باپ کا اتنا بڑا نقصان کر دیا۔ اور بیٹھ کر رونے لگا۔ اور باپ سے معافی مانگنے لگا کہ ابا جان، مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ کا بہت بڑا نقصان کرا دیا۔ جب باپ نے یہ دیکھا کہ یہ بہت ہی رنجیدہ غمگین اور پریشان ہے۔ تو اس نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا، اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ تو نے یہ بوتلیں سو سو روپے کی بیچیں۔ اس سو روپے میں سے اٹھانوے روپے اب بھی نفع کے ہیں۔ باقی اگر تم زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے تو ایک بوتل پر دو ہزار روپے مل جاتے، بس یہ نقصان ہوا، باقی گھر سے گیا کچھ نہیں۔

بہرحال، تاجر کو اگر نفع نہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ بہت نقصان ہے تو بھائی۔ جب دنیا کی تجارت میں یہ اصول ہے کہ نفع نہ ہونا نقصان ہے۔ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کے بارے میں یہ سوچ لو اگر یہ لمحات زندگی ایسے کام میں لگا دیئے جس میں نفع نہیں ہوا۔ تو حقیقت میں یہ بھی نقصان ہے۔ نفع کا سودا نہیں۔ بلکہ نقصان کا سودا ہے۔ اس لئے کہ اگر تم چاہتے تو اس سے آخرت کا بہت بڑا نفع حاصل کر لیتے۔ اس

طرح اپنی زندگی گزار کر دیکھو۔

موجودہ دور اور وقت کی بچت

اور یہ بھی ذرا سوچا کرو کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اس دور میں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور ایسی ایسی نعمتیں ہمیں دے دیں کہ جو ہمارے آباء واجداد کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی چیز پکانی ہوتی تو پہلے لکڑیاں لائی جائیں۔ پھر ان کو سکھایا جائے۔ پھر ان کو سلگایا جائے، اب اگر ذرا سی چائے بھی بنانی ہے تو اس کے لئے آدھا گھنٹہ چاہئے۔ اب الحمد للہ۔ گیس کے چولھے ہیں، اس کا ذرا سا کان مروڑا، اور دو منٹ کے اندر چائے تیار ہو گئی، اب صرف چائے کی تیاری پر اٹھائیس منٹ بچے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر روٹی پکانی ہے تو پہلے گندم آئے گا۔ اس کو چکی میں پیسا جائے گا۔ پھر آٹا گوندیں گے۔ پھر جا کر روٹی پکے گی۔ اب ذرا سا بٹن دبایا، اب مسالہ بھی تیار ہے۔ آٹا بھی تیار ہے، اس کام میں بھی بہت وقت بچ گیا۔ اب بتاؤ یہ وقت کہاں گیا؟ کس کام میں آیا؟ کہاں صرف ہوا؟ لیکن اب بھی خواتین سے کہا جائے کہ فلاں کام کر لو۔ تو جواب ملتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں یہ تمام کام کرنے کے باوجود خواتین کو عبادت کی بھی فرصت تھی۔ تلاوت کی بھی فرصت تھی۔ ذکر کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اللہ کو یاد کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان نئے آلات کی نعمت عطا فرما دی تو اب ان خواتین سے پوچھا جائے کہ تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے۔؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا کریں، گھر کے کام دھندوں سے فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں سفر یا تو پیدل ہوتا تھا۔ یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد تانگوں اور سائیکلوں پر ہونے لگا۔ اور جس مسافت کو قطع کرنے میں مہینوں صرف ہوتے تھے۔ اب گھنٹوں میں وہ مسافت قطع ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے گزشتہ کل میں اس وقت مدینہ منورہ میں تھا۔ اور کل ظہر، عصر، مغرب، عشاء چاروں نمازیں مدینہ طیبہ میں ادا کیں۔ اور آج جمعہ کی نماز یہاں آ کر ادا کر لی۔ پہلے کوئی شخص کیا یہ تصور کر سکتا تھا۔ کہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے اگلے دن واپس لوٹ آئے۔ بلکہ پہلے تو اگر کسی کو حرمین شریفین کے سفر پر جانا ہوتا تو لوگوں سے اپنی خطائیں معاف کرا کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ مہینوں کا

سفر ہوتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے سفر کو اتنا آسان فرمادیا ہے کہ آدمی چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جو سفر پہلے ایک مہینے میں ہوتا تھا۔ تو اب ایک دن میں ہو گیا۔ اور انتیس دن بچ گئے۔ اب اس کا حساب لگاؤ کہ وہ انتیس دن کہاں گئے؟ اور کس کام میں صرف ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ وہ انتیس دن ضائع کر دیئے اور اب بھی وہی حال ہے کہ فرصت نہیں۔ وقت نہیں۔ کیوں وقت نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لئے عطا فرمائی تھیں کہ وقت بچا کر مجھے یاد کرو۔ اور میری طرف رجوع کرو۔ اور آخرت کی تیاری کرو۔ اور اس کی فکر کرو۔

شیطان نے ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا

شیطان نے یہ سوچا کہ یہ جو وقت بچ گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی یاد میں صرف ہو جائے۔ اس لئے اس نے اور دھندے نکال دے۔ مثلاً اس نے ہم لوگوں کو ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا۔ اور یہ خیال دل میں ڈالا کہ گھر میں فلاں چیز ہونی چاہئے۔ اور فلاں چیز ہونی چاہئے۔ اور اب چیز کی خریداری کیلئے پیسے بھی ہونے چاہئیں اور پیسے کمانے کیلئے فلاں کام کرنا چاہئے۔ تو اب ایک نیا دھندا شروع ہو گیا۔ آج ہم سب اس کے اندر مبتلا ہیں۔ سب ایک کشتی کے سوار ہیں، مل کر بیٹھ گئے تو اب گپ شپ ہو رہی ہے۔ اور ایک بیکار کام میں وقت گزر رہا ہے۔ اس وقت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ یہ سب وقت کو ضائع کرنے والے کام ہیں۔

خواتین میں وقت کی ناقدری

وقت ضائع کرنے اور ٹیپ ٹاپ کا مرض خاص طور پر خواتین میں بے انتہا پایا جاتا ہے۔ جو کام ایک منٹ میں ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک گھنٹہ صرف کریں گی۔ اور جب آپس میں بیٹھیں گی تو لمبی لمبی باتیں کریں گی۔ اور جب باتیں لمبی ہوں گی تو اس میں غیبت بھی ہوگی۔ جھوٹ بھی نکلے گا۔ کسی کی دل آزاری بھی ہو جائے گی۔ خدا جانے کن کن گناہوں کا ارتکاب اس گفتگو میں شامل ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے۔ جو اپنے لمحات زندگی کو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔

بدلہ لینے میں کیوں وقت ضائع کروں۔

یہ قصہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ ایک شخص اولیاء کی نسبت معلوم کرنے کیلئے نکلے۔ ایک بزرگ سے ملاقات کی۔ اور ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تین بزرگ ذکر کرتے ہوئے ملیں گے۔ تم جاکر پیچھے سے ان تینوں کو ایک ایک دھول رسید کر دینا۔ وہ صاحب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ واقعہ تین بزرگ ذکر میں مشغول ہیں۔ اس نے پیچھے سے جاکر ایک بزرگ کو دھول رسید کر دی۔ تو ان بزرگ نے مڑکر بھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے ذکر کے اندر مشغول رہے۔ کیوں؟ کہ اس لئے کہ ان بزرگ نے یہ سوچا کہ جتنی دیر میں میں پیچھے مڑکر دیکھوں گا کہ کس نے دھول مارا ہے۔ اور اس سے بدلہ لوں گا۔ اتنی دیر میں تو میں کئی بار "سبحان اللہ" کہہ لوں گا، اور اس سے جو مجھے فائدہ ہو گا بدلہ لینے سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی۔ اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے۔ بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے۔ اور اس سے کہتے کہ تم خود ہی اس میں سے پیسے نکال لو۔ اس لئے کہ اگر میں نکالوں گا۔ اور اس کو گنوں گا۔ تو وقت لگے گا۔ اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پیسوں کی تھیلی اٹھائے ہوئے جارہے تھے۔ کہ پیچھے سے ایک اچکا آیا۔ اور وہ تھیلی چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت میاں جی نور محمد نے مڑکر بھی

اس کو نہیں دیکھا کہ کون لے گیا۔ اور کہاں گیا۔ اور گھر واپس آگئے، کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے سوچا کہ کون اس چکر میں پڑے کہ اس کے پیچھے بھاگے۔ اور اس کو پکڑے، بس اللہ اللہ کرو، ۔۔ بہر حال ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو کیوں ایسے کاموں میں صرف کریں جس میں آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے

در حقیقت یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل تھا۔ جب میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ مگر چونکہ بزرگوں سے اس حدیث کی تشریح بھی سنی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ بے تابی نہیں ہوتی۔ لیکن بہر حال، یہ بڑی عبرت کی حدیث ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میری ایک جھونپڑی تھی۔ حدیث میں لفظ "خص" آیا ہے۔ "خص" عربی میں جھونپڑی کو کہتے ہیں۔ اس جھونپڑی میں میں کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے ایک روز میں اس جھونپڑی کی مرمت کر رہا تھا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا کہ:

«خص لنا وهي فنحن نصلحه»

یا رسول اللہ ہم تو اپنی جھونپڑی کو ذرا درست کر رہے ہیں آپ نے فرمایا:

ما ارى الامر الا اعجل من ذلك

بھائی، معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ یہ پتہ نہیں کب ختم ہو جائیں۔ اور موت آجائے۔ اور آخرت کا عالم شروع ہو جائے۔ یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں یہ بڑی جلدی کا وقت ہے۔ اس میں تم یہ کوا اپنے گھر کی مرمت کا فضول کام لے بیٹھے؟

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء في البناء، حدیث نمبر ۵۲۳۶)

اب دیکھئے کہ وہ صحابی کوئی بڑا عالیشان مکان نہیں بنا رہے تھے۔ یا اس کی تزئین اور آرائش کا کام نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ صرف اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔۔

حضرات علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو اس کام سے منع نہیں فرمایا کہ تم یہ کام مت کرو۔ یہ کام گناہ ہے۔ اس لئے کہ وہ کام گناہ نہیں تھا۔ مباح اور جائز تھا۔ لیکن آپ نے ان صحابی کو اس طرف توجہ دلادی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ساری توجہ، سارا دھیان، ساری کوشش اور ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کے اردگرد ہو کر رہ جائے۔

بہر حال، اگر ہم سو فیصد ان بزرگوں کی اتباع نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کرلیں کہ ہم جو فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ اس سے بچ جائیں۔ اور اپنے لمحات زندگی کو کام میں لگائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس ذکر کی بدولت زندگی کے ایک ایک لمحے کو آخرت کی تیاری کیلئے صرف کر سکتا ہے۔ چل رہا ہے۔ پھر رہا ہے۔ مگر زبان پر اللہ جل جلالہ کا ذکر جاری ہے۔ اور ہر کام کرتے وقت اپنی نیت درست کر لو تو یہ وقت بے مصرف اور بیکار ضائع نہیں ہو گا۔

حضور کا دنیا سے تعلق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو بستر پر سوتے تو آپ کے جسم اطہر پر نشان پڑ جایا کرتے تھے، تو ایک مرتبہ میں نے آپ کے بستر کی چادر کو دھرا کر کے بچھا دیا۔ تاکہ نشان نہ پڑیں۔ اور زیادہ آرام ملے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ، اس کو دھرا مت کیا کرو۔ اس کو اکہرا ہی رہنے دو۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار کی آرائش کیلئے ایک پردہ لٹکا دیا تھا۔ جس پر تصویریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہو گا جب تک یہ پردہ نہیں ہٹا دو گی۔ اس لئے کہ اس میں تصویر ہے۔

اور ایک مرتبہ زینت اور آرائش کیلئے ایسا پردہ لٹکایا جس میں تصویر تو نہیں تھی۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ:

مالی والدنیا۔ ما انا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔
ارے، میرا دنیا سے کیا کام، میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے۔ جو کسی درخت کی چھاؤں میں تھوڑی دیر کیلئے سایہ لیتا ہے۔ اور پھر اس سایہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے ۔ میرا تو یہ حال ہے ۔ بہر حال، امت کو ان چیزوں سے منع تو نہیں کیا۔ لیکن اپنے عمل سے امت کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے اندر زیادہ دل نہ لگاؤ۔ اس پر زیادہ وقت صرف نہ کرو۔ اور آخرت کی تیاری میں لگو۔

(ترمذی۔ کتاب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۷۸)

دنیا میں کام کا اصول

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اعمل لدنیاک بقدر بقائک فیھا۔ واعمل لآخرتک بقدر بقائک فیھا

یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کرو۔ جتنا دنیا میں رہنا ہے، اور آخرت کیلئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ہمیشہ تو آخرت میں رہنا ہے۔ لہذا اس کے لئے کام زیادہ کرو۔ اور دنیا میں چونکہ کم رہنا ہے۔ اس لئے اس کے لئے کام کم کرو۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ اتنی اونچی پرواز نہ سہی کہ ہم حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقام تک یا ان دوسرے بزرگوں کے مقامات تک پہنچ جائیں۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ دنیا سے دل لگا کر آخرت سے غافل اور بے پرواہ تو نہ ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی کے اوقات کو کسی طرح آخرت کے کام کیلئے استعمال کر لو۔

وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ

اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو کام کر لو۔ ایک یہ کہ ہر کام کے اندر نیت کی درستی اور اس کے اندر اخلاص ہو کہ جو کام بھی کروں گا۔ اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ مثلاً کھاؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کھاؤں گا۔ کماؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کماؤں گا۔ گھر

میں اگر اپنی بیوی بچوں سے باتیں کروں گا تو اللہ کی رضا کی خاطر کرونگا، اور اتباع سنت کی نیت سے کرونگا۔۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہو۔۔ اس میں کیا خرچ ہوتا ہے کہ آدمی چلتے پھرتے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتا رہے۔ کیا اس کے پڑھنے میں کوئی محنت لگتی ہے؟ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ یا زبان گھس جاتی ہے؟ لیکن اگر انسان یہ ذکر کرتا رہے تو اس کے لمحات زندگی کام میں لگ جائیں گے۔

اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ

تیسرے یہ کہ فضولیات سے اجتناب کرو۔ اور اوقات کو ذرا تول تول کر خرچ کرو۔ اور اس کیلئے ایک نظام الاوقات بناؤ۔ اور پھر اس نظام الاوقات کے مطابق زندگی گزارو۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر تاجر اپنا چٹھا تیار کرتا ہے۔ کہ کتنا روپیہ آیا تھا اور کتنا خرچ ہوا۔ اور کتنا نفع ہوا؟ اسی طرح تم بھی اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے تھے۔ اس میں سے کتنا وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف ہوا؟ اور کتنا وقت غلط کاموں میں صرف ہوا۔ اس طرح اپنے نفع اور نقصان کا حساب لگاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجارت خسارے میں جارہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"یاایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم
تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم"
(سورۃ الصف: ۱۰)

اے ایمان والو۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات عطا کردے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھو۔ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

یہ بھی جہاد ہے

لوگ "جہاد" کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آدمی تلوار اور بندوق لیکر میدان جہاد میں جائے، بیشک وہ جہاد کا ایک اعلیٰ فرد ہے، لیکن جہاد اس میں منحصر نہیں۔ جہاد کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنی خواہشات سے جہاد کرے، اپنے جذبات سے جہاد کرے۔ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی جذبہ پیدا ہو رہا ہے تو اس کو روکے، یہ بھی جہاد ہے۔ اور آخرت کی تجارت ہے۔ جس کا نفع اور فائدہ آخرت میں ملنے والا ہے۔ اور میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص اپنا نظام الاوقات نہیں بناتا اور اپنے اوقات کا حساب نہیں رکھتا کہ کہاں خرچ ہو رہے ہیں۔ درحقیقت آدمی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نیک کام کو مت ٹلاؤ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

ابن آدم ایاک والتسویف

اے آدم کے بیٹے۔ ٹال مٹول سے بچو۔ یعنی انسان کا نفس ہمیشہ نیک عمل کو ٹالتا رہتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے۔ پرسوں سے کریں گے۔ ذرا فرصت ملے گی تو کرلیں گے۔ ذرا فلاں کام سے فارغ ہو جائیں تو پھر کریں گے۔ یہ ٹلانا اچھا نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی نیک کام کو مت ٹلاؤ۔ اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کام کیلئے اہتمام کرے۔

دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے

میرے ایک استاذ نے اپنا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے شکایت کی

کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے ہی نہیں۔ نہ رابطہ رکھتے ہیں۔ اور نہ خط لکھتے ہیں۔ تو میں جواب میں کہا کہ حضرت، فرصت نہیں ملتی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو، جس چیز کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فرصت نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اور اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔ کیونکہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے۔ آدمی اس کام کیلئے وقت اور فرصت زبردستی نکال ہی لیتا ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کام اس لئے نہیں کیا کہ فرصت نہیں ملی۔ تو مطلب یہ ہے کہ اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔

اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے

ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ جب آدمی کے پاس بہت سارے کام جمع ہو جائیں۔ تو اب ظاہر ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک ہی کام کرے گا۔ یا اسے کرے گا۔ یا اسے کرے گا۔ سب کام تو ایک ساتھ کر نہیں سکتا۔ تو اس وقت آدمی اسی کام کو پہلے کرے گا۔ جس کی اہمیت دل میں زیادہ ہو گی۔ یا ایک شخص ایک کام کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی دوسرا کام آ گیا۔ جو پہلے کام سے زیادہ اہم ہے۔ تو وہ پہلے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے، آدمی اس کام کیلئے وقت نکال ہی لیتا ہے۔ مثلاً آپ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں، اس وقت وزیر اعظم کا یہ پیغام آ جائے۔ کہ آپ کو بلایا ہے۔ تو کیا اس وقت بھی یہ جواب دیں گے کہ میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے فرصت نہیں۔ وہاں تو یہ جواب آپ نہیں دیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کے دل میں اس کی اہمیت ہے۔ اور جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے آدمی اس کے لئے وقت اور فرصت اور وقت نکال ہی لیتا ہے۔ اس لئے نیک اعمال کو فرصت پر ٹلانا کہ جب فرصت ملے گی تو کریں گے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اہمیت دل میں نہیں۔ جس دن دل میں اہمیت آئے گی۔ اس دن سب فرصت مل جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے

آگے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

فانك بيومك ولست بغد فان يكن غد لك فكن في غد كما كنت في اليوم

یعنی آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے۔ کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ کل ضرور آئے گی؟ جب کل کا دن یقینی نہیں ہے تو جو کام ضروری ہے وہ آج ہی کے دن کر لو، پتہ نہیں کل آئے گی یا نہیں، اور یہ یقین مت کرو کہ کل ضرور آئے گی۔ بلکہ اس مفروضے پر کام کرو کہ کل نہیں آتی ہے۔ اس لئے جو بھی ضروری کام کرنا ہے۔ وہ آج ہی کرنا ہے۔ اگر کل کا دن مل جائے۔ اور کل آجائے تو کل کے دن بھی ایسے ہی ہو جاؤ۔ جیسے آج ہوئے تھے۔ یعنی اس دن کے بارے میں یہ یقین کر لو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے۔ کل کا دن نہیں ہے۔۔۔ اور اگر وہ کل نہ آئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہیں ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کر دیا۔ اس لئے ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرو۔

شاید یہ میری آخری نماز ہو

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں۔ کل کو مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ تاکہ جو کچھ حسرت اور جذبہ نکالنا ہے۔ وہ اسی میں نکال لوں، کیا پتہ کہ اگلی نماز کا وقت آئے گا یا نہیں؟

(ابن ماجہ۔ کتاب الزھد، باب الحکمۃ)

بہر حال، یہ ساری باتیں جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائیں۔ ایمان اور اعتقاد کے درجے میں ہر مسلمان کو معلوم ہیں یہ کہ کل کا پتہ نہیں۔ آج یقینی ہے، لیکن وہ علم کس کام کا جس پر انسان کا عمل نہ ہو!۔ علم تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے۔۔۔ تو ان بزرگوں کی باتوں میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر ان کو طلب کے

ساتھ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عمل کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو۔ اور اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ غفلت، بے پروائی، اور وقت کی فضول خرچی سے بچو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ۔

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارا اور آپ کا یہ حال بنا دے کہ اپنے اوقات زندگی کو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد، اور آخرت کے کام اور طاعات کے کام میں صرف کریں۔ اور فضولیات سے بچیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

انسانی حقوق
اور
اسلام

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۳۱ر اگست ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : اسلامک سینٹر
ایپٹن پارک ۔ لندن

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

ضبط و ترتیب : مولانا منظور احمد الحسینی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد اور اساس فراہم فرمائی ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کونسے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس دنیا میں کس کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی حقوق اور اسلام

الحمد للہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهدہ اللہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریك له، واشهد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا۔ اما بعد:۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علیٰ ذلك من الشاهدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین

حضرات علمائے کرام، جناب صدر محفل اور معزز ین حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ذکر مبارک

ہمارے لئے یہ بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ آج اس محفل

میں ' جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کیلئے منعقد ہے ' ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل انسان کی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں ۔ کسی شاعر نے کہا: ع

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اور حبیب کا تذکرہ بھی حبیب کے وصال کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ذکر کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں ۔ تو جس محفل کا انعقاد اس مبارک تذکرہ کیلئے ہو ' اس میں شرکت خواہ ایک مقرر اور بیان کرنے والے کی حیثیت میں ہو یا سامع کی حیثیت میں ' ایک بڑی سعادت ہے ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکات ہمیں اور آپ کو عطا فرمائے ۔ آمین

آپ کے اوصاف اور کمالات

تذکرہ ہے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اور سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اسکے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کیلئے کافی نہیں ہو سکتی ' اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات ' جتنے متصور ہو سکتے تھے ' وہ سارے کے سارے جمع فرمائے ۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی ۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کیلئے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے ' کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے ۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے ' کس کو چھوڑے ' انسان

کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

آج کی دنیا کا پروپیگنڈا

انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ' یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جا سکتی' لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے رہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس لئے موضوعات تو سیرت کے بے شمار ہیں' لیکن میرے مخدوم اور محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب' اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری و ساری فرمائے' انہوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کیلئے کیا رہنمائی اور ہدایت لے کر تشریف لائے اور جیسا کہ انہوں نے ابھی فرمایا کہ اس موضوع کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اس پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس (HumanRights) مجروح ہوں گے' انسانی حقوق مجروح ہوں گے اور یہ پبلسٹی کی جا رہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا ------ معاذ اللہ ------ کوئی تصور موجود نہیں۔ یہ موضوع جب انہوں نے گفتگو کیلئے عطا فرمایا تو ان کے تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں ذرا زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے' اس

لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے براہ کرم توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ شاید اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ڈال دے۔

انسانی حقوق کا تصور

سوال یہ پیدا ہوتا ہے' جس کا جواب دینا منظور ہے' کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل' اپنی فکر' اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کرلیا کہ یہ انسانی حقوق ہیں' یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کرلیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے یا نہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا یا نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کسی درجہ میں اس کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اگر نہیں دیا تو ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر و عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن سے انسانی حقوق کے تصورات مرتب کئے' یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپ نے یہ تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے' ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہئے' یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہئے؟

انسانی حقوق بدلتے آئے ہیں

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں۔ کسی دور میں انسان کیلئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا' دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار

دے دیا گیا' ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے ان کا پروپیگنڈا' ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا' ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد صرف جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک نہیں ہوتا تھا' بلکہ انسانی حقوق اور انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہو جاتا تھا' آقا کا یہ بنیادی حق تھا کہ چاہے وہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائے' یہ ایک تصور تھا۔ جنہوں نے اس کو جسٹی فائی (justify) کرنے کیلئے اور اس کو مبنی بر انصاف قرار دینے کیلئے فلسفے پیش کئے تھے ان کا پورا لٹریچر آپ کو مل جائیگا' آپ کہیں گے کہ یہ دور کی بات ہے' چودہ سو سال پہلے کی بات ہے' لیکن ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجئے' جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا تھا۔ آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا' لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے' جس بنیاد پر انہوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا' اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہو گا۔ انہوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو طاقتور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے۔ یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے' بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا اور جس میں دور جس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے' اس کے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے

کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے، یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے، کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا اور کون سی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

صحیح انسانی حقوق کی تعین

حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (Contribution) یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی۔ وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس دنیا میں کسی کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازما قابل تحفظ ہیں۔

آزادی فکر کا علم بردار ادارہ

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو باہر سے کوئی صاحب ملنے کیلئے آئے۔ کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ساری دنیا میں ایک مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹرنیشنل ہے، جو سارے انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبردار ہے، اس ادارے کے ایک ڈائریکٹر پیرس سے پاکستان آئے ہیں۔ اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، خیر میں نے اندر بلالیا، پہلے سے کوئی اپائنٹ منٹ نہیں تھی، کوئی پہلے سے وقت نہیں لیا تھا، اچانک آگئے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر بھی ان کے ساتھ تھے---- آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل وہ ادارہ ہے جسکو انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے اور آزادی تقریر وتحریر کیلئے علمبردار ادارہ کہا جاتا ہے اور پاکستان میں جو بعض شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمنسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات و احتجاجات کا سلسلہ

رہا۔۔۔۔۔۔بہرحال یہ صاحب تشریف لائے تو انہوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اس لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مقرر کیا ہے کہ میں آزادی تحریر وتقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیاء کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں' یعنی یہ معلوم کروں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان انسانی حقوق' آزادی تحریر وتقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔اس کا سروے کرنے کیلئے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اس لئے میں پہلے سے وقت نہیں لے سکا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کرسکوں۔

آجکل کا سروے

میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہنچا ہوں۔میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے۔میں نے کہا اس کے بعد؟ کہا کہ اسلام آباد ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤں گا۔میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے؟ کہا دو دن۔میں نے کہا پھر اس کے بعد؟ کہا کہ اس کے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے' کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے' آج کا دن آپ نے کراچی میں گزارا' تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کرلیا؟ تو اس سوال پر وہ بہت سٹپٹائے۔کہنے لگے اتنی دیر میں واقعی پورا سروے تو نہیں ہوسکتا تھا' لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہوگیا ہے۔تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہا کہ پانچ افراد سے میں ملاقات کرچکا ہوں' چھٹے آپ ہیں۔میں نے کہا چھ افراد سے ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے کرلیا' اب اس کے بعد کل اسلام آباد تشریف لے جائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے' چھ آدمیوں سے وہاں آپ کی ملاقات ہوگی' چھ آدمیوں سے ملاقات کے بعد اسلام

آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا‘ اس کے بعد دو دن دہلی تشریف لے جائیں گے‘ دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقات کریں گے تو وہاں کا سروے آپ کا ہو جائے گا۔ تو یہ بتایئے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے آپ کی بات معقول ہے‘ واقعتاً جتنا وقت مجھے دینا چاہئے تھا اتنا میں دے نہیں پا رہا‘ مگر میں کیا کروں کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے ’اگر وقت کم تھا تو کس ڈاکٹر نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ سروے کریں؟ اس لئے کہ اگر سروے کرنا تھا تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہئے جس کے پاس وقت ہو‘ جو لوگوں کے پاس جا کر مل سکے‘ لوگوں سے بات کر سکے‘ اگر وقت کم تھا تو پھر سروے کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی؟ تو کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے‘ لیکن بس ہمیں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا‘ اس لئے میں مجبور تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے مجھے آپ کے اسے سروے کی سنجیدگی پر شک ہے‘ میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا‘ لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کیلئے تیار ہوں‘ اس لئے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے۔ اس رپورٹ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ وہ بہت سٹپٹائے اور کہا کہ آپ کی بات ویسے ٹیکنیکلی صحیح ہے‘ لیکن یہ کہ میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کیلئے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے جواب آپ ضرور دے دیں۔ میں نے کہا نہیں‘ میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا‘ جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعۃً علمی نوعیت کا ہے اور سنجیدہ ہے‘ اس وقت تک میں اس کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں‘ آپ مجھے معاف فرمائیں‘ میرے مہمان ہیں‘ میں آپ کی خاطر تواضع جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا‘ باقی کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

کیا آزادی فکر کا نظریہ بالکل مطلق ہے؟

میں نے کہا کہ اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا دیجئے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے۔ کہنے لگے بات تو آپ کی معقول ہے‘

لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر یہ چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں ۔ میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا' البتہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں ۔ کہنے لگے سوال تو میں کرنے کیلئے آیا تھا لیکن آپ میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تو ٹھیک آپ سوال کرلیں ' آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں ؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں ' اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کرلوں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو میں بھی سوال نہیں کروں گا اور ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی بات ختم ہوگئی ۔ کہنے لگے نہیں آپ سوال کر لیجئے ۔ تو میں نے کہا میں سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لے کر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے جس کی آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں یہ آزادی اظہار رائے Absolute یعنی مطلق ہے ' اس پر کوئی قید کوئی پابندی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہئیں ؟ کہنے لگے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ؟ تو میں نے کہا مطلب تو الفاظ سے واضح ہے ۔ میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں ' تو کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اس کو برملا اظہار کرے ' اس کی برملا تبلیغ کرے ' برملا اس کی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو ۔ یہ مقصود ہے ؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمایئے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد نے بہت پیسے کمالئے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں ' لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور ان کی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہئے ۔ اگر کوئی شخص دیانتدارانہ یہ رائے رکھتا اور اس کی تبلیغ کرے اور اس کا اظہار کرے ' لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آیئے اور میرے ساتھ شامل ہوجایئے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں ' روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے ' ان کا مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے ' تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں ؟ اور اس کی اجازت دیں گے یا نہیں ؟ کہنے لگے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے ۔ تو میں نے کہا یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی اظہار رائے اتنی (Absolute) ' اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس پر کوئی

قید کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کی جاسکے 'کچھ نہ کچھ قید شرط لگانی پڑے گی ۔کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی ۔تو میں نے کہا مجھے یہ بتایئے کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ طے کیا جائے کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا تو جائز ہے اور فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے؟ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم کی تبلیغ جائز نہیں ہے؟ اس کا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا' اس سلسلے میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو میں اس کو جاننا چاہتا ہوں ۔کہنے لگے کہ اس نقطہ نظر پر اس سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا ۔تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے! آپ اتنے بڑے مشن کو لے کر چلے ہیں' پوری انسانیت کو آزادی اظہار رائے دلانے کیلئے' ان کو حقوق دلانے کیلئے چلے ہیں' لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا کہ آخر آزادی اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہئے؟ کیا اصول ہونے چاہئیں؟ کیا شرطیں اور کیا قیود ہونی چاہئیں؟ تو کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجئے ۔تو میں نے کہا میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے بیٹھا ہی نہیں ۔میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتایئے کہ کیا قیود و شرائط ہونی چاہئیں اور کیا نہیں ۔میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپ کے نقطہ نظر سے اور آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے اس کا کیا جواب ہونا چاہئے؟

آپ کے پاس کوئی معیار نہیں ہے

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک ایسا فارمولا نہیں ہے ۔ایک فارمولا ذہن میں آتا ہے کہ ایسی آزادی اظہار رائے جس میں وائلنس ہو' جس میں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو تو ایسی آزادی اظہار رائے نہیں ہونی چاہئے ۔میں نے کہا یہ تو آپ کے ذہن میں آیا کہ وائلنس کی پابندی ہونی چاہئے' کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات بھی آسکتی ہے کہ فلاں قسم کی پابندی بھی ہونی چاہئے ۔یہ کون طے کرے گا اور کس بنیاد پر طے کریگا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہئے' کس قسم کی نہیں؟ اس کا کوئی فارمولا اور کوئی معیار ہونا چاہئے ۔کہنے لگے آپ سے گفتگو کے بعد یہ اہم سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں تک اس کو پہنچاؤں گا اور اس کے بعد اس پر اگر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجوں گا ۔تو میں نے کہا انشاء اللہ میں

منتظر رہوں گا کہ اگر آپ اس کے اوپر کوئی لٹریچر بھیج سکیں اور اس کا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالب علم کی حیثیت میں اس کا مشتاق ہوں۔ جب وہ چلنے لگے، تو اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں، یہ بات مذاق کی نہیں ہے، سنجیدگی سے چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے، اس کے بارے میں آپ اپنا نقطہ نظر بھیجیں، لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ جتنے آپ کے نظریات اور فلسفے ہیں، ان سب کو مد نظر رکھ لیجئے، کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش کر نہیں سکیں گے، جس پر ساری دنیا متفق ہوجائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہئے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہئے۔ تو یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں۔ آج ڈیڑھ سال ہوگیا ہے کوئی جواب نہیں آیا۔

انسانی عقل محدود ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجمل نعرے، کہ صاحب! ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں، آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے، تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہئے، انکی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہوسکے یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کریگا۔ اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتیں، دو گروہوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، لہذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے، رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لمیٹیشن (Limitation) رکھتی ہے، اس کی حدود ہیں، اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کیلئے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی جو بنیاد فراہم کی ہے وہ یہ

ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا' وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا' اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے' اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کے اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر پہلے اپنے ذہن میں طے کرلیا کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اس کے بعد پھر یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں ان واسطے میں جارہا ہوں' تو یاد رکھو اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور ہماری سوچ عاجز ہے' ہمیں وہ بنیاد چاہئے جس کی بنیاد پر ہم مسائل کو حل کریں۔ جب آدمی اس نقطہ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت و رہنمائی پیش کرتا ہے۔ ھدی للمتقین۔ یہ ہدایت متقین کیلئے ہے۔ متقین کے کیا معنی؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو' یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں' درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں' پھر اپنے مالک اور خالق کے سامنے رجوع کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بتایئے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے؟

لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا کہ صاحب! پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائٹس کیا ملیں گے' تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو اسلام کا پیغام دیا' دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی' کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ تمہیں فلاں فلاں حقوق

حل جائیں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں "قُوْلُوْا لا الٰہ الاّ اللّٰہ تُفْلِحُوْنَ" اے لوگو! "لا الٰہ الا اللہ" کہدو۔ کامیاب ہوجاؤ گے' لہٰذا مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا ہے' لہٰذا پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

عقل کا دائرہ کار

یاد رکھئے کہ یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی' یہ بڑی کار آمد چیز ہے' مگر یہ اس حد تک کار آمد ہے جب تک اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کردے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے' اس کا نام وحی الٰہی ہے' جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کار آمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے۔

حواس کا دائرہ کار

دیکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی' کان دیئے' یہ زبان دی۔ آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں' کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے' ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے' اس سے باہر نہیں دیتا۔ آنکھ دیکھ سکتی ہے' سن نہیں سکتی۔ کوئی شخص یہ

چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے۔ کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے۔ اس واسطے کہ یہ اس کام کیلئے نہیں بنایا گیا' اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دیتی ہے نہ کان کام دیتا ہے نہ زبان کام دیتی ہے۔ اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی' وہاں عقل انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔

تنہا عقل کافی نہیں

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے' آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں' ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں۔ لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ تو وہ بنانے والا میرے آنکھوں کے سامنے نہیں ہے' اس واسطے میری آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی' میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا' اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے۔ عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے' یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے' یہ خود سے وجود میں نہیں آسکتا' کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے۔ یہاں عقل نے میری رہنمائی کی ہے۔ لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہئے' کس میں نہیں کرنا چاہئے؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا کہاں نقصان ہوگا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے عقل بھی ناکام ہوجاتی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام وحی الٰہی۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے' وہ خیر اور شر کا فیصلہ کرتی ہے' وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے۔ جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے' اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے'

لہذا جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وہ اپنی عقل میں نہ آئے' سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا' لہذا میں اس کو رد کرتا ہوں تو یہ رد حقیقت اس عقل کی اور وحی الہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی؟ وحی تو آئی ہی اس لئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالی نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالی ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے' عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت' نہ کسی رسول کی ضرورت' نہ کسی پیغمبر کی ضرورت' نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ لیکن جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا' بلکہ رسول بھیجے' کتابیں اتاریں' وحی بھیجی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی رہنمائی کیلئے کافی نہیں تھی۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا' لہذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں' حقیقت سے جاہل ہیں۔ سمجھ میں آہی نہیں سکتا۔

اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پر جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا' خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا' یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے' تو قرآن اور سنت نے ہمیں یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لئے نہیں بتایا کہ وہ چیز عقل کے دائرے کی تھی' اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا

آگے بڑھو گے، اس کے اندر تمہیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے، وہ تمہارے عقل کے دائرے کی چیز تھی، عقل اسکا ادراک کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کیلئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کیلئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت وہاں تھی جہاں تمہاری عقل عاجز تھی جیسے کہ اینٹی انٹرنیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی و تحریر و تقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں، کیا نہیں ہونی چاہئیں۔ اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

حقوق کا تحفظ کس طرح ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فلاں حق انسان کا ایسا ہے جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آجائے تو اب دیکھئے کہ محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا، کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا، آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کا اعلان کرنے والے بہت، اس کے نعرے لگانے والے بہت، لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آجائے تو وہی اعلان کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں، جب ان کا اپنا معاملہ آجاتا ہے، اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہوجاتا ہے، تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

آج کی دنیا کا حال

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہئے۔ جمہوریت' سیکولر ڈیموکریسی۔ آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہورہی ہے۔ "دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین" (The end of History and the last man) آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہورہی ہے' اس کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہوگیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کیلئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔ یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں' اب یہ "ختم نظریات" ہوگیا یہ کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے اس کو قبول کرو' اس کی بات مانو' لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہوجاتی ہے اور انتخابات میں اکثریت حاصل کرلیتی ہے تو اس کے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس کا وجود جمہوریت کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ تو نعرے لگا لینا اور بات ہے لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں' ان کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے لوگوں کو حق خود ارادی ملنا چاہئے اور یہ سب کچھ صحیح' لیکن دوسری طرف لوگوں کا حق خود ارادی پامال کر کے انکو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جارہا ہے' ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی کرنے والے ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ تو بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جارہے ہیں، راستے میں ابوجہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابوجہل کا لشکر کہتا ہے ہم تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے، اس لئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ کرو گے۔ یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے جانا تھا اور انہوں نے روک لیا۔ آخر کار انہوں نے کہا اس شرط پر تمہیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو۔ کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو گے ہم سے جنگ نہیں کرو گے۔ اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمہیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور انکے والدؓ نے وعدہ کر لیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے، ان کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑیں گے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو چھوڑ دیا، اب یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آیا، اور کیسی جنگ، ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اسکے مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے ستر اونٹ۔ ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی، کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے۔ اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے، یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہو گے تو اس واسطے ان کو اجازت دیجئے کہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان، جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمائے ہیں، اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ نہیں، جو ابوجہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے

ہو کر جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے ' لہٰذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا ۔ یہ ہے کہ جب وقت پڑے ' اس وقت انسان اصول کو نبھائے ' یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہہ و بالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہ ہو ۔ (اصلاحی خطبات ج ۱ ص ۲۱۶)

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا ۔ کیا حقوق بتائے ؟ اب سنئے:

اسلام میں جان کا تحفظ

انسانی حقوق میں سے سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے ۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی اس کی جان پر دست درازی نہ کرے: لا تقتلو النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیدیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو کفار سے مقابلہ ہے ۔ دشمن سے مقابلہ ہے اس حال میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ' کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ' بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ۔ عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ۔ یہ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو ' جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام نے اس پر عمل کر دکھایا ۔ ان کا ہاتھ کسی بوڑھے پر کسی عورت پر کسی بچے پر نہیں اٹھا ' یہ ہے جان کا تحفظ ۔

اسلام میں مال کا تحفظ

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے : لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل ۔ باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا ؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے

مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی 'لیکن جب معاملہ جنگ کا آگیا' دشمنی ہوگئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیئے جائیں گے 'تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیئے جائیں گے 'جب مقابلہ ہو گیا تو اس وقت میں حقوق انسانی غائب ہو گئے ۔اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے 'یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے 'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور قلعہ خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خیبر کے قلعہ کے اردگرد پڑی ہوئی ہے 'خیبر کے اندر ایک بے چارہ چھوٹا سا چرواہا اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا 'اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے جاکر دیکھوں تو سہی 'آپ کا نام تو بہت سنا ہے ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں ؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد کہاں ہیں ؟ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر 'یہ کھجور کا معمولی سا خیمہ جھونپڑی 'اس میں اتنا بڑا سردار 'اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے ؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا ۔اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ' جاکر کہا کہ یارسول اللہ ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں 'آپ کا پیغام کیا ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً بتایا 'توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی ۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کر لوں تو میرا کیا مقام ہو گا ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے 'تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں 'وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گے ۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کرتے ہیں 'مذاق کرتے ہیں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام 'میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے 'اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے 'میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ یہ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے ؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں 'اس واسطے ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے ۔ کہا

کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں مسلمان ہو جاؤں' تو میرا انجام کیا ہو گا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیگا اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیگا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا' اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله، عرض کیا میں مسلمان ہو گیا' اب جو حکم دیں گے وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اس کو یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو' یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو' پہلا حکم یہ دیا کہ جو بکریاں تم چرانے کیلئے لے کر آئے ہو یہ تمہارے پاس امانت ہیں' پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آکر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی' یہودیوں کی' جن کے اوپر حملہ آور ہیں' جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے' جن کا مال غنیمت چھینا جارہا ہے' لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھینتا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت۔ اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا تحفظ کیا جائے' اس معاہدے کا تحفظ کیا جائے' یہ ان کا حق ہے' لہذا ان کو پہنچاکر آؤ۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں' فرمایا کہ ہاں! پہلے ان کو واپس لوٹاؤ۔ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔

کوئی مثال پیش کریگا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جارہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں تو آکر پوچھا کہ اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھواؤں' نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں' نہ تمہارے پاس مال ہے کہ زکاۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کی چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد' اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا' اس کا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا' کون شہید ہوا' تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرام نے بتایا کہ یہ ایسے شخص کی

لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہچانتے' میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر وتسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے' اس کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیا ہے۔

بہرحال' یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو' محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ کافر کے مال کا تحفظ دشمن کے مال کا تحفظ' جو معاہدے کے تحت ہو۔ یہ مال کا تحفظ ہے۔

اسلام میں آبرو کا تحفظ

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کی تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں' لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے' غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت' لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے' غیبت کرنا بھی حرام' غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کا دل نہ توڑا جائے۔ یہ انسان کیلئے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے ہیں' طواف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے' کتنا معظم ہے' پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا اکرم ہے' لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ کے ڈھادینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا۔

اسلام میں معاش کا تحفظ

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ ہیں جان مال اور آبرو' ان کا تحفظ ضرور ہے۔ پھر انسان کو دنیا میں جینے کیلئے معاش کی ضرورت ہے' روز گار کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دو سروں کیلئے معاش کے دروازے بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ فرمایا' جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ (FreedomofContract)۔ معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو' لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو' ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دو سرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے' فرمایا لا یبیع حاضر لباد کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً زرعی پیداوار' ترکاریاں لے کر شہر میں فروخت کرنے کیلئے آیا تو کوئی شہری اس کا آڑھتی نہ بنے' اس کا وکیل نہ بنے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمہارا مال فروخت کروں گا' تمہارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جو شہری ہے' وہ مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی اجارہ داری قائم کریگا۔ اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دو سرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا: لا یبیع حاضر لباد۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی دولت کے بل بوتے پر دو سرے کیلئے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر' قمار کھیل کھیل کر' گیمبلنگ کر کر کے' سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا' کوئی دو سرا آدمی اگر کسب معاش کیلئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے دروازے بند ہیں۔ یہ نہیں' بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا:

دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم ببعض
لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے۔ جتنے حقوق عرض کر رہا ہوں' یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

اسلام اور عقیدے کا تحفظ

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ' کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جاکر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے: لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین کے اندر کوئی جبر نہیں۔ اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے' ایک یہودی ہے تو یہودی رہے' قانوناً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اس کو تبلیغ کی جائے گی دعوت دی جائے گی' اس کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی جائے گی' لیکن اس کے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آگئے' تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کریگا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے' لہٰذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

بہرحال کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے' کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے' میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے۔ حق وہ ہے جسے اللہ مانے' حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں' اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں شروع میں آزاد ہے' ورنہ اگر مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے

دشمن اسلام کو بازیچہ اطفال بنا کر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کیلئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے' قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں داخل رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی' اگر واقعتاً دیانت داری سے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ' باہر جا کر جو چاہو کرو' لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل

بہرحال' یہ موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں۔ یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں' لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں' لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے جان و مال و آبرو کا تحفظ کیا جائے' ایک موقع پر بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں' ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کریگا؟ ہم نے ان سے اس کام کیلئے جزیہ لیا ہے' لیکن ضرورت بھی شدید ہے۔ چنانچہ انہوں نے سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لی تھی' اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا' اب ہمیں فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے' جس کی وجہ سے ہم تمہارا تحفظ کماحقہ نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے' لہٰذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل

حضر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کینے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے' ان کا واقعہ ابو داؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا' جنگ بندی ہو گئی' ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ جنگ بندی رہے گی' کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریگا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے دانش مند بزرگ تھے' انہوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے' اس تاریخ کو فوجیں لے جاکر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی' ادھر حملہ کر دیں گے' کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی' کہیں دور سے چلیں گے' تو وقت لگے گا' اس واسطے انہوں نے سوچا کہ پہلے فوج لے جاکر سرحد پر ڈال دیں۔ چنانچہ سرحد پر فوج لے جاکر ڈال دی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انہوں نے حملہ کر دیا' روم کے اوپر یلغار کر دی اور وہ بے خبر اور غافل تھے' اس واسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے' زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے سے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آرہا ہے اور آواز لگا رہا ہے' قفوا عباد اللہ اعباد اللہ ! اللہ کے بندو رکو! اللہ کے بندو رکو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رک گئے' دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ قریب تشریف لائے' فرمایا وفا لا غدر مومن کا شیوہ وفاداری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی۔ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یحلنہ و لا یشد نہ حتی یمضی

امدہ او ینبذ علیھم علی سواء (ترمذی کتاب الجہاد' باب فی الغدر' حدیث نمبر ۱۵۸۰)

جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی

تغیر نہ کرے، نہ کھولے نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے مکمل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں۔ اور آپ نے معاہدہ کے دوران سرپر فوجیں لاکر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا گھس گئے ہوں تو اس واسطے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اب اندازہ لگایئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح کے نشے میں جارہے ہیں، علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں، لیکن جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کیلئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خیال کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، انہوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کی جائے ختم نہیں ہو سکتی، لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کریگا کون نہیں کریگا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حقوق ہی وہ متعین کئے گئے جن پر عمل کیا جائے۔

آجکل کے ہیومن رائٹس

آج کہنے کیلئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیئے گئے کہ یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں، لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ، جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں، اس کو گرا دیں، اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کسے جائیں، اس میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس

کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھئے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو کر یہ معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو یہ بات نہیں ہے' ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کیلئے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں' یاد رکھئے ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم—قل ان ھدی اللہ ھو الھدی (یہ یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے' جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہیں کریں گے) لہٰذا جب تک اس پر نہیں آؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے' لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی' جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے' اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے' لہٰذا ابھی ان نعروں سے مرعوب اور مغلوب نہ ہوں' اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شب برات کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، ان میں اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے، لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں لہذا اس کو بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگ کر عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے، اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شب برات کی حقیقت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد!

شعبان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اور اس ماہ میں ایک مبارک رات آنے والی ہے، جس کا نام "شب برات" ہے۔ چونکہ اس رات کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اس رات میں جاگنا، اور اس رات میں عبادت کو خصوصی طور پر باعث اجر و ثواب سمجھنا بے بنیاد ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس رات میں عبادت کو بدعت سے بھی تعبیر کیا ہے، اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں اس رات کے بارے میں مختلف سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

دین اتباع کا نام ہے

اس سلسلے میں مختصراً گزارش یہ ہے کہ میں آپ حضرات سے بار بار یہ بات عرض

کر چکا ہوں کہ جس چیز کا ثبوت قرآن میں یا سنت میں یا صحابہ کرام کے آثار میں، تابعین بزرگان دین کے عمل میں نہ ہو، اس کو دین کا حصہ سمجھنا بدعت ہے۔ اور میں ہمیشہ یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ اپنی طرف سے ایک راستہ گھڑ کر اس پر چلنے کا نام دین نہیں ہے۔ بلکہ دین اتباع کا نام ہے۔ کس کی اتباع؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، آپ کے صحابہ کرام کی اتباع، تابعین اور بزرگان دین کی اتباع۔ اب اگر واقعۃً یہ بات درست ہو کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں تو بیشک اس رات کو کوئی خصوصی اہمیت دینا بدعت ہو گا، جیسا کہ شب معراج کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ شب معراج میں کسی عبادت کا ذکر قرآن و سنت میں موجود نہیں۔

اس رات کی فضیلت بے بنیاد نہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شب برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بیشک کچھ کمزور ہیں، اور ان احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے، لیکن حضرات محدثین اور فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو، لیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہو جائے تو اس کی کمزوری دور ہو جاتی ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دس صحابہ کرام سے اس کی فضیلت میں روایات موجود ہیں۔ لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابہ کرام سے روایات مروی ہوں۔ اس کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔

شب برات اور خیر القرون

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں، یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کو

بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگنا، اس میں عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے، اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے۔ جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گھڑ کر یہ کہہ دیا کہ شب برات میں اس خاص طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے، وہ اس رات میں انجام دی جائے نفلی نماز پڑھیں قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ ذکر کریں۔ تسبیح پڑھیں۔ دعائیں کریں یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جا سکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

اس رات میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک اور عمل ہے، جو ایک روایت سے ثابت ہے، وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اب چونکہ حضور اس رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شب برات میں قبرستان جائیں۔ لیکن میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے۔ فرماتے تھے کہ جو چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس درجے میں ثابت ہو، اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہئے۔ اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، لہٰذا ساری حیات طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ جنت البقیع جانا مروی ہے، کہ آپ شب برات میں جنت البقیع تشریف لے گئے۔ چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے، اس لئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہر شب برات میں

جانے کا اہتمام کرنا۔ التزام کرنا، اور اس کو ضروری سمجھنا، اور اس کو شب برات کے ارکان میں داخل کرنا اور اس کو شب برات کا لازمی حصہ سمجھنا، اور اس کے بغیر یہ سمجھنا کہ شب برات نہیں ہوئی، یہ اس کو اس کے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے۔ لہٰذا اگر کبھی کوئی شخص اس نقطہ نظر سے قبرستان چلا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں جارہا ہوں۔ تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ کرو کہ کبھی نہ بھی جاؤ، لہٰذا اہتمام اور التزام نہ کرو، پابندی نہ کرو۔ یہ در حقیقت دین کی سمجھ کی بات ہے۔ کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھو، اس سے آگے مت بڑھاؤ۔ اور اس کے علاوہ دوسری نفل عبادت ادا کر لو۔

نوافل گھر پہ ادا کریں

میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ اس رات میں اور شب قدر میں نفلوں کی جماعت کرتے ہیں، پہلے صرف شبینہ با جماعت ہوتا تھا، اب سنا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی بھی جماعت ہونے لگی ہے، یہ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کسی طرح بھی ثابت نہیں، ناجائز ہے۔ اس کے بارے میں ایک اصول سن لیجئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ اور ان نمازوں کے علاوہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے با جماعت ادا کرنا ثابت ہیں، مثلاً تراویح، کسوف اور استسقاء کی نمازان کے علاوہ ہر نماز کے بارے میں افضل یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے، صرف فرض نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر صرف افضل نہیں، بلکہ سنت موکدہ قریب بواجب ہے کہ اس کو مسجد میں جاکر جماعت سے ادا کرے۔ لیکن سنت اور نفل میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے ۔ لیکن جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ لوگ گھر جاکر بعض اوقات سنتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ اگر سنتیں چھوٹنے کا خوف ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لیا کریں۔ تاکہ چھوٹ نہ جائیں، ورنہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ گھر میں جاکر ادا کریں، اور نفل کے بارے میں تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کرے، اور نفلوں کی جماعت حنفیہ کے

نزدیک مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، یعنی اگر جماعت سے نفل پڑھ لے تو ثواب تو کیا ملے گا۔ الٹا گناہ ملے گا،

فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں

بات دراصل یہ ہے کہ فرائض دین کا شعار ہیں، دین کی علامت ہیں لہٰذا ان کو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے، کوئی آدمی یہ سوچ کر کہ اگر میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں گا تو اس میں ریاکاری کا اندیشہ ہے، اس لئے میں گھر ہی میں نماز پڑھ لوں، اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اس کو حکم یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ دین اسلام کا ایک شعار ظاہر کرنا مقصود ہے، دین اسلام کی ایک شوکت کا مظاہرہ مقصود ہے، اس لئے اس کو مسجد ہی میں ادا کرو۔

نوافل میں تنہائی مقصود ہے

لیکن نفل ایک ایسی عبادت ہے، جس کا تعلق بس بندہ اور اس کے پروردگار سے ہے، بس تم ہو اور تمہارا اللہ ہو، تم ہو اور تمہارا پروردگار ہو، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تلاوت اتنی آہستہ سے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

"اسمعت من ناجیت"

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

یعنی جس ذات سے یہ مناجات کر رہا ہوں، اس کو سنا دیا، اب دوسروں کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ — لہٰذا نفلی عبادت کا تو حاصل یہ ہے کہ وہ ہو اور اس کا پروردگار ہو، کوئی تیسرا شخص درمیان میں حائل نہ ہو، اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ براہ راست مجھ سے تعلق قائم کرے، اس لئے نفلی عبادتوں میں جماعت اور اجتماع کو مکروہ قرار دے دیا، اور یہ حکم دے دیا کہ اکیلے آؤ، تنہائی اور خلوت میں آؤ، اور ہم سے براہ راست رابطہ قائم کرو، یہ خلوت اور تنہائی کتنا بڑا انعام ہے، ذرا غور تو کرو، بندہ کو کتنے بڑے انعام سے نوازا جارہا ہے، کہ خلوت اور تنہائی میں ہمارے پاس آؤ۔

تنہائی میں ہمارے پاس آؤ

بادشاہ کا ایک عام دربار ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی نماز اللہ تعالیٰ کا عام دربار ہے، دوسرا خاص دربار ہوتا ہے۔ جو خلوت اور تنہائی کا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم ہمارے عام دربار میں حاضر دیتے ہو، تو اب ہم تمہیں خلوت اور تنہائی کا بھی موقع دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس تنہائی کے موقع کو جلوت میں تبدیل کر دے، اور جماعت بنا دے تو ایسا شخص اس خاص دربار کی نعمت کی ناقدری کر رہا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ تم تنہائی میں آؤ، ہم سے مناجات کرو، ہم تنہائی میں تمہیں نوازیں گے۔ لیکن تم ایک جم غفیر اکٹھا کر کے لے جارہے ہو۔

تم نے اس نعمت کی ناقدری کی

مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہے، تم اس سے ملاقات کے لئے دربار میں گئے، وہ بادشاہ تم سے یہ کہے کہ آج رات کو ۹ نو بجے تنہائی میں میرے پاس آجانا، تم سے کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے، جب رات کے نو بجے تو آپ نے اپنے دوستوں کا ایک جمگھٹا اکٹھا کر لیا، اور سب دوستوں کو لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گئے، بتایئے کہ آپ نے اس بادشاہ کی قدر کی یا ناقدری کی؟ اس نے تو تمہیں یہ موقع دیا تھا کہ تم تنہائی میں میرے پاس آؤ، تم سے تنہائی میں باتیں کرنی تھیں، تمہیں خلوت میں خاص ملاقات کا موقع دینا تھا۔ اور اپنے ساتھ رابطہ اور تعلق استوار کرنا تھا۔ اور تم پوری ایک جماعت بنا کر اس کے پاس لے گئے، تو یہ تم نے اس کی ناقدری کی۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی عبادت کی اس طرح ناقدری نہ کرو، نفلی عبادت کی قدر یہ ہے کہ تم ہو، اور تمہارا اللہ ہو، تیسرا کوئی نہ ہو، لہٰذا نفلی عبادات جتنی بھی ہیں، ان سب کے اندر اصول یہ بیان فرما دیا کہ تنہائی میں اکیلے عبادت کرو، اس کے اندر جماعت کے مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو یہ ندا دی جارہی ہے کہ:

الا هل من مستغفر فاغفر له

کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں؟ یہاں لفظ "مستغفر" مفرد کا صیغہ استعمال کیا، یعنی کوئی تنہائی میں مغفرت کرنے والا ہے، تنہائی میں مجھ سے رحمت طلب کرنے والا ہے، اب اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ تنہائی میں میرے پاس آکر مجھ سے مانگو، لیکن ہم نے یہ کیا کہ شبینہ کا انتظام کیا، چراغاں کیا، اور لوگوں کو اس کی دعوت دی کہ میرے پاس آکر میری اس خلوت میں شریک ہو جاؤ، حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری ہے، لہٰذا شبینہ ہو، یا صلاۃ التسبیح کی جماعت ہو، یا کوئی اور نفلی جماعت ہو، یہ سب ناجائز ہے۔

گوشہ تنہائی کے لمحات

یہ فضیلت والی راتیں شور و شغب کی راتیں نہیں ہیں، میلے ٹھیلے کی راتیں نہیں۔ یہ اجتماع کی راتیں نہیں، بلکہ یہ راتیں اس لئے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات استوار کر لو، اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر تنہائی میں عبادت کرنے بیٹھتے ہیں تو نیند آجاتی ہے، مسجد میں شبینہ اور روشنی ہوتی ہے اور ایک جم غفیر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیند پر قابو پانے میں آسانی ہو جاتی ہے — ارے، اس بات پر یقین کرو کہ اگر تمہیں چند لمحات گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے میسر آگئے تو وہ چند لمحات اس ساری رات سے بدرجہا بہتر ہیں جو تم نے میلے میں گزاری — اس لئے کہ تنہائی میں جو وقت گزارا وہ سنت کے مطابق گزارا، اور میلے میں جو وقت گزارا، وہ خلاف سنت گزارا، وہ رات اتنی قیمتی نہیں، جتنے وہ چند لمحات قیمتی ہیں جو آپ نے اخلاص کے ساتھ ریا کے بغیر گوشہ تنہائی میں گزار لئے۔

وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے

میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ اپنی عقل کے مطابق کام کرنے کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ ان کے کہنے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، ان کی پیروی اور اتباع کا نام دین ہے — یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہارے گھنٹے شمار کرتے ہیں کہ تم نے مسجد میں کتنے گھنٹے گزارے؟ وہاں گھنٹے شمار نہیں کئے جاتے، وہاں تو اخلاص دیکھا جاتا ہے۔ اگر چند لمحات بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں میسر آگئے، تو وہ چند لمحات ہی انشاء اللہ بیڑا پار کر دیں گے، لیکن اگر آپ نے عبادت میں کئی گھنٹے گزار دیئے، مگر سنت کے خلاف گزارے تو اس کا کچھ بھی حاصل نہیں۔

اخلاص مطلوب ہے

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے کیف کے عالم میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لوگ سجدے میں جاتے ہو تو سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" کئی مرتبہ کہتے ہو، لیکن مشین کی طرح زبان پر یہ تسبیح جاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر کسی دن یہ کلمہ "سبحان ربی الاعلی" ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ دل سے نکل گیا تو یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" کی بدولت بیڑہ پار کر دیں گے۔

لہٰذا یہ مت خیال کرو کہ اگر تنہا گھر میں رہ کر عبادت کریں گے تو نیند آجائے گی۔ اس لئے کہ اگر نیند آجائے تو سو جاؤ، لیکن چند لمحات جو عبادت میں گزارو، وہ سنت کے مطابق گزارو — حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن شریف پڑھتے پڑھتے نیند آجائے تو سو جاؤ، اور سو کر تھوڑی سی نیند پوری کر لو، اور پھر اٹھ جاؤ، اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے تمہارے منہ سے کوئی لفظ غلط نکل جائے — لہٰذا ایک آدمی ساری رات سنت کے خلاف جاگ رہا ہے، اور دوسرا آدمی صرف ایک گھنٹے جاگا، لیکن سنت کے مطابق جاگا، اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق جاگا، تو یہ دوسرا شخص پہلے شخص سے کئی درجہ بہتر ہے۔

ہر عبادت کو حد پر رکھو

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی گنتی نہیں ہے، بلکہ اعمال کا وزن ہے، وہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے عمل میں کتنا وزن ہے؟ لہٰذا اگر تم نے گنتی کے اعتبار سے اعمال تو بہت کر لئے، لیکن ان میں وزن پیدا نہیں کیا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ــــ اس لئے فرمایا کہ نیند آجائے تو پڑ کر سو جاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اٹھ کر پھر عبادت میں لگ جاؤ، لیکن سنت کے خلاف کام نہ کرو، لہٰذا جو عبادت جماعت کے ساتھ جس حد تک ثابت ہو، اسی حد تک کرو، مثلاً فرض کی جماعت ثابت ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت ثابت ہے، رمضان میں وتر کی جماعت ثابت ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ کی جماعت واجب علی الکفایہ ہے، عیدین کی نماز با جماعت ثابت ہے، نماز استسقاء اور نماز کسوف اگرچہ سنت ہے، لیکن ان دونوں میں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت ہے، اور شعائر اسلام میں سے ہیں، لہٰذا ان کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہے، ان کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں، ان میں جماعت نہیں ہے، ان میں تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرے، اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں ملاقات کا جو اعزاز بخشا ہے، یہ معمولی اعزاز نہیں ہے، اس اعزاز کی قدر کرنی چاہئے ــــ

عورتوں کی جماعت

ایک مسئلہ عورتوں کی جماعت کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت پسندیدہ نہیں ہے، چاہے وہ فرض نماز کی جماعت ہو، یا سنت کی ہو، یا نفل کی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں عبادت کرنی ہے تو تنہائی میں کرو، جماعت عورتوں کے لئے پسندیدہ نہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دین اصل میں شریعت کے اتباع کا نام ہے، اب یہ مت کہو کہ ہمارا تو اس طرح عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے، اس دل کے چاہنے کو چھوڑ دو، اس لئے کہ دل تو بہت ساری چیزوں کو چاہتا ہے اور صرف دل چاہنے کی وجہ سے کوئی چیز دین میں داخل نہیں ہو جاتی، جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا، اس کو محض دل چاہنے کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے۔

شب برات اور حلوہ

بہرحال! یہ شب برات ــ الحمد للہ ــ فضیلت کی رات ہے، اور اس رات میں جتنی عبادت کی توفیق ہو، اتنی عبادت کرنی چاہئے ــ باقی جو اور فضولیات اس رات میں حلوہ وغیرہ پکانے کی شروع کر لی گئی ہیں، ان کو بیان کرنی کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شب برات کا حلوے سے کوئی تعلق نہیں، اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہر جگہ اپنا حصہ لگا لیتا ہے، اس نے سوچا کہ اس شب برات میں مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت کی جائے گی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں۔

شیطان نے سوچا کہ اگر اتنے سارے آدمیوں کی مغفرت ہو گئی پھر تو میں لٹ گیا، اس لئے اس نے اپنا حصہ لگا دیا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو یہ سکھا دیا کہ شب برات آئے تو حلوہ پکایا کرو، ویسے تو سارے سال کے کسی دن بھی حلوہ پکانا جائز اور حلال ہے، جس شخص کا جب دل چاہے، پکا کر کھالے، لیکن شب برات سے اس کا کیا تعلق؟ نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے، نہ حدیث میں اس کے بارے میں کوئی روایت، نہ صحابہ کے آثار میں۔ نہ تابعین کے عمل میں، اور بزرگان دین کے عمل میں کہیں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، لیکن شیطان نے لوگوں کو حلوہ پکانے میں لگا دیا، چنانچہ سب لوگ پکانے اور کھانے میں لگ گئے۔ اب یہ حال ہے کہ عبادت کا اتنا اہتمام نہیں، جتنا اہتمام حلوہ پکانے کا ہے۔

بدعات کی خاصیت

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی بدعات کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد پھر اصل سنت کے کاموں کی توفیق کم ہو جاتی ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں۔ وہ لوگ پانچ وقت کی فرض جماعتوں میں کم نظر آئیں گے۔ اور جو لوگ بدعات

کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مثلاً حلوہ مانڈا کرنے اور کونڈے میں لگے ہوئے ہیں اور فرائض سے غافل ہوتے ہیں، نمازیں قضا ہو رہی ہیں، جماعتیں چھوٹ رہی ہیں۔ اس کی کوئی فکر نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب سے زیادہ تاکید اس کی فرمائی تھی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی میراث شریعت کے مطابق جلدی تقسیم کرو، لیکن اب یہ ہو رہا ہے کہ میراث تقسیم کرنے کی طرف تو دھیان نہیں ہے، مگر تیجہ ہو رہا ہے۔ دسواں ہو رہا ہے، چالیسواں ہو رہا ہے، برسی ہو رہی ہے۔ لہذا بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب انسان اس کے اندر مبتلا ہوتا ہے تو سنت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، اور سنت والے اعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ بہرحال ان فضولیات اور بدعات سے تو بچنا چاہئے، باقی یہ رات فضیلت کی رات ہے، اور اس رات کے بارے میں بعض لوگوں نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ اس رات میں کوئی فضیلت ثابت نہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ

ایک مسئلہ شب برات کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ سارے ذخیرہ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شب برات کے بعد والے دن روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے لہذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ستائیس شعبان تک روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن ۲۸ اور ۲۹ شعبان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ مت رکھو۔ تاکہ رمضان کے روزوں کے لئے انسان نشاط کے ساتھ تیار رہے، لیکن یکم شعبان سے ۲۷/ شعبان تک ہر دن روزہ رکھنے میں فضیلت ہے، دوسرے یہ کہ یہ پندرہ تاریخ ایام بیض میں سے بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہر ماہ کے ایام بیض میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے،

یعنی ۱۳ / ۱۴ / ۱۵ تاریخ کو لہٰذا اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے ۱۵ / تاریخ کا روزہ رکھے
ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ۱۵ / تاریخ ایام
بیض میں داخل ہے اگر اس نیت سے روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ موجب اجر ہو گا، لیکن
خاص پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے اس روزے کو سنت قرار دینا بعض علماء کے
نزدیک درست نہیں۔ اسی وجہ سے اکثر فقہاء کرام نے جہاں مستحب روزوں کا ذکر کیا
ہے، وہاں محرم کی دس تاریخ کے روزے کا ذکر کیا ہے، یوم عرفہ کے روزے کا ذکر کیا
ہے، لیکن پندرہ شعبان کے روزے کا علیحدہ سے ذکر نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ شعبان
کے کسی بھی دن روزہ رکھنا افضل ہے، بہر حال اگر اس نقطہ نظر سے کوئی شخص روزہ
رکھ لے تو انشاء اللہ اس پر ثواب ہو گا۔ باقی کسی دن کی کوئی خصوصیت نہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر معاملے کو اس کی حد کے اندر رکھنا ضروری
ہے، ہر چیز کو اس کے درجے کے مطابق رکھنا ضروری ہے، دین اصل میں حدود کی حفاظت
ہی کا نام ہے۔ اپنی طرف سے عقل لڑا کر آگے پیچھے کرنے کا نام دین نہیں، لہٰذا اگر ان
حدود کی رعایت کرتے ہوئے کوئی شخص روزہ رکھے تو بہت اچھی بات ہے، انشاء اللہ اس پر
اجر و ثواب ملے گا، لیکن اس روزے کو باقاعدہ سنت قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں

یہ شب برات اور اس کے روزے کے احکام کا خلاصہ ہے، بس ان باتوں کو
سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا جائے، باقی اس بارے میں بہت زیادہ بحث و مباحثے میں نہیں
پڑنا چاہئے، آج کل یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ اگر کسی نے کوئی بات کہہ دی تو اس پر بحث و
مباحثہ شروع ہو گیا، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جب کسی ایسے شخص سے کوئی بات سنی ہے
جس پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ ہے، تو بس اسی پر عمل کر لو، کوئی دوسرا شخص دوسری
بات کہتا ہے تو پھر بحث میں مت پڑو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
بحث میں پڑنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المراء یطفئ نور العلم

یعنی اس قسم کے معاملات میں آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا یا بحث و مباحثہ کرنا علم کے نور کو زائل کر دیتا ہے، ہمارے ایک شاعر اکبر الٰہ آبادی مرحوم گزرے ہیں۔ اس بارے میں ان کا ایک شعر بڑا اچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یہ مذہبی بحث جس میں فضول وقت ضائع ہو، اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اور جن لوگوں کے پاس فالتو عقل ہوتی ہے۔ وہ اس قسم کی بحث و مباحثے میں پڑتے ہیں، اس لئے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس عالم پر تم کو بھروسہ ہو، اس کے کہنے پر عمل کر لو، انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری نجات ہو جائے گی، اگر کوئی دوسرا عالم دوسری بات کہہ رہا ہے، تو پھر تمہیں اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں، بس: سیدھا راستہ یہی ہے۔

رمضان کے لئے پاک صاف ہو جاؤ

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کو بے اصل کہنا غلط ہے، اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شب برات رمضان المبارک سے دو ہفتے پہلے رکھی ہے۔ یہ در حقیقت رمضان المبارک کا استقبال ہے، رمضان کی ریہرسل ہو رہی ہے۔ رمضان کی تیاری کرائی جا رہی ہے کہ تیار ہو جاؤ، اب وہ مقدس مہینہ آنے والا ہے، جس میں ہماری رحمتوں کی بارش برسنے والی ہے، جس میں ہم مغفرت کے دروازے کھولنے والے ہیں، اس کے لئے ذرا تیار ہو جاؤ۔

دیکھئے: جب آدمی کسی بڑے دربار میں جاتا ہے، تو جانے سے پہلے اپنے آپ کو پاک صاف کرتا ہے، نہاتا دھوتا ہے، کپڑے وغیرہ بدلتا ہے، لہذا جب اللہ تعالیٰ کا عظیم دربار رمضان کی صورت میں کھلنے والا ہے تو اس دربار میں حاضری سے پہلے ایک رات دے دی۔ اور یہ فرمایا کہ آؤ، ہم تمہیں اس رات کے اندر نہلا دھلا کر پاک صاف کر دیں۔ گناہوں سے پاک صاف کریں، تاکہ ہمارے ساتھ تمہارا تعلق صحیح معنی میں قائم

ہو جائے، اور جب یہ تعلق قائم ہو گا، اور تمہارے گناہ دھلیں گے تو اس کے بعد تم رمضان المبارک کی رحمتوں سے صحیح معنی میں فیض یاب ہو جاؤ گے، اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ رات عطا فرمائی، اس کی قدر پہچاننی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک رات کی قدر کرنے اور اس رات میں عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اصلاحی خطبات

جلد ۵

- تواضع رفعت اور بلندی کا ذریعہ
- حسد ایک مہلک بیماری
- خواب کی شرعی حیثیت
- سستی کا علاج چستی
- آنکھوں کی حفاظت کیجئے
- کھانے کے آداب
- پینے کے آداب
- دعوت کے آداب
- لباس کے شرعی اصول

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

(۵)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات ← حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ← محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام ← جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل ← مئی ۱۹۹۵ء
تعداد ← دو ہزار
ناشر ← میمن اسلامک پبلشرز، فون:- ۴۹۱۶۰۳۳
باہتمام ← ولی اللہ میمن
قیمت ← /- روپے

حکومت پاکستان کاپی رجسٹریشن نمبر ۱۳۵۷۸

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے

ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی پانچویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد رابع کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد خامس کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد خامس کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک پبلیشرز

لیاقت آباد۔ کراچی

اجمالی فہرست خطبات

★

تفصیلی فہرست مضامین

(۴۰) تواضع ـ رفعت اور بلندی کا ذریعہ

(۴۱) ــــ حسد-ایک مہلک بیماری

(۴۲) ___ خواب کی حیثیت

(۴۳) ـــــ سستی کا علاج چستی

(۴۴) ___ آنکھوں کی حفاظت کیجئے

(۲۵) — کھانے کے آداب

(۴۶) — پینے کے آداب

۴۷ ـــ دعوت کے آداب

(۴۸) ـ لباس کے شرعی اصول

تواضع رفعت اور بلندی کا ذریعہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

تواضع
رفعت اور بلندی کا ذریعہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد!

امابعد! فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من تواضع للہ رفعہ اللہ۔
(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی التواضع)

اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے تواضع کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد پڑھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی سے نوازتے ہیں ـــــ اس وقت اسی ارشاد کی تھوڑی سی تشریح کرنی ہے، جس میں تواضع کی اہمیت، اس کی حقیقت، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے صحیح بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ

تواضع کی اہمیت

جہاں تک تواضع کی "اہمیت" کا تعلق ہے، تو یہ تواضع اتنی اہم چیز ہے کہ اگر انسان کے اندر تواضع نہ ہو، تو یہی انسان فرعون اور نمرود بن جاتا ہے، اس لئے کہ جب دل میں تواضع کی صفت نہیں ہوگی، تو پھر تکبر ہوگا، دل میں اپنی بڑائی ہوگی، اور یہ تکبر اور بڑائی، تمام امراض باطنہ کی جڑ ہے۔

سب سے پہلی نافرمانی کی بنیاد

دیکھئے اس کائنات میں سب سے پہلی نافرمانی ابلیس نے کی، اس نے نافرمانیکا بیج بویا، اس سے پہلے نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور تمام فرشتوں کو ان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ:

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ

(سورۃ ص: ۷۶)

یعنی میں اس آدم سے اچھا ہوں، اس لئے کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اور آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟ ــــ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی، جو اس کائنات میں سرزد ہوئی، اس نافرمانی کی بنیاد تکبر اور بڑائی تھی کہ میں اس آدم سے افضل ہوں، یا اچھا ہوں، میں اس سے بہتر ہوں ــــ بس اس تکبر کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا ــــ اس سے معلوم ہوا کہ ساری نافرمانیوں اور برائیوں کی جڑ "تکبر" ہے۔ جب دل میں تکبر ہو گا تو دوسری برائیاں بھی اس میں جمع ہوں گی۔

اللہ کے حکم کے آگے عقل مت چلاؤ

اس تکبر کی وجہ یہ ہوئی کہ شیطان نے اپنی عقل پر ناز کیا۔ اس نے سوچا کہ میں ایک ایسی عقلی دلیل پیش کر رہا ہوں۔ جس کا توڑ مشکل ہو، وہ یہ کہ اگر آگ اور مٹی کا تقابل کیا جائے تو آگ مٹی سے افضل ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنی عقل چلائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا ــــ اقبال مرحوم شعر میں بعض اوقات بڑی حکیمانہ باتیں کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں انہوں نے اسی واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا کہ۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

اس لئے کہ جو عقل کا غلام بن گیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تو انکار کر دیا اس شیطان نے یہ نہیں سوچا کہ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اسی نے تجھے پیدا کیا، اور اس نے آدم کو پیدا کیا، وہ خالق کائنات بھی ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تو آدم کو سجدہ کر، تو اب تیرا کام یہ تھا کہ تو اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا، مگر تو نے اس کے حکم کی نافرمانی کی، اس لئے مردود ہوا۔

تمام گناہوں کی جڑ "تکبر"

بہر حال، تکبر سارے گناہوں کی جڑ ہے، تکبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے، تکبر سے حسد پیدا ہوتا ہے، تکبر سے بغض پیدا ہوتا ہے، تکبر کی بنیاد پر دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے، تکبر سے دوسروں کی غیبت ہوتی ہے۔ جب تک دل میں تواضع نہ ہوگی، اس وقت تک ان برائیوں سے نجات نہ ہوگی۔ اس لئے ایک مومن کے لئے تواضع کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے،

تواضع کی حقیقت

"تواضع" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "اپنے آپ کو کم درجہ سمجھنا" اپنے آپ کو کم درجہ والا کہنا تواضع نہیں، جیسا کہ آج کل لوگ تواضع اس کو سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے تواضع اور انکساری کے الفاظ استعمال کر لئے، مثلاً اپنے آپ کو "احقر" کہہ دیا، "ناچیز"، "ناکارہ" کہہ دیا۔ یا "خطاکار" "گناہ گار" کہہ دیا، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان الفاظ کے استعمال کے ذریعہ تواضع حاصل ہو گئی، حالانکہ اپنے آپ کو کمتر کہنا تواضع نہیں، بلکہ کمتر سمجھنا تواضع ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ میری کوئی حیثیت، کوئی حقیقت نہیں، اگر میں کوئی اچھا کام کر رہا ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اس کی عنایت اور مہربانی ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ـــــ یہ ہے تواضع کی حقیقت۔ جب یہ حقیقت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد زبان سے چاہے اپنے آپ کو "حقیر" اور "ناچیز" "ناکارہ" کہو، یا نہ کہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جو شخص تواضع کی اس حقیقت کو

حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔

بزرگوں کی تواضع

جن بزرگوں کی باتیں سن اور پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں، ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حد و حساب نہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ:

میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال، اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں "مسلمان کو تو اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے، اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایمان کی توفیق دیدے، اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے"۔۔۔۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہیں، سب مجھ سے افضل ہیں، اور میں ہی سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ ہوں، حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، پھر دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم حضرت تھانویؒ کے سامنے اپنی یہ حالت ذکر کرتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حالت اچھی ہے، یا بری ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی حالت بیان کی کہ حضرت آپ کی مجلس میں ہم دونوں کی یہ حال ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ کچھ فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنی یہ حالت بیان کر رہے ہو۔ حالانکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں بھی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں۔ یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔۔۔۔

یہ ہے تواضع کی حقیقت، ارے جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے تو پھر انسان تو انسان، آدمی اپنے آپ کو جانوروں سے بھی کمتر سمجھنے لگتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک دوسرا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے۔ جب تک ملاقات کرنے والا شخص خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے، جب آپ مسلسل مجلس میں بیٹھتے تو اپنا گھٹنہ بھی دوسروں سے آگے نہیں کرتے تھے۔ یعنی امتیازی شان سے نہیں بیٹھتے تھے۔ (ترمذی، کتاب القیامۃ، باب نمبر ۳۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ شروع شروع میں جس طرح اور لوگ مجلس میں آکر بیٹھ جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مل جل کر بیٹھ جاتے، نہ تو بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان ہوتی تھی، اور نہ ہی چلنے میں، لیکن بعد میں یہ ہوا کہ جب کوئی اجنبی شخص مجلس میں آتا تو اس کو آپ کے پہچاننے میں تکلیف ہوتی، اس کو پتہ نہ چلتا کہ ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ اور بعض اوقات جب مجمع زیادہ ہو جاتا، تو پیچھے والوں کو آپ کی زیارت کرنی مشکل ہوتی۔ اور سب لوگوں کی یہ خواہش ہوتی کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، اس وقت صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے لئے کوئی اونچی جگہ بنوالیں اور اس پر بیٹھ کر بات کر لیا کریں، تاکہ آنے والوں کو پتہ بھی چل جائے، اور سب لوگ آپ کی زیارت بھی کر لیا کریں اور بات سننے میں بھی سہولت اور آسانی ہو۔ اس وقت آپ نے اجازت دیدی، اور آپ کے لئے ایک چوکی سی بنا دی گئی، جس پر آپ تشریف فرما کر باتیں کیا کرتے تھے۔

حضور کا چلنا

اس سے معلوم ہوا کہ اصل یہ ہے کہ انسان اپنی کوئی امتیازی شان اور امتیازی مقام نہ بنائے، بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہے۔ عام لوگوں کی طرح چلے، البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں اس ضرورت کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی یہ صفت بیان فرمائی گئی کہ:

"ما رأي رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل متكئاً قط، ولا يطأ عقبه رجلان"
(ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی الاکل متکئا)

یعنی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ آپ کے پیچھے پیچھے لوگ چل رہے ہوں ـــــ لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ انسان خود آگے آگے چلے اور اس کے معتقدین اس کے پیچھے اس کی ایڑیوں کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اس لئے کہ اس وقت انسان کا نفس اور شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ دیکھ تیرے اندر کوئی خوبی اور بھلائی ہے۔ تب ہی تو اتنا بڑا مجمع تیرے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ اس لئے حتی الامکان اس سے پرہیز کرنا چاہئے کہ لوگ اس کے پیچھے چلیں۔ جب آدمی چلے تو یا تو اکیلا چلے، یا لوگوں کے ساتھ مل کر چلے۔ آگے آگے نہ چلے ـــــ

حضرت تھانوی" کا اعلان

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے، میرے ساتھ نہ چلے، جب میں تنہا کہیں جارہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو، حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں، میں اس کو بالکل پسند نہیں کرتا، جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے، اسی طرح چلنا چاہئے ـــــ ایک مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جارہا ہوں تو کوئی شخص آکر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے۔ مجھے اسی طرح جانے دے ـــــ تاکہ آدمی کی اپنی کوئی امتیازی شان نہ ہو، اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے، اس طریقے سے رہے ـــــ

شکستگی اور فنائیت پیدا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت اور فنائیت اور بندگی کا ہے، شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو جتنا

مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے، اتنا ہی انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوں گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب اللہ تعالیٰ ہماری روح نکل رہی ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمادیں کہ

يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۝ (سورۃ الفجر: ۲۷)

دیکھئے، اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام "بندگی" ہے۔

حضور کا اظہار عاجزی

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں وہ طریقہ پسند فرماتے، جس میں عبدیت ہو، بندگی ہو، شکستگی کا اظہار ہو، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے یہ احد پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے، تاکہ آپ کی معاش کی تکلیف دور ہو جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ "اجوع یوما واشبع یوما" ایک دن کھاؤں۔ اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جس دن کھاؤں تو آپ کا شکر ادا کروں۔ اور جس دن بھوکا رہوں اس دن صبر کروں۔ اور آپ سے مانگ کر کھاؤں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسرھما"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یسروا ولا تعسروا)

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی معاملے میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا ہے

یا تو یہ راستہ اختیار کر لیں یا یہ راستہ اختیار کر لیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان میں سے آسان راستے کو اختیار فرماتے، اس لئے کہ مشکل راستہ اختیار کرنے میں اپنی بہادری کا دعویٰ ہے کہ میں بڑا بہادر ہوں کہ یہ مشکل کام انجام دے لوں گا اور آسان راستہ اختیار کرنے میں عاجزی شکستگی اور بندگی کا اظہار ہے کہ میں تو بہت کمزور ہوں اور اس کمزوری کی وجہ سے آسان راستہ اختیار کرتا ہوں ـــــ لہٰذا جو کچھ کسی کو حاصل ہوا وہ بندگی اور فنائیت ہی میں حاصل ہوا ہے اور فنا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی مرضی اور ان کی مشیت کے آگے اپنے وجود کو انسان فنا کر دے، اور جب فنا کر دیا تو سمجھو کہ سب کچھ اس فنائیت میں حاصل ہو گیا۔

ابھی یہ چاول کچے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ بڑے عجیب و غریب معارف جاری فرمایا کرتے تھے، ایک دن فرمانے لگے جب پلاؤ پکایا جاتا ہے، تو شروع شروع میں ان چاولوں کے اندر جوش ہوتا ہے ان میں سے آواز آتی رہتی ہے اور وہ حرکت کرتے رہتے ہیں، اور ان چاولوں کا جوش مارنا، حرکت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ چاول ابھی کچے ہیں۔ پکے نہیں ہیں۔ وہ ابھی کھانے کے لائق نہیں۔ اور نہ ان میں ذائقہ ہے اور نہ خوشبو لیکن جب چاول پکنے کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا دم نکالا جاتا ہے۔ اور دم نکالتے وقت نہ تو ان چاولوں میں جوش ہوتا ہے، نہ حرکت اور آواز ہوتی ہے۔ اس وقت وہ چاول بالکل خاموش پڑے رہتے ہیں، لیکن جیسے ہی اس کا دم نکالا۔ ان چاولوں میں سے خوشبو پھوٹ پڑی۔ اور اب اس میں ذائقہ بھی پیدا ہو گیا اور کھانے کے قابل ہو گئے،

صبا جو ملنا تو کہنا میرے یوسف سے
پھوٹ نکلی تیرے پیراہن سے بو تیری

اسی طرح جب تک انسان کے اندر یہ دعوے ہوتے ہیں کہ میں ایسا ہوں، میں بڑا علامہ ہوں۔ میں بڑا متقی ہوں۔ بڑا نمازی ہوں ـــــ چاہے دعوے زبان پر ہوں۔ چاہے دل میں ہوں۔ اس وقت تک اس انسان میں نہ خوشبو ہے۔ اور نہ اس کے اندر

ذائقہ ہے۔ وہ تو کچا چاول ہے۔ اور جس دن اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے ان دعووں کو فنا کر کے یہ کہہ دیا کہ میری تو کوئی حقیقت نہیں، میں کچھ نہیں۔ اس دن اس کی خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کا فیض پھیلاتے ہیں۔

ایسے موقع پر ہمارے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

میں عارفی، آوارہ صحراء فنا ہوں
ایک عالم بے نام و نشاں میرے لئے ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے فنائیت کے صحراء میں آوارگی عطا فرمائی ہے اور مجھے فنائیت کا درس عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

حضرت سید سلیمان ندوی ؒ اور تواضع

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے علم و فضل کا طوطی بول رہا تھا، اور ڈنکا بج رہا تھا، وہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ جب میں نے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" چھ جلدوں میں مکمل کر لی، تو بار بار دل میں یہ خلش ہوتی تھی کہ جس ذات گرامی کی یہ سیرت لکھی ہے ان کی سیرت کا کوئی عکس یا کوئی جھلک میری زندگی میں بھی آئی یا نہیں؟ اگر نہیں آئی تو کس طرح آئے؟ اس مقصد کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش ہوئی، اور یہ سن رکھا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تھانہ بھون کی خانقاہ میں مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض پھیلایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانے کا ارادہ کر لیا، سفر کر کے تھانہ بھون پہنچ گئے اور حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور کئی روز وہاں مقیم رہے، جب واپس رخصت ہونے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت: کوئی نصیحت فرما دیجئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بڑے علامہ کو کیا نصیحت کروں؟ علم و فضل کے اعتبار سے پوری دنیا میں ان کی شہرت ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! میرے دل میں ایسی بات ڈال دیجئے جو ان کے حق میں بھی فائدہ مند ہو اور میرے حق میں بھی فائدہ مند ہو ...... اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بھائی ہمارے طریق میں تو اول و آخر اپنے آپ کو مٹا دینا ہے۔"
حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ کہتے وقت اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جا کر نیچے کی طرف ایسا جھٹکا دیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل پر جھٹکہ لگ گیا۔۔۔۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندوی مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں۔ یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

"انا" کا بت دل سے نکال دو

بہرحال، جب تک "انا" (میں) کا بت دل میں موجود ہے۔ اس وقت تک یہ چاول کچا ہے، ابھی جوش مار رہا ہے اور اس وقت یہ خوشبو دار بنے گا جب اس "انا" کو مٹا دیا جائے گا ـــــ فنائیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، "فنائیت" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے طور طریقے اور انداز و ادا میں انسان تکبر سے پرہیز کرے، اور عاجزی کو اختیار کرے، اور جس دن عاجزی کو اختیار کرے گا انشاء اللہ اس دن راستہ کھل جائے گا، کیونکہ حق تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ "تکبر" ہوتی ہے۔ ـــــ اور "تکبر" والا اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا سمجھتا رہے۔ اور دنیا والوں کو کتنا ہی ذلیل سمجھتا رہے۔ لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ تواضع والے کو ہی عزت عطا فرماتے ہیں اور تکبر والے کو ذلیل کرتے ہیں۔

متکبر کی مثال

عربی زبان میں کسی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے وہ کہ متکبر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا ب وہ پہاڑ کے اوپر سے نیچے چلنے پھرنے والوں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اس لئے کہ اوپر سے اس کو وہ لوگ چھوٹے نظر آ رہے ہیں اور جو لوگ نیچے

سے اس کو پہاڑ پر دیکھنے والے ہیں وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں بالکل اسی طرح ساری دنیا متکبر کو حقیر سمجھتی ہے، اور وہ دنیا والوں کو حقیر سمجھتا ہے ـــــ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو فنا کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ چیز ہمارے اندر بھی پیدا فرما دے۔ آمین ـــــ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب اور تواضع

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے کہ میں اپنے گھر میں کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلتا ہوں، اس لئے کہ کسی روایت میں پڑھ لیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر ننگے پاؤں بھی چلے تھے، میں بھی اس لئے چل رہا ہوں تاکہ حضور کی اس سنت پر بھی عمل ہو جائے ـــــ اور فرمایا کرتے کہ میں ننگے پاؤں چلتے وقت اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ دیکھ، تیری اصل حقیقت تو یہ ہے کہ نہ پاؤں میں جوتا نہ سر پر ٹوپی اور نہ جسم پر لباس اور تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور تواضع

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ رابسن روڈ کے مطب میں میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ مطب کے سامنے سے اس حالت میں گزرے کہ ان کے دائیں طرف کوئی آدمی تھا، اور نہ بائیں طرف، بس اکیلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں کوئی برتن اٹھایا ہوا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا یہ صاحب جو جا رہے ہیں، آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ یہ پاکستان کا "مفتی اعظم" ہے؟ جو ہاتھ میں پتیلی لئے جا رہا ہے۔ اور ان کے لباس و پوشاک سے، انداز و ادا سے، چال ڈھال سے کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور تواضع

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے والد ماجد کے استاذ اور دارالعلوم دیو بند کے مفتی اعظم تھے، ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ کے گھر کے آس پاس کچھ بیواؤں کے مکانات تھے، آپ کا روز کا معمول تھا کہ جب آپ اپنے گھر سے دارالعلوم دیو بند جانے کے لئے نکلتے تو پہلے ان بیواؤں کے مکانات پر جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ بی بی، بازار سے کچھ سودا سلف منگانا ہے تو بتادو، میں لادوں گا اب وہ بیوہ ان سے کہتی کہ ہاں بھائی، بازار سے اتنا دھنیہ، اتنی پیاز، اتنے آلو وغیرہ لادو۔ اس طرح دوسری کے پاس، پھر تیسری کے پاس جاکر معلوم کرتے، اور پھر بازار جاکر سودا لاکر ان کو پہنچادیتے، بعض اوقات یہ ہوتا کہ جب سودا لاکر دیتے تو کوئی بی بی کہتی، مولوی صاحب! آپ غلط سودا لے آئے، میں نے تو فلاں چیز کہی تھی، آپ فلاں چیز لے آئے میں نے اتنی منگائی تھی، آپ اتنی لے آئے، آپ فرماتے! بی بی، کوئی بات نہیں، میں دوبارہ بازار سے لادیتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جاکر سودا لاکر ان کو دیتے۔ اس کے بعد فتاویٰ لکھنے کے لئے دارالعلوم دیو بند تشریف لے جاتے، میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص جو بیواؤں کا سودا سلف لینے کے لئے بازار میں پھر رہا ہے۔ یہ "مفتی اعظم ہند" ہے۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ نہیں بتاسکتا کہ یہ علم و فضل کا پہاڑ ہے۔ لیکن اس تواضع کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کے فتاویٰ پر مشتمل بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور ابھی تک اس پر کام جاری ہے۔ اور ساری دنیا ان سے فیض اٹھارہی ہے ——— وہی بات ہے کہ ۔

پھوٹ نکلی تیرے پیراہن سے بو تیری

وہ خوشبو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی ——— آپ کا انتقال بھی اس حالت میں ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں ایک فتویٰ تھا، اور فتویٰ لکھتے لکھتے آپ کی روح قبض ہوگئی ———

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور تواضع

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیو بند کے بانی ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ

ہوتا تھا۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنا بڑا علامہ ہے، جب مناظرہ کرنے پر آجائیں تو بڑوں بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں۔ لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، تو انگریزوں کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا۔ چنانچہ ایک آدمی ان کو گرفتار کرنے کے لئے آیا۔ کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں۔ جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا کہ "مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے۔" اس لئے جو شخص گرفتار کرنے آیا تھا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جبے قبے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہوں گے جنہوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی ہے، اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔ یہ ہی مولانا قاسم صاحب ہیں، بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ حضرت مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لئے چھپانا بھی ضروری ہے، اور جھوٹ بھی نہیں بولنا ہے، اس لئے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے پھر جواب دیا کہ: ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، چنانچہ وہ شخص یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے۔ لیکن اب موجود نہیں ہیں، چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

دو حرف علم

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں مر گیا اس طرح فنائیت کے ساتھ زندگی گزاری۔

حضرت شیخ الہند" اور تواضع

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

مولانا محمد مغیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسی تحریک چلائی جس نے پورے ہندوستان، افغانستان اور ترکی سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا ـــــ آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی۔ چنانچہ اجمیر میں ایک عالم تھے مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو خیال آیا کہ دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند سے ملاقات اور ان کی زیارت کرنی چاہئے، چنانچہ ریل گاڑی کے ذریعہ دیوبند پہنچے اور وہاں ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھے مولانا شیخ الہند سے ملاقات کے لئے جانا ہے ـــــ اب ساری دنیا میں تو وہ شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے، مگر دیوبند میں "بڑے مولوی صاحب" کے نام سے مشہور تھے ـــــ تانگے والے نے پوچھا کہ کیا بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ تانگے والے نے حضرت شیخ الہند کے گھر کے دروازے پر اتار دیا۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ جب انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے نکلا، انہوں نے اس سے کہا کہ میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے کے لئے اجمیر سے آیا ہوں۔ میرا نام معین الدین ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تشریف لائیں۔ اندر بیٹھیں، چنانچہ جب بیٹھ گئے تو پھر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو اطلاع کر دیں کہ معین الدین اجمیری آپ سے ملنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ گرمی میں آئیں ہیں تشریف رکھیں اور پھر پنکھا جھلنا شروع کر دیا ـــــ جب کچھ دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری صاحب نے پھر کہا کہ میں نے تم سے کہا کہ جا کر مولانا کو اطلاع کر دو کہ اجمیر سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہے، انہوں نے کہا اچھا، ابھی اطلاع کرتا ہوں، پھر اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے آئے۔ مولانا نے پھر کہا کہ بھائی میں یہاں کھانا کھانے نہیں آیا، میں تو مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے ان سے ملاؤ، انہوں نے فرمایا۔ حضرت، آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ابھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کھانا کھایا۔ پانی پلایا ـــــ یہاں تک کہ مولانا معین الدین صاحب ناراض ہونے لگے کہ میں تم سے بار بار کہہ رہا ہوں مگر تم جا کر ان کو اطلاع نہیں کرتے، پھر فرمایا کہ حضرت بات یہ ہے کہ یہاں شیخ الہند تو کوئی نہیں رہتا۔ البتہ بندہ محمود اسی عاجز کا ہی نام ہے ـــــ تب جا کر مولانا معین

الدین صاحب کو پتا چلا کہ شیخ الہند کہلانے والے محمود الحسن صاحب یہ ہیں ـــــ جن سے میں اب تک ناراض ہو کر گفتگو کرتا رہا ـــــ یہ تھا ہمارے بزرگوں کا البیلا رنگ، اللہ تعالیٰ اس کا کچھ رنگ ہمیں بھی عطا فرما دے ـــــ آمین۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور تواضع

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ایک مرتبہ کسی جگہ سے واپس کاندھلہ تشریف لا رہے تھے، جب ریل گاڑی سے کاندھلے کے اسٹیشن پر اترے تو وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سر پر سامان کا بوجھ اٹھائے جارہا ہے، اور بوجھ کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جارہا ہے، آپ کو خیال آیا کہ یہ شخص بیچارہ تکلیف میں ہے، چنانچہ آپ نے اس بوڑھے سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا تھوڑا سا بوجھ اٹھا لوں اس بوڑھے نے کہا آپ کا بہت شکریہ اگر آپ تھوڑا سا اٹھالیں۔ چنانچہ مولانا صاحب اس کا سامان سر پر اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے، اب چلتے چلتے راستے میں باتیں شروع ہو گئیں، حضرت مولانا نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں کاندھلے جارہا ہوں مولانا نے پوچھا کہ کیوں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہاں ایک بڑے مولوی صاحب رہتے ہیں ان سے ملنے جارہا ہوں۔ مولانا نے پوچھا کہ وہ بڑے مولوی صاحب کون ہیں؟ اس نے کہا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی، میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑے مولانا ہیں، بڑے عالم ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں وہ عربی تو پڑھ لیتے ہیں ـــــ یہاں تک کہ کاندھلہ قریب آگیا کاندھلہ میں سب لوگ مولانا کو جانتے تھے، جب لوگوں نے دیکھا کہ مولانا مظفر حسین صاحب سامان اٹھائے جارہے ہیں تو لوگ ان سے سامان لینے کے لئے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے ان کی طرف دوڑے ـــــ اب ان بڑے میاں کی جان نکلنے لگی اور پریشان ہو گئے کہ میں نے اتنا بڑا بوجھ حضرت مولانا پر لاد دیا ـــــ چنانچہ مولانا نے ان سے کہا کہ بھائی اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، میں نے دیکھا کہ تم تکلیف میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت کی توفیق دیدی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ـــــ

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اور واقعہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے، اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے۔ خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہو گا، چنانچہ میں نے دیکھا نہیں کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب میرے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت، یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو۔ میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لئے دبانے کے لئے آگیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور تواضع

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ بڑے اونچے درجے کے عالم تھے، ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں بیان فرمایا کہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو بالکل خاموش رہتے تھے، کچھ بولتے نہیں تھے ـــــ جیسے آج کل بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرتا ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو آپ کا حسن ظن ہے، ورنہ ہم تو اس قابل نہیں ہیں وغیرہ ـــــ حالانکہ دل میں بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہماری اور تعریف کرے اور ساتھ ساتھ دل میں بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ میں یہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں ـــــ یہ حقیقت میں بناوٹی تواضع ہوتی ہے، حقیقی تواضع نہیں ہوتی ـــ لیکن حضرت مولانا یعقوب صاحب خاموش رہتے۔ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں۔

اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں اس لئے تعریف کرنے سے نہ تو روکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تردید کرتے ہیں ـــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان کے اندر تواضع نہیں ہے۔ حالانکہ ان باتوں کا نام تواضع نہیں بلکہ تواضع تو دل کے اندر ہوتی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کبھی کسی کام کو اپنے سے فروتر نہیں سمجھتا۔

تواضع کا ایک اور واقعہ

چنانچہ انہیں کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمالی، اس شخص کا گاؤں فاصلے پر تھا۔ لیکن اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا جب کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ سواری کا انتظام کرنا چاہئے تھا۔ بہرحال، اس کے گھر پہنچے، کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے، اس کے بعد جب واپس چلنے لگے تو اس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بلکہ الٹا یہ غضب کیا کہ بہت سارے آموں کی گٹھری بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت یہ کچھ آم گھر کے لئے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے۔ اور سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے، کیسے اتنی بڑی گٹھری لے کر جائیں گے۔ مگر اس نے وہ گٹھری مولانا کو دیدی اور مولانا نے قبول فرمالی، اور اٹھا کر چل دیئے اب ساری عمر مولانا نے کبھی اتنا بوجھ اٹھایا نہیں، شہزادوں جیسی زندگی گزاری، اب اس گٹھری کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے، کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے، چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آنے لگا تو اب دونوں ہاتھ تھک کر چور ہو گئے، نہ اس ہاتھ میں چین، نہ اس ہاتھ میں چین، آخر کار اس گٹھری کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا جب سر پر رکھا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے، ہم بھی عجیب آدمی ہیں۔ پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گٹھری کو سر پر رکھ دیں، ورنہ اتنی تکلیف اٹھانی نہ پڑتی، اب مولانا اس حالت میں دیوبند میں داخل ہو رہے ہیں کہ سر پر آموں کی گٹھری ہے اب راستے میں جو لوگ ملتے وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ اور آپ نے ایک ہاتھ سے گٹھری سنبھالی ہوئی

ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اسی حالت میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے مرتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے ـــــ بہر حال، انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے ـــ یہ ہے تواضع کی علامت ـــــ

ایک عجیب و غریب واقعہ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ کا سنا ہوگا، بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ جن کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا ـــــ وہ یہ کہ ساری عمران کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی تمنا اور آرزو رہتی تھی۔ بہت آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت عطا فرمائی، حج کے لئے تشریف لے گئے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ منور تشریف لے گئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری ہوئی تو اس وقت بے ساختہ عربی کے یہ دو اشعار پڑھے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی

وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یا رسول اللہ، جب میں آپ سے دور تھا تو دوری کی حالت میں روضہ اقدس پر اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا، وہ آکر میری نائب اور قائم مقام بن کر زمین کا بوسہ لیتا کرتی تھی۔ آج جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے جسمانی طور پر حاضری نصیب ہو گئی ہے تو آپ اپنا دست مبارک بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ اس سے سیراب اور فیض یاب ہو سکیں۔ یعنی میں ان کو بوسہ لوں، بس شعر کا پڑھنا تھا کہ فوراً روضہ اقدس سے دست مبارک بر آمد ہوا، اور جتنے لوگ وہاں حاضر تھے۔ سب نے دست مبارک کی زیارت کی، اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے دست مبارک کا بوسہ لیا، اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ اب حقیقت کیا تھی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔

تکبر کا علاج

اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا بڑا اعزاز عطا فرمایا اور اتنا بڑا اکرام فرمایا کہ جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوا، کہیں اس کے نتیجے میں میرے دل کے اندر عجب اور تکبر اور بڑائی کا شائبہ پیدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ مسجد نبوی کے دروازے پر لیٹ گئے اور حاضرین سے فرمایا کہ میں سب کو قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے اوپر سے پھلانگ کر باہر نکلیں تاکہ بڑائی کا یہ شائبہ بھی دل سے نکل جائے ــــــ اس طرح آپ نے تکبر اور عجب کا علاج کیا۔ یہ واقعہ تو درمیان میں بطور تعارف کے عرض کر دیا، ورنہ اصل واقعہ یہ بیان کرنا تھا کہ:

خدمت خلق کی بہترین مثال

ایک مرتبہ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بازار تشریف لے جارہے تھے، سڑک پر ایک خارشی کتا دیکھا، خارش اور بیماری کی وجہ سے اس سے چلا بھی نہیں جارہا تھا جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان کو اللہ کی مخلوق سے بھی بے پناہ شفقت اور محبت ہوتی ہے، اور یہ محبت، و شفقت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق ہے، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی تسبیح، مصلی اور گدڑی کا نام طریقت نہیں، بلکہ خدمت خلق کا نام طریقت ہے ــــــ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور، اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں مخلوق کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اللہ والوں کو انسانوں، بلکہ جانوروں تک سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بہر حال، جب سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتے کو اس حالت میں

دیکھا تو آپ کو اس پر ترس اور رحم آیا، اور اس کتے کو اٹھا کر گھر لائے، پھر ڈاکٹر کو بلا کر اس کا علاج کرایا، اس کی دوا کی، اور روزانہ اس کی مرہم پٹی کرتے رہے، کئی مہینوں تک اس کا علاج کرتے رہے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو تندرست کر دیا تو آپ نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ اگر کوئی شخص روزانہ اس کو کھلانے پلانے کا ذمہ لے تو اس کو لے جائے، ورنہ پھر میں ہی اس کو رکھتا ہوں، اور اس کو کھلاؤں گا، اس طرح آپ نے اس کتے کی پرورش کی۔

ایک کتے سے مکالمہ

اس واقعہ کے بعد ایک روز سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، بارش کا موسم تھا، کھیتوں کے درمیان جو پگڈنڈی ہوتی ہے، اس پر سے گزر رہے تھے، دونوں طرف پانی کھڑا تھا کیچڑ تھی۔ چلتے چلتے سامنے سے اس پگڈنڈی پر ایک کتا آگیا، اب یہ بھی رک گئے اور کتا بھی ان کو دیکھ کر رک گیا، وہ پگڈنڈی اتنی چھوٹی تھی کہ ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا، دو آدمی نہیں گزر سکتے تھے، اب یا تو کتا نیچے کیچڑ میں اتر جائے، اور یہ اوپر سے گزر جائیں، یا پھر یہ کیچڑ میں اتر جائیں، اور کتا اوپر سے گزر جائے، دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ کون نیچے اترے، میں اتروں، یا کتا اترے؟

اس وقت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کتے کے ساتھ مکالمہ ہوا ـــــ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ مکالمہ کس طرح ہوا؟ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت کے اس کتے کو کچھ دیر کے لئے زبان دیدی ہو۔ اور واقعی مکالمہ ہوا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دل میں یہ مکالمہ کیا ہو ـــــ بہرحال، اس مکالمہ میں حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ نے کتے سے کہا کہ تم نیچے اتر جا، تاکہ میں اوپر سے گزر جاؤں ـــــ

کتے نے جواب میں کہا: میں نیچے کیوں اتروں، تم بڑے درویش اور اللہ کے ولی بنے پھرتے ہو، اور اللہ کے ولیوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایثار کا پیکر ہوتے ہیں، دوسروں کے لئے قربانی دیتے ہیں، تم کیسے اللہ کے ولی ہو کہ مجھے اترنے کا حکم دے رہے ہو، خود کیوں نہیں اتر جاتے؟

حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے اور تیرے اندر فرق ہے، وہ یہ کہ میں مکلف ہوں، تو غیر مکلف ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے، تجھے نماز نہیں پڑھنی ہے، اگر نیچے اترنے کی وجہ سے تیرا جسم گندہ اور ناپاک ہو گیا تو تجھے غسل اور طہارت کی ضرورت نہیں ہوگی ـــــ اگر میں اتر گیا تو میرے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے اور میری نماز میں خلل واقع ہو گا، اس لئے میں تجھ سے کہہ رہا ہوں کہ تو نیچے اتر جا ـــــ

ورنہ دل گندہ ہو جائے گا

کتے نے جواب میں کہا: واہ ـــ آپ نے بھی عجیب بات کہی کہ کپڑے گندے ہو جائیں گے۔ ارے، اگر آپ کے کپڑے گندے ہو جائیں گے تو ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو اتار کر دھو لینا، وہ کپڑے پاک ہو جائیں گے، لیکن اگر میں نیچے اتر گیا تو تمہارا دل گندا ہو جائے گا اور تمہارے دل میں میں یہ خیال آ جائے گا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں، میں انسان ہوں، اور یہ کتا ہے، اور اس خیال کی وجہ سے تمہارا دل ایسا گندا ہو جائے گا کہ اس کی پاکی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ دل کی گندگی کے بجائے کپڑوں کی گندگی کو گوارا کر لو اور نیچے اتر جاؤ ـــــ

بس، کتے کا یہ جواب سن کر حضرت شیخ نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ تم نے صحیح کہا کہ کپڑوں کو دوبارہ دھو سکتا ہوں، لیکن دل نہیں دھو سکتا۔ یہ کہہ کر آپ کیچڑ میں اتر گئے، اور کتے کو راستہ دیدیا۔

جب یہ مکالمہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے احمد کبیر! آج ہم نے تم کو ایک ایسے علم کی دولت سے نوازا، کہ سارے علوم ایک طرف اور یہ علم ایک طرف، اور یہ درحقیقت تمہارے اس عمل کا انعام ہے کہ تم نے چند روز پہلے ایک کتے پر ترس کھا کر اس کا علاج اور دیکھ بھال کی تھی ـــــ اس عمل کی بدولت ہم نے تمہیں ایک کتے کے ذریعہ ایسا علم عطا کیا جس پر ساری علوم قربان ہیں ـــــ وہ علم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کتے سے بھی افضل نہ سمجھے اور کتے کو اپنے مقابلے میں حقیر خیال نہ کرے

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ ہمارے ساتھ بڑا عجیب معاملہ ہوا، جب ہم یہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا عمل لے کر آئے ہو؟ میں نے سوچا کہ کیا جواب دوں، اور اپنا کون سا عمل پیش کروں، اس لئے کہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو پیش کروں، لہٰذا میں نے جواب دیا، یا اللہ! کچھ بھی نہیں لایا، خالی ہاتھ آیا ہوں، آپ کے کرم کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں ــــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ویسے تو تم نے بڑے بڑے عمل کئے، لیکن تمہارا ایک عمل ہمیں بہت پسند آیا، آج اسی عمل کی بدولت ہم تمہاری مغفرت کر رہے ہیں۔ وہ عمل یہ ہے کہ ایک رات جب تم اٹھے تو تم نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے، کانپ رہا ہے، تم نے اس پر ترس کھا کر اس کو اپنے لحاف میں جگہ دیدی، اور اس کی سردی دور کر دی، اور اس بلی کے بچے نے آرام کے ساتھ ساری رات گزاری ــــــ چونکہ تمہارا یہ عمل اخلاص پر مبنی تھا اور ہماری رضا کے علاوہ کوئی غرض شامل حال نہیں تھی، بس تمہارا یہ عمل ہمیں اتنا پسند آیا کہ اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔"

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو بڑے علوم و معارف حاصل کئے تھے، وہ سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہاں تو صرف ایک ہی عمل پسند آیا، وہ تھا "مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق"۔

خلاصہ کلام

بہر حال، حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ کو اس الہام علم کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ وہ سارے علوم ایک طرف، اور یہ ایک علم کہ "میں بے حقیقت چیز ہوں" اور میری اپنی ذات کے اندر کوئی حقیقت نہیں ہے"، یہی سارے علوم کی جان ہے جو آج ہم نے تمہیں عطا کر دی" اسی کا نام تواضع ہے سارے بڑے بڑے اولیاء اللہ اس بات کی فکر میں لگے رہتے تھے کہ کہیں اپنے اندر تکبر کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہو جائے ـــــ

"تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق

آجکل "علم نفسیات" کا بڑا زور ہے، اور "علم نفسیات" میں سے ایک چیز آجکل لوگوں میں بہت مشہور ہے، وہ ہے "احساس کمتری" اس کو بہت برا سمجھا جاتا ہے کہ "احساس کمتری" بہت بری چیز ہے، اگر کسی میں یہ پیدا ہو جائے تو اس کا علاج کیا جاتا ہے، ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب آپ لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ "اپنے آپ مٹاؤ" تو اس کے ذریعے آپ لوگوں کے اندر "احساس کمتری" پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ بات درست ہے کہ لوگ اپنے اندر احساس کمتری پیدا کریں۔؟

بات دراصل یہ ہے کہ "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ "علم نفسیات" ایجاد کی، انہیں دین کا علم، یا اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی علم تھا ہی نہیں، انہوں نے ایک "احساس کمتری" کا لفظ اختیار کر لیا، حالانکہ اس میں بہت سی اچھی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کو "احساس کمتری" کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔

احساس کمتری میں تخلیق پر شکوہ

دونوں میں فرق یہ ہے کہ "احساس کمتری" میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر شکوہ اور شکایت ہوتی ہے۔ یعنی احساس کمتری میں انسان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھے محروم اور پیچھے رکھا گیا ہے۔ میں مستحق تو زیادہ کا تھا۔ لیکن مجھے کم ملا، یا مثلاً یہ احساس کہ مجھے بدصورت پیدا کیا گیا، مجھے بیمار پیدا کیا گیا، مجھ دولت کم دی گئی، میرا رتبہ کم رکھا گیا۔ اس قسم کے شکوے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور پھر اس شکوے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جھنجلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر اس احساس کمتری کے نتیجے میں انسان دوسروں سے حسد کرنے لگتا ہے، اور اس کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، بہرحال، احساس کمتری کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے شکوے پر ہوتی ہے۔

"تواضع" شکر کا نتیجہ ہے

جہاں تک تواضع کا تعلق ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ تواضع کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ نعمت ملتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، یہ ان کا کرم اور ان کی عطا ہے، میں تو اس کا مستحق نہیں تھا۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ "احساس کمتری" اور "تواضع" میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اس لئے تواضع محبوب اور پسندیدہ عمل ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ "تکبر" خاصیت یہ ہے کہ "متکبر" بالآخر وہ ذلیل ہوتا ہے، اور تواضع کی خاصیت یہ ہے کہ "متواضع" شخص کو بالآخر عزت حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ صرف رفعت اور بلندی حاصل کرنے کے لئے جھوٹی اور بناوٹی تواضع نہ ہو، بلکہ وہ حقیقی تواضع ہو۔

تواضع کا دکھاوا

بعض اوقات ہم لوگ زبان سے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ہماری حقیقت کیا ہے؟ اور ہم تو ناچیز ہیں، ناکارہ ہیں، احقر ہیں وغیرہ، بسا اوقات یہ تواضع نہیں ہوتی بلکہ تواضع کا دکھاوا، تواضع کا دھوکا ہوتا ہے ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اس بات کا اندازہ لگانا کہ وہ یہ الفاظ واقعی تواضع سے کہہ رہا ہے یا دکھلاوے سے کہہ رہا ہے اس کا امتحان بہت آسان ہے وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص کہے میں تو بڑا ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، خطا کار ہوں اور گناہ گار ہوں آپ اس وقت اگر جواب میں یہ کہہ دیں کہ بے شک آپ نے بالکل صحیح فرمایا، آپ واقعی بڑے ناچیز ہیں، بڑے ناکارہ ہیں، بڑے خطا کار ہیں، اور بڑے گناہ گار ہیں، پھر دیکھو کہ اس جواب کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اگر اس نے سچے دل سے یہ الفاظ کہے تھے تب تو اس جواب کا خیر مقدم کریگا لیکن اگر اس جواب کی وجہ سے اس کے دل میں ملال پیدا ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سچے دل سے یہ باتیں نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ تواضع کے الفاظ اس لئے استعمال کر رہا تھا تاکہ جواب میں

یہ کہا جائے کہ نہیں حضرت! آپ تو بڑے نیک ہیں، بڑے متقی ہیں، بڑے پرہیز گار ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنوعی تواضع میں جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ سچے دل سے نہیں کہے جاتے، بلکہ دوسروں سے اپنی تعریف کروانے کے لئے کہے جاتے ہیں لہٰذا یہ تواضع نہ ہوئی،

ناشکری بھی نہ ہو

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کچھ اچھے اوصاف ہوتے ہی ہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، کسی کو صحت دی ہے، کسی کو دولت دی ہے، کسی کو کوئی مرتبہ دیا ہے، کسی کو کوئی منصب دیا ہے، یہ ساری چیزیں موجود ہیں، تو انسان کیسے انکار کر دے، اور کہے کہ یہ چیز ہمیں حاصل نہیں، اگر اس کا انکار کر دے گا تو ناشکری، اور کفرانِ نعمت ہو گا، اس کے جواب میں بزرگوں نے فرمایا کہ تواضع کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ناشکری کی حد تک پہنچ جائے، تواضع بھی ہو، لیکن ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری بھی نہ ہو۔

یہ تواضع نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ الٰہ آباد سے کانپور کے لئے ریل میں سوار ہوا۔ چند جنٹلمین اس ہی ڈبہ میں سوار تھے اور ایک منصف صاحب بھی سوار تھے۔ یہ منصف صاحب پرانے اور سادی وضع کے آدمی تھے۔ ان جنٹلمیوں نے ان منصف صاحب کو بنانا شروع کیا۔ اگرچہ بے تکلفی کی ابتداء منصف صاحب کی طرف سے ہوئی۔ غرض ان جنٹلمیوں نے کھانے کا دسترخوان کھولا اور ان میں سے ایک نے منصف صاحب سے کہا کہ آیئے آپ بھی کچھ گوموت کھا لیجئے۔ دوسرے ساتھی بولے کہ کیا واہیات ہے؟ توبہ کرو، توبہ کرو، کھانے کو گوموت کہتے ہو؟ اس نے جواب میں کہا کہ اپنے کھانے کو کھانا کہنا بھی تکبر ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنا کھانا ہے گوموت ہی کہنا تواضع ہے۔

تکبر اور ناشکری سے بھی بچنا ہے:

ایک طرف ناشکری سے بھی بچنا ہے دوسری طرف تکبر سے بھی بچنا ہے، اور تواضع اختیار کرنی ہے، دونوں کام جمع کرے، مثلاً نماز پڑھی، روزہ رکھا اور اس عمل کو یہ سمجھا کہ میں نے بڑا زبردست عمل کر لیا تو یہ بڑا تکبر ہے اور اگر اپنے عمل کے بارے میں یہ کہا کہ یہ تو بیکار ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ نماز کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ صاحب! ہم نے ٹکریں مار لیں، تو یہ اس عمل پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ناشکری اور ناقدری ہے۔

شکر اور تواضع کیسے جمع ہوں؟

سوال یہ ہے کہ دونوں چیزوں کو کیسے جمع کیا جائے کہ ناشکری بھی نہ ہو، تکبر بھی نہ ہو؟ شکر بھی ادا ہو اور تواضع بھی ہو؟ حقیقت میں یہ کوئی مشکل کام نہیں ــــ دونوں کاموں کو جمع کرنا بالکل آسان ہے، وہ اس طرح کہ انسان یہ خیال کرے کہ اپنی ذات میں تو میرے اندر اس عمل کی ذرہ برابر طاقت اور صلاحیت نہیں تھی، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ عمل کرا دیا اس طرح دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں کہ اپنی ذات میں اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھا تو تواضع ہو گئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کا اقرار کیا تو یہ شکر ہو گیا ــــ اب دونوں باتیں جمع ہو گئیں اس لئے جو بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہو، اسکے اندر کبھی تکبر نہیں آ سکتا، کیونکہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ میرے اندر اپنی ذات میں کوئی صلاحیت نہیں تھی، اللہ جل جلالہ نے اپنے فضل و کرم اور اپنی عطا سے مجھے یہ چیز عطا فرمائی ہے،

دیکھئے! نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا فرمایا:

"انا سید ولد آدم ولا فخر"

(ترمذی، کتاب المناقب، باب نمبر ۳، حدیث نمبر ۳۶۳۲)

میں سارے آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں اب اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اپنی بڑائی کا اظہار فرما رہے ہیں، ــــ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ "ولا فخر" یعنی کہ میں اپنا سردار ہونا بڑائی کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بڑا بنا دیا، اور سارے آدم کے بیٹوں کا سردار بنایا یہ محض ان کی عطا ہے، میری ذات کی بڑائی کا اس میں کوئی دخل نہیں ــــ

ایک مثال

اس بات کو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا، فرمایا کہ اس کو ایک مثال سے سمجھو کہ پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے، اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے، مالک ان کو بازار میں باقاعدہ بیچ سکتا تھا، آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا، مالک جو بھی حکم دے گا غلام کو کرنا ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جا رہا ہوں میری غیر موجودگی میں اب تم حکمرانی کرو، اب وہ حکمرانی کر رہا ہے ــــ گورنر بنا ہوا ہے، لیکن ہے غلام کا غلام، لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے، یہ میری قوت بازو کا یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، کچھ بھی نہیں، اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آجائے گا تو کہہ دے گا کہ ہٹو، اب بیت الخلاء صاف کرو، تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری رہ جائے گی، معلوم ہوا کہ وہ غلام بیشک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے، کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے ــــ حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں۔

بندہ کا درجہ غلام سے کمتر

یہ تو ایک غلام کا حال تھا، لیکن "بندہ" ہونے کا درجہ اس سے کہیں زیادہ نیچے ہے، لہٰذا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندہ کو کوئی منصب عطا فرما دیں تو "بندہ" کو سمجھنا چاہئے کہ منصب تو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا، اسی وجہ سے یہ کام انجام دے رہا ہوں، لیکن میں ان کا بندہ ہوں میری حقیقت اس غلام سے بھی فروتر ہے، جس کو مالک نے تخت پر بٹھا دیا ــــ کتنے غلام گزرے ہیں، جنہوں نے بادشاہت کی ہے، لیکن رہے غلام

کے غلام ۔۔۔۔

عبرت ناک قصہ

ایک عبرت ناک قصہ یاد آیا، ایک غلام نے اپنے آقا کے خلاف بغاوت کر کے آقا کو قتل کر دیا، اور باقاعدہ بادشاہ بن گیا، اب مدتوں تک بادشاہ بنا رہا، شہزادے بھی پیدا ہو گئے، لیکن حقیقت میں تو وہ بادشاہ کا غلام تھا، ایک مرتبہ اس غلام بادشاہ نے شیخ عز الدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں بلایا، جو اولیاء اللہ میں سے تھے ۔۔۔۔ یہ اپنی صدی کے مجدد تھے ۔۔۔۔ اس غلام بادشاہ نے ان کو بلا کر کہا میں آپ کو قاضی بنانا چاہتا ہوں، شیخؒ نے جواب میں کہا کہ بات یہ ہے کہ قاضی بنانے کا کام اس شخص کا ہے جو خلیفہ برحق ہو، اور آپ خلیفہ برحق نہیں ہے، اس لئے کہ آپ تو غلام ہیں، آپ نے اپنے آقا کو قتل کر کے از خود بادشاہ بن بیٹھے، اپنی ملکیت میں بہت ساری زمینیں آپ نے رکھی ہیں حالانکہ آپ مالک بن ہی نہیں سکتے، کیونکہ غلام کے اندر مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا جب تک آپ اپنی اس حیثیت کی اصلاح نہیں کریں گے، میں اس وقت تک آپ کا کوئی منصب قبول نہیں کروں گا ۔۔۔

اس زمانے میں بہرحال کچھ نہ کچھ خیر ہوا کرتی تھی، باوجودیکہ اپنے آقا کو قتل کرنے کا جرم کیا تھا، لیکن پھر بھی دل میں کچھ خدا کا خوف تھا، اور اللہ والوں کے کہنے کے انداز سے بھی دل پر اثر ہوتا ہے، اس بادشاہ نے کہا: بات تو آپ نے صحیح کہی، واقعی میں تو غلام ہوں، آپ مجھے کوئی ایسا راستہ بتا دیجئے جس کے ذریعے میں اس غلامی سے نکل جاؤں، شیخ نے کہا کہ اس کا راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم اور تمہارے سارے شہزادوں کو بازار میں کھڑا کر کے فروخت کیا جائے، اور جو قیمت وصول ہو وہ تمہارے مرحوم آقا کے ورثاؤں میں تقسیم کر دیئے جائیں اور جو شخص تمہیں خریدے، وہ آزاد کر دے، پھر تمہیں آزادی مل جائے گی ۔۔۔۔ اب اندازہ لگایئے بادشاہ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم کو اور بیٹوں کو بازار میں کھڑا کر کے بیچا جائے گا۔ قیمت لگائی جائے گی، نیلام ہو گا، اس کے بعد پھر تمہاری بادشاہت درست ہو گی، لیکن چونکہ دل میں کچھ خوف خدا اور آخرت کی فکر تھی، وہ اس لئے وہ بادشاہ اس پر راضی ہو گیا۔

چنانچہ تاریخ کا یہ منفرد واقعہ ہے کہ اس بادشاہ کو اور شہزادوں کو بازار میں کھڑا کر کے نیلام کیا گیا، بولی لگائی گئی، چنانچہ ایک شخص نے ان کو خرید کر پھر معاوضہ لے کر ان کو آزاد کیا، تب جا کر بادشاہ کی بادشاہت درست ہوئی، ہماری تاریخ کے اندر ایسی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں، جو دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئیں گی، بہر حال جس طرح ایک غلام تخت کے اوپر بیٹھا ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں غلام ہوں، اسی طرح جب تم کسی منصب پر فائز ہو جاؤ تو ساتھ ساتھ دل میں یہ سمجھو کہ تم اللہ کے بندے ہو، اگر یہ حقیقت ذہن نشین رہے گی تو کبھی اس منصب پر بیٹھ کر دوسروں پر ظلم نہیں کر سکو گے۔

عبادت میں تواضع :

اسی طرح! اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے ــــــ اب نہ تو یہ کرو کہ اس نماز کو دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھرو کہ میں نے نماز پڑھی تھی، اور نماز پڑھ کر میں تو بڑا بزرگ ہو گیا، جیسا کہ عربی کا محاورہ مشہور ہے کہ :

صلی الحائك ركعتين وانتظر الوحی

ایک جولاہے کو ایک مرتبہ دو رکعتیں نفل پڑھنے کا موقع مل گیا تھا، تو اس کے بعد وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا، اس نے یہ سمجھا کہ میں نے جو عمل کیا ہے وہ اتنا بڑا اعلیٰ درجہ کا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہونی چاہئے ــــــ لہٰذا نہ تو یہ کرو کہ اپنے عمل کو بہت بڑا سمجھ بیٹھو، اور اپنے لئے بڑے اعزاز تجویز کرنے لگو ــــــ اور نہ اپنے عمل کو اتنا حقیر سمجھو جس سے ناشکری ہو جائے، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میری نماز کیا، میں تو اٹھک بیٹھک کرتا ہوں ــــــ

ایسے الفاظ مت کہو، یہ نماز کی توہین ہے ــــ بلکہ یوں کہو کہ میں تو اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی ــــ

دو کام کر لو

اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کسی عبادت کی توفیق ہو جائے تو دو کام

کرو، ایک شکر ادا کرو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اس عمل کی توفیق دے دی، ورنہ کتنے لوگ ہیں جن کو توفیق نہیں ہوتی اللہ تبارک و تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے توفیق دی، دوسرے استغفار کرو کہ جو کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں اس عمل میں ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے، ان شاء اللہ ان دو عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسی عبادت کو قبول فرمالیں گے۔

کیفیات ہرگز مقصود نہیں:

ہمارے دلوں میں ہر وقت یہ اشکال رہتا ہے کہ اتنے دن سے نماز پڑھ رہے ہیں، تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں، ذکر بھی کر رہے ہیں، معمولات بھی ہیں، نفلیں بھی پڑھی ہیں، تہجد اور اشراق بھی پڑھ رہے ہیں، لیکن دل کی حالت میں تبدیلی کیوں نظر نہیں آ رہی ہے، کوئی کیفیت کیوں پیدا نہیں ہو رہی ہے؟ خوب سمجھ لو کہ یہ کیفیات ہرگز مقصود نہیں، اور جو کچھ عمل کی توفیق ہو رہی ہے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی طرف سے انعام ہے، اور یہ جو فکر ہوتی ہے کہ یہ اعمال پتہ نہیں قبول ہوتے ہیں کہ نہیں، یہ خوف دل میں ہونا چاہئے، اور یہ سوچے کہ اپنی ذات میں تو یہ عمل اس قابل نہیں تھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے لیکن جب اس نے اس عمل کی توفیق دے دی تو اس کی رحمت سے یہ بھی امید ہے کہ یہ عمل قبول ہوگا۔

عبادت کے قبول ہونے کی ایک علامت

حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ ــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ــــ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! اتنے دن سے نماز پڑھ رہا ہوں، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے کہ نہیں، حضرت نے جواب میں فرمایا: ــــ ارے بھئی! اگر یہ نماز قبول نہ ہوتی تو دوسری بار پڑھنے کی توفیق نہ ہوتی، جب تم نے ایک عمل کر لیا اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہی عمل دوبارہ کرنے کی توفیق دے دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلا عمل قبول ہے ان شاء اللہ ــــ اس وجہ سے نہیں کہ اس عمل کی کوئی خصوصیت تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے تمہیں توفیق دی، اس لئے اپنی نماز اور

ایک بزرگ کا واقعہ

مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ بہت دنوں تک نمازیں پڑھتے رہے، روزے رکھتے رہے اور تسبیحات واذکار کرتے رہے، ایک دن دل میں یہ خیال آیا کہ میں اتنے عرصے سے یہ سب کچھ کر رہا ہوں، لیکن اللہ میاں کی طرف سے کوئی جواب وغیرہ تو آتا نہیں ہے معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ اعمال پسند ہیں یا نہیں؟ اس کی بارگاہ میں مقبول ہیں یا نہیں؟ آخر کار اپنے شیخ کے پاس جاکر عرض کیا کہ حضرت! اتنے دل سے عمل کر رہا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا، یہ سن کر شیخ نے فرمایا، ارے بیوقوف! یہ جو تمہیں اللہ اللہ کرنے کی توفیق ہو رہی ہے، یہ ہی ان کی طرف سے جواب ہے، اس لئے کہ اگر تمہارا عمل قبول نہ ہوتا، تو تمہیں اللہ اللہ کرنے کی توفیق نہ ہوتی، کسی اور جواب کے انتظار میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

کہ گفت آں اللہ تو لبیک ماست
زیں نیاز و درد و سوزک ماست

یعنی یہ جو تو اللہ اللہ کر رہا ہے یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہماری طرف سے لبیک کہنا ہے یہ تیرے اللہ اللہ کا جواب ہے کہ ایک مرتبہ کرنے کے بعد دوسری مرتبہ کرنے کی توفیق دیدی۔

ایک بہترین مثال

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن کسی آدمی کے پاس جاکر اس کی تعریف کرو، اور اس کے بارے میں اچھے اچھے کلمات کہو، اور تم اگلے دن پھر جاکے اس کی تعریف کرو، اور اس کے بارے میں اچھے اچھے کلمات کہو، تیسرے دن پھر جاکر اس کے تعریفی کلمات کہو، اب اگر تمہارا یہ عمل اس شخص کو پسند ہوگا تو وہ تمہاری بات سنے گا، منع نہیں کرے گا، لیکن اگر تمہارا یہ عمل اس کو پسند نہیں ہوگا تو

ایک مرتبہ کروگے، دو مرتبہ کروگے لیکن تیسری مرتبہ وہ تمہیں باہر نکال دے گا، اور تمہیں تعریف کرنے نہیں دے گا۔

اسی طرح جب تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جاری رکھا، اور تمہیں دوبارہ توفیق دی، تیسری بار توفیق دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، یہی ٹوٹا پھوٹا عمل ان کے یہاں پسند ہے انشاء اللہ، لہٰذا اس کی ناقدری مت کرو، بلکہ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ساری گفتگو کا حاصل

ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرتے رہو، اور ہر عمل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمائی، آپ کا شکر ہے۔ میرے اندر تو کوئی طاقت ہی نہیں تھی، اور جب اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خیال آئے، اس پر توبہ واستغفار کرلو، کہ یا اللہ! مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، مجھے معاف فرمادیجئے، ایسا کرنے سے انشاء اللہ تواضع کا بھی حق ادا ہو جائے گا، شکر کا بھی حق ادا ہو جائے گا اور تکبر بھی پاس نہیں آئے گا۔

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو یہ سمجھو کہ میں تو بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے ذمہ میں لگادیں گے، وہ کام کروں گا۔ اب اگر وہ کہیں منصب پر بٹھادیں تو وہ کام کروں گا، میں ان کا بندہ ہوں، غلام ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے یہ محض ان کی عطا ہے، اس طرح کرنے سے شکر اور تواضع دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عارف جامع اضداد ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ معرفت عطا فرمائیں وہ ایسی چیزوں کو جمع کرتا ہے جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتی ہے مثلاً ایک طرف اپنے عمل کی تحقیر بھی نہیں کرنی اور دوسری طرف اس عمل پر عجب بھی

نہیں کرنا اور یہ سوچنا کہ میری نسبت سے یہ عمل حقیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے یہ عمل عظیم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق کی نسبت ہے یہ ان کا انعام ہے یہ کرنے سے دونوں چیزیں جمع ہو جائیں گی۔

شکر کثرت سے کرو

ہمارے حضرت بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، آج تمہیں اس بات کی قدر نہیں ہوگی، جب کبھی اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دیں گے، تب تمہیں قدر معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے کیا کرو، اس لئے جس قدر شکر کروگے، امراض باطنہ کی جڑ کٹے گی، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت وہ باتیں واقعی اتنی سمجھ میں نہیں آتی تھیں اب تو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہیں کہ یہ شکر ایسی دولت ہے جو بہت سے امراض باطنہ کا خاتمہ کرنے والی ہے، حضرت فرماتے تھے کہ میاں وہ ریاضتیں اور مجاہدے کہاں کروگے، جو پہلے زمانے میں لوگ اپنے شیوخ کے پاس جاکر کیا کرتے تھے، رگڑے کھایا کرتے تھے، محنتیں کرتے تھے، مشقتیں اٹھاتے تھے بھوکے رہتے تھے تمہارے پاس اتنا وقت کہاں؟ اور تمہارے پاس اتنی فرصت کہاں؟ بس، ایک کام کرلو۔ وہ یہ کہ کثرت سے شکر کرو، جتنا شکر کروگے، انشاء اللہ تواضع پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تکبر دور ہوگا، امراض باطنہ دفع ہوں گے۔

شکر کے معنی

اور جب شکر کرو تو ذرا سوچ سمجھ کر شکر کرو کہ شکر کے معنی کیا ہیں؟ شکر کے معنی یہ ہیں کہ میں تو اس چیز کا مستحق نہیں تھا، مگر اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی، اسی کا نام تواضع ہے، اگر اپنے آپ کو مستحق سمجھا تو تواضع کیا ہوئی؟ پھر شکر کیا ہوا؟ اگر ایک آدمی ایک چیز کا مستحق ہو، اور اس کو وہ چیز دی جائے تو یہ شکر کا موقع نہیں ہے، مثلاً ایک آدمی نے کسی سے قرضہ لیا، تو مقروض پر واجب ہے کہ وہ قرض خواہ کو قرض لوٹائے، کیونکہ قرض خواہ اس رقم کا مستحق ہے، اب جب مقروض یہ رقم قرض خواہ کو لوٹائے گا، اس

وقت قرض خواہ پر کوئی شکر ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ رقم ادا کر کے مقروض نے کوئی احسان نہیں کیا، شکر تو اس وقت ہوتا جب انسان یہ سمجھے کہ میں اس چیز کا مستحق تو تھا نہیں، مجھے استحقاق سے زیادہ کوئی چیز دی گئی ــــــ لہٰذا جب کسی نعمت پر شکر ادا کرو تو ذرا سوچ لیا کرو کہ یہ نعمت میرے استحقاق میں نہیں تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطاء فرمائی، بس یہ سوچ لونگے، انشاء اللہ تواضع حاصل ہو جائے گی، مثلاً کوئی منصب ملا، تو سوچ لو، یا اللہ! آپ کا کرم ہے، آپ نے دے دیا، میرے بس کا تو تھا نہیں، میرے اندر طاقت نہیں تھی، میرے اندر صلاحیت نہیں تھی، مگر آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمایا بس یہ سوچ لیا، انشاء اللہ تواضع حاصل ہو گئی، اور جب تواضع حاصل ہو جائے گی تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ:

من تواضع للہ رفعہ اللہ

یعنی جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلندی فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

ایک بات اور سمجھ لیں، وہ یہ کہ تواضع اگرچہ دل کا عمل ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دل میں بے حقیقت سمجھے، لیکن دل میں یہ بات مستحضر رکھنے کے لئے آدمی عملاً یہ کرے کہ کسی بھی کام سے اپنے آپ کو بلند نہ سمجھے اور کسی بھی کام میں عار نہ ہو یہ نہ سوچے کہ یہ کام میرے مرتبے کا نہیں بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کے لئے بھی تیار رہے، دوسرے یہ کہ آدمی اپنی نشست و برخاست میں، اور انداز و اداؤں میں، چلنے پھرنے میں ایسا طریقہ اختیار کرے، جس میں تکبر نہ ہو، بلکہ عاجزی اور انکساری ہو، اگرچہ ساری تواضع اس پر منحصر نہیں۔ لیکن یہ بھی تواضع کے حصول کا ایک طریقہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری افعال کے اندر بھی آدمی عاجزی اور انکساری اختیار کرے، اس لئے کہ اگر یہ کر لیا تو پھر انشاء اللہ دل میں بھی تواضع پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے اندر بھی تواضع پیدا فرما دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حسد-ایک معاشرتی ناسور

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸-لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حسد

ایک معاشرتی ناسور

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً - اما بعد:

عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: اياكم والحسد، فان الحسد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب، او قال: العشب۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، حدیث نمبر ۴۹۰۳)

"حسد" ایک باطنی بیماری ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہری اعمال میں بعض چیزیں فرض و واجب قرار دی ہیں، اور بعض چیزیں گناہ قرار دی ہیں، اسی طریقے سے ہمارے باطنی اعمال میں بہت سے اعمال فرض ہیں، اور بہت سے اعمال گناہ اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا اور اجتناب کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا ظاہر کے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کا بیان پچھلے جمعوں میں ہو گیا، آج اسی سلسلے میں باطن کی ایک اور خطرناک بیماری

کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ بیماری ہے "حسد" اور یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بیماری کا ذکر فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو، اس لئے کہ یہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے، راوی کو شک ہے کہ آپ نے لکڑی کا لفظ بیان فرمایا تھا۔ یا سوکھی گھاس کا لفظ بیان فرمایا تھا۔ یعنی جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو بھسم کر ڈالتی ہے، ختم کر دیتی ہے، اس طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

حسد کی آگ سلگتی رہتی ہے

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ جو منٹوں میں سب کچھ جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے۔ اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بلکہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی۔ حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی ــــــ اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے، اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے، اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

حسد سے بچنا فرض ہے

لیکن اگر ہم اپنے معاشرے اور ماحول پر نظر دوڑا کر دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ حسد کی بیماری معاشرے کے اندر چھائی ہوئی ہے، اور بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس بیماری سے بچے ہوئے ہیں، اور اس سے پاک ہیں۔ ورنہ کسی نہ کسی درجے

میں حسد کا دل میں گزر ہو جاتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔ اس سے بچے بغیر گزارا نہیں، لیکن ہمارا اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم اس بیماری کے اندر مبتلا ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے لئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیں حسد کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور اس کی قسمیں کون کون سی ہیں؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اور اس کا علاج کیا ہے؟ یہ چار باتیں آج کے بیان کا موضوع ہیں، اللہ تعالیٰ اس بیان کو ہمارے دلوں سے اس بیماری کے ختم کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین۔

حسد کی حقیقت

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو، یا دین کی۔ اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ ہے حسد کی حقیقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت دی، یا کسی کو شہرت دی، یا کسی کو عزت دی، یا کسی کو علم دیا، اب دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں ملی؟ اس سے یہ نعمت چھن جائے تو بہتر ہے، اور اس کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا، اس کا نام حسد ہے،

اب اگر حسد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حسد کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے۔ اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے۔ اسی وجہ سے اس کی سنگینی اور خطرناکی بہت زیادہ ہے۔

"رشک" کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو ایک نعمت حاصل ہوئی، اب اس کے دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اچھا ہے، یہ حسد نہیں ہے۔ بلکہ یہ "رشک" ہے، عربی میں اس کو "غبطہ" کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ عربی زبان میں اس پر بھی "حسد" کا لفظ بول دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ حسد نہیں۔ مثلاً کسی شخص کا اچھا مکان دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح اس شخص کا مکان آرام دہ اور اچھا بنا ہوا ہے۔ میرا بھی ایسا مکان ہو جائے، یا مثلاً جیسی ملازمت اس کو ملی ہوئی ہے۔ مجھے بھی ایسی ملازمت مل جائے، یا جیسا علم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، ایسا علم اللہ تعالیٰ مجھے بھی عطا فرما دے، یہ حسد نہیں۔ بلکہ رشک ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن جب اس کی نعمت کے زائل ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے۔ یہ حسد ہے۔

حسد کے تین درجات

پھر حسد کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے، اب اگر اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ اس سے چھن جائے، اور مجھے مل جائے۔ یہ حسد کا پہلا درجہ ہے، حسد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے۔ وہ نعمت اس سے چھن جائے، اور مجھے مل جائے۔ اس میں پہلے قدم پر یہ خواہش ہے کہ اس سے وہ چھن جائے، اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ مجھے مل جائے۔ یہ حسد کا دوسرا درجہ ہے، حسد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے کسی طرح چھن جائے، اور اس نعمت کی وجہ سے اس کو جو امتیاز اور جو مقام حاصل ہوا ہے۔ اس سے وہ محروم ہو جائے۔ پھر چاہے وہ نعمت مجھے ملے، یا نہ ملے، یہ حسد کا سب سے رذیل ترین، ذلیل ترین، خبیث ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

سب سے پہلے حسد کرنے والا

سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں اس کو زمین میں خلافت عطا کروں گا۔ اپنا خلیفہ بناؤں گا، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ مقام عطا فرمایا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ بس یہ حکم سن کر یہ ابلیس جل گیا کہ ان کو یہ مقام مل گیا۔ اور مجھے نہ ملا۔ اور اس کے نتیجے میں سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا سب سے پہلے حسد کرنے والا بھی شیطان ہے، اور سب سے پہلے تکبر کرنے والا بھی شیطان ہے۔

حسد کرنے کا لازمی نتیجہ

اور اس حسد کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے حسد کیا جارہا ہے، اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا اس کو کوئی رنج یا غم پہنچ جائے تو یہ حسد کرنے والا اس کی تکلیف اور اس کے رنج و غم سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی ہو جائے۔ یا اس کو کوئی نعمت مل جائے تو اس سے اس کو رنج ہوتا ہے، اور دوسروں کی تکلیف پر خوشی ہونے کو عربی میں "شماتت" کہتے ہیں، یہ بھی حسد کی ایک قسم ہے، قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر اس کی مذمت آئی ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ"

(النساء: ۵۴)

یعنی کیا لوگ دوسروں پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت دوسروں کو عطا کر دی۔ اب یہ لوگ اس پر حسد کر رہے ہیں، اور جل رہے۔

حسد کے دو سبب ہیں

اس حسد کی بیماری کا سبب کیا ہوتا ہے؟ اور یہ بیماری کیوں دل میں پیدا ہوتی ہے؟ اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ اس کا ایک سبب دنیا کے مال و دولت کی محبت ہے، اور منصب کی محبت ہے اس لئے کہ انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ میرا مرتبہ بلند رہے، میں اونچا

رہوں۔ اب اگر دوسرا شخص آگے بڑھتا ہے۔ تو یہ اس کو گرانے کی فکر کرتا ہے
اور اس بیماری کا دوسرا سبب "بغض" اور "کینہ" ہے، مثلاً کسی سے دل میں بغض اور کینہ پیدا ہو گیا، اور اس بغض کے نتیجے میں اس کی راحت سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کی خوشی سے رنج ہوتا ہے۔۔ جب دل میں یہ دو باتیں ہوں گی تو اس کے نتیجے میں لازماً حسد پیدا ہو گا۔

حسد دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے والی ہے

یہ حسد ایسی بری بیماری ہے جو کہ آخرت میں انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ بلکہ دنیا کے اندر بھی انسان کے لئے مہلک ہے، لہٰذا اس کے ذریعے دنیا کا بھی نقصان، اور آخرت کا بھی نقصان، اس لئے کہ جو شخص دوسرے سے حسد کرے گا، وہ ہمیشہ تکلیف اور گھٹن میں رہے گا۔ اس لئے کہ جب بھی دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا، تو اس کو دیکھ کر دل میں رنج اور غم اور گھٹن پیدا ہوگی، اور اس گھٹن کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ وہ اپنی صحت کو بھی خراب کر لے گا۔

حاسد حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے

عربی کا ایک شعر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حسد کی مثال آگ جیسی ہے، اور آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو دوسری چیز کھانے کو ملے، تب تو یہ اس کو کھاتی رہے گی، مثلاً لکڑی کو آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ آگ لکڑی کو کھاتی رہے گی۔ لیکن جب لکڑی ختم ہو جائے گی تو پھر آگ کا ایک حصہ خود اس کے دوسرے حصے کو کھانا شروع کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ آگ بھی ختم ہو جائے گی ـــ اسی طرح حسد کی آگ بھی ایسی ہے کہ حسد کرنے والا پہلے تو دوسرے کو خراب کرنے اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر حسد کی آگ میں خود جل جل کر ختم ہو جاتا ہے۔

حسد کا علاج

اس حسد کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ وہ شخص یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں سے انسانوں کے درمیان اپنی نعمتوں کی تقسیم فرمائی ہے کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو صحت کی نعمت دے دی، تو کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، کسی کو عزت کی نعمت دے دی، تو کسی کو حسن و جمال کی نعمت دے دی، کسی کو چین و سکون کی نعمت دے دی، اور اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی نہ کوئی نعمت میسر نہ ہو، اور کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

تین عالم

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں راحت ہی راحت ہے۔ تکلیف کا گزر نہیں۔ رنج و غم کا نام و نشان نہیں۔ وہ ہے جنت کا عالم، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہاں پہنچا دے۔ آمین۔ وہاں تو راحت ہی راحت، اور آرام ہی آرام ہے۔ اور ایک عالم بالکل اس کے مقابل میں ہے۔ جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔ غم ہی غم ہے۔ صدمہ ہی صدمہ ہے۔ راحت اور خوشی کا وہاں گزر اور نام و نشان نہیں، وہ ہے جہنم کا عالم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ تیسرا عالم وہ ہے جو دونوں سے مرکب ہے، جس میں خوشی بھی ہے۔ غم بھی ہے۔ راحت بھی تکلیف بھی ہے۔ وہ ہے یہ عالم دنیا، جس میں ہم اور آپ جی رہے ہیں، اس عالم دنیا کے اندر کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ مجھے ساری زندگی کبھی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی، اور نہ کوئی انسان ایسا ملے گا جس کو کبھی کوئی راحت اور خوشی حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہاں پر ہر خوشی کے اندر رنج کا کانٹا بھی لگا ہوا ہے، اور ہر تکلیف کے اندر راحت بھی پوشیدہ ہے، نہ یہاں کی راحت خالص ہے، اور نہ یہاں کی تکلیف خالص ہے۔

حقیقی راحت کس کو حاصل ہے؟

بہرحال، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے سارا عالم پیدا فرمایا، اور پھر اس میں کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، تو دوسرے کو اس کے مقابلے میں صحت کی نعمت دے دی، اب مال و دولت والا صحت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو ایسی اچھی صحت کیوں مل گئی؟ اور جو صحت والا ہے، وہ مال و دولت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو اتنا مال و دولت کیوں مل گیا؟ لیکن حقیقت میں یہ تقدیر کے فیصلے ہیں، اور اسی کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں، اور کوئی بھی انسان دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کونسا انسان اس دنیا میں زیادہ راحت میں ہے، دیکھنے میں بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بہت سارے کارخانے چل رہے ہیں، بنگلے کھڑے ہیں، کاریں ہیں، نوکر چاکر ہیں، اور دنیا بھر کا عیش و عشرت کا سامان میسر ہے، اور دوسری طرف ایک مزدور ہے، جو صبح سے شام تک پتھر ڈھوتا ہے، اور بمشکل اپنے پیٹ بھرنے کا سامان کرتا ہے، اب اگر یہ مزدور اس مال و دولت والے انسان کو دیکھے گا تو یہی سوچے گا کہ اس کو تو دنیا کی بہت بڑی بڑی نعمتیں میسر ہیں، لیکن اگر ساتھ ساتھ ان دونوں کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ جس شخص کی ملیں کھڑی ہیں، جس کے پاس بنگلے اور کاریں ہیں، اور جس کے پاس بے شمار مال و دولت اور عیش و عشرت کا سامان ہے، ان کا یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر سوتے ہیں تو صاحب بہادر کو اس وقت تک نیند نہیں آتی، جب تک نیند کی گولی نہ کھائیں —— اور یہ حال ہے کہ ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے ایک سے ایک کھانے چنے ہوئے ہیں۔ پھل موجود ہیں۔ لیکن ان کا معدہ اتنا خراب ہے کہ ایک دو لقمے بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، اس لئے معدہ میں السر ہے، اور اس کی وجہ سے ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے کہ فلاں چیز بھی مت کھاؤ، اور فلاں چیز بھی مت کھاؤ۔ اب ساری نعمتیں ساری غذائیں اس کے لئے بیکار ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ وہ شخص زیادہ راحت میں ہے جس کے پاس دنیا کے سارے ساز و سامان تو میسر ہیں لیکن نیند سے محروم ہے، کھانے سے محروم ہے، اور ایک مزدور ہے جو آٹھ گھنٹے کی سخت ڈیوٹی دینے کے بعد ساگ روٹی اور چٹنی روٹی خوب بھوک لگنے کے بعد لذت اور حلاوت کے ساتھ کھاتا ہے، اور

جب بستر پر سوتا ہے تو فوراً نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے، اور آٹھ دس گھنٹے تک بھرپور نیند کر کے اٹھتا ہے۔ بتائیے کہ ان دونوں میں سے راحت کے اندر کون ہے؟ حقیقی راحت کس کو حاصل ہے؟ اگر غور سے دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے شخص کو دنیا کے اسباب اور سامان بیشک عطا کیے ہیں۔ لیکن حقیقی راحت اس دوسرے شخص کو عطا فرمائی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے فیصلے ہیں۔

"رزق" ایک نعمت، "کھلانا" دوسری نعمت

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ـــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ـــــ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ کھانا کھانے کے بعد یہ جو دعا پڑھی جاتی ہے کہ:

الحمد لله الذی اطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة، غفر له ما تقدم من ذنبه۔

(ترمذی شریف، ابواب الدعوات، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام، حدیث نمبر ۳۵۲۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور مجھے یہ رزق بغیر میری کوشش اور طاقت کے عطا فرمایا۔ جو شخص کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

پھر والد صاحب نے فرمایا کہ اس روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ علیحدہ علیحدہ ذکر فرمائے ہیں۔ ایک "رزقنیہ" اور دوسرے "اطعمنی" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا، اور یہ کھانا کھلایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں لفظوں کا مطلب ایک ہے، یعنی رزق دیا۔ اور کھانا کھلایا۔ تو پھر دونوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں ذکر فرمایا؟ ایک ہی لفظ کا بیان کر دینا کافی تھا؟ پھر خود جواب دیا کہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے کہ رزق حاصل ہونا ایک مستقل نعمت ہے، اور کھلانا مستقل دوسری نعمت ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات رزق حاصل ہونے کی نعمت تو حاصل ہوتی ہے کہ گھر میں اعلیٰ درجے کے کھانے پکے ہوئے تیار ہیں، اور ہر طرح کے پھل فروٹ موجود ہیں، لیکن بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ معدہ خراب ہے، اور ڈاکٹر نے کھانے سے منع کیا ہوا ہے، اب اس صورت میں "رزقنا" حاصل ہے۔ لیکن "اطعمنا" حاصل

نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق دے رکھا ہے۔ لیکن کھانے کی صلاحیت اور ہضم کی قوت نہیں دی ہے۔ بہرحال، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ کسی کو کوئی نعمت عطا فرما دی، اور کسی کو کوئی نعمت عطا فرما دی

اللہ کی حکمت کے فیصلے

لہٰذا حسد کا علاج یہ ہے کہ حسد کرنے والا یہ سوچے کہ اگر دوسرے شخص کو کوئی بڑی نعمت حاصل ہے، اور اس کی وجہ سے تمہارے دل میں کڑھن پیدا ہو رہی ہے۔ تو کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں، اور اس شخص کو نہیں دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بہتر صحت عطا فرمائی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اس سے زیادہ عطا فرمایا ہو، یا کوئی اور نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہو، اور اس کو وہ نعمت میسر نہ ہو، لہٰذا ان نعمتوں کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ ان باتوں کو سوچنے سے حسد کی بیماری میں کمی آتی ہے۔

اردو کی ایک مثل

یہ جو اردو کے اندر مثل مشہور ہے کہ "اللہ تعالیٰ گنجے کو ناخن نہ دے" یہ بڑی حکیمانہ مثل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں مال و دولت کی نعمت حاصل نہیں ہے، اگر تم کو مل جاتی تو نہ جانے تم اس کی وجہ سے کیا فساد برپا کرتے، اور کس عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ اور اس کی کیسی ناقدری کرتے، اور تمہارا کیا حشر بنتا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں نہیں دی ہے تو کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں دی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: •

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

(النساء: ۳۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جن چیزوں میں فضیلت دے دی ہے۔ تم ان چیزوں کی تمنا مت کرو، کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تم کو وہ نعمت

حاصل ہوگئی تو تم کیا فساد برپا کرو گے، واقعات آپ نے سنے ہوں گے کہ ایک آدمی تمنا کرتا رہا کہ فلاں نعمت مجھے مل جائے، مگر جب وہ نعمت مل گئی تو وہ بجائے مفید ہونے کے اس کے لئے مضر ثابت ہوئی، اس لئے سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ یہ جو دوسرے شخص کو نعمت مل جانے پر دل جل رہا ہے، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض ہے اور اس کی مصلحت سے بے خبری کا نتیجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس سے بھی بڑی کوئی نعمت میسر ہو، جو اس کو حاصل نہیں۔

اپنی نعمتوں کی طرف نظر کرو

اور یہ ساری خرابی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی طرف دیکھنے کے بجائے دوسروں کی طرف دیکھتا ہے۔ خود اپنے کو جو نعمت حاصل ہیں۔ ان کا تو دھیان اور خیال ہی نہیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں، مگر دوسروں کی نعمتوں کی طرف دیکھ رہا ہے، اسی طرح اپنے عیوب کی طرف تو نظر نہیں۔ مگر دوسرے کے عیوب تلاش کر رہا ہے۔ اگر انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ہر وقت نازل ہونے والی نعمتوں کا استحضار کرے۔ تو پھر دوسرے پر کبھی حسد نہ کرے تم کیسی بھی حالت میں ہو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمتوں کی ایسی بارش میں رکھا ہے، اور صبح سے شام تک تمہارے اوپر نعمتوں کی بارش برسا رہا ہے کہ اگر تم اس کا تصور کرتے رہو تو دوسروں کی نعمت پر کبھی جلن پیدا نہ ہو۔

ہمیشہ اپنے سے کمتر کو دیکھو

آجکل ہمارے معاشرے میں لوگوں کو دوسروں کے معاملات میں تحقیق اور تفتیش کرنے کا بڑا ذوق ہے، مثلاً فلاں آدمی کے پاس پیسے کس طرح آ رہے ہیں؟ کہاں سے پیسے آ رہے ہیں؟ وہ کیسا مکان بنوا رہا ہے؟ وہ کیسی کار خرید رہا ہے، اس کے حالات کیسے ہیں؟ ایک ایک کا جائزہ لینے کی فکر ہے، اور پھر اس تفتیش اور تحقیق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسی چیز سامنے آتی ہے جو خوشنما اور دلکش ہے، لیکن اپنے پاس موجود نہیں، تو پھر اس سے حسد پیدا نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا، اس لئے وہ مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو

پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ:

"دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو اور اپنے سے کم تر کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھو"

حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ اور راحت

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ دراز تک مالداروں کے محلے میں رہا۔ اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا۔ تو اس زمانے میں مجھ سے زیادہ رنجیدہ اور غم زدہ کوئی نہیں تھا۔ اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ اس کا کپڑا میرے کپڑے سے عمدہ ہے۔ اس کی سواری میری سواری سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مکان میرے مکان سے اعلیٰ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وقت اس غم میں مبتلا رہتا تھا کہ اس کو تو یہ نعمتیں حاصل ہیں، مجھے حاصل نہیں، اس لئے مجھ سے زیادہ غم زدہ انسان کوئی نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد میں نے اپنی رہائش ایسے لوگوں کے محلے میں اختیار کر لی جو دنیاوی اعتبار سے فقراء اور کم حیثیت کے لوگ تھے، اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کیا، تو اس کے نتیجے میں، میں آرام میں آ گیا، اس لئے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا لباس اس کے لباس سے عمدہ ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اعلیٰ ہے۔ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے قلبی راحت عطا فرما دی۔

خواہشات ختم ہونے والی نہیں

یاد رکھو، کوئی انسان اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے میں آگے بڑھتا چلا جائے تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

دنیا کا معاملہ کبھی پورا نہیں ہوتا

اس دنیا کے اندر جو سب سے زیادہ مالدار انسان ہو۔ اس سے جا کر پوچھ لو کہ کیا تمہیں سب چیزیں حاصل ہو گئیں ہیں؟ اب تو تمہیں کچھ نہیں چاہئے؟ وہ جواب میں یہی کہے گا

کہ ابھی تو مجھے اور چاہئے ۔۔۔ وہ بھی اس فکر میں نظر آئے گا کہ اس مال میں اور اضافہ ہو جائے ۔۔ متنبی عربی زبان کا بڑا شاعر ہے، اس نے دنیا کے بارے میں بڑی حکیمانہ بات کہی ہے، وہ یہ ہے کہ :۔

وما قضى احد منها لبانته

ولا انتهى ارب الا الى ارب

(دیوان متنبی۔ قافیۃ الباء، قال یرثی اخت سیف الدولۃ صفحہ ۴۸)

یعنی اس دنیا سے آج تک کسی کا پیٹ نہیں بھرا، جب کوئی خواہش تم پوری کرو گے تو اس کے بعد فوراً دوسری خواہش پیدا ہو جائے گی، ہر خواہش ایک نئی خواہش کو جنم دیتی ہے، اور ہر حاجت ایک نئی حاجت کو جنم دیتی ہے۔

یہ اللہ کی تقسیم ہے

کہاں تک حسد کرو گے؟ کہاں تک دوسروں کی نعمتوں پر غم زدہ ہو گے؟ اس لئے کہ یہ بات تو پیش آئے گی کہ کوئی شخص کسی نعمت میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئے گا، اور کوئی شخص کسی دوسری چیز میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئے گا، لہذا سب سے زیادہ اس بات کا تصور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنی حکمت اور مصلحت سے تقسیم فرمایا ہے، اور اس مصلحت اور حکمت کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم بہت محدود دائرے میں سوچتے ہو۔ تمہاری عقل محدود، تمہارا سوچنے کا دائرہ محدود، اس محدود دائرے میں تم سوچتے ہو، اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پوری کائنات کو محیط ہے، وہ یہ فیصلے فرماتے ہیں کہ کس کو کیا چیز دینی ہے؟ اور کس کو کیا چیز نہیں دینی ہے؟ بس اس پر غور کرو گے تو اس کے ذریعہ حسد کا مادہ ختم ہو گا، اور حسد کی بیماری میں کمی واقع ہو گی۔

حسد کا دوسرا علاج

اس حسد کی بیماری کا ایک دوسرا موثر علاج ہے، وہ یہ کہ حسد کرنے والا یہ سوچے

کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ جس شخص سے میں حسد کر رہا ہوں۔ اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن معاملہ ہمیشہ اس خواہش کے برعکس ہی ہوتا ہے، چنانچہ جس سے حسد کیا ہے۔ اس شخص کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور حسد کرنے والے کا نقصان ہی نقصان ہے، دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب تم نے دنیا میں اس کو اپنا دشمن بنالیا، تو اصول یہ ہے کہ دشمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا دشمن ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہے، لہٰذا جب تک تم حسد کرو گے، رنج و غم میں مبتلا رہو گے، اور وہ اس بات سے خوش ہوتا رہے گا کہ تم رنج و غم میں مبتلا ہو۔ یہ تو اس کا دنیاوی فائدہ ہے ــــ اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ تم اس سے جتنا جتنا حسد کرو گے۔ اتنا ہی اس کے نامہ اعمال کے اندر نیکیوں میں اضافہ ہو گا، اور وہ چونکہ مظلوم ہے، اس لئے آخرت میں اس کے درجات بلند ہونگے، اور حسد کی لازمی خاصیت یہ ہے کہ یہ حسد انسان کو غیبت پر، عیب جوئی پر، چغل خوری۔ اور بے شمار گناہوں پر آمادہ کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اس لئے کہ جب تم اس کی غیبت کرو گے، اور اس کے لئے بددعا کرو گے تو تمہاری نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں چلی جائیں گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جتنا حسد کر رہے ہو، اپنی نیکیوں کے پیکٹ تیار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو۔ تو اس کا تو فائدہ ہو رہا ہے، اب اگر ساری عمر حسد کرنے والا حسد کرے گا تو وہ اپنی ساری نیکیاں گنوا دے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں ڈال دے گا۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ سے کہا کہ حضرت فلاں آدمی آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے، کچھ جواب نہیں دیا، جب مجلس ختم ہو گئی تو گھر تشریف لے گئے، اور جس نے آپ کی برائی بیان کی تھی، اس کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ تیار کر کے اس کے گھر بھیج دیا ــــ لوگوں نے کہا کہ حضرت وہ تو آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اور آپ نے اس کو ہدیہ بھیج دیا؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ تو میرا محسن ہے۔ اس لئے کہ اس نے میری برائی بیان کر کے میری نیکیوں

میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس نے تو مجھ پر احسان کیا ہے۔ اب میں کچھ تو اس کے احسان کا بدلہ دیدوں۔ اس نے تو میری آخرت کی نیکیوں میں اضافہ کیا ہے۔ میں کم از کم دنیا ہی میں اس کو ہدیہ تحفہ دیدوں۔

امام ابو حنیفہؒ کا غیبت سے بچنا

اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کوئی شخص کسی کی غیبت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ نہ غیبت کرتے تھے، اور نہ غیبت سنتے تھے۔ ان کی مجلس ہمیشہ غیبت سے خالی ہوتی تھی ـــــ ایک دن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کے سامنے غیبت اور حسد کی برائی بیان کی، اور ان کو یہ سمجھانے کے لئے کہ غیبت سے نیکیاں چلی جاتی ہیں فرمانے لگے کہ یہ غیبت ایسی چیز ہے جو غیبت کرنے والے کی نیکیوں کو اس شخص کی طرف منتقل کر دیتی ہے، جس کی غیبت کی گئی ہے، اس لئے میں کبھی غیبت نہیں کرتا، لیکن اگر کبھی میرے دل میں یہ خیال آئے کہ میں غیبت کروں تو اس وقت میں اپنے ماں باپ کی غیبت کروں۔ اس لئے کہ اگر غیبت کے نتیجے میں میری نیکیاں جائیں گی تو ماں باپ کے نامہ اعمال میں جائیں گی، اور گھر کی چیز گھر میں رہے گی، کسی غیر کے پاس نہیں جائیں گی ـــــ

اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ غیبت اور حسد کرنے والا اپنے دل میں تو دوسرے کی برائی چاہ رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس کو دنیا کا بھی فائدہ پہنچا رہا ہے اور آخرت کا فائدہ پہنچا رہا ہے اور اپنا نقصان کر رہا ہے اس لئے یہ غیبت کرنا اور حسد کرنا کتنی احمقانہ حرکت ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ایک اور واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہے۔ دونوں ایک ہی زمانے میں گزرے ہیں۔ اور دونوں کے اپنے اپنے حلقہ درس ہوا کرتے تھے، ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ بڑے بخیل آدمی ہیں، اس شخص نے کہا ہم نے تو ان کے

بارے میں یہ سنا ہے کہ وہ بڑے سخی آدمی ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ وہ اتنے بخیل ہیں کہ اپنی نیکی کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں، اور دوسروں کی نیکیاں بہت لیتے رہتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ لوگ ان کی بہت غیبت کرتے رہتے ہیں، اور ان کی برائیاں بیان کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگوں کی نیکیاں ان کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں، اور وہ خود نہ تو غیبت کرتے ہیں، اور نہ غیبت سنتے ہیں۔ اس لئے اپنی نیکیاں کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں، لہٰذا آخرت کے لحاظ سے ان سے زیادہ بخیل آدمی کوئی نہیں ہے ـــــــ

حقیقت یہ ہے کہ جس سے حسد کیا جائے، یا جس سے بغض رکھا جائے، یا جس کی غیبت کی جائے، حقیقت میں حسد کرنے والا اور غیبت کرنے والا اپنی نیکیوں کے پیکٹ بنا بنا کر اس کے پاس بھیج رہا ہے، اور خود خالی ہوتا جا رہا ہے۔

حقیقی مفلس کون؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس پیسے نہ ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ نہیں یہ حقیقی مفلس نہیں۔ بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے کہ جو اپنے نامہ اعمال میں بہت ساری نیکیاں، بہت ساری نمازیں، بہت سارے روزے، بہت ذکر و اذکار اور تسبیحات لے کر دنیا سے جائے گا۔ لیکن جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس حساب و کتاب کے لئے حاضر ہو گا۔ تو وہاں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہو گی، ایک کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق پامال کیا تھا۔ دوسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق ضائع کیا۔ تیسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق دبایا تھا، اب وہاں کی کرنسی یہ نوٹ تو ہوں گے نہیں کہ ان کو دے کر حق پورا کر دیا جائے۔ وہاں کی کرنسی تو نیکیاں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان لوگوں کو حقوق کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں دے دی جائیں۔ اب ایک شخص اس کی نمازیں لے کر چلا جائے گا تو دوسرا شخص اس کے روزے لے کر چلا جائے گا، کوئی اس کا ذکر و اذکار لے کر چلا جائے گا۔ اس طرح اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن لوگوں کے حقوق پورے نہیں ہوں گے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جب نیکیاں ختم ہو گئیں تو صاحب حقوق کے گناہ اس کے اعمال نامے میں ڈال کر ان کے حقوق ادا کر دو، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آیا تھا تو اس وقت اعمال نامہ نیکیوں سے بھرا ہوا تھا، اور جب واپس جا رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ خالی ہاتھ ہے، بلکہ گناہوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ حقیقت میں مفلس یہ ہے۔۔ بہرحال، حسد کے ذریعہ اس طرح نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ۔ باب ماجاء فی شان الحساب، حدیث نمبر ۲۵۳۳)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی شخص کو آئینے کی طرح ایک دل عطا فرما دے۔ جس میں نہ حسد ہو۔ نہ بغض ہو۔ نہ غیبت ہو۔ نہ کینہ ہو، تو اس صورت میں اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور بہت زیادہ ذکر و اذکار اور تلاوت نہ بھی ہو، لیکن اس کا دل آئینہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا درجہ اتنا بلند فرماتے ہیں۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

جنت کی بشارت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ ابھی جو شخص مسجد میں اس طرف سے داخل ہو گا، وہ جنتی ہے۔ ہم نے اس طرف کو نگاہ اٹھائی تو تھوڑی دیر میں ایک صاحب مسجد نبوی میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے چہرے سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ اور بائیں ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھے۔ ہمیں ان پر بہت رشک آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجلس ختم ہو گئی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ان کو قریب سے جا کر دیکھوں کہ ان کا کونسا عمل ایسا ہے۔ جس کی بنیاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اہتمام سے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، چنانچہ جب وہ اپنے گھر جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ساتھ چلا گیا، اور راستے میں ان سے کہا کہ میں دو تین روز آپ کے گھر میں گزارنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اجازت دے دی، اور میں ان کے گھر چلا گیا۔ جب رات

ہوئی، اور بستر پر لیٹا تو ساری رات میں بستر پر لیٹ کر جاگتا رہا۔ سویا نہیں۔ تاکہ میں یہ دیکھوں کہ رات کے وقت وہ اٹھ کر کیا عمل کرتے ہیں۔ لیکن ساری رات گزر گئی۔ وہ اٹھے ہی نہیں، پڑے سوتے رہے۔ تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی، اور فجر کے وقت اٹھے۔ اس کے بعد میں نے دن بھی ان کے پاس گزارا، تو دیکھا کہ پورے دن میں بھی انہوں نے کوئی خاص عمل نہیں کیا۔ (نہ نوافل۔ نہ ذکر و اذکار، نہ تسبیح، نہ تلاوت) بس جب نماز کا وقت آتا تو مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتے۔ جب دو تین روز میں نے وہاں رہ کر دیکھ لیا کہ یہ تو کوئی خاص عمل ہی نہیں کرتے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، تو میں آپ کا وہ عمل دیکھنے کے لئے آیا تھا کہ آپ وہ کونسا عمل کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا۔ لیکن میں نے دو تین دن آپ کے پاس رہ کر دیکھ لیا کہ آپ کوئی خاص عمل نہیں کرتے۔ صرف فرائض و واجبات ادا کرتے ہیں، اور معمول کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے یہ بشارت دی ہے تو یہ میرے لئے بڑی نعمت ہے۔ اور مجھ سے کوئی عمل تو ہوتا نہیں۔ اور نہ میں نوافل زیادہ پڑھتا ہوں، لیکن ایک بات ہے، وہ یہ کہ کسی شخص سے حسد اور بغض کا میل کبھی میرے دل میں نہیں آیا، شاید اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بشارت کا مصداق بنا دیا ہو، بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ تھے، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اس کا فائدہ، میرا نقصان

بہرحال، آپ نے دیکھا کہ ان کے اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور ذکر و اذکار تو نہیں۔ لیکن دل حسد اور بغض سے پاک ہے، دوسرے سے حسد اور بغض سے اپنے دل کو آئینے کی طرح پاک و صاف رکھا ہوا ہے، تو حسد کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ میں جس شخص سے حسد کر رہا ہوں، اس حسد کے نتیجے میں اس کا تو فائدہ ہے، اور میرا نقصان ہے۔ اس تصور سے اس حسد بیماری میں کمی آتی ہے۔

حسد کا تیسرا علاج

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حسد کی بنیاد ہے حب دنیا اور حب جاہ، یعنی دنیا کی محبت، اور جاہ کی محبت، اس لئے اس حسد کا تیسرا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور جاہ کی محبت نکالنے کی فکر کرے، اس لئے کہ تمام بیماریوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ دنیا کتنے دن کی ہے، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی۔ انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہو گا، دنیا کی لذتیں، دنیا کی نعمتیں، اس کی دولتیں، اس کی شہرت، اس کی عزت، اور اس کی ناپائیداری پر انسان غور کرے، اور یہ سوچے کہ کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ بہرحال، یہ تین چیزیں ہیں، جن کو سوچنے سے اور استحضار کرنے سے اس بیماری میں کمی آتی ہے۔

حسد کی دو قسمیں

ایک بات اور سمجھ لیں، اس کا سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ حسد کی برائیاں سننے کے بعد بعض اوقات دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ بیماری تو ایسی ہے جو بعض اوقات غیر اختیاری طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر اپنے ہم جولیوں اور اپنے ہم عمروں میں اور ہم مرتبہ اور ہم پیشہ لوگوں میں سے کسی کو آگے بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا دیکھا تو دل میں یہ خیال آیا کہ اچھا یہ تو ہم سے آگے بڑھ گیا، اور پھر دل میں اس کی طرف سے غیر اختیاری طور پر کدورت اور میل آگیا، اب نہ تو اس کا قصد کیا تھا، اور نہ ارادہ کیا تھا، اور نہ اپنے اختیار سے یہ خیال دل میں لائے تھے، لیکن دل میں غیر اختیاری طور پر خیال آگیا، اس سے کیسے بچے؟ اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

خوب سمجھ لیں کہ حسد کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ آدمی کے دل میں یہ خیال آئے کہ فلاں شخص کو جو نعمت حاصل ہے۔ اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن اس خیال کے ساتھ ساتھ حسد کرنے والا اپنے قول اور فعل سے اس کی بدخواہی بھی چاہتا ہے۔ مثلاً مجلس میں بیٹھ کر اس کی برائیاں بیان کر رہا ہے، اور اس کی غیبت کر رہا ہے۔ تاکہ اس

نعمت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جو وقعت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ختم ہو جائے، یا اس کی کوشش کر رہا ہے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے، یہ حسد تو بالکل حرام ہے۔ اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو نعمت حاصل ہونے کی وجہ سے اس کا دل دکھا، اور یہ خیال آیا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ لیکن وہ شخص اپنے قول سے۔ یا اپنے فعل سے۔ اپنے انداز اور ادا سے اس حسد کو دوسرے پر ظاہر نہیں کرتا، نہ اس کی برائی کرتا ہے، نہ اس کی غیبت کرتا ہے، نہ اس کی بدخواہی کرتا ہے، اور نہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے۔ بس دل میں ایک دکھ اور کڑھن ہے کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ ــــــ حقیقت میں تو یہ بھی حسد ہے، اور گناہ ہے، لیکن اس کا علاج آسان ہے، اور ذرا سی توجہ سے اس گناہ سے بچ سکتا ہے۔

فوراً استغفار کرے

اس کا علاج یہ ہے کہ جب دل میں یہ کڑھن اور جلن پیدا ہو تو ساتھ ہی دل میں اس بات کا تصور کرے کہ یہ حسد کتنی بری چیز ہے، اور میرے دل میں یہ جو کڑھن پیدا ہو رہی ہے، یہ بہت بری بات ہے، اور جب اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو، فوراً استغفار کرے، اور یہ سوچے کہ مجھے نفس اور شیطان بہکا رہے ہیں۔ یہ میرے لئے عیب کی بات ہے ــــــ لہذا جب حسد کے خیال کے ساتھ ساتھ اس حسد کی برائی بھی دل میں لے آیا تو اس حسد کا گناہ ختم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ ــــــ

اس کے حق میں دعا کرے

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب دل میں دوسرے کی نعمت دیکھ کر حسد اور جلن پیدا ہو۔ تو اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ، یہ نعمت جو آپ نے اس کو عطا فرمائی ہے، اور زیادہ عطا فرما ــــــ اور جس وقت وہ یہ دعا کرے گا۔ اس وقت دل پہ آرے چلیں گے، اور یہ دعا کرنا دل پر بہت شاق اور گراں گزرے گا، لیکن زبردستی یہ دعا کرے کہ یا اللہ، اس کو اور ترقی عطا

فرما، اس کی نعمت میں اور برکت عطا فرما۔ اور ساتھ ساتھ اپنے حق میں بھی دعا کرے کہ یا اللہ، میرے دل میں اس کی نعمت کی وجہ سے جو کڑھن اور جلن پیدا ہو رہی ہے اپنے فضل اور رحمت سے اس کو ختم فرما۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین کام کرے، ایک یہ کہ اپنے دل میں جو کڑھن پیدا ہو رہی ہے، اور اس کی نعمت کے زوال کا جو خیال آ رہا ہے۔ اس کو دل سے برا سمجھے، دوسرا یہ ہے کہ اس کے حق میں دعاء خیر کرے، تیسرے اپنے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ، میرے دل سے اس کو ختم فرما۔ ان تین کاموں کے کرنے کے بعد بھی اگر دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیال آ رہا ہے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ انشاء اللہ۔ لیکن اگر دل میں خیال تو آ رہا ہے۔ لیکن اس خیال کو برا نہیں سمجھتا ہے، اور نہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے، نہ اس کی تلافی کرتا ہے، تو اس صورت میں وہ گناہ سے خالی نہیں۔

حق تلفی کی وضاحت

یہ مسئلہ میں بار بار بتا چکا ہوں کہ جن گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، ان گناہوں کا علاج تو آسان ہے کہ انسان توبہ اور استغفار کر لے۔ وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن جن کوتاہیوں اور گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ وہ صرف توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق سے معاف نہ کرایا جائے، اور وہ معاف نہ کرے، یا جب تک اس کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا

حسد کا معاملہ یہ ہے کہ اگر آپ اس کو اپنی زبان پر لے آئے، اور اس حسد کے نتیجے میں آپ نے اس کی غیبت کر لی۔ یا اس کی بدخواہی کے لئے کوئی عملی کوشش کر لی، تو اس صورت میں اس حسد کا تعلق حقوق العباد سے ہو جائے گا، لہٰذا جب تک وہ شخص معاف نہیں کرے گا۔ یہ گناہ معاف نہیں ہو گا۔ لیکن اگر حسد دل ہی دل میں رہا، زبان سے کوئی لفظ اس کی برائی اور غیبت کا نہیں نکالا، اور اس کی نعمت کے زائل کرنے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ تو اس صورت میں اس حسد کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، لہٰذا یہ گناہ اس شخص سے معافی مانگے بغیر صرف توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ لہٰذا جب تک حسد دل ہی دل میں ہے، تو آدمی سوچ لے کہ ابھی معاملہ قابو میں ہے۔

آسانی کے ساتھ اس کا تدارک بھی ہو سکتا ہے، اور معافی بھی آسان ہے، ورنہ اگر یہ آگے بڑھ گیا تو یہ حقوق العباد میں داخل ہو جائے گا۔ پھر اس کی معافی کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

زیادہ رشک کرنا بھی اچھا نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر دوسرے کی نعمت کے چھن جانے کی خواہش دل میں نہ ہو۔ بلکہ صرف یہ خیال ہو کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، اگرچہ یہ حسد تو نہیں ہے، بلکہ یہ رشک ہے۔ لیکن اس کا بہت زیادہ استحضار کرنا اور سوچنا بالآخر حسد تک پہنچا دیتا ہے، لہٰذا اگر دنیا کے مال و دولت کی وجہ سے کسی پر رشک آ گیا تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہی رشک بعض اوقات دل میں مال و دولت کی حرص پیدا کر دیتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ رشک آگے چل کر حسد بن جاتا ہے۔

دین کی وجہ سے رشک کرنا اچھا ہے

لیکن اگر دینداری کی وجہ سے رشک پیدا ہو رہا ہے یہ تو اچھی بات ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لاحسد الا فی اثنتین، رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلط علی هلکته فی الحق، ورجل اتاہ اللّٰہ الحکمة، فھو یقضی بھا ویعلمھا"

(صحیح بخاری کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، حدیث نمبر ۷۳)

اس حدیث میں حسد سے مراد رشک ہے یعنی حقیقت میں رشک کے قابل صرف دو انسان ہیں، ایک وہ انسان قابل رشک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، اور وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے، اور اس کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنا رہا ہے۔ یہ شخص قابل رشک ہے، دوسرا وہ شخص ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، اور اس علم کے ذریعہ سے لوگوں کو نفع پہنچا رہا ہے۔ اپنی تقریر اور تحریر سے لوگوں کو دین کی بات پہنچا رہا ہے۔ یہ شخص بھی قابل رشک ہے کہ وہ خود بھی نیک عمل کر رہا ہے۔ اور

دوسروں کو نیکی کی ترغیب دے رہا ہے، اور جو لوگ اس کی ترغیب اور تعلیم کے نتیجے میں دین پر عمل پیرا ہوں گے، ان کا ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا ـــــ لہٰذا اگر دین کی وجہ سے کوئی شخص رشک کر رہا ہے کہ فلاں شخص دینداری میں مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ یہ رشک پسندیدہ ہے، اور بڑی اچھی بات ہے۔

دنیا کی وجہ سے رشک پسندیدہ نہیں

لیکن دنیا کے مال و دولت کی وجہ سے دوسرے پر رشک کرنا کہ فلاں کے پاس مال زیادہ ہے۔ فلاں کے پاس دولت زیادہ ہے۔ فلاں کی شہرت زیادہ ہے۔ فلاں کی عزت زیادہ ہے۔ ان دنیاوی چیزوں پر بھی رشک کرنا بھی اچھی بات نہیں۔ اس لئے کہ ان چیزوں میں زیادہ رشک کرنے کے نتیجے میں بالآخر حرص پیدا ہوگی، اور اس کے بعد حسد پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لئے اس رشک کی بھی زیادہ ہمت افزائی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ جب کبھی ایسا خیال آئے تو اس وقت آدمی یہ سوچے کہ اگر فلاں نعمت اس کو حاصل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو اس کے پاس نہیں ہیں۔ اور جو نعمتیں مجھے نہیں ملیں تو میری بھلائی اور مصلحت بھی اس میں ہے کہ مجھے وہ نعمت نہ ملے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے مجھے وہ نعمت نہیں عطا فرمائی، اگر وہ نعمت مجھے حاصل ہو جاتی تو خدا جانے کس مصیبت کے اندر مبتلا ہو جاتا، بہرحال، ان باتوں کو سوچے، اور اس رشک کے خیال کو بھی اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے ـــ یہ چند باتیں حسد کے بارے میں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شیخ اور مربی کی ضرورت

لیکن جیسا کہ میں بار بار عرض کرتا رہتا ہوں کہ باطن کی جتنی بیماریاں ہیں، باطن کے جتنے برے اخلاق اور گناہ ہیں۔ ان سے بچنے کا اصل علاج یہ ہے کہ کسی معالج سے رجوع کیا جائے۔ اگر کوئی ڈاکٹر ایک مرتبہ مریض کو اپنے پاس بٹھا کر خوب اچھی طرح سے یہ بتا دے کہ بخار کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ اس کا علاج اور

دوائیں کیا کیا ہیں؟ لیکن جب اس کو بخار آئے گا تو کیا وہ شخص ڈاکٹر کے بتائی ہوئی باتوں کو یاد کر کے اس کے مطابق اپنا علاج خود کرنا شروع کر دے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا، اس لئے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں، اور بعض اوقات دواؤں کو اپنے اوپر منطبق کرنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے، اس لئے کسی ڈاکٹر یا معالج کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ــــــ

اسی طرح یہ باطن کی بیماریاں ہیں۔ مثلاً ریاکاری ہے۔ حسد ہے۔ بغض ہے۔ تکبر ہے۔ آپ نے ان کی حقیقت تو سن لی۔ لیکن جب کوئی شخص ان میں سے کسی بیماری میں مبتلا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایسے معالج کی طرف رجوع کرے جو اپنا علاج کرا چکا ہو، اور دوسروں کا علاج کرنے میں ماہر ہو، اور اس کو بتائے کہ میرے دل میں یہ خیالات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ اور کیا علاج ہے؟ پھر وہ صحیح علاج تجویز کرتا ہے ــــــ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بیمار سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں بیمار نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو تندرست سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بیمار ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لئے کوئی علاج مفید ہوتا ہے۔ مگر وہ دوسرے علاج میں لگا ہوا ہے ــــــ اس لئے بنیادی بات یہ ہے کہ کسی شیخ سے رجوع کر کے اس کو اپنے حالات بتائے جائیں، اور پھر اس کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

خواب کی حیثیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواب کی حیثیت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔ اما بعد!

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یبق من النبوۃ الا المبشرات، قالوا: وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحۃ"

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب المبشرات حدیث نمبر ۶۹۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبوت منقطع ہو گئی اور سوائے مبشرات کے نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مبشرات کیا ہیں؟ (مبشرات کے معنی ہیں خوشخبری دینے والی چیزیں) جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سچے خواب" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبشرات ہوتے ہیں اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحہ حدیث نمبر ۶۹۸۷)

سچے خواب نبوت کا حصہ ہیں

مطلب اس کا یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت آیا، تو ابتداء میں چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی۔ بلکہ چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آتے رہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھتے، تو جو واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہوتا بعینہ وہی واقعہ بیداری میں پیش آجاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خواب سچا ہو جاتا اور صبح کے اجالے کی طرح اس خواب کا سچا ہونا لوگوں کے سامنے واضح ہو جاتا۔ اس طرح چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آتے رہے۔ اس کے بعد پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔۔ اور نبوت ملنے کے بعد تیئس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے، ان تیئس سالوں میں سے چھ ماہ کا عرصہ صرف سچے خوابوں کا زمانہ تھا۔ اب تیئس کو دو سے ضرب دیں گے تو چھیالیس بن جائیں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے زمانے کو چھیالیس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس میں سے ایک حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب ہی آتے رہے۔ وحی نہیں آئی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیس واں حصہ ہے، اور اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے گا اور مومنوں کو سچے خواب دکھائے جائیں گے، اور ان کے ذریعہ بشارتیں دی جائیں گی، اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں مسلمانوں کو بیشتر خواب سچے آئیں گے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواب بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور آدمی کو اس کے ذریعے بشارتیں ملتی ہیں، لہذا اگر خواب کے ذریعہ کوئی بشارت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

خواب کے بارے میں دو رائیں

لیکن ہمارے یہاں خواب کے معاملے میں بڑی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو سچے خوابوں کے قائل ہی نہیں، نہ خواب کے قائل، نہ خواب کی تعبیر کے

قائل ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ ابھی آپ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سچے خواب مبشرات ہیں ــــ اور دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں۔ جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور خواب، ہی کو مدار نجات اور مدار فضیلت سمجھتے ہیں، اگر کسی نے اچھا خواب دیکھ لیا تو بس، اسکے معتقد ہو گئے، اور اگر کسی نے اپنے بارے میں اچھا خواب دیکھ لیا تو وہ اپنا ہی معتقد ہو گیا کہ میں اب پہنچا ہوا بزرگ ہو گیا ہوں ــــ یہ خواب تو سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ بیداری کی حالت میں کچھ چیزیں دکھاتے ہیں۔ جس کو "کشف" کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کو کشف ہو گیا تو لوگ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے کہ یہ بہت بڑا بزرگ آدمی ہے۔ اب چاہے بیداری کے اندر اس کے حالات سنت کے مطابق نہ بھی ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ انسان کی فضیلت کا اصل معیار خواب اور کشف نہیں۔ بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ اس کی بیداری کی زندگی سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ بیداری کی حالت میں وہ گناہوں سے پرہیز کر رہا ہے یا نہیں؟ بیداری کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر اطاعت نہیں کر رہا ہے تو پھر اس کو ہزار خواب نظر آئے ہوں۔ ہزار کشف ہوئے ہوں۔ ہزار کرامتیں اس کے ہاتھ پر صادر ہوئی ہوں۔ وہ معیار فضیلت نہیں۔ آج کل اس معاملے میں بڑی سخت گمراہی پھیلی ہوئی ہے۔ پیری مریدی کے ساتھ اس کو لازم سمجھ لیا گیا ہے۔ ہر وقت لوگ خوابوں اور کشف و کرامات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

خواب کی حیثیت

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور خواب کی تعبیر میں امام ہیں۔ پوری امت محمدیہ میں ان سے بڑا عالم خواب کی صحیح تعبیر دینے والا شاید کوئی اور پیدا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خواب کی تعبیر دینے میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ان کے بڑے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔ لیکن ان کا ایک اتنا پیارا چھوٹا جملہ ہے۔ جو یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ جملہ خواب کی حقیقت واضح کرتا ہے، فرمایا کہ:

الرؤیا تسر ولا تغر

یعنی خواب ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان خوش ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھا خواب دکھایا۔ لیکن خواب کسی انسان کو دھوکے میں نہ ڈالے، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بہت پہنچا ہوا ہو گیا، اور اس کے نتیجے میں بیداری کے اعمال سے غافل ہو جائے۔

حضرت تھانوی اور تعبیر خواب

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بہت سے لوگ خواب کی تعبیر پوچھتے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔ میں نے یہ خواب دیکھا، حضرت تھانوی" عام طور پر جواب میں یہ شعر پڑھتے کہ:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
من غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یعنی نہ تو میں رات ہوں اور نہ رات کو پوجنے والا ہوں کہ خواب کی باتیں کروں، اللہ تعالیٰ نے تو مجھے آفتاب سے نسبت عطا فرمائی ہے۔ یعنی آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس لئے میں تو اسی کی بات کہتا ہوں ـــــ بہرحال خواب کتنے ہی اچھے آجائیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، وہ مبشرات ہیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی برکت عطا فرما دے، لیکن محض خواب کی وجہ سے بزرگی اور فضیلت کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب" اور مبشرات

میرے والد ماجد رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں بیسیوں افراد نے خواب دیکھے۔ مثلاً خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے والد ماجد" کی شکل میں دیکھا ـــ یہ اور اس قسم کے دوسرے خواب بے شمار افراد نے دیکھے، چنانچہ جب لوگ اس قسم کے خواب لکھ کر بھیجتے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے، اور ایک رجسٹر جس پر یہی عنوان تھا "مبشرات" یعنی خوشخبری دینے والے خواب، اس رجسٹر میں نقل کرا دیتے تھے، لیکن اس رجسٹر کے پہلے صفحے پر اپنے قلم سے یہ نوٹ لکھا تھا کہ:

"اس رجسٹر میں ان خوابوں کو نقل کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے میرے بارے میں دیکھے ہیں۔ اس غرض سے نقل کر رہا ہوں کہ بہر حال، یہ مبشرات ہیں، فال نیک ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری اصلاح فرمادے۔ لیکن میں سب پڑھنے والوں کو متنبہ کر رہا ہوں کہ آگے جو خواب ذکر کیے جارہے ہیں۔ یہ ہرگز مدار فضیلت نہیں، اور ان کی بنیاد پر میرے بارے میں فیصلہ نہ کیا جائے، بلکہ اصل مدار بیداری کے افعال و اقوال ہیں، لہٰذا اس کی وجہ سے آدمی دھوکے میں نہ پڑے۔"

یہ آپ نے اس لئے لکھ دیا کہ کوئی پڑھ کر دھوکہ نہ کھائے۔ بس یہ حقیقت ہے خواب کی۔ بس جب انسان اچھا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے حق میں باعث برکت بنادے۔ لیکن اس کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہو، نہ دوسرے کے بارے میں، اور نہ اپنے بارے میں بس، خواب کی حقیقت اتنی ہی ہے ــــ اسی خواب سے متعلق دو تین احادیث اور ہیں۔ جن کے بارے میں اکثر و بیشتر لوگوں کو معلومات نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑے رہتے ہیں۔ اس لئے ان احادیث کو بھی پڑھ لینا مناسب اور ضروری ہے۔

شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہیں آسکتا

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من رآنی فی المنام فقد رآنی لا یتمثل الشیطان بی"

(صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رآنی فی المنام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، (یعنی جس نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی) تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا ــــ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت عطا فرمادے تو یہ بڑی عظیم سعادت ہے، اور اس کی خوش نصیبی کا

کیا ٹھکانہ ہے ـــــ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معروف حلیے کے مطابق دیکھے جو احادیث کے ذریعہ ثابت ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھتا ہے، شیطان یہ دھوکہ نہیں دے سکتا کہ معاذ اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں آجائے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنی زیارت کی خصوصیت بیان فرمادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عظیم سعادت

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بہت سے لوگوں کو یہ سعادت عطا فرمادیتے ہیں، اور انہیں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی عظیم نعمت اور عظیم سعادت ہے۔ لیکن اس معاملے میں ہمارے بزرگوں کے ذوق مختلف رہے ہیں۔ ایک ذوق تو یہ ہے کہ اس سعادت کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ایسے عمل کئے جاتے ہیں جس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے اور بزرگوں نے ایسے خاص خاص عمل لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جمعہ کی شب میں اتنی مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد فلاں عمل کر کے سوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے، اس قسم کے بہت سے اعمال مشہور ہیں۔ بعض حضرات کا ذوق اور مذاق یہ ہے، اب اگر کوئی شخص اس ذوق کے پیش نظر خواب میں زیارت کی کوشش کرنا چاہے تو کرلے، اور اس سعادت سے سرفراز ہو جائے۔

زیارت کی اہلیت کہاں؟

لیکن دوسرے بعض حضرات کا ذوق کچھ اور ہے۔ مثلاً میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آکر کہنے لگے کہ طبیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا عمل بتادیجئے، جس کے نتیجے میں یہ نعمت حاصل ہو جائے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: بھائی، تم بڑے حوصلے والے آدمی ہو کہ تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت ہو جائے۔ ہمیں یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ یہ تمنا بھی کریں۔ اس لئے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ اس لئے کبھی اس قسم کے عمل سیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اور نہ کبھی یہ سوچا کہ ایسے عمل سیکھے جائیں۔ جن کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر زیارت ہو جائے تو ہم اس کے آداب، اس کے حقوق، اس کے تقاضے کس طرح پورے کریں گے؟ اس لئے خود سے اس کے حصول کی کوشش نہیں کی، البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی زیارت کرا دیں تو یہ ان کا انعام ہے، اور جب خود کرائیں گے تو پھر اس کے آداب کی بھی توفیق بخشیں گے۔ لیکن خود سے ہمت نہیں ہوتی، البتہ جس طرح ایک مومن کے دل میں آرزو ہوتی ہے، اس طرح کی آرزو دل میں ہے۔ لیکن زیارت کی کوشش کرنا بڑی ہمت اور حوصلہ والوں کا کام ہے۔ مجھے تو حوصلہ ہوتا نہیں ہے ـــــ بہر حال اس سلسلے میں ذوق مختلف رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب اور روضہ اقدس کی زیارت

میں نے اپنے والد صاحب کا یہ واقعہ آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تو کبھی روضہ اقدس کی جالی تک پہنچ ہی نہیں پاتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھا کہ جالی کے سامنے ایک ستون ہے۔ اس ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے، اور جالی کا بالکل سامنا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہاں اگر کوئی آدمی کھڑا ہوتا تو اس کے پیچھے جا کر کھڑے ہو جاتے اور ایک دن خود ہی فرمانے لگے کہ: ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید تو بڑا شقی القلب آدمی ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہیں، جو جالی کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں، اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا بھی قرب حاصل ہو جائے۔ وہ نعمت ہی نعمت ہے، لیکن میں کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں۔ شاید کچھ شقاوت قلب ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں کھڑے کھڑے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ مگر اس کے بعد فوراً یہ محسوس ہوا جیسا کہ روضہ اقدس سے یہ آواز آ رہی ہے کہ:

جو شخص ہماری سنتوں پر عمل کرتا ہے، وہ ہم سے قریب ہے، خواہ ہزاروں میل دور ہو، اور جو شخص ہماری سنتوں پر عمل نہیں

کرتا، وہ ہم سے دور ہے، چاہے وہ ہماری جالیوں سے چمٹا ہوا ہو۔

اصل مدار بیداری کے اعمال ہیں

بہرحال، اصل دولت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین..... بیداری کی حالت میں ان کی سنتوں کی توفیق ہو جائے، یہ ہے اصل نعمت، اصل دولت، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل قرب یہی ہے، لیکن اگر سنتوں پر عمل نہیں اور روضہ اقدس کی جالیوں سے چمٹا کھڑا ہے اور زیارت کی کوشش کر رہا ہے تو ہمارے خیال میں یہ بڑی جسارت ہے، اس لئے اصل فکر اس کی ہونا چاہئے کہ سنت کی اتباع ہو رہی ہے یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندگی میں داخل ہو رہی ہیں یا نہیں؟ اس کی فکر کرو۔ خوابوں کے پیچھے بہت زیادہ پڑنا مطلوب اور مقصود نہیں، البتہ اگر حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن اس پر نجات کا مدار نہیں۔ کیونکہ غیر اختیاری معاملہ ہے۔ ہمارے طبقے میں ایک بڑی تعداد ہے جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑی ہے۔ دن رات یہی فکر ہے کہ کوئی اچھا خواب آجائے۔ اسی کو منتہاء مقصود سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ پھر یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا خواب اپنے بارے میں دیکھ لیا تو بس یہ سمجھا کہ اب میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہوں۔ خوب سمجھ لیں کہ خواب اپنی ذات میں نہ تو کسی کا درجہ بلند کرتا ہے، اور نہ اجر و ثواب کا موجب ہوتا ہے، بلکہ اصل مدار بیداری کے اعمال پر ہے۔ یہ دیکھو کہ تم بیداری میں کیا عمل کر رہے ہو۔

اچھا خواب دھوکے میں نہ ڈالے

لہٰذا اگر کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں پھر رہا ہوں، اور جنت کے باغات اور محلات کی سیر کر رہا ہوں، تو یہ بڑی اچھی بشارت ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس دھوکہ میں نہ آئے کہ میں تو جنتی ہو گیا۔ لہٰذا اب مجھے کسی عمل اور کوشش کی حاجت

اور ضرورت نہیں ـــــ یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھنے کے بعد اعمال کے اندر اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنے لگتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ خواب اچھا اور سچا تھا اور بشارت والا تھا۔ اور اس سے اس نے غلط نتیجہ نہیں نکالا۔ لیکن اگر خدانہ کرے۔ یہ ہوا کہ خواب دیکھنے کے بعد اعمال چھوڑ بیٹھا، اور اعمال کی طرف سے غفلت ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب نے اس کو دھوکے میں ڈال دیا۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کا حکم دینا

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو کوئی مجھے خواب میں دیکھتا ہے تو مجھے ہی دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا اگر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو، اور وہ کوئی ایسا کام کرنے کو کہیں جو شریعت کے دائرے میں ہے، مثلاً فرض ہے یا واجب ہے، یا سنت ہے، یا مباح ہے، تو پھر اس کو اہتمام سے کرنا چاہئے، اس لئے جو کام شریعت کے دائرے میں ہے، اس کے کرنے کا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمارہے ہیں تو وہ خواب سچا ہوگا، اس کام کا کرنا ہی اس کے حق میں مفید ہے، اور اگر نہیں کرے گا تو بعض اوقات اس کے حق میں بے برکتی شدید ہو جاتی ہے۔

خواب حجت شرعی نہیں

لیکن اگر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کا حکم دیں جو شریعت کے دائرے میں نہیں ہے۔ مثلاً خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور ایسا محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی بات کا حکم فرمایا جو شریعت کے ظاہری احکام کے دائرے میں نہیں ہے، تو خوب سمجھ لیجئے کہ اس خواب کی وجہ سے وہ کام کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارے دیکھے ہوئے خواب کی بات کو اللہ تعالیٰ نے مسائل شریعت میں حجت نہیں بنایا۔ اور جو ارشادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے قابل اعتماد واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں، وہ حجت ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خواب کی بات پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہ بات تو صحیح ہے کہ شیطان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں نہیں آسکتا، لیکن بسا اوقات خواب دیکھنے والے کے ذاتی خیالات اس خواب کے ساتھ مل کر گڈمڈ ہو جاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے اس کو غلط بات یاد رہ جاتی ہے، یا سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارے خواب حجت نہیں۔

خواب کا ایک عجیب واقعہ

ایک قاضی تھے، لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ سامنے آیا، اور مقدمہ کے اندر گواہ پیش ہوئے، اور شریعت کے مطابق گواہوں کی جانچ پڑتال کا جو طریقہ ہے، وہ پورا کر لیا، اور آخر میں مدعی کے حق میں فیصلے کرنے کا دل میں ارادہ بھی ہو گیا۔ لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ اس فیصلے کا اعلان کل کریں گے۔ یہ خیال ہوا کہ کل تک ذرا اور سوچ لوں گا، لیکن جب رات کو سوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور جب صبح بیدار ہوئے تو ایسا یاد آیا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ جو تم فیصلہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ فیصلہ یوں کرنا چاہئے۔۔۔۔ اب اٹھ کر جو غور کیا تو جس طریقے سے فیصلہ کرنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، وہ کسی طرح شریعت کے دائرے میں فٹ نہیں ہوتا۔ اب بڑے پریشان ہوئے کہ ظاہری طور پر شریعت کا جو تقاضہ ہے، اس کے لحاظ سے تو یہ فیصلہ اس طرح ہونا چاہئے، لیکن دوسری طرف خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یوں فیصلہ کرو۔۔۔۔ اب معاملہ بڑا سنگین ہو گیا اور یہ جو مقدمہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے۔ جن لوگوں پر گزرتی ہے، وہی اس کو جانتے ہیں، راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ قاضی صاحب نے خلیفہ وقت سے جا کر بتایا کہ اس طرح سے یہ مقدمہ پیش آگیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس طرح فیصلہ کرنے کو فرمایا۔ آپ علماء کو جمع فرمائیں، تاکہ اس کے بارے میں ان سے مشورہ ہو جائے۔ چنانچہ

سارے شہر کے علماء جمع ہوئے، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا کہ اس طرح سے مقدمہ درپیش ہے۔ ظاہری طور پر شریعت کا تقاضہ یہ ہے۔ لیکن دوسری طرف خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ علماء نے فرمایا کہ واقعۃً یہ معاملہ بڑا سنگین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور شیطان آپ کی صورت مبارکہ میں آ نہیں سکتا، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنا چاہئے

لیکن اس زمانے کے ایک بزرگ جو اپنی صدی کے مجدد کہلاتے تھے۔ حضرت شیخ عزالدین ابن عبدالسلام رحمہ اللہ علیہ، وہ بھی مجلس میں حاضر تھے وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں پورے جزم اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ شریعت کے قاعدے کے مطابق آپ جو فیصلہ کرنے جارہے ہیں، وہی فیصلہ کیجئے اور سارا گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔ خواب کی بات پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ خواب میں ہزاروں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ خدا جانے اپنے دل کی کوئی بات اس میں آگئی ہو۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں شیطان نہیں آسکتا، لیکن ہو سکتا ہے کہ بیداری کے بعد شیطان نے کوئی وسوسہ ڈال دیا ہو۔ کوئی غلط بات دل میں آگئی ہو۔ شریعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیداری میں سنے ہوئے ارشادات کے مقابلے میں ہمارے خواب کو حجت قرار نہیں دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہم تک سند متصل کے ساتھ پہنچے ہیں۔ وہی ہمارے لئے حجت ہیں۔ ہمیں انہی پر عمل کرنا ہے۔ آپ بھی اس پر عمل کیجئے، اور گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔

خواب اور کشف وغیرہ سے شرعی حکم نہیں بدل سکتا

یہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ جو اس قوت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں ورنہ یہ بات کہنا آسان کام نہیں تھا کہ "گناہ و ثواب میری گردن پر" جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دین کی صحیح تشریح کے لئے اور اس دین کے تحفظ کے لئے بھیجتے ہیں۔ ان سے ایسی باتیں کرا دیتے ہیں، اگر ایک مرتبہ یہ اصول مان لیا جاتا کہ خواب سے بھی شریعت بدل سکتی ہے تو پھر شریعت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا، ایک سے ایک خواب لوگ دیکھ لیتے اور آکر بیان کر دیتے۔ آج آپ دیکھیں کہ یہ جتنے جاہل پیر ہیں۔ جو بدعات میں مبتلا ہیں۔ وہ انہی

خوابوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ کوئی خواب دیکھ لیا، یا کشف ہو گیا۔ الہام ہو گیا، اور اس کی بنیاد پر شریعت کے خلاف عمل کر لیا، خواب تو خواب ہے۔ اگر کسی کو کشف ہو جائے جو جاگتے اور بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، اس میں آواز آتی ہے، اور وہ آواز کانوں کو سنائی دیتی ہے، لیکن اس کے باوجود کشف شریعت میں حجت نہیں، کوئی شخص کتنا ہی پہنچا ہوا عالم یا بزرگ ہو، اس نے اگر خواب دیکھ لیا، یا اس کو کوئی کشف یا الہام ہو گیا، وہ بھی شرعی احکام کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو رئیس الاولیاء ہیں۔ ایک مرتبہ رات کو عبادت میں مشغول تھے۔ تہجد کا وقت ہے شیخ عبدالقادر جیسا ولی اللہ عبادت کر رہا ہے، اس وقت ایک زبردست نور چمکا اور اس نور میں سے یہ آواز آئی کہ اے عبدالقادر، تو نے ہماری عبادت کا حق ادا کر دیا۔ اب تو اس مقام پر پہنچ گیا کہ آج کے بعد ہماری طرف سے تم پر کوئی عبادت فرض و واجب نہیں، نماز تیری معاف، تیرا روزہ معاف، تیرا حج اور تیری زکوٰۃ معاف۔ اب تو جس طرح چاہے، عمل کر، ہم نے تمہیں جنتی بنا دیا ___ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ نے سنتے ہی فوراً جواب میں فرمایا کہ: "مردود، دور ہو جا۔ یہ نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تو معاف نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے تو معاف نہیں ہوئی، مجھ سے کیسے معاف ہو جائے گی؟ دور ہو جا" یہ کہہ کر شیطان کو دور کر دیا، اس کے بعد ایک اور نور چمکا، جو پہلے نور سے بھی بڑا نور تھا اس میں سے آواز آئی کہ: عبدالقادر، تیرے علم نے آج تجھے بچا لیا۔ ورنہ یہ وہ داؤ ہے، جس سے میں نے بڑوں بڑوں کو ہلاک کر دیا ہے، اگر تیرے پاس علم نہ ہوتا تو ہلاک ہو چکا ہوتا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ: مردود، دوبارہ بہکاتا ہے، میرے علم نے مجھے نہیں بچایا، میرے اللہ نے مجھے بچایا ہے ___ عارفین فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا داؤ پہلے داؤ سے زیادہ سنگین تھا۔ اس لئے کہ اس وقت شیطان نے ان کے اندر علم کا ناز پیدا کرنا چاہا تھا۔ کہ تمہارے علم اور تقویٰ نے تمہیں بچا لیا۔ لیکن آپ نے اس کو بھی رد کر دیا۔

خواب کے ذریعہ حدیث کی تردید جائز نہیں

بھائی، یہ راستہ بڑا خطرناک ہے، آجکل خاص طور پر جس طرح کا مذاق بنا ہوا ہے کہ لوگ خواب، کشف، کرامات اور الہامات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ شریعت کا تقاضہ کیا ہے؟ اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگوں نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ مجھے یہ کشف ہوا ہے کہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی فلاں حدیث یہودیوں کی گھڑی ہوئی ہے، اور مجھے یہ بات کشف کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے ــــــ اگر اس طریقے سے کشف ہونے لگے تو دین کی بنیادیں ہل جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کو غریق رحمت کرے، جن کو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دین کا محافظ بنایا، یہ دین کے چوکیدار ہیں۔ لوگ ان پر ہزار لعنتیں، ملامتیں کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کا محافظ اور نگہبان بنایا، تاکہ کوئی دین پر حملہ نہ کر سکے۔ اور دین میں تحریف نہ ہو۔ چنانچہ ان علماء نے صاف صاف کہہ دیا کہ چاہے خواب ہو۔ یا کشف ہو۔ یا کرامت ہو۔ ان میں سے کوئی چیز بھی دین میں حجت نہیں، وہ چیزیں حجت ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری کے عالم میں ثابت ہیں۔ کبھی خواب، کشف اور الہام اور کرامت کے دھوکے میں مت آنا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح کشف تو دیوانوں، بلکہ کافروں کو بھی ہو جاتا ہے، اس لئے کبھی اس دھوکے میں مت آنا کہ نور نظر آگیا، یا دل چلنے لگا۔ یا دل دھڑکنے لگا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ شریعت میں ان چیزوں پر فضیلت کا کوئی مدار نہیں۔

خواب دیکھنے والا کیا کرے؟

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص خواب میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو ناگوار ہو، تو بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے، اور " اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم " پڑھ لے، جس کروٹ پر خواب دیکھا تھا، اس کی جگہ دوسری کروٹ بدل لے، پھر یہ خواب انشاء اللہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا ــــــ مثلاً بعض اوقات انسان کچھ ڈراؤنے خواب دیکھ لیتا ہے، یا

کوئی برا واقعہ دیکھ لیتا ہے تو ایسے موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرما دی کہ جیسے ہی آنکھ کھلے، فوراً یہ عمل کرے، اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے۔ مثلاً اپنے بارے میں کوئی دینی یا دنیوی ترقی دیکھی، تو اس صورت میں اپنے جاننے والے اور اپنے محبت کرنے والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرے، دوسروں کو نہ بتائے، کیونکہ بعض اوقات ایک آدمی وہ خواب سن کر اس کی الٹی سیدھی تعبیر بیان کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے اس اچھے خواب کی تعبیر اس کے مطابق ہو جاتی ہے، اس لئے اپنے محبت کرنے والوں کو وہ خواب بتائے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ، حدیث نمبر ۶۹۸۶)

خواب بیان کرنے والے کے لئے دعا کرنا

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے، اور پھر وہ اپنا خواب بیان کرنے لگے تو ایسے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آکر بتاتا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

"خیرًا تلقاہ وشرًا توقاہ، خیر لنا وشر لاعدائنا"

یعنی اللہ تعالیٰ اس خواب کی خیر تم کو عطا فرمائے، اور اس کے شر سے تمہاری حفاظت فرمائے، اور خدا کرے کہ یہ خواب ہمارے لئے اچھا ہو، اور ہمارے دشمنوں کے لئے برا ہو، اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری باتیں جمع فرما دیں، آپ حضرات بھی اس کا معمول بنالیں کہ جب بھی کوئی شخص آکر اپنا خواب بیان کرے تو اس کے لئے یہ دعا کریں، اگر عربی میں یاد نہ ہو تو اردو ہی میں کر لیں ــــ یہ ہیں خواب کے آداب، اور خواب کی حیثیت، بس ان باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے، ــــ لوگوں میں بہت سی فضولیات خواب کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور دین پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سستی کا علاج

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سستی کا علاج

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ امابعد!

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت: ٦٩)
آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم۔

سستی کا مقابلہ "ہمت" سے کرے

میں پچھلے دنوں رنگون اور برما کے بعض دوسرے شہروں کے سفر پر تھا۔ مسلسل دس بارہ روز سفر میں گزرے۔ متواتر بیانات کا سلسلہ رہا: ایک ایک دن میں بعض اوقات چار چار، پانچ پانچ بیانات ہوئے، اس لئے آواز بیٹھی ہوئی ہے، اور طبیعت میں تکان بھی ہے، اور اتفاق سے کل دوبارہ حرمین شریفین کا سفر درپیش ہے، اس لئے آج طبیعت سستی کر رہی تھی، اور یہ خیال ہو رہا تھا کہ جب پچھلے جمعہ ناغہ ہو گیا تھا تو ایک جمعہ اور سہی لیکن اپنے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات یاد آگئی۔ وہ یہ کہ ایک

مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

جب کسی معمول کے پورا کرنے میں سستی ہو رہی ہو، تو وہی موقع انسان کے امتحان کا ہے، اب ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سستی کے آگے ہتھیار ڈال دے، اور نفس کی بات مان لے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج ایک معمول میں ہتھیار ڈالے۔ کل کو نفس دوسرے معمول میں ہتھیار ڈلوائے گا، اور پھر آہستہ آہستہ طبیعت اس سستی کے تابع اور اس کی عادی ہو جائے گی ____

اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کر کے اس معمول کو کر گزرے، محنت اور مشقت کر کے زبردستی اس کام کو کرے، تو پھر اس محنت اور مشقت اور مقابلہ کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ آئندہ بھی معمولات کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے"

حاصل تصوف "دو باتیں"

اور ایسے موقع ہمارے حضرت والا حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ملفوظ یاد رکھنے، بلکہ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، حضرت تھانوی" فرمایا کرتے تھے کہ:

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس وقت کسی طاعت کی ادائیگی میں سستی ہو، تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس وقت کسی گناہ کا داعیہ (تقاضا) پیدا ہو، تو اس داعیے (تقاضے) کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، جب یہ بات حاصل ہو جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

بہرحال، سستی دور کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، یعنی اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کرنا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کوئی نسخہ گھول کر پلا دے گا تو ساری سستی دور ہو جائے گی،

اور سب کام ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے ـــــ یاد رکھو کہ سستی کا مقابلہ ہمت سے ہی ہوگا، اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

نفس کو بہلا پھسلا کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا بہلا پھسلا کر اس سے کام لیا کرو ـــ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن جب تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سستی اور کسل تھا۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔ کسل بھی ہے، اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے ـــــ اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے، پڑے سوتے رہو۔ اگر آج تہجد کی نماز نہیں پڑھی تو کیا ہو جائے گا؟

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد کی نماز فرض و واجب بھی نہیں ہے، اور دوسری طرف طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ـــــ لیکن یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ، ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے ـــــ لہٰذا ایسے مبارک وقت کو بے کار گزارنا بھی ٹھیک نہیں۔ پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اچھا ایسا کرو کہ نماز مت پڑھو، لیکن اٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ جاؤ، اور تھوڑی سی دعا کرو۔ دعا کر کے پھر دوبارہ سو جانا ـــ چنانچہ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور دعا کرنی شروع کر دی، اب دعا کرتے کرتے پھر نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو تمہاری نیند تو چلی گئی، اب ایسا کرو کہ غسل خانے تک چلے جاؤ، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ۔ پھر آرام سے آ کر لیٹ جانا، چنانچہ میں غسل خانے میں پہنچ گیا، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو، اس لئے وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ چنانچہ وضو کر لیا، اور واپس بستر پر آ کر بیٹھ گیا، اور دعا شروع کر دی۔ پھر نفس سے کہا کہ یہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے، دعا کرنے کی جو

تمہاری جگہ ہے، جائے نماز، وہاں جاکر دعا کر لو۔ یہ کہہ کر نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا، اور جب جائے نماز پر پہنچا تو جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس طرح نفس کو تھوڑا سا بہلاوا دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے، اور جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اور اس کو کھینچ کھینچ لے جایا کرو۔ انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

اگر صدر مملکت کی طرف سے بلاوا آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے اپنا یہ معمول بنا کر رکھا ہے کہ فلاں وقت میں تلاوت کروں گا، یا فلاں وقت میں نفل نماز پڑھوں گا۔ لیکن جب وہ وقت آیا تو طبیعت میں سستی ہو رہی ہے، اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو، اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے، اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا عہدہ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ ـــــ بتاؤ، کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم پیغام لانے والے کو یہ جواب دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے ـــــ کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، صدر مملکت کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی، کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی۔ اور خوشی کے مارے فوراً انعام حاصل کرنے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا ـــــ

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں تھا۔ اگر حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو صدر مملکت کا پیغام سن کر نہ اٹھتے، بلکہ بستر پر پڑے رہتے ـــــ اس کے بعد یہ سوچو کہ دنیا کا ایک سربراہ مملکت جو بالکل عاجز، انتہائی عاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک انعام یا منصب دینے کے لئے بلا رہا ہے تو تم اس کے لئے اتنا بھاگ سکتے ہو، لیکن وہ

احکم الحاکمین، جس کے قبضہ وقدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہی ہے۔ چھیننے والا وہی ہے۔ اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے تو اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ ——— ان باتوں کا تصور کرنے سے انشاء اللہ اس کام کی ہمت ہو جائے گی، اور سستی دور ہو جائے گی۔

کل پر مت ٹالو

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک نیک عمل کا دل میں خیال پیدا ہوا، کہ یہ نیک کام کرنا چاہئے۔ لیکن پھر انسان کا نفس اس کو یہ جھکاتا ہے کہ یہ کام تو اچھا ہے، البتہ کل سے یہ کام شروع کریں گے ——— یاد رکھو، یہ نفس کا کید ہے۔ اس لئے کہ وہ کل پھر نہیں آتی، جو کام کرنا ہے۔ وہ آج، بلکہ ابھی شروع کر دو، کیا پتہ کہ کل آئے، یا نہ آئے، کیا معلوم کہ کل کو موقع ملے یا نہ ملے، کیا پتہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، اور کیا پتہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

(سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

بہر حال، یہ عرض کر رہا تھا کہ آج مجھے سستی ہو رہی تھی، مگر اپنے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، جس کی وجہ سے آنے کی ہمت ہو گئی، اور چلا آیا۔

اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں

دوسرے یہ کہ یہاں در حقیقت میں اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں، اور میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اللہ کے نیک بندے نیک طلب لے کر دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں، مجھے بھی ان کی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں ——— بات یہ ہے کہ جب اللہ

کے بندے دین کی خاطر کسی جگہ ہوتے ہیں، تو آپس میں ایک دوسرے پر برکتوں کا انعکاس ہوتا ہے، اس لئے میں تو ہمیشہ اس نیت سے آتا ہوں کہ نیک لوگوں کی برکتیں حاصل کروں۔

وہ لمحات زندگی کس کام کے؟

تیسرے یہ کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی، یہ بات بھی میں نے حضرت والا ہی سے سنی! فرمایا کہ جب حضرت والا مرض الوفات میں بیمار اور صاحب فراش تھے۔ اور ڈاکٹروں نے آپ کو ملاقات اور بات چیت سے منع کر رکھا تھا۔ ایک دن آپ بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں۔ ان کو بلاؤ ـــــــ "مولوی محمد شفیع صاحب" سے مراد میرے والد ماجد ہیں، حضرت والا نے میرے والد صاحب کو "احکام القرآن" عربی زبان میں تالیف کرنے پر لگا رکھا تھا ـــــ چنانچہ جب والد صاحب تشریف لائے تو ان سے فرمایا کہ آپ احکام القرآن لکھ رہے ہیں، مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے، یہ مسئلہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا ـــــ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے ـــ اب دیکھئے کہ مرض الوفات میں لیٹے ہیں۔ مگر دل و دماغ میں قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفسیر گھوم رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی، اور فرمایا کہ فلاں صاحب کو بلاؤ، جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتادیا۔ جب بار بار آپ نے ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب، جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے، اور حضرت والا سے بے تکلف بھی تھے۔ فرمایا کہ حضرت! ڈاکٹروں اور حکیموں نے تو بات چیت سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ بار بار لوگوں کو بلا کر ان سے بات کرتے ہیں، خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

> "بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔ اگر کسی خدمت کے اندر یہ عمر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔"

دنیا کے مناصب اور عہدے

یہ ”خادمیت“ یہ بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ ہر ایک کے خادم بنو، اپنے اندر خدمت کا جذبہ پیدا کرو۔۔۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے تمام عہدوں کا حال یہ ہے کہ اگر انسان ان کو حاصل کرنا چاہے، تو اس کو حاصل کرنا اختیار میں نہیں ہوتا، مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ میں ”صدر مملکت“ بن جاؤں، لیکن صدر مملکت بننا اپنے اختیار میں نہیں۔ یا دل چاہ رہا ہے کہ ”وزیر اعظم“ بن جاؤں۔ لیکن وزیر اعظم بننا اختیار میں نہیں، یا دل چاہ رہا ہے کہ اسمبلی کا صرف ممبر بن جاؤں، وہ بھی اختیار میں نہیں، یا کہیں افسر بننا چاہتا ہے۔ ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اب اس کے لئے درخواست دو۔ انٹرویو دو۔ کتنے پاپڑ بیلو، اور تمام کوششیں کرنے کے بعد جب وہ منصب حاصل ہو گیا تو اب لوگ حسد کرنے لگے کہ یہ ہم سے آگے بڑھ گیا، اور ہم پیچھے رہ گئے۔ اب اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں کہ کسی طرح یہ منصب اور یہ عہدہ اس سے چھین لیا جائے۔۔۔ چنانچہ اچھا خاصہ وزیر اعظم بنا ہوا تھا۔ اب ختم ہو گیا۔ عہدہ چھن گیا۔ صدر بنا ہوا تھا۔ ختم ہو گیا، تو دنیا کے سارے عہدوں اور منصبوں کا یہی حال ہے کہ نہ تو ان کا حصول اپنے اختیار میں ہے، اور اگر حاصل ہو جائے تو اس پر برقرار رہنا اپنے اختیار میں نہیں۔ پھر لوگ اس پر حسد بھی کرتے ہیں۔۔۔ فرمایا کرتے تھے کہ

میں تمہیں ایک ایسا منفرد منصب بتاتا ہوں، جس کا حاصل کرنا بھی اپنے اختیار میں ہے، اور اگر تم وہ منصب حاصل کر لو تو کوئی شخص تمہارے اوپر حسد بھی نہیں کرے گا، اور نہ کوئی تم سے لڑے گا، اور نہ کوئی تمہیں اس سے معزول کر سکتا ہے، وہ ہے ”خادم“ کا منصب، تم خادم بن جاؤ، یہ منصب اپنے اختیار میں ہے، اس کے لئے درخواست دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ نہ ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ نہ الیکشن کی ضرورت ہے، اگر یہ منصب حاصل ہو جائے تو اس پر دوسروں کو حسد بھی نہیں ہوتا، اس لئے یہ تو کام ہی خدمت کا کر رہا ہے تو اب دوسرا شخص اس پر کیا حسد کرے گا، اور نہ کوئی شخص تمہیں اس منصب سے معزول کر سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ خادم بن جاؤ۔۔۔ کس کے خادم بن جاؤ؟ اپنے گھر والوں کے خادم بن جاؤ، گھر کا جو کام کرو۔ خدمت کی نیت سے کرو۔ اپنی بیوی کا خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے دوستوں کا خادم، اور جو کوئی ملنے

والے آئیں، ان کی بھی خدمت کرو، اور اللہ کی مخلوق کی اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کرو، جو کام بھی کرو، خدمت کی نیت سے کرو، اگر وعظ کہہ رہے ہو۔ وہ بھی خدمت کے لئے۔ تصنیف کر رہے ہو۔ وہ بھی خدمت کے لئے، اس خادمیت کے منصب کو حاصل کرو، اس لئے کہ سارے جھگڑے مخدوم بننے میں ہیں۔ اس لئے حضرت والا خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپ کو خادم سمجھتا ہوں، اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا بھی خادم، اپنے مریدوں کا خادم، اپنے اہل تعلقات کا خادم، اور یہ وہ منصب ہے کہ جس میں شیطانی وساوس بھی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عجب، تکبر، بڑائی وغیرہ ان عہدوں میں پیدا ہوتی ہے، جو دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے ہیں، اب خادم کے عہدے میں کیا بڑائی ہے ۔۔ اس لئے شیطانی وساوس بھی نہیں آتے، اس واسطے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا فائدہ

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج طبیعت میں سستی ہو رہی تھی۔ لیکن ہمارے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، اور ہمت ہوگئی، اور اللہ والوں سے تعلق قائم کرنے کا یہی فائدہ ہوتا ہے، اب معلوم نہیں کہ یہ باتیں حضرت والا نے کب کہی ہونگی، ہماری طرف سے نہ تو طلب تھی۔ نہ خواہش تھی۔ نہ کوئی کوشش تھی، مگر حضرت والا نے زبردستی کچھ باتیں کان میں ڈال دیں، اور اب وہ باتیں الحمد للہ وقت پر یاد آجاتی ہیں، اور کام بنا دیتی ہیں۔

وہ بات تمہاری ہو گئی، وقت پر یاد آجائے گی

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان باتوں کو یاد کرلیں۔ مگر یہ باتیں یاد نہیں ہوتیں۔ اس پر اپنا واقعہ سنایا کہ میں بھی حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی مجلس میں جب حاضر ہوتا تو یہ دل چاہتا کہ حضرت والا کی باتیں لکھ لیا کروں، بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے۔ مجھ سے تیز لکھا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے میں لکھنے سے رہ جاتا تھا ۔۔۔ میں نے ایک دن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ

حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ ملفوظات لکھ لیا کروں۔ مگر لکھا جاتا نہیں، اور یاد رہتے نہیں ہیں۔ بھول جاتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے، خود صاحب ملفوظ کیوں نہیں بن جاتے؟ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں تو گھبرا گیا کہ میں کہاں صاحب ملفوظ بن سکتا ہوں۔ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جو بات حق ہو، اور فہم سلیم پر مبنی ہو۔ صحیح فکر پر مبنی ہو۔ جب ایسی بات تمہارے کان میں پڑ گئی، اور تمہارے دل نے اسے قبول کر لیا، وہ بات تمہاری ہو گئی، اب چاہے وہ بات بعینہ انہی لفظوں میں یاد رہے یا نہ رہے، جب وقت آئے گا، انشاء اللہ اس وقت یاد آجائے گی، اور اس پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔۔۔۔

بزرگوں کی خدمت میں جانے اور ان کی باتیں سننے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کان میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ڈالتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ باتیں انسان کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہیں، اور پھر وقت پر یاد آجاتی ہیں،

زبردستی کان میں باتیں ڈال دیں

میں آج سوچتا ہوں کہ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ، حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ، ان تینوں بزرگوں سے میرا تعلق رہا ہے، اپنا حال تو تباہ ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی توفیق عطا فرما دی، یہ ان کا فضل و کرم تھا، اب ساری عمر بھی اس پر شکر ادا کروں، تب بھی ادا نہیں ہو سکتا، یہ بزرگ کچھ باتیں زبردستی کانوں میں ڈال گئے، اپنی طرف سے جن کی نہ تو طلب تھی اور نہ خواہش اور اگر میں ان باتوں کو اب نمبروار لکھنا چاہوں جو ان بزرگوں کی مجلسوں میں سنی تھیں، تو فوری طور پر سب کا یاد آنا مشکل ہے، لیکن کسی نہ کسی موقع پر وہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ اور بزرگوں سے تعلق کا یہی فائدہ ہوتا ہے، اور جس طرح بزرگوں کی خدمت میں حاضری نعمت ہے، اور ان کی بات سننا نعمت ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کے ملفوظات۔ حالات۔ سوانح پڑھنا بھی اس کے قائم مقام بن جاتا ہے، آج یہ حضرات موجود نہیں ہیں۔ مگر الحمد للہ سب باتیں لکھی ہوئی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔ یہ باتیں کام آجاتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے

ہمیں ان بزرگوں کا دامن تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

"عذر" اور "سستی" میں فرق

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب بھی سستی ہو، اس سستی کا مقابلہ کرنا چاہئے، اور معمول کو پورا کرنا چاہئے، دیکھئے، "عذر" اور چیز ہے "سستی" اور چیز ہے، اگر عذر کی وجہ سے معمول چھوٹ جائے تو پھر کوئی غم نہیں۔ مثلاً بیماری کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا۔ یا سفر کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ نہیں کیا، بلکہ عذر کی وجہ سے رعایت دی ہے تو پھر ہم خود کون ہوتے ہیں پابندی کرانے والے؟ اس لئے کسی عذر کی وجہ سے اس کے چھوٹنے پر رنج نہیں کرنا چاہئے۔

یہ روزہ کس کے لئے رکھ رہے تھے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی کی یہ بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا، اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا، اب اس کو اس بات کا غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا، حضرت فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر تم اپنی ذات کے لئے اپنا جی خوش کرنے کے لئے، اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو، پھر تو بیشک اس پر غم اور صدمہ کرو کہ بیماری آگئی، اور روزہ چھوٹ گیا، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ تو پھر غم کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرما دیا ہے کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔

لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں، یا معمولات چھوٹ رہے ہیں، مثلاً بیماری ہے، سفر ہے، یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے یا کسی زیادہ اہم مصروفیت کی وجہ سے جو دین ہی کا تقاضہ تھی، معمول چھوٹ گیا مثلاً ماں باپ بیمار ہیں، ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اور اس خدمت کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، تو اس سے بالکل رنجیدہ اور

غمگین نہ ہونا چاہئے ـــــ لیکن سستی کی وجہ سے معمول کو چھوڑنا نہیں چاہئے ـــــ عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔

سستی کا علاج

اور سستی کا واحد علاج یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کرو، اور اس کے آگے ڈٹ جاؤ، اور ہمت سے مقابلہ کرو، اس کا علاج سوائے استعمال ہمت کے اور کچھ نہیں ہے ـــــ اگر ہماری زندگیوں میں صرف یہ بات بھی آجائے یعنی "سستی کا مقابلہ کرنا" تو سمجھ لو کہ آدھا کام ہوگیا، اور اس کے بعد بقیہ آدھے کام کے حصول کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سستی کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ٥
آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

(النور: ۳۰)

ایک مہلک بیماری

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک بیماری کا بیان فرمایا ہے۔ وہ ہے "بد نگاہی"، یہ بد نگاہی ایسی بیماری ہے جس میں بے حد ابتلاء ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، علماء، اہل اللہ کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے، متدین، نماز روزے کے پابند بھی اس بیماری کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، اور آجکل تو حالت یہ ہے کہ اگر آدمی گھر سے

باہر نکلے تو آنکھوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے، ہر طرف ایسے مناظر ہیں کہ ان سے آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔

بد نگاہی کی حقیقت

"بد نگاہی" کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جبکہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، یا لذت حاصل کرنے کے لئے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو، اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو۔ اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے، اور "بد نگاہی" کے اندر داخل ہے ــــ

یہ بد نگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے، اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو، اور نگاہ قابو میں نہ آئے، اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"النظر سھم مسموم من سھام ابلیس"

(مجمع الزوائد، ج ۸ ص ۶۳)

یعنی یہ "نظر" ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، یہ تیر جو ابلیس کے کمان سے نکل رہا ہے۔ اگر کسی نے اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا، اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں اب بڑی رکاوٹ کھڑی ہو گئی، اس لئے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے، شاید کسی اور عمل کا نہ ہو۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا، فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لئے سم قاتل ہے، اگر باطن کی اصلاح منظور ہے تو

سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہوگی ــــــ یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی، ہر طرف بے پردگی، بے حجابی، عریانی، اور فحاشی کا بازار گرم ہے، ایسے میں اپنی نگاہوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے ــــ لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے، اور اپنے باطن کی صفائی، تزکیہ، اور طہارت منظور ہے، تو پھر یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی ہوگا، اور یہ کڑوا گھونٹ پیئے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی، لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے، مگر جب ذرا اس کی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہو جاتا ہے، کہ پھر اس کے بغیر چین بھی نہیں آتا ــــ

عربوں کا قہوہ

عرب کے لوگ قہوہ پیا کرتے ہیں، آپ حضرات نے بھی دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں قہوہ پیتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ ہی تھا، اس وقت قطر کے ایک شیخ کراچی آئے ہوئے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، میں بھی ان سے ملنے کے لئے چلا گیا، اس ملاقات کے دوران وہاں مجلس میں پہلی مرتبہ وہ قہوہ دیکھا، وہ قہوہ سب کو پینے کے لئے پیش کیا گیا، جب قہوہ کا لفظ سنا تو ذہن میں یہی خیال آیا کہ میٹھا ہوگا۔ لیکن جب اس کو زبان سے لگایا تو وہ اتنا کڑوا تھا کہ اس کو حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔ حالانکہ وہ ذرا سا قہوہ تھا، اور اس کا ذائقہ بھی تلخ تھا، اور اب وہاں مجلس میں بیٹھ کر کلی تو کر نہیں سکتے تھے، اس لئے چار و ناچار اس کو کسی طرح حلق سے اتارا، لیکن جب حلق سے اتارا تو اب ذرا اس کا سرور محسوس ہوا، اس کے بعد پھر ایک اور مجلس میں پینے کا اتفاق ہوا، آہستہ آہستہ اب یہ حالت ہو گئی کہ اب اتنا پیارا اور اتنا مزیدار لگتا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، اس لئے کہ اب پینے کی عادت ہو گئی ہے۔

پھر حلاوت اور لذت حاصل ہوگی

اس طرح یہ بھی ایسا کڑوا گھونٹ ہے کہ شروع میں، میں اس کو پینا بڑا دشوار

معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پینے کے بعد جب اس کا سرور طاری ہو جائے گا۔ تو پھر دیکھو گے کہ اس کے پینے میں کیا لطف ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت ہم سب کو عطا فرما دے، آمین ـــــ بہر حال، یہ ایسی کڑوی چیز ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کڑواہٹ کو برداشت کر لو، اور ایک مرتبہ دل پر پتھر رکھ کر اس کی کڑواہٹ کو نگل جاؤ، تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت، ایسا سرور، ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے اس بد نگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے، اس کے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ آنکھ ایک مشین ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا، اور بے مانگے مل گئی ہے، اور مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی محنت اور پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ اس لئے اس نعمت کی قدر نہیں ہے۔ ان لوگوں سے جا کر پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ نابینا ہیں۔ یا تو بینائی چلی گئی ہے۔ یا جن کے پاس یہ نعمت شروع ہی سے نہیں ہے، ان سے پوچھو کہ یہ آنکھ کیا چیز ہے؟ اور قدر [illegible] ہے، اگر بینائی میں کوئی خلل آنے لگے، اور بینائی جاتی ہوئی معلوم ہونے لگے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ ساری کائنات اندھیر ہو گئی ہے، اور اس وقت انسان اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی یہ چاہے گا کہ مجھے یہ دولت دوبارہ حاصل ہو جائے، اور یہ ایسی مشین ہے کہ آج تک ایسی مشین کوئی ایجاد نہیں کر سکا۔

سات میل کا سفر ایک لمحے میں

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آنکھ میں جو یہ پتلی رکھی ہے، یہ اندھیرے میں پھیلتی ہے، اور روشنی میں سکڑ جاتی ہے۔ جب آدمی اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے۔ یا روشنی سے اندھیرے میں آتا ہے تو اس وقت یہ سکڑنے اور پھیلنے کا عمل ہوتا ہے، اور اس سکڑنے اور پھیلنے میں آنکھ کے اعصاب سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں، لیکن انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا بات ہوئی، ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دی ہے۔

آنکھ کا صحیح استعمال

اب اگر اس نعمت کا صحیح استعمال کرو گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو میں تم کو اس پر ثواب بھی دوں گا، مثلاً اس آنکھ کے ذریعہ محبت کی نگاہ اپنے والدین پر ڈالو۔ تو حدیث شریف میں ہے کہ ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا، اللہ اکبر، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہوا، اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب اس آنکھ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا جا رہا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لذت اور لطف عطا فرما رہے ہیں، بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرما رہے ہیں ___ لیکن اگر اس کا غلط استعمال کرو گے، اور غلط جگہ پر نگاہ ڈالو گے، اور غلط چیزیں دیکھو گے تو پھر اس کا وبال بھی بڑا سخت ہے۔ اور یہ عمل انسان کے باطن کو خراب کرنے والا ہے۔

بد نگاہی سے بچنے کا علاج

اب اس بد نگاہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہمت سے کام لے کر یہ طے کر لو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ اس کے بعد پھر چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں، لیکن اس نگاہ کو مت ڈالو۔ ۔

آرزوئیں خون ہوں، یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کر کے اس نگاہ کو بچائیں، تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بد نگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں، فرماتے ہیں کہ:

> "اگر کوئی عورت نظر آئے، اور نفس یہ کہے کہ: ایک دفعہ دیکھ لے۔ کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بد فعلی تو کرے گا نہیں۔ .... تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نفس کا کید ہے۔ اور طریقہ نجات کا یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے۔"

(انفاس عیسیٰ، حصہ اول ص ۱۴۲)

اس لئے یہ شیطان کا دھوکہ ہے، وہ کہتا ہے کہ دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا تو اس لئے منع ہے تاکہ انسان کسی بد فعلی کے اندر مبتلا نہ ہو، اور یہاں بد فعلی کا امکان ہی نہیں۔ اس لئے دیکھ لو، کوئی حرج نہیں، حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مکر ہے، اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے، اور چاہے جتنا بھی تقاضہ ہو رہا ہو۔ نگاہ کو وہاں سے ہٹا لے۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کروں۔ اور اس نگاہ کو غلط جگہ استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں، کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہو گا تو میں اپنی نظر نیچی کر لوں گا۔ اور یہ کام نہیں کروں گا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو ——

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے، اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ: اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں آگ سے اور جہنم سے بچا لیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے، وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے

جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا، تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی، تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے، تمہارے دوست احباب ہونگے، اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کر لے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے ___ لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کر لو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

دل کا مائل ہونا اور مچلنا گناہ نہیں

پھر آگے دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ:

> "بد نگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے، جو کہ غیر اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی نہیں، اور ایک درجہ ہے اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کا، یہ اختیاری ہے۔ اس پر مواخذہ ہے۔"
>
> (انفاس عیسیٰ)

میلان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے، دل مچل رہا ہے، یہ دل کا چاہنا، مچلنا اور مائل ہونا۔ چونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ اس لئے اس پر مواخذہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر انشاء اللہ کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی گناہ نہیں ہوگا ___ لیکن دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دل کے چاہنے پر عمل کر لیا، اور اس کی طرف نگاہ اٹھادی، یہ اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی ہے ___ یا نگاہ غیر اختیاری طور پر پڑ گئی تھی، اب اس نگاہ کو اپنے اختیار سے باقی رکھا۔ اس پر بھی مواخذہ ہے، اور اس پر بھی گناہ ہے۔ تو میلان کا پہلا درجہ جو غیر اختیاری ہے، وہ معاف ہے، اس پر گرفت نہیں، اور دوسرا درجہ اختیاری ہے، اس پر مواخذہ بھی ہے آگے فرمایا:

سوچ کر لذت لینا حرام ہے

"اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب داخل ہے، اور
اس کا علاج کف نفس اور غض بصر ہے"

کسی اجنبی اور نامحرم عورت کا تصور کر کے لذت لینا، یہ بھی اسی طرح حرام ہے۔ جیسے بد نگاہی حرام ہے، تو دیکھنا بھی اس میں داخل ہے، اور سوچنا بھی اس میں داخل ہے، اور اس کا علاج یہ بتلا دیا کہ نفس کو روکو، اور نگاہ کو نیچی رکھو، آگے پیچھے، ادھر ادھر، اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلے۔

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرت والا قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا مانگ گیا کہ یا اللہ، مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجئے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ اب اس نے اکڑ پھوں دکھائی، چنانچہ اس وقت اس نے کہا کہ:

لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ
وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ۔

(سورہ الاعراف: ۱۷)

یعنی میں ان بندوں کے پاس ان کے دائیں طرف سے، بائیں طرف سے، آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا، اور چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کر دیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان انہی چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے، کبھی آگے سے ہوگا، کبھی پیچھے سے ہوگا، کبھی دائیں سے ہوگا، کبھی بائیں سے ہوگا، لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا، ان کو نہیں بیان کیا۔ ایک اوپر کی سمت، اور ایک نیچے کی سمت۔ اس لئے اوپر کی سمت بھی محفوظ، اور نیچے کی سمت محفوظ ہے، اب اگر نگاہ اوپر کر کے چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے، اس لئے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلو گے تو انشاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہو گے ـــــ اس لئے بلاوجہ دائیں بائیں نہ دیکھو، بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر

دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری حفاظت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

(النور: ۳۰)

یعنی مومنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرلیں، تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے کا حکم فرمادیا، اور پھر آگے اس کا نتیجہ بیان فرمادیا کہ اس کی وجہ سے شرم گاہوں کی حفاظت ہو جائے گی، اور پاک دامنی حاصل ہو جائیگی۔

یہ تکلیف جہنم کی تکلیف سے کم ہے

حضرت تھانوی ؒ آگے فرماتے ہیں کہ:

ہمت کر کے ان (دونوں) کو اختیار کرے۔ گو نفس کو تکلیف ہو، مگر یہ تکلیف نار جہنم کی تکلیف سے کم ہے۔

یعنی اس وقت تو نگاہ کو بچانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن اس بد نگاہی کے بدلے میں جو جہنم کا عذاب ہے، اس کی تکلیف کے مقابلے میں یہ تکلیف لاکھوں، کروڑوں، بلکہ اربوں گنا کم ہے، بلکہ یہاں کی تکلیف کو وہاں کی تکلیف سے کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ وہاں کا عذاب غیر متناہی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں، اور یہاں کی تکلیف ختم ہونے والی ہے۔ آگے فرمایا کہ:

ہمت سے کام لو

"جب چند روز ہمت سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں بھی کمی ہو جائے گی، بس یہی علاج ہے، اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے"

اس لئے کہ جب انسان محنت اور مشقت برداشت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وعدہ فرمالیا ہے کہ:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

(سورہ العنکبوت: ۶۹)

یعنی جو شخص ہمارے راستے میں مجاہدہ کرے گا۔ ہم ضرور اس کو راستہ دکھادیں گے۔ تو وہ مجاہدہ کرنے والے کو راستہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مجاہدہ کر کے نظر نیچی کرو گے بالآخر اللہ تعالیٰ میلان بھی کم فرمادیں گے، انشاء اللہ۔ بس یہی علاج ہے اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہو۔۔۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں تو شیخ ایسی پھونک مارے، یا ایسا نسخہ پلادے۔ یا ایسا وظیفہ پڑھ دے کہ بس یہ میلان ختم ہو جائے۔۔۔ ارے بھائی، ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جب تک انسان ہمت سے کام نہ لے۔

دو کام کر لو

دیکھو، دو کام کر لو، ایک ہمت کو استعمال کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، "ہمت کے استعمال" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو حتی الامکان جتنا بچاسکتے ہو، بچالو، اور "رجوع الی اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی آزمائش پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے کہو، یا اللہ، اپنی رحمت سے مجھے بچالیجئے، میری آنکھ کو بچا لیجئے، میرے خیالات کو بچالیجئے، اگر آپ نے مدد نہ فرمائی تو میں مبتلا ہو جاؤں گا،

حضرت یوسف کی سیرت اپناؤ

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی۔ چنانچہ جب زلیخا نے چاروں طرف دروازوں میں تالے ڈال دیئے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازوں کی طرف بھاگ پڑے، اب جب آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ راستہ تو ہے نہیں۔ مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جاتے، چنانچہ جب اپنے حصے کا کام کر لیا۔ اور اپنے اختیار میں جو تھا، وہ کر لیا۔ اور دروازے تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے حقدار ہو گئے کہ یا

اللہ، میرے اختیار میں تو بس اتنا ہی تھا، میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں، اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ہے ـــــ تو جب اپنے حصے کا کام کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کہ یا اللہ، باقی آگے کا کام آپ کے قبضے میں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کر لیا، اور انہوں نے بھی دروازوں کے تالے توڑ دیئے۔ اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ تمہیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے۔ چاروں طرف سے گناہوں کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن تم دیوانہ وار اس طرح بھاگو، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے، تم جتنا بھاگ سکتے ہو، اتنا تو بھاگ لو، باقی اللہ سے مانگو۔ بہرحال اگر انسان یہ دو کام کر لے، ایک اپنی استطاعت کی حد تک کام کر لے، اور دوسرے اللہ سے مانگے، یقین کیجئے، دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بھی بڑی عجیب عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا، اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں، اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہو گیا تھا، بس اس وقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا:

" لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ "

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کہا کہ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ، وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(سورہ الانبیاء :۸۸)

یعنی ہم نے اس کی پکار سنی، اور ہم نے اس گھٹن سے اس کو نجات عطا فرمادی، چنانچہ تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں، اور دینگے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب" فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا کہ ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیں گے؟ کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور پھر وہاں جاکر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے، کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں، بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے، اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ لیکن وہاں پر بھی تمہارا اسہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو!

لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہو گے۔ ہم تمہیں نجات دے دینگے۔

ہمیں پکارو

لہٰذا جب نفس کے تقاضوں کی تاریکیاں سامنے آئیں، ماحول کی ظلمتیں اور تاریکیاں سامنے آئیں تو اس وقت تم ہمیں پکارو، یا اللہ، ان تاریکیوں سے بچا لیجئے۔ ان تاریکیوں سے نکال دیجئے، ان اندھیروں سے باہر کر دیجئے، ان کے شر سے محفوظ فرمایئے ــــ جب دعا کرو گے تو پھر ممکن نہیں ہے کہ یہ دعا قبول نہ ہو۔

دنیاوی مقاصد کے لئے دعا کی قبولیت

دیکھئے، جب انسان کسی دینوی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے۔ مثلاً یہ دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ، مجھے صحت دے دے۔ یا اللہ، مجھے پیسے دے دے۔ یا اللہ، مجھے فلاں ملازمت دے دے۔ یا اللہ، مجھے فلاں عہدہ دے دے ــــ ویسے تو ہر

دعاقبول ہوتی ہے، مگر قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہی چیز اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔ جو مانگی تھی۔ مثلاً پیسہ مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیسہ دے دیا۔ یا اللہ تعالیٰ سے کوئی منصب مانگا تھا۔ وہ دے دیا، لیکن بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انسان اپنی بے وقوفی اور نادانی کی وجہ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے اگر میں نے اس کو دے دی تو وہ چیز اس کے لئے عذاب ہو جائے گی۔ مثلاً یہ پیسہ مانگ رہا ہے، لیکن اگر میں نے اس کو پیسہ دے دیا تو اس کا دماغ خراب ہو جائے گا، اور یہ فرعون بن جائے گا۔ اپنی دنیا بھی خراب کرے گا، اور آخرت بھی خراب کرے گا۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ پیسے نہیں دیتے، یا مثلاً ایک شخص نے کوئی عہدہ یا منصب مانگ لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ منصب اس کو مل گیا تو یہ معلوم نہیں کیا کیا فساد برپا کرے گا، اس لئے بعض اوقات وہ چیز دینا مناسب نہیں ہوتا جو اس نے مانگی ہے، اس لئے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ اس سے اچھی چیز دے دیتے ہیں۔

دینی مقصد کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص دین مانگ رہا ہے، اور یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے دین پر چلا دے، مجھے سنت پر چلا دیجئے، مجھے گناہوں سے بچا لیجئے، تو کیا اس میں اس بات کا امکان ہے کہ دین پر چلنے میں نقصان زیادہ ہے، اور کسی اور راستے پر چلنے میں نقصان کم ہے؟ اور اللہ تعالیٰ دین کے بجائے وہ دوسرے راستے پر چلا دیں؟ چونکہ اس بات کا امکان ہی نہیں۔ لہٰذا وہ دعا جو دین کے لئے مانگی جاتی ہے۔ کہ یا اللہ، مجھے دین عطا فرما دے۔ یا اللہ، مجھے گناہوں سے بچا لے۔ یا اللہ، مجھے طاعات عطا فرما دے۔ یہ دعائیں تو ضرور قبول ہوتی ہیں، اس میں قبول نہ ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ۔۔ اس لئے جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ ضرور قبول ہوگی۔

دعا کے بعد اگر گناہ ہو جائے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعا مانگ

لی کہ یا اللہ، مجھے گناہ سے بچا لیجئے، لیکن اس دعا کے بعد پھر تم گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی ـــــ دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز بندے نے مانگی تھی۔ چونکہ وہ بندے کے لئے مناسب نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی۔ بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی ـــــ لیکن ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ، میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دے دیجئے، تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا، اس سے اچھی کوئی چیز تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس دعا مانگنے والے کو دے دی؟

توبہ کی توفیق ضرور ہو جاتی ہے

بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعا قبول تو ہوئی۔ لیکن اس دعا کا اثر یہ ہو گا کہ اول تو انشاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہو گا، اور اگر بالفرض گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توبہ کی توفیق نہ ہو، لہٰذا دین کے بارے میں یہ دعا کبھی رائیگاں نہیں جا سکتی، کبھی یہ دعا بے کار نہیں ہو سکتی۔ اور اگر گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ توبہ بعض اوقات انسان کو اتنا اونچا لے جاتی ہے، اور اس کا اتنا درجہ بلند کرتی ہے کہ بعض اوقات گناہ نہ کرنے کی صورت اس کا اتنا درجہ بلند نہ ہوتا۔ اور وہ اتنا اونچا نہ جاتا، اس لئے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے توبہ کی، رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں اس کا درجہ اور زیادہ بلند کر دیا۔

پھر ہم تمہیں بلند مقام پر پہنچائیں گے

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا، اور وہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول نہیں کی ـــ ارے نادان، تجھے کیا معلوم، ہم تجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں ـــــ اس لئے کہ جب گناہ سرزد ہو گا تو پھر ہم تمہیں توبہ کی توفیق دیں

گے، پھر ہم تمہیں اپنی ستاری کا اپنی غفاری، اپنی پردہ پوشی کا، اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اس لئے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بیکار مت سمجھو ــــــ بس یہ دو کام کرتے رہو۔ ہمت سے کام لو، اور دعا مانگتے رہو۔ پھر دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی نسخہ

بد نگاہی کی بارے میں یہ باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ــــ صرف بد نگاہی نہیں، دنیا کے ہر گناہ کے اندر یہ ضروری ہے کہ ہمت کا استعمال کرنا، اس کو بار بار تازہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ سے رجوع اور دعا کرنا۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، ان میں سے صرف ایک چیز سے کام نہیں بنے گا، اگر صرف دعا کرتے رہو گے، اور ہمت نہیں کرو گے۔ تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جارہا ہے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا یہ کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے مغرب میں پہنچا دے ــــــ ارے تو مشرق کی طرف بھاگ رہا ہے، اور دعا مغرب کی کر رہا ہے، یہ دعا کیسے قبول ہوگی؟ کم از کم پہلے اپنا رخ تو مغرب کی طرف کر۔ اور جتنا تیرے بس میں ہے، وہ تو کر لے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کہ یا اللہ، مجھے مغرب پہنچا دے، تب تو وہ دعا فائدہ مند ہے، ورنہ وہ دعا نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے۔

اس لئے پہلے رخ اس طرف کرو، اور ہمت کرو، اور جتنا ہو سکے، اس طرف قدم بڑھاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو، تمام گناہوں سے بچنے کا یہی نسخہ ہے۔ یہی نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ نہیں ہے، اور ساری طاعات کو حاصل کرنے کا بھی یہی نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کھانے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھانے کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد:

عن عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال، کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ، فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا غلام سم اللہ، وکل بیمینک وکل مما یلیک۔

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث نمبر ۵۳۷۶)

دین کے پانچ شعبے

آپ حضرات کے سامنے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین اسلام نے جو احکام ہم پر عائد کیے ہیں۔ وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں۔ یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، دین ان پانچ شعبوں سے مکمل ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے گا تو پھر دین مکمل نہیں ہوگا، لہٰذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقے سے انجام دینی چاہئیں، لوگوں کے ساتھ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں اور باطن کے اخلاق بھی

درست ہونے چاہئیں۔ اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی درست ہونے چاہئیں۔ جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

"معاشرت" کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے

اب تک اخلاق کا بیان چل رہا تھا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے۔ اس میں دین کے جس شعبے کے بارے میں احادیث لائے ہیں، وہ ہے "معاشرت"۔ معاشرت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ یعنی کھانا کس طرح کھائے؟ پانی کس طرح پیئے؟ گھر میں کس طرح رہے؟ دوسروں کے سامنے کس طرح رہے؟ یہ سب باتیں شعبہ معاشرت کے شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "آجکل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے، اور اس میں دین کے عمل دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ جو لوگ نماز روزے کے پابند ہیں بلکہ تہجد گزار ہیں۔ ذکر و تسبیح کرنے کے پابند ہیں۔ لیکن معاشرت ان کی بھی خراب ہے۔ دین کے مطابق نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دین ناقص ہے۔" —— اس لئے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہیں۔ ان کو جاننا، ان کی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ——

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر چیز سکھا گئے

معاشرت کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب "کھانے پینے کے آداب" سے شروع فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بڑی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی اہم تعلیمات ہمیں عطا فرمائی ہیں، ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

"انی اری صاحبکم یعلمکم کل شیٔ حتی الخرائۃ"

قال: اجل، امرنا ان لا نستقبل القبلۃ ولا نستنجی بایماننا الخ

(ابن ماجہ کتاب الطھارۃ باب الاستنجاء بالحجارۃ)

تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟ اس کا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ بھلا قضاء حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے۔ یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ ایک نبی اور پیغمبر جیسا جلیل القدر اور عظیم الشان انسان اس کے بارے میں کچھ کہے ___ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو، وہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے، یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا کہ جب ہم قضا حاجت کے لئے جائیں تو قبلہ رخ نہ بیٹھیں، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کچھ سکھاتے ہیں۔ اس لئے اگر ماں باپ اس بات سے شرمانے لگیں کہ اپنی اولاد کو پیشاب پخانے کے طریقے کیا بتائیں تو اس صورت میں اولاد کو کبھی پیشاب پخانے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا؟ ___ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اور آپ پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس لئے آپ نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے۔ ان میں کھانے کا طریقہ بھی ہے۔ اور کھانے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے آداب بیان فرمائے جن کے ذریعہ کھانا کھانا عبادت بن جائے۔ اور باعث اجر و ثواب بن جائے۔

کھانے کے تین آداب

چنانچہ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی، اس میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو۔ یعنی "بسم اللہ" پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے، آگے ہاتھ بڑھا کر دوسری جگہ سے مت

کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بیان فرما دیئے۔

پہلا ادب "بسم اللہ" پڑھنا

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے، اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اس کو چاہئے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آئے، اس وقت یہ الفاظ کہہ دے:

بِسْمِ اللّٰہِ، اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ

(ابو داود، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۷)

یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ اول میں بھی اللہ کا نام، اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔

شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو

ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے، اور کھاتے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لئے رات کو رہنے کی کوئی گنجائش ہے، اور نہ ہی کھانے کے لئے کوئی گنجائش ہے، اس لئے کہ اس شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اس لئے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے، اور نہ طعام کا انتظام ہے ـــــ اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا، اور ویسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی، تمہارے قیام کا انتظام ہو گیا، تم یہاں رات گزار سکتے ہو۔ کیونکہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے طعام کا بھی انتظام ہو گیا۔

(ابو داود، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۵)

بہر حال، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام نہ لینے سے شیطان کا عمل دخل ہو جاتا ہے، اور گھر کے اندر اس کے قیام کا انتظام ہو جانے اور اس کا عمل دخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ تمہیں طرح طرح سے ورغلائے گا۔ بہکائے گا اور گناہ پر آمادہ کرے گا۔ ناجائز کاموں پر آمادہ کرے گا اور تمہارے دل میں بدی کے خیالات اور وسوسے ڈالے گا، وہم پیدا کرے گا، اور کھانے کا انتظام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب جو کھانا تم کھاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے برکت نہیں ہوگی، اور وہ کھانا تمہارے زبان کے چٹخارے کے لئے تو شاید کافی ہو جائے گا۔ لیکن اس کھانے کا نور اور برکت حاصل نہ ہوگی۔

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ جب آدمی گھر میں داخل ہو تو اللہ کا نام لے کر داخل ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا"

(ابو داؤد، کتاب الآداب، باب مایقول اذا خرج من بیتہ، حدیث نمبر ۵۹۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ میں آپ سے بہترین داخلہ مانگتا ہوں کہ میرا داخلہ خیر کے ساتھ ہو، اور جب گھر سے نکلوں تو بھی خیر کے ساتھ نکلوں، اس لئے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہو گیا، ہو سکتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد تکلیف کی خبر ملے، یا رنج اور صدمے اور پریشانی کی خبر ملے، چاہے وہ دنیوی پریشانی کی خبر ہو، یا دینی پریشانی کی خبر ہو —— اس لئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لو کہ یا اللہ، میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، اندر جا کر میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو اچھی حالت میں پاؤں —— اور اس کے بعد پھر ضرورت سے دوبارہ گھر سے نکلنا تو ہو گا، لیکن وہ نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو، کسی

پریشانی یا دکھ اور تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلنا پڑے: مثلاً گھر میں داخل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ گھر والے بیمار ہیں، اب ان کے علاج اور دوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، یا گھر میں کوئی پریشانی آگئی۔ اور اب اس پریشانی کے مداوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، تو یہ اچھی حالت اور اچھے مقصد کے لئے نکلنا نہ ہوا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمادی کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

دعا پڑھنا یاد نہ آئے تو اپنے گھر کے دروازے پر لکھ کر لگالو، تاکہ اس کو دیکھ کر یاد آجائے اس لئے کہ یہ دعا دنیاوی پریشانیوں سے بچانے کا سبب ہے، اور آخرت کا ثواب اور فضیلت الگ حاصل ہوگی۔ لہٰذا جب انسان یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوا کہ میرا داخل ہونا بھی خیر کے ساتھ ہو اور میرا نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو تو پھر بتایئے، شیطان کی اس گھر میں قیام کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہے گی؟ اس لئے شیطان کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لئے قیام کا انتظام نہیں۔

بڑا پہلے کھانا شروع کرے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہمارا معمول یہ تھا کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع نہ فرماتے، اس وقت تک ہم لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے، بلکہ اس کا انتظار کرتے تھے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ اس وقت ہم کھانا شروع کریں۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چھوٹا خود پہلے شروع نہ کرے، بلکہ بڑے کے شروع کرنے کا انتظار کرے۔

شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی ہوئی آئی۔

اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بیتاب ہے ـــــ اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک کھانا شروع نہیں فرمایا تھا، مگر اس بچی نے آکر جلدی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کو کھانا کھانے سے روک دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بے تاب ہے، اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے، اس نے بھی آکر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کو بھی کھانے سے روک دیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے تمام صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذکر اسم اللہ تعالی علیہ وانہ جاء بھذہ الجاریۃ لیستحل بھا، فاخذت بیدھا، فجاء ھذا الاعرابی لیستحل بہ، فاخذت بیدہ، والذی نفسی بیدہ، ان یدہ فی یدی مع یدھا"

(صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب آداب الطعام والشراب واحکامھا۔ حدیث نمبر ۲۰۱۷)

شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لئے حلال کرنا چاہتا تھا کہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ اس نے اس لڑکی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا، مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے اس دیہاتی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

بچوں کی نگہداشت کریں

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ بڑے کا کام یہ ہے کہ اگر چھوٹا اس کی موجودگی میں اللہ کا نام لئے بغیر شروع کر رہا ہے تو بڑے کو چاہئے کہ وہ اس کو متنبہ کرے اور ضرورت ہو تو اس کا ہاتھ بھی پکڑ لے، اور اس سے کہے کہ پہلے "بسم اللہ" کہو، پھر کھانا کھاؤ۔

آج ہم لوگ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس بات

کا خیال نہیں ہوتا کہ اولاد اسلامی آداب کا لحاظ کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دیدی کہ بڑے کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طرف نگاہ رکھے۔ اور ان کو ٹوکتا رہے، اور ان کو اسلامی آداب سکھائے، ورنہ کھانے کی برکت دور ہو جائے گی۔

شیطان نے قے کر دی

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ سارا کھانا کھا لیا۔ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، جب وہ شخص اس آخری لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگا تو اس وقت یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی ـــــ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اس کو بسم اللہ پڑھنا یاد آجائے اس وقت وہ "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لے، جب اس شخص نے یہ دعا پڑھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ کھانا کھا رہا تھا تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا اور "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لیا تو شیطا نے جو کچھ کھایا تھا۔ اس کی قے کر دی۔ اور اس کھانے میں اس کا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تبسم فرمایا، اور آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر آدمی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آجائے۔ اس وقت بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھ لے، اس کی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی زائل ہو جائے گی۔

(ابو داؤد۔ کتاب الاطعمة، باب التسمیہ علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۸)

یہ کھانا اللہ کی عطا ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لینا چاہئے اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر کھانا

شروع کر دیا۔ لیکن اگر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور باعث ثواب بن جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کہہ لے۔ تو اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسلئے کہ یہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کر لیتا، اور اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کر لیتا۔ اپنی بھوک مٹا دیتا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرما دیا۔

یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟

اور درحقیقت یہ "بسم اللہ" کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ یہ ایک نوالہ جو تم نے منہ میں رکھا اور ایک سیکنڈ میں تم نے حلق سے نیچے اتار لیا۔ اس ایک نوالے کو تمہارے منہ تک پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتیں صرف ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا یہ ایک ٹکڑا کس طرح تم تک پہنچا؟ کہاں کس کاشت کار نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لئے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعہ ہل چلایا؟ اور پھر اس زمین کے اندر بیج ڈالا، اور پھر اس کو پانی دیا، پھر اس کے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اس کے اوپر اپنی روشنی کی کرنیں ڈالیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں۔ اس کے بعد جا کر باریک اور کمزور سی ایک کونپل نمودار ہوئی۔ اور وہ کونپل اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اسکو اپنے ہاتھ سے دبا دے تو وہ مسل جائے۔ لیکن زمین جیسی سخت چیز کا پیٹ پھاڑ کر اس میں شگاف ڈال کر نمودار ہو رہی ہے، پھر اس کونپل سے پودا بنا، اور پودے سے درخت بنا، اور پھر اس کے اوپر خوشے نمودار ہوئے۔ اور پھر اس پر غلے کے دانے پیدا ہوئے، پھر کتنے انسان اس کے توڑنے میں شریک ہوئے، اور کتنے جانوروں نے اس کو روند کر اس کا بھوسہ الگ اور دانہ الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہوا تمہارے شہر میں پہنچا اور کتنے انسان اس کی خرید و

فروخت میں شریک ہوئے پھر کس نے اس گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا۔ اور پھر تم اس کو خرید کر اپنے گھر لائے اور کس نے اس آٹا کو گوندھ کر روٹی پکائی؟ اور جب وہ روٹی تمہارے سامنے آئی تو تم نے ایک لمحے کے اندر منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے اتار دیا،

اب ذرا سوچو، کیا یہ تمہاری قدرت میں تھا کہ تم کائنات کی ان ساری قوتوں کو جمع کر کے روٹی کے ایک نوالے کو تیار کر کے حلق سے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہنچانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا تمہاری قدرت میں یہ تھا کہ تم اس کمزور کونپل کو زمین سے نکالتے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ٥ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ٥

(سورہ واقعہ: ۶۳)

یعنی ذرا غور کرو کہ تم جو چیز زمین میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس کے اگانے والے ہو۔ یا ہم اس کو اگاتے ہیں؟ تم اس کے لئے کتنے بھی پیسے خرچ کر لیتے۔ کتنی ہی وسائل جمع کر لیتے، مگر پھر بھی یہ کام تمہارے بس میں نہیں تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور جب اس دھیان اور استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ان کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا تو وہ سارا کھانا تمہارے لئے عبادت بن جائیگا۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ـــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــــ فرمایا کرتے تھے کہ دین در حقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی۔ مثلاً یہی کھانا "بسم اللہ" پڑھے بغیر کھالو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھالو۔ تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو؟ اس کھانے کے ذریعہ سے تمہاری بھوک دور ہو جائے گی، اور زبان کو چٹخارہ مل جائے گا۔ لیکن وہ کھانا تمہاری دنیا ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں،

اور جیسے گائے، بھینس، اور بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں۔ اسی طرح تم بھی کھا رہے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ۔۔۔۔

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے۔ ان کے زمانے میں آریہ سماج ہندوؤں نے اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، تاکہ لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا۔ اور مناظرہ سے پہلے کھانے کا انتظام تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے، جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے اور جو آریہ سماج کے عالم تھے، وہ کھانے کے استاد تھے، انہوں خوب ڈٹ کر کھایا، جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھالیا ۔۔۔۔ وہ آریہ سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے میں تو ابھی سے ہار گئے، اور یہ آپ کے لئے بدفالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو اب دلائل کا مقابلہ ہوگا تو اس میں بھی آپ ہار جائیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مناظرہ اور مقابلہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی بھینس سے یا بیل سے کر لیا ہوتا۔ اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے ہار جائیں گے میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا۔ کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا ۔۔۔۔

جانور اور انسان میں فرق

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر غور سے دیکھو تو کھانے پینے کے اندر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھاتا

ہے، اور انسان بھی کھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر جانور کو رزق دیتے ہیں اور بسا اوقات ان کو تم سے اچھا رزق دیتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ تم کھانا کھاتے وقت اپنے کھلانے والے کو فراموش نہ کرو، بس جانور اور انسان میں یہی فرق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت

واقعہ لکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ جب آپ نے مجھے ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی ساری مخلوق کی ایک سال تک دعوت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام تمہاری قدرت اور بس میں نہیں۔ انہوں نے پھر درخواست کی یا اللہ ایک ماہ کی دعوت کی اجازت دیدیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری قدرت میں نہیں، آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یا اللہ ایک دن کی اجازت دیدیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے، لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو چلو ہم تمہیں اس کی اجازت دیدیتے ہیں، جب اجازت مل گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں کو اجناس اور غذائیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور کھانا پکنا شروع ہوا۔ اور کئی مہینوں تک کھانا تیار ہوتا رہا اور پھر سمندر کے کنارے ایک بہت لمبا چوڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چنا گیا۔ اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ اس پر چلتی رہے تاکہ کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھیج دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے سمندری مخلوق میں سے ایک مچھلی کو تمہاری دعوت کھانے کے لئے بھیج دیتے ہیں، چنانچہ ایک مچھلی سمندر سے نکلی اور کہا کہ اے سلیمان، معلوم ہوا ہے کہ آج تمہاری طرف سے دعوت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں تشریف لائیں۔ کھانا تناول کریں چنانچہ اس مچھلی نے دسترخوان کے ایک کنارے سے کھانا شروع کیا اور دوسرے کنارے تک سارا کھانا ختم کر گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ اور لائیں، حضرت سلیمان نے فرمایا کہ تم تو سارا کھانا کھا گئیں۔ مچھلی نے کہا کہ کیا میزبان کی

طرف سے مہمان کو یہی جواب دیا جاتا ہے۔ جب سے میں پیدا ہوئی ہوں۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔ لیکن آج تمہاری دعوت کی وجہ سے بھوکی رہی ہوں۔ اور جتنا کھانا تم نے تیار کیا تھا اللہ تعالیٰ روزانہ مجھے اتنا کھانا دن میں دو مرتبہ کھلاتے ہیں۔ مگر آج پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملا ــــــ بس، حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے، اور استغفار کیا۔

(نفحۃ العرب ص ۱۱۰)

کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو

بہرحال، اللہ تعالیٰ ہر ایک مخلوق کو رزق دے رہے ہیں، سمندر کی تہہ میں اور اس کی تاریکیوں میں رزق عطا فرما رہے ہیں، قرآن کریم میں ہے کہ:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا"

(سورہ ھود: ۶)

یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو، لہٰذا کھانے کی حد تک تمہارے اور جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کو بھی مل رہی ہیں۔ جانوروں کو چھوڑیئے، اللہ تعالیٰ تو اپنے ان دشمنوں کو بھی رزق دے رہا ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔ خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ خدا کی توہین کر رہے ہیں۔ جو اس کے لائے ہوئے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دے رہا ہے۔ لہٰذا کھانے کے اعتبار سے تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے کہ جانور اور کافر اور مشرک صرف زبان کے چٹخارے اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر کھاتا ہے، اس لئے وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، تم مسلمان ہو۔ تم ذرا سا خیال اور دھیان کر کے۔ اس کھانے کو اللہ کی عطا سمجھ کر، اس کا نام لے کر کھاؤ۔ اور پھر اس کا شکر ادا کرو، تو یہی کھانا دین بن جائے گا۔

ہر کام کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

میرے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی مشق ہے۔ مثلاً گھر میں داخل ہوا، اور کھانے کا وقت آیا، اور دسترخوان پر

بیٹھے۔ کھانا سامنے آیا۔ اب بھوک شدید ہے۔ اور کھانا بھی لذیذ ہے، دل چاہ رہا ہے کہ فوراً کھانا شروع کر دوں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے کھانے سے رک گیا اور دل سے کہا کہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ کی عطا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یہ میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھانا سامنے آتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھالیا کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کھانے کو کھاؤں گا۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتا۔

گھر میں داخل ہوئے۔ اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا۔ دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کریں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے۔ اور سوچا کہ محض دل کے چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں لیں گے، پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کو گود میں لے لیا کرتے تھے۔ اب میں بھی آپ کی سنت کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد بچے کو اٹھا لیا ــــ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال تک اس عمل کی مشق کی ہے اور یہ شعر سنایا کرتے تھے کہ:

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکشی میں
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

سالہا سال کی مشق کے بعد یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔ اور الحمدللہ اب تخلف نہیں ہوتا۔ اب جب بھی اس قسم کی کوئی نعمت سامنے آتی ہے تو پہلے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور پھر اس پر شکر ادا کر کے بسم اللہ پڑھ کر اس کام کو کر لیتا ہوں۔ اور اب عادت پڑ گئی ہے، اور اسی کو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کہتے ہیں، اس کے نتیجے میں دنیا کی چیز دین بن جاتی ہے۔

کھانا ــــ ایک نعمت

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے۔ جب دسترخوان پر کھانا آیا، اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم ذرا غور کرو

کہ اس ایک کھانے میں جو تم اس وقت کھا رہے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں، سب سے پہلے تو کھانا مستقل نعمت ہے۔ اس لئے اگر انسان شدید بھوکا ہو، اور بھوک کی وجہ سے مررہا ہو، اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو۔ تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اس کے سامنے لایا جائے، وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا ہو، یا برا ہو، لذیذ ہو، یا بے مزہ ہو، وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے۔ اس لئے کہ وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے۔

کھانے کی لذت ـــ دوسری نعمت

دوسری نعمت یہ ہے کہ یہ کھانا مزیدار بھی ہے۔ اپنی طبیعت کے مطابق بھی ہے، اب اگر کھانا تو موجود ہوتا۔ لیکن مزیدار نہ ہوتا، اور اپنی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو ایسے کھانے کو کھا کر کسی طرح پیٹ بھر کر بھوک مار لیتے، لیکن لذت حاصل نہیں ہوتی۔

عزت سے کھانا ملنا ـــ تیسری نعمت

تیسری نعمت یہ ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔ اب اگر کھانا بھی میسر ہوتا، اور مزیدار بھی ہوتا، لذیذ بھی ہوتا، لیکن کھلانے والا ذلت کے ساتھ کھلاتا، اور جیسے کسی نوکر اور غلام کو کھلایا جاتا ہے، اس طرح ذلیل کر کے کھلاتا۔ تو اس وقت اس کھانے کی ساری لذت دھری رہ جاتی، اور سارا مزہ خراب ہو جاتا جیسے کسی نے کہا ہے کہ:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہٰذا اگر کوئی شخص ذلیل کر کے کھانا کھلا رہا ہے، تو اس کھانے میں کوئی لطف نہیں، وہ کھانا بے حقیقت ہے، الحمدللہ ہمیں یہ تیسری نعمت بھی حاصل ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔

بھوک لگنا ــــ چوتھی نعمت

چوتھی نعمت یہ ہے کہ بھوک اور کھانے کی خواہش بھی ہے۔ اس لئے کہ اگر کھانا بھی میسر ہوتا۔ اور وہ کھانا لذیذ بھی ہوتا، اور کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، لیکن بھوک نہ ہوتی، اور معدہ خراب ہوتا، تو اس صورت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بھی بیکار ہے، اس لئے کہ انسان ان کو نہیں کھاسکتا، تو الحمدللہ، کھانا بھی لذیذ ہے، کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے، اور کھانے کی بھوک اور خواہش بھی موجود ہے۔

کھانے کے وقت عافیت ــــ پانچویں نعمت

پانچویں نعمت یہ ہے کہ عافیت اور اطمینان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کھانا تو لذیذ ہوتا، کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، بھوک بھی ہوتی، لیکن طبیعت میں کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوتی، کوئی فکر طبیعت پر ہوتی یا اس وقت کوئی خطرناک قسم کی خبر مل جاتی، جس سے دل و دماغ پریشان اور ماؤف ہو جاتا، تو ایسی صورت میں بھوک ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا انسان کے لئے بیکار ہو جاتا۔ الحمدللہ، عافیت اور اطمینان حاصل ہے، کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے لذت بے مزہ ہو جاتا۔

دوستوں کے ساتھ کھانا ــــ چھٹی نعمت

چھٹی نعمت یہ ہے کہ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں، اگر یہ سب نعمتیں حاصل ہوتیں۔ لیکن اکیلے بیٹھے کھا رہے ہوتے، اس لئے کہ تنہا کھانے میں اور اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں جو کیف اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ تنہا کھاتے وقت حاصل نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ ایک مستقل نعمت ہے، بہرحال، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے، لیکن اس ایک کھانے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں شامل ہیں تو کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گے؟

یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے

لہٰذا جب یہ کھانا اس استحضار کے ساتھ کھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تو پھر ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاؤ۔ اور جب اس طرح ہر نعمت پر شکر ادا کرتے ہوئے کھاؤ گے تو ایک طرف تو کھانے کے اندر عبادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لئے کہ اگر صرف "بسم اللہ" پڑھ کر کھانا کھا لیتے، اور ان نعمتوں کا استحضار نہ کرتے، تو بھی وہ کھانا عبادت بن جاتا، لیکن کئی نعمتوں کا استحضار کرتے ہوئے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانا کھایا تو یہ کھانا بہت سی عبادتوں کا مجموعہ بن گیا۔ اور اس کے نتیجے میں یہ کھانا جو حقیقت میں دنیا ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعے لذت بھی حاصل ہو رہی ہے، اور دوسری طرف تمہاری نیکیوں میں بھی اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ بس اسی کا نام "زاویہ نگاہ کی تبدیلی" ہے، اس زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے انسان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ابرو بادو مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

(گلستان سعدیؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان، یہ زمین، یہ بادل، یہ چاند، یہ سورج، ان سب کو تمہاری خدمت کے لئے لگایا ہوا ہے۔ تاکہ ایک روٹی تمہیں حاصل ہو جائے، مگر اس روٹی کو غفلت کے ساتھ مت کھانا، بس تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے، بلکہ اللہ کا نام لے کر۔ اللہ کا ذکر کر کے کھاؤ، اور اگر کھانے سے پہلے بھول جاؤ تو جب یاد آجائے، اس وقت "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لو۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے اس حدیث کی بنیاد پر جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا۔ یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا، تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب

اس نفلی عبادت کا وقت تو چلا گیا، اب چھٹی ہو گئی، بلکہ بعد میں جب موقع مل جائے، اس نفلی عبادت کو کر لے ـــــ چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، مغرب کے وقت وہاں پہنچنا تھا، مگر ہمیں نکلتے ہوئے دیر ہو گئی، جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی، چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے۔ اس لئے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں۔ اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلدی روانہ ہو گئے، تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں، ان کو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے، اجتماع ہوا۔ پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی، اور رات کے دس تک اجتماع رہا۔ پھر جب حضرت والا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی، آج مغرب کے بعد کی اوابین کہاں گئی؟ ہم نے کہا کہ حضرت، وہ تو آج رہ گئی۔ چونکہ راستے میں جلدی تھی۔ اس لئے نہیں پڑھ سکے، حضرت والا نے فرمایا کہ رہ گئیں، اور بغیر کسی معاوضے کے رہ گئیں! ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے، جلدی پہنچنا تھا، اس عذر کی وجہ سے اوابین کی نماز رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ، جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی، تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں ان کے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں، اب اگرچہ وہ نوافل اوابین نہ ہوں۔ اس لئے کہ اوابین کا وقت تو مغرب کے بعد ہے۔ لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں جو چھوٹ گئی تھیں۔ کسی طرح ان کی تلافی کر لی جائے۔ الحمد للہ میں نے تو اب چھ رکعتیں پڑھ کر اوابین کی تلافی کر لی ہے ـــــ اب تم جانو، تمہارا کام۔

پھر فرمایا کہ تم مولوی ہو، یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی قضا ہوتی ہے۔ سنت اور نفل کی قضا نہیں ہوتی، آپ نے اوابین کی قضا کیسے کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جاؤ، تو جب درمیان میں یاد آ جائے تو اس وقت پڑھ لو، اور اگر آخر میں یاد آ جائے۔ اس وقت پڑھ لو۔ اب دعا پڑھنا کوئی فرض و واجب تو تھا نہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد میں پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا

اور جس کے ذریعہ نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اس کو بالکلیہ مت چھوڑو، دوسرے وقت کر لو۔ اب چاہے اس کو "قضا" کہو یا نہ کہو۔ لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے ____

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں، اس دن حضرت والا نے ایک عظیم باب کھول دیا۔ ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے، اور فقہ کی اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی، لیکن اب معلوم ہوا کہ ٹھیک ہے، قضا تو نہیں ہو سکتی، لیکن تلافی تو ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس نفل کے چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا نیکیاں تو گئیں، لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ فراغت کی نعمت عطا فرمائے۔ اس وقت اس نفل کو ادا کر لو ____ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

دسترخوان اٹھاتے وقت کی دعا

"عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رفع مائدتہ قال، الحمد للہ کثیرا طیبا مبارکا فیہ، غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، حدیث نمبر ۵۴۵۸)

حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے "الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ، غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔" یہ عجیب و غریب دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اس کی تلقین اس لئے فرمائی کہ انسان کا بھی عجیب مزاج ہے، وہ یہ کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید خواہش اور حاجت ہوتی ہے، اس وقت تو وہ اس کے لئے شدید بیتاب ہوتا ہے۔ لیکن جب اس چیز کی حاجت پوری ہو جائے، اور اس سے دل بھر جائے تو پھر اسی چیز سے اس کو نفرت ہونے لگتی ہے مثلاً جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو اس وقت اس کو کھانے کی طرف رغبت اور شوق تھا۔ اور کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی، لیکن جب پیٹ بھر گیا اور بھوک مٹ گئی تو اس کے بعد اگر وہی کھانا دوبارہ لایا جائے، تو طبیعت اسی سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات کھانے کے تصور سے متلی آنے لگتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کے ذریعے

یہ تعلیم دی کہ یہ تمہارے دل میں کھانے کی نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اس نفرت کے نتیجے میں کہیں اللہ کے رزق کی ناقدری اور ناشکری نہ ہو جائے، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے اٹھا تو رہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی قدر نہیں بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک بھی مٹائی، اور اسی کھانے کے ذریعہ ہمیں لذت بھی حاصل ہوئی، اور نہ اس وجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی، اور بے نیاز ہیں، اے اللہ! ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ دوبارہ ہمیں اس کی ضرورت اور حاجت پیش آئے گی ــــــ دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعا کر لو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو، اور دوسری اس بات کی دعا بھی ہو جائے کہ یا اللہ، ہمیں دوبارہ یہ رزق عطا فرمائیے۔

کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرالیں

عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طعاماً فقال! الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی و لاقوۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ"

(ترمذی، کتاب الدعوات باب مایقول اذا فرغ من الطعام، حدیث نمبر ۳۴۵۳)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھانا کھانے کے بعد اگر یہ الفاظ کہے: "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری طاقت اور قوت کے بغیر یہ کھانا مجھے عطا فرمایا۔" اس کے یہ کہنے سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں ــــــ اب آپ اندازہ لگائیں کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا کتنا بڑا کرم ہے۔

عمل چھوٹا، ثواب عظیم

یہ بات میں پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی صاحب حق کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو نیک عمل کے ذریعہ بھی معاف فرما دیتے ہیں، لہذا اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور وہ آدمی صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ اتنا چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس پر ثواب اتنا عظیم ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو نسخہ کیمیا بتا گئے، اب چاہے اس دعا کو آدمی زور سے پڑھے، یا ہلکی آواز سے پڑھے، یا دل میں پڑھ لے تو بھی شکر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے، اور آدمی اس نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان آداب پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــــ

کھانے کے اندر عیب مت نکالو

"عن ابی هريرة رضى الله عنه قال، ما عاب رسول الله صلى الله عليه وسلم طعاما قط، ان اشتهاه اكله، و ان كرهه تركه"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة باب ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما حدیث نمبر ۵۴۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اور کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر اس کے کھانے کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے، اور اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے" ـــــ یعنی اگر کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو نہیں کھایا، مگر اس کی برائی بیان نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ جو کھانا ہے، وہ چاہے ہمیں پسند آرہا ہو، یا پسند نہ آرہا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے، اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کا احترام اور اس کی تعظیم ہمارے ذمے واجب ہے ـــــ

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمائی ہے، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے، اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؂

نہیں کوئی چیز نکمی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں۔ ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے۔ البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں لگتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں ہے۔ حتی کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سانپ بچھو ہیں۔ ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے۔ ان میں فائدہ موجود ہے۔ چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

ایک بادشاہ ایک مکھی

ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑے شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا، ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اڑا دیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت لیچڑ قسم کی ہوتی ہیں، ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ اسی جگہ پر آکر بیٹھ جاتی ہیں وہ بھی اس قسم کی تھی، بادشاہ نے اس وقت کہا کہ خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا، اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا کہ اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی

ہے، تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو ــــ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے ــــ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کی ہے۔

ایک بچھو کا عجیب واقعہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ جنہوں نے "تفسیر کبیر" کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس تفسیر میں سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت۔ "الحمد للہ رب العالمین" کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے "دریائے دجلہ" کے کنارے کی طرف چلا گیا، جب میں دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا کیا ہے، اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آ رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ وہاں جا کر کیا کرے گا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے چنانچہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا۔ اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آ رہا ہے، وہ کچھوا آ کر کنارے لگ گیا اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چنانچہ وہ کچھوا اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے روانہ ہو گیا، چونکہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جا رہا ہے، اس لئے میں نے بھی کشتی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا، اور جا کر

اسی طرح دوسرے کنارے جا کر لگ گیا، اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

آگے میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جا رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کر دوں، تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے، اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہو گیا، اور اس کو ایک ایسا ڈنگ مارا کہ وہ سانپ بل کھا کر زمین پر گر پڑا، اور تڑپنے لگا، پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہو گیا، اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جا رہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھا کر اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس سے کہا کہ تم جس بچھو کو مارنے جا رہے ہو یہ تمہارا محسن ہے، اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے، حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا ہوا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا، اور قریب تھا کہ ڈنگ مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے، اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو ــــــ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے ــــــ بہرحال، دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔

نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے

ایک اور قصہ دیکھا، معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب ایک دن قضاء حاجت کر رہے تھے، قضاء حاجت میں ان کو سفید سفید کیڑے نظر آئے۔ جو بعض اوقات پیٹ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ان صاحب

کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور جتنی مخلوق ہے ان سب کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہ جاندار مخلوق، جو نجاست میں پیدا ہو جاتی ہے۔ نجاست کے ساتھ نکلتی ہے، اور نجاست کے ساتھ ہی بہادی جاتی ہے۔ اس کا کوئی عمل اور فائدہ ہی نظر نہیں آیا، پتہ نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوق کس مصلحت سے پیدا کی ہے؟

کچھ عرصہ کے بعد ان صاحب کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی، اب تکلیف کے خاتمے کے لئے سارے علاج کر لئے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہو، آخر میں ایک پرانا کوئی طبیب تھا۔ اس کے پاس جا کر بتایا کہ یہ تکلیف ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟ اس طبیب نے بتایا کہ اس کا کوئی اور علاج نہیں ہے۔ البتہ ایک علاج ہے جو کبھی کبھی کار آمد ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے جسم میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کیڑوں کو پیس کر اگر لگایا جائے تو اس کے ذریعہ سے بعض اوقات یہ بیماری دور ہو جاتی ہے ـــــ اس وقت میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ! اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ آپ نے ان کیڑوں کو کس مصلحت سے پیدا کیا ہے ـــــ

غرض کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے فوائد اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، بالکل اسی طرح جو کھانا آپ کو پسند نہیں ہے، یا اس کے کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی، لیکن اس کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے اور کم از کم یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اگر کوئی کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو مت کھاؤ، لیکن اس کو برا بھی مت کہو۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا پسند نہیں آیا تو اس میں عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے۔ یہ تو بد ذائقہ ہے۔ ایسی باتیں کہنا درست نہیں۔

رزق کی ناقدری مت کرو

یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے کہ اللہ کے رزق کا احترام کرو، اس کا ادب کرو، اس کی بے ادبی نہ کرو، آج کل ہمارے معاشرے

میں یہ اسلامی ادب بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں ہم نے غیروں کی نقالی شروع کی تو اس میں بھی ایسا ہی کیا۔ اور اللہ کے رزق کا کوئی ادب باقی نہیں رہا، کھانا بچا تو اٹھا کر اس کو کوڑے میں ڈال دیا، بعض اوقات دیکھ کر دل لرزتا ہے، یہ سب مسلمانوں کے گھروں میں ہو رہا ہے، خاص طور پر دعوتوں میں اور ہوٹلوں میں غذاؤں کے بڑے بڑے ڈھیر اس طرح کوڑے میں ڈال دیئے جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا ہو تو اس کی بھی تعظیم کرو، اس کا بھی ادب کرو، اور اس کو اٹھا کر کسی اونچی جگہ رکھ دو۔

حضرت تھانوی اور رزق کی قدر

میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اس دوران ایک صاحب نے آپ کو پینے کے لئے دودھ لاکر دیا، آپ نے وہ دودھ پیا، اور تھوڑا سا بچ گیا، وہ بچا ہوا دودھ آپ نے سرہانے کی طرف رکھ دیا، اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو ایک صاحب جو پاس کھڑے تھے ان سے پوچھا کہ بھائی وہ تھوڑا سا دودھ بچ گیا تھا، وہ کہاں گیا؟ تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت وہ تو پھینک دیا۔ ایک گھونٹ ہی تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اللہ کی اس نعمت کو پھینک دیا۔ تم نے بہت غلط کام کیا، اگر میں اس دودھ کو نہیں پی سکا، تو تم خود پی لیتے، کسی اور کو پلا دیتے، یا بلی کو پلا دیتے، یا طوطے کو پلا دیتے۔ اللہ کی کسی مخلوق کے کام آجاتا، تم نے اس کو کیوں پھینکا؟ اور پھر ایک اصول بیان فرمادیا کہ:

"جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی عام زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمہ واجب ہے۔"

مثلاً کھانے کی بڑی مقدار کو انسان کھاتا ہے، اس سے اپنی بھوک مٹاتا ہے، اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، لیکن اگر اسی کھانے کا تھوڑا سا حصہ بچ جائے تو اس کا احترام اور توقیر بھی اس کے ذمہ واجب ہے، اس کو ضائع کرنا جائز نہیں، یہ اصل بھی در حقیقت اسی

حدیث سے ماخوذ ہے کہ اللہ کے رزق کی ناقدری مت کرو، اس کو کسی نہ کسی مصرف میں لے آؤ۔

دسترخوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے، ان کی باتیں سن کر صحابہ کرام کے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کھانے کا وقت ہے۔ آؤ کھانا کھا لو، میں ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دستر خوان کو لپیٹنا شروع کیا، تاکہ میں جاکر دسترخوان جھاڑ دوں، تو حضرت میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت، دسترخوان جھاڑنا کونسا فن یا علم ہے، جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو، باہر جاکر جھاڑ دوں گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں، فرمایا کہ ہاں دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دسترخوان کو دوبارہ کھولا اور اس دسترخوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے، ان کو ایک طرف کیا۔ اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے، ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ چار چیزیں ہیں، اور میرے یہاں ان چاروں چیزوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے، یہ جو بوٹیاں ہیں ان کی فلاں جگہ ہے، بلی کو معلوم ہے کہ کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں، وہ آکر ان کو کھالیتی ہے، اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے، محلے کے کتوں کو وہ جگہ

معلوم ہے۔ وہ آکر ان کو کھا لیتے ہیں، اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں، ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے، چیل، کوے آتے ہیں، اور وہ ان کو اٹھا کر کھا لیتے ہیں، اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں، تو میرے گھر میں چونٹیوں کا بل ہے، ان کو اس بل کے پاس رکھ دیتا ہوں، وہ چونٹیاں اس کو کھا لیتی ہیں ــــ پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دسترخوان کو جا کر کوڑے دان کے اندر جھاڑ دیا، اللہ کے رزق کے احترام کا کوئی اہتمام نہیں، ارے یہ ساری اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ رزق پیدا کیا، اگر تم نہیں کھا سکتے تو کسی اور مخلوق کے لئے اس کو رکھ دو، پہلے زمانے میں بچوں کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اس کا احترام کرو، اگر کہیں روٹی کا ٹکڑا نظر آتا تو اس کو چوم کر ادب کے ساتھ اونچی جگہ پر رکھ دیتے ــــ لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کھانا پسند آئے تو کھا لو، اور اگر پسند نہ آئے تو کم از کم اس میں عیب مت نکالو، اس کی ناقدری اور بے حرمتی مت کرو، اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے ــــ یہ سب باتیں کوئی قصہ کہانی یا کوئی افسانہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب باتیں عمل کرنے کے لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کا ادب اور اس کی تعظیم کریں، اور ان آداب کو اپنائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے اور جو ہمارے دین کا حصہ ہیں۔ جو ہمارے دین کا طرہ امتیاز ہیں۔ اور یہ جو مغرب نے جو بلائیں ہم پر نازل کی ہیں۔ ان سے چھٹکارہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین ــــ

سرکہ بھی ایک سالن ہے

"عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل اھلہ الادم، فقالوا: ما عندنا الا خل، فدعا بہ، فجعل یاکل، ویقول: نعم الادم الخل، نعم الادم الخل۔" (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب فضیلۃ الخل، والتادم بہ، حدیث نمبر ٢٠٥٢)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ کچھ سالن ہو تو لے آؤ۔ (روٹی موجود تھی) گھر والوں نے کہا ہمارے پاس تو سرکے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، سرکہ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرکے کو روٹی کے ساتھ تناول فرمانا شروع کیا اور ساتھ میں بار بار یہ فرماتے جاتے کہ سرکہ بڑا اچھا سالن ہے، سرکہ بڑا اچھا سالن ہے۔

آپ کے گھر کی حالت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ حال تھا کہ کوئی سالن موجود نہیں، حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کے پاس پورے سال کا نان نفقہ اور خرچہ بھیج دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ ازواج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں۔ ان کے یہاں صدقات، خیرات اور دوسرے مصارف کی اتنی کثرت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ دو چیزوں پر ہمارا گزارا ہوتا تھا کہ کھجور کھالی اور پانی پی لیا۔"
(صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب نمبر ایک، حدیث نمبر ٢٥٦٧)

نعمت کی قدر فرماتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمت میسر آجاتی اس کی قدر فرماتے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے، حالانکہ عام معاشرے میں سرکہ کو بطور سالن کے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے لوگ سرکے کو سالن کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

سرکے سے روٹی تناول فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کی اتنی تعریف فرمائی کہ بار بار آپ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا سالن ہے یہ بڑا اچھا سالن ہے۔

کھانے کی تعریف کرنی چاہئے

اسی حدیث کے تحت حضرات محدثین نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سرکہ استعمال کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا، اور اس کی تعریف فرمائی، تو انشاء اللہ، اس نیت کی وجہ سے اس کو سرکہ کھانے پر بھی ثواب ملے گا ـــــ اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو کھانا آدمی کو پسند آئے، اس کو چاہئے کہ وہ اس کھانے کی کچھ تعریف بھی کرے، تعریف کرنے کا ایک مقصد تو اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا عنایت فرمایا ـــــ دوسرے یہ کہ جس نے وہ کھانا تیار کیا ہے، اس تعریف کے ذریعہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ یہ بھی کھانے کے آداب میں سے ہے، یہ نہ ہو کہ کھانے کے ذریعہ پیٹ کی بھوک مٹائی۔ اور زبان کا چٹخارہ بھی پورا کیا۔ اور کھانا کھا کے اٹھ گئے۔ لیکن زبان پر ایک کلمہ بھی شکر اور تعریف کا نہ آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ نے سرکے کی اتنی تعریف فرمائی، لہٰذا جب کھانے پکانے والے نے محنت کی، اور اپنے آپ کو آگ اور چولھے کے سامنے پیش کر کے تمہارے لئے کھانا تیار کیا، اس کا اتنا تو حق ادا کرو کہ دو کلمے بول کر اس کی تعریف کر دو، اور اس کی ہمت افزائی کر دو، جو شخص تعریف کے دو کلمے بھی ادا نہ کرے، وہ بڑا بخیل ہے۔

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے، وہ اور ان کی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی، میں چلا گیا، اور جا کر کھانا کھا

لیا۔ کھانا بڑا لذیذ اور بہت اچھا بنا ہوا تھا ـــــ حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے، تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے، اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے ـــــ چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں، اور آکر حضرت والا کو سلام کیا، تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے بڑا لذیذ اور بہت اچھا کھانا پکایا۔ کھانے میں بڑا مزہ آیا ـــــ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی ـــــ میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف ہوئی، اور ان کا دل ٹوٹا ـــــ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں، لیکن اس پورے عرصے میں ان کی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے" آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا ـــــ چونکہ وہ صاحب حضرت والا کے زیر تربیت تھے۔ اس لئے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے بندے، ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے، جس سے اس کے دل کو خوشی ہو جائے ـــــ لہذا کھانے کے بعد اس کھانے کی تعریف اور اس کے پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے، تاکہ اس کھانے پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے ـــــ

ہدیہ کی تعریف

عام طور پر تو لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ تکلفاً کہتے ہیں کہ بھائی، اس ہدیہ کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے بیکار میں تکلف کیا ـــــ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب حضرت کے بے تکلف احباب میں سے کوئی محبت کے ساتھ ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا، تو حضرت والا تکلف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس ہدیہ کی طرف بہت اشتیاق کا اظہار فرماتے، اور یہ کہتے بھائی، تم تو ایسی چیز لے آئے جس کی ہمیں ضرورت تھی ـــــ

ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں ایک کپڑا لے گیا، اور مجھے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت والا اس پر اتنی خوشی کا اظہار فرمائیں گے ـــــ چنانچہ جب میں نے وہ پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیں ایسے کپڑے کی ضرورت تھی۔ ہم تو اس کی تلاش میں تھے، اور فرمایا کہ جس رنگ کا کپڑا لائے ہو، یہ رنگ تو ہمیں بہت پسند ہے۔ اور یہ کپڑا بھی بہت اچھا ہے ـــــ بار بار اس کی تعریف کرتے، اور فرماتے تھے کہ جب ایک شخص محبت سے ہدیہ لے کر آیا ہے تو کم از کم اتنی تعریف تو اس کی کرو کہ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے، اور اس کا دل خوش ہو جائے کہ جو چیز میں نے ہدیہ میں پیش کی، وہ پسند آگئی، اور یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ: "تھادوا تحابوا" یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو، اور اس کے ذریعہ محبت میں اضافہ کرو ـــــ تو محبت میں اضافہ کا ذریعہ اس وقت ہو گا جب تم ہدیہ وصول کر کے اس پر پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرو۔

بندوں کا شکریہ ادا کر دو

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک، حدیث نمبر ۱۹۵۴)

یعنی جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے ساتھ محبت اور اخلاص کا معاملہ کرے، اور اس کے ذریعہ سے تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو کم از کم زبان سے اسکا شکریہ ادا کر دو، اور اسکی تعریف میں دو کلمے تو کہہ دو ـــــ یہ سنت ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ اگر ہم ان طریقوں کو اپنا لیں تو دیکھو کتنی محبتیں پیدا ہوتی ہیں، اور تعلقات میں کتنی خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں ـــــ اور یہ عداوتیں اور نفرتیں، یہ بغض اور حسد سب دشمنیاں ختم ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر ٹھیک عمل کرلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ

حضور کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا

"عن عمرو بن ابی سلمة رضی اللہ عنہما قال: کنت غلاماً فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکانت یدی تطیش فی الصحفة قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا غلام، سم اللہ، وکل بیمینک وکل مما یلیک"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة باب التسمیة علی الطعام، حدیث نمبر ۵۳۷۶)

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے حضرت عمرو بن ابی سلمة رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے تھے، حضرت ام سلمة رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، اور یہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ کے بیٹے تھے، نکاح کے بعد یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آ گئے تھے، اس طرح یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے بن گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھا، ایک مرتبہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا، تو کھانے کے دوران میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں چاروں طرف حرکت کرتا تھا۔ ایک نوالہ اس طرف سے کھا لیا، دوسرا نوالہ اس طرف سے کھالیا۔ تیسرے نوالہ کسی اور طرف سے کھالیا، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے، کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو۔ بسم اللہ پڑھو۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ، یعنی برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، اس سے کھاؤ۔۔۔۔۔

اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب بیان فرمائے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ۔ اس کے بارے میں پیچھے تفصیل سے بیان ہو گیا۔۔۔۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس کا بیان بھی پیچھے آ چکا ہے

تیسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر ہاتھ نہ لے جاؤ، اس ادب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر انسان کھانا اپنے سامنے سے کھائے گا تو اس صورت میں اگر کھانے کا کچھ حصہ بچ جائے گا، تو وہ بد نما اور برا نہیں معلوم ہوگا، ورنہ اگر چاروں طرف سے کھائے گا، تو اس صورت میں جو کھانا بچ جائے گا، وہ بد نما ہو جائے گا، اور دوسرا آدمی اس کو کھانا چاہے گا تو اس کو کراہیت ہوگی، جس کے نتیجے میں اس کھانے کو ضائع کرنا پڑیگا، اس لئے فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ــــــ

کھانے کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے کے وسط اور درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ اب اگر اس کھانے کے درمیان ہی سے کھالیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کی برکت ختم ہو گئی، اس لئے اگر ایک طرف سے کھانا کھایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ کی برکت زیادہ دیر تک برقرار رہے گی ــــــ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ درمیان میں کس طرح نازل ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں، جن کو ہم اپنی محدود عقل سے نہیں سمجھ سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ وہ جانیں اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانیں، ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ہمیں تو یہ ادب سکھا دیا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر سے مت کھاؤ۔

(ترمذی، کتاب الاطعمة باب ماجاء فی کراھیة الاکل من وسط الطعام، حدیث نمبر ۱۸۰۶)

اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں

لیکن یہ ادب اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو۔ اگر برتن کے اندر مختلف انواع کی چیزیں رکھی ہیں۔ تو اس صورت میں اپنی پسند اور اپنی مطلب کی چیز لینے کے لئے ہاتھ ادھر ادھر، دائیں بائیں جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ــــــ چنانچہ حضرت

عکراش بن ذیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ دعوت میں تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمارے سامنے دسترخوان پر "ثرید" لایا گیا۔ "ثرید" اسے کہتے ہیں کہ روٹی کے ٹکڑے توڑ کر شوربے میں بھگو دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس کو کھایا جاتا ہے۔ یہ کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔ اور آپ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ "ثرید" بڑا اچھا کھانا ہے ـــــ بہر حال، حضرت عکراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ثرید کھانا شروع کیا تو ایک کام تو یہ کیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی، ویسے ہی کھانا شروع کر دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لو، اور بسم اللہ پڑھو۔ اس کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ میں کھانے کے دوران ایک نوالہ یہاں سے لیتا، دوسرا آگے سے لیتا۔ کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے نوالہ لیتا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

"یا عکراش، کل من موضع واحد، فانه طعام واحد"

اے عکراش، اپنے سامنے سے کھانا کھاؤ، اس لئے کہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے، چنانچہ میں نے ایک ہی جگہ سے کھانا شروع کر دیا، جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہمارے سامنے ایک بڑا تھال لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں۔ کوئی کسی رنگ کی، کوئی کسی رنگ کی، کوئی عمدہ، کوئی درمیانی، کوئی تر، کوئی خشک ـــــ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے ـــــ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تلقین فرمائی تھی کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اس لئے میں صرف اپنے سامنے کی کھجوریں کھاتا رہا، اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ کبھی یہاں جا رہا ہے، کبھی وہاں جا رہا ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک ہی جگہ سے کھا رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا:

"یا عکراش، کل من حیث شئت، فانه غیر لون واحد"

اے عکراش، اب جہاں سے چاہو، کھاؤ۔ اس لئے کہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں، اب مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ـــــ بہر حال، اس حدیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھا دیا کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اور جب مختلف قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے ہوں تو ادھر ادھر ہاتھ بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ــــ

(ترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام حدیث نمبر ۱۸۴۹)

بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں

"وعن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، ان رجلا اکل عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشمالہ، فقال، کل بیمینک، قال: لا استطیع. قال: لا استطعت، ما منعہ الا الکبر، فما رفعھا الی فیہ"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب، حدیث نمبر ۲۰۲۱)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ، اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص منافق تھا، اور اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی اور عذر بھی نہیں تھا، ویسے ہی اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نہیں کھا سکتا) اس لئے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں ــــ اسی طرح یہ شخص بھی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا، شاید اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوکنا پسند نہیں آیا۔ اس لئے اس نے صاف کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول دیا ــــ اور نبی کے سامنے جھوٹ بولنا، یا غلط بات کہنا اور بلا وجہ اپنی غلطی کو چھپانا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

لا استطعت

یعنی تمہیں دائیں سے کھانے کی کبھی طاقت نہ ہو ــــ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ اس

کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لیجانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اٹھا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہئے

اصول یہ ہے کہ اگر بشری تقاضے کے وجہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، پھر وہ انسان ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، لیکن غلطی ہو، اور پھر اس غلطی پر اصرار ہو، اور سینہ زوری ہو اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں بھی کرے، اور پھر نبی کے سامنے جھوٹ بولے، یہ بڑا سنگین گناہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے حق میں بد دعا کرنا شاذ و نادر ہی ثابت ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے حق میں بد دعا نہیں فرمائی، جو لوگ آپ کے مقابلے میں لڑ رہے ہیں۔ آپ پر تلوار اٹھا رہے ہیں۔ اور آپ پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں، ان کے لئے بھی آپ نے بد دعا نہیں فرمائی، بلکہ یہ دعا دی کہ:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دیدیجئے۔ یہ مجھے جانتے نہیں —— لیکن یہ موقع ایسا تھا کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص تکبر کی وجہ سے بطور عناد کے منافقت کی بنیاد پر دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کر رہا ہے، حقیقت میں اس کو کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے اس کے حق میں بد دعا کا کلمہ ارشاد فرمایا، اور وہ بد دعا فوراً قبول ہو گئی ——

اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی غلط کاری اور گناہوں میں مبتلا ہو۔ پھر بھی بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس بسی حال میں چلا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہاں جا کر اگر جھوٹ بولے گا یا اپنی غلطی پر اڑا رہے گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے —— انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت بڑی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کی وارثین پر بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ فضل فرما

دیتے ہیں کہ ان کو تمہاری حقیقت حال سے باخبر فرمادیتے ہیں، ـــــ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت والا وعظ فرمارہے تھے، ایک صاحب اسی مجلس میں دیوار یا تکیہ کا ٹیک لگا کر متکبرانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے ـــــ اور جو شخص بھی مجلس میں آتا تھا، وہ اپنی اصطلاح ہی کی غرض سے آتا تھا، اس لئے کوئی غلط کام کرتا تو حضرت والا کا فرض تھا کہ اس کو ٹوکیں، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو ٹوک دیا، اور فرمایا کہ اس طرح بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، آپ ٹھیک سے ادب کے ساتھ بیٹھ جائیں، ان صاحب نے بجائے سیدھے بیٹھنے کے عذر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت میری کمر میں تکلیف ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس طرح بیٹھا ہوں ـــــ بظاہر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا یہ ٹوکنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس حالت میں ہوں۔ کس تکلیف میں مبتلا ہوں، آپکو مجھے ٹوکنا نہیں چاہئے تھا ـــــ حضرت ڈاکٹر صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کو آپ نے ایک لمحے کے لئے گردن جھکائی، اور آنکھ بند کی۔ اور پھر گردن اٹھا کر اس سے فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ کی کمر میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ مجلس سے اٹھ جائیے ـــــ یہ کہہ کر ڈانٹ کر اٹھا دیا ـــــ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو کیا پتہ کہ اس کی کمر میں تکلیف ہے یا نہیں؟ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو کسی واقعے کی خبر عطا فرمادیتے ہیں ـــــ لہٰذا بزرگوں سے جھوٹ بولنا، یا ان کو دھوکہ دینا بڑی خطرناک بات ہے، اگر غلطی ہو جائے، اور کوتاہی ہو جائے، اس کے بعد آدمی اس پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کی توفیق دیدے تو انشاء اللہ وہ گناہ اور غلطی معاف ہو جائے گی

بہر حال حضرت والا نے اس شخص کو مجلس سے اٹھا دیا، بعد میں لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ واقعتہً حضرت والا نے صحیح فرمایا تھا، میری کمر میں کوئی تکلیف نہیں تھی، میں نے محض اپنی بات رکھنے کے لئے یہ بات بنائی تھی

بزرگوں کی شان میں گستاخی سے بچو

دیکھئے گناہ، غلطی، کوتاہی، دنیا میں کس سے نہیں ہوتی؟ انسان سے غلطی اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، اگر کوئی شخص بزرگوں کی بات پر نہیں چل رہا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق دیدیں گے، اس کی خطا کو معاف فرمادیں گے ـــــ لیکن بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا، یا ان کے لئے برے کلمات زبان سے نکالنا، اور اپنے گناہ کو صحیح ثابت کرنا، یہ اتنی بری لعنت ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے ـــــ اس لئے اگر کسی اللہ والے کی کوئی بات پسند نہ آئے۔ تو کوئی بات نہیں، ٹھیک ہے پسند نہیں آئی ـــــ لیکن اس کی وجہ سے ان کے حق میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہو۔ جو بے عزتی اور گستاخی کی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہو جائے، تو انسان کا ایمان اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

آج کل لوگوں میں یہ بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ غلطی کو غلطی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ گناہ کو گناہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں ـــــ چوری اور پھر سینہ زوری ـــــ گناہ بھی کر رہے ہیں اور پھر گناہ کو صحیح ثابت کرنے کی فکر میں ہیں، مثلاً کسی بزرگ کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ تو دوکاندار آدمی تھے۔ ایسے ویسے تھے۔ ایسے کلمات زبان سے نکالنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اس سے خود پرہیز کریں اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ

"عن جبلة بن سحيم رضي الله عنه قال اصابنا عام سنة مع ابن الزبير، فرزقنا تمرًا، فكان عبد الله بن عمر رضي الله عنهما يمر بنا ونحن نأكل، فيقول: لا تقارنوا، فان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن القران، ثم يقول: الا ان يستاذن الرجل اخاه"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة باب القران فی التمر، حدیث نمبر ۵۴۴۶)

حضرت جبلۃ بن سحیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں ہمارے اوپر قحط پڑا، قحط کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لئے کچھ کھجوریں عطا فرمادیں، جب ہم وہ کھجوریں کھارہے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے، انہوں نے ہم سے فرمایا کہ دو دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے کو عربی میں "قران" کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ جو کھجوریں کھانے کے لئے رکھی ہیں اس میں سب کھانے والوں کا برابر مشترک حق ہے، اب اگر دوسرے لوگ تو ایک ایک کھجور اٹھا کر کھارہے ہیں...... اور تم نے دو دو کھجوریں اٹھا کر کھانی شروع کر دیں تو اب تم دوسروں کا حق مار رہے ہو۔ اور دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔ البتہ اگر دوسرے لوگ بھی دو دو کھجوریں کھارہے ہیں تب تم بھی دو دو اٹھا کر کھالو، تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ کھارہے ہیں۔ تم بھی اسی طریقے سے کھاؤ، اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔"

مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ جو چیز مشترک ہو، اور سب لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، اس مشترک چیز سے کوئی شخص دوسرے لوگوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا حق فوت ہو جائے گا، اس اصول کا تعلق صرف کھجور سے نہیں۔ بلکہ حقیقت میں زندگی کے ان تمام شعبوں سے اس کا تعلق ہے، جہاں چیزوں میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً آج کل کی دعوتوں میں "سلف سروس" کا رواج ہے کہ آدمی خود اٹھ کر جائے، اور اپنا کھانا لائے، اور کھانا کھائے، اب اسی کھانے میں تمام کھانے والوں کا مشترک حق ہے، اب اگر ایک شخص جاکر بہت سارا کھانا اپنے برتن میں ڈال کر لے آیا، اور دوسرے لوگ اس کو دیکھتے رہ گئے۔ تو یہ بھی اس اصول کے تحت ناجائز

ہے، اور اس "قران" میں داخل ہے جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو

اس اصول کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دینی ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایثار سے کام لے، نہ یہ کہ وہ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ چاہے وہ حق چھوٹا سا کیوں نہ ہو، لہٰذا جب آدمی کوئی عمل کرے تو دوسروں کا حق مدنظر رکھتے ہوئے کام کرے، یہ نہ ہو کہ بس، مجھے مل جائے، چاہے دوسروں کو ملے، یا نہ ملے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دسترخوان پر بیٹھ کر یہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کھانا دسترخوان پر آئے تو یہ دیکھو کہ دسترخوان پر کتنے آدمی کھانے والے ہیں اور جو چیز دسترخوان پر آئی ہے وہ سب کے درمیان برابر تقسیم کی جائے تو تمہارے حصے میں کتنی آئے گی؟ بس اس حساب سے وہ چیز تم کھالو، اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو یہ "قران" میں داخل ہے جو ناجائز ہے۔

ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں.....

اسی طرح ایک مرتبہ والد ماجد قدس اللہ سرہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم ریل گاڑی میں سفر کرتے ہو۔ تم نے ریل گاڑی کے ڈبے میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہو گا کہ اس ڈبے میں ۲۲ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب آپ نے پہلے جاکر تین چار نشستوں پر قبضہ کر لیا، اور اپنے لئے خاص کر لیا، اور اس پر بستر لگا کر لیٹ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سوار ہوئے، ان کو بیٹھنے کے لئے سیٹ نہیں ملی، اب وہ کھڑے ہیں اور آپ لیٹے ہوئے ہیں ـــــ فرمایا کہ یہ بھی "قران" میں داخل ہے۔ جو ناجائز ہے ـــــ اس لئے کہ تمہارا حق تو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی کی نشست پر بیٹھ جاتے، لیکن جب آپ نے کئی نشستوں پر قبضہ کر کے دوسروں کے حق کو پامال کیا تو ـــــ اس عمل کے ذریعہ تم

نے دو گناہ کئے۔ ایک یہ کہ تم نے صرف ایک سیٹ کا ٹکٹ خریدا تھا۔ پھر جب تم نے اس سے زیادہ سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پیسے دیئے بغیر تم نے اپنے حق سے زیادہ پر قبضہ کر لیا ـــــ دوسرا گناہ یہ کیا کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سیٹ پر قبضہ کر لیا ان کا حق پامال کیا، اس طرح اس عمل کے ذریعہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے، پہلے گناہ کے ذریعے حق اللہ پامال ہوا، اور دوسرے گناہ کے ذریعہ بندے کا حق پامال ہوا ـــــ

ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق

اور یہ بندے کا ایسا حق ہے کہ جس کو بندوں سے معاف کرانا بھی مشکل ہے اس لئے کہ بندوں کے حق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے ـــــ اب اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی، اور دل میں خیال آیا کہ مجھ سے یہ غلط ہو گئی تھی تو اب اس وقت اس شخص کو کہاں تلاش کرو گے جس نے تمہارے ساتھ ریل گاڑی میں سفر کیا تھا، اور تم نے اس کا حق ضائع کر دیا تھا، اس لئے اب معافی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے ان معاملات میں بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس بات کا حکم دیا کہ:

"وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ"

(النساء: ۳۶)

یعنی "صاحب بالجنب" کا حق ادا کرو، "صاحب بالجنب" اس کو کہتے ہیں جو کسی وقت عارضی طور پر ریل کے سفر میں یا بس میں، یا جہاز میں، تمہارے ساتھ آکر بیٹھ گیا ہو۔ وہ "صاحب بالجنب" ہے۔ اس کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو ضائع نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ ایثار سے کام لو ـــــ ذرا سی دیر کا سفر ہے۔ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس سفر کے دوران تم نے اپنے ذمے گناہ لازم کر لیا، تو وہ گناہ ساری عمر تمہارے نامہ اعمال میں لکھا رہے گا، اس کی معافی ہونی مشکل ہے۔ یہ سب "قرآن" میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔

مشترک کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے

آج کل یہ وبا بھی عام ہے کہ چند بھائیوں کا مشترک کاروبار ہے، لیکن حساب کتاب کوئی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم سب بھائی ہیں۔ حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ حساب کتاب تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں میں حساب کتاب کہاں ــــــ اب اس کا کوئی حساب کتاب، کوئی لکھت پڑھت نہیں کہ کس بھائی کی کتنی ملکیت اور کتنا حصہ ہے؟ ماہانہ کس کو کتنا منافع دیا جائے گا؟ اس کا کوئی حساب نہیں، بلکہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک تو محبت و پیار سے حساب چلتا رہتا ہے، لیکن بعد میں دلوں میں شکوے شکایتیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ کہ فلاں کی اولاد تو اتنی ہے۔ وہ زیادہ رقم لیتا ہے، فلاں کی اولاد کم ہے۔ وہ کم لیتا ہے، فلاں کی شادی پر اتنا خرچ کیا گیا، ہمارے بیٹے کی شادی پر کم خرچ ہوا، فلاں نے کاروبار سے اتنا فائدہ اٹھالیا، ہم نے نہیں اٹھایا۔ وغیرہ بس، اس طرح کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے دور چلے گئے، یاد رکھئے، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر کوئی مشترک چیز ہے تو اس مشترک چیز کا حساب و کتاب رکھا جائے، اگر حساب و کتاب نہیں رکھا جا رہا ہے تو تم خود بھی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو، اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہو، یاد رکھئے، بھائیوں کے درمیان معاملات کے اندر جو محبت و پیار ہوتا ہے۔ وہ کچھ دن چلتا ہے، بعد میں وہ لڑائی جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ لڑائی جھگڑا ختم ہونے کو نہیں آتا، کتنی مثالیں اس وقت میرے سامنے ہیں ــــــ

ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے

ملکیتوں میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ باپ بیٹے کی ملکیت میں اور شوہر بیوی کی ملکیت میں امتیاز ہونا ضروری ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کے گھر الگ الگ تھے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ملکیت اور میری دونوں بیویوں کی ملکیت بالکل الگ الگ کر کے بالکل امتیاز کر

رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کچھ سامان بڑی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان چھوٹی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان خانقاہ میں ہے، وہ میری ملکیت ہے، آج اگر دنیا سے چلا جاؤں تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ الحمدللہ سب امتیاز موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب نے اپنے کمرے میں ایک چارپائی ڈال لی تھی۔ دن رات وہیں رہتے تھے، ہم لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو، ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ ایسی جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچا دیں گے، ایک دن خود والد ماجد قدس اللہ سرہ نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں۔ اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ ان کی ملکیت ہے، لہٰذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آ جاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو، اس لئے کہ وصیت نامہ کے مطابق وہ چیز میری ملکیت تصور کی جائے گی، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں، اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔

یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں، اور یہ سب باتیں اسی اصول سے نکل رہی ہیں، جو اصول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرما دیا "وہ یہ کہ" "قران" سے بچو،

مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں بعض اشیاء مشترک استعمال کی ہوتی ہیں، جس کو گھر کا ہر فرد استعمال کرتا ہے، اور ان کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں جگہ پر رکھی جائے گی، مثلاً گلاس فلاں جگہ رکھا جائے گا، پیالہ فلاں جگہ رکھا جائے گا، صابن فلاں جگہ رکھا جائے گا، ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ان چیزوں کو استعمال کر کے بے جگہ رکھ دیتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ وہ چیز مشترک استعمال کی ہے، جب دوسرے شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہوگی تو وہ اس کو اس کی جگہ پر تلاش کرے گا، اور جب جگہ پر اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو اس کو تکلیف اور ایذاء ہوگی، اور کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے ـــــ ہمارا ذہن کبھی اس طرف گیا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی گناہ کی بات ہے، ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تو دنیاداری کا کام ہے۔ گھر کا انتظامی معاملہ ہے ـــــ یاد رکھو، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں دین کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو ـــــ ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم لوگ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مشترک استعمال کی اشیاء استعمال کے بعد ان کی متعین جگہ پر رکھیں، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو؟ اب یہ چھوٹی سی بات ہے، جس میں ہم صرف بے دھیانی اور بے توجہی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں دین کی فکر نہیں، دین کا خیال نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس نہیں، دوسرے اس لئے کہ ان مسائل سے جہالت اور ناواقفیت بھی آجکل بہت ہے۔

بہرحال، یہ سب باتیں "قران" کے اندر داخل ہیں۔ ویسے تو یہ چھوٹی سی بات ہے کہ دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھانا چاہئے۔ لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرنا، جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو، یا دوسروں کا حق پامال ہو، سب "قران" میں داخل ہیں۔

مشترک بیت الخلاء کا استعمال

بعض اوقات ایسی بات ہوتی ہے، جس کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے، لیکن دین کی باتیں سمجھانے کے لئے شرم کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ مثلاً آپ بیت الخلاء میں گئے، اور فارغ ہونے کے بعد غلاظت کو بہایا نہیں، ویسے ہی چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ جب دوسرا شخص بیت الخلا استعمال کرے گا تو اس کو کراہیت ہوگی، اور تکلیف ہوگی، اور اس تکلیف کا سبب تم بنے، تم نے اس کو تکلیف پہنچائی، اور ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنا لئے

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ڈھاکہ کے سفر پر گیا۔ ہوائی جہاز کا سفر تھا، راستے میں مجھے غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، ـــــ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہوائی جہاز کے غسل خانے میں واش بیسن کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ: "جب آپ واش بیسن کو استعمال کرلیں تو اس کے بعد کپڑے سے اس کو صاف اور خشک کر دیں۔ تاکہ بعد میں آنے والے کو کراہیت نہ ہو" ـــــ جب میں غسل خانے سے واپس آیا تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ غسل خانے میں واش بیسن پر جو عبارت لکھی ہے، یہ وہی بات ہے جو میں تم لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا دین کا حصہ ہے۔ جو ان غیر مسلموں نے اختیار کرلیا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی عطا فرمادی ہے، اور ہم لوگوں نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور دین کو صرف نماز روزے کے اندر محدود کر دیا ہے۔ معاشرت کے ان آداب کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ پستی اور تنزل کی طرف جارہے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس میں جیسا عمل اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کے ویسے ہی نتائج پیدا فرمائیں گے۔

ایک انگریز خاتون کا واقعہ

گذشتہ سال مجھے لندن جانے کا اتفاق ہوا، پھر وہاں لندن سے ٹرین کے ذریعہ ایڈمبرا جا رہا تھا۔ راستے میں غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، جب غسل خانے کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک انگریز خاتون دروازے پر کھڑی ہے، میں یہ سمجھا کہ شاید غسل خانہ اس وقت فارغ نہیں ہے، اور یہ خاتون اس انتظار میں ہے کہ جب فارغ ہو جائے تو وہ اندر جائے۔ چنانچہ اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر اس طرح گزر گئی کہ نہ تو اندر سے کوئی نکل رہا تھا، اور نہ یہ اندر جا رہی تھی۔ میں دوبارہ غسل خانے کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ غسل خانے کے دروازے پر لکھا ہے کہ یہ خالی ہے، اندر کوئی نہیں۔ چنانچہ میں نے ان خاتون سے کہا کہ آپ اندر جانا چاہیں تو چلی جائیں، غسل خانہ تو خالی ہے، ان خاتون نے کہا کہ ایک اور وجہ سے کھڑی ہوں۔ وہ یہ کہ میں اندر ضرورت کے لئے گئی تھی۔ اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ابھی میں نے اس کو فلش نہیں کیا تھا کہ اتنے میں گاڑی اسٹیشن پر آکر کھڑی ہو گئی، اور قانون یہ ہے کہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو، اس وقت غسل خانہ استعمال نہ کرنا چاہئے، اور نہ اس میں پانی بہانا چاہئے، اب میں اس انتظار میں ہوں کہ جب گاڑی چل پڑے تو میں اس کو فلش کر دوں۔ اور اس میں پانی بہا دوں۔ اور پھر اپنی سیٹ پر واپس جاؤں،

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خاتون صرف اس انتظار میں تھی کہ فلش کرنا رہ گیا تھا۔ اور اب تک فلش بھی اس لئے نہیں کیا تھا کہ یہ قانون کی خلاف ورزی ہو جائے گی ـــــ اس وقت مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات یاد آگئی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: اس بات کا خیال اور اہتمام کہ آدمی فلش کر کے جائے، اصل میں یہ دین کا حکم ہے، تاکہ بعد میں آنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن دین کی اس بات پر ایک غیر مسلم نے کس اہتمام سے عمل کیا، آپ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر مشترک چیز کو استعمال کرے تو کیا اس کو اس بات کا اہتمام اور خیال ہوتا ہے؟ بلکہ ہم لوگ ویسے ہی گندہ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جو بعد میں آئے گا۔ وہ بھرے گا۔ وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ وہ جانے، اس کا کام جانے ـــــ

غیر مسلم قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں

خوب سمجھ لیجئے، یہ دنیا، اسباب کی دنیا ہے، اگر یہ باتیں غیر مسلموں نے حاصل کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی دے دی۔ اگرچہ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن معاشرت کے وہ آداب جو ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔ ان آداب کو انہوں نے اختیار کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی دے دی ــــ لہٰذا یہ اعتراض تو کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ایمان کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ دوسرے لوگ غیر مسلم ہونے کے باوجود ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ان غیر مسلموں کا یہ حال ہے کہ وہ تجارت میں جھوٹ نہیں بولیں گے، امانت اور دیانت سے کام لیں گے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت چمکا دی، لیکن مسلمانوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اور دین کو مسجد اور مدرسے تک محدود کر کے بیٹھ گیا۔ زندگی کی باقی چیزوں کو دین سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے دین سے بھی دور ہو گئے، اور دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گئے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم ان کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں، اور ان کو دین کا حصہ سمجھیں ــــ بہرحال، بات یہاں سے چلی تھی کہ "دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ" لیکن اس سے کتنے اہم اصول ہمارے لئے نکلتے ہیں، اور یہ کتنی ہمہ گیر بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں احساس اور ادراک پیدا فرما دے۔ آمین۔

ٹیک لگا کر کھانا خلافِ سنت ہے

"عن ابی جحیفۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انی لا آکل متکئا۔" (صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل متکئا، حدیث نمبر ۵۳۹۸)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً مقعیاً یأکل تمراً"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب استحباب تواضع الآکل، حدیث نمبر ۲۰۴۴)

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس طرح بیٹھے ہوئے کھجور کھا رہے تھے کہ آپ نے اپنے گھٹنے کھڑے کئے ہوئے تھے۔

اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں

کھانے کی نشست کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کو دور کرنا ضروری ہے ـــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں کھانے کی مستحب اور بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ اس نشست کے ذریعہ کھانے کی تعظیم بھی ہو، اور تواضع بھی ہو، متکبرانہ نشست نہ ہو، اور اس نشست میں کھانے کی بے توقیری اور بے عزتی نہ ہو ـــ یہ جو مشہور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے، یہ بات اس طرح درست نہیں، مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکڑوں بیٹھ کر کھانا ثابت ہو، البتہ اوپر جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں جس نشست کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آپ نے زمین پر بیٹھ کر اپنے دونوں گھٹنے سامنے کی طرف کھڑے کر دیئے تھے۔ اس حدیث میں "اکڑوں" بیٹھنا مراد نہیں، لہٰذا یہ جو مشہور ہے کہ "اکڑوں" بیٹھ کر کھانا سنت ہے، یہ درست نہیں۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست تواضع والی نشست ہوتی تھی، جس میں دیکھنے والے کو فرعونیت، یا تکبر یا رعونت کا احساس نہ ہو، بلکہ عبدیت کا احساس ہوتا ہو۔

کھانے کی بہترین نشست

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ اس طرح کھانا کھا رہے تھے، جس طرح غلام کھانا کھاتا ہے۔ بہرحال، احادیث کے مجموعے سے فقہاء کرام نے جو بات اخذ کی ہے، وہ یہ

ہے کہ کھانے کی بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی یا دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لئے کہ اس میں تواضع بھی زیادہ ہے، اور کھانے کا احترام بھی ہے، اور اس نشست میں بسیا خوری کا سد باب بھی ہے، اس لئے جب آدمی خوب پھیل کر بیٹھے گا تو زیادہ کھایا جائے گا، اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھا کر اور ایک ٹانگ بچھا کر کھانا بھی اسی میں داخل ہے، اور یہ بھی تواضع والی نشست ہے، اور اس طرح بیٹھ کر کھانے میں دنیا کا بھی فائدہ اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے۔ ناجائز نہیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی پہلی دو نشستیں قریب ہیں، لہٰذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ غلط ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لئے کہ اس نشست میں کھانے کی عظمت اور توقیر زیادہ ہے۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کا اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھائے، اس لئے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہو گا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے ــــ بہر حال، میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی، عبدیت ہوگی، اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں، اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے، تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے، لہذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں، اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں ــــــ

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، اور زیادہ افضل ہے، اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے، جب اس سنت کو "معاذ اللہ" مذاق نہ بنایا جائے، لہذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سنت کا مذاق اڑائیں گے۔ تو ایسی جگہ پر زمین پر کھانے پر اصرار بھی درست نہیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیو بند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی، اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو کرسی پر بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اس

لئے کہ زمین پہ بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں۔ بلکہ میز کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں، اور کیوں شرمائیں، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے، تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے ــ اللہ تعالیٰ بچائے ــــ

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب ؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو "سلیمان اعمش ؒ" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں "اعمش" چوندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گر جاتی ہیں۔ اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے "اعمش" کے لقب سے مشہور تھے ــــ ان کے پاس ایک شاگرد آ گئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاذ سے چپٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چپٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جارہے ہیں، وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ یہ بھی ایسے تھے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ امام "اعرج" شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے، بازار میں لوگ ان پر فقرے کستے کہ دیکھو استاذ "چوندھا" ہے، اور شاگرد "لنگڑا" ہے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا

ساتھ کیوں چھوڑوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ چوندھا ہے، اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

مالنا نوجر و یاثمون

حضرت، جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے، اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں۔ بلکہ ہمارا تو فائدہ ہے، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

نسلم ویسلمون خیر من ان نوجر و یاثمون

ارے بھائی، وہ بھی گناہ سے بچ جائیں، اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ اس کے بنسبت بہتر ہے کہ ہمیں ثواب ملے، اور ان کو گناہ ہو ___ میرا ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان تو ہے نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ لہٰذا ہمارے مسلمان بھائیوں کو گناہ ہو۔ اس سے بہتر یہ صورت ہے کہ نہ ان کو گناہ ہو۔ اور نہ ہمیں گناہ ہو۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے

لیکن یہ بات رکھو، اگر کوئی گناہ کا کام ہے۔ تو پھر چاہے کوئی مذاق اڑائے۔ یا ہنسی اڑائے، اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے گناہ کا کام کرنا جائز نہیں۔ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے کوئی فرض یا واجب کام چھوڑنا جائز نہیں، لیکن اگر ایک طرف جائز اور مباح کام ہے، اور دوسرے طرف اولیٰ اور افضل کام ہے۔ اب اگر لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لئے افضل کام چھوڑ دو۔ اور اس کے مقابلے میں جو جائز کام ہے۔ اس کو اختیار کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا کرنا درست ہے۔

بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کو ایک مرتبہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی ضرورت پیش آگئی۔ تو حضرت تھانوی نے اس وقت فرمایا کہ ویسے تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا ناجائز تو نہیں ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا تشبہ کا شبہ ہے کہ چونکہ انگریزوں کا چلایا ہوا طریقہ ہے۔ اس طرح کھانے میں ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے، اس لئے جب آپ کرسی پر بیٹھے تو پاؤں اٹھا کر بیٹھ گئے، پاؤں لٹکائے نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کا جو شبہ تھا، وہ اس طرح بیٹھنے سے ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ پاؤں لٹکا کر کھاتے ہیں، میں نے پاؤں اوپر کر لئے ہیں۔

بہر حال، میز کرسی پر کھانا کھانا ناجائز اور گناہ نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آدمی جتنا سنت سے قریب ہو گا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا۔ لہٰذا بلا وجہ اور بلا ضرورت کے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی عادت بنا لینا اچھا نہیں، بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کا اہتمام کرے۔ لیکن جہاں کہیں ضرورت داعی ہو، وہاں میز کرسی پر بیٹھ کر کھا سکتا ہے۔ البتہ اس بات کا اہتمام کرے کہ پیچھے ٹیک لگا کر نہ کھائے۔ بلکہ آگے کی طرف جھک کر کھائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانے کو متکبرین کا طریقہ قرار دیا ہے، یہ طریقہ درست نہیں۔

چارپائی پر کھانا

اسی طرح چارپائی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے۔ بلکہ کرسی پر کھانے کے مقابلے میں چارپائی پر کھانا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ طریقہ جس میں کھانے والا اور کھانے کی سطح برابر ہو۔ اس سے بہتر ہے جس میں کھانا اوپر ہو۔ اور کھانے والا نیچے ہو۔ البتہ سب سے بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھایا جائے، اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ تواضع بھی اس سے زیادہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سنتوں سے زیادہ قریب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کھانے کے وقت باتیں کرنا

ایک غلط بات لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز نہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کھانا کھانے کے دوران ضرورت کی بات کی جا سکتی ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، البتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ کھانے کے وقت جو باتیں کی جائیں۔ وہ ہلکی پھلکی ہوں، زیادہ سوچ وبچار اور زیادہ انہماک کی باتیں کھانے کے وقت نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ کھانے کا بھی حق ہے۔ وہ حق یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کھاؤ، لہذا ایسی باتیں کرنا جس میں انسان منہمک ہو جائے، اور کھانے کی طرف توجہ نہ رہے۔ ایسی باتیں کرنا درست نہیں۔ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی ہلکی پھلکی باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کھانے کے وقت بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے۔ یہ درست نہیں۔

کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ علیہ و سلم: اذا اکل احدکم طعاما فلا یمسح اصابعہ حتی یلعقہا او یلعقہا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب لعق الاصابع ومصہا، حدیث نمبر ۵۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیوں کو صاف نہ کرے۔ جب تک خود ان انگلیوں کو چاٹ نہ لے، یا دوسرے کو نہ چٹوا دے ___ علماء کرام نے فرمایا کہ اس حدیث سے دو مسئلے نکلتے ہیں۔ اور دو ادب اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جس طرح ہاتھ دھونا جائز، بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ اسی طرح ان ہاتھوں کو کسی چیز سے پونچھ لینا بھی جائز ہے۔ البتہ افضل تو یہ ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھو لیا جائے۔ لیکن اگر پانی موجود نہیں ہے یا پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف اور دشواری ہے، تو اس صورت میں کسی کاغذ یا کپڑے سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آجکل ٹیشو پیپر اسی مقصد کے لئے ایجاد ہو گئے

ہیں، ان سے ہاتھ پونچھ لینا بھی جائز ہے۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث کے بیان کا اصل مقصود ہے۔ وہ یہ کہ ہاتھوں کو دھونے اور پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لینا چاہئے، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا، اور آپ کی یہ سنت تھی کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں پر لگے رہ جاتے، آپ ان کو چاٹ لیتے تھے، اور اس کی حکمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے کے اس مخصوص جز میں کوئی برکت کا پہلو ہو سکتا ہے، جو دوسرے اجزاء میں نہیں ہے۔ شاید برکت اسی حصے میں ہو۔ جو تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا ہے، لہٰذا اس حصے کو بھی ضائع نہ کرو۔ بلکہ اس کو بھی کھالو، تاکہ اس برکت سے محروم نہ رہو۔

برکت کیا چیز ہے؟

یہ برکت کیا چیز ہے؟ آج کی دنیا جو مادہ پرستی میں گھری ہوئی ہے، صبح سے لے کر شام تک مادہ ہی چکر کاٹتا نظر آتا ہے اور مادے کے پیچھے، مال و دولت اور سامان و اسباب کے پیچھے جا نکلنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے آجکل برکت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ برکت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح سب شامل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہوتی ہے۔ جس کا آپ نے اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا ہو گا۔ وہ یہ کہ بعض اوقات انسان کسی چیز کے بے شمار اسباب جمع کر لیتا ہے۔ مگر ان سے فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً اپنے گھر کے اندر آرام و راحت کے تمام اسباب جمع کر لئے، اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر سے گھر کو سجا دیا۔ بہترین بیڈ لگا لئے۔ حشم خدم، نوکر چاکر سب جمع کر لیے۔ سجاوٹ کا سارا سامان جمع کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود رات کو نیند نہیں آتی، ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے رہے، معلوم ہوا کہ ساز و سامان میں برکت نہیں۔ اور ان سامان سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے

تھا۔ وہ حاصل نہیں ہوا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ ساز و سامان اپنی ذات میں خود مقصود ہے کہ ان کو دیکھتے رہو؟ اور خوش ہوتے رہو، ارے یہ سامان تو اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ راحت ملے۔ آرام ملے۔ سکون حاصل ہو۔ یاد رکھو۔ یہ ساز و سامان سکون لیکن راحت کا ذریعہ تو ہیں، اور جس چیز کا نام "راحت اور سکون" ہے۔ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، تب "راحت و آرام" حاصل ہو گا۔ ورنہ دنیا کا کتنا بھی اسباب و سامان جمع کر لو۔ مگر راحت اور آرام نہیں ملے گا۔

اسباب میں راحت نہیں

آج ہر شخص اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ آج سے تیس چالیس سال پہلے ہر شخص کے پاس کیسا ساز و سامان تھا، اور آج کتنا ہے، اور کیسا ہے؟ جائزہ لینے سے یہی نظر آئیگا کہ بیشتر افراد وہ ہیں، جن کی معاشی حالت میں ترقی ہوئی ہے۔ ان کے گھر کے ساز و سامان میں اضافہ ہوا ہے۔ فرنیچر پہلے سے اچھا ہے۔ گھر پہلے سے اچھا بن گیا ہے، آرام وہ چیزیں پہلے سے زیادہ حاصل ہو گئیں، لیکن یہ دیکھو کہ کیا سکون بھی حاصل ہوا؟ کیا راحت و آرام ملا؟ اگر سکون اور آرام نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سامان میں اللہ تعالیٰ سے برکت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز میں برکت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا۔ وہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور بے برکتی یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال کے باوجود راحت اور آرام حاصل نہیں ہو رہا ہے،

راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

یاد رکھو۔ راحت، آرام، سکون، یہ چیزیں بازار سے پیسوں کے ذریعہ نہیں خریدی جا سکتیں، یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہی عطا فرماتے ہیں۔ اسی کا نام برکت ہے۔ جن لوگوں کے پیسوں میں برکت ہوتی ہے۔ گنتی کے اعتبار سے تمہارے مقابلے میں ان کے پاس شاید پیسے کم ہوں۔ لیکن پیسوں کا جو فائدہ ہے۔ یعنی راحت و آرام، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے۔

مثلاً ایک دولت مند انسان ہے۔ اس کے پاس دنیا کا سارا ساز و سامان جمع ہے۔ کارخانے کھڑے ہیں، کاریں ہیں، فرنیچر ہے، نوکر چاکر ہیں۔ جب کھانا چنا جاتا ہے تو دستر خوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے کہ فلاں چیز نہیں کھا سکتے۔ فلاں چیز نہیں کھا سکتے، اب نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود ان سے فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اسی کا نام بے برکتی ہے۔

دوسری طرف ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے محنت کر کے سو روپے کمائے، اور پھر ہوٹل سے دال روٹی یا سبزی روٹی خریدی، اور بھرپور بھوک کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھایا، کھانے کی پوری لذت حاصل کی، اور جب رات کو اپنی ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر سویا تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھا، جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی لذت اس مزدور کو حاصل ہوئی۔ نیند کی لذت بھی اس کو حاصل ہوئی۔ البتہ اتنی بات ہے کہ دولت مند جیسا ٹیپ ٹاپ اس کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہے کہ برکت کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی چیز میں برکت ڈال دی، اور جن چیزوں سے جو فائدہ حاصل ہونا تھا۔ وہ اس سے حاصل کر لیا۔

کھانے میں برکت کا مطلب

دیکھئے، جو کھانا آپ کھا رہے ہیں، یہ کھانا بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ کھانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل ہو، جسم کو تقویت ملے، کھانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بھوک مٹ جائے، اور وہ کھانا جزو بدن بن جائے، اس کے ذریعہ لذت اور راحت حاصل ہو۔ لیکن کھانے کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا حاصل ہونا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں تمہیں کہ کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، ہو سکتا ہے جو کھانا تم کھا چکے ہو۔ اس میں برکت نہ ہو، اور انگلیوں پر کھانے کا جو حصہ لگا ہوا تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ تم نے اسے چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں تم برکت سے محروم رہ گئے۔ چنانچہ وہ کھانا تو تم نے کھا لیا۔ لیکن وہ کھانا نہ تو جزو بدن بنا، بلکہ اس کھانے نے بدہضمی پیدا کر دی، اور صحت کو نقصان پہنچا دیا۔ اور اس سے جو قوت حاصل ہونی تھی۔ وہ حاصل نہ ہوئی۔

کھانے کے باطن پر اثرات

یہ تو میں ظاہری سطح کی باتیں کر رہا ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو " دیدۂ بینا" یعنی بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں، وہ اس سے بھی آگے پہنچتے ہیں، وہ یہ کہ کھانے کھانے میں فرق ہے۔ یہ کھانا انسان کی فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کے جذبات اور خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے، بعض کھانے وہ ہوتے ہیں جو انسان کے باطنی حالات میں ظلمت اور تاریکی پیدا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے برے خیالات اور برے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ گناہوں کا شوق اور خراب داعیے دل میں پیدا ہوتے ہیں ــــــ اور بعض کھانے ایسی برکت والے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے باطن کو سرور حاصل ہوتا ہے، روح کو غذا ملتی ہے۔ اچھے ارادے اور اچھے خیالات دل میں آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان کو نیکیوں کی ترغیب ہوتی ہے، نیکیوں کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے۔ لیکن چونکہ ہماری آنکھیں اس مادہ پرستی کے دور میں اندھی ہو چکی ہیں۔ ہم لوگ بصیرت کھو چکے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے کی ظلمت اور نورانیت کا فرق نہیں پتہ چلتا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں۔ ان سے پوچھئے :۔

کھانے کے اثرات کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت والا کی دعوت کی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، کھانا شروع کیا، ایک نوالہ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص نے دعوت کی ہے۔ اس کی آمدنی حلال نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ کھانا حلال نہیں ہے، چنانچہ کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، اور واپس چلے آئے، لیکن ایک نوالہ جو حلق میں چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ایک لقمہ جو میں نے حلق سے نیچے اتار لیا تھا۔ اس کی ظلمت اور تاریکی دو ماہ تک مجھے محسوس ہوتی رہی۔ وہ اس طرح کے دو ماہ تک میرے دل میں گناہ کرنے کے داعیے بار بار دل میں پیدا ہوتے رہے۔ دل میں یہ تقاضہ ہوتا کہ فلاں گناہ کر لوں۔ فلاں گناہ کر لوں۔ اب بظاہر تو اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ کھا لینے میں اور گناہ کا تقاضہ ہونے میں کیا جوڑ ہے؟ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس لئے محسوس نہیں ہوتا

کہ ہمارا سینہ ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے اوپر بے شمار سیاہ داغ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد ایک داغ اور لگ جائے، پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نیا داغ کونسا ہے؟ لیکن اگر کپڑا سفید، صاف، شفاف ہو، اس پر اگر ایک چھوٹا سا بھی داغ لگ جائے گا تو دور سے نظر آئے گا کہ داغ لگا ہوا ہے ـــــ بالکل اسی طرح ان اللہ والوں کے دل آئینے کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو وہ داغ محسوس ہوتا ہے، اور اس کی ظلمت نظر آتی ہے۔ چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کر لیا کہ اس ایک لقمہ کے کھانے سے پہلے تو نیکی کے داعیے بھی دل میں پیدا ہو رہے ہیں، گناہوں سے نفرت ہے، لیکن ایک لقمہ کھانے کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہونے لگے، اس لئے بعد میں فرمایا کہ درحقیقت یہ اس ایک خراب لقمے کی ظلمت تھی۔ اس کا نام "برکت باطنی" ہے، جب اللہ تعالیٰ یہ برکت باطنی عطا فرما دیتے ہیں تو پھر اس کے ذریعہ انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے۔ اخلاق اور خیالات درست ہو جاتے ہیں۔

ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں

آج ہم مادہ پرستی میں اور پیسوں کی گنتی کے چکر میں پھنس گئے، ساز و سامان اور ٹیپ ٹاپ میں پھنس گئے، جس کے نتیجے میں ہر کام کی باطنی روح ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی، اور یہ باتیں اجنبی اور اچھنبی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے برکت کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی اگر ہزار بار کہے کہ فلاں کام میں برکت ہے، تو اس کی کوئی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی ـــــ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کھانا کھاؤ گے تو ایک ہزار روپے زیادہ ملیں گے، تو اب طبیعت میں اس کھانے کی طرف رغبت پیدا ہو گی کہ ہاں، یہ فائدہ کا کام ہے، اور اگر کوئی کہے کہ فلاں طریقے سے کھانا کھاؤ گے تو اس سے کھانے میں برکت ہو گی، تو اس طریقے کی طرف رغبت نہیں ہو گی، اس لئے کہ یہ پتہ ہی نہیں کہ برکت کیا ہوتی ہے، اس برکت کا ذہن میں تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ احادیث میں فرمایا کہ اس عمل سے برکت حاصل ہو گی، اور اس عمل سے برکت سلب ہو جائے گی، برکت حاصل کرنے کی کوشش کرو، بے برکتی

سے بچو۔ اس لئے یہ بات یاد رکھو کہ یہ برکت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع نہیں ہوگا، چنانچہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں میں لگے ہوئے ہیں، ان میں برکت ہو

کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟

آج فیشن پرستی کا زمانہ ہے۔ لوگوں نے اپنے لئے نئے نئے ایٹیکیٹ بنار کھے ہیں، چنانچہ اگر دستر خوان پر سب کے ساتھ کھانا کھار ہے ہیں، اس وقت اگر انگلیوں پر لگے ہوئے سالن کو چاٹ لیں، تو یہ شائستگی کے خلاف ہے، تہذیب کے خلاف ہے، یہ تو ناشائستگی اور بد تہذیبی ہے، اس لئے اس کام کو کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اگر لوگوں کے سامنے کریں گے تو لوگ ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور کہیں گے کہ یہ شخص غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔

تہذیب اور شائستگی سنتوں میں منحصر ہے

لیکن یاد رکھو! ساری تہذیب اور ساری شائستگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں منحصر ہے، جس چیز کو آپ نے شائستگی قرار دے دیا۔ وہ ہے شائستگی، یہ نہیں ہے کہ جس چیز کو فیشن نے شائستگی قرار دے دیا، وہ شائستگی ہو، اس لئے کہ یہ فیشن تو روز بدلتے ہیں۔ کل تک جو چیز ناشائستہ تھی، آج وہ چیز شائستہ بن گئی۔

کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے

مثلاً کھڑے ہو کر کھانا آجکل فیشن بن گیا ہے، ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑی ہے، دوسرے ہاتھ سے کھانا کھار ہے ہیں، اسی پلیٹ میں سالن بھی ہے۔ اسی میں روٹی بھی ہے، اسی میں سلاد ہے، اور جس وقت دعوت میں کھانا شروع ہوتا ہے اس وقت چھینا جھپٹی

ہوتی ہے، اس میں کسی کو بھی ناشائستگی نظر نہیں آتی؟ اس لئے کہ فیشن نے آنکھیں اندھی کر دی ہیں، اس کے نتیجے میں اس کے اندر ناشائستگی نظر نہیں آتی ــــ چنانچہ جب تک کھڑے ہو کر کھانے کا فیشن اور رواج نہیں چلا تھا، اس وقت اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر کھانا کھاتا تو ساری دنیا اس کو یہی کہتی کہ یہ غیر مہذب اور بڑا ناشائستہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی آرام سے بیٹھ کر کھائے۔

فیشن کو بنیاد مت بناؤ

لہٰذا فیشن کی بنیاد پر تو تہذیب اور شائستگی روز بدلتی ہے، اور بدلنے والی چیز کا کوئی بھروسہ اور کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اس چیز کا ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دے دیا، اور جس کے بارے میں آپ نے بتا دیا کہ برکت اس میں ہے ــــ اب اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے یہ کام کر لوگے تو آخرت میں بھی اجر و ثواب، اور دنیا میں بھی برکت حاصل ہوگی، اور اگر ــ معاذ اللہ ــ ناشائستہ سمجھ کر اس کو چھوڑ دوگے تو پھر تم اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے، اور پھر یہ بے چینیاں تمہاری مقدر ہونگی، محرومیاں تمہاری مقدر بن جائیں گی، گناہوں کی رغبت تمہارا مقدر ہوگی، اور دن رات تمہارے دل میں ظلمت اور تاریکیاں پیدا ہوتی رہیں گی ــــ بہرحال، بات لمبی ہو گئی، اس حدیث میں آپ نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو، تاکہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے،

تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہ تھی کہ آپ عموماً تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، یعنی انگوٹھا، شہادت کی انگلی، اور بیچ کی انگلی، ان تینوں کو ملا کر نوالہ لیتے تھے، علماء کرام نے تین انگلیوں سے کھانے کی ایک حکمت تو یہ لکھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سادہ غذاؤں کا زمانہ تھا، آج کل کی طرح بہت لمبے چوڑے کھانے نہیں ہوتے تھے، اور دوسری حکمت یہ لکھی ہے کہ جب تین انگلیوں سے

کھائیں گے تو نوالہ چھوٹا بنے گا، اور چھوٹے نوالے میں ایک فائدہ طبی طور پر یہ ہے کہ نوالہ جتنا چھوٹا ہوگا، اتنا ہی اس کے ہضم میں آسانی ہوگی، اس لئے کہ بڑا نوالہ پوری طرح چبے گا نہیں۔ اور پھر معدہ میں جاکر نقصان پہنچائے گا ـــــــ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بڑا نوالہ لیا جائے گا تو اس سے انسان کی حرص کا اظہار ہوتا ہے، اور چھوٹے نوالے میں قناعت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے تناول فرماتے تھے، اگرچہ کبھی کبھار چار انگلیوں سے بھی کھایا کرتے تھے، بلکہ ایک روایت میں ایک واقعہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا۔ جس کے ذریعہ آپ نے یہ بتادیا کہ تین کے بجائے چار اور پانچ انگلیوں سے کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن عام طور پر آپ کا معمول اور آپ کی سنت تین انگلیوں سے کھانے کی تھی۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب استحباب لعق الاصابع حدیث نمبر ۲۰۳۱)

انگلیاں چاٹنے میں ترتیب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عشق دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو ہمارے لئے اس طرح محفوظ کرکے چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے لئے اس کی نقل اتارنا اور اس کی اتباع آسان ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرام نے ہمیں یہ بتادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس ترتیب سے یہ تین انگلیاں چاٹا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ان تین انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے بیچ کی انگلی، پھر شہادت کی انگلی، اور پھر انگوٹھا ـــــ جب صحابہ کرام آپس میں مل کر بیٹھتے تو آپ کی سنتوں کا تذکرہ کرتے، اور ایک دوسرے کو ترغیب دیتے کہ ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے۔ اب اگر کوئی انگلیاں نہ چاٹے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر سنت کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔

کب تک ہنسے جانے سے ڈرو گے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر ہم لوگوں کے سامنے انگلیاں چاٹیں گے تو لوگ اس پر ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور ہمیں غیر مہذب اور غیر شائستہ کہیں گے ـــــ تو یاد رکھئے ـــ جب تک ایک مرتبہ خم ٹھوک کر، کمر مضبوط کر کے اس بات کا تہیہ نہیں کر لو گے کہ دنیا کے لوگ جو کہیں، کہا کریں۔ ہمیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت محبوب ہے، ہمیں تو اس پر عمل کرنا ہے، جب تک یہ فیصلہ نہیں کرو گے، ـــ یاد رکھو۔ یہ دنیا تمہاری ہنسی مذاق اڑاتی رہے گی، مغربی قوموں کی نقالی کرتے کرتے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک اپنا سراپا ان کے سانچے میں ڈھال لیا، لباس پوشاک ان جیسا، رہن سہن ان جیسا، وضع قطع ان جیسی، طریقے ان جیسے، تہذیب ان کی اختیار کر لی۔ ہر چیز میں ان کی نقالی کر کے دیکھ لی ـــ اب یہ بتاؤ کہ کیا ان کی نظر میں تمہاری عزت ہو گئی؟ آج بھی وہ قوم تمہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تمہیں ذلیل سمجھتی ہے، روزانہ تمہاری پٹائی ہوتی ہے۔ تمہارے اوپر طمانچے لگتے ہیں، تمہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ تم نے ان کو خوش کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ ان کے طریقے اختیار کر لئے ہیں، چنانچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے مقلد اور ہمارے نقال ہیں۔ اب تم ان کے سامنے کتنے ہی بن سنور کر کے چلے جاؤ۔ لیکن تم دقیانوس اور فنڈا مینٹلسٹ ہی رہو گے، اور تمہارے اوپر یہی طعنہ لگے گا کہ یہ بنیاد پرست اور غیر مہذب ہیں، رجعت پسند ہیں۔

یہ طعنے انبیاء کی وراثت ہے

جب تک تم ایک مرتبہ کمر مضبوط کر کے یہ تہیہ نہیں کر لو گے کہ یہ لوگ طعنے دیتے ہیں تو دیا کریں، کیونکہ یہ طعنے تو حق کے راستے کے راہی کا زیور ہیں، جب انسان حق کے راستے پر چلتا ہے تو اس کو یہی طعنے ملا کرتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہیں۔ ہمارے پیغمبروں کو یہی طعنے ملے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ:

مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ

(سورۃ ھود: ۲۷)

یہ کفار پیغمبروں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تمہاری اتباع کر رہے ہیں، یہ بڑے ذلیل قسم کے لوگ ہیں۔ حقیر اور ناشائستہ اور غیر مہذب ہیں ــــ بہر حال، اگر تم مسلمان ہو، پیغمبروں کے امتی اور ان کے متبع ہو تو پھر جہاں اور چیزیں ان کی وراثت میں تمہیں حاصل ہوئی ہیں، یہ طعنے بھی ان کی وراثت ہیں۔ آگے بڑھ کر ان طعنوں کو گلے لگاؤ، اور اپنے لئے ان کو باعث فخر سمجھو کہ الحمد للہ، وہی طعنے جو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے، ہمیں بھی دیئے جارہے ہیں، یاد رکھو، جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت یہ ساری قومیں تمہارا مذاق اڑاتی رہیں گی ــــ اسد ملتانی مرحوم ایک شاعر گزرے ہیں، انہوں نے بڑا اچھا شعر کہا ہے کہ:

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

دیکھ لو، زمانہ ہنس رہا ہے، خدا کے لئے یہ پرواہ دل سے نکال دو کہ دنیا کیا کہے گی، بلکہ یہ دیکھو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ اس پر عمل کر کے دیکھو، انشاء اللہ، دنیا سے عزت کراؤ گے، بالآخر مال کار عزت تمہاری ہوگی، کیونکہ عزت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہے، کسی اور کی اتباع میں نہیں۔

اتباع سنت پر عظیم بشارت

اتباع سنت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس کے برابر کوئی بشارت ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ فرمایا کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران: ۳۱)

یعنی اے نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم ــ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے، تو میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو، اور جب میرے پیچھے چلو گے اور میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ارے تم کیا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے، تمہاری کیا حقیقت، تمہاری کیا مجال کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، بشرطیکہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنتوں کی اتباع کرنے لگو ـــــ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ جس عمل کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی غرض سے اختیار کیا جائے، تو پھر جس وقت انسان وہ عمل کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، دیکھو سنت یہ ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جائے، تو جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے، "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" اور داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں داخل کرے، تو جس وقت تم نے اس نیت سے بایاں پاؤں داخل کر رہے ہو کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اس لئے کہ اس وقت تم اللہ کے محبوب کی سنت کی اتباع کر رہے ہو ـــــ

اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں گے

اسی طرح جس وقت تم اس نیت سے یہ انگلی چاٹ رہے ہو کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کر رہے ہیں، ارے تم مخلوق کی طرف کیوں دیکھتے ہو کہ وہ محبت کر رہے ہیں یا نہیں؟ وہ اچھا سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اس مخلوق کا خالق اور مالک جب تم سے محبت کر رہا ہے، اور وہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام بڑا اچھا ہے۔ پھر تمہیں کیا پرواہ کہ دوسرے پسند کریں یا نہ کریں۔ اس لئے سنتوں کے ان طریقوں کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ ان کو اپنائیں ـــ اور ان طعنوں کی پرواہ نہ کریں ـــ اگر اس سنت پر پہلے سے عمل نہیں ہے تو اب عمل شروع کر دیں ـــــ لوگ کہتے ہیں کہ آجکل ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اس میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے ـــــ ارے بھائی، ہم نے اپنے ذہن سے مشکل بنا رکھا ہے، ورنہ بتایئے کہ اس انگلیاں چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے؟ کون تمہارا ہاتھ روک رہا ہے؟ تمہارے مال و دولت میں یا راحت و آرام میں اس سنت پر عمل کرنے سے کونسا خلل آرہا ہے؟ جب اس ایک سنت کو اختیار کر لیا تو اللہ کی محبوبیت تمہیں حاصل ہو گئی، اور اس سنت کی برکات حاصل ہو گئیں۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ایک سنت کے صلے میں تمہیں نواز دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے

اس حدیث میں ایک اختیار اور دے دیا، فرمایا کہ "او یلعقھا" یعنی اگر انگلیاں خود نہ چاٹے تو کسی اور کو چٹا دے، علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ آدمی انگلیاں چاٹنے پر قادر نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کسی اور کو چٹا دے، مثلاً بچے کو چٹا دے، یا بلی کو چٹا دے، کسی پرندے کو چٹا دے، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق ضائع نہ ہو۔ اب اگر اس کو جاکر دھو ڈالو گے تو وہ رزق ضائع ہو جائے گا۔ اور مخلوق کو چٹا دو۔ تاکہ اس کو بھی برکت حاصل ہو جائے۔

کھانے کے بعد برتن چاٹنا

"عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بلعق الاصابع والصحفة، وقال: انکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکة"

(صحیح مسلم۔ کتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع حدیث نمبر ۲۰۳۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور پیالہ چاٹنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اس حدیث میں ایک ادب اور بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ کھانے کے بعد انگلیاں بھی چاٹے، اور جس برتن میں کھا رہا ہے۔ اس برتن کو بھی چاٹ کر صاف کر لے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو ___ ویسے تو برتن میں اتنا ہی سالن نکالنا چاہئے۔ جتنا کھا سکنے کی توقع ہو، زیادہ نہ نکالے، تاکہ بعد میں بچے نہیں، لیکن اگر بالفرض کھانا پلیٹ میں زیادہ نکل آیا، اور کھانا بچ گیا، اور اب کھانے کی گنجائش باقی نہ رہی، ایسے موقع پر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پلیٹ میں جتنا سالن نکال لیا ہے، اس سب کو کھا کر ختم کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اس کو فرض و واجب سمجھنے لگتے ہیں چاہے بعد میں ہیضہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یاد رکھئے، شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ضرور پورا کھانا کھاؤ، بلکہ شریعت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اول تو زیادہ کھانا نکالو ہی نہیں۔ لیکن اگر زیادہ کھانا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو اس طرح چھوڑو کہ وہ چھوڑا ہوا

کھانا پیالے کے ایک طرف ہو، پورے پیالے میں پھیلا ہوا نہ ہو، پورا پیالہ گندا اور سنا ہوا نہ ہو، لہٰذا اس کا طریقہ یہ ہے اپنے سامنے سے کھا کر اس حصے کو صاف کر لو۔ تاکہ آپ کا بچا ہوا کھانا کسی اور کو دیا جائے تو اس کو گھن نہ آئے۔ اس کو پریشانی نہ ہو، اسلام کی صحیح تعلیم یہ ہے۔

ورنہ چمچے کو چاٹ لے

بعض اوقات آدمی ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا، بلکہ چمچوں سے کھانا کھاتا ہے۔ اس وقت انگلیوں کے چاٹنے کی سنت پر کس طرح عمل کرے؟ اس لئے کہ انگلیوں پر کھانا لگا ہی نہیں۔ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص چمچے سے کھا رہا ہے تو چمچے پر جو کھانا لگا ہوا ہے۔ اس کو اس نیت سے چاٹ لے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اب کھانا میری انگلیوں پر تو لگا نہیں ہے۔ مگر چمچوں پر لگا ہوا ہے۔ اس کو صاف کر لے، تو امید ہے کہ انشاء اللہ، اس سنت کی فضیلت اس میں بھی حاصل ہو جائے گی۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا چاہئے

"وعن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا وقعت لقمۃ احدکم فلیاخذھا فلیمط ما کان بھا من اذی ولیاکلھا، ولا یدعھا للشیطان، ولا یمسح یدہ بالمندیل حتی یلعق اصابعہ، فانہ لا یدری فی ای طعامہ البرکۃ"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب استحباب لعق الاصابع۔ حدیث نمبر ۲۰۳۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کھانے کے دوران کسی شخص کا لقمہ گر جائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس لقمے کو اٹھا لے۔ اگر اس لقمہ پر کوئی مٹی وغیرہ لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لے، اور پھر اس کو کھا لے، اور شیطان کے لئے اسکو نہ چھوڑے ____ اس حدیث میں یہ ادب بتا دیا کہ

بعض اوقات کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ یا کوئی چیز گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینی چاہئے، بعض اوقات انسان اس کو اٹھا کر کھاتے ہوئے شرماتا ہے، اور جھجکتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی عطا ہے، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو ـــــ البتہ اگر وہ لقمہ اس طرح گر گیا کہ بالکل ملوث یا ناپاک ہو گیا، اور گندہ ہو گیا، اور اب اس کو صاف کر کے کھانا ممکن نہیں ہے تو بات دوسری ہے۔ مجبوری ہے۔ لیکن اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھایا جاسکتا ہو، اس وقت تک نہ چھوڑ۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی قدر اور تعظیم واجب ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کے رزق کے چھوٹے حصوں کی قدر اور تعظیم نہیں کرو گے، اس وقت تک تمہیں رزق کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

اس میں بھی وہی بات ہے کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا آجکل کی تہذیب اور ایٹیکٹ کے خلاف ہے، اس لئے آدمی اس سے شرماتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کو اٹھاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے۔ لیکن اس پر ایک واقعہ سن لیجئے:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جانثار صحابی ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار، ان کا لقب "صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مشہور تھا، ـــــ جس وقت مسلمانوں نے ایران میں کسریٰ کی سلطنت پر حملہ کیا، جو کسریٰ اس وقت کی بڑی عظیم طاقت اور سپر پاور تھا، اور ایران کی تہذیب ساری دنیا کے اندر مشہور تھی، اور اس کا غلغلہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت دو ہی تہذیبیں تھیں۔ ایک رومی اور ایک ایرانی، لیکن ایرانی تہذیب اپنی نزاکت، اپنی صفائی ستھرائی میں زیادہ مشہور تھی ـــــ بہرحال، جب حملہ کیا تو کسریٰ نے مسلمانوں کو مذاکرات کی دعوت دی کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ مذاکرات کریں۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوتے تھے، چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جارہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے، تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں، تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہٰذا ہم واپس جارہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں، اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے، جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس دربان نے تلوار دیکھ کر کہا: ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تلوار اس کو دے دی، اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ: کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے، تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربعی بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے

سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو حضرت ربعی بن عامر نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے۔ چنانچہ دربان نے اندر اطلاع بھیج دی کہ یہ ایسی مخلوق ہے کہ اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار سے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر ان کو اندر بلا لیا گیا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

جب اندر پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا......
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کونسے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھالو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لو، اور پھر کھالو...... چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔ جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ۔

ااترك سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لهولاء الحمقى؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ وہ لقمہ اٹھا کر صاف کر کے کھالیا۔

یہ ہیں فاتح ایران

کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے...... حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیروکار ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو...... کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آگئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا ان کو دے دیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ ٹوکرا سر پر رکھ لیا، جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ: اے کسریٰ! یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے

ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ "ایران کی مٹی ہمیں دے دی" یہ تو بڑی بدفالی ہو گئی، اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے، چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتایئے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کر رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیا کہ

اذا هلك كسرى فلا كسرى بعده

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ بہر حال، یہ جو سنت کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھا لو، اس کو شرما کر مت چھوڑنا چاہئے، بلکہ اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

مذاق اڑانے کے ڈر سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی سنت ایسی ہے۔ جس کا ترک بھی جائز ہے، اور اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس سنت پر عمل کیا گیا تو کچھ مسلمان جو بے فکر اور آزاد خیال ہیں۔ وہ اس سنت کا مذاق اڑا کر کفر وارتداد میں مبتلا ہو نگے، تو ایسے موقع اس سنت پر عمل چھوڑ دے تو یہ جائز ہے، مثلاً زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے قریب تر ہے۔ لیکن اگر آپ کسی وقت ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں کھانے کے لئے چلے گئے۔ وہاں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اب آپ نے وہاں جا کر یہ سوچا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہیں پر آپ زمین پر رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ تو اس صورت میں اگر اس سنت کی توہین اور تضحیک کا اندیشہ ہو، اور اس سے لوگوں کے کفر اور ارتداد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس وقت آدمی اس سنت کو چھوڑ دے، اور کرسی پر بیٹھ کر کھا لے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب اس سنت کو چھوڑنا جائز ہو، لیکن جہاں اس سنت کو چھوڑنا جائز اور مباح نہ ہو، وہاں کسی کے مذاق اڑانے کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا جائز نہیں ـــــ دوسرے یہ کہ مسلمان کی بات اور ہے۔ کافر کی بات اور ہے، اس لئے کہ مسلمان کے اندر تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ سنت کا مذاق اڑانے کے نتیجے میں کافر ہو جائے گا، لیکن اگر کافروں کا مجمع ہے۔ تو وہ پہلے سے ہی کافر ہیں، ان کے مذاق اڑانے سے کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ لہذا وہاں پر سنت پر عمل کو چھوڑنا درست نہیں ہو گا۔

کھانے کے وقت اگر کوئی مہمان آجائے تو؟

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یقول، طعام الواحد یکفی الاثنین، وطعام الاثنین یکفی الاربعة، وطعام الاربعة یکفی الثمانیة"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب فضیلة المواساة فی الطعام۔ حدیث نمبر ۲۰۵۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور دو آدمی کا کھانا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے ____

اس حدیث میں آپ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اگر تم کھانا کھانے بیٹھے، اور اس وقت کوئی مہمان یا ضرورت مند آ گیا، تو اس مہمان کو یا اس ضرورت مند کو صرف اس وجہ سے واپس مت لوٹاؤ کہ کھانا تو ہم نے ایک ہی آدمی کا بنایا تھا، اگر اس مہمان کو یا ضرورت مند کو کھانے میں شریک کر لیا تو کھانے میں کمی واقع ہو جائے گی، بلکہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ضرورت مند کو واپس مت لوٹاؤ، بلکہ اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کھانے میں برکت عطا فرمائیں گے ___ اور جب ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے تو دو کا کھانا چار کے لئے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ

ہمارے یہاں یہ عجیب رواج پڑ گیا ہے کہ مہمان اسی کو سمجھا جاتا ہے جو ہمارے ہم پلہ ہو، یا جس سے شناسائی ہو، دوستی ہو، یا عزیز یا قریبی رشتہ دار ہو، اور وہ بھی اپنے ہم پلہ اور اپنے اسٹیٹس کا ہو، وہ تو حقیقت میں مہمان ہے، اور جو بیچارہ غریب اور مسکین آ جائے تو کوئی شخص اس کو مہمان نہیں مانتا، بلکہ اس کو بھکاری سمجھا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ مانگنے والا آ گیا، حالانکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ اس کا اکرام کرنا بھی ہر مسلمان کا حق ہے، لہٰذا اگر کھانے کے وقت ایسا مہمان آ جائے تو اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کو واپس مت کرو ____ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اگر کھانے کے وقت سائل آ جائے تو اس کو واپس لوٹانا اچھی بات نہیں، اس کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہئے ____ اور اس سے تو ہر حال میں پرہیز کرنا

چاہئے کہ اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

(سورۃ الضحیٰ)

سائل کو جھڑکو نہیں، اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھڑکنے کی نوبت نہ آئے، اس لئے بعض اوقات آدمی اس کے اندر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے خراب حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دولت مند تھے، ایک مرتبہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، کھانا بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ اس لئے بہت شوق و ذوق سے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، اتنے میں ایک سائل دروازے پر آگیا، اب کھانے کے دوران سائل کا آنا ان کو ناگوار ہوا، چنانچہ انہوں نے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر ذلیل کر کے باہر نکال دیا ـــــ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ـــــ بعض اوقات انسان کا ایک عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے ـــ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد میاں بیوی میں ان بن شروع ہو گئی، لڑائی جھگڑے رہنے لگے، یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آگئی، اور اس نے طلاق دے دی۔ بیوی نے اپنے میکے میں آکر عدت گزاری، اور عدت کے بعد کسی اور شخص سے اس کا نکاح ہو گیا، وہ بھی ایک دولت مند آدمی تھا ـــ پھر وہ ایک دن وہ اپنے اس دوسرے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا، چنانچہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آچکا ہے۔ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں پہلے اس سائل کو کچھ دے دوں۔ شوہر نے کہا کہ دے آؤ۔ جب وہ دینے گئی تو اس نے دیکھا کہ وہ سائل جو دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اس کا پہلا شوہر تھا۔ چنانچہ وہ حیران رہ گئی، اور واپس آکر اپنے شوہر کو بتایا کہ آج میں نے عجیب منظر دیکھا کہ یہ سائل وہ میرا پہلا شوہر ہے، جو بہت دولت مند تھا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ اس طرح بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا، اور اس نے اس کو

جھڑک کر بھگا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب اس کا یہ حال ہو گیا، اس شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں کہ وہ سائل جو تمہارے شوہر کے پاس آیا تھا۔ وہ درحقیقت میں ہی تھا ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس کی دولت اس دوسرے شوہر کو عطا فرما دی، اور اس کا فقر اس کو دے دیا، اللہ تعالیٰ برے وقت سے محفوظ رکھے، آمین۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ

بہرحال، کسی بھی سائل کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے حتی الامکان پرہیز کرو، البتہ بعض اوقات ایسا موقع آ جاتا ہے کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بلکہ کچھ دے کر رخصت کر دو۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو ایسی پتھر کی لکیر مت بناؤ کہ جتنا کھانے کا معمول ہے۔ روزانہ اتنا ہی کھانا ضروری ہے، بلکہ اگر کبھی کسی وقت کچھ کمی کا موقع آ جائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے، اور دو کا کھانا چار کے لئے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ـــ آمین ـــ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد

بہرحال، کھانے کی تقریباً اکثر سنتوں کا بیان ہو چکا، اگر ان سنتوں پر عمل نہیں ہے، تو آج ہی سے اللہ کے نام پر ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیں۔ یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نورانیت، روحانیت، اور دوسرے عجیب و غریب فوائد اتباع سنت میں رکھے ہیں، وہ انشاء اللہ ان چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرنے سے بھی حاصل ہو جائیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بار بار سننے کا ہے، فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے مجھے علوم ظاہرہ سے سرفراز فرمایا، حدیث پڑھی، تفسیر پڑھی، فقہ پڑھی، گویا تمام علوم ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال بخشا، اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ صوفیاء کرام کیا کہتے ہیں؟ ان کے پاس کیا

علوم ہیں؟ چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے علوم حاصل کئے، صوفیاء کرام کے جو چار سلسلے ہیں۔ سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، ان سب کے بارے میں دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ کونسا سلسلہ کیا طریقہ تعلیم کرتا ہے؟ سب کی سیر کی، اور چاروں سلسلوں میں جتنے اعمال، جتنے اشغال، جتنے اذکار، جتنے مراقبات، جتنے چلے ہیں۔ وہ سب انجام دیئے، سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام بخشا کہ اصل کو پہنچا، پھر اصل سے ظل کو پہنچا، حتیٰ کہ میں ایسے مقام پر پہنچا کہ اگر اس کو زبان سے ظاہر کروں تو علماء ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں، اور علماء باطن مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیں۔ لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعۃً اپنے فضل سے یہ سب مقامات عطا فرمائے، اب یہ سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد میں ایک دعا کرتا ہوں، اور جو شخص اس دعا پر آمین کہہ دے گا، انشاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی: وہ دعا یہ کہ:

> اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما، آمین، اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر زندہ رکھ، آمین، اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر موت عطا فرما، آمین۔

سنتوں پر عمل کریں

بہرحال، تمام مقامات کی سیر کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ یہی ہے کہ جو کچھ ملے گا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ملے گا۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو سارے مقامات کی سیر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، تم پہلے دن پہنچ جاؤ، پہلے ہی دن اس بات کا ارادہ کر لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سنتیں ہیں۔ ان پر عمل کروں گا، پھر اس کی برکت اور نورانیت دیکھو گے، پھر زندگی کا لطف دیکھو، یاد رکھو، زندگی کا لطف فسق و فجور میں نہیں ہے، گناہوں میں نہیں ہے، اس زندگی کا لطف ان لوگوں سے پوچھو، جنہوں نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی سنتوں میں ڈھال لیا ہے ____ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا جو لطف اور اس کا جو کیف اور لذت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ان دنیا کے بادشاہوں کو پتہ لگ جائے تو تلواریں سونت کر ہمارے مقابلے کے لئے آجائیں۔ تاکہ ان کو یہ لذت حاصل ہو جائے۔ ایسی لذت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں ____ لیکن کوئی اس پر عمل کر کے دیکھے۔ اس راہ پر چل کر دیکھے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

پینے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینے کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهدہ اللہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا هادی له، واشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک له واشهد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا اما بعد:

عن انس رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یتنفس فی الشراب ثلاثًا، یعنی یتنفس خارج الاناء۔

(مسلم، کتاب الاشربة، باب کراهة التنفس فی نفس الاناء)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لا تشربوا واحدًا کشرب البعیر، ولکن اشربوا مثنیٰ وثلاث، وسموا اذا انتم شربتم، وحمدوا اذا انتم رفعتم۔ (ترمذی، کتاب الاشربة، باب ما جاء فی التنفس فی الاناء)

پانی پینے کا پہلا ادب

اب تک جن احادیث کا بیان ہوا، ان میں کھانے کے آداب بیان کئے گئے تھے۔ آج جو احادیث آرہی ہیں۔ ان میں زیادہ تر پینے کے آداب کا بیان ہے۔ اس میں پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم پینے کی چیز کو، خواہ وہ پانی ہو۔ یا شربت ہو۔ اس کو تین سانس میں پیا کرتے تھے، پھر سانس لینے کی وضاحت آگے کر دی کہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرتے تھے،

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پینے کی کسی بھی چیز کو اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ نہ پیا کرو۔ یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی مرتبہ آدمی غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دے، یہ صحیح نہیں۔ اور اس عمل کو آپ نے اونٹ کے پینے سے تشبیہ دی، اس لئے کہ اونٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا ہے۔ تم اس کی طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو یا دو سانس میں پیو، یا تین سانس میں پیو، اور جب پانی پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، یہ نہیں کہ محض غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کا ایک چھوٹا رسالہ ہے، جس کا نام ہے "بسم اللہ کے فضائل و مسائل" اس چھوٹے سے رسالے میں حقائق و معارف کا دریا بند ہے۔ اگر اس کو پڑھے تو انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ یہ پانی جس کو تم نے ایک لمحے کے اندر حلق سے نیچے اتار لیا، اس کے بارے میں ذرا یہ سوچو کہ یہ پانی کہاں تھا؟ اور تم تک کیسے پہنچا؟

پانی کا خدائی نظام کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ نے پانی کا سارا ذخیرہ سمندر میں جمع کر رکھا ہے، اور اس سمندر کے پانی کو کھارا بنایا، اس کے لئے کہ اگر اس پانی کو میٹھا بناتے تو کچھ عرصے کے بعد یہ پانی سڑ کر خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے اندر ایسے نمکیات رکھے کہ روزانہ لاکھوں جانور اس میں مر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کوئی خرابی اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ نہ اس کے اندر کوئی سڑان پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر تم سے یہ کہا جاتا کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کر لو۔ اور اس کو پی لو۔ تو

انسان کے لئے کتنا دشوار ہو جاتا، اس لئے کہ اول تو ہر شخص کا سمندر تک پہنچنا مشکل ہے، اور دوسری طرف وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے بادل اٹھائے، اور پھر عجیب قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس بادل کے اندر ایسی آٹومیٹک مشین لگی ہوئی ہے کہ جب وہ بادل سمندر سے اٹھتا ہے تو اس پانی کی ساری نمکیات نیچے رہ جاتی ہیں، اور صرف میٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا سال میں ایک مرتبہ بادلوں کے ذریعہ سارا پانی برسا دیتے، اور یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کر لو۔ اور ذخیرہ کر لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برسا دیں گے، تو اس صورت وہ برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جن کے اندر تم اتنا پانی جمع کر لیتے جو تمہارے سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ

(سورۃ المومنون: ۱۸)

یعنی ہم نے پہلے آسمان سے پانی برسایا، اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھا دیا۔ اور جمع کر دیا۔ اس کو اس طرح بٹھا دیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا، اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جما دیا، اور تمہارے لئے وہاں ایک قدرتی فریزر بنا دیا۔ اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لئے پانی محفوظ ہے۔ اور ضرورت کے وقت وہ پانی پگھل پگھل کر دریاؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے، اور پھر دریاؤں سے نہریں اور ندیاں نکالیں ــــ اور دوسری طرف زمین کی رگوں کے ذریعہ کنوؤں تک پانی پہنچا دیا ــــ لہٰذا اب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ذخیرہ بھی موجود ہے، اور سپلائی لائن بھی موجود ہے، اور اس سپلائی لائن کے ذریعہ ایک ایک آدمی تک پانی پہنچ رہا ہے ــــ اب اگر ساری دنیا کے سائنس دان اور انجینئر مل کر بھی اس طرح پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا چاہتے تو انتظام نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا جب پانی پیو تو ذرا غور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذریعہ یہ پانی کا گلاس تم تک پہنچایا۔ اور اسی بات کی طرف یاد دھانی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ جب پانی پیو تو بسم اللہ کر کے پانی پیو۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

بادشاہ ہارون رشید ایک مرتبہ شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہے تھے۔ گھومتے گھومتے راستہ بھٹک گئے، اور زادِ راہ ختم ہو گیا اور پیاس سے بیتاب ہو گئے، چلتے چلتے ایک جھونپڑی نظر آئی وہاں پہنچے، وہاں جا کر جھونپڑی والے سے کہا کہ ذرا پانی پلا دو، وہ کہیں سے پانی لایا، اور ہارون رشید نے پینا چاہا تو اس شخص نے کہا: امیر المومنین، ذرا ایک لمحے کے ٹھہر جائیے۔ پہلے یہ بتائیں کہ یہ پانی جو اس وقت میں آپکو دے رہا ہوں، بالفرض یہ پانی نہ ملتا، اور پیاس اتنی ہی شدید ہوتی جتنی اس وقت ہے۔ تو بتایئے اس ایک گلاس پانی کی کیا قیمت لگاتے، اور اس کے حاصل کرنے پر کتنی رقم خرچ کر دیتے؟ ہارون رشید نے کہا کہ یہ پیاس تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو پانی نہ ملے تو اس کی وجہ سے بیتاب ہو جاتا ہے، اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اس لئے میں ایک گلاس پانی حاصل کرنے کی خاطر اپنی آدھی سلطنت دے دیتا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اب آپ اس پانی کو پی لیں، ہارون رشید نے پانی پی لیا، اس کے بعد اس شخص نے ہارون رشید سے کہا: امیر المومنین! ایک سوال کا اور جواب دے دیں، انہوں نے پوچھا کیا سوال ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ابھی آپ نے جو ایک گلاس پانی پیا ہے۔ اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر رہ جائے۔ اور خارج نہ ہو۔ پیشاب نہ آئے۔ تو پھر اس کو خارج کرنے کے لئے کیا کچھ خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ یہ تو پہلی مصیبت سے بھی زیادہ بڑی مصیبت ہے کہ پانی اندر جا کر خارج نہ ہو۔ اور پیشاب بند ہو جائے، اس کو خارج کرنے کے لئے بھی میں آدھی سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی کا اندر لے جانا اور اس کو باہر لانا ہے۔ اور یہ پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کی نعمت صبح سے شام تک کئی مرتبہ آپ کو حاصل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے۔

اس لئے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پانی پیو، اس سے اسی طرف سے متوجہ کیا جا رہا ہے کہ یہ پانی کا گلاس جو تم پی رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اور اس توجہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس پانی پینے کو تمہارے لئے عبادت بنا دیں گے۔

ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ سے فرمایا کہ: میاں اشرف علی! جب بھی پانی پیو، تو ٹھنڈا پیو، تاکہ روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے ــــ اس لئے کہ جب مومن آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو اس کے روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے گا، شاید یہی وجہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد میں آپ کی چند پسندیدہ چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک چیز ٹھنڈا پانی ہے۔

چنانچہ روایات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ آپ کے لئے کسی خاص کھانے کا اہتمام کیا جا رہا ہو۔ لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا، جس کا نام تھا "بیر غرس" اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا تھا۔ اس کنویں کا پانی خاص طور پر آپ کے لئے لایا جاتا تھا اور آپ نے وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی "بیر غرس" کے پانی سے غسل دیا گیا ــــ اس کنویں کے آثار اب بھی باقی ہیں، مگر پانی خشک ہو چکا ہے، الحمد للہ میں نے اس کنویں کی زیارت کی ہے ــــ آپ ٹھنڈے پانی کا اہتمام اس لئے فرماتے تھے کہ جب آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا۔

تین سانس میں پانی پینا

ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پانی پینے کا ادب بتا دیا، جس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے۔ اس معنی میں جتنی احادیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا کہ تین سانس میں پانی وغیرہ پینا افضل ہے، اور سنت کے زیادہ قریب ہے۔ لیکن دو سانس میں پانی پینا بھی جائز ہے، چار سانس میں پینا بھی جائز ہے، البتہ ایک سانس میں سارا پانی پی جانا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک سانس میں پینا طبی طور پر بھی

نقصان دہ ہے، واللہ اعلم۔ بہر حال، طبی طور پر نقصان دہ ہو یا نہ ہو، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ــ اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے ایک سانس میں پانی پینے کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ حرمت والی ممانعت نہیں ہے، یعنی ایک سانس میں پانی پینا حرام نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایک سانس میں پانی پی لے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شانیں

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت امت کے لئے مختلف شانیں رکھتی ہے، ایک حیثیت آپ کی رسول کی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچانے والے ہیں اب اگر اس حیثیت سے آپ کسی کام سے ممانعت فرما دیں گے تو وہ کام حرام ہو جائے گا، اور اس کام کو کرنا گناہ ہوگا، اور ایک حیثیت آپ کی ایک شفیق رہنما کی ہے، لہٰذا اگر شفقت کی وجہ سے امت کو کسی کام سے منع فرماتے ہیں کہ یہ کام مت کرو، تو اس ممانعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں تمہارے لئے نقصان ہے، یہ اچھا اور پسندیدہ کام نہیں ہے، لیکن وہ کام حرام نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کا کام کیا، یا حرام کام کیا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف کام کیا، اور آپ کے پسندیدہ طریقے کے خلاف کیا، اور وہ شخص جس کے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، وہ صرف حرام کاموں ہی کو نہیں چھوڑتا، بلکہ جو کام محبوب حقیقی کو ناپسند ہو، اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

پانی پیو، ثواب کماؤ

لہٰذا فقہی طور پر تو میں نے بتا دیا کہ ایک سانس میں پانی پینا حرام اور گناہ نہیں ہے۔ لیکن ایک محب صادق، جس کے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، وہ تو ایسے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو آپ کو پسند نہیں ہیں ــ لہٰذا جس

کام کے بارے میں آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہے، ایک مسلمان کو حتی الامکان اس کے قریب نہیں جانا چاہئے، اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کر لینا کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اچھی بات نہیں ___ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایک سانس میں پینا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا کیوں خواہ مخواہ ایک سانس میں پی کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا جائے، پانی تو پینا ہی ہے۔ اس پانی کو اگر تین سانس میں اس نقطہ نظر سے پی لو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ ہے تو یہ پانی پینا تمہارے لئے عبادت بن گیا، اور سنت کے انوار و برکات تمہیں حاصل ہو گئے، اور چونکہ ہر سنت پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس لئے اس وقت آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہو گئی۔ اللہ کے محبوب بن گئے، ذرا سی توجہ سے اس پر اتنا بڑا اجر و ثواب حاصل ہو گیا۔ اب کیوں بے پرواہی میں اس کو چھوڑ دیا جائے؟ لہٰذا اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

مسلمان ہونے کی علامت

دیکھئے، ہر ملت و مذہب کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ ملت پہچانی جاتی ہے۔ یہ تین سانس میں پانی پینا بھی مسلمان کے شعار اور علامات میں سے ہے، چنانچہ بچپن سے بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ بیٹا! تین سانس میں پانی پیو، آجکل تو اس کا رواج ہی ختم ہو گیا کہ اگر بچہ کوئی عمل اسلامی آداب کے خلاف کر رہا ہے تو اس کو ٹوکا جائے کہ بیٹا! اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو ___ بعض عشاق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر پانی ایک ہی گھونٹ ہوتا ہے تو سنت کی اتباع کے لئے اس ایک گھونٹ کو بھی تین سانس میں پیتے ہیں، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اجر حاصل ہو جائے ___

منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو

عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء۔ (ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ التنفس فی الاناء)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے

اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔ یعنی ایک آدمی پانی پیتے ہوئے برتن کے اندر ہی سانس لے، اور سانس لیتے وقت برتن نہ ہٹائے، اس سے آپ نے منع فرمایا، ایک اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے پانی پیتے وقت بار بار سانس لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، میں کس طرح سانس لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ جس وقت سانس لینے کی ضرورت ہو، اس وقت جس گلاس یا پیالے کے ذریعہ تم پانی پی رہے ہو۔ اس کو اپنے منہ سے الگ کر کے سانس لے لو، اور پھر پانی پی لو، لیکن پانی پینے کے دوران برتن اور گلاس کے اندر سانس لینا، اور پھنکارے مارنا ادب کے خلاف ہے ـــ اور سنت کے خلاف ہے۔

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ۔ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے، اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لئے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی، اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا۔ اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لئے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا ـــــــ اس لئے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں۔ ان سب کا دھیان اور خیال رکھے۔ اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر ہر نیت کے ساتھ۔ انشاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو

"عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلبن قد شیب بماء، وعن یمینہ اعرابی، وعن یسارہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فشرب، ثم اعطی الاعرابی، وقال: الایمن فالایمن"

فالایمن" (ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ما جاء ان الایمن احق بالشراب)

اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور عظیم ادب بیان فرمایا ہے، اور یہ ادب بھی امت مسلمہ کی علامات میں سے ہے، اور اس ادب سے بھی ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جارہی ہے۔ وہ ادب اس حدیث میں ایک واقعہ کے اندر بیان فرمادیا۔ وہ یہ کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ لے کر آئے، اور اس دودھ میں پانی ملا ہوا تھا ـــــ یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ بڑھانے کی غرض سے نہیں تھا۔ بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے، اس لئے وہ صاحب دودھ میں پانی ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، جو دودھ باقی بچا، آپ نے چاہا کہ حاضرین کو پلا دیں، اس وقت آپ کے داہنی جانب ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا بیٹھا تھا۔ جس کو بدو بھی کہتے ہیں، اور آپ کے بائیں جانب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اعرابی کو پہلے عطا فرمادیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا، اور آپ نے ساتھ میں فرمایا "الایمن فالایمن" یعنی جو آدمی داہنی طرف بیٹھا ہو، پہلے اس کا حق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا، جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صدیق" وہ انسان ہوتا ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں، تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں، یہ تو

نبی ہیں، اور آئینے میں ان کا جو عکس نظر آ رہا ہے، وہ "صدیق" ہیں، گویا کہ "صدیق" وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لئے ہوئے ہو۔ اور جو صحیح معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو ـــــ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ انسان ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں، اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری تھی، وہ مجھے دے دیں، تو بھی سودا سستا رہے گا ـــــ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ لیکن اس بلند مقام کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا، ان کو نہیں دیا، اور فرمایا: فرما رہے ہیں "الایمن فالایمن" یعنی تقسیم کے وقت داہنی جانب والا مقدم ہے، بائیں جانب والا موخر ہے۔

داہنی جانب باعث برکت ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں، اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو۔ مثلاً پانی پلانا ہو۔ یا کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو۔ یا چھوارے تقسیم کرنے ہو، اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دے، اور پھر بائیں جانب تقسیم کرے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے، دائیں جانب کو عربی زبان میں "یمین" کہتے ہیں۔ اور "یمین" کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لئے دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پانی پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو، چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے، پھر بائیں جانب کرتے، دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے۔ لہذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی اور سنت بھی ہے۔

داہنی جانب کا اہتمام

ایک اور حدیث میں یہی مضمون آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ نے اس میں سے کچھ پی لی، کچھ بچ گئی، اس وقت مجلس میں دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا بیٹھا تھا، اور بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، جو عمر میں بھی بڑے تھے، علم اور تجربہ میں بھی زیادہ تھے، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ ادب اور اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ پینے کی چیز اس چھوٹے لڑکے کو دے دی جائے، لیکن بائیں جانب بڑے بڑے مشائخ بیٹھے ہیں۔ ان کے درجے اور مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو ترجیح دی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اب حق تو تمہارا بنتا ہے کہ تمہیں دیا جائے۔ اس لئے کہ تم دائیں جانب ہو۔ لیکن بائیں جانب تمہارے بڑے بیٹھے ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں ان کو دے دوں؟ وہ لڑکا بھی بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں ضرور ان بڑوں کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتا، لیکن یہ آپ کا بچا ہوا ہے۔ اور آپ کے بچا ہوا پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، لہٰذا اگر میرا حق بنتا ہے تو آپ مجھے ہی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ لو، تم ہی پی لو۔ یہ نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

(مسلم۔ کتاب الاشربۃ، باب استحباب ادارۃ الماء واللبن)

دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کا اتنا اہتمام فرمایا، حالانکہ بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اور خود آپ کی بھی یہ خواہش کہ یہ چیز ان بڑوں کو مل جائے۔ لیکن آپ نے اس قاعدے اور اس اصول کے خلاف نہیں کیا کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے ـــــ اب دن رات ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً گھر میں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان کوئی چیز تقسیم کرنی ہے، یا مثلاً دسترخوان پر برتن لگاتے ہیں۔ یا کھانا تقسیم کرنا ہے۔ اس میں اگر ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ دائیں جانب سے شروع کریں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کرلیں۔ پھر دیکھیں اس میں کتنی برکت اور کتنا نور معلوم ہوگا۔

بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اختناث الاسقیۃ، یعنی ان تکسر افواھھا ویشرب منھا:

(مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ادب بیان فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مشکیزوں کا منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پیا جائے ـــــ اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا، جیسے آجکل بڑے بڑے گیلن اور کین ہوتے ہیں، ان سے منہ سے لگا کر پانی پینے سے آپ نے منع فرمایا۔

ممانعت کی دو وجہ

علماء نے فرمایا کہ اس ممانعت کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس مشکیزے یا گیلن کے اندر بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی نقصان دہ چیز پڑی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو گیا ہو۔ یا نقصان دہ ہو گیا ہو۔ جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ اندر گر کر پانی میں مرجاتا ہے، اب نظر تو نہیں آرہا ہے کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پانی پینے کے نتیجے میں کوئی خطرناک چیز حلق میں نہ چلی جائے۔ یا پانی ناپاک اور نجس نہ ہو گیا ہو۔ اس لئے آپ نے اس طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔

اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی کہ جب آدمی اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پیئے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم سے بہت سا پانی منہ میں آجائے، اور اس کے نتیجے میں اچھو لگ جائے، پھندا لگ جائے، یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔

حضور کی اپنی امت پر شفقت

لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں سے منع فرماتے ہیں، ان میں سے بعض باتیں تو وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ ہوتی ہیں، اور بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ تو نہیں ہوتی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر شفقت کرتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے ہیں۔ اور جس کام کو آپ شفقت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ جبکہ وہ کام حرام اور گناہ نہیں ہوتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھار زندگی میں آپ اس کام کو کر کے بھی دکھا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ لیکن ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر بھی پانی پیا ــــ علماء نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ جو بڑے ہوں، اور ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو۔ جیسے بڑا کنستر ہے۔ یا مٹکا ہے۔ ان سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہئے، البتہ ضرورت داعی ہو جائے تو الگ ہے، چنانچہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا

"وعن ام ثابت کبشة بنت ثابت اخت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وعنہا قالت دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من فی قربة معلقة قائما، فقمت الی فیہا، فقطعتہ"

(ترمذی، کتاب الاشربة، باب ماجاء فی من اختناث الاسقیة)

حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا، جو حضرت حسان بنت ثابت رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ نے کھڑے ہو کر اس مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا ــــ اس عمل کے ذریعہ آپ نے بتا دیا کہ اس طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔ صرف تم پر شفقت کرتے ہوئے ایک مشورے کے

طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ چلے گئے تو میں کھڑی ہوئی، اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔

حضور کے ہونٹ جس کو چھولیں

صحابہ کرام میں ایک ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار، عاشق زار، فدا کار تھا۔ ایسے فدکار اور جانثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسے کہ آپ نے اوپر دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے اس مشکیزہ کا حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ چمڑا ہے جس کو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ چھوئے ہیں، اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں چھونے چاہئیں، اور اب یہ چمڑا اس لئے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے، یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔

یہ بال متبرک ہو گئے

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا موذن مقرر فرمایا تھا۔ جس وقت یہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا، جس طرح چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا، ساری عمر اس جگہ کے بال نہیں کٹوائے، اور فرماتے تھے کہ یہ وہ بال ہیں جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک چھوئے ہیں

تبرکات کی حیثیت

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھنا، یا آپ کے صحابہ کرام، تابعین، بزرگان دین، اور اولیاء کرام کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ـــــ آجکل اس بارے میں لوگوں کے درمیان افراط و تفریط پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان تبرکات سے بہت چڑتے ہیں، اگر ذرا سی تبرک کے طور پر کوئی چیز رکھ لی، تو ان کے نزدیک وہ شرک ہو گیا ــ اور بعض لوگ وہ ہیں جو تبرکات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ نہ تو انسان یہ کرے کہ تبرک کو شرک کا ذریعہ بنالے۔ اور نہ ہی تبرک کا ایسا انکار کرے کہ بے ادبی تک پہنچ جائے، جس چیز کو اللہ والوں کے ساتھ نسبت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکتیں نازل فرماتے ہیں، ایک واقعہ تو آپ نے ابھی سن لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کی جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا، ان صحابیہ نے اس کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

متبرک دراہم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے درہم عطا فرمائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان دراہم کو ساری عمر خرچ نہ کیا، اور فرماتے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ ہیں۔ وہ اٹھا کر رکھ دیے، حتیٰ کہ اولاد کو وصیت کر گئے کہ یہ دراہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں، ان کو خرچ مت کرنا، بلکہ تبرک کے طور پر ان کو گھر میں رکھنا۔ چنانچہ ایک عرصہ دراز تک وہ دراہم ان کے خاندان میں چلتے رہے، ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ کسی ہنگامے کے موقع پر وہ ضائع ہو گئے۔

حضور کا مبارک پسینہ

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سو رہے ہیں، گرمی کا موسم تھا، اور عرب میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک شیشی لا کر آپ کا مبارک پسینہ اس میں محفوظ کر لیا۔ فرماتی ہیں کہ وہ پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ مشک و زعفران اس کے آگے ہیچ تھے، اور پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا، اور جب گھر میں خوشبو استعمال کرتی تو اس میں سے تھوڑا پسینہ شامل کر لیتی ــــ اور ایک عرصہ دراز تک میں نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

حضور کے مبارک بال

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو کہیں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مل گئے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان بالوں کو ایک شیشی کے اندر ڈال کر اس میں پانی بھر دیا، اور پھر جب قبیلے میں کوئی بیمار ہوتا، تو اس پانی کا ایک قطرہ دوسرے پانی میں ملا کر اس بیمار کو پلا دیتے، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے۔

بہر حال، صحابہ کرام نے اس طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کا احترام کیا۔

صحابہ کرام اور تبرکات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں جس جس جگہ پر ایسی منزل آتی، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گزرتے ہوئے کبھی قیام فرمایا تھا۔ تو وہاں میں اترتا، اور دو رکعت نفل ادا کر لیتا، اور پھر آگے روانہ ہوتا

بہر حال، اس طرح صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرمایا ــــ لیکن حضرات صحابہ کرام تبرکات کی حقیقت سے بھی واقف تھے، ان تبرکات میں غلو، مبالغہ، یا افراط یا تفریط کا ان سے کوئی

امکان نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہی تبرکات کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھتے، انہی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ بیٹھتے، یا ان تبرکات کو شرک کا ذریعہ بنا لیتے یا ان تبرکات کی پرستش شروع کر دیتے۔

بت پرستی کی ابتدا

عرب میں بت پرستی کا رواج بھی در حقیقت ان تبرکات میں غلو کے نتیجے میں شروع ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس قیام کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پر پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور پھر بنی جرہم کے لوگ وہاں آکر آباد ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بستی آباد ہو گئی، بعد میں بنی جرہم کی ایک دوسرے قبیلے والوں سے لڑائی ہو گئی۔ لڑائی کے نتیجے میں دوسرے قبیلے والوں نے بنی جرہم کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا۔ چنانچہ بنی جرہم کے لوگ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو یادگار کے طور پر کسی نے مکہ مکرمہ کی مٹی اٹھالی۔ کسی نے پتھر اٹھا لئے۔ کسی نے بیت اللہ کے آس پاس کی کوئی اور چیز اٹھالی، تاکہ یہ چیزیں ہم اپنے پاس تبرک اور یادگار کے طور پر رکھیں گے، اور ان کو دیکھ کر ہم بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کو یاد کریں گے، جب دوسرے علاقے میں جا کر قیام کیا تو وہاں پر بڑے اہتمام سے ان تبرکات کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب پرانے لوگ رخصت ہو گئے، اور کوئی صحیح راستہ بتانے والا باقی نہ رہا تو بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ اس مٹی اور پتھروں سے کچھ صورتیں بنا لیں۔ اور وہ صورتیں بتوں کی شکل میں تیار ہو گئیں، اور پھر انہی کی پرستش شروع کر دی، اہل عرب کے اندر یہیں سے بت پرستی کا آغاز ہوا۔

تبرکات میں اعتدال ضروری ہے

بہرحال، اللہ تعالیٰ بچائے، آمین۔ اگر ان تبرکات کا احترام حد کے اندر نہ ہو تو پھر شرک اور بت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے تبرکات کے معاملے میں بڑے اعتدال کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ نہ تو ان کی بے ادبی ہو، اور نہ ہی ایسی تعظیم ہو،

جس کے نتیجے میں انسان شرک میں مبتلا ہو جائے۔ یا شرک کی سرحدوں کو چھونے لگے، تبرکات کی حقیقت یہ ہے کہ برکت کے لئے اس کو اپنے پاس رکھ لے، اس لئے کہ جب ایک چیز کو کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہوگی تو اس نسبت کی بھی قدر کرنی چاہئے۔ اس نسبت کی بھی تعظیم اور ادب کرنا چاہئے ___ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
میں مدینہ منورہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے کتے کا بھی احترام کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کتے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے ساتھ نسبت حاصل ہے، یہ سب عشق کی باتیں ہوتی ہیں کہ۔ محبوب کے ساتھ کسی چیز کو ذرا سی بھی نسبت ہو گئی تو اس کا ادب اور احترام کیا۔ اور جب نسبت کی وجہ سے کوئی شخص تعظیم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں کہ اس نے میرے محبوب کی نسبت کی بھی قدر کی، بشرطیکہ حدود میں رہے، حد سے آگے نہ بڑھے، یہ بات بھی ہمیشہ سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے، اس لئے کہ لوگ بکثرت افراط و تفریط کی باتیں کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

"عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نهى ان يشرب الرجل قائما" (مسلم، کتاب الاشربۃ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔۔ اس حدیث کی بنیاد پر علماء نے فرمایا ہے کہ حتی الامکان کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔ اس لئے کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں۔ حرام نہیں۔ لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپسندیدہ ہے۔

کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا، جبکہ وہ چیز حرام اور گناہ بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتانے کے لئے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے۔ ابھی میں نے آپ کو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ سنایا۔ وہ مشکیزہ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اور آپ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلا کراہت جائز ہے۔ اور بعض اوقات آپ نے صرف یہ بتانے کے لئے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت نزال بن سبرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "باب الرحبة" میں تشریف لائے، "باب الرحبة" کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا، اور فرمایا کہ:

"انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کما رأیتمونی فعلت"

(صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب الشرب قائما) (بخاری شریف)

یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔ بہرحال، کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی فضیلت

لیکن اپنی امت کو جس کی تعلیم دی، اور جس کی تاکید فرمائی، اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا، وہ یہ تھا کہ حتی الامکان بیٹھ کر ہی پانی پیتے تھے۔ اس لئے یہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم سنتوں میں سے ہے۔ اور جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا۔ انشاء اللہ اس پر اس کو اجر و ثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہوں

گی، اس لئے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کرانا چاہئے، اپنے گھر والوں کو بتانا چاہئے، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے، اور بچوں کے دل میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ جب بھی پانی پیو تو بیٹھ کر پیو۔ اگر انسان اس کی عادت ڈال لے تو مفت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت ہے نہیں۔ اگر آپ پانی کھڑے ہو کر پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پی لیا تو اتباع سنت کا عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔

سنت کی عادت ڈال لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا، وہاں پانی پینے کی ضرورت پیش آئی، مسجد میں مٹکے رکھے تھے، میں نے مٹکے سے پانی نکالا۔ اور اپنی عادت کے مطابق ایک جگہ بیٹھ کر پانی پینے لگا، ایک صاحب یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، وہ قریب آئے، اور کہا، یہ آپ نے بیٹھنے کا اتنا اہتمام کیا، اس کی کیا ضرورت تھی؟ کھڑے ہو کر ہی پی لیتے" میں نے سوچا کہ اب میں ان سے کیا بحث کروں، میں نے کہا کہ اصل میں ہمیشہ سے بیٹھ کر پانی پینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس شخص نے کہا کہ یہ آپ نے عجیب بات فرمائی کہ عادت پڑ گئی، ارے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پڑ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ بہرحال، عادتیں تو انسان بہت سی ڈال لیتا ہے، لیکن جب عادت ڈالے تو سنت کی عادت ڈالے۔ تاکہ اس پر اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے یا کسی سنت پر عمل کرنے کا خیال آئے، تو اس "خیال" کو صوفیاء کرام "وارد" کہتے ہیں۔ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان ہے، اس مہمان کا اکرام کرو، اور اس کی قدر پہچانو، مثلاً جب آپ نے کھڑے

ہو کر پانی پینا شروع کیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا اچھا نہیں ہے۔ سنت کے خلاف ہے، بیٹھ کر پانی پینا چاہئے، اگر آپ نے اس خیال اور "وارد" کا اکرام کرتے ہوئے بیٹھ کر پانی پی لیا تو یہ مہمان بار بار آئے گا، آج اس نے تمہیں بٹھا کر پانی پلا دیا تو کل کو کسی اور سنت پر عمل کرائے گا، پرسوں کسی اور نیکی پر عمل کرائے گا۔ اس طرح یہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کراتا چلا جائے گا ـــــ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کی ناقدری کی۔ مثلاً پانی پیتے وقت بیٹھ کر پانی پینے کا خیال آیا تو تم نے فوراً اس خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ بیٹھ کر پانی پینا کونسا فرض و واجب ہے، کھڑے ہو کر پینا گناہ تو ہے نہیں۔ چلو کھڑے کھڑے پانی پی لو ـــ اب تم نے اس مہمان کی ناقدری کی، اور اس کو واپس بھیج دیا، اور اگر چند مرتبہ تم نے اس کی اس طرح ناقدری کی تو پھر یہ آنا بند کر دے گا ـــ اور جب یہ مہمان آنا بند کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے، اور دل پر مہر لگ گئی ہے، جس کے نتیجے میں اب نیکی کا خیال بھی نہیں آتا، بلکہ بدی اور گناہ کے خیالات آتے ہیں ـــــ اس لئے جب کبھی اتباع سنت کا خیال آئے تو فوراً اس پر عمل کر لو۔ شروع شروع میں تھوڑی تکلیف ہو گی۔ لیکن آہستہ آہستہ جب عادت پڑ جائے گی، تو پھر آسان ہو جائے گا۔

زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟

○ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سقیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم، فشرب وھو قائم۔ (صحیح بخاری کتاب الاشربۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا، تو آپ نے کھڑے ہو کر وہ زمزم پیا۔ اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے، چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو پانی ایسے ہیں جو کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔ ایک زمزم کا پانی، اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لئے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے ـــ لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ یہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں، جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ

اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو زمزم کا کنواں۔ اور دوسرے اس پر لوگوں کا ہجوم، اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا، لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے، البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ اسی طرح زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے ــــ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن جب زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے، اور کھڑے ہو کر اس کو پیا، اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں، بلکہ بیٹھ کر پینا چاہئے، وہی افضل ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا

"عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی ان یشرب الرجل قائما، قال قتادۃ: فقلنا لانس: فالاکل؟ قال: ذلک اشر او اخبث"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب کراھیۃ الشرب قائما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث ہے یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر کھانا اس سے زیادہ برا

ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر بعض علماء نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پینا تو مکروہ تنزیہی ہے۔
اور کھڑے ہو کر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے زیادہ خبیث اور برا طریقہ فرمایا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے

بعض لوگ کھڑے ہو کر کھانے کے جواز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے بھی کھا لیتے تھے، اور کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے —— یہ حدیث لوگوں کو بہت یاد رہتی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کھڑے ہو کر کھا لیتے تھے تو ہمیں کھڑے ہو کر کھانے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے؟

خوب سمجھ لیں ابھی آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سن لی کہ کھڑے ہو کر کھانا زیادہ خبیث اور زیادہ برا طریقہ ہے، یعنی ایسا کرنا ناجائز ہے، اس حدیث سے مراد وہ کھانا ہے جو باقاعدہ کھایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو باقاعدہ بیٹھ کر دسترخوان بچھا کر نہیں کھایا جاتا، بلکہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے۔ مثلاً چاکلیٹ ہے۔ یا چھوارا ہے۔ یا بادام ہے وغیرہ یا کوئی پھل چکھنے کے طور پر کھا لیا، اس میں چلتے پھرتے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جہاں تک دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے، لنچ اور ڈنر کا تعلق ہے کہ ان کو کھڑے ہو کر کھانا، اور کھڑے ہو کر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں، آجکل کی دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے۔ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو چرنے کا طریقہ ہے۔ کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کبھی ادھر سے چر لیا۔ کبھی ادھر سے چر لیا۔ اور پھر اس طریقے میں بے تہذیبی ہے، ناشائستگی بھی ہے، اور مہمانوں کی بھی بے عزتی ہے، خدا کے لئے

اس طریقے کو چھوڑنے کی فکر کریں۔ ذرا سے اہتمام کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے میں کفایت شعاری ہے۔ اس لئے کہ کرسیوں کا کرایہ بچ جاتا ہے، اور کم جگہ پر زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی سب جگہوں پر کفایت کر رکھی ہے۔ حالانکہ بلاوجہ چراغاں ہو رہا ہے۔ فضول لائٹنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کفایت کا خیال نہیں آتا۔ اس کے علاوہ فضول رسموں میں بے پناہ رقم صرف کر دی جاتی ہے۔ وہاں کفایت شعاری کا خیال نہیں آتا، ساری کفایت شعاری کا خیال کھڑے ہو کر کھانے میں آ جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سوائے فیشن پرستی کے اور کوئی مقصد اس میں نہیں ہوتا۔ اس لئے اہتمام کر کے اس سے بچیں، اور آج ہی اس بات کا عزم کر لیں کہ خواہ بٹھا کر کھلانے میں کتنا پیسہ زیادہ خرچ ہو جائے۔ مگر کھڑے ہو کر نہیں کھلائیں گے۔ اپنے یہاں سے اس طریقے کے رواج کو ختم کریں۔ تاکہ یہ خبیث طریقہ ہمارے یہاں سے نکل جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعوت کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا۔ اما بعد!

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا دعی احدکم فلیجب، فان کان صائمًا فلیصل، وان کان مفطرًا فلیطعم"
(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی اجابۃ الصائم الدعوۃ)

دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرلے، اب اگر وہ شخص روزے سے ہے تو اس کے حق میں دعا کر دے۔ یعنی اس کے گھر جا کر اس کے حق میں دعا کر دے۔ اور اگر روزے سے نہیں ہے تو اس کے ساتھ کھانا کھالے۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی دعوت قبول کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور دعوت کے قبول کرنے کو مسلمانوں کے حقوق میں شمار فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"حق المسلم علی المسلم خمس، رد السلام، تشمیت العاطس
اجابت الدعوة، اتباع الجنائز، وعیادة المریض"

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز)

یعنی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، نمبرایک، اس کے سلام کا جواب دینا، دوسرے، اگر کسی کو چھینک آئے تو اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا، تیسرے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا، چوتھے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا، پانچویں، اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا ــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حقوق بیان فرمائے۔ ان میں سے ایک حق دعوت قبول کرنے کا بھی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔

دعوت قبول کرنے کا مقصد

اور اس نیت سے دعوت قبول کرنا چاہئے کہ یہ میرا بھائی ہے، اور یہ مجھے محبت سے بلا رہا ہے۔ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے، اور اس کا دل خوش ہو جائے ــــ دعوت قبول کرنا سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے ــــ یہ نہ ہو کہ کھانا اچھا ہو تو قبول کر لے، اور کھانا اچھا نہ ہو تو قبول نہ کرے، بلکہ دعوت قبول کرنے کا مقصد اور منشاء یہ ہو کہ میرے بھائی کا دل خوش ہو جائے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ولو دعیت الی کراع لقبلت

(صحیح بخاری، کتاب الھبة، باب القلیل من الھبة)

یعنی اگر کوئی شخص بکری کے پائے کی بھی دعوت کرے گا تو میں قبول کر لوں گا آجکل اگرچہ پائے کی دعوت کو عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں پائے کو بہت معمولی چیز سمجھا جاتا تھا ــــ لہذا دعوت دینے والا مسلمان غریب ہی کیوں نہ ہو، تم اس کی دعوت اس نیت سے قبول کر لو کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کا دل خوش ہو جائے، غریب اور امیر کا فرق

نہ ہونا چاہئے کہ اگر امیر آدمی دعوت دے رہا ہو تب تو قبول کر لی جائے، اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا غریب آدمی دعوت دے رہا ہے تو اس کو ٹال دیا۔ بلکہ غریب آدمی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔

دال اور خشکے میں نورانیت

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ دیو بند میں ایک صاحب گھسیارے تھے، یعنی گھاس کاٹ کر بازار میں فروخت کرتے، اور اس کے ذریعہ اپنا گزر بسر کرتے تھے، اور ایک ہفتہ میں ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی۔ اکیلے آدمی تھے، اور اس آمدنی کو وہ اس طرح تقسیم کرتے تھے کہ اس میں سے دو پیسے اپنے کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے تھے، اور دو پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے، اور دو پیسے جمع کرتے تھے، اور ایک دو ماہ کے بعد جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو اس وقت دار العلوم دیو بند کے جو بڑے بڑے بزرگ اساتذہ تھے۔ ان کی دعوت کیا کرتے تھے، اور دعوت میں خشک چاول ابال لیتے، اور اس کے ساتھ دال پکا لیتے، اور اساتذہ کو کھلا دیتے تھے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں پورے مہینے ان صاحب کی دعوت کا انتظار رہتا ہے، اس لئے کہ ان صاحب کے خشکے اور دال کی دعوت میں جو نورانیت محسوس ہوتی ہے، وہ نورانیت پلاؤ اور بریانی کی بڑی بڑی دعوتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

دعوت کی حقیقت "محبت کا اظہار"

لہٰذا دعوت کی حقیقت "محبت کا اظہار" ہے، اور اس کے قبول کرنے کی بھی حقیقت "محبت کا اظہار" ہے، اگر محبت سے کسی نے تمہاری دعوت کی ہے۔ محبت سے تم قبول کر لو، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کبھی کسی کی دعوت کو رد نہیں فرماتے، دعوت دینے والا چاہے یہ معمولی آدمی کیوں نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی شخص کی دعوت پر آپ نے میلوں کا سفر کیا، تو دعوت کی حقیقت یہ

ہے کہ محبت سے کی جائے، اور محبت سے قبول کی جائے، اخلاص سے دعوت کی جائے، اخلاص سے قبول کی جائے، تب یہ دعوت نورانیت رکھتی ہے، سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے ــــ

دعوت یا عداوت

لیکن آجکل ہماری دعوتیں رسموں کے تابع ہو کر رہ گئی ہیں۔ رسم کے موقع پر دعوت ہوگی، اس کے علاوہ نہیں ہوگی، اب اگر دعوت قبول کرے تو مصیبت، قبول نہ کرے تو مصیبت، اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت ہو، عداوت نہ ہو، یعنی ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ وہ دعوت اس کے لئے عذاب اور مصیبت بن جائے، جیسا بعض لوگ کرتے ہیں، ان کے دماغ میں یہ بات آگئی کہ فلاں کی دعوت کرنی چاہئے، نہ اس بات کا خیال کیا کہ ان کے پاس وقت ہے یا نہیں؟۔ مگر بار بار دعوت قبول کرنے پر اصرار کر رہے ہیں، چاہے اس دعوت کی خاطر کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے۔ یہ دعوت نہیں، بلکہ یہ تو اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے۔ اگر دعوت کے ذریعہ تم اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس کی دعوت کر رہے ہو، اس کو راحت پہنچانے کی فکر کرو، اس کو آرام پہنچانے کی فکر کرو، نہ یہ کہ اس پر مصیبت ڈال دو۔

اعلیٰ درجے کی دعوت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت کی تین قسمیں ہوتی ہیں، ایک سب سے اعلیٰ۔ دوسرے متوسط، تیسرے ادنیٰ ــ آجکل کے ماحول میں سب سے اعلیٰ دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی ہو، اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دو، اور نقد ہدیہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کوئی تکلیف تو اٹھانی نہیں پڑے گی، اور پھر نقد ہدیہ میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اس کو کھانے پر صرف کرے۔ اور یا کسی اور ضرورت میں صرف کرے، اس سے اس شخص کو زیادہ راحت اور زیادہ فائدہ ہوگا، اور تکلیف اس کو ذرہ برابر بھی نہیں ہوگی، اس لئے یہ دعوت سب سے

اعلیٰ ہے۔

متوسط درجے کی دعوت

دوسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ جس شخص کی دعوت کرنا چاہتے ہو، کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو۔ یہ دوسرے نمبر پر اس لئے ہے کہ کھانے کا قصہ ہوا اور اس کو کھانے کے علاوہ کوئی اور اختیار نہیں رہا، البتہ اس کھانے پر اس کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ آپ نے گھر بلانے کی زحمت اس کو نہیں دی بلکہ گھر پر ہی کھانا پہنچا دیا۔

ادنیٰ درجے کی دعوت

تیسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاؤ۔ آجکل کے شہری ماحول میں، جہاں زندگیاں مصروف ہیں، فاصلے زیادہ ہیں، اس میں اگر آپ کسی شخص کو دعوت دیں۔ اور وہ تیس میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ تو آپ کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلے، پچاس روپے خرچ کرے۔ اور پھر تمہارے یہاں آکر کھانا کھائے۔ تو یہ آپ نے اس کو راحت پہنچائی یا تکلیف میں ڈال دیا؟ لیکن اگر اس کے بجائے کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دیتے۔ یا اس کو نقد رقم دے دیتے، اس میں اس کے ساتھ زیادہ خیر خواہی ہوتی۔

دعوت کا انوکھا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس اللہ سرہ ـــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــــ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے، لاہور میں قیام تھا، ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحبؒ سے ملنے کے لئے بھی تشریف لائے، چونکہ اللہ والے بزرگ تھے، اور والد صاحب کے بہت مخلص دوست تھے۔ اس

لئے ان کی ملاقات سے والد صاحب بہت خوش ہوئے، صبح دس بجے کے قریب دارالعلوم پہنچے تھے۔ والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہاں قیام ہے؟ فرمایا کہ آگرہ کالونی میں ایک صاحب کے یہاں قیام ہے۔ کب واپس تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کل انشاء اللہ واپس لاہور روانہ ہو جاؤں گا، بہر حال، کچھ دیر بات چیت اور ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ: بھائی مولوی ادریس، تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئے ہو، میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری دعوت کروں۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا قیام آگرہ تاج کالونی میں ہے۔ اور میں یہاں کورنگی میں رہتا ہوں، اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فلاں وقت میرے یہاں آکر کھانا کھائیں۔ تب تو آپ کو میں مصیبت میں ڈال دوں گا، اس لئے کل آپ کو واپس جانا ہے۔ کام بہت سے ہوں گے، اس لئے دل اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف دوں ــــ لیکن یہ بھی مجھے گوارہ نہیں ہے کہ آپ تشریف لائیں۔ اور بغیر دعوت کے آپ کو روانہ کر دوں ــــ اس لئے میری طرف سے دعوت کے بدلے یہ سو روپے ہدیہ رکھ لیں۔ مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے وہ سو روپے کا نوٹ اپنے سر پر رکھ لیا، اور فرمایا کہ یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرما دی، آپ کی دعوت کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور کوئی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ اور پھر اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔

محبت کا تقاضہ "راحت رسانی"

یہ ہے بے تکلفی، اور راحت رسانی ــــ حضرت مفتی صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ لاہور سے کراچی تشریف لائیں، اور میرے گھر دعوت کھائے بغیر چلے جائیں، اس وقت آپ واپس جائیں اور دوسرے وقت تشریف لائیں۔ اور کھانا کھا کر جائیں۔ چاہے اس کے لئے سو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔" اور مولانا ادریس صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ یہ کہتا کہ "میں تمہاری دعوت کا بھوکا ہوں، میں فقیر ہوں، جو تم مجھے پیسے دے رہے ہو کہ اس کا کھانا کھا لینا" یاد رکھو۔ محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے محبت کی جا رہی ہے، اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ اس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔ میرے بڑے بھائی ذکی کیفی مرحوم

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ـــــ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے، ان کا ایک بہت خوبصورت شعر ہے کہ:

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

ایسی وفاداری، اور ایسا اظہار محبت جس سے تکلیف ہو، جس سے دل میں کدورت پیدا ہو جائے، میں ایسی وفاداری اور محبت سے توبہ کرتا ہوں۔ جب بھائی صاحب نے یہ شعر کہا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے اس شعر نے بدعت کی جڑ کاٹ دی، اس لئے ساری بدعات اسی سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی اپنی طرف سے وفاداری کے طریقے گھڑ کر اس پر عمل شروع کر دیتا ہے، اور اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وفاداری کا یہ طریقہ میرے محبوب کے دل کی کدورت کا سبب بن رہا ہے ـــــ

دعوت کرنا ایک فن ہے

بہرحال، دعوت کرنا بھی ایک فن ہے، ایسی دعوت کرو جس سے واقعی راحت پہنچے، جس سے آرام ملے، نہ یہ کہ دوسرے کے لئے تکلیف کا سبب بن جائے ـــــ دوسرے یہ کہ دعوت کا منشا تو محبت کا اظہار ہے، محبت کے تقاضے پر عمل کرنا ہے۔ اس دعوت کا رسموں سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً یہ رسم ہے کہ عقیقے کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، یا تیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، اس رسم کے موقع پر دعوت کریں گے، فلاں کو بلائیں گے ـــ یاد رکھئے، ان رسمی دعوتوں کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی تعلق نہیں، دعوت تو وہ ہے جو کھلے دل سے کسی قید اور شرط کے بغیر، کسی رسم کے بغیر آدمی دوسرے کی دعوت کرے ـــــ

یہ باتیں تو دعوت کرنے کے بارے میں تھیں، جہاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے، لیکن دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے والے کے پیش نظر اس کی محبت اور قدر دانی ہو، اور اس کے پیش نظر یہ نہ ہو کہ اگر میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوا تو خاندان میں میری

ناک کٹ جائے گی، اگر اس خیال کے ساتھ شریک ہوا تو پھر وہ دعوت قبول کرنا مسنون نہیں رہے گا، یہ دعوت مسنون اس وقت ہوگی جب شرکت سے پیش نظر یہ ہو کہ میرے جانے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔

دعوت قبول کرنے کی شرط

پھر دعوت قبول کرنے کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ دعوت قبول کرنا اس وقت سنت ہے جب اس دعوت قبول کرنے کے نتیجے میں آدمی کسی معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو، مثلاً ایک ایسی جگہ کی دعوت قبول کرلی جہاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، اب ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جارہا ہے، ایسی دعوت قبول کرنا سنت نہیں۔ آجکل کی اکثر دعوتیں ایسی ہیں جن میں یہ معصیت پائی جاتی ہے، ان میں معصیتیں ہو رہی ہیں، منکرات ہو رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے ـــــ شادی کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے "ولیمہ مسنونہ" یہ تو معلوم ہے کہ ولیمہ کرنا سنت ہے۔ لیکن کس طرح یہ ولیمہ مسنونہ کیا جائے۔ ؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟ یہ معلوم نہیں ـــــ چنانچہ ولیمہ مسنونہ کے اندر بے پردگی ہو رہی ہے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہے، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

کب تک ہتھیار ڈالو گے؟

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ ہم لوگ ان رسموں اور گناہوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے جارہے ہیں، اور ہتھیار ڈالتے ڈالتے اب اس مقام تک پہنچ گئے کہ مفاسد، گناہ، منکرات معاشرے میں پھیل کر رائج ہو گئے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ اسٹینڈ لے کر خاندان والوں سے یہ کہتا ہے کہ اگر اس گناہ کا ارتکاب ہوگا تو میں اس دعوت میں شریک نہیں ہونگا، تو اس بات کی امید تھی کہ اتنی تیزی سے منکرات نہ پھیلتے، آج جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جس دعوت میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو، اس میں شرکت مت کرو، تو لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر ہم نے شرکت نہ کی تو خاندان سے اور معاشرے سے کٹ جائیں گے، میں کہتا ہوں کہ اگر گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ کی خاطر خاندان سے کٹنا پڑے تو کٹ جاؤ، یہ کٹنا تمہارے لئے مبارک ہے، اور

اگر کوئی تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ تمہارے اصول کا بھی کچھ خیال کرے، جو شخص تمہارے اصول کا خیال نہیں رکھتا اس کی دعوت قبول کرنا تمہارے ذمے کوئی ضروری نہیں،

اگر ایک مرتبہ کچھ لوگ اسٹینڈ لیلیں۔ اور اپنے خاندان والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم مردوں اور عورتوں کی مخلوط دعوتوں میں شریک نہیں ہوں گے، اگر ہمیں بلانا چاہتے ہو تو مردوں اور عورتوں کا انتظام الگ کرو، پھر دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے اندر اس کی بہت اصلاح ہو سکتی ہے، ابھی یہ سیلاب اتنا آگے نہیں بڑھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی دین پر عمل کرنا چاہتا ہے، وہ یہ بات کہتے ہوئے شرماتا ہے، وہ اس سے ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ بات کہی تو لوگ مجھے بیک ورڈ (Bake World) سمجھیں گے، پسماندہ اور رجعت پسند سمجھیں گے ـــ اور اس کے برخلاف جو شخص بے دینی اور آزادی کے راستے پر چلتا ہے، وہ سینہ تان کر فخر کے ساتھ اپنی آزادی اور بے دینی کی طرف دعوت دیتا ہے ـــ اب تو شادی اور دیگر تقریبات کی دعوتوں میں یہاں تک نوبت آگئی ہے، کہ نوجوان لڑکیاں مردوں کے سامنے رقص کرنے لگی ہیں، مگر پھر بھی ایسی دعوتوں میں لوگ شریک ہو رہے ہیں، کہاں تک اس سیلاب میں بہتے جاؤ گے؟ کہاں تک خاندان والوں کا ساتھ دو گے؟ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ مغربی تہذیب کی لعنتیں ہمارے معاشرے پر بھی پوری طرح مسلط ہو جائیں ـ کوئی حد تو ہوگی جہاں جا کر تمہیں رکنا پڑے گا۔ اس لئے اپنے لئے کچھ ایسے اصول بنا لو، مثلاً جس دعوت میں کھلے منکرات کا ارتکاب ہوگا وہاں ہم شریک نہیں ہوں گے۔ یا جس دعوت میں مخلوط اجتماع ہوگا، ہم شریک نہیں ہونگے، اگر اب بھی اللہ کے کچھ بندے اسٹینڈ لیلیں تو اس سیلاب پر بند لگ سکتا ہے۔

پردہ دار خاتون اچھوت بن جائے؟

بعض اوقات لوگ یہ سوچتے ہیں کہ تقریبات میں پردہ کرنے والی عورتیں اکا دکا ہی ہوتی ہیں، تو ان کے لئے ہم علیحدہ انتظام کر دیں گے ــــ ذرا سوچو، کیا تم اس پردہ دار خاتون کو اچھوت بنانا چاہتے ہو؟ وہ سب سے الگ اچھوت بن کر بیٹھی رہے، اگر ایک

بے پردہ عورت ہے، وہ اگر مردوں سے الگ پردہ میں ہو جائے تو اس کا کیا نقصان ہوا؟ لیکن ایک پردہ دار بے پردہ ہو کر مردوں کے سامنے چلی جائے گی تو اس کا تو دین غارت ہو جائے گا، اس لئے مردوں اور عورتوں کے الگ انتظام کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، بس صرف توجہ دینے کی بات ہے، صرف اہتمام کرنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بات ہے۔

دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم

اور شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جس دعوت کے بارے میں پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ کبیرہ ارتکاب ہوگا اور اندیشہ یہ ہو کہ میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں، اور جس دعوت کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ تو ہوگا۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالوں گا، ایسی دعوت میں عام آدمی کو شرکت کی گنجائش ہے۔ لیکن جس آدمی کی طرف لوگوں کی نگاہیں ہوتی ہیں، اور جن کی لوگ اقتداء کرتے ہیں، ایسے آدمی کے لئے کسی حال میں بھی ایسی دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں ــــ اور یہ دعوت قبول کرنے کا اہم اصول ہے، دعوت قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اس کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے۔

دعوت کے لئے نفلی روزہ توڑنا

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کی دعوت کی گئی ہے، اگر وہ روزہ دار ہے، اور روزے کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتا تو وہ میزبان کے حق میں دعا کر دے ــ فقہاء کرام نے تو بعض احادیث کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نفلی روزہ کسی نے رکھا ہے، اور اس کی کسی مسلمان نے دعوت کر دی، تو اب مسلمان کی دعوت قبول کرنے کے لئے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے نفلی روزہ توڑ دینے تو اس کی بھی اجازت ہے، بعد میں اس روزے کی قضا کر لے ــ لیکن اگر روزہ توڑنا نہیں چاہتا تو کم از کم اس کے حق میں دعا کر دے۔

بن بلائے مہمان کا حکم

"عن ابی مسعود البدری رضی اللہ عنہ، قال: دعا رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لطعام صنعه له خامس خمسة، فتبعهم رجل، فلما بلغ الباب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا اتبعنا فان شئت ان تاذن وان شئت رجع، قال: بل اذن له یارسول اللہ"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الرجل یدعی الی طعام فیقول: وھذا معی)

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور آپ کے ساتھ چار افراد کی بھی دعوت کی، سادگی کا زمانہ تھا، اس لئے بسا اوقات جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو عام طور پر وہ حضور سے یہ بھی کہہ دیتا کہ آپ اپنے ساتھ مزید تین افراد کو بھی لے آئیں۔ یا چار افراد کو لے آئیں — چنانچہ ان صاحب نے پانچ افراد کی دعوت کی تھی۔ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، اور چار صحابہ کرام، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعوت میں جانے لگے تو ایک صاحب اور ساتھ ہو لئے، جیسے بزرگوں کے بعض معتقدین ہوتے ہیں کہ جو بزرگوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میزبان کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے میزبان سے فرمایا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ آگئے ہیں، ان کو آپ نے دعوت نہیں دی تھی، اب اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ اندر آجائیں، اگر اجازت نہ ہو تو یہ واپس چلے جائیں، میزبان نے کہا: یا رسول اللہ، میں اجازت دیتا ہوں، آپ ان کو بھی اندر لے آئیں۔

وہ شخص چور اور لٹیرا ہے

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جب کسی کے گھر دعوت میں شرکت کے لئے جاؤ، اور اتفاق سے کوئی ایسا شخص تمہارے ساتھ اس دعوت میں آگیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تو میزبان کو اس کے آنے کی اطلاع کر دو، اور پھر اس کی اجازت کے بعد اس کو دعوت میں شریک کرو، کیونکہ، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی دعوت میں بن بلائے شرکت کر

لے تو وہ شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا۔

میزبان کے بھی حقوق ہیں

درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ایک بہت بڑے اصول کی نشاندہی کرتی ہے، جس کو ہم نے بھلا دیا ہے، وہ یہ کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مہمان بن جائے تو میزبان پر بے شمار حقوق عائد ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کا اکرام کرے، اس کی خاطر مدارات کرے وغیرہ، لیکن اس حدیث کے ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جس طرح مہمان کے حقوق میزبان پر ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی کچھ حقوق مہمان پر ہے، ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ وہ مہمان میزبان کو بلاوجہ تکلیف نہ دے، مثلاً یہ کہ مہمان ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائے جن کی دعوت نہیں ہے، جیسے آجکل کے بعض پیروں، فقیروں کے یہاں ہوتا ہے جب کسی نے پیر صاحب کی دعوت کی تو اب پیر صاحب اکیلے نہیں جائیں گے، بلکہ ان کے ساتھ ایک لشکر بھی میزبان کے گھر پر حملہ آور ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میزبان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اتنے مہمان آئیں گے، جب اچانک وقت پر اتنا بڑا لشکر پہنچ جاتا ہے تو اب میزبان کے لئے ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے ــــ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا ــــ البتہ جہاں بے تکلفی کا معاملہ ہو، اور یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو میزبان اور زیادہ خوش ہو جائے گا۔ ایسے مواقع پر ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ جہاں ذرا بھی تکلیف پہنچے کا احتمال ہو، وہاں پہلے سے بتانا واجب ہے۔

پہلے سے اطلاع کرنی چاہئے

اسی طرح میزبان کا ایک حق یہ ہے کہ جب تم کسی کے یہاں مہمان بن کر جانا چاہتے ہو تو پہلے سے اس کو اطلاع کر دو، یا کم از کم ایسے وقت میں جاؤ، کہ وہ کھانے کا انتظام آسانی کے ساتھ کر سکے، کیونکہ اگر تم عین کھانے کے وقت کسی کے گھر پہنچ گئے تو اس کو فوری طور پر کھانے کا انتظام کرنے میں تکلیف اور مشقت ہوگی۔ لہٰذا ایسے وقت

میں جانا ٹھیک نہیں، یہ میزبان کا حق ہے۔

مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جایئے کہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کو بتائے بغیر روزہ رکھے، اس لئے کہ جب تم نے اس کو بتایا نہیں کہ آج میں روزہ رکھوں گا، اس کو تو یہ معلوم ہے کہ تم اس کے مہمان ہو، اس لئے وہ تمہارے لئے ناشتے کا بھی انتظام کرے گا۔ دوپہر کے کھانے کا بھی انتظام کرے گا، پھر جب اس نے سب انتظام کر لیا تو عین وقت پر تم نے اس سے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، اس کی محنت بیکار گئی، اس کے مصارف بیکار گئے، اور اس کو تم نے تکلیف بھی پہنچائی، اس لئے حکم یہ ہے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں ـــ لہٰذا جس طرح مہمان کے حقوق ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی حقوق ہیں۔

مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہئے

یا مثلاً میزبان کے یہاں کھانے کا وقت مقرر ہے، اور تم اس وقت غائب ہو گئے۔ اور وہ تم کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اور اب وہ بیچارہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتا، اس لئے اصول یہ ہے کہ مہمان کو چاہئے کہ اگر کسی وقت کھانا نہ کھانا ہو، یا دیر ہو جانے کا امکان ہو تو پہلے سے میزبان کو بتا دو کہ آج میں کھانے پر دیر سے آؤں گا۔ تاکہ اس کو تلاش اور انتظام کی تکلیف نہ ہو۔

میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

دین صرف نماز روزے کا اور ذکر و تسبیح کا نام نہیں، یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ ہم نے اس کو دین سے خارج کر دیا ہے، بڑے بڑے دیندار، بڑے بڑے تہجد گزار، اشراق اور چاشت پڑھنے والے بھی معاشرت کے ان آداب کا لحاظ نہیں کرتے۔

جس کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یاد رکھو، اگر ان آداب کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجے میں میزبان کو تکلیف ہوگی تو ایک مسلمان کو تکلیف پہنچانے کا گناہ کبیرہ اس مہمان کو ہوگا۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے، جیسے شراب پینا، چوری کرنا، زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے، لہذا اگر تم نے اپنے کسی عمل سے میزبان کو تکلیف میں مبتلا کر دیا تو یہ ایذاء مسلم ہوئی، یہ سب گناہ کبیرہ ہے، یہ ساری باتیں اس اصول میں داخل ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتا دیا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

لباس کے شرعی اصول

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لباس کے شرعی اصول

الحمد للہ نحمدہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

امابعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ

(الاعراف:۲۶)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ

النبی الکریم، ونحن علیٰ ذالک من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔ ''لباس'' بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے، اس لئے قرآن وسنت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

موجودہ دور کا پروپیگنڈہ

آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے، اس

لئے آدمی اگر اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کرلے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لانا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے۔ اور یہ جملہ تو لوگوں سے بکثرت سننے میں آتا ہے کہ ان مولویوں نے اپنی طرف سے قیدیں شرطیں لگادی ہیں، ورنہ دین میں تو بڑی آسانی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دین میں اتنی پابندیاں نہیں لگائی ہیں، مگر ان ملاؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر یہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں، اور یہ ان ملاؤں کی تنگ نظری کی دلیل ہے، اور اس تنگ نظری کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسروں سے بھی چھڑا رکھا ہے۔

ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے

خوب سمجھ لیجئے! لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور اتنا آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر، اس کے اخلاق پر، اس کی زندگی پر اور اس کے طرزِ عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا، اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر واقع ہوتا ہے۔ لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ لباس انسان کے طرزِ فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے اس لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جبہ کا اثر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس وقت وہ ایک بہت شاندار جبہ پہنے ہوئے تھے، جب خطبہ سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے گئے تو جاکر اس جبہ کو اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبہ کو نہیں پہنوں گا، اس لئے کہ اس جبہ کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہوگیا، اس لئے میں آئندہ اس کو نہیں پہنوں گا۔ حالانکہ وہ جبہ بذات خود ایسی چیز نہیں تھی جو حرام ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات کی طبیعتوں کو آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کو ذرا ذرا سی باتیں بھی بری لگتی ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک کپڑا داغ دار ہے اور اس کپڑے پر ہر جگہ دھبے ہی دھبے لگے ہوئے ہیں، اس کے بعد اس کپڑے پر ایک داغ اور لگ جائے تو اس کپڑے پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارا سینہ داغوں اور دھبوں سے بھرا ہوا ہے، اس لئے اگر خلاف شریعت کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس کی ظلمت اور اس کی تاریکی اور اس کے وبال کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جن حضرات کے سینوں کو اللہ تعالیٰ آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید صاف شفاف کپڑا ہو، اس پر اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے گا تو وہ داغ بہت نمایاں نظر آئے گا، اسی طرح اللہ والوں کے دل صاف شفاف ہوتے ہیں، ان پر ذرا سی بھی چھینٹ پڑ جائے تو ان کو ناگوار ہوتی ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ لباس کا اثر انسان کے اخلاق و کردار پر اور اس کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اور لباس کے بارے میں شریعت کے جو اصول ہیں وہ سمجھ لینے چاہئیں اور ان کی پیروی کرنی بھی ضروری ہے۔

آج کل کا ایک اور پروپیگنڈہ

آج کل یہ جملہ بھی بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ اس ظاہری لباس میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہئے، اور ہمارا دل صاف ہے، ہماری نیت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے، سارے کام تو ہم ٹھیک کر رہے ہیں، اب اگر ذرا سا لباس بدل دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ دین ظاہر کا نام نہیں بلکہ باطن کا نام ہے، دین جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے، شریعت کی روح دیکھنی چاہئے، دین کی روح کو سمجھنا چاہئے۔ آج کل اس قسم کے جملے بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور پھیلائے جا رہے ہیں اور فیشن بن گئے ہیں۔

ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں

خوب یاد رکھئے! دین کے احکام روح پر بھی ہیں اور جسم پر بھی ہیں، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ"

(سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑ دو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑ دو، صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑ دو۔ خوب یاد رکھئے! جب تک ظاہر خراب ہے تو پھر یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے، اس لئے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے جب اندر سے باطن خراب ہوتا ہے، اگر باطن خراب نہ ہو تو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔

ایک خوبصورت مثال

ہمارے ایک بزرگ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ جب کوئی پھل اندر سے سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر بھی خرابی نظر نہیں آئیگی، چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے جب اندر سے خراب ہو۔ اسی طرح جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے، ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا؟ باطن ٹھیک ہے، یاد رکھئے! اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے

دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارا دین ہی ایسا رہ گیا ہے جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہئے، ظاہر نہیں چاہئے، مثلاً دنیا کے اندر جب آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہو گیا، اب اس پر پلاستر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ و روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ مکان کی روح تو حاصل ہو گئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہو گیا۔ مگر مکان کے اندر تو یہ فکر ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں، بلکہ پلاستر بھی ہو، رنگ و روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو، یہاں بھی صرف باطن ٹھیک کر لینے کا فلسفہ نہیں چلتا۔ یا مثلاً گاڑی ہے، ایک اس کا باطن ہے اور ایک ظاہر ہے، گاڑی کا باطن یہ ہے کہ ایک ڈھانچہ لے کر اس میں انجن لگا لو تو باطن حاصل ہے، اس لئے کہ انجن لگا ہوا ہے، وہ سواری کرنے کے قابل ہے، لہٰذا اب نہ باڈی کی ضرورت ہے، نہ رنگ و روغن کی ضرورت ہے۔ وہاں تو کسی شخص نے آج تک یہ نہیں کہا کہ مجھے گاڑی کا باطن حاصل ہے، اب ظاہر کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارہ دین ہی ایسا مسکین رہ گیا کہ اس میں صرف باطن مطلوب ہے اور ظاہر مطلوب نہیں۔

یہ شیطان کا دھوکہ ہے

یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، لہٰذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی درست کرنا ضروری ہے، چاہے لباس ہو، یا کھانا ہو، یا آداب معاشرت ہوں، اگرچہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہوتا ہے، اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کو دین کی حقیقی فہم حاصل نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے، کوئی تعلیم نہ دیتے، لیکن آپ ﷺ نے لباس کے بارے میں ہدایات دیں، آپ کی تعلیمات اسی جگہ پر آتی ہیں جہاں لوگوں کے بھٹک جانے اور غلطی میں پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان اصولوں کو اور ان تعلیمات کو اہتمام کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

شریعت نے کوئی لباس مخصوص نہیں کیا

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں، چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کرکے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لئے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہوگا۔ ایسا اس لئے نہیں کہا کہ اسلام دین فطرت ہے، اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے،

وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہوسکتا ہے، کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرمادیئے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔

لباس کے چار بنیادی اصول

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتادیئے ہیں، فرمایا کہ:

"یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ"

(سورۃ الاعراف، آیت ۲۶)

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔

یہ تین جملے ارشاد فرمائے اور ان تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معانی کی کائنات بھردی ہے۔

لباس کا پہلا بنیادی مقصد

اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے۔ "سوآۃ" کے معنٰی ہیں وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ہے "ستر" تو گویا لباس کا سب سے بنیادی مقصد "ستر" چھپانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصوں کو "ستر" قرار دیا، یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے، وہ ستر مردوں میں الگ ہے اور عورتوں میں الگ ہے، مردوں میں ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے، اس حصے کو کھولنا بلا ضرورت جائز نہیں، علاج وغیرہ کی مجبوری میں تو جائز ہے، لیکن عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے، عورت کا سارا جسم، سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب "ستر" ہے۔ جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔

لہٰذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپا لے، جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، وہ لباس کہلانے کے لائق ہی نہیں، کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے تین عیب

لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا اور کشف عورت ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا، لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آ رہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل کا ننگا پہناوا

موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے، اس لئے کہ آج کل مردوں اور عورتوں میں ایسے لباس رائج ہوگئے ہیں جن میں اس کی کوئی پروا نہیں کہ جسم کا کونسا حصہ کھل رہا ہے اور کونسا حصہ ڈھکا ہوا ہے، حالانکہ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس لباس ہی نہیں۔ جو خواتین بہت باریک اور

بہت چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کاسیات عاریات

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

یعنی لباس پہنا ہوگا مگر ننگی ہوں گی، اس لئے کہ اس کپڑے سے لباس کا وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا تھا۔ آج کل خواتین میں یہ وبا اس کثرت سے پھیل چکی ہے جس کی کوئی حد نہیں، شرم و حیا سب بالائے طاق ہو کر رہ گئی ہے، اور ایسا لباس رائج ہو گیا جو جسم کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کرتا ہے، خدا کے لئے ہم اس بات کو محسوس کریں اور اپنے اندر فکر پیدا کریں اور اپنے گھروں میں ایسے لباس پر پابندی عائد کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ احساس اور فکر پیدا فرمائے، آمین۔

خواتین ان اعضاء کو چھپائیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ شاید ہی آپ کا کوئی جمعہ ایسا جاتا ہو جس میں اس پہلو کی طرف متوجہ نہ فرماتے ہوں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو فتنے آج کل عام

رواج پا گئے ہیں، اس کو کسی طرح ختم کرو، خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جا رہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے۔ حالانکہ "ستر" کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لئے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لئے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

گناہوں کے بُرے نتائج

آج کل کی شادی کی تقریبات میں جا کر دیکھئے، وہاں کیا حال ہو رہا ہے، خواتین بے حیائی کے ساتھ ایسے لباس پہن کر مردوں کے سامنے آ جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ڈنکے کی چوٹ، سینہ تان کر اور ڈھٹائی کے ساتھ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی ایسی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ان فتنوں نے ہمارے اوپر یہ عذاب مسلّط کر رکھا ہے، یہ بدامنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ"

(سورۃ الشوریٰ، آیت ۳۰)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں اور ان پر پکڑ نہیں فرماتے ہیں۔

خدا کے لئے اپنے گھروں سے اس فتنے کو دور کریں۔

قرب قیامت میں خواتین کی حالت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور آپ نے اس طرح نقشہ کھینچا جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کی خواتین کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ان کے سروں کے بال ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس زمانے میں اس قسم کے بالوں کا کوئی رواج نہیں تھا،

یہی وجہ ہے کہ بعض شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح بال کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لیکن آج کے جدید فیشن نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کو پورا کر دیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ آگے ارشاد فرمایا کہ:

ممیلات مائلات

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اپنے زیب و زینت اور اپنے بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔

خدا کے لئے اس بات کو ذہن نشین کیجئے کہ یہ جو کچھ فتنے اور مصائب اور بدامنی اور بے چینی ہے، یہ حقیقت میں اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کھلم کھلا بغاوت ہو رہی ہے۔

کھلم کھلا گناہ کرنے والے

ایک بات اور سمجھئے کہ گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک گناہ وہ ہے جو انسان چوری چھپے تنہائی میں کر رہا ہے، علی الاعلان دوسروں کے سامنے نہیں کر رہا ہے اور کبھی کبھی اس کو گناہوں پر شرمندگی اور ندامت بھی ہو جاتی ہے اور توبہ کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسرا شخص علی الاعلان اور کھلم کھلا دوسروں کے

سامنے گناہ کر رہا ہے اور اس پر فخر بھی کر رہا ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

کل امتی معافی الا المجاھرین۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ستر المومنین علی نفسہ، حدیث نمبر ۶۰۶۹)

یعنی میری امت میں جتنے گناہ کرنے والے ہیں، سب کی مغفرت کی توقع ہے، انشاء اللہ سب کی معافی ہو جائے گی، یا تو توبہ کی توفیق ہو جائے گی یا اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیں گے، لیکن وہ لوگ جو ڈنکے کی چوٹ پر کھلم کھلا علانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے، اور اس گناہ پر کبھی شرمندہ نہ ہوتے ہوں گے، بلکہ اس گناہ پر فخر کرتے ہوں گے اور بلکہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ درست ہے، اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو اس پر بحث کرنے اور مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہوں گے، اور کہتے ہوں گے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ہم زمانے سے کٹ جائیں؟ کیا ہم دقیانوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ اور ساری دنیا کے طعنے ہم اپنے سر لے لیں؟ کیا سوسائٹی سے کٹ کر بیٹھ جائیں؟ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

سوسائٹی کو چھوڑ دو

ارے یہ تو دیکھو کہ اگر سوسائٹی سے کٹ کر اللہ کے ہو جاؤ گے تو یہ کونسا مہنگا سودا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ یہ سوسائٹی کب تک تمہارا ساتھ دے گی؟ تمہیں

کہاں تک لے جائے گی؟ یاد رکھو کہ قبر میں جانے کے بعد تمہارے اعمال کے سوا کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہوگا، اس وقت تم اپنی سوسائٹی کو مدد کے لئے پکارنا کہ تمہاری وجہ سے ہم یہ کام کر رہے تھے، اب آ کر ہماری مدد کرو، کیا اس وقت تمہاری سوسائٹی کے افراد میں سے کوئی آ کر تمہاری مدد کرے گا؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس وقت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۰۷)

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

نصیحت آموز واقعہ

قرآن کریم نے سورۂ صافات میں ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس شخص کو جب جنت میں پہنچا دیں گے اور جنت کی ساری نعمتیں عطا فرما دیں گے، اس وقت اس کو اپنے ایک ساتھی اور دوست کا خیال آئے گا کہ معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے؟ اس لئے کہ وہ دنیا کے اندر مجھے غلط کاموں پر اکسایا کرتا تھا اور مجھ سے بحث کیا کرتا تھا کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں، ماحول ایسا ہے، سوسائٹی کے یہ تقاضے ہیں، وقت کے تقاضے یہ ہیں وغیرہ، تو ایسی باتیں کر کے مجھے ورغلایا کرتا تھا، اب ذرا اس کو میں دیکھوں تو وہ

کس حال میں ہے؟ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ، وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۔

(سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۵۵ تا ۵۷)

جب وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا تو اس ساتھی کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور پھر اس کو مخاطب ہوکر اس سے کہے گا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا یعنی اگر میں تیرے کہنے میں آ جاتا، تیری بات مان لیتا اور تیری اتباع کرتا تو آج میرا بھی یہی حشر ہونا تھا جو حشر تیرا ہو رہا ہے۔ اور اگر میرے ساتھ میرے رب کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بھی اسی طرح دھر لیا گیا ہوتا جس طرح آج تجھے دھر لیا گیا ہے۔

ہم بیک ورڈ ہی سہی

بہرحال! اس سوسائٹی کے تقاضے یہاں پر تو بڑے خوش نما لگتے ہیں، لیکن اگر اس بات پر ایمان ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور جنت اور جہنم بھی کوئی چیز ہے، تو پھر خدا کے لئے اس سوسائٹی کی باتوں کو چھوڑو، اس کے ڈر اور خوف کو چھوڑو، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی طرف آؤ۔ اور یہ

سوسائٹی تمہیں جو طعنے دیتی ہے، ان طعنوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو، اگر سوسائٹی یہ کہتی ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم دقیانوس ہو، تم بیک ورڈ (Bake World) ہو، تم زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، تو ایک مرتبہ اس سوسائٹی کو خم ٹھوک کر اور کمر کس کر یہ جواب دے دو کہ ہم ایسے ہی ہیں، تم اگر ہمارے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہو رکھو، نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھو۔ جب تک ایک مرتبہ یہ نہیں کہو گے، اس وقت تک یاد رکھو! یہ سوسائٹی تمہیں جہنم کی طرف لے جاتی رہے گی۔

یہ طعنے مسلمان کے لئے مبارک ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، صحابہ کرامؓ کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، اور جو شخص بھی دین پر چلنا چاہتا ہے، اس کو یہ طعنے دیے جاتے ہیں۔ لیکن جب تک ان طعنوں کو اپنے لئے باعث فخر نہیں قرار دو گے، یاد رکھو! اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اکثروا ذکراللہ حتّٰی یقولوا "مجنون"۔

(مسند احمد، ج ۳، ص ۶۸)

اللہ کی یاد اور ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ایک طرف جارہی ہے، زمانہ ایک طرف جارہا ہے، اب تم اس کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اس کے بہاؤ کا رخ موڑنے کی کوشش کرو تو لوگ

تمہیں پاگل کہیں گے، چنانچہ آج اگر کوئی شخص دیانتداری اور امانت داری سے کوئی کام کرتا ہے تو لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ لوں، رشوت نہ دوں، سود نہ کھاؤں، حرام کاموں سے اجتناب کروں، اور لباس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کروں، تو اس وقت سوسائٹی اس کو یہی کہے گی کہ اس کا دماغ خراب ہے، یہ پاگل ہے، حالانکہ جب سوسائٹی تمہیں یہ کہے کہ تم پاگل ہو، تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہے اور تمہارے لئے باعثِ فخر کلمہ ہے، اور یہ وہ لقب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے۔ لہٰذا جس دن تمہیں دین کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اس دن خوشی مناؤ اور دو رکعت شکرانہ کی نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمن کے لئے فرمایا تھا، اس لئے اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے خوب کہا کہ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

لہٰذا اگر ساری دنیا کے خفا ہونے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے تمہارا تعلق جڑ جائے تو کیا یہ مہنگا سودا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی معلوم نہیں کتنے دن کی زندگی ہے، یہ باتیں اور یہ طعنے سب ختم ہوکر رہ جائیں گے، اور جس دن تمہاری آنکھ

بند ہوگی اور وہاں تمہارا استقبال ہوگا، اس وقت تم دیکھنا کہ ان طعنہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا، اور یہ طعنے دینے والے جو آج تم پر ہنس رہے ہیں، قیامت کے دن یہ ہنسنے والے روئیں گے اور تم ان پر ہنسا کرو گے۔ لہٰذا ان سوسائٹی والوں سے کب تک صلح کرو گے، کب تک ان کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہو گے، کب تک تم ان کے پیچھے چلو گے۔ لہٰذا جب تک ایک مرتبہ ہمت کر کے ارادہ نہیں کرو گے، اس وقت تک چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور برہنگی کے لباس کا جو رواج چل پڑا ہے، ایک مرتبہ عزم کر کے اس کو ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے آمین۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ نے لباس کا پہلا مقصد بیان فرمایا، وہ ہے ستر عورت، جو لباس ساتر نہیں، وہ حقیقت میں لباس ہی نہیں، وہ برہنگی ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد

لباس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ''ریشا'' یعنی ہم نے اس لباس کو تمہارے لئے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنائی۔ ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہٰذا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جسے دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگا نہ ہو جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہئے جس کو پہن کر زینت کا فائدہ حاصل ہو سکے۔

اپنا دل خوش کرنے کیلئے قیمتی لباس پہننا

بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں؟ اگر بہت قیمتی لباس پہن لیا تو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اسراف میں داخل نہ ہو جائے؟ اگر معمولی لباس پہنیں تو کس درجے کا پہنیں؟

اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اندران سے ایسا عجیب کام لیا کہ آپ نے کوئی چیز پردہ خفا کے اندر نہیں چھوڑی، ہر ہر چیز کو دو اور دو چار کر کے بالکل واضح کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ نے لباس کے بارے میں فرمایا کہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، یعنی اس لباس کے ذریعے جسم کو راحت بھی حاصل ہو، آرام بھی حاصل ہو، ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پتلا لباس پہن لیا، اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اسی طرح اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے زیبائش کا لباس پہنے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا کپڑا پندرہ روپے گز مل رہا ہے، اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لئے خریدے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو آرام ملے گا یا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے، اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی وسعت دی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے

پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں، تو یہ اسراف میں داخل نہیں ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت بھی دی ہے اور تم اپنا دل خوش کرنے کے لئے ایسا کپڑا پہن رہے ہو، اس لئے جائز ہے۔

مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہئے

بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بدہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے پوچھا:

"الک مال؟ قال نعم، قال، من ای المال؟ قال قد اتانی اللہ من الابل والغنم والخیل والرقیق، قال، فاذا اتاک اللہ مالا فلیر اثر نعمۃ اللہ علیک وکرامتہ"

(ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، حدیث نمبر ۴۰۶۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال

عطا فرمایا ہے یعنی اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ دے رکھا ہے، لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام کی خاطر اور اپنی آسائش یا زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، جائز ہے۔

حضور ﷺ کا قیمتی لباس پہننا

میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات جو مشہور ہوگئی کہ ''کالی کملی والے'' اس بات کو ہمارے شاعروں نے بہت مشہور کر دیا، یہ بات صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ حیات طیبہ سادگی کی حالت میں بسر ہوئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس طرح یہ منقول ہے کہ آپ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے، اور جہاں یہ منقول ہے کہ آپ نے موٹی چادریں استعمال فرمائیں، اسی طرح آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جبہ زیب تن فرمایا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل شریعت کا حصہ بننا تھا، اس لئے ہم جیسے کمزوروں کے لئے یہ

بھی کر کے دکھا دیا کہ اگر تم اپنی جسمانی راحت اور آسائش کے لئے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

نمائش اور دکھاوا جائز نہیں

لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے اتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے، اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا ہے، اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے اور بڑے پیسے والے ہیں، اور دوسروں پر بڑائی جتانا اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے تو یہ سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں، اس لئے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے وہ حرام ہے۔

یہاں شیخ کی ضرورت

ان دونوں باتوں میں بہت باریک فرق ہے کہ اپنا دل خوش کرنا مقصود ہے یا دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا مقصود ہے، یہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا ہے یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لئے پہنا ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ اس مقصد کے لئے کسی مصلح اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ان دونوں کے درمیان فرق کر کے بتا دیتا ہے کہ اس وقت جو کپڑے تم پہن رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہن رہا ہوں، یہ دراصل شیطان کا دھوکا ہے، حقیقت میں ان کپڑوں کے پہننے کا

مقصد دوسروں پر بڑائی ظاہر کرنا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ بہرحال! کسی شیخ کی ضرورت ہے۔ اور یہ پیری مریدی درحقیقت اسی کام کے لئے ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے کہ اس وقت میرے ساتھ یہ صورت حال ہے، بتایئے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنوں یا نہ پہنوں؟ وہ شیخ بتاتا ہے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنو اور اس وقت مت پہنو۔ نمائش اور آسائش میں یہ باریک فرق ہے۔ دنیا کے جتنے کام ہیں، چاہے وہ لباس ہو، یا کھانا ہو، یا جوتے ہوں، یا مکان ہو، ان سب میں یہ اصول کارفرما ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرما دیا ہے۔ یہ بڑا زرین اصول ہے۔

اسراف اور تکبر سے بچئے

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا اصولی ارشاد ہے کہ:

"کل ماشئت والبس ماشئت
ما اخطئتك اثنتان، سرف ومخيلة"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب نمبر ۱)

یعنی جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو: ایک اسراف سے اور دوسرے تکبر سے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لئے یہ جائز ہے، لیکن اسراف نہ ہو، اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی نمائش کے لئے کپڑا پہنتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن

کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچو۔ لیکن کون سے کپڑے سے اسراف ہو گیا اور کون سے کپڑے سے تکبر پیدا ہو گیا، اس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں تکبر ہو گیا اور یہاں اسراف ہو گیا۔ بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لباس کا دوسرا مقصد ہے زینت، لیکن اس زینت کی حدود ہیں، بس ان حدود شریعت کے اندر رہ کر جتنی زینت کر سکتے ہو، اس کو اختیار کر لو، لیکن اگر ان حدود سے باہر نکل کر زینت اختیار کرو گے تو یہ حرام ہوگی اور ناجائز ہوگی۔

فیشن کے پیچھے نہ چلیں

آج کل عجیب مزاج بن گیا ہے کہ اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی معیار نہیں، بس جو فیشن چل گیا وہ پسند ہے، اور جو چیز فیشن سے باہر ہو گئی وہ ناپسند ہے، ایک زمانے میں ایک چیز کا فیشن چل رہا ہے تو اب اس کو پسند کیا جانے لگا اور اس کی تعریف کی جانے لگی کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اس کا فیشن نکل گیا تو اب اسی کی برائی شروع ہو گئی۔ مثلاً ایک زمانے میں لمبی اور نیچی قمیص کا فیشن چل گیا تو اب جس کو بھی دیکھو وہ لمبی قمیص پہن رہا ہے اور اس کے فضائل بیان کر رہا ہے اور اس کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اونچی قمیص پہننے کا فیشن چل پڑا تو اب اونچی قمیص کی تعریف ہو رہی ہے اور اس کو پسندیدہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ فیشن کے تابع ہو کر خوبصورتی اور بدصورتی کا تعین صحیح نہیں، بلکہ اپنے آپ کو جو چیز اچھی لگے اور اپنے خیال کو جو چیز خوبصورت لگے، اس کو پہننے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

مَن بھاتا کھاؤ، مَن بھاتا پہنو

ہمارے یہاں ہندی میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ ''کھائے مَن بھاتا اور پہنے جگ بھاتا'' یعنی کھائے تو وہ چیز جو اپنے مَن کو بھائے، اپنے دل کو اچھی لگے، اپنا دل اس سے خوش ہو اور اپنے آپ کو پسند ہو۔ لیکن لباس وہ پہنے جو جگ کو بھائے۔ جگ سے مراد زمانہ، یعنی جو زمانے کے لوگوں کو پسند ہو، زمانے کے لوگ جس کو پسند کریں اور ان کی آنکھوں کو اچھا لگے۔ یہ کہاوت مشہور ہے، لیکن یہ اسلامی اصول نہیں، اسلامی اصول یہ ہے کہ پہنے بھی مَن بھاتا اور کھائے بھی مَن بھاتا، اور ''جگ بھاتا'' والی بات نہ لباس میں درست ہے اور نہ کھانے میں درست ہے، بلکہ شریعت نے تو یہ کہا ہے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے جو بھی لباس استعمال کرو، وہ جائز ہے، لیکن فیشن کی اتباع میں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نمائش کے لئے کوئی لباس استعمال کر رہے ہو تو وہ جائز نہیں۔

خواتین اور فیشن پرستی

اس معاملے میں آج کل خاص طور پر خواتین کا مزاج قابلِ اصلاح ہے۔ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے، اس لئے لباس پہن کر اپنے دل کو خوش کرنے کا معاملہ بعد کا ہے، اصل یہ ہے کہ دیکھنے والے اس لباس کو دیکھ کر اس کو فیشن کے مطابق قرار دیں اور اس کی

تعریف کریں، اور ہمارا لباس دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے لوگ ہیں۔ یہ باتیں عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے شوہروں کے سامنے تو میلی کچیلی رہیں گی اور اچھا لباس پہننے کا خیال بھی نہیں آئے گا، لیکن جہاں کہیں گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آگئی یا کسی تقریب میں شرکت کی نوبت آگئی تو پھر اس کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ وہ لباس فیشن کے مطابق ہو اور اس کے پہننے کے نتیجے میں وہ لوگ ہمیں دولت مند سمجھیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک لباس ایک تقریب کے اندر پہن لیا تو اب وہ لباس دوسری تقریب کے اندر نہیں پہنا جاسکتا، اب وہ لباس حرام ہوگیا، اس لئے کہ اگر وہی لباس پہن کر دوسری تقریب میں چلے گئے تو دوسری خواتین یہ سمجھیں گی کہ ان کے پاس تو ایک ہی جوڑا ہے، سب جگہ وہی ایک جوڑا پہن کر آجاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔ درحقیقت ان باتوں کے پس پردہ نمائش کا جذبہ ہے اور یہ نمائش کا جذبہ ممنوع ہے، البتہ نمائش کے ارادے اور اہتمام کے بغیر کوئی خاتون اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آج ایک جوڑا پہن لے اور کل کو دوسرا جوڑا پہن لے، اور اللہ تعالیٰ نے عطا بھی فرمایا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور نئے جوڑے

ہمارے بزرگوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جو بہت اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا،

جو بڑے درجے کے امام گزرے ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے، امام دارالھجرۃ، ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ ہر روز ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے، گویا کہ ان کے لئے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنتے تھے، اور جو جوڑا ایک دن پہنا، وہ دوبارہ بدن پر نہیں آتا تھا، دوسرے دن دوسرا جوڑا تیسرے دن تیسرا جوڑا۔ کسی کو خیال آیا کہ ہر روز نیا جوڑا پہننا تو اسراف ہے، چنانچہ اس نے آپ سے کہا کہ حضرت یہ روزانہ نیا جوڑا پہننا تو اسراف میں داخل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کروں، بات دراصل یہ ہے کہ جب سال شروع ہوتا ہے تو میرا ایک دوست تین سو ساٹھ جوڑے سلوا کر میرے گھر لے آتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا روز کا ایک جوڑا ہے، اب میں نے خود سے تو اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنوں، اگر میں ان جوڑوں کو واپس کردوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے، اور اگر نہ پہنوں تو بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا ہدیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں روزانہ نیا جوڑا پہنوں، اس لئے میں روزانہ ایک جوڑا بدلتا ہوں، اور اس کو اتارنے کے بعد کسی مستحق کو دے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ بہرحال! ان کا روزانہ نیا جوڑا پہننا دکھاوے کے لئے نہیں تھا بلکہ جس نے ہدیہ دیا تھا اس کا دل خوش کرنے کی خاطر تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک بڑا عجیب وغریب واقعہ یاد آ گیا، یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا، لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں، عید آنے والی تھی، بڑی پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لئے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے۔ اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا، جس کا نام تھا "آنکھ کا نشہ" یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔ اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کر دیا، اور حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہوگی، اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں، اس لئے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں، ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہو گیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لئے یہ اچکن تیار کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن کر عیدگاہ جائیں اور عید کی نماز پڑھیں۔ اب کہاں حضرت والا کا مزاج اور کہاں وہ شوخ اچکن، وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کروں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبت سے محنت کی، اس لئے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم نے تو یہ ماشاء اللہ

بڑا اچھا اچکن بنایا ہے، اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عیدگاہ میں پہنچے اور نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت! آپ نے یہ جو اچکن پہنا ہے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی! تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو، اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے، اس کو تم پہن لو۔

دوسرے کا دل خوش کرنا

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عیدگاہ کی طرف جا رہا تھا، تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا، اس لئے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا، لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے، اس کا دل خوش ہو جائے تو اس کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کر لی، اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے، اس لئے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیئے کہ کیسا لباس پہن کر آ گئے، لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے یہ کام کر لیا۔

بہر حال! انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اور کسی ہدیہ اور تحفہ دینے والے

کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لئے پہننا تا کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں، میں فیشن ایبل نظر آؤں، میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں، اور نمائش اور دکھاوے کے لئے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

لباس کے بارے میں تیسرا اصول

لباس کے بارے میں شریعت نے جو تیسرا اصول بیان فرمایا، وہ ہے "تشبہ سے بچنا" یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر مسلم قوم کا فرد نظر آئے، اور اس مقصد سے وہ لباس پہنے تا کہ میں ان جیسا ہو جاؤں، اس کو شریعت میں تشبہ کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس پہننا، اس سے قطع نظر کہ وہ چیز ہمیں پسند ہے یا نہیں، وہ اچھی ہے یا بری، لیکن چونکہ فلاں قوم کی نقالی کرنی ہے، بس ان کی نقالی کے پیش نظر اس لباس کو اختیار کیا جا رہا ہے، اس کو "تشبہ" کہا جاتا ہے۔ اس نقالی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، حدیث نمبر ۴۰۳۱)

یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے، اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے، تو وہ انہیں میں سے ہے، گویا کہ وہ مسلمانوں میں

سے نہیں ہے، اسی قوم کا ایک فرد ہے، اس لئے کہ یہ شخص انہی کو پسند کر رہا ہے، انہی سے محبت رکھتا ہے، انہی جیسا بننا چاہتا ہے، تو اب اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

''تشبہ'' کی حقیقت

تشبہ کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ ''تشبہ'' کب پیدا ہوتی ہے اور کب اس کی ممانعت آتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں دوسری قوم کی نقالی کرنا جو فی نفسہ برا کام ہے اور شریعت کے اصول کے خلاف ہے، ایسے کام میں نقالی تو حرام ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کام اگرچہ فی نفسہ تو برا نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن یہ شخص اس غرض سے وہ کام کر رہا ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں اور دیکھنے میں ان جیسا لگوں اور اہتمام کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کر رہا ہے تو اس صورت میں وہ مباح کام بھی حرام اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

گلے میں زنار ڈالنا

مثلاً ہندو اپنے گلے میں زنار ڈالا کرتے ہیں، اب یہ زنار ایک طرح کا ہار ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ویسے ہی اتفاقاً ڈال لے تو کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، ناجائز اور حرام کام نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے اپنے گلے میں ''زنار'' ڈال رہا ہے تا کہ میں ان جیسا لگوں تو یہ

ناجائز اور حرام ہے اور "تشبّہ" میں داخل ہے۔

ماتھے پر قشقہ لگانا

یا مثلاً ہندو عورتیں اپنے ماتھے پر سرخ قشقہ لگاتی ہیں، اب اگر بالفرض ہندو عورتوں میں اس طرح قشقہ لگانے کا رواج نہ ہوتا اور کوئی مسلمان عورت خوبصورتی اور زینت کے لئے لگاتی تو یہ کام فی نفسہ مباح تھا، کوئی ناجائز اور حرام نہیں تھا، لیکن اب اگر ایک عورت قشقہ اس لئے لگا رہی ہے تاکہ میں ان کا فیشن اختیار کروں اور ان جیسی نظر آؤں، تو اس صورت میں یہ قشقہ لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے۔ ہندوستان میں مسلمان عورتیں تو ان کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے یہ قشقہ لگاتی ہیں، لیکن اب سنا ہے کہ یہاں پاکستان میں بھی عورتوں میں قشقہ لگانے کا رواج شروع ہوگیا ہے، حالانکہ یہاں ہندو عورتوں کے ساتھ معاشرت بھی نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمان خواتین اپنے ماتھے پر یہ قشقہ لگاتی ہیں تو یہ ان کے ساتھ "تشبّہ" اختیار کرنا ہے، جو حرام اور ناجائز ہے۔ لہٰذا کوئی عمل جو اگرچہ فی نفسہ جائز اور مباح ہو، مگر اس کے ذریعہ دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو اس کو "تشبّہ" کہتے ہیں، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

پتلون پہننا

اسی مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جو لباس کسی بھی قوم کا

شعار بن چکا ہے۔ یعنی وہ لباس اس قوم کی امتیازی علامت بن چکا ہے، اگر ان کی نقالی کی غرض سے ایسا لباس اختیار کیا جائے گا تو وہ حرام اور ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔ مثلاً آج کل مردوں میں کوٹ پتلون کا رواج چل پڑا ہے اس میں بعض باتیں تو فی نفسہ بھی ناجائز ہیں، چاہے اس میں تشبہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، چنانچہ ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ پتلون ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتی ہے، اور کوئی لباس بھی مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر پتلون ایسی چست ہو کہ اس کی وجہ سے اعضا نمایاں ہوں، تو پھر لباس کا جو بنیادی مقصد تھا، یعنی ''ستر'' کرنا، وہ حاصل نہ ہوا تو پھر وہ لباس شرعی لحاظ سے بے معنی اور بے کار ہے۔ لہٰذا ان دو خرابیوں کی وجہ سے فی نفسہ پتلون پہننا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون چست نہ ہو، بلکہ ڈھیلی ڈھالی ہو، اور اس کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو ایسی پتلون پہننا فی نفسہ مباح ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پتلون اس مقصد سے پہنے تاکہ میں انگریز نظر آؤں، اور میں ان کی نقالی کروں اور ان جیسا بن جاؤں، تو اس صورت میں پتلون پہننا حرام اور ناجائز ہے اور ''تشبہ'' میں داخل ہے، لیکن اگر نقالی مقصود نہیں ہے اور اس بات کا بھی اہتمام کر رہا ہے کہ پتلون ٹخنوں سے اونچی ہو اور ڈھیلی ہو، تو ایسی صورت میں اس کے پہننے کو حرام تو نہیں کہیں گے، لیکن فی نفسہ اس پتلون کا پہننا پھر بھی اچھا نہیں اور کراہت سے خالی نہیں۔ کیوں؟ اس بات کو ذرا غور سے سمجھ لیں۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق

وہ یہ کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے "تشبہ" اور ایک ہے "مشابہت" دونوں میں فرق ہے۔ "تشبہ" کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی ارادہ کر کے نقالی کرے، اور ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کرے، یہ تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ دوسری چیز ہے "مشابہت" یعنی اس جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا، لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہوگئی۔ یہ "مشابہت" جو خود بخود پیدا ہو جائے حرام تو نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت مشابہت پیدا ہونے سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس کی کوشش کرو کہ ان سے امتیاز رہے، مسلمان قوم اور مسلمان ملت کا ایک امتیاز ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ دیکھ کر پتہ نہ چلے کہ یہ آدمی مسلمان ہے یا نہیں، سر سے لے کر پاؤں تک اپنا حلیہ ایسا بنا کر رکھا ہے کہ دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں، اس کو سلام کریں یا نہ کریں، مباحات کے ذریعہ بھی ایسا حلیہ بنانا پسندیدہ نہیں۔

حضور ﷺ کا مشابہت سے دور رہنے کا اہتمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "مشابہت" سے بچنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتداء

میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اور رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے، اور جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی، اب فرض تو نہ رہا، البتہ نفل اور مستحب بن گیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مسلمان عاشورہ کے دن روزہ رکھیں گے تو وہ یہودیوں کی نقالی میں تو نہیں رکھیں گے، وہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رکھیں گے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا، یا نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، بلکہ ان سے علیحدگی اور امتیاز ہو جائے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۲۳۶)

اب دیکھئے کہ روزے جیسی عبادت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پیدا ہونے کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عاشورہ کا روزہ رکھو تو اس کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ ملا لو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملا لو، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت بھی پیدا نہ ہو۔ لہٰذا "تشبہ" تو حرام ہے، لیکن "مشابہت" پیدا ہو جانا بھی کراہت سے خالی نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مشرکین کی مخالفت کرو

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"خالفوا المشرکین"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار، حدیث نمبر ۵۸۹۲)

مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو۔ یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں، تم ان سے الگ اپنا طریقہ بناؤ۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

"فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس"

(ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی العمائم، حدیث نمبر ۴۰۷۸)

یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ پہننا ہے، یعنی یہ مشرکین عمامے کے نیچے ٹوپیاں نہیں پہنتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو اور عمامے کے نیچے ٹوپی بھی پہنا کرو۔ حالانکہ بغیر ٹوپی کے عمامہ پہننا کوئی ناجائز اور حرام نہیں، لیکن ذرا سی مشابہت سے بچنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنو، تاکہ اشتباہ لازم نہ آئے، لہٰذا بلاوجہ کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کرنا اچھا نہیں ہے، آدمی اس سے جتنا بچے بہتر ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ دوسری قوموں کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مسلمان ایک ممتاز قوم ہے

سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک الگ قوم بنایا اور اپنے گروہ میں شامل فرما کر تمہارا نام "حزب اللہ" رکھا، یعنی اللہ کا گروہ، ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف۔ قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ بنیادی طور پر پوری دنیا میں دو جماعتیں ہیں، چنانچہ فرمایا کہ:

"خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ"

(سورۃ التغابن، آیت ۲)

یعنی دو جماعتیں ہیں: ایک کافر اور ایک مؤمن، اس لئے مؤمن کو کبھی کافر کی جماعت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہئے، اس کا امتیاز ہونا چاہئے اس کے لباس میں، اس کی پوشاک میں، اس کی وضع قطع میں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، اس کے طریق ادا میں، ہر چیز میں اسلامی رنگ نمایاں ہونا چاہئے، اب اگر مسلمان دوسروں کا طریقہ اختیار کرلے تو اس کے نتیجے میں وہ امتیاز مٹ جائے گا۔

اب آج دیکھ لو کہ یہ جو طریقہ چل پڑا ہے کہ سب کا لباس ایک جیسا ہے، اگر تم کسی مجمع میں جاؤ گے تو یہ پتہ لگانا مشکل ہوگا کہ کون مسلمان ہے اور کون مسلمان نہیں ہے، نہ لباس سے پتہ لگا سکتے ہیں، نہ پوشاک سے، اور نہ کسی اور انداز سے، اب اس کو سلام کریں یا نہ کریں؟ اور اس سے کس قسم کی باتیں کریں؟ لہٰذا ان خرابیوں کے سدِ باب کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشبہ سے بھی بچو، اس لئے کہ وہ تو بالکل ہی حرام ہے، اور

"مشابہت" سے بھی بچو، اور یہ مشابہت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور پسندیدہ بھی نہیں ہے۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان ایک ایسی قوم کا لباس پسند کر کے اس کو اختیار کرے جس قوم نے تمہیں ہر طریقے سے غلامی کی چکی میں پیسا، تمہارے اوپر ظلم و ستم توڑے، تمہارے خلاف سازشیں کیں، تمہیں موت کے گھاٹ اتارا، اور ظلم و ستم کا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جو اس نے فروگذاشت کردیا ہو، اب تم ایسی قوم کے طریقوں کو عزت اور تکریم کے ساتھ اختیار کرو، یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔

انگریزوں کی تنگ نظری

لوگ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آپ جو اس قسم کا لباس پہننے سے منع کرتے ہیں، یہ تنگ نظری کی بات ہے۔ اور ایسی بات کہنے والوں کو تنگ نظر کہا جاتا ہے، حالانکہ جس قوم کا لباس تم اختیار کر رہے ہو، اس کی تنگ نظری اور اس کی مسلمان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ہمارے مغل مسلمان بادشاہوں کا جو لباس تھا، یعنی عمامہ اور خاص شلوار قمیص، اس نے وہ لباس اپنے خانساموں کو پہنایا، اپنے بیروں کو پہنایا، اپنے چوکیداروں کو پہنایا، اور اس نے ان کو یہ لباس پہننے پر مجبور کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ صرف مسلمانوں کو

ذلیل کرنے کے لئے اور یہ دکھانے کے لئے کہ دیکھو! ہم نے تمہارے بادشاہوں کا لباس اپنے نوکروں کو، اپنے خانساموں کو اور اپنے بیروں کو پہنایا۔ اس قوم کی تنگ نظری کا تو یہ عالم ہے اور ماشاءاللہ ہماری فراخی قلب کا یہ عالم ہے کہ ہم ان کا لباس بڑے فخر سے اور بڑے ذوق وشوق سے پہننے کے لئے تیار ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی کہے کہ یہ لباس پہننا غیرت کے خلاف ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو تنگ نظر ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال! اس میں شرعی قباحت کے علاوہ بڑی بے غیرتی کی بھی بات ہے۔

تم اپنا سب کچھ بدل ڈالو، لیکن

یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ تم کتنا ہی ان کا لباس پہن لو، اور کتنا ہی ان کا طریقہ اختیار کرلو، مگر تم پھر بھی ان کی نگاہ میں عزت نہیں پاسکتے، قرآن کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۰)

یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کو اختیار نہیں کرلو گے، ان کے نظریات، ان کے ایمان، ان کے دین کو اختیار

نہیں کرلو گے، اس وقت تک وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اب تم اپنا لباس بدل لو، پوشاک بدل لو، سراپا بدل لو، جسم بدل لو، جو چاہو بدل لو، لیکن وہ تم سے راضی ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ تم نے تجربہ کرلیا اور سب کچھ کر کے دیکھ لیا، سب کچھ ان کی نقالی پر فنا کر کے دیکھ لیا، سر سے لے کر پاؤں تک تم نے اپنے آپ کو بدل لیا، کیا تم سے وہ لوگ خوش ہوگئے؟ کیا تم سے راضی ہوگئے؟ کیا تمہارے ساتھ انہوں نے ہمدردی کا برتاؤ شروع کردیا؟ بلکہ آج بھی ان کی دشمنی کا وہی عالم ہے، اور اس لباس کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری عزت کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔

اقبال مرحوم کا مغربی زندگی پر تبصرہ

اقبال مرحوم نے نثر کے انداز میں تو بہت گڑبڑ باتیں بھی کی ہیں، لیکن اشعار میں بعض اوقات بڑی حکمت کی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مغربی لباس اور مغربی طرز زندگی وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روس
نے ز عریاں ساق، نے از قطع موش

یعنی مغربی ممالک کے اندر جو قوت نظر آرہی ہے، وہ اس چنگ و رباب کی وجہ سے نہیں، موسیقی اور گانوں کی وجہ سے نہیں، اور لڑکیوں کے بے پردہ ہونے

اور ان کے ناچنے گانے کی وجہ سے بھی نہیں ہے اور یہ ترقی اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی عورتوں نے سر کے بال کاٹ کر پٹھے بنالئے، اور نہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی پنڈلیاں ننگی کرلیں۔ آگے کہتے ہیں کہ:

قوتِ افرنگ از علم و فن است

از ہمیں آتش چراغش روشن است

یعنی جو کچھ قوت ہے وہ ان کی محنت کی وجہ سے ہے، علم و ہنر کی وجہ سے ہے، اور اسی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں، پھر آخر میں کہا کہ:

حکمت از قطع و برید جامہ نیست

مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی حکمت اور ہنر کسی خاص قسم کا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا، اور عمامہ پہننے سے علم و ہنر حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ بہر حال! اصل چیز جو حاصل کرنے کی تھی، وہ تو حاصل کی نہیں، اور لباس و پوشاک اور طریق زندگی میں ان کی نقل اتار کر ان کے آگے بھی اپنے آپ کو ذلیل کرلیا۔ دنیا سے عزت وہی کراتا ہے جس کو اپنے طریق زندگی سے عزت ہو، اگر دل میں اپنی عزت نہیں، اپنے طریقے کی عزت نہیں، تو پھر وہ دنیا سے کیا عزت کرائے گا۔ لہٰذا تمہارا یہ انداز اور یہ طریقہ ان کو کبھی پسند نہیں آئے گا، چاہے تم ان کے طریقوں میں غرق ہو کر اور ڈوب کر دیکھ لو اور اپنے آپ کو پوری طرح بدل کر دیکھ لو۔

تشبّہ اور مشابہت دونوں سے بچو

بہرحال! فتوے کی بات تو وہ ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ ''تشبّہ'' تو ناجائز حرام اور گناہ ہے۔ اور ''تشبّہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ کرکے ان جیسا بننے کی کوشش کرنا، اور ''مشابہت'' کے معنی یہ ہیں کہ ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں تھا لیکن کچھ مشابہت پیدا ہوگئی۔ یہ گناہ اور حرام تو نہیں ہے، البتہ کراہت سے خالی نہیں، اور غیرت کے تو بالکل خلاف ہے، اس لئے ان دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ یہ لباس کا تیسرا اصول تھا۔

لباس کے بارے میں چوتھا اصول

لباس کے بارے میں چوتھا اصول یہ ہے کہ ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے، چاہے وہ لباس ٹاٹ ہی کا کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی ایک شخص ٹاٹ کا لباس پہنے اور مقصد یہ ہو کہ یہ پہن کر میں لوگوں کی نظروں میں بڑا درویش اور صوفی نظر آؤں اور بڑا متقی اور پرہیزگار بن جاؤں، اور پھر اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے اور دوسروں کی تحقیر پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ ٹاٹ کا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے وہ بھی حرام ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر کپڑے پہننے سے نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کی حقارت دل میں لانے سے ہوتا ہے، اس لئے بعض اوقات ایک شخص یہ سمجھتا

ہے کہ میں بڑا تواضع والا لباس پہن رہا ہوں، حقیقت میں اس کے اندر تکبر بھرا ہوتا ہے۔

ٹخنے چھپانا جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے بھی نہیں۔

(صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث نمبر ۵۷۹۱)

دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی زیر جامہ کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پائجامہ، شلوار، پتلون، لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں، اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وعیدیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا بھی نہیں۔ اب دیکھئے کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا ایک معمولی بات ہے، اگر ایک انچ اوپر شلوار پہن لی تو اس سے کیا آفت اور مصیبت آ جائے گی؟ کونسا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت حاصل ہوگی۔ اور یہ ایسا گناہ بے لذت ہے کہ جس میں پوری کی پوری قوم مبتلا ہے، کسی کو فکر ہی نہیں۔

ٹخنے چھپانا تکبر کی علامت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، اس میں ٹخنے ڈھکنے اور ازار کو نیچے تک پہننے کا بڑا فیشن اور رواج تھا، بلکہ اگر ازار زمین پر بھی گھسٹتا جائے تو اس کو اور اچھا اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ مدارس کے درس نظامی میں ایک کتاب ''حماسہ'' پڑھائی جاتی ہے جو جاہلیت کے شاعروں کے اشعار پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ایک شاعر اپنے حالات پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

اذا ما اصطبحت اربعا خط میزری

جب میں صبح کے وقت شراب کے چار جام چڑھا کر نکلتا ہوں تو میرا ازار زمین پر لکیریں بناتا ہوا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے اس طرز عمل کو اپنا قابل فخر کارنامہ بتا رہا ہے، لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح جاہلیت کے اور طریقوں کو ختم فرمایا، اسی طرح اس طریقے کو بھی ختم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ دل میں تکبر اور رعونت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ازار ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہئے۔

اس سے اس پروپیگنڈا کا بھی جواب ہوگیا جو آج کل بہت پھیلایا جارہا ہے، اور بہت سے لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقے اختیار کر لئے جو آپ کے زمانے میں رائج تھے، اور جیسا لباس قریش میں رائج تھا، جیسی وضع قطع رائج تھی، اسی کو اختیار کرلیا، اب اگر

آج ہم اپنے دور کے رائج شدہ طریقے اختیار کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

خوب سمجھ لیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے زمانے میں رائج طریقوں کو اختیار نہیں فرمایا، بلکہ ان میں تبدیلی پیدا کی اور ان کو ناجائز قرار دیا۔ آج لوگ نہ صرف یہ کہ غلط کاری میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض اوقات بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے ذرا نیچے ہو گیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ ارے حرج یہ ہے کہ یہ حصہ جہنم میں جائے گا اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔

انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھی کھول دیئے

ہمارے بزرگ تھے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ ایک تقریر میں فرمانے لگے کہ اب ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹخنے کھول دو اور ٹخنے ڈھکنا جائز نہیں تو اس وقت ہم لوگ ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں تھے اور جب انگریز نے کہا کہ گھٹنہ کھول دو اور نیکر پہن لو، تو اب گھٹنہ کھلوانے کو تیار ہو گئے۔ انگریز کے حکم پر گھٹنہ بھی کھول دیا اور نیکر پہن لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ٹخنے کھولنے پر تیار نہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ ارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بھی کچھ تقاضے ہیں، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند فرمایا تو ایک مسلمان کو کس طرح یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کفار مکہ سے مذاکرات کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ کے چچازاد بھائی نے جو آپ کے ساتھ تھے کہا کہ یہ آپ کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہے اور مکہ کے جن رؤساء اور سرداروں سے آپ مذاکرات کے لئے جا رہے ہیں وہ لوگ ایسے آدمی کو حقیر سمجھتے ہیں جس کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہو۔ اس لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا ٹخنہ ڈھک لیں اور ازار کو نیچے کرلیں تاکہ وہ لوگ آپ کو حقیر نہ سمجھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:

"لا، ھکذا ازرۃ صاحبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

نہیں، یہ کام میں نہیں کرسکتا، اس لئے کہ میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب چاہے وہ لوگ حقیر سمجھیں یا ذلیل سمجھیں، اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، بس میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ ہے اور میں تو اسی کو اختیار کروں گا، پھر انہوں نے ہی دنیا سے اپنی عزت کرائی۔ آج ہم اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ڈر رہے ہیں، جھینپ رہے ہیں، شرما رہے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے اونچا کرلیا تو قاعدے کے خلاف ہو جائے گا، وقار کے خلاف ہو جائے گا، فیشن کے خلاف ہو جائے گا۔ خدا کے لئے یہ خیالات دل سے نکال دو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

سنت کا جذبہ دل میں پیدا کرو۔

اگر دل میں تکبر نہ ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

بعض لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے ازار پہننے کو منع فرمایا تھا، لہٰذا اگر تکبر نہ ہو تو پھر ٹخنوں سے نیچے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو فرمایا کہ ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو، لیکن میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لئے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے، اس لئے تم ان میں داخل نہیں۔

(ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، حدیث نمبر ۴۰۸۵)

اب لوگ استدلال میں اس واقعہ کو پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے، لہٰذا ہمارے لئے جائز ہونا چاہئے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ تم تکبر کی وجہ سے کرتے ہو یا تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے؟ ارے بھائی! یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تکبر سے پاک کون ہو سکتا ہے؟ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زندگی بھر

ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں پہنا۔ اس معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اجازت دی گئی تھی، وہ ایک مجبوری کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، لیکن تمہارے ساتھ کیا مجبوری ہے؟ اور آج تک آپ نے کوئی ایسا متکبر دیکھا ہے جو یہ کہے کہ میں تکبر کرتا ہوں، میں متکبر ہوں، اس لئے کہ کسی متکبر کو کبھی خود سے اپنے متکبر ہونے کا خیال نہیں آتا۔ اس لئے شریعت نے علامتوں کی بنیاد پر احکام جاری کئے ہیں، یہ نہیں کہا کہ تکبر ہو تو ازار کو اونچا رکھو ورنہ نیچے کرلیا کرو۔ بلکہ شریعت نے بتا دیا کہ جب ازار کو نیچے لٹکا رہے ہو، باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر تکبر ہے، اس لئے ہر حالت میں ازار نیچے لٹکانا ناجائز ہے۔

علماء محققین کا صحیح قول

اگرچہ بعض فقہاء نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے کرے تو مکروہ تحریمی ہے اور تکبر کے بغیر کرے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے اور جس پر ان کا عمل بھی رہا ہے کہ ہر حالت میں نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ تکبر کا پتہ لگانا آسان نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں، اس لئے اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنے سے اونچا ازار پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان اصولوں پر

عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

بہرحال! لباس کے یہ چار اصول ہیں، پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ساتر ہونا چاہئے، دوسرا اصول یہ ہے کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعہ زینت بھی حاصل کرنی چاہئے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نمائش اور دکھاوا مقصود نہ ہو، چوتھا اصول یہ ہے کہ اس کے پہننے سے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔ اب آگے لباس سے متعلق جو احادیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ پڑھ لیتے ہیں۔

سفید رنگ کے کپڑے پسندیدہ ہیں

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: البسوا من ثیابکم البیاض، فانہا من خیر ثیابکم، وکفنوا فیہا موتاکم۔

(ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الامر بالکحل، حدیث نمبر ۳۸۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لئے کہ مردوں کے لئے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کفن دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا ناجائز نہیں، حرام نہیں۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات دوسرے رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے، لیکن زیادہ تر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ لہذا اگر مرد اس نیت سے سفید کپڑے پہنے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سفید کپڑے پہننے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید کپڑے پسند تھے تو اس نیت کی وجہ سے انشاء اللہ اتباع سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ ہاں اگر کبھی دوسرے رنگ کا کپڑا پہن لیا تو وہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مردوں کیلئے جائز ہے، کوئی ناجائز نہیں، چنانچہ اگلی حدیث ہے:

حضور ﷺ کا سرخ دھاری دار کپڑے پہننا

"عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ قال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربوعا، وقد رایتہ فی حلۃ حمراء ما رایت شیئا قط احسن منہ"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، حدیث نمبر ۵۸۴۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے، اور

میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ جوڑے میں دیکھا اور
میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت چیز
اس کائنات میں کوئی نہیں دیکھی۔

بلکہ ایک صحابی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چودھویں کا چاند چمک رہا تھا، چاندنی رات تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا پہنے تشریف فرما تھے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حسین لگ رہے تھے کہ میں بار بار کبھی چودھویں کے چاند کو دیکھتا، اور کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا، آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال چودھویں کے چاند سے کہیں زیادہ تھا۔ تو ان احادیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، حدیث نمبر ۲۸۱۲)

خالص سرخ مرد کیلئے جائز نہیں

لیکن یہ بات سمجھ لیجئے کہ سرخ جوڑے سے مراد یہ نہیں ہے کہ پورا سرخ تھا، بلکہ علماء کرام نے دوسری روایات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانے میں یمن سے کچھ چادریں آیا کرتی تھیں، ان چادروں پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں، پوری سرخ نہیں ہوتی تھیں، اور وہ بہت اچھا کپڑا سمجھا جاتا تھا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سرخ دھاریوں والے کپڑے کا

جوڑا پہنا ہوا تھا۔

اور یہ جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے پہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو پتہ چل جائے کہ اس قسم کے کپڑے پہننا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، البتہ بالکل خالص سرخ کپڑا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبّہ ہو جائے گا اور یہ تشبّہ بھی ناجائز ہے۔

آپ ﷺ کا سبز کپڑے پہننا

عن رفاعة التیمی رضی اللہ عنه، قال، رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وعلیه ثوبان اخضران۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخضرة، حدیث نمبر ۴۰۶۵)

حضرت رفاعہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے ہیں، تو کبھی کبھی آپ ﷺ نے دوسرے رنگوں کے کپڑے پہن کر یہ بتا دیا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

آپ ﷺ کے عمامے کے رنگ

وعن جابر رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل عام الفتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم، حدیث نمبر ۴۰۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ عمامہ پہننا ثابت ہے اور بعض روایات سے سفید عمامہ پہننے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

آستین کہاں تک ہونی چاہئے

وعن اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا قالت: کان کم قمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الرسغ۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی القمیص، حدیث نمبر ۴۰۲۷)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین گٹوں تک ہوتی تھی۔ اس لئے مردوں کے لئے تو سنت یہ ہے کہ ان کی آستین گٹوں تک ہو، اگر اس سے کم ہوگی تو سنت ادا نہیں ہوگی، اگر چہ جائز ہے، لیکن عورتوں کے لئے گٹوں سے اوپر

کا تو حصہ کھلا رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں، حرام ہے، کیونکہ ان کے لئے پنچے سے نیچے پوری کلائی ستر میں داخل ہے، اس کا کھولنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

آج کل یہ فیشن بھی عورتوں میں چل پڑا ہے کہ قمیص کی آستین آدھی ہوتی ہے اور بسا اوقات پورے بازو کھلے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سالی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنا چاہئے سوائے گٹوں تک ہاتھوں کے اور چہرے کے۔ لہٰذا اگر آستین چھوٹی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کا حصہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح خواتین ستر کھولنے کے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اس لئے ان کو اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ اور مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ خواتین کو ان باتوں پر متنبہ کرتے رہیں، یہ جو ہم نے کہنا سننا چھوڑ دیا ہے، اس کے نتیجے میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

اصلاحی خطبات

جلد ۶

- توبہ: گناہوں کا تریاق
- درود شریف: ایک اہم عبادت
- ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی
- بھائی بھائی بن جاؤ
- بیمار کی عیادت کے آداب
- سلام کے آداب
- مصافحہ کے آداب
- چھ زرّین نصیحتیں
- اُمتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

(٦)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات — حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب — محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام — جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل — فروری ۱۹۹۶ء
تعداد — دو ہزار
ناشر — میمن اسلامک پبلشرز، فون: - ۴۹۴۰۳۳۳
باہتمام — ولی اللہ میمن
قیمت — /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ: احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کرکے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے

ان کیسٹوں کی تعداد اب دو سو سے زائد ہو گئی ہے انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تخریج

کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے لیکن الحمدللہ: ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت و چہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی، اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد اللہ "اصلاحی خطبات" کی چھٹی جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد خامس کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد سادس کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد اللہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد سادس کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارلعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمادے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد۔ کراچی

اجمالی فہرست خطبات

صفحہ

تفصیلی فہرست

توبہ ۔ گناہوں کا تریاق

درود شریف ایک اہم عبادت

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی

بھائی بھائی بن جاؤ

بیمار کی عیادت کے آداب

سلام کرنے کے آداب

مصافحہ کرنے کے آداب

چھ زرّیں نصیحتیں

اُمتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟

توبہ۔ گناہوں کا تریاق

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب ـــــــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء بروز جمعہ

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توبہ
گناہوں کا تریاق

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً، امابعد:

حضور کا سو مرتبہ استغفار کرنا

وعن الاغر المزنی رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول، انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ حدیث نمبر ۲۷۰۲)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کبھی کبھی میرے دل پر بھی بادل سا آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اللہ جل جلالہ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ــــــــ یہ کون فرمارہے ہیں؟ وہ ذات جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا فرمایا، آپ سے کسی گناہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں، اور اگر کبھی آپ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرما دیا گیا کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک ہماری طرف سے معاف ہے چنانچہ

ارشاد ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

(سورۃ الفتح ۲)

تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دے

اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ــــــ اس حدیث کی تشریح میں علماء نے فرمایا کہ اس حدیث میں "سو" کا جو عدد آپ نے بیان فرمایا۔ اس سے گنتی بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ استغفار کی کثرت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

گناہوں کے وساوس سب کو آتے ہیں

پھر اس حدیث میں استغفار کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ میں اتنی کثرت سے استغفار اس لئے کرتا ہوں کہ کبھی کبھی میرے دل پر بھی بادل سا چھا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی بتقاضہ بشریت ایک نبی کے دل میں بھی خیالات اور وساوس پیدا ہو سکتے ہیں۔ کوئی آدمی نیکی اور تقویٰ کے کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے، لیکن گناہوں کی جھلکیوں سے نہیں بچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت اعلیٰ اور ارفع ہے، اس مقام تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا، لیکن جتنے اولیاء کرام، صوفیاء عظام، بزرگان دین گزرے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں کہ ان کے دل میں گناہوں کا کبھی وسوسہ اور خیال بھی نہ آیا ہو، اور کوئی خواہش بھی پیدا نہ ہوئی ہو ــــــ لہٰذا گناہوں کی جھلکیاں تو بڑوں بڑوں کو آتی ہیں۔ البتہ فرق یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے غافل لوگ تو گناہوں کی ذرا سی جھلکی پر ہتھیار ڈال دیتے ہیں، اور گناہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں ــــــ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں، ان کو بھی گناہوں کے خیالات اور وساوس آتے ہیں۔ اور دل میں گناہوں کے ارادے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل اور

مجاہدے کی برکت سے وہ خیالات، وساوس اور ارادے کمزور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ارادے انسان پر غالب نہیں آتے؛ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس خیال پر عمل نہیں ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا

(سورہ یوسف: ۲۴)

یعنی زلیخا نے گناہ کی دعوت دی تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا تھوڑا سا خیال آگیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔

یہ خیال غلط ہے

لہٰذا تصوف و طریقت کے بارے میں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں قدم رکھنے کے بعد رذائل اور گناہوں کا بالکل ازالہ ہو جائے گا۔ اور پھر گناہوں کا بالکل خیال ہی نہیں آئے گا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ مجاہدہ کرنے اور مشق کرنے کے نتیجے میں گناہوں کے تقاضے مغلوب اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس طریق میں بڑی کامیابی یہی ہے کہ گناہوں کے تقاضے مغلوب اور کمزور پڑ جائیں۔ اور انسان کے اوپر غالب نہ آنے پائیں۔ لیکن یہ سوچنا کہ مجاہدہ کرنے کے بعد دل میں گناہوں کا خیال ہی نہیں آئے گا۔ یہ بات محال ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

جوانی میں توبہ کیجئے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ اور تقاضہ پیدا

فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا"

(سورہ الشمس ۸)

یعنی ہم نے انسان کے دل میں گناہ کا بھی تقاضہ پیدا کیا ہے اور تقوی کا تقاضہ بھی پیدا کیا ہے، اسی میں تو امتحان ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان کے دل سے گناہ کا تقاضہ بالکل ختم ہو جائے اور فنا ہو جائے۔ تو پھر گناہوں سے بچنے میں انسان کا کیا کمال ہوا؟ پھر نہ تو نفس سے مقابلہ ہوا، اور نہ شیطان سے مقابلہ ہوا، نہ ان سے معرکہ پیش آیا۔ تو پھر جنت کس کے بدلے ملے گی؟ اس لئے کہ جنت تو اسی بات کا انعام ہے کہ دل میں گناہوں کے تقاضے اور داعیے پیدا ہو رہے ہیں، لیکن انسان ان کو شکست دے کر اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے اور اللہ کی عظمت اور جلال سے ان تقاضوں پر عمل نہیں کرتا۔ تب جاکر انسان کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

یعنی بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس وقت نہ منہ میں دانت رہے، اور نہ پیٹ میں آنت رہی، اب ظلم کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب پرہیزگار نہیں بنے گا تو اور کیا بنے گا! لیکن پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ آدمی جوانی کے اندر توبہ کرے، جب کہ قوت اور طاقت موجود ہے۔ اور گناہوں کا تقاضہ بھی شدت سے پیدا ہو رہا ہے۔ اور گناہ کے مواقع بھی میسر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے خوف سے آدمی گناہوں سے بچ جائے۔ یہ ہے پیغمبروں کا شیوہ۔

بزرگوں کی صحبت کا اثر

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کوئی اللہ والا ہم پر ایسی نظر ڈال دے اور اپنے

سینے سے لگالے۔ اور سینے سے اپنے انوارات منتقل کر دے اور اس کے نتیجے میں گناہ کا داعیہ ہی دل سے مٹ جائے۔ یاد رکھو، ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا، جو شخص اس خیال میں ہے وہ دھوکے میں ہے، اگر ایسا ہو جاتا تو پھر دنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہتا، اس لئے کہ پھر تصرفات کے ذریعہ ساری دنیا مسلمان ہو جاتی۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک صاحب حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ حضرت، کچھ نصیحت فرما دیجئے، حضرت نے نصیحت فرما دی۔ پھر وہ صاحب رخصت ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ حضرت، مجھے آپ اپنے سینے میں سے کچھ عطا فرما دیجئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سینے میں سے کوئی نور نکل کر ہمارے سینے میں داخل ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں بیڑہ پار ہو جائے اور گناہوں کی خواہش ختم ہو جائے ـــــ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ سینے میں سے کیا دوں۔ میرے سینے میں تو بلغم ہے۔ چاہئے تو لے لو ـــــ بہرحال یہ جو خیال ہے کہ کسی بزرگ کی نگاہ پڑ جائے گی، یا سینے میں سے کچھ مل جائے گا تو سب رذائل دور ہو جائیں گے۔ یہ خیال لغو ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

البتہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت میں تاثیر ضرور رکھی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی فکر اور سوچ کا رخ بدل جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان صحیح راستے پر چل پڑتا ہے۔ مگر کام خود ہی کرنا ہوگا، اور اپنے اختیار سے کرنا ہوگا۔

ہر وقت نفس کی نگرانی ضروری ہے

بہرحال، گناہوں کے وساوس اور ارادوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہو سکتا، چاہے کسی بڑے سے بڑے مقام تک پہنچ جائے، البتہ کمزور ضرور پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص سالہا سال تک کسی بزرگ کی صحبت میں رہا، اور جو چیز بزرگوں کی صحبت میں حاصل کی جاتی ہے، وہ حاصل بھی ہو گئی۔ اور تکمیل بھی ہو

گئی، اور دل میں خوف، خشیت اور تقویٰ پیدا ہو گیا، نسبت مع اللہ اور تعلق مع اللہ بھی حاصل ہو گیا۔ ان سب چیزوں کے حاصل ہو جانے کے باوجود انسان کو ہر ہر قدم پر اپنی نگرانی رکھنی پڑتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اب شیخ بن گئے۔ اور شیخ سے اجازت حاصل ہو گئی تو اب اپنے آپ سے، اپنے نفس سے غافل ہو گئے، اور یہ سوچا کہ اب تو ہم پہنچ گئے۔ اس مقام پر پہنچ گئے کہ اب تو نفس اور شیطان بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یہ خیال بالکل غلط ہے، اس لئے کہ شیخ کی صحبت کی برکت سے اتنا ضرور ہوا کہ گناہ کا داعیہ کمزور پڑ گیا۔ لیکن نفس کی نگرانی پھر بھی ہر وقت رکھنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ کسی وقت بھی یہ داعیہ دوبارہ زندہ ہو کر انسان کو پریشان کر سکتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

یعنی اس راہ میں تراش و خراش ہمیشہ کی ہے، حتیٰ کہ آخری سانس آنے تک کسی وقت بھی غافل ہو کر مت بیٹھنا، اس لئے کہ یہ نفس کسی وقت بھی انسان کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

ایک لکڑ ہارے کا قصہ

مثنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک لکڑ ہارا تھا۔ جو جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتا تھا۔ اور ان کو بازار میں بیچ دیتا تھا، ایک مرتبہ جب لکڑیاں کاٹ کر لایا۔ لکڑیوں کے ساتھ ایک بڑا سانپ بھی لپٹ کر آگیا، اس کو پتہ نہیں چلا۔ لیکن جب گھر پہنچا تو تب اس نے دیکھا کہ ایک سانپ بھی آگیا ہے۔ البتہ اس میں جان نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مردہ ہے اس لئے اس لکڑ ہارے نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہیں گھر کے اندر ہی رہنے دیا۔ باہر نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، لیکن جب اس کو گرمی

پہنچی تو اس کے اندر حرکت پیدا ہونی شروع ہو گئی، اور آہستہ آہستہ اس نے رینگنا شروع کر دیا، لکڑ ہارا غفلت میں لیٹا ہوا تھا۔ اس سانپ نے جا کر اس کو ڈس لیا، اب گھر والے پریشان ہوئے کہ یہ تو مردہ سانپ تھا۔ کیسے زندہ ہو کر اس نے ڈس لیا؟

نفس بھی ایک اژدھا ہے

یہ قصہ نقل کرنے کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا بھی یہ حال ہے، جب انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر مجاہدات اور ریاضتیں کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں یہ نفس کمزور ہو جاتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب مردہ ہو چکا ہے، لیکن حقیقت میں وہ مردہ نہیں ہوتا۔ اگر انسان اس کی طرف سے غافل ہو جائے تو کسی بھی وقت زندہ ہو کر ڈس لے گا، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

نفس اژدھا است مردہ است
از غمے بے آلتی افسردہ است

یعنی یہ انسان کا نفس بھی اژدھا کے مانند ہے ابھی مرا نہیں ہے، لیکن چونکہ مجاہدے اور ریاضتیں کرنے کی چوٹیں اس پر پڑی ہیں۔ اس لئے یہ افسردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن کسی وقت بھی زندہ ہو کر ڈس لے گا۔ لہٰذا کسی لمحے بھی نفس سے غافل ہو کر مت بیٹھو۔

گناہوں کا تریاق "استغفار" اور توبہ

لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے نفس اور شیطان دو زہریلی چیزیں پیدا فرمائی ہیں۔ جو انسان کو پریشان اور خراب کرتی ہیں، اور جہنم کے عذاب کی طرف انسان کو لے جانا چاہتی ہیں۔ اسی طرح ان دونوں کا تریاق بھی بڑا زبردست پیدا فرمایا۔ اللہ

تعالیٰ کی حکمت سے یہ بات بعید تھی کہ زہر تو پیدا فرما دیتے اور اس کا تریاق پیدا نہ فرماتے، اور وہ تریاق اتنا زبردست پیدا فرمایا کہ فوراً اس زہر کا اثر ختم کر دیتا ہے، وہ تریاق ہے "استغفار" "توبہ" لہٰذا جب بھی یہ نفس کا سانپ تمہیں ڈسے، یا اس کے ڈسنے کا اندیشہ ہو تو تم فوراً یہ تریاق استعمال کرتے ہوئے کہو:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

یہ تریاق اس زہر کا سارا اثر ختم کر دے گا۔ بہر حال، جو بیماری یا زہر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس کا تریاق بھی پیدا فرمایا۔

قدرت کا عجیب کرشمہ

ایک مرتبہ میں جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے علاقے میں ریل گاڑی پر سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہاڑی علاقے میں گاڑی رک گئی، ہم نماز کے لئے نیچے اترے، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت پودا ہے، اس کے پتے بہت خوبصورت تھے اور وہ پودا بہت حسین و جمیل معلوم ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پتے کو توڑ لیں۔ میں نے جیسے ہی اس کے پتے کو توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے جو رہنما تھے۔ وہ ایک دم زور سے چیخ پڑے کہ حضرت! اس کو ہاتھ مت لگایئے گا، میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے۔ اس کے پتے دیکھنے میں تو بہت خوشنما ہیں۔ لیکن یہ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے چھونے سے انسان کے جسم میں زہر چڑھ جاتا ہے اور جس طرح بچھو کے ڈسنے سے زہر کی لہریں اٹھتی ہیں۔ اسی طرح اس کے چھونے سے بھی لہریں اٹھتی ہیں ——— میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور پہلے سے معلوم ہو گیا۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، دیکھنے میں بڑی خوبصورت ہے ——— پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ معاملہ تو بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے تو بتا دیا جس کی وجہ سے میں بچ گیا۔ لیکن اگر کوئی انجان آدمی جا کر اس کو ہاتھ لگا دے، وہ تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس پر انہوں نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتائی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جہاں کہیں یہ زہریلی جھاڑی ہوتی ہے۔ اسی کی جڑ میں آس پاس لازماً ایک پودا اور ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ہاتھ اس زہریلے پودے پر لگ جائے تو وہ فوراً اس دوسرے پودے کے پتے کو ہاتھ لگا دے۔ اسی وقت اس کا زہر ختم ہو جائے گا ـــــ چنانچہ انہوں نے اسی کی جڑ میں وہ دوسرا پودا بھی دکھایا۔ یہ اس کا تریاق ہے۔

بس یہی مثال ہے ہمارے گناہوں کی اور استغفار و توبہ کی، لہٰذا جہاں کہیں گناہ کا زہر چڑھ جائے تو فوراً توبہ استغفار کا تریاق استعمال کرو۔ اسی وقت اس گناہ کا زہر اتر جائے گا۔

خلیفۃ الارض کو تریاق دے کر بھیجا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت رکھی، اور پھر اس کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا، اور جس مخلوق میں گناہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس کو اپنا خلیفہ بنانے کا اہل بھی قرار نہیں دیا، یعنی فرشتے کہ ان کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت اور اہلیت موجود نہیں، تو وہ خلافت کے بھی اہل نہیں ـــــ اور انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت بھی رکھی، اور دنیا کے اندر بھیجنے سے پہلے نمونے اور مشق کے طور پر ایک غلطی بھی کروائی گئی، چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں بھیجا گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ پوری جنت میں جہاں چاہو جاؤ۔ جو چاہو کھاؤ۔ مگر اس درخت کو مت کھانا، اس کے بعد شیطان جنت میں پہنچ گیا۔ اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکا دیا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے اس درخت کو کھا لیا۔ اور غلطی سرزد ہو گئی ـــــ یہ غلطی ان سے کروائی گئی، اس لئے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن غلطی کروانے کے بعد ان کے

اندر پریشانی، شرمندگی پیدا ہوئی کہ یا اللہ مجھ سے کیسی غلطی ہو گئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو چند کلمات سکھائے۔ اور ان سے فرمایا کہ اب تم یہ کلمات کہو:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔
(الاعراف: ۲۳)

قرآن کریم میں یہ فرمایا کہ ہم نے یہ کلمات حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا کہ یہ کلمات ان کو سکھائے بغیر اور ان سے کہلوائے بغیر ویسے ہی معاف فرما دیتے، اور ان سے کہہ دیتے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیوں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ کرا کر ان کو بتا دیا کہ جس دنیا میں تم جا رہے ہو، وہاں یہ سب کچھ ہو گا، وہاں بھی شیطان تمہارے پاس آئے گا، اور نفس بھی لگا ہوا ہو گا۔ اور کبھی تم سے کوئی گناہ کرائے گا۔ کبھی کوئی گناہ کرائے گا، اور تم جب تک ان کے لئے اپنے ساتھ تریاق لے کر نہیں جاؤ گے۔ اس وقت تک دنیا میں صحیح زندگی نہیں گزار سکو گے، وہ تریاق ہے "استغفار اور توبہ" لہٰذا غلطی اور استغفار دونوں چیزیں ان کو سکھا کر پھر فرمایا کہ اب دنیا میں جاؤ۔ اور یہ تریاق بھی بہت آسان ہے کہ زبان سے استغفار کر لے تو انشاء اللہ وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

"توبہ" تین چیزوں کا مجموعہ

عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک "استغفار" اور ایک "توبہ" اصل ان میں سے "توبہ" ہے اور "استغفار" اس توبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے، اور یہ "توبہ" تین چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جب تک یہ تین چیزیں جمع نہ ہوں، اس وقت تک توبہ کامل نہیں ہوتی، ایک یہ کہ جو غلطی اور گناہ سرزد ہوا ہے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔ پشیمانی اور دل شکستگی ہو۔ دوسرے یہ کہ جو گناہ ہوا اس کو فی الحال فوراً چھوڑ دے، اور تیسرے یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم

کامل ہو، جب تین چیزیں جمع ہو جائیں۔ تب توبہ مکمل ہوتی ہے۔ اور جب توبہ کر لی تو وہ توبہ کرنے والا شخص گناہ سے پاک ہو گیا، حدیث شریف میں ہے کہ:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له

(ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبة، حدیث نمبر ۴۲۵۰)

یعنی جس نے گناہ سے توبہ کر لی۔ وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، صرف یہ نہیں کہ اس کی توبہ قبول کر لی۔ اور نامہ اعمال کے اندر یہ لکھ دیا کہ اس نے فلاں گناہ کیا تھا وہ گناہ معاف کر دیا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم دیکھئے کہ توبہ کرنے والے کے نامہ اعمال ہی سے وہ گناہ مٹا دیتے ہیں، اور آخرت میں اس گناہ کا ذکر فکر بھی نہیں ہو گا کہ اس بندہ نے فلاں وقت میں فلاں گناہ کیا تھا۔

"کراماً کاتبین" میں ایک امیر ایک مامور

بلکہ میں نے ایک بات اپنے شیخ سے سنی، کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ ہر انسان کے ساتھ یہ جو دو فرشتے ہیں۔ جن کو "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے۔ جو انسان کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں، دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور بائیں طرف والا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے، تو میرے شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف والے فرشتے کو بائیں طرف والے فرشتے کا امیر مقرر کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جہاں کہیں دو آدمی مل کر کام کریں تو ان میں سے ایک امیر ہو۔ اور دوسرا مامور ہو۔ لہٰذا جب انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ فوراً اس نیکی کو لکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو نیکی لکھنے میں دوسرے فرشتے سے پوچھنے کی حاجت اور ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ امیر ہے۔ اور بائیں طرف والا فرشتہ چونکہ دائیں طرف والے فرشتے کا ماتحت ہے۔ اس لئے جب بندہ کوئی گناہ اور غلطی کرتا ہے، تو بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے

سے پوچھتا ہے کہ اس بندہ نے فلاں گناہ کیا ہے میں اس کو لکھوں یا نہیں؟ تو دائیں طرف والا فرشتہ کہتا ہے، نہیں، ابھی مت لکھو، ابھی ٹھہر جاؤ، ہو سکتا ہے کہ یہ بندہ توبہ کر لے، اگر لکھ لو گے تو پھر مٹانا پڑے گا، تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھ لوں! وہ کہتا ہے کہ ٹھہر جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ توبہ کر لے، پھر جب تیسری مرتبہ یہ فرشتہ پوچھتا ہے، اور بندہ اس وقت تک توبہ نہیں کرتا تو اس وقت کہتا ہے کہ اب لکھ لو۔

صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ بندہ کو گناہ کے بعد مہلت دیتے ہیں، کہ وہ گناہ سے توبہ کر لے۔ معافی مانگ لے۔ تاکہ اس کے نامہ اعمال میں لکھنا ہی نہ پڑے، لیکن کوئی شخص توبہ نہ کرے تو پھر لکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے لکھنے کے بعد بھی مرتے دم تک دروازہ کھلا ہے کہ جب چاہو، توبہ کر لو، اس کو اپنے نامہ اعمال سے مٹوالو، ایک مرتبہ جب سچے دل سے توبہ کر لو گے تو وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دیا جائے گا، اور جب تک نزع کی حالت اور غرغرہ کی حالت طاری نہ ہو، اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے، "اللہ اکبر" کیسے کریم اور رحیم کی بارگاہ ہے۔ فرمایا:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نو امیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اگر سو بار توبہ ٹوٹ گئی ہے، تو پھر توبہ کر لو، اور گناہ سے رک جاؤ۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

رات کو سونے سے پہلے توبہ کر لیا کرو

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے۔ جن لوگوں نے ان کی زیارت کی ہے۔ وہ ان کے مقام سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب فہم و فراست عطا فرمائی تھی، عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک دن وہ توبہ پر بیان فرما رہے تھے، میں بھی قریب میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے چٹکلے ہوا کرتے تھے، ایک آزاد منش نوجوان اس مجلس میں آگیا ـــــ وہ اپنے کسی مقصد سے آیا تھا۔ مگر یہ اللہ والے تو ہر وقت سکھانے اور تربیت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، چنانچہ اس نوجوان سے فرمانے لگے کہ میاں! لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دین بڑا مشکل ہے، ارے یہ دین کچھ بھی مشکل نہیں، بس رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیا کرو۔ بس یہی سارا دین ہے۔

گناہ کا اندیشہ عزم کے منافی نہیں

جب وہ نوجوان چلا گیا تو میں نے کہا کہ حضرت! یہ توبہ واقعی بڑی عجیب و غریب چیز ہے۔ لیکن دل میں ایک سوال رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بے چینی رہتی ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا؟ میں نے کہا کہ حضرت! توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ دل میں ندامت ہو، دوسرے یہ کہ فوراً اس گناہ کو چھوڑ دے، تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے یہ عزم کر لے کہ آئندہ یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا۔ ان میں سے پہلی دو باتوں پر تو عمل کرنا آسان ہے کہ گناہ پر ندامت بھی ہو جاتی ہے، اور اس گناہ کو اس وقت چھوڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن تیسری شرط کہ یہ پختہ عزم کرنا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ یہ بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پختہ عزم صحیح ہوا یا نہیں؟ اور جب عزم صحیح نہیں ہوا تو توبہ بھی صحیح نہیں ہوئی، اور جب

توبہ صحیح نہیں ہوئی تو اس گناہ کے باقی رہنے اور اس کے معاف نہ ہونے کی پریشانی رہتی ہے۔

جواب میں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: جاؤ میاں، تم تو عزم کا مطلب بھی نہیں سمجھتے عزم کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے یہ ارادہ کر لو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، اب اگر یہ ارادہ کرتے وقت دل میں یہ دھڑکہ اور اندیشہ لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں، میں اس عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں؟ تو اندیشہ اور دھڑکا اس عزم کے منافی نہیں۔ اور اس اندیشے اور خطرے کی وجہ سے توبہ میں کوئی نقص نہیں آتا، بشرطیکہ اپنی طرف سے پختہ ارادہ کر لیا ہو، اور دل میں یہ جو خطرہ لگا ہوا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر لو کہ یا اللہ، میں توبہ تو کر رہا ہوں۔ اور آئندہ نہ کرنے کا عزم تو کر رہا ہوں۔ لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم کیا؟ میں کمزور ہوں۔ معلوم نہیں کہ اس عزم پر ثابت قدم رہ سکونگا یا نہیں؟ یا اللہ، آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم فرما دیجئے۔ آپ ہی مجھے استقامت عطا فرمایئے، جب یہ دعا کر لی تو انشاء اللہ وہ خطرہ اور اندیشہ زائل ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت حضرت بابا صاحب نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس کے بعد سے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

مایوس مت ہو جاؤ

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ، جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک تمہیں گناہوں سے ڈر لگتا ہو، اور گناہ کر کے دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو۔ اس وقت تک مایوسی کا کوئی جواز نہیں۔ ہاں، یہ بات بڑی خطرناک ہے کہ دل سے گناہ کا ڈر مٹ جائے، اور گناہ کرنے کے بعد دل میں کوئی ندامت پیدا نہ ہو، اور

انسان گناہ پر سینہ زوری کرنے لگے، اور اس گناہ کو جائز کرنے کے لئے تاویلیں کرنا شروع کر دے۔ البتہ جب تک دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو۔ اس وقت تک مایوسی کا کوئی راستہ نہیں۔ ہمارے حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

سوئے نو امیدی مروکہ امیدھا ست

سوئے تاریکی مروکہ خورشیدھا ست

یعنی ناامیدی کی طرف مت جاؤ، کیونکہ امید کے راستے بے شمار ہیں۔ تاریکی کی طرف مت جاؤ کیونکہ بے شمار سورج موجود ہیں۔ لہٰذا توبہ کر لو تو گناہ سب ختم ہو جائیں گے۔

شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے

اور جب تک اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھولا ہوا ہے تو پھر مایوسی کیسی؟ یہ جو بعض اوقات ہمارے دل میں خیال آتا ہے کہ ہم تو بڑے مردود ہو گئے ہیں، ہم سے عمل وغیرہ ہوتے نہیں ہیں۔ گناہوں میں مبتلا ہیں، اس خیال کے بعد مایوسی دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو: یہ مایوسی پیدا کرنا بھی شیطان کا حربہ ہے، اس لئے کہ شیطان دل میں مایوسی پیدا کر کے انسان کو بے عمل بنانا چاہتا ہے ــــــ ارے تم یہ دیکھو کہ جس بندہ کا مالک اتنا رحمٰن اور رحیم ہے کہ اس نے مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو بندہ توبہ کر لے گا، اس کے گناہ نامہ اعمال سے بھی مٹا دیں گے۔ کیا وہ بندہ پھر بھی مایوس ہو جائے؟ اس کو مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر استغفار کرے۔ اور توبہ کرے۔ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

ایسی تیسی میرے گناہوں کی

ارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے؟ توبہ کے ذریعے ایک منٹ میں سب اڑ

جاتے ہیں، چاہے بڑے سے بڑے گناہ کیوں نہ ہوں۔ وہی حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس اللہ سرہ، بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار ہم جیسے لوگوں کے لئے بڑی تسلی کے شعر ہوتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے ۔

دولتیں مل گئیں ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آہوں کی دولت عطا فرما دی کہ دل ندامت سے سلگ رہا ہے، اور انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے، اور ندامت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر یہ گناہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ لہذا جب توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے تو اب مایوسی کا یہاں گزر نہیں۔

استغفار کا مطلب

بہر حال، "توبہ" کے اندر تین چیزیں شرط ہیں، ان کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی ـــــ دوسری چیز ہے "استغفار" یہ "استغفار" توبہ کے مقابلے میں عام ہے، استغفار کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگنا، اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا ـــــ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "استغفار" کے اندر یہ تین چیزیں شرط نہیں، بلکہ استغفار ہر انسان ہر حالت میں کر سکتا ہے، جب کوئی غلطی ہو جائے یا دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو جائے۔ یا عبادت میں کوتاہی ہو جائے، یا کسی بھی طرح کی کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو فوراً استغفار کرے اور کہے کہ:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

کیا ایسا شخص مایوس ہو جائے؟

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کے لئے اصل راستہ تو یہ

ہے کہ وہ توبہ کرے، اور تینوں شرائط کے ساتھ کرے، لیکن بعض اوقات ایک شخص بہت سے گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا ہے، ان کو بھی چھوڑنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے لیکن ایک گناہ ایسا رہ گیا۔ جس کو چھوڑنے پر کوشش کے باوجود وہ قادر نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ حالات یا ماحول کی وجہ سے مغلوب ہے، اور اس گناہ کو چھوڑ نہیں پا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا شخص توبہ سے مایوس اور ناامید ہو کر بیٹھ جائے کہ میں اس کے چھوڑنے پر قادر نہیں، اس لئے میں تو تباہ ہو گیا؟

حرام روزگار والا شخص کیا کرے؟

مثلاً ایک شخص بینک میں ملازم ہے، اور بینک کی ملازمت ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اس لئے کہ سود کی آمدنی ہے۔ جب وہ دین کی طرف آیا، اور آہستہ آہستہ اس نے بہت سے گناہ چھوڑ دیئے، نماز، روزہ شروع کر دیا۔ اور شریعت کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ دل سے تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس حرام آمدنی سے بھی کسی طرح بچ جاؤں، اور بینک کی ملازمت چھوڑ دوں۔ لیکن اس کے بیوی بچے ہیں، ان کی معاش اور حقوق کی ذمہ داری بھی اس کے اوپر ہے، اب اگر وہ ملازمت چھوڑ کر الگ ہو جائے تو خطرہ اس بات کا ہے کہ پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ جس کی وجہ سے وہ بینک کی ملازمت چھوڑنے پر قادر نہیں ہو رہا ہے، البتہ دوسری جائز ملازمت کی تلاش میں بھی لگا ہوا ہے ــــــ (بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسا شخص دوسری ملازمت اس طرح تلاش کرے، جس طرح ایک بے روزگار آدمی ملازمت تلاش کرتا ہے) ــــــ تو کیا ایسا شخص مایوس ہو کر بیٹھ جائے؟ اس لئے کہ مجبوری کی وجہ سے ملازمت چھوڑ نہیں سکتا، جس کی وجہ سے چھوڑنے کا عزم بھی نہیں کر سکتا، جبکہ توبہ کے اندر چھوڑنے پر عزم کرنا شرط ہے، تو کیا ایسے مبتلا شخص کے لئے توبہ کا کوئی راستہ نہیں

ہے؟

توبہ نہیں، استغفار کرے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے لئے بھی راستہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ سنجیدگی سے کوشش کرنے کے باوجود جب تک کوئی جائز اور حلال روزگار نہیں ملتا، اس وقت تک ملازمت نہ چھوڑے، لیکن ساتھ ساتھ اس پر استغفار بھی کرتا رہے، اس وقت توبہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ توبہ کے لئے گناہ کا چھوڑنا شرط ہے اور یہاں وہ ملازمت چھوڑنے پر قادر نہیں، اس لئے توبہ نہیں ہو سکتی، البتہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، اور یہ کہے کہ یا اللہ، یہ کام تو غلط ہے، اور گناہ ہے۔ مجھے اس پر ندامت اور شرمندگی بھی ہے لیکن یا اللہ، میں مجبور ہوں، اور اس کے چھوڑنے پر قادر نہیں ہو رہا ہوں۔ مجھے اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ اور مجھے اس گناہ سے نکال دیجئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی یہ کام کرے گا تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن آئندہ چل کر اس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو ہی جائے گی۔ اور ایک حدیث سے استدلال کیا وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ما اصر من استغفر

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر ۱۱۹، حدیث نمبر ۳۵۵۲)

یعنی شخص استغفار کرے، وہ اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا، اسی بات کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

(آل عمران: ۱۳۵)

یعنی اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ اگر کبھی ان سے غلطی ہو جائے، یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اس وقت وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں

——— اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کی مغفرت کرے ——— اور جو گناہ انہوں نے کیا ہے، اس پر اصرار نہیں کرتے،

اس لئے استغفار تو ہر حال میں کرتے رہنا چاہئے، اگر کسی گناہ کے چھوڑنے پر قدرت نہیں ہو رہی ہے، تب بھی استغفار نہ چھوڑے۔ بعض بزرگوں نے یہاں تک فرمایا کہ جس زمین پر گناہ اور غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اسی زمین پر استغفار کر لے۔ تاکہ جس وقت وہ زمین تمہارے گناہ کی گواہی دے اس کے ساتھ وہ تمہارے استغفار کی بھی گواہی دے کہ اس بندہ نے ہمارے سامنے استغفار بھی کر لیا تھا۔

استغفار کے بہترین الفاظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے، آپ استغفار کے لئے ایسے ایسے الفاظ امت کو سکھا گئے کہ اگر کوئی انسان اپنے ذہن سے سوچ کر ان الفاظ تک پہنچنے کی کوشش بھی کرتا تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

رب اغفر وارحم، واعف عنا وتکرم وتجاوز عما تعلم، فانک تعلم مالا نعلم انک انت الاعز الاکرم۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفا اور مروہ کے درمیان سعی کیا کرتے تھے۔ اس وقت آپ میلین اخضرین (سبز نشان) کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے ——— یعنی اے اللہ، میری مغفرت فرمایئے۔ اور مجھ پر رحم فرمایئے۔ اور میرے جو گناہ آپ کے علم میں ہیں، وہ سب معاف فرما دیجئے، اس لئے کہ آپ کے علم میں ہمارے وہ گناہ بھی ہیں۔ جن کا علم ہمیں بھی نہیں ہے، بیشک آپ ہی سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہیں ———

دیکھئے بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں۔ جو حقیقت میں گناہ ہیں۔ لیکن ہمیں ان کے گناہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا، اور بعض اوقات علم نہیں ہوتا، اب

کہاں تک انسان اپنے گناہوں کو شمار کر کے ان کا احاطہ کرے گا؟ اس لئے دعا میں فرمادیا کہ جتنے گناہ آپ کے علم میں ہیں۔ یا اللہ ان سب کو معاف فرما۔

سید الاستغفار

بہتر یہ ہے کہ "سید الاستغفار" (استغفار کا سردار) کو یاد کرلیں۔ اور اسے پڑھا کریں۔ اس کا معمول بنالیں:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ، فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ"

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب افضل الاستغفار حدیث نمبر ۶۳۰۶)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

یا اللہ! آپ میرے پروردگار ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ نے مجھے پیدا کیا، میں آپ کا بندہ ہوں، اور میں حتی الوسع آپ سے کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، آپ نے جو نعمتیں مجھے عطا فرمائیں انہیں لے کر آپ سے رجوع کرتا ہوں، اور اپنے گناہ سے بھی آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ لہٰذا میرے گناہ معاف فرمادیجئے۔ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی گناہ کی مغفرت نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص صبح کے وقت اس کو پورے یقین کے ساتھ پڑھے، تو اگر شام تک اس کا انتقال ہوگیا تو سیدھا جنت میں جائے گا، اور اگر کوئی شخص شام کے وقت پڑھ لے، اور صبح تک اس کا انتقال ہوگیا تو سیدھا جنت میں جائے گا ـــــــ لہٰذا صبح شام اس سید الاستغفار کے پڑھنے کا معمول بنا

لیں، بلکہ ہر نماز کے بعد اس کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اس لئے کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الاستغفار کا لقب دیا۔ یعنی یہ تمام استغفاروں کا سردار ہے، جب استغفار کے یہ کلمات اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سکھا رہے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو سکھا رہے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس استغفار کے ذریعہ اپنے بندوں کو نوازنا ہی چاہتے ہیں، اور مغفرت کرنا ہی چاہتے ہیں، اس لئے اس کو معمولات میں ضرور شامل کر لیں۔ اگر چاہیں تو استغفار کے مختصر الفاظ بھی یاد کر لیں، وہ یہ ہیں:

"أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ"

اور اگر صرف: "استغفر اللہ" ہی پڑھ لیا کریں تو بھی ٹھیک ہے۔

بہترین حدیث

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا لذھب اللہ تعالٰی بکم، ولجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ تعالٰی فیغفر لھم"

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار، حدیث نمبر ۲۷۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بات زور دے کر تاکید اور اہتمام کے ساتھ بیان کرنی مقصود ہوتی تو قسم کھا کر وہ بات بیان فرماتے، اور قسم میں بھی یہ الفاظ فرماتے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) ـــــ اگر تم بالکل گناہ نہ کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارا وجود ختم کر دیں، اور ایسے لوگوں کو پیدا کریں جو گناہ کریں، اور پھر استغفار کریں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیں۔

انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت پیدا کی

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر انسان کی تخلیق سے یہ مقصود ہوتا کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کریں، جس کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو۔ تو پھر انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر تو فرشتے بھی کافی تھے۔ اس لئے کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو ہر وقت طاعت اور عبادت ہی میں لگی رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس ہی میں مشغول رہتی ہے، اس میں گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں، اگر گناہ کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتی۔

لیکن انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور گناہ دونوں کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور پیش نظر یہ تھا کہ انسان میں گناہوں کی صلاحیت ہونے کے باوجود وہ گناہوں سے پرہیز کرے۔ اور اگر کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً استغفار کرے۔ اب اگر انسان یہ عمل نہ کرے تو اس کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر تو فرشتے ہی کافی تھے۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جا رہا تھا تو فرشتوں نے یہی کہا تھا کہ یہ آپ کونسی مخلوق پیدا فرما رہے ہیں، جو زمین پر خون ریزی کرے گی۔ فساد مچائے گی، اور ہم آپ کی تسبیح و تقدیس میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ)

میں وہ باتیں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔

یہ فرشتوں کا کمال نہیں

اس لئے کہ گناہ کی صلاحیت ہونے کے باوجود جب یہ مخلوق گناہوں سے اجتناب کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے گی، اس لئے کہ تم جو گناہوں سے بچ رہے ہو، اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں۔ کیونکہ تمہارے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔

مثلاً ایک آدمی نابینا ہے۔ اس کو کچھ دکھائی نہیں دیتا، اگر وہ کسی غیر محرم کو نہ دیکھے، فلم نہ دیکھے، فحش قسم کی تصویر نہ دیکھے تو اس میں اس کا کیا کمال ہے؟ اس لئے کہ اس کے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر دیکھنا بھی چاہے تو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ایک شخص وہ ہے جس کی بینائی کامل ہے، ہر چیز دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور اس کے دل میں خواہشات، امنگیں اور شوق امڈ رہا ہے۔ لیکن اس سارے شوق اور امنگوں کے باوجود وہ اللہ کا بندہ ہونے کا تصور کر کے اپنی آنکھوں کو غلط جگہ پڑنے سے بچاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔

جنت کی لذتیں صرف انسان کے لئے ہیں

خوب سمجھ لیجئے: فرشتے اگرچہ جنت میں رہیں۔ لیکن جنت کی لذتیں ان کے لئے نہیں، جنت کی راحتیں ان کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ ان کے اندر جنت کی لذتوں اور راحتوں کے ادراک کرنے کا مادہ ہی نہیں، جنت کی لذتیں اللہ تعالیٰ نے اسی مخلوق کے لئے پیدا فرمائی ہیں جس کے اندر گناہ کی بھی صلاحیت موجود ہے، اور نیکی کی بھی صلاحیت موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور آپ کی مشیت میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے، اس نے اپنی حکمت بالغہ ہی سے سارا جہاں اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اس جہاں کے اندر ایسا انسان تخلیق کریں جس کے اندر گناہ کرنے کی بھی صلاحیت ہو۔ اور پھر وہ گناہ سے رکے، اور اگر کبھی بھول چوک اور بشریت کے تقاضے سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً وہ استغفار کرے۔ اور اس استغفار کرنے کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کی غفاری کا، اس کی ستاری کا، اور اس کے غفور رحیم ہونے کا مورد بنتا ہے۔ اب اگر گناہ ہی نہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی غفاری کہاں ظاہر ہوتی؟

کفر بھی حکمت سے خالی نہیں

بزرگوں نے فرمایا کہ اس کائنات میں کوئی چیز حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ کفر بھی حکمت سے خالی نہیں، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

یعنی اس کارخانے میں کفر کی بھی ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر بولہب نہ ہوتا۔ یعنی کافر نہ ہوتا تو جہنم کی آگ کس کو جلاتی؟ لہٰذا گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ایک حصہ ہے، اور اس گناہ کی خواہش بندہ کے اندر اس لئے پیدا کی گئی، تاکہ بندہ اس خواہش کو کچلے اور اس کو جلائے، کیونکہ بندہ اس خواہش کو جتنا کچلے گا، جتنا جلائے گا، اتنا ہی اس کا تقویٰ کامل ہوگا، اور تقوی کا نور اس کو حاصل ہوگا۔

دنیا کی شہوتیں اور گناہ ایندھن ہیں

اللہ تعالیٰ نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو مثال دینے میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ مثال دینے میں امام تھے۔ فرماتے ہیں کہ ۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقوی روشن است

یعنی یہ دنیا کی شہوتیں، لذتیں اور گناہ اس لحاظ سے بڑے کام کی چیزیں ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایندھن عطا کیا ہے۔ تاکہ تم اس ایندھن کو جلا کر تقوی کا حمام روشن کر سکو۔ اس لئے کہ تقوی کا حمام اسی ایندھن کے ذریعہ روشن ہوگا۔۔۔۔۔ لہٰذا جس وقت گناہ کی بھرپور خواہش پیدا ہو رہی ہو۔ گناہ کا تقاضہ دل میں موجیں مار رہا ہو۔ دل مچل رہا ہو، بیتاب ہو رہا ہو۔ اس وقت تم اس خواہش اور اس تقاضے کو اللہ تعالیٰ کے لئے کچل دو۔ جب اس کو کچل دو گے، اور جلا دو گے تو اس کے

ذریعہ تقویٰ کا حمام روشن ہوگا۔ اور تقویٰ کا نور حاصل ہوگا ——— اب اگر یہ گناہ کا تقاضہ ہی نہ ہوتا تو تمہیں اس حمام کو روشن کرنے کا یہ ایندھن کہاں سے حاصل ہوتا؟

ایمان کی حلاوت

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کے دل میں نامحرم پر نگاہ ڈالنے کا تقاضہ اور شوق پیدا ہوا، لیکن اس اللہ کے بندے نے اس شوق اور تقاضے کے باوجود اس نگاہ کو نامحرم پر ڈالنے سے روک لیا۔ اور یہ سوچا کہ میرے اللہ اور میرے مالک نے اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس تقاضے کو روک لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اگر وہ نظر ڈال لیتا تو اس کو ایسی حلاوت حاصل نہ ہوتی۔ جو اللہ تعالیٰ اس کو نظر نہ ڈالنے کی وجہ سے ایمان کی حلاوت عطا فرمائیں گے، دیکھئے، یہی گناہ کا تقاضہ ایمان کی حلاوت حاصل ہونے کا ذریعہ بن گیا، اگر یہ گناہ کا تقاضہ اور داعیہ نہ ہوتا تو ایمان کی حلاوت حاصل نہ ہوتی۔

گناہ پیدا کرنے کی حکمت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو بندہ سے گناہ کرانا نہیں تو پھر اس گناہ کو پیدا ہی کیوں کیا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس گناہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی دو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب بندہ پوری کوشش کر کے اس گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے گا تو اس کو تقویٰ کا نور حاصل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا کیونکہ انسان جتنا جتنا گناہ سے دور ہوتا جائے گا، اسی اعتبار سے اس کے درجات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

(الطلاق: ۳)

یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نئے
نئے راستے پیدا فرمائیں گے"

توبہ کے ذریعہ درجات کی بلندی

لیکن اپنی پوری کوشش اور اہتمام کے باوجود بتقاضہ بشریت انسان کسی جگہ پھسل گیا، اور گناہ کر لیا۔ تو جب اس گناہ پر وہ استغفار کرے گا اور ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گا، اور یہ کہے گا:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ

یا اللہ، مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف فرما۔ تو اب اس ندامت اور توبہ کے نتیجے میں اس کے درجات اور زیادہ بلند ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی غفاری اور ستاری کا مظہر بنے گا،

یہ باتیں بہت نازک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غلط سمجھنے سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔ یاد رکھو، گناہ پر کبھی جرات نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر گناہ ہو جائے تو پھر مایوس بھی نہ ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے توبہ اور استغفار کے راستے اسی لئے رکھے ہیں۔ تاکہ انسان مایوس نہ ہو۔

لہذا اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے اور اس کے بعد دل میں ندامت کی آگ بھڑک اٹھے اور اس ندامت کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے، گڑگڑائے۔ تو اس رونے اور گڑگڑانے کے نتیجے میں بعض اوقات اس کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتا تو اس مقام تک نہ پہنچ سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے، ایک دن تہجد کا کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ حتی کہ تہجد وقت نکل گیا، چونکہ اس سے پہلے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوٹی تھی۔ پہلی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ تہجد کی نماز چھوٹ گئی، چنانچہ اس کی وجہ سے ان کو اس قدر ندامت اور رنج ہوا کہ سارا دن روتے روتے گزار دیا کہ یا اللہ، مجھ سے آج تہجد کی نماز چھوٹ گئی ــــــ جب اگلی رات کو سوئے تو تہجد کے وقت ایک بزرگوار نے تشریف لا کر آپ کو تہجد کی نماز کے لئے جگانا شروع کر دیا کہ اٹھ کر تہجد پڑھ لو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ گئے، اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی بدنام زمانہ ابلیس اور شیطان ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہارا کام تو انسان کو غفلت میں مبتلا کرنا ہے۔ نماز کے لئے اٹھانے سے تمہارا کیا کام؟ شیطان نے کہا: اس سے بحث مت کرو، جاؤ، تہجد پڑھو، اور اپنا کام کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، پہلے بتاؤ: کیا وجہ ہے؟ مجھے کیوں اٹھا رہے تھے؟ جب تک نہیں بتاؤ گے، میں نہیں چھوڑوں گا، جب بہت اصرار کیا تو شیطان نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گذشتہ رات آپ پر میں نے غفلت طاری کر دی تھی، تاکہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہو جائے، چنانچہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہو گئی، لیکن تہجد چھوٹ جانے کے نتیجے میں آپ نے سارا دن روتے روتے گزار دیا۔ اور اس رونے کے نتیجے میں آپ کے اتنے درجات بلند ہو گئے کہ اگر آپ اٹھ کر تہجد پڑھ لیتے تو آپ کے درجات اتنے بلند نہ ہوتے۔ یہ تو بہت خسارے کا سودا ہوا، اس لئے میں نے سوچا کہ آج آپ کو اٹھا دوں، تاکہ اور زیادہ درجات کی بلندی کا راستہ پیدا نہ ہو۔

ورنہ دوسری مخلوق پیدا کر دیں گے

اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر انسان سچے دل سے توبہ اور استغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت اور شکستگی کے ساتھ حاضر ہو جائے تو بعض

اوقات اس میں انسان کے درجات اتنے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ توبہ و استغفار بڑی عظیم چیز ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر ساری مخلوق بالکل گناہ ترک کر دے، تو اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق پیدا فرمادیں گے جو گناہ کرے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ اور استغفار کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

بہرحال، اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عملی تعلیم یہ دی ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے تو مایوس مت ہو جاؤ۔ بلکہ توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرو۔ البتہ اپنی طرف سے گناہ کا اقدام مت کرو۔ بلکہ گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو، لیکن اگر گناہ ہو جائے تو توبہ و استغفار کر لو۔

گناہ سے بچنا فرض عین ہے

بعض اوقات دل میں خیال ہوتا ہے کہ پھر تو گناہ چھوڑنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ گناہ بھی کرتے رہو، اور استغفار اور توبہ بھی کرتے رہو ـــــ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہ سے بچنا ہر انسان کے ذمے فرض عین ہے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر گوشہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپ کو گناہ سے بچائے، لیکن اگر بتقاضہ بشریت کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو مایوس نہ ہو، بلکہ توبہ کر لے ـــــ یا اگر کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہے، اور اس کے لئے کسی وجہ سے اس کو چھوڑنا ممکن نہیں ہے، مثلاً بینک کی ملازمت میں مبتلا ہے، تو اس صورت میں وہ دوسری ملازمت اس طرح تلاش کرے جیسے ایک بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے، لیکن ساتھ میں وہ توبہ و استغفار بھی کرتا رہے،

بیماری کے ذریعہ درجات کی بلندی

یا مثلاً آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اس کے ذریعہ درجات بلند ہوتے ہیں، اور بیماری جتنی زیادہ شدید ہوگی، اتنے ہی انسان کے درجات زیادہ بلند ہوں گے۔ لیکن کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے بیماری مانگے؟ یا کوشش کر کے بیمار پڑے؟ تاکہ جب میں بیمار ہوں گا تو میرے گناہ معاف ہوں گے، اور میرے درجات بلند ہوں گے ـــــ ظاہر ہے کہ بیماری ایسی چیز نہیں جس کو مانگا جائے۔ اور جس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جس کی تمنا کی جائے۔ بلکہ حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، کبھی بیماری مت مانگو، لیکن اگر غیر اختیاری طور پر بیماری آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو اور یہ سوچو کہ اس کے ذریعہ ہمارے گناہ معاف ہو رہے ہیں، اور ہمارے درجات بلند ہو رہے ہیں ـــــ بالکل اسی طرح گناہ بھی کرنے کی چیز نہیں، بلکہ باز رہنے کی چیز ہے۔ اجتناب کرنے کی چیز ہے۔ لیکن کبھی حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر گناہ ہو گیا تو پھر انسان توبہ واستغفار کی طرف رجوع کرے، تو اس کے نتیجے میں اس کے درجات بلند ہوں گے، یہ ہے استغفار کی حقیقت۔

توبہ اور استغفار کی تین قسمیں

پھر توبہ اور استغفار کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایک گناہوں سے توبہ و استغفار (۲) دوسرے طاعات اور عبادات میں ہونے والی کوتاہیوں سے استغفار (۳) تیسرے خود استغفار سے استغفار، یعنی استغفار کا بھی حق ادا نہیں کر سکے، اس سے بھی ہم استغفار کرتے ہیں۔

تکمیل توبہ

پہلی قسم یعنی گناہوں سے استغفار کرنا ہر انسان پر فرض عین ہے۔ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ہر انسان اپنے سابقہ گناہوں سے استغفار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اور طریقت میں سب سے پہلا قدم "تکمیل توبہ" ہے۔ اگلے تمام درجات "تکمیل توبہ" پر موقوف ہیں۔ جب تک توبہ کی تکمیل نہیں ہوگی آگے کچھ نہیں ہوگا، چنانچہ جب کوئی شخص اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے تو وہ بزرگ سب سے پہلے توبہ کی تکمیل کراتے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو اول اقدام المريدين

یعنی جو شخص کسی شیخ کے پاس مرید ہونے کے لئے جائے تو اس کا سب سے پہلا کام تکمیل توبہ ہے، اور شیخ کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے، وہ بھی درحقیقت توبہ ہی کی بیعت ہوتی ہے، بیعت کے وقت مرید اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم اور عہد کرتا ہے، اس کے بعد شیخ اس کی توبہ کی تکمیل کراتا ہے۔

توبہ اجمالی

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ تکمیل توبہ کے دو درجے ہیں، ایک "توبہ اجمالی" اور دوسری توبہ تفصیلی۔ "توبہ اجمالی" یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی کے تمام گناہوں کو اجمالی طور پر یاد کر کے دھیان میں لاکر ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے۔ "توبہ اجمالی" کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے صلاۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی، انکساری، ندامت اور شرمندگی اور الحاح

وزاری کے ساتھ ایک ایک گناہ کو یاد کر کے یہ دعا کرے کہ یا اللہ، اب تک میری پچھلی زندگی میں مجھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں۔ چاہے وہ ظاہری گناہ ہوں یا باطنی، حقوق اللہ سے متعلق ہوئے ہوں، یا حقوق العباد سے متعلق ہوئے ہوں، چھوٹے گناہ ہوئے ہوں، یا بڑے گناہ ہوئے ہوں۔ یا اللہ، میں ان سب سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ توبہ اجمالی ہوئی۔

توبہ تفصیلی

لیکن توبہ اجمالی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب بالکل پاک صاف ہو گئے، اب کچھ نہیں کرنا۔ بلکہ اس کے بعد توبہ تفصیلی ضروری ہے، وہ اس طرح کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن ہے، ان کی تلافی کرنا شروع کر دے۔ جب تک انسان ان کی تلافی نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی، مثلاً فرض نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔ اب جب نمازیں چھوٹ جانے کا خیال آیا تو اب توبہ کر لی، لیکن زندگی کے اندر موت سے پہلے ان نمازوں کو قضا کرنا واجب ہے، اور اگر توبہ کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اور نمازوں کی قضا نہیں کی، تو اس صورت میں توبہ کامل نہیں ہوئی، اس لئے کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن تھی۔ ان کی تلافی نہیں کی، لہٰذا اصلاح کے اندر سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کی تکمیل کرے، جب تک یہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک اصلاح ممکن نہیں۔

نماز کا حساب لگائے

توبہ تفصیلی کے اندر سب سے پہلا معاملہ نماز کا ہے، بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں۔ ان کا حساب لگائے ____ بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اس وقت بالغ ہوتا ہے جب اس کو احتلام ہو۔ اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے، جب اس کو حیض آنا شروع ہو جائے، لیکن اگر کسی کے اندر یہ

علامتیں ظاہر نہ ہوں تو اس صورت میں جس دن پندرہ سال عمر ہو جائے اس وقت وہ بالغ ہو جاتا ہے۔ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ اس دن سے اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔ اس دن سے اس پر نماز بھی فرض ہے۔ روزے بھی فرض ہیں۔ اور دوسرے فرائض دینیہ بھی اس پر لاگو ہو جائیں گے ــــــ

لہٰذا انسان سب سے یہ حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں۔ اس وقت سے اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں ــــــ بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اور بچپن ہی سے ماں باپ نے نماز پڑھنے کی عادت ڈال دی۔ جس کی وجہ سے بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کوئی نماز قضا ہی نہیں ہوئی۔ اگر ایسی صورت ہے تو سبحان اللہ۔ اور ایک مسلمان گھرانے میں ایسا ہی ہونا چاہئے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو۔ اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کو مار کر نماز پڑھواؤ ــــــ لیکن اگر بالفرض بالغ ہونے کے بعد غفلت کی وجہ سے نمازیں چھوٹ گئیں، تو ان کی تلافی کرنا فرض ہے، تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لے کر یاد کرے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں، اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن ہو تو ٹھیک ٹھیک حساب لگالے، لیکن اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ایک محتاط اندازہ کر کے اس طرح حساب لگائے کہ اس میں نمازیں کچھ زیادہ تو ہو جائیں، لیکن کم نہ ہوں۔ اور پھر اس کو ایک کاپی میں لکھ لے کہ "آج اس تاریخ ــــــ میرے ذمے اتنی نمازیں فرض ہیں اور آج سے میں ان کو ادا کرنا شروع کر رہا ہوں، اور اگر میں اپنی زندگی میں ان نمازوں کو ادا نہ کر سکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے ترکے سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے" ــــــ

ایک وصیت نامہ لکھ لے

یہ وصیت لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر آپ نے یہ وصیت نہیں

لکھی، اور قضا نمازوں کو ادا کرنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں ورثاء کے ذمے شرعاً یہ ضروری نہیں ہو گا کہ آپ کی نمازوں کا فدیہ ادا کریں۔ یہ فدیہ ادا کرنا ان کی مرضی پر موقوف ہو گا۔ چاہیں تو دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔ اگر فدیہ ادا کریں گے تو یہ ان کا احسان ہو گا۔ شرعاً ان کے ذمے فرض و واجب نہیں

——— لیکن اگر آپ نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر دی تو اس صورت میں ورثاء شرعاً اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ کل مال کے ایک تہائی ترکہ کی حد تک اس وصیت کو نافذ کریں، اور نمازوں کا فدیہ ادا کریں۔

——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اس کے پاس کوئی بات وصیت لکھنے کے لئے موجود ہو تو اس کے لئے دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر گزارنا جائز نہیں"

(جامع ترمذی صفحہ ۳۳ ج ۲)

لہٰذا اگر کسی کے ذمے نمازیں قضا ہیں تو اس حدیث کی روشنی میں اس کو وصیت لکھنا ضروری ہے، اب ہم لوگوں کو ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ ہم میں سے کتنے لوگوں نے اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھا ہوا ہے، حالانکہ وصیت نامہ نہ لکھنا ایک مستقل گناہ ہے۔ جب تک وصیت نامہ نہیں لکھے گا۔ اس وقت تک یہ گناہ ہوتا رہے گا۔ اس لئے فوراً آج ہی ہم لوگوں کو اپنا وصیت نامہ لکھ لینا چاہئے۔

"قضاء عمری" کی ادائیگی

اس کے بعد ان قضا نمازوں کو ادا کرنا شروع کر دے۔ ان کو "قضاء عمری" بھی کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک نماز قضا بھی پڑھ لے، اور اگر کسی کے پاس وقت زیادہ ہو تو ایک سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے، تاکہ جتنی جلدی یہ نمازیں پوری ہو جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ بلکہ وقتی نمازوں کے

ساتھ جو نوافل ہوتے ہیں، ان کے بجائے قضا نماز پڑھ لے، اور نماز فجر کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا تو جائز نہیں، لیکن قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی فرمادی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس آسانی سے فائدہ اٹھائیں۔ اور جتنی نمازیں ادا کرتے جائیں۔ اس کاپی میں ساتھ ہی ساتھ لکھتے جائیں کہ اتنی ادا کر لیں۔ اتنی باقی ہیں۔

سنتوں کے بجائے قضا نماز پڑھنا درست نہیں

بعض لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے ذمے قضاء نمازیں بہت باقی ہیں تو کیا ہم سنتیں پڑھنے کے بجائے قضا پڑھ سکتے ہیں؟ تاکہ قضاء نمازیں جلد پوری ہو جائیں ــــــ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت موکدہ پڑھنی چاہئے۔ ان کو چھوڑنا درست نہیں۔ البتہ نوافل کے بجائے قضا نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

قضا روزوں کا حساب اور وصیت

اسی طرح روزوں کا جائزہ لیں، جب سے بالغ ہوئے ہیں، اس وقت سے اب تک روزے چھوٹے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چھوٹے تو بہت اچھا، اگر چھوٹ گئے ہیں تو ان کا حساب لگا کر اپنے پاس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں کہ آج فلاں تاریخ کو میرے ذمے اتنے روزے باقی ہیں۔ میں ان کی ادائیگی شروع کر رہا ہوں اگر میں اپنی زندگی میں ان کو ادا نہیں کر سکا تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ میں سے ان روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد جتنے روزے ادا کرتے جائیں۔ اس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھتے جائیں۔ کہ اتنے روزے ادا کر لئے۔ اتنے باقی ہیں۔ تاکہ حساب صاف رہے۔

واجب زکوٰۃ کا حساب اور وصیت

اسی طرح زکوٰۃ کا جائزہ لیں، بالغ ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا

ہے۔ لہٰذا بالغ ہونے کے بعد اگر اپنی ملکیت میں قابل زکوٰۃ اشیاء تھیں، اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔ تو اب تک جتنے سال گزرے ہیں۔ ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ نکالیں، اور اس کا باقاعدہ حساب لگائیں۔ اور پھر زکوٰۃ ادا کریں۔ اور اگر یاد نہ ہو تو پھر احتیاط کر کے اندازہ کریں۔ جس میں زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن کم نہ ہو۔ اور پھر اس کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اور اس کو اپنے وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں۔ اور جتنی زکوٰۃ ادا کر دیں۔ اس کو کاپی میں لکھتے چلے جائیں۔ اور جلد از جلد ادا کرنے کی فکر کریں۔

اسی طرح حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے، اگر حج فرض ہے اور اب تک ادا نہیں کیا، تو جلد از جلد اس سے بھی سبکدوش ہونے کی فکر کریں۔ یہ سب حقوق اللہ ہیں، ان کو ادا کرنا بھی "توبہ تفصیلی" کا ایک حصہ ہے۔

حقوق العباد ادا کرے یا معاف کرائے

اس کے بعد حقوق العباد کا جائزہ لیں، کہ کسی کا کوئی جانی حق یا کسی کا کوئی مالی حق اپنے ذمے واجب ہو۔ اور اب تک ادا نہ کیا ہو۔ تو اس کو ادا کریں یا معاف کرائیں۔ یا کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معاف کرائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ صحابہ کرام کے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ:

> "اگر میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو۔ یا کسی کو کوئی صدمہ پہنچایا ہو۔ یا کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہو تو آج میں آپ سب کے سامنے کھڑا ہوں، وہ شخص آکر مجھ سے بدلہ لے لے، یا معاف کر دے۔"

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معافی مانگ رہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار میں ہیں، لہٰذا زندگی میں اب تک جن جن لوگوں سے تعلقات رہے،

یا لین دین کے معاملات رہے۔ یا اٹھنا بیٹھنا رہا، یا عزیز و اقارب ہیں، ان سب سے رابطہ کر کے زبانی یا خط لکھ کر ان سے معلوم کریں اور اگر ان کا تمہارے ذمے کوئی مالی حق نکلے تو اس کو ادا کریں، اور اگر مالی حق نہیں ہے، بلکہ جانی ہے، مثلاً کسی کی غیبت کی تھی۔ کسی کو برا بھلا کہہ دیا تھا۔ یا کسی کو صدمہ پہنچایا تھا۔ ان سب سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر ظلم کر رکھا ہے چاہے وہ جانی ظلم ہو یا مالی ظلم ہو، آج وہ اس سے معافی مانگ لے، یا سونا چاندی دے کر اس دن کے آنے سے پہلے حساب صاف کر لے جس دن نہ درہم ہو گا، اور نہ دینار ہو گا، کوئی سونا چاندی کام نہیں آئے گا"

فکر آخرت والوں کا حال

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر عطا فرماتے ہیں۔ وہ ایک ایک شخص کے پاس جا کر ان کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ یا ان سے حقوق کی معافی کراتے ہیں، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے "العذر و النظر" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر اپنے تمام اہل تعلقات کے پاس بھیجا" جس میں حضرت نے یہ لکھا کہ چونکہ آپ سے میرے تعلقات رہے ہیں۔ خدا جانے کس وقت کیا غلطی مجھ سے ہوئی ہو، یا کوئی واجب حق میرے ذمے باقی ہو۔ خدا کے لئے آج مجھ سے وہ حق وصول کر لیں۔ یا معاف کر دیں۔

ـــــــ اس طرح میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے تمام تعلقات رکھنے والوں کو "کچھ تلافی مافات" کے نام سے ایک خط لکھ کر بھجوایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہمارے بزرگوں کا

یہ معمول رہا ہے، اس لئے ہر آدمی کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ سب باتیں "توبہ تفصیلی" کا حصہ ہیں۔

حقوق العباد باقی رہ جائیں تو؟

یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے کہ "حقوق اللہ" توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، یا اس کو ادا نہ کرے ـــــ لیکن حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی سے زندگی میں حقوق العباد ضائع ہوئے۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ان حقوق کی ادائیگی کی فکر عطا فرمائی۔ اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں اس نے ان حقوق کی ادائیگی کی فکر شروع کر دی، اور اب لوگوں سے معلوم کر رہا ہے کہ میرے ذمے کس شخص کے کیا حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ تاکہ میں ان کو ادا کر دوں، لیکن ابھی ان حقوق کی ادائیگی کی تکمیل نہیں کر پایا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ چونکہ اس نے حقوق کی ادائیگی مکمل نہیں کی تھی، اور معاف بھی نہیں کرائے تھے۔ کیا آخرت کے عذاب سے اس کی نجات اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ جب یہ شخص حقوق کی ادائیگی اور توبہ کے راستے پر چل پڑا تھا، اور کوشش بھی شروع کر دی تھی۔ تو انشاء اللہ، اس کوشش کی برکت سے آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے اصحاب حقوق کو راضی فرما دیں گے، اور وہ اصحاب حقوق اپنا حق معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عجیب واقعہ

دلیل میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کا وہ مشہور واقعہ

پیش کیا کہ ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، اس کے بعد اس کو توبہ کی فکر لاحق ہوئی، اب سوچا کہ میں کیا کروں، چنانچہ وہ عیسائی راہب کے پاس گیا، اور اس کو جاکر بتایا کہ میں نے اس طرح ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ تو کیا میرے لئے توبہ کا اور نجات کا کوئی راستہ ہے؟ اس راہب نے جواب دیا کہ تو تباہ ہو گیا۔ اور اب تیری تباہی اور ہلاکت میں کوئی شک نہیں، تیرے لئے نجات کا اور توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ شخص مایوس ہو گیا، اس نے سوچا کہ ننانوے قتل کر دیئے ہیں۔ ایک اور سہی۔ چنانچہ اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ اور سو کا عدد پورا کر دیا۔ لیکن دل میں چونکہ توبہ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے دوبارہ کسی اللہ والے کی تلاش میں نکل گیا۔ تلاش کرتے کرتے ایک اللہ والا اس کو مل گیا۔ اور اس سے جاکر اپنا سارا قصہ بتایا۔ اس نے کہا کہ اس میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اب تم پہلے توبہ کرو۔ اور پھر اس بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں چلے جاؤ، اور وہ نیک لوگوں کی بستی ہے۔ ان کی صحبت اختیار کرو۔ چونکہ وہ توبہ کرنے میں مخلص تھا۔ اس لئے وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آگیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو مرتے مرتے بھی اپنے آپ کو سینے کے بل گھسیٹ کر اس بستی کے قریب کرنے لگا جس بستی کی طرف وہ جارہا تھا۔ تاکہ میں اس بستی سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جاؤں۔ آخر کار جان نکل گئی۔ اب اس کی روح لے جانے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں پہنچ گئے۔ اور دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا۔ ملائکہ رحمت کہنے لگے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کر کے نیک لوگوں کی بستی کی طرف جارہا تھا۔ اس لئے اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ ملائکہ عذاب کہنے لگے کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ابھی اس کی معافی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ شخص کونسی بستی سے زیادہ قریب ہے، جس بستی سے چلا تھا، اس سے زیادہ قریب ہے۔ یا

جس بستی کی طرف جارہا تھا، اس سے زیادہ قریب ہے، اب دونوں طرف کے فاصلوں کی پیائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس بستی کی طرف جارہا تھا اس سے تھوڑا قریب ہے، چنانچہ ملائکہ رحمت اس کی روح لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کی برکت سے اس کو معاف فرمادیا۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبہ۔ باب قبول توبۃ القاتل، حدیث نمبر ۲۷۶۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کے ذمے حقوق العباد تھے، لیکن چونکہ اپنی طرف سے کوشش شروع کر دی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی، اسی طرح جب کسی انسان کے ذمے حقوق العباد ہوں اور وہ ان کی ادائیگی کی کوشش شروع کر دے۔ اور اس فکر میں لگ جائے اور پھر درمیان میں موت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اصحاب حقوق کو قیامت کے دن راضی فرمادیں گے۔

بہرحال، یہ دو قسم کی توبہ کرلیں۔ ایک توبہ اجمالی، اور ایک توبہ تفصیلی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پچھلے گناہ بھلا دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم یہ دونوں قسم کی توبہ کرلو۔ تو اس کے بعد اپنے پچھلے گناہوں کو یاد بھی نہ کرو، بلکہ ان کو بھول جاؤ۔ اس لئے کہ جن گناہوں سے تم توبہ کر چکے ہو۔ ان کو یاد کرنا۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ جب استغفار کرو گے، اور توبہ کرو گے تو میں تمہاری توبہ کو قبول کرلوں گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ اور تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دوں گا ـــــ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔ لیکن تم الٹا ان گناہوں کو یاد کر کے ان کا وظیفہ پڑھ رہے ہو۔ یہ ان کی رحمت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ ان کی یاد بعض اوقات حجاب اور رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس لئے ان کو یاد مت کرو۔

بلکہ بھول جاؤ۔

یاد آنے پر استغفار کر لو

محقق اور غیر محقق میں یہی فرق ہوتا ہے۔ غیر محقق بعض اوقات الٹا کام بتا دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست بہت نیک تھے۔ ہر وقت روزے سے ہوتے تھے، تہجد گزار تھے، ایک پیر صاحب سے ان کا تعلق تھا، وہ بتایا کرتے تھے کہ میرے پیر صاحب نے مجھے یہ کہا ہے کہ رات کو جب تم تہجد کی نماز کے لئے اٹھو تو تہجد پڑھنے کے بعد اپنے پچھلے سارے گناہوں کو یاد کیا کرو، اور ان کو یاد کر کے خوب رویا کرو ——— لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو توبہ کے بعد ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے، اور ہمارے نامہ اعمال سے مٹا دیا ہے۔ لیکن تم ان کو یاد کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ ابھی ان گناہوں کو نہیں مٹایا۔ اور میں تو ان کو مٹنے نہیں دوں گا، بلکہ ان کو یاد کروں گا تو اس طریقے میں اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لئے کہ جب انہوں نے تمہارے اعمال نامے سے ان کو مٹا دیا ہے تو اب ان کو بھول جاؤ۔ ان کو یاد مت کرو، اور اگر کبھی بے اختیار ان گناہوں کا خیال آجائے تو اس وقت استغفار پڑھ کر اس خیال کو ختم کر دو۔

حال کو درست کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات بیان فرمائی، یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ جب تم توبہ کر چکو تو پھر ماضی کی فکر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ جب توبہ کر لی تو یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں

گے انشاء اللہ۔ اور مستقبل کی فکر بھی چھوڑ دو کہ آئندہ کیا ہو گا۔ کیا نہیں ہو گا، حال جو اس وقت گزر رہا ہے، اس کی فکر کرو کہ یہ درست ہو جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزر جائے، اور اس میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو ــــــــــ

آجکل ہمارا یہ حال ہے کہ یا تو ہم ماضی میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم سے اتنے گناہ ہو چکے ہیں اب ہمارا کیا حال ہو گا۔ کس طرح بخشش ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مایوسی پیدا ہو کر حال بھی خراب ہو جاتا ہے، یا مستقبل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں کہ اگر اس وقت توبہ کر بھی لی تو آئندہ کس طرح گناہ سے بچیں گے ــــــ ارے یہ سوچو کہ جب آئندہ وقت آئے گا۔ اس وقت دیکھا جائے گا، اس وقت کی فکر کرو جو گزر رہا ہے اس لئے کہ یہی حال ماضی بن رہا ہے، اور ہر مستقبل کو حال بننا ہے۔ اس لئے بس اپنے حال کو درست کر لو، اور ماضی کو یاد کر کے مایوس مت ہو جاؤ۔ حقیقت میں شیطان ہمیں بہکاتا ہے، وہ یہ ورغلاتا ہے کہ اپنی ماضی کو دیکھو کہ تم کتنے بڑے بڑے گناہ کر چکے ہو۔ اور اپنے مستقبل کو دیکھو کہ تم سے مستقبل میں کیا بنے گا؟ اور ماضی اور مستقبل کے چکر میں ڈال کر ہمارے حال کو خراب کرتا رہتا ہے۔ اس لئے شیطان کے دھوکے میں مت آؤ۔ اور اپنے حال کو درست کرنے کی فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فکر عطا فرما دے۔ آمین۔

عن ابی قلابة رحمه الله تعالیٰ قال: ان الله لما لعن ابلیس سئلة النظرة، فانظره الی یوم الدین، قال، وعزتك لا اخرج من قلب ابن آدم ما دام فیه الروح، قال الله تعالیٰ وعزتی لا احجب عنه التوبة ما دام الروح فی الجسد۔

خیر القرون

حضرت ابو قلابة رحمة اللہ علیہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اگر کسی نے اسلام کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو،

اس کو "صحابی" کہتے ہیں، اور جس نے اسلام کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔ اس کو تابعی کہتے ہیں، اور اگر کسی نے اسلام کی حالت میں کسی تابعی کی زیارت کی ہو تو اس کو "تبع تابعی" کہتے ہیں، یہ تین قرون ہیں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"

(صحیح بخاری، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جوان کے متصل ہیں، اور پھر وہ جو ان کے متصل ہیں ـــــ لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تابعین کو بھی بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے، حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی تابعین میں سے ہیں، انہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی لیکن متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔

حضرات تابعین کی احتیاط اور ڈر

یہ حدیث جو حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے، اگرچہ اپنے مقولے کے طور پر بیان فرمائی ہے، لیکن حقیقت میں یہ حدیث ہے، اس کہ وہ اپنی طرف سے اپنی عقل سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔ اور اپنے مقولے کے طور پر اس لئے بیان فرمایا کہ حضرات تابعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے کہ کہیں کوئی بات منسوب کرنے میں اونچ نیچ ہو جائے، جس کے نتیجے میں ہماری پکڑ ہو جائے کہ تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر دی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار"

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، اور میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" اتنی سخت وعید آپ نے بیان فرمائی۔ اس لئے صحابہ کرام اور تابعین حدیث بیان کرتے ہوئے لرزتے تھے۔

حدیث بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے

ایک تابعی ایک صحابی کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ جب وہ صحابی ہمارے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرماتے تو اس وقت ان کا چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا، اور بعض اوقات ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، کہ کہیں کوئی بات بیان کرنے میں غلطی ہو جائے ـــــــ حتی کہ بعض صحابہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی، یا اس جیسی، یا اس قسم کی بات بیان فرمائی تھی، ہو سکتا ہے کہ میرے سے بیان کرنے میں کچھ الٹ پھیر ہو گیا ہو، یہ سب اس لئے کرتے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات غلط منسوب کرنے کا گناہ نہ ہو ـــــــ اس سے ہمیں اور آپ کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات تحقیق اور احتیاط کے بغیر احادیث بیان کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا سی کوئی بات کہیں سنی، فوراً ہم نے کہہ دیا کہ حدیث میں یوں آیا ہے، حالانکہ یہ دیکھئے کہ صحابہ کرام جنہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سنیں۔ وہ کتنی احتیاط کر رہے ہیں۔ لیکن ہم اس میں احتیاط نہیں کرتے، اس لئے احادیث بیان کرنے میں ہمیشہ بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، جب تک ٹھیک ٹھیک الفاظ معلوم نہ ہوں، اس وقت تک اس

کو حدیث کے طور پر بیان نہیں کرنا چاہئے ـــــ اس حدیث میں دیکھئے کہ حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، بلکہ اس کو اپنے قول کے طور پر فرمارہے ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ حدیث ہے۔

بہرحال، وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو راندۂ درگاہ کیا ـــــ ہر مسلمان کو یہ واقعہ معلوم ہے کہ ابلیس کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے۔ اس نے انکار کر دیا کہ میں تو سجدہ نہیں کرتا، اس انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا۔

ابلیس کی بات درست تھی، لیکن

ایک بات یہاں یہ سمجھ لیں کہ اگر غور کیا جائے تو بظاہر ابلیس جو بات کہہ رہا تھا، وہ کوئی بری بات نہیں تھی۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہتا کہ یہ پیشانی تو آپ کے لئے خاص ہے۔ یہ پیشانی تو صرف آپ کے سامنے جھک سکتی ہے۔ کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ یہ خاکی پتلہ جس کو آپ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس کو میں سجدہ کیوں کروں؟ میرا سجدہ تو آپ کے لئے ہے ـــــ تو بظاہر یہ بات غلط نہیں تھی۔ لیکن یہ بات اس لئے غلط ہوئی کہ جس ذات کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ جب وہ ذات خود ہی حکم دے رہی ہے کہ اس خاکی پتلے کو سجدہ کرو۔ تو اب چوں و چرا کی مجال نہ ہونی چاہئے تھی، اس حکم کے بعد پھر اپنے عقلی گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئے تھے کہ یہ خاکی پتلہ سجدہ کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

دیکھئے: فی الواقع آدمی سجدۂ کے لائق تو نہیں تھا۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری امت اس دنیا میں آئی تو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دے دیا گیا کہ اب کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز نہیں، معلوم ہوا کہ اصل حکم یہی تھا کہ انسان کو سجدہ کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی حکم

فرمائیں کہ سجدہ کرو تو اب عقلی گھوڑے نہیں دوڑانے چاہییں۔ شیطان نے پہلی غلطی یہ کی کہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔

میں آدم سے افضل ہوں

دوسری غلطی یہ کی کہ شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ یہ پیشانی تو آپ کے لئے ہے، بلکہ یہ وجہ بتائی کہ اس آدم کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے، اور مجھے آپ نے آگ سے بنایا ہے، اور آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں اس کو سجدہ نہیں کرتا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا، اور حکم دے دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگ لی

بہرحال، جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو راندۂ درگاہ کیا، اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی، اور کہا:

"اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ"

(الاعراف: ۱۴)

اے اللہ، مجھے اس وقت تک کی مہلت دے دیجئے جس وقت آپ لوگوں کو اٹھائیں گے یعنی میں قیامت تک زندہ رہوں، مجھے موت نہ آئے،

شیطان بڑا عارف تھا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ "ابلیس" اللہ تعالیٰ کی بہت معرفت رکھتا تھا۔ بہت بڑا عارف تھا، کیونکہ ایک طرف تو اس کو دھتکارہ جارہا ہے۔ راندۂ درگاہ کیا جارہا ہے، جنت سے نکالا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب نازل ہو رہا ہے، لیکن عین غضب کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لی، اور مہلت مانگ لی۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ

غضب سے مغلوب نہیں ہوتے، اور غضب کی حالت میں بھی اگر ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو وہ دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے مہلت مانگ لی۔

میں موت تک اس کو بہکاتا رہوں گا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ:

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○

(الحجر: ۳۸)

ہم تمہیں قیامت تک کے لئے مہلت دیتے ہیں، تمہیں قیامت تک موت نہیں آئے گی، جب مہلت مل گئی تو اب اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ، میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ابن آدم کے دل سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا، جب تک اس کے جسم میں روح باقی ہے، یعنی موت آنے تک نہیں نکلوں گا۔ اور یہ ابن آدم جس کی وجہ سے مجھے راندۂ درگاہ ہونا پڑا، اس کے دل میں غلط قسم کے خیالات ڈالتا رہوں گا، اس کو بہکاتا رہوں گا، گناہوں کی خواہش، اس کے داعیے، اس کے محرکات اس کے دل میں پیدا کرتا رہوں گا، اور اس کو گناہوں کی طرف مائل کرتا رہوں گا، جب تک وہ زندہ ہے۔

میں موت تک توبہ قبول کرتا رہوں گا

شیطان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی عزت کی قسم کھائی، اور فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میں اس ابن آدم کے لئے توبہ کا دروازہ بھی اس وقت تک بند نہیں کروں گا، جب تک اس کے جسم میں روح باقی ہے، تو میری عزت کی قسم کھاتا ہے کہ میں نہیں نکلوں گا، میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا، تو اگر زہر ہے۔ تو میں نے ہر ابن آدم کو اس زہر کا

تریاق بھی دے دیا ہے کہ اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جب ابن آدم گناہوں سے توبہ کر لے گا تو میں تیرے سارے مکر و فریب اور تیرے سارے بہکاوے کو اس توبہ کے نتیجے میں ایک آن میں ختم کر دوں گا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لئے اپنی رحمت کا عام اعلان فرما دیا، اور فرما دیا کہ یہ مت سمجھنا کہ ہم نے کوئی مافوق الفطرت طاقت شیطان کی صورت میں تمہارے اوپر مسلط کر دی ہے، جس سے تم نجات نہیں پا سکتے۔

شیطان ایک آزمائش ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے شیطان کو صرف تمہاری ذرا سی آزمائش اور امتحان کے لئے پیدا کر دیا ہے، ہم نے ہی اس کو بنایا، اور ہم نے ہی اس کو بہکانے کی طاقت دی ہے۔ لیکن ایسی طاقت نہیں دی کہ تم اس کو زیر نہ کر سکو۔ قرآن نے صاف اعلان کر دیا کہ:

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا

(النساء: ۷۶)

یعنی شیطان کا مکر بہت کمزور ہے، اور اتنا کمزور ہے کہ اگر کوئی شخص اس شیطان کے آگے ڈٹ جائے کہ تیری بات نہیں مانوں گا، تو جس گناہ پر آمادہ کرنا چاہ رہا ہے میں وہ گناہ نہیں کروں گا تو شیطان اسی وقت پگھل جاتا ہے۔ یہ شیطان بزدلوں پر اور ان لوگوں پر شیر ہو جاتا ہے جو اپنی ہمت سے کام لینے سے جی چراتے ہیں۔ اور جو گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے، لیکن بالفرض اگر اس کا داؤ چل جائے، اور کوئی بے ہمت آدمی اس کی بات مان لے تو پھر میں نے توبہ کا تریاق پیدا کر دیا ہے، ہمارے پاس آجاؤ، اور اپنے گناہوں کا اقرار کر لو کہ یا اللہ، ہم سے غلطی ہو گئی، اور اپنے گناہ سے توبہ کرو، اور کہو، استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ، تو اس کے نتیجے میں شیطان کا سارا اثر ایک لمحے میں زائل ہو جائے گا۔

بہترین گناہ گار بن جاؤ

چنانچہ اسی وجہ سے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کلکم خطاؤن، وخیر الخطائین التوابون

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب المومن یری ذنبہ کالجبل فوقہ)

تم میں سے ہر شخص بہت خطا کار ہے، عربی میں "خطاء" اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ غلطیاں کرے، اور جو معمولی غلطی کرے اس کو عربی میں "خاطی" کہتے ہیں۔ یعنی غلطی کرنے والا، اور "خطاء" کے معنی ہیں: بہت زیادہ غلطی کرنے والا، تو فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص بہت خطا کار ہے۔ لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ خطا کاروں میں سے سب سے بہتر خطا کار وہ ہے۔ جو توبہ بھی بہت کرتا ہے — اس حدیث میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ دنیا کے اندر تم سے گناہ بھی ہوں گے، گناہوں کے داعیے بھی پیدا ہوں گے، لیکن ان کے آگے ڈٹ جانے کی کوشش کرو، اور اس کے آگے جلدی سے ہتھیار مت ڈالا کرو، اور اگر کبھی گناہ ہو جائے تو پھر مایوس ہونے کے بجائے ہمارے حضور حاضر ہو کر توبہ کر لیا کرو" یہاں بھی "تواب" کا صیغہ استعمال کیا۔ "تائب" نہیں کہا، اسلئے کہ تائب کے معنی ہیں "توبہ کرنے والا" اور "تواب" کے معنی ہیں "بہت توبہ کرنے والا" مطلب یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ توبہ کر لینا کافی نہیں، بلکہ ہر مرتبہ جب بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے رہو، اور جب کثرت سے توبہ کرو گے تو پھر انشاء اللہ شیطان کا داؤ نہیں چلے گا، اور شیطان سے حفاظت رہے گی۔

اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں

"عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یقول : جعل اللہ الرحمة مائة جزء، فامسك عندہ تسعة وتسعين، وانزل فی الارض جزء واحدا، فذلك یتراحم الخلائق حتی ترفع الدابة حافرها عن ولدها خشية ان تصيبه۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رحمت پیدا فرمائی ہے، اس کے سو حصے کئے ہیں، ان سو میں سے صرف ایک حصہ رحمت کا اس دنیا میں اتارا ہے، جس کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت کا ترس کھانے کا اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں۔ جیسے باپ اپنے بیٹے پر رحم کر رہا ہے۔ یا ماں اپنے بچوں پر رحم کر رہی ہے، بھائی بھائی پر رحم کر رہا ہے۔ بھائی بہن پر کر رہا ہے، یا ایک دوست دوسرے دوست پر کر رہا ہے، گویا دنیا میں جتنے لوگ بھی آپس میں شفقت اور رحم کا معاملہ کر رہے ہیں۔ وہ ایک حصہ رحم کا نتیجہ اور طفیل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نازل فرمایا، حتیٰ کہ گھوڑی کا بچہ جب دودھ پینے کے لئے آتا ہے تو وہ گھوڑی اپنا پاؤں اٹھا لیتی ہے۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دودھ پینے کے دوران یہ پاؤں بچے کو لگ جائے، یہ بھی اس سویں حصے کا ایک جز ہے۔ اور ننانویں حصے رحمت کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں، ان کے ذریعہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت کا مظاہرہ فرمائیں گے۔

اس ذات سے مایوسی کیسی؟

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بتا دیا کہ کیا تم لوگ اس ذات کی رحمت سے مایوس ہوتے ہو، جس ذات نے تمہارے لئے آخرت میں اتنی ساری رحمتیں اکٹھی کر کے رکھی ہوئی ہیں، اس ذات سے مایوسی کا اظہار کرتے ہو؟ کیا وہ اپنی رحمت سے تم کو دور کر دے گا؟ البتہ صرف اتنی بات

ہے کہ ان رحمتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی دیر ہے۔ اور ان رحمتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے گناہوں سے توبہ کرو، استغفار کرو، گناہوں کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، جتنا رجوع کرو گے، اور توبہ استغفار کرو گے، اتنا ہی اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہوگی، اور آخرت میں تمہارا بیڑہ پار کر دے گی۔

صرف تمنا کرنا کافی نہیں

لیکن یہ رحمت اسی شخص کو فائدہ دے گی جو یہ چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھالوں، اب اگر کوئی شخص اس رحمت سے فائدہ اٹھانا ہی نہ چاہے، بلکہ ساری عمر غفلت ہی میں گزار دے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے، ایسے لوگوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

العاجز من اتبع نفسہ ھواھا و تمنی علی اللہ

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب نمبر۲۶)

عاجز شخص وہ ہے جو خواہشات کے پیچھے دوڑا چلا جا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں باندھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہیں، معاف فرما دیں گے ـــــ ہاں، البتہ جو شخص اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو، اور کوشش کر رہا ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت انشاء اللہ اس کو آخرت میں ڈھانپ لے گی۔

ایک شخص کا عجیب واقعہ

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص تھا، جس نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا تھا۔ بڑے بڑے گناہ

کئے تھے، بڑی خراب زندگی گزاری تھی، اور جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کو گناہوں اور غفلتوں میں گزار دی ہے، کوئی نیک کام تو کیا نہیں ہے، اس لئے جب میں مر جاؤں تو میری نعش کو جلا دینا، اور جو راکھ بن جائے، تو اس کو بالکل باریک پیس لینا، پھر اس راکھ کو مختلف جگہوں پر تیز ہوا میں اڑا دینا، تاکہ وہ ذرات دور دور تک چلے جائیں۔ یہ وصیت میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اللہ کی قسم: اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آگیا تو مجھے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب دنیا میں کسی اور شخص کو نہیں دیا ہوگا، اس لئے کہ میں نے گناہ ہی ایسے کئے ہیں کہ اس عذاب کا مستحق ہوں۔

جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کے گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی نعش کو جلایا، پھر اس کو پیسا، اور پھر اس کو ہواؤں میں اڑا دیا، جس کے نتیجے میں اس کے ذرات دور دور تک بکھر گئے ــــــ یہ تو اس کی حماقت کی بات تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ میرے ذرات کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کے سارے ذرات جمع کر دو، جب ذرات جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو دوبارہ مکمل انسان جیسا تھا ویسا بنا دیا جائے، چنانچہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے سوال کیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو یہ سب عمل کرنے کی وصیت کیوں کی تھی؟ جواب میں اس نے کہا:

خشیتك یارب

اے اللہ، آپ کے ڈر کی وجہ سے، اس لئے کہ میں نے گناہ بہت کئے تھے۔ اور ان گناہوں کے نتیجے میں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں آپ کے عذاب کا مستحق ہو گیا ہوں۔ اور آپ کا عذاب بڑا سخت ہے، تو میں نے اس عذاب کے ڈر سے یہ وصیت کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے ڈر کی وجہ سے تم نے یہ

عمل کیا تھا۔ جاؤ، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ واقعہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ اور صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اب ذرا سوچئے کہ اس شخص کی یہ وصیت بڑی احمقانہ تھی۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو وہ کافرانہ تھی، اس لئے کہ وہ شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آگیا تو اللہ تعالیٰ مجھے بہت عذاب دے گا، لیکن اگر تم لوگوں نے مجھے جلا کر اور راکھ بنا کر اڑا دیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ معاذ اللہ۔ یہ عقیدہ رکھنا تو کفر اور شرک ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ راکھ کے ذرات جمع کرنے پر قادر نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا یا اللہ، آپ کے ڈر کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا تو جانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں، اور مانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں۔ اور یہ بھی مانتا تھا کہ تو نے ہماری نافرمانی کی ہے، اور اس نافرمانی پر تو شرمسار بھی تھا، اور نادم بھی تھا، اور تو نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے ان گناہوں پر ندامت کا اظہار کر دیا تھا، اس لئے ہم تیری مغفرت کرتے ہیں، اور تجھے معاف فرماتے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت درحقیقت بندے سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کرتی ہے، وہ یہ کہ بندہ ایک مرتبہ اپنے کیئے پر سچے دل سے شرمسار ہو جائے، نادم ہو جائے، اور نادم ہو کر اس وقت جو کچھ کر سکتا ہے، وہ کر گزرے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنی میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنی رحمت سے ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

درود شریف - ایک اہم عبادت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشنِ اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درود شریف کے فضائل

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا
امابعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○
(الاحزاب: ۵۶)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحسب المؤمن من البخل اذا ذکرت عندہ فلم یصل علی۔
(کتاب الزھد لابن مبارک۔ ۳۶۳)

انسانیت کے سب سے بڑے محسن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مومن کے بخیل ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جب میرا ذکر اسکے سامنے کیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے ـــ یعنی یہ ایک مسلمان کے بخیل ہونے کی انتہا ہے کہ اسکے سامنے نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے۔ اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے چونکہ اس کائنات میں ایک مومن کا سب سے بڑا محسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

سوا کوئی نہیں ہو سکتا، آپ کے جتنے احسانات اس امت پر ہیں، اور خاص طور سے ان لوگوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نوازا، اتنے کسی کے بھی احسانات نہیں ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ اپنی امت کی فکر میں دن رات گھلتے رہتے تھے ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

كان دائم الفكرة، متواصل الاحزان

جب بھی آپ کو دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی فکر میں ہیں، اور کوئی غم آپ پر طاری ہے ـــــ علماء فرماتے ہیں کہ یہ فکر اور غم کوئی اس بات کا نہیں تھا کہ آپ کو تجارت میں نقصان ہو رہا تھا، اور مال و دولت میں کمی آرہی تھی، یا دنیا کے اور دوسرے مال و اسباب میں قلت آرہی تھی، بلکہ یہ فکر اور غم اس امت کیلئے تھا کہ میری امت کسی طریقے سے جہنم کے عذاب سے بچ جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اسکو حاصل ہو جائے۔

میں تمہیں آگ سے روک رہا ہوں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، اب پروانے آکر اس آگ میں گرنے لگے، یہ شخص ان پروانوں کو آگ سے دور ہٹانے لگا، تاکہ وہ آگ میں جل کر ختم نہ ہو جائیں، اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے روک رہا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو، اور اس آگ میں گرے جا رہے ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ)

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس فکر میں گزری کہ یہ امت کسی طرح جہنم کے عذاب سے بچ جائے، تو کیا ایک امتی اتنا بھی نہیں

کریگا کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو کم از کم آپ پر ایک مرتبہ درود بھیج دے؟ جب کہ درود بھیجنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فائدہ ہوتا ہے وہ تو ہوگا، خود درود بھیجنے والے کو اسکا فائدہ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اس عمل میں شریک ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں درود بھیجنے کے بارے میں عجیب انداز سے بیان فرمایا، چنانچہ فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝"

"بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو، تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجو" دیکھئے، ابتدامیں یہ نہیں فرمایا کہ تم درود بھیجو، بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمادیا۔ ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درود کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ان پر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ درود بھیج رہے ہیں، اور اللہ کے فرشتے درود بھیج رہے ہیں ان کو تمہاری درود کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اگر تم اپنی بھلائی اور خیر چاہتے ہو تو تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو ــــــ دوسرے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ درود شریف بھیجنے کا جو عمل ہے، اس عمل کی شان ہی نرالی ہے، اسلئے کہ کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی بندوں کیساتھ شریک ہوں۔ مثلاً نماز ہے بندہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ نماز نہیں پڑھتے، روزہ بندہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ روزہ نہیں رکھتے، زکوٰۃ یا حج وغیرہ جتنی عبادتیں ہیں، ان میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہوں ــــــ لیکن درود شریف ایسا عمل

ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عمل میں پہلے سے کر رہا ہوں، اگر تم بھی کرو گے تو تم بھی ہمارے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاؤ گے ـــ "اللہ اکبر" ـــ کیا ٹھکانہ ہے اس عمل کا کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی اس عمل میں شریک ہو رہے ہیں۔

بندہ کس طرح درود بھیجے؟

البتہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب اور ہے، اور بندے کے درود بھیجنے کا مطلب اور ہے، اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما رہے ہیں، اور بندہ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے ـــ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:
ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما، تو اس وقت صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو حکم دیے ہیں کہ میرے نبی پر درود بھیجو اور سلام بھیجو، سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو "السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہیں، اسی طرح "تشہد" کے اندر بھی سلام کا طریقہ آپ نے بتایا کہ اس میں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا کریں، لیکن ہم آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھ پر درود بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہو!

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔"

اسکے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے ـــــ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب بندہ درود بھیجے تو یہ سمجھے کہ میری کیا حقیقت اور حیثیت ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجوں، میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور کمالات کا احاطہ کہاں کر سکتا ہوں؟ میں آپ کے احسانات کا بدلہ کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ لہٰذا پہلے ہی قدم پر اپنی عاجزی کا اعتراف کر لو کہ یا اللہ! میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کا حق ادا نہیں کر سکتا، اے اللہ! آپ ہی ان پر درود بھیج دیجئے۔
(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں

غالب اگرچہ آزاد شاعر تھے، لیکن بعض شعر ایسے کہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرما دیں۔ ایک شعر اس نے بڑا اچھا کہا ہے، وہ یہ کہ۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است
(صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی غالب! ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا ہے، اسلئے کہ ہم لوگ کتنی بھی تعریف کریں مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا دسواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایک ایسی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو جانتی ہے۔ ہم اور آپ ان کے مرتبے کو جان بھی نہیں سکتے ـــــ لہٰذا درود شریف کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ تم اس بات کا اعتراف کرو کہ میں نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو پہچان سکتا ہوں، نہ ان کے احسانات کا حق ادا کر سکتا ہوں، اور نہ صحیح

معنی میں میرے اندر درود بھیجنے کی اہلیت ہے، میں تو یہ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اے اللہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے۔

یہ دعا سو فیصد قبول ہوگی

علمائے کرام نے فرمایا کہ ساری کائنات میں کوئی دعا ایسی نہیں ہے جس کے سو فیصد قبول ہونے کا یقین ہو، کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میری یہ دعا سو فیصد ضرور قبول ہوگی، اور جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا ــــــ لیکن درود شریف ایک ایسی دعا ہے جس کے سو فیصد قبول ہونے کا یقین ہے، اسلئے کہ دعا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ "اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" ہم اور ہمارے فرشتے تو تمہاری دعا سے پہلے ہی نبی پاک پر درود بھیج رہے ہیں ــ اسلئے اس دعا کی قبولیت میں ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔

دعا کرنے کا ادب

اسی لئے بزرگوں نے دعا کرنے کا یہ ادب سکھا دیا کہ جب تم اپنے کسی مقصد کیلئے دعا کرو، تو اس دعا سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھ لو، اسلئے کہ درود شریف کا قبول ہونا تو یقینی ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ پہلی دعا کو قبول فرمالیں اور آخری دعا کو قبول فرمالیں اور درمیان کی دعا کو قبول نہ فرمائیں، لہٰذا جب درود شریف پڑھ کر پھر اپنے مقصد کیلئے دعا کرو گے تو انشاء اللہ اس دعا کو بھی ضرور قبول فرمائیں گے۔ اسلئے دعا کرنے کا یہ ادب سکھا دیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجو، اور اسکے بعد اپنے مقاصد کیلئے دعا کرو۔

درود شریف پر اجر و ثواب

اور پھر درود شریف پڑھنے پر اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب بھی رکھا ہے، فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ دس گناہ معاف فرماتے ہیں، اور دس درجات بلند فرماتے ہیں۔

(نسائی، کتاب السہو، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آبادی سے نکل ایک کھجور کے باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے، میں انتظار کرنے کیلئے بیٹھ گیا تاکہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو پھر بات کروں، لیکن آپ کا سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے بیٹھے بیٹھے اور انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہو گئی، حتیٰ کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کہیں آپ کی روح مبارک تو پرواز نہیں کر گئی، اور یہ سوچا کہ آپ کا ہاتھ ہلا کر دیکھوں ـــــ کافی دیر کے بعد جب سجدہ سے اٹھے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے پر بڑی بشاشت کے آثار ہیں، میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج میں نے ایسا منظر دیکھا جو پہلے نہیں دیکھا تھا، وہ یہ کہ آپ نے آج اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ اس سے پہلے اتنا طویل سجدہ نہیں فرمایا، اور میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو، اسکی کیا وجہ تھی؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بات یہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بھی ایک بار آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر رحمت نازل کرونگا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجونگا، اس خوشخبری اور انعام کے شکر میں میں نے یہ سجدہ کیا۔

درود شریف نہ پڑھنے پر وعید

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دینے کیلئے تشریف لائے۔ جس وقت ممبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، اس وقت زبان سے فرمایا "آمین" پھر جس وقت دوسری سیڑھی پر قدم رکھا۔ اس وقت پھر فرمایا "آمین" پھر جس وقت تیسری سیڑھی پر قدم رکھا۔ پھر فرمایا "آمین" اسکے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو صحابہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ، آج آپ نے ممبر پر جاتے ہوئے (بغیر کسی دعا کے) تین مرتبہ "آمین" کہا۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت میں ممبر پر جانے لگا۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آگئے، انہوں نے تین دعائیں کیں، اور میں نے ان دعاؤں پر "آمین" کہا۔ حقیقت میں وہ دعائیں نہیں تھیں، بلکہ بددعائیں تھیں،

آپ تصور کریں کہ مسجد نبوی جیسا مقدس مقام ہے، اور غالباً جمعہ کا دن ہے، اور خطبہ جمعہ کا وقت ہے جو قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے اور دعا کرنے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں، اور "آمین" کہنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کسی دعا کی قبولیت کی اس سے زیادہ کیا گارنٹی ہو سکتی ہے، جس میں اتنی چیزیں جمع ہو جائیں۔

پھر فرمایا کہ پہلی دعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ کی کہ وہ شخص برباد ہو جائے جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر ان کی خدمت کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرالے اور جنت حاصل نہ کر لے ——— اسلئے کہ بعض اوقات والدین اولاد کی ذرا سی بات اور خدمت پر خوش ہو کر دعائیں دیدیتے ہیں اور انسان کی مغفرت کا سامان ہو جاتا ہے، لہٰذا جس کے والدین بوڑھے ہوں اور وہ انکی خدمت کر کے جنت کا پروانہ حاصل نہ کر سکے، اور اپنے گناہوں کو معاف نہ کرا سکے تو ایسا شخص ہلاک و برباد ہونے کے لائق ہے ——— یہ بددعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر "آمین" کہی۔

دوسری بددعا یہ کی کہ وہ شخص ہلاک ہو جائے، جس پر رمضان المبارک کا پورا مہینہ گزر جائے، اسکے باوجود وہ اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرالے ——— کیونکہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔

تیسری بددعا یہ تھی کہ وہ شخص ہلاک و برباد ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے ——— درود شریف نہ پڑھنے پر اتنی سخت وعید ہے لہٰذا جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو آپ پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری، جلد ۷ ص ۲۳۰)

مختصر ترین درود شریف

اصل درود شریف تو "درود ابراہیمی" ہے، جو ابھی میں نے پڑھ کر سنایا، جس کو نماز کے اندر بھی پڑھتے ہیں اگرچہ درود شریف کے اور بھی الفاظ ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل درود شریف "درود ابراہیمی" ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست صحابہ کو یہ درود سکھایا کہ اس طرح مجھ پر درود بھیجا کرو ــــ البتہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے تو ہر مرتبہ چونکہ درود ابراہیمی کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے، اسلئے درود شریف کا آسان اور مختصر جملہ یہ تجویز کر دیا کہ

"صلی اللہ علیہ وسلم"

اسکے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر درود بھیجے، اور سلام بھیجے، اس میں درود بھی ہو گیا، سلام بھی ہو گیا ــ لہٰذا اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ لیا جائے یا لکھتے وقت صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھدیا جائے تو درود شریف کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

"صلعم" یا صرف "ص" لکھنا درست نہیں

لیکن بہت سے حضرات کو یہ بھی طویل لگتا ہے، معلوم نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھنے کے بعد "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے میں ان کو گھبراہٹ ہوتی ہے۔ یا وقت زیادہ لگتا ہے، یا روشنائی زیادہ خرچ ہوتی ہے، چنانچہ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے کے بجائے "صلعم" لکھدیتے ہیں، یا بعض لوگ صرف "ص" لکھدیتے ہیں ــــ دنیا کے دوسرے سارے کاموں میں اختصار کی فکر نہیں ہوتی، سارا اختصار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود

شریف لکھنے میں آتا ہے ــــــ یہ کتنی بڑی محرومی اور بخل کی بات ہے۔ ارے! پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے میں کیا بگڑ جائیگا؟

درود شریف لکھنے کا ثواب

حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر زبان سے ایک مرتبہ درود شریف پڑھو تو اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، دس نیکیاں اسکے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں، اور دس گناہ معاف فرماتے ہیں۔ اور اگر تحریر میں "صلی اللہ علیہ وسلم" کوئی شخص لکھے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک وہ تحریر باقی رہے گی اس وقت تک ملائکہ مسلسل اس پر درود بھیجتے رہیں گے۔

(زاد السعید، حضرت تھانویؒ، بحوالہ معجم الاوسط للطبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ تحریر میں "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا تو اب جو شخص بھی اس تحریر کو پڑھے گا، اس کا ثواب لکھنے والے کو بھی ملے گا، لہٰذا لکھتے کے وقت مختصراً ص یا صلعم لکھنا یہ بڑی بخیلی، کنجوسی اور محرومی کی بات ہے، اسلئے کبھی ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

محدثین عظام مقرب بندے ہیں

علم حدیث کے فضائل اور سیرت طیبہ کے فضائل کے بیان میں علماء کرام نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ اس علم کے پڑھنے والے اور پڑھانے والے کو بار بار درود شریف پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، کیونکہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئیگا، وہ شخص "صلی اللہ علیہ وسلم" کہے گا، اسلئے اسکو زیادہ سے زیادہ درود بھیجنے کی توفیق ہو جاتی ہے، چنانچہ فرمایا گیا کہ محدثین عظام جو علم حدیث کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب بندے ہیں، اسلئے کہ یہ درود شریف زیادہ بھیجتے ہیں ــــــ یہ درود شریف اتنی فضیلت کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس میں اشتغال کی توفیق عطا فرمائے اور

اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ملائکہ دعاء رحمت کرتے ہیں

"عن عامر بن ربیعة رضی اللہ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: من صلی علی صلاة صلت علیه الملائکة ما صلی علی، فلیقل عبد من ذلك او لیکثر"

(ابن ماجہ، ابواب اقامة الصلاة، باب الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک وہ درود بھیجتا رہتا ہے، ملائکہ اسکے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اب جس کا دل چاہے، ملائکہ کی دعاء رحمت اپنے لئے کم کرلے یا زیادہ کرلے"

دس رحمتیں، دس مرتبہ سلامتی

"وعن ابی طلحة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم جاء ذات یوم والبشری یری فی وجهه فقال، انه جاءنی جبرئیل فقال، اما یرضیك یا محمد ان لا یصلی علیك احد من امتك الا صلیت علیه عشرا، ولا یسلم علیك احد من امتك الا سلمت علیه عشرا"

(سنن نسائی، کتاب السهو، باب فضل التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار تھے، اور آکر فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ اور انہوں نے آکر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کیا آپ کے راضی ہونے کیلئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو بندہ بھی آپ پر درود بھیجے گا تو میں اس پر دس رحمتیں نازل کرونگا، اور جو بندہ آپ پر سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس مرتبہ سلامتی نازل کرونگا۔

درود شریف پہنچانے والے ملائکہ

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

(سنن نسائی، کتاب السہو، باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے ہیں، اور جو کوئی بندہ مجھ پر سلام بھیجتا ہے، وہ فرشتے اس سلام کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نام لیکر پہنچایا جاتا ہے کہ آپ کی امت میں سے فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں درود شریف کا یہ تحفہ بھیجا ہے۔ انسان کی اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انجمن میں اس کا نام پہنچ جائے۔

(کنز العمال حدیث نمبر ۲۲۱۸)

میں خود درود سنتا ہوں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرا کوئی امتی دور سے میرے اوپر درود بھیجتا ہے تو اس وقت فرشتوں کے ذریعہ وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اور جب کوئی امتی میری قبر پر آکر درود بھیجتا ہے، اور یہ کہتا کہ "الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" اس وقت میں خود اسکے درود و سلام کو سنتا ہوں، (کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۱۶۵) اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایک خاص قسم کی حیات عطا فرمائی ہوئی ہے، اسلئے وہ سلام آپ خود سنتے ہیں، اور اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ جب کوئی آپ کی قبر پر جاکر درود بھیجے تو یہ الفاظ کہے:

"اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اور جب دور سے درود شریف بھیجے تو اس وقت درود ابراہیمی پڑھے،

دکھ، پریشانی کے وقت درود شریف پڑھیں

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب آدمی کو کوئی دکھ اور پریشانی ہو، یا کوئی بیماری ہو، یا کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرنی چاہئے کہ یا اللہ! میری اس حاجت کو پورا فرما دیجئے، میری اس پریشانی اور بیماری کو دور فرما دیجئے لیکن ایک طریقہ ایسا بتاتا ہوں کہ اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو ضرور ہی پورا فرمادیں گے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی پریشانی ہو، اس وقت درود شریف کثرت سے پڑھیں، اس درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرمادیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کریں

دلیل اسکی یہ ہے کہ سیرت طیبہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ جب کوئی

شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ لاتا تو آپ اس بات کی کوشش فرماتے کہ اسکے جواب میں اس سے بہتر تحفہ اسکی خدمت میں پیش کروں، تاکہ اسکی مکافات ہو جائے، ساری زندگی آپ نے اس پر عمل فرمایا ـــــ یہ درود شریف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ ہے، اور چونکہ ساری زندگی میں آپ کا یہ معمول تھا کہ جواب میں اس سے بڑھ کر ھدیہ دیتے تھے، تو آج جب ملائکہ درود شریف آپ کی خدمت میں پہنچائیں گے کہ آپ کے فلاں امتی نے آپ کی خدمت میں درود شریف کا یہ تحفہ بھیجا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس ھدیہ کا بھی جواب دیں گے، وہ جوابی ھدیہ یہ ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ جس طرح اس بندے نے مجھے ھدیہ بھیجا، اے اللہ، اس بندے کی حاجتیں بھی آپ پوری فرما دیں۔ اور اسکی پریشانیاں دور فرما دیں ـــــ اب اس وقت ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ ہمارے حق میں دعا فرما دیجئے، دعا کی درخواست کرنے کا تو کوئی راستہ نہیں ہے ـــ ہاں، ایک راستہ ہے کہ وہ یہ کہ ہم درود شریف کثرت سے بھیجیں، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں دعا فرمائیں گے ـــ لہٰذا درود شریف پڑھنے کا یہ عظیم فائدہ ہمیں حاصل کرنا چاہئے ـــ اسی وجہ سے بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ بیماری اور دکھ کی حالت میں درود شریف کی کثرت کیا کرتے تھے۔ اسلئے دن بھر میں کم از کم سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کریں۔ اگر پورا درود ابراہیمی پڑھنے کی توفیق ہو جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ مختصر درود پڑھ لیں:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ"

اور مختصر کرنا چاہو تو یہ پڑھ لیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ

یا "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھ لیں، لیکن سو مرتبہ ضرور پڑھ لیں۔ اسکی برکت

سے اجر و ثواب کے ذخیرے بھی جمع ہو جائیں گے، اور انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے
دنیاوی حاجتیں بھی پوری ہونگی۔

درود شریف کے الفاظ کیا ہوں؟

ایک بات اور سمجھ لیں۔ یہ درود شریف پڑھنا ایک عبادت بھی ہے، اور ایک دعا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر کی جارہی ہے، اسلئے درود شریف کیلئے وہی الفاظ اختیار کرنے چاہئیں جو اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں، اور علماء کرام نے اس پر مستقل کتابیں لکھدی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسے کونسے درود ثابت اور منقول ہیں، مثلاً حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" جس میں تمام درود شریف جمع کر دیئے ہیں، اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے "زاد السعید" جس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے درود شریف کے وہ تمام الفاظ اور صیغے جمع فرمادیئے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور ان کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

من گھڑت درود شریف نہ پڑھیں

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی کثرت سے درود شریف منقول ہونے کے باوجود لوگوں کو یہ شوق ہو گیا ہے کہ ہم اپنی طرف سے درود بنا کر پڑھیں گے، چنانچہ کسی نے درود تاج گھڑ لیا۔ کس نے درود لکھی گھڑلیا، وغیرہ وغیرہ اور ان کے فضائل بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دیئے کہ اسکو پڑھو گے تو یہ ہو جائیگا، حالانکہ نہ تو یہ الفاظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اور نہ ان کے یہ فضائل منقول ہیں، بلکہ بعض کے تو الفاظ بھی خلاف شرع ہیں، حتی

کہ بعض میں شرکیہ کلمات بھی درج ہیں، اسلئے صرف وہ درود شریف پڑھنے چاہئیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، دوسرے درود نہیں پڑھنے چاہئیں، لہٰذا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "زادالسعید" ہر شخص کو اپنے گھر میں رکھنا چاہئے اور اس میں بیان کئے ہوئے درود شریف پڑھنے چاہئیں۔

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے "فضائل درود شریف" وہ بھی اپنے گھر میں رکھیں اور پڑھیں، اور درود شریف کو اپنے لئے بہت بڑی نعمت سمجھ کر اسکو وظیفہ بنائیں۔

درود شریف کا حکم

تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کے ذمے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض عین ہے، اور بالکل اسی طرح فرض ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض ہیں، اسکی فرضیت کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اور اس کے علاوہ جب کبھی ایک ہی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بار بار آئے، چاہے پڑھنے میں یا سننے میں آئے تو اس وقت میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہیں پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا۔

واجب اور فرض میں فرق

واجب اور فرض میں عملی اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، اسلئے کہ واجب پر بھی عمل کرنا ضروری ہے، فرض پر بھی عمل کرنا ضروری ہے، فرض کو چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے، اور واجب کو چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ لیکن دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرض کا انکار کردے تو کافر ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ نماز فرض نہیں ہے (معاذ اللہ) تو وہ شخص مسلمان نہیں رہیگا۔ کافر ہو جائیگا۔ یا روزہ کی فرضیت کا انکار کردے تو کافر ہو جائیگا ــــــ واجب کے انکار کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا، البتہ شدید گناہ گار اور فاسق ہو جاتا ہے، جیسے اگر کوئی شخص وتر کی نماز کا انکار کر دے کہ وتر کی نماز واجب نہیں تو وہ شخص بہت سخت گناہ گار ہوگا، اور فاسق ہو جائیگا البتہ عملی اعتبار سے دونوں ضروری ہیں۔

ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہئے

البتہ شریعت نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ جو حکم بندہ کو دیا جائے وہ قابل عمل ہو، لہٰذا اگر ایک ہی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بار بار لیا جائے تو صرف ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، اگر ہر مرتبہ درود شریف نہیں پڑھے گا تو واجب چھوڑنے کا گناہ نہیں ہوگا، لیکن ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں اگر بار بار بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو ہر مرتبہ وہ درود شریف پڑھے ــــ اگرچہ مختصراً ہی "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھ لے۔

وضو کے دوران درود شریف پڑھنا

بعض اوقات میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے، مثلاً وضو کرنے کے دوران ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب ہے، اور بار بار پڑھتے رہنا اور زیادہ فضیلت کا سبب ہے، اسلئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ جب تک وضو میں مشغول رہے، درود شریف پڑھتا رہے، علماء کرام نے اسکو مستحب قرار دیا ہے۔

جب ہاتھ پاؤں سن ہو جائیں

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں سن ہو جائے ــــ یعنی ہاتھ یا پاؤں سو جائے، اور اسکی وجہ سے اسکے اندر احساس ختم ہو جائے اور وہ شل ہو جائے ــــ اس وقت وہ شخص مجھ پر درود شریف بھیجے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درود شریف پڑھنا اس بیماری کا علاج بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے سے سن ہو جانے کا اثر ختم ہو جائیگا ــــ میں کہتا ہوں کہ یہ اس بیماری کا علاج ہو، یا نہ ہو، لیکن ایک مومن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور درود شریف کی فضیلت حاصل کرنے کا ایک موقع ملا ہے، لہٰذا اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک مسلمان کو اس وقت درود شریف پڑھنا چاہئے۔

مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف

اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعا یہ ہے "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور مسجد سے نکلنے کی مسنون دعا یہ ہے

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" روایات میں آتا ہے کہ ان دعاؤں کے ساتھ بسم اللہ اور درود شریف کا اضافہ بھی کر لینا چاہئے، اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اس طرح دعا پڑھنی چاہئے:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"

اور مسجد سے نکلتے وقت اس طرح دعا پڑھنی چاہئے:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ"

لہٰذا ان دونوں مواقع پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

ان دعاؤں کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت یہ دو عجیب دعائیں تلقین فرمائیں ہیں، فرمایا کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ، میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور مسجد سے نکلتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ، میں آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں ـــ گویا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کی دعا مانگی، اور مسجد سے نکلتے وقت فضل کی دعا مانگی، علماء نے ان دونوں دعاؤں کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں عام طور پر "رحمت" کا اطلاق آخرت کی نعمتوں پر ہوتا ہے، چنانچہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کیلئے "رحمہ اللہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کے الفاظ سے دعا کی جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ـــــ اور "فضل" کا اطلاق عام طور پر دنیاوی نعمتوں پر ہوتا ہے، مثلاً مال و دولت، بیوی بچے، گھربار، روزی کمانے کے اسباب وغیرہ کو "فضل" کہا جاتا ہے ـــــ لہٰذا مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، یعنی آخرت کی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے، اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد مجھے ایسی

عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، اور اس طرح آپ کا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، جس کے ذریعہ آپ کی رحمت کے یعنی آخرت کی نعمتوں کے دروازے مجھ پر کھل جائیں اور آخرت کی نعمتیں مجھے حاصل ہو جائیں۔

اور چونکہ مسجد سے نکلنے کے بعد یا تو آدمی اپنے گھر جائیگا، یا ملازمت کیلئے دفتر میں جائیگا، یا اپنی دوکان پر جائیگا اور کسب معاش کریگا، اسلئے اس موقع پر یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ، مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے، یعنی دنیاوی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے ـــــ

آپ غور کریں کہ اگر انسان کی صرف یہ دو دعائیں قبول ہو جائیں تو پھر انسان کو اور کیا چاہئے؟ اسلئے کہ دنیا میں اللہ کا فضل مل گیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت حاصل ہو گئی، "اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں ان دونوں دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین" ـــــ اور جب یہ عظیم الشان دعائیں کرو تو اس سے پہلے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دیا کرو، اسلئے کہ جب تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو گے تو چونکہ وہ درود تو ہمیں قبول ہی کرنا ہے، یہ ممکن نہیں کہ ہم اسکو قبول نہ کریں۔ اسلئے کہ ہم تو قبولیت کا پہلے سے اعلان کر چکے ہیں، اور جب ہم درود شریف قبول کریں گے تو اسکے ساتھ تمہاری یہ دعائیں بھی قبول کر لیں گے، اور اگر یہ دعائیں قبول ہو گئیں تو دنیا و آخرت کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اسلئے مسجد میں جاتے وقت اور نکلتے وقت درود شریف ضرور پڑھ لیا کرو۔

اہم بات سے پہلے درود شریف

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کوئی اہم بات کرنا شروع کرے، یا اہم بات لکھے، تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اسکے بعد اپنی بات کہے یا لکھے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ تقریر کے شروع میں ایک خطبہ پڑھا جاتا ہے، اس

خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور توحید کا بیان ہوتا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور آپ کی رسالت کا بیان ہوتا ہے، اور اگر مختصر وقت ہو تو آدمی صرف اتنا ہی کہہ دے:

"نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ"

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، یا یہ پڑھ لے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى"

یہ بھی مختصر درود شریف کی ایک صورت ہے۔ لہٰذا جب بھی کوئی بات کہنی ہو، یا لکھنی ہو، اس وقت حمد و صلاۃ کہنی چاہئے۔ ہمارے یہاں تو جب کوئی شخص باقاعدہ تقریر کرتا ہے، اس وقت یہ پڑھتا ہے: نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاں یہ معمول تھا کہ کسی بھی مسئلے پر بات کرنی ہو چاہے وہ دنیوی مسائل ہی کیوں نہ ہوں مثلاً خرید و فروخت کی بات ہو یا رشتے ناتے کی بات ہو تو بات شروع کرنے سے پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھتے، اسکے بعد اپنی مقصد کی بات کرتے ــــــ چنانچہ اہل عرب کے اندر ابھی تک اسکی جھلک اور اسکا نمونہ کچھ کچھ موجود ہے کہ جب کسی کام کے مشورے کیلئے بیٹھتے ہیں تو پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھتے ہیں ــــــ ہمارے یہاں یہ سنت ختم ہوتی جا رہی ہے، اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

غصہ کے وقت درود شریف پڑھنا

علماء کرام نے فرمایا کہ جب آدمی کو غصہ آرہا ہو، اور اندیشہ یہ ہو کہ غصے کے اندر کہیں آپے سے باہر ہو کر کوئی کام شریعت کے خلاف نہ ہو جائے یا کہیں زیادتی نہ ہو جائے، کسی کو برا بھلا نہ کہہ دے، یا کہیں غصے کے اندر مار پیٹ تک نوبت نہ پہنچ جائے، اس وقت غصے کی حالت میں درود شریف پڑھ لینا چاہئے،

درود شریف پڑھنے سے انشاء اللہ غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا، وہ غصہ قابو سے باہر نہیں ہو گا۔

عرب کے لوگوں میں آج تک یہ بڑی اچھی رسم چلی آرہی ہے کہ جہاں کہیں دو آدمیوں میں کوئی تکرار اور لڑائی کی نوبت آگئی تو فوراً اس وقت ان میں کوئی یا کوئی تیسرا آدمی ان سے کہتا ہے کہ: "صل علی النبی" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، اسکے جواب میں دوسرا آدمی درود شریف پڑھنا شروع کر دیتا ہے: "اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد" بس اسی وقت لڑائی ختم ہو جاتی ہے، اور دونوں فریق ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، اور دونوں کا غصہ ختم ہو جاتا ہے ـــــ یہ درحقیقت علماء کرام کی تلقین کا نتیجہ ہے کہ غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے درود شریف پڑھنا بہت مفید ہے ـــ اسلئے اسکو بھی اپنے درمیان رواج دینے کی ضرورت ہے۔

سونے سے پہلے درود شریف پڑھنا

اسی طرح علماء نے فرمایا کہ جب آدمی سونے کیلئے بستر پر لیٹے، اس وقت وہ پہلے مسنون دعائیں پڑھے، اسکے بعد درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جائے، تاکہ انسان کی بیداری کا آخری کلام درود شریف ہو جائے ـــــ یہ ایسی باتیں ہیں، جن پر عمل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہیں، اور کوئی وقت بھی خرچ نہیں ہوتا، اسلئے کہ تم سونے کیلئے لیٹے ہو، کوئی اور کام تو کر نہیں سکتے، اسلئے درود شریف پڑھتے رہو، یہاں تک کہ نیند آجائے ـــ تاکہ تمہارے اعمال کا خاتمہ بالخیر ہو جائے، اسکو بھی اپنا معمول بنالینے کی ضرورت ہے، بہرحال، یہ وہ مواقع تھے، جن میں درود شریف پڑھنا علماء نے مستحب بتایا ہے، ان کو اپنے معمولات میں داخل کر لینا چاہئے۔

یومیہ تین سو مرتبہ درود شریف

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کم از کم صبح و شام تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہئے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے متوسلین کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم دن میں تین سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو، اور انشاء اللہ اسکی وجہ سے کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں میں تمہارا شمار ہو جائیگا۔ ورنہ کم از کم سو مرتبہ تو ضرور ہی پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالی ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

درود شریف محبت بڑھانے کا ذریعہ

اور درود شریف پڑھنے پر آخرت میں جو نیکیاں اور جو اجر و ثواب ملنا ہے، وہ تو ملے گا، لیکن دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص جتنی کثرت سے درود شریف پڑھے گا، اتنا ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوگا، اور جتنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسم کی محبت بڑھے گی، اتنے ہی انسان پر صلاح و فلاح کے دروازے کھلتے جائیں گے ـــــ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ! قیامت کب آئیگی؟ آپ نے پوچھا کہ تم نے اسکی کیا تیاری کی ہے؟ صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، میں نے بہت زیادہ نفلی نمازیں یا نفل روزے تو نہیں رکھے، لیکن میں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

"المرء مع من احب"

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان المرء مع من احب)

انسان آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ اس نے دنیا میں محبت کی۔ لہذا جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوگا، آخرت میں اللہ

تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بھی عطا فرمائیں گے ـــــ لہٰذا درود شریف پڑھنے کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہو جائیگا ـــ ویسے تو الحمد للہ ہر مومن کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، کوئی من ایسا نہیں ہوگا، جس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو، لیکن محبت محبت میں بھی فرق ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص جتنا زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہو گا، اسکے دل میں اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی ـــ اور یہ درود شریف کا کوئی معمولی فائدہ نہیں ہے۔

درود شریف دیدار رسول کا سبب

بزرگوں نے درود شریف پڑھنے کا ایک دنیاوی فائدہ یہ بھی بتایا ہے کہ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی نصیب فرمائیں گے ـــــ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے علماء کرام میں سے ہیں، یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے دین و دنیا کے علوم میں سے کوئی علم ایسا نہیں چھوڑا، جس پر کوئی کتاب نہ لکھی ہو، ے علم تفسیر پر، علم حدیث پر، فقہ پر، بلاغت پر، نحو پر، حساب پر گویا ہر موضوع پر آپ کی تصنیف موجود ہے، اور پھر علم تفسیر پر آپ کی تین کتابیں ہیں۔ جن میں سے ایک اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے، جس کا نام ہے "مجمع البحرین" دوسری تفسیر ہے "درمنثور" اور تیسری ہے "جلالین" ان کی لکھی ہوئیں ساری کتابیں اگر آج کوئی شخص پڑھنا چاہے تو اس کیلئے پوری عمر درکار ہے ـــ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال کی عمر کے اندر اندر یہ تمام تصانیف لکھیں اور اسکے بعد اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کیلئے فارغ کر لیا۔

جاگتے میں حضور کی زیارت

ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دولت عطا فرمائی کہ ۳۵ مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے میں اور بیداری کی حالت میں زیارت ہوئی، اور بیداری کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کشف کی ایک قسم ہے، کسی نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! ہم نے سنا ہے کہ آپ نے ۳۵ مرتبہ بیداری کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ ہمیں بھی بتایئے کہ وہ کیا عمل ہے جسکی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے سرفراز فرمایا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں تو کوئی خاص عمل نہیں کرتا، البتہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ خاص فضل رہا ہے کہ میں ساری عمر درود شریف بہت کثرت سے پڑھتا رہا ہوں، چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا رہوں۔ شاید اسی عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دولت عطا فرمائی ہو۔

حضور کی زیارت کا طریقہ

بہرحال، بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ہو، وہ جمعہ کی رات میں دو رکعت نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ۱۱ مرتبہ آیت الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ یہ درودِ شریف پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ"

اگر کوئی شخص چند مرتبہ یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرمادیتے ہیں۔

بشرطیکہ شوق اور طلب کامل ہو اور گناہوں سے بھی بچتا ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا مذاق

لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ چنانچہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے، اور کہا حضرت! مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے جسکی برکت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھائی، تم بڑے حوصلہ والے آدمی ہو کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، ہمیں تو یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ یہ تمنا بھی کریں، اسلئے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ اور اگر زیارت ہو جائے تو اس کے آداب، اسکے حقوق اور اسکے تقاضے کس طرح پورے کریں گے، اسلئے خود اسکے حاصل کرنے کی نہ تو کوشش کی، اور نہ کبھی اس قسم کے عمل سیکھنے کی نوبت آئی جس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی زیارت کرا دیں تو یہ ان کا انعام ہے، اور جب خود کرائیں گے تو پھر اسکے آداب کی بھی توفیق بخشیں گے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور روضہ اقدس کی زیارت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تو کبھی روضہ اقدس کی جالی کے قریب نہیں جاتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ کا یہ معمول دیکھا کہ جالی کے سامنے جو ستون ہے اس ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے، اور اگر کوئی آدمی کھڑا ہوتا تو اسکے پیچھے جا کر کھڑے ہو جاتے۔

ایک دن خود فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ

شاید تو بڑا شقی القلب ہے، اس وجہ سے جالیوں کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اور یہ اللہ کے بندے ہیں جو جالی کے قریب ہونے اور اس سے چمٹنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا قرب حاصل ہو جائے وہ نعمت ہی نعمت ہے، لیکن میں کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں ــــــ جیسے ہی مجھے یہ خیال آیا، اسی وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ روضہ اقدس کی طرف سے یہ آواز آرہی ہے کہ:

"یہ بات لوگوں تک پہنچا دو کہ جو شخص ہماری سنتوں پر عمل کرتا ہے، وہ ہم سے قریب ہے، خواہ ہزاروں میل دور ہو، اور جو شخص ہماری سنتوں پر عمل پیرا نہیں ہے، وہ ہم سے دور ہے، خواہ وہ ہماری جالیوں سے چمٹا کھڑا ہو"

چونکہ اس میں حکم بھی تھا کہ "لوگوں تک یہ بات پہنچادو" اسلئے میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ اپنی تقاریر اور خطبات میں یہ بات لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تھے، لیکن اپنا نام ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایک زیارت کرنے والے نے جب روضہ اقدس کی زیارت کی تو اسکو روضہ اقدس پر یہ آواز سنائی دی ــــ لیکن ایک مرتبہ تنہائی میں بتایا کہ یہ واقعہ میرے ہی ساتھ پیش آیا تھا۔

اصل چیز سنت کی اتباع

حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے، اگر یہ حاصل ہے تو پھر انشاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب بھی حاصل ہے ــــ خدانہ کرے، اگر یہ چیز حاصل نہیں تو آدمی چاہے کتنا ہی قریب پہنچ جائے، روضہ اقدس کی جالیاں تو کیا، بلکہ حجرہ اقدس کے اندر بھی چلا جائے، تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا ــــ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتباع سنت کی دولت عطا فرمادے۔ آمین۔

درود شریف میں نئے طریقے ایجاد کرنا

ویسے تو درود شریف کی کثرت افضل ترین عمل ہے، لیکن ہر کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت تک پسندیدہ ہے، جب تک ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، لیکن اگر کسی کام کے اندر اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، اور اسکے مطابق کام شروع کر دیا، تو اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی ـــــ چنانچہ درود شریف کے بارے میں آجکل بہت سے ایسے طریقے چل پڑے ہیں، جو اپنی طرف سے گھڑے ہوئے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے نہیں ہیں، اس صورت میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہا ہوں، لیکن چونکہ وہ طریقے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہیں، اسلئے حقیقت میں ان کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ طریقہ بدعت ہے

مثلاً آجکل درود و سلام بھیجنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ درود و سلام کی نمائش کرو چنانچہ بہت سے آدمی ملکر کھڑے ہو کر لاؤڈ اسپیکر پر زور زور سے ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں:

• اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

اور یہ سمجھتے ہیں کہ درود و سلام کا بھیجنے کا یہی طریقہ ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر درود و سلام پڑھتا ہے تو اسکو درست نہیں سمجھتے، اور اسکی اتنی قدر و منزلت نہیں کرتے، حالانکہ پوری سیرت طیبہ میں اور صحابہ کرام کی زندگی میں کہیں بھی یہ مروجہ طریقہ نہیں ملتا، جبکہ صحابہ کرام میں سے ہر شخص مجسم درود تھا، اور صبح سے لیکر شام تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتا تھا ـــــ

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طریقے میں شامل نہ ہو تو اسکو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں، یہ درود و سلام کا منکر ہے وغیرہ وغیرہ، یہ طعنہ دینا اور زیادہ بری بات ہے۔ خوب سمجھ لیجئے، درود بھیجنے کا کوئی طریقہ اس طریقے سے زیادہ بہتر نہیں ہو سکتا جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا ہو، وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں درود ابراہیمی پڑھا اور فرمایا کہ اس طریقے سے درود شریف پڑھا کرو۔

نماز میں درود شریف کی کیفیت

دوسری طرف یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو نماز کا ایک حصہ بنایا ہے، لیکن نماز کے اندر سورۃ فاتحہ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے، سورۃ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے، لیکن جب درود شریف کا موقع آیا تو فرمایا کہ تشہد کے بعد اطمینان کے ساتھ، ادب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

بہرحال ویسے تو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا، بیٹھ کر پڑھنا، لیٹ کر پڑھنا، ہر حالت میں درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک طریقے کو خاص کر کے مقرر کر لینا، اور اسکے بارے میں یہ کہنا کہ یہ طریقہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور افضل ہے، یہ سب بے بنیاد اور غلط ہے۔

کیا درود شریف کے وقت حضور تشریف لاتے ہیں؟

اور یہ طریقہ اس وقت اور زیادہ غلط ہو گیا جب اسکے ساتھ ایک خراب

عقیدہ بھی لگ گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب ہم درود شریف پڑھتے ہیں تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ یا آپ کی روح مبارک تشریف لاتی ہے، اور جب آپ تشریف لا رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کی تعظیم اور تکریم میں کھڑے ہونا چاہئے، اسلئے ہم کھڑے ہو جاتے ہیں ـــــ

بتائیے یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں یہ کہاں سے ثابت ہے؟ کیا قرآن کریم کی آیت سے، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے، یا کسی صحابی کے قول سے ثابت ہے؟ کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں، یہ حدیث۔ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس کو اگر غور سے پڑھ لیں تو بات سمجھ میں آجائیگی، وہ کہ:

"ان اللہ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ساری زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں، اور ان کا کام یہ ہے کہ جو شخص میری امت میں سے مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچاتے ہیں ـــــ

دیکھئے اس حدیث میں یہ تو بیان فرمایا کہ فرشتے مجھ تک درود شریف پہنچاتے ہیں، لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جہاں کہیں درود پڑھا جارہا ہوتا ہے تو میں وہاں پہنچ جاتا ہوں۔

ہدیہ دینے کا ادب

پھر ذرا غور تو کریں کہ یہ درود شریف کیا چیز ہے؟ یہ درود شریف ایک ہدیہ اور تحفہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، اور جب کسی بڑے کو کوئی ہدیہ دیا جاتا ہے تو کیا اسکو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں، ہم آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کریں گے؟ یا اسکے گھر بھیجا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے بڑے کی عزت اور احترام ہوگا، وہ

کبھی اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ وہ بڑے سے یہ کہے کہ آپ ہدیہ قبول کرنے کیلئے میرے گھر آئیں، وہاں آکر ہدیہ لے لیں ــــ بلکہ وہ شخص ہمیشہ یہ چاہے گا کہ یا تو میں خود جاکر اسکو ہدیہ پیش کروں، یا کسی اپنے نمائندے کو بھیجے گا کہ وہ ادب اور احترام کے ساتھ اسکی خدمت میں یہ ہدیہ پہنچا دے ــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف پہنچانے کیلئے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ آپ کا امتی جہاں کہیں بھی ہے، اسکو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرے، اور پھر اس درود شریف کو وصول کر کے آپ تک پہنچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو نام لیکر پہنچاتے ہیں کہ آپ کے فلاں امتی نے جو فلاں جگہ رہتا ہے، آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے ــــ

یہ غلط عقیدہ ہے

لیکن اسکے برخلاف ہم نے اپنی طرف سے یہ طریقہ مقرر کر لیا ہے کہ ہم درود شریف وہاں تک نہیں پہنچائیں گے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ لینے کیلئے خود ہماری خدمت میں آنا ہوگا، جب آپ ہماری مسجد میں تشریف لائیں گے تو اس وقت ہم ہدیہ پیش کریں گے ــــ حالانکہ یہ ادب اور تعظیم کے خلاف ہے کہ اپنے بڑے کو ہدیہ وصول کرنے کیلئے گھر بلایا جائے کہ یہاں آکر مجھ سے ہدیہ وصول کر لو ــــ

لہٰذا یہ تصور کہ جب ہم یہاں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود بھیجتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس درود شریف کو لینے کیلئے خود تشریف لاتے ہیں، اور چونکہ خود ہماری محفل میں تشریف لاتے ہیں تو ہم ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں ـــ یہ تصور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے بالکل مطابق نہیں، اسلئے درود شریف بھیجنے کا یہ تصور اور یہ طریقہ

درست نہیں۔ جو طریقہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

آہستہ اور ادب کے ساتھ درود شریف پڑھیں

دوسری طرف قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرنی ہو، یا اللہ کا ذکر کرنا ہو تو جتنا آہستگی اور عاجزی سے کرو گے، اتنا ہی زیادہ افضل ہوگا، چنانچہ فرمایا:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً"

(الاعراف: ۵۵)

یعنی اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی کے ساتھ پکارو۔ اب درود شریف میں تم اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے ہو، اللھم صل علی محمد" اے اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے یہ طریقہ درست نہیں، بلکہ جتنا آہستگی کے ساتھ ادب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے، اتنا ہی افضل ہوگا۔ لہذا درود شریف بھیجنے کا یہ طریقہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ کر درود شریف بھیجے گا تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ طریقہ نہیں ہوگا۔

خالی الذھن ہو کر سوچئے

آجکل فرقہ بندیاں ہو گئی ہیں، اور اس فرقہ بندیوں کی وجہ سے یہ صورتحال ہو گئی ہے کہ اگر کوئی صحیح بات کہے تو بھی کان اسکو سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، یہ بات میں کوئی عیب جوئی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ دردمندی کے ساتھ، دل سوزی کے ساتھ حقیقت حال بیان کرنے کیلئے کہہ رہا ہوں، اسلئے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، محض طعنہ دیدینا کہ فلاں فرقہ تو درود شریف کا منکر

ہے، ان کے دل میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے۔ اس طرح طعنہ دینے سے بات نہیں بنتی، اگر ذرا کان کھول کر بات سن جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ کیا ہے؟ تب جاکر حقیقت حال واضح ہوگی۔

تم بہرے کو نہیں پکار رہے ہو

ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام کہیں تشریف لے جارہے تھے تو انہوں نے راستے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنی شروع کردی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آہستگی کے ساتھ دعا کرو، اور فرمایا کہ:

«انکم لا تدعون اصم ولا غائبا»

یعنی تم بہرے کو نہیں پکار رہے ہو، اور نہ ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہے، وہ تو تمہاری ہر بات سننے والا ہے، حتیٰ کہ وہ تمہارے دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے، اسلئے اسکو پکارنے کے لئے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے اسکو آہستگی، اور ادب کے ساتھ پکارو ـــ یہ طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تلقین فرمایا ـــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور درود شریف کو اسکے صحیح آداب کے ساتھ، اسکے احکام اور مستحبات کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۶؍ اگست ۱۹۹۳ء قبل نماز جمعہ

مقام ـــــــــ جامع مسجد نعمان لسبیلہ چوک، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناپ تول میں کمی

اور

دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا۔ امابعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ المطففین: ۱ تا ۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

کم تولنا، ایک عظیم گناہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک

بہت بڑے گناہ اور معصیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، وہ گناہ ہے "کم ناپنا اور کم تولنا" یعنی جب کوئی چیز کسی کو بیچی جائے تو جتنا اس خریدنے والے کا حق ہے، اس سے کم تول کر دے۔ عربی میں کم ناپنے اور کم تولنے کو "تطفیف" کہا جاتا ہے، اور یہ "تطفیف" صرف تجارت اور لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ "تطفیف" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے کا جو بھی حق ہمارے ذمے واجب ہے، اس کو اگر اس کا حق کم کر کے دیں تو یہ "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔

آیات کا ترجمہ

آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ کم ناپنے اور کم تولنے والوں کے لئے افسوس ہے، (اللہ تعالیٰ نے "ویل" کا لفظ استعمال فرمایا، "ویل" کے ایک معنی تو "افسوس" کے آتے ہیں دوسرے معنی اس کے ہیں "دردناک عذاب" اس دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ) ان لوگوں پر دردناک عذاب ہے جو دوسروں کا حق کم دیتے ہیں۔ اور کم ناپتے اور کم تولتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اپنا حق پورا پورا لیتے ہیں۔ (اس وقت تو ایک دمڑی بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔) لیکن جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دینے کا موقع آتا ہے تو اس وقت (ڈنڈی مار دیتے ہیں) کم کر دیتے ہیں۔ (جتنا حق دینا چاہئے تھا۔ اتنا نہیں دیتے)۔ (آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ) "کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ایک عظیم دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جس دن سارے انسان رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے" (اور اس وقت انسان کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوگا، اور اس دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے آجائے گا، تو کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس وقت کم ناپ کر اور کم

تول کر دنیا کے چند ٹکوں کا جو تھوڑا سا فائدہ اور نفع حاصل کر رہے ہیں، یہ چند ٹکوں کا فائدہ ان کے لئے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم نے بار بار کم ناپنے اور کم تولنے کی برائی بیان فرمائی، اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بھی بیان فرمایا)۔

قوم شعیب علیہ السلام کا جرم

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اس وقت ان کی قوم بہت سی معصیتوں اور نافرمانیوں میں مبتلا تھی، کفر، شرک اور بت پرستی میں تو مبتلا تھی۔ اس کے علاوہ پوری قوم کم ناپنے اور کم تولنے میں مشہور تھی، تجارت کرتے تھے، لیکن اس میں لوگوں کا حق پورا نہیں دیتے تھے، دوسری طرف وہ ایک انسانیت سوز حرکت یہ کرتے تھے کہ مسافروں کو راستے میں ڈرایا کرتے اور ان پر حملہ کر کے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کفر، شرک اور بت پرستی سے منع کیا۔ اور توحید کی دعوت دی، اور کم ناپنے کم تولنے اور مسافروں کو راستے میں ڈرانے اور ان پر حملہ کرنے سے بچنے کا حکم دیا، لیکن وہ قوم اپنی بداعمالیوں میں مست تھی، اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے ان سے یہ پوچھا کہ:

"اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"

(سورۃ ھود: ۸۷)

یعنی کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے، یا ہم اپنے مال میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنا چھوڑ دیں۔

یہ ہمارا مال ہے ہم اس جس طرح چاہیں، حاصل کریں چاہے کم طول کر حاصل کریں یا کم ناپ کر حاصل کریں۔ یا دھوکہ دے کر حاصل کریں۔ تم ہمیں روکنے والے کون ہو؟ ان باتوں کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام ان کو محبت اور شفقت کے ساتھ سمجھاتے رہے۔ اور اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے۔ اور بالاخران کا وہی انجام ہوا جو نبی کی بات نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جو شاید کسی اور قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب

وہ عذاب ان پر اس طرح آیا کہ پہلے تین دن متواتر پوری بستی میں سخت گرمی پڑی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے انگارے برس رہے ہیں، اور زمین آگ اگل رہی ہے، حبس اور تپش نے ساری بستی والوں کو پریشان کر دیا، تین دن کے بعد بستی والوں نے دیکھا کہ اچانک ایک بادل کا ٹکڑا بستی کی طرف آرہا ہے، اور اس بادل کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، چونکہ بستی کے لوگ تین دن سے سخت گرمی کی وجہ سے بلبلائے ہوئے تھے۔ اس لئے سارے بستی والے بہت اشتیاق کے ساتھ بستی چھوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، تاکہ یہاں ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اٹھائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بادل کے نیچے اس لئے جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ سب پر ایک ساتھ عذاب نازل کر دیا جائے، چنانچہ جب وہ سب وہاں جمع ہو گئے تو وہی بادل جس میں سے ٹھنڈی ہوائیں آرہی تھی۔ اس میں سے آگ کے انگارے برسنا شروع ہو گئے۔ اور ساری قوم ان انگاروں کا نشانہ بن کر جھلس کر ختم ہو گئی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ:

"فَكَذَّبُوهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ"

(سورة الشعراء:۱۸۹)

ترجمہ: یعنی انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، اس کے نتیجے میں ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

• فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○

(سورۃ القصص: ۵۸)

یعنی یہ ان کی بستیاں دیکھو، جو ان کی ہلاکت کے بعد آباد بھی نہیں ہو سکیں، مگر بہت کم، ہم ہی ان کے سارے مال و دولت اور جائیداد کے وارث بن گئے ـــــــــ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ کم ناپ کر، کم تول کر، ملاوٹ کر کے، دھوکہ دے کر ہم اپنے مال و دولت میں اضافہ کریں گے، لیکن وہ ساری دولت دھری کی دھری رہ گئی۔

یہ آگ کے انگارے ہیں

اگر تم نے ڈنڈی مار کر ایک تولہ، یا دو تولہ، ایک چھٹانک یا دو چھٹانک مال خریدار کو کم دے دیا، اور چند پیسے کما لئے، دیکھنے میں تو یہ پیسے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں۔ جس کو تم اپنے پیٹ میں ڈال رہے ہو، حرام مال اور حرام کھانے کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا"

(سورۃ النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔ وہ در حقیقت

اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، جو لقمے حلق سے نیچے اتر رہے ہیں یہ حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں وہ روپیہ پیسہ اور مال و دولت نظر آرہا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی کر کے یہ پیسے حاصل کئے گئے ہیں۔ یہ پیسے اور یہ مال و دولت دنیا میں بھی تباہی کا سبب ہے۔ اور آخرت میں بھی تباہی کا ذریعہ ہے۔

اجرت کم دینا گناہ ہے

اور یہ کم ناپنا اور کم تولنا صرف تجارت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ کم ناپنا اور کم تولنا اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام المفسرین ہیں، سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شدة العذاب یومئذ للمطففین من الصلاة والزکاة والصیام وغیر ذلك من العبادات"

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: سورۃ مطففین)

یعنی قیامت کے روز سخت عذاب ان لوگوں کو بھی ہوگا جو اپنی نماز، زکوٰۃ اور روزے اور دوسری عبادات میں کمی کرتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں کوتاہی کرنا۔ اس کو پورے آداب کے ساتھ ادا نہ کرنا بھی تطفیف کے اندر داخل ہے۔

مزدور کو مزدوری فوراً دے دو

یا مثلاً ایک آقا مزدور سے پورا پورا کام لیتا ہے، اس کو ذرا سی بھی سہولت دینے کو تیار نہیں ہے، لیکن تنخواہ دینے کے وقت اس کی جان نکلتی ہے، اور پوری تنخواہ نہیں دیتا، یا صحیح وقت پر نہیں دیتا۔ ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ اور تطفیف میں داخل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ

(ابن ماجہ ابواب الاحکام، باب اجر الاجراء۔ حدیث نمبر ۲۴۶۸)

یعنی مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو ○ اس لئے کہ جب تم نے اس سے مزدوری کرالی کام لے لیا تو اب مزدوری دینے میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

نوکر کو کھانا کیسا دیا جائے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا، اور نوکر سے یہ طے کیا کہ تمہیں ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے گی۔ اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا، لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو خود تو خوب پلاؤ زردے اڑائے۔ اعلیٰ درجے کا کھانا کھایا، اور بچا کچا کھانا جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے۔ وہ نوکر کے حوالے کر دیا۔ تو یہ بھی "تطفیف" ہے، اس لئے کہ جب تم نے اس کے ساتھ دو وقت کا کھانا طے کر لیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو اتنی مقدار میں ایسا کھانا دو گے جو ایک معقول آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے، لہٰذا اب اس کو بچا کچا کھانا دینا اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے لہٰذا یہ بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہوگی۔

ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا

یا مثلاً ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے، تو گویا

کہ اس نے یہ آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں، اور یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا۔ اور اس کے عوض اس کو اجرت اور تنخواہ ملے گی، اب اگر وہ اجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کر لیتا ہے، اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کر لیتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہے، حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے یہ بھی اسی طرح گناہ گار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کام کیا۔ تو ایک گھنٹے کی ڈیوٹی مار دی، گویا کہ اجرت کے وقت اپنا حق اجرت تو پورا لے رہا ہے۔ اور جب دوسروں کے حق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہو گا جو اس وقت کے بدلے میں ہو گا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔

ایک ایک منٹ کا حساب ہو گا

کسی زمانے میں تو دفتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کل دفتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ کھلم کھلا، علانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو، اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہو رہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا۔ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو، ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو دوسرے

کے حقوق میں کمی کرتے ہیں۔ اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں، یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا، اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ

آپ حضرات نے دارالعلوم دیوبند کا نام سنا ہوگا، اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو اس امت کے لئے رحمت بنا دیا، اور یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے صحابہ کرام کی یادیں تازہ کر دیں، میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ دارالعلوم کے وقت میں اگر کوئی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو جس وقت وہ مہمان آتا اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ اور یہ نوٹ کر لیتے کہ یہ مہمان مدرسہ کے اوقات میں سے اتنا وقت میرے پاس رہا، پورا مہینہ اس طرح کرتے، اور جب مہینہ ختم ہو جاتا تو استاذ ایک درخواست پیش کرتے کہ چونکہ فلاں فلاں ایام میں اتنی دیر تک میں مہمان کے ساتھ مشغول رہا، اس وقت کو دارالعلوم کے کام میں صرف نہیں کر سکا، لہٰذا میری تنخواہ میں سے اتنے وقت کی تنخواہ کاٹ لی جائے۔

تنخواہ حرام ہوگی

آج تنخواہ بڑھانے کی درخواست دینے کے بارے میں تو آپ روزانہ سنتے ہیں۔ لیکن یہ کہیں سننے میں نہیں آتا کہ کسی نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے دفتری اوقات میں اتنا وقت ذاتی کام میں صرف کیا تھا۔ لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لی جائے۔ یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی فکر ہو ـــــ آج ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے مزدوری کرنے

والے۔ ملازمت کرنے والے لوگ کتنا وقت دیانت داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر صرف کر رہے ہیں؟ آج ہر جگہ فساد برپا ہے۔ خلق خدا پریشان ہے۔ اور دفتر کے باہر دھوپ میں کھڑی ہے اور صاحب بہادر اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں مہمانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہیں۔ چائے پی جارہی ہے۔ ناشتہ ہو رہا ہے۔ اس طرز عمل میں ایک طرف تو تنخواہ حرام ہو رہی ہے، اور دوسری طرف خلق خدا کو پریشان کرنے کا گناہ الگ ہو رہا ہے۔

سرکاری دفاتر کا حال

ایک سرکاری محکمے کے ذمہ دار افسر نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے یہ ڈیوٹی ہے کہ میں ملازموں کی حاضری لگاؤں۔ ایک ہفتہ کے بعد ہفتہ بھر کا چٹھہ تیار کر کے افسر بالا کو پیش کرتا ہوں، تاکہ اس کے مطابق تنخواہیں تیار کی جائیں، اور میرے محکمے میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مار پیٹ والے نوجوان ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اولاً تو دفتر میں آتے ہی نہیں ہیں، اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو ایک دو گھنٹے کے لئے آتے ہیں، اور یہاں آکر بھی یہ کرتے ہیں کہ دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کینٹین میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، اور مشکل سے آدھا گھنٹہ دفتری کام کرتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں۔ میں نے حاضری کے رجسٹر میں لکھ دیا کہ یہ حاضر نہیں ہوئے تو وہ لوگ پستول اور ریوالور لے کر مجھے مارنے کے لئے آگئے، اور کہا کہ ہماری حاضری کیوں نہیں لگائی؟ فوراً ہماری حاضری لگاؤ۔

اب مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر حاضری لگاتا ہوں تو جھوٹ ہوتا ہے، اور اگر نہیں لگاتا ہوں تو ان لوگوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنتا ہوں۔ میں کیا کروں؟ آج ہمارے دفتروں کا یہ حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی

اور سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے، اس حق کی ادائیگی میں کمی کرنا بھی کم ناپنے اور کم تولنے میں داخل ہے، مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نماز کا طریقہ بتا دیا گیا کہ اس طرح قیام کرو، اس طرح رکوع کرو، اس طرح سجدہ کرو، اس طرح اطمینان کے ساتھ اور اس طرح اطمینان کیساتھ سارے ارکان ادا کرو، اب آپ نے جلدی جلدی بغیر اطمینان کے ایک منٹ کے اندر نماز پڑھ لی۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ تو آپ نے اللہ کے حق میں کوتاہی کر دی، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے جلدی جلدی نماز ادا کر لی۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ تو ایک صحابی نے ان کی نماز دیکھ کر فرمایا کہ:

لقد طففت

تم نے نماز کے اندر تطفیف کی، یعنی اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کیا۔

یاد رکھیے، کسی کا بھی حق ہو، چاہے اللہ تعالیٰ کا حق ہو، یا بندے کا حق ہو، اس میں جب کمی اور کوتاہی کی جائے گی تو یہ بھی ناپ تول میں کمی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اور اس پر وہ ساری وعیدیں صادق آئیں گی جو قرآن کریم نے ناپ تول کی کمی پر بیان کی ہیں۔

ملاوٹ کرنا حق تلفی ہے

اسی طرح "تطفیف" کے وسیع مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو چیز فروخت کی، وہ خالص فروخت نہیں، بلکہ اس کے اندر ملاوٹ کر دی، یہ ملاوٹ کرنا کم ناپنے اور کم تولنے میں اس لحاظ سے داخل ہے کہ مثلاً آپ نے ایک سیر آٹا فروخت کیا۔ لیکن اس ایک سیر آٹے میں خالص آٹا تو آدھا سیر ہے۔ اور آدھا

سیر کوئی اور چیز ملادی ہے۔ اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار کا جو حق تھا کہ اس کو ایک سیر آٹا ملتا۔ وہ حق اس کو پورا نہیں ملا اسلئے یہ بھی حق تلفی میں داخل ہے۔

اگر تھوک فروش ملاوٹ کرے؟

بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ ہم خوردہ فروش ہیں ہمارے پاس تھوک فروشوں کی طرف سے جیسامال آتا ہے، وہ ہم آگے فروخت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ہم ملاوٹ نہیں کرتے، ملاوٹ تو تھوک فروش کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں لامحالہ وہ چیز ویسی ہی آگے فروخت کرنی پڑتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص خود مال نہیں بناتا، اور نہ ملاوٹ کرتا ہے، بلکہ دوسرے سے مال لے کر آگے فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کے سامنے یہ بات واضح کر دے کہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس میں کتنی اصلیت ہے، اور کتنی ملاوٹ ہے۔ البتہ میری معلومات کے مطابق اتنی اصلیت ہے، اور اتنی ملاوٹ ہے۔

خریدار کے سامنے وضاحت کر دے

لیکن ہمارے بازاروں میں بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جو اصلی اور خالص ملتی ہی نہیں ہیں، بلکہ جہاں سے بھی لوگے، وہ ملاوٹ شدہ ہی ملے گی، اور سب لوگوں کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ یہ چیز اصلی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں وہ تاجر جو اس چیز کو دوسرے سے خرید کر لایا ہے۔ اس کے ذمے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر شخص کو اس چیز کے بارے میں بتائے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ خالص نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ خریدنے والا اس چیز کی حقیقت سے بے خبر ہے تو اس صورت میں اس کو بتانا چاہئے کہ یہ چیز خالص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔

عیب کے بارے میں گاہک کو بتادے

اسی طرح اگر بیچے جانے والے سامان میں کوئی عیب ہو، وہ عیب خریدار کو بتا دینا چاہئے، تاکہ اگر وہ شخص اس عیب کے ساتھ اس کو خریدنا چاہتا ہے تو خرید لے، ورنہ چھوڑ دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من باع عیبا لم یبینه لم یزل فی مقت الله، ولم تزل الملائکة تلعنه"

(ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینه)

یعنی جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے، اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو ایسا شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور ملائکہ ایسے آدمی پر مسلسل لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص گندم بیچ رہا ہے، آپ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اور گندم کی ڈھیری میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو اوپر نیچے کیا تو یہ نظر آیا کہ اوپر تو اچھا گندم ہے، اور نیچے بارش اور پانی کے اندر گیلا ہو کر خراب ہو جانے والا گندم ہے، اب دیکھنے والا جب اوپر سے دیکھتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ گندم بہت اچھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے یہ خراب والا گندم اوپر کیوں نہیں رکھا، تاکہ خریدار کو معلوم ہو جائے کہ یہ گندم ایسا ہے۔ وہ لینا چاہے تو لے لے۔ نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے، اس شخص نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، بارش کی وجہ سے کچھ گندم خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے اس کو نیچے کر دیا، آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ اس کو اوپر کر دو اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

من غش فليس منا

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من غش فلیس منا)

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کہ بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی سخت بات فرمارہے ہیں، لہٰذا جو چیز بیچ رہے ہو، اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے، لیکن خریدار کو دھوکے میں اور اندھیرے میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دیانتداری

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جن کے ہم اور آپ سب مقلد ہیں، بہت بڑے تاجر تھے، کپڑے کی تجارت کرتے تھے، لیکن بڑے سے بڑے نفع کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قربان کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کے پاس کپڑے کا ایک تھان آیا، جس میں کوئی عیب تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ملازموں کو جو دکان پر کام کرتے تھے، کہہ دیا کہ یہ تھان فروخت کرتے وقت گاہک کو بتا دیا جائے کہ اس کے اندر یہ عیب ہے۔ چند روز کے بعد ایک ملازم نے وہ تھان فروخت کر دیا۔ اور عیب بتانا بھول گیا، جب امام صاحب نے پوچھا کہ اس عیب دار تھان کا کیا ہوا؟ اس ملازم نے بتایا کہ حضرت میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب اگر کوئی اور مالک ہوتا تو وہ ملازم کو شاباش دیتا کہ تم نے عیب دار تھان فروخت کر دیا۔ مگر امام صاحب نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو اس کا عیب بتا دیا تھا؟ ملازم نے جواب دیا کہ میں عیب بتانا تو بھول گیا، آپ نے پورے شہر کے اندر اس

گاہک کی تلاش شروع کر دی جو وہ عیب دار تھان خرید کر لے گیا تھا۔ کافی تلاش کے بعد وہ گاہک مل گیا تو آپ نے اس کو بتایا کہ جو تھان آپ میری دکان سے خرید کر لائے ہیں۔ اس میں فلاں عیب ہے، اس لئے آپ وہ تھان مجھے واپس کر دیں اور اگر اسی عیب کے ساتھ رکھنا چاہیں تو آپ کی خوشی۔

آج ہمارا حال

آج ہم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بتا دے، بلکہ جانتے ہیں کہ یہ عیب دار سامان ہے اس میں فلاں خرابی ہے۔ اس کے باوجود قسمیں کھا کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے، اعلیٰ درجے کی ہے، اس کو خرید لیں۔

ہمارے اوپر یہ جو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہے کہ پورا معاشرہ عذاب میں مبتلا ہے۔ ہر شخص بدامنی اور بے چینی اور پریشانی میں ہے، کسی شخص کی بھی جان، مال، آبرو محفوظ نہیں ہے۔ یہ عذاب ہمارے انہیں گناہوں کا نتیجہ اور وبال ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ سامان فروخت کرتے وقت اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح نہیں کرتے، ملاوٹ، دھوکہ، فریب عام ہو چکا ہے۔

بیوی کے حقوق میں کوتاہی گناہ ہے

اسی طرح آج شوہر بیوی سے تو سارے حقوق وصول کرنے کو تیار ہے۔ وہ ہر بات میں میری اطاعت بھی کرے، کھانا بھی پکائے، گھر کا انتظام بھی کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، ان کی تربیت بھی کرے، اور میرے ماتھے پر شکن بھی نہ آنے دے۔ اور چشم و آبرو کے اشارے کی منتظر رہے، یہ سارے حقوق وصول کرنے کو شوہر تیار ہے۔ لیکن جب بیوی کے حقوق ادا کرنے کا وقت

آئے، اس وقت ڈنڈی مار جائے، اور ان کو ادا نہ کرے، حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو حکم فرما دیا ہے کہ:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(سورۃ النساء: ۱۹)

یعنی بیویوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔
اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیارکم خیارکم لنساءھم

(ترمذی کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔
ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استوصوا بالنساء خیرًا

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء)

یعنی عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی نصیحت کو قبول کرلو یعنی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔
اللہ اور اللہ کے رسول تو ان کے حقوق کی ادائیگی کی اتنی تاکید فرما رہے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے پورے حقوق ادا کرنے کو تیار نہیں، یہ سب کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور شرعاً حرام ہے۔

مہر معاف کرانا حق تلفی ہے

ساری زندگی میں بے چاری عورت کا ایک ہی مالی حق شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے۔ وہ ہے مہر، وہ بھی شوہر ادا نہیں کرتا۔ ہوتا یہ ہے کہ ساری زندگی تو مہر ادا نہیں کیا۔ جب مرنے کا وقت قریب آیا تو بستر مرگ پر پڑے ہیں۔ دنیا

سے جانے والے ہیں۔ رخصتی کا منظر ہے، اس وقت بیوی سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دو، اب اس موقع پر بیوی کیا کرے؟ کیا رخصت ہونے والے شوہر سے یہ کہہ دے کہ میں معاف نہیں کرتی، چنانچہ اس کو مہر معاف کرنا پڑتا ہے ــــــ ساری عمر اس سے فائدہ اٹھایا، ساری عمر تو اس سے حقوق طلب کئے۔ لیکن اس کا حق دینے کا وقت آیا تو اس میں ڈنڈی مار گئے۔

نفقہ میں کمی حق تلفی ہے

یہ تو مہر کی بات تھی، نفقہ کے اندر شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس کو اتنا نفقہ دیا جائے کہ وہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ گزارہ کر سکے، اگر اس میں کمی کرے گا تو یہ بھی کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی کا کوئی حق دوسرے کے ذمے واجب ہو۔ وہ اس کو پورا ادا کرے۔ اس میں کمی نہ کرے، ورنہ اس عذاب کا مستحق ہو گا جس عذاب کی وعید اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہمارے گناہوں کا وبال ہے

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ہم مجلس جما کر بیٹھتے ہیں تو حالات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ بہت حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بدامنی ہے، بے چینی ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، جان محفوظ نہیں، مال محفوظ نہیں، معاشی بدحالی کے اندر مبتلا ہیں ــــــ یہ سب تبصرے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص ان تمام پریشانیوں کا حل تلاش کر کے اس کا علاج کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ مجلس کے بعد دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے ہیں۔

ارے، یہ دیکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خود سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ کوئی کرنے والا کر رہا ہے۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اور کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، لہذا اگر بدامنی اور بے چینی آرہی ہے تو اس کی مشیت

سے آ رہی ہے۔ اگر سیاسی بحران پیدا ہو رہا ہے تو وہ بھی اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر چوریاں اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں تو اسی کی مشیت سے ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ"

(سورۃ الشوریٰ: ۳۰)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی یا مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ سب تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ہے، اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ

(سورۃ الفاطر: ۴۵)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہر گناہ پر پکڑ کرنے پر آجائیں تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا جانور باقی نہ رہے۔ سب ہلاک و برباد ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اور اپنی رحمت سے بہت سے گناہ معاف کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب تم حد سے بڑھ جاتے ہو، اس وقت اس دنیا کے اندر بھی تم پر عذاب نازل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ تم سنبھل جاؤ، اگر اب بھی سنبھل گئے تو تمہاری باقی زندگی بھی درست ہو جائے گی، اور آخرت بھی درست ہو جائے گی، لیکن اگر اب بھی نہ سنبھلے تو یاد رکھو، دنیا کے اندر تو تم پر عذاب آ ہی رہا ہے، اللہ بچائے ——— آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حرام کے پیسوں کا نتیجہ

آج ہر شخص اس فکر میں ہے کہ کسی طرح دو پیسے جلدی سے ہاتھ آجائیں، کل کے بجائے آج ہی مل جائیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں، یا حرام

طریقے سے ملیں، دھوکہ دے کر ملیں، یا فریب دے کر ملیں، یا دوسرے کی جیب کاٹ کر ملیں۔ لیکن مل جائیں۔ یاد رکھو، اس فکر کے نتیجے میں تمہیں دو پیسے مل جائیں گے، لیکن یہ دو پیسے نہ جانے کتنی بڑی رقم تمہاری جیب سے نکال کر لے جائیں گے، یہ دو پیسے دنیا میں تمہیں کبھی امن اور سکون نہیں دے سکتے، یہ دو پیسے تمہیں چین کی زندگی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ دو پیسے تم نے حرام طریقے سے، اور دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، دوسرے انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کئے ہیں۔ لہذا گنتی میں تو یہ پیسے شاید اضافہ کر دیں، لیکن تمہیں چین لینے نہیں دیں گے۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہاری جیب پر ڈاکہ ڈال دے گا، اور اس سے زیادہ نکال کر لے جائے گا، آج بازاروں میں یہی ہو رہا ہے کہ آپ نے ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر پیسے کمائے۔ دوسری طرف دو مسلح افراد آپ کی دکان میں داخل ہوئے۔ اور اسلحہ کے زور پر آپ کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے گئے۔ اب بتایئے، جو پیسے آپ نے حرام طریقے سے کمائے تھے۔ وہ فائدہ مند ثابت ہوئے، یا نقصان دہ ثابت ہوئے؟ لیکن اگر تم حرام طریقہ اختیار نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھتے تو اس صورت میں یہ پیسے اگرچہ گنتی میں کچھ کم ہوتے۔ لیکن تمہارے لئے آرام اور سکون اور چین کا ذریعہ بنتے۔

عذاب کا سبب گناہ ہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت امانت اور دیانت کے ساتھ پیسے کمائے تھے، اس کے باوجود ہماری دکان پر بھی ڈاکو آ گئے، اور لوٹ کر لے گئے ـــــــ بات یہ ہے کہ ذرا غور کرو کہ اگرچہ تم نے امانت اور دیانت سے کمائے تھے۔ لیکن یقین کرو کہ تم سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہوا ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یہی فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچ رہی ہے، ہو سکتا ہے کہ تم نے کوئی گناہ کیا ہو،

لیکن اس کا خیال اور دھیان نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ تم نے زکوۃ پوری ادا نہ کی ہو، یا زکوۃ کا حساب صحیح نہ کیا ہو۔ یا اور کوئی گناہ کیا ہو۔ اس کے نتیجے میں یہ عذاب تم پر آیا ہو۔

یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا

دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے، اور اس گناہ سے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہوتا تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آتا ہے تو عذاب یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور کس نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عذاب عام ہوتا ہے تمام لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً

(سورۃ الانفال: ۲۵)

یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا، بلکہ جو لوگ ظلم سے علیحدہ تھے۔ وہ بھی اس عذاب میں پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ خود تو ظالم نہیں تھے۔ لیکن کبھی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی ظلم کو مٹانے کی جدوجہد نہیں کی، اس ظلم کے خلاف ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا، اس لئے گویا کہ وہ بھی اس ظلم میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم تو بڑی امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کر رہے تھے، اس کے باوجود ہمارے ہاں چوری ہو گئی۔ اور ڈاکہ پڑ گیا، اتنی بات کہہ دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس امانت اور دیانت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام تم نے انجام نہیں دیا، اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس عذاب میں تم بھی گرفتار ہو گئے۔

غیر مسلموں کی ترقی کا سبب

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ تجارت بالکل صاف ستھری

ہو۔ اس میں دیانت اور امانت ہو۔ دھوکہ اور فریب نہ ہو۔ آج مسلمانوں نے تو ان چیزوں کو چھوڑ دیا، اور انگریزوں اور امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام نے ان چیزوں کو اپنی تجارت میں اختیار کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تجارت کو فروغ ہو رہا ہے۔ دنیا پر چھا گئے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھو، باطل کے اندر کبھی ابھرنے اور ترقی کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے:

"اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"

یعنی باطل تو مٹنے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کبھی تمہیں یہ نظر آئے کہ کوئی باطل ترقی کر رہا ہے، ابھر رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اور اس حق چیز نے اس کو ابھار دیا ہے۔ لہٰذا یہ باطل لوگ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے، آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کو دنیا کے اندر بھی ذلیل اور رسوا کر دیا جاتا۔ لیکن کچھ حق چیزیں ان کے ساتھ لگ گئیں، وہ امانت اور دیانت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی تھی، وہ انہوں نے اختیار کر لی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت کو ترقی عطا فرمائی، آج وہ پوری دنیا پر چھا گئے۔ اور ہم نے تھوڑے سے نفع کے خاطر امانت اور دیانت کو چھوڑ دیا، اور دھوکہ، فریب کو اختیار کر لیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ دھوکہ، فریب آگے چل کر ہماری اپنی تجارت کو تباہ و برباد کر دے گی۔

مسلمانوں کا طرۂ امتیاز

مسلمان کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ تجارت میں کبھی دھوکہ اور فریب نہیں دیتا، ناپ تول میں کبھی کمی نہیں کرتا، کبھی ملاوٹ نہیں کرتا، امانت اور دیانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا

کے سامنے ایسا ہی معاشرہ پیش کیا اور صحابہ کرام کی شکل میں ایسے ہی لوگ تیار کئے؛ جنہوں نے تجارت میں بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کر لیا، لیکن دھوکہ اور فریب دینے کو گوارہ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت بھی چمکائی، اور ان کی سیاست بھی چمکائی۔ ان کا بول بالا کیا۔ اور انہوں نے دنیا سے اپنی طاقت اور قوت کا لوہا منوایا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ عام مسلمان نہیں بلکہ وہ مسلمان جو پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ بازار میں جاتے ہیں تو سب احکام بھول جاتے ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام صرف مسجد تک کے لئے ہیں۔ بازار کے لئے نہیں۔ خدا کے لئے اس فرق کو ختم کریں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے تمام احکامات کو بجالائیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ "تطفیف" کے اندر وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جس میں ایک شخص اپنا حق تو پورا پورا وصول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ لیکن اپنے ذمے جو دوسروں کے حقوق واجب ہیں۔ وہ اس کو ادا نہ کرے، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احد کم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ)

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے" یہ نہ ہو کہ اپنے لئے تو پیمانہ کچھ اور ہے، اور دوسروں کے لئے پیمانہ کچھ اور ہے۔ جب تم دوسروں کے ساتھ کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ سوچو کہ اگر یہی معاملہ کوئی دوسرا شخص میرے ساتھ کرتا تو مجھے ناگوار ہوتا، میں اس کو اپنے اوپر ظلم تصور کرتا۔ تو اگر میں بھی یہ معاملہ جب دوسروں کے ساتھ کروں گا تو وہ بھی آخر انسان ہے۔ اس کو

بھی اس سے ناگواری اور پریشانی ہوگی۔ اس پر ظلم ہوگا، اس لئے مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں کہ کہاں کہاں ہم سے حق تلفیاں ہو رہی ہیں، کم ناپنا، کم تولنا، دھوکہ دینا، ملاوٹ کرنا، فریب دینا، عیب دار چیز فروخت کرنا، یہ تجارت کے اندر حرام ہیں۔ جس کی وجہ سے تجارت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آرہا ہے۔ یہ سب حق تلفی اور "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کا فہم اور ادراک عطا فرمائے، اور حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور "تطفیف" کے وبال اور عذاب سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بھائی بھائی بن جاؤ

۱

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ——— حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ——— محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ——— ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء

مقام ——— جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ——— نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھائی بھائی بن جاؤ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ
آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

(الحجرات: ۱۰)

آیت کا مفہوم

یہ آیت جو ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا تمہارے دو بھائیوں کے درمیان کوئی رنجش یا لڑائی ہو گئی ہو تو تمہیں چاہئے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور صلح کرانے میں اللہ سے ڈرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار اور مستحق ہو جاؤ۔

جھگڑے دین کو مونڈنے والے ہیں

قرآن و سنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کسی قیمت پر پسند نہیں، مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو یا جھگڑا ہو یا ایک دوسرے سے کھچاؤ اور تناؤ کی صورت پیدا ہو یا رنجش ہو یہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس آپس کی رنجشوں اور جھگڑوں کو، باہمی نفرتوں اور عداوتوں کو کسی طرح ختم کرو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ ارشاد فرمایا:

"اصلاح ذات البین فساد ذات البین الحالقة"

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی اصلاح ذات البین)

یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرانا۔ اور اس لئے اس کے جھگڑے مونڈنے والے ہیں یعنی مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں، فساد برپا ہو جائے، ایک دوسرے کا نام لینے کے روادار نہ رہیں۔ ایک دوسرے سے بات نہ کریں بلکہ ایک دوسرے سے زبان اور ہاتھ سے لڑائی کریں یہ چیزیں انسان کے دین کو مونڈ دینے والی ہیں یعنی انسان کے اندر جو دین کا جذبہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جو جذبہ ہے وہ اس کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے بالآخر انسان کا دین تباہ ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے بچو۔

باطن کو تباہ کرنے والی چیز

بزرگوں نے فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا، اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھنا یہ انسان کے باطن کو اتنا زیادہ تباہ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ تباہ کرنے والی چیز کوئی اور نہیں ہے اب اگر انسان نماز بھی پڑھ رہا ہے روزے بھی رکھ رہا ہے تسبیحات بھی پڑھ رہا ہے وظیفے اور نوافل کا بھی پابند ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ انسان لڑائی جھگڑے میں لگ جاتا ہے تو یہ لڑائی جھگڑا اس کے باطن کو تباہ و برباد کر دیگا اور اس کو اندر سے کھوکلا کر دیگا۔ اس لئے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں ، کے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض ہو گا اور اس بغض کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی انصاف پر قائم نہیں رہنے دیتا لہٰذا وہ انسان دوسرے کے ساتھ کبھی ہاتھ سے زیادتی کریگا کبھی زبان سے زیادتی کریگا کبھی دوسرے کا مالی حق چھیننے کی کوشش کریگا۔

اللہ کی بارگاہ میں اعمال کی پیشی

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر پیر کے دن اور جمعرات کے دن تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یوں تو ہر وقت ساری مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل سے واقف ہیں یہاں تک دلوں کے بھید کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس وقت کیا خیال آرہا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ ان دو دنوں میں مخلوق کے اعمال پیش کئے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

وہ شخص روک لیا جائے

بہر حال اعمال پیش ہونے کے بعد جب کسی انسان کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس ہفتے کے اندر ایمان کی حالت میں رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن اس کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔ یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائیگا لہٰذا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرما دیتے ہیں:

"الا من بینہ و بین اخیہ شحناء فیقال انظروا ھذین حتی یصطلحا"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فیمن یھجر اخاہ المسلم)

لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے۔ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا، یہاں کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔

بغض سے کفر کا اندیشہ

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے جنتی ہونے کا اعلان کیوں روک دیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو جو شخص بھی کوئی گناہ کرے گا، قاعدے کے اعتبار سے اس کو اس گناہ کا بدلہ ملیگا اس کے بعد جنت میں جائیگا لیکن اور جتنے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ گناہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا کر دیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ صاحب ایمان ہے اس لئے اس کے جنتی ہونے کا اعلان ابھی کر دو۔ جہاں تک اس کے گناہوں کا تعلق

ہے تو اگر یہ ان سے توبہ کر لیگا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کریگا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائیگا۔ لیکن بغض اور عداوت ایسے گناہ ہیں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا نہ کر دیں اور اس کا ایمان سلب نہ ہو جائے اس لئے ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ اس وقت تک کے لئے روک دو جب تک یہ دونوں آپس میں صلح نہ کرلیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں آپس کا باہمی بغض اور نفرت کتنا ناپسند ہے۔

شب برات میں بھی مغفرت نہیں ہوگی

شب برات کے بارے میں یہ حدیث آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں، لیکن دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے بغض ہو کینہ ہو اور عداوت ہو۔ وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں، اس حالت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنا ازار جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا ہو اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔

بغض کی حقیقت

اور "بغض" کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بدخواہی کی فکر کرنا کہ اس کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے یا اس کی بدنامی ہو، لوگ اس کو برا سمجھیں اس

پر کوئی بیماری آجائے اس کی تجارت بند ہو جائے یا اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اگر دل میں دوسرے شخص کی طرف سے بدخواہی پیدا ہو جائے اس کو "بغض" کہتے ہیں لیکن اگر ایک شخص مظلوم ہے، کسی دوسرے شخص نے اس پر ظلم کیا ہے تو ظاہر ہے کہ مظلوم کے دل میں ظالم کے خلاف جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا مقصد اپنے آپ سے اس ظلم کو دفع کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ظلم نہ کرے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اور اپنے سے ظلم کا دفاع کرنے کی بھی اجازت دی ہے چنانچہ اس وقت مظلوم اس ظالم کے اس ظلم کو تو اچھا نہ سمجھے بلکہ اس کو برا سمجھے لیکن اس وقت بھی اس ظالم کی ذات سے کوئی کینہ نہ رکھے اس کی ذات سے بغض نہ کرے اور نہ بدخواہی کی فکر کرے تو مظلوم کا یہ عمل بغض میں داخل نہ ہوگا۔

حسد اور کینہ کا بہترین علاج

یہ "بغض" حسد سے پیدا ہوتا ہے۔ دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا، میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے گھٹن ہو رہی ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ میں اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا ہو رہی ہے اس سے انسان کے دل میں "بغض" پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا "بغض" سے بچنے کا پہلا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے پہلے حسد کو ختم کرے اور بزرگوں نے حسد دور کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ حسد پیدا ہو جائے کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا تو اس حسد کا علاج یہ ہے کہ وہ اس شخص کے حق میں یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ جس وقت اس کے حق میں یہ دعا کریگا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے، اس کے لئے دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کی ترقی

نہ ہو بلکہ نقصان ہو جائے لیکن زبان سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ چاہے دل پر آرے چل جائیں لیکن بتکلف اور زبردستی اس کے حق میں دعا کرے۔ حسد دور کرنے کا یہ بہترین علاج ہے اور جب حسد دور ہو جائیگا تو انشاء اللہ بغض بھی دور ہو جائیگا لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اور جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض یا کینہ ہے تو اس شخص کو اپنی پنج وقتہ نمازوں کی دعاؤں میں شامل کر لے یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے۔

دشمنوں پر رحم، نبی کی سیرت

دیکھئے، مشرکین مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر ظلم کرنے اور آپ کو تکلیف دینے، ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک آپ کے خون کے پیاسے ہوگئے، اعلان کر دیا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائیگا، س کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش کی حتی کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہوے لیکن اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ دعا تھی کہ:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرمایئے ان کو علم نہیں ہے یہ ناواقف اور جاہل ہیں میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں اس لئے میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ وہ لوگ ظالم تھے اور ان کے ظلم میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور کینہ کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت اور آپ کا اسوہ ہے کہ بد خواہی کا بدلہ بد خواہی سے نہ دیں بلکہ اس کے حق میں دعا کریں اور یہی حسد اور

بغض کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔
بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ آپس کے جھگڑے آخر کار دل میں بغض اور حسد پیدا کر دیتے ہیں، اسلئے کہ جب جھگڑا لمبا ہو تو دل میں بغض ضرور پیدا ہو گا۔ اور جب بغض پیدا ہو گا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائیگی، اور باطن خراب ہو گا، اور اسکے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیگا، اسلئے حکم یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے سے بچو، اور ان سے دور رہو۔

جھگڑا علم کا نور زائل کر دیتا ہے

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے، جس میں ہاتا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے، وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث و مباحثہ، ایک عالم نے ایک بات پیش کی، دوسرے نے اسکے خلاف بات کی، اس نے ایک دلیل دی، دوسرے نے اسکی دلیل کا رد لکھ دیا، سوال و جواب اور رد و قدح کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، اسکو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اسلئے کہ اسکی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے ــــ چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراء یذھب بنور العلم"

یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں ــــ دیکھئے، ایک تو ہوتا ہے "مذاکرہ" مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا، دوسرے عالم نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے فلاں اشکال ہے، اب دونوں بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ ہے "مذاکرہ" یہ بڑا اچھا عمل ہے، لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا، یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی، اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا ــــ یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی۔ دوسرے عالم نے اسکے خلاف تقریر کر دی۔ اور یوں مخالفت برائے

مخالفت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ ہے "مجادلہ اور جھگڑا" جس کو ہمارے بزرگوں نے، ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔

حضرت تھانویؒ کی قوت کلام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کیلئے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اسکو لاجواب کر دیتے تھے، بلکہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں، اور اسلام کے کس بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو انشاء اللہ یہ ناکارہ دو منٹ میں ان کو لاجواب کر سکتا ہے۔۔۔ پھر فرمایا کہ: میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہے"

چنانچہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلہ پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

مناظرہ سے عموماً فائدہ نہیں ہوتا

خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق

تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے کبھی ہندوؤں سے، اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، چونکہ نیا نیا فارغ ہوا تھا، اسلئے شوق اور جوش میں یہ مناظرے کرتا رہا۔۔۔ لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کرلی، اسلئے کہ تجربہ یہ ہوا اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس لئے میں نے اسکو چھوڑ دیا۔۔۔۔ بہر حال، جب ہمارے بزرگوں نے حق و باطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر، یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرما سکتے ہیں، یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔

جنت میں گھر کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ومن ترك المراء وهو محق بنى له فى وسط الجنة"

(ترمذی۔ باب ماجاء فی المراء ج ۲ ص ۲۰)

یعنی میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، یعنی جو شخص حق پر ہونے کے باوجود یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں حق کا زیادہ مطالبہ کروں گا تو جھگڑا کھڑا ہو جائیگا، چلو اس حق کو چھوڑ دو، تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے، اس کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں اسکو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔۔۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھگڑا ختم کرانے کی کتنی فکر تھی، تاکہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں، ہاں، اگر کہیں معاملہ بہت آگے بڑھ جائے، اور قابل برداشت نہ ہو تو ایسی صورت میں اسکی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا دفاع بھی کرے، اور اس سے بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جھگڑوں کے نتائج

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھر گیا ہے، اسکی بے برکتی اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں، کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہیں، تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے، کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے، کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے، اور تو اور علماء کرام کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اور اسکے نتیجے میں دین کا نور ختم ہو چکا ہے۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں، جو بڑا زرین اصول ہے، اگر انسان اس اصول پر عمل کر لے تو امید ہے کہ پچھتر فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو جائیں، چنانچہ فرمایا کہ:

> "ایک کام یہ کر لو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو، جب امید چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ پھر دل میں کبھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئیگا"

دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہئے تھا، اس نے نہیں کیا، جیسی میری عزت کرنی چاہئے تھی، اس نے ایسی عزت نہیں کی، جیسی میری خاطر مدارات کرنی چاہئے تھی، اس نے ویسی نہیں کی، یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا، اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ، یہ شکایتیں اسلئے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی

ہیں، اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اسکے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا، اور دل میں شکایت پیدا ہو گئی ـــــ ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جاکر کہدو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے، تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، مجھے بری لگی، پسند نہیں آئی، یہ کہکر اپنا دل صاف کرلو، لیکن آجکل بات کہکر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا، بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لیکر بیٹھ جاتا ہے ـــــ اسکے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آگئی، ایک گرہ اور پڑ گئی، چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرھیں پڑتی چلی جاتی ہیں، وہ پھر بغض کی شکل اختیار کرلیتی ہیں، اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

توقعات مت رکھو

اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو ــــ کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دیدیگا، فلاں یہ کام کر دیگا، توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملیگی، اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ، آپ کا شکر اور احسان ہے ــــ اور اگر برائی ملے تو پھر خیال کر لو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی، تو اب اسکے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہو گا۔ اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی، نہ جھگڑا ہو گا، لہٰذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا

کہ جب تم کسی دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو، یا اچھا سلوک کرو، تو صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرو، مثلاً کسی کی مدد کرو، یا کسی شخص کی سفارش کرو، یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو، تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کیلئے یہ برتاؤ کر رہا ہوں، اپنی آخرت سنوارنے کیلئے یہ کام کر رہا ہوں، جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کرو گے ـــ اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا، مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کے ساتھ نہیں دیا، اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا، لیکن اگر آپ نے اسکے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کیا تھا، تو اس صورت میں اسکی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی، اسلئے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی ـــ اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کر لیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم قربانی

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پوری زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، جھگڑا ختم کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ان کا ایک واقعہ سناتا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے ـــ یہ دار العلوم جو اس وقت

کورنگی میں قائم ہے، پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا، جب کام زیادہ ہوا تو اس کیلئے وہ جگہ تنگ پڑ گئی، وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی، جہاں آجکل اسلامیہ کالج قائم ہے، جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے، یہ کشادہ جگہ دارالعلوم کراچی کے نام الاٹ ہوگئی، اس زمین کے کاغذات مل گئے، قبضہ مل گیا، اور ایک کمرہ بھی بنا دیا گیا، ٹیلیفون بھی لگ گیا، اسکے بعد دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا، جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء حضرات تشریف لائے، اس جلسہ کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دارالعلوم کو نہیں ملنی چاہئے تھی، بلکہ فلاں کو ملنی چاہئے تھی، اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسے بعض بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کر لیا، جو حضرت والد صاحب کیلئے باعث احترام تھیں، والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے، لیکن وہ ختم نہیں ہوا، والد صاحب نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہو رہا ہے، تو اس مدرسے میں کیا برکت ہوگی؟ چنانچہ والد صاحب نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں۔

مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی

دارالعلوم کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی زمین، وہ بھی شہر کے وسط میں، ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے، اب جبکہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے، آپ کا اس پر قبضہ ہے، آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہو رہے ہیں؟ حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں مجلس منتظمہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا، اسلئے کہ مجلس منتظمہ درحقیقت اس زمین کی مالک ہو چکی ہے، آپ

حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں، میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کرونگا، اسلئے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جارہی ہو، اس مدرسے میں مجھے برکت نظر نہیں آتی، پھر حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اسکو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں ــ آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے بیچوں بیچ ایسی زمین کہاں ملے گی، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں اسکو جنت کے بیچ میں گھر دلواؤنگا ــ یہ کہہکر اس زمین کو چھوڑ دیا ــــ آج کے دور میں اسکی مثال ملنی مشکل ہے کہ کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے، لیکن جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کامل یقین ہے، وہی یہ کام کرسکتا ہے ــــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی گنا بڑی زمین عطا فرمادی، جہاں آج دارالعلوم قائم ہے ـــــ

یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی، ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا ــ ہاں، البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھانس ہی لے، اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو وہ الگ بات ہے ــ ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لیکر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی، فلاں نے ایسا کیا تھا، اب ہمیشہ کیلئے اسکو دل میں بٹھالیا، اور جھگڑا کھڑا ہوگیا، آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کردیا ہے، یہ جھگڑا انسان کے دین کو مونڈدیتا ہے، اور انسان کے باطن کو تباہ کردیتا ہے اسلئے خدا کیلئے آپس کے جھگڑوں کو ختم کردو، اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

صلح کرانا صدقہ ہے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: كل سلامى من الناس عليه صدقة كل يوم

تطلع فيه الشمس، يعدل بين الاثنين صدقة، ويعين الرجل في دابته فيحمله عليها او يرفع له عليها متاعه صدقة، والكلمة الطيبة صدقة، وبكل خطوة يمشيها الى الصلاة صدقة، ويميط الاذى عن الطريق صدقة ـ

(مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱۶)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کی طرف سے انسان کے ذمہ روزانہ ایک صدقہ کرنا واجب ہے ــــ اسلئے کہ ہر جوڑ ایک مستقل نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے، اور ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، لہٰذا ہر انسان کے ذمے روزانہ تین سو ساٹھ صدقے واجب ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صدقے کو اتنا آسان فرمایا کہ انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو صدقہ کے اندر شمار فرما دیا ہے، تاکہ کسی طرح تین سو ساٹھ کی گنتی پوری ہو جائے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا اور رنجش تھی، تم نے ان دونوں کے درمیان مصالحت کرادی، یہ مصالحت کرانا ایک صدقہ ہے، اسی طرح ایک شخص اپنے گھوڑے پر یا سواری پر سوار ہونا چاہ رہا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس سے سوار نہیں ہوا جا رہا تھا، اب تم نے سوار ہونے میں اسکی مدد کر دی، اور اسکو سہارا دیدیا، یہ سہارا دیدینا اور سوار کرا دینا ایک صدقہ ہے، یا ایک شخص اپنی سواری پر سامان لادنا چاہتا تھا، لیکن اس بیچارے سے لادا نہیں جا رہا تھا، اب تم نے اسکی مدد کرتے ہوئے وہ سامان لدوا دیا، اسکی [illegible] دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ــ اس طرح کسی شخص سے کوئی اچھا کلمہ کہدیا، مثلاً کوئی غمزدہ آدمی تھا، تم نے اسکو کوئی تسلی کا کلمہ کہدیا، اور اسکی تسلی کر دی، یا کسی سے کوئی بات ایسی کہدی جس سے اس مسلمان کا دل خوش ہو گیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ــ اسی طرح جب نماز کیلئے تم مسجد کی طرف جا رہے

ہو، تو ہر قدم جو مسجد کی طرف اٹھ رہا ہے، وہ ایک صدقہ شمار ہو رہا ہے ــــــ اسی طرح راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے، جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، آپ نے اسکو راستے سے ہٹا دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ــــــ

بہر حال اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جسکو صدقہ شمار کرایا ہے، وہ ہے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا، اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔

اسلام کا کرشمہ

"وعن ام کلثوم بنت عقبة بن ابی معیط رضی الله عنها، قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ليس الكذاب الذی یصلح بين الناس فینمی خیرا او یقول خیرا"

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس)

یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا، انتہاء درجہ کا مشرک، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والے، جیسے ابو جہل اور امیہ ابن ابی خلف تھے، جو کٹر قسم کے مشرک تھے، یہ بھی انہیں میں سے تھا ــ اور یہ وہ شخص تھا، جس کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی، چنانچہ بد دعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ"

(فتح الباری جلد ۴ ص ۳۹)

اے اللہ، درندوں میں سے کسی درندے کو اس پر مسلط فرما دے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بد دعا قبول ہوئی، بالآخر ایک شیر کے ذریعہ اس کا انتقال ہوا ــ تو ایک طرف باپ تو ایسا دشمن اسلام تھا، دوسری طرف اسکی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، اور صحابیہ بنا

گئیں۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

بہر حال، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر کوئی اچھی بات ادھر سے ادھر پہنچا دیتا ہے، یا ایک کی بات دوسرے کو اس انداز سے نقل کرتا ہے، کہ اسکے دل میں دوسرے کی قدر پیدا ہو، اور نفرت دور ہو جائے، ایسا شخص کذاب اور جھوٹا نہیں ہے ـــــ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی بات کہہ رہا ہے جو بظاہر سچ نہیں ہے، لیکن وہ بات اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ اسکے دل سے دوسرے مسلمان کی برائی نکل جائے آپس کے دل کا غبار دور ہو جائے، اور نفرتیں ختم ہو جائیں، اس مقصد سے اگر وہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں شمار نہیں ہو گا۔

صریح جھوٹ جائز نہیں

علماء کرام نے فرمایا کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں، البتہ ایسی گول مول بات کرنا جسکا ظاہری مفہوم تو واقعہ کے خلاف ہے، لیکن دل میں ایسی معنی مراد لے لئے جو واقعہ کے مطابق تھے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور لڑائی ہے، یہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں وہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں، اب ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے دوسرے کی شکایت کرنی شروع کر دی کہ وہ تو میرا ایسا دشمن ہے، تو اس شخص نے کہا کہ تم تو اسکی برائیاں بیان کر رہے ہو، حالانکہ وہ تو تمہارا بڑا خیر خواہ ہے، اسلئے کہ میں نے خود سنا ہے کہ تمہارے حق میں دعا کر رہا تھا ـــــ

اب دیکھیے کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا، مگر اس نے دل میں یہ مراد لیا کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ "اللھم اغفر للمومنین" اے اللہ، تمام مؤمنین کی مغفرت فرما، چونکہ یہ بھی مسلمان تھا، اسلئے یہ بھی اس دعا میں داخل ہو گیا تھا ـــــ اب سامنے والا یہ سمجھے گا کہ خاص طور پر میرا نام لیکر دعا کر رہا ہو گا ـــ ایسی بات کہہ دینا جھوٹ میں داخل نہیں، بلکہ انشاء اللہ، اس پر بھی اجر و ثواب ملیگا۔

زبان سے اچھی بات نکالو

اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں کہ سے ایسی بات کہو جس سے اسکے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے ایسی بات نہ کہو کہ ان کے درمیان نفرت کی آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے اور اب آپ نے جا کر ایسی بات سنادی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا، اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی، یہ انتہائی درجے کی رذالت کا کام ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی ناپسند ہے۔

صلح کرانے کی اہمیت

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ آپ نے سنا ہو گا کہ "دروغ مصلحت آمیز، بہ از راستی فتنہ انگیز" یعنی ایسا جھوٹ جس کے ذریعہ دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت مقصود ہو، اس سچ سے بہتر ہے جس سچ سے فتنہ پیدا ہو، لیکن اس جھوٹ سے مراد یہ نہیں کہ صریح جھوٹ بولدیا جائے، بلکہ ایسی

بات کہدے جو دو معنی رکھتی ہو، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جھوٹ کی اجازت دیدی تو آپ اسی سے اندازہ لگائیے کہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

"عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم صوت خصوم بالباب عالیة اصواتهما، واذا احدهما یستوضع الآخر ویسترفقه فی شئ، وهو یقول: والله لا افعل، فخرج علیهما رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: این المتالی علی الله لایفعل المعروف؟ فقال: انا یارسول الله، فله ای ذلك احب"

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب هل یشیر الامام بالصلح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے، اتنے میں باہر سے دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز سنی، اور جھگڑا اس بات تھا کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے قرضہ لیا تھا، قرض خواہ دوسرے سے قرض کا مطالبہ کر رہا تھا کہ میرا قرضہ واپس کرو، مقروض یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت میرے اندر سارا قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تم کچھ قرضہ لیلو، کچھ چھوڑ دو، اس جھگڑنے کے اندر ان دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھی، اور جھگڑنے کے دوران اس قرض خواہ نے یہ قسم کھالی کہ "واللہ لا افعل" خدا کی قسم میں قرضہ کم نہیں کرونگا، اس دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے، اور آکر آپ نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کرونگا؟ اسی وقت وہ شخص آگے بڑھا، اور کہا کہ میں ہوں یارسول اللہ، اور پھر فوراً دوسرا جملہ یہ کہا کہ یہ

شخص جتنا چاہے اس قرض میں سے کم دیدے، میں چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔

صحابہ کرام کی حالت

یہ تھے صحابہ کرام، کہاں تو جذبات کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ وہ کم کرانے چاہتے تھے تو یہ کم کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، اور کم نہ کرنے پر قسم بھی کھالی کہ میں کم نہیں کرونگا، اسکے بعد نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے قرضہ چھوڑنے کا حکم فرمایا، اور نہ ہی چھوڑنے کا مشورہ دیا، بلکہ صرف اتنا فرما دیا کہ کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کرونگا، بس، اتنی بات سننے کے بعد وہیں ڈھیلے پڑ گئے، اور سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جھگڑا ختم ہو گیا، وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اس قدر رام تھے کہ جب آپ کی زبان سے ایک جملہ سن لیا تو اسکے بعد مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس جذبہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادے، اور تمام مسلمانوں کے درمیان آپس کے اختلافات اور جھگڑے ختم فرمادے، اور تمام مسلمانوں کوایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بیمار کی عیادت کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز جمعہ

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیمار کی عیادت کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا اما بعد:

عن البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع، عيادة المريض واتباع الجنائز وتشميت العاطس، ونصر الضعيف، وعون المظلوم، وافشاء السلام، وابرار المقسم۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان باب افشاء السلام)

سات باتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا، نمبر ایک۔ مریض کی عیادت کرنا، دوسرے جنازوں کے پیچھے چلنا تیسرے چھینکنے والے کے "الحمدللہ" کہنے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا، چوتھے کمزور آدمی کی مدد کرنا، پانچویں مظلوم کی امداد کرنا، چھٹے سلام کو رواج دینا، ساتویں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

یہ ساتوں چیزیں جن کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حکم فرمایا ہے، بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کے آداب میں سے ہے کہ وہ ان باتوں کا اہتمام کرے۔ اس لئے ان ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام باتوں پر سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیمار پرسی ایک عبادت

سب سے پہلی چیز جس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا وہ ہے مریض کی عیادت کرنا اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔ مریض کی عیادت کرنا یہ مسلمان کے حقوق میں سے بھی ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس کو ہم سب کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہو گا جس نے زندگی میں کبھی بیمار پرسی نہ کی ہو لیکن ایک بیمار پرسی تو صرف رسم پوری کرنے کے لئے کی جاتی ہے کہ اگر ہم اس بیمار کی عیادت کرنے کے لئے نہ گئے تو لوگوں کو شکایت ہوگی، ایسی صورت میں انسان دل پر جبر کر کے عیادت کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اس لئے کہ دل میں اخلاص نہیں ہے، ایک عیادت تو یہ ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس عیادت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ عیادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اور اجر و ثواب حاصل کرنے کی نیت سے انسان عیادت کرے، احادیث میں عیادت کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ اسی عیادت پر مرتب ہوتے ہیں۔

سنت کی نیت سے بیمار پرسی کریں

مثلاً آپ ایک شخص کی عیادت کرنے جا رہے ہیں اور دل میں یہ خیال ہے

کہ جب ہم بیمار پڑیں گے تو یہ بھی ہماری عیادت کے لئے آئیگا۔ لیکن اگر یہ ہماری عیادت کے لئے نہیں آئیگا تو پھر آئندہ ہم بھی اس کی عیادت کے لئے نہیں جائیں گے۔ ہمیں اس کی عیادت کی کیا ضرورت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت "بدلے" کے لئے ہو رہی ہے، رسم پوری کرنے کے لئے ہو رہی ہے، ایسی عیادت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا لیکن جب عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس صورت میں آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ میں جب بیمار ہوا تھا۔ اس وقت یہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ نہیں بھی، آیا تھا تب بھی میں اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤنگا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ عیادت خالصتاً اللہ کے لئے کی جارہی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری کرنے کیلئے کی جارہی ہے۔

شیطانی حربہ

یہ شیطان ہمارا بڑا دشمن ہے، اس نے ہماری اچھی خاصی عبادتوں کا ملیا میٹ کر رکھا ہے، اگر ان عبادتوں کو ہم صحیح نیت اور صحیح ارادے سے کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بڑا اجر و ثواب ملے اور آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے لیکن شیطان یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا بڑا ذخیرہ تیار ہو جائے، اس لئے وہ ہماری بہت سی عبادتوں میں ہماری نیتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ مثلاً عزیزوں اور رشتہ داروں، یا دوست احباب سے میل ملاقات کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کو ہدیہ اور تحفہ دینا، یہ سب بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں اور سب دین کا حصہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، اور ان کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ لیکن شیطان نیت کو خراب کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص یہ سوچتا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ جیسا سلوک کریگا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرونگا۔ مثلاً فلاں

شخص کے گھر سے میرے گھر کبھی کوئی ہدیہ نہیں آیا، میں اس کے گھر کیوں ہدیہ بھیجوں؟ جب میرے ہاں شادی ہوئی تھی تو اس نے کچھ نہیں دیا تھا۔ میں اس کے ہاں شادی میں کیوں ہدیہ دوں؟ اور فلاں شخص نے چونکہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر تحفہ دیا تھا، لہٰذا میں بھی اس کی شادی میں ضرور تحفہ دونگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا عمل جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ شیطان نے اس کے اجر و ثواب کو خاک ملا دیا، اور اب آپس میں ہدیہ اور تحفہ کا جو لین دین ہو رہا ہے، وہ بطور رسم کے ہو رہا ہے، اور بطور "نیوتہ" ہو رہا ہے، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی حقیقت

صلہ رحمی وہ ہے جو اس بات کو دیکھے بغیر کی جائے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"لیس الواصل بالمکافی لکن الواصل من اذا قطعت رحمہ وصلھا"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو مکافات کرے اور بدلہ دے اور ہر وقت اس ناپ تول میں لگا رہے کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کروں۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا در حقیقت وہ شخص ہے کہ دوسرے شخص کے قطع رحمی کرنے کے باوجود یہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے یا مثلاً دوسرا شخص تو اس کے لئے کبھی کوئی تحفہ نہیں لایا، لیکن یہ اس کے لئے تحفہ لیکر جا رہا ہے۔ اور اس نیت سے لیجا رہا ہے کہ ہدیہ دینے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہے، لہٰذا

اب دوسرا شخص ہدیہ دے یا نہ دے میں تو ہدیہ دوں گا، اس لئے کہ میں "بدلہ" کا قائل نہیں ہوں میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ حقیقت میں ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا ہے، لہٰذا ہر معاملے میں ترازو لیکر مت بیٹھ جایا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا، جیسا اس نے کیا تھا میں بھی ویسا ہی کروں گا یہ غلط ہے بلکہ صلہ رحمی کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ میرا دوست تو نماز نہیں پڑھتا، اس لئے میں بھی نہیں پڑھتا۔ یا میرا دوست جیسی نماز پڑھتا ہے، میں بھی ویسی ہی پڑھوں، نماز کے وقت یہ خیال نہیں آتا، اس لئے کہ اس کی نماز اس کے ساتھ، تمہاری نماز تمہارے ساتھ، اس کا عمل اس کے ساتھ، تمہارا عمل تمہارے ساتھ، بالکل اسی طرح صلہ رحمی بھی ایک عبادت ہے، اگر وہ صلہ رحمی کی عبادت انجام نہیں دے رہا ہے تو تم تو اس عبادت کو انجام دو، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر وہ تمہاری عیادت کے لئے نہیں آرہا ہے تو تم تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ، اس لئے کہ عیادت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

یہ عبادت بھی ایسی عظیم الشان ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"ان المسلم اذا عاد اخاہ المسلم لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتی یرجع"

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض)

یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے، جتنی دیر وہ عیادت کرتا ہے، وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آجائے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من مسلم يعود مسلما غدوة الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يمسى وان عاده عشية الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يصبح وكان له خريف فى الجنة"

(ترمذی کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض)

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لیکر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لیکر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک باغ متعین فرما دیتے ہیں۔

ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں

یہ کوئی معمولی اجر و ثواب ہے، فرض کریں کہ گھر کے قریب ایک پڑوسی بیمار ہے تم اس کی عیادت کے لئے چلے گئے اور پانچ منٹ کے اندر اتنے عظیم الشان اجر کے مستحق بن گئے۔ کیا پھر بھی یہ دیکھو گے کہ وہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ ثواب حاصل نہیں کیا، اگر اس نے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں نہیں لیں اگر اس نے جنت کا باغ حاصل نہیں کیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ میں بھی جنت کا باغ حاصل نہیں کرنا چاہتا، اور مجھے بھی ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اسے ضرورت نہیں۔ دیکھئے! اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان بنا دیا ہے، لوٹ کا معاملہ ہے۔ اس لئے عیادت کے لئے جاؤ، چاہے دوسرا شخص تمہاری عیادت کے لئے آئے یا نہ آئے۔

اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو

بلکہ اگر وہ بیمار ایسا شخص ہے، جس کی طرف سے تمہارے دل میں کراہیت ہے، اس کی طرف سے دل کھلا ہوا نہیں ہے، طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں ہے، پھر بھی عیادت کے لئے جاؤ گے تو انشاء اللہ دوہرا ثواب ملیگا، ایک عیادت کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک ایسا مسلمان جس کی طرف سے دل میں انقباض تھا۔ اس انقباض کے ہوتے ہوئے تم نے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا۔ اس پر علیحدہ ثواب ملیگا، لہٰذا مریض کی عیادت معمولی چیز نہیں ہے، خدا کے لئے رسم بنا کر اس کے ثواب کو ضائع مت کرو، صرف اس نیت سے عیادت کرو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، آپ کی سنت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مختصر عیادت کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کے بھی کچھ آداب بیان فرمائے ہیں، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل آپ نے بیان نہ فرمائی ہو، ایسے ایسے آداب آپ بتا کر تشریف لے گئے جن کو آج ہم نے بھلا دیا اور ان آداب کو زندگی سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی عذاب بنی ہوئی ہے، اگر ہم ان آداب اور تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو زندگی جنت بن جائے چنانچہ عیادت کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

"من عاد منکم فلیخفف"۔

جب تم کسی کی عیادت کرنے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمدردی کی خاطر عیادت کرنے جاؤ، اور جا کر اس مریض کو تکلیف پہنچا دو بلکہ وقت دیکھ لو کہ یہ وقت عیادت کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ یہ وقت اس کے آرام کرنے کا تو نہیں ہے؟ یا اس وقت وہ گھر والوں کے پاس تو نہیں ہوگا؟ اس وقت میں اس کو

پردہ وغیرہ کا انتظام کرانے میں تکلیف تو نہیں ہوگی، لہٰذا مناسب وقت دیکھ کر عیادت کے لئے جاؤ،

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے

اور جب عیادت کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس تھوڑا بیٹھو، اتنا زیادہ مت بیٹھو جس سے اس کو گرانی ہونے لگے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون انسانی فطرت سے واقف ہو سکتا ہے دیکھئے۔ بیمار کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ذرا بے تکلف رہے، ہر کام بلا تکلف انجام دے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی وجہ سے طبیعت میں تکلف آجاتا ہے، مثلاً وہ پاؤں پھیلا کر لیٹنا چاہتا ہے، مہمان کے احترام کی وجہ سے نہیں لیٹ سکتا، یا اپنے گھر والوں سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے مگر اس کی وجہ سے نہیں کر سکتا، اب ہوا یہ کہ تم تو عیادت کی نیت سے ثواب کمانے کے لئے گئے لیکن تمہاری وجہ سے وہ بیمار مشقت میں پڑ گیا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیادت میں ایسا طریقہ اختیار مت کرو جس کی وجہ سے اس مریض پر گرانی ہو، بلکہ ہلکی پھلکی عیادت کرو، مریض کے پاس جاؤ، مسنون طریقے سے اس کا مختصر حال پوچھو، اور جلدی سے رخصت ہو جاؤ، تاکہ اس پر گرانی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ اس کے پاس جاکر جم کر بیٹھ گئے، اور ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب وہ بیچارہ نہ تو بے تکلفی سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے نہ گھر والوں کو اپنے پاس بلا سکتا ہے، مگر آپ اس کی ہمدردی میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے ایسی عیادت سے ثواب ہونے کے بجائے الٹا گناہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے صوفیاء میں سے ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات عطا فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت تھے، اس لئے بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ آرہے ہیں اور خیریت پوچھ کر واپس جارہے ہیں، لیکن ایک صاحب ایسے آئے جو وہیں جم کر بیٹھ گئے، اور واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کی خواہش یہ تھی کہ یہ صاحب واپس جائیں تو میں اپنے ضروری کام بلاتکلف انجام دوں اور گھر والوں کو اپنے پاس بلاؤں، مگر وہ صاحب تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں لگے رہے جب بہت دیر گزر گئی اور وہ شخص جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تو آخر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی یہ بیماری تو اپنی جگہ تھی مگر عیادت کرنے والوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے، نہ مناسب وقت دیکھتے ہیں اور نہ آرام کا خیال کرتے ہیں اور عیادت کے لئے آجاتے ہیں، اس شخص نے جواب میں کہا کہ حضرت۔ یقیناً ان عیادت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہورہی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں دروازے کو بند کر دوں؟ تاکہ آئندہ کوئی عیادت کرنے کے لئے نہ آئے۔ وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہو رہی ہے آخر کار حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ ہاں! دروزاہ بند تو کر دو، مگر باہر جا کر بند کر دو۔۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم تکلیف پہنچا رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ان کی خدمت کر رہے ہیں۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرو

لہٰذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام عیادت نہیں اور نہ عیادت کا یہ مقصد ہے کہ اس کے ذریعہ برکت حاصل ہو، یہ نہیں کہ بڑی محبت سے عیادت کے لئے گئے اور جا کر شیخ کو تکلیف پہنچا دی۔ محبت کے لئے عقل درکار ہے، یہ نہیں کہ اظہار تو محبت کا کر رہے ہیں اور حقیقت میں تکلیف پہنچائی جا رہی ہے، ایسی محبت محبت نہیں ہے بلکہ وہ دشمنی ہے، وہ نادان دوست کی محبت ہے، لہٰذا عیادت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کی عیادت کے لئے گئے ہو اس کو تکلیف نہ ہو یا مثلاً آپ رات کو بارہ بجے عیادت کے پہنچ گئے جو اس کے سونے کا وقت ہے یا دوپہر کو آرام اور قیلولے کے وقت عیادت کے لئے پہنچ گئے اور اس کو پریشان کر دیا۔ اس لئے عقل سے کام لو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے جانے سے اس کو تکلیف نہ پہنچے تب تو عیادت سنت ہے ورنہ پھر وہ رسم ہے۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو۔

بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے

البتہ بعض لوگ ایسے بے تکلف ہوتے ہیں کہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف کے بجائے تسلی ہوتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بے تکلف اور محبت کرنے والے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو حضرت والد صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مسنون طریقے سے عیادت کی، جا کر سلام کیا، خیریت معلوم کی، اور دعا کی، اور دو چار منٹ کے بعد واپس جانے کی

اجازت طلب کی، تو میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں: یہ جو تم نے اصول پڑھا ہے کہ من عاد منکم فلیخفف (یعنی جو شخص عیادت کرے وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے) کیا یہ میرے لئے ہی پڑھا تھا؟ یہ قاعدہ میرے اوپر آزمارہے ہو؟ ارے یہ اصول اس وقت نہیں ہے جب بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے مریض کو آرام اور راحت ملے، تسلی ہو، اس لئے جلد واپس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ چنانچہ حضرت والد صاحب بیٹھ گئے، بہر حال ہر جگہ کے لئے ایک ہی نسخہ نہیں ہوتا، بلکہ جیسا موقع ہو، جیسے حالات ہوں ویسے ہی عمل کرنا چاہئے لہٰذا اگر آرام اور راحت پہنچانے کے لئے زیادہ بیٹھے گا تو انشاء اللہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا اس لئے کہ اصل مقصود تو اس کو راحت پہنچانا ہے اور تکلیف سے بچانا ہے۔

مریض کے حق میں دعا کرو

عیادت کرنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو پہلے مختصراً اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ جب وہ مریض اپنی تکلیف بیان کرے تو پھر اس کے حق میں دعا کرے، کیا دعا کرو؟ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا گئے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ سے دعا دیا کرتے تھے

"لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہ"

(صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ما یقال للمریض وما یجیب)

یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کے لئے یہ تکلیف انشاء اللہ آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دیدی کہ تک[illegible] تو آ[illegible] ضرور ہے لیکن یہ تکلیف گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بن[illegible]ے گی۔ دوسری طرف یہ دعا بھی ہے کہ اے اللہ اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر و ثواب کا سبب بنا دیجئے اور گناہوں کی مغفرت کا

ذریعہ بنا دیجئے۔

"بیماری" گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے

یہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے عوض کوئی نہ کوئی گناہ معاف فرماتے ہیں، اور اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الحمی من فیح جھنم"

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار)

یعنی "یہ بخار جہنم کی گرمی کا ایک حصہ ہے" علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں بعض علماء نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس کی بعض احادیث سے تائید بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ بخار کی گرمی انسان کے لئے جہنم کی گرمی کا بدلہ ہو گئی ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے آخرت میں جہنم کی جو گرمی برداشت کرنی پڑتی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گرمی دیدی تاکہ جہنم کے اندر ان گناہوں کی گرمی برداشت نہ کرنی پڑے، بلکہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔ اس کی تائید اس دعا سے ہوتی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے وقت کیا کرتے تھے کہ "لا باس طھور انشاء اللہ" یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

حصول شفا کا ایک عمل

عیادت کرنے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر موقع مناسب ہو اور اس عمل کے ذریعہ مریض کو تکلیف نہ ہو تو یہ عمل کر لے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ لَا یُغَادِرُ سَقَمًا"

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی التعوذ للمریض)

یعنی اے اللہ، جو تمام انسانوں کے رب ہیں، تکلیف کو دور کرنے والے ہیں، اس بیمار کو شفا عطا فرما، آپ شفا دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔ اور ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے یہ دعا جس کو یاد نہ ہو اس کو چاہئے کہ اس کو یاد کر لیں اور پھر یہ عادت بنالیں کہ جس بیمار کے پاس جائیں موقع دیکھ کر یہ دعا ضرور پڑھ لیں۔

ہر بیماری سے شفا

ایک اور دعا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ آسان اور مختصر ہے اس کو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا فائدہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا عظیم بیان فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے:

"اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَكَ"

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادۃ)

یعنی "میں عظمت والے اللہ، اور عظیم عرش کے مالک سے

دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرمادے۔ حدیث میں ہے کہ۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان
بندہ دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ
یہ دعا کرے تو اگر اس بیمار کی موت کا وقت نہیں آیا ہوگا تو پھر
اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرمادیں گے
ہاں اگر کسی کی موت ہی کا وقت آچکا ہو تو اس کو کوئی نہیں ٹلا
سکتا۔

عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

اور ان دعاؤں کے پڑھنے میں تین طرح سے ثواب حاصل ہوتا ہے ایک ثواب تو اس بات کا ملیگا کہ آپ نے مریض کی عیادت کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اور وہ الفاظ کہے جو عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے، دوسرے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، تیسرے اس کے حق میں دعا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، اس لئے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا باعث اجر و ثواب ہے، گویا کہ اس چھوٹے سے عمل کے اندر تین ثواب جمع ہیں، لہٰذا مریض کی عیادت تو ہم سب کرتے ہی ہیں لیکن عیادت کے وقت ذرا زاویہ نگاہ بدل لو، اور اتباع سنت کی نیت کر لو، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لو، اور عیادت کے جو آداب ہیں اس پر عمل کر لو یعنی مختصر وقت کے لئے عیادت کرو، اور عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھ لو، تو پھر انشاء اللہ عیادت کا یہ معمولی سا عمل عظیم عبادت بن جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے، دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرماتے تھے کہ "دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائیگی، یہی سب کام جو اب تک تم انجام دے رہے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائینگے بشرطیکہ دو کام کر لو، ایک نیت درست کر لو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دیدو، بس اتنا کرنے سے وہی کام دین بن جائیں گے ــــ اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں، سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال اور افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے پہلے وہ دنیا کا کام تھا اور اب وہ دین کا کام بن جاتا ہے اورر عبادت بن جاتا ہے۔

عیادت کے وقت ہدیہ لیجانا

مریض کی عیادت کے موقع پر ایک اور رسم ہمارے یہاں جاری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لئے جائیں تو کوئی ہدیہ، تحفہ ضرور لیکر جانا چاہیے مثلاً پھل فروٹ، یا بسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لیکر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی، عیادت کے لئے ہی نہیں جاتے اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لئے آگئے ــ یہ ایسی رسم ہے جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لیکر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لئے اس رسم کو

چھوڑ دو اور اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم مت ہو جاؤ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہرحال اس حدیث میں جن سات چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلی چیز کا بیان تھا۔ باقی چیزوں کا بیان انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کرونگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سلام کرنے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۳، ستمبر ۱۹۹۳ء

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشنِ اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام کرنے کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا

اما بعد:

عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع: عیادۃ المریض واتباع الجنائز، وتشمیت العاطس، ونصر الضعیف، وعون المظلوم، وافشاء السلام، وابرار المقسم۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام)

سات باتوں کا حکم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ نمبر ایک : مریض کی عیادت کرنا' نمبر دو : جنازوں کے پیچھے چلنا' نمبر تین : چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا' نمبر چار : کمزور آدمی کی مدد کرنا' نمبر پانچ : مظلوم کی امداد کرنا' نمبر چھ : سلام کو رواج دینا' نمبر سات : قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

ان سات میں سے الحمد للہ پانچ چیزوں کا بیان ہو چکا' چھٹی چیز ہے سلام کو رواج دینا' اور آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنا۔ سلام کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسا مقرر فرمایا ہے جو ساری دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے' ہر قوم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ کوئی "ہیلو" کہتا ہے۔ کوئی "گڈ مارننگ" کہتا ہے۔ کوئی "گڈ ایوننگ" کہتا ہے۔ کوئی "نمستے" کہتا ہے۔ کوئی "نمسکار" کہتا ہے۔ گویا کہ ہر قوم والے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے جو لفظ تجویز فرمایا ہے وہ تمام الفاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے' وہ ہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھئے : اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت "ہیلو" کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا؟ یا آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ

کہے : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم پر سلامتی ہو' اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں" تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دیدیں' _____ اور اگر آپ نے کسی کو "گڈمارننگ" یا "گڈایوننگ" کہا یعنی صبح بخیر' شام بخیر' تو اگر اس کو دعاء کے معنی پر بھی محمول کرلیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعاء دی' وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہوجائے' یا تمہاری شام اچھی ہوجائے _____ لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا' وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعاء ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو انشاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہو جائے گی' اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہوجائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام اللہ کا عطیہ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور وہ فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا' اس لئے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا' چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جاکر سلام کیا "السلام علیکم" تو فرشتوں نے جواب میں کہا : "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" چنانچہ فرشتوں نے لفظ "رحمۃ اللہ" بڑھا کر جواب دیا _____ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حدوحساب ہی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ہماری بدنصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو "گڈمارننگ" اور "گڈایوننگ" سکھائیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ ناقدری اور ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان' باب بدء السلام)

سلام کرنے کا اجر وثواب

افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے۔ یعنی "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" صرف "السلام علیکم" کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا۔ لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر وثواب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے' ایک صحابی تشریف لائے' اور کہا : "السلام علیکم" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا : "دس" اس کے بعد دوسرے صحابی آئے' اور آکر سلام کیا۔ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا "بیس" اس کے بعد تیسرے صحابی آئے' اور آکر سلام کیا' "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا' "تیس" ____ آپ کا مطلب یہ تھا کہ "السلام علیکم" کہنے میں انسان کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنے میں بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہنے میں تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ سلام کی سنت صرف "السلام علیکم" کہنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے : ان الفاظ میں دعاء بھی ہے' اور اجر وثواب الگ ہے۔

(ابو داؤد' کتاب الادب' باب کیف السلام؟ حدیث نمبر ۵۱۹۵)

اور جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ سے سلام کرنا چاہئے' الفاظ بگاڑ کر' مسخ کر کے سلام نہیں کرنا چاہئے' بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا الفاظ کہے؟ اس لئے پوری طرح واضح کر کے "السلام علیکم" کہنا چاہئے۔

سلام کے وقت یہ نیت کرلیں

ایک بات میں اور غور کیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو

کلمہ تلقین فرمایا، وہ ہے "السلام علیکم" جو جمع کا صیغہ ہے۔ "السلام علیک" نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ "السلام علیک" کے معنی ہیں : تجھ پر سلامتی ہو۔ اور السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ اپنی گفتگو میں "تو" کے بجائے "تم" یا "آپ" کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں جس کے ذریعہ مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اسی طرح "السلام علیکم" میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔

لیکن بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس لفظ سے ایک تو مخاطب کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو سلام کرتے وقت یہ نیت کرو کہ میں تین افراد پر سلام کرتا ہوں۔ ایک اس شخص کو اور دو ان فرشتوں کو سلام کرتا ہوں جو اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ جن کو "کراماً کاتبین" کہا گیا ہے، ایک فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے، اس لئے سلام کرتے وقت ان کی بھی نیت کرلو، تاکہ تمہارا سلام تین افراد کو ہو جائے۔ اور اب انشاء اللہ تین افراد کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ اور جب تم فرشتوں کو سلام کرو گے تو وہ تمہارے سلام کا ضرور جواب بھی دیں گے۔ اور اس طرح ان فرشتوں کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں۔

نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ نماز کے اندر جب آدمی سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرلے کہ میرے دائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس وقت یہ نیت کرلے کہ میرے بائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں، ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ تم فرشتوں کو سلام

کرو، اور وہ جواب نہ دیں۔ وہ ضرور جواب دیں گے، اور اس طرح ان کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن ہم لوگ بے خیالی میں سلام پھیر دیتے ہیں اور نیت نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اس عظیم فائدے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہئے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر و ثواب کا موجب ہے اور سنّت ہے۔ اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب دو، یا کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے "السلام علیکم" کہا تو تم جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہو۔ تاکہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے۔ ورنہ کم از کم "وعلیکم السلام" ہی کہہ دو تاکہ جواب برابر ہو جائے۔

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اور ایک شخص اس مجلس میں آئے، تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کرلے تو یہ کافی ہے۔ اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دیدے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

اِن مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں

سلام کرنا بہت سی جگہ پر ناجائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص دوسرے

لوگوں سے کوئی دین کی بات کر رہا ہو' اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں۔ تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سلام کئے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کر رہا ہے۔ اس کو سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں ______ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہو گا' ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسے موقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے' اور دوسرے شخص کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی سنت ہے۔ اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے' اور اس کے ذریعہ بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے "عَلَيْهِمْ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو' جنہوں نے سلام بھیجا ہے۔ اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس میں دو سلام اور دو دعائیں جمع ہو گئیں۔ اور دو آدمیوں کو دعاء دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی صرف "وعلیکم السلام" سے جواب دیتے ہیں۔ اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن صحیح جواب نہیں ہو گا' اس لئے کہ اس صورت میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعاء دے دی جو سلام لانے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی۔ اس لئے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ "علیہم وعلیکم السلام" کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے، اور اس خط میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" لکھا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے، اس لئے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعہ اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے، اور آپ جواب نہ دیں ـــــــ لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے، اس لئے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مستحب ضرور ہے ـــــــ البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھے، اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے، اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور نہ خط کا جواب دیا۔ تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا ـــــــ اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں نہ زبانی جواب دیتے ہیں، نہ تحریری جواب دیتے ہیں۔ اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں۔ یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کرلیتے ہیں۔ اس لئے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جواب دیدینا چاہئے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات ہو، اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرلے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں ـــــــ لیکن اگر غیر مسلم

کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہے تو ان کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہے۔ اور پورا جواب نہ دے۔ اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کرلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے' یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے : "السام علیکم" "لام" درمیان سے نکال دیتے تھے' اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا کہ اس نے " السلام علیکم " کہا ہے۔ "سام" کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ "السام علیکم" کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ ______ ظاہر میں تو سلام کرتے۔ اور حقیقت میں بددعاء دیتے تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا۔ لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کرکے "السام علیکم" کہتے ہیں۔

(صحیح بخاری' کتاب الاستئذان' باب کیف الرد علی اھل الذمۃ)

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سلام کیا : "السام علیکم" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو غصہ آگیا' اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : "علیکم السام واللعنۃ" یعنی تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو ______ دو لفظ بول دیئے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ترکی بترکی جواب دیا ہے' تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا :

مھلاً یا عائشۃ اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو' پھر فرمایا :

ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے "السام علیکم" کہہ رہے ہیں۔ اور ہلاکت کی بددعاء کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا؟ جب انہوں نے "السام علیکم" کہا تو میں نے جواب میں کہا "وعلیکم" مطلب یہ ہے کہ جو بددعاء تم ہمارے لئے کر رہے ہو' اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کر لے۔ لہٰذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

یا عائشۃ: ماکان الرفق فی شیٔ الا زانہ ولا نزع عن شیٔ الا شانہ۔

اے عائشہ! نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اس کو زینت بخشے گی' اور جس چیز سے نکال دی جائے گی۔ اس کو عیب دار کر دے گی۔ اس لئے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہئے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

(صحیح بخاری' کتاب الاستئذان' باب کیف یرد علی اھل الذمۃ السلام)

حتی الامکان نرمی کرنا چاہئے

آپ دیکھئے کہ یہودی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے' بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکھا دیا کہ میری سنّت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو۔ اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو' جتنی ضرورت ہے۔ بلاوجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کا برتاو کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام ایک دعاء ہے

بہر حال یہ "سلام" معمولی چیز نہیں' یہ زبردست دعاء ہے۔ اور اس کو دعاء کی نیت سے کہنا اور سننا چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعاء ہمارے حق میں قبول ہوجائے تو ہمارا بیڑہ پار ہوجائے۔ اس لئے کہ اس میں دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر جمع ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکت ہو۔ اس لئے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہئے۔ اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کردے۔

حضرت معروف کرخیؒ کی حالت

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے۔ کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حجام سے حجامت بنوا رہے تھے' جب مونچھ بنانے کا وقت آیا تو حجام نے دیکھا کہ زبان حرکت کر رہی ہے۔ اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حجام نے کہا کہ حضرت! تھوڑی دیر کے لئے منہ بند کر لیجئے۔ تاکہ میں آپ کی مونچھیں بنالوں' حضرت نے جواب دیا کہ تم تو اپنا کام کر رہے ہو' میں اپنا کام نہ کروں؟؟ ——— آپ کا یہ حال تھا۔ ہر وقت زبان پر ذکر جاری تھا۔

حضرت معروف کرخیؒ کا ایک واقعہ

ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا ہے، اور یہ آواز لگا رہا ہے کہ "اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پیے" حضرت معروف کرخیؒ اس سقہ کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ ایک گلاس پانی مجھے بھی پلا دو، چنانچہ اس نے دیدیا، آپ نے پانی لے کر پی لیا، ایک ساتھی جوان کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے تھے!!! اور آپ نے پانی پی کر روزہ توڑ دیا!! آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ دعا کر رہا تھا کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پی لے، مجھے خیال آیا کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ اس کی دعاء میرے حق میں قبول فرمالے، نفل روزہ جو توڑ دیا، اس کی قضا تو بعد میں کرلوں گا، لیکن بعد میں اس بندے کی دعاء مجھے مل سکے گی یا نہیں! اس لئے میں نے اس بندے کی دعا لینے کے لئے پانی پی لیا۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ اتنے بڑے اللہ کے ولی، اتنے بڑے بزرگ، اتنے بڑے صوفی۔ لیکن ایک معمولی سے سقے کی دعاء لینے کے لئے روزہ توڑ دیا۔ کیوں روزہ توڑ دیا؟ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے بندوں کی دعائیں لینے کے حریص ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کی دعاء کس وقت ہمارے حق میں قبول ہو جائے۔

"شکریہ" کے بجائے "جزاکم اللہ" کہنا چاہئے

اسی وجہ سے ہمارے دین میں ہر ہر موقع کے لئے دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ مثلاً چھینکنے والے کے جواب میں کہو: "یرحمک اللہ" اللہ تم پر رحم کرے۔ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہو، تم پر سلامتی ہو، کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو کہو "جزاکم اللہ" اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ دے ____ آجکل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہے

کہ "آپ کا بہت بہت شکریہ" یہ لفظ کہنا یا شکریہ ادا کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا' وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔ لیکن شکریہ ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کا شکر ادا کر رہے ہو' اس کو کچھ دعاء دیدو۔ تاکہ اس دعا کے نتیجے میں اس کا فائدہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر آپ نے کہا کہ "بہت بہت شکریہ" تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کو کیا ملا؟ کیا دنیا یا آخرت کی کوئی نعمت مل گئی؟ یا اس کا کوئی فائدہ پہنچا؟ کچھ نہیں ملا۔ لیکن جب تم نے "جزاکم اللہ" کہا تو اس کو ایک دعا مل گئی۔ بہرحال' اسلام میں یہ طریقہ سکھایا گیا کہ قدم قدم پر دوسروں کو دعائیں دو' اور دعائیں لو۔ اس لئے ان کو اپنے معمولات میں اور شب و روز کی گفتگو میں شامل کرلینا چاہئے۔ خود بھی ان کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں کو بھی بچپن ہی سے ان کلمات کو ادا کرنا سکھائیں۔

سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہئے

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے' البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے' یہ مستحب اور سنت ہے' لیکن اگر اتنی آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا' لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مصافحہ کرنے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب ـــــــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــــــ ۱۲ر اگست ۱۹۹۴ء

مقام ـــــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصافحہ کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد!

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استقبلہ الرجل فصافحہ، لاینزع یدہ عن یدہ، حتی یکون الرجل ھو الذی ینزع۔ ولا یصرف وجھہ، حتی یکون الرجل ھو الذی یصرفہ، ولم یر مقدماً رکبتیہ بین یدی جلیس لہ۔

(ترمذی، کتاب القیامۃ، باب نمبر ۴۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ

یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، یہ وہ صحابی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے، یہ دن رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کو

بچپن ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوڑ کر گئی تھیں۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا، وہ خود قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں نے پورے دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، لیکن اس پورے دس سال کے عرصے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ کبھی مارا، اور نہ کبھی مجھ پر غصہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کئے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کبھی نہ کئے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس شفقت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی۔

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر ۲۰۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کیلئے بھیجا، میں گھر سے کام کرنے کیلئے نکلا، راستے میں دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں (یہ خود بھی بچے ہی تھے) ــــ میں ان بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا، اور یہ بھول گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے کسی کام کیلئے بھیجا تھا، جب کافی دیر گزر گئی تو مجھے یاد آیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ میں نے وہ کام تو کیا نہیں، اور کھیل میں لگ گیا، چنانچہ میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کام خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انجام دیدیا ہے، مگر آپ نے مجھ سے یہ پوچھا تک نہیں کہ میں نے تم کو فلاں کام کیلئے بھیجا تھا۔ تم نے کیوں نہیں کیا؟

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقاء حدیث نمبر ۲۳۰۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاؤں کا حصول

خدمت کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں بھی لیں، اسلئے کہ جب بھی کوئی خدمت انجام دیتے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعائیں دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی عمر اور ان کی اولاد میں برکت عطا فرما، یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ تقریباً تمام صحابہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، اور آپ ہی نے بیشمار انسانوں کو تابعی ہونے کا شرف بخشا، آپ کو دیکھ کر، آپ کی زیارت کر کے بہت سے لوگ تابعی بن گئے، اگر آپ نہ ہوتے تو ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا۔۔۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یقینی طور پر زیارت کی ہے، امام اعمش رحمہ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ تابعی بن گئے، اتنی لمبی عمر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔۔۔ اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ اتنی اولاد ہوئی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم، فضائل صحابہ، باب فضائل انس رضی اللہ عنہ)

حدیث کا ترجمہ

بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آکر آپ سے مصافحہ کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اور اپنا رخ اس ملاقات کرنے والے کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے۔۔۔ اور نہ کبھی یہ

دیکھا گیا کہ جب آپ مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں، تو آپ نے اپنا گھٹنا ان میں سے کسی شخص سے آگے کیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تواضع

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کئے ہیں، پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں اس قدر تواضع تھی کہ اتنے بلند مقام پر ہونے کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ آپ سے ملاقات کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ آپ اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے، اور تیسرا وصف یہ بیان کیا کہ اپنا گھٹنا کسی سے آگے نہیں کرتے تھے ـــــ بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اسکی بات نہیں کاٹتے تھے، اور اس وقت تک اسکی طرف متوجہ رہتے تھے، جب تک وہ خود ہی اٹھ کر نہ چلا جائے ـــ اور اگر کوئی بڑھیا بھی کسی معمولی سے کام کیلئے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی تو آپ اسکے ساتھ اسکا کام کرنے کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصافحہ کا انداز

حقیقت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سنتیں ہیں وہ سب ہمارے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن بعض سنتوں پر عمل کرنا آسان ہے، اور بعض سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہے، اس حدیث میں جو سنت بیان کی گئی ہے کہ آدمی مصافحہ کرنے کے بعد اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچے جب تک دوسرا اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور جب دوسرا

بات شروع کرے تو اسکی بات نہ کاٹے، جب تک وہ خود ہی بات ختم نہ کرے، ایک مشغول انسان کیلئے ساری زندگی اس پر عمل کرنا بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کا زیادہ وقت نہ لیا جائے، لیکن بعض لیچڑ قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جب باتیں کرنے بیٹھیں گے تو اب ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیں گے، اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کے وقت ان کی بات سنتے رہنا، اور ان کی بات نہ کاٹنا جب تک وہ خود اپنی بات ختم نہ کرے، یہ بڑا مشکل کام ہے، خاص طور پر اس ذات کے لئے جس پر دونوں جہاں کی ذمہ داریاں ہیں، جہاد جاری ہے، تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے، مدینہ کی ریاست کا انتظام جس کے سر پر ہے، حقیقت میں تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس عظیم منصب کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا، آپ کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے ہر بندے کے ساتھ تواضع اور عاجزی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے

اس حدیث کے پہلے جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے: پہلا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اگرچہ مصافحہ کے بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں آئی، لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ مصافحہ کا وہ طریقہ جو سنت سے زیادہ قریب ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے مصافحہ کے بیان پر جو باب قائم کیا ہے اس میں حضرت حماد بن زید" کا حضرت عبداللہ بن مبارک" سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بیان کیا ہے (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب الاخذ بالید) اور غالباً حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی مصافحہ کرے تو دونوں ہاتھوں سے کرے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے

آج کے دور میں ایک طرف تو انگریزوں کی طرف سے فیشن چلا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے، دوسری طرف بعض حلقوں کی طرف سے، خاص طور پر سعودی عرب کے حضرات اس بارے میں تشدد اختیار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مصافحہ تو ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے، یہ خیال غلط ہے۔ اسلئے کہ حدیث میں مفرد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اور تثنیہ کا لفظ بھی آیا ہے، اور بزرگوں نے اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے، چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، جبکہ روایتوں میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ بزرگان دین میں بھی یہی طریقہ متعارف رہا ہے، اسی طریقے کو علماء امت نے سنت کے قریب سمجھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "التحیات" اس طرح یاد کرائی کہ "کفی بین کفیہ" یعنی میرے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتیلیوں کے درمیان تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی مصافحہ کرنے کا طریقہ یہی تھا اسلئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت سے زیادہ قریب ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے مصافحہ کر لے تو اسکو میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے ناجائز کام کیا، یا اس سے مصافحہ کی سنت ادا نہیں ہوگی، لیکن وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے زیادہ قریب ہو۔ اور جس طریقے کو علماء، فقہاء اور بزرگان دین نے سنت سے قریب سمجھ کر اختیار کیا ہو۔ اسکو ہی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اگرچہ سنت ضرور ہے، لیکن ہر سنت کا کوئی محل اور موقع بھی ہوتا ہے، اگر وہ سنت اسکے موقع پر انجام دی جائے تو سنت ہوگی، اور اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر اس سنت کو بے موقع اور بے محل استعمال کر لیا تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مصافحہ کرنے سے سامنے والے شخص کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا درست نہیں، اور اگر زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ ایسے وقت میں صرف زبان سے سلام کرنے پر اکتفا کرے، اور "السلام علیکم" کہہ دے، اور سامنے والا جواب دیدے۔

یہ مصافحہ کا موقع نہیں

مثلاً ایک شخص کے دونوں ہاتھ معروف ہیں، دونوں ہاتھوں میں سامان ہے، اور آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے وقت وہ بیچارہ پریشان ہوگا۔ اب آپ سے مصافحہ کرنے کی خاطر اپنا سامان پہلے زمین پر رکھے، اور پھر آپ سے مصافحہ کرے، لہٰذا ایسی حالت میں مصافحہ کرنا سنت نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، بلکہ اگر مصافحہ کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی تو گناہ کا بھی اندیشہ ہے ــ آجکل لوگ اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

مصافحہ کا مقصد "اظہار محبت"

دیکھئے کہ یہ "مصافحہ" محبت کا اظہار ہے۔ اور محبت کے اظہار کیلئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے محبوب کو راحت ملے، نہ یہ کہ اس کے ذریعہ اسکو تکلیف پہنچائی جائے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بزرگ اللہ والے

کسی جگہ پہنچے تو آپ لوگوں نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں، ان سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ مصافحہ کرنے کیلئے پورا مجمع ان بچارے ضعیف اور چھوٹی موٹی بزرگ پر ٹوٹ پڑا، اب اندیشہ اس کا ہے کہ وہ بزرگ گر پڑیں گے، ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن مصافحہ نہیں چھوڑیں گے، ذہن میں یہ ہے کہ مصافحہ کر کے برکت حاصل کرنی ہے۔ اور جب تک یہ برکت حاصل نہیں ہوگی، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔

اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے

خاص طور پر یہ بنگال اور برما کا جو علاقہ ہے، اس میں یہ رواج ہے کہ اگر کسی بزرگ کا وعظ اور بیان سنیں گے تو وعظ کے بعد ان بزرگ سے مصافحہ کرنا لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ وعظ کے بعد ان بزرگ پر ٹوٹ پڑیں گے، اس کا خیال نہیں ہوگا کہ جن سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ وہ کہیں دب نہ جائیں۔ ان کو تکلیف نہ پہنچ جائے، لیکن مصافحہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی مرتبہ جب اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بنگال جانا ہوا تو پہلی بار یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ جلسہ میں ہزارہا افراد کا مجمع تھا۔ حضرت والد صاحب نے بیان فرمایا، لیکن جب جلسے سے فارغ ہوئے تو سارا مجمع مصافحہ کیلئے والد صاحب پر ٹوٹ پڑا، اور والد صاحب کو وہاں سے بچا کر نکالنا مشکل ہو گیا۔

یہ تو دشمنی ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا ایک وعظ ہے، جو آپ نے رنگون (برما) کی سورتی مسجد میں کیا تھا، اس وعظ میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ سے فارغ ہوئے تو مصافحہ کرنے کیلئے مجمع کا اتنا زور پڑا کہ حضرت والا گرتے

کرتے بچے ـــــ یہ حقیقی محبت نہیں ہے، یہ محض صورت محبت ہے، اسلئے کہ محبت کو بھی عقل چاہئے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے، اسکے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، اور اسکو دکھ اور تکلیف سے بچایا جائے، یہ ہے حقیقی محبت۔

عقیدت کی انتہا کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی علاقے میں چلے گئے، وہاں کے لوگوں کو ان بزرگ سے اتنی عقیدت ہوئی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان بزرگ کو اب باہر نہیں جانے دیں گے، ان کو یہیں رکھیں گے، تاکہ ان کی برکت حاصل ہو۔ اور اسکی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ان بزرگ کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا جائے تاکہ ان کی یہ برکت اس علاقے سے باہر نہ نکل جائے۔

جوش محبت میں بے عقلی کا جو انداز ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں محبت وہ ہے جس سے محبوب کو راحت اور آرام ملے ـــ اسی طرح مصافحہ کے وقت یہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہیئے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اگر دونوں ہاتھ مشغول ہوں تو ایسی صورت میں راحت اور آرام کی نیت سے مصافحہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ۔

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ہاتھوں کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں ـــــ لہٰذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر

لینی چاہئے کہ اس مصافحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائیں گے، اور ان کے بھی گناہوں کی مغفرت فرمائیں گے ـــــ اور ساتھ میں یہ نیت بھی کرلے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ جو مجھ سے مصافحہ کرنے کیلئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھ کی برکت میری طرف منتقل فرمادیں گے ـــــ خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسے مواقع بہت پیش آتے ہیں کہ جب کسی جگہ پر وعظ یا بیان کیا تو وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کیلئے آگئے۔

ایسے موقع کیلئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی۔ جب بہت سارے لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کیلئے آتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اسلئے خوش ہوتا ہوں کہ یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں کچھ پتہ نہیں کہ کونسا بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ ہے جب اس مقبول بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو جائیگا تو شاید اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی نوازش فرمادیں ـــــ یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہیں۔ اسلئے جب بہت سے لوگ کسی سے مصافحہ کیلئے آئیں تو اس وقت آدمی کا دماغ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب اتنی ساری مخلوق مجھ سے مصافحہ کر رہی ہے، اور میری معتقد ہو رہی ہے، واقعۃً اب میں بھی بزرگ بن گیا ہوں۔ لیکن جب مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کرلی کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نواز دیں۔ میری بخشش فرمادیں۔ تو اب سارا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا، اور اب مصافحہ کرنے کے نتیجے میں تکبر اور اپنی بڑائی پیدا ہونے کے بجائے تواضع اور عاجزی، اور شکستگی، انکساری پیدا ہوگی۔ لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کرلیا کرو۔

مصافحہ کرنے کا ایک ادب

حدیث کے اگلے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے مصافحہ کے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک

سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے ـــــ اس سے مصافحہ کرنے کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ آدمی مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ خود سے نہ کھینچے یعنی سامنے والے کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ تم اس کی ملاقات سے اکتا رہے ہو، یا تم اسکو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو، بلکہ شگفتگی کے ساتھ مصافحہ کرے۔ جلدی بازی نہ کرے ـــــ البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو چمٹ ہی جائے، اور آپ کا ہاتھ چھوڑے ہی نہیں۔ اس وقت بہر حال اسکی گنجائش ہے کہ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔

ملاقات کا ایک ادب

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ ملاقات کے وقت اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے، جب تک کہ سامنے والا اپنا چہرہ نہ پھیر لے ـــــ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سنت پر عمل کرنے میں بڑا مجاہدہ ہے، لیکن انسان کی اپنی طرف سے یہی کوشش ہونی چاہئے کہ جب تک ملاقات کرنے والا خود ملاقات کر کے رخصت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرے۔ البتہ اگر کہیں مجبوری ہو جائے تو بات دوسری ہے۔

عیادت کرنے کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب آپ مرض الوفات میں تھے، لوگ آپ کی عیادت کرنے کیلئے آنے لگے ـــــ عیادت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ:

من عاد منکم فلیخفف

یعنی جو شخص تم میں سے کسی بیمار کی عیادت کرنے جائے اسکو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی

عیادت کرے، بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، کیونکہ بعض اوقات مریض کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنا کام بے تکلفی سے انجام نہیں دے سکتا، اسلئے مختصر عیادت کر کے چلے آؤ اسکو راحت پہنچاؤ۔ تکلیف مت پہنچاؤ ــــــ بہر حال، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے، ایک صاحب عیادت کیلئے آکر بیٹھ گئے، اور ایسے جم کر بیٹھ گئے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور بہت سے لوگ عیادت کیلئے آتے رہے، اور مختصر ملاقات کر کے جاتے رہے۔ مگر وہ صاحب بیٹھے رہے، نہ اٹھے، اب حضرت عبداللہ بن مبارک اس انتظار میں تھے کہ یہ صاحب چلے جائیں تو میں خلوت میں بے تکلفی سے اپنی ضروریات کے کچھ کام کر لوں۔ مگر خود سے اسکو چلے جانے کیلئے کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی۔ اور وہ اللہ کا بندہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے ان صاحب سے فرمایا کہ: یہ بیماری کی تکلیف تو اپنی جگہ پر ہے ہی، لیکن عیادت کرنے والوں نے علیحدہ پریشان کر رکھا ہے کہ عیادت کیلئے آتے ہیں، اور پریشان کرتے ہیں ــــ آپ کا مقصد یہ تھا کہ شاید یہ میری بات سمجھ کر چلا جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا، اور حضرت عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ حضرت! اگر آپ اجازت دیں تو کمرے کا دروازہ بند کر دوں؟ تاکہ کوئی دوسرا شخص عیادت کیلئے نہ آئے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا: ہاں بھائی بند کر دو، مگر اندر سے بند کرنے کے بجائے باہر سے جاکر بند کر دو ــــ بہر حال، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایسا معاملہ بھی کرنا پڑتا ہے، اسکے بغیر کام نہیں چلتا۔ لیکن عام حالت میں حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ مجھ سے اعراض برتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چھ زرّیں نصیحتیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور ﷺ کی بے مثال نصیحتیں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

عن ابی جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ قال: رایت رجلا یصدر الناس عن رایہ، لا یقول شیئا الا صدروا عنہ قلت: من ھذا؟ قالوا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قلت: علیک السلام یا رسول اللہ مرتین۔ قال: لا تقل: علیک السلام، فان علیک السلام تحیۃ المیت، قل: السلام علیک قال، قلت: انت رسول اللہ؟ قال: انا رسول اللہ الذی اذا اصابک ضر فدعوتہ کشفہ عنک، واذا اصابک عام سنۃ فدعوتہ انبتھا لک، واذا کنت بارض قفر او فلاۃ فضلت

من احلتك فدعوته رد ها عليك - قال قلت : اعهد الیّ، قال:
لاتسبن احدًا، قال فما سببت بعده حرًّا ولا عبدًا، ولا بعيرًا
ولاشاة، ولا تحقرن شيئا من المعروف، وان تكلم اخاك
وانت منبسط اليه وجهك ان ذلك من المعروف، وارفع
ازارك الی نصف الساق، فان ابيت فالی الكعبين، واياك و
اسبال الازار، فانها من المخيلة، وان الله لايحب المخيلة
وان امرؤ شتمك او عيّرك بما يعلم فيك فلا تعيّره بما تعلم
فيه، فانما وبال ذلك عليه۔

(ابوداود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، حدیث نمبر ۴۰۸۴)

یہ ایک طویل حدیث ہے، اور یہ پوری حدیث میں نے آپ کے سامنے اس لئے پڑھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے معنی میں تو نور ہے ہی، حدیث کے الفاظ میں بھی نور ہے۔ اس لئے احادیث کا پڑھنا اور سننا بھی باعث خیر و برکت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں جب کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے بھی نہیں تھے، فرماتے ہیں کہ:

> "میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ہر معاملے میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں انہی سے مشورہ لیتے ہیں۔ اور وہ صاحب جو بات فرما دیتے ہیں، لوگوں کو ان کی بات پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون

صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو میں نے آپ کے قریب جاکر ان الفاظ سے سلام کیا "علیک السلام یا رسول اللہ" یہ الفاظ میں نے دو مرتبہ کہے، تو آپ نے فرمایا کہ "علیک السلام" نہ کہو، بلکہ "السلام علیک" کہو۔ اس لئے کہ "علیک السلام" مُردوں کا سلام ہے۔ یعنی جب مُردوں کو سلامتی بھیجی جائے تو اس میں لفظ "سلام" بعد میں ہوتا ہے اور "علیک" پہلے ہوتا ہے"۔

سلام کا جواب دینے کا طریقہ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سلام کی ابتداء کرنی ہو تو "السلام علیکم" کہنا چاہئے۔ لیکن جب سلام کا جواب دینا ہو تو اس کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہا جائے۔ گویا کہ جواب میں "علیکم" کا لفظ پہلے لایا جائے گا۔ اگر کوئی شخص "السلام علیکم" کے جواب میں "السلام علیکم" کہدے تو واجب تو ادا ہو جائے گا لیکن سنّت یہ ہے کہ جواب میں "وعلیکم السلام" کہے۔ آج کل یہ رسم پڑگئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں بھی "السلام علیکم" کہدیا جاتا ہے۔ یہ سنّت کے خلاف ہے۔

دونوں پر جواب دینا واجب ہے

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں، اور ہر ایک دوسرے کو ابتداءً سلام کرنا چاہے، جس کے نتیجے میں دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں "السلام علیکم" کہیں تو اس صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہو جائے گا۔

لہٰذا دونوں "وعلیکم السلام" بھی کہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اس لئے ہر شخص پر جواب دینا واجب ہو گیا۔

شریعت میں الفاظ بھی مقصود ہیں

اس حدیث سے ایک اور بنیادی بات معلوم ہوئی، جس سے آج کل لوگ بڑی غفلت برتتے ہیں۔ وہ یہ کہ احادیث کے معنی، مفہوم اور روح تو مقصود ہے ہی۔ لیکن شریعت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے الفاظ بھی مقصود ہیں۔ دیکھئے "السلام علیکم" اور "علیکم السلام" دونوں کے معنی تو ایک ہی ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلی ملاقات ہی میں اس پر تنبیہہ فرمائی کہ سلام کرنے کا سنت طریقہ اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ "السلام علیکم" کہو۔ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو یہ سبق دیدیا کہ "شریعت" اپنی مرضی سے راستہ بنا کر چلنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ "شریعت" اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔

آج کل لوگوں کی زبانوں پر اکثر یہ رہتا ہے کہ شریعت کی روح دیکھنی چاہئے۔ ظاہر اور الفاظ کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ وہ لوگ روح کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس کونسی ایسی خوردبین ہے جس میں ان کو روح نظر آجاتی ہے۔ حالانکہ شریعت میں روح کے ساتھ ظاہر بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ سلام ہی کو لے لیں کہ آپ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کے بجائے اردو میں یہ کہدیں "سلامتی ہو تم پر" دیکھئے: معنی اور مفہوم تو اس کے وہی ہیں جو "السلام علیکم" کے ہیں۔ لیکن وہ برکت، وہ نور اور اتباعِ سنت کا اجر و ثواب اس میں حاصل نہیں ہو گا جو "السلام علیکم" میں حاصل ہوتا ہے۔

سلام کرنا مسلمانوں کا شعار ہے

یہ سلام مسلمانوں کا شعار ہے۔ اس کے ذریعہ انسان پہچانا جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے' ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا اور چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ لیکن ان کی زبان ایسی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہماری زبان ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے بات چیت کرنے اور اور جذبات کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن ایک چیز ہمارے درمیان مشترک تھی' وہ یہ کہ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو وہ کہتا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور اس کے ذریعہ وہ جذبات کا اظہار کرتا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی برکت تھی۔ اس سنت نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہوا ہے' اور رابطہ کا ذریعہ ہے۔ اور ان الفاظ میں جو نور اور برکت ہے وہ کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ آجکل فیشن کی اتباع میں سلام کے بجائے کوئی "آداب عرض" کہتا ہے۔ کوئی "تسلیمات" کہتا ہے۔ کسی نے "سلام مسنون" کہدیا۔ یاد رکھئے : ان الفاظ سے سنت کا ثواب اور سنت کا نور حاصل نہیں ہو سکتا _____ اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذرا سا لفظ بدلنے کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

ایک صحابیؓ کا واقعہ

ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء سکھائی' اور فرمایا کہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرو' اس دعاء کے اندر یہ الفاظ بھی تھے :

آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔

"یعنی میں اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل فرمائی' اور اس نبی پر ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا"۔

چند روز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے فرمایا کہ جو دعاء میں نے تم کو سکھائی تھی وہ دعاء مجھے سناؤ' کیا پڑھتے ہو؟ ان صحابی نے دعا سناتے وقت ایک لفظ تھوڑا سا بدل دیا۔ اور دعاء اس طرح سنائی کہ :

آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔

اس دعا میں لفظ "نبی" کی جگہ "رسول" کا لفظ پڑھ لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو میں نے سکھایا تھا۔ حالانکہ نبی اور رسول کے لفظ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے' اصطلاحی فرق کے اعتبار سے بھی رسول کا درجہ نبی کے مقابلے میں بلند ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے سکھائے ہیں وہی الفاظ کہو۔

اتباعِ سنّت پر اجروثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ "اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے" آمین۔ فرماتے تھے کہ :

"اگر ایک کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق کرلو۔ اور وہی کام تم اتباعِ سنّت کی نیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیدو' دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کروگے۔ جو کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے کروگے' وہ تمہارا اپنا کام ہوگا اس پر کوئی اجروثواب

نہیں۔ اور جو کام تم اتباعِ سنّت کی نیت سے کرو گے تو اس میں سنّت کی اتباع کا اجر و ثواب اور سنّت کی برکت اور نور شامل ہو جاتا ہے"۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تہجد کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت گشت کر کے صحابہ کرام کے حالات کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ آواز سے تلاوت قرآن کریم فرما رہے ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ بہت بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔ صبح کو آپ نے دونوں حضرات کو بلایا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رات کو تہجد میں آپ بہت پست آواز میں کیوں تلاوت کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : "أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ" جس ذات سے مناجات کر رہا تھا، اس ذات کو میں نے سنا دیا، اس ذات کے لئے بلند آواز کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو ہلکی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس لئے میں آہستہ آواز میں تلاوت کر رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا : "أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ" یعنی میں سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ارفع قليلا" تم اپنی آواز کو ذرا بلند کرو۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اخفض قليلا" تم اپنی آواز تھوڑی پست

کرو۔

ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرو

اس حدیث کے تحت شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان دونوں حضرات کو قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرانا تھا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔

"یعنی نماز میں نہ تو آواز بہت زیادہ بلند کیجئے۔ اور نہ بہت زیادہ پست کیجئے اور دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجئے"۔

لیکن ہمارے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"یہ حکمت تو اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن اس میں ایک بہت بڑی حکمت یہ تھی کہ ان حضرات کو یہ تعلیم دینی تھی کہ اے صدیق اکبر، اور اے فاروق اعظم! اب تک تم دونوں اپنی رائے سے اپنی مرضی سے ایک طریقہ متعین کرکے پڑھ رہے تھے۔ اور آئندہ جو تلاوت کرو گے وہ میرے بتائے ہوئے طریقے کی اتباع میں میرے کہنے کے مطابق کرو گے، اور اب جو راستہ تم اختیار کرو گے وہ اتباعِ سنت کا راستہ ہوگا۔ اور پھر اس کی وجہ سے تمہیں اتباعِ سنت کا نور اور اس کی برکات حاصل ہونگی، اور اس پر اجر وثواب بھی ملے گا"۔

لہذا اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر کام کرتے وقت صرف یہ نیت نہ ہو کہ بس یہ کام کسی طرح بھی پورا ہو جائے۔ بلکہ اس کے اندر طریقہ بھی وہ اختیار

کیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ اور الفاظ بھی حتی الامکان وہی اختیار کئے جائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں، اس لئے کہ ان الفاظ میں بھی نور اور برکت ہے۔

میں سچے خدا کا رسول ہوں

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سلام کرنے کا طریقہ سکھلا دیا تو میں نے سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی مصیبت پہنچے اور اس مصیبت کے دور کرنے کے لئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت اور تکلیف کو دور کر دیتے ہیں۔ میں اس اللہ کا رسول ہوں"۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کو خدا بنایا ہوا تھا، لیکن ان میں ایک صفت یہ تھی کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

"جس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ لوگ کشتی میں سفر کرتے ہیں، اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے، اور بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا تو اس وقت ان کو لات، عزیٰ، منات وغیرہ کوئی بت یاد نہیں آتا، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدیجئے"۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ان جھوٹے خداؤں کا رسول نہیں ہوں۔ بلکہ سچے خدا کا رسول ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ :

"میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں قحط پڑجائے' اور اس قحط کے دور کرنے کے لئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور فرمادیتے ہیں۔ اور میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم کسی چٹیل صحراء میں سفر کررہے ہو' اور وہاں تمہاری اونٹنی گم ہوجائے' اور تم اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ یا اللہ! میری اونٹنی گم ہوگئی ہے' وہ مجھے واپس مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس اونٹنی کو تمہارے پاس لوٹا دیتے ہیں"۔

بڑوں سے نصیحت طلب کرنی چاہئے

پھر حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمایئے! اسی سے بزرگوں نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کے پاس جائے' اور خاص طور پر ایسے بڑے کے پاس جو دین میں بھی کوئی مقام رکھتا ہو' تو اس سے کوئی نصیحت طلب کرے' اس لئے کہ بعض اوقات نصیحت کا کلمہ اس انداز سے ادا ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل پر اثر کر جاتا ہے' اور اس سے انسان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے' اور کایا پلٹ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی سچے دل سے طلبِ صادق کے ساتھ کسی بڑے سے نصیحت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بڑے کے دل پر ایسی ہی نصیحت وارد فرماتے ہیں جو اس وقت اس شخص کے لئے مناسب ہوتی ہے ______ یاد رکھو' کسی بزرگ کے پاس اس کی ذات میں کچھ نہیں رکھا' دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن اگر کوئی

طلبِ صادق لے کر کسی کے پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مطلوب کی زبان پر بھی وہ بات جاری فرمادیتے ہیں جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے، اور اس کی زندگی بدل جاتی ہے، اس لئے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو اس سے نصیحت طلب کیا کرو۔

پہلی نصیحت

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا :

ولا تسبن احدا

"کسی کو گالی نہ دینا۔ کسی کی بدگوئی نہ کرنا"۔

گویا کہ ہر وہ کلمہ جو گالی یا بدگوئی کی تعریف میں آتا ہو۔ ایسا کلمہ کسی کے لئے استعمال نہ کرنا ______ دیکھئے : حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات ہے، اس میں پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ دوسروں کو بُرا نہ کہو۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دوسرے شخص کی دل آزاری سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کی زبان سے کوئی ثقیل اور بُرا کلمہ کسی کے لئے نہ نکلے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ اپنے غلام پر غصہ آگیا، اور غصے میں اس غلام کے لئے کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکال دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلمہ سنا تو فرمایا کہ :

لعانين و الصديقين كلا ورب الكعبة

"یعنی آدمی لعنت بھی کرے، اور صدیق بھی ہو۔ رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جو صدیق ہوتا ہے وہ لعنت نہیں کیا کرتا"۔

دیکھئے : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنے سخت الفاظ کے ساتھ تنبیہ فرمائی۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اس غلام ہی کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیا۔

اس نصیحت پر زندگی بھر عمل کیا

لہذا کسی کو بُرا کہنا اور اس کے لئے غلط الفاظ بولنا ٹھیک نہیں، آج ہماری زبانوں پر اس قسم کے بُرے الفاظ چڑھ گئے ہیں۔ مثلاً خبیث، احمق، کمبخت وغیرہ یہ الفاظ کسی مسلمان کے لئے استعمال کرنا تو حرام ہے ہی، بلکہ کسی جانور اور کافر کے لئے بھی ان الفاظ کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

"اس نصیحت کو سننے کے بعد میں نے پھر کبھی نہ تو کسی غلام کو، نہ کسی آزاد کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو، کوئی بُرا کلمہ نہیں کہا"۔

یہ تھے صحابہ کرام، کہ جو نصیحت سن لی، اس کو دل پر نقش کر دیا اور ساری زندگی کا دستور العمل بنا لیا۔

عمل کو بُرا کہو، ذات کو بُرا نہ کہو

لیکن اس نصیحت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کو بُرا نہ کہو، یعنی کوئی شخص خواہ کتنا ہی بُرا کام کر رہا ہو، گناہ کر رہا ہو، معصیت اور نافرمانی کر رہا ہو، تو تم اس کے

فعل کو بُرا سمجھو، اور بُرا کہو، لیکن اس کی ذات کو بُرا نہ کہو، اس کی ذات کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو، لہٰذا کسی کی ذات کو بُرا کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس کا انجام کیسا ہونے والا ہے۔ بیشک آج وہ شخص بُرے کام کر رہا ہے، اور اس کی وجہ سے تم اس کو بُرا سمجھ رہے ہو، لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمادے، اور مرنے سے پہلے اس کو توبہ کی اور اچھے اعمال کی توفیق دیدے، اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو بالکل پاک وصاف ہو کر پہنچے۔ اس لئے کسی شخص کی ذات کو حتی کہ کافر کی ذات کو بھی بُرا نہ سمجھو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیدے، اور پھر وہ تم سے بھی آگے نکل جائے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العبرۃ بالخواتیم

"یعنی اعتبار خاتمے کا ہے کہ خاتمہ کس حالت پر ہوا؟"۔

اگر ایمان اور عمل صالح پر خاتمہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، وہ تم سے بھی آگے نکل گیا۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جاکر ان سے ملاقات کروں۔ اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس

خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا' اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے' لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہوا' اور آپ سے ملاقات کی۔ اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی۔ اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رُتبہ ہوگا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے' اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے"۔

اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں' میں کہاں' اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چَرواہا ہوں۔ اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں' میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے۔ اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالی تابانی سے بدل دیں گے' اور اللہ تعالی تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے"۔

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور کلمہ شہادت :

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

پڑھ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ :

"تم ایسے وقت اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں' اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں' زکوۃ تم پر فرض نہیں ہے' اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے' وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ"۔

اس چرواہے نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں' لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے' اس کے لئے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے' یا غازی یا شہید ______ تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچادیں گے' اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیں گے' اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے"۔

بکریاں واپس کر کے آؤ

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو۔ ان کو جا کر واپس کرو' اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں"۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے۔ جن کا محاصرہ کیا ہوا

ہے ان کا مال مال غنیمت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرکے آو۔ پھر آکر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جاکر بکریاں واپس کیں۔ اور واپس آکر جہاد میں شامل ہوا' اور شہید ہو گیا۔

اس کو جنّت الفردوس میں پہنچا دیا گیا ہے

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کا مجمع اکٹھا ہے۔ جب آپ قریب پہنچے تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں' ان میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا' آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ' جب آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ :

> "تم اس کو نہیں پہچانتے' مگر اس شخص کو میں پہچانتا ہوں۔ یہ چرواہا ہے' اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنّت الفردوس میں پہنچا دیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں۔ اور اس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اور اس کی بدبو خوشبو سے تبدیل ہو گئی ہے"۔

اعتبار خاتمے کا ہے

دیکھئے : اگر کچھ عرصہ پہلے اس چرواہے کو موت آجاتی تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا۔ اور اب اس حالت میں موت آئی کہ ایمان لا چکا ہے' اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن چکا ہے' تو اب اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انقلاب پیدا فرما دیا۔

اسی لئے فرمایا : "العبرۃ بالخواتیم" اعتبار خاتمے کا ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے لوگ لرزتے رہے۔ اور یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! حسن خاتمہ عطا فرمایئے۔ ایمان پر خاتمہ عطا فرمایئے۔ ــــــ کس بات پر انسان ناز کرے، فخر کرے، اور اترائے۔ اس لئے کہ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ کسی کو بھی حقیر مت سمجھو۔

ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ایک اللہ والے بزرگ کہیں جارہے تھے۔ کچھ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا ــــــ جس طرح آجکل صوفی، اور سیدھے سادے مولوی کا لوگ مذاق اڑاتے ہیں ــــــ بہرحال : مذاق کرنے کے لئے ایک شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ آپ اچھے ہیں یا میرا کتا اچھا ہے؟ اس سوال پر ان بزرگ کو نہ تو غصہ آیا، نہ طبیعت میں کوئی تغیر اور تکدر پیدا ہوا، اور جواب میں فرمایا کہ ابھی تو میں نہیں بتا سکتا کہ میں اچھا ہوں یا تمہارا کتا اچھا ہے۔ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ کس حالت میں میرا انتقال ہو جائے۔ اگر ایمان اور عمل صالح پر میرا خاتمہ ہو گیا تو میں اس صورت میں تمہارے کتے سے اچھا ہوں گا، اور اگر خدا نہ کرے، میرا خاتمہ برا ہو گیا تو یقیناً تمہارا کتا مجھ سے اچھا ہے، اس لئے کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ اور اس کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا ــــــ اللہ کے بندوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خاتمے پر نگاہ رکھتے ہیں، اسی لئے فرمایا کہ کسی بد سے بدتر انسان کی ذات کو حقیر مت خیال کرو۔ نہ اس کو بُرا کہو۔ اس کے اعمال کو بیشک بُرا کہو کہ وہ شراب پیتا ہے، وہ کفر میں مبتلا ہے، لیکن ذات کو بُرا کہنے کا جواز نہیں۔ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

حضرت حکیم الامت ؒ کی غایتِ تواضع

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ :

"میں ہر مسلمان کو فی الحال اپنے سے افضل سمجھتا ہوں' اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ یعنی جو مسلمان ہے اس کے دل میں نہ معلوم کتنے اعلیٰ درجے کا ایمان ہو۔ اور وہ مسلمان مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہو' اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور ہر کافر کو احتمالاً اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ اس وقت بظاہر تو وہ کافر ہے' لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیدے۔ اور وہ مجھ سے ایمان کے اندر آگے بڑھ جائے"۔

جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔

تین اللہ والے

چند روز پہلے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم دارالعلوم کراچی تشریف لائے۔ یہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اور ان کی بہت صحبت اٹھائی ہے۔ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور عاشق زار تھے' ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ واقعہ سنایا کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ :

"ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب بیٹھتے تو ہم پر ایک عجیب حالت طاری رہتی' وہ یہ کہ ہم میں سے ہر شخص کو

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جتنے لوگ موجود ہیں' وہ سب مجھ سے افضل ہیں' اور میں سب سے حقیر اور کم تر ہوں۔ اور یہ سب لوگ آگے بڑھے ہوئے ہیں' میں کتنا پیچھے رہ گیا ہوں ____ ایک دن میں نے اپنی یہ حالت حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی کہ مجلس میں بیٹھ کر میری یہ حالت ہو جاتی ہے ____ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں ____ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے' چنانچہ ہم دونوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے' اور جا کر ان سے عرض کیا کہ حضرت! ہماری عجیب حالت ہے کہ جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سب ہم سے افضل ہیں۔ اور ہم سب سے کم تر ہیں' حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو' میں سچ کہتا ہوں کہ میری بھی یہی حالت ہے کہ جب میں مجلس میں بیٹھتا ہوں تو سب مجھ سے افضل نظر آتے ہیں۔ اور میں اپنے کو سب سے کم تر نظر آتا ہوں"۔

اپنے عیوب پر نظر کرو

جس شخص کو اپنے عیوب کا استحضار ہو' اور اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کی خشیت اور اس کی ہیبت دل پر ہو' وہ دوسروں کی بُرائی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو' وہ دوسروں کی چھینک کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہے کہ فلاں کو چھینک آگئی ہے ____ اسی طرح جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور

خشیت غالب ہوتی ہے وہ دوسرے کی ذات کو کیسے حقیر اور برا سمجھ سکتا ہے۔ اس کو تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے ــــــ بہرحال' اس حدیث میں یہ اصول بتا دیا کہ کسی بھی انسان کی ذات کو حقیر مت سمجھو۔ اگر کسی کا عمل خراب ہے تو اس کے عمل کو خراب کہہ سکتے ہو' برا کہہ سکتے ہو۔ انسان کو برا نہ کہو۔ کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادے' اور تم سے آگے نکل جائے۔ اس لئے نہ اپنے کو بڑا سمجھو اور نہ دوسرے کو حقیر سمجھو۔

حجاج بن یوسف کی غیبت کرنا

یہ سب دین کی باتیں ہیں۔ دین کی ان باتوں کو ہم لوگ بھلا بیٹھے ہیں' عبادات' نماز' روزہ تسبیح وغیرہ کو تو ہم دین کا حصہ خیال کرتے ہیں' لیکن ان باتوں کو دین سے خارج کردیا ہے۔ اور جس شخص کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے' کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ایک چیز کا ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے :

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

"وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار رہتا ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کردی ــــــ حجاج بن یوسف کو کون نہیں جانتا' اس کے ظلم و ستم بہت مشہور ہیں۔ سیکڑوں مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا ــــــ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"دیکھو : یہ تم حجاج بن یوسف کی غیبت کر رہے ہو۔ اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سیکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اس کی غیبت حلال ہو گئی۔ جب اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف سے سیکڑوں انسانوں کے خون کا بدلہ لیں گے تو اس وقت تم سے بھی حجاج بن یوسف کی غیبت کرنے کا مواخذہ ہو گا"۔

اس لئے بلاوجہ کسی کی غیبت نہ کریں۔ ہاں، اگر کہیں دوسرے کو تکلیف سے بچانے کے لئے بتانے کی ضرورت پڑے تو اس طرح کہدیا جائے کہ بھائی فلاں شخص سے ذرا ہوشیار رہنا، اور اس سے بچ کر رہنا۔ لیکن بلاوجہ مجلس آرائی کی جائے، اور اس میں غیبت کی جائے۔ یہ درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ تو یہ رہا ہے کہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا۔ حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے، تم بھی اتنا بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیا۔ قوم کی طرف سے نبی کو کہا جا رہا ہے کہ :

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ

"تم بیوقوف ہو۔ حماقت میں مبتلا ہو۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو"۔

ہم جیسا کوئی ہوتا تو جواب میں کہتا کہ تم احمق، تمہارا باپ احمق، لیکن نبی کا جواب یہ تھا کہ :

"اے میری قوم' میں بیوقوف نہیں ہوں۔ بلکہ میں پروردگار کی
طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ' جو شاہی خاندان کے فرد ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے دل میں دین کی تڑپ عطا فرمائی تھی۔ اور دین کی بات لوگوں تک پہنچانے کی لئے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور شرک اور بدعات کے خلاف آپ نے جہاد کیا۔ لوگ ایسے آدمی کے دشمن بھی ہوجاتے ہیں۔ ______ ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں وعظ فرمارہے تھے تو ایک آدمی نے حضرت کو تکلیف پہنچانے کے لئے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ :

"مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟ "۔

اندازہ لگایئے : کہ اتنے بڑے عالم' اور شاہی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ان کو مغلظ گالی دیدی ______ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے وہ اس کہنے والے پر کتنا غصہ نکالتا۔ وہ اگر چھوڑ دیتا تو اس کے حوالی اس کی تکہ بوٹی کردیتے ______ لیکن یہ پیغمبروں کے وارث ہیں۔ چنانچہ جواب میں فرمایا :

"آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو
اب بھی دلّی میں موجود ہیں"۔

یہ ہیں پیغمبرانہ اخلاق' اور پیغمبرانہ سیرت کہ گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا جارہا ہے۔

دوسری نصیحت

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری نصیحت یہ

فرمائی کہ :

"کسی بھی نیکی کے کام کو ہرگز حقیر مت سمجھو' بلکہ جس وقت جس نیک کام کا موقع آجائے۔ اور اس کے کرنے کی توفیق ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر کرلو"۔

شیطان کا داؤ

اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے ایک بہت بڑے داؤ کو ختم فرمادیا۔ شیطان کا ایک داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں کسی نیک کام کا داعیہ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلوں تو شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ میاں! یہ چھوٹا سے نیک کام کرکے تم کونسا تیر مار لوگے۔ تمہاری ساری زندگی تو ناجائز کاموں میں گزری ہے' اگر تم نے یہ چھوٹا سا نیک کام کرلیا تو اس کے نتیجے میں کونسی تمہیں جنت مل جائے گی۔ اس لئے اس نیکی کو بھی چھوڑو ـــــــ اس طرح شیطان اس نیکی سے بھی انسان کو محروم کرا دیتا ہے۔ حالانکہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو۔ بلکہ اس کو کر گزرو۔

چھوٹا عمل بھی باعث نجات ہے

اور اس نصیحت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جس نیک کام کو تم حقیر سمجھ کر چھوڑ رہے ہو۔ کیا پتہ کہ وہ کام اللہ تعالی کے ہاں بڑا عظیم ہو' اور اس کام کو اللہ تعالی اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمادیں' تو شاید وہی کام تمہاری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ احادیث میں اور بزرگان دین کے واقعات میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ اللہ تعالی نے ایک چھوٹے سے عمل پر مغفرت فرمادی۔

ایک فاحشہ عورت کا واقعہ

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ :

"ایک فاحشہ عورت راستے سے گزر رہی تھی۔ راستے میں دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس ایک کتا ہانپ رہا ہے، اور پانی پینا چاہتا ہے، لیکن پانی اتنا نیچے ہے کہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا، اس عورت کو اس کتے پر ترس آیا، اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ کی مخلوق ہے، اور پیاس سے بے چین ہے، اس کتے کو پانی پلانا چاہئے۔ اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا، آخر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا، اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھرا، اور اس کتے کو پلا دیا۔ اور اس کی پیاس دور کردی ____ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف اس عمل پر اس کی مغفرت فرمادی"۔

بتایئے : اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں، میں تو جہنم کی مستحق ہوں۔ اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کونسا انقلاب آجائے گا۔ اگر وہ یہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہو جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نجات نہ ہوتی۔ بہرحال : اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اس کی نجات فرمادی۔

مغفرت کے بھروسے پر گناہ مت کرو

لیکن اس واقعے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ بس اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو۔ ساری زندگی گناہوں میں گزار دو۔ بس ایک دن پیاسے کتے کو پانی پلا دیں گے تو سب گناہ معاف ہو جائیں گے ____ یہ سوچ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ ایک

تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے' اور ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا' اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ کو معاف فرمادے۔ لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی؟ اور کس وقت نہیں ہوگی؟ لہٰذا اس بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی عمل قبول ہوجائے گا' اور گناہ معاف ہوجائیں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ـــ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

العاجز من اتبع نفسه هواها وتمنّى على الله

(ترمذی، باب صفة القيامة، حدیث نمبر ۲٤٦١)

"عاجز وہ شخص ہے جو اپنے کو خواہشات کے پیچھے لگادے۔ جہاں خواہشات اس کو لے جارہی ہیں وہ وہیں جارہا ہے۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ پر آرزو باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب معاف فرمادیں گے"۔

اور جب کسی سے کہا جائے کہ گناہوں کو چھوڑ دو تو جواب میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں' معاف فرمادیں گے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تمنائیں باندھتا ہے ـــ گویا کہ وہ مشرق کی طرف دوڑا جارہا ہے' اور اللہ سے یہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغرب میں پہنچادیں گے۔ راستہ تو جہنم کا اختیار کر رکھا ہے' اور یہ امید لگا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچا دیں گے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی عمل کی بدولت اپنی رحمت سے کسی انسان کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ جس کا کوئی قاعدہ قانون مقرر نہیں۔ لیکن کوئی شخص اس امید پر گناہ کرتا رہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوجائے گی' اور میں بچ جاؤں گا۔ یہ

ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی نہیں ہوتی جو مغفرت کے بھروسے پر گناہ کرتا رہے۔

ایک بزرگ کی مغفرت کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ واقعہ سنا کہ:

"ایک بزرگ جو بہت بڑے محدث بھی تھے، جنہوں نے ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی شخص نے خواب میں ان کی زیارت کی، اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا۔ وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم کی خدمت میں اور حدیث کی خدمت میں گزاری، اور درس و تدریس اور تصنیف اور وعظ و خطابت میں گزاری۔ تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ان اعمال پر اجر ملے گا ______ لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا، وہ یہ کہ ایک دن تم حدیث شریف لکھ رہے تھے۔ جب تم نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر نکالا تو اس وقت ایک پیاسی مکھی آکر اس قلم کی نوک پر بیٹھ گئی، اور سیاہی چوسنے لگی، تمہیں اس مکھی پر ترس آگیا۔ تم نے سوچا کہ یہ مکھی اللہ کی مخلوق ہے، اور پیاسی ہے، یہ سیاہی پی لے تو پھر میں قلم سے کام کروں۔ چنانچہ اتنی دیر کے لئے تم نے اپنا قلم روک لیا۔ اور اس وقت تک قلم سے کچھ نہیں لکھا جب تک وہ مکھی اس قلم پر

بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی۔ یہ عمل تم نے خالص میری رضامندی کی خاطر کیا۔ اس لئے اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت فرمادی۔ اور جنت الفردوس عطا کردی"۔

دیکھئے : ہم تو یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ وعظ کرنا' فتویٰ دینا' تہجد پڑھنا' تصنیف کرنا وغیرہ یہ بڑے بڑے اعمال ہیں ______ لیکن وہاں ایک پیاسی مکھی کو سیاہی پلانے کا عمل قبول کیا جارہا ہے۔ اور دوسرے بڑے بڑے اعمال کا کوئی تذکرہ نہیں ______ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جتنی دیر قلم روک کر رکھا' اگر اس وقت قلم نہ روکتے تو حدیث شریف ہی کا کوئی لفظ لکھتے' لیکن اللہ کی مخلوق پر شفقت کی بدولت اللہ نے مغفرت فرمادی۔ اگر وہ اس عمل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

لہذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا عمل مقبول ہو جائے۔ وہاں قیمت عمل کے حجم' سائز اور گنتی کی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں عمل کے وزن کی قیمت ہے' اور یہ وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے بہت سے اعمال کئے' لیکن ان میں اخلاص نہیں تھا' تو گنتی کے اعتبار سے تو وہ اعمال زیادہ تھے' لیکن فائدہ کچھ نہیں۔ دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو' لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے۔ لہذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہو رہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت وہ عمل کرلو گے تو امید ہے کہ وہ انشاء اللہ مقبول ہو جائے گا۔ یہ تو ایک حکمت ہوئی۔

نیکی نیکی کو کھینچتی ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب نیک کام کرنے کا دل میں خیال آیا اور اس کو کرلیا' تو ایک نیک کام کرنے کے بعد دوسرے نیک کام کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ اس

لئے کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے' اور برائی برائی کو کھینچتی ہے' ایک برائی کی خاطر بعض اوقات انسان کو بہت سی برائیاں کرنی پڑتی ہیں ______ اس لئے جب تم نے ایک نیک کام کیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک چھوٹی سی نیکی کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ اور زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

میرے شیخ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ "اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے' آمین" فرمایا کرتے تھے کہ :

"دل میں جو نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلو' اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "وارد" کہتے ہیں' فرماتے تھے کہ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے' اگر تم نے اس مہمان کی خاطر کی' اس طرح کہ جس نیکی کا خیال آیا تھا' وہ نیک کام کرلیا۔ تو یہ مہمان اپنی قدردانی کی وجہ سے دوبارہ بھی آئے گا۔ آج ایک نیک کام کی طرف توجہ دلائی' کل کو دوسرے کام کی طرف توجہ دلائے گا۔ اور اس طرح تمہاری نیکیوں کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اس مہمان کی خاطر مدارات نہ کی۔ بلکہ اس کو دھتکار دیا' یعنی جس نیک کام کرنے کا خیال تمہارے دل میں آیا تھا' اس کو نہ کیا' تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دیگا' اور پھر نیکی کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ نیکی کے خیالات آنا بند ہو جائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ

یعنی بد اعمالیوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا' اور نیکی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں' ان کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی نیکیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔

شیطان کا دوسرا داؤ

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے تو بعض اوقات شیطان اس طرح بھی انسان کو بہکاتا ہے کہ یہ کام بہت اچھا ہے۔ ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن جلدی کیا ہے؟ کل سے یہ کام کریں گے' پرسوں سے کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نیک کام ٹل جاتا ہے۔ اس لئے کہ آج دل میں جو نیکی کا داعیہ پیدا ہوا ہے' معلوم نہیں کل کو یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ کل اس نیک کام کے کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ کل آئے گی یا نہیں آئے گی۔ اس لئے جس وقت نیکی کا داعیہ دل میں پیدا ہو' اسی وقت عمل کرلینا چاہئے۔ مثلاً راستے میں گزر رہے ہیں' کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی نظر آئی' اور دل میں خیال آیا کہ اس کو ہٹانا چاہئے' اسی وقت اس کو ہٹا دو۔ یا مثلاً آپ نے پانی پینے کا ارادہ کیا' دل میں خیال آیا کہ بیٹھ کر پینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' تو فوراً بیٹھ جاؤ' اور بیٹھ کر پانی پی لو۔ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے' خیال آیا کہ بسم اللہ پڑھ لوں' تو فوراً پڑھ لو ______ لہذا جس کسی چھوٹی نیکی کا خیال بھی دل میں آئے' اس کو کرگزرو۔ میں نے اسی جذبے کے تحت "آسان نیکیاں" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے' اور اس میں ان نیکیوں کو لکھ دیا ہے جو بظاہر آسان اور چھوٹی چھوٹی ہیں۔ لیکن ان کا اجر و ثواب بڑا عظیم ہے۔ ان پر عمل کرنے کا اہتمام کرے تو انسان بہت سا اجر و ثواب کا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔ یہ آسان اور چھوٹی نیکیاں

انشاء اللہ بالآخر انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیں گی۔ ہر شخص اس کو لے کر پڑھے۔ اور پھر ایک ایک نیکی کو اپنی زندگی میں داخل کرے۔ اور ان پر عمل کی کوشش کرے، تو انشاء اللہ منزل تک پہنچا دیں گی۔

کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو

اسی طرح ایک چیز اور ہے جو اس کے بالمقابل ہے، وہ یہ کہ جس طرح نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اسی طرح کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا کوئی گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس گناہ کو مت کرو۔ یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گناہ کرنے کا دل میں خیال آیا، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آگیا کہ گناہ ہے، اس لئے یہ نہیں کرنا چاہئے تو ایسے وقت شیطان یہ بہکاتا ہے کہ تم نے اتنے بڑے بڑے گناہ تو پہلے سے کر رکھے ہیں، اگر تم نے یہ چھوٹا سا گناہ بھی کر لیا تو کونسی قیامت آجائے گی۔ اور اگر تمہیں گناہ سے بچنا ہے تو بڑے بڑے گناہوں سے بچو، اس چھوٹے سے گناہ سے کیا بچ رہے ہو۔ اس لئے اس کو تو کر گزرو ______ یاد رکھو : کوئی چھوٹا گناہ معمولی سمجھ کر کرنے میں وہ بڑا گناہ بن جاتا ہے۔

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تفریق

یہ جو گناہوں کی دو قسمیں ہیں 'صغیرہ گناہ' اور کبیرہ گناہ' تو صغیرہ گناہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کر لو۔ اور کبیرہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرو، بلکہ دونوں گناہ ہیں۔ البتہ یہ چھوٹا گناہ ہے، اور وہ بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگ اس تحقیق میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ ان کی تحقیق کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اگر کبیرہ ہے تو بچنے کا اہتمام کریں، اور اگر صغیرہ ہے تو کر لیں ______ اس بارے میں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے آگ کا بڑا انگارہ اور چھوٹی چنگاری' کہ اگر چھوٹی چنگاری ہے تو اس کو اٹھا کر اپنے کپڑوں کی الماری میں رکھ لو' اس لئے کہ وہ چھوٹی سی تو ہے۔ لیکن یاد رکھو! وہی چھوٹی چنگاری تمہاری الماری کو جلادے گی' جس طرح بڑا انگارہ جلاڈالتا ہے' ______ یا جیسے چھوٹا سانپ اور بڑا سانپ' ڈسنے میں دونوں برابر ہیں ______ اس طرح گناہ صغیرہ ہو' چاہے کبیرہ ہو' جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عمل ہے تو پھر کیا صغیرہ اور کیا کبیرہ"۔

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص صغیرہ گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرلے تو وہی صغیرہ پھر کبیرہ بن جاتا ہے' اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو۔

گناہ گناہ کو کھینچتا ہے

یاد رکھو : جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے' اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے' بُرائی بُرائی کو کھینچتی ہے' آج اگر تم نے ایک گناہ کرلیا اور یہ سوچا کہ چھوٹا گناہ ہے' کرلو' یاد رکھو : وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچے گا' دوسرا گناہ تیسرے گناہ کو کرائے گا' اور بات پھر کسی حد پر نہیں رکے گی ______ اور گناہ کے معنی ہیں "اللہ کی نافرمانی" اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک نافرمانی پر پکڑ فرمالیں تو صرف ایک نافرمانی بھی جہنم میں پہنچانے کے لئے کافی ہے' چاہے وہ نافرمانی چھوٹی ہو' یا بڑی ہو۔ پھر بچنے کا کوئی راستہ نہیں ______ اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو۔

تیسری نصیحت

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ :

"تم اپنے بھائی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمہارا چہرہ کِھلا ہوا ہو۔ اس کے ساتھ کشادہ پیشانی کے ساتھ بات کرو۔ خندہ روئی سے بات کرو۔ اس لئے کہ یہ بھی نیکی کا ایک حصّہ ہے"۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے' اس پر بھی انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے"۔

یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنّت ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خاص صحابہ کرام میں سے ہیں' جن کو "یوسف هذه الأمة" یعنی "اس امت کے یوسف" کہا جاتا ہے' اس لئے کہ وہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :

"جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر میری نگاہ پڑتی تو کبھی یاد نہیں کہ آپ نے تبسّم نہ فرمایا ہو' جب کبھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ کے چہرے پر تبسّم آجاتا' آپ کا چہرہ کِھلا ہوا ہوتا"۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آدمی دین کی طرف آئے تو بالکل خشک اور کھردرا بن جائے۔ اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئے' اس کو دین کا حصّہ سمجھتے ہیں ـــــــ معلوم نہیں کہ کہاں سے یہ بات حاصل کرلی ہے' حالانکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہے' اس لئے جب کسی سے ملو تو مسکراتے ہوئے ملو' ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ :

"بعض لوگ مال کے کنجوس ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ تبسّم

کے کنجوس اور بخیل ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے پر کبھی تبسم ہی نہیں آتا۔ حالانکہ یہ تو بہت آسان نیکی ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرو، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرو، اور اس کا دل خوش کرو، اور جب تم نے اس کا دل خوش کر دیا تو تمہارے نامہ اعمال میں نیکی کا اضافہ ہو گیا، اور صدقہ لکھا گیا"۔

چوتھی نصیحت

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ:

"اپنے زیر جامہ کو چاہے پاجامہ ہو، یا شلوار یا تہبند ہو، اس کو آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر آدھی پنڈلی تک نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں تک رکھو، اور ٹخنوں سے نیچے ازار لیجانے سے بچو، اس لئے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے"۔

دیکھئے: اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر ہو تو نیچے مت کرو، اور تکبر نہ ہو تو نیچے کر لو، بلکہ یہ فرمایا کہ نیچے مت کرو، اس لئے کہ یہ تکبر ہے۔ بعض لوگ یہ کہدیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نیچے نہیں کرتے، بلکہ ویسے ہی یا فیشن کی وجہ سے نیچے کرتے ہیں، اور جو ممانعت ہے وہ تکبر کی وجہ سے ہے ____ ایسا کہنے والے بڑے عجیب لوگ ہیں۔ جن کو اپنے متکبر نہ ہونے کا اس قدر اطمینان ہے، حالانکہ اس روئے زمین پر تکبر سے پاک اور تکبر سے بَری کوئی ذات ہو سکتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں ہو سکتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے اندر تکبر نہیں ہے، اس لئے میں اپنی ازار نیچے کر لیتا ہوں، بلکہ ساری عمر کبھی ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں کیا، اگر تکبر نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے لئے ٹخنوں سے نیچے ازار پہننا جائز ہوتا تو حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی اجازت ہوتی ______ اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو ______ چنانچہ اس نصیحت میں آپ نے فرمایا کہ اس سے بچو' اس لئے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے' اور اللہ تعالیٰ تکبر اور خود پسندی کو پسند نہیں کرتے۔ "خود پسندی" کے معنی ہیں "اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنا" کہ میرے اندر بڑے اوصاف اور کمالات ہیں' یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو شکستگی' عاجزی اور درماندگی پسند ہے' اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنا شکستہ اور ماندہ رہو گے' تواضع کرو گے' اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے۔ اور جہاں بڑائی اور خود پسندی آگئی' تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

پانچویں نصیحت

پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ :

"اگر کوئی انسان تمہیں گالی دے' یا تم کو کسی ایسے عیب کی وجہ سے عار دلائے جو عیب واقعی تمہارے اندر ہے' تو اس کے بدلے میں تم اس کے اس عیب پر عار مت دلاؤ جو عیب تم اس کے اندر جانتے ہو"۔

یعنی گالی کے بدلے گالی مت دو' اور عار دلانے میں اس کو عار مت دلاؤ۔ اس لئے کہ اس شخص کے گالی دینے اور عار دلانے کا وبال اس کے اوپر ہے' اس کا مواخذہ اس سے ہو گا۔ اور اگر تم بدلہ لے لو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اور اگر بدلہ نہیں لو گے' بلکہ صبر کرو گے' تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر عظیم تم کو ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے تم سے کہا کہ تم بے وقوف ہو' تم نے جواب میں اس سے کہا "تم بیوقوف" تو یہ تم نے بدلہ لے لیا' اگرچہ تم نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں دنیا یا آخرت کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اگر تم خاموش ہو گئے' اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس کے نتیجے میں کڑھن پیدا ہوئی اور غصہ آیا' لیکن اس غصے کو ضبط

کر گئے، اور صبر سے کام لیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ :

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

"یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں"۔

لہذا اپنی زبان کو روک کر اور نفس کو قابو میں کر کے بے حساب اجر کما لیں۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر بے حساب اجر کا اندازہ نہیں کر سکتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اس زبان کو ذرا سا روک لینے سے کتنا عظیم فائدہ حاصل ہوا ______ بہر حال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمادی کہ گالی کا جواب گالی سے مت دو، اگرچہ تمہیں بدلہ لینے کا حق حاصل ہے، لیکن حق کو استعمال کرنے سے بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ

"یعنی جو شخص صبر کرے، اور معاف کر دے تو یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔

"یعنی جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے، تم اچھائی سے اس کا بدلہ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس کے ساتھ تمہاری دشمنی

تھی، وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔ لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے اندر صبر کرنے کی عادت ڈالی ہو، اور وہ شخص کر سکتا ہے جو بہت خوش نصیب ہو"۔

اس لئے بدلہ لینے کے بجائے معاف کرنے کی عادت ڈالو ———— ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کو معاف کر دے تو میں اس شخص کو اس دن معاف کروں گا، جس دن اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت میں انسان کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی"۔

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں ہیں۔ اگر ہم ان کو اپنی زندگی میں اپنالیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، عداوتیں مٹ جائیں، فتنے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اُمتِ مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــ

مقام ـــــــ

جلد ـــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟

تجزیہ و راہ عمل

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

امابعد:

جناب صدر محترم جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب اور معزز حاضرین ــ یہ میرے لئے سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ ملک کے ایک عظیم تحقیقی ادارے کے زیر سایہ ملک کے اہل فکر حضرات کی محفل میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شامل ہونے کا موقع مل رہا ہے، اور ایک ایسے موضوع پر گفتگو کی سعادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی جارہی ہے، جو ہمارے حال اور مستقبل کیلئے بڑی اہمیت کا موضوع ہے۔ میرے برادر محترم جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب نے میرے بارے میں جو باتیں ارشاد فرمائیں، انہوں نے اپنے حسن ظن اور محبت کی وجہ سے جن جذبات اور جن توقعات کا اظہار فرمایا ہے، اسکے بارے میں اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے واقعتاً ان کا اہل بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

امت مسلمہ کے دو متضاد پہلو

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے آج کی گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ:
"امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟" یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے بہت سے پہلو ہیں۔ امت مسلمہ سیاسی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ معاشی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ اخلاقی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ غرض مختلف حیثیتوں سے اس سوال کو مختلف صورتیں دی جا سکتی ہیں جن میں سے ہر ایک حیثیت مفصل گفتگو کی محتاج ہے، اور تمام حیثیتوں کا ایک نشست میں احاطہ مشکل ہے، لہٰذا میں اس وقت اس سوال کے صرف ایک پہلو پر مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ امت مسلمہ فکری اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ آج جب ہم امت مسلمہ کی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو دو قسم کے متضاد تاثرات ہمارے سامنے آتے ہیں ـــ ایک تاثر یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال اور انحطاط کا شکار ہے چنانچہ آجکل امت مسلمہ کی زبوں حالی اور بدحالی کا تذکرہ زبان زد رہتا ہے ـــ لیکن دوسری طرف اسی ماحول میں اسلامی بیداری ـــ جسے عربی میں "الصحوۃ الاسلامیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ـــ کا تذکرہ بھی زور و شور کے ساتھ کیا جارہا ہے ـــ پہلے تاثر کا خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال پذیر ہے، اور زبوں حالی کا شکار ہے، اور دوسرے تاثر کا نتیجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ساتھ غیر معمولی توقعات اور امیدیں وابستہ کی جارہی ہیں، بعض اوقات پہلے تاثر سے مرعوب اور مغلوب ہو کر ہم مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے تاثر سے اثر لیکر ضرورت سے زیادہ توقعات اور امیدیں وابستہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

"حق" دو انتہاؤں کے درمیان

میری ناچیز گزارش یہ ہے کہ حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، یہ

بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ہم بحیثیت ایک امت کے زوال اور انحطاط کا شکار ہیں۔ اور یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اسی زوال اور انحطاط کے دور میں ایک اسلامی بیداری کی لہر پورے عالم اسلام میں محسوس ہو رہی ہے ــــ لیکن ہمیں نہ تو اتنا مایوس اور قنوطیت کا شکار ہونا چاہئے جو ہمیں بے عمل بنا دے، اور نہ اسلامی بیداری کے محض عنوان اور اصطلاح سے متاثر ہو کر اس سے اتنی توقعات وابستہ کرنی چاہئیں کہ ہم اپنی اصلاح سے غافل ہو جائیں ــــ بلکہ حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے ــــ اور اسی وجہ سے یہ موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے، یہ موضوع کہ "امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟" اپنے دامن میں یہ سوال بھی خود بخود رکھتا ہے کہ اس امت کو کہاں جانا ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں ان دونوں انتہاؤں سے قدرے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ الحمد اللہ، اس بات کے باوجود کہ ہم بہت سے شعبوں اور زندگی کے گوشوں میں نہ صرف یہ کہ زوال کا شکار ہیں، بلکہ زوال پذیر ہیں، یہ احساس امت مسلمہ کے تقریباً ہر خطے میں پیدا ہو رہا ہے کہ ہمیں اپنی اصل کی طرف لوٹنا چاہئے، اور بحیثیت ایک مسلمان کے اس دین اسلام کو روئے زمین پر نافذ کرنا چاہئے۔ اسی احساس کو آجکل کی اصطلاح میں "الصحوۃ الاسلامیۃ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلام سے دوری کی ایک مثال

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا کرشمہ ہے کہ عالم اسلام کی سیاسی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہے، اگر ان کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اسلام سے دوری کی انتہاء ہو چکی ہے ــــ ایک واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا، اور اگر بذات خود میرے ساتھ پیش نہ آتا تو میرے لئے شاید اس پر یقین کرنا مشکل ہوتا۔ لیکن چونکہ خود میرے ساتھ پیش آیا، اسلئے یقین کیئے بغیر چارہ نہیں، میرا

ایک وفد کے ساتھ ایک مشہور اسلامی ملک میں جانا ہوا، ہمارے وفد کی طرف سے یہ تجویز ہوئی کہ سربراہ مملکت سے ملاقات کے وقت ان کی خدمت میں وفد کی طرف سے قرآن کریم کا ھدیہ پیش کیا جائے، لیکن سربراہ مملکت کو تحفہ پیش کرنے سے پہلے پروٹوکول سے رابطہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ وفد کی طرف سے پروٹوکول کو اطلاع دی گئی کہ یہ تحفہ وفد پیش کرنا چاہتا ہے، ایک دن کے بعد ہمیں افسر مہمان داری نے یہ پیغام دیا کہ وفد کی طرف سے سربراہ مملکت کو قرآن کریم کا تحفہ پیش نہیں کیا جاسکتا، وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر ان کو یہ تحفہ پیش کیا جائیگا تو ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیت کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے ـــ چنانچہ ہم سے معذرت کر لی گئی کہ قرآن کریم کے بجائے کوئی اور تحفہ پیش کریں ـــــ سرکاری اور سیاسی اقتدار کی سطح پر اسلام سے وابستگی کا تو یہ حال ہے۔

اسلامی بیداری کی ایک مثال

لیکن یہ جواب سننے کے بعد اس روز شام کو ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے جانے کا اتفاق ہوا، مسجد نوجوان لڑکوں سے بھری ہوئی تھی، عمر رسیدہ افراد کے مقابلے میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی، نماز کے بعد وہ سارے نوجوان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، پتہ کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ان کا روزانہ کا معمول ہے کہ نماز کے بعد دین سے متعلق کوئی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے ہیں ـــــ لوگوں نے یہ بتایا کہ یہ سلسلہ صرف اس ایک مسجد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پورے ملک کی تمام مساجد میں یہ طریقہ جاری ہے، جبکہ ان نوجوانوں کی کسی تنظیم کوئی نہیں ہے، اور نہ رسمی طور پر آپس میں رابطے کا کوئی تعلق ہے۔ اسکے باوجود ہر مسجد میں یہ سلسلہ قائم ہے۔

عالم اسلام کی مجموعی صورت حال

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سیاسی سطح پر اور اقتدار کی سطح پر اسلام کے ساتھ کیا رویہ ہے، اور نئی نسل میں اور نوجوانوں میں اسلام کے ساتھ وابستگی کا کیسا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ بہر حال، بحیثیت مجموعی عالم اسلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ نظر آئیگا کہ سیاسی اقتدار عام طور پر اسلام کے بارے میں یا تو معاندانہ رویہ رکھتا ہے، یا کم از کم لاتعلق ہے، اسکو اسلام سے کوئی سروکار نہیں، اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ الاماشاء اللہ ـــــ لیکن اسکے ساتھ ساتھ عوام کے اندر، خاص طور پر نوجوانوں کے اندر ایک بیداری کی لہر ہے، اور عالم اسلام کے مختلف خطوں میں یہ تحریک عملی طور پر چل رہی ہے کہ اسلام کو اپنی زندگی کے اندر نافذ کیا جائے، اور اسکو عملی طور پر برپا کیا جائے۔

اسلام کے نام پر قربانیاں

یہ درست ہے کہ اس راستے میں قربانیوں کی کمی نہیں، بہت سے ملکوں میں اسلام کو نافذ کرنے کیلئے جو تحریکیں چلی ہیں، اور اس انداز سے چلی ہیں کہ لوگوں نے ان کے لئے اپنی جان، مال اور جذبات کی بیش بہا قربانیاں پیش کیں، سچی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے قابل فخر ہیں ـــ مصر میں، الجزائر میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں جو قربانیاں دی گئیں، خود ہمارے ملک کے اندر اسلام کے نام پر، اسلامی شریعت کے نفاذ کی خاطر لوگوں نے اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں، وہ ایک ایسی مثال ہے جس پر امت بلاشبہ فخر کر سکتی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دلوں میں ایمان کی چنگاری باقی ہے۔

تحریکات کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟

لیکن ان ساری قربانیوں، ساری کوششوں اور کاوشوں کے باوجود ایک عجیب منظر یہ نظر آتا ہے کہ کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جو کامیابی کی آخری منزل تک پہنچی ہو، یا تو وہ تحریک بیچ میں دب کر ختم ہو گئی، یا اسکو دبا دیا گیا، یا خود وہ تحریک آگے چل کر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی، جسکے نتیجے میں اس تحریک کے جو مطلوبہ ثمرات تھے، وہ حاصل نہ ہو سکے ـــــ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اسلئے کہ یہ بیداری کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں، قربانیاں بھی دی جا رہی ہیں، وقت بھی صرف ہو رہا ہے، محنت بھی ہو رہی ہے، اسکے باوجود کامیابی کی کوئی واضح مثال سامنے نہیں آتی ـــ ہم میں سے ہر شخص کو اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے، میں ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اس پر جو غور کر سکا ہوں وہ آپ حضرات کی خدمت میں اس محفل میں پیش کرنا چاہتا ہوں، کہ اس صورت حال کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اور ہم کس طرح ان کا ازالہ کر سکتے ہیں؟

اس سلسلے میں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ بہت نازک بات ہے، اور مجھے اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر اس نازک بات کی تعبیر میں تھوڑی سی بھی لغزش ہوئی تو وہ غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے، لیکن میں یہ خطرہ مول کر ان دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو میرے نزدیک اس صورت حال کا بنیادی سبب ہیں، اور جن پر ہمیں سچے دل سے اور ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں کی سازشیں

اسلامی تحریکوں کے بار آور نہ ہونے کا ایک سبب جو ہر شخص جانتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم طاقتوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو دبانے کی سازشیں کی

جا رہی ہیں، اس سبب کا مفصل تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ہر مسلمان اس سے واقف ہے ــــ لیکن میرا ذاتی ایمان یہ ہے کہ غیر مسلموں کی سازشیں امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کیلئے کبھی بھی اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک خود امت مسلمہ کے اندر کوئی خامی یا نقص موجود نہ ہو، بیرونی سازش ہمیشہ اس وقت کامیاب ہوتی ہے، اور ہمیشہ اس وقت تباہی کا سبب بنتی ہے جب ہمارے اندر کوئی نقص آجائے، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک کوئی دور سازشوں سے خالی نہیں رہا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ؐ سے شرار بولہبی

لہٰذا یہ سازش نہ کبھی ختم ہوئی ہے، اور نہ کبھی ختم ہو سکتی ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس سے پہلے ابلیس پیدا ہو چکا تھا، لہٰذا یہ توقع رکھنا کہ سازشیں بند ہو جائیں گی، یہ توقع بڑی خود فریبی کی بات ہے۔

سازشوں کی کامیابی کے اسباب

اب ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نقص اور خرابی اور خامی کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ سازشیں ہمارے خلاف کامیاب ہو رہی ہیں؟ اور یہ سوچنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ آج جب ہم اپنی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہیں تو عموماً ہم سارا الزام اور ساری ذمہ داری ان سازشوں پر ڈالتے ہیں کہ یہ فلاں کی سازش سے ہو رہا ہے، یہ فلاں کا بویا ہوا بیج ہے، اور خود فارغ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود ہمارے اندر کیا خرابیاں اور کیا خامیاں ہیں؟ اس سلسلے میں دو بنیادی چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو میری نظر میں ان ناکامیوں کا بہت بڑا سبب ہیں۔

شخصیت کی تعمیر سے غفلت

ان میں سے پہلی چیز شخصیت کی تعمیر کی طرف توجہ کا نہ ہونا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ہر پڑھا لکھا انسان یہ بات جانتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں، ان میں بہت سے احکام اجتماعی نوعیت کے ہیں، اور بہت سے احکام انفرادی نوعیت کے ہیں، بہت سے احکام کا خطاب پوری جماعت سے ہے، اور بہت سے احکام کا خطاب ہر ایک فرد سے علیحدہ علیحدہ ہے ـــــ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی احکام میں اجتماعیت اور انفرادیت دونوں کے درمیان ایک مخصوص توازن ہے، اس توازن کو قائم رکھا جائے تو اسلامی تعلیمات پر یکساں طور پر عمل ہوتا ہے، اور اگر ان میں سے کسی ایک کو یا تو نظر انداز کر دیا جائے، یا کسی پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جائے اور دوسرے کی اہمیت کو کم کر دیا جائے تو اس سے اسلام کی صحیح تطبیق سامنے نہیں آسکتی، اجتماعیت اور انفرادیت کے درمیان جو توازن ہے ہم نے اس توازن میں اپنے عمل اور اپنی فکر سے ایک خلل پیدا کر دیا ہے اور اسکے نتیجے میں ہم نے ترجیحات کی ترتیب الٹ دی ہے۔

سیکولرازم کی تردید

ایک زمانہ وہ تھا جس میں سیکولرازم کے پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگوں نے اسلام کو مسجد اور مدرسے اور نماز، روزے اور عبادات تک محدود کر لیا تھا، یعنی اسلام کو اپنی انفرادی زندگی تک محدود سمجھ لیا تھا، اور سیکولرازم کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ مذہب کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے، انسان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کسی مذہب کے تابع نہیں ہونی چاہئے، بلکہ وہ مصلحت وقت کے تابع ہونی چاہئے ـــــ اس غلط فلسفے اور غلط فکر کی تردید کیلئے ہمارے معاشرے کے اندر

اہل فکر کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اس فکر کی تردید کرتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا کہ اسلام کے احکام عبادات، اخلاق اور صرف انسان کی انفرادی زندگی کی حد تک محدود نہیں، بلکہ وہ احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اسلام میں اجتماعیت پر بھی اتنا ہی زور ہے، جتنا انفرادیت پر ہے۔

اس فکری تردید کا نتیجہ

لیکن ہم نے اس فکر کی تردید میں اجتماعیت پر اتنا زیادہ زور دیا کہ اسکے نتیجے میں انفرادی احکام پس پشت چلے گئے، اور نظر انداز ہو گئے، یا کم از کم عملی طور پر غیر اہم ہو کر رہ گئے ــــ مثلاً ایک نقطہ نظر یہ تھا کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں،

"دع ما لقیصر لقیصر وما للہ للہ"

یعنی جو قیصر کا حق ہے، وہ قیصر کو دو، جو اللہ کا حق ہے، وہ اللہ کو دو، گویا کہ دین کو سیاست میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس طرح دین کو سیاست سے دیس نکالا دیدیا گیا۔

ہم نے اسلام کو سیاسی بنا دیا

اس غلط نقطہ نظر کی تردید میں ایک اور فکر سامنے آئی، جس نے دین کے سیاسی پہلو پر اتنا زیادہ زور دیدیا کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ دین کا مطمح نظر ہی ایک سیاسی نظام کا قیام ہے ـــــ یہ بات اپنی جگہ غلط نہیں تھی کہ سیاست بھی ایک ایسا شعبہ ہے جسکے بارے میں اسلام کے مخصوص احکام ہیں لیکن اگر اس بات کو یوں کہا جائے کہ دین درحقیقت سیاست ہی کا نام ہے، یا سیاسی نظام کا نفاذ دین کا اولین مقصد ہے تو اس سے ترجیحات کی ترتیب الٹ جاتی ہے، اگر ہم اس فکر کو تسلیم کر لیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو

سیاسی بنادیا، اور دین میں انفرادی زندگی کا جو حسن و جمال تھا اور رعنائی تھی، اس سے ہم نے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے، آپ کی ۲۳ سال کی نبوی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے ایک مکی زندگی، اور دوسری مدنی زندگی، آپ کی مکی زندگی ۱۳ سال پر محیط ہے، اور مدنی زندگی دس سال پر محیط ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو اگر آپ دیکھیں تو یہ نظر آئیگا کہ اس میں سیاست نہیں، حکومت نہیں، قتال نہیں، جہاد نہیں، یہاں تک کہ تھپڑ کا جواب تھپڑ سے بھی نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص تم پر ہاتھ اٹھا رہا ہے تو تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا ہے ــ "واصبرو ما صبرک الا باللہ" ــ حالانکہ مسلمان کتنے ہی کمزور سہی، تعداد کے اعتبار سے کتنے ہی کم سہی، لیکن اتنے بھی گئے گزرے نہیں تھے کہ اگر دوسرا شخص دو ہاتھ مار رہا ہے تو اسکے جواب میں ایک ہاتھ بھی نہ مار سکیں، یا کم از کم مارنے والے کا ہاتھ بھی نہ روک سکیں، لیکن وہاں حکم یہ ہے کہ صبر کرو۔

مکہ میں شخصیت سازی ہوئی

یہ حکم کیوں دیا گیا؟ اسلئے کہ اس پوری مکی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ ایسے افراد تیار ہوں جو آگے جا کر اسلامی معاشرے کا بوجھ اٹھانے والے ہوں۔ تیرہ سالہ مکی زندگی کا خلاصہ یہ تھا کہ ان افراد کو بھٹی میں۔سلگا کر ان کے کردار، ان کی شخصیت، ان کے اعمال اور اخلاق کی تطہیر اور تزکیہ کیا جائے، ان تیرہ سال کے اندر اسکے علاوہ کوئی کام نہیں تھا کہ ان افراد کے اخلاق درست ہوں، ان کے

عقائد درست ہوں، ان کے اعمال درست ہوں، ان کا کردار درست ہو، اور ان کی بہترین سیرت کی تعمیر ہو، ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جائے، تعلق مع اللہ کی دولت ان کو نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔

شخصیت سازی کے بعد کیسے افراد تیار ہوئے؟

تیرہ سال تک یہ کام ہونے کے بعد پھر مدنی زندگی کا آغاز ہوا، جس میں اسلامی ریاست بھی وجود میں آتی ہے، اسلامی قانون بھی اور اسلامی حدود بھی نافذ ہوتی ہیں، اور ایک اسلامی ریاست کے جتنے لوازم ہوتے ہیں، وہ سب وجود میں آتے ہیں۔ لیکن ان تمام لوازم کے ہونے کے باوجود چونکہ ان افراد کو ایک مرتبہ ٹریننگ کورس سے گزارا جا چکا تھا، اسلئے کسی فرد کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ ہمارا مقصد محض اقتدار حاصل کرنا ہے، بلکہ اقتدار کے باوجود ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا تھا، اور وہ لوگ اقامت دین کی جدو جہد میں جہاد اور قتال میں لگے ہوئے تھے، ان کا یہ حال تاریخ میں لکھا ہے کہ یرموک کے میدان میں پڑے ہوئے صحابہ کرام کے لشکر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم نے اپنے افسر سے کہا کہ یہ بڑے عجیب لوگ ہیں کہ " رھبان باللیل وفرسان بالنھار " یعنی دن کے وقت میں یہ لوگ بہترین شہسوار ہیں، اور شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھانے والے ہیں، اور رات کے وقت میں یہ بہترین راہب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں، اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں ــــــ حاصل یہ کہ صحابہ کرام دو چیزوں کو ساتھ لیکر چلے، ایک جدو عمل، اور دوسرے تعلق مع اللہ، یہ دونوں چیزیں ایک مسلمان کی زندگی کیلئے لازم اور ملزوم ہیں، اگر ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کیا جائیگا تو اسلام کی صحیح تصویر سامنے نہیں آئیگی۔

ہم لوگ ایک طرف جھک گئے

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ چونکہ اب ہم اعلیٰ اور ارفع مقام کیلئے نکل کھڑے ہوئے ہیں، ہم نے جہاد شروع کر دیا ہے، اور پوری دنیا پر اسلام کا سکہ بٹھانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی ہے، لہٰذا ہمیں اب تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اب ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی کیا حاجت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کرنے اور اسکی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کسی بھی صحابی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا، بلکہ انہوں نے ان سب چیزوں کو باقی رکھتے ہوئے جدوعمل کا راستہ اختیار کیا ـــــ لیکن ہم نے جب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے جدو عمل کے راستے کو اپنایا، اور سیکولرازم کی تردید کرتے ہوئے سیاست کو اسلام کا ایک حصہ قرار دیا تو اس پر اتنا زور دیا کہ دوسرے پہلو ـــــ یعنی رجوع الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے، اسکے حضور رونے اور گڑگڑانے، اسکے حضور جبین نیاز ٹیکنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے حلاوت حاصل کرنے کے پہلو کو یا تو فکری طور پر، یا کم از کم عملی طور پر نظر انداز کر گئے، اور ہم نے اپنے ذہنوں میں یہ بٹھا لیا کہ اب ہمیں اسکی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ہم تو اس سے ارفع اور اعلیٰ مقاصد کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں لہٰذا شخصی عبادت ایک غیر اہم چیز ہے، جسے اس اعلیٰ اور ارفع مقصد پر قربان کیا جا سکتا ہے، یا کم از کم اسکی طرف سے غفلت برتی جا سکتی ہے۔

ہم فرد کی اصلاح سے غافل ہو گئے

لہٰذا اجتماعیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے نتیجے میں فرد کے اوپر جو احکام اللہ تعالیٰ نے عائد فرمائے تھے، ہم ان سے فکری یا عملی طور پر پہلو تہی شروع کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کے دور میں اٹھنے والی بیداری کی تحریکیں بڑے اخلاص اور جذبے کے ساتھ اسلام کو نافذ کرنے کیلئے کھڑی ہوتی ہیں، لیکن

چونکہ یہ دوسرا پہلو نظر انداز ہو جاتا ہے، اس وجہ سے وہ تحریکیں کامیاب نہیں ہوتیں ـــــ دیکھئے، قرآن کریم نے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے کہ

"اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی نصرت، فتح اور ثابت قدمی کو "ان تنصروا اللہ" کے ساتھ مشروط کیا ہے، اور رجوع الی اللہ کے ساتھ مشروط کیا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت آتی ہے جب انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے، اگر وہ رشتہ کمزور پڑ جائے تو پھر وہ انسان مدد کا مستحق نہیں رہتا۔

از دل خیزد، بر دل ریزد

جو اسلامی تعلیمات فرد سے متعلق ہیں، وہ تعلیمات انسان کو اس بات پر تیار کرتی ہیں کہ اسکی اجتماعی جدوجہد صاف ستھری ہو، فرد سے متعلق تعلیمات جس میں عبادات، اخلاق قلبی کیفیات سب چیزیں داخل ہیں، اگر انسان ان پر پوری طرح عمل پیرانہ ہو، اور ان تعلیمات میں اسکی تربیت ناقص ہو، پھر وہ اصلاح معاشرہ کا علم لیکر کھڑا ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی کوششیں بار آور نہیں ہوتیں ـــ اگر میں ذاتی طور پر اپنے اخلاق، کردار اور سیرت کے اعتبار سے اچھا انسان نہیں ہوں، اور اسکے باوجود میں اصلاح معاشرہ کا علم لیکر کھڑا ہو جاؤں، اور لوگوں کو دعوت دوں کہ اپنی اصلاح کرو، تو اس صورت میں میری بات میں کوئی وزن اور کوئی تاثیر نہیں ہوگی ـــ لیکن جو شخص اپنی ذاتی زندگی کو، اپنی سیرت کو، اپنے اخلاق و کردار کو عجلی اور مصفی بنا چکا ہے اور اپنی اصلاح کر چکا ہے، پھر وہ دوسروں کو اصلاح کی دعوت دیتا ہے تو اسکی بات میں وزن بھی ہوتا ہے، پھر وہ بات صرف کان تک نہیں پہنچتی، بلکہ دل پر جا کر اثر انداز ہوتی ہے ـــ اسلئے جب ہم اپنے اخلاق کو سنوارے بغیر دوسروں کی اصلاح کی فکر لیکر نکل کھڑے ہوتے ہیں

تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب فتنوں کا سامنا ہوتا ہے، اس وقت ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں، اور بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ نہیں کرتے، نتیجے میں حب مال، حب جاہ کے فتنوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، پھر آگے چل کر اصل مقصد تو پیچھے رہ جاتا ہے اور کریڈٹ لینے کا شوق آگے آجاتا ہے، پھر ہماری ہر نقل و حرکت کے گرد یہ بات گھومتی ہے کہ کس کام کے کرنے سے مجھے کتنا کریڈٹ حاصل ہوگا؟ جس کے نتیجے میں کاموں کے چناؤ کے بارے میں ہمارے فیصلے غلط ہو جاتے ہیں، اور ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتے۔

اپنی اصلاح کی پہلے فکر کرو

اسی سلسلے میں قرآن کریم کی ایک آیت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے، جو عام طور پر ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے، آیت کریمہ یہ ہے کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

(پ ۷، رکوع ۴)

اے ایمان والو! تم اپنی خبر لو، (اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو) اگر تم راہ راست پر آگئے تو جو لوگ گمراہی کے راستے پر جا رہے ہیں وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، وہ اس وقت تم کو بتائیگا کہ تم دنیا میں کیا عمل کرتے رہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آیت تو بتا رہی ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو، اگر دوسرے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو ان کی گمراہی تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیگی، تو کیا ہم دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں؟ دعوت و تبلیغ کا کام نہ کریں؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا نہیں ہے، تم تبلیغ و دعوت کا کام کرتے رہو، اسکے بعد آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی:

"اذا رایت شحا مطاعا، وهوی متبعا، ودنیا موثرة، واعجاب کل ذی رای برایة فعلیك بخاصة نفسك ودع عنك امر العامة"

جب تم معاشرے کے اندر چار چیزیں پھیلی ہوئی دیکھو، ایک یہ کہ جب مال کی محبت کے جذبے کی اطاعت کی جارہی ہو، ہر انسان جو کچھ کر رہا ہو وہ مال کی محبت سے کر رہا ہو۔ دوسرے یہ کہ خواہشات نفس کی پیروی کی جارہی ہو، تیسرے یہ کہ دنیا ہی کو ہر معاملے میں ترجیح دی جارہی ہو، اور لوگ آخرت سے غافل ہوتے جارہے ہوں، چوتھے یہ کہ ہر ذی رائے شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے، ہر شخص اپنے آپ کو عقل کل سمجھ کر دوسرے کی بات سننے سمجھنے سے انکار کرے تو تم اپنی جان کی فکر کرو، اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو، اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو۔

بگڑے ہوئے معاشرے میں کیا طرز عمل اختیار کریں؟

اس حدیث کا مطلب بعض حضرات نے تو یہ بیان فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ جب کسی انسان پر دوسرے انسان کی نصیحت کارگر نہیں ہوگی، اسلئے اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ ساقط ہو جائیگا، بس اس وقت انسان اپنے گھر میں بیٹھ کر کے اللہ اللہ کرے، اور اپنے حالات کی اصلاح کی فکر کرے، اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ـــــ دوسرے علماء نے اس حدیث کا دوسرا مطلب بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں اس وقت کا بیان ہو رہا ہے جب معاشرے میں چاروں طرف بگاڑ پھیل چکا ہو، اور ہر شخص اپنی ذات میں اتنا مست ہو کہ دوسرے کی بات سننے کو تیار نہ ہو تو ایسے وقت اپنے آپ کی فکر کرو، اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو، ـــــ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو بالکلیہ چھوڑ دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت "فرد" کی اصلاح کی طرف "اجتماع" کی اصلاح کے مقابلے میں توجہ زیادہ دو، کیونکہ "اجتماع" درحقیقت افراد کے مجموعے ہی کا نام ہے، اگر "افراد" درست نہیں ہیں تو اجتماع" کبھی درست نہیں ہو سکتا، اور اگر "افراد" درست ہیں تو اجتماع خود بخود درست ہو جائیگا۔ لہٰذا اس بگاڑ کو ختم کرنے کا طریقہ درحقیقت انفرادی اصلاح اور انفرادی جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے میں ہے، جس سے شخصیتوں کی تعمیر ہو، اور جب شخصیتوں کی تعمیر ہوگی تو معاشرے کے اندر خود بخود ایسے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوگا جو خود بااخلاق اور باکردار ہونگے، جس کے نتیجے میں معاشرے کا بگاڑ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیگا۔ لہٰذا یہ حدیث دعوت و تبلیغ کو منسوخ نہیں کر رہی، بلکہ اس کا ایک خود کار طریقہ بتا رہی ہے۔

ہماری ناکامی کا ایک اہم سبب

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہماری ناکامیوں کا بڑا اہم سبب میری نظر

میں یہ ہے کہ ہم نے اجتماع کو درست کرنے کی فکر میں فرد کو کھو دیا ہے، اور اس فکر میں کہ ہم پورے معاشرے کی اصلاح کریں گے، فرد کی اصلاح کو بھول گئے ہیں، اور فرد کو بھولنے کے معنی یہ ہیں کہ فرد کو مسلمان بننے کیلئے جن تقاضوں کی ضرورت تھی، جس میں عبادات بھی داخل ہیں، جس میں تعلق مع اللہ بھی داخل ہے، جس میں اخلاق کا تزکیہ بھی داخل ہے، اور جس میں ساری تعلیمات پر عمل بھی داخل ہے، وہ سب پیچھے جا چکے ہیں، لہٰذا جب تک ہم اسکی طرف واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے، اس وقت تک یہ تحریکیں اور ہماری یہ ساری کوششیں کامیاب نہیں ہو ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لن یصلحوا امر ھذہ الامۃ بما صلحوا بہ اولھا

اس امت کے آخری زمانے کی اصلاح بھی اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے زمانے کی اصلاح ہوئی تھی، اس کیلئے کوئی نیا رمولا وجود میں نہیں آئیگا۔ اور پہلے زمانے یعنی صحابہ کرام کے زمانے میں بھی فرد کی اصلاح کے راستے سے معاشرے کی اصلاح ہوئی تھی، لہٰذا اب بھی اصلاح کا وہی ی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

"افغان جہاد" ہماری تاریخ کا انتہائی تابناک باب، لیکن!

آج ہماری توجہ سیاست کی طرف بھی ہے، معیشت کی طرف بھی ہے، معاشرت کی طرف بھی ہے، لیکن فرد کی تعمیر کیلئے اور فرد کی اصلاح کیلئے ادارے نایاب ہیں، ــــــ الا ماشاء اللہ ــــــ اس وجہ سے آج ہماری تحریکیں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں ــ کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر ناکام ہو جاتی ہیں، یہ ناکامی بعض اوقات اس لئے ہوتی ہے کہ یا تو خود ہمارے آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، اور لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے ــ اسکی ایک افسوس ناک مثال ہمارے سامنے موجود ہے افغان جہاد ہماری تاریخ کا انتہائی تابناک باب ہے جس کے مطالعے سے یہ بات

واضح ہوتی ہے کہ

ع ایسی چنگاری بھی یارب میری خاکستر میں تھی

لیکن کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے بعد جو صورت حال ہو رہی ہے اسکو کسی دوسرے کے سامنے ذکر کرتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔

منزل سے دور رہرو منزل تھا مطمئن
منزل قریب آئی تو گھبرا کے رہ گیا

آج جس طرح ہمارے افغان بھائیوں کے اندر خانہ جنگی ہو رہی ہے، اس پر ہر مسلمان کا دل رو رہا ہے، یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اسلئے کہ اس جدوجہد کے جو تقاضے تھے وہ ہم نے پورے نہیں کئے، اگر وہ تقاضے پورے کئے ہوتے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ اس منزل پر پہنچنے کے بعد دنیا کے سامنے جگ ہنسائی کا سبب بنتے ــــــ

بہر حال، ساری تحریکیں بالآخر اس مرحلے پر جاکر رک جاتی ہیں کہ ان میں فردی تعمیر کا حصہ نہیں ہوتا اور ان میں شخصیت کو نہیں سنوارا جاتا، جسکی وجہ سے وہ تحریکیں آگے جاکر ناکام ہو جاتی ہیں۔

ہماری ناکامی کا دوسرا اہم سبب

ہماری ناکامی کا دوسرا سبب میری نظر میں یہ ہے کہ اسلام کے تطبیقی پہلو پر ہمارا کام یا تو مفقود ہے، یا کم از کم ناکافی ہے، اس سے میری مراد یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم نے اجتماعیت پر اتنا زور دیا کہ عملاً اسی کو اسلام کا کل قرار دیدیا، اور دوسری طرف اس پہلو پر کما حقہ غور نہیں کیا کہ آج کے دور میں اسکی تطبیق کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں نہ تو ہم نے کما حقہ غور کیا اور نہ اس کیلئے کوئی منضبط لائحہ عمل تیار کیا، اور اگر کوئی لائحہ عمل تیار کیا تو وہ ناکافی تھا، میں یہ نہیں کہتا کہ ــــــ خدانہ کرے ــــــ اسلام اس دور میں قابل عمل نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات کسی بشری ذہن کی پیداوار نہیں، یہ اس مالک الملک والملکوت کے

احکام ہیں جسکے علم و قدرت سے زمان و مکان کا کوئی حصہ خارج نہیں، لہٰذا جو شخص اسلام کو اس دور میں ناقابل عمل قرار دے، وہ دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کو اس دور میں برپا اور نافذ کرنے کیلئے کوئی طریق کار اختیار کرنا ہوگا۔ اس طریق کار کے بارے میں سنجیدہ تحقیق اور حقیقت پسندانہ غور و فکر اور تحقیق کی کمی ہے۔

ہر دور میں اسلام کی تطبیق کا طریقہ مختلف رہا ہے

ہم اسلام کیلئے کام کر رہے ہیں، اس کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں، اور اسکے عملی نفاذ کیلئے تحریک چلا رہے ہیں، لیکن تحریک چلانے سے پہلے اور تحریک کے دوران سب کے ذہنوں میں یہ بات ہو کہ اسلام کے نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن و سنت کو نافذ کر دیں گے۔ اور یہ کہدیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس فتاویٰ عالمگیری موجود ہے، اسکو سامنے رکھ کر فیصلے کر دیئے جائیں گے ـــــ ہم اس معصوم تصور کو ذہنوں میں رکھ کر آگے بڑھتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ کسی "اصول" کا ابدی ہونا الگ بات ہے، اور مختلف حالات اور مختلف زمانوں میں اس اصول کی تطبیق دوسری بات ہے ـــ اسلام نے جو احکام، جو تعلیمات، جو اصول ہمیں عطا فرمائے، وہ ابدی اور سرمدی ہیں، اور ہر دور کے اندر کار آمد ہیں، لیکن ان کو نافذ کرنے اور برسرکار لانے کیلئے ہر دور، ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً مسجد پہلے بھی بنتی تھی، آج بھی بن رہی ہے، لیکن پہلے کھجور کے پتوں اور شہتیروں سے بنتی تھی، آج سیمنٹ اور لوہے سے بنتی ہے، تو دیکھئے: مسجد بننے کا اصول اپنی جگہ قائم ہے، لیکن اسکے طریق کار بدل گئے، یا مثلاً قرآن کریم نے فرمایا: "واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ" یعنی مخالفین کیلئے جتنی قوت ہو سکے تیار کر لو، لیکن پہلے زمانے میں وہ قوت تیز تلوار اور کمان کی شکل میں ہوتی تھی، اور اب وہ قوت بم، توپ، جہاز،

اور جدید اسلحہ کی شکل میں ہے، لہٰذا ہر دور کے لحاظ سے تطبیق کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔

اسلام کی تطبیق کا طریقہ کیا ہو؟

اسی طرح جب اسلامی احکام کو موجودہ زندگی پر نافذ کیا جائیگا تو یقیناً اس کا کوئی طریق کار متعین کرنا ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ تطبیق کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور آج ہم اسلام کے ان ابدی اور سرمدی اصولوں کو کس طرح نافذ کریں گے؟ اسکے بارے میں ہم ابھی تک ایسا سوچا سمجھا لائحہ عمل تیار نہیں کر سکے جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ پختہ طریق کار ہے ــــ اس کیلئے کوششیں بلاشبہ پورے عالم اسلام میں اور خود ہمارے ملک میں ہو رہی ہیں، لیکن کسی کوشش کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حتمی اور آخری ہے ــــ اور چونکہ ایسا لائحہ عمل موجود نہیں ہے اسلئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی تحریک کے چلنے کے نتیجے میں فرض کرو اقتدار حاصل بھی ہو گیا تو اسکے بعد اسلام کے احکام اور اصولوں کو پوری طرح نافذ اور برپا کرنے میں شدید مسائل پیدا ہونگے۔

نئی تعبیر کا نقطہ نظر غلط ہے

اس سلسلے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ چونکہ اس دور کے اندر ہمیں اسلام کو نافذ کرنا ہے اور یہ دور پہلے کے مقابلے میں بہت کچھ بدلا ہوا ہے، اسلئے اس زمانے میں اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے کیلئے اسلام کی ''نئی تعبیر'' کی ضرورت ہے، اور بعض حلقوں کی طرف سے اس نئی تعبیر کا مظاہرہ اس طرح ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اسلام کی طرف سے سند جواز دیدی جائے، مثلاً سود کو حلال قرار دیدیا جائے، ''قمار'' کو حلال قرار دیدیا جائے، شراب کو حلال قرار دیدیا جائے، بے پردگی کو حلال قرار دیا جائے، گویا کہ اس طرح

ان سب حرام چیزوں کو حلال قرار دینے کیلئے قرآن و حدیث کی نئی تعبیر کی جائے۔

یہ نقطہ نظر غلط ہے اسلئے کہ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جو کچھ آج ہو رہا ہے، وہ سب ٹھیک ہے، اور اسلام کے نافذ ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے، اور جو کچھ مغرب کی طرف سے ہمیں پہنچا ہے وہ جوں کا توں باقی اور جاری رہے، اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس نقطہ نظر کو درست مان لیا جائے تو پھر "اسلام کے نفاذ" کی جدوجہد ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں اسلام کی تطبیق کے طریقے سوچنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلام پر عمل جراحی شروع کر دیا جائے اور اسمیں کتر بیونت کر کے اسے مغربی تصورات کے سانچے میں ڈھال دیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام اصول اور احکام اپنی جگہ باقی رہیں، ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی جائے، لیکن یہ بات طے کی جائے کہ جب ان اصولوں کو اس دور میں برپا کیا جائیگا تو اس صورت میں اس کا عملی طریق کار کیا ہوگا؟ مثلاً تجارت کے بارے میں تمام فقہی کتابوں میں اسلامی اصول اور اسلامی احکام بھرے ہوئے ہیں، لیکن موجودہ دور میں تجارت کے جو نت نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ان کا صریح جواب موجود نہیں، ان مسائل کا جواب قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے مسلم اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، اس بارے میں ابھی ہمارا کام ادھورا اور ناقص ہے، جب تک اس کام کی تکمیل نہیں ہو جاتی، اس وقت تک ہم پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔۔۔ اسی طرح سیاست سے متعلق بھی اسلامی احکام اور اصول موجود ہیں، لیکن ہمارے دور میں جب ان اسلامی احکام کو نافذ کیا جائیگا تو اسکی عملی صورت کیا ہوگی؟ اس بارے میں بھی ہمارا کام ابھی تک ناقص اور ادھورا ہے اس نقص کی وجہ سے بھی ہم بعض اوقات ناکامیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال میری نظر میں مندرجہ بالا دو بنیادی سبب ہیں، اور دونوں کا تعلق درحقیقت فکری اسباب سے ہے۔ پہلا سبب: فرد کی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر کی طرف سے غفلت اور اس اصلاح کے بغیر اجتماعی امور میں داخل ہو جانا۔ دوسرا سبب: اسلام کے تطبیقی پہلو پر جس سنجیدگی اور متانت سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس کا ناکافی ہونا۔ یہ دو اسباب ہیں اگر ہم ان کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں اور ان کے ازالے کی فکر ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاتے اور ہم ان کا بہتر طور پر ازالہ کر سکیں تو پھر ہے کہ انشاء اللہ پوری ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ دن دکھائے جب یہ بیداری کی تحریکیں صحیح معنی میں کامیاب ہوں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اصلاحی خطبات

جلد ۷

- گناہوں کی لذت، ایک دھوکہ
- اپنی فکر کریں
- گناہ گار سے نفرت مت کیجئے
- دینی مدارس دین کی حفاظت کے قلعے
- بیماری اور پریشانی ایک نعمت
- حلال روزگار نہ چھوڑیں
- سودی نظام کی خرابیاں اور اس کا متبادل
- سنت کا مذاق نہ اڑائیں
- تقدیر پر راضی رہنا چاہیئے
- فتنہ کے دور کی نشانیاں
- مرنے سے پہلے موت کی تیاری کیجئے
- غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں
- معاملاتِ جدیدہ اور علماء کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

۷

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ مئی ۱۹۹۷ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال، کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳ ☎

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۹!
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی
- مکتبۃ الاسلام، البی فلورل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللّٰہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً دو سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک

مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آتی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی ساتویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ چھٹی جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے ساتویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آ گئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے ساتویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

اجمالی فہرست

جلد ۷

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

گناہوں کی لذت ایک دھوکہ

عنوان	صفحہ نمبر

اپنی فکر کریں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

گناہگاروں سے نفرت مت کیجئے

دینی مدارس دین کی حفاظت کے قلعے

عنوان	صفحہ نمبر

بیماری اور پریشانی ایک نعمت

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

حلال روزگار نہ چھوڑیں

سودی نظام کی خرابیاں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
"مشارکت" کے بہترین نتائج	۱۶۶
عملی دشواری کا حل	۱۶۷
دوسری متبادل صورت "اجارہ"	۱۶۷
تیسری متبادل صورت "مرابحہ"	۱۶۸
پسندیدہ متبادل کون سا ہے؟	۱۶۹
عصر حاضر میں اسلامی معیشت کے ادارے	۱۷۰

سُنّت کا مذاق نہ اڑائیں

عنوان	صفحہ نمبر

تقدیر پر راضی رہنا چاہئے

عنوان	صفحہ نمبر

فتنہ کے دور کی نشانیاں

عنوان	صفحہ نمبر

مرنے سے پہلے موت کی تیاری کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
◆ ندامت اور توبہ کے ذریعہ درجات کی بلندی	۲۸۵
◆ ایسی تیسی میرے گناہوں کی	۲۸۶
◆ نفس سے زندگی بھر کی لڑائی ہے	۲۸۶
◆ تم قدم بڑھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تھام لیں گے	۲۸۷
◆ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے؟	۲۸۸
◆ ہمت اور حوصلہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو	۲۸۹
◆ ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں	۲۹۰

غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں

معاملات جدیدہ اور علماء کی ذمہ داریاں

عنوان	صفحہ نمبر

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

گناہوں کی لذّت ایک دھوکہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہوں کی لذت ایک دھوکہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: حجبت النار بالشھوات وحجبت الجنۃ بالمکارہ﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دوزخ پر خواہشات نفسانی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور جنت پر ان چیزوں کا پردہ پڑا ہوا ہے جن کو انسان دنیا کے اندر مشکل اور پر مشقت محسوس کرتا ہے اور ناپسندیدہ سمجھتا ہے۔

جنت اور جہنم پردے میں

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے امتحان اور آزمائش کا گھر بنایا ہے اس آزمائش کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے اس امتحان میں کامیابی حاصل کرے۔ اگر

دوزخ سامنے کردی جاتی کہ دیکھو یہ دوزخ ہے اور اس میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس عذاب کا مشاہدہ ہو جاتا۔ اور دوسری طرف جنت سامنے کردی جاتی کہ اس جنت کی نعمتیں اور اس کے پُرکیف مناظر سامنے ہوتے، اور پھر انسان سے کہا جاتا کہ تم ان دونوں مقامات میں سے ایک مقام کو اپنے لئے اختیار کرلو اور اس کے راستے پر چل پڑو۔ پھر تو یہ امتحان نہ ہوتا۔ یہ امتحان اس طرح رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت بھی پیدا فرمائی اور جہنم بھی پیدا فرمائی۔ لیکن جہنم پر نفسانی خواہشات کا پردہ ڈال دیا اور وہ نفسانی خواہشات انسان کو جہنم کی طرف لے جانا چاہتی ہیں۔ مثلاً دل چاہتا ہے کہ فلاں کام کرلوں حالانکہ وہ کام دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ اور دوسری طرف جنت پر مکروہات کا پردہ ڈال دیا اور ایسی چیزوں کا پردہ ڈال دیا جن کو انسان کا نفس بُرا سمجھتا ہے۔ مثلاً یہ کہ صبح سویرے اٹھو، اپنی نیند کو چھوڑو، مسجد کی طرف جاؤ، نماز فجر ادا کرو، ذکر کرو، گناہوں کو چھوڑو۔ اب انسان کا نفس ان باتوں کو بظاہر بُرا سمجھتا ہے لیکن جنت کو ان کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے اور اس پر ان کا پردہ ڈال دیا ہے۔

جہنم کے انگارے خریدنے والا

جتنی چیزیں نفسانی شہوات سے متعلق ہیں۔ اگر انسان ان کے پیچھے اس طرح چل پڑے کہ جو جی میں آئے کر گزرے اور یہ نہ دیکھے کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے، جائز ہے یا ناجائز ہے تو اس صورت میں یہ راستہ سیدھا جہنم کی طرف لے جائے گا۔ مثلاً انسان کا دل کھیل تماشوں کی طرف بہت مائل ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں تو کھیل تماشوں کے لئے باقاعدہ جگہیں مقرر ہوتی تھیں۔ وہاں جانا پڑتا تھا۔ ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا۔ لیکن اب تو گھر گھر میں کھیل تماشے ہو رہے ہیں۔ یہ سب شہوتیں ہیں اور نفسانی خواہشات ہیں۔ جن کو پورا کرنے کے لئے انسان پیسے خرچ کر رہا ہے۔ اور پیسے خرچ کر کے بازار جا کر دوڑ دھوپ کر کے محنت اور مشقت برداشت کر کے کھیل تماشوں کا سامان خرید رہا ہے۔ گویا اپنے گھر کے اندر، اپنے ڈرائنگ روم میں، اپنے بیڈ روم میں اور اپنے بچوں

کے لئے دوزخ کے انگارے خرید کر لا رہا ہے۔ جنت کا سامان کرنے کے بجائے جہنم کا سامان کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کر رہا ہے کہ خواہشات کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر یہ پردہ اٹھ جائے اور حقیقت شناس نگاہ پیدا ہو جائے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ میں یہ سارے کام جو کر رہا ہوں در حقیقت جہنم میں لے جانے والے کام ہیں۔

جنت کی طرف جانے والا راستہ

دوسری طرف جنت کے اوپر مکروہات اور ناپسندیدہ چیزوں کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ انسان کا نفس یہ نہیں چاہتا کہ عبادات اور طاعات کی طرف چلے۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مانے، لیکن یہی راستہ جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ جو آدمی ایک مرتبہ ہمت کر کے شہوات کے راستے سے اپنے آپ کو بچا لے۔ اور اس راستے پر چل پڑے جو بظاہر پُر مشقت نظر آ رہا ہے تو وہ انسان سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

ہر خواہش کو پورا کرنے کی فکر

اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ کبھی خواہشاتِ نفس کے دھوکے میں مت پڑو اس لئے کہ یہ خواہشاتِ نفس ایسی چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور دنیا کے اندر کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو یہ کہے کہ میں جو کچھ خواہش کرتا ہوں وہ پوری ہو جاتی ہے۔ دنیا میں کوئی انسان چاہے وہ بڑے سے بڑا سرمایہ دار ہو۔ بڑے سے بڑا بادشاہ ہو۔ بڑے سے بڑا صاحب اقتدار ہو۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، اس کو بھی تکلیف اور صدمہ پہنچتا ہے۔ یہ دنیا مستقل راحت کی جگہ نہیں ہے اس لئے اس دنیا میں تکلیف تو پہنچتی ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ چاہو تو زبردستی اپنے نفس کو تکلیف پہنچا لو یا اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نفس کو تکلیف پہنچاؤ اور یہ ارادہ کر لو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام سے منع کیا ہے اس لئے میں اپنے نفس کو اس کام سے

باز رکھوں گا۔ پہلا راستہ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے اور دوسرا راستہ جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ لہٰذا یہ عادت جو پڑ گئی ہے کہ جو خواہش بھی پیدا ہو وہ ضرور پوری ہو جائے اور اس خواہش کے پورا نہ ہونے کی صورت میں وہ غمگین اور پریشان و رہا ہے۔ یہ عادت ختم کرو۔ اس لئے کہ یہ عادت جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔

انسان کا نفس لذتوں کا خوگر ہے

ہمارا اور آپ کا نفس یعنی وہ قوت جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف اُبھارتی ہے وہ نفس دنیاوی لذتوں کا عادی بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جس کام میں اس کو ظاہری لذت اور مزہ آتا ہے اس کی طرف یہ دوڑتا ہے، یہ اس کی جبلت اور خصلت ہے کہ ایسے کاموں کی طرف انسان کو مائل کرے، یہ انسان سے کہتا ہے کہ یہ کام کرلو تو مزہ آجائے گا، یہ کام کرلو تو لذت حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہار چھوڑ دے اور جو بھی لذت کے حصول کا تقاضہ پیدا ہو اس پر عمل کرتا جائے اور نفس کی ہر بات مانتا جائے تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان انسان نہیں رہتا بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

خواہشاتِ نفسانی میں سکون نہیں

نفسانی خواہشات کا اصول یہ ہے کہ اگر ان کی پیروی کرتے جاؤ گے اور ان کے پیچھے چلتے جاؤ گے اور اس کی باتیں مانتے جاؤ گے تو پھر کسی حد پر جاکر قرار نہیں آئے گا، انسان کا نفس کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اب ساری خواہشات پوری ہو گئیں اب مجھے کچھ نہیں چاہئے، یہ کبھی زندگی بھر نہیں ہوگا، اس لئے کہ کسی انسان کی ساری خواہشات اس کی زندگی میں پوری نہیں ہو سکتیں اور اس کے ذریعہ کبھی قرار اور سکون نصیب نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نفس کے ہر تقاضے پر عمل کرتا جاؤں اور ہر خواہش پوری کرتا جاؤں تو کبھی اس شخص کو قرار نہیں آئے گا۔

کیوں؟ اس لئے کہ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اٹھانے کے بعد اور ایک مرتبہ لذت حاصل کر لینے کے بعد یہ فوراً دوسری لذت کی طرف بڑھتا ہے۔ لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل چل کر سکون حاصل کر لیں تو ساری عمر بھی سکون نہیں ملے گا، تجربہ کر کے دیکھ لو۔

لطف اور لذّت کی کوئی حد نہیں ہے

آج جن کو ترقی یافتہ اقوام کہا جاتا ہے انہوں نے یہی کہا ہے کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں کوئی دخل اندازی نہ کرو، جس کی مرضی میں جو کچھ آرہا ہے وہ اس کو کرنے دو، اور جس شخص کو جس کام میں مزہ آرہا ہے وہ اسے کرنے دو، نہ اس کا ہاتھ روکو اور نہ اس پر کوئی پابندی لگاؤ اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج انسان کو لطف حاصل کرنے اور مزہ حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نہ قانون کی رکاوٹ، نہ مذہب کی رکاوٹ، نہ اخلاق کی رکاوٹ، نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے، کوئی پابندی نہیں ہے اور ہر شخص وہ کام کر رہا ہے جو اس کی مرضی میں آرہا ہے۔ اور اگر اس شخص سے کوئی پوچھے کہ کیا تمہارا مقصد حاصل ہو گیا؟ تم جتنا لطف اس دنیا سے حاصل کرنا چاہتے تھے کیا لطف کی وہ آخری منزل اور مزے کا وہ آخری درجہ تمہیں حاصل ہو گیا، جس کے بعد تمہیں اور کچھ نہیں چاہئے؟ کوئی شخص بھی اس سوال کا "ہاں" میں جواب نہیں دے گا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے اور مل جائے، مجھے اور مل جائے، آگے بڑھتا چلا جاؤں۔ اس لئے کہ ایک خواہش دوسری خواہش کو ابھارتی رہتی ہے۔

علانیہ زناکاری

مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جاؤ کوئی رکاوٹ

نہیں، کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا وہ آنکھوں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ زنا اس قدر عام ہو جائے گا کہ دنیا میں سب سے نیک شخص وہ ہوگا کہ دو آدمی ایک سڑک کے چوراہے پر بدکاری کا ارتکاب کر رہے ہوں گے، وہ شخص آکر ان سے کہے گا کہ اس درخت کی اوٹ میں کرلو، وہ ان کو اس کام سے منع نہیں کرے گا کہ یہ کام بُرا ہے، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ یہاں سب کے سامنے کرنے کے بجائے اس درخت کی اوٹ میں جاکر کرلو، وہ کہنے والا شخص سب سے نیک آدمی ہوگا۔ آج وہ زمانہ تقریباً آچکا ہے، آج کھلم کھلا بغیر کسی رکاوٹ اور پردے کے یہ کام ہو رہا ہے۔

امریکہ میں "زنا بالجبر" کی کثرت کیوں؟

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے جنسی جذبات کو تسکین دینے کے لئے حرام طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود "زنا بالجبر" کے واقعات جتنے امریکہ میں ہوتے ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتے، حالانکہ رضامندی کے ساتھ یہ کام کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، جو آدمی جس طرح چاہے اپنے جذبات کو تسکین دے سکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا کرکے دیکھ لیا، اس میں جو مزہ تھا وہ حاصل کرلیا، لیکن اس کے بعد اس میں بھی قرار نہ آیا تو اب باقاعدہ یہ جذبہ پیدا ہوا کہ یہ کام زبردستی کرو تاکہ زبردستی کرنے کا جو مزہ ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔ لہٰذا یہ انسانی خواہشات کسی مرحلے پر جاکر رکتی نہیں ہیں، بلکہ اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں اور یہ ہوس کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ پیاس بجھنے والی نہیں

آپ نے ایک بیماری کا نام سنا ہوگا جس کو "جوع البقر" کہتے ہیں، اس بیماری کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بھوک لگتی رہتی ہے، جو دل چاہے کھالے، جتنا چاہے کھالے

مگر بھوک نہیں مٹتی۔ اسی طرح ایک اور بیماری ہے، جس کو "استسقاء" کہا جاتا ہے، اس بیماری میں انسان کو پیاس لگتی رہتی ہے، گھڑے کے گھڑے پی جائے، کنویں بھی ختم کر جائے، مگر پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حال انسان کی خواہشات کا ہے، اگر ان کو قابو نہ کیا جائے اور ان پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور جب تک ان کو شریعت اور اخلاق کے بندھن میں نہ باندھا جائے، اس وقت تک اس کو "استسقاء" کی بیماری کی طرح لطف و لذت کے کسی بھی مرحلے پر جاکر قرار نصیب نہیں ہوتا، بلکہ لذت کی وہ ہوس بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

گناہوں کی لذت کی مثال

اور پھر گناہوں کے اندر بے شک لذت موجود ہے، گناہ کرنا بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے اور اس دنیا کے اندر یہی تو آزمائش ہے کہ گناہ دیکھنے میں اچھا لگتا ہے۔ اور دل اس کی طرف کھنچتا ہے۔ اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ مزہ آتا ہے۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی لذت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خارش کے مریض کو کھجانے میں مزہ آتا ہے۔ اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کو اس کھجانے سے روکا جائے تو وہ باز نہیں آتا۔ لیکن جتنا کھجاؤ گے اتنا ہی اس خارش کی بیماری میں اضافہ ہوگا۔ اب بظاہر تو کھجانے میں لذت محسوس ہو رہی ہے۔ مزہ آرہا ہے، لیکن کھجا کر فارغ ہونے کے بعد اس جگہ پر جو سوزش اور جلن ہوگی اور تکلیف ہوگی اس کے مقابلے میں وہ وقتی لذت ہیچ ہے۔ اسی طرح گناہ کی لذت بھی ایک وقتی اور عارضی اور ظاہری لذت ہے۔ حقیقی لذت نہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے ذکر و فکر کی لذت عطا فرمادیں اور اپنی یاد کی لذت عطا فرمادیں اور اس میں منہمک فرمادیں تو وہ ایسی دائمی اور پائیدار لذت ہے کہ اس کے مقابلے میں گناہ کی لذت کوئی حقیقت نہیں رکھتی بلکہ ہیچ در ہیچ ہے۔

تھوڑی سی مشقت برداشت کرلو

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو، ان کا اتباع مت کرو، اس لئے کہ یہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے میں لے جاکر ڈال دے گی۔ بلکہ اس کو ذرا قابو میں رکھو اور اس کو کنٹرول کر کے شریعت کی معقول حدود کے اندر رکھو۔ اور اگر تم رکھنا چاہو گے تو شروع شروع میں یہ نفس تمہیں ذرا تنگ کرے گا، تکلیف ہوگی، صدمہ ہوگا، دکھ ہوگا، ایک کام کو دل چاہ رہا ہے مگر اس کو روک رہے ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ ٹی وی دیکھیں اور اس میں جو خراب خراب فلمیں آرہی ہیں وہ دیکھیں، یہ نفس کا تقاضہ ہو رہا ہے۔ اب جو آدمی اس کا عادی ہے اس سے کہو کہ اس کو مت دیکھو اور اس نفسانی تقاضہ پر عمل نہ کرو تو اگر وہ نہیں دیکھے گا اور آنکھ کو اس سے روکے گا تو شروع میں اس کو وقت ہوگی اور مشقت ہوگی، برا لگے گا۔ اس لئے کہ وہ دیکھنے کا عادی ہے اس کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا، لطف نہیں آتا۔

یہ نفس کمزور پر شیر ہے

لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے اس نفس کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس مشقت اور تکلیف کے باوجود ایک مرتبہ ڈٹ جائے کہ چاہے مشقت ہو یا تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، تب بھی یہ کام نہیں کروں گا، جس دن یہ شخص نفس کے سامنے اس طرح ڈٹ گیا بس اس دن سے یہ نفسانی خواہشات خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہوجائیں گی۔ یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیر ہیں، جو اس کے سامنے بھیگی بلی بنا رہے اور اس کے تقاضوں پر چلتا رہے اس کے اوپر یہ چھا جاتا ہے اور غالب آجاتا ہے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ پختہ ارادہ کر کے اس کے سامنے ڈٹ گیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، چاہے کتنا تقاضہ ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں تو پھر یہ نفس ڈھیلا پڑ

جاتا ہے اور اس کام کے نہ کرنے پر پہلے دن جتنی تکلیف ہوئی تھی دوسرے دن اس سے کم ہوگی اور تیسرے دن اس سے کم اور ہوتے ہوتے وہ تکلیف ایک دن بالکل رفع ہوجائے گی اور نفس اس کا عادی بن جائے گا۔

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کا "قصیدہ بردہ" بہت مشہور ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس میں انہوں نے ایک عجیب وغریب حکیمانہ شعر کہا ہے ۔

النفس کا لطفل ان تهمله شب علی
حب الرضاع وان تفطمه ینفطم

یہ انسان کا نفس ایک چھوٹے بچے کی طرح ہے جو ماں کا دودھ پیتا ہے اور پھر وہ بچہ دودھ پینے کا عادی بن گیا، اب اگر اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو وہ بچہ کیا کرے گا؟ روئے گا چلّائے گا، شور کرے گا۔ اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ دودھ چھڑانے سے بچے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے چلو چھوڑو، اسے دودھ پینے دو اور وہ بچہ دودھ پیتا رہے۔ تو علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بچے کو اس طرح دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جوان ہوجائے گا اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائے گا۔ اس لئے کہ تم اس کی تکلیف، اس کی فریاد اور اس کی چیخ وپکار سے ڈر گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دودھ نہیں چھڑا سکے۔ اب اگر اس کے سامنے روٹی لاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں تو نہیں کھاؤں گا۔ میں تو دودھ ہی پیوں گا۔ لیکن دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوں گے جو یہ کہیں کہ چونکہ بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہو رہی ہے اس لئے دودھ نہیں چھڑاتے۔ ماں باپ جانتے ہیں کہ بچہ دودھ چھڑانے سے روئے گا، چلّائے گا، رات کو نیند نہیں آئے گی۔ خود بھی جاگے گا، ہمیں بھی جگائے گا، لیکن پھر بھی دودھ چھڑاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ بچے کی بھلائی اسی میں

ہے۔ اگر آج اس کو دودھ نہ چھڑایا گیا تو ساری عمر یہ کبھی روٹی کھانے کے لائق نہیں ہوگا۔

اس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ انسان کا نفس بھی بچے کی مانند ہے۔ اس کے منہ کو گناہ لگے ہوئے ہیں۔ گناہوں کا ذائقہ اور اس کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ اگر تم نے اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا کہ چلو کرنے دو، گناہ چھڑانے سے تکلیف ہوگی۔ نظر غلط جگہ پر پڑتی ہے اور اس کو ہٹانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ زبان کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہے، اگر جھوٹ بولنا چھوڑیں گے تو بڑی تکلیف ہوگی۔ اور اس زبان کو مجلسوں کے اندر بیٹھ کر غیبت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے، اگر اس کو روکیں گے تو بڑی وقت ہوگی۔ نفس ان باتوں کا عادی بن گیا ہے۔ رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اللہ بچائے، سود کھانے کی عادت پڑ گئی۔ اور بہت سے گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے، اور اب ان عادتوں کو چھڑانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر نفس کی اس تکلیف سے گھبرا کر اور ڈر کر بیٹھ گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری عمر نہ کبھی گناہ چھوٹیں گے اور نہ قرار ملے گا۔

سکون اللہ کے ذکر میں ہے

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قرار اور سکون نہیں ہے، ساری دنیا کے اسباب و وسائل جمع کر لئے لیکن اس کے باوجود سکون نصیب نہیں۔ چین نہیں ملتا۔ میں نے آپ کو ابھی مغربی معاشرے کی مثال دی تھی کہ وہاں پیسے کی ریل پیل، تعلیم کا معیار بلند، لذت حاصل کرنے کے سارے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے کہ جس طرح چاہو لذت حاصل کرلو۔ لیکن اس کے باوجود یہ حال ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کھا کر اس کی مدد سے سو رہے ہیں۔ کیوں؟ دل میں سکون و قرار نہیں۔ سکون کیوں نہیں ملا؟ اس

لئے کہ گناہوں میں سکون کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ یاد رکھو! ان گناہوں اور نافرمانیوں اور معصیتوں میں سکون نہیں۔ سکون تو صرف ایک چیز میں ہے اور وہ ہے:

﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ (سورۃ الرعد:۲۸)

اللہ کی یاد میں اطمینان اور سکون ہے، اس واسطے یہ سمجھنا دھوکہ ہے کہ نافرمانیاں کرتے جائیں گے اور سکون ملتا جائے گا۔ یاد رکھو! زندگی بھر نہیں ملے گا، اس دنیا سے تڑپ تڑپ کر جاؤ گے، اگر نافرمانیوں کو نہ چھوڑا تو سکون کی منزل حاصل نہ ہوگی۔

سکون اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کے دل میں اس کی محبت ہو، جن کے دل میں اس کی یاد ہو، جن کا دل اس کے ذکر سے آباد ہو۔ ان کے سکون اور اطمینان کو دیکھو کہ ظاہری طور پر پریشان حال بھی ہیں، فقروفاقے بھی گزر رہے ہیں، لیکن دل کو سکون اور قرار کی نعمت میسّر ہے، لہٰذا اگر دنیا کا بھی سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان نافرمانیوں اور گناہوں کو تو چھوڑنا پڑے گا، اور گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ذرا سا مجاہدہ کرنا پڑے گا، نفس کے مقابلے میں ذرا سا ڈٹنا پڑے گا۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا

اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی فرمالیا کہ:

﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا﴾

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا، شیطان کا اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کیا کرتے ہیں:

﴿لنھدینھم سبلنا﴾

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھادیا کہ "یہ راستہ ہے۔" بلکہ فرمایا کہ ہم اس کا ہاتھ

پکڑ کر لے جائیں گے۔ لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے، ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا "مجاہدہ" اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کر لے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے، خواہشات پامال ہو جائیں گی، دل ودماغ پر قیامت گزر جائے گی، لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا۔ جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا، اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جائیں گے۔

اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

اس لئے اصلاح کے راستے میں سب سے پہلا قدم "مجاہدہ" ہے اس کا عزم کرنا ہو گا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں وہ چاہے برباد ہو جائیں، چاہے ان کا خون ہو جائے، اب میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اب تو اس کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے، اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہو گا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو گی، اب یہ گناہ نہیں ہوں گے۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے اور لطف آنے لگتا ہے۔ جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کو جو خون کر رہا ہوں یہ اپنے

مالک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں تو اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟

ماں کو دیکھئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے اور کڑکڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لپٹی ہوئی ہے اور بچہ پاس پڑا ہے۔ اس حالت میں اس بچے نے پیشاب کر دیا، اب نفس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں، یہ تو جاڑے کا موسم ہے، گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا، اس کے کپڑے گیلے ہیں۔ اس طرح گیلا پڑا رہے گا تو کہیں اس کو بخار نہ ہو جائے۔ اس کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضہ چھوڑ کر سخت کڑاکے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اس کے کپڑے دھو رہی ہے، اور اس کے کپڑے بدل رہی ہے، یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے؟ لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اس کی صحت ماں کے پیش نظر ہے، اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پامال کر کے یہ سارے کام کر رہی ہے۔

محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے

ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی اولاد نہیں ہے، وہ کہتی ہے بھائی! کسی طرح میرا علاج کراؤ تا کہ بچہ ہو جائے، اولاد ہو جائے، اور اس کے لئے دعائیں کراتی پھرتی ہے کہ دعا کرو اللہ میاں سے کہ مجھے اولاد دے دے، اور اس کے لئے تعویذ، گنڈے اور خدا جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے، ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ ارے! تو کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہوگا تو تجھے بہت سی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی، جاڑے کی راتوں میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھونے ہوں گے، تو وہ عورت جواب دیتی

ہے کہ میرے ایک بچے پر ہزار جاڑوں کی راتیں قربان ہیں اس لئے کہ اس بچے کی قدر وقیمت اور اس کے دولت ہونے کا احساس اس کے دل میں ہے، اس واسطے اس ماں کے لئے ساری تکلیفیں راحت بن گئیں، وہ ماں جو اللہ سے مانگ رہی ہے کہ یااللہ! مجھے اولاد دے دے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں ہیں، جتنی تکلیفیں ہیں وہ دے دے، لیکن وہ تکلیفیں اس کی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں، بلکہ وہ راحت ہیں۔
اب جو ماں جاڑے کی رات میں اٹھ کر کپڑے دھو رہی ہے اس کو طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے کہ میں یہ کام اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں، جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنی آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں:

از محبت تلخہا شیریں شود

کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر کر رہا ہوں۔

مولیٰ کی محبت لیلیٰ سے کم نہ ہو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں۔ لیلیٰ مجنون کا قصہ لکھا ہے کہ مجنون لیلیٰ کی خاطر کس طرح دیوانہ بنا، اور کیا کیا مشقتیں اٹھائیں، دودھ کی نہر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا اور کام شروع بھی کر دیا، یہ ساری مشقتیں اٹھا رہا ہے، کوئی اس سے کہے کہ وہ یہ جو کام کر رہا ہے یہ بڑی مشقت کا کام ہے اسے چھوڑ دے، تو وہ کہتا ہے کہ ہزار مشقتیں قربان، جس کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں اس کی محبت میں کر رہا ہوں، مجھے تو اسی نہر کھودنے میں مزہ آرہا ہے، اس لئے کہ یہ میں اپنی محبوب کی خاطر کر رہا ہوں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے۔ مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ لہٰذا جب آدمی محبت کی خاطر یہ تکلیفیں اٹھاتا ہے تو پھر بڑا لطف آنے لگتا ہے۔

تنخواہ سے محبت ہے

ایک آدمی ملازمت کرتا ہے، جس کے لئے صبح سویرے اٹھنا پڑتا ہے، اچھی خاصی سردی میں بستر پر لیٹا ہوا ہے اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جارہا ہے، نفس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا لیکن گھر چھوڑ کر، بیوی بچوں کو چھوڑ کر جارہا ہے۔ اور سارا دن محنت کی چکی پیسنے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے۔ اور بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں۔ غرض وہ شخص یہ سب تکلیفیں برداشت کر رہا ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو، چلو میں تمہاری ملازمت چھڑا دیتا ہوں۔ وہ جواب دے گا نہیں بھائی نہیں، بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے اس کو مت چھڑوانا۔ اس کو صبح سویرے اٹھ کر جانے میں ہی مزہ آرہا ہے، اور اولاد کو، بیوی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کو اس تنخواہ سے محبت ہو گئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنے والی ہے، اس محبت کے نتیجے میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں، اب اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے جب صبح سویرے اٹھ کر جایا کرتا تھا۔ اور لوگوں سے سفارشیں کراتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے۔ اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستے کی ساری تکلیفیں آسان اور مزے دار ہو جاتی ہیں، اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے، شروع میں مشقت ہوگی، لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے اور اس کے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسان کے اس نفس کو لذت اور مزہ چاہئے، اس کی خوراک لذت اور مزہ ہے لیکن لذت اور مزے کی کوئی خاص شکل اس کو مطلوب نہیں کہ فلاں قسم کا مزہ چاہئے اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے، بس اس کو تو مزہ چاہئے۔ اب تم نے اس کو خراب قسم کے مزے کا عادی بنادیا ہے اور خراب قسم کی لذتوں کا عادی بنادیا ہے، ایک مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے محدثین اور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو محض اپنے فضل وکرم سے علم کی، عبادت کی اور اللہ کی یاد اور ذکر کی جو لذت عطا فرمائی ہوئی ہے اگر اس لذت کی اطلاع اور خبران بڑے بڑے بادشاہوں اور سرمایہ داروں کو ہو جائے تو وہ تلواریں سونت کر ہمارے پاس آجائیں کہ یہ لذت ہمیں بھی دو۔ لیکن چونکہ ان کو پتا نہیں کہ ہم لوگ لذت کے کس عالم میں ہیں، اور کس کیف میں زندگی گزار رہے ہیں، اس لذت کی ہوا بھی ان کو نہیں لگی۔ اس لئے وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان گناہوں کے اندر بھی مزہ ہے۔ لیکن حقیقی لذت اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمائی ہے۔

مجھے تو دن رات بے خودی چاہئے

غالب کا ایک مشہور شعر ہے، خدا جانے لوگ اس کا کیا مطلب لیتے ہوں گے لیکن ہمارے حضرتؒ نے اس کا بڑا اچھا مطلب نکالا ہے وہ شعر ہے ۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

یعنی شراب سے مجھ کو کوئی تعلق نہیں، مجھے تو دن رات لذت کی بے خودی چاہئے، تم نے مجھے شراب کا عادی بنادیا تو مجھے شراب میں بے خودی حاصل ہو گئی اور شراب میں لذت آنے لگی، اگر تم مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر اور اس کی اطاعت کا عادی بنادیتے تو یہ بے خودی مجھے اللہ کے ذکر میں حاصل ہو جاتی، میں تو اسی میں خوش ہو جاتا، لیکن یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم نے مجھے ان چیزوں کے بجائے شراب کا عادی بنادیا۔

نفس کو کچلنے میں مزہ آئے گا

اسی طرح یہ مجاہدہ شروع میں تو بڑا مشکل لگتا ہے کہ بڑا کٹھن سبق دیا جارہا ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرو، اپنے نفس کی خواہشات کی خلاف ورزی کرو۔ نفس تو چاہ رہا ہے کہ غیبت کروں۔ مجلس میں غیبت کرنے کا موضوع آگیا، اب جی چاہ رہا ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں، اب اس وقت اس کو لگام دینا کہ نہیں، یہ کام مت کرو، یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ دور دور سے یہ مشکل نظر آتا ہے۔ جب آدمی نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ یہ کام نہیں کروں گا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور فضل و کرم سے مدد بھی ہوگی۔ اور پھر تم نے اس لذت، آرزو اور خواہش کو جو کچلا ہے، اس کچلنے میں جو مزہ آئے گا انشاء اللہ ثم انشاء اللہ اس کی حلاوت اس غیبت کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ایمان کی حلاوت حاصل کرلو

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ایک شخص کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈالوں، اور کون شخص ہے جس کے دل میں یہ تقاضہ نہیں ہوتا، اب دل بڑا کسمسارہا ہے کہ اس کو دیکھ ہی لوں، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت کے خیال سے نظر کو بچالیا اور نگاہ نہیں ڈالی، تو اس میں بڑی تکلیف تو ہوئی، دل پر آرے چل گئے، لیکن اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے دیکھنے کی لذت ہیچ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے اور حدیث میں موجود ہے۔

(مسند احمد، جلد ۵ صفحہ ۲۶۴)

یہ وعدہ صرف نگاہ کے گناہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر گناہ چھوڑنے پر یہ وعدہ ہے، مثلاً غیبت میں بڑا مزہ آرہا ہے لیکن ایک مرتبہ آپ نے اللہ جل جلالہ کے خیال سے غیبت چھوڑ دی اور غیبت کرتے کرتے رک گئے۔ اللہ کے ڈر کے خیال سے غیبت کا کلمہ زبان پر آتے آتے رک گیا، پھر دیکھو کیسی لذت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان گناہوں کی لذت کے مقابلے میں اس لذت کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔

حاصل تصوف

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی، یاد رکھنے کے لائق ہے، فرمایا: "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب دل میں کسی اطاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو، مثلاً نماز کا وقت ہوگیا لیکن نماز کو جانے میں سستی ہورہی ہے تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس اطاعت کو کرے، اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس گناہ سے بچے" پھر فرمایا کہ: "بس اسی

سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے، اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہوجائے اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں" لہذا نفسانی خواہشات پر آرے چلا چلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر جب اس کو کچل دیا تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن گیا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک مثال دیا کرتے تھے۔ اب تو وہ زمانہ چلا گیا، پہلے زمانے میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے، وہ کشتہ بنایا کرتے تھے، سونے کا کشتہ، چاندی کا کشتہ، سنکھیا کا کشتہ اور نہ جانے کیا کیا کشتے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بن جاتا تھا اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلایا جائے گا اتنا ہی اس کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتہ طلاء تیار ہوگیا، کوئی اس کو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی۔ تو جب سونے کو جلا جلا کر مٹا مٹا کر پامال کر کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہوگیا۔ ہمارے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان خواہشاتِ نفس کو جب کچلو گے اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کردو گے تب یہ کشتہ بن جائے گا، اس میں اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق کی قوت آجائے گی، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت آجائے گی۔ اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جائے گا، تو اس دل کو جتنا توڑو گے اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

تم اس پر جتنی چوٹیں لگاؤ گے اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہوگا، بنانے والے نے اس کو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے، اس کی خاطر اس کی خواہشات کو کچلا جائے، اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر

صاحب قدس اللہ سرہ کیا اچھا شعر پڑھا کرتے تھے کہ ۔

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

اور کچھ بنائیں گے، یعنی وہ جو چاہیں گے وہ بنائیں گے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ خواہشاتِ نفس کو کچلنے سے جو چوٹیں لگ رہی ہیں اور جو تکلیف ہو رہی ہے وہ بے کار جا رہی ہیں بلکہ اس کے بعد جب یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل بنے گا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد کا محل بنے گا تو اس وقت اس کو جو حلاوت نصیب ہوگی خدا کی قسم اس کے مقابلے میں گناہوں کی یہ ساری لذتیں خاک در خاک ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں اور ہماری فہم کو درست فرمائے۔ اور ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اپنی فکر کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/ ۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۶ر مئی ۱۹۹۴ء

مقام خطاب : مسجد اقصیٰ بے ایریا
کورنگی۔ کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۔ ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی فکر کریں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه اجمعين ، وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيراً—

اما بعد!

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم،

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿يا ايها الذين آمنوا عليكم انفسكم لا يضركم من ضلّ اذا اهتديتم، الى الله مرجعكم جميعًا

فینبئکم بما کنتم تعملون﴾ (سورۃ المائدۃ: ۱۰۵)
آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین﴾

ایک آیت پر عمل

یہ قرآن کریم کی ایک مختصر سی آیت ہے۔ قرآن کریم کا یہ عجیب وغریب اعجاز ہے کہ اس کی کوئی آیت مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر انسان اس کو ٹھیک طرح سمجھ کر اس پر عمل کرلے تو اس کی زندگی کو درست کرنے کے لئے تنہا ایک آیت بھی کافی ہوجاتی ہے۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے' اس آیت میں ایک عجیب وغریب حقیقت کا بیان فرمایا گیا ہے اور پوری اُمتِ مُسلمہ کو ایک عجیب ہدایت دی گئی ہے۔ اگر یہ ہدایت ہمارے دلوں میں اتر جائے اور ہم اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد کرلیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ہمارے سارے مصائب و آلام کا خاتمہ ہوجائے۔

مسلمانوں کی بدحالی کا سبب

اس سے پہلے کہ اس آیت کا ترجمہ اور اس کا مطلب آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں' ایک اہم سوال کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں' جو اکثر وبیشتر ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت پوری اُمتِ مُسلمہ جہاں کہیں آباد ہے وہ مسائل کا شکار ہے۔ مصیبتوں اور پریشانیوں سے سابقہ ہے۔

کہیں بوسنیا کے مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے۔ کہیں کشمیر میں مسلمان ظلم وستم

برداشت کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان کافروں اور ہندوؤں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ صومالیہ میں مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہیں۔ افغانستان میں مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ یہ سارے مسائل جو پوری اُمّتِ مُسلمہ کو درپیش ہیں۔ ان کے سبب پر جب غور کرنے کی نوبت آتی ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی ذرہ برابر بھی رَمق ہے۔ وہ لوگ غور کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ان مصائب و آلام کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کی بندگی کرنی چھوڑ دی ہے۔ آپ کی سنّتوں کی اتباع کرنا چھوڑ دیا ہے اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں یہ آفتیں ہمارے اوپر آرہی ہیں۔ اور یہ بات بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :

﴿مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ : ۳۰)

یعنی جو کچھ مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور بہت سے تمہارے اعمال بد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیتے ہیں۔ ان کی کوئی سزا تمہیں نہیں دیتے۔ لیکن بعض بداعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سزا اس دنیا کے اندر ان مصیبتوں کی شکل میں دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب ہم آپس میں بیٹھ کر اُمّتِ مُسلمہ کے ان مصائب کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو مشکل ہی سے شاید ہماری کوئی مجلس اس تذکرہ سے خالی جاتی ہوگی کہ ہم سب بداعمالیوں کا شکار ہیں۔ بدعنوانیوں کا شکار ہیں۔ گناہوں کے اندر مبتلا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو چھوڑا ہوا ہے۔ یہ ساری مصیبتیں ان بداعمالیوں کا نتیجہ

ہیں۔

کوششیں رائیگاں کیوں؟

لیکن یہ سارا تذکرہ ہونے کے باوجود یہ نظر آتا ہے کہ پرنالہ وہیں گر رہا ہے اور حالات میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی۔ بہت سی جماعتیں' انجمنیں اور ادارے اس مقصد کے تحت قائم ہیں کہ حالات کی اصلاح کریں۔ لیکن حالات جوں کے توں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے دینی کا جو سیلاب امڈ رہا ہے اس کی رفتار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس میں کمی نہیں آ رہی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا ؂

یہ کیسی منزل ہے کیسی راہیں
کہ تھک گئے پاؤں چلتے چلتے
مگر وہی فاصلہ ہے قائم
جو فاصلہ تھا سفر سے پہلے

یعنی جو فاصلہ سفر سے پہلے تھا وہ فاصلہ اب بھی قائم ہے' ہزاروں قربانیاں بھی دی جا رہی ہیں۔ لوگ جانیں بھی دے رہے ہیں۔ انجمنیں' جماعتیں اور ادارے اصلاحِ حال میں لگے ہوئے ہیں۔ محنت ہو رہی ہے۔ لیکن عالمِ وجود کے اندر ان کا کوئی واضح فائدہ نظر نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہے؟

اصلاح کا آغاز دوسروں سے

یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اس سوال کا تسلّی بخش جواب عطا فرمایا ہے۔ قرآنِ کریم اس آیت میں ہمیں اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ جب تم حالات کی اصلاح کرنے کی فکر لے کر اٹھتے ہو تو تم ہمیشہ

اصلاح کا آغاز دوسروں سے کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تمہارے دلوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ لوگ خراب ہوگئے ہیں۔ لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہیں۔ لوگ دھوکہ، فریب کررہے ہیں۔ بدعنوانیوں میں مبتلا ہیں۔ رشوت لے رہے ہیں۔ سُود کمارہے ہیں۔ عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے۔ ان سب باتوں کے تذکرے کے وقت تمہارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کام دوسرے لوگ کررہے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کاموں سے روکنا ہے اور ان کی اصلاح کرنی ہے۔

اپنی اصلاح کی فکر نہیں

لیکن یہ خیال شاذ ونادر ہی کسی اللہ کے بندے کے دل میں آتا ہے کہ میں بھی کسی خرابی کے اندر مبتلا ہوں۔ میرے اندر بھی کچھ عیوب اور خرابیاں پائی جاتی ہیں اور ان خرابیوں کی اصلاح کرنا میرا سب سے پہلا فرض ہے۔ میں دوسروں کی طرف بعد میں دیکھوں گا پہلے میں اپنا جائزہ لوں اور اپنی اصلاح کی پہلے فکر کروں۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ جب اصلاح کے لئے کوئی جماعت، کوئی تنظیم یا ادارہ قائم ہوتا ہے تو اس ادارے کے چلانے والوں اور اس تنظیم کو قائم کرنے والوں میں سے ہر شخص کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میں عوام کی اصلاح کروں۔ لیکن میں اپنی اصلاح کروں اور اپنے عیوب کو دور کروں۔ یہ خیال شاذ ونادر ہی کسی اللہ کے بندے کے دل میں آتا ہوگا۔

بات میں وزن نہیں

اس عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ جب میں اپنے عیوب سے بے خبر ہوں۔ اپنی خرابیوں کی اصلاح کی تو مجھے فکر نہیں ہے۔ میرے اپنے اعمال اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہیں۔ اور میں دوسروں کی اصلاح کی فکر میں لگا ہوا ہوں تو اس کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میری بات میں نہ تو کوئی اثر اور وزن ہوتا ہے اور نہ اس کے اندر برکت اور نور ہوتا ہے کہ وہ بات دوسروں کے دلوں میں اتر جائے اور وہ اس کو ماننے پر آمادہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ ایک لچھے دار تقریر ہوتی ہے جو کانوں سے ٹکرا کر ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے

قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اگر تم نے اپنی اصلاح کرلی اور ہدایت کے راستے پر آگئے تو پھر جو لوگ گمراہی کی طرف جارہے ہیں اور گمراہیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ان کی بُرائی اور گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس لئے کہ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ تم کو بتائے گا جو کچھ تم اس دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں یہ بتادیا کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے اعمال کا جواب دینا ہے' یہ نہیں ہوگا کہ بد عملی دوسرا شخص کرے اور جواب مجھ سے طلب کیا جائے کہ وہ شخص بد عملی کے اندر کیوں مبتلا تھا یا میں کوئی بُرا عمل کروں اور جواب دوسرے سے طلب کیا جائے۔ ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر شخص سے اس کے اپنے عمل کا سوال ہوگا۔ اس لئے تم پہلے اپنی فکر کرو کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں؟ تم جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری دوگے تو تم اپنی زندگی کے اعمال کے بارے میں کیا جواب دوگے؟ اس لئے دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی خبر لو۔ اور ہر شخص اپنے اعمال اور اخلاق کا جائزہ لے کر دیکھے کہ وہ کس گمراہی اور کس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ اور پھر ان غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں کے عیوب اور بُرائیوں کو تو تلاش کرتا پھرے۔ اور اپنے عیوب سے غافل ہو جائے۔

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

﴿مَنْ قَالَ : هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ﴾

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن قول هلك الناس)

جو شخص یہ کہے کہ سارے لوگ ہلاک اور برباد ہوگئے۔ اس لئے کہ ان کے اعمال خراب' ان کے عقائد خراب' ان کی عبادتیں خراب' اس کے نتیجے میں وہ لوگ تباہ وبرباد ہوگئے۔ تو سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا شخص وہ خود ہے جو دوسروں کی برائیاں تو بیان کر رہا ہے لیکن اپنی حالت سے بے خبر ہے۔ اگر اپنے اعمال اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے اور دل میں یہ تڑپ لگ جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ تو یقیناً اس صورت میں وہ شخص اپنے آپ کو سب سے برا محسوس کرے گا اور اس وقت دوسرے لوگ برے نظر نہیں آئیں گے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ یہ اتنے بڑے بزرگ ہیں کہ ہم لوگ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے شہر میں قحط پڑ گیا۔ اور بارش بند ہوگئی۔ لوگ پریشان تھے۔ اور بارش کی دعائیں کر رہے تھے۔ کچھ لوگ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت : آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری قوم قحط سالی کے اندر مبتلا ہے' زبانیں اور گلے تک خشک ہوگئے ہیں۔ جانوروں کو پلانے کے لئے پانی نہیں ہے۔ کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی نہیں ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا تو میں کروں گا انشاء اللہ' لیکن ایک بات سن لو' وہ یہ کہ قرآنِ کریم کا ارشاد

ہے کہ جو کچھ تمہیں دنیا میں کوئی مصیبت یا پریشانی آتی ہے وہ لوگوں کی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔ لہٰذا اگر بارش نہیں ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بداعمالیوں میں مبتلا ہیں اور ان بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے بارش کو روک دیا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم میں سے کون سا شخص سب سے زیادہ بداعمالی میں مبتلا ہے۔ اور جب میں اپنا جائزہ لیتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ پوری بستی میں مجھ سے زیادہ خراب کوئی آدمی نہیں ہے۔ مجھ سے زیادہ گناہ گار کوئی نہیں ہے۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ بارش اس وجہ سے رُکی ہوئی ہے کہ میں اس بستی کے اندر مقیم ہوں۔ جب میں اس بستی سے نکل جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بستی پر نازل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ اس لئے بارش ہونے کا علاج یہ ہے کہ میں اس بستی سے چلا جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت کے ساتھ رکھے اور تم پر بارش نازل فرمائے۔

اپنے گناہوں کی طرف نظر تھی

دیکھئے : حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ولی اللہ، ولی کامل، اللہ کا نیک بندہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس روئے زمین پر مجھ سے بڑا گناہ گار کوئی نہیں۔ اس لئے اگر میں اس بستی سے نکل جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس بستی پر بارش نازل فرمادیں گے۔ اب بتایئے کہ کیا وہ جھوٹ بول رہے تھے؟ اور کیا وہ تواضعاً ایسا کہہ رہے تھے؟ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی کامل کی زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا بلکہ واقعتاً وہ اپنے آپ کو یہ سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ گناہ گار اور عیب دار میں ہوں۔ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ ہر وقت ان کی نگاہ اس پر تھی کہ میرے اندر کیا خرابیاں ہیں؟ اور ان کو کیسے دور کروں۔

نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس دور میں اللہ تعالیٰ نے عمل اور تقویٰ کا نمونہ بنایا تھا۔ ان کے ایک خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ذکر کیا کہ جب آپ بیان فرماتے ہیں اور میں آپ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مجمع میں مجھ سے زیادہ تباہ حال شخص کوئی اور نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ گناہ گار میں ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں، میں اپنے آپ کو جانور محسوس کرتا ہوں۔ جواب میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو سچ پوچھو تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب میں وعظ اور بیان کر رہا ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ سب لوگ مجھ سے اچھے ہیں۔ میں سب سے زیادہ خراب ہوں۔

ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ ہر وقت ان کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرے اندر کون سا عیب ہے؟ کون سا گناہ ہے؟ میں اس کو کس طرح دور کروں؟ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل کروں؟ اگر انسان اپنے عیوب کا جائزہ لینا شروع کرے تو پھر دوسروں کے عیوب نظر نہیں آتے۔ اس وقت اپنی فکر میں انسان لگ جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

تھے جو اپنی بُرائی سے بے خبر
رہے اوروں کے ڈھونڈتے عیب وہنر

پڑی اپنی بُرائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

یعنی جب تک دوسروں کو دیکھتے رہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کے اندر یہ

بُرائی ہے اور فلاں کے اندر یہ بُرائی ہے۔ لیکن جب اپنی بُرائیوں پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی اتنا بُرا نہیں ہے جتنا بُرا میں خود ہوں۔ اس لئے کہ جب اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی توفیق ہوئی تو ساری گندگیاں اور بُرائیاں سامنے آگئیں۔

یاد رکھئے! کوئی انسان دوسرے کی بُرائی سے اتنا واقف نہیں ہو سکتا جتنا انسان اپنی برائی سے واقف ہوتا ہے۔ انسان اپنے بارے میں جانتا ہے کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ اور میرے دل میں کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ کیسے کیسے ارادے میرے دل میں آتے ہیں؟ لیکن چونکہ اپنی طرف نظر نہیں، اپنے عیوب سے بے خبر ہے۔ اس لئے دوسروں کے عیوب اس کو نظر آتے ہیں۔ اس کو اپنی پرواہ نہیں ہوتی۔

اپنی بیماری کی فکر کیسی ہوتی ہے

مثلاً ایک شخص کے پیٹ میں شدید درد ہے اور اس درد کی وجہ سے بے چین ہے، کسی کروٹ قرار نہیں آرہا ہے۔ بتایئے! کیا وہ شخص دوسروں کو دیکھتا پھرے گا کہ کس شخص کو نزلہ ہورہا ہے۔ کس کو کھانسی ہے، کس کو زکام ہے؟ بلکہ وہ شخص اپنے درد کو لے کر بیٹھ جائے گا، دوسروں کی بیماریوں کی پرواہ بھی نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے گا کہ مجھے نزلہ اور کھانسی ہورہی ہے تو جواب میں کہے گا کہ تمہارا نزلہ کھانسی اپنی جگہ، لیکن میں تو اپنے پیٹ کے درد میں مبتلا ہوں میں اپنے درد کا پہلے علاج کروں یا تمہارے نزلہ کھانسی کو دیکھوں۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہوگا جو اپنے درد سے بے چین ہونے کی حالت میں دوسروں کی معمولی بیماریوں کو دیکھتا پھرے۔

ایک خاتون کا نصیحت آموز واقعہ

میری عزیزوں میں ایک خاتون تھیں' ایک مرتبہ ان کے پیٹ میں ریاحی تکلیف ہوگئی اور اس کی وجہ سے وہ بے چین ہوگئیں اور نفسیاتی طور پر ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں بہت زیادہ بیمار ہوں۔ میں ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے ان کو ایک ہسپتال لے گیا۔ جب لفٹ کے ذریعہ اوپر جانے لگے تو وہاں ایک اور خاتون وہیل چیئر کے اوپر بیٹھی تھیں۔ اور اس کا سارا جسم آگ سے جلا ہوا تھا۔ اور بعض جگہ کی ہڈیاں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ کھال جلی ہوئی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اپنی عزیزہ خاتون سے کہوں کہ یہ تم سے زیادہ اور سخت تکلیف کے اندر مبتلا ہے تاکہ ان کو اپنی بیماری کا احساس کم ہوجائے۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ دیکھو' یہ خاتون کتنی مصیبت میں ہے اور کتنی سخت تکلیف کے اندر مبتلا ہے۔ میری عزیزہ نے ان خاتون پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ ہاں یہ تکلیف کے اندر مبتلا تو ہے۔ لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے۔ دیکھئے! جس کا سارا جسم جلا ہوا ہے اور ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے' اس کی بیماری کا اتنا احساس نہیں جتنا اپنی بیماری کا احساس ہے۔

اس واقعہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کاش دین کے معاملے میں ہمارے دلوں میں ایسی فکر پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ دین کی بیماریوں اور باطن کی بیماریوں میں یہ فکر پیدا کردے کہ میرے اندر جو بیماری ہے مجھے اس کی فکر لگ جائے اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی بیماریوں پر نظر جانے کے بجائے میں اپنی بیماریوں کی اصلاح کی فکر کروں۔

حضرت حنظلہؓ کو اپنے نفاق کا شبہ

ایک مرتبہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں پہنچے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تباہ و برباد ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں منافق ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ جواب میں فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو دل میں نیک جذبات اور نیک خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے۔ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے۔ آخرت کی نعمتیں یاد آتی ہیں۔ لیکن جب کاروبارِ زندگی میں جاتا ہوں اور بیوی بچوں کے پاس جاتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ اللہ کی طرف دھیان' اپنی اصلاح کی فکر اور آخرت اور جنت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اور یہ تو منافقت کی بات ہے کہ ظاہر میں تو مسلمان ہیں اور دل کے اندر بُرے بُرے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو منافق ہوگیا۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ کس طرح اس منافقت سے نکلوں؟

دیکھئے : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی یہ بات کہہ رہے ہیں اور صحابہ کے بارے میں پوری اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کہ الصحابۃ کلّھم عدول تمام صحابہ عادل ہیں۔ ان میں کوئی فاسق نہیں ہو سکتا۔ ان کو یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گھر میں جاکر تمہیں جو خیالات بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کیفیت بدلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس سے پریشان نہ ہو۔ اس لئے کہ اس سے آدمی منافق نہیں ہوتا' یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔ کسی وقت انسان کے دل پر اللہ کی یاد زیادہ ہوجاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے رقت زیادہ ہوجاتی ہے' اور کسی وقت میں اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کیفیات کے بدلنے سے آدمی منافق نہیں ہوتا۔

(صحیح مسلم۔ کتاب التوبہ' باب فضل دوام الذکر)

ان صحابی کو فکر اس بات کی نہیں تھی کہ فلاں شخص منافق ہو گیا۔ بلکہ اس بات کی فکر تھی کہ میں منافق ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نفاق کا شبہ

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے۔ جن کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

﴿لو کان بعدی نبیاً لکان عمر﴾

"اگر میرے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو وہ عمر ہوتے' لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

اتنا اونچا مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان کا حال سنئے: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ جن کا نام تھا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار مشہور تھے۔ اس لئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں رہنے والے منافقین کے نام بتا دیئے تھے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ مدینہ منورہ میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ آپؐ نے اپنی حکمت کے تحت وہ نام حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں بتائے تھے۔ حتیٰ کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا تو لوگ یہ دیکھا کرتے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس شخص کی نماز جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں؟ اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا شریک ہونا اس بات کی علامت تھی کہ اس کا نام منافقین میں شامل نہیں۔ اور اگر شریک نہ ہوتے تو پتہ چل جاتا کہ اس کا نام منافقین میں شامل ہے۔ اس

لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوئے۔ تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے التجا کر کے پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہؓ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادیں کہ تمہارے پاس منافقین کی جو فہرست ہے۔ اس میں "عمر" کا نام تو نہیں ہے؟ وہ شخص یہ بات پوچھ رہے ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا ہے کہ "عمر فی الجنۃ" عمر جنت میں جائے گا۔ اور جن کے بارے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ ان کو یہ فکر دامن گیر ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوں۔ یہ فکر اس لئے تھی کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ "عمر جنت میں جائے گا" لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمادیا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ "لا الہ الا اللہ" پڑھ لے گا وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ کلمہ پڑھنے والا بے شک جنت میں جائے گا لیکن اگر مرنے سے پہلے کسی کے اعمال خراب ہوگئے تو پھر وہ شخص اس بشارت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میرے اعمال خراب ہوگئے ہوں۔ اور میں منافقین میں داخل ہوگیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے عیوب کا جائزہ لیتا ہے اور جب اس کو اپنی فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ میری اصلاح کیسے ہو؟ تو اس کے بعد اس کو دوسرے لوگ اتنے بُرے نظر نہیں آتے جتنا وہ اپنے آپ کو بُرا نظر آتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۱۹)

دین سے ناواقفیت کی انتہاء

آج ہمارا معاملہ الٹا ہوگیا ہے۔ آج اگر ہم دین کی کوئی بات کرتے ہیں تو اس میں عموماً اصلاح والی باتیں مفقود ہوتی ہیں۔ بلکہ عموماً ان باتوں میں یا تو فرقہ

واریت کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کبھی سیاست پر گفتگو چھیڑ دی جاتی ہے یا کبھی ایسے نظریاتی مسائل پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں دین سے ناواقفیت اتنی عام ہو گئی ہے کہ پہلے دین کی جو باتیں چھوٹے بچوں کو معلوم ہوتی تھیں آج بڑے بڑے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ افراد کو معلوم نہیں ہیں۔ اور اگر ان کو بتایا جائے کہ یہ دین کی بات ہے تو اجنبیت اور حیرت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا یہ بھی دین کی بات ہے۔ ہمیں تو معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آج ہمارے اندر سے اپنی اصلاح کی فکر ختم ہو گئی ہے۔ قرآنِ کریم صاف صاف یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک تم میں سے ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر اپنے دل میں پیدا نہیں کرے گا، یاد رکھو : معاشرے کی اصلاح کبھی نہیں ہو گی۔ چاہے اصلاح کی جتنی انجمنیں بنالو، جتنے ادارے قائم کرلو۔

ہمارا یہ حال ہے

مثلاً اب اگر میں جھنڈے لگا کر اور بینر لگا کر اصلاح معاشرہ کے نعرے لگا تا پھرتا ہوں لیکن خود میرا یہ حال ہے کہ جب رشوت لینے کا موقع آتا ہے تو کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ اور جب دوسرے کو دھوکہ دے کر اس سے پیسے بٹورنے کا موقع مل جائے تو اس سے نہیں چوکتا۔ اور سُودی نظام کے خلاف نعرے لگانے میں پیش پیش ہوں لیکن جب سُودی معاملہ کرنے کا وقت آتا ہے تو خاموشی سے وہ معاملہ کرلیتا ہوں۔ بتایئے : پھر معاشرے کی اصلاح کہاں سے ہو؟ ساری دنیا کو بُرا بھلا کہتا ہوں کہ آج لوگ جھوٹے ہو گئے ہیں، مکر و فریب پھیل گیا ہے۔ دھوکہ بازی ہو گئی ہے۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ لیکن جب جھوٹ بولنے کا موقع آجاتا ہے یا چھٹی بڑھانے کے لئے جھوٹا اور جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ بنانے کا موقع آجاتا ہے تو کیا کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ لے

رہا ہوں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ بتائیے! جب یہ سارے بُرے کام نہیں چھوڑتا تو پھر میرے اصلاحِ معاشرے کے نعرے لگانے سے، جلسے کرنے سے اور جلوس نکالنے سے کیا حاصل ہے؟ اسی طرح اگر میں دوسروں کو تو یہ طعنے دیتا ہوں کہ وہ دین سے دور چلے گئے ہیں اور دین کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ لیکن میری کوئی مجلس غیبت سے خالی نہیں ہوتی۔ کبھی اس کی بُرائی کرتا ہوں، کبھی اس کی بُرائی کرتا ہوں۔ اور اس طرح قرآنِ کریم کے بتانے کے مطابق ہر وقت، ہر روز اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہوں۔ بتائیے! پھر معاشرے کی اصلاح کہاں سے ہو؟

اصلاح کا یہ طریقہ ہے

معاشرے کی اصلاح تو اس وقت ہوگی جب یہ سوچوں گا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں تو کس طرح میں جھوٹ بولنا چھوڑ دوں؟ میں دوسروں کی غیبت کرتا ہوں تو اس غیبت کو چھوڑ دوں۔ میں دھوکہ بازی کرتا ہوں تو اس کو چھوڑ دوں۔ اگر میں رشوت لیتا ہوں تو رشوت لینا چھوڑ دوں۔ اگر سُود کھاتا ہوں تو اس کو چھوڑ دوں۔ اگر میں بے پردگی اور عُریانی وفحاشی میں مبتلا ہوں تو اس کو ترک کردوں۔ جب تک میرے اندر یہ فکر پیدا نہیں ہوگی، یاد رکھیں: اس وقت تک میں اصلاح کی یہ فکر دوسرے کے اندر منتقل نہیں کرسکتا۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے فرمادیا کہ:

﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

اپنی جانوں کی فکر کرو، اگر دوسرے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو ان کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بشرطیکہ تم راہِ راست پر ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے تربیت کی؟

دیکھئے : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ نبوت کے بعد ۲۳ سال اس دنیا میں قیام فرمایا۔ ایسے وقت میں تشریف لائے جس وقت پورا جزیرہ عرب گمراہی اور جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ امید کی کوئی کرن نہیں نظر آرہی تھی۔ ہدایت کی کوئی روشنی موجود نہیں تھی۔ ایسے وقت میں آپ تنِ تنہا تشریف لائے' اور آپ کو حکم یہ دیا گیا کہ اس پورے معاشرے کو بدلنا ہے۔ اس کے اندر انقلاب لانا ہے۔ لیکن ۲۳ سال کے بعد جب اس دنیا سے واپس تشریف لے جاتے ہیں تو اس وقت جزیرہ عرب سے کفر اور شرک کا نام مٹ چکا تھا۔ اور وہی قوم جو ضلالت اور گمراہی اور جہالت کے اندر ڈوبی ہوئی تھی' ۲۳ سال کے بعد وہ قوم پوری دنیا کے لئے ایک مثال اور نمونہ بن کر ابھرتی ہے۔ یہ انقلاب کیسے آیا؟

ان ۲۳ سال میں سے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزرے' ان ۱۳ سال میں نہ جہاد کا حکم ہے۔ نہ کوئی ریاست اور حکومت ہے اور نہ کوئی قانون ہے۔ بلکہ اس وقت حکم یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی مارے تو اس کا بدلہ بھی مت لو' بلکہ مار کھالو۔ "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلاَّ بِاللّٰهِ" ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں' حالانکہ اگر دوسرا شخص دس ہاتھ مار سکتا تھا تو ایک ہاتھ یہ بھی مار سکتے تھے۔ لیکن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جارہا ہے۔ اور سینے پر پتھر کی سلیں رکھی جارہی ہیں۔ اور یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کا انکار کرو۔ جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر یہ ظلم کیا جارہا تھا تو اس کے جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک تھپڑ تو مار سکتے تھے۔ لیکن اس وقت حکم یہ تھا کہ مار کھاتے جاؤ' تمہیں تلوار اٹھانے کی یا ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔

صحابہ کرامؓ کندن بن گئے

یہ سب کیوں تھا؟ اس لئے کہ ان کو آزمائش کی اس بھٹی سے گزار کر کندن بنانا مقصود تھا کہ مار کھائیں اور اس پر صبر کریں۔ کون انسان ایسا ہے جس کو دوسرا انسان مارے اور اس کو غصہ نہ آئے۔ لیکن حکم یہ دیا جارہا ہے کہ اس غصے کو دباؤ۔ اس لئے کہ جب اس غصے کو اللہ کے لئے دباؤ گے تو اپنے نفسانی خواہشات کو اللہ کے حکم کے آگے قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ لہذا مکی زندگی کے تیرہ سال اس طرح گزرے کہ اس میں حکم یہ تھا کہ دوسرے سے بدلہ لینے کے لئے ہاتھ مت اٹھاؤ بلکہ عبادت میں لگے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو' اللہ کو یاد کرو' آخرت کا تصور کرو۔ جنت اور دوزخ کا تصور کرو اور اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کرو۔ جب تیرہ سال کے عرصے میں صحابہ کرامؓ کی جماعت اس صبر اور آزمائش سے گزر کر کندن بن کر تیار ہوگئی تو اس کے بعد مدینہ طیبہ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ پھر آپ نے وہاں ایسی حکومت اور ایسا نظام قائم فرمایا کہ چشمِ فلک نے ایسا نظام نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اب کے بعد کبھی دیکھا۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر سے سرشار ہوکر اپنے آپ کو کندن بنا چکا تھا۔ لہذا پہلا کام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اپنی اصلاح کے بعد جب انسان آگے دوسروں کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے گا تو انشاء اللہ اس میں کامیاب ہوگا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جس جگہ پر بھی پہنچے۔ فتح اور نصرت کو اللہ تعالیٰ نے ان کا مقدر بنادیا۔ اس لئے کہ اپنی اصلاح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا چکے تھے۔

آج ایسا لگتا ہے کہ اصلاح کی کوششیں بحیثیت مجموعی ناکام ہورہی ہیں۔ اور معاشرے پر ان کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہوگئے ہیں۔ آج ہمارے اندر سے یہ فکر ختم

ہوگئی کہ مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہے اور میرے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں میں ان کو کس طرح دور کروں؟

اپنا جائزہ لیں

میری آج کی گزارش کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص روزانہ یہ جائزہ لے کر صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کس جگہ پر میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہوں۔ اسلام پانچ قسم کے اعمال کا مجموعہ ہے۔

(۱) عقائد درست ہونے چاہئیں۔

(۲) عبادات یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ درست ہونے چاہئیں۔

(۳) معاملات یعنی خرید و فروخت حلال طریقے سے ہو۔ آمدنی حلال ہو۔ کوئی آمدنی حرام کی نہ ہو۔

(۴) معاشرت یعنی آپس میں رہنے سہنے کے آداب میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور ان کی پابندی کرے۔

(۵) اخلاق یعنی انسان کے اخلاق درست ہوں۔ بُرے اخلاق مثلاً بغض، تکبر، حسد، عناد وغیرہ انسان کے اندر نہ ہوں۔ اور اچھے اخلاق ہوں۔ مثلاً تواضع ہو۔ توکل ہو۔ شکر اور صبر ہو۔

ان پانچ شعبوں پر انسان عمل کرے تب انسان کا دین کامل ہوتا ہے۔ تب وہ شخص صحیح معنی میں مسلمان بنتا ہے۔ ہر شخص ان پانچ شعبوں کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لے۔ مثلاً میرے عقائد درست ہیں یا نہیں؟ میرے ذمے پانچ وقت کی نماز باجماعت فرض ہے۔ میں ان میں سے کتنی ادا کرلیتا ہوں اور کتنی نمازیں چھوڑتا ہوں؟ میری آمدنی حلال ہو رہی ہے یا حرام ہو رہی ہے؟ بازار میں جب میں معاملات کرتا ہوں تو وہ معاملات درست ہوتے ہیں یا نہیں؟ میرے اخلاق درست ہیں یا نہیں؟ دوسروں کے ساتھ میرا برتاؤ درست ہے یا نہیں؟ میں

جھوٹ تو نہیں بولتا۔ میں غیبت تو نہیں کرتا۔ میں کسی کا دل تو نہیں دکھاتا۔ میں کسی کو پریشان تو نہیں کرتا۔ اپنے اندر ان باتوں کا جائزہ لے۔ اور اگر کہیں کوئی بُرائی ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اگر بالکل نہیں چھوڑ سکتا تو اس کو کم کرنے کی کوشش کرے۔

مثلاً یہ دیکھے کہ میں دن میں کتنی مرتبہ جھوٹ بولتا ہوں۔ پھر دیکھے کہ ان میں سے کتنی مرتبہ جھوٹ بولنے کو میں فوراً چھوڑ سکتا ہوں ان کو فوراً چھوڑ دے۔ مجلس کے اندر کتنی مرتبہ میں غیبت کرتا ہوں۔ اس کو کس حد تک چھوڑ سکتا ہوں اس کو چھوڑ دے۔ اس طرح جائزہ لے کر گناہوں کو چھوڑنا شروع کردے اور اپنی اصلاح کی فکر پیدا کرلے۔ اگر ایک مرتبہ اصلاح کی فکر کی شمع تمہارے دل میں روشن ہوگئی تو انشاء اللہ یہ شمع تمہاری زندگی کو منوّر کردے گی۔ یہ مت سوچو کہ اگر ایک آدمی درست ہوگیا تو اس سے کیا اثر پڑے گا۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

یاد رکھیے: "معاشرہ" میرا اور تمہارا اور افراد کا نام ہے۔ اگر ایک آدمی کی اصلاح ہوگئی اور اس نے کچھ گناہ چھوڑ دیئے اور اللہ کے احکام کی اطاعت شروع کردی تو کم از کم ایک چراغ تو جل گیا۔ چراغ چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے ماحول کے اندر اندھیرے کو نہیں رہنے دیتا۔ بلکہ اپنے ماحول کو ضرور روشن کردے گا۔ کیا بعید ہے کہ ایک جلتے ہوئے چراغ کو دیکھ کر دوسرا شخص اس سے اپنا چراغ جلالے' دوسرے سے تیسرا چراغ جل جائے اور اس طرح پورا ماحول روشن اور منوّر ہوجائے۔ لیکن اگر آدمی یہ سوچتا رہے کہ میں اپنے چراغ کو تو ٹھنڈا رکھوں اور اس ٹھنڈے چراغ سے دوسرے لوگوں کے چراغ جلاؤں اور ان کو روشن کروں۔ یاد رکھیے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جو چراغ خود بجھا ہوا ہو وہ دوسرے چراغ روشن نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی طرح

اگر میں اپنی اصلاح کی فکر کئے بغیر دوسروں کی اصلاح کرنا شروع کردوں تو یہ ایسا ہے جیسے میں اپنے ٹھنڈے چراغ سے دوسروں کے چراغ روشن کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اور ایسا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنی اصلاح کی فکر ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

یہ فکر کیسے پیدا ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کیسے پیدا ہو؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اس وقت یہاں بیٹھ کر اپنی اصلاح کی فکر کی باتیں ہم نے کیں اور سنیں تو اس کے نتیجے میں ہمارے دلوں میں اصلاح کی فکر کی تھوڑی بہت حرکت پیدا ہوئی۔ اب یہی تذکرہ بار بار سنا جائے اور مختلف مجلسوں میں سنا جائے تو بار بار سننے کے نتیجے میں یہ فکر انشاء اللہ ہمارے دلوں میں پیدا ہوجائے گی۔ دیکھئے :
قرآنِ کریم میں "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" (یعنی نماز قائم کرو) کے الفاظ باسٹھ مرتبہ آئے ہیں۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی یہ حکم دے دیتے کہ نماز قائم کرو تو وہ بھی کافی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بار بار دہرایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب کوئی بات بار بار کہی جاتی ہے تو اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ وہ بات دل میں بیٹھ جاتی ہے، صرف ایک مرتبہ سننے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس فکر کو پیدا کرنے کے لئے ایسی مجلسوں میں جانے کا اہتمام کریں جہاں اصلاح کا تذکرہ ہوتا ہو۔

دارالعلوم میں ہونے والی اصلاحی مجالس

آپ کے قریب دارالعلوم کراچی موجود ہے۔ جہاں ہفتہ وار تین مجلسیں ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم جو دارالعلوم کے صدر

ہیں۔ ان کا بیان بدھ کے روز عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔ جس میں مردوں کے لئے بھی انتظام ہوتا ہے اور خواتین کے لئے بھی۔ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم جو دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث ہیں۔ ہمارے استاد اور بزرگ ہیں۔ ان کا بیان ہر اتوار کو عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم جو دارالعلوم کے استاد ہیں اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ ان کا بیان ہر منگل کو عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ہفتے میں تین مجلسیں دارالعلوم میں ہوتی ہیں۔ ان مجلسوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان کے ذریعہ اپنی اصلاح کی فکر پیدا کی جائے۔

دیکھئے : جلسے اور تقریریں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان مجلسوں کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر اپنے آپ کو درست کرنے کی اور اصلاح کرنے کی فکر پیدا ہو۔ اگر ہفتے میں آپ عصر سے مغرب تک کا ایک گھنٹہ اس مقصد کے لئے فارغ کرلیں اور ان مجالس میں سے کسی ایک مجلس میں بھی شرکت فرمالیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دل میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ غلطیاں اور کوتاہیاں کہاں کہاں ہورہی ہیں۔ اس لئے کہ ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ غلطیاں کہاں کہاں ہورہی ہیں۔ اور پھر ان غلطیوں کی اصلاح کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو اپنی اصلاح کی فکر عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گناہگاروں سے نفرت مت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۶ر ستمبر ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہ گار کو ذلیل نہ سمجھیں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له. ونشهد ان لا إله إلا اللّٰہ وحده لاشریك له ـ واشهد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلی اللّٰہ تعالی علیه وعلی آله وأصحابه وبارك وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ـ اما بعد :ـ

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم : من عیّر أخاه بذنب قد تاب منه لم یمت حتی یعمله ـ

(ترمذی ـ کتاب صفة القیامة، باب نمبر ٥٤)

کسی کو گناہ پر عار دلانے کا وبال۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے اور اس گناہ کا طعنہ دے جس گناہ سے وہ توبہ کر چکا ہے تو یہ طعنہ دینے والا شخص اس وقت تک نہیں مریگا جب تک وہ خود اس گناہ کے اندر مبتلا نہیں ہو جائیگا۔ مثلاً ایک شخص کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ فلاں گناہ کے اندر مبتلا تھا یا مبتلا ہوا ہے' اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ اس نے توبہ بھی کر لی ہے تو جس گناہ سے وہ توبہ کر چکا ہے اس گناہ کی وجہ سے اسکو حقیر سمجھنا یا اسکو عار دلانا یا اسکو طعنہ دینا کہ تم تو فلاں شخص ہو اور فلاں حرکت کیا کرتے تھے' ایسا طعنہ دینا خود گناہ کی بات ہے' اسلئے کہ جب اس شخص نے توبہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کر لیا اور توبہ کرنے سے گناہ صرف معاف نہیں ہوتا بلکہ نامۂ اعمال سے وہ عمل مٹا دیا جاتا ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے تو اس کا گناہ نامۂ اعمال سے مٹا دیا لیکن تم اس کو اس گناہ کی وجہ سے حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو یا اسکو طعنہ دے رہے ہو اور اسکو برا بھلا کہہ رہے ہو' یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت سخت ناگوار ہے۔

گناہ گار ایک بیمار کی طرح ہے۔

یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ اس نے گناہ سے توبہ کر لی ہے' اور اگر پتہ نہیں ہے کہ اس نے توبہ کی ہے یا نہیں' لیکن ایک مؤمن کے بارے میں احتمال تو ہے کہ اس نے توبہ کر لی ہو گی یا آئندہ کر لیگا' اسلئے اگر کسی نے گناہ کر لیا اور آپ کو توبہ کرنے کا علم بھی نہیں ہے' تب بھی اس کو حقیر سمجھنے کا کوئی حق

نہیں ہے' کیا پتہ کہ اس نے توبہ کرلی ہو۔ یاد رکھیے، نفرت گناہ سے ہونی چاہئے' گناہ گار سے نہیں' نفرت معصیت اور نافرمانی سے ہے' لیکن جس شخص نے معصیت اور نافرمانی کی ہے اس سے نفرت کرنا حضور اقدس ﷺ نے نہیں سکھایا۔ بلکہ وہ گناہ گار ترس کھانے اور رحم کے قابل ہے کہ وہ بیچارہ ایک بیماری کے اندر جتلا ہے' جیسے کوئی شخص کسی جسمانی بیماری کے اندر جتلا ہو تو اب اس شخص کی بیماری سے تو نفرت ہوگی' لیکن کیا اس بیمار سے نفرت کرو گے کہ چونکہ یہ شخص بیمار ہے اسلئے نفرت کے قابل ہے؟ ظاہر ہے کہ بیمار کی ذات قابل نفرت نہیں ہے' بلکہ اسکی بیماری سے نفرت کرو۔ اسکو دور کرنے کی فکر کرو' اس کے لئے دعا کرو' لیکن بیمار نفرت کے لائق نہیں' وہ تو ترس کھانے کے لائق ہے کہ یہ بیچارہ اللہ کا بندہ کس مصیبت کے اندر جتلا ہو گیا۔

کفر قابل نفرت ہے' نہ کہ کافر

حتی کہ اگر کوئی شخص کافر ہے تو اس کے کفر سے نفرت کرو' اسکی ذات سے نفرت مت کرو' بلکہ اسکے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے' آمین۔ دیکھئے: حضور اقدس نبی کریم ﷺ کو کفار کتنی تکالیف پہنچایا کرتے تھے' آپ پر تیر اندازی ہو رہی ہے' پتھر برسائے جا رہے ہیں' آپ کے جسم کے کئی حصے خون سے لہو لہان ہو رہے ہیں' اسکے باوجود اس وقت زبان پر جو کلمات آئے' وہ یہ تھے کہ:

﴿اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون﴾

اے اللہ' میری قوم کو ہدایت عطا فرما کہ ان کو حقیقت کا پتہ ہی نہیں ہے۔ یہ دیکھئے کہ ان کی معصیت' کفر' شرک' ظلم اور زیادتی کے باوجود ان سے

نفرت کا اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ یا اللہ یہ ناواقف لوگ ہیں، ان کو حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے، اس لئے میرے ساتھ یہ لوگ ایسا برتاؤ کر رہے ہیں، اے اللہ ان کو ہدایت عطا فرما۔ لہٰذا جب کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھو تو اس پر ترس کھاؤ اور اس کے لئے دعا کرو اور کوشش کرو کہ وہ اس گناہ سے بچ جائے، اسکو تبلیغ و دعوت کرو، لیکن اس کو حقیر نہ جانو، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اسکو توبہ کی توفیق دیدیں اور پھر وہ تم سے بھی آگے نکل جائے۔

حضرت تھانویؒ کا دوسروں کو افضل سمجھنا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بھی سنا اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے بھی سنا ہے، وہ یہ کہ میں ہر مسلمان کو اپنے سے حالاً اور ہر کافر کو اپنے آپ سے احتمالاً افضل سمجھتا ہوں "احتمالاً" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت کفر کے اندر مبتلا ہے، لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اسکو توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور وہ کفر کی مصیبت سے نکل جائے، اور پھر اللہ تعالیٰ اسکے درجات اتنے بلند کر دے کہ وہ مجھ سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اور جو شخص مسلمان ہے، صاحب ایمان ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے کیا معاملات ہیں، کیونکہ ہر انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختلف معاملات ہوتے ہیں، کسی کے بارے میں ہم کیا رائے ظاہر کریں کہ وہ ایسا ہے، اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس میں جھوٹ اور غلط بیانی کا احتمال تو نہیں ہے کہ ویسے ہی مروتاً یہ کہہ دیا کہ "میں ہر مسلمان کو اپنے سے

افضل سمجھتا ہوں"۔ یقیناً ایسا سمجھتے ہونگے تبھی تو فرمایا۔ بہرحال' کسی کو بھی حقیر سمجھنا' چاہے وہ گناہ اور معصیت کی وجہ سے ہو' جائز نہیں۔

یہ مرض کن لوگوں میں پایا جاتا ہے۔

یہ حقیر سمجھنے کی بات ان لوگوں میں خاص طور پر پیدا ہو جاتی ہے جو لوگ دین کی طرف پلٹتے ہیں' مثلاً شروع میں ان کے حالات دین کے اعتبار سے ٹھیک نہیں تھے' بعد میں دین کی طرف آئے اور نماز روزے کے پابند ہو گئے' اور وضع قطع اور لباس پوشاک شریعت کے مطابق بنا لیا' مسجد میں آنے لگے' نماز باجماعت کے پابند ہو گئے --- ایسے لوگوں کے دلوں میں شیطان یہ بات ڈالتا ہے کہ تم تو اب سیدھے راستے پر آگئے' اور یہ سب مخلوق جو گناہوں میں منہمک ہیں یہ سب تباہ حال ہیں' اور پھر اسکے نتیجے میں یہ لوگ انکو حقیر اور کم تر سمجھنے لگتے ہیں' اور حقارت سے ان کو دیکھتے ہیں' اور ان پر دلخراش انداز میں اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ پھر اسکے نتیجے میں شیطان انکو عجب میں' بڑائی میں' تکبر میں اور خود پسندی میں مبتلا کر دیتا ہے' اور جب انسان کے اندر اپنی بڑائی اور خود پسندی آجائے تو یہ چیز انسان کے سارے اعمال کو ضائع کرنے والی ہے' اسلئے کہ جب انسان کی نظر اس طرف جانے لگے کہ میں بڑا نیک ہوں اور دوسرے بُرے ہیں تو بس انسان عجب میں مبتلا ہو گیا اور عجب کے نتیجے میں اسکے سارے اعمال اکارت ہو گئے۔ اسلئے کہ وہ عمل مقبول ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے کیا جائے اور جس عمل کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے مجھے اسکی توفیق عطا فرمائی - اسلئے کسی کے ساتھ حقارت کا معاملہ نہیں کرنا چاہئے اور کسی کافر اور فاسق و فاجر کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔

کسی کو بیمار دیکھے تو یہ دعا پڑھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب انسان دوسرے کو کسی بیماری کے اندر مبتلا دیکھے تو یہ دعا پڑھے:

﴿ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاہ به، وفضّلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاً ﴾

(ترمذی کتاب الدعوات، باب مایقول اذا رأی مبتلی)

"اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اس بیماری سے عافیت عطا فرمائی جس بیماری میں یہ مبتلا ہے' اور بہت سے لوگوں پر آپ نے مجھے فضیلت عطا فرمائی"

یعنی بہت سے لوگ بیماریوں میں مبتلا ہیں' لیکن آپ نے مجھے صحت عطا فرمائی ہے۔ کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنا سنت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تلقین فرمائی ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمتہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کسی ہسپتال کے پاس سے گزرتا ہوں تو الحمد للہ یہ دعا پڑھ لیتا ہوں' اور ساتھ میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ یا اللہ! ان بیماروں کو صحت عطا فرما دیجئے۔

کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھے تو یہی دعا پڑھے۔

ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ یہ دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کو دیکھ کر پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے' میں تو جب کسی شخص کو کسی گناہ یا معصیت میں مبتلا دیکھتا ہوں تو اس وقت بھی یہی دعا پڑھ لیتا ہوں۔ مثلاً راستے میں گزرتے ہوئے بعض اوقات دیکھتا ہوں کہ لوگ سینما دیکھنے کے لئے یا اس کا ٹکٹ خریدنے کے لئے لائن میں کھڑے ہیں'

ان کو دیکھ کر یہی دعا پڑھ لیتا ہوں' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھا۔ اس دعا کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح بیمار ترس کھانے کے قابل ہے' اسی طرح جو شخص گناہ میں مبتلا ہے وہ بھی ترس کھانے کے قابل ہے کہ وہ اس معصیت میں مبتلا ہے' اور اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! اس کو اس معصیت سے نکال دیں۔ کیا معلوم کہ آج جو لوگ گناہ کی لائن میں لگے ہوئے ہیں اور آپ ان کو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہیں' کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دیدیں اور پھر وہ تم سے آگے نکل جائیں۔ اس لئے کس بات پر تم اتراتے ہو؟ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے تم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق دیدی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو' اگر ان کو گناہوں سے بچنے کی توفیق نہیں ہوئی تو تم ان کے حق میں دعا کرو' کہ یا اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما دے اور ان کو اس بیماری سے نجات عطا فرما دے' آمین۔ بہرحال' کفر سے نفرت ہو' گناہ سے' معصیت اور نافرمانی سے نفرت ہو' لیکن آدمی سے نفرت مت کرو' بلکہ اسکے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کرو' اور جب اس سے کوئی بات کہنی ہو تو نرمی اور شفقت سے کہو' ہمدردی اور محبت سے کہو' تاکہ اس پر اثر انداز بھی ہو۔ ہمارے سارے بزرگوں کا یہی معمول رہا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا چور کے پاؤں کو چومنا۔

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہیں سے گزر رہے تھے' ایک جگہ پر دیکھا کہ ایک آدمی کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے اور اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے' اور ایک پاؤں کٹا ہوا ہے' آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا

کہ یہ شخص عادی قسم کا چور ہے، جب پہلی مرتبہ پکڑا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اور جب دوسری مرتبہ پکڑا گیا تو پاؤں کاٹ دیا گیا اور اب جب تیسری مرتبہ پھر پکڑا گیا تو اب اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ آگے بڑھے اور اس کے پاؤں چوم لئے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! یہ اتنا بڑا چور ہے اور عادی چور ہے، آپ اس کا پاؤں چوم رہے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگرچہ اس نے بہت بڑا جرم اور گناہ کا کام کیا، جسکی وجہ سے اس کو سزا دی گئی۔ لیکن اس شخص کے اندر ایک بہترین وصف ہے، وہ ہے "استقامت" اگرچہ اس وصف کو اس نے غلط جگہ پر استعمال کیا، اس لئے کہ جس کام کو اس نے اپنا مشغلہ بنایا اس پر ڈٹا رہا۔ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر بھی اس کام کو نہیں چھوڑا۔ پاؤں کاٹ دیا گیا پھر بھی اس کام کو نہیں چھوڑا، حتی کہ موت کی سزا ہو گئی لیکن اپنے کام پر لگا رہا، اس سے پتہ چلا کہ اس کے اندر استقامت کا وصف تھا اور اسی وصف کی وجہ سے میں نے اسکے پاؤں چوم لئے۔ اللہ تعالی ہمیں اپنی عبادت اور طاعات کے اندر یہ وصف عطا فرما دے۔ آمین۔ بہرحال: جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں وہ آدمی سے نفرت نہیں کرتے، اسکی برائیوں سے نفرت کرتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی برے آدمی کے اندر اچھائیاں ہیں تو وہ حاصل کرنے کے لائق ہیں، اور اس کے اندر جو برائیاں ہیں اس کو دور کرنے کی فکر کرو۔ اور اس کو محبت اور پیار سے سمجھاؤ، اور اسی سے جا کر بتاؤ دوسروں سے اسکی برائیاں بیان کرتے مت پھرو۔

"ایک مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے آئینہ ہے" کا مطلب۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

﴿المؤمن مرآة المؤمن﴾

(ابو داود' کتاب الادب' باب فی النصیحۃ)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے' اگر آدمی کے چہرے پر کوئی داغ دھبہ لگ جائے اور وہ آدمی جا کر آئینہ کے سامنے کھڑا ہو جائے تو وہ آئینہ بتا دیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر یہ داغ لگا ہوا ہے' گویا آئینہ انسان کے عیب بیان کر دیتا ہے' اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے' یعنی جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے اندر کوئی عیب دیکھے تو اسکو پیار سے محبت سے بتا دے کہ یہ عیب تمہارے اندر موجود ہے' اسکو دور کر لو۔ جیسے اگر کسی انسان کے جسم پر کوئی کیڑا یا چیونٹا چل رہا ہو' اور آپ اس کیڑے کو اسکے جسم پر یا کپڑوں پر چلتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اسکو بتا دو کہ دیکھو بھائی! تمہارے جسم پر یہ کیڑا چل رہا ہے' اسکو دور کر لو۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان بھائی کے اندر کوئی دینی خرابی ہے تو پیار و محبت سے اسکو بتا دینا چاہئے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے' اس لئے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔

ایک کے عیب دوسروں کو مت بتاؤ۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تم کسی دوسرے کے اندر کوئی عیب دیکھو تو صرف اسی کو بتاؤ کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے' دوسروں سے کہتے مت پھرو کہ فلاں کے اندر یہ عیب ہے۔ اس لئے کہ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے' اور آئینہ صرف اس شخص کو چہرے کے داغ دھبے بتاتا ہے جو شخص اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے' وہ آئینہ دوسروں کو نہیں بتاتا کہ فلاں شخص کے چہرے پر داغ دھبے لگے ہوئے ہیں۔ لہذا ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کوئی برائی یا عیب دیکھے تو صرف اسی سے کہے' دوسروں سے اس کا تذکرہ نہ کرے کہ فلاں کے اندر یہ عیب اور یہ برائی ہے' کیونکہ اگر دوسروں کو اسکے عیوب کے بارے میں بتاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام میں تمہاری نفسانیت شامل ہے' پھر وہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اور اگر صرف اسی سے تنہائی میں محبت اور شفقت سے اسکو اسکے عیب پر تنبیہ کرو گے تو یہ اخوت اور ایمان کا تقاضہ ہے' لیکن اسکو حقیر اور ذلیل سمجھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین﴾

دینی مدارس دین کی حفاظت کے قلعے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۴ء

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

عرض ناشر

ختم بخاری کے موقع پر دار العلوم کراچی میں بڑا پر رونق اجتماع ہوتا ہے جس میں باہر سے بھی علماء، طلبہ اور ان مدارس سے تعلق رکھنے والے شہر کے معززین بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں، زیر ملاحظہ مضمون، حضرت مولانا محمد تقی صاحب مد ظلہم کا وہ بصیرت افروز خطاب ہے جو شعبان ۱۴۱۵ھ میں اس بابرکت موقع پر انہوں نے حاضرین کے سامنے فرمایا تھا، اور جس میں عربی مدارس سے متعلق بہت سے امور پر حضرت مولانا نے بڑے دلنشین انداز میں مؤثر روشنی ڈالی ہے، مولانا منیب الرحمن صاحب استاذ دار العلوم کراچی نے اسے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے نقل کیا تاکہ قارئین بھی "مخاطب" ہونے کا شرف حاصل کر سکیں، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ خطاب علیحدہ کتابچے کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

ولی اللہ میمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی مدارس
دین کی حفاظت کے قلعے

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيرا۔

اما بعد!

حضرات علماء کرام، میرے عزیز طالب علم ساتھیو اور معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہید

میرے استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے درس کے بعد میری لب کشائی یوں تو مناسب نہیں تھی، اس لئے کہ حضرت والا کے درس کے بعد کسی اور بات کی گنجائش نہیں۔ لیکن پھر حضرت نے ہی حکم فرمایا کہ

کچھ کلمات عرض کروں، اور معمول بھی یہ رہا ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر میرے برادر بزرگ صدر دارالعلوم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی کچھ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ وہ اس وقت سفر پر ہیں۔ اس لئے حضرت کا ارشاد ہوا کہ ان کی نیابت میں کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔

گندم اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است

اس لئے حضرت کی تعمیل ارشاد میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔

اللہ جل جلالہ کا بے پایاں کرم و انعام ہے جس کا شکر کسی طرح بھی ادا نہیں ہو سکتا کہ آج اس نے اپنے فضل و کرم سے دارالعلوم کی تعلیمی مصروفیات تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ آخری مبارک درس جس میں ابھی اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو شرکت کی سعادت بخشی۔ یہ صحیح بخاری کا آخری درس تھا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد اس روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب ہے، اور حضرت والا نے سارے سال از اول تا آخر طلبہ کو اس درس سے فیض یاب کیا ہے۔ آج الحمدللہ یہ مبارک سلسلہ تکمیل کو پہنچا، اور اب کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے تعلیمی سال کا بھی اختتام ہوا۔ سال کے شروع میں جب تعلیم کا آغاز ہوا تھا تو اس وقت یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون اس کی تکمیل میں شریک ہو سکے گا اور کون شریک نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا اور اس کی توفیق عطا فرمائی ——— اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں

انسان پر خالق کائنات کی نعمتیں لامتناہی ہیں، تنہا سانس ہی کی نعمت کو دیکھئے کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ شیخ سعدی نے نہایت آسان طریقہ پر اس بات کو یوں سمجھایا ہے کہ:

"ہر انسان جب ایک سانس لیتا ہے تو ایک سانس کے اندر دو

نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جمع ہیں۔ سانس کا اندر جانا ایک نعمت ہے اور باہر آنا دوسری نعمت ہے۔ اگر سانس اندر نہ جائے تو موت ہے، اور اندر جانے کے بعد باہر نہ آئے تو موت ہے۔ اس طرح ایک سانس میں دو نعمتیں جمع ہیں۔ اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے تو ایک سانس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دو شکر واجب ہوئے۔ اگر انسان صرف سانس کی نعمت پر شکر ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں کرسکتا، دیگر نعمتوں کی بات تو دوسری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں اور ان کا شمار بھی ممکن نہیں"۔

سب سے عظیم نعمت

لیکن ان تمام نعمتوں میں سب سے جلیل القدر نعمت، سب سے عظیم الشان نعمت جس کے برابر کوئی اور نعمت نہیں ہوسکتی، وہ ایمان کی نعمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے ایمان کی نعمت سے نوازا، اس کی قدر وقیمت کا احساس ہم کو اس لئے نہیں ہے کہ یہ نعمت ہم کو ماں باپ سے مفت میں مل گئی، اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑی، کوئی قربانی نہیں دینی پڑی، کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ اس واسطے اس کی قدر وقیمت کا احساس نہیں ہے۔ اس کی قدر وقیمت پوچھئے بلال حبشیؓ سے، صہیب رومیؓ سے، زید بن حارثہؓ سے، جنہوں نے اس کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں، قربانیاں جھیلیں، تب جاکر انہیں یہ نعمت حاصل ہوئی۔ چونکہ اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں مسلمان گھرانہ میں پیدا کیا، اور بغیر کسی مشقت کے یہ نعمت حاصل ہوگئی، اس لئے اس کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا، ورنہ ساری نعمتوں پر سب سے زیادہ فوقیت رکھنے والی یہی ایمان کی نعمت ہے۔ ایمان کے بعد اس کائنات کی سب سے عظیم نعمت،

ایمان کے تقاضوں کے علم کی نعمت ہے کہ ایمان کیا تقاضا کرتا ہے؟ کیا مطالبات رکھتا ہے؟ اس کے نتیجہ میں انسان کے اوپر کیا فرائض وواجبات عائد ہوتے ہیں؟ یہ علم ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت ہے۔

دینی مدارس اور پروپیگنڈہ

یہ ادارہ دارالعلوم جس کے تعلیمی سال کا آج اختتام ہو رہا ہے، الحمدللہ اسی علم دین کی خدمت کے لئے اور اسی علم کے پہنچانے اور پھیلانے کے لئے کچھ اللہ والوں نے اپنے اخلاص کے ساتھ قائم فرمایا تھا، اور اسی راستہ پر حتی الامکان چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج کی فضاء میں طرح طرح کے نعرے، طرح طرح کے پروپیگنڈے، طرح طرح کے اعتراضات، ان دینی مدارس پر کئے جارہے ہیں۔ اعتراضات اور طعنوں کا ایک سیلاب ہے، جو ان مدارس کی طرف بہایا جارہا ہے۔ یہ اعتراضات کچھ تو ان معاندین کی طرف سے ہیں جو دین کے دشمن، اسلام کے دشمن اور اس زمین پر اللہ کے کلمہ کے غلبہ کے دشمن ہیں۔ وہ ان مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دین سے تعلق رکھنے والے بھی اس پروپیگنڈہ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ان دینی مدارس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا ہوجاتے ہیں۔

مولوی کے ہر کام پر اعتراض

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ بعض اوقات ہنسی میں فرمایا کرتے تھے کہ "یہ مولوی ملامتی فرقہ ہے" یعنی جب کہیں دنیا میں کوئی خرابی ہوگی تو لوگ اس کو مولوی کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولوی کوئی بھی کام کرے، اس میں کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو ضرور نکال لیتے ہیں۔ مولوی اگر بیچارہ گوشہ نشین ہے اور اللہ اللہ کر رہا ہے، قال اللہ، قال الرسول کا درس دے رہا ہے تو اعتراض یہ ہے کہ یہ مولوی تو دنیا سے بے

خبر ہے، دنیا کہاں جارہی ہے، ان کو اپنے بسم اللہ کے گنبد سے نکلنے کی فرصت نہیں۔ اگر کوئی مولوی بچارہ اصلاح کے لئے یا کسی اجتماعی کام کے لئے گوشہ سے باہر نکل آئے تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کا تو کام تھا مدرسہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا اور آج یہ سیاست میں اور حکومت کے معاملات میں دخل انداز ہورہے ہیں۔

اگر مولوی بچارہ ایسا ہو کہ اس کے پاس مالی وسائل کا فقدان ہو، فقر و تنگ دستی کا شکار ہو تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے طالب علموں کے لئے مالی وسائل کا انتظام نہیں کررکھا ہے، یہ مدرسہ سے نکل کر کہاں جائیں گے؟ کہاں سے روٹی کھائیں گے؟ کہاں سے گزارہ ہوگا؟ اور اگر کسی مولوی کے پاس پیسے زیادہ آگئے تو کہتے ہیں کہ لیجئے یہ مولانا صاحب ہیں؟ یہ تو لکھ پتی اور کروڑ پتی بن گئے، ان کے پاس تو دولت آگئی۔ تو اس بچارے مولوی کی کسی حالت میں معافی نہیں۔ یہ مولوی ملامتی فرقہ ہے۔

یہ جماعت اسلام کے لئے ڈھال ہے

ایک قوم تو وہ ہے جو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ، پروپیگنڈہ کرکے اہل علم اور طلبہ کے خلاف بدگمانیاں پھیلا رہی ہے خوب سمجھ لیں، یہ اسلام دشمنی ہے، اس لئے کہ اسلام کے دشمن اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس روئے زمین کے اوپر جو طبقہ الحمدللہ اسلام کے لئے ڈھال بنا ہوا ہے وہ یہی بوریہ نشینوں کی جماعت ہے، انہیں بوریہ پر بیٹھنے والوں نے الحمدللہ اسلام کے لئے ڈھال کا کام کیا ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ جب تک مولوی اس روئے زمین پر موجود ہے، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ اس زمین سے اسلام کا نشان نہیں مٹایا جاسکتا، اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جس جگہ پر بوریہ نشین مولوی ختم ہوگئے، وہاں اسلام کا کس کس طرح حلیہ بگاڑا گیا، اور اسلام کو مٹانے کی سازشیں کس طرح کامیاب ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے بہت دنیا دکھائی ہے، اور عالم اسلام کے ایسے ایسے خطوں میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں اب ان مدارس کا بیج مار دیا گیا ہے، لیکن اس کا نتیجہ کھلی آنکھوں سے

یوں نظر آتا ہے کہ جیسے کسی چرواہے کو قتل کردینے کے بعد بھیڑوں کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا اور بھیڑیئے انہیں پھاڑ کر کھاجاتے ہیں۔ آج بہت سے خطوں میں عام مسلمانوں کا دینی اعتبار سے یہی حال ہے۔

بغداد میں دینی مدرسہ کی تلاش

میرا بغداد جانا ہوا، بغداد وہ شہر ہے جو صدیوں تک عالمِ اسلام کا پایہ تخت رہا ہے۔ وہاں خلافتِ عباسیہ کا جاہ و جلال دنیا نے دیکھا، اور علوم وفنون کے بازار گرم ہوئے، جب میں وہاں پہنچا تو کسی سے معلوم کیا کہ یہاں کوئی مدرسہ ہے؟ علم دین کا کوئی مرکز ہے جہاں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہو؟ میں اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

کسی نے بتایا کہ یہاں ایسے مدرسے کا کوئی نام ونشان نہیں ہے، اب تو سارے مدارس اسکولوں اور کالجوں میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ اب دین کی تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں کی فیکلٹیز ہیں۔ ان میں دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کے اساتذہ کو دیکھ کر یہ پتہ چلانا مشکل ہوتا ہے کہ عالم تو کجا، یہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ ان اداروں میں مخلوط تعلیم رائج ہے، مرد، عورتیں ایک ساتھ زیر تعلیم ہیں، اور اسلام محض ایک نظریہ ہو کر رہ گیا، جس کو تاریخی فلسفے کے طور پر پڑھا پڑھایا جارہا ہے۔ زندگیوں میں اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ جس طرح مستشرقین پڑھتے ہیں۔ آج امریکہ، کینیڈا اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھی اسلامی تعلیم ہورہی ہے، اسلام پڑھایا جارہا ہے۔ وہاں پر بھی حدیث فقہ اور تفسیر کی تعلیم کا انتظام ہے، ان کے مقالات اگر آپ پڑھیں تو ایسی ایسی کتابوں کے نام نظر آئیں گے جن کا ہمارے سیدھے سادے مولویوں کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔ بظاہر بڑی تحقیق کے ساتھ کام ہورہا ہے۔ لیکن وہ دین کی کیا تعلیم ہوئی جو انسان کو ایمان کی دولت بھی عطا نہ کرسکے۔ صبح سے شام تک اسلامی علوم کے سمندر میں غوطے لگانے کے باوجود ناکام ہی لوٹتے ہیں، اور اس کے قطرہ سے حلق بھی تر نہیں کرتے، مغرب کی ان تعلیم گاہوں میں کلیۃ شرعیۃ بھی ہے، کلیۃ اصول الدین بھی ہے۔ لیکن

اس کا کوئی اثر زندگی میں نظر نہیں آتا۔ ان علوم کی روح فنا کردی گئی ہے۔
پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ کوئی مدرسہ نہ سہی، کوئی عالم جو پرانے طریقوں کے ہوں، مجھے ان کا پتہ بتلادیا جائے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے بتایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے مزار مبارک کے قریب ایک مسجد میں مکتب قائم ہے، اس مکتب میں ایک قدیم استاد رہتے ہیں۔ جنہوں نے قدیم طریقہ سے پڑھا ہے، میں تلاش کرتا ہوا ان کی خدمت میں پہنچ گیا، دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعۃً پرانے طرز کے بزرگ ہیں، اور انہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ کسی متقی عالم اللہ والے کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے بھی بوریہ پر بیٹھ کر پڑھا تھا، یہی روکھی سوکھی کھا کر، موٹا جھوٹا پہن کر تعلیم حاصل کی تھی، چہرے پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علوم شریعت کے انوار نظر آئے، اور ان کی خدمت میں تھوڑی دیر بیٹھ کر اندازہ ہوا کہ میں جنت کی فضاء میں آگیا۔

مدارس کے خاتمہ کو برداشت نہ کرنا

سلام ودعا کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے؟ میں نے بتایا کہ پاکستان سے آیا ہوں، پھر انہوں نے مجھ سے دارالعلوم کے بارے میں کچھ سوالات کئے کہ جس مدرسہ میں آپ پڑھتے پڑھاتے ہیں وہ کیسا مدرسہ ہے؟ میں نے انہیں تفصیل بتلادی، پوچھنے لگے وہاں کیا پڑھایا جاتا ہے؟ کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں؟ میں نے ان کتابوں کے نام ذکر کئے جو ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں تو ان کی چیخ نکل گئی، اور رو پڑے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، کہنے لگے، اب تک یہ کتابیں تمہارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں؟ میں نے کہا کہ الحمدللہ پڑھائی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ ہم تو آج ان کتابوں کا نام سننے سے بھی محروم ہوگئے اور آج ان کا نام سن کر مجھے رونا آگیا۔ یہ کتابیں اللہ والے پیدا کیا کرتی تھیں۔ یہ صحیح مسلمان پیدا کیا کرتی تھیں۔ ہمارے ملک سے تو ان کا خاتمہ ہوگیا، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں، میرا یہ پیغام آپ اپنے ملک کے اہل علم وعوام تک

پہنچا دیجئے کہ اللہ کے لئے ہر چیز کو برداشت کرلینا، مگر اس طرح کے مدرسوں کو ختم
کرنے کو ہرگز برداشت نہ کرنا، دشمنان اسلام اس راز سے واقف ہیں کہ جب تک یہ
سیدھا سادہ بوریہ پر بیٹھنے والا مولوی اس معاشرہ میں موجود ہے، مسلمانوں کے دلوں سے
ایمان کو کھرچا نہیں جاسکتا، لہٰذا دشمنان اسلام نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کے اوپر اپنی
پوری مشینری لگائی ہوئی ہے۔

دینی غیرت کے خاتمہ کا ایک علاج

شاعر مشرق اقبال مرحوم کے بارے میں یہ بات بڑی مشہور ہے کہ انہوں نے ملا کے
بارے میں طنز آمیز کلمات کہے ہیں۔ لیکن جگہ جگہ انہوں نے ایسی باتیں بھی کہہ دی ہیں
جو انسان کو حقیقت تک پہنچانے والی ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے انگریزوں اور دشمنان
اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے افغانستان کے بارے میں ایک شعر کہا ہے ۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ ودمن سے نکال دو

افغانیوں کی دینی غیرت کو اگر تباہ کرنا چاہتے ہو اور اس کو ختم کرنا چاہتے ہو تو اس کا
واحد راستہ یہ ہے کہ ملا کو اس معاشرے سے نکال دو، جب تک یہ ملا بیٹھا ہوا ہے۔ اس
وقت تک ان کے دلوں سے ایمان کی غیرت کو نہیں نکالا جاسکتا۔

مدارس پر اعتراضات

غرض مدارس کے بارے میں طرح طرح کے پروپیگنڈے پھیلائے جارہے ہیں کہ یہ
چودہ سو سال پرانے لوگ ہیں، دقیانوسی لوگ ہیں۔ یہ رجعت پسند لوگ ہیں۔ ان کو دنیا
کے حالات کی خبر نہیں ہے، ان کو اس دنیا میں رہنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ ان کے پاس
دنیاوی علوم وفنون نہیں ہیں۔ یہ امت مسلمہ کا پہیہ الٹا چلانے کی کوشش میں ہیں۔ یہ
نعرے مختلف اوقات میں لگائے جاتے رہے ہیں، اور آج پھر پوری شدت سے ان کی

صدائے بازگشت ہمارے ملک میں سنائی دے رہی ہے۔

یہ اعتراض بھی ہو رہا ہے کہ دینی مدارس دہشت گرد بن گئے ہیں، یہ ترقی کے دشمن ہیں۔ دہشت گردی کا طعنہ ان کے اوپر، بنیاد پرستی کا بھی طعنہ ان کے اوپر، رجعت پسندی کا بھی طعنہ ان کے اوپر۔ تنگ نظری کا بھی طعنہ ان کے اوپر، ترقی کے دشمن ہونے کا بھی طعنہ ان کے اوپر، ساری دنیا کے طعنوں کی بارش اس بیچارے مولوی کے اوپر ہے، لیکن یہ مولوی بہت پکا ہے۔

مولوی بڑا سخت جان ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مولوی بڑا سخت جان ہے۔ اس پر ان طعنوں کی کتنی ہی بارش کردو، یہ ہر طرح کے حالات برداشت کرلیتا ہے، اس لئے کہ جب کوئی آدمی اس کوچہ میں داخل ہوتا ہے تو الحمدللہ کمر مضبوط کر کے داخل ہوتا ہے، اس کو پتہ ہے کہ یہ سارے طعنے مجھے برداشت کرنے پڑیں گے۔ دنیا مجھے برا کہے گی، وہ ان سب طعنوں کا استقبال کرتے ہوئے اور خوش آمدید کہتے ہوئے اس میں داخل ہوتا ہے۔

جس کو ہو جان ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

اس گلی میں تو آتا ہی وہ ہے جس کو معلوم ہے کہ یہ سب طعنے برداشت کرنے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت بین نگاہ عطا کرے تو یہ طعنے ایک داعی حق کے گلے کا زیور ہیں۔ اس کے سر کا تاج ہیں، یہ وہ طعنے ہیں جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی سنے، اور انبیاء کرام کے وارثوں نے بھی سنے، اور قیامت تک یہ طعنے دیئے جاتے رہیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے راستہ پر رکھے، اخلاص عطا فرمائے۔ اپنی رضاجوئی کی فکر عطا فرمائے آمین ـــــ یہ طعنے بے حقیقت ہیں۔ ایک دن وہ آئے گا جب یہ مولوی انشاء اللہ تعالیٰ یہ کہنے کی پوزیشن میں ہو گا۔

﴿فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون﴾ (المطففین:۳۴)

وہ وقت آئے گا، جب طعنے دینے والوں کے گلے بیٹھ جائیں گے، ان کی آواز دھیمی پڑ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس طبقے کو عزت و شوکت عطا فرمائیں گے جس طبقے کو آج بے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔

﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾ (المنافقون:۸)

عزت درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دینی مدارس ان طعنوں کے طوفان میں الحمدللہ چل رہے ہیں۔ اور جب تک اللہ جل جلالہ کو اس دین حق کا بقاء منظور ہے، اس وقت تک انشاء اللہ یہ مدارس موجود رہیں گے، لوگ ہزار طعنے دیا کریں، ان کے طعنوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

مولوی کی روٹی کی فکر چھوڑ دو

آج ہمارے ماحول کے اندر بار بار یہ آوازیں اٹھتی ہیں کہ ان دینی مدارس کو بند کردیا جائے ان کو ختم کردیا جائے، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ عناد کی وجہ سے نہیں، لیکن ہمدردی ہی کے پیرایہ میں ان نعروں کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اپنی دانست میں اصلاح ہی کی غرض سے مشورے دیتے ہیں۔

کبھی کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ مولویوں کے کھانے، کمانے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو کوئی ہنر سکھانا چاہئے۔ بڑھئی کا کام سکھادو، کچھ لوہار کا کام سکھادو، کچھ ایسے صنعتی کام سکھادو کہ یہ اپنی روٹی کما سکیں، لوگ طرح طرح کی تجویزیں لے کر آتے ہیں کہ ایک دارالصنائع قائم کردو، تاکہ ان مولویوں کی روٹی کا بندوبست ہو جائے۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے اس مولوی کی روٹی کی فکر چھوڑ دو، یہ اپنی روٹی خود کھا کما لے گا، اس کی فکر چھوڑ دو، مجھے کچھ مثالیں ایسی دے دو کہ کسی مولوی نے فقر و فاقہ کی وجہ سے خودکشی کی ہو۔ بہت سے پی ایچ ڈی اور ماسٹر ڈگری رکھنے والوں کی مثالیں میں دے دیتا ہوں جنہوں نے خودکشی کی، اور حالات

سے تنگ آکر اپنے آپ کو ختم کر ڈالا۔ اور بہت سے ایسے ملیں گے جو ان ڈگریوں کو لئے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں لیکن نوکری نہیں ملتی، لیکن ایک مولوی ایسا نہیں بتا سکتے جس نے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی ہو، یا اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ وہ بیکار بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مولوی کا بھی انتظام کر دیتے ہیں۔ دوسروں سے بہت اچھا انتظام فرماتے ہیں۔

اس دنیا کو ٹھکرا دو

میرے طالب علم ساتھیو! اچھی طرح سمجھ لو، اس دنیا کا خاصہ یہ ہے کہ جتنا آدمی اس دنیا کے پیچھے دوڑے گا، دنیا اس سے بھاگے گی، اور جتنا اس دنیا سے بھاگے گا، دنیا اس کے پیچھے بھاگے گی۔ کسی نے اس کی مثال سائے سے دی ہے، اگر کوئی آدمی سائے کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے تو سایہ اس سے آگے آگے بڑھتا رہے گا اور وہ سائے کو پکڑ نہیں سکے گا، اور اگر کوئی شخص پیٹھ موڑ کر بھاگنا شروع کر دے تو سایہ اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے گا۔ اسی طرح انسان جتنا اس دنیا کا طالب ہوگا، دنیا اس سے دور بھاگے گی اور جتنا اس سے دور بھاگے گا اور اس سے سچے دل سے منہ موڑ لے گا تو دنیا اس کے آگے ذلیل ہو کر آئے گی، وہ ٹھوکریں مارے گا، مگر دنیا اس کے قدموں پر آکر گرے گی۔ اور عام طور پر دیکھ لو، اللہ کے جن بندوں نے اللہ پر بھروسہ کر کے اللہ کے دین کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا اور اس کی خاطر دنیا کو ایک مرتبہ ٹھوکر مار دی تو اللہ نے ان کے قدموں میں دنیا کو اس طرح بھیج دیا کہ دوسرے رشک کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا انتظام کرتے ہیں اور آنکھوں سے دکھاتے ہیں کہ اللہ والوں کی عزت کیا ہے؟ رب کریم ہمیں اپنے فضل وکرم سے اخلاص عطا فرمائے، اور اپنا بنالے۔ اور ہمارے دلوں کے اندر یہ جذبہ پیدا فرمادے اور ہمیں اپنی زندگیاں اپنے دین کی خاطر وقف کرنے کی توفیق عطا فرمادے آمین۔ اور پھر انشاء اللہ دنیا و آخرت میں کہیں گھاٹا نہیں ——— لہٰذا مولوی کی روٹی کی فکر آپ چھوڑ دیں، اللہ تبارک وتعالیٰ بہترین

کفیل ہے ـــــ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ خالق کائنات کتوں کو روزی دیتا ہے، گدھوں کو دیتا ہے، خنزیروں کو دیتا ہے، وہ اپنے دین کے حاملوں کو کیوں نہیں دے گا، اس لئے تم یہ فکر چھوڑ دو۔

مولوی کو لوہار اور بڑھئی مت بناؤ

ایک دین کے حامل کو دین کا پیغام مؤثر انداز میں پہنچانے کے لئے اور اس کو دنیا میں پھیلانے کے لئے بعض دنیاوی علوم وفنون کی بھی ضرورت ہے، اور فقیہ وہ ہے جو حالات زمانہ سے واقف ہو، اس نیت سے وہ جو کچھ پڑھے اور پڑھائے، وہ دین کا ہی حصہ ہے۔ لیکن یاد رکھو، اگر ایک مرتبہ آپ نے مولوی کو بڑھئی یا لوہار بنادیا تو پھر وہ بڑھئی یا لوہار ہی ہو جائے گا۔ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ منطق کا قاعدہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، ایک مولوی ہے اس نے بڑھئی یا لوہار کا کام بھی سیکھ لیا، اور اس نے یہ سوچا کہ سارا وقت تو بڑھئی یا لوہار کے کام میں لگاؤں گا، اور اللہ تعالیٰ موقع دے گا تو بغیر تنخواہ کے دین کی خدمت کروں گا تو ایسا مولوی بڑھئی یا لوہار ہی بن جائے گا، لیکن دین کا کام نہیں کرسکے گا۔

ایک سبق آموز واقعہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ: ہمارے ایک بڑے بزرگ دار العلوم دیوبند کے نامی گرامی استاذ حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، یہ حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، علم وادب میں بہت آگے تھے۔ دار العلوم دیوبند میں پڑھایا کرتے تھے۔ پڑھاتے پڑھاتے خیال آیا کہ ہم مدرسے میں پڑھا کر تنخواہ لیتے ہیں، یہ تو مزدوری ہوئی، دین کی خدمت نہ ہوئی، دین کی خدمت تو وہ ہے جو بغیر تنخواہ کے کی جائے، ہم جو تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں، معلوم نہیں اس کا اجر بھی ملے گا یا نہیں؟ اس واسطے اپنے لئے کوئی

ایسا ذریعہ معاش تلاش کریں کہ اپنا گزارہ اسی میں ہو جائے، اور فارغ وقت میں اللہ کے دین کی خدمت بغیر معاوضہ کے کریں، مثلاً کہیں وعظ کر دیا، کہیں تقریر کر دی، کبھی فتویٰ لکھ دیا، چنانچہ اسی دوران ایک سرکاری تعلیم گاہ سے ایک پیش کش آگئی کہ آپ ہمارے یہاں آکر پڑھائیں، اتنی تنخواہ آپ کو دی جائے گی۔ (یہ آپ جانتے ہیں کہ سرکاری اداروں کے اندر استاد کا کام بڑا ہلکا ہوتا ہے، سارے دن میں گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھانے کے ہوتے ہیں اور پڑھانے میں بھی ایسا مواد نہیں ہوتا کہ اس کے مطالعہ میں کوئی مشکل پیدا ہو، یہ تو دینی مدارس ہی ہیں کہ مولوی پانچ گھنٹے پڑھاتا ہے اور پانچ گھنٹے پڑھانے کے لئے دس گھنٹے مطالعہ کرتا ہے، کولہو کے بیل کی طرح کام کرتا ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہ کولہو کا بیل نہیں پایا جاتا) بہرحال، مولانا نے سوچا کہ دین کی خدمت کرنے کا یہ اچھا موقع ہے، وہاں دو گھنٹے پڑھاؤں گا۔ باقی وقت بغیر اجرت ومعاوضہ کے دین کی خدمت انجام دوں گا۔ اسی جذبے کے تحت حضرت شیخ الہند سے عرض کیا کہ حضرت مجھے یہ پیش کش آئی ہے اور اس غرض سے جانا چاہتا ہوں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ: اچھا بھئی تمہارے دل کے اندر داعیہ ہے تو جاکے دیکھ لو، حضرت نے سوچا کہ ان کے دل میں داعیہ قوی ہے، اور اس وقت روکنا مناسب نہیں، اس لئے اجازت دے دی اور وہ چلے گئے۔ چھ مہینے گزر گئے، چھ مہینے کے بعد چھٹیوں میں دیوبند آئے تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی ہی ملاقات میں پوچھا کہ مولانا سہول صاحب! آپ اس خیال سے گئے تھے کہ سرکاری مدرسہ میں پڑھانے کے اوقات کے علاوہ دین کی خدمت انجام دیں گے، یہ بتاؤ کہ اس عرصہ میں کتنی تصانیف لکھیں؟ کتنے فتوے لکھے؟ اور کتنے وعظ کہے؟ اس کا حساب تو دے دو، تو مولانا رو پڑے، اور فرمایا کہ حضرت یہ شیطانی دھوکہ تھا، اس لئے کہ دار العلوم میں رہ کر اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کی جو توفیق عطا فرماتے تھے، وہاں جاکر اس کی آدھی بھی توفیق نہیں رہی۔ حالانکہ فارغ وقت کئی گنا زیادہ تھا۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد میرے والد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ان مدارس کی فضا میں ایک خاص برکت اور نور رکھا ہے اور اس میں رہ کر اللہ تبارک وتعالیٰ خدمتِ دین کی یہ توفیق عطا فرمادیتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرمائے، اور یہ تنخواہ جو مل رہی ہے یہ تنخواہ نہیں ہے، یہ درحقیقت نفقہ اور خرچہ ہے، اور اس نفقہ پر رہتے ہوئے کام کرو تو اللہ تبارک وتعالیٰ خدمت دین کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ انشاء اللہ۔

درس وتدریس کی برکت

میں اپنا ذاتی تجربہ عرض کرتا ہوں، اور شاید میرے سارے رفقاء اس کی تائید فرمائیں گے کہ جس زمانہ میں دارالعلوم میں درس جاری رہتا ہے اس زمانہ کا مقابلہ چھٹی کے زمانہ سے کرکے دیکھ لو، جب چھٹی کا زمانہ آتا ہے تو ہم پہلے سے منصوبے بناتے ہیں کہ فلاں فلاں کام کریں گے، لیکن جتنا کام درس کے زمانہ میں ہوجاتا ہے چھٹی کے زمانہ میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ درس کی وجہ سے برکت عطا فرمادیتے ہیں۔

طلبہ کا کیریئر آخرت سنوارنا

اس سال دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد دو ہزار آٹھ سو پچاس ہے۔ اور قرآن کریم کے جو مکاتب شہر میں قائم ہیں۔ ان میں طلبہ کی تعداد پانچ چھ ہزار سے زیادہ ہے، دورۂ حدیث میں ایک سو اٹھاون طالب علم تھے جو اس سال فارغ التحصیل ہورہے ہیں۔ الحمد للہ عالم بن رہے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ اتنی ساری تعداد کہاں کھپے گی، ایک لفظ زبان زد ہے کہ ان کا کیریئر کیا ہے؟ ان کا مستقبل کیا ہے؟ اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا:

حضرت معروف کرخیؒ کا ایک واقعہ

حضرت معروف کرخیؒ بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ بغداد میں ان کا مزار

ہے، میں بھی الحمدللہ ان کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جارہے تھے۔ اسی دوران دریائے دجلہ میں ایک کشتی گزری جس میں کچھ آزاد منش نوجوان سوار تھے، اور گاتے بجاتے جارہے تھے، شوخیوں اور رنگ رلیوں میں مست تھے، کشتی جب حضرت معروف کرخیؒ کے پاس سے گزری تو ان کو دیکھ کر ان نوجوانوں کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی، کوئی جملہ بھی چست کردیا، رنگ رلیوں کے دوران کوئی مولوی آجائے اور اس پر کوئی جملہ کس دیا جائے، اس سے اچھی کیا بات ہے؟ حضرت معروف کرخیؒ کے برابر میں جو صاحب تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: حضرت یہ اوباش لوگ جو خود تو فسق وفجور میں مبتلا ہیں ہی، یہ اللہ والوں کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں۔ آپ ان کے لئے بددعا کردیجئے۔ حضرت معروف کرخیؒ نے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

"یا اللہ! آپ نے ان نوجوانوں کو دنیاوی مسرتیں عطا فرمائی ہیں،
یااللہ ان کو آخرت کی بھی مسرتیں عطا فرما"۔

آپ کا ساتھی کہنے لگا کہ: حضرت آپ نے تو ان کے حق میں بددعا کرنے کے بجائے دعا کردی۔ حضرت کرخیؒ نے جواب دیا کہ میرا کیا نقصان ہوا؟ میں نے تو ان کے لئے آخرت کی مسرتوں کی دعا کی ہے، اور آخرت میں مسرتیں تب ہی حاصل ہو سکتی ہیں جب یہ صحیح معنی میں مسلمان اور نیک بنیں۔

بہرحال، جو آدمی مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا ہے وہ درحقیقت حضرت معروف کرخیؒ کی اس بات پر عمل کرتا ہے کہ میرے دوسرے مسلمان بھائیوں کی جس طرح دنیا بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی آخرت کو بھی بہتر کردے۔ یہ طلبہ اپنی اور دوسروں کی آخرت بہتر بنانے کے لئے یہاں آتے ہیں، یہی ان کا کیریئر ہے اور یہی ان کا مستقبل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مستقبل کو خراب نہیں کرتے۔ کسی کو ان کی فکر کی ضرورت نہیں، فکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ایمان پر قائم رکھے، اور دین کے تقاضوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مدارس کی آمدنی اور مصارف

اس دار العلوم کا ماہانہ خرچ لاکھوں روپے میں ہے اور اس کا کوئی بجٹ نہیں بنتا، اتنے بڑے خرچ کا کوئی ادارہ دینی مدارس کے علاوہ آپ مجھے دکھا دیجئے جس کا بجٹ نہ بنتا ہو، بجٹ وہاں بنتا ہے جہاں آمدنی کے ذرائع متعین ہوں، آمدنی ہی کے دائرے میں اخراجات کا میزانیہ بنایا جاتا ہے، جبکہ ہمیں نہیں معلوم کہ آئندہ کتنی آمدنی ہوگی؟ آج تک کبھی بجٹ کی بنیاد پر کوئی کام نہیں ہوا۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے ضرورت کے سب کام ہوجاتے ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ سالانہ اتنا بڑا خرچہ ہے تو آمدنی کیا ہے؟ مستقل آمدنی جس کے بارے میں یقین سے میں بتلاسکوں، کچھ نہیں ہے البتہ کچھ مکانات وقف کے ہیں ان کے کرایہ کی مجموعی آمدنی بمشکل پچاس ساٹھ ہزار کے قریب ہوگی، لوگ پوچھتے ہیں کہ پھر مزید خرچہ کہاں سے آتا ہے؟ میں جواب میں عرض کیا کرتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کہاں سے آتا ہے۔ واقعہ بھی یہ ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں، باقی کہاں سے آرہے ہیں اور کس طرح آرہے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔

دار العلوم کی طرف سے نہ کوئی اشتہار ہے، نہ کوئی اعلان ہے نہ اپیل کی جاتی ہے کہ دار العلوم کے اندر اتنا خرچ ہوتا ہے آپ اس میں چندہ دیں۔ فون اٹھا کر کسی سے ذکر کرنے کا بھی معمول نہیں ہے۔ آج سے پندرہ دن پہلے جب میں سفر پر جارہا تھا تو اس وقت پتہ چلا کہ شعبان کے مہینے کے اخراجات موجود نہیں ہیں۔ جو بیلنس ہے وہ شعبان کے اخراجات کے لئے بھی کافی نہیں۔ اس وقت بھی کسی سے ذکر نہیں کیا، البتہ ایک دوست اتفاق سے آگئے، ان سے ضمناً ذکر آگیا، پھر معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوا؟

اللہ سے مانگ لیتے ہیں

البتہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک بات سکھا گئے ہیں کہ جب کبھی ایسا موقع آئے تو ہاتھ اٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگ لیا کرو، تو الحمد للہ اس کی توفیق ہوئی۔ اللہ

تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلادیئے اور مانگ لیا۔ میں نے آنے کے بعد ابھی تک پوچھا بھی نہیں کہ پوزیشن کیا ہے؟ ابھی تک معلوم نہیں، لیکن الحمدللہ ضرورت کا کوئی کام اللہ تبارک وتعالیٰ روکتے نہیں۔ یہ ہمارے والد ماجد کے اخلاص کا اور ان کی نالہ نیم شبی کا، اور میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ کی دعاؤں کا اور ان کے اخلاص کا صدقہ ہے۔

اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اگر ہمارے زور بازو پر چھوڑا جاتا تو اتنا بڑا ادارہ نہیں چل سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان بزرگوں کی دعاؤں اور اخلاص کے نتیجہ میں الحمدللہ اس کو چلا رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود اس کے کفیل ہیں۔

یہ مدرسہ ہے دکان نہیں ہے

میرے والد ماجد نے یہ بات فرمائی تھی کہ ہم نے کوئی دکان نہیں کھولی ہے۔ جس کا ہر دم چالو رہنا ضروری ہو، جب تک اصول صحیحہ سے اس کو چلا سکو چلاؤ، جب یہ خیال ہو کہ اصول کو پامال کرنا پڑے گا، اور دین کی بے عزتی کرنی پڑے گی۔ اسے تالہ ڈال دینا اور بند کردینا، یہ وصیت کر کے تشریف لے گئے۔ الحمدللہ آج تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے، اس کو چلا رہے ہیں۔ یہ مثال دنیا کے کسی ادارہ میں نہیں ملے گی۔ یہ اللہ جل جلالہ کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ بے شک کوئی آدمی اس میں اصلاحات کی غرض سے کوئی تجویز پیش کرے تو اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن کوئی شخص یہ چاہے کہ یہ دینی مدرسہ اپنی روش سے ہٹ کر کسی اور طریقے میں تبدیل ہو جائے۔ یہ انشاء اللہ کبھی نہیں ہو گا۔ جب تک ہمارے دم میں دم ہے، اور جب تک سانس میں سانس ہے، یہ اپنی روش سے نہیں ہٹے گا، انشاء اللہ اور جس دن اس کو ہٹانا پڑا، اس دن اس کو بند کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس مزاج کے ساتھ قیامت تک قائم رکھے اور اس کو اپنی رضا کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے

آپ کا وقت لے لیا، لیکن یہ ایک ضروری بات تھی جو کہنی ضروری تھی۔

تم اپنی قدر پہچانو

میرے طالب علم ساتھیو!

آپ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس دنیا میں جاؤ گے، جس میں لوگ طعنوں اور اعتراضات کے تیر کمانوں میں چڑھائے ہوئے ہیں، جہاں پہنچو گے وہاں ان تیروں اور طعنوں کی بارش ہوگی، لیکن یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے سپاہی ہو۔

میرے بزرگ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اسی مسجد میں بیٹھ کر صرف ایک جملہ فرما گئے تھے۔ وہ اپنے دل پر نقش کرلو، وہ جملہ یہ ہے:

"طالب علمو! اپنی قدر پہچانو"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو علم کی دولت سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے دین کی خدمت کے لئے چُنا ہے۔

یہ نعمت اور یہ عزت تمام دنیا پر بھاری ہے، خواہ یہ دنیا والے کتنے ہی اعتراضات کریں۔ تمہارے دل کے اندر اپنے دین کی عزت ہوگی تو اس کو کوئی نہیں مٹا سکے گا۔ جب تم اس یقین کے ساتھ دنیا میں جاؤ گے تو انشاء اللہ تم ہر جگہ سربلند ہو گے۔ بشرطیکہ تم نے جو علم یہاں حاصل کیا ہے اس کو اپنی زندگیوں میں اپناؤ۔ اور اس کو دنیا میں پھیلانے اور پہنچانے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں قدم قدم پر اپنی نصرت سے نوازے، تمہارے لئے قدم قدم پر کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھولے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ اپنے دین پر قائم رہنے اور اس علم کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بیماری اور
پریشانی ایک نعمت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۰۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۳ / اگست ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیماری اور پریشانی ایک نعمت

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا۔

اما بعد!

﴿فقد قال النبی صلی الله علیه وسلم: اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الأمثل فالأمثل﴾

پریشان حال کے لئے بشارت

اس حدیث میں اس شخص کے لئے بشارت ہے جو مختلف پریشانیوں میں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو اور ان پریشانیوں کے باوجود اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو اور وہ دعا کے ذریعہ اپنی اس تکلیف اور پریشانی کو دور کرنے کی فکر کر رہا ہو۔ ایسے شخص کے لئے اس حدیث میں بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت میں اور اپنے فضل و کرم سے یہ تکلیف دی ہے اور اس تکلیف کا منشاء اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں ہے۔

پریشانیوں کی دو قسمیں

جب انسان کسی پریشانی میں ہو۔ یا کسی بیماری یا تکلیف میں ہو۔ یا افلاس اور تنگ دستی میں ہو یا قرض کی پریشانی یا بیروزگاری کی پریشانی میں ہو۔ یا گھر کی طرف سے پریشانی ہو۔ اس قسم کی جتنی پریشانیاں جو انسان کو دنیا میں پیش آتی ہیں یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کی پریشانیاں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قہر اور عذاب ہوتا ہے۔ گناہوں کی اصل سزا تو انسان کو آخرت میں ملتی ہے۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر لعلهم يرجعون﴾

یعنی آخرت میں جو بڑا عذاب آنے والا ہے ہم اس سے پہلے دنیا میں بھی تھوڑا سا عذاب چکھا دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں۔ اور دوسری قسم کی تکلیف اور پریشانیاں وہ ہوتی ہیں جن کے ذریعہ بندے کے درجات بلند کرنے ہوتے ہیں۔ اور اس کے درجات کی بلندی اور اس کو اجر و ثواب دینے کے لئے اس کو تکلیفیں دی جاتی ہیں۔

"تکالیف" اللہ کا عذاب ہیں

لیکن دونوں قسم کی پریشانیوں اور تکالیف میں فرق کس طرح کریں گے کہ یہ پہلی قسم کی پریشانی ہے یا دوسری قسم کی پریشانی ہے؟ ان دونوں قسموں کی پریشانیوں اور تکالیف کی علامات الگ الگ ہیں۔ وہ یہ کہ اگر انسان ان تکالیف کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چھوڑ دے اور اس تکلیف کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنے لگے۔ مثلاً یہ کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) اس تکلیف اور پریشانی کے لئے میں ہی رہ گیا تھا، میرے اوپر یہ تکلیف کیوں آرہی ہے؟ یہ پریشانی مجھے کیوں دی جارہی ہے؟ وغیرہ اور

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے احکام چھوڑ دے، مثلاً پہلے نماز پڑھتا تھا اب تکلیف کی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دیا یا پہلے ذکر واذکار کے معمولات کا پابند تھا اب وہ معمولات چھوڑ دیے اور اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے دوسرے ظاہری اسباب تو اختیار کر رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار نہیں کرتا۔ دعا نہیں کرتا۔ یہ اس بات کی علامات ہیں کہ جو تکلیف اس پر آئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انسان پر قہر اور عذاب ہے اور سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

"تکالیف" اللہ کی رحمت بھی ہیں

اور اگر تکالیف آنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے اور دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں۔ اس تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے اپنی رحمت سے نجات دے دیجئے۔ اور دل کے اندر اس تکلیف پر شکوہ نہیں ہے وہ اس تکلیف کا احساس تو کر رہا ہے، رو بھی رہا ہے، رنج اور غم کا اظہار بھی کر رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوہ نہیں کر رہا ہے بلکہ اس تکلیف میں وہ پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھ رہا ہے۔ پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ترقی درجات ہے اور یہ تکالیف اس کے لئے اجر وثواب کا باعث ہیں۔ اور یہ تکلیف بھی اس کے لئے رحمت ہے۔ اور یہ اس انسان کے ساتھ اللہ کی محبت کی دلیل اور علامت ہے۔

کوئی شخص پریشانی سے خالی نہیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی کو دوسرے سے محبت ہوتی ہے تو محبت میں تو اس کو آرام پہنچایا جاتا ہے، راحت دی جاتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہے تو اس بندے کو آرام پہنچانا چاہئے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف کیوں دے

رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کوئی نہ کوئی صدمہ اور پریشانی نہ ہو۔ چاہے وہ بڑے سے بڑا نبی اور پیغمبر ہو، ولی اور صوفی ہو، یا بادشاہ ہو، یا سرمایہ دار ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں تکلیف کے بغیر زندگی گزارے، اس لئے کہ یہ عالم یعنی دنیا اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اس میں غم اور خوشی، راحت اور تکلیف سب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ خالص خوشی اور راحت کا مقام دنیا نہیں ہے۔ بلکہ وہ عالم جنت ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون یعنی وہاں نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم ہے۔ اصل خوشی اور راحت کا مقام تو وہ ہے۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہی ایسی ہے کہ اس میں کبھی خوشی ہوگی اور کبھی غم ہوگا، کبھی سردی ہوگی کبھی گرمی ہوگی۔ کبھی دھوپ ہوگی کبھی چھاؤں ہوگی۔ کبھی ایک حالت ہوگی کبھی دوسری حالت ہوگی۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اس دنیا میں بے غم ہو کر بیٹھ جائے۔

ایک نصیحت آموز قصہ

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ اس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! میرے لئے یہ دعا فرمادیں کہ مجھے زندگی میں کوئی غم اور تکلیف نہ آئے اور ساری زندگی بے غم گزر جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دعا تو میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس دنیا میں غم اور تکلیف تو آئے گی۔ البتہ ایک کام کر سکتا ہوں وہ یہ کہ تم دنیا میں ایسا آدمی تلاش کرو جو تمہیں سب سے زیادہ بے غم یا کم غم والا نظر آئے۔ پھر مجھے اس شخص کا پتہ بتادینا، میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کردوں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس جیسا بنادے۔ یہ شخص بہت خوش ہوا کہ چلو ایسا آدمی تو مل جائے گا جو بہت زیادہ آرام اور راحت میں ہوگا اور میں اس جیسا بننے کی دعا کرالوں گا۔ اب تلاش کرنے کے لئے نکلا، کبھی ایک آدمی کے بارے میں فیصلہ کرتا کہ اس جیسا بننے کی

دعا کراؤں گا۔ پھر دوسرا آدمی اس سے زیادہ دولت مند نظر آتا تو پھر یہ فیصلہ بدل دیتا کہ نہیں، اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا۔ غرض کافی عرصہ تک تلاش کرنے کے بعد اس کو ایک جوہری اور زرگر نظر آیا جو سونا چاندی، جواہرات اور قیمتی پتھر کی تجارت کرتا تھا۔ بہت بڑی اور آراستہ اس کی دوکان تھی، اس کا محل بڑا عالی شان تھا۔ بڑی قیمتی اور اعلیٰ قسم کی سواری تھی۔ نوکر چاکر خدمت میں لگے ہوئے تھے، اس کے بیٹے بڑے خوبصورت اور نوجوان تھے۔ ظاہری حالات دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص بڑے عیش و آرام میں ہے۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا۔ جب واپس جانے لگا تو خیال آیا کہ اس شخص کی ظاہری حالت تو بہت اچھی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اندر سے کسی بیماری یا پریشانی میں مبتلا ہو۔ جس کی وجہ سے میری موجودہ حالت بھی ختم ہو جائے۔ اس لئے اس جوہری سے جاکر پوچھنا چاہئے کہ وہ کس حالت میں ہے۔ چنانچہ یہ شخص اس جوہری کے پاس گیا اور اس سے جاکر کہا کہ تم بڑے عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہو۔ دولت کی ریل پیل ہے، نوکر چاکر لگے ہوئے ہیں۔ تو میں تم جیسا بننا چاہتا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اندرونی طور پر تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہو اور کسی بیماری یا مصیبت کے اندر مبتلا ہو؟

وہ جوہری اس شخص کو تنہائی میں لے گیا اور اس سے کہا کہ تمہارا خیال یہ ہے کہ میں بڑے عیش و آرام میں ہوں۔ بڑا دولت مند ہوں۔ بڑے نوکر چاکر خدمت گزاری میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں مجھ سے زیادہ غم اور تکلیف میں کوئی شخص نہیں ہوگا، پھر اس نے اپنی بیوی کی اخلاقی حالت کا بڑا عبرت ناک قصہ سناتے ہوئے کہا کہ یہ خوبصورت اور جوان بیٹے جو تمہیں نظر آرہے ہیں یہ حقیقت میں میرے بیٹے نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے میرا کوئی لمحہ اذیت اور پریشانی سے خالی نہیں گزرتا اور اندر سے میرے دل میں غم اور صدمہ کی جو آگ سلگ رہی ہے تم اس سے واقف نہیں ہو۔ اس لئے میرا جیسا بننے کی ہرگز دعامت کرانا۔ اب اس شخص کو پتہ چلا کہ جتنے لوگ مال و دولت اور عیش و آرام میں نظر آرہے ہیں وہ کسی نہ کسی مصیبت اور پریشانی میں گرفتار

ہیں۔ جب دوبارہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ ہاں بتاؤ تم کس جیسا بننا چاہتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے کوئی بھی شخص غم اور پریشانی سے خالی نظر نہیں آیا جس کے جیسا بننے کی دعا کراؤں۔ .... حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص تمہیں بے غم نظر نہیں آئے گا۔ البتہ میں تمہارے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت کی زندگی عطا فرمائے۔

ہر شخص کو دولت الگ الگ دی گئی ہے

اس دنیا میں کوئی بھی شخص صدمے، غم اور تکلیف سے خالی ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ کسی کو کم تکلیف ہے، کسی کو زیادہ ہے، کسی کو کوئی تکلیف، کسی کو کوئی تکلیف۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ کسی کو کوئی دولت دے دی ہے اور کسی سے کوئی دولت لے لی ہے۔ کسی کو صحت کی دولت دے دی ہے لیکن روپیہ پیسہ کی دولت سے محروم ہے۔ کسی کو روپیہ پیسہ کی دولت حاصل ہے تو صحت کی دولت سے محروم ہے۔ کسی کے گھر کے حالات اچھے ہیں لیکن معاشی حالات خراب ہیں۔ کسی کے معاشی حالات اچھے ہیں لیکن گھر کی طرف سے پریشانی ہے۔ غرض ہر شخص کا اپنا الگ حال ہے۔ اور ہر شخص کسی نہ کسی تکلیف اور پریشانی میں گھرا ہوا ہے۔ لیکن اگر یہ پریشانی پہلی قسم سے ہے تو یہ اس کے لئے عذاب ہے اور اگر دوسری قسم سے ہے تو یہ اس کے لئے رحمت اور باعث اجر وثواب ہے۔

محبوب بندے پر پریشانی کیوں؟

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اذا احب اللہ عبدا صب علیہ البلاء صبا﴾

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس پر مختلف قسم کی

آزمائشیں اور تکالیف بھیجتے ہیں۔ وہ آزمائشیں اور تکالیف اس پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یا اللہ! یہ تو آپ کا محبوب بندہ ہے۔ نیک بندہ ہے، آپ سے محبت کرنے والا ہے، تو پھر اس بندے پر اتنی آزمائشیں اور تکالیف کیوں بھیجی جارہی ہیں؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بندے کو اسی حال میں رہنے دو، اس لئے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس کی دعا کی اور اس کی گریہ وزاری اور آہ وبکا کی آواز سنوں۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے لیکن اس معنی کی متعدد احادیث آئی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس کو آزمائش میں مبتلا کرو، اس لئے کہ میں اس کی آہ وبکا اور اس کی گریہ وزاری کی آواز سننا پسند کرتا ہوں۔ بات وہی ہے کہ دنیا میں تکالیف اور پریشانیاں تو آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا محبوب بندہ ہے، میں اس کے لئے تکلیف کو دائمی راحت کا ذریعہ بنانا چاہتا ہوں اور تاکہ اس کا درجہ بلند ہوجائے۔ اور جب آخرت میں میرے پاس پہنچے تو گناہوں سے بالکل پاک وصاف ہو کر پہنچے، اس لئے اپنے محبوب اور اپنے پیاروں کو تکالیف اور پریشانیاں عطا فرماتے ہیں۔

صبر کرنے والوں پر انعامات

اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام سے زیادہ محبوب تو اللہ تعالیٰ کا کوئی اور ہو نہیں سکتا لیکن ان کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ:

﴿اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الأمثل فالأمثل﴾

یعنی اس دنیا میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں۔ پھر اس کے بعد جو شخص انبیاء علیہم السلام سے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے اور جتنا تعلق رکھنے والا ہوتا ہے اس پر اتنی ہی آزمائشیں زیادہ آئیں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھئے! جن کا لقب ہے "خلیل اللہ" اللہ کا دوست۔ لیکن ان پر بڑی بڑی بلائیں اور بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ چنانچہ آگ میں ان کو ڈالا گیا۔ بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ان کو دیا گیا۔

بیوی بچے کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کا حکم ان کو دیا گیا۔ غرض کہ یہ بڑی بڑی آزمائشیں ان پر آئیں، یہ تکالیف کیوں دی گئیں؟ تاکہ ان کے درجات بلند کئے جائیں۔ چنانچہ جب تکالیف پر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو انعام عطا فرمائیں گے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ ان تکلیفوں کی پَرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں تھی اور وہ ان تکالیف کو بھول جائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تکالیف پر صبر کرنے والوں کو آخرت میں انعام عطا فرمائیں گے تو دوسرے لوگ ان انعامات کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں اور اس پر ہم صبر کرتے تو آج ہم بھی ان انعامات کے مستحق ہوتے۔

تکالیف کی بہترین مثال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ان تکالیف کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی کے جسم میں کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے آپریشن کرنا تجویز کیا۔ اب مریض کو معلوم ہے کہ آپریشن میں چیر پھاڑ ہوگی، تکلیف ہوگی، لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے کہ میرا آپریشن جلدی کردو، اور دوسروں سے سفارش بھی کرا رہا ہے اور ڈاکٹر کو بھاری فیس بھی دے رہا ہے گویا کہ اس مقصد کے لئے پیسے دے رہا ہے کہ میرے اوپر نشتر چلاؤ۔ وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ آپریشن کی اور نشتر چلانے کی تکلیف معمولی اور عارضی ہے۔ چند روز کے بعد زخم ٹھیک ہوجائے گا۔ لیکن اس آپریشن کے بعد جو صحت کی نعمت ملنے والی ہے وہ اتنی عظیم ہے کہ اس کے مقابلے میں یہ تکلیف کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور جو ڈاکٹر چیر پھاڑ کر رہا ہے اگرچہ بظاہر تکلیف دے رہا ہے لیکن اس مریض کے لئے اس وقت میں اس سے زیادہ مشفق اور محسن کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ڈاکٹر آپریشن کے ذریعہ اس کے لئے صحت کا سامان کر رہا ہے۔

بالکل اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو تکلیف دیتے ہیں تو حقیقت میں اس کا

آپریشن ہو رہا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ہم اس کو پاک وصاف کر لیں اور جب یہ بندہ ہمارے پاس آئے تو گناہوں سے پاک وصاف ہو کر اور دُھل کر ہمارے پاس آئے۔

دوسری مثال

یا مثلاً تمہارا ایک محبوب ہے جس سے عرصہ دراز سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی اور اس سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔ کسی موقع پر اچانک وہ محبوب تمہارے پاس آیا اور تمہیں پیچھے سے پکڑ کر زور سے دبانا شروع کر دیا۔ اور اتنی زور سے دبایا کہ پسلیوں میں درد ہونے لگا۔ اب یہ محبوب اس سے کہتا ہے کہ میں تمہارا فلاں محبوب ہوں، اگر میرے دبانے سے تمہیں تکلیف ہو رہی ہے تو چلو میں تمہیں چھوڑ کر کسی اور کو دبانا شروع کر دیتا ہوں تاکہ تمہاری یہ تکلیف دور ہو جائے۔ اگر یہ شخص اپنی محبت کے دعوے میں سچا ہے تو اس وقت یہی کہے گا کہ تم اس سے زیادہ زور سے دبادو اور زیادہ تکلیف پہنچادو۔ اس لئے کہ میں تو مدتوں سے تمہاری ملاقات کا طالب تھا اور یہ شعر پڑھے گا کہ۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جائیں۔ دوستوں کا سر سلامت ہے آپ اپنا خنجر اس پر آزمائیں۔

تکالیف پر "اناللہ" پڑھنے والے

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکالیف آتی ہیں حقیقت میں ان بندوں کے درجات کی بلندی کے لئے آتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات، وبشر الصابرين ○ الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون﴾

(وذكرها الملا علي القاري في المرقاة شرح المشكوٰة ص ۱۴۳ ج ۱۸)

"یعنی ہم تمہیں ضرور بالضرور آزمائیں گے، کبھی خوف سے آزمائیں گے، کبھی بھوک سے، کبھی تمہارے مالوں میں کمی ہو جائے گی، کبھی تمہارے اعزہ اور اقرباء میں اور ملنے جلنے والوں میں کمی ہو جائے گی، کبھی تمہارے پھلوں میں کمی ہو جائے گی۔ پھر آگے فرمایا کہ ان لوگوں کو خوشخبری سنادو جو ان مشکل ترین آزمائشوں پر صبر کریں اور یہ کہہ دیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں"۔

بہر حال، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بعض اوقات اس لئے تکلیفیں دیتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند فرمائیں۔

ہم دوست کو تکلیف دیتے ہیں

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات بڑے وجد کے انداز میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

ما پروریم دشمن وما می کشیم دوست
کس را چوں وچرا نہ رسد در قضاء ما

یعنی بعض اوقات ہم اپنے دشمن کو پالتے ہیں اور اس کو دنیا کے اندر ترقی دیتے ہیں اور اپنے دوست کو تکلیف دیتے ہیں اور اس کو مارتے ہیں۔ ہماری قضا اور تقدیر میں

کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں۔ اس لئے کہ ہماری حکمتوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔

ایک عجیب وغریب قصہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شہر میں دو آدمی بستر مرگ پر تھے۔ مرنے کے قریب تھے۔ ایک مسلمان تھا اور ایک یہودی تھا۔ اس یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور مچھلی قریب میں کہیں ملتی نہیں تھی۔ اور اس مسلمان کے دل میں روغن زیتون کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بلایا۔ ایک فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک یہودی مرنے کے قریب ہے اور اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہ رہا ہے۔ تم ایسا کرو کہ ایک مچھلی لے کر اس کے گھر کے تالاب میں ڈال دو تاکہ وہ مچھلی کھا کر اپنی خواہش پوری کرلے۔ دوسرے فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک مسلمان مرنے کے قریب ہے اور اس کا روغن زیتون کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اور روغن زیتون اس کی الماری کے اندر موجود ہے۔ تم جاؤ اور اس کا روغن نکال کر ضائع کردو تاکہ وہ اپنی خواہش پوری نہ کرسکے۔ چنانچہ دونوں فرشتے اپنے اپنے مشن پر چلے، راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ تم کس کام پر جارہے ہو؟ ایک فرشتے نے بتایا کہ میں فلاں یہودی کو مچھلی کھلانے جارہا ہوں۔ دوسرے فرشتے نے کہا کہ میں فلاں مسلمان کا روغن زیتون ضائع کرنے جارہا ہوں۔ دونوں کو تعجب ہوا کہ ہم دونوں کو دو متضاد کاموں کا حکم کیوں دیا گیا؟ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس لئے دونوں نے جاکر اپنا اپنا کام پورا کرلیا۔

جب واپس آئے تو دونوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل تو کرلی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک مسلمان جو آپ کے حکم کو ماننے والا تھا اور اس کے پاس روغن زیتون موجود تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس کا روغن زیتون ضائع کرادیا۔ اور دوسری طرف ایک یہودی تھا اور اس کے پاس مچھلی موجود بھی

نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اس کو مچھلی کھلادی؟ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا قصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تم کو ہمارے کاموں کی حکمتوں کا پتہ نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا معاملہ کافروں کے ساتھ کچھ اور ہے اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ اور ہے۔ کافروں کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ چونکہ کافر بھی دنیا میں نیک اعمال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی صدقہ خیرات کردیا۔ کبھی کسی فقیر کی مدد کردی۔ اس کے یہ نیک اعمال اگرچہ آخرت میں ہمارے ہاں مقبول نہیں ہیں، لیکن ہم ان کے نیک اعمال کا حساب دنیا میں چکا دیتے ہیں تاکہ جب یہ آخرت میں ہمارے پاس آئیں تو ان کے نیک اعمال کا حساب چکا ہوا ہو اور ہمارے ذمے ان کی کسی نیکی کا بدلہ باقی نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ جدا ہے۔ وہ یہ کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گناہوں کا حساب دنیا کے اندر ہی چکا دیں تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئیں تو گناہوں سے پاک وصاف ہو کر آئیں۔

لہٰذا اس یہودی نے جتنے نیک اعمال کئے تھے ان سب کا بدلہ ہم نے دے دیا تھا، صرف ایک نیکی کا بدلہ دینا باقی تھا۔ اور اب یہ ہمارے پاس آرہا تھا۔ جب اس کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو ہم نے اس کی اس خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس کو مچھلی کھلادی تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو اس کی نیکیوں کا حساب چکا ہوا ہو۔ اور اس مسلمان کی بیماری کے دوران باقی سارے گناہ تو معاف ہو چکے تھے البتہ ایک گناہ اس کے سر پر باقی تھا۔ اور اب یہ ہمارے پاس آنے والا تھا۔ اگر اسی حالت میں ہمارے پاس آجاتا تو اس کا یہ گناہ اس کے نامۂ اعمال میں ہوتا۔ اس لئے ہم نے یہ چاہا کہ اس کا روغن زیتون ضائع کرکے اور اس کی خواہش کو توڑ کر اس کے دل پر ایک چوٹ اور لگائیں اور اس کے ذریعہ اس کے ایک گناہ کو بھی صاف کردیں۔ تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو بالکل پاک وصاف ہو کر آئے۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا کون ادراک کرسکتا ہے۔ کیا ہماری یہ چھوٹی سی عقل ان حکمتوں کا احاطہ کرسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے تحت کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ ان کی حکمتیں اس کائنات میں متصرف

ہیں۔ انسان کے بس کا کام نہیں کہ وہ ان کا ادراک بھی کر سکے۔ ہمیں کیا معلوم کہ کون سے وقت میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت جاری ہے۔

یہ تکالیف اضطراری مجاہدات ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے میں لوگ جب اپنی اصلاح کرنے کے لئے کسی شیخ یا کسی بزرگ کے پاس جاتے تو وہ بزرگ اور شیخ ان سے بہت سے مجاہدات اور ریاضتیں کرایا کرتے تھے۔ یہ مجاہدات اختیاری ہوتے تھے۔ اب اس موجودہ دور میں وہ بڑے بڑے مجاہدات نہیں کرائے جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کو مجاہدات سے محروم نہیں فرمایا، بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے بندوں سے اضطراری اور زبردستی مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اور ان اضطراری مجاہدات کے ذریعہ انسان کو جو ترقی ہوتی ہے وہ اختیاری مجاہدات کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتاری سے ہوتی ہے ----- چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں اختیاری مجاہدات اتنے نہیں تھے۔ مثلاً ان کے یہاں یہ نہیں تھا کہ جان بوجھ کر فاقہ کیا جارہا ہے۔ یا جان بوجھ کر تکلیف دی جارہی ہے وغیرہ۔ لیکن ان کی زندگی میں اضطراری مجاہدات بے شمار تھے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی پاداش میں ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا، سینے پر پتھر کی سلیں رکھی جاتی تھیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کی پاداش میں ان پر نہ جانے کیسے کیسے ظلم کئے جاتے تھے، یہ سب مجاہدات اضطراری تھے۔ اور ان اضطراری مجاہدات کے نتیجے میں صحابہ کرام کے درجات اتنے بلند ہوگئے کہ اب کوئی غیر صحابی ان کے مقام کو چھو نہیں سکتا ----- اس لئے فرمایا کہ اضطراری مجاہدات سے درجات زیادہ تیز رفتاری سے بلند ہوتے ہیں۔ اور انسان تیز رفتاری سے ترقی کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کو جو تکالیف، پریشانیاں اور بیماریاں آرہی ہیں۔ یہ سب اضطراری مجاہدات کرائے جارہے ہیں۔ اور جس کو ہم تکلیف سمجھ رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کا عنوان ہوتی

ہے۔

ان تکالیف کی تیسری مثال

مثلاً ایک چھوٹا بچہ ہے، وہ نہانے اور ہاتھ منہ دھلوانے سے گھبراتا ہے۔ اور اس کو نہانے سے تکلیف ہوتی ہے، لیکن ماں زبردستی پکڑ کر اس کو نہلا دیتی ہے۔ اور اس کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اب نہانے کے دوران وہ روتا بھی ہے۔ چیختا چلاتا بھی ہے، اس کے باوجود ماں اس کو نہیں چھوڑتی ہے------ اب وہ بچہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھ پر ظلم اور زیادتی ہو رہی ہے۔ مجھے تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔ لیکن ماں شفقت اور محبت کی وجہ سے بچے کو نہلا رہی ہے۔ اور اس کا میل کچیل دور کر رہی ہے۔ اور اس کا جسم صاف کر رہی ہے------ چنانچہ جب وہ بچہ بڑا ہوگا، اس وقت اس کی سمجھ میں آئے گا کہ یہ نہلانے دھلانے کا جو کام میری ماں کرتی تھی۔ وہ بڑی محبت اور شفقت کا عمل تھا، جس کو میں ظلم اور زیادتی سمجھ رہا تھا۔ اگر میری ماں میرا میل کچیل دور نہ کرتی تو میں گندہ رہ جاتا۔

چوتھی مثال

یا مثلاً ایک بچے کو ماں باپ نے اسکول میں داخل کر دیا، اب روزانہ صبح کو ماں باپ زبردستی اس کو اسکول بھیج دیتے ہیں۔ اسکول جاتے وقت وہ بچہ روتا چیختا ہے چلاتا ہے، اور اسکول میں چار پانچ گھنٹے بیٹھنے کو اپنے لئے قید سمجھتا ہے۔ لیکن بچے کے ساتھ محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو زبردستی اسکول بھیجیں۔ چنانچہ جب وہ بچہ بڑا ہوگا تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ اگر بچپن میں ماں باپ زبردستی مجھے اسکول نہ بھیجتے اور مجھے نہ پڑھاتے تو آج میں پڑھے لکھوں کی صف میں شامل نہ ہوتا۔ بلکہ جاہل رہ جاتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر جو تکالیف اور پریشانیاں آتی ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اور شفقت کا عین تقاضہ ہے۔ اور انسان کے درجات بلند کرنے کے

لئے اس کو یہ تکالیف دی جارہی ہیں۔ بشرطیکہ ان تکالیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہوجائے تو پھر سمجھ لو کہ یہ تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہی رحمت ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام اور تکالیف

حضرت ایوب علیہ السلام کو دیکھئے۔ کیسی سخت بیماری کے اندر مبتلا ہوئے کہ اس بیماری کے تصور کرنے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، اور پھر اس بیماری کے اندر شیطان ان کے پاس آیا اور اس نے آپ کو تکلیف دینے کے لئے یہ کہنا شروع کردیا کہ آپ کے گناہوں کی وجہ سے یہ بیماری آئی ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہیں۔ اس لئے آپ کو اس تکلیف کے اندر مبتلا کردیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کی وجہ سے آپ کو یہ تکالیف آرہی ہیں۔ اور اس پر اس نے اپنے دلائل بھی پیش کئے۔ اس موقع پر حضرت ایوب علیہ السلام نے شیطان سے مناظرہ کیا، بائبل کے صحیفہ ایوبی میں اب بھی اس مناظرے کے بارے میں کچھ تفصیل موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے شیطان کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری بات درست نہیں کہ یہ بیماری اور تکلیف میرے گناہوں کی وجہ سے اللہ کے غضب اور قہر کے طور پر آئی ہے۔ بلکہ یہ تکلیف میرے خالق اور میرے مالک کی طرف سے محبت کا عنوان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور شفقت کی وجہ سے یہ تکلیف دے رہے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا تو ضرور مانگتا ہوں کہ یا اللہ مجھے اس بیماری سے شفا عطا فرمادیجئے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے اس بیماری پر گلہ اور شکوہ نہیں ہے اور مجھے اس بیماری پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بیماری کیوں دی ہے؟ اور الحمدللہ، روزانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور یہ دعا کرتا ہوں کہ:

﴿رب انی مسنی الضروانت ارحم الراحمین﴾

"اے اللہ! مجھے یہ تکلیف ہے، آپ ارحم الراحمین ہیں۔ اس

تکلیف کو دور فرمادیجئے"۔

لہذا یہ میرا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا بھی ان کی طرف سے عطا ہے اور جب وہ مجھے اس تکلیف کے دوران اپنی بارگاہ میں رجوع کرنے کی توفیق دے رہے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ تکلیف بھی ان کی طرف سے رحمت اور محبت کا ایک عنوان ہے ------ یہ ساری باتیں "صحیفہ ایوبی" میں موجود ہیں۔

تکلیف کے رحمت ہونے کی علامات

اس میں حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی علامات بتادیں کہ کون سی تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے قہر اور عذاب ہوتی ہے اور کون سی تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور انعام ہوتی ہے۔ وہ علامت یہ ہے کہ پہلی قسم کی تکلیف میں انسان اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا، اور دوسری قسم کی تکلیف میں اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن دعا کرتا ہے کہ یا اللہ، میں کمزور ہوں اور اس تکلیف اور آزمائش کا متحمل نہیں ہوں۔ اپنی رحمت سے مجھے اس تکلیف اور آزمائش سے نکال دیجئے ------ لہذا جب کبھی صدمے کے وقت، تکلیف اور پریشانی کے وقت، بیماری میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہوجائے تو سمجھ لو کہ الحمدللہ یہ بیماری یہ پریشانی، یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے، اس صورت میں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تکلیف بالآخر انشاء اللہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے خیر کا ذریعہ بنے گی۔ بس شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی توفیق ہوجائے۔ اس لئے کہ اگر یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے قہر اور غضب ہوتا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے اندر اپنا نام لینے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہی نہ دیتے۔ جب وہ اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے رہے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ تکلیف ان کی طرف سے رحمت ہے۔

دعا کی قبولیت کی علامت

البتہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات جب تکلیف کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ تکلیف اور پریشانی نہیں جاتی اور دعا قبول نہیں ہوتی------اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور عرض معروض پیش کرنے کی توفیق مل جانا ہی اس بات کی علامت ہے کہ ہماری دعا قبول ہو گئی۔ ورنہ دعا کرنے کی بھی توفیق نہ ملتی۔ اور اب اس صورت میں تکلیف پر الگ انعام ملے گا، اور اس دعا کرنے پر الگ انعام حاصل ہوگا، اور اس دعا کے بعد دوبارہ دعا کرنے کی جو توفیق ہوگی، اس پر الگ انعام ملے گا۔ لہٰذا یہ تکلیف رفع درجات کا ذریعہ بن رہی ہے۔ اسی کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿گفت آں "اللہ" تو لبیک ماست﴾

یعنی جس وقت تو ہمارا نام لیتا ہے اور "اللہ" کہتا ہے تو یہ تیرا "اللہ" کہنا ہی ہماری طرف سے "لبیک" کہنا ہے، اور تمہارا اللہ کہنا ہی اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے تمہاری پکار کو سن لیا اور اس کو قبول بھی کر لیا۔ لہٰذا دعا کی توفیق ہو جانا ہی ہماری طرف سے دعا کی قبولیت کی علامت ہے۔ البتہ یہ ہماری حکمت کا تقاضہ ہے کہ کب اس پریشانی کو تم سے دور کرنا ہے اور کب تک اس کو باقی رکھنا ہے۔ تم جلد باز ہو، اس لئے جلدی اس تکلیف کو دور کرانا چاہتے ہو، لیکن اگر اس تکلیف کو کچھ دیر کے بعد دور کیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں تمہارے درجات بہت زیادہ بلند ہو جائیں گے۔ لہٰذا تکلیف میں یہ گلہ شکوہ نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ یہ دعا ضرور کرنی چاہئے کہ یا اللہ، میں کمزور ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ مجھ سے یہ تکلیف دور فرما دیجئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا ایک واقعہ

تکلیف مانگنے کی چیز نہیں کہ آدمی یہ دعا کرے کہ یا اللہ، مجھے تکلیف دے دیں۔ لیکن جب تکلیف آجائے تو وہ صبر کرنے کی چیز ہے۔ اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ اس پر گلہ شکوہ نہ کرے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکالیف سے پناہ مانگی ہے۔ ایک دعا میں آپ نے فرمایا: یا اللہ، میں آپ سے بُری بُری بیماریوں سے اور بُرے بُرے امراض سے پناہ مانگتا ہوں۔ لیکن جب کبھی تکلیف آگئی تو اس کو اپنے حق میں بھی رحمت سمجھا، اور اس کے ازالے کی بھی دعا مانگی ------ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں یہ قصّہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ جتنی تکالیف ہوتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور انعام ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ بندہ اس کی قدر پہچانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اس بیان کے دوران ایک شخص مجلس میں آیا، جو کوڑھ کا مریض تھا، اور اس بیماری کی وجہ سے اس کا سارا جسم گلا ہوا تھا۔ مجلس میں آکر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ حضرت، دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تکلیف دور فرما دے ------ حاضرین یہ سوچنے لگے کہ ابھی تو حضرت یہ بیان فرما رہے تھے کہ جتنی تکالیف ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام اور رحمت ہوتی ہیں۔ اور یہ شخص اس بیماری کے ازالے کی دعا کرا رہا ہے۔ اب کیا حضرت حاجی صاحبؒ یہ دعا فرمائیں گے کہ یا اللہ اس رحمت کو دور کر دیجئے؟ ------ حضرت حاجی صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: یا اللہ، یہ بیماری اور تکلیف جو اس بندے کو ہے، اگرچہ یہ بھی آپ کی رحمت کا عنوان ہے۔ لیکن ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اس رحمت اور نعمت کے متحمل نہیں ہیں۔ لہٰذا اے اللہ اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجئے ------ یہ ہے دین کی فہم جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہے۔

خلاصہ حدیث

بہرحال، اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو کسی آزمائش میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بندے کا رونا اور اس کا پکارنا، اور اس کا گریہ وزاری کرنا ہمیں اچھا لگتا ہے۔ اس لئے ہم اس کو تکلیف دے رہے ہیں، تاکہ یہ اس تکلیف کے اندر ہمیں پکارے۔ اور پھر ہم اس پکار کے نتیجے میں اس کے درجات بلند کریں۔ اور اس کو اعلیٰ مقام تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیماری اور تکلیف سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اور اگر تکلیف آئے تو اس پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس تکلیف میں اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تکلیف میں عاجزی کا اظہار کرنا چاہئے

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ تکلیف میں ہائے ہائے کرتے تھے، اور اس تکلیف کا اظہار کرتے تھے۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف پر ہائے ہائے کرنا اور اس تکلیف کا اظہار کرنا تو بے صبری ہے، اور اس تکلیف پر شکوہ ہے کہ ہمیں یہ تکلیف کیوں دی گئی اور تکلیف پر بے صبری یا شکوہ کرنا درست نہیں، ------ اس کا جواب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے نیک اور مقبول بندے ہوتے ہیں وہ شکایت کی وجہ سے تکلیف کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے تکلیف اسی وجہ سے دی گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی شکستگی اور بندگی کا اظہار کروں، اور اپنی عاجزی کا اظہار کروں اور اس تکلیف پر ہائے ہائے بھی کروں۔ یہ تکلیف مجھے اسی لئے دی گئی ہے کہ میری آہیں سننا مقصود ہے۔ میری گریہ وزاری سننا مقصود ہے۔ اس لئے اس موقع پر بہادری کا مظاہرہ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ بیمار پڑ گئے، ایک دوسرے بزرگ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے جاکر دیکھا کہ وہ بیمار بزرگ "الحمد للہ، الحمد للہ" کا ورد کر رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ آپ کا یہ عمل تو بہت اچھا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں، لیکن اس موقع پر تھوڑی سی ہائے ہائے بھی کرو۔ اور جب تک ہائے ہائے نہیں کرو گے، شفا نہیں ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تکلیف اس لئے دی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری بھی کریں اور بندگی کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادر نہ بنے، بلکہ شکستگی اور کمزوری کا اظہار کرے، اور یہ کہے کہ یا اللہ، میں عاجز اور کمزور ہوں، اس بیماری کا متحمل نہیں ہوں۔ میری یہ بیماری دور فرما دیجئے ------ میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی صاحب مرحوم، بڑے اچھے شعر کہا کرتے تھے، ایک شعر میں انہوں نے اس مضمون کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ ؎

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا

یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف دے رہے ہیں تو اس تکلیف پر اس قدر ضبط کرنا کہ آدمی کے منہ سے آہ بھی نہ نکلے اور تکلیف کا ذرہ برابر بھی اظہار نہ ہو، یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ کیا اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری دکھانا مقصود ہے کہ آپ کو جو کرنا ہے کرلیں۔ ہم تو ویسے کے ویسے ہی رہیں گے ------ العیاذ باللہ ------ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہئے۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی حال میں ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

لیس لی فی سواک حظ
فکیف ماشئت فاختبرنی

اے اللہ، آپ کے علاوہ مجھے کسی کی ذات میں کسی کام میں کوئی مزہ نہیں ہے۔ آپ جس طرح چاہیں۔ مجھے آزما کر دیکھ لیں ------ العیاذ باللہ ------ گویا کہ اللہ تعالیٰ کو آزمانے کی دعوت دے دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا پیشاب بند ہوگیا، اب مثانہ پیشاب سے بھرا ہوا ہے، لیکن خارج ہونے کا راستہ نہیں۔ کئی دن اس حالت میں گزر گئے۔ بالآخر متنبہ ہوا کہ کتنی غلط بات میرے منہ سے نکل گئی تھی، ان بزرگ کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس حالت میں وہ ان بچوں سے کہتے کہ ادعو لعمکم الکذاب اپنے جھوٹے چچا کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ مجھے اس بیماری سے نکال دے۔ اس لئے کہ اس نے جھوٹا دعوی کردیا تھا ------ اللہ تعالیٰ نے دکھادیا کہ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ کسی چیز میں کوئی مزہ نہیں ہے۔ ارے تم کو تو پیشاب کے اندر مزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں چلا کرتی۔

تکلیف میں حضور ﷺ کا طریقہ

لہٰذا نہ تو تکلیف پر شکوہ ہو، اور نہ تکلیف پر بہادری کا اظہار ہو۔ بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال اور سنت کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض وفات کی تکلیف میں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس موقع پر آپ بار بار اپنا دست مبارک پانی میں بھگوتے اور چہرے پر ملتے تھے اور اس

تکلیف کا اظہار فرماتے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر فرمایا:
واکرب اباہ میرے والد کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاکرب ایک بعد الیوم آج کے دن کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ دیکھئے اس میں آپ نے اس تکلیف کا اظہار فرمایا۔ لیکن شکوہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اگلی منزل کے راحت و آرام کی طرف اشارہ فرمادیا۔ یہ ہے سنت طریقہ۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون﴾

اے ابراہیم ہمیں تمہاری جدائی پر بڑا صدمہ ہے۔------ آپ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بچہ آپ کی گود میں ہے۔ آپ کی گود میں اس کی جان نکل رہی ہے، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اس میں اظہار عبدیت اور اظہار بندگی ہے کہ اے اللہ، فیصلہ تو آپ کا برحق ہے۔ لیکن آپ نے یہ تکلیف اسی لئے دی ہے کہ میں آپ کے سامنے عاجزی کا اظہار کروں اور آنسو بہاؤں، گریہ وزاری کروں۔

لہذا سنت یہ ہے کہ گلہ شکوہ بھی نہ ہو اور بہادری کا اظہار بھی نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر یہ کہے کہ یا اللہ۔ میری اس تکلیف کو دور فرمادے۔ یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی اس حدیث کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ اس کی صحیح فہم ہم کو عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حلال روزگار نہ چھوڑیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلال روزگار نہ چھوڑیں

الحمد للہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لاإله إلا الله وحده لاشريك له واشهد ان سيدناونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله. صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

امّا بعد :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم : من رزق فى شيئ فليلزمه. من جُعِلَت معيشة فى شئ فلا ينتقل عنه حتى يتغير عليه۔

(كنزالعمال حديث نمبر ٩٢٨٦۔ اتحاف السادة المتقين ٤ : ٢٨٧)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : جس شخص کو جس کام کے ذریعہ رزق مل رہا ہو' اسکو چاہئے کہ وہ اس کام میں لگا رہے' اپنے اختیار اور مرضی سے بلاوجہ اسکو نہ چھوڑے اور جس شخص کا روزگار اللہ تعالٰی کی طرف سے کسی چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو تو وہ شخص اس روزگار کو چھوڑ کر دوسری طرف منتقل نہ ہو۔ جب تک کہ وہ روزگار خود سے بدل جائے یا اس روزگار میں خود سے ناموافقت پیدا ہو جائے۔

رزق کا ذریعہ منجانب اللہ ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالٰی نے کسی شخص کے لئے حصول رزق کا ایک ذریعہ مقرر فرما دیا' وہ شخص اس میں لگا ہوا ہے اور اس کے ذریعہ اسکو رزق مل رہا ہے تو اب بلاوجہ اس روزگار کو چھوڑ کر الگ نہ ہو' بلکہ اس میں لگا رہے' تاوقتیکہ وہ خود اسکے ہاتھ سے نکل جائے یا ایسی ناموافقت پیدا ہو جائے کہ اب آئندہ اس کو جاری رکھنا پریشانی کا سبب ہو گا۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالٰی نے کسی ذریعہ سے رزق وابستہ کر دیا ہے تو یہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے' اور اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کو اس کام میں لگایا گیا ہے اور اس سے وابستہ کیا گیا ہے' کیونکہ ویسے تو رزق کے حصول کے ہزاروں راستے اور طریقے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالٰی نے کسی شخص کے لئے کسی خاص طریقے کو رزق حاصل کرنے کا سبب بنا دیا تو یہ منجانب اللہ ہے' اب اس منجانب اللہ طریقے کو اپنی طرف سے بلاوجہ نہ چھوڑے۔

روزگار اور معیشت کا نظام خداوندی

دیکھئے: اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں روزگار اور معیشت کا ایک عجیب نظام بنایا ہے جس کو ہماری عقل نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾
(الزخرف: ۳۲)

یعنی ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کی ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی انسان کے دل میں حاجت پیدا کی اور دوسرے انسان کے دل میں اس حاجت کو پورا کرنے کا طریقہ ڈال دیا۔ ذرا غور کریں کہ انسان کی حاجتیں اور ضرورتیں کتنی ہیں؟ روٹی کی اسے ضرورت ہے، کپڑے کی اسے ضرورت ہے۔ مکان کی اسے ضرورت ہے، گھر کا سازوسامان اور برتنوں کی اسے ضرورت ہے، گویا کہ انسان کو زندگی گزارنے کے لئے بے شمار اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پوری دنیا کے انسانوں نے مل کر کوئی کانفرنس کی تھی اور اس کانفرنس میں انسان کو پیش آنے والی ضروریات کو شمار کیا تھا۔ اور پھر آپس میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اتنے لوگ کپڑا بنائیں، اتنے انسان برتن بنائیں۔ اتنے انسان جوتے بنائیں، اتنے انسان گندم پیدا کریں اور اتنے انسان چاول پیدا کریں وغیرہ۔ اگر تمام انسان ملکر کانفرنس کر کے یہ طے کرنا چاہتے تب بھی یہ انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات کا احاطہ کر لیں، اور پھر آپس میں تقسیم کار بھی کریں کہ تم یہ کام کرنا، تم فلاں چیز کی دکان کرنا اور تم فلاں چیز کی دوکان کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا نظام ہے کہ اس نے ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گندم اگاؤ۔ دوسرے انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم آٹے کی چکی لگاؤ۔ ایک کے دل میں یہ ڈال دیا کہ

چاول پیدا کرو۔ ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گھی کی دکان لگاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دل میں ان حاجات کو ڈال دیا جو تمام انسانوں کی حاجتیں ہیں، چنانچہ جب آپ کسی ضرورت کو پورا کرنا چاہیں اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ کے پاس پیسے بھی ہوں تو بازار میں آپ کی وہ حاجت انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائیگی۔

تقسیم رزق کا حیرت ناک واقعہ

میرے بڑے بھائی جناب زکی کیفی صاحب، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تجارت میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسے ایسے منظر دکھاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رزاقیت کے آگے سجدہ ریز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی دکان "ادارہ اسلامیات" کے نام سے ہے۔ وہاں بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ایک دن جب میں نے صبح کو گھر سے دکان جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ شدید بارش شروع ہو گئی۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ایسی شدید بارش ہو رہی ہے، اس وقت سارا نظام زندگی تلپٹ ہے، ایسے میں دکان جا کر کیا کرونگا؟ کتاب خریدنے کے لئے کون دکان پر آئیگا۔ اس لئے کہ ایسے وقت میں اول تو لوگ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر نکلتے بھی ہیں تو شدید ضرورت کے لئے نکلتے ہیں، کتاب اور خاص طور پر دینی کتاب تو ایسی چیز ہے کہ جس سے نہ تو بھوک مٹ سکتی ہے، نہ کوئی دوسری ضرورت پوری ہو سکتی ہے، اور جب انسان کی دنیاوی تمام ضروریات پوری ہو جائیں تو اس کے بعد کتاب کا خیال آتا ہے، لہٰذا ایسے میں کون گاہک کتاب خریدنے آئیگا؟ اور میں دکان پر جا کر کیا کرونگا؟ لیکن ساتھ ہی دل میں یہ خیال آیا

کہ میں نے تو اپنے روزگار کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس طریقے کو میرے لئے رزق کے حصول کا ایک ذریعہ بنایا ہے' اسلئے میرا کام یہ ہے کہ میں جا کر دکان کھول کر بیٹھ جاؤں' چاہے کوئی گاہک آئے یا نہ آئے۔ بس میں نے چھتری اٹھائی اور دوکان کی طرف روانہ ہو گیا' جا کر دوکان کھولی اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی' اس خیال سے کہ گاہک تو کوئی آئیگا نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ لوگ اپنے اوپر برساتی ڈال کر آرہے ہیں اور کتابیں خرید رہے ہیں اور ایسی کتابیں خرید رہے ہیں کہ جن کی بظاہر وقتی ضرورت بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ جتنی بکری اور دونوں میں ہوتی تھی تقریباً اتنی ہی بکری اس بارش میں بھی ہوئی۔ میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! اگر کوئی انسان عقل سے سوچے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس آندھی اور طوفان والی تیز بارش میں کون دینی کتاب خریدنے آئیگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ جا کر کتاب خریدیں۔ اور میرے دل میں یہ ڈالا کہ تم جا کر دوکان کھولو۔ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی اور ان کو کتاب کی ضرورت تھی۔ اور دونوں کو دکان پر جمع کر دیا۔ ان کو کتاب مل گئی مجھے پیسے مل گئے۔ یہ نظام صرف اللہ تعالیٰ بنا سکتے ہیں' کوئی شخص یہ چاہے کہ میں منصوبے کے ذریعہ اور کانفرنس کر کے یہ نظام بنا لوں؟ باہمی منصوبہ بندی کر کے بنالوں تو کبھی ساری عمر نہیں بنا سکتا۔

رات کو سونے اور دن میں کام کرنے کا فطری نظام

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذرا اس بات میں غور کرو کہ سارے انسان رات کے وقت سوتے ہیں اور دن کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور رات کے وقت نیند آتی

ہے اور دن کے وقت نیند بھی نہیں آتی۔ تو کیا ساری دنیا کے انسانوں نے ملکر کوئی انٹرنیشنل کانفرنس کی تھی جس میں سب انسانوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دن کے وقت کام کریں گے اور رات کے وقت سویا کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ رات کے وقت سو جاؤ اور دن کے وقت کام کرو۔

﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾

اگر یہ چیز انسان کے اختیار میں دے دی جاتی کہ وہ جب چاہے کام کرے اور جس وقت چاہے سو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی شخص کہتا کہ میں دن کو سوؤں گا اور رات کو کام کرونگا، کوئی کہتا کہ میں شام کو سوؤں گا اور صبح کے وقت کام کرونگا، کوئی کہتا کہ میں صبح کے وقت سوؤنگا اور شام کے وقت کام کرونگا۔ پھر اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک وقت میں ایک شخص سونا چاہ رہا ہے اور دوسرا شخص اسی وقت کھٹ کھٹ کر رہا ہے اور اپنا کام کر رہا ہے، اور اسکی وجہ سے دوسرے کی نیند خراب ہوتی۔ اس طرح دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ دن کے وقت کام کرو اور رات کے وقت آرام کرو۔ اور اس کو فطرت کا ایک تقاضہ بنا دیا۔

رزق کا دروازہ بند مت کرو۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی معیشت کا نظام بھی خود بنایا ہے اور ہر ایک کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم یہ کام کرو اور تم یہ کام کرو، لہٰذا جب تم کو کسی کام پر لگا دیا گیا اور تمہارا رزق ایک ذریعہ سے وابستہ کر دیا گیا تو یہ کام خود سے نہیں ہو گیا بلکہ کسی کرنے والے نے کیا، اور کسی

مصلحت سے کیا' لہٰذا اب بلاوجہ اس حلال ذریعہ رزق کو چھوڑ کر کوئی اور ذریعہ اختیار کرنے کی فکر مت کرو' کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی ذریعہ میں کوئی مصلحت رکھی ہو۔ اور تمہارے اس کام میں لگنے کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگوں کے کام نکل رہے ہوں' اور تم اس وقت پورے نظام معیشت کا ایک حصہ اور پرزہ بنے ہوئے ہو' اس لئے اپنی طرف سے اس ذریعہ کو مت چھوڑو' البتہ اگر کسی وجہ سے وہ ملازمت یا وہ تجارت خود ہی چھوٹ جائے یا اسکے اندر ناموافقت پیدا ہو جائے' مثلاً دکان پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہے اور کوشش کے باوجود آمدنی بالکل نہیں ہو رہی ہے' تو اس صورت میں بیشک اس ذریعہ کو چھوڑ کر دوسرا ذریعہ اختیار کرلے۔ لیکن جب تک کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو' اس وقت تک خود سے رزق کا دروازہ بند نہ کرے۔

یہ عطاء خداوندی ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمتہ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

چیز یکہ بے طلب رسد آں دادہ خدا است
اورا تو رد مکن کہ فرستادہ خدا است

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز طلب کے بغیر مل جائے تو اس کو منجانب اللہ سمجھ کر اس کو رد نہ کرو' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے۔ بہرحال' اللہ تعالیٰ نے جس ذریعہ سے تمہارا رزق وابستہ کیا ہے اس سے لگے رہو' جب تک کہ خود ہی حالات نہ بدل جائیں۔

ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اس حدیث کے تحت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

"اہل طریق نے اسی پر تمام معاملات کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ واقع ہوتے ہیں، قیاس کیا ہے، جن کی معرفت، بصیرت اور فراست خصوصاً واقعات سے ہو جاتی ہے، اس معرفت کے بعد وہ ان میں تغیر اور تبدل از خود نہیں کرتے، اور یہ امر قوم کے نزدیک مثل بدیہیات کے بلکہ مثل محسوسات کے ہے، جسکی وہ اپنے احوال میں رعایت رکھتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ اگرچہ براہ راست رزق سے متعلق ہے، لیکن صوفیاء کرام اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے ساتھ جو بھی معاملہ کر رکھا ہے، مثلاً علم میں، خلق خدا کے ساتھ تعلقات میں، یا کسی اور چیز میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر رکھا ہے، تو وہ شخص اس کو اپنی طرف سے بدلنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس پر قائم رہے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت کیوں نہیں چھوڑی؟

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا جو مشہور واقعہ ہے کہ ان کی خلافت کے آخری دور میں ان کے خلاف ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ اور اسکی وجہ بھی خود حضرت عثمان غنیؓ نے بیان فرمائی کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیں گے، اور تم اپنے

اختیار سے اس قمیص کو مت اتارنا' لہذا یہ خلافت جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے' یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلافت کی قمیص پہنائی ہے' میں اپنے اختیار سے اس کو نہیں اتاروں گا۔ چنانچہ آپ نے نہ تو خلافت چھوڑی اور نہ ہی باغیوں کے خلاف تلوار اٹھائی' اور نہ ان کو قلع قمع کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ آپ امیرالمؤمنین اور خلیفہ وقت تھے' آپ کے پاس لشکر اور فوج تھی' آپ چاہتے تو باغیوں کے خلاف مقابلہ کر سکتے تھے' لیکن آپ نے فرمایا کہ چونکہ یہ باغی اور مجھ پر حملہ کرنے والے بھی مسلمان ہیں' اور میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے والا پہلا شخص میں ہو جاؤں۔ چنانچہ آپ نے نہ تو خلافت چھوڑی اور نہ ہی باغیوں کا مقابلہ کیا' بلکہ اپنے گھر کے اندر ہی محصور ہو کر بیٹھ گئے' حتی کہ اپنی جان قربان کر دی اور جام شہادت نوش فرمایا۔ شہادت قبول کر لی لیکن خلافت نہیں چھوڑی۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف حضرت تھانویؒ نے اشارہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمے ایک کام سپرد کر دیا تو اس میں لگے رہو' اپنی طرف سے اس کو مت چھوڑو۔

خدمت خلق کا منصب عطاء خداوندی ہے

بہرحال' اللہ تعالیٰ نے جب خدمت دین کا کوئی راستہ تمہارے لئے تجویز فرما دیا اور وہ تمہارے طلب کے بغیر ملا ہے تو اب بلاوجہ اس کو ترک نہ کرے' اس کے لئے اسی میں نور اور برکت ہے۔ اسی طرح اہل طریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جتنے احوال اور معاملات ہوتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ ان احوال کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر قبول کر لیں' اسی طرح بعض اوقات کسی شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہوتا ہے' مثلاً ایک شخص کی طرف لوگ اپنی مدد اور اسکے تعاون کے لئے رجوع کرتے

ہیں' یا دین کے معاملات میں اسکی طرف رجوع کرتے ہیں' یا دنیاوی معاملات میں اس سے مشورہ لینے کے لئے رجوع کرتے ہیں' تو حقیقت میں یہ ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمایا ہے' اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ آپس کے معاملات میں اس شخص سے مشورہ کرو' یا ضرورت کے موقع پر اس شخص سے مدد لو' اور جھگڑے ہوں تو اس شخص سے جا کر فیصلہ کراؤ۔ لوگوں کے دلوں میں یہ بات از خود پیدا نہیں ہوئی' بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ باتیں ڈال دیں۔ تو یہ منصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے' اب اپنی طرف سے اس کو ختم نہ کرے' اسلئے کہ یہ منجانب اللہ ہے اور اس خدمت خلق کو منجانب اللہ سمجھ کر کرتا رہے۔

مثلاً بعض اوقات اللہ تعالیٰ خاندان میں سے کسی شخص کو یہ مقام اور منصب عطا فرما دیتے ہیں کہ جہاں خاندان میں کوئی جھگڑا ہوا یا کوئی اہم معاملہ کرنا ہے تو لوگ فوراً اس شخص کے پاس جاتے ہیں اور اس سے مشورہ کرتے ہیں۔ اب بعض اوقات وہ شخص اس بات سے گھبراتا ہے کہ دنیا کی ساری باتیں اور سارے جھگڑے میرے سر ڈالے جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ گھبرانے کی چیز نہیں ہے' اس لئے کہ لوگوں کا آپ کی طرف رجوع کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ منجانب اللہ لوگوں کے دلوں میں ڈالا گیا ہے کہ اسکی طرف رجوع کرو' اور یہ منصب منجانب اللہ عطا ہوا ہے۔

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

لہٰذا اس منصب سے بے نیازی مت برتو' بلکہ اس کو خوشی سے قبول کرلو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ خدمت سونپی گئی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو دیکھئے کہ ایک مرتبہ آپ غسل فرما رہے تھے، غسل کے دوران آپ کے اوپر سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہو گئیں، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل کرنا چھوڑ دیا۔ اور تتلیاں جمع کرنی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے ایوب (علیہ السلام) کیا ہم نے تم کو غنی نہیں کیا، اور تمہیں مال و دولت نہیں دی؟ پھر بھی تم اس سونے کو جمع کرنے کی طرف دوڑ رہے ہو۔ جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: یا اللہ! بیشک آپ نے اتنا مال و دولت عطا فرمایا ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا، لیکن جو دولت آپ اپنی طرف سے میرے طلب کے بغیر عطا فرما رہے ہیں، اس سے میں کبھی بے نیازی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا، آپ میرے اوپر سونے کی تتلیاں برسا رہے ہیں اور میں یہ کہدوں کہ مجھے ضرورت نہیں ہے، جب آپ دے رہے ہیں تو میرا کام یہ ہے کہ میں محتاج بن کر ان کی طرف جاؤں اور ان کو حاصل کروں۔

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی نظر میں وہ تتلیاں مقصود نہیں تھیں اور نہ وہ سونا مقصود تھا جو آسمان سے گر رہا تھا، بلکہ ان کی نظر اس دینے والی ذات پر تھی کہ کس ہاتھ سے یہ دولت مل رہی ہے، اور جب دینے والی ذات اتنی عظیم ہو تو انسان کو آگے بڑھ کر اور محتاج بن کر لینا چاہیے۔ ورنہ اس سونے کی طلب نہیں تھی۔

عیدی زیادہ طلب کرنے کا واقعہ

اس کی مثال میں یہ دیا کرتا ہوں کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد

شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب اولادوں کو عید کے موقع پر عیدی دیا کرتے تھے' ہم سب بھائی ہر سال عید کے موقع پر جا کر ان سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ پچھلی عید پر آپ نے بیس روپے دیے تھے۔ اس سال گرانی میں اضافہ ہو گیا ہے لہٰذا اس سال پچیس روپے دیجئے۔ تو ہر سال بڑھا کر مانگتے کہ بیس کی جگہ پچیس' اور پچیس کی جگہ تیس روپے اور تیس کے پینتیس روپے مانگتے' جواب میں حضرت والد صاحبؒ فرماتے کہ تم چور ڈاکو لوگ ہو' اور ہر سال تم زیادہ مانگتے ہو' --- دیکھئے : اس وقت ہم سب بھائی برسر روزگار اور ہزاروں کمانے والے تھے' لیکن جب باپ کے پاس جاتے تو رغبت کا اظہار کر کے ان سے مانگتے' کیوں؟ بات درحقیقت یہ تھی کہ نظر ان پیسوں کی طرف نہیں تھی جو بیس' پچیس اور تیس روپے کی شکل میں مل رہے تھے' بلکہ نظر اس دینے والے ہاتھ کی طرف تھی کہ اس ہاتھ سے جو کچھ ملیگا' اس میں جو برکت اور نور ہو گا ہزاروں اور لاکھوں میں وہ برکت اور نور حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب دنیا کے معمولی تعلقات میں انسان کا یہ حال ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں' ان کے ساتھ تعلق میں کیا حال ہو گا؟ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ سے مانگے تو محتاج بن کر مانگے' اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو تو محتاج بن کر اس کو لے لے۔ اس وقت بے نیازی اختیار نہ کرے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک برفرق قناعت بعد ازیں

جب وہ یہ چاہ رہے ہیں کہ میں ان کے سامنے طمع ظاہر کروں تو ایسے میں قناعت کے سر پر خاک۔ اس وقت تو اس میں لذت اور مزہ ہے کہ آدمی لالچی بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر مانگے اور جو ملے اس کو قبول کر لے۔

لہٰذا جس کام پر اللہ تعالیٰ نے لگا دیا یا جو منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا یہ ان کی طرف سے عطا ہے، اسکو اپنی طرف سے مت چھوڑو۔ ہاں اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے آدمی چھوڑنے پر مجبور ہو جائے یا کوئی اپنا بڑا کہہ دے، مثلاً چھوڑنے کے لئے کسی بڑے سے مشورہ کیا اور اس نے یہ کہہ دیا کہ اب تمہارے لئے اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے، اس وقت اس کو چھوڑ دو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اپنی خاص طلب کے بغیر جو چیز ملے وہ منجانب اللہ ہے، اسکی ناقدری مت کرو۔

چیز یکہ بے طلب رسد آں دادہ خدا ست
او را تو رد مکن کہ فرستادہ خدا ست

وہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہے اس کو رد مت کرو۔ اللہ تعالیٰ بچائے! بعض اوقات اس رد کرنے اور بے نیازی کا اظہار کرنے سے انجام بہت خراب ہو جاتا ہے، العیاذ باللہ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آجاتا ہے۔ لہٰذا جو چیز طلب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجائے یا ایسے خدا ساز اسباب کے ذریعہ یعنی ایسے اسباب کے ذریعہ کوئی چیز مل گئی جس کا پہلے وہم و گمان بھی نہیں تھا، بشرطیکہ وہ حلال اور جائز ہو تو منجانب اللہ سمجھ کر اس کو قبول کر لینا چاہیے۔ اسی طرح جس خدمت پر اللہ تعالیٰ کسی کو لگا دے تو اس کو اس خدمت پر لگا رہنا چاہیے، اس خدمت سے اپنے طور پر دست بردار ہونے کی کوشش نہ کرے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خدمت پر لگا دیا ہے اور تم سے وہ خدمت لے رہے ہیں۔ اسی طرح اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طلب کے بغیر کوئی مقام اور منصب

عطا فرما دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمہیں سردار بنا دیا اور لوگ تمہیں اپنا قائد سمجھتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک خدمت تمہارے ذمے سپرد کی ہے، تمہیں اس خدمت کا حق ادا کرنا ہے، لیکن اپنے بارے میں یہ خیال کرو کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں نہ تو قائد بننے کے لائق ہوں اور نہ سردار بننے کے لائق ہوں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت پر لگا دیا ہے اسلئے اس خدمت پر لگا ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین﴾

سودی نظام کی خرابیاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب : حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
ضبط و ترتیب : محمد عبداللہ میمن
تاریخ : ۲۴ اپریل ۱۹۹۲ء
مقام : جامع مسجد اور لینڈو۔ فلوریڈا، امریکہ

"سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ "اگر تم سود نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو" یہ اعلان جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور گناہ پر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے یا جو لوگ خنزیر کھاتے ہیں یا جو لوگ زنا کاری کرتے ہیں یا جو لوگ چوری کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے لیکن "سود" کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ سودی معاملات نہیں چھوڑتے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے اس پر اتنی سخت اور سنگین وعید نازل ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سودی نظام کی خرابیاں اور اس کا متبادل

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً، اما بعد،

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم: یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات

(سورۃ البقرہ: ۲۷۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن

علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین

مغربی دنیا کے مسلمانوں کی مشکلات

میرے محترم بھائیو اور بہنو! آج کی اس نشست کے لئے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے وہ "ربا" سے متعلق ہے۔ جس کو اردو میں "سود" اور انگریزی میں Usury یا Interest کہا جاتا ہے۔ اور غالباً اس موضوع کو اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یوں تو ساری دنیا میں اس وقت سود کا نظام چلا ہوا ہے۔ لیکن بالخصوص مغربی دنیا میں جہاں آپ حضرات قیام پذیر ہیں، وہاں بیشتر معاشی سرگرمیاں سود کی بنیاد پر چل رہی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو قدم قدم پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کس طرح معاملات کریں اور سود سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں۔ اور آج کل مختلف قسم کی غلط فہمیاں بھی لوگوں کے درمیان پھیلائی جارہی ہیں کہ آجکل معاشی زندگی میں جو Interest چل رہا ہے وہ در حقیقت حرام نہیں ہے اس لئے کہ یہ اس "ربا" کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا تھا۔ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے اس وقت یہ موضوع دیا گیا ہے کہ میں Interest کے موضوع پر جو بنیادی معلومات ہیں وہ قرآن و سنت اور موجودہ حالات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کروں۔

سودی معاملہ کرنے والوں کے لئے اعلان جنگ

سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ "سود" کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ مثلاً شراب نوشی، خنزیر کھانا، زنا کاری، بدکاری وغیرہ کے لئے قرآن کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے جو "سود" کے لئے استعمال کئے گئے ہیں چنانچہ فرمایا کہ:

"یا یھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مومنین ○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"

(سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور "سود" کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ

دو۔ اگر تمہارے اندر ایمان ہے، اگر تم "سود" کو نہیں چھوڑو گے، یعنی سود کے معاملات کرتے رہو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو "یعنی ان کے لئے اللہ کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے، یہ اعلان جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی گناہ پر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے خلاف اعلان جنگ ہے یا جو خنزیر کھاتے ہیں انکے خلاف اعلان جنگ ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ جو "زنا" کرتے ہیں ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ لیکن "سود" کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ سود کے معاملات کو نہیں چھوڑتے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے اتنی سخت اور سنگین وعید اس پر وارد ہوئی ہے اب سوال یہ ہے کہ اس پر اتنی سنگین اور سخت وعید کیوں ہے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے معلوم ہو جائے گی۔

"سود کس کو کہتے ہیں؟

لیکن اس سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ "سود" کس کو کہتے ہیں؟ "سود" کیا چیز ہے اس کی تعریف کیا ہے؟ جس وقت قرآن کریم نے "سود" کو حرام قرار دیا اس وقت اہل عرب میں "سود" کا لین دین متعارف اور مشہور تھا۔ اور اس وقت "سود" اسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو دیئے ہوئے قرض پر طے کر کے کسی بھی قسم کی زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جائے اسے "سود" کہا جاتا تھا۔ مثلاً میں نے آج ایک شخص کو سو روپے بطور قرض دیئے۔ اور میں اس سے کہوں کہ میں ایک مہینے کے بعد یہ رقم واپس لوں گا اور تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرنا اور یہ پہلے سے میں نے طے کر دیا کہ ایک ماہ بعد ایک سو دو روپے واپس لوں گا۔ تو یہ "سود" ہے۔

معاہدہ کے بغیر زیادہ دینا سود نہیں

پہلے سے طے کرنے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر پہلے سے کچھ طے نہیں کیا ہے۔ مثلاً میں نے کسی کو سو روپے قرض دے دیئے۔ اور میں نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرو گے، لیکن واپسی کے وقت اس نے اپنی

خوشی سے مجھے ایک سو دو روپے دے دیئے۔ اور ہمارے درمیان یہ ایک سو دو روپے واپس کرنے کی بات طے شدہ نہیں تھی۔ تو یہ سود نہیں ہے اور حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

قرض کی واپسی کی عمدہ شکل

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ کسی کے مقروض ہوتے تو وہ قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا تو آپ وہ قرض کچھ زیادتی کے ساتھ بڑھتا ہوا واپس فرماتے، تاکہ اس کی دل جوئی ہو جائے لیکن یہ زیادتی چونکہ پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ "سود" نہیں ہوتی تھی اور حدیث کی اصطلاح میں اس کو "حسن القضاء" کہا جاتا ہے، یعنی اچھے طریقے سے قرض کی ادائیگی کرنا۔ اور ادائیگی کے وقت اچھا معاملہ کرنا، اور کچھ زیادہ دے دینا، یہ "سود" نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ:

ان خیارکم احسنکم قضاء

(صحیح بخاری، کتاب الاستقراض۔ باب حسن القضاء حدیث نمبر ۲۳۹۳)

یعنی تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں اچھا معاملہ کرنے والے ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص قرض دیتے وقت یہ طے کرلے کہ میں جب واپس لوں گا تو زیادتی کے ساتھ لوں گا، اس کو "سود" کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے اسی کو سخت اور سنگین الفاظ کے ساتھ حرام قرار دیا۔ اور سورۃ بقرہ کے تقریباً پورے دو رکوع اس "سود" کی حرمت پر نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کریم نے کس "سود" کو حرام قرار دیا؟

بعض اوقات ہمارے معاشرے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس "سود" کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا تھا۔ وہ در حقیقت یہ تھا کہ اس زمانے میں قرض لینے والا غریب ہوتا تھا۔ اور اسکے پاس روٹی اور کھانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے اگر وہ بیمار ہے تو اس کے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے اگر گھر میں کوئی میت ہو گئی ہے تو اسکے پاس

اس کو کفنانے اور دفنانے کے پیسے نہیں ہوتے تھے، ایسے موقع پر وہ غریب بیچارہ کسی سے پیسے مانگتا تو وہ قرض دینے والا اس سے کہتا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اتنا فیصد زیادہ واپس نہیں دو گے تو چونکہ یہ ایک انسانیت کے خلاف بات تھی کہ ایک شخص کو ایک ذاتی ضرورت ہے اور وہ بھوکا اور ننگا ہے ایسی حالت میں اس کو سود کے بغیر پیسے فراہم نہ کرنا ظلم اور زیادتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا۔ اور سود لینے والے کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

لیکن ہمارے دور میں اور خاص طور پر بینکوں میں جو سود کے ساتھ روپے کا لین دین ہوتا ہے۔ اس میں قرض لینے والا کوئی غریب اور فقیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر اوقات وہ بڑا دولت مند اور سرمایہ دار ہوتا ہے اور وہ قرض اس لئے نہیں لیتا کہ اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے، یا اس کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہے۔ یا وہ کسی بیماری کے علاج کے لئے قرض نہیں لے رہا ہے، بلکہ وہ اس لئے قرض لے رہا ہے تاکہ ان پیسوں کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگائے اور اس سے نفع کمائے۔ اب اگر قرض دینے والا شخص یہ کہے کہ تم میرے پیسے اپنے کاروبار میں لگاؤ گے۔ اور نفع کماؤ گے تو اس نفع کا دس فیصد بطور نفع کے مجھے دو۔ تو اس میں کیا قباحت اور برائی ہے؟ اور یہ وہ "سود" نہیں ہے جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، یہ اعتراض دنیا کے مختلف خطوں میں اٹھایا جاتا ہے۔

تجارتی قرض (Commercial Loan) ابتدائی زمانے میں بھی تھے

ایک اعتراض یہ اٹھایا ہے کہ یہ کاروباری سود (Commercial Interest) اور یہ تجارتی قرض (Commercial Loan) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے، بلکہ اس زمانے میں ذاتی اخراجات اور ذاتی استعمال کے لئے قرضے لئے جاتے تھے لہٰذا قرآن کریم اس کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جس کا اس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے جس "سود" کو حرام قرار دیا ہے، وہ غریبوں اور فقیروں والا "سود" تھا۔ اور یہ کاروباری سود حرام نہیں

ہے۔

صورت بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پائی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس انداز سے اس کا وجود بھی ہو۔ قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے اور اس حقیقت کو وہ حرام قرار دیتا ہے چاہے اس کی کوئی خاص صورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہو یا نہ ہو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ اور شراب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا مشروب جس میں نشہ ہو اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صاحب! آجکل کی یہ وہسکی (Whisky) بیئر (Beer) اور برانڈی (Brandy) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو پائی نہیں جاتی تھی۔ لہٰذا یہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگرچہ یہ اس خاص شکل میں موجود نہیں تھی، لیکن اس کی حقیقت یعنی "ایسا مشروب جو نشہ آور ہو" موجود تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، اب چاہے شراب کی نئی شکل آجائے۔ اور اس کا نام چاہے وہسکی (Whisky) رکھ دیا جائے یا برانڈی رکھ لو یا بیئر رکھ لو یا کوک (Coke) رکھ لو، نشہ آور مشروب ہر شکل اور ہر نام کے ساتھ حرام ہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ "کمرشل لون" چونکہ اس زمانے میں نہیں تھے بلکہ آج پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے حرام نہیں ہیں، یہ خیال درست نہیں۔

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ یاد آیا ہندوستان کے اندر ایک گویا (گانے والا) تھا۔ وہ ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا۔ حج کے بعد وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک منزل پر

اس نے قیام کیا اس زمانے میں مختلف منزلیں ہوتی تھیں۔ لوگ ان منزلوں پر رات گزارتے اور اگلے دن صبح آگے کا سفر کرتے۔ اس لئے گویے نے راستے میں ایک منزل پر رات گزارنے کے لئے قیام کیا اور اس منزل پر ایک عرب گویا بھی آگیا، اور اس نے وہاں بیٹھ کر عربی میں گانا بجانا شروع کر دیا عرب گویے کی آواز ذرا بھدی اور خراب تھی۔ کریہ الصوت تھا اب ہندوستانی گویے کو اسکی آواز بہت بری لگی۔ اور اس نے اٹھ کر کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا بجانا کیوں حرام قرار دیا تھا اس لئے کہ آپ نے ان بدوؤں کا گانا سنا تھا اس لئے حرام قرار دے دیا اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو آپ گانا بجانا حرام قرار نہ دیتے۔

آج کل کا مزاج

آجکل یہ مزاج بن گیا ہے کہ ہر چیز کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب! حضور اقدس صلی علیہ وسلم کے زمانے میں یہ عمل اس طرح ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ آج چونکہ یہ عمل اس طرح نہیں ہو رہا ہے لہٰذا وہ حرام نہیں ہے کہنے والے یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ خنزیروں کو اس لئے حرام قرار دیا گیا تھا کہ وہ گندے ماحول میں پڑے رہتے تھے غلاظت کھاتے تھے گندے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی تھی اب تو بہت صاف ستھرے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور ان کے لئے اعلیٰ درجے کے فارم قائم کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اب ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

شریعت کا ایک اصول

یاد رکھئے، قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے اس کی صورتیں چاہے کتنی بدل جائیں اور اس کو بنانے اور تیار کرنے کے طریقے چاہے کتنے بدلتے رہیں۔ لیکن اس کی حقیقت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ اور وہ حقیقت حرام ہوتی ہے یہ شریعت کا اصول ہے۔

زمانہ نبوت کے بارے میں ایک غلط فہمی

پھر یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تجارتی قرضوں (Commercial Loan) کا رواج نہیں تھا۔ اور سارے قرضے صرف ذاتی ضرورت کے لئے لیے جاتے تھے اس موضوع پر میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے "مسئلہ سود" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس کا دوسرا حصہ میں نے لکھا ہے۔ اس حصہ میں میں نے کچھ مثالیں پیش کی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تجارتی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب صحرا نشین تھے تو اسکے ساتھ ہی لوگوں کے ذہن میں یہ تصور آتا ہے کہ وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ وہ ایسا سادہ اور معمولی معاشرہ ہوگا جس میں تجارت وغیرہ تو ہوتی نہیں ہوگی اور اگر تجارت ہوتی بھی ہوگی تو صرف گندم اور جو وغیرہ کی ہوتی ہوگی۔ اور وہ بھی دس بیس روپے سے زیادہ کی نہیں ہوگی اس کے علاوہ کوئی بڑی تجارت نہیں ہوتی ہوگی عام طور پر ذہن میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے۔

ہر قبیلہ جائنٹ اسٹاک کمپنی ہوتا تھا

لیکن یاد رکھئے یہ بات درست نہیں عرب کا وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں بھی آج کی جدید تجارت کی تقریباً ساری بنیادیں موجود تھیں۔ مثلاً آجکل "جائنٹ اسٹاک کمپنیاں" ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ چودھویں صدی کی پیداوار ہے اس سے پہلے "جائنٹ اسٹاک کمپنی" کا تصور نہیں تھا۔ لیکن جب ہم عرب کی تاریخ پڑھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ عرب کا ہر قبیلہ ایک مستقل "جائنٹ اسٹاک کمپنی" ہوتا تھا اس لئے کہ ہر قبیلے میں تجارت کا طریقہ یہ تھا کہ قبیلہ کے تمام آدمی ایک روپیہ دو روپیہ لا کر ایک جگہ جمع کرتے اور وہ رقم "شام" بھیج کر وہاں سے سامان تجارت منگواتے آپ نے تجارتی قافلوں (Commercial Caravan) کا نام سنا ہوگا۔ وہ "کاروان" یہی ہوتے تھے کہ سارے قبیلے نے ایک ایک روپیہ جمع کر کے دوسری جگہ بھیجا اور وہاں سے سامان تجارت منگوا کر یہاں فروخت

کر دیا چنانچہ قرآن کریم میں یہ جو فرمایا کہ:

لا یلاف قریش ایلا فهم رحلة الشتاء والصیف

(سورۃ قریش: ۱)

وہ بھی اسی بناء پر کہ یہ عرب کے لوگ سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں اور سردیوں کے یہ سفر محض تجارت کے لئے ہوتے تھے۔ یہاں سے سامان لے جاکر وہاں بیچ دیا وہاں سے سامان لاکر یہاں بیچ دیا اور بعض اوقات ایک ایک آدمی اپنے قبیلے سے دس لاکھ دینار قرض لیتا تھا اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس لئے قرض لیتا تھا کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا؟ یا اس کے پاس میت کو کفن دینے کے لئے کپڑا نہیں تھا؟ ظاہر ہے کہ جب وہ اتنا بڑا قرض لیتا تھا تو وہ کسی کمرشل مقصد کے لئے لیتا تھا۔

سب سے پہلے چھوڑا جانے والا سود

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

وربا الجاہلیة موضوع واول ربآ اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانه موضوع کله،

(صحیح مسلم، کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر ۱۲۱۸)

یعنی (آج کے دن) جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ ہمارے چچا حضرت عباس کا سود ہے، وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا، چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ آج کے دن میں ان کا سود جو دوسرے لوگوں کے ذمے ہیں وہ ختم کرتا ہوں اور روایات میں آتا ہے کہ وہ دس ہزار مثقال سونا تھا۔ اور تقریباً ۴ ماشے کا ایک مثقال ہوتا ہے، اور یہ دس ہزار مثقال کوئی سرمایہ (Principal) نہیں تھا۔ بلکہ یہ سود تھا جو لوگوں کے ذمے اصل رقوم پر واجب ہوا تھا۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ قرض جس پر دس ہزار کا سود لگ گیا ہو، کیا وہ قرض

صرف کھانے کی ضرورت کے لئے لیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ قرض تجارت کے لئے لیا گیا ہو گا۔

عہد صحابہ میں بینکاری کی ایک مثال

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے پاس بالکل ایسا انتظام قائم کیا ہوا تھا جیسے آجکل بینکنگ کا نظام ہوتا ہے۔ لوگ جب ان کے پاس اپنی امانتیں لاکر رکھواتے تو یہ ان سے کہتے کہ میں یہ امانت کی رقم بطور قرض لیتا ہوں یہ رقم میرے ذمے قرض ہے۔ اور پھر آپ اس رقم کو تجارت میں لگاتے۔ چنانچہ جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو اس وقت جو قرض ان کے ذمہ تھا۔ اس کے بارے میں ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

" فحسبت ما علیه من الدیون فوجدته الفی الف ومائتی الف "

یعنی میں نے ان کے ذمہ واجب الاداء قرضوں کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ دینار نکلے۔

(مسئلہ سود ص ۱۱۳، بحوالہ طبقات لابن سعد، ص ۱۰۹ ج ۳)

لہذا یہ کہنا کہ اس زمانے میں تجارتی قرض نہیں ہوتے تھے۔ یہ بالکل خلاف واقعہ بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تجارتی قرض بھی ہوتے تھے، اور اس پر " سود " کا لین دین بھی ہوتا تھا، اور قرآن کریم نے ہر قرض پر جو بھی زیادتی وصول کی جائے اس کو حرام قرار دیا ہے لہذا یہ کہنا کہ کمرشل لون پر انٹرسٹ لینا جائز ہے اور ذاتی قرضوں پر انٹرسٹ لینا جائز نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔

سود مرکب اور سود مفرد دونوں حرام ہیں

اس کے علاوہ ایک اور غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ ایک سود مفرد (Simple Interest) ہوتا ہے اور ایک سود مرکب (Compound Interest) ہوتا ہے، یعنی سود پر بھی سود لگتا چلا جائے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرکب سود ہوتا تھا اور قرآن کریم نے اس کو

حرام قرار دیا ہے لہٰذا وہ تو حرام ہے لیکن سود مفرد جائز ہے اس لئے کہ وہ اس زمانے میں نہیں تھا اور نہ ہی قرآن نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن ابھی قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں فرمایا کہ:

"یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا"

(سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ربا کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو، اس کو چھوڑ دو، یعنی اسکے کم یا زیادہ ہونے کا کوئی سوال نہیں یا Rate Of Interest کے کم یا زیادہ ہونے کی بحث نہیں جو کچھ بھی ہو اس کو چھوڑ دو۔ اور اس کے بعد آگے فرمایا کہ:

وان تبتم فلکم روس اموالکم

(سورۃ البقرہ: ۲۷۹)

یعنی اگر تم ربا سے توبہ کر لو تو پھر تمہارا اجور اس المال (Principal) ہے وہ تمہارا حق ہے اور خود قرآن کریم نے واضح طور پر فرمادیا کہ Principal تو تمہارا حق ہے لیکن اس کے علاوہ تھوڑی سی زیادتی بھی ناجائز ہے لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سود مرکب حرام ہے اور سود مفرد حرام نہیں، بلکہ سود کم ہو یا زیادہ سب حرام ہے اور قرض لینے والا غریب ہو تب بھی حرام ہے اور قرض لینے والا امیر اور مالدار ہو تو بھی حرام ہے اگر کوئی شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے اور اگر تجارت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

موجودہ بینکنگ انٹرسٹ بالاتفاق حرام ہے

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ تقریباً ۵۰، ۴۰ سال تک عالم اسلام میں بینکنگ انٹرسٹ (Banking Interest) کے بارے میں سوالات اٹھائے جاتے رہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ Compound Interest حرام ہے، Simple Interest حرام نہیں ہے یا یہ کہنا کہ Commercial Laon حرام نہیں ہے وغیرہ۔ یہ اشکالات اور اعتراضات عالم اسلام میں تقریباً ۵۰ سال تک ہوتے رہے ہیں لیکن اب یہ بحث ختم ہو گئی ہے، اب ساری دنیا کے نہ صرف علماء

بلکہ ماہرین معاشیات اور مسلم بینکرز بھی اس بات پر متفق ہیں کہ بینکنگ انٹرسٹ بھی اسی طرح حرام ہے، جس طرح عام قرض کے لین دین پر سود حرام ہوتا ہے اور اب اس پر اجماع ہو چکا ہے کسی قابل ذکر شخص کا اس میں اختلاف نہیں، اس کے بارے میں آخری فیصلہ آج سے تقریباً ۴ سال پہلے جدہ میں مجمع الفقہ الاسلامی (Islamic Fiqh Academy) جس میں تقریباً ۴۵ مسلم ملکوں کے سرکردہ علماء کا اجتماع ہوا، اور جس میں، میں بھی شامل تھا۔ اور ان تمام ملکوں کے تقریباً ۲۰۰ علماء نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا کہ بینکنگ انٹرسٹ بالکل حرام ہے۔ اور اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں لہٰذا یہ مسئلہ تو اب ختم ہو چکا ہے کہ حرام ہے یا نہیں؟

کمرشل لون پر انٹرسٹ میں کیا خرابی ہے؟

اب ایک بات باقی رہ گئی ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ شروع میں جیسا کہ عرض کیا تھا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف ذاتی ضرورت کے لئے قرضے لئے جاتے تھے۔ اب اگر ایک شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہے مثلاً اس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں ہے یا میت کو دفنانے کے لئے کفن نہیں ہے اس کے لئے وہ قرض لے رہا ہے اور آپ اس سے سود کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ تو ایک غیر انسانی حرکت اور ناانصافی کی بات ہے، لیکن جو شخص میرے پیسے کو تجارت میں لگا کر نفع کمائے گا اگر میں نفع میں اس سے تھوڑا حصہ لے لوں تو اس میں کیا خرابی ہے؟

آپ کو نقصان کا خطرہ (Risk) بھی برداشت کرنا ہو گا

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ کے کسی حکم میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا۔ وہ حرام ہو گئی لیکن زیادہ اطمینان کے لئے یہ بات عرض کرتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح دل میں اتر جائے وہ یہ کہ اگر آپ کسی شخص کو قرض دے رہے ہیں۔ تو اس کے بارے میں اسلام یہ کہتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات متعین کر لو، کیا تم اس کی کچھ امداد کرنا چاہتے ہو؟ یا اس کے

کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتے ہو؟ اگر قرض کے ذریعہ اس کی امداد کرنا چاہتے ہو تو وہ پھر آپ کی طرف سے صرف امداد ہی ہوگی، پھر آپ کو اس قرض پر زیادتی کے مطالبے کا کوئی حق نہیں، اور اگر اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتے ہو تو پھر جس طرح نفع میں حصہ دار بنو گے اسی طرح نقصان میں بھی اس کے حصہ دار بننا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم صرف نفع میں حصہ دار بن جاؤ، نفع ہو تو تمہارا، اور اگر نقصان ہو تو وہ اس کا، لہٰذا جس صورت میں آپ اس کو کاروبار کے لئے پیسے دے رہے ہیں تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ کاروبار میں نقصان کا خطرہ (Risk) تو وہ برداشت کرے، اور نفع آپ کو مل جائے بلکہ اس صورت میں آپ اس کو قرض نہ دیں، بلکہ اس کے ساتھ ایک جوائنٹ انٹرپرائز، (Joint Enterprise) کیجئے، اور اس کے ساتھ "مشارکہ" اور پارٹنر شپ (Partnership) کیجئے۔ یعنی اس سے معاہدہ کریں کہ جس کاروبار کے لئے تم قرض لے رہے ہو۔ اس میں اتنا فیصد نفع میرا ہوگا۔ اور اتنا تمہارا ہوگا، اگر اس کاروبار میں نقصان ہوگا تو وہ نقصان بھی اسی نفع کے تناسب سے ہوگا لیکن یہ بالکل درست نہیں ہے کہ آپ تو اس سے یہ کہیں کہ اس قرض پر ۱۵ فیصد نفع آپ سے لوں گا۔ چاہے تمہیں کاروبار میں نفع ہو، یا نقصان ہو۔ یہ بالکل حرام ہے، اور سود ہے۔

آج کل کے انٹرسٹ کے نظام کی خرابی

آج کل انٹرسٹ (Interest) کا جو نظام رائج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات قرض لینے والے کو نقصان ہو گیا۔ تو اس صورت میں قرض دینے والا فائدہ میں رہا، اور قرض لینے والا نقصان میں رہا، اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ قرض لینے والے نے زیادہ شرح سے نفع کمایا، اور قرض دینے والے کو اس نے معمولی شرح سے نفع دیا۔ اب قرض دینے والا نقصان میں رہا۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔

ڈیپازیٹر ہر حال میں نقصان میں ہے

مثلاً ایک شخص ایک کروڑ روپیہ قرض لے کر اس سے تجارت شروع کرتا ہے۔ اب وہ ایک کروڑ روپیہ کہاں سے اس کے پاس آیا؟ وہ ایک کروڑ روپیہ کس کا ہے؟ ظاہر

ہے کہ وہ روپیہ اس نے بینک سے لیا۔ اور بینک کے پاس وہ روپیہ ڈیپازیٹرس کا ہے۔ گویا کہ وہ ایک کروڑ روپیہ پوری قوم کا ہے۔ اور اب اس نے قوم کے اس ایک کروڑ روپے سے تجارت شروع کی اور اس تجارت کے اندر اس کو سو فیصد نفع ہوا، اور اب اس کے پاس دو کروڑ ہو گئے، جس میں سے ۱۵ فیصد یعنی ۱۵ لاکھ روپے اس نے بینک کو دیئے، اور پھر بینک نے اس میں سے اپنا کمیشن اور اپنے اخراجات نکال کر باقی ۷ فیصد یا دس فیصد کھاتہ دار (Depositors) کو دے دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پیسہ تجارت میں لگا تھا، جس سے اتنا نفع ہوا ان کو تو سو روپے پر صرف دس روپے نفع ملا، اور یہ بیچارہ ڈیپازیٹر بڑا خوش ہے کہ میرے سو روپے اب ایک سو دس ہو گئے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ حقیقت میں اس کے پیسوں سے جو نفع کمایا گیا اس کے لحاظ سے ایک سو کے دو سو ہونے چاہئے تھے، اور پھر دوسری طرف یہ دس روپے جو نفع اس کو ملا، قرض لینے والا اس کو دوبارہ اس سے واپس وصول کر لیتا ہے۔ وہ کس طرح واپس وصول کرتا ہے؟

سود کی رقم مصارف میں شامل ہوتی ہے

وہ اس طرح وصول کرتا ہے کہ قرض لینے والا ان دس روپوں کو پیداواری اخراجات اور مصارف (Cost Of Production) میں شامل کر لیتا ہے مثلاً فرض کرو کہ اس نے ایک کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے کر کوئی فیکٹری لگائی۔ یا کوئی چیز تیار کی تو تیاری کے مصارف (Cost) میں ۱۵ فیصد بھی شامل کر دیئے جو اس نے بینک کو ادا کئے۔ لہٰذا جب وہ پندرہ فیصد بھی شامل ہو گئے تو اب جو چیز تیار (Produce) ہو گی، اس کی قیمت پندرہ فیصد بڑھ جائے گی۔ مثلاً اس نے کپڑا تیار کیا تھا۔ تو اب انٹرسٹ کی وجہ سے اس کپڑے کی قیمت پندرہ فیصد بڑھ گئی۔ لہٰذا ڈیپازیٹر جس کو ایک سو کے ایک سو دس روپے ملے تھے۔ جب بازار سے کپڑا خریدے گا تو اس کو اس کپڑے کی قیمت پندرہ فیصد زیادہ دینی ہو گی، تو نتیجہ یہ نکلا کہ ڈیپازیٹر کو جو دس فیصد منافع دیا گیا تھا وہ دوسرے ہاتھ سے اس سے زیادہ کر کے پندرہ فیصد وصول کر لیا گیا۔ یہ تو خوب نفع کا سودا ہوا۔ وہ ڈیپازیٹر خوش ہے کہ مجھے سو روپے کے ایک سو دس روپے مل گئے۔ لیکن حقیقت میں

اگر دیکھا جائے تو اس کو سو روپے کے بدلے =/۹۵ روپے ملے۔ اس لئے کہ وہ پندرہ فیصد کپڑے کی کوسٹ میں چلے گئے، اور دوسری طرف ۸۵ فیصد منافع اس قرض لینے والے کی جیب میں چلے گئے۔

شرکت کا فائدہ

اور اگر شرکت پر معاملہ ہوتا، اور یہ طے پاتا کہ مثلاً ۵۰ فیصد نفع سرمایہ لگانے والے (Financier) کا ہوگا، اور ۵۰ فیصد کام کرنے والے تاجر کا ہوگا۔ تو اس صورت میں عوام کو ۱۵ فیصد کے بجائے ۵۰ فیصد نفع ملتا اور اس صورت میں یہ ۵۰ فیصد اس چیز کی لاگت (Cost) میں بھی شامل نہ ہوتا اس لئے کہ نفع تو اس پیداوار کی فروخت کے بعد سامنے آئے گا اور پھر اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سود (Interest) تو لاگت (Cost) میں شامل کیا جاتا ہے لیکن نفع (Profit) لاگت (Cost) میں شامل نہیں کیا جاتا، تو یہ صورت اجتماعی نفع کی تھی۔

نفع کسی کا اور نقصان کسی اور کا

اور اگر فرض کرو کہ ایک کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے کر جو تجارت کی، اس تجارت میں اس کو نقصان ہوگیا وہ بینک اس نقصان کے نتیجے میں دیوالیہ ہوگیا، اب اس بینک کے دیوالیہ ہونے کے نتیجے میں کس کا روپیہ گیا؟ ظاہر ہے کہ عوام کا گیا۔ تو اس نظام میں نقصان ہونے کی صورت میں سارا نقصان عوام پر ہے۔ اور اگر نفع ہے تو سارا کا سارا قرض لینے والے کا۔

بیمہ کمپنی سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے

قرض لینے والے تاجر کا اگر نقصان ہو جائے تو اس نے اس نقصان کی تلافی کے لئے ایک اور راستہ تلاش کر لیا ہے، وہ ہے انشورنس (Insurance) مثلاً فرض کرو کہ روئی کے گودام میں آگ لگ گئی تو اس نقصان کو پورا کرنے کا فریضہ انشورنس کمپنی پر عائد

ہوتا ہے اور انشورنس کمپنی میں کس کا پیسہ ہے؟ وہ غریب عوام کا پیسہ ہے اس عوام کا پیسہ ہے جو اپنی گاڑی اس وقت تک سڑک پر نہیں لا سکتے جب تک اس کو انشورڈ (Insured) نہ کرالیں۔ اور عوام کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا۔ اس کو آگ نہیں لگتی لیکن وہ بیمہ کی قسطیں (Premium) ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

ان غریب عوام کے بیمہ کی قسطوں سے انشورنس کمپنی کی عمارت تعمیر کی گئی، اور غریب عوام کے ڈپازیٹ کے ذریعہ تاجر کے نقصان کی تلافی کرتے ہیں، لہٰذا یہ سارا گورکھ دھندا اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ اگر نفع ہو تو سرمایہ دار تاجر کا ہو، اور اگر نقصان ہو تو عوام کا ہو، اس کے نتیجے میں یہ صورت حال ہو رہی ہے۔ بنک میں جو پوری قوم کا روپیہ ہے۔ اگر اس کو صحیح طریقے پر استعمال کیا جاتا تو اس کے تمام منافع بھی عوام کو حاصل ہوتے۔ اور اب موجودہ نظام میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا جو سسٹم ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت نیچے کی طرف جانے کے بجائے اوپر کی طرف جا رہی ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کھانا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کاری کرنا۔ اتنا سنگین گناہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے پوری قوم کو تباہی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

سود کی عالمی تباہ کاری

آج سے پہلے ہم "سود" کو صرف اس لئے حرام مانتے تھے کہ قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ ہمیں اس کے عقلی دلائل سے زیادہ بحث نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب حرام قرار دے دیا ہے۔ بس حرام ہے، لیکن آج اس کے نتائج آپ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں آج پوری دنیا میں انٹرسٹ کا نظام جاری ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے اس ملک (امریکہ) کا دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ اور اب تو اس کا دوسرا حریف بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اب کوئی اس سے ٹکر لینے والا موجود نہیں، لیکن پھر بھی اقتصادی ابتری کا شکار ہے۔ اس کی بنیاد بھی انٹرسٹ ہے، اس لئے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غریب فقیر قسم کے لوگ سود پر قرض لیا کرتے تھے۔ ان سے سود کا مطالبہ کرنا حرام تھا، لیکن آج اگر کوئی شخص کمرشل لون پر سود لے

رہا ہے تو اس کو حرام نہیں ہونا چاہئے عقلی اور معاشی اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے، اگر کوئی غیر جانبداری سے اس نظام کا مطالعہ کرے تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ اس نظام نے دنیا کو تباہی کے آخری کنارے تک پہنچا دیا ہے۔ اور انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت مکمل جائے گی۔ اور ان کو پتہ چل جائے گا کہ قرآن کریم نے سود کے خلاف اعلان جنگ کیوں کیا تھا؟ یہ تو سود کی حرمت کا ایک پہلو تھا جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیا۔

سودی طریقہ کار کا متبادل

ایک دوسرا سوال بھی بہت اہم ہے جو آجکل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ انٹرسٹ حرام ہے۔ لیکن اگر انٹرسٹ کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس کا متبادل طریقہ کیا ہو گا جس کے ذریعہ معیشت کو چلایا جائے؟ اس واسطے کہ آج پوری دنیا میں معیشت کی روح انٹرسٹ پر قائم ہے۔ اور اگر اس کی روح کو نکال دیا جائے تو اس کو چلانے کا دوسرا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ انٹرسٹ کے سوا کوئی دوسرا نظام موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو ممکن اور قابل عمل (Practicable) نہیں ہے۔ اور اگر کسی کے پاس قابل عمل طریقہ موجود ہے تو وہ بتائے کہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے۔ اور ایک مجلس میں اس موضوع کا پورا حق ادا ہونا ممکن بھی نہیں ہے۔ اور اس کا جواب تھوڑا سا ٹیکنیکل بھی ہے۔ اور اس کو عام فہم اور عام الفاظ میں بیان کرنا آسان بھی نہیں ہے، لیکن میں اسکو عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے۔

ناگزیر چیزوں کو شریعت میں ممنوع قرار نہیں دیا گیا

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حرام قرار دے دیا کہ یہ چیز حرام ہے۔ تو پھر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ چیز ناگزیر ہو، اس لئے کہ اگر وہ چیز ناگزیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام قرار نہ دیتے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا ارشاد

ہے۔

" لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا "

(سورۃ البقرہ: ۲۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتے جو اس کی وسعت سے باہر ہو۔ لہٰذا ایک مومن کے لئے تو اتنی بات بھی کافی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو حرام قرار دے دیا تو چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے کہ کونسی چیز انسان کے لئے ضروری ہے۔ اور کون سی چیز ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا جب اس چیز کو حرام قرار دے دیا تو یقیناً وہ چیز ضروری اور ناگزیر نہیں ہے۔ اس چیز میں کہیں خرابی ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری اور ناگزیر معلوم ہو رہی ہے تو اب اس خرابی کو دور کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ اور یہ چیز ناگزیر ہے۔

سودی قرض کا متبادل قرض حسنہ ہی نہیں ہے

دوسری بات یہ ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں انٹرسٹ (Interest) جس کو قرآن کریم حرام قرار دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ جب کسی کو قرض دیا جائے تو ان کو غیر سودی قرض (Interest - Free Loan) دینا چاہئے۔ اور اس پر کسی منافع کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب انٹرسٹ ختم ہو جائے گا تو ہمیں پھر غیر سودی قرضے ملا کریں گے، پھر جتنا قرض چاہیں حاصل کریں، اور اس سے کوٹھیاں بنگلے بنائیں۔ اور اس سے فیکٹریاں قائم کریں۔ اور ہم سے کسی انٹرسٹ کا مطالبہ نہیں ہو گا۔ اور اسی سوچ کی بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ صورت قابل عمل (Practicable) نہیں ہے اس لئے کہ جب ہر شخص کو سود کے بغیر قرض دیا جائے گا تو پھر اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا کہ سب لوگوں کو بغیر سود کے قرضہ دے دیا جائے؟

سودی قرض کا متبادل "مشارکت" ہے

یاد رکھئے کہ انٹرسٹ کا متبادل (Alternative) قرض حسنہ نہیں ہے کہ کسی

کو ویسے ہی قرض دے دیا جائے بلکہ اس کا متبادل "مشارکت" ہے یعنی جب کوئی شخص کاروبار کے لئے قرضہ لے رہا ہے تو وہ قرض دینے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں، اگر تمہیں نفع ہو گا تو اس نفع کا کچھ حصہ مجھے دینا پڑے گا اور اگر نقصان ہو گا تو اس نقصان میں بھی میں شامل ہوں گا، تو اس کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں میں قرض دینے والا شریک ہو جائے گا۔ اور یہ مشارکت ہو جائے گی، اور یہ انٹرسٹ کا متبادل طریقہ کار (Alternative System) ہے۔

اور "مشارکت" کا نظریاتی پہلو تو میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ انٹرسٹ کی صورت میں تو دولت کا بہت معمولی حصہ کھاتہ دار (Depositor) کو ملتا ہے لیکن اگر "مشارکت" کی بنیاد پر کاروبار کیا جائے۔ اور سرمایہ کاری (Financing) "مشارکت" کی بنیاد پر ہو تو اس صورت میں تجارت کے اندر جتنا نفع ہو گا اس کا ایک متناسب (Proportionate) حصہ کھاتہ داروں کی طرف بھی منتقل ہو گا اور اس صورت میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا اوپر کی طرف جانے کے بجائے نیچے کی طرف آئے گا۔ لہٰذا اسلام نے جو متبادل نظام پیش کیا وہ "مشارکت" کا نظام ہے۔

مشارکت کے بہترین نتائج

لیکن یہ "مشارکت" کا نظام چونکہ موجودہ دنیا میں ابھی تک کہیں جاری نہیں ہے اور اس پر عمل نہیں ہوا اس لئے اس کی برکات بھی لوگوں کے سامنے نہیں آرہی ہیں ابھی گذشتہ بیس پچیس سال کے دوران مسلمانوں نے مختلف مقامات پر اس کی کوششیں کی ہیں کہ وہ ایسے مالیاتی ادارے اور بینک قائم کریں جو انٹرسٹ کی بنیاد پر نہ ہوں بلکہ ان کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر چلایا جائے اور شاید آپ کے علم میں بھی یہ بات ہو گی کہ اس وقت پوری دنیا میں کم از کم اسی سے لے کر سو تک ایسے بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر اپنے کاروبار کو چلا رہے ہیں اور انٹرسٹ سے پاک کاروبار کر رہے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا یہ دعویٰ سو فیصد صحیح ہے شک ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوں۔ لیکن بہرحال! یہ

حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں تقریباً ایک سو ادارے اور بینک غیر سودی نظام پر کام کر رہے ہیں اور یہ صرف اسلامی ملکوں میں نہیں بلکہ بعض مغربی اور یورپین ممالک میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ان بینکوں اور اداروں نے "مشارکہ" کے طریقے پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ اور جہاں کہیں "مشارکہ" کے طریقے کو اپنایا گیا۔ وہاں اس کے بہتر نتائج نکلے ہیں۔ ہم نے پاکستان میں ایک بینک میں اس کا تجربہ کیا۔ اور میں نے خود اس کی "مذہبی نگران کمیٹی" کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس کا معائنہ کیا۔ اور اس میں "مشارکہ" کے اندر بعض اوقات کھاتہ داروں کو بیس فیصد نفع بھی دیا گیا لہٰذا اگر "مشارکہ" کو وسیع پیمانے پر کیا جائے تو اس کے نتائج اور بھی زیادہ بہتر نکل سکتے ہیں۔

"مشارکت" میں عملی دشواری

لیکن اس میں ایک عملی دشواری ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص مشارکہ کی بنیاد پر بینک سے پیسے لے گیا۔ اور "مشارکہ" کے معنی نفع اور نقصان میں شرکت (Profit and Loss Sharing) کے ہیں کہ اگر نفع ہو گا تو اس میں بھی شرکت ہوگی اور اگر نقصان ہو گا تو اس میں بھی شرکت ہوگی تو افسوس ناک بات یہ ہے کہ خود ہمارے عالم اسلام میں بد دیانتی اتنی عام ہے۔ اور بگاڑ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اب اگر کوئی شخص اس بنیاد پر بینک سے پیسے لے کر گیا کہ اگر نفع ہوا تو نفع لا کر دوں گا، اور اگر نقصان ہوا تو نقصان بینک کو بھی برداشت کرنا پڑے گا تو وہ پیسے لے کر جانے والا شخص کبھی پلٹ کر نفع لے کر نہیں آئے گا۔ بلکہ وہ ہمیشہ یہ ظاہر کرے گا کہ مجھے نقصان ہوا ہے۔ اور وہ بینک سے کہے گا کہ بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے نفع کا مطالبہ کریں۔ بلکہ اس نقصان کی تلافی کے لئے مجھے مزید رقم دیں۔

عملی پہلو کا یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ مگر اس کا تعلق اس "مشارکہ" کے نظام کی خرابی سے نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ "مشارکہ" کا نظام خراب ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کا تعلق ان انسانوں کی خرابی سے ہے جو اس نظام پر عمل کر رہے ہیں، ان عمل کرنے والوں کے اندر اچھے اخلاق دیانت اور امانت نہیں ہے، اور

اس کی وجہ سے "مشارکہ" کے نظام میں یہ خطرات موجود ہیں کہ لوگ بینک سے "مشارکہ" کی بنیاد پر پیسے لے جائیں گے۔ اور پھر کاروبار میں نقصان دکھا کر بینک کے ذریعہ ڈیپازیٹر کو نقصان پہنچائیں گے۔

اس دشواری کا حل

لیکن یہ مسئلہ کوئی ناقابل حل مسئلہ نہیں ہے اور ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کا حل نہ نکالا جا سکے، اگر کوئی ملک اس "مشارکہ" کے نظام کو اختیار کرے تو وہ باسانی یہ حل نکال سکتا ہے کہ جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ اس نے بد دیانتی سے کام لیا ہے اور اپنے اکاونٹس صحیح بیان (Declare) نہیں کئے، تو حکومت ایک مدت دراز کے لئے اس کو بلیک لسٹ (Black List) کر دے، اور آئندہ کوئی بینک اس کو فائنانسنگ کی کوئی سہولت فراہم نہ کرے اس صورت میں لوگ بد دیانتی کرتے ہوئے ڈریں گے۔ آج بھی جائنٹ اسٹاک کمپنیاں کام کر رہی ہیں، اور وہ اپنے بیلنس شیٹ (Balance Sheet) شائع کرتی ہیں۔ اور اس بیلنس شیٹ میں اگرچہ بد دیانتی بھی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس میں وہ اپنا نفع ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے اگر "مشارکہ" کو پورے ملکی سطح پر اختیار کریں تو اس حل کو اختیار کیا جا سکتا ہے البتہ جب تک "مشارکہ" کو ملکی سطح پر اختیار نہیں کیا جاتا۔ اس وقت تک انفرادی (Individual) اداروں کو "مشارکہ" پر عمل کرنا دشوار ہے، لیکن ایسے انفرادی ادارے سلیکٹڈ (Selected) بات چیت کے ذریعہ مشارکہ کر سکتے ہیں

دوسری متبادل صورت "اجارہ"

اس کے علاوہ اسلام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ اس میں "مشارکہ" کے علاوہ بینکنگ اور فائننسنگ کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً ایک طریقہ اجارہ (Leasing) کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص بینک سے پیسہ مانگنے آیا، اور بینک نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس ضرورت کے لئے پیسہ چاہئے؟ اس نے بتایا کہ مجھے اپنے کارخانے میں ایک مشینری باہر سے منگا کر لگانی ہے۔ تو

اب بینک اس شخص کو پیسے نہ دے۔ بلکہ خود اس مشینری کو خرید کر اس شخص کو کرایہ پر دے دے۔ اس عمل کو اجارہ (Leasing) کہا جاتا ہے البتہ آجکل فائینانسنگ اداروں اور بینک میں فائینانشل لیزنگ کا جو طریقہ رائج ہے، وہ شریعت کے مطابق نہیں ہے اس اگریمنٹ میں بہت سی شقیں (Clauses) شریعت کے خلاف ہیں، لیکن اس کو شریعت کے مطابق آسانی کے ساتھ بنایا جاسکتا ہے، پاکستان میں متعدد فائینانشل ادارے ایسے قائم ہیں جن میں لیزنگ اگریمنٹ شریعت کے مطابق ہیں، اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

تیسری متبادل صورت "مرابحہ"

اسی طرح ایک اور طریقہ ہے، جس کا آپ نے نام سنا ہوگا، وہ ہے "مرابحہ فائینانسنگ" یہ بھی کسی شخص سے معاملہ کرنے کا ایک طریقہ ہے جس میں نفع پر وہ چیز بیچ دی جاتی ہے فرض کیجئے کہ ایک شخص بینک سے اس لئے قرض لے رہا ہے کہ وہ خام مال (Raw Material) خریدنا چاہتا ہے، وہ بینک اس کو خام مال خریدنے کے لئے پیسے دینے کے بجائے وہ خود خام مال خرید کر اس کو نفع پر بیچ دے یہ طریقہ بھی شرعاً جائز ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرابحہ کی یہ صورت تو ہاتھ گھما کر کان پکڑنے والی بات ہوگئی، کیونکہ اس میں بینک سے نفع لینے کے بجائے دوسرے طریقے سے نفع وصول کر لیا۔ یہ کہنا درست نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ :

" واحل الله البیع وحرم الربا "

(سورۃ البقرۃ ۲۲۵ :

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے اور مشرکین مکہ بھی تو یہی کہا کرتے تھے کہ بیع بھی تو ربا جیسی ہے، اس میں بھی انسان نفع کماتا ہے اور ربا میں بھی انسان نفع کماتا ہے، پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ قرآن کریم نے ان کا ایک ہی جواب دیا کہ یہ ہمارا حکم ہے کہ ربا حرام ہے اور بیع حلال ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ کے اوپر روپیہ نہیں لیا جاسکتا، اور روپیہ پر منافع نہیں لیا جاسکتا، لیکن اگر درمیان میں کوئی چیز یا مال

تجارت آجائے۔ اور اس کو فروخت کر کے نفع حاصل کرے اس کو ہم نے حلال قرار دیا ہے، اور مرابحہ کے اندر درمیان میں مال آجاتا ہے اس لئے شریعت کے اعتبار سے وہ سودا (Transaction) جائز ہو جاتا ہے۔

پسندیدہ متبادل کونسا ہے؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ مرابحہ اور "لیزنگ (Leasing) مطلوبہ اور پسندیدہ متبادل (Ideal Alternative) نہیں ہیں، اور اس سے تقسیم دولت (Distr-ibution of Wealth) پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ پسندیدہ متبادل "مشارکہ" ہے لیکن آئندہ جو منفرد (Individual) ادارے قائم کئے جائیں، ان کے لئے آزمائشی اور تجرباتی مدت (Transitory Period) میں مرابحہ" اور "لیزنگ" پر بھی عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اور اس وقت بھی کچھ فائینانشل انسٹیٹیوشن ان بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔

بہر حال! یہ تو "سود" اور اس کے متعلقات کے بارے میں عام باتیں تھیں جو میں نے عرض کر دیں۔

"سود" سے متعلق ایک مسئلہ اور ہے، جس کی صدائے بازگشت بار بار سنائی دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دارالحرب جہاں غیر مسلم حکومت ہو وہاں سود کے لین دین میں کوئی قباحت نہیں، وہاں غیر مسلم حکومت سے سود لے سکتے ہیں اس مسئلہ پر بھی بہت لمبی چوڑی بحثیں ہوئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ چاہے دارالحرب ہو یا دارالاسلام، جس طرح سود دارالاسلام میں حرام ہے، اسی طرح دارالحرب میں بھی حرام ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عام آدمی کو چاہئے کہ اپنا پیسہ بینک کے اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھے، جہاں پیسوں پر سود نہیں لگتا، لیکن اگر کسی شخص نے غلطی سے سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account) میں پیسے رکھ دیئے ہیں اور اس رقم پر سود مل رہا ہے تو پاکستان میں تو ہم لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ سود کی رقم بینک میں چھوڑ دو، لیکن ایسے ملکوں میں جہاں ایسی رقم اسلام کے خلاف کام پر خرچ ہوتی ہے۔ وہاں اس شخص کو چاہئے کہ وہ سود کی رقم بینک سے وصول کر کے کسی مستحق زکوۃ شخص کو ثواب کی نیت کے

بغیر صرف اپنی جان چھڑانے کے لئے صدقہ کر دے اور خود اپنے استعمال میں نہ لائے۔

عصر حاضر میں اسلامی معیشت کے ادارے

ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ یہ کام نسبتاً ذرا مشکل لگتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم مسلمانوں کو اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ہم خود ایسے مالیاتی ادارے قائم کریں جو اسلامی بنیادوں پر کام کریں اور جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے عرض کیا کہ "مشارکہ" "مرابحہ" اور "لیزنگ" کی مکمل اسکیمیں موجود ہیں، اور ان بنیادوں پر مسلمان اپنے ادارے قائم کر سکتے ہیں، اور یہاں کے مسلمان ماشاء اللہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اس میں خود ان کے مسائل کا بھی حل ہے، ان کو چاہئے کہ یہاں رہ کر فائینانشل انسٹیٹیوٹ قائم کریں۔ امریکہ میں میرے علم کے مطابق کم از کم ہاؤسنگ کی حد تک دو ادارے موجود ہیں، اور وہ صحیح اسلامی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایک ٹورنٹو میں اور ایک لاس اینجلس میں ہے اب ان اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو اپنے طور پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ماہر فقہاء اور مفتی حضرات سے مشورہ کر کے اس کا نظام قائم کریں۔ اور اس سلسلے میں اگر آپ مجھ سے بھی خدمت لینا چاہیں گے تو میں ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہوں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت دنیا میں تقریباً سو ادارے کام کر رہے ہیں۔ اور تقریباً ۱۵ سال سے میں ان اداروں میں خدمت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سنّت کا مذاق نہ اڑائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۰/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنت کا مذاق نہ اڑائیں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه اجمعين ، وبارك وسلّم تسليماً كثيرًا كثيراً—

اما بعد!

﴿عن أبى أياس سلمة بن عمرو بن الأكوع رضى الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أكل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم بشماله، فقال : كُل بيمينكَ قال : لاأستطيع، قال : لااستطعتَ، مامنعه إلا الكبر، فمارفعه إلى فيه﴾

(صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب آداب الطعام)

ذرا سے تکبر کا نتیجہ

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ اہلِ عرب میں بائیں ہاتھ سے کھانا عام تھا اور اکثر لوگ بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے تو آپ نے اس کو تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ یہ حکم آپ نے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں زندگی گزارنے کے جو آداب سکھائے گئے ہیں ان میں داہنی طرف کو بائیں طرف پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں داہنی طرف کو بائیں طرف پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا ادب ہے۔ چاہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے، چاہے کسی کی عقل اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ اور اس جواب دینے کا سبب تکبر تھا اور اس نے سوچا کہ مجھے اس بات پر آپؐ نے ٹوک کر میری توہین کی ہے۔ اس لئے میں حکم نہیں مانتا۔ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ تم کبھی دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکو گے اس کے بعد ساری عمر وہ شخص اپنا داہنا ہاتھ منہ تک نہیں لے جا سکا۔

کاش! ہم صحابہؓ کے زمانے میں ہوتے

اس حدیث میں ہمارے لئے کئی عظیم الشان سبق ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ بسا اوقات نادانی اور بیوقوفی کی وجہ سے ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوتے تو کتنا اچھا

ہوتا۔ صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ کا دیدار نصیب ہوا۔ اگر ہمیں بھی آپؐ کی صحبت اور دیدار نصیب ہو جاتا اور ہم بھی صحابہؓ کی فہرست میں شامل ہو جاتے تو کتنی اچھی بات تھی اور کبھی کبھی یہ خیال شکوے کی صورت اختیار کرلیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس زمانے میں کیوں پیدا نہیں فرمایا' آج ہمارے لئے پندرھویں صدی میں دین پر چلنا مشکل ہوگیا ہے' ماحول خراب ہوگیا ہے۔ اگر اس زمانے میں ہوتے تو چونکہ ماحول بنا ہوا ہوتا اس لئے اس ماحول میں دین پر چلنا آسان ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ظرف کے مطابق دیتے ہیں

ہمارے دل میں یہ خیال تو پیدا ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو جو سعادت عطا فرماتے ہیں اس کے ظرف کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ یہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظرف تھا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے استفادہ بھی کیا اور اس کا حق بھی ادا کیا۔ وہ زمانہ بے شک بڑی سعادتوں کا زمانہ تھا لیکن ساتھ میں بڑے خطرے کا زمانہ بھی تھا۔ آج ہمارے پاس، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہیں وہ واسطہ در واسطہ ہو کر ہم تک پہنچے ہیں' اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جو شخص خبرِ واحد سے ثابت شدہ بات کا انکار کردے اور یہ کہے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا تو ایسا شخص سخت گناہ گار ہوگا لیکن کافر نہیں ہوگا۔ منافق نہیں ہوگا' اور اس زمانے میں اگر کسی شخص نے کوئی کلمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے براہِ راست سنا اور پھر اس کا انکار کیا' تو انکار کرتے ہی کفر میں داخل ہوگیا۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی ایسی آزمائشیں پیش آئی ہیں کہ یہ انہی کا ظرف تھا کہ ان آزمائشوں کو جھیل گئے۔ خدا جانے اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو نہ جانے کس شمار میں ہوتے۔ اس

ماحول میں جس طرح حضرت صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے اسی ماحول میں ابوجہل اور ابولہب بھی پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن اُبیّ اور دوسرے منافقین بھی پیدا ہوئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے حق میں جو چیز مقدر فرمائی ہے وہی چیز اس کے حق میں بہتر ہے۔ لہٰذا یہ تمنا کرنا کہ کاش ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پیدا ہوتے یہ نادانی کی تمنا ہے اور معاذ اللہ، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جتنی نعمت عطا فرماتے ہیں وہ اس کے ظرف کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔

آپ نے اس کو بددُعا کیوں دی؟

ایک سوال ذہنوں میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت للعالمین ہونے کی شان تو یہ تھی کہ کسی سے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا اور حتی الامکان آپؐ نے لوگوں کے لئے دعا ہی فرمائی۔ بددُعا نہیں فرمائی۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس شخص سے وقتی طور پر غلطی ہوگئی اور اس نے یہ کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا تو آپ نے فوراً اس کے لئے بددعا کیوں فرمادی کہ آئندہ تمہیں کبھی منہ تک ہاتھ اٹھانے کی توفیق نہ ہو۔ علماء کرام نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اس شخص نے تکبر کی وجہ سے یہ جھوٹ بول دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا حالانکہ وہ کھا سکتا تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا اس طرح تکبر کی وجہ سے جھوٹ بول کر مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی جہنم کا مستحق ہوجاتا ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر شفقت فرماتے ہوئے اور اس کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لئے فوراً اس کے حق میں بددُعا فرمادی تاکہ اس گناہ پر جو عذاب اس کو ملنا ہے وہ

دنیا ہی کے اندر مل جائے۔ اور اس دنیاوی عذاب کے نتیجے میں ایک طرف تو وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائے اور دوسری طرف اس کو عذاب کے بعد عملِ صالح کی توفیق ہو جائے۔ اس حکمت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددُعا فرمائی۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

اسی طرح بعض بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ ان کو کسی نے تکلیف دی اور ستایا تو انہوں نے اس سے اسی وقت بدلہ لے لیا۔ وہ حضرات اسی شفقت کی وجہ سے بدلہ لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ بدلہ نہ لیں تو اس ستانے والے اور تکلیف دینے والے پر اس سے زیادہ بڑا عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایک صاحب ایک بزرگ کے مرید تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت! ہم نے سنا ہے کہ بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کے رنگ الگ الگ ہوتے ہیں۔ ان کی شانیں الگ الگ ہوتی ہیں، کسی کی کچھ شان ہے، کسی کی کچھ شان ہے، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کی شانیں کس قسم کی ہوتی ہیں؟ ان کے شیخ نے فرمایا کہ تم اس کے پیچھے مت پڑو۔ اپنے کام میں لگے رہو۔ تم ان کی شانوں کا کہاں ادراک کرسکتے ہو۔ مرید صاحب نے کہا کہ آپ کی بات درست ہے۔ لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے ذرا یہ پتہ لگ جائے کہ بزرگوں کے کیا مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر تمہیں دیکھنے پر اصرار ہی ہے تو ایسا کرو کہ فلاں مسجد میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں تین بزرگ ذکر کرتے ہوئے "اللہ اللہ" کرتے ہوئے ملیں گے۔ تم جا کر ان تینوں کی کمر میں ایک ایک مکّہ مار دینا اور پھر جو کچھ وہ بزرگ کریں وہ مجھے آکر بتا دینا۔ چنانچہ یہ صاحب اس مسجد میں گئے تو وہاں دیکھا کہ واقعۃً تین بزرگ ذکر میں مشغول ہیں۔ شیخ کے حکم کے مطابق انہوں نے جا کر ایک بزرگ کو پیچھے سے ایک مکّہ مارا تو انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کس نے مکّہ مارا، بلکہ اپنے ذکر میں

مشغول رہے۔ اس کے بعد جب دوسرے بزرگ کو مکّہ مارا تو وہ پیچھے مڑے۔ اور ان مکّہ مارنے والے کا ہاتھ سہلانے لگے اور فرمانے لگے کہ بھائی! تمہیں تکلیف تو نہیں ہوئی؟ چوٹ تو نہیں لگی؟ اور جب تیسرے بزرگ کے مکّہ مارا تو انہوں نے پیچھے مڑ کر اتنی ہی زور سے ان کو مکّہ مار دیا اور پھر اپنے ذکر میں مشغول ہوگئے۔

یہ صاحب اپنے شیخ کے پاس واپس گئے اور ان سے جاکر عرض کیا کہ حضرت! اس طرح قصّہ پیش آیا کہ جب پہلے بزرگ کو مکّہ مارا تو انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور جب دوسرے کو مارا تو وہ الٹا میرے ہی ہاتھ کو سہلانے لگے۔ اور جب تیسرے بزرگ کو مارا تو انہوں نے مجھ سے بدلہ لیا اور مجھے بھی ایک مکّہ مار دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ تم یہ پوچھ رہے تھے کہ بزرگوں کی مختلف شانیں کیا ہوتی ہیں تو یہ تین شانیں تم نے علیحدہ علیحدہ دیکھ لی ہیں۔ ایک شان وہ ہے جو پہلے بزرگ میں تھی۔ انہوں نے یہ سوچا کہ میں تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ اور اس ذکر میں جو لذت اور مزہ آرہا ہے اس کو چھوڑ کر میں پیچھے کیوں دیکھوں کہ کون مُکّا مار رہا ہے اور اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ دوسرے بزرگ پر مخلوق پر شفقت اور رحمت کی شان غالب تھی۔ اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ بدلہ نہیں لیا بلکہ اس مارنے والے کے ہاتھ کو دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔ اور تیسرے بزرگ نے جلدی سے بدلہ اس لئے لے لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ لینے کے لئے اس پر اپنا عذاب نازل فرمادیں۔ اور اس بدلہ لینے سے وہ آخرت کے بدلے سے بھی بچ جائے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس شخص کے حق میں بَددُعا فرماکر اس شخص کو بڑے عذاب سے بچالیا۔

ہر اچھا کام داہنی طرف سے شروع کریں

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی تحقیر سے بچنا چاہئے۔

آج کل تو لوگ اس قسم کی سنتوں کے بارے میں حقارت آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میاں! ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کیا رکھا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ۔ یاد رکھئے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت چھوٹی نہیں، چاہے بظاہر دیکھنے میں وہ چھوٹی معلوم ہوتی ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم، آپ کی ہر سنت، آپ کا ہر عمل اس دنیا کے لئے نمونہ ہے۔ چنانچہ آپ نے ہر اچھا کام داہنی طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً داہنے ہاتھ سے کھاؤ، داہنے ہاتھ سے پانی پیو، اگر مجمع میں کوئی چیز تقسیم کرنی ہے تو داہنی طرف سے شروع کرو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ: ﴿كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره في شانه كله﴾

(صحیح بخاری کتاب الوضوء، باب التیمن فی الوضوء)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنے ہاتھ سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ لباس پہننے کے بارے میں فرمایا کہ پہلے داہنی آستین میں ہاتھ ڈالو پھر بائیں آستین میں ہاتھ ڈالو۔ جوتا پہننا ہے تو پہلے دایاں جوتا پہنو اور پھر بایاں جوتا پہنو۔ بالوں میں کنگھی کرنی ہے تو پہلے دائیں طرف کنگھی کرو اور پھر بائیں طرف کرو۔ آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ہے تو پہلے داہنی آنکھ میں سرمہ ڈالو پھر بائیں آنکھ میں سرمہ ڈالو۔ ہاتھ دھوتے وقت پہلے دایاں ہاتھ دھو پھر بایاں ہاتھ دھو۔ اس طرح آپ نے ہر چیز میں دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم فرمایا۔

ایک وقت میں دو سنتوں کا اجتماع

بظاہر یہ معمولی سنتیں ہیں۔ لیکن اگر انسان ان سنتوں پر عمل کرلے تو ہر عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبیت کا پروانہ مل رہا ہے اور اس پر عظیم اجر وثواب مرتب ہو رہا ہے۔ اگر انسان محض غفلت اور لاپرواہی سے ان سنتوں کو

چھوڑ دے اور ان پر عمل نہ کرے تو اس سے زیادہ ناقدری اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس لئے اہتمام سے ہر کام انسان دائیں طرف سے شروع کرے۔ حتیٰ کہ بزرگوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ دیکھئے : کہ یہ دو سنتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب آدمی مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پیر نکالے اور پھر دایاں پیر نکالے۔ اور دوسری سنت یہ ہے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں ڈالے پھر بائیں پاؤں میں ڈالے۔ تو ان دونوں سنتوں کو اس طرح جمع کرے کہ مسجد سے پہلے بایاں پیر نکال کر جوتے کے اوپر رکھ لے اور پھر دایاں پیر نکال کر جوتا پہنے اور پھر بائیں پیر میں جوتا پہنے' اس طرح دونوں سنتوں پر عمل ہو جائے گا۔

ہر سنّت عظیم ہے

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا امتیاز نہیں تھا کہ کون سی سنت چھوٹی ہے اور کون سی سنت بڑی ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک ہر سنت عظیم تھی۔ اس لئے وہ تمام سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذرا سا اہتمام کرنے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ جمع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مغربی تہذیب کی ہر چیز الٹی ہے

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نئی مغربی تہذیب میں پہلی تہذیب کے مقابلے میں ہر چیز الٹی ہے۔ اور پھر مزاحاً فرماتے کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے۔ اس مغربی تہذیب نے ہماری قدروں کو باقاعدہ اہتمام کرکے بدلا ہے۔ چنانچہ آج کل کی تہذیب یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کانٹا اور چھری دائیں ہاتھ میں پکڑی جائے اور بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

آج سے کئی سال پہلے میں ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میری ساتھ والی سیٹ پر ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ سفر کے دوران ان سے ذرا بے تکلفی بھی ہو گئی تھی، جب کھانا آیا تو ان صاحب نے حسبِ معمول دائیں ہاتھ سے چھری لی اور بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم نے ہر چیز میں انگریز کی تقلید شروع کر رکھی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اس لئے اگر آپ دائیں ہاتھ سے کھالیں تو آپ کا یہی عمل موجبِ ثواب بن جائے گا۔ وہ جواب میں کہنے لگے کہ اصل میں ہماری قوم اسی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان مولویوں نے ان چیزوں کے اندر ہماری قوم کو پھنسا دیا اور ترقی کا راستہ روک دیا اور جو بڑے بڑے کام تھے ان میں ہم پیچھے رہ گئے۔

مغربی دنیا پھر کیوں ترقی کر رہی ہے؟

میں نے ان سے عرض کیا کہ ماشاء اللہ آپ تو مدّتِ دراز سے اس ترقی یافتہ طریقے سے کھا رہے ہیں۔ اس ترقی یافتہ طریقے سے کھانے سے آپ کو کتنی ترقی حاصل ہوئی؟ اور آپ کتنے آگے بڑھ گئے؟ اور کتنے لوگوں پر آپ کو فوقیت حاصل ہو گئی؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے ان کو سمجھایا کہ مسلمانوں کی ترقی اور سربلندی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرنے میں ہے دوسرے طریقوں پر عمل کرنے میں نہیں۔ اگر مسلمان دوسرے طریقوں کو اختیار کرے گا تو وہ سربلند نہیں ہو سکتا۔ ان صاحب نے کہا کہ آپ نے عجیب بات کہی کہ ترقی سنتوں پر عمل کرنے میں ہے۔ یہ ساری مغربی قومیں کتنی ترقی کر رہی ہیں حالانکہ وہ قومیں الٹے ہاتھ سے کھاتی ہیں۔ سارے کام سنت اور شریعت کے خلاف کرتی ہیں۔ گناہوں کے اندر بری طرح مبتلا ہیں۔ فسق و فجور کے کام کرتی

ہیں۔ شرابیں پیتی ہیں۔ جوا کھیلتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ قومیں ترقی کر رہی ہیں۔ اور پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ لہٰذا آپ جو یہ کہتے ہیں کہ سنتوں پر عمل کرنے سے ترقی ہوتی ہے لیکن ہمیں تو نظر آرہا ہے کہ سنتوں کے خلاف اور شریعت کے خلاف کام کرنے سے دنیا میں ترقی ہو رہی ہے۔

بوجھ بجکڑ کا قصہ

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ جو فرمایا کہ مغربی قومیں سنتوں کو چھوڑنے کے باوجود ترقی کر رہی ہیں۔ لہٰذا ہم بھی اسی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ اس پر میں نے ان کو ایک قصہ سنایا۔

وہ یہ کہ ایک گاؤں میں ایک شخص کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ کسی طرح چڑھ تو گیا لیکن درخت سے اترا نہیں جا رہا تھا' اب اس نے اوپر سے گاؤں والوں کو آواز دی کہ مجھے اتارو۔ اب لوگ جمع ہو گئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ کس طرح اس کو درخت سے اتاریں۔ کسی کی سمجھ میں کوئی طریقہ نہیں آرہا تھا۔ اس زمانے میں گاؤں کے اندر ایک بوجھ بجکڑ ہوتا تھا جو سب سے زیادہ عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ گاؤں والے اس کے پاس پہنچے اور اس سے جا کر سارا قصہ سنایا کہ اس طرح ایک آدمی درخت پر چڑھ گیا ہے۔ اس کو کس طرح اتاریں؟ اس بوجھ بجکڑ نے کہا کہ یہ تو کوئی مشکل نہیں' ایسا کرو کہ ایک رسہ لاؤ۔ اور جب رسہ لایا گیا تو اس نے کہا کہ اب رسہ اس شخص کی طرف پھینکو۔ اور اس شخص سے کہا کہ تم اس رسے کو اپنی کمر سے مضبوطی سے باندھ لو۔ اس نے جب رسہ باندھ لیا تو اب لوگوں سے کہا تو تم اس رسے کو زور سے کھینچو' جب لوگوں نے رسہ کھینچا تو وہ شخص درخت سے نیچے گرا اور مر گیا۔ لوگوں نے اس بوجھ بجکڑ سے کہا کہ آپ نے یہ کیسی ترکیب بتائی۔ یہ تو مر گیا۔ اس نے جواب دیا کہ معلوم نہیں کیوں مر گیا۔ شاید اس کی قضا ہی آگئی تھی۔ اس لئے

مرگیا، ورنہ میں نے اس طریقے سے بے شمار لوگوں کو کنویں سے نکالا ہے اور وہ صحیح سالم نکل آئے۔

مسلمانوں کی ترقی کا راستہ صرف ایک ہے

اس بوجھ بجھکڑ نے کھجور کے درخت پر چڑھے شخص کو کنویں کے اندر گرے ہوئے شخص پر قیاس کیا۔ یہی قیاس یہاں بھی کیا جارہا ہے۔ اور یہ کہا جارہا ہے کہ چونکہ غیر مسلم قومیں فسق وفجور اور معصیت اور نافرمانی کے ذریعہ ترقی کررہی ہیں اسی طرح ہم بھی نافرمانیوں کے ساتھ ترقی کرجائیں گے۔ یہ قیاس درست نہیں۔ یاد رکھیں : جس قوم کا نام مسلمان ہے اور جو کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ایمان لائی ہے وہ اگرچہ سر سے لے کر پاؤں تک ان مغربی اقوام کا طریقہ اپنالے اور اپنا سب کچھ بدل دے تب بھی ساری زندگی کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ ہاں اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو ایک مرتبہ ــــــ معاذ اللہ ــــــ اسلام کے چولے کو اپنے جسم سے اتاردے اور یہ کہہ دے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ پھر ان کے طریقوں کو اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی دنیا میں ترقی دے دیں گے۔ لیکن مسلمان کے لئے وہ ضابطہ اور قانون نہیں ہے جو کافروں کے لئے ہے۔ مسلمان کے لئے دنیا میں بھی ترقی کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ترقی کا کوئی راستہ نہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرلو

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ مغربی اقوام جو کام کررہی ہیں وہ قابلِ تقلید ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ــــــ معاذ اللہ ــــــ ایک معمولی سی چیز ہے اور قابلِ تقلید نہیں ہے بلکہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر تم نے

دائیں ہاتھ سے کھانا کھالیا تو تمہاری ترقی میں کون سی رُکاوٹ آجائے گی۔ لیکن ہمارے دل ودماغ پر غلامی مسلط ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی چھوڑ کر ان کی غلامی اختیار کرلی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غلامی کے اندر جی رہے ہیں اور غلامی کے اندر مر رہے ہیں۔ اور اب اس غلامی سے نکلنا بھی چاہتے ہیں تو نکلا نہیں جاتا۔ نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اس وقت تک اس غلامی سے نہیں نکل سکتے اور اس دنیا میں عزت اور سربلندی حاصل نہیں کرسکتے جب تک ایک مرتبہ صحیح معنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول نہیں کرلیں گے اور سرکارِ دو عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے۔

سنت کے مذاق سے کفر کا اندیشہ ہے

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ سنت صرف انہی چیزوں کا نام نہیں کہ آدمی دائیں ہاتھ سے کھانا کھالے اور دائیں طرف سے کپڑا پہن لے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے سنتوں کا تعلق ہے۔ ان سنتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بھی داخل ہیں۔ آپ لوگوں کے ساتھ کس طرح معاملہ فرماتے تھے؟ کس طرح خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے تھے؟ کس طرح لوگوں کی تکلیفوں پر صبر فرماتے تھے۔ یہ سب باتیں بھی ان سنتوں کا حصہ ہیں۔ لیکن کوئی سنت ایسی نہیں ہے جس کو چھوٹا سمجھ کر اس کی تحقیر کی جائے۔ دیکھئے : فرض کریں کہ اگر کسی شخص کو کسی سنت پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی ہے تو کم از کم اس شخص کو بہتر سمجھے جس کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ لیکن اس سنت کا مذاق اڑانا، اس کی تحقیر کرنا، اس کو برا قرار دینا۔ اس پر آوازیں کسنا۔ ان افعال سے اس شخص پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ادنیٰ سے ادنیٰ سنت کے بارے میں بھی کبھی تحقیر اور تذلیل کا کلمہ زبان سے نہیں نکالنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ

ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اگلی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ:

حضورؐ کی تعلیمات اور اس کو قبول کرنے والوں کی مثال

﴿عن أبي موسىٰ رضي الله عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: إن مثل مابعثني الله من الهدىٰ والعلم كمثل غيث أصاب أرضاً، فكانت منها طائفة طيبة الخ﴾

(صحیح بخاری– کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور جن تعلیمات کو میں دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زمین پر بارش ہوئی اور وہ زمین تین قسم کی تھی۔

پہلی قسم کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ جب اس پر بارش ہوئی تو اس زمین نے پانی کو جذب کرلیا۔ اور پھر اس زمین میں سے پھول پودے نکل آئے۔

دوسری قسم کی زمین سخت تھی۔ جس کی وجہ سے پانی اندر جذب نہیں ہوا بلکہ اوپر ہی جمع ہوگیا۔ اور پھر اس پانی سے بہت سے انسانوں نے اور جانوروں نے فائدہ اٹھایا۔

تیسری قسم کی زمین میں نہ تو اگانے کی صلاحیت تھی۔ اور نہ پانی کو اوپر جمع کرنے کی صلاحیت تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بارش کا پانی اس پر برسا اور وہ پانی بے فائدہ چلا گیا۔

لوگوں کی تین قسمیں

پھر فرمایا کہ اسی طرح میں جو تعلیمات لے کر آیا ہوں وہ بارش کی طرح ہے اور ان تعلیمات کو سننے والے تین طرح کے لوگ ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے ان تعلیمات کو اپنے اندر جذب کر کے اس سے فائدہ اٹھایا اور اس کے نتیجے میں ان کے اعمال اور اخلاق درست ہوگئے اور وہ اچھے انسان بن گئے۔ اور لوگوں کے لئے ایک بہترین نمونہ بن گئے۔ اور دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے میری تعلیمات کو حاصل کیا۔ پھر خود بھی اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسرے لوگوں کے فائدے کے لئے اس کو جمع کرلیا۔ اور پھر وہ ان تعلیمات کو تعلیم' تدریس' وعظ اور دعوت کے ذریعہ دوسروں تک پہنچارہے ہیں۔ تیسرے قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے میری تعلیمات کو ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا' نہ ان سے خود فائدہ اٹھایا اور نہ ان کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا کہ میری تعلیمات کے بارے میں دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرلو۔ یا تو خود اس سے فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی اس کے ذریعہ فائدہ پہنچاؤ۔ یا کم از کم خود اس سے فائدہ اٹھالو۔ اس لئے کہ تیسرا راستہ بربادی کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میری تعلیمات سن کر اس کو پسِ پُشت ڈال دو۔ اسی بات کو ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ :

﴿كُنْ عالماً أو متعلّماً ولا تكن ثالثاً فتهلك﴾

یعنی یا تو تم دین کے عالم بن جاؤ کہ خود بھی عمل کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ یا اس علمِ دین کے سیکھنے والے بن جاؤ۔ کوئی تیسری صورت اختیار مت کرو ورنہ تم ہلاک اور برباد ہوجاؤ گے۔

دوسروں کو دین کی دعوت دیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور تعلیمات کے بارے میں ایک مسلمان کا اصل فریضہ یہ ہے کہ وہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں تک اس کو پہنچائے۔ اگر خود عمل کرلیا اور دوسروں تک نہیں پہنچایا تو صرف یہ نہیں ہوگا کہ ناقص رہے گا بلکہ اس نے خود جو نفع حاصل کیا ہے اس کے بھی ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کا اپنا ماحول درست نہیں ہوگا تو وہ کسی بھی وقت پھسل جائے گا۔ مثلاً ایک شخص دین دار بن گیا۔ نماز پابندی سے پڑھنے لگا۔ احکامات پر عمل کرنے لگا۔ گناہوں سے خود بچنے لگا۔ لیکن اپنے گھر والوں کی اصلاح کی فکر نہ کی اور گھر کے سب افراد اس کے خلاف ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا وہ ایک نہ ایک دن اس راستے سے پھسل جائے گا۔ اس لئے اس شخص کے ذمہ فرض ہے کہ اپنے گھر والوں پر بھی محنت کرتا رہے' ان کو بھی محبت' پیار اور شفقت سے اس راستے کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب تک بھی بات پہنچانے کی فکر کرتا رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ﴿المؤمن مرآة المؤمن﴾

(ابو داود، کتاب الادب، باب فی النصیحة)

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے"۔

یعنی ایک مسلمان کو کسی غلطی کی طرف توجہ نہیں ہو رہی ہے تو دوسرا مسلمان اس کو محبت اور پیار سے اس غلطی کی طرف توجہ دلائے۔ البتہ اس میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو دل آزار ہو۔ جس سے دل کو ٹھیس لگے اور جس سے نفرت پیدا ہو۔ بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم بہت سمجھاتے ہیں لیکن فائدہ نہیں ہوتا تو یاد رکھئے! فائدہ ہونا یا نہ ہونا یہ تمہارا کام نہیں' تمہارا کام تو صرف اپنا فریضہ انجام دینا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھئے۔ ساڑھے نو سو

سال تک تبلیغ کرتے رہے اور صرف انیس (۱۹) آدمی مسلمان ہوئے۔ ان کا حوصلہ اور جگر گردہ دیکھئے کہ اس کے باوجود تبلیغ و دعوت کا کام نہیں چھوڑا۔

دعوت سے اُکتانا نہیں چاہئے

لہٰذا ایک داعی اور مبلغ کا کام یہ ہے کہ وہ گھبرائے نہیں۔ اکتائے نہیں۔ مایوس نہ ہو۔ بلکہ ان سے کہتا رہے اور اس کے درپے بھی نہ ہو کہ میری بات کا تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوا لہٰذا اب آئندہ ان کو کہنے سے کیا فائدہ؟ بلکہ موقع بموقع مختلف انداز سے اپنی بات پہنچاتا رہے۔ یاد رکھئے! اچھی بات کسی نہ کسی وقت ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے اور اس کے اثرات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے مقدر میں ہدایت نہیں تھی تو بھی تمہارا اس کو دعوت دینا خود تمہارے حق میں فائدہ مند ہے۔ اور اس پر تمہارے لئے اجر و ثواب لکھا جا رہا ہے۔ اور خود بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے اور جو کوتاہی ہو جائے اس پر استغفار کرتا رہے اور معافی مانگتا رہے۔ ساری عمر یہ کرتا رہے تو انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ البتہ غفلت بہت بُری چیز ہے۔ اس غفلت سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی غفلت سے حفاظت فرمائے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تقدیر پر راضی رہنا چاہئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : یکم رجولائی ۱۹۹۵ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر راضی رہنا چاہئے

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احرص على ماينفعک واستعن بالله ولا تعجز، وان اصابک شيئی فلا تقل لواني فعلتُ لكان كذا وكذا، ولكن قل: قدّر الله وماشاء فعل، فان "لو" تفتح عمل الشيطان﴾

(مسلم شريف كتاب القدر، باب في الامر بالقوة وترک العجز)

دنیا کی حرص مت کرو

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کاموں کی حرص کرو جو تم کو نفع پہنچانے والے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اعمال اور وہ افعال جو آخرت میں نفع کا سبب بن سکتے ہیں ان کے اندر حرص کرو۔

دیکھئے! ویسے تو حرص بُری چیز ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ مال کی حرص، دنیا کی حرص، شہرت کی حرص، نام ونمود کی حرص، دولت کی حرص مت کرو اور انسان کے لئے یہ بہت بڑا عیب ہے کہ وہ ان چیزوں کی حرص کرے بلکہ ان تمام چیزوں میں قناعت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے جو کچھ تمہیں جائز طریقے سے کوشش کرنے کے نتیجے میں مل رہا ہے اس پر قناعت کرو اور یہ سمجھو کہ میرے لئے یہی بہتر تھا۔ مزید کی حرص کرنا کہ مجھے اور زیادہ مل جائے، یہ درست نہیں اور اس حرص سے بچو، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی شخص اپنی ساری خواہشات کبھی پوری نہیں کرسکتا۔ "کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد"۔ بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا سرمایہ دار ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہو گئی ہیں۔ بلکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو مل جائیں۔ اور جب دو مل جائیں گی تو پھر خواہش کرے گا کہ تین ہو جائیں۔ اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ جب قبر میں جائے گا تو قبر کی مٹی اس کا پیٹ بھرے گی، دنیا کے اندر کوئی چیز اس کا پیٹ نہیں بھرے گی۔ البتہ ایک چیز ہے جو اس کا پیٹ بھر سکتی ہے۔ وہ ہے "قناعت" یعنی جو کچھ اس کو اللہ تعالیٰ نے جائز اور حلال طریقے سے دے دیا ہے، اس پر قناعت کرلے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس کے سوا پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

دین کی حرص پسندیدہ ہے

لہٰذا دنیا کی چیزوں میں حرص کرنا بُرا ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن دین کے کاموں میں، اچھے اعمال میں، عبادات میں حرص کرنا اچھی چیز ہے۔ مثلاً کوئی شخص نیک کام کر رہا ہے اس کو دیکھ کر یہ حرص کرنا کہ میں بھی یہ نیک کام کروں۔ یا فلاں شخص کو دین کی نعمت حاصل ہے مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے۔ ایسی حرص مطلوب

ہے اور محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے کاموں کی حرص کرو جو آخرت میں نفع دینے والے ہیں۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاستبقوا الخیرات یعنی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور آپس میں مسابقت کرو۔

حضراتِ صحابہؓ اور نیک کاموں کی حرص

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نیکیوں میں بڑے حریص تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ہمارے نامۂ اعمال میں نیکی کا اضافہ ہوجائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی نماز جنازہ میں شریک ہو تو اس کو ایک قیراط اجر ملتا ہے۔ اور اگر اس کے دفن میں بھی شریک رہے تو اس کو دو قیراط ملتے ہیں"۔

"قیراط" اس زمانے میں سونے کا ایک مخصوص وزن ہوتا تھا۔ آپ نے سمجھانے کے لئے قیراط کا لفظ بیان فرمادیا، پھر خود ہی فرمایا کہ آخرت کا وہ قیراط اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ قیراط سے دنیا والا قیراط مت سمجھ لینا بلکہ آخرت والا قیراط مراد ہے جو اپنی عظمت شان کے لحاظ سے اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اور یہ بھی اس اجر کا پورا بیان نہیں ہے۔ اس لئے کہ پورا بیان تو انسان کی قدرت میں بھی نہیں ہے کیونکہ انسان کی لغت اس کے بیان کے لئے ناکافی ہے۔ اس واسطے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔ تاکہ ہماری سمجھ میں آجائے۔ بہرحال، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث سنی تو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا واقعۃً آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ

عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود یہ حدیث سنی ہے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس! ہم نے اب تک بہت سے قیراط ضائع کر دیئے۔ اگر پہلے سے یہ حدیث سنی ہوتی تو ایسے مواقع کبھی ضائع نہ کرتے۔ تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ وہ اس بات کے حریص تھے کہ کسی طرح کوئی نیکی ہمارے نامۂ اعمال میں بڑھ جائے۔

یہ حرص پیدا کریں

ہم اور آپ وعظوں میں سنتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل کا یہ ثواب ہے، فلاں عمل کا یہ ثواب ہے۔ یہ درحقیقت اس لئے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ہمارے دلوں میں ان اعمال کو انجام دینے کی حرص پیدا ہو۔ فضیلت والے اعمال، نوافل، مستحبات اگرچہ فرض وواجب نہیں۔ لیکن ایک مسلمان کے دل میں ان کی حرص ہونی چاہئے کہ وہ ہمیں حاصل ہو جائیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دین کی حرص عطا فرماتے ہیں تو ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح کوئی نیکی ہمارے نامۂ اعمال میں بڑھ جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوڑ لگانا

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ پیدل سفر تھا۔ راستے میں ایک جنگل اور میدان پڑتا تھا، اور بے پردگی کا احتمال نہیں تھا اس لئے کہ وہاں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! کیا میرے ساتھ دوڑ لگاؤ گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہاں! دوڑ لگاؤں گی۔ اس دوڑ لگانے سے ایک طرف تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلجوئی مقصود تھی اور دوسری طرف

امت کو یہ تعلیم دینی تھی کہ بہت زیادہ بزرگ اور نیک ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانا بھی اچھی بات نہیں۔ بلکہ دنیا میں آدمیوں کی طرح اور انسانوں کی طرح رہنا چاہئے۔ اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ دو مرتبہ دوڑ لگائی۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ جب دوڑ لگائی تو چونکہ اس وقت آپ کا جسم نسبۃً بھاری ہو گیا تھا اس لئے میں آگے نکل گئی اور آپ پیچھے رہ گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: "تلک بتلک"۔ یعنی دونوں برابر ہو گئے۔ ایک مرتبہ تم جیت گئیں اور ایک مرتبہ میں جیت گیا۔ اب دیکھئے کہ بزرگانِ دین اس سنت پر کس طرح عمل کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا اس سنت پر عمل

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ تھانہ بھون سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں میں دعوت میں تشریف لے جارہے تھے اور اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں۔ جنگل کا پیدل سفر تھا، کوئی اور شخص بھی ساتھ نہیں تھا۔ جب جنگل کے درمیان پہنچے تو خیال آیا کہ الحمد للہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق ہو گئی ہے لیکن اہلیہ کے ساتھ دوڑ لگانے کی سنت پر ابھی تک عمل کا موقع نہیں ملا۔ آج موقع ہے کہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ چنانچہ اس وقت آپ نے دوڑ لگا کر اس سنت پر بھی عمل کر لیا۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے دوڑ لگائی۔ یہ ہے اتباعِ سنت کی حرص۔ نیک کاموں کی حرص۔ اجر و ثواب حاصل کرنے کی حرص۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر یہ حرص پیدا فرمادے۔ آمین۔

ہمت بھی اللہ سے مانگنی چاہئے

اب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں ایک نیک کام کرنے کا شوق پیدا ہوا اور دل چاہا کہ فلاں شخص یہ عبادت کرتا ہے، میں بھی یہ عبادت انجام دوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ عبادت اور یہ نیک کام ہمارے بس میں نہیں ہے، ہم نہیں کرپائیں گے، یہ تو بڑے لوگوں کا کام ہے۔ تو جب اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس وقت کیا کریں؟ اس کے لئے حدیث کے اگلے جملے میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿واستعن باللہ ولا تعجز﴾

یعنی ایسے وقت میں مایوس اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جائے کہ مجھ سے یہ عبادت ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ اور کہے کہ یا اللہ! یہ کام میرے بس میں تو نہیں ہے۔ لیکن آپ کی قدرت میں ہے۔ آپ ہی مجھے اس نیک کام کی توفیق عطا فرمادیں اور اس کے کرنے کی ہمت عطا فرمادیں۔

مثلاً نیک لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھا کرتے ہیں اور رات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں۔ تو اب دل میں شوق پیدا ہوا کہ مجھے بھی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنی چاہئے۔ لیکن یہ خیال بھی آیا کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا میرے بس میں نہیں۔ چلو چھوڑو اور مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ یا اللہ! میری آنکھ نہیں کھلتی، میری نیند پوری نہیں ہوتی۔ یا اللہ! تہجد پڑھنے کی توفیق عطا فرمادیجئے اور اس کی فضیلت عطا فرمادیجئے۔

یا عمل کی توفیق یا اجر و ثواب

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور توفیق مانگے گا تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو واقعۃً اللہ تعالیٰ اس عمل کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ اور اگر اس عمل کی توفیق حاصل

نہ ہوئی تو یقیناً اس نیک عمل کا ثواب انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرے اور یہ کہے کہ یا اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمادیتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر ہی اس کا انتقال ہو جائے۔

ایک لوہار کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہو گیا تو کسی نے خواب میں ان کو دیکھا تو پوچھا کہ حضرت! کیسی گزری؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے کرم کا معاملہ فرمایا اور مغفرت فرمادی اور استحقاق کے بغیر بڑا درجہ عطا فرمایا۔ لیکن جو درجہ میرے سامنے والے مکان میں رہنے والے لوہار کو نصیب ہوا وہ مجھے نہیں مل سکا۔ جب خواب دیکھنے والا بیدار ہوا تو اس کو یہ جستجو ہوئی کہ یہ معلوم کروں کہ وہ کون لوہار تھا اور کیا عمل کرتا تھا؟ جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں گیا اور پوچھا کہ یہاں کوئی لوہار رہتا تھا جس کا انتقال ہو گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں، اس سامنے والے مکان میں ایک لوہار رہتا تھا۔ اور چند روز پہلے اس کا انتقال ہوا ہے۔ چنانچہ یہ لوہار کے گھر گیا اور اس کی بیوی سے اپنا خواب بیان کیا اور پوچھا کہ تمہارا شوہر ایسا کون سا عمل کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے آگے بڑھ گیا؟ لوہار کی بیوی نے بتایا کہ میرا شوہر ایسی کوئی خاص عبادت تو نہیں کرتا تھا۔ سارا دن لوہا کوٹتا رہتا تھا۔ البتہ میں نے اس کے اندر دو باتیں دیکھیں۔ ایک یہ کہ جب لوہا کوٹنے کے دوران اذان کی آواز "اللہ اکبر" کان میں پڑتی تو فوراً اپنا کام بند کردیتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اپنا ہتھوڑا کوٹنے کے لئے اوپر اٹھالیا ہوتا اور اتنے میں اذان کی آواز آجاتی تو وہ یہ بھی گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس ہتھوڑے سے چوٹ لگادوں۔

بلکہ ہتھوڑے کو پیچھے کی طرف پھینک دیتا اور اٹھ کر نماز کی تیاری میں لگ جاتا۔ دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ ہمارے سامنے والے مکان میں ایک بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے۔ وہ رات بھر اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر میرا شوہر یہ کہا کرتا تھا کہ یہ اللہ کے نیک بندے ساری رات عبادت کرتے ہیں۔ کاش اللہ تعالیٰ مجھے بھی فراغت عطا فرماتے تو میں بھی عبادت کرتا ـــــ یہ جواب سن کر اس شخص نے کہا کہ بس یہی حسرت ہے جس نے ان کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے آگے بڑھا دیا ـــــ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ قصہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ: یہ ہے "حسرت نایاب" جو بعض اوقات انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے ـــــ اس لئے جب کسی کے بارے میں سنو کہ فلاں شخص یہ نیک عمل کرتا ہے تو اس نیک عمل کے بارے میں دل میں حرص اور حسرت پیدا ہونی چاہئے کہ کاش ہمیں بھی اس نیک کام کے کرنے کی توفیق مل جائے۔

حضراتِ صحابہؓ کرام کی فکر اور سوچ کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ہمیں یہ فکر ہے کہ ہمارے بہت سے ساتھی دولت مند اور مال دار ہیں۔ ان پر ہمیں رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ جو جسمانی عبادت ہم کرتے ہیں۔ وہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن جسمانی عبادت کے علاوہ وہ مالی عبادت بھی کرتے ہیں، مثلاً صدقہ خیرات کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور ان کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ لہٰذا آخرت کے درجات میں وہ ہم سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور ہم جتنی بھی کوشش کرلیں لیکن غریب ہونے کی وجہ سے ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے، اس لئے کہ ہم صدقہ خیرات نہیں کرسکتے ـــــ دیکھئے، ہماری اور ان کی سوچ میں کتنا فرق ہے، ہم

جب اپنے سے بڑے مالدار کے بارے میں سوچتے ہیں تو اس کے صدقہ خیرات کرنے پر ہمیں رشک نہیں آتا، بلکہ اس بات پر رشک آتا ہے کہ اس کے پاس دولت زیادہ ہے۔ اس لئے یہ بہت مزے سے زندگی گزار رہا ہے، کاش کہ ہمیں بھی دولت مل جائے تو ہم بھی عیش و آرام سے زندگی گزاریں۔ یہ ہے سوچ کا فرق۔

بہرحال، ان صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاتا ہوں کہ اگر تم اس عمل کو پابندی سے کرلو گے تو صدقہ خیرات کرنے والوں سے تمہارا ثواب بڑھ جائے گا کوئی تم سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ وہ عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ "سبحان اللہ"، ۳۳ مرتبہ "الحمدللہ"، ۳۴ مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھ لیا کرو۔

نیکی کی حرص عظیم نعمت ہے

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی ذکر مال داروں نے بھی شروع کردیا تو پھر ان صحابہ کرام کا سوال برقرار رہے گا۔ کیونکہ مالدار لوگ پھر ان سے آگے بڑھ جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہتے تھے کہ جب تمہیں یہ حرص اور حسرت ہو رہی ہے کہ ہم بھی مالدار ہوتے تو ہم بھی اسی طرح صدقہ خیرات کرتے جس طرح یہ مال دار لوگ کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس حرص کی برکت سے تم کو صدقہ خیرات کا اجر و ثواب بھی عطا فرمادیں گے ـــــــ بہرحال، کسی نیک کام کے کرنے کی حرص اور ارادہ اور اس کے نہ کرسکنے کی حسرت بھی بڑی نعمت ہے۔ اس لئے جب کسی شخص کے بارے میں سنو کہ فلاں شخص یہ نیک عمل کرتا ہے تو تم یہ دعا کرلو کہ اے اللہ! یہ نیک کام میرے بس سے باہر ہے۔ آپ ہی اس کام کے کرنے میں میری مدد فرمایئے، اور مجھے اس کے کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، تو پھر اللہ تعالیٰ یا تو اس نیک کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ یا اس نیک کام کا اجر و ثواب عطا فرمادیں گے۔ یہ نسخہ کیمیا ہے۔

لفظ "اگر" شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے

آگے فرمایا کہ:

﴿ وان اصابک شیئی فلا تقل لو انی فعلت لکان کذا وکذا ولکن قل قدر اللہ وماشاء فعل. فان "لو" تفتح عمل الشیطان ﴾

یعنی اگر دنیاوی زندگی میں تمہیں کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچے تو یہ مت کہو کہ اگر یوں کرلیتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اور اگر یوں کرلیتا تو ایسا ہو جاتا، یہ اگر مگر مت کہو، بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت یہی تھی۔ جو اللہ نے چاہا وہ ہوگیا، اس لئے کہ یہ لفظ "اگر" شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے ——— مثلاً کسی کے عزیز کا انتقال ہو جائے تو کہتا ہے کہ اگر فلاں ڈاکٹر سے علاج کرالیتا تو یہ بچ جاتا، یا مثلاً کسی کے ہاں چوری ہو گئی، یا ڈاکہ پڑ گیا تو یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں طریقے سے حفاظت کرلیتا تو چوری نہ ہوتی وغیرہ۔ ایسی باتیں مت کہو، بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی ہونا مقدر تھا، اس لئے ہوگیا، میں اگر ہزار تدبیر کرلیتا تب بھی ایسا ہی ہوتا۔

دنیا راحت اور تکلیف سے مرکب ہے

اس حدیث میں کیا عجیب وغریب تعلیم دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات اتار دے۔ آمین۔ یقین رکھیئے کہ اس دنیا میں سکون، عافیت، آرام اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ انسان تقدیر پر یقین اور ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو اس دنیا میں کبھی کوئی غم اور پریشانی نہ آئی ہو۔ یا کبھی کوئی مصیبت اس کے اوپر نہ آئی ہو۔ یہ عالم دنیا دونوں چیزوں سے مرکب ہے، جس میں خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، راحت بھی ہے اور تکلیف بھی ہے۔ یہاں کوئی خوشی بھی خالص نہیں، کوئی غم خالص نہیں۔ لہٰذا غم، تکلیف اور پریشانی تو اس دنیا میں ضرور آئے گی، اگر ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے یہ چاہو کہ کوئی تکلیف

نہ آئے تو یہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ کے محبوب پر تکالیف زیادہ آتی ہیں

ہماری اور تمہاری کیا حقیقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کی پیاری اور محبوب مخلوق ہے۔ ان کے اوپر بھی تکالیف اور پریشانیاں آتی ہیں۔ اور عام لوگوں سے زیادہ آتی ہیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الأمثل فالأمثل﴾

(کنز العمال، حدیث نمبر ۶۷۸۳)

یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں۔ اور پھر جو شخص انبیاء علیہم السلام سے جتنا قریب ہوگا اس کو اتنی ہی زیادہ تکالیف اور پریشانیاں آئیں گی، وہ عالم جہاں کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں آئے گی، وہ عالم جنت ہے، ــــــ لہٰذا اس دنیا میں پریشانیاں تو آئیں گی، لیکن اگر ان تکالیف پر یہ سوچنا شروع کردیا کہ ہائے یہ کیوں ہوا؟ اگر ایسا کر لیتے تو یہ نہ ہوتا۔ فلاں وجہ اور سبب کے ایسا ہو گیا۔ ایسا سوچنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے حسرت بڑھتی ہے، تکلیف اور صدمہ بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر شکوہ پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ــــــ یہ ساری مصیبتیں میرے مقدر میں رہ گئی تھیں، وغیرہ۔ اور وہ مصیبت وبال جان بن جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی تکلیف ہوئی اور اس شکوہ کی وجہ سے آخرت میں اس پر عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

حقیر کیڑا مصلحت کیا جانے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جب تمہیں کوئی پریشانی یا تکلیف آئے تو یہ سمجھو کہ جو کچھ پیش آیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے پیش آیا ہے۔ میں اس کی حکمت کیا جانوں، اللہ تعالیٰ ہی اسکی حکمت اور مصلحت جانتے

ہیں۔ ایک حقیر کیڑا اس کی حکمت اور مصلحت کو کیا جانے ــــــ البتہ اس تکلیف پر رونا آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تکلیف پر رونا نہیں چاہئے۔ یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ تکلیف پر رونا بُرا نہیں ہے۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت پر شکوہ نہ ہو۔

ایک بزرگ کا بھوک کی وجہ سے رونا

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان سے ملنے گئے، دیکھا کہ وہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ ان صاحب نے پوچھا کہ حضرت کیا تکلیف ہے؟ جس کی وجہ سے آپ رو رہے ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھوک لگ رہی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کوئی بچے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ بھوک کی وجہ سے تو بچے روتے ہیں۔ آپ تو بڑے ہیں۔ پھر بھی رو رہے ہیں؟ ان بزرگ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ کو میرا رونا دیکھنا ہی مقصود ہو۔ اس وجہ سے وہ مجھے بھوکا رکھ رہے ہیں ــــــ تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو رونا بھی پسند آتا ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ شکوہ شکایت نہ ہو ــــــ اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "تفویض" کہا جاتا ہے۔ یعنی معاملہ اللہ کے سپرد کردینا اور یہ کہنا کہ اے اللہ۔ مجھے ظاہری طور پر تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن فیصلہ آپ کا برحق ہے ــــــ اگر انسان کو اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں تو اس یقین کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے گا اور بیماری اور پریشانی کے وقت جو ناقابل برداشت صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے وہ نہیں ہوگی۔

مسلمان اور کافر کا امتیاز

ایک کافر کا عزیز بیمار ہوا۔ اس نے ڈاکٹر سے علاج کرایا، ڈاکٹر کے علاج کے دوران

اس کا انتقال ہو گیا، تو اب اس کافر کے پاس اطمینان حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ وہ تو یہی سمجھے گا کہ ڈاکٹر نے دوا صحیح تجویز نہیں کی، صحیح دیکھ بھال نہیں کی، اس لئے یہ مر گیا۔ اگر علاج صحیح ہو جاتا تو یہ نہ مرتا ـــــ لیکن ایک مسلمان کا عزیز بیمار ہو گیا، ڈاکٹر نے علاج کیا، لیکن اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس مسلمان کے پاس اطمینان اور سکون حاصل کرنے کا ذریعہ موجود ہے، وہ یہ کہ اگرچہ اس کی موت کا ظاہری سبب ڈاکٹر کی غفلت ہے، لیکن جو کچھ ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا، ان کے ارادے سے موت واقع ہوئی، اگر ڈاکٹر صحیح دوا دیتا، تب بھی وہ دوا الٹی پڑ جاتی۔ اور اگر میں اس ڈاکٹر کے علاوہ دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتا، تب بھی موت آتی۔ اس لئے کہ ہونا وہی تھا جو تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا۔ اس کی موت کا وقت آچکا تھا۔ اس کے دن پورے ہو گئے تھے، اس کو تو جانا تھا، اس لئے چلا گیا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر برحق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آگ کا کوئی انگارہ اپنی زبان پر رکھ لوں اور اس کو چاٹوں، یہ عمل مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی ایسے واقعہ کے بارے میں جو ہو چکا، یہ کہوں کہ کاش! یہ واقعہ نہ ہوتا، اور کسی ایسے واقعہ کے بارے میں جو نہیں ہوا، یہ کہوں کہ کاش! وہ واقعہ ہو جاتا۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہو

مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ فرمادیں، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق کوئی واقعہ پیش آجائے تو اب اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ یا یہ کہنا کہ ایسا ہو جاتا، یہ کہنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے خلاف ہے۔ ایک مؤمن سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اور اس کے فیصلے پر راضی رہے، اور اس تقدیر کے فیصلے پر اس کے دل میں شکایت پیدا نہ ہو، اور نہ دل میں اس کی برائی ہو۔ بلکہ دل و جان سے اس پر راضی رہے ـــــ ایک اور حدیث میں حضرت ابو الدرداء

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿اذا قضی اللہ قضاءً أحب أن یرضٰی بقضاءہ﴾

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کام کے بارے میں فیصلہ فرمادیتے ہیں کہ یہ کام اس طرح انجام دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اس فیصلے پر راضی ہو۔ اور اس فیصلے کو بے چوں چرا تسلیم کرے۔ یہ نہ کہے کہ یوں ہوتا تو اچھا تھا۔ فرض کریں کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جو طبیعت کو ناگوار ہے اور وہ غم اور تکلیف کا واقعہ ہے۔ اب پیش آچکنے کے بعد یہ کہنا کہ اگر یوں کرلیتے تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ایسا کہنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ جو واقعہ پیش آیا، وہ تو پیش آنا ہی تھا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی تقدیر تھی۔ تم اگر ہزار تدبیر بھی کرلیتے۔ تب بھی وہ فیصلہ ٹلنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا اب فضول یہ باتیں کرنا کہ ایسا کرلیتے تو ایسا ہوجاتا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کے منافی ہیں۔ ایسی باتیں کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

رضاء بالقضاء میں تسلی کا سامان ہے

حقیقت میں اگر غور کرکے دیکھا جائے تو انسان کے پاس (رضا بالقضاء) تقدیر پر راضی ہونے کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟ اس لئے کہ تمہارے ناراض ہونے سے وہ فیصلہ بدل نہیں سکتا جو غم پیش آیا ہے، تمہاری ناراضگی سے وہ غم دور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس ناراضگی سے غم کی شدت اور تکلیف میں مزید اضافہ ہوجائے گا اور یہ کہے گا کہ ہائے ہم نے یہ نہ کرلیا۔ فلاں تدبیر اختیار نہ کرلی ــــــ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ رضا بالقضاء میں درحقیقت انسان کی تسلی کا سامان ہے۔ اور ایک مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو تسلی کا ذریعہ بنادیا ہے۔

تقدیر "تدبیر" سے نہیں روکتی

اور یہ "تقدیر" عجیب وغریب عقیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب ایمان کو عطا فرمایا ہے۔ اس عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ——— پہلی بات یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے سے پہلے تقدیر کا عقیدہ کسی انسان کو بے عملی پر آمادہ نہ کرے۔ مثلاً ایک انسان تقدیر کا بہانہ کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ جس چیز کے حاصل کرنے کی جو تدبیر ہے۔ اس کو اختیار کرو۔ اس کے اختیار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

تدبیر کے بعد فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو

دوسری بات یہ ہے کہ تقدیر کے عقیدے پر عمل کسی واقعہ کے پیش آنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی واقعہ پیش آچکا، تو ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ میں نے جو تدبیریں اختیار کرنی تھیں وہ کرلیں اور اب جو واقعہ ہماری تدبیر کے خلاف پیش آیا، وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ہم اس پر راضی ہیں ——— لہٰذا واقعہ پیش آچکنے کے بعد اس پر بہت زیادہ پریشانی، بہت زیادہ حسرت اور تکلیف کا اظہار کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں تدبیر اختیار کرلیتا تو یوں ہو جاتا۔ یہ بات عقیدہ تقدیر کے خلاف ہے ——— ان دو انتہاؤں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ اعتدال یہ بتادی کہ جب تک تقدیر پیش نہیں آئی، اس وقت تک تمہارا فرض ہے کہ اپنی سی پوری کوشش کرلو۔ اور احتیاطی تدابیر بھی اختیار کرلو، اس لئے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے؟

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شام کے دورے پر تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں آپ کو اطلاع ملی کہ شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے ـــــ یہ اتنا سخت طاعون تھا کہ انسان بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں ختم ہو جاتا تھا۔ اس طاعون میں ہزارہا صحابہ کرامؓ شہید ہوئے ہیں۔ آج بھی اردن میں حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس پورا قبرستان ان صحابہ کرامؓ کی قبروں سے بھرا ہوا ہے جو اس طاعون میں شہید ہوئے ـــــ بہرحال، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہاں جائیں یا نہ جائیں اور واپس چلے جائیں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو جو لوگ اس علاقے سے باہر ہیں وہ اس علاقے کے اندر داخل نہ ہوں، اور جو لوگ اس علاقے میں مقیم ہیں۔ وہ وہاں سے نہ بھاگیں ـــــ یہ حدیث سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں آپ کا صاف صاف ارشاد ہے کہ ایسے علاقے میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ لہٰذا آپ نے وہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ـــــ اس وقت ایک صحابی غالباً حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿أتفرّ من قدر الله؟﴾

کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کے ذریعہ موت کا آنا لکھ دیا ہے تو وہ موت آکر رہے گی۔ اور اگر تقدیر میں موت نہیں لکھی تو جانا اور نہ جانا برابر ہے۔ جواب میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿لو غیرک قالها یا أبا عبیدہ﴾

اے ابو عبیدہؓ اگر آپ کے علاوہ کوئی شخص یہ بات کہتا تو میں اس کو معذور سمجھتا، لیکن آپ تو پوری حقیقت سے آگاہ ہیں آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ تقدیر سے بھاگ رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ:

﴿نعم نفر من قدر الله الی قدر الله﴾

"ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں"۔

مطلب یہ تھا کہ جب تک واقعہ پیش نہیں آیا، اس وقت تک ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا عقیدہ تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ عقیدہ تقدیر کے اندر داخل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرو، چنانچہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے واپس جارہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر تقدیر میں ہمارے لئے طاعون کی بیماری میں مبتلا ہونا لکھا ہے تو اس کو ہم ٹال نہیں سکتے۔ لیکن اپنی سی تدبیر ہمیں پوری کرنی ہے۔

"تقدیر" کا صحیح مفہوم

یہ ہے ایک مومن کا عقیدہ کہ اپنی طرف سے تدبیر پوری کی، لیکن تدبیر کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا اور یہ کہہ دیا کہ یا اللہ، ہمارے ہاتھ میں جو تدبیر تھی وہ تو ہم نے اختیار کرلی۔ اب معاملہ آپ کے اختیار میں ہے، آپ کا جو فیصلہ ہوگا۔ ہم اس پر راضی رہیں گے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا ـــــ لہٰذا واقعہ کے پیش آنے سے پہلے عقیدہ تقدیر کسی کو بے عملی پر آمادہ نہ کرے۔ جیسے بعض لوگ عقیدہ تقدیر کو بے عملی کا بہانہ بنالیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ کام کیوں کریں؟ یہ درست نہیں، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی تدبیر کرتے رہو۔ ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو۔ لیکن ساری تدابیر

اختیار کرنے کے بعد اگر واقعہ اپنی مرضی کے خلاف پیش آجائے تو اس پر راضی رہو لیکن اگر تم اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرو، بلکہ یہ کہہ دو کہ یہ فیصلہ تو بہت غلط ہوا، بہت برا ہوا تو اس کا نتیجہ سوائے پریشانی میں اضافے کے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو واقعہ پیش آچکا ہے۔ وہ بدل نہیں سکتا، اور آخر کار تمہیں سر تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔ اس لئے پہلے دن ہی اس کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ہم اس پر راضی ہیں۔

غم اور صدمہ کرنا "رضا بالقضاء" کے منافی نہیں

اب ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے۔ وہ یہ کہ جیسا کہ میں پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آئے، یا کوئی غم یا صدمہ پیش آئے تو اس غم اور تکلیف پر رونا صبر کے منافی اور خلاف نہیں۔ اور گناہ نہیں ——— اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ غم اور صدمہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا جائز ہے۔ رونا بھی جائز ہے۔ اور دوسری طرف آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے۔ یہ دونوں چیزیں کیسے جمع کریں کہ ایک طرف فیصلے پر راضی بھی ہوں اور دوسری طرف غم اور صدمہ کا اظہار بھی کرنا جائز ہو؟ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ غم اور صدمہ کا اظہار الگ چیز ہے۔ اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا الگ چیز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عین حکمت پر مبنی ہے، اور ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں، اور حکمت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس لئے غم اور صدمہ بھی ہے اور اس غم اور صدمہ کی وجہ سے ہم رو بھی رہے ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ برحق ہے۔ حکمت پر مبنی ہے۔ لہٰذا "رضا" سے مراد رضاء عقلی ہے۔ یعنی عقلی طور پر انسان یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے۔

ایک بہترین مثال

مثلاً ایک مریض ڈاکٹر سے آپریشن کرانے کے لئے ہسپتال جاتا ہے، اور ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے، اور اس کی خوشامد کرتا ہے کہ میرا آپریشن کردو۔ جب ڈاکٹر نے آپریشن شروع کیا تو اب یہ رو رہا ہے۔ چیخ رہا ہے۔ ہائے ہائے کررہا ہے۔ اور اس تکلیف کی وجہ سے اس کو رنج اور صدمہ بھی ہورہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈاکٹر کو آپریشن کی فیس بھی دیتا ہے اور اس کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ عقلی طور پر جانتا ہے کہ جو کچھ ڈاکٹر کررہا ہے، وہ ٹھیک کررہا ہے، اور میرے فائدے کے لئے کررہا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مؤمن کو اس دنیا میں جتنی تکلیفیں اور جتنے صدمے پہنچتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا آپریشن کررہے ہیں۔ اب اگر ان تکالیف کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کررہے ہو تو اس کا انجام تمہارے حق میں بہتر ہونے والا ہے ——— لہٰذا عقلی طور پر اگر یہ بات دل میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اور پھر انسان اس صدمے پر اور اس تکلیف پر اظہار غم کرے۔ روئے، چلائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

کام کا بگڑنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک تاجر شخص اس بات کی کوشش میں لگا ہوتا ہے کہ میرا فلاں سودا ہوجائے تو اس کے ذریعہ میں بہت نفع کمالوں گا۔ یا ایک شخص کسی عہدے اور منصب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مجھے فلاں منصب مل جائے تو بڑا اچھا ہو، اب اس سودے کے لئے یا اس منصب کے لئے بھاگ دوڑ اور کوشش کررہا ہے، دعائیں کررہا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کرارہا ہے، لیکن جب سب کام مکمل ہوچکے، اور قریب تھا کہ وہ سودا ہوجائے۔ یا وہ عہدہ اور منصب اس کو مل جائے، عین اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ

میرا یہ نادان اور بیوقوف بندہ اس سودے کے یا منصب کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور اپنی پوری کوشش صرف کر رہا ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر یہ سودا یا یہ منصب اس کو حاصل ہو گیا تو مجھے اس کو جہنم میں ڈالنا پڑے گا، اس لئے کہ اس سودے یا اس عہدے کے نتیجے میں یہ گناہ میں مبتلا ہو گا۔ اور اس کے نتیجے میں مجھے اس کو جہنم میں دھکیلنا پڑے گا۔ اس لئے یہ منصب یہ سودا اس سے دور کر دیا جائے، چنانچہ عین اس وقت جب کہ وہ سودا ہونے والا تھا۔ یا وہ عہدہ ملنے ہی والا تھا کہ اچانک کوئی رکاوٹ کھڑی ہو گئی۔ اور وہ سودا نہیں ہوا۔ یا وہ عہدہ نہیں ملا۔ اب یہ شخص رو رہا ہے اور یہ شکایت کر رہا ہے کہ فلاں شخص نے بیچ میں آکر میرا کام بگاڑ دیا۔ اور اب اس بگاڑ کو دوسروں کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ کیا وہ اس کے خالق اور مالک نے کیا ہے۔ اور اس کے فائدے کے لئے کیا، کیونکہ اگر یہ عہدہ مل جاتا تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوتا ـــــــ یہ ہے تقدیر اور اللہ کا فیصلہ جس پر عقلی طور پر انسان کو راضی رہنا چاہئے۔

تقدیر کے عقیدے پر ایمان لاچکے ہو

عقیدہ کے اعتبار سے تو ہر مؤمن کا تقدیر پر ایمان ہوتا ہے۔ جب ایک بندہ ایمان لاتا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ وہ تقدیر پر بھی ایمان لاتا ہے:

﴿آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ﴾

لیکن اس ایمان کا اثر عموماً اس کی زندگی پر ظاہر نہیں ہوتا اور اس عقیدے کا استحضار نہیں رہتا۔ اور اس کی طرف دھیان نہیں رہتا۔ جس کی وجہ سے وہ دنیا میں پریشان ہوتا رہتا ہے، اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب تم اس عقیدے پر ایمان لے آئے تو اس عقیدے کو اپنی زندگی کا جزو بناؤ، اور اس عقیدے کا دھیان پیدا کرو، اور اس کو یاد رکھو، اور جو بھی واقعہ پیش آئے اس وقت اس کو تازہ کرو کہ میں اللہ کی

تقدیر پر ایمان لایا تھا، اسلئے مجھے اس پر راضی رہنا چاہئے۔ یہی فرق ہے ایک عام آدمی میں اور اس شخص میں جس نے صوفیاء کرام کی زیر تربیت اس عقیدے کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کی ہو ——— لہٰذا اس عقدے کو اس طرح حال بنالیں کہ جب کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو اس وقت "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھے۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، آگے ہمیں اس کے اندر چوں وچرا کرنے کی گنجائش نہیں ——— اس کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ تب جاکر یہ عقیدہ حال بن جاتا ہے۔ اور جب یہ حال بن جاتا ہے تو پھر ایسے شخص کو دنیا میں کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس عقیدے کو ہم سب کا حال بنادے۔ آمین

یہ پریشانی کیوں ہے؟

دیکھئے، صدمہ اور غم اور چیز ہے یہ تو ہر شخص کو پیش آتی ہیں۔ لیکن ایک ہے پریشانی، وہ یہ کہ آدمی اس غم اور صدمہ کی وجہ سے بے تاب اور بے چین ہے۔ کسی کروٹ چین نہیں آرہا ہے یہ پریشانی کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ شخص اس فیصلے پر عقلی طور پر راضی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو چین اور سکون کیسے میسر آئے؟ ——— اور جس شخص کا اس بات پر ایمان ہے کہ میرے اختیار میں جو کچھ تھا وہ میں نے کرلیا۔ اب آگے میرے اختیار سے باہر تھا۔ اس لئے میں کچھ نہیں کرسکتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ برحق ہے، ایسے شخص کو کبھی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ غم اور صدمہ ضرور ہوگا۔ لیکن پریشانی نہیں ہوگی۔

آب زر سے لکھنے کے قابل جملہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو مجھے اس پر بہت شدید صدمہ ہوا، زندگی میں اتنا بڑا صدمہ کبھی پیش نہیں آیا تھا، اور یہ صدمہ بے چینی کی حد تک پہنچا ہوا تھا، کسی کروٹ کسی حال قرار نہیں آرہا تھا اور اس

صدمہ پر رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے کہ بعض اوقات رونے سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے ـــــــ اس وقت میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ کو اپنی یہ کیفیت لکھی تو انہوں نے جواب میں صرف ایک جملہ لکھ دیا اور الحمد للہ آج تک وہ جملہ دل پر نقش ہے اور اس ایک جملے نے اتنا فائدہ پہنچایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا، وہ جملہ یہ تھا:

"صدمہ تو اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن غیر اختیاری امور پر اتنی زیادہ پریشانی قابل اصلاح ہے"۔

یعنی صدمہ تو اپنی جگہ ہے، وہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ عظیم باپ سے جدائی ہو گئی۔ لیکن یہ ایک غیر اختیاری واقعہ پیش آیا، اس لئے تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ موت کے وقت کو ٹلا دیتے۔ اب اس غیر اختیاری واقعے پر اتنی پریشانی قابل اصلاح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رضا بالقضاء کا جو حکم ہے۔ اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی ہو رہی ہے ـــــــ یقین جانئے اس ایک جملے کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سینے پر برف رکھ دی۔ اور میری آنکھیں کھول دیں۔

لوح دل پر یہ "جملہ" نقش کر لیں

ایک اور موقع پر اپنے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خط میں لکھا کہ حضرت! فلاں بات کی وجہ سے سخت پریشانی ہے۔ جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ لکھا کہ:

"جس شخص کا اللہ جل جلالہ سے تعلق ہو، اس کا پریشانی سے کیا تعلق؟"

یعنی پریشانی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو تو پھر پریشانی آنے کی مجال نہیں ـــــــ اس لئے کہ

جو صدمہ اور غم ہو رہا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے کہو، یا اللہ اس کو دور فرمادیں اور پھر اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو۔ لیکن پریشانی کس بات کی؟ لہٰذا اگر رضا بالقضاء حال بن جائے اور جسم و جان کے اندر داخل ہو جائے تو پھر پریشانی کا گزر نہیں ہو سکتا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے راحت و سکون کا راز

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے جاکر پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا: بڑے مزے میں ہوں۔ اور اس شخص کے مزے کا کیا پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی واقعہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ جو واقعہ بھی پیش آتا ہے، وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں ——— سوال کرنے والے نے کہا کہ حضرت! یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی کہ دنیا کے تمام کام ان کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ آپ کو یہ کیسے حاصل ہوئی؟ جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ کی مرضی، وہ میری مرضی، اور دنیا کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ اور میری بھی وہی مرضی ہے۔ اور جب سارے کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں تو میرے مزے کا کیا پوچھنا۔ پریشانی تو میرے پاس بھی نہیں بھٹکتی، پریشانی تو اس شخص کو ہو جس کی مرضی کے خلاف کام ہوتے ہوں۔

تکالیف بھی حقیقت میں رحمت ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو رضا بالقضاء کی دولت عطا فرمادیتے ہیں۔ ان کے پاس پریشانی کا گزر نہیں ہوتا ——— ان کو صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ غم اور تکلیف ان کے پاس ضرور آتی ہے۔ لیکن پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ غم یا صدمہ آرہا ہے، وہ میرے مالک کی طرف سے آرہا ہے۔ اور میرے مالک کی حکمت

کے مطابق آرہا ہے، اور میرے مالک کی تقدیر کے مطابق میرا فائدہ بھی اسی میں ہے۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یعنی یہ بات تمہارے دشمن کو نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو اس پر اپنا خنجر ازمائے ـــــ یعنی یہ جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں۔ یہ بھی ان کی رحمت کا عنوان ہے۔ اور جب ان کی رحمت کا عنوان ہے تو دوسروں کو کیوں پہنچیں، یہ بھی ہمیں پہنچیں۔

ایک مثال

حکیم الأمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اس کی ایک مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کا محبوب ہے۔ اس سے آپ کو انتہاء درجہ کی محبت ہے اور اس محبوب کے دور ہونے کی وجہ سے بہت عرصہ سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اچانک وہ محبوب آپ کے پاس آتا ہے، اور چپکے سے آکر آپ کو پیچھے سے پکڑ کر زور سے دبالیتا ہے۔ اور اتنی زور سے دباتا ہے کہ پسلیاں ٹوٹنے کے قریب ہونے لگتی ہیں، اور آپ کو تکلیف ہوتی ہے جس کے نتیجے میں آپ چیختے اور چلاتے ہیں اور اپنے کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تمہارا فلاں محبوب ہوں۔ اگر تمہیں میرا یہ دبانا پسند نہیں ہے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور تمہارے رقیب کو دبالیتا ہوں۔ اگر تم عاشق صادق ہو تو یہی جواب دو گے کہ میرے رقیب کو مت دبانا۔ بلکہ مجھے ہی دباؤ اور زور سے دباؤ۔ اور یہ شعر پڑھو گے کہ ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں یہ ادراک عطا فرمادے کہ یہ تکلیفیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عنوان ہیں۔ لیکن ہم چونکہ کمزور ہیں۔ اس لئے ہم ان تکالیف کو مانگتے نہیں، لیکن جب وہ تکلیف آگئی تو ان کی حکمت اور فیصلے سے آئی ہے، اس لئے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔

تکلیف مت مانگو، لیکن آئے تو صبر کرو

ہمارے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ ہم ان تکالیف کو مانگیں، لیکن جن کو ان تکالیف کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے، وہ بعض اوقات مانگ بھی لیتے ہیں، چنانچہ بعض صوفیاء کرام سے مانگنا منقول ہے، خاص کر وہ تکلیف جو دین کے راستے میں پہنچے اس کو تو عاشقان صادق نے ہزارہا تکالیف پر مقدم اور افضل قرار دیا۔ اس کے بارے میں یہ شعر کہا کہ۔

بجرم عشق تو کشد عجب غوغائیست
تو غیر بر سر جام آکہ خوش تماشائیست

یعنی تیرے عشق کے جرم میں لوگ مجھے مار رہے ہیں، اور گھسیٹ رہے ہیں۔ اور ایک شور برپا ہے، آکر دیکھ کہ تماشے کا کیسا شاندار منظر ہے ــــــــ یہ تو بڑے لوگوں کی بات ہے لیکن ہم لوگ چونکہ کمزور ہیں۔ طاقت اور قوت اور صلاحیت نہیں ہے۔ اس لئے ان تکالیف کو اللہ تعالیٰ سے مانگتے نہیں ہیں۔ بلکہ عافیت مانگتے ہیں کہ یا اللہ عافیت عطا فرمائیے، اور جب تکلیف آجاتی ہے تو اس کے ازالے کی بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ تکلیف اگرچہ آپ کی نعمت ہے، لیکن ہماری کمزوری پر نظر کرتے ہوئے اس نعمت کو عافیت کی نعمت سے بدل دیجئے لیکن پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا نام "رضا

بالقضاء" ہے۔ تقدیر پر ایمان تو سب کا ہوتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو گیا۔ لیکن اس عقیدے کو اپنی زندگی کا حال بنانا چاہئے۔ "حال" بنانے کے بعد انشاء اللہ پریشانی پاس نہیں بھٹکے گی۔

اللہ والوں کا حال

چنانچہ آپ نے اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کو آپ کبھی بے تاب اور بے چین اور پریشان نہیں پائیں گے۔ ان کے ساتھ کیسا ہی بڑے سے بڑا ناگوار واقعہ پیش آجائے۔ اس پر ان کو غم تو ہوگا۔ لیکن بے تابی اور بے چینی اور پریشانی ان کے پاس بھی نہیں بھٹکتی۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اس پر راضی رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا انسان کی زندگی میں جب بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ خیال کرتے ہوئے اس پر راضی رہنے کی فکر کرے۔ غم، صدمہ اور پریشانی کا یہی علاج ہے۔ اور ایسا کرنے سے اس کو اعلیٰ درجہ کا صبر حاصل ہو جائے گا اور صبر وہ اعلیٰ عبادت ہے جو ساری عبادتوں سے بڑھ کر ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿انما یوفی الصّٰبرون اجرھم بغیر حساب﴾

"یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے"۔

کوئی شخص تکلیف سے خالی نہیں

ہر تکلیف کے موقع پر یہ سوچنا چاہئے کہ اس کائنات میں کوئی ایسا شخص ہو نہیں سکتا جس کو اپنی زندگی میں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ چاہے وہ بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور دولت مند ہو، بڑے سے بڑا صاحب منصب ہو، بڑے سے بڑا نیک، ولی اللہ ہو، بڑے سے بڑا نبی ہو۔ لہٰذا تکلیف تو تمہیں ضرور پہنچے گی۔ تم چاہو تو بھی پہنچے گی اور نہ چاہو تو بھی پہنچے گی۔ اس لئے کہ یہ دنیا ایسی جگہ ہے جہاں راحت

بھی ہے، غم بھی ہے، خوشی ہے، پریشانی بھی ہے۔ خالص راحت بھی کسی کو حاصل نہیں۔ خالص غم بھی کسی کو میسر نہیں۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ حتی کہ خدا کا انکار کرنے والوں نے خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اس بات سے انکار نہیں کر سکے کہ اس دنیا میں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ تکلیف پہنچی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کون سی تکلیف پہنچے اور کون سی تکلیف نہ پہنچے۔ اس کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ تم خود فیصلہ کر لو کہ مجھے فلاں تکلیف پہنچے اور فلاں تکلیف نہ پہنچے۔ کیا تمہارے اندر اس بات کی طاقت ہے کہ تم یہ فیصلہ کرو کہ فلاں تکلیف میرے حق میں بہتر ہے اور فلاں تکلیف بہتر نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں جانتے کہ کون سی تکلیف کا انجام میرے حق میں بہتر ہوگا اور کون سی تکلیف کا انجام بہتر نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اور یہ کہہ دو کہ یا اللہ! آپ اپنے فیصلے کے مطابق جو تکلیف دینا چاہیں وہ دے دیجئے اور پھر اس کو برداشت کرنے کی طاقت بھی دے دیجئے اور اس پر صبر بھی عطا فرمایئے۔

چھوٹی تکلیف بڑی تکلیف کو ٹال دیتی ہے

انسان بے چارہ اپنی عقل کے دائرے میں محدود ہے، اس کو یہ پتہ نہیں کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس نے مجھے کسی بڑی تکلیف سے بچالیا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو بخار آ گیا، تو اب اس کو بخار کی تکلیف نظر آ رہی ہے، یا کوئی شخص کسی ملازمت کے لئے کوشش کر رہا تھا، لیکن وہ ملازمت اس کو نہیں ملی۔ اس کو یہ تکلیف نظر آ رہی ہے۔ یا گھر میں سامان کی چوری ہو گئی۔ اس کو یہ تکلیف نظر آ رہی ہے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اگر یہ تکلیف نہ پہنچتی تو دوسری کون سی تکلیف پہنچتی؟ اور وہ تکلیف بڑی تھی یا یہ تکلیف بڑی ہے؟ چونکہ اس کو اس کا علم نہیں ہے۔ اس لئے جو تکلیف اس کو پہنچی ہے تو اس کو لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس کا ذکر اور چرچا کرتا رہتا ہے کہ ہائے مجھے یہ تکلیف پہنچ گئی، بلکہ اس موقع پر انسان یہ سوچے کہ اچھا ہوا کہ اس چھوٹی سی تکلیف

پر بات ٹل گئی۔ ورنہ خدا جانے کتنی بڑی مصیبت آتی۔ کیا بلا نازل ہوتی۔ یہ سوچنے سے انسان کو تسلی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو دکھا بھی دیتے ہیں کہ جس مصیبت کو تم بڑی تکلیف سمجھ رہے تھے۔ دیکھو وہ کیسی رحمت ثابت ہوئی۔

اللہ سے مدد مانگو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تسلی کے لئے یہ دعا بھی تلقین فرمادی کہ:

﴿لا ملجا ولا منجا من اللہ الا الیہ﴾

اللہ تعالیٰ سے بچاؤ کا سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ اسی کی آغوش رحمت میں پناہ لو، یعنی اس کے فیصلے پر راضی رہو، اور پھر اسی سے مدد مانگو، یا اللہ، اس کو دور فرمادیجئے، اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہیں کہ ایک تیر انداز تصور کرو، جس کے پاس اتنی بڑی تیر کمان ہے جس نے ساری کائنات کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ اور اس کمان کے ہر ہر حصے میں تیر لگے ہوئے ہیں، اور دنیا میں کوئی جگہ ایسی محفوظ نہیں ہے۔ جس جگہ پر وہ تیر نہ پہنچ سکتے ہوں۔ پوری دنیا کا چپہ چپہ اس کی زد میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے تیر انداز کے تیروں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں پر جاکر ان تیروں سے بچا جاسکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم تیروں سے بچنا چاہتے ہو تو اس تیر انداز کے پہلو میں جاکر کھڑے ہو جاؤ، اس کے علاوہ کوئی اور جگہ بچاؤ کی نہیں ہے ——— اسی طرح یہ مصائب، یہ حوادثات، یہ پریشانیاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے فیصلوں کے تیر ہیں۔ ان تیروں سے اگر بچاؤ کی کوئی جگہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دامن رحمت میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے ——— اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ، ناقابل برداشت تکلیف مت دیجئے اور جب تکلیف دیں تو اس پر صبر بھی عطا فرمادیں اور اس کو میری مغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ بنائیے۔ آمین۔

ایک ناوان بچے سے سبق لیں

آپ نے چھوٹے بچے کو دیکھا ہوگا کہ جب ماں اس کو مارتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ماں ہی کی گود میں اور زیادہ گھستا ہے، حالانکہ جانتا ہے کہ میری ماں مجھے مار رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بچہ یہ بھی جانتا ہے کہ ماں پٹائی تو کر رہی ہے لیکن اس پٹائی کا علاج بھی اسی کے پاس ہے اور مجھے شفقت اور محبت بھی اسی کی آغوش میں مل سکتی ہے ——— لہٰذا جب بھی کوئی ناگوار بات یا واقعہ پیش آجائے تو یہ سوچو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی آغوش رحمت میں مجھے پناہ مل سکتی ہے، یہ سوچ کر پھر اسی سے اس کے ازالے کی اور اس پر صبر کی دعا کریں۔ یہ ہے "رضا بالقضاء" اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمادیں۔ آمین۔

اللہ کے فیصلے پر رضامندی خیر کی دلیل ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إذا اراد الله بعبدٍ خيرا ارضاهُ بما قسم له وبارك له فيه، واذا لم يرد به خيرا، لم يرضه بما قسم له ولم يبارك له فيه﴾

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی اور خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اپنی قسمت پر راضی کردیتے ہیں، اور اس قسمت میں اس کے لئے برکت بھی عطا فرماتے ہیں، اور جب کسی سے بھلائی کا ارادہ نہ فرمائیں (العیاذ باللہ) تو اس کو اس کی قسمت پر راضی نہیں کرتے۔ یعنی اس کے دل میں قسمت پر اطمینان اور رضا پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس کے نتیجے میں یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ حاصل ہے۔ اس میں بھی برکت نہیں ہوتی ——— اس حدیث کے ذریعہ یہ بتادیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو قسمت پر راضی کردیتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کو تھوڑا ملا ہو، لیکن اس تھوڑے میں ہی اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمادیتے ہیں۔

برکت کا مطلب اور مفہوم

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے اور ہر چیز کی گنتی گنی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے ایک ہزار روپے ملتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ مجھے دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ تیسرا کہتا ہے کہ مجھے دس ہزار روپے ملتے ہیں ـــــــ لیکن کوئی شخص یہ نہیں دیکھتا کہ اس گنتی کے نتیجے میں مجھے کتنی راحت ملی؟ کتنا آرام ملا؟ کتنی عافیت حاصل ہوئی؟ اب مثلاً ایک شخص کو پچاس ہزار روپے مل گئے۔ لیکن گھر کے اندر پریشانیاں، بیماریاں ہیں اور سکون حاصل نہیں ہے اور ہر وقت پریشانی کے اندر جتلا ہے۔ اب بتائیے وہ پچاس ہزار کس کام کے؟ اس سے پتہ چلا کہ وہ پچاس ہزار روپے برکت والے نہیں تھے۔ بے برکتی والے ہیں ـــــــ ایک دوسرا شخص ہے جس کو ایک ہزار روپے ملے۔ لیکن اس کو راحت اور آرام اور عافیت میسر ہے۔ تو اگرچہ وہ گنتی میں ایک ہزار ہیں۔ لیکن اپنے حاصل اور نتائج کے اعتبار سے یہ ایک ہزار والا پچاس ہزار والے سے آگے بڑھ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار برکت والے تھے اور اس ایک ہزار سے بے شمار کام اور فائدے حاصل ہو گئے۔

ایک نواب کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے مواعظ میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں ایک نواب تھے۔ ان کی بڑی زمینیں، جائیدادیں، نوکر چاکر وغیرہ سب کچھ تھا۔ ایک مرتبہ میری ان سے ملاقات ہوئی تو ان نواب صاحب نے خود مجھے بتایا کہ "میں اپنے بارے میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میرے پاس یہ ساری دولتیں ہیں۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے ایک ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔ اور میرے معالج نے میرے لئے صرف ایک غذا تجویز کی ہے۔ وہ یہ کہ گوشت کا قیمہ بناؤ، اور اس قیمہ کو ایک کپڑے میں باندھ کر اس کا رس نکالو اور اس

کو چمچے کے ذریعہ پیو ـــــ اب دیکھئے، دستر خوان پر دنیا بھر کے انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے ہیں، ہزار قسم کی نعمتیں حاصل ہیں لیکن صاحب بہادر نہیں کھا سکتے۔ اس لئے کہ بیمار ہیں۔ ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے۔ بتاؤ، وہ دولت کس کام کی جس کو انسان اپنی مرضی سے استعمال نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت میں برکت نہیں ڈالی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ نعمت بیکار ہو گئی ـــــ ایک دوسرا آدمی ہے جو محنت مزدوری کرتا ہے، ساگ روٹی کھاتا ہے، لیکن بھرپور بھوک کے ساتھ اور پوری لذت کے ساتھ کھاتا ہے، اور وہ کھانا اس کے جسم کو جا کر لگتا ہے۔ اب بتایئے یہ مزدور بہتر ہے یا وہ نواب بہتر ہے؟ حالانکہ گنتی اس کی زیادہ ہے، اور اس مزدور کی گنتی کم ہے۔ لیکن راحت اس مزدور کو نصیب ہے۔ اس نواب کو میسر نہیں۔ اس کا نام ہے برکت۔

قسمت پر راضی رہو

بہر حال، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا جو بندہ قسمت پر راضی ہو جائے اور قسمت پر راضی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تدبیر چھوڑ دے، اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ کام کرتا رہے۔ لیکن ساتھ میں اس پر راضی ہو کہ اس کام کرنے کے نتیجے میں جو کچھ مجھے مل رہا ہے۔ وہ میرے لئے بہتر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی کو راحت کا سبب بنا دیتے ہیں ـــــ اور اگر کوئی شخص قسمت پر راضی نہ ہو، بلکہ ہر وقت ناشکری کرتا رہے اور یہ کہتا رہے کہ مجھے تو ملا ہی کیا ہے۔ میں تو محروم رہ گیا۔ میں تو پیچھے رہ گیا۔ تو اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت ملا ہوا ہے۔ اس کی لذت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور اس میں برکت نہیں ہوتی ـــــ انجام تو وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ اور اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں گے، تمہارے رونے سے۔ ناشکری کرنے سے تمہاری حالت نہیں بدل جائے گی۔ لیکن اس ناشکری سے نقصان یہ ہو گا کہ موجودہ نعمت سے جو نفع حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی

حاصل نہ ہوا۔

میرے پیمانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

اس لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر راضی رہو، چاہے وہ مال و دولت کی نعمت ہو، پیشے کی نعمت ہو، صحت کی نعمت ہو۔ حسن و جمال کی نعمت ہو۔ دنیا کی ہر دولت اور ہر نعمت پر راضی رہو، اور یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس مقدار میں مجھے عطا فرمائی ہے وہ میرے حق میں بہتر ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا ۔

مجھ کو اس سے کیا غرض کس جام میں ہے کتنی مے
میرے پیمانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

یعنی دوسروں کے پیالوں میں کتنی مے بھری ہے، مجھے اس سے کیا تعلق، لیکن میرے پیمانے میں جو مے ہے، وہ میرے لئے کافی ہے۔ لہذا مجھے اس سے کیا غرض کہ کسی کو ہزار مل گئے۔ کسی کو لاکھ ملے، کوئی کروڑ پتی بن گیا، لیکن جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ میں اسی میں مگن ہوں، اور اس پر خوش ہوں ـــــــــ بس یہ فکر حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی فکر سے قناعت حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے رضا بالقضاء حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے تکلیفیں اور صدمے دور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ فکر عطا فرمادے اور اس کو ہمارا حال بنادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فتنہ کے دور کی نشانیاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۴ر جولائی ۱۹۹۵ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پُرفتن دور کی نشانیاں
اور
مسلمانوں کے لئے طرزِ عمل

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا كثيرا۔

اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم
يٰايها الذين آمنوا عليكم انفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم۔ الى الله مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم تعملون
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا رايت شحا مطاعا وهوى متبعا ودنيا موثرة واعجاب كل ذى راى

برایہ۔ فعلیک یعنی نفسک ودع عنک العوام۔

(ابوداؤد۔ کتاب الملاحم، باب الامر والنہی)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمدللہ رب العالمین۔

حضور ﷺ تمام قوموں کیلئے قیامت تک کیلئے نبی ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سلسلہ میں آج ایک ایسے موضوع پر مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں جس کی آج ضرورت بھی ہے۔ اور آپ کے ارشادات اور تعلیمات کا یہ پہلو بہت کم بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں خاتم النبیین بناکر مبعوث فرمایا۔ آپ پر نبوت کے سلسلے کی تکمیل ہوگئی۔ اور آپ کو دوسرے انبیاء پر یہ امتیاز عطا فرمایا کہ پہلے جو انبیاء تشریف لاتے تھے، وہ عموماً کسی خاص قوم کے لئے اور خاص جگہ کے لئے اور خاص زمانے کے لئے ہوتے تھے۔ ان کی تعلیمات اور دعوت ایک خاص علاقے تک محدود ہوتی تھی۔ اور ایک خاص زمانے تک محدود ہوتی تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے علاقے میں بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمائے گئے، اسی قوم اور اسی علاقے تک آپ کی نبوت اور رسالت محدود تھی۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص قوم، کسی خاص قبیلے اور کسی خاص جگہ کے لئے نبی نہیں بنایا تھا، بلکہ پوری دنیا، پوری انسانیت اور قیام قیامت تک تمام زمانوں کے لئے نبی بنایا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا﴾ (سورۃ سبا:۲۸)

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تمام انسانوں سے مراد یہ ہے کہ وہ جہاں

بھی بسنے والے ہوں اور جس زمانے میں بھی آنے والے ہوں، ان سب کی طرف آپ کو بھیجا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی رسالت صرف عرب تک مخصوص نہیں۔ اور صرف کسی ایک زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ قیامِ قیامت تک جتنے آنے والے زمانے ہیں، ان سب کے لئے آپ کو رسول بنایا۔

آئندہ پیش آنے والے حالات کی اطلاع

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ کی تعلیمات اور آپ کے بتائے ہوئے احکام قیامت تک نافذ العمل ہیں۔ کسی زمانے کے ساتھ آپ کی تعلیمات مخصوص نہیں۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو تعلیمات عطا فرمائیں وہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں۔ اور پھر ان تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو میں تو شریعت کا بیان ہے کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے، یہ کام جائز ہے، اور یہ کام ناجائز ہے۔ فلاں عمل واجب ہے۔ فلاں عمل مسنون ہے۔ فلاں عمل مستحب ہے۔ وغیرہ۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ امت کو آئندہ آنے والے زمانوں میں کیا کیا حالات آنے والے ہیں۔ اور امت کو کن کن مسائل سے دوچار ہوتا ہے اور ان حالات میں امت کو کیا کرنا چاہئے؟

یہ دوسرا پہلو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بہت اہم حصہ ہے۔ چنانچہ آپ نے نگاہ نبوت سے آئندہ پیش آنے والے اہم واقعات کو دیکھنے کے بعد امت کو خبر دی کہ آئندہ زمانے میں یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اور یہ حالات پیش آنے والے ہیں۔ اور ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ بھی بتایا کہ جب ایسے حالات پیش آئیں تو ایک مؤمن کو اور سیدھے راستے پر چلنے والے کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ اور کیا طرز اختیار کرنا چاہئے؟ آج اس دوسرے پہلو پر تھوڑی سے گزارشات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

امت کی نجات کی فکر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی ایسی فکر تھی کہ اس فکر کے اندر آپ ہر وقت پریشان رہتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

﴿کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الفکرۃ متواصل الاحزان﴾

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر مند، سوچ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر وقت آپ پر کوئی غم چھایا ہوا ہے۔ کیا وہ غم پیسے جمع کرنے کا تھا؟ یا وہ غم اپنی شان و شوکت بڑھانے کا تھا؟ بلکہ وہ غم اس بات کا تھا کہ جس قوم کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے، میں اس کو کس طرح جہنم کی آگ سے بچاؤں۔ اور کس طرح ان کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر لے آؤں۔ اور اس شدید غم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار آیات نازل فرمائیں۔ جس میں آپ کو اس غم کرنے سے روکا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿لعلک باخع نفسک الاّ یکونوا مومنین﴾

یعنی آپ اپنی جان کو کیوں ہلاک کر رہے ہیں، اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک آگ سلگائی اور آگ کو دیکھ کر پروانے آگ پر گرنے لگے۔ وہ شخص ان پروانوں کو آگ سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ آگ میں گر کر جل نہ جائیں۔ اسی طرح میں بھی تمہیں جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں، تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر تمہیں روک رہا ہوں۔ مگر تم جہنم کی آگ کے اندر گرے جا رہے ہو۔ آپ کو اپنی امت کی اتنی فکر تھی۔ اور صرف اس امت کی فکر نہیں تھی جو آپ کے زمانے میں موجود تھی، بلکہ آئندہ آنے والے زمانے کے لوگوں کی بھی آپ کو فکر تھی۔

آئندہ کیا کیا فتنے آنے والے ہیں

چنانچہ آپ نے آئندہ آنے والے لوگوں کو بتایا کہ تمہارے زمانے میں کیا کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ چنانچہ تقریباً تمام احادیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب "ابواب الفتن" کے نام سے موجود ہے، جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کے بارے میں لوگوں کو بتایا اور ان کو خبردار کیا کہ دیکھو! آئندہ زمانے میں یہ یہ فتنے آنے والے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تقع الفتن فی بیوتکم کوقع المطر﴾

یعنی آئندہ زمانے میں فتنے تمہارے گھروں میں اس طرح گریں گے جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ بارش کے قطروں سے اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح بارش کا پانی کثرت سے گرتا ہے۔ اسی طرح وہ فتنے بھی کثرت سے آئیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ بارش کا پانی جس طرح مسلسل گرتا ہے کہ ایک قطرے کے بعد دوسرا قطرہ، دوسرے کے بعد فوراً تیسرا قطرہ۔ اسی طرح وہ فتنے بھی مسلسل اور لگاتار آئیں گے کہ ابھی ایک فتنہ آکر ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا فتنہ کھڑا ہو جائے گا دوسرے کے بعد تیسرا آئے گا۔ اور یہ فتنے تمہارے گھروں میں آکر گریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ستکون فتن کقطع اللیل المظلم﴾

عنقریب اندھیری رات کی تاریکیوں کی طرح تاریک فتنے ہونگے۔ یعنی جس طرح تاریک رات میں انسان کو کچھ نظر نہیں آتا کہ کہاں جائے، راستہ کہاں ہے؟ اسی طرح ان فتنوں کے زمانے میں بھی یہ سمجھ میں نہیں آئے گا کہ انسان کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ اور وہ فتنے تمہارے پورے معاشرے اور ماحول کو گھیر لیں گے، اور بظاہر تمہیں ان سے کوئی جائے پناہ نظر نہیں آئے گی۔ اور آپ نے فرمایا کہ ان

فتنوں سے پناہ کی دعا بھی مانگا کرو اور یہ دعا کیا کرو:

﴿اللھم ان نعوذ بک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن﴾

اے اللہ! ہم آنے والے فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ ظاہری فتنوں سے بھی اور باطنی فتنوں سے بھی پناہ چاہتے ہیں۔ دونوں قسم کے فتنوں سے پناہ مانگا کرو۔ اور یہ دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کی دعاؤں میں شامل تھی۔

فتنہ کیا ہے؟

اب اس کو سمجھنا چاہئے کہ "فتنہ" کیا چیز ہے؟ کس کو "فتنہ" کہتے ہیں؟ اور اس "فتنہ" کے دور میں ہمارے اور آپ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے؟ اور اس میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اب یہ لفظ تو ہم صبح و شام استعمال کرتے ہیں کہ یہ بڑے فتنے کا دور ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی "فتنہ" کا لفظ کئی بار آیا ہے، ایک جگہ فرمایا: والفتنۃ اشدّ من القتل یعنی اللہ کے نزدیک فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید چیز ہے۔

"فتنہ" کے معنی اور مفہوم

"فتنہ" عربی زبان کا لفظ ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں "سونے یا چاندی وغیرہ کو آگ پر پگھلا کر اس کا کھرا کھوٹا معلوم کرنا" آگ میں تپا کر اس کی حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ خالص ہے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس لفظ کو آزمائش اور امتحان کے معنی میں بھی استعمال کیا جانے لگا، چنانچہ "فتنہ" کے دوسرے معنی ہوئے آزمائش، لہٰذا جب انسان پر کوئی تکلیف یا مصیبت یا پریشانی آئے اور اس کے نتیجے میں انسان کی اندرونی کیفیت کی آزمائش ہوجائے کہ وہ انسان ایسی حالت میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے؟ آیا اس وقت صبر کرتا ہے یا واویلا کرتا ہے۔ فرمانبردار رہتا ہے یا نافرمان ہوجاتا ہے۔ اس آزمائش کو بھی "فتنہ" کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں "فتنہ" کا لفظ

حدیث شریف میں "فتنہ" کا لفظ جس چیز کے لئے استعمال ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی وقت کوئی ایسی صورتِ حال پیدا ہوجائے جس میں حق مشتبہ ہوجائے اور حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل ہوجائے، صحیح اور غلط میں امتیاز باقی نہ رہے۔ یہ پتہ نہ چلے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟ جب یہ صورتِ حال پیدا ہوجائے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ فتنے کا دور ہے۔ اسی طرح معاشرے کے اندر گناہ، فسق و فجور، نافرمانیاں عام ہوجائیں تو اس کو بھی "فتنہ" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز حق نہ ہو اس کو حق سمجھنا، اور جو چیز دلیل ثبوت نہ ہو اس کو دلیل ثبوت سمجھ لینا بھی ایک "فتنہ" ہے۔ جیسے آج کل صورتِ حال ہے کہ اگر کسی سے دین کی بات کہو کہ فلاں کام گناہ ہے۔ ناجائز ہے۔ بدعت ہے۔ جواب میں وہ شخص کہتا ہے کہ ارے! یہ کام تو سب کررہے ہیں، اگر یہ کام گناہ اور ناجائز ہے تو پھر ساری دنیا یہ کام کیوں کررہی ہے۔ یہ کام تو سعودی عرب میں بھی ہورہا ہے۔ آج کے دور میں یہ ایک نئی مستقل دلیل ایجاد ہوچکی ہے کہ ہم نے یہ کام سعودی عرب میں ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام سعودی عرب میں ہوتا ہو وہ یقینی طور پر حق اور درست ہے۔ یہ بھی ایک "فتنہ" ہے کہ جو چیز حق کی دلیل نہیں تھی اس کو دلیل سمجھ لیا گیا ہے۔ اسی طرح شہر کے اندر بہت ساری جماعتیں کھڑی ہوگئیں۔ اور یہ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔ کون صحیح کہہ رہا ہے اور کون غلط کہہ رہا ہے۔ اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوگیا، یہ بھی "فتنہ" ہے۔

دو جماعتوں کی لڑائی "فتنہ" ہے

اسی طرح جب دو مسلمان یا مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑپڑیں، اور ایک

دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار آجائیں، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجائیں، اور یہ پتہ چلانا مشکل ہوجائے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ تو یہ بھی ایک "فتنہ" ہے۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اذا التقا المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول كلا هما في النار﴾

جب دو مسلمان تلواریں لے کر آپس میں لڑنے لگیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قاتل کا جہنم میں جانا تو ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کردیا۔ لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ مقتول اس لئے جہنم میں جائے گا کہ وہ بھی اسی ارادے سے ہتھیار لے کر نکلا تھا کہ میں دوسرے کو قتل کردوں۔ اِس کا داؤ چل جاتا تو یہ قتل کردیتا۔ لیکن اُس کا داؤ چل گیا اِس لئے اُس نے قتل کردیا ان میں سے کوئی بھی اللہ کے لئے نہیں لڑ رہا تھا۔ بلکہ دنیا کے لئے، دولت کے لئے، اور سیاسی مقاصد کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ لہٰذا دونوں جہنم میں جائیں گے۔

قتل وغارت گری "فتنہ" ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ان من ورائكم اياما يرفع فيها العلم ويكثر فيها الحرج، قالو يا رسول الله! ما الحرج؟ قال: القتل﴾ (ترمذی)

یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں "حرج" بہت زیادہ ہوجائے گا۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا کہ یہ حرج کیا چیز ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ قتل و غارت گری، یعنی اس زمانے میں قتل و غارت گری بے حد ہوجائے گی اور انسان کی جان مچھر مکھی

سے زیادہ بے حقیقت ہو جائے گی۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿یاتی علی الناس یوم لا یدری القاتل فیم قتل، ولا المقتول فیم قتل، فقیل: کیف یکون ذلک؟ قال: الهرج، القاتل والمقتول فی النار﴾ (صحیح مسلم)

یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں قاتل کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا۔ اور مقتول کو یہ پتہ نہیں ہوگا کہ میں کیوں قتل کیا گیا؟ آج کے زمانے کے موجودہ حالات پر نظر ڈال لو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو پڑھ لو۔ ایسا لگتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کو دیکھ کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ پہلے زمانے میں تو یہ ہوتا تھا کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس نے مارا، لیکن یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ شخص کیوں مارا گیا، مثلاً مال چھیننے کی وجہ سے مارا گیا، ڈاکوؤں نے مار دیا، دشمنی کی وجہ سے مار دیا گیا، مارے جانے کے اسباب سامنے آجاتے تھے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ ایک شخص ہے، کسی سے نہ کچھ لینا نہ دینا۔ نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق۔ نہ کسی سے کوئی جھگڑا، بس بیٹھے بٹھائے مارا گیا۔ یہ ساری باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف بتا گئے۔

مکہ مکرمہ کے بارے میں حدیث

ایک حدیث جو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے بارے میں فرمایا:

﴿اذا دعیت کظائم۔ و ساوی ابنیتها رؤس الجبال۔ فعند ذلک ازف الامر﴾

آج سے چند سال پہلے تک اس حدیث کا صحیح مطلب لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ لیکن اب سمجھ میں آگیا۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب

مکہ مکرمہ کا پیٹ چاک کردیا جائے گا۔ اور اس میں نہروں جیسے راستے نکال دیئے جائیں گے۔ اور مکہ مکرمہ کی عمارتیں اس کے پہاڑوں سے زیادہ بلند ہوجائیں گی، جب یہ چیزیں نظر آئیں گی تو سمجھ لو کہ فتنے کا وقت قریب آگیا۔

مکہ مکرمہ کا پیٹ چاک ہونا

یہ حدیث چودہ سو سال سے حدیث کی کتابوں میں لکھی چلی آرہی ہے، اور اس حدیث کی تشریح کرتے وقت شرّاحِ حدیث حیران تھے کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ کس طرح چاک ہوگا؟ اور نہروں جیسے راستے بننے کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ اس کا تصور کرنا مشکل تھا۔ لیکن آج کے مکہ مکرمہ کو دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے مکہ مکرمہ کو دیکھ کر یہ باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ آج مکہ مکرمہ کو چاک کرکے اس میں بے شمار سرنگیں نکال دی گئی ہیں۔ آج سے پہلے شرّاحِ حدیث فرماتے تھے کہ اس وقت تو یہ مکہ مکرمہ کا علاقہ خشک اور سنگلاخ پہاڑی علاقہ ہے، لیکن آئندہ کسی زمانے میں اللہ تعالیٰ اس میں نہریں اور ندیاں جاری کردیں گے۔ لیکن آج ان سرنگوں کو دیکھ کر یہ نظر آرہا ہے کہ کس طرح مکہ مکرمہ کا پیٹ چاک کردیا گیا۔

عمارتوں کا پہاڑوں سے بلند ہونا

دوسرا جملہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جب اس کی عمارتیں پہاڑوں سے بھی بلند ہوجائیں گی۔ آج سے چند سال پہلے تک کسی کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ مکہ مکرمہ میں پہاڑوں سے بھی زیادہ بلند عمارتیں بن جائیں گی۔ کیونکہ سارا مکہ پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ لیکن آج مکہ مکرمہ میں جاکر دیکھ لیں کہ کس طرح پہاڑوں سے بلند عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو

سال پہلے آج کے حالات گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان فرمادیئے تھے، اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ وحی اور علم کے ذریعہ یہ ساری باتیں روز روشن کی طرح آشکار کردی گئی تھیں، آپ نے ایک ایک چیز کھول کھول کر بیان فرمادی کہ آئندہ زمانے میں کیا ہونے والا ہے۔ اور آپ نے یہ بتایا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو کیا کیا مشکلات اور فتنے پیش آنے والے ہیں۔ اور ساتھ میں یہ بھی بتادیا کہ اس وقت میں ایک مسلمان کو کیا راہِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟

موجودہ دور حدیث کی روشنی میں

جن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والے فتنوں کی نشان دہی فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کو وہ احادیث یاد رکھنی چاہئیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہم نے ایک کتاب "عصر حاضر حدیث کے آئینے میں" کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے فتنوں سے متعلق تمام احادیث کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس میں ایک حدیث ایسی لائے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے دور کی ۷۲ باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کو آپ سنتے جائیں اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے جائیں کہ یہ سب باتیں ہمارے موجودہ ماحول پر کس طرح صادق آرہی ہیں:

فتنہ کی ۷۲ نشانیاں

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ۷۲ باتیں پیش آئیں گی۔

(۱) لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں گے۔ یعنی نمازوں کا اہتمام رخصت ہوجائے گا۔ یہ بات اگر اس زمانے میں کہی جائے تو کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو نماز کی پابند نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب نماز کو کفر اور ایمان کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں مؤمن کتنا ہی بُرے سے بُرا ہو۔ فاسق فاجر ہو۔ بدکار ہو، لیکن نماز نہیں چھوڑتا تھا۔ اس زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں گے۔

(۲) امانت ضائع کرنے لگیں گے۔ یعنی جو امانت ان کے پاس رکھی جائیں گی، اس میں خیانت کرنے لگیں گے۔

(۳) سُود کھانے لگیں گے۔

(۴) جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں گے۔ یعنی جھوٹ ایک فن اور ہنر بن جائے گا۔

(۵) معمولی معمولی باتوں پر خونریزی کرنے لگیں گے۔ ذرا سی بات پر دوسرے کی جان لے لیں گے۔

(۶) اونچی اونچی بلڈنگیں بنائیں گے۔

(۷) دین بیچ کر دنیا جمع کریں گے۔

(۸) قطع رحمی، یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہوگی۔

(۹) انصاف نایاب ہو جائے گا۔

(۱۰) جھوٹ سچ بن جائے گا۔

(۱۱) لباس ریشم کا پہنا جائے گا۔

(۱۲) ظلم عام ہو جائے گا۔

(۱۳) طلاقوں کی کثرت ہوگی۔

(۱۴) ناگہانی موت عام ہو جائے گی۔ یعنی ایسی موت عام ہو جائے گی جس کا پہلے سے پتہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اچانک پتہ چلے گا کہ فلاں شخص ابھی زندہ ٹھیک ٹھاک تھا اور اب مر گیا۔

(۱۵) خیانت کرنے والے کو امین سمجھا جائے گا۔

(۱۶) امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔ یعنی امانت دار پر تہمت لگائی جائے گی کہ یہ

خائن ہے۔

(۱۷) جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا۔

(۱۸) سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔

(۱۹) تہمت درازی عام ہو جائے گی۔ یعنی لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں لگائیں گے۔

(۲۰) بارش کے باوجود گرمی ہوگی۔

(۲۱) لوگ اولاد کی خواہش کرنے کے بجائے اولاد سے کراہیت کریں گے۔ یعنی جس طرح لوگ اولاد ہونے کی دعائیں کرتے ہیں، اس کے بجائے لوگ یہ دعائیں کریں گے کہ اولاد نہ ہو۔ چنانچہ آج دیکھ لیں کہ خاندانی منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ اور یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ بچے دو ہی اچھے۔

(۲۲) کمینوں کے ٹھاٹھ ہونگے۔ یعنی کمینے لوگ بڑے ٹھاٹھ سے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔

(۲۳) شریفوں کا ناک میں دم آجائے گا۔ یعنی شریف لوگ شرافت کو لے کر بیٹھیں گے تو دنیا سے کٹ جائیں گے۔

(۲۴) امیر اور وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں گے۔ یعنی سربراہ حکومت اور اس کے اعوان و انصار اور وزراء جھوٹ کے عادی بن جائیں گے، اور صبح شام جھوٹ بولیں گے۔

(۲۵) امین خیانت کرنے لگیں گے۔

(۲۶) سردار ظلم پیشہ ہونگے۔

(۲۷) عالم اور قاری بدکار ہونگے۔ یعنی عالم بھی ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کر رہے ہیں، مگر بدکار ہیں۔ العیاذ باللہ

(۲۸) لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے۔

(۲۹) مگر ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہونگے۔ یعنی لوگ جانوروں کی کھالوں

سے بنے ہوئے اعلیٰ درجے کے لباس پہنیں گے۔ لیکن ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔

(۳۰) اور ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے۔

(۳۱) سونا عام ہو جائے گا۔

(۳۲) چاندی کی مانگ ہوگی۔

(۳۳) گناہ زیادہ ہو جائیں گے۔

(۳۴) امن کم ہو جائے گا۔

(۳۵) قرآنِ کریم کے نسخوں کو آراستہ کیا جائے گا اور اس پر نقش و نگار بنایا جائے گا۔

(۳۶) مسجدوں میں نقش و نگار کئے جائیں گے۔

(۳۷) اونچے اونچے مینار بنیں گے۔

(۳۸) لیکن دل ویران ہوں گے۔

(۳۹) شرابیں پی جائیں گی۔

(۴۰) شرعی سزاؤں کو معطل کردیا جائے گا۔

(۴۱) لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ یعنی بیٹی ماں پر حکمرانی کرے گی۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسے آقا اپنی کنیز کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

(۴۲) جو لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مہذب ہونگے وہ بادشاہ بن جائیں گے۔ کمینے اور پنچ ذات کے لوگ جو نسبی اور اخلاق کے اعتبار سے کمینے اور نیچے درجے کے سمجھے جاتے ہیں، وہ سربراہ بن کر حکومت کریں گے۔

(۴۳) تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شرکت کرے گی۔ جیسے آج کل ہو رہا ہے کہ عورتیں زندگی کے ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کررہی ہیں۔

(۴۴) مرد عورتوں کی نقالی کریں گے۔

(۴۵) عورتیں مردوں کی نقالی کریں گی۔

یعنی مرد عورتوں جیسا حلیہ بنائیں گے اور عورتیں مردوں جیسا حلیہ بنائیں گی۔ آج دیکھ لیں کہ نئے فیشن نے یہ حالت کردی ہے کہ دور سے دیکھو تو پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت ہے۔

(۴۶) غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ یعنی قسم تو صرف اللہ کی یا اللہ کی صفت کی اور قرآن کی کھانا جائز ہے۔ دوسری چیزوں کی قسم کھانا حرام ہے۔ لیکن اس وقت لوگ اور چیزوں کی قسم کھائیں گے۔ مثلاً تیرے سر کی قسم وغیرہ۔

(۴۷) مسلمان بھی بغیر کہے جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہوگا۔ لفظ "بھی" کے ذریعہ یہ بتادیا کہ اور لوگ تو یہ کام کرتے ہی ہیں، لیکن اس وقت مسلمان بھی جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہوجائیں گے۔

(۴۸) صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر راستے میں کہیں سے گزر رہے ہیں تو ان لوگوں کو سلام نہیں کیا جائے گا جن سے جان پہچان نہیں ہے، اگر جان پہچان ہے تو سلام کرلیں گے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف جس کو تم جانتے ہو، اس کو بھی سلام کرو۔ اور جس کو تم نہیں جانتے، اس کو بھی سلام کرو۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ راستے میں اِکا دُکا آدمی گزر رہے ہوں تو اس وقت سب آنے جانے والوں کو سلام کرنا چاہئے۔ لیکن اگر آنے جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو، اور سلام کی وجہ سے اپنے کام میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو پھر سلام نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اِکا دُکا آدمی گزر رہے ہوں گے تب بھی سلام نہیں کریں گے اور سلام کا رواج ختم ہوجائے گا۔

(۴۹) غیر دین کے لئے شرعی علم پڑھا جائے گا۔ یعنی شرعی علم دین کے لئے نہیں، بلکہ دنیا کے لئے پڑھا جائے گا۔ العیاذ باللہ۔ اور مقصد یہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ ہمیں ڈگری مل جائے گی، ملازمت مل جائے گی، پیسے مل جائیں گے، عزت اور شہرت حاصل ہوجائے گی۔ ان مقاصد کے لئے دین کا علم پڑھا جائے گا۔

(۵۰) آخرت کے کام سے دنیا کمائی جائے گی۔

(۵۱) مالِ غنیمت کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا جائے گا۔ مالِ غنیمت سے مراد قومی خزانہ ہے۔ یعنی قومی خزانہ کو ذاتی جاگیر اور ذاتی دولت سمجھ کر معاملہ کریں گے۔

(۵۲) امانت کو لوٹ کر مال سمجھا جائے گا۔ یعنی اگر کسی نے امانت رکھوادی تو سمجھیں گے کہ یہ لوٹ کا مال حاصل ہوگیا۔

(۵۳) زکوٰۃ کو جُرمانہ سمجھا جائے گا۔

(۵۴) سب سے رذیل آدمی قوم کا لیڈر اور قائد بن جائے گا۔ یعنی قوم میں جو شخص سب سے زیادہ رذیل اور بدخصلت انسان ہوگا، اس کو قوم کے لوگ اپنا قائد، اپنا ہیرو اور اپنا سربراہ بنالیں گے۔

(۵۵) آدمی اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔

(۵۶) آدمی اپنی ماں سے بدسلوکی کرے گا۔

(۵۷) دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرے گا۔

(۵۸) بیوی کی اطاعت کرے گا۔

(۵۹) بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہوں گی۔

(۶۰) گانے والی عورتوں کی تعظیم و تکریم کی جائے گی۔ یعنی جو عورتیں گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی ہیں، اِن کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی اور اِن کو بلند مرتبہ دیا جائے گا۔

(۶۱) گانے بجانے کے اور موسیقی کے آلات کو سنبھال کر رکھا جائے گا۔

(۶۲) سرراہ شرابیں پی جائیں گی۔

(۶۳) ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔

(۶۴) انصاف بکنے لگے گا۔ یعنی عدالتوں میں انصاف فروخت ہوگا۔ لوگ پیسے دے کر اس کو خریدیں گے۔

(۶۵) پولیس والوں کی کثرت ہوجائے گی۔

(۶۶) قرآنِ کریم کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔ یعنی موسیقی کے بدلے میں قرآن کی تلاوت کی جائے گی، تاکہ اس کے ذریعہ ترنّم کا حظ اور مزہ حاصل ہو۔ اور قرآن کی دعوت اور اس کو سمجھنے یا اس کے ذریعہ اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے تلاوت نہیں کی جائے گی۔

(۶۷) درندوں کی کھال استعمال کی جائے گی۔

(۶۸) امت کے آخری لوگ اپنے سے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے۔ یعنی ان پر تنقید کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کریں گے، اور تنقید کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ انہوں نے یہ بات غلط کہی۔ اور یہ غلط طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ آج بہت بڑی مخلوق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخیاں کررہی ہے۔ بہت سے لوگ ان ائمہ دین کی شان میں گستاخیاں کررہے ہیں جن کے ذریعہ یہ دین ہم تک پہنچا، اور اِن کو بے وقوف بتا رہے ہیں کہ وہ لوگ قرآن و حدیث کو نہیں سمجھے، دین کو نہیں سمجھے۔ آج ہم نے دین کو صحیح سمجھا ہے۔

پھر فرمایا کہ جب یہ علامات ظاہر ہوں تو اس وقت اس کا انتظار کرو کہ

(۶۹) یا تو تم پر سرخ آندھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجائے۔

(۷۰) یا زلزلے آجائیں۔

(۷۱) یا لوگوں کی صورتیں بدل جائیں۔

(۷۲) یا آسمان سے پتھر برسیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور عذاب آجائے۔ العیاذ باللہ۔ اب آپ ان علامات میں ذرا غور کرکے دیکھیں کہ یہ سب علامات ایک ایک کرکے کس طرح ہمارے معاشرے پر صادق آرہی ہیں۔ اور اِس وقت جو عذاب ہم پر مسلّط ہے وہ درحقیقت انہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ (در منثور صفحہ ۵۲ جلد ۶)

مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا

ایک اور حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب میری امت میں پندرہ کام عام ہو جائیں گے تو اِن پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ پندرہ کام کون سے ہیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا:

قومی خزانے کے چور کون کون

① جب سرکاری خزانے کو لوٹ کا مال سمجھا جانے لگے۔ دیکھ لیجئے کہ آج کس طرح قومی خزانے کو لوٹا جارہا ہے، اور پھر یہ صرف حکمرانوں کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ جب حکمران لوٹتے ہیں تو عوام میں سے جس کا بھی داؤ چل جائے وہ بھی لوٹتا ہے۔ چنانچہ بہت سے کام ایسے ہیں جس میں ہم اور آپ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس کام کی وجہ سے ہماری طرف سے قومی خزانے پر لوٹ ہو رہی ہے۔ مثلاً بجلی کی چوری ہے کہ کہیں سے خلاف قانون کنکشن لے لیا اور اس کو استعمال کرنا شروع کردیا، یہ قومی خزانے کی چوری ہے۔ یا مثلاً ٹیلیفون ایکسچینج والے سے دوستی کرلی، اور اب اس کے ذریعہ لمبی لمبی کالیں مفت کی جارہی ہیں۔ یہ بھی قومی خزانے کی چوری ہے۔ یا مثلاً ریل کے ذریعہ بلا ٹکٹ سفر کرلیا۔ یہ بھی قومی خزانے کی چوری ہے۔ یا مثلاً ریل میں اونچے درجے میں سفر کرلیا، جبکہ ٹکٹ نیچے درجہ کا خریدا ہے۔ یہ بھی قومی خزانے کی چوری ہے۔

یہ خطرناک چوری ہے

اور یہ قومی خزانے کی چوری عام چوری سے بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان کسی کے گھر پر چوری کرلے اور بعد میں اس کی تلافی کرنا چاہے تو اس کی تلافی کرنا آسان ہے کہ جتنی رقم چوری کی ہے اتنی رقم اس کو لے جاکر واپس کردے، یا اس سے جاکر معاف کرالے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، مجھے معاف کردینا، اور اس نے معاف کردیا تو انشاء اللہ معاف ہوجائے گا۔ لیکن قومی خزانے

کے اندر لاکھوں انسانوں کا حصہ ہے۔ اور ہر انسان کی اس میں ملکیت ہے۔ اگر اس مال کو چوری کرلیا یا زیادتی کرلی تو اب کس کس انسان سے معاف کراؤ گے؟ اور جب تک ان لاکھوں حق داروں سے معاف نہیں کراؤ گے اس وقت تک معافی نہیں ہوگی۔ اس لئے عام مال کی چوری کی معافی آسان ہے۔ لیکن قومی خزانے کی چوری کے بعد اس کی معافی بہت مشکل ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۲) جب امانت کو لوگ لوٹ کا مال سمجھنے لگیں، اور اس میں خیانت کرنے لگیں۔

(۳) اور جب لوگ زکوٰۃ کو تاوان اور جرمانہ سمجھنے لگیں۔

(۴) آدمی بیوی کی اطاعت کرے۔ اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے۔ یعنی آدمی بیوی کی خوشنودی کی خاطر ماں کی نافرمانی کرے۔ مثلاً بیوی ایک ایسے غلط کام کو کرنے کے لئے کہہ رہی ہے جس میں ماں کی نافرمانی ہو رہی ہے تو وہ شخص ماں کی حرمت کو نظر انداز کردیتا ہے اور بیوی کو راضی کرنے کے لئے وہ کام کرلیتا ہے۔

(۵) اور آدمی دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور باپ کے ساتھ برا سلوک کرے گا، یعنی دوست کے ساتھ دوستی کا لحاظ کرے گا، لیکن باپ کے ساتھ سختی اور بدسلوکی کا معاملہ کرے گا۔

مساجد میں آوازوں کی بلندی

(۶) مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔ مسجدیں تو اس لئے وضع کی گئی ہیں کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے، اور اللہ کی عبادت اور ذکر کرنے والوں کے ذکر اور عبادت میں کوئی خلل نہ ڈالا جائے۔ لیکن لوگ مسجدوں میں آوازیں بلند کرکے خلل ڈالیں گے، چنانچہ آج کل الحمد للہ مسجدوں میں نکاح کرنے کا رواج تو ہوگیا ہے، جو اچھا رواج ہے، لیکن نکاح کے موقع پر مسجد کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اور اس وقت شور کیا جاتا ہے، آوازیں بلند کی جاتی ہیں، جو ایک گناہ بے لذت ہے۔ اس

لئے کہ بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جس کے کرنے میں کچھ لذت اور مزہ بھی آتا ہے لیکن یہ گناہ ایسا ہے کہ جس کے کرنے میں کوئی لذت اور مزہ نہیں ہے بلکہ مسجد میں آواز بلند کرکے بلاوجہ اپنے سر گناہ لے لیا۔

(۷) قوم کا لیڈر ان کا ذلیل ترین آدمی ہوگا۔

(۸) آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے کہ اگر اس کی عزت نہیں کروں گا تو یہ مجھے کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا دے گا۔

(۱۰) اور شرابیں پی جانے لگیں گی۔

(۱۱) ریشم پہنا جائے گا۔

گھروں میں گانے والی عورتیں

(۱۲) گانے بجانے والی عورتیں رکھی جائیں گی۔ اور موسیقی کے آلات سنبھال سنبھال کے رکھے جائیں گے۔ یہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں جب اِن باتوں کا تصور بھی نہیں تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ استعمال فرمایا وہ یہ کہ گانے بجانے والی عورتیں رکھنے لگیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہر شخص گانے بجانے والی عورتیں تو اپنے پاس کیسے رکھ سکتا ہے اس لئے کہ ہر شخص کے اندر اتنی استطاعت کہاں کہ وہ گانے بجانے والی عورت کو اپنے پاس رکھے۔ اور جب چاہے اس سے گانے سنے۔ لیکن ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹی وی اور وی سی آر نے اس مسئلہ کو آسان کردیا۔ اب ہر شخص کے گھر میں ریڈیو اور ٹی وی موجود ہے۔ ویڈیو کیسٹ موجود ہے۔ جب چاہے گانا سنے اور گانے والی عورت کو دیکھ لے۔

اسی طرح گانے بجانے کے آلات ہر شخص اپنے پاس نہیں رکھتا، لیکن آج کے ریڈیو، ٹی وی اور وی سی آر نے یہ باجے گھر گھر پہنچادیئے، اور اب آلاتِ موسیقی خرید کر لانے کی ضرورت نہیں۔ بس ٹی وی آن کردو تو آلاتِ موسیقی کے تمام

مقاصد اس کے ذریعہ تمہیں حاصل ہوجائیں گے۔

(۱۳) اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں۔ بہرحال، آپ نے فرمایا کہ جب یہ باتیں میری امت میں پیدا ہوجائیں گی تو ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ العیاذ باللہ۔ اس حدیث میں بھی جتنی باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ سب باتیں آج ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔

شراب کو شربت کے نام سے پیا جائے گا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت کے لوگ شراب کو شربت کہہ کر حلال کرنے لگیں۔ مثلاً شراب کو کہیں کہ یہ تو ایک شربت ہے، اس کے حرام ہونے کا کیا مطلب؟ چنانچہ آج لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں اور مقالے لکھ دیئے کہ موجودہ شراب حرام نہیں ہے، اور قرآن کریم میں شراب کے لئے کہیں حرام کا لفظ نہیں آیا ہے، اس لئے شراب حرام نہیں۔ اور یہ جو بئر ہے یہ جو کا پانی ہے، اور جس طرح دوسرے شربت ہوتے ہیں یہ بھی ایک شربت ہے۔ اس طرح آج شراب کو حلال کرنے پر دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جس کی خبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دیدی تھی۔

سُود کو تجارت کا نام دیا جائے گا

اور جب میری امت کے لوگ سُود کو تجارت کہہ کر حلال کرنے لگیں کہ یہ سُود بھی ایک تجارت ہے۔ جیسے آج کل کہا جارہا ہے کہ یہ بینکوں میں جو سُود کا لین دین ہورہا ہے، یہ تجارت کی ہی ایک شکل ہے، اگر اس کو بند کردیا تو ہماری تجارت ختم ہوجائے گی۔

رشوت کو ہدیہ کا نام دیا جائے گا

اور جب میری امت کے لوگ رشوت کو ہدیہ کہہ کر حلال کرنے لگیں۔ مثلاً رشوت دینے والا یہ کہے کہ یہ ہم نے آپ کو ہدیہ دیا ہے، اور رشوت لینے والا رشوت کو ہدیہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ رشوت ہے۔ چنانچہ آج کل یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور زکوۃ کے مال کو مالِ تجارت بنالیں تو اس وقت اس امت کی ہلاکت کا وقت آجائے گا۔ العیاذ باللہ۔ یہ چاروں باتیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، وہ ہمارے موجودہ دور پر پوری طرح صادق آرہی ہیں۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۸۴۹۷)

کشنوں پر سوار ہو کر مسجد میں آنا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری دور میں (فتنے کے زمانے میں) لوگ میاسر پر سوار ہو کر آئیں گے اور مسجد کے دروازوں پر اتریں گے۔ "میاسرِ" عربی زبان میں بڑے عالیشان ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں جو اِس زمانے میں بہت شان و شوکت اور دبدبے والے لوگ اپنے گھوڑے کی زین پر ڈالا کرتے تھے اور بطور "کشن" کے استعمال کرتے تھے۔ گویا کہ آپ نے فرمایا کہ کشنوں پر سواری کرکے مسجد کے دروازوں پر اتریں گے۔ پہلے زمانے میں اس کا تصور مشکل تھا کہ لوگ کشنوں پر سواری کرکے کس طرح آکر مسجد کے دروازوں پر اتریں گے۔ لیکن اب کاریں ایجاد ہو گئیں تو دیکھیں کہ کس طرح لوگ کاروں میں سوار ہو کر آرہے ہیں اور مسجد کے دروازوں پر اتر رہے ہیں۔

عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی

آگے فرمایا کہ "ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی" پہلے زمانے میں

اس کا تصور بھی مشکل تھا کہ لباس پہننے کے باوجود کس طرح ننگی ہوں گی، لیکن آج آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود عورتیں کس طرح ننگی ہیں۔ اس لئے کہ یا تو وہ لباس اتنا باریک ہے کہ جسم اس سے نظر آرہا ہے، یا وہ لباس اتنا مختصر اور چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود اعضاء پورے نہیں چھپے، یا وہ لباس اتنا چست ہے کہ اس کی وجہ سے سارے اعضاء نمایاں ہو رہے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

عورتوں کے بال اونٹ کے کوہان کی طرح

آگے فرمایا کہ "ان عورتوں کے سروں پر اونٹوں کے کوہان جیسے بال ہوں گے" یہ حدیث بھی اِن احادیث میں سے ہے کہ پچھلے علماء اس کی شرح کے وقت حیران ہوتے تھے کہ اونٹوں کے کوہان جیسے بال کیسے ہوں گے۔ اس لئے کہ اونٹوں کا کوہان تو اٹھا ہوا اونچا ہوتا ہے، بال کس طرح اونچے ہو جائیں گے۔ لیکن آج اس دور نے ناقابل تصور چیز کو حقیقت بنا کر آنکھوں کے سامنے دکھا دیا۔ اور موجودہ دور کی عورتوں کی جو تشبیہ آپ ؐ نے بیان فرمائی، اس سے بہتر تشبیہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ عورتیں ملعون ہیں

آگے فرمایا کہ "ایسی عورتوں پر لعنت بھیجو، اس لئے کہ ایسی عورتیں ملعون ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ایک ایسی چیز بنایا ہے جو اپنے دائرے کے اندر محدود رہے۔ اور جب یہ عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو حدیث شریف میں ہے کہ شیطان اس کی تانک جھانک میں لگ جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ جب عورت خوشبو لگا کر بازاروں کے اندر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر لعنت ہوتی ہے۔ اور فرشتے ایسی عورت پر لعنت بھیجتے ہیں۔

لباس کا مقصد اصلی

لباس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ستر عورت حاصل ہو جائے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿یٰبَنِیٓ اٰدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوٰاتکم وریشًا﴾

"یعنی ہم نے لباس اس لئے اتارا تاکہ وہ تمہارے ستر کو چھپائے اور زینت کا سامان ہو"۔

لہٰذا جو لباس ستر کو نہ چھپائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لباس کا جو اصل مقصد تھا وہ فوت کردیا گیا۔ اور جب اصل مقصد فوت ہوگیا تو لباس پہننے کے باوجود وہ لباس پہننے والا برہنہ ہے۔ خدا کے لئے اس کا اہتمام کریں کہ لباس ہمارا درست ہو۔ آج کل اچھے خاصے دیندار، نمازی، پرہیزگار لوگوں کے اندر بھی اس کا اہتمام ختم ہوگیا ہے۔ لباس میں اس کی پرواہ نہیں کہ اس میں پردہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ انہی چیزوں کا وبال آج ہم لوگ بھگت رہے ہیں۔ لہٰذا کم از کم اپنے گھرانوں میں اور اپنے خاندانوں میں اس کا اہتمام کرلیں کہ لباس شریعت کے مطابق ہو۔ اور اس میں پردہ کا لحاظ ہو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کی وعید سے محفوظ ہو۔

دوسری قومیں مسلمانوں کو کھائیں گی

ایک حدیث میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں تمہیں کھانے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دیں گی۔ جیسے لوگ دستر خوان پر بیٹھ کر دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ مثلاً دستر خوان بچھا ہوا ہے، اس پر کھانے چنے ہوئے ہیں۔ اس پر ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اتنے میں دوسرا شخص

آگیا تو پہلا اس سے کہتا ہے کہ آؤ کھانا تناول فرماؤ اور کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اسی طرح ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس وقت مسلمانوں کا دستر خوان بچھا ہوگا، اور مسلمان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسے دستر خوان پر کھانا ہوتا ہے۔ اور بڑی بڑی قومیں اور طاقتیں مسلمانوں کو کھا رہی ہونگی۔ اور دوسری قوموں کو دعوت دے رہی ہوں گی کہ آؤ اور مسلمانوں کو کھاؤ۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام)

جن حضرات کو پچھلے سو سال کی تاریخ کا علم ہے یعنی پہلی جنگ عظیم سے لے کر آج تک غیر مسلم قوموں نے مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، اور وہ کس طرح مسلمان ملکوں کو آپس میں تقسیم کرتی رہی ہیں کہ اچھا مصر تمہارا اور شام ہمارا، الجزائر تمہارا اور مراکش ہمارا، ہندوستان تمہارا اور برما ہمارا وغیرہ۔ گویا کہ آپس میں ایک دوسرے کی دعوت ہو رہی ہے کہ آؤ ان کو لے جا کر کھاؤ۔ (ابوداؤد)

مسلمان تنکوں کی طرح ہوں گے

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حالت صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمائی تو کسی صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس وقت ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی جس کی وجہ سے دوسرے لوگ مسلمانوں کو کھانے لگیں گے اور دوسروں کو بھی کھانے کی دعوت دینے لگیں گے؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ چنانچہ آج مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے۔ گویا کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے۔ لیکن تمہاری مثال ایسی ہوگی جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے بے شمار تنکے ہوتے ہیں۔ یعنی جیسے ایک پانی کا سیلاب جا رہا ہے اور اس میں بے شمار تنکے گرے ہوئے ہیں جن کی کوئی گنتی نہیں ہو سکتی، لیکن وہ تنکے سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں، ان تنکوں کی اپنی کوئی طاقت نہیں، اپنا کوئی فیصلہ نہیں، اپنا کوئی اختیار نہیں، پانی جہاں بہا کر لے جا رہا ہے وہاں جا رہے ہیں۔

مسلمان بزدل ہو جائیں گے

آگے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال لیں گے اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور بزدلی آجائے گی" ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کمزوری اور بزدلی کیا چیز ہے؟ گویا کہ صحابہ کرامؓ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ مسلمان اور بزدل؟ مسلمان اور کمزور؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کمزوری یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل میں آجائے گی اور موت سے نفرت ہو جائے گی۔ اور موت کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ سے ملاقات" گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے نفرت ہو جائے گی۔ اور اس وقت یہ فکر ہوگی کہ دنیا حاصل ہو۔ پیسہ حاصل ہو۔ شہرت اور عزت حاصل ہو۔ چاہے حلال طریقے سے ہو یا حرام طریقے سے ہو۔

صحابہ کرامؓ کی بہادری

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال یہ تھا کہ ایک غزوہ میں ایک صحابی اکیلے رہ گئے۔ سامنے سے تین چار کافر مسلح جنگجو پہلوان قسم کے آگئے، یہ صحابی تنہا تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے مقابلہ کرنا چاہا تو اتنے میں دوسرے صحابہ کرامؓ وہاں پہنچ گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ تم اکیلے ہو اور یہ زیادہ ہیں اور بڑے جنگجو اور پہلوان قسم کے لوگ بھی ہیں۔ اس لئے اس وقت بہتر یہ ہے کہ طرح دے جاؤ اور مقابلہ نہ کرو۔ اور ہمارے لشکر کے آنے کا انتظار کرلو۔ ان صحابی نے بے ساختہ جواب دیا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم میرے اور جنت کے درمیان حائل ہونے کی کوشش مت کرنا، یہ بڑے بڑے پہلوان تو میرے جنت میں پہنچنے کا راستہ ہیں۔ اور تم مجھے لڑنے سے روک رہے ہو اور میرے اور جنت کے درمیان حائل ہو رہے ہو۔ صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا جس کی وجہ سے ان کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ بزدلی کیا چیز ہے؟ اور کمزوری کیا چیز ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت ختم فرمادی تھی۔ اور ہر وقت آنکھوں سے آخرت کو دیکھ رہے تھے۔ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اس وجہ سے مرنے سے نہیں ڈرتے تھے، بلکہ اس بات کی خواہش کرتے تھے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔

ایک صحابی کا شوقِ شہادت

ایک صحابی ایک میدانِ جنگ میں پہنچے، دیکھا کہ سامنے کفار کا لشکر ہے۔ جو پورے اسلحے اور طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوگا، اس لشکر کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے یہ شعر پڑھا

غدا نلقی الاحبہ　　　محمدا وصحبہ

واہ واہ کیا بہترین نظارہ ہے۔ کل کو ہم اپنے دوستوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ملاقات کریں گے۔

ایک صحابی کے تیر آکر لگا۔ سینے سے خون کا فوارہ اُبل پڑا، اس وقت بے ساختہ زبان سے یہ کلمہ نکلا:

﴿فزت ورب الکعبة﴾

"ربِ کعبہ کی قسم۔ آج میں کامیاب ہوگیا"۔

یہ حضرات ایمان اور یقین والے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والے تھے، دنیا کی محبت جن کو چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

"فتنہ" کے دور کے لئے پہلا حکم

ایسی صورت میں ایک مسلمان کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ اس کے بارے

میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا حکم یہ دیا کہ:

﴿تلزم جماعة المسلمين وامامهم﴾

پہلا کام یہ کرو کہ جمہور مسلمان اور ان کے امام کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور جو لوگ بغاوت کر رہے ہیں ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو اور ان کو چھوڑ دو۔ ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مسلمانوں کی اکثریت والی جماعت اور امام نہ ہو تو پھر آدمی کیا کرے؟ یعنی آپ نے جو حکم دیا وہ تو اس وقت ہے جب مسلمانوں کی متفقہ جماعت موجود ہو۔ اِن کا ایک سربراہ ہو جس پر سب متفق ہوں۔ اور اس امام کی دیانت اور تقویٰ پر اعتماد ہو، تب تو اس کے ساتھ چلیں گے، لیکن اگر نہ جماعت ہو اور نہ متفقہ امام ہو تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی صورت میں ہر جماعت اور ہر پارٹی سے الگ ہو کر زندگی گزارو اور اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جاؤ۔ ٹاٹ جس سے بوریاں بنتی ہیں، پہلے زمانے میں اس کو بطور فرش کے بچھایا جاتا تھا۔ آج کل اس کی جگہ قالین بچھائے جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح گھر کا قالین اور فرش ہوتا ہے، جب ایک مرتبہ اس کو بچھا دیا تو اب بار بار اس کو اس کی جگہ سے نہیں اٹھاتے، اسی طرح تم بھی اپنے گھروں کے ٹاٹ اور فرش بن جاؤ، اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلو، اور ان جماعتوں کے ساتھ شمولیت اختیار مت کرو۔ بلکہ ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ الگ ہو جاؤ۔ کسی کا ساتھ مت دو۔ اس سے زیادہ واضح بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

"فتنہ" کے دور کے لئے دوسرا حکم

ایک حدیث میں فرمایا کہ جس وقت تم لوگوں سے کنارہ کش ہو کر زندگی گزار رہے ہو، اس وقت اگر مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں۔ اور ان کے درمیان قتل و غارت گری ہو رہی ہو تو ان کو تماشہ کے طور پر بھی مت دیکھو۔ اِس لئے کہ جو

شخص تماشہ کے طور پر ان فتنوں کی طرف جھانک کر دیکھے گا وہ فتنہ اس کو بھی اپنی طرف کھینچ لے گا اور اچک لے گا۔ من استشرف لھا استشرفتہ اس لئے ایسے وقت میں تماشہ دیکھنے کے لئے بھی گھر سے باہر نہ نکلو اور اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔

"فتنہ" کے دور کے لئے تیسرا حکم

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فتنے ایسے ہوں گے کہ اس میں القائم فیھا خیر من الماشی، والقاعد فیھا خیر من القائم کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اس فتنے کے اندر کسی قسم کا حصہ مت لو۔ اس فتنے کی طرف چلنا بھی خطرناک ہے۔ چلنے سے بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہو جاؤ۔ اور کھڑا ہونا بھی خطرناک ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ بیٹھ جاؤ۔ اور بیٹھنا بھی خطرناک ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ لیٹ جاؤ۔ گویا کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنی ذاتی زندگی کو درست کرنے کی فکر کرو۔ اور گھر سے باہر نکل کر اجتماعی مصیبت اور اجتماعی فتنے کو دعوت مت دو۔

فتنہ کے دور کا بہترین مال

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں آدمی کا سب سے بہتر مال اس کی بکریاں ہوں گی۔ جس کو وہ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے اور شہروں کی زندگی چھوڑ دے۔ اور ان بکریوں پر اکتفا کر کے اپنی زندگی بسر کرے۔ ایسا شخص سب سے زیادہ محفوظ ہوگا، کیونکہ شہروں میں اس کو ظاہری اور باطنی فتنے اچکنے کے لئے تیار ہوں گے۔

فتنہ کے دور کے لئے ایک اہم حکم

ان تمام احادیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ وقت اجتماعی اور جماعتی کام کا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جماعتیں سب کی سب غیر معتبر ہوں گی، کسی بھی جماعت پر بھروسہ کرنا مشکل ہوگا۔ حق اور باطل کا پتہ نہیں چلے گا۔ اس لئے ایسے وقت میں اپنی ذات کو ان فتنوں سے بچاکر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگاکر کسی طرح اپنے ایمان کو قبر تک لے جاؤ۔ ان فتنوں سے بچاؤ کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی ہے، وہ بھی اسی سیاق میں آئی ہے۔ فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنی ذات کی خبر لو۔ اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو۔ اگر تم ہدایت پر آگئے تو پھر جو لوگ گمراہی کی طرف جارہے ہیں ان کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی اگر تم نے اپنی اصلاح کی فکر کرلی۔ روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت تو بتا رہی ہے کہ بس انسان صرف اپنی فکر کرے اور دوسرے کی فکر نہ کرے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص غلط راستے پر جارہا ہے تو اس کو جانے دے اور اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے، اسکو تبلیغ نہ کرے۔ جبکہ دوسری طرف یہ حکم آیا ہے کہ امر بالمعروف بھی کرنا چاہئے، اور نہی عن المنکر بھی کرنا چاہئے، اور دوسروں کو نیکی کی دعوت اور تبلیغ بھی کرنی چاہئے تو اِن دونوں میں کس طرح تطبیق دی جائے؟

فتنہ کے دور کی چار علامتیں

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آیتیں بھی اپنی جگہ درست ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے اور دعوت و تبلیغ کرنی چاہئے لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس وقت انسان کے ذمے صرف اپنی اصلاح

کی فکر باقی رہے گی۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں چار علامتیں ظاہر ہو جائیں۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ اس زمانے میں انسان اپنے مال کی محبت کے جذبے کے پیچھے لگا ہوا ہو۔ اور اپنے جذبۂ بخل کی اطاعت کر رہا ہو۔ مال طلبی میں لگا ہوا ہو۔ صبح سے لے کر شام تک بس ذہن پر ایک ہی دھن سوار ہو کہ جس طرح بھی ہو پیسے زیادہ آجائیں۔ دولت زیادہ ہو جائے۔ اور میری دنیا درست ہو جائے۔ اور ہر کام مال و دولت کی محبت میں کر رہا ہو۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ لوگ ہر وقت خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگے ہوئے ہوں۔ جس طرف انسان کی خواہش اس کو لے جا رہی ہو۔ وہ جا رہا ہو۔ یہ نہ دیکھ رہا ہو کہ کام حلال ہے یا حرام ہے۔ اور نہ یہ دیکھ رہا ہو کہ یہ جنّت کا راستہ ہے یا جہنم کا راستہ ہے۔ یہ اللہ کی رضامندی کا راستہ ہے یا ناراضگی کا راستہ ہے، ان سب چیزوں کو بھول کر اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے دوڑا جا رہا ہو۔ یہ دوسری علامت ہے۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ جب دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانی لگے۔ یعنی آخرت کی تو بالکل فکر نہ ہو۔ لیکن دنیا کی اتنی زیادہ فکر ہو کہ لاکھ سمجھایا جائے اور بتایا جائے کہ آخرت آنے والی ہے۔ ایک دن مرنا ہے۔ اور قبر میں جانا ہے۔ اللہ کے سامنے پیشی ہوگی۔ ساری باتیں سمجھانے کے جواب میں وہ کہے کہ کیا کریں زمانہ ہی ایسا ہے، ہمیں آخر اسی دنیا میں سب کے ساتھ رہنا ہے، اس لئے اس دنیا کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ گویا کہ ساری نصیحتوں اور وعظوں کو ہوا ہی میں اڑا دے اور اسکی طرف کان نہ دھرے اور دنیا کمانے میں لگ جائے۔

(۴) چوتھی علامت یہ ہے کہ ہر انسان اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو۔ دوسرے کی سننے کو تیار ہی نہ ہو۔ اور ہر انسان نے اپنا ایک موقف اختیار کر رکھا ہو۔ اور اسی میں اس طرح وہ مگن ہو کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔ اور جو بات دوسرا کہہ رہا ہے وہ غلط ہے۔ جیسے آج کل یہی منظر نظر آتا ہے کہ ہر انسان نے دین

کے معاملے میں بھی اپنی ایک رائے متعین کر لی ہے کہ اس کے نزدیک کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ حالانکہ ساری عمر میں کبھی ایک دن بھی قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے خرچ نہیں کیا۔ لیکن جب اس کے سامنے شریعت کا کوئی حکم بیان کیا جائے تو فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ فوراً اپنی رائے پیش کرنی شروع کر دیتا ہے۔ اسی کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہوگا۔

بہرحال، جس زمانے میں یہ چار علامتیں ظاہر ہو جائیں، یعنی جب مال کی محبت کی اطاعت ہونے لگے۔ لوگ خواہشاتِ نفس کے پیچھے پڑ جائیں۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہو۔ اور ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو۔ اس وقت اپنی ذات کو بچانے کی فکر کرو۔ اور عام لوگوں کی فکر چھوڑ دو کہ عام لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک فتنہ ہے۔ اگر عام لوگوں کی فکر کے لئے باہر نکلو گے تو وہ عام لوگ تمہیں پکڑ لیں گے۔ اور تمہیں بھی فتنے میں مبتلا کر دیں گے، اس لئے اپنی ذات کی فکر کرو اور اپنے آپ کو اصلاح کے راستے پر لانے کی کوشش کرو۔ گھر سے باہر نہ نکلو۔ گھر کے دروازے بند کر لو۔ گھر کی ٹاٹ بن جاؤ، اور تماشہ دیکھنے کے لئے بھی گھر سے باہر مت جھانکو۔ فتنے کے زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

اِختلافات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ آیا۔ اور خلافت راشدہ کے آخری دور میں بڑے زبردست اختلافات حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان پیش آئے۔ اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان

اختلاف ہوا اور اس میں بھی جنگ کی نوبت پہنچی۔ ان اختلاف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ہی یہ سب کچھ دکھا دیا تاکہ آنے والی امت کے لئے صحابہ کرامؓ ہی کی زندگی سے رہنمائی کا ایک راستہ مل جائے کہ جب کبھی آئندہ اس قسم کے واقعات پیش آئیں تو کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس زمانے میں وہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر ہیں، انہوں نے اس حدیث پر عمل کیا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ:

﴿تلزم جماعة المسلمين وامامهم﴾

"یعنی ایسے وقت میں جو مسلمانوں کی بڑی جماعت ہو اور اس کا امام بھی ہو۔ اس کو لازم پکڑ لو"۔

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا اور یہ کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت امام ہیں، ہم ان کا ساتھ دیں گے، اور وہ جیسا کہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برحق سمجھا کہ یہ امام ہیں اور ان کا ساتھ دینا شروع کردیا۔ صحابہ کرامؓ کا تیسرا فریق وہ تھا جنہوں نے یہ کہا کہ اس وقت ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ اور ایسے موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ تمام جماعتوں سے الگ ہوجائیں۔ چنانچہ انہوں نے نہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا، بلکہ الگ ہوکر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ بڑے اونچے درجے کے صحابی اور فقیہ تھے۔ اس زمانے میں یہ

اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں کہ گھر میں بیٹھ گئے، باہر حق و باطل کا معرکہ ہو رہا ہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دینا چاہئے، اس لئے کہ وہ برحق ہیں، تو آپ باہر کیوں نہیں نکلتے؟ جواب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آئے کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں اور حق و باطل کا پتہ نہ چلے تو اس وقت اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ، اور اپنے گھر کا ٹاٹ بن جاؤ۔ اور اپنے کمان کی تانتیں توڑ ڈالو، یعنی ہتھیار توڑ ڈالو۔ چونکہ مجھے حق و باطل کا پتہ نہیں چل رہا ہے، اس لئے میں اپنے ہتھیار توڑ کر گھر کے اندر بیٹھ گیا ہوں اور اللہ اللہ کر رہا ہوں۔

اس شخص نے کہا کہ یہ آپ غلط کر رہے ہیں، اسلئے کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿قٰتِلُوْهم حتى لا تكون فتنة﴾

"یعنی اس وقت تک جہاد کرو جب تک فتنہ باقی ہے۔ اور جب فتنہ ختم ہو جائے۔ اس وقت جہاد چھوڑ دینا"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا کیا عجیب جواب اِرشاد فرمایا:

﴿قاتلنا حتى لم تكن فتنة، وقاتلتم حتى كانت الفتنة﴾

ہم نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر قتال کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فتنہ ختم فرما دیا تھا، اور اب تم نے قتال کیا تو فتنہ ختم نہیں کیا، بلکہ فتنہ کو اور بڑھا دیا اور اسے جگا دیا۔ اس لئے میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے گھر میں بیٹھا ہوں۔

حالت امن اور حالت فتنہ میں ہمارے لئے طرزِ عمل

اسی بارے میں ایک محدث کا ایک قول میری نظر سے گزرا، جب میں نے اس کو پڑھا تو مجھے وجد آگیا۔ وہ قول یہ ہے:

﴿اقتدوا بعمر رضی الله تعالیٰ عنه فی الامن وبابنه فی الفتنة﴾

"یعنی جب امن کی حالت ہو تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرو۔ اور جب فتنہ کی حالت ہو تو ان کے بیٹے یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اقتدا کرو"۔

یعنی امن کی حالت میں یہ دیکھو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا طرزِ عمل تھا۔ ان کی اقتدا کرتے ہوئے وہ طرزِ عمل تم بھی اختیار کرو۔ اور فتنہ کی حالت میں یہ دیکھو کہ ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ تلوار توڑ کر گھر کے اندر الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ تم بھی فتنہ کی حالت میں ان کی اتباع کرو۔

اختلافات کے باوجود آپس کے تعلقات

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ ہی کے دور میں یہ سارے منظر دکھا دیئے، چنانچہ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھا، انہوں نے ان کا ساتھ دیا۔ اور جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھا، انہوں نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن ساتھ دینے کے باوجود یہ عجیب منظر دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ ایسا منظر دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہیں۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے لشکر کے لوگ اس کے جنازے میں آکر شریک ہوتے، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کے لوگ اس کے جنازے میں شریک ہوتے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ لڑائی در حقیقت نفسانیت کی بنیاد پر نہیں تھی، یہ لڑائی جاہ اور مال کے حصول کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کے حکم کا ایک مطلب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا تھا، یہ اس پر عمل کر رہے تھے۔ اور حکم کا ایک مطلب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا تھا، وہ اس پر عمل کر رہے تھے. اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اللہ کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا طرزِ عمل

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پڑھنے پڑھانے والے صحابی تھے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مولوی قسم کے صحابی تھے۔ اور ہر وقت پڑھنے پڑھانے کے مشغلے میں رہتے تھے، ان کا طرز عمل یہ تھا کہ یہ دونوں لشکروں میں دونوں کے پاس جایا کرتے تھے، کسی ایک کا ساتھ نہیں دیتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں جاکر ان کے پیچھے نماز پڑھتے، اور جب کھانے کا وقت آتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جاکر ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ کسی نے ان سے سوال کیا کہ حضرت: آپ نماز تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے پڑھتے ہیں، اور کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ نماز وہاں اچھی ہوتی ہے اور کھانا وہاں اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے نماز کے وقت وہاں اور کھانے کے وقت وہاں چلا جاتا ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہمیں آپس کے اختلافات کرنے کا سلیقہ بھی سکھا دیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کا قیصر روم کو جواب

اسی لڑائی کے عین دوران جب ایک دوسرے کی فوجیں آمنے سامنے ایک دوسرے کے خلاف کھڑی ہیں۔ اس وقت قیصر روم کا یہ پیغام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہیں لے رہے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کے لئے بہت بڑا لشکر بھیج دوں تاکہ تم ان سے مقابلہ کرو۔ اس پیغام کا جو فوری جواب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر بھیجا۔ وہ یہ تھا کہ:

> "اے نصرانی بادشاہ! تو یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے آپس کے اختلاف کے نتیجے میں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوگا؟ یاد رکھ! اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت کی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر سے نمودار ہونے والا پہلا شخص جو تیری گردن اتارے گا وہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوگا"۔

تمام صحابہ کرامؓ ہمارے لئے معزز اور مکرم ہیں

آج کل لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیسی کیسی زبان درازیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ کی شان اور مرتبے کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، ان کے مدارک اور جذبے کو ہم نہیں پہنچ سکتے، آج ہم ان کی لڑائیوں کو اپنی لڑائیوں پر قیاس کرنا شروع کردیتے ہیں کہ جس طرح ہمارے درمیان لڑائی ہوتی ہے، اسی طرح ان کے درمیان بھی لڑائی ہوئی۔ حالانکہ ان کی ساری لڑائیاں اور سارے اختلافات کے ذریعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ آئندہ امت کے لئے رہنمائی کا

راستہ پیدا کر رہے تھے کہ آئندہ زمانے میں جب کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو امت کے لئے راستہ کیا ہے؟ چاہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں، یا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں، یا الگ بیٹھنے والے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوں۔ ان میں سے ہر ایک نے ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے دھوکے میں کبھی مت آنا جو صحابہ کرامؓ کے ان باہمی اختلافات کی بنیاد پر کسی ایک صحابی کی شان میں گستاخی یا زبان درازی کرتے ہیں۔ ارے ان کے مقام تک آج کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

حضرت امیر معاویہؓ کی للّٰہیت اور خلوص

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں لوگ بہت سی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں عین جمعہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر یہ دعا کی کہ یا اللہ! میں نے اپنے بیٹے یزید کو جو اپنا ولی عہد بنایا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کو ولی عہد بناتے وقت میرے ذہن میں سوائے امت محمدیہ کی فلاح کے کوئی اور بات نہیں تھی۔ اور اگر میرے ذہن میں کوئی بات ہو تو میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! قبل اِس کے کہ میرا یہ حکم نافذ ہو، آپ اس کی روح قبض کرلیں۔ دیکھئے! کوئی باپ اپنے بیٹے کے لئے ایسی دعا نہیں کیا کرتا، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ خلوص کے ساتھ کیا۔ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ ہر ایک سے غلطی ہو سکتی ہے۔ غلط فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے کیا۔

کنارہ کش ہو جاؤ

بہر حال، حضرات صحابہ کرامؓ نے فتنوں کی تمام احادیث پر عمل کر کے ہمارے لئے نمونہ پیش کردیا کہ فتنے میں یہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جب اس دور میں جہاں مقابلہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا۔ اِس دور میں بھی صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت الگ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ جس میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابہ کرامؓ شامل تھے، تو اس دور میں بھی جب حق و باطل کا یقینی طور پر پتہ نہیں ہے، بلکہ حق و باطل مشتبہ ہے، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ آدمی کنارہ کشی اختیار کر لے۔

حقیقت یہ ہے کہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو عجیب بات منظور تھی کہ جو حضرات صحابہ کرامؓ اس زمانے میں کنارہ کش ہو کر بیٹھ گئے تھے، ان سے اللہ تعالیٰ نے دین کی بہت بڑی خدمت لے لی۔ ورنہ اگر سب کے سب صحابہ جنگ میں شامل ہو جاتے تو بہت سے صحابہؓ ان میں سے شہید ہو جاتے۔ اور دین کی وہ خدمت نہ کرپاتے۔ چنانچہ جو حضرات صحابہ کرامؓ الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے، انہوں نے احادیث کو مدون کرنا شروع کردیا۔ اور اس کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کا لایا ہوا دین آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے مدون اور مرتب ہوگیا۔ اور ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

اپنی اصلاح کی فکر کرو

بہر حال، فتنہ کے دور میں یہ حکم دیا کہ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ اور اللہ اللہ کرو۔ اور اپنی اصلاح کی فکر کرو کہ میں گناہوں سے بچ جاؤں۔ اور اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بن جاؤں۔ اور میرے بیوی بچے بھی مطیع اور فرمانبردار بن جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک پیغمبر ہی ایسا نسخہ بتا سکتا ہے، ہر انسان کے بس کا کام نہیں کہ

وہ ایسا نسخہ بتا سکے، اس لئے اس نسخے پر عمل کرتے ہوئے ہر انسان اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ معاشرہ تو انہی افراد کے مجموعے کا نام ہے، جب ایک فرد کی اصلاح ہو گئی اور وہ درست ہو گیا تو کم از کم معاشرے سے ایک بُرائی تو دور ہو گئی۔ اور جب دوسرا فرد درست ہو گیا تو دوسری بُرائی درست ہو گئی۔ اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اور افراد سے معاشرہ بنتا ہے۔ آہستہ آہستہ سارا معاشرہ درست ہو جائے گا۔

اپنے عیوب کو دیکھو

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، یہ شدید فتنے کا دور ہے۔ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے یہ نسخہ بتا گئے کہ کسی پارٹی میں شامل مت ہونا، حتی الامکان گھر میں بیٹھو۔ اور تماشہ دیکھنے کے لئے بھی گھر سے باہر مت جاؤ۔ اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اور یہ دیکھو کہ میرے اندر کیا بُرائی ہے۔ اور میں کن بُرائیوں کے اندر مبتلا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ پورے معاشرے کے اندر جو فتنہ پھیلا ہوا ہے، وہ میرے گناہوں کی نحوست ہو۔ ہر انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، شاید میرے گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ قحط سالی کی شکایت کرنے گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ سب میرے گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرما دے۔ آج ہم لوگوں کو دوسروں پر تبصرہ کرنا آتا ہے کہ لوگ یوں کر رہے ہیں۔ لوگوں کے اندر یہ خرابیاں ہیں، جس کی وجہ سے فساد ہو رہا ہے، لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے والا شاذ و نادر ہی آج کوئی ملے گا۔ اس لئے دوسروں کو چھوڑو اور اپنی اِصلاح کی فکر کرو۔

گناہوں سے بچاؤ

اور اپنی اصلاح کی فکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک جو گناہ تم سے سرزد ہوتے ہیں، ان کو ایک ایک کرکے چھوڑنے کی فکر کرو۔ اور ہر روز اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور استغفار کرو۔ اور یہ دعا کرو کہ یا اللہ! یہ فتنہ کا زمانہ ہے۔ مجھے اور میرے گھر والوں اور میری اولاد کو اپنی رحمت سے اس فتنہ سے دور رکھئے۔

﴿اللھم انا نعوذ بک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن﴾

"اے اللہ! ہم آپ کی تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں"۔

دعا کرنے کے ساتھ ساتھ غیبت سے، نگاہ کے گناہ سے، فحاشی اور عریانی کے گناہوں سے، اور دوسروں کی دل آزاری کے گناہ سے، رشوت کے گناہ سے، سود کے گناہ سے اپنے آپ کو جتنا ہوسکے ان سے بچانے کی کوشش کرو۔ لیکن اگر غفلت میں یہ زندگی گزار دی تو پھر اللہ تعالیٰ بچائے۔ انجام بڑا خراب نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مرنے سے پہلے موت کی تیاری کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب ۳۱ مئی ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرنے سے پہلے موت کی تیاری کیجئے

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا۔

اما بعد!

﴿فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا﴾ (کشف الخفاء ۲: ۲۰۲)

یہ ایک حدیث ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ مرنے سے پہلے مرو۔ اور قیامت کے روز جو حساب و کتاب ہوتا ہے اس سے پہلے اپنا حساب اور اپنا جائزہ لو۔

موت یقینی چیز ہے

موت ضرور آنے والی ہے۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور موت کے مسئلہ میں آج تک کسی کا اختلاف نہیں ہوا اور نہ کسی نے اس کے آنے کا انکار کیا۔ انکار کرنے والوں نے نعوذ باللہ خدا کا انکار کردیا کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے، رسولوں کا انکار کردیا، مگر موت کا انکار نہیں کرسکے۔ ہر شخص یہ بات مانتا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں آیا ہے، وہ ایک نہ ایک دن ضرور موت کے منہ میں جائے گا۔ اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، ہو سکتا ہے کہ ابھی موت آجائے۔ ایک منٹ کے بعد آجائے۔ ایک گھنٹہ کے بعد آجائے۔ ایک دن کے بعد آجائے۔ ایک ہفتہ کے بعد آجائے۔ ایک ماہ بعد آجائے۔ یا ایک سال کے بعد آجائے۔ کچھ پتہ نہیں۔ آج سائنس کی تحقیقات کہاں سے کہاں بام عروج تک پہنچ گئیں۔ لیکن سائنس یہ نہیں بتا سکی کہ کونسا انسان کب مرے گا۔

موت سے پہلے مرنے کا مطلب

لہٰذا یہ یقینی بات ہے کہ موت ضرور آئے گی۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ موت کا وقت متعین نہیں۔ اب اگر انسان غفلت کی حالت میں دنیا سے چلا جائے تو وہاں پہنچ کر خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں پہنچ کر اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس حقیقی موت کے آنے سے پہلے مرو۔ کس طرح مرو؟ موت سے پہلے مرنے کا کیا مطلب؟ علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ حقیقی موت کے آنے سے پہلے تم اپنی وہ نفسانی خواہشات جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے معارض اور مقابل ہیں اور تمہارے دل میں گناہ کرنے کے اور ناجائز کام کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی کرنے کے جو داعیے اور تقاضے دل میں پیدا ہوتے رہتے

ہیں، ان کو کچل دو اور فنا کردو اور مار دو۔

مجھے ایک دن مرنا ہے

دوسرا مطلب علماء نے یہ بتایا کہ مرنے سے پہلے اپنے مرنے کا دھیان کو لو۔ کبھی کبھی یہ سوچا کرو کہ ایک دن مجھے اس دنیا سے جانا ہے۔ اور اس دنیا سے خالی ہاتھ جاؤں گا، نہ پیسے ساتھ جائیں گے، نہ اولاد ساتھ جائے گی۔ نہ کوٹھی بنگلے ساتھ جائیں گے، نہ دوست احباب ساتھ جائیں گے۔ بلکہ اکیلا خالی ہاتھ جاؤں گا، اس کو ذرا سوچا کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہم سے جو ظلم، نافرمانیاں اور جرائم اور گناہ ہوتے ہیں، ان کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انسان نے اپنی موت کو بھلا دیا ہے۔ جب تک جسم میں صحت اور قوت ہے، اور یہ ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، اس وقت تک انسان یہ سوچتا ہے کہ "ہم چوں ما دیگرے نیست" یعنی ہم سے بڑا کوئی نہیں۔ اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے۔ اس وقت تکبر بھی کرتا ہے، شیخی بگھارتا ہے، دوسروں پر ظلم بھی کرتا ہے، دوسروں کے حقوق پر ڈاکے بھی ڈالتا ہے، صحت اور جوانی کی حالت میں یہ سب کام کرتا رہتا ہے، اور یہ دھیان اور خیال بھی نہیں آتا کہ ایک دن مجھے بھی اس دنیا سے جانا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی دے کر آتا ہے، اپنے پیاروں کا جنازہ اٹھاتا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ سوچتا ہے کہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، میرے ساتھ تو پیش نہیں آیا۔ اس طرح غفلت کے عالم میں زندگی گزارتا ہے۔ اور موت کی تیاری نہیں کرتا۔

دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿نعمتان مغبون فیھا کثیر من الناس الصحۃ والفراغ﴾
(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ۶۴۰۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جس کی طرف سے بہت سے انسان دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت کی نعمت اور ایک فراغت کی نعمت۔ یعنی جب تک "صحت" کی نعمت حاصل ہے اس وقت تک اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ یہ صحت کی نعمت ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور صحت کی حالت میں اچھے اور نیک کاموں کو ٹلاتے رہتے ہیں کہ چلو یہ کام کل کرلیں گے۔ کل نہیں تو پرسوں کرلیں گے، لیکن ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ صحت کا وقت گزر جاتا ہے۔ دوسری نعمت ہے "فراغت" یعنی اس وقت اچھے کام کرنے کی فرصت ہے، وقت ملتا ہے، لیکن انسان اچھے کام کو یہ سوچ کر ٹال دیتا ہے کہ ابھی تو وقت ہے، بعد میں کرلیں گے۔ ابھی تو جوانی ہے، اور وہ اس جوانی کے عالم میں بڑے بڑے پہاڑ ڈھو سکتا ہے، بڑے سے بڑے مشقت کے کام انجام دے سکتا ہے، اگر چاہے تو جوانی کے عالم میں خوب عبادت کرسکتا ہے، ریاضتیں اور مجاہدات کرسکتا ہے، خدمت خلق کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا ڈھیر لگا سکتا ہے۔ لیکن دماغ میں یہ بات بیٹھی ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ذرا زندگی کا مزہ لے لوں، عبادت کرنے اور نیک کام کرنے کے لئے بہت عمر پڑی ہے، بعد میں کرلوں گا۔ اس طرح وہ نیک کاموں کو ٹلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جوانی ڈھل جاتی ہے، اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہاں تک صحت خراب ہوجاتی ہے، اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب جوانی کے جانے کے بعد عبادت اور نیک کام کرنا بھی چاہتا ہے تو جسم میں طاقت اور قوت نہیں ہے۔ یا فرصت نہیں ہے، اس لئے کہ اب مصروفیت اتنی ہوگئی ہے کہ وقت نہیں ملتا۔

یہ سب باتیں اس لئے پیدا ہوئیں کہ انسان موت سے غافل ہے۔ موت کا دھیان نہیں، اگر روزانہ صبح و شام موت کو یاد کرتا کہ ایک دن مجھے مرنا ہے اور مرنے سے پہلے مجھے یہ کام کرنا ہے تو پھر موت کی یاد اور اس کا دھیان انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے، اور

نیکی کے راستے پر چلاتا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ مرنے سے پہلے مرو۔

حضرت بہلول کا نصیحت آموز واقعہ

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بہلول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ مجذوب قسم کے بزرگ تھے، بادشاہ ہارون رشید کا زمانہ تھا۔ ہارون رشید ان مجذوب سے ہنسی مذاق کرتا رہتا تھا۔ اگرچہ مجذوب تھے لیکن بڑی حکیمانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ ہارون رشید نے اپنے دربانوں سے کہہ دیا تھا کہ جب یہ مجذوب میرے پاس ملاقات کے لئے آنا چاہیں تو ان کو آنے دیا جائے۔ ان کو روکا نہ جائے۔ چنانچہ جب ان کا دل چاہتا دربار میں پہنچ جاتے۔ ایک دن یہ دربار میں آئے تو اس وقت ہارون رشید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، ہارون رشید نے ان مجذوب کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ: بہلول صاحب! آپ سے میری ایک گزارش ہے۔ بہلول نے پوچھا کیا ہے؟ ہارون رشید نے کہا کہ میں آپ کو یہ چھڑی بطور امانت کے دیتا ہوں۔ اور دنیا کے اندر آپ کو اپنے سے زیادہ کوئی بیوقوف آدمی ملے، اس کو یہ چھڑی میری طرف سے ہدیہ میں دے دینا۔ بہلول نے کہا: بہت اچھا۔ یہ کہہ کر چھڑی رکھ لی۔

بادشاہ نے تو بطور مذاق کے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ اور بتانا یہ مقصود تھا کہ دنیا میں تم سب سے زیادہ بے وقوف ہو۔ تم سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں ہے۔ بہر حال، بہلول وہ چھڑی لے کر چلے گئے۔

اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے، ایک روز بہلول کو پتہ چلا کہ ہارون رشید بہت سخت بیمار ہیں۔ اور بستر سے لگے ہوئے ہیں، اور علاج ہو رہا ہے، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بہلول مجذوب بادشاہ کی عیادت کے لئے پہنچ گئے۔ اور پوچھا کہ امیر المؤمنین! کیا حال ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ حال کیا پوچھتے ہو، سفر درپیش ہے۔ بہلول نے پوچھا: کہاں کا سفر درپیش ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ آخرت کا سفر درپیش ہے، دنیا سے

اب جا رہا ہوں۔ بہلول نے سوال کیا، کتنے دن میں واپس آئیں گے؟ ہارون نے کہا: بھائی یہ آخرت کا سفر ہے، اس سے کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔ بہلول نے کہا: اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے تو آپ نے سفر کے راحت اور آرام کے انتظامات کے لئے کتنے لشکر اور فوجی آگے بھیجے ہیں؟ بادشاہ نے جواب میں کہا: تم پھر بے وقوفی جیسی باتیں کر رہے ہو۔ آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جایا کرتا۔ نہ باڈی گارڈ جاتا ہے، نہ لشکر، نہ فوج اور نہ سپاہی جاتا ہے۔ وہاں تو انسان تنہا ہی جاتا ہے۔ بہلول نے کہا کہ اتنا لمبا سفر کہ وہاں سے واپس بھی نہیں آنا ہے، لیکن آپ نے کوئی فوج اور لشکر نہیں بھیجا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کے جتنے سفر ہوتے تھے، اس میں انتظامات کے لئے آگے سفر کا سامان اور لشکر جایا کرتا تھا۔ اس سفر میں کیوں نہیں بھیجا؟ بادشاہ نے کہا کہ نہیں، یہ سفر ایسا ہے کہ اس سفر میں کوئی لاؤ لشکر اور فوج نہیں بھیجی جاتی۔ بہلول نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کی ایک امانت بہت عرصے سے میرے پاس رکھی ہے، وہ ایک چھڑی ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بے وقوف تمہیں ملے تو اس کو دے دینا۔ میں نے بہت تلاش کیا، لیکن مجھے اپنے سے زیادہ بے وقوف آپ کے علاوہ کوئی نہیں ملا، اس لئے کہ میں یہ دیکھا کرتا تھا کہ اگر آپ کا چھوٹا سا بھی سفر ہوتا تھا تو مہینوں پہلے سے اس کی تیاری ہوا کرتی تھی، کھانے پینے کا سامان، خیمے، لاؤ لشکر، باڈی گارڈ سب پہلے سے بھیجا جاتا تھا۔ اور اب یہ اتنا لمبا سفر جہاں سے واپس بھی نہیں آنا ہے، اس کے لئے کوئی تیاری نہیں ہے۔ آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی بے وقوف نہیں ملا۔ لہٰذا آپ کی یہ امانت آپ کو واپس کرتا ہوں۔

یہ سن کر ہارون رشید رو پڑا، اور کہا: بہلول! تم نے سچی بات کی۔ ساری عمر ہم تم کو بے وقوف سمجھتے رہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکمت کی بات تم نے ہی کہی۔ واقعۃً ہم نے اپنی عمر ضائع کردی۔ اور اس آخرت کے سفر کی کوئی تیاری نہیں کی۔

عقل مند کون؟

در حقیقت حضرت بہلول نے جو بات کی وہ حدیث ہی کی بات ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت﴾

(ترمذی، باب صفۃ القیامۃ، باب نمبر۲۶)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ عقل مند کون ہوتا ہے؟ آج کی دنیا میں عقل منداس شخص کو کہا جاتا ہے جو مال کمانا خوب جانتا ہو۔ دولت کمانا اور پیسے سے پیسے بنانا خوب جانتا ہو، دنیا کو بے وقوف بنانا خوب جانتا ہو۔ لیکن اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو کرے اور نفس کی ہر خواہش کے پیچھے نہ چلے۔ بلکہ اس نفس کو اللہ کی مرضی کے تابع بنائے، اور مرنے کے بعد کے لئے تیاری کرے، ایسا شخص عقل مند ہے۔ اگر یہ کام نہیں کرتا تو وہ بے وقوف ہے کہ ساری عمر فضولیات میں گنوادی۔ جس جگہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی کچھ تیاری نہ کی۔

ہم سب بے وقوف ہیں

جو بات بہلول نے ہارون رشید کے لئے کہی، اگر غور کرو گے تو یہ بات ہم میں سے ہر شخص پر صادق آرہی ہے۔ اس لئے کہ ہم میں سے ہر شخص کو دنیا میں رہنے کے لئے ہر وقت یہ فکر سوار رہتی ہے کہ مکان کہاں بناؤں؟ کس طرح کا بناؤں؟ اس میں کیا کیا راحت و آرام کی اشیاء جمع کروں؟ اگر دنیا میں کہیں سفر پر جاتے ہیں تو کئی دن پہلے سے بکنگ کراتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں سیٹ نہ ملے۔ کئی دن پہلے سے اس سفر کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ جس جگہ پہنچنا ہے وہاں پر پہلے سے اطلاع دی جاتی ہے، ہوٹل کی بکنگ کرائی جاتی ہے، پہلے سے یہ سب کام کئے جاتے ہیں۔ اور سفر صرف تین

دن کا ہے۔ لیکن جس جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، جہاں کی زندگی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کے لئے یہ فکر نہیں کہ وہاں کا مکان کیسے بناؤں؟ وہاں کے لئے کس طرح بکنگ کراؤں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ عقل مند شخص وہ ہے جو مرنے کے بعد کے لئے تیاری کرے۔ ورنہ وہ بے وقوف ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا مال دار اور سرمایہ دار کیوں نہ بن جائے۔ اور آخرت کی تیاری کا راستہ یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا دھیان کرو کہ ایک دن مجھے اس دنیا سے جانا ہے۔

موت اور آخرت کا تصوّر کرنے کا طریقہ

حکیم الأمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ دن میں کوئی وقت تنہائی کا نکالو، پھر اس وقت میں ذرا سا اس بات کا تصور کیا کرو کہ میرا آخری وقت آگیا ہے، فرشتہ روح قبض کرنے کے لئے پہنچ گیا، اس نے میری روح قبض کرلی، میرے عزیز و اقارب نے میرے غسل اور کفن دفن کا انتظام شروع کردیا۔ بالآخر مجھے غسل دے کر کفن پہنا کر اٹھا کر قبرستان لے گئے۔ نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ایک قبر میں رکھا، پھر اس قبر کو بند کردیا، اور اوپر سے منوں مٹی ڈال کر وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اب میں اندھیری قبر میں تنہا ہوں، اتنے میں سوال وجواب کے لئے فرشتے آگئے، وہ مجھ سے سوال وجواب کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آخرت کا تصوّر کرو کہ مجھے دوبارہ قبر سے اٹھایا گیا، اب میدانِ حشر قائم ہے، تمام انسان میدانِ حشر کے اندر جمع ہیں، وہاں شدید گرمی لگ رہی ہے، پسینہ بہہ رہا ہے، سورج بالکل قریب ہے۔ ہر شخص پریشانی کے عالم میں ہے، اور لوگ جاکر انبیاء علیہم السلام سے سفارش کرارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب وکتاب شروع ہو۔ پھر اسی طرح حساب وکتاب، پل صراط اور جنّت اوز جہنّم کا تصوّر کرے۔ روزانہ فجر کی نماز کے بعد تلاوت، مناجات مقبول اور اپنے ذکر واذکار سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑا سا تصوّر کرلیا کرو کہ یہ وقت آنے والا ہے، اور کچھ پتہ نہیں

کب آجائے۔ کیا پتہ آج ہی آجائے۔ یہ تصور کرنے کے بعد دعا کرو کہ یا اللہ! میں دنیا کے کاروبار اور کام کاج کے لئے نکل رہا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا کام کر گزروں جو میری آخرت کے اعتبار سے میرے لئے ہلاکت کا باعث ہو۔ روزانہ یہ تصور کر لیا کرو، جب ایک مرتبہ موت کا دھیان اور تصور دل میں بیٹھ جائے گا تو انشاء اللہ اپنی اصلاح کرنے کی طرف توجہ اور فکر ہو جائے گی۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی نُعم رحمۃ اللہ علیہ

ایک بہت بڑے بزرگ اور محدث گزرے ہیں، حضرت عبد الرحمٰن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ، ان کے زمانے میں ایک شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں مختلف محدثین، علماء اور فقہاء اور بزرگانِ دین سے یہ سوال کروں کہ اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ کل آپ کی موت آنے والی ہے، اور آپ کی زندگی کا صرف ایک دن باقی ہے تو آپ وہ ایک دن کس طرح گزاریں گے، اور کن کاموں میں یہ دن گزاریں گے؟ سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سوال کے جواب میں یہ بڑے بڑے محدثین، علماء، بزرگانِ دین بہترین کاموں کا ذکر کریں گے، اور اس دن کو بہترین کاموں میں خرچ کریں گے، اس طرح مجھے بہترین کاموں کا پتہ چل جائے گا اور میں آئندہ اپنی زندگی میں وہ بہترین کام انجام دوں گا۔ اس خیال سے انہوں نے بہت سے بزرگوں سے یہ سوال کیا۔ اب اس سوال کے جواب میں کسی نے کچھ کہا، اور کسی نے کچھ کہا، لیکن وہ شخص جب حضرت عبد الرحمٰن بن أبی نعم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، اور یہ سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی کام کروں گا جو روزانہ کرتا ہوں، اس لئے کہ میں نے پہلے دن سے اپنا نظام الاوقات اور اپنے معمولات اس خیال کو سامنے رکھ کر بنایا ہے کہ شاید یہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو، اور آج مجھے موت آجائے۔ اس نظام الاوقات کے اندر اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں کسی اور عمل کا اضافہ کرسکوں۔ جو عمل روزانہ کرتا ہوں، آخری دن بھی وہی عمل کروں گا۔ یہ ہے اس حدیث کا مصداق کہ:

﴿موتوا قبل ان تموتوا﴾

انہوں نے موت کا دھیان اور اس کا استحضار کرکے اپنی زندگی کو اس طرح ڈھال لیا کہ ہر وقت مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ جب آنا چاہے آجائے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

اسی کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ:

﴿من احبّ لقاء اللہ احبّ اللہ لقاءہ﴾

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من احب لقاء اللہ)

جو اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے ملنے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگ تو ہر وقت موت کی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ:

غداً نلقی الاحبہ　　محمداً وحزبہ

کل کو اپنے دوستوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ملاقات ہوگی۔ اسی موت کے دھیان کے نتیجے میں زندگی شریعت اور اتباعِ سنّت کے اندر ڈھل جاتی ہے، اور ہر وقت موت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بہرحال، تھوڑا سا وقت نکال کر موت کا تصور کیا کرو کہ موت آنے والی ہے، اس کے لئے میں نے کیا تیاری کی ہے۔

آج ہی اپنا محاسبہ کرلو

اس حدیث کے دوسرے جملے میں ارشاد فرمایا:

﴿حاسبوا قبل ان تحاسبوا﴾

اپنا حساب لیا کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ آخرت میں تمہارے ایک ایک عمل کا حساب لیا جائے گا۔

﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۝﴾ (سورۃ الزلزال)

یعنی تم نے جو اچھا کام کیا ہوگا وہ بھی سامنے آجائے گا، اور جو بُرا کام کیا ہوگا وہ بھی سامنے آجائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوگا

قیامت کے روز جو حساب لیا جائے گا تم اس سے پہلے ہی اپنا حساب لینا شروع کردو، یعنی روزانہ رات کو حساب لو کہ آج جو میرا سارا دن گزرا، اس میں کونسا عمل ایسا ہے کہ اگر اس عمل کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے پوچھا گیا کہ یہ عمل کیوں کیا تھا؟ تو اس کا کیا جواب دوں گا۔ روزانہ اس طرح کرلیا کرو۔

صبح کے وقت نفس سے "معاہدہ" (مشارطہ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح کا ایک عجیب و غریب طریقہ تجویز فرمایا ہے۔ اگر ہم لوگ اس طریقے پر عمل کرلیں تو وہ اصلاح کے لئے نسخہ اکسیر ہے۔ اس سے بہتر کوئی نسخہ ملنا مشکل ہے۔ فرماتے ہیں کہ روزانہ چند کام کرلیا کرو۔ ایک یہ کہ جب تم صبح کو بیدار ہو تو اپنے نفس سے ایک معاہدہ کرلیا کرو کہ آج کے دن میں صبح سے لے کر رات کو سونے تک کوئی گناہ نہیں کروں گا، اور میرے ذمے جتنے فرائض و واجبات اور سنتیں ہیں، ان کو بجالاؤں گا، اور جو میرے ذمے حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں، ان کو پورے طریقے سے ادا کروں گا۔ اگر غلطی سے اس معاہدہ کے خلاف کوئی عمل ہوا تو اے نفس! اس عمل پر تجھے سزا دوں گا۔ یہ معاہدہ ایک کام ہوا۔ جس کا نام ہے "مشارطہ" یعنی آپس میں شرط لگانا۔

معاہدہ کے بعد دعا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس

پہلی بات پر تھوڑا اضافہ فرماتے ہوئے فرمایا کرتے کہ یہ معاہدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! میں نے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ آج کے دن گناہ نہیں کروں گا، اور فرائض وواجبات سب ادا کروں گا، شریعت کے مطابق چلوں گا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کروں گا۔ لیکن یا اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر میں اس معاہدے پر قائم نہیں رہ سکتا، اس لئے جب میں نے یہ معاہدہ کرلیا ہے تو آپ میرے اس معاہدے کی لاج رکھ لیجئے، اور مجھے اس معاہدے پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائیے، اور مجھے عہد شکنی سے بچا لیجئے، اور مجھے اس معاہدے پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ یہ دعا کرلو۔

پورے دن اپنے اعمال کا ”مراقبہ“

دعا کرنے کے بعد زندگی کے کاروبار کے لئے نکل جاؤ۔ اگر ملازمت کرتے ہو تو ملازمت پر چلے جاؤ۔ اگر تجارت کرتے ہو تو تجارت کے لئے نکل جاؤ۔ اگر دوکان پر بیٹھتے ہو تو وہاں چلے جاؤ۔ وہاں جاکر یہ کرو کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ یہ کام میرے اس معاہدے کے خلاف تو نہیں ہے، یہ لفظ جو زبان سے نکال رہا ہوں، یہ اس معاہدے کے خلاف تو نہیں ہے؟ اگر خلاف نظر آئے تو اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس کو ”مراقبہ“ کہا جاتا ہے، یہ دوسرا کام ہے۔

سونے سے پہلے ”محاسبہ“

تیسرا کام رات کو سونے سے پہلے کیا کرو۔ وہ ہے ”محاسبہ“ اپنے نفس سے کہو کہ تم نے صبح یہ معاہدہ کیا تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہیں کروں گا، اور ہر کام شریعت کے مطابق کروں گا، تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کروں گا۔ اب بتاؤ کہ تم نے کونسا کام اس معاہدے کے مطابق کیا، اور کونسا کام اس معاہدے کے خلاف کیا؟ اس طرح اپنے پورے دن کے تمام اعمال کا جائزہ لو۔ صبح جب میں گھر سے باہر نکلا تھا، تو فلاں آدمی سے

کیا بات کہی تھی؟ جب میں ملازمت پر گیا تو وہاں اپنے فرائض میں نے کس طرح ادا کئے؟ تجارت میں نے کس طرح کی؟ حلال طریقے سے کی یا حرام طریقے سے کی؟ اور جتنے لوگوں سے ملاقات کی ان کے حقوق کس طرح ادا کئے؟ بیوی بچوں کے حقوق کس طرح ادا کئے؟ ان سب معاملات کا جائزہ لو، اس کا نام ہے "محاسبہ"

پھر شکر ادا کرو

اس "محاسبہ" کے نتیجے میں اگر یہ بات سامنے آئے کہ تم نے صبح جو معاہدہ کیا تھا، اس میں کامیاب ہو گئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اس معاہدے پر قائم رہنے کی توفیق دی، اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ اس شکر کا نتیجہ وہ ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ:

﴿لئن شکرتم لازیدنکم﴾

اگر تم نعمت پر شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت اور زیادہ دیں گے، لہٰذا جب تم نے اس معاہدے پر قائم رہنے کی نعمت پر شکر ادا کیا تو آئندہ اس نعمت میں اور اضافہ ہوگا۔ اور اس پر ثواب ملے گا۔

ورنہ توبہ کرو

اور اگر اس "محاسبہ" کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئے کہ فلاں موقع پر اس معاہدے کی خلاف ورزی ہو گئی، فلاں موقع پر میں بھٹک گیا اور پھسل گیا اور اپنے اس عہد پر قائم نہ رہ سکا، تو اس وقت فوراً توبہ کرو۔ اور یہ کہو کہ یا اللہ! میں نے یہ معاہدہ تو کیا تھا، لیکن نفس وشیطان کے جال میں آکر میں اس معاہدے پر قائم نہیں رہ سکا، یا اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں، آپ مجھے معاف فرما دیجئے۔

اپنے نفس پر سزا جاری کرو

توبہ کرنے کے ساتھ اپنے نفس کو کچھ سزا بھی دو، اور اپنے نفس سے کہو کہ تم نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا تمہیں اب آٹھ رکعت نفل پڑھنی ہوں گی۔ یہ سزا صبح کو معاہدہ کرتے وقت ہی تجویز کر لو۔ لہٰذا رات کو اپنے نفس سے کہو کہ تم نے اپنی راحت اور آرام کی خاطر اور تھوڑی سی لذت حاصل کرنے کی خاطر مجھے عہد شکنی کے اندر مبتلا کیا، اس لئے اب تمہیں تھوڑی سزا ملنی چاہئے، لہٰذا تمہاری سزا یہ ہے کہ اب سونے سے پہلے آٹھ رکعت نفل ادا کرو۔ اس کے بعد سونے کے لئے بستر پر جاؤ۔ اس سے پہلے سونا بند۔

سزا مناسب اور معتدل ہو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی سزا مقرر کرو جس میں نفس پر تھوڑی مشقت بھی ہو، نہ بہت زیادہ ہو کہ نفس بدک جائے، اور نہ اتنی کم ہو کہ نفس کو اس سے مشقت ہی نہ ہو، جیسے ہندوستان میں جب سرسید مرحوم نے علی گڑھ کالج قائم کیا، اس وقت طلبہ پر یہ لازم کردیا تھا کہ تمام طلبہ پنج وقتہ نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کریں گے، اور جو طالب علم نماز سے غیر حاضر ہوگا اس کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا، اور ایک نماز کا جرمانہ شاید ایک آنہ مقرر کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو طلبہ صاحب ثروت تھے، وہ پورے مہینے کی تمام نمازوں کا جرمانہ اکٹھا پہلے ہی جمع کرادیا کرتے تھے کہ یہ جرمانہ ہم سے وصول کر لو، اور نماز کی چھٹی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتنا کم اور معمولی جرمانہ بھی نہ ہو کہ آدمی اکٹھا جمع کرادے، اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ آدمی بھاگ جائے، بلکہ درمیانہ اور معتدل جرمانہ مقرر کرنا چاہئے۔ مثلاً آٹھ رکعت نفل پڑھنے کی سزا مقرر کرنا ایک مناسب سزا ہے۔

کچھ ہمت کرنی پڑے گی

بہر حال، اگر نفس کی اصلاح کرنی ہے تو تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے، کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنی پڑے گی، کچھ نہ کچھ ہمت تو کرنی ہوگی، اور اس کے لئے عزم اور ارادہ کرنا ہوگا، ویسے ہی بیٹھے بیٹھے تو نفس کی اصلاح نہیں ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ طے کرلو کہ جب کبھی نفس غلط راستے پر جائے گا تو اس وقت آٹھ رکعت نفل ضرور پڑھوں گا۔ جب نفس کو پتہ چلے گا کہ یہ آٹھ رکعت پڑھنے کی ایک نئی مصیبت کھڑی ہوگئی، تو آئندہ کل وہ نفس تمہیں گناہ سے بچانے کی کوشش کرے گا، تاکہ اس آٹھ رکعت نفل سے جان چھوٹ جائے۔ اس طرح وہ نفس آہستہ آہستہ انشاء اللہ سیدھے راستے پر آجائے گا، اور پھر تمہیں نہیں بہکائے گا۔

یہ چار کام کرلو

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ چار کام کرلو:

(۱) صبح کے وقت مشارطہ یعنی معاہدہ۔
(۲) ہر عمل کے وقت مراقبہ۔
(۳) رات کو سونے سے پہلے محاسبہ۔
(۴) اگر نفس بہک جائے تو سونے سے پہلے معاقبہ یعنی اس کو سزا دینا۔

یہ عمل مسلسل کرنا ہوگا

ایک بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ دو چار روز یہ عمل کرنے کے بعد یہ مت سمجھ لینا کہ بس اب ہم پہنچ گئے اور بزرگ بن گئے، بلکہ یہ عمل تو مسلسل کرنا ہوگا۔ اور اس میں یہ ہوگا کہ کسی دن تم غالب آجاؤ گے اور کسی دن شیطان غالب آجائے گا، لیکن ایسا نہ ہو کہ اس کے غالب آنے سے تم گھبرا جاؤ اور یہ عمل چھوڑ بیٹھو، اس لئے کہ اس میں

بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے۔ انشاء اللہ اس طرح کرتے کرتے ایک دن منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ اور اگر یہ عمل کرنے کے بعد پہلے دن ہی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دماغ میں یہ خنّاس سوار ہو جائے گا کہ میں تو جنید اور شبلی بن گیا۔ اس لئے کبھی اس عمل کے ذریعہ کامیابی ہو گی اور کبھی ناکامی ہو گی، جس دن کامیابی ہو جائے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور جس دن ناکامی ہو جائے اس دن توبہ واستغفار کرو، اور اپنے نفس پر سزا جاری کرو، اور اپنے بُرے فعل پر ندامت اور شکستگی کا اظہار کرو۔ یہ ندامت اور شکستگی انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ لکھا ہے کہ آپ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کی آنکھ لگ گئی اور تہجد قضا ہو گئی۔ سارا دن روتے روتے گزار دیا اور توبہ واستغفار کی کہ یا اللہ! آج میری تہجد کا ناغہ ہو گیا۔ اگلی رات جب سوئے تو تہجد کے وقت ایک شخص آیا اور آپ کو تہجد کے لئے بیدار کیا، آپ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ یہ بیدار کرنے والا شخص کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو ابلیس ہے تو تہجد کی نماز کے لئے اٹھانے سے تجھے کیا غرض؟ وہ شیطان کہنے لگا: بس آپ اٹھ جائیے، اور تہجد پڑھ لیجئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم تو تہجد سے روکنے والے ہو، تم اٹھانے والے کیسے بن گئے؟ شیطان نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گذشتہ رات میں نے آپ کو تہجد کے وقت سلا دیا اور آپ کی تہجد کا ناغہ کرا دیا، لیکن سارا دن آپ تہجد چھوٹنے پر روتے رہے، اور استغفار کرتے رہے، جس کے نتیجے میں آپ کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ تہجد پڑھنے سے بھی اتنا بلند نہ ہوتا۔ اس سے اچھا تو یہ تھا کہ آپ تہجد ہی پڑھ لیتے۔ اس لئے آج میں خود آپ کو تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہوں تاکہ آپ کا درجہ مزید بلند نہ ہو جائے۔

ندامت اور توبہ کے ذریعہ درجات کی بلندی

بہرحال، اگر انسان کو اپنی گذشتہ غلطی پر صدق دل سے ندامت ہو۔ اور آئندہ اس کی طرف نہ لوٹنے کا عزم ہو تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے درجات بلند فرما کر اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرماتے ہیں کہ تجھ سے جو یہ غلطی ہوئی، اس غلطی نے تمہیں ہماری ستاری، ہماری غفاری اور ہماری رحمت کا مورد بنا دیا، اور یہ غلطی بھی تمہارے حق میں فائدہ مند بن گئی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ آج یہ لوگ یہاں جمع ہو کر فریضہ ادا کر رہے ہیں اور مجھے پکار رہے ہیں۔ مجھ سے مغفرت طلب کر رہے ہیں اور اپنے مقاصد مانگ رہے ہیں۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم، میں ضرور آج ان کی دعائیں قبول کروں گا۔ اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو بھی حسنات اور نیکیوں میں تبدیل کر دوں گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ گناہ اور یہ برائیاں کس طرح نیکیوں میں تبدیل ہو جائیں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان سے غفلت اور نادانی سے ایک گناہ سرزد ہو گیا، اور اس کے بعد وہ ندامت اور افسوس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے کہ یا اللہ! غفلت اور نادانی سے یہ گناہ ہو گیا، معاف فرما دیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی ندامت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں، بلکہ اس کی بدولت اس کے درجات بھی بلند فرما دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ گناہ بھی درجات کی بلندی کا سبب بن جاتا ہے، اور اس کے حق میں خیر بن جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿فاولئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنٰت﴾ (الفرقان: ۷۰)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔

ایسی تیسی مرے گناہوں کی

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے، بہت اونچے مقام کے بزرگ تھے۔ وہ شعر بھی کہا کرتے تھے۔ ان کا ایک شعر مجھے بہت پسند ہے، اور بار بار یاد آتا ہے، وہ یہ کہ:

دولتیں مل گئیں ہیں آہوں کی
ایسی تیسی مرے گناہوں کی

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہوں پر ندامت اور عجز و نیاز اور آہ و بکا عطا فرمادی، اور ہم دعا بھی کررہے ہیں کہ یا اللہ! میرے اس گناہ کو معاف فرمادیجئے، مجھ سے غلطی ہوگئی۔ تو اب گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حکمت سے خالی پیدا نہیں کی۔ لہٰذا گناہ کے پیدا کرنے میں بھی حکمت اور مصلحت ہے، وہ یہ کہ گناہ ہوجانے کے بعد جب توبہ کروگے، اور ندامت کے ساتھ آہ و بکا کروگے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کروگے تو اس توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچادیں گے۔

نفس سے زندگی بھر کی لڑائی ہے

لہٰذا رات کو جب پورے دن کے اعمال کا محاسبہ کرتے وقت پتہ چلے کہ آج گناہ سرزد ہوگئے ہیں تو اب توبہ واستغفار کرو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور مایوس مت ہو جاؤ۔ اس لئے کہ یہ زندگی ایک جہاد اور لڑائی ہے، جس میں مرتے دم تک نفس اور شیطان سے لڑائی اور مقابلہ کرنا ہے، اور مقابلے کے اندر یہ تو ہوتا ہے کہ کبھی تم نے گرادیا، کبھی دوسرے نے گرادیا، لہٰذا اگر شیطان تمہیں گرادے تو اس وقت ہمت ہار کر پڑے مت رہنا، بلکہ دوبارہ نئے عزم اور ولولے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ،

اور پھر شیطان کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور یہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم ہمت نہیں ہارو گے، بلکہ دوبارہ مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مدد مانگتے رہو گے تو انشاء اللہ بالآخر فتح تمہاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿والعاقبة للمتقین﴾ (القصص: ۸۳)

انجام متقیوں کے ہاتھ میں ہے، فتح تمہاری ہوگی۔

تم قدم بڑھاؤ، اللہ تعالیٰ تھام لیں گے

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا﴾ (العنکبوت: ۶۹)

جن لوگوں نے ہمارے راستے میں جہاد کیا۔ یعنی نفس و شیطان کے ساتھ تم نے اس طرح لڑائی کی کہ وہ شیطان تمہیں غلط راستے پر لے جارہا ہے، اور تم اس سے مقابلہ کررہے ہو، اور کوشش کرکے غلط راستے سے بچ رہے ہو تو پھر ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ضرور بالضرور مقابلہ کرنے اور کوشش کرنے والوں کو اپنے راستے کی ہدایت دیں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اس آیت کا ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلتے ہیں۔

پھر ایک مثال کے ذریعہ اس آیت کو سمجھاتے ہوئے فرماتے کہ جب بچہ چلنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس وقت ماں باپ کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ بچہ چلے، چنانچہ اس کو چلنا سکھاتے ہیں اور اس کو تھوڑی دور کھڑا کر دیتے ہیں، اور پھر اس بچے کو اپنے پاس بلاتے ہیں کہ بیٹا ہمارے پاس آؤ۔ اگر بچہ وہیں کھڑا رہے اور قدم آگے نہ بڑھائے تو ماں باپ بھی دور کھڑے رہیں گے، اور اس کو گود میں نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن اگر بچے نے

ایک قدم بڑھلیا، اور دوسرے قدم پر وہ گرنے لگا تو اب ماں باپ اس کو گرنے نہیں دیتے، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو تھام لیتے ہیں اور گود میں اٹھالیتے ہیں۔ اس لئے کہ بچے نے قدم بڑھاکر اپنی سی کوشش کرلی۔ اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بے یار ومددگار چھوڑدیں گے، اور اس کو نہیں تھامیں گے؟ ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ اس آیت میں وعدہ ہے کہ جب تم چلنے کی کوشش کروگے تو ہم آگے بڑھ کر تمہیں گود میں اٹھاکر لے جائیں گے۔ اس لئے آگے قدم بڑھاؤ، ہمت کرو، کوشش کرو، مایوس ہوکر مت بیٹھ جاؤ۔

سوئے مایوسی مرو امید ھا است
سوئے تاریکی مرو خورشید ھا است

ان کے دربار میں مایوسی اور تاریکی کا گزر نہیں ہے۔ لہٰذا نفس وشیطان سے مقابلہ کرتے رہو، اگر غلطی ہو جائے تو پھر امید کا دامن مت چھوڑو، مایوس مت ہو جاؤ، بلکہ کوشش جاری رکھو، انشاء اللہ تم ایک دن ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے حصے کا کام کرلو، اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام ضرور کریں گے۔ یاد رکھو، تمہارے حصے میں جو کام ہیں اس میں نقص اور کمی ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے حصے کے کام میں نقص اور کمی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب تم قدم بڑھاؤ گے تو تمہارے لئے راستے کھلیں گے انشاء اللہ۔ اسی کی طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا کہ:

﴿موتوا قبل ان تموتوا وحاسبوا قبل ان تحاسبوا﴾

یعنی مرنے سے پہلے مرو۔ اور آخرت کے حساب سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو،

اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا یہ جواب دو گے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محاسبہ کا ایک

طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور کرو کہ آج تم میدانِ حشر کے اندر کھڑے ہو۔ اور تمہارا حساب وکتاب ہو رہا ہے۔ نامۂ اعمال پیش ہو رہے ہیں۔ تمہارے نامۂ اعمال کے اندر جو تمہارے بُرے اعمال درج ہیں، وہ سب سامنے آرہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے سوال کررہے ہیں کہ تم نے یہ بُرے اعمال اور گناہ کیوں کئے تھے؟ کیا اس وقت تم اللہ تعالیٰ کو وہی جواب دوگے جو آج تم مولویوں کو دیتے ہو؟ آج جب تم سے کوئی مولوی یا مصلح یہ کہتا ہے کہ فلاں کام مت کرو، نگاہ کی حفاظت کرو، سود سے بچو، غیبت اور جھوٹ سے بچو، ٹی وی کے اندر جو فحاشی اور عریانی کے پروگرام آرہے ہیں، اِن کو مت دیکھو، شادی بیاہ کی تقریبات میں بے پردگی سے بچو۔ تو اِن باتوں کے جواب میں تم مولوی صاحب کو یہ جواب دیتے ہو کہ ہم کیا کریں۔ زمانہ ہی ایسا خراب ہے، ساری دنیا ترقی کر رہی ہے، چاند پر پہنچ گئی ہے، کیا ہم ان سے پیچھے رہ جائیں، اور دنیا سے کٹ کر بیٹھ جائیں۔ اور آج کے اس معاشرے میں یہ سب کام کئے بغیر آدمی کا گزارہ نہیں ہے۔ یہ وہ جواب ہے جو آج تم مولویوں کے سامنے دیتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی یہی جواب دوگے؟ کیا یہ جواب وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے کافی ہوگا؟ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کہ سوچ کر بتاؤ۔ اگر یہ جواب وہاں نہیں چلے گا تو پھر آج دنیا میں بھی یہ جواب کافی نہیں ہو سکتا۔

ہمت اور حوصلہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ جواب دوگے کہ یا اللہ! ماحول اور معاشرے کی وجہ سے میں گناہ کرنے پر مجبور تھا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجبور تھے یا میں مجبور تھا؟ تم یہ جواب دوگے کہ یا اللہ! میں ہی مجبور تھا۔ آپ مجبور نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب میں مجبور نہیں تھا تو تم نے مجھ سے اپنی اس مجبوری کو دور کرنے کی دعا کیوں نہیں کی؟ اور کیا میں تمہاری اس مجبوری کو دور کرنے پر قادر نہیں تھا؟ اگر میں قادر تھا تو مجھ سے مانگتے، اور یہ کہتے کہ یا اللہ! یہ مجبوری پیش آگئی ہے، یا تو آپ اس مجبوری کو دور فرمادیجئے، یا پھر مؤاخذہ مت فرمائیے گا، اور مجھے اس پر سزا مت

دیجئے گا۔ بتایئے! کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا جواب ہے؟ اگر جواب نہیں ہے تو پھر آج زندگی کے اندر یہ کام کرلو۔ وہ یہ کہ جن کاموں کے کرنے پر تم اپنے آپ کو مجبور پارہے ہو، خواہ واقعۃً مجبور ہو، یا معاشرے کی وجہ سے مجبور ہو، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ دعا کرلو کہ یا اللہ! یہ مجبوری پیش آگئی ہے، اس کی وجہ سے میرے اندر اس سے بچنے کی ہمت نہیں ہورہی ہے، آپ قادر مطلق ہیں، اس مجبوری کو بھی دور کرسکتے ہیں، اور اس بے ہمتی کو بھی دور کرسکتے ہیں۔ اس مجبوری کو دور کردیجئے، اور اس گناہ سے بچنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمادیجئے۔

ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

بہرحال، اللہ تعالیٰ سے مانگو، یہ تجربہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرمادیتے ہیں۔ اگر کوئی مانگنے ہی نہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

کوئی حسن شناس ادا نہ ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

لہٰذا مانگنے والا ہی نہ ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ان کا دامن رحمت کھلا ہے۔ بہرحال، آج ہم نے صبح و شام چار کام کرنے کا جو نسخہ پڑھا ہے اگر ہم اس پر کاربند ہوجائیں تو انشاء اللہ اس حدیث پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر ضروری سوالات سے پرہیز کریں

الحمد للہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له واشهد ان لا إله إلا الله وحده لاشريك له، واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

اما بعد :-

عن ابی هريرة رضی الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : دعونى ماتركتم انما اهلك من كان قبلكم كثرة سؤلهم واختلافهم على انبياء هم، فاذا نهيتُكم عن شئ فاجتنبوه، وإذا امرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم۔

کثرت سوال کا نتیجہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تک کسی خاص مسئلے کے بارے میں کوئی خاص بات نہ بتاؤں، اس وقت تک تم مجھے چھوڑے رکھو اور مجھ سے سوال نہ کرو، یعنی جس کام کے بارے میں میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ کرنا فرض ہے یا یہ کام کرنا حرام اور ناجائز ہے، اس کام کے بارے میں بلاوجہ اور بلا ضرورت سوال کرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی جو امتیں ہلاک ہوئیں، ان کی ہلاکت کا ایک سبب ان کا کثرت سے سوال کرنا بھی تھا، اور دوسرا سبب اپنے انبیاء کے بتائے ہوئے احکام کی خلاف ورزی تھی، لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے رک جاؤ۔ اس میں قیل و قال اور چوں و چرا نہ کرو، اور جس چیز کا میں تم کو حکم دوں تو اسکو اپنی استطاعت کے مطابق بجا لاؤ۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم پر شفقت دیکھئے کہ استطاعت کی قید لگا دی کہ اپنی استطاعت کے مطابق بجا لاؤ، گویا استطاعت سے زیادہ کا ہمیں مکلف نہیں بنایا۔

کس قسم کے سوالات سے پرہیز کیا جائے۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کی کثرت کی مذمت بیان فرمائی ہے، لیکن بعض دوسری احادیث میں سوال کرنے کی فضیلت بھی آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انما شفاء العی السؤال" یعنی پیاسے کی تشفی سوال سے ہوتی ہے۔ دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ درست ہیں، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جس معاملے میں خود انسان کو حکم شرعی معلوم

کرنے کی ضرورت پیش آئے کہ یہ معاملہ جو میں کر رہا ہوں، شرعاً جائز ہے یا نہیں، ایسے موقع پر سوال نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے، لیکن اگر سوالات کرنے کا منشاء یا تو محض وقت گزاری ہے یا اس سوال کا اسکی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلئے کہ وہ مسئلہ اس کو پیش نہیں آیا یا وہ ایسا مسئلہ ہے جسکی دین میں کوئی اہمیت نہیں اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ قبر میں اسکے بارے میں سوال ہو گا اور نہ آخرت میں سوال ہو گا اور اس کے معلوم نہ ہونے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، تو ایسے مسائل کے بارے میں سوال کرنے کی اس حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

فضول سوالات میں لگانا شیطان کا کام ہے۔

مثلاً ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جو دو بیٹے تھے، ھابیل اور قابیل، ان دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی، جس کے نتیجے میں قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا، اس لڑائی کا سبب ایک لڑکی تھی، اس لڑکی کا نام کیا تھا؟ اب بتایئے کہ اگر اس لڑکی کا نام معلوم ہو جائے تو اس سے کیا فائدہ ہو گا؟ اور اگر معلوم نہ ہو تو اس سے نقصان کیا ہو گا؟ کیا قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ اس لڑکی کا نام بتاؤ ورنہ تمہیں جنت نہیں ملے گی، یا میدان حشر میں اللہ تعالیٰ اسکے نام کے بارے میں تم سے سوال کریں گے۔ لہٰذا اس قسم کے مسائل جن کا قبر میں، حشر میں، آخرت میں بھی واسطہ پیش نہیں آئیگا ان کے بارے میں سوال کرنا درست نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کو صحیح راستے سے ھٹانے کے لئے شیطان کے پاس مختلف حربے ہیں، ان میں سے ایک حربہ یہ ہے کہ وہ

شیطان انسان کو ایسے کام میں لگا دیتا ہے جس کا کوئی حاصل نہیں' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عملی کاموں سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور ان فضول سوالات کے چکر میں لگ جاتا ہے۔

حکم شرعی کی علت کے بارے میں سوال۔

اسی طرح آج کل لوگوں میں یہ مرض بہت عام ہے کہ جب کسی عمل کے بارے میں بتاؤ کہ شریعت میں یہ حکم موجود ہے کہ یہ کام کرو' یا یہ حکم ہے کہ فلاں کام مت کرو' تو لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ فلاں چیز کو جو حرام قرار دیا گیا ہے' یہ حرمت کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اسکی کیا وجہ ہے؟ اور سوال کرنے والے کا انداز یہ بتاتا ہے کہ اگر ہمارے اس سوال کا معقول جواب ہمیں مل گیا اور ہماری عقل نے اس جواب کو صحیح تسلیم کر لیا تب تو ہم اس حکم شرعی کو مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے --- حالانکہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ جب میں نے تم کو کسی چیز سے روک دیا تو تمہارا کام یہ ہے کہ رک جاؤ اور اس تحقیق میں پڑنا تمہارا کام نہیں کہ اس روکنے میں کیا حکمت ہے؟ کیا مصلحت اور کیا فائدہ ہے؟

علت کے بارے میں سوال کا بہترین جواب۔

ایک صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس آئے اور کسی شرعی مسئلے کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو کیوں حرام کر دیا؟ اسکی کیا وجہ ہے؟ کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بات کا آپ جواب دیدیں تو میں اس کا جواب آپ کو دیدونگا' انہوں نے کہا کہ وہ

کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ کی ناک سامنے کیوں لگی ہے' پیچھے کیوں نہیں لگی؟ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے اس کارخانہ عالم کا نظام چلا رہے ہیں' تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا یہ چھوٹا سا دماغ جو تمہارے سر میں ہے' اسکی ساری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ کر لے' حالانکہ آج کے دور میں سائنس اتنی ترقی کے باوجود اس چھوٹے سے دماغ کی بھی پوری تحقیق نہیں کر سکی اور یہ کہتی ہے کہ اس دماغ کا اکثر حصہ ایسا ہے جس کے بارے میں اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا عمل کیا ہے؟ ایسے دماغ کے ذریعہ تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ساری حکمتوں کا احاطہ کر لو کہ فلاں چیز کو کیوں حرام کیا؟ اور فلاں چیز کو کیوں حلال کیا؟ بات یہ کہ اپنی حقیقت سے ناواقفیت اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کمی کے نتیجے میں اس قسم کے سوال ذہن میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں دخل مت دو۔

اب مثلاً کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز میں دو رکعت فرض فرمائی ہیں' ظہر کی نماز میں چار' عصر کی نماز میں چار' مغرب کی نماز میں تین رکعت فرض فرمائی ہیں' اس فرق کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اور کیا وجہ ہے؟ اب اگر کوئی شخص اپنے سے سوچ کر یہ کہے کہ فجر کی نماز کا وقت چونکہ فرصت کا ہوتا ہے تو اس وقت چار رکعت فرض ہونی چاہئیں اور چونکہ عصر کا وقت مشغولیت کا ہوتا ہے تو اس وقت دو رکعت فرض ہونی چاہئیں۔ ارے تم اپنی چھوٹی سی عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے اندر دخل دینا چاہتے ہو؟ اور یہ فیصلہ کرتے ہو کہ فلاں وقت اتنی رکعت فرض ہونی چاہئیں۔ لہٰذا شریعت کے کسی بھی حکم کے

بارے میں یہ سوال کرنا کہ یہ حکم کیوں دیا گیا' یہ غلط سوال ہے۔ ایسے سوال سے آپ نے منع فرمایا۔

صحابہ کرامؓ "کیوں" سے سوال نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے حالات پڑھ کر دیکھئے تو آپ کو پورے ذخیرہ حدیث میں یہ کہیں نظر نہیں آئیگا کہ کسی صحابی نے کسی حکم شرعی کے بارے میں یہ سوال کیا ہو کہ یہ حکم کیوں دیا گیا؟ ایک مثال نہیں ملے گی۔ البتہ یہ سوال ملے گا کہ فلاں چیز کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ لفظ "کیوں" سے سوال نہیں کرتے تھے۔ سوال نہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا ان کے اندر عقل اور سمجھ نہیں تھی؟ کیا وہ ان شرعی حکموں کی حکمتیں اور مصلحتیں نہیں پہچان سکتے تھے؟ ایسا نہیں تھا' کیونکہ ان کی عقل اتنی تھی کہ آج کے دور کا بڑے سے بڑا عقل مند ان کی عقل کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا' پھر سوال نہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟ وجہ یہ تھی کہ اس عقل ہی کا تقاضہ یہ تھا کہ جب اللہ کو اپنا خالق اور مالک مان لیا اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا رسول مان لیا تو اب جو بات اور جو حکم بھی ان کی طرف سے آئے گا وہ حق ہو گا' اس میں ہمارے لئے چوں و چرا کی مجال اور گنجائش نہیں --- اس لئے لفظ "کیوں" سے صحابہ کرامؓ سوال نہیں کرتے تھے۔

یہ اللہ کی محبت اور عظمت کی کمی کی دلیل ہے۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کے احکام کے سلسلے میں جن لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ شکوک و شبہات ہوتے ہیں اسکی اصل وجہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت کی کمی ہے۔ اس لئے کہ جس ذات کی عظمت اور محبت

دل میں ہوگی اسکی طرف سے دیے گئے حکم میں شکوک و شبہات پیدا نہیں ہونگے دنیا کے اندر دیکھ لیں کہ جس سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے' وہ اگر کسی بات کا حکم دے تو چاہے وہ حکم ہماری سمجھ میں نہ آرہا ہو' لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اتنا بڑا آدمی ہے کہ اس کے حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔ تو وہ ذات جس کی قدرت' جس کا علم اور جس کی رحمت ساری کائنات کو محیط ہے' وہ ذات اگر یہ حکم دے کہ یہ عمل کرو اور یہ عمل مت کرو تو اسکی عظمت اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی یہ نہ سوچے کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اور اس حکم میں کیا فائدہ اور کیا مصلحت ہے؟ دین نام ہی اس کا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کردو اور چوں و چرا کو درمیان سے نکال دو۔ آج کی گمراہیوں کا سب سے بڑا سرچشمہ اور بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام کو اپنی عقل سے پرکھنے کی کوشش کی جارہی ہے' اور اگر کسی حکم کی حکمت عقل میں نہیں آرہی تو اس کو شریعت کا حکم ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے۔

بچے اور نوکر کی مثال۔

چھوٹا بچہ جو ابھی بالکل نادان ہے' باپ اس کو کسی کام کا حکم دیتا ہے یا ماں اسکو حکم دیتی ہے' اگر وہ بچہ یہ کہے کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ جب تک آپ مجھے اس کام کی حکمت نہیں سمجھائیں گے اس وقت تک میں یہ کام نہیں کرونگا تو ایسا بچہ کبھی صحیح تربیت نہیں پا سکے گا۔۔۔ بچے کو چھوڑیے' ایک آدمی جو عاقل بالغ ہے اور اسکو آپ نے اپنا نوکر رکھا ہوا ہے' آپ نے اس سے کہا کہ بازار جا کر فلاں سودا لے آؤ' وہ نوکر پلٹ کر یہ پوچھتا ہے کہ پہلے آپ مجھے اس کی حکمت اور وجہ بتائیے کہ

آپ یہ چیز بازار سے کیوں منگوا رہے ہیں؟ پہلے آپ حکمت بتائیے پھر میں بازار سے یہ چیز لاؤنگا۔ ایسا نوکر کان سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دینے کے لائق ہے۔ اسلئے ۔ نوکر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ پوچھے کہ آپ یہ چیز کیوں منگوا رہے ہیں؟ وہ نوکر ہے اور نوکر کا کام یہ ہے کہ جو حکم بھی اس کو دیا جا رہا ہے وہ اسکو بجالائے' وہ یہ نہ پوچھے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ جب نوکروں کے ساتھ تمہارا یہ معاملہ ہے' حالانکہ نوکر بھی انسان ہے اور تم بھی انسان ہو' تو اللہ تو خالق اور معبود ہیں اور تم اسکے بندے ہو' نوکر اور آقا میں تو پھر بھی مناسبت ہے' اس لئے کہ دونوں کی عقل محدود ہے' لیکن بندے اور اللہ میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں' اسلئے کہ تمہاری عقل محدود اور اللہ جل شانہ کی حکمتیں لامحدود' اسلئے اللہ کے حکم کی حکمت کے بارے میں سوال کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

بہرحال: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین قسم کے سوالات سے منع فرمایا ہے' ایک بے فائدہ سوال کرنا جس کا عملی زندگی سے تعلق نہ ہو' دوسرے ایسے معاملے یا ایسی صورت حال کے بارے میں سوال کرنا جو اپنی ذات کو ابھی پیش نہ آیا ہو' تیسرے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی حکمت معلوم کرنے کے لئے سوال کرنا۔ اور مقصد سوال کرنے کا یہ ہو کہ اگر اس حکم کی حکمت معلوم ہوگی تو عمل کرونگا ورنہ نہیں کرونگا۔ اور فرمایا کہ پچھلی امتیں ان تین چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں' تم ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے پرہیز کرو' اور جب میں تم کو کسی چیز سے روک دوں تو تم رک جاؤ' اسکی حکمت تلاش کرنے کے پیچھے مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین﴾

معاملات جدیدہ اور علماء کی ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

عرض ناشر

جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم کراچی میں "الدورة التعلیمیة حول الاقتصاد المعاصر فی ضوء الشریعة الاسلامیة" کے عنوان سے معاملات جدیدہ اور ان کی فقہی حیثیت سے متعلق پندرہ روزہ تعلیمی کورس منعقد کیا گیا تھا، جس میں ملک کے مختلف حصوں سے علماء نے شرکت فرمائی تھی۔ اس دوران حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے علماء کو عصر حاضر کے معاشی مسائل سے متعلق ضروری معلومات پر مشتمل یومیہ تقریباً تین گھنٹے درس دیا، یہ دورہ برصغیر پاک وہند میں اپنی نوعیت کا پہلا دورہ تھا ——— زیر نظر مضمون حضرت مولانا کا افتتاحی خطاب ہے جس میں اس کورس کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا سفیر احمد عباسی صاحب نے قارئین کے لئے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کیا ہے۔ اور اب ہم اس کو البلاغ کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے آمین۔

ولی اللہ میمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاملاتِ جدیدہ
اور
علماء کی ذمہ داریاں

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له ونشهد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا۔

اما بعد!

حضرات علمائے کرام! میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت کو قبول فرمایا، طویل سفر کی زحمت گوارہ کی اور اس دورہ تعلیمیہ کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین

اس دورہ تعلیمیہ کی ضرورت

آج ہم اس دورہ تعلیمیہ کا آغاز کر رہے ہیں اور آج کی اس محفل میں میں مختصراً یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

یہ بات ہر مسلمان کو محسوس ہو رہی ہے اور خاص طور سے اہل علم کو اس کا احساس ہے کہ جب سے مغربی استعمار کا دنیا پر غلبہ ہوا، اس وقت سے دین کو ایک منظم سازش کے تحت صرف عبادت گاہوں، تعلیم گاہوں اور ذاتی گھروں تک محدود کردیا گیا ہے، سیاسی اور معاشی سطح پر دین کی گرفت نہ صرف یہ کہ ڈھیلی پڑگئی بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہوچکی ہے۔ یہ اصلاً تو دشمنان اسلام کی بہت بڑی سازش تھی جس کے تحت مذہب کا وہ تصور اجاگر کیا گیا جو مغرب میں ہے۔ مغرب میں مذہب کا تصور یہ ہے کہ یہ انسان کا ایک ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی مذہب پر کاربند ہو، یا نہ ہو، ایک مذہب اختیار کرے، یا دوسرا مذہب اختیار کرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس وقت تو مغرب میں مذہب کے بارے میں یہ تصور ہے کہ مذہب کا حق و باطل سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو درحقیقت انسان کی روحانی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ روحانی تسکین کے لئے انسان جس مذہب کو بہتر سمجھے، اس کو اختیار کرلے۔ کسی کو بت پرستی میں زیادہ مزہ آتا ہے، اور اسی میں اس کو زیادہ سکون ملتا ہے وہ اس کو اختیار کرلے، اور اگر کسی کو توحید میں زیادہ سکون ملتا ہے تو وہ اس کو اختیار کرلے۔ سوال حق و باطل کا نہیں کہ کون سا مذہب حق ہے اور کون سا باطل ہے، بلکہ سوال یہ ہے کہ کس مذہب میں اس شخص کو زیادہ روحانی سکون محسوس ہوتا ہے، اس لحاظ سے جو شخص بھی جو مذہب اختیار کرلیتا ہے وہ قابل احترام ہے، اور اس میں کسی دوسرے کو دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ چونکہ ذاتی اور پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے، لہٰذا زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کے عمل دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لادینی جمہوریت کا نظریہ

یہیں سے یہ نظریہ وجود میں آیا جس کو آج کی اصطلاح میں سیکولرازم کہتے ہیں اس نظریہ زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک زندگی کے اجتماعی کام ہیں، مثلاً معیشت اور سیاست وغیرہ یہ ہر مذہب سے آزاد ہیں، اور انسان اپنی عقل،

تجربہ، مشاہدہ کے ذریعہ جس طریقے کو پسند کرلیں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، مذہب کی ان کے اوپر کوئی بالادستی نہیں ہونی چاہئے، اور جہاں تک ذاتی زندگی کا سوال ہے تو جو شخص جس مذہب میں سکون پائے، وہ مذہب اختیار کرلے، کسی دوسرے کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ تمہارا یہ مذہب باطل ہے، ہر شخص اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہے اس وجہ سے نہیں کہ وہ حق ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ اس میں اس کو راحت وسکون میسر آتا ہے ـــــ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کا تصور آج مغربی نظریات کے تحت یہ ہے کہ "مذہب کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ لطف وسکون کے حصول کا ایک ذریعہ ہے" ـــــ لہٰذا ایک شخص کو اگر اپنے دنیاوی مشاغل سے فرصت کے وقت بندروں کے تماشے کو دیکھ کر ذہنی سکون ملتا ہے تو اس کے لئے بندروں کا تماشہ اچھی چیز ہے، اور جس طرح بندروں کے تماشے کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح اگر کسی کو مسجد میں جاکر نماز پڑھنے میں لطف آتا ہے اور سکون ملتا ہے تو اس کے لئے یہی طریقہ مناسب ہے، لیکن اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اس سے بحث نہیں کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھنا فی نفسہٖ حق ہے یا باطل؟ (العیاذ باللہ) یہ وہ تصور ہے جو اس وقت پوری مغربی دنیا کے اوپر چھایا ہوا ہے، اور اس کا دوسرا نام "سیکولر ڈیموکریسی" یعنی لادینی جمہوریت ہے۔

آخری نظریہ

اور اب تو یہ کہا جارہا ہے کہ دنیا کے اندر ہر نظام فیل ہوگیا، ہر نظریہ ناکام ہوگیا ہے، اب صرف آخری نظریہ جو کبھی فیل ہونے والا نہیں ہے وہ یہی سیکولر ڈیموکریسی ہے ـــــ جب سوویت یونین کا زوال ہوا تو اس وقت مغرب میں بہت خوشی کے شادیانے بجائے گئے اور باقاعدہ ایک کتاب شائع کی گئی جو ساری دنیا کے اندر بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، لاکھوں کی تعداد میں اس کے نسخے فروخت ہوچکے ہیں۔ اور اس کو اس دور کی عظیم ترین کتاب کی حیثیت سے متعارف کرایا جارہا

ہے۔ یہ کتاب امریکی وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے ایک تحقیقی مقالے کی شکل میں لکھی ہے جس کا نام ہے:

(The End of the History and the Last Man)

یعنی تاریخ کا خاتمہ اور آخری آدمی ——— اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوویت یونین کے خاتمہ پر ایک تاریخ کا خاتمہ ہوگیا ہے اور آخری انسان جو ہر لحاظ سے مکمل ہے وہ وجود میں آگیا ہے یعنی سیکولر ڈیموکریسی کا نظریہ ثابت ہوگیا ہے اور اب رہتی دنیا تک اس سے بہتر کوئی نظام یا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔

توپ سے کیا پھیلا؟

جب مغربی استعمار نے اسلامی ملکوں پر اپنا تسلط جمایا تو اس نے اس لادینی جمہوریت کا تصور بھی پھیلایا، اور بزور شمشیر پھیلایا ——— مسلمانوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا، حالانکہ خود مغرب نے اپنا ڈیموکریسی کا نظام زبردستی اور بزور شمشیر پھیلایا ہے، اسی کی طرف اکبر مرحوم نے اپنے مشہور قطعے میں اشارہ کیا تھا کہ ؎

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے
غلط الزام بھی اوروں پہ لگا رکھا ہے

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

توپ و تفنگ کے بل بوتے پر انہوں نے پہلے سیاسی تسلط قائم کیا، اس کے بعد رفتہ رفتہ سیاسی اور معاشی اداروں سے دین کا رابطہ توڑا، اور اس رابطے کو توڑنے کے لئے ایسا تعلیمی نظام وجود میں لائے جو ہندوستان میں لارڈ میکالے نے متعارف کرایا، اور کھلم کھلا یہ کہہ کر متعارف کرایا کہ ہم ایک ایسا نظام تعلیم بروئے کار لانا چاہتے ہیں جس سے ایسی نسل پیدا ہو جو رنگ و زبان کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، لیکن

فکر اور مزاج کے اعتبار سے خالص انگریز ہو ـــــــ بالآخر وہ اس تعلیمی نظام کو رائج کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے دین کا رشتہ، سیاست، معیشت، اقتصاد اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے کاٹ دیا۔ اور مذہب کو محدود کر دیا۔

کچھ دشمن کی سازش اور کچھ اپنی کوتاہی

ایک طرف دشمنانِ اسلام کی یہ سازش تھی، دوسری طرف اس سازش کے کامیاب ہونے میں کچھ حصّہ ہمارے اپنے طرزِ عمل کا بھی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں جتنا زور اور جتنی توجہ عبادات کے اوپر صرف کی، اتنی توجہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف نہیں دی، حالانکہ اسلام پانچ شعبوں کا نام ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ عقائد و عبادات کی اہمیت ہماری نظر میں برقرار رہی، لیکن دوسرے شعبوں کو ہم نے اتنی اہمیت نہیں دی جتنی اہمیت دینی چاہئے تھی، اور اہمیت نہ دینے کی دو وجہ ہیں:

(۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ خود ہمارے اپنے عمل کے اندر جتنا اہتمام عقائد و عبادات کی درستگی کا تھا اتنا اہتمام معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی کا نہیں تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ایک شخص (معاذ اللہ) نماز چھوڑ دیتا ہے تو دین داروں کے ماحول و معاشرے میں وہ بڑا زبردست نکو سمجھا جاتا ہے، اور نکو سمجھا جانا بھی چاہئے، کیونکہ اس نے اللہ کے فریضے کو ادا کرنا چھوڑ دیا، اور دین کے ستون کو گرا دیا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے معاملات میں حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا، یا جن اخلاقِ رذیلہ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب نہیں کرتا تو معاشرے میں اس کو اتنا مطعون اور برا نہیں سمجھا جاتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے دینی مدارس کی تعلیم میں جتنی اہمیت عبادات کے ابواب کو دی ہے معاملات اور معاشرت اور اخلاق والے حصے کو اتنی اہمیت نہیں دی، فقہ ہو یا حدیث ہو، تحقیق و جستجو کا سارا زور آکر کتاب الحج پر ختم ہو جاتا ہے، بہت چلا تو نکاح اور طلاق تک چل گیا، اس سے آگے بیوع معاملات اور ان

کے متعلقہ مباحث کا ترجمہ بھی نہیں ہوتا، یا اگر ترجمہ بھی ہو گیا تو متعلقہ مباحث کو اس اہتمام سے بیان نہیں کیا جاتا جس اہتمام سے عبادات کے جزوی فروعی مسائل کو بیان کیا جاتا ہے، مثلاً رفع یدین کا مسئلہ اولیٰ وخلافِ اولیٰ ہی کا تو ہے، لیکن اس کے اندر تو تین دن تک لگ جاتے ہیں۔ مگر معاملات واخلاق کے متعلق جو حصے ہیں، ان سے متعلق مباحث کو کماحقہ بیان نہیں کیا جاتا۔

طرز تعلیم کا طالب پر اثر

ہمارے اس طرز تعلیم نے یہ بتادیا کہ یہ اتنی اہم چیز نہیں ہے، چنانچہ ان مدارس سے جو طالب علم فارغ ہو کر گیا، اس نے جب یہ دیکھا کہ تعلیم کے دس ماہ میں سے آٹھ ماہ تو عقائد وعبادات پر بحث ہوتی رہی، اور باقی سارا دین صرف دو مہینے میں گزار دیا گیا ہے تو اس نے یہ تاثر قائم کیا کہ عقائد وعبادات کے علاوہ باقی سارا دین ثانوی نوعیت رکھتا ہے، اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔

اس میں ایک مجبوری بھی تھی اور وہ یہ کہ دشمنانِ اسلام کی سازش کے نتیجے میں عملی طور پر بازار میں، سیاست میں، دین کی گرفت نہیں رہی تھی، اس پر چونکہ عمل نہیں ہو رہا تھا، اس لئے وہ مسائل جن کا تعلق تجارت، سیاست اور دیگر اجتماعی معاملات سے تھا، وہ نظریاتی حیثیت اختیار کر گئے، اور نظریاتی چیز کی طرف طبعی طور پر اتنی توجہ نہیں ہوتی، جتنی کہ اس چیز کی طرف ہوتی ہے جو عملی زندگی میں پائی جارہی ہو۔

یہ عذر اپنی جگہ تھا، لیکن واقعہ یہی ہے کہ ہمارے درس وتدریس کے نظام میں بھی معاملات، اخلاق اور معاشرے کے ابواب بہت پیچھے چلے گئے، یہاں تک کہ اس کے مبادی بھی لوگوں کو معلوم نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، اچھا علم رکھنے والے بھی بعض اوقات مبادی تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ تو ہمارا حال ہے، اور جہاں تک حکومت کا معاملہ ہے تو حکومت چاہے انگریز کی ہو، یا انگریز کے

پرورد گان کی ہو، نتائج کے اعتبار سے ابھی تک دونوں میں کوئی فرق واضح نہیں ہوا۔ جو ذہنیت وہاں تھی، وہی ذہنیت یہاں بھی ہے۔

عام مسلمانوں میں دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو انگریز کے نظام تعلیم اور اس کی سازشوں کے نتیجے میں اسی کے طرز فکر میں بہہ گیا، اور عملاً دین سے اس نے رشتہ توڑ دیا، چاہے اس نے نام مسلمانوں جیسا رکھا ہے، لیکن عملاً اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اس نے یہ سوچا کہ مردم شماری کے رجسٹر میں میرا نام مسلمان رہتا ہے تو رہے۔ میرا کوئی نقصان نہیں، مگر کرنا مجھے وہ ہے جو دنیا کر رہی ہے ـــــ یہاں تک کہ اس کو فکر ہی نہیں کہ اس کے عقائد، عبادات اور معاملات درست ہیں یا نہیں۔ گویا عملاً اس نے مذہب کو ایک ڈھکوسلہ سمجھا۔ (العیاذ باللہ)

دوسرا طبقہ عوام کا وہ ہے جو مسلمان رہنا چاہتا ہے، اسلام سے اس کو محبت ہے، دین سے اس کو تعلق ہے، اور وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ دین سے اپنا رشتہ توڑے ـــــ ایسا طبقہ اہل علم کے بھی کسی نہ کسی درجے میں جڑا رہا، لیکن وہ جوڑ زیادہ تر عبادات اور عقائد کی حد تک ہی محدود رہا، اگر اور آگے بڑھا تو نکاح طلاق تک پہنچ گیا اس سے آگے نہیں بڑھ سکا، چنانچہ اگر تمام دارالافتاؤں میں آنے والے استفتاؤں کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں زیادہ تر آنے والے سوالات عبادات، عقائد، نکاح اور طلاق سے متعلق ہوتے ہیں۔ بیوع و دیگر معاملات کے متعلق سوالات نہیں آتے، یا بہت کم آتے ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو ہم سے عبادات کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ نکاح وطلاق کے متعلق پوچھتے ہیں۔ یہ لوگ تجارت، معاملات اور اپنے ذاتی لین دین کے بارے میں کیوں نہیں دریافت کرتے؟

سیکولر نظام کا پروپیگنڈہ

اس کی ایک وجہ سیکولر ازم کا پروپیگنڈہ ہے کہ دین تو عبادات وغیرہ سے عبارت

ہے، اس سے آگے دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہے کہ بہت سے لوگوں کو خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم جو کام کررہے ہیں، آیا جائز کررہے ہیں یا ناجائز کررہے ہیں۔

میں آپ سے ایک بالکل سچا واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ بڑے تاجر تھے، ہر وقت ان کے ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی، والد صاحب سے وظائف وغیرہ پوچھتے رہتے تھے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ تہجد گزار ہیں ——— ایک عرصہ دراز کے بعد جاکر یہ بات کھلی کہ ان کا سارا کاروبار سٹے کا ہے، سٹے کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک چھپا ہوا جوا ہوتا ہے، اور دوسرا کھلا ہوا جوا ہوتا ہے، ان کا یہی کاروبار تھا۔ وظائف وغیرہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ اس کے نتیجے میں یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ کس سٹے میں کون سا نمبر آئے گا۔

اس سیکولر پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اگرچہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاملات کا بھی حرام وحلال سے تعلق ہے، لیکن اس پورے عرصے میں علماء اور ان کے درمیان اتنی بڑی خلیج حائل ہوگئی ہے کہ ایک طبقہ دوسرے کی بات نہیں سمجھتا۔ ان کا انداز فکر اور، ان کا انداز فکر اور، ان کی زبان اور، ان کی زبان اور، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ایک طبقہ دوسرے طبقے کو بات سمجھانے پر قادر نہیں۔

ہمارے نظام تعلیم میں معاملات کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے علماء کرام میں بھی ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے، جن کو نماز، روزہ، نکاح اور طلاق کے مسائل تو یاد ہوتے ہیں، لیکن معاملات کے مسائل مستحضر نہیں ہوتے، خاص طور پر جو نئے سے نئے معاملات پیدا ہورہے ہیں، ان کے احکام کے استنباط کا سلیقہ نہیں ہے۔ لہذا ایک طرف تو تاجر لوگ ایک عالم دین کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتے اور اگر سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو کئی گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ دوسری طرف عالم نے بھی اس سے پہلے اس مسئلے پر غور نہیں کیا، اور نہ ہی اس مسئلے سے کبھی سابقہ پڑا اور

جن فقہی اصولوں کی بنیاد پر اس مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے وہ مستحضر نہیں، جس کی وجہ سے ایک عالم تاجر کو مطمئن نہیں کرپاتا، اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان تاجروں نے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی کہ ان مسائل کے بارے میں علماء کے پاس کوئی حل نہیں ہے، اور اس سلسلے میں ان کے پاس جانا فضول ہے، لہٰذا جو سمجھ میں آتا ہے کرو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہماری تجارت، معیشت اور سیاست سب سیکولر ڈیموکریسی کے اصولوں پر چل رہی ہیں۔ اور ان میں اسلام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عوام اور علماء کے درمیان وسیع خلیج حائل ہوچکی ہے

اور اب تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ان مسائل میں عوام کے اوپر سے علماء کی گرفت ختم ہوچکی ہے۔ جو عوام صبح وشام ہمارے اور آپ کے ہاتھ چومتے ہیں۔ اپنی دکانوں کا افتتاح، بیٹوں کے نکاح اور اپنے مقاصد کے لئے ہم سے دعا کرواتے ہیں۔ انہی عوام سے اگر علماء یہ کہہ دیں کہ تجارت اس طرح نہیں کرو، بلکہ اس طرح کرو، یا یوں کہا جائے کہ ووٹ مولوی کو دو، تو یہ عوام علماء کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، کیونکہ دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان علماء سے کماحقہ راہنمائی نہیں ملے گی ـــــــ یہ بہت بڑی خلیج ہے جو حائل ہوگئی ہے اور اس خلیج کو جب تک پاٹا اور بھرا نہیں جائے گا اس وقت تک معاشرے کا فساد دور نہیں ہوسکتا۔ اس خلیج کو پاٹنے کے لئے بہت سی جہتوں سے کام کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اس وقت یہ میرا موضوع نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ خلیج پاٹنے کا اظہار بہت سے حلقوں کی طرف سے کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ نو تعلیم یافتہ حلقوں کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے، لیکن بقول مولانا احتشام الحق تھانوی کہ "یہ نو تعلیم یافتہ اور تجدد پسند حلقے جو کہتے ہیں کہ اس خلیج کو پاٹو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خلیج میں مولوی کو دفن کردو تو خلیج پٹ جائے

کی۔

جو اہل زمانہ سے واقف نہیں وہ جاہل ہے

ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حالات حاضرہ کو سمجھیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ کے مدارک بڑے عظیم ہیں۔ انہوں نے اسی لئے فرمایا ہے:

﴿من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل﴾

کہ جو اپنے اہل زمانہ سے واقف نہ ہو، وہ عالم نہیں، بلکہ وہ جاہل ہے، اس لئے کہ کسی بھی مسئلے کا اہم ترین حصہ اس کی صورت واقعیہ (صورت مسئلہ) ہے، اسی لئے لوگوں نے کہا:

﴿ان تصویر المسئلة نصف العلم﴾

جب تک صورت مسئلہ واضح نہیں ہوجاتی، اس وقت تک جواب صحیح نہیں ہوسکتا، اور صورت مسئلہ صحیح سمجھنے کے لئے حالات حاضرہ اور معاملات جدیدہ سے واقفیت ضروری ہے۔ غالباً میں نے امام سرخسی کی کتاب مبسوط میں پڑھا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ تاجروں کے پاس بازاروں میں جاتے اور یہ دیکھتے کہ تاجر آپس میں کس طرح معاملات کرتے ہیں۔ کسی نے ان کو بازار میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے آدمی ہیں۔ یہاں کیسے؟ فرمایا کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ معلوم کرسکوں کہ تاجروں کا عُرف کیا ہے، ورنہ میں صحیح مسئلہ نہیں بتاسکتا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تین عجیب باتیں

تین باتیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی امام سرخسی نے تھوڑے بہت وقفے سے آگے پیچھے ذکر کی ہیں، تینوں بہت عجیب وغریب ہیں۔ ایک تو یہی جس کا اوپر ذکر ہوا، دوسری یہ کہ کسی نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ نے اتنی کتابیں لکھ دیں:

﴿لم لم تحرر فی الزھد شیئا﴾

لیکن زہد و تصوف میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب البیوع جو لکھی ہے وہ کتاب الزہد ہے۔ تیسری بات یہ کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ ہم اکثر و بیشتر آپ کو دیکھتے ہیں کہ ہنسی آپ کے چہرے پر نہیں آتی۔ ہر وقت غمگین رہتے ہیں۔ جیسے آپ کو کوئی تشویش ہو۔ جواب میں فرمایا:

﴿ما بالک فی رجل جعل الناس قنطرۃ یمرون علیھا﴾

"اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کی گردن کو لوگوں نے پل بنایا ہو، اور وہ اس پر گزرتے ہوں"۔

ہم نے سازش کو قبول کرلیا

بہرحال، یہ حضرات اہل زمانہ کا عرف، معاملات اور دوسری چیزیں معلوم کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ تصویر مسئلہ معلوم ہو۔ جب ہم لوگ سازش کے تحت بازاروں اور ایوانوں سے الگ کردیئے گئے تو بجائے اس کے کہ ہم اس سازش کو ناکام بنانے کی فکر کرتے، ہم نے خود اسی صورت حال کو قبول کرلیا، وہ اس طرح کہ ہم نے اپنی معلومات، اپنی سوچ اور فکر کے دائرے کو محدود کردیا، جس نے ہم کو سمیٹ لیا، پھر اس سے باہر نکلنے کی ہم نے فکر نہیں کی۔ اس صورت حال کو ختم کئے بغیر ہم اپنے دین کو زندگی کے شعبوں میں برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے، یعنی جب تک ہم ایک طرف یہ کوشش نہ کرلیں کہ ان معاملات کا صحیح ادراک ہوجائے، اور ان کا صحیح حکم معلوم ہوجائے، پھر تمام شعبہ ہائے زندگی میں عملی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت تک ہم انقلاب برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

تحقیق کے میدان میں اہل علم کی ذمہ داری

شاید یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہو کہ ہمارا کام اس سلسلے میں اتنا ادھورا اور ناقص ہے

کہ آج اگر بالفرض یہ کہہ دیا جائے کہ ساری حکومت تمہارے حوالے، تم حکومت چلاؤ، یعنی وزیر اعظم سے لے کر ادنیٰ وزیر تک اور تمام محکموں کے اعلیٰ افسر سے لے کر چپڑاسی تک تم آدمی مقرر کرو تو ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ایک دو روز میں نہیں، ایک دو ہفتوں میں نہیں، ایک دو مہینوں میں یا ایک سال میں صورت حال بدل دیں ——— ہمیں مسائل کا علم اور ان کی تحقیق نہیں، اور جب تک مسائل کی تحقیق نہ ہو اس وقت تک ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اہل علم اس طرف متوجہ ہوں، یہ ان کی ذمہ داری اور وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن (معاذ اللہ) اس توجہ کے یہ معنی نہیں کہ کوئی تحریف کا کام شروع کردیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحیح صورت حال معلوم کریں اور اس کے اوپر صحیح فقہی اصولوں کو منطبق کر کے اس کا حکم معلوم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

فقیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ متبادل راستہ نکالے

ایک فقیہ کی صرف اتنی ہی ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ کہہ دے کہ فلاں چیز حرام ہے، بلکہ ہمارے فقہاء کے کلام میں یہ نظر آتا ہے کہ جہاں کہہ دیا "حرام ہے" پھر یہ کہتے ہیں کہ اس کا متبادل راستہ یہ ہے، میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بیان کیا ہے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تھی۔

﴿انی اری سبع بقرات سمان یا کلھن سبع عجاف﴾

(یوسف: ۴۳)

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بعد میں بتلائی، اور تعبیر میں جس نقصان کی اطلاع دی گئی تھی، اس سے بچنے کا طریقہ پہلے بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قال تزرعون سبع سنین دأبا فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ﴾

(یوسف: ۴۷)

فقیہ داعی بھی ہوتا ہے

فقیہ محض فقیہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ داعی بھی ہوتا ہے، اور داعی کا کام محض خشک قانونی کام نہیں ہوتا کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے، بلکہ داعی کا کام یہ بھی ہے کہ وہ یہ بتائے کہ یہ حرام ہے، اور تمہارے لئے حلال راستہ یہ ہے۔

ہماری چھوٹی سی کوشش کا مقصد

حلال وحرام کا فیصلہ کر کے حرام کے مقابلے میں لوگوں کو جائز اور حلال راستہ بتانا، بحیثیت داعی فقیہ کے فرائض میں داخل ہے، اور جب تک حالات حاضرہ اور معاملات جدیدہ کا علم نہ ہو، اس وقت تک یہ فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، اس لئے میں نے یہ ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے کہ اپنے علماء کرام کی خدمت میں معاملات جدیدہ کی حقیقت اور صورت بیان کی جائے، اس دور میں کیا کیا معاملات کس طرح انجام دیئے جارہے ہیں، یہ بیان کیا جائے اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ فکر عام ہوجائے، اور ہمارے حلقے میں اس کے بارے میں گفتگو شروع ہوجائے، اور ان اہم مسائل کی طرف ذہن منتقل ہوجائے۔

میں نے اس کوچے میں بہت گرد کھائی ہے

میں نے اس کوچے میں بہت گرد کھائی ہے۔ اس لئے کہ میں اس کوچے میں اس وقت داخل ہوگیا تھا جب کوئی اور عالم اس کوچے میں داخل نہیں ہوا تھا، اور میں اسی پریشانی کا شکار رہا جس کا شکار ہونا چاہئے تھا، اس لئے اصطلاحات اجنبی، اسلوب مختلف اور گفتگو کا انداز نیا، کتابیں اگر پڑھیں تو ان کے اندر کسی بات کا سر پیر سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن اس سب کے باوجود دماغ میں شروع سے ایک دھن تھی، اسی دھن کی وجہ سے بہت کتابیں پڑھیں، بہت لوگوں سے رجوع کرنا پڑا، سالہا سال کے بعد جاکر مربوط انداز میں کچھ باتیں سمجھ میں آئیں، اور ایک خلاصہ ذہن میں حاصل

ہوا، وہ خلاصہ طالب علموں کے کام کی چیز ہے۔

اس کورس کی اہمیت کی تازہ مثال

ایک تازہ مثال میں آپ کو بتاتا ہوں جس سے آپ کو اس کام کی اہمیت، فائدہ اور ضرورت کا اندازہ ہوگا، جس طرح ہم نے یہ چھوٹا سا کورس ترتیب دیا ہے اسی طرح ہم نے ایک چھوٹا سا مرکز "مرکز الاقتصاد الاسلامی" کے نام سے قائم کیا ہے۔ اس کے تحت تاجروں کے لئے ایک کورس حال ہی میں مسجد بیت المکرم (گلشن اقبال) میں ہم نے منعقد کیا، مقصد یہ تھا کہ حلال وحرام سے متعلق جتنی لازمی معلومات ہیں وہ تاجروں کو بتائی جائیں اور موجودہ دور کے جو معاملات چل رہے ہیں، ان میں ان کو شرعی احکام کے اندر رہ کر کیا کرنا چاہئے؟ اس کی نشاندہی کی جائے۔ جب پہلی بار ہم یہ کورس کر رہے تھے تو لوگوں نے کہا کہ آپ کیا کرنے جارہے ہو؟ اپنی دکان اور کاروبار چھوڑ کر آپ کے پاس کون آئے گا؟ ہم نے کہا کہ جتنے بھی آجائیں۔ چونکہ لوگوں کے لئے مناسب انتظامات اور کھانے پینے کا بندوبست بھی کرنا تھا اس لئے چار سو روپے فی نفر فیس بھی مقرر کی۔

لوگوں کا جذبہ

ہمارے پاس صرف سو آدمیوں کی گنجائش تھی، اور اطلاع کے لئے ہم نے کوئی اشتہار یا اخبار میں خبر نہیں دی، زبانی لوگوں کو بتایا کہ ایسا کورس منعقد ہو رہا ہے، اس کے باوجود پہلی مرتبہ ایک سو سات افراد نے پیسے جمع کرا کر اس میں داخلہ لیا۔ اور سب نے باقاعدہ سفارشیں کروائیں کہ ہمیں بھی داخلہ دے دیا جائے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ جو امریکہ جارہے تھے اور ٹکٹ کروا چکے تھے انہوں نے اپنی سیٹیں منسوخ کروائیں اور اس کورس میں شریک ہوئے۔

مسلمان کے دل میں ابھی چنگاری باقی ہے

میں دنیا کے بہت سیمیناروں، مذاکروں اور اجلاسوں میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ لوگ سیمیناروں میں کتنے ذوق، شوق اور دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں ــــــ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ پہلے گھنٹے میں مثلاً ۱۰۰% (سو فیصد) حاضری رہے گی، دوسرے گھنٹے میں ۹۰% (نوے فیصد) ہوجائے گی اور تیسرے گھنٹے میں ۷۰% (ستر فیصد) ہوجائیگی اور آخر لوگ اس طرح نظر آتے ہیں جیسے بھٹے میں کہیں کہیں کوئی دانہ نظر آتا ہے ــــــ لیکن ہم نے جو سیمینار منعقد کیا وہاں لوگوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ صبح نو بجے سے لے کر پہلے دن عصر تک اور دوسرے دن مغرب تک مسلسل بیٹھے رہے ــــــ سوائے نماز اور کھانے کے وقفے کے ہمہ تن شوق اور پوری دلچسپی سے حصہ لیا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان کے دل میں ابھی چنگاری ختم نہیں ہوئی، اس کو تھوڑی سی مہمیز کی ضرورت ہے، اگر اس کو صحیح راہنمائی صحیح طریقے سے میسّر آجائے اور اس کو یہ پتہ چل جائے کہ مجھے یہاں سے صحیح راہنمائی مل جائے گی تو آج بھی وہ آنے کو تیار ہے ــــــ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے ۔

میرے طائر قفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب ودانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خوف

ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہماری پوچھ نہ ہوجائے کہ یہ قوم شکاریوں کے جال میں جارہی تھی، تم نے ان کی فکر کیوں نہیں کی؟ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ صورت حال بدلے گی، یہ سازش کی پیداوار اور مصنوعی صورتحال ہے، حقیقی صورت حال نہیں ہے ہماری

تاریخ کی چودہ صدیاں اس صورت کی نفی کرتی ہیں۔ اس واسطے کہ اس پورے عرصے میں زندگی کے ہر گوشے میں علماء کا کردار راہنمائی کا کردار ادا کر رہا ہے ـــــــ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں یہ تبدیلی نہ دیکھ سکیں، ہماری اولادیں، اولاد کی اولادیں دیکھیں، لیکن مبارک ہیں وہ جانیں جو اس کوشش میں صرف ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری جانوں کو اس کام کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

انقلاب کی راہ ہموار کرنے میں ہم حصہ دار بن جائیں

انقلاب آئے گا اس میں کوئی شک نہیں۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مثل امتی مثل المطر لایدری آخرہ خیر ام اولہ﴾
(ترمذی، کتاب الامثال، باب مثل امتی مثل المطر)

"میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ بہتر ہے یا آخری حصہ زیادہ بہتر ہے"۔

لیکن اس میں ہم حصہ دار بن جائیں، ہمارے ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ کوئی اینٹ رکھوادے تو ہماری سعادت ہے۔ اگر ہم پیچھے ہٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو کھڑا کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج نہیں ہے۔

﴿ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم﴾ (محمد:۳۸)
"اگر تم پیچھے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیں گے، جو تمہاری طرح نہیں ہوگی"۔

اور ایک وقت آئے گا کہ یہ مذاق اڑانے والے اور نعرے لگانے والے، ان کی آوازیں بیٹھ جائیں گی، حلق خشک ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ دین کا کلمہ سربلند ہوگا۔

جدید مقالات سے واقفیت ضروری ہے

اس درس میں ہماری تمام گفتگو فقہ المعاملات پر ہوگی، ہمارے ہاں ہند وپاکستان میں فقہ المعاملات پر فتویٰ تو ہیں، لیکن کتابیں نہیں ہیں۔عرب ممالک میں علماء نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے، ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ تجدد پسند بھی ہیں، اور آزاد بھی ہیں اور بعض صحیح الفکر اور متصلب بھی ہیں۔ میں نے ان حضرات کی کتابیں دارالعلوم کے کتب خانے میں لاکر رکھنے کی کوشش کی ہے اور الحمدللہ، اب خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے۔ میری گزارش یہی ہے کہ اہل علم کو اس کام سے واقفیت ہونی چاہئے، ان کی کتابوں کو دیکھا جائے اور ان کا مطالعہ کیا جائے۔

عربوں کے کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک موضوع کو لے کر اس پر پوری کتاب لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً "الخیار" کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں خیار عیب، خیار شرط، خیار رویت اور خیار تعیین وغیرہ تمام خیارات سے متعلق مباحث ذکر کردیئے، اور اس کے تحت جتنے جدید مسائل آتے ہیں، ان پر بھی کلام کرتے ہیں، اسی طرح کسی نے "الغبن" کے اوپر کتاب لکھی کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے، اور کسی نے "التأمین" کے اوپر کتاب لکھ دی وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کام کو دنیا وآخرت کی سعادتوں کا ذریعہ بنائے اور ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصلاحی خطبات

جلد ۸

- تبلیغ و دعوت کے اصول
- دوسروں کو تکلیف مت دیجئے
- رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے
- خلقِ خدا سے محبّت کیجئے
- غصّے کو قابو میں کیجئے
- راحت کِس طرح حاصل ہو؟
- گناہوں کا علاج خوفِ خدا
- مسلمان مسلمان، بھائی بھائی
- علماء کی توہین سے بچیں
- مؤمن ایک آئینہ ہے
- دو سلسلے ۔ کتاب اللہ ۔ رجال اللہ

حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

اِصلاحی خُطبات

(۸)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات	⟵	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب	⟵	محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام	⟵	جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل	⟵	جنوری ۱۹۹۸ء
تعداد	⟵	دو ہزار
ناشر	⟵	میمن اسلامک پبلشرز، فون: ۔ ۴۹۲۱۰۳۳
باہتمام	⟵	ولی اللہ میمن
قیمت	⟵	/- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمدللہ! احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ڈھائی سو سے زائد ہو گئی ہے انہیں میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور موصوف نے ان پر

ایک مفید کام بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آتی ہیں ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ! ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمدللہ "اصلاحی خطبات" کی آٹھویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، ساتویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے آٹھویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے آٹھویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظرِ ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست مضامین

فہرست مضامین

تبلیغ و دعوت کے اصول

عنوان	صفحہ

راحت، کس طرح حاصل ہو؟

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

عنوان	صفحہ

گناہوں کا علاج، خوفِ خدا

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

عنوان	صفحہ

مسلمان مسلمان، بھائی بھائی

عنوان | صفحہ

خلقِ خدا سے محبت کیجئے

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

علماء کی توہین سے بچیں

عنوان | صفحہ

غصے کو قابو میں کیجئے

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

مومن ایک آئینہ ہے

عنوان	صفحہ

دو سلسلے۔ کتاب اللہ، رجال اللہ

تبلیغ دعوت کے اُصول

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : تبلیغ و دعوت کے اُصول

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ ودعوت کے اصول

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
﴿والمومنون والمومنٰت بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ ویطیعون اللّٰہ ورسولہ اولئک سیرحمھم اللّٰہ ان اللّٰہ عزیز حکیم ۝﴾
(سورۃ توبہ۔۷۱)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات

اس آیت کا تعلق "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" سے ہے۔ نیک بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ "امر" کے معنی ہیں "حکم دینا" اور "معروف" کے معنی ہیں "نیکی" "نہی" کے معنی ہیں "روکنا" اور "منکر" کے معنی ہیں "برائی"۔ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز روزہ فرض عین ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرض عین ہے کہ اگر وہ دوسرے کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو روکے اور منع کرے کہ یہ کام گناہ ہے اس کو نہ کرو۔ لوگوں کو اتنی بات تو معلوم ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" فرض عین ہے۔ لیکن عام طور پر اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ یہ کس وقت فرض ہے اور کس وقت فرض نہیں۔ اور معلوم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس فریضہ سے ہی بالکل غافل ہیں۔ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ حرام کاموں میں مبتلا ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو روکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ان کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں، لیکن ان کو کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ اس حکم کو اتنا عام سمجھتے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک انہوں نے دوسروں کو روکنے ٹوکنے کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ اس طرح اس آیت پر عمل کرنے میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا صحیح مطلب معلوم نہیں، اس لئے اس کی تفصیل سمجھنا ضروری ہے۔

دعوت و تبلیغ کے دو طریقے: انفرادی: اجتماعی

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ دعوت و تبلیغ کرنے اور دین کی بات دوسروں تک

پہنچانے کے دو طریقے ہیں۔ (۱) انفرادی دعوت و تبلیغ۔ (۲) اجتماعی دعوت و تبلیغ
انفرادی دعوت و تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی آنکھوں سے دوسرے شخص کو دیکھ رہا ہے کہ وہ فلاں گناہ اور فلاں برائی کے اندر مبتلا ہے، یا وہ شخص فلاں فرض واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اب انفرادی طور پر اس شخص کو اس طرف متوجہ کرنا کہ وہ اس برائی کو چھوڑ دے، اور نیکی پر عمل کرے۔ اس کو انفرادی تبلیغ و دعوت کہتے ہیں دوسری اجتماعی دعوت اور تبلیغ ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک بڑے مجمع کے سامنے دین کی بات کہے، ان کے سامنے وعظ و تقریر کرے، یا ان کو درس دے یا اس بات کا ارادہ کرے کہ میں کسی فوری سبب کے بغیر دوسروں کے پاس جا جا کر ان کو دین کی بات سناؤں گا، اور دین پھیلاؤں گا، جیسے ماشاء اللہ ہمارے تبلیغی جماعت کے حضرات کرتے ہیں کہ لوگوں کے پاس ان کے گھروں پر ان کی دوکانوں پر جاکر ان کو دین کی بات پہنچاتے ہیں۔ یہ اجتماعی تبلیغ ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ان دونوں طریقوں کے احکام الگ الگ ہیں اور دونوں کے آداب الگ الگ ہیں۔

اجتماعی تبلیغ فرض کفایہ ہے

"اجتماعی تبلیغ" فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہذا ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ دوسروں کے پاس جاکر وعظ کہے، یا دوسروں کے گھر پر جاکر تبلیغ کرے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ کام کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے وہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے، جیسے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اب ہر شخص کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ نماز جنازہ میں شامل ہو، اگر شامل ہوگا تو ثواب ملے گا، اور اگر شامل نہیں ہوگا تو گناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ کچھ پڑھنے والے لوگ موجود ہوں، لیکن اگر ایک بھی شخص پڑھنے والا نہیں ہوگا تو اس

وقت سب مسلمان گناہ گار ہوں گے، اس کو فرض کفایہ کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ اجتماعی دعوت فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔

انفرادی تبلیغ فرض عین ہے

"انفرادی دعوت و تبلیغ" یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ایک برائی ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں، یا ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی فرض کو چھوڑ رہا ہے تو اس وقت اپنی استطاعت کی حد تک اس برائی کو روکنا فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے، اور فرض عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر نہ بیٹھ جائے کہ یہ کام دوسرے لوگ کرلیں گے، یا یہ تو مولیوں کا کام ہے، یا تبلیغی جماعت والوں کے کرنے کا کام ہے، یہ درست نہیں، اس حدیث کی رو سے یہ کام ہر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ لہٰذا یہ انفرادی دعوت و تبلیغ فرض عین ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں نیک بندوں کے کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" یعنی وہ نیک بندے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ آج ہم لوگ اس کی فرضیت ہی سے غافل ہیں، اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد کو اپنے گھر والوں کو غلط راستے پر جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو غلط کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس برائی پر ان کو متنبہ کرنے کا کوئی جذبہ اور کوئی داعیہ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایک مستقل فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جس طرح رمضان کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ اور حج فرض

ہے، بالکل اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کام کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے، اگر کسی نے ساری عمر نیکیوں میں گزار دی، ایک نماز نہیں چھوڑی، روزہ ایک بھی نہیں چھوڑا، زکوۃ اور حج ادا کرتا رہا، اور اپنی طرف سے کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی انجام نہیں دیا۔ اور دوسروں کو برائیوں سے بچانے کی فکر بھی نہیں کی، یاد رکھئے، اپنی ذاتی نیکیوں کے باوجود آخرت میں اس شخص کی پکڑ ہو جائے گی کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ برائیاں ہو رہی تھیں، اور ان منکرات کا سیلاب اُمڈ رہا تھا، تم نے اس کو روکنے کا کیا اقدام کیا؟ لہٰذا تنہا اپنے آپ کو سدھار لینا کافی نہیں، بلکہ دوسروں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب فرض ہے؟

دوسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادت وہ ہے جو فرض یا واجب ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ۔ دوسری عبادت وہ ہے جو سُنّت یا مستحب ہے۔ جیسے مسواک کرنا، کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، تین سانس میں پانی پینا وغیرہ، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں داخل ہیں۔ اسی طرح برائیوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک برائی وہ ہے جو حرام اور گناہ ہے اور قطعی طور پر شریعت میں ممنوع ہے۔ دوسری برائی وہ ہے جو حرام اور ناجائز نہیں، بلکہ خلافِ سُنّت ہے۔ یا خلافِ اولیٰ ہے۔ یا ادب کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض یا واجبات کو چھوڑ رہا ہو، یا حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے۔ مثلاً کوئی شخص شراب پی رہا ہے، یا بدکاری کے اندر مبتلا ہے، یا غیبت کر رہا ہے، یا جھوٹ بول رہا ہے۔ چونکہ یہ سب صریح گناہ ہیں، یہاں نہی عن المنکر فرض ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص فرض نماز چھوڑ رہا ہے، یا زکوۃ نہیں دے رہا ہے، یا رمضان کے روزے نہیں رکھ رہا ہے تو اس کو

اس کی ادائیگی کے لئے کہنا فرض ہے۔

اس وقت نہی عن المنکر فرض نہیں

اور پھر اس میں بھی تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب اس کو بتانے یا اس کو روکنے کے نتیجے میں اس کے مان لینے کا احتمال ہو۔ اور اس کو بتانے کے نتیجے میں بتانے والے کو کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر میں اس کو اس گناہ سے روکوں گا تو یقین ہے کہ یہ شخص مانے گا نہیں، بلکہ یہ شخص الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا۔ اور اس کی توہین کرے گا، اور اس توہین کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ شریعت کے کسی حکم کی توہین کرنا صرف گناہ نہیں، بلکہ یہ عمل انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور کافر بنا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس شخص کو اس وقت اس گناہ سے روکوں گا تو یہ شریعت کے حکم کی توہین کرے گا تو ایسی صورت میں اس وقت نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر اس کو اس گناہ سے نہیں روکنا چاہئے، بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کر لینا چاہئے۔ اور اس شخص کے حق میں دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ! آپ کا یہ بندہ ایک بیماری میں مبتلا ہے، اپنے فضل و کرم سے اس کو اس بیماری سے نکال دیجئے۔

گناہ میں مبتلا شخص کو موقع پر روکنا

ایک شخص پورے ذوق و شوق کے ساتھ کسی گناہ کی طرف متوجہ ہے، اس وقت اس بات کا دور دور تک کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ کسی کی بات سنے گا اور مان لے گا، اب عین اس وقت ایک شخص اس کے پاس تبلیغ کے لئے اور امر بالمعروف کے لئے پہنچ گیا، اور یہ نہیں سوچا کہ اس وقت تبلیغ کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چنانچہ اس

نے تبلیغ کی، اس نے سامنے سے شریعت کے اس حکم کا مذاق اڑادیا اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہوگیا۔ اس کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب یہ شخص بنا جس نے جاکر اس کو تبلیغ کی۔ لہٰذا عین اس وقت جب کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہو، اس وقت روکنا ٹوکنا بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت روکنا ٹوکنا ٹھیک نہیں، بلکہ بعد میں مناسب موقع پر اس کو بتادینا اور سمجھادینا چاہئے کہ جو عمل تم کررہے تھے وہ درست نہیں تھا۔

اگر ماننے اور نہ ماننے کے احتمال برابر ہوں

اور اگر دونوں احتمال برابر ہوں یعنی یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات سن کر مان لے اور اس گناہ سے باز آجائے۔ اور یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات نہ مانے، تو ایسے موقع میں بات کہہ دینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ کیا پتہ کہ تمہارے کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات اُتار دے اور اس کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوجائے، اور اگر تمہارے کہنے کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہوگئی تو پھر اس کی آئندہ ساری عمر کی نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو

اور اگر یہ خیال ہے کہ یہ شخص جو گناہ کے اندر مبتلا ہے، اگر میں اس کو روکوں گا تو یہ شخص اگرچہ شریعت کے حکم کی توہین تو نہیں کرے گا، لیکن مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ تو اس صورت میں اپنے آپ کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے اس کو گناہ سے نہ روکنا جائز ہے، اور اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض نہیں رہے گا۔ البتہ افضل پھر بھی یہ ہے کہ اس سے کہہ دے، اور یہ سوچ کہ اگرچہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور میرے پیچھے پڑجائے گا، لیکن میں حق بات اس کو کہہ دوں۔ لہٰذا اس وقت بات کہہ دینا افضل ہے، اور جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت

کرنا چاہئے۔ بہرحال، مندرجہ بالا تین صورتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ سامنے والا شخص میری بات سننے اور ماننے کے بجائے شریعت کے حکم کی توہین کرے گا، وہاں امربالمعروف نہ کرے، بلکہ خاموش رہے۔ اور جس جگہ دونوں احتمال برابر ہوں کہ شاید میری بات مان لے گا، یا شاید توہین پر اُتر آئے گا، اس جگہ پر بات کہنا ضروری ہے۔ اور جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو وہاں شریعت کی بات کہنا ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ شریعت کی بات کہہ دے، اور اس تکلیف کو برداشت کرے۔ یہ خلاصہ ہے جسے ہر شخص کو یاد رکھنا چاہئے۔

ٹوکتے وقت نیت درست ہونی چاہئے

پھر شریعت کی بات کہتے وقت ہمیشہ نیت درست رکھنی چاہئے۔ اور یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ ہم مصلح اور بڑے ہیں۔ اور ہم دیندار اور متقی ہیں۔ دوسرا شخص فاسق اور فاجر ہے، اور ہم اس کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ہم خدائی فوجدار اور داروغہ ہیں۔ اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ اگر شریعت کی بات کہی جائے گی تو اس کا فائدہ نہ سننے والے کو پہنچے گا اور نہ تمہیں فائدہ ہوگا، اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ تمہارے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں رہا اور تمہارا یہ عمل بے کار اور اکارت ہوگیا اور ساری محنت ضائع ہوگئی۔ اور سننے والے کے دل میں بھی تمہاری بات کہنے کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے روکتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔

بات کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہئے

اسی طرح جب بھی دوسرے سے شریعت کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو۔ پیار، محبت اور خیر خواہی کے ساتھ بات کہو، تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم

ہو۔ اور اس انداز سے بات کہو کہ اس کی سبکی نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار ہم نے سنا، وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، لہٰذا جب بھی تم یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں کہیں لڑائی جھگڑا ہوگیا یا نقصان ہوگیا یا فساد ہوگیا تو سمجھ لو کہ ان تین باتوں میں سے ضرور کوئی بات ہوگی، یا تو بات حق نہیں تھی اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا تھا۔ یا بات تو حق تھی لیکن نیت درست نہیں تھی، اور بات کہنے کا مقصد دوسرے کی اصلاح نہیں تھی بلکہ اپنی بڑائی جتانی مقصود تھی، یا دوسرے کو ذلیل کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے بات کے اندر اثر نہیں تھا۔ یا یہ کہ بات بھی حق تھی، نیت بھی درست تھی، لیکن طریقہ حق نہیں تھا، اور بات ایسے طریقے سے کہی جیسے دوسرے کو لٹھ مار دیا۔ کلمہ حق کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اٹھا کر کسی کو مار دو، بلکہ حق کلمہ کہنا محبت اور خیر خواہی والا کام ہے جو حق طریقے سے انجام پائے گا۔ جب خیر خواہی میں کمی ہو جاتی ہے تو پھر حق بات سے بھی نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نرمی سے سمجھانا چاہئے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی اصلاح کے لئے بھیجا اور فرعون کون تھا؟ خدائی کا دعویدار تھا، جو یہ کہتا تھا کہ:

﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۲۴)

یعنی میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں، گویا کہ وہ فرعون بد ترین کافر تھا۔ لیکن جب یہ دونوں پیغمبر فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

(سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاکر نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا فاسق و فاجر اور مشرک ہو، اس لئے کہ وہ تو خدائی کا دعویدار تھا۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو ذرا نرمی سے بات کرنا۔ سختی سے بات مت کرنا۔ اس کے ذریعہ ہمارے لئے قیامت تک یہ پیغمبرانہ طریقہ کار مقرر فرمادیا کہ جب بھی کسی سے دین کی بات کہیں تو نرمی سے کہیں، سختی سے نہ کہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا، اور آکر جلدی جلدی اس نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد عجیب و غریب دعا کی کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا﴾

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بہت تنگ اور محدود کردیا کہ صرف دو آدمی پر رحم فرما، اور کسی پر رحم نہ فرما، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی دیہاتی نے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کردیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کررہا ہے تو صحابہ کرامؓ جلدی سے اس کی طرف

دوڑے، اور قریب تھا کہ اس پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا تُزْرِمُوْهُ﴾ (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

یعنی اس کا پیشاب بند مت کرو۔ جو کام کرنا تھا، وہ اس نے کرلیا۔ اور پورا پیشاب کرنے دو، اس کو مت ڈانٹو۔ اور فرمایا:

﴿اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ﴾

یعنی تمہیں لوگوں کے لئے خیر خواہی کرنے والا اور آسانی کرنے والا بناکر بھیجا گیا ہے، دشواری کرنے والا بناکر نہیں بھیجا گیا، لہٰذا اب جاکر مسجد کو پانی کے ذریعہ صاف کردو۔ پھر آپ نے اس کو بلاکر سمجھایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ عمل درست نہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔

(مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

انبیاء علیہم السلام کا انداز تبلیغ

اگر ہمارے سامنے کوئی شخص اس طرح مسجد میں پیشاب کردے تو شاید ہم لوگ تو اس کی تکہ بوٹی کردیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص دیہاتی ہے اور ناواقف ہے، لاعلمی اور ناواقفی کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ لہٰذا اس کو ڈانٹنے کا یہ موقع نہیں ہے بلکہ نرمی سے سمجھانے کا موقع ہے۔ چنانچہ آپ نے نرمی سے اس کو سمجھا دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے۔ اگر کوئی مخالف گالی بھی دیتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے جواب میں گالی نہیں دیتے، قرآن کریم میں مشرکین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے مخاطب ہوکر کہا کہ:

﴿اِنَّا لَنَرٰكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

الْكٰذِبِيْنَ﴾ (الاعراف: ٦٦)

یعنی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ بیوقوف ہیں اور ہمارے خیال میں آپ جھوٹے ہیں۔ آج اگر کوئی شخص کسی عالم یا مقرر یا خطیب کو یہ کہہ دے کہ تم بیوقوف اور جھوٹے ہو، تو جواب میں اس کو یہ کہہ دے گا کہ تو بیوقوف، تیرا باپ بیوقوف، لیکن پیغمبر نے جواب میں فرمایا:

﴿یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

اے میری قوم، میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ دیکھئے: گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ محبت اور پیار کا برتاؤ کیا جارہا ہے۔ ایک اور قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا:

﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (الاعراف: ٦٠)

تم تو کھلے گمراہ نظر آرہے ہو۔ جواب میں وہ پیغمبر فرماتے ہیں۔ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ یہ پیغمبروں کی اصلاح و دعوت کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ہماری باتیں جو بے اثر ہورہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو بات حق نہیں ہے یا طریقہ حق نہیں ہے یا نیت حق نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس پر عمل کرکے دکھادیا ہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ دہلی کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وعظ کے دوران ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مولانا! میرے ایک سوال کا جواب دیدیں، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پوچھا: کیا سوال

ہے؟ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ عین وعظ کے دوران بھرے مجمع میں یہ بات اس نے ایسے شخص سے کہی جو نہ صرف یہ کہ بڑے عالم تھے بلکہ شاہی خاندان کے شہزادے تھے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو فوراً غصہ آجاتا اور نہ جانے اس کا کیا حشر کرتا۔ اور ہم نہ کرتے تو ہمارے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کرڈالتے کہ یہ ہمارے شیخ کو ایسا کہتا ہے، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی: آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کا اس طرح جواب دیا اور اس کو مسئلہ نہیں بنایا۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

لہٰذا جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی نفسانیت کو فنا کرکے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کے لئے بات کرتا ہے اور اس وقت دنیا والوں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اس کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے تو پھر اس کی بات میں اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک وعظ میں ہزارہا افراد ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔ آج ہم لوگوں نے اول تو تبلیغ و دعوت چھوڑ دی، اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو ایسے طریقے سے کرتا ہے جو لوگوں کو برانگیختہ کرنے کا ہوتا ہے، جس سے صحیح معنی میں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے یہ تین باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اول بات حق ہو۔ دوسرے نیت حق ہو۔ تیسرے طریقہ حق ہو۔ لہٰذا حق بات حق طریقے سے حق نیت سے کہی جائے گی تو وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، بلکہ اس کا فائدہ ہی پہنچے گا۔

اجتماعی تبلیغ کا حق کس کو ہے؟

تبلیغ کی دوسری قسم ہے "اجتماعی تبلیغ" یعنی لوگوں کو جمع کرکے کوئی وعظ کرنا

تقریر کرنا، یا ان کو نصیحت کرنا۔ اس کو اجتماعی دعوت و تبلیغ کہتے ہیں، یہ اجتماعی تبلیغ ودعوت فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر کچھ لوگ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کام کریں تو باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ "اجتماعی تبلیغ" کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے کھڑا ہو جائے، اور وعظ کرنا شروع کر دے، بلکہ اس کے لئے مطلوب علم کی ضرورت ہے، اگر اتنا علم نہیں ہے تو اس صورت میں اجتماعی تبلیغ کا انسان مکلف نہیں ہے۔ اور کم از کم اتنا علم ہونا ضروری ہے، جس کے نتیجے میں وعظ کے دوران غلط بات کہنے کا اندیشہ نہ ہو، تب وعظ کہنے کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں، یہ وعظ و تبلیغ کا معاملہ بڑا نازک ہے، جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ اتنے سارے لوگ بیٹھ کر میری باتیں سن رہے ہیں تو خود اس کے دماغ میں بڑائی آجاتی ہے۔ اب خود ہی تقریر اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ اس دھوکہ میں آجاتے ہیں کہ یہ شخص علم جاننے والا ہے۔ اور بڑا نیک آدمی ہے، اور جب لوگ دھوکے میں آگئے اب خود بھی دھوکے میں آگیا کہ اتنی ساری مخلوق، اتنے سارے لوگ مجھے عالم کہہ رہے ہیں، اور مجھے اچھا اور نیک کہہ رہے ہیں، تو ضرور میں کچھ ہوں گا، تبھی تو یہ ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ یہ سارے لوگ پاگل تو نہیں ہیں بہرحال، وعظ اور تقریر کے نتیجے میں آدمی اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہر شخص کو تقریر اور وعظ نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر وعظ کہنے کے لئے کوئی بڑا کسی جگہ بٹھا دے تو اس وقت بڑوں کی سرپرستی میں اگر کام کرے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

درس قرآن اور درس حدیث دینا

وعظ اور تقریر پھر بھی ذرا ہلکی بات ہے، لیکن اب تو درس قرآن اور درس حدیث دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے، جس کے دل میں بھی درس قرآن دینے کا خیال

آیا، بس اس نے درس قرآن دینا شروع کردیا۔ حالانکہ قرآن کریم وہ چیز ہے، جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿من قال فی القران بغیر علم فلیتوا مقعدہ من النار﴾

جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

﴿من قال فی کتاب اللّٰہ عزوجل برایہ فاصاب فقد اخطاء﴾

(ابوداؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم)

جو شخص اللہ جل شانہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کرے اگر صحیح بھی کرے تو بھی اس نے غلط کام کیا اتنی سنگین وعید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اس کے باوجود آج یہ حال ہے کہ اگر کسی شخص کو کتابوں کے مطالعے کے ذریعہ دین کی کچھ باتیں معلوم ہوگئیں تو اب وہ عالم بن گیا، اور اس نے درس قرآن دینا شروع کردیا، حالانکہ یہ درس قرآن اور درس حدیث ایسا عمل ہے کہ بڑے بڑے علماء اس سے گھبراتے ہیں کہ چہ جائیکہ عام آدمی قرآن کریم کا درس دے اور اس کی تفسیر بیان کرے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور تفسیر قرآن کریم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے ستر پچھتر سال دین کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزارے، آخر عمر میں جاکر "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر تالیف فرمائی، اس کے بارے میں آپ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل تھا کہ تفسیر پر قلم اٹھاتا، میں تو حقیقت میں تفسیر کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کی تفسیر کو میں نے آسان الفاظ میں تعبیر کردیا ہے ــــ ساری عمر یہ فرماتے رہے، بڑے بڑے علماء تفسیر پر کلام کرتے ہوئے تھراتے رہے۔

امام مسلمؒ اور تشریح حدیث

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے "صحیح مسلم" کے نام سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ جمع فرمادیا ہے، اس کتاب میں صحیح احادیث تو جمع کردیں۔ لیکن حدیث کی تشریح میں ایک لفظ کہنا بھی گوارہ نہیں کیا، حتی کہ اپنی کتاب میں "باب" بھی نہیں قائم کئے، جیسے دوسرے محدثین نے "نماز کا باب، طہارت کا باب" وغیرہ کے عنوان سے باب قائم فرمائے ہیں۔ صرف اس خیال سے باب قائم نہیں فرمائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تشریح میں کوئی بات کہہ دوں، اس میں مجھ سے کوئی غلطی ہوجائے، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر میری پکڑ ہوجائے۔ بس یہ فرمادیا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کررہا ہوں۔ اب علماء ان احادیث سے جو مسئلے چاہیں مستنبط کرلیں ــــ اس سے اندازہ لگایئے کہ یہ کتنا نازک کام ہے، لیکن آج کل جس کا دل چاہتا ہے درس دینا شروع کردیتا ہے، معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں صاحب نے درس قرآن دینا شروع کردیا ہے۔ فلاں صاحب نے درس حدیث دینا شروع کردیا۔ حالانکہ نہ علم ہے، اور نہ درس دینے کی شرائط ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج طرح طرح کے فتنے پھیل رہے ہیں، فتنوں کا بازار گرم ہے۔

لہٰذا کسی کے درس قرآن اور درس حدیث میں شریک ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کرلینا چاہئے کہ جو شخص درس دے رہا ہے وہ واقعۃً درس دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اس کے پاس علم مکمل ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ درس دینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں بہرحال، میں یہ عرض کررہا تھا کہ جس شخص کے پاس کماحقہ علم نہ ہو۔ اس کو اجتماعی تبلیغ اور وعظ و تقریر نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ ایسے شخص کو انفرادی تبلیغ

میں حصہ لینا چاہئے،

کیا بے عمل شخص وعظ و نصیحت نہ کرے؟

ایک یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی غلطی کے اندر مبتلا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اس غلطی سے روکے، مثلاً ایک شخص نماز باجماعت کا پوری طرح پابند نہیں ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص دوسروں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین نہ کرے، جب تک کہ خود نماز باجماعت کا پابند نہ ہو جائے۔ یہ بات درست نہیں ——— بلکہ حقیقت میں بات الٹی ہے، وہ یہ کہ جو شخص دوسروں کو نماز باجماعت کی تلقین کرتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ خود بھی نماز باجماعت کی پابندی کرے، نہ یہ کہ جو شخص نماز باجماعت کا پابند نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو تلقین نہ کرے۔ عام طور پر لوگوں میں یہ آیت مشہور ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

(سورہ صف: ۲)

یعنی اے ایمان والو، وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بعض لوگ اس آیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی کام نہیں کرتا تو وہ شخص دوسروں کو بھی اس کی تلقین نہ کرے، مثلاً ایک شخص صدقہ نہیں دیتا تو وہ دوسروں کو بھی صدقہ کی تلقین نہ کرے۔ یا مثلاً ایک شخص سچ نہیں بولتا تو وہ دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین نہ کرے۔ آیت کا یہ مطلب لینا درست نہیں۔ بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اور جو چیز تمہارے اندر موجود نہیں ہے، تم اس کا دعوی مت کرو کہ یہ بات میرے اندر موجود ہے۔ مثلاً اگر تم نماز باجماعت کے پابند نہیں ہو تو دوسروں سے یہ مت کہو کہ میں نماز باجماعت کا پابند ہوں۔ یا تم اگر نیک اور متقی نہیں ہو تو دوسروں کے سامنے یہ دعوی مت کرو کہ میں نیک اور متقی ہوں۔ یا

مثلاً تم نے حج نہیں کیا تو یہ مت کہو کہ میں نے حج کرلیا ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ یعنی جو کام تم کرتے نہیں ہو، دوسروں کے سامنے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کام تم نہیں کرتے تو دوسروں سے اس کی تلقین بھی مت کرو اس لئے کہ بعض اوقات دوسروں کو کہنے سے انسان کو خود فائدہ ہوجاتا ہے، جب انسان دوسروں کو کہتا ہے، اور خود عمل نہیں کرتا تو انسان کو شرم آتی ہے، اور اس شرم کی وجہ سے انسان خود بھی عمل کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

دوسروں کو نصیحت کرنے والا خود بھی عمل کرے

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾

(سورہ بقرہ: ۴۴)

کیا تم دوسروں کو تو نیکی کی تلقین کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا جب تم دوسروں کو کسی عمل کی نصیحت کررہے ہو تو خود بھی عمل کرو، نہ یہ کہ چونکہ خود عمل نہیں کرتے ہو، لہٰذا دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو، یہ مطلب نہیں ہے بہرحال، دوسروں کو نصیحت کرنے میں اس بات کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کہ میں خود اس پر کاربند نہیں ہوں، بلکہ بزرگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ: من نکردم شما حذر بکنید، میں نے پرہیز نہیں کیا، لیکن تم پرہیز کرلو۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات جب مجھے اپنے اندر کوئی عیب محسوس ہوتا ہے تو میں اس عیب کے بارے میں وعظ کہہ دیتا ہوں، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرمادیتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ایک شخص وہ ہے جو خود تو عمل نہیں کرتا، لیکن دوسروں کو نصیحت کرتا ہے، اور ایک آدمی وہ ہے جو خود بھی عمل کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہے، دونوں کی نصیحت کی تاثیر میں فرق ہے، جو شخص عمل کر کے نصیحت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بات میں اثر پیدا فرمادیتے ہیں، وہ بات دلوں میں اتر جاتی ہے، اس سے انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے، اور بے عملی کے ساتھ جو نصیحت کی جاتی ہے، اس کا اثر سننے والوں پر بھی کماحقہ نہیں ہوتا، زبان سے بات نکلتی ہے، اور کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے، دلوں میں نہیں اترتی لہٰذا عمل کی کوشش ضرور کرنی چاہئے، مگر یہ چیز نصیحت کی بات کہنے سے مانع نہیں ہونی چاہئے۔

مستحب کے ترک پر نکیر درست نہیں

بہرحال، اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات میں کوتاہی کر رہا ہو، یا کسی واضح گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو تبلیغ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ جس کی تفصیل اوپر عرض کردی۔ شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو فرض و واجب نہیں ہیں، بلکہ مستحب ہیں۔ مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو کرے گا تو ثواب ملے گا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں۔ یا شریعت کے آداب ہیں جو علماء کرامؒ بتاتے ہیں۔ ان مستحبات اور آداب کے بارے میں حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی ترغیب تو دی جائے گی کہ اس طرح کرلو تو اچھی بات ہے، لیکن اس کے نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مستحب کو انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کے لئے اس کو طعنہ دینے یا ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ ہاں! اگر کوئی تمہارا شاگرد ہے، یا بیٹا ہے، یا تمہارے زیر تربیت ہے مثلاً تمہارا مرید ہے تو بے شک اس کو کہہ دینا چاہئے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں مستحب عمل چھوڑ دیا تھا، یا فلاں ادب کا لحاظ نہیں کیا تھا، اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن اگر

ایک عام آدمی کوئی مستحب عمل چھوڑ رہا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بعض لوگ مستحبات کو واجبات کا درجہ دے کر لوگوں پر اعتراض شروع کردیتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ حالانکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مستحب کام کیوں نہیں کیا تھا؟ نہ فرشتے سوال کریں گے، لیکن تم خدائی فوجدار بن کر اعتراض کردیتے ہو کہ یہ مستحب کام تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں۔

آذان کے بعد دعا پڑھنا

مثلاً آذان کے بعد دعا پڑھنا مستحب ہے:

﴿اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدا الوصیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لاتخلف المیعاد﴾

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس دعا کی ترغیب ہے کہ ہر مسلمان کو آذان کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ یہ بڑی برکت کی دعا ہے۔ اس لئے اپنے بچوں کو اور اپنے گھروالوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے کہ یہ دعا پڑھا کریں۔ اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی اس دعا کے پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے۔ لیکن اگر ایک شخص نے آذان کے بعد یہ دعا نہیں پڑھی، اب آپ اس پر اعتراض شروع کردیں کہ تم نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی؟ اور اس پر نکیر شروع کردیں، یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ نکیر ہمیشہ فرض کے چھوڑنے پر یا گناہ کے ارتکاب پر کی جاتی ہے، مستحب کام کے ترک پر کوئی نکیر نہیں ہوسکتی۔

آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں

بعض اعمال ایسے ہیں جو شرعی اعتبار سے مستحب بھی نہیں ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان کو مستحب قرار نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض علماء نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے۔ مثلاً بعض علماء نے یہ ادب بتایا ہے کہ جب کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے پونچھا نہ جائے۔ اسی طرح یہ ادب بتایا کہ دسترخوان پر پہلے تم بیٹھ جاؤ، کھانا بعد میں رکھا جائے، اگر کھانا پہلے لگادیا گیا، تم بعد میں پہنچے تو یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ آداب کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔ لیکن علماء کرامؒ نے یہ کھانے کے آداب بتائے ہیں، ان کو مستحب کہنا بھی مشکل ہے۔ اب اگر ایک شخص نے ان آداب کا لحاظ نہ کیا مثلاً اس نے کھانے کے لیے ہاتھ دھوکر تولیہ سے پونچھ لئے۔ یا دسترخوان پر کھانا پہلے لگادیا گیا اور وہ شخص بعد میں جاکر بیٹھا تو اب اس شخص پر اعتراض کرنا اور اس کو یہ کہنا کہ تم نے شریعت کے خلاف یا سنت کے خلاف کام کیا۔ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ آداب نہ تو شرعاً سنت ہیں اور نہ مستحب ہیں۔ اس لئے ان آداب کے ترک کرنے والے پر اعتراض اور نکیر کرنا درست نہیں۔ ان معاملات کے اندر ہمارے معاشرے میں بہت افراط اور تفریط پائی جاتی ہے اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات پر بڑی نکیر کی جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہوکر بیٹھنا بھی جائز ہے، ناجائز نہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے جتنی دو زانوں بیٹھ کر کھانے یا ایک ٹانگ کھڑی کرکے کھانے کی نشست تواضع کے قریب ہے۔ لہذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی

کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے، یہ خیال درست نہیں۔ لہٰذا جب چار زانوں بیٹھ کر کھانا جائز ہے تو اس طرح بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا بھی درست نہیں۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سُنّت کی اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سُنّت سے زیادہ قریب بھی ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے، اس لئے کہ جتنا سُنّت سے زیادہ قریب ہوگا اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہرحال، میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی،

عبدیت ہوگی۔ اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سُنّت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب اس سُنّت کو "معاذ اللہ" مذاق نہ بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سُنّت کا مذاق اڑائیں گے تو ایسی جگہ زمین پر کھانے کا اصرار بھی درست نہیں۔

ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے، کیونکہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھاکر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں بلکہ میز

کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کھانا کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنّت کے زیادہ قریب ہے تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھاکر بیٹھو گے تو لوگوں کے سامنے اس سُنّت کا تم مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سُنّت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سُنّت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو "سلیمان اعمش" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں "اعمش" چندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گر جاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں، اس وجہ سے "اعمش" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آگئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہروقت استاذ سے چپٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہروقت استاذ سے چپٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جارہے ہیں وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں، یہ بھی ایسے تھے۔ چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ "اعرج" شاگرد بھی ساتھ ہوجاتے، بازار میں لوگ فقرے کستے کہ دیکھو استاذ "چندھا" ہے اور شاگرد "لنگڑا" ہے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے

کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

﴿مَا لَنَا نُوْجَرُ وَيَاثَمُوْنَ﴾

حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے کہ اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

﴿نَسْلَمُ وَيَسْلَمُوْنَ خَيْرٌ لَّنَا مِنْ اَنْ نُوْجَرَ وَيَاثَمُوْنَ﴾

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان بھی نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

یہ ہے دین کی فہم، اب بظاہر تو شاگرد کی بات صحیح معلوم ہو رہی تھی کہ اگر لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو اڑایا کریں لیکن جس شخص کی مخلوق خدا پر شفقت کی نگاہ ہوتی ہے، وہ مخلوق کی غلطیوں پر اتنی نظر نہیں ڈالتا، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ جتنا ہو سکے میں مخلوق کو گناہ سے بچالوں، یہ بہتر ہے اس لئے انہوں نے بازار جانا چھوڑ دیا بہرحال، جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اور زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو اس صورت میں کچھ نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے لائق ہے، آپ نے فرمایا:

"كَلِّمُوْا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ

اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ"

یعنی جب لوگوں کے سامنے دین کی بات کہو تو ایسے انداز سے کہو جس سے لوگوں کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟ مثلاً دین کی کوئی بات بے موقع کہہ دی جس کے نتیجے میں تکذیب کی نوبت آگئی، ایسے موقع پر دین کی بات کہنا ٹھیک نہیں۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے آج کونسا مسلمان ناواقف ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینے میں بھر دیا تھا، جہاں بیٹھتے بس دین کی بات شروع کردیتے، اور دین کا پیغام پہنچاتے —— ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے، کافی دن تک آتے رہے، ان صاحب کی ڈاڑھی نہیں تھی، جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہوگئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب، ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی اس داڑھی کی سُنّت پر عمل کرلو، وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر کچھ شرمندہ سے ہوگئے، اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا، جب کئی دن گزر گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ان کے بارے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس ہوا، اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوگئی، کہ میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی، یعنی ابھی توا گرم نہیں ہوا تھا، اور اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جائے، میں نے پہلے ہی روٹی ڈال دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ اگر وہ آتے رہتے تو کم از کم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں، اور اس کا فائدہ ہوتا، اب ایک ظاہر بین آدمی تو

یہ کہے گا کہ اگر ایک شخص غلط کام کے اندر مبتلا ہے تو اس سے زبان سے کہہ دو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے کہہ دو، لیکن آپ نے دیکھا کہ زبان سے کہنا الٹا مضر اور نقصان دہ ہوگیا۔ کیوں کہ ابھی تک ذہن اس کے لئے سازگار اور تیار نہیں تھا، یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے، اور کس انداز سے کہنی ہے، اور کتنی بات کہنی ہے۔ دین کی بات کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے، یا ایسا فریضہ نہیں ہے کہ اس کو سر سے ٹال دیا جائے، بلکہ یہ دیکھو اس بات کے کہنے سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ اس کا نتیجہ خراب تو نہیں ہوگا؟ اگر بات کہنے سے خراب اور برا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت دین کی بات کہنے سے رک جانا چاہئے، اس وقت بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہ بات بھی استطاعت نہ ہونے میں داخل ہے۔

خلاصہ

بہرحال، یہ بات کہ کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ کس موقع پر آدمی سختی کرے؟ اور کس موقع پر نرمی کرے؟ یہ بات صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کسی اللہ والے متقی بزرگ کے ساتھ رہ کر انسان نے رگڑے نہ کھائے ہوں، لہٰذا دوسرا انسان جب کوئی غلطی کرے تو اس کو ضرور ٹوکنا اور بتانا تو چاہئے لیکن اس کا لحاظ رکھنا اور جاننا ضروری ہے کہ کس موقع پر ٹوکنا فرض ہے اور کس موقع پر فرض نہیں؟ اور کس موقع پر کس طرح بات کرنی چاہئے؟ یہ سارے تبلیغ ودعوت کے احکام کا خلاصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اس کے ذریعہ ہماری اور سب مسلمان بہن بھائیوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

راحت کس طرح حاصل ہو؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : راحت، کس طرح حاصل ہو؟

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راحت حاصل کریں

کس طرح حاصل ہو؟

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انظروا الی من ھو اسفل منکم، ولا تنظروا الی من ھو فوقکم، فھو اجدر ان لا تزدروا نعمۃ اللّٰہ علیکم﴾

(صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب نمبر۱)

اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیاوی ساز و سامان

کے اعتبار سے کم ہیں۔ (جن کے پاس دنیا کی مال و دولت اور دنیا کا ساز و سامان اتنا نہیں ہے جتنا تمہارے پاس ہے۔ تم ان کی طرف دیکھو۔) اور ان لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت میں اور ساز و سامان کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔ (اس لئے کہ اگر تم اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھتے رہوگے تو پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھو گے اور تمہارے دل میں اس کی بے وقعتی پیدا ہوگی اور تم پریشان رہوگے)۔

دنیا کی محبت دل سے نکال دو

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا اور دنیا کے اندر حقیقی راحت حاصل کرنے کا نسخہ اکسیر بیان فرمایا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ آدمی کے پاس دنیا تو ہو، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ ہو۔ آدمی کے پاس دنیا کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہ ہوں، رہنے کے لئے مکان نہ ہو، پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں تو پھر انسان کیسے زندہ رہے گا؟ اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن ان چیزوں کو اپنا مقصد زندگی نہ بنائے اور ان چیزوں کو اپنا آخری مطمح نظر نہ بنائے، اور صبح شام ہمہ وقت اس کی دھن میں سرگرداں نہ رہے، اور دل میں ان کی محبت پیدا نہ کرے۔ اور یہ بات "قناعت" کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے اندر "قناعت" کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اس کے پاس دنیا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت دل میں نہیں ہوتی۔ اس لئے جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے تو ہر وقت انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ یہ چیز نہیں ملی۔ وہ مل جائے۔ فلاں چیز کی کمی ہے وہ مل جائے۔ کل اتنے پیسے کمائے تھے۔ آج اس سے ڈبل کمالوں۔ صبح سے لے کر شام تک بس اسی فکر اور دھن میں مگن رہتا ہے۔ بس اسی کا نام دنیا کی محبت

ہے۔ اس محبت کے نتیجے میں لازماً حرص پیدا ہو جاتی ہے۔

"قناعت" حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے۔ جب دو مل جائیں گی تو پھر یہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے، پھر فرمایا:

﴿لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب﴾

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنۃ المال)

ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھرے گی۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور اس کو قبر میں دفن کیا جائے گا تب اس کا پیٹ بھرے گا۔

اور دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے جو بھاگ دوڑ اور محنت کر رہا تھا۔ وہ ساری محنت دھری رہ جائیگی اور سب مال و دولت یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو "قناعت" عطا فرمادیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھر دیتی ہے اور اس "قناعت" کو حاصل کرنے کا نسخہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس نسخے پر عمل کرلو اور اگر فلاح نہیں چاہتے تو عمل مت کرو لیکن پھر ساری عمر بے چینی اور پریشانی کا شکار رہوگے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اونچے کو مت دیکھو۔ ورنہ یہ خیال آئے گا کہ اس کو فلاں چیز مل گئی ہے۔ مجھے وہ چیز نہیں ملی، بلکہ اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھو کہ اس بے پاس دنیا کے اسباب کیا ہیں۔ اور تمہیں اس کے مقابلے میں کتنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت تم اللہ کا شکر ادا کروگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو سامان اور راحت عطا فرمایا ہے وہ اس کو حاصل نہیں اور اگر اپنے سے اونچے کو دیکھوگے تو دل میں "حرص" پیدا ہوگی۔ پھر مقابلہ اور دوڑ پیدا ہوگی اور اس کے

نتیجے میں دل کے اندر "حسد" پیدا ہوگا کہ وہ آگے نکل گیا، میں پیچھے رہ گیا۔ پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض" پیدا ہوگا۔ پھر "عداوت" پیدا ہوگی، تعلقات خراب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اگر قناعت حاصل ہوگئی اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ رزق مل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ بہت سے لوگ اس سے محروم ہیں۔ الحمدللہ میں اس نعمت پر خوش ہوں۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکون میں آجاؤ گے بس اس کے علاوہ سکون کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دنیا کی خواہشات ختم ہونے والی نہیں

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس لئے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی حد نہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی مل جائے تب بھی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ دنیا کی خواہشات ایسی ہیں کہ اس کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ عربی کا ایک شاعر "متنبی" گزرا ہے۔ وہ بعض اوقات بہت حکیمانہ شعر کہتا تھا۔ اس نے دنیا کے بارے میں ایک بڑی سچی بات کہی ہے کہ ؂

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا لُبَانَتَهٗ
وَمَا انْتَهٰی اَرَبٌ اِلَّآ اِلٰی اَرَبٖ

یعنی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں اور راحتوں اور خواہشات کو پورا حاصل کرلیا ہو، بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے کہ دوسری خواہش ابھر آتی ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

مثلاً ایک شخص بے روزگار ہے۔ اس کی خواہش بھی اور ضرورت بھی ہے کہ مجھے روزگار مل جائے۔ چنانچہ اس کو ایک روزگار کی جگہ مل گئی۔ اب اس کے ملتے ہی فوراً یہ خواہش ہوگی کہ دوسرے لوگوں کی تنخواہ تو مجھ سے زیادہ ہے، وہ زیادہ کمارہے ہیں، میں ان تک پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ان تک پہنچ گئے۔ جب آگے پہنچا تو اور اُوپر کے لوگ نظر آئے کہ وہ تو مجھ سے زیادہ کمارہے ہیں۔ اب خواہش یہ ہورہی ہے کہ ان تک پہنچ جاؤں۔ اس انسان کی پوری زندگی اسی دوڑ دھوپ میں گزر جائے گی۔ لیکن کسی جگہ پر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ آج ہر شخص کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد"۔

یعنی کسی نے آج تک دنیاوی کام پورا نہیں کیا۔ ہاں! اس شخص نے پورا کیا جس نے اس دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین جو اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور اس دنیا میں محض بقدر ضرورت ہی کمانا ہے۔ اس دنیا میں بہت زیادہ اسباب و سامان جمع کرنے اور عیش و آرام کی فکر زیادہ نہیں کرنی۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے دنیا کے مال و اسباب عطا فرمادیں تو یہ اس کی نعمت ہے۔ لیکن اپنی طرف سے اس کو حاصل کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرنی۔ یہ حضرات اُوپر کے بجائے نیچے کی طرف دیکھتے ہیں۔

دین کے معاملات میں اُوپر والے کو دیکھو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ "دنیا کے ساز و سامان کے اندر تم اپنے سے نیچے والے آدمی کو دیکھو کہ فلاں کو

دنیا کی یہ نعمت نہیں ملی۔ تم کو ملی ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنے سے اُوپر والے کی طرف مت دیکھو اور دین کے معاملات میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص دین کا کتنا کام کر رہا ہے۔ میں اب تک وہاں نہیں پہنچا۔ تاکہ تمہارے اندر دین کے کاموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا رجحان پیدا ہو۔ لہٰذا دین میں اُوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں نیچے والے کو دیکھو۔ اس کے ذریعہ تمہارا دین بھی درست ہوگا اور تمہاری دنیا بھی درست ہوگی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حکیمانہ نسخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے فقیہ، محدث، بزرگ اور صوفی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں، اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ابتدا میں بہت مالدار، دولت مند اور بہت آزاد منش تھے۔ زمینیں اور جائیدادیں تھیں، باغات وغیرہ تھے نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق۔ پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے۔ ان کے سیب کے باغات تھے ایک مرتبہ جب سیب پکنے کا موسم آیا تو انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اسی باغ میں ڈیرہ ڈال لیا اور وہیں مقیم ہوگئے تاکہ وہاں تازہ تازہ سیب توڑ کر کھائیں گے اور تفریح کریں گے۔ اب وہاں کھانے پک رہے ہیں۔ سیب کھائے جارہے ہیں اور شراب وکباب کا دور بھی چل رہا ہے اور ایک مرتبہ کھانے پینے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خود بھی بہترین ساز بجانے والے تھے۔ چنانچہ اب کھانا کھلیا ہوا، باغ کا بہترین ماحول، دوستوں کی بہترین محفل، شراب پی ہوئی اس کا نشہ چڑھا ہوا، ہاتھ میں ستار ہے۔ اب اس کو بجارہے ہیں۔ ستار بجاتے بجاتے سوگئے اور آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہاتھ میں ستار ہے۔ چنانچہ بیدار ہونے پر پھر ستار بجانا شروع کردیا۔ لیکن ستار بجتا

نہیں ہے۔ اس میں سے آواز ہی نہیں نکلی۔ چنانچہ اس کے تاروں کو دیکھا اور ٹھیک کیا۔ دوبارہ بجانے کی کوشش کی، پھر بھی آواز نہیں آئی۔ تیسری مرتبہ جب ٹھیک کرکے بجانے کی کوشش کی تو اب اس کے اندر سے موسیقی کی آواز آنے کے بجائے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی ہے۔ وہ آیت یہ تھی کہ:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید: ۱۶)

یعنی کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق کی بات نازل کی ہے اس کے آگے ان کے دل نرم ہو جائیں۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟ یہ آواز اس ستار سے آرہی تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ جس کسی بندے کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں تو ایسے غیبی سامان بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔ جب ستار سے یہ آواز سنی، بس اسی وقت دل کی دنیا بدل گئی اور زبان سے اس آیت کا یہ جواب دیا کہ بَلٰی یَا رَبِّ قَدْ آنَ اے اللہ! وہ وقت آگیا۔ اسی وقت گانے بجانے اور شراب و کباب سے توبہ کی اور پھر دل میں علم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور علم حاصل کرنا شروع کیا اور اتنے بڑے عالم بنے کہ حدیث میں بہت اونچے درجے کے امام بن گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ اور اب ان کا قول حدیث کے اندر بھی حجت کا درجہ رکھتا ہے اور فقہ کے اندر بھی حجت ہے اور صوفیاء کرام کے بھی بڑے امام بن گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقام بلند

انہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید بغداد میں اپنے محل کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے شہرپناہ کے باہر سے بہت زبردست شور سنا۔ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں دشمن نے تو شہر پر حملہ نہیں

کردیا۔ اس نے جلدی سے آدمی بھیجا کہ جاکر معلوم کرے کہ یہ کیسا شور ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور معلوم کر کے جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آج اس شہر میں تشریف لانے والے تھے اور لوگ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے ہوئے تھے جب وہ تشریف لائے تو انہیں وہاں پر چھینک آگئی۔ اس چھینک پر انہوں نے "الحمدللہ" کہا اور استقبال کرنے والوں نے اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا، یہ اس کا شور تھا۔ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال سنی تو ہارون رشید سے کہا۔ ہارون! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے اور حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو یہاں کھینچ کر نہیں لائی بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں جمع کردیا۔ بہرحال! بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا راحت حاصل کرنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اُوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا، ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے لیکن جب کسی دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی

اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے۔ کسی کا مکان اچھا ہے، کسی کے کپڑے اچھے ہیں، کسی کی سواری اچھی ہے۔ پھر بعد میں میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کردیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہوگیا۔ اس لئے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لئے جاتا ہوں اور اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اس کے مقابلے میں میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے۔ میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا۔ یہ ہے "قناعت" اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

"راحت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

اس لئے کہ "راحت" اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں بلکہ "راحت" تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کرلو، نوکر چاکر جمع کرلو، دروازے پر لمبی لمبی گاڑیاں کھڑی کرلو، یہ سب چیزیں جمع کرلو، اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے۔ اعلیٰ درجے کی مسہری ہے۔ شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں، ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے۔ نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جارہی ہے۔ وہ گولیاں بھی ایک حد تک کام دیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں ـــــ دیکھئے سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں، گاڑی ہے، روپیہ پیسہ ہے، ایئرکنڈیشنڈ کمرہ ہے، آرام دہ بستر ہے لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں

کرسکتے، بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرماسکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے، نہ اس کے پاس ایئر کنڈیشن کمرہ ہے۔ نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے یا اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھئے! "راحت" اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسباب راحت پر "راحت" حاصل ہونا ضروری نہیں۔ "راحت" اور چیز ہے "اسباب راحت" اور چیز ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے گھر میں ایئر کنڈیشنر لگانا چاہا تو سب سے پہلے تو اس کی خریداری میں یہ اچھی خاصی بڑی رقم خرچ ہوئی، جب کسی طرح اس کو خرید لیا تو پھر پتہ چلا کہ بجلی کی وائرنگ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کے بوجھ کو اٹھا سکے۔ لہٰذا اس کے لئے نئی وائرنگ ہوگی اور اس میں اتنے پیسے خرچ ہونگے۔ چنانچہ پیسے خرچ کر کے نئی وائرنگ کرائی۔ پھر پتہ چلا کہ وولٹیج اتنا کم ہے کہ وہ اس کو نہیں چلا سکتا۔ اس کے لئے "اسٹیپلائزر" کی ضرورت ہے چنانچہ وہ بھی خرید کر لگالیا۔ لیکن پھر بھی وہ نہ چلا اور اب یہ پتہ چلا کہ یہاں پر بجلی کا پاور اور زیادہ کم ہے۔ اس کے لئے فلاں پاور کا اسٹیپلائزر کی ضرورت ہے۔ تقریباً چھ مہینے اس ادھیڑبن میں گزر گئے اور مجھے متنبی کا یہ شعر بار بار یاد آتا رہا کہ:

﴿وما انتهى ارب الا الى ارب﴾

یعنی دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے کہ اس کے پورا ہونے کے بعد دوسری نئی ضرورت سامنے نہ آجائے، پیسے بھی خرچ کرلئے۔ بھاگ دوڑ بھی کرلی۔ لیکن وہ "راحت" حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ "راحت" یہ آرام یہ سکون اللہ

جل جلالہ کی عطا ہے۔ یہ پیسوں سے نہیں خریدا جا سکتا۔
یاد رکھئے! جب تک انسان کے اندر "قناعت" پیدا نہ ہو، اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا عادی نہ بن جائے۔ اس وقت تک کبھی راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ چاہے اس کے لئے کتنے ہی پیسے خرچ کر ڈالو، اور کتنا ہی ساز و سامان جمع کر لو، بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا، وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اُوپر کی طرف دیکھنے کے برے نتائج

اس طریقے پر عمل کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ "قناعت" پیدا ہوگی۔ لیکن اگر اس پر عمل نہیں کرو گے، بلکہ اپنے سے اُوپر والے کو دیکھتے رہو گے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہو گے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت "حسد" میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جب دل میں دنیا کی حرص پیدا ہو گئی اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ "حسد" پیدا نہ ہو۔ کیونکہ "حرص دنیا" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس سے "حسد" پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا، اور میں پیچھے رہ گیا، اور پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض"، "افتراق"، "عداوتیں اور دشمنیاں" پیدا ہوں گی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال و حرام کی فکر چھوڑ دے گا۔ اس لئے کہ جب اس نے یہ طے کر لیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو، یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس کے حاصل کرنے کے لئے پھر وہ رشوت بھی لے گا، دھوکہ بازی وہ

کرے گا، ملاوٹ بھی کرے گا، سارے برے کام وہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے۔ یہ سب "قناعت" اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قناعت" اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

حرص اور حسد کا ایک علاج

ایک اور حدیث میں اس بات کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

﴿اذا نظر احدکم الی من فضل علیه فی المال والخلق فلینظر الی من هو اسفل منه ممن فضل علیه﴾ (مسلم، کتاب الزھد، باب نمبر ۱)

پچھلی حدیث میں تو یہ بیان فرمایا تھا کہ اپنے سے اونچے آدمی کی طرف مت دیکھو۔ یعنی باقاعدہ سوچ بچار کر کے اس طرف نظر مت کرو، لیکن ظاہر ہے کہ جب انسان اس دنیا کے اندر رہ رہا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے سے زیادہ دولت مند پر نظر ہی نہ پڑے، بلکہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہوگا، اس کو دیکھے گا بھی، اس کے ساتھ میل ملاپ بھی ہوگا لہٰذا جب کبھی ایسا ہو کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال میں زیادہ ہے یا جسم کی بناوٹ میں زیادہ ہو۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، زیادہ طاقتور ہے، تم سے زیادہ تندرست ہے۔ اس وقت تم فوراً ایسے شخص کو دیکھو اور اس کا تصور کرو جو تم سے مال و دولت میں اور راحت و آرام میں اور جسم کی خوبصورتی اور تندرستی میں تم سے کم تر ہو، تاکہ پہلے والے شخص کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو حسرت پیدا ہوئی ہے وہ حسرت کسی وقت حرص اور حسد میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس لئے دل میں اس "حسرت" کو باقی نہ رہنے دو، بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھ لو۔ اس کے نتیجے میں انشاء اللہ اس "حسرت" کا ازالہ ہوجائیگا، اور پھر وہ "حرص اور حسد" پیدا نہیں ہوگا۔

وہ شخص برباد ہو گیا

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تعس عبد الدینار والدرهم والقطیفة الخمیصة، ان اعطی رضی وان لم یعط لم یرض﴾

فرمایا کہ وہ شخص برباد ہو گیا جو درہم اور دینار کا غلام ہے۔ "دینار" ایک سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کو "اشرفی" کہتے ہیں اور "درہم" چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ یعنی جو شخص پیسوں کا غلام ہے اور اچھے اچھے کپڑوں اور اچھی اچھی چادروں کا غلام ہے، وہ شخص برباد ہو گیا اور غلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اس کو یہی فکر لگی ہوئی ہے کہ پیسہ کس طرح آجائے اور مجھے کس طرح اچھے سے اچھا کپڑا اور اچھا ساز و سامان حاصل ہو جائے۔ جو شخص اس فکر میں مبتلا ہے وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے کہ یہ فکر اس کے اُوپر اتنی غالب آچکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول گیا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چیز دیدی جائیگی تو خوش ہو جائیگا اور اگر نہیں دی جائیگی تو اس صورت میں راضی نہیں ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو "قناعت پسند" ہے اور اللہ جل شانہ کی عطا پر راضی ہے۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جائز طریقوں سے جائز حدود میں اپنی کوشش کرنے کے بعد جتنا مل گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو نہیں ملا، اس پر اس کے دل میں کوئی گلہ اور شکوہ پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں کو اتنا مل گیا مجھے کیوں نہیں ملا۔

بہرحال، یہ تمام احادیث یہ بیان کر رہی ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان سے دل نہ لگاؤ۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے دل میں ایک مرتبہ یہ بات بٹھادی تھی کہ یہ دنیا بے وقعت اور بے حقیقت ہے اور اس کا ساز و سامان ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی دن رات اس کی فکر میں سرگرداں اور پریشان رہے، بلکہ ضرورت کے مطابق اس دنیا کو اختیار کرنا چاہئے۔

اصحاب صفہ کون تھے؟

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿لقد رایت سبعین من اهل الصفته، ما منهم رجل علیه رداء، اما ازار اما کساء، قد ربطوا فی اعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین، ومنها ما یبلغ الکعبین، فیجمعه بیده کراهیة ان تری عورته﴾

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ "اصحاب صفہ" کا حال بیان فرمارہے ہیں۔ وہ صحابہ کرام جو اپنا سارا کام چھوڑ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کا علم حاصل کرنے کی غرض سے آپڑے تھے۔ ان کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ "مسجد نبوی" میں ایک چبوترہ ہے جس کو "صفہ" کہا جاتا ہے۔ اسی چبوترے پر دن رات یہ اصحاب صفہ رہتے تھے۔ یہی ان کا مدرسہ تھا۔ یہی ان کی درسگاہ تھی۔ یہی ان کی یونیورسٹی تھی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تعلیم کا کوئی نصاب کتاب کی شکل میں نہیں تھا۔ اس کے کوئی اوقات باقاعدہ مقرر نہیں تھے۔ بس جس وقت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی، ان حضرات نے اس کو سنا اور یاد کرلیا، یا اگر کوئی شخص آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا، اور اس نے آکر سوال کیا، آپ نے اس کا جواب دیا۔ ان حضرات نے اس سوال و جواب کو سن کر یاد کرلیا۔ یا آپ نے کسی کے ساتھ کس طرح کا معاملہ فرمایا۔ اس کو محفوظ کرلیا۔ ان حضرات کی ساری زندگی اسی کام کے لئے وقف تھی۔ انہی کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب صفہ اسلام کی تاریخ کے پہلے طالب علم تھے اور "صفہ" اسلامی

تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا جو ایک چبوترے پر قائم ہوا۔

اصحاب صفہ کی حالت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک تھے۔ وہ اس حدیث میں ان کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لئے پورے دو کپڑے نہیں تھے، بلکہ کسی کے پاس تو صرف ایک چادر تھی اور اسی چادر کو اس نے اپنے گلے سے باندھ کر نصف پنڈلی تک اپنے جسم کو اس کے ذریعہ چھپا رکھا تھا، اور کسی کے پاس صرف زیر جامہ تھا۔ جس کے ذریعہ اس نے جسم کا نیچے کا حصہ تو چھپا رکھا تھا اور اُوپر کا جسم ڈھانپنے کے لئے اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اور بعض اوقات یہ ہوتا کہ وہ صحابی جنہوں نے اپنے گلے سے چادر باندھی ہوئی ہوتی وہ اپنی چادر کو چلتے ہوئے اس خوف سے بار بار سمیٹتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے۔ اس حالت میں وہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ کیا وہ حضرات اگر دنیا جمع کرنا چاہتے تو نہ کرسکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت، ذہانت اتنی عطا فرمائی تھی کہ اگر دنیا حاصل کرنا چاہتے تو ضرور حاصل کرلیتے۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیا کی طرف التفات ہی نہیں تھا۔ بس بقدر ضرورت جو مل گیا اس پر اکتفا کرلیا۔ اس زمانے میں "اصحاب صفہ" کے چبوترے پر ایک ستون تھا۔ اس کی یادگار اب بھی موجود ہے۔ اس ستون کے ساتھ لوگ اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لٹکادیا کرتے تھے۔ کھجور کے وہ خوشے ان اصحاب صفہ کی غذا ہوتے تھے۔ جب کسی کو بھوک لگتی وہ اس خوشے سے کھجور لیکر کھالیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں رہتا تھا اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں نڈھال ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے اندر یہ مشہور تھا کہ اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑ جائے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھا جائے تو اس سے دورہ کھل جاتا تھا۔ پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وَاللّٰہِ مَابِیْ اِلَّا الْجُوْعُ اللہ کی قسم نہ مجھے مرگی کا دورہ تھا اور نہ وہ غشی کی کیفیت تھی بلکہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر میں لیٹا ہوا ہوتا تھا۔ اس حالت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وقت گزارا۔ تب جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں اور ذخیرہ حدیث میں سب سے زیادہ احادیث ان سے مروی ہیں۔

بہرحال، صحابہ کرام نے خود فاقے برداشت کر کے موٹا جھوٹا پہن کر، روکھی سوکھی کھا کر ہمارے لئے یہ پورا دین محفوظ کر کے چلے گئے۔ یہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا یہ مزاج بنادیا تھا کہ دنیا کی حرص، دنیا کی محبت، دنیا کا ضرورت سے زیادہ شوق ختم ہوجائے۔ ان میں سے ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کی صلاح و فلاح عطا فرمادے۔ دنیا ہو تو وہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم صحابہ کرام کی کس طرح تربیت فرمایا کرتے تھے؟ اس کے واقعات سنیئے ــــ یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جاکر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے؟ ان حضرات نے جواب دیا۔ ما اخرجنا الا الجوع یا رسول اللہ! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کا ایک باغ تھا، چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں۔ ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمارے باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اور انہوں نے کہا کہ آج تو مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجئے کہ آپ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری مت ذبح کرنا۔ ان خاتون نے فرمایا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی۔ چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش

کیا۔ آپ نے اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا، اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔ وَلَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟

نعمتوں کے بارے میں سوال

اس طرح آپ نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آگیا، اس کے بارے میں ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آجائے، بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں، لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہوگا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمادی تھی۔

موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کررہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کررہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کررہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو، لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ مَا اَرٰی الْاَمْرَ اِلَّا اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِکَ یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی نظر آتا

ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے وہ اتنا جلدی آسکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری جھونپڑی کمزور ہوگئی ہے۔ اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا کہ تمہیں تو آگے جانا ہے۔ یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل میں بقدر ضرورت انتظام کرلو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا۔

کیا دین پر چلنا مشکل ہے؟

بعض اوقات ان احادیث کو پڑھ پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر دین پر چلنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ، یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم ہی نے دین پر عمل کر کے دکھادیا۔ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ہے کہ اتنے دن کی بھوک برداشت کرلیں۔ اور ایک چادر اوڑھ کر اپنی زندگی گزار لیں اور اپنے رہنے کی جھونپڑی بھی ہو تو اس کی مرمت نہ کریں اور اگر مرمت کرنے لگیں تو اس وقت یہ خیال ہو کہ قیامت کا وقت قریب آنے والا ہے ــــ خوب سمجھ لیجئے! یہ واقعات سنانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دل میں مایوسی پیدا ہو، بلکہ یہ واقعات سنانے کا منشا یہ ہے کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اندر یہ ذہنیت پیدا فرمائی جس کا اعلیٰ ترین معیار وہ تھا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس اعلیٰ معیار پر پہنچنے کے بعد ہی نجات حاصل کرسکے گا، بلکہ ہر انسان کی طاقت اور استطاعت الگ الگ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم انسان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہیں دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

"دیتے ہیں ظرف قدح خوار دیکھ کر"۔
یعنی جتنا جس شخص کا ظرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظرف کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

کاش ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے

چنانچہ بعض اوقات ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو صحابہ کرام کے ساتھ ہوتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی۔ جہاد اور غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کی مصلحت ہے کہ انہوں نے ہمیں اس دور میں پیدا نہیں کیا، اگر ہم اپنی موجودہ صلاحیت اور موجودہ ظرف کے ساتھ جو آج ہمارے اندر ہے۔ اس دور میں ہوتے تو شاید ابوجہل، ابولہب کی صف میں ہوتے۔ یہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظرف تھا، اور ان کی استطاعت تھی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے مشکل حالات میں ساتھ دیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اور آپ کو اور قیامت تک آنے والے تمام انسان کو یہ راستہ بتادیا کہ تمہاری استطاعت کے مطابق تمہارے ذمہ یہ کام ہے کہ دنیا کی محبت اور اس کی حرص تمہارے دل میں نہ ہو۔ محبت اور حرص کے بغیر دنیا کو اپناؤ، اور دنیا کو جائز اور حلال طریقوں سے حاصل کرو اور حرام طریقوں سے پرہیز کرو۔ بس یہ چیز تمہارے دنیا سے بے رغبت ہونے کے لئے کافی ہے۔

حضرت تھانویؒ اپنے دور کے مجدد تھے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے

مجدد ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں بتاگئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ شاید یہ بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بارے میں ایک اصول بتادیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو۔ یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول تمام ضروریات زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ انہوں نے یہ اصول بیان فرمایا کہ مکان چار مقاصد کے لئے بنایا جاسکتا ہے۔ پہلا مقصد ہے "رہائش"۔ یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعہ دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہوجائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعہ بھی پوری ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز ہے—— دوسرا مقصد ہے "آسائش" یعنی صرف رہائش مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہوجائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آرہی ہے۔ اس لئے آسائش حاصل کرنے کے لئے مکان کو پکا بنادیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے—— تیسرا درجہ "آرائش" یعنی اس مکان کی سجاوٹ، آپ نے مکان تو پکا بنالیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہوگئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ و روغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے۔ لیکن آرائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر رنگ و روغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب

اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے رنگ و روغن کر کے کچھ زیب و زینت کرلے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ آرائش والا کام کرے — چوتھا درجہ ہے "نمائش" یعنی اس مکان کے ذریعہ رہائش کا مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ آسائش اور آرائش کا مقصد بھی حاصل کرلیا۔ اب یہ دل چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کو دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی پڑتی ہے اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آدمی اپنے مکان کے اندر کوئی کارروائی کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں، تاکہ لوگ اس کو دولت مند سمجھیں تاکہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رہائش حاصل کرنا جائز، آسائش حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا جائز، آرائش کے حصول کے لئے کوئی کام کرنا جائز، لیکن "نمائش" اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا حرام اور ناجائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائیگی وہ حرام ہوگی۔

"قناعت" کا صحیح مطلب

یہ تفصیل اس لئے عرض کردی تاکہ "قناعت" کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ "قناعت" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس پر آدمی راضی اور خوش ہوجائے۔ لیکن "قناعت" کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے۔ یہ دور ہوجائے، اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ "آسائش" کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش "حرص" کے اندر داخل نہیں۔ یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاء اللہ۔ لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ

اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہو تاکہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہوجایا کرے۔ اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں۔ بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لئے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے۔ ناجائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ اچھا بھی لگتا ہے۔ آرام بھی ہے لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے، یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا، بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آگیا ہے۔ اب اس غرض کے لئے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تاکہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص میں داخل ہے اور یہ کام "قناعت" کے خلاف ہے، یا اگر کوئی شخص "آسائش" اور "آرائش" کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعہ وہ یہ آسائش اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے یا سود لے کر، دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں

بہرحال، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جو حالات میں نے آپ کو سنائے۔ اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ وہ تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہوجائے۔ آج انسان

سالہا سال کے منصوبے بنارہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا، بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدر ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اپنے سے اُوپر کی طرف مت دیکھو، اس لئے کہ اُوپر کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

ایک یہودی کا عبرتناک قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کا قصہ لکھا ہے کہ اس نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خزانے پر ایک چوکیدار بٹھایا ہوا تھا لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار تو خیانت نہیں کر رہا ہے۔ اس لئے اس چوکیدار کو اطلاع دیئے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنہ کے لئے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس نے آکر باہر سے تالہ لگادیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا۔ خزانے کی سیر کرتا رہا جب معائنہ سے فارغ ہو کر باہر نکلنے کے لئے دروازے کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اب اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اس اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن بھوک مٹانے کے لئے ان کو کھا نہیں سکتا تھا۔ پیاس لگ رہی ہے لیکن ان کے ذریعہ اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ حتی کہ اس خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اور وہی خزانہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (سورۃ التوبہ: ۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ بعض اہل دنیا کو اس دنیا ہی کے ذریعہ اس دنیاوی زندگی میں عذاب دیتے ہیں۔ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اس کا طریقہ وہی ہے کہ اپنے سے اُوپر مت دیکھو۔ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ البتہ جائز حدود میں رہ کر اپنی جائز ضروریات پوری کرلو۔ باقی صبح و شام دن رات دنیا کو جمع کرنے کے اندر جو انہماک اور جو فکر ہے۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک تاجر کا عجیب قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا۔ سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کے لئے قیام کیا۔ اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے سارے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری یہ تجارت ہے۔ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، فلاں جگہ اس چیز کی دکان ہے، فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز برآمد کرتا ہوں۔ ساری رات قصے سنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت پروان چڑھ گئی البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب ہوجائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلونگا اور بقیہ زندگی اپنی دکان پر بیٹھ کر گزار دونگا۔

شیخ سعدی نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے؟ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہوجاتی ہے۔ پھر چین سے چینی برتن لے کر روم میں فروخت کروں گا اور وہاں سے رومی کپڑا لاکر ہندوستان میں فروخت کرونگا اور پھر

ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جاکر فروخت کرونگا اور حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کرونگا اور پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر واپس فارس آجاؤں گا۔ غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدی سے فرمایا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے۔ اس کے لئے آپ دعا کردیں۔ اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دکان پر بقیہ زندگی گزار دونگا۔ اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دکان پر ہی گزار لے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے سفر کی روئیداد سنی تو میں نے اس سے کہا کہ ۔

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور
بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پرکند یا خاک گور

فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑا ہوا تھا اور ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا۔ اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیادار کی تنگ نگاہ کو یا تو قناعت پر کرسکتی ہے یا قبر کی مٹی پر کرسکتی ہے۔ اس کے پر کرنے کا کوئی تیسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ (گلستان سعدی، حکایت نمبر ۲۲ صفحہ ۱۱۹)

یہ مال بھی آخرت کا سامان ہے

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اُوپر مسلط ہوجاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت سے مال دیدے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو، اور وہ مال اللہ تعالیٰ کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعہ انسان جنت کمائے تو وہ مال پھر دنیا نہیں ہے، وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے۔ لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ یہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں۔ مرنے سے غافل ہیں۔ اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں۔ حساب و کتاب سے غافل ہیں۔ جزا اور سزا سے غافل ہیں۔ آخرت سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایکدن مرونگا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی؟ کس طرح سوال و جواب ہونگے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

اس کو پوری دنیا دیدی گئی

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًا فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا﴾

(ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا)

یعنی جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سر چھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کر کے دیدی گئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہوگئیں۔ اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہوگئی۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے طابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں نہیں مبتلا ہونا چاہئے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

اس حدیث میں دو باتوں کی تلقین فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے بڑا سبق ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ناشکری سے بچنا چاہئے۔ ہم لوگ صبح و شام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں۔ اس کی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آگئی تو بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہوگئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آجاتا ہے کہ "گزر رہی ہے۔" "ٹائم پاس ہو رہا ہے"۔ اللہ تعالیٰ

بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے۔ تکلیفوں کا عالم ہے لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا ہوں اور وقت پاس کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں۔ ان کا دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے لیکن میں کمزور ہوں، اس تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا۔ یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔ یہ الفاظ کہو۔ یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں۔

اُونچے اُونچے منصوبے مت بناؤ

یہ زندگی کا گزرنا اس لئے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہئے۔ ایسی شاندار کار ہونی چاہئے۔ اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں۔ اتنی اولاد ہونی چاہئے۔ اتنا بینک بیلنس ہونا چاہئے۔ ایسی تجارت ہونی چاہئے۔ یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا۔ پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو۔ دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے، تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان

تین چیزوں کا نام دنیا ہے جو مجھے ملتی ہے تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کرے گا کہ میں مستحق تو کم کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دیدیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کریگا بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہئے تھی اور وہ مل گئی۔ بہرحال، ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنالیتے ہیں۔ پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کردیتے ہیں۔ اس حدیث میں اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ ایسے بڑے بڑے منصوبے ہی مت بناؤ۔

اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو

اب ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ساری دنیا تمہیں مل گئی تو پھر اگلے دن کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد آئندہ کیا ہوگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ بھائی! اگلے دن کا کیا پتہ کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا اور جس مالک نے آج عطا فرمایا ہے کہ وہ مالک کل بھی دیگا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾

یعنی زمین پر چلنے والا جو کوئی جاندار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستقل ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اور اس کا عارضی ٹھکانہ بھی جانتے ہیں۔ اس کا رزق وہیں پہنچائیں گے۔ لہٰذا آئندہ کل تم محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اس محنت اور بھروسے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا کل کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور آج جو کچھ میسر

ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس لئے کہ شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیْدَنَّکُمْ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

سکون اور اطمینان قناعت میں ہے

اس حدیث سے دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ "قناعت" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر مطمئن ہو جائے۔ زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگالو۔ بینک بیلنس کے انبار لگالو، کوٹھیاں بنالو، کاریں رکھ لو، لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔ اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آجائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آجائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

بڑے بڑے دولت مندوں کا حال

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہے۔ وہ جب کسی بڑے دولت مند کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں۔ اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں۔ اس کے نوکر چاکر ہیں۔ اس کے پاس بینک بیلنس ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے۔ پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں —— لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس مال و

دولت کے پیچھے، اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آکر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لئے نہ جانے کتنے لوگ خود میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے۔ اور کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش! ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن و سکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا

بہرحال، یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا اور نہ دولت کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دیدیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں۔ لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ گے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت بات ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اس پر قناعت کرلو پھر اس قناعت کے ذریعہ تمہیں سکون مل جائے گا۔ اگر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال و اسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ مگر سکون میسر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں۔ اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے۔ اور اس کے لئے جائز اور ناجائز، حلال و حرام سب ایک کیا ہوا ہے۔ باوجود یکہ اربوں کے مالک ہیں۔ ارے پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس

کو کہاں استعمال کرو گے؟

دنیا کا مہنگا ترین بازار ”لاس اینجلس“ میں

میں پچھلے ہفتہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ وہاں کا ایک شہر ہے لاس اینجلس، وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں پر ایک موزے کی جوڑی کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے۔ جس کا مطلب ہے پاکستانی تقریباً پچاسی ہزار روپے کا ایک موزہ۔ ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر، سوٹ کی قیمت دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار ڈالر ہے۔ ایک ایک لاکھ ڈالر کے سوٹ ملتے ہیں۔ ایک دکان کے پاس سے گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصہ میں تو آدمی خریداری کے لئے جاسکتا ہے اس کے بعد دوسرے حصے میں جانے کے لئے ایک زینہ پر جانا پڑتا ہے۔ اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک اس دکان کا مالک خود اس کو ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے کلر کے سوٹ اور بہت سے ڈیزائن کے سوٹ دکھاتا ہے اور پھر مالک اس کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لئے کونسا کلر اور کونسا ڈیزائن مناسب ہوگا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ دینے ہونگے۔ شہزادہ چارلس نے اس سے مشورے کے لئے ٹائم مانگا تھا تو چھ مہینے بعد کا اس کو ملاقات کا ٹائم دیا کہ آپ چھ ماہ کے بعد فلاں وقت پر آپ تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کونسے کلر کا سوٹ پہنیں اور کونسے ڈیزائن کا سوٹ پہنیں۔

اس دولت کا دوسرا رخ

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس تو ختم نہیں ہوئی اور اب جب دولت آگئی تو اس کو کہاں خرچ کریں۔ چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے یہ راستے تلاش کرلئے۔ اب اس میں دولت خرچ ہو رہی ہے۔ بہرحال، ایک طرف تو دولت اس طرح پانی کی طرح بہائی جارہی ہے لیکن ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے۔ وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر سگنل پر بھکاری بھیک مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا ہوں۔ اگر آپ کے پاس چینج (ریزگاری) ہو تو وہ دیدیجئے۔ اس لئے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں۔ آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو ہوگی۔ جتنی دولت ہے۔ پہلے اس کو تو خرچ کرلو۔ پھر بعد میں اور کی فکر کرنا۔ یہ دنیا کی ہوس ایسی لامتناہی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔ اس کو "جوع البقر" کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بھوک ہے جو کبھی مٹتی نہیں، چاہے جتنا کھالے۔ ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں، چاہے جتنا پانی پی لے۔

ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی

ہمارے ہی ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جو ملک کے گنے چنے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک روز میرے پاس آئے۔ بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ لوگ آپ کے اُوپر رشک کرتے ہیں۔ اس دولت کو کچھ ایسے کاموں میں بھی خرچ کردیجئے جس سے یہ دولت آخرت میں بھی کارآمد ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ

کو بہت دولت دیدی ہے۔ آپ نے بہت کچھ کمالیا۔ اب توبہ کرلیجئے کہ سود کی لعنت سے بچیں گے۔ میری بات سن کر انہوں نے سود پر بحث شروع کردی کہ سود کیسے حرام ہے۔ سود کے بغیر دنیا میں کیسے گزارہ ہوگا۔ کیسے تجارت ہوگی۔ میں نے ان کو سمجھایا تو آخر میں خاموش ہوگئے۔ پھر خود ہی مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا صاحب بات تو آپ صحیح کہتے ہیں۔ مگر میں اس ہاتھ میں اُٹھنے والی کھجلی کو کیا کروں؟ یہ کھجلی کسی طرح بھی ختم نہیں ہوتی۔ چاہے کتنے کارخانے لگالوں۔ کتنی فیکٹریاں لگالوں۔ چاہے کتنا بینک بیلنس جمع کرلوں۔ مگر یہ کھجلی ختم نہیں ہوتی اور اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر اندر سے برباد ہے۔ گھر کا سکون میسر نہیں۔ اولاد کی راحت میسر نہیں۔ آپس میں لڑائی جھگڑے ہیں۔ تو دولت تو بہت ہے لیکن راحت اور آرام میسر نہیں۔

دنیا کا مالدار ترین انسان "قارون"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ﴾

(سورہ القصص: ۷۶)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔ اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت دیکھ کر کہا:

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

کاش وہ دولت ہمیں بھی ملی ہوتی۔ جیسی دولت قارون کو ملی ہے۔ وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے۔ اس لئے

بڑا قابل رشک ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہی لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہرحال، دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد تک نہیں۔ کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑو گے؟ کہاں تک تم حسرتیں کروگے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جاکر تمہیں قرار نہیں آئے گا۔ اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کرلو۔ "قناعت" کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے۔ اس کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہوجاؤ۔ جس دن یہ "قناعت" حاصل کرلی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہوجائے گی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں۔ جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ایک "تعلیمات اسلامی بورڈ" بنایا تھا۔ حضرت والد صاحب کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا، یہ بورڈ حکومت ہی کا ایک شعبہ تھا۔ ایک مرتبہ حکومت نے کوئی کام گڑبڑ کردیا تو حضرت والد صاحب نے اخبار میں حکومت کے خلاف بیان دیدیا کہ حکومت نے یہ کام غلط کیا ہے۔ بعد میں حکومت کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ تو حکومت کا حصہ ہیں۔ آپ نے حکومت کے خلاف یہ بیان دیدیا؟ حالانکہ آپ "تعلیمات اسلامی بورڈ" کے رکن ہیں۔ اور یہ بورڈ "دستور ساز اسمبلی" کا حصہ ہے۔ حکومت کے خلاف آپ کا یہ بیان دینا مناسب بات نہیں ہے۔

جواب میں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ رکنیت کسی اور مقصد کے لئے قبول نہیں کی تھی۔ صرف دین کی خاطر قبول کی تھی اور دین کے ایک خادم کی حیثیت سے یہ میرا یہ فرض ہے کہ جو بات میں حق سمجھوں وہ کہہ دوں۔ چاہے وہ بات حکومت کے موافق پڑے یا مخالف پڑے۔ میں اس کا مکلف نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بات حق ہے وہ واضح کروں۔ رہا رکنیت کا مسئلہ۔ یہ رکنیت کا معاملہ میری ملازمت نہیں ہے۔ آپ حکومت کے خلاف بات کہتے ہوئے ڈریں کیونکہ آپ حکومت کے ایک ملازم افسر ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ اگر یہ ملازمت چھوٹ گئی تو پھر آپ نے زندگی گزارنے کا جو نظام بنا رکھا ہے وہ نہیں چل سکے گا۔ میرا یہ حال ہے کہ جس دن میں نے رکنیت قبول کی تھی اسی دن استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا تھا کہ جب بھی موقع آئے گا پیش کردوں گا۔ جہاں تک ملازمت کا معاملہ ہے تو مجھ میں آپ میں یہ فرق ہے کہ میرا سر سے پاؤں تک زندگی کا جو خرچہ ہے وہ دو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل و کرم سے میں اس تنخواہ اور اس الاؤنس کا محتاج نہیں ہوں۔ یہ دو روپے اگر یہاں سے نہیں ملیں گے تو کہیں بھی مزدوری کر کے کما لوں گا اور اپنے ان دو روپے کا خرچہ پورا کرلوں گا اور آپ نے اپنی زندگی کو ایسا بنایا ہے کہ دو سو روپے سے کم میں آپ کا سوٹ نہیں بنتا۔ اس وجہ سے آپ حکومت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹ جائے۔ مجھے الحمدللہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کرلو۔ انشاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہئے۔ جب اتنی

آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہو گئی۔ لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہو گئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی۔ اس کا نام "قناعت" ہے۔

یہ دعا کیا کریں

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ﴾

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عجیب و غریب دعا ہے۔ ایک ایک جملہ پر آدمی قربان ہو جائے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرمادیجئے۔ سبحان اللہ۔ اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔ اس لئے کہ "قناعت" حاصل ہو جانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر وقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے۔ یہ دھن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہو جائے گی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔

برکت کا مطلب

آج کل لوگ "برکت" کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے مبارک ہو، کار مل گئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہوگئی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے۔ اسی کا نام برکت ہے۔

حساب کتاب کی دنیا

آج کی دنیا Statistics (اعداد و شمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیہ اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی۔ لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے The Reign of quantity "گنتی کی حکومت" یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کر رہی ہے، وہ "گنتی" اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔

برکت اور بے برکتی کی مثال

مثلاً ایک شخص نے سو روپے کمائے۔ جب گھر واپس جانے کے لئے بس اسٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی گاڑی

میں گھر پہنچا دیتا ہوں۔ مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہوجاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلادی، یہ برکت ہوگئی۔ اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے۔ اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ اس لئے فوراً ہسپتال لے جانا ہے۔ چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیئے۔ اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہسپتال میں داخل کردیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی۔ برکت نہ ہوئی۔

رشوت اور سود میں بے برکتی

چنانچہ "رشوت" کی جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس میں یہی بے برکتی ہوتی ہے۔ اگر ایک جگہ سے رشوت لے گا تو دس جگہ پر رشوت دینی پڑے گی۔ مثلاً ایک جگہ سے رشوت لی اور اب ان پیسوں کو گن گن کر خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس دس ہزار کے بیس ہزار روپے ہوگئے۔ بیس کے پچاس ہزار ہوگئے۔ پچاس ہزار سے ایک لاکھ ہوگئے۔ لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ایک لاکھ روپے جو رشوت لے کر جمع کئے گئے ہیں۔ وہ دس آدمیوں کو جاکر دینے پڑیں گے۔ کل جب کسی دفتر میں مجھے کام پڑے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ یہ سارے پیسے اسی طرح تقسیم ہوجائیں گے۔ اس کا نام بے برکتی ہے۔ "برکت" اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ انسان کے زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس پر قناعت عطا فرمایئے اور اس میں مجھے برکت عطا فرمادیجئے۔

دارالعلوم کی تنخواہوں میں برکت

ہمارے دارالعلوم کو دیکھ لیجئے۔ وہاں کے اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں گنتی کے اعتبار سے کم ہیں۔ لیکن آپ ان میں سے جس سے چاہیں پوچھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے اور اس سے اتنے کام نکل آتے ہیں کہ باہر رہنے والوں کی بڑی تنخواہوں میں وہ کام نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے مشاہدہ ہے۔ یہ ہے برکت، جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور یہ برکت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان قناعت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔

دعا کا تیسرا جملہ

اس دعا میں تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاخْلُفْ عَلٰى كُلِّ غَائِبَةٍ لِّيْ مِنْكَ بِخَيْرٍ﴾

یعنی اے اللہ! جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ چیزیں مجھے مل جائیں، مگر نہیں ملیں۔ اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں اور بہتر چیزیں عطا فرما جو آپ کے نزدیک بہتر ہوں۔ گویا کہ اس دعا میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ "قناعت دیدیجئے۔ دوسرے میں برکت دیدیجئے اور جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے ملیں مگر نہیں ملیں۔ آپ نے اپنی تقدیر اور فیصلے سے مجھے عطا نہیں فرمائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ اے اللہ ان کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو۔ مثلاً دل چاہتا تھا کہ میرے پاس کار ہو۔ مگر نہیں ملی تو اے اللہ! جب آپ نے مجھے

خواہش کے باوجود کار نہیں دی تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوگی۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں وہ چیز دیدیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ اگر انسان کے حق میں یہ تین دعائیں قبول ہوجائیں کہ قناعت مل جائے جو کچھ ملا ہے اس میں برکت حاصل ہوجائے اور جو نہیں ملا اس کا نعم البدل مل جائے تو پھر دنیا کے اندر اور کیا چاہئے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔ اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔ آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں۔ کوٹھی، بنگلے کو اور مال و اسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔ یاد رکھئے۔ ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں۔ اصل دولت "قناعت" ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ﴾ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

یعنی سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام "مالداری" ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے۔ بس جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا۔ نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قناعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض

کرتا ہے کہ آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لئے سونے کا بنا دیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا کہ نہیں۔ ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کرکے کھاؤں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں۔ مجھے تو ایسا "غنی" چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔ چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنًی یُطْغِیْنِیْ﴾

"یعنی اے اللہ، میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے"۔

خلاصہ

خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ احادیث دو چیزوں کا سبق دے رہی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اُوپر برس رہی ہیں۔ میرا وجود، میری زندگی، میری سانسوں کی آمدورفت میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ، میرے ہاتھ، میرے پاؤں۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت، عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کرکے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، بلکہ نیچے والے کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں

اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو۔ اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر "قناعت" اختیار کرلو۔ لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو۔ اس لئے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کررہا ہے تو تجارت کرے۔ ملازمت کررہا ہے تو ملازمت کرے۔ زراعت کررہا ہے تو زراعت کرے لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہوجائے اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے تو کم مل رہا ہے۔ لہٰذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل کرلوں۔ ایسا نہ کرے بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزار نہیں۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرمادیجئے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس میں برکت عطا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے فضل سے یہ دولت عطا فرمادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : دوسروں کو تکلیف مت دیجئے۔
مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم
صفحات : ۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ ــــ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾ (ترمذی، کتاب الایمان، باب نمبر۱۲)

وہ حقیقی مسلمان نہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے، اور نہ اس کے

ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ گویا کہ اس حدیث میں مسلمان کی پہچان بتائی کہ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے۔ لہٰذا جس مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ نہ رہیں، حقیقت میں وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی مفتی اس پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگائے گا کہ یہ شخص چونکہ نماز نہیں پڑھتا، لہٰذا یہ کافر ہو گیا۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے سب سے اہم فریضے کو انجام نہیں دے رہا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف پہنچے تو اس پر بھی اگرچہ مفتی کفر کا فتویٰ نہیں لگائے گا۔ لیکن وہ حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں والا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے۔

"معاشرت" کا مطلب

اسلام کے پانچ شعبے ہیں: ① عقائد۔ ② عبادات۔ ③ معاملات، ④ اخلاق، ⑤ معاشرت۔ یہ حدیث درحقیقت اسلام کے ان پانچ شعبوں میں سے ایک شعبے یعنی "معاشرت" کی بنیاد ہے۔ "معاشرت" کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا نہیں رہتا، اور نہ ہی تنہا رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جب وہ دنیا میں رہتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی سے واسطہ پڑتا ہے، گھر والوں سے واسطہ، دوستوں سے واسطہ، پڑوسیوں سے، بازار والوں سے، اور جس جگہ پر وہ کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دوسروں سے واسطہ پڑے تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہئے؟ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس کو "معاشرت" کے احکام کہا جاتا ہے یہ بھی دین کے پانچ بڑے شعبوں میں سے ایک بڑا شعبہ ہے۔ لیکن ہماری نادانی اور بے عملی کی وجہ سے دین کا یہ شعبہ بالکل نظر انداز ہو کر رہ گیا ہے، اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اس کے

بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

معاشرت کے احکام کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے بھی "معاشرت" کے احکام بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے، مثلاً معاشرت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کے گھر میں جاؤ تو اندر داخل ہونے سے اس سے اجازت لو کہ میں اندر آسکتا ہوں یا نہیں؟ اس اجازت لینے کو عربی زبان میں "استئذان" کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے "استئذان" کے احکام بیان کرنے کے لئے قرآن کریم میں پورے دو رکوع نازل فرمائے۔ جب کہ دوسری طرف قرآن کریم میں نماز پڑھنے کا حکم شاید باسٹھ جگہ آیا ہے۔ لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں بتائی۔ بلکہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر چھوڑ دیا۔ لیکن استئذان کی تفصیل کو قرآن کریم نے خود بیان فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر نہیں چھوڑا، اس کے علاوہ قرآن کریم میں سورۃ الحجرات کا ایک بہت بڑا حصہ معاشرتی احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو معاشرتی احکام کی اتنی اہمیت ہے۔ لیکن دوسری طرف ہماری روز مرہ کی زندگی میں ہم نے ان احکام پر عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور ان احکام کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت تھانویؒ کا معاشرت کے احکام کو زندہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس دور میں دین کی تجدید کا کام لیا، دین کے وہ ابواب جو لوگوں نے پس پشت ڈال دیئے تھے، اور دین سے ان کو خارج ہی کر دیا تھا، آپ نے ان کی اہمیت بتائی، اور اس کے بارے میں لوگوں کو احکام بتائے، اور اپنی خانقاہ میں اس کی

عملی تربیت کا اہتمام فرمایا ـــــ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خانقاہ اس کو کہتے ہیں جس میں حجروں کے اندر بیٹھ کر لوگ اللہ اللہ کر رہے ہوں اور اپنے ذکر و تسبیح اور عبادات میں مشغول ہوں۔ اس کے آگے کچھ نہ ہو ـــــ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں ذکر و تسبیح اور نوافل پر اتنا زور نہیں دیا، جتنا آپ نے معاشرت کے اس مسئلے پر زور دیا کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طالبین اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ جو معمولات اس کو بتائے گئے تھے وہ ان میں کوتاہی کرتا ہے۔ مثلاً دس تسبیح کے بجائے وہ پانچ تسبیحات پڑھتا ہے تو اس اطلاع سے رنج تو ہوتا ہے کہ اس کو ایک طریقہ بتایا گیا تھا۔ اس نے اس پر کیوں عمل نہیں کیا۔ لیکن جب کسی کے بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس نے "معاشرت" کے احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اور اس نے اپنی ذات سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

پہلے انسان تو بن جاؤ

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے۔ یا عابد زاہد بننا ہے تو اس مقصد کے لئے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں، وہاں چلے جاؤ، اگر انسان بننا ہے تو یہاں آجاؤ، اس لئے کہ یہاں تو انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا اور عالم بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے اونچے درجے کی بات ہے، ارے پہلے انسان تو بن جاؤ۔ اور پہلے جانوروں کی صف سے نکل جاؤ ـــــ اور انسان اس وقت تک انسان نہیں بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں، اور ان پر عمل نہ کرتا ہو۔

جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تین قسم کے جانور پیدا فرمائے ہیں۔ جانوروں کی ایک قسم وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ شاذو نادر ہی کبھی ان سے نقصان پہنچتا ہو۔ مثلاً گائے۔ بکری وغیرہ ہے یہ جانور ایسے ہیں جو دودھ کے ذریعہ تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں جب دودھ دینا بند کردے گی تو تم اس کو کاٹ کر اس کا گوشت کھالوگے۔ اور اس طرح تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اپنی جان دے دیں گے۔ اور یہ جانور نقصان نہیں پہنچاتے —— جانوروں کی دوسری قسم وہ ہے جو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں۔ اور ان کا فائدہ بظاہر کچھ نہیں ہے۔ مثلاً سانپ، بچھو، درندے وغیرہ یہ سب موذی جانور ہیں، جب کسی انسان سے ملیں گے تو اس کو تکلیف دیں گے۔ ڈنگ ماریں گے —— جانوروں کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ تکلیف دیتے ہیں، اور نہ ہی فائدہ پہنچاتے ہیں جیسے جنگل میں رہنے والے جانور لومڑی گیدڑ وغیرہ، نہ ان سے انسان کو کوئی خاص فائدہ پہنچتا ہے، اور نہ کوئی خاص نقصان پہنچتا ہے —— جانوروں کی ان تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے اور سارے حیوانات پر تجھے فضیلت دی گئی ہے۔ تو اگر انسان نہیں بنتا بلکہ جانور بننا چاہتا ہے تو کم از کم پہلی قسم کا جانور بن جا، جو دوسروں کو جائدہ تو پہنچاتے ہیں۔ اور نقصان نہیں پہنچاتے۔ جیسے گائے بکری وغیرہ، اور اگر تو اس سے بھی نیچے آنا چاہتا ہے تو تیسری قسم کا جانور بن جا، جو نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور اگر تو نے دوسروں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچانا شروع کردیا تو پھر سانپ بچھو اور درندوں کی قسم میں داخل ہو جائے گا۔

ہم نے انسان دیکھے ہیں

بہر حال! مسلمان غیر مسلم کی بات بعد کی ہے۔ عالم غیر عالم اور عابد غیر عابد کی بات تو بہت بعد کی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان انسان بن جائے۔ اور انسان بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرت کو اختیار کرے، اور اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے، اس کے ہاتھ سے، نہ اس کی زبان سے، اور نہ اس کے کسی فعل سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غایت تواضع سے فرمایا کہ پکے اور پورے سو فیصد انسان تو ہم بھی نہیں بن سکے. لیکن ــــ الحمد للہ ــــ انسانوں کو دیکھ لیا ہے کہ انسان کیسا ہوتا ہے، اور کوئی بیل آکر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا ــــ کہ میں انسان ہوں لہٰذا اگر کبھی انسان بننا چاہیں گے، تو انشاء اللہ انسان ہی بنیں گے اور انسان کے دھوکے میں بیل نہیں بنیں گے۔

دوسروں کو تکلیف سے بچالو

دیکھئے: نوافل مستحبات ذکر واذکار اور تسبیحات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کرو گے تو انشاء اللہ آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، اور اگر نہیں کرو گے تو آخرت میں یہ پکڑ نہیں ہوگی کہ فلاں نفل کیوں نہیں پڑھی؟ ذکر واذکار کیوں نہیں کیا تھا؟ البتہ یہ سب فضیلت والے کام ہیں۔ ضرور کرنے چاہئیں، اور کرنے پر آخرت میں ثواب ملے گا۔ لیکن نہ کرنے پر گرفت نہیں ہوگی ــــ دوسری طرف اگر تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف پہنچ گئی تو یہ گناہ کبیرہ ہوگیا، اب اس کی آخرت میں پکڑ ہوجائے گی کہ ایسا کام کیوں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت نوافل میں اور اسلام کے معاشرتی احکام میں تعارض ہوجائے یا تو نوافل پڑھ لو. یا اس معاشرتی حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کو تکلیف سے بچالو تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے

کہ نوافل کو چھوڑ دو، اور اس معاشرتی حکم پر عمل کرلو۔

نماز باجماعت کی اہمیت

دیکھئے: مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دن ایسا کروں کہ جب جماعت کا وقت آجائے تو کسی کو امام بنا کر خود باہر جاؤں، اور گھروں میں جاکر دیکھوں کہ کون کون لوگ مسجد میں نہیں آئے بلکہ گھر میں بیٹھے رہے، پھر ان کے گھروں کو آگ لگادوں، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فریضے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی کتنی تاکید ہے چنانچہ بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو سنت مؤکدہ فرمایا ہے۔ لیکن دوسرے بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور جماعت سے نماز ادا کرنا اداء کامل ہے اور تنہا ادا کرنا اداء ناقص ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی تاکید اور اہمیت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ مرض وفات میں جب کہ آپ کے لئے چلنا مشکل تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امام بنا دیا تھا۔ اس وقت بھی آپ نے دو آدمیوں کا سہارا لے کر جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے ـــــ اس سے جماعت سے نماز پڑھنے کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ایسے شخص کے لئے مسجد میں آنا جائز نہیں

لیکن دوسری طرف تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو لوگوں کے لئے گھن کا باعث ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بدبو آتی ہے، ایسے شخص کو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور صرف یہ نہیں کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم اس سے ساقط ہوگیا، بلکہ جماعت سے نماز

پڑھنا جائز ہی نہیں اگر جماعت سے نماز پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے گا تو اس کے پاس کھڑے ہونے والوں کو بدبو سے تکلیف ہوگی — دیکھئے جماعت جیسی اہم عبادت کو صرف لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھڑا دیا گیا۔

حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت تکلیف دینا

حجر اسود کی فضیلت اور اہمیت کون مسلمان نہیں جانتا، اور فرمایا گیا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسے اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا انسان کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا۔ یہ اس کی فضیلت کی بات ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ فرمادیا کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے اگر دھکا دینا پڑے، اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر اس وقت حجر اسود کو بوسہ دینا جائز نہیں۔ بلکہ گناہ ہے — آپ دیکھتے جائیں کہ شریعت اس بات کا کتنا اہتمام کرتی ہے کہ دوسروں کو اپنی ذات سے ادنیٰ برابر بھی تکلیف پہنچنے سے بچایا جائے — جب اتنی اہم چیزوں کو صرف اس لئے چھڑایا جارہا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے تو پھر نوافل اور مستحبات کے ذریعہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا کہاں سے جائز ہوگا؟

بلند آواز سے تلاوت کرنا

مثلاً تلاوت قرآن کریم ایک عبادت ہے یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، گویا کہ تلاوت کے وقت نیکیوں کا خزانہ جمع ہوجاتا ہے، اور فرمایا کہ سارے اذکار اور تسبیحات میں سب سے افضل ترین قرآن کریم تلاوت ہے، اور تلاوت میں افضل یہ ہے کہ بلند آواز سے کی جائے۔ آہستہ آواز کے

مقابلے میں بلند آواز سے تلاوت کرنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر تمہاری تلاوت کی وجہ سے کسی کی نیند یا آرام میں خلل آرہا ہو تو پھر بلند آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں۔

تہجد کے وقت آپ ﷺ کے اٹھنے کا انداز

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے، ساری عمر کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر آسانی فرماتے ہوئے تہجد کی نماز واجب نہیں فرمائی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز واجب تھی۔ آپ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں فرمائی، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے، تو آہستہ سے اٹھتے اور آہستگی سے دروازہ کھولتے کہ کہیں میرے اس عمل کی وجہ سے میری بیوی کی آنکھ نہ کھل جائے، اور ان کی نیند خراب نہ ہو جائے ۔۔۔ سارا قرآن اور حدیث اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے، اور قدم قدم پر شریعت نے اس کا اہتمام کیا ہے۔

لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھنا

ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا جو لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہے۔ جائز نہیں۔ بعض لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، پوری مسجد خالی پڑی ہے، مگر پچھلی صف میں جاکر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور نیت باندھ لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گزرنے والا یا تو اس کے پیچھے سے لمبا چکر کاٹ کر جائے یا نمازی کے سامنے سے گزرنے کے گناہ کا ارتکاب کرے۔ اس طریقے سے نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

’’مسلم‘‘ میں سلامتی داخل ہے

بہرحال! حدیث شریف میں فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ اور سالم رہیں، لفظ ’’المسلم‘‘ کا مادہ ہے ’’س ل م‘‘ اور لفظ ’’سلامتی‘‘ بھی اسی مادے سے اور انہی حروف سے مل کر بنا ہے، گویا اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ ’’مسلمان‘‘ کے لفظ کے اندر سلامتی لفظ داخل ہے۔

السلام علیکم کا مفہوم

دوسرے مذاہب کے لوگ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی ’’ہیلو‘‘ کہتا ہے۔ کوئی گڈ نائٹ۔ اور کوئی گڈ مارننگ کہتا ہے اور کوئی ’’نمستے‘‘ کوئی ’’آداب‘‘ کہتا ہے۔ مختلف لوگوں نے ملاقات کے وقت دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے مختلف الفاظ اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب دوسرے سے ملاقات کرو تو یہ کہو ’’السلام علیکم‘‘ جس کے معنی یہ ہیں کہ تم پر سلامتی ہو —— ایک طرف تو اس میں سلامتی کی دعا ہے، جبکہ دوسرے کلمات کہنے میں کوئی دعا نہیں ہے۔ اس وجہ سے سننے والے مخاطب کو ان الفاظ کے ذریعہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن جب آپ نے ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم‘‘ کہا تو آپ نے مخاطب کو تین دعائیں دے دیں، یعنی تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو، تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو، اور برکت نازل ہو۔ اگر ایک مرتبہ کا سلام بھی دوسرے مسلمان کے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ساری زندگی کا بیڑہ پار ہو جائے —— اور اس سلام کے ذریعہ دوسرا سبق یہ سکھا دیا کہ دو آدمیوں کے ملنے کے وقت جو چیز سب سے زیادہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی طرف سے اس کے اوپر سلامتی ہو اور اس کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اور مسلمان ملاقات کے وقت سب سے پہلے یہ

پیغام دیدے کہ میں تمہارے لئے سلامتی بن کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے عذاب اور تکلیف بن کر نہیں آیا ہوں۔

زبان سے تکلیف نہ دینے کا مطلب

پھر اس حدیث میں دو لفظ استعمال فرمائے، ایک "من لسانہ" اور ایک دوسرا "ویدہ" یعنی دوسرے مسلمان دو چیزوں سے محفوظ رہیں، ایک اس کی زبان سے، اور دوسرے اس کے ہاتھ سے۔ زبان سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے سننے والے کا دل ٹوٹے، اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اس کی دل آزاری ہو ـــــ اگر بالفرض دوسرے مسلمان کی کسی بات پر تنقید کرنی ہے تو بھی ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی دل آزاری بالکل نہ ہو، یا کم سے کم ہو۔ مثلاً اس سے یہ کہدیں کہ آپ کی فلاں بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا آپ فلاں بات پر غور کرلیں، وہ بات اصلاح کے لائق ہے، اور شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اس کی بدگوئی ہو، مثلاً گالی گفتار اختیار کرنا، یا گالی گفتار سے بڑھ کر طعنہ دینا ـــــ "طعنہ" کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست تو کوئی بات نہیں کی۔ لیکن لپیٹ کر بات کہدی، اور یہ طعنہ ایسی چیز ہے جو دلوں میں زخم ڈال دیتا ہے، عربی شاعر کا ایک شعر ہے:

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی نیزے کا زخم بھر جاتا ہے۔ لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ اس لئے اگر کسی کی کوئی بات آپ کو ناگوارہ ہے تو صاف صاف اس سے کہہ دو کہ فلاں بات آپ کی مجھے پسند نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا﴾ (سورۃ الاحزاب: ۷۰)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ لپٹی ہوئی بات مطلوب اور پسندیدہ نہیں ــــ آجکل فقرہ بازی ایک فن بن گیا ہے، فقرہ بازی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کی جائے کہ دوسرا شخص سن کر تلملاتا ہی رہ جائے۔ براہ راست اس سے وہ بات نہیں کہی۔ بلکہ لپیٹ کر کہہ دی۔ ایسی باتیں کرنے والوں کی لوگ خوب تعریف بھی کرتے ہیں کہ یہ شخص تو بڑا زبردست انشاء پرواز ہے، اور بڑا لطیف مذاق کرنے والا ہے۔

طنز کا ایک عجیب واقعہ

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا۔ اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت والا کے ایک مخلص معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار ادبی اعتبار سے آجکل کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کی اشعار تھے، وہ اشعار یہ تھے۔

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لئے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہو سکتا ہے ــــ یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، اس کے جواب میں میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق

رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب داد دے گا۔ اور اس کو پسند کرے گا۔ اس لئے کہ چبھتا ہوا جواب ہے۔ اس لئے کہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں۔ لیکن دوسرے مصرعے نے اس بات کو بالکل الٹ دیا۔ یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے، تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا۔ میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں ـــــ بہرحال یہ اشعار لکھ حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا۔ لیکن میاں تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا۔ اور ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں، چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی۔ اور ایک شعر کا اضافہ فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ:

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے اس لئے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں۔ اگر تم مومن ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے ـــــ اب دیکھئے: وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے۔ جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لئے کہ یہ طنز تو یہاں

دنیا میں رہ جائے گا، لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہٰذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے، کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا جب کسی سے کوئی بات کہنی ہو تو صاف اور سیدھی بات کہہ دینی چاہئے۔ لپیٹ کر بات نہیں کہنی چاہئے۔

زبان کے ڈنک کا ایک قصہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کی زبان میں ڈنک ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جب بھی کسی سے بات کریں گے۔ ڈنک ماریں گے، اور طعنہ اور طنز کی بات کریں گے۔ یا کسی پر اعتراض کی بات کریں گے۔ حالانکہ اس انداز سے بات کرنے سے دل میں گرہیں پڑجاتی ہیں۔ پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب کسی عزیز کے گھر میں گئے تو دیکھا ان کی بہو بہت غصے میں ہے، اور زبان سے اپنی ساس کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اور ساس بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی، ان صاحب نے اس کی ساس سے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ اتنا غصہ اس کو کیوں آرہا ہے؟ جواب میں ساس نے کہا: بات کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے صرف دو بول بولے تھے، اس کی خطاء میں پکڑی گئی۔ اور اس کے نتیجے میں یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے، اور غصہ کر رہی ہے۔ ان صاحب نے پوچھا کہ وہ دو بول کیا تھے؟ ساس نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ باپ تیرا غلام اور ماں تیری لونڈی، بس اس کے بعد سے یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے ـــــ اب دیکھئے: وہ صرف دو بول تھے۔ لیکن ایسے دو بول تھے جو انسان کے اندر آگ لگانے والے تھے۔ لہٰذا طعنہ کا انداز گھروں کو برباد کرنے والا ہے دلوں میں بغض اور نفرتیں پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اور ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کہنی چاہئے۔

پہلے سوچو پھر بولو

زبان کو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ جو بات میں کہنے جارہا ہوں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور دوسرے پر اس کا کیا اثر پڑے گا، اور یہ سوچ لیا کرو کہ جو بات میں دوسرے سے کہنے جارہا ہوں۔ اگر دوسرا شخص مجھ سے یہ بات کہتا تو اس کا مجھ پر کیا اثر ہوتا، مجھے اچھا لگتا یا برا لگتا، حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی اور یہ اصول بتادیا کہ:

﴿اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ﴾

(ترمذی، کتاب الزہد، باب من اتقی، المحارم فھوا عبد الناس)

یعنی دوسرے کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو ــــ اور یہ جو ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں کہ اپنے لئے الگ پیمانہ دوسرے کے لئے الگ پیمانہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خاتمہ فرمادیا۔ اگر یہ ترازو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے تو پھر یہ سارے جھگڑے اور فسادات ختم ہوجائیں۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں دے رکھی ہے، اس کی قیمت ہمیں ادا نہیں کرنی پڑی، اور پیدائش کے وقت سے لے کر موت تک یہ سرکاری مشین چلتی رہتی ہے۔ لیکن اگر خدا نخواستہ یہ نعمت چھن جائے تب اس نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، اگر فالج ہوجائے۔ اور زبان بند ہوجائے تو اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ بولنا چاہتے ہیں، اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہنا چاہتے ہیں، لیکن زبان نہیں چلتی۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ گویائی کی طاقت کتنی عظیم نعمت ہے۔ لیکن ہم لوگ صبح سے لے کر شام اس زبان کو قینچی کی طرح چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے۔

یہ طریقہ ٹھیک نہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے تولو، پھر بولو۔ اگر اس طریقہ پر ہم نے عمل کر لیا تو پھر یہ زبان جو ہمارے لئے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔ انشاء اللہ جنت میں جانے کے اسباب پیدا کرنے والی اور آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے والی بن جائے گی۔

سوچ کر بولنے کی عادت ڈالیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز زبان ہے۔ یعنی جہنم میں اوندھے منہ گرائے جانے کا سب سے بڑا سبب زبان ہے ـــــ اس لئے جب بھی اس زبان کو استعمال کرو۔ استعمال کرنے سے ذرا سا سوچ لیا کرو ـــــ کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی ایک جملہ بولنا ہو تو پہلے پانچ منٹ تک سوچے، پھر زبان سے وہ جملہ نکالے تو اس صورت میں بہت وقت خرچ ہو جائے گا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اگر شروع شروع میں انسان بات سوچ سوچ کر کرنے کی عادت ڈال لے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر سوچنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لمحہ میں انسان فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ بات زبان سے نکالوں یا نہ نکالوں۔ پھر اللہ تعالیٰ زبان کے اندر ہی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زبان سے پھر صرف حق بات نکلتی ہے۔ غلط اور ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو۔ اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہو۔ بشرطیکہ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سرکاری مشین کو آداب کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے۔ جن کو "بھائی نیاز" کہا کرتے تھے۔ بڑے ناز پروردہ خادم تھے، اس لئے

آنے والے لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ اور چونکہ خانقاہ کے اندر ہر چیز کا ایک نظم اور وقت ہوتا تھا۔ اس لئے آنے والوں پر روک ٹوک بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو۔ یہ کام اس طرح کرو وغیرہ ــــ کسی شخص نے حضرت والا کے پاس ان کی شکایت کی کہ آپ کے یہ خادم بھائی نیاز صاحب بہت سر چڑھ گئے ہیں، اور بہت سے لوگوں پر غصہ اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے ہیں حضرت والا کو یہ سن کر غصہ آیا کہ یہ ایسا کرتے ہیں، اور ان کو بلوایا، اور ان کو ڈانٹا کہ کیوں بھائی نیاز، یہ کیا تمہاری حرکت ہے۔ ہر ایک کو تم ڈانٹتے رہتے ہو، تمہیں ڈانٹنے کا حق کس نے دیا ہے؟ جواب میں بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو، جھوٹ نہ بولو ــــ ان کا مقصد حضرت والا کو کہنا نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے شکایت کر رہے ہیں، ان کو چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں ــــ جس وقت حضرت والا نے بھائی نیاز کی زبان سے یہ جملہ سنا۔ اسی وقت گردن جھکائی اور "استغفر اللہ استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے ــــ دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ایک ادنیٰ خادم نے حضرت والا سے ایسی بات کہدی۔ لیکن حضرت نے بجائے ان کو کچھ کہنے کے استغفراللہ کہتے ہوئے چلے گئے ــــ بعد میں خود حضرت والا نے فرمایا کہ دراصل مجھ سے غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر فوراً ڈانٹنا شروع کردیا تھا۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں پہلے ان سے پوچھتا کہ لوگ آپ کے بارے میں یہ شکایت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں کہ شکایت درست ہے یا غلط ہے۔ اور دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ڈانٹنا شریعت کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ بات شریعت کے خلاف تھی، اس لئے میں اس پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کو جانچنے کی ترازو پیدا فرمادیتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمادے۔ آمین۔

غیر مسلموں کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں

اس حدیث میں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس سے بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف مسلمانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا غیر مسلم کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت اس حدیث میں موجود نہیں ـــــ یہ بات درست نہیں کیونکہ حدیث میں مسلمان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں پر عام طور پر مسلمانوں ہی سے ان کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے خاص طور پر حدیث میں مسلمانوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے برابر ہے کہ اپنی ذات سے غیر مسلم کو بھی حالت امن میں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو، اور حالت جنگ ہو، تو چونکہ وہ تو کافروں کی شان و شوکت توڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ لیکن جن کافروں کے ساتھ حالت جنگ نہیں ہے۔ ان کافروں کو تکلیف پہنچانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

ناجائز ہونے کی دلیل

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت میں مصر میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ پوری قوم کفر اور گمراہی میں مبتلا تھی۔ اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک اسرائیلی اور قبطی میں جھگڑا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک مکا مار دیا، جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کو اپنے لئے گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ولَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ﴾ (سورۃ الشعراء: ۱۴)

یعنی مجھ سے ان کا ایک گناہ ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھے قتل کردیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کافر کے قتل کو گناہ سے تعبیر کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو کافر تھا۔ اور کافر کو قتل کرنا تو جہاد کا ایک حصہ ہے۔ پھر آپ نے اس کو گناہ کیوں قرار دیا، اور اس پر استغفار کیوں کیا؟ ــــ جواب یہ ہے کہ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا، اور حالت امن تھی، اور اگر مسلمان اور کافر ایک ساتھ رہائش پذیر ہوں۔ اور حالت امن ہو، اس حالت میں کافر کا بھی دنیا کے اعتبار سے وہی حق ہے۔ جو مسلمان کا ہے۔ یعنی جس طرح مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ اسی طرح کافر کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے، اور انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آدمی بنے۔ مسلمان بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے، پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے۔ اور آدمیت کا حق یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

وعدہ خلافی کرنا زبان سے تکلیف دینا ہے

بعض کام ایسے ہیں جن کو لوگ زبان کے ذریعہ تکلیف دینے کے اندر شمار نہیں کرتے، حالانکہ وہ کام زبان سے تکلیف دینے کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً وعدہ خلافی کرنا۔ آپ نے کسی سے یہ وعدہ کرلیا کہ فلاں وقت آپ کے پاس آؤں گا۔ یا فلاں وقت میں آپ کا کام کردوں گا۔ لیکن وقت پر وعدہ پورا نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچی، اس میں ایک طرف تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوا۔ دوسری طرف دوسرے شخص کو تکلیف پہنچانے کا بھی گناہ ہوا۔ یہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے حکم میں داخل ہے۔

تلاوت قرآن کے وقت سلام کرنا

بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں زبان سے تکلیف پہنچا رہا ہوں، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو ثواب کا کام کر رہا ہوں، لیکن حقیقت میں وہ گناہ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے، مثلاً سلام کرنا کتنی بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے۔ لیکن شریعت نے دوسرے کی تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے کہ سلام کرنے کے بھی احکام مقرر فرمادیئے کہ ہروقت سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض مواقع پر سلام کرنے پر ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔ کیونکہ سلام کے ذریعہ تم نے دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے۔ مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے، اس کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا۔ اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی۔ اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں، ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ اس کی زبان پر ذکر جاری ہے۔ تمہارے سلام کی وجہ سے اس کے ذکر میں خلل واقع ہوگا، اور اس کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔

مجلس کے دوران سلام کرنا

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں سے کوئی لمبی بات کر رہا ہے۔ اور دوسرے لوگ توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں۔ اگرچہ وہ دنیاوی باتیں ہوں۔ اس حالت میں بھی اس مجلس میں جاکر سلام کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ باتیں سننے میں معروف تھے۔ آپ نے سلام کے ذریعہ ان کی باتوں میں خلل

ڈال دیا۔ اور جس کی وجہ سے باتوں کے درمیان میں بد مزگی پیدا ہو گی۔ اس لئے اس موقع پر سلام کرنا جائز نہیں ـــــ اس لئے حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کے لئے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہو چکی ہو تو وہاں پر سلام کے بغیر بیٹھ جاؤ، اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مرادف ہو گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

ایک شخص کھانا کھانے میں مشغول ہے، اس وقت اس کو سلام کرنا حرام تو نہیں۔ البتہ مکروہ ضرور ہے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہو گی۔ اب دیکھئے کہ وہ تو کھانا کھانے میں مشغول ہے، نہ تو وہ عبادت کر رہا ہے، نہ ذکر کرنے میں مشغول ہے، اگر تم سلام کر لو گے تو اس پر پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہونے اور اس کو ناگوار ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اس وقت سلام نہ کرے ـــــ اس طرح ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے تیزی سے جا رہا ہے، آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص بہت جلدی میں ہے، آپ نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کر لیا، اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس لئے کہ آپ کو اس کی تیزی سے اندازہ لگانا چاہئے تھا کہ یہ شخص جلدی میں ہے۔ یہ سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ ایسے وقت میں اس کو سلام نہ کرو، بلکہ اس کو جانے دو۔ یہ سب باتیں زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

ٹیلیفون پر لمبی بات کرنا

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذاء رسانی کا ایک

آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے۔ وہ ہے "ٹیلیفون" یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچادو، چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کردی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے۔ اس کے پاس وقت ہے یا نہیں ــــ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے "معارف القرآن" میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلیفون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے، چار پانچ منٹ لگیں گے۔ اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کرلوں۔ اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتادیں، اس وقت بات کرلوں گا۔ سورۃ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں، دیکھ لیا جائے، اور خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا

یا مثلاً آپ کو مسجد کے اندر چند افراد سے کچھ بات کرنی ہے، اور ان تک آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے اندر کا لاؤڈ اسپیکر بھی کافی ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ نے باہر کا بھی لاؤڈ اسپیکر بھی کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں پورے علاقے اور پورے محلے کے لوگوں تک آواز پہنچ رہی ہے۔ اب محلے میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر تلاوت کرنا چاہتا ہے۔ یا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ یا سونا چاہتا ہے، یا کوئی شخص بیمار ہے۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ مگر آپ نے زبردستی اپنا وعظ پورے محلے والوں پر مسلط کردیا۔ یہ عمل بھی زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک صاحب مسجد نبوی میں آکر وعظ کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے

بالکل متصل تھا، اگرچہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا۔ مگر وہ صاحب بلند آواز سے وعظ کرتے تھے۔ ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے اندر پہنچتی، آپ اپنی عبادات تلاوت ذکر واذکار یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوتیں اور ان صاحب کی آواز سے آپ کو تکلیف پہنچتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ ایک صاحب اس طرح میرے حجرے کے قریب آکر وعظ کرتے ہیں، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وعظ کسی اور جگہ پر جاکر کریں، یا آہستہ آواز سے کریں۔۔۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو بلایا، اور ان کو سمجھایا کہ آپ کی آواز سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اپنا وعظ اس جگہ پر بند کردیں۔ چنانچہ وہ صاحب رک گئے۔ مگر وہ صاحب وعظ کے شوقین تھے۔ چند روز کے بعد دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کردیا ہے۔ آپ نے دوبارہ ان کو بلایا، اور فرمایا کہ اب میں تم کو آخری مرتبہ منع کر رہا ہوں۔ اب اگر آئندہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے یہاں آکر وعظ کہا ہے تو یہ لکڑی کی چھڑی تمہارے اوپر توڑ دوں گا۔ یعنی اتنا ماروں گا کہ تمہارے اوپر یہ لکڑی ٹوٹ جائے گی۔

آج ہماری حالت

آج ہم لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ مسجد میں وعظ ہو رہا ہے اور سارے محلے والوں کو عذاب کے اندر مبتلا کر رکھا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر فل آواز میں کھلا ہوا ہے۔ محلے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص جاکر منع کرے تو اس کے اوپر طعن تشنیع شروع ہوجاتی ہے کہ یہ دین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ حالانکہ اس وعظ کے ذریعہ شریعت کے حکم کو پامال کیا جارہا ہے۔ دوسروں کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے۔۔۔ حتیٰ کہ عالم کے آداب میں یہ لکھا ہے کہ "ینبغی

للعالم ان لا یبعد وصوته مجلسه" عالم کی آواز اس کی مجلس سے دور نہ جائے۔ یہ سب باتیں زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں ـــــ یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے، یہ زبان سچائی کی باتیں کرے۔ یہ زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ۔

وہ عورت دوزخی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ خاتون سارے دن روزہ رکھتی ہیں۔ اور ساری رات عبادت کرتی ہے۔ لیکن وہ خاتون اپنی پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے، وہ خاتون کیسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ عورت دوزخی ہے جہنم میں جائے گی۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں اس کی شناعت ہے کہ لوگوں کو ناحق ایذا دی جاوے، اور اس معاملات کا عبادت پر مقدم ہونا بھی مذکور ہے" یعنی لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں درستگی عبادات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ معاملات کا باب عملاً اتنا متروک ہو گیا ہے کہ آج کوئی شخص دوسرے کو یہ نہ سمجھاتا ہے اور نہ سکھاتا ہے کہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ہاتھ سے تکلیف مت دیجئے

دوسری چیز جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا۔ وہ ہے "ہاتھ" یعنی تمہارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اب ہاتھ سے تکلیف پہنچنے کی بعض صورتیں تو ظاہر ہیں۔ مثلاً کسی کو مار دیا۔ ہر شخص دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے ہاتھ کے ذریعہ تکلیف پہنچائی ـــــ لیکن ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ

ان کو ایذا دینے کے اندر شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ ہاتھ سے ایذا دینے کی بھی بے شمار صورتیں ہیں۔ اور حدیث شریف میں "ہاتھ" کا ذکر کر کے ہاتھ سے صادر ہونے والے افعال کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ زیادہ تر افعال انسان اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے ہاتھ کے ذکر میں تمام افعال داخل کئے ہیں۔ چاہے اس فعل میں براہ راست ہاتھ ملوث نظر نہ آرہا ہو۔

کسی چیز کو بے جگہ رکھنا

مثلاً ایک مشترک رہائش میں آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس مکان میں کسی مشترکہ استعمال کی چیز کی ایک جگہ مقرر ہے، مثلاً تولیہ رکھنے کی ایک جگہ مقرر ہے۔ آپ نے تولیہ استعمال کرنے کے بعد اس کو بے جگہ ڈال دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دوسرا شخص وضو کر کے آیا، اور تولیہ کو اس کی جگہ پر تلاش کیا اور اس کو نہ ملا، اب وہ تولیہ ڈھونڈ رہا ہے، اس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ جو تکلیف اس کو پہنچی، یہ آپ کے ہاتھ کی کرتوت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے وہ تولیہ اس کی صحیح جگہ سے اٹھا کر بے جگہ ڈال دیا۔ یہ اذیت رسانی ہوئی جو کہ اس حدیث کے تحت حرام ہے یہ تولیہ کی ایک مثال دی، ورنہ چاہے مشترک لوٹا ہو۔ یا صابن ہو یا گلاس ہو یا جھاڑو وغیرہ ہو، ان کو اپنی مقرر جگہ سے اٹھا کر بے جگہ رکھنا ایذا رسانی میں داخل ہے۔

یہ گناہ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمیں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا گئے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہم بھی یہ حرکت کرتے تھے کہ ایک چیز اس کی جگہ سے اٹھا کر استعمال کی۔ اور دوسری جگہ لے جا کر ڈال دی، جب ان کو ضرورت ہوتی تو وہ گھر کے اندر تلاش کرتے رہتے۔ ایک دن ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جو حرکت کرتے ہو کہ

ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی۔ یہ بد اخلاقی تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کبیرہ بھی ہے، اس لئے کہ اس عمل کے ذریعہ مسلمان کو تکلیف پہنچاتا ہے، اور ایذاء مسلم گناہ کبیرہ ہے۔ اس دن ہمیں پتہ چلا کہ یہ بھی دین کا حکم ہے، اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، ورنہ اس سے پہلے اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ یہ سب باتیں ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

اپنے عزیز اور بیوی بچوں کو تکلیف دینا

ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ مشترک رہائش میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ رہائش پزیر ہیں وہ اجنبی ہوں۔ بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار، بیوی، بچے، بہن بھائی سب اس میں داخل ہیں۔ آج ہم لوگ اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو تکلیف پہنچنے کا احساس نہیں کرتے۔ بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہمارے عمل سے بیوی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ یہ ہماری بیوی ہی تو ہے، یا اولاد کو یا بہن بھائی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ ہماری اولاد ہی تو ہیں، ہمارے بہن بھائی تو ہیں ـــــ ارے اگر وہ تمہاری بہن یا تمہارا بھائی بن گیا ہے تو اس نے آخر کیا خطا کرلی ہے؟ یا کوئی خاتون تمہاری بیوی بن گئی ہے۔ یا یہ بچے تمہاری اولاد بن گئے ہیں تو انہوں نے کیا خطا کرلی ہے کہ اب ان کو تم تکلیف پہنچا رہے ہو۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حال تھا کہ تہجد کے وقت صرف اس خیال سے ہر کام بہت آہستہ آہستہ کرتے کہ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔ لہٰذا جس طرح غیروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو اپنے بہن بھائیوں کو اپنے بیوی بچوں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

اطلاع کئے بغیر کھانے کے وقت غائب رہنا

مثلاً آپ گھر والوں کو بتا کر چلے گئے کہ فلاں وقت آکر کھانا کھاؤں گا۔ لیکن اس

کے بعد اطلاع کئے بغیر کہیں اور چلے گئے۔ اور کھانا بھی وہیں کھالیا۔ اور وہاں پر گھنٹوں گزار دیے۔ اور وقت پر گھر واپس نہیں پہنچے۔ اور گھر پر آپ کی بیوی کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ اور پریشان ہو رہی ہے کہ کیا وجہ پیش آگئی کہ واپس نہیں آئے، کھانا لئے بیٹھی ہے ـــــ آپ کا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اس عمل کے ذریعہ ایک ایسی ذات کو تکلیف پہنچائی جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے وابستہ کردیا تھا۔ آپ کو اگر کھانا کسی اور جگہ کھانا تھا کہ آپ اس کو اطلاع کر کے اس کے ذہن کو فارغ کر دیتے۔ اس کو انتظار اور پریشانی کی تکلیف میں مبتلا نہ کرتے۔ لیکن آج ہم لوگ اس بات کا دھیان نہیں کرتے، اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ تو ہماری بیوی ہی تو ہے، ہماری ماتحت ہے۔ اگر انتظار کر رہی ہے تو کرے۔ حالانکہ یہ عمل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور ایذاء مسلم ہے۔

راستے کو گندہ کرنا حرام ہے

یا مثلاً سڑک پر چلتے ہوئے آپ نے چھلکا یا گندگی سڑک پر پھینک دی، اب اس کی وجہ سے کسی کا پاؤں پھسل جائے۔ یا کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو قیامت کے روز آپ کی پکڑ ہو جائے گی۔ اور اگر اس سے تکلیف نہ بھی پہنچی، لیکن آپ نے کم از کم گندگی تو پھیلا دی۔ اس گندگی پھیلانے کا گناہ آپ کو ہوگا ـــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے اور سفر کے دوران آپ کو راستہ میں کہیں پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ پیشاب کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کے لئے آپ اتنی ہی جستجو فرماتے جتنا ایک آدمی مکان بنانے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرتا ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگوں کی گزرگاہ ہو، اور وہاں گندگی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچے ـــــ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سے ایمان کا اعلا ترین شعبہ کلمہ "لاالہ الا

اللہ محمد رسول اللہ" کہنا اور ادنیٰ ترین شعبہ ایمان کا یہ ہے کہ راستے سے گندگی کو اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا ہے۔ مثلاً راستے میں کوئی کانٹا یا چھلکا پڑا ہوا ہے۔ آپ نے اٹھا کر اس کو دور کر دیا۔ تاکہ گزرنے والے کو تکلیف نہ ہو، یہ ایمان کا ادنیٰ درجے کا شعبہ ہے۔ لہٰذا جب راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا ایمان کا شعبہ ہو تو پھر راستے میں تکلیف دینے والی چیز ڈالنا کفر کا شعبہ ہو گا۔ ایمان کا شعبہ نہ ہو گا۔ یہ سب باتیں اس حدیث کے تحت داخل ہیں۔

ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنا حرام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زبان اور ہاتھ کے ذریعہ ظاہری افعال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اگر آپ نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے دوسرے کو ذہنی تکلیف ہوئی تو وہ اس حدیث میں داخل ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور اس سے یہ وعدہ کر لیا کہ اتنے دنوں کے اندر ادائیگی کر دوں گا۔ اب اگر آپ وقت پر ادائیگی نہیں کر سکتے تو اس کو بتا دیں کہ میں فی الحال ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اتنے دن کے بعد ادا کروں گا۔ پھر بھی ادا نہ کر سکو تو پھر بتا دو۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آپ اس کو لٹکا دیں۔ اور اس کا ذہن الجھا دیں۔ وہ بیچارہ انتظار میں ہے کہ آپ آج قرض کر دیں گے۔ یا کل دے دیں گے۔ لیکن آپ نہ تو اس کو اطلاع دیتے ہیں۔ اور نہ قرض واپس کرتے ہیں، اس طرح آپ نے اس کو ذہنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ نہ تو کوئی پلان بنا سکتا ہے، نہ وہ کوئی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کو قرض واپس ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کب تک ملے گا۔ آپ کا یہ طرز عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ملازم پر ذہنی بوجھ ڈالنا

حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ آپ کا ایک نوکر اور ملازم ہے۔ اب آپ نے چار کام ایک ساتھ بتا دیے کہ پہلے یہ کام کرو۔ پھر یہ کام، پھر یہ کام کرنا۔ پھر یہ کام کرنا۔ اس طرح آپ نے چار کاموں کو یاد رکھنے کا بوجھ اس کے ذہن پر ڈال دیا، اگر ایسا کرنا بہت ضروری نہیں ہے تو ایک ساتھ چار کاموں کا بوجھ اس کے ذہن پر نہیں ڈالنا چاہیے۔ بلکہ اس کو پہلے ایک کام بتا دو۔ جب وہ پہلا کام کر چکے تو اب دوسرا کام بتایا جائے، وہ اس کو کر چکے تو پھر تیسرا کام بتایا جائے۔ چنانچہ خود اپنا طریقہ بتایا کہ میں اپنے نوکر کو ایک وقت میں ایک کام بتاتا ہوں۔ اور دوسرے کام جو اس سے کرانے ہیں ان کو یاد رکھنے کا بوجھ اپنے سر پر رکھتا ہوں۔ نوکر کے سر پر نہیں رکھتا، تاکہ وہ ذہنی بوجھ میں مبتلا نہ ہو جائے، جب وہ ایک کام کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کام بتاتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت والا کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔

نماز پڑھنے والے کا انتظار کس جگہ کیا جائے؟

یا مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے آپ کو اس سے کچھ کام ہے۔ اب آپ اس کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گئے۔ اور اس کے ذہن پر یہ فکر سوار کر دی کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جلدی سے اپنی نماز پوری کرو تاکہ میں تم سے ملاقات کروں۔ اور کام کراؤں۔ چنانچہ آپ کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہو گیا۔ اور اس کے دماغ پر یہ بوجھ بیٹھ گیا کہ یہ شخص میرے انتظار میں ہے، اس کا انتظار ختم کرنا چاہیے۔ اور جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے ملاقات کرنی چاہیے ــــــ حالانکہ یہ بات آداب میں داخل ہے کہ اگر آپ کو کسی ایسے شخص سے ملاقات کرنی ہے جو اس وقت نماز میں مصروف ہے تو تم دور بیٹھ کر اس کے فارغ

ہونے کا انتظار کرو، جب وہ خود سے فارغ ہو جائے تو پھر ملاقات کرو۔ لیکن اس کے بالکل قریب بیٹھ کر یہ تأثر دینا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لہٰذا تم جلدی نماز پوری کرو۔ ایسا تأثر دینا ادب کے خلاف ہے ـــــ یہ سب باتیں دوسرے کو ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنے میں داخل ہیں۔ الحمدللہ۔ جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا۔ اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سیکھنے کی توفیق عطاء فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام شعبے برابر رکھے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ دین کے ایک یا دو شعبوں پر تو عمل ہے، اور باقی شعبے نظروں سے اوجھل ہیں۔ اور ان کی طرف بے غفلت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۰۸)

یعنی اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ ـــــ یہ نہ ہو کہ عبادت نماز روزہ وغیرہ تو کر لے، لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی، حالانکہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔

"آداب المعاشرت" پڑھئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے "آداب المعاشرت" اس میں معاشرت کے آداب تحریر فرمائے ہیں، یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیئے۔ اس کتاب کے شروع میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں معاشرت کے تمام آداب تو نہیں لکھ سکا، بلکہ متفرق طور پر جو آداب ذہن میں آئے وہ اس میں جمع کر دیے ہیں تاکہ جب تم ان آداب کو پڑھو گے تو خود بخود تمہارا ذہن اس طرف منتقل ہوگا کہ جب یہ بات ادب میں داخل ہے تو فلاں جگہ پر بھی ہمیں اس طرح کرنا چاہیئے، آہستہ آہستہ خود تمہارے ذہن میں وہ آداب

آگے چلے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا ذہن کو کھول دیں گے۔ چنانچہ معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو، اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو، یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہ گار ہو رہے ہیں، بلکہ دین کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں دیکھ باہر سے آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن گندگی بہت پھیلاتے ہیں۔ اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اس سے اسلام کا کیا رخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ اللہ بچائے۔ ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث بننے کے بجائے ہم دین سے رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے۔ اور ہماری فہم کو درست فرمائے۔ اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گناہوں کا علاج خوفِ خدا

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : گناہوں کا علاج، خوفِ خدا

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گناہوں کا علاج
خوفِ خدا

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ولمن خاف مقام ربہ جنّتٰن﴾ (سورۃ رحمٰن: ۴۶)

دو جنّتوں کا وعدہ

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کے منظر سے ڈرے، اور اس

بات کا خوف رکھے کہ ایک دن مجھے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور تابعی بزرگ حضرت مجاھد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں کسی بُرائی کے کرنے کا خیال آیا کہ فلاں گناہ کرلوں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ تعالیٰ کا دھیان کرلیا، اور یہ بات یاد آئی کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس یاد دھانی کے بعد اس نے اس گناہ کے کرنے کا ارادہ ترک کردیا، اور اس گناہ کو چھوڑ دیا۔ تو ایسے شخص کے لئے دو جنتوں کا وعدہ ہے۔

اس کا نام "تقویٰ" ہے

پھر اسی کی مزید تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص تنہائی میں ہے۔ اور وہاں اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ اگر وہاں کوئی گناہ کرنا چاہے تو بظاہر گناہ کرنے میں کوئی رُکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اس تنہائی میں اس کے دل میں گناہ کرنے کا داعیہ اور تقاضہ پیدا ہوا۔ لیکن اس تنہائی میں اس نے یہ سوچا کہ اگرچہ کوئی انسان تو مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور ایک دن مجھے اس کے سامنے جاکر کھڑا ہونا ہے۔ اس خیال کے بعد وہ شخص اس گناہ کو ترک کردے تو یہ وہ شخص ہے جس کے لئے اس آیت میں دو جنتوں کا وعدہ ہے۔ اور اسی کا نام "تقویٰ" ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا دھیان کرکے اپنی خواہش نفس کے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط تقاضے کو چھوڑ دے۔ اور یہ سوچے کہ اگرچہ دنیا نہیں دیکھ رہی ہے لیکن کوئی دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اور ساری طریقت اور ساری شریعت کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ خوف دل میں پیدا ہوجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص جہنم سے ڈرے، یا عذاب سے ڈرے، یا آگ سے ڈرے، بلکہ فرمایا کہ جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو کہ وہ یہ سوچے کہ چاہے اللہ تعالیٰ اس گناہ پر عذاب دیں یا نہ دیں۔ لیکن میں اس عمل کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے جاؤں گا؟ جس شخص کے دل میں دوسرے کی عظمت ہوتی ہے، اس کو چاہے یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مجھے مارے گا اور سزا دے گا، لیکن اس کی عظمت کی وجہ سے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرکے اس کے سامنے جاکر کیا منہ دکھاؤں گا؟ اس خوف کا نام "تقویٰ" ہے۔

میرے والد ماجدؒ کی میرے دل میں عظمت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر میں ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی نہیں مارا۔ ایک دو مرتبہ ان کا طمانچہ کھانا یاد ہے، لیکن ان کی شخصیت اور عظمت کا حال یہ تھا کہ ان کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے قدم ڈگمگا جاتے تھے کہ ہم کس کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا تھا؟ اس لئے کہ دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہمارا کوئی ایسا عمل نہ آجائے جو ان کی شان، ان کی عظمت اور ان کے ادب کے خلاف ہو۔ جب ایک مخلوق کے لئے دل میں یہ عظمت ہوسکتی ہے تو خالق کائنات جو سب کا خالق اور سب کا مالک ہے۔ اس کے لئے دل میں یہ عظمت ضرور ہونی چاہئے کہ آدمی اس بات سے ڈرے کہ میں اس کے سامنے یہ کرتوت اور یہ گناہ کرکے کیسے کھڑا ہوں گا؟ اور اس کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اسی کے بارے میں اس آیت میں فرمایا:

﴿واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ﴾ (النازعات)

ڈرنے کی چیز اللہ کی ناراضگی ہے

دیکھئے، جہنم اور عذاب اس لئے ڈرنے کی چیز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا مظہر ہے، ورنہ اصل ڈر اور خوف تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چاہئے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ۔

لا تسقني ماء الحياة بذلة
بل فاسقني بالعز كاس الحنظل

مجھے آبِ حیات بھی ذلیل کر کے مت پلا۔ یعنی میں ذلت اٹھا کر آبِ حیات بھی پینے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ مجھے حنظل کا کڑوا گھونٹ پلا دے، مگر عزت کے ساتھ پلا۔ بہر حال، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔ اور چونکہ جہنم اور عذاب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر ہے، اس لئے اس سے بھی ڈر رہے ہیں۔ ورنہ اصل میں ڈرنے کی چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

دودھ میں پانی ملانے کا واقعہ

قصہ لکھا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے رات کے وقت گشت کیا کرتے تھے، اگر کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ فلاں شخص فقر و فاقہ کی حالت میں ہے تو اس کی مدد فرماتے، اگر یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص کسی مصیبت کا شکار ہے تو اس سے اس کی مصیبت دور فرماتے، اور اگر کوئی غلط کام کرتا ہوا نظر آتا تو اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک دن اسی طرح آپ تہجد کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے دو

عورتوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی، آواز سے اندازہ ہوا کہ ایک عورت بوڑھی ہے اور ایک جوان ہے، وہ بوڑھی عورت جوان عورت سے جو اس کی بیٹی تھی یہ کہہ رہی تھی کہ بیٹی! یہ دودھ جو تم نے نکالا ہے اس میں پانی ملا دو تاکہ یہ زیادہ ہو جائے اور پھر اس کو فروخت کر دینا۔ بیٹی نے جواب دیا: امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ کوئی دودھ بیچنے والا دودھ میں پانی نہ ملائے۔ اس لئے ہمیں نہیں ملانا چاہئے۔ جواب میں ماں نے کہا کہ بیٹی! امیر المؤمنین یہاں بیٹھے ہوئے تو نہیں ہیں، اگر تم نے پانی ملا دیا تو وہ کونسا تمہیں دیکھ لیں گے، وہ تو اپنے گھر میں ہوں گے۔ اس وقت رات کا اندھیرا ہے، کوئی دیکھنے والا تو ہے نہیں، اس لئے ان کو کیسے پتہ چلے گا کہ تم نے پانی ملا دیا ہے۔ جواب میں بیٹی نے کہا: اماں جان! امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن امیر المؤمنین کا حاکم یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گی۔

دروازے کے باہر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معلومات کرائی کہ یہ کون خاتون ہیں اور یہ بیٹی کون ہیں؟ معلومات کرانے کے بعد اس لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح کا پیغام بھیجا، اور اس سے اپنے بیٹے کی شادی کروائی۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاتون کے خاندان میں ان کے نواسے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جو مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ راشد کہلاتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات اس لڑکی کے دل میں پیدا ہوئی کہ اگرچہ امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن اللہ دیکھ رہا ہے، جبکہ خلوت اور تنہائی ہے اور رات کی تاریکی ہے، کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ بس اسی کا نام "تقویٰ" ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے باہر کسی علاقے میں گئے، ایک بکریوں کا چرواہا ان کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو، تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کرسکو، اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہوجائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: فَاَیْنَ اللّٰہ ؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہوگیا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرواہے کے اس جملے کو دہراتے رہے، مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواہے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواہے کو بھی خرید لیا، پھر چرواہے کو آزاد کردیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دیدیں۔

جرائم ختم کرنے کا بہترین طریقہ

یاد رکھئے جب تک دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں گا، جو اس چرواھے کے دل میں تھا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس وقت تک دنیا سے جرائم نہیں مٹ سکتے، اور بدعنوانیاں ختم نہیں ہوسکتیں، چاہے جرائم کو ختم کرنے کے لئے پولیس کے پہرے بٹھالو، چاہے کتنے محکمے بنالو، اس لئے کہ یہ پولیس اور یہ محکمے زیادہ سے زیادہ دن کی روشنی میں اور شہر کی آبادی میں لوگوں کو جرم کرنے سے روک دیں گے، لیکن رات کی تاریکی میں اور جنگل کی تنہائی میں جرائم کو روکنے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے اللہ کا خوف، اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور جب یہ خوف دلوں سے رخصت ہوجاتا ہے تو پھر معاشرے کا انجام بہت برا ہوجاتا ہے، چنانچہ آج دیکھ لیجئے کہ جرائم کو روکنے کے لئے پولیس کے اوپر دوسری پولیس اور ایک محکمے کے اوپر دوسرا محکمہ بنایا جارہا ہے، اور قانون پر قانون بنایا جارہا ہے، لیکن وہ قانون آج بازار میں دو دو پیسے میں فروخت ہورہا ہے، حالانکہ عدالتیں اپنی جگہ کام کررہی ہیں، پولیس والے اپنی جگہ کام کررہے ہیں، اور ''محکمہ انسداد رشوت ستانی'' قائم ہے، جس پر لاکھوں روپیہ خرچ ہورہا ہے، لیکن دوسری طرف یہ حال ہے کہ رشوت کے ریٹ میں اضافہ ہورہا ہے، اور جو محکمہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے قائم ہوا تھا، وہ خود رشوت ستانی میں مبتلا ہے، کہاں تک یہ محکمے اور

ادارے قائم کرتے جاؤ گے؟ اس لئے کہ ہر قانون اور ہر تدبیر کا توڑ موجود ہے۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا فارمولا ایجاد نہیں ہوا جو جرائم کا خاتمہ کردے۔ ہاں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ جرائم ختم ہوسکتے ہیں اور ظلم رفع ہوسکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تقویٰ

یہی خوف اور احساس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں پیدا فرمایا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا جب کسی شخص سے کوئی جُرم سرزد ہوجاتا تو وہ بے چین ہوجاتا کہ یہ مجھ سے کیا ہوگیا۔ اور جب تک اپنے اوپر شرعی سزا جاری نہ کرالیتا اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوکر گڑگڑا کر معافی اور توبہ نہ کرلیتا، اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ مجرم خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اوپر سزا جاری کراتا، اور یہ کہتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کسی طریقے سے پاک کردیجئے۔ لہٰذا جب تک دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس نہ ہو، اس وقت تک جرائم دنیا سے ختم نہیں ہوسکتے۔ ان کو ختم کرنے کے لئے جو چاہو تدبیر کرلو۔

ہماری عدالتیں اور مقدمات

کئی سال سے میرا عدالت سے بھی تعلق رہا ہے۔ قاعدے کی رو سے چوری اور ڈاکے کے جتنے مقدمات ہوتے ہیں، ان کی آخری اپیل ہمارے پاس عدالت میں آنی چاہئے، لیکن شروع کے تین سال اس طرح گزرے کہ اس عرصہ میں چوری اور ڈاکے کا کوئی مقدمہ ہی نہیں آیا، میں حیران ہوگیا۔ آخر میں نے معلوم کرایا کہ ہمارے یہاں چوری اور ڈاکے کے کتنے مقدمات اس عرصے میں آئے۔ تو پتہ چلا کہ

صرف تین یا چار مقدمات آئے۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص یہ اعداد و شمار دیکھے کہ اس ملک میں تین سال کے عرصے میں سپریم کورٹ کے اندر چوری اور ڈاکے کے صرف تین چار مقدمات آئے ہیں تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تو فرشتوں کی بستی ہے، اور یہاں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ اور دوسری طرف اگر اخبار پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چوری اور ڈاکے کے پچاسیوں کیس روزانہ ہو رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ چوری اور ڈاکے کے یہ سارے کیس نیچے ہی نیچے طے ہو جاتے ہیں، اور مقدمہ کے اوپر آنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ایک عبرت آموز واقعہ

تین سال کے بعد ایک ڈاکے کا جو مقدمہ میرے پاس آیا، وہ یہ تھا کہ ایک شخص "کویت" میں نوکری کرتا تھا۔ چھٹیوں میں جب وہ کراچی آیا تو ایئرپورٹ پر اس نے ایک ٹیکسی کرایہ پر کی۔ اور اس میں اپنا سامان رکھ کر اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں بہادر آباد کی چورنگی پر گھوڑ سوار پولیس کا ایک دستہ جا رہا تھا۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ اس پولیس کے دستے نے اس ٹیکسی کو روک لیا، اور اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کویت سے آرہا ہوں۔ اور اب ایئرپورٹ سے اپنے گھر جا رہا ہوں۔ پھر پوچھا کہ تم وہاں سے کیا سامان لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو سامان لایا ہوں اس کی تفتیش اور تحقیق کسٹم والوں نے کر لی ہے، تمہارا اس سے کیا تعلق؟ آخر کار ایک پولیس والے نے بندوق تان لی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ نکال دو، اور ہمارے حوالے کر دو۔ یہ پہلا مقدمہ میرے پاس آیا، جس میں وہ پولیس والے جو چوری اور ڈاکے سے حفاظت کے لئے گشت کر رہے تھے، وہی بندوق تان کر دوسروں کا مال چھین رہے ہیں۔ جو لوگ قانون کے محافظ اور امن و امان کے محافظ تھے، وہ خود امن و امان کو غارت کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ دل

سے خدا کا خوف مٹ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس مٹ گیا ہے۔ آدمی یہ بھول گیا ہے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ جس کے نتیجے میں آج قتل و غارت گری، بد امنی، اور بے چینی ہمارے اوپر مسلّط ہے۔

شیطان کس طرح راستہ مارتا ہے

یاد رکھئے! یہ احساس ایک دم سے فوراً نہیں مٹا کرتا، بلکہ آہستہ آہستہ یہ احساس مٹتا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیطان انسان کو غلط راستے پر لانے کے لئے ایک دم سے کسی بڑے گناہ پر آمادہ نہیں کرتا۔ مثلاً شیطان پہلی مرتبہ کسی انسان سے یہ نہیں کہتا کہ تو جاکر ڈاکہ ڈال۔ اس لئے کہ وہ انسان فوراً انکار کردے گا کہ ڈاکہ ڈالنا تو بہت خراب چیز ہے، میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ شیطان انسان کو پہلے چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا کرتا ہے۔ مثلاً اس سے کہتا ہے کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈال لو، اس میں مزہ آئے گا۔ جب رفتہ رفتہ اس چھوٹے گناہ کا عادی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب تو نے فلاں گناہ کیا تھا، اس وقت تو تجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور مرنا ہے، جب اس وقت خیال نہیں آیا تو اب یہ دوسرا گناہ بھی کرلے، اس کے بعد تیسرے اور چوتھے گناہ پر آمادہ کرتا ہے، جب چھوٹے چھوٹے گناہوں کا انسان عادی ہوجاتا ہے تو آخر میں شیطان اس سے کہتا ہے کہ جب یہ اتنے سارے گناہ کرلئے تو ایک بڑا گناہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہ انسان کو بڑے گناہ اور بڑے جرائم پر آمادہ کرتا چلا جاتا ہے۔

نوجوانوں کو ٹی وی نے خراب کردیا

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ نوجوان لڑکے ہاتھ میں پستول لئے پھر رہے ہیں۔ اور پستول دکھاکر کسی کا مال چھین لیا، کسی کی جان لے لی، اور کسی کی آبرو لوٹ لی۔ یہ

سارے کام پہلے کرتے تھے؟ نہیں۔ ان کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے لڑکوں سے کہا گیا کہ ٹی وی ساری دنیا دیکھ رہی ہے، تم بھی دیکھو، فلمیں دیکھو۔ اور اس کے ذریعہ رفتہ رفتہ ان کو گناہ کی طرف آمادہ کیا۔ اور اس کے اثرات ان کے ذہنوں پر مرتب ہوگئے۔ اور جب ایک مرتبہ یہ حوصلہ کھل گیا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول کر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس دل سے مٹا کر میں یہ گناہ کے کام کر رہا ہوں اور یہ فلمیں دیکھ رہا ہوں تو ذرا سا اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور شیطان دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم نے فلاں فلم کے اندر فلاں تماشہ دیکھا تھا، اب اس کو ذرا خود بھی تجربہ کرکے دیکھو۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

چھوٹے گناہوں کا عادی بڑے گناہ کرتا ہے

یاد رکھئے! بڑا گناہ ہمیشہ چھوٹے گناہوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ شیطان کی طرف سے پہلے چھوٹے گناہوں کے کرنے کی جرأت پیدا کی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑے گناہوں پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ آج کے ان نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اس دنیا میں رہنا ہے۔ کبھی اس دنیا سے نہیں جانا۔ کیونکہ گناہوں کا عادی بن جانے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینے کا احساس دلوں سے مٹ گیا۔ تو اب بڑے سے بڑے گناہ کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔ دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ اب جو گناہ چاہو کروالو۔ عربی زبان کا ایک شعر ہے۔

الشر يبدأه في الاصل أصغره

یعنی بڑی بُرائی کی ابتداء ہمیشہ چھوٹی بُرائی سے ہوتی ہے۔ اور ذرا سی چنگاری سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اس لئے کبھی کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو کہ چلو یہ چھوٹا سا گناہ ہے، کرلو۔ اس لئے کہ یہ تو شیطان کا دانہ ہے، جو اس نے تم کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور اپنا کنٹرول تمہارے اوپر حاصل کرنے کے لئے اور

تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر مٹانے کے لئے ڈال دیا ہے۔ اس لئے گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اس کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑ دو۔

یہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟

حضرت حکیم الأمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ لوگ بہت اشتیاق سے پوچھتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ اور پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر صغیرہ ہے تو کرلیں گے۔ اور اگر کبیرہ ہے تو اس کے کرنے میں تھوڑا ڈر اور خوف محسوس ہوگا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چنگاری اور ایک بڑا انگارہ۔ کبھی آپ نے کسی کو دیکھا کہ ایک چھوٹی سے چنگاری کو صندوق میں رکھ لے، اور یہ سوچے کہ یہ تو ایک چھوٹی سی چنگاری ہے، کوئی عقلمند انسان ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ صندوق میں رکھنے کے بعد وہ آگ بن جائے گی اور صندوق کے اندر جتنی چیزیں ہوں گی ان سب کو جلا دے گی اور صندوق کو بھی جلادے گی۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ پورے گھر کو جلا دے۔ یہی حال گناہ کا ہے، گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، وہ آگ کی چنگاری ہے۔ اگر تم اپنے اختیار سے ایک گناہ کروگے تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک گناہ تمہاری پوری زندگی کی پونجی خاکستر کردے۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑو کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ گناہ ہے یا نہیں، یہ کام ناجائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرکے یہ سوچو کہ یہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بہرحال، اس آیت کا مصداق بننے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے موجود ہونے کا دل میں دھیان کرے اور اس کے ذریعہ گناہ کو چھوڑ دے۔

گناہ کے تقاضے کے وقت یہ تصور کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا تصور کرنا چاہے تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا دھیان اور تصور نہیں بنتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کبھی دیکھا تو ہے نہیں، اور تصور تو اس چیز کا ہو سکتا ہے جس کو انسان نے دیکھا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا تصور اور دھیان کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو ایک چیز کا تصور اور دھیان کرلیا کرو۔ اور وہ یہ کہ میں جس گناہ کے کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں، اگر اس گناہ کے ارتکاب کے وقت میرا باپ مجھے دیکھ لے۔ یا میری اولاد مجھے دیکھ لے۔ یا میرے استاد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے شاگرد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے دوست احباب مجھے دیکھ لیں تو کیا اس وقت بھی میں یہ گناہ کا کام کروں گا؟

مثلاً نگاہ کو غلط جگہ پر ڈالنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اگر اس وقت تمہارا شیخ تمہیں دیکھ رہا ہو، یا تمہارا باپ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ یا تمہاری اولاد تمہیں دیکھ رہی ہو۔ تو کیا اس وقت بھی آنکھ غلط جگہ کی طرف اٹھاؤ گے؟ ظاہر کہ نہیں اٹھاؤ گے۔ اس لئے کہ یہ خوف ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو یہ لوگ مجھے برا سمجھیں گے۔ لہٰذا جب ان معمولی درجے کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہونے کے ڈر سے اپنے داعیے پر قابو پالیتے ہو اور نگاہ کو روک لیتے ہو، تو ہر گناہ کے وقت یہ تصور کرلیا کرو کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور ان سب کا خالق اور مالک ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور سے انشاء اللہ تعالیٰ دل میں ایک رکاوٹ پیدا ہوگی۔

گناہوں کی لذت عارضی ہے

جب انسان گناہ کا عادی ہوتا ہے تو اس کو شروع میں گناہ سے بچنے میں دقت اور

مشقت ہوتی ہے، اور گناہ سے بچنا آسان نہیں ہوتا، لیکن گناہ سے بچنے کا علاج ہی یہ ہے کہ زبردستی اپنے آپ کو گناہ سے روکے۔ اور گناہ کی خواہش کو اللہ کے لئے کچلے، اور جس وقت وہ اپنی اس خواہش کو اللہ کے لئے کچلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے گناہوں کی لذت ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی حلاوت عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت حکیم الأمت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہوں کی لذت کی مثال ایسی ہے جیسے خارش زدہ کو خارش کرنے میں لذت آتی ہے۔ اور کھجانے میں اس کو بہت مزہ آتا ہے۔ لیکن وہ لذت صحت کی لذت نہیں ہے۔ وہ بیماری کی لذت ہے۔ اس لئے کہ زیادہ کھجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس جگہ پر زخم ہوجائے گا۔ اور زخم کی اور جلن کی جو تکلیف ہوگی، اس کے آگے خارش کرنے کی لذت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اگر خارش کرنے سے رُک گیا، اور یہ سوچا کہ خارش کرنے کے بعد زیادہ تکلیف ہوگی، اس لئے کھجانے کے بجائے اس پر مرہم لگاتا ہوں، اور خارش کی کڑوی دوا کھاتا ہوں، تو اس دوا کے کھانے میں تکلیف تو ہوگی، لیکن بالآخر اس خارش سے نجات ہوجائے گی۔ اور اس کے بعد صحت کی لذت حاصل ہوجائے گی۔ اور وہ صحت کی لذت اس خارش کی لذت سے ہزار درجہ بہتر ہوگی۔ بالکل اسی طرح گناہ کی لذت بالکل بے حقیقت ہے، اور دھوکہ والی لذت ہے۔ اس لذت کو اللہ کے لئے چھوڑو۔ اور اس کے بجائے تقویٰ کی لذت حاصل کرو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کہاں سے کہاں پہنچاتے ہیں۔ ارے یہ خواہشاتِ نفسانی تو پیدا ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ ان کو کچلا جائے۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے یہ حقیقت ہمارے دلوں میں جاگزیں فرمائے۔ آمین

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں امید

بہرحال، ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ سے خوف بھی رکھے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھے۔ لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ جوانی کے دور میں اگر خوف کا غلبہ ہو تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جوانی کے دور میں جب آدمی کے ہاتھ پاؤں اچھی طرح چل رہے ہوں، قویٰ مضبوط ہوں، اور آدمی ہر قسم کے کام کر سکتا ہو تو اس وقت گناہوں کے داعیے بھی دل میں بہت پیدا ہوتے ہیں اور گناہوں کے محرکات بھی بہت ہوتے ہیں اور گناہوں کا تقاضہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اس زمانے میں اس کے دل میں اللہ کے خوف کا غلبہ ہونا زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ وہ خوف انسان کو گناہ سے باز رکھے۔ البتہ جب آدمی بوڑھا ہو جائے اور آخری عمر میں پہنچ جائے تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کی امید اس پر غالب ہونی چاہئے تاکہ وہ مایوسی کا شکار نہ ہو۔

دنیا کا نظام خوف پر قائم ہے

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوفِ خدا کوئی حاصل کرنے کی چیز نہیں، چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ میاں تو ہمارے ہیں، ان سے کیسا خوف اور کیسا ڈر؟ وہ تو ہمارے پیدا کرنے والے ہیں اور قرآن کریم میں بار بار فرما رہے ہیں کہ وہ غفور رحیم ہیں۔ تو پھر ان سے ڈر اور خوف کیسا؟ ظاہر ہے کہ جب یہ سوچ ہوگی تو پھر خوفِ خدا کو حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس کیسے ہوگا؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ آجکل لوگ غفلت میں گناہوں کے اندر منہمک ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام، کوئی کاروبار نہیں چل سکتا۔ اگر طالب علم کو امتحان میں فیل ہونے کا اندیشہ اور خوف نہ ہو تو وہ کبھی محنت نہیں کرے گا۔ یہ خوف ہی اس سے محنت کروا رہا ہے اور اس کو پڑھوا رہا ہے۔ اگر کسی

شخص کو ملازمت سے برخواست کردیئے جانے کا خوف نہ ہو تو وہ شخص اپنے فرائض انجام نہیں دے گا بلکہ خالی بیٹھ کر وقت ضائع کرے گا اور کام کرنے کی مصیبت اور تکلیف نہیں اٹھائے گا۔ اگر بیٹے کو باپ کا خوف نہ ہو، ماتحت کو افسر کا خوف نہ ہو، عام آدمی کو قانون کا خوف نہ ہو تو اس کا نتیجہ لا قانونیت، انارکی اور فوضویت ہوگا جس میں کسی بھی انسان کا حق محفوظ نہیں رہ سکے گا۔آج آپ یہ جو بدامنی اور بے چینی کا طوفان دیکھ رہے ہیں کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال محفوظ ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہورہی ہیں، اور آج انسان مکھی اور مچھر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہوگیا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو خوفِ خدا دلوں سے نکل گیا اور قانون کا خوف بھی اٹھ گیا۔ آج قانون دو دو پیسے میں فروخت ہورہا ہے، بس پیسے خرچ کرو اور قانون سے بچ جاؤ، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ پورے معاشرے میں فساد برپا ہے۔

تحریک آزادی

جب برّصغیر میں انگریز کی حکومت تھی، اس وقت مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی ہوئی تھی، انگریزوں کے خلاف مظاہرے اور ہڑتالیں ہورہی تھیں، چونکہ مسلمان اور ہندو دونوں اس تحریک میں شامل تھے اس لئے بعض اوقات مسلمانوں سے ہندوؤں کے کام کرالئے جاتے تھے اور بعض معاملات میں اسلام اور ہندومت کا امتیاز ختم ہوتا جارہا تھا، مثلاً جب جلوس نکالتے تو مسلمان بھی اپنے ماتھے پر قشقہ لگالیتے اور ان کے مندروں میں جاکر ان کی رسموں میں شریک ہوجاتے، اس قسم کے منکرات اس تحریک میں ہورہے تھے، اور تحریک چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پسند نہیں تھا، اس لئے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک سے الگ تھلگ رہے اور اپنے ملنے والوں اور اپنے مریدوں کو بتاتے رہے کہ میرے نزدیک اس تحریک میں شامل ہونا

ٹھیک نہیں ہے۔

لال ٹوپی کا خوف

ایک مرتبہ اس تحریک کے قائدین وفد بنا کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ اس تحریک میں شامل ہو جائیں تو انگریز کو بہت جلد یہاں سے بھگایا جاسکتا ہے، آپ چونکہ اس تحریک سے الگ ہیں اس لئے انگریزوں کی حکومت باقی ہے، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ اس تحریک میں شامل ہو جائیں۔ جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے مجھے تو اس طریقے سے اتفاق نہیں، اس لئے میں اس میں کیسے شامل ہوں۔ اور آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ کئی سالوں سے یہ تحریک چلا رہے ہیں، مظاہرے کر رہے ہیں، ہڑتالیں کر رہے ہیں، جلسے جلوس نکال رہے ہیں، اس سے اب تک آپ نے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس وفد میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! اب تک آزادی تو حاصل نہیں ہوئی، لیکن ایک بہت بڑا فائدہ حاصل ہو گیا ہے، وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے۔ اس زمانے میں پولیس کی لال ٹوپی ہوا کرتی تھی اس لئے "لال ٹوپی" بول کر پولیس مراد ہوتی تھی۔ اب کسی آدمی کے دل میں پولیس کا خوف نہیں رہا۔ ورنہ پہلے یہ حال تھا کہ اگر پولیس آجاتی تھی تو سارا محلہ تھرا جاتا تھا، اب ہم نے مظاہرے کر کے اور ہڑتالیں کر کے اس لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہمیں حاصل ہو گئی ہے۔ اور رفتہ رفتہ جب ہم آگے بڑھیں گے تو انگریز سے بھی نجات مل جائے گی۔

اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں سے لال ٹوپی کا خوف نکال دیا ہے، آپ نے بڑا خراب کام کیا، اس لئے کہ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال دینے کے معنی یہ ہیں کہ اب

چوروں اور ڈاکوؤں کے مزے آگئے، اب چور چوری کرے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا، ڈاکو ڈاکہ ڈالے گا اور اس کو لال ٹوپی کا خوف نہیں ہوگا، کم از کم آپ لال ٹوپی کا خوف دلوں سے نکال کر اپنی سبز ٹوپی کا خوف ان کے دلوں میں داخل کردیتے تو بے شک بڑی کامیابی کی بات تھی، لیکن آپ نے لال ٹوپی کا خوف تو دلوں سے نکال دیا اور دوسرا خوف داخل نہیں کیا تو اب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں بدامنی اور بے چینی پیدا ہوگی اور لوگوں کے جان و مال، عزت اور آبرو خطرے میں پڑجائیں گے۔ لہٰذا آپ نے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا، اس کام پر میں آپ کی تعریف نہیں کرسکتا۔

خوف دلوں سے نکل گیا

یہ وہ بات ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساٹھ سال پہلے فرمائی تھی۔ لیکن آج اس بات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیجئے کہ آج وہ خوف جب دل سے نکل گیا تو اب بدامنی اور بے چینی کا ایک طوفان معاشرے پر مسلط ہے۔ ورنہ اُس زمانے کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی کسی بستی میں کسی ایک آدمی کا بھی قتل ہوجاتا تو پورا ملک ہل جاتا تھا کہ یہ قتل کیسے ہوا؟ اور اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوجاتی تھی۔ آج انسان کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت ہوگئی ہے، اس لئے کہ خوف دل سے نکل گیا۔

خوفِ خدا پیدا کریں

بہرحال، یہ خوف ایسی چیز ہے کہ اس پر سارے عالم کا نظام قائم ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہو تو بدامنی، بے چینی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہوجائے۔ اس لئے قرآن کریم میں بار بار فرمایا: اتقوا اللّٰہ، اتقوا اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو۔ اور تقوی کے معنٰی یہ ہیں کہ اللہ کے خوف سے اس کی معصیتوں سے بچنا۔ جس طرح دنیا کا نظام

خوف کے بغیر نہیں چل سکتا، اسی طرح دین کا مدار بھی اللہ کے خوف پر ہے۔ خدا نہ کرے اگر یہ خوف دل سے مٹ جائے یا اس میں کمی آجائے تو پھر گناہوں کا دور دورہ ہو جائے، جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قرآن کریم میں کہیں جنت کا ذکر ہے، کہیں جہنم اور اس کے عذاب کا ذکر ہے، کہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا ذکر ہے تاکہ ہر مسلمان ان باتوں کو بار بار سوچے اور ان کا دھیان کرے اور ان کے ذریعہ اپنے دل میں خدا کا خوف پیدا کرے۔

تنہائی میں اللہ کا خوف

پولیس کا خوف، قانون کا خوف یا سزا کا خوف یا جیل کا خوف ایسی چیز ہے جو صرف دوسروں کے سامنے جرائم کرنے سے باز رکھ سکتی ہے، لیکن جب خدا کا خوف دل میں اتر جاتا ہے تو پھر جنگل کی تنہائی میں بھی اور رات کی تاریکی میں بھی وہ خوف انسان کو گناہ سے روک دیتا ہے جبکہ کوئی اور دیکھنے والا بھی موجود نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ رات کی اندھیری ہے اور جنگل کی تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہے، اس وقت اگر کوئی مؤمن گناہ سے بچ رہا ہے تو اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے جو اس کو گناہ سے روک رہی ہے، اللہ کا خوف اس کو گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے۔

روزہ کی حالت میں خوفِ خدا

اس خوفِ خدا کا تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اس دور میں بھی آدمی کتنا ہی فاسق اور فاجر اور گناہ گار ہو اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ لے۔ اب شدید گرمی پڑ رہی ہے، سخت پیاس لگی ہوئی ہے، زبان باہر کو آرہی ہے، کمرہ بند ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا شخص پاس موجود نہیں اور کمرہ میں فرج موجود ہے۔ فرج میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا ہے، اس وقت اس انسان کا نفس یہ تقاضہ کر رہا ہے کہ اس شدید پیاس

کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی مسلمان ایسا ہے جو اس وقت فرج میں سے پانی نکال کر گلاس میں ڈال کر پی لے؟ وہ ہرگز پانی نہیں پیئے گا، حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور کوئی اس کو لعنت ملامت بھی نہیں کرے گا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا۔ اور شام کو باہر نکل کر لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیئے گا۔

اب بتایئے! وہ کون سی چیز ہے جو اس کو بند کمرے میں پانی پینے سے روک رہی ہے، اللہ کے خوف کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں جو اس کو روک رہی ہے۔ چونکہ ہمیں روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے اس لئے اس عادت کے نتیجے میں وہ خوف کارآمد ہوگیا۔

ہر موقع پر یہ خوف پیدا کریں

اب شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح روزہ کی حالت میں بند کمرے میں اللہ کا خوف تمہیں پانی پینے سے روک رہا تھا، بالکل اسی طرح اگر نگاہ کا شدید تقاضہ ہو رہا ہے کہ وہ غلط جگہ پڑجائے تو اس شدید تقاضے کو بھی اللہ کے خوف سے دبا کر اس نگاہ کو روک لو۔ اسی طرح غیبت کرنے یا جھوٹ بولنے کا شدید تقاضہ ہو رہا ہے، تو جس طرح روزے کی حالت میں اللہ کے خوف سے پانی پینے سے رک گئے تھے، اسی طرح یہاں بھی غیبت اور جھوٹ سے رک جاؤ۔ یہ ہے اللہ کا خوف، یہ جب دلوں میں پیدا ہوجاتا ہے تو پھر انسان کسی بھی حالت میں اللہ کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتا۔ یہ خوفِ خدا شریعت میں مطلوب ہے۔

جنت کس کے لئے ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ ۝ فان الجنة هي الماوىٰ ۝﴾

کیا عجیب الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا کہ میں کسی دن اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں گا تو کس منہ سے اپنے پروردگار کے سامنے جاؤں گا۔ اور یہ خوف اتنا شدید پیدا ہوا کہ اس خوف کے نتیجے میں اس نے اپنے نفس کو ناجائز خواہشات پر عمل کرنے سے روک لیا تو ایسے انسان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اور ایسے ہی انسان کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔

جنت کے اردگرد مشقت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الجنة حُفّت بالمکارہ کہ جنت کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے گھیر رکھا ہے جو انسان کی طبیعت کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی مشقت اور محنت والے کام جو طبیعت پر بار معلوم ہوتے ہیں ان سے جنت کو گھیرا ہوا ہے، گویا کہ اگر تم ان ناگوار کاموں کو کرلوگے تو جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ اس لئے یہ کہا جارہا ہے کہ اپنے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرو، اس کے نتیجے میں ناجائز خواہشات پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوجائے گی اور جنت حاصل ہوجائے گی۔ اور یہ خوف اس درجہ کا ہو کہ اپنے ہر فعل اور ہر قول کے اندر یہ دھڑکا لگا ہو کہ یہ کہیں میرے مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خوف کا یہ عالم تھا کہ ان کو اس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اوپر سزا جاری نہ کرالیتے۔

عبادت سے استغفار کرنا

پھر جب اس خوف میں ترقی ہوتی ہے تو پھر یہ خوف صرف اس بات کا نہیں ہوتا کہ ہم سے گناہ نہ ہوجائے بلکہ پھر اس بات کا بھی خوف پیدا ہوجاتا ہے کہ ہم جو عبادت کررہے ہیں وہ اللہ جل شانہ کے شایانِ شان ہے یا نہیں؟ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ گویا کہ وہ شخص ایسے اعمال بھی کررہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال ہیں، لیکن ڈر رہا ہے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے شایانِ شان نہ ہو اور اس عمل میں کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہوگئی ہو۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ عمل کرتا رہے اور ڈرتا رہے، قرآن کریم نے فرمایا: تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ان کے پہلو رات کے وقت بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور اللہ کے حضور کھڑے ہوکر عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن اس وقت بھی دل خوف سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اپنے پروردگار کو خوف کے ساتھ پکارتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ میرا عمل اللہ کے حضور پیش کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

نیک بندوں کا حال

ایک دوسری جگہ پر نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون۔ وبالاسحارھم یستغفرون ○

یعنی اللہ کے نیک بندے رات کے وقت بہت کم سوتے ہیں۔ بلکہ اللہ کے حضور کھڑے ہوکر عبادت کرتے رہتے ہیں، تہجد ادا کرتے ہیں، لیکن جب سحری کا وقت آتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سحری کے وقت استغفار کرنے کا تو موقع نہیں ہے، اس لئے کہ استغفار تو کسی

گناہ کے بعد ہوتا ہے، یہ تو ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے، کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کرتے ہیں کہ جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی عبادت ہم نہیں کرسکے، عبادت کا جیسا حق ادا کرنا چاہئے تھا ویسا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا ما عبدناک حق عبادتک۔ بہرحال اللہ کے ان نیک بندوں کو صرف گناہ کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عبادت کے غلط ہونے کا بھی خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔

اللہ کا خوف بقدر معرفت

خوف کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا، اور جتنا نادان ہوگا اتنا ہی خوف کم ہوگا۔ دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ ہے، جو ابھی نادان ہے، اس کے سامنے بادشاہ آجائے یا وزیر آجائے یا شیر آجائے تو اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بادشاہ کا مرتبہ جانتا ہے وہ بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے تھرتھراتا ہے اور کانپتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ تھی، اس لئے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی زیادہ تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ پریشان اور ڈرتے ہوئے، کانپتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! "نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے

ہیں اور جنت اور دوزخ کا ذکر سنتے ہیں اور آخرت کا ذکر سنتے ہیں تو اس کے نتیجے میں دل میں رقت اور گداز پیدا ہوتا ہے، اور دنیا سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم گھر جاتے ہیں، بیوی بچوں سے ملتے ہیں، کاروبار زندگی میں لگ جاتے ہیں تو دل کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، بلکہ دنیا کی محبت ہمارے دلوں پر چھا جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں آکر ایک حالت اور باہر جاکر دوسری حالت ہو جاتی ہے، یہ تو منافق ہونے کی علامت ہے۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا حنظلۃ ساعۃ ساعۃ اے حنظلہ! گھبرانے کی بات نہیں، یہ تو وقت وقت کی بات ہے، کسی وقت دل میں رقت زیادہ ہو گئی اور کسی وقت کم ہو گئی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مدار نہیں ہے، بلکہ اصل مدار اعمال پر ہے کہ انسان کا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خوف

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن چکے کہ عمر فی الجنۃ عمر جنت میں جائیں گے۔ اور یہ واقعہ بھی سن چکے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج پر گیا اور وہاں جنت کی سیر کی تو جنت میں میں نے ایک بہت شاندار محل دیکھا، اور اس محل کے کنارے ایک خاتون بیٹھی وضو کر رہی تھیں میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر کا محل ہے، وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ اندر جاکر اس محل کو دیکھوں، لیکن اے عمر! مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تم بہت غیور انسان ہو۔ اس لئے میں اس محل کے اندر داخل نہیں ہوا اور واپس آگیا۔ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے، اور عرض کیا کہ او علیک یا رسول اللہ اغار؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے لئے جنت کی بشارت سن چکے، اور جنت میں اپنے محل کے بارے میں سن چکے، اس کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتادی تھی کہ مدینے میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ آپ ان سے پوچھ رہے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتادو کہ کہیں اس فہرست میں میرا نام تو نہیں ہے؟۔ خیال یہ آرہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جنت کی بشارت دے دی تھی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کے اعمال کی وجہ سے ان بشارتوں پر پانی پھر جائے۔ دیکھئے! حضرت فاروقِ اعظم کو یہ خطرہ لگا ہوا ہے۔ بہرحال، جس شخص کو جتنی زیادہ معرفت ہوتی ہے اتنا ہی اس کو خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خوف جب تک دل میں کسی نہ کسی درجے میں حاصل نہ ہو، یاد رکھئے! اس وقت تک تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ

اس خوف کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت فجر کے بعد یا رات کو سوتے وقت مقرر کرے، پھر اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میں مر رہا ہوں، بستر مرگ پر لیٹا ہوا ہوں، اعزہ اور اقرباء جمع ہیں، میری روح نکل رہی ہے، اس کے بعد مجھے کفن پہنانے کے بعد دفن کیا جارہا ہے، پھر فرشتے سوال و جواب کے لئے آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں۔ ان سب باتوں کا دھیان کرکے سوچے، جب روزانہ انسان یہ سب باتیں سوچے گا تو انشاء اللہ دل سے رفتہ رفتہ غفلت کے پردے اٹھنا شروع ہو جائیں گے۔ ہم پر غفلت اس لئے چھائی ہوئی ہے کہ ہم اور آپ موت سے غافل ہیں، اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو مٹی

دے کر آتے ہیں، اپنے کاندھوں پر جنازہ اٹھاتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فلاں آدمی بیٹھے بیٹھے دنیا سے رخصت ہوگیا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس دنیا کو جمع کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے صبح شام دوڑ دھوپ کر رہا تھا، محنت اور مشقت برداشت کر رہا تھا، لیکن جب دنیا سے گیا تو ان کی طرف منہ موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، اپنی طرف دھیان نہیں جاتا کہ مجھے بھی ایک دن اس طرح دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت﴾

اس چیز کو کثرت سے یاد کیا کرو جو ان ساری لذتوں کو ختم کرنے والی ہے یعنی موت۔ اس کو بھلاؤ نہیں، بلکہ اس کو کثرت سے یاد کرو۔ بہرحال، روزانہ صبح یا شام کے وقت ان چیزوں کا تھوڑا سا مراقبہ کرلے تو اس سے مطلوبہ خوف کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔

تقدیر غالب آجاتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جنت والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص پھر جہنم والوں کے اعمال شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ آخرکار وہ جہنم میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص ساری عمر جہنم والوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت اس کے اوپر لکھی ہوئی تقدیر غالب آجاتی ہے اور اس کے بعد وہ جنت کے عمل شروع کردیتا ہے حتیٰ کہ آخرکار وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

اپنے عمل پر ناز نہ کریں

اس حدیث سے یہ سبق ملا کہ کوئی شخص اپنے عمل پر ناز نہ کرے کہ میں فلاں عمل کر رہا ہوں اور فلاں عمل کر رہا ہوں، اس لئے کہ ان اعمال کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار زندگی کے آخری اعمال کا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

﴿انما العبرة بالخواتيم﴾

یعنی خاتمہ کا اعتبار ہے کہ خاتمے کے وقت وہ کیسے اعمال کر رہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی عمل کی نحوست انسان کو جہنمیوں کے اعمال کی طرف لے جائے، اس لئے نیک عمل کرتے ہوئے بھی ڈرنا چاہئے۔

بُرے عمل کی نحوست

لیکن ایک بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اُس انسان سے جہنمیوں والے اعمال جبری طور پر نہیں کرائے جائیں گے تاکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جائے۔ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ سارے اعمال اپنے اختیار سے کرتا ہے، مجبور نہیں ہوتا۔ لیکن ان اعمال کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ وہ پچھلے سارے نیک اعمال کے اجر و ثواب کو ختم کر دیتی ہے، اور برے اعمال کی طرف انسان کو گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ بعض گناہوں کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ اس نحوست کی وجہ سے وہ پھر دوسرے گناہ میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، اور دوسرے گناہ کی نحوست سے وہ تیسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ وہ گناہوں کے اندر اتنا منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کی ساری پچھلی زندگی پر پانی پھر جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی بھی چھوٹے گناہ کو معمولی سمجھ کر مت کرو، اس لئے کہ کیا پتہ یہ چھوٹا گناہ تمہاری عمر بھر کی نیکیوں کو ختم کر دے۔ اور پھر کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کر لینا ہی اس

کو کبیرہ بنادیتا ہے، اور اس کا نقد وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، رفتہ رفتہ پھر وہ گناہوں کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی سی چنگاری، اور بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے بڑی آگ اور بڑا انگارہ۔ اب کوئی شخص یہ سوچ کر کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے اور بڑی آگ تو ہے نہیں، لاؤ میں اس کو اپنے صندوق میں رکھ لیتا ہوں، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چھوٹی سی چنگاری سارے صندوق اور کپڑوں کو جلاکر راکھ کردے گی۔

بزرگوں کی گستاخی کا وبال

اسی طرح اللہ والوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی شان میں گستاخی کرنا یا ان کا دل دکھانا یہ ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات اس کی وجہ سے انسان کی مت الٹی ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر کسی اللہ والے سے تمہیں اختلاف ہوگیا تو اس اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھو، لیکن اگر تم نے اس کی شان میں گستاخی اور بے ادبی شروع کردی تو اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات انسان گناہوں میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام ہے "درس عبرت" اس میں ایک بہت بڑے بزرگ کا عبرت ناک واقعہ لکھا ہے، جو ساری عمر شیخ، بزرگ اور اللہ والے رہے، اور پھر اچانک مت الٹی ہوئی، اور برے کاموں کے اندر مبتلا ہوگئے۔ تو بعض اوقات یہ چھوٹے سے گناہ کا وبال ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ سوء خاتمہ پر منتج ہوجائے۔ اسی لئے تمام بزرگ ہمیشہ خاتمہ بالخیر کی دعائیں کراتے ہیں۔

نیک عمل کی برکت

اس کے برعکس بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے اعمال خراب ہیں، گناہوں کے اندر مبتلا ہے، اچانک اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کی توفیق دیدی، اور یہ توفیق بھی کسی نیک عمل کے نتیجے میں ملتی ہے، مثلاً پہلے کسی چھوٹے نیک عمل کی توفیق ہوگئی اور پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مزید نیک اعمال کی توفیق عطا فرمادی، اور اس کے نتیجے میں اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل گیا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یحقرن احد من المعروف شیئا تم میں سے کوئی بھی شخص کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھے، کیا پتہ کہ وہی نیکی تمہاری زندگی کے اندر انقلاب پیدا کردے اور اس کی وجہ سے بیڑا پار ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے۔ اللہ والوں کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ چھوٹی سی نیکی کی اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے زندگی میں انقلاب پیدا فرمادیا۔ اس لئے چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو۔ اور میں نے ایک رسالہ "آسان نیکیاں" کے نام سے لکھ دیا ہے۔ جس میں ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال لکھ دیئے ہیں جن کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ اگر انسان ان نیک کاموں کو کرلے تو اس کے نتیجے میں اس کے نیک اعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ رسالہ ضرور پڑھنا چاہئے اور ان نیکیوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تقدیر کی حقیقت

بعض لوگ اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ کون شخص جنتی ہے اور کون سا شخص جہنمی ہے تو اب عمل کرنے سے کیا فائدہ۔ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں لکھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں

ہے کہ تم وہی عمل کرو گے جو تقدیر میں لکھا ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں وہی بات لکھی ہے جو تم لوگ اپنے اختیار سے کرو گے۔ اس لئے کہ تقدیر تو علم الٰہی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کو پہلے سے پتہ تھا کہ تم اپنے اختیار سے کیا کچھ کرنے والے ہو۔ لہٰذا وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا، لیکن تمہارا جنت میں جانا یا جہنم میں جانا درحقیقت تمہارے اختیاری اعمال ہی کی بنیاد پر ہوگا، یہ بات نہیں ہے کہ انسان عمل وہی کرے گا جو تقدیر میں لکھا ہے، بلکہ تقدیر میں وہی لکھ دیا گیا ہے جو انسان اپنے اختیار سے عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کے مطابق انسان عمل کرتا رہتا ہے۔ اب یہ سوچنا کہ تقدیر میں تو سب لکھ دیا گیا ہے، لہٰذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھ لیا کہ ففیما العمل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ جب یہ فیصلہ ہو چکا کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں شخص جہنمی، تو پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعملوا فکل میسر لما خلق لہ عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر انسان کو وہی کام کرنا ہوگا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ لہٰذا تم اپنے اختیار کو کام میں لاکر عمل کرتے رہو۔

بے فکر نہ ہو جائیں

اس حدیث کو یہاں لانے کا منشاء یہ ہے کہ آدمی یہ نہ سوچے کہ میں بڑے بڑے وظائف اور تسبیحات پڑھ رہا ہوں اور نوافل پڑھ رہا ہوں اور اپنی طرف سے پوری شریعت پر چل رہا ہوں اس لئے اب میں مطمئن ہو جاؤں۔ ارے آخر دم تک انسان کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے، بلکہ یہ دھڑکا اور یہ خوف انسان کو لگا رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہ حالت بدل جائے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

اندریں راہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

اس راستے میں تو ہر وقت تراش خراش چلتی رہتی ہے، ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں یہ غلط راستے پر تو نہیں جارہا ہے۔ بڑے بڑے لوگ بے فکری کی وجہ سے پھسل گئے، اس لئے آخر دم تک انسان کو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

جہنم کا سب سے ہلکا عذاب

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب جس شخص کو ہوگا، وہ ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلوؤں کے نیچے دو چنگاریاں رکھ دی جائیں گی، مگر ان کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا، اور وہ شخص یہ سمجھ رہا ہوگا کہ شاید سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ کو ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ عذاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو ہوگا، کیونکہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت بہت کی تھی، لیکن آخر وقت تک ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ان کو یہ عذاب ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بہرحال، اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب سب سے ہلکے عذاب کی وجہ سے یہ حال ہوگا کہ اس چنگاری کے نتیجے میں اس شخص کا دماغ کھول رہا ہوگا تو جن کے لئے شدید عذاب کی وعید آئی ہے، ان کا کیا حال ہوگا؟ جہنم کے اس عذاب کا انسان کبھی کبھی تصور کرلیا کرے تو اس کے نتیجے میں انسان کے اندر خوف پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل میں تقویٰ جاگزیں ہوتا ہے۔

جہنمیوں کے درجات

ایک حدیث میں مختلف جہنمیوں کا حال بیان فرماتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے ٹخنے تک پہنچی ہوگی۔ جس کے صرف تلووں میں چنگاری رکھی جائے گی اس کا حال تو آپ نے اوپر کی حدیث میں سن لیا۔ اگر وہ آگ ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ جہنم کی آگ ان کے گھٹنوں تک پہنچی ہوئی ہوگی۔ اور بعض جہنمی ایسے ہوں گے کہ آگ ان کی کمر تک پہنچی ہوئی ہوگی، اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کی ہنسلی کی ہڈی تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ یہ جہنمیوں کے مختلف درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

میدان حشر میں انسانوں کا حال

یہ تو جہنم کا حال تھا، لیکن جہنم میں جانے سے پہلے جب میدانِ حشر میں پیشی ہوگی، اس وقت لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، یہاں تک کہ ایک شخص اپنے پسینے میں آدھے کانوں تک ڈوبا ہوا ہوگا، گویا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے پسینہ نکلتے نکلتے اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہ آدھے کانوں تک پہنچ گیا۔ ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کا اتنا پسینہ بہے گا کہ وہ ستر ہاتھ زمین کے اندر بہہ کر چلا جائے گا۔ اور وہ پسینہ لوگوں کو ڈھانپتا رہے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

جہنم کی وسعت

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کس چیز کے گرنے کی آواز ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللّٰہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج سے ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم کے اندر پھینکا گیا تھا، آج وہ پتھر اس کی تہہ میں پہنچا ہے، یہ اس پتھر کے گرنے کی آواز ہے۔ پہلے لوگ اس کو بہت مبالغہ سمجھتے تھے کہ وہ پتھر ستر سال سفر کرنے کے بعد تہہ میں پہنچا، لیکن اب تو سائنس نے ترقی کرلی ہے، چنانچہ سائنس کا کہنا ہے کہ بہت سے ستارے ایسے ہیں کہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں ان کی روشنی زمین کی طرف سفر کررہی ہے، لیکن آج تک وہ روشنی زمین تک نہیں پہنچی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اس قدر وسیع ہیں تو پھر اس میں کیا بعد ہے کہ ایک پتھر جہنم کے اندر ستر سال سفر کرنے کے بعد اس کی تہہ میں پہنچا ہو۔ بہرحال، اس حدیث کے ذریعہ جہنم کی وسعت بتانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جہنم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ان تمام احادیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کبھی کبھی اپنی موت کا اور جنت اور جہنم کی ان باتوں کا تصور کیا کرے۔ اس سے رفتہ رفتہ دلوں میں گداز اور خوف پیدا ہوگا۔ اس کے ذریعہ پھر نیک اعمال کا کرنا آسان ہوجائے گا اور گناہوں کو چھوڑنا بھی آسان ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں یہ خوف پیدا فرمادے۔ اور گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق، حتی اذا فرغ منہ قامت الرحم فقالت: ھذا مقام العائذبک من القطیعۃ قال: نعم اما ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک، قالت: بلی قال: بذلک لک۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقرأوا ان شئتم: فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴾ (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم)

صلہ رحمی کی تاکید

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ تو اس سے فراغت کے بعد قرابت داری اور رشتہ داری کھڑی ہوگئی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ اب سوال یہ ہے کہ قرابت داری اور رشتہ داری کس طرح کھڑی ہوگئی؟ یہ وہ بات ہے جس کو اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جان سکتے ہیں۔ ہم اس کی کیفیت نہیں بتلا سکتے اس لئے کہ قرابت داری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا جسم ہو۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کو جو جسم نہیں رکھتی ہیں۔ آخرت اور ملئا اعلیٰ میں جسم عطا فرمادیتے ہیں۔ بہرحال۔ وہ رشتہ داری کھڑی ہوگئی۔ اور عرض کیا کہ یا اللہ! یہ ایسی جگہ ہے جہاں پر میں اپنے حق کے پامال ہونے کی پناہ مانگتی ہوں۔ یعنی دنیا میں لوگ میرے حقوق کو پامال کریں گے۔ اس سے میں پناہ چاہتی ہوں کہ کوئی میرے حق کو پامال نہ کرے ـــــ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں یہ اعلان کردوں کہ جو شخص تمہارے حقوق کو ضائع کرے گا، تو میں اس کو سزا دوں گا، اور اس کے حقوق کو ادا نہیں کروں گا۔ جواب میں رشتہ داری نے کہا: یا اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں یہ مقام اور درجہ دیتا ہوں۔ اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص رشتہ داری کے حقوق کا خیال رکھے گا اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو میں بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔ اور جو شخص رشتہ داروں کے حقوق کو پامال کرے گا تو میں بھی اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھوں گا۔

یہ واقعہ اور حدیث بیان کرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لو، جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ ○﴾ (سورۃ محمد: ۲۲-۲۳)

کیا ایسا ہے کہ تم زمین کے اندر فساد مچاؤ، اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ان کو بہرا اور اندھا بنادیا ہے ــــ قطع رحمی کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی سخت وعید ارشاد فرمائی۔

ایک اور آیت

یہ حدیث درحقیقت ان تمام آیات قرآنی کی تفسیر ہے جن میں بار بار اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے کہ قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ چنانچہ خطبہ نکاح کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ﴾

(النساء:۱)

یعنی اس اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر تم دوسروں اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں کے حقوق پامال کرنے سے ڈرو۔ چنانچہ جب کوئی شخص دوسرے سے اپنا حق مانگتا ہے تو اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ اللہ کے واسطے میرا یہ حق دیدو اور ــــ اس بات سے ڈرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کسی رشتہ دار کی حق تلفی ہوجائے۔ اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں عذاب دے ــــ قرآن کریم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رشتہ داریوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کے بیان سے اور اس کی تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

"شریعت" حقوق کی ادائیگی کا نام ہے

بات دراصل یہ ہے کہ "شریعت" حقوق کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے، شریعت میں اللہ کا حق ادا کرنا ہے۔ یا اللہ کے بندوں کا حق ادا کرنا ہے۔ پھر اللہ کے بندوں میں بھی مختلف لوگوں کے مختلف حقوق ہیں۔ مثلاً والدین کے حقوق ہیں۔ اولاد کے حقوق، بیوی کے حقوق، شوہر کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق ہیں۔ پڑوسیوں کے حقوق ہیں۔ ہم سفروں کے حقوق ہیں۔ اس طرح پوری شریعت حقوق سے عبارت ہے۔ ان حقوق میں سے کسی ایک کا بھی حق ادائیگی سے رہ جائے تو شریعت پر عمل ناقص ہے، اور اس کا دین ناقص ہے ___ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کا حق تو ادا کردیا۔ لیکن اللہ کے بندوں کا حق ادا نہ کیا تو دین کامل نہ ہوا۔ اور دین پر عمل ادھورا رہ گیا۔ ان میں سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

تمام انسان آپس میں رشتہ دار ہیں

یوں اگر دیکھا جائے تو سارے ابن آدم اور سارے انسان آپس میں رشتہ دار ہیں، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ تمام انسانوں کے باپ ایک ہیں، یعنی حضرت آدم علیہ السلام، جن سے ہم سب پیدا ہوئے۔ بعد میں آگے چل کر شاخیں ہوتی چلی گئیں، خاندان اور قبیلے تقسیم ہوتے چلے گئے۔ کوئی کہیں جاکر آباد ہوا۔ اور کوئی کہیں۔ اور دور کی رشتہ داریاں ہوگئیں۔ جس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کو رشتہ دار نہیں سمجھتے۔ ورنہ حقیقت میں تو سارے انسان ایک دوسرے کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ البتہ کسی کی رشتہ داری قریب کی ہے۔ کسی کی رشتہ داری دور کی ہے۔ لیکن رشتہ داری ضرور ہے۔

حقوق کی ادائیگی سکون کا ذریعہ ہے

جو قریب ترین رشتہ دار ہوتے ہیں۔ جن کو عرف عام میں رشتہ دار سمجھا جاتا ہے۔ جیسے بھائی، بہن، چچا، تایہ، بیوی، شوہر، خالہ، ماموں، باپ اور ماں ــــ ان رشتہ داروں کے کچھ خاص حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور ان حقوق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ان رشتہ داروں کے حقوق صحیح طور ادا کئے جائیں تو اس کے نتیجے میں زندگی پر امن اور پر سکون ہو جاتی ہے۔ یہ لڑائی اور جھگڑے یہ نفرتیں اور عداوتیں، یہ مقدمہ بازیاں، یہ سب ان حقوق کو پامال کرنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے تو پھر کبھی کوئی جھگڑا اور کوئی لڑائی نہ ہو، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے ــــ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ حکم دیا کہ اگر تم ان حقوق کو ادا کرو گے تو تمہاری زندگی پر سکون ہوگی ــــ "خاندان" کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے، اگر "خاندان" متحد نہیں ہے اور خاندان والوں کے درمیان آپس میں محبتیں نہیں ہیں۔ آپس کے تعلقات درست نہیں ہیں۔ تو یہ چیز پورے معاشرے کو خراب کرتی ہے۔ اور پورے معاشرے کے اندر اس کا فساد پھیلتا ہے، اس کے نتیجے میں پوری قوم خراب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا خاص طور پر حکم دیا۔

اللہ کے لئے اچھا سلوک کرو

ویسے تو ہر مذہب میں اور ہر اخلاقی نظام میں رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کا سبق دیا گیا ہے، اور ہر مذہب والے یہ کہتے ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ لیکن حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق کے بارے ایک ایسا اصول بیان فرمایا ہے جو تمام دوسرے مذاہب اور اخلاقی نظاموں سے بالکل ممتاز اور الگ ہے۔ اگر وہ اصول ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو پھر کبھی بھی رشتہ

داروں کے حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو، اور ان کے ساتھ کبھی بھی بدسلوکی نہ کریں ــــ وہ اصول یہ ہے کہ جب بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ یا اچھا سلوک کرو تو یہ کام ان کو خوش کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کرو، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے وقت یہ نیت ہونی چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر یہ سلوک کر رہا ہوں، جب انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اچھا سلوک کریگا تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہوگا وہ اپنے رشتہ داروں سے کسی "بدلے" کی توقع نہیں رکھے گا۔ بلکہ اس کے ذہن میں یہ ہوگا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہوں، میرے اچھے سلوک کے نتیجے میں یہ رشتہ دار خوش ہو جائیں۔ اور میرا شکریہ ادا کریں، اور کوئی بدلہ دیں تو وہ ایک نعمت ہے، لیکن اگر وہ خوش نہ ہوں، اور بدلہ نہ دیں تو بھی مجھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ مجھے اپنا وہ فریضہ انجام دینا ہے جو میرے اللہ نے میرے سپرد کیا ہے۔

شکریہ اور بدلے کا انتظار مت کرو

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ حقوق ادا کرنا اچھی بات ہے، یہ حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ لیکن سارے جھگڑے اور سارے فساد یہاں سے پیدا ہوتے ہیں کہ جب رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کر لیا تو اب آپ اس امید اور انتظار میں بیٹھے ہیں کہ اس کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ اس کی طرف سے اس حسن سلوک کا بدلہ ملے گا، اور اس انتظار میں ہیں کہ وہ میرے حسن سلوک کے بارے میں خاندان والوں میں چرچا کرے گا، اور میرے گن گائیگا۔ لیکن آپ کی یہ اُمید پوری نہ ہوئی۔ اس نے نہ تو شکریہ ادا کیا۔ اور نہ ہی بدلہ دیا۔ تو اب آپ کے دل میں اس کی طرف سے برائی آگئی کہ ہم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ لیکن اس نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ اس کی زبان پر کبھی "شکریہ" کا لفظ ہی نہیں آیا۔ اس نے تو کبھی بدلہ ہی نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

آپ نے اس کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا اس کے ثواب کو ملیا میٹ کردیا۔ آپ اپنے دل میں اس کی طرف سے برائی لے کر بیٹھ گئے، اور آئندہ جب کبھی حسن سلوک کرنے کا موقع آئے گا تو آپ یہ سوچیں گے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے کیا فائدہ اس کی زبان پر تو کبھی "شکریہ" کا لفظ بھی نہیں آتا۔ میں اس کے ساتھ کیا اچھائی کروں۔ چنانچہ آئندہ کے لئے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چھوڑ دیا۔ اور ابتک جو اس کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ اس کا ثواب بھی اکارت گیا۔ اس لئے کہ ابتک بھی اس کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا۔ وہ اللہ کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو "شکریہ" اور "بدلہ" لینے کے لئے کیا تھا۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو، اس خیال سے مت کرو کہ یہ میرے ساتھ بھی بدلے میں حسن سلوک کرے گا۔ یا میرا شکریہ ادا کرے گا۔

صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟

ایک حدیث جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ لٰكِنَّ الْوَاصِلُ مَنْ اِذَاقَطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا﴾

(بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو اپنے کسی رشتہ دار کی صلہ رحمی کا بدلہ دے کہ دوسرا رشتہ دار میرے ساتھ جتنی صلہ رحمی کرے گا میں بھی اتنی ہی صلہ رحمی کروں گا، اور اگر وہ صلہ رحمی کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اگر وہ نہیں کرے گا تو میں بھی نہیں کروں گا، ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ اس کو صلہ رحمی کا اجر وثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا حقیقت میں وہ شخص

ہے کہ دوسرا تو اس کا حق ضائع کر رہا ہے، اور اس کے ساتھ قطع تعلق کر رہا ہے، لیکن یہ شخص پھر بھی اللہ کی رضاجوئی کی خاطر اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے، یہ شخص حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا ہے اور صلہ رحمی کے اجر وثواب کا مستحق ہے۔

ہمیں رسموں نے جکڑ لیا ہے

آج جب کسی شخص سے پوچھا جائے کہ رشتہ داروں کا بھی کچھ حق ہے؟ ہر ایک ہم سے یہی جواب دے گا کہ رشتہ داروں کے بہت حقوق ہیں۔ لیکن کون شخص ان حقوق کو کس درجے میں کس طرح ادا کر رہا ہے؟ اگر اس کا جائزہ لے کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارے سارے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے، اور رشتہ داروں سے جو تعلق ہے وہ صرف رسموں کی ادائیگی کی حد تک ہے اس سے آگے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے گھر شادی بیاہ ہے تو اس موقع پر اس کو کوئی تحفہ دینے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، یا دینے کی طاقت نہیں ہے تو اب یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر تقریب میں خالی ہاتھ چلے گئے تو برا معلوم ہوگا۔ چنانچہ اب بادل ناخواستہ اس خیال سے تحفہ دیا جارہا ہے کہ اگر نہ دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ اور خاندان والے کیا کہیں گے اور جس کے یہاں شادی ہو رہی ہے وہ یہ کہے گا کہ ہم نے تو اس کی شادی میں یہ تحفہ دیا تھا۔ اور اس نے ہمیں کچھ نہ دیا۔ چنانچہ یہ تحفہ دل کی محبت سے نہیں دیا جارہا ہے بلکہ رسم پوری کرنے کے لئے نام و نمود کے لئے دیا جارہا ہے" جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحفہ دینے کا ثواب تو ملا نہیں، بلکہ بنام و نمود کی نیت کی وجہ سے اُلٹا گناہ ہو گیا۔

تقریبات میں "نیوتہ" دینا حرام ہے

ایک رسم جو ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، کسی علاقے میں کم اور کسی علاقے میں زیادہ ہے، وہ ہے "نیوتہ" کی رسم۔ تقریبات میں لینے دینے کی رسم کو

"نیوتہ" کہا جاتا ہے، ہر ایک کو یہ یاد ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے ہماری تقریب کے موقع پر کتنے پیسے دیئے تھے، اور میں کتنے دے رہا ہوں۔ بعض علاقوں میں تو تقریبات کے موقع پر باقاعدہ فہرست تیار کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اتنے پیسے دیئے، فلاں شخص نے اتنے پیسے دیئے۔ پھر اس فہرست کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اور پھر جس شخص نے پیسے دیئے ہیں۔ اس کے گھر جب کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوگی تو اب یہ ضروری ہے کہ جتنے پیسے اس نے دیئے تھے، اتنے پیسے اس کی تقریب میں دینا لازم اور ضروری ہے۔ چاہے قرض لے کر دے، یا اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر دے، یا چوری اور ڈاکہ ڈال کر دے، لیکن دینا ضرور ہے، اگر نہیں دے گا تو یہ اس معاشرے کا بدترین مجرم کہلائے گا۔ اسے "نیوتہ" کہا جاتا ہے۔ دیکھئے اس میں یہ پیسے صرف اس لئے دے جارہے ہیں کہ میرے گھر میں جب تقریب کا موقع آئے گا تو بھی دے گا، لہٰذا "بدلہ" کے خیال سے جو پیسے دے جارہے ہیں یہ حرام قطعی ہیں، قرآن کریم نے اس کے لئے "ربوا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (سورۃ الروم: ۳۹)

تم لوگوں کو نیوتہ کے طور پر کو جو کچھ ہدیہ یا تحفہ دیتے ہو (لیکن اس خیال سے دیا کہ وہ میری تقریب پر یا تو اتنا ہی دے گا، یا اس سے زیادہ دے گا) تاکہ اس سے مال کے اندر اضافہ ہو، تو یاد رکھو اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اور جو زکوٰۃ یا صدقہ تم اللہ کی رضامندی کی نیت سے دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مال میں چند در چند اضافہ فرماتے ہیں۔

تحفہ کس مقصد کے تحت دیا جائے؟

لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں خیال آیا کہ میرے ایک عزیز کے یہاں خوشی کا موقع ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کو کوئی ہدیہ پیش کروں۔ اور اس کی خوشی

کے اندر میں بھی شریک ہو جاؤں، اور ہدیہ دینے سے "بدلہ" اور نام نمود اور دکھلوا پیش نظر نہیں ہے۔ بلکہ اپنی رشتہ داری کا حق ادا کرنا ہے اور اللہ کو راضی کرنا ہے تو اس صورت میں تحفہ دینا اور پیسہ دینا اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ اور یہ تحفے اور پیسے صلہ رحمی میں لکھے جائیں گے۔ بشرطیکہ ہدیہ دینے سے اللہ کو راضی کرنا مقصد ہو۔

مقصد جانچنے کا طریقہ

اس کی پہچان کیا ہے کہ ہدیہ دینے سے اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے یا "بدلہ" لینا مقصود ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر ہدیہ دینے کے بعد اس بات کا انتظار لگا ہوا ہے کہ سامنے والا شخص اس کا شکریہ ادا کرے، اور کم از کم پلٹ کر اتنا تو کہدے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یا اس بات کا انتظار ہے کہ جب میرے گھر کوئی تقریب ہوگی تو یہ تقریب کے موقع کوئی ہدیہ تحفہ پیش کرے گا۔ یا اگر بالفرض تمہارے ہاں کوئی تقریب ہو تو وہ کوئی ہدیہ تحفہ نہ لائے تو اس وقت تمہارے دل پر میل آجائے، اور اس کی طرف سے تمہیں شکایت ہو کہ ہم نے تو اتنا دیا تھا، اور اس نے تو کچھ بھی نہیں دیا۔ یا ہم نے زیادہ دیا تھا اور اس نے ہمیں کم دیا۔ یہ سب اس بات کی علامت ہیں کہ اس دینے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں تھی۔ لہٰذا دیا بھی، اور اس کو ضائع بھی کردیا۔ لیکن اگر ہدیہ دینے کے بعد ذہن کو فارغ کردیا کہ چاہے یہ میرا شکریہ ادا کرے یا نہ کرے۔ میرے یہاں تقریب کے موقع پر چاہے دے یا نہ دے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے دینے کی توفیق دی تو میں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے رشتہ داروں کی خوشی کے موقع پر اس کی خدمت میں ہدیہ پیش کردیا۔ نہ تو مجھے شکریہ کا انتظار ہے، اور نہ بدلے کا انتظار ہے، اگر میرے گھر میں تقریب کے موقع پر یہ کچھ نہ دے تو بھی میرے دل پر میل نہیں آئے گا۔ میرے دل میں شکایت پیدا نہیں ہوگی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ اللہ کی رضامندی کی خاطر دیا گیا ہے، یہ ہدیہ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لئے مبارک ہے۔

"ہدیہ" حلال طیب مال ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کا وہ ہدیہ جو خوش دلی اور محبت سے دیا گیا ہو۔ نام و نمود کے لئے نہ دیا گیا ہو، وہ ہدیہ کائنات میں سب سے زیادہ حلال اور طیب مال ہے، اس لئے کہ جو پیسہ تم نے خود کمایا ہے اس میں اس بات کا امکان ہے کہ کہیں اس مال کے کمانے میں کہ تم سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو۔ یا کوئی کوتاہی ہو گئی ہو، جس کے نتیجے میں اس کے حلال طیب ہونے میں کمی رہ گئی ہو، لیکن اگر ایک مسلمان تمہارے پاس اخلاص و محبت کے ساتھ اور محض اللہ کی خاطر کوئی ہدیہ لے کر آیا ہے۔ اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدیہ کی بہت قدر فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہدیہ دینے کے اصول مقرر تھے۔ اور ہدیہ کی آپ بہت قدر فرمایا کرتے تھے، اور باقاعدہ اہتمام کر کے اس کو اپنے کسی مصرف میں خرچ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ مسلمان کا حلال طیب مال ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا ہے، اس لئے یہ مال بڑی برکت والا ہے —— بہرحال، جو ہدیہ اللہ کے لئے دیا جائے وہ دینے والے کے لئے بھی مبارک، لینے والے کے لئے بھی مبارک، اور جس ہدیہ کا مقصد حرص ہو اور نام و نمود ہو اس میں نہ دینے والے کی لئے برکت، اور نہ لینے والے کے لئے برکت ہے۔

انتظار کے بعد ملنے والا ہدیہ بابرکت نہیں

حتیٰ کہ حدیث شریف میں یہ تک بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ کا کسی شخص کی طرف دھیان لگا ہوا ہے کہ فلاں شخص میرے پاس ملاقات کے لئے آئے گا مجھے ہدیہ پیش کرے گا۔ اب آپ کو اس کے آنے کا اشتیاق اور انتظار ہو رہا ہے۔ تو اس صورت میں اس ہدیہ کے اندر برکت نہیں ہوگی۔ اور جو ہدیہ طلب کے بغیر اور

انتظار کے بغیر اس طرح آپ کو ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ تمہیں ہدیہ پیش کرے۔ اس نے وہ ہدیہ لاکر پیش کردیا۔ وہ ہدیہ بڑی برکت والا ہے۔ گویا کہ اشتیاق اور انتظار سے اس ہدیہ کی برکت میں کمی آجاتی ہے۔ اس لئے کہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی اس میں اپنی نفسانی غرض بھی شامل ہوگئی۔ اس لئے اس میں اتنی برکت نہیں ہوگی۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے جو بڑے اللہ والے درویش بزرگ تھے، اور اللہ والوں پر بڑے بڑے کٹھن حالات پیش آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ کئی دن سے فاقہ تھا، اور مریدین اور معتقدین کی مجلس میں وعظ فرمارہے تھے، آواز میں بہت کمزوری تھی۔ آہستہ اور پست آواز سے بیان فرمارہے تھے۔ مجلس میں ایک مرید نے جب یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئے کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے یہ کمزوری ہے۔ شاید ان پر فاقے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اس خیال سے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے کہ میں شیخ کے لئے کھانے کا انتظام کروں۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا لے کر اور ایک تھال میں لگاکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھانا دیکھ کہ شیخ نے تھوڑی دیر تامل کرکے فرمایا کہ نہیں۔ یہ کھانا لے جاؤ۔ میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ مرید کھانا لے کر واپس چلے گئے۔۔۔۔ آجکل کے مریدوں کی طرح کوئی ہوتا تو وہ اصرار کرتا کہ نہیں جی۔ آپ یہ کھانا ضرور کھائیں۔ مگر وہ مرید جانتا تھا کہ شیخ کامل ہیں۔ اور شیخ کامل کا حکم بے چوں وچرا ماننا چاہئے۔ اور وہ کھانے سے انکار تکلفاً نہیں کررہے ہیں بلکہ کوئی وجہ ہی ہوگی جس کی وجہ سے کھانے سے انکار کررہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ کھانا لے کر واپس چلا گیا۔۔۔۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد مرید دوبارہ کھانا لے کر آیا۔ اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت اب قبول فرمالیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں! اب میں قبول کرتا ہوں۔

بعد میں مرید نے بتایا کہ جب میں پہلی مرتبہ کھانا لے کر آیا، اور حضرت نے کھانے سے انکار کر دیا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حضرت والا کھانے سے جو انکار کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں کھانا لینے کے لئے مجلس سے اٹھ کر گیا تو حضرت والا کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید یہ میری کمزوری دیکھ کر سمجھ گیا اور شاید یہ میرے کھانے کا بندوبست کرنے گیا ہو، جس کی وجہ سے کھانے کا انتظار لگ گیا۔ لہذا جب میں کھانا لے کر آیا تو وہ کھانا انتظار اور اشتیاق کے عالم میں آیا اور یہ حدیث سامنے تھی کہ جو ہدیہ انتظار اور اشتیاق کے عالم میں ملے اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لئے انہوں نے وہ کھانا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ کھانا لے کر میں واپس چلا گیا۔ تاکہ ان کا انتظار اور اشتیاق ختم ہو جائے، پھر تھوڑی دیر کے بعد میں وہی کھانا لے کر دوبارہ حاضر ہو گیا تو اب ہدیہ قبول کرنے میں جو رکاوٹ تھی۔ وہ ختم ہو گئی تھی۔ اس لئے شیخ نے اس کو قبول فرمالیا ـــــ بہر حال اگر ہدیہ میں انتظار لگ جائے، یا اس کے دینے میں نام نمود اور شہرت کی نیت کر لی جائے۔ یا اس کے بدلے میں طمع اور لالچ پیدا ہو جائے۔ تو یہ چیزیں ہدیہ کی برکت اور نور کو زائل کر دیتی ہیں۔

ہدیہ دو محبت بڑھاؤ

حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿تھادوا تحابوا﴾

(الموطا، فی حسن الخلق، باب ماجاء فی المہاجرۃ)

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تو تمہارے درمیان آپس میں محبت پیدا ہوں۔ لیکن یہ محبت اس وقت پیدا ہو گی جب اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ ہدیہ دیا جارہا ہو۔ قرابت داری کا حق ادا کرنے کے لئے، اپنی آخرت سنوارنے کے لئے اور اللہ کے سامنے سرخ رو ہونے کے لئے وہ ہدیہ دیا جارہا ہو۔ لیکن آج ہم لوگ ان مقاصد کی لئے ہدیہ نہیں دیتے۔ چنانچہ شادیوں کے موقع پر دیکھ لیں کہ کس نیت سے تحفہ دیا

جا رہا ہے۔ صرف رسم پوری کرنے کے لئے تحفہ دیدیں گے۔ لیکن رسم کے علاوہ کبھی کوئی تحفہ کسی رشتہ دار کو دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض اوقات مردوں کے دل میں خیال بھی آتا ہے کہ فلاں عزیز کو فلاں تحفہ دیدیں، اکثر خواتین اپنے شوہر کو یہ کہہ کر روک دیتی ہیں کہ اس وقت تحفہ دینے سے کیا فائدہ؟ ان کے ہاں فلاں تقریب ہونے والی ہے۔ اس موقع پر تحفہ پیش کریں گے تو ذرا نام بھی ہو جائے گا۔ اور اس وقت اپنا بوجھ بھی اترے گا۔ اس وقت دینے کیا فائدہ ــــ حالانکہ سارہ فائدہ تو اس وقت دینے میں ہے، اس لئے کہ جس وقت دل میں کسی تصنع اور تکلف اور بناوٹ کے بغیر محض اللہ کی خاطر اپنے کسی عزیز یا دوست کو خوش کرنے کے لئے تحفہ دینے کا داعیہ پیدا ہوا، بس تحفہ دینے کا وہی صحیح موقع ہے۔ اسی وقت تحفہ اور ہدیہ دے دو۔

نیکی کے تقاضے پر جلد عمل کرلو

بزرگوں نے فرمایا کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ فلاں نیک کام کرلوں تو اس نیک کام کو جتنا جلد ہو سکے کر ڈالو۔ اس کام کو ٹلاؤ نہیں، آئندہ کے لئے اس کو مؤخر اور ملتوی نہ کرو۔ اس لئے کہ نیک کام کرنے کا یہ شوق جس اخلاص اور جذبے کے ساتھ پیدا ہوا ہے، خدا جانے وہ شوق کل کو باقی رہے یا نہ رہے، کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کل کو موقع ملے یہ نہ ملے، اس لئے فوراً اس شوق پر عمل کرلو۔

نیکی کا تقاضہ اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "نیکی کا داعیہ" اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور صوفیاء کرام اس کو "وارد" کہتے ہیں۔ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا مہمان ہے۔ اگر تم نے اس مہمان کی

عزت اور اکرام کیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا۔ اور بار بار آئے گا، اور اگر تم نے اس مہمان کو دھتکار دیا، اور اس کا اکرام نہ کیا، مثلاً دل میں نیک کام کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس خیال کو یہ سوچ کر جھٹک دیا کہ میاں چھوڑو، بعد میں دیکھا جائے گا۔ تو تم نے اللہ کے مہمان کی ناقدری کی۔ اور بے عزتی کی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مہمان ناراض ہو جائے گا۔ اور آنا چھوڑ دے گا۔ اور اگر تم نے اس خیال پر عمل کرتے ہوئے وہ نیک کام کرلیا تو اللہ تعالیٰ پھر دوبارہ اس مہمان کو تمہارے پاس بھیجیں گے۔ اور وہ داعیہ کسی اور موقع پر کوئی اور نیک کام تم سے کرالے گا۔ اس لئے جس وقت کسی عزیز یا دوست کو تحفہ اور ہدیہ دینے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ بس اسی وقت اس داعیہ پر عمل کر ڈالو۔

ہدیہ کی چیز مت دیکھو بلکہ جذبہ دیکھو

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تعلیم یہ دی کہ یہ مت دیکھو کہ ہدیہ اور تحفے کے طور پر کیا چیز دی جارہی ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کس جذبے کے ساتھ وہ تحفہ اور ہدیہ دیا جارہا ہے، اگر چھوٹی سی چیز بھی محبت سے پیش کی جائے۔ یقیناً وہ اس بڑی چیز سے ہزار درجہ بہتر ہے جو صرف دکھلاوے اور نام و نمود کے لئے دی جائے۔ اس لئے ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة﴾

(بخاری کتاب الادب، باب لا تحقرن جارة لجارتها)

یعنی اگر کوئی پڑوسن کوئی ہدیہ بھیجے تو اس کو کبھی حقیر مت سمجھو، چاہے وہ ہدیہ ایک بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس چیز کو مت دیکھو جو پیش کی جارہی ہے۔ بلکہ اس جذبے کو دیکھو جس جذبے کے ساتھ وہ پیش کی جارہی ہے، اگر محبت کے جذبے سے پیش کی گئی ہے، اس کی قدر کرو۔ وہ ہدیہ تمہارے لئے مبارک ہے۔ لیکن اگر بہت قیمتی چیز تمہیں ہدیہ میں دی گئی۔ مگر دکھلاوے کے خاطر دی گئی۔ تو اس

میں برکت نہیں ہوگی۔ اس لئے اللہ کا کوئی بندہ تمہیں کوئی چھوٹی سی چیز ہدیے میں دے تو اس کو مبارک سمجھ کر قبول کرلو۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ عموماً چھوٹی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ چیز ہی معمولی سی ہے، اس میں کیا دکھاوا کریں۔ اور قیمتی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا آجاتا ہے۔ اس لئے ہدیہ میں اگر کوئی شخص چھوٹی چیز دے تو اس کی زیادہ قدر کرنی چاہئے۔

ایک بزرگ کی حلال آمدنی کی دعوت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دیوبند میں ایک بزرگ گھاس کاٹا کرتے تھے۔ اور گھاس بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے، یومیہ ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی، ان کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی کہ دو پیسے تو اپنے استعمال میں لاتے، اور دو پیسے صدقہ خیرات کرتے، اور دو پیسے جو بچتے، ان کو دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اکابر اور علماء کی دعوت کے لئے جمع کرتے۔ جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو علماء اور اکابر دیوبند کی دعوت کرتے۔ جن میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہمیں سارے مہینے ان بزرگ کی دعوت کا انتظار رہتا ہے۔ جبکہ بڑے بڑے دولت مند اور رؤساء بھی دعوت کرتے تھے، ان کا انتظار نہیں رہتا تھا اس لئے یہ ایک اللہ کے بندے کی حلال طیب کمائی سے اور خالص محبت فی اللہ کی خاطر یہ دعوت کی جاتی تھی۔ اور اس میں جو نورانیت محسوس ہوتی وہ کسی اور دعوت میں نہیں محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے جب اس اللہ کے نیک بندے کی دعوت کھالیتے ہیں تو کئی دن تک دل میں نور محسوس ہوتا ہے۔ اور عبادت کرنے اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے کی خواہش رہتی ہے ـــــ بہرحال، چھوٹی اور معمولی چیز ہدیہ میں دینے میں اخلاص کی زیادہ توقع ہے بڑی چیز کے مقابلے میں، اس لئے معمولی ہدیے کی زیادہ قدر کرنی چاہئے۔

ہدیہ میں رسمی چیز مت دو

پھر ہدیہ دینے میں اس بات کا خیال رہنا چاہئے کہ ہدیہ اور تحفہ کا مقصد راحت پہنچانا اور اس کو خوش کرنا ہے۔ لہٰذا جو ہدیہ رسم پوری کرنے کے لئے دیا جاتا ہے، اس میں راحت کا یا خوشی کا خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ اس میں رسم پوری کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے ہدیہ میں صرف وہ رسمی چیز ہی دی جاتی ہے، مثلاً یا تو مٹھائی کا ڈبہ دیدیا، یا کپڑے کا جوڑا دیدیا وغیرہ، اگر اس مخصوص چیز کے علاوہ کوئی دوسری چیز لے جائیں گے تو یہ رسم کے خلاف ہوگی، اور اس کو بطور ہدیہ دیتے ہوئی شرم آئے گی کہ یہ بھی کوئی ہدیہ ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کے لئے اخلاص کے ساتھ کوئی ہدیہ دے گا وہ تو یہ دیکھے گا کہ اس شخص کی ضرورت کی چیز کیا ہے؟ میں وہ چیز اس کو ہدیہ میں دوں، تاکہ اس کے ذریعہ اس کو فائدہ اور راحت پہنچے۔

ایک بزرگ کے عجیب ہدایا؟

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ تبلیغی جماعت کے معروف حضرات میں سے تھے۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے بڑی محبت فرماتے، اور بکثرت ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب یہ بزرگ حضرت والد صاحب سے ملنے کے لئے دار العلوم تشریف لاتے تو وہ ایسے عجیب و غریب چیزیں ہدیہ میں لاتے کہ ہم نے ایسے ہدیے کہیں اور نہیں دیکھے، مثلاً کبھی کاغذ کا ایک دستہ لے آئے۔ اور حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اب دیکھے کاغذ کا دستہ آج تک کسی نے ہدیہ میں پیش نہیں کیا۔ مگر وہ اللہ کے بندے جانتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا ہر وقت لکھنے کا کام ہوتا ہے۔ یہ کاغذ ان کے کام آئے گا۔ اور لکھنے کا جو نیک کام کریں گے۔ اس میں میرا بھی حصہ لگ جائے گا، اور مجھے بھی ثواب مل جائے گا۔ کبھی روشنائی کی دوات لاکر حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ اب بتایئے جو شخص دکھاوا کرے گا، وہ کبھی روشنائی کی

دوات پیش کرے گا؟ لیکن جس شخص کے پیش نظر ہدیہ کے ذریعہ اللہ کو راضی کرنا ہے۔ اور جس شخص کے پیش نظر سامنے والے کو راحت اور آرام پہنچانا ہے۔ اسی شخص کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ ایسا ہدیہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے، اب اگر مٹھائی کا ڈبہ ہدیہ میں پیش کر دیتے تو حضرت والد صاحب مٹھائی تو کھاتے نہیں تھے۔ وہ دوسروں کے کھانے میں آتی۔

ہدیہ دینے کے لئے عقل چاہئے

بہرحال ہدیہ اور تحفہ دینے کے لئے بھی عقل چاہئے، اور یہ عقل بھی اللہ کی توفیق سے اور اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص سے ملتی ہے، لیکن جہاں ہدیہ دینے کا مقصد ریا اور نام و نمود ہو۔ وہاں یہ عقل کام نہیں آتی۔ وہاں تو انسان رسموں کے پیچھے پڑا رہتا ہے، وہ تو یہ سوچے گا اگر میں ہدیہ میں روشنائی کی دوات لے کر جاؤں گا تو بڑی شرم معلوم ہوگی، اگر مٹھائی کا ڈبہ لے جاتا تو ذرا دیکھنے میں بھی اچھا لگتا۔ آج ہمارے پورے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے۔ اور اس طرح جکڑ لیا ہے کہ عزیز اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو معاملہ کرتے ہیں۔ اس کو بھی ان رسموں نے تباہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ہدیہ اور تحفہ دینا بڑی اچھی چیز ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ لیکن ہم نے اس کو رسموں کی جکڑ بندی میں لاکر اس کا ثواب غارت کیا، اس کا نور بھی غارت کیا، اور اس کی برکت بھی غارت کی، اور الٹا اپنے ذمے گناہ لے لیا۔ خوب یاد رکھئے یہ "نیوتہ" وغیرہ حرام قطعی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص خوش دلی سے بدلے اور شکریے کی توقع کے بغیر اگر دے گا تو انشاء اللہ اس پر اجر و ثواب ملے گا۔

ہر کام اللہ کے لئے کرو

یہ تو ہدیہ اور تحفے کی بات تھی۔ اس کے علاوہ بھی عزیز و رشتہ داروں کے حقوق

ہیں، مثلاً کسی کے دکھ درد میں شریک ہوگئے۔ کسی کی ضرورت کے موقع پر اس کے کام آگئے وغیرہ، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب کسی عزیز رشتہ دار کا کوئی کام کرو تو صرف اللہ کے لئے کرو۔ اور اس خیال سے مت کرو کہ یہ میرے گن گائے گا، یا میرا شکریہ ادا کرے گا۔ یا مجھے بدلہ دے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا کام بھی کرو گے، اور پھر بھی دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہوگی۔

رشتہ دار بچھو کے مانند ہیں

ہمارے معاشرے کی غلط فکر کی وجہ سے عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ "الاقارب کالعقارب" "اقارب" کے معنی ہیں رشتہ دار، اور عقارب عقرب کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں بچھو۔ معنی یہ ہوئے کہ رشتہ دار بچھو جیسے ہیں ہر وقت ڈنک مارنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ کبھی راضی نہیں ہوتے، یہ مثل اس لئے مشہور ہوئی کہ رشتہ داروں کے ساتھ جب بھی حسن سلوک کیا تو اس امید کے ساتھ کیا کہ ان کی طرف سے جواب ملے گا۔ لیکن جب توقع کے مطابق جواب نہیں ملا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچھو ہوگئے —— اگر یہ حسن سلوک اس نیت سے کیا جاتا کہ میرے اللہ نے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس وقت انسان یہ سوچتا ہے کہ یہ رشتہ دار جواب دے یا نہ دے، لیکن اللہ تو جواب دینے والا موجود ہے، اس لئے کہ میں نے یہ کام اللہ کے لئے کیا ہے —— مزہ تو اسی وقت ہے کہ تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرتے رہو، اور ان کی طرف سے جواب نہ ملے، بلکہ الٹا جواب ملے، مگر پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اس نیت سے کئے جاؤ کہ جس کے لئے کر رہے ہیں۔ وہ جواب دینے والا موجود ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلے کا انتظار کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرے تو قطع رحمی کریں، لیکن یہ اس کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داروں سے سلوک

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ نے رشتہ داروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ چند رشتہ داروں کے علاوہ باقی سب رشتہ دار آپ کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک کہ آپ کے چچا اور چچا کے بیٹے جو قریب ترین عزیز تھے، مگر آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے رشتہ داری کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب بدلہ لینے کا وقت آیا تو آپ نے سب کو معاف کردیا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہے جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ بھی مامون ہے، اور کسی سے بدلہ نہیں لیا، اور نہ کسی سے یہ توقع رکھی کہ وہ میرے حسن سلوک کا بدلہ دے گا۔۔۔ لہٰذا رشتہ داروں کی بدسلوکی پر حسن سلوک کرنا بھی سنت ہے اور اچھائی کے ساتھ بدلہ دینا بھی سنت ہے۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کردو

اسی لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں بڑے تجربے کی بات فرمائی ہے، فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کردو۔ مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اچھائی کرے گا۔ فلاں شخص میرے کام آئے گا۔ فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہوں گا، یہ تمام توقعات ختم کرکے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ سے توقع رکھو۔ اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلاف توقع ملے گی۔ اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہوگی، کیونکہ خلاف توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف

پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں، تکلیف ہی کی توقع تھی، وہ تکلیف توقع کے مطابق ہی ملی، اس لئے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع کے بعد تکلیف پہنچے تو صدمہ اور رنج بہت زیادہ ہوتا ہے کہ توقع تو یہ تھی اور یہ ملا، لہٰذا توقع کے بغیر جو اچھائی مل رہی ہے وہ سب بونس ہے۔

دنیا دکھ ہی پہنچاتی ہے

دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو دکھ ہی پہنچاتی ہے، اگر کبھی خوشی اور منفعت حاصل ہوجائے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کا خاص انعام ہے، اور اگر دکھ آئے تو سمجھ لو کہ یہ تو آنا ہی تھا، اس لئے اس پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں ــــ یہ بات بالکل سو فیصد درست ہے۔ اگر ہم اس بات کو پلے باندھ لیں اور اس پر عمل کرلیں تو پھر سارے شکوے اور شکایتیں ختم ہوجائیں۔ اس لئے کہ یہ شکوے اور شکایتیں توقعات کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جو توقع رکھنی ہے اللہ تعالیٰ سے رکھو، مخلوقات سے توقع رکھنا چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ راحت اور آرام میں آجاؤ گے۔

اللہ والوں کا حال

ہمارے بڑے یہ نسخہ بتا گئے، اور میں نے آپ کے سامنے یہ نسخہ بتا دیا۔ اور آپ نے سن لیا۔ لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بنتی ہے، بلکہ اس بات کو دل میں بٹھائیں، اور اس کی مشق کریں، بار بار اپنا جائزہ لیں کہ ہم نے دوسروں سے کون کون سی توقعات باندھ رکھی ہیں؟ اور کیوں باندھ رکھی ہیں؟ اللہ سے توقعات کیوں نہیں باندھیں؟ آپ نے اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ ان کے اوپر بڑے سے بڑا غم بھی آجائے گا تو تھوڑا بہت رنج ہوگا، لیکن وہ غم ان کے اوپر مسلط نہیں ہوگا، اور وہ غم ان کو بے چین اور بے تاب نہیں کرے گا،

کیونکہ انہوں نے اپنے مالک سے اپنا تعلق جوڑا ہوا ہے، مخلوق کی طرف نگاہ نہیں ہے۔ مخلوق سے توقعات نہیں، مخلوق سے کچھ نہیں مانگتے، جو کچھ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سکون اور اطمینان سے رہتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ کیسے مزاج ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ الحمدللہ بہت اچھا حال ہے، پھر فرمایا کہ میاں اس شخص کیا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ یعنی میں وہ شخص ہوں کہ کائنات میں کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میرے مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کائنات کے سب کام جس کی مرضی کے مطابق ہو رہے ہوں اس سے زیادہ خوش اور اس سے زیادہ عیش میں کون ہو سکتا ہے؟ سوال کرنے والے کو بڑا تعجب ہوا، اس نے کہا کہ یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کائنات کا ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہو، بلکہ ان کی مرضی کے خلاف بھی کام ہوتے تھے، آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق کیسے ہو جاتا ہے؟

ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے، بس جو میرے اللہ کی مرضی وہ میرے مرضی، جو میرے اللہ کی مشیت وہی میری مشیت، اور اس کائنات میں ہر کام اللہ کی مرضی اور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے، اور میں نے اپنی انا کو مٹا دیا ہے اس لئے ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس لئے میں بڑا خوش ہوں، اور عیش و عشرت میں ہوں۔

بزرگوں کا سکون اور اطمینان

بہر حال اللہ والوں کو جو سکون اور آرام اور راحت میسر ہے، جس کے بارے میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کے بادشاہوں کو ہماری عافیت اور سکون اور راحت کا پتہ چل جائے تو وہ بادشاہ تلواریں لے کر ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے آجائیں کہ یہ راحت اور سکون ہمیں دیدو۔ یہ سکون مخلوق سے نگاہیں ہٹانے سے اور مخلوق سے توقعات ختم کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے توقعات ختم ہوجاتی ہیں تو پھر دیکھو کیسا سکون حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں صرف کہنے سننے سے حاصل ہوتیں، صحبت کے نتیجے میں یہ چیزیں رفتہ رفتہ منتقل ہوجاتی ہیں۔ اور انسان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ عزیزواقارب کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو اور محض دکھاوے کے لئے اور رسوم پوری کرنے کے لئے نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اور آپ سب کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مسلمان مسلمان بھائی بھائی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : مسلمان مسلمان بھائی بھائی

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان مسلمان۔ بھائی بھائی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ الحج: ۷۷)

﴿وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب المواخاۃ)

دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں

ایک مسلمان کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے۔ اور اس پر ظلم اور زیادتی نہ کرے۔ اور اس کو ایذاء رسانی سے

بچائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے کام آئے، اور اس کی ضرورت اور حاجت کو اپنی استطاعت کی حد تک پورا کرے، اور اگر کوئی مسلمان کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہے تو اس کو اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرے، یہ بات بھی ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے، تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "بھلائی کا کام کرو، تاکہ تم کو فلاح اور کامیابی حاصل ہو"۔ بھلائی کے اندر سب کچھ آجاتا ہے۔ مثلاً دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا، اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا، یہ سب چیزیں خیر اور بھلائی کے اندر داخل ہیں۔

ایک جامع حدیث

جو حدیث میں نے تلاوت کی، وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ اس کو دشمنوں کے حوالے کرتا ہے۔ یعنی نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ جو شخص اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہو۔ اس کا کوئی کام کر رہا ہو۔ تو جب تک وہ اپنے بھائی کا کام کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اور اس کی حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی تکلیف یا مشقت کی بات دور کرے۔ یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کی مشکل آسان ہو جائے۔ اور اس کی دشواری دور ہو جائے تو اس دور کرنے والے پر قیامت کے روز جو سختیاں آنے والی تھیں اللہ تعالیٰ ان سختیوں میں سے ایک سختی کو اس سختی کے مقابلے میں دور فرمادیتے ہیں۔

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ مثلاً کسی مسلمان کا ایک عیب پتہ چل گیا کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے، یا فلاں خرابی ہے، یا فلاں گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اب یہ شخص اس عیب کی پردہ پوشی کرے، اور دوسروں تک اس کو نہ پہنچائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کے گناہوں کو ڈھانپ دیں گے۔ یہ بڑی جامع حدیث ہے اور متعدد جملوں پر مشتمل ہے۔ جس میں سے ہر جملہ ہماری اور آپ کی توجہ چاہتا ہے، ان پر غور کرنے اور ان کو اپنی زندگی کا دستور بنانے کی ضرورت ہے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو جملہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ایک اصول بیان فرمادیا کہ "اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ" یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہئے۔ خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو۔ اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ بظاہر اس کے ساتھ دوستی کا کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو۔ اس ایک جملے کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی کہ یہ تو فلاں وطن کا رہنے والا ہے۔ اور میں فلاں وطن کا رہنے والا ہوں۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ میں فلاں زبان بولنے والا۔ یہ فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا، میں فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا۔ اس ایک جملے نے ان امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔ کسی وطن کا باشندہ ہو۔ کسی بھی پیشے سے اس کا تعلق ہو، کسی بھی ذات یا نسل سے اس کا

تعلق ہو۔ ہر حالت میں وہ تمہارا بھائی ہے۔

ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں

اسی بات کو قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

اس آیت میں پوری انسانیت کا بڑا عجیب منشور بیان فرمایا، فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، یعنی تم سب کا سلسلہ نسب ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ تم سب کے باپ ایک ہیں، یعنی حضرت آدم علیہ السلام، اور تم سب کی ماں ایک ہیں۔ حضرت حوا علیہا السلام۔ جب سب انسانوں کے باپ ایک، سب انسانوں کی ماں ایک، تو پھر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں۔ پھر ایک سوال پیدا ہوا کہ جب تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں تو اے اللہ، پھر آپ نے مختلف خاندان اور مختلف قبیلے کیوں بنائے؟ کہ یہ فلاں قبیلے کا ہے۔ یہ فلاں خاندان کا ہے۔ یہ فلاں گروہ کا ہے۔ یہ فلاں نسل کا ہے۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "لِتَعَارَفُوْا" یعنی یہ الگ الگ خاندان قبیلے اس لئے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اگر سب انسان ایک زبان بولنے والے، ایک وطن ایک نسل ایک خاندان کے ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہوجاتا۔ مثلاً تین آدمی ہیں، اور تینوں کا نام "عبد اللہ" ہے، تو اب تم پہچان کرنے کے لئے ان کے ساتھ نسبتیں لگادیتے ہو کہ یہ عبد اللہ کراچی کا رہنے والا ہے۔ یہ لاہور کا اور یہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ اس طرح ان قبیلوں ان نسبتوں اور شہروں کے اختلاف سے

ایک دوسرے کی پہچان ہوجاتی ہے۔ بس اسی غرض کے لئے ہم نے مختلف شہر اور مختلف زبانیں بنائیں۔ ورنہ کسی کو کسی پر فوقیت اور فضیلت نہیں ہے۔ ہاں صرف ایک چیز کی وجہ سے فضیلت ہوسکتی ہے۔ وہ ہے "تقویٰ" جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ کریم اور زیادہ شریف ہے۔ چاہے بظاہر وہ نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

اسلام اور کفر کا فرق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھئے کہ ابولہب جو آپ کا چچا تھا۔ اور آپ کے خاندان کا ایک بڑا سردار، اس کا تو یہ حال ہے کہ قرآن کریم کے اندر اس کے اوپر لعنت آئی۔ اور ایسی لعنت آئی کہ قیامت تک جو مسلمان بھی قرآن کریم کی تلاوت کرے گا وہ "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ" کے ذریعہ ابولہب پر لعنت بھیجے گا کہ اس کے ہاتھ ٹوٹیں اور اس پر لعنت ہو۔ بدر کے میدان میں اپنے چاچا اور تایوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، ان کے خلاف تلواریں اٹھائی جارہی ہے۔

جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے سیاہ فام ہیں۔ ان کو سینے سے لگایا جارہا ہے۔ بلکہ آپ ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اے بلال، وہ عمل تو ذرا بتاؤ جس کی وجہ سے میں نے آج کی رات خواب کے اندر جنت دیکھی تو وہاں تمہارے قدموں کی چاپ اور آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔ یہ سوال بلال حبشی سے کیا جارہا ہے جو سیاہ فام ہیں، اور حبشہ کے رہنے والے ہیں۔ اور جن کو سارے عرب کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ، اور کوئی خاص عمل تو میں نہیں کرتا۔ البتہ ایک عمل ہے جس پر میں شروع سے پابندی کرتا آرہا ہوں، وہ یہ کہ جب کبھی میں دن یا رات

میں وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے دو چار رکعت نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ (جس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر اس کی تصدیق فرمائی کہ شاید یہی بات ہوگی جس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام عطا فرمایا۔ (صحیح بخاری، فی التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار وفضل الصلاۃ بعد الوضوء باللیل)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیوں؟

بعض اوقات خیال آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیسے نکل گئے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا؟ علماء کرام نے فرمایا کہ در حقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے اس لئے نہیں تھے کہ ان کا درجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا ہوا تھا، بلکہ دنیا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ راستہ دکھانے کے لئے آگے آگے چلتے، ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی تھی۔ راستے میں اگر کوئی پتھر ہوتا تو اس کو ہٹا دیتے، اگر کوئی اور رکاوٹ ہوتی تو اس کو دور کر دیتے، سامنے سے آنے والے لوگوں پر نظر رکھتے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامنے سے کوئی دشمن آجائے، اور آپ کو تکلیف پہنچادے۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں بھی وہی منظر دکھادیا کہ تم ہمارے حبیب کی دنیا میں اس طرح حفاظت کرتے تھے۔ چلو جنت میں بھی ہم تمہیں آگے رکھیں گے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اپنے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اسلام کے رشتے نے سب کو جوڑ دیا

یہ مقام اس شخص نے پایا جس کو غلام کہا جاتا تھا، سیاہ فام اور حقیر سمجھا جاتا تھا، نسل اور خاندان کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس کے مقابلے میں "ابولہب" پر قرآن کریم میں لعنت نازل ہو رہی ہے کہ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ روم کے رہنے والے "حضرت صہیب" تشریف لاتے ہیں، اور بڑا اونچا مقام پاتے ہیں۔ ایران کے رہنے والے حضرت سلمان فارسی نے آکر اتنا اونچا مقام پایا کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ" یعنی سلمان فارسی ہمارے گھر والوں میں شامل ہیں۔ اس طرح آپ نے وطن کے، نسل کے، رنگ کے اور زبان کے بتوں کو توڑ دیا، اور یہ اعلان فرمادیا کہ ہم تو اس ایک اللہ کو ماننے والے ہیں جس نے سارے انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ اور فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کے قبیلوں کے درمیان لڑائی اور جنگ کی آگ سلگ رہی تھی، باپ جب مرتا تو بیٹے کو وصیت کرجاتا کہ بیٹا! اور سب کام کرنا، لیکن میرے دشمن سے انتقام ضرور لینا، زمانہ جاہلیت میں ایک لڑائی ہوئی ہے۔ جس کو "حرب بسوس" کہا جاتا ہے، چالیس سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کی مرغی کا بچہ دوسرے شخص کے کھیت میں چلا گیا۔ کھیت کے مالک نے غصہ میں آکر مرغی کے بچے کو ماردیا، مرغی کا مالک نکل آیا۔ جس سے زبانی تو تکار شروع ہوئی۔ اور پھر ہاتا پائی تک نوبت آگئی۔ اس کے نتیجے میں تلواریں نکل آئیں۔ اس کا قبیلہ ایک طرف اور دوسرے کا قبیلہ ایک طرف، دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی، اور ایک مرغی کے بچے پر چالیس سال تک متواتر یہ لڑائی جاری رہی۔ لیکن حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد ان کو ایمان کی اور کلمہ لاالہ الا اللہ کی لڑی میں پرودیا کہ ان کے درمیان عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ اور بعد میں ان کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے۔ اور ان کے درمیان بھائی چارہ پیدا فرمادیا۔ قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا۔ اب ایسا نہ ہو کہ یہ بھائی بھائی کا رشتہ ختم ہوجائے۔ اور پھر دوبارہ اسی جاہلیت کے طریقے کی طرف لوٹ جاؤ۔

آج ہم یہ اصول بھول گئے

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ سب سے پہلے یہ اصول بتادیا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو۔ خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے کسی بھی قوم سے اس کا تعلق ہو۔ لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا معاملہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ چونکہ یہ دوسری نسل کا، دوسری قوم کا، یا دوسرے وطن کا آدمی ہے، لہٰذا یہ میرا نہیں ہے، میرا وہ ہے جو میرے وطن میں پیدا ہوا ہو، یہ تصور ذہن سے نکالو، اور ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو۔ پوری تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو شکست یا زوال کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی نے درمیان میں پھوٹ ڈال دی کہ یہ تو فلاں قوم کا ہے۔ وہ فلاں نسل کا ہے، بس لڑائی شروع ہوگئی اور اس کے نتیجے میں مسلمان تباہ و برباد ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ

اس اصول کو ہمارے دلوں میں بٹھادے۔ آمین۔ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو کیا ہم اس مسلمان کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں؟ ہر مسلمان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے۔ اور اپنا جائزہ لے۔ اگر ایسا برتاؤ نہیں کرتے تو پھر آج کے بعد یہ تہیہ کرلیں کہ ہم ہر مسلمان کے ساتھ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ بات ہمارے اندر پیدا فرمادے۔ آمین۔

پھر حدیث کے اگلے جملے میں بھائی سمجھنے کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ لَایَظْلِمُہٗ یعنی مسلمان چونکہ مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا وہ کبھی دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرے گا۔ اور اس کی جان، اس کے مال، اس کی عزت اور آبرو پر کوئی حق تلفی نہیں کرے گا۔ اس کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہوتا ہے

آگے فرمایا کہ وَلَایُسْلِمُہٗ یعنی صرف یہ نہیں کہ اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کو بے یارومددگار بھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر مسلمان کسی مشکل میں مبتلا ہے۔ یا کسی پریشانی کے اندر مبتلا ہے۔ اور اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کوئی مسلمان اس کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ یہ نہیں سوچے گا کہ جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اس کو پیش آرہا ہے۔ میرا اس سے کیا تعلق؟ میرا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے۔ اور یہ سوچ کر الگ ہوجائے۔ یہ کام مسلمان کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان پر مصیبت ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا ہے، یا کسی کو مشکل اور پریشانی میں گرفتار پارہا ہے۔ تو دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کے کام میں لگ گیا تو میرا وقت ضائع ہوجائے گا۔ یا میں پھنس جاؤں گا۔

موجودہ دور کا ایک عبرت آموز واقعہ

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں۔ یہ دور ایسا آگیا ہے کہ اس میں انسانیت کی قدریں بدل گئیں۔ انسان انسان نہ رہا۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر کسی انسان کو چلتے ہوئے ٹھوکر بھی لگ جاتی اور وہ گر پڑتا تو دوسرا انسان اس کو اٹھانے کے لئے اور کھڑا کرنے کے لئے اور سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتا۔ اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو ہر انسان آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج ہمارے اس دور میں جو صورت ہوچکی ہے۔ اس کو میں اپنے سامنے ہونے والے ایک واقعہ کے ذریعے بیان کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی ایک شخص کو ٹکر مارتے ہوئے چلی گئی۔ اب وہ شخص ٹکر کھاکر چاروں شانے چت سڑک پر گرگیا، اس واقعہ کے بعد کم از کم بیس، پچیس گاڑیاں وہاں سے گذر گئیں۔ ہر گاڑی والا جھانک کر اس گرے ہوئے شخص کو دیکھتا۔ اور آگے روانہ ہوجاتا۔ کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ گاڑی سے اتر کر اس کی مدد کرتا، اس کے باوجود آج کے لوگوں کو اپنے بارے میں مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسلام تو بہت آگے کی چیز ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ایک انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اتر کر دیکھ تو لے کہ اس کو کیا تکلیف پہنچی ہے۔ اور اس کی جتنی مدد کرسکتا ہے کردے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمادیا کہ ایک مسلمان یہ کام نہیں کرسکتا کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح بے یارو مددگار چھوڑ کر چلا جائے۔ بلکہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ دوسرے مسلمان کو کسی مصیبت میں گرفتار پائے یا کسی پریشانی یا مشکل میں دیکھے تو حتی الامکان اس کی اس پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ یا یہ مشکل میں گرفتار ہے تو آپ بے چین ہو جاتے۔ اور جب تک اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کی کوشش نہ فرمالیتے، آپ کو چین نہ آتا تھا۔ صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار سے معاہدہ کرلیا۔ اور اس معاہدہ کے نتیجے میں آپ ان مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر اور ان کو واپس کرنے پر مجبور تھے جو مسلمان مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ طیبہ آجاتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں واپس کرنے پر مجبور ہوں۔ اس واقعہ کے علاوہ شاید کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی مسلمان کو مشکل اور تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد نہ فرمائی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خلقِ خُدا سے محبت کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : خلقِ خدا سے محبت کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلق خدا سے محبت کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ، وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْماً سَھَّلَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقاً اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ یَتَدَارَسُوْنَہٗ، بَیْنَھُمْ، اِلاَّ نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ، وَحَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ، وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ، وَمَنْ بَطَّأَبِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الذکروالدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)

جوامع الکلم کیا ہیں؟

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ بہت سے جملے روایت فرمائے ہیں۔ ان میں سے ہر جملہ اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بڑا جامع جملہ ہے، ایک اور روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ" مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کلمات عطا کئے گئے ہیں جو جامع ہیں۔ یعنی جن کے الفاظ تو تھوڑے ہیں۔ اور بولنے میں مختصر ہیں۔ لیکن اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے وہ بڑے جامع کلمات ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات جو چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہیں۔ اور معنی کے اعتبار سے بڑے حاوی ہیں۔ ان کو "جوامع الکلم" کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بہت سے "جوامع الکلم" روایت فرمائے ہیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔

کسی کی پریشانی دور کرنے پر اجر و ثواب

پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مؤمن کی دنیا کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کرے، مثلاً وہ مؤمن کسی پریشانی میں گھرا ہوا ہے۔ یا کسی مشکل میں مبتلا ہے، اور کوئی مسلمان اس کی اس پریشانی اور مشکل کو کسی عمل کے ذریعہ، یا کسی مدد کے ذریعے دور کردے تو اس کا یہ عمل اتنے بڑے اجر و ثواب کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کی سختیوں اور بے چینیوں میں سے ایک بے چینی کو اس سے دور فرمادیں گے۔

تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلت

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست آدمی کے لئے کوئی آسانی پیدا کردے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمادیں گے۔ مثلاً ایک شخص مقروض ہے اور اس نے اپنی کسی ضرورت کی خاطر قرض لیا، اور کسی خاص وقت پر واپس کرنے کا وعدہ کرلیا۔ لیکن جب قرض واپس کرنے کا وقت آیا تو قرض واپس کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ تنگدست ہے۔ اب وہ قرض واپس کرنا چاہتا ہے، لیکن تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے سکتا، اب اگرچہ قرض لینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ میرا قرض مجھے واپس کرو۔ لیکن اگر یہ شخص اس کی تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس کو مہلت دیدے۔ اور اس سے یہ کہدے کہ اچھا جب تمہارے پاس پیسے آجائیں اس وقت دیدینا۔ ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمائیں گے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾

(سورۃ البقرۃ:۲۸۰)

یعنی تمہارا مقروض شخص اگر تنگدست ہے تو پھر ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک مہلت دے جب تک اس کا ہاتھ کھل جائے، اور اس کی تنگدستی دور ہوجائے، اور اس میں قرض کی ادائے گی کی طاقت پیدا ہوجائے۔

نرم خوئی اللہ کو پسند ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کو نرم خوئی بہت پسند ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے۔ جس شخص نے قرض کے

طور پر پیسے دیے ہیں۔ اس کو قانونی طور پر ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرکے اپنا قرض وصول کرلے۔ یہاں تک کہ قانونی طور پر اس کو قید بھی کرا سکتا ہے۔ لیکن اسلام کا ایک مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف پیسوں ہی کو نہ دیکھو کہ کتنا پیسہ چلا گیا۔ اور کتنا پیسہ آگیا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ کسی اللہ کے بندے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ قیامت کے روز نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ﴾

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب المؤاخاۃ)

جو شخص جتنی دیر اپنے بھائی کے کام بنانے اور حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اس کی حاجت پوری کرتے رہیں گے۔ تم میرے بندوں کے کام میں لگے رہو۔ میں تمہارے کام میں لگا ہوا ہوں۔

کار ساز ما بساز کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (حوالہ بالا)

"اگر کسی نے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کردیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت اور پریشانی کو دور فرمائیں گے"۔

مخلوق پر رحم کرو

در حقیقت یہ دونوں کام یعنی دوسروں کی حاجت پوری کرنا۔ اور دوسروں کی مصیبت اور پریشانی کو دور کرنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے رحم ہو اور ان کی محبت ہو۔ اگر یہی دونوں کام دکھاوے کے لئے کر لیے تو ان کاموں کی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن اگر یہ سوچا کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں۔ میں ان کے ساتھ کوئی بھلائی اور اچھائی کروں گا تو اس پر مجھے اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے۔ تب یہ کام قیمتی بن جائیں گے۔ اللہ کی محبت کا یہ حق ہے کہ اس کے بندوں سے محبت کی جائے، اگر بندوں سے محبت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب الرحمۃ)

جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ لہٰذا جب تک اللہ کی مخلوق کے لئے تمہارے دل میں رحم نہیں ہوگا۔ اس وقت تک تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہوگے۔ جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے، ایمان کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔

مجنوں کو لیلیٰ کے شہر کے درودیوار سے محبت

جب کسی محبوب سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر اس محبوب کی ہر چیز سے محبت ہوتی

ہے۔ مجنوں لیلیٰ کی محبت میں کہتا ہے کہ:

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی
اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارِ

جب میں لیلیٰ کے وطن سے گزرتا ہوں جہاں وہ رہتی ہے تو میں کبھی اس دیوار کو پیار کرتا ہوں، اور کبھی اس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔ کیوں؟

وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ
وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَ

یعنی ان دیواروں سے مجھے کیا تعلق؟ میں ان کو کیوں پیار کروں، لیکن چونکہ یہ دیواریں میرے محبوب کے شہر کی دیواریں ہیں، اس وجہ سے مجھے ان دیواروں سے محبت ہے، اور جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو ان دیواروں کو چومتا پھرتا ہوں۔ جب ایک مجنوں کو لیلیٰ کے شہر کی دیواروں سے عشق ہو جائے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو، لیکن اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبت نہ ہو۔ اللہ کے پیدا کئے ہوئے بندوں سے تعلق نہ ہو؟ ان پر رحم نہ ہو؟ یہ کیسی محبت ہے؟

کیا اللہ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے کم ہو جائے؟

مثنوی شریف میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں کو تو لیلیٰ کے شہر کے کتے سے بھی محبت تھی، اس لئے کہ یہ میرے محبوب کے شہر کا کتا ہے، مجھے اس سے بھی محبت ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ارے مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہو گیا۔ جب ایک ناپائیدار اور فنا ہو جانے والے وجود سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اس کے کتے سے محبت ہونے لگی

تو اللہ تبارک و تعالیٰ جو مالک الملک ہیں اور سارے محبوبوں کے محبوب ہیں۔ اس کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی ساری مخلوق سے بھی محبت ہو جائے۔ چاہے وہ حیوان ہی کیوں ہو۔ اس لئے کہ وہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے حیوانات کے بھی حقوق رکھے ہیں کہ ان پر بھی ترس کا معاملہ کرو۔ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

ایک کتے کو پانی پلانے کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوائف اور فاحشہ عورت تھی۔ ساری زندگی طوائفی کا کام کیا۔ ایک مرتبہ وہ کہیں سے گزر رہی تھی راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے زمین کی مٹی چاٹ رہا ہے۔ قریب میں ایک کنواں تھا۔ اس عورت نے اپنے پاؤں سے چمڑے کا موزہ اتارا، اور اس موزے میں کنویں سے پانی نکالا، اور اس کتے کو پلادیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی کہ میری مخلوق کے ساتھ تم نے محبت اور رحم کا معاملہ کیا، تو ہم تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں ـــــ لہٰذا اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہئے، چاہے وہ حیوان ہی کیوں نہ ہو۔

مخلوق پر رحم کا ایک واقعہ

میرے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر رحم کا عجیب حال عطا فرمایا تھا کہ کبھی کسی جانور کو مارنا تو دور کی بات ہے۔ کسی جانور کو اس کی جگہ سے ہٹانے کے لئے بھی ہاتھ نہیں اٹھتا تھا۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ پاؤں پر زخم ہو گیا۔ اس زخم پر مکھیاں آکر بیٹھنے لگیں، ظاہر کہ زخم پر مکھیوں کے بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن حضرت والا ان مکھیوں کو اڑاتے نہیں تھے۔ بلکہ اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ اس وقت ایک

صاحب آپ کے پاس آ گئے۔ انہوں نے جب یہ صورت دیکھی تو عرض کیا کہ حضرت! اجازت دیں تو میں ان مکھیوں کو اڑا دوں؟ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ بھائی! یہ مکھیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔ مجھے اپنا کام کرنے دو ــــ وجہ اس کی یہ تھی کہ دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ ان کو یہاں سے اڑا کر کیوں پریشان کروں؟ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی محبت صحیح معنی میں اس وقت ہوگی جب اللہ کی مخلوق سے بھی محبت ہو جائے۔ اس پر بھی رحم کرے۔

ایک مکھی پر شفقت کا عجیب واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم، فاضل، محدث اور مفسر تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں گزری، اور علوم کے دریا بہا دیئے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا۔ لیکن معاملہ بڑا عجیب ہوا، وہ یہ کہ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ ہم نے الحمد للہ زندگی میں دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ درس و تدریس کی خدمت انجام دی، وعظ اور تقریریں کیں۔ تالیفات اور تصنیفات کیں۔ دین کی تبلیغ کی، حساب و کتاب کے وقت ان خدمات کا ذکر سامنے آئے گا۔ اور ان خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بخشتے ہیں، لیکن معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے بخش رہے ہیں؟ ذہن میں یہ آیا کہ ہم نے دین کی جو خدمات انجام دیں تھیں۔ ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم تمہیں ایک اور وجہ سے بخشتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک دن تم کچھ لکھ رہے تھے ــــ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے۔ اس قلم کو روشنائی میں ڈبو کر پھر لکھا جاتا تھا ــــ تم نے لکھنے کے لئے اپنا

قلم روشنائی میں ڈبویا۔ اس وقت ایک مکھی اس قلم پر بیٹھ گئی۔ اور وہ مکھی قلم کی سیاہی چوسنے لگی، تم اس مکھی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ اور یہ سوچا کہ یہ مکھی پیاسی ہے، اس کو روشنائی پی لینے دو، میں بعد میں لکھ لوں گا۔ تم نے یہ اس وقت قلم کو روکا تھا، وہ خالصۃً میری محبت اور میری مخلوق کی محبت میں اخلاص کے ساتھ روکا تھا۔ اس وقت تمہارے دل میں کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔ جاؤ، اس عمل کے بدلے میں آج ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔

خدمت خلق ہی کا نام تصوف ہے

بہر حال، یہ بڑا نازک راستہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نہیں

یعنی لوگوں نے تصوف ان کا نام رکھ لیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح ہو۔ مصلیٰ بچھا ہوا ہو۔ گدڑی ہو۔ درویشانہ لباس پہنا ہوا ہو۔ ان چیزوں کا نام تصوف اور طریقت نہیں ہے۔ بلکہ تصوف اور طریقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مخلوق کی خدمت ہو — اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو پھر ہماری مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے

ارے، اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر لیں کہ کسی نے اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کوئی چیز بنائی، وہ چیز پتھر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن

اس بنانے والے کو اس بنائے ہوئے پتھر سے محبت ہو جاتی ہے کہ اس پتھر کے بنانے میں وقت لگایا ہے۔ میں نے محنت کی ہے۔ یہ میری دولت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بنایا اور ان کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے ان کو اپنی مخلوق سے محبت ہے، لہٰذا اگر ان سے محبت کا دعویٰ ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرنی ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آچکا، ساری قوم اس طوفان کے نتیجے میں ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مٹی کے برتن بناؤ، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مٹی کے برتن بنانا شروع کر دیئے۔ اور دن رات اس میں لگے رہے۔ جب کئی دن گزر گئے۔ اور برتنوں کا ڈھیر لگ گیا۔ تو دوسرا حکم یہ دیا کہ اب سب برتنوں کو ایک ایک کر کے توڑ دو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے بڑی محنت سے اور آپ کے حکم پر بنائے تھے اب آپ ان کو توڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے کہ اب ان کو توڑ دو۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو توڑ دیا۔ لیکن دل دکھا کہ اتنی محنت سے بنائے اور ان کو تڑوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! تم نے اپنے ہاتھوں سے یہ برتن بنائے، اور میرے حکم سے بنائے، ان برتنوں سے تمہیں اتنی محبت ہوگئی کہ جب میں نے تمہیں ان کو توڑنے کا حکم دیا تو تم سے توڑا نہیں جارہا تھا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ برتن جو میری محنت اور میرے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں، کسی طرح بچ جائیں تو بہتر ہے اس لئے کہ تمہیں ان برتنوں سے محبت ہوگئی تھی۔ لیکن تم نے ہمیں نہیں دیکھا کہ ساری مخلوق ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائی۔ اور تم نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾

(سورۃ نوح: ۲۶)

"اے اللہ! زمین میں بسنے والے سب کافروں کو ہلاک کردے، اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے ۔۔۔ تمہارے اس کہنے پر ہم نے اپنی مخلوق کو ہلاک کردیا"۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ جس مٹی سے تم برتن بنارہے تھے، باوجودیکہ وہ مٹی تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی۔ اور اپنی خواہش سے وہ برتن نہیں بنارہے تھے۔ بلکہ میرے حکم سے بنارہے تھے۔ پھر بھی تمہیں ان سے محبت ہوگئی تھی تو کیا ہمیں اپنی مخلوق سے محبت نہیں ہوگی؟ جب محبت ہے تو پھر تمہیں بھی میری مخلوق کے ساتھ محبت کرنی پڑے گی۔ اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس سے محبت کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرمارہے ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم نے مجھے دیکھا تو ہے نہیں کہ براہ راست تم مجھ سے محبت کرسکو، اور مجھ سے اسی طرح کا تعلق قائم کرسکو جیسے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر تمہیں مجھ سے تعلق قائم کرنا ہے تو میں نے دنیا میں اپنی محبت کا مظہران بندوں کو بنایا ہے۔ لہٰذا تم میرے بندوں سے محبت کرو۔ اور میرے بندوں پر رحم کھاؤ۔ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، اس سے میری محبت پیدا ہوگی۔ اور مجھ سے محبت کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے ۔۔۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بندے کیا چیز ہیں؟ یہ مخلوق کیا چیز

ہیں؟ یہ تو حقیر ہیں۔ اور پھر ان مخلوق کی طرف حقارت کی نگاہ ڈالنا، ان کو برا سمجھنا اور ان کو کمتر جاننا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے، وہ جھوٹی محبت ہے، اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہوگی، اس کو اللہ کی مخلوق سے ضرور محبت ہوگی۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی بے چینی کو دور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اولیاء کرام کی حالت

جتنے اولیاء اکرام رحمہم اللہ تعالیٰ گزرے ہیں، ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ اگر مخلوق کو برے حال میں دیکھتے، یا فسق و فجور میں اور گناہوں کے اندر مبتلا دیکھتے تو، وہ اولیاء ان گناہوں سے تو نفرت کرتے تھے۔ اس لئے کہ گناہوں سے نفرت کرنا واجب ہے۔ ان کے فسق و فجور سے اور ان کے اعمال سے نفرت کرنا واجب ہے، لیکن دل میں اس آدمی سے نفرت نہیں ہوتی تھی، اس کی حقارت دل میں نہیں ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنار چہل قدمی کرتے ہوئے جارہے تھے، قریب سے دریا میں ایک کشتی گزری۔ اس کشتی میں اوباش قسم کے نوجوان بیٹھے ہوئے تھے۔ اور گاتے بجاتے ہوئے جارہے تھے۔ اور جب گانا بجانا ہورہا ہو، اور ہنسی مذاق کی محفل ہو۔ اس موقع پر اگر کوئی مُلّا پاس سے گزرے تو اس مُلّا کا مذاق اڑانا بھی تفریح کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان اوباش لوگوں نے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑایا۔ اور آپ پر کچھ فقرے کسے۔ حضرت کے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ انہوں نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ حضرت! آپ ان کے حق میں بددعا فرمادیں، کیونکہ یہ لوگ اتنے گستاخ ہیں کہ ایک طرف تو خود فسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہیں۔ اور دوسری طرف اللہ والوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور فرمایا اے اللہ، آپ نے ان نوجوانوں کو جس طرح یہاں دنیا میں خوشیاں عطا فرمائی ہیں ان کے اعمال ایسے کردیجئے کہ وہاں آخرت میں بھی ان کو خوشیاں نصیب ہوں ــــ دیکھئے: ان کی ذات سے نفرت نہیں فرمائی، اس لئے کہ یہ تو میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

حضور ﷺ کی اپنی اُمت پر شفقت

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام دنیا کے لئے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے، جب آپ پر کفار کی طرف سے اینٹیں برسائی جارہی تھیں، آپ کو پتھر مارے جارہے تھے، آپ کے پاؤں زخم سے لہولہان تھے، لیکن اس وقت بھی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

"اے اللہ، میری قوم کو ہدایت عطا فرما، ان کو علم نہیں ہے، یہ مجھے جانتے نہیں ہیں، یہ نادان ہیں، اور نادانی میں یہ حرکت کررہے ہیں، اے اللہ، ان کو ہدایت عطا فرما"۔

زبان پر یہ الفاظ اس لئے جاری ہوئے کہ کفار کے ان اعمال سے تو نفرت اور بغض ہے۔ لیکن ان کی ذات سے نفرت نہیں، اور ذات بحیثیت ذات کے میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور میرے اللہ کی مخلوق سے مجھے محبت ہے۔

گناہ گار سے نفرت مت کرو

یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ فسق و فجور سے اور گناہوں سے نفرت نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ گناہوں سے ضرور نفرت کرنی چاہئے۔ اور ان کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن جو شخص ان گناہوں کے اندر مبتلا ہے۔ اس کی ذات کی حقارت دل میں نہ آنی چاہئے۔ اس سے نفرت نہ ہو۔ بلکہ اس پر ترس کھانا چاہئے۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہوجائے اور علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جائے تو اب ڈاکٹر کا یہ کام نہیں ہے کہ اس پر ناراض ہوجائے کہ تم کیوں بیمار پڑے؟ بلکہ وہ ڈاکٹر اس بیمار کے اوپر ترس کھاتا ہے کہ بیچارہ اس بیماری میں مبتلا ہوگیا، اور اس کا علاج کرتا ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اس کی بیماری کو دور فرمادے۔ اسی طرح گناہ گار، فاسق و فاجر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ ان کے فسق و فجور سے بغض اور نفرت ہو۔ لیکن ان کی ذات سے بغض اور نفرت نہ ہو۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ اس لحاظ سے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ اور اس کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو راہ راست پر لے آئے۔

ایک تاجر کی مغفرت کا عجیب قصہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا ــــ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حساب کتاب ہوگا تو اس وقت وہ پیش ہوگا، لیکن اس کا کوئی نمونہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بھی کسی وقت دکھادیا جاتا ہو۔ بہرحال، جب وہ پیش ہوا تو ــــ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اس کا اعمال نامہ دیکھو کہ اس نے کیا کیا اعمال کئے ہیں، جب فرشتوں نے دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس کا اعمال نامہ نیکیوں سے تقریباً خالی ہے۔ نہ نماز ہے نہ روزہ ہے۔ نہ کوئی اور عبادت

ہے، بس دن رات تجارت کرتا رہتا تھا ـــــ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن دوسروں کے سامنے ظاہر کرانے کے لئے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اچھی طرح دیکھو کہ کوئی اور نیک عمل اعمال نامے ہے یا نہیں؟ اس وقت فرشتے فرمائیں گے کہ ہاں! اس کا ایک نیک عمل ہے، وہ یہ ہے کہ شخص اگرچہ کوئی خاص نیک عمل تو نہیں کرتا تھا، لیکن یہ تجارت کرتا تھا۔ اور اپنے غلاموں کو تجارت کا سامان دے کر بھیجتا کہ جاکر یہ سامان بیچ کر اس کے پیسے لاکر دیں۔ اس شخص نے اپنے غلاموں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ جب کسی کو کوئی سامان فروخت کرو۔ اور تم یہ دیکھو کہ وہ شخص تنگدست اور مفلس ہے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اگر اس کو ادھار دیا ہے تو اس سے ادھار وصول کرنے میں بہت سختی سے کام مت لینا، اور کبھی کسی کو معاف بھی کردیا کرنا، چنانچہ ساری عمر تجارت کے اندر اس کا یہ معمول رہا کہ جب کسی تنگدست سے معاملہ کیا تو یہ یا تو اس کو مہلت دیدی۔ اگر موقع ہوا تو اس کو معاف ہی کردیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا یہ میرے بندوں کو معاف کرتا تھا۔ تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کروں، چنانچہ پھر فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے درگزر کا معاملہ کرو۔ اور اس کو جنت میں بھیج دو ـــــ بہرحال، بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

یہ رحمت کا معاملہ تھا۔ قانون کا نہیں

لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ یہ اوپر کا معاملہ یہ رحمت کا معاملہ ہے، یہ کوئی قانون نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ یہ اچھا نسخہ ہاتھ آگیا کہ نہ نماز پڑھو، نہ روزہ رکھو، نہ زکوٰۃ دو، نہ دوسرے فرائض انجام دو، نہ گناہوں سے بچو، بس میں بھی اسی طرح لوگوں کو معاف کردیا کروں گا تو قیامت کے روز میری بھی معافی ہوجائے گی۔ یہ درست نہیں۔ اسلئے کہ یہ معاملہ رحمت کا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کسی

قاعدے اور قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ جس کو چاہیں۔ اپنی رحمت سے بخش دیں۔ لیکن قانون یہ ہے کہ فرائض کی ادائے گی ضرور کرنی ہے، گناہوں سے بچنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی نہیں کرتا، یا گناہوں سے نہیں بچتا، تو محض کسی ایک عمل کی بنیاد پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے کہ بس اس ایک عمل کے ذریعہ میری چھٹی ہوجائے گی۔ یہ بات درست نہیں۔ اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ جس شخص کی صرف ایک عمل کی بنیاد پر بخشش ہوگئی۔ معلوم نہیں اس نے وہ عمل کس جذبہ کے ساتھ کیا ہوگا۔ اور اس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا۔ ہمارے اور آپ کے لئے یہ کوئی ہمیشہ کا دستور العمل نہیں ہے۔

ایک بچے کا بادشاہ کو گالی دینا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے واقعات کی صحیح حقیقت سمجھانے کے لئے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نظام حیدر آباد دکن کے ایک نواب صاحب تھے، ان کے وزیر نے ایک مرتبہ ان کی دعوت کردی، اور ان کو اپنے گھر بلایا، جب نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وزیر صاحب کا بچہ وہاں پر کھیل رہا تھا۔ نواب صاحب کو بچوں سے چھیڑ خوانی کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے وزیر کے بچے کو چھیڑنے کے لئے اس کا کان پکڑ لیا۔ وہ بہت تیز طرار تھا۔ وہ کیا جانے کہ نواب کون ہے، اور بادشاہ کون ہے۔ بچے نے پلٹ کر نواب صاحب کو گالی دیدی۔ جب وزیر صاحب نے بچے کے منہ سے نواب صاحب کے لئے گالی سنی تو ان کی جان نکل گئی کہ میرے بچے نے نواب صاحب کو گالی دیدی۔ اور نواب صاحب کی تو زبان قانون ہوتی ہے۔ اب پتہ نہیں بچے کا کیا حشر کرے گا، اس لئے وزیر نے اپنی وفاداری جتانے کے لئے تلوار نکال لی، اور کہا کہ میں ابھی اس کا سر قلم کرتا ہوں، اس نے نواب صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نواب صاحب نے روکا کہ نہیں۔ چھوڑو، یہ بچہ ہی تو ہے، باقی یہ

بچہ ذہین لگتا ہے۔ اور اس میں اتنی خود داری ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کان مروڑ دے تو یہ بچہ فوراً اس کے آگے ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے۔ بلکہ بڑا ذہین اور خود دار ہے۔ اپنا بدلہ خود لینے والا ہے۔ اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا ماہانہ وظیفہ جاری کردو۔ چنانچہ اس کا وظیفہ جاری ہوا۔ اس وظیفہ کا نام تھا "وظیفہ دشنام" یعنی گالی دینے کا وظیفہ ـــــ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب تم بھی یہ سوچ کر کہ گالی دینے سے وظیفہ جاری ہوتا ہے لہٰذا تم بھی جاکر نواب صاحب کو گالی دے آؤ۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ خاص طور پر اس بچے کے خاص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بادشاہ کی سخاوت کا ایک مظاہرہ تھا کہ گالی دینے کے باوجود بچے کو نواز دیا۔ لیکن یہ کوئی عام قانون نہیں تھا کہ جو کوئی نواب صاحب کو گالی دے گا تو اس کو وظیفہ ملے گا۔ بلکہ اب کوئی گالی دے گا تو پٹائی ہوگی۔ جیل میں بند کردیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ سر قلم کردیا جائے۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی نکتہ نوازی کا ہے کہ کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا، اور کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا، کبھی کا کوئی عمل قبول فرمالیا۔ اور کسی کا کوئی عمل قبول فرمالیا، ان کی رحمت کسی قید کسی شرط اور کسی قانون کی پابند نہیں۔ "وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ" میری رحمت تو ہر چیز پر وسیع ہے۔ اس لئے کسی کے ساتھ ناانصافی کبھی نہیں ہوتی، لیکن بعض اوقات کسی کو کسی عمل پر نواز دیا جاتا ہے۔ جب وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔

کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو

اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا جاتا ہے کہ کوئی نیکی کا کام حقیر نہیں ہوتا، کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کس نیک کام کو قبول فرمالیں۔ اور اس سے بیڑہ پار ہوجائے، اس لئے کسی نیکی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ چونکہ

یہ واقعات سننے میں آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نیک کام پر بخش دیا۔ لہٰذا اب نہ تو نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ بس آدمی اللہ کی رحمت پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے۔ چنانچہ یہ حدیث آپ نے سنی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاجز شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے۔ اور جو دل میں آرہا ہے۔ وہ کام کررہا ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے۔ جائز ہے یا ناجائز۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر تمنا اور آرزو لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ میاں تو بڑے غفور رحیم ہے، سب معاف فرمادیں گے۔ بہرحال، ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔

بندوں پر نرمی کرنے پر مغفرت کا ایک اور واقعہ

اسی طرح ایک اور حدیث میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، ان میں ایک شخص ایسا تھا کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتا، تو اس میں نرمی سے کام لیتا، یہ نہیں کہ پیسے پیسے پر لڑ رہا ہے۔ بلکہ گاہک کو ایک قیمت بتادی، اب گاہک کہہ رہا ہے کہ تھوڑی سے کمی کردو تو اس نے یہ سوچ کر چلو تھوڑا منافع کم سہی، چلو اس کو دے دو۔ اسی طرح جب وہ کوئی چیز خریدتا، تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، جب دوکاندار نے چیز کی قیمت بتادی، اس نے بس ایک مرتبہ اس سے کہدیا کہ بھائی تھوڑی سی کم کردو۔ یہ نہیں کہ قیمت کم کرانے کے لئے اس سے لڑ رہا ہے۔ اور اس سے زبردستی کم کرارہا ہے۔ بلکہ ایک آدھ مرتبہ کہدینے کے بعد قیمت ادا کرکے چیز لے لی۔ اسی طرح جب دوسرے سے اپنا حق وصول کرنے کا وقت آتا، مثلاً کسی سے پیسے وصول کرنے ہیں، یا قرض وصول کرنا ہے۔ تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا، اور اس سے کہتا کہ چلو ابھی پیسے نہیں ہیں تو بعد میں ادا کردینا۔ تمہیں مہلت دیتا ہوں۔ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی کا

معاملہ کرتا تھا۔ اس لئے میں بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور پھر اس کی مغفرت فرمادی۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، اور تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا بہت ہی زیادہ پسند ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ فرماتے تو اپنے ذمے جتنا واجب ہوتا اس سے زیادہ ہی دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سونے چاندی کے سکے رائج تھے۔ اور وہ سکے بھی مختلف مالیتوں کے ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی گنتی کے بجائے ان کا وزن دیکھا جاتا تھا کہ کتنے وزن کا ہے۔ اس کے ذریعہ قیمت ادا کی جاتی تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز بازار سے خریدی۔ دراہم کے ذریعہ جب اس کی قیمت ادا فرمانے لگے تو آپ نے وزن کرنے والے سے فرمایا: "زِنْ وَارْجِحْ" جھکتا ہوا تولو۔ یعنی میرے ذمے جتنے درھم واجب ہیں۔ اس سے کچھ زیادہ دیدو ـــــ اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا: خِيَارُكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو جب دوسرے کا حق ادا کریں تو اچھی طرح ادا کریں۔ یعنی کچھ زیادہ ہی ادا کریں۔ کم نہ کریں۔ مثلاً آپ کے ذمے سو روپے قرض تھے۔ آپ نے سو کے بجائے ایک سو دس ادا کردیئے۔ اور یہ کہ دیتے وقت پریشان نہ کریں، چکر نہ کٹوائیں۔ ٹال مٹول نہ کریں۔ یہ سب باتیں اچھی طرح ادا کرنے اور حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنے میں داخل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، جو فقہ کے اندر ہمارے مقتدا ہیں۔ جن کی فقہ پر ہم عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کے نام ایک وصیت نامہ لکھا

ہے۔ اس وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ: "جب کسی کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ ہو تو اس کو اس کے حق سے کچھ زیادہ ہی دیدیا کرو۔ کم نہ کیا کرو" یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ہم لوگوں نے صرف چند خاص خاص سنتیں یاد کرلی ہیں۔ اور اس پر عمل کرلیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔ ہمیں ان پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس حدیث میں اسی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

﴿وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

"یعنی جو شخص کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے"۔

اصل آسانی تو آخرت کی آسانی ہے۔ لیکن تجربہ یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی پریشان نہیں ہوتا"۔

پیسے جوڑ جوڑ کر رکھنے والوں کے لئے بددعا

ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا وَاَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا﴾

"اے اللہ، جو شخص پیسوں کو جوڑ جوڑ کر رکھتا ہو۔ یعنی ہر وقت گنتا رہتا ہے کہ اب کتنے ہوگئے۔ اور اب کتنے ہوگئے۔ اور خرچ کرتے ہوئے جان نکل رہی ہے، اے اللہ، اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے"۔

چنانچہ اس دعا کے نتیجہ میں اس کے مال پر اس طرح ہلاکت پڑتی ہے کہ کبھی اس کے پیسے چوری ہو گئے۔ کبھی ڈاکہ پڑ گیا۔ کبھی کوئی نقصان ہو گیا۔ اور کچھ نہ ہو تو بے برکتی ضرور ہو جاتی ہے، وہ پیسے اگرچہ گنتی میں تو زیادہ ہو گئے۔ لیکن ان پیسوں سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا۔ اور ان پیسوں میں جو برکت ہونی چاہئے تھی وہ فائدہ اور برکت حاصل نہ ہوئی۔ مثلاً پیسے تو زیادہ ہو گئے۔ لیکن گھر میں سے بیماری ہو گئیں، اور اب وہ پیسے ہسپتال اور ڈاکٹر کے نذر ہو رہے ہیں۔ بتائیے یہ کیسی برکت ہوئی؟ یا پیسے تو بہت جمع ہو گئے۔ لیکن گھر کے اندر ناچاقی ہو گئی اور اس کے نتیجے میں زندگی کا لطف جاتا رہا۔

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے دعا

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے فرشتہ یہ دعا کرتا ہے "وَاَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً" اے اللہ، جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ صدقہ خیرات کرتا ہو۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو، کسی کو پیسے دے رہا ہے۔ کسی کو پیسے معاف کر رہا ہے۔ اے اللہ، ایسے خرچ کرنے والے کو خرچ کا بدل دنیا میں ہی عطا فرما۔ بہرحال، جو شخص اس طرح لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے والا ہو، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اس کے پیسے زیادہ خرچ ہو رہے ہیں، لیکن جو پیسہ خرچ ہو رہا ہے، وہ حقیقت میں جا نہیں رہا ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت لا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو بدل عطا فرما دیتے ہیں، آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جو صرف اس وجہ سے مفلس ہو گیا کہ وہ صدقہ خیرات زیادہ کرتا تھا۔ یا لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بدل ضرور عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے لئے آسانی پیدا فرماتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی آسانی پیدا فرمائیں گے۔

دوسروں کی پردہ پوشی کرنا

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: "وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً، سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ مثلاً کسی مسلمان کا کوئی عیب یا غلطی سامنے آگئی کہ اس نے فلاں کام غلط اور ناجائز کیا ہے، اب ہر جگہ اس کے بارے میں چرچا کرتے پھرو کہ وہ تو یہ کام کررہا تھا۔ اس کے بجائے اس کی پردہ پوشی کرو۔ اس کو چھپادو، کسی اور کو مت بتاؤ۔ یہ طریقہ اس وقت اختیار کرنا چاہئے کہ جب اس کے عمل سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا ایسا عمل سامنے آیا، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، مثلاً کسی کے قتل کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس وقت پردہ پوشی کرنا جائز نہیں، بلکہ دوسروں کو بتانا ضروری ہے۔ لیکن اگر اس کے عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرو۔ اور اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ شخص اس گناہ کے اندر مبتلا ہوگیا ہے۔ آپ اپنی رحمت سے اس کو اس گناہ سے نکال دیجئے۔

بہرحال، دوسروں کے عیب نہ تو تلاش کرو، اور نہ اس کو پھیلانے کی کوشش کرو۔ آج کل اس بارے میں بڑی کوتاہی ہورہی ہے، ایک آدمی کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے، اب آپ کے پیٹ میں یہ بات نہیں رکتی، اور دوسروں سے کہے بغیر آپ کو چین نہیں آتا۔ دوسروں کو بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بلاوجہ دوسروں کے عیب تلاش کرنا ان کو پھیلانا گناہ ہے۔

دوسروں کو گناہ پر عار دلانا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ﴾ (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۵۴)

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس گناہ سے وہ توبہ کرچکا تھا، تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہوجائے گا۔۔۔۔ اگر ایک شخص سے کوئی گناہ ہوگیا، پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کرلی۔ اب آپ اس کو بار بار اس گناہ پر عار دلارہے ہیں کہ تو تو وہی ہے جس نے یہ حرکت کی تھی۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا۔ اور اس کے گناہ کو معاف کردیا، میں نے اس کے نامہ اعمال سے اس گناہ کو مٹادیا، اب تو کون ہے اس گناہ پر اعتراض کرنے والا، اور اس گناہ پر عار دلانے والا؟ اگر تو عار دلائے گا تو ہم تمہیں اس گناہ کے اندر مبتلا کردیں گے۔ اس لئے کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا، یا کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا، اس کی تشہیر کرنا بڑا سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کے اندر داروغہ بناکر نہیں بھیجا کہ دوسروں کے عیوب کو اچھالتے پھرو۔ بلکہ تمہیں تو بندہ بناکر بھیجا ہے۔

اپنی فکر کریں

اس لئے تم اپنی فکر کرو، اپنے عیوب کو دیکھو، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے عیوب کی فکر عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کو دوسروں کے عیوب نظر ہی نہیں آتے، دوسروں کے عیوب اسی کو نظر آتے ہیں جو اپنے عیوب سے بے پرواہ ہو۔ جو اپنی اصلاح سے غافل ہو۔ جو شخص خود بیمار ہو۔ وہ دوسروں کے نزلہ و زکام کی کہاں فکر کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ احمق اور بیوقوف ہے۔ اس لئے دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑنا، تجسس کرنا، ان کی تشہیر کرنا بڑا سخت جرم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔ لہٰذا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ مسلمان کو ان

تمام برائیوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اس کے بغیر وہ صحیح معنی میں مسلمان نہیں بن سکتا۔

علم دین سیکھنے کی فضیلت اور اس پر بشارت

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقاً إِلَى الْجَنَّةِ﴾

اس جملے میں ہم سب کے لئے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرمایا کہ جو شخص کوئی فاصلہ طے کرے یا کوئی راستہ چلے، اور راستہ چلنے اور فاصل طے کرنے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ دین کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کی بدولت اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔ دین کی ایک بات معلوم کرنے کی خاطر جو سفر کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی معاملہ پیش آیا، اور آپ کو اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہیں ہے، اب آپ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کسی کے پاس جارہے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ اب مفتی کے پاس جو چل کر گئے تو اس سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہو گئی۔

یہ علم ہمارے اسلاف نے محنت سے جمع کر دیا

ہم لوگ علم حاصل کرنے کے لئے وہ محنت کہاں کر سکتے ہیں جو محنت ہمارے اسلاف کر گئے۔ آج ہم لوگ آرام سے بیٹھ کر کتاب کھول کر یہ حدیث پڑھ رہے ہیں، اور اس پر وعظ کر رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے فاقے کر کے، روکھی سوکھی کھا کر، موٹا جھوٹا پہن کر، مشقت اٹھا کر، قربانیاں دے کر یہ علم ہمارے لئے اس شکل

میں تیار کر کے چلے گئے۔ اگر وہ لوگ اس طرح محنت نہ کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس طرح ہمارے پاس محفوظ نہ ہوتے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا محفوظ کر کے چلے گئے۔ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے لائحہ عمل بتا گئے۔ ایک مشعل راہ بتا گئے۔

ایک حدیث کے لئے طویل سفر کرنے کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے قریبی صحابی تھے، اور انصاری تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے بعد ایک دن بیٹھے ہوئے تھے، ان کو معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث ایسی ہے، جو میں نے نہیں سنی، بلکہ ایک دوسرے صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہے۔ جو اس وقت شام کے شہر دمشق میں مقیم ہیں۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ حدیث بالواسطہ اپنے پاس کیوں رکھوں۔ بلکہ جن صحابی نے یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں ان سے براہ راست کیوں نہ حاصل کرلوں۔ اب انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ صحابی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ شام کے شہر دمشق میں مقیم ہیں —— (جبکہ خود مدینہ منورہ میں مقیم تھے) اور مدینہ منورہ طیبہ سے دمشق کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو کلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ میں نے خود اس راستے پر سفر کیا ہے وہ پورا راستہ لق و دق صحرا ہے۔ نہ اس میں کوئی ٹیلہ ہے، نہ کوئی درخت ہے، نہ پانی ہے —— چنانچہ اسی وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ منگوایا، اور اس پر سوار ہو کر روانہ ہوگئے، اور پندرہ سو کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے دمشق پہنچ گئے۔ وہاں جاکر ان کے گھر کا پتہ لگایا۔ دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ ان صحابی نے دروازہ کھولا۔ اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تہجد کی فضیلت پر آپ نے ایک حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ

راست سنی ہے میں وہ حدیث آپ کی زبان سے سننے کے لئے آیا ہوں۔ ان صحابی نے پوچھا کہ آپ مدینہ طیبہ سے صرف اسی کام کے لئے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! صرف اسی کام کے لئے آیا ہوں۔ ان صحابی نے کہا کہ وہ حدیث تو میں بعد میں سناؤں گا، لیکن پہلے ایک اور حدیث سن لو جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ پھر یہی حدیث سنائی کہ جو شخص کوئی راستہ قطع کرے۔ جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ پہلے یہ حدیث سنائی اور پھر تہجد کی فضیلت والی حدیث سنائی۔ حدیث سنانے کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ اب تھوڑی دیر اندر بیٹھیں۔ اور کھانا کھائیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ پورا سفر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خاطر ہو۔ اس سفر میں کسی اور کام کا ذرہ برابر بھی دخل نہ ہو، اب میں کوئی اور کام کرنا نہیں چاہتا۔ یہ حدیث مجھے مل گئی۔ اور میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ میں مدینہ طیبہ واپس جارہا ہوں۔ "السلام علیکم"

یہاں آتے وقت سیکھنے کی نیت کرلیا کریں

دیکھئے: ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا سفر کیا۔ اور یہ میں نے آپ کو صرف ایک مثال بتائی۔ ورنہ صحابہ کرام کے حالات اور تابعین اور تبع تابعین کے حالات اٹھا کر دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ ان میں سے ایک ایک نے دین کا علم حاصل کرنے کی خاطر اور احادیث جمع کرنے کی خاطر لمبے لمبے سفر کئے۔ آج احادیث کا یہ مجموعہ پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ان اللہ کے بندوں نے اپنے مال قربان کئے۔ اور اپنی جانیں قربان کیں۔ اور مشقتیں اٹھائیں۔ تب جاکر یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔ یہ محنت وہ حضرات کر گئے۔ اگر ہمارے ذمے یہ کام ہوتا تو یہ دین کا علم ضائع ہو چکا ہوتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے اس کام کے لئے وہ قوم پیدا کردی تھی کہ

آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے دین کو محفوظ کردیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین محفوظ ہے، کتابیں چھپی ہوئی ہے۔ اور ہر دور میں دین کو پڑھنے پڑھانے والے، جاننے والے ہر جگہ موجود رہے ہیں۔ بس اب تمہارا اتنا کام ہے کہ ان کے پاس جاکر علم سیکھ لو، اور مسئلہ معلوم کرلو ـــــ بہرحال، اس حدیث میں علم سیکھنے والے کے لئے یہ عظیم بشارت بیان فرمائی۔ ہم لوگ جو یہاں جمع ہوتے ہیں، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ دین کی بات سنیں اور سنائیں۔ اور دین کا علم حاصل کریں، اس لئے گھر سے چلتے وقت اس حدیث کو ذہن میں لے آیا کریں کہ ہم دین کا علم حاصل کرنے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس حدیث کی بشارت ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔

اللہ کے گھر میں جمع ہونے والوں کیلئے عظیم بشارت

حدیث کے اگلے جملے میں ایک اور بشارت بیان فرمائی، فرمایا کہ کوئی جماعت کسی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہوکر بیٹھ جائے، اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لئے، یا اللہ کی کتاب کے درس و تدریس کے لئے، یعنی اللہ کے دین کا باتوں کو سننے سنانے کے لئے بیٹھ جائے تو جس وقت وہ لوگ اس مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور چاروں طرف سے ملائکہ اس مجلس اور مجمع کو گھیر لیتے ہیں ـــــ ملائکہ کے گھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہے، اور وہ ملائکہ رحمت ہیں۔ وہ ان بندوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے استغفار اور التجاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ لوگ آپ کے دین کے خاطر جمع ہوئے ہیں۔ یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے ان کی مغفرت فرمادیجئے۔ ان پر رحمتیں نازل فرمایئے۔ ان کے گناہ معاف فرمایئے۔ ان کو دین کی توفیق عطا فرمایئے۔

تم اللہ کا ذکر کرو، اللہ تمہارا تذکرہ کریں

اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں ان اہل مجلس کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے اپنے سارے کام چھوڑ کر صرف میری خاطر اور میرا ذکر کرنے کے لئے، میرا ذکر سننے کے لئے، میرے دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اپنے اردگرد کے ملائکہ کے سامنے اس محفل کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ ارے یہ بہت بڑی بات ہے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یہ کوئی معمولی بات ہے کہ محبوب حقیقی ہمارا ذکر کرے۔ ارے یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم ان کا ذکر کرتے، ہمیں پہلے حکم دیا کہ "فَاذْكُرُوْنِیْ" تم میرا ذکر کرو، لیکن ساتھ ہی اس ذکر کا صلہ اور بدلہ بھی عطا فرما دیا کہ "اَذْكُرْكُمْ" تم میرا ذکر کرو گے میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تم مجھے یاد کرو گے میں تمہیں یاد کروں گا۔ حالانکہ ہمارا ذکر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ذکر کرلیں تو کیا۔ نہ کریں تو کیا، ہمارے ذکر کرنے سے ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر ہم ان کا ذکر چھوڑ دیں۔ بلکہ ساری دنیا ان کا ذکر کرنا چھوڑ دے تو بھی ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ ہماری مثال تو ایک تنکے جیسی ہے۔ ایک تنکے نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیا تو کیا کمال کیا۔ لیکن وہ بندے کا ذکر کریں، یہ معمولی بات نہیں۔

حضرت اُبی بن کعب سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ہر صحابی میں اللہ تعالیٰ نے الگ الگ خصوصیات رکھی تھیں۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ تھی کہ قرآن کریم بہترین پڑھا کرتے تھے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: اَقْرَئُهُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ سارے صحابہ میں سب سے بہتر قرآن کریم پڑھنے والے اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک دن، حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کے واسطے سے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم اُبَی بن کعب سے کہو کہ وہ تمہیں قرآن شریف سنائیں۔ جب حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے کہ اُبَی بن کعب سے ایسا کہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ بس اسی وقت حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا، اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اور فرمایا کہ میں اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ میرا ذکر فرمائیں، اور میرا نام لیں۔

اللہ کے ذکر کرنے پر عظیم بشارت

بہرحال، اللہ تعالیٰ کسی بندے کا ذکر فرمائیں۔ یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ ساری دنیا کی نعمتیں اور دولتیں ایک طرف، یہ نعمت ایک طرف، اس حدیث میں اسی عظیم نعمت کے بارے میں فرمایا کہ جب اللہ کا دین سیکھنے کی خاطر، اور دین کے پڑھنے پڑھانے کی خاطر لوگ کسی جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے مجمع میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے —— "حدیث قدسی" اس کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کا کلام نقل فرمائیں —— ایک حدیث قدسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِيْ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ، وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُ﴾

"جو شخص میرا ذکر تنہائی میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر تنہائی میں کرتا ہوں، اور اس کو یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجمع میں کرتا ہوں۔ یعنی وہ میرا ذکر انسانوں کے مجمع میں کرتا ہے۔ میں اس کا ذکر ملائکہ کے مجمع میں کرتا ہوں"۔

ذکر کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمادی۔ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دین کی درس و تدریس کے لئے، یا دین کے افہام و تفہیم کے لئے کسی جگہ جمع ہو جائیں۔ وہ سب اس فضیلت کے اندر داخل ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جو یہاں ہفتے میں ایک دن جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور دین کی باتوں کا تذکرہ کر لیتے ہیں۔ یہ معمولی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑی فضیلت اور ثواب اور اجر کی چیز ہے، بشرطیکہ دل میں اخلاص ہو۔ اور اللہ کے دین کی طلب ہو۔

اونچا خاندان ہونا نجات کے لئے کافی نہیں

اس حدیث میں آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ﴾

یہ جملہ بھی جوامع الکلم میں سے ہے، معنی اس کے یہ ہیں کہ جس شخص کے عمل نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا، یا جو شخص اپنے عمل کی وجہ سے پیچھے رہ گیا، تو محض اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا ـــــ مطلب یہ ہے کہ کسی کا عمل خراب ہے۔ اور اس خراب عمل کی وجہ سے جنت تک نہیں پہنچ سکا۔ بلکہ پیچھے رہ گیا۔ جبکہ دوسرے لوگ جلدی جلدی قدم بڑھا کر جنت میں پہنچ گئے، بقول کسی کے ـ

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے

وہ لوگ آگے چلے گئے۔ اور یہ اپنے عمل کی خرابی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔ اور عمل کی اصلاح نہ کرپایا تو اب صرف نسب کی وجہ سے کہ چونکہ یہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا فلاں بزرگ کا یا فلاں عالم کا بیٹا ہے۔ محض اس بنیاد پر وہ جلدی نہیں پہنچ سکے گا۔ اشارہ اس طرف فرمادیا کہ محض اس پر بھروسہ اور تکیہ کرکے مت بیٹھ جاؤ کہ میں فلاں کا صاحب زادہ ہوں، فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، بلکہ اپنا عمل صحیح کرنے کی فکر کرو۔ اگر یہ چیز کار آمد ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جہنم میں نہ جاتا۔ جبکہ حضرت نوح علیہ السلام اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ اور اپنے بیٹے کی مغفرت کے لئے دعا بھی فرما رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اس نے جو عمل کیا ہے وہ صالح عمل نہیں ہے، اس لئے اس کے حق میں آپ کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اصل چیز عمل ہے۔ البتہ عمل کے ساتھ اگر کسی بزرگ سے تعلق بھی ہوتا ہے تو ان بزرگ کے تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کچھ سارا فرمادیتے ہیں۔ لیکن اپنی طرف سے عمل اور توجہ اور فکر شرط ہے۔ اب اگر کسی کو توجہ فکر اور طلب ہی نہیں ہے۔ بلکہ غفلت کے اندر مبتلا ہے۔ تو محض اونچے خاندان سے تعلق کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عمل درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ

آج کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضہ بھی یہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی لازمی شرط یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرو۔ اور اللہ کی مخلوق پر شفقت اور رحم کرو، جب تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک اللہ

تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور اپنی مخلوق کی محبت پیدا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عُلماء کی توہین سے بچیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : علماء کی توہین سے بچیں۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء کی توہین سے بچیں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اتقوا ذلۃ العالم ولا تقطعوہ وانتظروا فیئتہ﴾ (مسند الفردوس للدیلمی جلد ۱ صفحہ ۹۵۔ کنز العمال حدیث نمبر ۲۸۶۸۲)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے تمام امت نے اس کو قبول کیا ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا اہم نکتہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو، اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو ــــ "عالم" سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن کریم کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو، آپ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ فلاں

کام گناہ ہے، اور تم یہ دیکھ رہے ہو کہ ایک عالم اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ پہلا کام تو تم یہ کرو کہ یہ ہرگز مت سوچو کہ جب اتنا بڑا عالم یہ گناہ کا کام کر رہا ہے تو لاؤ میں بھی کرلوں، بلکہ اس تم اس عالم کی اس غلطی اور اس گناہ سے بچو، اور اس کو دیکھ کر تم اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہ کے کاموں میں علماء کی اتباع مت کرو

اس حدیث کے پہلے جملے میں ان لوگوں کی اصلاح فرمادی جن لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے، اور منع کیا جاتا ہے کہ فلاں کام ناجائز اور گناہ ہے، یہ کام مت کرو، تو وہ لوگ بات ماننے اور سننے کے بجائے فوراً مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں عالم بھی تو یہ کام کرتے ہیں۔ فلاں عالم نے فلاں وقت میں یہ کام کیا تھا ــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قدم پر ہی اس استدلال کی جڑ کاٹ دی کہ تمہیں اس عالم کی غلطی کی پیروی نہیں کرنی ہے، بلکہ تمہیں اس کی صرف اچھائی کی پیروی کرنی ہے، وہ اگر گناہ کا کام یا کوئی غلط کام کر رہا ہے تو تمہارے دل میں یہ جرأت پیدا نہ ہو کہ جب وہ عالم یہ کام کر رہا ہے تو ہم بھی کریں گے۔ ذرا سوچو کہ اگر وہ عالم جہنم کے راستے پر جارہا ہے تو کیا تم بھی اس کے پیچھے جہنم کے راستے پر جاؤ گے؟ وہ اگر آگ میں کود رہا ہے تو کیا تم بھی کود جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے، پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ کے کام میں تم اس کی اتباع کر رہے ہو؟

عالم کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں

اس وجہ سے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ عالم جو سچا اور صحیح معنی میں عالم ہو۔ اس کا فتویٰ تو معتبر ہے، اس کا زبان سے بتایا ہوا مسئلہ تو معتبر ہے، اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں۔ اگر وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں؟ وہ عالم یہی جواب دے گا کہ یہ عمل جائز نہیں۔ اس لئے تم اس کے بتائے

ہوئے مسئلے کی اتباع کرو۔ اس کے عمل کی اتباع مت کرو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں کام جب اتنے بڑے بڑے علماء کر رہے ہیں تو لاؤ میں بھی یہ کام کرلوں، یہ استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ آگ میں کود رہے ہیں۔ لاؤ میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ جیسے یہ طرز استدلال غلط ہے۔ اسی طرح وہ طرز استدلال بھی غلط ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے بچو یعنی اس کی لغزش کی اتباع مت کرو۔

عالم سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

بعض لوگ دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ کسی عالم کو کسی غلطی میں یا گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو بس فوراً اس سے قطع تعلق کرلیتے ہیں۔ اور اس سے بدگمان ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کو بدنام کرنا شروع کردیتے ہیں کہ یہ مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر تمام علماء وکرام کی توہین شروع کردیتے ہیں کہ آج کل کے علماء تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے دوسرے جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تردید فرمادی کہ اگر کوئی عالم گناہ کا کام کررہا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بھی مت کرو، کیوں؟

علماء تمہاری طرح کے انسان ہی ہیں

اس لئے کہ عالم بھی تمہاری طرح کا انسان ہے، جو گوشت پوست تمہارے پاس ہے، وہ اس کے پاس بھی ہے۔ وہ کوئی آسمان سے اترا ہوا فرشتہ نہیں ہے، جو جذبات تمہارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں، نفس تمہارے پاس بھی ہے اس کے پاس بھی ہے۔ شیطان تمہارے پیچھے بھی لگا ہوا ہے، اس کے پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ نہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، نہ وہ پیغمبر ہے۔ اور نہ وہ فرشتہ ہے، بلکہ وہ بھی اسی دنیا کا باشندہ ہے، اور جن حالات سے تم

گزرتے ہو۔ وہ بھی ان حالات سے گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ انسان ہے تو بشری تقاضے سے کبھی اس سے غلطی بھی ہوگی۔ کبھی وہ گناہ بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے فوراً اس عالم سے برگشتہ ہو جانا اور اس کی طرف سے بدگمان ہو جانا صحیح نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو، بلکہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرو، اس لئے کہ اس کے پاس علم صحیح موجود ہے۔ اُمید ہے کہ وہ انشاء اللہ کسی وقت لوٹ آئے گا۔

علماء کے حق میں دعا کرو

اور اگر اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! فلاں شخص آپ کے دین کا حامل ہے اس کے ذریعہ ہمیں دین کا علم معلوم ہوتا ہے، یہ بے چارہ اس گناہ کی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اے اللہ اس کو اپنی رحمت سے اس مصیبت سے نکال دیجئے۔ اس دعا کے کرنے سے تمہارا ڈبل فائدہ ہے۔ ایک دعا کرنے کا ثواب ملے گا۔ دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب۔ اور اگر تمہاری یہ دعا قبول ہوگئی تو تم اس عالم کی اصلاح کا سبب بن جاؤ گے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ عالم جتنے نیک کام کرے گا وہ سب تمہارے اعمال نامہ میں بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بلاوجہ دوسروں سے یہ کہہ کر کسی عالم کو بدنام کرنا کہ فلاں بڑے عالم بنے پھرتے ہیں وہ تو یہ حرکت کر رہے تھے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عالم بے عمل بھی قابل احترام ہے

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو تو خود چاہئے کہ وہ باعمل ہو، لیکن اگر کوئی عالم بے عمل بھی

ہے تو بھی وہ عالم اپنے علم کی وجہ سے تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے، اس کا ایک مرتبہ ہے، اس مرتبہ کی وجہ سے وہ عالم قابل احترام بن گیا۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (سورۃ لقمان: ۱۵)

اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو کفر اور شرک میں تو ان کی بات مت مانو، لیکن دنیا کے اندر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں باپ ہونے کا جو شرف حاصل ہے۔ وہ بذات خود قابل تکریم اور قابل تعظیم ہے، تمہارے لئے ان کی اہانت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ایک عالم بے عمل بھی ہے تو اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو نیک عمل کی توفیق دے دے۔ لیکن اس کی بد عملی کی وجہ سے اس کی توہین مت کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ نرا علم کوئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرماتے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی عالم آتا ہے تو اگرچہ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ یہ فلاں غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اس کے علم کی وجہ سے اس کا اکرام کرتا ہوں، اور اس کی عزت کرتا ہوں۔

علماء سے تعلق قائم رکھو

لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا اور علماء کو بدنام کرتے پھرنا کہ ارے میاں آج کل کے مولوی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، آج کل کے علماء کا تو یہ حال ہے —— یہ بھی موجودہ دور کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو یہ طرز عمل ہے ہی، اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب تک مولوی اور علماء کو بدنام نہیں کریں گے۔ اس

وقت تک ہم اس قوم کو گمراہ نہیں کرسکتے، جب علماء سے اس کا رشتہ توڑ دیں گے تو پھر یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہم جس طرح چاہیں گے۔ ان کو گمراہ کرتے پھریں گے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب گلہ بان سے بکریوں کا رشتہ توڑ دیا تو اب بھیڑیئے کے لئے آزادی ہوگئی کہ وہ جس طرح چاہے بکریوں کو پھاڑ کھائے۔ لہٰذا جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ علماء کو بدنام کیا جائے، لیکن جو لوگ دیندار ہیں ان کا بھی یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ وہ بھی ہر وقت علماء کی توہین اور ان کی بے وقعتی کرتے پھرتے ہیں کہ ارے صاحب! علماء کا تو یہ حال ہے۔ ان لوگوں کی مجلسیں ان باتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب لوگوں کو علماء سے بدظن کردیا تو اب تمہیں شریعت کے احکام کون بتائے گا؟ اب تو شیطان ہی تمہیں شریعت کے مسائل بتائے گا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، پھر تم اس کے پیچھے چلوگے، اور گمراہ ہوجاؤ گے۔ لہٰذا علماء اگرچہ بے عمل نظر آئیں۔ پھر بھی ان کی اس طرح توہین مت کیا کرو۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرو، جب تم اس کے حق میں دعا کروگے تو علم تو اس کے پاس موجود ہے۔ تمہاری دعا کی برکت سے انشاء اللہ ایک دن وہ ضرور صحیح راستے پر لوٹ آئے گا۔

ایک ڈاکو پیر بن گیا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سے فرمانے لگے تم کہاں میرے پیچھے لگ گئے۔ میرا حال تو اس پیر جیسا ہے جو حقیقت میں ایک ڈاکو تھا۔ اس ڈاکو نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہدیے تحفے لے جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ تو اچھا پیشہ ہے۔ میں خواہ مخواہ راتوں کو جاگ کر ڈاکے ڈالتا ہوں۔ پکڑے جانے اور جیل میں بند ہونے کا خطرہ الگ ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف

علیحدہ ہوتی ہے۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے، میرے ہاتھ چومیں گے، میرے پاس ہدیے تحفے لائیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اور ایک خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ لمبی تسبیح لے لی۔ لمبا کرتا پہن لیا۔ اور پیروں جیسا حلیہ بنالیا۔ اور ذکر اور تسبیح شروع کردی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہے، اور بہت بڑا پیر معلوم ہوتا ہے۔ اب لوگ اس کے مرید بننا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہو گئی۔ کوئی ہدیہ لا رہا ہے، کوئی تحفہ لا رہا ہے، خوب نذرانے آرہے ہیں۔ کوئی ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی پاؤں چوم رہا ہے۔ ہر مرید کو مخصوص ذکر بتا دیتے کہ تم فلاں ذکر کرو، تم فلاں ذکر کرو، اب ذکر کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ چونکہ ان مریدوں نے اخلاص کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بہت بلند فرما دیئے۔ اور کشف و کرامات کا اونچا مقام حاصل ہو گیا۔

مریدین کی دعا کام آئی

ایک روز ان مریدین نے آپس میں گفتگو کی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو اس مرتبہ تک پہنچا دیا۔ ہم ذرا یہ دیکھیں کہ ہمارا شیخ کس مرتبے کا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مراقبہ کرکے کشف کے ذریعہ اپنے شیخ کا مرتبہ معلوم کرنا چاہا، لیکن جب مراقبہ کیا تو شیخ کا درجہ کہیں نظر ہی نہیں آیا، آپس میں مریدین نے مشورہ کیا کہ شاید ہمارا شیخ اتنے اونچے مقام پر پہنچا ہوا ہے کہ ہمیں اس کی ہوا تک نہیں لگی، آخر کار جاکر شیخ سے ذکر کیا کہ حضرت! ہم نے آپ کا مقام تلاش کرنا چاہا، مگر آپ تو اتنے اونچے مقام پر ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ پاتے، اس وقت شیخ نے اپنی حقیقت ظاہر کردی، اور روتے ہوئے اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنا درجہ کیا بتاؤں۔ میں تو اصل میں ایک ڈاکو ہوں، اور میں نے دنیا کمانے کی خاطر یہ سارا دھندا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی

بدولت تمہیں اونچے اونچے مقام عطا فرمادے، اور میں تو اسفل السافلین میں ہوں، تمہیں میرا مرتبہ کہاں ملے گا؟ میں تو ڈاکو اور چور ہوں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے تم اب میرے پاس سے بھاگ جاؤ، اور کسی دوسرے پیر کو تلاش کرو۔ جب شیخ کے بارے میں یہ باتیں سنیں تو ان سب مریدوں نے آپس میں مل کر اپنے شیخ کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! یہ چور ہو یا ڈاکو ہو، لیکن یا اللہ! آپ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے، وہ اسی کے ذریعہ عطا فرمایا ہے، اے اللہ! اب آپ اس کی بھی اصلاح فرمادیجئے، اور اس کا درجہ بھی بلند کر دیجئے۔ چونکہ وہ مریدین مخلص تھے، اور اللہ والے تھے۔ ان کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی بخش دیا، اور اس کو بھی بلند درجہ عطا فرمادیا۔

بہرحال: جب کسی عالم کے بارے میں کوئی غلط بات سنو تو اُس کو بدنام کرنے کے بجائے اس کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غصے کو قابو میں کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : غصے کو قابو میں کیجئے۔

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غصے کو قابو میں کیجئے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: ان رجلا قال لرسول الله عليه وسلم اوصنی ولا تكثر علی قال: لا تغضب﴾

(جامع الاصول، الکتاب الثالث فی الغضب والغیظ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے اور زیادہ لمبی نصیحت نہ فرمایئے۔ گویا کہ نصیحت کی بھی درخواست کی اور ساتھ میں یہ شرط لگادی کہ وہ نصیحت مختصر ہو۔ لمبی چوڑی نہ ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس شرط پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا کہ نصیحت بھی کروانا چاہتے ہو اور ساتھ میں یہ قید بھی لگا رہے ہو کہ مختصر کیجئے۔ اسی وجہ سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدثین نے فرمایا کہ جو شخص نصیحت کا طلبگار ہو۔ وہ اگر

یہ کہے کہ مجھے مختصر سی نصیحت کر دیجئے تو اس میں کوئی ادب کے خلاف بات نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی جلدی میں ہو اور اس نے آپ سے نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ اب اگر آپ نے اس کے سامنے لمبی تقریر شروع کر دی تو وہ بیچارہ نصیحت کی فرمائش کر کے کس خطا میں پکڑا گیا۔ حالانکہ وہ جلدی میں تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ادب کے خلاف بات نہیں چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ مختصر نصیحت فرمائی کہ:

"لاتغضب" "غصہ مت کرو"۔

اگر آدمی اس مختصر نصیحت پر عمل کرے تو شاید سیکڑوں، بلکہ ہزاروں گناہوں سے اس کی حفاظت ہو جائے۔

گناہوں کے دو محرک، غصہ اور شہوت

اس لئے کہ دنیا میں جتنے گناہ ہوتے ہیں۔ چاہے وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں۔ اگر انسان غور کرے تو یہ نظر آئے گا کہ ان تمام گناہوں کے پیچھے دو جذبے کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک غصہ، دوسرے شہوت، شہوت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے اصل معنی ہیں "خواہش نفس" مثلاً دل کسی چیز کے کھانے کو چاہ رہا ہے۔ یہ کھانے کی شہوت ہے، یا کسی ناجائز کام کے ذریعہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا چاہ رہا ہے۔ یہ بھی شہوت ہے۔ انسان چوری کیوں کرتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو یہ خواہش ہے کہ مال زیادہ مل جائے۔ ڈاکہ اس لئے ڈالتا ہے کہ مجھے زیادہ مال ایک دم مل جائے۔ بدنگاہی بھی انسان اس لئے کرتا ہے کہ اس کی نفسانی خواہش اس کو اس کام پر آمادہ کرتی ہے۔ لہٰذا بہت سے گناہ تو شہوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بہت سے گناہ غصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابھی اس کی تفصیل عرض کروں گا، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ غصہ کتنے بے شمار گناہوں کو جنم دیتا ہے۔ لہٰذا جب یہ فرمادیا کہ "غصہ مت کرو" اگر آدمی اس

نصیحت پر عمل کرلے تو اس کے نتیجے میں آدھے گناہ ختم ہو جائیں گے۔

اصلاح نفس کے لئے پہلا قدم

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون یعنی غصہ ضبط کرنا سلوک و طریقت کا ایک باب عظیم ہے جو آدمی اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہو اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اپنے غصہ کو قابو میں کرنے کی فکر کرے۔

"غصہ" ایک فطری چیز ہے

یوں تو اللہ تعالیٰ نے "غصہ" انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے اندر غصے کا مادہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے حکمت کے تحت ہی یہ مادہ انسان کے اندر رکھا ہے۔ یہی مادہ ہے کہ اگر انسان اس پر کنٹرول کرلے اور اس کو قابو میں کرلے تو پھر یہی مادہ انسان کو بے شمار بلاؤں سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ مادہ نہ ہو تو پھر اگر کوئی دشمن حملہ کردے گا تو اس کو غصہ بھی نہیں آئے گا یا کوئی درندہ اس پر حملہ کردے گا تو اس کو غصہ ہی نہیں آئے گا اور اپنا دفاع بھی نہیں کرسکے گا۔ لہٰذا اپنے جائز دفاع کے لئے غصے کا استعمال کرنا جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اس لئے کہ غصہ رکھا ہی اس لئے ہے کہ وہ انسان اپنی جان کا، اپنے مال کا دفاع کرسکے۔ اپنے بیوی بچوں کی طرف سے دفاع کرسکے۔ اپنے عزیز و اقارب کا دفاع کرسکے۔ یہ غصے کا جائز محل ہے۔

غصہ کے نتیجے میں ہونے والے گناہ

لیکن اگر یہی غصہ قابو میں نہ ہو تو اس کے نتیجے میں جو گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ

بے شمار ہیں، چنانچہ غصے ہی سے "تکبر" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "حسد" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "بغض" پیدا ہوتا ہے۔ غصے سے "عداوت" پیدا ہوتی ہے اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنی خرابیاں ہیں جو اس غصے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب کہ یہ غصہ قابو میں نہ ہو اور انسان کے کنٹرول میں نہ ہو۔ مثلاً اگر غصہ قابو میں نہیں تھا اور وہ غصہ کسی انسان پر آگیا۔ اب اگر جس شخص پر غصہ آیا ہے وہ قابو میں ہے مثلاً وہ ماتحت ہے تو اس غصے کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچائے گا، یا اس کو مارے گا، یا اس کو ڈانٹے گا۔ اس کو گالی دے گا، اس کو برا بھلا کہے گا، اس کا دل دکھائے گا، اور یہ سب کام گناہ ہیں جو غصے کے نتیجے میں اس سے سرزد ہوں گے۔ اس لئے کہ دوسرے کو ناحق مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اسی طرح اگر غصے کے نتیجے میں گالی دے دی تو حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿سباب المسلم فسوق وقتاله كفر﴾

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ماینھی من السباب واللعن)

یعنی مسلمان کو گالی دینا بدترین فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر غصے کے نتیجے میں دوسرے کو طعن و تشنیع کردی۔ جس سے دوسرے انسان کا دل ٹوٹ گیا اور اس کی دل شکنی ہوئی تو یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ سب گناہ اس وقت ہوئے جب ایسے شخص پر غصہ آیا جو آپ کا ماتحت تھا۔

"بغض" غصہ سے پیدا ہوتا ہے

اور اگر ایسے شخص پر غصہ آگیا جو آپ کا ماتحت نہیں ہے اور وہ آپ کے قابو میں نہیں ہے تو غصہ کے نتیجے میں آپ اس کی غیبت کریں گے۔ مثلاً جس پر غصہ آیا وہ بڑا ہے اور صاحب اقتدار ہے۔ اس کے سامنے اس کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی، زبان نہیں کھلتی تو یہ ہوگا کہ اس کے سامنے تو خاموش رہیں گے، لیکن جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگا تو اس کی برائیاں بیان کرنا شروع کردیں گے اور اس کی

غیبت کریں گے۔ اب یہ غیبت اسی غصے کے نتیجے میں ہو رہی ہے اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان دوسرے کی کتنی بھی غیبت کر لے۔ مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، بلکہ غصہ کے نتیجے میں یہ دل چاہتا ہے کہ اس کا چہرہ نوچ لوں۔ اس کو تکلیف پہنچاؤں۔ مگر چونکہ وہ صاحب اقتدار اور بڑا ہے، اس لئے اس پر قابو نہیں چلتا۔ اس کے نتیجے میں دل کے اندر ایک گھٹن پیدا ہو گی۔ اس گھٹن کا نام "بغض" ہے۔ اب دل میں ہر وقت یہ خواہش ہوتی ہے کہ اگر موقع مل جائے تو کسی طرح اس کو تکلیف پہنچاؤں اور اگر خود بخود اس کو تکلیف پہنچ جائے تو خوشی ہوتی ہے کہ اچھا ہوا کہ تکلیف پہنچ گئی۔ یہ "بغض" ہے جو ایک مستقل گناہ ہے جو اسی غصے کے نتیجے میں پیدا ہوا۔

"حسد" غصہ سے پیدا ہوتا ہے

اور اگر جس شخص پر غصہ آرہا ہے اور اس کو تکلیف پہنچنے کے بجائے راحت اور خوشی حاصل ہو گئی۔ اس کو کہیں سے پیسے زیادہ مل گئے، یا اس کو کوئی بڑا منصب مل گیا تو اب دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ یہ منصب اس سے چھن جائے۔ یہ مال و دولت، یہ روپیہ پیسہ کسی طرح اس کے پاس سے ضائع ہو جائیں، ختم ہو جائیں۔ اس کا نام "حسد" ہے۔ یہ "حسد" بھی اسی غصے کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ بہرحال، جس شخص پر غصہ آرہا ہے، اگر اس پر قابو چل جائے تو بھی بے شمار گناہ اس کے ذریعہ صادر ہو جاتے ہیں، اور اگر قابو نہ چلے تو بھی بے شمار گناہ اس کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں۔ یہ سب گناہ اس "غصے" کے قابو میں نہ رہنے کے نتیجے میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر غصہ قابو میں ہوتا تو انسان ان سارے گناہوں سے محفوظ رہتا۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لا تغضب "غصہ نہ کرو"۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾
(آل عمران: ۱۳۴)

یعنی نیک مسلمان وہ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے غصے کو درگزر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ غصہ پینے کے نتیجے میں یہ سارے گناہ سرزد نہیں ہونگے۔

غصہ کے نتیجے میں حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ گناہوں کے دو سرچشمے ہوتے ہیں۔ ایک غصہ، دوسرے شہوت۔ لیکن شہوت کے نتیجے میں جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ وہ بھی اگرچہ بڑے سنگین ہیں لیکن وہ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جس وقت بھی اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے دیں تو توبہ کے نتیجے میں انشاء اللہ وہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے اور اس کے اعمال نامے سے وہ گناہ مٹادیا جاتا ہے، لیکن غصے کے نتیجے میں جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا زیادہ تر تعلق حقوق العباد سے ہے۔ مثلاً غصے کے نتیجے میں کسی کو مارا، یا کسی کو ڈانٹا، یا کسی کی دل آزاری کی، یا کسی کو برا بھلا کہا۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اسی طرح غصے کے نتیجے میں اگر کسی کی غیبت کرلی، یا کسی سے "بغض" رکھا، یا کسی سے "حسد" پیدا ہوگیا۔ یہ سب حقوق العباد میں حق تلفی ہے۔ لہٰذا غصے کے نتیجے میں جتنے گناہ ہوتے ہیں۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور حقوق العباد کو ضائع کرنا اتنا سنگین ہے، اگر بعد میں انسان ان سے باز بھی آجائے اور توبہ کرلے تب بھی اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی جب تک کہ جس بندے کا حق ضائع کیا ہے، وہ معاف نہ کرے اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے سے میں اپنا حق تو معاف کردوں گا، لیکن میرے بندوں کے جو حقوق تم نے پامال کئے ہیں وہ اس وقت تک معاف نہیں کرونگا جب تک ان بندوں سے معاف نہیں کرالوگے۔ اب تم کس کس سے معاف کراتے پھروگے؟ اس لئے حقوق العباد میں کوتاہی بہت سنگین ہے۔ اس لئے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر اور جامع نصیحت فرمائی کہ "لا تغضب" غصہ مت کرو۔

جب انسان اپنے غصے پر کنٹرول حاصل کرلیتا ہے اور اس کو قابو میں کرلیتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جب میرے بندے نے غصہ کو کنٹرول میں کرلیا تو اب میں بھی اس کے ساتھ غصے کا معاملہ نہیں کرونگا۔

غصہ نہ کرنے پر عظیم بدلہ

ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب کتاب کے لئے اللہ جل شانہ کے سامنے ایک شخص کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کریں گے کہ بتاؤ اس کے نامہ اعمال میں کیا کیا نیکیاں ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات دوسرے لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے سوال بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ پوچھیں گے کہ اس کے اعمال نامے میں کیا نیکیاں ہیں؟ جواب میں فرشتے بتائیں گے کہ یا اللہ! اس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ نیکیاں تو نہیں ہیں۔ اس نے نہ تو بہت زیادہ نفلیں پڑھی ہیں، اور نہ ہی اس نے بہت زیادہ عبادتیں کی ہیں۔ لیکن اس کے نامہ اعمال میں ایک خاص نیکی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے ساتھ زیادتی کرتا تھا تو یہ اس کو معاف کردیتا تھا، اور جب کسی شخص کے ذمے اس کا کوئی مالی حق ہوتا، اور وہ شخص یہ کہتا کہ میرے اندر اس وقت ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو یہ اپنے ملازموں سے کہتا کہ اس کے اندر استطاعت نہیں ہے اس لئے اس کو چھوڑ دو۔ اس طرح یہ اپنا حق چھوڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر ارشاد فرمائیں گے کہ جب یہ بندہ میرے بندوں کے ساتھ معافی کا معاملہ کرتا تھا، اور ان کے لئے اپنا حق چھوڑ دیتا تھا۔ آج میں بھی اس کے ساتھ معافی کا معاملہ کروں گا، اور اس کو معاف کردوں گا۔ چنانچہ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس بندے کی مغفرت فرمادیں گے۔

شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بیٹے کا مجاہدہ

یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگان دین کے پاس جب کوئی شخص اپنی اصلاح کرانے کے لئے جاتا تو توبہ کے بعد اس کو سبق یہ دیا جاتا کہ اپنے غصے کو بالکل ختم کردے اور اس غصے کو ختم کرانے کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کرائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور ساری دنیا سے لوگ ان کے پاس اپنی اصلاح کرانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے نے ان کی زندگی میں ان کی کوئی قدر نہ کی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب تک اپنا بڑا زندہ ہے تو دلوں میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ جیسے یہ محاورہ ہے "گھر کی مرغی دال برابر" باپ گھر میں موجود ہیں۔ ساری دنیا آکر ان سے فیض اٹھارہی ہے، لیکن صاحبزادے کو کچھ پرواہ ہی نہیں۔ وہ اپنے کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں۔ جب باپ کا انتقال ہوگیا تو اب آنکھ کھلی اور یہ سوچا کہ گھر میں کتنی بڑی دولت موجود تھی۔ ساری دنیا آکر فیض اٹھاتی رہی لیکن میں نے وقت ضائع کردیا اور ان سے کچھ بھی حاصل نہ کرسکا۔

اب معلومات کرائیں کہ ہمارے والد صاحب کے پاس جو لوگ آیا کرتے تھے اور جنہوں نے والد صاحب سے اپنی اصلاح کرائی۔ ان میں سے کون ایسے ہیں جنہوں نے والد صاحب سے زیادہ فیض حاصل کیا ہو، تاکہ کم از کم اب میں ان کے پاس جاکر فیض حاصل کروں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ایسے ایک بزرگ بلخ میں رہتے ہیں۔ یہ خود گنگوہ یوپی میں رہتے تھے۔ چنانچہ بلخ جانے کا ارادہ کیا، اور ان کو اطلاع کی کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔ ان بزرگ کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ میرے شیخ کے صاحبزادے تشریف لارہے ہیں تو انہوں نے اپنے حشم و خدم کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ گھر لائے، ان کے لئے شاندار کھانے پکوائے، خوب دعوت کی۔ جب ایک دو دن اسی

طرح گزر گئے تو صاحبزادے نے عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے، اور میری قدردانی کی، لیکن میں تو اصل میں کسی اور مقصد کے لئے آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا مقصد ہے؟ صاحبزادے نے کہا کہ حضرت! میں تو اس مقصد کے لئے آیا ہوں کہ میرے والد صاحب سے جو دولت آپ لے کر آئے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ میں بھی آپ سے حاصل کرلوں، کیونکہ ان کی زندگی میں نہیں لے سکا تھا۔ انہوں نے فرمایا اچھا آپ اس مقصد کے لئے آئے ہیں تو اب یہ خاطر تواضع اور مہمان داری سب بند، یہ اعزاز و اکرام، یہ دعوت کے شاندار کھانے سب بند، اب آپ ایسا کریں کہ مسجد کے پاس ایک حمام ہے۔ اس حمام کے پاس آپ کا ٹھکانہ ہوگا، وہیں آپ کو سونا ہوگا اور حمام کی آگ جلا کر ہر وقت اس کا پانی گرم کیا کرو، اور اس کے لئے کوڑا کباڑ، لکڑیاں چن کر لاکر اس میں جھونکا کرو۔ چونکہ سردیوں کا موسم تھا نمازیوں کے وضو کے لئے گرم پانی کا انتظام کیا جاتا تھا، ان صاحبزادے سے کہہ دیا کہ بس تمہارا صرف یہی کام ہے۔ کوئی وظیفہ کوئی تسبیح وغیرہ نہیں بتائی۔ کہاں تو وہ اعزاز و اکرام ہو رہا تھا اور کہاں یہ خدمت سپرد کردی۔

تکبر کا علاج

چونکہ یہ اخلاص کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہنے کے مطابق گئے اور اس کام میں لگ گئے۔ اب ایک عرصہ دراز تک ان کے ذمہ بس یہی کام تھا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو، اور مسجد کا حمام روشن کرو۔ بزرگ جانتے تھے کہ ان صاحبزادوں میں خاندانی شرافت بھی ہوتی ہے۔ دلوں میں طہارت ہوتی ہے۔ مگر ایک عیب ان کے اندر ضرور ہوتا ہے، وہ ہے تکبر اور اپنی بڑائی۔ اس کا علاج کرنا منظور تھا، اسی لئے ایسا کام ان کے سپرد کیا تاکہ اس بیماری کا علاج ہوجائے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ دیکھنے کے لئے کہ شہزادگی کا خیال اور تصور ان کے دل میں ہے یا ختم ہوگیا ہے، اس کی آزمائش کے لئے ان بزرگ نے اپنے گھر کی بھنگن جو گھر کا کوڑا اٹھا کر

لیجاتی تھی۔ اس سے کہا کہ آج جب کوڑا اٹھا کر جاؤ تو حمام کے پاس جو صاحب حمام کی آگ روشن کرنے پر لگے ہوئے ہیں، ان کے قریب سے گزر جانا، وہ جو کچھ تمہیں کہیں وہ آکر ہم سے کہنا، چنانچہ جب وہ بھنگن کوڑا لے کر ان صاجزادے کے پاس سے گزری تو ان کو بڑا طیش اور غصہ آیا اور کہا کہ یہ تیری مجال کہ ہمارے پاس سے گزرے، . . اگنگوہ، ورنہ تجھے بتاتا۔ اب اس بھنگن نے جاکر شیخ کو اطلاع دے دی کہ یہ جواب دیا ہے۔ ان بزرگ نے سوچا کہ ابھی تو کچا پن باقی ہے۔ ابھی کسر باقی ہے چنانچہ اسی حمام کے جھونکنے پر ان کو مامور رکھا۔

دوسرا امتحان

جب پھر کچھ عرصہ گزر گیا تو پھر بھنگن سے کہا کہ اب کوڑا اٹھا کر لے جاؤ اور اب کے بالکل ان کے قریب سے گزرو۔ چنانچہ وہ بھنگن اور زیادہ قریب سے گزری تو صاجزادے نے اس بھنگن کو غصے سے دیکھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا، اس بھنگن نے جاکر شیخ کو اس کی اطلاع کردی کہ آج یہ واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے سوچا کہ یہ علاج کارگر ثابت ہوا۔

تیسرا امتحان

پھر کچھ عرصہ کے بعد شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ ان کے اتنے قریب سے گزرو کہ وہ کوڑا کباڑ کا ٹوکرا ان کو لگ بھی جائے اور اس میں سے کچھ کوڑا بھی ان کے اوپر گر جائے۔ چنانچہ جب وہ بھنگن ان کے قریب سے گزری اور تھوڑا کوڑا بھی ان پر گرا دیا تو انہوں نے اب کی مرتبہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر بھنگن نے جاکر شیخ کو اطلاع دے دی۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں فائدہ ہو رہا ہے۔

چوتھا امتحان

کچھ عرصہ کے بعد پھر شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اب کی مرتبہ کوڑے کا ٹوکرا لے کر ان کے پاس سے گزرو اور ٹھوکر کھا کر ان کے پاس اس طرح گر جاؤ کہ سارا کوڑا ان کے اوپر گرے۔ پھر جو وہ کریں وہ مجھے آکر بتاؤ۔ چنانچہ وہ بھنگن گئی اور ٹھوکر کھا کر گر گئی، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ بھنگن گر گئی ہے۔ اب بجائے اس کے ان کو اپنی فکر ہوتی بلکہ اس بھنگن کی فکر ہوئی اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ اپنی کچھ فکر نہیں ہوئی کہ میرے کپڑے گندے ہو گئے۔ چنانچہ بھنگن نے جا کر شیخ کو اس کی اطلاع کر دی۔ فرمایا کہ اب کامیابی کی امید ہوئی۔

بڑی آزمائش اور عطاء دولت باطنی

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ شیخ شکار کو باہر جایا کرتے تھے اور شکاری کتے بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اس میں بھی انہوں نے کوئی دینی مصلحت اور حکمت دیکھی ہوگی۔ اور شکاری کتوں کے ذریعہ شکار کرنا کوئی ناجائز کام تو تھا نہیں بلکہ جائز تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب شکار کے لئے جانے لگے۔ ان صاحبزادے کو بھی ساتھ لے لیا اور شکاری کتے کی زنجیر ان صاحبزادے کے ہاتھ میں پکڑا دی، وہ شکاری کتے بڑے گیم اور بڑے طاقت ور اور یہ بیچاری نحیف اور کمزور اور فاقہ مست تھے۔ چنانچہ جب شکاری کتے شکار کے پیچھے بھاگے اور یہ صاحبزادے کمزور ہونے کی وجہ سے ان کتوں کے ساتھ نہ بھاگ سکے۔ چنانچہ گر پڑے۔ چونکہ شیخ کی طرف سے حکم یہ تھا کہ زنجیر مت چھوڑنا۔ اس لئے زنجیر نہیں چھوڑی۔ اب گھسٹتے ہوئے لہولہان ہو گئے لیکن شیخ کا حکم بجالانے کے لئے زنجیر نہیں چھوڑی۔

اس واقعہ کے بعد رات کو شیخ نے خواب میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ "میں نے تو تم سے

اتنی مشقت نہیں لی"۔ کیونکہ اولاد کا خیال تو باپ کو ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا کہ جو دولت میں تمہارے والد سے لے کر آیا تھا، تم نے وہ دولت مانگی تھی، جو تمہاری امانت تھی، وہ دولت میں نے تمہارے سپرد کردی اور چونکہ اس طرز عمل کے بغیر یہ دولت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے میں نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔

غصہ دبائیں، ملائکہ سے آگے بڑھ جائیں

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب یہ صاحبزادے اپنی اصلاح کرانے کے لئے وہاں گئے تو نہ ان کو وظیفے بتائے، نہ تسبیحات پڑھنے کو بتائیں۔ نہ اور کچھ معمولات بتائے، بلکہ پہلا کام ایسا کرایا جس کے ذریعہ دماغ سے تکبر نکلے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، اور یہ غصہ جو تکبر کا سبب اور اس کا نتیجہ ہوتا ہے وہ ختم ہو جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلوک و تصوف کا عظیم باب اور اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان کی طبیعت سے غصہ نکل جائے، اور اس پر قابو پایا جائے، اور جب یہ غصہ قابو میں ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان کو ایسے مقام تک پہنچاتے ہیں کہ ملائکہ بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔ ملائکہ کے اندر غصہ تو موجود ہی نہیں، پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے، لیکن انسان اور آدم کے بیٹے کی خلقت کے اندر میں نے غصہ رکھا ہے، اور پھر یہ انسان میرے ڈر کی وجہ سے اور مجھ سے محبت کی خاطر اپنے غصے کو دباتا ہے تو یہ ابن آدم ملائکہ سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ کیسے بڑھ جاتا ہے۔ سنئے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی فقہ پر ہم سب عمل کرتے ہیں اور ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض جاری فرمادیا ہے۔ ان کے حاسدین بہت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چونکہ بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ شہرت عطا کی تھی، علم دیا تھا، اور معتقدین بھی بہت تھے، اس لئے حسد کرنے والے بھی بہت تھے۔ حسد کے نتیجے میں لوگ ان کی برائیاں کرتے تھے، اور برا بھلا بھی کہتے تھے۔ ایک دن آپ گھر جانے کے لئے نکلے تو ایک صاحب آپ کے ساتھ لگ گئے اور مسلسل پورے راستے گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ آپ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ جب گلی کا ایک موڑ آیا تو آپ رک گئے اور ان صاحب سے فرمایا کہ چونکہ اس موڑ سے میرا راستہ جدا ہوجائے گا۔ اس لئے کہ میرے گھر کا موڑ آگیا ہے۔ اور آپ کا راستہ جدا ہوجائے گا اور میرا راستہ اور ہوجائے گا۔ کہیں آپ کے دل میں حسرت نہ رہ جائے۔ لہٰذا میں یہاں کھڑا ہوجاتا ہوں اور آپ کو جو گالیاں دینی ہوں، یا برا بھلا کہنا ہو۔ وہ کہہ لیں، پھر میں اپنے گھر کی طرف چلا جاؤں گا۔ یہ واقعہ کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔

چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا بھی عجیب قصہ ہے۔ ابتداء میں ایسا کرنے کا معمول نہیں تھا، بلکہ ابتداء میں آپ کا معمول یہ تھا کہ اخیر شب میں تہجد کے لئے اٹھ جاتے تھے۔ ایک دن راستے میں جارہے تھے کہ راستے میں ایک بڑھیا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ وہ شخص ہے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے۔ بس یہ الفاظ سن کر امام

صاحب کو غیرت آگئی کہ یہ بڑھیا تو میرے بارے میں یہ گمان رکھتی ہے کہ میں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہوں، حالانکہ میں پڑھتا نہیں ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری ایسی بات کی تعریف کی جارہی ہے جو میرے اندر موجود نہیں۔ اسی دن یہ عزم کرلیا کہ آئندہ ساری عمر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد اپنا یہ معمول بنالیا کہ ساری رات عبادت کرتے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔

اور ایسا نہیں تھا کہ جب ساری رات عبادت کی تو اب سارا دن سوئیں گے، کیونکہ امام صاحب کی تجارت بھی تھی۔ درس و تدریس کا معمول بھی تھا۔ لوگ آپ کے پاس آکر علم حاصل کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ ساری رات عبادت کرتے، اور فجر کی نماز کے بعد درس و تدریس اور تجارت وغیرہ کے کام انجام دیتے۔ اس طرح ظہر کی نماز تک اس میں مصروف رہتے۔ ظہر کی نماز کے بعد عصر تک سونے کا معمول تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک اور عجیب واقعہ

ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ بالا خانے پر آپ کا گھر تھا، جاکر آرام کرنے کے لئے بستر پر لیٹ گئے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر نیچے دستک دی ـــــ آپ اندازہ کیجئے جو شخص ساری رات کا جاگا ہوا ہو، اور سارا دن مصروف رہا ہو۔ اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ ایسے وقت کوئی آجائے تو انسان کو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا ـــــ لیکن امام صاحب اٹھے۔ زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ دیکھئے اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کے لئے بیٹھے تھے۔ وہاں آکر تو مسئلہ پوچھا نہیں، اب بے وقت پریشان کرنے کے لئے یہاں آگئے۔ لیکن امام صاحب نے اس کو کچھ

نہیں کہا، بلکہ فرمایا کہ اچھا بھائی، کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟ اس نے کہا کہ میں کیا بتاؤں۔ جب میں آرہا تھا تو اس وقت مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے، لیکن اب میں بھول گیا۔ یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اچھا جب یاد آجائے تو پھر پوچھ لینا۔ آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا، بلکہ خاموشی سے واپس اوپر چلے گئے۔ ابھی جاکر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ آپ پھر اٹھ کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ مجھے یاد آگیا تھا۔ آپ نے فرمایا پوچھ لو۔ اس نے کہا کہ ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدھی سیڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔ اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت تک اس کے اشتعال کا کیا عالم ہوتا، مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا اچھا بھائی جب یاد آجائے پوچھ لینا، یہ کہہ کر آپ واپس چلے گئے، اور جاکر بستر پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ پھر نیچے تشریف لائے۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ یاد آگیا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخانہ) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟ (العیاذ باللہ۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے)۔

اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا

اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا، اور وہ اب تک ضبط بھی کر رہا ہوتا، تو اب اس سوال کے بعد تو اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جاتا۔ لیکن امام صاحب نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ اگر انسان کی نجاست تازہ ہو تو اس میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے اور اگر سوکھ جائے تو کڑواہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ شخص کہنے لگا کہ کیا آپ نے چکھ کر دیکھا ہے؟ (العیاذ باللہ) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا علم چکھ

کر حاصل نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض چیزوں کا علم عقل سے حاصل کیا جاتا ہے، اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھتی۔ اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔

اپنے وقت کا حلیم انسان

جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا۔ امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے معاف کیجئے گا میں نے آپ کو بہت ستایا۔ لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے کیسے ہرا دیا؟ اس شخص نے کہا کہ ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی۔ میرا کہنا یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ علماء کے اندر سب سے زیادہ بردبار ہیں، اور وہ غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے دوست کا یہ کہنا تھا کہ سب سے بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی، اور اب ہم نے جانچنے کے لئے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر پر آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے، اور اس طرح دو تین مرتبہ آپ کو اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا بیہودہ سوال کروں، اور یہ دیکھوں کہ آپ غصہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اگر غصہ ہوگئے تو میں جیت جاؤں گا اور اگر غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے۔ لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا، اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس روئے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھو کر بھی نہ گزرا ہو۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔ اس پر ملائکہ کو رشک نہ آئے تو کس پر آئے۔ انہوں نے اپنے نفس کو بالکل مٹا ہی دیا تھا۔

"حلم" زینت بخشتا ہے

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

﴿اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم﴾
(کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۶۳)

"اے اللہ مجھے علم دے کر غنا عطا فرمایئے اور حلم کی زینت عطا فرمایئے"۔

یعنی وقار دے کر آراستہ فرمادیجئے۔ آدمی کے پاس علم ہو، اور حلم نہ ہو، بردباری نہ ہو تو پھر علم کے باوجود آدمی میں آراستگی اور زینت نہیں آسکتی۔
اس طریق پر چلنے کے لئے اور اپنے نفس کو قابو میں کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ غصہ نہ کرو۔ اس لئے فرمایا "لاتغضب" یہی پہلا سبق ہے اور یہی مختصر نصیحت ہے اور یہی اللہ جل جلالہ کے غضب سے بچنے کا طریقہ بھی ہے۔

غصہ سے بچنے کی تدابیر

اور صرف یہ نہیں ہے کہ حکم دے دیا کہ غصہ نہ کرو، بلکہ غصہ سے بچنے کی تدبیر قرآن کریم نے بھی بتائی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بتلائی اس تدبیر کے ذریعہ غصہ کو دبانے کی مشق کی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر جو غصہ آجاتا ہے، اور طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہوجاتا ہے، اس غیر اختیار ہیجان پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن طبیعت میں جو ہیجان اور اوشن پیدا ہوئی جو جوش آیا۔ اس جوش کو اپنی حد کے اندر رکھے، اور اس کا اثر اپنے کسی فعل پر نہ آنے دے مثلاً کسی پر غصہ آیا، اور دل میں اوشن پیدا ہوئی تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لیکن اگر اس غصے کے

نتیجے میں کسی کو مار دیا، یا کسی کو ڈانٹ دیا، یا برا بھلا کہہ دیا تو گویا کہ اس غصے کے تقاضے پر عمل کرلیا۔ اب اس پر پکڑ ہو جائے گی اور یہ گناہ ہے۔

غصہ کے وقت "اعوذ باللہ" پڑھ لو

لہٰذا جب کبھی دل میں یہ ہیجان اور اونن پیدا ہو تو پہلا کام وہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر تلقین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (الاعراف ۲۰۰)۔

یعنی جب تمہیں شیطان کوئی کچوکہ لگائے تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھو۔ اے اللہ! میں شیطان مردود سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ شیطان نے اپنا کچوکہ لگایا۔ لیکن تم نے اللہ سے پناہ مانگ لی تو اب انشاء اللہ اس غصے کے برے نتائج سے اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ لہٰذا اس بات کی عادت ڈال لو کہ جب غصہ آئے تو فوراً "اعوذ باللہ" پڑھ لو۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرا سے دھیان اور مشق کی ضرورت ہے۔

غصہ کے وقت بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ

غصہ کے وقت دوسرا کام وہ کرو جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اور یہ بڑا عجیب و غریب اور نفسیاتی کام ہے۔ فرمایا کہ جب طبیعت میں غصے کی تیزی ہو تو اس وقت اگر تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر پھر بھی غصہ میں کمی نہ آئے تو لیٹ جاؤ کیونکہ غصے کی خاصیت یہ ہے کہ اوپر دماغ کی طرف چڑھتا ہے، اور جب غصہ کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان اوپر کی طرف اٹھتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ غصہ کے وقت اگر انسان لیٹا ہوا ہوگا تو اٹھ کر بیٹھ جائے گا۔ اگر بیٹھا ہوگا تو

کھڑا ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو ختم کرنے کی تدبیر یہ بتائی کہ تم اس کے الٹ کام کرو۔ لہٰذا اگر غصہ کے وقت کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اور اپنے آپ کو نچلی حالت پر لے آؤ۔ یہ تدبیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ غصے کے نتیجے میں نہ جانے کس مصیبت کے اندر مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے یہ تدبیر بتائی۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب مایقال عند الغضب)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آدمی اس وقت ٹھنڈا پانی پی لے۔

غصہ کے وقت اللہ کی قدرت کو سوچے

ایک تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس وقت یہ سوچے کہ جس طرح کا غصہ میں اس آدمی پر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اس طرح کا غصہ کردے تو پھر اس وقت میرا کیا حال ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر غصہ کررہے ہیں، اور برا بھلا کہہ رہے ہیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان سے فرمایا۔ للہ اقدر علیک منک علیہ یاد رکھو، تمہیں جتنی قدرت اور اختیار اس غلام پر حاصل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ قدرت اور اختیار اللہ تعالیٰ کو تم پر حاصل ہے۔ تم اپنے اختیار کو استعمال کرکے اس کو تکلیف پہنچا رہے ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ اختیار تم پر حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حلم

اللہ تعالیٰ کا حلم تو دیکھو کہ کس طرح برملا ان کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں۔ کفر کیا جارہا ہے۔ شرک کیا جارہا ہے۔ ان کے وجود تک کا انکار کیا جارہا ہے۔ اس کے باوجود

پھر بھی ان سب کو رزق دے رہے ہیں۔ بلکہ اپنے بعض نافرمانوں پر دنیاوی دولت کے انبار لگادیئے ہیں، ان کے حلم کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ اس لئے فرمایا۔ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ" اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور یہ سوچو کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے غصے کو اپنے بندوں پر استعمال نہیں فرماتے اور مجھ پر اپنا غصہ استعمال نہیں فرمارہے ہیں تو میں اپنے ماتحتوں پر غصہ کیوں استعمال کروں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام کو ڈانٹنا

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو آپ نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ﴾

یعنی ایک طرف آپ غلام کو لعنت ملامت بھی کریں اور دوسری طرف "صدیق" بھی بن جائیں۔ رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ یعنی آپ کا مقام تو "صدیقیت" کا مقام ہے، اور صدیقیت کے ساتھ یہ چیز جمع نہیں ہوسکتی۔ اس طریقے سے آپ ﷺ نے ان کو غصہ کرنے سے منع فرمایا۔ لہٰذا جب دوسرے پر غصہ آئے تو یہ تصور کرلو کہ جتنا قابو اور قدرت مجھے اس بندے پر حاصل ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو مجھ پر حاصل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ میری پکڑ فرمالیں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہوگا۔ بہرحال غصہ کو دبانے کی یہ مختلف تدبیریں ہیں جو قرآن کریم نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں بتائیں۔

شروع میں غصہ کو بالکل دبادو

ابتداء میں جب انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا شروع کرے تو اس وقت حق

ناحق کی فکر بھی نہ کرے۔ یعنی بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں پر غصہ کرنا جائز اور برحق ہوتا ہے، لیکن ایک مبتدی کو جو اپنے نفس کی اصلاح کرنا شروع کر رہا ہو۔ اس کو چاہئے حق اور ناحق کی تفریق کئے بغیر ہر موقع پر غصہ کو دبائے، تاکہ رفتہ رفتہ یہ مادہ خبیثہ اعتدال پر آجائے۔ اگر ایک مرتبہ اس کو دبا دیا جائے، اور اس کا زہر نکال دیا جائے تو اس کے بعد جب اس غصے کو استعمال کیا جائے گا تو پھر انشاء اللہ صحیح جگہ پر استعمال کیا جائے گا، لیکن شروع شروع میں کسی بھی موقع پر غصہ نہ کرو۔ چاہے تم کو یہ معلوم ہو کہ یہاں غصہ کرنے کا مجھے حق ہے۔ پھر بھی نہ کرو، اور جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو پھر اگر غصہ کیا جائے گا تو وہ غصہ حد کے اندر رہتا ہے حد سے آگے نہیں بڑھتا اور اعتدال سے متجاوز نہیں ہوتا۔

غصہ میں اعتدال

بعض اوقات غصے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ خاص طور پر جو لوگ اپنے زیر تربیت ہیں۔ مثلاً باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ استاد کو اپنے شاگردوں پر، شیخ کو اپنے مریدوں پر ان کی اصلاح کی خاطر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اتنا ہی غصہ کرنا چاہئے۔ ضرورت سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر آدمی ضرورت سے آگے بڑھے گا تو اس میں اپنی نفسانیت شامل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں وہ گناہ گار بھی ہوگا، اور اس میں بے برکتی شامل ہو جائے گی۔

اللہ والوں کے مختلف مزاجی رنگ

اکثر اولیاء اللہ کے بارے میں تو آپ نے سنا ہوگا کہ وہ اپنے تمام متعلقین کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غصہ وغیرہ نہیں کرتے۔ لیکن اللہ والوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ کسی پر غلبہ رحمت کا ہوتا ہے تو وہ رحمت اور شفقت ہی

کے ذریعہ اپنے متعلقین کا علاج کرتے رہتے ہیں اور کسی پر جلال کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ اس جلال کے ذریعہ علاج کرتے ہیں، لیکن وہ جلال قابو میں رہتا ہے۔ وہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ یہ جو مشہور ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ بڑے جلالی بزرگ تھے تو جلالی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ موقع بے موقع ہر وقت غصہ کرتے تھے، اور حد سے زیادہ غصہ کرتے تھے، بلکہ جس وقت جتنا غصہ کرنے کا حق تھا اور تربیت باطنی کے لئے اس کی ضرورت سمجھتے تھے اس کے مطابق وہ غصہ کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بڑے جلالی بزرگ تھے۔ فاروقی تھے۔ یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اس لئے طبیعت میں غیرت بھی تھی۔ لیکن زیر تربیت افراد کے لئے کبھی بھی غصہ اپنی حد سے متجاوز نہیں ہوتا تھا اور عام حالات میں علم اور تحمل کا معاملہ بھی رہتا تھا۔

غصہ کے وقت مت ڈانٹو

آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں دوسروں کو بھی یہ تلقین کرتا ہوں۔ اور خود میرا عمل بھی یہ ہے کہ جو آدمی میرے زیر تربیت ہے، اس پر تو میں غصہ کرلیتا ہوں، لیکن جو شخص میرے زیر تربیت نہیں ہے۔ اس کے اوپر کبھی غصہ نہیں کرتا ہوں، اور فرماتے تھے کہ "جس وقت طبیعت میں اشتعال اور غصہ ہو۔ اس وقت مت ڈانٹو۔ بلکہ اس وقت خاموش ہو جاؤ، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر ڈانٹو۔ اس لئے کہ مصنوعی غصہ کبھی حد سے نہیں نکلے گا، اور اشتعال کی موجودگی میں غصہ کروگے تو حد سے متجاوز ہو جاؤ گے۔" آپ فرمایا کرتے تھے کہ "الحمد للہ، جب میں کسی کو اس کی تادیب اصلاح کے لئے سزا بھی دے رہا ہوتا ہوں تو عین سزا دینے کے وقت بھی ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ اس کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے اور یہ مجھ سے افضل ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس

کام پر مامور ہوں۔ اس لئے یہ کام کر رہا ہوں۔" پھر اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ "جیسے اگر بادشاہ اپنے شہزادے کی کسی نامناسب بات پر خفا ہو کر جلاد کو حکم دے کہ اس شہزادے کو کوڑے لگاؤ، تو اب وہ جلاد بادشاہ کے حکم پر شہزادے کو کوڑے تو مارے گا، لیکن مارتے وقت بھی جلاد یہ سمجھ رہا ہو گا کہ یہ شہزادہ ہے۔ میں جلاد ہوں۔ درجہ اس کا بلند ہے۔ لیکن ایک حکم کی خاطر مجبوراً اس کو کوڑے مار رہا ہوں۔" پھر فرمایا کہ الحمدللہ، عین غصہ کے وقت بھی یہ دھیان میرے دل سے جاتا نہیں ہے کہ درجہ اس کا بلند ہے، لیکن ضرورت کے تحت کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ مجھ پر عائد کر دیا ہے اس لئے میں اس کو ڈانٹ رہا ہوں یا سزا دے رہا ہوں۔

فرمایا کرتے تھے یہ کہ میں ایک طرف تو اس سے باز پرس اور مؤاخذہ کر رہا ہوتا ہوں اور ڈانٹ ڈپٹ کر رہا ہوتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ دل میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! جس طرح میں اس سے مؤاخذہ کر رہا ہوں۔ آخرت میں آپ مجھ سے مؤاخذہ مت فرمائیے گا، اور جس طرح میں اس کو ڈانٹ رہا ہوں۔ یا اللہ! قیامت کے روز میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ فرمائیے گا، کیونکہ میں جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ آپ کے حکم کے تحت کر رہا ہوں ــــ بہرحال، اصلاح و تربیت کی ضرورتوں کے مواقع پر ان رعایتوں کے ساتھ آپ کا غصہ تھا۔ لوگوں نے ویسے ہی مشہور کر دیا کہ آپ بڑے جلالی بزرگ تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پرانے خادم بھائی نیاز صاحب مرحوم تھے۔ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ چونکہ بہت عرصے سے حضرت والا کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے طبیعت میں تھوڑا سا ناز بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت کے پاس آکر ان کی شکایت کی کہ یہ بھائی نیاز صاحب بڑے منہ چڑھ گئے ہیں، اور بعض اوقات لوگوں کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ حضرت

والا کو تشویش ہوئی کہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو اس طرح ناحق ڈانٹنا تو بری بات ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو بلا کر ان سے کہا۔ میاں نیاز! یہ کیا حرکت ہے کہ تم ہر ایک کو ڈانٹتے پھرتے ہو! بھائی نیاز صاحب کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ "حضرت جی! جھوٹ مت بولو، اللہ سے ڈرو" بظاہر بھائی نیاز صاحب یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے آپ سے میری شکایت کی ہے کہ میں لوگوں کو ڈانٹا پھرتا ہوں، وہ لوگ جھوٹ نہ بولیں۔ اللہ سے ڈریں۔ لیکن ان کے منہ سے نکل گیا کہ "جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو" دیکھئے، ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے کہ "جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو" ایسے موقع پر وہ نوکر اور زیادہ سزا کا اور ڈانٹ کا مستحق ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے فوراً نظر نیچے کی، اور "استغفر اللہ، استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

بات دراصل یہ ہوئی کہ ان کے اس کہنے سے حضرت والا کو یہ تنبیہ ہوئی کہ میں نے یک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی نے ان کے بارے میں اطلاع دی تھی کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور خود ان سے یہ نہیں پوچھا کہ اصل واقعہ کیا تھا، اور صرف اس اطلاع پر میں نے ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا، یہ بات میں نے ٹھیک نہیں کی۔ اس لئے فوراً "استغفر اللہ" کہہ کر وہاں سے چلے گئے ـــــ ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جلالی بزرگ تھے اور لوگوں کو بڑی ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے۔

ڈانٹ ڈپٹ کے وقت اس کی رعایت کریں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت میں ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سوائے شفقت اور محبت کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ البتہ بعض اوقات لوگوں کی اصلاح کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ بھی ان رعایتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ بہرحال اگر

کوئی چھوٹا ہے اور اس کو ڈانٹنے کی ضرورت پیش آئے تو آدمی کو ان باتوں کی رعایت کرنی چاہئے۔ مثلاً سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھے کہ اس ڈانٹ ڈپٹ سے اپنا غصہ نکالنا مقصود نہ ہو، بلکہ اصل مقصود اس کی اصلاح اور اس کی تربیت ہو۔ جس کا طریقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتادیا کہ عین اشتعال کے وقت کوئی اقدام مت کرو، بلکہ جب اشتعال ٹھنڈا ہو جائے اس کے بعد سوچ سمجھ کر جتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مصنوعی غصہ پیدا کر کے اتنا ہی غصہ کرو، نہ اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ ہو، لیکن اگر اشتعال کی حالت میں غصہ پر عمل کرلیا تو غصہ قابو سے باہر ہو جائے گا اور تم سے زیادتی ہو جائے گی۔

غصہ کا جائز محل

اب دیکھنا یہ ہے کہ غصہ کا صحیح محل اور صحیح جگہ کیا ہے؟ غصہ کرنے کا سب سے پہلا محل اور صحیح جگہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی اور گناہ ہیں۔ ان چیزوں سے انسان نفرت کرے اور ان چیزوں کو دور کرنے کے لئے جتنا غصہ درکار ہے۔ اتنا غصہ انسان استعمال کرے، یہ غصہ کا پہلا موقع ہے۔

کامل ایمان کی چار علامتیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ اَعْطٰی لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، وَاَحَبَّ لِلّٰهِ، وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ﴾

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب نمبر۶۱)

یعنی جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے اور اگر کسی کو کسی چیز سے روکے اور منع کرے، تو اللہ کے لئے منع کرے، اور اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے، اور اگر کسی سے بغض رکھے تو اللہ کے لئے رکھے، تو اس کا ایمان

کامل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے ایمان کامل ہونے کی گواہی دی ہے۔

پہلی علامت

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں ایمان کے کمال کی علامت بتائیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ جب دے تو اللہ کے لئے دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نیکی کے موقع پر کچھ خرچ کررہا ہے تو وہ خرچ کرنا اللہ کے لئے ہو۔ آدمی اپنی ضروریات میں بھی خرچ کرتا ہے۔ اہل و عیال پر بھی خرچ کرتا ہے۔ صدقہ خیرات بھی کرتا ہے۔ ان تمام مواقع پر خرچ کرتے وقت اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ صدقہ خیرات میں آدمی یہ نیت کرے کہ یہ صدقہ میں اس لئے دے رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں اور اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب مجھے عطا فرمائیں۔ اور صدقہ دینے سے احسان جتلانا یا نام و نمود اور دکھاوا مقصود نہ ہو تو اس وقت یہ صدقہ دینا اللہ کے لئے ہوگا۔

دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ "مَنَعَ لِلّٰہِ" یعنی اگر روکے تو اللہ کے لئے روکے۔ مثلاً کسی جگہ پر کسی موقع پر پیسہ خرچ کرنے سے بچایا۔ وہ بچانا بھی اللہ کے لئے ہو۔ اس لئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو تو اب فضول خرچی سے بچنے کے لئے میں اپنا پیسہ بچارہا ہوں۔ یہ روکنا بھی اللہ کے لئے ہوگیا۔ یہ بھی ایمان کی علامت ہے۔

تیسری اور چوتھی علامت

تیسری علامت یہ ہے کہ "وَاَحَبَّ لِلّٰہِ" یعنی اگر کسی سے محبت کرے تو وہ

بھی اللہ کے لئے کرے۔ مثلاً کسی اللہ والے سے جو محبت ہوجاتی ہے تو یہ محبت پیسہ کمانے کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے محبت اس لئے ہوتی ہے کہ ان سے تعلق رکھیں گے تو ہمارا دینی فائدہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں گے۔ یہ محبت صرف اللہ کے لئے ہے،اور ایمان کی علامت ہے۔ اسی طرح اس کی ہر محبت رضاء الٰہی کی خاطر ہو۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ "وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ" یعنی بغض اور غصہ بھی اللہ کے لئے ہو۔ جس آدمی پر غصہ ہے یا جس آدمی سے بغض ہے۔ وہ اس کی ذات سے نہیں ہے، بلکہ اس کے کسی برے عمل سے ہے یا اس کی کسی ایسی بات سے ہے جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ غصہ اور ناراضگی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور غصہ کرنے کا ایک جائز محل یہ ہے۔

ذات سے نفرت نہ کریں

اس لئے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نفرت اور بغض کافر سے نہیں بلکہ اس کے "کفر" سے ہے۔ "فاسق" سے بغض نہیں بلکہ اس کے "فسق" سے بغض ہے۔ نفرت اور بغض گناہ گار سے نہیں بلکہ اس کے گناہ سے ہے جو آدمی فسق و فجور اور گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اس کی ذات غصہ کا محل نہیں ہے بلکہ اس کا فعل غصہ کا محل ہے۔ اس لئے کہ ذات تو قابل رحم ہے۔ وہ بیچارہ بیمار ہے۔ کفر کی بیماری میں مبتلا ہے۔ فسق کی بیماری میں مبتلا ہے اور نفرت بیمار سے نہیں ہوتی بلکہ بیماری سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر بیمار سے نفرت کروگے تو پھر اس کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ لہٰذا فسق و فجور سے اور کفر سے نفرت ہوگی۔ اس کی ذات سے نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی ذات فسق و فجور سے باز آجائے تو وہ ذات گلے لگانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے اس سے کوئی پرخاش اور کوئی ضد نہیں۔

حضور ﷺ کا طرز عمل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھئے وہ ذات جس نے آپ ؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا۔ یعنی حضرت ہندہ اور جو اس کے سبب بنے۔ یعنی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ۔ جب یہ دونوں اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے اور اسلام قبول کرلیا تو اب وہ آپ ؐ کے اسلامی بہن اور بھائی بن گئے۔ آج حضرت وحشی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں۔ ہندہ جنہوں نے کلیجہ چبایا تھا۔ آج ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کہا جاتا ہے۔ بات اصل یہ تھی کہ ان کی ذات سے کوئی نفرت نہیں تھی، بلکہ ان کے فعل اور ان کے اعتقاد سے نفرت تھی اور جب وہ برا فعل اور برا اعتقاد ختم ہوگیا، تو اب ان سے نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت "صوفی" کے مشہور تھے، اور یہ بڑے عالم "مفتی اور فقیہ" کی حیثیت سے مشہور تھے، اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے یہاں سماع کا رواج تھا۔ "سماع" کا مطلب ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے عمدہ مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آوازی سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ "بدعت" قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے

کے مولانا حکیم الدین ضیاء صاحب نے بھی "سماع" کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" سنتے تھے۔

جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے، اور یہ اطلاع کرائی کہ جاکر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب بھجوایا کہ ان کو باہر روک دیں میں مرنے کے وقت کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ بدعتی، بدعت سے توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں، ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھی کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اسی شان سے اندر تشریف لے گئے۔ آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین کی وفات کا وقت آگیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ، حکیم ضیاء الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ حالت تھی کہ صورت دیکھنا گوارہ نہیں۔ تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ میری پگڑی پر پاؤں رکھ کر اندر تشریف لائیں۔

غصہ اللہ کے لئے ہو

بہرحال جو بغض اور غصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، وہ کبھی ذاتی دشمنیاں پیدا نہیں کرتا اور وہ عداوتیں پیدا نہیں کرتا وہ فتنے پیدا نہیں کرتا کیونکہ جس آدمی سے بغض

کیا جارہا ہے، جس پر غصہ کیا جارہا ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ اس کو میری ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ میرے خاص فعل سے اور خاص حرکت سے ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس کی بات کا برا نہیں مانتے۔ اس لئے کہ جانتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اللہ کے لئے کہہ رہا ہے۔ اس کو فرماتے ہیں:

﴿مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ﴾

یعنی جس سے تعلق اور محبت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے، اور جس سے بغض اور نفرت ہے، تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے تو یہ غصہ کا بہترین محل ہے۔ بشرطیکہ یہ غصہ شرعی حد کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم کو عطا فرمادے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے ہو، غصہ اور بغض ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو۔

لیکن یہ غصہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے منہ میں لگام پڑی ہوئی ہو کہ جہاں اللہ کے لئے غصہ کرنا ہے وہاں تو ہو اور جہاں غصہ نہیں کرنا ہے وہاں لگام ڈال کر اس کو روک دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے۔ ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں برداشت کرسکتے تھے۔ فوراً اس کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے۔ اس نے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا۔ آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ ایسے میں

آپ اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا، اور اس کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آگیا، اور میں نے اس کو گرادیا۔ لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا۔ اب مجھے اور زیادہ غصہ آیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا اور اسی وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے۔ لہٰذا میں اس کو اور زیادہ ماروں تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں اس کو چھوڑ کر الگ ہو گیا —— یہ درحقیقت اس حدیث "مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ" پر عمل فرما کر دکھادیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام دے رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے۔ بس وہاں تک تو غصہ کرتا ہے، اور جہاں اس غصہ کا جائز موقع ختم ہو جائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہو جائے کہ جیسے کہ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہیں حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔ "كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰهِ" یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آرہا

ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دیا یہ غصے کی وجہ سے تو دیا اور غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی خاص اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے۔ وہاں جاکر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوالوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا۔ اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگادیا۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے۔ جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے، انہوں

نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگادیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگادیا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے کہ "من احب للہ وابغض للہ" پہلے جو غصہ اور بغض ہوا تھا وہ اللہ کے لئے ہوا تھا اور اب جو محبت ہے وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ جو شخص یہ کام کرلے اس نے اپنا ایمان کامل بنالیا۔ یہ ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

مصنوعی غصہ کرکے ڈانٹ لیں

بہرحال، اس "بغض فی اللہ" کی وجہ سے بعض اوقات غصے کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے جو زیر تربیت ہوتے ہیں۔ جیسے استاد ہے اس کو اپنے شاگردوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ شیخ کو اپنے مریدوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ غصہ اس حد تک ہونا چاہئے۔ جتنا اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعت میں اشتعال ہو۔ اس وقت غصہ نہ کرے۔ مثلاً استاد کو شاگرد پر غصہ آگیا اور اشتعال پیدا ہوگیا۔ اس اشتعال اور غصہ کے وقت ڈانٹ ڈپٹ اور مارپیٹ نہ کرے بلکہ جب طبیعت میں وہ اشتعال اور غصہ ختم ہوجائے اس وقت مصنوعی غصہ کرکے ڈانٹ ڈپٹ کرلے تاکہ یہ ڈانٹ ڈپٹ حد سے متجاوز نہ ہو۔ یہ کام ذرا مشکل ہے، کیونکہ انسان غصہ کے وقت بے قابو ہوجاتا ہے۔ لیکن جب تک اس کی مشق نہیں کریگا اس وقت تک اس غصہ کے مفاسد اور برائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔

چھوٹوں پر زیادتی کا نتیجہ

اور پھر جو زیر تربیت افراد ہوتے ہیں جیسے اولاد، شاگرد، مرید۔ ان پر اگر غصہ کے وقت حد سے تجاوز ہوجائے تو بعض صورتوں میں یہ بات بڑی خطرناک ہوجاتی

ہے کیونکہ جس پر غصہ کیا جارہا ہے وہ اگر آپ سے بڑا ہے یا برابر کا ہے تو آپ کے غصہ کرنے کے نتیجے میں اس کو جو ناگواری ہوگی اس کا اظہار بھی کردے گا اور وہ بتادیگا کہ تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا کم ازکم بدلہ لے لے گا لیکن جو تمہارا ماتحت اور چھوٹا ہے وہ تم سے بدلہ لینے پر تو قادر نہیں ہے بلکہ اپنی ناگواری کے اظہار پر بھی قادر نہیں۔ چنانچہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے یا شاگرد استاد سے یا مرید اپنے شیخ سے یہ نہیں کہے گا کہ آپ نے فلاں وقت جو بات کہی تھی وہ مجھے ناگوار ہوئی۔ اس لئے آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ نے اس کی کتنی دل شکنی کی ہے اور جب پتہ نہیں چلے گا تو معافی مانگنا بھی آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ بہت نازک معاملہ ہے اور خاص طور سے جو چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ تو بہت ہی نازک ہے۔ اس لئے کہ وہ نابالغ بچے ہیں اور نابالغ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ معاف بھی کردے تو معافی نہیں ہوتی کیونکہ نابالغی کی معافی معتبر نہیں۔

خلاصہ

بہرحال، آج کی مجلس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ غصہ بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور اس کے ذریعہ بے شمار باطنی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداء میں تو یہ کوشش کرے کہ غصہ کا اظہار بالکل نہ ہو، بعد میں جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو اس وقت یہ دیکھے کہ کہاں غصہ کا موقع ہے کہاں غصہ کا موقع نہیں۔ جہاں غصہ کا جائز محل ہو، بس وہاں جائز حد تک غصہ کرے، اس سے زیادہ نہ کرے۔

غصہ کا غلط استعمال

جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ "بغض فی اللہ" یعنی اللہ کے لئے تو غصہ

کرنا چاہئے۔ لیکن بعض لوگ اس کا انتہائی غلط استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن حقیقت میں وہ غصہ نفسانیت اور تکبر اور دوسرے کی حقارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے ذرا سی دین پر چلنے کی توفیق دے دی اور دین پر ابھی چلنا شروع کیا تو اب ساری دنیا کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ میرا باپ بھی حقیر، میری ماں بھی حقیر، میرا بھائی بھی حقیر، میری بہن بھی حقیر، میرے سارے گھر والے حقیر ہیں۔ ان سب کو حقیر سمجھنا شروع کردیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ سب تو جہنمی ہیں میں جنتی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ان جہنمیوں کی اصلاح کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب ان کی اصلاح کے لئے ان پر غصہ کرنا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا اور ان کی تحقیر کرنی اور ان کے حقوق تلف کرنا شروع کردیا اور پھر شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میں جو کچھ کررہا ہوں۔ یہ بغض فی اللہ کے ماتحت کررہا ہوں حالانکہ حقیقت میں یہ سب نفسانیت کے تحت کرتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ دین پر نئے نئے چلنے والے ہوتے ہیں۔ شیطان ان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ ان کو بغض فی اللہ کا سبق پڑھا کر ان سے دوسرے مسلمانوں کی تحقیر اور تذلیل کراتا ہے اور اس کے نتیجے میں لڑائیاں، جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں پر غصہ کرتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں کو ٹوک رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں فساد پھیل رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک جملہ

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ و فساد پیدا نہیں کرتی۔ گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔ نمبر ایک، بات حق ہو، نمبر دو، نیت حق ہو، نمبر تین، طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص

کسی برائی کے اندر مبتلا ہے اب اس پر ترس کھا کر نرمی، شفقت سے اس کو سمجھائے تاکہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے۔ یہ نیت ہو۔ اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو اور طریقہ بھی حق ہو۔ یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو عموماً فتنہ پیدا نہیں ہوتا اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہوگیا تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک موجود نہیں تھی، یا تو بات حق نہیں تھی، یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔

تم خدائی فوجدار نہیں ہو

یہ بات رکھیں کہ تم خدائی فوجدار بن کر دنیا میں نہیں آئے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ حق بات حق نیت اور حق طریقے سے دوسروں کو پہنچاؤ اور مناسب طریقے سے مسلسل پہنچاتے رہو۔ اس کام سے کبھی مت اکتاؤ لیکن ایسا کوئی کام مت کرو جس سے فتنہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مومن ایک آئینہ ہے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : مؤمن ایک آئینہ ہے

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤمن ایک آئینہ ہے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمن مرأۃ المؤمن﴾ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔ یہ حدیث اگرچہ بہت مختصر ہے اور صرف تین الفاظ پر مشتمل ہے۔ لیکن اس حدیث میں ہمارے اور آپ کے لئے تعلیمات کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے

کہ جس طرح ایک انسان جب آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کو آئینہ کے اندر اپنی شکل نظر آتی ہے، اور وہ آئینہ شکل و صورت کی تمام اچھائیاں اور برائیاں اس انسان کو بتادیتا ہے کہ کیا اچھائی ہے اور کیا برائی ہے۔ اس لئے کہ بہت سی برائیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو خود معلوم نہیں ہوتیں، لیکن آئینہ بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے۔ مثلاً اگر تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے تو وہ آئینہ بتادے گا کہ تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے کہ اگر ایک مؤمن میں کوئی خرابی یا برائی یا عیب ہے تو دوسرا مؤمن اس کو بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ خرابی یا یہ برائی ہے، تم اس کو دور کرلو۔ اس کی اصلاح کرلو۔ اس بتانے کے نتیجے میں وہ اس خرابی کو دور کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا مطلب کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔

تمہاری غلطی بتانے والا تمہارا محسن ہے

اس حدیث شریف میں دونوں کے لئے سبق ہے، جو شخص دوسرے کے اندر خرابی دیکھ کر اس کو بتاتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، اس کے لئے بھی سبق ہے، اور جس شخص کو بتایا جارہا ہے اس کے لئے بھی اس حدیث میں سبق ہے۔ لہٰذا جس شخص کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے اس کو دور کرلو، اس کے لئے اس حدیث میں یہ سبق ہے کہ وہ خرابی بتانے والے پر ناراض نہ ہو، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے، اگر کوئی شخص آئینہ کے سامنے کھڑا ہوجائے اور آئینہ یہ بتادے کہ تمہارے چہرے پر فلاں قسم کا داغ دھبہ لگا ہوا ہے اس کو دور کرلو تو وہ شخص اس آئینہ پر ناراض نہیں ہوتا، اور اس پر غصہ نہیں کرتا کہ تم نے مجھے یہ داغ دھبہ کیوں بتایا، بلکہ وہ شخص اس آئینہ کا احسان مند ہوتا ہے

کہ اچھا ہوا کہ تم نے میرے چہرے کا داغ بتادیا، اب میں اس کو صاف کرلوں گا۔
بالکل اسی طرح ایک مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔ اگر تمہارا ایک
مؤمن بھائی تمہیں بتارہا ہے کہ تمہارے اندر یہ بُرائی یا یہ عیب ہے۔ یا تمہاری نماز
کے اندر یہ غلطی ہے، یا تمہارے معاملات میں یہ غلطی ہے تو تمہیں اس کے کہنے کا
بُرا نہیں ماننا چاہئے، اور اس پر غصہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں یہ عیب کیوں
بتایا۔ اور اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کا احسان سمجھنا چاہئے کہ اس نے
تمہیں تمہاری غلطی بتادی۔ اور یہ کہنا چاہئے کہ اب انشاء اللہ میں اپنی اصلاح کی فکر
کروں گا اور اس عیب کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

غلطی بتانے والے علماء پر اعتراض کیوں؟

آج کل لوگ علماء کرام پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ علماء تو
ہر ایک کو کافر اور فاسق بناتے رہتے ہیں۔ کسی پر کفر کا فتویٰ لگادیا۔ کسی پر فاسق
ہونے کا فتویٰ لگادیا۔ کسی پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگادیا۔ ان کی ساری عمر اسی کام میں
گزرتی ہے کہ دوسروں کو کافر بناتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا
اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء لوگوں کو کافر بناتے نہیں
ہیں بلکہ کافر بتاتے ہیں۔ جب کسی شخص نے کفر کا ارتکاب کرلیا تو اصل میں تو خود
اس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اس کے بعد علماء کرام یہ بتاتے ہیں کہ تمہارا یہ
عمل کفر ہے۔ جس طرح آئینہ تمہیں بتاتا ہے کہ تم بدصورت ہو، تمہارے چہرے پر
دھبہ لگا ہوا ہے، وہ آئینہ بناتا نہیں اور نہ داغ دھبہ لگاتا ہے۔ اسی طرح علماء کرام
بھی یہ بتاتے ہیں کہ تم نے جو عمل کیا ہے وہ کفر کا عمل ہے، یا فسق کا عمل ہے یا
بدعت کا عمل ہے۔ لہٰذا جس طرح آئینہ کو بُرا بھلا نہیں کہا جاتا اور نہ آئینہ پر یہ
الزام لگایا جاتا ہے کہ آئینہ نے میرے چہرے پر داغ لگادیا۔ بالکل اسی طرح علماء پر
بھی یہ الزام نہیں لگانا چاہئے کہ انہوں نے کافر یا فاسق بتادیا۔ اور ان پر ناراضگی کا

اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کا احسان ماننا چاہئے کہ انہوں نے ہمارا عیب بتادیا۔ اب ہم اس کی اصلاح کریں گے۔

ڈاکٹر بیماری بتاتا ہے، بیمار نہیں بناتا

مثلاً بعض اوقات ایک انسان کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہوتا کہ میرے اندر فلاں بیماری ہے۔ لیکن جب وہ کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ ڈاکٹر بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے۔ اب ڈاکٹر کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس شخص کو بیمار بنادیا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا جو بیماری خود تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی اور تم اس کی طرف سے غافل تھے۔ ڈاکٹر نے بتادیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، اس کا علاج کرلو۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد یعنی (میرے دادا) بیمار تھے، دیوبند میں قیام تھا۔ اس وقت دھلی میں ایک حکیم نابینا بہت مشہور تھے۔ اور بہت حاذق اور ماہر حکیم تھے۔ ان کا علاج چل رہا تھا۔ میں دیو بند سے دھلی گیا تاکہ والد صاحب کا حال بتاکر دوا لے لوں، چنانچہ میں ان کے مطب میں پہنچا، اور حضرت والد صاحب کا حال بتایا اور کہا کہ ان کی دوا دیدیں۔ حکیم صاحب نابینا تھے۔ جب انہوں نے میری آواز سنی تو فرمایا کہ میں تمہارے والد صاحب کی دوا تو بعد میں دوں گا، پہلے تم اپنی دوا لو۔ میں نے کہا کہ میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں، کوئی بیماری نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ تم اپنی دوا لو۔ صبح یہ کھانا، دوپہر یہ کھانا اور شام کو یہ کھانا۔ اور جب ایک ہفتے کے بعد آؤ تو اپنا حال بیان کرنا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے میری دوا دی۔ اور پھر والد صاحب کی دوا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو والد صاحب کو بتایا کہ حکیم

صاحب نے اس طرح مجھے بھی دوا دی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح حکیم صاحب نے فرمایا ہے، اسی طرح کرو اور ان کی دوا استعمال کرو۔ جب ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ حکیم صاحب کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب! اب تک یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا اور نہ کوئی بیماری معلوم ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گذشتہ ہفتہ جب تم آئے تھے تو تمہاری آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے پھیپھڑوں میں خرابی ہوگئی ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ کہیں آگے چل کر ٹی بی کی شکل اختیار نہ کرلے۔ اس لئے میں نے تمہیں دوا دی۔ اور اب الحمد للہ تم اس بیماری سے بچ گئے۔ دیکھئے! بیمار کو پتہ نہیں ہے کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ اور معالج اور ڈاکٹر کا یہ بتانا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، یہ اس کا احسان ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر نے بیمار بنادیا، بلکہ اس نے بتادیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری پیدا ہو رہی ہے، تاکہ تم علاج کرلو۔ اب اس بتانے کی وجہ سے ڈاکٹر پر غصہ کرنے اور اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔

بیماری بتانے والے پر ناراض نہیں ہونا چاہئے

البتہ بتانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، کسی نے آپ کے عیب اور آپ کی خرابی کو اچھے طریقے سے بتادیا۔ اور کسی نے بے ڈھنگے طریقے سے بتادیا۔ لیکن اگر کسی نے آپ کی بُرائیاں ایسے طریقے سے آپ کو بتائیں جو طریقہ مناسب نہیں تھا، تب بھی اس نے تمہاری ایک بیماری پر تمہیں مطلع کیا۔ اس لئے تمہیں اس کا احسان ماننا چاہئے۔ عربی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ "میرا سب سے بڑا محسن وہ ہے جو میرے پاس میرے عیوب کا ہدیہ پیش کرے۔ جو مجھے بتائے کہ میرے اندر کیا عیب ہے۔ اور جو شخص تعریف کر رہا ہے کہ تم ایسے اور ویسے ہو، اور اس کو بڑھا چڑھا رہا ہے، جس کے نتیجے میں دل میں کبر اور غرور پیدا ہو رہا ہے، یہ بظاہر تو دیکھنے میں اچھا معلوم ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ لیکن جو شخص تمہارے

عیوب بیان کر رہا ہے اس کا احسان مانو۔ بہرحال، یہ حدیث ایک طرف تو یہ بتا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں تمہاری غلطی بتائے تو اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کے بتانے کو اپنے لئے غنیمت سمجھو، جس طرح آئینہ کے بتانے کو غنیمت سمجھتے ہو۔

غلطی بتانے والا لعنت ملامت نہ کرے

اس حدیث میں دوسرا سبق غلطی بتانے والے کے لئے ہے۔ اس میں غلطی بتانے والے کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور آئینہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یہ بتادیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر اتنا بڑا داغ لگا ہوا ہے۔ اور اس بتانے میں نہ تو وہ کمی زیادتی کرتا ہے، اور نہ اس شخص پر لعنت ملامت کرتا ہے کہ یہ داغ کہاں سے لگالیا بلکہ صرف داغ بتادیتا ہے۔ اسی طرح غلطی بتانے والا مؤمن بھی آئینہ کی طرح صرف اتنی غلطی اور عیب بتائے جتنا اس کے اندر واقعۃً موجود ہے۔ اس کو بڑھا چڑھا کر نہ بتائے اور اس بتانے میں مبالغہ نہ کرے۔ اور اسی طرح صرف اس کو بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ لیکن اس کو اس کے عیب پر لعنت اور ملامت شروع کردے اور لوگوں کے سامنے اس کو ذلیل کرنا شروع کردے، یہ مؤمن کا کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ مؤمن تو آئینہ کی طرح ہے۔ اس لئے اتنی ہی غلطی بتائے جتنی اس کے اندر ہے۔ اور اس پر لعنت ملامت نہ کرے۔

غلطی کرنے والے پر ترس کھاؤ

اور جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو غلطی بتاتا ہے تو اس پر ترس کھاتا ہے کہ یہ بے چارہ اس غلطی کے اندر مبتلا ہوگیا۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہے تو وہ بیمار ترس کھانے کے لائق ہے۔ وہ غصہ کا محل نہیں۔ کوئی شخص اس بیمار پر غصہ

نہیں کرے گا کہ تو کیوں بیمار ہوگیا، بلکہ اس پر ترس کھائے گا اور اس کو علاج کرنے کا مشورہ دے گا۔ اسی طرح ایک مؤمن غلطی اور گناہ کے اندر مبتلا ہے تو وہ ترس کھانے کے لائق ہے۔ وہ غصہ کرنے کا محل نہیں ہے۔ اس کو پیار سے اور نرمی سے بتادو کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے تاکہ وہ اس کی اصلاح کرلے۔ اس پر غصہ یا لعنت ملامت مت کرو۔

غلطی کرنے والے کو ذلیل مت کرو

آج کل ہم کو اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ دوسرے مؤمن کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا بھی ایک فریضہ ہے۔ اگر ایک مسلمان غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے تو تم پر فرض ہے کہ اس کو اس غلطی کے بارے میں بتادو۔ اس لئے کہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اندر داخل ہے اور یہ ہر آدمی پر فرض ہے۔ آج کل کسی کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کو غلطی بتادوں، بلکہ یہ سوچتا ہے کہ غلط پڑھ رہا ہے تو پڑھنے دو۔ اور اگر کسی کو غلطی بتانے کا احساس ہوتا بھی ہے تو یہ احساس اتنی شدت سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھ بیٹھتا ہے، چنانچہ جب وہ دوسروں کو ان کی غلطی بتاتا ہے تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتا ہے۔ اور ان کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا کرنا شروع کردیتا ہے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آئینہ ہو۔ تم لعنت ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ مت کرو۔ نہ اس کو ذلیل اور رسوا کرو۔ بلکہ اس کو ایسے طریقے سے بتاؤ کہ اس کے دل میں تمہاری بات اتر جائے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ

واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں غالباً دریائے فرات کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ ان دونوں نے دیکھا کہ

دریا کے کنارے ایک بڑے میاں وضوء کر رہے ہیں۔ لیکن غلط طریقے سے کر رہے ہیں۔ ان کو خیال آیا کہ ان کو غلطی بتانی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بھی ایک دینی فریضہ ہے کہ دوسروں کی غلطی کو بتایا جائے، لیکن وہ بڑے ہیں اور ہم چھوٹے ہیں، ان کو کس طریقے سے بتائیں کہ ان کا دل نہ ٹوٹے، اور ناراض نہ ہوجائیں۔ چنانچہ دونوں نے مشورہ کیا، اور پھر دونوں مل کر بڑے میاں کے پاس گئے اور جاکر بیٹھ گئے۔ باتیں کرتے رہے۔ پھر کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں۔ ہم جب وضوء کرتے ہیں تو ہمیں شبہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا وضوء سُنّت کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اس لئے ہم آپ کے سامنے وضوء کرتے ہیں، آپ ذرا دیکھیں کہ ہمارے وضوء میں کوئی بات غلط اور خلاف سُنّت تو نہیں ہے؟ اگر ہو تو بتا دیجئے گا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں نے ان کے سامنے وضوء کیا۔ اور پھر وضوء کے بعد ان سے پوچھا کہ اب بتایئے کہ ہم نے اس میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟ بڑے میاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جس طریقے سے وضوء کیا تھا وہ غلط تھا، اور ان کا طریقہ صحیح ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ہی غلط طریقے سے وضوء کیا تھا، اب تمہارے بتانے سے بات واضح ہوگئی۔ اب انشاء اللہ صحیح طریقے سے وضو کروں گا۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کا اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے کہ:

﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ﴾ (سورۃ النحل ۱۲۵)

یعنی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت سے بلاؤ۔ تم کوئی خدائی فوجدار نہیں ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے داروغہ بنادیا ہو کہ لوگوں کو ڈانٹتے پھرو اور ان کو ذلیل کرتے پھرو، بلکہ تم آئینہ ہو، اور جس طرح آئینہ صرف حقیقت حال بتا دیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور سختی نہیں کرتا، اسی طرح تمہیں بھی کرنا چاہئے۔ یہ سبق بھی اس حدیث "المؤمن مرآۃ المؤمن" سے نکل رہا ہے۔

ایک کا عیب دوسرے کو نہ بتایا جائے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت ایک نکتہ یہ بیان فرمایا ہے کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آئے گا اور اس کے اوپر کوئی عیب ہوگا تو وہ آئینہ صرف اسی شخص کو بتائے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ وہ آئینہ دوسروں سے نہیں کہے گا کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے۔ اور نہ اس عیب کا دوسروں کے سامنے تشہیر اور چرچا کرے گا۔ اسی طرح مؤمن بھی ایک آئینہ ہے۔ جب وہ دوسرے کے اندر کوئی عیب دیکھے تو صرف اسی کو خلوت میں خاموشی سے بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، باقی دوسروں سے جاکر کہنا کہ فلاں کے اندر یہ عیب اور یہ غلطی ہے، اور اس غلطی کا دوسروں کے سامنے چرچا کرنا، یہ مؤمن کا کام نہیں۔ بلکہ یہ تو نفسانیت کا کام ہے۔ اگر دل میں یہ خیال ہے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے اس کا یہ عیب بتارہا ہوں تو کبھی بھی وہ شخص دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر دل میں نفسانیت ہوگی تو وہاں یہ خیال آئے گا کہ میں اس عیب کی وجہ سے اس کو ذلیل اور رسوا کروں۔ جب کہ مسلمانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا حرام ہے۔

ہمارا طرز عمل

آج ہم اپنے معاشرے میں ذرا جائزہ لے کر دیکھیں تو ایسے لوگ بہت کم نظر آئیں گے جو دوسروں کی غلطی دیکھ کر اس کو خیر خواہی سے بتادیں کہ تمہاری یہ بات مجھے پسند نہیں آئی یا یہ بات شریعت کے خلاف ہے۔ لیکن اس کی غلطی کا تذکرہ مجلسوں میں کرنے والے بے شمار نظر آئیں گے۔ جس کے نتیجے میں غیبت کے گناہ میں مبتلا ہورہے ہیں۔ افتراء اور بہتان کے گناہ میں مبتلا ہورہے ہیں۔ مبالغہ اور جھوٹ کا گناہ ہو رہا ہے۔ اور ایک مسلمان کو بدنام کرنے کا گناہ ہو رہا ہے۔ اس کے

بجائے بہتر طریقہ یہ تھا کہ تنہائی میں اس کو سمجھا دیتے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہیں، اس کو دور کرلو۔ لہٰذا جب کسی مسلمان بھائی کے اندر کوئی عیب دیکھو تو دوسروں سے مت کہو، بلکہ صرف اس سے کہو۔ یہ سبق بھی اسی حدیث "المؤمن مرآة المؤمن" سے نکل رہا ہے۔

غلطی بتانے کے بعد مایوس ہو کر مت بیٹھو

اس حدیث سے ایک سبق یہ مل رہا ہے کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گا تو وہ آئینہ اس شخص کا عیب اور غلطی بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، اگر دوسری مرتبہ وہ شخص آئینہ کے سامنے آئے گا تو دوسری مرتبہ بتادے گا۔ جب تیسری مرتبہ سامنے آئے گا تو تیسری مرتبہ بتادے گا۔ لیکن وہ آئینہ تمہارے پیچھے نہیں پڑے گا کہ اپنا یہ عیب ضرور دور کرو۔ اگر وہ شخص اپنا وہ عیب دور نہ کرے تو وہ آئینہ روٹھ کر اور تھک ہار کر الگ ہو کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ تم اپنا یہ عیب دور نہیں کر رہے ہو، اس لئے اب میں نہیں بتاؤں گا۔ بلکہ وہ شخص جتنی مرتبہ بھی اس آئینہ کے سامنے آئے گا وہ آئینہ ضرور بتائے گا کہ یہ عیب اب بھی موجود ہے۔ وہ بتانے سے باز نہیں آئے گا اور بددل بھی نہیں ہو گا۔ اور داروغہ بن کر یہ نہیں کہے گا کہ یہ شخص جب تک اپنا عیب دور نہیں کرے گا اس وقت تک اس سے تعلقات نہیں رکھوں گا۔

انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل

یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ بددل ہو کر اور ہار کر نہیں بیٹھ جاتے۔ بلکہ جب بھی موقع ملتا ہے اپنی بات کہے جاتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو داروغہ نہیں سمجھتے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لست علیھم بمصیطر﴾ (سورۃ الغاشیۃ: ۲۲)

یعنی آپ کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ بس جو غلطی کرے، اس کو بتادو اور اس کو متنبہ کردو۔ اب اس کا کام یہ ہے کہ وہ عمل کرے۔ اور اگر وہ عمل نہیں کرتا تو دوبارہ بتادو۔ تیسری مرتبہ بتادو۔ لیکن مایوس ہوکر اور ناراض ہوکر نہ بیٹھ جاؤ کہ یہ شخص مانتا ہی نہیں، اب اس کو کیا بتائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمت پر بہت زیادہ مہربان تھے، اس لئے جب کفار اور مشرکین آپ کی بات نہیں مانتے تھے تو آپ کو شدید صدمہ ہوتا تھا، اس پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین﴾
(الشعراء: ۳)

کیا آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے اس صدمہ کی وجہ سے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے۔ آپ کا کام صرف بات کو پہنچا دینا ہے۔ ماننے یا نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

یہ کام کس کے لئے کیا تھا؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت و تبلیغ کرنے والے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے۔ لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے۔ مایوس ہوکر، یا ناراض ہوکر یا غصہ ہوکر نہ بیٹھ جائے کہ میں نے تو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی، لہٰذا اب میں نہیں کہوں گا، ایسا نہ کرے۔ بلکہ یہ سوچے کہ میں نے یہ کام کس کے لئے کیا تھا؟ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا۔ آئندہ بھی جتنی مرتبہ کروں گا، اللہ کو راضی کرنے کے لئے کروں گا۔ اور ہر مرتبہ مجھے کہنے کا اجر و ثواب مل جائے گا۔ اس لئے میرا تو مقصد حاصل

ہے۔ اب دوسرا مان رہا ہے یا نہیں مان رہا ہے، اس سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتے ہیں اور کس کو ہدایت نہیں دیتے۔

ماحول کی درستی کا بہترین طریقہ

حقیقت یہ ہے کہ ایک مؤمن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا فلاں بھائی اس گناہ کے اندر مبتلا ہے، اس کو ہدایت عطا فرما، اور اس کو سیدھے راستے پر لگادے۔ جب یہ دو کام کرتا ہے تو عموماً اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر ہدایت عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کام کرتے رہیں تو یہ وہ کام ہے کہ اس کی برکت سے سارا ماحول خود بخود سدھر سکتا ہے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خود کار یعنی آٹومیٹک نظام ہے کہ اگر ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو ان شرائط اور آداب کے ساتھ اس کی غلطیوں پر ٹوکتا رہے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اصلاح فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال، اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ مؤمن کا کام بار بار بتادینا ہے۔ اور نہ ماننے کی صورت میں صدمہ اور غم کرنا یا ہار مان کر بیٹھ جانا مؤمن کا کام نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب ایک مؤمن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو ایک نہ ایک دن اس کا کہنا رنگ لاتا ہے، لہٰذا تم آئینہ بن کر کام کرو۔ اور جب دوسرا شخص آئینہ بن کر کام کرے اور تمہیں تمہاری کوئی غلطی بتائے تو تم رنجیدہ اور ناراض مت ہونا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دو سلسلے۔ کتاب اللہ، رجال اللہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب : دو سلسلے۔ کتاب اللہ۔ رجال اللہ

مقام خطاب :

وقت خطاب :

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ہشتم

صفحات : ۱۳

عرض ناشر

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ترمذی شریف کے درس کے افتتاح کے موقع پر دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے ایک افتتاحی تقریر فرمائی، جس میں علم حدیث کی فضیلت اور اہمیت کے بیان کے ساتھ اس بات کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ کوئی علم کوئی فن استاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، چاہے وہ دنیا کا معمولی فن کیوں نہ ہو۔ صرف کتابیں پڑھ کر اور مطالعہ کر کے اس فن میں کمال اور مہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ صرف مطالعہ کے زور پر نہ کوئی شخص مستند عالم دین بن سکتا ہے۔ نہ ڈاکٹر بن سکتا ہے اور نہ انجینئر بن سکتا ہے۔ دورۂ حدیث کے طالب علم محمد طیب اگلی نے یہ تقریر ریکارڈ کے ذریعہ قلم بند کی جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

ولی اللہ میمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو سلسلے

کتاب اللہ ــــ رجال اللہ

الحمد للہ رب العلمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ اصحابہ اجمعین، اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(آل عمران: ۱۶۴)

دو سلسلے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے دو سلسلے ایک ساتھ جاری فرمائے ایک کتاب اللہ کا سلسلہ، کتاب اللہ، اللہ کی آسمانی کتابیں ہیں۔ یعنی تورات، زبور، انجیل اور آخر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

اور دوسرا سلسلہ رجال اللہ کا جاری فرمایا، رجال اللہ سے مراد انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ہے، یہ رجال اللہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ بھیجے گئے تاکہ وہ کتاب کی تشریح کریں، اور اس کی عملی تربیت دیں اور کتاب کے معانی اور مفاہیم کو اپنے قول

نقل سے سمجھائیں، اس سلسلے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ
لعلهم یتذکرون﴾ (النحل: ۴۴)

"ہم نے یہ ذکر اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے
کھول کھول کر بیان کردیں جو کچھ کہ نازل کیا جاتا ہے"۔

رجال اللہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ کتاب کی تشریح کریں، تفسیر کریں، اور
لوگوں کی تربیت کریں۔ اسی کے بارے میں فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ
رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیاته ویزکیهم
ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾

کسی بھی پیغمبر کے دنیا میں آنے کا بنیادی مقصد تعلیم کتاب ہوتا ہے اس لئے کہ
معلم کی راہنمائی اور مفصل تفسیر کے بغیر ہم اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت
نہیں رکھتے۔

استاذ کے بغیر صرف مطالعہ کافی نہیں۔ اور یہ صرف اللہ کی کتاب کے ساتھ ہی
خاص نہیں، دنیا کے ہر علم و فن کا یہی حال ہے۔ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں
صرف کتاب پڑھ کر مطالعہ کر کے کسی فن کا ماہر بن جاؤں، وہ نہیں بن سکتا جب تک
کہ کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کرے۔ جب تک استاذ سے اس علم و
فن کو حاصل نہ کرے اس وقت تک اس علم و فن کا ماہر نہیں بن سکتا۔

قبرستان آباد کرے گا

علم طب (میڈیکل سائنس) ایک ایسا علم ہے اس کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ہر
زبان میں موجود ہیں۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی لیکن کوئی شخص یہ چاہے کہ گھر

جیسے طب کی کتاب پڑھوں اور میں اس کا مطالعہ کر کے طبیب اور ڈاکٹر بن جاؤں، اگر وہ بالفرض بڑا ذہین ہے، بہت سمجھدار ہے۔ قوت مطالعہ بہت مضبوط ہے، قابلیت بہت اعلیٰ ہے اور اس نے مطالعہ شروع کردیا اور ان کتابوں کو سمجھ بھی گیا اور سمجھنے کے بعد لوگوں کا علاج شروع کردیا، وہ کیا کرے گا؟ وہ قبرستان آباد کرے گا۔ اس واسطے کہ باوجودیکہ اس نے کتاب سمجھ بھی لی، لیکن کسی استاد سے معلم اور مربی سے اس کی تربیت حاصل نہ کی تو وہ طبیب نہیں بنے گا، نہ پوری دنیا میں کوئی حکومت ایسے شخص کو یہ اجازت دے گی کہ وہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلے، اس لئے کہ اس نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جو طبیب کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے انسان کی فطرت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ جب تک اس کو کوئی تربیت دینے والا تربیت نہ دے۔ کوئی تعلیم دینے والا تعلیم نہ دے۔ اس کو کوئی علم و فن اور کوئی ہنر از خود حاصل نہیں ہوگا۔

انسان اور جانور میں فرق

اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور انسانوں میں تھوڑا فرق رکھا ہے، وہ یہ کہ جانوروں کو معلم و مربی کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی انسان کو ضرورت ہے، مثلاً مچھلی کا بچہ پانی کے اندر مچھلی کے انڈے سے نکلا اور نکلتے ہی اس نے تیرنا شروع کردیا، پانی میں اس کو تیراکی سکھانے کے لئے کسی معلم و مربی کی ضرورت نہیں۔ خلقتاً اس کی فطرت ایسی بنادی کہ اس کو تیرنا سیکھنے کے لئے کسی دوسرے کی تعلیم و تربیت کی حاجت نہیں۔

لیکن کوئی انسان یہ سوچ کر کہ مچھلی کا بچہ بغیر کسی تعلیم و تربیت کے پانی میں تیر رہا ہے، مزے میں ہے میں بھی اپنے بچے کو تیراکی سکھائے بغیر پانی میں پھینک دوں تو وہ شخص احمق ہوگا کہ نہیں؟ ارے انسان کا بچہ کہاں اور مچھلی کا بچہ کہاں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں رکھی۔ لیکن تو انسان ہے، انسان

کو تیراکی سیکھنے کے لئے کسی معلم و مربی کی ضرورت ہے۔ یا مثلاً مرغی کا بچہ انڈے سے نکلا اور نکلتے ہی اس نے دانہ چگنا شروع کردیا، اس کو دانہ کھلانے کے لئے کسی معلم و مربی کی حاجت نہیں، لیکن انسان کا جو بچہ آج پیدا ہو! وہ روٹی نہیں کھائے گا۔ اس واسطے کہ اس کو روٹی کھلانے کے لئے کسی معلم و مربی کی حاجت اور ضرورت ہے جب تک اس کو کوئی کھلانے والا کھانا سکھائے گا نہیں، اس کو ایک عملی نمونہ پیش نہیں کرے گا اس وقت تک اس کو کھانا نہیں آئے گا۔ انسان کی فطرت اللہ نے یہ رکھی ہے کہ وہ بغیر معلم و مربی کے دنیا کا کوئی علم و فن اور ہنر نہیں سیکھ سکتا۔

کتاب پڑھ کر الماری بنایئے

بڑھئی کا کام ہے۔ کتاب کے اندر سب کچھ لکھا ہے کہ کس طرح میز بنتی ہے، کس طرح کرسی بنتی ہے، اور کیا کیا آلات اس میں استعمال ہوتے ہیں۔ کتاب سامنے رکھو اور الماری بناؤ، کیا اس کے طریقوں کو دیکھ دیکھ کر الماری بن جائے گی؟ ہرگز نہیں، لیکن کتاب کچھ نہ پڑھو، البتہ ایک بڑھئی کی صحبت اٹھالو، اور اس کے پاس دو چار ماہ بیٹھ جاؤ، اس کو دیکھو کہ وہ کیسے بناتا ہے، و آلات کس طرح استعمال کرتا ہے تو آسانی سے الماری بنانی آجائے گی۔

کتاب سے بریانی نہیں بنتی

اور میں کہا کرتا ہوں کہ کھانا پکانے کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ کھانا کیسے پکتا ہے، پلاؤ کیسے پکتا ہے، بریانی کیسے پکتی ہے، قورمہ کیسے پکتا ہے، کباب کیسے تلتے ہیں، سب ترتیب لکھی ہوتی ہے کہ اس کو اتنا پیسو، اس طرح اس کو بناؤ، اس میں اتنا نمک اور اتنی مرچ اتنا پانی اور اتنی فلاں چیز ڈال دو، سب اجزاء و عناصر اس کتاب میں لکھے ہوتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص جس نے کبھی پکایا نہیں۔ وہ کتاب سامنے رکھ

لے جو طریقہ اس میں لکھا ہے اس کے مطابق بریانی بنائیے۔ اس کو دیکھ کر اتنے چاول لے لئے اتنا پانی ڈال دیا اتنی آگ لگادی اور بنانے لگ جائیے، کیا بریانی بن جائے گی؟ خدا جانے کیا ملغوبہ تیار ہوگا، کیوں؟ اس واسطے کہ کتاب سے بریانی نہیں بنتی، جب تک کہ کسی باورچی نے اس کو سکھلایا نہ ہو۔

انسان کو عملی نمونہ کی ضرورت

بہرحال! یہ انسان کی فطرت ہے کہ محض کتاب سے کوئی شخص کوئی علم و ہنر حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ معلم و مربی کی تربیت نہ پائی ہو۔ اس کی صحبت حاصل نہ کی ہو۔ ساری دنیا کے علوم و فنون میں یہی سنت جاری ہے، جس طرح علوم و فنون میں یہ سنت ہے اسی طرح دین میں کوئی شخص یہ چاہے کہ میں تنہا کتاب پڑھ کر اس سے دین سیکھ لوں، یاد رکھو زندگی بھر نہیں حاصل کرسکتا۔ جب تک کہ کسی معلم و مربی سے تربیت حاصل نہ کی ہو، اس کی صحبت نہ پائی ہو۔ اس کا عملی نمونہ دیکھا ہو، اس وقت تک علم دین حاصل نہیں ہوگا۔

تنہا کتاب نہیں بھیجی گئی

یہی راز ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا کتاب کبھی نہیں بھیجی۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انبیاء علیہم السلام آئے اور کوئی نئی کتاب نہیں آئی، لیکن ایسی ایک بھی مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو، اور ساتھ کوئی نبی نہ آیا ہو، کیوں؟

اس لئے کہ اگر تنہا کتاب دی جاتی تو انسان کے اندر اتنی قابلیت نہیں تھی کہ اس کتاب کے ذریعہ اصلاح نفس کرے جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تنہا کتاب بھیجنا کو، مشکل نہیں تھا۔ دوسری طرف مشرکین کا مطالبہ بھی تھا کہ:

﴿لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ﴾

(الفرقان: ۳۲)

کہ ہمارے اوپر ایک مرتبہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام تھا کہ صبح کو جب بیدار ہوں تو ہر ایک آدمی کے سرہانے ایک شاندار جلد میں مجلد قرآن کریم کا نسخہ رکھا ہوا ہو۔ اور آسمان سے آواز آجائے کہ یہ کتاب ہے، اس پر عمل کرو، کیا یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل تھا؟ مشکل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام نہیں کیا، کتاب تنہا نہیں بھیجی، معلم بھی ساتھ بھیجا، تربیت دینے والا بھی بھیجا۔ کیوں!

کتاب پڑھنے کے لئے دو نوروں کی ضرورت

اس لئے کہ کتاب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ پیغمبر کی تعلیمات کا نور ساتھ نہیں ہوگا۔ کتاب تو موجود ہے، بڑی فصیح و بلیغ بھی ہے لیکن میں اندھیرے میں بیٹھا ہوں میرے پاس روشنی نہیں ہے۔ کیا میں اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ نہیں! جب تک میرے پاس دو نور نہ ہوں۔ ایک تو میرے پاس آنکھ کا نور ہونا چاہئے، اور دوسرا باہر سورج یا بجلی کی روشنی کا نور ہونا چاہئے؟ اگر ان میں سے ایک نور بھی مفقود ہو تو کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، مثلاً باہر سورج کی روشنی ہے۔ سورج نکلا ہوا ہے اور آنکھ میں نور نہیں ہے تو کیا میں کتاب پڑھ سکوں گا؟

یا مثلاً آنکھ میں نور ہے باہر نور نہیں ہے۔ نہ سورج کی روشنی، نہ چراغ کی نہ بجلی کی روشنی کیا میں کتاب پڑھ سکوں گا؟ نہیں اس لئے کہ کتاب کو پڑھنے کے لئے دو نوروں کی ضرورت ہے ایک اپنے اندر کا نور اور ایک باہر سورج یا بجلی کا نور، ایک داخلی نور اور ایک خارجی نور، دونوں نور جب ہوں گے جب کتاب سے استفادہ ہو سکے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دو سلسلے جاری فرمائے ایک کتاب اللہ کا اور دوسرا رجال اللہ کا۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کا نعرہ

یہیں سے ساری گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک فرقہ ہے اس نے کہا:
﴿حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ﴾
یہ بڑا دلکش نعرہ لگایا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے میں تو بڑی اچھی بات معلوم ہوتی ہے۔ اللہ کی کتاب تِبْیَاناً لِکُلِّ شَیْءٍ ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ لیکن اس نعرہ لگانے والوں سے پوچھو کہ فن طب کی کتاب گھر میں موجود ہے، جس میں طب کے مضمون ہیں لیکن اس کے پاس استاد کی تعلیم کا نور نہ ہوگا تو یہ کتاب بے کار ہوگی۔ اسی طرح صرف کتاب اللہ کو لے کر یہ کہنا کہ ہمیں پیغمبر کی تعلیمات کی حاجت نہیں۔ معاذ اللہ یہ اندھا پن اور گمراہی ہے۔

بہر حال ایک گروہ تو وہ ہے جو کتاب کو چمٹ گیا اور رجال اللہ یعنی انبیاء علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ اور گمراہی کی غار میں گرا، حقیقت میں رجال اللہ کو چھوڑنے سے کتاب کو چھوڑ دیا، کیونکہ خود کتاب کہہ رہی ہے کہ ہمارے رجال کو دیکھو ہم نے ان کو معلم بنا کر بھیجا۔ ہم نے ان کو نبی بنا کر بھیجا جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کتاب کو پکڑتا ہوں اور رجال کو چھوڑتا ہوں وہ حقیقت میں کتاب ہی کو نہیں پکڑتا۔ طب کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ "بغیر طبیب کے مشورے کے دوائیں مت کھانا" اب اگر اس کتاب کو پڑھ کر وہ بات تو بھول گئے اور ساری کتابیں پڑھیں جس میں ہر مرض اور اس کی دوا لکھی ہے اور اپنی مرضی سے اپنا علاج شروع کر دیا۔ نتیجہ کیا نکلے گا؟ کہ کل کے بجائے آج ہی مرے گا، ایسا ہی معاملہ ہے ان لوگوں کا جو حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگا کر رجال اللہ سے لوگوں کو برگشتہ کرتے ہیں۔

صرف رجال بھی کافی نہیں

دوسرے گمراہ لوگ وہ ہیں کہ رجال اللہ میں ایسے گم ہوئے کہ کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور یہ کہنے لگے کہ ہمیں تو رجال کافی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کتاب اللہ کیا ہوتی ہے اور بس جو رجال اپنے مطلب کے سمجھ میں آئے، ان کو اپنا مقتدا بنالیا، ان کی پرستش شروع کردی۔ یہ نہ دیکھا کہ کتاب نے کیا کہا تھا صرف رجال اللہ کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ یہ دوسری گمراہی میں داخل ہیں۔

مسلک معتدل

مسلک اعتدال یہ ہے کہ کتاب اللہ کو بھی پکڑو اور رجال اللہ کو بھی پکڑو، کتاب اللہ کو رجال اللہ کی تعلیم و تربیت کی روشنی میں پڑھو تو ہدایت کا راستہ پالو گے، دونوں چیزوں کو جمع کرنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ:

﴿ما انا علیہ واصحابی﴾

"ما انا علیہ" سے مراد کتاب اور "اصحابی" سے مراد رجال یعنی یہ کتاب جس پر میں ہوں اس کو پکڑ لینا اور میرے اصحاب کو پکڑ لینا۔ جو شخص دونوں چیزیں ایک ساتھ لے کر چلے گا تب ہدایت پائے گا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے تو آج ں فی، نظریاتی اور عملی گمراہیوں کا سد باب ہوجائے۔ جتنے لوگ کتابوں کا مطالعہ کر کر کے دینی راہنما بن گئے۔ کتابوں کا مطالعہ کرلیا تو کہہ دیا کہ ہم بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ ہیں اور نعرہ لگادیا کہ:

﴿ھم رجال ونحن رجال﴾

ہم بھی انسان اور وہ بھی انسان، اور میں بھی وہی کام کروں گا جو وہ کررہے تھے،

انہوں نے جس طرح قرآن وحدیث سے اجتہاد کر کے مسائل بتائے میں بھی بتاؤں گا تو حقیقت میں یہ شخص گمراہ ہے، اور اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک عقل کا کھڑا ہو اور ڈاکٹروں کے بارے میں کہے کہ ھم رجال و نحن رجال کہ یہ ڈاکٹر ہماری طرح کا انسان ہے وہ اگر آپریشن کرتا ہے میں بھی کروں گا۔ وہ اگر لوگوں کو کاٹتا ہے تو میں بھی کاٹوں گا۔ ارے احمق وہ تو کاٹتا ہے صحت حاصل کرنے کے لئے طریقہ سے کاٹتا ہے، تو کاٹنے کا تو ذبح کرے گا، لیکن نعرہ یہ بھی لگا رہا ہے ھم رجال و نحن رجال تو رجال اللہ کو چھوڑ کر جو نعرے آج کل لگتے ہیں مطالعہ کے بل پر اور استاد سے پڑھے اور سیکھے بغیر دین کو حاصل کرنے کا دعوی بھی کرتے ہیں وہ درحقیقت تیسری گمراہی میں ہیں۔

اگر بالفرض ایسا آدمی جو ذہین ہے اس نے طب کی کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں لکھا کہ فلاں مرض کا علاج یہ ہوتا ہے فلاں مرض کا یہ علاج ہے اور اس کے بعد اس نے اپنا مطب کھول لیا، اور دس آدمیوں کا علاج کیا، ان کو فائدہ ہوگیا۔ اب لوگ کہنے لگے کہ اس کے علاج میں بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ یہ تو بڑا زبردست ڈاکٹر ہے۔ لوگ اس کے پیچھے لگ گئے، لیکن لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ دس آدمیوں کو اگر فائدہ ہوا تو وہ فائدہ ایک طرف، اگر ایک جان چلی گئی تو وہ نقصان ایک طرف۔ کل کو وہ اناڑی پن میں کوئی ایسا کام کرے گا جو اس کی جان لے بیٹھے گا لہٰذا صرف یہ دیکھ کر کہ دس آدمیوں کو فائدہ پہنچا۔ کسی اناڑی کسی غیر ماہر، کسی غیر تربیت یافتہ شخص کے پیچھے لگ جانا عقل مندی نہیں ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہر وقت خطرہ ہے کہ کب گڑبڑ کر جائے اور کسی انسان کی جان لے بیٹھے۔ بڑے نعرہ لگتے ہیں کہ صاحب فلاں کی کتاب پڑھ کر لوگ بڑے دین پر آگئے، پہلے بے دین تھے، اب دین دار ہو گئے، نماز نہیں پڑھتے تھے اب نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ سے غافل تھے اللہ کے قریب آگئے، وہ تو آدمی اچھا ہے، یہ مولوی لوگ بلاوجہ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے مت جاؤ، اس کی کتاب مت پڑھو، ارے بھئی! ہم نے دیکھا، کتابیں پڑھیں، بہت فائدہ

ہوا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس کی مثال وہی ہے جو میں نے دی ہے کہ ایک آدمی غیر تربیت یافتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے آئے، آٹھ دس آدمیوں کا علاج کرلیا، ان کو فائدہ ہوگیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ڈاکٹر بن گیا اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کو کہہ دیا کہ تم اس سے علاج کروایا کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کسی وقت گڑبڑ کرے گا اور تمہاری جان لے لے گا۔ اسی طرح یہ شخص بھی جو صرف کتابیں پڑھ کر لوگوں کو دین سکھارہا ہے اور لوگوں کو اس سے فائدہ ہورہا ہے۔ اس کے فائدے سے دھوکہ میں نہ آنا چاہئے۔ اس لئے کسی بھی وقت کوئی بات ایسی کرے گا جس سے کہ تمہارا دین خراب ہوجائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دین کس طرح سیکھا؟

اس دین کی اللہ نے فطرت یہ بنائی ہے کہ یہ سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہوتا ہے۔ یہ آنکھ سے کتاب کو پڑھ لینے سے نہیں آتا، پڑھانے والے کے سینہ سے پڑھنے والے کے سینہ میں منتقل ہوتا ہے۔ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے کوئی کتاب پڑھی؟ کوئی ڈگری لی؟ کوئی سند حاصل کی؟ کچھ نہیں کیا، بلکہ صفہ میں جاکر پڑ گئے، نہ کوئی نصاب ہے، نہ کوئی کھنٹہ ہے۔

وہاں کیا کرتے تھے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھا کرتے تھے کہ آپ کیا کررہے ہیں، کیا فرمارہے ہیں۔ ان کو دیکھ دیکھ کر تعلیمات نبوی کا نور ان کے دلوں میں آگیا، پھر اس طرح تابعین پھر تبع تابعین سے لے کر آج تک علم دین سیکھنے کا یہی سلسلہ چلا آرہا ہے اور یہ جو ہم پڑھتے ہیں۔

﴿قال حدثنا فلان حدثنا فلان﴾

یہ سب سند ہے یہ وہ شجرہ طیبہ ہے جس سے ہمارا رشتہ ایمان جاکر سیدھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑ جاتا ہے۔

واسطہ کے ذریعہ عطا فرماتے ہیں

ایک کتاب ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کا خود مطالعہ کریں اور جو کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو لغت میں دیکھ لیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہی کتاب استاد کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ حالانکہ مطالعہ کے دوران جو بات سمجھ میں آئی تھی استاد صاحب نے بھی وہی بتائی ہو، کوئی فرق نہ ہو پھر بھی جو استاد صاحب سے سنی ہوئی بات ہوگی اس میں جو نور ہوگا اس میں جو برکت ہوگی اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم کی تجلیات ہوں گی، وہ کبھی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوں گی۔ وجہ یہ ہے کہ استاد کوئی چیز نہیں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ وہ جب دیتا ہے تو واسطہ سے دیتا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی واسطہ سے دیتا ہے۔ کیا اللہ قادر نہیں تھا کہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دیتے۔ مگر آپ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جبرئیل امین کو واسطہ بنایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت کی تب بھی ایک درخت کو واسطہ بنادیا۔ یعنی شجرہ طور کو، اس میں کیا مصلحت اور کیا حکمت؟ وہ جانے اس کی حکمتیں جانے، لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ جب دینا ہوتا ہے تو کسی واسطہ سے دیتا ہے، چاہے یہ واسطہ بے جان ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ یہ درخت، اپنی تجلی فرمانی چاہی تو براہ راست نہیں فرمائی بلکہ کوہ طور پر تجلی فرمائی۔ اس کو واسطہ بنادیا حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح استاد کی کوئی حقیقت نہیں مگر اس کو واسطہ بنادیا۔ یہ اس کی سنت ہے۔ دینے کا طریقہ بتادیا کہ اگر لینا ہے تو اس طرح لو، مثلاً یہ کھڑکی دیکھئے! اس سے سورج کی دھوپ اور روشنی آرہی ہے کیا یہ کھڑکی روشنی کو پیدا کررہی ہے کہ کھڑکی روشنی کی علت بن گئی ہو؟ نہیں! روشنی تو در حقیقت باہر سے آرہی ہے لیکن یہ کھڑکی واسطہ بن گئی ہے۔ اسی طرح یہ استاذ واسطہ ہے اگرچہ اس کی ذات کا علم کی

روشنی میں دخل نہیں، لیکن ہمیں روشنی پہنچنے میں اس کی مدد ملتی ہے۔ اس وجہ سے استاد کی قدر و منزلت کا رواج ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے واسطہ بنایا ہے۔

بہرحال! میں جو کہہ رہا ہوں اگرچہ کتاب اللہ نمبر ایک ہے اور حدیث نمبر دو پر ہے۔ لیکن ہمارے لئے عملی نقطہ نظر سے ترتیب یہ ہے کہ حدیث سے پہلے گزریں گے، تب کتاب اللہ تک پہنچیں گے، کیونکہ اس کے بغیر ہم کتاب اللہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے علم حدیث جس کا ہم آج آغاز کررہے ہیں جو ہمارے تمام علوم مقصودہ کا مادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ پڑھنے، پڑھانے اور پورے آداب کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصلاحی خطبات

جلد ۹

- ایمانِ کامل کی چار علامتیں
- مسلمان تاجر کے فرائض
- اپنے معاملات صاف رکھیں
- اسلام کا مطلب کیا؟
- آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟
- کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں؟
- گناہوں کے نقصانات
- منکرات کو روکو۔ ورنہ؟
- جنت کے مناظر
- فکرِ آخرت
- دوسروں کو خوش کیجئے
- مزاح و مذاق کی رعائیت کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

جلد (۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ ☜ نومبر ۱۹۹۸ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ڈھائی سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو

چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظرثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی نویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آٹھویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے نویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے نویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۹

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

ایمان کامل کی چار علامتیں

صفحہ	عنوان

مسلمان تاجر کے فرائض

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
● چوتھی ہدایت	۶۸
● دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں	۶۹
● کیا ایک آدمی معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے؟	۶۹
● حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تبدیلی لائے	۷۰
● ہر شخص اپنے اندر تبدیلی لائے	۷۰

اپنے معاملات صاف رکھیں

عنوان	صفحہ

اسلام کا مطلب کیا ہے؟

عنوان	صفحہ

آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں

صفحہ	عنوان
۱۶۲	● نماز کی ناقدری مت کرو
۱۶۲	● امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ
۱۶۳	● آیات قرآنی میں تدبر کا حکم
۱۶۳	● یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے
۱۶۴	● خیالات اور وساوس میں بھی حکمت ہے
۱۶۵	● نیکی اور گناہ کے ارادے پر اجر و ثواب
۱۶۶	● خیالات کی بہترین مثال
۱۶۷	● خیالات کا لانا گناہ ہے
۱۶۷	● خیالات کا علاج
۱۶۸	● دل نہ لگنے کے باوجود نماز پڑھنا
۱۶۸	● انسان عمل کا مکلف ہے
۱۶۹	● کیفیات نہ مقصود ہیں، نہ اختیار میں ہیں
۱۷۰	● عمل سنت کے مطابق ہونا چاہئے
۱۷۰	● ایک ریٹائرڈ شخص کی نماز
۱۷۱	● ٹھیلہ لگانے والے کی نماز
۱۷۲	● کس کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے
۱۷۲	● مایوس مت ہو جاؤ
۱۷۳	● وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے
۱۷۳	● وسوسہ کی تعریف
۱۷۴	● خیالات سے بچنے کا دوسرا علاج

عنوان	صفحہ

گناہوں کے نقصانات

عنوان	صفحہ

منکرات کو روکو۔ ورنہ!!

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

جنت کے مناظر

عنوان	صفحہ

فکرِ آخرت

صفحہ	عنوان

دوسروں کو خوش کیجئے

عنوان	صفحہ

مزاج و مذاق کی رعایت کریں

صفحہ	عنوان
۳۰۴	حضرت مفتی صاحبؒ کی دعوت
۳۰۶	محبت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا

ایمان کامل کی چار علامتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۵ راگست ۱۹۹۵ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایمانِ کامل کی چار علامتیں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿من اعطی للہ ومنع للہ واحب للہ وابغض للہ فقد استکمل ایمانہ﴾ (ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۶۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے اور کسی کو دینے سے منع کرے تو اللہ کے لئے منع کرے۔ اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے اور اگر کسی سے بغض اور عناد رکھے تو اللہ کے لئے رکھے تو اس شخص کا ایمان کامل ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایمان کے کامل ہونے کی گواہی دی۔

پہلی علامت

ایمانِ کامل کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ دے تو اللہ کے لئے دے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی موقع پر کچھ خرچ کر رہا ہے تو اس خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ انسان اپنی ذات پر بھی خرچ کرتا ہے، اپنے اہل و عیال پر بھی خرچ کرتا ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتا ہے تو ان تمام مواقع پر خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ صدقہ خیرات میں تو یہ بات واضح ہے کہ اس کو دیتے وقت یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے صدقہ دے رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب مجھ کو عطا فرمادیں۔ اس صدقہ دینے میں احسان جتانا مقصود نہ ہو، نام و نمود مقصود نہ ہو، دکھلاوا مقصود نہ ہو، تو یہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔

خرید و فروخت کے وقت یہ نیت کرلیں

صدقہ خیرات کے علاوہ بھی جہاں خرچ کرو تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرلو۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کوئی چیز خریدی اور دکان دار کو پیسے دے دیئے۔ اب بظاہر تو یہ ایک دنیاوی معاملہ ہے، لیکن اگر وہ چیز مثلاً گوشت، ترکاری خریدتے وقت یہ نیت کرلی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل و عیال کے جو حقوق میرے ذمے عائد کر رکھے ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ خریداری کر رہا ہوں۔ اور اگر اسی طرح دوسری نیت یہ کرلی کہ میں دکاندار کے ساتھ خرید و فروخت کا جو معاملہ کر رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس حلال طریقے کے مطابق کر رہا ہوں جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جائز کیا ہے اور حرام طریقے سے معاملہ نہیں کر رہا ہوں۔ تو ان دو نیتوں کے ساتھ خریداری کا جو معاملہ کیا اور دکاندار کو جو پیسے دیئے، یہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔ اگرچہ بظاہر یہ نظر آرہا ہے کہ تم نے ایک دنیاوی لین دین کا معاملہ کیا اور گوشت خریدا یا کپڑا خریدا یا ترکاری خریدی لیکن یہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔

صرف زاویہ نگاہ بدل لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دین اور دنیا میں صرف زاویہ نگاہ بدلنے کا فرق ہے۔ اگر زاویہ نگاہ بدل لو تو وہی دنیا تمہارے حق میں دین بن جائے گی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم دنیا کے اندر جو کچھ کام کر رہے ہو، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا۔ یہ سب کرتے رہو مگر ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو۔ مثلاً کھانا کھانا ایک دنیاوی کام ہے، لیکن کھانا کھاتے وقت ذرا یہ سوچ لو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ان لنفسک علیک حقا﴾

(صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۴، ۲۵۶)

یعنی تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر کچھ حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کے لئے کھانا کھا رہا ہوں۔ اور یہ سوچ لو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کھانا آتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرتے ہوئے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی آپ کی اسی سنت کی اتباع میں کھانا کھا رہا ہوں۔ تو اب یہی دنیا کا کام دین کا کام بن گیا۔ لہٰذا وہ سارے کام جن کو ہم دنیاوی کام سمجھتے ہیں، ان میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جن کو ہم زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے دین نہ بنا سکیں اور اس کو اللہ کے لئے نہ بنا سکیں۔ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں جتنے کام ہم کرتے ہیں ان کے بارے میں ذرا سوچیں کہ میں ان کے اندر زاویہ نگاہ بدل کر کس طرح ان کو دین بنا سکتا ہوں۔

ہر نیک کام صدقہ ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقہ کرنا صرف اس کا نام ہے کہ آدمی کسی ضرورت مند کو پیسے دے دے یا کسی غریب کو کھانا کھلا دے وغیرہ۔ بس یہ کام صدقہ ہے اس کے

علاوہ کوئی کام صدقہ نہیں۔ لیکن حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیک کام جو نیک نیت سے کیا جائے وہ صدقہ ہے، یہاں تک فرمایا کہ کھانے کا وہ لقمہ جو انسان اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے، یہ بھی صدقہ ہے۔ یہ صدقہ اس لئے ہے کہ آدمی یہ کام اس لئے کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے یہ حق عائد کیا ہے۔ اس حق کی ادائیگی کے لئے میں یہ کام کررہا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کام پر صدقہ کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ سب کام اللہ کے لئے دینے میں داخل ہیں۔

دوسری علامت

دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر روکے اور منع کرے تو اللہ کے لئے روکے۔ مثلاً کسی جگہ پر پیسہ خرچ کرنے سے بچایا تو وہ بچانا بھی اللہ کے لئے ہو۔ چونکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فضول خرچی نہ کرو۔ اس فضول خرچی سے بچنے کے لئے میں اپنا پیسہ بچا رہا ہوں۔ تو یہ بچانا اور روکنا اللہ کے لئے ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص آپ سے ایسے کام کے لئے پیسوں کا مطالبہ کررہا ہے جو کام شرعاً ممنوع ہے۔ اب آپ نے اس کام کے لئے اس کو پیسے نہیں دیئے تو یہ نہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔

رسم کے طور پر ہدیہ دینا

ہمارے معاشرے میں نہ جانے کیسے کیسے رسم و رواج پڑ گئے ہیں کہ اس موقع پر فلاں تحفہ دیا جاتا ہے، اس موقع پر فلاں تحفہ دیا جاتا ہے، اس موقع پر یہ رسم ہے۔ اگر اس موقع پر نہیں دیں گے تو ناک کٹ جائیگی۔ اب اس موقع پر تحفہ دینے کا نہ تو شریعت نے کوئی حکم دیا اور نہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دیا۔ مثلاً تقریبات اور شادیوں میں "نیوتہ" دیا جاتا ہے، اس کو اس قدر لازمی

سمجھا جاتا ہے کہ چاہے کسی کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں۔ چاہے وہ قرض لے، چاہے وہ حرام طریقے سے کما کر دے یا رشوت لے کر دے۔ لیکن یہ "نیوتہ" ضرور دے، اگر نہیں دے گا تو معاشرے میں ناک کٹ جائیگی۔ اب ایک شخص کے پاس دینے کے لئے پیسے موجود ہیں اور معاشرے کی طرف سے دینے کا مطالبہ بھی ہے لیکن وہ شخص صرف اس لئے نہیں دے رہا ہے کہ چاہے معاشرے کے اندر ناک کٹ جائے لیکن میرا اللہ تعالیٰ تو راضی ہوگا۔ اب یہ روکنا اللہ کے لئے ہوگا۔ یہ بھی ایمانِ کامل کی علامت ہے۔

تیسری علامت

تیسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر محبت کرے تو اللہ کے لئے محبت کرے۔ دیکھئے۔ ایک محبت تو بغیر کسی شائبہ کے خالصۃً اللہ کے لئے ہوتی ہی ہے۔ جیسے کسی اللہ والے سے محبت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے محبت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ اس سے پیسے کمائیں گے بلکہ اس سے محبت اس نیت سے ہوتی ہے کہ اس سے محبت اور تعلق رکھیں گے تو ہمارے دین کا فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ یہ محبت اللہ کے لئے ہے اور بڑی برکت کی اور بڑے فائدے کی چیز ہے۔

دنیا کی خاطر اللہ والوں سے تعلق

بعض اوقات شیطان اور انسان کا نفس اس محبت میں بھی صحیح راستے سے گمراہ کر دیتا ہے۔ مثلاً اولیاء اللہ سے اس تعلق کے وقت شیطان یہ نیت دل میں ڈال دیتا ہے کہ اگر ہم ان کے مقرب بنیں گے تو دنیا والوں کی نگاہ میں ہماری قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ العیاذ باللہ۔ یا مثلاً لوگ یہ کہیں گے یہ صاحب تو فلاں بزرگ کے خاص آدمی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت خالص اللہ کے لئے ہونی چاہئے تھی وہ اللہ کے لئے نہیں ہوتی بلکہ وہ محبت دنیا داری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یا بعض لوگ

کسی اللہ والے کے ساتھ اس لئے رابطہ جوڑ لیتے ہیں کہ ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، صاحب منصب اور صاحب اقتدار بھی آتے ہیں اور بڑے بڑے مالدار لوگ بھی آتے ہیں۔ جب ہم ان بزرگ کے پاس جائیں گے تو ان لوگوں سے بھی تعلقات قائم ہونگے اور پھر اس تعلق کے ذریعہ ان سے اپنی ضروریات اور اپنے مقاصد پورے کریں گے۔ العیاذ باللہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت اللہ کے لئے ہونی تھی وہ دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوگئی۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی اللہ والے کے پاس یا کسی استاد کے پاس یا کسی شیخ کے پاس دین حاصل کرنے کے لئے جارہا ہے تو یہ محبت خالص اللہ کے لئے ہے اور حب فی اللہ میں داخل ہے اور اس محبت پر اللہ تعالیٰ نے بڑے ثمرات اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

دنیاوی محبتوں کو اللہ کے لئے بنالو

لیکن اس محبت کے علاوہ جو دنیاوی محبتیں کہلاتی ہیں مثلاً ماں سے محبت ہے یا باپ سے محبت ہے یا بھائی بہن سے محبت ہے یا بیوی بچوں سے محبت ہے۔ رشتہ داروں سے محبت ہے، دوستوں سے محبت ہے۔ اگر انسان ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لے تو یہ محبتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوجاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص والدین سے محبت اس نیت سے کرے کہ اللہ اور اللہ کے رسول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ والدین سے محبت کرو۔ یہاں تک فرمادیا کہ اگر کوئی شخص والدین پر محبت سے ایک نظر ڈال لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ اب بظاہر دیکھنے میں وہ شخص طبعی تقاضے کے نتیجے میں والدین سے محبت کررہا ہے لیکن حقیقت میں وہ محبت اللہ کے لئے ہے۔

بیوی سے محبت اللہ کے لئے ہو

بیوی سے محبت ہے۔ اب بظاہر تو یہ محبت نفسانی تقاضے سے ہے۔ لیکن اس

محبت میں اگر آدمی یہ نیت کرلے کہ اللہ اور اللہ کے رسول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبت کا حکم دیا ہے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں بیوی سے محبت کررہا ہوں تو یہی محبت اب اللہ کے لئے ہو گی۔ اب اگر ایک شخص اللہ کے لئے بیوی سے محبت کررہا ہے اور دوسرا شخص اپنی نفسانی خواہشات کے لئے بیوی سے محبت کررہا ہے تو بظاہر دیکھنے میں دونوں محبتیں ایک جیسی نظر آئیں گی، کوئی فرق معلوم نہیں ہوگا لیکن دونوں محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ احادیث میں یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کی دلداری کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے ساتھ ایسے ایسے معاملات نظر آتے ہیں جو بعض اوقات ہم جیسے لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنائی کہ گیارہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہر عورت اپنے اپنے شوہر کا حال بیان کرے گی۔ پھر ایک عورت نے یہ کہا۔ دوسری عورت نے یہ کہا۔ تیسری نے یہ کہا۔ چوتھی نے یہ کہا وغیرہ۔ اب جس ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہورہی ہے اور جس ذات گرامی کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے، وہ ذات گرامی اپنی بیوی کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنارہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جارہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، راستے میں ایک کھلا میدان آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ دوڑ لگاؤ گی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس میدان میں دوڑ لگائی۔ وہاں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ اس لئے کہ جنگل تھا اور کوئی دوسرا شخص ساتھ نہیں تھا۔

ہمارے کام نفسانی خواہش کے تابع

اب بظاہر یہ کام ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے یا اللہ کی عبادت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اسی طرح ہم میں سے کوئی شخص بیوی کی دلداری اور اس کی دلجوئی کے لئے اس قسم کا کوئی تفریح کا کام کرتا ہے تو وہ بھی بظاہر ایسا ہی لگتا ہے جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دلجوئی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے اس کام میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم اس کام کو اپنی نفسانی خواہش اور نفسانی تقاضے کی بنیاد پر کرتے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر اس کام کو اس لئے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بیوی کی دلداری کرو۔

"عارف" کون ہوتا ہے؟

صوفیاء کرام نے فرمایا کہ "عارف" یعنی جو اللہ کی معرفت اور شریعت و طریقت کی معرفت رکھتا ہو۔ وہ "عارف" مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔ یعنی اس کی ذات میں اور اس کے عمل میں ایسی چیزیں جمع ہوتی ہیں جو بظاہر دیکھنے میں متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے بھی جڑا ہوا ہے۔ تعلق مع اللہ بھی حاصل ہے اور ملکہ یادداشت بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر اور اس کی یاد دل میں بسی ہوئی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ ہنس رہا ہے، بول بھی رہا ہے، کھا بھی رہا ہے، پی بھی رہا ہے۔ اس لئے ایسا شخص مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔

مبتدی اور منتہی کے درمیان فرق

اسی طرح صوفیاء کرام نے فرمایا کہ جو آدمی مبتدی ہوتا ہے یعنی جس نے ابھی

طریقت کے راستے پر چلنا شروع کیا ہے اور دوسرا آدمی جو منتہی ہوتا ہے یعنی جو طریقت کا پورا راستہ طے کر کے آخری انجام تک پہنچ گیا ہے۔ ان دونوں کی ظاہری حالت ایک جیسی ہوتی ہے۔ بظاہر دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں اور جو آدمی درمیان میں ہوتا ہے اس کی حالت علیحدہ ہوتی ہے۔

مثلاً ایک شخص ہم جیسا مبتدی ہے جس نے ابھی دین کے راستے پر چلنا شروع کیا ہے تو وہ دنیا کے سارے کام کر رہا ہے۔ کھا رہا ہے، پی رہا ہے، ہنس بول رہا ہے، خرید و فروخت کر رہا ہے، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہا ہے۔ دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ بازار میں خرید و فروخت بھی کر رہے ہیں، مزدوری بھی کر رہے ہیں، بیوی بچوں کے ساتھ ہنس بول بھی رہے ہیں جبکہ آپ منتہی ہیں۔ اب بظاہر مبتدی اور منتہی کی حالت ایک جیسی نظر آرہی ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور ایک تیسرا آدمی ہے جو مبتدی سے ذرا آگے بڑھ گیا ہے اور درمیان راستے میں ہے۔ اس کی حالت الگ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ نہ تو بازار میں جاتا ہے، نہ بیوی بچوں کے ساتھ ہنستا بولتا ہے اور ہر وقت اللہ کی یاد اور استغراق میں لگا ہوا ہے۔ صبح سے شام تک اس کے علاوہ اس کا کوئی مشغلہ نہیں ہے۔ یہ درمیان والا شخص ہے۔

مبتدی اور منتہی کی مثال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں اشخاص کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جیسے ایک دریا ہے، ایک آدمی دریا کے اس کنارے پر کھڑا ہے اور دوسرا آدمی دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہے اور تیسرا آدمی دریا کے اندر ہے، دریا پار کر رہا ہے اور ہاتھ پاؤں چلا رہا ہے۔ اور اب بظاہر وہ شخص جو اس کنارے پر کھڑا ہے اور وہ شخص جو دوسرے کنارے پر کھڑا ہے۔ دونوں کی ظاہری حالت ایک جیسی ہے۔ یہ بھی ساحل

پر کھڑا ہے اور وہ بھی ساحل پر کھڑا ہے لیکن جو اس ساحل پر کھڑا ہے وہ ابھی تک دریا میں داخل ہی نہیں ہوا اور ابھی تک اس نے دریا کی موجوں کا مقابلہ نہیں کیا ہے لیکن جو شخص دوسرے ساحل پر کھڑا ہے وہ دریا پار کر کے اور دریا کی موجوں کا مقابلہ کر کے دوسرے ساحل پر پہنچ چکا ہے۔ اور تیسرا شخص ابھی دریا میں غوطے لگا رہا ہے اور دوسرے ساحل پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اور موجوں سے لڑ رہا ہے۔ اب بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ تیسرا شخص بڑا بہادر ہے جو دریا کی موجوں سے کھیل رہا ہے اور طوفانوں کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن حقیقتاً بہادر وہ ہے جو ان موجوں اور طوفانوں کا مقابلہ کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکا ہے۔ اور اب اس کی حالت اس شخص جیسی ہو گئی جو ابھی تک دریا میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اس وجہ سے مبتدی اور منتہی کی حالت ایک جیسی نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

حب فی اللہ کے لئے مشق کی ضرورت

اب یہ کہ دنیاوی محبتیں بھی اللہ کے لئے ہو جائیں، یہ درجہ حاصل کرنے کے لئے انسان کو کچھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ اور بزرگان دین اور صوفیاء کرام کے پاس جب کوئی شخص اپنی اصلاح کرانے کے لئے جاتا ہے تو یہ حضرات مشق کراتے ہیں کہ یہ ساری محبتیں اسی طرح رہیں لیکن ان محبتوں کا زاویہ بدل جائے اور ان کا طریقہ اس طرح بدل جائے کہ یہ محبتیں حقیقت میں اللہ کے لئے ہو جائیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان محبتوں کو بدلنے کی سالہا سال تک مشق کی ہے تب جا کر اس میں کامیابی ہوئی اور اس طرح مشق کی ہے کہ مثلاً گھر میں داخل ہوئے، کھانے کا وقت ہے بھوک لگی ہوئی ہے اب کھانا کھانے کے لئے بیٹھے اور کھانا سامنے آیا۔ اب دل چاہ رہا ہے کہ جلدی سے کھانا شروع کر دیں لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے اور دل میں یہ خیال لائے کہ

نفس کے تقاضے سے کھانا نہیں کھائیں گے۔ پھر یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا مجھ پر حق رکھا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ کے سامنے جب کھانا آتا تو آپ شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کھانے کی طرف اپنی احتیاج ظاہر کرتے ہوئے کھانا کھالیا کرتے تھے۔ مجھے آپ کی اس سنت کی اتباع کرنی چاہئے۔ لہٰذا آپ کی اتباع میں کھانا کھاتا ہوں۔ پھر کھانا شروع کیا۔ اس طرح زاویہ نگاہ بدل دیا۔

بچوں کے ساتھ اللہ کے لئے محبت

اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اور وہ بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر اس کو پیار کروں۔ اس کے ساتھ کھیلوں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے اور یہ سوچا کہ اپنے نفس کے تقاضے سے بچے سے پیار نہیں کریں گے۔ پھر دوسرے لمحے دل میں خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما گرتے پڑتے مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ جب آپ نے ان کو آتا دیکھا تو فوراً منبر سے اترے اور ان کو گود میں اٹھالیا۔ ایک مرتبہ آپ نوافل پڑھ رہے تھے، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو بچی تھیں وہ آکر آپ کے کندھے پر کسی طرح سوار ہوگئیں۔ جب آپ رکوع میں جانے لگے تو آپ نے ان کو آہستہ سے اٹھا کر نیچے اتار دیا۔ جب آپ سجدے میں گئے تو پھر وہ آپ کے اوپر سوار ہوگئیں۔ بہرحال، بچوں کے ساتھ پیار کرنا، محبت کرنا، ان کے ساتھ کھیلنا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سنت کی اتباع میں میں بھی بچے سے پیار کرتا ہوں اور ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ یہ تصور کر کے بچے کو اٹھا لیا اور سنت کا استحضار کرلیا۔ شروع شروع میں آدمی تکلف سے یہ کام کرتا ہے لیکن

بار بار کرنے کے نتیجے میں تکلف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ کام طبیعت بن جاتا ہے اور پھر اس کے بعد ساری محبتیں اللہ کے لئے ہو جاتی ہیں۔ چاہے بیوی سے محبت ہو یا بچوں سے محبت ہو یا چاہے والدین سے محبت ہو۔

یہ نسخہ تو بہت آسان ہے۔ اس سے زیادہ آسان نسخہ اور کیا ہو گا کہ سب کام جو تم کرتے ہو اسی طرح کرتے رہو، صرف زاویہ نگاہ بدل لو اور نیتوں کے اندر تبدیلی لے آؤ۔ لیکن اس آسان نسخہ پر عمل اس وقت ہو گا جس انسان اس کے لئے تھوڑی سی محنت اور مشقت کرے اور ہر ہر قدم پر اس مشق کو کرنے کی کوشش کرے۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ ساری محبتیں اللہ کے لئے ہو جائیں گی۔

حب فی اللہ کی علامت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے لئے محبت ہونے کی علامت کیا ہے؟ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی محبت کا یہ تقاضہ ہو کہ میں ان محبتوں کو خیرباد کہہ دوں اور چھوڑ دوں تو اس وقت انسان کی طبیعت پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ہو۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ محبت اللہ کے لئے ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے اپنے امتحان کا ایک عجیب موقع عطا فرمایا۔ وہ یہ کہ جب میں گھر گیا اور اہلیہ سے بات ہوئی تو اہلیہ نے تلخ لہجے میں کوئی بات کہہ دی۔ اس وقت میرے منہ سے یہ نکلا کہ "بی بی مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں اور اگر تم کہو تو میں یہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اپنی چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال لوں اور ساری عمر وہیں گزار دوں، لیکن مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے یہ بات کہہ تو دی لیکن بعد میں میں نے

سوچا اور اپنا جائزہ لیا کہ بڑی بات کہہ دی کہ چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال دوں اور ساری عمر اس طرح گزار دوں۔ کیا تم اس کام کے کرنے پر قادر بھی ہو؟ اگر اہلیہ کہہ دے کہ چلو ایسا کرلو تو کیا ایسا کرلو گے؟ اور ساری عمر خانقاہ میں گزار دو گے یا ویسے ہی جھوٹا دعوی کردیا؟ لیکن جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ الحمدللہ میں اس کام پر قادر ہوں۔ چونکہ ساری محبتیں اللہ کے لئے ہوگئی ہیں اس لئے اب اگر کسی وقت اللہ کی محبت کی خاطر دوسری محبت کو چھوڑنا پڑے تو اس وقت کوئی ناقابل برداشت بوجھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ محبت تبدیل ہو کر اللہ کے لئے محبت بن گئی ہے۔

لیکن یہ مقام اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے محنت اور مشق کرنی پڑتی ہے اور یہ محنت اور مشق ایسی چیز نہیں ہے جو ناممکن ہو بلکہ ہر انسان کرسکتا ہے۔ پھر اس محنت اور مشق کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مقام عطا فرمادیتے ہیں وہ کرکے دیکھنے کی بات ہے۔ یہ سب "احب للہ" اللہ کے لئے محبت میں داخل ہے۔

چوتھی علامت

چوتھی علامت ہے "وابغض للہ" بغض اور غصہ بھی اللہ کے لئے ہو۔ یعنی جس کسی پر غصہ ہے یا جس کسی سے بغض ہے وہ اس کی ذات سے نہیں ہے بلکہ اس کے کسی برے عمل سے ہے یا اس کی کسی ایسی بات سے ہے جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ غصہ اور ناراضگی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

ذات سے نفرت نہ کریں

اس لئے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نفرت اور بغض کافر سے نہیں بلکہ اس کے کفر سے ہے، فاسق سے بغض نہیں بلکہ اس کے فسق سے بغض ہے۔ نفرت اور بغض گناہ گار سے نہیں بلکہ گناہ سے ہے۔

جو آدمی فسق و فجور اور گناہ کے اندر مبتلا ہے اس کی ذات غصہ کا محل نہیں بلکہ اس کا فعل غصہ کا محل ہے۔ اس لئے کہ ذات تو قابل رحم ہے۔ وہ بیچارہ بیمار ہے، کفر کی بیماری میں مبتلا ہے، فسق کی بیماری میں مبتلا ہے اور نفرت بیمار سے نہیں ہوتی بلکہ بیماری سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر بیمار سے نفرت کروگے تو پھر اس کی کون دیکھ بھال کریگا؟ لہٰذا فسق و فجور سے اور کفر سے نفرت ہوگی اس کی ذات سے نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی ذات فسق و فجور سے باز آجائے تو وہ ذات گلے لگانے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے اس سے کوئی پرخاش اور کوئی ضد نہیں۔

اس بارے میں حضور اقدس ﷺ کا طرز عمل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھئے: وہ ذات جس نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا یعنی حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا اور جو اس کے سبب بنے یعنی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ، جب یہ دونوں اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے اور اسلام قبول کرلیا تو اب وہ آپ کے اسلامی بہن اور بھائی بن گئے۔ آج حضرت وحشی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کہتے ہیں۔ ہندہ جنہوں نے کلیجہ چبایا تھا آج ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کہا جاتا ہے۔ بات اصل یہ تھی کہ ان کی ذات سے کوئی نفرت نہیں تھی بلکہ ان کے فعل اور ان کے اعتقاد سے نفرت تھی۔ پھر جب بھی توبہ کے ساتھ وہ برا فعل اور برا اعتقاد ختم ہوگیا تو اب ان سے نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ اور مفتی مولانا حکیم ضیاء الدین

صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بحیثیت "صوفی" کے مشہور تھے اور یہ بڑے عالم "مفتی اور فقیہ" کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت خواجہ نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے یہاں سماع کا رواج تھا۔ سماع کا مطلب ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آواز سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ "بدعت" قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے کے مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے بھی "سماع" کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ "سماع" سنتے تھے۔

جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور اطلاع کروائی کہ جاکر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب دیا کہ ان کو باہر روک دیں، میں کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ بدعتی بدعت سے توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں، ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھا اور کہا کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے۔ اس شان سے اندر تشریف لے گئے۔ آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدینؒ کی طرف متوجہ رہے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین کی وفات کا وقت آگیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ حکیم ضیاء الدین

صاحب" کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔

غصہ بھی اللہ کے لئے ہو

بہرحال جو بغض اور غصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ کبھی ذاتی دشمنیاں پیدا نہیں کرتا اور وہ عداوتیں پیدا نہیں کرتا وہ فتنے پیدا نہیں کرتا، کیونکہ جس آدمی سے بغض کیا جارہا ہے اور جس پر غصہ کیا جارہا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ اس کو میری ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ میرے خاص فعل سے اور خاص حرکت سے ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کی بات کا برا نہیں مانتا۔ اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے۔ اس کو فرماتے ہیں:

﴿من احب للہ وابغض للہ﴾

یعنی جس سے تعلق اور محبت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے اور جس سے بغض اور نفرت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ تو یہ غصہ کا بہترین محل ہے بشرطیکہ یہ غصہ شرعی حد کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم کو عطا فرمادے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے ہو، غصہ اور بغض ہو تو وہ اللہ کے لئے ہو۔

لیکن یہ غصہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے منہ میں لگام پڑی ہوئی ہو کہ جہاں اللہ کے لئے غصہ کرنا ہے وہاں تو ہو اور جہاں غصہ نہیں کرنا ہے وہاں لگام ڈال کر اس کو روک دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے: ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں برداشت کرسکتے تھے، فوراً اس کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر

پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے تو اس نے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا، آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ ایسے میں آپ اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہوگئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا اور اس کو مارنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کو گرادیا۔ پھر جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا تو اب مجھے اور زیادہ غصہ آیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا، اور اس وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے، لہٰذا میں اس کو اور زیادہ ماروں۔ تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں اس کو چھوڑ کر الگ ہوگیا۔

یہ درحقیقت اس حدیث من احب للہ وابغض للہ پر عمل فرما کر دکھادیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام دے رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے، بس وہاں تک تو غصہ کرنا ہے۔ اور جہاں اس غصہ کا جائز موقع ختم ہوجائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہوجائے کہ جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہیں حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کان وقافا عند حدود اللہ یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آرہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دیا یہ غصے کی وجہ سے تو دیا لیکن غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جگہ تو مسجد کی ہے، کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے اور وہاں جاکر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوالوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑ دے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا، اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگادیا۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے، انہوں نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگادیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگادیا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے من احب للہ وابغض للہ پہلے جو غصہ اور بغض ہوا تھا وہ اللہ کے لئے ہوا تھا اور اب جو محبت ہے وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ جو شخص یہ کام کرلے اس نے اپنا ایمان کامل بنالیا۔ یہ ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

مصنوعی غصہ کرکے ڈانٹ لیں

بہرحال، اس بغض فی اللہ کی وجہ سے بعض اوقات غصے کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے جو زیر تربیت ہوتے ہیں۔ جیسے استاد ہے اس کو اپنے شاگردوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ شیخ کو اپنے مریدوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ غصہ اس حد تک ہونا چاہئے جتنا اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعت میں اشتعال ہو، اس وقت غصہ نہ کرے۔ مثلاً استاد کو شاگرد پر غصہ آگیا اور اشتعال پیدا ہوگیا۔ اس اشتعال اور غصہ کے وقت ڈانٹ ڈپٹ اور مارپیٹ نہ کرے بلکہ جب طبیعت میں وہ اشتعال اور غصہ ختم ہوجائے اس وقت مصنوعی غصہ کرکے ڈانٹ ڈپٹ کرلے تاکہ

یہ ڈانٹ ڈپٹ حد سے متجاوز نہ ہو۔ یہ کام ذرا مشکل ہے کیونکہ انسان غصہ کے وقت بے قابو ہوجاتا ہے۔ لیکن جب تک اس کی مشق نہیں کریگا اس وقت تک اس غصہ کے مفاسد اور برائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔

چھوٹوں پر زیادتی کا نتیجہ

اور پھر جو زیر تربیت افراد ہوتے ہیں جیسے اولاد، شاگرد، مرید، ان پر اگر غصہ کے وقت حد سے تجاوز ہوجائے تو بعض صورتوں میں یہ بات بڑی خطرناک ہوجاتی ہے کیونکہ جس پر غصہ کیا جارہا ہے وہ اگر آپ سے بڑا ہے یا برابر کا ہے تو آپ کے غصہ کرنے کے نتیجے میں اس کو جو ناگواری ہوگی اس کا اظہار بھی کردے گا اور وہ بتادیگا کہ تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا کم از کم بدلہ لے لے گا لیکن جو تمہارا ماتحت اور چھوٹا ہے وہ تم سے بدلہ لینے پر تو قادر نہیں ہے بلکہ اپنی ناگواری کے اظہار پر بھی قادر نہیں۔ چنانچہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے یا شاگرد اپنے استاد سے یا مرید اپنے شیخ سے یہ نہیں کہے گا کہ آپ نے فلاں وقت جو بات کہی تھی وہ مجھے ناگوار ہوئی۔ اس لئے آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ نے اس کی کتنی دل شکنی کی ہے، اور جب پتہ نہیں چلے گا تو معافی مانگنا بھی آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ بہت نازک معاملہ ہے اور خاص طور سے جو چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ ہوتے ہیں، ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ تو بہت ہی نازک ہے۔ اس لئے کہ وہ نابالغ بچے ہیں اور نابالغ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ معاف بھی کردے تو معافی نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔

خلاصہ

بہرحال، آج کی مجلس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ غصہ بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور اس کے ذریعہ بے شمار

باطنی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداء میں تو یہ کوشش کرے کہ غصہ کا اظہار بالکل نہ ہو، بعد میں جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو اس وقت یہ دیکھے کہ کہاں غصہ کا موقع ہے اور کہاں غصہ کا موقع نہیں۔ جہاں غصہ کا جائز محل ہو بس وہاں جائز حد تک غصہ کرے اس سے زیادہ نہ کرے۔

غصہ کا غلط استعمال

جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ بغض فی اللہ یعنی اللہ کے لئے غصہ کرنا چاہئے۔ لیکن بعض لوگ اس کا انتہائی غلط استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن حقیقت میں وہ غصہ نفسانیت اور تکبر اور دوسرے کی حقارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے ذرا سی دین پر چلنے کی توفیق دے دی اور دین پر ابھی چلنا شروع کیا تو اب ساری دنیا کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ میرا باپ بھی حقیر ہے، میری ماں بھی حقیر ہے، میرا بھائی بھی حقیر ہے، میری بہن بھی حقیر ہے، میرے سارے گھر والے حقیر ہیں۔ ان سب کو حقیر سمجھنا شروع کردیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ سب تو جہنمی ہیں، میں جنتی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ان جہنمیوں کی اصلاح کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب ان کی اصلاح کے لئے ان پر غصہ کرنا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا اور ان کی تحقیر کرنی اور ان کے حقوق تلف کرنا شروع کردیا۔ اور پھر شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میں جو کچھ کررہا ہوں یہ بغض فی اللہ کے ماتحت کررہا ہوں حالانکہ حقیقت میں یہ سب نفسانیت کے تحت کرتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ دین پر نئے نئے چلنے والے ہوتے ہیں۔ شیطان ان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ ان کو بغض فی اللہ کا سبق پڑھا کر ان سے دوسرے مسلمانوں کی تحقیر اور تذلیل کراتا ہے، اور اس کے نتیجے میں لڑائیاں، جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں پر غصہ کرتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں کو ٹوک دیتے ہیں۔

اس کے نتیجے میں فساد پھیل رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک جملہ

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ و فساد پیدا نہیں کرتی۔ گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔ نمبرایک بات حق ہو، نمبردو نیت حق ہو، نمبرتین طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی برائی کے اندر مبتلا ہے اب اس پر ترس کھا کر نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھائے تاکہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے۔ یہ نیت ہو، اس میں اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو اور طریقہ بھی حق ہو یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو فتنہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہوگیا تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات موجود نہیں تھی یا تو بات حق نہ تھی یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔

تم خدائی فوجدار نہیں ہو

یہ بات یاد رکھیں کہ تم خدائی فوجدار بن کر دنیا میں نہیں آئے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ حق بات حق نیت اور حق طریقے سے دوسروں کو پہنچاؤ اور مناسب طریقے سے مسلسل پہنچاتے رہو۔ اس کام سے کبھی مت اکتاؤ۔ لیکن ایسا کوئی کام مت کرو جس سے فتنہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مسلمان تاجر کے فرائض

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۰ر جولائی ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : ایوانِ صنعت وتجارت کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ دور میں
مسلمان تاجر کے فرائض

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم

﴿وابتغ فيما اتك الله الدار الاخرة ولا تنس نصيبك من الدنيا واحسن كما احسن الله اليك ولا تبغ الفساد فى الارض۔ (سورة القصص: ۷۷)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم۔ ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين﴾

تمہید

معزز حاضرین کرام! یہ میرے لئے خوشی اور افتخار کا باعث ہے کہ آج آپ حضرات سے ایک دینی موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ آپ کا یہ ادارہ جس کو "ایوان صنعت و تجارت" کہا جاتا ہے، یہاں عام طور پر جن لوگوں کو خطاب کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، وہ لوگ یہاں آکر یا تو تجارت کے موضوع پر خطاب کرتے ہیں یا سیاست کے موضوع پر خطاب کرتے ہیں۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ میرا سیاست سے بھی عملی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے اور تجارت سے بھی کوئی عملی رابطہ نہیں ہے۔ میں دین کا طالب علم ہوں، اور جہاں کہیں کوئی بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کا موضوع دین ہی سے متعلق ہوتا ہے، لہٰذا آج کی اس نشست میں اسی موضوع پر چند گزارشات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور دین ایسی چیز ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اس میں کوئی بات نہ کہی گئی ہو۔

آج کا موضوع

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے وہ صرف مسجد اور عبادت گاہوں کی حد تک محدود نہیں، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے پر حاوی ہے، چنانچہ آج کی گفتگو کے لئے مجھ سے یہ فرمائش کی گئی ہے کہ میں "موجودہ دور میں مسلمان تاجر کے فرائض" کے موضوع پر گفتگو کروں۔ چنانچہ اسی موضوع پر چند گزارشات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ صحیح بات، حق طریقے سے، حق نیت سے کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دین صرف مسجد تک محدود نہیں

بات دراصل یہ ہے کہ جب سے ہماری امت پر سیاسی اور سماجی زوال کا آغاز ہوا، اس وقت سے یہ عجیب و غریب فضا بن گئی کہ دین کو ہم نے دوسرے مذاہب کی طرح صرف چند عبادتوں کی حد تک محدود کردیا ہے، جب تک ہم مسجد میں ہیں، یا اپنے گھر میں عبادت انجام دے رہے ہیں، اس وقت تو ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام یاد آجاتے ہیں۔ لیکن جب ہم زندگی کی عملی کشاکش میں داخل ہوتے ہیں اور بازار میں پہنچتے ہیں، یا سیاست کے ایوانوں میں پہنچتے ہیں، یا معاشرے کے دوسرے عملی گوشوں میں داخل ہوتے ہیں تو اس وقت دین کے احکام اور دین کی تعلیمات ہمارے ذہنوں میں نہیں رہتیں۔

تلاوت قرآن کریم سے آغاز

ہمارے درمیان یہ بڑا اچھا رواج جاری ہے کہ ہماری امت مسلمہ میں ہر مجلس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوتا ہے، وہ چاہے اسمبلی کی محفل ہو، یا اقتدار کی کوئی تقریب ہو، یا ایوان صنعت و تجارت کی کوئی تقریب ہو، الحمد للہ سب سے پہلے اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ لیکن یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ جس وقت وہ کلام پڑھا جارہا ہے اس وقت تک تو اس کے احترام اور اس کی تعظیم و تکریم کا خیال ذہن میں آتا ہے، لیکن جونہی اس قرآن کریم کی تلاوت ختم ہوتی ہے اور اس کے بعد عملی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے، اس مرحلے پر وہ قرآن کریم یاد نہیں رہتا۔

قرآن کریم ہم سے فریاد کررہا ہے

ہمارے دور کے ایک شاعر گزرے ہیں "ماہر القادری صاحب مرحوم" انہوں نے قرآن کریم کی فریاد پر ایک نظم کہی ہے، اس نظم میں انہوں نے قرآن کریم کو ایک

فریادی کی شکل میں دکھایا ہے۔ وہ اس طرح فریاد کر رہا ہے کہ:

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جب قول و قسم لینے کے لئے
تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے
ہاتھوں میں اٹھایا جاتا ہوں

یعنی مجھے ہر وقت طاقوں میں سجا کر رکھا ہوا ہے، خوشبو میں بسا کر رکھا ہوا ہے، اور ہر مجلس کا آغاز میری تلاوت سے ہوتا ہے، مجھ سے برکت حاصل کی جاتی ہے، اور جب لوگوں کے درمیان جھگڑے پیش آتے ہیں تو پھر مجھے ہاتھوں میں اٹھا کر قسمیں دی جاتی ہیں۔ میرے ساتھ یہ سب سلوک ہو رہا ہے، اور زبان سے میری محبت اور تعظیم کے دعوے کئے جا رہے ہیں، لیکن جس قانون پر لوگ چل رہے ہیں اور جس انداز زندگی کو اختیار کیا ہوا ہے، وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے قرآن! "معاذ اللہ" تیری ہدایت کی ہمیں ضرورت نہیں۔

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ

جن صاحب نے اس وقت جن آیات کی تلاوت فرمائی ہے، وہ بہ موقع تلاوت کی ہیں۔ ان آیات میں ارشاد ہے کہ:

﴿یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ﴾

(سورہ البقرہ: ۲۰۸)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔

یہ نہ ہو کہ مسجد میں جب تک ہو، اس وقت تو تم مسلمان ہو اور بازار میں

مسلمان نہ ہو، اور اقتدار کے ایوان میں مسلمان نہ ہو، بلکہ تم ہر جگہ مسلمان ہو۔

بہرحال، آج کی نشست کا موضوع یہ تجویز کیا گیا تھا کہ "موجودہ دور میں مسلمان تاجر کے فرائض کیا ہیں" اس موضوع کے سلسلے میں میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے، اس کی تھوڑی تشریح پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تشریح کرنے سے پہلے موجودہ دور کا ایک تمہیدی جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ اگر موجودہ حالات کے پس منظر میں جب اس آیت کی تشریح سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو شاید زیادہ فائدہ ہوگا۔

دو معاشی نظریے

ہم اور آپ اس وقت ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں یہ کہا اور سمجھایا جارہا ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بنیادی مسئلہ "معاش کا مسئلہ" ہے۔ اور اسی بنیاد پر اس دور میں دو معاشی نظریوں کے درمیان پہلے فکری اور پھر عملی تصادم رونما ہوا۔ ایک "سرمایہ دارانہ معیشت" کا نظریہ۔ اور دوسرا "اشتراکی معیشت کا نظریہ" ان دونوں نظریوں کے درمیان پچھلی نصف صدی سے زیادہ عرصے تک زبردست ٹکراؤ رہا، اور فکری اور عملی دونوں سطح پر یہ دونوں نظریے برسرپیکار رہے۔ دونوں کے پیچھے ایک فلسفہ اور ایک نظریہ تھا۔ چوہتر ۷۴ سال گزرنے کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اشتراکی معیشت کا جو نظر فریب ایوان تھا وہ بیٹھ گیا۔ اور دنیا نے پُرفریب نظریہ کی حقیقت کو عملی تجربہ گاہ میں پہچان لیا، اور اشتراکیت بحیثیت ایک انقلابی نظام کے فیل ہوگئی۔

اشتراکیت کے وجود میں آنے کے اسباب

لیکن یہ بات سوچنے کی ہے کہ اشتراکیت کیوں وجود میں آئی تھی؟ اور اس کے پیچھے کیا اسباب اور کیا عوامل کار فرما تھے؟ جن لوگوں نے دنیا کے مختلف معاشی

نظاموں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ درحقیقت اشتراکیت ایک ردِ عمل تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر جو امیر اور غریب کے درمیان زبردست دیواریں حائل ہیں، اور اس میں دولت کی تقسیم کا نظام غیر منصفانہ ہے، اس غیر منصفانہ نظام کے ردِ عمل کے طور پر اشتراکیت وجود میں آئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر فرد کو اتنی آزادی دی گئی کہ وہ جس طرح چاہے نفع کمائے، اس پر کسی طرح کی قید اور پابندی نہیں۔ آزاد معیشت اور آزاد تجارت کے نظریہ کے تحت اس کو کھلی چھٹی فراہم کی گئی، اور اس کھلی چھٹی کے نتیجے میں دولت کی تقسیم کا نظام ناہموار ہوگیا، اور امیر وغریب کے درمیان دیواریں کھڑی ہوگئیں۔ غریب کے حقوق پامال ہوئے، اس کے ردِ عمل کے طور پر اشتراکیت کا نظام وجود میں آیا۔ جس نے یہ کہا کہ "فرد کو کوئی آزادی نہیں ہونی چاہئے، اور سرکاری منصوبہ بندی کے تحت معیشت کو کام کرنا چاہئے"

سرمایہ دارانہ نظام میں خرابیاں موجود ہیں

یہ بات ٹھیک ہے کہ اشتراکی نظام ناکام اور فیل ہوگیا، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی جن خرابیوں کی وجہ سے اشتراکی نظام وجود میں آیا تھا، کیا وہ خرابیاں دور ہوگئیں؟ وہ ناانصافیاں جو سرمایہ دارانہ نظام کے اندر پائی جاتی تھیں کیا ان کا کوئی مناسب حل نکل آیا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جو خرابیاں تھیں وہ اپنی جگہ پر برقرار ہیں۔

سب سے زیادہ کمانے والا طبقہ

اور یہ مقامِ عبرت ہے کہ جس تاریخ میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھرا، اور امریکی رسالے "ٹائم" (Time) کے جس شمارے میں یہ خبر اور اس پر تبصرے شائع ہوئے کہ سوویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا اور اشتراکیت کا بت پاش پاش ہوگیا، ٹھیک

اسی شمارے میں امریکی نظام حیات کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اسی بات پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ اس وقت امریکی نظام زندگی میں اپنی خدمات کے عوض سب سے زیادہ کمانے والا طبقہ کونسا ہے؟ اس مضمون میں یہ کہا گیا تھا کہ ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ کمانے والا طبقہ "ماڈل گرلز" کا طبقہ ہے، جو موڈلنگ کرکے پیسے کماتی ہیں۔ اور اس مضمون میں لکھا تھا کہ بعض ماڈل گرل ایسی ہیں جو ایک دن کی خدمات کا معاوضہ ۲۵ ملین ڈالر وصول کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ کمانے والا طبقہ کوئی اور نہیں ہے۔ یہ ۲۵ ملین ڈالر جو ایک ماڈل گرل کو دیے جارہے ہیں، یہ کون ادا کررہا ہے؟ اور کس کی جیب سے یہ رقم جارہی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ۲۵ ملین ڈالر آخرکار صارفین سے وصول کیے جائیں گے۔ ایک ہی شمارے میں یہ دونوں باتیں پڑھ کر مجھے عبرت ہورہی تھی کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کرکے بغلیں بجائی جارہی ہیں کہ ہم نے اشتراکیت کے بت کو پاش پاش کردیا، لیکن جس چیز نے اشتراکیت کو جنم دیا تھا اس چیز کی طرف کسی کی نظر اور کسی کو فکر نہیں۔ آج آپ نے اشتراکیت کے ایک بت کو تو پاش پاش کردیا، لیکن اس کے اصل سبب اور محرک کو ختم نہیں کیا تو کل کو ایک اور اشتراکیت ابھر کر سامنے آجائے گی۔ پہلی اشتراکیت نے انسانیت کو زخم دیے، پھر دوسری اشتراکیت آکر اس سے زیادہ زخم لگائے گی۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اصل خرابی

صحیح بات یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں نہ تو اس وجہ سے خرابی تھی کہ اس میں فرد کو منافع کمانے کی مکمل آزادی دی گئی ہے، اور نہ تو اس وجہ سے خرابی تھی کہ اس میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، بلکہ درحقیقت خرابی اس وجہ سے تھی کہ اس نظام معیشت میں حلال و حرام کی کوئی تقسیم نہیں تھی، جائز اور ناجائز کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین اور معیشت کا جو نظام ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگرچہ انسان اپنی معیشت اور تجارت میں آزاد ضرور ہے، لیکن اپنے خالق اور مالک کے بتائے ہوئے احکام کا پابند بھی ہے۔ لہٰذا اس کی تجارت، اس کی صنعت اور اس کی معیشت حلال وحرام کے اصولوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور جب تک حلال و حرام کے ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تجارت و معیشت کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوگا اس وقت تک اسی قسم کی بے اعتدالیوں اور ناکامیوں کا راستہ کھلا رہے گا۔

ایک امریکی افسر سے ملاقات

جس زمانے میں سود کے بارے میں "فیڈرل شریعت کورٹ" کا فیصلہ منظر عام پر آیا، اس وقت پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے معاشی امور کے انچارج میرے پاس آئے اور اس فیصلے کے بارے میں کچھ تفصیلات معلوم کیں۔ اس وقت اشتراکیت کی ناکامی کا تازہ تازہ واقعہ پیش آیا تھا۔ میں نے آخر میں ان سے گزارش کی کہ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آج امریکہ کا ڈنکا بج رہا ہے، اور بلاشبہ آپ لوگوں نے عالمی سطح پر اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے کہ آج یہ کہا جارہا ہے کہ پوری دنیا میں اس وقت صرف ایک سپر طاقت ہے، دوسری کوئی طاقت نہیں۔ لیکن میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اشتراکیت کی اس ناکامی کے بعد کیا آپ نے کبھی اس پہلو پر غور کیا کہ جن اسباب کے نتیجے میں یہ اشتراکیت ابھری تھی، کیا وہ اسباب ختم ہوگئے ہیں؟ اور کیا اب دوبارہ ان اسباب پر غور کرنے کی ضرورت نہیں؟ لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی شخص کھڑا ہو کر یہ کہتا ہے کہ اشتراکیت کی ناکامی اپنی جگہ پر ہے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کا ایک حل ہمارے پاس موجود ہے، اور وہ یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حلال و حرام کے اصولوں کی بنیاد پر اپنی معیشت کے اصولوں

کو استوار کرنا ہے، تو آپ کی طرف سے اس کو بنیاد پرستی کے طعنے دیے جاتے ہیں، اس کو فنڈامینٹلسٹ کہا جاتا ہے، اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اور اس کو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کے خیال میں کیا کوئی تیسرا تصور وجود ہی میں نہیں آسکتا؟ آپ اس پر غور کرنے کے لئے کیوں تیار نہیں؟

وہ کافی توجہ سے میری بات سنتے رہے۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے جو ذرائع ابلاغ ہیں، انہوں نے بلاشبہ اسلامی احکام اور تعلیمات کو بڑا مسخ کر کے پیش کرنا شروع کر دیا ہے، میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور سود کے بارے میں جس طرح آپ نے وضاحت سے بتایا، اس طرح وضاحت کے ساتھ میں نے پہلی بار یہ مسئلہ سنا ہے، اور یہ سمجھتا ہوں کہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ پروپیگنڈے کے خوگر ہیں۔ اس وجہ سے جب بھی اس قسم کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو وہ اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ ان کا اچھا طرز عمل نہیں ہے۔

صرف اسلام کا نظام معیشت منصفانہ ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر دوسرے لوگ اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کے بارے میں ایسی باتیں کریں تو ان کو معذور سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے "اسلام" کو سمجھا ہی نہیں، اسلام کو پڑھا ہی نہیں، اسلام پر ان کو اعتقاد ہی نہیں، اسلام ان کو کیا سکھاتا ہے اس سے ان کو کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ لیکن ہم اور آپ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور کلمہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنی ہر مجلس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کرتے ہیں، ہمارے پاس اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ ہم اسلام کے اس عظیم پہلو سے اپنے آپ کو غافل اور بے خبر رکھیں، اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں کہ ہمارے

دین اسلام نے معیشت کے میدان میں ہمیں کیا تعلیم دی ہے؟ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں اشتراکیت ناکام ہو چکی ہے، اور سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اپنی جگہ جوں کی توں باقی ہیں، ایسے معاشرے میں اگر کوئی نظام انسانیت کے لئے ایک اعتدال کی راہ پیش کر سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا نظام ہے۔ اس یقین کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر اس آیت کریمہ پر غور کیا جائے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے تو اس میں ہماری اور آپ کی رہنمائی کے لئے بہت بڑا سامان ہے۔

قارون اور اس کی دولت

یہ آیت کریمہ سورۃ قصص کی آیت ہے، اس آیت میں قارون کو خطاب کیا گیا ہے، یہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت دولت مند شخص تھا، چنانچہ قارون کا خزانہ بہت مشہور ہے، یہ اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کی دولت کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا:

﴿ ان مفاتحه لتنوأ بالعصبة اولی القوة ﴾

(سورۃ القصص:٧٦)

یعنی اس کے خزانوں کی چابیاں بھی اتنی زیادہ تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر ان چابیوں کو اٹھا پاتی تھی۔ اس زمانے میں چابیاں بھی بڑی وزنی ہوا کرتی تھیں۔ پھر اس کے خزانے بہت پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو جو ہدایات دیں وہ اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اگرچہ اس آیت میں براہ راست خطاب تو قارون کو ہے، لیکن اس کے واسطے سے ہر اس شخص کو خطاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہو۔

قارون کو چار ہدایات

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وابتغ فیما اتاک اللّٰہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللّٰہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض﴾

یہ چار جملے ہیں۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ جو کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم کو (دولت) عطا فرمائی ہے اس کے ذریعہ آخرت کی فلاح و بہبود کو طلب کرو۔ دوسرے جملے میں فرمایا کہ (یہ نہ ہو کہ آخرت کی فلاح طلب کرنے کے لئے ساری دولت لٹادو اور دنیا میں اپنے پاس دولت بالکل نہ رکھو بلکہ) دنیا کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اس کو مت بھولو (اس کو اپنے پاس رکھو، اس کا حق ادا کرو) تیسرے جملے میں ارشاد فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ دولت عطا کرکے) احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان اور اچھائی کا معاملہ کرو۔ چوتھے جملے میں ارشاد فرمایا کہ اپنی اس دولت کے بل بوتے پر زمین میں فساد مت مچاؤ۔ (اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش مت کرو) اس آیت میں یہ چار ہدایات قارون کو دیں۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ چار ہدایات ایک تاجر کے لئے، ایک صنعت کار کے لئے اور ایک ایسے مسلمان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر کچھ بھی عطا فرمایا ہو، ایک پورا نظام عمل پیش کررہی ہیں۔

پہلی ہدایت

سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ تم میں اور ایک غیر مسلم میں فرق یہ ہے کہ غیر مسلم جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ دولت مجھے حاصل ہے، یہ سب میری قوت بازو کا کرشمہ ہے، میں نے اپنی محنت سے، اپنی

صلاحیت سے اور اپنی جدوجہد سے اس کو کمایا اور حاصل کیا ہے، لہٰذا میں اس دولت کا بلاشرکت غیر مالک ہوں، اور کسی شخص کو میری دولت میں مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ یہ دولت میری ہے، یہ مال میرا ہے، میں نے اپنی قوت بازو کے بل پر اسے کمایا ہے، اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اس کو کمایا ہے۔ لہٰذا میں اس دولت کو کمانے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں، اور اس کو خرچ کرنے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے معاملات میں دخل اندازی کرے۔

قوم شعیب اور سرمایہ دارانہ ذہنیت

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ:

﴿اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشٰؤا﴾ (سورۃ ھود: ۸۷)

(یعنی یہ جو آپ ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال و حرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے ہمارے معاشی مسائل میں کہاں سے دخل اندازی شروع کردی۔ تم اگر نماز پڑھنا چاہو تو اپنے گھر جاکر نماز پڑھو) کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کیا کرتے تھے، یا ہمارا جو مال ہے اس میں ہم جو چاہیں کریں ______ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح چاہیں گے کریں گے، جس طرح چاہیں گے کمائیں گے۔ اور جس طرح چاہیں گے خرچ کریں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بھی یہی ذہنیت تھی۔ اس کی تردید میں یہ بات کہی گئی کہ جو دولت تمہارے پاس ہے یہ کلی طور پر تمہاری نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولله ما فی السموات وما فی الارض﴾

(سورۃ النساء:۱۳۱)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمادی ہے، اس لئے فرمایا: ما اتاک اللّٰہ یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس کے ذریعہ آخرت طلب کرو، یہ نہیں فرمایا کہ واہتغ فی مالک اپنے مال کے ذریعہ آخرت طلب کرو۔

مال و دولت اللہ کی عطا ہے

لہٰذا پہلی بات یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، چاہے وہ نقد روپیہ ہو، چاہے وہ بینک بیلنس ہو۔ چاہے وہ صنعت ہو یا تجارت ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بیشک اس کو حاصل کرنے میں تمہاری جدوجہد اور کوشش کو بھی دخل ہے، لیکن تمہاری یہ کوشش دولت حاصل کرنے کے لئے علت حقیقی کا درجہ نہیں رکھتی، اس لئے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو محنت اور کوشش کرتے ہیں، مگر مال و دولت حاصل نہیں کرپاتے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت ہے، لیکن محنت کے ذریعہ مزید دولت حاصل نہیں کرپاتے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ لہٰذا یہ تصور ذہن سے نکال دو کہ یہ دولت تمہاری ہے، بلکہ یہ دولت اللہ کی ہے، اور اللہ نے اپنے فضل وکرم سے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دے دی۔

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ مسلمان اپنی دولت کو

اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے، جبکہ غیر مسلم اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں سمجھتا، بلکہ اس دولت کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اس دولت کو آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنائے، اور دولت کو حاصل کرنے اور اس کو خرچ کرنے میں ایسا طرز عمل اختیار کرے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، تاکہ یہ دنیا اس کے لئے دین کا ذریعہ بن جائے اور آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جائے۔ یہی دنیا ہے کہ اگر اس کے حصول میں انسان کی نیت درست ہو اور اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے حلال و حرام کے احکام کی پابندی ہو تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے، اور یہی دنیا آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، لیکن غیر مسلم کے دل میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا تصور ہوتا ہے اور نہ اس کے احکام کی پابندی کا خیال ہوتا ہے، اور مسلمان کے دل میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ دنیا دین بنادی۔ اگر ایک تاجر اس نیت کے ساتھ تجارت کرے کہ میں دو وجہ سے تجارت کررہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق عائد کئے ہوئے ہیں۔ میرے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ میرے بچوں کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، میری بیوی کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ تجارت کررہا ہوں۔ دوسرے اس لئے میں تجارت کررہا ہوں کہ اس تجارت کے ذریعہ میں معاشرے میں ایک چیز فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاؤں، اور مناسب طریقے سے ان کی اشیاء ضرورت ان تک پہنچاؤں۔ اگر تجارت کرتے وقت دل میں یہ دو نیتیں موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ حلال طریقے کو اختیار کرے اور حرام طریقے سے بچے تو پھر یہ ساری تجارت عبادت ہے۔

تاجروں کی دو قسمیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء﴾ (ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجارة)

یعنی ایک امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ لیکن اگر تجارت کے اندر نیت صحیح نہ ہو اور حلال و حرام کی فکر نہ ہو تو پھر ایسے تاجر کے بارے میں پہلی حدیث کے برخلاف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿التجار یحشرون یوم القیامة فجارا الا من اتقی وبر وصدق﴾

یعنی تجار قیامت کے دن فجار بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ "فجار" کے معنی ہیں: فاسق و فاجر، نافرمان، گناہ گار، سوائے اس تاجر کے جو تقویٰ اختیار کرے، نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔ اگر یہ تین شرطیں موجود نہیں ہیں تو وہ تاجر فجار میں شامل ہے۔ اور اگر یہ تین شرطیں موجود ہیں تو پھر وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی صف میں شامل ہے۔ ایسے تاجر کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام بخشا ہے۔

بہرحال، پہلا مرحلہ نیت کی درستی ہے۔ اور دوسرا مرحلہ عمل کے اندر حلال و حرام کا امتیاز ہے۔ یہ نہ ہو کہ مسجد کی حد تک تو وہ مسلمان ہے، لیکن مسجد سے باہر نکلنے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہو کہ میں جو کاروبار کرنے جارہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس دوسرے مرحلے پر مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں۔ ایک غیر مسلم سودی کاروبار کر رہا ہے تو مسلمان بھی سودی کاروبار کر رہا ہے، غیر مسلم قمار کا کام کر رہا ہے تو مسلمان بھی کر رہا ہے، اگر کسی مسلمان تاجر کے اندر یہ بات ہے تو پھر ایسا تاجر اس وعید کے اندر داخل ہے

جو دوسری حدیث میں اوپر عرض کی۔ اور اگر یہ بات نہیں تو پھر وہ تاجر پہلی حدیث میں بیان کی گئی بشارت کا مستحق ہے۔

دوسری ہدایت

اب دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسلام نے ہماری تجارت کا راستہ بھی بند کر دیا اور یہ فرمادیا کہ بس آخرت ہی کو دیکھو، دنیا کو مت دیکھو، اور دنیا کے اندر اپنی ضروریات کا خیال نہ کرو۔ اس خیال کی تردید کے لئے قرآن کریم نے فوراً دوسرے جملے میں دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ:

﴿ولا تنس نصيبك من الدنيا﴾

یعنی ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ تمہارا دنیا کا جو حصہ ہے اس کو مت بھولو، اس کے لئے جائز اور حلال طریقے اختیار کرنے کی کوشش کرو۔

یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں

لیکن قرآن کریم کے انداز بیان نے ایک بات اور واضح کردی کہ تمہارا بنیادی مسئلہ اس زندگی کے اندر "معاش کا مسئلہ" نہیں۔ بیشک قرآن و حدیث میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش کے مسئلے کو تسلیم کیا ہے، لیکن یہ معاش کا مسئلہ تمہاری زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک کافر اور مؤمن میں یہی فرق ہے کہ کافر اپنی ساری زندگی کا بنیادی مسئلہ اس کو سمجھتا ہے کہ میری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک میرے کھانے کمانے کا کیا انتظام ہے، اس سے آگے اس کی سوچ اور فکر نہیں جاتی۔ لیکن ایک مسلمان کو قرآن و حدیث یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بیشک معاشی سرگرمیوں کی تمہیں اجازت ہے، لیکن یہ تمہاری زندگی کا بنیادی

مقصد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو خدا جانے کتنے دنوں کی ہے، آج بھی ختم ہو سکتی ہے، کل بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہر لمحے اس زندگی کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔ آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے موت سے انکار کیا ہو، خدا کا انکار کرنے والے دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دنیا سے ضرور جانا ہے۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو یقیناً تمہارا یہ اعتقاد ہوگا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔

کیا انسان ایک معاشی جانور ہے؟

ذرا سی عقل رکھنے والے انسان کو بھی یہ بات سوچنی چاہئے کہ اس کو اپنی جدوجہد اور اپنی زندگی کا بنیادی مقصد اس چند روزہ زندگی کو بنانا چاہئے، یا اس آنے والی دائمی زندگی کو اپنا مقصد بنانا چاہئے؟ ایک مسلمان جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ایمان رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا بنیادی مقصد صرف کمائی کر پورا نہیں ہو جاتا، صرف زیادہ سے زیادہ روپیہ پیسہ جمع کرکے پورا نہیں ہو جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ انسان کی تعریف میں یہ جو کہا گیا ہے کہ انسان ایک معاشی جانور (Economic animal) ہے۔ یہ تعریف درست نہیں، اس لئے کہ اگر انسان صرف (Economic animal) ہوتا تو پھر انسان میں اور بیل، گدھے، کتے میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ جانور کھانے پینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، اگر انسان بھی صرف کھانے پینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو انسان میں اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سارے جانوروں کے لئے رزق کے دروازے کھولے ہیں، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، لیکن انسان کو جانوروں سے جو امتیاز عطا فرمایا ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، اور اس عقل کے ذریعہ وہ یہ سوچے کہ

آئندہ آنے والی زندگی ایک دائمی زندگی ہے۔ اور وہ زندگی اس موجودہ زندگی پر فوقیت رکھتی ہے۔

بہرحال، اس دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو، لیکن یہ یاد رکھو کہ زندگی کا اصل مقصود دار آخرت ہے۔ اور یہ جتنی معاشی سرگرمیاں ہیں، یہ راستے کی منزل ہیں، یہ خود منزل مقصود نہیں۔

تیسری ہدایت

پھر تیسرے جملے میں یہ ہدایت دی کہ:

﴿واحسن کما احسن اللّٰہ الیک﴾

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دولت عطا کرکے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی دوسروں پر احسان کرو۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتادیا کہ حلال و حرام میں فرق کرو، اور حرام کے ذریعہ مال حاصل نہ کرو۔ اور دوسری طرف یہ بھی بتادیا کہ جو چیز حلال طریقے سے حاصل کی ہے، اس کے بارے میں بھی یہ مت سمجھو کہ میں اس کا بلا شرکت غیر مالک ہوں۔ بلکہ اس کے ذریعہ تم دوسروں پر احسان کا معاملہ کرو۔ اور احسان کرنے کے لئے زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

چوتھی ہدایت

چوتھے جملے میں یہ ہدایت دی کہ:

﴿ولا تبغ الفساد فی الارض﴾

زمین میں فساد مت پھیلاؤ، یعنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مت ڈالو۔ دوسروں کے حقوق غصب مت کرو۔ اگر تم نے ان چار ہدایات پر عمل کرلیا تو تمہاری یہ دولت، تمہارا یہ سرمایہ اور تمہاری یہ معاشی سرگرمیاں

تمہارے لئے مبارک ہیں۔ اور تم انبیاء، صدیقین، اور شہداء کی فہرست میں شامل ہو۔ اور اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری ساری معاشی سرگرمیاں بیکار ہیں۔ اور آخرت میں اس کا نتیجہ سزا اور عذاب کی صورت میں سامنے آجائے گا۔

دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں

بہرحال، اس وقت ہمارے مسلمان تاجروں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی ان چار ہدایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کریں۔ اس دنیا کے سامنے جو سرمایہ داری سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے، اور اشتراکیت سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے۔ اور ایسا نمونہ پیش کریں جو دوسروں کے لئے باعث کشش ہو۔ جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اس دور کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرے گا۔

کیا ایک آدمی معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے؟

آجکل یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جب تک نظام نہ بدلے، اور جب تک سب لوگ نہ بدلیں، اس وقت تک اکیلا آدمی کیسے تبدیلی لا سکتا ہے؟ اور اکیلا آدمی ان چار ہدایتوں پر کس طرح عمل کر سکتا ہے؟ یاد رکھئے! نظام اور معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے، اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ سوچتا رہے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک میں بھی نہیں بدلوں گا، تو پھر معاشرے میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ تبدیلی ہمیشہ اس طرح آیا کرتی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ فرد بن کر اپنی زندگی میں تبدیلی لاتا ہے، پھر اس چراغ کو دیکھ کر دوسرا چراغ جلتا ہے، اور پھر دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے، اسی طرح افراد کے سنورنے سے معاشرہ سنورتا ہے، اور افراد سے قوموں کی تعمیر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عذر کہ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا، یہ معقول عذر نہیں۔

حضور ﷺ کس طرح تبدیلی لائے

جب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اس وقت معاشرے کی خرابیاں اور برائیاں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں، اس وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچتے کہ اتنا بڑا معاشرہ الٹی سمت کی طرف جارہا ہے میں تنہا کیا کرسکوں گا، اور یہ سوچ کر آپ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے تو آج ہم اور آپ یہاں پر مسلمان بیٹھے ہوئے نہ ہوتے۔ آپ نے دنیا کی مخالفتوں کے سیلاب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک راہ ڈالی، نیا راستہ نکالا، اور اس راستے پر گامزن ہوئے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آپ کو اس راستے میں قربانیاں بھی دینی پڑیں، آپ کو پریشانیاں بھی پیش آئیں۔ مشکلات بھی سامنے آئیں، لیکن آپ نے ان سب کو گوارہ کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کی ایک تہائی آبادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا اور ان کی غلام ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سوچ کر بیٹھ جاتے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک تنہا میں کیا کرسکتا ہوں تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

ہر شخص اپنے اندر تبدیلی لائے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ذمہ داری اس کے اپنے اوپر ڈالی ہے۔ لہٰذا اس بات کو دیکھے بغیر کہ دوسرے لوگ کیا کررہے ہیں، ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے طرز عمل کو درست کرے۔ اور کم از کم اس بات کی طلب ہمارے دلوں میں پیدا ہوجائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معیشت کے میدان میں اور تجارت و صنعت کے میدان میں کن احکام کا پابند کیا ہے؟ ان احکام پر ہم کس طرح عمل کرسکتے ہیں۔ اس کی معلومات حاصل کرکے اس پر عمل کرنے کا جذبہ اور عزم پیدا ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجلس انشاء اللہ بڑی مبارک اور مفید ہے۔ ورنہ نشستن و گفتن و برخاستن والی مجلسیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ جذبہ اور یہ تصور اور یہ خیال اور یہ عزم ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمادے جو اس وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہماری دنیا و آخرت دونوں سنواردے۔ اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اپنے معاملات صاف رکھیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے معاملات صاف رکھیں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
﴿یا یھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (النساء:۲۹) آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

معاملات کی صفائی ـــــ دین کا اہم رکن

یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ دین کے ایک بہت اہم رکن سے متعلق ہے، وہ دین کا اہم رکن "معاملات کی درستی اور اس کی صفائی" ہے۔ یعنی انسان کا معاملات میں اچھا ہونا اور خوش معاملہ ہونا، یہ دین کا بہت اہم

باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے، ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کررکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ، وظائف اور اوراد میں منحصر کرلیا ہے، لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے، اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے، گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

تین چوتھائی دین معاملات میں ہے

فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہمارے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور اس کتاب کو پڑھ کر لوگ عالم بنتے ہیں۔ اس کا نام ہے "ھدایہ" اس کتاب میں طہارت سے لے کر میراث تک شریعت کے جتنے احکام ہیں، وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں، پہلی جلد عبادات سے متعلق ہے جس میں طہارت کے احکام، نماز کے احکام، زکوٰۃ، روزے، اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اور باقی تین جلدیں معاملات یا معاشرت کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ دین کے احکام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق ہے اور تین چوتھائی حصہ معاملات سے متعلق ہے۔

معاملات کی خرابی کا عبادت پر اثر

پھر اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کا یہ مقام رکھا ہے کہ اگر انسان روپے پیسے کے معاملات میں حلال و حرام کا، اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہ رکھے تو عبادات پر بھی اس کا اثر یہ واقع ہوتا ہے کہ چاہے وہ عبادات ادا ہوجائیں لیکن ان کا اجر و ثواب اور ان کی قبولیت موقوف ہوجاتی ہے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کردیجئے، فلاں مقصد پورا کردیجئے، بڑی عاجزی سے، الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعائیں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، اور ان کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا، فانی یستجاب لہ الدعاء ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

معاملات کی تلافی بہت مشکل ہے

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہوجائے تو اس کی تلافی آسان ہے مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کرلو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کرسکے تو وصیت کرجاؤ کہ اگر میں مرجاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں سے اس کا فدیہ ادا کردیا جائے اور توبہ کرلو۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہوجائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھالیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحب حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت تھانویؒ اور معاملات

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اولیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معمولات، نوافل اور اوراد و وظائف پورے نہیں کئے تو

اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو۔ لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، جن کو آپ نے خلافت بھی عطا فرمادی تھی اور ان کو بیعت اور تلقین کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر کرکے حضرت والا کی خدمت میں تشریف لائے، ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا، انہوں نے آکر سلام کیا اور ملاقات کی، اور بچے کو بھی ملوایا کہ حضرت یہ میرا بچہ ہے، اس کے لئے دعا فرمادیجئے۔ حضرت والا نے بچے کے لئے دعا فرمائی، اور پھر ویسے ہی پوچھ لیا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اس کی عمر ۱۳ سال ہے، حضرت نے پوچھا کہ آپ نے ریل گاڑی کا سفر کیا ہے تو اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا تھا یا پورا ٹکٹ لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: کہ آپ نے آدھا ٹکٹ کیسے لیا جب کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا تو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قانون تو یہی ہے کہ بارہ سال کے بعد ٹکٹ پورا لینا چاہئے، اور یہ بچہ اگرچہ ۱۳ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں ۱۲ سال کا لگتا ہے، اس وجہ سے میں نے آدھا ٹکٹ لے لیا۔ حضرت نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف اور طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی، آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس اور ادراک نہیں کہ بچے کو جو سفر آپ نے کرایا، یہ حرام کرایا۔ جب قانون یہ ہے کہ ۱۲ سال سے زائد عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ریلوے کے آدھے ٹکٹ کے پیسے غصب کرلئے اور آپ نے چوری کرلی۔ اور جو شخص چوری اور غصب کرے ایسا شخص تصوف اور طریقت میں کوئی مقام نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا آج

سے آپ کی خلافت اور اجازت بیعت واپس لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بات پر ان کی خلافت سلب فرمالی۔ حالانکہ اپنے اوراد و وظائف میں، عبادات اور نوافل میں، تہجد اور اشراق میں، ان میں سے ہر چیز میں بالکل اپنے طریقے پر مکمل تھے، لیکن یہ غلطی کی کہ بچے کا ٹکٹ پورا نہیں لیا، صرف اس غلطی کی بناء پر خلافت سلب فرمالی۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب کبھی ریلوے میں سفر کرو، اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لیجانے کی اجازت دی ہے، تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کرو، پھر سفر کرو۔ خود حضرت والا کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے، گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا، آپ اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرایا جاتا تھا اور جاکر لائن میں لگ گئے۔ اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ وہاں آگیا اور حضرت والا کو دیکھ کر پہچان لیا، اور پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔ گارڈ نے کہا کہ آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جارہا ہوں، آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟ گارڈ نے کہا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟ گارڈ نے کہا کہ اس اسٹیشن پر دوسرا گارڈ آئے گا، میں اس کو بتادوں گا کہ یہ حضرت کا سامان ہے، اس کے بارے میں کچھ پوچھ کچھ مت کرنا۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے کہا کہ وہ تو اور آگے جائے گا، اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آجائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اور آگے

جاؤں گا یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا اور اپنی قبر میں جاؤں گا، وہاں پر کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو۔ تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا؟

معاملات کی خرابی سے زندگی حرام

چنانچہ وہاں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرارہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ہے۔ حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کردیں، لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس نہ آئے، یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ آج کتنے لوگ اس قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کررہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کام کرکے چند پیسے بچالئے تو وہ چند پیسے حرام ہوگئے، اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے برے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھارہے ہیں، اسی سے کپڑے بنارہے ہیں، اسی سے لباس تیار ہورہا ہے، جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہورہی ہے۔ اور ہم چونکہ بے حس ہوگئے ہیں، اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے برے نتائج کا ہمیں ادراک بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچارہا ہے۔ اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احساس عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا چند مشکوک لقمے کھانا

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر استاذ تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک دعوت میں چلا گیا اور وہاں جاکر کھانا کھالیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس شخص کی آمدنی مشکوک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں مہینوں تک ان چند لقموں کی ظلمت اپنے دل میں محسوس کرتا رہا، اور مہینوں تک میرے دل میں گناہ کرنے کے جذبات پیدا ہوتے رہے، اور طبیعت میں یہ داعیہ بار بار پیدا ہوتا تھا کہ فلاں گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں۔ حرام مال سے یہ ظلمت پیدا ہوجاتی ہے۔

حرام کی دو قسمیں

یہ جو آج ہمارے دلوں سے گناہوں کی نفرت مٹتی جارہی ہے، اور گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہورہا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مال میں حرام مال کی ملاوٹ ہوچکی ہے۔ پھر ایک تو وہ حرام ہے جو کھلا حرام ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسے رشوت کا مال، سود کا مال، جوا کا مال، دھوکے کا مال، چوری کا مال وغیرہ۔ لیکن حرام کی دوسری قسم وہ حرام ہے جس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی حرام ہے اور وہ حرام چیز ہمارے کاروبار میں مل رہی ہے۔ اس دوسری قسم کی تفصیل سنئے۔

ملکیت متعین ہونی چاہئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ معاملات چاہے بھائیوں کے درمیان ہوں، باپ بیٹے کے درمیان ہوں، شوہر اور بیوی کے درمیان ہوں۔ وہ

معاملات بالکل صاف اور بے غبار ہونے چاہئیں اور ان میں کوئی غبار نہ ہونا چاہئے۔ اور ملکیتیں آپس میں متعین ہونی چاہئیں کہ کونسی چیز باپ کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیٹے کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز شوہر کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیوی کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز ایک بھائی کی ہے اور کونسی چیز دوسرے بھائی کی ہے۔ یہ ساری بات واضح اور صاف ہونی چاہئے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿تعاشروا کالاخوان، تعاملوا کالاجانب﴾

یعنی بھائیوں کی طرح رہو، لیکن آپس کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔ مثلاً اگر قرض کا لین دین کیا جارہا ہے تو اس کو لکھ لو کہ یہ قرض کا معاملہ ہے، اتنے دن کے بعد اس کی واپسی ہوگی۔

باپ بیٹوں کے مشترک کاروبار

آج ہمارا سارا معاشرہ اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ کوئی بات صاف ہی نہیں۔ اگر باپ بیٹوں کے درمیان کاروبار ہے تو وہ کاروبار ویسے ہی چل رہا ہے، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ بیٹے باپ کے ساتھ جو کام کررہے ہیں وہ آیا شریک کی حیثیت میں کررہے ہیں، یا ملازم کی حیثیت میں کررہے ہیں، یا ویسے ہی باپ کی مفت مدد کررہے ہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں، مگر تجارت ہورہی ہے، ملیں قائم ہورہی ہیں، دکانیں بڑھتی جارہی ہیں، مال اور جائیداد بڑھتا جارہا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ اگر ان سے کہا بھی جائے کہ اپنے معاملات کو صاف کرو، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو غیریت کی بات ہے۔ بھائیوں بھائیوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ یا باپ بیٹوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شادیاں ہوجاتی ہیں اور بچے ہوجاتے ہیں، اور شادی میں کسی نے زیادہ خرچ

کرلیا اور کسی نے کم خرچ کیا۔ یا ایک بھائی نے مکان بنالیا اور دوسرے نے ابھی تک مکان نہیں بنایا۔ بس اب دل میں شکایتیں اور ایک دوسرے کی طرف سے کینہ پیدا ہونا شروع ہوگیا، اور اب آپس میں جھگڑے شروع ہوگئے کہ فلاں زیادہ کھا گیا اور مجھے کم ملا۔ اور اگر اس دوران باپ کا انتقال ہوجائے تو اس کے بعد بھائیوں کے درمیان جو لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں وہ لامتناہی ہوتے ہیں، پھر ان کے حل کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

باپ کے انتقال پر میراث کی تقسیم فوراً کریں

جب باپ کا انتقال ہوجائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ فوراً میراث تقسیم کرو، میراث تقسیم کرنے میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ لیکن آج کل یہ ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال پر میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وہ کاروبار پر قابض ہوجاتا ہے۔ اور بیٹیاں خاموش بیٹھی رہتی ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا حق ہے اور کیا نہیں ہے؟ یہاں تک کہ اسی حالت میں دس سال اور بیس سال گزر گئے۔ اور پھر اس دوران کسی اور کا بھی انتقال ہوگیا، یا کسی بھائی نے اس کاروبار میں اپنا پیسہ ملا دیا، پھر سالہا سال گزرنے کے بعد جب ان کی اولاد بڑی ہوئی تو اب جھگڑے کھڑے ہوگئے۔ اور جھگڑے ایسے وقت میں کھڑے ہوئے جب ڈور الجھی ہوئی ہے۔ اور جب وہ جھگڑے انتہاء کی حد تک پہنچے تو اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ مفتی صاحب بیچارے ایسے وقت میں کیا کریں گے۔ اب اس وقت یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ جس وقت کاروبار کے اندر شرکت تھی، اور بیٹے اپنے باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کررہے تھے، اس وقت بیٹے کس حیثیت میں کام کررہے تھے؟

مشترک مکان کی تعمیر میں حصہ داروں کا حصہ

یا مثلاً ایک مکان بن رہا ہے، تعمیر کے دوران کچھ پیسے باپ نے لگادیئے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگادیئے کچھ دوسرے بیٹے نے لگادیئے، کچھ تیسرے بیٹے نے لگادیئے۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کون کس حساب سے کس طرح سے کس تناسب سے لگا رہا ہے، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جو پیسے تم لگا رہے ہو وہ آیا بطور قرض کے دے رہے ہو اور اس کو واپس لوگے، یا مکان میں حصہ دار بن رہے ہو، یا بطور امداد اور تعاون کے پیسے دے رہے ہو، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اب مکان تیار ہوگیا اور اس میں رہنا شروع کردیا۔ اب جب باپ کا انتقال ہوا یا آپس میں دوسرے مسائل پیدا ہوئے تو اب مکان پر جھگڑے کھڑے ہوگئے۔ اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ فلاں بھائی یہ کہتا ہے کہ میرا اتنا حصہ ہے، مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ دوسرا کہتا ہے مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی! جب تم نے اس مکان کی تعمیر میں پیسے دیئے تھے، اس وقت تمہاری کیا نیت تھی؟ کیا تم نے بطور قرض دیے تھے؟ یا تم مکان میں حصہ دار بننا چاہتے تھے؟ یا باپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟ اس وقت کیا بات تھی؟ تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم نے تو پیسے دیتے وقت کچھ سوچا ہی نہیں تھا، نہ تو ہم نے مدد کے بارے میں سوچا تھا، اور نہ حصہ داری کے بارے میں سوچا تھا، اب آپ کوئی حل نکالیں۔ جب ڈور الجھ گئی اور سرا ہاتھ نہیں آرہا ہے تو اب مفتی صاحب کی مصیبت آئی کہ وہ اس کا حل نکالیں کہ کس کا کتنا حصہ بنتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ معاملات کے بارے میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ نفلیں ہورہی ہیں، تہجد کی نماز ہورہی ہے، اشراق کی نماز ہورہی ہے، لیکن معاملات میں سب الم غلم ہورہا ہے، کسی چیز کا کچھ پتہ نہیں۔ یہ سب کام حرام ہورہا ہے۔ جب یہ معلوم نہیں کہ میرا حق کتنا ہے اور دوسرے کا حق کتنا ہے، تو اس صورت میں جو کچھ تم اس میں سے کھارہے ہو، اس کے حلال ہونے میں بھی

شبہ ہے۔ جائز نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور ملکیت کی وضاحت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان کا ایک مخصوص کمرہ تھا اس میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی، اسی پر آرام کیا کرتے تھے۔ اسی پر لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے۔ وہیں پر لوگ آکر ملاقات کیا کرتے تھے۔ میں یہ دیکھتا تھا کہ جب اس کمرے میں کوئی سامان باہر سے آتا تو فوراً واپس بھجوادیتے تھے۔ مثلاً حضرت والد صاحب نے پانی منگوایا، میں گلاس میں پانی بھر کر پلانے چلا گیا۔ جب آپ پانی پی لیتے تو فوراً فرماتے کہ یہ گلاس واپس رکھ آؤ جہاں سے لائے تھے۔ جب گلاس واپس لیجانے میں دیر ہوجاتی تو ناراض ہوجاتے۔ اگر پلیٹ آجاتی تو فوراً فرماتے کہ یہ پلیٹ واپس باورچی خانے میں رکھ آؤ۔ ایک دن میں نے کہا کہ حضرت! اگر سامان واپس لیجانے میں تھوڑی دیر ہوجایا کرے تو معاف فرمادیا کریں۔ فرمانے لگے تم بات سمجھتے نہیں ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس کمرے میں جو سامان بھی ہے وہ میری ملکیت ہے، اور باقی کمروں میں اور گھر میں جو سامان ہے وہ تمہاری والدہ کی ملکیت ہے۔ اس لئے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کبھی دوسرے کمروں کا سامان یہاں پر آجائے، اور اسی حالت میں میرا انتقال ہوجائے تو اس وصیت نامہ کے مطابق تم یہ سمجھو گے کہ یہ میری ملکیت ہے، حالانکہ وہ میری ملکیت نہیں۔ اس وجہ سے میں کوئی چیز دوسروں کی اپنے کمرے میں نہیں رکھتا، واپس کروا دیتا ہوں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ کی احتیاط

جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی، تو میرے شیخ حضرت

ڈاکٹر عبد الحئی صاحب قدس اللہ سرہ تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت والد صاحب سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی والہانہ تعلق تھا، جس کا ہم اور آپ تصور نہیں کرسکتے، چونکہ آپ ضعیف تھے، اس وجہ سے اس وقت آپ پر کمزوری کے آثار نمایاں تھے، مجھے اس وقت خیال آیا کہ حضرت والا پر اس وقت بہت ضعف اور غم ہے۔ تو اندر سے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خمیرہ لے آیا جو آپ تناول فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آپ خمیرہ کا ایک چمچہ تناول فرمالیں۔ حضرت والا نے اس خمیرہ کو دیکھتے ہی کہا کہ تم یہ خمیرہ کیسے لے آئے، یہ خمیرہ تو اب میراث کا اور ترکہ کا ایک حصہ بن گیا ہے، اب تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ اس طرح یہ خمیرہ اٹھا کر کسی کو دیدو، اگرچہ وہ ایک چمچہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے کہا کہ حضرت! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے ورثاء ہیں، وہ سب الحمد للہ بالغ ہیں اور وہ سب یہاں موجود ہیں۔ اور سب اس بات پر راضی ہیں کہ آپ یہ خمیرہ تناول فرمالیں۔ تب حضرت نے وہ خمیرہ تناول فرمایا:

حساب اسی دن کرلیں

اس کے ذریعہ حضرت والا نے یہ سبق دے دیا کہ یہ بات ایسی بات نہیں ہے کہ آدمی روا روی میں گزر جائے۔ فرض کریں کہ اگر تمام ورثاء میں ایک وارث بھی نابالغ ہوتا یا موجود نہ ہوتا اور اس کی رضامندی شامل نہ ہوتی تو اس خمیرہ کا ایک چمچہ بھی حرام ہوجاتا۔ اس لئے شریعت کا یہ حکم ہے کہ جونہی کسی کا انتقال ہوجائے تو جلد از جلد اس کی میراث تقسیم کردو، یا کم از کم حساب کرکے رکھ لو کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے اور فلاں کا اتنا حصہ ہے، اس لئے کہ بعض اوقات تقسیم میں کچھ تاخیر ہوجاتی ہے، بعض اشیاء کی قیمت لگانی پڑتی ہے اور بعض اشیاء کو فروخت کرنا پڑتا ہے، لیکن حساب اسی دن ہوجانا چاہئے۔ آج اس وقت ہمارے معاشرے میں جتنے

جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں، ان جھگڑوں کا ایک بڑا بنیادی سبب حساب کتاب کا صاف نہ ہونا اور معاملات کا صاف نہ ہونا ہے۔

امام محمدؒ اور تصوف پر کتاب

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سارے فقہی احکام اپنی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچائے۔ ان کا احسان ہمارے سروں پر اتنا ہے کہ ساری عمر تک ہم ان کے احسان کا صلہ نہیں دے سکتے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں ہیں لیکن تصوف اور زہد کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے تصوف پر کتاب نہیں لکھی، میں نے جو "کتاب البیوع" لکھی ہے، وہ تصوف ہی کی تو کتاب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خرید و فروخت کے احکام اور لین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں، اس لئے کہ زھد اور تصوف در حقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کا نام ہے۔ اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خرید و فروخت اور لین دین کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

دوسروں کی چیز اپنے استعمال میں لانا

اسی طرح دوسرے کی چیز استعمال کرنا حرام ہے مثلاً کوئی دوست ہے یا بھائی ہے، اس کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرلی تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ البتہ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ اس کی چیز استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا اور خوشی سے اس کی اجازت دے دے گا، تب تو استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن جہاں ذرا بھی اس کی اجازت میں شک ہو، چاہے وہ حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، یا چاہے وہ بیٹا ہو اور

اپنے باپ کی چیز استعمال کر رہا ہو، جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو کہ خوش دلی سے وہ اجازت دے دے گا، یا میرے استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا، اس وقت تک اس کا استعمال جائز نہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منہ﴾

(کنز العمال، حدیث: ۳۹۷)

کسی مسلمان کا مال تمہارے لئے حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے نہ دے۔ اس حدیث میں "اجازت" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ "خوش دلی" کا لفظ استعمال فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اجازت کافی نہیں بلکہ وہ اس طرح اجازت دے کہ اس کا دل خوش ہو، تب تو وہ چیز حلال ہے۔ اگر آپ دوسرے کی چیز استعمال کر رہے ہیں، لیکن آپ کو اس کی خوش دلی کا یقین نہیں ہے، تو آپ کے لئے وہ چیز استعمال کرنا جائز نہیں۔

ایسا چندہ حلال نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسوں کے چندے اور انجمنوں کے چندے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ چندے اس طرح وصول کرنا کہ دوسرا شخص دباؤ کے تحت چندہ دیدے، ایسا چندہ حلال نہیں۔ مثلاً آپ نے مجمع عام میں چندہ لینا شروع کر دیا، اس مجمع میں ایک آدمی شرما شرمی میں یہ سوچ کر چندہ دے رہا ہے کہ اتنے سارے لوگ چندہ دے رہے ہیں اور میں چندہ نہ دوں تو میری ناک کٹ جائے گی، اور دل کے اندر چندہ دینے کی خواہش نہیں تھی، تو یہ چندہ خوش دلی کے بغیر دیا گیا، یہ "چندہ" لینے والے کے لئے حلال نہیں۔ اس موضوع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اور اس میں یہ احکام لکھے ہیں کہ کس حالت میں چندہ لینا جائز ہے اور کس حالت میں چندہ لینا جائز نہیں۔

ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہئے

بہر حال۔ یہ اصول ذہن میں رکھو کہ جب تک دوسرے کی خوش دلی کا اطمینان نہ ہو، اس وقت تک دوسرے کی چیز استعمال کرنا حلال نہیں، چاہے وہ بیٹا کیوں نہ ہو، باپ کیوں نہ ہو، بھائی اور بہن کیوں نہ ہو، چاہے بیوی اور شوہر کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہمارے مال میں حرام کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں تو کوئی غلط کام نہیں کرتا، رشوت میں نہیں لیتا، سود میں نہیں کھاتا، چوری میں نہیں کرتا، ڈاکہ میں نہیں ڈالتا، اس لئے میرا مال تو حلال ہے۔ لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس اصول کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مال حرام کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ اور مال حرام کی آمیزش حلال مال کو بھی تباہ کردیتی ہے اور اس کی برکتیں زائل ہوجاتی ہیں، اس کا نفع ختم ہوجاتا ہے۔ اور الٹا اس حرام مال کے نتیجے میں انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف چلتی ہے، روحانیت کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے معاملات کو صاف رکھنے کی فکر کریں کہ کسی معاملے میں کوئی الجھاؤ نہ رہے، ہر چیز صاف اور واضح ہونی چاہئے۔ ہر چیز کی ملکیت واضح ہونی چاہئے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، یہ فلاں کی ملکیت ہے۔ البتہ ملکیت واضح ہوجانے کے بعد آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔ دوسرے شخص کو تمہاری چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو دیدو، لیکن ملکیت واضح ہونی چاہئے، تاکہ کل کو کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہوجائے۔

مسجد نبوی کے لئے زمین مفت قبول نہ کی

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کے پیش نظر سب سے پہلا کام یہ تھا کہ یہاں پر کوئی مسجد بنائی جائے۔ وہ مسجد نبوی جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ

آپ کو پسند آئی جو خالی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اس جگہ کے بارے میں معلوم کرایا کہ یہ کس کی جگہ ہے؟ تو پتہ چلا کہ یہ بنی نجار کے لوگوں کی جگہ ہے۔ جب بنو نجار کے لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ اس جگہ پر مسجد بنانا چاہتے ہیں تو انہوں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ہماری بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہماری جگہ پر مسجد بنائی جائے۔ ہم یہ جگہ مسجد کے لئے مفت دیتے ہیں تاکہ آپ یہاں پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، میں مفت نہیں لوں گا، تم اس کی قیمت بتاؤ، قیمت کے ذریعہ لوں گا۔ حالانکہ بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی سعادت اور خوش نصیبی سمجھ کر یہ چاہ رہے تھے کہ ان کی جگہ مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال ہو جائے، لیکن اس کے باوجود آپ نے مفت لینا گوارہ نہیں کیا۔

تعمیر مسجد کے لئے دباؤ ڈالنا

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ویسے تو جب بنی نجار کے لوگ مسجد کے لئے چندہ کے طور پر مفت زمین دے رہے تھے تو یہ زمین لینا جائز تھا، اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں تھی۔ لیکن چونکہ مدینہ منورہ میں اسلام کی یہ پہلی مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ اگرچہ قبا میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی۔ اور یہ وہ مسجد تھی جس کو آئندہ حرم مکہ کے بعد دوسرا مقام حاصل ہونا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ زمین اس طرح مفت قیمت کے بغیر لے لی جائے۔ ورنہ آئندہ کے لئے لوگوں کے سامنے یہ نظیر بن جائے گی کہ جب مسجد بنانی ہو تو مسجد کے لئے زمین قیمتاً خریدنے کے بجائے لوگ مفت اپنی زمینیں دیں۔ اور اس لئے یہ زمین مفت قبول نہیں کی تاکہ لوگوں پر یہ واضح فرما دیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مسجد کی تعمیر کی خاطر دوسروں پر دباؤ ڈالا جائے۔ یا دوسروں کی املاک پر نظر رکھی جائے۔ اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیسے دے کر وہ زمین خریدی اور پھر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تاکہ معاملہ صاف رہے اور کسی

قسم کی کوئی الجھن برقرار نہ رہے۔

پورے سال کا نفقہ دینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، جو حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک حیات بننے کی وہی مستحق تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکالی ہوئی تھی، اور آخرت کی محبت ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ سال کے شروع میں اپنی تمام ازواج مطہرات کا نفقہ اکٹھا دے دیا کرتے تھے، اور ان سے فرما دیتے کہ یہ تمہارا نفقہ ہے تم جو چاہو کرو۔ اب وہ ازواج مطہرات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں، ان کے یہاں تو ہر وقت صدقہ خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ وہ ازواج مطہرات بقدر ضرورت اپنے پاس رکھتیں، باقی سب خیرات کر دیتی تھیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال قائم فرمائی کہ پورے سال کا نفقہ اکٹھا دے دیا۔

ازواج مطہرات سے برابری کا معاملہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پابندی اٹھالی تھی کہ وہ اپنی ازواج مطہرات میں برابری کریں۔ بلکہ آپ کو یہ اختیار دیدیا تھا کہ جس کو چاہیں زیادہ دیں اور جس کو چاہیں کم دیں، اس معاملے میں ہم آپ سے مواخذہ نہیں کریں گے۔ اس اختیار کے نتیجے میں ازواج مطہرات کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ فرض نہیں رہا تھا۔ جب کہ امت کے تمام افراد کے لئے برابری کرنا فرض ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر اس اختیار اور اجازت پر عمل نہیں فرمایا بلکہ ہر چیز میں برابری فرمائی، اور ان کی ملکیت کو واضح اور نمایاں فرمادیا تھا۔ اور ان کے حقوق پوری طرح زندگی بھر ادا فرمائے۔

خلاصہ

بہرحال۔ ان احادیث اور آیات میں جو بنیادی اصول بیان فرمایا، جس کو ہم فراموش کرتے جارہے ہیں۔ وہ "معاملات کی صفائی" اور معاملات کی درستی ہے یعنی معاملہ صاف اور واضح ہو، اس میں کوئی اجمال اور ابہام نہ رہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک اپنے معاملات کو صاف رکھے۔ اس کے بغیر آمدنی اور اخراجات شریعت کی حدود میں نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے اس حقیقت اور اس حکم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اسلام کا مطلب کیا ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۲ر نومبر ۱۹۹۱ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام کا مطلب کیا؟

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم۔ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

﴿يايها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوٰت الشيطٰن انه لكم عدو مبين ۝﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۰۸)

آمنت بالله صدق اللّٰه مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم و نحن على ذلك من الشاهدين۔

تمہید

میرے محترم بزرگو اور دوستو! سب سے پہلے میں آپ حضرات کے اس جذبے پر مبارک باد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے اوقات میں سے کچھ وقت دین کی بات سننے کے لئے نکالا، اور اس غرض کے لئے یہاں جمع ہوئے کہ اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور تعلیمات کی کچھ باتیں سن جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس جذبے کو قبول فرمائے، اور اس کے کہنے والے اور سننے والے سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے۔ اس آیت کی تھوڑی سی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو اور اس کے پیچھے مت چلو۔

کیا ایمان اور اسلام علیحدہ ہیں

یہاں سب سے پہلی بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان الفاظ سے خطاب کیا کہ "اے ایمان والو" یعنی ان لوگوں سے خطاب ہورہا ہے جو ایمان لاچکے، جو کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پر اپنے اعتقاد کا اظہار کرچکے اور "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله" کہہ چکے، ان سے خطاب کر کے کہا جارہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ایمان لاچکے تو ایمان لانے کے بعد اسلام میں داخل ہونے کے کیا معنی؟ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب ایک شخص ایمان لے آیا تو وہ اسلام میں بھی داخل ہوگیا، ایمان اور اسلام ایک ہی چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو، اسلام میں داخل ہوجاؤ، جس سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ایمان کچھ اور چیز ہے اور اسلام کچھ اور چیز ہے۔ اور ایمان لانے کے بعد اسلام میں داخل ہونا بھی ضروری ہے۔

"اسلام" لانے کا مطلب

پہلی بات تو سمجھنے کی یہ ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اور ایمان والوں کو اسلام میں داخل ہونے کی جو دعوت دی جارہی ہے، اس سے کیا مراد ہے اور اسلام کس کو کہتے ہیں؟ "اسلام" عربی زبان کا لفظ ہے، اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو کسی کے آگے جھکا دینا، یعنی کسی بڑی طاقت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردینا اور اپنے آپ کو اس کا تابع بنا لینا کہ جیسا وہ کہے اس کے مطابق انسان کرے، یہ ہیں "اسلام" کے معنی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لینا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آنا، یہ باتیں اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے آگے جھکا دے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا اس وقت تک انسان صحیح معنی میں اسلام کے اندر داخل نہیں ہوگا۔

بیٹے کے ذبح کا حکم عقل کے خلاف تھا

یہی لفظ "اسلام" اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبح کردیں، جس کی یادگار ہم اور آپ ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر مناتے ہیں۔ بیٹا بھی وہ جو امنگوں اور مرادوں سے طلب کیا ہوا، جس کے لئے آپ نے دعائیں کی تھیں کہ یا اللہ! مجھے بیٹا عنایت فرما دیجئے، جب وہ بیٹا ذرا چلنے پھرنے اور آنے جانے کے لائق ہوا اور باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوا تو اس وقت یہ حکم آیا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کو ختم کردو۔ اب اگر

اس حکم کو عقل کی میزان میں تول کر دیکھا جائے اور اس کی حکمت اور مصلحت پر غور کیا جائے تو کوئی عقلی حکمت، عقلی مصلحت، کوئی عقلی جواز اس بات کا نظر نہیں آئے گا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دے، نہ تو کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی انسان اس عمل کو عقل اور انصاف کے مطابق قرار دے سکتا ہے۔

بیٹے کا بھی امتحان ہو گیا

لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا:

﴿انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری﴾

(الصافات: ۱۰۲)

بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یہ سوال اس لئے نہیں کیا کہ ان کے دل میں اس حکم پر عمل کرنے میں تردد تھا بلکہ اس لئے سوال کیا کہ بیٹے کا بھی امتحان لیا جائے کہ دیکھیں بیٹا اس کے بارے میں کیا جواب دیتا ہے۔ وہ بیٹا بھی خلیل اللہ کا بیٹا تھا اور جس کی صلب سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ ابا جان میں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے، کیا خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے، کیا غلطی میں نے کی ہے جس کی پاداش میں مجھے زندگی سے محروم کیا جا رہا ہے اور مجھے قتل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ جواب میں بیٹے نے یہ کہا کہ:

﴿یا ابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین﴾ (ایضاً)

ابا جان! جو حکم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، اس کو کر گزریے اور میری فکر نہ کیجئے، اس لئے کہ اس حکم پر عمل کرنے میں مجھے تکلیف پہنچے گی تو انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ! آپ نے جو مجھے میرے چہیتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بس دونوں نے یہ دیکھا کہ یہ حکم ہمارے خالق اور ہمارے مالک کی طرف سے آیا ہے اسی وقت دونوں باپ اور بیٹے اس حکم کی تعمیل پر تیار ہو گئے۔

چلتی چھری نہ رُک جائے

قرآن کریم نے اس واقعہ کو بڑے پیارے انداز میں ذکر فرمایا ہے، یعنی جب باپ اور بیٹا اس حکم کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور باپ کے ہاتھ میں چھری ہے اور بیٹا زمین پر لٹا دیا گیا ہے اور قریب ہے کہ وہ چھری گلے پر چل جائے اور بیٹے کا کام تمام کردے۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے لئے قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

﴿فلما اسلما وتله للجبين﴾ (الصافات: ۱۰۳)

یعنی جب باپ اور بیٹے دنوں اسلام لے آئے اور دونوں نے اللہ کے حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ پیشانی کے بل اس لئے لٹایا کہ اگر سیدھا لٹائیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر اور اس صورت پر ظاہر ہونے والے کرب اور تکلیف کے اثرات دیکھ کر چھری چلنے کی رفتار میں کمی آجائے اور کہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں رُکاوٹ پیدا ہوجائے، اس لئے الٹا لٹایا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے لفظ "اسلما" استعمال فرمایا، یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھک گئے۔

اللہ کے حکم کے تابع بن جاؤ

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی اصطلاح میں "اسلام" کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکا دے اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو یہ نہ پوچھے کہ اس میں عقلی حکمت اور مصلحت کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد اس کی تعمیل کی فکر کرے۔ یہ ہے "اسلام" اور اسی اسلام میں داخل ہونے کے لئے قرآن کریم کی آیت یا یھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ میں حکم دیا گیا ہے، یعنی اے ایمان والو! تم نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت تو پڑھ لیا لیکن اب اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنا دو اور جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اس کو قبول کرو اور اس کو تسلیم کرو اور اس پر عمل کرو۔

ورنہ عقل کے غلام بن جاؤ گے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو بے چون و چرا کیوں مان لیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے حکم کو اس طرح بے چون و چرا نہیں مانو گے بلکہ اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے یہ کہو گے کہ یہ حکم تو بے کار اور بے فائدہ ہے یا یہ حکم تو انصاف کے خلاف ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی عقل کے غلام بن کر رہ جاؤ گے اور اللہ کی غلامی اور بندگی کو چھوڑ کر عقل کی غلامی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

علم حاصل کرنے کے ذرائع

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں علم حاصل کرنے کے کچھ ذرائع عطا فرمائے ہیں، ان ذرائع کے ذریعہ انسان علم حاصل کرتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلا ذریعہ علم "آنکھ" ہے۔ آنکھ کے ذریعہ چیزوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں انسان علم حاصل

کرتا ہے۔ دوسرا ذریعہ علم "زبان" ہے۔ اس زبان کے ذریعہ انسان بہت سی چیزوں کو چکھ کر ان کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے۔ تیسرا ذریعہ علم "کان" ہے۔ اس کان کے ذریعہ بہت سی چیزوں کے بارے میں سن کر انسان علم حاصل کرتا ہے۔ ایک ذریعہ علم "ہاتھ" ہے۔ اس کے ذریعہ انسان بہت سی چیزوں کو چھو کر علم حاصل کرتا ہے۔ مثلاً یہ سامنے مائیکروفون ہے۔ اب مجھے آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر اس کے بارے میں مجھے یہ علم حاصل ہوا کہ یہ ایک آلہ ہے اور گول بنا ہوا ہے۔ اور ہاتھ لگانے سے پتہ چلا کہ یہ ٹھوس ہے، اور کان کے ذریعہ مجھے پتہ چلا کہ یہ آلہ میری آواز کو دور تک پہنچا رہا ہے۔ دیکھئے! کچھ علم آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر حاصل ہوا، کچھ علم کان کے ذریعہ سن کر حاصل ہوا، اور کچھ علم ہاتھ کے ذریعہ چھو کر حاصل ہوا۔

ان ذرائع کا دائرہ کار متعین ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان ذرائع علم کا ایک دائرہ کار مقرر کردیا ہے۔ اس دائرہ کے اندر وہ ذریعہ علم کام دے گا۔ اگر اس دائرہ سے باہر اس ذریعہ کو استعمال کرو گے تو وہ ذریعہ کام نہیں دے گا، ـــــ مثلاً آنکھ کا دائرہ کار یہ مقرر کردیا ہے کہ وہ دیکھ کر علم عطا کرتی ہے لیکن سن کر علم نہیں دیتی، اس کے اندر سننے کی طاقت موجود نہیں، وہ کام کان کا ہے، اور کان سن سکتا ہے مگر دیکھ نہیں سکتا، زبان چکھ سکتی ہے لیکن اس کے اندر سننے اور دیکھنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں اپنی آنکھیں تو بند کرلوں اور اپنے کانوں کے ذریعہ یہ دیکھوں کہ میرے سامنے کیا منظر ہے تو وہ احمق اور بیوقوف ہے، اس لئے کہ کان اس کو کوئی منظر نہیں دکھا سکے گا کیونکہ اس نے کان کو اس کے دائرہ کار سے باہر استعمال کیا، کان دیکھنے کے لئے وضع ہی نہیں کئے گئے ہیں۔ یا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کان کو تو بند کرلوں اور آنکھ کے ذریعہ یہ سنوں کہ میرے سامنے والا شخص کیا بات کہہ رہا ہے تو وہ شخص بھی

بیوقوف ہے، اس لئے کہ یہ سننے کا کام آنکھ انجام نہیں دے سکتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آنکھ بیکار ہے، یہ آنکھ بڑی کار آمد ہے، لیکن اس وقت تک کار آمد ہے جب تک اس کو اس کے دائرہ کار میں اور دیکھنے کے کام میں استعمال کیا جائے، اگر سننے میں استعمال کرو گے تو یہ آنکھ کوئی کام نہیں دے گی۔

ایک اور ذریعہ علم "عقل"

لیکن ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں یہ ظاہری حواس خمسہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ معلومات فراہم کرنا چھوڑ دیتے ہیں، کام دینا بند کر دیتے ہیں، اس مرحلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، وہ ہے انسان کی عقل۔ یہ عقل ان چیزوں کا علم انسان کو عطا کرتی ہے جن کا علم آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر حاصل نہیں ہو سکتا، مثلاً یہ مائیکرو فون ہے، میں نے ہاتھ کے ذریعہ چھو کر اور آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر یہ تو پتہ لگا لیا کہ یہ ٹھوس ہے، لوہے کا بنا ہوا ہے، لیکن اس کو کس نے بنایا؟ اور کس طرح یہ وجود میں آیا؟ یہ بات نہ آنکھ دیکھ کر بتا سکتی ہے، نہ کان سن کر بتا سکتا ہے۔ نہ زبان چکھ کر بتا سکتی ہے۔ اس کو معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا فرمائی ہے، اس عقل کے ذریعہ ہمیں پتہ چلا کہ اتنا خوبصورت اور شاندار بنا ہوا آلہ جو اتنا اہم کام انجام دے رہا ہے کہ ہماری آواز کو دور تک پہنچا رہا ہے، یہ آلہ خود بخود نہیں بن سکتا، ضرور کسی کاریگر نے اس کو بنایا ہے اور ایسے کاریگر نے بنایا ہے جو بڑا ماہر ہے اور اس فن کو جاننے والا ہے۔ لہٰذا جس جگہ پر یہ حواس خمسہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم حاصل کرنے کے لئے عقل کا ذریعہ عطا فرمایا ہے۔

عقل کا دائرہ کار

لیکن جس طرح آنکھ، کان اور زبان وغیرہ کا کام غیر محدود نہیں تھا بلکہ ایک دائرہ

کار کے اندر اپنا کام کرتے تھے، اس سے باہر یہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے تھے، اسی طرح عقل کا کام بھی غیر محدود نہیں بلکہ اس کا بھی ایک دائرہ کار ہے، اس دائرہ کار سے باہر نکل کر وہ بھی انسان کی رہنمائی نہیں کرتی، ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں پر عقل بھی خاموش ہوجاتی ہے، جواب دے جاتی ہے اور انسان کی صحیح رہنمائی نہیں کرسکتی۔

ایک اور ذریعہ علم "وحی الٰہی"

اور جس جگہ پر عقل انسان کی صحیح رہنمائی کرنے سے عاجز ہوجاتی ہے، وہاں پر انسان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، اس تیسرے ذریعہ علم کا نام ہے "وحی الٰہی" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ "وحی" جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے۔ یہ "وحی" اسی جگہ پر انسان کی رہنمائی کرتی ہے جس جگہ پر انسان کی تنہا عقل کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا جن باتوں کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں تھا، ان باتوں کو بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی، اس وحی کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ یہ کام اس طرح ہے۔

عقل کے آگے "وحی الٰہی"

مثلاً یہ بات کہ اس کائنات کے ختم ہونے کے بعد اور انسان کے مرنے کے بعد ایک زندگی اور آنے والی ہے، جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اس کو وہاں پر اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، اور وہاں پر ایک عالم جنت ہے اور ایک عالم جہنم ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کے بارے میں وحی نازل نہ ہوتی، اور وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو نہ بتایا جاتا، تو محض عقل کی بنیاد پر ہم اور آپ یہ پتہ نہیں لگاسکتے تھے کہ مرنے کے بعد کیسی زندگی آنے والی ہے اور اس میں کیسے حالات پیش آنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح جواب دینا ہے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرا ذریعہ علم ہمیں عطا فرمایا، جس کا

نام "وحی الٰہی" ہے۔

وحی الٰہی کو عقل سے مت تولو

یہ "وحی الٰہی" آتی ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کام نہیں دے سکتی تھی اور انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتی تھی، اس وجہ سے اس جگہ پر "وحی الٰہی" ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں وحی الٰہی کی بات اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک وہ بات میری عقل میں نہ آجائے۔ وہ شخص ایسا ہی بیوقوف ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ بات اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک مجھے اپنے کان سے یہ چیز نظر نہ آنے لگے۔ ایسا شخص بیوقوف ہے، اس لئے کہ کان دیکھنے کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ اسی طرح وہ شخص بھی بیوقوف ہے جو یہ کہے کہ میں وحی الٰہی کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک میری عقل نہ مان لے۔ اس لئے کہ وحی الٰہی تو آتی ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے، جیسے میں نے آپ کو جنت اور جہنم کی مثال دی۔ اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم کی بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔ حالانکہ یہ چیزیں عقل کے اندر کیسے آسکتی ہیں؟ اس لئے کہ یہ چیزیں عقل کی محدود پرواز اور محدود دائرے سے باہر ہیں، اسی وجہ سے ان کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی۔

اچھائی اور برائی کا فیصلہ "وحی" کرے گی

اسی طرح یہ بات کہ کونسی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے؟ کیا کام اچھا ہے اور کیا کام برا ہے؟ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ کون سا کام جائز ہے اور کون سا کام ناجائز ہے؟ یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند اور یہ کام اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، یہ فیصلہ وحی پر چھوڑا گیا، محض انسان کی عقل پر نہیں چھوڑا گیا، اس لئے کہ تنہا انسان

کی عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی کہ کون سا کام اچھا ہے اور کون سا کام برا ہے. کون سا حلال ہے اور کون سا حرام ہے۔

انسانی عقل غلط رہنمائی کرتی ہے

اس دنیا کے اندر جتنی بڑی سے بڑی برائیاں پھیلی ہیں اور غلط سے غلط نظریات اس دنیا کے اندر آئے وہ سب عقل کی بنیاد پر آئے۔ مثلاً ہم اور آپ بحیثیت مسلمان کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سور کا گوشت حرام ہے۔ اگر اس کے بارے میں وحی کی رہنمائی سے ہٹ کر صرف عقل کی بنیاد پر سوچیں گے تو عقل غلط رہنمائی کرے گی، جیسا کہ غیر مسلموں نے صرف عقل کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ ہمیں تو سور کا گوشت کھانے میں بڑا مزہ آتا ہے، اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ اس میں کیا عقلی خرابی ہے؟۔ اسی طرح ہم اور آپ کہتے ہیں کہ شراب پینا حرام ہے، شراب بری چیز ہے، لیکن جو شخص وحی الٰہی پر ایمان نہیں رکھتا، وہ یہ کہے گا کہ شراب پینے میں کیا قباحت ہے، کیا برائی ہے، ہمیں تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی، لاکھوں افراد شراب پی رہے ہیں، ان کو اس کے پینے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہو رہا ہے، اور ہماری عقل میں تو اس کے بارے میں کوئی خرابی سمجھ میں نہیں آتی۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ مرد و عورت کے درمیان بدکاری میں کیا حرج ہے؟ اگر ایک مرد اور ایک عورت اس کام پر رضامند ہیں تو اس کام میں عقلی خرابی کیا ہے؟ اور عقلی اعتبار سے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ برا کام ہے؟ اور اگر رضامندی کے ساتھ مرد و عورت نے یہ کام کر لیا تو تیسرے آدمی کو کیا اختیار ہے کہ اسکے اندر رکاوٹ ڈالے؟۔ دیکھئے! اسی عقل کے بل بوتے پر بد سے بدتر برائی کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا، اس لئے کہ جب عقل کو اس کے دائرہ کار سے آگے بڑھایا تو یہ عقل اپنا جواب غلط دینے لگی۔ لہٰذا جب انسان عقل کو اس جگہ پر استعمال کرے گا جہاں پر اللہ تعالیٰ کی وحی آچکی ہے تو وہاں پر عقل غلط جواب دینے لگے گی

اور غلط راستے پر لے جائے گی۔

اشتراکیت کی بنیاد عقل پر تھی

دیکھئے روس کے اندر چوہتر(۷۴) سال تک اس عقل کی بنیاد پر اشتراکیت، سوشلزم اور کمیونزم کا بازار گرم رہا، اور پوری دنیا میں مساوات اور غریبوں کی ہمدردی کے نام پر شور مچایا گیا، کمیونزم اور اشتراکیت کا پوری دنیا میں ڈنکا بجتا رہا، اور یہ کہہ دیا کہ عنقریب ساری دنیا پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی، اور یہ سب کچھ عقل کی بنیاد پر تھا۔ اگر اس وقت کوئی اٹھ کر اس کے خلاف کوئی آواز نکالتا کہ یہ نظریہ غلط ہے، تو اس کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہا جاتا، جاگیرداروں کا ایجنٹ کہا جاتا، اس کو رجعت پسند کہا جاتا تھا۔ لیکن آج چوہتر سال کے بعد ساری دنیا اس کا تماشہ دیکھ رہی ہے، لیکن جس کی پوجا کی جارہی تھی، اس کے بت خود اس کے ماننے والے گرا کر توڑ رہے ہیں۔ جو نظریہ وحی الٰہی سے آزاد ہو کر صرف عقل کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے، اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

وحی الٰہی کے آگے سر جھکالو

اس لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اگر زندگی ٹھیک گزارنی ہے تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ جہاں اللہ کا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وحی الٰہی کا پیغام آجائے وہاں انسان اپنے آپ کو اس کے تابع بنالے، اس کے آگے جھک جائے، اور اس کے خلاف عقل کے گھوڑے نہ دوڑائے، چاہے بظاہر وہ عقل کے خلاف اور اپنی خواہشات کے خلاف اور مصلحت کے خلاف نظر آتا ہو۔ بس اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد اپنا سر اس کے آگے جھکادے۔ یہ ہے اسلام میں داخل ہونے کا مطلب۔ لہذا جو آیت میں نے تلاوت کی، اس کے پہلے جملے کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ، یعنی اپنے آپ کو

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مکمل تابع کردو۔

پورے داخل ہونے کا مطلب

اس آیت کے دوسرے جملے میں ارشاد فرمایا کہ "پورے کے پورے داخل ہوجاؤ" یعنی یہ نہ ہو کہ ایمان اور عقیدے اور عبادات کی حد تک تو اسلام میں داخل ہوگئے کہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، زکوۃ دے دی، حج کرلیا، عبادتیں انجام دے دیں، اور جب مسجد میں پہنچے تو مسلمان، لیکن جب بازار پہنچے، جب دفتر پہنچے، یا گھر پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اسلام" محض عبادتوں کا نام نہیں کہ صرف عبادتیں انجام دے دیں تو مسلمان ہوگیا، بلکہ اپنی پوری زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع بنانے کا نام "اسلام" ہے۔ لہٰذا مسلمان وہ ہے جو بازار میں بھی مسلمان ہو، دفتر میں بھی مسلمان ہو، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بھی مسلمان ہو، دوست و احباب کے ساتھ بھی مسلمان ہو۔

اسلام کے پانچ حصے

اس "دین اسلام" کے اللہ تعالیٰ نے پانچ حصے بنائے ہیں، ان پانچ حصوں پر دین مشتمل ہے:

(۱) **عقائد:** یعنی عقیدہ درست ہونا چاہئے۔

(۲) **عبادات:** یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی پابندی ہونی چاہئے۔

(۳) **معاملات:** یعنی خرید و فروخت کے معاملات اور بیع و شراء کے معاملات اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، ناجائز اور حرام طریقے سے پیسے نہ کمائے۔

(۴) **معاشرت:** یعنی باہمی میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے

اور زندگی گزارنے اور رہن سہن کے طریقے میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان احکام کو انسان پورا کرے۔

⑤ **اخلاق:** یعنی اس کے باطنی اخلاق، جذبات اور خیالات درست ہوں۔

آج ہم مسجد میں مسلمان ہیں، لیکن جب بازار پہنچے تو لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، امانت میں خیانت کررہے ہیں، دوسروں کو تکلیف پہنچارہے ہیں، ان کی دل آزاری کررہے ہیں۔ یہ تو اسلام میں پورا داخل ہونا نہ ہوا، اس لئے کہ اسلام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات ہیں اور تین چوتھائی حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ لہٰذا جب تک انسان بندوں کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھے گا، پورا اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سفر پر تھے، زاد راہ جو ساتھ تھا وہ ختم ہوگیا، آپ نے دیکھا کہ جنگل میں بکریوں کا گلہ چر رہا ہے، اور اہل عرب کے اندر یہ رواج تھا کہ لوگ مسافروں کو راستے میں مہمان نوازی کے طور پر مفت دودھ پیش کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ چرواہے کے پاس گئے اور اس سے جاکر فرمایا کہ میں مسافر ہوں اور کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ہے، تم ایک بکری کا دودھ نکال کر مجھے دے دیدو تاکہ میں پی لوں۔ چرواہے نے کہا کہ آپ مسافر ہیں، میں آپ کو دودھ ضرور دے دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، ان کا مالک دوسرا شخص ہے، اور ان کے چرانے کی خدمت میرے سپرد ہے۔ اس لئے یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، اور ان کا دودھ بھی امانت ہے، لہٰذا شرعی اعتبار سے میرے لئے ان کا دودھ آپ کو دینا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا امتحان لینا چاہا اور

اس سے فرمایا کہ دیکھو بھائی! میں تمہیں ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں، جس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی فائدہ ہے، وہ یہ کہ تم ایسا کرو کہ ان میں سے ایک بکری مجھے فروخت کردو اور اس کی قیمت مجھ سے لے لو، اس میں تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں پیسے مل جائیں گے، اور میرا فائدہ یہ ہوگا کہ مجھے بکری مل جائے گی، راستے میں اس کا دودھ استعمال کرتا رہوں گا۔ رہا مالک! تو مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری بھیڑیا کھا گیا، اور اس کو تمہاری بات پر یقین بھی آجائے گا، کیونکہ جنگل میں بھیڑیے بکریاں کھاتے رہتے ہیں، اس طرح ہم دونوں کا کام بن جائے گا۔ جب چرواہے نے یہ تدبیر سنی تو فوراً اس نے جواب میں کہا: یا ھذا! فاین اللّٰہ؟ اے بھائی! اگر میں یہ کام کرلوں تو اللہ کہاں گیا؟ یعنی یہ کام میں یہاں تو کرلوں گا، اور مالک کو بھی جواب دیدوں گا، وہ بھی شاید مطمئن ہوجائے گا، لیکن مالک کا بھی ایک اور مالک ہے، اس کے پاس جاکر کیا جواب دوں گا؟ اس لئے میں یہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ظاہر ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا امتحان لینا چاہتے تھے، جب اس چرواہے کا جواب سنا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تجھ جیسے انسان اس روئے زمین پر موجود ہیں، اس وقت تک کوئی ظالم دوسرے شخص پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جب تک دل میں اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس موجود رہے گا، اس وقت تک جرائم اور مظالم چل نہیں سکیں گے۔ یہ ہے اسلام میں پورا کا پورا داخل ہونا۔ جنگل کی تنہائی میں بھی اس کو یہ فکر ہے کہ میرا کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

یہ دین کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ" جس کے دل میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جاکر ان سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہو گیا اور آپ سے ملاقات کی۔ اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

> "اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے"۔

اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں، اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے

بدبو آرہی ہے، ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے، اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے"۔

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا، اور کلمہ شہادت:

﴿اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهدان محمدا رسول اللّٰه﴾

پڑھ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ:

"تم ایسے وقت میں اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں، اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، اور زکوٰۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہورہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ"۔

اس چرواہے نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہوجاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے، اس کے لئے دو میں ایک صورت ہوتی ہے، یا غازی یا شہید۔ تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہوجاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچادیں گے، اور تمہارے

جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیں گے، اور تمہارے
چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے"۔

بکریاں واپس کر کے آؤ

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو، ان کو جاکر واپس
کرو، اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں"۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، ان کا مال مال غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ، پھر آکر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جاکر بکریاں واپس کیں، اور واپس آکر جہاد میں شامل ہوا، اور شہید ہوگیا ــــ اس کا نام ہے "اسلام"۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے، راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہوگئی، اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جارہا تھا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑ لیا، اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں۔ ابوجہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جاکر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لوگے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور زیارت ہے، ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جاکر صرف ملاقات کرو گے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لوگے۔ انہوں نے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ جب مدینہ منورہ پہنچے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوۂ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوچکے تھے، لہٰذا ان کی راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔

حق وباطل کا پہلا معرکہ "غزوۂ بدر"

اب اندازہ لگایئے کہ اسلام کا پہلا حق وباطل کا معرکہ (غزوۂ بدر) ہورہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، یہ وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہوگیا وہ "بدری" کہلایا، اور صحابہ کرام میں "بدری" صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور "اسمائے بدریین" بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ "بدریین" ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا، بخشش فرمادی ہے، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کرلیا جانے والا وعدہ

بہرحال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنا دیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ

لیا تھا، اور ہم نے یہ وعدہ کر کے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے، آپ اس میں تشریف لے جارہے ہیں، ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہوجائیں، اور جہاں تک اس وعدہ کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کرلیا، لہٰذا آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہوجائے۔ (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۶)

تم وعدہ کر کے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کر کے آئے ہو اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جاکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروگے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لوگے، اس لئے میں تم کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کرلیتا، مثلاً یہ تاویل کرلیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کرلیتا کہ یہ حالت عذر ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جب کہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں، جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے

لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھالئے ہیں۔ یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جارہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے ــــ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اس کا نام ہے "اسلام"۔

جہاد کا مقصد حق کی سربلندی

اس لئے کہ یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا تھا، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا تھا، بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہو رہا تھا۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بیکار جارہی ہیں، اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل و دماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کر دو۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے، چلو، یہ کام کرلو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس کو نبھاؤ۔ چنانچہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو غزوۂ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں

شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے "اسلام" جس کے بارے میں فرمایا کہ اس اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے ـــ آمین ـــ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے، اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی، ان کے ساتھ بر سر پیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کرلی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کے معاہدے کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی، اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو، اس وقت میں فوراً حملہ کردوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی، پھر کہیں جاکر لشکر روانہ ہوگا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا، اس لئے معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، لہٰذا وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس لئے اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں اور مدت ختم ہوتے ہی

فوراً حملہ کردوں تو جلدی فتح حاصل ہو جائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر ان کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دے دیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کردیں:

﴿ اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، قفوا عباد اللّٰہ قفوا عباد اللّٰہ ﴾

اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿ وفاء لا غدر، وفاء لا غدر ﴾

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں ہے، عہد شکنی نہیں ہے۔ حضرت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے، میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کی مدت کے دوران ہی سرحد پر ڈال دی تھیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کردیا تھا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ اور میں نے اپنے ان کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

﴿من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلنه ولا يشدنه الى ان يمضى اجل له او ينبذ اليهم على سواء﴾

(ترمذی، ابواب السیر، باب فی الغدر، حدیث نمبر ۱۵۸۰)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے اور نہ باندھے جب تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے، یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان نہ کردے کہ ہم نے وہ عہد ختم کردیا، لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لے جاکر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کردیا

اب آپ اندازہ لگایئے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جارہا ہے، بہت بڑا علاقہ فتح کرچکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دے دیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے، وہ سب واپس کردو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کردیا اور اپنی سرحد میں

دوبارہ واپس آگئے ـــــ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بناء پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ پیش نظر نہیں تھا، کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی، بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا، اس لئے واپس لوٹ گئے ـــــ یہ ہے "اسلام" جس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ "ادخلوا فی السلم کافۃ" کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور معاہدہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے ـــــ "جزیہ" ایک ٹیکس ہوتا ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے ـــــ چنانچہ جب معاہدہ ہو گیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آگیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں، اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز بہت اچھی ہے، لہٰذا فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو، وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے جان و مال کی

حفاظت کریں گے، اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی، لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے، لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس ادا کیا ہے، وہ ہم آپ کو واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے۔ اور اب آپ لوگ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔

یہ ہے "اسلام" یہ نہیں کہ صرف نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا اور بس مسلمان ہوگئے، بلکہ جب تک اپنا پورا وجود، اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے کان، اپنی زندگی کا طرز عمل پورا کا پورا اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوگا اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوں گے۔

دوسروں کو تکلیف پہنچانا اسلام کے خلاف ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے، اور یہ ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسے شراب پینا گناہ ہے۔ جیسے بدکاری کرنا گناہ ہے۔ جیسے سور کھانا گناہ ہے۔ اور تکلیف پہنچانے کے جتنے راستے ہیں، وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ مسلمان کا فرض یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ مثلاً آپ گاڑی لے کر جارہے ہیں اور کسی جگہ جاکر گاڑی کھڑی کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے ایسی جگہ جاکر گاڑی کھڑی کردی جو جگہ دوسرے لوگوں کے لئے گزرنے کی جگہ تھی، آپ کے گاڑی کھڑی کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو گزرنا مشکل ہوگیا، اب آپ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے زیادہ سے زیادہ ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، آپ اس کو دین کی خلاف ورزی اور گناہ نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ صرف بداخلاقی کی بات نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ ایسا ہی گناہ ہے جیسے شراب پینا گناہ ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے یعنی اس کے پورے وجود سے دوسرے انسان محفوظ رہیں، ان کو تکلیف نہ پہنچے۔ آپ نے اپنی گاڑی غلط جگہ پارک کر کے دوسروں کو تکلیف پہنچائی۔ آج ہم نے دین اسلام کو عبادت کی حد تک اور نماز روزے کی حد تک اور مسجد کی حد تک، اور وظائف اور تسبیحات کی حد تک محدود کرلیا ہے، اور بندوں کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان کو ہم نے دین سے بالکل خارج کردیا۔

حقیقی مفلس کون؟

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ تو اس شخص کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ نہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جب حاضر ہوگا تو اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے اعمال نامے میں بہت سارے روزے ہوں گے، بہت سی نمازیں اور وظیفے ہوں گے، تسبیحات اور نوافل کا ڈھیر ہوگا، لیکن دوسری طرف کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو دھوکہ دیا ہوگا، کسی کی دل آزاری کی ہوگی، کسی کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اور اس طرح اس نے بہت سے انسانوں کے حقوق غصب کئے ہوں گے —— اب اصحاب حقوق اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ یا اللہ! اس شخص نے ہمارا حق غصب کیا تھا، اس سے ہمارا حق دلوایئے۔ اب وہاں پر روپے پیسے تو چلیں گے نہیں کہ ان کو دے کر حساب کتاب برابر کرلیا جائے، وہاں کی کرنسی تو نیکیاں ہیں، چنانچہ صاحب حقوق کو اس کی نیکیاں دینی شروع کی جائیں گی، کسی کو نماز دیدی جائے گی، کسی کو روزے دیدئے جائیں گے، اس طرح ایک ایک صاحب حق اس کی نیکیاں لے کر چلتے جائیں گے یہاں تک

کہ اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی اور یہ شخص خالی ہاتھ رہ جائے گا، نماز روزے کے جتنے ڈھیر لایا تھا، وہ سب ختم ہوجائیں گے، لیکن حق والے اب بھی باقی رہ جائیں گے۔ تو اب اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ اب حق دلوانے کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب حق کے اعمال میں جو گناہ ہیں وہ اس شخص کے نامۂ اعمال میں ڈال دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ شخص نیکیوں کا انبار لے کر آیا تھا، لیکن بعد میں نیکیاں تو ساری ختم ہوجائیں گی، اور دوسرے لوگوں کے گناہوں کے انبار لے کر واپس جائے گا، یہ شخص حقیقی مفلس ہے۔

آج ہم پورے اسلام میں داخل نہیں

اس سے اندازہ لگائیں کہ حقوق العباد کا معاملہ کتنا سنگین ہے، لیکن ہم لوگوں نے اس کو دین سے بالکل خارج کردیا ہے، قرآن کریم تو کہہ رہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہوجاؤ، آدھے نہیں، بلکہ پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ تمہارا وجود، تمہاری زندگی، تمہاری عبادت، تمہارے معاملات، تمہاری معاشرت، تمہارے اخلاق، ہر چیز اسلام کے اندر داخل ہونی چاہئے، اس کے ذریعہ تم صحیح معنی میں مسلمان بن سکتے ہو۔ یہی وہ چیز تھی جس کے ذریعہ درحقیقت اسلام پھیلا ہے۔ اسلام محض تبلیغ سے نہیں پھیلا، بلکہ انسانوں کی سیرت اور کردار سے پھیلا ہے، مسلمان جہاں بھی گئے انہوں نے اپنی سیرت اور کردار کا لوہا منوایا، اس سے اسلام کی طرف رغبت اور کشش پیدا ہوئی۔ اور آج ہماری سیرت اور کردار دیکھ کر لوگ اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں۔

پورے داخل ہونے کا عزم کریں

آج ہم لوگ جو دین کی باتیں سننے کے لئے اس محفل میں جمع ہوئے ہیں، اس سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم یہ عزم کریں کہ اپنی زندگی میں

اسلام کو داخل کریں گے، زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کو داخل کریں گے، عبادات بھی، معاملات بھی، معاشرت بھی، اخلاق بھی، ہر چیز اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے۔

دین کی معلومات حاصل کریں

ایک گزارش آپ حضرات سے یہ کرتا ہوں کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے نکال لیں، مستند کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ان کو اپنے گھروں کے اندر پڑھنے کا معمول بنائیں، جس کے ذریعہ دینی تعلیمات سے واقفیت ہو۔ آج مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگ دین کی تعلیمات سے واقف نہیں۔ اگر ہم یہ فائدہ حاصل کرسکیں اور اس کے ذریعہ ہمارے دلوں میں دین پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوجائے تو یہ انشاء اللہ یہ مجلس مفید ہوگی، ورنہ کہنے سننے کی مجلسیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے بھی اور آپ سب کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء

مقام خطاب : عالمگیر مسجد بہادر آباد کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
﴿الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھھم وجنوبھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (التوبۃ: ۳۴ - ۳۵)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! آج کا یہ اجتماع اسلام کے ایک اہم رکن یعنی زکوۃ کے موضوع پر منعقد کیا گیا ہے، اور رمضان کے مبارک مہینے سے چند روز پہلے یہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ عام طور پر لوگ رمضان المبارک کے مہینے میں زکوۃ نکالتے ہیں۔ لہٰذا اس اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ زکوۃ کی اہمیت، اس کے فضائل اور اس کے ضروری احکام اس اجتماع کے ذریعہ ہمارے علم میں آجائیں تاکہ اس کے مطابق زکوۃ نکالنے کا اہتمام کریں۔

زکوۃ نہ نکالنے پر وعید

اس مقصد کے لئے میں نے قرآن کریم کی دو آیتیں آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کماحقہ زکوۃ نہیں نکالتے، ان کے لئے بڑے سخت الفاظ میں عذاب کی خبر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔ یعنی جو لوگ اپنا پیسہ، اپنا روپیہ، اپنا سونا چاندی جمع کرتے جارہے ہیں اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان پر اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اس کو ادا نہیں کرتے، ان کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اس دردناک عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس آدمی کی پیشانی، اس کے پہلو اور اس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس کو یہ کہا جائے گا کہ:

﴿هذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون﴾

یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، آج تم خزانے کا مزہ چکھو جو تم اپنے لئے جمع کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ رکھے آمین۔

یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو روپیہ پیسہ جمع کر رہے ہیں لیکن اس پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کئے ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک بجا نہیں لاتے۔ صرف ان آیات میں نہیں بلکہ دوسری آیات میں بھی وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں چنانچہ سورۃ "ہمزہ" میں فرمایا:

﴿ویل لکل همزة لمزة ○ الذی جمع مالا وعدده ○ یحسب ان ماله اخلده ○ کلا لینبذن فی الحطمة ○ وما ادراک ما الحطمة ○ نار الله الموقدة ○ التی تطلع علی الافئدة ○﴾

(سورۃ ہمزۃ: ۱ تا ۷)

یعنی اس شخص کے لئے دردناک عذاب ہے جو عیب نکالنے والا ہے اور طعنہ دینے والا ہے، جو مال جمع کر رہا ہے اور گن گن کر رکھ رہا ہے (ہر روز گنتا ہے کہ آج میرے مال میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے اور اس کی گنتی کر کے خوش ہو رہا ہے) اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے گا، ہرگز نہیں۔ یاد رکھو! یہ مال جس کو وہ گن گن کر رکھ رہا ہے اور اس پر جو واجبات ہیں ان کو ادا نہیں کر رہا ہے، اس کی وجہ سے) اس کو روندنے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہیں کیا پتہ کہ "حطمة" کیا چیز ہوتی ہے؟ (یہ حطمة جس میں اس کو ڈالا جائے گا) یہ ایسی آگ ہے جو اللہ کی سلگائی ہوئی ہے (یہ کسی انسان کی سلگائی ہوئی آگ نہیں ہے جو پانی سے بجھ جائے یا مٹی سے بجھ جائے یا جس کو فائر بریگیڈ بجھا دے بلکہ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے) جو انسان کے قلب و جگر تک جھانکتی ہوگی (یعنی انسان کے

قلب و جگر تک پہنچ جائے گی) اتنی شدید وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے آمین۔

یہ مال کہاں سے آرہا ہے

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر ایسی شدید وعید کیوں بیان فرمائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تم اس دنیا میں حاصل کرتے ہو، چاہے تجارت کے ذریعہ حاصل کرتے ہو، چاہے ملازمت کے ذریعہ حاصل کرتے ہو، چاہے کاشت کاری کے ذریعہ حاصل کرتے ہو، یا کسی اور ذریعہ سے حاصل کرتے ہو، ذرا غور کرو کہ وہ مال کہاں سے آرہا ہے؟ کیا تمہارے اندر طاقت تھی کہ تم اپنے زور بازو سے وہ مال جمع کر سکتے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا حکیمانہ نظام ہے، وہ اپنے اس نظام کے ذریعہ تمہیں رزق پہنچا رہا ہے۔

گاہک کون بھیج رہا ہے؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے مال جمع کر لیا اور دکان کھول کر بیٹھ گیا اور اس مال کو فروخت کر دیا تو اس کے نتیجے میں مجھے پیسہ مل گیا، یہ نہ دیکھا کہ جب دکان کھول کر بیٹھ گئے تو تمہارے پاس گاہک کس نے بھیجا؟ اگر تم دکان کھول کر بیٹھے ہوتے اور کوئی گاہک نہ آتا تو اس وقت کوئی بکری ہوتی؟ کوئی آمدنی ہوتی؟ یہ کون ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ ایک دوسرے کی حاجتیں، ایک دوسرے کی ضرورتیں ایک دوسرے کے ذریعہ پوری کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کے دل میں ڈال دیا کہ تم جاکر دکان کھول کر بیٹھو اور دوسرے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ اس دکان والے سے خریدو۔

ایک سبق آموز واقعہ

میرے ایک بڑے بھائی تھے جناب محمد ذکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے آمین، لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی ایک دکان "ادارہ اسلامیات" کے نام سے تھی، اب بھی وہ دکان موجود ہے، وہ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تجارت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور قدرت کے عجیب کرشمے دکھلاتا ہے، ایک دن میں صبح بیدار ہوا تو پورے شہر میں موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بازاروں میں کئی کئی انچ پانی کھڑا تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ آج بارش کا دن ہے، لوگ گھر سے نکلتے ہوئے ڈر رہے ہیں، سڑکوں پر پانی کھڑا ہے، ایسے حالات میں کون کتاب خریدنے آئے گا اور کتاب بھی کوئی دنیاوی یا کورس اور نصاب کی نہیں بلکہ دینی کتاب جس کے بارے میں ہمارا حال یہ ہے کہ جب دنیا کی ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں تب جاکر یہ خیال آتا ہے کہ چلو کوئی دینی کتاب خرید کر پڑھ لیں، ان کتابوں سے نہ تو بھوک مٹتی ہے نہ پیاس بجھتی ہے نہ اس سے کوئی دنیا کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور آج کل کے حساب سے دینی کتاب ایک فالتو مد ہے، خیال یہ ہوتا ہے کہ فالتو وقت ملے گا تو دینی کتاب پڑھ لیں گے۔ تو ایسی موسلادھار بارش میں کون دینی کتاب خریدنے آئے گا، لہٰذا آج دکان پر نہ جاؤں اور چھٹی کر لیتا ہوں۔

لیکن چونکہ بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اٹھائی تھی۔ فرمانے لگے کہ اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں دوسرا خیال یہ آیا کہ ٹھیک ہے کوئی شخص کتاب خریدنے آئے یا نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لئے رزق کا یہ ذریعہ مقرر فرمایا ہے، اب میرا کام یہ ہے کہ میں جاؤں، جاکر دکان کھول کر بیٹھ جاؤں، گاہک بھیجنا میرا کام نہیں، کسی اور کا کام ہے، لہٰذا مجھے اپنے کام میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے، چاہے بارش ہو رہی ہو یا سیلاب آرہا ہو، مجھے اپنی

دکان کھولنی چاہئے۔ چنانچہ یہ سوچ کر میں نے چھتری اٹھائی اور پانی سے گزرتا ہوا چلا گیا اور بازار جاکر دکان کھول کر بیٹھ گیا اور یہ سوچا کہ آج کوئی گاہک تو آئے گا نہیں، چلو بیٹھ کر تلاوت ہی کرلیں، چنانچہ ابھی میں قرآن شریف کھول کر تلاوت کرنے بیٹھا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ برساتیاں ڈال کر اور چھتریاں تان کر کتابیں خریدنے آرہے ہیں، میں حیران تھا کہ ان لوگوں کو ایسی کونسی ضرورت پیش آگئی ہے کہ اس طوفانی بارش میں اور بہتے ہوئے سیلاب میں میرے پاس آکر ایسی کتابیں خرید رہے ہیں جن کی کوئی فوری ضرورت نہیں۔ لیکن لوگ آئے اور جتنی بکری روزانہ ہوتی تھی اس دن بھی اتنی بکری ہوئی۔ اس وقت دل میں یہ بات آئی کہ یہ گاہک خود نہیں آرہے ہیں، حقیقت میں کوئی اور بھیج رہا ہے، اور یہ اس لئے بھیج رہا ہے کہ اس نے میرے لئے رزق کا سامان ان گاہک کو بنایا ہے۔

کاموں کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

بہرحال، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا بنایا ہوا نظام ہے جو تمہارے پاس گاہک بھیج رہا ہے، جو گاہک کے دل میں ڈال رہا ہے کہ تم اس دکان سے جاکر سامان خریدو۔ کیا کسی شخص نے یہ کانفرنس بلائی تھی اور اس کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ اتنے لوگ کپڑا فروخت کریں گے، اتنے لوگ جوتے فروخت کریں گے، اتنے لوگ چاول فروخت کریں گے، اتنے لوگ برتن فروخت کریں گے، اور اس طرح لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ دنیا میں ایسی کوئی کانفرنس آج تک نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے دل میں یہ ڈالا کہ تم کپڑا فروخت کرو، کسی کے دل میں ڈالا کہ تم جوتے فروخت کرو، کسی کے دل میں ڈالا کہ تم روٹی فروخت کرو، کسی کے دل میں یہ ڈالا کہ تم گوشت فروخت کرو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جو بازار میں نہ ملتی ہو۔ دوسری طرف خریداروں کے دل میں یہ ڈالا کہ تم جاکر ان سے ضروریات خریدو اور ان کے لئے رزق کا سامان فراہم کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ

کا بنایا ہوا انتظام ہے کہ وہ تمام انسانوں کو اس طرح سے رزق عطا کر رہا ہے۔

زمین سے اُگانے والا کون ہے؟

خواہ تجارت ہو یا زراعت ہو یا ملازمت ہو، دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے، زراعت کو دیکھئے! زراعت میں آدمی کا کام یہ ہے کہ زمین کو نرم کر کے اس میں بیج ڈال دے اور اس میں پانی دے دے، لیکن اس بیج کو کونپل بنانا، وہ بیج جو بالکل بے حقیقت ہے جو گنتی میں بھی نہ آئے، جو بے وزن ہے لیکن اتنی سخت زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہوتا ہے اور کونپل بن جاتا ہے، پھر وہ کونپل بھی ایسی نرم اور نازک ہوتی ہے کہ اگر بچہ بھی اس کو انگلی سے مسل دے تو وہ ختم ہو جائے لیکن وہی کونپل سارے موسموں کی سختیاں برداشت کرتی ہے، گرم اور سرد اور تیز ہواؤں کو سہتی ہے، پھر کونپل سے پودا بنتا ہے، پھر اس پودے سے پھول نکلتے ہیں، پھول سے پھل بنتے ہیں اور اس طرح وہ ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کون ذات ہے جو یہ کام کر رہی ہے؟ اللہ جل شانہ ہی یہ سارے کام کرنے والے ہیں۔

انسان میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں

لہٰذا آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ ہو، چاہے وہ تجارت ہو یا زراعت ہو یا ملازمت ہو، حقیقت میں تو انسان ایک محدود کام کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے، بس انسان وہ محدود کام کر دیتا ہے لیکن اس محدود کام کے اندر کسی چیز کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ ہیں جو ضرورت کی اشیاء پیدا کرتے ہیں اور تمہیں عطا کرتے ہیں، لہٰذا جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ سب اسی کی عطا ہے:

﴿لله ما فی السموت وما فی الارض﴾ (البقرہ: ۲۸۴)

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اسی کی ملکیت ہے"۔

مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے وہ چیز تمہیں عطا کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ چلو تم ہی اس کے مالک ہو۔ چنانچہ سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا ملکون﴾ (یٰسین: ۷۱)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے چوپائے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ مالک حقیقی تو ہم تھے، ہم نے تمہیں مالک بنایا۔ تو حقیقت میں وہ مال جو تمہارے پاس آیا ہے اس میں سب سے بڑا حق تو ہمارا ہے، جب ہمارا حق ہے تو پھر اس میں سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو، اگر اس کے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو باقی جتنا مال تمہارے پاس ہے وہ تمہارے لئے حلال اور طیب ہے، وہ مال اللہ کا فضل ہے، اللہ کی نعمت ہے، وہ مال برکت والا ہے۔ اور اگر تم نے اس مال میں سے وہ چیز نہ نکالی جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے تو پھر یہ سارا مال تمہارے لئے آگ کے انگارے ہیں اور قیامت کے دن ان انگاروں کو دیکھ لو گے جب ان انگاروں سے تمہارے جسموں کو داغا جائے گا اور تم سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم جمع کیا کرتے تھے۔

صرف ڈھائی فیصد ادا کرو

اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے کہ یہ مال ہماری عطا کی ہوئی چیز ہے، لہٰذا اس میں سے ڈھائی فیصد تم رکھو اور ساڑھے ستانوے فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو بھی انصاف کے خلاف نہیں تھا، کیونکہ یہ سارا مال اسی کا دیا ہوا ہے اور اسی کی ملکیت

ہے۔ لیکن اس نے اپنے بندوں پر فضل فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم کمزور ہو اور تمہیں اس مال کی ضرورت ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہاری طبیعت اس مال کی طرف راغب ہے، لہٰذا چلو اس مال میں سے ساڑھے ستانوے فیصد تمہارا، صرف ڈھائی فیصد کا مطالبہ ہے، جب یہ ڈھائی فیصد اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو باقی ساڑھے ستانوے فیصد تمہارے لئے حلال ہے اور طیب ہے اور برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا معمولی مطالبہ کر کے سارا مال ہمارے حوالے کردیا کہ اس کو جس طرح چاہو اپنی جائز ضروریات میں خرچ کرو۔

زکوٰۃ کی تاکید

یہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہے، یہ وہ زکوٰۃ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں بار بار ارشاد فرمایا:

﴿واقیموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ﴾

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"۔

جہاں نماز کا ذکر فرمایا ہے وہاں ساتھ میں زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے، اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے۔ جب اس زکوٰۃ کی اتنی تاکید ہے اور دوسری طرف اللہ جل شانہ نے اتنا بڑا احسان فرمایا ہے کہ ہمیں مال عطا کیا اور اس کا مالک بنایا اور پھر صرف ڈھائی فیصد کا مطالبہ کیا تو مسلمان کم از کم اتنا کر لے کہ وہ ڈھائی فیصد ٹھیک ٹھیک اللہ کے مطالبے کے مطابق ادا کردے تو اس پر کوئی آسمان نہیں ٹوٹ جائے گا، کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔

زکوٰۃ حساب کر کے نکالو

بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو زکوٰۃ سے بالکل بے پرواہ ہیں، العیاذ باللہ وہ تو زکوٰۃ

نکالتے ہی نہیں ہیں۔ ان کی سوچ تو یہ ہے کہ یہ ڈھائی فیصد کیوں دیں؟ بس جو مال آرہا ہے وہ آئے۔ دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں جن کو زکوۃ کا کچھ نہ کچھ احساس ہے اور وہ زکوۃ نکالتے بھی ہیں لیکن زکوۃ نکالنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ جب ڈھائی فیصد زکوۃ فرض کی گئی تو اب اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر زکوۃ نکالی جائے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کون حساب کتاب کرے، کون سارے اسٹاک کو چیک کرے، لہٰذا بس ایک اندازہ کر کے زکوۃ نکال دیتے ہیں، اب اس اندازے میں غلطی بھی واقع ہو سکتی ہے اور زکوۃ نکالنے میں کمی بھی ہو سکتی ہے، اگر زکوۃ زیادہ نکال دی جائے انشاء اللہ مواخذہ نہیں ہو گا، لیکن اگر ایک روپیہ بھی کم ہو جائے یعنی جتنی زکوۃ واجب ہوئی ہے اس سے ایک روپیہ کم زکوۃ نکال تو یاد رکھئے! وہ ایک روپیہ جو آپ نے حرام طریقے سے اپنے پاس روک لیا ہے، وہ ایک روپیہ تمہارے سارے مال کو برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔

وہ مال تباہی کا سبب ہے

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوۃ کی رقم شامل ہو جائے یعنی پوری زکوۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوۃ نکالی اور کچھ باقی رہ گئی تو وہ مال انسان کے لئے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس بات کا اہتمام کریں کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کرکے زکوۃ نکالی جائے، اس کے بغیر زکوۃ کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں ہوتا، الحمدللہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو زکوۃ ضرور نکالتی ہے لیکن اس بات کا اہتمام نہیں کرتی کہ ٹھیک ٹھیک حساب کرکے زکوۃ نکالے، اس کی وجہ سے زکوۃ کی رقم ان کے مال میں شامل رہتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے دنیاوی فوائد

ویسے زکوٰۃ اس نیت سے نکالنی چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس کی رضا کا تقاضہ ہے اور ایک عبادت ہے۔ اس زکوٰۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو، کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بذات خود مقصود ہے۔ اصل مقصد تو زکوٰۃ کا یہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوائد بھی عطا فرماتے ہیں، وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یمحق اللّٰہ الربوا ویربی الصدقات﴾

(البقرہ: ۲۷۶)

"یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات کو بڑھاتے ہیں"۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے حق میں یہ دعا فرماتے ہیں کہ:

﴿اللھم اعط منفقا خلفا واعط ممسکا تلفا﴾

(بخاری کتاب الزکاۃ باب قول اللہ تعالیٰ: فاما من اعطی واتقی)

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرمایئے، اور اے اللہ جو شخص اپنے مال کو روک کر رکھ رہا ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا ہے تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈالئے۔ اس لئے فرمایا:

﴿ما نقصت صدقۃ من مال﴾

"کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا"۔

چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ادھر ایک مسلمان نے زکوٰۃ نکالی دوسری

طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی آمدنی کے دوسرے ذرائع پیدا کردیے اور اس کے ذریعہ اس زکوٰۃ سے زیادہ پیسہ اس کے پاس آگیا۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے سے اگرچہ گنتی کے اعتبار سے پیسے کم ہوجاتے ہیں لیکن بقیہ مال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکت ہوتی ہے کہ اس برکت کے نتیجے میں تھوڑے مال سے زیادہ فوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔

مال میں بے برکتی کا انجام

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے۔ برکت کا مفہوم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ برکت اس چیز کو کہتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز میں زیادہ فائدہ حاصل ہوجائے مثلاً آج آپ نے پیسے تو بہت کمائے لیکن جب گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ بچہ بیمار ہے، اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے اور ایک ہی طبی معائنہ میں وہ سارے پیسے خرچ ہوگئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو پیسے کمائے تھے اس میں برکت نہ ہوئی۔ یا مثلاً آپ پیسے کما کر گھر جارہے تھے کہ راستہ میں ڈاکو مل گیا اور اس نے پستول دکھا کر سارے پیسے چھین لئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پیسے تو حاصل ہوئے لیکن اس میں برکت نہیں ہوئی یا مثلاً آپ نے پیسہ کما کر کھانا کھایا اور اس کھانے کے نتیجے میں آپ کو بدہضمی ہوگئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں برکت نہ ہوئی۔ یہ سب بے برکتی کی نشانیاں ہیں۔ برکت یہ ہے کہ آپ نے پیسے تو کم کمائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تھوڑے پیسوں میں زیادہ کام بنادیے اور تمہارے بہت سے کام نکل گئے، اس کا نام ہے برکت۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ اس کو عطاء فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں اور اس طرح نکالیں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور اس کو حساب کتاب کے ساتھ نکالیں۔ صرف اندازہ سے نہ نکالیں۔

زکوۃ کا نصاب

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے کہ اس نصاب سے کم اگر کوئی شخص مالک ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہیں، اگر اس نصاب کا مالک ہو گا تو زکوۃ فرض ہوگی۔ وہ نصاب یہ ہے: ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، یا زیور، یا سامان تجارت وغیرہ، جس شخص کے پاس یہ مال اتنی مقدار میں موجود ہو تو اس کو "صاحب نصاب" کہا جاتا ہے۔

ہر ہر روپے پر سال کا گزرنا ضروری نہیں

پھر اس نصاب پر ایک سال گزرنا چاہئے، یعنی ایک سال تک اگر کوئی شخص صاحب نصاب رہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اس بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ہر روپے پر مستقل پورا سال گزرے، تب اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، یہ بات درست نہیں۔ بلکہ جب ایک مرتبہ سال کے شروع میں ایک شخص صاحب نصاب بن جائے مثلاً فرض کریں کہ یکم رمضان کو اگر کوئی شخص صاحب نصاب بن گیا پھر آئندہ سال جب یکم رمضان آیا تو اس وقت بھی وہ صاحب نصاب ہے تو ایسے شخص کو صاحب نصاب سمجھا جائے گا، درمیان سال میں جو رقم آتی جاتی رہی اس کا کوئی اعتبار نہیں، بس یکم رمضان کو دیکھ لو کہ تمہارے پاس کتنی رقم موجود ہے اس رقم پر زکوۃ نکالی جائے گی، چاہے اس میں سے کچھ رقم صرف ایک دن پہلے ہی کیوں نہ آئی ہو۔

تاریخ زکوۃ میں جو رقم ہو اس پر زکوۃ ہے

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص کے پاس یکم رمضان کو ایک لاکھ روپیہ تھا، اگلے سال یکم رمضان سے دو دن پہلے پچاس ہزار روپے اس کے پاس اور آگئے اور اس

کے نتیجے میں یکم رمضان کو اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپے ہو گئے، اب اس ڈیڑھ لاکھ روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں پچاس ہزار روپے تو صرف دو دن پہلے آئے ہیں اور اس پر ایک سال نہیں گزرا، لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہ ہونی چاہئے یہ درست نہیں بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی جو تاریخ ہے اور جس تاریخ کو آپ صاحب نصاب بنے ہیں اس تاریخ میں جتنا مال آپ کے پاس موجود ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، چاہے یہ رقم پچھلے سال یکم رمضان کی رقم سے زیادہ ہو یا کم ہو مثلاً اگر پچھلے سال ایک لاکھ روپے تھے، اب ڈیڑھ لاکھ ہیں تو ڈیڑھ لاکھ پر زکوٰۃ ادا کرو، اور اگر اس سال پچاس ہزار رہ گئے تو اب پچاس ہزار پر زکوٰۃ ادا کرو، درمیان سال میں جو رقم خرچ ہو گئی، اس کا کوئی حساب کتاب نہیں اور اس خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب کی الجھن سے بچانے کے لئے یہ آسان طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ درمیان سال میں جو کچھ تم نے کھایا پیا اور وہ رقم تمہارے پاس سے چلی گئی تو اس کا کوئی حساب کتاب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح درمیان سال میں جو رقم آ گئی اس کا الگ سے حساب رکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس تاریخ میں آئی اور کب اس پر سال پورا ہوگا؟ بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ میں جو رقم تمہارے پاس ہے، اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے۔

اموال زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے کہ اس نے ہر ہر چیز پر زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی، ورنہ مال کی تو بہت سی قسمیں ہیں۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ یہ ہیں: (۱) نقد روپیہ، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں، چاہے وہ نوٹ ہوں یا سکے ہوں، (۲) سونا چاندی، چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو، یا سکے کی شکل میں ہو، بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ جو خواتین کا استعمالی زیور ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ واجب ہے البتہ صرف

سونے چاندی کے زیور پر زکوۃ واجب ہے، لیکن اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا زیور ہے، چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں، اسی طرح ہیرے جواہرات پر زکوۃ نہیں جب تک تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں۔

اموال زکوۃ میں عقل نہ چلائیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ زکوۃ ایک عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا فریضہ ہے۔ اب بعض لوگ زکوۃ کے اندر اپنی عقل دوڑاتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں کہ اس پر زکوۃ کیوں واجب ہے اور فلاں چیز پر زکوۃ کیوں واجب نہیں؟ یاد رکھیے کہ یہ زکوۃ ادا کرنا عبادت ہے اور عبادت کے معنی ہی یہ ہیں کہ چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر اللہ کا حکم ماننا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ سونے چاندی پر زکوۃ واجب ہے تو ہیرے جواہرات پر زکوۃ کیوں واجب نہیں؟ اور پلاٹینم پر کیوں زکوۃ نہیں؟ یہ سوال بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ حالت سفر میں ظہر اور عصر اور عشاء کی نماز میں قصر ہے اور چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھی جاتی ہے تو پھر مغرب میں قصر کیوں نہیں؟ یا مثلاً کوئی شخص کہے کہ ایک آدمی ہوائی جہاز میں فرسٹ کلاس کے اندر سفر کرتا ہے اور اس سفر میں اس کو کوئی مشقت بھی نہیں ہوتی مگر اس کی نماز آدھی ہو جاتی ہے اور میں کراچی میں بس کے اندر بڑی مشقت کے ساتھ سفر کرتا ہوں، میری نماز آدھی کیوں نہیں ہوتی؟ ان سب کا ایک ہی جواب ہے، وہ یہ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عبادت کے احکام ہیں، عبادات میں ان احکام کی پابندی کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کام عبادت نہیں رہے گا۔

عبادت کرنا اللہ کا حکم ہے

یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ ہی کو حج ہوتا ہے؟

مجھے تو آسانی یہ ہے کہ آج جاکر حج کر آؤں اور ایک دن کے بجائے میں عرفات تین دن قیام کروں گا، اب اگر وہ شخص ایک دن کے بجائے تین دن بھی وہاں بیٹھا رہے گا، تب بھی اس کا حج نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اس کے مطابق نہیں کیا۔ یا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ حج کے تین دنوں میں جمرات کی رمی کرنے میں بہت ہجوم ہوتا ہے اس لئے میں چوتھے دن اکٹھی سارے دنوں کی رمی کرلوں گا۔ یہ رمی درست نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت کے اندر یہ ضروری ہے کہ جو طریقہ بتایا گیا ہے اور جس طرح بتایا گیا ہے اس کے مطابق وہ عبادت انجام دی جائے گی تو وہ عبادت درست ہوگی ورنہ درست نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ اعتراض کرنا کہ سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کیوں ہے اور ہیرے پر کیوں نہیں؟ یہ عبادت کے فلسفے کے خلاف ہے۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی پر زکوٰۃ رکھی ہے، چاہے وہ استعمال کا ہو، اور نقد روپیہ پر زکوٰۃ رکھی ہے۔

سامان تجارت کی قیمت کے تعین کا طریقہ

دوسری چیز جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ ہے "سامان تجارت" مثلاً کسی کی دکان میں جو سامان برائے فروخت رکھا ہوا ہے، اس سارے اسٹاک پر زکوٰۃ واجب ہے، البتہ اسٹاک کی قیمت لگاتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہے کہ آدمی زکوٰۃ نکالتے وقت یہ حساب لگائے کہ اگر میں پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کروں تو بازار میں اس کی کیا قیمت لگے گی۔ دیکھئے ایک "ریٹیل پرائس" ہوتی ہے اور دوسری "ہول سیل پرائس" تیسری صورت یہ ہے کہ پورا اسٹاک اکٹھا فروخت کرنے کی صورت میں کیا قیمت لگے گی، لہٰذا جب دکان کے اندر جو مال ہے اس کی زکوٰۃ کا حساب لگایا جارہا ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ تیسری قسم کی قیمت لگائی جائے، وہ قیمت نکال کر پھر اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ عام "ہول سیل قیمت" سے حساب لگا کر اس پر زکوٰۃ ادا کردی جائے۔

مال تجارت میں کیا کیا داخل ہے؟

اس کے علاوہ مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا یا زمین خریدی یا کوئی مکان خریدا یا گاڑی خریدی اور اس مقصد سے خریدی کہ اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا تو یہ سب چیزیں مال تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا اگر کوئی پلاٹ، کوئی زمین، کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ میں اس کو فروخت کروں گا تو اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو "انویسٹمنٹ" کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں، اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کروں گا اور فروخت کر کے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنالیں گے، یا موقع ہو گا تو اس کو کرائے پر چڑھا دیں گے یا کبھی موقع ہو گا تو اس کو فروخت کر دیں گے، کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید کر ڈال دیا ہے، اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ کرائے پر چڑھا دیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ فروخت کردیں گے تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب خریدتے وقت ہی اس کو دوبارہ فروخت کرنے کی نیت ہو، یہاں تک کہ اگر پلاٹ خریدتے وقت شروع میں یہ نیت تھی کہ اس پر مکان بنا کر رہائش اختیار کریں گے، بعد میں ارادہ بدل گیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ اب اس کو فروخت کر کے پیسے حاصل کرلیں گے تو محض نیت اور ارادہ کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا جب تک آپ اس پلاٹ کو واقعۃً فروخت نہیں کردیں گے اور اس کے پیسے آپ کے پاس نہیں آجائیں گے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ واجب

نہیں ہوگی۔

بہرحال، ہر وہ چیز جسے خریدتے وقت ہی اس کو فروخت کرنے کی نیت ہو، وہ مال تجارت ہے اور اس کی مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مالیت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کر رہے ہیں مثلاً ایک پلاٹ آپ نے ایک لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج اس پلاٹ کی قیمت دس لاکھ ہوگئی، اب دس لاکھ پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی، ایک لاکھ پر نہیں نکالی جائے گی۔

کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم

اسی طرح کمپنیوں کے "شیئرز" بھی سامان تجارت میں داخل ہیں۔ اور ان کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز اس مقصد کے لئے خریدے ہیں کہ اس کے ذریعہ کمپنی کا منافع (dividend) حاصل کریں گے اور اس پر ہمیں سالانہ منافع کمپنی کی طرف سے ملتا رہے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز "کیپیٹل گین" کے لئے خریدے ہیں یعنی نیت یہ ہے کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع کمائیں گے۔ اگر یہ دوسری صورت ہے یعنی شیئرز خریدتے وقت شروع ہی میں ان کو فروخت کرنے کی نیت تھی تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً آپ نے پچاس روپے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کریں گے، اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپے ہوگئی تو اب ساٹھ روپے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی

فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

لیکن اگر پہلی صورت ہے یعنی آپ نے کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدے کہ کمپنی کی طرف سے اس پر سالانہ منافع ملتا رہے گا اور فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ یہ دیکھیں کہ جس کمپنی کے یہ شیئرز ہیں اس کمپنی کے کتنے اثاثے جامد ہیں مثلاً بلڈنگ، مشینری، کاریں وغیرہ، اور کتنے اثاثے نقد، سامان تجارت اور خام مال کی شکل میں ہیں، یہ معلومات کمپنی ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں، مثلاً فرض کریں کہ کسی کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے نقد، سامان تجارت، خام مال، اور تیار مال کی صورت میں ہیں اور چالیس فیصد اثاثے بلڈنگ، مشینری اور کار وغیرہ کی صورت میں ہیں تو اس صورت میں آپ ان شیئرز کی بازاری قیمت لگا کر اس کی ساٹھ فیصد قیمت پر زکوۃ ادا کریں، مثلاً شیئرز کی بازاری قیمت ساٹھ روپے تھی اور کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے قابل زکوۃ تھے اور چالیس فیصد اثاثے ناقابل زکوۃ تھے تو اس صورت میں آپ اس شیئرز کی پوری قیمت یعنی ساٹھ روپے کے بجائے -/۳۶ روپے پر زکوۃ ادا کریں۔ اور اگر کسی کمپنی کے اثاثوں کی تفصیل معلوم نہ ہوسکے تو اس صورت میں احتیاطاً ان شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوۃ ادا کردی جائے۔

شیئرز کے علاوہ اور جتنے فائینانشل انسٹرومنٹس ہیں چاہے وہ بونڈز ہوں یا سرٹیفکیٹس ہوں، یہ سب نقد کے حکم میں ہیں، ان کی اصل قیمت پر زکوۃ واجب ہے۔

کارخانہ کی کن اشیاء پر زکوۃ ہے

اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس فیکٹری میں جو تیار شدہ مال ہے اس کی قیمت پر زکوۃ واجب ہے، اسی طرح جو مال تیاری کے مختلف مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ البتہ فیکٹری کی مشینری، بلڈنگ،

گاڑیاں وغیرہ پر زکوۃ واجب نہیں۔
اس طرح اگر کسی شخص نے کسی کاروبار میں شرکت کے لئے روپیہ لگایا ہوا ہے، اور اس کاروبار کا کوئی متناسب حصہ اس کی ملکیت ہے تو جتنا حصہ اس کی ملکیت ہے اس حصے کی بازاری قیمت کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی۔
بہرحال، خلاصہ یہ کہ نقد روپیہ جس میں بینک بیلنس اور فائنینشل انسٹرومنٹس بھی داخل ہیں، ان پر زکوۃ واجب ہے، اور سامان تجارت، جس میں تیار مال، خام مال، اور جو مال تیاری کے مراحل میں ہیں وہ سب سامان تجارت میں داخل ہیں، اور کمپنی کے شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں، اس کے علاوہ ہر چیز جو آدمی نے فروخت کرنے کی غرض سے خریدی ہو وہ بھی سامان تجارت میں داخل ہے، زکوۃ نکالتے وقت ان سب کی مجموعی مالیت نکالیں اور اس پر زکوۃ ادا کریں۔

واجب الوصول قرضوں پر زکوۃ

ان کے علاوہ بہت سی رقمیں وہ ہوتی ہیں جو دوسروں سے واجب الوصول ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں کو قرض دے رکھا ہے، یا مثلاً مال ادھار فروخت کر رکھا ہے اور اس کی قیمت ابھی وصول ہونی ہے، تو جب آپ زکوۃ کا حساب لگائیں اور اپنی مجموعی مالیت نکالیں تو بہتر یہ ہے کہ ان قرضوں کو اور واجب الوصول رقموں کو آج ہی آپ اپنی مجموعی مالیت میں شامل کرلیں۔ اگرچہ شرعی حکم یہ ہے کہ جو قرضے ابھی وصول نہیں ہوئے تو جب تک وہ وصول نہ ہوجائیں اس وقت تک شرعاً ان پر زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، لیکن جب وصول ہوجائیں تو جتنے سال گزر چکے ہیں ان تمام پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ مثلاً فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دے رکھا تھا، اور پانچ سال کے بعد وہ قرضہ آپ کو واپس ملا، تو اگرچہ اس ایک لاکھ روپے پر ان پانچ سالوں کے دوران تو زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں تھی، لیکن جب وہ ایک لاکھ روپے وصول ہوگئے تو اب گزشتہ

پانچ سالوں کی بھی زکوۃ دینی ہوگی۔ تو چونکہ گذشتہ سالوں کی زکوۃ یک مشت ادا کرنے میں بعض اوقات دشواری ہوتی ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر سال اس قرض کی زکوۃ کی ادائیگی بھی کر دی جایا کرے۔ لہٰذا جب زکوۃ کا حساب لگائیں تو ان قرضوں کو بھی مجموعی مالیت میں شامل کر لیا کریں۔

قرضوں کی منہائی

پھر دوسری طرف یہ دیکھیں کہ آپ کے ذمے دوسرے لوگوں کے کتنے قرضے ہیں۔ اور پھر مجموعی مالیت میں سے ان قرضوں کو منہا کر دیں، منہا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ قابل زکوۃ رقم ہے۔ اس کا پھر ڈھائی فیصد نکال کر زکوۃ کی نیت سے ادا کر دیں۔ بہتر یہ ہے کہ جو رقم زکوۃ کی بنے اتنی رقم الگ نکال کر محفوظ کر لیں، پھر وقتاً فوقتاً اس کو مستحقین میں خرچ کرتے رہیں۔ بہرحال زکوۃ کا حساب لگانے کا یہ طریقہ ہے۔

قرضوں کی دو قسمیں

قرضوں کے سلسلے میں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے، وہ یہ کہ قرضوں کی دو قسمیں ہیں: ایک تو معمولی قرضے ہیں جن کو انسان اپنی ذاتی ضروریات اور ہنگامی ضروریات کے لئے مجبوراً لیتا ہے۔ دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو بڑے بڑے سرمایہ دار پیداواری اغراض کے لئے لیتے ہیں مثلاً: فیکٹریاں لگانے، یا مشینریاں خریدنے، یا مال تجارت امپورٹ کرنے کے لئے قرضے لیتے ہیں یا مثلاً ایک سرمایہ دار کے پاس پہلے سے دو فیکٹریاں موجود ہیں لیکن اس نے بینک سے قرض لے کر تیسری فیکٹری لگالی۔ اب اگر اس دوسری قسم کے قرضوں کو مجموعی مالیت سے منہا کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان سرمایہ داروں پر ایک پیسے کی بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ لوگ الٹے مستحق زکوۃ بن جائیں گے، اس لئے کہ ان کے پاس جتنی مالیت کا مال

موجود ہے، اس سے زیادہ مالیت کے قرضے بینک سے لے رکھے ہیں، وہ بظاہر فقیر اور مسکین نظر آرہا ہے۔ لہٰذا ان قرضوں کے منہا کرنے میں بھی شریعت نے فرق رکھا ہے۔

تجارتی قرضے کب منہا کئے جائیں

اس میں تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کے قرضے تو مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے اور ان کو منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور دوسری قسم کے قرضوں میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی غرض سے قرض لیا، اور اس قرض کو ایسی اشیاء خریدنے میں استعمال کیا جو قابل زکوٰۃ ہیں، مثلاً اس قرض سے خام مال خرید لیا، یا مال تجارت خرید لیا، تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا کریں گے۔ لیکن اگر اس قرض کو ایسے اثاثے خریدنے میں استعمال کیا جو ناقابل زکوٰۃ ہیں تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا نہیں کریں گے۔

قرض کی مثال

مثلاً ایک شخص نے بینک سے ایک کروڑ روپے قرض لئے اور اس رقم سے اس نے ایک پلانٹ (مشینری) باہر سے امپورٹ کرلیا ـــــ چونکہ یہ پلانٹ قابل زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے کہ یہ مشینری ہے تو اس صورت میں یہ قرضہ منہا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے اس قرض سے خام مال خرید لیا تو چونکہ خام مال قابل زکوٰۃ ہے اس لئے یہ قرض منہا کیا جائے گا، کیونکہ دوسری طرف یہ خام مال ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی مجموعی مالیت میں پہلے سے شامل ہو چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نارمل قسم کے قرض تو پورے کے پورے مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے۔ اور جو قرضے پیداواری اغراض کے لئے لئے گئے ہیں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے ناقابل زکوٰۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا نہیں ہوگا، اور اگر قابل زکوٰۃ اثاثے خریدے

ہیں تو وہ قرض منہا ہوگا۔ یہ تو زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں احکام تھے۔

زکوٰۃ مستحق کو ادا کریں

دوسری طرف زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں بھی شریعت نے احکام بتائے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ نکالو، نہ یہ فرمایا کہ زکوٰۃ پھینکو، بلکہ فرمایا: آتوا الزکاۃ زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی یہ دیکھو کہ اس جگہ پر زکوٰۃ جائے جہاں شرعاً زکوٰۃ جانی چاہئے۔ بعض لوگ زکوٰۃ نکالتے تو ہیں لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ صحیح مصرف پر خرچ ہو رہی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ نکال کر کسی کے حوالے کردی اور اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ صحیح مصرف پر خرچ کرے گا یا نہیں؟ آج بے شمار ادارے دنیا میں کام کر رہے ہیں، ان میں بہت سے ادارے ایسے بھی ہوں گے جن میں بسا اوقات اس بات کا لحاظ نہیں ہوتا ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف پر خرچ ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔

مستحق کون؟

اس کے لئے شریعت نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ زکوٰۃ صرف انہی اشخاص کو دی جاسکتی ہے جو صاحب نصاب نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو بھی وہ مستحق زکوٰۃ نہیں رہتا۔ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو۔

مستحق کو مالک بنا کر دیں

اس میں بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دو۔ یعنی وہ

مستحق زکوۃ اپنی ملکیت میں خود مختار ہو کہ جو چاہے کرے۔ اسی وجہ سے کسی بلڈنگ کی تعمیر پر زکوۃ نہیں لگ سکتی، کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہوں پر زکوۃ نہیں لگ سکتی۔ اس لئے کہ اگر زکوۃ کے ذریعہ تعمیرات کرنے اور ادارے قائم کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو زکوۃ کی رقم سب لوگ کھاپی کر ختم کر جاتے، کیونکہ اداروں کے اندر تنخواہیں بے شمار ہوتی ہیں، تعمیرات پر خرچ لاکھوں کا ہوتا ہے، اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ غیر صاحب نصاب کو مالک بنا کر زکوۃ دو، یہ زکوۃ فقراء اور غرباء اور کمزوروں کا حق ہے؟ لہٰذا یہ زکوۃ انہی تک پہنچنی چاہئے، جب ان کو مالک بنا کر دے دو گے تو تمہاری زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

کن رشتہ داروں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے

یہ زکوۃ ادا کرنے کا حکم انسان کے اندر یہ طلب اور جستجو خود بخود پیدا کرتا ہے کہ میرے پاس زکوۃ کے اتنے پیسے موجود ہیں، ان کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ہے۔ اس لئے وہ مستحقین کو تلاش کرتا ہے کہ کون کون لوگ مستحقین ہیں اور ان مستحقین کی فہرست بناتا ہے، پھر ان کو زکوۃ پہنچاتا ہے، یہ بھی انسان کی ذمہ داری ہے۔ آپ کے محلے میں، ملنے جلنے والوں میں، عزیز و اقارب اور رشتہ داروں میں، دوست احباب میں جو مستحق زکوۃ ہوں، ان کو زکوۃ ادا کریں۔ اور ان میں سے سب سے افضل یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو زکوۃ ادا کریں اس میں ڈبل ثواب ہے، زکوۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ہے اور صلہ رحمی کرنے کا ثواب بھی ہے۔ اور تمام رشتہ داروں کو زکوۃ دے سکتے ہیں صرف دو رشتے ایسے ہیں جن کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، ایک ولادت کا رشتہ ہے لہٰذا باپ بیٹے کو زکوۃ نہیں دے سکتا اور بیٹا باپ کو زکوۃ نہیں دے سکتا، دوسرا نکاح کا رشتہ ہے لہٰذا شوہر بیوی کو زکوۃ نہیں دے سکتا اور بیوی شوہر کو زکوۃ نہیں دے سکتی، ان کے علاوہ باقی تمام رشتوں میں زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً بھائی کو، بہن کو، چچا کو، خالہ کو، پھوپھی کو، ماموں کو زکوۃ دی جاسکتی

ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھ لیں کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور صاحب نصاب نہ ہو۔

بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی خاتون بیوہ ہے تو اس کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہئے حالانکہ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو اور صاحب نصاب نہ ہو۔ اگر بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر ایک خاتون بیوہ ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو محض بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوٰۃ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح یتیم کو زکوٰۃ دینا اور اس کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن یہ دیکھ کر زکوٰۃ دینی چاہئے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ لیکن اگر کوئی یتیم ہے مگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ صاحب نصاب ہے تو یتیم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ ان احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ نکالنی چاہئے۔

بینکوں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا حکم

کچھ عرصے سے ہمارے ملک میں سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے، کمپنیاں بھی زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کو ادا کرتی ہیں۔ اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

جہاں تک بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ کی کٹوتی کا تعلق ہے تو اس کٹوتی سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ احتیاطاً ایسا کرلیں کہ یکم رمضان آنے سے پہلے دل میں یہ نیت کرلیں کہ میری رقم سے جو زکوٰۃ کٹے گی وہ میں ادا کرتا ہوں، اس سے اس کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے دوبارہ زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اس میں بعض لوگوں کو یہ شبہ رہتا ہے کہ ہماری پوری رقم پر سال پورا نہیں

گزرا جب کہ پوری رقم پر زکوۃ کٹ گئی۔ اس کے بارے میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ہر ہر رقم پر سال گزرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو اس صورت میں سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے بھی جو رقم آپ کے پاس آئی ہے اس پر جو زکوۃ کٹی ہے وہ بھی بالکل صحیح کٹی ہے کیونکہ اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگئی تھی۔

اکاؤنٹ کی رقم سے قرض کس طرح منہا کریں؟

البتہ اگر کسی شخص کا سارا اثاثہ بینک ہی میں ہے، خود اس کے پاس کچھ بھی موجود نہیں، اور دوسری طرف اس کے اوپر لوگوں کے قرضے ہیں تو اس صورت میں بینک تو تاریخ آنے پر زکوۃ کاٹ لیتا ہے حالانکہ اس رقم سے قرضے منہا نہیں ہوتے، جس کے نتیجے میں زیادہ زکوۃ کٹ جاتی ہے۔ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ یا تو آدمی وہ تاریخ آنے سے پہلے اپنی رقم بینک سے نکال لے یا کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھ دے۔ بلکہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی رقم کرنٹ اکاؤنٹ ہی میں رکھے، سیونگ اکاؤنٹ میں بالکل نہ رکھے، اس لئے کہ وہ تو سودی اکاؤنٹ ہے اور کرنٹ اکاؤنٹ میں زکوۃ نہیں کٹتی۔ بہرحال زکوۃ کی تاریخ آنے سے پہلے وہ رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں منتقل کردے، جب کرنٹ اکاؤنٹ سے زکوۃ نہیں کٹے گی تو آپ اپنے طور پر حساب کرکے قرض منہا کرکے زکوۃ ادا کریں۔ دوسرا حل یہ ہے کہ وہ شخص بینک کو لکھ کردیدے کہ میں صاحب نصاب نہیں ہوں اور صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے میرے اوپر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اگر یہ لکھ کردے دے تو قانوناً اس کی رقم سے زکوۃ نہیں کاٹی جائے گی۔

کمپنی کے شیئرز کی زکوۃ کاٹنا

ایک مسئلہ کمپنی کے شیئرز کا ہے۔ جب کمپنی شیئرز پر سالانہ منافع تقسیم کرتی

ہے تو اس وقت وہ کمپنی زکوۃ کاٹ لیتی ہے، لیکن کمپنی ان شیئرز کی جو زکوۃ کاٹتی ہے وہ اس شیئرز کی فیس ویلیو (FACE VALUE) کی بنیاد پر زکوۃ کاٹتی ہے، حالانکہ شرعاً ان شیئرز کی مارکیٹ قیمت پر زکوۃ واجب ہے، لہٰذا فیس ویلیو پر جو زکوۃ کاٹ لی گئی ہے وہ تو ادا ہو گئی البتہ فیس ویلیو اور مارکیٹ ویلیو کے درمیان جو فرق ہے، اس کا آپ کو اس بنیاد پر حساب کرنا ہو گا جس کی تفصیل شیئرز کی زکوۃ کے بارے میں بیان کی گئی ہے مثلاً ایک شیئرز کی فیس ویلیو پچاس روپے تھی اور اس کی مارکیٹ ویلیو ساٹھ روپے ہے، تو اب کمپنی والوں نے پچاس روپے کی زکوۃ ادا کر دی، لہٰذا دس روپے کی زکوۃ آپ کو الگ سے نکالنی ہو گی۔ کمپنی کے شیئرز اور این آئی ٹی یونٹ دونوں کے اندر یہی صورت ہے، لہٰذا جہاں کہیں فیس ویلیو پر زکوۃ کٹتی ہے وہاں مارکیٹ ویلیو کا حساب کر کے دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

زکوۃ کی تاریخ کیا ہونی چاہئے؟

ایک بات یہ سمجھ لیں کہ زکوۃ کے لئے شرعاً کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ کوئی زمانہ مقرر ہے کہ اس زمانے میں یا اس تاریخ میں زکوۃ ادا کی جائے، بلکہ ہر آدمی کی زکوۃ کی تاریخ جدا ہوتی ہے۔ شرعاً زکوۃ کی اصل تاریخ وہ ہے جس تاریخ اور جس دن آدمی پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا، مثلاً ایک شخص یکم محرم الحرام کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا تو اس کی زکوۃ کی تاریخ یکم محرم الحرام ہو گئی، اب آئندہ ہر سال اس کو یکم محرم الحرام کو اپنی زکوۃ کا حساب کرنا چاہئے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم کس تاریخ کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنے تھے، اس لئے اس مجبوری کی وجہ سے وہ اپنے لئے کوئی ایسی تاریخ زکوۃ کے حساب کی مقرر کرلے جس میں اس کے لئے حساب لگانا آسان ہو، پھر آئندہ ہر سال اسی تاریخ کو زکوۃ کا حساب کر کے زکوۃ ادا کرے، البتہ احتیاطاً کچھ زیادہ ادا کر دیں۔

کیا رمضان المبارک کی تاریخ مقرر کر سکتے ہیں؟

عام طور پر لوگ رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان المبارک میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے، لہٰذا زکوٰۃ بھی چونکہ فرض ہے اگر رمضان المبارک میں ادا کریں گے تو اس کا ثواب بھی ستر گنا ملے گا۔ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے اور یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن اگر کسی شخص کو اپنے صاحب نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو محض اس ثواب کی وجہ سے وہ شخص رمضان کی تاریخ مقرر نہیں کر سکتا، لہٰذا اس کو چاہئے کہ اسی تاریخ پر اپنی زکوٰۃ کا حساب کرے۔ البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ کر سکتا ہے کہ اگر تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے تو اس طرح ادا کرتا رہے اور باقی جو بچے اس کو رمضان المبارک میں ادا کر دے۔ البتہ اگر تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر گنجائش ہے کہ رمضان المبارک کی کوئی تاریخ مقرر کر لے، البتہ احتیاطاً زیادہ ادا کر دے تاکہ اگر تاریخ کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے جو فرق ہو گیا ہو وہ فرق بھی پورا ہو جائے۔

پھر جب ایک مرتبہ جو تاریخ مقرر کر لے تو پھر ہر سال اسی تاریخ کو اپنا حساب لگائے اور یہ دیکھے کہ اس تاریخ میں میرے کیا کیا اثاثے موجود ہیں، اس تاریخ میں نقد رقم کتنی ہے، اگر سونا موجود ہے تو اسی تاریخ کی سونے کی قیمت لگائے، اگر شیئرز ہیں تو اسی تاریخ کی ان شیئرز کی قیمت لگائے، اگر اسٹاک کی قیمت لگانی ہے تو اسی تاریخ کی اسٹاک کی قیمت لگائے اور پھر ہر سال اسی تاریخ کو حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، اس تاریخ سے آگے پیچھے نہیں کرنا چاہئے۔

بہر حال، زکوٰۃ کے بارے میں یہ تھوڑی سی تفصیل عرض کر دی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کیا آپ کو خیالات پریشان کرتے ہیں؟

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

بُرے خیالات، ایمان کی علامت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسے کے بارے میں پوچھا گیا کہ دل میں کفر و شرک کے اور فسق و فجور کے جو وسوسے آتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاک محض الایمان یعنی یہ وسوسے خالص ایمان کی علامت ہیں۔ ان سے مت گھبراؤ اور ان کی وجہ سے مایوس مت ہو جاؤ اور ان کی وجہ سے زیادہ پریشان مت ہو، کیونکہ یہ خالص ایمان کی علامت ہیں۔

ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! بعض اوقات ہمارے دل میں ایسے وسوسے اور خیالات آتے ہیں کہ ان خیالات کو زبان پر لانے کے مقابلے میں ہمیں جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ پسند ہے یعنی ان خیالات کو زبان سے ظاہر کرنا آگ میں جل جانے سے زیادہ برا لگتا ہے۔ اس کے جواب میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو ایمان کی علامت ہے۔

شیطان ایمان کا چور ہے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ "وسوسہ" شیطان کا عمل ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کے دل میں یہ وسوسے ڈالتا ہے۔ اور شیطان ایمان کا چور ہے، یہ تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے، چور اور ڈاکو اس گھر میں ڈاکہ ڈالے گا جس گھر میں دولت ہو، اگر دولت ہے ہی نہیں تو پھر ڈاکو ڈاکہ کیوں ڈالے گا۔ لہٰذا شیطان جو تمہارے دل میں وسوسے ڈال رہا ہے اور تمہارے دل میں داخل ہو رہا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے، اگر یہ ایمان کی دولت نہ ہوتی تو یہ ڈاکو اس گھر میں داخل نہ ہوتا، اس وجہ سے ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ان کو ظاہر کرنے کے مقابلے میں جل کر مر جانا زیادہ پسند ہے، یہ اندر سے تمہارا ایمان بول رہا ہے، تمہارا ایمان یہ بول رہا ہے کہ بات زبان سے نکالنے والی نہیں۔ اگر دل میں ایمان نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو عین ایمان کی علامت ہے۔

وساوس پر گرفت نہیں ہوگی

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للہ

الذی رد کید الشیطان الی الوسوسة یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کے مکر اور چال کو وسوسے کی حد تک محدود کر دیا، اس سے آگے نہیں بڑھایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ شیطان کی تدبیر تمہارے اوپر اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو رہی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ان اللہ تجاوز عن امتی ماوسوست بہ صدورھا﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس سے درگزر فرما دیا ہے اور ان کو معاف فرمادیا ہے، ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ عمل پر مؤاخذہ ہوگا۔

عقیدوں کے بارے میں خیالات

وسوسے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وسوسے عقیدے کے بارے میں ہیں، یعنی دل میں شیطان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وسوسہ ڈالے یا آخرت کے بارے میں وسوسہ ڈالے کہ معلوم نہیں کہ آئے گی یا نہیں۔ اس قسم کے وسوسوں کے بارے میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ جب تک تم اپنا عقیدہ درست رکھو گے، پھر چاہے خیالات اور وساوس کیسے بھی آجائیں اس پر انشاء اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا اور نہ ان خیالات کی وجہ سے انسان کافر ہوتا ہے۔ ان خیالات کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں شیطان ہوگیا، میں تو کافر ہوگیا۔ یاد رکھئے! ان وسوسوں کے دل میں آنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے دل، اپنی زبان اور اپنے عمل سے مؤمن ہے۔ لہٰذا آدمی کو مطمئن ہو جانا چاہئے۔

گناہوں کے خیالات

دوسرے گناہ کرنے اور فسق و فجور کرنے کے وسوسے اور خیالات آتے ہیں۔ مثلاً دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فلاں گناہ کا ارتکاب کرلوں یا فلاں گناہ کرلوں یا کسی گناہ کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے اور اس کی طرف کشش ہو رہی ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر محض دل میں خیال آیا ہے تو اس پر انشاء اللہ کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا جب تک اس خیال اور وسوسے پر عمل نہ کرلو گے، لہٰذا جب گناہ کے تقاضے اور داعیے پر عمل کرلوگے تو یہ قابل مؤاخذہ اور قابل گرفت ہے۔ اور جب بھی کسی گناہ کا خیال یا وسوسہ آئے کہ فلاں گناہ کرلوں تو اس کا فوری توڑ یہ ہے کہ فوراً اللہ کی پناہ مانگو کہ یا اللہ! میرے دل میں اس گناہ کا خیال آرہا ہے، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ مجھے اس گناہ سے بچالیجئے۔ اس طرح اس خیال اور وسوسے کا توڑ ہو جائے گا۔

بُرے خیالات کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرو

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ آپ آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اس آزمائش کے نتیجے میں ان کے دل میں بھی گناہ کا کچھ وسوسہ آیا اس لئے کہ بہر حال آپ بھی انسان تھے لیکن اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ:

﴿وان لا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین﴾

یعنی اے اللہ! اگر آپ ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور نہیں کریں گے تو میں بھی تو ایک انسان ہوں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا، لہٰذا ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور کردیجئے۔ جب کبھی گناہ کا خیال یا گناہ کا

وسوسہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے پناہ مانگ لو کہ اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے مجھے اس گناہ سے محفوظ رکھئے۔ اور اس وقت اپنی ہمت کو تازہ کر لو کہ میں گناہ کے اس داعیہ پر عمل نہیں کرونگا۔ اگر یہ کر لو گے تو پھر انشاء اللہ یہ خیالات اور وسوسے کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے۔

نماز میں آنے والے خیالات کا حکم

وسوسے کی تیسری قسم اگرچہ مباح ہے کیونکہ وہ کسی گناہ کا وسوسہ اور خیال نہیں ہے لیکن وہ خیال انسان کو کسی عبادت اور طاعت کی طرف متوجہ ہونے سے روک رہا ہے مثلاً جیسے ہی نماز کی نیت باندھی بس اس وقت دنیا بھر کے خیالات کی چکی چلنی شروع ہو گئی۔ اور وہ خیالات چاہے گناہ کے خیال نہ ہوں مثلاً کھانے پینے کا خیال، بیوی بچوں کا خیال، اپنی روزی کا خیال، تجارت کا خیال، یہ تمام خیالات فی نفسہ گناہ کے خیالات نہیں ہیں۔ لیکن ان خیالات کی وجہ سے دل نماز کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا ہے اور ان خیالات کی وجہ سے خشوع میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ خیالات جو غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں اور انسان کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے انشاء اللہ ان خیالات پر کوئی گرفت اور مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ معاف ہونگے، البتہ اپنے اختیار سے باقاعدہ ارادہ کر کے خیالات نماز میں مت لاؤ اور نہ دل ان میں لگاؤ بلکہ جب اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرو تو ذہن کو نماز کی طرف متوجہ کرو، جب ثنا پڑھو تو اس کی طرف دھیان لگاؤ اور جب سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کرو تو اس کی طرف دھیان لگاؤ، پھر دھیان لگانے کے باوجود غیر اختیاری طور پر ذہن دوسری طرف بھٹک گیا اور خیالات کہیں اور چلے گئے تو انشاء اللہ ان پر گرفت نہیں ہوگی۔ لیکن جب متنبہ ہو جائے کہ میں تو بھٹک گیا تو پھر دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آؤ اور نماز کے الفاظ اور اذکار کی طرف لوٹ آؤ۔ بار بار یہ کرتے رہو گے تو انشاء اللہ یہ خیالات آنے کم ہو جائیں گے اور اس کام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

خشوع عطا فرمادیں گے۔

نماز کی ناقدری مت کرو

بہر حال نماز میں یہ جو خیالات آتے ہیں، بہت سے لوگ ان سے پریشان ہوتے ہیں اور ان خیالات کے نتیجے میں سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ نماز تو ٹھک بیٹھک ہے، اس میں کوئی روح اور جان نہیں ہے۔ یاد رکھئے! نماز کی ایسی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور ان خیالات کی وجہ سے اپنی نماز کو بے کار مت سمجھو، یہ نماز کی توفیق تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور ان غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے انشاء اللہ تمہاری گرفت نہیں ہوگی۔ البتہ اپنے اختیار سے خیالات مت لاؤ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے عالم اور صوفی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کے ایک بھائی تھے جو بالکل خالص صوفی مزاج آدمی تھے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امامت فرماتے اور نماز پڑھاتے تو یہ بھائی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، کسی نے ان کی والدہ سے شکایت کر دی کہ یہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی نماز ہی کیا ہے، میں ان کے پیچھے کیسے نماز پڑھوں۔ اس لئے کہ جب یہ نماز پڑھاتے ہیں تو اس وقت ان کا دل اور دماغ حیض اور نفاس کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس لئے یہ گندی نماز ہے، میں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ وہ والدہ بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ جواب میں فرمایا کہ تمہارا بھائی تو نماز کے اندر فقہی مسائل سوچتا ہے

اور نماز کے اندر فقہی مسئلے سوچنا جائز ہے، اور تم نماز کے اندر اپنے بھائی کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہو اور یہ دیکھتے رہتے ہو کہ اس کی نماز صحیح ہے یا غلط ہے؟ اور نماز کے اندر یہ کام یقینی طور پر حرام ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ وہ بہتر ہے یا تم بہتر ہو؟ بہر حال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے بھی یہ بات واضح فرمادی کہ نماز میں فقہی مسئلے کو سوچنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لہٰذا اپنے اختیار سے ایسے خیالات لانا جو خود عبادت اور طاعت کا حصہ ہیں وہ بھی نماز کے خشوع کے منافی نہیں۔

آیات قرآنی میں تدبر کا حکم

چنانچہ حکم یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت قرآن کریم کی آیات میں تدبر کرو، غور و فکر کرو۔ اب اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور نماز میں تلاوت کے وقت قرآن کریم کے اسرار و حکم کے اندر غلطاں و پیچاں ہے اور منہمک ہے، یہ سب جائز ہے اور عبادت ہی کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسا خیال جو طاعت اور عبادت کا خیال ہو ان کو اپنے اختیار سے بھی نماز میں لاسکتے ہیں۔ البتہ وہ خیالات جو طاعت اور عبادت کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً دنیا کے بارے میں خیالات کہ کس طرح دنیا کماؤں، کس طرح خرچ کروں وغیرہ تو اس قسم کے خیالات اپنے اختیار سے تو نہ لائیں، خود سے آرہے ہیں تو آنے دو، اس سے نماز کے خشوع میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! جب دھیان اس طرف آجائے کہ یہ خیالات آرہے ہیں پھر بھی ان خیالات کو باقی رکھا اور ان خیالات سے مزے لیتا رہا تو یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا جب متنبہ ہو جائے تو دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آؤ۔

یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں بہت پریشان ہوں، اس لئے کہ میری نمازیں کسی

کام کی نہیں، جب میں سجدہ کرتا ہوں تو اس وقت دماغ میں ایسے شہوانی اور نفسانی خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ الامان، تو وہ میرا سجدہ کیا ہوا، وہ تو ویسے ہی ٹکریں مارنا ہوا۔ میں تو بہت پریشان ہوں کہ کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو سجدہ کرتے ہو تمہارے خیال میں یہ کیسا سجدہ ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! بڑا ناپاک اور بڑا گندہ سجدہ ہے اس لئے کہ اس میں ناپاک اور گندے شہوانی خیالات آتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ یہ ناپاک اور گندہ سجدہ تو اللہ میاں کو نہیں کرنا چاہئے، اچھا ایسا کرو کہ تم یہ ناپاک سجدہ مجھے کرلو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو بہت پاکیزہ اور اعلیٰ قسم کا سجدہ ہونا چاہئے اور یہ ناپاک سجدہ ہے یہ مجھ ناپاک کے سامنے کرلو۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ توبہ توبہ آپ کے سامنے کیسے سجدہ کرلوں؟ حضرت نے فرمایا کہ بس اس سے پتہ چلا کہ یہ سجدہ اسی ذات کے لئے ہے، یہ پیشانی کسی اور کے سامنے جھک نہیں سکتی، چاہے اس سجدہ میں کیسے ہی گندے شہوانی اور نفسانی خیالات کیوں نہ آرہے ہوں، لیکن یہ پیشانی اگر جھکے گی تو اسی کے در پر جھکے گی۔ لہٰذا یہ سجدہ اسی اللہ کے لئے ہے۔ اور اگر یہ فاسد خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو انشاء اللہ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔

خیالات اور وساوس میں بھی حکمت ہے

دیکھئے! اگر ہم جیسے لوگوں کو نماز کے اندر یہ خیالات اور وساوس نہ آئیں بلکہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا خیال ہی نہ آئے، اگر ہم جیسے لوگوں کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو خدا جانے ہمارا دماغ تکبر، عجب اور خود پسندی میں کہاں پہنچ جائے گا۔ اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ ہم تو بہت اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ کسی نے کہا ہے کہ صلی الحائک رکعتین وانتظر الوحی ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھ لی تو نماز کے بعد اس انتظار

میں بیٹھ گیا کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اوپر وحی آتی ہے۔ اگر ہم میں سے بھی کسی کو خشوع و خضوع والی نماز حاصل ہو جائے تو خدا نخواستہ وہ پیغمبری کا یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہ کر دے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ظرف دیکھ کر یہ مقام عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا خیالات کے آنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت اور مصلحت ہے۔

نیکی اور گناہ کے ارادے پر اجر و ثواب

بہر حال اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دل کے خیالات پر مؤاخذہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے کہ گناہ کے بارے میں تو یہ اصول مقرر فرما دیا کہ اگر گناہ کرنے کے بارے میں خیال آیا اور شوق پیدا ہوا اور دل میں تھوڑا سا ارادہ بھی کر لیا کہ یہ گناہ کر لو، البتہ عزم اور پختہ ارادہ کی حد تک نہیں پہنچا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ نہیں، بلکہ اگر بار بار گناہ کا خیال آتا رہا اور انسان اس خیال کو دفع کرتا رہا اور اس پر عمل نہیں کیا تو انشاء اللہ گناہ نہ کرنے پر اجر و ثواب ملے گا کیونکہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچا لیا۔ اور نیکی کے بارے میں یہ اصول مقرر فرمایا کہ اگر کسی نیکی کے بارے میں خیال آیا اور ارادہ کیا کہ فلاں نیکی کر لوں، اگرچہ اس نیکی کا پختہ ارادہ نہیں کیا تب بھی صرف ارادے پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطاء فرماتے ہیں، مثلاً یہ ارادہ کیا کہ اگر مجھے مال مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا مال صدقہ کروں گا تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ یا مثلاً یہ ارادہ کر لیا کہ جب جہاد فی سبیل اللہ کی نوبت آئے گی تو اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا اور شہادت کا درجہ حاصل کروں گا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی شہداء میں شمار فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا:

﴿من سئل الشهادة بصدق قلبه كتب من الشهداء وان مات على فراشه﴾

یعنی اگر کوئی شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے کہ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت کا مقام عطا فرمائیے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی میں شمار فرمائیں گے، چاہے بستر پر اس کو موت آئی ہو۔ بہر حال نیکی کے بارے میں قانون یہ ہے کہ پختہ ارادہ کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور گناہ کے اندر قانون یہ ہے کہ جب تک پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک مؤاخذہ نہیں فرماتے، یہ رحمت کا معاملہ ہے۔

خیالات کی بہترین مثال

بہر حال گناہوں کے پختہ ارادہ کرنے سے بچنا چاہئے لیکن گناہوں کے جو وساوس اور خیالات آرہے ہیں ان کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے، ان خیالات کی وجہ سے اپنے کام کو نہ چھوڑے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کو سربراہ وقت اور بادشاہ نے دعوت دی ہے اور بلایا ہے، اب یہ شخص جلدی میں بادشاہ سے ملاقات کرنے جا رہا ہے، اب کوئی شخص اس کا دامن کھینچتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کو روک کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح لوگ اس کو تنگ کر رہے ہیں۔ اب بتائیے کیا یہ شخص ان راستہ روکنے والوں سے الجھنا شروع کردے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا؟ اگر یہ شخص راستہ روکنے والوں کے ساتھ الجھ گیا تو یہ شخص بادشاہ کے دربار میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ یہ تو پاگل اور بیوقوف لوگ ہیں، میرے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، مجھے تو اس وقت بادشاہ کے پاس جانا ہے اور اس سے ملاقات کا اعزاز و شرف حاصل کرنا ہے تو وہ شخص ان کی طرف دھیان بھی نہیں دے گا۔

خیالات کا لانا گناہ ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خط میں لکھا کہ حضرت! جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو طرح طرح کے خیالات آتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے کہ میری نماز تو کچھ بھی نہیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں لکھا کہ "خیالات کا آنا گناہ نہیں، خیالات کا لانا گناہ ہے" یعنی اگر وہ خیالات خود بخود آرہے ہیں تو یہ گناہ نہیں ہے، ہاں جان بوجھ کر ارادہ کر کے دل میں خیالات لا رہے ہیں تو یہ گناہ ہے۔

خیالات کا علاج

اور خیالات اور وساوس کا علاج ہی یہ ہے کہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ مت کرو، جب توجہ نہیں کرو گے تو انشاء اللہ یہ خیالات خود بخود دور ہو جائیں گے۔ بس اپنا کام کئے جاؤ کہ جب نماز کی نیت باندھو تو اپنا ذہن نماز کی طرف لگاؤ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ اور ملفوظات میں یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ یہ نماز بذات خود مطلوب ہے، لہٰذا اگر غیر اختیاری طور پر خیالات آرہے ہیں تو اس کی وجہ سے نماز کی ناقدری مت کرو۔ نمازی اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن نماز میں مزہ ہی نہیں آتا، لطف ہی نہیں آتا، یا پہلے نماز میں بہت لطف اور مزہ آتا تھا اور اب وہ لطف آنا بند ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی! یہ نماز اس لئے فرض نہیں کی گئی کہ اس میں تمہیں مزہ اور لطف آیا کرے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک طریقہ ہے، اب اگر نماز میں مزہ آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اگر مزہ نہ آئے تو اس کی وجہ سے نماز کی فضیلت میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔ اگر تم نماز کے ارکان اور اس کی شرائط اور اس کے آداب پورے طور پر بجا لا رہے ہو اور سنّت کے مطابق نماز ادا کر رہے ہو تو پھر ساری عمر بھی

اگر مزہ نہ آئے تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اگر نماز میں مزہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے، اگر مزہ نہ آئے تو بھی نماز پڑھنی ہے۔

دل نہ لگنے کے باوجود نماز پڑھنا

بلکہ اگر نماز میں مزہ نہیں آیا اور نماز پڑھنے میں مشقت محسوس ہوئی، لیکن اس کے باوجود تم نے نماز پڑھی تو اس پر تمہارے لئے زیادہ ثواب لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا بلکہ نفس شرارت کر رہا تھا لیکن تم نے زبردستی اللہ کی عبادت کی خاطر اور اس کی اطاعت کی خاطر نفس پر جبر کر کے نماز پڑھ لی تو انشاء اللہ اس نماز پر تمہیں ثواب زیادہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو ساری عمر بھی نماز میں مزہ نہ آئے لیکن پھر بھی نماز پڑھتا رہے، نماز کو چھوڑے نہیں، میں اس کو دو باتوں کی مبارک باد دیتا ہوں۔ ایک اس بات کی کہ جب اس کو نماز میں مزہ نہیں آیا لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتا رہا تو انشاء اللہ اس کے اجر میں اضافہ ہوگا اور اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔ اور دوسرے اس پر کہ اگر اس کو نماز میں مزہ آتا تو یہ شبہ ہوتا کہ یہ شاید نفس کے مزے کی خاطر نماز پڑھ رہا ہے، لیکن جب نماز میں مزہ آیا ہی نہیں تو اب یہ شائبہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نماز صرف اللہ کے لئے پڑھ رہا ہے کیونکہ اس میں اخلاص زیادہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑا کرو کہ مزہ آیا یا نہیں، لطف آیا یا نہیں۔

انسان عمل کا مکلّف ہے

لوگ خطوط میں لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پہلے نماز پڑھا کرتے تھے تو بڑی عجیب و غریب کیفیت ہوتی تھی۔ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتے تھے اور اب لطف جاتا رہا اور وہ کیفیت باقی نہیں رہی، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ شیطان نے

مجھے مردود بنا دیا ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ یہ ساری کیفیات جو غیر اختیاری ہیں جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں ہے، مزہ آیا یا نہیں، یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے، مزہ آنا اور لطف آنا اور نہ آنا انسان کے اختیار میں نہیں اور انسان اس کا مکلف بھی نہیں۔ اس لئے کہ انسان تو عمل کا مکلف ہے، دیکھنا یہ ہے کہ عمل کیا یا نہیں؟ اور اگر عمل کیا تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ عمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کیا یا نہیں؟ اگر اس طرح عمل کر لیا تو چاہے کوئی کیفیت حاصل ہوئی یا نہیں؟ تم عہدہ برا ہو گئے اور تمہارا وہ عمل مقبول ہو گیا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ساری کیفیات آنی جانی ہیں، نہ ان پر عمل کی قبولیت موقوف ہے اور نہ ہی ان پر نجات موقوف ہے۔ بس اگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عمل کی توفیق ہو رہی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

کیفیات نہ مقصود ہیں نہ اختیار میں ہیں

جو لوگ حج یا عمرہ پر حرمین شریفین جاتے ہیں، عام طور سے ان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں، مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ جب بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو اس پر گریہ طاری ہو جاتا ہے یا ہنسی آجاتی ہے یا کوئی دوسری کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور جب ملتزم پر پہنچتے ہیں تو وہاں پر بھی رونا آتا ہے اور گریہ طاری ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن یہ کیفیات غیر اختیاری ہیں۔ اگر حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اگر حاصل نہ ہوں تو اس پر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ بعض لوگ صرف اس وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے یا حج کرنے گئے، وہاں تو ہمارا دل پتھر ہو گیا، نہ تو ہمیں رونا آیا، نہ ہم پر گریہ طاری ہوا، نہ آنسو نکلے اور نہ ہی کوئی اور کیفیت طاری ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر مردودیت غالب ہو گئی ہے اور ہم پر شیطانی اثرات غالب آگئے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے خیالات دل میں آتے ہیں۔ یاد رکھیے! اللہ

تعالیٰ تمہیں اس بنیاد پر راندہ درگاہ نہیں کریں گے کہ تمہیں غیر اختیاری طور پر رونا کیوں نہیں آیا؟ اور نہ اس بات پر گرفت کریں گے۔ بشرطیکہ عمل صحیح ہو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو تو پھر رونا آئے یا نہ آئے، کیفیت طاری ہو یا نہ ہو لیکن انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ حج و عمرہ مقبول ہے اور موجب اجر ہے۔

عمل سنت کے مطابق ہونا چاہئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ کیفیات پر مدار نہیں، بلکہ عمل پر مدار ہے۔ اگر عمل سنت کے مطابق ہے تو انشاء اللہ منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

یعنی اگر صراط مستقیم پر تمہارا قدم ہے تو اے دل! پھر تم گمراہ نہیں ہو سکتے، چاہے خیالات اور وسوسے کسی طرح کے آرہے ہوں، کیفیات طاری ہو رہی ہوں یا نہ ہو رہی ہوں، چاہے لذت آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

ایک ریٹائرڈ شخص کی نماز

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک شخص ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے، کھانے پینے کو سب کچھ میسر ہے، بینک بیلنس موجود ہے، معاش کی اور دنیا کمانے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ نہ اس کو ملازمت پر جانا ہے، نہ اس کو تجارت کرنی ہے، نہ دکان کھولنی ہے۔ اس کا معمول یہ ہے کہ جیسے ہی کسی نماز کی آذان ہوئی تو آذان ہوتے ہی وہ گھر سے نکل گیا، مسجد میں پہنچ کر بہت اطمینان سے اچھے طریقے سے وضو

کیا اور پھر تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کیں اور پھر سنتیں ادا کیں اور پھر جماعت کے انتظار میں بیٹھا ذکر کرتا رہا، جب جماعت کھڑی ہوئی تو اس نے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کی، اس کا دل اور دماغ سب نماز کی طرف متوجہ ہیں، جب وہ تلاوت کرتا ہے تو اس میں اس کو لطف آتا ہے۔ جب ذکر کرتا ہے تو اس میں لطف آتا ہے، رکوع میں بھی اور سجدے میں بھی لطف آرہا ہے، اس طرح پوری نماز بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کی، پھر بعد کی سنتیں ادا کیں، اور پھر اطمینان سے دل لگا کر دعا کی، پھر واپس گھر آگیا، اور پھر دوسری نماز کے انتظار میں دل لگا ہوا ہے کہ کب آذان ہو اور کب مسجد جاؤں۔ ایک آدمی تو یہ ہے۔

ٹھیلہ لگانے والے کی نماز

دوسرا شخص بیوی بچوں والا ہے، اس کے اوپر ہزار طرح کی ذمہ داریاں اور حقوق ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے اور اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ٹھیلہ لگاتا ہے اور آواز لگا لگا کر سامان فروخت کرتا ہے۔ اب لوگ اس کے ٹھیلے کے ارد گرد کھڑے ہوئے سامان خرید رہے ہیں، اتنے میں آذان ہوگئی، اب وہ جلدی جلدی لوگوں کو نمٹانے کی کوشش کر رہا ہے، حتی کہ جماعت کا وقت آگیا۔ تو اس نے جلدی سے اپنا ٹھیلا ایک طرف کیا اور اس کے اوپر کپڑا ڈالا اور بھاگتے ہوئے مسجد میں پہنچا، جلدی جلدی وضو کیا اور جاکر امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور جلدی سے نیت باندھ لی۔ اب اس کا دل کہیں دماغ کہیں۔ ٹھیلے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ اور گاہکوں کی فکر لگی ہوئی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور جماعت سے نماز ادا کی، پھر سنتیں ادا کیں اور جلدی سے جاکر دوبارہ ٹھیلا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دوسرا آدمی ہے۔

کس نماز میں روحانیت زیادہ ہے؟

پھر فرمایا کہ بتاؤ ان دونوں میں سے کس کی نماز روحانیت سے زیادہ قریب ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے شخص کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ آذان کے وقت گھر سے نکلا، مسجد میں آکر اطمینان سے وضو کیا، تحیۃ المسجد پڑھی، سنتیں پڑھیں اور اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دوسرے آدمی کی نماز روحانیت کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اس نے حواس باختگی کی حالت میں نماز پڑھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے شخص کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور اس کے اوپر کوئی فکرات نہیں تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر ذمہ داری سے فارغ کر لیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں اس کو نماز میں بہت لذت بھی آرہی تھی اور لطف بھی آرہا تھا۔ لیکن یہ دوسرا شخص اپنا وہ ٹھیلہ چھوڑ کر آرہا ہے جس ٹھیلہ پر اس کی اپنی معیشت اور اس کے گھر والوں کی معیشت موقوف ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا وقت آگیا تو وہ ٹھیلہ اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے سے غافل نہیں کرسکا، اس ٹھیلے کو چھوڑ کر جماعت میں آکر کھڑا ہو گیا اور نماز ادا کرلی۔ اس شخص کا عمل زیادہ مشقت والا اور زیادہ مقبول اور زیادہ موجب اجر ہے۔ اگرچہ اس کے اوپر کیفیت طاری نہیں ہوئی اور نہ اس کو لذت آئی لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے اجر و ثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ انشاء اللہ۔

مایوس مت ہو جاؤ

آج کل لوگ عام طور پر غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشان اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مایوسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر شیطان وہ عمل چھڑوا دیتا ہے۔ شیطان اس کو یہ سکھاتا ہے کہ جب تیری نماز کسی

قابل نہیں ہے تو پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اس گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لئے غیر اختیاری امور کے پیچھے مت پڑو۔ اور نماز پڑھنے کا جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا بس اسی طریقے سے نماز پڑھنے کی فکر کرو اور اپنی طرف سے دھیان نماز کی طرف لگانے کی کوشش کرتے رہو، اس کے بعد اگر کیفیت طاری ہو یا نہ ہو، نماز میں لذت آئے یا نہ آئے، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ نماز مقبول ہے۔

وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے

بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ وسوسے ایمان کی علامت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دل میں وسوسوں کے آنے کو کوئی گناہ قرار نہیں دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے وہ یہ کہ "ان دونوں حدیثوں میں امور غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہ ہونا مذکور ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان حدیثوں میں وساوس پر مسرور ہونے کی طرف اشارہ ہے"۔ یعنی اگر دل میں وسوسے آرہے ہیں مگر ان وسوسوں پر عمل نہیں ہو رہا ہے تو ان وسوسوں پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ وسوسے تمہارے ایمان کی علامت ہیں، کسی کافر کے دل میں یہ وسوسے نہیں آتے بلکہ صاحب ایمان کے دل میں وسوسے آتے ہیں۔ اس لئے تم ان پر خوش ہو جاؤ۔ پھر آگے فرمایا کہ ان وسوسوں سے نجات کی یہی تدبیر ہے کہ ان کی کچھ پروا نہ کرے بلکہ ان پر خوش ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ "شیطان کو مؤمن کی خوشی گوارہ نہیں۔ جب شیطان مؤمن کو وساوس پر خوش ہوتا ہوا دیکھے گا تو وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا"۔

وسوسہ کی تعریف

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وسوسہ وہ ہے جو خود بخود دل میں آجائے، لیکن

اپنی طرف سے سوچ کر وسوسہ لانا یا گناہ کا تصور کرنا یا گناہ کا ارادہ دل میں لانا، یہ وسوسہ نہیں ہے بلکہ خود ایک عمل ہے، اور یہ عمل بکثرت خود گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے سوچ کر قصد اور ارادہ کر کے وسوسہ نہ لائے اور جو وسوسہ خود بخود آجائے اس کی پرواہ نہ کرے۔

خیالات سے بچنے کا دوسرا علاج

اور یہ خیالات اور وسوسے جو انسان قصد اور ارادہ کر کے دل میں لاتا ہے، اس سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو، اس وقت اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگا لے۔ اس لئے کہ یہ وسوسے اس طرح دور نہیں ہوتے کہ آدمی لاٹھی لے کر ان کے پیچھے پڑ جائے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالے، کسی اور مشغلے میں اپنے آپ کو مشغول کردے۔ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا تلقین فرمائی ہے وہ دعا بکثرت کیا کرے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کے حق میں وہ دعا قبول فرمالے، آمین۔ وہ دعا یہ ہے:

﴿اللهم اجعل وساوس قلبي خشيتك وذكرك
واجعل همتي وهواي فيما تحب وترضى﴾

کیا عجیب و غریب دعا ہے۔ آپ ایسی ایسی دعائیں تلقین فرما گئے کہ انسان ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ یعنی اے اللہ! میرے دل میں آنے والے خیالات کو اپنی خشیت اور اپنے ذکر میں تبدیل فرما دیجئے۔ انسان کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا دماغ کبھی بھی خیالات سے خالی نہیں ہوتا، کوئی نہ کوئی خیال اس کے ذہن میں ہر وقت رہتا ہے، مثلاً ہاتھوں سے کچھ کام کر رہا ہے، لیکن دماغ کہیں اور لگا ہوا ہے اور خیالات مسلسل آرہے ہیں، کوئی لمحہ خیالات سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ دعا کرو کہ یہ جو فضول خیالات آرہے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یا اللہ! یہ خیالات بدل کر آپ

ے ذکر اور آپ کی خشیت میں تبدیل ہو جائیں۔ جو خیال بھی آئے وہ یا تو آپ کا ہو یا آپ کی خشیت کا ہو، آپ کی یاد کا ہو، آپ کے سامنے حاضر ہونے کا ہو، آپ کی جنت کی نعمتوں کا ہو، دوزخ کے عذاب کا ہو اور آپ کے دین کے احکام کا خیال ہو۔ اور اے اللہ! میرے دل کے خیالات اور میری خواہشات کا رخ موڑ کر ان چیزوں کی طرف کر دیجئے جو آپ کو پسند ہوں اور دل صرف اس چیز کی طرف مائل ہو جو آپ کو پسند ہو۔ یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمالے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گناہوں کے نقصانات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۶ مئی ۱۹۹۴ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 9

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہوں کے نقصانات

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما انہ قال لہ رجل: رجل قلیل العمل قلیل الذنوب اعجب الیک او رجل کثیر العمل کثیر الذنوب قال لا اعدل بالسلامة﴾

(کتاب الزھد لابن مبارک، باب ماجاء فی تخویف عواقب الذنوب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس لئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور یہ حضرت عبد اللہ بن عباس ان کے بیٹے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ بہت کم عمر تھے، جب حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی لیکن کم سنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کا بہت اونچا مرتبہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ "اللھم علمہ الکتاب وفقھہ فی الدین" اے اللہ! ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرما اور دین میں ان کو سمجھ عطا فرما۔ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، اب دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، لیکن ایک طرف تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی باتیں اپنے دل و دماغ پر نقش کی ہوئی تھیں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے سوچا کہ اب تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، لیکن بڑے بڑے صحابہ کرام ابھی تشریف فرما ہیں، میں ان کی خدمت میں جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی احادیث حاصل کروں۔ چنانچہ یہ صحابہ کرام کے پاس جاتے اور ان کے پاس جانے کے لئے سفر کرتے اور مشقتیں اٹھاتے، اور اس طرح انہوں نے بڑے بڑے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا اور اس مقام پر پہنچے کہ آج انہیں "امام المفسرین" کہا جاتا ہے۔ یعنی تمام مفسرین کے امام۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دے دی تھی کہ اے اللہ! ان کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔ آج تفسیر قرآن کے باب میں ان سے زیادہ قابل اعتماد بات کسی کی نہیں۔ یہ انہی کا قول ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا۔

پسندیدہ شخص کون ہے؟

وہ یہ کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ ایک شخص عمل تو کم کرتا ہے یعنی نفلی عبادات اور نفل نماز بہت زیادہ نہیں پڑھتا، زیادہ تر فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہے، نفلی عبادات، ذکر

واذکار، وظائف اور تسبیحات زیادہ نہیں کرتا، لیکن اس کے گناہ بھی کم ہیں، ایسا شخص آپ کو زیادہ پسند ہوگا؟ یا آپ کو وہ شخص زیادہ پسند ہوگا جس کی نفلی عبادتیں بھی زیادہ ہیں اور گناہ بھی زیادہ ہیں؟ مثلاً تہجد کی نماز بھی پڑھتا ہے، اشراق کی نماز بھی پڑھتا ہے، اوابین بھی پڑھتا ہے، تلاوت بھی خوب کرتا ہے، وظائف اور تسبیحات بھی خوب کرتا ہے، لیکن ساتھ میں گناہ بھی بہت کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک ان دونوں میں سے کون بہتر ہے؟ پہلے شخص کا عمل کم مگر گناہ بھی کم، دوسرے شخص کے اعمال زیادہ مگر گناہ بھی زیادہ۔ جواب میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ گناہوں سے حفاظت کے برابر میں کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ یعنی آدمی گناہوں سے محفوظ ہو جائے، یہ اتنی بڑی نعمت اور اتنا بڑا فائدہ ہے کہ دنیا کا کوئی عمل اس کے برابر نہیں۔ اگر ایک شخص گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے تو نفلی عبادات اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اصل چیز گناہوں سے پرہیز ہے

اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جتنی نفلی عبادات ہیں، یہ اپنی جگہ پر بڑی فضیلت کی چیزیں ہیں، لیکن ان نفلی عبادات کے بھروسے پر اگر انسان یہ سوچے کہ میں تو نفلی عبادتیں بہت کرتا ہوں اور پھر اس کے نتیجے میں گناہوں سے پرہیز نہ کرے تو یہ بڑے دھوکے کی بات ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے اندر گناہوں سے پرہیز کرنے کی فکر کرے، گناہوں سے پرہیز کرنے کے بعد بالفرض اگر اس کو زیادہ نفلی عبادات کرنے کا موقع نہیں ملا تو اس صورت میں اس کا کوئی گھاٹا اور نقصان نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں انشاء اللہ وہ نجات پا جائے گا، لیکن اگر نفلی عبادتیں تو خوب کرتا ہے اور ساتھ میں گناہ بھی بہت کرتا ہے تو اس کی نجات کی کوئی ضمانت نہیں، کیونکہ یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔

گناہ چھوڑنے کی فکر نہیں

آج کل ہمارے معاشرے میں یہ دھیان بہت کم ہوگیا ہے، جب کسی کے دل میں دین پر چلنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق ہوتی ہے تو اس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ مجھے کچھ وظائف بتا دیے جائیں، کچھ معمولات سکھا دیے جائیں، اور اوراد واذکار تلقین کر دیے جائیں اور یہ بتایا جائے کہ نفلی عبادت کیسے کروں اور کس وقت کروں۔ بس چند ظاہری معمولات کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور پھر ان معمولات کو پورا کرنے میں دن رات لگا رہتا ہے، لیکن اس کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ میری صبح سے شام تک کی زندگی میں کتنے کام گناہ کے ہو رہے ہیں؟ اور کتنے کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار لوگوں کو دیکھا کہ وہ صف اوّل کے پابند ہیں، مسجد میں پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ وظائف و اوراد کے پابند ہیں، نفلی عبادتیں اور تہجد اور اشراق کی نمازیں بھی بڑی پابندی سے پڑھتے ہیں، لیکن ان کو اس کی فکر نہیں کہ گھر کے اندر جو گناہوں کا بازار گرم ہے، اس کو کس طرح ٹھیک کیا جائے؟ اور جب بازار جاتے ہیں تو وہاں پر حلال و حرام کی فکر نہیں ہوتی، جب گفتگو کرتے ہیں تو غیبت اور جھوٹ کی فکر نہیں کرتے۔ اگر ان کے گھر میں ناجائز اور حرام چیزیں موجود ہیں تو ان کو باہر نکالنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ گھر میں فلمیں دیکھی جا رہی ہیں۔ ناجائز پروگرام دیکھے جا رہے ہیں۔ گانا بجانا ہو رہا ہے۔ اس کی طرف کوئی دھیان نہیں۔ البتہ وظائف کی طرف دھیان ہے کہ کوئی وظیفہ بتا دو۔ حالانکہ یہ گناہ انسان کے لئے مہلک ہیں، ان سے بچنے کی فکر پہلے کرنی چاہئے۔

نفلی عبادات اور گناہوں کی بہترین مثال

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ یہ جتنی نفلی عبادتیں ہیں، چاہے وہ نفلی نماز ہو،

تلاوت ہو، یا ذکر و تسبیح ہو، یہ سب ٹانک ہیں، اس سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص جسم کی طاقت کے لئے کوئی ٹانک استعمال کرے۔ اور یہ گناہ زہر ہیں۔ اب اگر ایک شخص ٹانک بھی خوب کھائے اور زہر بھی خوب کھائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹانک اس کے اوپر اثر نہیں کرے گا، البتہ زہر اثر کر جائے گا اور اس شخص کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گا۔ اور ایک شخص وہ ہے جو کوئی ٹانک اور طاقت کی دوا تو استعمال نہیں کرتا، صرف دال روٹی پر اکتفا کرتا ہے، لیکن جو چیزیں صحت کے لئے مضر ہیں، ان سے پرہیز کرتا ہے، تو یہ آدمی صحت مند رہے گا، باوجود یہ کہ یہ ٹانک نہیں کھاتا۔ پہلا شخص جو ٹانک بھی کھاتا ہے اور ساتھ میں مضر صحت چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا، یہ لازماً بیمار پڑ جائے گا اور ایک دن ہلاک ہو جائے گا۔ نفلی عبادات اور گناہوں کی بالکل یہ مثال ہے۔ لہٰذا یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہماری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی سے گناہ نکل جائیں، منکرات اور معصیتیں نکل جائیں۔ جب تک یہ چیزیں نہیں نکلیں گی، اس وقت تک یہ نفلی عبادات ہمارے حق میں مفید نہیں ہو سکتیں۔

طالبین اصلاح کے لئے پہلا کام

آج تو معمول یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ کے پاس اصلاحی تعلق قائم کرنے جاتا ہے تو وہ شیخ اس کو اسی وقت یہ بتا دیتا ہے کہ تم یہ معمولات انجام دیا کرو، اتنا ذکر کیا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی شخص اپنی اصلاح کی غرض سے آتا تو اس کو ذکر و اذکار اور تسبیحات وغیرہ کچھ نہ بتاتے۔ بلکہ سب سے پہلے اس سے یہ فرماتے کہ گناہوں کو چھوڑو۔ چنانچہ اس راہ میں سب سے پہلا کام تکمیل توبہ کا ہے۔ یعنی سب سے پہلے انسان اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے کہ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما

دیجئے اور آئندہ کے لئے عزم کرتا ہوں کہ میں آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ پھر آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔ پھر یہ نہیں کہ بس صرف چند مشہور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلیا، بلکہ ہر گناہ گناہ ہے، ہر ایک گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه﴾

"یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑو"۔

آگے ارشاد فرمایا:

﴿ان الذين يكسبون الاثم سيجزون ما كانوا يقترفون﴾ (سورۃ الانعام: ۱۲۰)

"یعنی جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، قیامت کے روز ان کے ان اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ لوگ یہاں پر کیا کرتے تھے"۔

ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو

لہٰذا کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جسکی طرف سے بے توجہی برتی جائے، نہ ظاہر کا گناہ اور نہ باطن کا گناہ۔ یہ نہ ہو کہ چند موٹے موٹے گناہ تو چھوڑ دیے، اور باقی گناہوں کے چھوڑنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے مثلاً مجلسوں میں غیبت ہو رہی ہے، دل آزاری ہو رہی ہے، دوسروں کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے، یا دوسروں سے حسد اور بغض ہو رہا ہے، یا دل میں تکبر بھرا ہوا ہے، مال کی محبت، جاہ کی محبت، دنیا کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے۔ پھر تو گناہ چھوڑنا نہ ہوا۔ ہر وہ کام جس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ قرار دیا ہے، ان کو چھوڑنا ہوگا، اس کی فکر انسان کو ہونی چاہئے۔

بیوی بچوں کو گناہ سے بچاؤ

ایک بات اور عرض کر دوں کہ یہ گناہ اس وقت تک چھوٹ نہیں سکتے جب تک انسان اپنے ماحول کی درستی کی فکر نہ کرے، کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں گناہوں سے محفوظ ہو جاؤں اور بیوی بچے غلط راستے پر جارہے ہیں، ان کی طرف کوئی دھیان اور توجہ نہ کرے۔ یاد رکھئے! اس طرزِ عمل سے کبھی بھی گناہ نہیں چھوٹ سکتے۔ اگر تم گناہ سے بچنے کی کتنی بھی کوشش کر لو لیکن اگر گھر کا ماحول خراب ہے اور بیوی بچے غلط راستے پر جارہے ہیں، اور تمہیں ان کی فکر نہیں تو وہ بیوی بچے ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور گناہ کے اندر مبتلا کردیں گے۔ اس لئے انسان کے لئے خود گناہوں سے بچنا جتنا ضروری ہے، اتنا ہی بیوی بچوں کو بھی بچانا ضروری ہے۔ اور ہر وقت دھیان اور فکر ہونی چاہئے کہ بیوی بچے کسی وقت گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں۔

خواتین کے کردار کی اہمیت

اس معاملے میں خواتین کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے، اگر خواتین کے دل میں یہ فکر پیدا ہو جائے کہ ہمیں اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق گزارنی ہے اور گناہوں سے بچنا ہے تو پورے گھروں کا ماحول درست ہو جائے، اس لئے کہ عورت گھر کی منتظم ہوتی ہے، اگر عورت کے دل میں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو جائے تو پورا گھر سنور جائے۔ لیکن اگر عورت کا یہ حال ہو کہ اس کو پردے کی کوئی فکر نہیں ہے، سر کھلا ہوا ہے، بال کھلے ہوئے ہیں، فواحش کے اندر ذہن لگا ہوا ہے، اور فضولیات میں منہمک ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر کا ماحول خراب ہو گا۔ اس لئے خواتین پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ گناہوں کے کاموں کو چھوڑ

دیں۔

نافرمانی اور گناہ کیا چیز ہیں؟

یہ گناہ کیا چیز ہیں؟ اور گناہوں کے عواقب اور انجام کیا ہوتے ہیں؟ پہلے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ گناہ کے معنی ہیں "نافرمانی" مثلاً تمہارے ایک بڑے نے تمہیں حکم دیا کہ یہ کام اس طرح کرو اور تم کہو کہ میں یہ کام نہیں کرتا، یا بڑے نے کہا کہ اس بات سے اور اس کام سے بچو اور تم کہو کہ میں یہ کام ضرور کروں گا۔ یہ بڑے کی بات نہ ماننا "نافرمانی" کہلاتا ہے اگر یہ "نافرمانی" اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ساتھ کی جائے تو اسی کا نام "گناہ" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اثرات اتنے دور رس اور اتنے خراب اور بُرے ہیں کہ ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

گناہ کی پہلی خرابی "احسان فراموشی"

گناہ کی سب سے پہلی خرابی "احسان فراموشی" ہے، اس لئے کہ جس محسن نے انسان کو وجود بخشا ہے اور ہر وقت انسان اس کی نعمتوں میں غرق ہے، سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کے اوپر مبذول ہیں۔ جسم کے ایک ایک عضو کو لے کر اندازہ کرو کہ اس کی کتنی قیمت اور کتنی اہمیت ہے۔ چونکہ یہ نعمتیں مفت ملی ہوئی ہیں اس لئے دل میں ان کی کوئی وقعت اور قدر نہیں۔ خدا نخواستہ اگر کسی وقت ان اعضاء میں سے کسی ایک عضو کو بھی نقصان پہنچ جائے، تب پتہ چلے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ نقصان کتنا بڑا نقصان ہے۔ یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ کان کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ صحت کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ رزق جو صبح شام کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ عطا فرما رہے ہیں یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ تو جس عظیم محسن اور منعم کی نعمتوں نے ہمیں ڈھانپ لیا ہے، اس کا

صرف یہ کہنا ہے کہ تم لوگ صرف چند باتوں سے پرہیز کرلو اور باز آجاؤ۔ لیکن تم سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں ہوتا۔ لہذا "گناہ" کی سب سے پہلی خرابی احسان فراموشی، ناشکری اور محسن کا حق ادا نہ کرنا ہے۔

گناہ کی دوسری خرابی "دل پر زنگ لگنا"

"گناہ" کی دوسری خرابی یہ ہے کہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے۔ اس نقطے کی حقیقت کیا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، جب تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگا دیا جاتا ہے، اگر اس دوران وہ توبہ کرلے تو یہ نقطے مٹا دیے جاتے ہیں، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے بلکہ مسلسل گناہ کرتا رہے اور گناہ کرتا ہی چلا جائے تو آہستہ آہستہ وہ سیاہ نقطے اس کے پورے دل کو گھیر لیتے ہیں اور پھر وہ نقطے زنگ کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور دل کو زنگ لگ جاتا ہے، اور جب دل کو زنگ لگ جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے اندر حق بات ماننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی، پھر اس پر غفلت کا وہ عالم طاری ہوتا ہے کہ پھر گناہ کے گناہ ہونے کا احساس مٹ جاتا ہے اور گناہوں کے مفاسد کا ادراک اور احساس ختم ہوجاتا ہے، گویا کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

گناہ کے تصور میں مؤمن اور فاسق کا فرق

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن جو ابتک گناہ کا عادی نہیں ہے وہ گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے پہاڑ اس کے سر پر ٹوٹنے والا ہے، اور فاسق وفاجر گناہ کو اتنا ہلکا اور معمولی سمجھتا ہے جیسے کوئی مکھی ناک پر آکر بیٹھ گئی اور اس نے ہاتھ مار کر اس کو اڑا دیا۔ یعنی وہ گناہ کو بہت معمولی سمجھتا

ہے اور اس کے کرنے کے بعد اس پر اس کو کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک مؤمن جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی برکات عطا فرمائی ہیں وہ گناہ کو ایک پہاڑ تصور کرتا ہے، اگر غلطی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے سر پر ایک پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ غم اور صدمہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نیکی چھوٹنے پر مؤمن کا حال

گناہ تو دور کی بات ہے اگر ایک مؤمن کو نیکی کرنے کا موقع ملے مگر وہ موقع ہاتھ سے نکل جائے تو اس کی وجہ سے بھی اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے کہ ہائے مجھے نیکی کرنے کا یہ موقع ملا تھا مگر افسوس کہ مجھ سے یہ موقع چھوٹ گیا۔ اسی کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود
گر زباغ دل خلالے کم بود

اگر سالک کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے یعنی نیکی کرنے کے مواقع ملے تھے مگر ان میں سے کسی وقت ایک نیکی نہ کر سکا تو اس وقت سالک کے دل پر غم کے ہزارہا پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں کہ افسوس مجھ سے یہ نیکی چھوٹ گئی۔ جب نیکی چھوٹنے پر اتنا صدمہ ہوتا ہے تو گناہ سرزد ہو جانے پر کیا صدمہ نہیں ہوگا؟ بلکہ اس سے کہیں زیادہ صدمہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے بچائے کہ جب گناہوں کی وجہ سے دل پر نقطے لگتے چلے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ کو اتنا معمولی سمجھتا ہے جیسے مکھی ناک پر آکر بیٹھی اور اس کو اڑا دیا اور اس گناہ پر کوئی صدمہ اور غم ہی نہیں ہوتا۔ بہرحال گناہوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ وہ انسان کو غافل بنا دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ دل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

گناہ کی تیسری خرابی "ظلمت اور تاریکی"

چونکہ ہم لوگ گناہ کے ماحول کے عادی ہو چکے ہیں، اس وجہ سے ان گناہوں کی ظلمت اور کراہیت دلوں سے مٹ چکی ہے، ورنہ ہر گناہ میں ایسی ظلمت اور ایسی کراہیت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ صحیح ایمان کامل عطا فرمائے تو انسان اس ظلمت اور کراہیت کو برداشت نہ کر سکے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غلطی سے کسی موقع پر حرام آمدنی کا ایک لقمہ منہ میں چلا گیا، جس کی وجہ یہ پیش آئی کہ ایک صاحب نے دعوت کی، ان کے یہاں کھانے کے لئے چلے گئے، بعد میں پتہ چلا کہ اس کی آمدنی حرام کی تھی، فرماتے تھے کہ دو مہینے تک اس حرام لقمے کی ظلمت اپنے دل میں محسوس کرتا رہا، اور اس ظلمت کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دو مہینے کے عرصے میں بار بار دل میں گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے رہے۔ کبھی تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کرلوں، کبھی تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کرلوں، یہ سب ایک گناہ کا اثر تھا اور اس کی ظلمت تھی۔

گناہوں کے عادی ہوجانے کی مثال

ہمارے دلوں میں ان گناہوں کی ظلمت اور کراہیت اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ ہم ان گناہوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بدبودار گھر ہو اور اس گھر میں تعفن اٹھ رہا ہو، سڑی ہوئی اشیاء اس گھر میں پڑی ہوئی ہوں۔ اگر باہر سے کوئی شخص اس گھر کے اندر جائے گا تو اس کے لئے اندر جاکر ذرا دیر بھی کھڑا ہونا مشکل ہوگا۔ لیکن ایک شخص اسی بدبودار مکان کے اندر ہی رہتا ہے تو اس کو بدبو کا احساس نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ بدبو کا عادی ہوچکا ہے اور اس کے اندر خوشبو اور بدبو کی تمیز ہی نہیں رہی، اس لئے اب وہ بہت آرام سے اس مکان میں رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ تم اتنے گندے اور بدبودار مکان میں

رہتے ہو تو وہ اس کو پاگل کہے گا اور کہے گا کہ میں تو بہت آرام سے اس مکان میں رہتا ہوں، مجھے تو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ شخص اس بدبو کا عادی ہوچکا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس بدبو سے محفوظ رکھا ہے بلکہ خوشبو والے ماحول میں رکھا ہے، اس کا تو یہ حال ہوگا کہ اگر دور سے ذرا سی بھی بدبو آجائے تو اس کا دماغ خراب ہوجائے گا۔ اسی طرح جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جن کا سینہ تقویٰ کی وجہ سے آئینہ کی طرح صاف شفاف ہے، ایسے لوگ گناہوں کی ظلمت اور کراہیت کو بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ بہرحال، گناہوں کی تیسری بڑی خرابی اور انجام دل میں ظلمت اور کراہیت کا پیدا ہونا ہے۔

گناہوں کی چوتھی خرابی "عقل خراب ہونا"

گناہوں کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو اس کی عقل خراب ہوجاتی ہے اور اس کی مت الٹی ہوجاتی ہے، اس کی فکر اور سمجھ غلط راستے پر پڑجاتی ہے اور پھر اچھی بات کو برا اور بری بات کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، اگر اس کو صحیح بات بھی نرمی سے سمجھاؤ تو وہ اس کے دماغ میں نہیں اترتی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کو بے وجہ گمراہ نہیں کرتے بلکہ جب کوئی شخص گناہ اور نافرمانی کرتا ہی چلا جاتا ہے تو پھر ان گناہوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ پھر صحیح بات اس کی سمجھ میں آتی ہی نہیں۔

گناہ نے شیطان کی عقل کو اوندھا کردیا

دیکھئے! یہ ابلیس اور شیطان جو گناہ کا سرچشمہ اور گناہ کا موجد اور بانی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اس دنیا میں گناہ کو اسی نے ایجاد کیا، خود بھی گناہ میں مبتلا ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی بہکا گیا، اور اس گناہ کرنے کے

نتیجے میں اس کی عقل اوندھی ہوگئی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے حکم ماننے کے بجائے عقلی دلیل پیش کرنی شروع کردی کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ یہ دلیل بظاہر تو بڑی اچھی ہے کہ آگ افضل ہے، اور مٹی اس کے مقابلے میں مفضول ہے لیکن اس کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ آگ کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور مٹی کو بنانے والا بھی وہی ہے، جب بنانے والا یہ حکم دے رہا ہے کہ آگ کو چاہئے کہ مٹی کو سجدہ کرے، تو پھر آگ کی فضیلت کہاں گئی اور مٹی کی مفضولیت کہاں گئی؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راندہ درگاہ ہوا اور مردود اور ذلیل ہوا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، انسان کے لئے بھی اور شیطان کے لئے بھی، اگر وہ عقل کو صحیح استعمال کرکے اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کردو، اب آپ جو کہیں گے وہ کروں گا۔ مگر یہ بات کہنے کے لئے آج بھی تیار نہیں۔

شیطان کی توبہ کا سبق آموز واقعہ

میں نے اپنے شیخ سے ایک قصہ سنا، اگرچہ بظاہر اسرائیلی واقعہ ہے لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جانے لگے تو راستے میں یہ شیطان مل گیا۔ اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں تو ہمارا ایک چھوٹا سا کام کردیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: کیا کام ہے؟ شیطان نے کہا کہ ہم تو اب راندہ درگاہ اور مردود اور ملعون ہوچکے ہیں کہ اب تو ہماری نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے سفارش فرمادیں کہ ہمارے لئے بھی توبہ کا کوئی راستہ مل جائے اور نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے،

وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی لیکن اس دوران شیطان کی بات پہنچانا بھول گئے۔ جب واپس چلنے لگے تو خود اللہ تعالیٰ نے یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں کسی نے کوئی پیغام دیا تھا؟ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یا اللہ! میں بھول گیا۔ راستے میں مجھے ابلیس ملا تھا اور بڑی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا، اور یہ التجا کر رہا تھا کہ ہمارے لئے بھی نجات کا کوئی راستہ نکل آئے۔ اے اللہ! آپ تو رحیم و کریم ہیں، ہر ایک کو معاف فرما دیتے ہیں، وہ توبہ کر رہا ہے تو اس کو بھی معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کب کہا کہ توبہ کا دروازہ بند ہے، ہم تو معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اس کو کہدو کہ تیری توبہ قبول ہو جائے گی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کر لے، اس وقت تو نے ہماری بات نہیں مانی، اب بھی معاملہ بہت آسان ہے کہ اس کی قبر پر جاکر سجدہ کرلے، ہم تمہیں معاف کردیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ معاملہ تو بہت آسان ہوگیا۔ چنانچہ یہ پیغام لے کر واپس تشریف لائے۔ راستے میں پھر شیطان سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ میری معافی کا کیا ہوا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تیرے معاملے میں تو اللہ تعالیٰ نے بڑا آسان راستہ بتا دیا۔ اس وقت تجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ تو نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو آدم کی قبر کو سجدہ کرلے تو تیرا گناہ معاف ہوجائے گا۔ جواب میں شیطان نے فوراً کہا کہ واہ بھائی! میں نے زندہ کو سجدہ کیا نہیں، اب مردے کو کیسے سجدہ کرلوں؟ اور اس کی قبر کو کیسے سجدہ کرلوں؟ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب اس لئے دیا کہ عقل الٹی ہوگئی تھی۔ بہر حال، گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل کو اوندھا کر دیتا ہے اور انسان کی مت ماری جاتی ہے اور پھر صحیح بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

تمہیں حکمت پوچھنے کا اختیار نہیں

جن گناہوں کو قرآن و حدیث نے صراحتاً کھلے الفاظ میں حرام قرار دے دیا ہے، ان میں جو لوگ مبتلا ہیں ان سے جاکر اگر کہا جائے کہ یہ گناہ حرام ہیں، تو وہ فوراً اس کے خلاف عقلی تاویلیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے خلاف عقلی دلائل دینا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ گناہ کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ اس میں تو فلاں فائدہ ہے، اس میں تو فلاں مصلحت ہے، اس کو حرام قرار دینے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ ایسے لوگوں سے کوئی یہ پوچھے کہ تم اس دنیا میں خدا بن کر آئے ہو یا بندے بن کر آئے ہو۔ اگر تم بندے بن کر آئے ہو تو تم اپنے اس اعتراض کو اپنے ملازم کے اعتراض پر ہی قیاس کر لو جس کو تم نے اپنے گھر میں ملازم رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے گھر کا سودا سلف لانے کے لئے ایک شخص کو ملازم رکھا، اب آپ نے اس ملازم سے کہا کہ بازار جاکر اتنے روپے کی فلاں چیز خرید کر لے آؤ، اب ملازم یہ کہنے لگے کہ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سودا سلف مجھ سے کیوں منگوایا جارہا ہے؟ اور اتنی مقدار میں کیوں منگوایا جارہا ہے؟ اور اس فضول خرچی کی کیا حکمت ہے؟ پہلے مجھے یہ بتاؤ۔ اگر ایک ملازم اس طرح ہمارے کاموں کی حکمت اور مصلحت پوچھے تو ایسا ملازم اس لائق ہے کہ اس کا کان پکڑ کر ملازمت سے الگ کردیا جائے اور گھر سے باہر نکال دیا جائے، اس لئے کہ اس ملازم کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ یہ پوچھے کہ یہ چیز کیوں منگوائی جارہی ہے؟ اس کو ملازم اس لئے رکھا ہے کہ جو کام اس کو بتادیا جائے وہ کام کرے، سمجھ میں آئے تو کرے، سمجھ میں نہ آئے تو کرے، یہ ہے ملازم۔ اور کاموں کی مصلحت اور حکمت پوچھنا ملازم کا منصب نہیں ہے۔

تم ملازم نہیں، بندے ہو

ایک ملازم جس کو تم نے آٹھ گھنٹے کے لئے ملازم رکھا ہے، وہ ملازم تمہارا غلام

نہیں ہے، تم نے اس کو پیدا نہیں کیا، وہ تمہارا بندہ نہیں ہے اور تم اس کے خدا نہیں ہو۔ بلکہ صرف وہ تمہارا تنخواہ دار ملازم ہے، وہ اگر تم سے تمہارے کاموں کی حکمت اور مصلحت پوچھنے لگے تو وہ تمہیں گوارا نہ ہو۔ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے ملازم نہیں ہو، نہ غلام ہو، بلکہ اللہ کے بندے ہو، اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہ اگر تم سے یہ کہتا ہے کہ تم فلاں کام کرو تو تم یہ کہتے ہو کہ پہلے ہمیں وجہ بتاؤ، حکمت اور مصلحت بتاؤ، پھر میں یہ کام کروں گا۔ تو یہ حکمت اور مصلحت کا مطالبہ اتنی ہی بڑی حماقت ہے جتنی بڑی حماقت وہ ملازم کر رہا تھا، بلکہ اس سے بڑی اور بدتر حماقت ہے، کیونکہ وہ ملازم تو پھر بھی انسان ہے، اور تم بھی انسان ہو وہ بھی عقل رکھتا ہے، تم بھی عقل رکھتے ہو، اس کی اور تمہاری عقل برابر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کہاں، اور تمہاری یہ چھوٹی سی عقل کہاں؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں۔ پھر بھی تم حکمت اور مصلحت کا مطالبہ کر رہے ہو کہ اس حکم شرعی میں کیا مصلحت ہے؟ پہلے حکمت اور مصلحت بتاؤ، تب عمل کریں گے ورنہ نہیں کریں گے۔ وجہ اس مطالبے کی یہ ہے کہ عقل اوندھی ہو چکی ہے اور گناہوں کی کثرت نے عقل کو اوندھا کر دیا ہے۔

محمود اور ایاز کا عبرت آموز واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ سنایا تھا جو بڑی عبرت کا اور بڑا سبق آموز واقعہ ہے۔ فرمایا کہ محمود غزنوی جو مشہور فاتح اور بادشاہ گزرے ہیں، ان کا ایک چہیتا اور لاڈلا غلام تھا "ایاز"۔ چونکہ یہ "ایاز" بادشاہ کا چہیتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ بادشاہ کا منہ چڑھا غلام ہے، اور محمود غزنوی اس غلام کو دوسرے بڑے بڑے لوگوں پر ترجیح دیتا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ محمود غزنوی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں کی بات اتنی نہیں مانتا تھا جتنی ایاز کی بات مانتا تھا۔

محمود غزنوی نے چاہا کہ ان وزراء اور امراء کو دکھاؤں کہ تم میں اور ایاز میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بہت بڑا قیمتی ہیرا کہیں سے تحفے میں محمود غزنوی کے پاس آیا، یہ ہیرا بہت قیمتی اور بہت خوبصورت اور بہت شاندار تھا، بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا، سب نے اس قیمتی ہیرے کو دیکھا اور اس کی تعریف کی، اس کے بعد محمود غزنوی نے وزیر اعظم کو اپنے قریب بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ ہیرا دیکھا، یہ ہیرا کیسا ہے؟ وزیر اعظم نے کہا کہ سرکار! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے اور پوری دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں، یہ بہت بڑا ہیرا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس ہیرے کو زمین پر پٹخ کر توڑ دو، وزیر اعظم ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: جہاں پناہ! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، آپ کے پاس یہ یادگار تحفہ ہے، آپ اس کو تڑوا رہے ہیں؟ میری درخواست یہ ہے کہ آپ اس کو نہ تڑوائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر ایک دوسرے وزیر کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اس کو توڑ دو، وہ وزیر بھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا بادشاہ سلامت! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، میری ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو توڑوں۔ اسی طرح اس نے کئی وزراء اور امراء کو بلوایا اور اس ہیرے کو توڑنے کے لئے کہا، مگر ہر ایک نے معافی مانگی اور توڑنے سے معذرت کر لی۔

ہیرا ٹوٹ سکتا ہے، حکم نہیں ٹوٹ سکتا

آخر میں محمود غزنوی نے ایاز کو بلایا کہ ایاز! اس نے کہا جی جہاں پناہ، محمود غزنوی نے کہا کہ یہ ہیرا رکھا ہے اس کو اٹھا کر پٹخ کر توڑ دو، ایاز نے وہ ہیرا اٹھایا اور زمین پر پٹخ کر توڑ دیا اور وہ چور چور ہو گیا۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ ایاز نے وہ ہیرا توڑ دیا تو بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ تم نے ہیرا کیوں توڑا؟ یہ بڑے بڑے وزراء اور امراء صاحبان عقل جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے جب ہیرا توڑنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس ہیرے کو توڑنے کی ہمت نہیں کی، کیا یہ سب پاگل تھے؟ تم نے اٹھا کر توڑ دیا۔ کیوں توڑا؟ پہلے تو ایاز نے کہا کہ جہاں پناہ! غلطی ہو گئی۔ بادشاہ

نے پوچھا کہ تم نے توڑا کیوں؟ ایاز نے کہا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو ہیرا ہے، چاہے اس کی قیمت کتنی زیادہ کیوں نہ ہو، یہ اگر ٹوٹ جائے تو اتنی بری بات نہیں، لیکن آپ کا حکم نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ اور آپ کے حکم کو اس ہیرے سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس ہیرے کے ٹوٹنے کے مقابلے میں حکم ٹوٹنا زیادہ بری بات ہے۔ اس لئے میں نے اس ہیرے کو توڑ دیا۔

حکم کا بندہ

اس کے بعد محمود غزنوی نے ان وزراء سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں اور ایاز میں یہ فرق ہے۔ تمہیں اگر کسی کام کا حکم دیا جائے تو اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرتے ہو۔ اور یہ ایاز تو حکم کا بندہ ہے۔ اس سے جو کہا جائے گا وہ یہ کرے گا۔ اس کے سامنے حکمت اور مصلحت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

تو محمود غزنوی کے حکم کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی عقل بھی محدود، اس کے وزراء اور ایاز کی عقل بھی محدود، یہ مقام تو در حقیقت اس ذات کو حاصل ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ چاہے ہیرا ٹوٹ جائے، چاہے دل ٹوٹ جائے، چاہے انسان کے جذبات ٹوٹ جائیں، چاہے خیالات اور خواہشات ٹوٹ جائیں، لیکن اس کا حکم نہ ٹوٹے، یہ مقام در حقیقت صرف اللہ جل شانہ کو حاصل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکم میں حکمت اور مصلحت تلاش کرنا نادانی اور بے عقلی کی بات ہے، اور اس بے عقلی کا اصل سبب گناہ ہیں، جتنے گناہ کرو گے اتنی ہی یہ عقل اوندھی ہوتی چلی جائے گی۔ بہر حال گناہ کی نحوست یہ ہے کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

گناہ چھوڑنے سے نور کا حصول

تم ذرا اللہ تعالیٰ کے حضور ان گناہوں سے کچھ دیر کے لئے ہی توبہ کر کے دیکھو،

اور چند روز کے لئے گناہوں سے بچ کر دیکھو، کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا برکت اور کیا نور حاصل ہوتا ہے، اور پھر عقل کے اندر ایسی باتیں سمجھ میں آئیں گی جو پہلے سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا﴾

(سورۃ الانفال:۲۹)

اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے معاصی اور گناہوں سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ایک کانٹا پیدا کردیں گے، جو واضح طور پر تمہیں یہ بتادے گا کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ہے یہ صحیح ہے، اور یہ غلط ہے۔ آج حق و باطل کے درمیان تمیز مٹ چکی ہے۔ اس لئے کہ ہم نے گناہ کر کر کے اپنی عقلیں خراب کردی ہیں۔

گناہوں کا پانچواں نقصان "بارش بند ہونا"

گناہوں کا پانچواں نقصان یہ ہے کہ ان کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ لیکن اس دنیا میں بھی ان گناہوں کی نحوست اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب لوگ زکوۃ دینا بند کردیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارشیں بند کردیتے ہیں۔

گناہوں کا چھٹا نقصان "بیماریوں کا پیدا ہونا"

اور چھٹا نقصان یہ ہے کہ جب لوگوں میں بدکاری، فحاشی، عریانی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی ایسی بیماریوں میں مبتلا کردیتے ہیں کہ ان کے آباء واجداد نے ان بیماریوں کے بارے میں کبھی سنا بھی نہیں تھا کہ ایسی بھی کوئی بیماری ہوتی ہے اور نہ ان کا نام سنا تھا۔ چنانچہ اس حدیث کو سامنے رکھ کر "ایڈز" کی بیماری کو دیکھ لیں

جس کا ساری دنیا میں آج طوفان برپا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے بتا گئے کہ ایسی ایسی بیماریاں آئیں گی۔ ہر گناہ کے کچھ خاصے ہوتے ہیں اور ان خاصوں کا مظاہرہ اسی دنیا ہی کے اندر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ آنکھوں سے دکھا دیتے ہیں۔ اور ان گناہوں کی شامت اعمال طاری ہو جاتی ہے۔

گناہوں کا ساتواں نقصان "قتل و غارت گری"

حدیث شریف میں ہے کہ آخر زمانے میں ایک زمانہ ایسا آجائے گا کہ "یکثر الھرج" اس میں قتل و غارت گری کی کثرت ہو گی اور آدمی کو مارا جائے گا اور نہ اس کو اور نہ ہی اس کے ورثاء کو پتہ چلے گا کہ کیوں مارا گیا؟ اور کس نے مارا؟ لایدری القاتل فیم قتل ولا المقتول فیم قتل۔ پہلے جب کوئی قتل ہوتا تھا تو پتہ چل جاتا تھا کہ دشمنی تھی، اس کی وجہ سے مارا گیا۔ یہ حدیث پڑھ لو آج جو قتل و غارت گری ہو رہی ہے اس کو دیکھ لو کہ کس طرح لوگ مر رہے ہیں، آج کسی کا قتل ہو جائے اور اس کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیوں مارا گیا؟ اور کس نے مارا؟ تو اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے آج کے حالات دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ یہ سب ہماری شامت اعمال اور شامت گناہ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور گناہوں کی کثرت نے یہ صورت حال پیدا کر دی ہے۔

قتل و غارت گری کا واحد حل

آج ہم لوگ ان فسادات اور قتل و غارت گری کے مختلف حل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ سیاسی حل تلاش کرنا چاہئے، کوئی کہتا ہے کہ آپس میں مذاکرات ہونے چاہئیں۔ یہ سب تدبیریں تلاش کر رہے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ان فسادات کا اصل سبب گناہوں کا پھیل جانا ہے۔ جب کسی امت کے

اندر گناہ پھیل جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی شامت اعمال کی یہ صورت پھیل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے اور ان گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو ہمیں پہلا کام یہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور شامت اعمال سے پناہ مانگیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ! ہم سے ہماری شامت اعمال کو دور فرما۔

وظائف سے زیادہ گناہوں کی فکر کرنی چاہئے

بہر حال، نفلی عبادتوں میں زیادہ انہماک اچھی بات ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام گناہوں سے بچنا ہے۔ میرے پاس روزانہ کئی حضرات اور خاص طور پر خواتین کے فون آتے ہیں کہ فلاں کام کی دعا بتا دیجئے، فلاں مقصد کے لئے دعا بتا دیجئے۔ بعض خواتین کا یہ خیال ہے کہ ہر مقصد کے لئے الگ دعا ہوتی ہے اور اس کا الگ کوئی وظیفہ ہوتا ہے۔ بھائی! یہ دعائیں اور یہ وظیفے اپنی جگہ قابل فضیلت ہیں، لیکن زیادہ فکر اس کی کرنی چاہئے کہ گناہ سرزد نہ ہوں۔ اور گناہوں سے خود بھی بچو اور اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں کو بھی گناہوں سے بچاؤ، جب تک یہ کام نہیں کرو گے تو یاد رکھو یہ وظیفے کچھ کام نہیں آئیں گے، یہ وظیفے اسی وقت کام آتے ہیں جب دل میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور اس کا جذبہ ہو، اور بچنے کا اہتمام بھی ہو تو اس وقت ان وظائف اور دعاؤں کے ذریعہ دل میں قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر گناہوں سے بچنے کی فکر تو ہے نہیں، غفلت میں وقت گزر رہا ہے، اور ساتھ میں وظائف اور نوافل بھی چل رہے ہیں تو پھر اس وقت ان وظائف سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

گناہوں کا جائزہ لیں

خلاصہ یہ کہ ہم گناہوں سے بچنے کی فکر کریں، اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں اور گناہوں کی فہرست بنائیں کہ کون کون سے کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہو رہے ہیں۔ پھر یہ جائزہ لیں کہ ان گناہوں میں سے کن کن گناہوں کو فوراً چھوڑ سکتے ہیں، ان کو تو فوراً چھوڑ دیں، اور جن گناہوں کے چھوڑنے کے لئے کسی تدبیر کی ضرورت ہو، ان کے لئے تدبیر اختیار کریں۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تہجد گزار سے آگے بڑھنے کا طریقہ

ایک حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ میں کسی عبادت گزار اور تہجد گزار آدمی سے آگے بڑھ جاؤں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ مثلاً ہم بزرگوں کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ وہ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، اتنی رکعات نفل پڑھتے تھے، اتنے پارے تلاوت کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں اس عبادت گزار سے آگے بڑھ جاؤں تو وہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرلے۔ کیونکہ گناہوں سے حفاظت ہونے کے نتیجے میں انشاء اللہ ان کی بھی نجات ہوگی اور تمہاری بھی نجات ہوگی، اگر وہ لوگ بھی گناہوں سے بچتے ہوں گے تو بس اتنا فرق ہوگا کہ ان کا درجہ اونچا ہوگا اور تمہارا درجہ نیچا ہوگا، لیکن نجات میں دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر کوئی شخص عبادت گزار تھا لیکن ساتھ میں گناہ بھی کرتا تھا تو پھر اس سے آگے بڑھ جاؤ گے، اس لئے کہ تم نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچالیا ہے۔

مؤمن اور اس کے ایمان کی مثال

ایک اور حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مؤمن اور اس کے ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھوڑا کسی لمبی رسی کے ذریعہ کھونٹے سے بندھا ہوا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ گھوڑا گھومتا بھی رہتا ہے، لیکن ایک حد تک وہ گھوم سکتا ہے، اس حد سے آگے جانے سے وہ کھونٹا اس کو روک دیتا ہے، وہ گھوڑا ذرا سا چکر لگا کر پھر واپس اپنے کھونٹے کے پاس آکر بیٹھ جائے گا۔ اس طرح وہ کھونٹا دو کام کرتا ہے، ایک یہ کہ وہ گھوڑے کو ایک خاص حد سے آگے بڑھنے سے روکتا ہے، اور دوسرا یہ کہ وہ کھونٹا ہی اس کی جائے پناہ بنا ہوا ہے۔ وہ گھوڑا ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد واپس اسی کھونٹے کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔

یہ مثال بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا کھونٹا اس کا ایمان ہے، اس ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مؤمن ایک حد تک ادھر ادھر جائے گا، گھومے گا پھرے گا، لیکن اگر حد سے آگے جانے کی کوشش کرے گا تو ایمان اس کی رسّی کھینچ لے گا، اور ادھر ادھر گھومنے کے بعد آخر کار وہ مؤمن اپنے ایمان کے کھونٹے کے پاس واپس آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا ایمان اتنا قوی ہوتا ہے کہ وہ اس کو گناہ کرنے نہیں دیتا۔ اور اگر کبھی بھول چوک سے گناہ ہو گیا تو پھر لوٹ کر واپس اپنے ایمان کے کھونٹے کے پاس آجاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتنی خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کا یہ کھونٹا مضبوط فرمادے، آمین۔

گناہ لکھنے میں تاخیر کی جاتی ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ ایک

نیکیاں لکھنے والا اور ایک برائیاں لکھنے والا۔ میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا ہے کہ نیکی لکھنے والے فرشتے کو یہ حکم ہے کہ جب وہ انسان نیکی کرے تو فوراً اس کو لکھ لو، اور بدی لکھنے والے فرشتے کو حکم یہ ہے کہ جب وہ انسان بدی کرے تو لکھنے سے پہلے نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھے کہ لکھوں یا نہ لکھوں۔ گویا کہ نیکی لکھنے والا فرشتہ اس کا امیر ہے۔ چنانچہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ بدی لکھنے والا فرشتہ نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھتا ہے کہ لکھوں یا نہ لکھوں؟ نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ نہیں، ابھی مت لکھو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ توبہ کرلے اور استغفار کرلے تو پھر لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اگر وہ شخص دوبارہ گناہ کرلیتا ہے اور اپنے پہلے گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھ لوں نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ نہیں۔ ابھی ٹھہر جاؤ، پھر جب تیسری مرتبہ گناہ کرلیتا ہے تو پھر پوچھتا ہے کہ لکھوں یا نہیں؟ اب جاکر وہ کہتا ہے کہ ہاں اب لکھ لو۔ اس کے بعد وہ گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اتنا آسانی کا معاملہ کر دیا ہے کہ نیکی فوراً لکھ لی جاتی ہے اور بدی کے لکھنے میں تامل اور تاخیر کی جاتی ہے کہ شاید یہ گناہ سے توبہ کرلے۔

جہاں گناہ کیا، وہیں توبہ کرلو

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً بلا تاخیر توبہ واستغفار کرلو، تاکہ وہ گناہ تمہارے نامۂ اعمال کے اندر لکھا ہی نہ جائے۔ اور بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ جس زمین پر گناہ کیا ہے، اسی زمین پر فوراً توبہ واستغفار کرلو، تاکہ قیامت کے روز جب وہ زمین تمہارے گناہ کی گواہی دے تو اس کے ساتھ ساتھ وہ زمین تمہاری توبہ کی بھی گواہی دے کہ اس شخص نے میرے سینے پر گناہ کیا تھا، اس کے بعد میرے سینے پر ہی توبہ بھی کرلی تھی۔ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل ہو رہی ہے کہ ایمان مؤمن کا کھونٹا ہے،

جب مؤمن ادھر ادھر چلا جاتا ہے تو گھوم پھر کر واپس اپنے کھونٹے کے پاس آجاتا ہے۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

اس لئے اول تو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور فکر کریں، اہتمام اور فکر کے بغیر گناہوں سے بچا نہیں جاسکتا، اگر اہتمام اور فکر کے باوجود کسی مجبوری سے یا بھول چوک سے یا غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرو، استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہ کرتے رہو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ اور یہ غفلت اور لاپرواہی سب سے بڑی بلا ہے کہ انسان کو فکر اور دھیان اور توجہ ہی نہ ہو بلکہ اپنے گناہوں پر نادم ہونے کے بجائے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو گناہوں کے وبال سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

منکرات کو روکو۔
ورنہ!!

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۸؍نومبر ۱۹۹۱ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منکرات کو روکو۔ ورنہ!!

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذلک اضعف الایمان﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان)

منکرات کو روکنے کے تین درجات

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تم میں سے کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس برے کام کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کردے، یعنی اس برائی کو نہ صرف روکے، بلکہ اس کو اچھائی میں تبدیل کردے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت

اور طاقت نہیں ہے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے اس کو بدل دے، یعنی جو شخص اس برائی کا ارتکاب کر رہا ہے اس سے کہے کہ بھائی: یہ کام جو تم کر رہے ہو۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ اس کے بجائے نیکی کی طرف آجاؤ۔ اور اگر زبان سے بھی کہنے کی طاقت اور قدرت نہیں ہے تو اپنے دل سے اس برائی کو بدل دے۔ یعنی اپنے دل سے اس کام کو برا سمجھے۔ اس تیسرے درجے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایمان کا بہت ضعیف اور کمزور درجہ ہے۔

خسارے سے بچنے کے لئے چار کام

سورۃ "العصر" میں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قاعدہ بیان فرمادیا کہ:

﴿والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر﴾

زمانے کی قسم کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام انسان خسارے میں اور نقصان میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو یہ چار کام کرلیں، گویا کہ خسارے اور نقصان سے بچنے کے لئے چار کام ضروری ہیں۔ ایک ایمان لانا، دوسرے نیک کام کرنا، تیسرے ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت اور نصیحت کرنا اور چوتھے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت اور نصیحت کرنا۔ "حق" کے معنی یہ ہیں کہ تمام فرائض کو بجالانے کی وصیت اور "صبر" کے معنی ہیں گناہوں سے بچنے کی نصیحت اور وصیت۔ لہٰذا خسارے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کو کافی قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ دوسروں کو "حق" اور "صبر" کی وصیت اور نصیحت کرے۔ یہ کام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا عمل صالح ضروری ہے۔

ایک عبادت گزار بندے کی ہلاکت کا واقعہ

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قوم طرح طرح کے گناہ، معصیتوں اور منکرات میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرما لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی والے گناہوں اور نافرمانیوں کے اندر مبتلا ہیں۔ اور اس پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ تم جاکر اس بستی کو پلٹ دو۔ یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردو۔ اور ان کو ہلاک کردو۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! آپ نے فلاں بستی کو الٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کسی کا استثناء نہیں فرمایا۔ بلکہ پوری بستی کو تباہ کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اس بستی میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے ایک لمحے کے لئے بھی آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی۔ اور ساری عمر اس نے اطاعت اور عبادت کے اندر گزار دی ہے۔ اور اس نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا، تو کیا اس شخص کو بھی ہلاک کردیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! جاؤ اور پوری بستی کو بھی تباہ کردو، اور اس شخص کو بھی تباہ کردو۔ اسلئے کہ وہ شخص اپنی ذات میں بڑے نیک کام کرتا رہا۔ اور عبادت اور اطاعت میں مشغول رہا۔ لیکن کسی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے ماتھے پر کبھی شکن بھی نہیں آئی۔ اور کسی گناہ کو برا بھی نہیں سمجھا۔ اور اس کا چہرہ بدلا بھی نہیں۔ اور ان گناہوں کو روکنے کے لئے نہ تو کوئی اقدام کیا۔ لہٰذا اس شخص کو بھی اس کی قوم کے ساتھ تباہ کردو۔

بے گناہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (۲۵: سورۃ الانفال)

یعنی اس عذاب سے ڈرو جو صرف ان لوگوں پر نہیں آئے گا جو گناہ میں مبتلا تھے۔ بلکہ وہ عذاب بے گناہوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ بظاہر تو بے گناہ تھے۔ لیکن جو گناہ ہو رہے تھے۔ ان کو روکنے کے لئے انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ نہ زبان ہلائی، اور ان گناہوں کو ہوتا ہوا دیکھ کر ان چہرے پر شکن نہیں آئی، اس لئے ان پر بھی وہ عذاب آجائے گا۔

بہرحال یہ امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے۔ جس سے ہم اور آپ غفلت میں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ گناہ اور نافرمانیاں ہو رہی ہیں، اور بس اپنے آپ کو بچاکر فارغ ہو جاتے ہیں، دوسروں کو نصیحت نہیں کرتے، اور ان گناہوں سے بچانے کی فکر نہیں کرتے۔

منکرات کو روکنے کا پہلا درجہ

جو حدیث میں نے شروع میں تلاوت کی تھی۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برائیوں سے روکنے کے تین درجات بیان فرمائے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ پر تمہیں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہے۔ تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت تھی۔ اس کے باوجود آپ نے ہاتھ سے نہیں روکا تو آپ نے خود گناہ کا ارتکاب کرلیا۔ مثلاً ایک شخص خاندان کا سربراہ ہے۔ خاندان کے اندر اس کی بات چلتی ہے۔ لوگ اس کی بات کو مانتے ہیں۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ میرے خاندان والے ایک ناجائز اور گناہ کے کام میں مبتلا ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر میں اس کام کو اپنے حکم کے زور پر روک دوں گا تو یہ کام بند ہو جائے گا۔ اور اس کے بند ہونے سے کوئی فتنہ کھڑا نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سربراہ پر فرض ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اور طاقت سے اس برائی کو روکے۔

محض اس خیال سے نہ روکنا کہ اگر میں روکوں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا۔ یا فلاں شخص کا دل ٹوٹے گا۔ ٹھیک نہیں، اس لئے کہ اللہ کے حکم ٹوٹنے کے مقابلے میں کسی کے دل ٹوٹنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

"فیضی" شاعر کا ایک واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں ایک مشہور شاعر گذرے ہیں جن کا تخلص "فیضی" تھا۔ ایک مرتبہ "فیضی" حجام سے خط بنوا رہے تھے۔ اور داڑھی بھی صاف کرا رہے تھے، اس وقت ایک بزرگ ان کے قریب سے گزرے اور فرمایا: آغا: ریش می تراشی؟ جناب! کیا آپ داڑھی منڈوا رہے ہیں؟ کیونکہ فیضی شاعر علم و فضل کے بھی مدعی تھے، انہوں نے ہی قرآن کریم کی بغیر نقطوں کی تفسیر لکھی ہے۔ ان بزرگ کا کہنا یہ تھا کہ تم عالم ہو۔ تمہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں علم ہے۔ پھر بھی تم یہ کام کر رہے ہو؟ جواب میں فیضی نے کہا: "بلے، ریش می تراشم۔ دل کسے نمی خراشم" جی ہاں میں داڑھی منڈوا رہا ہوں۔ لیکن کسی کا دل نہیں توڑ رہا ہوں۔ کسی کی دل آزاری تو نہیں کر رہا ہوں۔ گویا کہ فیضی نے طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ میں تو یہ ایک گناہ کر رہا تھا۔ لیکن تم نے مجھے یہ کہہ کر میرا دل توڑ دیا۔ جواب میں ان بزرگ نے فرمایا: "ولے، دل رسول اللہ می خراشی" کسی اور کا دل تو نہیں توڑ رہے ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل توڑ رہے ہو۔ اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منع فرمایا کہ یہ کام مت کرو۔ اس کے باوجود تم کر رہے ہو۔

دل ٹوٹنے کی پرواہ نہ کرے

بہرحال لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ دل آزاری نہ ہونی چاہئے۔ تو بات یہ ہے کہ اگر محبت، پیار اور شفقت اور نرمی سے، ذلیل کئے بغیر وہ کسی دوسرے شخص

کو منع کر رہا ہے کہ یہ کام مت کرو، اس کے باوجود اس کا دل ٹوٹ رہا ہے تو ٹوٹا کرے۔ اس کے ٹوٹنے کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دل ٹوٹنے سے بلند تر ہے۔ البتہ اتنا ضرور کرے کہ کہنے میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور اس کی توہین نہ کرے، اور اس کو ذلیل نہ کرے۔ اور ایسے انداز سے نہ کہے جس سے وہ اپنی سبکی محسوس کرے۔ بلکہ تنہائی میں محبت سے شفقت سے اس کو سمجھادے۔ اس کے باوجود اگر دل ٹوٹتا ہے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

ترک فرض کے گناہ کے مرتکب

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے خاندان کا سربراہ ہے۔ خاندان میں اس کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ بچے غلط راستے پر جارہے ہیں، یا گھر والے گناہوں کا ارتکاب کررہے ہیں، پھر بھی ان کو نہیں روکتا تو یہ گناہ کے اندر داخل ہے، اس لئے کہ سربراہ پر ان کو ہاتھ سے روکنا فرض تھا۔ یا کوئی استاذ ہے، وہ شاگرد کو گناہ سے نہیں روکتا، یا کوئی شیخ ہے۔ اور اپنے مرید کو گناہ سے نہیں روکتا، یا کوئی افسر ہے، وہ اپنے ماتحت کو گناہ سے نہیں روکتا، جبکہ ان لوگوں کو روکنے کی طاقت حاصل ہے، تو یہ حضرات ترک فرض کے گناہ کا ارتکاب کررہے ہیں۔

فتنہ کے اندیشے کے وقت زبان سے روکے

البتہ بعض اوقات اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اس کو اس برائی سے روکیں گے تو فتنہ کھڑا ہوجائے گا۔ یا طبیعت میں بغاوت پیدا ہوجائے گی۔ اور بغاوت پیدا ہونے کے نتیجے میں اس سے بھی بڑے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو اس وقت اگر ہاتھ سے نہ روکے، بلکہ صرف زبان سے کہنے پر اکتفا کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے، اس استطاعت کے نہ ہونے میں یہ بات بھی داخل ہے مثلاً سینما ہال کے باہر گندی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ اب آپ کو استطاعت حاصل ہے کہ چند آدمیوں کو لے کر جائیں۔ اور ان تصویروں کو گرانے کی کوشش کریں، لیکن اس استطاعت کے نتیجے میں خود بھی فتنہ میں مبتلا ہو گے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد میں مبتلا کرو گے، اس لئے کہ جوش میں آکر وہ کام کر تو لیا، لیکن پھر خود بھی پکڑے گئے۔ اور دوسروں کو پکڑوادیا۔ اور اس کے نتیجے میں ناقابل برداشت مصیبت کھڑی ہو گئی۔ لہٰذا یہ کام استطاعت سے خارج سمجھا جائے گا۔ استطاعت میں داخل نہیں ہو گا۔ اس لئے اس موقع پر صرف زبان سے روکنے پر اکتفا کرے۔

خاندان کے سربراہ ان برائیوں کو روک دیں

آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خاندان کے وہ سربراہ جو خاندان کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ وہ جب خاندان کے افراد کو کسی گناہ کے اندر مبتلا دیکھتے ہیں تو ان کو روکنے اور ٹوکنے کے بجائے وہ بھی ان کے ساتھ اس گناہ کے اندر شریک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آجکل جو شادی بیاہ ہو رہے ہیں۔ ان شادی بیاہوں میں منکرات کا ایک سیلاب امڈا ہوا ہے۔ بعض منکرات معمولی درجے کے ہیں۔ بعض منکرات درمیانی درجے کے ہیں۔ اور بعض منکرات شدید سنگین قسم کے ہیں۔ مثلاً اب یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ شادی بیاہ کے اجتماعات مخلوط ہونے لگے ہیں۔ یہ بات اس لئے عام ہوتی جارہی ہے کہ خاندان کے سربراہ اس برائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر بھی نہ تو زبان سے اس کو روکتے ہیں۔ اور نہ ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ وہ بھی ان تقریبات میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ بھائی، کیا کریں۔ فلاں بھتیجے کی شادی

ہے۔ مجھے تو اس میں شریک ہونا ہے ــــ دیکھئے، اگر وہ لوگ آپ کو وہ شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کو چاہئے کہ وہ آپ کے اصولوں کے مطابق انتظام کریں۔ اور آپ کو یہ اسٹینڈ لینا ضروری ہے کہ میں اس وقت تک اس تقریب میں شریک نہیں ہوں گا جب تک یہ مخلوط اجتماع ختم نہیں کیا جاتا۔ اگر تم مخلوط اجتماع کرتے ہو تو پھر میرے نہ آنے سے آپ کو ناراض ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر خاندان کا سربراہ یہ کام نہیں کرے گا تو قیامت کے روز اس کی پکڑ ہوگی کہ تم ہاتھ سے اس برائی کو اس طرح روک سکتے تھے کہ خود شریک نہ ہوتے۔ اور شرکت سے انکار کر دیتے۔

شادی کی تقریب یا رقص کی محفل

آج ہم لوگ قدم قدم پر ان برائیوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے جا رہے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب شادی بیاہ کی تقریبات میں اتنی برائیاں نہیں تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ایک کے بعد دوسری برائی آئی۔ دوسری کے بعد تیسری برائی شروع ہوئی، اس طرح برائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اور کسی برائی کے موقع پر خاندان میں سے کسی اللہ کے بندے نے اسٹینڈ نہیں لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برائیاں پھیلتی چلی گئیں ــــ یاد رکھئے، اگر ہم آج اسٹینڈ نہیں لیں گے۔ اور ان برائیوں کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے تو یہ برائیاں اور آگے بڑھیں گی چنانچہ تقریبات میں مرد و عورت کے مخلوط اجتماع کا سلسلہ تو جاری تھا، اب سننے میں یہ آرہا ہے کہ ان اجتماعات میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص بھی شروع ہوتا جارہا ہے۔ اب آپ اس موقع پر بھی ہتھیار ڈال کر خاموش بیٹھ جائیں۔ اور اپنی بہو بیٹیوں کو رقص کرتا ہوا دیکھا کریں، لیکن شرکت کرنا نہ چھوڑیں۔ کب تک ہتھیار ڈالتے جاؤ گے؟ کب تک ان کے برا ماننے کی پرواہ کروگے؟ کوئی آخر حد تو ہوگی جہاں جاکر یہ سیلاب رکے گا؟ــــ یاد رکھئے، یہ سیلاب اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک کوئی اللہ کا بندہ

ڈٹ کر یہ نہیں کہے گا کہ یا تو مجھے شریک نہ کرو، اور اگر شریک کرنا ہے تو یہ کام نہ کرو، اگر خاندان کے دو چار با اثر افراد یہ کہدیں کہ ہم تو ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گے تو وہ شخص اس برائی کو چھوڑنے پر مجبور ہوگا۔ یا پھر آپ سے تعلق ختم کرے گا۔

بعض اوقات انسان اپنے خاندانی حقوق کی وجہ سے منع کردیتا ہے کہ چونکہ میرے ساتھ فلاں موقع پر اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ یا میری عزت نہیں کی گئی یا فلاں موقع پر میرا فلاں حق پامال کیا گیا۔ اس لئے جب تک مجھ سے معافی نہیں مانگی جائے گی، اس وقت تک میں اس تقریب میں شریک نہیں ہوں گا۔ شادی بیاہ کے موقع پر خاندانی حقوق کی بنیاد پر اس قسم کے بے شمار جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی اللہ کا بندہ دین کی خاطر منع کردے کہ اگر مخلوط اجتماع ہوگا یا رقص ہوگا تو ہم شریک نہیں ہوں گے۔ تو انشاء اللہ ان برائیوں پر روک لگ جائے گی۔

ورنہ ہم سر پکڑ کر روئیں گے

البتہ بعض اوقات لوگ اس معاملے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ بڑا نازک معاملہ ہے کہ آدمی کس بات پر اور کس موقع پر اسٹینڈ لے۔ اور کس بات پر نہ لے۔ اور کس جگہ ڈٹ جائے۔ اور کس جگہ پر نرم پڑ جائے، یہ چیز ایسی نہیں ہے جو دو اور دو چار کی طرح بتادی جائے۔ بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے کسی رہبر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس موقع پر تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ کس جگہ پر سخت بن جاؤ، اور کس جگہ پر نرم پڑ جاؤ، اپنی طرف سے فیصلہ کرنے میں بعض اوقات انسان افراط و تفریط میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ آدمی ایسی بات پر اسٹینڈ لے لیتا ہے کہ اس سے فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کسی رہنما کی رہنمائی میں کرنا چاہئے۔

لیکن مخلوط اجتماع والا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے بارے میں ہر شخص کو چاہئے کہ

وہ اسٹینڈ لے۔ یاد رکھئے، اگر آج ہم اسٹینڈ نہیں لیں گے تو کل کو سر پکڑ کر روئیں گے اور جب پانی سر سے گزر جائے گا اس وقت یاد کرو گے کہ کسی کہنے والے نے کیا بات کہی تھی۔ ابھی وقت ہے کہ اس فتنہ کو روکا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس طریقے سے اس فتنے کو روکنے کی کوشش کیجئے۔ خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کریں، اور یہ سوچیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اور اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنے موجودہ طرز عمل پر نظر ثانی کریں۔ اور یہ جو غفلت کا عالم طاری ہے کہ جو شخص جس طرف جارہا ہے۔ جانے دو۔ اس کو روکنے کی کوئی فکر اور پروا نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے جانے سے دل دکھتا ہے۔ یہ طرز عمل بڑا خطرناک ہے۔ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

منکرات سے روکنے کا دوسرا درجہ

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی سے روکنے کا دوسرا درجہ یہ بیان فرمایا کہ اگر اس برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکو۔ زبان سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کے اندر مبتلا ہے، اس کو ہمدردی سے کہے کہ بھائی صاحب، آپ یہ کام غلط کر رہے ہیں۔ یہ کام نہ کریں۔ لیکن زبان سے کہتے وقت ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ حق گوئی، یا حق کی دعوت یا تبلیغ یہ کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو تم نے اٹھا کر مار دیا۔ یہ کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اس سے دوسرے کا سر پھاڑ دیا، بلکہ یہ ایک خیر خواہی اور محبت و شفقت کے انداز سے کہنے والی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

"یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نرمی سے اور موعظہ حسنہ سے بلاؤ"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرم گوئی کی تلقین

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا﴾ (سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

اے موسیٰ اور ھارون، جب تم فرعون کے پاس جاؤ، تو اس سے نرمی سے بات کرنا۔ اب دیکھئے یہ تلقین فرعون کے بارے میں فرمائی، جب کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ بدبخت راہ راست پر آنے والا نہیں ہے۔ یہ ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ اور آخر وقت تک ایمان نہیں لائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے بارے حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر مصلح نہیں ہوسکتے۔ اور تمہارا مخالف فرعون سے بڑھ کر گمراہ نہیں ہوسکتا، جب ان کو نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر ہمارے لئے تو اور زیادہ واجب ہے کہ ہم نرمی سے بات کریں۔ یہ نہ ہو کہ جب دوسرے کو برائی میں مبتلا دیکھ کر زبان چلانی شروع کی تو وہ زبان تلوار بن جائے۔

زبان سے روکنے کے آداب

بلکہ زبان سے روکنے کے بھی کچھ آداب ہیں، مثلاً یہ کہ مجمع کے سامنے نہ کہے، اس کو رسوا اور ذلیل نہ کرے، ایسے انداز سے نہ کہے جس سے اس کو اپنی سبکی محسوس ہو، بلکہ تنہائی میں محبت اور شفقت اور پیار سے، خیر خواہی سے سمجھائے۔ بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آج کل لوگ نرمی سے بات نہیں مانتے، بقول

کسی کے: "ملاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے" تو بھائی اگر وہ تمہاری بات نہیں مانتے تو تم داروغہ نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر یہ فریضہ عائد نہیں کیا گیا کہ تمہاری زبان سے دوسرے کی ضرور اصلاح ہو جانی چاہئے، بلکہ تمہارا فریضہ صرف اتنا ہے کہ تم حق نیت سے حق طریقے سے حق بات کہدو، لہذا زبان سے کہتے وقت اس کی اصلاح کی نیت ہونی چاہئے، مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر اس پر غصہ نہیں کرتا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ بلکہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہے، اس کا علاج کرتا ہے، اس کے اوپر ترس کھاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، وہ درحقیقت بیمار ہے، وہ ترس کھانے کے لائق ہے، اس لئے اس پر غصہ نہ کرو، بلکہ اس کو شفقت اور محبت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرو۔

ایک نوجوان کا واقعہ

ایک نوجوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے زنا کرنے اور بدکاری کرنے کی اجازت دیدیجئے، اس لئے کہ میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں کر سکتا ـــــ آپ ذرا اندازہ لگایئے کہ وہ نوجوان ایک ایسے فعل کی اجازت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کر رہا ہے جس کے حرام ہونے پر تمام مذاہب متفق ہیں۔ آج اگر کسی پیر یا شیخ سے کوئی شخص اس طرح کی اجازت مانگے تو غصے کے مارے اس کا پارہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان جایئے کہ آپ نے اس پر ذرہ برابر بھی غصہ نہیں کیا۔ اور نہ اس پر ناراض ہوئے، آپ سمجھ گئے کہ یہ بیچارہ بیمار ہے، یہ غصہ کا مستحق نہیں ہے، بلکہ ترس کھانے کا مستحق ہے ـــــ چنانچہ آپ نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا، اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، پھر اس سے فرمایا کہ اے بھائی تم نے مجھ سے ایک سوال کیا، کیا ایک سوال میں بھی تم سے کرلوں؟ اس نوجوان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا سوال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اگر

کوئی دوسرا آدمی تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری بیٹی کے ساتھ یا تمہاری ماں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ، میں تو پسند نہیں کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم جس عورت کے ساتھ یہ معاملہ کروگے وہ بھی تو کسی کی بہن ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی ماں ہوگی، تو دوسرے لوگ اپنی بہن اپنی بیٹی سے اور اپنی ماں کے ساتھ اس معاملے کو کس طرح پسند کریں گے؟ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا کہ یا رسول اللہ، اب بات سمجھ آگئی۔ اب میں دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا۔ اور اب میرے دل میں اس کام کی نفرت بیٹھ گئی ہے ــــ اس طریقے سے آپ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

ایک دیہاتی کا واقعہ

ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دیہاتی نے آکر جلدی جلدی دو رکعتیں پڑھیں۔ اور نماز کے بعد یہ عجیب و غریب دعا مانگی کہ:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا﴾

"اے اللہ! مجھ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کیجئے، اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم مت کیجئے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ دعا سن کر فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو تنگ کردیا۔ تھوڑی دیر بعد اس اعرابی نے مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کردیا۔ صحابہ کرام نے جب اس کو یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو روکنے کے لئے اس کی طرف دوڑے۔ اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے صحابہ کرام کو روکا اور فرمایا کہ اس کا پیشاب مت بند کرو۔ اس کو پیشاب کرنے دو۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو پھر صحابہ کرام سے فرمایا کہ اب جاکر مسجد کو دھو کر پاک کردو۔ پھر اس اعرابی کو آپ نے بلاکر سمجھایا کہ یہ مسجد اس مقصد کے لئے نہیں ہے کہ اس میں گندگی کی جائے، اور اس کو ناپاک کیا جائے، یہ تو اللہ کا گھر ہے، اس کو پاک رکھنا چاہئے۔ اس طرح آپ نے پیار اور شفقت کے ساتھ اس کو سمجھا دیا ـــــ آج ہمارے سامنے کوئی اس طرح پیشاب کردے تو ہم لوگ اس کی تکہ بوٹی کردیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈانٹا تک نہیں۔

ہمارا انداز تبلیغ

اس حدیث کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کے آداب بتائے۔ آج یا تو لوگوں کے اندر دعوت و تبلیغ کرنے کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو بس اب دنیا والوں پر آفت آگئی۔ کسی کو بھی مسجد کے اندر کوئی غلط کام کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب اس کو ڈانٹ ڈپٹ شروع کردی ـــــ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔ ہر بات کہنے کا ایک ڈھنگ اور سلیقہ ہوتا ہے۔ اس ڈھنگ سے بات کہنی چاہئے۔ اور دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ یہ اللہ کا بندہ ایک غلطی میں کسی وجہ سے مبتلا ہو گیا ہے، میں اس کو صحیح بات بتادوں۔ تاکہ یہ راہ راست پر آجائے، اپنی بڑائی جتانے کا جذبہ یا اپنا علم بگھارنے کا جذبہ نہ ہو، کیونکہ یہ جذبہ دعوت کے اثر کو ختم کردیتا ہے۔

تمہارا کام بات پہنچا دینا ہے

اب ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اس طرح پیار اور نرمی سے لوگوں کو روکتے ہیں تو لوگ مانتے نہیں ہیں ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کا ماننا تمہاری

ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ اپنی بات لوگوں تک پہنچا دینا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک قوم گمراہی میں نافرمانی میں غرق تھی۔ اس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں تھی، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا تھا۔ لیکن عذاب آنے سے پہلے کچھ اللہ کے نیک بندے ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ اور نرمی سے سمجھاتے رہے کہ یہ کام مت کرو۔ کسی نے ان نصیحت کرنے والوں سے کہا:

﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ﴾

(سورۃ الاعراف: ۱۶۴)

تم ایک ایسی قوم کو نصیحت کیوں کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب تو ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے ـــــ ان اللہ کے نیک بندوں نے ـــــ سبحان اللہ ـــــ کیا عجیب جواب دیا فرمایا کہ: "مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ" یعنی یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ معاند ہیں۔ ہٹ دھرم ہیں۔ بات نہیں مانیں گے۔ لیکن ہم ان کو نصیحت کر رہے ہیں، تاکہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہنے کا عذر ہو جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اور پوچھا جائے گا، کہ تمہارے سامنے یہ گناہ ہو رہے تھے۔ تم نے ان کو روکنے کے لئے کیا کوشش کی تھی؟ اس وقت ہم یہ عذر پیش کرسکیں گے کہ یا اللہ، یہ گناہ ہمارے سامنے ہو رہے تھے۔ لیکن ہم نے اپنے طور پر ان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی۔ اے اللہ، ہم ان کے اندر شامل نہیں تھے۔ ایک داعی حق اور تبلیغ کرنے والا اپنے دل میں اس جواب دہی کے احساس کو دل میں رکھتے ہوئے دعوت دے۔ پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، وہ انشاء اللہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتے رہے، لیکن صرف ۱۹ آدمی مسلمان ہوئے۔ اب اس کا کوئی وبال حضرت نوح علیہ السلام پر نہیں ہوگا، اس لئے کہ مسلمان بنادینا ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لئے تم بھی حق بات حق نیت سے حق طریقے سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبے سے کہدو۔ انشاء

اللہ تم بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ تجربہ یہ ہے کہ اگر آدمی لگاتار اس جذبہ کے ساتھ بات کہتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فائدہ بھی پہنچا دیتا ہے۔

منکرات کو روکنے کا تیسرا درجہ

تیسرا اور آخری درجہ اس حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے اندر ہاتھ اور زبان سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھے، اور دل میں یہ خیال لائے کہ یہ کام اچھا نہیں کر رہا ہے ـــــ البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زبان سے کہنے کی بھی طاقت نہ ہو۔ اس وقت یہ تیسرا درجہ آتا ہے، لیکن زبان سے کہنے کی طاقت تو ہر وقت انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ پھر زبان سے کہنے کی طاقت نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان سے کہنے کی طاقت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس کو زبان سے روک تو دے گا۔ اور لیکن اس روکنے کے نتائج اس عمل سے بھی زیادہ برے نکلیں گے۔ ایسی صورت میں بعض اوقات خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سنت کے خلاف کوئی کام کر رہا ہے۔ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اگر میں اس کو روکوں گا تو یہ شخص بات ماننے کے بجائے الٹا اس سنت کا مذاق اڑانا شروع کر دے گا۔ اب اگرچہ آپ کے اندر یہ طاقت ہے کہ آپ اس سے کہدیں کہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے، ایسا مت کرو۔ بلکہ سنت کے مطابق کرو۔ لیکن آپ کے کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اب تک تو صرف سنت کے خلاف کام کر رہا تھا۔ لیکن اب سنت کا مذاق اڑائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جائے گا۔ ایسے موقع پر بعض اوقات خاموش رہنا اور کچھ نہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور اس وقت میں صرف دل سے برا سمجھنا ہی مناسب ہوتا ہے۔

برائی کو دل سے بدلنے کا مطلب

اگر اس حدیث کا صحیح ترجمہ کیا جائے تو یہ ترجمہ ہوگا کہ اگر کسی شخص کے اندر کسی برائی کو زبان سے بدلنے کی طاقت نہیں ہے تو اس کو اپنے دل سے بدل دے، یہ نہیں فرمایا کہ دل سے برا سمجھے۔ بلکہ دل سے بدلنے کا حکم دیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دل سے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟ علماء کرام نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ استعمال نہ کرسکے نہ ہی زبان استعمال کرسکا تو اب اس کے دل میں اس برائی کے خلاف اتنی نفرت ہو۔ اور اس کے دل میں اتنی گھٹن ہو کہ اس کے چہرے پر ناگواری کا اثر آجائے، اور اس کی پیشانی پر بل پڑجائے اور آدمی موقع کی تلاش میں رہے کہ کب موقع آئے تو پھر اس کو زبان اور ہاتھ سے اس کو بدل دوں۔ جب انسان کے دل میں کسی چیز کی برائی دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور دل میں یہ جذبہ اور داعیہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ برائی ختم ہوجائے تو وہ شخص دن رات اس فکر اور سوچ میں رہتا ہے کہ میں اس برائی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے روکنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں۔ مثلاً ایک شخص کی اولاد خراب ہوگئی، اب اگر باپ جبرو تشدد کرتا ہے، اور ہاتھ استعمال کرتا ہے تو اس کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر زبان سے سمجھاتا ہے تو اس کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسا شخص دل کے اندر کتنا بے چین ہوگا، اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہوجائیں گی کہ میں کس طرح اس کو بری عادت سے نکال دوں۔ یہ بے چینی اور بیتابی انسان کو خود راستہ سجھا دیتی ہے کہ کس موقع پر کس طرح بات کہوں، اور کس طرح اس کے دل میں اپنی بات اتار دوں۔ اس کے نتیجے میں ایک نہ ایک دن اس کی بات کا اثر ہوگا۔

اپنے اندر بے چینی پیدا کریں

آج ہمارے معاشرے میں جتنے منکرات، برائیاں اور گناہ بر سرِعام ہو رہے ہیں۔ فرض کریں کہ آج ہمارے اندر ان کو ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں ہے۔ زبان سے کہنے کی طاقت نہیں۔ لیکن اگر ہم میں سے ہر شخص اپنے دل کے اندر یہ سوء، چینی پیدا کرلے کہ معاشرے کے اندر یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان برائیوں کو کسی طرح رکنا چاہئے۔ اور یہ بے چینی اور بےتابی اس درجہ میں ہونی چاہئے جس طرح ایک آدمی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہو۔ جب تک وہ درد ختم نہیں ہو جاتا اس وقت تک انسان بے چین رہتا ہے، اسی طرح ہم سب کے دلوں میں یہ بے چینی اور بےتابی پیدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں آخر کار معاشرے سے یہ منکرات اور برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور ان برائیوں کو روکنے کا راستہ مل جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بے چینی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے معاشرے کے اندر تشریف لائے تھے جہاں گناہ تو گناہ، بلکہ شرک، کفر، بت پرستی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلم کھلا بغاوت، علانیہ نافرمانیاں ہو رہی تھیں، کوئی شخص بھی بات سننے کو تیار نہیں تھا، اس وقت آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ ان سب کی اصلاح آپ کو کرنی ہے۔ بعثت کے بعد تین سال ایسے گزرے ہیں کہ ان میں آپ کو تبلیغ اور دعوت کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ان تین سال کے اندر آپ معاشرے میں ہونے والی برائیوں کو دیکھتے رہے، اور غار حرا کی تنہائیوں میں جاکر اللہ جل شانہ سے مناجات فرما رہے ہیں۔ اور معاشرے میں ہونے والے منکرات کو دیکھ کر طبیعت میں ایک گھٹن اور ایک بے چینی پیدا ہو رہی ہے کہ کس طرح اس کو دور کروں، آخر کار آپ کی یہ بے چینی اور بےتابی رنگ لاتی ہے۔ اور اس کے بعد جب آپ کو تبلیغ اور دعوت کی اجازت ملتی ہے تو پھر آپ اسی

سے ماحول کے اندر اپنی دعوت کے ذریعہ انقلاب برپا فرماتے ہیں، اس بے چینی اور بیتابی کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح فرمایا ہے کہ:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾

(سورۃ الشعراء: ۳)

"کیا آپ اپنی جان کو اس اندیشے میں ہلاک کرڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟"

اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ان علیک الا البلاغ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کا فریضہ ہے آپ اپنی جان کو ہلکان نہ کیجئے، اور اتنے پریشان نہ ہوں —— لیکن آپ کے دل میں اس قدر بے چینی تھی کہ جو شخص بھی آپ کے پاس آتا، آپ اس کے بارے میں یہ خواہش کرتے کہ کسی طرح میں اس کو جہنم کے عذاب سے بچالوں۔ اور دین کی بات اس کے دل میں اتار دوں۔

ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں

آج ہمارے اندر یہی خرابی ہے کہ ہمارے اندر وہ بے چینی اور بیتابی نہیں ہے۔ اول تو آج برائیوں کو برا سمجھنے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ معاشرے اور ماحول کے اثر سے ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص برائی نہیں بھی کر رہا ہے۔ بلکہ خود ان سے بچا ہوا ہے، وہ صرف یہ سوچ کر بچا ہوا ہے کہ اب تو بڑھاپا آگیا، جوانی ختم ہوگئی ہے، اب کیا میں اپنے طرز عمل میں تبدیلی پیدا کروں، اس شرم سے وہ اپنی پرانی طرز زندگی کو نہیں بدل رہا ہے —— لیکن اولاد جس غلط راستے پر جا رہی ہے۔ اس کی برائی دل کے اندر نہیں ہے، اگر دل میں برائی ہوتی تو اس کے لئے بے چین اور بیتاب ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دل میں ان کی برائی

موجود نہیں۔ اور اولاد کے بارے میں یہ سوچ لیا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی گزار لی ہے۔ یہ نئی نسل کے لوگ ہیں۔ اگر انہوں نے اپنی خوش گپیوں اور کھیل کود کے نئے طریقے نکال لئے ہیں تو چلو ان کو کرنے دو۔ یہ سوچ کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ان کو نہیں روکتے۔ اور دل میں ان کی طرف سے کوئی بے چینی اور بیتابی نہیں ہے۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

جب انسان کے دل میں معاشرے کی طرف سے بے چینی اور بیتابی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی بات میں تاثیر بھی پیدا فرما دیتے ہیں، حضرت مولانا نانوتوی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "اصل میں تبلیغ و دعوت کا حق اس شخص کو پہنچتا ہے جس کے دل میں تبلیغ و دعوت کا جذبہ ایسا ہو گیا ہو، جیسے حوائج ضروریہ کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً بھوک لگ رہی ہے۔ اور جب تک کھانا نہیں کھالے گا۔ چین نہیں آئے گا۔ جب تک ایسا داعیہ کے دل کے اندر پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو دعوت و تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ جیسے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں تبلیغ و دعوت کا ایسا ہی جذبہ پیدا فرمادیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے ایک ایک وعظ میں سیکڑوں انسان ان کے ہاتھ پر گناہ سے توبہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ بات دل سے نکلتی تھی۔ اور دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا ایک واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں ڈیڑھ دو گھنٹے کا وعظ فرمایا۔ وعظ سے فارغ ہونے کے بعد آپ جامع مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص بھاگتا ہوا مسجد کے اندر آیا،

اور آپ ہی سے پوچھا کہ کیا مولوی اسماعیل صاحب کا وعظ ختم ہوگیا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں بھائی، ختم ہوگیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بہت افسوس ہوا، اس لئے کہ میں تو بہت دور سے وعظ سننے کے لئے آیا تھا، آپ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں فلاں گاؤں سے آیا تھا۔ اور اس خیال سے آیا تھا کہ میں ان کا وعظ سنوں گا، افسوس کہ ان کا وعظ ختم ہوگیا۔ اور میرا آنا بیکار ہوگیا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم پریشان مت ہو۔ میرا ہی نام اسماعیل ہے۔ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ، چنانچہ اس کو وہیں سیڑھیوں پر ہی بٹھادیا، فرمایا کہ میں نے ہی وعظ کہا تھا۔ میں تمہیں دوبارہ سنا دیتا ہوں، جو کچھ میں نے وعظ میں کہا تھا، چنانچہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر سارا وعظ دوبارہ دہرا دیا ــــ بعد میں کسی شخص نے کہا کہ حضرت! آپ نے کمال کردیا کہ صرف ایک آدمی کے خاطر پورا وعظ دوبارہ دہرادیا؟ جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی ایک ہی کے خاطر وعظ کہا تھا۔ اور دوبارہ بھی ایک ہی کی خاطر کہا۔ یہ مجمع کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جس ایک اللہ کے خاطر پہلی بار کہا تھا۔ دوسری مرتبہ بھی اسی ایک اللہ کے خاطر کہدیا ــــ یہ تھے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ایسا جذبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا فرمادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس اخلاص اور اس جذبہ اور اس بے چینی اور بیتابی کا کوئی حصہ ہمارے دلوں میں بھی پیدا فرمادے کہ ان منکرات کو دیکھ کر یہ بے چینی اور بیتابی پیدا ہوجائے کہ ان منکرات کو کس طرح ختم کیا جائے، اور کس طرح مٹایا جائے۔

یاد رکھئے! جس دن ہمارے دلوں میں یہ بیتابی اور بے چینی پیدا ہوگئی، اس دن آدمی کم از کم اپنے گھر کی اصلاح تو ضرور کرلے گا، اگر گھر کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بے چینی اور بیتابی دل میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ آدمی وقت گزار رہا ہے۔

خلاصہ

بہرحال، ہر انسان کے ذمے انفرادی تبلیغ فرض عین ہے، جب انسان اپنے سامنے کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے، پہلے ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ہاتھ سے نہ ہوسکے تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے، اور اگر زبان سے نہ ہوسکے تو دل سے اس کو برا جانے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جنت کے مناظر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷ر نومبر ۱۹۹۵ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنّت کے مناظر

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون، لکم فیھا فاکھۃ کثیرۃ منھا تاکلون﴾ (الزخرف: ۷۲، ۷۳)

اٰمنت باللہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

آخرت کے حالات جاننے کا راستہ

بزرگان محترم و برادران عزیز! مرنے کے بعد کے حالات جاننے کا انسان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، کوئی علم کوئی فن کوئی معلومات ایسی نہیں ہیں جو انسان کو مرنے کے بعد کے حالات سے باخبر کر سکے۔ جو شخص اس دنیا سے وہاں چلا جاتا ہے

اس کو وہاں کے حالات کی خبر ہوتی ہے، لیکن ہمیں پھر اس جانے والے کی خبر نہیں رہتی۔

ایک بزرگ کا عجیب قصہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک بزرگ کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے، ان کے مریدین نے ایک مرتبہ ان بزرگ سے کہا کہ حضرت! جو شخص بھی مرنے کے بعد اس دنیا سے جاتا ہے وہ ایسا جاتا ہے کہ پلٹ کر خبر نہیں لیتا، نہ تو یہ بتاتا ہے کہ کہاں پہنچا اور نہ یہ بتاتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور نہ یہ بتاتا ہے کہ اس نے کیا مناظر دیکھے، کوئی ایسی تدبیر بتایئے کہ ہمیں بھی وہاں کی کوئی خبر مل جائے۔ ان بزرگ نے فرمایا: ایسا کرو کہ جب میرا انتقال ہو جائے اور مجھے قبر میں دفن کرو تو قبر کے اندر میرے پاس تم ایک کاغذ اور قلم رکھ دینا، مجھے اگر موقع ملا تو میں لکھ کر تمہیں وہاں کی خبر بتلا دوں گا کہ وہاں کیا واقعات پیش آئے۔ لوگ بہت خوش ہوئے کہ چلو کوئی بتانے والا ملا۔

جب ان بزرگ کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق ان کو دفن کرتے وقت ان کے ساتھ ایک کاغذ اور قلم بھی رکھ دیا۔ ان بزرگ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ دوسرے دن قبر پر آکر وہ کاغذ اٹھا لینا، اس پر تمہیں لکھا ہوا ملے گا۔ چنانچہ اگلے دن لوگ ان کی قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک پرچہ ان کی قبر پر لکھا ہوا پڑا ہے۔ اس پرچے کو دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوئے کہ آج ہمیں اس دنیا کی خبر مل جائے گی، لیکن جب پرچہ اٹھا کر پڑھا تو اس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ:

"یہاں کے حالات دیکھنے والے ہیں، بتانے والے نہیں"۔

واللہ اعلم۔ یہ واقعہ کیسا ہے؟ سچا یا جھوٹا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے کہ ایسا کر دیتے۔ اس لئے یہ واقعہ سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا اور منگھڑت بھی ہو سکتا

ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہاں کے حالات بتانے کے نہیں ہیں، دیکھنے کے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہاں کے حالات کو ایسا راز کے اندر رکھا ہے کہ کسی پر بھی ذرا سا ظاہر نہیں ہوتا۔ بس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں جتنی باتیں بتادیں اس سے زیادہ کسی کو وہاں کے حالات کے بارے میں معلوم ہونے کا کوئی راستہ نہیں۔ قرآن وحدیث کے ذریعہ جو حالات ہم تک پہنچے ہیں، ان کو یہاں پر تھوڑا سا بیان کرنا مقصود ہے۔

ادنیٰ جنتی کی جنت کا حال

چنانچہ حضرت مغیرۃ شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے پروردگار! اہل جنت میں سب سے کم درجہ کس کا ہوگا؟ اور سب سے ادنیٰ آدمی جنت میں کون ہوگا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب سارے جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں گے، ایک آدمی جنت میں جانے سے رہ گیا ہوگا اور جنت کے آس پاس کے علاقے میں بیٹھا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جب تم دنیا میں تھے اس وقت تم نے بڑے بڑے بادشاہوں کا ذکر سنا ہوگا، ان بادشاہوں میں سے اپنی مرضی سے چار بادشاہوں کا انتخاب کر کے میرے سامنے بیان کرو، اور پھر ان بادشاہوں کی سلطنتوں کے جتنے حصے تھے، ان میں سے جتنے حصوں کا تم نام بیان کرسکتے ہو بیان کرو، چنانچہ وہ شخص کہے گا کہ یا اللہ! میں نے فلاں فلاں بادشاہ کا ذکر سنا تھا، ان کی سلطنت بڑی عظیم تھی، اس کو بڑی نعمتیں ملی ہوئی تھیں، میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے بھی ویسی ہی سلطنت مل جائے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے چار مختلف بادشاہوں کی سلطنت کا نام لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تم نے ان کی سلطنتوں کے اور ان کے علاقوں کے نام تو بتادیئے لیکن ان بادشاہوں کو جو لذتیں حاصل تھیں اور ان کے بارے میں تم نے سنا ہوگا کہ فلاں بادشاہ ایسے عیش وآرام

میں ہے، ان لذتوں میں سے جو لذت تم حاصل کرنا چاہتے ہو، ان کا ذکر کرو۔ چنانچہ وہ شخص ان لذتوں کا ذکر کرے گا کہ میں نے سنا تھا کہ فلاں بادشاہ کو یہ نعمت حاصل تھی، فلاں بادشاہ کو یہ لذت حاصل تھی، یہ لذتیں مجھے بھی مل جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے کہ جن بادشاہوں کا تم نے نام لیا ہے اور ان کی جن سلطنتوں کو تم نے گنوایا ہے اور ان کی جن نعمتوں اور لذتوں کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ تمہیں مل جائیں تو تم راضی ہو جاؤ گے؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! اس سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے، میں تو ضرور راضی ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا تم نے جتنی سلطنتوں کا نام لیا اور ان کی جن نعمتوں اور لذتوں کا تم نے نام لیا اس سے دس گنا زیادہ تمہیں عطا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ جنت کا سب سے کم تر آدمی جس کو سب سے ادنیٰ درجہ کی جنت ملے گی وہ یہ شخص ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یا اللہ! جب ادنیٰ آدمی کا یہ حال ہے تو جو آپ کے پسندیدہ بندے ہوں گے جن کو اعلیٰ ترین درجات عطا کئے گئے ہوں گے، ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے موسیٰ! جو میرے پسندیدہ بندے ہوں گے ان کے اکرام کی چیزیں تو میں نے اپنے ہاتھ سے بنا کر ان کو خزانوں میں مہر لگا کر محفوظ کر کے رکھ دی ہیں اور ان میں وہ چیزیں ہیں کہ:

﴿مالم ترعين ولم يسمع اذن ولم يخطر على قلب احد من الخلق﴾

یعنی وہ نعمتیں ایسی ہیں کہ آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور آج تک کسی کان نے ان کا تذکرہ نہیں سنا، اور آج تک کسی انسان کے دل پر ان کا خیال بھی نہیں گزرا، ایسی نعمتیں میں نے تیار کر کے رکھی ہوئی ہیں۔

ایک اور ادنیٰ جنتی کی جنت

ایک اور حدیث میں خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا حال بیان فرمایا کہ سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ ایسا شخص ہوگا جو اپنے اعمالِ بد کی پاداش میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، کیونکہ اگر آدمی مؤمن ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر اعمال خراب کئے ہیں تو پہلے اس کو ان اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی، اس لئے اس کو پہلے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اب وہ شخص جہنم میں جھلس رہا ہوگا تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ یا اللہ! اس جہنم کی تپش اور اس کی گرمی نے تو مجھے جھلسا دیا ہے، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے جہنم سے نکال کر اوپر کنارے پر بٹھا دیں تاکہ میں تھوڑی دیر کے لئے جلنے سے بچ جاؤں۔

اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اگر ہم تمہیں وہاں بٹھا دیں گے تو تم کہو گے کہ مجھے اور آگے پہنچادو۔ وہ بندہ کہے گا کہ یااللہ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ بس ایک مرتبہ یہاں سے نکال کر اوپر بٹھا دیں، پھر آگے جانے کے لئے نہیں کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا ہم تمہاری بات مان لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کو جہنم سے نکال کر اوپر بٹھا دیا جائے گا۔ جب وہاں تھوڑی دیر تک بیٹھے گا اور کچھ اس کے ہوش وحواس ٹھکانے پر آئیں گے تو تھوڑی دیر کے بعد کہے گا کہ یااللہ! آپ نے مجھے یہاں بٹھا دیا اور جہنم سے نکال تو دیا لیکن ابھی جہنم کی لپٹ یہاں تک آرہی ہے، تھوڑی دیر کے لئے اور دور کردیں کہ یہ لپٹ بھی نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے ابھی وعدہ کیا تھا کہ آگے جانے کے لئے نہیں کہوں گا، اب تو وعدہ خلافی کر رہا ہے؟ وہ کہے گا یا اللہ! مجھے تھوڑا اور آگے بڑھا دیں تو پھر میں کچھ نہیں کہوں گا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو تھوڑا سا اور دور کردیں گے۔ اور اب اس کو اس جگہ سے جنت نظر آنے لگے گی۔ پھر تھوڑی

دیر کے بعد کہے گا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے جہنم سے تو نکال دیا اور اب مجھے یہ جنت نظر آرہی ہے، آپ تھوڑی اجازت دیدیں کہ میں اس جنت کا تھوڑا سا نظارہ کر لوں اور اس کے دروازے کے پاس جاکر دیکھ آؤں کہ یہ جنت کیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو پھر وعدہ خلافی کر رہا ہے۔ وہ شخص کہے گا کہ یا اللہ! جب آپ نے اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا تو ایک جھلک مجھے جنت کی بھی دکھادیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب تمہیں ایک نظر جنت کی دکھاؤں گا تو کہے گا کہ مجھے ذرا اندر بھی داخل کر دیں۔ وہ شخص کہے گا نہیں یا اللہ! مجھے صرف جنت کی ایک جھلک دکھادیں، اس کے بعد پھر کچھ نہیں کہوں گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ایک جھلک دکھادیں گے۔ لیکن جنت کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا یا اللہ! آپ ارحم الراحمین ہیں؟ جب آپ نے مجھے جنت کے دروازے تک پہنچادیا تو اب اے اللہ! اپنے فضل سے مجھے اندر بھی داخل فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھ ہم تو تجھ سے پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ تو وعدہ خلافی کرے گا لیکن چل، جب ہم نے تجھے اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچادیا تو اب ہم تجھے اس میں داخل بھی کر دیتے ہیں اور جنت میں تجھے اتنا بڑا رقبہ دیتے ہیں جتنا پوری زمین کا رقبہ ہے۔ وہ شخص کہے گا یا اللہ! آپ ارحم الراحمین ہیں اور میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ میں کہاں اور جنت کا اتنا بڑا رقبہ کہاں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں مذاق نہیں کرتا ہوں، تمہیں واقعی جنت کا اتنا بڑا رقبہ عطا کیا جاتا ہے۔

حدیث مسلسل بالضحک

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ہنستے ہوئے بیان فرمائی، اور پھر جن صحابی نے یہ حدیث سنی تھی انہوں نے یہ حدیث اپنے شاگردوں کے سامنے ہنستے ہوئے بیان فرمائی، پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہنستے

ہوئے بیان فرمائی، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جب بھی یہ حدیث بیان کی جاتی ہے تو بیان کرنے والا بھی ہنستا ہے اور سننے والے بھی ہنستے ہیں اسی وجہ سے یہ حدیث "مسلسل بالضحک" کہلاتی ہے۔

پورے کرۂ زمین کے برابر جنت

بہر حال، یہ وہ شخص ہوگا جو سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اب آپ اندازہ کریں کہ سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے کے بارے میں یہ کہا جارہا ہے کہ جتنا پورا کرۂ زمین ہے، اتنا حصہ جنت میں عطا کیا جائے گا تو پھر اوپر کے درجات والوں کا کیا حال ہوگا اور ان کو جنت میں کتنا بڑا مقام دیا جائے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم اس دنیا کی چار دیواری میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں اس عالم کی ہوا بھی نہیں لگی، اس وجہ سے اس عالم کی وسعتوں کا کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتے، اسی لئے ہمیں اس پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو پورے کرۂ ارض کے برابر جگہ کیسے ملے گی؟ اور اگر مل بھی جائے گی تو وہ اتنی بڑی زمین کو لے کر کیا کرے گا؟ یہ اشکال بھی اس لئے ہورہا ہے کہ اس عالم کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی۔

عالم آخرت کی مثال

اس عالم آخرت کے مقابلے میں ہماری مثال ایسی ہے جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ، اس بچہ کو اس دنیا کی ہوا نہیں لگی ہوتی، اس لئے وہ بچہ اس دنیا کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتا، وہ بچہ ماں کے پیٹ ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے لیکن جب وہ بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس وقت اس کو پتہ چلتا ہے کہ ماں کا پیٹ تو اس دنیا کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا عالم اپنی رضا کے ساتھ دکھا دے تو پتہ چلے کہ وہ عالم آخرت کیا چیز ہے اور اس کے اندر کتنی وسعت ہے۔ اور وہ عالم مومنوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

یہ جنت تمہارے لئے ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ، جنت مؤمنوں کے لئے تیار کی گئی ہے، صاحب ایمان کے لئے تیار کی گئی ہے، اگر تم اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھتے ہو تو یقین کرو کہ وہ تمہارے لئے ہی تیار کی گئی ہے، ہاں البتہ اس جنت تک پہنچنے کے لئے اور اس کے راستوں کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تھوڑا سا کام کرنا ہے، بس وہ کام کرلو تو انشاء اللہ وہ جنت تمہاری ہے اور تمہارے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو جنت عطاء فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور آخرت کا دھیان

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں اور بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے استاد حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جمعہ کے دن کسی بازار میں چلا گیا، ان کو کوئی چیز خریدنی تھی، چنانچہ بازار جاکر وہ چیز خریدلی جب بازار سے واپس لوٹنے لگے تو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے سعید! میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں دونوں کو جنت کے بازار میں جمع کردے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان دیکھئے کہ وہ ہر آن اور ہر لمحے آخرت کی کوئی نہ کوئی بات ادنیٰ سی مناسبت سے نکال کر اس کے دھیان کو اور اس کے ذکر کو تازہ کرتے رہتے تھے، تاکہ دنیا کی مشغولیات انسان کو اس طرح اپنے اندر مشغول نہ کر دیں کہ انسان آخرت کو بھول جائے۔ لہٰذا دنیا کا کام کر رہے ہیں، بازار میں خریداری کررہے ہیں اور خریداری کے دوران شاگرد کے سامنے یہ دعا کردی۔

جنّت کے اندر بازار

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرۃؓ سے پوچھا کہ کیا جنّت میں بھی بازار ہوں گے؟ اس لئے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ جنّت میں ہر چیز مفت ملے گی اور بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جواب میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہاں پر بھی بازار ہوں گے، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر جمعہ کے دن جنّت میں اہل جنّت کے لئے بازار لگا کرے گا۔ پھر اس کی تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اہل جنّت جنّت میں چلے جائیں گے اور سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے، اور خوب عیش و آرام سے زندگی گزار رہے ہوں گے اور وہاں ان کو اتنی نعمتیں دی جائیں گی کہ وہاں سے کہیں اور جانے کا تصوّر بھی نہیں کریں گے۔ تو اچانک یہ اعلان ہوگا کہ تمام اہل جنّت کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر آجائیں اور ایک بازار کی طرف چلیں، چنانچہ اہل جنّت اپنے اپنے ٹھکانوں سے باہر نکلیں گے اور بازار کی طرف چل پڑیں گے۔ وہاں جاکر ایک ایسا بازار دیکھیں گے جس میں ایسی عجیب و غریب اشیاء نظر آئیں گی جو اہل جنّت نے اس سے پہلے کبھی دیکھی نہیں ہوں گی، اور ان اشیاء سے دکانیں سجی ہوں گی، لیکن خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ یہ اعلان ہوگا کہ جس اہل جنّت کو جو چیز پسند ہو وہ دکان سے اٹھالے اور لے جائے۔ چنانچہ اہل جنّت ایک طرف سے دوسری طرف بازار میں دکانوں کے اندر عجیب و غریب اشیاء کا نظارہ کرتے ہوئے جائیں گے اور ایک سے ایک نعمت ان کو نظر آئے گی، اور جس اہل جنّت کو جو چیز پسند آئے گی وہ اس کو اٹھا کر لے جائے گا۔

جنت میں اللہ تعالیٰ کا دربار

جب بازار کی خریداری ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ اب سب لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک اجتماع ہوگا، اور یہ کہا جائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ جب دنیا میں تم رہتے تھے تو وہاں جمعہ کا دن آیا کرتا تھا تو تم لوگ جمعہ کی نماز کے لئے اپنے گھروں سے نکل کر ایک جگہ جمع ہوا کرتے تھے، تو آج جمعہ کے اجتماع کا بدل جنت کے اس اجتماع کی صورت میں عطا فرما رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا دربار لگا ہوا ہے وہاں پر حاضر ہونے کی دعوت دی جاتی ہے، چنانچہ تمام اہل جنت اللہ تعالیٰ کے اس دربار میں پہنچیں گے۔ اس دربار میں ہر شخص کے لئے پہلے سے کرسیاں لگی ہوں گی، کسی کی کرسی جواہر سے بنی ہوگی، کسی کی کرسی سونے سے بنی ہوگی، کسی کی کرسی موتیوں سے بنی ہوئی اور کسی کی کرسی چاندی سے بنی ہوئی ہوگی، اس طرح حسب درجات کرسیاں ہوں گی۔ جو شخص جتنا اعلیٰ درجے کا ہوگا اس کی کرسی اتنی شاندار ہوگی، ان پر اہل جنت کو بٹھایا جائے گا۔ اور ہر شخص اپنی کرسی کو اتنا اچھا سمجھے گا کہ اس کو یہ حسرت نہیں ہوگی کہ کاش مجھے ویسی کرسی مل جاتی جیسے فلاں شخص کی کرسی ہے، کیونکہ اس جنت کے عالم میں غم اور حسرت کا کوئی تصور نہیں ہے، اس لئے اس کو عمدہ کی خواہش ہی نہیں ہوگی۔

اور جنت میں جو سب سے کم رتبے کے لوگ ہوں گے ان کے لئے کرسیوں کے ارد گرد مشک و عنبر کے ٹیلے ہوں گے، ان ٹیلوں پر ان کی نشستیں مقرر ہوں گی، اس پر ان کو بٹھا دیا جائے گا۔ جب سب اہل جنت اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جائیں گے تو اس کے بعد دربار خداوندی کا آغاز اس طرح ہوگا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام (جنہوں نے قیامت کا سور پھونکا تھا) سے اللہ تعالیٰ ایسے لحن میں اپنا کلام اور نغمہ سنوائیں گے کہ ساری دنیا کے لحن اور موسیقیاں اس کے سامنے ہیچ اور کمتر ہوں گے۔

مشک وزعفران کی بارش

نغمہ اور کلام سنوانے کے بعد آسمان پر بادل چھا جائیں گے جیسے گھٹا آجاتی ہے اور ایسا محسوس ہوگا کہ اب بارش ہونے والی ہے، لوگ ان بادلوں کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اتنے میں تمام اہل دربار کے اوپر مشک اور زعفران کا چھڑکاؤ ان بادلوں سے کیا جائے گا اور اس کے نتیجے میں خوشبو سے پورا دربار مہک جائے گا، اور وہ خوشبو ایسی ہوگی کہ اس سے پہلے نہ کسی نے سونگھی ہوگی اور نہ اس کا تصور کیا ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ہوا چلے گی اور اس ہوا کے چلنے کے نتیجے میں ہر انسان کو ایسی فرحت اور نشاط حاصل ہوگا کہ اس کی وجہ سے اس کا حسن وجمال دوبالا ہوجائے گا، اس کی صورت اور اس کا سراپا پہلے سے کہیں زیادہ حسین اور خوبصورت ہوجائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا مشروب تمام حاضرین کو پلایا جائے گا، وہ مشروب ایسا ہوگا کہ دنیا کے کسی مشروب سے اس کو تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

جنت کی سب سے عظیم نعمت "اللہ کا دیدار"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اے جنت والو! یہ بتاؤ کہ دنیا میں جو ہم نے تم سے وعدے کئے تھے کہ تمہارے اعمال صالحہ اور ایمان کے بدلے میں ہم تمہیں فلاں فلاں نعمتیں دیں گے، کیا وہ ساری نعمتیں تمہیں مل گئیں یا کچھ نعمتیں باقی ہیں؟ تو سارے اہل جنت بیک زبان ہوکر عرض کریں گے کہ یا اللہ! ان سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی جو آپ نے ہمیں عطا فرمادی ہیں، آپ نے تو سارے وعدے پورے فرمادیے، ہمارے تمام اعمال کا بدلہ ہم کو مل گیا، ساری نعمتیں ہم کو عطا فرما دیں، اب اس کے بعد ہمیں کسی نعمت کی خواہش نظر نہیں آتی، ساری راحتیں حاصل ہوگئیں، ساری لذتیں حاصل ہوگئیں، اب اور کیا نعمت باقی ہے؟ لیکن

روایت میں آتا ہے کہ اس وقت بھی علماء کام آئیں گے، چنانچہ لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے کہ آپ بتائیں کہ کونسی نعمت ایسی ہے جو ابھی باقی رہ گئی ہے اور ہمیں نہیں ملی ہے۔ چنانچہ علماء بتائیں گے کہ ایک نعمت باقی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگو، وہ ہے اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ چنانچہ تمام اہل جنت بیک زبان ہو کر عرض کریں گے کہ یا اللہ! ایک عظیم نعمت تو ابھی باقی ہے، وہ ہے آپ کا دیدار۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہاں تمہاری یہ نعمت باقی ہے، اب تمہیں اس نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنا جلوہ تمام اہل جنت کو دکھائیں گے، اور اس جلوہ کو دیکھنے کے بعد ہر اہل جنت یہ محسوس کرے گا کہ ساری نعمتیں جو اس سے پہلے دی گئی تھیں وہ اس عظیم نعمت کے آگے ہیچ در ہیچ ہیں، اس سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ دیدار کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد اس دربار کا اختتام ہوگا اور پھر تمام اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس چلے جائیں گے۔

حسن و جمال میں اضافہ

جب وہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں پر واپس پہنچیں گے تو ان کی بیویاں اور حوریں ان سے کہیں گی کہ آج کیا بات ہوئی کہ آج تمہارا حسن و جمال پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکا ہے، آج تو تم بہت حسین و جمیل بن کر لوٹے ہو۔ جواب میں اہل جنت اپنی بیویوں سے کہیں گے کہ ہم تمہیں جس حالت میں چھوڑ کر گئے تھے، تم اس سے کہیں زیادہ حسین و جمیل اور خوبصورت نظر آرہی ہو۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں کے حسن و جمال میں اضافہ اس خوشگوار ہوا کی بدولت ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے چلائی تھی۔ بہرحال، یہ جنت میں جمعہ کے دن کے اجتماع اور دربار خداوندی کی ایک چھوٹی سی منظر کشی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کا کچھ حصہ عطا

فرمادے۔ آمین۔

جنت کی نعمتوں کا تصور نہیں ہو سکتا

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ کوئی بھی لفظ اور کوئی بھی تعبیر اور کوئی بھی منظر کشی جنت کے حالات کا صحیح منظر نہیں کھینچ سکتی۔ اس لئے کہ ایک حدیث قدسی میں خود اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات، ولا اذن سمعت، ولاخطر علی قلب بشر﴾

"یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو آج تک کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دل میں اس کا خیال بھی نہیں گزرا"۔

اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں کے نام تو دنیا کی نعمتوں جیسے ہیں۔ مثلاً وہاں پر طرح طرح کے پھل ہوں گے، انار ہوں گے، کھجور ہوگی، لیکن ان کی حقیقت ایسی ہوگی کہ آج ہم دنیا میں اس کا تصور نہیں کرسکتے کہ وہ کیسی کھجور ہوگی، کیسا انار ہوگا اور کیسے انگور ہوں گے، ان کی حقیقت کچھ اور ہوگی۔

روایت میں آتا ہے کہ جنت میں محلات ہوں گے۔ اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جیسے محلات ہوتے ہیں ایسے محلات ہوں گے، لیکن حقیقت میں یہاں بیٹھ کر ان محلات کا تصور ہی نہیں کرسکتے۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ شراب اور دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ اب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ دنیا کے دودھ اور شہد کی طرح ہوں گے، جس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ حالانکہ وہاں کے شہد، شراب، اور دودھ کا ہم یہاں پر بیٹھ کر تصور ہی نہیں کرسکتے۔

جنّت میں خوف اور غم نہیں ہوگا

جنّت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت جو دنیا کے اندر ہمارے لئے ناقابل تصور ہے اور وہ دنیا میں کسی انسان کے تصور میں آہی نہیں سکتی، وہ یہ ہے کہ وہاں نہ خوف ہوگا اور نہ حزن اور غم ہوگا، وہاں نہ ماضی کا غم ہوگا نہ مستقبل کا اندیشہ ہوگا۔ یہ وہ نعمت ہے جو دنیا میں کبھی کسی کو میسر آہی نہیں سکتی، اس لئے کہ یہ عالم دنیا اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ یہاں کوئی خوشی کامل نہیں، کوئی لذت کامل نہیں پھر ہر خوشی کے ساتھ کوئی نہ کوئی غم ضرور لگا ہوا ہے، ہر لذّت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تلخی ضرور لگی ہوئی ہے۔ مثلاً آپ کھانا کھا رہے ہیں، کھانا بڑا لذیذ ہے، کھانے میں بڑا مزہ آرہا ہے، لیکن یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ اگر زیادہ کھالیا تو بدہضمی ہوجائے گی۔ یا مثلاً آپ کوئی مشروب پی رہے ہیں، بڑا اچھا لگ رہا ہے، لیکن ساتھ یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ اگر زیادہ پی لیا تو کہیں پھندا نہ لگ جائے، کسی نہ کسی تکلیف کا، کسی نہ کسی رنج کا، کسی نہ کسی غم کا اندیشہ ضرور لگا ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جنّت کے عالم کو ہر اندیشہ، ہر غم، ہر تکلیف سے خالی بنایا ہے، وہاں کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، کوئی غم نہیں ہوگا، وہاں پر نہ ماضی کا غم ہوگا، اور نہ مستقبل کا اندیشہ ہوگا، وہاں کسی خواہش کے پورے نہ ہونے کی حسرت نہیں ہوگی بلکہ جو خواہش ہوگی وہ پوری ہوگی۔

جنّت کی نعمتوں کی دنیا میں جھلک

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہل جنّت کی ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا، مثلاً یہ خواہش پیدا ہوئی کہ فلاں انار کا رس پیوں، اب یہ نہیں ہوگا کہ تمہیں انار توڑ کر اس کا جوس نکالنا پڑے گا بلکہ انار کا جوس خود تمہارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنّت کی نعمتوں کی تھوڑی تھوڑی جھلکیاں دنیا کے اندر بھی دکھائی ہیں، پہلے جب جنّت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو لوگ ان کو بہت عجیب ناقابل

یقین سمجھتے تھے کہ یہ طلسماتی باتیں ہیں اور ان باتوں پر یقین کرنے میں لوگوں کو تامل ہوتا تھا۔ لیکن آج اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ جب انسان نے اپنی محدود سے محدود عقل کے بل بوتے پر اور تجربے کے بل بوتے پر ایسے کام کر دکھائے کہ اگر سو سال پہلے ان کاموں کے بارے میں لوگوں کو بتا دیا جاتا تو لوگ پاگل اور دیوانہ کہتے۔ مثلاً سو سال تو دور کی بات ہے، اگر آج سے صرف بیس سال پہلے یہ کہا جاتا کہ ایک ایسا آلہ ایجاد ہونے والا ہے جو ایک منٹ میں تمہارے خط کو امریکہ اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دے گا تو خبر دینے والے کو پاگل کہا جاتا کہ پاکستان کہاں اور امریکہ کہاں، اگر ہوائی جہاز سے بھی جائے تب بھی کم از کم بیس بائیس گھنٹے لگیں گے، ایک منٹ میں خط کیسے پہنچ جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فیکس مشین اور ٹیلکس مشین کی ایجاد کے ذریعے دکھا دیا، یہاں فیکس مشین میں خط ڈالا اور وہاں اس کی کاپی اسی وقت نکل آئی۔ اس محدود عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے آلات ایجاد کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ جب یہ محدود انسان اپنی محدود عقل کے بل بوتے پر ایسے ایسے کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی رحمت کاملہ سے اپنے بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا نہیں فرما سکتے کہ ادھر اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ادھر وہ خواہش پوری ہو جائے؟

یہ جنت متقین کے لئے ہے

بات دراصل یہ ہے کہ جب تک انسان کے سامنے حقائق نہیں آتے، اس وقت تک وہ اعلیٰ درجے کی چیزوں کو ناقابل یقین تصور کرتا ہے، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام، جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا جو دنیا کے کسی بھی انسان کو عطا نہیں کیا گیا، انہوں نے ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں یقینی خبریں دی ہیں کہ اس سے زیادہ یقینی خبریں اور کوئی نہیں ہو سکتیں۔ لہذا یہ ساری خبریں سچی ہیں اور ہزار درجہ سچی ہیں، اور جنت حق ہے، اس کی نعمتیں حق ہیں اسی کے بارے

میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وسارعوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے اور یہ جنت متقین کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں، تقویٰ اختیار کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہوں۔

جنت کے گرد کانٹوں کی باڑ

بہر حال، یہ جنت جو عظیم الشان ہے اور جس کی نعمتیں عظیم الشان ہیں، لیکن اسی جنت کے بارے میں ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ان الجنة حفت بالمکارہ﴾

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جنت کو ایسی چیزوں سے گھیرا ہوا ہے جو ظاہری طور پر انسان کے نفس کو شاق ہوتی ہیں اور ناگوار ہوتی ہیں، جیسے ایک بہت عالیشان محل ہے لیکن اس محل کے ارد گرد کانٹوں کی باڑ لگی ہوئی ہے، اس محل میں داخل ہونے کے لئے کانٹوں کی باڑ کو عبور کرنا ہی پڑے گا، اور جب تک کانٹوں کی اس باڑ کو پار نہیں کرو گے اس محل کی لذتیں اور نعمتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالیشان جنت کے گرد ان چیزوں کی باڑ لگائی ہے جو انسان کے نفس کو شاق گزرتی ہیں، مثلاً فرائض و واجبات لازم کر دیے کہ یہ فرائض انجام دو۔ اب آدمی کے نفس کو یہ بات شاق گزرتی ہے کہ اپنے سب کام چھوڑ کر مسجد جائے اور مسجد میں جاکر نماز ادا کرے۔ اسی طرح بہت سے کام جن کے کرنے کو انسان کا

دل چاہتا ہے لیکن ان کو حرام اور گناہ قرار دیدیا گیا۔ مثلاً یہ حکم دیدیا گیا کہ اس نگاہ کی حفاظت کرو، یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے، نامحرم پر نہ پڑے، اور یہ نگاہ غلط اور ناجائز پروگرام نہ دیکھے۔ ان سب کاموں سے رکنا انسان پر شاق گزرتا ہے، اب اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ یہ کام کرے لیکن اس کو روک دیا گیا۔ یہی کانٹوں کی باڑ ہے جو جنت کے گرد لگی ہوئی ہے۔ یا مثلاً مجلس میں دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، کسی کا ذکر آگیا، اب دل چاہ رہا ہے کہ اس کی خوب غیبت کریں، لیکن یہ حکم دیدیا گیا کہ نہیں، غیبت مت کرو، اپنی زبان روک لو، یہ ہے کانٹوں کی باڑ۔ اگر جنت کو حاصل کرنا ہے تو کانٹوں کی اس باڑ کو عبور کرنا ہوگا، اس کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔

دوزخ کے گرد شہوات کی باڑ

اسی حدیث میں پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

﴿حجبت النار بالشهوات﴾

یعنی دوزخ کے گرد اللہ تعالیٰ نے شہوات کی باڑ لگادی ہے، دوزخ کو بڑی خوشنما چیزوں اور دلکش خواہشات نے گھیر رکھا ہے، دل ان کی طرف بھاگنے کو چاہتا ہے، لیکن اس کے اندر آگ ہی آگ ہے۔

یہ کانٹوں کی باڑ بھی پھول بن جاتی ہے

بہرحال، اس جنت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگی ہوئی ہے، لیکن یہ کانٹے بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے بنائے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمت اور عزم کرلے کہ مجھے کانٹوں کی یہ باڑ عبور کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کانٹوں کو بھی پھول بنا دیتے ہیں۔ یہ کانٹے اس وقت تک کانٹے ہیں جب تک ان کو دور دور سے دیکھو گے اور جب تک

ان کا تصور کرتے رہو گے تو یہ کانٹے ہیں اور ان کا عبور کرنا مشکل نظر آئے گا، لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ کر اور ہمت کر کے ارادہ کرلیا کہ میں تو کانٹوں کی یہ باڑ عبور کر کے رہوں گا اور مجھے اس کانٹے کی باڑ کے پیچھے وہ باغ نظر آرہا ہے اور اس کی نعمتیں نظر آرہی ہیں اور مجھے اس کانٹوں کی باڑ کو پار کر کے اس باغ میں جانا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کانٹوں کو بھی پھول بنا دیتے ہیں اور اس کو گلزار بنا دیتے ہیں۔

ایک صحابی کا جان دیدینا

ایک صحابی جہاد میں شریک ہیں، انہوں نے دیکھا کہ دشمن کا لشکر بڑی طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہا ہے اور اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے تو اس وقت بے ساختہ زبان پر جو کلمہ آیا وہ یہ تھا کہ:

غدا نلقی الاحبۃ　　محمدا وصحبہ

یعنی وہ وقت آگیا کہ کل ہماری ملاقات اپنے محبوبوں سے اور دوستوں سے ہوگی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے اس عالم آخرت میں ملاقات ہوگی۔ گویا کہ آگ اور خون کا جو کھیل ہو رہا تھا، جس میں لاشیں تڑپ رہی تھیں اور جان دینا جو سب سے زیادہ مشکل نظر آرہا تھا، لیکن وہ صحابی اس جان دینے کی تکلیف کو خوشی خوشی سہنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ کے راستے میں لڑنے والا شہید ہوتا ہے اور اس کو موت آتی ہے تو اس کو موت آنے کی تکلیف اتنی بھی نہیں ہوتی جتنی چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت جنت تک پہنچنے کے لئے کانٹے کی باڑ حائل تھی جس کو عبور کرنا تھا لیکن جب عزم کرلیا کہ یہ جان تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اسی کو دینی ہے ۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جب یہ عزم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کانٹے کو پھول بنا دیا، اگر بستر پر مرتے تو نہ جانے کس طرح ایڑیاں رگڑ کر مرتے، کیا کیا تکلیف اٹھانی پڑتیں، لیکن ہم نے تمہارے لئے قتل ہونے کی تکلیف بھی ایسی بنادی جیسی چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے۔

دنیا والوں کے طعنوں کو قبول کر لو

بہر حال، یہ کانٹے بھی دور دور سے دیکھنے کے کانٹے ہیں، لیکن جب آدمی ایک مرتبہ عزم اور ہمت کرلے اور اس کی طرف چل پڑے تو اللہ تعالیٰ ان کانٹوں کو بھی اس کے لئے پھول بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ جو سوچتے رہتے ہیں کہ اگر ہم نے دین کے فلاں حکم پر عمل کر لیا یا فلاں گناہ سے بچ گئے یا فلاں کام کر لیا تو اول نفس کو بڑی مشقت ہوگی۔ پھر دوسری طرف معاشرے کا خیال آتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ تو بالکل مولوی ہوگیا، یہ تو پرانے وقت کا آدمی ہوگیا، یہ تو زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کو تیار نہیں، اس قسم کے طعنے ملنے کا خیال آتا ہے، یاد رکھو! یہ سب کانٹے ہیں اور جنت تک پہنچنے کے لئے راستے میں جو کانٹوں کی باڑ لگی ہوئی ہے یہ بھی انہی میں سے ہیں۔ جب تم ایک مرتبہ ان کانٹوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لو گے اور ان سے یہ کہہ دو گے کہ ہاں! ہم مولوی ہیں اور بیک ورڈ ہیں، لیکن ہم ایسے بیک ورڈ ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی طرف دیکھنے والے ہیں۔ جب تم ایک مرتبہ یہ عزم کر لو گے تو یقین رکھو کہ یہ سب کانٹے تمہارے لئے پھول بن جائیں گے۔

عزت دین پر چلنے والوں کی ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ اس دنیا کے اندر دکھا دیتے ہیں کہ ان طعنہ دینے والے اور الزام عائد کرنے والوں کی زبانیں رک جاتی ہیں اور بالآخر اللہ تعالیٰ عزت انہی لوگوں کو عطا

فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ عزت انہی کی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہوں۔ عہد رسالت میں منافقین بھی مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو عزت والے ہیں، اور مسلمان ذلیل ہیں، اور جب مدینہ منورہ جائیں گے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو باہر نکال دیں گے یعنی مسلمانوں کو۔ چنانچہ یہ منافقین مسلمانوں کو ذلیل ہونے کا طعنہ دیا کرتے تھے، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين ولكن المنٰفقين لا يعلمون﴾

"یعنی عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے رسول کے لئے ہے اور مؤمنین کے لئے ہے، لیکن منافقین نہیں جانتے، ان کو حقیقت حال کا پتہ نہیں"۔

پھر عبادتوں میں لذت آئے گی

تو جنت کے ارد گرد کانٹے ضرور ہیں لیکن یہ آزمائش کے کانٹے ہیں، جب تم اس کے قریب جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ انہی کانٹوں کو پھول بنادیں گے اور پھر یہی عبادتیں جو تم پر شاق گزر رہی تھیں، انہی عبادتوں میں وہ لذت حاصل ہوگی کہ دنیا کے بڑے سے بڑے لذیذ کام میں حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرة عيني في الصلاة میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یعنی یہ نماز ویسے تو عبادت ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی لذت عطا فرمائی ہے کہ دنیا کی ساری لذتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔

گناہ چھوڑنے کی تکلیف

اسی طرح گناہ چھوڑنے میں بیشک مشقت معلوم ہوتی ہے، دل پر آرے چل جاتے ہیں، لیکن دل پر آرے چلنے کے باوجود آدمی اللہ کے لئے یہ گناہ چھوڑدے اور یہ کہے کہ میں اپنی ان خواہشات کو اللہ کے آگے قربان کر رہا ہوں تو ابتداء میں ضرور مشقت ہوتی ہے لیکن بالآخر پھر ان خواہشات کو کچلنے ہی میں مزہ آتا ہے۔ جب بندہ یہ تصور کرتا ہے کہ میں یہ خواہشات اپنے مالک کے لئے کچل رہا ہوں، اپنے خالق کے لئے کچل رہا ہوں تو پھر اس کو اسی میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

ماں بچے کی تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے؟

دیکھئے! ایک ماں ہے اور اس کا چھوٹا سا بچہ ہے، سردی کی رات ہے اور ماں اپنے بچے کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہے، اتنے میں بچے نے پیشاب پاخانہ کردیا، اب وہ ماں اس گرم اور نرم لحاف اور بستر کو چھوڑ کر اس بچے کے کپڑے بدل رہی ہے، اس کا بستر اور کپڑے ٹھنڈے پانی سے دھو رہی ہے، اب اس وقت میں اپنی نیند خراب کرکے ٹھنڈے پانی سے یہ کام کرنا کتنا مشکل کام ہے، لیکن وہ ماں یہ سب کام کرتی ہے اور اس کو اس کام میں مشقت بھی ہوتی ہے، لیکن جب وہ یہ تصور کرتی ہے کہ میں یہ کام اپنے بچے کے لئے کررہی ہوں، اپنے جگر کے ٹکڑے کے لئے کررہی ہوں تو اس مشقت ہی میں اس کو لطف اور مزہ آنے لگتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس خاتون سے کہے کہ تجھے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، راتوں کو اٹھنا پڑتا ہے، سردی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر تیرا یہ بچہ تجھ سے چھن جائے تو تیری یہ مشقتیں اور تکلیفیں دور ہوجائیں، تو خاتون یہ کہے گی کہ اس مشقت سے ہزار گنا مشقت اور تکلیف برداشت کرنے کو تیار ہوں لیکن میرا بچہ مجھ سے نہ چھن جائے۔ کیوں ایسا کہے گی؟ اس لئے کہ اس خاتون کو اس بچہ سے محبت ہے اور اس کی محبت

کی خاطر سخت سے سخت کام کرنے کو نہ صرف تیار ہے بلکہ اس کو اسی مشقّت اور تکلیف میں مزہ آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ایک بندے کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوجاتی ہے، تو پھر اللہ کی راہ میں اپنے نفس کی خواہشات کو کچلنے میں وہ لذّت حاصل ہوتی ہے جو خواہشات کے پورا کرنے میں حاصل نہیں ہوتی۔

جنّت اور عالَم آخرت کا مراقبہ کریں

بہر حال، جنت کی یہ نعمتیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور سارا قرآن کریم ان نعمتوں کے تذکرے سے بھرا ہوا ہے، یہ اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ انسان ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کانٹوں کی اس باڑ کو عبور کرے جو اس جنت کے اردگرد لگی ہوئی ہے۔ اس کے لئے بزرگوں نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ اس دنیا میں رہ کر انسان جنت کی ان نعمتوں کا کبھی کبھی تصور اور دھیان کیا کرے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں کہ "ہر مسلمان کو چاہئے کہ روزانہ تھوڑی دیر بیٹھ کر عالَم آخرت کا تصور کیا کرے اور خاص طور پر جنت کی نعمتوں کا تصور کیا کرے، اور یہ مراقبہ کرے کہ میں دنیا سے جارہا ہوں، قبر میں رکھ دیا گیا ہوں، لوگ مجھے دفن کر کے رخصت ہوگئے ہیں، پھر عالَم برزخ میں پہنچ گیا، پھر عالَم آخرت شروع ہوگیا، یہاں حساب کتاب ہورہا ہے، میزان لگی ہوئی ہے، پل صراط لگا ہوا ہے، ایک طرف جنت ہے، دوسری طرف جہنّم ہے، اور پھر جنت کے اندر یہ نعمتیں ہیں اور جہنّم کے اندر اس اس طرح کے عذاب ہیں۔ اس طرح تھوڑی دیر بیٹھ کر ان تمام چیزوں کا تصور اور دھیان کیا کرے۔ اس لئے کہ ہم صبح سے شام تک دنیا کی زندگی میں مصروف رہنے کی وجہ سے اس عالَم آخرت سے غافل ہوگئے ہیں۔ الحمد للہ ہم سب کا یہ عقیدہ ہے اور اس پر یقین ہے کہ اس دنیا سے ایک دن جانا ہے، اور آخرت آنے والی ہے، لیکن تنہا عقیدہ اور یقین کافی نہیں بلکہ اس کا استحضار بھی ضروری ہے اور اس کا دھیان بھی ضروری ہے،

یہ دھیان اور استحضار ہی انسان کو اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور معصیت اور گناہ سے روکتا ہے۔ اس وجہ سے تھوڑا وقت نکال کر آخرت کا دھیان اور مراقبہ کرو، اس دھیان اور مراقبہ کے نتیجے میں انشاء اللہ آخرت کا استحضار پیدا ہوگا۔

دنیا کے کاموں کے اندر آخرت کا دھیان اور استحضار تمہیں اللہ کی اطاعت پر آمادہ کرے گا اور معصیت اور گناہ سے بچنے میں مدد دے گا۔ جنت کی ان نعمتوں کے بیان کرنے کا یہی مقصود ہے جو قرآن و حدیث میں بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو جنت کی نعمتوں کا استحضار عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فکرِ آخرت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۴ / مارچ ۱۹۸۸ء

مقام خطاب : جامع مسجد حقانیہ ساہیوال سرگودھا

وقت خطاب : بعد نمازِ عشاء

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

عرضِ ناشر

۱۴ مارچ ۱۹۸۸ء کو بعد نماز عشاء جامع مسجد حقانیہ ساہیوال سرگودھا میں مجلس صیانۃ المسلمین کے دوسرے عظیم الشان اجتماع سے محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم استاذ حدیث ونائب صدر دارالعلوم کراچی و جسٹس شریعت بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان نے ایک فکر انگیز بصیرت افروز اور مؤثر خطاب فرمایا، جس میں فکر آخرت کا مفید درس دیا، مجلس کے رضاکار جناب حافظ عبدالغفور صاحب ترمذی اور محترم حافظ غلام رسول صاحب کے تعاون سے اس کو ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر آخرت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ (سورۃ الاعلیٰ: ۱۷)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین۔﴾

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم اور برادران عزیز، وکارکنان مجلس صیانۃ المسلمین ساہیوال! یہ میرے لئے بہت عظیم سعادت کا موقع ہے کہ آج اپنے محترم بزرگوں کی زیارت اور صحبت سے استفادہ کا موقع اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

ہماری ایک بیماری

میں نے ایک آیت تلاوت کی جو سورہ اعلیٰ کی آیت ہے اور قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت لے لیجئے وہ الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہوگی، لیکن اگر اس کے معنی اور مفہوم کو دیکھا جائے اور اس کی گہرائی میں جایا جائے تو تنہا وہ چھوٹی سی آیت بھی انسان کی پوری زندگی کا دستور بن جاتی ہے یہ چھوٹی سی آیت ہے اس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾

اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے ہماری آپ کی ایک بنیادی بیماری کی تشخیص فرمائی ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری پائی جاتی ہے۔

اور وہ ایسی بیماری ہے کہ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لئے تباہی اور ہلاکت لانے والی ہے۔ وہ بیماری بتائی اور پھر اس بیماری کا علاج بتایا۔ دو مختصر جملوں میں بیماری بھی بتادی، بیماری کا علاج بھی بتادیا یہ بھی بتایا کہ تمہارے اندر کیا خرابی ہے، اور یہ بھی بتادیا کہ اس خرابی سے بچنے کا راستہ کیا ہے۔ فرمایا کہ:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾

تمہاری بنیادی خرابی یہ ہے کہ تم ہر معاملے میں اس دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، دنیوی زندگی کے دائرے میں رہ کر سوچتے ہو، اسی کی بھلائی، اسی کی فلاح، اسی کی خوشحالی ہر وقت تمہارے پیش نظر رہتی ہے۔ اور اس دنیوی زندگی کو تم کس پر ترجیح دیتے ہو؟ مرنے کے بعد والی آخرت والی زندگی پر۔ اس پر ترجیح دیتے ہو، یہ تو تمہاری بیماری ہے، اور اب بیماری کا علاج کیا ہے؟

اس بیماری کا علاج

علاج یہ ہے کہ ذرا یہ بات سوچو کہ یہ دنیا جس کی خاطر تم دوڑ دھوپ کر رہے ہو، تمہاری مسلسل جدوجہد تمہاری دوڑ دھوپ تمہاری شب و روز کی کوشش ساری اسی دنیا کی خوشحالی کے گرد گھوم رہی ہیں۔ تمہاری کوشش یہ ہے کہ میرا مکان اچھا بن جائے، مجھے پیسے مل جائیں، میری دنیا میں عزت ہو، لوگ میرا نام جانیں، لوگوں میں میری شہرت ہو جائے، مجھے بڑا منصب مل جائے، مجھے بڑا مرتبہ حاصل ہو جائے، ساری تمہاری سوچ کا محور یہ دنیوی زندگی بنی ہوئی ہے۔

لیکن کیا کبھی تم نے یہ سوچا کہ جس کی خاطر یہ ساری دوڑ دھوپ کر رہے ہو، جس کی خاطر حلال و حرام ایک کر رکھا ہے، جس کی خاطر لڑائیاں مول لے رہے ہو، جس کی خاطر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہو، وہ کتنے دن کی زندگی ہے؟

اور اس کے بعد مرنے کے بعد جو زندگی آنے والی ہے وہ اس کے مقابلے میں کیسی خیر کی زندگی ہے اور یہاں کی زندگی کے مقابلے میں بہتر ہے یہاں کی زندگی کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائیدار غیر متناہی ہے۔

کوئی خوشی کامل نہیں

خوب سمجھ لیجئے دنیا کی کوئی خوشی کامل نہیں، ہر خوشی کے ساتھ غم کا کانٹا لگا ہوا ہے۔ کسی فکر کا کسی صدمے کا کسی تشویش کا کانٹا لگا ہوا ہے۔ کوئی خوشی کامل نہیں کوئی لذت کامل نہیں۔ کھانا اچھا رکھا ہوا ہے بھوک لگی ہوئی ہے اس کے کھانے میں لذت آرہی ہے لیکن کوئی فکر دماغ کے اوپر مسلط ہے اس کی وجہ سے سارا کھانا اکارت ہو رہا ہے اس کی لذت مکدر ہو رہی ہے دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جو کامل ہو۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ مال و دولت جمع کرلوں گا تو اطمینان حاصل ہو جائے گا، سکون مل جائے گا لیکن آپ ذرا بڑے بڑے سرمایہ داروں، بڑے بڑے مل کے مالکوں کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھئے بظاہر یہ نظر آئے گا کہ ملیں کھڑی ہوئی ہیں۔ عالیشان کاریں ہیں، شاندار بنگلے ہیں۔ حشم و خدم ہیں، نوکر چاکر ہیں، سارے اسباب راحت کے میسر ہیں۔ لیکن صاحب بہادر کو رات کے وقت نیند نہیں آتی۔ نیند لانے کے لئے گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ ڈاکٹر سے گولیاں لے لے کر کھا کھا کر نیند لاتے ہیں۔

آرام دہ بستر اور مسہریاں ہیں، ایئر کنڈیشن کمرے ہیں لیکن نیند نہیں آتی۔ اس کے مقابلے میں ایک مزدور ہے ایک کسان ہے جس کے پاس یہ مسہری تو نہیں، یہ گدے اور یہ بستر ے تو نہیں، لیکن رات کے وقت میں تھک کر اپنے سر کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ کر سوتا ہے آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ بتاؤ، رات اس سرمایہ دار کی اچھی گزری یا اس مزدور اور کسان کی اچھی گزری؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ اس کی کوئی خوشی کامل نہیں، کوئی لذت کامل نہیں، ہر خوشی کے ساتھ کوئی غم لگا ہوا ہے، اور ہر غم کے ساتھ کوئی خوشی لگی ہوئی ہے۔

تین عالم

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا کئے ہیں۔ ایک عالم ہے جس میں خوشی ہی خوشی ہے، لذت ہی لذت ہے، مزہ ہی مزہ ہے، غم کا نام نہیں، صدمے کا گزر نہیں۔ وہ عالم ہے جنت، اس میں غم صدمے کا کوئی گزر نہیں، فکر و تشویش کا کوئی راستہ نہیں۔ ایک عالم اللہ نے وہ پیدا کیا ہے جو صدمے ہی کی جگہ ہے اس میں غم ہی غم ہیں تکلیف ہی تکلیف ہے، پریشانی ہی پریشانی ہے، صدمہ ہی صدمہ ہے، اس میں خوشی کا گزر نہیں، اس میں راحت کا گزر نہیں وہ جہنم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

تیسرا عالم پیدا کیا یہ دنیا، یہ غم اور خوشی سے ملی جلی ہے۔ اس میں غم بھی ہے اس میں خوشی بھی ہے، اس میں لذت بھی ہے، اس میں راحت بھی ہے اس میں تکلیف بھی ہے۔ یہ دنیا دونوں چیزوں سے ملی جلی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس دنیا میں مجھے کوئی صدمہ نہ پہنچے، مجھے کوئی تکلیف نہ ہو، کوئی میری مرضی کے خلاف کام نہ ہو تو وہ دنیا کی حقیقت سے بے خبر ہے، اس دنیا میں یہ نہیں ہو سکتا۔ ارے اور تو اور اللہ کے محبوب ترین بندے یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس دنیا کے اندر تشریف لاتے ہیں تو ان کو تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کو بھی غم اٹھانے پڑتے ہیں ان کو بھی صدمے جھیلنے پڑتے ہیں۔

اگر اس دنیا میں کسی کو صرف راحت ملنی ہوتی، صرف خوشی ملنی ہوتی تو اللہ کے محبوب ترین پیغمبروں سے زیادہ اس کا حق دار کوئی نہیں تھا۔ لیکن ان پر بھی صدمے آئے اور ان پر بھی تکلیفیں آئیں، بلکہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل﴾

اس دنیا کے اندر سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء پر آتی ہیں، اس کے بعد جتنا جو قریب ہوتا ہے انبیاء سے اتنی ہی آزمائشیں اس کے اوپر آتی ہیں۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ دنیا کی کوئی خوشی کامل نہیں، کوئی لذت کامل نہیں، کوئی راحت کامل نہیں اور جتنی بھی خوشی مل جائے پائیدار نہیں، اور کچھ پتہ نہیں کہ اگلے لمحے یہ خوشی حاصل رہے گی یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اگلے گھنٹے ختم ہو جائے، ہو سکتا ہے کل ختم ہو جائے، ہو سکتا ہے اگلے مہینے ختم ہو جائے، ہو سکتا ہے کہ ایک سال چل جائے اس کے بعد ختم، تو نہ خوشی کامل اور نہ غم کامل۔

آخرت کی خوشی کامل ہوگی

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی خیر ہے، خیر کے معنی کامل ہے۔ اس کی لذت بھی کامل، اس کی رحمت بھی کامل، اس کے اندر خوشی بھی کامل اور پائیدار بھی ہے۔ یعنی ختم ہونے والی نہیں، جو نعمت مل گئی وہ ہمیشہ کے لئے ملے گی۔

حدیث کا مضمون ہے یہاں دنیا میں آپ کو ایک کھانا اچھا لگ رہا ہے، دل چاہ رہا ہے کھائیں، ایک پلیٹ کھائی دو پلیٹ کھائی ایک روٹی کھائی، آخر ایک حد ایسی آگئی کہ پیٹ بھر گیا اب اگر کھانا بھی چاہیں تو کھا نہیں سکتے، اسی کھانے سے نفرت ہوگئی، وہی کھانا جس کی طرف دل لپک رہا تھا، جس کی طرف آدمی شوق سے بڑھ رہا تھا، چند لمحوں کے اندر اس سے نفرت ہوگئی، اب کھانے کو دل بھی نہیں چاہتا، کوئی انعام بھی دینا چاہے ہزار روپیہ بھی دینا چاہے کہ کھالو، نہیں کھائے گا۔ کیوں؟ اس پیٹ کی ایک حد تھی وہ حد آگئی، اس کے بعد اس میں گنجائش نہیں اور نہیں کھاتا۔ لیکن آخرت میں جو کھانا آئے گا یا جو بھی غذا ہوگی اس میں یہ مرحلہ نہیں آئے گا کہ صاحب اب پیٹ بھر گیا دل تو چاہ رہا ہے، کھایا نہیں جاتا، یہ مرحلہ جنت میں نہیں۔ جو لذت وہ کامل ہے اس میں کوئی تکدر نہیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخرت بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی ہے۔ دنیا بہتر بھی نہیں، بھی ہے اور ناپائیدار بھی ہے۔ اس کے باوجود تمہارا یہ حال ہے کہ دنیوی زندگی ہی کو ترجیح دیتے ہو شب و روز اس کی دوڑ دھوپ میں مگن ہو اور آخرت کا خیال نہیں کرتے۔

اس آیت میں اب ہم ذرا غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے سارے امراض ساری بیماریوں کی جڑ اور اس کا علاج بھی بتادیا۔ جڑ کیا؟

موت یقینی ہے

اس دنیا کے اندر کوئی بات اتنی یقینی نہیں ہے اتنی متفق علیہ نہیں ہے کہ جتنی

یہ بات یقینی اور متفق علیہ ہے کہ ہر انسان کو ایک دن مرنا ہے۔ کوئی بات اس سے زیادہ یقینی نہیں۔ یعنی یہ وہ بات ہے کہ جس کو مسلمان تو مسلمان کافر بھی مانتا ہے کہ ہاں! ایک دن وہ ضرور مرے گا۔ آج تک اس کائنات میں کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہو جس نے یہ نظریہ پیش کیا ہو کہ انسان کو موت نہیں آئے گی۔ لوگوں نے خدا کا انکار کردیا کہنے والوں نے کہہ دیا کہ خدا کو نہیں مانتے، لیکن موت سے انکار کرنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا، بڑے سے بڑا دہریہ، بڑے سے بڑا ملحد، بڑے سے بڑا منکر خدا وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے موت نہیں آئے گی، اور سب باتوں میں اختلاف۔ لیکن یہ بات ایسی ہے کہ اس پر سب متفق ہیں کہ موت آنی ہے مرنا ہے۔ اس بات پر بھی سب متفق ہیں کہ مرنے کے دن کا پتہ نہیں کہ کب مریں گے۔ سائنس ترقی کرگئی، لوگ چاند پر پہنچ گئے، مریخ پر پہنچ گئے، کمپیوٹر ایجاد ہوگئے۔ مصنوعی آدمی ایجاد ہوگئے سب کچھ ہوگیا۔ لیکن پوچھو ان سائنسدانوں سے کہ بتاؤ بھائی جو سامنے بیٹھا ہوا انسان ہے، اس کی موت کب آئے گی؟

ساری سائنس سارے علوم فنون یہاں آکر عاجز ہیں کوئی نہیں بتاسکتا کہ موت کب آئے گی لیکن عجیب معاملہ ہے کہ جتنی یہ بات یقینی ہے کہ مرنا ہے اور جتنا اس کا وقت غیر یقینی ہے اتنا ہی اس موت سے ہم اور آپ غافل ہیں۔

ذرا گریبان میں ہم سب منہ ڈال کر دیکھیں۔ صبح بیدار ہونے سے لے کر رات کو بستر پر جانے تک اس پورے وقت میں کیا کچھ سوچتے ہیں کیا کیا خیالات آتے ہیں دنیا داری کے روزگار کے، محنت مزدوری کے، ملازمت کے، تجارت کے، زراعت کے، کاشتکاری کے، خدا جانے کیا کیا خیالات آتے ہیں۔ کیا کبھی خیال آتا ہے کہ ایک دن قبر میں جاکے سونا ہے؟ کبھی خیال آتا ہے کہ قبر میں جانے کے بعد کیا حالت پیش آنے والی ہے۔

حضرت بہلول کا واقعہ

ایک بزرگ گزرے ہیں ان کا نام تھا بہلول۔ "بہلول مجذوب" کہلاتے تھے۔ مجذوب قسم کے آدمی تھے۔ لیکن باتیں بڑی حکمت کی کیا کرتے تھے۔ اس واسطے ان کو لوگ بہلول دانا بھی کہتے ہیں۔ بہلول حکیم بھی، مجذوب بھی۔

ہارون رشید کے زمانے میں تھے اور ہارون رشید ان سے کبھی مذاق بھی کیا کرتا تھا، اور اعلان کر رکھا تھا کہ جب بہلول مجذوب میرے پاس آنا چاہیں تو کوئی ان کے لئے رکاوٹ نہ ہوا کرے۔ سیدھا میرے پاس پہنچ جائیں۔ ایک دن ایسے ہی ہارون رشید کے پاس پہنچ گئے، ہارون رشید مذاق تو کرتے تھے۔ ہارون رشید کے ہاتھ میں چھڑی تھی، وہ چھڑی اٹھا کر انہوں نے بہلول کو دی اور کہا میاں بہلول یہ چھڑی میں تم کو امانت کے طور پر دیتا ہوں ایسا کرنا کہ اس دنیا میں جو شخص تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف ملے اس کو یہ چھڑی میری طرف سے ہدیہ دے دینا اشارہ اس طرف تھا کہ تم سے زیادہ بے وقوف تو کوئی دنیا میں ہے ہی نہیں۔ تو اگر تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف کوئی شخص ملے تو اس کو دے دینا۔ بہلول نے وہ چھڑی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ مہینے گزر گئے، سال گزر گئے، اتفاق سے ہارون رشید بیمار پڑ گئے۔ بیمار ایسے پڑے کہ بستر سے لگ گئے، نہ کہیں آنا، نہ کہیں جانا حکیموں نے کہیں جانے آنے سے منع کر دیا۔

بہلول عیادت کے لئے ہارون رشید کے پاس پہنچے۔ جا کر کہا کہ امیر المؤمنین کیا حال ہے؟ کہا بہلول کیا حال سناؤں بہت لمبا سفر درپیش ہے۔ کہاں کا سفر امیر المؤمنین؟ کہا کہ آخرت کا سفر، اچھا تو وہاں پر آپ نے کتنے لشکر بھیجے ہیں، کتنی چھولداریاں؟ کتنے خیمے؟ ہارون رشید نے کہا بہلول تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو، وہ سفر ایسا ہے کہ اس میں کوئی خیمہ نہیں جاتا کوئی آدمی کوئی باڈی گارڈ کوئی لشکر ساتھ نہیں جاتا۔ اچھا جناب واپس کب آئیں گے؟ کہا کہ پھر تم نے ایسی بات شروع کردی

وہ سفر آخرت کا سفر ہے، اس میں جانے کے بعد کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔

اچھا اتنا بڑا سفر ہے کہ وہاں سے کوئی واپس بھی نہیں آتا اور کوئی آدمی بھی وہاں پہلے سے نہیں جاسکتا، کہا کہ ہاں بہلول وہ ایسا ہی سفر ہے۔ کہا کہ امیر المؤمنین پھر تو ایک امانت میرے پاس آپ کی بہت مدت سے رکھی ہوئی ہے جو آپ نے یہ کہہ کر دی تھی کہ اپنے سے زیادہ بے وقوف آدمی کو دے دینا، آج مجھے اس چھڑی کا مستحق آپ سے زیادہ کوئی نظر نہیں آتا۔ اس واسطے کہ میں دیکھتا تھا کہ جب آپ کو چھوٹا سا بھی سفر درپیش ہوتا جہاں سے جلدی واپسی ہوتی تو اس کے لئے آپ پہلے سے بہت سا لشکر بھیجا کرتے تھے۔ وہ آپ کا راستہ تیار کرتے تھے منزلیں قائم کرتے تھے، لیکن اب آپ کا اتنا لمبا سفر ہو رہا ہے، اس کی کوئی تیاری بھی نہیں ہے اور جہاں سے واپس آنا بھی نہیں ہے تو مجھے اپنے سے زیادہ بے وقوف صرف آپ ہی ملے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی نہیں، یہ چھڑی آپ ہی کو مبارک ہو۔ ہارون رشید یہ بات سن کر رو پڑے، کہا کہ بہلول: ہم تمہیں دیوانہ سمجھا کرتے تھے، لیکن معلوم یہ ہوا کہ تم سے زیادہ حکیم کوئی نہیں۔

موت کو یاد کرو

واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ذرا سا کوئی معمول کے خلاف سفر درپیش آجائے تو اس کی پہلے سے تیاریاں ہیں اس کے تذکرے ہیں اس کے لئے پہلے سے کیا کچھ منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن جب آخرت کا سفر پیش آتا ہے اور وہ سفر بھی ایسا ہے بیٹھے بیٹھے پیش آجاتا ہے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب میرے بغیر اس دنیا کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ میں نہیں ہوں گا تو بچوں کا کیا ہوگا؟ بیوی کا کیا ہوگا؟ اور کاروبار کا کیا ہوگا؟ وہ وقت آرہا ہے لیکن ہم اور آپ اس کے بارے میں سوچنے کے لئے تیار نہیں۔ اپنے ہاتھوں سے جنازوں کو کندھے دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو قبر میں اتارتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے ان کو مٹی دے کر آتے ہیں۔

لیکن یہ سمجھ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ان کے ساتھ ہوگیا یہ واقعہ۔ ہمارا اس کے ساتھ کیا تعلق؟

سرکار دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔

ذرا ہم اپنا جائزہ لیں کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کتنا وقت ہم اس موت کو یاد کرنے میں صرف کرتے ہیں؟ بہرحال، اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادیا کہ تمہاری بنیادی بیماری یہ ہے کہ تم آخرت سے غافل ہو آخرت اگر تمہارے پیش نظر ہوجائے، آخرت تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے اور اس کی فکر تمہارے دل و دماغ پر سوار ہوجائے۔ تمہاری ساری زندگی کی مشکلات ختم ہوجائیں۔ سارے جرائم ساری بدامنی ساری بدعنوانیاں اس بنیاد پر ہیں کہ اسی دنیا کے گرد ہمارا دماغ چکر لگارہا ہے۔ آخرت کی طرف نہیں دیکھتا۔ آخرت کو نہیں سوچتا، اس کا مال ہڑپ کرلوں، اس کا حق ضائع کردوں، اس کا خون پی جاؤں۔ یہ سب اس لئے کرتا ہے، تاکہ میری دنیا درست ہوجائے۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کی کچھ فکر نہیں۔

اور یہ فکر سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی، اور یہ جو کچھ آپ سیرت کے اندر امن و امان کے سکون اور اطمینان کے واقعات پڑھتے ہیں، وہ درحقیقت اس فکر آخرت کا نمونہ ہیں، کہ دل و دماغ پر ہر وقت جنت کا خیال چھایا ہوا ہے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، وہ جنت نظر آرہی ہے اور اس جنت کے خیال میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے خیال میں انسان جو کام کرتا ہے وہ اللہ کو راضی کرنے والا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کے باہر کسی علاقے میں گئے، ایک بکریوں کا چرواہا ان کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کرسکو، اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: فاین اللہ ؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرواہے کے اس جملے کو دھراتے رہے، مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواہے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواہے کو بھی خرید لیا، پھر چرواہے کو آزاد کر دیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دیدیں۔

یہ ہے وہ فکر آخرت کہ جنگل کی تنہائی میں بکریاں چراتے ہوئے چرواہے کے دماغ پر بھی یہ بات مسلط ہے کہ مجھے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، اور وہ

زندگی بھی درست کرنی ہے، اگر غلط کام کر کے تھوڑے سے پیسے میرے ہاتھ آبھی گئے تو دنیا کا کچھ فائدہ شاید ہو جائے، لیکن آخرت میرے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت لوگوں کے حالات دیکھنے کے لئے گشت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گشت کرتے ہوئے ایک گھر کے قریب سے گزرے، صبح کے جھٹ پٹے کا وقت تھا، اس گھر میں ایک ماں بیٹی آپس میں باتیں کر رہی تھیں، ماں بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ بیٹی! دودھ نکالنے کا وقت آگیا، دودھ نکالو اور ایسا کرنا کہ آج کل ہماری گائے دودھ کم دے رہی ہے، اس لئے دودھ میں پانی ملا دینا تاکہ وہ زیادہ ہو جائے، بیٹی نے کہا کہ اماں جان! میں دودھ میں پانی ملا تو دوں، لیکن امیر المؤمنین کا یہ حکم آیا ہوا ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔

ماں نے کہا کہ بیٹی امیر المؤمنین کا حکم ضرور ہے، لیکن وہ یہاں کہاں پانی ملاتے ہوئے تجھے دیکھ رہے ہیں، وہ تو کہیں اپنے گھر میں سو رہے ہوں گے، اگر ملا لے گی تو امیر المؤمنین کو پتہ بھی نہیں چلے گا، بیٹی نے کہا کہ اماں جان ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے

کہ امیر المؤمنین کو پتہ نہ چلے، لیکن امیر المؤمنین کا جو امیر ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے، اور جب وہ دیکھ رہا ہے تو میں پھر یہ کام کیسے کرسکتی ہوں؟

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ باہر کھڑے ہوئے یہ گفتگو سن رہے ہیں اور واپس اپنے گھر جانے کے بعد صبح کے وقت اس لڑکی کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ کون ہے؟ اس لڑکی کو بلایا اور اپنے صاحب زادے سے ان کا نکاح کردیا اور انہیں کی نسل سے بعد میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ عمر ثانی پیدا ہوئے۔

آخرت کی فکر

یہ ہے وہ ذہنیت کہ جو جانتی ہے کہ **والاخرۃ خیر وابقی** آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، دل و دماغ پر جب یہ بات بیٹھ گئی تو پھر کوئی گناہ کوئی بدعنوانی کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھتا۔ ہر شخص اس کام کی طرف لپک رہا ہے جو جنت بنانے والا ہے اور اللہ کو خوش کرنے والا ہے اور اس کام سے رک رہا ہے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے۔

یہ ہے درحقیقت اس آیت کا منشاء کہ اگر تم اپنی اس بیماری کو پہچان لو کہ تم ساری دوڑ دھوپ ساری فکر ساری سوچ دنیا کے لئے کررہے ہو۔ کبھی بیٹھ کر یہ بھی سوچا کرو کہ اتنے آدمیوں کو میں نے مرتے ہوئے دیکھا ہے قبر میں دفن ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک دن میرے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آنے والا ہے اور قبر کے اندر کیا ہونے والا ہے اس کی تفصیل سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بتا گئے کہ قبر میں کیا ہوگا؟ قبر کے بعد کیا ہوگا؟ پورا قرآن کریم آخرت کے تذکرے سے بھرا ہوا ہے اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بتادیا کہ آخرت کے اندر کیا ہونے والا ہے۔ تاکہ آخرت کا خیال دلوں پر مسلط ہوجائے۔ آخرت کا خیال دلوں پر بیٹھ جائے۔ لیکن ہم اور آپ اپنے چوبیس گھنٹوں

میں سے کوئی وقت اس کام کے لئے نہیں نکالتے کہ جس کے اندر ہم ا پ اس بات کو سوچا کریں۔

یہ فکر کس طرح پیدا ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ دنیا کی زندگی کی فکر جو غالب آئی ہوئی ہے اس کو کیسے مغلوب کیا جائے؟ اور آخرت کی فکر کو غالب کیسے کیا جائے؟ کیسے یہ بات دل میں بیٹھے جو اس چرواہے کے دل میں بیٹھ گئی تھی؟ کیسے وہ بات دل میں بیٹھے جو اس نوجوان لڑکی کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے یہ بات کسی طرح دل میں پیدا ہو؟

راستہ اس کا ایک ہی ہے وہ یہ کہ جس کو آخرت کی فکر ہو، جس کے دل میں اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو۔ اس کی صحبت اختیار کرلو، اس کے ساتھ رہو، اس کے پاس بیٹھو، اس کی باتیں سنو تو وہ آخرت کی فکر تمہارے دل میں بھی منتقل ہوجائے گی،

یہ صحبت ہی وہ چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بدل دیا، آخر یہ لوگ وہی تو تھے جو دنیا کی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، مرغی کے بچے کی خاطر چالیس سال جنگ جاری رہی۔ کنویں کی خاطر زمینوں کی خاطر معمولی معمولی بکریوں اور جانوروں کی خاطر ایک دوسرے کے گلے کاٹے جارہے تھے، ایک دوسرے کی گردنیں اتاری جارہی تھیں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے، وہی لوگ تو تھے، لیکن جب سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوگئی تو وہ ساری دنیا طلبی ایسی راکھ ہوئی کہ سارے گھربار مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر دشمنوں کے حوالے کر کے صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے آئے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حالت

انصار مدینہ نے پیش کش کی کہ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ لہٰذا ہماری زمینیں آدھی آپ لے لیں۔ آدھی ہم رکھ لیں، لیکن مہاجرین نے کہا کہ نہیں، ہم وہ زمینیں اس طرح لینے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ آپ کی زمینوں میں محنت کریں گے، محنت کے بعد جو پیداوار ہوگی، وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے —— بتایئے کہ ان کی وہ دنیا طلبی کہاں گئی؟

میدان جہاد میں جنگ ہو رہی ہے موت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے اس وقت کوئی حدیث سنادیتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرماتے ہیں۔ ایک صحابی نے پوچھا: کیا واقعی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تم نے سنی؟ کہا کہ ہاں میں نے سنی، میرے کانوں نے سنی، میرے دل نے یاد رکھا۔ ان صحابی نے کہا کہ اچھا بس اب تو میرے اوپر جہاد سے علیحدگی حرام ہے۔ تلوار اٹھائی اور دشمن کے نرغے کے اندر گھسے، تیر آکر سینے کے اوپر لگا سینے سے خون کا فوارہ ابلتا ہوا دیکھ کر جو الفاظ زبان سے جاری ہوتی ہیں وہ یہ کہ "فزت ورب الکعبہ" رب کعبہ کی قسم آج میں کامیاب ہوگیا، آج منزل مل گئی۔

یہ وہی دنیا کے طالب، وہی دنیا کے چاہنے والے، دنیا کے پیچھے دوڑنے والے تھے، لیکن نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے آخرت دل و دماغ پر اس طرح چھاگئی۔

جادوگروں کا مضبوط ایمان

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو دعوت دی اور معجزہ دکھایا، عصاء زمین پر ڈالا تو

وہ سانپ بن گیا تو فرعون نے کہا ان کے مقابلے کے لئے جادوگر لانے چاہئیں۔ سارے ملک سے جادوگر اکٹھے کر کے ان سے کہا کہ آج تمہارا مقابلہ ایک بڑے جادوگر سے ہے، اور آج تم ان کے اوپر غالب آ کر دکھاؤ، اپنے فن کا مظاہرہ کرو، جادوگر آئے، جو فرعون کے چہیتے جادوگر تھے۔ لیکن پہلے بھاؤ تاؤ طے کیا کہ:

﴿قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾

(الشعراء: ۴۱)

پہلے یہ بتلایئے فرعون صاحب کہ اگر ہم موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر غالب آگئے تو کچھ اجرت بھی ملے گی یا نہیں ملے گی؟ کوئی انعام ملے گا کہ نہیں ملے گا؟

﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾

ہاں ضرور انعام ملے گا اور نہ صرف انعام ملے گا بلکہ تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا مقرب بنالوں گا۔ جب مقابلہ کا وقت آیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگر کھڑے ہوئے تو جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈالیں، لاٹھیاں ڈالیں تو وہ سانپ بن کر چلنا شروع ہوگئیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی اور فرمایا کہ اب تم اپنا عصا ڈالو، حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا اور وہ عصا ایک اژدہا بن کر جتنے سانپ ان جادوگروں نے بنائے تھے ان سب کو ایک ایک کر کے نگلنا شروع کردیا۔ سارے سانپوں کو نگل گیا، جادوگر فن جانتے تھے۔ سمجھ گئے یہ جو کچھ دکھایا جارہا ہے یہ جادو نہیں ہے، اگر جادو ہوتا تو ہم غالب آجاتے، ہمارا جادو مغلوب ہوگیا اس لئے یہ جادو نہیں ہے۔ یہ جو بات کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں، وہ یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں۔ دل میں بات آگئی اور جب پیغمبر پر ایمان لے آئے، اور پیغمبر کے معجزہ کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پیغمبر کی ذرا سی دیر زیارت کرلی۔ صحبت اس کی حاصل ہوگئی، ایک دم سارے کے سارے جادوگر پکار اٹھے۔

﴿آمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۷۰)

"ہم موسیٰ و ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے"۔

فرعون یہ سب نظارہ دیکھ رہا ہے، وہ کہتا ہے:

﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾

ارے تم اس کے اوپر ایمان لے آئے، میں نے تمہیں اب تک ایمان لانے کی اجازت بھی نہیں دی، اجازت سے پہلے ایمان لے آئے اور ساتھ میں پھر سزا کی دھمکی بھی دی کہ یاد رکھو کہ اگر تم اس پر ایمان لائے تو تمہارا حشر یہ ہوگا۔

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی﴾ (طٰہٰ: ۷۱)

میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دوں گا، اور تمہیں کھجور کے شہتیر میں سولی پر چڑھاؤں گا اور تب پتہ چلے گا کہ کس کا عذاب زیادہ سخت ہے ــــــ یہ دھمکی دے رہا ہے فرعون۔ اب آپ ذرا غور فرمایئے کہ وہی جادوگر جو ابھی تھوڑی دیر پہلے بھاؤ تاؤ کر رہے تھے کہ کیا ہمیں اجرت بھی ملے گی؟ وہی جادوگر جو فرعون کی طلبی پر موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اب نہ صرف یہ کہ وہ اجرت کی طلب باقی نہ رہی، بلکہ اب پھانسی کا تختہ سامنے لٹکا ہوا نظر آرہا ہے۔ فرعون کہہ رہا ہے میں اس پر چڑھادوں گا۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا، لیکن اس سب کے باوجود ان کی زبان سے نکلتا ہے۔

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ (سورۃ طٰہٰ: ۷۲)

اے فرعون، خوب سمجھ لو کہ ہم تمہیں اور تمہارے مال و دولت کو تمہاری سلطنت کو اس معجزے پر ترجیح نہیں دیں گے۔ جو اللہ نے ہمیں کھلی آنکھوں سے دکھا دیا۔ جو تجھے کرنا ہو کر گزر، کیوں؟ اس واسطے کہ جو کچھ فیصلہ تو کرے گا وہ اس

دنیوی زندگی کا فیصلہ ہوگا، تو ہمارے ہاتھ کاٹنے یا پاؤں کاٹنے، سولی پر چڑھائے، یا پھانسی چڑھائے، یہ دنیا کا فیصلہ ہوگا، اور ہم نے جو منظر دیکھا ہے وہ آخرت کا منظر ہے، وہ ابدی زندگی کا منظر ہے دیکھئے: ایک لمحے پہلے تو اجرت مانگ رہے تھے کہ پیسے لاؤ اور اب ایک لمحے کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ سولی پر چڑھنے کے لئے تیار ہوگئے، یہ کایا کس نے پلٹی؟ یہ ایمان کے ساتھ جب صحبت نصیب ہوئی۔ اس نے یہ کایا پلٹ دی۔

صحبت کا فائدہ

بہر حال، ایمان کے ساتھ اعتقاد کے ساتھ جب صحبت ہوتی ہے تو وہ دلوں کے اندر یہ جذبہ پیدا کیا کرتی ہے پھر دنیا طلبی مٹتی ہے آخرت کی فکر غالب آجاتی ہے اور جب یہ غالب آجائے تو اس وقت انسان انسان بنتا ہے جب تک اس کے دل و دماغ پر دنیا مسلط ہے وہ انسان نہیں، درندہ ہے۔ اس واسطے کہ وہ تو چاہتا ہے کہ دنیا کے اندر مجھے خوشحالی مل جائے۔ خواہ کسی کی گردن پھلانگ کر ہو، کسی کی لاش پر کھڑے ہو کر ہو، اور کسی کی گردن کاٹ کر ہو، لیکن مجھے کسی طریقہ سے دنیا کا فائدہ حاصل ہوجائے وہ درندہ بن جاتا ہے۔ انسان بننے کا راستہ سوائے اس کے نہیں کہ آدمی مرنے کے بعد کی بات کو سوچے۔ آخرت کی بات کو سوچے اور یہ صرف اور صرف آخرت کی فکر رکھنے والوں کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔ درحقیقت اس دین کو حاصل کرنے کا اور اپنی زندگیوں میں اس کو رچانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اٹھائی جائے، اللہ والا اسی کو کہتے ہیں جو آخرت کی فکر رکھتا ہو، اس کی صحبت میں آدمی بیٹھے گا تو اس کو آخرت کی فکر حاصل ہوگی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہمارے دلوں میں یہ جذبہ پیدا فرمائے تو ساری مشکلات حل ہوجائیں۔

آج کی دنیا کا حال

آج ہمارے اوپر مسائل و مشکلات کا طوفان چاروں طرف مسلط ہے اس کو حل کرنے کے لئے محکمے ہیں پولیس ہے عدالتیں ہیں لیکن سرکاری دفتروں میں رشوت بہت لی جاتی ہے۔ اچھا بھائی اس کا یہ علاج کیا جائے کہ محکمہ انسداد رشوت ستانی بناؤ، چنانچہ اب محکمہ انسداد رشوت ستانی بن گیا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ رشوت پہلے پانچ روپے ہوتی تھی، اب دس روپے ہوگئی۔ اور رشوت میں اب دو حصے لگ گئے۔ ایک حصہ سرکاری افسر کا، اور ایک محکمہ انسداد رشوت ستانی کے افسر کا بھی حصہ لگ گیا، اب انسداد رشوت ستانی کے اوپر ایک اور نگران بٹھادو اس نگران پر ایک اور نگران بٹھادو اور چلتے چلے جاؤ، رشوت کا ریٹ بڑھتا چلا جائے گا لیکن رشوت نہیں بند ہوگی کیوں؟ اس واسطے کہ جس کو بھی بٹھارہے ہو۔ اس کے سامنے بس یہ دنیا چکر لگا رہی ہے اس کے سامنے صرف یہ ہے کہ کسی طرح دوسرے کے بنگلے سے میرا اچھا بنگلہ بن جائے۔ دوسرے کی کار سے میری کار اچھی ہوجائے۔ دوسروں کے کپڑوں سے میرے کپڑے اچھے ہوجائیں۔ یہ اس کے دل و دماغ پر ہر وقت یہ بھوت چھایا ہوا ہے، اب چاہے کتنے محکمے بٹھاتے چلے جاؤ عدالتیں لگاتے چلے جاؤ، قانون بناتے چلے جاؤ، قانون بھی دو دو روپے میں بکتا ہے، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر خدا کا خوف نہیں، اگر آخرت کی فکر نہیں، اللہ کے سامنے جوابدہی کے احساس نہیں۔ تو پھر ہزار قانون بنالو، ہزار محکمے بٹھادو، ہزار پولیس والے بٹھادو۔ لیکن خدا کے خوف کے بغیر سب بیکار، یہ امریکہ دنیا کے اندر سب سے مہذب ترین ملک کہلانے والا، بچہ بچہ تعلیم یافتہ، سو فیصد تعلیم، دولت کی ریل پیل، سائنس ٹیکنالوجی اور دنیا بھر کے تمام علوم وفنوں کا مرکز، پولیس ہر وقت چوکس اور فعال کوئی رشوت نہیں کھاتا۔ پولیس والے کو رشوت دے کر باز نہیں رکھا جاسکتا۔ پولیس تین منٹ کے نوٹس پر پہنچ جاتی ہے لیکن وہاں کا یہ حال ہے کہ مجھے نصیحت کرنے والوں

نے یہ نصیحت کی کہ برائے کرم جب آپ اپنے ہوٹل سے باہر نکلیں تو بہتر یہ ہے کہ گھڑی ہاتھ پر نہ باندھیں اور آپ کی جیب کے اندر پیسے بھی نہ ہوں، تھوڑے بہت جو ضرورت کے ہوں رکھ لیجئے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ کسی وقت بھی کوئی آدمی گھڑی چھین کر لے جائے گا، کوئی آدمی آپ کی جیب سے پیسے نکال کر لے جائے گا، اور اس کی خاطر آپ کا خون تک کردے گا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور قانون بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ پولیس تین منٹ کے نوٹس پر پہنچنے والی بے بس ہے۔ محکمے، عدالتیں سب اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی ہیں، ایک طرف چاند پر جھنڈے گاڑ رہا ہے، اور امریکہ کا صدر یہ بیان دے رہا ہے کہ آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جرائم پر کیسے قابو پائیں؟ وہ جو اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

دنیا یہ منظر دیکھ رہی ہے اور دیکھتی رہے گی، اور جب تک سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر سر نہیں رکھے گی، اور جب تک آپ کی رہنمائی میں آخرت کی فکر دل و دماغ پر مسلط نہیں ہوگی۔ اس وقت تک یہ منظر نظر آتے رہیں گے۔ ہزار قانون بناتے رہو، ہزار محکمے بٹھاتے رہو، تمہارے مسائل کا حل کبھی نہیں نکلے گا، مسائل کے حل کا راستہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں، ان کے پاس بیٹھیں، ان کی بات سنیں، آخرت کے حالات معلوم کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آخرت کی فکر ہمارے دلوں کے اوپر غالب فرمائے اور دنیا طلبی کی دوڑ جس کے اندر ہم مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں بچائے اور اہل اللہ کی صحبت نصیب

فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوسروں کو خوش کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۳۰/مارچ ۱۹۹۶ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کو خوش کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ. ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا. من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ. ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ. ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: احب الاعمال الی اللّٰہ سرور یدخلہ علی مسلم﴾

(المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۳۶۴۶)

تمہید

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اعمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ان اعمال میں سے ایک عمل کسی مؤمن کے دل میں خوشی داخل کرنا اور اس کو خوشی سے ہم کنار کرنا ہے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے مگر اس حدیث کا مضمون دوسری احادیث اور دلائل سے بھی ثابت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اور

اپنے قول و فعل کے ذریعہ یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی بھی صاحب ایمان کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

میرے بندوں کو خوش رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ جواب میں زبان حال سے گویا یوں فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں تو تمہارے ساتھ دنیا میں ملنے والا نہیں ہوں کہ تم کسی وقت مجھ سے ملاقات کرکے اپنی محبت کا اظہار کرو۔ لیکن اگر تم کو میرے ساتھ محبت ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ محبت کرو، میری مخلوق سے محبت کرو، اور میری مخلوق سے محبت کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو حتی الامکان خوش کرنے کی اور خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اس بارے میں ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے، اعتدال نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جو کسی دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کی کوئی اہمیت ہی نہیں سمجھتے اور ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کتنی بڑی عبادت ہے۔ کسی بھی مسلمان کو خوش کردیا یا کسی انسان کو خوش کردیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر کتنا اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں، اس کا ہمیں احساس ہی نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا کہ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کا دل ہاتھ میں لے لینا یعنی اس کے دل کو خوش کردینا یہ حج اکبر ہے۔ بزرگوں نے ویسے ہی اس کو حج اکبر نہیں کہدیا بلکہ کسی مسلمان کے دل کو

خوش کردینا واقعی اللہ تعالیٰ کے محبوب اعمال میں سے ہے۔

دوسروں کو خوش کرنے کا نتیجہ

ذرا اس بات کو سوچیں کہ اگر اس حدیث کی تعلیم پر ہم سب عمل کرنے لگیں اور ہر انسان اس بات کی فکر کرے کہ میں کسی دوسرے کو خوش کروں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے، کوئی جھگڑا باقی نہ رہے، پھر کوئی حسد باقی نہ رہے اور کسی بھی شخص کو دوسرے سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ لہٰذا اہتمام کر کے دوسرے کو خوش کرو، تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر اور قربانی دے کر دوسروں کو خوش کرو، اگر تم تھوڑی سی تکلیف اٹھالو گے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو راحت اور خوشی مل جائے گی تو دنیا میں چند لمحوں اور چند منٹوں کی جو تکلیف اٹھائی ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں جو ثواب تمہیں عطا فرمائیں گے وہ دنیا کی اس معمولی سی تکلیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ عظیم ہے۔

خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا ”صدقہ“ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں کہ یہ عمل بھی صدقہ ہے، فلاں عمل بھی صدقہ ہے، فلاں عمل بھی صدقہ ہے، اور صدقہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل پر ایسا ہی ثواب ہے جیسے صدقہ کرنے کا ثواب ہے، پھر اسی حدیث کے آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿وان تلقی اخاک بوجه طلق﴾

یعنی ایک صدقہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ شگفتہ اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔ جب تم کسی سے ملاقات کرو تو تم کو یہ احساس ہو کہ تمہاری ملاقات

سے اس کو خوشی ہوئی ہے اور اس ملاقات سے اس کے دل میں ٹھنڈک محسوس ہو۔ اس کو صدقہ کرنے میں شمار فرمایا ہے۔

لہٰذا جو لوگ دوسروں سے ملاقات کے وقت اور برتاؤ کے وقت لئے دیے رہتے ہیں اور وقار کے پردے میں اپنے آپ کو ریزرو رکھتے ہیں، وہ لوگ سُنّت طریقہ پر عمل نہیں کرتے، سُنّت طریقہ یہ ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو وہ خوش خلقی کے ساتھ شگفتگی کے ساتھ ملے اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

گناہ کے ذریعے دوسروں کو خوش نہ کریں

دوسری طرف بعض لوگوں میں یہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ دوسرے مسلمان کو خوش کرنا بڑی عبادت ہے، لہٰذا ہم تو یہ عبادت کرتے ہیں کہ دوسروں کو خوش کرتے ہیں، چاہے وہ خوش کرنا کسی گناہ کے ذریعہ ہو یا کسی ناجائز کام کے ذریعہ ہو، جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ دوسروں کو خوش کرو تو ہم یہ عبادت انجام دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ گمراہی کی بات ہے، اس لئے کہ دوسروں کو خوش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مباح اور جائز طریقے سے خوش کرو، اب اگر ناجائز طریقے سے دوسروں کو خوش کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کردیا اور بندے کو خوش کردیا، یہ کوئی عبادت نہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کی مروت میں آکر یا اس کے تعلقات سے مرعوب ہو کر گناہ کا ارتکاب کرلیا تو یہ کوئی دین نہیں، یہ کوئی عبادت نہیں۔

فیضی شاعر کا واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں "فیضی" بہت بڑے ادیب اور شاعر گزرے ہیں، ایک مرتبہ وہ حجام سے داڑھی منڈوا رہے تھے، ایک صاحب ان کے پاس سے گزرے، انہوں نے جب دیکھا کہ فیضی صاحب داڑھی منڈوا رہے ہیں تو ان سے کہا ۔

آغا ریش می تراشی؟

"جناب! آپ یہ داڑھی منڈوا رہے ہیں؟"

جواب میں فیضی نے کہا ۔

"بلے! ریش می تراشم، ولے دلے کسے نمی خراشم"

"جی ہاں! داڑھی تو منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں"۔

مطلب یہ تھا کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور میں کسی کی دل آزاری نہیں کر رہا ہوں، اور تم نے جو میرے اس عمل پر مجھے ٹوکا تو اس کے ذریعہ تم نے میرا دل دکھایا۔ اس پر ان صاحب نے جواب میں کہا کہ:

"ولے کسے نمی خراشی، ولے دلے رسول اللہ می خراشی (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔

یعنی جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں، ارے اس عمل کے ذریعہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھا رہے ہو۔

اللہ والے دوسروں کو خوش رکھتے ہیں

لہٰذا بعض لوگوں کے ذہن میں بھی اور زبان پر بھی یہ بات رہتی ہے کہ ہم تو دوسرے لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں، اور اب دوسروں کا دل خوش کرنے کے لئے کسی گناہ کا ارتکاب بھی کرنا پڑا تو کر گزریں گے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کر کے کسی انسان کا دل خوش کیا، تو کیا خوش کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کر دیا، یہ تو کوئی عبادت نہیں ہے ـــــ اس حدیث کا منشا یہ ہے جو جائز امور ہیں، ان میں مسلمانوں کو خوش کرنے

کی فکر کرو ـــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"یہ معمول صوفیاء کا مثل طبعی کے ہے"۔

یعنی صوفیاء کرام جو اللہ کے دوست اور اللہ کے ولی ہوتے ہیں، ہر مسلمان کو خوش کرنے کی فکر ان کی طبیعت بن جاتی ہے، ان کے پاس آکر آدمی ہمیشہ خوش ہو کر جاتا ہے، ملول ہو کر نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ان کو اس سُنت پر عمل کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو خوش کرتے ہیں۔ پھر آگے فرمایا کہ:

خود گناہ میں مبتلا نہ ہو

"اس کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اس سرور کو داخل کرنے سے خود شرور میں داخل نہ ہو جائے"۔

یعنی دوسروں کا تو دل خوش کر رہا ہے اور اس کو سرور دینے کی فکر میں ہے لیکن اس کے نتیجے میں خود شرور میں یعنی معاصی اور گناہ میں داخل ہو گیا، یہ نہ کرے۔ آگے فرمایا:

"جیسا ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے اپنے مسلک کا لقب "صلح کل" رکھا ہوا ہے"۔

یعنی بعض لوگوں نے اپنا مسلک "صلح کل" بنایا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم تو "صلح کل" ہیں، لہٰذا کوئی کچھ بھی کرے، ہم کسی کو بھی کسی غلطی پر نہیں ٹوکیں گے، کسی بُرائی کو بُرائی نہیں کہیں گے، کسی بُرائی کی تردید نہیں کریں گے، ہم تو "صلح کل" ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، چنانچہ آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ:

امر بالمعروف کو نہ چھوڑے

"بعض لوگ تو اسی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے"۔

مثلاً اگر فلاں کو نماز پڑھنے کے لئے کہیں گے تو اس کا دل برا ہوگا، اگر فلاں کو کسی گناہ پر ٹوکیں گے تو اس کا دل برا ہوگا، اور ہم سے کسی کا جی برا نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ:

"کیا ان کو قرآن پاک کا یہ حکم نظر نہیں آیا کہ: "ولا تاخذکم بهما رافة في دين الله" کہ تم کو اللہ کے دین کے بارے میں ان پر ترس نہ آئے"۔

یعنی ایک شخص دین کی خلاف ورزی کر رہا ہے، گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اس کے بارے میں تمہارے دل میں یہ شفقت پیدا نہ ہو کہ اگر میں اس کو گناہ کرنے پر ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا۔

نرم انداز سے نہی عن المنکر کرے

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کو کہنے کے لئے طریقہ ایسا اختیار کرے جس سے اس کا دل کم سے کم دکھے، دل آزار اسلوب اختیار نہ کرے بلکہ نرمی کا انداز ہو، اس میں ہمدردی ہو، محبت ہو، شفقت ہو، خیر خواہی ہو، اخلاص ہو، غصہ نکالنا مقصود نہ ہو۔ لیکن یہ سوچنا کہ اگر میں اس کو ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا، چاہے کتنے بھی نرم انداز میں کہوں تو یہ سوچ درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تمام مخلوق کو راضی کرنے سے مقدم ہے۔ لہٰذا دونوں انتہائیں غلط ہیں، افراط بھی اور تفریط بھی۔ بس اپنی طرف سے ہر مسلمان کو خوش کرنے کی کوشش کرو، لیکن

جہاں اللہ کی حدود آجائیں، حرام اور ناجائز امور آجائیں تو پھر کسی کا دل دکھے یا خوش ہو اس وقت بس اللہ ہی کا حکم ماننا ہے، اس وقت اطاعت صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کرنی ہے، کسی اور کی پروا نہیں کرنی ہے۔ البتہ حتی الامکان نرمی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

مزاح و مذاق کی رعایت کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۳۰؍مارچ ۱۹۹۷ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کے مزاج ومذاق کی رعایت کریں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ذرالغفاری رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خالقوا الناس باخلاقھم -- اوکما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم﴾ (اتحاف السادۃ المتقین ۶: ۳۵۴)

تمہید

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج و مذاق اور اخلاق کے مطابق

برتاؤ کرو۔ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے کہ انسان کو جن لوگوں سے واسطہ پڑے، ان کے مزاج اور مذاق کی رعایت کرے اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو ان کے مزاج و مذاق کے خلاف ہو اور جس سے ان کو تکلیف پہنچے، چاہے وہ کام فی نفسہ جائز ہو، حرام اور ناجائز کام نہ ہو لیکن یہ خیال کر کے کہ اس کام کے کرنے سے ان کے مزاج پر بار ہو گا تو وہ کام نہ کیا جائے تاکہ اس سے ان کی طبیعت پر کوئی گرانی پیدا نہ ہو۔

"دوسرے کے مزاج و مذاق کی رعایت" دینی معاشرت کے ابواب میں ایک بڑا عظیم باب ہے، اللہ تعالیٰ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ انہوں نے اس باب کو واضح کیا ہے، اس لئے کہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بڑا عظیم پہلو ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے مزاج کی رعایت

چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھا اور آپ اس حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک تہبند پہنا ہوا تھا اور وہ تہبند کافی اوپر تک چڑھا ہوا تھا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے تک چڑھا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب گھٹنے کا حصہ ستر میں داخل قرار نہیں دیا گیا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے ڈھکے ہوئے تھے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی، معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ اندر آکر آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ جس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے اسی انداز میں بیٹھے رہے اور آپ کے پاؤں مبارک کھلے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی، پتہ چلا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ نے ان کو بھی اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ بھی آکر حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے، آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے اور اپنی ہیئت میں آپ نے کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی، آپ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ پتہ چلا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں، آپ نے فوراً اپنا تہبند نیچے کر کے اپنے پاؤں مبارک اچھی طرح ڈھک لئے۔ پھر فرمایا کہ ان کو اندر بلالو، چنانچہ وہ بھی اندر آکر بیٹھ گئے۔

ان سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں

ایک صاحب یہ سب منظر دیکھ رہے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا تہبند نیچے نہیں کیا بلکہ ویسے ہی بیٹھے رہے، جب حضرت فاروق اعظم تشریف لائے تب بھی آپ اسی طرح بیٹھے رہے، لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنی ہیئت میں تبدیلی پیدا فرمائی، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

کامل الحیاء والایمان

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خاص وصف "حیاء" تھا۔ اللہ تعالیٰ نے "حیاء" میں ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، اور آپ کا لقب "کامل الحیاء والایمان" تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے مزاجوں سے واقف تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتے تھے کہ ان کے اندر حیا بہت ہے، اگرچہ گھٹنے تک پاؤں کھلا ہونا کوئی ناجائز بات نہیں تھی اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے

آنے پر یہ سوچا کہ چونکہ ان کی طبیعت میں حیاء زیادہ ہے، اگر ان کے سامنے اسی طرح بیٹھا رہوں گا تو ان کی طبیعت پر ناگوار ہوگا اور ان کی طبیعت پر بار ہوگا۔ اس وجہ سے ان کے اندر آنے سے پہلے پاؤں کو ڈھک لیا اور تہبند کو نیچے کر لیا۔

وہ حضرات صحابہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، ان کے مزاجوں کی آپ نے اتنی رعایت فرمائی۔ فرض کریں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آنے پر اسی طرح بیٹھے رہتے جس طرح بیٹھے ہوئے تھے تو ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا شکوہ ہو سکتا تھا، لیکن آپ نے اس بات کی تعلیم دے دی کہ تمہارے تعلق والوں میں جو شخص جیسا مزاج رکھتا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو۔ دیکھئے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی باریک بینی سے اپنے رفقاء کے مزاجوں کا خیال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مزاج کی رعایت

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ) میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، میں نے خواب میں جنت دیکھی اور اس جنت میں ایک بڑا عالیشان محل بنا ہوا دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل ہے، ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ وہ محل مجھے اتنا اچھا لگا کہ میرا دل چاہا کہ اندر چلا جاؤں اور اندر جا کر دیکھوں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل کیسا ہے، لیکن پھر اے عمر (رضی اللہ عنہ) تمہاری غیرت یاد آگئی کہ تمہاری طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے غیرت بہت رکھی ہے، مجھے یہ خیال ہوا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) سے پہلے ان کے محل میں داخل ہو جانا اور اس کو دیکھنا ان کی غیرت کے مطابق نہیں ہوگا، اس وجہ سے میں اس محل میں داخل نہیں ہوا۔ جب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے اور عرض کیا کہ:

﴿او علیک یا رسول اللہ اغار﴾

یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا، اگر غیرت ہے بھی تو وہ دوسروں کے حق میں ہے، کیا آپ پر غیرت کروں گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے محل میں کیوں داخل ہوئے۔

ایک ایک صحابی کی رعایت کی

آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے لطیف پیرائے میں اپنے اصحاب کے مزاجوں کی رعایت کی، یہ نہیں تھا کہ چونکہ ہم امام ہیں اور یہ ہمارے مقتدی ہیں، ہم پیر ہیں اور یہ ہمارے مرید ہیں، ہم استاد ہیں اور یہ ہمارے شاگرد ہیں، لہذا سارے حقوق ہمارے ہوگئے اور ان کا کوئی حق نہ رہا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک صحابی کے مزاج کی رعایت کرکے دکھائی۔

امہات المؤمنین اور حضرت عائشہؓ کے مزاج کی رعایت

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھوں۔ ویسے تو خواتین کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، خواتین کو اعتکاف کرنا ہو تو اپنے گھر میں کریں، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا، اب اگر ان کے گھر کے دروازے کے ساتھ ہی ان کی اعتکاف کی جگہ بنادی جاتی، اور اس کے ساتھ ہی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی جگہ ہوتی تو کسی بے پردگی کا احتمال نہ ہوتا، جب ضرورت ہوتی تو گھر میں چلی جاتیں اور پھر واپس آکر اپنے اعتکاف میں بیٹھ جاتیں، اس لئے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو کوئی خرابی لازم نہ آتی۔ اسی وجہ سے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے اجازت دے دی۔

لیکن جب ۲۰/ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو اس دن آپ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، جب واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں بہت سارے خیمے لگے ہوئے ہیں، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ امہات المؤمنین کے خیمے ہیں۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اعتکاف کرنے کی اجازت مل گئی تو دوسری ازواج مطہرات نے چاہا کہ ہم بھی یہ سعادت حاصل کرلیں، لہٰذا انہوں نے بھی اعتکاف کے لئے اپنے اپنے خیمے لگا دیئے۔ اب اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو مختلف تھا اس لئے کہ ان کا گھر تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اور دوسری ازواج مطہرات کے مکان تو مسجد نبوی سے دور ہیں، اگر انہوں نے بھی اعتکاف کیا تو ان کا بار بار آنا جانا رہے گا، اس میں بے پردگی کا احتمال ہے اور اس طرح خواتین کا مسجد کے اندر اعتکاف کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے ان کے خیمے دیکھ کر ارشاد فرمایا:

﴿آلبر یردن؟﴾

"کیا یہ خواتین کوئی نیکی کرنا چاہتی ہیں؟"۔

مطلب یہ تھا کہ اس طرح خواتین کا مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں۔

اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے

لیکن اب مشکل یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ اعتکاف کی اجازت دے چکے تھے، اگرچہ ان کو اجازت دینے کی وجہ واضح تھی اور دوسری امہات المؤمنین میں وہ وجہ موجود نہیں تھی، لیکن آپ نے سوچا کہ اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ باقی رکھوں گا اور دوسری امہات المؤمنین کو منع کر دوں گا تو ان کے مزاج پر بار ہو گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو اجازت دے دی اور ہمیں اجازت نہ ملی، لہذا جب آپ نے دوسری امہات المؤمنین کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم بھی اپنا خیمہ اٹھالو۔ لیکن پھر خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چونکہ پہلے صراحۃً اجازت دیدی گئی تھی اب اگر اچانک ان سے خیمہ اٹھانے کو کہا جائے گا تو ان کی طبیعت پر بار ہو گا، اس لئے ان کا خیال کرتے ہوئے آپ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس سال آپ نے اعتکاف ہی نہیں فرمایا۔

اعتکاف کی تلافی

بہر حال امہات المؤمنین کے مزاجوں کی رعایت کے نتیجے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ اٹھوا دیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ وہ معمول جو ساری عمر کا چلا آرہا تھا کہ ہر رمضان المبارک میں آپ اعتکاف کیا کرتے تھے، محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی کے اندیشہ میں اس معمول کو توڑ دیا۔ پوری حیات طیبہ میں یہ سال ایسا تھا جس میں آپ نے اعتکاف نہیں فرمایا لیکن بعد میں اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ اس سے اگلے سال دس دن کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

یہ بھی سُنّت ہے

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی رعایتیں اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی فرمائیں اور ایک شرعی حکم کی وضاحت کے معاملے میں بھی ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے دوسرے کی طبیعت پر بار نہ ہو، حکم کی وضاحت بھی فرمادی۔ اس پر عمل بھی کرلیا اور دوسروں کی دل شکنی سے بھی بچ گئے۔ اور ساتھ میں آپ نے اپنے عمل سے یہ تعلیم بھی دے دی کہ جو عمل فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، اگر آدمی کسی کی دل شکنی سے بچنے کے لئے اس مستحب کام کو مؤخر کردے یا چھوڑ دے تو یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا حصہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب کا معمول

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہر رمضان میں یہ معمول تھا کہ جب عصر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے تو مغرب تک اعتکاف کی نیت سے مسجد ہی میں قیام فرمایا کرتے تھے، وہاں تلاوت، ذکر واذکار، تسبیحات اور مناجات میں مشغول رہتے تھے اور جو باقی وقت ملتا تو آخر میں لمبی دعا فرمایا کرتے تھے اور وہ دعا افطار کے وقت تک جاری رہتی تھی۔ حضرت والا اپنے متوسلین کو بھی یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ بھی اپنا یہ معمول بنالیں، کیونکہ اس کے اندر آدمی کا وقت مسجد میں گذر جاتا ہے، اعتکاف کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور معمولات بھی پورے ہوجاتے ہیں اور آخر میں دعا کی توفیق بھی ہوجاتی ہے، اور یہ دعا تو رمضان المبارک کا حاصل ہے اس لئے کہ اس وقت دن ختم ہورہا ہوتا ہے اور افطار کا وقت قریب ہوتا ہے اور اس وقت آدمی کی طبیعت میں شکستگی ہوتی ہے اور اس شکستگی کی حالت میں جو دعائیں کی جاتی ہیں وہ بڑی ہی قبول ہوتی ہیں، حضرت والا اکثر اپنے

متوسلین کو مشورہ دیا کرتے تھے بلکہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کرلیا کرو، چنانچہ حضرت والا کے متوسلین میں اس طریقہ پر عمل اب بھی جاری ہے۔

مسجد کے بجائے گھر پر وقت گزاریں

ایک مرتبہ حضرت والا کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اپنا یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت مسجد میں گزارتا اور وہاں بیٹھ کر تلاوت، ذکر واذکار اور تسبیحات اور دعا میں مشغول رہتا، ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ آپ سارا دن ویسے بھی باہر رہتے ہیں، لے دیکر عصر کے بعد کا وقت ہوتا تھا اس میں ہم بیٹھ کر کچھ باتیں کرلیا کرتے تھے اور افطار کے وقت ایک ساتھ افطار کرنے کی راحت حاصل ہوتی تھی، اب آپ نے چند روز سے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد آپ مسجد میں جاکر بیٹھ جاتے ہیں اور مغرب تک آپ وہیں رہتے ہیں اور عصر کے بعد اکھٹے بیٹھ کر بات چیت کرنے اور ایک ساتھ افطار کرنے کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ حضرت! اب کشمکش میں مبتلا ہوگیا ہوں کہ عصر کے بعد کا وقت مسجد میں گزارنے کا یہ معمول جاری رکھوں یا بیوی کے کہنے کے مطابق اس معمول کو چھوڑ دوں اور گھر پر وقت گزاروں۔ حضرت والا نے ان کی بات سنتے ہی فرمایا کہ آپ کی بیوی ٹھیک کہتی ہیں، لہٰذا آپ ان کے کہنے کے مطابق مسجد میں وقت گزارنے کے بجائے گھر پر ہی وقت گزارا کریں اور گھر میں ان کے پاس بیٹھ کر جو تلاوت، ذکر واذکار کرسکتے ہیں کرلیا کریں اور پھر ایک ساتھ روزہ افطار کیا کریں۔

تمہیں اس پر پورا ثواب ملے گا

پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ میں نے جو معمول بنایا تھا وہ زیادہ سے زیادہ مستحب عمل ہے، اور جو بات ان کی بیوی نے کہی تو اس کے حقوق میں یہ بات داخل ہے کہ

شوہر جائز حدود میں رہتے ہوئے اس کی دلداری کرے، اور بعض اوقات یہ دلداری واجب ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر اس کا دل خوش کرنے کے لئے تم اپنا یہ معمول چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس معمول کی برکات سے محروم نہیں فرمائیں گے، اس لئے کہ اس کا دل رکھنے کے لئے اور اس کے مزاج کی رعایت کرنے کے لئے یہ معمول چھوڑا ہے، انشاء اللہ تمہیں وہی اجر وثواب حاصل ہوگا جو اس معمول کے پورا کرنے پر حاصل ہوتا۔

ذکرواذکار کے بجائے تیمارداری کریں

ایک مرتبہ ہمارے حضرت والا نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے معمولات پورے کرنے کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا ہوا تھا، اس وقت میں وہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کیا کرتا تھا، ذکر و تسبیح کیا کرتا تھا۔ اب اچانک گھر میں کوئی بیمار ہوگیا، والد بیمار ہوگئے یا والدہ بیمار ہوگئیں یا بیوی بچے بیمار ہوگئے، اب یہ شخص ان کی تیمارداری اور خدمت میں لگا ہوا ہے جس کے نتیجے میں اس کے ذکر و اذکار اور تسبیحات کا معمول پورا نہیں ہورہا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا دل دکھ رہا ہے کہ یہ وقت اب تک تو عبادت اور ذکرواذکار میں گزر رہا تھا اور اب یہ تیمارداری اور خدمت میں گزر رہا ہے۔

فرمایا کہ یہ دل دکھانے کی بات نہیں، کیونکہ اس وقت ان لوگوں کی تیمارداری اور خدمت کرنا یہی عبادت ہے اور ذکرواذکار سے زیادہ افضل ہے۔

وقت کا تقاضہ دیکھئے

فرمایا کہ دین دراصل وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے، دیکھو اس وقت تم سے کیا مطالبہ ہے؟ اس وقت تم سے مطالبہ یہ ہے کہ اس ذکر کو چھوڑو اور بیمار کی خدمت کرو، اور یہ کام کرتے وقت یہ مت خیال کرو کہ جو ذکر و تسبیح کیا کرتے تھے

اس سے محرومی ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرمائیں گے، کیونکہ ایک صحیح داعیے کے تحت تم نے ذکر و اذکار چھوڑا ہے۔

رمضان کی برکات سے محروم نہیں ہوگا

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہوگیا یا سفر پر چلا گیا اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان کا روزہ نہ رکھ سکا، تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر بیماری اور سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا کرلے، چنانچہ بعد میں اس نے اس روزے کی قضا کرلی، تو چونکہ عذر شرعی تھا اس لئے جب وہ شخص عام دنوں میں رمضان کے اس روزے کی قضا کرے گا، تو جس دن میں وہ قضا روزہ رکھے گا اس شخص کے حق میں اس دن رمضان ہی کا دن واپس آگیا، وہ سارے انوار و برکات جو رمضان کے دنوں میں تھے وہ سب اس دن اس کے حق میں لوٹ آئیں گے، اس لئے کہ عذر کی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے اس کو رخصت عطا کی تھی تو کیا اس کو رمضان کی برکات سے محروم کردیں گے؟ نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ اس کو رمضان کی برکات سے محروم کردیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص جائز عذر کی بنا پر اپنا کوئی معمول چھوڑ رہا ہے یا مؤخر کر رہا ہے تو انشاء اللہ اس کام کے اندر بھی اس کو وہ سارے انوار و برکات حاصل ہوجائیں گے۔ بس وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، یہ نہ ہو کہ آپ یہ کہہ دیں کہ یہ وقت تو ہمارے ذکر و اذکار کا ہے یا تلاوت کا ہے، کوئی اگر مر رہا ہے تو مرنے یا اگر کوئی بیمار پڑا ہے تو پڑا رہے۔ یہ کوئی دین کی بات نہیں ہے بلکہ وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام دین ہے۔

بے جا اصرار نہ کریں

لہٰذا مزاجوں کی رعایت کرو اور کسی شخص کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت یہ دیکھو کہ میرے اس عمل سے اس شخص کے مزاج کے پیش نظر اس کی طبیعت پر کوئی گرانی تو نہیں ہوگی، کوئی بار تو نہیں ہوگا، اس کی رعایت رکھو۔ اور یہ اصلاح معاشرت کی تعلیم کا بڑا عظیم باب ہے، آجکل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، مثلاً کسی کی طبیعت پر کوئی کام بہت بوجھ ہوتا ہے، اب اگر آپ اس کو اس کام پر اصرار کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بیچارہ اصرار سے مغلوب ہو کر آپ کی بات مان لے، لیکن آپ نے اس کی طبیعت پر جو بوجھ ڈالا اور جو گرانی آپ نے پیدا کی اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچی اس کا سبب آپ بنے، کیا معلوم اس کے سبب آپ گناہ میں مبتلا ہو گئے ہوں العیاذ باللہ۔

سفارش اس طرح کی جائے

مثلاً آجکل سفارش کرانے کا سلسلہ چل پڑا ہے، کسی دوسرے سے تعلقات کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ضرور وہ میری سفارش کرے، اور سفارش کرنے کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت بہت یاد رہتی ہے کہ۔

﴿من یشفع شفاعۃ یکن لہ نصیب منھا﴾

یعنی جو شخص اچھی سفارش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کام میں اس کا حصہ بھی لگا دیتے ہیں۔ اور اچھی سفارش کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور واقعۃً بڑی فضیلت ہے، لیکن لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سفارش اس وقت باعث فضیلت ہے جب اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے سفارش کی جائے کہ جس سے سفارش کی جارہی ہے اس کی طبیعت پر بار نہ ہو۔ اب اگر آپ نے ایک شخص کی رعایت اور اس کی

دلداری کی خاطر اس کی سفارش تو کردی لیکن جس کے پاس سفارش کی اس کی طبیعت پر ایک پہاڑ ڈال دیا، وہ تو یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا شخص مجھ سے سفارش کر رہا ہے اب اگر میں اس سفارش کو قبول کروں تو مشکل، اس لئے کہ اس کی وجہ سے اپنے اصول اور قاعدے توڑنے پڑتے ہیں، اور اگر سفارش قبول نہ کروں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ سفارش نہ ہوئی، یہ تو دباؤ ڈالنا ہوا۔ لہٰذا دوسرے کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے سفارش کرنی چاہئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی کی سفارش کرتے تو یہ عبارت ضرور لکھتے کہ "اگر آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو آپ ان کا یہ کام کر دیجئے"۔ بعض اوقات یہ عبارت بھی بڑھا دیتے کہ "اگر آپ کی کسی مصلحت کے خلاف ہو اور آپ یہ کام نہ کریں تو مجھے ادنیٰ ناگواری نہیں ہوگی"۔ یہ عبارت اس لئے لکھ دیتے تاکہ اس کے دل پر بوجھ نہ ہو۔ یہ ہے سفارش کا طریقہ۔

ایک صاحب میرے پاس آئے اور تعلقات کی مد میں کہنے لگے کہ دیکھو بھائی! میں تم سے ایک کام کہنا چاہتا ہوں، میں نے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ ایسے نہیں، بلکہ پہلے یہ وعدہ کرو کہ یہ کام کرو گے۔ میں نے کہا کہ جب تک مجھے پتہ نہیں کہ وہ کام کیا ہے، میں کیسے وعدہ کرلوں کہ میں یہ کام کروں گا۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں، پہلے وعدہ کرو کہ میرا وہ کام کرو گے۔ میں نے کہا کہ اگر وہ کام ایسا ہوا جو میرے بس میں نہ ہو تو پھر کیا کروں گا۔ کہنے لگے کہ وہ کام آپ کے بس میں ہے۔ میں نے کہا، بتا تو دیں کہ وہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک آپ یہ وعدہ نہ کریں کہ میں یہ کام کروں گا۔

میں نے ان کو ہزار سمجھایا کہ پہلے اس کام کی کچھ تفصیل تو معلوم ہو تو وعدہ کروں، ایسے کیسے وعدہ کرلوں۔ کہنے لگے کہ اگر آپ انکار کر رہے ہیں تو یہ تعلقات کے خلاف بات ہوگی۔

اب آپ بتایئے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یہ تو ایک شخص کو دباؤ میں ڈالنا ہے کہ جب تک اس کام کو کرنے کا وعدہ نہیں کرو گے اس وقت تک بتائیں گے بھی نہیں۔ چنانچہ آج کے تعلقات کا یہ لازمی حصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی سفارش کرے۔ حالانکہ یہ بات اسلامی آداب معاشرت کے قطعی خلاف ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ایک آدمی کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا اور بلاوجہ ایک آدمی کو کشمکش اور ذہنی پریشانی میں ڈالنا گناہ ہے۔

تعلق رسمیات کا نام ہوگیا ہے

آجکل تعلق اور محبت صرف "رسمیات" کا نام ہوگیا ہے، اب اگر وہ "رسمیات" پوری ہو رہی ہیں تو تعلقات کا حق ادا ہو رہا ہے، اور اگر "رسمیات" پوری نہیں ہو رہی ہیں تو تعلقات کا حق ہی ادا نہ ہوا مثلاً اگر کسی کو دعوت دی تو بس اب اس کے سر پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ ضرور اس دعوت کو قبول کریں۔ اس کا احساس نہیں کہ اس دعوت کی وجہ سے وہ کتنی دور سے آئے گا، کتنی تکلیف اٹھا کر اس دعوت میں شرکت کرے گا، اس کے حالات دعوت قبول کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں، اس سے اس دعوت دینے والے کو کوئی بحث نہیں، اس کو تو دعوت ضرور دینی ہے اور اس کو بلانا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی دعوت

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین ــــ یہ بزرگ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور سے کراچی تشریف لائے اور والد صاحب سے ملاقات کے لئے دارالعلوم تشریف لائے اور ایسے وقت تشریف لائے کہ وہ کھانے کا وقت نہیں

تھا۔ ان کے آنے پر حضرت والد صاحب بہت خوش ہوئے اور بڑے شاندار طریقے سے ان کا استقبال کیا، جب وہ رخصت ہونے لگے تو حضرت والد صاحب نے عرض کیا کہ "بھائی مولانا ادریس صاحب! میرا دل چاہ رہا تھا کہ ایک وقت کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھا لیتے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ آپ کا قیام بہت دور ہے اور آپ کے پاس وقت کم ہے، ایک دن کے بعد آپ واپس لاہور جارہے ہیں، اب اگر میں آپ پر یہ اصرار کروں کہ آپ ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ کھائیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دعوت نہ ہوگی بلکہ عداوت ہو جائے گی، اس لئے کہ آپ کے پاس وقت کم ہے، آپ اتنی دور سے دعوت کھانے کے لئے آئیں گے تو اس میں چار پانچ گھنٹے آپ کے صرف ہو جائیں گے، اس میں آپ کو مشقت اور تکلیف ہوگی، اس لئے میں آپ کی دعوت تو نہیں کرتا اگرچہ میرا دل دعوت کرنے کو چاہ رہا ہے، لیکن دعوت کے بغیر بھی دل نہیں مانتا، اس لئے میں آپ کی خدمت میں تھوڑا سا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور جتنے پیسے میں دعوت میں خرچ کرتا اتنے پیسے آپ میری طرف سے ہدیہ میں قبول کر لیجئے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پیسے ان سے لئے اور اپنے سر پر رکھ لئے اور فرمایا کہ یہ میرے لئے بڑی عظیم نعمت ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ میرا دل بھی یہ چاہ رہا تھا کہ آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں لیکن وقت میرے پاس اتنا کم ہے کہ اس کے اندر گنجائش نظر نہیں آرہی تھی اور آپ نے پہلے ہی میرے لئے یہ راستہ آسان کر دیا۔

اب بتائیے! اگر والد صاحب ان سے یہ کہتے کہ نہیں، ایک وقت کا کھانا آپ کو میرے ساتھ ضرور کھانا پڑے گا اور وہ جواب میں یہ کہتے کہ میرے پاس تو وقت نہیں ہے، والد صاحب کہتے کہ نہیں بھائی! دوستی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ایک وقت کا کھانا آپ ضرور میرے ساتھ آکر کھائیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جس کام کے لئے وہ اتنا لمبا سفر کرکے آئے ہیں وہ کام چھوڑتے اور دعوت کھانے کے لئے پانچ گھنٹے قربان کرتے۔ یہ دعوت نہ ہوتی بلکہ عداوت ہوتی۔

محبت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا

آج ان رسمیات نے نہ صرف ہمارے معاشرے کو تباہ کر رکھا ہے بلکہ دین کے اخلاق و آداب سے بھی ہمیں دور کر دیا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے تو ہمارے سارے کام سنور جائیں، فرمایا کہ "محبت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا" جس سے محبت ہے اس کو آرام پہنچاؤ، اپنی من مانی کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا نام محبت نہیں، اگر محبت کرنے والا عاشق نادان اور بیوقوف ہو تو اس کی محبت سے محبوب کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، لیکن ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ ہے کہ محبت سے تکلیف پہنچنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، اگر تم کو کسی سے محبت ہے تو اس کو تکلیف مت پہنچاؤ بلکہ راحت پہنچاؤ، چاہے اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑے لیکن راحت پہنچاؤ۔

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تشریح ہو رہی ہے کہ خالقوا الناس باخلاقهم لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج کے مطابق معاملہ کرو، جس سے معاملہ کرنے جا رہے ہو پہلے یہ دیکھ لو کہ اس کا مزاج کیا ہے، اس کے مزاج پر یہ بات بار تو نہیں ہوگی، ناگوار تو نہیں ہوگی۔ اور یہ چیز بزرگوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، ہمارا تو یہی تجربہ ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں لوگوں کی اس طرح تربیت فرمائی کہ لوگوں کے مزاج کی کس طرح رعایت رکھی جاتی ہے۔ لوگوں کے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھی اور ان کو یہ تعلیم دی کہ اس موقع پر آپ کو یہ عمل کرنا چاہئے۔

یہ آداب المعاشرت کے سلسلے کی آخری حدیث تھی، اس میں سارے احکام اور سارے آداب کی بنیادیں بیان فرما دی ہیں کہ اپنی ذات سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے، اس بات کا آدمی اہتمام اور دھیان کرے۔ ہر کام کرنے سے پہلے آدمی یہ

سوچے کہ اس کام سے دوسروں کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی، اور دوسرے کی مزاج کی رعایت کرے۔

ایک شاعر گزرے ہیں جن کا نام ہے "جگر مراد آبادی مرحوم" یہ بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں پہنچ گئے تھے، ان کا ایک شعر بڑے کام کا ہے، اگر یہ شعر ہمارا لائحہ عمل بن جائے تو یہ سارے اسلامی آدابِ معاشرت کا خلاصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ

اس نفع و ضرر کی دنیا میں یہ ہم نے لیا ہے درسِ جنوں
اپنا تو زیاں منظور سہی، اوروں کا زیاں منظور نہیں

یعنی اس دنیا میں سارے کام اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق نہیں ہوتے لیکن اس دنیا کے کام اپنی طبیعت کے خلاف ہو جائیں اور اپنے اوپر مشقت اٹھالیں اور اپنی طرف سے قربانی دیدیں، تو یہ ہمیں منظور ہے لیکن دوسروں کو ہم سے کوئی مالی، جانی ،ذہنی، نفسیاتی نقصان پہنچ جائے تو یہ ہمیں منظور نہیں۔ یہ ہی سارے دین کی تعلیم ہے اور یہی آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

جلد اول (۱)

عنوان | صفحہ نمبر

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

اصلاحی خُطبات

جلد ۱۰

- پریشانیوں کا علاج
- رمضان کس طرح گزاریں؟
- دوستی اور دشمنی میں اعتدال
- بُری حکومت کی نشانیاں
- بڑے کا اکرام کیجئے
- استخارہ کا مسنون طریقہ
- رزقِ حلال کی طلب
- غلط نِسبت سے بچئے
- تعلقات کو نبھائیے
- احسان کا بدلہ احسان

حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عُثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

اصلاحی خطبات

۱۰

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت ☜ نومبر ۱۹۹۹ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳ ☎
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

❁ میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
❁ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
❁ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
❁ اقبال بک سینٹر صدر کراچی
❁ مکتبہ الاسلام، البی فلورل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کرکے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب تین سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو

چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آتی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی دسویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ نویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے دسویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چند ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے دسویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۱۰

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان | صفحہ نمبر

فہرست مضامین

پریشانیوں کا علاج

عنوان	صفحہ نمبر

رمضان کس طرح گزاریں؟

عنوان | صفحہ نمبر

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

تعلقات کو نبھائیں

مرنے والوں کی برائی نہ کریں

عنوان	صفحہ نمبر

بحث ومباحثہ اور جھوٹ ترک کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

دین سیکھنے سکھانے کا طریقہ

عنوان	صفحہ نمبر

استخارہ کا مسنون طریقہ

عنوان	صفحہ نمبر

احسان کا بدلہ احسان

تعمیر مسجد کی اہمیت

عنوان	صفحہ نمبر

رزقِ حلال طلب کریں

عنوان	صفحہ نمبر

گناہ کی تہمت سے بچئے

بڑے کا اکرام کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

تعلیم قرآن کی اہمیت

غلط نسبت سے بچیے

عنوان	صفحہ نمبر

بُری حکومت کی نشانیاں

عنوان	صفحہ نمبر

ایثار وقربانی کی فضیلت

عنوان	صفحہ نمبر

پریشانیوں کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پریشانیوں کا علاج

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلا مضلّ له ومن یضلله فلا هادی له، ونشهد أن لا اله إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لهٗ ونشهد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولهٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلی اله وأصحابه وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

اما بعد!

عن عبداللّٰہ بن ابی اوفی رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من کانت له الی اللّٰہ حاجة او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ ولیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللّٰہ تبارک وتعالٰی ولیصل علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، ثم لیقل: لا اله الا اللّٰہ الحلیم الکریم، سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم، الحمدللّٰہ رب العٰلمین، اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرته، ولا همًّا الا فرجته ولا حاجة هی لک رضی الا قضیتها یا ارحم الراحمین۔ (ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ)

تمہید

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی کام پیش آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح سُنّت کے مطابق تمام آداب کے ساتھ وضو کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر دعا کے یہ کلمات کہے۔ (کلمات اوپر حدیث میں موجود ہیں)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہے جس کو عرف عام میں "صلوٰۃ الحاجۃ" کہا جاتا ہے۔ یعنی "نماز حاجت"۔ جب بھی کسی شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے یا کوئی پریشانی لاحق ہو جائے یا کوئی کام کرنا چاہتا ہو لیکن وہ کام ہوتا نظر نہ آرہا ہو یا اس کام کے ہونے میں رکاوٹیں ہوں تو اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو یہ تلقین فرمائی کہ وہ "نماز حاجت" پڑھے، اور نماز حاجت پڑھنے کے بعد "دعائے حاجت" پڑھے، اور پھر اپنا جو مقصد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ اگر اس کام میں خیر ہوگی تو انشاء اللہ وہ کام ضرور انجام پاجائے گا۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نماز حاجت پڑھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک مسلمان اور کافر میں فرق

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ

ظاہری اسباب اور دنیاوی اسباب تو اختیار کرتا ہے اور شرعاً ان اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت بھی ہے، لیکن ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان یہی فرق ہے کہ جب ایک کافر دنیا کے ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے تو وہ انہی اسباب پر بھروسہ کرتا ہے کہ جو اسباب میں اختیار کر رہا ہوں، انہی اسباب کے ذریعہ میرا کام بن جائے گا۔

ملازمت کے لئے کوشش

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص بے روزگار ہے اور اس بات کے لئے کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اچھی ملازمت مل جائے، اب ملازمت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ جگہیں تلاش کرے، اور جہاں کہیں ملازمت ملنے کا امکان ہو وہاں درخواست دے، اور اگر کوئی جاننے والا ہے تو اس سے اپنے حق میں سفارش کروائے وغیرہ۔ یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ اب ایک کافر سارا بھروسہ انہی ظاہری اسباب پر کرتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ درخواست ٹھیک طریقے سے لکھ دوں، سفارش اچھی کرا دوں اور تمام ظاہری اسباب اختیار کرلوں اور بس۔ اس کی پوری نگاہ اور پورا بھروسہ انہی اسباب پر ہے۔ یہ کام کافر کا ہے۔

اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ اسباب تو وہ بھی اختیار کرتا ہے، درخواست وہ بھی دیتا ہے، اور اگر سفارش کی ضرورت ہے تو جائز طریقے سے وہ سفارش بھی کراتا ہے، لیکن اس کی نگاہ ان اسباب پر نہیں ہوتی، وہ جانتا ہے کہ نہ یہ درخواست کچھ کر سکتی ہے اور نہ یہ سفارش کچھ کر سکتی ہے، کسی مخلوق کی قدرت اور اختیار میں کوئی چیز نہیں، ان اسباب کے اندر تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ جل جلالہ کی ذات ہے، وہ مسلمان تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اسی ذات سے مانگتا ہے کہ یا اللہ! ان اسباب کو اختیار کرنا آپ کا حکم تھا، میں نے یہ اسباب اختیار کرلئے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، میں آپ ہی سے مانگتا ہوں کہ آپ میری یہ مراد پوری فرمادیجئے۔

بیمار آدمی کی تدابیر

مثلاً ایک شخص بیمار ہو گیا، اب ظاہری اسباب یہ ہیں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جائے اور جو دوا وہ تجویز کرے وہ دوا استعمال کرے، جو تدبیر وہ بتائے وہ تدبیر اختیار کرے، یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ لیکن ایک کافر شخص جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے، وہ سارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر کرے گا، ڈاکٹر پر کرے گا، البتہ ایک مؤمن بندے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ تم دوا اور تدبیر ضرور کرو، لیکن تمہارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر نہ ہونا چاہئے بلکہ تمہارا بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات شفا دینے والی ہے۔ اگر وہ ذات ان دواؤں اور تدبیروں میں تاثیر نہ ڈالیں تو پھر ان دواؤں اور تدبیروں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ ایک ہی دوا، ایک ہی بیماری میں ایک انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن وہی دوا اسی بیماری میں دوسرے انسان کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت دوا میں تاثیر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو مٹی کی ایک چٹکی میں تاثیر عطا فرمادیں، اگر وہ تاثیر عطا نہ فرمائیں تو بڑی سے بڑی دوا اور مہنگی سے مہنگی دوا میں تاثیر عطا نہ فرمائیں۔

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرو لیکن تمہارا بھروسہ ان اسباب پر نہ ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد یہ دعا کرو کہ یا اللہ! جو کچھ میرے بس میں تھا اور جو ظاہری تدابیر اختیار کرنا میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کرلیا، لیکن یا اللہ! ان تدابیر میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ان تدابیر کو کامیاب بنانے والے آپ ہیں، آپ ہی ان میں تاثیر عطا فرمایئے اور آپ ہی ان کو کامیاب بنایئے۔

تدبیر کے ساتھ دعا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کا ایک عجیب اور خوبصورت جملہ منقول ہے کہ جب بھی آپ کسی کام کی کوئی تدبیر فرماتے، چاہے دعا کی ہی تدبیر فرماتے تو اس تدبیر کے بعد یہ جملہ ارشاد فرماتے۔

﴿اللھم ھذا الجھد وعلیک التکلان﴾

(ترمذی، ابواب الدعوات، باب نمبر ۳۰)

یا اللہ! میری طاقت میں جو کچھ تھا وہ میں نے اختیار کرلیا، لیکن بھروسہ آپ کی ذات پر ہے، آپ ہی اپنی رحمت سے اس مقصد کو پورا فرمادیجئے۔

زاویہ نگاہ بدل دو

یہی وہ بات ہے جو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ دین درحقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، بس ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو دین ہوگیا، اور اگر زاویہ نگاہ نہ بدلو تو وہی دنیا ہے، مثلاً ہر مذہب یہ کہتا ہے کہ جب بیماری آئے تو علاج کرو، اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ بیمار ہونے پر علاج کرو، لیکن بس زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا فرق ہے، وہ یہ کہ علاج ضرور کرو لیکن بھروسہ اس علاج پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ جلّ جلالہ کی ذات پر کرو۔

"ھوالشافی" نسخہ پر لکھنا

اسی وجہ سے اس زمانہ میں مسلمان اطباء کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی مریض کا نسخہ لکھتے تو سب سے پہلے نسخہ کے اوپر "ھوالشافی" لکھا کرتے تھے یعنی شفاء دینے والا اللہ ہے۔ یہ "ھوالشافی" لکھنا ایک اسلامی طریقہ کار تھا۔ اس زمانے میں انسان

کے ہر ہر نقل و حرکت اور ہر ہر قول و فعل میں اسلامی ذہنیت، اسلامی عقیدہ اور اسلامی تعلیمات منعکس ہوتی تھیں۔ ایک طبیب ہے جو علاج کر رہا ہے لیکن نسخہ لکھنے سے پہلے اس نے "ھوالشافی" لکھ دیا، یہ لکھ کر اس نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اس بیماری کا نسخہ تو لکھ رہا ہوں لیکن یہ نسخہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہوگا جب تک وہ شفا دینے والا شفا نہیں دے گا۔ ایک مؤمن ڈاکٹر اور طبیب پہلے ہی قدم پر اس کا اعتراف کر لیتا تھا، اور جب "ھوالشافی" کا اعتراف کر کے نسخہ لکھتا تو اس کا نسخہ لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

مغربی تہذیب کی لعنت کا اثر

لیکن جب سے ہمارے اوپر مغربی تہذیب کی لعنت مسلط ہوئی ہے، اس وقت سے اس نے ہمارے اسلامی شعائر کا ملیا میٹ کر ڈالا۔ اب آج کل کے ڈاکٹر کو نسخہ لکھتے وقت نہ "بسم اللہ" لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ "ھوالشافی" لکھنے کی ضرورت ہے، بس اس نے تو مریض کا معائنہ کیا اور نسخہ لکھنا شروع کر دیا، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سائنس ہمارے پاس ایسے کافروں کے واسطے سے پہنچی ہے جن کے دماغ میں اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ان کا سارا بھروسہ اور اعتماد انہی اسباب اور انہی تدابیر پر ہے، اس لئے وہ صرف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

اسلامی شعائر کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے سائنس کو حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی، سائنس کسی قوم کی میراث نہیں ہوا کرتی، علم کسی قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتی، مسلمان بھی سائنس ضرور حاصل کرے، لیکن اپنے اسلامی شعائر کو تو محفوظ رکھے اور اپنے

دین و ایمان کی تو حفاظت کرے، اپنے عقیدہ کی کوئی جھلک تو اس کے اندر داخل کرے۔ یہ تو نہیں ہے کہ جو شخص ڈاکٹر بن گیا اس کے لئے "ھوالشافی" لکھنا حرام ہو گیا، اب اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے "شافی" ہونے کے عقیدے کا اعلان کرنا ناجائز ہو گیا، اور وہ ڈاکٹر یہ سوچنے لگے کہ اگر میں نے نسخہ کے اوپر "ھوالشافی" لکھ دیا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ "بیک ورڈ" آدمی ہے، بہت پسماندہ ہے، اور یہ لکھنا تو ڈاکٹری کے اصول کے خلاف ہے۔ ارے بھائی! اگر تم ڈاکٹر ہو تو ایک مسلمان ڈاکٹر ہو، اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھنے والے ہو، لہٰذا تم اس بات کا پہلے ہی اعلان کر دو کہ جو کچھ تدبیر ہم کر رہے ہیں یہ ساری تدبیر اللہ جل جلالہ کی تاثیر کے بغیر بیکار ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

تدبیر کے خلاف کام کا نام "اتفاق"

بڑے بڑے ڈاکٹر، اطباء اور معالجین روزانہ اللہ جل جلالہ کی تاثیر اور فیصلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہم تدبیر کچھ کر رہے تھے مگر اچانک کیا سے کیا ہو گیا، اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہماری ظاہری سائنس سب بیکار ہو گئی۔ لیکن اس اچانک اور ان کی ظاہری سائنس کے خلاف پیش آنے والے واقعہ کو "اتفاق" کا نام دے دیتے ہیں کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا۔

کوئی کام "اتفاقی" نہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کی دنیا جس کو "اتفاق" کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا، یہ سب غلط ہے۔ اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب

کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہوگیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلارہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہورہا ہے، کوئی ذرہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں تھی، جب اللہ تعالیٰ نے اس دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تھی تو فائدہ ہوگیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو اس دوا سے فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے "اتفاق" کا کیا مطلب؟

مسبّب الاسباب پر نظر ہو

بس انسان یہی زاویہ نگاہ بدل لے کہ تدبیروں اور اسباب پر بھروسہ نہ ہو، بلکہ مسبّب الاسباب پر بھروسہ ہو کہ وہ سب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب تمہارے لئے پیدا کئے ہیں۔ لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرمادیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبّب الاسباب پر رہتی تھی۔ صحابۂ کرامؓ اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ حاصل ہوجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے عجیب و غریب کرشمے بندے کو دکھاتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا زہر پینا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، قلعہ کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صلح ہو جائے۔ لہٰذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ان کا سردار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یہ شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہو گئی تو ٹھیک، اور اگر بات چیت ناکام ہو گئی اور صلح نہ ہو سکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بلکہ یہ زہر پی کر خودکشی کر لونگا۔

تمام صحابۂ کرامؓ کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ اس کو اس وقت دین کی دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سردار سے پوچھا: کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے تو فوراً موت واقع ہو جائے گی؟ اس سردار نے جواب دیا کہ ہاں مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا یہ ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتا سکا، کیونکہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتا سکے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مر جاؤں گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سردار سے کہا کہ یہ زہر کی

شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے، یہ ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی۔ آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا کہ اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرمادیں، میں اللہ کا نام لے کر اور یہ دعا پڑھ کر بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم (اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے) میں اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں۔ اس سردار نے کہا کہ جناب! یہ آپ اپنے اوپر ظلم کررہے ہیں، یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہوجاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ دعا پڑھ کر وہ زہر کی پوری شیشی پی گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے، وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

ہر کام میں مشیت خداوندی

بہرحال، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ جو کچھ اس کائنات میں ہورہا ہے وہ اللہ جل شانہ کی مشیت سے ہورہا ہے ان کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ عقیدہ ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہوچکا تھا کہ اس کے بعد یہ تمام اسباب بے حقیقت نظر آرہے تھے۔ اور جب آدمی اس ایمان و یقین کے ساتھ کام کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت کے کرشمے بھی دکھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ تم اسباب پر جتنا بھروسہ کروگے، اتنا ہی ہم تمہیں اسباب کے ساتھ باندھ دیں گے، اور جتنا تم اس کی

ذات پر بھروسہ کرو گے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ تم کو اسباب سے بے نیاز کر کے تمہیں اپنی قدرت کے کرشمے دکھائیں گے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات میں قدم قدم پر یہ چیز نظر آتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ تن تنہا سو گئے، آپ کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا، کسی کافر نے آپ کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آ گیا اور بالکل آپ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ نہتے ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ نے اطمینان سے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ کے اوپر پریشانی اور گھبراہٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ہاتھ میں اٹھالی اور فرمایا کہ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے پر بھروسہ کر رہا تھا اور

اس تلوار میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہی اسوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے پیش فرمایا، اور اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب بھی اختیار کرتے تھے مگر ساتھ میں بھروسہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے۔

پہلے اسباب پھر توکل

ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جنگل میں اونٹنی لے کر جاتا ہوں اور وہاں نماز کا وقت آجاتا ہے، تو جب نماز کا وقت آجائے اور اس وقت جنگل میں نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کروں تو اس وقت اپنی اونٹنی کا پاؤں کسی درخت کے ساتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا اس اونٹنی کو نماز کے وقت کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِعْقِلْ ساقھاوتوکّل یعنی اس اونٹنی کی پنڈلی رسّی سے باندھ کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ یعنی آزاد نہ چھوڑو بلکہ اس کو پہلے رسّی سے باندھ دو، لیکن باندھنے کے بعد پھر بھروسہ اس رسّی پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔ اس لئے کہ وہ رسّی ٹوٹ بھی سکتی ہے، وہ رسّی دھوکہ بھی دے سکتی ہے۔ اسی حدیث کے مضمون کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک مصرعہ کے اندر بیان فرماتے ہیں کہ:

بہ توکل پایۂ اشتر ببند

یعنی توکل پر اونٹنی کا پاؤں باندھو۔ لہٰذا توکل اور اسباب کا اختیار کرنا یہ دونوں چیزیں ایک مؤمن کے ساتھ اس کی زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، پہلے اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دے اللّٰھم ھذا الجھدو علیک التکلان یا اللہ جو تدبیر اور جو کوشش میرے اختیار میں تھی وہ میں نے اختیار کرلی، اب آگے بھروسہ آپ کی ذات پر ہے۔

اسباب کی یقینی موجودگی کی صورت میں توکل

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لطیف بات یاد آگئی، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ توکل صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب ظاہری اسباب کے ذریعہ کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال موجود ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ کام ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کام نہ ہو، اس وقت تو توکل کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے۔ لیکن جہاں پر کسی کام کے ہوجانے کی یقینی صورت موجود ہو، وہاں پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں، وہ نہ توکل کا موقع ہے اور نہ ہی دعا کا موقع ہے۔

مثلاً ہم دسترخوان پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ہیں، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک لگی ہوئی ہے، یہ بات بالکل یقینی ہے کہ ہم یہ اٹھا کر کھالیں گے، اب ایسے موقع پر کوئی شخص بھی نہ توکل کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یااللہ! یہ کھانا مجھے کھلادیجئے۔ اور نہ ہی کوئی شخص توکل اور دعا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

توکل کا اصل موقع یہی ہے

لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل کا اصل موقع تو یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اصل موقع یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس ظاہری سبب پر بھروسہ نہیں ہے جو میرے سامنے رکھا ہے، بلکہ مجھے آپ کے رزق دینے پر، آپ کی تخلیق پر، آپ کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ ہے۔ اس لئے جب کھانا سامنے دسترخوان پر آجائے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا عافیت کے ساتھ

کھلا دیجئے۔ کیونکہ اگرچہ غالب گمان یہ ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہے، صرف ہاتھ بڑھا کر کھانے کی دیر ہے، لیکن یہ مت بھولو کہ یہ کھانا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوگا، کتنے واقعات ایسے پیش آچکے ہیں کہ کھانا دسترخوان پر رکھا تھا، صرف ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی، لیکن کوئی ایسا عارض پیش آگیا یا کوئی ایسی پریشانی کھڑی ہوگئی یا کوئی ایسا حادثہ پیش آگیا کہ آدمی وہ کھانا نہیں کھاسکا، وہ کھانا رکھا کا رکھا رہ گیا۔ لہٰذا اگر کھانا سامنے موجود ہو تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا مجھے کھلا دیجئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ پر تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ کام ہوجائے گا، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! مجھے تو بظاہر نظر آرہا ہے کہ یہ کام ہوجائے گا، لیکن مجھے پتہ نہیں کہ حقیقت میں یہ کام ہوجائے گا یا نہیں، کیونکہ حقیقت میں تو آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے اللہ! اس کام کو ٹھیک انجام تک پہنچا دیجئے۔

دونوں صورتوں میں اللہ سے مانگے

جو حدیث میں نے شروع میں بیان کی تھی، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ ارشاد فرمائے، وہ یہ کہ تمہیں یا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی ضرورت پیش آئے۔ یہ دو لفظ اس لئے ارشاد فرمائے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جس میں کسی آدمی کی مدد یا اس کی مداخلت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہے، اب ظاہری اسباب میں بھی کسی انسان سے اولاد نہیں مانگی جاسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاسکتی ہے۔ بہرحال، وہ خواہش اور ضرورت خواہ ایسی ہو جو براہِ راست اللہ تعالیٰ دینے والے ہیں یا ایسی ضرورت ہو جو آدمی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ جیسے ملازمت اور روزی وغیرہ۔ دونوں صورتوں میں

حقیقت میں تمہارا مانگنا اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے۔

اطمینان سے وضو کریں

بہرحال، اب اگر تمہارے پاس وقت میں گنجائش ہے اور وہ کام بہت جلدی اور ایمرجنسی کا کام نہیں ہے تو اس کام کے لئے پہلے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھو۔ اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا طریقہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے وضو کرو اور اچھی طرح وضو کرو۔ یعنی وہ وضو محض فرض ٹالنے کے انداز میں نہ کرو بلکہ یہ سمجھ کر کرو کہ یہ وضو درحقیقت ایک عظیم الشان عبادت کی تمہید ہے، اس وضو کے کچھ آداب اور کچھ سنتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہیں، ان سب کا اہتمام کر کے وضو کرو۔ ہم لوگ دن رات بے خیالی میں جلدی جلدی وضو کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، بے شک اس طرح وضو کرنے سے وضو ہو تو جاتا ہے لیکن اس وضو کے انوار و برکات حاصل نہیں ہوتیں۔

وضو سے گناہ دُھل جاتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت بندہ وضو کرتا ہے اور وضو کے دوران اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے سے جتنے گناہ کئے ہیں وہ سب چہرہ کے پانی کے ساتھ دُھل جاتے ہیں، اور جب دایاں ہاتھ دھوتا ہے تو دائیں ہاتھ کے جتنے گناہ ہوتے ہیں وہ سب دُھل جاتے ہیں، اور جب بایاں ہاتھ دھوتا ہے تو بائیں ہاتھ کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اس طرح جو جو عضو وہ دھوتا ہے اس عضو کے گناہ صغیرہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب وضو کیا کرو تو ذرا یہ تصور کیا کرو کہ میں اپنا چہرہ دھو رہا ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق میرے چہرے کے گناہ دُھل رہے ہیں، اب ہاتھ دھو رہا

ہوں تو ہاتھ کے گناہ دُھل رہے ہیں، اسی تصوّر کے ساتھ مسح کرو اور اسی تصوّر کے ساتھ پاؤں دھوئے۔ وہ وضو جو اس تصوّر کے ساتھ کیا جائے اور وہ وضو جو اس تصوّر کے بغیر کیا جائے، دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا اور اس وضو کا لطف محسوس ہوگا۔

وضو کے دوران کی دعائیں

بہرحال، ذرا دھیان کے ساتھ وضو کرو اور وضو کے جو آداب اور سنّتیں ہیں، ان کو ٹھیک ٹھیک بجالاؤ۔ مثلاً قبلہ رو ہو کر بیٹھو، اور ہر ہر عضو کو تین تین مرتبہ اطمینان سے دھو، اور وضو کی جو مسنون دعائیں ہیں وہ وضو کے دوران پڑھو۔ مثلاً یہ دعا پڑھو:

﴿اللھم اغفرلی ذنبی و وسع لی فی داری و بارک لی فی مارزقتنی﴾ (ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء یقال فی اللیل)

اور کلمہ شہادت پڑھے:

﴿اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمدا عبده و رسوله﴾

اور وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

﴿اللھم اجعلنی من التوّابین واجعلنی من المتطھرین﴾ (ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فیما یقال بعد الوضوء)

بس اچھی طرح وضو کرنے کا یہی مطلب ہے۔

"صلوٰۃ الحاجۃ" کے لئے خاص طریقہ مقرر نہیں

پھر دو رکعت "صلوٰۃ الحاجۃ" کی نیت سے پڑھو، اور اس صلوٰۃ الحاجۃ کے طریقے

میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "صلوٰۃ الحاجۃ" پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "صلوٰۃ الحاجۃ" کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی سورۃ کی تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے تجربات ہیں کہ اگر "صلوٰۃ الحاجۃ" میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو اس کو سُنّت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سُنّت سمجھ کر اختیار کرے گا تو وہ بدعت ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں سورۃ الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورۃ "اذا جاء نصر اللہ" پڑھ لیا کرو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورتیں نماز حاجت میں پڑھنا سُنّت ہے بلکہ بزرگوں کے تجربے سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سُنّت سمجھے بغیر ان سورتوں کو پڑھے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر ان کے علاوہ کوئی دوسری صورت پڑھ لے تو اس میں سُنّت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہرحال، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بلکہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کر لے کہ میں یہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کے طور پر پڑھتا ہوں۔

نماز کے لئے نیت کس طرح کی جائے؟

یہاں پر یہ بھی عرض کردوں کہ آج کل لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ ہر نماز کی نیت کے الفاظ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور جب تک وہ الفاظ نہ کہے جائیں اس وقت تک نماز نہیں ہوتی، اسی وجہ سے لوگ بار بار یہ پوچھتے بھی رہتے ہیں کہ فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوتی ہے؟ اور فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوگی؟ اور لوگوں نے نیت کے الفاظ کو باقاعدہ نماز کا حصہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ "نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز کی، پیچھے اس امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف وغیرہ وغیرہ" خوب سمجھ لیں کہ نیت ان الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے، جب آپ نے گھر سے نکلتے وقت دل میں یہ نیت کرلی کہ میں ظہر کی نماز پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نماز جنازہ پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نماز عید پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ میں نماز حاجت پڑھنے جارہا ہوں، بس نیت ہوگئی۔ اب یہ الفاظ زبان سے کہنا نہ تو واجب ہیں نہ ضروری ہیں، نہ سنت ہیں، نہ مستحب ہیں، زیادہ سے زیادہ جائز ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا نہ کوئی مخصوص طریقہ ہے اور نہ ہی نیت کے لئے الفاظ مخصوص ہیں، بلکہ عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھ لو۔

دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء

پھر جب دو رکعتیں پڑھ لیں تو اب دعا کرو۔ اور یہ دعا کس طرح کرو، اس کے آداب بھی خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیئے۔ یہ نہیں کہ بس سلام پھیرتے ہی دعا شروع کردو، بلکہ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرو اور یہ کہو یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں، آپ کا شکر اور احسان ہے۔

حمد و ثناء کی کیا ضرورت ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کیوں کی جائے؟ اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی ایک وجہ تو علماء کرامؒ نے یہ بتائی ہے کہ جب آدمی کسی دنیاوی حاکم کے پاس اپنی غرض لے کر جاتا ہے تو پہلے اس کی تعظیم اور تکریم کے لئے کچھ الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تاکہ یہ خوش ہو کر میری مراد پوری کردے۔ لہٰذا جب دنیا کے ایک معمولی سے حاکم کے سامنے پیش ہوتے وقت اس کے لئے تعریفی کلمات استعمال کرتے ہو تو جب تم احکم الحاکمین کے دربار میں جارہے ہو تو اس کے لئے بھی تعریف کے الفاظ زبان سے کہو کہ یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں اور آپ کا شکر و احسان ہے، آپ میری یہ ضرورت پوری فرمادیجئے۔

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کی دوسری وجہ بھی ہے اور مجھے ذوقی طور پر اس دوسری وجہ کی طرف زیادہ رجحان ہوتا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت پیش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو چونکہ انسان اپنی ضرورت کا غلام ہے اور غرض کا بندہ ہے، اور جب اس کو کسی چیز کی ضرورت اور غرض پیش آتی ہے تو وہ ضرورت اس کے دل و دماغ پر مسلط ہوجاتی ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں ضرورت پوری فرمادیجئے۔ اس دعا کے وقت اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس دعا میں ناشکری کا پہلو شامل نہ ہوجائے کہ یا اللہ! آپ میری ضرورت پوری نہیں فرمارہے ہیں، میری حاجتیں آپ پوری نہیں فرمارہے ہیں۔ حالانکہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں، دعا کے وقت ان نعمتوں کی طرف انسان کا دھیان نہیں جاتا اور بس اپنی ضرورت اور غرض کو لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی حاجت اور ضرورت لے کر جاؤ تو اس حاجت اور ضرورت کو اللہ تعالیٰ سے ضرور مانگو، لیکن پہلے اس بات کا

استحضار کرلو کہ اس حاجت اور ضرورت کے ابھی تک پورا نہ ہونے کے باوجود تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی کتنی بے شمار نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ پہلے ان کا تو شکر ادا کرلو کہ یا اللہ! یہ نعمتیں جو آپ نے اپنی رحمت سے مجھے دے رکھی ہیں، اس پر آپ کا شکر ہے اور آپ کی حمد ہے، آپ کی ثناء ہے، البتہ ایک حاجت اور ضرورت اور ہے، یا اللہ! اس کو بھی اپنے فضل سے پورا فرما دیجئے۔ تاکہ انسان کی دعا میں ناشکری کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔

غم اور تکالیف بھی نعمت ہیں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ انسان کو زندگی میں جو غم، صدمے اور تکلیفیں پیش آتی ہیں، اگر انسان غور کرے تو یہ تکلیفیں بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، فقر و فاقہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اگر انسان کو حقیقت شناس نگاہ مل جائے تو وہ یہ دیکھے کہ یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں کس طرح سے نعمت ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے، تو جن لوگوں پر دنیا میں زیادہ تکالیف اور مصیبتیں نہیں گزری ہوں گی، وہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں اور پھر ہم اس پر صبر کرتے اور اس صبر پر وہ اجر ملتا جو آج ان صبر کرنے والوں کو مل رہا ہے۔ بہرحال، حقیقت میں یہ تکلیف بھی نعمت ہیں، مگر چونکہ ہم کمزور ہیں اس وجہ سے ہمیں ان کے نعمت ہونے کا استحضار نہیں ہوتا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی عجیب دعا

حضرت حاجی صاحبؒ یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ اسی دوران مجلس میں

ایک شخص آگیا جو معذور تھا اور مختلف بیماریوں میں مبتلا تھا، وہ آکر حضرت حاجی صاحبؒ سے کہنے لگا کہ حضرت! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے نجات دے دیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جو حاضرین مجلس تھے، حیران ہوگئے کہ ابھی تو حضرت حاجی صاحبؒ فرمارہے تھے کہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہوتی ہیں اور اب یہ شخص تکلیف کے ازالے کی دعا کرارہا ہے، اب اگر حضرت حاجی صاحبؒ اس شخص کے لئے تکلیف کے ازالے کی دعا کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعمت کے ازالے کی دعا کریں گے؟ حضرت حاجی صاحبؒ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! حقیقت میں یہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہیں، لیکن اے اللہ! ہم کمزور ہیں، آپ ہماری کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے اس تکلیف کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔

تکلیف کے وقت دوسری نعمتوں کا استحضار

اور پھر عین تکلیف کے وقت انسان کو جو بیشمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، انسان ان کو بھول جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کے پیٹ میں درد ہورہا ہے، تو اب وہ اس پیٹ کے درد کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتا کہ آنکھ جو اتنی بڑی نعمت اس کو ملی ہوئی ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں۔ کان کتنی بڑی نعمت ملی ہوئی ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں۔ زبان میں کوئی تکلیف نہیں۔ دانتوں میں کوئی تکلیف نہیں۔ سارے جسم میں اور کسی جگہ تکلیف نہیں، بس صرف پیٹ میں معمولی تکلیف ہورہی ہے۔ اب یہ دعا ضرور کرو کہ یا اللہ! پیٹ کی تکلیف دور کردیجئے، لیکن دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد و ثناء کرو کہ یا اللہ! جو اور بیشمار نعمتیں آپ نے عطا کی ہوئی ہیں، اے اللہ! ہم اس پر آپ کا شکر ادا کرتے ہیں، البتہ اس وقت جو یہ تکلیف آگئی ہے اس کے لئے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس تکلیف کو دور کردیجئے۔

حضرت میاں صاحبؒ اور شکر نعمت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ مادر زاد ولی اللہ تھے اور عجیب وغریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب ان کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت میاں صاحب بیمار ہیں اور ان کو بخار ہے۔ میں عیادت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شدید بخار میں تپ رہے ہیں اور بخار کی کرب اور بے چینی کی تکلیف میں ہیں۔ میں نے جاکر سلام کیا اور پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ طبیعت کیسی ہے؟ جواب میں فرمایا "الحمد للہ میری آنکھیں صحیح کام کررہی ہیں۔ الحمد للہ میرے کان صحیح کام کررہے ہیں، الحمد للہ میری زبان صحیح کام کررہی ہے۔ جتنی تکلیفیں نہیں تھیں ان سب کا ایک ایک کرکے ذکر کیا کہ ان سب میں کوئی بیماری نہیں ہے، البتہ بخار ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرمادے۔ یہ ہے ایک شکر گزار بندے کا عمل جو عین تکلیف میں بھی ان راحتوں اور نعمتوں کا استحضار کررہا ہے جو اس وقت حاصل ہیں، جس کی وجہ سے اس تکلیف کی شدت میں بھی کمی آتی ہے۔

حاصل شدہ نعمتوں پر شکر

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو تلقین فرمارہے ہیں کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس وقت جو حاجت اور ضرورت پیش کرنے جارہے ہو، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس وقت تمہیں حاصل ہیں، پہلے ان کا استحضار کرکے ان پر شکر ادا کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔

حمد و ثناء کے بعد درود شریف کیوں؟

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد کیا کرے؟ اس کے لئے ارشاد فرمایا کہ ولیصل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حمد و ثناء کے بعد اور اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس وقت درود بھیجنے کا کیا موقع ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت پر بہت ہی زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جب میرا اُمتی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگے تو اس کی وہ دعا رد نہ ہو۔ پوری کائنات میں درود شریف کے علاوہ کسی دعا کے بارے میں یہ گارنٹی نہیں ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگی، لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے تو اس کے بارے میں یہ گارنٹی یقینی ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگا۔ جب ہم درود بھیجتے ہیں۔ اللّٰھم صلی علی محمد وعلی آل محمد النبی الامی اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرمایئے۔ یہ ایسی دعا ہے کہ اس کے رد ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس کی قبولیت کا وعدہ ہے، اس کی قبولیت کی گارنٹی ہے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تو پہلے سے رحمتیں نازل ہورہی ہیں اور مزید نازل ہوتی رہیں گی، وہ ہمارے درود بھیجنے کے محتاج نہیں ہیں۔

درود شریف بھی قبول اور دعا بھی قبول

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ میرے اُمتی اپنی مراد اور ضرورت مانگنے سے پہلے مجھ پر درود بھیج دیں تو اللہ تعالیٰ اس درود کو ضرور قبول فرمائیں گے، اور جب درود شریف کو قبول فرمائیں گے تو اس حاجت اور ضرورت کی دعا کو بھی ضرور قبول فرمائیں گے، اس لئے کہ ان کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ ایک دعا کو تو قبول فرمالیں اور دوسری دعا کو رد فرمادیں۔ اس لئے درود شریف کے

بعد کی جانے والی دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدیہ کا بدلہ

ایک دوسری وجہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر بھر کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ لے کر آتا تو آپ اس ہدیہ کا کچھ نہ کچھ بدلہ ضرور دیا کرتے تھے اور ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ درود شریف بھی ایک ہدیہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص دور سے درود شریف بھیجتا ہے تو وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اور جو شخص قبر پر آکر مجھ کو سلام کرے اور درود بھیجے تو میں خود اس کو سنتا ہوں۔ یہ درود شریف ایک اُمتی کا تحفہ اور ہدیہ ہے جو آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب دنیا میں اور زندگی میں آپ کی سُنّت یہ تھی کہ جب آپ کے پاس کوئی شخص ہدیہ لے کر آتا تو آپ اس کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور اس ہدیہ کے بدلے ہدیہ دیا کرتے تھے، تو امید یہ ہے کہ عالم برزخ میں جب ایک اُمتی کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف کا یہ ہدیہ پہنچے گا تو آپ اس ہدیہ کا بھی بدلہ عطا فرمائیں گے، وہ بدلہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمتی کے حق میں دعائیں کریں گے کہ یا اللہ! اس اُمتی نے میرے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے اور میرے لئے دعا کی ہے، اے اللہ! میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اس کی مراد پوری فرمادیں۔ لہٰذا جو اُمتی درود بھیجنے کے بعد دعا کرے گا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے وہاں دعا فرمائیں گے۔ اس لئے جب دعا کرنے بیٹھو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔

دعاء حاجت کے الفاظ

اس کے بعد دعا کے یہ الفاظ کہو "لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم" اللہ تعالیٰ

کے اسماء حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود خاصیتیں رکھی ہیں اس لئے جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسماء حسنیٰ کا ذکر کرو تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہوتا ہے۔ لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات کہنے چاہئیں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہیں اور کریم ہیں۔ "حلم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور "کرم" بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔

ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کرسکوں، اس وجہ سے کہ میرے گناہ بے شمار ہیں، میری خطائیں بے شمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے، لیکن چونکہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے، اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطاکار ہو، اس خطاکار کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آکر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بلکہ اپنی صفت "حلم" کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں صفت "حلم" کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں، اور آپ کی صفت "حلم" کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔ اور پھر صفت "کرم" کا معاملہ فرمائیں یعنی صرف یہ نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں بلکہ اوپر سے مزید نوازشیں عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اوپر فرمائیں۔ صفت کرم اور صفت حلم کا واسطہ دے کر دعا کرو۔

اس کے بعد فرمایا سبحان اللہ رب العرش العظیم اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ والحمدللہ رب العلمین اور تمام تعریفیں اس اللہ کے

لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے۔ اللّٰھم انی اسألک موجبات رحمتک اے اللہ میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت کا موجب ہوں۔ وعزائم مغفرتک اور آپ کی پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ والغنیمۃ من کل بر اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمایئے۔ والسلامۃ من کل اثم اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھئے۔ لاتدع لنا ذنبًا الا غفرتہ ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑیئے جس کو آپ نے معاف نہ فرمایا ہو۔ یعنی ہر گناہ کو معاف فرمادیجئے ولاھمًّا الا فرجتہ اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیئے جس کو آپ نے دور نہ فرمادیا ہو۔ ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین اور کوئی حاجت جس میں آپ کی رضامندی ہو ایسی نہ چھوڑیئے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرمایا ہو۔ یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے، یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کرلینی چاہئے۔ اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

ہر ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت بیان کی گئی ہے کہ: ﴿کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر صلی﴾

(ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب وقت قیام النبی ؐ من اللیل)

یعنی جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا تو آپ سب سے پہلے نماز کی طرف دوڑتے اور یہی صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرمادیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کرے

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہیں ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے، تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ہی دعا کے یہ الفاظ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کردے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے تو بڑی چیز اور زیادہ اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔ اور درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے، جوتے کے تسمہ کا درست ہوجانا یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں، ان کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں، ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے، اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں، اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے بڑی حاجت ہو یا چھوٹی حاجت ہو، بس اللہ ہی سے مانگو۔

یہ پریشانیاں اور ہمارا حال

آج کل ہمارے شہر میں ہر شخص پریشان ہے، ہمارے شہر کی کیا حالت بنی ہوئی ہے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو ان حالات کی وجہ سے بے چینی اور بے تابی کا شکار نہ ہو، کوئی براہ راست مبتلا ہے اور کوئی بالواسطہ مبتلا ہے، کوئی اندیشوں کا شکار ہے، کسی کی جان مال عزت آبرو محفوظ نہیں، سب کا بُرا حال ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک اس صورت حال پر

تبصرے تو بہت کرتے ہیں، جہاں چار آدمی بیٹھے اور تبصرے شروع ہو گئے، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں نے یہ غلطی کی، فلاں نے یہ غلطی کی، حکومت نے یہ غلطی کی وغیرہ۔ لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو تڑپ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی، کہ یا اللہ! یہ مصیبت ہم پر مسلط ہے، ہمارے گناہوں کا وبال ہم پر مسلط ہے، ہماری شامت اعمال ہم پر مسلط ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے اس کو دور فرمادیں۔ بتایئے کہ ہم میں سے کتنوں کو اس کی توفیق ہوئی؟

تبصرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں

۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کے سقوط کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ذلت کا ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو اس موقع پر پیش آیا کہ نوے ہزار مسلمانوں کی فوج ہندوؤں کے آگے ہتھیار ڈال کر ذلیل ہو گئی۔ تمام مسلمانوں پر اس کے صدمے کا اثر تھا، سب لوگ پریشان تھے۔ اسی دوران میری حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے یہاں حاضری ہوئی، میرے ساتھ میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم بھی تھے، جب وہاں پہنچے تو کچھ خاص خاص لوگ وہاں موجود تھے، اب وہاں پر تبصرے شروع ہو گئے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ کون اس کا سبب بنا؟ کس کی غلطی ہے؟ کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے، کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے، کسی نے کہا کہ فوج کی غلطی ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر تک سب کی باتیں سنتے رہے، اس کے بعد حضرت والا فرمانے لگے کہ اچھا بھائی! آپ لوگوں نے کوئی فیصلہ کرلیا کہ کون مجرم ہے؟ اور کون بے گناہ ہے؟ اور اس فیصلے کے نتائج کیا نکلے؟ جو مجرم ہے کیا اس کو سزا دو گے؟ اور جو بے گناہ ہے اس کی برأت کا اظہار کردو گے؟ یہ بتاؤ کہ اتنی دیر تک تم جو تبصرے کرتے رہے اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ تمہیں حاصل ہوا؟

تبصرہ کے بجائے دعا کریں

اگر اتنی دیر تم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھادیتے اور اللہ تعالیٰ سے کہتے کہ یا اللہ! ہماری شامت اعمال کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آگئی ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہم سے اس مصیبت کو دور فرما اور ہماری شامت اعمال کو رفع فرما اور اس ذلت کو عزت سے بدل دیجئے۔ اگر یہ دعا کرلی ہوتی تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرما لیتے اور اگر بالفرض وہ دعا قبول نہ ہوتی تب بھی اس دعا کے کرنے کا ثواب تو حاصل ہو جاتا اور آخرت کی نعمت تمہیں حاصل ہو جاتی۔ اب یہ تم نے بیٹھ کر جو فضول تبصرے کئے اس سے نہ کوئی دنیا کا فائدہ ہوا اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہوا۔

اس وقت ہماری آنکھیں کھلیں کہ واقعۃً ہم دن رات اس مرض میں مبتلا ہیں کہ دن رات بس ان باتوں پر تبصرے ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر مانگنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ان حالات سے بیتاب ہو کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کی ہو، کہ یا اللہ! میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ رہا ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت سے یہ عذاب ہم سے دور فرما دیجئے۔ یہ کام شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے نے کیا ہوگا، لیکن صبح سے لے کر شام تک تبصرے ہو رہے ہیں، وقت ان تبصروں میں صرف ہو رہا ہے، اور پھر ان تبصروں میں معلوم نہیں کتنی غیبت ہو رہی ہے، کتنے بہتان باندھے جا رہے ہیں، اور ان کے ذریعہ الٹا اپنے سر گناہ لے رہے ہیں۔

اللہ کی طرف رجوع کریں

تمام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ان حالات میں دعا کی طرف توجہ کریں۔ اگر کسی کے بس میں کوئی تدبیر ہے تو وہ تدبیر اختیار کرے اور اگر تدبیر اختیار میں

نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا تو ہر ایک کے اختیار میں ہے۔ ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سلسلہ اب ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب پاکستان بن رہا تھا، اس وقت ملک میں فسادات ہو رہے تھے، اس وقت دیوبند اور دوسرے شہروں میں گھر گھر آیت کریمہ کا ختم ہو رہا تھا، کسی کی طرف سے اپیل نہیں تھی، بلکہ مسلمان اپنی تحریک سے اور اپنے شوق سے اور ضرورت محسوس کر کے گھر گھر اور محلہ محلہ آیت کریمہ کا ختم کر رہے تھے، عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی ہوئی آیت کریمہ کا ختم کر رہی تھیں اور دعائیں ہو رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس مصیبت سے نکال دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دیدی۔

پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں

آج ہمارے شہر میں سب کچھ ہو رہا ہے، آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیا آپ نے کہیں سنا کہ محلوں میں یا گھروں میں آیت کریمہ کا ختم کیا جارہا ہو اور دعا کرنے کا اہتمام ہو رہا ہو۔ بلکہ یہ ہو رہا ہے کہ آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، موت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے، اور لوگ گھروں میں بیٹھ کر وی سی آر دیکھ رہے ہیں۔ اب بتایئے ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب نازل نہ ہو تو کیا ہو۔ تمہارے سامنے اچھا خاصا آدمی ذرا سی دیر میں دنیا سے چل بسا، لیکن پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں پھر بھی تم گناہوں کو نہیں چھوڑتے، پھر بھی اللہ کی نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہو۔

اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے یہ کام کرلو

خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا

سلسلہ شروع کردو۔ اور کون مسلمان ایسا ہے جو یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اس مقصد کے لئے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھ لیا کرے۔ دو رکعتیں پڑھنے میں کتنی دیر لگتی ہے اوسطاً دو رکعت پڑھنے میں دو منٹ لگتے ہیں، اور دو رکعت کے بعد دعا کرنے میں تین منٹ مزید لگ جائیں گے۔ اپنی اس قوم اور اس ملت کے لئے پانچ منٹ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر دعا مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تو پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ ہمیں قوم میں ہونے والے ان فسادات کی وجہ سے صدمہ اور رنج اور تکلیف ہو رہی ہے۔ لہٰذا جب تک ان فسادات کا سلسلہ جاری ہے، اس وقت تک روزانہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اور خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نافرمانی کے ذرائع اور آلے کو نکال دو اور نافرمانی اور گناہ کے سلسلے کو بند کردو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا کرو۔ آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کا ختم کرو اور "یا سلام" کا ورد کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ فضول تبصروں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس کام میں لگو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

رمضان کس طرح گزاریں؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رمضان کس طرح گزاریں؟

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا اله إلا اللّٰہ وحده لا شريک لهٗ ونشهد أن سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسولهٗ صلى اللّٰہ تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وبارک وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

اما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشيطٰن الرجيم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحيم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (سورة البقرة: ١٨٥)

اٰمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظيم، وصدق رسوله النبى الكريم، ونحن علىٰ ذلک من الشاهدين والشاكرين، والحمد للّٰہ رب العٰلمين۔

رمضان، ایک عظیم نعمت

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ جل شانہ کی بڑی عظیم نعمت ہے۔ ہم اور آپ اس بابرکت مہینے کی حقیقت اور اس کی قدر کیسے جان

سکتے ہیں، کیونکہ ہم لوگ دن رات اپنے دنیاوی کاروبار میں الجھے ہوئے ہیں اور صبح سے شام تک دنیا ہی کی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اور مادیت کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم کیا جانیں کہ رمضان کیا چیز ہے؟ اللہ جل شانہ جن کو اپنے فضل سے نوازتے ہیں اور اس مبارک مہینے میں اللہ جل شانہ کی طرف سے انوار و برکات کا جو سیلاب آتا ہے اس کو پہچانتے ہیں، ایسے حضرات کو اس مہینے کی قدر ہوتی ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا چاند دیکھتے تو دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

﴿اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ﴾

(مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)

اے اللہ، ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دیجئے۔ یعنی ہماری عمر اتنی دراز کر دیجئے کہ ہمیں اپنی عمر میں رمضان کا مہینہ نصیب ہو جائے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ رمضان آنے سے دو ماہ پہلے رمضان کا انتظار اور اشتیاق شروع ہو گیا اور اس کے حاصل ہو جانے کی دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مہینہ نصیب فرمادے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کو رمضان المبارک کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہو۔

عمر میں اضافے کی دعا

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے اپنی عمر میں اضافے کی دعا کرے کہ میری عمر میں اضافہ ہو جائے تاکہ اس عمر کو میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق صحیح استعمال کر سکوں اور پھر وہ آخرت میں کام آئے، تو عمر کے اضافے کی یہ دعا کرنا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ دعا مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! میری عمر میں اتنا اضافہ فرمادیں کہ میں اس میں آپ کی رضا کے مطابق کام کر سکوں اور جس وقت

میں آپ کی بارگاہ میں پہنچوں تو اس وقت آپ کی رضا کا مستوجب بن جاؤں۔ لیکن جو لوگ اس قسم کی دعا مانگتے ہیں کہ "یا اللہ! اب تو اس دنیا سے اٹھا ہی لے" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے اور موت کی تمنا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ارے تم تو یہ سوچ کر موت کی دعا کر رہے ہو کہ یہاں (دنیا میں) حالات خراب ہیں جب وہاں چلے جائیں گے تو وہاں اللہ میاں کے پاس سکون مل جائے گا۔ ارے یہ تو جائزہ لو کہ تم نے وہاں کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کیا معلوم کہ اگر اس وقت موت آجائے تو خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ اس لئے ہمیشہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے عمر مقرر کر رکھی ہے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زندگی کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی دعا

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْراً لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْراً لِیْ﴾ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

اے اللہ! جب تک میرے حق میں زندگی فائدہ مند ہے، اس وقت تک مجھے زندگی عطا فرما، اور جب میرے حق میں موت فائدہ مند ہو جائے، اے اللہ! مجھے موت عطا فرما۔ لہٰذا یہ دعا کرنا کہ یا اللہ! میری عمر میں اتنا اضافہ کر دیجئے کہ آپ کی رضا کے مطابق اس میں کام کرنے کی توفیق ہو جائے، یہ دعا کرنا درست ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اس دعا سے مستفاد ہوتی ہے کہ اے اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔

رمضان کا انتظار کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشتیاق اور انتظار کیوں ہو رہا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ آجائے اور ہمیں مل جائے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کو اپنا مہینہ بنایا ہے، ہم لوگ چونکہ ظاہر بین قسم کے لوگ ہیں، اس لئے ظاہری طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ روزوں کا مہینہ ہے، اس میں روزے رکھے جائیں گے اور تراویح پڑھی جائیں گی اور بس۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ روزے ہوں یا تراویح ہوں یا رمضان المبارک کی کوئی اور عبادت ہو، یہ سب عبادات ایک اور بڑی چیز کی علامت ہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو اپنا مہینہ بنایا ہے تاکہ وہ لوگ جو گیارہ مہینے تک مال کی دوڑ دھوپ میں لگے رہے اور ہم سے دور رہے اور اپنے دنیوی کاروبار میں الجھے رہے اور خواب غفلت میں مبتلا رہے، ہم ان لوگوں کو ایک مہینہ اپنے قرب کا عطا فرماتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ تم ہم سے بہت دور چلے گئے تھے اور دنیا کے کام دھندوں میں الجھ گئے تھے، تمہاری سوچ، تمہاری فکر، تمہارا خیال، تمہارے اعمال، تمہارے افعال، یہ سب دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے تھے، اب ہم تمہیں ایک مہینہ عطا کرتے ہیں، اس مہینے میں تم ہمارے پاس آجاؤ اور اس کو ٹھیک ٹھیک گزار لو، تو تمہیں ہمارا قرب حاصل ہو جائے گا، کیونکہ یہ ہمارے قرب کا مہینہ ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

دیکھئے! انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اندر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاريات: ۵۶)

یعنی میں نے جنات اور انسان کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ انسان کا اصل مقصد زندگی اور اس کے دنیا میں آنے اور دنیا میں رہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی عبادت کرے۔

کیا فرشتے عبادت کے لئے کافی نہیں تھے؟

اب اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس مقصد کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے ہی پیدا فرما دیا تھا، اب اس مقصد کے لئے دوسری مخلوق یعنی انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے اگرچہ عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے، لیکن وہ اس طرح پیدا کئے گئے تھے کہ خلقتاً عبادت کرنے پر مجبور تھے، اس لئے کہ ان کی فطرت میں صرف عبادت کا مادہ رکھا گیا تھا، عبادت کے علاوہ گناہ اور معصیت اور نافرمانی کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ لیکن حضرتِ انسان اس طرح پیدا کئے گئے کہ ان کے اندر نافرمانی کا مادہ بھی رکھا گیا، گناہ کا مادہ بھی رکھا گیا، اور پھر حکم دیا گیا کہ عبادت کرو۔ اس لئے فرشتوں کے لئے عبادت کرنا آسان تھا لیکن انسان کے اندر خواہشات ہیں، جذبات ہیں، محرکات ہیں، اور ضروریات ہیں، اور گناہوں کے دواعی ہیں، اور پھر حکم یہ دیا گیا کہ گناہوں کے ان دواعی سے بچتے ہوئے اور ان جذبات کو کنٹرول کرتے ہوئے اور گناہوں کی خواہشات کو کچلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

عبادات کی دو قسمیں

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے، جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض اوقات گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مؤمن کا ہر کام عبادت ہے، یعنی اگر مؤمن کی نیت صحیح ہے اور اس کا طریقہ صحیح ہے اور وہ سنّت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے تو پھر اس کا کھانا بھی عبادت ہے، اس کا سونا بھی

عبادت ہے، اس کا ملنا جلنا بھی عبادت ہے، اس کا کاروبار کرنا بھی عبادت ہے، اس کا بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی عبادت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مؤمن کے یہ سب کام عبادت ہیں، اسی طرح نماز بھی عبادت ہے، تو پھر ان دونوں عبادتوں میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم: براہِ راست عبادت

ان دونوں عبادتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک قسم کے اعمال وہ ہیں جو براہِ راست عبادت ہیں، اور جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے اور وہ اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے ہی وضع کئے گئے ہیں۔ جیسے نماز ہے، اس نماز کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ نیاز جھکائے، اس نماز کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، لہٰذا یہ نماز اصلی عبادت اور براہِ راست عبادت ہے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، صدقات، حج، عمرہ، یہ سب اعمال ایسے ہیں کہ ان کو صرف عبادت ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، ان کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، یہ براہِ راست عبادتیں ہیں۔

دوسری قسم: بالواسطہ عبادت

ان کے مقابلے میں کچھ اعمال وہ ہیں جن کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا، مثلاً اپنی دنیاوی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مؤمن سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم اپنے دنیاوی کاموں کو بھی نیک نیتی سے، ہماری مقرر کردہ حدود کے اندر اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق انجام دوگے تو ہم تمہیں ان کاموں پر بھی ویسا ہی ثواب دیں گے جیسے ہم پہلی قسم کی

عبادات پر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ عبادات براہِ راست نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہیں اور یہ عبادات کی دوسری قسم ہے۔

"حلال کمانا" بالواسطہ عبادت ہے

مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر تم بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے جائز حدود کے اندر رہ کر کماؤ گے اور اس نیت کے ساتھ رزقِ حلال کماؤ گے کہ میرے ذمے میری بیوی کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے بچوں کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے نفس کے حقوق ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے لئے میں کما رہا ہوں، تو اس کمائی کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ عبادت بنادیتے ہیں۔ لیکن اصلاً یہ کمائی کرنا عبادت کے لئے نہیں بنایا گیا، اس لئے یہ کمائی کرنا براہِ راست عبادت نہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہے۔

براہِ راست عبادت افضل ہے

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو عبادت براہِ راست عبادت ہے، وہ ظاہر ہے کہ اس عبادت سے افضل ہوگی جو بالواسطہ عبادت ہے اور اس کا درجہ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ "میں نے جنات اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں" اس سے مراد عبادت کی پہلی قسم ہے جو براہِ راست عبادت ہیں۔ عبادت کی دوسری قسم مراد نہیں جو بالواسطہ عبادت ہیں۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ

چند روز پہلے ایک خاتون نے مجھ سے پوچھا کہ میرے شوہر ڈاکٹر ہیں، انہوں نے اپنا کلینک کھول رکھا ہے، مریضوں کو دیکھتے ہیں، اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ

وقت پر نماز نہیں پڑھتے، اور رات کو جب کلینک بند کر کے گھر واپس آتے ہیں تو تینوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ گھر آکر ساری نمازیں اکٹھی کیوں پڑھتے ہیں، وہیں کلینک میں وقت پر نماز ادا کرلیا کریں تاکہ قضا نہ ہوں۔ جواب میں شوہر نے کہا کہ میں مریضوں کا جو علاج کرتا ہوں، یہ خدمتِ خلق کا کام ہے اور خدمتِ خلق بہت بڑی عبادت ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے میں اس کو ترجیح دیتا ہوں، اور نماز پڑھنا چونکہ میرا ذاتی معاملہ ہے، اس لئے میں گھر آکر اکٹھی ساری نمازیں پڑھ لیتا ہوں۔ تو وہ خاتون مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ میں اپنے شوہر کی اس دلیل کا کیا جواب دوں؟

نماز کسی حال معاف نہیں

حقیقت میں ان کے شوہر کو یہاں سے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ ان دونوں قسم کی عبادتوں کے مرتبے میں جو فرق ہے اس فرق کو نہیں سمجھے۔ وہ فرق یہ ہے کہ نماز کی عبادت براہِ راست ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم جنگ کے میدان میں بھی ہو اور دشمن سامنے موجود ہو تب بھی نماز پڑھو، اگرچہ اس وقت نماز کے طریقے میں آسانی پیدا فرمادی، لیکن نماز کی فرضیت اس وقت بھی ساقط نہیں فرمائی۔ چنانچہ نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾

(النساء: ۱۰۳)

"بیشک نماز اپنے مقررہ وقت پر مؤمنین پر فرض ہے"۔

اب بتایئے کہ جہاد سے بڑھ کر اور کیا عمل ہوگا، لیکن حکم یہ دیا کہ جہاد میں بھی وقت پر نماز پڑھو۔

خدمتِ خلق دوسرے درجے کی عبادت ہے

حتیٰ کہ اگر ایک انسان بیمار پڑا ہوا ہے اور اتنا بیمار ہے کہ وہ کوئی کام انجام نہیں دے سکتا، اس حالت میں بھی یہ حکم ہے کہ نماز مت چھوڑو، نماز تو ضرور پڑھو، لیکن ہم تمہارے لئے یہ آسانی کردیتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھ لو اور اشارہ سے پڑھ لو، وضو نہیں کرسکتے تو تیمم کرلو، لیکن پڑھو ضرور۔ یہ نماز کسی حال میں بھی معاف نہیں فرمائی، اس لئے کہ نماز براہِ راست اور مقصود بالذات عبادت ہے اور پہلے درجے کی عبادت ہے، اور ڈاکٹر صاحب جو مریضوں کا علاج کرتے ہیں یہ خدمتِ خلق ہے، یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے، لیکن یہ دوسرے درجے کی عبادت ہے، براہِ راست عبادت نہیں۔ لہٰذا اگر ان دونوں قسموں کی عبادتوں میں تعارض اور تقابل ہوجائے تو اس صورت میں اس عبادت کو ترجیح ہوگی جو براہِ راست عبادت ہے۔ چونکہ ان ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں قسم کی عبادتوں کے درمیان فرق کو نہیں سمجھا، اس کے نتیجے میں اس غلطی کے اندر مبتلا ہوگئے۔

دوسری ضروریات کے مقابلے میں نماز زیادہ اہم ہے

دیکھئے! جس وقت آپ مطب میں خدمتِ خلق کے لئے بیٹھتے ہیں، اس دوران آپ کو دوسری ضروریات کے لئے بھی تو اٹھنا پڑتا ہے، مثلاً اگر بیت الخلاء جانے کی یا غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو آخر اس وقت بھی تو آپ مریضوں کو چھوڑ کر جائیں گے، اسی طرح اگر اس وقت بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانے کا وقت آگیا ہے، اس وقت آپ کھانے کے لئے وقفہ کریں گے یا نہیں؟ جب آپ ان کاموں کے لئے اٹھ کر جاسکتے ہیں، تو اگر نماز کا وقت آنے پر نماز کے لئے اٹھ جائیں گے تو اس وقت کیا دشواری پیش آجائے گی؟ اور خدمتِ خلق میں کون سی

رکاوٹ پیدا ہو جائیگی؟ جب کہ دوسری ضروریات کے مقابلہ میں نماز زیادہ اہم ہے۔ دراصل دونوں عبادتوں میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ یوں تو دوسری قسم کی عبادت کے لحاظ سے ایک مؤمن کا ہر کام عبادت بن سکتا ہے، اگر ایک مؤمن نیک نیتی سے سُنّت کے طریقے پر کام کرے تو اس کی ساری زندگی عبادت ہے، لیکن وہ دوسرے درجے کی عبادت ہے۔ پہلے درجے کی عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اللہ کا ذکر وغیرہ، یہ براہِ راست اللہ کی عبادتیں ہیں اور اصل میں انسان کو اسی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

انسان کا امتحان لینا ہے

انسان کو اس عبادت کے لئے اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ انسان جس کے اندر ہم نے مختلف قسم کے داعیے اور خواہشات رکھی ہیں، ہم نے اس کے اندر گناہوں کے جذبات اور ان کا شوق رکھا ہے، ان تمام چیزوں کے باوجود یہ انسان ہماری طرف آتا ہے اور ہمیں یاد کرتا ہے یا یہ گناہوں کے داعیے کی طرف جاتا ہے اور ان جذبات کو اپنے اوپر غالب کرلیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

یہ حکم بھی ظلم نہ ہوتا

جب یہ بات سامنے آگئی کہ انسان کا مقصودِ زندگی عبادت ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو یہ حکم دیتے کہ چونکہ تم دنیا کے اندر عبادت کے لئے آئے ہو اور تمہاری زندگی کا مقصد بھی عبادت ہے، تو اب صبح سے شام تک تمہارا اور کوئی کام نہیں، بس ایک ہی کام ہے، اور وہ یہ کہ تم ہمارے سامنے ہر وقت سجدے میں پڑے رہو اور ہمارا ذکر کرتے رہو، اور جہاں تک ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے تو چلو ہم تمہیں اتنی مہلت دیتے ہیں کہ درمیان میں اتنا وقفہ کرنے کی اجازت ہے کہ تم

درمیان میں دوپہر کا کھانا اور شام کا کھانا کھالیا کرو تاکہ تم زندہ رہ سکو، لیکن باقی سارا وقت ہمارے سامنے سجدہ میں رہتے ہوئے گزار دو۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم جاری کردیتے تو کیا ہم پر کوئی ظلم ہوتا؟ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ ہمیں پیدا ہی اسی کام کے لئے کیا گیا ہے۔

ہم اور آپ بکے ہوئے مال ہیں

لہٰذا ایک طرف تو عبادت کے مقصد سے پیدا فرمایا، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانیں اور تمہارا مال خرید لیا ہے اور اس کی قیمت جنت لگادی ہے۔ لہٰذا ہم اور آپ تو بکے ہوئے مال ہیں، ہماری جان بھی بکی ہوئی ہے اور ہمارا مال بھی بکا ہوا ہے۔ اب اگر ان کو خریدنے والا جس نے ان کی اتنی بڑی قیمت لگائی ہے یعنی جنت، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے، وہ خریدار اگر یہ کہہ دے کہ تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی حد تک کھانے پینے کی اجازت ہے اور کسی کام کی اجازت نہیں ہے، بس ہمارے سامنے سجدے میں پڑے رہو، تو اسے یہ حکم دینے کا حق تھا، ہم پر کوئی ظلم نہ ہوتا، لیکن یہ عجیب خریدار ہے جس نے ہماری جان اور مال کو خرید لیا اور اس کی اتنی بڑی قیمت بھی لگادی اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری جان بھی خریدلی اور اب تمہیں ہی واپس کردیتے ہیں، تم ہی اپنی جان سے فائدہ اٹھاؤ اور ساری زندگی اس سے کام لیتے رہو۔ کھاؤ، کماؤ، تجارت کرو، ملازمت کرو اور دنیا کی دوسری جائز خواہشات پوری کرو، سب کی تمہیں اجازت ہے، بس اتنی بات ہے کہ پانچ وقت ہمارے دربار میں آجایا کرو، اور تھوڑی

سی پابندی لگاتے ہیں کہ یہ کام اس طرح کرو اور اس طرح نہ کرو۔ بس ان کاموں کی پابندی کرلو، باقی تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔

انسان اپنا مقصدِ زندگی بھول گیا

اب جب اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اس کی جان اور اس کا مال واپس دے دیا اور یہ کہہ دیا کہ تمہارے لئے تجارت بھی جائز، ملازمت بھی جائز، زراعت بھی جائز۔ جب سب چیزیں جائز کردیں تو اب اس کے بعد جب یہ حضرت انسان تجارت کرنے کے لئے اور ملازمت کرنے کے لئے، زراعت کرنے اور کھانے کمانے کے لئے نکلے تو وہ یہ بھول گئے کہ ہم اس دنیا میں کیوں بھیجے گئے تھے؟ اور ہمارا مقصدِ زندگی کیا تھا؟ کس نے ہمیں خریدا تھا؟ اور اس خریداری کا کیا مقصد تھا؟ اس نے ہم پر کیا پابندیاں لگائی تھیں؟ اور کیا احکام ہمیں دیئے تھے؟ یہ سب باتیں تو بھول گئے، اور اب خوب تجارت ہورہی ہے، خوب پیسہ کمایا جارہا ہے، اور آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور اسی کی فکر ہے اور اسی میں دن رات لگا ہوا ہے۔ اور اگر کسی کو نماز کی فکر ہوئی بھی تو حواس باختہ حالت میں مسجد میں حاضر ہوگیا، اب دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے اور جلدی جلدی جیسی تیسی نماز ادا کی اور پھر واپس جاکر تجارت میں لگ گیا۔ اور کبھی مسجد میں بھی آنے کی توفیق نہیں ہوئی تو گھر میں پڑھ لی، اور کبھی نماز ہی نہ پڑھی اور قضا کردی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دنیاوی اور تجارتی سرگرمیاں انسان پر غالب آتی چلی گئیں۔

عبادت کی خاصیت

عبادت کا خاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا رشتہ جوڑتی ہے، اس کے ساتھ ایک تعلق قائم کرتی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

دنیاوی کاموں کی خاصیت

دوسری طرف دنیاوی کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ اگرچہ انسان ان کو صحیح دائرے میں رہ کر بھی کرے، مگر پھر بھی یہ دنیاوی کام رفتہ رفتہ انسان کو معصیت کی طرف لے جاتے ہیں اور روحانیت سے دور کردیتے ہیں۔

اب جب گیارہ مہینے اسی دنیاوی کاموں میں گزر گئے اور اس میں مادیت کا غلبہ رہا اور روپے پیسے حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا غلبہ رہا تو اس کے نتیجے میں انسان پر مادیت غالب آگئی اور عبادتوں کے ذریعہ جو رشتہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونا تھا، وہ رشتہ کمزور ہوگیا، اس کے اندر ضعف آگیا، اور جو قرب حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہ ہوسکا۔

رحمت کا خاص مہینہ

تو چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جو انسان کے خالق ہیں، وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت انسان جب دنیا کے کام دھندے میں لگے گا تو ہمیں بھول جائے گا، اور پھر ہماری عبادات کی طرف اس کا اتنا انہماک نہیں ہوگا جتنا دنیاوی کاموں کے اندر اس کو انہماک ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس انسان سے فرمایا کہ ہم تمہیں ایک موقع اور دیتے ہیں اور ہر سال تمہیں ایک مہینہ دیتے ہیں، تاکہ جب تمہارے گیارہ مہینے ان دنیاوی کام دھندوں میں گزر جائیں اور مادے کے اور روپے پیسے کے چکر میں الجھے ہوئے گزر جائیں تو اب ہم تمہیں رحمت کا ایک خاص مہینہ عطا کرتے ہیں، اس ایک مہینہ کے اندر تم ہمارے پاس آجاؤ تاکہ گیارہ مہینوں کے دوران تمہاری روحانیت میں جو کمی واقع ہوگئی ہے اور ہمارے ساتھ تعلق اور قرب میں جو کمی واقع ہوگئی ہے، اس مبارک مہینہ میں تم اس کمی کو دور کرلو۔ اور اس مقصد کے لئے بھی ہم تمہیں یہ ہدایت کا مہینہ عطا کرتے ہیں کہ تمہارے دلوں پر جو زنگ لگ گیا ہے اس کو دور

کرلو، اور ہم سے جو دور چلے گئے ہو اب قریب آجاؤ، اور جو غفلت تمہارے اندر پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کر کے اپنے دلوں کو ذکر سے آباد کرلو۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ عطا فرمایا۔ ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب پیدا کرنے کے لئے روزہ اہم ترین عنصر ہے، روزہ کے علاوہ اور جو عبادات اس ماہ مبارک میں مشروع کی گئی ہیں وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے اہم عناصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ دور بھاگے ہوئے انسان کو اس مہینے کے ذریعہ اپنا قرب عطا فرمادیں۔

اب قرب حاصل کرلو

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ گیارہ مہینوں تک تم جن کاموں میں مبتلا رہے ہو، ان کاموں نے تمہارے تقویٰ کی خاصیت کو کمزور کردیا، اب روزے کے ذریعہ اس تقویٰ کی خاصیت کو دوبارہ طاقت ور بنالو۔ لہٰذا بات صرف اس حد تک ختم نہیں ہوتی کہ روزہ رکھ لیا اور تراویح پڑھ لی، بلکہ پورے رمضان کو اس کام کے لئے خاص کرنا ہے کہ گیارہ مہینے ہم لوگ اپنی اصل مقصدِ زندگی سے اور عبادت سے دور چلے گئے تھے، اس دوری کو ختم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے کو پہلے ہی سے زیادہ سے زیادہ عبادات کے لئے فارغ کیا جائے، اس لئے کہ دوسرے کام دھندے تو گیارہ مہینے تک چلتے رہیں گے، لیکن اس مہینے کے اندر ان کاموں کو جتنا مختصر سے

مختصر کر سکتے ہو کرلو، اور اس مہینے کو خالص عبادات کے کاموں میں صرف کرلو۔

رمضان کا استقبال

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کا استقبال اور اس کی تیاری یہ ہے کہ انسان پہلے سے یہ سوچ کہ میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں سے مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ کے کاموں میں سے کن کن کاموں کو مؤخر کر سکتا ہوں، ان کو مؤخر کردے، اور پھر ان کاموں سے جو وقت فارغ ہو اس کو عبادت میں صرف کرے۔

رمضان میں سالانہ چھٹیاں کیوں؟

ہمارے دینی مدارس میں عرصۂ دراز سے یہ رواج اور طریقہ چلا آرہا ہے کہ سالانہ چھٹیاں اور تعطیلات ہمیشہ رمضان المبارک کے مہینے میں کی جاتی ہیں۔ ۱۵ شعبان کو تعلیمی سال ختم ہوجاتا ہے اور ۱۵ شعبان سے لے کر ۱۵ شوال تک دو ماہ کی سالانہ چھٹیاں ہوجاتی ہیں۔ شوال سے نیا تعلیمی سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے۔ اس طریقہ پر لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو! یہ مولوی صاحبان رمضان میں لوگوں کو اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ آدمی رمضان کے مہینے میں بیکار ہو کر بیٹھ جائے، حالانکہ صحابۂ کرام نے تو رمضان المبارک میں جہاد کیا اور دوسرے کام کئے۔ خوب سمجھ لیں کہ اگر جہاد کا موقع آجائے تو بیشک آدمی جہاد بھی کرے، چنانچہ غزوہ بدر اور فتح مکہ رمضان المبارک میں ہوئے۔ لیکن جب سال کے کسی مہینے میں چھٹی کرنی ہی ہے تو اس کے لئے رمضان کے مہینے کا انتخاب اس لئے کیا تاکہ اس مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت کے لئے فارغ کرسکیں۔

اگرچہ ان دینی مدارس میں پورے سال جو کام ہوتے ہیں وہ بھی سب کے سب

عبادت ہیں، مثلاً قرآنِ کریم کی تعلیم، حدیث کی تعلیم، فقہ کی تعلیم وغیرہ، مگر یہ سب بالواسطہ عبادات ہیں۔ لیکن رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس مہینے کو میری براہِ راست عبادات کے لئے فارغ کرلو۔ اس لئے ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جب چھٹی کرنی ہی ہے تو بجائے گرمیوں میں چھٹی کرنے کے رمضان میں چھٹی کرو تاکہ رمضان کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عبادات میں صرف کیا جاسکے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں چھٹی کرنے کا اصل منشا یہ ہے۔

بہرحال، رمضان المبارک میں چھٹی کرنا جن کے اختیار میں ہو وہ حضرات تو چھٹی کرلیں اور جن حضرات کے اختیار میں نہ ہو وہ کم از کم اپنے اوقات کو اس طرح مرتب کریں کہ اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عبادت میں گزر جائے۔ اور حقیقت میں رمضان کا مقصود بھی یہی ہے۔

حضور ﷺ کو عباداتِ مقصودہ کا حکم

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھو قرآنِ کریم کی سورۃ الم نشرح میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ ﴾

(سورۃ الم نشرح)

یعنی جب آپ (دوسرے کاموں سے جن میں آپ مشغول ہیں) فارغ ہوجائیں تو (اللہ تعالیٰ کی عبادت میں) تھکئے۔ کس کام کے کرنے میں تھکئے؟ نماز پڑھنے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے میں، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے میں تھکئے، اور اپنے رب کی طرف رغبت کا اظہار کیجئے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ یہ خطاب کس ذات سے ہو رہا ہے؟ یہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو رہا ہے، اور آپ سے یہ کہا جارہا ہے کہ جب آپ فارغ ہوجائیں، یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کن کاموں میں لگے ہوئے تھے جن سے فراغت کے بعد تھکنے کا حکم دیا جارہا ہے؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے تھے؟ نہیں، بلکہ آپ کا تو ایک ایک کام عبادت ہی تھا، یا تو آپ کا کام تعلیم دینا تھا یا تبلیغ کرنا تھا یا جہاد کرنا تھا یا تربیت اور تزکیہ تھا، تو آپ کا تو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آپ سے کہا جارہا ہے کہ جب آپ ان کاموں سے فارغ ہوجائیں یعنی تعلیم کے کام سے اور تبلیغ کے کام سے اور جہاد کے کام سے فارغ ہوجائیں تو اب آپ ہمارے سامنے کھڑے ہو کر تھکیے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات نماز کے اندر اس طرح کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کاموں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مشغول تھے وہ بالواسطہ عبادت تھی اور جس عبادت کی طرف اس آیت میں آپ کو بلایا جارہا تھا وہ براہِ راست عبادت تھی۔

مولوی کا شیطان بھی مولوی

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے، یعنی شیطان مولویوں کو علمی انداز سے دھوکے دیتا ہے۔ چنانچہ مولوی کا شیطان مولوی صاحب سے کہتا ہے کہ یہ جو کہا جارہا ہے کہ تم گیارہ مہینے تک دنیاوی کاموں میں لگے رہے، یہ ان لوگوں سے کہا جارہا ہے جو تجارت اور کاروبار میں لگے رہے اور معیشت کے کاموں میں اور دنیاوی دھندوں میں اور ملازمتوں میں لگے رہے، لیکن تم تو گیارہ مہینے تک دین کی خدمت میں لگے رہے، تم تو تعلیم دیتے رہے، تبلیغ کرتے رہے، وعظ کرتے رہے، تصنیف اور فتویٰ کے کاموں میں لگے رہے اور

یہ سب دین کے کام ہیں۔ حقیقت میں یہ شیطان کا دھوکا ہوتا ہے، اس لئے کہ گیارہ مہینے تک تم جن عبادات میں مشغول تھے وہ عبادت بالواسطہ تھی اور اب رمضان المبارک براہِ راست عبادت کا مہینہ ہے، یعنی وہ عبادت کرنی ہے جو براہِ راست عبادت کے کام ہیں۔ اس عبادت کے لئے یہ مہینہ آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کو اس عبادت میں استعمال کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چالیس مقاماتِ قُرب حاصل کرلیں

اب آپ اپنا ایک نظام الاوقات اور ٹائم ٹیبل بنائیں کہ کس طرح یہ مہینہ گزارنا ہے، چنانچہ جتنے کاموں کو مؤخر کرسکتے ہیں ان کو مؤخر کردو۔ اور روزہ تو رکھنا ہی ہے اور تراویح بھی انشاء اللہ ادا کرنی ہی ہے، ان تراویح کے بارے میں حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے مزے کی بات فرمایا کرتے تھے کہ یہ تراویح بڑی عجیب چیز ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو روزانہ عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ مقاماتِ قُرب عطا فرمائے ہیں، اس لئے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن میں چالیس سجدے کئے جاتے ہیں اور ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ اس سے زیادہ اعلیٰ مقام کوئی اور نہیں ہوسکتا، جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اپنی معزز پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے اور زبان پر "سبحان ربی الاعلیٰ" کے الفاظ ہوتے ہیں تو یہ قُربِ خداوندی کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے جو کسی اور صورت میں نصیب نہیں ہوسکتا۔

ایک مؤمن کی معراج

یہی مقامِ قُرب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے موقع پر لائے تھے، جب معراج کے موقع پر آپ کو اتنا اونچا مقام بخشا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ میں اپنی اُمت کے لئے کیا تحفہ لے کر جاؤں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ اُمت کے لئے یہ "سجدے" لے جاؤ، ان میں سے ہر سجدہ مؤمن کی معراج ہے۔ فرمایا الصلوٰۃ معراج المؤمنین یعنی جس وقت کوئی مؤمن بندہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زمین پر رکھ دے گا تو اس کو معراج حاصل ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ سجدہ مقامِ قُرب ہے۔

سجدہ میں قُربِ خداوندی

سورۃ اقرأ میں اللہ تعالیٰ نے کتنا پیارا جملہ ارشاد فرمایا۔ یہ آیت سجدہ ہے، لہٰذا تمام حضرات سجدہ بھی کرلیں۔ فرمایا کہ:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩﴾ (سورۃ علق: ۱۹)

سجدہ کرو اور ہمارے پاس آجاؤ۔ معلوم ہوا کہ ہر سجدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قُرب کا ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے، اور رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چالیس سجدے اور عطا فرما دیئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس مقاماتِ قُرب ہر بندے کو روزانہ عطا کئے جارہے ہیں۔ یہ اس لئے دیئے کہ گیارہ مہینے تک تم جن کاموں میں لگے رہے، ان کاموں کی وجہ سے ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ دوری پیدا ہو گئی ہے، اس دوری کو ختم کرنے کے لئے روزانہ چالیس مقاماتِ قُرب دے کر ہم تمہیں قریب کررہے ہیں، اور وہ ہے "تراویح" لہٰذا اس تراویح کو معمولی مت سمجھو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو آٹھ رکعت تراویح پڑھیں گے، بیس نہیں پڑھیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ ہم تمہیں چالیس مقاماتِ قُرب عطا فرماتے ہیں، لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں صاحب، ہمیں تو صرف سولہ ہی کافی ہیں، چالیس کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان مقاماتِ قُرب کی قدر نہیں پہچانی، تبھی تو ایسی باتیں کررہے ہیں۔

تلاوتِ قرآن کریم کی کثرت کریں

بہرحال، روزہ تو رکھنا ہی ہے اور تراویح تو پڑھنی ہی ہے، اس کے علاوہ بھی جتنا وقت ہو سکے عبادات میں صرف کرو۔ مثلاً تلاوت قرآنِ کریم کا خاص اہتمام کرو، کیونکہ اس رمضان کے مہینے کو قرآنِ کریم سے خاص مناسبت ہے، اس لئے اس میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآنِ کریم دن میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآنِ کریم رات میں ختم کیا کرتے تھے اور ایک قرآنِ کریم تراویح میں ختم فرماتے تھے، اس طرح پورے رمضان میں اکسٹھ قرآنِ کریم ختم کیا کرتے تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے دن اور رات میں ایک قرآنِ کریم ختم کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگوں کے معمولات میں تلاوت قرآنِ کریم داخل رہی ہے۔ لہٰذا ہم بھی رمضان المبارک میں عام دنوں کی مقدار کے مقابلے میں تلاوت کی مقدار کو زیادہ کریں۔

نوافل کی کثرت کریں

دوسرے ایام میں جن نوافل کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، ان کو رمضان المبارک میں پڑھنے کی کوشش کریں۔ مثلاً تہجد کی نماز پڑھنے کی عام دنوں میں توفیق نہیں ہوتی، لیکن رمضان المبارک میں رات کے آخری حصے میں سحری کھانے کے لئے تو اٹھنا ہوتا ہی ہے، تھوڑی دیر پہلے اٹھ جائیں اور اسی وقت تہجد کی نماز پڑھ لیں۔ اس کے علاوہ اشراق کی نوافل، چاشت کی نوافل، اوّابین کی نوافل، عام ایام میں اگر نہیں پڑھی جاتیں تو کم از کم رمضان المبارک میں تو پڑھ لیں۔

صدقات کی کثرت کریں

رمضان المبارک میں زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات بھی زیادہ سے زیادہ دینے کی

کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا دریا ویسے تو سارے سال ہی موجزن رہتا تھا، لیکن رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے جھونکیں مارتی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں، جو آپ کے پاس آیا اس کو نواز دیا۔ لہٰذا ہم بھی رمضان المبارک میں صدقات کی کثرت کریں۔

ذکر اللہ کی کثرت کریں

اس کے علاوہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں۔ ہاتھوں سے کام کرتے رہیں اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے۔ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ ان کے علاوہ درود شریف اور استغفار کی کثرت کریں، اور ان کے علاوہ جو ذکر بھی زبان پر آجائے بس چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں

اور رمضان المبارک میں خاص طور پر گناہوں سے اجتناب کریں اور اس سے بچنے کی فکر کریں۔ یہ طے کرلیں کہ رمضان کے مہینے میں یہ آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ طے کرلیں کہ رمضان المبارک میں اس زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ انشاء اللہ۔ جھوٹ، غیبت، یا کسی کی دل آزاری کا کوئی کلمہ نہیں نکلے گا۔ رمضان المبارک کے مہینے میں اس زبان پر تالا ڈال لو، یہ کیا بات ہوئی کہ روزہ رکھ کر حلال چیزوں کے کھانے سے تو پرہیز کرلیا، لیکن رمضان میں مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہو۔ اس لئے کہ غیبت کرنے کو قرآنِ کریم نے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ لہٰذا غیبت سے بچنے کا اہتمام کریں۔ جھوٹ

سے بچنے کا اہتمام کریں۔ اور فضول کاموں سے، فضول مجلسوں سے اور فضول باتوں سے بچنے کا اہتمام کریں۔ اس طرح یہ رمضان کا مہینہ گزارا جائے۔

دعا کی کثرت کریں

اس کے علاوہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی خوب کثرت کریں۔ رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برس رہی ہیں، مغفرت کے بہانے ڈھونڈے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دی جارہی ہے کہ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا جس کی دعا میں قبول کروں۔ لہٰذا صبح کا وقت ہو یا شام کا وقت ہو یا رات کا وقت ہو، ہر وقت مانگو۔ وہ تو یہ فرمارہے ہیں کہ افطار کے وقت مانگ لو، ہم قبول کرلیں گے۔ رات کو مانگ لو، ہم قبول کرلیں گے۔ روزہ کی حالت میں مانگ لو، ہم قبول کرلیں گے۔ آخر رات میں مانگ لو، ہم قبول کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ ہر وقت تمہاری دعائیں قبول کرنے کیلئے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس لئے خوب مانگو۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مانگنے کا مہینہ ہے، اس لئے ان کا معمول یہ تھا کہ رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مسجد ہی میں بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت کچھ تلاوت کرلی، کچھ تسبیحات اور مناجات مقبول پڑھ لی، اور اس کے بعد باقی سارا وقت افطار تک دعا میں گزارتے تھے، اور خوب دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے جتنا ہوسکے اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کرنے کا اہتمام کرو۔ اپنے لئے، اپنے اعزہ اور احباب کیلئے، اپنے متعلقین کے لئے، اپنے ملک و ملت کیلئے، عالم اسلام کیلئے دعائیں مانگو۔ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس رمضان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: احبب حبیبک ھونا ماعسٰی ان یکون بغیضک یوما ما۔ وابغض بغیضک ھونا ما عسٰی ان یکون حبیبک یوما ما﴾

(ترمذی شریف، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض حدیث نمبر۱۹۹۸)

دوستی کرنے کا زرین اصول

یہ حدیث حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور سند کے اعتبار سے صحیح حدیث ہے۔ یہ بڑی عجیب حدیث ہے اور اس میں بڑا عجیب سبق دیا ہے اور اس میں ہماری پوری زندگی کے لئے زرین اصول بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے دوست سے دھیرے دھیرے محبت کرو۔ یعنی اعتدال سے کرو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا وہ دوست کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور مبغوض بن جائے۔ اور جس شخص سے تمہیں دشمنی اور بغض ہے، اس کے ساتھ بغض اور دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرو، کیا پتہ کہ وہ دشمن کسی دن تمہارا محبوب اور دوست بن جائے۔

اس حدیث میں یہ عجیب تعلیم ارشاد فرمائی کہ دوست سے دوستی اور اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور جس سے دشمنی ہو تو اس کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ ہو۔ یاد رکھو، دنیا کی دوستیاں اور محبتیں بھی پائیدار نہیں ہوتیں اور دنیا کی دشمنیاں اور بغض بھی پائیدار نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دوستی دشمنی میں تبدیل ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجائے۔ اس لئے اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔

ہماری دوستی کا حال

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص طور پر زرّین تعلیم عطا فرمائی جن کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب ان کی دوستی کسی سے ہوجاتی ہے یا کسی سے تعلق ہوجاتا ہے اور محبت ہوجاتی ہے تو اس دوستی اور محبت میں بے دھڑک آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں کہ پھر ان کو کسی حد کی پرواہ نہیں ہوتی، بس جن سے محبت اور تعلق قائم ہوگیا اب ان کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا اور اب دن رات کھانا پینا ان کے ساتھ ہے، اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ ہے، چلنا پھرنا ان کے ساتھ ہے، ہر کام ان کے ساتھ ہے، اور دن رات ان کی رفاقت اور صحبت حاصل ہے اور ان کی تعریف کے گن گائے جارہے ہیں۔ لیکن اچانک معلوم ہوا کہ دوستی ٹوٹ گئی، اب وہ دوستی ایسی ٹوٹی کہ اب ایک دوسرے کی شکل و صورت دیکھنے کے روادار نہیں، ایک دوسرے کا نام

سننے کے روادار نہیں، اب ان کے اندر ایک اچھائی بھی نظر نہیں آتی بلکہ اب ان کی برائیاں شروع ہوگئیں۔ یہ انتہا پسندی اور یہ اعتدال سے باہر جانا شریعت کا تقاضہ نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ محبت بھی اعتدال سے کرو اور اگر بغض ہے تو وہ بھی اعتدال سے رکھو، کسی بھی چیز کو حد سے آگے نہ بڑھاؤ۔

دوستی کے لائق ایک ذات

یاد رکھو، اول تو دوستی اور محبت جس چیز کا نام ہے، یہ دنیا کی مخلوق میں حقیقی اور صحیح معنی میں تو ہے ہی نہیں، اصل دوستی اور محبت کے لائق تو صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات ہے۔ دل میں بٹھانے کے لائق کہ جس کی محبت دل میں گھس جائے وہ تو ایک ہی ذات ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو دل بنایا ہے وہ صرف اپنے لئے ہی بنایا ہے، یہ انہی کی تجلی گاہ ہے اور انہی کے لئے بنا ہے۔ اب اس دل میں کسی اور کو اس طرح بٹھانا کہ وہ دل پر قبضہ جمالے، یہ کسی مؤمن کے لئے مناسب نہیں، کیونکہ دوستی کے لائق تو ایک ہی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ ایک سچے دوست

اگر اس کائنات میں کوئی شخص کسی کا سچا دوست ہوسکتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی کا تعلق جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبھایا اس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ ہی نہیں کرسکتا کہ میں ان جیسی دوستی کرسکتا ہوں، ہر ہر مرحلے پر آپ کو آزمایا گیا مگر آپ کھرے نکلے۔ پہلے دن سے جب آپ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم پر آمنّا و صدّقنا کہہ کر ایمان لائے تھے، ساری عمر اس تصدیق اور ایمان میں ذرہ برابر کبھی تزلزل نہیں آیا۔

غارِ ثور کا واقعہ

غارِ ثور میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جس کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا اذھما فی الغار اذیقول لصاحبه لاتحزن ان اللّٰه معنا یعنی وہ دونوں غار میں تھے تو وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے کہ آپ غم نہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔ جب غار کے اندر داخل ہونے لگے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے داخل ہوئے تاکہ غار کو صاف فرمائیں اور غار کے اندر سانپ بچھو اور زہریلے جانوروں کے جو بل ہیں ان کو بند فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے کپڑے کاٹ کر ان سوراخوں کو بند فرمایا اور جب کپڑے ختم ہوگئے اور سوراخ باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے پاؤں کی ایڑی سے سوراخوں کو بند فرمایا۔

ہجرت کا ایک واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے سفر میں تھے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے، آپ کہیں سے دودھ لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کیا، حالانکہ اس وقت آپ خود بھی بھوک سے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دودھ پیا کہ میں سیراب ہوگیا۔ یعنی دودھ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا لیکن سیراب میں ہوگیا۔ لہٰذا دوستی اور ایثار و قربانی کا جو مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کیا وہ دنیا میں کوئی دوسرا

شخص پیش نہیں کر سکتا۔

دوستی اللہ کے ساتھ خاص ہے

لیکن اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

﴿لوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا﴾

(بخاری شریف، کتاب الفضائل، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لوکنت متخذا خلیلا)

یعنی اگر میں اس دنیا میں کسی کو سچا دوست بناتا تو "ابوبکر" کو بناتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی دوست بنایا نہیں، اس لئے کہ اس دنیا میں حقیقی معنیٰ کا دوست بننے کے لائق کوئی نہیں ہے، یہ دوستی تو صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ایسی دوستی جو انسان کے دل پر قبضہ جمالے کہ جو وہ کہے وہ کرے اور پھر انسان کا دل اس کے تابع ہوجائے، یہ دوستی اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ زیبا نہیں۔

دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہونی چاہئے

البتہ دنیا کے اندر جو دوستی ہوگی وہ اللہ کی محبت اور دوستی کے تابع ہوگی۔ چنانچہ دوست کے کہنے کی وجہ سے گناہ نہیں کیا جائے گا، دوستی کی مد میں معصیت اور نافرمانی نہیں ہوگی۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام دوستیاں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کے تابع ہونی چاہئیں۔

مخلص دوستوں کا فقدان

دوسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں ایسا دوست ملتا ہی کہاں ہے جس کی دوستی

اللہ کی دوستی کے تابع ہو، تلاش کرنے اور ڈھونڈنے کے باوجود بھی ایسا دوست نہیں ملتا جس کو صحیح معنیٰ میں دوست کہہ سکیں اور جس کی دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہو اور جو کڑی آزمائش کے وقت پکا نکلے۔ ایسا دوست بڑی مشکل سے ملتا ہے، قسمت والے کو ہی ایسا دوست ملتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب میرے دوسرے بڑے بھائی صاحبان اپنے دوستوں کا ذکر کرتے تو والد صاحب ان سے فرماتے کہ تمہارے دنیا میں بہت دوست ہیں، ساٹھ سال عمر ہوگئی ہمیں تو کوئی دوست نہیں ملا، ساری عمر میں صرف ڈیڑھ دوست ملا، ایک پورا اور ایک آدھا، مگر تمہیں بہت دوست مل جاتے ہیں۔ لہٰذا دوستی کے معیار پر پورا اترنے والا جو کٹھن آزمائش میں بھی پکا اور کھرا ثابت ہو، ایسا دوست بہت کم ملتا ہے۔

بہرحال، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا کر بھی دوست بناؤ تو اس دوستی کے اندر بھی اس بات کا اہتمام کرو کہ وہ دوستی حدود سے تجاوز نہ کرے، بس وہ دوستی ایک حد کے اندر رہے، یہ نہ ہو کہ جب دوستی ہوگئی تو اب صبح سے لے کر شام تک ہر وقت اسی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے اور اسی کے ساتھ کھانا پینا ہے، اور اب اپنے راز بھی اس پر ظاہر کئے جارہے ہیں، اپنی ہر بات اس سے کہی جارہی ہے، اگر کل کو دوستی ختم ہوگئی تو چونکہ تم نے اپنے سارے راز اس پر ظاہر کردیئے ہیں، اب وہ تمہارے راز ہر جگہ اُچھالے گا اور تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس لئے دوستی اعتدال کے ساتھ ہونی چاہئے، یہ نہ ہو کہ آدمی حدود سے تجاوز کرجائے۔

دشمنی میں اعتدال

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ دشمنی ہے اور کسی سے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو یہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ تعلقات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہر وقت کیڑے نکالے جارہے ہیں، اس کے ہر کام میں عیب تلاش کئے جارہے ہیں۔ ارے

بھائی! اگر کوئی آدمی بُرا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اچھائی بھی رکھی ہوگی، ایسا نہ ہو کہ عداوت کی وجہ سے تم اس کی اچھائیوں کو بھی نظر انداز کرتے چلے جاؤ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا﴾ (سورۃ المائدہ: ۸)

یعنی کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ بیشک اس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے، لیکن اس دشمنی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس کی اچھائی کا بھی اعتراف نہ کیا جائے، بلکہ اگر وہ کوئی اچھا کام کرے تو اس کی اچھائی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام طور پر ہمارے پیش نظر نہیں رہتا، اس لئے محبتوں میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے اور بغض اور عداوت میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔

حجاج بن یوسف کی غیبت

آج حجاج بن یوسف کو کون مسلمان نہیں جانتا، جس نے بے شمار ظلم کئے، کتنے علماء کو شہید کیا، کتنے حافظوں کو قتل کیا، حتیٰ کہ اس نے کعبہ شریف پر حملہ کر دیا۔ یہ سارے بُرے کام کئے اور جو مسلمان بھی اس کے ان بُرے افعال کو پڑھتا ہے تو اس کے دل میں اس کی طرف سے کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حجاج بن یوسف کی بُرائی شروع کر دی اور اس بُرائی کے اندر اس کی غیبت کی، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فوراً ٹوکا اور فرمایا: کہ یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف ظالم ہے تو اب اس کی غیبت حلال ہو گئی یا اس پر بہتان باندھنا حلال ہو گیا۔ یاد رکھو، جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجاج بن یوسف سے اس کے ناحق قتل اور ظلم اور

خون کا بدلہ لیں گے تو تم اس کی جو غیبت کر رہے ہو یا بہتان باندھ رہے ہو تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ تم سے لیں گے۔ یہ نہیں کہ جو شخص بدنام ہوگیا تو اس کی بدنامی کے نتیجے میں اس پر جو چاہو الزام عائد کرتے چلے جاؤ، اس پر بہتان باندھتے چلے جاؤ اور اس کی غیبت کرتے چلے جاؤ۔ لہٰذا عداوت اور دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو۔

ہمارے ملک کی سیاسی فضا کا حال

آج کل ہمارے یہاں جو سیاسی فضا ہے، اس سیاسی فضا کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ تعلق ہوگیا اور اس کے ساتھ سیاسی وابستگی ہوگئی تو اس کو اس طرح بانس پر چڑھاتے ہیں کہ اب اس کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور اگر دوسرا شخص کوئی عیب بیان کرے تو اس کا سننا گوارہ نہیں ہوتا، اور اس کے بارے میں یہ رائے قائم کرلی جاتی ہے کہ یہ معصوم عن الخطاء ہے۔ اور جب اس سے سیاسی دشمنی ہوجاتی ہے تو اب اس کے اندر کوئی اچھائی ہی نظر نہیں آتی۔ دونوں جگہ پر حدود سے تجاوز ہو رہا ہے، اس طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ بار بار عرض کرتا رہتا ہوں کہ صرف نماز روزے کا نام دین نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی دین کا حصہ ہے کہ محبت کرو تو اعتدال کے ساتھ کرو اور بغض رکھو تو اعتدال کے ساتھ رکھو۔ جو اللہ کے بندے ہیں وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ یہ حکمران، یہ سیاسی لیڈر اور رہنما جو ہیں، ان کے ساتھ تعلق بھی باعزت فاصلے کے ساتھ ہو، یہ نہ ہو کہ جب ان کے ساتھ تعلق ہوگیا تو آدمی حد سے متجاوز ہو رہا ہے۔

قاضی بکار بن قتیبہؒ کا سبق آموز واقعہ

ایک قاضی گزرے ہیں قاضی بکار بن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ، یہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں۔ دینی مدارس میں حدیث کی کتاب "طحاوی شریف" پڑھائی جاتی

ہے اس کے مصنف ہیں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ ان کے استاذ ہیں۔ ان کے زمانے میں جو بادشاہ تھا وہ ان پر مہربان ہوگیا، اور ایسا مہربان ہوگیا کہ ہر معاملے میں ان سے صلاح اور مشورہ ہو رہا ہے، ہر معاملے میں ان کو بلایا جارہا ہے، ہر دعوت میں ان کو بلایا جارہا ہے، حتیٰ کہ ان کو پورے ملک کا قاضی بنادیا۔ اور اب سارے فیصلے ان کے پاس آرہے ہیں، دن رات بادشاہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے، جو سفارش کرتے ہیں بادشاہ ان کی سفارش کو قبول کرلیتا ہے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ اپنا قضا کا کام بھی کرتے رہے اور جو مناسب مشورہ ہوتا وہ بادشاہ کو دیدیا کرتے تھے۔

چونکہ وہ تو عالم اور قاضی تھے، بادشاہ کے غلام تو نہیں تھے، تو ایک مرتبہ بادشاہ نے غلط کام کردیا، قاضی صاحب نے فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ کا یہ کام غلط ہے اور درست نہیں ہے، اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے۔ اب بادشاہ سلامت ناراض ہوگئے کہ ہم اتنے عرصے تک ان کو کھلاتے پلاتے رہے، ان کو ہدیے تحفے دیتے رہے اور ان کی سفارش قبول کرتے رہے اور اب انہوں نے ہمارے خلاف ہی فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ فوراً ان کو قاضی کے عہدے سے معزول کردیا۔ یہ دنیاوی بادشاہ بڑے تنگ ظرف ہوتے ہیں، دیکھنے میں بڑے سخی نظر آتے ہیں لیکن کم ظرف ہوتے ہیں، تو صرف یہ نہیں کیا کہ ان کو قضا کے عہدے سے معزول کردیا بلکہ ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ جاکر ان سے کہو کہ ہم نے آج تک تمہیں جتنے ہدیے تحفے دیئے ہیں وہ سب واپس کرو، اس لئے کہ اب تم نے ہماری مرضی کے خلاف کام شروع کردیا ہے۔

اب آپ اندازہ کریں کہ کئی سالوں کے وہ ہدایا، کبھی کچھ دیا ہوگا، کبھی کچھ بھیجا ہوگا، لیکن جب بادشاہ کا وہ آدمی آیا تو آپ اس آدمی کو اپنے گھر کے اندر ایک کمرے میں لے گئے اور ایک الماری کا تالہ کھولا تو وہ پوری الماری تھیلیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے اس قاصد سے کہا کہ تمہارے بادشاہ کے پاس سے جو تحفے کی تھیلیاں آتی تھیں وہ سب اس الماری کے اندر رکھی ہوئی ہیں، اور ان تھیلیوں پر جو مہر لگی تھی

وہ مہر بھی ابھی تک نہیں ٹوٹی، یہ ساری تھیلیاں اٹھا کر لے جاؤ۔ اس لئے کہ جس دن بادشاہ سے تعلق قائم ہوا، الحمدللہ اسی دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذہن میں تھا کہ "احبب حبیبک هونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما" اور مجھے اندازہ تھا کہ شاید کوئی وقت ایسا آئے گا کہ مجھے یہ سارے تحفے واپس کرنے پڑیں گے۔ الحمدللہ بادشاہ کے دیئے ہوئے ہدیے اور تحفوں میں سے ایک ذرہ بھی آج تک اپنے استعمال میں نہیں لایا۔ یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کا صحیح نمونہ۔ یہ نہیں کہ جب دوستی ہوگئی تو اب ہر طرح کا فائدہ اٹھایا جارہا ہے اور جب دشمنی ہوئی تو اب پریشانی اور شرمندگی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

یہ دعا کرتے رہو

اول تو صحیح معنیٰ میں محبت صرف اللہ جل شانہٗ سے ہونی چاہئے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو ہر مسلمان کو ہمیشہ مانگنی چاہئے۔

﴿اللهم اجعل حبك احب الاشياء الی﴾ (کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۲)

اے اللہ! اپنی محبت کو تمام محبتوں پر غالب فرما۔ اب انسان چونکہ کمزور ہے اور اس کے ساتھ بشری تقاضے لگے ہوئے ہیں، اس لئے انسان کو دوسروں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً بیوی سے محبت، اولاد سے محبت، دوستوں سے محبت، ماں باپ سے محبت، عزیز و رشتہ داروں سے محبت، یہ ساری محبتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، یہ محبتیں انسان کے ساتھ رہیں گی اور کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ یا اللہ! یہ ساری محبتیں آپ کی محبت کے تابع ہوجائیں اور آپ کی محبت ان تمام محبتوں پر غالب آجائے۔

اگر محبت حد سے بڑھ جائے تو یہ دعا کرو

اگر کسی سے محبت ہو اور یہ محسوس ہو کہ یہ محبت حد سے بڑھ رہی ہے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ! یہ محبت آپ نے میرے دل میں ڈالی ہے لیکن یہ محبت حد سے بڑھتی جارہی ہے، اے اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی فتنے میں مبتلا ہوجاؤں۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھیے۔ اور پھر اپنے اختیاری طرز عمل میں بھی ہمیشہ احتیاط سے کام لو۔ جو آج کا دوست ہے وہ کل کا دشمن بھی ہوسکتا ہے، کل تک تو ہر وقت ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا، ساتھ کھانا پینا تھا، اور آج یہ نوبت آگئی کہ صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔ یہ نوبت نہیں آنی چاہیے، اور اگر آئے تو اس کی طرف سے آئے، تمہاری طرف سے نہ آئے۔

بہرحال، دوستی کے بارے میں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک تلقین ایسی ہے کہ اگر ہم ان کو پلے باندھ لیں تو ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے۔

دوستی کے نتیجے میں گناہ

بسا اوقات ان دوستیوں کے نتیجے میں ہم گناہ کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ چونکہ یہ دوست ہے اگر اس کی بات ہم نے نہ مانی تو اس کا دل ٹوٹے گا، لیکن اگر اس کے دل ٹوٹنے کے نتیجے میں شریعت ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ نہیں۔ حالانکہ شریعت کو ٹوٹنے سے بچانا دل کو ٹوٹنے سے بچانے سے مقدم ہے بشرطیکہ شریعت میں گنجائش نہ ہو، لیکن اگر شریعت کے اندر گنجائش ہو تو اس صورت میں بیشک یہ حکم ہے کہ مسلمان کا دل رکھنا چاہیے اور حتی الامکان دل نہ توڑنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔

"غلو" سے بچیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں معاملات کے اندر "غلو" کرنے کی ممانعت ہے۔ کسی بھی معاملے میں غلو نہ ہو، نہ تعلقات میں اور نہ ہی معاملات میں۔ اور غلو کے معنی ہیں "حد سے بڑھنا" کسی بھی معاملے میں انسان حد سے نہ بڑھے بلکہ مناسب حد کے اندر رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تعلقات کو نبھائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلّقات کو نبھائیں

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰہ تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشيطٰن الرجيم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحيم

﴿عن عائشة رضى اللّٰہ عنها قالت: جاء ت عجوز الى النبى صلى اللّٰہ عليه وسلم فقال: كيف انتم، كيف حالكم، كيف كنتم بعدنا؟ قالت: بخير بابى انت وامى يا رسول اللّٰہ! فلما خرجت قلت: يا رسول اللّٰہ! تقبل هذه العجوز هذا الاقبال؟ فقال: يا عائشة! انها كانت تاتينا زمان خديجة وان حسن العهد من الايمان﴾ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ حدیث

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عمر رسیدہ خاتون آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بڑا اکرام اور استقبال کیا، ان کو عزت کے ساتھ بٹھایا، ان کی بڑی خاطر تواضع کی اور ان کی خیریت دریافت کی۔ جب وہ خاتون چلی گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ان خاتون کے لئے بہت اکرام اور اہتمام فرمایا۔ یہ کون خاتون تھیں؟ جواب میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿انها كانت تاتينا زمان خديجة﴾

یہ خاتون اس وقت ہمارے گھر آیا کرتی تھیں جب حضرت خدیجہؓ حیات تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا تعلق تھا، گویا کہ یہ ان کی سہیلی تھیں، اس لئے میں نے ان کا اکرام کیا۔ پھر فرمایا:

﴿ان حسن العهد من الايمان﴾

یعنی کسی کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرنا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

تعلقات نبھانے کی کوشش کرے

یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ جب اس کا کسی کے ساتھ تعلق قائم ہو تو اب حتی الامکان اپنی طرف سے اس تعلق کو نہ توڑے، بلکہ اس کو نبھاتا رہے، چاہے طبیعت پر نبھانے کی وجہ سے گرانی بھی ہو، لیکن پھر بھی اس کو نبھاتا رہے، اور اس تعلق کو بدمزگی پر ختم نہ کرے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرے کہ اگر کسی کے ساتھ تمہاری مناسبت نہیں ہے تو اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا زیادہ نہ کرے، لیکن ایسا تعلق ختم کرنا کہ اب بول چال بھی بند، اور علیک سلیک بھی ختم، ملنا جلنا بھی ختم، ایک مؤمن کے لئے یہ بات مناسب نہیں،

اپنے گزرے ہوئے عزیزوں کے متعلقین سے نباہ

اس حدیث میں ہمارے لئے دو سبق ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اپنے تعلق والوں سے نباہ کرنا چاہئے بلکہ اپنے وہ عزیز جو پہلے گزر چکے ہیں، مثلاً ماں باپ ہیں یا بیوی ہے، تو ان کے اہل تعلق سے بھی نباہ کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ حضور میرے والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے اور میری طبیعت پر اس بات کا اثر ہے کہ میں زندگی میں ان کی خدمت نہیں کرسکا اور ان کی

قدر نہ کرسکا اور جیسے حقوق ادا کرنا چاہئے تھے اس طرح حقوق ادا نہ کرسکا۔ (جو لوگ زندگی میں والدین کی خدمت نہیں کرتے اکثر ان کے دلوں میں اس قسم کی حسرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ان صاحب کے دل میں بھی اس کی حسرت تھی، اس لئے عرض کیا کہ میرے دل میں اس کی شدید حسرت ہے اور اثر ہے) اب میں کیا کروں۔ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تم یہ کرو کہ تمہارے والد کے جو دوست احباب ہیں اور جو ان کے تعلق والے اور ان کے قرابت دار ہیں، تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس کے نتیجے میں تمہارے والد کی روح خوش ہوگی، اور تم نے اپنے والد کے اکرام اور حسن سلوک میں جو کوتاہی کی ہے، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی درجے میں اس کی تلافی فرمادیں گے۔ لہٰذا والدین اور اہل تعلقات کے انتقال کے بعد ان کے اہل تعلقات سے نباہ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان سے ملتے جلتے رہنا یہ بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ یہ نہیں کہ جو آدمی مرگیا تو وہ اپنے اہل تعلقات کو بھی ساتھ لے گیا بلکہ اس کے اہل تعلقات تو دنیا میں موجود ہیں، تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ دیکھئے! حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انتقال ہوئے بہت عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خاتون کا اکرام فرمایا۔ اس کے علاوہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ آپ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کے پاس ہدیے تحفے بھیجا کرتے تھے، صرف اس وجہ سے کہ ان کا تعلق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھا اور یہ ان کی سہیلیاں تھیں۔

تعلق کو نبھانا سُنّت ہے

اس حدیث میں دوسرا سبق وہ ہے جو حدیث کے الفاظ "حسن العھد" سے معلوم ہورہا ہے۔ "حسن العھد" کے معنی ہیں، اچھی طرح نباہ کرنا، یعنی جب ایک مرتبہ کسی سے تعلق قائم ہوگیا تو حتی الامکان اس تعلق کو نبھاؤ اور جب تک ہوسکے اپنی طرف سے اس کو توڑنے سے پرہیز کرو۔ بالفرض اگر اس کی طرف

سے تمہیں تکلیفیں بھی پہنچ رہی ہیں تو یہ سمجھو کہ دوسرے کے ساتھ تعلق کو نبھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے، پھر سُنّت اور عبادت سمجھ کر اس تعلق کو نبھاؤ۔

خود میرا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اہل تعلقات میں ایک صاحب تھے، ویسے تو وہ بڑے نیک آدمی تھے۔ لیکن بعض لوگوں کی اعتراض کرنے کی طبیعت ہوتی ہے، وہ جب بھی کسی سے ملیں گے تو اس پر کوئی نہ کوئی اعتراض کردیں گے اور کوئی طعنہ مار دیں گے، کوئی شکایت کردیں گے۔ بعض لوگوں کا ایسا مزاج ہوتا ہے۔ ان صاحب کا بھی ایسا ہی مزاج تھا، چنانچہ لوگ اس معاملے میں ان سے پریشان رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اس عادت کے مطابق خود میرے ساتھ ایسی بات کی کہ وہ میری برداشت سے باہر ہوگئی، وہ بات میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اس وقت تو میں اس بات کو پی گیا۔ میرے دماغ میں اس وقت یہ بات آئی کہ یہ صاحب کچھ اپنے مرتبے اور کچھ اپنے مال و دولت کے گھمنڈ میں دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے مجھ سے ایسی بات کی ہے۔ چنانچہ گھر واپس آکر میں نے ایک تیز خط لکھا اور اس خط میں یہ بات بھی لکھ دی کہ آپ کے مزاج میں یہ بات ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کو آپ سے شکایتیں رہتی ہیں۔ اور اب آج آپ نے میرے ساتھ جو رویّہ اختیار کیا، یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے اب آئندہ میں آپ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ خط لکھا۔

اپنی طرف سے تعلق مت توڑو

لیکن چونکہ الحمد للہ میری عادت یہ تھی کہ جب کبھی کوئی ایسی بات سامنے آتی تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ضرور پیش کردیتا تھا۔ چنانچہ وہ خط لکھ کر حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں پیش کیا اور ان کو سارا

قصہ بھی سنایا کہ یہ بات ہوئی اور انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا، اور اب یہ بات میری برداشت سے باہر ہوگئی ہے۔ چونکہ اس وقت میری طبیعت میں ہیجان اور اشتعال تھا، اس لئے والد صاحب نے اس وقت تو وہ خط لے کر رکھ لیا اور فرمایا کہ اچھا پھر کسی وقت بات کریں گے۔ یہ کہہ کر ٹلادیا۔ جب پورا ایک دن گزر گیا تو حضرت والد صاحب نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہارا خط رکھا ہوا ہے اور میں نے پڑھ لیا ہے، اس خط سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اب یہ خط ان کو بھیج کر تعلقات ختم کردیں۔ اس وقت حضرت والد صاحب نے ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو کسی سے تعلق توڑنا ایسا کام ہے کہ جب چاہو کرلو، اس میں کسی کے انتظار کی یا وقت کی ضرورت نہیں، اس میں کوئی لمبا چوڑا کام نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن تعلق جوڑنا ایسا کام ہے جو ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا تمہیں اس کی جلدی کیا ہے کہ یہ خط ابھی بھیجنا ہے، ابھی کچھ دن اور انتظار کرلو اور دیکھ لو، البتہ اگر ان سے ملنے کا دل نہیں چاہتا تو ان کے پاس مت جاؤ، لیکن اس طرح خط لکھ کر باقاعدہ قطع تعلق کرلینا تو یہ اپنی طرف سے تعلق ختم کرنے کی بات ہوئی۔

تعلق توڑنا آسان ہے جوڑنا مشکل ہے

پھر فرمایا کہ: تعلق ایسی چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ قائم ہوجائے تو حتی الامکان اس تعلق کو نبھاؤ۔ تعلق کو توڑنا آسان ہے جوڑنا مشکل ہے۔ اگر تمہاری طبیعت ان کے ساتھ نہیں ملتی تو یہ ضروری نہیں ہے کہ تم صبح و شام ان کے پاس جایا کرو بلکہ طبیعت نہیں ملتی تو مت جاؤ، لیکن جب تعلق قائم ہے تو اپنی طرف سے قطع کرنے کی کوشش نہ کرو۔ پھر ایک دوسرا خط نکال کر دکھایا جو خود لکھا تھا اور فرمایا کہ اب میں نے یہ دوسرا خط لکھا ہے، اس خط کو پڑھو اور اپنے خط کو پڑھو، تمہارا خط تعلقات کو ختم کرنے والا ہے، اور میرا خط پڑھو، میرے خط کے اندر بھی شکایت کا اظہار ہوگیا اور یہ بات بھی اس میں آگئی کہ ان کا یہ طریقہ اور رویہ تمہیں ناگوار ہوا، معاملے کی بات پوری آگئی لیکن اس خط نے تعلقات کو ختم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ خط

لے کر میں نے پڑھا تو میرے خط میں اور حضرت کے خط میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ہم نے اپنے جذبات اور اشتعال میں آکر وہ خط لکھ دیا تھا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق بات نبھانے کے لئے اس طرح خط لکھا کہ شکایت اپنی جگہ ہوگئی اور ان کے جس طرز عمل سے ناگواری ہوئی تھی، اس کا بھی اظہار ہوگیا کہ آپ کی یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی۔ لیکن آئندہ کے لئے قطع تعلق کی جو بات تھی وہ اس میں سے کاٹ دی۔

پھر فرمایا: دیکھو یہ پُرانے تعلقات ہیں اور ان صاحب سے تعلق میرا اپنا ذاتی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارے والد صاحب کے وقت سے یہ تعلق چلا آرہا ہے۔ ان کے والد صاحب سے ہمارے والد صاحب کا تعلق تھا۔ اب اتنے پرانے تعلق کو ایک لمحے میں کاٹ کر ختم کردینا یہ کوئی اچھی بات نہیں۔

عمارت ڈھانا آسان ہے

بہرحال، حضرت والد صاحب نے یہ جملہ جو ارشاد فرمایا تھا کہ تعلقات کو توڑنا آسان ہے جوڑنا مشکل ہے۔ یہ ایسا جملہ فرمادیا کہ آج یہ جملہ دل پر نقش ہے۔ ایک عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس عمارت کو کلہاڑے سے ڈھادو، وہ عمارت دو دن کے اندر ختم ہوجائے گی۔ لیکن جب تعمیر کرنے لگوگے تو اس میں کئی سال خرچ ہوجائیں گے۔ لہٰذا کوئی بھی تعلق ہو اس کو توڑنا آسان ہے جوڑنا مشکل ہے۔ اس لئے تعلق توڑنے کے لئے پہلے ہزار مرتبہ سوچو۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان حسن العهد من الایمان یعنی اچھی طرح نبھاؤ کرنا یہ ایمان کا تقاضہ ہے۔

اگر تعلقات سے تکلیف پہنچے تو

فرض کریں کہ اگر آپ کو تعلق کی وجہ سے دوسرے سے تکلیف بھی پہنچ رہی ہے تو یہ سوچو کہ تمہیں جتنی تکلیفیں پہنچیں گی، تمہارے درجات میں اتنا ہی اضافہ

ہوگا، تمہارے ثواب میں اضافہ ہوگا۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی مؤمن کو ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ کانٹا اس کے ثواب اور اس کے درجات میں اضافہ کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے اور تم اس پر صبر کر رہے ہو تو اس صبر کا ثواب تمہیں مل رہا ہے، اور اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ان حسن العھد من الایمان پر عمل کرنے کی نیت ہے تو اس صورت میں اتباع سنت کا اور زیادہ ثواب تمہیں مل رہا ہے۔

تکالیف پر صبر کرنے کا بدلہ

لہٰذا یہاں جو تکلیفیں تمہیں پہنچ رہی ہیں وہ اس دنیا میں رہ جائیں گی، یہ تو تھوڑی دیر اور تھوڑے وقت کی ہیں لیکن اس کا جو اجر و ثواب تم اپنی قبر میں سمیٹ کر لے جاؤ گے اور جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں عطا فرمائیں گے، وہ اجر و ثواب انشاء اللہ ان تکلیفوں کے مقابلے میں اتنا زیادہ ہوگا کہ اس کے سامنے ان تکلیفوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صبر کرنے والوں کو اپنی رحمتوں سے نوازیں گے اور ان کو صبر کا صلہ عطا فرمائیں گے تو جو لوگ دنیا میں آرام اور راحت سے رہے ہیں وہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالوں کو قینچیوں سے کاٹا گیا ہوتا اور اس پر ہم صبر کرتے اور ہمیں بھی اتنا ہی ثواب ملتا جتنا ان لوگوں کو مل رہا ہے۔ اس طرح لوگ حسرت کریں گے، اس لئے جو یہ تکلیفیں تھوڑی بہت پہنچ رہی ہیں ان کو برداشت کرلو۔

تعلق کو نباہنے کا مطلب

لیکن نباہ کرنے کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔ نباہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حقوق ادا کرتے رہو اور اس سے تعلق ختم نہ کرو۔ لیکن نباہ کرنے کے لئے دل میں

مناسبت کا پیدا ہونا اور اس کے ساتھ دل کا لگنا اور طبیعت میں کسی قسم کی الجھن کا باقی نہ رہنا ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ دن رات ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا باقی رہے اور ان کے ساتھ ہنسنا بولنا اور ملنا جلنا باقی رہے۔ نباہ کے لئے ان چیزوں کا باقی رکھنا ضروری نہیں بلکہ تعلقات کو باقی رکھنے کے لئے حقوق شرعیہ کی ادائیگی کافی ہے۔ لہٰذا آپ کو اس بات پر کوئی مجبور نہیں کرتا کہ آپ کا دل تو فلاں کے ساتھ نہیں لگتا لیکن آپ زبردستی اس کے ساتھ جاکر ملاقات کریں۔ یا آپ کی ان کے ساتھ مناسبت نہیں ہے تو اب کوئی اس پر مجبور نہیں کرتا کہ آپ طبیعت کے خلاف ان کے پاس جاکر بیٹھیں۔ بس صرف ان کے حقوق ادا کرتے رہیں اور قطع تعلق نہ کریں۔ بس ان حسن العهد من الایمان کے یہی معنی ہیں۔

یہ سُنّت چھوڑنے کا نتیجہ ہے

بہرحال، ہمارے آپس کے تعلقات میں دن رات لڑائیاں اور جھگڑے اٹھتے رہتے ہیں، وہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سُنّت کو چھوڑنے اور آپ کی ہدایات اور تعلیمات کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر ایک وہ حدیث جو پچھلے بیان میں پڑھی تھی اور ایک یہ حدیث جو آج پڑھی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ان دونوں حدیثوں کو پلّے باندھ لیں اور ان کی حقیقت سمجھ لیں اور ان پر عمل کرلیں تو ہمارے معاشرے کے بے شمار جھگڑے ختم ہوجائیں۔ وہ یہ کہ محبت کرو تو اعتدال سے کرو اور بغض کرو تو اعتدال سے کرو۔ شریعت کی ساری تعلیم یہ ہے کہ اعتدال سے کام لو اور کہیں بھی حد سے متجاوز نہ ہوجاؤ۔ اور یہ کہ جب کسی سے تعلق قائم ہوجائے تو اس تعلق کو نباہنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مرنے والوں کی بُرائی نہ کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرنے والوں کو برا مت کہو

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتسبوا الاموات فتوذوا الاحیاء﴾

(ترمذی کتاب البر، باب ماجاء فی الشتم)

مرنے والوں کو برا مت کہو

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کا انتقال ہوچکا ہے، ان کو برا مت کہو، اس لئے کہ مردوں کو برا کہنے سے زندہ لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

ایک اور حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اذکروا محاسن موتٰکم وکفوا عن مساویھم﴾

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی النھی عن سب الموتی)

”یعنی اپنے مردوں کی اچھائیاں ذکر کرو، اور ان کی برائیاں ذکر کرنے سے باز رہو“۔

یہ دو حدیثیں ہیں، دونوں کا مضمون تقریباً ایک جیسا ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوجائے تو انتقال کے بعد اگر اس کا ذکر کرنا ہے تو اچھائی سے ذکر کرو، برائی سے ذکر مت کرو۔ چاہے بظاہر اس کے اعمال کتنے بھی خراب رہے ہوں، لیکن تم اس کی اچھائی کا ذکر کرو اور برائی کا ذکر مت کرو۔

مرنے والے سے معاف کرانا ممکن نہیں

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم تو زندوں کے لئے بھی ہے کہ زندوں کا ان کے پیچھے برائی سے تذکرہ کرنا جائز نہیں، بلکہ زندوں کا تذکرہ بھی اچھائی سے کرنا چاہئے، اگر برائی سے ذکر کریں گے تو غیبت ہوجائے گی، اور غیبت حرام ہے۔ پھر ان احادیث میں خاص طور پر مُردوں کے بارے میں یہ کیوں فرمایا کہ مُردوں کا ذکر برائی سے مت کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ زندہ آدمی کی غیبت بھی حرام ہے، لیکن مردہ آدمی کی غیبت ڈبل حرام ہے، اس کی حرمت کہیں زیادہ ہے۔ اس کی کئی وجہ ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندہ آدمی کی غیبت کرے تو امید یہ ہے کہ جب اس سے کسی وقت ملاقات ہوگی تو اس سے معافی مانگ لے گا اور وہ معاف کردے گا، اس طرح غیبت کرنے کا گناہ ختم ہوجائے گا۔ کیونکہ غیبت حقوق العباد میں سے ہے، اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ اگر صاحب حق معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے۔ لیکن جس شخص کا انتقال ہوگیا، اس سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جاچکا، اس وجہ سے وہ گناہ معاف ہوہی نہیں سکتا، اس لئے یہ گناہ ڈبل ہوگیا۔

اللہ کے فیصلے پر اعتراض

مرنے والے کی غیبت منع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اب تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکا ہے، اور تم اس کی جس برائی کا ذکر کررہے ہو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس برائی کو معاف کردیا ہو اور اس کی مغفرت کردی ہو۔ تو اس

صورت میں اللہ تعالیٰ نے تو معاف کردیا، اور تم اس کی برائی لئے بیٹھے ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض ہورہا ہے کہ یا اللہ! آپ نے تو اس بندے کو معاف کردیا، لیکن میں معاف نہیں کرتا، وہ تو بہت برا تھا۔ استغفر اللہ، یہ اور بڑا گناہ ہے۔

زندہ اور مُردہ میں فرق

تیسری وجہ یہ ہے کہ زندہ آدمی کی "غیبت" میں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جو جائز ہوتی ہیں، مثلاً ایک آدمی کی عادت خراب ہے، اس عادت کے خراب ہونے کی وجہ سے اندیشہ یہ ہے کہ لوگ اس سے دھوکہ میں مبتلا ہوجائیں گے یا وہ کسی کو تکلیف پہنچائے گا۔ اب اگر اس کے بارے میں کسی کو بتادیا کہ دیکھو اس سے ہوشیار رہنا اس کی یہ عادت ہے، یہ غیبت جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد دوسرے کو نقصان سے بچانا ہے۔ لیکن جس آدمی کا انتقال ہوگیا ہے، وہ اب کسی دوسرے کو نہ تو تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دھوکہ دے سکتا ہے، اس لئے اس کی غیبت کسی بھی وقت حلال نہیں ہوسکتی۔ اس وجہ سے خاص طور پر فرمایا کہ مرنے والوں کی غیبت مت کرو۔ اور نہ برائی سے ان کا تذکرہ کرو۔

اس کی غیبت سے زندوں کو تکلیف

چوتھی وجہ خود حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی، وہ یہ کہ تم نے یہ سوچ کر مردے کی غیبت کی کہ وہ مردہ تو اب اللہ تعالیٰ کے یہاں جاچکا ہے، میری برائی کرنے سے اس کو نہ تو تکلیف پہنچے گی، اور نہ ہی اس کو اطلاع ہوگی۔ لیکن تم نے یہ نہ سوچا کہ آخر اس مردے کے کچھ چاہنے والے بھی تو دنیا میں ہوں گے، جب ان کو یہ پتہ چلے گا کہ ہمارے فلاں مرنے والے قریبی عزیز کی برائی بیان کی گئی ہے تو اس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگی۔ فرض کریں کہ آپ نے کسی زندہ آدمی کی غیبت کرلی ہے تو آپ کے لئے یہ آسان ہے کہ جاکر اسی

سے معافی مانگ لیں، وہ معاف کر دے گا تو بات ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر آپ نے کسی مردہ آدمی کی غیبت کرلی تو اس غیبت سے اس کے جتنے عزیز واقارب، دوست احباب ہیں، ان سب کو تکلیف ہوگی، اب تم کہاں کہاں جاکر اس کے عزیز واقارب کو تلاش کروگے، اور یہ تحقیق کروگے کہ کس کس کو تکلیف پہنچی ہے، اور پھر کس کس سے جاکر معافی مانگو گے۔ اس لئے مردے کی غیبت کرنے کی برائی بہت زیادہ شدید ہے۔ لہذا زندہ آدمی کی غیبت تو حرام ہے ہی، لیکن مرنے والے کی غیبت اس کے مقابلہ میں زیادہ حرام ہے، اور اس کی معافی بھی بہت مشکل ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی بُرائی بیان نہ کرو، صرف اچھائی بیان کرو۔

مردہ کی غیبت جائز ہونے کی صورت

صرف ایک صورت میں مردے کی بُرائی بیان کرنا جائز ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص گمراہی کی باتیں کتابوں میں لکھ کر دنیا سے رخصت ہوگیا، اب اس کی کتابیں ہر جگہ پھیل رہی ہیں، ہر آدمی اس کی کتابیں پڑھ رہا ہے۔ لہذا اس شخص کے بارے میں لوگوں کو یہ بتانا کہ اس شخص نے عقائد کے بارے میں جو باتیں لکھی ہیں، وہ غلط ہیں اور گمراہی کی باتیں ہیں، تاکہ لوگ اس کی کتابیں پڑھ کر گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔ بس اس حد تک اس کی بُرائی بیان کرنے کی اجازت ہے۔ اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس حد تک اس کے بارے میں لوگوں کو بتایا جائے جس حد تک ضرورت ہو۔ لیکن اس شخص کو بُرا بھلا کہنا یا اس کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا جو گالی میں داخل ہو جائیں، یہ عمل پھر بھی جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ اپنی کتابوں میں گمراہی کی باتیں لکھ گیا، لیکن کیا معلوم کہ مرتے وقت اس کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دیدی ہو، اور اس توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا ہو۔ لہذا اس کے لئے بُرے الفاظ استعمال کرنا مثلاً یہ کہنا کہ وہ تو جہنمی تھا، وغیرہ۔ العیاذ باللہ۔ یہ کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ کسی کے جہنمی ہونے یا نہ ہونے کا

مسئلہ صرف ایک ذات کے اختیار میں ہے، وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کون جنتی ہے؟ اور کون جہنمی ہے؟ لہٰذا تم اس کے اوپر جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنے والے کون ہو؟ اور تم نے اس کے بارے میں یہ کیسے فیصلہ کرلیا کہ وہ مردود تھا۔ اس قسم کے الفاظ اس کے بارے میں استعمال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ البتہ اس نے جو گمراہی پھیلائی ہے، اس کی تردید کردو کہ یہ اس کے عقائد گمراہانہ تھے، اور کوئی شخص ان عقائد سے دھوکہ میں نہ آئے۔

اچھے تذکرہ سے مُردے کا فائدہ

لہٰذا جو بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، یہ یاد رکھنے کی ہے کہ مرنے والوں کے محاسن ذکر کرو اور اس کی بُرائیوں کو ذکر کرنے سے پرہیز کرو۔ اس حدیث شریف میں صرف بُرائیوں سے پرہیز کرنے کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ اس کی اچھائیاں ذکر کرو، اس کی اچھائیاں ذکر کرنے کی ترغیب دی۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں سے اس کی حکمت یہ سنی ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مرنے والے کی کوئی اچھائی ذکر کرتا ہے، یا اس کی نیکی کا تذکرہ کرتا ہے تو یہ اس مرنے والے کے حق میں ایک گواہی ہوتی ہے، اور اسی گواہی کی بنیاد پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس مرنے والے پر فضل فرمادیتے ہیں کہ میرے نیک بندے تمہارے بارے میں اچھائی کی گواہی دے رہے ہیں، چلو ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ لہٰذا اچھائی کا ذکر کرنا مرنے والے کے حق میں بھی فائدہ مند ہے۔ اور جب تمہاری گواہی کے نتیجے میں اس کو فائدہ پہنچ گیا، تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں تمہاری بھی مغفرت فرمادیں، اور یہ فرمادیں کہ تم نے میرے ایک بندے کو فائدہ پہنچایا، لہٰذا ہم تمہیں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں اور تمہیں بھی بخش دیتے ہیں۔ اس لئے فرمایا نہ صرف یہ نہیں کہ مرنے والے کا بُرائی کے ساتھ تذکرہ مت کرو، بلکہ فرمایا کہ اس کی اچھائیاں ذکر کرو، اس سے انشاء اللہ ان کو بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہیں بھی فائدہ پہنچے گا۔

مرنے والوں کے لئے دعائیں کرو

ایک اور حدیث بھی اسی مضمون کی ہے لیکن الفاظ دوسرے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

﴿لاتذکروا ھلکاکم الا بخیر﴾

(النسائی، کتاب الجنائز، باب النھی عن ذکر الھلکی الا بخیر)

یعنی اپنے مرنے والوں کا ذکر مت کرو مگر اچھائی کے ساتھ۔ اور اچھائی کے ساتھ ذکر میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب اس کی اچھائی ذکر کر رہے ہو تو اس کے حق میں یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور اس پر اپنا فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عذاب سے محفوظ فرمائے۔ یہ دعائیں ڈبل فائدہ دیں گی، ایک تو دعا کرنا بذات خود عبادت اور ثواب ہے، چاہے وہ کسی کام کے لئے بھی کرے۔ دوسرے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچانے کا اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے اس کے حق میں دعا کرنے میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور اس کا بھی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بحث و مباحثہ اور جھوٹ ترک کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقتِ خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بحث ومباحثہ اور جھوٹ ترک کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایؤمن العبد الایمان کلہ حتی یترک الکذب فی المزاحۃ ویترک المراء وان کان صادقا﴾ (مسند احمد، جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

ایمان کامل کی دو علامتیں

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنا نہ چھوڑے، اور بحث ومباحثہ نہ چھوڑے، چاہے وہ حق پر ہو۔ اس حدیث میں دو چیزیں بیان فرمائیں کہ جب تک آدمی ان دو چیزوں کو نہیں چھوڑے گا، اس وقت تک آدمی صحیح طور پر مؤمن نہیں ہو سکتا، ایک یہ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے، اور دوسرے یہ کہ حق پر ہونے کے باوجود بحث ومباحثہ میں نہ پڑے۔

مذاق میں جھوٹ بولنا

پہلی چیز جس کا اس حدیث میں حکم دیا، وہ ہے جھوٹ چھوڑنا، اور اس میں بھی خاص طور پر مذاق میں جھوٹ بولنے کا ذکر فرمایا، اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ اسی وقت ناجائز اور حرام ہے جب وہ سنجیدگی سے بولا جائے اور مذاق میں جھوٹ بولنا جائز ہے، چنانچہ اگر کسی سے کہا جائے کہ تم نے فلاں موقع پر یہ بات کہی تھی، وہ تو ایسی نہیں تھی، تو جواب میں وہ کہتا ہے کہ میں تو مذاق میں یہ بات کہہ رہا تھا۔ گویا کہ مذاق میں جھوٹ بولنا کوئی بُری بات ہی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے خلاف واقعہ بات نکلے ہی نہیں، حتیٰ کہ مذاق میں بھی نہ نکلے۔ اگر مذاق اور خوش طبعی حد کے اندر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، شریعت نے خوش طبعی اور مذاق کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ اس کی تھوڑی سی ترغیب بھی دی ہے، ہر وقت آدمی خشک اور سنجیدہ ہو کر بیٹھا رہے کہ اس کے منہ پر کبھی تبسم اور مسکراہٹ ہی نہ آئے، یہ بات پسندیدہ نہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق کرنا ثابت ہے، لیکن ایسا لطیف مذاق اور ایسی خوش طبعی کی باتیں آپ سے منقول ہیں جو لطیف بھی ہیں اور ان میں کوئی بات خلاف واقعہ بھی نہیں۔

حضور ﷺ کے مذاق کا ایک واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک اونٹ دے دیجئے۔ اس زمانے میں اونٹ سب سے بڑی دولت ہوتی تھی اور مالداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، جس کے پاس جتنے زیادہ اونٹ ہوتے تھے وہ اتنا ہی بڑا مالدار ہوتا تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دونگا، ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا، مجھے تو اونٹ چاہئے

جو مجھے سواری کے کام آسکے۔ آپ نے فرمایا کہ ارے جو بھی اونٹ ہوگا وہ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا۔ (مشکوۃ: صفحہ ۴۱۶)

دیکھئے، آپ نے مزاح فرمایا اور خوش طبعی کی بات فرمائی، لیکن حق بات کہی، کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ بات نہیں کہی۔

حضور ﷺ کے مذاق کا دوسرا واقعہ

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک خاتون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، آپ نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی، جب آپ نے دیکھا کہ وہ پریشان ہو رہی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی خاتون بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی۔ (مشکوۃ: صفحہ ۴۱۶)

دیکھئے، آپ نے مذاق فرمایا اور خوش طبعی کی بات کی، لیکن اس میں کوئی جھوٹ اور غلط بیانی کا پہلو نہیں تھا۔ یہ مذاق کرنا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لہٰذا جب کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے مذاق کرے گا تو انشاء اللہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔ ہمارے جتنے بزرگ گزرے ہیں ان سب کا حال یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی خشک نہیں تھا، ایسا خشک کہ بت بنے بیٹھے ہیں اور زبان پر خوش طبعی کی بات ہی نہیں آتی، بلکہ یہ حضرات اپنے ساتھیوں سے خوش طبعی کی اور دل لگی کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، اور بعض بزرگ تو اس بارے میں مشہور تھے، لیکن اس خوش طبعی اور مذاق میں جھوٹ نہیں ہوتا تھا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل فرماتے ہیں تو اس کی زبان اس طرح کر دیتے ہیں کہ اس زبان پر کبھی جھوٹ کی کوئی بات آتی ہی نہیں، نہ مذاق میں نہ ہی سنجیدگی میں۔

حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور دل لگی

تھانہ بھون کے اقطاب ثلاثہ مشہور ہوئے ہیں، ان میں سے ایک حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے، بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کے بارے میں بعض بزرگوں کا یہ مکاشفہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جو جہاد ہوا تھا، وہ اسی دولہا کی برات سجانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا، لیکن ان کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی ان کی مجلس میں جاکر بیٹھتا تو دیکھتا کہ وہاں تو ہنسی مذاق اور دل لگی ہو رہی ہے۔ جب کوئی شخص ان کے پاس جاتا تو فرماتے کہ بھائی اگر فتویٰ لینا ہو تو دیکھو سامنے مولانا شیخ محمد تھانوی صاحب بیٹھے ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ۔ اگر ذکر واذکار سیکھنا ہو اور بیعت ہونا ہو تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) تشریف فرما ہیں، ان سے جاکر تعلق قائم کرلو، اور حقہ پینا ہو تو یاروں کے پاس آجاؤ۔ اس طرح کی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے، لیکن اس دل لگی کے پردے میں اپنے باطن کے مقام بلند کو چھپایا ہوا تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ اور قہقہے

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، ان کے حالات میں ان کے بارے میں کسی نے لکھا ہے کہ "کنا نسمع ضحکه فی النهار وبکاءه باللیل" یعنی دن کے وقت ہم ان کے ہنسنے کی آوازیں سنا کرتے تھے، اور ان کی مجلس میں قہقہے گونجتے تھے اور رات کے وقت ان کے رونے کی آوازیں آیا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے حضور جب سجدہ ریز ہوتے تو روتے رہتے تھے۔

حدیث میں خوش طبعی کی ترغیب

بہر حال، یہ مذاق اپنی ذات میں برا نہیں بشرطیکہ حدود کے اندر ہو، اور آدمی ہر

وقت ہی مذاق نہ کرتا رہے، بلکہ کبھی کبھی مذاق اور دل لگی کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿روحوا القلوب ساعة فساعة﴾

یعنی "اپنے دلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام دیا کرو"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ کاموں میں لگا ہوا ہے تو تھوڑا وقت وہ ایسا بھی نکالے جس میں آزادی سے خوش طبعی کی باتیں بھی کرلے، گویا کہ یہ بھی مطلوب ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ کسی بھی وقت منہ سے غلط بات نہ نکلے۔ بہرحال، جب مذاق میں جھوٹ بولنے کو منع کیا گیا ہے تو سنجیدگی میں جھوٹ بولنا کتنی بُری بات ہوگی، اور مؤمن کی بنیادی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اس کے منہ سے غلط بات نہیں نکلتی، حتیٰ کہ جان پر مصیبت آجاتی ہے اس وقت بھی مؤمن جھوٹ سے بچتا ہے، حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جان بچانے کی خاطر اگر کوئی شخص جھوٹ بولے تو اس کی اجازت ہے، لیکن جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، اس وقت بھی ان کے منہ پر صریح جھوٹ جاری نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے، مکہ مکرمہ کے کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے کے لئے ہرکارے دوڑائے ہوئے تھے، اور یہ اعلان کیا ہوا تھا کہ جو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ کتنا بڑا انعام تھا، آج بھی سو اونٹ کی قیمت لاکھوں تک پہنچ جائے گی۔ اور سارا مکہ اس فکر میں تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہیں سے

پکڑ لائیں، اس حالت میں ایک شخص آپ تک پہنچ گیا، وہ شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانتا تھا، لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقف نہیں تھا، اس نے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ اب اگر صحیح بتاتے ہیں تو جان کا خطرہ ہے، اور اگر نہیں بتاتے ہیں تو غلط بیانی اور جھوٹ ہوتا ہے، جو لوگ سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہیں، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں، آپ تو "صدیق" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے، چنانچہ اس شخص کے سوال کے جواب میں آپ کے منہ سے یہ نکلا کہ "ھاد یھدینی السبیل" یہ رہنما ہیں اور مجھے راستہ دکھلاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ آپ نے ایک ایسا جملہ بول دیا جس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی رہنما تھے اور دین کا راستہ دکھلاتے تھے، اور جان بھی بچ گئی۔ دیکھئے! جان پر بنی ہوئی ہے، مگر اس وقت بھی زبان پر صریح جھوٹ نہیں آرہا ہے، حالانکہ ایسے موقع پر جبکہ جان کا خطرہ ہو، شریعت نے جھوٹ بولنے کی گنجائش دیدی ہے، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبان سے جھوٹ کا کلمہ نہیں نکالا۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی تھے، ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے موقع پر ان کی گرفتاری کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے، اس وقت یہ عالم تھا کہ چوراہوں پر پھانسیوں کے تختے لگے ہوئے تھے، اور جب کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ یہ جہاد میں شریک ہے، اس کو فوراً پکڑ کر چوراہے پر پھانسی دے دی جاتی تھی، اس حالت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں چھتے کی مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ بالکل سادہ رہتے تھے، اور عام طور پر آپ تہبند اور معمولی کرتا پہنے رہتے تھے، دیکھنے میں پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ اتنے بڑے علامہ ہوں گے۔ ایک دن آپ کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس مسجد کے اندر پہنچ گئی، اندر جاکر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ پولیس والوں کے ذہن میں یہ تھا

کہ مولانا محمد قاسم صاحب بہت بڑے علامہ ہوں گے، اور آپ جبہ اور پگڑی پہنے ہوئے شان و شوکت کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ لیکن اندر مسجد میں دیکھا کہ ایک آدمی لنگی اور معمولی کرتا پہنے ہوئے ہے، پولیس والے یہ سمجھے کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے، ان سے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کہاں ہیں؟ اب اگر یہ جواب دیتے ہیں کہ میں ہی ہوں تو پکڑے جاتے ہیں اور اگر کوئی اور بات کہتے ہیں تو جھوٹ ہو جاتا ہے۔ آپ نے یہ کیا کہ جس جگہ پر کھڑے تھے اس جگہ سے ذرا سے پیچھے ہٹ گئے اور پھر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہیں تھے، یہ جواب دیا۔ آپ دیکھیں کہ ایسے وقت میں جبکہ پھانسی دیے جانے کا خطرہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور موت آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی ہے، اس وقت بھی صریح جھوٹ زبان سے نہیں نکلا، اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا، اور اس پولیس کے دل میں یہ بات آگئی کہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں ہوں گے اور اب کہیں نکل گئے۔ بہر حال، جھوٹ ایسی چیز ہے کہ ایک مومن تختہ دار پر بھی اس کو کبھی گوارہ نہیں کرتا۔

آج معاشرے میں پھیلے ہوئے جھوٹ

اس لئے حتی الامکان جہاں تک ہو سکے انسان جھوٹ نہ بولے۔ جب شریعت نے سچ بولنے کی اتنی تاکید فرمائی ہے اور جھوٹ بولنے کی ممانعت فرمائی ہے، حتی کہ مذاق میں اور حالت جنگ میں بھی جھوٹ کی ممانعت فرمائی ہے تو عام حالات میں جھوٹ کی اجازت کیسے ہوگی؟ آجکل ہمارا معاشرہ جھوٹ سے بھر گیا ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار، اور اہل اللہ سے تعلق رکھنے والے صحبت یافتہ لوگ بھی صریح جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً چھٹی لینے کے لئے جھوٹے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا رہے ہیں، اور دل میں ذرا سا یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ ہم نے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ تجارت میں، صنعت میں، کاروبار میں جھوٹے سرٹیفکیٹ، جھوٹے بیانات، جھوٹی گواہیاں ہو رہی ہیں، یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ اب کہنے والے یہ کہتے ہیں

"اس دنیا میں سچ کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا"۔ العیاذ باللہ العلی العظیم، یعنی سچ بولنے والا زندہ نہیں رہ سکتا، اور جب تک جھوٹ نہیں بولے گا اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ:

﴿الصدق ینجی والکذب یھلک﴾

"سچائی نجات دینے والی چیز ہے، اور جھوٹ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے، برباد کرنے والا ہے"۔

بظاہر وقتی طور پر جھوٹ بولنے سے کوئی نفع حاصل ہو جائے، لیکن انجام کار جھوٹ میں فلاح اور کامیابی نہیں، سچائی میں فلاح ہے، اللہ کا حکم ماننے میں فلاح ہے۔

اس لئے سچائی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور پھر اس بارے میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہر ایک جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں آجکل جھوٹ کی ہزاروں قسمیں نکل آئی ہیں، یہ جھوٹے سرٹیفکیٹ، جھوٹے بیانات وغیرہ، یہ جھوٹ کی بدترین قسم ہے، اس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بہرحال، اس حدیث میں ایک بات تو یہ بیان فرمائی کہ بندے کے مکمل مؤمن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے۔

بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ حق پر ہونے کے باوجود بحث و مباحثہ سے پرہیز کرے۔ ہماری زبان کی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت "بحث و مباحثہ" بھی ہے، لوگوں کو اس کا بڑا ذوق ہے، جہاں چند افراد کی مجلس جمی اور کوئی موضوع نکلا، بس پھر اس موضوع پر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ وہ مباحثہ بھی ایسی فضول باتوں کا جن کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ۔ یاد رکھئے! یہ بحث و مباحثہ

ایسی چیز ہے جو انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿المراء یذھب بنور العلم﴾

"بحث و مباحثہ علم کے نور کو تباہ کر دیتا ہے"۔

اور بحث و مباحثہ کی عادت عالموں میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر عالم یہ سمجھتا ہے کہ میں زیادہ جانتا ہوں، اگر دوسرے نے کوئی بات کہدی تو اس سے بحث مباحثہ کرنے کو تیار، اور اس مباحثہ میں گھنٹوں خرچ ہو رہے ہیں، چاہے وہ مباحثہ زبانی ہو یا تحریری ہو۔ بس اسی میں وقت صرف ہو رہا ہے۔

اپنی رائے بیان کر کے علیحدہ ہو جائیں

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے دوسرے کی رائے سے مختلف ہے تو تم اپنی رائے بیان کر دو کہ میری رائے یہ ہے اور دوسرے کی بات سن لو، اگر سمجھ میں آتی ہے تو قبول کر لو اور اگر سمجھ میں نہیں آتی تو بس یہ کہدو کہ تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی، تمہاری سمجھ میں جو آرہا ہے تم اس پر عمل کر لو اور میری سمجھ میں جو آرہا ہے میں اس پر عمل کروں گا۔ بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے کہ بحث و مباحثہ میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے پر غالب آجاؤں، میری بات اونچی رہے، اور دوسرے کو زیر کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اس کے نتیجے میں پھر حق و باطل میں امتیاز باقی نہیں رہتا، بلکہ یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ہو بس دوسرے کو زیر کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ فرما دیا کہ اگر تم حق پر ہو اور صحیح بات کہہ رہے ہو اور دوسرا شخص غلط بات کہہ رہا ہے، پھر بھی بحث و مباحثہ مت کرو، بس اپنا صحیح موقف بیان کر دو اور اس سے کہہ دو کہ تمہاری سمجھ میں آئے تو قبول کر لو، اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو تم جانو، تمہارا کام جانے۔ تو اس حدیث میں حق بات پر بھی بحث و مباحثہ سے ممانعت فرمادی۔

سورۃ کافرون کے نزول کا مقصد

سورۃ "قل یا یھا الکافرون" جس کو ہم اور آپ نماز میں پڑھتے ہیں، یہ اسی مقصد کو بتانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا توحید کا پیغام کفار مکہ کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا، اس کے دلائل بیان فرما دئے، لیکن بیان کرنے کے بعد جب بحث ومباحثہ کی نوبت آگئی، تو اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی:

﴿قل یا ایھا الکفرون ○ لااعبد ماتعبدون ○ ولاانتم عبدون مااعبد ○ ولا انا عابد ماعبدتم ○ ولا انتم عبدون ما اعبد ○ لکم دینکم ولی دین ○﴾ (سورۃ کافرون)

آپ فرما دیجئے اے کافرو! تم جس کی عبادت کرتے ہو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا، اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور میرا دین میرے ساتھ"۔

مطلب یہ ہے کہ میں بحث ومباحثہ کرنا نہیں چاہتا، جو حق کے دلائل تھے وہ واضح کر کے بتادئے، سمجھا دئے، اگر قبول کرنا ہو تو اپنی فلاح اور کامیابی کی خاطر قبول کرلو، آگے فضول بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کرنا نہ تمہارے حق میں مفید ہے اور نہ میرے حق میں مفید ہے، لکم دینکم ولی دین تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

دوسرے کی بات قبول کرلو ورنہ چھوڑ دو

دیکھئے، خالص کفر اور اسلام کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ یہ کہہ دو کہ میں جھگڑا نہیں کرتا اور بحث و مباحثہ میں نہیں پڑتا۔ جب کفر اور اسلام کے معاملے میں یہ حکم ہے تو اور دوسرے مسائل میں اس سے زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہر وقت ہمارے درمیان بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہ باطن کو خراب کرنے والی چیز ہے۔ اگر کسی سے کسی مسئلے پر کوئی بات کرنی ہو تو طلب حق کے ساتھ بات کرو، اور حق پہنچانے کے لئے بات کرو، اپنا موقف بیان کرو، دوسرے کا موقف سن لو، سمجھ میں آئے تو قبول کرلو، سمجھ میں نہ آئے تو چھوڑ دو۔ بس، لیکن بحث نہ کرو۔

ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوجائے گا

میرے پاس بے شمار لوگ خطوط کے اندر لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں صاحب سے اس مسئلے میں بحث ہوئی، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں، ہم ان کا کیا جواب دیں؟ ——اب بتائیے، اگر یہ سلسلہ آگے اسی طرح جاری رہے کہ وہ ایک دلیل پیش کریں اور آپ مجھ سے پوچھ لیں کہ اس کا کیا جواب دیں؟ میں اس کا جواب بتادوں، پھر وہ کوئی دوسری دلیل پیش کریں تو پھر تم مجھ سے پوچھو گے کہ اس دلیل کا کیا جواب دیں، تو اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوجائے گا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ بحث و مباحثہ ہی مت کرو، بلکہ اپنا مسلک بیان کردو کہ میرے نزدیک یہ حق ہے، میں اس پر کاربند ہوں، سامنے والا قبول کرلے تو ٹھیک، نہیں قبول کرتا تو اس سے یہ کہہ دو کہ تم جانو تمہارا کام جانے، میں جس راستے پر ہوں، اسی راستہ پر قائم رہوں گا۔ اس سے زیادہ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہی ہے کہ اگر تم سچے اور حق پر ہو، پھر بھی بحث و مباحثہ میں مت پڑو۔

مناظرہ مفید نہیں

آج کل "مناظرہ" کرنا اور اس مناظرے میں دوسرے کو شکست دینا ایک ہنر بن گیا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب نئے نئے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو اس وقت حضرت والا کو باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک مناظروں کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اور جب بھی کسی سے مناظرہ کرتے تو دوسرے کو زیر ہی کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قوت بیان خوب عطا فرمائی تھی۔ لیکن حضرت خود فرماتے ہیں کہ کچھ دن کے بعد اس مناظرہ کے کام سے ایسا دل ہٹا کہ اب میں کسی طرح بھی کسی سے مناظرہ کرنے کو تیار نہیں۔ فرمایا کہ جب میں مناظرہ کرتا تھا تو دل میں ایک ظلمت محسوس ہوتی تھی، پھر بعد میں ساری عمر کبھی مناظرہ نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ یہ کچھ فائدہ مند نہیں ہے، کہیں واقعی ضرورت پیش آجائے اور حق کی وضاحت مقصود ہو تو اور بات ہے، ورنہ اس کو اپنا مشغلہ بنانا اچھی بات نہیں۔ جب علماء کرام کے لئے یہ اچھی بات نہیں تو عام آدمی کے لئے دین کے مسائل پر بحث کرنا فضول بات ہے۔

فالتو عقل والے بحث ومباحثہ کرتے ہیں

اکبر الٰہ آبادی مرحوم جو اردو کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے اس بحث ومباحثہ کے بارے میں بڑا اچھا شعر کہا ہے، وہ یہ کہ:

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یعنی مذہبی بحث وہ کرے جس میں فالتو عقل ہو — ہر آدمی کو اس پر عمل کرنا چاہئے — البتہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہیں تو کسی جاننے والے سے پوچھ لو، کوئی

بات سمجھ نہیں آرہی ہے تو پوچھ لو، طالب حق بن کر معلوم کرلو، لیکن بحث و مباحثہ میں کچھ نہیں رکھا۔

بحث و مباحثہ سے ظلمت پیدا ہوتی ہے

اس حدیث کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحث و مباحثہ سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ایمان کا کامل نہ ہونا ظلمت ہے، اور اسی لئے تم اہل طریقت کو دیکھو گے کہ وہ بحث و مباحثہ سے سخت نفرت کرتے ہیں"۔

یعنی تصوف اور سلوک کے راستے پر چلنے والے، اولیاء اللہ بحث و مباحثہ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

جناب مودودی صاحب سے مباحثہ کا ایک واقعہ

ہمارے ایک بزرگ تھے حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے، اور بڑے عجیب بزرگ تھے، ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ:

"جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں بعض صحابہ کرام پر بڑے غلط انداز میں گفتگو کی ہے، تم اس کے اوپر کچھ لکھو"۔

چنانچہ میں نے اس پر مضمون لکھ دیا، اس مضمون پر پھر مودودی صاحب کی طرف سے جواب آیا، اس پر پھر میں نے ایک مضمون بطور جواب کے لکھ دیا۔ اس طرح دو مرتبہ جواب لکھا۔ جب حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرا

دوسرا جواب پڑھا، تو مجھے ایک پرچہ لکھا، وہ پرچہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے، اس میں یہ لکھا کہ:

"میں نے تمہارا یہ مضمون پڑھا، اور پڑھ کر بڑا دل خوش ہوا اور دعائیں نکلیں، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے"۔

پھر لکھا کہ:

"اب اس مردہ بحثا بحثی کو دفنا دیجئے"۔

یعنی اب یہ آخری مرتبہ لکھ دیا، اور جو حق واضح کرنا تھا وہ کردیا، اب اس کے بعد اگر وہاں سے کوئی جواب بھی آئے تب بھی تم اس کے جواب میں کچھ مت لکھنا، اس لئے کہ پھر تو بحث و مباحثہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ بہرحال، یہ اولیاء اللہ اس بحث و مباحثہ سے سخت نفرت کرتے ہیں، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، آج تک آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی مناظرے کے نتیجے میں حق قبول کرنے کی توفیق ہوئی ہو۔ سوائے وقت ضائع کرنے کے کچھ حاصل نہیں۔

یہ اہل اللہ بحث و مباحثہ سے نفرت کیوں نہ کریں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ "مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ بحث و مباحثہ میں نہیں پڑتا"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بحث و مباحثہ اور جھوٹ سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دین سیکھنے سکھانے کا طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دین سیکھنے اور سکھانے کا طریقہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشھد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہ وأصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

اما بعد!

﴿عن ابی قلابۃ قال حدثنا مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال اتینا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن شبۃ متقاربون فاقمنا عندہ عشرین یومًا ولیلۃً وکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رحیمًا رفیقًا، فلما ظن انّا قد اشتھینا اھلنا، سألنا عمن ترکنا بعدنا فاخبرناہ فقال ارجعوا إلی اھلیکم فاقیموا فیھم وعلموھم ومروھم، وصلوا کما رَأیتمونی اصلی، فاذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم﴾

(صحیح بخاری۔ کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ)

ترجمہ حدیث

یہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں جو قبیلہ بنو لیث کے ایک فرد تھے۔ ان کا قبیلہ مدینہ منورہ سے کافی دور ایک بستی میں آباد تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی، یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد اپنے گاؤں سے سفر کر کے مدینہ منورہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنی حاضری کا واقعہ اس طویل حدیث میں بیان فرمارہے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور ہم لوگ سب نوجوان اور ہم عمر تھے، اور ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیس دن قیام کیا۔ بیس دن کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ شاید ہمیں اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہورہی ہے۔ چنانچہ آپ نے ہم سے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہو؟ یعنی تمہارے گھر میں کون کون تمہارے رشتہ دار ہیں؟ ہم نے آپ کو بتادیا کہ فلاں فلاں رشتہ دار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان پر بڑے ہی مہربان اور بڑے ہی نرم خو تھے۔ چنانچہ آپ نے ہم سے فرمایا کہ اب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ، اور جاکر ان کو دین سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ وہ دین پر عمل کریں۔ اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح تم بھی نماز پڑھو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دیا کرے، اور تم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ یہ ہدایات دے کر پھر آپ نے ہمیں رخصت فرمادیا۔

دین سیکھنے کا طریقہ، صحبت

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہمارے لئے ہدایت کے متعدد سبق ہیں۔ سب سے پہلی بات جو حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی: وہ یہ تھی کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ہم نوجوان تھے اور تقریباً بیس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ درحقیقت دین سیکھنے کا یہی طریقہ تھا، اس زمانے میں نہ کوئی باقاعدہ مدرسہ تھا اور نہ کوئی یونیورسٹی تھی، نہ کوئی کالج تھا اور نہ کتابیں تھیں۔ بس دین سیکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ جس کو دین سیکھنا ہوتا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آجاتا، اور آکر آپ کو دیکھتا کہ آپ کس طرح زندگی گزار رہے ہیں؟ صبح سے لے کر شام تک

آپ کے کیا معمولات ہیں؟ لوگوں کے ساتھ آپ کا رویّہ کیسا ہے؟ آپ گھر میں کس طرح رہتے ہیں؟ باہر والوں کے ساتھ کس طرح رہتے ہیں؟ یہ سب چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو معلوم کرتے اور اسی سے ان کو دین سمجھ میں آتا۔

"صحبت" کا مطلب

اللہ تعالیٰ نے دین سیکھنے کا جو اصل طریقہ مقرر فرمایا ہے، وہ یہی صحبت ہے، اس لئے کہ کتاب اور مدرسہ سے دین سیکھنا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو پڑھے لکھے ہوں، اور پھر تنہا کتاب سے پورا دین بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ صرف کتاب پڑھ لینے سے اس کو کوئی علم و ہنر نہیں آتا، دنیا کا کوئی علم صرف کتاب کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ علم و ہنر سیکھنے کے لئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ "صحبت" کا مطلب یہ ہے کہ کسی جاننے والے کے پاس کچھ دن رہنا اور اس کے طرز عمل کا مشاہدہ کرنا، اسی کا نام صحبت ہے اور یہی صحبت انسان کو کوئی علم و ہنر اور کوئی فن سکھاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کو ڈاکٹر بننا ہے تو اس کو کسی ڈاکٹر کی صحبت میں رہنا ہوگا۔ اگر کسی کو انجینئر بننا ہے تو اس کو کسی انجینئر کی صحبت میں رہنا ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو کھانا پکانا سیکھنا ہے تو اس کو بھی کچھ وقت باورچی کی صحبت میں گزارنا ہوگا اور اس سے سیکھنا پڑے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دین کا معاملہ رکھا ہے کہ یہ دین صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

صحابہؓ نے کس طرح دین سیکھا؟

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کوئی آسمانی کتاب دنیا میں بھیجی تو اس کے ساتھ ایک رسول ضرور بھیجا، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو براہِ راست کتاب نازل فرمادیتے، لیکن براہِ راست کتاب نازل کرنے کے بجائے ہمیشہ کسی رسول اور پیغمبر کے ذریعہ کتاب بھیجی، تاکہ وہ رسول اور پیغمبر اس کتاب پر عمل کرنے کا طریقہ

لوگوں کو بتائے، اور اس رسول کی صحبت اور اس کی زندگی کے طرز عمل سے لوگ یہ سیکھیں کہ اس کتاب پر کس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھئے کہ انہوں نے کس یونیورسٹی میں تعلیم پائی؟ وہ حضرات کون سے مدرسے سے فارغ التحصیل تھے؟ انہوں نے کون سی کتابیں پڑھی تھیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے لئے نہ تو ظاہری طور پر کوئی مدرسہ تھا، نہ ہی ان کے لئے کوئی کورس مقرر تھا، نہ کوئی نصاب تعلیم تھا، نہ کتابیں تھیں۔ لیکن ایک صحابی کے طرز عمل پر ہزار مدرسے اور ہزار کتابیں قربان ہیں، اس لئے کہ اس صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور صحبت کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو دیکھا، اور پھر اس ادا کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کی اور اس طرح وہ صحابی بن گئے۔

اچھی صحبت اختیار کرو

بہرحال، یہ صحبت ایسی چیز ہے جو انسان کو کیمیا بناتی ہے۔ اسی لئے ہمارے تمام بزرگوں کا کہنا یہ ہے کہ اگر دین سیکھنا ہے تو پھر اپنی صحبت درست کرو، اور ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو اور ایسے لوگوں کے پاس جاؤ جو دین کے حامل ہیں، وہ صحبت رفتہ رفتہ تمہارے اندر بھی دین کی عظمت و محبت اور اس کی فکر پیدا کرے گی، اور اگر غلط صحبت میں بیٹھوگے تو پھر غلط صحبت کے اثرات تم پر ظاہر ہونگے۔ اور یہ دین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے اسی طرح چلا آرہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابہ کرام تیار ہوئے، اور صحابہ کرام کی صحبت سے تابعین تیار ہوئے، اور تابعین کی صحبت سے تبع تابعین تیار ہوئے، یہ سارے دین کا سلسلہ اس وقت سے لے کر آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔

دو سلسلے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف

القرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے دو سلسلے جاری فرمائے ہیں: ایک کتاب اللہ کا سلسلہ، اور دوسرا رجال اللہ کا سلسلہ۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اللہ کے آدمی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال پیدا فرمائے ہیں جو اس کتاب پر عمل کا نمونہ ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دونوں سلسلوں کو لے کر چلے تو اس وقت دین کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن اگر صرف کتاب لے کر بیٹھ جائے اور رجال اللہ سے غافل ہو جائے تو بھی گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے، اور اگر تنہا رجال اللہ کی طرف دیکھے اور کتاب اللہ سے غافل ہو جائے تو بھی گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دونوں چیزوں کو ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے۔

اسی لئے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ اس وقت دین کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے، اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ رکھتے ہیں اور دین پر عمل پیرا ہیں، جو شخص جتنی صحبت اختیار کرے گا وہ اتنا ہی دین کے اندر ترقی کرے گا۔ بہرحال، یہ حضرات صحابہ کرام چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتے تھے، اس لئے یہ حضرات بیس دن نکال کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور ان بیس دنوں میں دین کی جو بنیادی تعلیمات تھیں وہ حاصل کریں، دین کا طریقہ سیکھ لیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہو گئے۔

اپنے چھوٹوں کا خیال

پھر خود ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ نوجوان لوگ ہیں، یہ اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں، اس لئے ان کو اپنے گھر والوں کی یاد آتی ہوگی اور ان کو اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ہوگی، تو خود ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہو؟ ان میں سے کچھ ایسے نوجوان تھے جو نئے شادی شدہ تھے۔ جب انہوں نے بتایا کہ ہم فلاں فلاں کو چھوڑ کر آئے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اب تم اپنے گھروں کو

واپس جاؤ۔

گھر سے دور رہنے کا اصول

اس حدیث کے تحت علماء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جو آدمی شادی شدہ ہو، اس کو کسی شدید ضرورت کے بغیر اپنے گھر سے زیادہ عرصہ تک دور نہ رہنا چاہئے، اس میں خود اس کی اپنی بھی حفاظت ہے اور گھر والوں کی بھی حفاظت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں تمام جہتوں اور تمام جانبوں کی رعایت ہے، یہ نہیں کہ ایک طرف کو جھکاؤ ہوگیا اور دوسرے پہلو نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، بلکہ اس دین اسلام کے اندر اعتدال ہے، اور اسی لئے اس کو "اُمّۃً وَسَطًا" (درمیانی اُمّت) سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا ایک طرف تو یہ فرمادیا کہ دین سیکھنے کے لئے اچھی صحبت اٹھاؤ، لیکن دوسری طرف یہ بتادیا کہ ایسا نہ ہو کہ اچھی صحبت اٹھانے کے نتیجے میں دوسروں کے جو حقوق تمہارے ذمے ہیں وہ پامال ہونے لگیں، بلکہ دونوں باتوں کی رعایت کرنی چاہئے۔ چنانچہ ان حضرات سے فرمایا کہ بیس دن تک یہاں قیام کرلیا اور ضروری باتیں تم نے ان ایام کے اندر سیکھ لیں، اب تمہارے ذمے تمہارے گھر والوں کے حقوق ہیں اور خود تمہارے اپنے حقوق ہیں، اس لئے تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔

دوسرے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ

اب آپ غور کریں کہ انہوں نے بیس دن میں دین کی تمام تفصیلات تو حاصل نہیں کرلی ہونگی اور نہ ہی دین کا سارا علم سیکھا ہوگا، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ان سے فرمادیتے کہ ابھی اور قربانی دو اور مزید کچھ دن یہاں رہو تاکہ تمہیں دین کی ساری تفصیلات معلوم ہوجائیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ انہوں نے دین کی ضروری باتیں سیکھ لی ہیں، اب ان کو دوسرے حقوق کی ادائیگی کے لئے بھیجنا چاہئے۔

اتنا علم سیکھنا فرض عین ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ دین کے علم کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ دین کا اتنا علم سیکھنا جو انسان کو اپنے فرائض اور واجبات ادا کرنے کے لئے ضروری ہے، مثلاً یہ کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کتنی ہے؟ نماز میں کتنے فرائض اور واجبات ہیں؟ روزہ کیسے رکھا جاتا ہے اور کس وقت فرض ہوتا ہے؟ زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے اور کتنی مقدار میں کن افراد کو ادا کی جاتی ہے؟ اور حج کب فرض ہوتا ہے؟ اور یہ کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی چیز حرام ہے؟ مثلاً جھوٹ بولنا حرام ہے، غیبت کرنا حرام ہے، شراب پینا حرام ہے، خنزیر کھانا حرام ہے، یہ حلال و حرام کی بنیادی موٹی موٹی باتیں سیکھنا۔ لہٰذا اتنی معلومات حاصل کرنا جس کے ذریعہ انسان اپنے فرائض و واجبات ادا کرسکے اور حرام سے اپنے آپ کو بچاسکے، ہر مسلمان مرد و عورت کے ذمے فرض عین ہے۔ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کے ذمے فرض ہے۔ اس سے مراد یہی علم ہے۔

اتنا علم حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی قربانی دینی پڑے، قربانی دے۔ مثلاً والدین کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑے۔ بیوی کو اور بہن بھائیوں کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑے، اس لئے کہ اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے، اگر کوئی یہ علم حاصل کرنے سے روکے، مثلاً ماں باپ روکیں، بیوی روکے، یا بیوی کو شوہر روکے تو ان کی بات ماننا جائز نہیں۔

یہ علم فرض کفایہ ہے

علم کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی علم دین کی باقاعدہ پوری تفصیلات حاصل کرے اور باقاعدہ عالم بنے۔ یہ ہر انسان کے ذمے فرض عین نہیں ہے بلکہ یہ علم

فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ عالم بن جائیں تو باقی لوگوں کا فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک بستی میں ایک عالم ہے اور دین کی تمام ضروریات کے لئے کافی ہے، تو ایک آدمی کے عالم بن جانے سے باقی لوگوں کا فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی بڑی بستی ہو یا شہر ہو تو اس کے لئے جتنے علماء کی ضرورت ہو، اس ضرورت کے مطابق اتنے لوگ عالم بن جائیں تو باقی لوگوں کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔

دین کی باتیں گھر والوں کو سکھاؤ

بہرحال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ ان حضرات نے فرض عین کے بقدر جو علم تھا وہ بیس دن میں حاصل کر لیا ہے، اور اب ان کو مزید یہاں روکنے میں یہ اندیشہ ہے کہ ان کے گھر والوں کی حق تلفی نہ ہو، لہذا آپ نے ان حضرات سے فرمایا کہ اب اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ لیکن ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ یہ نہ ہو کہ گھر والوں کے پاس جاکر غفلت کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کردو، بلکہ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے یہاں رہ کر علم حاصل کیا اور جو کچھ دین کی باتیں یہاں سیکھیں، وہ باتیں اپنے گھر والوں کو جاکر سکھاؤ۔ اس سے پتہ چلا کہ ہر انسان کے ذمے یہ بھی فرض ہے کہ وہ جس طرح خود دین کی باتیں سیکھتا ہے، اپنے گھر والوں کو بھی سکھائے۔ ان کو اتنی دین کی باتیں سکھانا جن کے ذریعہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بن سکیں اور مسلمان رہ سکیں، یہ تعلیم دینا بھی ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ اور یہ ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، جیسے رمضان میں روزے رکھنا فرض ہے۔ زکوۃ ادا کرنا اور حج ادا کرنا فرض ہے۔ یہ کام جتنے ضروری ہیں، اتنا ہی گھر والوں کو دین سکھانا بھی ضروری ہے۔

اولاد کی طرف سے غفلت

ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے، سمجھدار اور بظاہر دین دار لوگ بھی اپنی اولاد کو دینی تعلیم دینے کی فکر

نہیں کرتے، اولاد کو نہ تو قرآن کریم صحیح طریقے سے پڑھنا آتا ہے، نہ ان کو نمازوں کا صحیح طریقہ آتا ہے اور نہ ہی ان کو دین کی بنیادی معلومات حاصل ہیں۔ دنیاوی تعلیم اعلیٰ درجے کی حاصل کرنے کے باوجود ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ فرض سُنّت میں کیا فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا اولاد کو دین سکھانے کا اتنا ہی اہتمام کرنا چاہئے جتنا خود نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور آگے آپ نے فرمایا کہ جاکر گھر والوں کو حکم دو، یعنی ان کو دین کی باتوں کا اور فرائض پر عمل کرنے کا حکم دو۔

کس طرح نماز پڑھنی چاہئے

پھر فرمایا: "صَلُّوْا کَمَا رَأیتمونی اُصَلِّی" یعنی اپنے وطن جاکر اسی طرح نماز پڑھنا جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ آپ نے ان سے صرف یہ نہیں فرمایا کہ نماز پڑھتے رہنا، بلکہ یہ فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ یعنی یہ نماز دین کا ستون ہے، اس لئے اس کو ٹھیک اسی طرح بجالانے کی کوشش کرنی چاہئے جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے۔ یہ مسئلہ بھی ہمارے معاشرے میں بڑی توجہ کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سے لوگ نماز پڑھتے تو ہیں، لیکن وہ پڑھنا ایسا ہوتا ہے جیسے سر سے ایک بوجھ اتار دیا، نہ اس کی فکر کہ قیام صحیح ہوا یا نہیں؟ رکوع صحیح ہوا یا نہیں؟ سجدہ صحیح ہوا یا نہیں، اور یہ ارکان سُنّت کے مطابق ادا ہوئے یا نہیں؟ بس جلدی جلدی نماز پڑھ کر فارغ ہوگئے اور سر سے فریضہ اتار دیا۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ صَلُّوا کمارأیتمونی اُصَلِّی یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

نماز سُنّت کے مطابق پڑھئے

دیکھئے! اگر نماز سُنّت کے مطابق اس طرح پڑھی جائے جس طرح نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس میں کوئی زیادہ وقت خرچ نہیں ہوتا، نہ ہی زیادہ محنت لگتی ہے، بلکہ اتنا ہی وقت صرف ہوگا اور اتنی ہی محنت خرچ ہوگی جتنی کہ اس طریقے سے پڑھنے میں لگتی ہے جس طریقے سے ہم پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر تھوڑا سے دھیان اور توجہ کرلی جائے کہ جو نماز میں پڑھ رہا ہوں وہ سُنّت کے مطابق ہوجائے، تو اس توجہ کے نتیجے میں وہی نماز سُنّت کے نور سے منور ہوجائے گی، اور غفلت سے اپنے طریقے سے پڑھتے رہو گے تو فریضہ تو ادا ہوجائے گا اور نماز چھوڑنے کا گناہ بھی نہ ہوگا، لیکن سُنّت کا جو نور ہے، جو اس کی برکت ہے اور اس کے جو فوائد ہیں وہ حاصل نہ ہوں گے۔ ایک مرتبہ میں نے اسی مجلس میں تفصیل سے یہ عرض کیا تھا کہ سُنّت کے مطابق کس طرح نماز پڑھی جاتی ہے، وہ بیان قلم بند ہوکر شائع ہوچکا ہے جس کا نام "نمازیں سُنّت کے مطابق پڑھئے" ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اور عام طور پر لوگ نماز میں جو غلطیاں کرتے ہیں اس میں اس کی نشاندہی کردی ہے۔ آپ اس رسالے کو پڑھیں اور پھر اپنی نماز کا جائزہ لیں، اور یہ دیکھیں کہ جس طریقے سے آپ نماز پڑھتے ہیں اس میں، اور جو طریقہ اس رسالے میں لکھا ہے، اس میں کیا فرق ہے؟ آپ اندازہ لگائیں گے کہ اس رسالے کے مطابق نماز پڑھنے میں کوئی زیادہ وقت خرچ نہیں ہوگا، زیادہ محنت نہیں لگے گی، لیکن سُنّت کا نور حاصل ہوجائے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا نماز کی درستی کا خیال

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تراسی (۸۳) سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ بچپن سے دین ہی پڑھنا شروع کیا، ساری عمر دین ہی کی تعلیم دی اور فتوے لکھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم قرار پائے۔ پھر جب پاکستان تشریف لائے تو یہاں پر بھی "مفتی اعظم" کے لقب سے مشہور ہوئے، اور بلا مبالغہ لاکھوں فتووں کے جواب زبانی اور

تحریر دیئے، اور ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میری ساری عمر فقہ پڑھنے پڑھانے میں گزری، لیکن اب بھی بعض اوقات نماز پڑھتے ہوئے ایسی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں، چنانچہ نماز پڑھنے کے بعد کتاب دیکھ کر یہ پتہ لگاتا ہوں کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ لیکن میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بس پڑھ لی، اور سُنّت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا خیال تو بہت دور کی بات ہے۔

نماز فاسد ہوجائے گی

نماز کی صفوں میں روزانہ یہ منظر نظر آتا ہے کہ لوگ آرام سے بالکل بے پرواہ ہوکر نماز میں کھڑے ہوئے سر کھجا رہے ہیں یا دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر رہے ہیں۔ یاد رکھئے! اس طرح اگر دونوں ہاتھ سے کوئی کام کرلیا اور اس حالت میں اتنا وقت گزر گیا جتنی دیر میں تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" کی تسبیح پڑھی جاسکے تو بس نماز ٹوٹ گئی، فاسد ہوگئی، فریضہ ہی ادا نہ ہوا، لیکن لوگوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ بعض اوقات دونوں ہاتھوں سے کپڑے درست کررہے ہیں یا دونوں ہاتھوں سے پسینہ صاف کررہے ہیں، حالانکہ اس طرح کرنے میں زیادہ وقت لگ جائے تو نماز ہی فاسد ہوجاتی ہے۔ یاد رکھئے! نماز میں ایسی ہیئت اختیار کرنا جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ شاید یہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے، تو ایسی ہیئت سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص نماز میں ایک ہاتھ سے کام کرے، اس کے بارے میں فقہاء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک رکن میں مسلسل تین مرتبہ ایک ہاتھ سے کوئی کام کرے کہ دیکھنے والا اسے نماز میں نہ سمجھے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح سجدہ کرتے وقت پیشانی تو زمین پر ٹکی ہوئی ہے لیکن دونوں پاؤں زمین سے اٹھے ہوئے ہیں، اگر پورے سجدے میں دونوں پاؤں پورے اٹھے رہے اور ذرا سی دیر کے لئے بھی زمین پر نہ ٹکے تو سجدہ ادا نہ ہوا، اور جب سجدہ ادا نہ ہوا تو نماز بھی

درست نہ ہوئی۔

صرف نیت کی درستی کافی نہیں

یہ چند باتیں مثال کے طور پر عرض کردیں۔ ان کی طرف توجہ اور دھیان نہیں، اور ان کی اصلاح اور درستی کی فکر نہیں، بلکہ ان کی طرف سے غفلت ہے، وقت بھی خرچ کر رہے ہیں، نماز بھی پڑھ رہے ہیں، لیکن اس کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کی فکر نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کری کرائی محنت اکارت جارہی ہے۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر کسی کو بتایا جائے کہ بھائی! نماز میں ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے، تو ایک ٹکسالی جواب ہر شخص کو یاد ہے، بس وہ جواب دے دیا جاتا ہے، وہ یہ کہ: انما الاعمال بالنیات۔ یہ ایسا جواب ہے جو ہر جگہ جاکر فٹ ہوجاتا ہے۔ یعنی ہماری نیت تو درست ہے اور اللہ میاں نیت کو دیکھنے والے ہیں۔ ارے بھائی! اگر نیت ہی کافی تھی تو یہ سب تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی، بس گھر میں بیٹھ کر نیت کرلیتے کہ ہم اللہ میاں کی نماز پڑھ رہے ہیں، بس نماز ادا ہوجاتی۔ ارے بھائی! نیت کے مطابق عمل بھی تو چاہئے، مثلاً آپ نے یہ نیت تو کرلی کہ میں لاہور جارہا ہوں اور کوئٹہ والی گاڑی میں بیٹھ گئے، تو کیا خالی یہ نیت کرنے سے کہ میں لاہور جارہا ہوں۔ کیا تم لاہور پہنچ جاؤ گے؟ اسی طرح اگر نیت کرلی کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، لیکن نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا، تو تنہا نیت کرنے سے نماز کس طرح درست ہوگی؟ جب تک وہ طریقہ اختیار نہ کیا ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے آپ نے ان نوجوانوں کو رخصت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اذان کی اہمیت

پھر آپ نے ان سے فرمایا: فاذا حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم أحدکم

یعنی جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔ یہ اذان دینا مسنون ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص مسجد میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ جنگل یا صحراء میں نماز پڑھ رہا ہے، تو اس وقت بھی سُنت یہ ہے کہ اذان دے۔ یہاں تک کہ اگر آدمی اکیلا ہے تب بھی حکم یہ ہے کہ اذان دے کر نماز پڑھے۔ کیونکہ اذان اللہ کے دین کا ایک شعار اور علامت ہے، اس لئے ہر نماز کے وقت اذان کا حکم ہے۔ بعض علماء کرام سے سوال کیا گیا کہ جنگل اور صحراء میں اذان دینے سے کیا فائدہ ہے؟ جب کہ کسی اور انسان کے سننے اور سُن کر نماز کے لئے آنے کی کوئی امید نہیں ہے، یا مثلاً غیر مسلموں کا علاقہ ہے تو پھر اذان دینے سے کیا فائدہ؟ اس لئے کہ اذان کی آواز سُن کر کون نماز کے لئے آئے گا؟ تو علماء کرام نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق بیشمار ہیں، ہوسکتا ہے کہ انسان اس اذان کی آواز کو نہ سنیں لیکن ہوسکتا ہے کہ جنات اذان کی آواز سن کر آجائیں یا ملائکہ آجائیں اور وہ تمہاری نماز میں شریک ہوجائیں۔ بہرحال، حکم یہ ہے کہ نماز سے پہلے اذان دو، چاہے تم تنہا ہی ہو۔

بڑے کو امام بنائیں

پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ "ولیؤمکم اکبرکم" یعنی تم میں سے جو شخص عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ اصل حکم یہ ہے کہ اگر جماعت کے وقت بہت سے لوگ موجود ہیں تو ان میں جو شخص علم میں زیادہ ہو، اس کو امامت کے لئے آگے کرنا چاہئے۔ لیکن یہاں پر چونکہ علم کے اعتبار سے یہ حضرات برابر تھے، سب اکھٹے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، جو علم ایک نے سیکھا، وہی علم دوسرے نے بھی سیکھا، اور حکم یہ ہے کہ جب علم میں سب برابر ہوں تو پھر جو شخص عمر میں بڑا ہو، اس کو آگے کرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے بڑے آدمی کا ایک اعزاز رکھا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عمر میں بڑا بنایا ہے، چھوٹوں کو چاہئے کہ اس کو اپنا بڑا مانیں اور بڑا مان کر اس کو آگے کریں۔

بڑے کو بڑائی دینا اسلامی ادب ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خیبر جو یہودیوں کی بستی تھی، وہاں پر ایک مسلمان کو یہودیوں نے قتل کردیا تھا۔ جن صاحب کو قتل کیا گیا تھا ان کے ایک بھائی تھے جو اس مقتول کے ولی تھے، وارث تھے، وہ بھائی اپنے چچا کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ بتانے کے لئے آئے کہ ہمارا بھائی قتل کردیا گیا، اب اس کا بدلہ لینے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ چونکہ یہ جو بھائی تھے، یہ رشتہ کے اعتبار سے مقتول کے زیادہ قریبی تھے، اور دوسرے چچا تھے۔ یہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور مقتول کے بھائی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنی شروع کردی، اور چچا خاموش بیٹھے تھے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے بھائی سے فرمایا کہ "کَبِّرِ الْکُبْرَ" بڑے کو بڑائی دو۔ یعنی جب ایک بڑا تمہارے ساتھ موجود ہے تو پھر تمہیں گفتگو کا آغاز نہ کرنا چاہئے، بلکہ تمہیں اپنے چچا کو کہنا چاہئے کہ گفتگو کا آغاز وہ کریں، پھر جب ضرورت ہو تو تم بھی درمیان میں گفتگو کرلینا، لیکن بڑے کو بڑائی دو۔ یہ بھی اسلامی آداب کا ایک تقاضہ ہے کہ جو عمر میں بڑا ہو، اس کو آگے کیا جائے۔ اگرچہ اس کو دوسری کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، صرف بڑی عمر ہونے کی فضیلت حاصل ہے، تو اس کا بھی ادب اور لحاظ کیا جائے اور اس کو آگے رکھا جائے، نہ کہ چھوٹا آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اسی لئے آپ نے ان نوجوانوں سے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں جو عمر میں بڑا ہو، اس کو امام بنادو۔ اس لئے کہ امامت کا منصب ایسے آدمی کو دینا چاہئے جو سب میں علم کے اعتبار سے فائق ہو یا کم از کم عمر کے اعتبار سے فائق ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

استخارہ کا مسنون طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استخارہ کا مسنون طریقہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًاکثیرا۔

اما بعد!

﴿عن مکحول الازدی رحمہ اللّٰہ تعالٰی قال: سمعت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ یقول: ان الرجل یستخیر اللّٰہ تبارک و تعالٰی فیختارلہ، فیسخط علی ربہ عزوجل، فلایلبث ان ینظر فی العاقبۃ فاذا ھو خیر لہ﴾ (کتاب الزہد لابن مبارک، زیادات الزھد لنعیم بن حماد، باب فی الرضا بالقضاء صفحہ ۳۲)

حدیث کا مطلب

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک ارشاد ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے کہ جس کام میں میرے لئے خیر ہو وہ کام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہ کام اختیار فرما دیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ بندہ اپنے پروردگار پر ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لئے اچھا کام تلاش کیجئے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آرہا ہے، اس میں تو میرے لئے تکلیف اور پریشانی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔ اس وقت اس کو پتہ نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

اس روایت میں چند باتیں قابل ذکر ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ استخارہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "استخارہ" کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ خوب سمجھ لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے "استخارہ" کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں۔

استخارہ کا طریقہ اور اس کی دعا

"استخارہ" کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں، ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا پڑھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے، پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کرسکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ وہ دعا یہ ہے۔

﴿اللّٰھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم، فانّک تقدر ولا اقدر، وتعلم ولا اعلم، وانت علّام الغیوب، اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیرلی فی دینی ومعیشتی وعاقبۃ امری او قال فی عاجل امری وآجلہ فیسّرہ لی ثم بارک لی فیہ، وان کنت تعلم ان ھذا الامر شرلی فی دینی ومعیشتی وعاقبۃ امری او قال فی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ﴾

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلاۃ الاستخارۃ)

دعا کا ترجمہ

اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو

جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں، میں علم نہیں رکھتا۔ یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں۔ اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قدرت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لئے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما دیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور مجھے اس سے پھیر دیجئے، اور میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو۔ یعنی اگر یہ معاملہ میرے لئے بہتر نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے لئے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے۔

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلی تو بس استخارہ ہو گیا۔

استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہئے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہئے۔ ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت یہ استخارہ کرلے۔ نہ رات کی کوئی قید ہے، اور نہ دن کی کوئی قید ہے نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے۔

خواب آنا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آئے گا اور خواب کے ذریعہ ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھئے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آجاتا ہے اور بعض مرتبہ خواب میں نہیں آتا۔

استخارہ کا نتیجہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہوجاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہوجائے وہ کام کرلے، اور بکثرت ایسا رجحان ہوجاتا ہے۔ لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد پھر بھی حاصل ہے، اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتا بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرمادیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے۔ اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

تمہارے حق میں یہی بہتر تھا

اب جب وہ کام ہوگیا تو اب ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آرہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے

شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے مشورہ اور استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے، وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا۔ بعض اوقات دنیا میں تجھے پتہ چل جائیگا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں بھی پتہ نہیں چلے گا، جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعۃً یہی میرے لئے بہتر تھا۔

تم بچے کی طرح ہو

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے جو ماں باپ کے سامنے مچل رہا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور ماں باپ جانتے ہیں کہ اس وقت بچے کا یہ چیز کھانا بچے کے لئے نقصان دہ ہے اور مہلک ہے۔ چنانچہ ماں باپ بچے کو وہ چیز نہیں دیتے، اب بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میرے ماں باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا، میں جو چیز مانگ رہا تھا وہ چیز مجھے نہیں دی اور اس کے بدلے میں مجھے کڑوی کڑوی دوا کھلا رہے ہیں۔ اب وہ بچہ اس دوا کو اپنے حق میں خیر نہیں سمجھ رہا ہے لیکن بڑا ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو عقل اور فہم عطا فرمائیں گے اور اس کو سمجھ آئے گی تو اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ میں تو اپنے لئے موت مانگ رہا تھا اور میرے ماں باپ میرے لئے زندگی اور صحت کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اختیار فرماتے ہیں جو انجام کار بندہ کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اب بعض اوقات اس کا بہتر ہونا

دنیا میں پتہ چل جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا میں پتہ نہیں چلتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ میں نے انہیں سے سنا ہے، کہیں کتاب میں نظر سے نہیں گزرا لیکن کتابوں میں کسی جگہ ضرور منقول ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوگا اور اپنی خواہشات، اپنی تمنائیں اور اپنی آرزوئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع اور کیا ہوسکتا ہے، اس لئے جب آپ وہاں پہنچیں تو میرے حق میں بھی دعا کردیجئے گا۔ کیونکہ میری زندگی میں مصیبتیں بہت ہیں اور میرے اوپر تکلیفوں کا ایک پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، فقر و فاقہ کا عالم ہے اور طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار ہوں۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے راحت اور عافیت عطا فرمادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرلیا کہ اچھی بات ہے، میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔

جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دیدی

جب کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئے۔ ہم کلامی کے بعد آپ کو وہ شخص یاد آیا جس نے دعا کے لئے کہا تھا۔ آپ نے دعا کی یا اللہ! آپ کا ایک بندہ ہے جو فلاں جگہ رہتا ہے، اس کا یہ نام ہے، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں تو اس کی پریشانی پیش کردوں۔ یا اللہ! وہ بھی آپ کا بندہ ہے،

آپ اپنی رحمت سے اس کو راحت عطا فرمادیجئے تاکہ وہ آرام اور عافیت میں آجائے اور اس کی مصیبتیں دور ہوجائیں اور اس کو بھی اپنی نعمتیں عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے موسیٰ! اس کو تھوڑی نعمت دوں یا زیادہ دوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں تو تھوڑی کیوں مانگیں۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ یا اللہ! جب نعمت دینی ہے تو زیادہ ہی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دیدی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہوگئے۔ اس کے بعد کوہ طور پر جتنے دن قیام کرنا تھا قیام کیا۔

ساری دنیا بھی تھوڑی ہے

جب کوہ طور سے واپس تشریف لے جانے لگے تو خیال آیا کہ جاکر ذرا اس بندہ کا حال دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں دعا قبول فرمالی تھی۔ چنانچہ اس کے گھر جاکر دروازے پر دستک دی تو ایک دوسرا شخص باہر نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے فلاں شخص سے ملاقات کرنی ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا تو کافی عرصہ ہوا انتقال ہوچکا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کب انتقال ہوا؟ اس نے کہا فلاں دن اور فلاں وقت انتقال ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ جس وقت میں نے اس کے حق میں دعا کی تھی اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کا انتقال ہوا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے اس کے لئے عافیت اور راحت مانگی تھی اور نعمت مانگی تھی، مگر آپ نے اس کو زندگی سے ختم کردیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ تھوڑی نعمت دیں یا زیادہ دیں؟ تم نے کہا تھا کہ زیادہ دیں، اگر ہم ساری دنیا بھی اٹھا کر دے دیتے تب بھی تھوڑی ہی ہوتی اور اب ہم نے اس کو آخرت اور جنت کی جو نعمتیں دی ہیں ان پر واقعی یہ بات صادق آتی ہے کہ

وہ زیادہ نعمتیں ہیں، دنیا کے اندر زیادہ نعمتیں اس کو مل ہی نہیں سکتی تھیں، لہٰذا ہم نے اس کو آخرت کی نعمتیں عطا فرمادیں۔

یہ انسان کس طرح اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ وہی جانتے ہیں کہ کس بندے کے حق میں کیا بہتر ہے۔ اور انسان صرف ظاہر میں چند چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو برا ماننے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا کہ کس کے حق میں کیا بہتر ہے۔

استخارہ کرنے کے بعد مطمئن ہو جاؤ

اسی وجہ سے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمارہے ہیں کہ جب تم کسی کام کا استخارہ کر چکو تو اس کے بعد اس پر مطمئن ہو جاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ خیر ہی کا فیصلہ فرمائیں گے، چاہے وہ فیصلہ ظاہر نظر میں تمہیں اچھا نظر نہ آرہا ہو، لیکن انجام کے اعتبار سے وہی بہتر ہوگا۔ اور پھر اس کا بہتر ہونا یا تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائے گا ورنہ آخرت میں جاکر تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔

استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

﴿ما خاب من استخار ولا ندم من استشار﴾

(مجمع الزوائد: جلد ۸ صفحہ ۹۶)

یعنی جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو وہ کبھی نادم اور پشیمان نہیں ہوگا کہ میں نے یہ

کام کیوں کرلیا یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا، اس لئے کہ جو کام کیا وہ مشورہ کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورہ کے بعد نہیں کیا، اس وجہ سے وہ نادم نہیں ہو گا۔

اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہو گا، مطلب اس کا یہی ہے کہ انجام کار استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے۔ اور جو شخص مشورہ کر کے کام کرے گا وہ پچھتائے گا نہیں، اس لئے کہ بالفرض اگر وہ کام خراب بھی ہو گیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی موجود ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خود رائی سے اور اپنے بل بوتے پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں سے اور بڑوں سے مشورہ کے بعد یہ کام کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ اس لئے اس حدیث میں دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کرلیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرے استشارہ یعنی مشورہ۔

استخارہ کی مختصر دعا

اوپر استخارہ کا جو مسنون طریقہ عرض کیا، یہ تو اس وقت ہے جب آدمی کو استخارہ کرنے کی مہلت اور موقع ہو، اس وقت تو دو رکعت پڑھ کر وہ مسنون دعا پڑھے۔ لیکن بسا اوقات انسان کو اتنی جلدی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کو پوری دو رکعت پڑھ کر دعا کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا، اس لئے کہ اچانک کوئی کام سامنے آگیا اور فوراً اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس موقع کے لئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔

﴿اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ﴾

(کنز العمال: جلد ۷ حدیث نمبر ۱۸۰۵۳)

اے اللہ! میرے لئے آپ پسند فرمادیجئے کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ بس یہ دعا پڑھ لے۔ اس کے علاوہ ایک اور دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ﴾

(صحیح مسلم، ابواب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل)

اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمایئے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھئے۔
اسی طرح ایک اور مسنون دعا ہے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ﴾

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر ۷۰)

اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القا فرمادیجئے۔ ان دعاؤں میں سے جو دعا یاد آجائے اس کو اسی وقت پڑھ لے۔ اور اگر عربی میں دعا یاد نہ آئے تو اردو ہی میں دعا کرلو کہ یا اللہ! مجھے یہ کشمکش پیش آگئی ہے آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجئے۔ اگر زبان سے نہ کہہ سکو تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! یہ مشکل اور یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ صحیح راستہ دل میں ڈال دیجئے۔ جو راستہ آپ کی رضا کے مطابق ہو اور جس میں میرے لئے خیر ہو۔

حضرت مفتی اعظم" کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساری عمر یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا کہ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ

پیش آتا جس میں فوراً فیصلہ کرنا ہوتا کہ یہ دو راستے ہیں، ان میں سے ایک راستے کو اختیار کرنا ہے تو آپ اس وقت چند لمحوں کے لئے آنکھ بند کرلیتے، اب جو شخص آپ کی عادت سے واقف نہیں اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ آنکھ بند کر کے کیا کام ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ آنکھ بند کر کے ذرا سی دیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیتے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیتے کہ یا اللہ! میرے سامنے یہ کشمکش کی بات پیش آگئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا فیصلہ کروں، آپ میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ بس دل ہی دل میں یہ چھوٹا سا اور مختصر سا استخارہ ہوگیا۔

ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہیں اس کا اندازہ نہیں کہ تم نے ایک لمحہ کے اندر کیا سے کیا کرلیا، یعنی اس ایک لمحہ کے اندر تم نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرلیا، اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ لی اور اپنے لئے صحیح راستہ طلب کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تمہیں صحیح راستہ مل گیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اجر بھی مل گیا اور دعا کرنے کا بھی اجر و ثواب مل گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایسے مواقع پر مجھ سے رجوع کرتا ہے اور اس پر خاص اجر و ثواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کتنے واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس میں آدمی کو کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ اس وقت فوراً ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے

رجوع کرلو، یا اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کی رضا کے مطابق ہو۔

جواب سے پہلے دعا کا معمول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی اس سے تخلف نہیں ہوتا کہ جب بھی کوئی شخص آکر یہ کہتا ہے کہ حضرت! ایک بات پوچھنی ہے تو میں اس وقت فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ معلوم نہیں یہ کیا بات پوچھے گا؟ اے اللہ! یہ شخص جو سوال کرنے والا ہے اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے۔ کبھی بھی اس رجوع کرنے کو ترک نہیں کرتا ہوں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق۔ لہٰذا جب بھی کوئی بات پیش آئے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنے اللہ میاں سے باتیں کیا کرو کہ جہاں کوئی واقعہ پیش آئے،اس میں فوراً اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ لو، اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو، اس میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرلو اور اپنی زندگی میں اس کام کی عادت ڈال لو۔ رفتہ رفتہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کردیتی ہے، اور یہ تعلق اتنا مضبوط ہوجاتا ہے کہ پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان دل میں رہتا ہے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کروگے وہ مجاہدات اور ریاضتیں جو پچھلے صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کر کے چلے گئے، لیکن میں تمہیں ایسے چٹکلے بتادیتا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کرلوگے تو انشاء اللہ جو مقصود اصلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا قائم ہوجانا، وہ انشاء اللہ اسی طرح حاصل ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احسان کا بدلہ احسان

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احسان کا بدلہ، احسان

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وأصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

اما بعد!

﴿عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من اعطی عطاء فوجد فلیجزبہ، ومن لم یجد فلیثن فان من اثنی فقد شکر، ومن کتم فقد کفر، ومن تحلی بمالم یعطہ کان کلابس ثوبی زور﴾

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المتشبع بمالم یعطہ)

حدیث کا ترجمہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ساتھ کوئی نیکی کی جائے اور اس کے پاس نیکی کا بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز موجود ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس نیکی کا بدلہ دے، اور اگر

اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے وہ نیکی کا بدلہ دے سکے، تو کم از کم یہ کرے کہ جو نیکی اس کے ساتھ کی گئی ہے، اس کا تذکرہ کرکے اس کی تعریف کرے کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ احسان اور یہ نیکی کی ہے اس لئے کہ جس شخص نے اس کی تعریف کردی تو گویا کہ اس نے اس کا شکریہ ادا کردیا، اور اگر اس شخص نے اس نیکی اور احسان کو چھپا کر رکھا تو اس نے اس کی ناشکری کی۔ اور جو شخص اس چیز سے آراستہ ہوا جو اس کو نہیں دی گئی تو اس نے گویا جھوٹ کے دو کپڑے پہنے۔ یہ تو حدیث کا ترجمہ تھا۔

نیکی کا بدلہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو باتوں کی تعلیم دی ہے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، یا کوئی نیکی کرے، تو اس کو چاہئے کہ جس نے اس کے ساتھ نیکی کی ہے، اس کو اس کا کچھ نہ کچھ بدلہ دے۔ دوسری حدیث میں اسی بدلہ کو "مکافات" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بدلہ جس کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس احساس کے ساتھ دوسرے سے اچھا برتاؤ کرے کہ اس نے چونکہ میرے ساتھ نیکی کی ہے تو میں بھی اس کے ساتھ کوئی نیک سلوک کروں۔ یہ بدلہ دینا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص آپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرتا، یا کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کو بدلہ دیا کرتے تھے، اور اس کے ساتھ بھی اچھائی کا معاملہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ بدلہ تو باعث اجر و ثواب ہے۔

"نیوتہ" دینا جائز نہیں

ایک بدلہ وہ ہے جو آج ہمارے معاشرے میں پھیل گیا ہے، وہ یہ کہ کسی کو بدلہ

دینے کو دل تو نہیں چاہ رہا ہے، لیکن اس غرض سے دے رہا ہے کہ اگر میں نہیں دوں گا تو معاشرے میں میری ناک کٹ جائے گی، یا اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس وقت دے رہا ہوں تو میرے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر یہ دے گا۔ جس کو "نیوتہ" کہا جاتا ہے۔ حتی کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر کوئی کسی کو دیتا ہے تو باقاعدہ اس کی فہرست بنتی ہے کہ فلاں شخص نے اتنے دیئے، فلاں شخص نے اتنے دیے۔ پھر اس فہرست کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اور پھر جب اس شخص کے یہاں شادی بیاہ کا موقع آتا ہے جس نے دیا تھا تو اس کو پوری توقع ہوتی ہے کہ میں نے اس کو جتنا دیا تھا، یہ کم از کم اتنا ہی مجھے واپس دے گا۔ اور اگر اس سے کم دے تو پھر گلے شکوے، لڑائیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ یہ "بدلہ" بہت خراب ہے۔ اور اسی کو قرآن کریم میں سورۃ روم میں "سود" سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ رِّبًا لِیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ، وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (سورۃ روم: ۳۹)

یعنی تم لوگ جو سود دیتے ہو، تاکہ لوگوں کے مالوں کے ساتھ مل کر اس میں اضافہ ہوجائے، تو یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں اضافہ نہیں ہوتا، اور جو تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر زکوٰۃ دیتے ہو، تو یہی لوگ اپنے مالوں میں اضافہ کرانے والے ہیں۔"

اس آیت میں اس "نیوتہ" کو سود سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دوسرے کو اس نیت سے دے کہ چونکہ اس نے مجھے شادی کے موقع پر دیا تھا، اب میرے ذمے فرض ہے کہ میں بھی اس کو ضرور دوں۔ اگر میں نہیں دوں گا تو معاشرے میں میری ناک کٹ جائے گی اور یہ مجھے مقروض سمجھے گا۔ یہ دینا گناہ میں

داخل ہے، اس میں کبھی مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے، اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہے۔

محبّت کی خاطر بدلہ اور ہدیہ دو

لیکن ایک وہ "بدلہ" جس کی تلقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ جو میں دے رہا ہوں، اس کا بدلہ مجھے ملے گا بلکہ اس نے محض محبت کی خاطر اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے بہن یا بھائی کو کچھ دیا ہو۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿تَهَادَوْا فَتَحَابُّوْا﴾

یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ لہٰذا اگر آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے اپنے دل کے تقاضے سے دے رہا ہے، اور اس کے دل میں دور دور یہ خیال نہیں ہے کہ اس کا بدلہ بھی مجھے ملے گا، تو یہ دینا بڑی برکت کی چیز ہے۔ اور جس شخص کو وہ ہدیہ دیا گیا وہ بھی یہ سمجھ کر نہ لے کہ یہ "نیوتہ" ہے، اور اس کا بدلہ مجھے ادا کرنا ہے۔ بلکہ وہ یہ سوچے کہ یہ میرا بھائی ہے، اس نے میرے ساتھ ایک اچھائی کی ہے، تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ اچھائی کروں، اور میں بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کو ہدیہ دیکر اس کا دل خوش کروں۔ تو اس کا نام ہے "مکافات" جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ یہ محمود ہے اور اس کی کوشش کرنی چاہئے۔

بدلہ دینے میں برابری کا لحاظ مت کرو

اس "مکافات" کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب دوسرا شخص تمہارے ہدیہ کا بدلہ

دے گا تو اس بدلہ میں اس کا لحاظ نہیں ہوگا کہ جتنا قیمتی ہدیہ اس نے دیا تھا، اتنا ہی قیمتی ہدیہ میں بھی دوں۔ بلکہ مکافات کرنے والا یہ سوچے گا کہ اس نے اپنی استطاعت کے مطابق بدلہ دیا تھا، میں اپنی استطاعت کے مطابق بدلہ دوں، مثلاً کسی نے آپ کو بہت قیمتی تحفہ دیدیا تھا، اب آپ کی استطاعت قیمتی تحفہ دینے کی نہیں ہے تو آپ چھوٹا اور معمولی تحفہ دیتے وقت شرمائیں نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مقصد بھی آپ کا دل خوش کرنا تھا، اور آپ کا مقصد بھی اس کا دل خوش کرنا ہے، اور دل چھوٹی چیز سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔ یہ نہ سوچیں کہ جتنا قیمتی تحفہ اس نے مجھے دیا تھا، میں بھی اتنا ہی قیمتی تحفہ اس کو دوں، چاہے اس مقصد کے لئے مجھے قرض لینا پڑے، چاہے رشوت لینی پڑے، یا اس کے لئے مجھے ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرنے پڑیں، ہرگز نہیں، بلکہ جتنی استطاعت ہو، اس کے مطابق تحفہ دو۔

تعریف کرنا بھی بدلہ ہے

بلکہ اس حدیث میں یہاں تک فرمادیا کہ اگر تمہارے پاس ہدیہ کا بدلہ دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو پھر "مکافات" کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تم اس کی تعریف کرو، اور لوگوں کو بتاؤ کہ میرے بھائی نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا اور مجھے ہدیہ میں یہ ضرورت کی چیز دیدی۔ یہ کہہ کر اس کا دل خوش کر دینا بھی ایک طرح کا بدلہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب کا انداز

میرے حضرت جناب حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص محبت سے کوئی چیز ہدیہ کے طور پر لے کر آئے تو کم از کم اس پر خوشی کا اظہار کر کے اس کا دل خوش کرو، تاکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہیں اس ہدیہ سے خوشی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے حضرت والا کو دیکھا کہ جب کوئی شخص

آپ کے پاس کوئی ہدیہ لے کر آتا تو آپ بہت خوشی سے اس کو قبول فرماتے، اور فرماتے کہ بھائی! یہ تو ہماری پسند کی اور ضرورت کی چیز ہے، آپ کا یہ ہدیہ تو ہمیں بہت پسند آیا، ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ بازار سے یہ چیز خرید لیں گے۔ یہ الفاظ اس لئے فرماتے تاکہ دینے والے کو یہ احساس ہو کہ ان کو میرے ہدیہ سے خوشی ہوئی ہے، اور اس حدیث پر عمل بھی ہو جائے۔ لہٰذا اس کی تعریف کرنی چاہئے۔ اور چھپا کر بیٹھنا اور اس پر اس کی تعریف نہ کرنا اور خوشی کا اظہار نہ کرنا، یہ اس ہدیہ کی ناشکری ہے۔

چھپا کر ہدیہ دینا

ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے، اور مصافحہ کرتے ہوئے چپکے سے کوئی چیز بطور ہدیہ کے دیدی، اس لئے کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ چپکے سے مصافحہ کرتے ہوئے ہدیہ دیدیا جائے، تو ان صاحب نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت والا نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہدیہ پیش کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اس طرح چھپا کر دینے کا کیا مطلب ہے، کیا تم چوری کر رہے ہو، یا میں چوری کر رہا ہوں؟ جب نہ تم چوری کر رہے ہو اور نہ میں چوری کر رہا ہوں، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل کرنا چاہتے ہو تو پھر اس کو اس طرح چھپانے کی کیا ضرورت ہے، یہ تو ایک محبت اور تعلق کا اظہار ہے، سب کے سامنے پیش کردو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال ہدیہ کے ذریعہ اصل میں دل کی محبت کا اظہار ہے، چاہے وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ اور جب کوئی شخص تمہیں کوئی چیز دے تو تم اس کا بدلہ دیدو، یا کم از کم اس کی تعریف کردو۔

پریشانی میں درود شریف کی کثرت کیوں؟

ایک مرتبہ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مشکل اور پریشانی میں ہو تو اس وقت درود شریف کثرت سے پڑھا کرو۔ پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ذوق میں ایک بات آتی ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں، اور جاکر عرض کرتے ہیں کہ آپ کے فلاں اُمتی نے آپ کی خدمت میں درود شریف کا یہ ہدیہ بھیجا ہے ـــــ اور دوسری طرف زندگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت یہ تھی کہ جب کبھی کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کی "مکافات" ضرور فرماتے تھے، اس کے بدلے میں اس کے ساتھ کوئی نیکی ضرور فرماتے تھے۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود بھیجو گے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ نہ دیں، بلکہ ضرور بدلہ دیں گے۔ اور وہ بدلہ یہ ہوگا کہ آپ اس اُمتی کے حق میں دعا کریں گے کہ اے اللہ! یہ میرا اُمتی جو مجھ پر درود بھیج رہا ہے، وہ فلاں مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہے، اے اللہ! اس کی مشکل دور فرما دیجئے۔ تو اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل سے نجات عطا فرمائیں گے۔ اس لئے جب کبھی کوئی پریشانی آئے تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت کریں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں پہلی تعلیم

یہ دی کہ جب کوئی شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے، تو تم اس کو بدلہ دینے کی کوشش کرو، اور اس نیت سے بدلہ دو کہ چونکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے کہ آپ بدلہ دیا کرتے تھے، اس لئے میں بھی بدلہ دے رہا ہوں۔ لیکن قرضہ والا بدلہ نہ ہو، "نیوتہ" والا بدلہ نہ ہو، بلکہ وہ بدلہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل کرنے کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا اَنِ الحمدُ للہِ ربّ العٰلمین

تعمیر مسجد کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعمیر مسجد کی اہمیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا اله إلا الله وحده لاشريك لهٗ ونشهد أن سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسولهٗ، صلى الله تعالٰى عليه وعلى اله وأصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبۃ: ۱۸)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم۔ ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العلمين۔

تمہید

جناب صدر و مہمانان گرامی اور معزز حاضرین! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
ہم سب کے لئے یہ بڑی سعادت کا موقع ہے کہ آج ہم سب کا ایک مسجد کی تعمیر کی سنگ بنیاد میں حصہ لگنے والا ہے۔ مسجد کی تعمیر کرنا یا اس میں کسی طرح کا حصہ لینا

ایک مسلمان کے لئے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ جو آیت ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جن کا اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہو۔ لہذا مسجد کی تعمیر انسان کے ایمان کی علامت ہے اور اس کے ایمان کا اولین تقاضہ ہے۔

مسجد کا مقام

اسلامی معاشرے میں مسجد کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص نماز قائم کرتا ہے وہ دین کو قائم کرتا ہے اور جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ دین کے بنیادی ستون کو توڑتا ہے، اور چونکہ وہی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں صحیح معنیٰ میں مقبول ہے جو نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے، اور جو نماز گھر کے اندر پڑھ لی جائے، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں اداء قاصر کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ نماز ناقص ہے۔ نماز کی کامل ادائیگی یہ ہے کہ انسان جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرے۔

مسلمان اور مسجد

اس لئے مسلمانوں کا یہ طغرۂ امتیاز رہا کہ وہ جہاں کہیں گئے اور جس خطے اور علاقے میں پہنچے وہاں پر اپنا گھر تعمیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن سب سے پہلے انہوں نے وہاں جاکر اللہ کے گھر کی بنیاد ڈالی، اور ایسے سنگین اور خطرناک حالات میں بھی اس فریضے کو نہیں چھوڑا جبکہ ان کی جانوں پر بنی ہوئی تھی، اور جبکہ مال کی بھی کمی تھی، فقر و فاقہ کا دور دورہ تھا، ان حالات میں بھی اُمتِ مسلمہ نے مسجد کی تعمیر کو کسی حال میں پس پشت نہیں ڈالا۔

جنوبی افریقہ کا ایک واقعہ

مجھے یاد آیا، آج سے تقریباً سات سال پہلے مجھے جنوبی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا۔ جنوبی افریقہ وہ ملک ہے جو افریقہ کے براعظم میں انتہائی جنوبی کنارے پر واقع ہے، اور اس کا مشہور شہر کیپ ٹاؤن ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس شہر میں جاکر میں نے دیکھا کہ وہاں پر زیادہ تر "ملایا" کے لوگ آباد ہیں۔ جو آج کل "ملیشیا" کہلاتا ہے۔ جو مسلمان وہاں آباد ہیں، ان میں اسّی فیصد "ملایا" کے لوگ ہیں۔ میں نے پوچھا کہ "ملایا" کے لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے، تو اس وقت مجھے اس کی بڑی عجیب تاریخ بتائی گئی جو ہم سب کے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے۔

"ملایا" والوں کی کیپ ٹاؤن آمد

لوگوں نے بتایا کہ یہ دراصل "ملایا" کے وہ لوگ ہیں کہ جب انگریزوں نے "ملایا" کی ریاست پر قبضہ کیا اور ان کو غلام بنایا (جس طرح ہندوستان پر قبضہ کیا تھا اور ان کو غلام بنایا تھا) تو یہ وہ لوگ تھے جو انگریزوں کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ یہ لوگ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتے رہے۔ چونکہ یہ لوگ بے سرو سامان تھے، ان کے پاس وسائل کم تھے، اس لئے انگریز ان پر غالب آگئے اور انگریزوں نے ان کو گرفتار کر کے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اور غلام بنا کر کیپ ٹاؤن لے آئے۔ اس طرح ان "ملایا" کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یہاں پہنچ گئی۔ آج یہ انگریز اور مغربی ممالک والے بڑی رواداری اور جمہوریت اور آزادئ اظہارِ رائے کا سبق دیتے ہیں، لیکن اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ جن کو غلام بنایا تھا، ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں اور ان کو اپنے دین اور عقیدے کے مطابق نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، وہ اگر اپنے گھر میں بھی نماز پڑھنا چاہتے تو اس کی بھی ان کو اجازت نہیں تھی، اگر کوئی

شخص نماز پڑھتا ہوا پایا جاتا تو اس کے اوپر ہنٹر برسائے جاتے۔

رات کی تنہائی میں نماز کی ادائیگی

ان لوگوں سے دن بھر محنت مزدوری کے کام لئے جاتے، مشقت والے کام ان سے لئے جاتے اور شام کو جب کھانا کھانے کے بعد رات کو ان کے آقا سوجاتے تو سوتے وقت ان کے پاؤں سے بیڑیاں کھولی جاتیں تاکہ یہ اپنے بیرکوں میں جاکر سوجائیں، لیکن جب ان کی بیڑیاں کھول دی جاتیں اور ان کے آقا سوجاتے تو یہ لوگ چپکے چپکے ایک ایک کر کے وہاں سے نکل کر قریب کے پہاڑ کی چوٹی پر جاکر پورے دن کی نمازیں اکٹھے جماعت سے ادا کرتے۔ اسی طرح یہ لوگ ایک عرصہ تک نمازیں ادا کرتے رہے۔

نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کیپ ٹاؤن پر ڈچ قوم نے حملہ کردیا تاکہ کیپ ٹاؤن پر قبضہ کرلیں۔ چونکہ "ملایا" کے یہ لوگ بڑے جنگ جو تھے، اور بڑے بہادر تھے، اور ان کی بہادری کے کرشمے انگریز دیکھ چکے تھے، اس لئے انگریزوں نے ان سے کہا کہ ہمارے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم تمہیں آگے کرتے ہیں، تم ان سے مقابلہ کرو اور لڑو، تاکہ یہ لوگ کیپ ٹاؤن پر قبضہ نہ کرلیں۔ ان "ملایا" کے مسلمانوں نے ان سے کہا کہ تم حکمرانی کرو یا ڈچ حکمرانی کرے، ہمارے لئے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، صرف آقاؤں کی تبدیلی کی بات ہے، آج تم آقا ہو کل کو ان کا قبضہ ہوا تو وہ آقا بن جائیں گے، ان کے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہم ان سے لڑیں تو ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہمارا ایک مطالبہ ہے وہ یہ کہ اس کیپ ٹاؤن کی زمین پر ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے اور ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔

صرف مسجد بنانے کا مطالبہ

دیکھئے! انہوں نے پیسے کا کوئی مطالبہ نہیں رکھا، آزادی کا مطالبہ نہیں کیا، کوئی اور دنیاوی مطالبہ نہیں کیا، مطالبہ کیا تو صرف یہ کہ ہمیں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی بہادری سے ڈچ قوم کا مقابلہ کیا، حتیٰ کہ ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور ان کو فتح حاصل ہو گئی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے جو مسجد کی تعمیر کرنے کی اجازت کا مطالبہ کیا تھا وہ پورا کیا جائے، چنانچہ ان کو اجازت مل گئی۔ اور پورے کیپ ٹاؤن میں پہلی مسجد اس حالت میں تعمیر کی گئی کہ ان بیچاروں کے پاس نہ آلات و اسباب تھے، اور نہ ہی تعمیر کرنے کے لئے سرمایہ تھا، یہاں تک کہ قبلہ کا صحیح رخ معلوم کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا، محض اندازے سے قبلہ کے رخ کا تعین کیا۔ چنانچہ اس کا رخ قبلہ کے صحیح سمت سے ۲۰ یا ۲۵ ڈگری ہٹا ہوا ہے۔ آج اس مسجد میں صفیں ٹیڑھی کر کے بنائی جاتی ہیں۔

تو انہوں نے نہ تو یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں رہنے کے لئے مکان دو، نہ یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں پیسے دو، نہ یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرو، بلکہ پہلا مطالبہ یہ کیا کہ ہمیں مسجد بنانے کی اجازت دو۔ یہ ہے ایک اُمتِ مسلمہ کی تاریخ، کہ اس نے مسجد کی تعمیر کو ہر چیز پر مقدم رکھا اور ان حالات میں بھی مسجد کی تعمیر کے فریضے کو نہیں چھوڑا۔

ایمان کی حلاوت کس کو؟

حقیقت میں ایمان کی حلاوت انہی جیسے لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، ہمیں اور آپ کو تو بیٹھے بٹھائے یہ دین حاصل ہو گیا، مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا ہو گئے اور اپنے ماں باپ کو مسلمان پایا۔ اس دین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی قربانی نہیں دی، کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا، کوئی محنت نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دین کی

ہمارے دلوں میں کوئی قدر نہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اس کام کے لئے محنت کی، قربانیاں دیں، مشقتیں جھیلیں، ان کو درحقیقت ایمان کی صحیح حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

ہمیں شکر کرنا چاہئے

یہ واقعہ میں نے اس لئے بیان کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسجد کی تعمیر کرنے میں ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں، کوئی پریشانی اور الجھن نہیں، بلکہ جب اور جہاں مسجد بنانا چاہیں، مسجد بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا مسجد کی تعمیر کا یہ موقع ہم سب کے لئے بڑی سعادت کا موقع ہے، اور اس تعمیر میں جو شخص بھی جس جہت سے دامے، درمے، قدمے، سخنے، جس طرح بھی ممکن ہو، حصہ لے تو اس کے لئے بڑی عظیم سعادت کی بات ہے۔

مسجد کی آبادی نمازیوں سے

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ مسجد کی تعمیر دیواروں سے، بلاکوں سے، اینٹوں سے، پلاسٹر سے اور چونا پتھر سے نہیں ہوتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو مسجد تعمیر فرمائی یعنی مسجد نبویؐ، اس کی چھت بھی پکی نہیں تھی، اس کی دیواریں بھی پکی نہیں تھیں، بلکہ کھجور کے پتوں کی دیواریں کھڑی کردی گئی تھیں، لیکن روئے زمین پر مسجد حرام کے بعد اس سے زیادہ افضل مسجد کوئی وجود میں نہیں آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد ان دیواروں کا نام نہیں، مسجد ان میناروں کا نام نہیں، اس محراب اور ان پتھر اور چونے کا نام نہیں، بلکہ مسجد درحقیقت سجدہ کرنے والوں کا نام ہے۔ اگر بڑی عالیشان مسجد تعمیر کردی گئی اور اس پر دنیا بھر کی دولت خرچ کر کے اس پر نقش و نگار بنادیئے گئے، لیکن وہ مسجد نماز پڑھنے والوں سے خالی ہے تو وہ مسجد آباد نہیں ہے بلکہ وہ مسجد

ویران ہے۔ لہذا مسجد کی آبادی وہاں پر نماز پڑھنے والوں سے اور وہاں پر ذکر کرنے والوں سے ہوتی ہے۔

قربِ قیامت میں مساجد کی حالت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب کے حالات کی پیشن گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آخر دور میں ایسا زمانہ آجائے گا کہ: مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ یعنی بظاہر ان کی مسجدیں آباد ہونگی، تعمیر شدہ ہونگی، اور دیکھنے میں بڑی عالیشان مسجدیں نظر آئیں گی، لیکن اندر سے وہ ویران ہونگی، اس لئے کہ ان میں نماز پڑھنے والے بہت کم ہونگے، اور جن کاموں کے لئے مسجد بنائی جاتی ہے، ان کاموں کی ادائیگی کرنے والے بہت کم ہونگے۔ ایسی مسجد کے بارے میں فرمایا کہ بظاہر وہ آباد ہے لیکن حقیقت میں وہ ویران ہے۔ اسی کی طرف اقبال مرحوم نے اس شعر میں اشارہ کیا کہ ۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اختتام

بہرحال، جو لوگ اس مسجد کی تعمیر میں جس جہت سے بھی حصہ لے رہے ہیں، ان کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کی مشکلات کو ان کے لئے آسان فرمائے اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔

لیکن یہ بات کبھی نہ بھولئے کہ مسجد کے سلسلے میں ہمارا فریضہ صرف عمارت کھڑی کردینے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ عمارت کھڑی کردینے کے بعد یہ بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے کہ ہم اس کو نماز سے آباد کریں، تلاوت سے آباد کریں، اللہ

کے ذکر سے آباد کریں۔ اسلامی معاشرے میں مسجد درحقیقت ایک مرکزی مقام کی حامل ہے، اس لئے کہ وہاں سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، وہاں کردار کی تعمیر ہوتی ہے، اخلاقِ فاضلہ کی تعمیر ہوتی ہے۔ انہی کاموں کے لئے اس مسجد کو تعمیر کیا جارہا ہے، تاکہ یہ مسجد ظاہری اعتبار سے بھی آباد ہو اور باطنی اعتبار سے بھی آباد ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کو تمام اہل محلّہ کے لئے باعث خیر و برکت بنائے اور تمام اہل محلّہ کو اس سلسلے میں اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مسجد کو صحیح معنیٰ میں آباد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

رزقِ حلال طلب کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رزقِ حلال کی طلب

ایک دینی فریضہ

الحمد للّٰہ نحمده ونستعینه ونستغفره و نؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضلّ له ومن یضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشریک له، ونشهدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلی اٰله واصحابه وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

﴿عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة﴾ (کنز العمال جلد ۴ حدیث نمبر ۹۲۳۱)

رزقِ حلال کی طلب دوسرے درجے کا فریضہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اوّلین فرائض

کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن علماء اُمت نے اس حدیث کو معنیٰ کے اعتبار سے قبول کیا ہے، اور اس بات پر ساری اُمت کے علماء کا اتفاق ہے کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم اصول بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اوّلین فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ یعنی دین کے اوّلین فرائض تو وہ ہیں جو ارکان اسلام کہلاتے ہیں اور جن کے بارے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ چیزیں دین میں فرض ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا وغیرہ۔ یہ سب دین کے اوّلین فرائض ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دینی فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ "رزقِ حلال کو طلب کرنا اور رزقِ حلال کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا" ہے۔ یہ ایک مختصر سا ارشاد اور مختصری تعلیم ہے، لیکن اس حدیث میں بڑے عظیم علوم بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر آدمی اس حدیث میں غور کرے تو دین کی فہم عطا کرنے کے لئے اس میں بڑا سامان ہے۔

رزقِ حلال کی طلب دین کا حصہ ہے

اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہم اور آپ رزقِ حلال کی طلب میں جو کچھ کارروائی کرتے ہیں، چاہے وہ تجارت ہو، چاہے وہ کاشت کاری ہو، چاہے وہ ملازمت ہو، چاہے وہ مزدوری ہو، یہ سب کام دین سے خارج نہیں ہیں بلکہ یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں اور نہ صرف یہ کہ یہ کام جائز اور مباح ہیں بلکہ ان کو فریضہ قرار دیا گیا ہے اور نماز، روزے کے فرائض کے بعد اس کو بھی دوسرے درجے کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے اور رزقِ حلال کی طلب نہ کرے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھ جائے تو وہ شخص فریضہ کے ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایک فرض اور واجب کام کو چھوڑ رکھا

ہے، کیونکہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان سست ہو کر اور بیکار ہو کر نہ بیٹھ جائے اور کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنے، اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اور ان چیزوں سے بچنے کا راستہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمادیا کہ آدمی اپنی وسعت اور کوشش کے مطابق رزقِ حلال طلب کرتا رہے تاکہ کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق ہمارے اوپر واجب فرمائے ہیں، اسی طرح کچھ حقوق ہمارے اوپر ہمارے نفس سے متعلق اور ہماری ذات سے متعلق اور ہمارے گھر والوں سے متعلق بھی واجب فرمائے ہیں، اور رزقِ حلال کی طلب کے بغیر یہ حقوق ادا نہیں ہوسکتے۔ اس لئے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی رزقِ حلال طلب کرے۔

اسلام میں "رہبانیت" نہیں

اس حدیث کے ذریعہ اسلام نے "رہبانیت" کی جڑ کاٹ دی۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا راستہ اور طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دنیاوی کاروبار کو چھوڑے اور اپنے نفس اور ذات کے مطالبوں کو ختم کرے اور جنگل میں جاکر بیٹھ جائے اور وہاں پر اللہ اللہ کیا کرے۔ بس اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے اندر نفسانی تقاضے رکھے، بھوک اس کو لگتی ہے، پیاس اس کو لگتی ہے، جسم ڈھانپنے کے لئے اس کو کپڑے کی بھی ضرورت ہے، سر چھپانے کے لئے اس کو مکان کی بھی ضرورت ہے، یہ سارے تقاضے ہم نے اس کے اندر پیدا کئے۔ اب ہمارا مطالبہ اس انسان سے یہ ہے کہ وہ ان تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے حقوق بھی ادا کرے، تب وہ انسان کامل بنے گا۔ اور اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ

رکھ کر بیٹھ گیا تو ایسا انسان چاہے کتنا ہی ذکر و شغل میں مشغول ہو لیکن ایسا شخص ہمارے یہاں قبولیت کا اور قرب کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

حضور ﷺ اور رزق حلال کے طریقے

دیکھئے! جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے، ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کا کام ضرور کرایا اور حلال رزق کے حصول کیلئے ہر نبی نے جدوجہد کی، کوئی نبی مزدوری کرتے تھے، کوئی نبی بڑھئی کا کام کرتے تھے، کوئی نبی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر اجرت پر بکریاں چرائیں۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد ہے کہ میں اجیاد کے پہاڑ پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بہر حال، بکریاں آپ نے چرائی، مزدوری آپ نے کی، تجارت آپ نے کی۔ چنانچہ تجارت کے سلسلے میں آپ نے شام کے دو سفر کئے، جس میں آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لیکر شام تشریف لے گئے۔ زراعت آپ نے کی۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر مقام جُرف تھا، وہاں پر آپ نے زراعت کا کام کیا۔ لہٰذا کسب حلال کے جتنے طریقے ہیں ان سب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کی سُنّت موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ملازمت کر رہا ہے تو یہ نیت کر لے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی اتباع میں یہ ملازمت کر رہا ہوں۔ اگر کوئی شخص تجارت کر رہا ہے تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تجارت کر رہا ہوں اور اگر کوئی زراعت کر رہا ہے تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زراعت کر رہا ہوں تو اس صورت میں یہ سب کام دین کا حصہ بن جائیں گے۔

مؤمن کی دنیا بھی دین ہے

اس حدیث نے ایک غلط فہمی یہ دور کر دی ہے کہ دین اور چیز کا نام ہے اور دنیا

کسی الگ چیز کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان غور سے دیکھے تو ایک مؤمن کی دنیا بھی دین ہے، جس کام کو وہ دنیا کا کام سمجھ رہا ہے یعنی رزق حاصل کرنے کی فکر اور کوشش، یہ بھی درحقیقت دین ہی کا حصہ ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح طریقے سے کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی اتباع میں کرے۔ بہرحال، ایک بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ رزقِ حلال کی طلب بھی دین کا حصہ ہے۔ اگر یہ بات ایک مرتبہ ذہن میں بیٹھ جائے تو پھر بے شمار گمراہیوں کا راستہ بند ہو جائے۔

بعض صوفیاء کرامؒ کا توکّل کر کے بیٹھ جانا

بعض صوفیاء کرام کی طرف یہ منسوب ہے اور ان سے یہ طرزِ عمل منقول ہے کہ انہوں نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا اور رزق کی طلب میں کوئی کام نہیں کیا بلکہ توکّل کی زندگی اس طرح گزار دی کہ بس اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ غیب سے بھیج دیا اس پر شکر کیا اور قناعت کرلی، اگر نہیں بھیجا تو صبر کرلیا، بعض صوفیاء کرام سے یہ طرزِ عمل منقول ہے۔ اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ صوفیاء کرام سے اس قسم کا جو طرزِ عمل منقول ہے وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ صوفیاء کرام ایسے تھے جن پر غلبہ حال کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ استغراق کے عالم میں تھے اور اپنے عام ہوش و حواس کے عالم میں نہیں تھے، اور جب انسان اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو تو وہ احکام شریعت کا مکلّف نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اگر ان صوفیاء کرامؒ نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو یہ ان کا اپنا مخصوص معاملہ تھا، تمام اُمت کے لئے وہ عام حکم نہیں تھا۔

یا پھر ان صوفیاء کرام کا توکّل اتنا زبردست اور کامل تھا کہ وہ اس بات پر راضی تھے کہ اگر ہم پر مہینوں فاقہ بھی گزرتا ہے تو ہمیں کوئی فکر نہیں، ہم نہ تو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے، نہ کسی کے سامنے شکوہ کریں گے۔ یہ

صوفیاء بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے، بڑے اعلیٰ درجے کے مقامات پر فائز تھے، انہوں نے اسی پر اکتفا کیا کہ ہم اپنے ذکر و شغل میں مشغول رہیں گے اور اس کے نتیجے میں فاقے کی نوبت آتی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اور ان کے ساتھ دوسروں کے حقوق وابستہ نہیں تھے، نہ بیوی بچے تھے کہ ان کو کھانا کھلانا ہو۔ لہٰذا یہ ان صوفیاء کرام کے مخصوص حالات تھے اور ان کا خاص طرز عمل تھا جو عام لوگوں کے لئے اور ہم جیسے کمزوروں کے لئے قابل تقلید نہیں ہے۔ ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنّت کا جو راستہ بتایا وہ یہ ہے کہ رزقِ حلال کی طلب دوسرے دینی فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔

طلب ''حلال'' کی ہو

دوسری بات یہ ہے کہ رزق طلب کرنا فریضہ اس وقت ہے جب طلب حلال کی ہو، روٹی، کپڑا اور پیسہ بذات خود مقصود نہیں ہے، یہ نیت نہ ہو کہ بس پیسہ حاصل کرنا ہے، چاہے جس طرح بھی حاصل ہو، چاہے جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز طریقے سے حاصل ہو، حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس صورت میں یہ طلب، ب حلال نہ ہوئی جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جس کو فریضہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مؤمن کا یہ عمل اس وقت دین بنتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کو حاصل کرے۔ اب اگر اس نے حلال و حرام کی تمیز ہٹا دی اور جائز و ناجائز کا سوال ذہن سے مٹا دیا تو پھر ایک مسلمان میں اور کافر میں رزق حاصل کرنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ بات تو جبھی بنے گی جب وہ رزق تو ضرور طلب کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر کرے۔ اس کو ایک ایک پیسے کے بارے میں فکر لاحق ہو کہ یہ پیسہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے آرہا ہے، یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق آرہا ہے یا اس کے خلاف آرہا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف آرہا ہے تو اس کو جہنم کا انگارہ سمجھ کر

چھوڑ دے۔ کتنی بڑی سے بڑی دولت ہو، لیکن اگر وہ حرام طریقے سے آرہی ہے تو اس کو لات مار دے اور کسی قیمت پر بھی اس حرام کو اپنی زندگی کا حصّہ بنانے پر راضی نہ ہو۔

محنت کی ہر کمائی حلال نہیں ہوتی

بعض لوگوں نے وہ ذریعہ معاش اختیار کر رکھا ہے جو حرام ہے اور شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ مثلاً سود کا ذریعہ معاش اختیار کیا ہوا ہے، اب اگر ان سے کہا جائے کہ یہ تو ناجائز اور حرام ہے، اس طریقے سے پیسے نہیں کمانے چاہئیں، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم تو اپنی محنت کا کھا رہے ہیں، اپنی محنت لگا رہے ہیں، اپنا وقت صرف کرر ہے ہیں، اب اگر وہ کام حرام اور ناجائز ہے تو ہمارا اس سے کیا تعلق؟

خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر محنت جائز نہیں ہوتی، بلکہ وہ محنت جائز ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، اگر اس طریقے کے خلاف انسان ہزار محنت کرلے لیکن اس کے ذریعہ جو پیسے کمائے گا وہ پیسے حلال کے نہیں ہوں گے بلکہ حرام ہوں گے۔ اب کہنے کو تو ایک "طوائف" بھی محنت کرتی ہے، وہ بھی کہہ سکتی ہے کہ میں اپنی محنت کے ذریعہ پیسے کمارہی ہوں، لہٰذا میری آمدنی حلال ہونی چاہیے۔ اسی طرح آمدنی کے جو ذرائع حرام ہیں ان کو یہ کہہ کر حلال کرنے کی کوشش کرنا کہ یہ ہماری محنت کی آمدنی ہے، شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ روزگار حلال ہے یا حرام؟

لہٰذا جب روزگار کا کوئی ذریعہ سامنے آئے تو پہلے یہ دیکھو کہ وہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ شریعت نے اس کو حلال قرار دیا ہے یا حرام؟ اگر شریعت نے حرام قرار دیا

ہے تو پھر اس ذریعہ آمدنی سے خواہ کتنے ہی دنیاوی فائدے حاصل ہو رہے ہوں، انسان اس کو چھوڑ دے، اور اس ذریعہ کو اختیار کرے جو اللہ کو راضی کرنے والا ہو، چاہے اس میں آمدنی اور منافع کم ہو۔

بینک کا ملازم کیا کرے؟

چنانچہ بہت سے لوگ بینک کی ملازمت کے اندر مبتلا ہیں اور بینک کے اندر بہت سارا کاروبار سود پر ہوتا ہے۔ اب جو شخص وہاں ملازم ہے اگر وہ سود کے کاروبار میں ان کے ساتھ معاون بن رہا ہے تو یہ ملازمت ناجائز اور حرام ہے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بینک کی ایسی ملازمت میں مبتلا ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیں اور اس کو بینک کی ملازمت چھوڑنے کی فکر ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ کوئی جائز ذریعہ آمدنی تلاش کرے اور جب دوسرا ذریعہ آمدنی مل جائے تو اس کو چھوڑ دے، لیکن جائز ذریعہ آمدنی اس طرح تلاش کرے جس طرح ایک بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے، یہ نہ ہو کہ بے فکری کے ساتھ بینک کی ناجائز ملازمت میں لگا ہوا ہے اور ذہن میں یہ بٹھا رکھا ہے کہ جب دوسری ملازمت مل جائے گی تو اس کو چھوڑ دوں گا، بلکہ اس طرح تلاش کرے جس طرح ایک بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے، اور جب دوسری ملازمت مل جائے تو موجودہ ملازمت کو ترک کر دے اور اس کو اختیار کر لے، چاہے اس میں آمدنی کم ہو۔

حلال روزی میں برکت

اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کے اندر جو برکت رکھی ہے وہ حرام کے اندر نہیں رکھی۔ حرام کی بہت بڑی رقم سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو حلال کی تھوڑی سی رقم میں حاصل ہو جاتا ہے۔ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وضو کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ﴾

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء یقال فی اللیل۔ حدیث نمبر ۳۴۹۶)

اے اللہ، میرے گناہ کی مغفرت فرما اور میرے گھر میں وسعت فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ آجکل لوگ برکت کی قدر و قیمت کو نہیں جانتے بلکہ روپے پیسے کی گنتی کو جانتے ہیں، یہ دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں کہ ہمارا بینک بیلنس بہت زیادہ ہوگیا، روپے کی گنتی زیادہ ہوگئی، لیکن اس روپے سے کیا فائدہ حاصل ہوا، ان روپوں سے کتنی راحت ملی، کتنا سکون حاصل ہوا؟ اس کا حساب نہیں کرتے۔ لاکھوں کا بینک بیلنس ہے، لیکن سکون میسر نہیں، راحت میسر نہیں۔ بتایئے! وہ لاکھوں کا بینک بیلنس کس کام کا؟ اور اگر پیسے تو تھوڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے راحت اور سکون عطا فرمایا ہوا ہے تو یہ درحقیقت "برکت" ہے۔ اور یہ "برکت" وہ چیز ہے جو بازار سے خرید کر نہیں لائی جاسکتی، لاکھوں اور کروڑوں خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی دَین اور اس کی عطا ہے، اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرما دیں اسی کو یہ برکت نصیب ہوتی ہے، دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور یہ برکت حلال رزق میں ہوتی ہے، حرام مال کے اندر یہ برکت نہیں ہوتی، چاہے وہ حرام مال کتنا زیادہ حاصل ہوجائے۔ اس لئے انسان جو کما رہا ہے وہ اس کی فکر کرے کہ یہ لقمہ جو میرے اور بیوی بچوں کے حلق میں جارہا ہے، اور یہ پیسہ جو میرے پاس آرہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ شریعت کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ ہر انسان اپنے اندر یہ فکر پیدا کرے۔

تنخواہ کا یہ حصہ حرام ہوگیا

پھر بعض حرام مال وہ ہیں جن کا علم سب کو ہے، مثلاً سب جانتے ہیں کہ سود حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے وغیرہ، لیکن ہماری زندگی میں ان کے علاوہ بھی بہت

سی آمدنیاں اس طرح داخل ہوگئی ہیں کہ ہمیں ان کے بارے میں یہ احساس بھی نہیں کہ یہ آمدنیاں حرام ہیں، مثلاً آپ نے کسی جگہ پر جائز اور شریعت کے مطابق ملازمت اختیار کر رکھی ہے، لیکن ملازمت کا جو وقت طے ہوچکا ہے اس وقت میں آپ کمی کر رہے ہیں اور پورا وقت نہیں دے رہے ہیں بلکہ ڈنڈی مار رہے ہیں، جیسے ایک شخص کی آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے مگر وہ ان میں سے ایک گھنٹہ چوری چھپے دوسرے کاموں میں ضائع کردیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مہینے کے ختم پر جو تنخواہ ملے گی اس کا آٹھواں حصہ حرام ہوگیا۔ وہ آٹھواں حصہ رزقِ حلال نہ رہا بلکہ وہ رزق حرام ہوگیا، لیکن ہمیں اس کا احساس ہی نہیں کہ یہ حرام مال ہماری آمدنی میں شامل ہورہا ہے۔

تھانہ بھون کے مدرسہ کے اساتذہ کا تنخواہ کٹوانا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جو مدرسہ تھا، اس مدرسہ کے ہر استاد اور ہر ملازم کے پاس ایک روز نامچہ رکھا رہتا تھا، مثلاً ایک استاد ہے اور اس کو چھ گھنٹے سبق پڑھانا ہے، اب سبق پڑھانے کے دوران اس کے پاس کوئی مہمان ملنے کے لئے آگیا تو جس وقت مہمان آتا، وہ استاد اس کے آنے کا وقت اس روز نامچے میں لکھ لیتا، اور پھر جب وہ مہمان رخصت ہوکر واپس جاتا تو اس کے جانے کا وقت بھی نوٹ کرلیتا۔ سارا مہینہ وہ اسی طرح کرتا اور جب مہینے کے آخر میں تنخواہ ملنے کا وقت آتا تو وہ استاد دفتر میں ایک درخواست دیتا کہ اس ماہ کے دوران میرا اتنا وقت مہمانوں کے ساتھ صرف ہوا ہے، لہٰذا اتنی دیر کی تنخواہ میری تنخواہ میں سے کم کرلی جائے۔ اس طرح ہر استاد اور ہر ملازم درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا۔ صرف مہمان کے آنے کی حد تک نہیں بلکہ مدرسہ کا وہ وقت کسی بھی ذاتی کام میں صرف ہوتا تو وہ وقت نوٹ کرکے اس کی تنخواہ کٹواتا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ وقت بکا ہوا ہے، اب یہ وقت ہمارا نہیں ہے، جس ادارے

میں آپ نے ملازمت کی ہے وہ وقت اس ادارے کی ملکیت بن گیا، اب اگر آپ نے اس وقت کے اندر کمی کی تو اتنے وقت کی تنخواہ آپ کے لئے حرام ہوگئی۔ آج ہم لوگوں کو اس طرف دھیان نہیں ہے، ہم لوگ تو صرف سود کھانے اور رشوت لینے کو حرام سمجھتے ہیں، لیکن ان مختلف طریقوں سے ہماری آمدنیوں میں جو حرام کی آمیزش ہورہی ہے اس کی طرف ہمارا ذہن نہیں جاتا۔

ٹرین کے سفر میں پیسے بچانا

یا مثلاً آپ ٹرین میں سفر کررہے ہیں اور جس درجے کا آپ نے ٹکٹ خریدا ہے اس سے اونچے درجے کے ڈبے میں سفر کرلیا، اور دونوں درجوں کے درمیان کرایہ کا جو فرق ہے اتنے پیسے آپ نے بچالئے، تو جو پیسے بچے وہ آپ کے لئے حرام ہوگئے اور وہ حرام مال آپ کی حلال آمدنی میں شامل ہوگئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ یہ حرام مال شامل ہوگیا۔

زائد سامان کا کرایہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں کے بارے میں یہ بات مشہور و معروف تھی کہ جب وہ ریل کا سفر کرتے تو اپنے سامان کا وزن ضرور کرایا کرتے تھے اور ایک مسافر کو جتنا سامان لے جانے کی اجازت ہوتی، اگر سامان اس وزن سے زیادہ ہوتا تو وہ زائد سامان کا کرایہ ریلوے کو ادا کرتے اور پھر سفر شروع کرتے۔ یہ کارروائی کئے بغیر سفر کرنے کا ان کے یہاں تصور ہی نہیں تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفر

ایک مرتبہ خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک

مرتبہ سفر کرنے کے لئے اسٹیشن پہنچے اور سیدھے اس دفتر میں تشریف لے گئے جہاں سامان کا وزن کرایا جاتا تھا۔ وہاں اتفاق سے ریلوے کا گارڈ کھڑا ہوا تھا جو حضرت والا کو پہچانتا تھا، وہ پوچھنے لگا کہ حضرت کیسے تشریف لائے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں اپنے سامان کا وزن کرانے آیا ہوں تاکہ اگر زیادہ ہو تو اس کا کرایہ ادا کردوں۔ اس گارڈ نے کہا کہ حضرت! آپ وزن کرانے کے چکر میں کیوں پڑ رہے ہیں، آپ سامان کو وزن کرائے بغیر سفر کرلیں، میں آپ کے ساتھ ہوں اور میں اس ٹرین کا گارڈ ہوں آپ کو راستے میں کوئی نہیں پکڑے گا اور اگر سامان زیادہ ہوا تو آپ سے کوئی شخص بھی جرمانے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ حضرت نے اس گارڈ سے پوچھا کہ آپ کہاں تک میرے ساتھ جائیں گے؟ اس گارڈ نے جواب دیا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت والا نے پوچھا کہ اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ اس کے بعد جو گارڈ آئے گا، میں اس سے کہہ دوں گا کہ ان کے سامان کا ذرا خیال رکھنا۔ حضرت والا نے پھر پوچھا کہ وہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے جواب دیا کہ وہ گارڈ تو جہاں تک آپ کی منزل ہے وہاں تک آپ کے ساتھ ہی سفر کرے گا، اس لئے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے اور بھی آگے جانا ہے۔ اس نے پوچھا کہ آگے کہاں جانا ہے؟ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تو اس منزل سے آگے اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس جانا ہے، وہاں کون گارڈ میرے ساتھ جائے گا جو مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال وجواب سے بچائے گا؟

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ ٹرین تمہاری ملکیت نہیں ہے، اس کے اوپر تمہارا اختیار نہیں ہے، تمہیں محکمے کی طرف سے اجازت نہیں ہے کہ تم کسی شخص کے زیادہ سامان کو کرایہ کے بغیر چھوڑ دو۔ لہٰذا میں تمہاری وجہ سے دنیاوی پکڑ سے تو بچ جاؤں گا لیکن اس وقت جو چند پیسے میں بچالوں گا اور وہ چند پیسے میرے لئے حرام ہوجائیں گے، ان حرام پیسوں کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے سوال ہوگا تو وہاں پر کون سا گارڈ مجھے بچائے گا اور کون جواب دہی کرے گا؟ یہ باتیں سن کر اس

گارڈ کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر حضرت والا سامان وزن کرا کر اس کے زائد پیسے ادا کر کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

یہ حرام پیسے رزق حلال میں شامل ہو گئے

لہٰذا اگر کسی نے اس طرح ریل گاڑی میں یا ہوائی جہاز میں سفر کے دوران اجازت سے زیادہ سامان کے ساتھ سفر کرلیا اور اس سامان کا وزن کرا کر اس کا کرایہ علیحدہ سے ادا نہیں کیا تو اس کے نتیجے میں جو پیسے بچے وہ حرام بچے اور یہ حرام پیسے ہمارے رزقِ حلال کے اندر شامل ہوگئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا جو اچھا خاصا حلال پیسہ تھا اس میں حرام کی آمیزش ہوگئی۔

یہ بے برکتی کیوں نہ ہو

آج ہم لوگ جو بے برکتی کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہر شخص رونا رو رہا ہے، جو لکھ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے اور جو کروڑ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے کہ صاحب خرچہ پورا نہیں ہوتا اور مسائل حل نہیں ہوتے، درحقیقت یہ بے برکتی اس لئے ہے کہ حلال و حرام کی تمیز اور اس کی فکر اٹھ گئی ہے۔ بس چند مخصوص چیزوں کے بارے میں تو یہ ذہن میں بٹھالیا ہے کہ یہ حرام ہیں، ان سے تو کسی نہ کسی طریقے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن مختلف ذرائع سے جو یہ حرام پیسے ہماری آمدنیوں میں داخل ہو رہے ہیں ان کی فکر نہیں۔

ٹیلیفون اور بجلی کی چوری

یا مثلاً ٹیلیفون کے محکمے والوں سے دوستی کرلی اور اب اس کے ذریعہ ملکی اور غیر ملکی کالیں ہو رہی ہیں، دنیا بھر میں باتیں ہو رہی ہیں اور ان کالوں پر ایک پیسہ ادا

نہیں کیا جارہا ہے۔ یہ درحقیقت محکمے کی چوری ہورہی ہے اور اس چوری کے نتیجے میں جو پیسے بچے وہ مال حرام ہے، اور وہ مال حرام ہمارے مال حلال کے اندر شامل ہورہا ہے۔ یا مثلاً بجلی کی چوری ہورہی ہے کہ بجلی کا میٹر بند پڑا ہے لیکن بجلی استعمال ہورہی ہے۔ اس طرح جو پیسے بچے وہ مال حرام ہے اور وہ حرام مال ہمارے حلال مال کے اندر شامل ہورہا ہے اور حرام مال کی آمیزش ہورہی ہے۔ لہٰذا نہ جانے کتنے شعبے ایسے ہیں جن میں ہم نے اپنے لئے حرام کے راستے کھول رکھے ہیں اور حرام مال ہمارے حلال مال میں داخل ہورہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بے برکتی کے عذاب کے اندر مبتلا ہیں۔

حلال و حرام کی فکر پیدا کریں

لہٰذا ہر کام کرتے وقت یہ دیکھو کہ جو کام میں کررہا ہوں یہ حق ہے یا ناحق ہے۔ اگر انسان اس فکر کے ساتھ زندگی گزارے کہ ناحق کوئی پیسہ اس کے مال کے اندر شامل نہ ہو تو یقین رکھئے پھر اگر ساری عمر نوافل نہ پڑھیں اور ذکر و تسبیح نہ کی لیکن اپنے آپ کو حرام سے بچا کر قبر تک لے گیا تو انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اور اگر حلال و حرام کی فکر تو نہیں کی، مگر تہجد کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، اشراق کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، ذکر و تسبیح بھی کررہا ہے تو یہ نوافل اور یہ ذکر انسان کو حرام مال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

یہاں تو آدمی بنائے جاتے ہیں

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خانقاہوں میں ذکر و شغل سیکھنے کے لئے جاتے ہیں اگر ذکر و شغل سیکھنا ہے تو بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلا جائے، لیکن ہمارے یہاں تو آدمی بنانے کی کوشش

کی جاتی ہے اور شریعت کے جو احکام ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی فکر پیدا کی جاتی ہے۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن پر اگر کوئی ڈاڑھی والا آدمی اپنا سامان وزن کرانے کے لئے بکنگ آفس پہنچتا تو وہ دفتر والے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتے کہ اس کا تعلق تھانہ بھون سے ہے، لہٰذا اس سے خود پوچھ لیتے کہ آپ تھانہ بھون جارہے ہیں؟

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے معمولات چھوٹ گئے ہیں تو مجھے زیادہ دکھ اور شکایت نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے حلال و حرام کو ایک کر رکھا ہے اور اس کو معاملات کے اندر حلال و حرام کی فکر نہیں ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہوجاتی ہے۔

ایک خلیفہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بڑے خلیفہ تھے جن کو آپ نے باقاعدہ خلافت عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک سفر سے تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام دعا ہوئی، خیریت معلوم کی۔ حضرت والا نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لارہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں جگہ سے آرہا ہوں۔ حضرت نے پوچھا کہ ریل گاڑی سے آرہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے اس کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ خانقاہ کے اندر پیر صاحب اپنے مرید سے یہ سوال کررہے ہیں کہ بچے کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ جبکہ دوسری خانقاہوں میں یہ سوال کرنے کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ دوسری خانقاہوں میں تو یہ سوال ہوتا ہے کہ معمولات پورے کئے تھے یا نہیں؟ تہجد کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ اشراق کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ لیکن یہاں یہ سوال ہورہا ہے کہ یہ بچہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کا ٹکٹ آدھا لیا تھا یا پورا لیا تھا؟ انہوں نے

جواب دیا کہ حضرت! آدھا لیا تھا۔ حضرت نے پھر سوال کیا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! یہ بچہ ویسے تو تیرہ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں بارہ سال کا لگتا ہے اس لئے آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ یہ جواب سن کر حضرت والا کو سخت رنج ہوا اور ان سے خلافت واپس لے لی اور فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، تم اس لائق نہیں ہو کہ تمہیں خلافت دی جائے اور تمہیں مجاز بنایا جائے، اس لئے کہ تمہیں حلال و حرام کی فکر نہیں، جب بچے کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہوگئی، چاہے ایک دن ہی زیادہ کیوں نہ ہوئی ہو تو اس وقت تم پر واجب تھا کہ تم بچے کا پورا ٹکٹ لیتے۔ تم نے آدھا ٹکٹ لے کر جو پیسے بچائے وہ حرام کے پیسے بچائے اور جس کو حرام سے بچنے کی فکر نہ ہو وہ خلیفہ بننے کا اہل نہیں۔ چنانچہ خلافت واپس لے لی۔

اگر کوئی شخص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر کہتا کہ حضرت معمولات ترک ہوگئے۔ تو حضرت والا فرماتے کہ معمولات ترک ہوگئے تو استغفار کرو اور دوبارہ شروع کردو اور ہمت سے کام لو اور اس بات کا دوبارہ عزم کرو کہ آئندہ ترک نہیں کریں گے۔ اور معمولات ترک کرنے کی بناء پر کبھی خلافت واپس نہیں لی لیکن حلال و حرام کی فکر نہ کرنے پر خلافت واپس لے لی، اس لئے کہ جب حلال و حرام کی فکر نہ ہو تو وہ انسان انسان نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال کی طلب دوسرے فرائض کے بعد یہ بھی فرض ہے۔

حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کردیتا ہے

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ جو پیسے اس کے پاس آرہے ہیں اور جو کام وہ کررہا ہے، ان میں کہیں حرام مال کی آمیزش تو نہیں ہے۔ حرام مال کی آمیزش کی چند مثالیں میں نے آپ کے سامنے سمجھانے کے لئے پیش کردیں۔ ورنہ نہ جانے کتنے کام ایسے ہیں جن کے ذریعہ نادانستہ طور پر اور غیر شعوری طور پر ہمارے

حلال مال میں حرام مال کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب کبھی کسی حلال مال کے ساتھ حرام مال لگ جاتا ہے تو وہ حرام حلال کو بھی تباہ کر کے چھوڑتا ہے، یعنی اس حرام مال کے شامل ہونے کے نتیجے میں حلال مال کی برکت، اس کا سکون اور راحت تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس کی فکر کرے اور ہر شخص اپنے ایک ایک عمل کا جائزہ لے اور اپنی آمدنی کا جائزہ لے کہ ہمارے حلال مال میں کہیں کوئی حرام مال تو شامل نہیں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رزق کی طلب مقصود زندگی نہیں

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس حدیث نے جہاں ایک طرف رزقِ حلال کی اہمیت بتائی کہ رزقِ حلال کی طلب دین سے خارج کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے، وہاں اس حدیث نے ہمیں رزق حلال کی طلب کا درجہ بھی بتادیا کہ اس کا کتنا درجہ اور کتنی اہمیت ہے۔ آج کی دنیا نے معاش کو، معیشت کو اور روپے پیسے کمانے کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی قرار دے رکھا ہے، آج ہماری ساری دوڑ دھوپ اسی کے گرد گھوم رہی ہے کہ پیسہ کس طرح حاصل ہو، کس طرح پیسوں میں اضافہ کیا جائے اور کس طرح اپنی معیشت کو ترقی دی جائے، اور اسی کو ہم نے اپنی زندگی کی آخری منزل قرار دے رکھا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتادیا کہ رزقِ حلال کی طلب فریضہ تو ہے لیکن دوسرے فرائض دینیہ کے بعد اس کا درجہ آتا ہے، یہ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اس ضرورت کے تحت انسان کو نہ صرف یہ کہ رزقِ حلال کے طلب کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی ترغیب اور تاکید کی گئی ہے کہ تم رزق حلال طلب کرو، لیکن یہ رزق حلال کی طلب تمہارا مقصد زندگی نہیں ہے بلکہ مقصد زندگی کچھ اور ہے، اور وہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی بندگی اور

عبادت کرنا ہے۔ یہ انسان کا اصل مقصد زندگی ہے اور معیشت کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔

رزق کی طلب میں فرائض کا ترک جائز نہیں

لہٰذا جس جگہ پر معیشت میں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے، وہاں پر اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے فرائض کو ترجیح ہوگی۔ بعض لوگ افراط کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، جب انہوں نے یہ سنا کہ طلب حلال بھی دین کا ایک حصّہ ہے تو اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ اس طلب حلال کے نتیجے میں اگر نمازیں ضائع ہو رہی ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، روزے چھوٹ رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔ حلال و حرام ایک ہو رہا ہے تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو جواب دیتے ہیں کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بھی تو دین کا ایک حصّہ ہے، ہمارے دین میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، لہٰذا جو کام ہم کر رہے ہیں یہ بھی دین کا ایک حصّہ ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا استدلال

کچھ عرصہ پہلے ایک خاتون نے مجھے بتایا کہ ان کے شوہر ڈاکٹر ہیں، وہ مطب کے اوقات میں نماز نہیں پڑھتے اور جب مطب بند کر کے گھر واپس آتے ہیں تو گھر آکر تینوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے ہیں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ آپ نماز کو قضا کر دیتے ہیں یہ اچھا نہیں ہے، آپ وقت پر نماز پڑھ لیا کریں، تو جواب میں شوہر کہتے ہیں کہ اسلام نے خدمت خلق سکھائی ہے اور یہ ڈاکٹری اور مطب جو کر رہے ہیں یہ بھی خدمت خلق کر رہے ہیں اور یہ بھی دین کا ایک حصّہ ہے، اب اگر ہم نے خدمت خلق کی خاطر نماز کو چھوڑ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اب دیکھئے! حلال کمانے کے لئے انہوں نے اوّلین دینی فریضے کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فرما رہے ہیں کہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ یہ فریضہ تو ہے لیکن بعد الفرائض ہے۔ لہٰذا اگر کسب معاش کے فریضے میں اور اوّلین دینی فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے تو اس وقت دینی فریضہ غالب رہے گا۔

ایک لوہار کا قصہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے ولی اللہ، فقیہ اور محدث اور صوفی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے درجات عطا فرمائے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور بہت کچھ نوازشیں فرمائیں، لیکن میرے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا، اس لوہار کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام بخشا وہ ہمیں نصیب نہ ہو سکا۔ جب اس شخص کی آنکھ کھلی تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ پتہ کرنا چاہئے کہ وہ کون لوہار تھا اور وہ کیا عمل کرتا تھا کہ اس کا درجہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں گیا اور معلومات کیں تو پتہ چلا کہ واقعۃً ان کے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا اور اس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ اس کے گھر جا کر اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیا کام کرتا تھا؟ اس نے بتایا کہ وہ تو لوہار تھا اور سارا دن لوہا کوٹتا رہتا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس کا کوئی خاص عمل اور خاص نیکی بتاؤ جو وہ کیا کرتا تھا، اس لئے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اس کا مقام ہم سے بھی آگے بڑھ گیا۔

تہجد نہ پڑھنے کی حسرت

اس کی بیوی نے کہا کہ وہ سارا دن تو لوہا کوٹتا رہتا تھا، لیکن ایک بات اس کے اندر یہ تھی کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر کے سامنے رہتے تھے، رات کو جس وقت وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر کی چھت پر اس طرح کھڑے ہوجاتے جس طرح کوئی لکڑی کھڑی ہوتی ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ جب میرا شوہر ان کو دیکھتا تو یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراغت عطا فرمائی ہوئی ہے یہ ساری رات کیسی عبادت کرتے ہیں، ان کو دیکھ کر رشک آتا ہے، اگر ہمیں بھی اپنے مشغلے سے فراغت نصیب ہوتی تو ہمیں بھی اسی طرح تہجد پڑھنے کی توفیق ہوجاتی۔ چنانچہ وہ حسرت کیا کرتا تھا کہ میں چونکہ دن بھر لوہا کوٹتا ہوں، پھر رات کو تھک کر سو جاتا ہوں، اس لئے اس طرح تہجد پڑھنے کی نوبت نہیں آتی۔

نماز کے وقت کام بند

دوسری بات اس کے اندر یہ تھی کہ جب وہ لوہا کوٹ رہا ہوتا تھا اور اس وقت اس کے کان میں آذان کی آواز "اللہ اکبر" آجاتی، تو اگر اس وقت اس نے اپنا ہتھوڑا سر سے اونچا ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہوتا تو اس وقت یہ گوارہ نہ کرتا تھا کہ اس ہتھوڑے سے ایک مرتبہ اور لوہے پر مار دے، بلکہ اس ہتھوڑے کو پیچھے کی طرف پھینک دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اب آذان کی آواز سننے کے بعد اس ہتھوڑے سے ضرب لگانا میرے لئے درست نہیں، پھر نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا جاتا تھا۔ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا اس نے یہ باتیں سن کر کہا کہ بس یہی وجہ ہے جس نے ان کا مرتبہ اتنا بلند کردیا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان پر رشک آرہا ہے۔

ٹکراؤ کے وقت یہ فریضہ چھوڑ دو

آپ نے دیکھا کہ وہ لوہار جو لوہا کوٹنے کا کام کر رہا تھا، یہ بھی کسب حلال کا فریضہ تھا اور جب آذان کی آواز آئی تو وہ اوّلین فریضے کی پکار تھی، جس وقت دونوں میں ٹکراؤ ہوا تو اس نے اللہ والے اور اوّلین فریضے کو ترجیح دی اور دوسرے فریضے کو چھوڑ دیا، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرما دیا۔ لہٰذا جہاں ٹکراؤ ہو جائے وہاں اوّلین فریضے کو اختیار کر لو اور کسب حلال کے فریضے کو چھوڑ دو۔

ایک جامع دعا

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

﴿اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا﴾ (ترمذی، دعوات، حدیث نمبر ۳۵۶۹)

اے اللہ! ہمارا سب سے بڑا غم دنیا کو نہ بنایئے کہ ہمارے دماغ پر سب سے بڑا غم دنیا کا مسلط ہو کہ پیسے کہاں سے آئیں، بنگلہ کیسے بن جائے اور کار کیسے حاصل ہو جائے۔ اور اے اللہ! ہمارے سارے علم کا مبلغ دنیا کو نہ بنایئے کہ جو کچھ علم ہے وہ بس دنیا کا علم ہے۔ اور اے اللہ! نہ ہماری رغبت کی انتہا دنیا کو بنایئے کہ جو کچھ دل میں رغبت پیدا ہو وہ دنیا ہی کی ہو اور آخرت کی رغبت پیدا نہ ہو۔

بہر حال، اس حدیث نے تیسرا سبق یہ دے دیا کہ کسب حلال کا درجہ دوسرے فرائض دینیہ کے بعد ہے۔ یہ دنیا ضرورت کی چیز تو ہے لیکن مقصد بنانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ دنیا انہماک کی چیز نہیں ہے کہ دن رات آدمی اسی دنیا کی فکر میں منہمک رہے اور اس کے علاوہ کوئی اور فکر اور دھیان انسان کے دماغ پر نہ رہے۔

خلاصہ تین سبق

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث سے تین سبق معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ طلب

حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان طلب حلال کی کرے اور حرام سے بچنے کی فکر کرے۔ اور تیسرا یہ کہ انسان اس معیشت کی سرگرمی کو صحیح مقام پر رکھے اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے۔ اس لئے کہ اولین فرائض دینیہ کے بعد یہ دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گناہ کی تہمت سے بچئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہ کی تہمت سے بچئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ له ومن یضلله فلا ھادی له، ونشھد أن لا الٰه إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک له ونشھد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وأصحابه وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

اما بعد!

﴿عن علی بن حسین رضی اللّٰہ عنھما، ان صفیة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اخبرته أنھا جاءت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تزورہ فی اعتکافه فی المسجد فی العشر الاواخر من رمضان۔ الخ﴾

(صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد)

خلاصہ حدیث

یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ کا بیان ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے کہ اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے ملنے کے لئے اعتکاف کی جگہ پر تشریف لائیں، چونکہ اعتکاف کی وجہ سے آپ گھر کے اندر تشریف نہیں لے جاسکتے تھے، اس لئے وہ خود ہی ملاقات کے لئے آئیں، اور جتنی دیر ان کو بیٹھنا تھا، اتنی دیر تک بیٹھی رہیں۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔

بیوی کا شوہر سے ملاقات کرنے کیلئے مسجد میں آنا

اب آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں دیکھتے جائیں۔ پہلی بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر بیوی پردے کے ساتھ شوہر سے ملاقات کے لئے معتکف میں آجائے تو یہ جائز ہے۔

بیوی کا اکرام کرنا چاہیئے

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہیں معتکف ہی سے رخصت کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان کو پہنچانے کے لئے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، ان کا اکرام کیا۔ اس عمل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دیدی کہ بیوی کے ساتھ ایسا معاملہ اور سلوک کرنا چاہیئے

جو برابری کی بنیاد کا ہو، اس کا اکرام کرنا اس کا حق ہے، جب وہ تم سے ملنے کے لئے آئی ہے، اور اب تم اس کو پہنچانے کے لئے جارہے ہو تو یہ پہنچانا بھی اس کے حقوق میں داخل ہے۔

دوسروں کے خدشات کو وضاحت کر کے دور کر دینا چاہئے

بہر حال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہنچانے کے لئے دروازے کی طرف جانے لگے تو آپ نے دیکھا کہ دو حضرات صحابہ کرام آپ کے پاس ملنے کے لئے وہاں آرہے ہیں۔ آپ نے سوچا کہ کہیں ان دونوں حضرات کے قریب آنے سے اُم المؤمنین کی بے پردگی نہ ہو، اس لئے آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ ذرا وہیں ٹھہر جاؤ۔ یہ حکم اس لئے دیا تاکہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پردے کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی جائیں تو پھر ان حضرات کو بلالیا جائے۔ چنانچہ اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وہاں سے گزر کر اپنے گھر تشریف لے گئیں، پھر آپ نے ان دو حضرات سے فرمایا کہ اب آپ تشریف لے آئیں۔ جب وہ آگئے تو آپ نے ان دنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ خاتون حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، یعنی میری بیوی تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ صراحت میں نے اس لئے کر دی کہ کہیں شیطان تمہارے دل میں کوئی بُرائی نہ ڈال دے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ جب ان حضرات نے یہ دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاتون کے ساتھ مسجد نبوی میں جارہے ہیں، تو کہیں ان حضرات کے دل میں یہ وسوسہ نہ آجائے کہ یہ خاتون کون تھیں؟ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے کیوں آئی تھیں؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے فرمادیا کہ یہ "صفیہ" (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں، جو میری بیوی ہیں۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔

اپنے کو مواقع تہمت سے بچاؤ

اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ کسی صحابی کے دل میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قسم کا کوئی غلط خیال آئے گا کہ آپ اس طرح کسی نامحرم خاتون کے ساتھ تشریف لے جارہے ہوں گے؟ اور پھر رمضان کا مہینہ، اور رمضان کا بھی عشرہ اخیرہ، اور پھر جگہ بھی مسجد نبوی، اور پھر اعتکاف کی حالت۔ کسی عام مسلمان کے بارے میں بھی یہ خیال آنا مشکل ہے، چہ جائیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دیدی کہ اپنے آپ کو تہمت کے مواقع سے بچاؤ، اگر کسی موقع پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں کوئی تہمت نہ لگ جائے، یا کسی کے دل میں میرے بارے میں غلط خیال نہ آجائے تو ایسے مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ حدیث کے طور پر ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ:

"اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهم" یعنی تہمت کے مواقع سے بچو۔ اگرچہ اس جملہ کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس جملہ کی اصل یہ واقعہ ہے۔ لہٰذا جس طرح انسان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ گناہ سے بچے، ناجائز کاموں سے بچے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہ کی تہمت سے بھی بچائے، ناجائز کام کی تہمت سے بچائے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ شاید یہ فلاں گناہ کے کام میں مبتلا ہے۔

مواقع تہمت سے بچنے کے دو فائدے

تہمت کے مواقع سے اپنے آپ کو بچانے کے دو فائدے ہیں:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظر میں بدگمان کیوں کیا جائے؟ کیونکہ جس طرح دوسروں کا حق ہے، اپنے نفس کا بھی حق ہے۔ اور نفس کا حق یہ ہے کہ اس کو بلاوجہ ذلیل نہ کیا جائے، بلاوجہ اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں بدگمانی نہ پیدا کی جائے۔

دوسرا فائدہ دیکھنے والے شخص کا ہے، اس لئے کہ جو شخص تمہیں دیکھ کر بدگمانی میں مبتلا ہوگا، اور تحقیق کے بغیر تمہارے بارے میں بدگمانی کرے گا تو وہ بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہوگا، لہٰذا اس کو گناہ میں کیوں مبتلا کرتے ہو؟ بہرحال ایسا کام کرنا جس سے خواہ مخواہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں، یہ درست نہیں۔

گناہ کے مواقع سے بھی بچنا چاہئے

گناہ کے جو مواقع ہوتے ہیں، وہاں جاکر آپ چاہے گناہ نہ کریں، لیکن گناہ کے ان مواقع کے پاس سے گزرنا، اور اس طرح گزرنا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص بھی اس گناہ میں مبتلا ہوگا، یہ بھی درست نہیں۔ مثلاً کوئی سینما ہال ہے، اب آپ اس سینما ہال کے اندر سے یہ سوچ کر گزر گئے کہ چلو یہ راستہ مختصر ہے، یہاں سے نکل جائیں۔ اب آپ نے وہاں نہ تو کسی تصویر کو دیکھا اور نہ کوئی اور گناہ کیا، لیکن جو شخص بھی آپ کو گزرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ آپ سینما دیکھنے آئے ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے ایسا کام کرلیا جس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ پر تہمت لگ گئی اور شبہ پیدا ہوگیا، ایسا کام کرنا بھی درست نہیں۔ اور اگر کبھی ایسی نوبت آجائے جس سے شبہ پیدا ہو تو وضاحت کرکے بتادینا چاہئے کہ میں یہاں فلاں

مقصد سے آیا تھا۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت

یہ بڑا نازک معاملہ ہے، ایک طرف تو اپنے آپ کو جان بوجھ کر "متقی" ظاہر کرنا، یہ بھی شرعاً پسندیدہ نہیں۔ دوسری طرف بلاوجہ اپنے آپ کو گناہ گار ظاہر کرنا، یہ بھی پسندیدہ نہیں، اور نہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے، بلکہ آپ کی سُنّت یہ ہے کہ اپنے آپ کو تہمت سے بچاؤ۔

"ملامتی" فرقہ کا اندازِ زندگی

ایک فرقہ گزرا ہے جو اپنے آپ کو "ملامتی" کہتا تھا، اور پھر اسی "ملامتی فرقہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ فرقہ اپنی ظاہری حالت گناہ گاروں، فاسقوں اور فاجروں جیسی رکھتا تھا، مثلاً وہ نہ تو مسجد میں جاکر نماز پڑھتے تھے، اور نہ ہی کسی کے سامنے ذکر و عبادت کرتے تھے، اپنا حلیہ بھی فاسقوں جیسا بناتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اپنا حلیہ اس لئے ایسا بنادیتے ہیں تاکہ ریاکاری نہ ہوجائے، دکھاوا نہ ہوجائے۔ اگر ہم ڈاڑھی رکھیں گے اور مسجد میں جاکر صف اوّل میں نماز پڑھیں گے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ ہم بڑے بزرگ آدمی ہیں، لوگ ہماری عزت کریں گے، اور اس سے ہمارا دل خراب ہوگا، اور اس کے نتیجے میں ہمارے دلوں میں تکبّر پیدا ہوگا، اس لئے ہم مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔ یہ "ملامتی فرقہ" کہلاتا تھا۔ یہ نام اس لئے پڑگیا کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے تھے کہ دوسرے لوگ ان پر ملامت کریں کہ یہ کیسے خراب لوگ ہیں۔ لیکن ان کا یہ طرز عمل اور طریقہ سُنّت کا طریقہ اور شریعت کا طریقہ نہیں تھا، اور نہ ہی یہ ہمارے بزرگانِ دین کا صحیح طریقہ تھا۔

ایک گناہ سے بچنے کے لئے دوسرا گناہ کرنا

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ غلبۂ حال میں ایسا طرز اختیار کر گیا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہوگا، لیکن اس کا یہ طرز عمل قابل تقلید نہیں، کیونکہ یہ طرز عمل شرعاً درست نہیں۔ کیا آدمی اپنے آپ کو ریاکاری اور تکبر سے بچانے کے لئے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے؟ ریاکاری ایک گناہ ہے اور اس گناہ سے بچنے کے لئے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ شرعاً یہ بالکل درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کر دیا، بس وہ حرام ہو گئی۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھتا، بلکہ گھر میں نماز پڑھتا ہوں، اس لئے کہ اگر مسجد میں صف اول میں نماز پڑھوں گا تو یہ دکھاوا ہو جائے گا، سب لوگ دیکھیں گے کہ یہ شخص صف اول میں نماز پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے۔

نماز مسجد میں ہی پڑھنی چاہیئے

یاد رکھیے! یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ مسجد میں آکر نماز پڑھو، تو بس اب مسجد میں ہی آکر نماز پڑھنا ضروری ہے، اور یہ خیال کہ یہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے ریاکاری اور دکھاوا ہو جائے گا، یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس خیال پر ہرگز عمل مت کرو اور مسجد میں آکر نماز پڑھو۔ اور اگر ریاکاری کا خیال آئے تو استغفار کر لو۔ "استغفر اللّٰہ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذنب و أتوب الیہ"۔

فرائض کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو علانیہ ادا کیا جائے، البتہ نوافل گھر میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ لیکن جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو مردوں کو چاہیئے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت سے ادا کریں۔ اور اس "ملامتی فرقہ" کی جو

بات بیان کی، اس کا شریعت سے اور قرآن و سُنت سے کوئی تعلق نہیں، اور شرعاً وہ طریقہ جائز نہیں۔ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، وہ یہ کہ "تہمت کے مواقع سے بھی بچو۔"

اپنا عذر ظاہر کردیں

فرض کریں کہ آپ کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکے، اس وقت آپ کے پاس کوئی مہمان ملنے آگیا، اور آپ کو خیال آیا کہ چونکہ اس مہمان نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں مسجد میں نماز میں شریک نہیں تھا، تو یہ مہمان میرے بارے میں یہ سمجھے گا کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، تو اس وقت اگر آپ اس مہمان کے سامنے جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا عذر واضح کرکے بتادیں کہ فلاں عذر کی وجہ سے میں جماعت میں پہنچ نہیں سکا تھا، تو کوئی گناہ کی بات نہیں، بلکہ یہ موضع تہمت سے بچنے کی بات ہے۔ اس لئے کہ اس مہمان کے دل میں آپ کی طرف سے یہ تہمت آسکتی تھی کہ شاید یہ جان بوجھ کر جماعت کی نماز چھوڑ رہا ہے، اب آپ نے عذر بیان کرکے اس کا دل صاف کردیا۔ اس میں نہ ریاکاری ہے اور نہ دکھاوا ہے، بلکہ یہ تہمت سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

اس حدیث کی تشریح حضرت تھانویؒ کی زبانی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایسے شبہات کے مواقع سے بچنا چاہئے جن کی ظاہری صورت بعض منکرات کی صورت کے مشابہ ہو۔ یعنی ظاہری طور پر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہوگا، جیسے منکوحہ عورت کے پاس بیٹھنا اور اجنبیہ عورت کے پاس بیٹھنا

دونوں صورتا مشابہ ہیں، ایسے مواقع پر احتیاط و مدافعت ضروری ہے۔ باقی جو امور ایسے نہ ہوں، ان کی فکر میں پڑنا یہ خوفِ ملامت ہے جس کے ترک پر مدح کی گئی ہے۔"

یعنی ظاہری اعتبار سے جو گناہ معلوم ہو رہے ہوں، ان کے شبہ سے اپنے آپ کو بچانا تو ضروری ہے، لیکن آدمی اپنے آپ کو ایسی باتوں سے مبرّا ظاہر کرنے کی کوشش کرے جو فی نفسہ درست ہیں، اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے ان کی تاویل و توجیہ کرے تو یہ بات پسندیدہ نہیں۔

کسی نیک کام کی تاویل کی ضرورت نہیں

مثلاً کسی شخص نے سُنّت کا کوئی کام کیا، لیکن وہ سُنّت کا کام ایسا ہے جس کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے، جیسے کسی نے ڈاڑھی رکھ لی، اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے، اب یہ شخص اس کی تاویل کرتا پھر رہا ہے تاکہ لوگ اس کو ملامت نہ کریں اور اس کی بُرائی نہ کریں۔ یاد رکھیے! اس کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ایک سُنّت کا کام کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں یہ کام کیا ہے تو اب لوگ تمہیں اچھا سمجھیں یا بُرا سمجھیں، لوگ تمہیں اس کام پر ملامت کریں یا تمہاری تعریف کریں، ان سب سے بے نیاز ہو کر تم اپنا کام کئے جاؤ، اگر وہ ملامت کرتے ہیں تو کرنے دو۔ وہ ملامت ایک مسلمان کے گلے کا ہار ہے، وہ اس کے لئے زینت ہے۔ اگر کوئی شخص اتباعِ سُنّت کی وجہ سے تمہیں ملامت کر رہا ہے، دین پر چلنے اور اللہ کے حکم کی اتباع کی وجہ سے ملامت کر رہا ہے، تو وہ ملامت قابلِ مبارک باد ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے جو تمہیں مل رہا ہے، اس سے مت گھبراؤ، اور اس کی وجہ سے اپنی براءت ظاہر مت کرو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنے آپ کو کسی گناہ کے شبہ سے بچانے کے لئے کسی دوسرے پر کوئی بات ظاہر کردینا کہ یہ بات اصل میں ایسی تھی، یہ عمل صرف یہ کہ ناجائز نہیں بلکہ یہ عمل پسندیدہ ہے، تاکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے بدگمانی پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ دوسرے کو بدگمانی سے بچانا بھی ایک مسلمان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا اَنِ الحمدُ للہِ رَبِّ العٰلمین

بڑے کا اکرام کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑے کا اکرام کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشھد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہ وأصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

امابعد!

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ"

(ابن ماجہ، کتاب الادب، باب اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ، حدیث نمبر ۳۷۱۲)

جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز مہمان آئے تو تم اس کا اکرام کرو۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی قوم کا سردار ہے یا صاحبِ منصب ہے، اور اس قوم کے اندر اس کو معزز سمجھا جاتا ہے، جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا اکرام کرو۔

اکرام کا ایک انداز

ویسے تو شریعت میں ہر مسلمان کا اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو اس کا حق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے۔ حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر آپ کسی جگہ پر بیٹھے ہیں اور کوئی مسلمان تمہارے پاس ملنے آگیا تو کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ اس کے آنے پر تم تھوڑی سی حرکت کرلو۔ یہ نہ ہو کہ ایک مسلمان بھائی تم سے ملنے کے لئے آیا

لیکن تم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، بلکہ بُت بنے بیٹھے رہے۔ یہ طریقہ اس کے اکرام کے خلاف ہے۔ لہٰذا کم از کم تھوڑی سی اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہئے تاکہ آنے والے کو یہ محسوس ہو کہ اس نے میرے آنے پر میری عزت کی ہے اور میرا اکرام کیا ہے۔

اکرام کے لئے کھڑا ہوجانا

ایک طریقہ ہے دوسرے کے اکرام کے لئے کھڑا ہوجانا، مثلاً کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو آپ اس کی عزت اور اکرام کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہوجائیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آنے والا ہے، اگر وہ اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ لوگ میرے اکرام اور میری عزت کے لئے کھڑے ہوں، تو اس صورت میں کھڑا ہونا درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ خواہش اس بات کی نشان دہی کر رہی ہے کہ اس کے اندر تکبر اور بڑائی ہے، اور وہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے، اس لئے وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ میرے لئے کھڑے ہوں۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے نہ کھڑے ہوں۔ لیکن اگر آنے والے شخص کے دل میں یہ خواہش نہیں ہے کہ لوگ میرے لئے کھڑے ہوں، اب آپ اس شخص کے علم یا اس کے تقویٰ یا اس کے منصب کی وجہ سے اس کا اکرام کرتے ہوئے اس کے لئے کھڑے ہوجائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کوئی گناہ بھی نہیں، اور کھڑا ہونا واجب بھی نہیں۔

حدیث سے کھڑے ہونے کا ثبوت

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دیا، چنانچہ جب بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے بلایا اور وہ تشریف لائے تو آپ نے اس وقت بنو قریظہ کے حضرات سے فرمایا: ﴿قوموا السيدكم﴾

یعنی تمہارے سردار آرہے ہیں، ان کے لئے تم کھڑے ہو جاؤ۔ لہٰذا ایسے موقع پر کھڑے ہونا جائز ہے۔ اگر کھڑے نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن حدیث میں اس بات کی تاکید ضرور آئی ہے کہ کسی کے آنے پر یہ نہ ہو کہ آپ بت بنے بیٹھے رہیں اور اپنی جگہ پر حرکت بھی نہ کریں، اور نہ اس کے آنے پر خوشی کا اظہار کریں۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ کم از کم اتنا تو کرلو کہ اپنی جگہ پر ذرا سی حرکت کرلو، تاکہ آنے والے کو یہ احساس ہو کہ میرا اکرام کیا ہے۔

مسلمان کا اکرام "ایمان" کا اکرام ہے

ایک مسلمان کا اکرام اور اس کی عزت در حقیقت اس "ایمان" کا اکرام ہے جو اس مسلمان کے دل میں ہے۔ جب ایک مسلمان کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ایمان رکھتا ہے، اور وہ ایمان اس کے دل میں ہے، تو اس کا تقاضہ اور اس کا حق یہ ہے کہ اس مسلمان کا اکرام کیا جائے، اگرچہ ظاہری حالت کے اعتبار سے وہ مسلمان تمہیں کمزور نظر آرہا ہو، اور اس کے اعمال اور اس کی ظاہری شکل و صورت پوری طرح دین کے مطابق نہ ہو، لیکن تمہیں کیا معلوم کہ اس کے دل میں جو ایمان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اس ایمان کا کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا ایمان کتنا مقبول ہے؟ محض ظاہری شکل و صورت سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر آنے والے مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا اکرام کرنا چاہئے۔

ایک نوجوان کا سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ میں دارالعلوم میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ اس نوجوان میں سر سے لے کر پاؤں تک ظاہری اعتبار سے اسلامی وضع قطع کی کوئی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ مغربی لباس میں ملبوس تھا، اس کی ظاہری شکل دیکھ کر بالکل اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس کے اندر بھی دینداری کی

کوئی بات موجود ہوگی۔ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا مسئلہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میں "اکچوری" "ماہر شماریات" (Actuary) ہوں، (انشورنس کمپنیوں میں جو حسابات وغیرہ لگائے جاتے ہیں کہ کتنا "پریمیم" ہونا چاہئے اور انشورنس کی کتنی رقم ہونی چاہئے۔ اس قسم کے حسابات کے لئے "اکچوری" رکھا جاتا ہے۔ اس زمانے میں پاکستان بھر میں کہیں بھی یہ علم نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ پھر اس نوجوان نے کہا کہ) میں نے یہ علم حاصل کرنے کے لئے "انگلینڈ" کا سفر کیا اور وہاں سے یہ حاصل کرکے آیا ہوں (اس وقت پورے پاکستان میں اس فن کو جاننے والے دو تین سے زیادہ نہیں تھے، اور جو شخص "ماہر شماریات" بن جاتا ہے وہ انشورنس کمپنی کے علاوہ کسی اور جگہ پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بہرحال، اس نوجوان نے کہا کہ) اور میں نے یہاں آکر ایک انشورنس کمپنی میں ملازمت کرلی۔ اور چونکہ پاکستان بھر میں اس کے ماہر بہت کم تھے، اس لئے ان کی مانگ بھی بہت تھی، اور ان کی تنخواہ اور سہولتیں بھی بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے میری تنخواہ اور سہولتیں بھی بہت زیادہ ہیں، لہٰذا میں نے یہ ملازمت اختیار کرلی۔ جب یہ سب کچھ ہوگیا، تعلیم حاصل کرلی، ملازمت اختیار کرلی، تو اب مجھے کسی نے بتایا کہ یہ انشورنس کا کام حرام ہے، جائز نہیں۔ اب میں آپ سے اس کی تصدیق کرنے آیا ہوں کہ واقعۃً یہ حرام ہے یا حلال ہے؟

انشورنس کا ملازم کیا کرے؟

میں نے اس سے کہا کہ اس وقت انشورنس کی جتنی صورتیں رائج ہیں، ان میں کسی میں سود ہے، کسی میں جوا ہے، اس لئے وہ سب حرام ہیں۔ اور اس وجہ سے انشورنس کمپنی میں ملازمت بھی جائز نہیں۔ البتہ ہمارے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بینک میں یا انشورنس کمپنی میں ملازم ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے لئے دوسرا حلال اور جائز ذریعہ معاش تلاش کرے، اور اہتمام اور کوشش کے ساتھ اس طرح

تلاش کرے جیسے ایک بے روزگار تلاش کرتا ہے، اور جب اس کو دوسرا حلال ذریعہ آمدنی مل جائے، تو اس وقت اس حرام ذریعہ کو چھوڑ دے۔ یہ بات ہمارے بزرگ اس لئے فرماتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں کہ کس کے حالات کیسے ہوں، اب اگر کوئی شخص فوراً اس حرام ذریعہ کو چھوڑ دے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے، پھر شیطان آکر اس کو یہ بہکادے کہ دیکھو تم دین پر عمل کرنے چلے تھے تو اس کے نتیجے میں تم پر یہ مصیبت آگئی۔ اس لئے ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ اس حرام ملازمت کو فوراً مت چھوڑو، بلکہ دوسری جگہ ملازمت تلاش کرو، جب حلال روزگار مل جائے تو اس وقت اس کو چھوڑ دینا۔

میں مشورہ لینے نہیں آیا

میرا یہ جواب سن کر وہ نوجوان مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں آپ سے یہ مشورہ لینے نہیں آیا کہ ملازمت چھوڑدوں یا نہ چھوڑوں؟ میں آپ سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ حلال اور حرام ہونے کے بارے میں بھی میں نے تمہیں بتادیا، اور ساتھ میں بزرگوں سے جو بات سنی تھی، وہ بھی آپ کو بتادی۔ اس نوجوان نے کہا کہ آپ مجھے اس کا مشورہ نہ دیں کہ میں ملازمت چھوڑوں یا نہ چھوڑوں۔ بس! آپ مجھے صاف اور دو ٹوک لفظوں میں یہ بتادیں کہ یہ ملازمت حلال ہے یا نہیں؟ میں نے کہا حرام ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ بتائیں کہ اس کو "اللہ" نے حرام کیا ہے یا آپ نے حرام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ نے حرام کیا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ جس اللہ نے اس کو حرام کیا ہے وہ مجھے رزق سے محروم نہیں کرے گا۔ لہٰذا اب میں یہاں سے اس دفتر میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو وہ ایسا نہیں کرے گا کہ مجھ پر رزق کے دروازے بند کردے۔ لہٰذا میں آج ہی سے اس کو چھوڑتا ہوں۔

ظاہری شکل پر مت جاؤ

اب دیکھئے! ظاہری شکل و صورت سے دور دور تک پتہ نہیں لگتا تھا کہ اس اللہ کے بندے کے دل میں ایسا پختہ ایمان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسا پختہ بھروسہ ہوگا اور توکل ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا پختہ توکل عطا فرمایا تھا۔ اور واقعۃً اس نوجوان نے وہ ملازمت اسی دن چھوڑ دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو خوب نوازا اور دوسرے حلال روزگار اس کو عطا فرمائے۔ وہ اب امریکہ میں ہے۔ آج تک اس نوجوان کی یہ بات میرے دل پر نقش ہے۔ بہرحال، کسی کی ظاہری حالت دیکھ کر ہم اس پر کیا حکم لگائیں، معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی کیسی شمع روشن کی ہوئی ہے، اور اس کو اپنی ذات پر کیسا بھروسہ اور کیسا توکل عطا فرمایا ہوا ہے۔ لہٰذا کسی بھی انسان کی تحقیر مت کرو، جو صاحب ایمان ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے "اشهد ان لا اله إلا الله، اشهد ان محمداً رسول الله" کی دولت عطا فرمائی ہے، وہ قابل اکرام ہے۔ اسی وجہ سے ہر صاحب ایمان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

یعنی گمان مت کرو کہ ہر جنگل خالی ہوگا، پتہ نہیں کیسے کیسے شیر اور چیتے اس میں سوئے ہوئے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان کی دولت عطا فرمادیں تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس صاحب ایمان کی قدر کریں، اس کی عزت کریں اور اس ایمان کا اکرام کریں جو اس کے دل میں ہے۔

معزز کافر کا اکرام

ویسے تو ہر مسلمان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس حدیث میں یہاں تک

فرمایا کہ اگر آنے ولا کافر ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ اپنی قوم میں معزز سمجھا جاتا ہے، اس کی عزت کی جاتی ہے، لوگ اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو اپنا بڑا مانتے ہیں، چاہے وہ کافر اور غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس کے آنے پر بھی تم اس کا اکرام کرو اور اس کی عزت کرو۔ یہ اسلامی اخلاق کا ایک تقاضہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔ یہ عزت اس کے کفر کی نہیں ہے، کیونکہ اس کے کفر سے تو نفرت اور کراہیت کا معاملہ کریں گے، لیکن چونکہ اس کو اپنی قوم میں باعزت سمجھا جاتا ہے، اس لئے جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی مدارات کے لئے اس کا اکرام کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے نفرت کرنے کے نتیجے میں تم اس کے ساتھ ایسا برتاؤ اختیار کرلو کہ وہ تم سے ،ور تمہارے دین ہی سے متنفر ہوجائے، اس لئے اس کا اکرام کرو۔

کافروں کے ساتھ آپؐ کا طرز عمل

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے دکھایا۔ آپؐ کے پاس کافروں کے بڑے بڑے سردار آیا کرتے تھے، جب وہ سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو ان کو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ہمارے ساتھ بے عزتی ہوئی ہے، بلکہ آپ نے ان کی عزت کی، ان کا اکرام کیا، ان کو عزت سے بٹھایا، اور عزت کے ساتھ ان سے بات کی۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہ اگر کافر بھی ہمارے پاس آجائے تو اس کو بھی بے عزتی کا احساس نہ ہو۔

ایک کافر شخص کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ سامنے سے ایک صاحب آتے ہوئے دکھائی دیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے قریب تشریف فرما تھیں، آپ نے فرمایا اے عائشہ! یہ شخص جو سامنے سے آرہا ہے، یہ اپنے قبیلے کا بُرا آدمی ہے۔ پھر جب

وہ شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اس کا اکرام کیا، اور بڑی عزت کے ساتھ اس سے بات چیت کی۔ جب وہ شخص بات چیت کرنے کے بعد واپس چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا بُرا آدمی ہے، لیکن جب یہ شخص آگیا تو آپ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس سے بڑی نرمی کے ساتھ پیش آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ آدمی بہت بُرا ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے اس کا اکرام کیا جائے۔

یہ غیبت جائز ہے

اس حدیث میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص دور سے چلتا ہوا آرہا تھا تو اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے پیٹھ پیچھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی بُرائی بیان کی کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا بُرا آدمی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو غیبت ہے، اس لئے کہ پیٹھ پیچھے ایک آدمی کی بُرائی بیان کی جارہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہ غیبت نہیں، اس لئے کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے شر سے بچانے کی نیت سے اس کی بُرائی بیان کی جائے تو یہ غیبت نہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو متنبہ کرنے کے لئے اس سے کہے کہ تم فلاں شخص سے ذرا محتاط رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں دھوکہ دے جائے، یا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں تکلیف پہنچائے۔ تو یہ غیبت میں داخل نہیں، حرام اور ناجائز نہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں یہ بتانا واجب ہوجاتا ہے۔ مثلاً آپ کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ فلاں شخص فلاں آدمی کو دھوکہ دے گا، اور اس دھوکے کے نتیجے میں اس دوسرے شخص کو مالی یا جانی سخت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ تو آپ پر واجب ہے کہ آپ اس دوسرے شخص کو بتادیں کہ دیکھو فلاں آدمی تمہیں دھوکہ دینا چاہتا ہے، تاکہ وہ

اس سے محفوظ رہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں۔

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بتایا کہ یہ شخص قبیلے کا بُرا آدمی ہے، تو اس بتانے کا منشا یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی وقت دھوکہ دے جائے، یا کہیں اس شخص پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا کوئی دوسرا مسلمان کوئی ایسا کام کر گزرے جس کی وجہ سے بعد میں انہیں پچھتاوا ہو۔ اس لئے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے بارے میں پہلے سے بتادیا۔

بُرے آدمی کا آپ نے اکرام کیوں کیا؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپ نے اس کی بُرائی بیان فرمائی، اور دوسری طرف جب وہ شخص آگیا تو آپ نے اس کی بڑی عزت فرمائی، اور بڑی خاطر تواضع فرمائی۔ اس میں ظاہر اور باطن میں فرق ہوگیا کہ سامنے کا معاملہ کچھ ہے، اور پیچھے کچھ اور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے ایک ایک چیز کی حد بیان فرمائی ہے، لہٰذا متنبہ کرنے کے لئے تو آپ نے اتنا بتادیا کہ یہ شخص بُرا آدمی ہے، لیکن جب وہ شخص ہمارے پاس مہمان بن کر آیا ہے تو مہمان ہونے کی حیثیت سے بھی اس کا کچھ حق ہے، وہ یہ کہ ہم اس کے ساتھ عزت سے پیش آئیں، اور اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو ایک مہمان کے ساتھ کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی برتاؤ فرمایا۔

وہ آدمی بہت بُرا ہے

اس حدیث میں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر بُرے آدمی کا اکرام نہ کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچادے، یا کسی مصیبت کے اندر مبتلا کردے، یا تمہارے ساتھ وہ کوئی ایسا معاملہ کردے جس

کے نتیجے میں تمہیں آئندہ پچھتانہ پڑے، اس لئے اگر کسی بُرے آدمی سے ملاقات کی نوبت آجائے تو اس کا اکرام کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے شر سے اپنی جان کو اور اپنے مال کو اور اپنی آبرو کو بچانا بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ وہ آدمی بہت بُرا ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے لوگ اس کا اکرام کریں۔ لوگ اس کا اکرام اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ وہ آدمی اچھا ہے، بلکہ اس لئے اس کا اکرام کررہے ہیں کہ اگر اس کا اکرام نہیں کریں گے تو یہ تکلیف پہنچائے گا۔ ایسی صورت میں بھی اکرام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ اکرام جائز حدود کے اندر ہو اور اس کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کے ایک ایک جز میں نہ جانے کتنے بے شمار سبق ہمارے اور آپ کے لئے موجود ہیں۔ آپ نے غیبت کی حد بتادی کہ اتنی بات غیبت ہے، اور اتنی بات غیبت میں داخل نہیں۔ اور اکرام کرنا کوئی منافقت نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ آنے والا خواہ کیسا ہی کافر اور فاسق و فاجر ہو، لیکن جب وہ تمہارے پاس مہمان بن کر آئے تو اس کی عزت کرو، اس کا اکرام کرو۔ کیونکہ یہ بات منافقت میں داخل نہیں۔

سرسید کا ایک واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سرسید کا یہ واقعہ سنا۔ اب تو وہ اللہ کے پاس چلے گئے، اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد کے اندر جو گڑبڑ کی ہے، وہ بڑی خطرناک قسم کی ہے۔ مگر چونکہ ابتداءً وہ بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور باقاعدہ عالم بھی تھے، اس لئے ان کے اخلاق اچھے تھے۔ بہرحال، حضرت والد صاحبؒ نے ان کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے ساتھ کچھ بے تکلف دوست بھی تھے، سامنے دور سے ان کو ایک آدمی

آتا ہوا دکھائی دیا، وہ آنے والا عام ہندوستانی لباس پہنا ہوا چلا آرہا تھا، لیکن جب وہ کچھ قریب آگیا تو باہر ہی ایک حوض کے پاس آکر کھڑا ہوگیا، اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا، اس تھیلے میں سے اس نے ایک عربی جبہ نکالا، اور عرب لوگ سر پر رومال کے اوپر جو ڈوری باندھتے ہیں، وہ نکالی، اور ان دونوں کو پہنا، اور پھر قریب آنے لگا۔ سرسید صاحب دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ یہ جو شخص آرہا ہے، یہ فراڈی آدمی معلوم ہورہا ہے، اس لئے کہ یہ شخص اب تک تو سیدھے سادھے ہندوستانی لباس میں آرہا تھا، یہاں قریب آکر اس نے اپنا چولہ بدل لیا ہے اور عربی لباس پہن لیا ہے، اب یہاں آکر یہ اپنے آپ کو عرب ظاہر کرے گا اور پھر پیسے وغیرہ مانگے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ان کے پاس پہنچ گیا اور آکر دروازے پر دستک دی، سرسید صاحب نے جاکر دروازہ کھولا اور عزت کے ساتھ اس کو اندر بلالیا۔ سرسید نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میں حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوں۔ یہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے صوفیاء کرام میں سے تھے۔ اور پھر اس شخص نے کچھ اپنی ضرورت بیان کی کہ میں اس ضرورت سے آیا ہوں، آپ میری کچھ مدد کردیں۔ چنانچہ سرسید صاحب نے پہلے اس کی خوب خاطر تواضع کی، اور پھر جتنے پیسوں کی اس کو ضرورت تھی، اس سے زیادہ لاکر اس کو دیدیے۔ اور پھر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو رخصت کردیا۔

آپ نے اس کی خاطر مدارات کیوں کی؟

جب وہ شخص واپس چلا گیا تو ان کے ساتھی نے سرسید صاحب سے کہا کہ آپ بھی عجیب انسان ہیں، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے اپنا چولہ بدلا اور اپنا عام لباس اتار کر عرب لباس پہنا، پھر آپ نے خود کہا کہ یہ فراڈی ہے، آکر دھوکہ دے گا اور پیسے مانگے گا، اس کے باوجود آپ نے اس کی اتنی خاطر مدارات کی اور

اس کو اتنے پیسے بھی دیئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سرسید صاحب نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ مہمان بن کر آیا تھا، اس لئے میں نے اس کی خاطر تواضع کی۔ جہاں تک پیسے دینے کا تعلق ہے، اس کے دھوکہ کی وجہ سے میں اس کو پیسے نہ دیتا، لیکن چونکہ اس نے ایک ایسے بڑے بزرگ کا نام لے لیا جس کے بعد میری جرأت نہیں ہوئی کہ میں انکار کروں، کیونکہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اولیاء کرام میں سے ہیں کہ اگر اس شخص کو ان سے دور دراز کی بھی نسبت تھی، تو اس نسبت کا احترام کرنا میرا فرض تھا، شاید اللہ تعالیٰ میرے اس نسبت کے احترام پر میری مغفرت فرمادیں۔ اس لئے میں نے اس کو پیسے بھی دے دیئے۔

دین کی نسبت کا احترام

یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ اور انہوں نے یہ واقعہ اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک طرف سرسید صاحب نے مہمان کا اکرام کیا، اور دوسری طرف بزرگانِ دین کی نسبت کا احترام کیا، کیونکہ جو شخص اللہ کا ولی ہے، اور اس کی طرف کسی شخص کو ذرا سی بھی نسبت ہوگئی ہے، اگر اس نسبت کا احترام کرلیا تو کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس نسبت کے اکرام ہی کی بدولت نوازش فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ کسی بھی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو۔

عام جلسہ میں معزز کا اکرام

یہاں ایک بات اور عرض کردوں، وہ یہ کہ جو عام اجتماع گاہ یا مجلس یا مسجد ہوتی ہے، اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں یا کسی مجلس میں یا کسی اجتماع میں

جس جگہ جاکر پہلے بیٹھ جائے، وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ مثلاً مسجد کی اگلی صف میں جاکر اگر کوئی شخص پہلے بیٹھ جائے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اب دوسرے شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس سے کہے کہ بھائی! تم اس جگہ سے ہٹ جاؤ، یہاں میں بیٹھوں گا، بلکہ جس شخص کو جہاں جگہ مل جائے، وہ وہاں بیٹھ جائے۔ لیکن اگر اسی مجلس میں یا عام اجتماع میں یا مسجد میں کوئی ایسا شخص آجائے جو اپنی قوم کا معزز فرد ہے، تو اس کو آگے بٹھانا اور دوسروں سے آگے جگہ دینا بھی اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہے۔ ہمارے بزرگوں کا معمول یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوں اور اس وقت کوئی معزز مہمان آجائے تو اس معزز مہمان کو اپنے قریب بٹھاتے ہیں، اور اگر اس کو قریب بٹھانے کے لئے دوسروں سے یہ بھی کہنا پڑے کہ تھوڑا سا پیچھے ہوجائیں، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث پر عمل ہو رہا ہے

یہ بات اس لئے عرض کردی کہ اس طرز عمل پر ہمارے بزرگوں کا معمول رہا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کا تو حکم یہ ہے کہ جو شخص پہلے آجائے، اس کو جہاں جگہ مل جائے، وہ وہاں بیٹھ جائے، اب اگر کوئی شخص دیر سے آیا ہے، اور اس کو پیچھے جگہ مل رہی ہے، تو اس کو چاہئے کہ وہ وہیں پیچھے بیٹھے، لیکن یہ بزرگ صاحب دوسروں کا حق پامال کرکے دیر سے آنے والے کو آگے کیوں بلا رہے ہیں؟۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ آگے بلانے والے بزرگ درحقیقت اس حدیث پر عمل فرماتے ہیں کہ "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ" یعنی جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آجائے تو تم اس کا اکرام کرو۔

بلکہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) وہ اس بات کا بڑا خیال فرماتے تھے، یہاں تک

کہ اگر کوئی بڑا آدمی مسجد میں آجاتا، اور اگلی صف کے لوگ اس کو جگہ نہ دیتے، تو حضرت والا اس طرز عمل پر لوگوں کو خاص طور پر متنبہ فرماتے کہ بھائی یہ کیا انداز ہے؟ تمہیں چاہئے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایسے معزز آدمی کو جگہ دیں، اور اس کو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ناانصافی ہے، بلکہ یہ بھی اس حدیث کے ارشاد پر عمل کا ایک حصہ ہے۔

معزز کا اکرام باعثِ اجر ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ایک جملہ یہ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی یاد رکھنے کا ہے، وہ یہ کہ "کوئی شخص کافر ہو یا فاسق ہو، اگر اس کے آنے پر اس کا اکرام اس حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے ہو تو انشاء اللہ باعثِ اجر ہے، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہے۔ لیکن اگر اس کا اکرام اس نیت سے کرے کہ میں اگر اس کا اکرام کروں گا تو یہ فلاں موقع پر میرے کام آئے گا، یا فلاں موقع پر اس سے سفارش کراؤں گا، یا اس سے فلاں دنیاوی مقصد حاصل کروں گا، گویا کہ ایک فاسق یا کافر کے اکرام کا مقصد دنیاوی لالچ ہے اور اس سے پیسے بٹورنا مقصود ہے یا اپنے لئے کوئی منصب حاصل کرنا ہے، تو اس صورت میں یہ اکرام درست نہیں۔

لہٰذا اکرام کرتے وقت نیت درست ہونی چاہئے، یعنی یہ نیت ہونی چاہئے کہ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اس لئے اس حکم کی تعمیل میں یہ اکرام کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا اَنِ الحمدُ للّٰہِ ربّ العٰلمین

تعلیم قرآن کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم قرآن کی اہمیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريک لهٗ ونشهد أن سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبده ورسولهٗ، صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔

اما بعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرة: ۱۲۱)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيركم من تعلم القرآن وعلمه۔

(بخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبی الكريم، ونحن على ذلک من الشاهدين والشاكرين، والحمدلله ربّ العٰلمين۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! آج ہم سب کے لئے یہ سعادت کا موقع ہے کہ

ایک دینی مدرسہ کی تاسیس کی تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ ایک ایسا مدرسہ جو قرآنِ کریم کی تعلیم اور تعلّم کے لئے قائم کیا جارہا ہے، اس کی پہلی اینٹ رکھنے میں ہم سب کو شرکت کا موقع مل رہا ہے، یہ انشاء اللہ سب کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین

آیت کی تشریح

موقع کی مناسبت سے میں نے قرآنِ کریم کی ایک آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث تلاوت کی ہے، ان کی تھوڑی سی تشریح اس مختصر وقت میں کرنا چاہتا ہوں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ﴾

یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ کتاب سے مراد ہے اللہ کی کتاب۔ وہ لوگ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی لوگ درحقیقت اس کتاب پر ایمان لانے والے ہیں۔ یعنی صرف زبانی طور پر کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کافی نہیں، جب تک کہ اس کی تلاوت کا حق ادا نہ کیا جائے۔ اس آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ فرمایا کہ زبان سے تو ہر شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ کی کتاب پر ایمان لاتا ہوں، لیکن جب تک وہ اس کی تلاوت کا حق ادا نہ کرے، اس وقت تک وہ اپنے اس دعویٰ ایمان میں صحیح معنی میں سچا نہیں۔

قرآنِ کریم کے تین حقوق

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآنِ کریم کے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ہمارے اوپر مقرر فرمائے گئے ہیں۔ وہ تین حقوق ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی صحیح طریقے سے اس طرح تلاوت کرنا جس طرح وہ نازل ہوا اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت فرمائی۔ دوسرا حق یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اس کے حقائق اور معارف کو اپنے دل میں اتارنا۔ تیسرا حق یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنا۔ اگر قرآنِ کریم کے یہ تین حقوق کوئی شخص ادا کرے تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے قرآنِ کریم کا حق ادا کردیا، لیکن اگر ان تین میں سے کسی ایک حق کی ادائیگی نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا نہیں کیا۔

تلاوتِ قرآن خود مقصود ہے

سب سے پہلا حق ہے صحیح طریقے پر تلاوت کرنا۔ آج کل لوگوں میں پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کو طوطا مینا کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ، جب تک کہ انسان اس کے معنی اور مطلب نہ سمجھے اور جب تک اس کے مفہوم کا اس کو ادراک نہ ہو، اس طرح بچوں کو قرآنِ کریم رٹانے سے کیا حاصل ہے؟ (العیاذ باللہ) یاد رکھئے! یہ شیطان کی طرف سے بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے جو مسلمانوں کے اندر پھیلایا جارہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جن مقاصد کے لئے بھیجا گیا، قرآنِ کریم نے ان کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا، ان مقاصد میں دو چیزوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ ایک طرف فرمایا:

﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾

اور دوسری طرف فرمایا:

﴿وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے تشریف لائے تاکہ کتاب اللہ کی آیات

لوگوں کے سامنے تلاوت کریں۔ لہٰذا تلاوت کرنا ایک مستقل مقصد ہے اور ایک مستقل نیکی اور اجر کا کام ہے، چاہے سمجھ کر تلاوت کرے یا بے سمجھے تلاوت کرے۔ اور یہ تلاوت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے جس کو سب سے پہلے ذکر فرمایا:

﴿یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ﴾

قرآنِ کریم اور فنِ تجوید

اور قرآنِ کریم کی تلاوت ایسی بے وقعت چیز نہیں کہ جس طرح چاہا تلاوت کرلیا، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو باقاعدہ تلاوت کرنے کا طریقہ سکھایا اور اس کی تعلیم دی کہ کس لفظ کو کس طرح ادا کرنا ہے، کس طرح زبان سے نکالنا ہے۔ اس کی بنیاد پر دو مستقل علوم وجود میں آئے، جن کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ہے۔ ایک علمِ تجوید، دوسرا علمِ قراءت۔ علمِ تجوید یہ سکھاتا ہے کہ قرآنِ کریم کو پڑھنے کے لئے کس حرف کو کس طرح نکالا جائے گا اور کس حرف کو نکالنے کے لئے کن باتوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے، اور اس علم کے اندر وہ طریقہ بتایا گیا ہے۔ جس طریقے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم پڑھا۔ اور اس علم پر بے شمار کتابیں موجود ہیں جس میں علماء کرام نے محنت کر کے اس علم کو مرتب کیا ہے۔ اس علم کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس نہیں ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کے لئے کیا کیا طریقے ہوتے ہیں اور کس طرح الفاظ کو زبان سے نکالا جاتا ہے۔ یہ صرف اُمتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اور یہ علم آج تک اس طرح محفوظ ہے کہ آج پورے اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآنِ کریم پڑھا تھا اور جس طرح آپ پر قرآنِ کریم نازل کیا گیا تھا، الحمدللہ، اسی شکل و صورت میں وہ قرآنِ کریم آج بھی محفوظ ہے، کوئی شخص اس

کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہیں لاسکا۔

قرآنِ کریم اور علمِ قرآت

دوسرا قرأت کا علم ہے۔ وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل فرمایا تو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ کریم پڑھنے کے کئی طریقے بھی نازل فرمادیئے گئے کہ اس لفظ کو اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کو "علمِ قرآت" کہتے ہیں۔ اس علم کو بھی اُمتِ مسلمہ نے جوں کا توں محفوظ رکھا اور آج تک محفوظ چلا آرہا ہے۔

یہ پہلی سیڑھی ہے

بہرحال، تلاوت بذاتِ خود ایک مقصد ہے اور یہ کہنا کہ بغیر سمجھے صرف الفاظ کو پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ یاد رکھئے! جب تک کسی شخص کو قرآنِ کریم سمجھے بغیر پڑھنا نہ آیا تو وہ شخص دوسری منزل پر قدم رکھ ہی نہیں سکتا، قرآنِ کریم سمجھے بغیر پڑھنا پہلی سیڑھی ہے، اس سیڑھی کو پار کرنے کے بعد دوسری سیڑھی کا نمبر آتا ہے۔ اگر کسی شخص کو پہلی سیڑھی پار کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو وہ دوسری سیڑھی تک کیسے پہنچے گا۔

ہر حرف پر دس نیکیاں

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے تو ہر حرف کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے

اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ لہٰذا جس شخص نے "الٓمٓ" پڑھا تو اس کے نامۂ اعمال میں تیس نیکیوں کا اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ بعض علماء نے تو اس حدیث کی تشریح میں یہ فرمایا کہ "الٓمٓ" پڑھنے پر نوّے نیکیاں لکھی جائیں گی، کیونکہ خود "الف" تین حرفوں پر مشتمل ہے اور "لام" بھی تین حرفوں پر مشتمل ہے اور "میم" بھی تین حرفوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح یہ نو حروف ہوئے اور ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس طرح نوّے نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ اتنی فضیلت تلاوتِ قرآنِ کریم پر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔

"نیکیاں" آخرت کی کرنسی

آج ہمارے دلوں میں نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کی اہمیت اور اس کی قدر معلوم نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ نیک کام کرو گے تو تمہیں نوّے روپے ملیں گے تو اس کی ہمارے دلوں میں بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آج ہمیں ان نیکیوں کی قدر معلوم نہیں لیکن یاد رکھئے! یہ نیکیاں ہی درحقیقت آخرت کی کرنسی ہیں، جب تک یہ ظاہری آنکھ کھلی ہوئی ہے، اور جب تک انسان کا سانس چل رہا ہے، اس وقت تک اس نیکی کا اجر و ثواب اور اس کا حقیقی فائدہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا، لیکن جب یہ آنکھ بند ہوگی اور آخرت کا اور برزخ کا عالم شروع ہوگا تو اس وقت تم وہاں نہ تو پیسے ساتھ لے جاسکو گے اور نہ روپے ساتھ لے جاسکو گے، وہاں تو صرف یہ سوال ہوگا کہ کتنی نیکیاں اپنے اعمال نامے میں لے کر آئے ہو؟ اس وقت ان نیکیوں کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

ہم نے تلاوتِ قرآنِ کریم چھوڑ دی

بہرحال، قرآنِ کریم کی تلاوت مستقل فضیلت کا باعث اور اجر و ثواب کا ذریعہ

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام سے لے کر آج تک اُمتِ مسلمہ کا معمول رہا ہے کہ صبح کو بیدار ہونے کے بعد جب تک قرآنِ کریم کی تھوڑی سی تلاوت نہ کرلیتے، اس وقت تک دنیا کے دوسرے کاموں میں نہیں لگتے تھے۔ صبح کے وقت مسلمانوں کے محلے سے گزریں تو گھر گھر سے قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں، اور تلاوت کی آواز آنا یہ مسلمانوں کے محلے کی نشانی تھی۔ افسوس ہے کہ آج ہم نے ایک طرف کفر اور شرک سے بھی آزادی حاصل کرلی اور دوسری طرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ان کی تعلیمات سے اور دین سے بھی آزاد ہوگئے، اور اب ہر سال آزادی کا جشن منایا جاتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے، جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں کہ ہمیں آزادی حاصل ہوگئی۔ لیکن ایسی آزادی حاصل ہوئی کہ اس کے بعد ہم دین سے بھی آزاد ہوگئے، اور اس کے نتیجے میں نہ ہماری جانیں محفوظ ہیں، نہ مال محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے بلکہ فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ اسی کو ہم نے آزادی کا نام دیدیا، اور اب ہماری پوری قوم یہ عذاب بھگت رہی ہے۔

قرآنِ کریم کی لعنت سے بچیں

آج قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا نہیں ملتا، اور اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا بھی ہے تو وہ اس طرح تلاوت نہیں کرتا جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات انسان تلاوت کرتا ہے لیکن قرآنِ کریم کے حروف اس کو لعنت کررہے ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ قرآنِ کریم کو بگاڑ کر پڑھتا ہے اور صحیح طریقے سے پڑھنے کی فکر، دھیان اور خیال نہیں ہے۔ اگر ایک شخص آج ہی مسلمان ہوا اور وہ غلط طریقے سے قرآنِ کریم پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے، لیکن اگر کسی نے ساری عمر گزاردی پھر بھی سورۂ فاتحہ تک صحیح طریقے سے پڑھنا نہ آئی تو

ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کرے گا۔ اس لئے ہمیں اس طرح تلاوت کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ قرآنِ کریم کا پہلا حق بھی ادا نہیں کرسکتا۔ دوسرا حق اور تیسرا حق تو وہ کیا ادا کرے گا۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان قرآنِ کریم کے الفاظ سیکھنے کے لئے محنتیں اور مشقتیں اور قربانیاں دیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک صحابی عمرو بن سلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں اس وقت بچہ تھا، اور میرا گاؤں مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر تھا۔ میرے قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دولت قرآنِ کریم ہے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں قرآنِ کریم کے الفاظ یاد کروں، اس کا علم سیکھوں، لیکن پوری بستی میں قرآنِ کریم پڑھانے والا کوئی نہیں تھا اور قرآنِ کریم سیکھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ میں یہ کرتا کہ میری بستی کے باہر قافلوں کے گزرنے کا جو راستہ تھا، روزانہ صبح کے وقت وہاں جاکر کھڑا ہوجاتا، جب کوئی قافلہ گزرتا تو میں پوچھتا کہ کیا یہ قافلہ مدینہ منورہ سے آیا ہے؟ جب قافلہ والے بتاتے کہ ہم مدینہ منورہ سے آئے ہیں تو پھر ان سے درخواست کرتا کہ آپ میں سے کسی کو قرآنِ کریم کا کچھ حصہ یاد ہو تو مجھے سکھادیں، جن کو یاد ہوتا میں ان سے وہ حصہ یاد کرلیتا۔ یہ میرا روزانہ کا معمول تھا۔ اس طرح چند مہینوں کے اندر میں اپنی بستی میں سب سے زیادہ قرآنِ کریم کا یاد کرنے والا ہوگیا اور سب سے زیادہ سورتیں مجھے یاد تھیں۔ چنانچہ جب میری بستی میں مسجد کی تعمیر ہوئی اور امامت کے لئے کسی کو آگے بڑھانے کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھے آگے کردیا، اس لئے کہ سب سے زیادہ قرآنِ کریم

مجھے یاد تھا۔

قرآنِ کریم اسی طرح محفوظ ہے

بہرحال، اس طرح لوگوں نے محنت اور مشقت کر کے قرآنِ کریم حاصل کیا، اور انہی کی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج "الحمدللہ" یہ قرآنِ کریم بفضلہ تعالیٰ صحیح شکل و صورت میں موجود ہے، اور نہ صرف الفاظ بلکہ معانی بھی محفوظ ہیں۔ آج الحمدللہ پورے اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآنِ کریم کی وہ صحیح تفسیر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ تک اور صحابہ کرامؓ سے لے کر ہم تک پہنچی ہے وہ اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کے الفاظ کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے، اسی طرح اس کے معانی کا بھی انتظام فرمایا ہے۔

عربی لغت کی حفاظت کا ایک طریقہ

معانی کی حفاظت کس طرح فرمائی؟ اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک بزرگ اور عالم گزرے ہیں علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "معجم البلدان" اس کتاب میں انہوں نے اپنے زمانے تک کے مشہور شہروں کے حالات اور ان کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ گویا کہ یہ جغرافیہ اور تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو قبیلے تھے: ایک کا نام عکاد اور دوسرے کا نام ضرائب تھا۔ ان دونوں کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی مہمان دوسرے شہر اور دوسری بستی کا ان کے قبیلے میں آتا تو یہ لوگ اس مہمان کو اپنے یہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ اہل عرب بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں اور مہمان کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں، لیکن عکاد اور ضرائب کے قبیلے کے لوگ مہمان کو اپنے یہاں تین دن سے زیادہ

ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم مہمانوں کو تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنے دیتے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی باہر کا آدمی ہمارے یہاں تین دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا تو وہ ہماری زبان خراب کر جائے گا اور زبان سے الفاظ کی ادائیگی کے طریقے، زبان کا مفہوم، زبان کے مختلف الفاظ کے معانی، اور ان کے طریقہ استعمال میں وہ شخص اثر انداز ہو جائے گا اور ہماری زبان کو تبدیل کر دے گا۔ اور ہماری زبان قرآنِ کریم کی زبان ہے، لہٰذا اس زبان کو محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس وجہ سے ہم کسی مہمان کو تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے الفاظ اور اس کے معانی کو محفوظ رکھا۔

قرآنِ کریم کی تعلیم کے لئے بچوں کا چندہ

آج قرآنِ کریم اور اس کے تمام علوم پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں، اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس قرآنِ کریم کو اور اس کے علوم کو حاصل کریں اور اس کو اپنی زندگی کے اندر داخل کریں۔ ہمارے ملک اور شہر میں بہت سے مدارس اور مکاتب قائم ہیں جن کے اندر قرآنِ کریم کی تعلیم اور تعلّم کا انتظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس جگہ پر بھی ایک مدرسے کے قیام کا انتظام ہوا ہے اور اس کے لئے یہ جگہ مختص کی گئی ہے۔ بہت سے مدرسے قائم ہوتے رہتے ہیں اور ان کے لئے چندے بھی بہت کئے جاتے ہیں، لیکن جب بھی کسی مدرسے کے لئے چندے کا معاملہ سامنے آتا ہے تو مجھے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات یاد آتی ہے: وہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مدرسے کے لئے پیسوں کے چندے کا تو بڑا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ پیسوں کا چندہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب ایک کام اخلاص کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں اور اس کا انتظام فرماتے

ہیں۔ اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے، اور اس وقت جتنے مدارس چل رہے ہیں، ان سب کے اندر جاکر کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں حالانکہ وہاں کوئی اپیل نہیں ہے، کوئی چندہ نہیں ہے، کوئی سفیر نہیں ہے۔ اگر کام کے اندر اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ عطا فرماہی دیتے ہیں۔ لیکن مدارس کے لئے اصل چندہ بچوں کا چندہ ہونا چاہئے۔ اب اگر قائم کرنے والوں نے مدرسے تو قائم کردیئے اور اس پر پیسے بھی خرچ کردیئے، عمارتیں بھی کھڑی کردیں، اور درس و تدریس بھی شروع ہوگیا، لیکن یہ سب ہونے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ مسلمان اس مدرسے میں اپنے بچوں کو بھیجنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ مسلمان اپنے بچوں کو اس لئے بھیجنے کے لئے تیار نہیں کہ مدرسے میں بھیجنے سے نیکیاں ملتی ہیں اور دوسری جگہ بھیجنے سے روپے ملتے ہیں، تو روپے کے مقابلے میں نیکیوں کو ترجیح کس طرح دیں۔

مدرسہ عمارت کا نام نہیں

بہرحال، یہ مدرسہ تو قائم ہورہا ہے، لیکن مدرسہ عمارت کا نام نہیں، مدرسہ جگہ اور پلاٹ کا نام نہیں، مدرسہ درسگاہ کا نام نہیں، بلکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کا نام مدرسہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا نام تو آپ سب نے سنا ہوگا، اتنی بڑی دینی درسگاہ، لیکن جب وہ قائم ہوا تو اس وقت اس کی نہ کوئی عمارت تھی نہ کوئی جگہ تھی نہ کوئی کمرہ تھا بلکہ ایک انار کے درخت کے نیچے بیٹھ کر ایک استاد اور ایک شاگرد نے پڑھنا پڑھانا شروع کردیا اور اس طرح "دارالعلوم دیوبند" قائم ہوگیا۔ اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چبوترے پر پہلا مدرسہ قائم فرمایا اور ایک "صُفّہ" پر صحابہ کرامؓ آکر جمع ہوگئے اور دنیا کا عظیم الشان مدرسہ قائم ہوگیا۔

اور اگر مدرسہ تو قائم ہوگیا لیکن سارے محلے کے لوگ اس سے غافل ہیں، نہ تو خود قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے کو تیار ہیں اور نہ بچوں کو اس میں بھیجنے کے لئے

تیار ہیں، تو اس طرح مدرسے سے کماحقہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ حضرات سے میری گزارش یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس مدرسے کے ساتھ مالی تعاون فرمائیں بلکہ ساتھ ساتھ اس بات کی کوشش کریں کہ لوگوں کے دلوں میں قرآنِ کریم سیکھنے اور پڑھنے کا اہتمام پیدا ہو اور اپنے بچوں کو بھیجیں، اور جن بڑوں کا قرآنِ کریم صحیح نہیں ہے وہ اپنے قرآن کریم صحیح کرنے کا اہتمام کریں۔ اگر یہ کام ہم نے کرلیا تو انشاء اللہ یہ مدرسہ بڑا کامیاب اور مفید ہوگا اور ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس مدرسے کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، اور اس مدرسہ کے قیام میں جن لوگوں نے محنت اور کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے، اور اس مدرسہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اور مسلمانوں کو اس مدرسہ سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

غلط نسبت سے بچیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلط نسبت سے بچیے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ، ونشھدأن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وأصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

امابعد!

﴿عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تحلی بمالم یعط کان کلابس ثوبی زور﴾

(ترمذی۔ کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی المتشبع بمالم یعطہ

حدیث کا مطلب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص آراستہ ہو ایسی چیز سے جو اس کو نہیں دی گئی تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بارے میں لوگوں کے سامنے کوئی ایسی صفت ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے

اندر موجود نہیں، تو گویا اس نے اپنے پورے جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک جھوٹ لپیٹ رکھا ہے، اور جس طرح لباس سارے جسم کو ڈھاپا ہوا ہوتا ہے، اس طرح اس نے جھوٹ سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا ہے۔

یہ بھی جھوٹ اور دھوکہ ہے

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ آدمی دھوکہ دینے کے لئے اپنے لئے کوئی ایسی صفت ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے اندر نہیں ہے، مثلاً ایک شخص عالم نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتا ہے۔ یا ایک شخص ایک خاص منصب نہیں رکھتا، لیکن اپنے آپ کو اس خاص منصب کا حامل ظاہر کرتا ہے۔ یا ایک شخص خاص حسب نسب سے تعلق نہیں رکھتا، مگر اپنے آپ کو اس نسب کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ جھوٹ کے کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔ اسی طرح ایک شخص مالدار نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال، جو صفت انسان کے اندر موجود نہیں ہے، لیکن وہ بناوٹی طور پر اس صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس حدیث میں اس پر یہ وعید بیان فرمائی گئی ہے۔

اپنے نام کے ساتھ "فاروقی" "صدیقی" لکھنا

مثلاً ہمارے معاشرے میں اس میں بہت ابتلاء پایا جاتا ہے کہ لوگ اپنے آپ کو کسی ایسے نسب اور خاندان سے منسوب کر دیتے ہیں جس کے ساتھ حقیقت میں تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی شخص "صدیقی" نہیں ہے، لیکن اپنے نام کے ساتھ "صدیقی" لکھتا ہے، یا کوئی شخص "فاروقی" نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو "فاروقی" لکھتا ہے، یا کوئی شخص "انصاری" نہیں ہے، لیکن اپنے آپ کو "انصاری" لکھتا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ اور اس کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا

کہ گویا اس نے سر سے لیکر پاؤں تک جھوٹ کا لباس پہنا ہوا ہے۔

کپڑوں سے تشبیہ کیوں؟

اس گناہ کو جھوٹ کے کپڑے پہننے والے سے اس لئے تشبیہ دی کہ ایک گناہ تو وہ ہوتا ہے جس میں انسان تھوڑی دیر کے لئے مبتلا ہوا، پھر وہ گناہ ختم ہوگیا۔ لیکن جس شخص نے غلط نسبت اختیار کر رکھی ہے، اور لوگوں میں اپنی ایسی حیثیت ظاہر کر رکھی ہے جو حقیقت میں اس کی حیثیت نہیں ہے تو وہ ایک دائمی گناہ ہے، اور ہر وقت اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جس طرح لباس انسان کے ساتھ ہر وقت چپکا رہتا ہے، اسی طریقے سے یہ گناہ بھی ہر وقت انسان کے ساتھ چپکا رہے گا۔

جولاہوں کا "انصاری" اور قصائیوں کا "قریشی" لکھنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام ہے "غایات النسب" کیونکہ بعض قومیں اپنے ناموں کے ساتھ غلط نسبتیں لگالیتی ہیں۔ ہندوستان میں یہ بات عام تھی کہ کپڑے بُننے والے جن کو "جولاہے" کہا جاتا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ "انصاری" لکھتے تھے۔ اور گوشت فروخت کرنے والے قصائی اپنے ناموں کے ساتھ "قریشی" لکھتے تھے۔ اس لئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ لکھا اور اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ نسب کے بارے میں جھوٹا بیان کرنا سخت گناہ ہے، اور اس کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں جن میں جھوٹی نسبت سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس رسالہ کے لکھنے کے نتیجے میں ان قوموں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف پورے ہندوستان میں ایک طوفان کھڑا کردیا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بڑی سخت کتاب لکھی ہے۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

نسب اور خاندان فضیلت کی چیز نہیں

بات دراصل یہ ہے کہ "نسب" اور "خاندان" کا معاملہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی دینی فضیلت موقوف نہیں، کوئی شخص کسی بھی نسب اور خاندان سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو "تقویٰ" عطا فرمایا ہے تو وہ اچھے سے اچھے نسب والے سے بہتر ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرما دیا:

﴿یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وّانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم﴾

(الحجرات: ۱۳)

یعنی اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ مرد حضرت آدم علیہ السلام اور عورت حضرت حوا علیہا السلام۔ اس لئے جتنے بھی انسان دنیا میں آئے ہیں سب ایک ماں باپ کے بیٹے ہیں۔ البتہ ہم نے یہ جو مختلف قبیلے بنا دیئے کہ کسی انسان کا تعلق کسی قبیلے سے ہے، اور کسی انسان کا تعلق کسی خاندان سے ہے، یہ خاندان اور قبیلے اس لئے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اگر سب انسان ایک ہی قبیلے کے ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننے میں دشواری ہوتی، اب یہ بتا دینا آسان ہے کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں قبیلے کا ہے۔ لہٰذا صرف پہچان کی آسانی کی خاطر ہم نے تمہیں قبیلوں میں تقسیم کیا ہے، لیکن کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت نہیں، بلکہ تم میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ والا اور عزت والا وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ایسے نسب اور خاندان سے وابستہ ہے جس کو لوگ اعلیٰ نسب نہیں سمجھتے تو کوئی پرواہ کی بات نہیں، تم اپنے اعمال اور اخلاق صحیح کرو، اور اپنی زندگی کا کردار درست کرو تو پھر کردار اور عمل کے نتیجے میں تم اعلیٰ سے اعلیٰ نسب والے سے آگے بڑھ جاؤ گے۔

لہٰذا کیوں اپنے آپ کو غلط خاندان کی طرف منسوب کر کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہو؟ اس لئے جس شخص کا جو نسب ہے وہ اسی کو بیان کرے۔ اور نسب بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، بیان ہی نہ کرے، لیکن اگر بیان کرنا ہی ہے تو وہ نسب بیان کرے جو اپنا واقعی نسب ہے، بلاوجہ دوسرے نسب کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا جائز نہیں، اس پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے۔

”متبنیٰ“ کو حقیقی باپ کی طرف منسوب کریں

اسی طرح کا ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے جس پر قرآن کریم نے آدھا رکوع نازل کیا ہے: وہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص دوسرے کے بچے کو اپنا ”متبنیٰ“ ”لے پالک“ بنالیتا ہے، مثلاً کسی شخص کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس نے دوسرے کا بچہ گود لے لیا اور اس کی پرورش کی، اور اس کو اپنا ”متبنیٰ“ بنالیا، تو شرعاً متبنیٰ بنانا اور کسی بچے کی پرورش کرنا اور اپنے بیٹے کی طرح اس کو پالنا تو جائز ہے، لیکن شرعی اعتبار سے وہ ”متبنیٰ“ کسی بھی حالت میں اس پالنے والے کا حقیقی بیٹا نہیں بن سکتا۔ لہٰذا جب اس بچے کو منسوب کرنا ہو تو اس کو اصل باپ ہی کی طرف منسوب کرنا چاہئے کہ فلاں کا بیٹا ہے، پرورش کرنے والے کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ اور رشتے کے جتنے احکام ہیں وہ سب اصل باپ کی طرف منسوب ہوں گے، یہاں تک کہ جس شخص نے اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہے، اور جو عورت منہ بولی ماں بنی ہے، اگر وہ نامحرم ہے تو اس بچے کے بڑے ہونے کے بعد اس سے اسی طرح پردہ کرنا ہوگا جس طرح ایک نامحرم سے پردہ ہوتا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ ان کا واقعہ بھی بڑا عجیب و غریب ہے۔ یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت میں کسی کے غلام تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ مکرمہ آنے کی توفیق دی، یہاں آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مسلمان ہوگئے۔ ان کے ماں باپ اور خاندان کے دوسرے افراد ان کی تلاش میں تھے کہ کہاں ہیں، تلاش کرتے کرتے کئی سال گزر گئے، کئی سال کے بعد کسی نے ان کو خبر دی کہ حضرت زید بن حارثہ مکہ مکرمہ میں ہیں اور وہ مسلمان ہوچکے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا تلاش کرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور کہا کہ یہ زید بن حارثہ جو آپ کے پاس رہتا ہے، یہ ہمارا بیٹا ہے، ہم اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یہ ہمیں نہیں مل رہا تھا، اب یہاں ہمیں مل گیا ہے، ہم اس کو لے جانا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس کے باپ ہو، اور وہ تمہارا بیٹا ہے، جاکر اس سے پوچھ لو، وہ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوش ہو گئے کہ چلو انہوں نے بہت آسانی سے اجازت دے دی۔ اب یہ دونوں باپ اور چچا اس خیال میں تھے کہ بیٹے کو جدا ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں، باپ اور چچا کو دیکھ کر خوش ہوجائے گا اور ساتھ چلنے کے لئے فوراً تیار ہوجائے گا۔ اس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم میں تھے۔ جب یہ دونوں ان کو لینے کے لئے وہاں پہنچے اور ملاقات کی تو انہوں نے فی الجملہ خوشی کا اظہار تو کیا، لیکن جب باپ نے یہ کہا کہ اب میرے ساتھ گھر چلو، تو انہوں نے کہا: نہیں، ابا جان میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ اس لئے کہ ایک

طرف تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمادیا ہے، اور آپ کو ابھی تک اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ یہاں پر مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہے، اس صحبت کو چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔ باپ نے ان سے کہا: بیٹا تم اتنے عرصہ کے بعد مجھ سے ملے، اس کے باوجود تم نے مجھے اتنا مختصر سا جواب دیدیا کہ تم میرے ساتھ نہیں جاسکتے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے جو حقوق ہیں، میں ان کو ادا کرنے کو تیار ہوں، لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا جو تعلق قائم ہوا ہے وہ اب مرنے جینے کا تعلق ہے، اس لئے میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سنا تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم نے میرے ساتھ یہ تعلق قائم کیا ہے اس لئے میں تمہیں آج سے اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنالیا۔ اس کے بعد سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹے جیسا ہی سلوک فرماتے، تو لوگوں نے بھی ان کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنا شروع کردیا، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿ادعوهم لآبآءهم هو اقسط عند الله﴾ (الاحزاب: ۵)

یعنی تم لوگوں نے متبنیٰ کا جو نسب بیان کرنا شروع کردیا ہے، یہ درست نہیں، بلکہ جو بیٹا جس باپ کا ہے اس کو اسی حقیقی باپ کی طرف منسوب کرو، کسی اور کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ اور دوسری جگہ یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (الاحزاب: ۴۰)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، اس لئے ان کی طرف کسی بیٹے کو منسوب مت کرو۔ اور آئندہ کے لئے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ کوئی متبنیٰ آئندہ اپنے منہ بولے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگا، بلکہ حقیقی باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ایک اور صحابی حضرت سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کو بھی متبنیٰ بنایا گیا تھا۔ ان کے بارے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ منہ بولے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوں گے، اور جب یہ اپنے منہ بولے باپ کے گھر میں داخل ہوں تو پردے کے ساتھ داخل ہوں۔

یہ سب احکام اس لئے دیے گئے کہ شریعت نے نسب کے تحفظ کا بہت اہتمام فرمایا ہے کہ کسی کی نسبت غلط نہ ہو جائے، اس کی وجہ سے مغالطہ پیدا نہ ہو جائے۔ اس لئے جو شخص اپنا نسب غلط بیان کرے وہ اس حدیث کی وعید کے اندر داخل ہے اور وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔

اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھنا

اسی طرح اگر کوئی شخص علم کا حامل نہیں ہے لیکن اپنے آپ کو عالم ظاہر کرتا ہے مثلاً آج کل لوگ اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لکھ دیتے ہیں، حالانکہ عرف عام میں لفظ "مولانا" یا لفظ "علامہ" ان افراد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جو باقاعدہ دین کے حامل ہوں، اب اگر ایک شخص دین کا حامل نہیں ہے، وہ اگر ان الفاظ کو استعمال کرے گا تو اس کی وجہ سے مغالطہ پیدا ہوگا، اور وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہوگا۔

اپنے نام کے ساتھ "پروفیسر" لکھنا

اسی طرح لفظ "پروفیسر" ہے۔ ہمارے معاشرے میں "پروفیسر" ایک خاص منصب ہے، اس کی خاص شرائط ہیں۔ ان شرائط کو جو شخص پوری کرے گا تو وہ پروفیسر کہلائے گا۔ لیکن آج کل یہ حال ہے کہ جو شخص کسی جگہ کا استاذ بن گیا وہ اپنے نام کے ساتھ پروفیسر لکھ دیتا ہے، حالانکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی ایک ایسی صفت ظاہر کر رہا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہے۔ اس لئے یہ غلط بیانی ہے اور دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے اور یہ بھی اس حدیث کی وعید کے اندر داخل ہے، اور حرام ہے، اور ناجائز ہے۔

لفظ "ڈاکٹر" لکھنا

اسی طرح ایک شخص "ڈاکٹر" نہیں ہے، لیکن اپنے نام کے ساتھ لفظ "ڈاکٹر" لکھ دیا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہوں نے چند دن تک کسی ڈاکٹر کے پاس کمپاؤڈری کی، اس کے نتیجے میں کچھ دواؤں کے نام یاد ہوگئے، تو بس اس کے بعد اپنے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" لکھنا شروع کردیا، اور پھر باقاعدہ کلینک کھول کر بیٹھ گئے اور علاج شروع کردیا۔ یہ بھی اس وعید کے اندر داخل ہے اور یہ نسبت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ یہ سب مغالطے اس حدیث کے تحت داخل ہیں کہ جو شخص ایسی چیز ظاہر کرے جو حقیقت میں اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔

جیسا اللہ نے بنایا ہے ویسے ہی رہو

اور یہ سب گناہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو ایک مرتبہ کرلیا، بس وہ گناہ ختم ہوگیا، بلکہ چونکہ اس شخص نے اس نسبت کو اپنے نام کا جزء بنا رکھا ہے، مثلاً لفظ مولانا یا

ڈاکٹر یا پروفیسر وغیرہ کو اپنے نام کا حصہ بنا رکھا ہے، تو وہ گناہ مستقل اور دائمی ہے، اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلا جارہا ہے۔ اس لئے گناہ کو جھوٹ کے کپڑے پہننے سے تشبیہ دی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گناہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ارے بھئی، اپنی کوئی صفت بیان کرنے میں کیا رکھا ہے، جیسا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، ویسے ہی رہو، اور بلاوجہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش میں نہ پڑو۔ بلکہ جو صفت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، بس وہی صفت ظاہر کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو کوئی صفت دیدی، کسی کو کوئی صفت دیدی۔ زندگی کا یہ سارا کاروبار اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے چل رہا ہے، تم اس کے اندر دخل اندازی کرکے ایک غلط بات ظاہر کرو گے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوگی۔

مالداری کا اظہار

اسی طرح اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ایک آدمی زیادہ مالدار نہیں ہے، لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو بہت مالدار ظاہر کرتا ہے اور دکھاوے کے لئے ایسے کام کرتا ہے تاکہ لوگ مجھے زیادہ دولت مند سمجھ کر میری زیادہ عزت کریں۔ یہی دکھاوا ہے اور یہی نام و نمود ہے۔ یہ بات بھی اسی گناہ میں داخل ہے۔

نعمتِ خداوندی کا اظہار کریں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیں، آپ نے ایسی ایسی باریک تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتیں۔ چنانچہ آپ کی تعلیمات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں: ایک حکم تو یہ ہے کہ جو صفت تمہارے اندر موجود نہیں ہے وہ ظاہر مت کرو تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے کو دھوکہ نہ ہو۔ لیکن دوسری طرف آپ نے دوسری تعلیم دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إن اللہ یحب أن یری أثر نعمتہ علی عبدہ﴾

(ترمذی۔ ابواب الادب: باب ماجاء ان اللہ یحب ان یری)

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بندے کو جو نعمت عطاء فرمائی ہے، اس نعمت کے آثار اس بندے پر ظاہر ہوں۔ مثلاً ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے کھاتا پیتا بنایا ہے اور اس کو مال و دولت عطاء فرمائی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنا رہن سہن ایسا رکھے جس سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار ہو، مثلاً وہ صاف ستھرے کپڑے پہنے، صاف ستھرے گھر میں رہے۔ اگر وہ شخص اس دولت کی نعمت کے باوجود فقیر اور مسکین بنا پھرتا ہے، میلا کچیلا اور پھٹا پرانا لباس پہنا رہتا ہے اور گھر کو گندا رکھتا ہے، تو ایسی صورت بنانا ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔ ارے بھائی! جب اللہ تعالیٰ نے نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کے آثار تمہاری زندگی پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں فقیر نہ سمجھ لے، اور کوئی تمہیں مستحق زکوٰۃ سمجھ کر تمہیں زکوٰۃ نہ دیدے۔ اس لئے جیسے حقیقت میں تم ہو ویسے ہی رہو۔ نہ تو اپنے آپ کو زیادہ ظاہر کرو، اور نہ ہی اتنا کم ظاہر کرو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہو۔

عالم کے لئے علم کا اظہار کرنا

علم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے تو اب تواضع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی چھپ کر ایک کونے میں بیٹھ جائے، اس خیال سے کہ اگر میں دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو عالم ظاہر کروں گا تو اس کے نتیجے میں لوگ مجھے عالم سمجھیں گے اور یہ تواضع کے خلاف ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس علم کا اتنا اظہار کرے کہ جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اور علم کی نعمت کا شکریہ بھی

یہی ہے کہ بندوں کی خدمت میں اس علم کو استعمال کرے۔ وہ علم اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں دیا کہ تم تکبر کر کے بیٹھ جاؤ، وہ علم اس لئے نہیں دیا کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں پر اپنا رعب جماؤ، بلکہ وہ علم اس لئے دیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی خدمت کرو۔ لہٰذا دونوں طرف توازن برقرار رکھتے ہوئے آدمی کو چلنا پڑتا ہے، یہ سب دین کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بُری حکومت کی نشانیاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بُری حکومت کی نشانیاں

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤ من بہ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارك وسلم تسلیماً کثیراً

أمّابعد: حدثنا سعید بن سمعان قال: سمعت أباھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہٗ یتعوّذ من امارۃ الصبیان والسفھاء، فقال سعید بن سمعان: فاخبرنی ابن حسنۃ الجھنی أنہ قال لأبی ھریرۃ: ماآیۃ ذلك ؟ قال: ان یقطع الارحام، ویطاع المغوی، ویعصی المرشد

(ادب المفرد، باب: قاطع رحم کی سزا)

بُرے وقت سے پناہ مانگنا

حضرت سعید بن سمعان رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ بچوں اور بے وقوفوں کی حکمرانی سے پناہ مانگ رہے تھے۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ وہ بہت بُرا وقت ہوگا جب نو عمر اور

ناتجربہ کار اور بیوقوف لوگ امیر اور حاکم بن جائیں، اس لئے آپ پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ! ایسے بُرے وقت سے مجھے بچایئے، اور ایسا وقت نہ آئے کہ مجھے ایسے حاکموں سے واسطہ پڑے۔

بُرے وقت کی تین علامتیں

حضرت سعید بن سمعان فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ پناہ مانگی تو ان سے پوچھا گیا کہ ایسے بُرے وقت کی علامت کیا ہوگی؟ یعنی کس طرح یہ پہچانا جائیگا کہ یہ بیوقوف لوگوں کی حکمرانی کا دور ہے؟ جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ!

ان تقطع الأ رحام، ویطاعَ المغوی و یعصی المرشد

یعنی اس دور کی تین علامتیں ہیں: پہلی علامت یہ ہے کہ اس دور میں لوگ رشتہ داروں کے حقوق پامال کریں گے اور قطع رحمی کی جائے گی۔ دوسری علامت یہ ہے کہ گمراہ کرنے والوں کی اطاعت کی جائے گی، لوگ ان کے پیچھے چلیں گے اور ان کی اتباع کریں گے۔ تیسری علامت یہ ہے کہ ہدایت اور رہنمائی کرنے والے لوگوں کی نافرمانی کی جائے گی۔ جب یہ تین علامتیں کسی دور میں پائی جائیں تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ بیوقوفوں کی اور سفہاء اور نوعمروں کی حکمرانی ہے۔

قیامت کی ایک نشانی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی جو علامات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ!

ان تَرَی الْحُفَاۃَ الْعراۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشاء یَتطَا وَلُوْنَ فِی الْبنیانِ

قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ننگے پاؤں والے، ننگے بدن والے، دوسروں کے دست نگر، بکریوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

یعنی وہ لوگ جن کا نہ تو ماضی اچھا ہے، اور نہ ہی جن کے عادات و اخلاق شریفانہ ہیں، اور معمولی قسم کے لوگ ہیں جن کی تربیت بھی صحیح طریقے سے نہیں ہوئی، جن کے پاس دین بھی پورا نہیں ہے، ایسے لوگ حکمران بن جائیں گے، اور بڑی اونچی اونچی عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ یہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

جیسے اعمال ویسے حکمران

بہر حال، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو ایسے لوگوں کی حکومتوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے جن کے اندر حکومت کے کاروبار چلانے کی اہلیت نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص ایسی حکومت میں مبتلا ہو جائے جیسے ہم اور آپ اس وقت مبتلا ہیں، تو ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ایسے موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو! جب مسلمانوں پر خراب حکمران مسلط ہوتے ہیں، تو یہ سب تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں،

كَمَا تَكُوْنُوْنَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ

یعنی جیسے تم ہوگے ویسے ہی حکمران تم پر مسلط کئے جائیں گے اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں!

انما اعمالکم عمّالکم

یعنی تمہارے اعمال ہی بالآخر عمال اور حکمران کی شکل میں تمہارے سامنے آتے ہیں۔ لہذا اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اچھے حکمران بھیجے گا، اور اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو پھر خراب عمال تمہارے اوپر مسلط کئے جائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں یہ مضمون بیان فرمایا ہے۔

اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جب تمہارے اوپر غلط حکومت مسلط ہو جائے تو حکومت کو برا بھلا کہنے اور اس کو گالی دینے کا طریقہ چھوڑ دو۔ یعنی یہ مت کہو کہ ہمارے حکمران ایسے عیار اور ایسے مکار ہیں وغیرہ...... اور ان کو گالی مت دو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کہ اے اللہ! یہ حکمران جو ہم پر مسلط ہیں، یہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر مسلط ہوئے ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے ہماری ان بداعمالیوں کو معاف فرما دیجئے اور ہماری اصلاح فرما دیجئے، اور نیک اور صالح اور متقی و پرہیزگار حکمران ہمیں عطا فرما دیجئے۔ یہ طریقہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اس لئے کہ صبح و شام حکمرانوں کو گالیاں دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اپنے اعمال کے اصلاح کی فکر کرو۔

ہمارا طرزِ عمل

اب ہم ذرا اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم میں سے ہر شخص صبح و شام یہ رونا رو رہا ہے کہ ہم پر غلط قسم کے حکمران مسلط ہیں۔ اور نااہل حکمران مسلط ہیں۔ چنانچہ جب کبھی چار آدمی کہیں بیٹھ کر بات کریں گے اور حکومت کا ذکر

آئے گا، تو اس حکومت پر لعنت و ملامت کے دو چار جملے ضرور نکال دیں گے۔ یہ کام تو ہم سب کرتے ہیں، لیکن ہم ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا کبھی واقعۃً سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے یہ کہا کہ یا اللہ! ہم پر یہ بلا اور مصیبت مسلط ہے، اور ہماری بداعمالیوں ہی کی وجہ سے ہے، اے اللہ! ہماری ان بداعمالیوں کو معاف فرما دیجئے، اور اے اللہ! ان کی جگہ پر ہمیں صالح حکمران عطا فرما دیجئے۔ اب بتایئے کہ ہم میں سے کتنے افراد یہ دعا کرتے ہیں۔ مگر تنقید اور برا بھلا کہنا تو دن رات ہو رہا ہے، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دیکھئے! دن میں پانچ مرتبہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعائیں تو کرتے ہی ہیں، لیکن کیا کبھی نمازوں کے بعد یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ! یہ شامت اعمال جو ہم پر مسلط ہے، اس کو اٹھا لیجئے۔ اگر ہم نمازوں کے بعد یہ دعا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ ہمیں بتایا تھا، اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنے حالات کی درستی کی فکر کرو۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ فضل فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جتنے سلاطین، حکمران اور صاحبانِ اقتدار ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو، اور اس کی طرف رجوع کر لو تو اللہ تعالیٰ انہی حکمرانوں کے دل بدل دیں گے، اور انہی کے دل میں خیر پیدا فرما دیں گے۔ اور اگر ان کے لئے خیر مقدر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں اچھے حکمران عطا فرما دیں گے۔ لہٰذا محض گالیاں دینے سے اور محض تنقید کرنے سے

کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو ان حالات میں درد محسوس کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہیں اور روتے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس بلا سے ہمیں نجات عطا فرما دیجئے۔ اگر ہم یہ کام شروع کردیں اور اپنے اعمال کو درست کرنے کی فکر کرلیں تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرما کر صورت حال کو بدل دیں گے۔ بہر حال، اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے حالات میں کرنے کا ایک کام یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔

بری حکومت کی پہلی اور دوسری علامت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراب اور بڑے حکمرانوں کی حکومت کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ اس زمانے میں قطع رحمی عام ہو جائے گی۔ یعنی رشتہ داروں کے حقوق پامال کئے جائیں گے۔ دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ گمراہ کرنے والے آدمی کی اطاعت کی جائے گی، یعنی جو شخص جتنا بڑا گمراہ ہوگا، اس کے پیچھے اس کے متبعین اور ماننے والے بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیں کہ آج کے دور پر یہ بات کس طرح صحیح صحیح صادق آرہی ہے کہ آج جو لوگ دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہیں، اور جن کے پاس قرآن و سنت کا صحیح علم نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ یا تو دھوکہ باز ہیں یا جاہل ہیں، ایسے لوگ ذرا سا سبز باغ عوام کو دکھا دیتے ہیں، وہ عوام ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں، پھر وہ عوام کو جس راستے پر چاہتے ہیں، لے جاتے ہیں، اور ان کو گمراہ کردیتے ہیں۔ جب انسان کی آنکھوں پر پٹی پڑ جاتی ہے تو پھر وہ بڑے سے بڑے گمراہ کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنا لیتا ہے، اور وہ یہ نہیں دیکھتا

کہ قرآن وسنت کی رو سے اس کے اعمال واخلاق کیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین!!

آغا خان کا محل

ایک مرتبہ میرا سوئٹزرلینڈ جانا ہوا۔ وہاں پر ایک راستے سے گزرتے ہوئے ایک صاحب نے ایک بہت بڑے عالیشان محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ آغا خان کا محل ہے۔ وہ محل کیا تھا بلکہ وہ جھیل کے کنارے پر واقع ایک عالیشان دنیا کی جنت معلوم ہو رہی تھی۔ کیونکہ ان ممالک میں عام طور پر لوگوں کے مکانات چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، وہاں بڑے مکانات اور محلات کا تصور نہیں ہوتا۔ وہ محل دو تین کلو میٹر میں پھیلا ہوا تھا، اور اس میں باغات اور نہریں اور عالیشان عمارتیں تھیں، اور نوکر چاکر کا ایک لشکر تھا۔ یہ بات تو مشہور ہے کہ فحاشی اور عیاشی کے ہر کام ان کے یہاں جائز ہوتے ہیں، اور شراب نوشی کا دور بھی چلتا ہے۔

آغا خانیوں سے ایک سوال

تو اس وقت میری زبان پر یہ بات آگئی اور میں نے اپنے میزبانوں سے کہا کہ لوگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ جو مقتدا اور پیشوا بنے ہوئے ہیں، کتنی عیاشیوں میں لگے ہوئے ہیں، اور وہ کام جس کو ایک معمولی درجے کا مسلمان بھی حرام اور ناجائز سمجھتا ہے، ایسے کاموں میں یہ مقتدا اور پیشوا مشغول ہیں، لیکن ان کے ماننے والے اور متبعین پھر بھی ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں؟ میری یہ باتیں سن کر میزبانوں میں سے ایک نے کہا کہ اتفاق کی بات ہے کہ جو باتیں آپ نے ان کے بارے میں کہیں، بعینہ یہ باتیں میں نے آغا خان کے ایک معتقد کے سامنے کہیں کہ تم کسی نیک اور متقی آدمی کو پیشوا بناتے تو سمجھ

میں آنے والی بات تھی، لیکن تم نے ایک ایسے آدمی کو اپنا پیشوا اور مقتدا بنا رکھا ہے جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ عیاشی کے اندر مبتلا ہے، اور اتنے بڑے بڑے عالیشان محلات بنا رکھے ہیں۔ ان سب چیزوں کو دیکھنے کے باوجود پھر بھی تم اس کو سونے میں تولتے ہو اور اس کو اپنا امام مانتے ہو؟

اس کے معتقد کا جواب

تو اس آغا خان کے معتقد نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ تو ہمارے امام کی بڑی قربانی ہے کہ وہ دنیا کے ان محلات پر راضی ہو گیا، ورنہ ہمارے امام کا اصل مقام تو "جنت" تھا۔ لیکن وہ ہماری ہدایت کی خاطر جنت کی ان نعمتوں کو قربان کر کے دنیا میں آیا، اور دنیا کی یہ لذتیں اس کے آگے ہیچ ہیں، ورنہ وہ تو اس سے زیادہ بڑی لذتوں اور نعمتوں کا مستحق تھا۔ یہ وہی بات ہے جس کی طرف اس حدیث کے اندر ان الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:

اَنْ یُطَاعَ الْمُغْوِی

یعنی گمراہ کرنے والوں کی اطاعت کی جائے گی۔ کھلی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے کہ ایک شخص گمراہی کے راستے پر ہے، اور فسق و فجور کے کاموں میں مبتلا ہے، پھر اس کو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ میرا امام ہے، یہ میرا مقتدا اور پیشوا ہے۔

گمراہ کرنے والوں کی اطاعت کی جا رہی ہے

اسی طرح آج کل بہت سے جاہل پیروں کی بادشاہتیں قائم ہیں، ان کو اگر آپ کبھی جا کر دیکھیں تو آپ کی عقل حیران ہو جائے، وہاں پر ان جاہل پیروں کی گدیاں بچھی ہوئی ہیں، دربار لگے ہوئے ہیں، جن میں منشیات گھونٹ کر پی جا رہی ہیں اور پلائی جا رہی ہیں، بد سے بدتر کام وہاں کئے جا رہے ہیں۔ اس کے

باوجود اس کا معتقد اور اس کو ماننے والا یہ کہتا ہے کہ یہ میرا پیر اس زمین پر خدا کا نمائندہ ہے۔ یہ وہی ہے جس کو حدیث میں بیان کیا گیا کہ جو گمراہ کرنے والا ہے، لوگ اس کے پیچھے چل پڑے ہیں، اور اس کے پیچھے چلنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کچھ شعبدے آگئے ہیں، مثلاً کسی پر تصرف کیا تو اس کا دل حرکت کرنے لگا۔ کسی دوسرے پر تصرف کیا تو اس کو کوئی عجیب و غریب خواب آگیا، کسی پر تصرف کیا تو مسجد حرام کا نقشہ اس کے سامنے آگیا، کسی پر تصرف کر کے اس کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھا دی۔ ان تصرفات کے نتیجے میں لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ اللہ کا کوئی خاص نمائندہ زمین پر اترا ہے۔ لہذا اب یہ جو کچھ کہے اس کی پیروی اور اتباع کرو، چاہے وہ کام حلال ہو یا حرام ہو، جائز ہو یا ناجائز ہو، شریعت کے موافق ہو یا شریعت کے خلاف ہو۔

بڑی حکومت کی تیسری علامت

تیسری علامت یہ ہے کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ جو متبع سنت ہو، اور اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزارنے کی فکر میں ہو، علم صحیح رکھتا ہو۔ اس کے پاس اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کے لئے آئے گا تو وہ اس کو مشقت کے کام بتائے گا اور فرائض کے کرنے کا حکم دے گا کہ نمازیں پڑھو، فلاں کام کرو، فلاں کام کرو اور فلاں کام سے بچو، فلاں گناہ سے بچو، آنکھوں کی حفاظت کرو، زبان کی حفاظت کرو، اور ان تمام گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اب وہ صحیح کام بتا رہا ہے اور جس کے کرنے میں تھوڑی سی مشقت ہے تو لوگ ایسے شخص کے پاس آنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، کیونکہ یہاں آئیں گے تو مشقت اٹھانی پڑے گی۔ بہر حال، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بات فرمائی تھی کہ جو گمراہ کرنے والا ہے، اس کی تو خوب اطاعت کی جائے گی، اور جو شخص ہدایت کا صحیح راستہ بتا رہا

ہے اس کی نافرمانی کی جائے گی، اور وہ اگر کہے کہ فلاں کام ناجائز اور حرام ہے، اس سے بچو۔ تو جواب میں وہ یہ کہے گا کہ آپ کہاں سے حرام کہنے والے آگئے؟ اور یہ چیز کیوں حرام ہے؟ اس کو حرام کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اب اس سے دلیل کا اور حکمت کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ اس حکم میں اور اس حکم میں کیا فرق ہے؟ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، اور پھر اس پر طعنہ و تشنیع کی جاتی ہے کہ ان ملاؤں نے ہمارے دین کو مشکل اور تنگ کر دیا، اس کی وجہ سے زندگی گزارنی مشکل ہوگئی۔ یہ سب فتنے ہیں جو آج ہمارے دور میں موجود ہیں۔

فتنے سے بچنے کا طریقہ

اس فتنے سے بچنے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ جس شخص کے پاس تم جا رہے ہو اور جس شخص کو تم اپنا مقتدا اور پیشوا بنا رہے ہو، وہ سنت کی کتنی اتباع کرتا ہے؟ یہ مت دیکھو کہ اس کے پاس شعبدے کتنے ہیں؟ اس لئے کہ ان شعبدوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک پیر صاحب کا مقولہ

ایک پیر صاحب کا لکھا ہوا ایک پمفلٹ دیکھا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ ”جو شیخ اپنے مریدوں کو یہاں رہتے ہوئے مسجد حرام میں نماز نہ پڑھا سکے وہ شیخ بننے کا اہل نہیں“ گویا کہ شیخ بننے کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کے پاس کوئی شخص مرید بننے کے لئے آئے تو وہ اس کے اوپر ایسا تصرف کرے کہ کراچی میں بیٹھے بیٹھے اس کو مسجد حرام نظر آئے، اور وہاں پر اس کو نماز پڑھوائے، وہ اصل میں شیخ بنانے کے قابل ہے۔ اور جس شخص کو یہ کرتب نہ آتا ہو وہ شیخ بنانے کا اہل نہیں۔ کوئی

ان سے پوچھے کہ یہ بات کیا قرآن و حدیث میں کہیں موجود ہے، اس کا کہیں ثبوت ہے؟ کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بیت اللہ کی یاد میں تڑپتے رہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید بخار کے عالم میں مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کو یاد کر کے روتے رہے، اور یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! وہ وقت کب آئے گا جب مکہ مکرمہ کے پہاڑ میری آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔ مگر کبھی بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں مسجد حرام میں نماز پڑھواؤں۔ لیکن آج کے پیر صاحب یہ کہتے ہیں کہ جو شیخ تمہیں مسجد حرام میں نماز نہ پڑھوادے، وہ شیخ بنائے جانے کا اہل ہی نہیں۔ چونکہ لوگ ظاہری چیزوں کے پیچھے چلنے کے عادی ہیں، لہٰذا جب کسی شخص کے اندر یہ ظاہری چیزیں دیکھتے ہیں تو اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، حالانکہ نیکی، عبادت اور تقدس اور تقویٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ تصرفات ہیں، جس کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں، غیر مسلم بھی یہ تصرفات کرتے ہیں۔ لیکن آج کل لوگوں نے انہی تصرفات کو نیکی اور تقویٰ کے لئے معیار بنالیا ہے۔

بہتر فرقوں میں صحیح فرقہ کون سا ہوگا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ہمارے لئے ایک معیار بیان فرمادیا ہے کہ میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہو جائیں گے، کوئی

فرقہ کسی چیز کی طرف بلائے گا، دوسرا فرقہ دوسری چیز کی طرف بلائے گا۔ ایک فرقہ کہے گا کہ یہ بات حق ہے۔ دوسرا فرقہ کہے گا کہ یہ بات حق ہے۔ اور یہ فرقے لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیں گے۔ یہ سب راستے ہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں، صرف ایک راستہ نجات دلانے والا ہے، یہ وہ راستہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں بس، اس راستے کو مضبوطی سے تھام لو۔

خلاصہ

لہذا جب کسی کو مقتدا بنانے کا ارادہ کرو تو پہلے یہ دیکھو کہ اتباع سنت اس کے اندر کس قدر ہے؟ اور قرآن وسنت پر کس درجے میں عمل کرتا ہے؟ اور اس معیار پر وہ پورا اترتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس معیار پر پورا اترتا ہے تو بیشک اس کی اتباع کرو، اور اگر پورا نہیں اترتا تو وہ مقتدا بنانے کے لائق نہیں، لہذا اس سے دور رہو، چاہے کتنے ہی شعبدے اور تماشے دکھا دے، اور وہ تمہارے اوپر چاہے کوئی تصرف کر دے، لیکن تم اس کے پیچھے چلنے سے پرہیز کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کا راستہ عطا فرمائے۔ اور گمراہی سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

⁕⁕⁕⁕⁕

ایثار و قربانی کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایثار و قربانی کی فضیلت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسولهٗ، صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

اما بعد!

﴿عن انس رضى الله تعالى عنه أن المهاجرين قالوا: يارسول الله! ذهبت الانصار بالاجر كله. قال: لا، مادعوتم الله لهم واثنيتم عليهم﴾

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف صفحہ ۳۰۶)

انصار صحابہ نے سارا اجر و ثواب لے لیا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مدینہ منورہ کے انصاری صحابہ ہیں، سارا اجر و ثواب وہ لے گئے اور ہمارے لئے تو کچھ بچا ہی نہیں۔ جواب میں آپ

نے فرمایا: نہیں، جب تک تم ان کے لئے دعا کرتے رہو گے اور ان کا شکر ادا کرتے رہو گے، اس وقت تک تم ثواب سے محروم نہیں رہو گے۔

جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے آکر مدینہ منورہ میں آباد ہونا شروع ہوئے تو اس وقت آباد کاری کا بہت بڑا مسئلہ تھا، اور لوگوں کا ایک سیلاب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ منتقل ہورہا تھا، اور اس وقت مدینہ منورہ ایک چھوٹی سی بستی تھی، اب آباد ہونے والوں کو گھر کی ضرورت تھی، ان کے لئے روزگار چاہئے تھا، اور ان کے لئے کھانے پینے کا سامان اور ضروریات زندگی چاہئے تھیں۔ یہ حضرات جب مدینہ منورہ آئے تو خالی ہاتھ آئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کی زمینیں تھیں، جائیدادیں تھیں، سب کچھ تھا، لیکن وہ سب مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔

انصار کی ایثار و قربانی

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے انصار صحابہ کے دل میں ایسا ایثار ڈالا اور انہوں نے ایثار کی وہ مثال قائم کی کہ تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انصاری صحابہ نے اپنی دنیا کی ساری دولت مہاجرین کے لئے کھول دی۔ یہ سب خود اپنی طرف سے کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا، بلکہ انصاری صحابہ نے کہا کہ جو بھی مہاجر صحابی آرہے ہیں، ان کے لئے ہمارے گھر کے دروازے کھلے ہیں، وہ آکر ہمارے گھروں میں آباد ہوجائیں۔ وہ ہمارے مہمان ہیں، ان کے کھانے پینے کا انتظام ہم کریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جذبہ دیکھ کر مہاجرین اور انصار کے درمیان "مواخات" (بھائی چارہ) قائم فرمادیا، یعنی ہر ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنادیا۔ اب وہ اس کے ساتھ رہنے لگا، اسی کے ساتھ کھانے پینے لگا، یہاں تک کہ بعض انصاری صحابہ نے فرمایا کہ میری دو بیویاں ہیں، میں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ میں اپنی ایک بیوی سے دست بردار ہوجاؤں اور اس کو طلاق دے کر علیحدہ کردوں، پھر تمہارے ساتھ اس کا نکاح کردوں۔ اگرچہ

ایسا واقعہ پیش نہیں آیا لیکن آمادگی ظاہر کی۔

انصار اور مہاجرین میں مزارعت

یہاں تک کہ ایک مرتبہ انصاری صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے جو مہاجر بھائی ہیں، وہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں، اگرچہ ہم ان کو مہمان کے طور پر رکھے ہوئے ہیں، لیکن ان کے دل میں ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ ہم تو مہمان ہیں، اور یہاں ان کا باقاعدہ روزگار کا انتظام بھی نہیں ہے، اس لئے ہم نے آپس میں یہ طے کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہماری جتنی جائیدادیں ہیں، ہم آدھی آدھی آپس میں تقسیم کرلیں یعنی آدھی جائیداد مہاجر بھائی کو دے دیں اور آدھی جائیداد ہم رکھ لیں۔ تو اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر صحابہ سے مشورہ کیا کہ انصاری صحابہ یہ پیش کش کر رہے ہیں۔ آپ حضرات کا کیا خیال ہے؟ اس پر مہاجرین صحابہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم ان کی آدھی زمینیں لے لیں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا تم انصاری صحابہ کی زمینوں پر کام کرو اور جو پھل اور پیداوار ہو وہ تم دونوں میں تقسیم ہوجایا کرے۔ چنانچہ مہاجر صحابہ انصاری صحابہ کی زمینوں پر کام کرتے تھے اور جو پھل اور پیداوار ہوتی وہ آپس میں تقسیم کرلیا کرتے تھے۔ اس طرح مہاجرین نے اپنا وقت گزارا۔

صحابہؓ کے جذبات دیکھئے

حضراتِ انصار نے ایثار کی وہ مثالیں پیش کیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بہر حال، مہاجر صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا کہ سارے ثواب والے کام تو انصاری صحابہ کر رہے ہیں، اور سارا ثواب تو وہ لے گئے، تو ایک مرتبہ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! مدینہ منورہ کے جو انصاری صحابہ ہیں وہ سارا ثواب لے گئے، ہمارے لئے تو کچھ بچا ہی نہیں۔ اب آپ یہ دیکھئے کہ انصاری صحابہ کے جذبات کیا ہیں اور مہاجرین صحابہ کے جذبات کیا ہیں۔ ایک طرف انصاری صحابہ مہاجرین کے لئے دیدۂ دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں اور دوسری طرف مہاجرین صحابہ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ سارا اجر و ثواب تو انصاری صحابہ کے پاس چلا گیا، اب ہمارے اجر و ثواب کا کیا ہوگا؟

تمہیں بھی یہ ثواب مل سکتا ہے

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا، ما دعوتم اللّٰہ لھم واثنیتم علیھم" یعنی تم یہ جو کہہ رہے ہو کہ سارا ثواب انصاری صحابہ لے گئے تو ایک بات سن لو! وہ یہ کہ یہ مت سمجھو کہ تمہیں کچھ ثواب نہیں ملا، بلکہ یہ ثواب تمہیں بھی مل سکتا ہے۔ جب تک تم ان کے حق میں دعائیں کرتے رہو گے اور ان کا شکر ادا کرتے رہو گے، اس وقت تک تم ثواب سے محروم نہیں ہو گے اور اس عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے ثواب میں تم کو بھی شریک کرلیں گے۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

وہاں یہ نہیں تھا کہ مہاجرین اپنے لئے "انجمن تحفظ حقوق مہاجرین" بنالیں، اور انصار اپنے لئے "انجمن تحفظ حقوق انصار" بنالیں، اور پھر دونوں انجمنیں اپنے اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جائیں کہ انہوں نے ہمارے حقوق پامال کر دیئے، بلکہ وہاں تو الٹا معاملہ ہو رہا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ کوئی بھلائی کروں۔ ایسا کیوں تھا؟ یہ اس لئے تھا کہ سب کے پیش نظر یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، کسی طرح گزر جائے گی، اچھی گزر

جائے یا تھوڑی تنگی کے ساتھ گزر جائے لیکن گزر جائے گی۔ البتہ اصل بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد جو حالات پیش آئیں گے، اس وقت ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اس فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک کے دل میں دوسرے بھائی کے لئے ایثار تھا۔

آخرت پیش نظر ہو تو

جب انسان کے پیش نظر آخرت نہیں ہوتی، دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس نہیں ہوتا، تو پھر آدمی کے پیش نظر صرف دنیا ہی دنیا ہوتی ہے، اور پھر ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ دوسرے شخص نے مجھ سے زیادہ دنیا حاصل کرلی؛ میرے پاس کم رہ گئی، تو آدمی پھر اس وقت اس ادھیڑبن میں رہتا ہے کہ میں کسی طرح زیادہ کمالوں اور زیادہ حاصل کرلوں۔ لیکن اگر آدمی کے دل میں یہ فکر ہو کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے، اور ساتھ میں یہ خیال ہو کہ حقیقی راحت اور خوشی روپے میں اضافہ کرنے اور بینک بیلنس زیادہ کرنے سے حاصل نہیں ہوگی، بلکہ حقیقی خوشی یہ ہے کہ انسان کے دل میں سکون ہو، انسان کا ضمیر مطمئن ہو، اس کو یہ خوف نہ ہو کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا تو اپنے اس عمل کا کیا جواب دوں گا۔ اور حقیقی خوشی یہ ہے کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ لے، اس کا کوئی دکھ دور کردے، اس کی کوئی پریشانی رفع کردے۔ جب انسان کے دل میں اس قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو پھر انسان دوسروں کے ساتھ ایثار سے کام لیتا ہے۔

"سکون" ایثار اور قربانی میں ہے

اسلام کی تعلیم صرف اتنی نہیں ہے کہ بس دوسرے کے صرف واجب حقوق ادا کردیئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تعلیم اسلام نے دی ہے کہ دوسروں کے لئے ایثار کرو، تھوڑی سی قربانی بھی دو۔ یقین کریں کہ جب آپ دوسرے مسلمان

بھائی کے لئے قربانی دیں گے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں جو سکون، عافیت اور راحت عطا فرمائیں گے، اس کے سامنے بینک بیلنس کی خوشی ہیچ در ہیچ ہے۔ چونکہ ہم نے ایثار اور قربانی پر عمل چھوڑ رکھا ہے اور ہماری زندگی میں اب ایثار کا کوئی خانہ ہی نہیں رہا کہ دوسرے کی خاطر تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں، تھوڑی سی قربانی دیدیں، اس لئے اس قربانی کی لذت اور راحت کا ہمیں اندازہ ہی نہیں۔

ایک انصاری کے ایثار کا واقعہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انصاری صحابہ کے ایثار کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(سورۃ الحشر)

یعنی یہ انصاری صحابہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے یہ خود حالت افلاس میں کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ وہ واقعہ آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مہمان ایک انصاری صحابی کے پاس آگئے، کھانا کم تھا، بس اتنا کھانا تھا کہ یا تو خود کھالیں یا مہمان کو کھلادیں۔ لیکن یہ خیال ہوا کہ اگر مہمان کے ساتھ ہم بیٹھیں گے اور اس کے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے تو اس کو اشکال ہوگا، اس لئے چراغ گل کردیا تاکہ مہمان کو پتہ نہ چلے، اور ظاہر ایسا کیا کہ وہ بھی ساتھ میں کھانا کھارہے ہیں۔ اس پر قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی، یعنی یہ لوگ افلاس اور تنگ دستی کی حالت میں بھی دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا اس ایثار اور قربانی کی لذت سے بھی ہمکنار ہوکر دیکھئے۔ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے ایثار اور قربانی دینے میں جو مزہ اور راحت، لذت اور سکون ہے، وہ ہزار بینک بیلنس کے جمع کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے انصار صحابہ اور مہاجرین کے درمیان یہی ایثار اور قربانی کا رابطہ قائم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوسروں کے لئے ایثار اور قربانی کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

افضل عمل کونسا؟

اگلی حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: . اَیُّ الْاَعْمَالِ خَیْرٌ؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں کون سے اعمال سب سے بہتر ہیں؟ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: "اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے، اور دوسرے اس کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔ یہ دونوں افضل الاعمال ہیں۔ پھر کسی نے دوسرا سوال کیا کہ ای الرقاب افضل؟ یعنی کون سے غلام کی آزادی زیادہ افضل ہے؟ اس زمانے میں غلام اور باندیاں ہوا کرتی تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور باندیوں کو آزاد کرنے کی بہت فضیلت بیان فرمائی تھی۔ تو کسی نے سوال کیا کہ غلام آزاد کرنا تو افضل ہے، لیکن کون سا غلام آزاد کرنا زیادہ افضل ہے اور زیادہ موجب ثواب ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو غلام زیادہ قیمتی اور زیادہ نفیس ہے، اس کو آزاد کرنا زیادہ موجب اجر و ثواب اور زیادہ افضل ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ حضور! یہ بتایئے کہ اگر میں ان میں سے کوئی عمل نہ کرسکوں۔ مثلاً کسی عذر کی بناء پر جہاد نہ کرسکوں، اور غلام آزاد کرنے کا عمل تو اس وقت کرے جب آدمی کے پاس غلام ہو یا غلام خریدنے کے لئے پیسے ہوں، لیکن میرے پاس تو غلام بھی نہیں ہے اور پیسے بھی نہیں ہیں تو پھر میں کس طرح اجر و ثواب زیادہ حاصل کروں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس صورت میں تمہارے لئے اجر و ثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص جو بگڑی ہوئی حالت میں ہو تو تم

طاس کی مدد کردو۔

دوسروں کی مدد کردو

مثلاً ایک شخص کسی مشکل میں مبتلا ہے، پریشانی کا شکار ہے، اس کی حالت بگڑی ہوئی ہے تو تم اس کی مدد کردو، یا کسی اناڑی آدمی کا کوئی کام کردو۔ آپ نے "اناڑی" کا لفظ استعمال فرمایا، یعنی وہ شخص جسے کوئی ہنر نہیں آتا، یا تو اس لئے کہ وہ معذور ہے یا اس کی دماغی صلاحیت اتنی نہیں ہے کہ وہ اپنے دماغ کو استعمال کر کے کوئی بڑا کام کرسکے، تو تم اس کی مدد کردو اور اس کا کام کردو، اس میں بھی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر و ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نہ جانے کتنے بندے ایسے ہیں جو یا تو معذور ہیں، یا تنگدست ہیں، یا ان کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے، کوئی ذہنی صلاحیت ان کے پاس نہیں ہے، تو اگر دوسرا شخص ان کی مدد کا کوئی کام کردے تو اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر تم جہاد نہیں کرسکتے تو یہ کام کرلو، اس سے پتہ چلا کہ اس کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ جہاد کے قریب قریب عطا فرمائیں گے۔ انشاء اللہ۔

اگر مدد کرنے کی طاقت نہ ہو؟

ان صحابی نے پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اتنا کمزور ہوں کہ اتنا عمل بھی نہ کرسکوں، یعنی میں خود ہی کمزور ہوں اور دوسرے کمزور کی مدد نہ کرسکوں تو پھر کیا کروں؟ اب آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کا اندازہ لگایئے کہ آپ کے یہاں ناامیدی کا کوئی خانہ نہیں ہے، جو شخص بھی آرہا ہے اس کو امید کا راستہ دکھارہے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہوجاؤ، اگر یہ عمل نہیں کرسکتے تو یہ عمل کرلو، اگر یہ عمل نہیں کرسکتے تو یہ عمل کرلو۔

لوگوں کو اپنے شر سے بچالو

بہرحال، آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم کمزور ہونے کی وجہ سے دوسروں کی مدد نہیں کرسکتے تو یہ ایک عمل کرلو کہ: "تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِ" لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کرلو۔ یعنی اس بات کا اہتمام کرلو کہ میری ذات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس لئے کہ دوسروں کو اپنے شر سے محفوظ کرنا یہ تمہارا اپنے نفس پر صدقہ ہوگا، کیونکہ اگر تم دوسرے کو تکلیف پہنچاتے تو تمہیں گناہ ہوتا، اب تم نے جب اپنے آپ کو دوسروں کو تکلیف دینے سے بچالیا تو گویا کہ تم نے اپنے نفس کو گناہ اور عذاب سے بچالیا۔ لہٰذا یہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنے نفس پر کررہے ہو۔

مسلمان کون؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے جو معاشرتی احکام اور معاشرتی تعلیمات ہیں، ان کی بنیاد یہی ہے کہ اپنی ذات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمادیا "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ نہ زبان سے دوسرے کو تکلیف پہنچے، نہ ہاتھ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔ لیکن یہ چیز اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اس کا اہتمام ہو اور جس کے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہو کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ۔

تمام عمر اس احتیاط میں گزری
آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

اپنی وجہ سے کسی پر بوجھ نہ پڑے، اپنی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے بارے میں اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کم از کم آپ کی آدھی سے زائد تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچنے دو۔ اور پھر تکلیف صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو مار پیٹ دیا بلکہ تکلیف دینے کے بے شمار پہلو ہیں، کبھی زبان سے تکلیف پہنچ جاتی ہے، کبھی عمل سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اس سے بچاؤ۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا سبق آموز واقعہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ مرض وفات جس میں آپ کا انتقال ہوا، اسی مرض وفات میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا، اور رمضان المبارک میں بار بار آپ کو دل کی تکلیف اٹھتی رہی اور اتنی شدت سے تکلیف اٹھتی تھی کہ یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ آخری حملہ ثابت نہ ہو جائے۔ اسی بیماری میں جب رمضان المبارک گزر گیا تو ایک دن فرمانے لگے: ہر مسلمان کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کو رمضان المبارک کی موت نصیب ہو، میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی موت عطا فرمادے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن میری بھی عجیب حالت تھی کہ میں بار بار سوچتا تھا کہ یہ دعا کروں کہ یا اللہ! رمضان المبارک کی موت عطا فرمادے، لیکن میری زبان پر یہ دعا نہیں آسکی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں اپنے لئے رمضان المبارک کی موت طلب تو کرلوں، لیکن مجھے اندازہ ہے کہ

میری موت کے وقت میرے تیماردار اور میرے جو ملنے جلنے والے ہیں، ان سب کو روزہ کی حالت میں شدید مشقت اٹھانی پڑے گی، اور روزہ کی حالت میں ان کو صدمہ ہوگا، اور روزہ کی حالت میں تجہیز و تکفین کے سارے انتظامات کریں گے تو ان کو مشقت ہوگی۔ اس وجہ سے میری زبان پر یہ دعا نہیں آئی کہ رمضان المبارک میں میرا انتقال ہو جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا ۔

تمام عمر اس احتیاط میں گزری
آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

چنانچہ رمضان المبارک کے ۱۱ دن کے بعد ۱۱ر شوال کو آپ کی وفات ہوئی۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ جو شخص مرتے وقت یہ سوچ رہا ہے کہ میرے مرنے سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اس شخص کا زندگی میں لوگوں کے جذبات کا خیال رکھنے کا کیا عالم ہوگا؟

تین قسم کے جانور

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تین قسم کے جانور پیدا کئے ہیں۔ ایک قسم کے جانور وہ ہیں جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، تکلیف نہیں پہنچاتے، مثلاً گائے ہے، بھینس ہے، بکری ہے، تم ان کا دودھ استعمال کرتے ہو، اور بالآخر ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھا جاتے ہو۔ گھوڑا ہے، گدھا ہے، تم ان پر سواری کرتے ہو۔ دوسری قسم کے جانور ایسے ہیں جو دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، جیسے سانپ بچھو ہیں، درندے ہیں۔ یہ جانور انسان کو تکلیف پہنچاتے ہیں، فائدہ نہیں پہنچاتے۔ تیسری قسم کے جانور وہ ہیں جو نہ تو انسان کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی تکلیف دیتے ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسانوں سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں: اے انسان! اگر تم ایسے جانور نہیں بن سکتے

جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں تو کم از کم ایسے جانور بن جاؤ جو نہ فائدہ دیتے ہیں نہ تکلیف دیتے ہیں۔ خدا کے لئے ایسے جانور مت بنو جو دوسروں کو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں، فائدہ کچھ نہیں پہنچاتے۔ یعنی کم از کم تم اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ کرلو۔ اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

جلد اول (۱)

عنوان | صفحہ نمبر

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

اصلاحی خطبات

جلد ۱۱

- مشورہ کرنے کی اہمیت
- عمل کے بعد مدد آئے گی۔
- شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو
- دوسروں کی چیزوں کا استعمال
- طنز اور طعنہ سے بچیے
- خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خطبات

(۱۱)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطبات ← حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ← محمد عبداللہ میمن صاحب

مقام ← جامع مسجد بیت المکرم و جامع مسجد دارالعلوم کراچی

اشاعت اوّل ← جولائی ۲۰۰۱ء

تعداد ← دو ہزار

ناشر ← میمن اسلامک پبلشرز، فون: ۔ ۴۹۲۹۰۳۳۳

باہتمام ← ولی اللہ میمن

قیمت ← /۔ روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پراچہ کمپوزر

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ! احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرو اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب چار سو کے قریب ہو گئی ہے انہیں میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور موصوف نے ان پر

ایک مفید کام بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ! ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی گیارہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ دسویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے گیارہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی۔ اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے گیارہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بھی شکرگزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست خطبات

فہرست مضامین

مشورہ کرنے کی اہمیت

عنوان	صفحہ
نکاح کے بعد مسجد میں شور وشغب	۷۰
عبادت میں گناہ کی آمیزش	۷۱
نکاح کی محفل گناہوں سے پاک ہو	۷۲
خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے تقویٰ کی ضرورت	۷۳
"اللہ کا خوف" حقوق کی ادائیگی کرا سکتا ہے	۷۴
یہ تو درندے کا وصف ہے	"
آج تک لہجہ بدل کر بات نہیں	۷۵
بیوی کا ہاتھ کون روک سکتا ہے؟	۷۶
ہر کام کی درستگی تقویٰ میں ہے	"
نکاح کرنا سنت ہے	۷۷
نکاح خاندانوں کو جوڑنے کا ذریعہ	۷۸
دنیا کی بہترین چیز "نیک خاتون"	۷۹
دنیا کی جنت	"
تین چیزوں کا حصول نیک بختی کی علامت	۸۰
برکت والا نکاح	"
طنز اور طعنہ سے بچیے	۸۳
حقیقی آفت اور مصیبت	۸۶
دنیا غم اور خوشی سے مرکب ہے	"
ہمارے دین پر مصیبت واقع نہ ہو	۸۷

عنوان	صفحہ
خاندانی اختلافات کا تیسرا سبب	۲۳۹

عنوان	صفحہ
حقیقی مسلمان کون؟	۲۵۳
حضور اقدس ﷺ کی تربیت کا انداز	۲۵۵
نئے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم	"
منافقین کا کام لڑائی کرانا	۲۵۶
آپ ﷺ کا حکیمانہ خطاب	۲۵۷
حضور ﷺ کے خاص الخاص کون تھے؟	۲۵۸
انصار صحابہؓ کو صبر کرنے کی وصیت	۲۵۹
انصار صحابہؓ کا اس وصیت پر عمل	۲۶۰
انصار کے حقوق کا خیال رکھنا	"
ہر شخص اپنے حقوق بجالائے	۲۶۱
آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے	"
ہر انسان اپنا جائزہ لے	۲۶۲
خلاصہ	۲۶۳
خاندانی اختلافات کا چوتھا سبب	۲۶۵
اختلافات کا ایک اور سبب	۲۶۸
ملکیت ممتاز ہونی چاہئے	"

مشورہ کرنے کی اہمیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب ـــــ بعد نماز عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۲۲

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشورہ کرنے کی اہمیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا اما بعد:

فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العلمين

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایسے مرحلے پیش آتے ہیں جن میں اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ یا اس کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، اب اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ کونسا راستہ اختیار کروں؟ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع کے لئے دو کاموں کی ہدایت دی ہے: ایک استخارہ کرنا، دوسرے مشورہ کرنا۔ استخارہ کا بیان پچھلے جمعہ کو بقدر ضرورت الحمد للہ ہو گیا تھا (یہ بیان اصلاحی خطبات کی جلد دس میں شائع ہو چکا ہے) دوسری چیز جس کا اس حدیث میں بیان ہے۔ وہ ہے "مشورہ" یہ مشورہ بھی دین کا ایک عظیم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (الشوریٰ: ۳۸)

یعنی ان کے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعہ طے کئے جاتے ہیں۔ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (آل عمران: ۱۵۹)

یعنی آپ صحابہ کرام سے اپنے معاملات میں مشورہ لیا کریں۔ لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو ہم جیسے لوگ تو بطریق اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔

مشورہ کیسے شخص سے کیا جائے؟

لیکن اس مشورے کے سلسلے میں چند باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہئے جس کو اس

متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت حاصل ہو، جب ایسے شخص کے پاس جاکر مشورہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں گے، لیکن اگر ہم نے ایسے شخص سے مشورہ کیا جس کو اس معاملے میں کوئی علم اور کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، اولاً تو وہ شخص مشورہ ہی کیا دے گا، اور اگر مشورہ دے گا تو اس مشورے سے فائدہ کیا ہوگا۔ لہٰذا جس شخص سے ہم مشورہ لینے جارہے ہیں، اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلوم کرلیں کہ وہ مشورہ کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اہل ہو تو اس سے مشورہ لیں، اگر اہل نہ ہو تو اس سے مشورہ لینے سے کچھ حاصل نہیں۔

"جمہوریت" کی ناکامی کی وجہ

اسلام کے نظام حکومت کی "شورائیت" میں اور موجودہ دور کی "جمہوریت" میں بھی بڑا فرق ہے۔ جمہوریت کا جو نظام اس وقت پوری دنیا میں چھا گیا ہے، اس نظام جمہوریت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ واقعۃً مشورہ دینے کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اس کو اس معاملے میں بصیرت بھی حاصل ہے یا نہیں؟ دنیا بھر کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک جماعت کا انتخاب کرلیا، اس انتخاب کے نتیجے میں ایک سے ایک دنیا پرست، مکار، عیار شخص ووٹ حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا، اور پھر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات شروع ہوئے، اب ہر ایک سے یہ پوچھا جارہا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ آدمی ٹھیک ہے یا نہیں؟ پھر انتخابات بھی سیاسی جماعتوں کی بنیادوں پر ہونے والے جس میں پارٹی کے منشوروں کی بنیاد پر ووٹ دیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دیہات کا رہنے والا کاشت کار ہے اور کسان ہے، جو بیچارہ غیر تعلیم یافتہ ہے، وہ ووٹ دینے سے پہلے تمام پارٹیوں کے منشوروں کا مطالعہ کرے، اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ کونسی پارٹی ملک کے حق میں مفید ہے، اور پھر اس پارٹی کے نامزد شخص کو ووٹ دے۔ پھر عام

طور پر شریف آدمی جس میں ان کاموں کو انجام دینے کی اہلیت ہو، اس کو تو اس میدان میں اترتے ہوئے بھی گھن آتی ہے کہ گندے تالاب میں کہاں اتروں گا۔

نااہلوں کا انتخاب

بہر حال، انتخابات کے نتیجے میں جو لوگ اسمبلی میں پہنچے وہ نااہل ہونے کے باوجود پوری قوم کے معاملات میں مشورے دیتے ہیں اور پوری قوم ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابند ہے۔ لہٰذا موجودہ جمہوریت کے نظام میں اہلیت کا کوئی معیار نہیں، نہ ووٹ دینے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے اور نہ منتخب ہونے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے، بس اتنا معیار ہے کہ اس کی عمر ۱۸ سال یا ۲۱ سال ہو اور اس کا نام ووٹر لسٹ کے اندر درج ہو، بس یہ اہلیت ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یا نہیں؟ قوم کے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگوٹھا چھاپ لوگ منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔

''جمہوریت'' اور ''شورائیت'' کا فرق

اسلام میں ''شورائیت'' ضرور ہے، لیکن مجلس شوریٰ کے لئے معیار اہلیت ہے۔ یعنی ایسے شخص سے مشورہ کرو جو اس کام کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی بصیرت رکھتا ہے۔ اسلام کی ''شورائیت'' اور موجودہ مغربی جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے، جمہوریت میں اکثریت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں، جب کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(الانعام ۱۱۶)

اگر آپ زمین کے رہنے والوں میں سے اکثر کی اتباع کرو گے تو وہ اللہ کے

راستے سے تم کو گمراہ کردیں گے۔ لہٰذا جب کسی کے پاس مشورہ کے لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ اس شخص کو اس معاملے میں بصیرت حاصل ہے یا نہیں؟

فن کے ماہر سے مشورہ کرو

مثلاً بعض لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں کہ فلاں بیماری میں مبتلا ہوں، آپ مشورہ دیجئے کہ کس طرح اس کا علاج کراؤں اور کس سے کراؤں؟ اب میں بیماری کو اور اس کے علاج کو کیا جانوں، بھائی! کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاؤ، اگر اس بارے میں مجھ سے مشورہ کروگے تو اس سے کیا حاصل ہوگا! جو شخص وہ کام جانتا نہ ہو تو وہ اس کے بارے میں کیا مشورہ دے گا۔ یاد رکھو! مشورہ ہمیشہ اس شخص سے لو جو اس کام کا اہل ہو۔ میرے پاس روزانہ بیشمار لوگوں کے خط اور فون آتے ہیں کہ ہم نے یہ خواب دیکھا ہے، آپ اس کی تعبیر بتادیجئے، حالانکہ مجھے ساری عمر خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں ہوئی۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ فلاں کام کے لئے تعویذ دیدیجئے اور مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ بھائی! جس آدمی کے پاس اس کام کی اہلیت نہ ہو، اس کے پاس اس کام کے لئے کیوں جاتے ہو؟۔ ہر شخص سے وہ کام لو جس کام کی اہلیت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے۔

دین کے معاملات میں علماء سے مشورہ کریں

بہرحال، مشورہ کے لئے سب سے پہلا کام صحیح آدمی کی تلاش ہے، بعض اوقات دین کے معاملات میں لوگ ایسے لوگوں کے پاس مشورے کے لئے چلے جاتے ہیں جن کو دین کا علم نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ لیا گیا اس نے غلط جواب دیدیا اور سوال کرنے والے نے اس پر عمل شروع کردیا، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ مشورہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے

کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو، اب بہت سے لوگ میرے پاس تجارت کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے آجاتے ہیں کہ یہ تجارت کریں یا فلاں تجارت کریں۔ اب مجھے کیا معلوم کہ تجارت کیا ہوتی ہے اور کس کے لئے کون سی تجارت مفید ہے۔

مشورہ کے لئے اہلیت کی ضرورت

لہٰذا مشورہ کرنے سے پہلے اس کے اندر اہلیت دیکھو کہ یہ شخص اس بارے میں مشورہ دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اگر انجینئرنگ کا کوئی کام ہو اور وہ مشورہ کرنے کے لئے ڈاکٹر کے پاس چلا جائے، اور جب گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے انجینئر کے پاس چلا جائے، اب بتایئے وہ شخص احمق ہو گیا یا نہیں؟ اسی طرح جب دین کے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کے لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ جس سے مشورہ لے رہا ہوں وہ مستند عالم دین ہے یا نہیں؟۔ آج ہمارا پورا معاشرہ اس گمراہی کے اندر مبتلا ہے کہ دین کے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور مشورے کے لئے ایسے لوگوں کے پاس چلے جاتے ہیں جن کے پاس دین کا کماحقہٗ علم نہیں ہوتا، مثلاً کسی کے بارے میں یہ سن لیا کہ وہ بڑی لچھے دار تقریر کرتے ہیں، یا کسی کو دیکھ لیا کہ ان کا حلیہ بڑا بزرگانہ اور دیندارانہ ہے، بس ان سے دین کے بارے میں مشورے شروع کر دیے اور ان سے فتوے پوچھنے شروع کر دیے۔ یاد رکھئے! مشورے کے لئے غلط آدمی کا انتخاب انسان کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

کن معاملات میں مشورہ کیا جائے؟

مشورے کے بارے میں دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ مشورہ کس چیز کے بارے میں کیا جائے؟ جو کام شریعت نے فرض قرار دیدیے ہیں یا جو کام واجب

قرار دیدیے ہیں یا حرام کر دیے ہیں تو ایسے تمام کام مشورے کا محل نہیں ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض و واجب قرار دے کر کرنے کا حکم دیدیا، وہ تو کرنے ہی ہیں، اور جن کاموں کو حرام قرار دے کر ان سے روک دیا، ان سے تو ضرور رکنا ہی ہے، ان میں مشورے کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں، یا یہ مشورہ کرلے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں؟ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں مشورہ کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ کام مشورے کے محل ہی نہیں ہیں۔

”مشیر“ کا پہلا فرض: اہلیت ہونا

تیسری بات یہ ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے کچھ فرائض ہیں، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”المستشار مؤتمن“

(ترمذی، کتاب الادب، باب ان المستشار مؤتمن)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔ یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، تو اس کو صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اس بارے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، اس لئے میں اس سلسلے میں مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن آج کل اگر کسی سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جائے تو چاہے اس کو اس معاملے میں بصیرت ہو یا نہ ہو، لیکن کچھ نہ کچھ جواب اور مشورہ ضرور دیدیتے ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ مشورہ دینا امانت کی بات ہے، اور میں اس کا اہل نہیں، لہٰذا مشورہ لینے کیلئے ایسے آدمی کے پاس جاؤ جو مشورہ دینے کا اہل ہو۔

دوسرا فرض: امانت داری

اور اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مدنظر رکھتے ہوئے اس کے مناسب جو مشورہ ذہن میں آئے، دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کردے، اس مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اگر میں اس کو یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا، کیونکہ جب اس نے مشورہ طلب کیا ہے تو اب اس کو وہ بات بتاؤ جو تمہارے نزدیک دیانتدارانہ طور پر اس کے حق میں خیر خواہی کی ہو، یہ نہ ہو کہ اس کو راضی اور خوش کرنے کے لئے اس کو غلط مشورہ دیدیا تاکہ وہ خوش ہو کر چلا جائے، چاہے وہ بعد میں گڑھے میں جاگرے اس کی پرواہ نہیں، یہ بات درست نہیں۔

مثلاً میرے پاس بعض لوگ کتاب لکھنے کے بارے میں مشورہ لینے کے لئے آتے ہیں، اب بظاہر اس کی دلداری کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور کتاب لکھنے پر اس کو مبارکباد دی جائے، لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ شخص کتاب لکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کو نرمی سے اور پیار سے سمجھا دیا کہ یہ کتاب لکھنا آپ کا کام نہیں، یہ آپ کا میدان نہیں ہے آپ کوئی اور کام کریں۔ لہٰذا اس کے مناسب مشورہ یہی تھا، اب چاہے اس مشورے سے ناراض ہو یا خوش ہو۔

مشورہ دینے میں ضرورتاً غیبت جائز ہے

یا مثلاً کسی شخص نے رشتہ مانگنے کا مشورہ لیا کہ فلاں جگہ رشتہ کروں یا نہ کروں۔ اس وقت آپ کے نزدیک اس کے حق میں جو خیر خواہی کی بات ہو وہ بتادو، چاہے وہ راضی ہو چاہے ناراض ہو۔ اس کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہیں وہ بتادو۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس میں شریعت نے ''غیبت'' کو بھی معاف

کیا ہے، مثلاً رشتہ کے معاملے میں کوئی شخص آپ سے مشورہ کر رہا ہے اور آپ کے علم میں اس کی کوئی بات خرابی اور عیب کی ہے اور آپ نے اس مشورہ لینے والے کو بتادیا کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو اس سے غیبت کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو مشورہ لے رہا ہے اس کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتادی جائے، یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کو بتادوں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا، اس سے دشمنی کھڑی ہو جائے گی، اور اس وجہ سے خاموش رہے، یہ بات ٹھیک نہیں۔

بلکہ اس کو بتادے اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ میں آپ کی خیر خواہی کے تحت آپ کو بتا رہا ہوں، لیکن اگر اس کو علم ہو گیا کہ یہ بات میں نے بتائی ہے تو اس کو صدمہ ہوگا، لہٰذا آپ اس کو نہ بتائیں۔ حدیث کے الفاظ "المستشار مؤتمن" کے یہ معنی ہیں یعنی جس سے مشورہ لیا گیا ہے، وہ امانت دار ہے، اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے۔

"مشیر" کا تیسرا فرض: راز داری

اور "المستشار مؤتمن" کا ایک مطلب اور بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے کے لئے آیا ہے اس نے تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اپنی مشکل تمہارے سامنے رکھدی ہے۔ اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان راز داری کا معاملہ ہو گیا، تم اس کے امانت دار ہو، یہ نہ ہو کہ وہ تو آپ سے مشورہ لینے آیا اور اس نے اپنی کوئی الجھن آپ کے سامنے پیش کی، اب آپ نے ساری دنیا میں اس کو لوگوں کے سامنے گانا شروع کر دیا کہ فلاں شخص تو یہ بات کہہ رہا تھا یا اس کے اندر تو یہ خرابی ہے۔ بھائی! جب اس نے تم سے مشورہ لیا ہے اور تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے تو اس کے راز کو راز رکھنا تمہارا فرض ہے، وہ تمہارے پاس امانت ہے، اب اس مشورے کی بات

کو دوسروں سے ذکر کرنا راز کا افشاء کرنا ہے، جو گناہ ہے اور ایک مسلمان کو رسوا کرنا ہے۔

مثلاً کوئی شخص اپنی کسی بیماری کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے آیا، آپ نے اس کو مشورہ دیدیا، تو اب اس بات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھو، اپنے اور اس کے درمیان محدود رکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرو، کیونکہ وہ مشورہ تمہارے پاس اس کی امانت ہے، اس امانت کے اندر اگر تم خیانت کرو گے تو بہت بڑی خیانت ہو گی اور بہت بڑا گناہ ہو گا۔

راز فاش کرنا گناہ ہے

آج کل ہمارے معاشرے میں اس بارے میں کتنی خرابی پائی جاتی ہے اور مشورہ لینے دینے میں ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، بیچارہ ایک شخص آپ کو خیر خواہ سمجھ کر آپ سے مشورہ لینے کے لئے آیا تھا، تم نے اس کا راز افشاء کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اسی کے نتیجے میں جھگڑے، فسادات اور دشمنیاں پھیلتی ہیں، اور پھر آپس میں ناچاقیاں ہو جاتی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "المستشار مؤتمن" کہہ کر ان تمام چیزوں کا دروازہ بند کر دیا۔

چوتھا فرض: صحیح مشورہ دینا

پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا یعنی آپ جانتے ہیں کہ جو مشورہ میں دے رہا ہوں وہ صحیح نہیں، لیکن اس کی بدخواہی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے اس کو غلط مشورہ دیدیا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ جس شخص سے دوسرے بھائی نے مشورہ کیا اور اس نے اس کو غلط مشورہ دیدیا تو فرمایا "فقد خانہ" یعنی اس نے اس کی امانت میں خیانت کی، یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص تمہارے پاس امانت کے طور پر پیسے رکھوائے اور تم ہڑپ کر جاؤ، جیسے ان پیسوں کو

بڑپ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

''مشیر'' کا عمر میں بڑا ہونا ضروری نہیں

مشورے کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مشورے کے اندر اہلیت تو دیکھنی چاہئے، لیکن اس میں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہے یعنی مشورہ کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میں بڑا ہوں، چھوٹے سے کیا مشورہ کروں، بلکہ جو بھی اہلیت رکھنے والا ہو اس سے مشورہ کرو۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تمہارے ضابطے کے بڑے دنیا میں موجود ہوں اس وقت تک اپنے بڑوں سے مشورہ کرو، ضابطے کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

''بزرگی بعلم است نہ بسال''

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی عمر میں بڑا ہے لیکن درجے میں چھوٹا ہے، اور ایک شخص عمر میں کم ہے لیکن درجے میں بڑا ہے۔

بڑے آپ، عمر میری زیادہ

یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ رشتے میں آپ کے چچا تھے لیکن عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا چچا جان! میں بڑا ہوں یا آپ بڑے ہیں؟ مقصد یہ تھا کہ کس کی عمر زیادہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوبصورت جواب دیا: فرمایا کہ بڑے تو آپ ہی ہیں، عمر میری زیادہ ہے۔

بہر حال، عمر میں بڑا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان درجے میں بھی

بڑا ہو، چھوٹے کا علم زیادہ ہو سکتا ہے، چھوٹے کا تقویٰ زیادہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے کی فضیلت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ضابطے کے بڑے" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن ضابطے میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بڑا بنایا ہے جیسے بیٹے کے لئے باپ، شاگرد کے لئے استاد، مرید کے لئے شیخ، چھوٹے بھائی کے لئے بڑا بھائی، یہ ضابطے کے بڑے ہیں جب تک یہ زندہ ہوں ان سے مشورہ کرو۔

ہم عمروں اور چھوٹوں سے مشورہ

پھر فرمایا:

جب ضابطے کے بڑے موجود نہ رہیں تو اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو، اور جب اپنے برابر کے لوگ بھی موجود نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرو۔

اور یہ دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" اب ظاہر ہے کہ آپ سے درجے میں کوئی دوسرا شخص بڑا ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ سے کہا جارہا ہے کہ آپ صحابہ کرام سے مشورہ کریں۔ اس کے ذریعہ یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ بڑے کو بھی اپنے آپ کو مشورے سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے، چاہے چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑے، لیکن پھر بھی مشورہ کرے۔ مشورے میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ لہٰذا کہ مشورہ لیتے وقت یہ نہ دیکھو کہ جس سے میں مشورہ لے رہا ہوں یہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا بھی ایسا مشورہ دیدیتا ہے کہ بڑے کے

ذہن میں وہ بات نہیں آتی۔ دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اور جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ کو اور صحابہ کرام کو روک دیا اور کہا کہ ہم آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب صحابہ کرام عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں، اور احرام باندھ کر آئے ہوئے ہیں، جب کفار مکہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا تو صحابہ کرام کو غصہ آگیا کہ یہ لوگ عمرہ کی عبادت ادا کرنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، بالآخر مذاکرات ہوئے اور مذاکرات کے نتیجے میں صلح ہوگئی، اور صلح اس بات پر ہوئی کہ اس مرتبہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اس مرتبہ عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ سال اس عمرے کی قضا کریں گے۔

اب بظاہر کفار قریش کا یہ مطالبہ بالکل غلط تھا، کیونکہ یہ حضرات حرم کے دروازے تک پہنچے ہوئے ہیں، پھر بھی ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہیں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ ادا کرنے کے لئے آئیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لئے دبی ہوئی شرائط تھیں، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم تھا کہ اس وقت ان کی یہ شرائط مان لی جائیں اگرچہ مسلمانوں کے لئے وہ دبی ہوئی شرائط ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مان لیں، اس ماننے میں بھی بہت سی حکمتیں تھیں۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حالت احرام میں تھے، اس لئے یہاں سے شریعت کا یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب کوئی احرام باندھ کر آئے اور پھر اس کے لئے عمرہ کرنا ممکن نہ رہے اور کوئی دشمن روک دے تو اس وقت اس کو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح احرام کھولنا چاہئے؟ اس وقت قرآن کریم کے

ذریعہ یہ حکم نازل ہوا کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو ایک جانور قربان کرنے کے لئے حرم بھیج دو، جس وقت وہ جانور حرم میں ذبح ہو جائے اس وقت محرم اپنے سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سب اپنے اپنے جانور حرم بھیج دیں اور جانور ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام نے جانور بھیج دیئے اور ان کی قربانی ہو گئی۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے سر منڈوا دو اور احرام کھول دو، تاکہ پھر مدینہ منورہ واپس چلیں۔ لیکن صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ شاید پوری سیرت طیبہ کے دور میں یہ ایک واقعہ ایسا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کسی کام کا حکم دیا اور صحابہ کرام اس کے لئے آگے نہیں بڑھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ صحابہ کرام کی طبیعت میں یہ جوشیلے جذبات تھے کہ اگر ہم چاہیں تو قریش مکہ کو مزہ چکھا دیں اور ان پر حملہ کر کے زبردستی عمرہ کرلیں۔ اس قسم کے جذبات کی وجہ سے آپ کا حکم ماننے کے لئے اور احرام کھولنے اور سر منڈوانے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سر منڈوا کر احرام کھول دیں، لیکن پھر بھی کوئی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ یہ وہ صحابہ ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے بات چیت کرنے کے لئے جو ایلچی آیا تھا، اس نے واپس جاکر لوگوں کو بتایا کہ میں نے صحابہ کرام کا عجیب منظر دیکھا، وہ یہ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں تو وضو کا پانی ابھی زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے ہی صحابہ کرام اس کو لے کر اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، اور آپ کا تھوک زمین پر نہیں گرتا، بلکہ صحابہ کرام آگے بڑھ کر اس کو اپنے جسم پر مل لیتے ہیں، ایسے فداکار صحابہ کرام ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ ان سے احرام کھولنے کے لئے

فرما رہے ہیں لیکن احرام کھولنے کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

حضرت اُمّ سلمہؓ سے آپ کا مشورہ کرنا

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے کے اندر تشریف لے گئے، آپ کی زوجۂ مطہرہ اور ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں، آپ نے جاکر ان سے فرمایا کہ آج میں نے عجیب معاملہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے ایک اشارے پر جان چھڑکنے کے لئے تیار ہیں، لیکن آج میں نے دو مرتبہ احرام کھولنے کیلئے کہا لیکن کوئی بھی احرام کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ گویا کہ آپ نے اس بارے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ حالانکہ وہ آپ سے چھوٹی ہیں، ان کو آپ سے کیا نسبت؟ لیکن چونکہ مشورہ کا حکم ہے اس لئے ان سے مشورہ کیا۔ بہر حال! حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ حضرات صحابہ جذبات اور جوش کے عالم میں مغلوب ہیں، اس لئے آپ ان کے اس طرز عمل کا خیال مت کیجئے، کیونکہ انکے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، اور بار بار انکو کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ ایک کام کیجئے! وہ یہ کہ آپ باہر تشریف لیجائیں اور خود اپنا سر منڈوا کر اپنا احرام کھول دیں، پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

اس مشورے کا نتیجہ

آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ خیمے سے باہر تشریف لے گئے، اور ایک صحابی کو بلا کر خود حلق کرانا شروع کر دیا، بس آپ کے حلق کرانے کی دیر تھی کہ صحابہ کرام نے ایک دوسرے کے سر حلق کرنے شروع کر دیے اور احرام کھولنا شروع کر دیا، اور یہ سوچا کہ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے احرام کھول دیا تو ہم آپ سے زیادہ غیرت کرنے والے کون ہیں۔ اب دیکھئے کہ یہ مشورہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا۔ چنانچہ انہی حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ عاقلات میں سے تھیں، یعنی ان خواتین میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم و فراست کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا، اور یہ مشورہ انکے اعلیٰ فہم کی دلیل ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی نفسیات کو سمجھتی تھی کہ جب یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام کرتا ہوا دیکھیں گے تو پھر ان سے نہیں رہا جائیگا بلکہ فوراً آپ کی اتباع میں وہ کام کرنا شروع کردیں گے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے چھوٹے سے مشورہ کیا۔ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں وہ بات آگئی جو ابتداً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں نہیں آئی۔ بہر حال! اس واقعے سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹے سے مشورہ کرنا بھی شریعت کا تقاضہ ہے۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ چھوٹے کے دل میں وہ بات ڈال دیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں بھی نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ لہٰذا چھوٹے سے مشورہ کرتے ہوئے عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

جذبات کی تسکین کا نام "دین" نہیں "دین" اتباع کا نام ہے

حدیبیہ کے اس واقعہ سے ایک دوسرا بڑا عظیم الشان سبق بھی ملتا ہے، وہ یہ کہ اپنے جذبات کی تسکین کا نام "دین" نہیں ہے، اپنے جوش کو ٹھنڈا کرنے کا نام "دین" نہیں ہے، بلکہ دین در حقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، خواہ جذبات کچھ بھی ہوں، مگر اس وقت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا جو مطالبہ ہے وہ کرو، یہی دین ہے۔

اب دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کے جذبات تو یہ تھے کہ کفار سے مقابلہ ہو جائے اور ہم بزدلی میں مبتلا ہو کر ان کی دبی ہوئی شرائط کو کیوں مانیں؟ لیکن جب حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھا تو سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

لیڈر اور قائد کیسا ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ بڑی پیاری بات فرمایا کرتے تھے، وہ یہ کہ لیڈر اور قائد وہ ہوتا ہے جو عوام کو جس طرح جوش دلا کر چڑھائے، اسی طرح انکا جوش اتار بھی سکے، یہ نہ ہو کہ بانس پر چڑھا تو دیا لیکن جب اتارنے کا وقت آیا تو خود بے قابو ہو گئے۔ عوام کے اندر جوش و خروش پیدا کر دیا، اور اس کے نتیجے میں لوگ قابو سے باہر ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر قائد عوام کے پیچھے چلتا ہے، اور عوام جو کہتی ہے وہی وہ کرتا ہے، حالانکہ قائد کا کام تو رہنمائی کرنا ہے، اگر لوگ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو ان کی رہنمائی کرے۔ لہٰذا قائد وہ ہے جو عوام کو جوش دلا کر چڑھائے تو اتار بھی سکے۔

قائد ہو تو ایسا

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ جہاد پیدا فرمایا، لیکن جب جہاد کا موقع نہیں تھا جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر تو پھر ان کو اس طرح اتار دیا کہ ایک صحابی نے بھی اس موقع پر ایک تلوار نہیں لہرائی۔ اس سے پتہ چلا کہ دین در حقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، اس وقت مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام دین ہے، اپنے جذبات اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کہا وہ کرو۔ صحابہ کرامؓ نے اس کا نمونہ بن

کر دکھادیا کہ جب غزوہ بدر اور غزوہ احد میں فداکاری اور جانثاری کا موقع آیا تو وہاں پہاڑوں کی مانند ڈٹ گئے، اور جہاں پیچھے ہٹنے کا موقع آیا جیسے صلح حدیبیہ پر تو وہاں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق پیچھے ہٹ گئے۔ اسی کا نام دین ہے۔ بہر حال! بات یہ چل رہی تھی کہ مشورہ چھوٹوں سے بھی ہوتا ہے۔

مشورہ پر عمل ضروری نہیں

مشورہ کے بارے میں ایک اور مسئلہ سنئے! وہ یہ کہ مشورہ لینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک صاحب بصیرت شخص کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ آپ کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے، اگر اس کے دل میں وہ مشورہ اتر جائے تو اس پر عمل کرے، اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ یہ مشورہ تو مناسب معلوم نہیں ہو رہا ہے تو اس مشورے پر عمل نہ کرے، شرعی اعتبار سے اس کو اختیار ہے۔ اب مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی کو کسی بات پر مشورہ دیا اور اس نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا تو اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں کہ اس نے ہماری بات نہیں رکھی اور ہماری بات نہیں مانی یا ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا، اس لئے کہ مشورہ کا مقصد تو آپ کی رائے معلوم کرنی تھی، وہ معلوم ہو گئی، اب اس کو اختیار ہے چاہے اس مشورے پر عمل کرے اور چاہے عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہؓ کا واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اس دنیا میں صاحب الرائے ہوگا، لیکن ایک صحابیہ تھیں حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ پہلے باندی

تھیں، بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں، ان کے آقا نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی کی باندی ہو تو آقا اس کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے، اور آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی باندی کا جس سے چاہے نکاح کر دے، وہ باندی منع نہیں کر سکتی۔ بہر حال! آقا نے ان کا نکاح کر دیا، اور کچھ عرصے کے بعد آقا نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور شریعت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر باندی آزاد کر دی جائے اور آقا نے اس کا نکاح پہلے کسی سے کر رکھا ہو تو باندی کو آزادی کے بعد اختیار ملتا ہے کہ چاہے اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے تو ختم کر دے۔ چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کا یہ حکم حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا دیا کہ اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور چاہو تو علیحدگی اختیار کر لو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر سے خوش نہیں تھیں، اس لئے انہوں نے علیحدگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا، ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت بریرہ اس نکاح کو ختم نہ کریں بلکہ باقی رکھیں۔

حضرت مغیثؓ کی حالت زار

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پیچھے جا رہے ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے تھے، اور ان سے کہہ رہے ہوتے تھے

کہ خدا کے لئے میرے ساتھ نکاح کو ختم نہ کریں۔ لیکن حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں مان رہی تھیں۔

آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟

بالآخر حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ حضرت بریرہ نکاح ختم نہ کریں، لیکن ان کا ارادہ نکاح ختم کرنے کا ہے، آپ کچھ سفارش فرمادیں کہ یہ میرے ساتھ نکاح کو برقرار رکھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ نکاح کیوں برقرار نہیں رکھتیں، اس نکاح کو برقرار رکھو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ حضور! آپ یہ جو فرمارہے ہیں کہ اس نکاح کو برقرار رکھو، یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو مجھے سرتابی کرنے کی مجال نہیں، پھر تو یقیناً اس حکم کو مانوں گی اور اس نکاح کو برقرار رکھوں گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا حکم نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: پھر تو میں آزاد ہوں کہ اس مشورے کو قبول کروں یا نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ میری زندگی گزرنی مشکل ہے، اس لئے میں ان سے علیحدگی اختیار کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

صحابیات کی فراست

اب آپ صحابیات کی فہم و فراست دیکھئے! ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا بھی حق ادا فرمایا اور آپ سے یہ پوچھ لیا کہ اگر آپ کا یہ حکم ہے تو پھر اپنی رائے، اپنی خواہش، اپنے جذبات، ہر چیز کو آپ کے حکم پر قربان کردوں گی۔ لیکن اگر آپ کا مشورہ ہے تو مشورہ کے اندر شریعت نے اختیار دیا

ہے کہ چاہے مشورہ پر عمل کریں یا عمل نہ کریں، لہٰذا مشورہ کی صورت میں میں اپنی رائے کو اختیار کروں گی۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کا برا نہیں منایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اے بریرہ! تم نے ہمارے مشورے کو بھی نہیں مانا؟ ہمارے مشورے کو قبول نہیں کیا؟ کوئی برا نہیں منایا، بلکہ ایک اعتبار سے ان کے اس فعل کی توثیق فرمائی۔

''حکم'' اور ''مشورے'' میں فرق

اور شریعت کا یہ حکم بتادیا کہ جب کوئی بڑا کسی کام کو کہے تو پہلے یہ اندازہ کرلو کہ آیا وہ حکم دے رہا ہے یا مشورہ دے رہا ہے، اگر حکم دے رہا ہے تو اسکی بات ماننی چاہئے، مثلاً باپ یا استاد یا شیخ کسی بات کا حکم دے رہے ہیں تو ان کی بات ماننی چاہئے، لیکن اگر مشورہ دے رہے ہیں تو مشورے کے اندر دونوں راستے کھلے ہیں۔ لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشورہ نہ ماننے پر برا نہیں منایا تو ہم اور آپ کیوں برا مناتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو یہ مشورہ دیا تھا لیکن ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ دوسرے کو مشورہ دیتے وقت یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ وہ ہمارا مشورہ مانتا ہے یا نہیں مانتا، بس اپنی طرف سے آپ صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ دیانتدارانہ طور پر اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مشورہ دینا چاہیں وہ دیدیں، آگے اس کو اختیار ہے۔ اور آپ سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے آپ کے مشورے پر کیوں عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو داروغہ نہیں بنایا ہے، آپ کا فرض ادا ہو گیا، اب اس کا کام ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

خلاصہ

یہ مشورے کے آداب ہیں جو ہمیں قرآن کریم نے سکھائے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ان کو مد نظر رکھتے ہوئے مشورہ لیا جائے اور مشورہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، پھر اس مشورے سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے کوئی ناچاقی، عداوت اور اختلافات پیدا نہیں ہوتے، لیکن جب ان احکام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو پھر لوگوں کے درمیان اس کی وجہ سے ناچاقیاں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

وقتِ خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۲۹

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شادی کرو، لیکن اللہ سے ڈرو

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً.

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء: ۱) آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمد لله رب العالمين.

تمہید

الحمد للہ ابھی ایک عزیز دوست (جناب حنیف کمال صاحب) کے نکاح

کی تقریب میں ہم سب کو شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس نکاح کو مبارک فرمائے، آمین۔ اس نکاح کا خطبہ پڑھتے وقت خیال یہ ہوا کہ آج اس موقع کی مناسبت سے بھی اور معاشرے کی ضرورت کے لحاظ سے بھی آج کچھ باتیں نکاح کے خطبہ سے متعلق بیان ہو جائیں۔ کیونکہ یہ خطبہ جو ہر نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے، اس کا بڑا عظیم مقصد ہے، اور ہم عام طور پر اس مقصد کو بھلائے ہوئے ہیں، بلکہ خطبہ نکاح کا پڑھنا ایک رسم بن کر رہ گیا ہے، جس میں نکاح کے وقت ایک نکاح خواں کو بلایا جاتا ہے۔ وہ خطبہ کے الفاظ پڑھ لیتا ہے۔ لوگ سن لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سارے خطبہ کا اور جو آیات کریمہ اس خطبہ میں تلاوت کی جاتی ہیں، ان کا ایک عظیم مقصد ہے جس میں ہم سب کیلئے نکاح سے متعلق بھی اور عام زندگی کے بارے بہت بڑا اسبق اور بہت بڑا پیغام دیا گیا ہے۔

حضور کے زمانے میں نکاح کے وقت نصیحت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح دیتے، تو اس وقت آپ کچھ نصیحت کی باتیں بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے، اب نصیحت کا وہ طریقہ متروک ہو گیا ہے، اور صرف خطبہ کی مسنون آیات تلاوت کرنے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے، لہٰذا اس خطبۂ نکاح کی روح کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

نکاح کے وقت خطبہ

نکاح دو افراد کے درمیان ایک سماجی معاہدہ ہے، جس میں طرفین سے

ایجاب وقبول ہوتا ہے، مثلاً نکاح خواں جو بیوی کا وکیل اور نمائندہ ہوتا ہے، وہ شوہر سے کہتا ہے کہ میں نے فلاں خاتون کا نکاح تم سے کیا، شوہر کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ لہٰذا جیسے خرید وفروخت کے معاہدات میں ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ اسی طرح نکاح کے اندر بھی ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ لیکن خرید وفروخت میں ایجاب وقبول کرتے وقت خطبہ پڑھنے کی اور قاضی کی ضرورت نہیں، لیکن نکاح کے وقت ایجاب وقبول سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھنے کو مسنون قرار دیا۔ اگرچہ اس خطبہ کے بغیر بھی نکاح ہوجاتا ہے، لیکن خطبہ پڑھنا سنت ہے۔

نکاح ایک عبادت

اس لئے کہ نکاح کے معاہدے میں اللہ تعالیٰ نے دو شانیں رکھی ہیں:۔ ایک شان تو سماجی معاہدے کی ہے، اور دوسری شان ''عبادت'' کی ہے، کیونکہ نکاح بذات خود ایک عبادت ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں معاملے کی شان مغلوب ہے، اور عبادت کی شان غالب ہے۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو ایک عبادت قرار دیا، اور اس کے عبادت ہونے کی وجہ سے اس میں خطبہ پڑھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا۔

خطبہ نکاح میں تین آیات

خطبہ نکاح میں تین آیات پڑھنا مسنون ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو

یہ نظر آئے گا کہ ان آیات میں براہ راست نکاح کا کوئی ذکر موجود نہیں، حالانکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں، جن میں نکاح کا ذکر بھی ہے، اور نکاح کے الفاظ بھی ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری آیات کو چھوڑ کر ان تین آیات کا خاص طور پر کیوں انتخاب فرمایا؟ اس کو سمجھنے کیلئے پہلے ان آیات کا ترجمہ دیکھنا مناسب ہے۔

پہلی آیت

پہلی آیت جو تلاوت کی جاتی ہے وہ سورۃ ''نساء'' کی پہلی آیت ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾. (سورۃ نساء:۱)

اے لوگو: تم اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، ایک جان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور اسی ایک جان سے اس کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا، اور ان دونوں کے باہمی تعلق سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلائے۔ پھر دوبارہ فرمایا۔ اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔ اگر کسی کو دوسرے سے اپنا حق مانگنا ہوتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ

اللہ کے واسطے مجھے میرا حق دیدو۔ اس لئے فرمایا کہ جس اللہ کا واسطہ دیکر تم اپنا حق مانگتے ہو، اس سے ڈرو کہ کہیں ان حقوق کی ادائیگی میں اس کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ: رشتہ داریوں کے باہمی حقوق سے ڈرو۔ تاکہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگہبان ہے، اور تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے۔

دوسری آیت

دوسری آیت سورۃ آل عمران کی آیت ہے:-

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسے اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار ہو۔ یعنی ساری زندگی اطاعت گزاری میں صرف کرو۔ تاکہ جب موت آئے تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہو۔

تیسری آیت

تیسری آیت سورہ احزاب کی ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○﴾ (سورۃ احزاب:۷۰-۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو، اور سیدھی بات کرو، اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال میں اصلاح کر دیں گے۔ اور تمہارے سب کام بنادیں گے، اور تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے، اور جو شخص اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح میں ان تین آیتوں کو پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ نے خاص نکاح کے موقع پر ان تین آیات کا کیوں انتخاب فرمایا، جبکہ نکاح سے متعلق اور بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں، اور ان تین آیات میں نکاح کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔

تینوں آیتوں میں ''تقویٰ'' کا ذکر

لیکن ان تین آیات میں غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ان تین آیتوں میں جو چیز قدرے مشترک ہے۔ جس کا تینوں آیتوں میں ذکر ہے۔ وہ ''تقویٰ'' ہے، اور تینوں آیتیں ''تقویٰ'' کے بیان سے شروع ہو رہی ہیں، نکاح کے موقع پر خاص طور پر ''تقویٰ'' کی تاکید اس لئے کی جارہی ہے کہ لوگ عموماً نکاح کے معاملے کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور اس بارے میں شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ نکاح سے پہلے بھی اور نکاح کے وقت اور نکاح کے بعد بھی ان احکام کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اس وجہ سے نکاح کے موقع پر خاص طور پر اس بات کی تاکید جارہی ہے کہ

تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ درحقیقت یہ نکاح کا رشتہ کبھی صحیح معنی میں خوشگوار نہیں ہوسکتا جب تک دلوں میں تقویٰ نہ ہو تقوے کے بغیر ایک دوسرے کے حقوق صحیح معنی میں ادا ہی نہیں کئے جاسکتے۔

ازدواجی زندگی کے تین مواقع، یعنی ایک نکاح سے پہلے، ایک نکاح کے وقت، ایک نکاح کے بعد۔ ان تینوں مواقع پر ہم نے دین کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، بس اتنا ضرور کر لیتے ہیں کہ نکاح کے وقت کسی مولوی صاحب کو بلاکر ان سے آیتیں پڑھوالیں، خطبہ پڑھوا کر نکاح کرلیا۔ لیکن اس نکاح سے پہلے کیا کام کیا، اور عین اس نکاح کے وقت کیا عمل کر رہے ہیں؟ اور نکاح کے بعد کیا کریں گے؟ ان تمام اعمال سے نہ خدا کا کوئی تعلق، اور نہ خدا کے رسول کا کوئی تعلق۔ حالانکہ یہ نکاح ایک عبادت ہے، اور ایک ثواب کا کام ہے۔

نکاح، فطری خواہش پوری کرنے کا آسان راستہ

پھر اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ میں نکاح کو اتنا آسان بنادیا کہ اس سے زیادہ آسان کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جو دین اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں ہمارے نفسیات کی پوری رعایت ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کی طرف اور عورت کے دل میں مرد کی طرف ایک کشش رکھی ہے، اس کشش کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی مرد اور عورت دونوں کے

باہمی اشتراک سے بسر ہو۔ بعض مذہب وہ ہیں جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ کشش شیطانی خواہش ہے، لہٰذا جب تک اس شیطانی خواہش کو نہیں مٹاؤ گے، اس وقت تک اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ ان مذاہب نے "رھبانیت" کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ کہہ دیا کہ نکاح اور شادی نہ کرو، مجرد زندگی گزارو۔ لیکن اسلام جو دین فطرت ہے، وہ جانتا تھا کہ یہ کشش انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر فطرت سے بغاوت کی جائے گی تو یہ فطرت غلط اور ناجائز اور حرام راستے تلاش کریگی۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَ ذُرِّيَّةً﴾

(سورۃ الرعد: ۳۸)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے آپ سے پہلے بھی انبیاء بھیجے، اور ہم نے ان کو بیویاں بھی عطا کیں، اور اولاد بھی عطا کی۔ لہٰذا بیوی بچوں سے الگ زندگی نہیں گزارنی، بلکہ بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہے اسلئے کہ یہ فطرت کا ایک تقاضہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فطری تقاضے کو پورے کرنے کا جائز راستہ اتنا آسان کر دیا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔

نکاح کیلئے خطبہ شرط نہیں

چنانچہ نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا بھی کوئی لازمی شرط نہیں، واجب اور فرض نہیں، البتہ سنت ضرور ہے۔ اگر دو مرد و عورت بیٹھ کر ایجاب وقبول

کرلیں، اور دو گواہ اس مجلس میں موجود ہوں، یا تو دو مرد گواہ ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ موجود ہوں۔ تو بس نکاح ہوگیا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کیلئے حلال ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو اتنا آسان کردیا، تاکہ انسان کی جو فطری خواہش ہے، اس کو پورا کرنے کا جائز راستہ اتنا آسان ہو جائے کہ اس میں کوئی دشواری نہ ہو۔ نکاح کیلئے نہ منگنی شرط ہے نہ مہندی شرط ہے، نہ تقریب شرط ہے، نہ اجتماع شرط ہے، نہ کسی کو بلانا شرط ہے۔

برکت والا نکاح

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً" (مسند احمد: ۶-۸۲)

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو، زیادہ مشقت نہ اٹھائی گئی ہو، بلکہ سادگی کے ساتھ، بغیر کسی تکلیف کے نکاح کرلیا گیا ہو۔ ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ زیادہ برکت عطا فرماتے ہیں۔

ہم نے نکاح کو مشکل بنادیا

لیکن شریعت نے اس نکاح کو جتنا آسان بنایا تھا، ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنادیا، آج نکاح کرنا ایک عذاب ہے سالوں اور مہینوں پہلے سے جب تک اس کی تیاری نہ کی جائے، اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے، اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نکاح ہوتے تھے :-

سادگی سے نکاح کرنے کا ایک واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ خوشخبری دیدی کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں۔ یوں تو تمام صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ تعلق تھا، لیکن عشرہ مبشرہ تو وہ دس صحابہ ہیں جو اخص الخواص ہیں، ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، آپ نے دیکھا کہ ان کی قمیص پر ایک زرد نشان لگا ہوا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قمیص پر یہ پیلا نشان کیسے لگ گیا؟ جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! میں نے نکاح کیا ہے، نکاح کی وجہ سے میں نے خوشبو لگائی تھی، یہ اس خوشبو کا نشان ہے، آپ نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: بارک اللہ لک وعلیک، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا "أولم ولو بشاۃ" ولیمہ کرلینا۔ چاہے ایک بکری کے ذریعہ ہو۔

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب فاذا قضیت الصلوٰۃ)

یہ سادگی آپ بھی اختیار کریں

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف مہاجر صحابہ کرام میں سے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دور کا رشتہ بھی ہے، عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ لیکن اپنے نکاح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا، بلکہ نکاح کے بعد آپ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ اور پھر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شکایتاً یہ نہیں کہا کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا ہمیں بلایا بھی نہیں، بلکہ برکت کی دعا دی کہ "بارک اللہ لک وعلیک" البتہ یہ فرمایا کہ ولیمہ کرلینا، چاہے اس کے لئے ایک بکری ہی ذبح کرنی پڑے، اب دیکھئے کہ نکاح کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اتنی سادگی کے ساتھ نکاح فرمالیا۔

آج اگر کوئی شخص اس طرح نکاح کرلے کہ اپنے خاص لوگوں بھی نہ بلائے۔ تو پھر دیکھئے گا کہ اس سے لوگوں کو کتنی شکایتیں ہونگی، کتنے شکوے اور گلے ہونگے کہ یہ صاحب تو اکیلے اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے، ہمیں پوچھا تک نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکایت نہیں کی۔

حضرت جابر کو نوازنے کا واقعہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

ان کے ساتھ محبت کا بڑا خصوصی تعلق تھا۔ ان کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ غزوہ بنی مصطلق سے جہاد کر کے واپس آ رہے تھے، ان کا اونٹ بہت سست رفتار تھا۔ اور اڑیل تھا۔ یہ اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر وہ نہیں چلتا تھا۔ پورا قافلہ آگے نکل جاتا۔ اور یہ پیچھے رہ جاتے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ یہ بار بار پیچھے رہ جاتے ہیں تو آپ ان کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ساتھ کیوں نہیں چلتے، انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، یہ اونٹ چل کر نہیں دیتا، میں اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتا ہوں مگر یہ پھر پیچھے رہ جاتا ہے۔ آپ نے قریب کی جھاڑی سے ایک لکڑی توڑی۔ اور ہلکے سے وہ لکڑی چابک کے طور پر اس اونٹ کو لگائی جیسے ہی آپ نے وہ لکڑی لگائی، بس وہ اونٹ تو ہوا ہو گیا، اور بہت تیزی سے دوڑنے لگا، یہاں تک کہ تمام قافلے سے آگے نکل گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کے قریب پہنچے، اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اب تو تمہارا یہ اونٹ بہت تیز دوڑ رہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی برکت سے اتنا تیز ہو گیا کہ سب سے آگے ہو رہا ہے۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ تو بہت شاندار اونٹ ہے، کیا تم یہ اونٹ مجھے بیچو گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، بیچنے کی کیا بات ہے، اگر آپ کو پسند ہے تو آپ میری طرف سے ہدیہ قبول فرمالیں، آپ نے فرمایا کہ ہدیہ نہیں۔ بلکہ میں تو قیمتاً لوں گا، اگر بیچنا چاہتے ہو تو بیچ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ خریدنا چاہتے ہیں تو آپ

جس قیمت پر چاہیں خرید لیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم بتاؤ کہ کس قیمت پر بیچتے ہو؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! میں اس کو ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کرتا ہوں، (اوقیہ چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا، جو تقریباً چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) آپ نے فرمایا کہ تم نے تو بہت زیادہ قیمت لگادی۔ اس قیمت میں تو بڑے بڑے اونٹ آجاتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ۔ آپ جتنی قیمت لگانا چاہیں لگادیں، آپ نے فرمایا کہ چلو میں ایک اوقیہ میں خریدتا ہوں۔ اور میں اس کے پیسے مدینہ منورہ پہنچ کر دوں گا۔

اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ سے اتر کر کھڑے ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اونٹ سے کیوں اتر گئے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ اونٹ تو آپ نے خرید لیا، اب یہ آپ کا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ تک پیدل جاؤ گے، ایسا کرو کہ تم اسی پر سواری کر کے مدینہ منورہ تک پہنچ جاؤ، وہاں جا کر تم سے یہ اونٹ لے لیں گے، اور پیسے ادا کر دیں گے۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے وہ اونٹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ بھی ان کو واپس کر دیا، اور ایک اوقیہ چاندی بھی ان کو دیدی۔ یہ درحقیقت ان کو نوازنے کا ایک بہانہ تھا۔

سادگی سے نکاح کا دوسرا واقعہ

حدیث شریف میں ہے جس وقت وہ اونٹ تیز چل رہا تھا، اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس وقت آپ نے ان سے پوچھا کہ بھائی تم نے شادی بھی کی یا نہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے غزوہ میں آنے سے پہلے نکاح کرلیا ہے۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، میں نے ایک ثیبہ عورت سے نکاح کیا ہے، جو پہلے ایک شخص کے نکاح میں تھیں، جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو میں نے ان سے نکاح کرلیا۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ دراصل میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اور میری چھوٹی بہنیں ہیں، اس لئے مجھے ایک ایسی عورت کی تلاش تھی جو ان کی بھی دیکھ بھال کرسکے، اس لئے اگر میں نوعمر لڑکی سے نکاح کرتا تو وہ ان کی صحیح دیکھ بھال نہ کرسکتی، اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا۔ چنانچہ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ اور فرمایا کہ "بارک اللہ لک وعلیک وجمع بینکما بخیر" اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور الفت اور محبت کے ساتھ تم دونوں کو جمع کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ میں جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں نکاح کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما ہیں، اور اس کے بعد غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، پھر جب اس غزوہ سے واپس ہوئے تو آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ اور

انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس نکاح میں بلائیں نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی کہ تم نے چپکے چپکے نکاح کرلیا، مجھے کیوں نہیں بلایا۔

دوسروں کو بلانے کا اہتمام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں نکاح کی سادگی کا یہ انداز نظر آتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے اس نکاح کو آسان رکھا تھا، صحابہ کرام نے اس کو اتنا ہی آسان اور سادہ رکھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے بڑوں کو اور رشتہ داروں کو نکاح کے موقع پر بلانا حرام اور ناجائز ہے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ ابوبکر وعمر کو بلا لاؤ، نکاح ہونے والا ہے، اس طرح خاص خاص لوگوں کو آپ نے بلالیا، لہذا بلانا جائز ہے۔ لیکن نکاح کے اندر اہتمام کہ جب تک فلاں شخص نہیں آجائے گا اور جب تک فلاں شرائط پوری نہیں ہوں گی، اور جب تک فلاں فلاں رسمیں نہیں ہونگی، اس وقت تک نکاح منعقد نہیں ہوگا، شریعت میں ایسے اہتمام کی گنجائش نہیں۔

آج ہم نے حلال کو مشکل بنادیا

آج ہم نے نکاح کو مشکل بنادیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب حلال کے دروازے بند کردیئے تو حرام کے دروازے کھل رہے ہیں، آج اگر حلال کا راستہ کوئی شخص اختیار کرنا چاہے تو اس کے راستے میں پابندیاں اور

دکانیں ہیں، اور جب تک لاکھوں روپیہ نہ ہو۔ وہ حلال راستہ اختیار نہیں کرسکتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ حرام کی طرف جارہے ہیں، اوراس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں۔ اس کے ذریعہ معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔

تین چیزوں میں تاخیر مت کرو

ایک حدیث جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ثلاثاً لا تؤخرها، الصلاة اذا دخل وقتها، الجنازة اذا حضرت، والایم اذا وجدت لها کفواً"

(ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل)

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے میں تاخیر اور دیر نہ کرو۔

(۱) جب جنازہ تیار ہوکر آجائے تو نماز جنازہ پڑھنے میں دیر نہ کرو۔ نماز جنازہ کو جلدی پڑھنے کا حکم اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے وقت میں جنازہ آئے جب کہ جماعت تیار ہو، تو فرض تو پہلے ادا کرلئے جائیں، فرضوں کے بعد پہلے جنازہ کی نماز ادا کی جائے، اس کے بعد سنتیں ادا کی جائیں۔ بعض فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں پڑھنا تو جائز ہے لیکن نفلیں پڑھنا جائز نہیں، جب تک نماز جنازہ نہ پڑھ لیں، فتوی بھی اسی قول پر ہے۔ عام لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے، چنانچہ نماز جنازہ کا اعلان ہونے کے باوجود لوگ فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنا

شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نفلوں کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

(۲) دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جب نماز کا وقت مستحب شروع ہو جائے تو اس کے بعد نماز میں تاخیر نہ کرو۔ بلکہ جتنی جلدی ہو سکے نماز پڑھ لو۔ بعد میں پھر وقت ملے یا نہ ملے۔ پھر حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں۔

(۳) تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جب بے شوہر کی لڑکی کا مناسب رشتہ مل جائے تو اس کے نکاح میں تاخیر نہ کرو۔

لہٰذا ان تینوں چیزوں میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے، یعنی مناسب رشتہ ملنے پر لڑکی کا رشتہ نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت فساد پھیلے گا۔ وہ فساد یہ ہوگا کہ جب آپ نے حلال کا راستہ روک دیا تو پھر حرام کا راستہ کھل جائے گا۔

ان فضول رسموں کو چھوڑ دو

لہٰذا شریعت نے نکاح کو جتنا آسان بنادیا تھا آج ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنادیا، اور اس کو ایک عذاب بنادیا، اور پرتکلف بنادیا، خدا جانے کیا کیا رسمیں اس کے اندر ہم نے اپنی طرف سے گھڑ لیں کہ پہلے منگنی ہونی چاہئے، اور منگنی کے اندر فلاں فلاں رسمیں ہونی چاہئیں، شادی سے پہلے مہندی ہونی چاہئے، ان رسموں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا، یہ سب ہم نے اپنی طرف سے اضافے کر رکھے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج نکاحوں میں بے برکتی ہو رہی ہے۔

علی الاعلان نکاح کرو

دوسرے نکاح کے وقت انجام دیے جانے والے امور ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ نکاح ایک عبادت ہے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد"

(ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الاعلان النکاح)

یعنی نکاح کا اعلان کرو، علی الاعلان نکاح ہونا چاہئے، حلال اور حرام میں یہی فرق ہے کہ حرام کام چوری چھپے ہوتا ہے، اور خفیہ طریقے سے ہوتا ہے، اس لئے نکاح میں شریعت نے یہ ضروری قرار دیا کہ علی الاعلان ہو، لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہو گیا ہے۔ آگے فرمایا کہ اس نکاح کو مسجد میں انجام دو، اس کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا۔ اس لئے کہ نکاح ایک عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہے، لہٰذا جس طرح نماز عبادت ہے۔ اسی طرح نکاح بھی عبادت ہے، اسلئے اس کو مسجد میں انجام دینے کی تاکید فرمائی ہے۔

نکاح کے بعد مسجد میں شور وشغب

لیکن یہاں ایک مسئلہ اور سن لیجئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی حیثیت سے آپ ہی کی نگاہ وہاں تک پہنچ سکتی ہے، وہ یہ کہ

ایک دوسری حدیث میں جہاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نکاح میں مسجدوں میں انجام دو، وہاں ساتھ ہی آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"وَإِيَّاكُم وهيشات الأسواق"

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من يستحب ان يلي الامام في الصف)

یعنی بازاروں کی طرح کے شور وشغب سے بچو۔ اب ہمارے ہاں اس کا رواج تو ہو رہا ہے کہ نکاح مسجد میں ہوتے ہیں لیکن اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نکاح تو مسجد میں کرلیا، لیکن نکاح کے نتیجے میں مسجد کے اندر شور وشغب شروع ہوگیا۔ آج کل اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ نکاح کی محفل کے بعد شور وشغب شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک اس طرف دیکھ رہی تھیں کہ جب لوگ اس حکم پر عمل کریں گے تو کہیں اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں، اس لئے آپ نے پہلے ہی خبردار فرما دیا کہ مسجدوں کو بازاروں کی طرح کے شور وشغب سے بچاؤ۔

عبادت میں گناہ کی آمیزش

لہٰذا جب نکاح عبادت ہے تو عبادت کو گناہ کی آمیزش سے پاک ہونا چاہئے، یہ عجیب بات ہے کہ عبادت بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ ساتھ حرام کام بھی ہو رہا ہے، گناہ بھی ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بھی پڑھے، اور نماز کے دوران ریکارڈنگ بھی لگا رکھے، اب نماز بھی ہو رہی ہے، اور فلمی گانے بھی چل رہے ہیں۔ کوئی شخص ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، لیکن وہ کم از کم نماز

کے وقت گناہ سے پرہیز کرنے کی کوشش کریگا، نماز پڑھتے وقت اگر سامنے تصویر ہوگی تو اس تصویر کو ہٹا دیگا، اگر موسیقی بج رہی ہوگی تو اس کو بند کر دیگا۔ ہندوستان میں یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی کافر نے نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجا بجا دیا تو اس پر فساد ہو جاتا تھا، اور مسلمان اس پر اپنی جان دیدیتے تھے۔ اور اب ماشاء اللہ مسجدوں کے سامنے خود گانے بجانے شروع کر دیے۔ لہٰذا عین نماز کے وقت اور عین عبادت کے وقت کم از کم انسان اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔

نکاح کی محفل گناہوں سے پاک ہو

لہٰذا نکاح کے عبادت ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح کی محفل جو عبادت کی محفل ہے، جو سنت کی ادائیگی کی محفل ہے، اور جو ایک ثواب کی محفل ہے، اور جس محفل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں، کم از کم اس محفل کو تو گناہوں سے پاک کیا جائے۔ آج ہم نے اس محفل کو ہر طرح کے گناہوں کا ملغوبہ بنا دیا ہے، مرد و عورت کا آزادانہ میل ہو رہا ہے، عورتیں بن سنور کے محفل کے اندر آ رہی ہیں ساتھ میں نکاح کی عبادت بھی ہو رہی ہے، یہ کیسی عبادت ہو رہی ہے، یہ کیسی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ادائیگی ہو رہی ہے۔

حکم تو یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو اگر اس نکاح کو انجام دیتے ہوئے نافرمانیوں کا ارتکاب کرو گے تو اس نکاح کے اندر برکت نہیں ہوگی۔ برکت اس وقت ہوگی جب نکاح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے،

اور اس کو سادگی کے ساتھ انجام دیا جائے، اس میں کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔ اگر لوگوں کا اجتماع بلالیا، تو یہ کوئی ناجائز اور حرام کام نہیں ہے، دعوت بھی کردی۔ لیکن گناہ کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح تو اس لئے کیا جارہا ہے کہ انسان کی فطری خواہش کی تسکین کیلئے جائز طریقہ نکالا جائے۔ اگر گناہ کے کام اس کے اندر کئے جائیں گے تو نکاح کے مقصد کے خلاف ہے۔ اس لئے نکاح کی محفل میں گناہ کے کاموں سے پرہیز کیا جائے۔

خوشگوار ازدواجی کیلئے تقویٰ کی ضرورت

تیسری بات نکاح کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کی ہے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں بیوی کے تعلقات اس وقت تک خوشگوار نہیں ہو سکتے، جب تک دونوں کے دل میں تقویٰ نہ ہو، اللہ کا خوف نہ ہو۔ دیکھئے دونوں میاں بیوی کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ قریبی تعلق کسی اور کے درمیان نہیں ہوسکتا، دونوں ایک دوسرے کے محرم راز ہوتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے اتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں کہ اس سے زیادہ قرب کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا، دونوں کے آپس کے تعلقات ایسے ہیں کہ وہ کبھی بھی دوسروں کے سامنے مکمل طور پر نہیں آسکتے، لہٰذا تنہائی کے اس عالم میں جب کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت ہے، اس وقت ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں، یا حق تلفی کریں تو کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ بہت سے حقوق تو ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ کی حق تلفی کرے تو پولیس کے ذریعہ وہ حق

وصول کیا جا سکتا ہے۔ یا عدالت میں دعویٰ دائر کر کے عدالت کے ذریعہ وہ حق وصول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کے بیشتر حقوق ایسے ہیں کہ ان کو نہ تو پولیس کے ذریعہ وصول کیا جا سکتا ہے، اور نہ عدالت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، عدالت زیادہ سے زیادہ یہ کرے گی کہ بیوی کو نان نفقہ دلا دیگی، اور مہر دلا دیگی، لیکن اگر شوہر گھر میں آ کر منہ چڑھا کر بیٹھ جاتا ہے، اور جب بات کرتا ہے تو جلی کٹی سناتا ہے، تو اب یہ جلی کٹی سنانے کا اور منہ چڑھا کر بیٹھ جانے کا جو دکھ ہے، اس کا ازالہ کونسی عدالت اور کونسی پولیس کریگی؟

''اللہ کا خوف'' حقوق کی ادائیگی کرا سکتا ہے

اگر کوئی چیز اس دکھ کا ازالہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ایک چیز ہے، وہ ہے ''اللہ کا خوف'' جب شوہر کے دل میں اس بات کا احساس ہو کہ بیوی کا وجود اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، تو اس کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں جو مجھے ادا کرنے ہیں، اگر میں ادا نہیں کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میری پکڑ ہوگی۔ جب تک یہ احساس دل میں نہ ہو، انسان اس کے تمام حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ حقوق نہ عدالت دلوا سکتی ہے نہ پولیس دلوا سکتی ہے۔

یہ تو درندے کا وصف ہے

میرے ایک ہم سبق تھے۔ ایک مرتبہ وہ فخریہ انداز میں یہ بیان کرنے لگے کہ جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو میری بیوی اور بچوں کی جرأت

نہیں ہوتی کہ مجھ سے کوئی بات کریں، یا میرے حکم سے سرتابی کرسکیں۔ وہ اپنی مردانگی ظاہر کرنے کیلئے یہ بات بیان کررہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو آپ اپنا وصف بیان کررہے ہیں۔ یہ کسی درندے کا وصف تو ہوسکتا ہے۔ انسان کا تو یہ وصف نہیں ہوسکتا، انسان کا وصف تو وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لاتے تو اس طرح تشریف لاتے کہ آپ کا چہرہ انور کھلا ہوا تھا، اور آپ کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا، اور جتنا عرصہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزارا، اس عرصہ میں آپ نے مجھے کوئی بڑی سرزنش نہیں فرمائی۔

آج تک لہجہ بدل کر بات نہیں کی

یہ ہے انسان کا کام، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا۔ یہ کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دل میں تقویٰ نہ ہو، اللہ کا خوف نہ ہو۔ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین اپنا معمول بیان فرماتے تھے کہ آج میری شادی کو پچپن سال ہوگئے، لیکن آج تک گھروالوں سے غصہ کی حالت میں لہجہ بدل کر بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ لوگ کرامت اس کو سمجھتے ہیں کہ کوئی ہوا میں اڑنے لگے، یا جلتی ہوئی آگ میں سے گزر جائے۔ لیکن حقیقی کرامت یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود پچپن سال اس طرح گزارے کہ کبھی اہلیہ سے لہجہ بدل کر غصہ کی حالت میں

بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

خود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ ساری عمر حضرت نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا، مثلاً کبھی یہ نہیں کہا کہ پانی پلا دو، یا یہ کام کر دو، بلکہ میں نے اپنے شوق سے کوئی کام کر لیا تو کر لیا یہ اہتمام کہ کبھی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہ کروں، یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک دل میں خدا کے خوف کا پہرا نہ ہو، تقویٰ کا پہرا نہ ہو، اس لئے کہ یہ کام نہ تو پولیس کرا سکتی ہے، اور نہ عدالت کرا سکتی ہے۔

بیوی کا ہاتھ کون روک سکتا ہے؟

اسی طرح اگر بیوی شوہر کو تکلیف پہنچانے پر اتر آئے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، کوئی عدالت کوئی پولیس اس کو نہیں روک سکتی۔ بس ایک چیز بیوی کو اس چیز سے روک سکتی ہے۔ وہ ہے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف۔ اس لئے اس نازک موقع پر جب زندگی کا دوراہا شروع ہو رہا ہے، اس وقت جو خطبہ مسنون قرار دیا، اس میں ایسی آیات کا انتخاب فرمایا جن میں اس بات کی تاکید فرمائی کہ تقویٰ اختیار کرو، اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا کرو، اس کے ذریعہ ہی تم ایک دوسرے کے حقوق ادا کر سکو گے، اس کے بغیر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے۔

ہر کام کی درستی ''تقویٰ'' میں ہے

یہی بات یہ ہے کہ ''تقویٰ'' کے بغیر اور اللہ کے خوف کی بغیر دنیا کا کوئی

کام صحیح نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر نکاح کے معاملات اور میاں بیوی کے باہمی حقوق تقویٰ کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر انسان کی نگاہ ہو، اور اتباع سنت کا جذبہ دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہو، اور آخرت میں جواب دہی کا احساس دل میں ہو، تب ایک دوسرے کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رشتہ داریوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو۔ ان میں سے ہر ہر چیز کے بارے میں وہاں پر تم سے سوال ہوگا کہ تم نے کس کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کیا تھا۔

نکاح کرنا سنت ہے

نکاح کے خطبہ میں ان آیات کے علاوہ کچھ احادیث بھی تلاوت کی جاتی ہیں، چنانچہ میں نے ایک حدیث یہ تلاوت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"النکاح من سنتی"

(ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح)

یعنی نکاح میری سنت ہے، اس کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ محض دنیا داری کا کام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثواب کا کام بنایا ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا کے تمام کام جن کو ہم دنیا سمجھتے ہیں، اگر ذرا سی نیت بدل لو، ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو، اور اس کا طریقہ کار بدل لو تو حقیقت میں یہ سب دین ہیں۔ چنانچہ یہ نکاح بھی دین ہے بیع وشراء

بھی دین ہے یہ تجارت بھی دین ہے، یہ زراعت بھی دین۔ یہ ملازمت بھی دین، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی دین ہے، بس شرط یہ ہے کہ ان سب کاموں میں تمہاری نیت اللہ کو راضی کرنا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت ہو تو پھر کھانا پینا، تجارت وصنعت سب دین بن جاتی ہے۔

نکاح خاندانوں کو جوڑنے کا ذریعہ

دوسری حدیث یہ تلاوت کی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لَمْ تُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ"

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳ص ۱۲۸)

یعنی اگر دو خاندانوں میں آپس میں محبت ہے، تو اس محبت کو پختہ کرنے والی نکاح سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا اگر دو خاندانوں میں آپس میں محبت ہے تو اس محبت کو پائیدار کرنے کیلئے ان خاندانوں کے بعض افراد کے درمیان آپس میں رشتہ قائم ہو جائے تو اس محبت کو مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس محبت میں مزید برکت عطا فرماتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں، اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنے والے ہوں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد نکاح کرنے کا بہت بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سے قبائل سے تعلقات قائم کرنے منظور تھے، اس لئے آپ نے ان قبائل کی خواتین سے

نکاح فرمایا۔ اس زمانے میں بھی اس کا رواج تھا کہ جن کے درمیان باہمی قریبی تعلقات ہوتے اس تعلق کو نکاح کے ذریعہ مزید پختہ بنا دیا جاتا تھا۔

دنیا کی بہترین چیز ''نیک خاتون''

تیسری حدیث جو میں نے تلاوت کی اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"الدنیا کلھا متاع، وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ"

(مسلم شریف، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ"

یعنی یہ ساری دنیا متاع ہے، نفع اٹھانے کی چیز ہے، کیونکہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفع اٹھانے کیلئے بنائی ہے، تاکہ انسان اس سے جائز طریقے سے نفع اندوز ہو۔ اور دنیا کے اندر سب سے بہتر نفع اٹھانے کی چیز نیک خاتون ہے، نیک خاتون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑی نعمت قرار دیا۔

دنیا کی جنت

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی جنت یہ ہے زوجین ایک ہوں، اور نیک ہوں۔ یعنی اگر دو باتیں جمع ہو جائیں کہ دونوں کے درمیان اتحاد اور محبت بھی ہو، اور دونوں نیک بھی ہوں تو یہ دنیا کی جنت ہے۔ اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہو جائے تو دنیا میں جہنم ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں دنیا بے کیف اور بے مزہ

ہو جاتی ہے، اور اس میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تین چیزوں کا حصول نیک بختی کی علامت

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تین چیزیں انسان کو دنیا میں حاصل ہو جائیں تو اس کی سعادت کا حصہ ہے، اس کی نیک بختی کی علامت ہے۔ (۱) ایک کشادہ گھر، (۲) دوسرے امراۃ الصالحۃ، نیک خاتون، (۳) تیسرے شگوار سواری۔ اگر یہی تین چیزیں خراب ہو جائیں تو پھر یہ شوم ہیں، یعنی پوری زندگی کیلئے نحوست اور وبال ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ شوہر کو بیوی کا انتخاب کرتے ہوئے اور بیوی کو شوہر کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات بدنظر رکھنی چاہئے کہ اس میں خدا کا خوف کتنا ہے، اور دین پر چلنے کا جذبہ کتنا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نکاح کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

برکت والا نکاح

چوتھی حدیث یہ تلاوت کی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أعظم النكاح بركةً أيسره مؤنةً"

(مسند احمد ج ۶ ص ۸۲)

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں محنت اور مشقت

اور خرچ کم ہو۔ نکاح جتنی سادگی سے کیا جائے گا، اتنی زیادہ اس کی برکتیں حاصل ہوں گی۔

بہر حال، نکاح کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں، اگر حقیقت میں ان پر عمل ہو جائے تو دین و دنیا کی صلاح وفلاح حاصل ہو جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں چاروں طرف جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور جو فساد پھیل رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ ان ارشادات سے غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

طنز اور طعنہ سے بچیے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۳۵

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طنز اور طعنہ سے بچیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس المؤمن بالطعّان ولا باللعّان ولا الفاحِش ولاالبذی۔

حقیقی آفت اور مصیبت

پچھلے چند جمعوں سے زبان کے گناہوں کا بیان چل رہا ہے، زبان کے اِن گناہوں کو صوفیاء کرام "آفاتِ لسانی" سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی زبان کی آفتیں۔ "آفت" کے معنی ہیں "مصیبت" ہم اور آپ ظاہری اعتبار سے مصیبت اس کو سمجھتے ہیں جیسے کوئی بیماری آ جائے، یا جان یا مال کو نقصان پہنچ جائے، یا اور کوئی دنیاوی ضرر لاحق ہو جائے، تو ہم اس کو آفت اور مصیبت سمجھتے ہیں۔ لیکن جن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ حقیقت شناس نگاہ عطا فرماتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حقیقی آفت وہ ہے جس کے ذریعے انسان کے دین کو ضرر لاحق ہو جائے۔

دنیا غم اور خوشی سے مرکب ہے

اگر کسی کو کوئی دنیاوی ضرر لاحق ہو گیا تو وہ اتنا تشویش ناک نہیں، کیونکہ دنیا میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، کبھی فائدہ اور کبھی نقصان، کبھی خوشی اور کبھی غم، نہ تو دنیا کا غم پائیدار ہے اور نہ خوشی پائیدار

ہے۔ اگر کسی کو کوئی غم یا پریشانی آئی ہے تو وہ انشاء اللہ چند دنوں کے بعد رفع ہو جائے گی اور انسان اس تکلیف اور غم کو بھول جائے گا، لیکن خدا نہ کرے اگر دین کو کوئی مصیبت لاحق ہو جائے تو یہ ناقابلِ تلافی ہے۔

ہمارے دین پر مصیبت واقع نہ ہو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا کیا عجیب وغریب دعائیں تلقین فرمائی ہیں، آدمی اس کے ایک ایک لفظ پر قربان ہو جائے۔ چنانچہ ایک دعا کے اندر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰھُم لا تجعل مصیبتنا فی دیننا۔

اے اللہ! کوئی مصیبت ہمارے دین پر واقع نہ ہو۔

اس لئے کہ جب انسان اس دنیا مں آیا ہے تو اس کو کسی نہ کسی مصیبت سے سابقہ پیش آتا ہی ہے، کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو یا مال دار ہو یا صاحب اقتدار ہو، کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کو کوئی نہ کوئی مصیبت پیش نہ آئی ہو، اس دنیا میں مصیبت تو ضرور پیش آئے گی، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! جو مصیبت پیش آئے وہ دنیا کی مصیبت ہو، دین کی مصیبت پیش نہ آئے۔ پھر آگے ارشاد فرمایا:

ہماری سوچ اور علم کا محور دنیا کو نہ بنا

ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا

غاية رغبتنا۔

اے اللہ! ہماری ساری سوچ بچار دنیا ہی کے بارے میں
نہ بنایئے کہ ہر وقت دنیا ہی کے بارے میں سوچتے رہیں
اور آخرت کا کچھ خیال نہ ہو۔ اور اے اللہ! نہ اس دنیا کو
ایسا بنایئے کہ ہمارا سارا علم اس دنیا ہی کے بارے میں
ہو اور دین کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہ ہو۔ اور نہ
ہماری ساری خواہشات کا مرکز اس دنیا کو بنایئے کہ
ہماری ساری خواہشات اور ہماری ساری امنگیں اس دنیا
ہی سے متعلق ہوں اور آخرت کے بارے میں ہمارے
دل میں کوئی خواہش اور امنگ نہ ہو۔

تمام گناہ آفات ہیں

لہٰذا حقیقی مصیبت وہ ہے جو انسان کے دین کو لاحق ہو۔ اور جتنے بھی گناہ ہیں وہ حقیقت میں آفت اور مصیبت ہیں، اگرچہ ظاہری اعتبار سے اس گناہ کے کرنے میں لذت آتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ لذت دنیا میں بھی تباہی لانے والی ہے اور آخرت میں بھی تباہی لانے والی ہے۔ اس وجہ سے صوفیاء کرام گناہوں کو "آفات" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سب آفتیں ہیں۔ اور زبان کے گناہوں کو "آفات اللسان" کہتے ہیں، یعنی زبان پر آنے والی آفتیں اور مصیبتیں، جن کے ذریعہ انسان مصیبت کا شکار ہوتا ہے۔ ان

آفتوں میں سے ایک آفت یعنی "غیبت" کا بیان ہو چکا۔

ایک مؤمن یہ چار کام نہیں کرتا

جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے، اس حدیث میں بعض دوسری آفتوں کو بیان فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا، لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، فحش کلامی کرنے والا نہیں ہوتا اور بدکلامی کرنے والا نہیں ہوتا۔ یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ اس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو طعنہ میں شامل ہو یا لعنت میں شامل ہو یا فحاشی میں شامل ہو یا بدگوئی میں شامل ہو۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں بیان فرمائیں، ان چاروں چیزوں کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔

طعنہ کیا چیز ہے؟

اس حدیث میں پہلی چیز یہ بیان فرمائی کہ "مؤمن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا" طعنہ دینا یہ ہے کہ کسی شخص کے منہ پر لپیٹ کر ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ دیکھئے! ایک صورت یہ ہے کہ انسان دوسرے کو براہ راست یہ کہدے کہ تمہارے اندر یہ برائی ہے، لیکن "طعنہ" اسے کہتے ہیں کہ گفتگو کسی اور موضوع پر ہو رہی ہے، مگر درمیان

میں آپ نے ایک فقرہ اور ایک لفظ بول دیا، اور اس لفظ کو بولنے سے اس شخص پر طنز کرنا اور طعنہ دینا اور اعتراض کرنا مقصود تھا اور اس "طنز اور طعنہ" کے نتیجے میں اس کی دل آزاری ہوئی، یہ "طنز اور طعنہ" بہت سخت گناہ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمادیا کہ مؤمن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو طعنہ دے۔

زبان سے دل زخمی ہو جاتے ہیں

عربی زبان میں "طعنہ" کے معنی ہے "کسی کو نیزہ مارنا" اس لفظ کے اندر اس طرف اشارہ ہے کہ "طعنہ دینا" ایسا ہے جیسے دوسرے کو نیزہ مارنا۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

جراحات السنانِ لها التیام

ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی نیزے کے زخم تو بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرتے۔

اس لئے کہ جب دوسرے کے لئے "طعنہ" کا کوئی لفظ بولا، اور اس سے اس کا دل ٹوٹا، اور اس کی دل آزاری ہوئی تو دل آزاری کا زخم نہیں بھرتا، انسان ایک مدت تک یہ بات نہیں بھولتا کہ اس نے فلاں وقت مجھے اس طرح طعنہ دیا تھا۔ لہٰذا یہ طنز کرنا، دوسرے پر اعتراض کرنا اور طعنہ دینے کے انداز میں بات کرنا یہ دوسرے کی دل آزاری ہے اور اس کی آبرو

پر حملہ ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمل انسان کے ایمان کے منافی ہے۔

مؤمن کے جان و مال اور عزت کی حرمت

ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی حرمت بیان فرمائی ہے جس کا ہم اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ یہ دن جس میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں، کونسا دن ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ عرفہ کا دن ہے، آپ ﷺ نے دوسرا سوال کیا کہ یہ جگہ جہاں میں کھڑا ہوں، یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ حرم کا علاقہ ہے۔ آپ ﷺ نے پھر تیسرا سوال کیا کہ یہ مہینہ جس میں میں خطاب کر رہا ہوں، یہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ ذی الحجہ کا مقدس اور حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر فرمایا کہ اے مسلمانوں! تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن، آج کی یہ جگہ اور آج کا یہ مہینہ حرام ہے، یعنی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے اس مکان مقدس کو اور اس وقت مقدس کو عطا فرمائی ہے، وہی حرمت ایک مؤمن کے جان و مال اور آبرو کی ہے۔

ایسا شخص کعبہ کو ڈھانے والا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے "کعبہ" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ! تو کتنی حرمت والا ہے، کتنے تقدس والا ہے، تو کتنا عظیم الشان ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ اے عبداللہ! کیا دنیا میں کوئی چیز ہے جس کی حرمت اور جس کا تقدس بیت اللہ سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "اللہ و رسولہ اعلم" صحابہ کرامؓ کا یہ متعین جواب تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ کونسی چیز اس سے زیادہ حرمت والی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ایک چیز بتاتا ہوں جس کی حرمت اس بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، اگر ان میں سے کسی چیز کو کوئی شخص ناحق نقصان پہنچاتا ہے تو وہ شخص کعبہ کو ڈھانے والے کی طرح ہے۔

مؤمن کا دل تجلّی گاہ ہے

کسی کو طعنہ دینا، دراصل اس کی آبرو پر حملہ کرنا اور اس کی دل آزاری کرنا ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے کہ مؤمن کا دل تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام کے لئے بنایا ہے، وہ یہ کہ مؤمن کا دل صرف اللہ رب العالمین کی جلوہ گاہ ہو، اس دل میں ان کا ذکر اور ان کی یاد ہو، ان کی فکر ہو، ان کی محبت ہو، یہاں تک کہ بعض صوفیاء کرامؒ نے یہ فرمادیا کہ مؤمن کا دل "عرش الٰہی" ہے، یعنی مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی فرودگاہ ہے، یہ دل اللہ تعالیٰ کی "تجلی گاہ" ہے، چاہے انسان کتنا ہی برا ہو جائے، لیکن اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو کسی نہ کسی وقت اس میں اللہ کی محبت ضرور اترے گی۔ انشاء اللہ! اور جب یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لئے بنایا ہے تو ایک مؤمن کے دل کو توڑنا، درحقیقت اللہ جل شانہ کی جلوہ گاہ پر العیاذ باللہ حملہ کرنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی دوسرے مسلمان کا دل توڑو۔

مسلمان کا دل رکھنا موجب ثواب ہے

اگر تم نے کسی کا دل رکھ لیا، اس کو تسلی دیدی، یا کوئی ایسا کلمہ کہدیا جس سے اس کا دل خوش ہو گیا، تو یہ عمل تمہارے لئے بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کے دل کو تھامنا، یہ حج اکبر کا ثواب رکھتا ہے، اور طعنہ دینا دوسرے کا دل توڑنا ہے، اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو، یعنی لوگوں کو اچھائی کی دعوت دو اور اگر کوئی غلط کام میں مبتلا ہے تو اس کو بتادو اور اس کو روک دو۔ اور دوسری طرف۔ یہ کہا جارہا ہے کہ دوسرے مسلمان کا دل مت توڑو۔ اب دونوں کے درمیان تطبیق کس طرح کی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ جب دوسرے شخص سے کوئی بات کہو تو خیر خواہی سے کہو، تنہائی میں کہو، نرمی سے کہو، محبّت سے کہو اور اس انداز میں کہو کہ جس سے اس کا دل کم سے کم ٹوٹے۔ مثلاً تنہائی میں اس سے کہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات قابل اصلاح ہے، تم اس کی اصلاح کرلو۔ لیکن طعنہ کے انداز میں کہنا یا لوگوں کے سامنے سر بازار اس کو رسوا کرنا، یہ چیز انسان کے دل میں گھاؤ ڈال دیتی ہے، اس لئے حرام اور گناہ ہے۔

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المؤمن مرآۃ المؤمن۔

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ یعنی جس طرح اگر کوئی

شخص اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ لے تو چہرہ میں کوئی عیب یا داغ دھبہ ہوتا ہے وہ نظر آجاتا ہے اور انسان اس کی اصلاح کر لیتا ہے، اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے سامنے آنے کے بعد اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر فلاں بات ہے اس کو درست کر لو۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔

آئینہ سے تشبیہ دینے کی وجہ

یہ حدیث ہم نے بھی پڑھی ہے اور آپ حضرات نے بھی اس کو پڑھا اور سنا ہوگا، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم حقیقی عطا فرماتے ہیں، ان کی نگاہ بہت دور تک پہنچتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے، لوگ اتنا تو جانتے ہیں کہ آئینہ کے ساتھ یہ تشبیہ اس وجہ سے دی ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے اور جسم کے عیوب بتا دیتا ہے، اسی طرح مؤمن بھی دوسرے مؤمن کے عیوب بتا دیتا ہے۔ لیکن آئینہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک اور وجہ بھی ہے، وہ یہ کہ آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ آئینہ عیب اور بُرائی صرف اس کو بتاتا ہے جس کے اندر وہ عیب ہوتا ہے اور جو اس سامنے کھڑا ہے، لیکن دوسرا شخص جو دور کھڑا ہے، اس کو نہیں بتاتا کہ دیکھو اس کے اندر یہ عیب ہے۔ اسی طرح مؤمن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کمزوری یا نقص یا عیب ہے، اس کو تو محبت اور پیار سے بتا

دے کہ تمہارے اندر یہ نقص اور کمزوری ہے، لیکن دوسرے کو بتاتا اور گاتا نہ پھرے کہ فلاں کے اندر فلاں عیب ہے اور فلاں نقص ہے۔ لہٰذا دوسروں کو ذلیل کرنا، رسوا کرنا، اس کی برائیاں بیان کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

غلطی بتائے، ذلیل نہ کرے

لہٰذا اس ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں بیان فرمادیں: ایک یہ کہ مؤمن کا کام یہ بھی ہے کہ اگر وہ دوسرے مؤمن کے اندر کوئی غلطی دیکھ رہا ہے تو اس کو بتائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا نہ کرے، اس کا عیب دوسروں کو نہ بتائے۔

"طنز" ایک فن بن گیا ہے

آج ہمارے معاشرے میں طعنہ دینے کا رواج پڑ گیا ہے، اب تو "طنز" باقاعدہ ایک فن بن گیا ہے اور اس کو ایک ہنر سمجھا جاتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ بات لپیٹ کر کہدی گئی، اس سے بحث نہیں کہ اس کے ذریعہ دوسرے کا دل ٹوٹا یا دل آزاری ہوئی۔

انبیاءؑ طنز اور طعنہ نہیں دیتے تھے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے، اور یہ سب اللہ کے دین کی دعوت لے کر آئے، کسی نبی کی زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی نبی نے اپنے مخالف کو یا کسی کافر کو طعنہ دیا ہو، یا طنز کیا ہو، بلکہ جو بات وہ دوسروں سے کہتے تھے، وہ محبت اور خیر خواہی سے کہتے تھے، تاکہ اس کے ذریعہ دوسرے کی اصلاح ہو۔ آج کل تو طعنہ دینے اور طنز نگاری کا ایک سلسلہ چلا ہوا ہے۔

جب آدمی کو ادبیت اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے یا تقریر میں آدمی کو دلچسپی پیدا کرنے کا شوق ہوتا ہے تو پھر اس مضمون نگاری میں اور اس تقریر میں طنز اور طعن و تشنیع بھی اس کا ایک لازمی حصہ بن جاتا ہے۔

میرا ایک واقعہ

چنانچہ آج سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے، میں اس وقت دارالعلوم کراچی سے نیا نیا فارغ ہوا تھا، اس وقت ایوب خان صاحب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے تھے، ان کے خلاف میں نے ایک کتاب لکھی، جن لوگوں نے ان قوانین کی حمایت کی تھی، ان کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ طنز کا انداز اختیار کیا تھا، اس وقت چونکہ مضمون نگاری کا شوق تھا، اس

شوق میں بہت سے طنزیہ جملے اور طنزیہ فقرے لکھے، اور اس پر بڑی خوشی ہوتی تھی کہ یہ بڑا اچھا جملہ چست کر دیا۔ جب وہ کتاب مکمل ہوگئی تو میں نے وہ کتاب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی، تقریباً دو سو صفحات کی کتاب تھی۔

یہ کتاب کس مقصد سے لکھی ہے؟

جب والد صاحبؒ پوری کتاب سن چکے تو فرمایا یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس مقصد کے لئے لکھی ہے؟ اگر اس مقصد سے لکھی ہے کہ جو لوگ پہلے سے تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے، اور یہ تعریف کریں کہ مضمون نگاری کے اعتبار سے اور انشاء اور بلاغت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے، اگر اس کتاب کے لکھنے کا یہ منشاء ہے تو تمہاری یہ کتاب بہترین ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ دیکھ لیں کہ اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہوگی؟ اور اگر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی غلطی پر ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے اس کی اصلاح ہو جائے، تو یاد رکھو! تمہاری اس کتاب کے پڑھنے سے ایسے آدمی کی اصلاح نہیں ہوگی، بلکہ اس کتاب کو پڑھنے سے اس کے دل میں اور ضد پیدا ہوگی۔ دیکھو! حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، انہوں نے دین کی دعوت دی اور کفر اور

شرک کا مقابلہ کیا، لیکن ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے طنز کا راستہ اختیار کیا ہو۔ لہٰذا یہ دیکھ لو کہ یہ کتاب اللہ کے واسطے لکھی ہے یا مخلوق کے واسطے لکھی ہے، اگر اللہ کے واسطے لکھی ہے تو پھر اس کتاب سے اس طنز کو نکالنا ہوگا، اور اس کا طرز تحریر بدلنا ہوگا۔

یہ انبیاءؑ کا طریقہ نہیں ہے

مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحبؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر پر پہاڑ توڑ دیا، کیونکہ دوسو ڈھائی سو صفحات کی کتاب لکھنے کے بعد اس کو از سر نو ادھیڑنا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا اور اس کتاب میں بڑے مزیدار فقرے بھی تھے، ان فقروں کو نکالتے بھی دل کٹتا تھا، لیکن یہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے پھر پوری کتاب کو ادھیڑا اور از سر نو اس کو لکھا۔ پھر الحمد للہ وہ کتاب "ہمارے عائلی قوانین" کے نام سے چھپی۔ لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، الحمد للہ یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ ایک داعی حق کے لئے طنز کا طریقہ اور طعنہ دینے کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج رہے تھے کہ جاؤ اس کو جاکر ہدایت کرو اور اس کو دعوت دو، تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ ہدایت دی جارہی تھی کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔

(سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۴)

یعنی فرعون کے پاس تم دونوں نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔ حضرت والد صاحب یہ بات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہوسکتے، اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا۔ وہ فرعون جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا، کفر ہی پر مرے گا، لیکن اس کے باوجود یہ کہا جارہا ہے کہ اس سے جاکر نرمی سے بات کرنا، تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے بات کرنے کو کہا جارہا ہے تو ہما شما کس قطار میں ہیں۔

حق بات کوئی لٹھ نہیں ہے

آج ایک طرف تو یہ فکر ہی کسی کو نہیں ہوتی کہ دین کی بات کسی کو

سکھائی جائے، یا کسی کو "نہی عن المنکر" کیا جائے، اور اگر کسی کے دل میں یہ بات آگئی کہ حق بات دوسروں کو بتانی ہے، تو وہ اس کو اس طرح بتاتا ہے جیسے کہ وہ حق بات ایک لٹھ ہے جو اس نے جس طرح دل چاہا اٹھا کر مار دیا، یا جیسے وہ ایک پتھر ہے جو کھینچ کر اس کو مار دیا۔

حضرات انبیاءؑ کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دعوت دینے کے وقت طعنہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ:

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ

نبی سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو، احمق ہو، اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں، تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں، ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جارہے ہیں، لیکن دوسری طرف جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ رب
العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جا رہا ہے کہ:

اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے
ہو۔

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ
الْعٰلَمِیْنَ۔

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں اللہ رب
العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

میں نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا۔ ایسی بزرگ ہستی کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ شاہی خاندان کے شہزادے تھے، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل پڑے اور قربانیاں دیں۔ ایک مرتبہ دھلی کی جامع مسجد میں خطاب فرمارہے تھے، خطاب کے دوران بھرے مجمع میں ایک شخص کھڑا ہوا

اور کہنے لگا کہ (العیاذ باللہ) ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ اتنے بڑے عالم اور شہزادے کو ایک بڑے مجمع میں یہ گالی دی، اور وہ مجمع بھی معتقدین کا ہے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو اس کو سزا دیتا، اگر وہ سزا نہ بھی دیتا تو اس کے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر دیتے، اور کم از کم اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب تو دے ہی دیتے کہ تو حرام زادہ، تیرا باپ حرام زادہ، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبرانہ دعوت کے حامل تھے، جواب میں فرمایا:

> آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو آج بھی دِلّی میں موجود ہیں۔

اس گالی کو ایک مسئلہ بنا دیا، لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ شرعاً ایک آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے، تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ معاف کر دینے اور درگزر کر دینے کا شیوہ رہا ہے اور انبیاءؑ کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

انتقام کے بجائے معاف کر دو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کونسی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا، اگر تم انتقام نہیں لو گے، بلکہ درگزر کردو گے اور معاف کردو گے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں معاف کردیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن، لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑ دو، معاف کردو اور درگزر کردو۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ اولیاء کرام کی شانیں عجیب و غریب ہوتی ہیں، کسی کا کوئی رنگ ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کی کوئی شان ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان اولیاء کرام کی مختلف شانیں دیکھوں کہ وہ کیا شانیں ہوتی ہیں۔ ان بزرگ نے ان سے فرمایا کہ تم کس چکر میں پڑ گئے، اولیاء اور بزرگوں کی شانیں دیکھنے کی فکر میں مت پڑو، اپنے کام میں لگو۔ ان صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں! میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کیسے کیسے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ

اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ دہلی کی فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ اپنے ذکر و اذکار میں مشغول نظر آئیں گے، تم جاکر ہر ایک کی پُشت پر ایک مکّہ مار دینا، پھر دیکھنا کہ اولیاء کرام کی شانیں کیا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے، وہاں جاکر دیکھا تو واقعۃً تین بزرگ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہیں، انہوں نے جاکر پہلے بزرگ کو پیچھے سے ایک مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں، بلکہ اپنے ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ان کو مکہ مار دیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر ان کا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

اس کے بعد یہ صاحب ان بزرگ کے پاس واپس آئے جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔ ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بڑا عجیب قصہ ہوا، جب میں نے پہلے بزرگ کو مارا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا بھی نہیں، اور دوسرے بزرگ نے پلٹ کر مجھے مکہ مار دیا، اور تیسرے بزرگ نے پلٹ کر میرا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں

ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں مکہ مارا تھا، انہوں نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ ان صاحب نے بتایا کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا، بس مکہ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ ان بزرگ نے

فرمایا کہ اب سنو! پہلے بزرگ جنہوں نے بدلہ نہیں لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ اگر اس نے مجھے مکہ مارا تو میرا کیا بگڑ گیا، اب میں پیچھے مڑوں، اس کو دیکھوں کہ کس نے مارا ہے اور پھر اس کا بدلہ لوں، جتنا وقت اس میں صرف ہوگا وہ وقت میں اللہ کے ذکر میں صرف کر دوں۔

پہلے بزرگ کی مثال

ان پہلے بزرگ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ایک عالیشان انعام دوں گا۔ اب وہ شخص اس انعام کے شوق میں دوڑتا ہوا بادشاہ کے محل کی طرف جا رہا ہے اور وقت کم رہ گیا ہے اور اس کو وقت پر پہنچنا ہے، راستے میں ایک شخص نے اس کو مکہ مار دیا۔ اب یہ شخص اس مکہ مارنے والے سے الجھے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا کہ میں جلد از جلد کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں؟ ظاہر ہے کہ اس مکہ مارنے والے سے نہیں الجھے گا، بلکہ وہ تو اس فکر میں رہے گا کہ میں کسی طرح جلد از جلد بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں اور جا کر اس سے انعام وصول کروں۔

دوسرے بزرگ کا انداز

دوسرے بزرگ جنہوں نے بدلہ لے لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جتنی زیادتی کوئی شخص تمہارے ساتھ کرے، اتنی زیادتی تم بھی اس کے ساتھ کر سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔

اب تم نے ان کو ایک مکہ مارا تو انہوں نے بھی تمہیں ایک مکہ مار دیا، تم نے زبان سے کچھ نہیں بولا تو انہوں نے بھی زبان سے کچھ نہیں بولا۔

بدلہ لینا بھی خیر خواہی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیا، یہ بدلہ لینا بھی در حقیقت اس شخص کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان ان کو تکلیف پہنچائے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے اور وہ صبر کر جائیں تو ان کے صبر کے نتیجے میں یہ شخص تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ جلّ شانہ فرماتے ہیں:

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ کی ہوئی زیادتی پر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں کہ ایسے عذاب سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ اس ولی کا صبر اس شخص پر واقع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ والے بعض اوقات اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ برابر ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کیوں بدلہ لیتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ اولیاء اللہ تو اتنے شفیق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ وہ ضرور عذاب دیں گے اگر بدلہ نہ لیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی شفقت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگئی۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ شیرنی کو اگر کوئی جاکر چھیڑے تو وہ شیرنی طرح دے جاتی ہے اور بدلہ نہیں لیتی اور اس پر حملہ نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی جاکر اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑے۔ تو پھر شیرنی اس کو برداشت نہیں کرتی، بلکہ چھیڑنے والے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ گستاخیاں کرتے ہیں، کوئی شرک کر رہا ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کر رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے تحمل سے اس کو درگزر فرمادیتے ہیں، لیکن اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرنا اللہ تعالیٰ برداشت نہیں فرماتے اس لئے یہ گستاخی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ منقول ہے کہ کسی اللہ کے ولی نے بدلہ لے لیا، وہ بدلہ لینا اس کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا کیا عذاب اس پر نازل ہو جائے گا۔

جہاں تک تیسرے بزرگ کا تعلق ہے وجنہوں نے تمہارا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ خدا پر رحمت اور شفقت کا وصف عطا فرمایا تھا، اس لئے انہوں نے پلٹ کر ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

پہلے بزرگ کا طریقہ سنّت تھا

لیکن اصل طریقہ سنّت کا وہ ہے جس کو پہلے بزرگ نے اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے تو میاں! کہاں تم اس سے بدلہ لینے کے چکر میں پڑ گئے، کیونکہ اگر تم بدلہ لے لو گے تو تمہیں کیا فائدہ مل جائے گا؟ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ سینے کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، لیکن اگر تم اس کو معاف کر دو گے اور درگزر کر دو گے تو سینے کی آگ کیا بلکہ جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

معاف کرنا باعث اجر و ثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں، خاندانوں میں، ملنے جلنے والوں میں، دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا، فلاں نے یہ کر دیا، اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں، دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں، اس کو طعنہ دے رہے ہیں، اس کی دوسروں سے برائی اور غیبت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ لیکن اگر

تم معاف کردو اور درگزر کردو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

(سورۃ الشوریٰ: آیت ۴۳)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔

(سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۴)

دوسرے کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے وہ سب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا:

وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○

(سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۵)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

طعنہ سے بچیں

بہر حال، پہلی چیز جو اس حدیث میں بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ مؤمن کا کام طعنہ دینا نہیں ہے، لہٰذا یہ طنز اور طعنہ جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، ایک مؤمن کے لئے اس سے مکمل پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر طعنہ دینے کے نتیجے میں کسی کی دل آزاری ہو گئی، اور کسی کا دل ٹوٹا تو آپ کے اس عمل سے ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ لہٰذا صبح سے شام تک کی زندگی میں ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ جب لوگوں کے ساتھ ہمارا واسطہ پیش آتا ہے اور ان سے شکایتیں ہوتی ہیں تو اس میں کہیں ہم سے طعنہ اور دل آزاری کا ارتکاب تو نہیں ہوتا ہے۔ اس کا خیال کرتے ہوئے انسان زندگی گزارے، جو بات بھی دوسرے سے کہنی ہے وہ نرمی سے اور شفقت سے کہدو، اگر شکایت بھی کسی سے ہوئی ہے تو اس کو تنہائی میں بلا کر کہدو کہ تم سے یہ شکایت ہے، تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

اس حدیث میں دوسرا لفظ یہ ارشاد فرمایا: ”وَلَا بِاللَّعَّانِ“ مؤمن

لعنت کرنے والا نہیں ہوتا،یعنی لعنت کے الفاظ زبان سے نکالنا یہ مؤمن کا کام نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے غلام پر غصہ آگیا، ظاہر ہے کہ کسی سنگین غلطی پر ہی غصہ آیا ہوگا، بلاوجہ تو وہ غصہ کرنے والے نہیں تھے، اس غصے میں کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکل گیا، پیچھے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے، آپ ﷺ نے وہ لعنت کا کلمہ ان کی زبان سے سن لیا، آپ ﷺ نے وہ کلمہ سن کر ارشاد فرمایا:

لعّانین و صدیقین کلا وربّ الکعبة

"صدیق" بھی ہو اور لعنت بھی کرتے ہو، رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔

یعنی یہ دو چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، اس لئے کہ جو "صدیق" ہو وہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا کہ صدیق کا یہ کام نہیں کہ وہ لعنت کرے، لیکن چونکہ یہ غلطی ان سے ہو گئی تھی، اس لئے فوراً کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ اس غلام کو بھی آزاد کر دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ بعض دوسرے غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ لہٰذا طعنہ اور لعنت دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بددعا کے الفاظ

پھر لعنت کے اندر ساری بددعائیں داخل ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، خاص طور پر خواتین کی زبان پر جاری رہتی ہیں۔ مثلاً کسی کو کمبخت کہہ دیا، کسی کو یہ کہدیا کہ اس نے جھاڑو پیٹا ہے، یہ سب لعنت کے اندر داخل ہیں، اور بلاوجہ زبان پر لعنت کے الفاظ جاری کرنا اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کا اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دوسرے پر غصہ بھی آئے تو غصے میں بھی لعنت کے الفاظ زبان سے نہ نکالے۔

یہ لعنت جائز ہے

البتہ کسی انسان کو شخصی طور پر لعنت کرنا تو حرام ہے، لیکن کسی عمل کرنے والے پر لعنت کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ جو شخص یہ عمل کرے اس پر لعنت ہے، یا جو لوگ ایسا عمل کرنے والے ہیں ان پر لعنت ہے، یہ صورت جائز ہے۔ جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سے لعنت کرنا منقول ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہ آکل الربا وموکلہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت سود کھانے والے پر بھی ہے اور سود کھلانے والے پر بھی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہ المصوّرین

تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اسی طرح اور بہت سے برے عمل کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، لیکن کسی آدمی کا نام لے کر شخصی طور پر لعنت کرنا حرام ہے، اس لئے کہ یہ مؤمن کا کام نہیں۔

فحش گوئی کرنا

اس حدیث شریف میں تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ "وَلَاالْفَاحِشِ" مؤمن فحش گو نہیں ہوتا، یعنی وہ ایسی بات زبان سے نہیں نکالتا جو فحاشی کے ذیل میں آتی ہو۔ لہٰذا جہاں غصہ کرنے کا اور بولنے کا موقع ہو وہاں بھی فحاشی سے کام نہ لیا جائے، اور بے حیائی کے کلمات زبان سے نہ نکالے جائیں، یہ مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔

بدگوئی کرنا

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا " وَلَا الْبَذِی "مؤمن بذی نہیں ہوتا۔ "بذی" کے معنی ہیں "بدگو" "بداخلاق" مؤمن کسی سے بات کرتے ہوئے بدگوئی سے کام لینے والا اور برے الفاظ استعمال کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی زبان کو برے کلمات سے روکتا ہے۔

یہودیوں کی مکاری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ و ا کے زمانے کے یہودی بڑے عیار

تھے، اس لئے کہ ان کی فطرت میں ہمیشہ سے عیاری اور مکاری ہے، جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ جب وہ کسی مسلمان سے ملتے تو "السلام علیکم" کے بجائے "السام علیکم" کہتے، درمیان سے "لام" کو گرا دیتے تھے، عربی میں السام" کے معنی ہیں "موت" لہذا "السام علیکم" کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے اوپر موت آجائے۔

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا "السام علیکم" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں، وہ سمجھ گئیں کہ یہ "السام علیکم" کہہ کر بظاہر سلام کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں بددعا دے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "علیکم السام واللعنۃ" یعنی تمہارے اوپر موت ہو اور تم پر لعنت ہو۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو آپ نے فرمایا۔ مهلاً یا عائشۃ! اے عائشہ نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا بدتمیزی کی ہے، انہوں نے "السام علیکم" کہکر آپ کو بددعا دی ہے، اس لئے میں نے اس طریقے سے اس کا جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے کیا جواب دیا، میں نے تو یہ جواب دیا "وعلیکم" یعنی جو کچھ تم میرے بارے میں کہہ رہے ہو، وہ

تمہارے اوپر ہو۔

(بخاری کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کلہ)

نرمی زینت بخشتی ہے

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الرفق لا یکون فی شیئی اِلّا زانه ولاینزع من شیئی اِلّا شانه۔

(مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق)

نرمی جس چیز میں بھی ہوگی وہ نرمی اس کو زینت بخشے گی، اور جس چیز سے نرمی کو ختم کر دیا جائے گا وہ اس کو عیب دار بنا دے گا۔ لہٰذا اس طریقے سے جواب دے کر تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو، صرف "وعلیکم" کہنے سے زبان خرابی سے بچ جاتی ہے۔

لہٰذا جب آدمی کلام کرے، چاہے غصے کے وقت بھی کلام کرے، اس وقت بھی بدگوئی کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو پچھلی کتب سماویہ یعنی تورات اور انجیل میں بطور علامت مذکور تھے، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا:

وَلَا فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صخاباً بالأسواق ولکن یعفو و یصفح۔

یعنی نہ وہ فاحش ہوں گے، نہ متفحش ہوں گے، اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، لیکن وہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔ اور یہ کلمات تو آج بھی "بائبل" میں موجود ہیں کہ "بازاروں میں اس کی آواز سنائی نہیں دیگی" اور وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہیں توڑے گا" اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہیں بجھائے گا" یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں۔

حضور ﷺ کی اخلاق میں بھی اتباع کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صرف ظاہری اعمال کی حد تک محدود نہیں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے داخل کر دیا اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکال دیا۔ بیشک یہ بھی بڑے اجر و ثواب کی سنتیں ہیں، ان پر ضرور عمل کرنا چاہئے، لیکن اتباع سنت ان اعمال کے ساتھ محدود نہیں، اتباع سنت کا ایک لازمی حصہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ ﷺ کے طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ خاص طور پر اس وقت جب کوئی شخص دوسروں کے ساتھ معاملہ کرے تو وہ فاحش اور بذی نہ ہو، اور بد کلامی نہ کرے اور طعنہ نہ دے۔

لعنت کا وبال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ایک اور وعید یہ بیان

فرمائی ہے کہ جب ایک انسان دوسرے پر لعنت کرتا ہے، تو پہلے وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور پھر وہ لعنت اس شخص کی طرف آتی ہے جس پر وہ لعنت کی گئی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اس کو وہ لعنت لگ جاتی ہے اور اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت واپس اس شخص پر جا کر لگ جاتی ہے جس نے لعنت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص لعنت کو غلط استعمال کرے تو اس لعنت کرنے والے کا کام تمام کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری زبانوں کی ان تمام گناہوں سے حفاظت فرمائے جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں فرمایا ہے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عمل کے بعد مدد آئیگی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ـــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال۔کراچی

وقت خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۲۵

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمل کے بعد مدد آئیگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يقول الله تعالىٰ من عمل حسنة فله عشر أمثالها، ومن عمل سيئة فجزاء مثلها أو اغفره ـ ومن عمل قراب الأرض خطيئة ثم لقيني لا يشرك بي شيئاً جعلت له مثلها مغفرةً ، ومن اقترب إليّ شبراً اقتربت إليه ذراعاً ـ ومن اقترب إليّ ذراعاً اقتربت إليه باعاً ، ومن أتاني يمشي أتيته هرولة ـ

(کتاب الزھد، عبداللہ بن مبارکؒ)

نیکی اور بدی کی جزا

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور صحابہ کرام ﷺ میں یہ درویش صفت صحابی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث قدسی ہے، "حدیث قدسی" اس کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کوئی بات نقل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

جو شخص اس دنیا میں کوئی نیک عمل کرتا ہے تو میں اس کو اس نیک عمل پر دس گنا اجر و ثواب دیتا ہوں، اور جو

شخص برائی یا گناہ کرتا ہے تو اس کی سزا اتنی ہی دیتا
ہوں جتنا اس نے ناجائز کام کیا، گناہ کی سزا دوگنی بھی
نہیں کرتا، بلکہ گناہ کے برابر سزا دیتا ہوں یا معاف کر
دیتا ہوں۔

ہر نیکی کا ثواب دس گنا

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ تم کوئی بھی نیکی کرو تو اس کا دس گنا ثواب میرے پاس تیار ہے، اور نیکی کے اس ثواب کا وعدہ کسی مخلوق کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے، اور اس ثواب کو کسی خاص نیکی کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ کسی بھی قسم کی نیکی ہو، چاہے وہ عبادت فرض ہو یا نفل ہو، یا ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہنا ہو، یا ایک مرتبہ "الحمد للہ" کہنا ہو، ان سب کا ثواب دس گنا دینا لازم ہے۔

رمضان اور شوال کے چھ روزوں کا ثواب

یہ شوال کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں "شش عید" کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان کے بعد ماہ شوال میں چھ روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یہ سارے سال روزے رکھنے کا ثواب اسی اصول پر مبنی ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا

دیا جائے گا، لہٰذا رمضان المبارک کے تیس روزے ہوئے، چاہے رمضان انتیس دن کا ہوا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں تیس ہی شمار ہوتے ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شهرا عيد لاينقصان رمضان و ذى الحجة

(صحیح بخاری کتاب الصوم، باب شہرا عید لا ینقصان)

یعنی عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے، اگر انتیس ہوں تب بھی تیس ہی شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال! رمضان کے تیس روزے ہوئے اور چھے روزے شو کے ہوئے، اس طرح کل چھتیس روزے ہوگئے، چھتیس کو دس سے ضرب دیا جائے تو تین سو ساٹھ ہو جائیں گے، اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس طرح ان چھتیس روزوں کے بدلے اللہ تعالیٰ سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں۔ ہر نیکی کا یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا دس گنا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

برائی کا بدلہ ایک گنا

برائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اتنی ہی سزا دوں گا جتنی اس نے برائی کی ہے (اس کو بڑھایا نہیں جاتا) یا معاف ہی کردوں گا۔ یعنی اگر بندہ نے توبہ کرلی، استغفار کرلیا، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کا اظہار کرلیا کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، مجھے معاف فرما۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا۔ اس طرح اس برائی کی ایک گنا سزا بھی ختم ہو جائے گی۔

کراماً کاتبین میں ایک امیر دوسرا مامور

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ سے ایک حدیث سنی، البتہ کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں دیکھی، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں، ایک نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا گناہ لکھتا ہے، حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں میں یہ انتظام فرمایا ہے کہ نیکی لکھنے والے فرشتے کو بدی لکھنے والے فرشتے کا امیر مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب دو آدمی کسی کام پر جائیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں، اس لئے ایک فرشتے کو دوسرے کا امیر بنا دیا، اور جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو نیکی لکھنے والا فرشتہ فوراً اس نیکی کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے، لیکن جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو بدی لکھنے والا فرشتہ فوراً اس بدی کو نہیں لکھتا، بلکہ وہ اپنے امیر سے یعنی نیکی لکھنے والے فرشتے سے پوچھتا ہے کہ اس بندے نے یہ بدی کی ہے، اس کو لکھوں یا نہ لکھوں؟ وہ فرشتہ کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ، ہو سکتا ہے کہ یہ توبہ کرلے، استغفار کرلے، اگر اس نے توبہ کرلی تو پھر لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھوں؟ وہ فرشتہ کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ، شاید یہ توبہ کرلے۔ پھر جب تیسری مرتبہ وہ فرشتہ پوچھتا ہے اور بندہ توبہ نہیں کرتا تو اس وقت نیکی والا فرشتہ کہتا ہے کہ اب توبہ کی امید

نہیں ہے، اب لکھ لو، چنانچہ وہ بدی والا فرشتہ اس گناہ کو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عذاب دینا نہیں چاہتے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ کسی بندے کو عذاب دیں، قرآن کریم میں عجیب انداز سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۔

(سورۃ النساء، آیت ۱۴۷)

یعنی اگر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟

لہٰذا اللہ تعالیٰ تو عذاب دینا نہیں چاہتے، لیکن کوئی بندہ نافرمانی پر کمر ہی باندھ لے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے پر تُل جائے تو اس کے بعد اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اور پھر آخر وقت تک اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے کہ موت سے پہلے جب بھی توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

بندوں کو معاف کرنے کا قاعدہ

بہرحال! فرمایا کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس کو دس گنا اجر و ثواب دیا جائے گا اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک گنا سزا دی جائے گی یا میں اس کو بھی معاف کردوں گا۔ پھر اس حدیث قدسی میں معاف کرنے کا

قاعدہ بیان فرمایا کہ!

من عمل قراب الأرض خطيئة ثم لقيني لا يشرك بي شئياً جعلت له مثلها مغفرة۔

یعنی جو شخص ساری زمین بھر کر گناہ کرلے اور پھر میرے پاس آجائے بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں اس کو اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا جتنے اس کے گناہ تھے۔

یعنی ایک شخص گناہوں سے ساری زمین بھر دے اور پھر میرے سامنے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ توبہ کرنے اور استغفار کرنے کے لئے آجائے تو میں اس کو معاف کردوں گا۔ اس کے ذریعے معاف کرنے کا قاعدہ بتا دیا کہ معافی کا یہ دروازہ ہم نے کھول رکھا ہے اور مرتے دم تک جب تک نزع کی حالت طاری نہیں ہوتی، اس وقت تک یہ دروازہ کھلا رہے گا، آجاؤ آجاؤ! کتنے بھی دور چلے گئے ہو، تب بھی ہمارے پاس آجاؤ، ایک مرتبہ سچے دل سے اپنے گناہوں سے تائب ہو جاؤ، توبہ کرلو، تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے، اور صرف یہ نہیں کہ ان گناہوں پر سزا نہیں ملے گی بلکہ نامۂ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے گویا کہ وہ گناہ کئے ہی نہیں تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

سبقت رحمتي غضبي۔

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

پھر اسی کو اللہ تعالیٰ نے قانون بنا دیا۔

(مسلم شریف، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ وانہا سبقت غضبہ)

گناہوں سے توبہ و استغفار کریں

اور یہ قانون اس لئے بنا دیا کہ ہم اسی قانون سے فائدہ اٹھالیں اور توبہ و استغفار کرلیں۔ توبہ و استغفار کی اہمیت کو سمجھیں! حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔

میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

حالانکہ آپ ﷺ گناہ سے معصوم ہیں، آپ ﷺ سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، پھر بھی استغفار فرما رہے ہیں، کیوں؟ تاکہ ہمیں توبہ اور استغفار کا سبق سکھائیں کہ جب میں استغفار کر رہا ہوں تو تم بھی استغفار کرو، صبح و شام کثرت سے استغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

اس حدیث قدسی کا اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ!

مَنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ شِبْراً اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا ۔ وَمَنِ اقْتَرَبَ اِلَیَّ ذِرَاعاً اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا ۔ وَمَنْ اَتَانِی

يَمْشِيْ اَتَيْتُه' هَرْوَلَةً۔

یعنی جو بندہ میرے قریب ایک بالشت آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب چلا جاتا ہوں اور جو بندہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب چلا جاتا ہوں، اور جو بندہ میری طرف پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگائیں! گویا کہ فرمایا کہ تم میرے جتنا قریب آنے کی کوشش کرو گے تو میں اس سے کئی گنا زیادہ تمہارے قریب آجاؤں گا۔

قرب خداوندی کی مثال

اس حدیث میں فرمایا کہ جو بندہ میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ اس بات کو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے، فرمایا کہ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک چھوٹا بچہ ہے جس کو چلنا نہیں آتا، باپ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو چلنا سکھاؤں، تو باپ دور کھڑے ہو کر اس بیٹے کو اپنی طرف بلاتا ہے کہ بیٹا میرے پاس آؤ، اب اگر وہ بچہ دور ہی کھڑا رہے گا اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھائے گا تو باپ اس سے دور ہی رہے گا، لیکن اگر وہ بچہ ایک قدم بڑھاتا ہے اور چلنا نہ جاننے کی وجہ سے جب وہ گرنے لگتا ہے تو باپ اس

کو گرنے نہیں دیتا بلکہ باپ دوڑ کر اس کے قریب جاتا ہے اور اس کو گود میں اٹھالیتا ہے تاکہ وہ گرنے نہ پائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور گرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو گرنے نہیں دیں گے، بلکہ آگے بڑھ کر اس کو اٹھالیں گے، لہٰذا یہ اللہ کے راستے میں چلنے والوں کے لئے بشارت ہے۔

نوازنے کا ایک بہانہ

یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہانہ ہے، اللہ تعالیٰ تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بندہ ہماری طرف چلنا چاہ رہا ہے یا نہیں؟ یہ بندہ اپنے حصے کا کام کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ بندہ اپنے حصے کا اتنا کام کر رہا ہے جو اس کی قدرت اور استطاعت میں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی تکمیل خود فرمادیتے ہیں اور پھر اللہ کے راستے میں چلتے ہوئے بندہ لڑکھڑا جائے اور گر جائے تو اس کی بھی پرواہ نہ کرے۔

یہ بہت بڑا دھوکہ ہے

لہٰذا جو بات اس حدیث میں دیکھنے کی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کونسا بندہ میری طرف بڑھتا ہے اور میری طرف آنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اگر کوئی بندہ کوشش ہی نہ کرے تو اس کے لئے پھر کوئی وعدہ نہیں ہے۔ ایک قوم اس غفلت میں اور اس انتظار میں پڑی ہوئی

ہے کہ کوئی لطیفہ غیبی سامنے آئے اور وہ ہمیں زبردستی نیکی اور تقویٰ کے مقام تک پہنچادے، چنانچہ بعض لوگ جب کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے ہیں اور اس سے اصلاحی تعلق قائم کرلیتے ہیں تو وہ یوں سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں کچھ کرنا نہیں پڑے گا، بلکہ اس شیخ کے پاس ایسی غیبی طاقت ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیں اٹھاکر جنت میں پہنچادے گا۔

عمل خود کرنا پڑے گا

یاد رکھئے! یہ بہت بڑا دھوکہ ہے، کوئی بھی کسی کو اٹھاکر جنت میں نہیں پہنچائے گا، بلکہ ہر انسان کو خود ہی چل کر جنت میں جانا ہوگا اور جنت میں لے جانے والے اعمال خود ہی کرنے پڑیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اتنا وعدہ فرمالیا کہ اگر تم تھوڑا سا چلو گے تو میں تمہیں اس سے کہیں زیادہ اپنا قرب عطا کروں گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(سورۃ العنکبوت، آیت ٦٩)

جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کے ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے جاتے ہیں۔

اس لئے یہ سمجھنا کہ کچھ کئے بغیر بیٹھے بیٹھے کام بن جائے گا، یا کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کام بن جائے گا، یا یہ سمجھنا کہ صرف تمناؤں اور آرزؤں سے جنت مل جائے گی، یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ لہٰذا تم عمل کرو،

چاہے تمہارا وہ عمل نامکمل اور ادھورا ہی سہی، ناقص ہی سہی، لیکن عمل کرو اور اس عمل کو جاری رکھو، پھر اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت تمہیں کھینچ لیں گے۔ اور اس ناقص عمل کی بیقدری مت کرو، اگر ناقص عمل کی بھی توفیق ہو گئی ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس لئے کہ انشاء اللہ یہ ناقص عمل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھینچ لینے کا ذریعہ بن جائے گا۔

اپنی طلب اور کوشش شرط ہے

لہٰذا اس حدیث سے یہ سبق ملا کہ ہمت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے شیخ سے جاکر کہتے ہیں کہ حضرت! کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے جس کے ذریعہ عمل ہو جایا کریں اور گناہ چھوٹ جایا کریں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھئے! ایسا طریقہ کسی شیخ کے پاس نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا، انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے تھے تو ان کی عین خواہش ہوتی تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور سب لوگوں کی اصلاح ہو جائے، تو اگر کوئی ایسا نسخہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اس نسخے کو ضرور استعمال کرتے اور ایک چھو منتر کرتے یا ایک نظر ڈالتے اور سب لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اگر کسی شخص سے جب تک کچھ نہ کچھ عمل نہ ہو اس وقت تک نبی کی زیارت بھی فائدہ نہیں دیتی، دیکھئے ابو جہل نے اور ابو لہب نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

کی، لیکن چونکہ اندر طلب نہیں تھی، عمل اور عزم نہیں تھا، اس لئے اس زیارت نے بھی فائدہ نہیں دیا۔

ہر معجزہ میں نبی کے عمل کا دخل

اور یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرماتے ہیں، یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن ہر معجزہ میں یہ نظر آئے گا کہ کچھ نہ کچھ عمل اس نبی سے ضرور کروایا گیا، مثلاً احادیث شریف میں کئی واقعات ایسے آئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ کے طور پر آپ کی برکت سے کھانے میں یا پانی میں برکت ہوگئی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے تو وہ گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں، کچھ کھانا ہو تو تیار کرلو، بیوی نے کہا کہ تھوڑا کھانا ہے، دو چار آدمیوں کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے آپ چپکے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک دو حضرات کو دعوت دیں، مجمع میں سب کے سامنے دعوت نہ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آ جائیں اور یہ کھانا ناکافی ہو جائے۔ چنانچہ خاتون نے کھانے کی ہانڈی پکانے کے لئے چولہے پر رکھدی، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور چپکے سے عرض کیا کہ یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! گھر پر آپ ﷺ کے لئے کچھ کھانا تیار کیا ہے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ دوچار حضرات تشریف لے آئیں۔ جب آپ ﷺ نے یہ سنا تو آپ ﷺ نے پورے لشکر کو دعوت دے دی کہ چلو، جابر کے یہاں دعوت ہے۔

معجزہ کے طور پر کھانے میں برکت

اب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان ہوئے کہ کھانا تو صرف دوچار آدمیوں کا ہے اور آپ نے سارے لشکر کو دعوت دیدی، اور بیوی نے کہا تھا کہ چپکے سے دعوت دینا، اب پورا لشکر چلا آرہا ہے۔ جب گھر کے اندر گئے تو بیوی کو بتایا کہ یہ تو پورا لشکر آگیا ہے، ان کی بیوی پہلے تو ناراض ہوئیں اور ان کو کہا "بِكَ وَبِكَ" تمہارا ایسا ہو اور ویسا ہو! تم نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کہا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے چپکے سے کہا تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو دعوت دیدی، وہ خاتون بھی تو آخر صحابیہ تھیں، چنانچہ ان خاتون نے کہا کہ اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہدیا تھا کہ چند آدمیوں کا کھانا ہے، پھر بھی آپ ﷺ نے سارے لشکر کو دعوت دیدی تو پھر مجھے کوئی خوف نہیں، اس لئے کہ پھر حضور ﷺ ذمہ دار ہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ جاؤ بیوی سے کہدو کہ ہانڈی سے کھانا نکال کر دیتی

جائیں اور ہانڈی کو چولہے پر چڑھی رہنے دیں۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سارا لشکر کھانے کے لئے بیٹھ گیا اور میں کھانا لاکر ان کو کھلاتا رہا، لیکن وہ ہانڈی ختم ہی نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ پورے لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھالیا۔ اب یہ صرف تین چار آدمیوں کا کھانا تھا لیکن پورے لشکر کو کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر یہ معجزہ ظاہر فرمایا۔

کھانا تم پکاؤ، برکت ہم ڈالیں گے

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ معجزہ اس طرح بھی تو ظاہر ہو سکتا تھا کہ کوئی ہانڈی ہی نہ ہوتی، کوئی سالن ہی نہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ غیب سے کھانا بھیج دیتے۔ لیکن اس طرح معجزہ ظاہر نہیں کیا گیا، بلکہ اس طرح ظاہر کیا گیا کہ کھانا تم پکاؤ، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو، پھر ہم اس تھوڑے کھانے میں برکت ڈال دیں گے اور اس کے اندر اضافہ کر دیں گے۔ اس کے ذریعہ یہ سبق دیدیا کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ عمل کرنا ہے، تبھی معجزہ ظاہر ہوگا، تمہارے عمل کے بغیر معجزہ بھی ظاہر نہیں ہوگا۔

پانی میں برکت کا واقعہ

غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے، پانی کی قلت تھی، لشکر بڑا تھا، پیاس لگی ہوئی تھی اور پانی نہیں مل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں مقام پر راستے میں ایک چشمہ آئے گا جب وہ

چشمہ آ جائے تو مجھے اطلاع کریں اور میری اجازت کے بعد لشکر اس چشمے سے پانی پیئے۔ چنانچہ راستے میں چشمہ آیا، اس چشمہ میں تھوڑا سا پانی تھا جس کو چند افراد پی سکتے تھے، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس چشمہ کے پانی میں ڈالا اور پھر فرمایا کہ اب لشکر اس پانی کو استعمال کرے، چنانچہ سارا لشکر اس پانی سے سیراب ہو گیا۔ یہاں بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ویسے ہی آسمان سے پانی نازل فرما دیتے، یا کوئی اور ایسا طریقہ ہو جاتا جس کے ذریعے سب سیراب ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں کیا، بلکہ پہلے یہ حکم دیا کہ چشمہ تلاش کرو اور اس کے ذریعہ تھوڑا سا پانی تم اپنے عمل سے حاصل کرو اور پھر اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کرو، اس کے بعد اس کے اندر ہم برکت ڈالیں گے۔ اس واقعہ کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ اپنا عمل کرنا شرط ہے جب تک آدمی اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مدد کا وعدہ نہیں۔

ید بیضاء کا معجزہ

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر نبی سے تھوڑا عمل ضرور کرایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "ید بیضاء" کا معجزہ دیا گیا، ان سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ بغل میں داخل کر کے پھر نکالو، جب نکالا تو وہ ہاتھ چمکنے لگا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ بغل میں ہاتھ داخل کئے بغیر چمکنے لگتا، لیکن فرمایا کہ تھوڑا سا عمل تم کرو کہ اس ہاتھ کو بغل میں لے جاؤ، جب تم

اس کو نکالو گے تو ہم اس کو چمک دار بنادیں گے۔

جب معجزات میں یہ بات ہے کہ نبی سے کچھ نہ کچھ عمل ضرور کرایا گیا تو دوسری چیزوں میں یہ اصول بطریق اولیٰ پایا جانا ضروری ہے کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ عمل ضرور کرنا ہے، جب اپنا عمل کرلو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور مدد آئے گی۔ اس لئے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے، اگر آدمی دور ہی سے اپنے اوپر ہوّا سوار کر کے بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ آج تو زمانہ خراب ہے، حالات خراب ہیں، ماحول خراب ہے، اور اس کی وجہ سے آدمی پھر ہاتھ پاؤں ہلانا چھوڑ دے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔

جب چلو گے تو راستہ کھلتا چلا جائے گا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے جو یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے کہ اگر تم کسی لمبی اور سیدھی سڑک پر کھڑے ہو اور اس سڑک کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں، اب اگر یہاں کھڑے کھڑے سڑک کو دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ آگے چل کر درخت کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں اور آگے راستہ بند ہے۔ اب اگر کوئی احمق یہاں کھڑے ہو کر کہے کہ آگے چونکہ راستہ بند ہے، اس لئے اس راستے پر چلنا فضول ہے، اور وہ آگے قدم نہ بڑھائے تو وہ احمق ساری عمر وہیں کھڑا رہے گا اور کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اگر وہ چلنا شروع

کرے گا تب اس کو پتہ چلے گا کہ درحقیقت راستہ بند نہیں تھا بلکہ میری نگاہ دھوکہ دے رہی تھی۔

گناہ چھوڑنے کی کوشش کرو

اللہ تعالیٰ کے دین کا معاملہ بھی یہی ہے، اگر آدمی دور دور سے یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ آج کل کے دور میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے، یہ تو بیسویں صدی ہے، اس میں گناہوں سے بچنا بڑا مشکل ہے، اس زمانے میں ہم کیسے اپنا ماحول تبدیل کریں؟ ٹی وی کیسے چھوڑیں؟ وی سی آر کیسے چھوڑیں؟ بے پردگی کیسے چھوڑیں؟ بدنگاہی کیسے چھوڑیں؟ جھوٹ کیسے چھوڑیں؟ رشوت کیسے چھوڑیں؟ اگر ان کاموں کو مشکل سمجھ کر انسان بیٹھا رہے تو وہ انسان کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انسان یہ سوچے کہ پہلے میں یہ گناہ سو مرتبہ کرتا تھا اور اب میں اس میں کچھ تو کمی کروں، سو میں سے پچاس مرتبہ کم کروں، جب انسان کمی کرنے کا اقدام خود سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری مدد فرمائیں گے، اگر تم نے سو میں سے پچاس کرلیا تو اللہ تعالیٰ پھر پچاس کے پچیس بھی کرادیں گے انشاء اللہ، اور اگر تم نے پچاس سے پچیس کر لئے تو اللہ تعالیٰ صفر بھی کرادیں گے۔

صبح سے شام تک کے کاموں کا جائزہ لو

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کرتا ہوں؟ کتنے فرائض و

واجبات میں ادا نہیں کرتا؟ کتنی سنتیں میں ترک کرتا ہوں؟ کتنے نیک اعمال ایسے ہیں جو میں نہیں کرتا؟ اور کتنی برائیاں، کتنی غلطیاں اور کتنے گناہ ایسے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ ان سب کی ایک فہرست بناؤ، پھر اس فہرست میں غور کرکے دیکھو کہ کتنے گناہ ایسے ہیں جو تم کسی تکلیف کے بغیر فوراً چھوڑ سکتے ہو، ان کو تو فوراً چھوڑ دو، اور جن گناہوں کے چھوڑنے میں تھوڑا سا وقت درکار ہے، ان کو چھوڑنے کے لئے کوشش شروع کردو، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو کہ یا اللہ! جتنے گناہ چھوڑنا میرے بس میں تھا، ان کو تو میں نے چھوڑ دیا، اے اللہ! بقیہ گناہوں کو چھوڑنا میرے بس میں نہیں ہے، آپ اپنے فضل سے ان کو چھڑا دیجئے۔ یہ کام کرو، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

قدم بڑھاؤ اور پھر دعا کرو

دو کام ہمیشہ یاد رکھو! ایک یہ کہ اپنی طرف سے قدم بڑھانا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے تکمیل کی دعا کرنا۔ ساری عمر یہ دو کام کرتے رہو، پھر انشاء اللہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو، اور کہو کہ یا اللہ! میں فلاں فلاں گناہوں کے اندر مبتلا تھا، میں نے قدم بڑھایا اور اتنے گناہ چھوڑ دیئے، البتہ باقی گناہوں کے چھوڑنے میں نفس و شیطان سے مغلوب ہو رہا ہوں، حالات اور ماحول سے مغلوب ہو رہا ہوں، اس لئے وہ گناہ میں نہیں چھوڑ پا رہا ہوں، اور آپ

اس مغلوبیت کو ختم کر سکتے ہیں، میرے بس میں نہیں ہے۔ اے اللہ! آپ اس رکاوٹ کو اور مغلوبیت کو دور فرما دیجئے یا مجھ سے رکاوٹ کو دور فرما دیجئے یا مجھے پھر آخرت میں عذاب نہ دیجئے گا۔ اس طرح باتیں کرو، پھر دیکھو کیسے کام بنتا ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا اپنے حصے کا کام کرو جتنا تم کر سکتے ہو، باقی کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دروازے کی طرف بھاگنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے! زلیخا نے ان کو گناہ کی دعوت دی اور دعوت دیتے وقت تمام دروازوں پر تالے ڈال دیئے تاکہ بھاگنے کا راستہ باقی نہ ہو، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی آپ دروازے کی طرف دوڑے، دروازے تک اس لئے بھاگے تاکہ اللہ میاں سے کہہ سکیں کہ یا اللہ! دروازے تک بھاگنا میرا کام تھا اور آگے دروازے کھولنا آپ کا کام ہے۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازے تک نہ بھاگتے تو دروازوں کے تالے کھلنے کی کوئی گارنٹی نہیں تھی، لیکن چونکہ دروازے تک بھاگے اور وہاں پہنچ کر یہ کہدیا کہ یا اللہ! اتنا میرے بس میں تھا جو میں نے کر دیا، آگے دروازے کھولنا میرے بس کا کام نہیں۔ فرمایا!

اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَ هُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِنَ

الْجٰهِلِيْنَ (سورۂ یوسف، آیت ۳۳)

اگر آپ نے مجھ سے ان کے فتنوں کو دور نہ فرمایا تو میں اس میں مبتلا ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حصے کا کام کر لیا

جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ میرے بندے نے اپنے حصے کا کام کر لیا، تو اب ہم اپنے حصے کا کام کریں گے۔ چنانچہ دروازوں کے تالے ٹوٹ گئے اور دروازے کھل گئے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگرچہ اس عالم میں بھی تمہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے، اور گناہوں سے، فحاشی سے، عریانی سے، بددینی سے بھاگنے کا راستہ نظر نہیں آرہا ہے، لیکن جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام دروازے تک بھاگے تھے، تم بھی دروازے تک تو بھاگ کر دکھاؤ، اور پھر اللہ میاں سے کہو کہ یا اللہ! آگے بچانا آپ کا کام ہے۔ اس وقت انشاء اللہ دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی مدد آئے گی۔ یہی مضمون ہے اس حدیث قدسی کا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔

رات کو سوتے وقت یہ کرلو

لہٰذا جب رات کو سونے لگو تو اللہ تعالیٰ سے کچھ باتیں کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے کہدو کہ یا اللہ! آج کا دن گزر گیا، آج کے دن میں اتنے گناہوں سے بچ سکا اور اتنے گناہوں سے نہیں بچ سکا، اتنا کام کرسکا اور اتنا کام نہیں کرسکا اور میں مغلوب ہو گیا، یا اللہ! اپنی رحمت سے اس مغلوبیت کو دور فرما دیجئے، میں آپ کے راستے پر چلنا چاہتا ہوں، لیکن یہ نفس و شیطان اور میرا یہ ماحول مجھے آپ کے راستے سے بہکاتے ہیں، اے اللہ! مجھے ان کے اوپر غلبہ عطا فرما۔ یہ دعا رات کو کرلو۔

صبح اٹھ کر یہ عہد کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ صبح کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرلیا کرو کہ یا اللہ! آج کا دن شروع ہو رہا ہے اور آج جب میں اپنے کاروبار زندگی میں نکلوں گا تو خدا جانے گناہوں کے کیا کیا دواعی اور محرکات سامنے آئیں گے اور کیسے کیسے حالات گزریں گے، میں اس وقت آپ کی بارگاہ میں بیٹھ کر عزم کر رہا ہوں اور ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلوں گا اور آپ کی رضا کے راستے پر چلنے کی کوشش کروں گا، لیکن اے اللہ! مجھے اپنی طاقت اور ہمت پر بھروسہ نہیں ہے، چلنا تو چاہ رہا ہوں، لیکن ہو سکتا ہے کہ گر پڑوں، لڑکھڑا جاؤں، اے اللہ! میں جہاں گرنے لگوں، اپنی رحمت سے

مجھے تھام لیجئے گا اور مجھے اس غلط راستے سے بچا لیجئے گا۔ یا اللہ! میں بے ہمت ہوں، بے حوصلہ ہوں، ہمت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں، اپنی رحمت سے ہمت اور حوصلہ بھی عطا فرما دیجئے۔ اور اگر اس کے بعد بھی میں گرا تو پھر آپ مجھ سے قیامت کے روز مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، پھر میری گرفت نہ فرمایئے گا، اس لئے کہ میں چلنا چاہتا ہوں، اگر آپ نہیں تھامیں گے تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اب اگر میں گمراہ ہو گیا تو آپ کی ذمہ داری ہے، پھر آپ مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمایئے گا۔

روزانہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کرو، اور پھر حتی الامکان اپنے عمل کے وقت کوشش کرلو، پھر بھی اگر بالفرض بھول چوک سے بتقاضہ بشریت کہیں لڑکھڑا گئے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لیا اور توبہ کرلی تو انشاء اللہ پھر راستے پر آجاؤ گے۔ لیکن صبح کے وقت یہ عہد و پیمان کرلو۔

صبح یہ دعا کر لیا کرو

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ صبح فجر کی نماز کے بعد وظائف اور ذکر و اذکار سے فارغ ہو کر یہ پڑھ لیا کرو کہ!

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اے اللہ! میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب آپ

کے لئے ہے۔ میں اس وقت ارادہ کر رہا ہوں کہ جو کچھ کروں گا سب آپ کی رضا کے لئے کروں گا، لیکن مجھے اپنی ذات پر بھروسہ نہیں، خدا جانے کہاں لڑکھڑا جاؤں، آپ میری مدد فرمائیے۔ یہ کرنے کے بعد پھر کاروبار زندگی کے اندر نکلو، انشاء اللہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی۔ روزانہ یہ کام کرلو، پھر دیکھو کے کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور اگر پھر کسی جگہ پر لڑکھڑا بھی گئے تو اللہ تعالیٰ سے بات تو کرلی ہے کہ یا اللہ، میرا ثابت قدم رہنا میرے بس سے باہر ہے، تو امید ہے کہ معافی کا سامان ہو ہی جائے گا، اس کے بعد جب دوبارہ اگلے روز صبح بیٹھو تو پہلے استغفار کرلو اور پھر دوبارہ اس عزم کو تازہ کرلو۔

آج کو گزشتہ کل سے اچھا بناؤ

اور یہ تہیہ کرلو کہ آج میں کل کے مقابلے میں زیادہ بہتر عمل کروں گا، اور آج میں گناہوں سے زیادہ بچنے کی کوشش کروں گا۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا آج اور کل برابر ہو گا وہ شخص بڑے خسارے میں ہے۔ اس لئے کہ اس نے کوئی ترقی نہیں کی، کل کے مقابلے میں آج اس نے کچھ تو ترقی کی ہوتی، کچھ تو آگے بڑھا ہوتا۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ یہ دعا کرلیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ یَوْمَنَا خَیْراً مِنْ اَمْسِنَا وَغَدَنَا خَیْراً

من یومنا۔

اے اللہ! ہمارے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنا دیجئے

اور ہمارے آئندہ کل کو آج سے بہتر بنا دیجئے۔

یہ دعا کرو اور عزم اور تہیہ کر کے کام کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو تو پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ کرتے پڑتے منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

✿✿✿

✿

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۱۷

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيراً.

أما بعد:

عن مستورد بن شداد رضى الله عنه حدثه انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اكل برجل مسلم اكلة فإن الله يطعمه مثلها من جهنم. ومن كسى ثوباً برجل مسلم فان الله عزوجل يكسوه مثله من جهنم. ومن قام برجل مقام سمعة ورياء فان الله يقوم به مقام سمعة ورياء يوم القيامة.

(ابوداؤد، كتاب الادب، باب الغيبة)

دوسروں کو تکلیف دیکر اپنا مفاد حاصل کرنا

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے ذریعہ کوئی لقمہ کھائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی کر کے یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر یا کسی مسلمان کو بدنام کر کے اپنا کوئی مفاد حاصل کرے، جیسے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معیشت کا دارومدار اس پر ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر اپنے کھانے کا سامان کرتے ہیں، مثلاً رشوت لیکر کھانا کھایا، اب اس نے درحقیقت ایک مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔ اسی طرح اگر کسی کو دھوکہ دیکر اس سے پیسے حاصل کر لئے تو اس نے بھی ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔

اسی طرح اگر کسی مسلمان کو بدنام کر کے پیسے حاصل کر لئے، جیسے آج کل نشرواشاعت اور پبلسٹی کا زمانہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نشرواشاعت کے ذریعہ لوگوں کی بلیک میلنگ کو اپنا پیشہ اور ذریعہ آمدنی بنا کر رکھا ہے، اب ایسا شخص دوسرے کو بدنام کر کے پیسے حاصل کرتا ہے اور کھانا کھاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں اس حدیث کے مفہوم کے اندر داخل ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھائے تو جتنا کھانا اس نے اس طریقے سے حاصل کر کے کھایا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کھانے کے وزن کے برابر جہنم کے انگارے کھلائیں گے۔

دوسروں کو تکلیف دے کر لباس یا شہرت حاصل کرنا

اسی طرح جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر اور اس کی حق تلفی کر کے پیسے کمائے گا اور پھر ان پیسوں سے لباس بنائے گا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کا اتنا ہی لباس پہنائیں گے یعنی آگ کے انگاروں کا لباس پہنائیں گے۔

اسی طرح جو شخص دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کے مقام تک پہنچے، جیسے بعض لوگ دوسروں کی برائی کر کے اپنی اچھائی ثابت کرتے ہیں، چنانچہ الیکشن کے دوران لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ انتخابی جلسوں میں دوسروں کی خرابی بیان کر کے اپنی اچھائی بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بدنامی کے مقام پر کھڑا کریں گے۔ یہاں دنیا میں تو اس نے نیک شہرت حاصل کر لی، لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ وہاں اس کو بُری شہرت عطا فرمائیں گے، اور برسرِ عام اس کو رسوا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کا مقام حاصل کیا تھا۔

اس حدیث سے آپ اندازہ لگائیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا اور اس کے حق کو پامال کرنا کتنا خطرناک کام ہے اور یہ کتنی بُری بلا ہے۔ اس لئے میں بار بار یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے برتاؤ اور اپنے طرز عمل میں اس بات کو مدِنظر رکھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق پامال ہو جائے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہم سے لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دوسرے کی چیز لینا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی ساتھی یا دوست کا سامان نہ مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں لے۔ ایک چیز دوسرے کی ملکیت ہے تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی اجازت بلکہ اس کی خوشدلی کے بغیر وہ چیز استعمال کریں یا اس کو قبضہ میں لیں، نہ تو سنجیدگی میں ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی مذاق میں ایسا کرنا جائز ہے، چاہے وہ دوسرا شخص تمہارا قریبی دوست اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی چیز کو اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خوش دلی کے بغیر دوسرے کی چیز حلال نہیں

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه"۔

کسی بھی مسلمان کا کوئی مال اس کی خوش دلی کے بغیر دوسرے کے لئے حلال نہیں۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ خوش دلی کا لفظ استعمال فرمایا، مثلاً آپ نے کسی شخص سے ایسی چیز مانگ لی کہ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن مروت کے دباؤ میں آکر اس نے وہ چیز دیدی اور اندر سے اس کا دل خوش نہیں ہے، اس صورت میں اگر آپ اس کی چیز استعمال کریں گے تو آپ کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ نے اس کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر لے لیا۔

"مولویت" بیچنے کی چیز نہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئے۔ اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دکاندار نے قیمت بتادی، جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاننے والے تھے، وہ دکاندار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، چنانچہ ان صاحب نے دکاندار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ رعایت کریں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

> میں اپنے مولوی ہونے کی قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو۔ اس لئے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی، اس قیمت پر تم خوشدلی سے یہ چیز دینے کے لئے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے سے تم نے رعایت کردی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں وہ خوشدلی سے دینا نہیں ہوگا، اور پھر میرے لئے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا لینا بھی میرے لئے حلال نہیں ہوگا، لہٰذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی قیمت لے لو"۔

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ "یہ "مولویت" بیچنے کی چیز نہیں" کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کردیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی وصیت

بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن کے ہم سب مقلد ہیں، اپنے شاگرد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی کہ:

جب تم کوئی چیز خریدو یا کرایہ پر لو تو جتنا کرایہ اور جتنی قیمت عام لوگ دیتے ہیں، تم اس سے کچھ زیادہ دیدو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کم دینے کی وجہ سے علم اور دین کی بے عزتی اور بے توقیری ہو۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا یہ مقام عطا فرمایا ہے وہ اس حد تک رعایت فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز کہیں اس کی خوش دلی کے بغیر ہمارے پاس نہ آجائے۔ مثلاً آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگ لی تو مانگنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ اگر تم سے کوئی دوسرا شخص یہ چیز مانگتا تو کیا تم خوش دلی سے اس کو دینے پر راضی ہو جاتے؟ اگر تم خوش دلی سے راضی نہ ہوتے تو پھر وہ چیز دوسرے سے بھی مت مانگو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مروت کے دباؤ میں آکر وہ شخص تمہیں وہ چیز دیدے لیکن اس کا دل اندر سے راضی نہ ہو، اور اس کے نتیجے میں تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بن جاؤ کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا ایک واقعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالی مقام تھا کہ آپ نے اس حد

تک احتیاط فرمائی کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو محل جنت میں بنایا ہے، وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ میں اس محل کے اندر چلا جاؤں، لیکن جب میں نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی غیرت بخشی ہے، اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے گھر کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہو تو تمہیں غیرت آتی ہے، اس لئے میں نے یہ سوچا کہ تمہارے بغیر اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا میں داخل نہ ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا: أَوَ عَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں آپ سے غیرت کروں گا؟۔

امت کے لئے سبق

اب آپ اندازہ لگائیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ فاروق اعظم جیسا انسان وہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو، اپنا سب کچھ آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، ان کے پاس اگر کوئی بڑی سے بڑی نعمت ہو اور وہ نعمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں آجائے تو وہ اس کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں گے، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے محل میں داخل نہیں ہوئے، جب کہ وہ جگہ بھی جنت کی جگہ تھی جو تکلیف کی جگہ نہیں ہوتی۔ لیکن علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے درحقیقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ

وسلم امت کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو! میں بھی اپنے ایسے فداکار اور جانثار صحابی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوا، تو تم لوگوں کے لئے عام حالات میں دوسروں کی چیز اس کی خوشدلی اور اجازت کے بغیر استعمال کرنا کیسے جائز ہو گا۔

سلام کے جواب کے لئے تیمم کرنا

اللہ تعالیٰ ہمارے محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کی قبروں کو نور سے بھردے، آمین۔ یہ حضرات ہمارے لئے عجیب ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک صحابی نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک راستے میں گزر رہے تھے، ایک صحابی نے آپ کو دیکھ کر آپ کو سلام کیا۔ یہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا، اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا مکروہ تھا، اور "سلام" بھی اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے نہیں تھے، اب اگر اس حالت میں "وعلیکم السلام" فرماتے تو اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا ہو جاتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے بغیر نام لینے سے بچنے کے لئے یہ کیا کہ قریب میں جو مکان تھا، اس کی دیوار سے تیمم فرمایا اور پھر آپ نے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہہ کر جواب دیا۔

علماء کا احادیث سے مسائل کا نکالنا

ان صحابی نے یہ حدیث بیان فرمادی، لیکن فقہاء کرام کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک ایک حدیث سے امت کے لئے کیا کیا ہدایات نکل رہی ہیں، ان کے نکالنے

میں لگ جاتے ہیں۔ احادیث سے احکام نکالنے کا جب میں تصور کرتا ہوں تو میرے سامنے یہ منظر آجاتا ہے کہ جب کوئی ہوائی جہاز کسی ایئرپورٹ پر اترتا ہے تو جیسے ہی وہ اترتا ہے فوراً تمام لوگ اپنی اپنی ڈیوٹیاں انجام دینا شروع کر دیتے ہیں، کوئی اس کی صفائی کر رہا ہے، کوئی اس میں پٹرول بھر رہا ہے، کوئی مسافروں کو اتار رہا ہے، کوئی کھانا چڑھا رہا ہے، سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو امت کے علماء بھی مختلف جہتوں سے اس حدیث پر کام کرنے میں لگ جاتے ہیں، کوئی اس حدیث کی سند کی چھان بین کر رہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ کوئی راویوں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے، کوئی اس حدیث سے نکلنے والے احکام بتا رہا ہے کہ اس حدیث سے کیا کیا احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا رہنمائی اس سے حاصل ہو رہی ہے۔ تو حضرات فقہاء کرام کا کام یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے سامنے آتی ہے تو اس حدیث کے ایک ایک جز کی بال کی کھال نکال کر احکام مستنبط فرماتے ہیں۔

بُلبل والی حدیث سے ۱۱۰ مسائل کا استنباط

یاد آیا کہ شمائل ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے، جو بچے تھے، انہوں نے ایک بُلبل پال رکھا تھا، وہ بُلبل مر گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لے گئے تو اس بچے سے آپ نے پوچھا:

یا أبا عُمیر ما فعل النُغیر؟

اے ابو عمیر! تم نے وہ جو بلبل پال رکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟ صرف ایک اس حدیث سے حضرات فقہاء کرام نے ایک سو دس (۱۱۰) فقہی مسائل نکالے ہیں۔ اور ایک محدث نے اس ایک حدیث کی تشریح اور اس سے نکلنے والے احکام پر مستقل کتاب لکھی ہے۔

سلام کے جواب کے لئے تیمم کرنا جائز ہے

بہر حال، ان صحابی کے سلام کے جواب کے لئے آپ نے پہلے تیمم فرمایا پھر سلام کا جواب دیا۔ اس حدیث سے بھی فقہاء کرام نے بہت سے مسائل نکالے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث سے فقہاء نے ایک مسئلہ یہ نکالا ہے کہ جس کام کے لئے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے تو اس کام کے لئے وضو کے بجائے تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً دعا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وضو کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ کھٹکھٹانے اور دعا کرنے کو آسان کر دیا کہ اس کے لئے وضو کی شرط نہیں رکھی بلکہ پاکی کی شرط بھی نہیں رکھی، لہٰذا اگر کوئی شخص جنابت اور ناپاکی کی حالت میں بھی دعا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ آدمی دعا کرتے وقت باوضو ہو اور اگر وضو کا موقع نہ ہو تو تیمم کرلے، کیونکہ تیمم کر کے دعا کرنا بے وضو دعا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس تیمم سے نماز پڑھنا اور ایسے کام کرنا جائز نہیں ہوگا جن کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ لیکن اس تیمم سے دعا کر سکتا ہے۔

ذکر کے لئے تیمم کرنا

مثلاً کوئی شخص ذکر کرنا چاہتا ہے یا تسبیح پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لینا اتنا آسان فرمادیا ہے کہ اس کے لئے وضو کی شرط نہیں، البتہ باوضو ہو کر ذکر کرنا مستحب ہے، لہٰذا اگر وضو کرنے کا موقع نہیں ہے اور ذکر کرنا چاہتا ہے تو کم از کم یہ کرے کہ تیمم کر کے ذکر کرلے، کیونکہ تیمم کر کے ذکر کرنا بے وضو ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ اس تیمم سے کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے کی دیوار سے تیمم کرنا

فقہاء کرام نے اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار سے تیمم فرمایا اور وہ کسی دوسرے شخص کے گھر کی دیوار تھی، تو اب سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص کے گھر کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر تیمم کے لئے کیسے استعمال فرمایا؟ اس لئے کہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے یہ سوال اٹھایا، وہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اٹھایا کہ آپ نے وہ دیوار کس طرح استعمال فرمائی۔

پھر فقہاء کرام نے اس کا جواب بھی خود دیا، کہ بات دراصل یہ تھی کہ مکان کے باہر کی دیوار سے تیمم کرنے کی صورت میں یہ بات سو فیصد یقینی تھی کہ کوئی بھی آپ کو اس عمل سے منع نہ کرتا، اس لئے آپ کے لئے اس دیوار سے تیمم کرنا جائز تھا۔ لہٰذا جہاں اس بات کا سو فیصد مکمل یقین ہو کہ دوسرا شخص نہ

صرف یہ کہ اس کو استعمال کرنے کی اجازت دیگا بلکہ وہ خوش ہوگا تو اس صورت میں اس چیز کا استعمال کر لینا جائز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ فقہاء کرام نے کتنی باریک بات کو پکڑ لیا۔

کسی قوم کی کوڑی کو استعمال کرنا

فقہاء کرام نے یہی سوال ایک اور حدیث پر بھی اٹھایا ہے، وہ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی، ایک جگہ پر کسی قوم کی "کوڑی" تھی، جہاں لوگ اپنا کچرا ڈالتے تھے۔ اس "کوڑی" پر آپ نے پیشاب کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "اتی سباطة قوم" یعنی کسی قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آپ پہنچے۔ اب فقہاء نے اس پر سوال اٹھایا ہے کہ وہ کوڑا ڈالنے کی جگہ کسی قوم کی ملکیت تھی تو آپ نے اس کو ان کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمالیا؟

پھر خود ہی فقہاء نے اس کا جواب بھی دیا کہ دراصل وہ عام استعمال کی جگہ تھی اور اسی مقصد کے لئے وہ جگہ چھوڑی گئی تھی، لہٰذا کسی شخص کی ملکیت میں کوئی خلل ڈالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میزبان کے گھر کی چیز استعمال کرنا

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں کسی دوسرے شخص کی چیز کو استعمال کرنے کے بارے میں کتنی حساسیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم دوسرے شخص کے گھر مہمان بن کر گئے، اب اگر اس کے گھر کی کوئی چیز آپ کو استعمال کرنی ہے

تو استعمال کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ میرے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ سوچو کہ میرے استعمال کرنے سے میزبان خوش ہوگا یا اس کے دل میں تنگی پیدا ہوگی؟ اگر اس کے دل میں تنگی پیدا ہونے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس چیز کو آپ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ دوست کے گھر میں چلے گئے اور سوچا کہ یہ تو ہمارا بے تکلف دوست ہے، اب دوستی اور بے تکلفی کی مد میں اس کو لوٹنا شروع کر دیا اور اس کی چیزوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا کہ مذاق میں بھی دوسرے کی چیز اٹھا کر استعمال کرنا جائز نہیں، تو پھر سنجیدگی میں کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم بے تکلفی کی آڑ میں کہاں کہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

بیٹے کے کمرے میں داخل ہونے کے لئے اجازت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر یہ معمول ہم نے دیکھا کہ جب کبھی آپ کسی کام سے اپنی اولاد کے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت لیتے، حالانکہ وہ کمرہ ہماری ملکیت نہیں ہوتا تھا، انہی کی ملکیت ہوتا تھا، اس کے باوجود پہلے اجازت لیتے کہ اندر آجائیں۔ اور اگر کبھی حضرت والد صاحب کو وہ چیز استعمال کرنے کی

ضرورت پیش آتی جو ہمارے استعمال میں ہے، تو ہمیشہ پہلے پوچھ لیتے کہ یہ تمہاری چیز میں استعمال کرلوں؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے پوچھ رہا ہے کہ میں تمہاری چیز استعمال کرلوں؟ حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انت ومالك لابيك" یعنی تم خود اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس درجہ احتیاط تھی کہ بیٹے سے پوچھ کر اس کی چیز استعمال فرمارہے ہیں، تو جب اپنی اولاد کی چیز استعمال کرنے میں یہ احتیاط ہونی چاہئے تو جن کے ساتھ یہ رشتہ نہیں ہے، ان کی چیزوں کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا کتنی سنگین بات ہے۔

اطلاع کے بغیر دوسرے کے گھر جانا

یہ تمام چیزیں ہم نے اپنے دین سے خارج کردی ہیں، بس آج کل تو عبادات کا اور نماز روزے کا نام دین سمجھ لیا ہے، اور اس سے آگے جو معاملات ہیں ان کو ہم نے دین سے خارج کردیا ہے۔ مثلاً کسی دوسرے کے گھر میں اطلاع کے بغیر کھانے کے وقت پہنچ جانا دین کے خلاف ہے۔ جیسے آج کل ہوتا ہے کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کا لشکر لے کر کسی مرید پر حملہ آور ہوگئے، اور پیر صاحب کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ تو ہمارا مرید ہے۔ لہٰذا اس کو تو ہر حال میں ہماری خاطر تواضع کرنی ہی کرنی ہے۔ یہ میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ بتارہا ہوں۔ اب وہ مرید بیچارہ پریشان کہ عین وقت پر میں کیا انتظام کروں، اتنی بڑی فوج آئی ہے اس کے لئے کہاں سے تواضع کا انتظام کروں؟۔ اب دیکھئے!

نمازیں بھی ہو رہی ہیں، تہجد، اشراق، چاشت، ذکر واذکار، سب عبادات ہو رہی ہیں، اور پیر صاحب بنے ہوئے ہیں۔ لیکن بغیر اطلاع کے مرید کے گھر پہنچ گئے۔ یاد رکھئے! یہ اس حدیث کے اندر داخل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یحل مال امرئی مسلم الا بطیب نفس منه" لیکن پیر صاحب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس سے مرید کو تکلیف ہو رہی ہے یا پریشانی ہو رہی ہے، یا اس کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حاصل کیا جا رہا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں پھیل گئی ہیں اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کا ذوق عطا فرمائے کہ جس چیز کا جو مقام ہے اسی کے مطابق اس پر عمل ہو۔

خوش دلی کے بغیر چندہ لینا

اسی طرح آج کل چندہ کا مسئلہ ہے، یہ چندہ خواہ کسی بھی نیک مقصد کے لئے ہو، چاہے مدرسے کے لئے ہو، چاہے مسجد کے لئے ہو، یا جہاد کے لئے ہو، یا تبلیغ کے لئے ہو، لیکن اگر چندہ کرتے وقت کسی موقع پر ذرا سا بھی دباؤ کا عنصر آجائے گا تو وہ چندہ حرام ہو جائے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ آج کل جو چندہ کا طریقہ ہے کہ بڑی شخصیات اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرتے ہیں، کیونکہ اگر مدرسے کے کسی معمولی سفیر کو چندہ کے لئے بھیجا جائے گا تو چندہ کم وصول ہوگا، لہٰذا کسی بڑے اور صاحب حیثیت کو چندہ کے لئے

بھیجا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس وہ صاحب حیثیت چندہ کے لئے پہنچے گا تو وہ یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا آدمی میرے پاس آیا ہے تو اب تھوڑے پیسے کیا دوں، چنانچہ وہ زیادہ پیسے دیگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت شخصیت کا دباؤ ڈالنا ہے، اور شخصیت کا دباؤ ڈال کر جو چندہ وصول کیا جائے گا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہوگا، اور جب وہ چندہ خوش دلی کا نہیں ہے تو وہ حرام ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں آپ نے فرمایا: "لا یحل مال امرئی مسلم إلا بطیب نفس منه"

عام مجمع میں چندہ کرنا

اسی طرح عام مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر کے وہیں چندہ جمع کیا جارہا ہے، اب جو صاحبِ حیثیت اس مجمع کے اندر بیٹھا ہے، وہ سوچ رہا ہے کہ سب لوگ تو چندہ دے رہے ہیں، اگر میں چندہ نہیں دوں گا تو میری ناک کٹ جائے گی، اور اگر تھوڑا چندہ دونگا تو بھی بے عزتی ہو جائے گی، لہٰذا مجھے زیادہ دینا چاہئے۔ اب اس دباؤ میں آکر اس نے زیادہ چندہ دیدیا۔ یاد رکھئے! اس دباؤ میں آکر جو چندہ دیگا وہ خوش دلی کا چندہ نہیں ہے اور اس حدیث کے تحت داخل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یحل مال امرئی مسلم الا بطیب نفس منه" اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقین کے لئے عام معمول یہ تھا کہ عام مجمع میں چندہ کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس لئے کہ اس میں لوگ شرما حضوری میں اور مروّت میں آکر چندہ دیدیتے ہیں جو جائز اور حلال

نہیں۔

غزوہ تبوک کے واقعہ سے اشکال اور اس کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات میں نے ایک مرتبہ بیان کی تو ایک صاحب نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غزوہ تبوک کے موقع پر مجمع میں چندہ کیا تھا۔ جب غزوہ تبوک میں ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ اس وقت جہاد کے لئے سامان کی شدید ضرورت ہے، جو شخص بھی اس میں خرچ کرے گا اس کو یہ ثواب ملے گا، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اعلان سن کر گھر کا سارا مال لیکر آگئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجمع میں چندہ کا اعلان فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی وقت اور اسی جگہ پر چندہ کرو، بلکہ آپ نے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ اتنی ضرورت ہے، جو شخص بھی اپنی سہولت کے مطابق جس وقت جتنا چاہے لاکر دے دے، چنانچہ صحابہ کرام بعد میں اشیاء لالا کر جمع کراتے رہے۔ یہ اعلان نہیں تھا کہ ابھی اور یہیں جمع کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے حالات کو ہم اپنے حالات پر کہاں قیاس کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اخلاق ایسے مصفی مزکی اور مجلی فرمادیے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو محض دکھاوے کی خاطر چندہ دے، اللہ کے لئے چندہ دینا ہوتا دیتے، نہ دینا ہوتا تو نہ دیتے۔ ہمارے معاشرے

کے لوگ دباؤ میں آجاتے ہیں، اور اس دباؤ کی نتیجے میں شرما شرمی میں دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آج کل کے حالات کو صحابہ کرام کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام مجمع میں اس طرح چندہ کرنا جس طرح عام دستور ہے، یہ جائز نہیں، کیونکہ ایسے چندے میں خوشدلی کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو متوجہ کردیں کہ یہ ایک ضرورت ہے اور دین کا صحیح مصرف ہے اور اس میں دینے میں ثواب ہے۔ لہٰذا جو چاہے اپنی خوشی کے ساتھ جب چاہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور ثواب کے حصول کے لئے چندہ دیدے۔ یہ تمام احکام اسی حدیث سے نکل رہے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کا مال اور دوسرے کا سامان نہ تو سنجیدگی میں لے اور نہ مذاق میں لے۔

عاریت کی چیز جلدی واپس نہ کرنا

پھر حدیث میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: "فاذا اخذ احدکم عصی صاحبہ فلیردھا الیہ" یعنی اگر تم نے کسی وقت دوسرے کی لاٹھی بھی لے لی ہے تو اس کو واپس کردے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی چیز عاریتاً استعمال کے لئے لے لی ہے اور اس نے خوش دلی سے تمہیں دیدی ہے، خوش دلی سے اس نے وہ چیز دیکر کوئی جرم نہیں کیا، لہٰذا جب تمہاری وہ ضرورت پوری ہو جائے

جس ضرورت کے لئے تم نے وہ چیز لی تھی تو پھر اس چیز کو جلد از جلد واپس لوٹاؤ۔ اس بارے میں بھی ہمارے یہاں کوتاہیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں۔ ایک چیز کسی ضرورت کی وجہ سے کسی سے لے لی تھی،اب وہ گھر میں پڑی ہے،واپس کرنے کی فکر نہیں۔ ارے بھائی! جب تمہاری ضرورت پوری ہو گئی تو اب واپس کرو،اب جس شخص کی وہ چیز ہے ہو سکتا ہے کہ اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو،لیکن وہ مانگتے ہوئے شرماتا ہو کہ اس کے پاس جا کر وہ چیز کیا مانگوں۔ اب اگر تم اس چیز کو استعمال کرو گے تو تم اس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرو گے،لہٰذا یہ استعمال کرنا تمہارے لئے حرام ہے۔

کتاب لے کر واپس نہ کرنا

اسی طرح ہمارے معاشرے میں یہ مسئلہ باقاعدہ گھڑ لیا گیا ہے کہ کتاب کی چوری،یہ کوئی چوری نہیں ہوتی یعنی اگر کسی دوسرے سے کتاب پڑھنے کے لئے لے لی تو اب اس کتاب کو واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مطالعے کے بعد کتاب گھر میں پڑی ہے،اس کی واپسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم نے دوسرے کی کوئی چیز لی ہو تو اس کو واپس کرنے کی فکر کرو اور جلد از جلد اس کو اصل مالک تک واپس پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

پہلا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقتِ خطاب ــــــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــــــ ۳۴

جلد نمبر ــــــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات اور ان کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أمَّا بَعْدُ! عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلىٰ الله عليه وسلم قال: ألا أخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوٰة والصدقة قالوا: بلىٰ قال: اصلاح ذات البين، وفساد ذات البين الحالقة۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب مافی اصلاح ذات البین)

امت محمدیہ کے حکیم

یہ حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "حکیم ہذہ الامۃ" کا لقب عطا فرمایا تھا یعنی یہ امت محمدیہ ﷺ کے حکیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو "حکمت" عطا فرمائی تھی۔

سوال کے ذریعہ طلب پیدا کرنا

وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو تھا کہ جب کسی چیز کی اہمیت بیان کرنی منظور ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خود ہی سوال فرمایا کرتے تھے، تاکہ ان کے دل میں طلب

پیدا ہو جائے۔ اگر دل میں طلب ہو تو اس وقت جو بات کہی جائے اس کا اثر بھی ہوتا ہے، اور اگر دل میں طلب نہ ہو تو کیسی بھی اچھی سے اچھی بات کہہ دی جائے، کیسا ہی اچھے سے اچھا نسخہ بتا دیا جائے، بہتر سے بہتر تعلیم دیدی جائے، ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔

دین کی طلب پیدا کریں

اس لئے بزرگان دین نے فرمایا کہ انسان کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ انسان اپنے اندر دین کی طلب اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کی طلب پیدا کرلے۔ جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود نواز دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست

تا بجوشد آب از بالا وپست

یعنی پانی کم تلاش کرو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ پھر اوپر اور نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارتا ہے۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

”طلب“ بے چینی پیدا کرتی ہے

یہ ”طلب“ ہی وہ چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر انسان کو چین لینے نہیں دیتی، بلکہ اس کو بیتاب رکھتی ہے، جب تک انسان کو مقصود حاصل نہ ہو جائے انسان کو چین نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب انسان کو بھوک لگ جائے اور ”بھوک“ کے معنی ہیں ”کھانے کی طلب“ تو جب انسان کو بھوک لگی ہوئی ہوگی تو کیا انسان کو چین آئے گا؟ کس دوسرے کام کو کرنے کا دل چاہے گا؟ جب کھانے کی طلب لگی ہوئی ہے تو آدمی کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو کھانا نہ مل جائے۔ اگر انسان کو پیاس لگی ہوئی ہے تو ”پیاس“ کے معنی ہیں ”پانی کی طلب“ جب تک پانی نہیں مل جائے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ”دین“ کی بھی ایسی ہی طلب پیدا فرما دے، جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک دین حاصل نہ ہو جائے بلکہ بے چینی لگی رہتی ہے۔

صحابہؓ اور دین کی طلب

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ ان میں سے ہر شخص کو یہ بے چینی لگی ہوئی تھی کہ مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس کے بعد یا جہنم ہے یا

جنت ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اس بے چینی کا نتیجہ یہ تھا کہ صبح سے لے کر شام تک معمولی معمولی کاموں میں بھی فکر لگی ہوئی ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے یا نہیں؟ کہیں اس کی وجہ سے میں جہنم کا مستحق تو نہیں ہو گیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر آخرت

یہاں تک کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہو گیا، اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں تو منافق ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو اس وقت تو آخرت کی فکر لگی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس گھر جاتے ہیں تو اس وقت دل کی یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تو منافق ہو گیا، اس لئے کہ آپ کے پاس ایک حالت ہوتی ہے اور گھر جا کر دوسری حالت ہو جاتی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ

اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، کسی وقت انسان پر ایک حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں ان میں لگے رہو، انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ فکر کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہو گیا، یہ آخرت کی طلب ہے جو بے چین کر رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور فکر آخرت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی، خلیفہ ثانی، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، اور جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس راستے سے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گزر جاتے ہیں، اس راستے سے شیطان نہیں گزرتا، شیطان رستہ بدل دیتا ہے۔ وہ عمر جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کے اندر تمہارا محل دیکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تمام باتیں سننے کے باوجود آپؓ کا یہ حال تھا کہ آپؓ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی ہے، ان میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ یہ فکر اور طلب لگی ہوئی ہے۔

طلب کے بعد مدد آتی ہے

اور جب طلب لگ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وپست

"پانی تلاش کرنے سے زیادہ پیاس پیدا کرو" دل میں ہر وقت کھٹک اور بے چینی اور بیتابی لگی ہوئی ہو کہ مجھے صحیح بات کا علم ہو جائے، اور جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما ہی دیتے ہیں، ان کی سنت یہ ہے کہ کسی سچے طالب کو جس کے دل میں طلب صادق ہو آج تک اللہ تعالیٰ نے رد نہیں فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا کہ آپ حضرات صحابہؓ میں پہلے طلب پیدا فرماتے تھے۔ اس لئے پہلے آپ نے ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اور اجر و ثواب کا ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل، روزوں سے بھی افضل اور صدقہ سے بھی افضل ہو؟ یہ سوال کر کے ان کے اندر شوق اور طلب پیدا فرما رہے ہیں۔

نماز کے ذریعہ قرب خداوندی

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتایئے۔ اس

لئے کہ صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت یہ دھن لگی ہوئی تھی کہ کونسی چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا عطا کرنے والی ہے۔ اور اب تک روزے کی نماز کی اور صدقے کی فضیلت سن چکے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے اور جتنے نوافل زیادہ پڑھتا ہے وہ اتنا ہی میرے قریب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک درجہ ایسا آجاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، گویا کہ نوافل کی کثرت کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس انسان کا سراپا اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام نماز کی یہ فضیلت سن چکے تھے، اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ نماز سے زیادہ افضل کیا چیز ہوگی۔

روزے کی فضیلت

روزے کی یہ فضیلت بھی صحابہ کرامؓ سن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسری عبادتوں کا اجر تو میں نے مقرر کر دیا ہے کہ فلاں عبادت کا ثواب دس گنا، فلاں عبادت کا ثواب سو گنا اور فلاں عبادت کا ثواب سات سو گنا، لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الصوم لی وانا

اجزی بہ (نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام) یہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ یعنی روزے کا جو اجر و ثواب میں عطا کرنے والا ہوں وہ تمہاری گنتی میں اور تمہارے پیمانوں میں اس اجر و ثواب کا تصور آہی نہیں سکتا، یہ روزہ چونکہ میرے لئے ہے، اس لئے اس کا اجر و ثواب بھی اپنی شان کے مطابق دوں گا، اپنی عظمت کے مطابق دوں گا۔ صحابہ کرامؓ روزے کی یہ فضیلت سن چکے تھے۔ اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ روزہ بہت زیادہ افضل عبادت ہے۔

صدقہ کی فضیلت

صحابہ کرامؓ صدقہ کی یہ فضیلت سن چکے تھے کہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے سے سات سو گنا اجر و ثواب ملنا تو یقینی ہے اور یہ سات سو گنا ثواب بھی ہمارے حساب سے نہیں بلکہ جنّت کے حساب سے ملتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ صدقہ کرنا بہت افضل عبادت ہے۔

سب سے افضل عمل جھگڑے ختم کرانا

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس نماز سے بھی افضل ہے، اس روزے سے بھی افضل ہے، اس صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے جن کی فضیلتیں تم نے سن رکھی ہیں؟ چنانچہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے دل میں شوق پیدا ہوا اور انہوں نے

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ چیز ضرور بتائیں تاکہ ہم وہ چیز حاصل کریں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات سے بھی زیادہ ثواب عطا فرما دیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ چیز:

"صلاح ذات البین"

ہے، یعنی اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف اور کشاؤ ہو گیا ہے یا دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو اب کوئی ایسا کام کرو جس کے نتیجے میں ان کے درمیان وہ جھگڑا ختم ہو جائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں اور دونوں ایک ہو جائیں۔ تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بیان تھا۔

صلح کرانا نفل نماز روزے سے افضل ہے

لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ اس حدیث میں نماز روزے سے نفلی نماز روزے مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف تم ساری رات نفلی نمازیں پڑھتے رہو، سارا دن نفلی روزے رکھو اور بہت سا مال نفلی صدقہ کرو، تو ان میں سے ہر کام بڑی فضیلت اور ثواب کا ہے لیکن دوسری طرف دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، اور اس جھگڑے کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاقی پیدا ہو گئی ہے، تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے

لئے اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کرو گے اور ان کے دل اور گلے ملوادو گے اور ان کے درمیان محبت پیدا کرادو گے تو اس صورت میں تم نے جو ساری رات نفل نمازیں پڑھی تھیں، نفل روزے رکھے تھے اور سینکڑوں روپے نفل صدقہ کے طور پر دیئے تھے، ان سب سے زیادہ اجر و ثواب تمہیں اس عمل میں حاصل ہو جائے گا۔ آپ اندازہ کریں کہ کتنی بڑی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی۔

آپس کے اختلافات دین کو مونڈنے والے ہیں

ایک طرف تو یہ فرمادیا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبتیں بھائی چارہ اور اخوت قائم کرنا تمام نفلی عبادتوں سے افضل ہے، اور دوسری طرف اگلا جملہ اس کے بالکل برعکس ارشاد فرمادیا کہ:

"وفساد ذات البین هی الحالقة"

یعنی آپس کے جھگڑے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈنے والی چیزیں ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں، بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈنے والے ہیں۔ کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں. تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شما گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک

دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے، ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

جھگڑوں کی نحوست

ان جھگڑوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور دین کا نور جاتا رہتا ہے اور دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا یہ تاکید فرمائی کہ آپس کے جھگڑوں سے بچو۔

مصالحت کے لئے آپ ﷺ کا جماعت چھوڑ دینا

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری حیات طیبہ میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ظاہر ہے کہ آپ کی موجودگی میں کون نماز پڑھائے گا، اور آپ ﷺ سے زیادہ کون نماز باجماعت کی پابندی کرے گا، لیکن پوری حیات طیبہ میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہیں لا سکے، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ فلاں قبیلے میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا

ہے، چنانچہ ان کے جھگڑے کو ختم کرانے کے لئے اور ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ میں تشریف لے گئے، اس مصالحت کرانے میں دیر لگ گئی، یہاں تک نماز کا وقت آگیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں، تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے۔

پوری حیات طیبہ میں صرف یہ ایک واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے قرآن و حدیث ان ارشادات سے بھرے ہوئے ہیں کہ خدا کے لئے مسلمانوں کے درمیان جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کرو، جہاں کہیں جھگڑے کا کوئی سبب پیدا ہو، فوراً اس کو ختم کرانے کی کوشش کرو، اس لئے کہ یہ جھگڑے دین کو مونڈ دینے والے ہیں۔

جنّت کے بیچ میں مکان دلانے کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أنا زعیم ببیت في وسط الجنة لمن ترك المراء وهو محق۔

میں اس شخص کیلئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔ یعنی وہ شخص حق پر تھا اور حق پر ہونے کی وجہ سے اگر وہ چاہتا تو اپنے اس حق کو وصول کرنے کے لئے مقدمہ دائر کر دیتا، یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کر لیتا جس کے نتیجے میں اس کو اس کا حق مل جاتا، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ، لہٰذا اپنا حق ہی چھوڑ دیا۔ ایسے شخص کے لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اتنی بڑی بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

یہ ضمانت دوسرے اعمال پر نہیں

یہ ذمہ داری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے عمل پر نہیں لی لیکن حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑنے والے کے لئے یہ ذمہ داری لے رہے ہیں۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ آپس کے اختلافات ختم کر دو، اللہ کے بندے بن جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، اور جھگڑے کے جو جو اسباب ہو سکتے ہیں، ان کو بھی ختم کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت میں اخوت میں اور محبت میں ایک نور رکھا ہے، اس نور کے ذریعے انسان کی دنیا بھی روشن ہوتی ہے اور آخرت بھی روشن ہوتی ہے، اور اگر آپس میں جھگڑے ہوں،

فساد ہوں تو یہ ظلمت ہے، دنیا میں بھی ظلمت اور آخرت میں بھی ظلمت، جو انسان کے دین کو مونڈ کر رکھ دیتی ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل و المقتول كلهما في النار۔

اگر دو مسلمان تلوار کے ذریعہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں لڑائی کرنا شروع کر دیں تو اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے گا تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ! قاتل تو جہنم میں جائے گا کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا، لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

إنه كان حريصاً على قتل صاحبه۔

کیونکہ یہ مقتول بھی اپنے مدمقابل کو مارنے کے ارادے سے چلا تھا، اسی لئے تلوار اٹھائی تھی کہ اگر میرا داؤ چل گیا تو میں مار دوں گا، لیکن اتفاق سے داؤ اس کا نہیں چلا بلکہ دوسرے کا داؤ چل گیا، اس لئے یہ مقتول بن گیا اور وہ قاتل بن گیا، اس وجہ سے یہ بھی جہنم میں وہ بھی جہنم میں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی مسلمان کے ساتھ لڑائی کا معاملہ ہرگز نہ کرو۔

حبشی غلام حاکم کی اتباع کرو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر حاکم بن کر آجائے تو اس کے خلاف بھی تلوار مت اٹھاؤ، جب تک وہ کفر بواح کا ارتکاب نہ کرے، کیوں کہ اگر تم اس کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے تو کوئی تمہارا ساتھ دے گا اور کوئی دوسرے کا ساتھ دے گا، اس کے نتیجے میں مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو جائیں گے اور ان کے درمیان منافرت پیدا ہو جائے گی، اور مسلمانوں کے درمیان افتراق، انتشار اور ناچاقی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمادیا کہ:

کونوا عباداللّٰہ اِخواناً۔

اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

آج زندگی جہنم بنی ہوئی ہے

جب ہمارے ذہنوں میں عبادت کا خیال آتا ہے تو نماز روزے کا تو خیال آتا ہے، صدقہ کا خیال آتا ہے، ذکر اور تسبیح کا خیال آتا ہے، تلاوت قرآن کریم کا خیال آتا ہے، اور الحمدللہ یہ سب بھی اونچے درجے کی عبادتیں ہیں، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان سے بھی اونچے درجے کی چیز مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلح کرانا ہے۔ اور

آج ہمارا معاشرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اتنا دور چلا گیا ہے کہ قدم قدم پر منافرت ہے، جھگڑے اور لڑائیاں ہیں، نااتفاقیاں ہیں، اور اس کی وجہ سے زندگی جہنم بنی ہوئی ہے، حالانکہ آپ نے یہ فرمادیا کہ یہ چیز دین کو مونڈنے والی ہے، اس نے آج ہمارے دین کو مونڈ ڈالا ہے، جس کی وجہ سے اس کی شناعت، قباحت اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔

لوگوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے کام کرنا

اگر ہمارے معاشرے میں کوئی بے نمازی ہے یا کوئی شراب پیتا ہے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہے، تو اس کو تو ہمارے معاشرے میں الحمد للہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص برا کام کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا کام کر رہا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان جھگڑے ہو رہے ہیں، تو اس کی طرف سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اتنا بڑا مجرم ہے جتنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجرم قرار دے رہے ہیں، اور اس بات کی فکر بھی کسی کے دل میں نہیں ہے کہ ان جھگڑوں کو کیسے ختم کیا جائے؟ لہٰذا یہ بہت بڑا باب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا اور آپس میں صلح کرانے کو نماز روزے اور صدقے سے بھی افضل قرار دیا۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

لیس الکذاب الذی ینمی خیراً۔

یعنی جو شخص ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے کی محبت پیدا کرنے کے لئے اور نفرت دور کرنے کے لئے کوئی ایسی بات کہدے جو بظاہر خلاف واقعہ ہو، تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کو معلوم ہوا کہ فلاں دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں، یہ شخص چاہتا ہے کہ دونوں کے درمیان محبت ہو جائے، اب اگر یہ شخص جاکر ان میں سے کسی سے ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلاف واقعہ ہے، مثلاً یہ کہدے کہ آپ تو فلاں سے اتنی نفرت کرتے ہیں لیکن وہ تو آپ سے بہت محبت کرتا ہے، وہ تو آپ کے حق میں دعا کرتا ہے، میں نے اس کو آپ کے حق میں دعا کرتے دیکھا ہے۔

اب اگرچہ اس کا نام لے کر دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، لیکن دل میں یہ نیت کرلی کہ وہ یہ دعا تو کرتا ہی ہوگا کہ:

ربنا آتنا فی الدنیا حَسَنَةً وفی الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی اچھائی

عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔ لفظ "ہم" میں سارے مسلمان داخل ہوگئے۔

یہ ہر مسلمان کے لئے دعا ہے

اسی طرح کہنے والے نے یہ نیت کرلی کہ یہ نماز میں "التحیات" تو پڑھتا ہے اور "التحیات" میں یہ الفاظ ہیں "السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین" ان الفاظ میں وہ تمام مسلمانوں کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہے، اسی طرح نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت کہتا ہے: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" "السلام علیکم" کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ان پر سلامتی نازل فرما۔ اور فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی نماز کے آخر میں دائیں طرف سلام پھیرے تو سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرلے کہ دائیں طرف جتنے ملائکہ، جنات اور مسلمان ہیں ان سب کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہوں، اور جب بائیں طرف سلام پھیرے تو یہ نیت کرلے کہ بائیں طرف جتنے ملائکہ، جنات اور مسلمان ہیں، ان سب کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔

لہٰذا اس نیت کے ساتھ اگر دوسرے مسلمان سے یہ کہدے کہ فلاں تو تمہارے حق میں دعا کرتا ہے، تو سامنے والے کے دل میں اس کی قدر پیدا ہوگی کہ میں تو اس کو برا سمجھتا تھا لیکن وہ تو میرے حق میں دعا کرتا ہے، لہٰذا مجھے اس سے دشمنی نہیں رکھنی چاہئے۔

بلکہ بعض فقہاء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے صریح جھوٹ بھی بولنا پڑے تو صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے، اگر اس کے نتیجے میں دو دل مل رہے ہوں۔ بہر حال، آپس کے اختلافات کی خرابی اتنی زیادہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ ایسے حالات میں خلاف واقعہ بات کہدینا بھی جائز ہے جس سے دوسرے کے دل میں قدر و محبت اور منزلت پیدا ہو جائے۔ لہٰذا جہاں کہیں موقع ملے تو آپس میں صلح کرانے کے عظیم درجے اور عظیم ثواب کو حاصل کرلو۔ کہاں تم ساری رات تہجد پڑھو گے، کہاں تم ساری عمر روزے رکھو گے، کہاں تم سارا مال صدقہ کرو گے، لیکن اگر تم نے مسلمانوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد اور محبت پیدا کرانے کی کوشش کرلی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بھی آگے کا درجہ عطاء فرمادیں گے۔

بعض لوگ بالکل اس کے الٹ ہوتے ہیں، ان کو دو ملے ہوئے دل کبھی اچھے نہیں لگتے، جہاں کہیں دیکھا کہ فلاں دو شخصوں میں محبت ہے تو وہ ان کے درمیان ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے! اس سے زیادہ بدترین گناہ کوئی اور نہیں ہے۔

ابلیس کا صحیح جانشین کون؟

ابلیس نے اپنے چھوٹے شیاطین کی ایک فوج بنا رکھی ہے جو پوری دنیا

میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کو صحیح راستے سے بہکانے کا کام کرتی ہے۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ ابلیس بعض اوقات سمندر پر اپنا دربار منعقد کرتا ہے اور ان سے رپورٹ طلب کرتا ہے اور اس کی تمام فوج اس کو اپنی اپنی کارگزاری سناتی ہے۔ چنانچہ ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے جارہا تھا، میں نے اس کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ وہ نماز کے لئے نہ جاسکا اور اس کی نماز قضا ہوگئی، میں نے اس کو نماز سے محروم کر دیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ دوسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص روزہ رکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، میں نے اس کے دل کو ایسا پلٹا کہ وہ روزے سے باز آگیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ اس کے بعد تیسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص صدقہ خیرات کرنا چاہتا تھا، میں نے اس کے حالات ایسے پیدا کر دیے کہ وہ صدقہ کرنے سے رک گیا، ابلیس اس کو بھی شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ آخر میں ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ دو میاں بیوی بڑی محبت سے زندگی گزار رہے تھے، میں نے جاکر ان کے درمیان ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا کہ دونوں کے درمیان ناچاقی ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہ رہے، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی۔ ابلیس یہ سن کر اپنے تخت سے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کو گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو میرا صحیح جانشین ہے، تو نے صحیح کام کیا اور میرے مطلب کے مطابق کام کیا۔

نفرتیں ڈالنے والا بڑا مجرم ہے

بہر حال، شیطان کا سب سے بڑا حربہ اور سب سے کامیاب ترین منصوبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں نفرتیں پیدا کرے۔ لہٰذا جن لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اچھے خاصے رہتے بستے لوگوں کے درمیان اور محبّت کرنے والے دوستوں کے درمیان منافرت پیدا کر دیتے ہیں، اور ادھر کی بات ادھر لگا دیتے ہیں، لگاوا جوئی شروع کر دیتے ہیں، اس حدیث کی رو سے وہ بہت خطرناک جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں، نماز روزے سے روک دینا بھی شیطانی عمل ہے لیکن یہ ایسا شیطانی عمل ہے کہ ابلیس اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

جھگڑوں سے کیسے بچیں؟

اب سوال یہ ہے کہ ان جھگڑوں سے کیسے بچیں اور آپس میں محبّتیں کیسے پیدا ہوں، اور یہ آپس کے اختلافات کیسے ختم ہوں؟ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو بڑی باریک بینی سے ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ ان ہدایات میں سے ایک ایک ہدایت آپس میں محبت کو پیدا کرنے والی ہے اور آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے والی ہے۔ لیکن ان ہدایات کے بیان سے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں:

جھگڑے ختم کرنے کی ایک شرط

اصولی بات یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے ختم کرنے اور آپس میں محبت پیدا کرنے اور آپس میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی ایک خاص شرط ہے، جب تک وہ شرط نہیں پائی جائے گی، اس وقت تک جھگڑے دور نہیں ہوں گے۔ آج ہر طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد ہونا چاہئے، جھگڑے ختم ہونے چاہئیں، اور حتیٰ کہ جو لوگ جھگڑوں کا بیج بونے والے ہیں وہ بھی اتفاق اور اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن پھر بھی اتحاد اور اتفاق قائم نہیں ہوتا، کیوں اتحاد قائم نہیں ہوتا؟ اس کے بارے میں ایک مرد درویش کی بات سن لیجئے، جس نے اس بیماری کی دھکتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ کر اس بیماری کی تشخیص کی ہے۔ اور مرض کی صحیح تشخیص ہمیشہ اللہ والے ہی کرتے ہیں، کیونکہ ہر بیماری کی صحیح تشخیص اور اس کا صحیح علاج اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے قلوب پر ہی وارد فرماتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے سید الطائفہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ، جو ہمارے شیخ کے شیخ کے شیخ ہیں۔ اگر ان کے کوائف پوچھو تو وہ کسی مدرسے کے فارغ التحصیل بھی نہیں، با قاعدہ باضابطہ سند یافتہ عالم بھی نہیں، صرف کافیہ اور قدوری تک کتابیں پڑھے ہوئے

تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر معرفت کے دروازے کھولتے ہیں تو ہزار علم و تحقیق کے شناور اس کے آگے قربان ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ بھی اپنی تربیت کے لئے، اپنے تزکیے کے لئے اور اپنے اخلاق کو درست کرانے کے لئے ان کے پاس جاکر زانوئے تلمذ طے کر رہے ہیں۔

اتحاد کیلئے دو شرطیں، تواضع اور ایثار

انہوں نے یہ عقدہ کھولا کہ جب سب لوگ اتحاد اور اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے باوجود اتحاد کیوں قائم نہیں ہو رہا ہے؟ اس کے جواب میں جو حکیمانہ بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے، میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر اس بات کو ہم لوگ پلے باندھ لیں ہمارے معاشرے کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ فرمایا کہ:

> اتحاد و اتفاق کا بنیادی راستہ یہ ہے کہ اپنے اندر دو چیزیں پیدا کرو، اگر یہ دو چیزیں پیدا ہو گئیں تو اتحاد قائم ہو جائے گا اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوئی تو کبھی اتحاد قائم نہیں ہوگا، وہ دو چیزیں یہ ہیں:
> ایک تواضع، دوسرے ایثار۔

''تواضع'' کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو یوں سمجھے کہ میری

کوئی حقیقت نہیں، میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوں، اور اپنی ذات میں میرے اندر کوئی فضیلت نہیں، میرا کوئی حق نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص میری حق تلفی کرتا ہے تو وہ کونسا برا کام کرتا ہے، میں تو حق تلفی کا ہی مستحق ہوں۔

اتحاد میں رکاوٹ "تکبر"

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتحاد اس لئے قائم نہیں ہوتا کہ ہر آدمی کے دل میں تکبر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوں، میرے فلاں حقوق ہیں، فلاں نے میری شان کے خلاف بات کی ہے، فلاں نے میرے درجے کے خلاف کام کیا ہے، میری حق تلفی کی ہے، میرا حق یہ تھا کہ وہ میری تعظیم کرتا، لیکن اس نے میری تعظیم نہیں کی، میں اس کے گھر گیا، اس نے میری خاطر تواضع نہیں کی، اس تکبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑا سمجھنے کے نتیجے میں اپنے لئے کچھ حقوق گھڑ لئے اور یہ سوچا کہ میرے درجے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ فلاں شخص میرے ساتھ ایسا سلوک کرتا، جب دوسرے نے ایسا سلوک نہیں کیا تو اب دل میں شکایت ہو گئی، اور اس کے نتیجے میں گرہ بیٹھ گئی اور اس کے بعد نفرت پیدا ہو گئی اور اس کے بعد اس کے ساتھ معاملات خراب کرنا شروع کر دیئے۔ لہٰذا جھگڑے کی بنیاد "تکبر" ہے۔

راحت والی زندگی کیلئے بہترین نسخہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں لذیذ اور راحت والی زندگی کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم اس نسخہ پر عمل کرلو گے تو پھر انشاء اللہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی شکوہ شکایت اور گلہ پیدا نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہ دل میں یہ سوچ لو کہ یہ دنیا خراب چیز ہے اور اس کی اصل وضع ہی تکلیف پہنچانے کے لئے ہے، لہٰذا اگر مجھے کسی انسان یا جانور سے تکلیف پہنچتی ہے تو یہ تکلیف پہنچنا دنیا کی تخلیق فطرت کے عین مطابق ہے، اور اگر دنیا میں کسی کی طرف سے تمہیں اچھائی پہنچے تو اس پر تمہیں تعجب کرنا چاہئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اچھے توقعات وابستہ نہ کرو

لہٰذا دنیا میں کسی بھی اپنے ملنے جلنے والے سے، چاہے وہ دوست ہو، یا رشتہ دار ہو، یا قریبی عزیز ہو، کسی سے اچھائی کی توقع قائم نہ کرو کہ یہ مجھے کچھ دیدے گا، یا یہ مجھے کچھ نفع پہنچادے گا، یا یہ میری عزت کرے گا، یا یہ میری مدد کرے گا، کسی بھی مخلوق سے کسی بھی قسم کی توقع قائم نہ کرو، اور جب کسی مخلوق سے نفع کی کوئی توقع نہیں ہوگی، پھر اگر کسی مخلوق نے کوئی فائدہ پہنچادیا اور تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرلیا تو اس سے تمہیں خوشی

ہوگی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل سے اس کے دل میں بات ڈال دی جس کے نتیجے میں اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

دشمن سے شکایت نہیں ہوتی

اور اگر کسی مخلوق نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی، تو اس سے تکلیف نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے ہی سے اس سے کوئی اچھی توقع نہیں تھی۔ دیکھئے! اگر کوئی دشمن تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس سے تمہیں کوئی شکایت ہوتی ہے؟ نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو دشمن ہی ہے، اس کا کام ہی تکلیف پہنچانا ہے۔ اس لئے اس کے تکلیف پہنچانے سے زیادہ صدمہ اور رنجش نہیں ہوتی، شکوہ اور گلہ نہیں ہوتا، شکوہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی سے اچھائی کی توقع تھی، لیکن اس نے برائی کرلی۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق سے توقع مٹادو۔

صرف ایک ذات سے توقع رکھو

توقع تو صرف ایک ذات سے قائم کرنی چاہئے، اسی سے مانگو، اسی سے توقع رکھو، اسی سے امید رکھو، باقی ساری دنیا سے امیدیں قطع کردو، صرف اللہ جل جلالہ سے امیدیں وابستہ کرلو۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَكَ، وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَنْ مَنْ سِوَاكَ۔

اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید ڈال دیجئے اور میری امیدیں اپنے سوا ہر ایک مخلوق سے ختم کر دیجئے۔

یہ دعا مانگا کرو۔

اتحاد کی پہلی بنیاد "تواضع"

اور جب انسان کے اندر تواضع ہوگی تو وہ اپنا حق دوسروں پر نہیں سمجھے گا کہ میرا کوئی حق دوسرے کے ذمے ہے، بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، میرا کوئی مقام اور کوئی درجہ نہیں، اللہ تعالیٰ جو معاملہ میرے ساتھ فرمائیں گے میں اس پر راضی ہوں۔ جب دل میں یہ تواضع پیدا ہوگی تو دوسرے سے توقع بھی قائم نہیں ہوگی۔ جب توقع نہیں ہوگی تو پھر دوسرے سے شکوہ شکایت بھی نہیں ہوگی، اور جب شکوہ نہیں ہوگا تو جھگڑا بھی پیدا نہیں ہوگا۔ لہٰذا اتفاق اور اتحاد کی پہلی بنیاد "تواضع" ہے۔

اتحاد کی دوسری بنیاد "ایثار"

اتفاق اور اتحاد کی دوسری بنیاد "ایثار" ہے۔ یعنی مخلوق خدا کے ساتھ ایثار کا رویہ اختیار کرو۔ "ایثار" کے معنی یہ ہیں کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں اپنی راحت کی قربانی دیدوں اور اپنے مسلمان بھائی کو راحت پہنچا دوں۔

میں خود تکلیف اٹھالوں لیکن اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچالوں۔ خود نقصان اٹھالوں لیکن اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچادوں۔ یہ ایثار کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلو۔

اس نفع و ضرر کی دنیا میں
یہ ہم نے لیا ہے درسِ جنوں
اپنا تو زیاں تسلیم مگر
اوروں کا زیاں منظور نہیں

اپنا نقصان کرلینا منظور ہے، لیکن اوروں کا نقصان منظور نہیں۔ یہی وہ سبق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ایثار

اور قرآن کریم نے انصاری صحابہ کرامؓ کے ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

یعنی یہ انصاری صحابہؓ ایسے ہیں کہ چاہے سخت تنگدستی اور مفلسی کی حالت ہو، لیکن اس حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرتے ہیں۔ کیسے کرتے ہیں؟ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مسافر آگئے جو تنگدست تھے۔ ایسے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے فرماتے کہ کچھ مہمان باہر سے آگئے ہیں جو تنگدست

ہیں، لہٰذا جن کو استطاعت ہو وہ اپنے ساتھ مہمان کو لے جائیں اور ان کے کھانے کا بندوبست کر دیں۔

ایک صحابیؓ کا ایثار

چنانچہ اس موقع پر یہ ارشاد سن کر ایک انصاری صحابیؓ ایک مہمان کو اپنے گھر لے گئے، گھر جا کر بیوی سے پوچھا کہ کھانا ہے؟ مہمان آئے ہیں۔ بیوی نے جواب دیا کہ اتنا کھانا نہیں ہے کہ مہمان کو بھی کھلا سکیں، یا تو مہمان کھائیں گے یا ہم کھائیں گے، سب نہیں کھا سکتے۔ ان صحابیؓ نے فرمایا کہ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو اور چراغ بجھا دو، چنانچہ بیوی نے کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور چراغ بجھا دیا، ان صحابیؓ نے مہمان سے کہا کہ کھانا کھایئے، مہمان نے کھانا شروع کیا اور یہ صحابیؓ ان کے ساتھ بیٹھ گئے، لیکن کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنا خالی ہاتھ کھانے تک لے جاتے اور منہ تک لاتے، تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ کھانا کھا رہے ہیں، حقیقت میں وہ خالی ہاتھ چلا رہے تھے۔ چنانچہ میاں بیوی اور بچوں نے رات بھوک میں گزاری اور مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ انداز اتنا پسند آیا کہ قرآن کریم میں اس کا بیان فرما دیا کہ:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر تنگدستی کی حالت ہو۔ خود بھوکا رہنا گوارہ کر لیا، لیکن دوسرے کو

راحت پہنچادی اور اس کو کھانا کھلا دیا۔ یہ ہے ایثار۔

ایثار کا مطلب

لہٰذا ایثار یہ ہے کہ اپنے اوپر تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لے، لیکن اپنے مسلمان بھائی کا دل خوش کر دے۔ یاد رکھئے! جس کو اللہ تعالیٰ یہ صفت عطا فرماتے ہیں، اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری حلاوتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جب انسان اپنی ذات پر تنگی برداشت کر کے دوسرے مسلمان بھائی کو خوش کرتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ لاتا ہے تو اس کی جو لذت ہے اس کے آگے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہ دنیا معلوم نہیں کتنے دن کی ہے، پتہ نہیں کب بلاوا آجائے، بیٹھے بیٹھے آدمی رخصت ہو جاتا ہے، اس لئے ایثار پیدا کرو، جب ایثار پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں میں محبتیں پیدا فرما دیتے ہیں، اور ایثار کرنے والے کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

ایک شخص کی مغفرت کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی بڑی عبادت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے پوچھا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی ہے یا نہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی بڑی نیکی تو نہیں ہے، البتہ ایک

نیکی اس کی یہ ہے کہ جب کسی سے کوئی مال خریدتا تو مال بیچنے والے سے جھگڑتا نہیں تھا، بس جو پیسے اس نے بتادے، اس سے تھوڑا کم کرایا اور مال خرید لیا۔

سهلاً اذا باع، سهلاً اذا اشترى

اور جب مال بیچنے جاتا تو اس میں بھی نرمی کرتا اس پر ضد نہیں کرتا تھا کہ بس میں اتنے پیسے لوں گا، بلکہ جب یہ دیکھا کہ خریدنے والا غریب ہے تو پیسے کم کر دیے۔ اسی طرح اگر اس کا قرضہ دوسرے پر ہوتا اور وہ دیکھتا کہ یہ اپنا قرضہ ادا نہیں کر پا رہا ہے تو اس کو معاف کر دیتا تھا۔

بس اس کی صرف یہ نیکی نامہ اعمال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ میرے بندوں کو قرض سے معاف کر دیتا تھا تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کر دوں، لہٰذا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ ''ایثار'' تھا۔

خود غرضی ختم کر دو

بہر حال حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اندر سے تکبر کو نکالو اور ایثار پیدا کرلو، تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ اور ''خود غرضی'' یہ ایثار کی ضد ہے، خود غرضی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی کائنات میں الجھا ہوا ہے کہ کس طرح مجھے پیسے زیادہ مل جائیں، کس طرح مجھے عزت زیادہ مل جائے، کس طرح مجھے شہرت

مل جائے، کس طرح لوگوں کی نگاہ میں میرا درجہ بلند ہو جائے، دن رات اسی فکر میں غلطاں پیچاں ہے۔ یہ ہے "خود غرضی" ایثار اس کی ضد ہے۔

"تواضع" کی ضد ہے "تکبر" لہٰذا اگر انسان تکبر اور خود غرضی چھوڑ دے اور تواضع اور ایثار اختیار کر لے تو پھر اتحاد اور محبّت قائم ہو جائے گی، انشاء اللہ، لہٰذا ہر مسلمان اس کو پلّے باندھ لے۔ بہر حال ایک عمل تو یہ ہو گیا جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔

پسندیدگی کا معیار ایک ہو

دوسری بات جو حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جو در حقیقت تمام اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے، اگر یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو سارے جھگڑے ہمارے اندر سے ختم ہو جائیں۔ وہ بات یہ ارشاد فرمائی:

أحب لا خيك ماتحب لنفسك

واكره لأخيك ما تكره لنفسك

یعنی اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور اپنے بھائی کے لئے وہی بات ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ لہٰذا جب بھی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آئے تو خود کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچ لو کہ اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا اور یہ میری جگہ پر ہوتا اور میرے ساتھ یہ معاملہ کرتا تو میں کس بات کو پسند کرتا اور کس بات کو

ناپسند کرتا۔ لہٰذا جس بات کو میں پسند کرتا مجھے اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا چاہئے، اور جو چیز میں ناپسند کرتا مجھے بھی اس کے ساتھ وہ چیز نہیں کرنی چاہئے۔ بہترین پیمانہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپ دوسروں کے ساتھ کئے گئے ہر معاملے کو جانچ سکتے ہیں۔

دوھرے پیمانے ختم کردو

ہمارے معاشرے کی بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم نے دوھرے پیمانے بنا رکھے ہیں، اپنے لئے معیار کچھ اور ہے اور دوسرے کے لئے معیار کچھ اور ہے، اپنے لئے جو بات پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ آپ ذرا غور کر کے دیکھیں کہ اگر ہر شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کردے کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو پھر کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔ اسلئے کہ اس صورت میں ہر شخص ایسے عمل سے پرہیز کرے گا جو دوسروں کو تکلیف دینے والا ہوگا۔

بہر حال، اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی یہ چند اصولی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی سمجھ بھی عطا فرمائے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کا دوسرا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقتِ خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۳۲

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿دوسرا حصہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا

إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّـنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُـهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِـهٖ وَاَصْحَابِـهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ اتوار کو خاندانی اختلافات اور ان کو ختم کرنے کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا ایک اور طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: المسلم اذاکان یخالط الناس و یصبر علی أذاهم خیر من المسلم الذی لا یخالط الناس ولا یصبرعلی أذاهم۔

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۵۵، حدیث نمبر ۲۵۰۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گیا، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی، مثلاً وہ کسی مسجد میں یا

مدرسہ میں یا عبادت گاہ میں بیٹھ گیا تاکہ لوگوں سے سابقہ پیش نہ آئے، اور یہ سوچا کہ میں تنہائی میں عبادت کرتا رہوں گا۔ دوسرا مسلمان وہ ہے جس نے تنہائی اختیار نہیں کی، بلکہ لوگوں سے ملاجلا رہا، لوگوں سے تعلقات بھی ہیں، رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی ہیں، اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہے، اور ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات بھی کرتا ہے، اور پھر ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے کے نتیجے میں لوگوں سے تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں، اور وہ ان تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ دوسرا مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے، یہ مسلمان بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کو تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہ آپ حضرات کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے دین نے عیسائی مذہب کی طرح رہبانیت کی تعلیم نہیں دی، عیسائیوں کے یہاں اللہ تعالیٰ کا قرب

حاصل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنے سارے دنیاوی کاروبار کو نہ چھوڑے، اور اپنے تمام تعلقات کو خیر آباد نہ کہے اور رہبانیت کی زندگی نہ گزارے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہو اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو۔

ساتھ رہنے سے تکلیف پہنچے گی

اگر آپ غور کریں تو یہ عجیب وغریب تعلیم ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کو اور ان سے پہنچنے والی تکلیف کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں، یعنی جب تم لوگوں کے ساتھ ملو جلو گے اور ان کے ساتھ رہو گے تو ان سے تمہیں ضرور تکلیف پہنچے گی، اور جب تمہارا کسی بھی دوسرے انسان سے واسطہ پیش آئے گا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے تمہیں کبھی بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے، لازماً تکلیف پہنچے گی، چاہے وہ تمہارا کتنا ہی قریبی عزیز ہو، اور چاہے وہ کتنا ہی قریبی دوست ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تکلیف کیوں پہنچے گی؟ اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ انسان کے چہرے میں

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اس وقت سے لے کر آج تک اربوں کھربوں انسانوں کو پیدا فرمایا، آگے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک چہرہ عطا فرمایا ہے جو بالشت بھر کا ہے، اس میں آنکھ بھی ہے، ناک بھی ہے، منہ بھی ہے، دانت بھی ہیں، اور کان بھی ہے، رخسار بھی ہیں، اور ٹھوڑی بھی ہے، ہر انسان کے چہرے میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن اتنے اربوں، کھربوں، پدموں انسانوں میں کسی دو انسانوں کا چہرہ سو فیصد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ ہر انسان کے چہرے کی لمبائی ایک بالشت ہے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ کسی انسان کی ناک ہو کسی کی ناک نہ ہو، کسی کے کان ہوں کسی کے نہ ہوں، کسی کی آنکھیں ہوں کسی کی نہ ہوں، بلکہ تمام انسانوں کے چہرے میں یہ سب چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن کسی دو انسانوں کا چہرہ ایک جیسا نہیں ملے گا، بلکہ ہر انسان کا چہرہ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اور یہ اختلاف صرف ان انسانوں کے چہروں میں نہیں ہے جو اب تک پیدا ہو چکے ہیں، بلکہ جو نئے انسان پیدا ہو رہے ہیں، ان کے اندر بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اب جو نیا انسان پیدا ہوگا وہ کسی سابقہ انسان کی کاپی اور نقل ہوگا، ایسا نہیں ہے، بلکہ نیا پیدا ہونے والا انسان اپنا چہرہ خود لے کر آئے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک

انسان کو دوسرے انسان سے ایسا ممتاز کردیا کہ چہرے کے نقوش دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ فلاں انسان ہے اور یہ فلاں انسان ہے۔

رنگوں کے اختلاف میں قدرت کا نظارہ

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مختلف نسلوں کے انسانوں کے نقوش میں ایک چیز "مابہ الاشتراک" ہے اور ایک "مابہ الامتیاز" ہے۔ یعنی ایک چیز ایسی ہے جو سب میں مشترک ہے، مثلاً افریقی نسل کے جو انسان ہوں گے، وہ دور سے دیکھ کر پہچان لئے جائیں گے کہ یہ افریقی نسل کا ہے۔ "یورپ" والا الگ پہچان لیا جائے گا کہ یہ یورپ کا ہے، باوجودیکہ ان کے درمیان بھی آپس میں فرق ہے، کوئی دو فرد ایک جیسے نہیں ہیں۔ لہٰذا "مابہ الاشتراک" بھی موجود اور "مابہ الامتیاز" بھی موجود۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے، انسان کہاں اس قدرت کا احاطہ کرسکتا ہے۔

انگلیوں کے پوروں میں اللہ کی قدرت

اور چیزوں کو چھوڑیئے! انگلیوں کے پوروں کو لے لیں، ہر انسان کے ہاتھ کی انگلیوں کے پورے دوسرے انسان کے پورے سے مختلف ہیں، چنانچہ کاغذات پر بے شمار ضروریات کے لئے دستخط لینے کے ساتھ ساتھ انگوٹھا بھی لگوایا جاتا ہے، اس لئے کہ انگوٹھے کے پورے میں جو چھوٹی چھوٹی

لکیریں ہیں، وہ کسی ایک انسان کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے نہیں ملتیں، ہر ایک کی لکیریں علیحدہ ہیں۔ اگر ویسے دو انسانوں کے انگوٹھے ملا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کوئی فرق نہیں ہے، لیکن یہ بات عالمی طور پر مسلّم اور طے شدہ ہے کہ دو انسانوں کے انگوٹھوں کی لکیریں ایک جیسی نہیں ہیں، لہٰذا جب کسی انسان نے کسی کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا تو یہ متعین ہو گیا کہ یہ فلاں انسان کے انگوٹھے کے نشان ہیں، کیونکہ دوسرے انسان کے انگوٹھے کے نشان اس سے مختلف ہوں گے۔

انگوٹھے کی لکیروں کے ماہرین کا دعویٰ

اب تو ایسے ماہرین بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے سامنے کسی انسان کے انگوٹھے کے نشان رکھ دیئے جائیں، ہم اس کے نشانات کو بڑا کر کے دیکھیں گے، اور اس کے ذریعے ہم اس انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک سارے خدوخال کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لکیریں یہ بتا دیتی ہیں کہ اس انسان کی آنکھ کیسی ہو گی، اس کی ناک کیسی ہو گی، اس کے دانت کیسے ہوں گے، اور ہاتھ کیسے ہوں گے؟

ہم انگوٹھے کے پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ قرآن کریم کی سورۃ "قیامۃ" میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ○ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ○

(سورۃ القیامۃ: آیت ۳،۴)

کیا یہ (کافر) انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر سکیں گے۔ یہ کافر جو آخرت کے منکر ہیں، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں تک گل جائیں گی، پھر کس طرح سے ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اور کون زندہ کرے گا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں دوبارہ جمع نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی ویسا ہی دوبارہ بنا دیں، اس کائنات کا بڑے سے بڑا سائنٹسٹ بھی یہ نہیں کر سکتا کہ ویسا ہی انگوٹھا بنا دے، لیکن ہم اس پر قادر ہیں۔

آیت سن کر مسلمان ہونا

اللہ تعالیٰ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کا چہرہ دوبارہ بنا دیں، اس کے ہاتھ دوبارہ بنا دیں، اس کے پاؤں دوبارہ بنا دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر پوروں کا ذکر فرمایا کہ پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نو مسلم

سائنٹسٹ اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا، اور اس نے یہ کہا کہ یہ بات سوائے خالق کائنات کے دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ ہم اس پورے کو دوبارہ بنا سکتے ہیں، یہ بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہو، جس نے انسان کو پیدا کیا ہو، جس نے انسان کے ایک ایک عضو کو بنایا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

بہر حال! کوئی انسان اپنی ظاہری شکل و صورت میں دوسرے انسان جیسا نہیں ہے، بلکہ اگر دو انسان ایک جیسے ہو جائیں تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ دیکھو یہ دو انسان ہم شکل ہیں، الگ الگ ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہر انسان دوسرے سے الگ ہے۔ حالانکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ الگ الگ کیسے ہیں، اگر سارے انسان ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دیکھئے کہ اس نے اربوں کھربوں انسان پیدا فرما دیئے، مگر ہر ایک کی صورت دوسرے سے مختلف ہے، مرد کی صورت الگ ہے، عورت کی صورت الگ ہے، ہر ایک صنف میں ایک دوسرے سے امتیاز بھی موجود ہے، ایک دوسرے سے اشتراک بھی موجود ہے۔

دو انسانوں کے مزاج میں اختلاف

لہٰذا جب دو انسانوں کے چہرے ایک جیسے نہیں ہو سکتے، تو پھر دو

انسانوں کی طبیعتیں کیسے ایک جیسی ہو سکتی ہیں، جب ظاہر ایک جیسا نہیں تو پھر ان کی طبیعتوں میں بھی فرق ہوگا، کسی کی طبیعت کیسی ہے، کسی کی کیسی ہے۔ کسی کا مزاج کیسا ہے، کسی کا مزاج کیسا ہے۔ کسی کی پسند کچھ ہے، کسی کی کچھ ہے۔ ہر انسان کی پسند مختلف، ہر انسان کا مزاج مختلف، ہر انسان کی طبیعت مختلف۔ لہٰذا طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے کبھی یہ نہیں ہو سکتا کہ دو آدمی ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہتے ہوں، اور کبھی بھی ان میں سے ایک کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے، ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، طبیعت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے ضرور تکلیف پہنچے گی، کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی تکلیف پہنچے گی، کبھی نفسیاتی تکلیف پہنچے گی، کبھی دوسرے کی طرف سے خلاف طبع بات ہوگی جو دوسرے کو بری لگے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج مختلف تھے

دیکھئے! اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے زیادہ افضل مخلوق اس زمین و آسمان کی نگاہوں نے نہیں دیکھی۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرامؓ سے زیادہ افضل، ان سے زیادہ متقی، ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، ان سے زیادہ ایثار کرنے والے، ان سے زیادہ ایک دوسرے پر جان نثار کرنے والی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہوگی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی طبیعتیں بھی مختلف

تھیں، ان کے آپس کے مزاج میں بھی فرق تھا۔

ازواج مطہراتؓ اور حضور ﷺ کے درمیان نااتفاقی

روئے زمین پر کوئی بیوی اپنے شوہر کے لئے اتنی وفادار اور اتنا خیال رکھنے والی نہیں ہو سکتی جتنی کہ امہات المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنے والی تھیں، لیکن ان کو بھی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آجاتی تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض اوقات طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان سے کچھ گرانی اور ناراضگی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ اس گرانی کی وجہ سے ایک مہینہ ایسا گزرا کہ آپ ﷺ نے اس میں قسم کھالی تھی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہیں جاؤں گا۔

حضرت عائشہؓ کی حضور ﷺ سے ناراضگی

اور پھر یہ نہیں کہ ازواج مطہرات کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوتی تھی بلکہ بعض اوقات ازواج مطہراتؓ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گرانی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! مجھے پتہ چل جاتا ہے جب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ کیسے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو "ورب محمد" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی قسم" اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو "ورب ابراہیم" ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "لا اهجر الا اسمك" یارسول اللہ ﷺ: ایسے موقع پر میں صرف آپ ﷺ کا نام ہی چھوڑتی ہوں، لیکن آپ ﷺ کی محبت دل سے جدا نہیں ہوتی۔ اب دیکھئے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شفیق و مہربان کوئی اور ہو سکتا ہے؟ خاص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت کا جو عالم تھا وہ کوئی مخفی چیز نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بعض اوقات آپ ﷺ سے کچھ گرانی پیدا ہو جاتی تھی، اور اس گرانی اور ناراضگی کا احساس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو جاتا تھا۔

میاں بیوی کے تعلق کی حیثیت سے ناراضگی

البتہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تکلیف پہنچانا معاذ اللہ کفر ہے، تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی تو یہ کتنی بری بات ہوئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیثیتیں الگ الگ رکھی ہیں، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو

جو گرانی ہوتی تھی وہ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے ہوتی تھی، جس طرح بیوی کو شوہر پر ناز ہوتا ہے، ایسے ہی شوہر کو بھی بیوی پر ناز ہوتا ہے، اس ناز کے عالم میں اس قسم کی ناراضگی بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا منصب رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مزاجوں میں اختلاف

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے درمیان بھی خلاف طبع امور پیدا ہو جاتے تھے۔ اور آگے بڑھیے۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو "شیخین" کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان دونوں بزرگوں سے زیادہ افضل انسان اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں کے تعلق کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے نام ہمیشہ ایک ساتھ آیا کرتے تھے۔

چنانچہ ہم یوں کہا کرتے تھے کہ:

جاء ابو بکرؓ و عمرؓ

ذھب ابوبکرؓ و عمرؓ

خرج ابوبکرؓ و عمرؓ

جہاں نام آرہا ہے دونوں کا ایک ساتھ آرہا ہے۔ اس طرح یک جان دو قالب تھے، ہر وقت ان دونوں کا نام سامنے ہوتا۔ جہاں حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی، فرماتے ذرا ابو بکرؓ و عمرؓ کو بلاؤ، کبھی دونوں میں جدائی کا تصور نہیں ہوتا تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت کرنے کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ میری زندگی کی ساری عبادتیں مجھ سے لے لیجئے اور سارے اعمال مجھ سے لے لیں اور وہ ایک رات جو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں گزاری ہے وہ مجھے دیدیجئے۔ دونوں کے درمیان عظمت اور محبت کا یہ عالم تھا، لیکن دونوں کی طبیعتوں میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات ان کے درمیان اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے درمیان اختلاف کا ایک واقعہ

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان دونوں کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی بات کہدی جس کی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ ناراض ہو کر چلدیے، اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو منانے کے لئے اور سمجھانے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے چلدیے، چلتے چلتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کر لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو بہت زیادہ ناراض ہوگئے ہیں تو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئے یا بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دیدی، چنانچہ ابھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی طرف آرہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ سے جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تمہارے دوست آرہے ہیں، یہ آج کسی سے جھگڑا کر کے آرہے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔

دوسری طرف جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا، جب تنہائی میں پہنچے تو ان کو بڑی شرمندگی اور ندامت ہوئی کہ میں نے یہ بہت برا کیا کہ اوّل تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضگی کا اظہار کیا، پھر جب وہ میرے پیچھے آئے تو میں نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا، چنانچہ گھر سے باہر نکلے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے چل پڑے کہ جا کر ان کو مناؤں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے ہیں۔ مجلس میں آکر اپنی ندامت اور شرمندگی کا اظہار شروع کر دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے

غلطی ہوئی تھی، ان سے زیادہ غلطی نہیں ہوئی، آپ ﷺ ان کو معاف کر دیجئے، اصل میں غلطی میری تھی۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے عجیب و غریب جملہ ارشاد فرمایا، فرمایا کہ:

کیا میرے ساتھی کو میرے لئے چھوڑو گے یا نہیں؟ یہ وہ شخص ہے کہ جب میں نے یہ کہا تھا کہ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا O
اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اس وقت تم سب نے کہا تھا کہ "كَذَبْتَ" صرف اس نے کہا تھا "صَدَقْتَ" یہ تنہا وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ تم سچ کہتے ہو۔

بہرحال! صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے انسان جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک ساتھ آتا تھا، ان کی طبیعتوں میں اور مزاجوں میں بھی اختلاف تھا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے۔

مزاجوں کا اختلاف حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دو انسان ایسے نہیں ہیں جن کی طبیعتیں ایک جیسی ہوں، جیسا تم چاہتے ہو دوسرا بھی ویسا ہی ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔

کوئی باپ یہ چاہے کہ میرا بیٹا سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا، کوئی بیٹا یہ چاہے کہ میرا باپ سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا، کوئی شوہر یہ چاہے کہ میری بیوی سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتی، کوئی بیوی یہ چاہے کہ میرا شوہر سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہو جائے، نہیں ہو سکتا۔

صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں ہونگی

لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہو گا تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی، آدمیوں کے ساتھ رہنا اور ان سے تکلیفیں پہنچنا یہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہے تو یہ سوچ کر رہنا ہو گا کہ ان سے مجھے تکلیف بھی پہنچے گی اور اس تکلیف پر مجھے صبر بھی کرنا ہو گا، اگر صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں، جھگڑے، فتنے اور فساد ہوں گے، اور یہ چیزیں وہ ہیں جو دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔

لہٰذا جس کسی سے کوئی تعلق ہو، چاہے وہ تعلق رشتہ داری کا ہو، چاہے وہ تعلق دوستی کا ہو، چاہے وہ زوجیت کا تعلق ہو، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان تعلقات میں تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور ان تکلیفوں پر مجھے صبر کرنا ہو گا، اور ان تکلیفوں کو مستقل ناچاقی کا ذریعہ نہیں بناؤں گا۔ ٹھیک ہے ساتھ رہنے کے نتیجے میں تلخی بھی تھوڑی بہت ہو جاتی ہے، لیکن اس

تلخی کو مستقل ناچاقی اور منافرت کا ذریعہ بنانا ٹھیک نہیں۔

تکالیف سے بچنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ جب دوسروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس تکلیف پر اپنے آپ کو کیسے تسلی دیں؟ اس تکلیف سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں؟ اور طبیعت کے خلاف ہونے کے باوجود آپس میں کیسے محبتیں پیدا کریں؟ اس کا نسخہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا، کوئی بات آپ تشنہ چھوڑ کر نہیں گئے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے تعلق کے بارے میں بیان فرمایا، کیونکہ سب سے زیادہ خلاف طبع امور میاں بیوی کے تعلقات میں ہی پیش آتے ہیں، اس لئے کہ جتنا قرب زیادہ ہوگا، اتنا ہی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنے کا بھی امکان ہوگا، اور میاں بیوی کے درمیان جتنا قرب ہوتا ہے وہ کسی اور رشتے میں نہیں ہوتا۔ چونکہ اس تعلق میں دوسرے تعلق کے مقابلے میں تکلیف پہنچنے کے امکانات زیادہ ہیں، اس لئے اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نسخہ کیمیا بیان فرما دیا، وہ یہ کہ:

لا یفرك مؤمن مؤمنة إن سخط منها خلقاً
رضی منها آخر۔

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء)

یعنی کوئی مؤمن مرد کسی مؤمنہ عورت سے بغض نہ رکھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے مستقل بغض نہ رکھے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی بیوی کی کسی بات کو ناپسند کرے گا تو دوسری کسی بات کو پسند بھی کرے گا۔ یعنی جب بیوی سے طبیعت کے خلاف کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تم ناراض ہوتے ہو اور بُرا مناتے ہو، اور اسی بات کو لئے بیٹھے رہتے ہو کہ یہ ایسی ہے، یہ یوں کرتی ہے، یوں کرتی ہے، اس میں یہ خرابی ہے، یہ خرابی ہے۔ خدا کے لئے یہ دیکھو کہ اس کے اندر کچھ اچھائیاں بھی تو ہوں گی، لہٰذا جب بیوی سے کوئی بات سامنے آئے جو تمہیں بری لگ رہی ہے تو اس وقت اس کی اس بات کا تصور کرو جو تمہیں پسندیدہ ہے۔ جب اچھائی کا تصور کرو گے تو اس برائی کے احساس میں کمی آئے گی۔

صرف اچھائیوں کی طرف دیکھو

یاد رکھئے! دنیا میں کوئی انسان سراپا سیاہ یا سراپا سفید نہیں ہوتا، کوئی سراپا خیر یا سراپا شر نہیں ہوتا، اگر کوئی برا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ بھلائی بھی ضرور ہوگی، اگر بھلا ہے تو اس میں کچھ برائی بھی ضرور ہوگی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کی اچھائی کی طرف دھیان کرو، اس کے نتیجے میں تمہیں نظر آئے گا کہ یہ بات اگرچہ اس کے اندر تکلیف دہ ہے، لیکن دوسری باتیں میری بیوی کے اندر قابل قدر اور قابل تعریف ہیں۔ یہ سوچنے سے صبر آجائے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کا بڑا اچھا علاج کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کی شکایت کرنے لگے کہ اس میں فلاں عادت بڑی خراب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "طلقها" یعنی اگر اتنی خراب ہے کہ تمہارے لئے ناقابل برداشت ہے تو اس کو طلاق دیدو۔ اب اس کا دماغ ٹھیک ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اگر میں نے اس کو طلاق دیدی اور وہ چلی گئی تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ اس لئے اس نے حضور ﷺ سے کہا کہ "لا أصبر عنها" یا رسول اللہ ﷺ! اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "أمسكها" پھر اس کو روکے رکھو۔ یعنی جب اس کے اندر خرابی ہے، لیکن اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کو روکے رکھو اور اس کی اس خرابی کو برداشت کرو، البتہ اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی جتنی کوشش تم سے ہو سکتی ہے وہ کرلو۔

بیوی کے کاموں کو سوچو

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کی خرابی بیان کی تو آپ نے فوراً اس سے یہ کہدیا

کہ اس کو طلاق دیدو۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک دم سے طلاق دینے کا مشورہ کیوں دیدیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طلاق دینے کا مشورہ اس لئے دیا کہ دراصل اس شخص کا سارا دھیان اپنی بیوی کی برائی کی طرف لگا ہوا تھا، اس کی وجہ سے اس کے دل میں اس کی برائی اس طرح بیٹھ گئی تھی کہ اس کا اپنی بیوی کی اچھائیوں کی طرف دھیان ہی نہیں جارہا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس کو آخری بات کہدی کہ اگر یہ تمہاری بیوی اتنی بری ہے تو اس کو طلاق دیکر الگ کردو۔ اب طلاق کا سن کر اس کے دماغ میں یہ آیا کہ میری بیوی میرا یہ کام کرتی ہے، یہ کام کرتی ہے، میرے لئے وہ اتنی فائدہ مند ہے، اگر میں نے طلاق دیدی تو یہ سارے فائدے جاتے رہیں گے، تو میں پھر کیا کروں گا اور کیسے زندگی گزاروں گا۔ اس لئے فوراً اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس کے بغیر صبر بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر اس کو روکے رکھو۔

برائیوں کی طرف دھیان کرنے کا نتیجہ

بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی کی برائیاں تمہارے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور اس کی برائی کی طرف دھیان لگ جاتا ہے تو پھر اس کی اچھائیوں سے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کی اچھائیوں کا تصور کرو، اور جب اچھائیوں کا تصور کروگے تو اس کی قدر دل میں بیٹھے گی اور عافیت محسوس ہوگی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ تکلیف تو پہنچی ہے، کوئی نہ کوئی

بات طبیعت کے خلاف ہو گی، لیکن اس طبیعت کے خلاف بات کو برداشت کرنا پڑے گا۔

ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب تم کسی دوسرے کی کسی بات کو اپنی طبیعت کے خلاف سمجھ رہے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص غلطی پر ہو، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا شخص غلطی پر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو، کیونکہ طبیعتوں کا فرق ہے۔

مثلاً ایک آدمی کو ایک کھانا پسند ہے، دوسرے کو دوسرا کھانا پسند ہے، ایک آدمی کو کریلے پسند ہیں، اس کا سالن اس کو مزیدار معلوم ہوتا ہے، دوسرے آدمی کو کریلے ناپسند ہیں، وہ کہتا ہے کہ یہ کڑوے ہیں، مجھ سے نہیں کھائے جاتے۔ یہ طبیعت کا اختلاف ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے بہت اچھے لگتے ہیں، وہ غلطی پر ہے، یا جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے پسند نہیں، وہ غلطی پر ہے، بلکہ دونوں غلطی پر نہیں ہیں، البتہ دونوں کے مزاجوں کا فرق ہے، طبیعتوں کا فرق ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

دونوں اپنی جگہ پر درست ہوں

لہٰذا جس جگہ مباحات کے اندر آپس میں اختلاف ہوتا ہے، وہاں

کسی ایک فریق کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے، بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر درست ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر میاں بیوی کے درمیان طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے، جب ہر دو انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو اگر صنف بھی بدل جائے کہ ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے تو پھر طبیعتوں کا یہ اختلاف اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ عورت کی ایک فطرت ہے اور اس کی ایک نفسیات ہے، مرد کی ایک فطرت ہے اور اس کی ایک نفسیات ہے۔ مرد اپنی فطرت کے مطابق سوچتا ہے، عورت اپنی فطرت کے مطابق سوچتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کی صرف برائیوں کو مت دیکھو بلکہ اچھائیوں کی طرف بھی دیکھو۔

سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے

ایک اور بات یاد آگئی، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو پسلی سے تشبیہ دی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

المرأة کالضلع، إن اقمتها کسرتها، وان استمتعت بها، استمتعت بها وفيها عوج۔

(بخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء)

عورت پسلی کی طرح ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے، اور اگر تم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو باوجودیکہ وہ تم کو ٹیڑھی نظر آرہی

ہے پھر بھی تم اس سے فائدہ اٹھا سکو گے۔

عورت کا حسن ٹیڑھے پن میں ہے

اب بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹیڑھی پسلی کہدیا تو اس کی مذمت بیان فرمادی۔ چنانچہ بعض لوگ اس کو اس کی مذمت اور برائی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور جب ان کا بیوی سے جھگڑا ہوتا ہے تو وہ بیوی سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اے ٹیڑھی پسلی میں تجھے سیدھا کر کے رہوں گا"۔ حالانکہ ان لوگوں نے یہ غور نہیں کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پسلی کو ٹیڑھی کہہ رہے ہیں، پسلی اگر ٹیڑھی نہ ہو بلکہ سیدھی ہو جائے تو وہ پسلی کہلانے کے لائق نہیں، پسلی کا حسن اور صحت یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر وہ پسلی سیدھی ہو جائے تو وہ بیمار ہے۔

ٹیڑھا ہونا ایک اضافی چیز ہے

درحقیقت اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ ٹیڑھا ہونا اور سیدھا ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک نگاہ سے دیکھو تو وہ سیدھی ہے اور دوسری نگاہ سے دیکھو تو وہ ٹیڑھی ہے۔ دیکھئے! سامنے مسجد کے باہر جو سڑک ہے، اگر مسجد کے اندر سے دیکھو تو وہ یہ نظر آئے گا کہ یہ سڑک ٹیڑھی ہے، اس

لئے کہ مسجد کی نسبت سے سڑک ٹیڑھی ہے۔ اور اگر سڑک پر کھڑے ہو کر دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ سڑک سیدھی ہے اور مسجد ٹیڑھی ہے، حالانکہ نہ سڑک ٹیڑھی ہے، نہ مسجد ٹیڑھی ہے، اس لئے کہ مسجد کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ قبلہ رخ ہو۔ لہٰذا کسی چیز کا سیدھا اور ٹیڑھا ہونا اضافی صفت ہے، ایک چیز ایک لحاظ سے ٹیڑھی ہے اور دوسرے لحاظ سے سیدھی ہے۔

عورت کا ٹیڑھا پن فطری ہے

بہر حال! اس حدیث کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ تمہاری طبیعت عورت کی طبیعت سے مختلف ہے، لہٰذا تمہارے لحاظ سے وہ ٹیڑھی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ٹیڑھا پن اس کی فطرت کا حصّہ ہے۔ جس طرح پسلی کی فطرت کا حصّہ یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر پسلی سیدھی ہو جائے تو اس کو "عیب" کہا جائے گا اور ڈاکٹر اس کو دوبارہ ٹیڑھی کرنے کی کوشش کرے گا، اس لئے کہ اس کی فطرت کے اندر ٹیڑھا پن موجود ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے ذریعہ عورت کی برائی بیان نہیں کی جارہی ہے، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ چونکہ عورت کی طبیعت تمہاری طبیعت کے لحاظ سے مختلف ہے، اس لئے تمہیں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کی فکر مت کرنا، کیونکہ اس کو سیدھا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے پسلی کو سیدھا کرنا، اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ ڈالو گے، اور اگر تم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو گے تو اس

کے ٹیڑھا ہونے کے باوجود تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔

بڑھیا اور عقاب کا واقعہ

عربی سکھانے کی ایک کتاب "مفید الطالبین" میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بادشاہ کا ایک عقاب اڑ کر ایک بڑھیا کے پاس پہنچ گیا، اس بڑھیا نے اس کو پکڑ کر اس کو پالنا شروع کیا۔ جب بڑھیا نے یہ دیکھا کہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے اور اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں، تو بڑھیا کو اس پر بڑا ترس آیا کہ یہ بیچارہ پرندہ ہے، اللہ کی مخلوق ہے، جب اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ کیسے کھاتا ہوگا، کیونکہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے، اور جب اس کو چلنے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ چلتا کیسے ہوگا، اس لئے کہ اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں۔ اس بڑھیا نے سوچا کہ میں اس کی یہ مشکل آسان کروں، چنانچہ قینچی سے پہلے اس کی چونچ کاٹی، اور پھر اس کے پنجے کاٹے، جس کے نتیجے میں اس کا خون بہنے لگا اور وہ زخمی ہو گیا، جتنا پہلے چل سکتا تھا، اس سے بھی وہ معذور ہو گیا۔ یہ واقعہ نادان کی محبت کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ اس بڑھیا نے اس عقاب کے ساتھ محبت تو کی، لیکن نادانی اور بے عقلی کے ساتھ محبت کی، اور یہ نہ سوچا کہ اس کی چونچ اور اس کے پنجوں کا ٹیڑھا ہونا اس کی فطرت کا حصہ ہے اور اس کا حسن اس کے ٹیڑھے پن میں ہے، اگر اس کے یہ اعضاء ٹیڑھے نہ ہوں تو یہ "عقاب" کہلانے کا مستحق نہیں۔

کبھی سکون نصیب نہیں ہوگا

بہرحال! جب بھی دو آدمیوں کے درمیان تعلقات ہوں گے، چاہے وہ مرد ہوں، یا عورتیں ہوں، اس تعلق کے نتیجے میں طبیعتوں کا اختلاف ضرور ظاہر ہوگا، اور اس اختلاف کے نتیجے میں ایک کو دوسرے سے تکلیف بھی پہنچے گی۔ اب دو ہی راستے ہیں: ایک راستہ تو یہ ہے کہ جب بھی دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر اس سے لڑو، اور اس تکلیف کو آپس میں چپقلش اور ناچاقی کا سبب بناؤ، اگر تم یہ راستہ اختیار کرو گے تو تمہیں کبھی بھی چین اور سکون نصیب نہیں ہوگا۔

دوسروں کی تکالیف پر صبر

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جب دوسرے سے تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو کہ جب طبیعتیں مختلف ہیں تو تکلیف تو پہنچنی ہی ہے اور زندگی بھی ساتھ گزارنی ہے، اور یہ زندگی ہمیشہ کی زندگی تو ہے نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہنا ہو، بلکہ چند دنوں کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں، نہ جانے کس وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس چند روزہ زندگی میں اگر دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس پر اللہ کے لئے صبر کرلو۔ یہ ٹھیک ہے کہ جب تمہیں تکلیف پہنچے گی تو اس وقت تمہارے دل میں اشتعال پیدا ہوگا، غصہ آئے گا، اور دل یہ چاہے گا کہ میں اس کا منہ نوچ ڈالوں، اس کو برا بھلا

کہوں، اس کی غیبت کروں، اس کی برائی بیان کروں، اس کو بدنام کروں، اس لئے کہ اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔

تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

لیکن یہ سوچو کہ اگر تم نے یہ کام کر لئے تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ہاں یہ ہوا کہ معاشرے میں لڑائی جھگڑا پھیلا اور ذرا سا دل کا جذبہ ٹھنڈا ہو گیا۔ لیکن حقیقت میں دل کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، کیونکہ جب ایک مرتبہ دشمنی کی آگ بھڑک جاتی ہے تو پھر وہ ٹھنڈی نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی رہتی ہے۔ چلئے مان لیجئے کہ یہ تھوڑا سا فائدہ حاصل ہو گیا، لیکن اس بدلہ لینے میں تم نے جو زیادتی کی ہوگی اس کا تمہیں قیامت کے دن جو حساب دینا ہوگا اور اس پر تمہیں جو عذاب جھیلنا ہوگا وہ عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے کہ دنیا میں اس کی تکلیف پر صبر کر لیتے اور یہ سوچتے کہ چلو اس نے اگرچہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے، لیکن میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

صبر کرنے کا اجر

اگر صبر کر لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

(سورۃ الزمر، آیت ۱۰)

یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔

کوئی گنتی ہی نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو گنتی بیان کر دیتے، لیکن ہم لوگ گنتی سے عاجز ہیں، ہمارے پاس تو گنتی کے لئے چند عدد ہیں، مثلاً ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، پدم، بس آگے کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو صبر کا اجر دینے کے لئے کوئی لفظ پیدا فرما دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ صبر کرنے والے کو اجر دینے کے لئے کوئی گنتی ہی نہیں۔

مثلاً اگر کسی نے تمہیں ایک مکا مار دیا، اب اگر بدلہ میں تم نے بھی اس کو ایک مکا مار دیا تو تمہارے لئے یہ بدلہ لینا جائز تھا، لیکن اس بدلہ لینے کے نتیجے میں تمہیں کیا ملا؟ کچھ نہیں۔ اور اگر تم نے صبر کرلیا اور بدلہ نہ لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں اتنا اجر دوں گا کہ تم شمار بھی نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا صبر پر ملنے والے اس اجر و ثواب کو سوچ کر غصہ پی جاؤ اور بدلہ نہ لو۔

بدلہ لینے سے کیا فائدہ؟

اور اگر کوئی دوسرا شخص تمہیں تکلیف پہنچا رہا ہے تو شریعت نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے کہ اس تکلیف کو جس حد تک روکنا تمہارے لئے ممکن ہے، اس حد تک اس کا راستہ بند کرنے کی کوشش کرلو، لیکن اپنے اوقات کو اس تکلیف دینے والے کے درپے آزار ہونے میں صرف کرنا،

اوقات کا اس سے بڑا ضیاع کوئی نہیں۔ مثلاً آپ نے کسی سے سنا کہ فلاں آدمی مجلس کے اندر آپ کی برائی کر رہا تھا، اب اگر تمہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ فلاں آدمی برائی کر رہا تھا، پھر تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن دوسرے شخص نے تمہیں بتادیا، اس کے نتیجے میں تمہارے دل پر چوٹ لگ گئی، اب ایک راستہ یہ ہے کہ تم اس کی کھوج میں لگ جاؤ کہ اس مجلس میں کون کون موجود تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس جاکر تفتیش کرو کہ فلاں نے میری کیا برائی بیان کی؟ اور ہر ایک سے گواہی لیتے پھرو، اور اپنا سارا وقت اس کام میں خرچ کردو، تو اس کا حاصل کیا نکلا؟ کچھ بھی نہیں۔ اس کے برخلاف اگر تم نے یہ سوچا کہ اگر فلاں شخص نے میری برائی بیان کی تھی تو وہ جانے، اس کا اللہ جانے، اس کے اچھا کہنے سے نہ میں اچھا ہو سکتا ہوں، اور اس کے برا کہنے سے نہ میں برا ہو سکتا ہوں، میرا معاملہ تو میرے اللہ کے ساتھ ہے، اگر میرا معاملہ میرے اللہ کے ساتھ درست ہے تو پھر دنیا مجھے کچھ بھی کہتی رہے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

خلقے پس او دیوانہ و دیوانہ بکارے

ساری مخلوق اگر میری برائی کرتی ہے تو کرتی رہے۔ میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

اگر یہ سوچ کر تم اپنے کام میں لگ جاؤ تو یہ "صبر علی الاذیٰ" ہے جس پر اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

برابر کا بدلہ لو

اور اگر تم نے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے بدلہ لینے کا ہی ارادہ کرلیا کہ میں تو بدلہ ضرور لوں گا، تو بدلہ لینے کے لئے وہ ترازو اور پیمانہ کہاں سے لاؤ گے جس سے یہ پتہ چلے کہ میں نے بھی اتنی ہی تکلیف پہنچائی ہے جتنی تکلیف اس نے پہنچائی تھی؟ اگر تم تکلیف پہنچانے میں ایک انچ اور ایک تولہ آگے بڑھ گئے تو اس پر آخرت میں جو پکڑ ہوگی اس کا حساب کون کرے گا؟ اس لئے بدلہ لینے کا آپ کو حق حاصل ہے، مگر یہ حق بڑا خطرناک ہے۔ لیکن اگر تم نے معاف کر دیا تو اس پر بے حساب اجر و ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔

(سورۃ النحل، آیت ۱۲۶)

یعنی اگر صبر کرو تو صبر کرنا بدرجہا بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔

خلاصہ

بہر حال! جب لوگوں کے ساتھ رہو گے، ان کے ساتھ تعلقات رکھو گے، اور ان کے ساتھ معاملات ہوں گے تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی۔ لیکن اس کا نسخہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ ان تکلیفوں پر صبر کرے۔ اور ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر ہر انسان اس نسخے

پر عمل کر لے اور یہ سوچ لے کہ دوسرے کی طرف سے جو خلاف طبع امور پیش آئیں گے، اس پر حتی الامکان صبر کروں گا، تو دنیا سے تمام جھگڑے اور فساد ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس عظیم نسخے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کا تیسرا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقامِ خطاب ـــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقتِ خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۲۳

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿تیسرا حصہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن أبی موسیٰ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ما أحد اصبر علی اذیً سمعہ من اللّٰہ یدعون لہ الولد ثم یعافیھم ویرزقھم۔

(بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: إن اللّٰہ ھو الرزّاق ذو القوۃ المتین)

دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر

پچھلے اتوار ایک حدیث پڑھی تھی، جس کی تشریح میں میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں ناچاقیاں اور اختلافات اور بغض و عداوت یہ ایک بہت بڑی دینی اور معاشرتی بیماری ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری سے بچانے کے لئے اور مسلمانوں کے درمیان محبت اور اخوّت قائم کرنے کے لئے بہت سی ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان ہدایات میں سے ایک ہدایت پچھلے بیان میں عرض کی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دوسروں کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے تو وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا اور جس کے نتیجے

میں لوگوں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپس کے اختلاف اور ناچاقی کا بہت بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر نہ کیا جائے، ساتھ رہنے کے نتیجے میں دوسرے سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور پہنچے گی، لیکن اس تکلیف پر انسان کو صبر کرنا چاہئے۔

سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذات

اسی ہدایت کی تاکید کے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کائنات میں کوئی بھی ذات دوسرے سے پہنچنے والی تکلیف پر اتنا صبر کرنے والی نہیں جتنی اللہ جل شانہ کی ذات صبر کرنے والی ہے۔ لوگ اللہ جل جلالہ کو ایسی باتیں کہتے ہیں جو ایذاء اور تکلیف کا ذریعہ ہوتی ہیں، چنانچہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا مانتے ہیں جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ معاذ اللہ۔ بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا، بعض مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیدیا، بہت سے لوگوں نے پتھروں کو، درختوں کو، یہاں تک کہ جانوروں کو، گائے بیل کو، سانپ بچھو کو خدا ماننا شروع کر دیا۔ جس ذات نے ان سب انسانوں کو

پیدا کیا اور فرشتوں کو یہ بتا کر پیدا کیا کہ میں انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں، وہی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے

یہ انسان اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے والے کام کر رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے کہ یہ سب باتیں سنتے ہیں، اس کے باوجود ان انسانوں کو عافیت بھی دے رکھی ہے اور ان کو رزق بھی دے رکھا ہے۔ اس کائنات میں آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کافروں اور مشرکوں کی تعداد زیادہ ہے، اور ہمیشہ سے ان کی تعداد زیادہ رہی ہے، اور قرآن کریم نے بھی کہدیا کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(سورۃ الانعام، آیت ۱۱۶)

یعنی اگر آپ زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

اس لئے کہ انسانوں کی اکثریت تو کفر میں شرک میں اور فسق میں مبتلا ہے۔

جمہوریت کا فلسفہ ماننے کا نتیجہ

آج کل دنیا میں "جمہوریت" کا شور مچایا جا رہا ہے، اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اکثریت جو بات کہدے وہ حق ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ "کفر" برحق ہے اور "اسلام" باطل ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس لئے کہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی اکثریت یا تو کفر میں مبتلا ہے یا شرک میں مبتلا ہے، اور جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں بھی آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ٹھیک شریعت کے دائرہ پر چلنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور بے فکر، بے پرواہ اور فسق و فجور کے اندر مبتلا اور معصیتوں میں گرفتار انسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کافروں کے ساتھ حسن سلوک

اس روئے زمین پر کفر بھی ہو رہا ہے، شرک بھی ہو رہا ہے، معصیت بھی ہو رہی ہے، فسق و فجور بھی ہو رہا ہے، لیکن ان سب چیزوں کو دیکھنے کے باوجود انہی لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک کا انکار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرما رہے ہیں، ان کو عافیت دے رکھی ہے اور ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حلم اور بردباری، اللہ

تعالیٰ سے زیادہ کون ان ایذاؤں پر صبر کرنے والا ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برخوان یغما چہ دشمن چہ دوست

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رزق کا جو دستر خوان بچھایا ہوا ہے، اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں، دوست کو بھی کھلا رہے ہیں، دشمن کو بھی کھلا رہے ہیں، بلکہ بعض اوقات دشمن کو زیادہ کھلا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کافروں اور مشرکوں کو دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ان کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں، جبکہ مسلمانوں پر بعض اوقات فقر و فاقہ بھی گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی باتوں کو سننے کے باوجود ان کے ساتھ حلم کا معاملہ فرما رہے ہیں، ان کو عافیت اور رزق عطا فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو

بہر حال! اللہ تعالیٰ کے اس حلم کو دیکھئے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ آپ نے فرمایا:

تَخلَّقُوا باخلاق اللّٰہ۔

اے انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق حاصل کرنے کی اور ان کو اپنانے کی کوشش کرو، اگرچہ سو فیصد تو حاصل نہیں ہو سکتے، لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ وہ اخلاق تمہارے اندر بھی آجائیں۔ جب اللہ جل جلالہ لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر اتنا صبر فرما رہے ہیں، تو اے اللہ کے بندو! تم بھی

لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرو، اور دوسرے سے اگر تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کو برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

دنیا میں بدلہ نہ لو

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں صبر فرما رہے ہیں اور کافروں اور مشرکوں کو عافیت اور رزق دے رکھا ہے، یہ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں، لیکن جب آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑیں گے تو پھر چھوٹ نہیں پائیں گے، اور ان کو ایسا سخت عذاب دیں گے کہ یہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دنیا میں صبر کا معاملہ فرمایا ہے تو تم بھی یہ معاملہ کرلو کہ دنیا میں جس شخص سے تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے، اس سے کہدو کہ میں تم سے بدلہ نہیں لیتا اور میں نے تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا، آخرت میں اللہ تعالیٰ خود انصاف کرادیں گے، لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کردو۔ اس لئے کہ تم دنیا میں اس تکلیف پر جو بدلہ لوگے وہ بدلہ اس انتقام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے۔ لہٰذا اگر تمہیں بدلہ لینے کا شوق ہے تو پھر یہاں پر بدلہ نہ لو بلکہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

معاف کرنا بہتر ہے

تمہارے لئے بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کردو، اس لئے کہ جب تم

معاف کردو گے تو اللہ تعالیٰ خود کفالت فرمائیں گے اور تمہاری حاجتیں پوری فرمائیں گے اور تمہیں جو تکلیفیں پہنچی ہیں وہ ختم فرمائیں گے، چنانچہ اللہ کے بندے معاف ہی فرمادیتے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچاتا تو فرماتے کہ یا اللہ! میں نے اس کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ اگر کوئی چور مال چوری کر کے لے جاتا تو آپ فرماتے کہ یا اللہ! میں نے یہ مال اس کے لئے حلال کر دیا، میں اس سے بدلہ لے کر اور اس کو عذاب دلوا کر کیا کروں گا۔ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے، جب بازار کوئی چیز خریدنے جاتے تو پیسوں کی تھیلی ہاتھ میں ہوتی، سامان خریدنے کے بعد وہ تھیلی دکاندار کو پکڑا دیتے کہ اس تھیلی میں سے اس کی قیمت لے لے، خود نہ گنتے، اس لئے کہ جتنا وقت نکال کر گننے میں لگے گا اتنا وقت میں ذکر میں مشغول رہوں گا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے، ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی تھی، ایک چور کو پتہ چل گیا کہ میاں صاحب کے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، وہ چور پیچھے سے آیا اور تھیلی چھین کر بھاگ گیا۔ میاں جی نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کون تھیلی چھین کر لے گیا، یہ سوچا کہ کون اس کے پیچھے بھاگے اور

تحقیق کرے کہ کون لے گیا۔ بس ذکر کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چل دیے اور دل میں یہ نیت کرلی کہ اے اللہ! جس چور نے یہ پیسے لئے ہیں، وہ پیسے میں نے اس کو معاف کر دیے اور اس کے لئے وہ پیسے ہبہ کر دیے۔ اب وہ چور چوری کر کے مصیبت میں پھنس گیا، اور اپنے گھر کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ان گلیوں سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، ایک گلی سے دوسری گلی میں، دوسری سے تیسری گلی میں آجاتا، وہ گلیاں اس کے لئے بھول بھلیاں بن گئیں، جہاں سے چلتا، دوبارہ وہاں پہنچ جاتا، نکلنے کا راستہ ہی اس کو نہ ملتا، جب کئی گھنٹے گزر گئے اور چلتے چلتے تھک گیا تو اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ یہ بڑے میاں کی کوئی کرامت معلوم ہوتی ہے، میں نے ان کے پیسے چھینے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے میرا راستہ بند کر دیا۔ اب کیا کروں؟ اس نے سوچا کہ اب یہی راستہ ہے کہ ان بزرگ کے پاس دوبارہ واپس جاؤں اور ان سے درخواست کروں کہ خدا کے لئے یہ پیسے لے لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے میری جان چھڑاؤ۔ چنانچہ میاں صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی، میاں صاحب نے پوچھا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ حضور! میں نے آپ کے پیسے چھین لئے تھے، مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، خدا کے لئے یہ پیسے واپس لے لو۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ پیسے تمہارے لئے حلال کر دیئے اور تمہیں ہبہ کر چکا، اب یہ پیسے میرے نہیں رہے، میں نے تمہیں دیدئے، اب میں واپس نہیں لے سکتا۔ اس چور نے کہا کہ خدا کے لئے یہ پیسے واپس لے لو۔ اب دونوں کے درمیان بحث ہو رہی ہے، چور کہتا

ہے کہ خدا کے لئے پیسے لے لو، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں لیتا، میں توبہ کر چکا۔ آخر کار میاں جی نے پوچھا کہ کیوں واپس کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا حضرت! بات یہ ہے کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں مل رہا ہے، میں کئی گھنٹوں سے ان گلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ میاں جی نے فرمایا کہ اچھا میں دعا کر دیتا ہوں، تمہیں راستہ مل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی اور اس کو راستہ مل گیا۔

کسی کی طرف سے ''بُغض'' نہ رکھو

بہر حال! ان اللہ والوں کو اگر کوئی تکلیف بھی پہنچائے تو یہ اللہ والے اس کے ساتھ بھی ''بُغض'' نہیں رکھتے، بُغض ان کی گلی میں گزرا ہی نہیں۔

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن
آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہماری طریقت میں کسی شخص سے ''بغض'' رکھنا کفر کی طرح ہے۔ ہمارا آئین تو یہ ہے کہ ہمارا دل آئینہ کی طرح ہوتا ہے، اس پر کسی کے بغض، عناد اور دشمنی کا کوئی داغ نہیں ہے۔

بدلہ اللہ پر چھوڑ دو

لہٰذا جو تمہیں تکلیف پہنچائے، اس کو اللہ کے لئے معاف کر دو، اور اگر بدلہ لینا ہی ہے تو اس بدلے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اگر خود بدلہ لو

گے تو اس سے لڑائی جھگڑے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوگا کہ جتنا تمہیں بدلہ لینے کا حق تھا اتنا ہی بدلہ لیا یا اس سے زیادہ بدلہ لے لیا۔ اس لئے اگر زیادہ بدلہ لے لیا تو قیامت کے دن تمہاری گردن پکڑی جائے گی، اس لئے بدلہ اللہ پر چھوڑ دو۔

ہر انسان اپنے فرائض کو ادا کرے

البتہ یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے، وہ یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر انسان کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تمہارا فریضہ یہ ہے، تمہارا یہ کام ہونا چاہئے، تمہارا طریقہ کار یہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے اس کو تو آپ صبر کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کہ تم صبر کرو اور معاف کر دو، بدلہ نہ لو، اس سے بغض اور عداوت نہ رکھو، اور اس تکلیف کو اختلاف اور انتشار کا ذریعہ نہ بناؤ۔ لیکن دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف پہنچانے والے کو دوسرے انداز سے خطاب فرمایا تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے، اس کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو پھر تکلیف پہنچانے میں بھی کوئی حرج نہیں، ایسا نہیں۔

دوسروں کو تکلیف مت دو

بلکہ تکلیف پہنچانے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا تو یہ فرمان ہے

کہ کسی بھی انسان کو اگر تمہاری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی تو میں اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک وہ بندہ معاف نہ کر دے یا تم اس کے حق کی تلافی نہ کر دو۔ لہٰذا کسی بھی انسان کو تکلیف پہنچانے سے بچو، کسی بھی قیمت پر ایسا اقدام نہ کرو جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔

چیف جسٹس کا روزانہ دوسو رکعت نفل پڑھنا

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، اور بڑے درجے کے فقہاء میں سے ہیں، فقیہ ہونے کی حیثیت سے تو مشہور ہیں، البتہ ولی اللہ ہونے کی حیثیت سے معروف نہیں ہیں، لیکن ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب "قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بن گئے، تو اس کے بعد اپنی تمام مشغولیت کے باوجود دن بھر میں دوسو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر فکر اور تشویش کے آثار ہیں، ان سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی فکر اور تشویش ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا وقت قریب آرہا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہاں پر اپنی زندگی کے اعمال کا کیا جواب دوں گا۔ اور تمام واقعات کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ میں ان سے توبہ کر چکا ہوں اور استغفار کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

یہ ناانصافی مجھ سے ہو گئی

لیکن ایک واقعہ ایسا یاد آ رہا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت سخت تشویش ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں "قاضی" کے عہدے پر تھا، اور لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا، اس دوران ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کا مقدمہ میرے پاس آیا، میں نے مقدمہ سنتے وقت مسلمان کو تو اچھی جگہ پر بٹھایا اور غیر مسلم کو اس سے کمتر جگہ پر بٹھایا، حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کے دو فریق آئیں تو ان کے درمیان مجلس بھی برابر ہونی چاہئے، جس جگہ پر مدعی کو بٹھایا ہے اسی جگہ پر مدعا علیہ کو بھی بٹھاؤ، ایسا نہ ہو کہ دونوں کے درمیان نشست کے اندر فرق کر کے ناانصافی کی جائے۔ مجھ سے یہ ناانصافی ہو گئی ہے، اگرچہ میں نے فیصلہ تو حق کے مطابق کیا الحمد للہ، لیکن بٹھانے کی ترتیب میں شریعت کا جو حکم ہے اس میں رعایت نہ رہ سکی۔ مجھے اس کی تشویش ہو رہی ہے کہ اگر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو کہ توبہ سے معاف نہیں ہو سکتی جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔

حقیقی مسلمان کون؟

لہٰذا صرف مسلمان ہی نہیں، غیر مسلموں کے بھی شریعت نے حقوق

بتائے ہیں، حتیٰ کہ جانوروں کے بھی حقوق شریعت نے بیان کئے ہیں، احادیث میں کئی واقعات آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ زیادتی کرنے کے نتیجے میں لوگوں پر کیسے کیسے عذاب آئے۔ بہر حال! ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ خبردار! اپنی ایک ایک نقل و حرکت میں اور اپنے ایک ایک انداز و ادا میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہ پہنچے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ)

مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس کی ذات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اس کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ صاحب حق معاف کرے۔ لہٰذا ایک طرف تو ہر ایک انسان کو یہ تنبیہ کر دی کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے، اور دوسری طرف یہ کہدیا کہ اگر تمہیں دوسرے سے تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرو اور اس کو معاف کر دو، اس کی وجہ سے اس سے بغض اور عداوت نہ رکھو اور اس کو افتراق کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یہ وہ تعلیم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ کی تربیت کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح فرمالیا، ان صحابہ میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی تھے، پھر فتح مکہ کے بعد حنین کی جنگ پیش آئی، وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے بالآخر فتح عطا فرمائی، اس پورے سفر میں بڑی مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا، اس زمانے میں گائے، بیل، بکری کی شکل میں مال ہوتا تھا، چنانچہ جس کے پاس جتنے زیادہ جانور ہوتے اتنا ہی بڑا مالدار سمجھا جاتا تھا، تو مال غنیمت کے اندر بڑی مقدار میں جانور مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

نئے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم

جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ جو مکہ مکرمہ کے آس پاس رہنے والے ہیں، یہ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں، ابھی اسلام ان کے دلوں کے اندر راسخ نہیں ہوا، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے بلکہ اسلام کی طرف تھوڑا سا میلان ہوا ہے، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا تو جو لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں گے، اور جو لوگ

اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں وہ بھی اس کے نتیجے میں مسلمان ہو جائیں گے، پھر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش نہیں کریں گے، لہٰذا جتنا مال غنیمت آیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارا کا سارا مال وہاں کے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

منافقین کا کام لڑائی کرانا

اس وقت کوئی منافق انصار صحابہ کے پاس چلا گیا اور ان سے جاکر کہا کہ دیکھو تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے، لڑنے کے لئے مدینہ منورہ سے تم چل کر آئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ تم نے دیا، اور حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کر کے تم نے اپنی جانیں دیں، لیکن مال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم ہو گیا جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں، اور جن کے خلاف تمہاری تلواریں چل رہی تھیں، اور جن کے خون سے تمہاری تلواریں اب بھی آلودہ ہیں، اور تمہیں مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملا۔ چونکہ منافقین ہر جگہ ہوتے تھے، ان میں سے کسی نے صحابہ کے درمیان لڑائی کرانے کے لئے یہ بات چھیڑی تھی، اب انصار صحابہ میں جو عمر رسیدہ اور تجربہ کار حضرات تھے، ان کے دلوں میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا، وہ جانتے تھے کہ اس مال و دولت کی حقیقت کیا ہے؟

لیکن انصار صحابہ میں جو نوجوان تھے، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ سارا مال غنیمت انہی میں تقسیم ہو گیا اور

ہم لوگ جو جہاد میں شریک تھے، ہمیں کچھ نہ ملا۔

آپ کا حکیمانہ خطاب

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بعض انصار صحابہ کو یہ خیال ہو رہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ تمام انصار صحابہ کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے انصار صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہ انصار! تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، تمہیں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، اور میں نے یہ مال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جو یہاں کے رہنے والے ہیں تاکہ یہ ایمان پر پختہ اور راسخ ہو جائیں، اور کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میں جس کو مال غنیمت نہیں دیتا ہوں وہ زیادہ معزز اور محبوب ہوتا ہے اس کے مقابلے میں جس کو میں مال غنیمت دیتا ہوں، لیکن میں نے سنا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا ہے۔ پھر فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جائیں تو ان کے ساتھ گائے، بیل، بکریاں ہوں، اور جب تم اپنے

گھروں کی طرف واپس جاؤ تو تمہارے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ بتاؤ ان میں سے کون افضل ہے؟

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس وقت تمام لوگوں کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی، انصاری صحابہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے تو اس سے بڑا اعزاز کوئی نہیں ہے، یہ بات صرف چند نوجوانوں نے کہدی تھی ورنہ ہمارے جو بڑے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا، آپ ﷺ جیسا فیصلہ فرمائیں آپ ﷺ ہی کا فیصلہ برحق ہے۔

حضور ﷺ کے خاص الخاص کون تھے؟

جب یہ سارا قصہ ختم ہو گیا تو اس کے بعد پھر انصار صحابہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے انصار خوب سن لو! تم میرے خاص الخاص لوگ ہو۔

لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا لَسَلَكْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ۔

اگر لوگ ایک راستے پر جائیں اور انصار دوسرے راستے پر جائیں تو میں انصار والا راستہ اختیار کروں گا۔

انصار صحابہؓ کو صبر کرنے کی وصیت

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے انصار! ابھی تک تو تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی، اور مجھے تمہارے ساتھ محبت اور تعلق ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گا، لیکن میں تمہیں پہلے سے بتا دیتا ہوں کہ میرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد تمہیں اس بات سے واسطہ پیش آئے گا کہ تمہارے مقابلے میں دوسروں کو زیادہ ترجیح دی جائے گی۔ یعنی جو امراء اور حکام بعد میں آنے والے ہیں، وہ تمہارے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کریں گے، جتنا اچھا سلوک مہاجرین اور دوسروں کے ساتھ کریں گے۔

اے گروہ انصار! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا سلوک ہو تو فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ۔ اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے آملو۔

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے پہلے سے یہ بتا دیا کہ آج تو تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی، لیکن آئندہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہوگی اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس ناانصافی کے موقع پر صبر کرنا۔

انصار صحابہؓ کا اس وصیت پر عمل

لہٰذا آپ ﷺ نے ان انصار صحابہؓ سے یہ نہیں فرمایا کہ اس موقع پر "تحفظ حقوق انصار" کی ایک انجمن بنا لینا، پھر اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے جھنڈا لے کر کھڑے ہو جانا اور بغاوت کا علم بلند کر دینا، بلکہ یہ فرمایا کہ اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر آ کر مل جاؤ۔ چنانچہ انصار صحابہؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ پوری تاریخ اسلام میں انصار کی طرف سے کوئی لڑائی اور جھگڑا آپ کو نہیں ملے گا۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات ہوئے اور اس کے نتیجے میں جنگ جمل اور جنگ صفین بھی ہوئیں، لیکن انصار صحابہؓ کی طرف سے امراء اور حکام کے خلاف کوئی بات پیش نہیں آئی۔

انصار کے حقوق کا خیال رکھنا

ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہؓ کو یہ وصیت فرمائی، دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جب آپ ﷺ مسجد نبوی میں نماز کے لئے بھی تشریف نہیں لا رہے تھے، اس وقت لوگوں کو جو وصیتیں فرمائیں، ان وصیتوں میں ایک یہ تھی کہ یہ انصار صحابہؓ انہوں نے میری مدد کی ہے اور انہوں نے قدم قدم

پر ایمان کا مظاہرہ کیا ہے، لہٰذا ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ ان انصار کے دل میں ناانصافی کا خیال پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ایک طرف تو صحابہ کرام کو آپ نے یہ تلقین فرمائی کہ ان انصار کے حقوق کا خیال رکھنا، اور دوسری طرف انصار کو یہ تلقین کی کہ اگر کبھی تمہارے ساتھ ناانصافی ہو تو صبر کا معاملہ کرنا۔

ہر شخص اپنے حقوق بجالائے

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تلقین یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فریضے کو دیکھے کہ میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟ مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اور میں اس فریضے کو اور اس مطالبے کو پورا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اور جب ہر انسان کو یہ دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کروں اور میرے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مطالبہ ہے وہ پورا کروں تو اس صورت میں سب کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں۔

آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے

آج دنیا میں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے، اور آج یہ سبق قوم کو پڑھایا جا رہا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے جھنڈا لے کر کھڑا ہو جائے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اس کے نتیجے میں وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ میرے ذمے کیا فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں؟ مجھ سے

کیا مطالبات ہیں؟ مزدور یہ نعرہ لگا رہا ہے کہ میرے حقوق مجھے ملنے چاہئیں، آجر کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، لیکن نہ مزدور کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے اور نہ آجر کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے، آج مزدور کو یہ حدیث تو خوب یاد ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو، لیکن اس کی فکر نہیں کہ جو کام اس نے کیا ہے اس میں پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟ اس کو اس کی فکر نہیں کہ میں نے جو کام کیا ہے، وہ واقعۃً اس لائق ہے کہ اس پر مزدوری دی جائے؟

ہر انسان اپنا جائزہ لے

لہٰذا ہر انسان اپنا جائزہ لے، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، وہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص دفتر میں کام کر رہا ہے اس کو اس کی فکر تو ہوتی ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے، میرا فلاں گریڈ ہونا چاہئے، مجھے اتنی ترقیاں ملنی چاہئیں، لیکن کیا اس ملازم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ دفتر کے اندر جو فرائض میرے ذمے عائد ہیں، وہ فرائض میں ٹھیک طریقے پر ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، آج کسی کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے فرائض سے باخبر فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے، لہٰذا تم اپنے اس فریضے کو ادا کرو۔ صرف یہی طریقہ ہے جو معاشرے کو اصلاح کی طرف لا سکتا ہے۔

خلاصہ

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ حلیم اور بردبار کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی نافرمانیاں اور ان کے کفر و شرک کو دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر بھی صبر کرتے ہیں اور ان کو عافیت اور رزق دیتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی اللہ تعالیٰ کے اس اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

خاندانی اختلافات کا چوتھا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۱۲

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

(چوتھا حصہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

اختلافات کا ایک اور سبب

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے۔ ہمارے خاندانوں میں جو اختلافات اور جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں ان کی ایک بہت بڑی وجہ شریعت کے ایک اور حکم کا لحاظ نہ رکھنا ہے۔ شریعت کا وہ حکم یہ ہے کہ "تعاشروا کالا خوان ۔ تعاملوا کالا جانب" تم آپس میں تو بھائیوں کی طرح رہو اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرو، اخوت اور محبت کا برتاؤ کرو، لیکن جب لین دین کے معاملات پیش آئیں، اور خرید و فروخت اور کاروباری معاملات آپس میں پیش آئیں تو اس وقت اجنبیوں کی طرح معاملہ کرو، اور معاملہ بالکل صاف ہونا چاہئے، اس میں کوئی اجمال، ابہام اور پیچیدگی نہ ہو، بلکہ جو بات ہو، وہ صاف ہو۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی زبردست تعلیم ہے۔

ملکیت ممتاز ہونی چاہئے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ مسلمانوں کی ایک ایک بات واضح اور صاف ہونی چاہئے۔ ملکیتیں الگ الگ ہونی

چاہئیں، اور کون سی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ واضح ہونا چاہئے۔ شریعت کے اس حکم کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ فسادات اور جھگڑوں سے بھرا ہوا ہے۔

باپ بیٹے کا مشترک کاروبار

مثلاً ایک کاروبار باپ نے شروع کیا، اب بیٹوں نے بھی اس کاروبار میں کام شروع کر دیا، اب یہ متعین نہیں ہے کہ بیٹا جو باپ کے کاروبار میں کام کر رہا ہے، وہ بحیثیت پارٹنر اور شریک کے کام کر رہا ہے، یا ویسے ہی باپ کی مدد کر رہا ہے، یا بیٹا بحیثیت ملازم کے باپ کے ساتھ کام کر رہا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے۔ ان میں سے کوئی بات طے نہیں ہوئی اور معاملہ اندھیرے میں ہے۔ اب دن رات باپ بیٹے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، باپ کو جتنے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کاروبار میں سے اتنے پیسے نکال لیتا ہے اور جب بیٹے کو ضرورت ہوتی ہے وہ نکال لیتا ہے، اب اسی طرح کام کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے اور رفتہ رفتہ دوسرے بیٹے بھی اس کاروبار میں آکر شامل ہوتے رہے، اب کوئی بیٹا پہلے آیا، کوئی بعد میں آیا، کسی بیٹے نے زیادہ کام کیا اور کسی بیٹے نے کم کام کیا۔

اب حساب کتاب آپس میں کچھ نہیں رکھا، بس جس کو جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ اتنی رقم کاروبار میں سے نکال لیتا، اور یہ بھی متعین نہیں کیا کہ اس کاروبار کا مالک کون ہے اور کس کی کتنی ملکیت ہے؟ اور نہ یہ معلوم

کہ کاروبار میں کس کا کتنا حصہ ہے؟ نہ یہ معلوم کہ کس کی تنخواہ کتنی ہے؟ اب اگر دوسرا ان سے کہے کہ آپس میں حساب و کتاب رکھو، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بھائیوں کے درمیان کیا حساب و کتاب، باپ بیٹے میں کیا حساب و کتاب، یہ تو دوئی کی اور عیب کی بات ہے کہ باپ بیٹے یا بھائی بھائی آپس میں حساب و کتاب کریں، ایک طرف ایسی محبت کا اظہار ہے۔

بعد میں جھگڑے کھڑے ہو گئے

لیکن جب دس بارہ سال گزر گئے، شادیاں ہو گئیں، بچے ہو گئے، یا باپ جنہوں نے کاروبار شروع کیا تھا، دنیا سے چل بسے، تو اب بھائیوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کھڑے ہو گئے اور اب ساری محبت ختم ہو گئی اور ایک دوسرے پر الزام عائد کرنے شروع کر دیئے کہ اس نے زیادہ لے لیا، میں نے کم لیا، فلاں بھائی زیادہ کھا گیا، میں نے کم کھایا، اب یہ جھگڑے ایسے شروع ہوئے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے، اور ایسے پیچیدہ ہو گئے کہ اصل حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلتا، آخر میں جب معاملہ تناؤ پر آ گیا اور ایک دوسرے سے بات چیت کرنے اور شکل و صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں رہے، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے، تو آخر میں مفتی صاحب کے پاس آ گئے کہ اب آپ مسئلہ بتائیں کہ کیا کریں؟ اب مفتی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ بھائی! جب کاروبار شروع کیا تھا، اس وقت تو ایک دن بھی بیٹھ کر یہ نہیں سوچا کہ تم کس حیثیت میں کاروبار کر رہے

ہو؟ اب جب معاملہ الجھ گیا تو مفتی بیچارہ کیا بتائے کہ کیا کرو۔

معاملات صاف ہوں

یہ سارے جھگڑے اس لئے کھڑے ہوئے کہ شریعت کے اس حکم پر عمل نہیں کیا کہ معاملات صاف ہونے چاہئیں۔ چاہے کاروبار باپ بیٹے کے درمیان ہو یا بھائی بھائی کے درمیان ہو یا شوہر اور بیوی کے درمیان ہو، لیکن ہر ایک کی ملکیت دوسرے سے ممتاز ہونی چاہئے، کس کا کتنا حق ہے؟ وہ معلوم ہونا چاہئے۔ یاد رکھئے! بغیر حساب و کتاب کے جو زندگی گزر رہی ہے، وہ گناہ کی زندگی گزر رہی ہے، اس لئے کہ یہ معلوم ہی نہیں کہ جو کھا رہے ہو وہ اپنا حق کھا رہے ہو یا دوسرے کا حق کھا رہے ہو۔

میراث فوراً تقسیم کردو

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جونہی کسی کا انتقال ہو جائے، فوراً اس کی میراث تقسیم کرو، اور شریعت نے جس کا جتنا حق رکھا ہے وہ ادا کرو۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیت کے لئے تشریف لائے، ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی، جنازہ رکھا ہوا تھا، اس وقت حضرت والاؒ کی طبیعت ناساز تھی، کمزوری تھی، اور ساتھ میں حضرت والد صاحب کی وفات کے صدمے کا بھی طبیعت پر بڑا اثر تھا، حضرت والد صاحب کا خمیرہ رکھا ہوا تھا

ہم وہ خمیرہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے کہ حضرت تھوڑا سا کھالیں تاکہ کمزوری دور ہو جائے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خمیرہ ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا کہ بھائی! اب اس خمیرہ کا کھانا میرے لئے جائز نہیں، کیونکہ یہ خمیرہ اب ورثاء کی ملکیت ہو گیا اور جب تک سارے ورثاء اجازت نہ دیں اس وقت تک میرے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت! سارے ورثاء بالغ ہیں اور سب یہاں موجود ہیں، اور سب بخوشی اجازت دے رہے ہیں، لہٰذا آپ تناول فرمالیں، تب جاکر آپ نے وہ خمیرہ تناول فرمایا۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے میراث تقسیم کرنے کی تاکید فرمائی کہ کسی کے انتقال پر فوراً اس کی میراث ورثین کے درمیان تقسیم کرو تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

میراث جلد تقسیم نہ کرنے کا نتیجہ

لیکن آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چنانچہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہدیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی

میلا نہیں ہوا، اس لئے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ
حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے
رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض
برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لئے ایک دوسرے کا خون
پینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے
ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا، فلاں نے کم کھایا۔

گھر کے سامان میں ملکیتوں کا امتیاز

لہٰذا شریعت نے میراث کی تقسیم کا فوری حکم اس لئے دیا تاکہ
ملکیتیں ممتاز ہو جائیں، اور ہر شخص کی ملکیت واضح ہو کہ کونسی چیز کس کی
ملکیت ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ میاں بیوی کو معلوم ہی
نہیں ہوتا کہ گھر کا کونسا سامان میاں کا ہے اور کونسا بیوی کا ہے، زیور میاں کا
ہے یا بیوی کا ہے، جس گھر میں مقیم ہیں، اس کا مالک کون ہے۔ اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ بعد میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آگئی، آخر زمانے میں
وفات سے کچھ عرصہ پہلے بیمار تھے، اور بستر پر تھے، اور اپنے کمرے ہی کے
اندر محدود ہو کر رہ گئے تھے، اس کمرے میں ایک چارپائی ہوتی تھی، اسی چار

پائی پر سارے کام انجام دیتے تھے، والد صاحب کے کمرے کے برابر میں میرا ایک چھوٹا سا کمرہ ہوتا تھا، میں اس میں بیٹھا رہتا تھا۔ کھانے کے وقت جب والد صاحب کے لئے ٹرے میں کھانا لایا جاتا، تو آپ کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے بعد فرماتے کہ یہ برتن جلدی سے واپس اندر لے جاؤ، یا مدرسہ سے کوئی کتاب یا کوئی چیز منگوائی تو فارغ ہوتے ہی فرماتے کہ اس کو جلدی سے واپس کردو، یہاں مت رکھو۔ بعض اوقات ہمیں وہ برتن یا کتاب وغیرہ واپس لے جانے میں تاخیر ہو جاتی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے کہ دیر کیوں کی، جلدی لے جاؤ۔

ہمارے دل میں بعض اوقات یہ خیال آتا کہ والد صاحب برتن اور کتاب واپس کرنے میں بہت جلدی کرتے ہیں، اگر پانچ سات منٹ تاخیر ہو جائے گی تو کونسی قیامت آجائے گی۔ اس دن یہ عقدہ کھلا جب آپ نے ایک دن ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ یہ میرا کمرہ جس میں میری چار پائی ہے، اس کمرے کے اندر جو اشیاء ہیں، صرف یہ اشیاء میری ملکیت ہیں، اور گھر کی باقی سب اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کر چکا ہوں۔ اب اگر میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ میرے کمرے میں باہر کی کوئی چیز پڑی ہوئی ہو تو اس وصیت نامہ کے مطابق لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ میری ملکیت ہے، اور پھر اس چیز کے ساتھ میری ملکیت جیسا معاملہ کریں گے۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اس کمرے میں کوئی باہر کی چیز دیر تک پڑی نہ رہے، جو چیز بھی آئے

وہ جلدی واپس چلی جائے۔

بہرحال! ملکیت واضح کرنے کا اس درجہ اہتمام تھا کہ بیٹوں کی ملکیت سے، بیوی کی ملکیت سے، ملنے جلنے والوں کی ملکیت سے بھی اپنی ملکیت ممتاز تھی، الحمدللہ، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

بھائیوں کے درمیان بھی حساب صاف ہو

لہٰذا شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا کہ اپنی ملکیت واضح ہونی چاہئے۔ جب یہ مسئلہ ہم اپنے ملنے جلنے والوں کو بتاتے ہیں کہ بھائی! اپنا حساب کتاب صاف کرلو اور بات واضح کرلو، تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حساب کتاب کرنا دوئی اور غیریت کی بات ہے۔ لیکن چند ہی سالوں کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہی لوگ جو اس وقت اپنائیت کا مظاہرہ کر رہے تھے، ایک دوسرے کے خلاف تلوار لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کا ایک بہت بڑا سبب ملکیتوں کو صاف نہ رکھنا ہے۔

مکان کی تعمیر اور حساب کی صفائی

یا مثلاً ایک مکان تعمیر ہو رہا ہے، اس ایک مکان میں کچھ پیسے باپ نے لگائے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے دوسرے بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے کہیں سے قرض لے لئے، اور اس طرح وہ مکان تعمیر ہو گیا، اس وقت آپس میں کچھ طے نہیں کیا کہ بیٹے اس تعمیر میں جو پیسے لگا رہے ہیں، وہ

قرض کے طور پر لگا رہے ہیں؟ یا باپ کی مدد کر رہے ہیں؟ یا وہ بیٹے اس مکان میں اپنا حصہ لگا کر پارٹنر بننا چاہتے ہیں؟ اس کا کچھ پتہ نہیں، اور پیسے سب کے لگ رہے ہیں، لیکن کوئی بات واضح نہیں ہے۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہوا تو اب جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ ایک کہتا ہے کہ میں نے اس مکان میں اتنے پیسے لگائے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اتنے پیسے لگائے ہیں، تیسرا کہتا ہے کہ زمین تو میں نے خریدی تھی، اور اس جھگڑے کے نتیجے میں ایک فساد برپا ہو گیا۔ اس وقت فیصلے کے لئے مفتی کے پاس پہنچتے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہے؟ ایسے وقت میں فیصلہ کرتے وقت بعض اوقات ناانصافی ہو جاتی ہے۔

لہٰذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر باپ کے کاروبار میں بیٹا کام کر رہا ہے، اور بات واضح ہوئی نہیں کہ وہ بیٹا کس حیثیت میں کام کر رہا ہے؟ آیا وہ باپ کا شریک ہے یا باپ کا ملازم ہے، تو اگر بیٹا ساری عمر بھی اس طرح کام کرتا رہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے للہ فی اللہ باپ کی مدد کی ہے، کاروبار میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا پہلے سے بات واضح کرنی چاہئے۔

دوسرے کو مکان دینے کا صحیح طریقہ

اور اگر وضاحت کرتے ہوئے تقسیم کا معاملہ کرنا ہے تو تقسیم کرنے کے لئے بھی شریعت نے طریقہ بتایا ہے کہ تقسیم کرنے کا صحیح طریقہ کیا

ہے؟ محض یہ کہہ دینے سے نہیں ہوتا کہ میں نے تو اپنا مکان بیوی کے نام کر دیا تھا، یعنی اس کے نام مکان رجسٹری کرادیا تھا، اب رجسٹری کرادینے سے وہ یہ سمجھے کہ وہ مکان بیوی کے نام ہو گیا، حالانکہ شرعی اعتبار سے کوئی مکان کسی کے نام رجسٹری کرانے سے اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا، جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ کرادیا جائے، اور اس سے یہ نہ کہا جائے کہ میں نے یہ مکان تمہاری ملکیت کر دیا، اب تم اس کے مالک ہو۔ اس کے بغیر دوسرے کی ملکیت اس پر نہیں آتی۔

تمام مسائل کا حل، شریعت پر عمل

ان سارے مسائل کا آج لوگوں کو علم نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں، فتنہ اور فساد پھیل رہا ہے، اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، آپس میں مقدمہ بازیاں چل رہی ہیں۔ اگر آج لوگ شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلیں تو آدھے سے زیادہ مقدمات تو خود بخود ختم ہو جائیں۔

یہ خرابیاں اور جھگڑے تو ان لوگوں کے معاملات میں ہیں جن کی نیت خراب نہیں ہے، وہ لوگ جان بوجھ کر دوسروں کا مال دبانا نہیں چاہتے، البتہ جہالت کی وجہ سے انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ لیکن جو لوگ بد دیانت ہیں، جن کی نیت ہی خراب ہے، جو دوسروں کا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں، ان کا تو کچھ ٹھکانا ہی

نہیں۔

خلاصہ

بہر حال! یہ بہت بڑا فساد ہے جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مسئلے کو خود بھی اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اپنے تمام ملنے جلنے والوں اور اعزہ رشتہ داروں کو یہ مسئلہ بتانا چاہئے کہ ایک مرتبہ حساب صاف کرلیں اور پھر آپس میں محبت کے ساتھ معاملات کریں، لیکن حساب صاف ہونا چاہئے اور ہر بات واضح ہونی چاہئے، کوئی بات مجمل اور مبہم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کا پانچواں سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ـــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب ـــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ـــــ ۱۹

جلد نمبر ـــــ ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿پانچواں حصہ﴾

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔
اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ

نااتفاقی کا ایک اور سبب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تمارِ اخاك ولا تمازحه ولا تعده موعداً فتخلفه۔

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المراء)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حکم ارشاد فرمائے، پہلا حکم یہ دیا کہ اپنے کسی بھائی سے جھگڑا مت کرو۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ نامناسب مذاق مت کرو۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو پورا نہ کر سکو، یعنی وعدہ خلافی نہ کرو۔

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو

پہلا حکم یہ دیا کہ:

"لا تمار أخاك"

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ ہماری اردو زبان بہت تنگ زبان ہے، جب ہم عربی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہیں تو ہمارے پاس بہت محدود الفاظ ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں اس تنگ دائرے میں رہ کر ہی ترجمہ کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ "لا تمار" ارشاد فرمایا، اس کے ترجمہ کے لئے ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی لفظ نہیں ہے کہ "جھگڑا نہ کرو"۔ لیکن عربی زبان میں یہ لفظ "مِرَاءٌ" سے نکلا ہے جو اس کا مصدر ہے، اور "مِرَاءٌ" کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے، اس کے اندر "بحث و مباحثہ کرنا" مجادلہ کرنا، جسمانی لڑائی لڑنا، زبانی تو تکار کرنا، یہ سب اس کے مفہوم کے اندر داخل ہیں، لہٰذا چاہے جسمانی جھگڑا ہو، یا زبانی جھگڑا ہو، یا بحث و مباحثہ ہو، یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے درمیان باہمی اتفاق و اتحاد، محبت اور ملاپ پیدا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ لہٰذا حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھگڑا کرنے کی نوبت نہ آئے۔

ضرورۃً عدالت سے رجوع کرنا

ہاں! بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا حق پامال ہوگیا ہے، اگر وہ عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ نہیں کرے گا تو صحیح طور پر زندگی نہیں گزار سکے گا، اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور اس کے ساتھ ظلم ہوگا، تو اس ظلم اور زیادتی کی وجہ سے مجبوراً اس کو عدالت میں جانا پڑے تو یہ اور بات ہے، ورنہ حتی الامکان جھگڑا چکاؤ، جھگڑے میں پڑنے سے پرہیز کرو۔

بحث و مباحثہ نہ کرو

یہ ہدایت خاص طور پر ان لوگوں کو دی جارہی ہے جو دوسروں کی ہر بات میں کجی نکالتے ہیں، اور دوسروں کی ہر بات کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ چیز ان کے مزاج کا ایک حصہ بن جاتی ہے کہ دوسرے سے ضرور بحث کرنی ہے، ذرا سی بات لے کر بیٹھ گئے، اور اس پر بحث و مباحثہ کا ایک محل تعمیر کرلیا۔ ہمارے معاشرے میں یہ جو فضول بحثوں کا رواج چل پڑا ہے، نہ ان کا دین سے کوئی تعلق، نہ دنیا سے کوئی تعلق، جن کے بارے میں نہ قبر میں سوال ہوگا، نہ حشر میں سوال ہوگا، نہ آخرت میں سوال ہوگا، لیکن ان کے بارے میں لمبی لمبی بحث ہورہی ہے، یہ سب فضول کام ہے، اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور فرقے بن جاتے ہیں اور

آپس میں منافرت بڑھتی ہے۔

جھگڑے سے علم کا نور چلا جاتا ہے

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

المِراء یذھب بنور العلم

یعنی یہ بحث و مباحثہ علم کے نور کو غارت کر دیتا ہے، علم کا نور اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا۔ بس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اس کو حق طریقے سے اور حق نیت سے دوسرے کو بتا دو کہ میرے نزدیک یہ حق ہے، اب دوسرا شخص اگر مانتا ہے تو مان لے، نہیں مانتا تو وہ جانے اس کا اللہ جانے، کیونکہ تم داروغہ بنا کر اس کے اوپر نہیں بھیجے گئے کہ زبردستی اپنی بات اس سے منواؤ، جتنا تمہاری بس میں ہو اس کو حکمت سے، محبت سے، نرمی سے سمجھا دو، اس سے زیادہ کے تم مکلف نہیں ہو، تم خدائی داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ لوگوں کی اصلاح تمہارے ذمے فرض ہو، کہ اگر ان کی اصلاح نہیں ہوگی تو تم سے پوچھا جائے گا، ایسا نہیں ہے۔

تمہاری ذمہ داری بات پہنچا دینا ہے

ارے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلاَّ الْبَلَاغُ۔

(سورۃ المائدۃ، آیت ۹۹)

رسول پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، زبردستی کرنا انبیاءؑ کا کام نہیں، تو تم کیوں زبردستی کرتے ہو، لہٰذا ایک حد تک سوال و جواب کرو، اور جب یہ دیکھو کہ بات بحث و مباحثہ سے حدود میں داخل ہو رہی ہے اور سامنے والا شخص حق کو قبول کرنے والا نہیں ہے تو اس کے بعد خاموش ہو جاؤ اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند کر دو۔

شکوہ و شکایت نہ کریں

بعض لوگوں کو ہر بات میں شکوہ اور شکایت کرنے کی عادت ہوتی ہے، جہاں کسی جاننے والے سے ملاقات ہوئی تو فوراً کوئی شکایت جڑ دیں گے کہ تم نے فلاں وقت یہ کیا تھا، تم نے فلاں وقت یہ نہیں کیا تھا، اور بسا اوقات یہ کام محبت کے نام پر کیا جاتا ہے، اور یہ جملہ ایسے لوگوں کو بہت یاد ہوتا ہے کہ "شکایت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے" جس سے محبت ہوتی ہے اس سے شکوہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بات تو درست ہے، لیکن اس شکایت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، جب کوئی اہم بات ہوئی تو اس پر شکوہ کر لیا، لیکن ذرا ذرا سی بات لے کر بیٹھ جانا کہ فلاں تقریب میں تم نے فلاں کو دعوت دی اور ہمیں دعوت نہیں دی۔ ارے بھائی! دعوت دینے والے کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جس کو چاہے دعوت دے اور جس کو چاہے دعوت نہ دے، تمہارے پاس شکایت کرنے کا کیا جواز ہے کہ تم یہ کہو کہ ہمیں دعوت میں کیوں نہیں بلایا تھا؟ بھائی تمہیں اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تمہیں بلانے کا دل

نہیں چاہا، اس وقت تمہیں بلانے کے حالات نہیں تھے، لیکن تم اس شکایت کو لئے بیٹھے ہو۔ آج ہم لوگ ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی شکایت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اس کے نتیجے میں سامنے والے اس سے شکایت کرتے ہیں کہ فلاں موقع پر تم نے بھی ہمیں نہیں بلایا تھا، چنانچہ شکوہ اور جواب شکوہ کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں محبت پیدا ہونے کے بجائے عداوت پیدا ہو رہی ہے اور آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔

اس کے عمل کی تاویل کرلو

آج میں تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں کہ اس کے نتیجے میں گھرانے کے گھرانے اجڑ گئے، ذرا ذرا سی بات لئے بیٹھے ہیں۔ ارے بھائی! اگر کسی سے غلطی ہو گئی ہے تو اس کو معاف کر دو اور اس کو اللہ کے حوالے کر دو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کرنے کی کتنی تلقین فرمائی ہے، لہذا اگر تم معاف کر دو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا، تمہارا کیا نقصان ہو جائے گا، کونسا پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑے گا، کونسی قیامت تم پر آ جائے گی؟ لہذا چشم پوشی کر جاؤ، اور اس کے عمل کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید اس وجہ سے دعوت نہیں دی ہوگی وغیرہ۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے۔ جن کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" کے نام سے دس جلدوں میں چھپ گیا ہے، جس میں علوم کے دریا بہادیئے، یہ عجیب و غریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کو ہمیشہ اس طرح دیکھا کہ کبھی کسی آدمی کی منہ پر تردید نہیں کرتے تھے کہ تم نے یہ بات غلط کہی، بلکہ اگر کسی نے غلط بات بھی کہدی تو آپ سن کر فرماتے کہ اچھا گویا کہ آپ کا مطلب یہ ہوگا، اس طرح اس کی تاویل کر کے اس کا صحیح مطلب اس کے سامنے بیان کر دیتے۔ اس کے ذریعے اس کو تنبیہ بھی فرمادیتے کہ تم نے جو بات کہی ہے وہ صحیح نہیں ہے، لیکن اگر یہ بات اس طرح کہی جائے تو صحیح ہو جائے گی۔ ساری عمر کبھی کسی کے منہ پر تردید نہیں فرمائی۔

اپنا دل صاف کرلو

اس لئے اگر تمہارا کوئی مسلمان بھائی ہے، دوست ہے، یا عزیز و قریب ہے، یا رشتہ دار ہے، اگر اس سے کوئی غلط معاملہ سرزد ہوا ہے تو تم بھی اس کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید فلاں مجبوری پیدا ہوگئی ہوگی،

تاویل کر کے اپنا دل صاف کرلو۔ اور اگر شکایت کرنی ہی ہے تو نرم لفظوں میں اس سے شکایت کرلو کہ فلاں وقت تمہاری بات مجھے ناگوار گزری، اگر کوئی وضاحت پیش کرے تو اس کو قبول کرلو، یہ نہ کرو کہ اس شکایت کو لے کر بیٹھ جاؤ اور اس کی بنیاد پر جھگڑا کھڑا کردو۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لاتمار اخاك" اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

میاں! یہ دنیا کتنے دن کی ہے، چند دن کی دنیا ہے، کتنے دن کی گارنٹی لے کر آئے کہ اتنے دن زندہ رہو گے، اور عام طور پر شکایتیں دنیا کی باتوں پر ہوتی ہیں کہ فلاں نے مجھے دعوت میں نہیں بلایا، فلاں نے میری عزت نہیں کی، فلاں نے میرا احترام نہیں کیا، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ یہ دنیا کا مال و دولت، دنیا کا اسباب، دنیا کی وجاہت، دنیا کی شہرت، دنیا کا منصب، ان سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ جانے کب فنا ہو جائیں، کب یہ چیزیں چھن جائیں۔ اس کے بجائے وہاں کے بارے میں سوچو جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی گزارنی ہے، وہاں کیا حال ہوگا؟ وہاں کس طرح زندگی بسر کرو گے؟ وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ اس کی فکر کرو۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعمل لدنیاك بقدر بقائك فیها

واعمل لآخرتك بقدر بقائك فیها

یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور
آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

یاد رکھئے! یہ مال و دولت، یہ شہرت، یہ عزت، سب آنی جانی چیزیں ہیں، آج ہیں کل نہیں رہیں گی۔

کل کیا تھے؟ آج کیا ہو گئے

وہ لوگ جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کا اقتدار تھا، جن کے نام سے لوگ لرزتے تھے، آج جیل خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں، اور جن لوگوں کے ناموں کے ساتھ عزت و شرف کے القاب لگائے جاتے تھے، آج ان پر جرائم کی فہرستوں کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ انہوں نے چوری کی، انہوں نے ڈاکہ ڈالا، انہوں نے رشوت لی، انہوں نے خیانت کی۔ ارے! کس عزت پر، کس شہرت پر، کس پیسے پر لڑتے ہو، نہ جانے کس دن اور کس وقت اللہ تعالیٰ یہ چیزیں تم سے چھین لے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تم نے جھگڑے کھڑے کئے ہوئے ہیں، ان باتوں پر تم نے خاندان اجاڑے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتمار اخاك

اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔

کونسا مذاق جائز ہے؟

اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا حکم یہ دیا کہ:

وَلَا تُمَازِحْهُ

اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ دل لگی اور مذاق نہ کرو۔

اس حدیث میں "مذاق" سے مراد وہ مذاق ہے جو دوسرے کی گرانی کا سبب ہو، اگر ایسا مذاق ہے جو حدود شریعت کے اندر ہے اور خوش طبعی کے لئے کیا جا رہا ہے، سننے والے کو بھی اس سے کوئی گرانی نہیں ہے تو ایسے مذاق میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اگر وہ مذاق حق ہے اور اس مذاق میں دوسرے کو خوش کرنے کی نیت ہے تو اس پر ثواب بھی ملے گا۔

مذاق اڑانا اور دل لگی کرنا جائز نہیں

ایک ہوتا ہے مذاق کرنا، ایک ہوتا ہے مذاق اڑانا، مذاق کرنا تو درست ہے، لیکن کسی کا مذاق اڑانا کہ اس کے ذریعہ اس کا استہزاء کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسا مذاق اور ایسی دل لگی کی جائے جو اس کے لئے ناگوار ہو اور اس کی دل شکنی کا سبب ہو، ایسا مذاق حرام اور ناجائز ہے۔ بعض لوگ دوسرے کی چڑ بنا لیتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جب اس کے سامنے یہ بات کریں گے تو وہ غصہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں ہم ذرا مزہ لیں گے، یہ وہ

مذاق ہے جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمارہے ہیں۔ اتنا مذاق کرو جس کو دوسرا آدمی برداشت کرسکے، اب آپ نے دوسرے کے ساتھ اتنا مذاق کیا کہ اس کے نتیجے میں اس کو زچ کردیا، اب وہ اپنے دل میں تنگی محسوس کر رہا ہے، تو یاد رکھئے! اگرچہ اس مذاق کے نتیجے میں دنیا میں تمہیں تھوڑا بہت مزہ آرہا ہے، لیکن آخرت میں اس کا عذاب بڑا شدید ہے، العیاذ باللہ۔ کیونکہ اس کے ذریعہ تم نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اور مسلمان کا دل دکھانا بڑا سخت گناہ ہے۔

انسان کی عزت "بیت اللہ" سے زیادہ

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری قدر و منزلت کتنی عظیم ہے کہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا گھر قرار دیا، تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ لیکن اے بیت اللہ! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو۔

اگر کوئی شخص ایسا سنگدل اور شقی القلب ہو کہ وہ بیت اللہ کو ڈھا

دے، العیاذ باللہ، تو ساری دنیا اس کو برا کہے گی کہ اس نے اللہ کے گھر کی کتنی بے حرمتی کی ہے، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر کسی نے کسی مسلمان کی جان، مال، آبرو پر حملہ کر دیا، یا اس کا دل دکھادیا تو بیت اللہ کو ڈھانے سے زیادہ سنگین گناہ ہے۔ لیکن تم نے اس کو معمولی سمجھا ہوا ہے اور تم دوسرے کا مذاق اڑارہے ہو، اور اس کی وجہ سے اس کا دل دکھارہے ہو اور تم مزے لے رہے ہو؟ ارے یہ تم بیت اللہ کو ڈھارہے ہو، اس کی حرمت کو پامال کر رہے ہو۔ لہٰذا کسی کو مذاق کا نشانہ بنالینا اور اس کا استہزاء کرنا حرام ہے۔

ایسا مذاق دل میں نفرت پیدا کرتا ہے

اور یہ مذاق بھی ان چیزوں میں سے ہے جو دلوں کے اندر گرہیں ڈالنے والی ہیں اور دلوں کے اندر عداوتیں اور نفرتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر دوسرا تمہارے بارے میں یہ محسوس کرے کہ یہ میرا مذاق اڑاتا ہے، میری توہین کرتا ہے، تو بتاؤ کیا کبھی اس کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہوگی؟ کبھی بھی محبت پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے نفرت پیدا ہوگی کہ یہ آدمی میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور پھر اس نفرت کے نتیجے میں آپس میں جھگڑا اور فساد پھیلے گا۔ البتہ اگر دوست واحباب یا عزیز و اقارب آپس میں ایسا مذاق کر رہے ہیں جس میں کسی کی دل آزاری نہیں ہے، جس میں جھوٹ نہیں ہے، تو شرعاً ایسے مذاق کی اجازت ہے، شریعت

نے ایسے مذاق پر پابندی نہیں لگائی۔

وعدہ کو پورا کرو

اس حدیث میں تیسرا حکم یہ دیا کہ:

ولا تعده موعداً فتخلفه۔

یعنی کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔

بلکہ جس سے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرو، اس وعدہ کا ایفاء کرو، وعدہ کر کے پورا نہ کرنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیه فهو منافق اذا حدث کذب واذا وعد اخلف، واذا أوتمن خان

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

منافق کی تین علامتیں

تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ خالص منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس امانت میں خیانت کرے۔ یہ تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ پکا منافق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

وعدہ کی خلاف ورزی نفاق کی علامت ہے، لہٰذا اگر تمہیں بھروسہ نہ ہو کہ میں وعدہ پورا کر سکونگا، تو وعدہ مت کرو، لیکن جب ایک مرتبہ وعدہ کرلو تو جب تک کوئی عذر شدید پیش نہ آجائے، اس وقت تک اس کی پابندی لازم ہے۔

بچوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ بچوں سے بھی جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کو بلاتے ہوئے کہا کہ میرے پاس آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا واقعی اس کو کچھ دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی اس کو بہلانے کے لئے کہدیا، ان صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس کھجور ہے، وہ دینے کا ارادہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ویسے ہی وعدہ کر لیتے اور کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا تو تمہیں اس بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے کا گناہ ہوتا۔ اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بچے کو شروع سے یہ تعلیم دیدی کہ وعدہ خلافی کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، اور تم نے پہلے دن سے ہی اس کی تربیت خراب کر دی۔ لہٰذا بچوں کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہئے، بچوں کے ساتھ بھی جو وعدہ کیا ہے، اس کو پورا کرو۔

اور بعض وعدہ خلافیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں

نے فلاں کے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے، مجھے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن بعض وعدہ خلافیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی طرف ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں جاتا کہ وہ بھی کوئی وعدہ خلافی ہے۔

اصول اور ضوابط کی پابندی نہ کرنا وعدہ خلافی ہے

مثلاً ہر ادارے کے اپنے کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم کسی ادارے میں ملازمت اختیار کرتے ہیں تو اس ادارے کے ساتھ منسلک ہوتے وقت ہم عملاً یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اس ادارے کے قواعد و ضوابط کی پابندی کریں گے۔ یا مثلاً آپ نے پڑھنے کے لئے دارالعلوم میں داخلہ لے لیا، تو داخلہ لیتے وقت طالب علم سے ایک تحریری وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ میں یہ یہ کام نہیں کروں گا اور یہ یہ کام کروں گا اور اگر کسی طالب علم سے تحریری وعدہ نہ بھی لیا جائے تب بھی داخل ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ دارالعلوم کے جو قواعد و ضوابط ہیں میں ان کی پابندی کرونگا اب اگر کوئی طالب علم ان قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو یہ اس وعدہ کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ عمل ناجائز اور گناہ ہوگا۔

جو قوانین شریعت کے خلاف نہ ہوں انکی پابندی لازم ہے

اسی طرح جو آدمی کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ شخص عملاً

اس ملک کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا تاوقتیکہ کوئی قانون مجھے کسی خلاف شرع امر پر مجبور نہ کرے۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو شریعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتا ہے تو اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

اگر کسی کام سے شریعت تمہیں روک دے تو پھر اس کام کے کرنے کو خواہ کوئی بادشاہ کہے، یا کوئی صدر یا وزیر اعظم کہے، یا کوئی قانون اس کام کا حکم دے، لیکن تم اس حکم کے ماننے کے پابند نہیں ہو، بلکہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے پابند ہو۔

قوانین کی خلاف ورزی وعدہ خلافی ہے

لہٰذا اگر کوئی آپ کو گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ مباحات سے متعلق کوئی قانون بنا ہوا ہے تو اس صورت میں ہر شہری چاہے وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو، اپنی حکومت سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں قوانین کی پابندی کروں گا، اب اگر کوئی شخص بلا عذر قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ بھی وعدہ خلافی میں داخل ہے۔

ٹریفک کے قوانین کی پابندی کریں

مثلاً ٹریفک کے قوانین ہیں کہ جب سرخ بتی جلے تو رک جاؤ اور جب سبز بتی جلے تو چل پڑو۔ اس قانون کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے، اس لئے کہ تم نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا۔ اگر تم اس قانون کو روندتے ہوئے گزر جاتے ہو تو اس صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو اور عہد شکنی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو، چاہے وہ مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ملک ہو۔

بے روزگاری الاؤنس وصول کرنا

برطانیہ کی حکومت ایک بیروزگاری الاؤنس جاری کرتی ہے، یعنی جو لوگ بیروزگار ہوتے ہیں ان کو ایک الاؤنس دیا جاتا ہے، گویا کہ روزگار ملنے تک حکومت ان کی کفالت کرتی ہے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔ لیکن ہمارے بعض بھائی جو یہاں سے وہاں گئے ہیں، انہوں نے اس بیروزگاری کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے، اب ایسے لوگ رات کو چوری چھپے نوکری کر لیتے ہیں اور ساتھ میں بیروزگاری الاؤنس بھی وصول کرتے ہیں، اچھے خاصے نمازی اور دیندار لوگ یہ دھندا کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھ سے اس کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو میں نے بتایا کہ یہ عمل تو بالکل ناجائز اور گناہ ہے، اوّل تو یہ جھوٹ ہے کہ بیروزگار نہیں ہو لیکن اپنے کو بیروزگار ظاہر کر

رہے ہو، دوسرے یہ کہ تم حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ جب تم اس ملک میں داخل ہوگئے تو اب اس ملک کے جائز قانون کی پابندی لازم ہے۔ ان صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ تو غیر مسلم حکومت ہے اور غیر مسلم حکومت کا پیسہ جس طرح بھی حاصل ہو، اس کو لے کر خرچ کرنا جائز ہے۔ العیاذ باللہ۔ ارے بھائی! جب تم اس ملک میں داخل ہوئے تھے اس وقت تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا اب اس ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں، اور جس طرح مسلمان کے ساتھ خلاف ورزی جائز نہیں، کافروں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی جائز نہیں، اور اس خلاف ورزی کے نتیجے میں جو پیسہ حاصل ہوگا وہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔

خلاصہ

بہر حال جھگڑے کا ایک بہت بڑا سبب یہ وعدہ خلافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاندانی اختلافات کا چھٹا سبب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب ــــ جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب ــــ بعد عصر تا مغرب

تعداد صفحات ــــ ۱۹

جلد نمبر ــــ ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب

اور ان کا حل

﴿چھٹا حصہ﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلّٰی

اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ
وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا۔
أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ:

یہ بڑی خیانت ہے

حضرت سفیان بن أسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

كَبُرَتْ خِیَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِیْثاً هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ لَهٗ بِهٖ كَاذِبٌ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المعاریض)

یہ بڑی ہی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی ایسی بات سناؤ جس کو وہ سچ سمجھ رہا ہو کہ تم اس کو سچی بات بتارہے ہو لیکن حقیقت میں تم اس کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ وہ عمل ہے جس سے دلوں میں دراڑیں پڑجاتی ہیں، دلوں میں شگاف پڑجاتے ہیں، اور عداوتیں کھڑی ہوجاتی ہیں، دشمنیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جھوٹ بولنا تو ہر حال میں بڑا زبردست گناہ ہے،

لیکن اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر اس جھوٹ کو بیان فرمارہے ہیں جہاں تمہارا مخاطب تم پر اعتماد کر رہا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ شخص جو بات مجھ سے کہے گا وہ سیدھی اور سچی بات کہے گا، لیکن تم الٹا اس کے اعتماد کو مجروح کرتے ہوئے اس کے ساتھ جھوٹ بولو۔ تو اس عمل میں جھوٹ کا گناہ تو ہے ہی، ساتھ ہی اس میں خیانت کا بھی گناہ ہے۔

وہ امانت دار ہے

اس لئے کہ جو شخص تم سے رجوع کر رہا ہے، وہ تمہیں امین اور سچا سمجھ کر رجوع کر رہا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المستشار مؤتمن۔

جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

گویا کہ مشورہ طلب کرنے والا اس کے پاس امانت رکھوائے ہوئے ہے کہ تم صحیح بات مجھے بتانا، اور اس پر اعتماد اور بھروسہ بھی کر رہا ہے، لیکن تم نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا اور غلط بات بتائی، لہٰذا تم خیانت کے گناہ کے بھی مرتکب ہوئے۔

جھوٹا میڈیکل سر ٹیفکیٹ

آج ہمارے معاشرے میں جتنی تصدیقات اور سرٹیفکیٹ جاری ہوتے ہیں، وہ سب اس حدیث کے تحت آتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور اس کو اپنے محکمے سے چھٹی لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرے کہ وہ واقعۃً بیمار ہے۔ تو اب جس ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ طلب کیا جائیگا، وہ امانت دار ہے کیونکہ وہ محکمہ اس ڈاکٹر پر بھروسہ اور اعتماد کر رہا ہے کہ یہ جو سرٹیفکیٹ جاری کرے گا، وہ سچا سرٹیفکیٹ جاری کرے گا، وہ شخص واقعی بیمار ہوگا تب ہی وہ سرٹیفکیٹ جاری کرے گا ورنہ جاری نہیں کرے گا۔ اب اگر وہ ڈاکٹر پیسے لے کر یا پیسے لئے بغیر صرف دوستی کی مد میں اس خیال سے کہ اس سرٹیفکیٹ کے ذریعہ اس کو چھٹی مل جائے، جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کر دے گا تو یہ ڈاکٹر جھوٹ کے گناہ کے ساتھ بڑی خیانت کا بھی مرتکب ہوگا۔ اور جو شخص ایسا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر کو مجبور کرے کہ وہ ایسا جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کردے، ایسا شخص بیشمار گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے، ایک یہ کہ خود جھوٹ بول رہا ہے اور دوسرے ڈاکٹر کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر پیسے دے کر یہ سرٹیفکیٹ حاصل کر رہا ہے تو رشوت دینے کے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے، اور پھر جھوٹ بول کر جو چھٹی لے رہا ہے، وہ چھٹی بھی حرام ہے اور اس چھٹی کی جو تنخواہ لی ہے وہ تنخواہ بھی حرام ہے، اور اس

تنخواہ سے جو کھانا کھایا وہ بھی حرام ہے، لہٰذا ایک جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں اتنے بیشمار گناہ جمع ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم۔

آج ہمارا معاشرہ ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے، دیندار، نمازی، متشرع لوگوں کو بھی جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی جھوٹا سرٹیفکیٹ نکلوانے میں کوئی شرم اور عار محسوس نہیں کرتے، اور اس چیز کو دین سے خارج ہی کر دیا ہے۔

مدارس کی تصدیق کرنا

اسی طرح مدرسوں کی تصدیق ہے، بہت سے مدارس کے حضرات میرے پاس بھی آتے ہیں کہ آپ ہمارے مدرسے کی تصدیق کر دیجئے کہ یہ مدرسہ قائم ہے اور ٹھیک کام کر رہا ہے، اگر اس میں چندہ دیا جائے گا تو وہ چندہ صحیح مصرف میں استعمال ہوگا۔ یہ تصدیق ایک گواہی ہے، اب اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ فلاں سے تصدیق کرا کر لاؤ، تب ہم تمہیں چندہ دیں گے، گویا کہ اس نے مجھ پر بھروسہ کیا، اب میرا یہ فرض ہے کہ میں اس وقت تک تصدیق جاری نہ کروں جب تک مجھے واقعۃً اس بات کا یقین نہ ہو کہ واقعۃً یہ مدرسہ اس چندہ کا مستحق ہے۔ اگر ایک شخص میرے پاس آئے اور میں محض دوستی یا مروّت میں آکر تصدیق کردوں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ تو میرے اوپر بھروسہ کر رہے ہیں اور میں ان کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہوں، کیونکہ میں نے اس مدرسہ کو دیکھا نہیں، میں اس کے حالات

سے واقف نہیں، اس کے طریقہ کار سے میں باخبر نہیں، لیکن اس کے باوجود میں نے تصدیق نامہ جاری کر دیا، تو میں اس بدترین خیانت کا مرتکب ہوں گا۔ اب مدرسہ کے حضرات تصدیق کے لئے میرے پاس آتے ہیں، جب میں ان سے معذرت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ ان سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں کیا جاتا، وہ سمجھتے ہیں کہ انکار کرنا مروّت کے خلاف ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ شہادت ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدترین خیانت ہے کہ لوگ تم پر بھروسہ کر کے تمہیں سچا سمجھ رہے ہیں اور تم ان کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔

جھوٹا کیرکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل مورل سرٹیفکیٹ اور کیرکٹر سرٹیفکیٹ بنوائے جاتے ہیں، اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا اس میں لکھتا ہے کہ میں اس شخص کو پانچ سال سے جانتا ہوں یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ وہ اس کو صرف دو دن سے جانتا ہے، میں اس کے حالات سے واقف ہوں، یہ بہت اچھے اخلاق اور کردار کا مالک ہے۔ اب سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس بھلائی کے نتیجے میں قیامت کے روز گردن پکڑی جائے گی کہ تم نے تو یہ لکھا تھا کہ میں اس کو پانچ سال سے یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ تم اس کو نہیں جانتے تھے۔ یہ بدترین خیانت کے اندر داخل ہے، کیونکہ لوگ تم پر

بھروسہ کر رہے ہیں اور تم لوگوں کے ساتھ جھوٹ بول رہے ہو۔

آج سرٹیفکیٹ کی کوئی قیمت نہیں

آج معاشرہ ان باتوں سے بھر گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سرٹیفکیٹ کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی، کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹے اور مصنوعی سرٹیفکیٹ ہیں۔ آج ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو زندگی سے خارج ہی کر دیا ہے، اور صرف نماز روزے اور تسبیح کا نام دین رکھدیا ہے، لیکن دنیاکی زندگی میں ہم لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آ رہے ہیں، اس طرف دھیان ہی نہیں ہے۔

یہ بھی اختلافات کا سبب ہے

یہ چیز بھی ہمارے آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس لئے کہ جب تم ایک آدمی پر بھروسہ اور اعتماد کر رہے ہو کہ یہ شخص تمہیں سچ بات بتائے گا، لیکن وہ شخص تم سے جھوٹ بولے، تو اس جھوٹ کے نتیجے میں اس کے دل میں تمہارے خلاف گرہ پڑ جائے گی کہ میں نے تو اس پر بھروسہ کیا، لیکن اس نے میرے ساتھ جھوٹ بولا، مجھے دھوکہ دیا اور مجھے غلط راستہ دکھایا۔ لہٰذا اس کے دل میں تمہارے خلاف عداوت پیدا ہوگی۔

بہر حال! باہمی اختلافات اور نااتفاقی کا ایک بہت بڑا سبب "جھوٹ"

ہے، اگر اس جھوٹ کو ختم نہیں کرو گے تو آپس کی ناچاقیاں اور اختلافات کیسے ختم ہوں گے؟ اس لئے اس جھوٹ کو ختم کرو۔ ویسے تو ہر جھوٹ حرام ہے، لیکن خاص طور پر وہ جھوٹ جہاں پر دوسرا شخص تم پر بھروسہ کر رہا ہو اور تم اس کے ساتھ جھوٹ بولو، یہ بڑا خطرناک جھوٹ ہے۔

گزشتہ کی تلافی کیسے کریں؟

اب ایک سوال ذہنوں میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس کے اختلافات اور نااتفاقی کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں، اگر ہم آج ان سے پرہیز کرنے کا ارادہ کرلیں اور محنت کر کے اپنے آپ کو اس کا پابند بنالیں تو انشاء اللہ آئندہ کی زندگی تو درست ہو جائیگی، لیکن گزشتہ زمانہ میں اب تک ہم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کی خلاف ورزی ہوئی، مثلاً کسی کی غیبت کرلی، کسی کو برا کہا، کسی کو دکھ پہنچایا، کسی کو تکلیف پہنچائی، کسی کی دل آزاری کی، اور ان خلاف ورزیوں کے نتیجے میں اور حقوق العباد کو ضائع کرنے کے نتیجے میں ہمارا نامہ اعمال سیاہ ہوگیا ہے، اس کا کیا حل ہے؟ اگر ہم اپنی پچھلی زندگی کی طرف نظر دوڑائیں تو یہ نظر آئے گا کہ سالہا سال میں نہ جانے کتنے انسانوں سے رابطہ ہوا، کتنے انسانوں سے تعلقات ہوئے، ہم نے کس کی کتنی حق تلفی کی؟ اس کا ہمارے پاس نہ کوئی حساب ہے، نہ پیمانہ ہے، اور نہ ان سے معافی مانگنے کی کوئی صورت ہے۔ لہٰذا اگر ہم آج سے اپنی اصلاح شروع کر بھی دیں تو

پچھلے معاملات کا اور پچھلی زندگی کا کیا بنے گا؟ اور پچھلا حساب کتاب صاف کرنے کا کیا راستہ ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور ﷺ کا معافی مانگنا

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ نے ہماری ہر مشکل کا حل اپنے اسوۂ حسنہ میں تجویز فرما دیا ہے۔ جو آدمی اپنی پچھلی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتا ہو، اور اس کو خیال ہو کہ میں نے بہت سے اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر دیئے ہیں، تو اس کا راستہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور خود اس پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ ایک دن آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں کھڑے ہو کر عام صحابہ کے مجمع کے سامنے فرمایا کہ:

> میری ذات سے کبھی کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا کبھی مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، تو میں آج اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ اس زیادتی کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو میں بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر وہ مجھ سے کوئی صلہ طلب کرنا چاہتا ہے تو میں وہ دینے کے لئے تیار ہوں، اور اگر وہ معاف کرنا چاہتا ہے تو میری درخواست ہے کہ وہ

معاف کر دے۔

حضور ﷺ کا اعلیٰ مقام

یہ اعلان اس ذات نے فرمایا جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرما دیا کہ:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔
(سورۂ فتح، آیت ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

اور جن کے بارے میں یہ فرمادیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○
(سورۃ النساء، آیت ۶۵)

یعنی پروردگار کی قسم! لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصل نہ بنائیں، اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم نہ کریں۔

لہٰذا جس ذات کے بارے میں قرآن کریم میں یہ ارشادات نازل ہوئے ہوں اور جن کے بارے میں اس بات کی وضاحت آگئی ہو کہ آپ کی ذات سے کسی کو ظلم اور زیادتی پہنچ سکتی ہی نہیں، ان سب باتوں کے باوجود آپ نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے مندرجہ بالا اعلان فرمایا۔

ایک صحابیؓ کا بدلہ کیلئے آنا

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اعلان سُن کر ایک صحابیؓ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں بدلہ لینا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیسا بدلہ؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے میری کمر پر مارا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو مارنا یاد نہیں ہے، لیکن اگر تمہیں یاد ہے تو آجاؤ اور بدلہ لے لو، چنانچہ وہ صحابی کمر کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جس وقت آپ ﷺ نے مجھے مارا تھا اس وقت میری کمر پر کپڑا نہیں تھا، بلکہ میری کمر ننگی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کمر سے ہٹادی، تو مہر نبوت نظر آنے لگی، وہ صحابی آگے بڑھے اور مہر نبوت کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے مہر نبوت کو بوسہ دینے کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا تھا۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ جو بدلہ لینا چاہے تو

میں اس کو بدلہ دینے کو تیار ہوں۔

سب سے معافی تلافی کرالو

اس عمل کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھا دیا کہ جب میں یہ عمل کر رہا ہوں تو تم بھی اگر اپنی پچھلی زندگی کے داغ دھونا چاہتے ہو تو اپنے ملنے جلنے والوں، اپنے عزیز و اقارب، اپنے دوست احباب سے یہی پیش کش کرو کہ نہ جانے پچھلی زندگی میں مجھ سے آپ کی کیا حق تلفی ہوئی ہو، آج میں اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کی مہربانی۔

حضرت تھانویؒ کا معافی مانگنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا اور اس رسالے کو شائع کیا اور پھر اپنے تمام ملنے جلنے والوں میں وہ رسالہ تقسیم کیا۔ اس رسالے کا نام ہے "العذر والنذر" اس رسالے میں یہی مضمون لکھا کہ چونکہ میرے بہت سے لوگوں سے تعلقات رہے ہیں، نہ جانے مجھ پر کس کا حق ہو اور وہ حق مجھ سے پامال ہو گیا ہو، یا مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، آج میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں، اگر مجھ سے اس حق کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو بدلہ لے لے، اگر کوئی مالی حق میرے ذمے واجب ہے وہ مجھے مالی حق یاد دلا دے، میں بدلہ

دیدوں گا، یا کسی کو جانی تکلیف پہنچائی ہے تو اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، ورنہ میں معافی کی درخواست پیش کرتا ہوں۔ اور ساتھ میں یہ حدیث بھی لکھدی کہ:

> ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے سچے دل سے معافی مانگتا ہے کہ مجھے معاف کر دیجئے، مجھ سے غلطی ہوگئی، تو دوسرے مسلمان بھائی کا یہ فریضہ ہے کہ اس کو معاف کر دے، اگر وہ معاف نہیں کرے گا تو وہ آخرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے معافی کی امید نہ رکھے۔

روپے پیسے کا معاملہ علیحدہ ہے، اگر دوسرے کے ذمے روپے پیسے واجب ہیں تو اس کو حق ہے کہ اس کو وصول کرلے۔ لیکن دوسرے قسم کے حقوق، مثلاً کسی کی غیبت کرلی تھی، یا دل آزاری کرلی تھی، یا کوئی اور تکلیف پہنچائی تھی، اور تکلیف پہنچانے والا اب معافی مانگ رہا ہے تو دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ وہ معاف کر دے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا معافی مانگنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے وفات سے تین سال پہلے جب پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا، تو ہسپتال ہی

میں مجھے بلا کر فرمایا کہ تم میری طرف سے ایسا ہی ایک مضمون لکھ دو جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "العذر والنذر" میں اپنے اہل تعلق کو لکھا تھا، اور اس کا نام یہ رکھنا "کچھ تلافی مافات" اس میں لفظ "کچھ" سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اپنے پچھلے سارے معاملات کی تلافی کر رہا ہوں، بلکہ یہ "کچھ" تلافی کر رہا ہوں۔ یہ مضمون لکھوانے کے بعد شائع فرمایا، اور اپنے تمام اہل تعلق کو خط کے ذریعے بھیجا تاکہ ان کی طرف سے معافی ہو جائے۔

اپنا کہا سنا معاف کرالو

ہمارے بزرگوں نے ایک جملہ سکھایا ہے جو اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر ہوتا ہے، یہ بڑا اچھا جملہ ہے، وہ یہ کہ جب کسی سے جدا ہوتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ:

"بھائی! ہمارا کہا سنا معاف کر دینا"

یہ بڑا کام کا جملہ ہے اور اس میں بڑی عظیم حکمت کی بات ہے، اگرچہ لوگ اس کو بغیر سوچے سمجھے کہہ لیتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس جملے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ہم تم سے جدا ہو رہے ہیں، اب دوبارہ معلوم نہیں کہ ملاقات ہو یا نہ ہو، موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا میں نے تمہارے بارے میں کچھ کہا سنا ہو، یا تمہاری کوئی زیادتی کی ہو، تو آج میں تم سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا سفر میں جاتے ہوئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جن سے

میل ملاقات رہتی ہو، ان سے یہ جملہ کہدینا چاہئے، جب وہ سامنے والا جواب میں یہ کہدے کہ میں نے معاف کر دیا تو انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔

جن کا پتہ نہیں ان سے معافی کا طریقہ

معاف کرانے کا یہ طریقہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا جن تک رسائی ہو سکتی ہے، لیکن بہت سے اہل تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان تک رسائی ممکن نہیں، مثلاً ہم لوگ اکثر بسوں میں، ریلوں میں، ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں، اور ان سفروں میں نہ جانے کتنے لوگوں کو ہم سے تکلیف پہنچ گئی ہوگی، اب ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے اور نہ ہی ان کا پتہ معلوم ہے، اور اب ان تک پہنچ کر ان سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ایسے لوگوں سے معافی مانگنے کا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریقہ بتا دیا جو انتہائی آسان ہے۔

ان کیلئے یہ دعا کریں

وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے حق میں یہ دعا فرمادی کہ:

اَیُّمَا مُؤْمِنٍ اومُؤْ مِنَۃٍ آذَیْتُہٗ اَوْ شَتَمْتُہٗ اَوْ جَلَدْتُہٗ اَوْ لَعَنْتُہٗ فَاجْعَلْھَا لَہٗ صَلَاۃً وَزَکٰوۃً وَقُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ بِھَا اِلَیْکَ۔

یعنی اے اللہ! میری ذات سے کسی مؤمن مرد یا عورت کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا میں نے کبھی کسی کو بُرا بھلا کہا ہو، یا میں نے کبھی کسی کو مارا ہو، یا کبھی کسی کو لعنت کی ہو، یا کبھی اس کے حق میں بد دعا کی ہو، تو اے اللہ! میرے ان سارے اعمال کو اس شخص کے حق میں رحمت بنا دیجئے اور اس کو اس کے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دیجئے اور میرے اس عمل کے نتیجے میں اس کو اپنا قرب عطا فرما دیجئے۔

لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جن تک آپ نہیں پہنچ سکتے اور جن سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ان کے حق میں یہ دعا کر دیں۔ کیونکہ جب آپ کی پہنچائی ہوئی تکلیف ان کے حق میں رحمت بن جائے گی تو انشاء اللہ وہ خود ہی معاف کر دیں گے۔ اور ان کے حق میں ایصال ثواب کریں۔

زندہ کو ایصال ثواب

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایصال ثواب صرف مُردوں کو ہو سکتا ہے جو دنیا سے جا چکے، زندوں کو نہیں ہو سکتا، یہ خیال غلط ہے، ایصال ثواب تو زندہ آدمی کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عبادت کر کے، تلاوت کر کے اس کا ثواب ایسے لوگوں کو پہنچا دو جن کو آپ کی ذات سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، اس کے نتیجے میں تم نے اس کے ساتھ جو زیادتی کی ہے انشاء اللہ اس کی

تلافی ہو جائے گی۔

عمومی دعا کرلیں

اس کے علاوہ ایک عمومی دعا یہ کرلو کہ یا اللہ! جس جس شخص کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو، اور جس جس شخص کی مجھ سے حق تلفی ہوئی ہو، اے اللہ! اپنے فضل سے اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے اور میرے اس عمل کو اس کے لئے رحمت کا ذریعہ بنا دیجئے اور اس کو مجھ سے راضی کر دیجئے، اور اس کے دل کو میری طرف سے صاف کر دیجئے تاکہ وہ مجھے معاف کر دے۔

ایک غلط خیال کی تردید

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں یہ دعا والی حدیث بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس سے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے گناہ کرنے والوں کو لعنت کی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ۔

اللہ تعالیٰ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کرے۔

اب یہ حدیث سن کر رشوت دینے والا یا لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لعنت میرے حق میں دعا بن جائے گی، اس لئے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرما دی ہے کہ اے اللہ! میں نے جس جس کو لعنت کی ہے وہ لعنت اس کو دعا بن کر لگے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دعا کی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے کہ:

إنما أنا بشر أغضب كما يغضب البشر۔

اے اللہ! میں تو ایک انسان ہوں اور جس طرح اور انسانوں کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آجاتا ہے، اس غصے کے نتیجے میں اگر کبھی میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا لعنت کی ہو یا بُرا بھلا کہا ہو، تو اس کو اس کے حق میں دعا بنا کر لگا دیجئے۔

لہٰذا یہ حدیث اس لعنت کے بارے میں ہے جو آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں بشری تقاضے سے کسی پر لعنت کی ہو، ایسی لعنت اس کے حق میں دعا بن کر لگے۔ لیکن اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص پر گناہ کی وجہ سے لعنت کی ہو، یا دین اور شریعت کے تقاضے سے لعنت کی ہو، تو یہ دعا والی حدیث اس لعنت کے بارے میں نہیں ہے۔

اصلاحی خطبات

جلد ۱۲

- نیک بختی کی تین علامتیں
- جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت
- عید الفطر - ایک اسلامی تہوار
- جنازے کے آداب
- چھینکنے کے آداب
- بیان بر ختم قرآن کریم و دعا
- خندہ پیشانی سے ملنا سنت ہے
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں
- یہ دنیا کھیل تماشا ہے
- دنیا کی حقیقت
- سچی طلب پیدا کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

۱۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب	☜	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب	☜	محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت	☜	جولائی ۲۰۰۲ء
مقام	☜	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
باہتمام	☜	ولی اللہ میمن صاحب
ناشر	☜	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	☜	عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت	☜	/- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللّٰہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمدللہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی

خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی بارہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ گیارہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے بارہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے بارہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

اجمالی فہرست

جلد ۱۲

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

نیک بختی کی تین علامتیں

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عید الفطر...... ایک اسلامی تہوار

عنوان | صفحہ

جنازے کے آداب اور چھینکنے کے آداب

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

خندہ پیشانی سے ملنا سنّت ہے

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۱۸۸	حسن سلوک کے نتیجے میں بگاڑ نہیں ہوتا
۱۸۸	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تنبیہ
۱۸۹	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غلام پر ناراض ہونا
۱۹۰	ماتحتوں سے توہین کا معاملہ نہ کرو
۱۹۰	یہ مغربی تہذیب کی لعنت ہے
۱۹۰	ڈرائیور کے ساتھ سلوک

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

عنوان	صفحہ

دنیا کی حقیقت

سچی طلب پیدا کریں

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

نیک بختی کی تین علامتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نیک بختی کی تین علامتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن نافع بن عبدالحارث رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ
عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من
سعادۃ المسلم المسکن الواسع والجار

الصالح والمركب الھنیئ

(مسند احمد بن حنبل: ج۳، ص ۴۰۷)

حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کی خوش نصیبی میں تین چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی یہ تین چیزیں مسلمان کی خوش نصیبی کا حصہ ہیں۔ پہلی چیز: کشادہ مکان، دوسری چیز: نیک پڑوسی، تیسری چیز: خوشگوار سواری۔ یہ تین چیزیں مسلمان کی خوش نصیبی کا حصہ ہیں، گویا کہ اگر کسی انسان کو یہ تین چیزیں میسر آ جائیں تو یہ دنیا کی نعمتوں میں بڑی عظیم نعمت ہیں۔

پہلی چیز: کشادہ گھر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے سلسلے میں جس چیز کی تعریف فرمائی، وہ اس کی کشادگی اور وسعت ہے، گھر کی خوبصورتی، اس کی زیب و زینت، اور اس کی ٹیپ ٹاپ ایک فضول چیز ہے۔ اصل چیز مکان کی وسعت ہے، جس کی وجہ سے انسان تنگی محسوس نہ کرے اور آرام اور سکون کے ساتھ اس میں زندگی گزار سکے۔

وضو کے بعد کی دعا

چنانچہ وضو کے بعد جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۳۶۲۳)

اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرے گھر میں وسعت عطا فرمائیے اور میرے رزق میں برکت عطاء فرمائیے۔ گویا کہ وضو کے بعد آپ تین چیزیں مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک گناہوں کی معافی ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو بس آخرت سنور گئی۔ لہٰذا پہلا سوال آخرت کی درستی کا فرمایا، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دو چیزیں مانگیں، ایک گھر کی کشادگی، دوسرے رزق میں برکت، اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشادہ گھر پسند تھا۔

انسان کا اپنا گھر ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دنیا کی بہت سی چیزوں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور لوگوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر پیسہ مل جائے تو فلاں چیز حاصل کرلیں، اور فلاں چیز حاصل کرلیں، لیکن دنیا کی ضروریات میں جس چیز کی خاص اہمیت ہے اور جس چیز کی انسان کو فکر کرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ انسان کا اپنا گھر ہو اور رہائش کے سلسلے میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو، اس کی کوشش انسان کو کرنی چاہئے، اور اس مد میں جو پیسہ لگا وہ ٹھکانے لگ گیا، اور باقی فضولیات میں انسان جو کچھ خرچ کرتا

ہے اس کا کچھ حاصل نہیں۔ بہرحال! گھر کی وسعت ایک نعمت اور سعادت ہے جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے وقت دعا فرمائی۔

ہر عضو دھونے کی علیحدہ دُعا

یہاں یہ بات عرض کردوں کہ وضو کے وقت عام طور پر کچھ دعائیں مشہور ہیں کہ فلاں عضو دھوتے وقت فلاں دعا مانگی جائے، یہ دعائیں بڑی اچھی ہیں۔ مثلاً جب کلی کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ ذِکْرِکَ۔

اے اللہ: اپنے ذکر کی تلاوت کرنے پر میری اعانت اور مدد فرما۔

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۰)

اور جب ناک میں پانی ڈالے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔

اے اللہ: مجھے جنت کی خوشبو سے محروم نہ فرمایئے۔

اور جب چہرہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ۔

اے اللہ: میرا چہرہ اس دن سفید کردیجئے جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے، اور بہت سے چہرے سیاہ

ہوں گے یعنی آخرت میں۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور جب دایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْراً۔

اے اللہ: مجھے میرا اعمال نامہ میرے داہنے ہاتھ میں عطا فرمایئے۔ کیونکہ جو نیک بندے ہیں، ان کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور میرا حساب آسان فرما دیجئے۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰھُمَّ لَاتُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ۔

اے اللہ: آخرت میں میرا اعمال نامہ مجھے بائیں ہاتھ میں نہ دیجئے اور نہ مجھے میری پشت کی طرف سے دیجئے۔ کیونکہ کافروں اور جہنمیوں کو ان کا اعمال نامہ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور سر کا مسح کرے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّاظِلُّ عَرْشِکَ۔

اے اللہ: مجھے اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرمایئے جس دن آپ کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

(کنز العمال، ایضاً)

جب کانوں کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کیجئے جو سنی ہوئی باتوں میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۱)

جب گردن کا مسح کرے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ

اے اللہ! آپ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیجئے۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۰)

اور جب دایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْاَقْدَامُ۔

اے اللہ: میرے قدم پل صراط پر ثابت رکھئے اس دن
جس دن بہت سے قدم ڈگمگا جائیں گے۔

(کنز العمال، ایضاً)

اور جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ سَعْیاً مَّشْكُوْراً وَّذَنْباً مَّغْفُوْراً
وَّتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۔

اے اللہ: میرے عمل کو قبول فرمالیجئے اور میری مغفرت
فرمایئے اور میری تجارت کو نفع بخش بنادیجئے۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۹۱)

یہ اچھی دعائیں ہیں

یہ دعائیں بزرگوں نے وضو کرتے وقت پڑھنے کے لئے بتائی ہیں اور بڑی اچھی دعائیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمالے تو بیڑہ پار ہو جائے۔ لیکن ان مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دعاؤں کو پڑھنا یا پڑھنے کے لئے کہنا ثابت نہیں، لہٰذا یہ دعائیں پڑھنا اس اعتبار سے سنت نہیں ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھی، چہرہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھی وغیرہ، اس لئے سنت سمجھ کر ان دعاؤں کو نہیں پڑھنا چاہئے، لیکن ویسے ہی پڑھنا بڑی اچھی بات ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مواقع پر ان دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے،

بڑی اچھی دعائیں ہیں، ان کو ضرور پڑھیں، لیکن سنت سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے۔

مسنون دعائیں

لیکن وہ مسنون دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے دوران پڑھی، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

اور دوسری دعا یہ پڑھا کرتے تھے:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اور جب وضو ختم فرماتے تو یہ دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ
الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔

اور دوسری دعا یہ پڑھا کرتے تھے:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔ اَسْتَغْفِرُکَ
وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

دونوں دعاؤں میں فرق کرنا چاہئے

یہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہیں۔ لہٰذا جو دعائیں آپ سے پڑھنا ثابت ہیں، ان کا تو خاص اہتمام کرے اور جو دعائیں ہر عضو دھوتے وقت بزرگوں سے پڑھنا منقول ہیں، وہ دعائیں بھی بہت اچھی ہیں، ان کو بھی یاد کرلینا چاہئے، ان کو بھی پڑھ لینا چاہئے۔ لیکن دونوں قسم کی دعاؤں میں فرق رکھنا چاہئے کہ جو دعائیں آپ سے براہ راست ان مواقع پر پڑھنا ثابت ہیں، ان کا اہتمام زیادہ ہونا چاہئے اور جو دعائیں آپ سے ثابت نہیں، ان کا اس درجہ اہتمام نہ ہونا چاہئے، بلکہ ان کو دوسرے درجہ پر رکھنا چاہئے۔

اصل چیز ''برکت'' ہے

بہرحال! وضو کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگی، اس میں گھر کی وسعت کی دعا مانگی اور رزق میں برکت کی دعا مانگی۔ ذرا اس میں غور کریں کہ آپ ﷺ نے رزق کی کثرت کی دعا نہیں فرمائی کہ یا اللہ! مجھے رزق بہت زیادہ دیجئے، بلکہ یہ فرمایا کہ یا اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔ یعنی گنتی کے اعتبار سے چاہے رزق میں کثرت نہ ہو، پیسے بہت زیادہ نہ ہوں، مال و دولت بہت زیادہ نہ ہو، لیکن اس رزق میں برکت ہو۔ آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے، ہر چیز میں گنتی کی فکر ہے کہ گنتی میں میرا مال بڑھ جائے،

میرا بینک بیلنس بڑھ جائے، اور اس فکر کے نتیجے میں ہر وقت انسان اپنے پیسے گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے پیسے ہو گئے۔ اسی کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝

یعنی یہ وہ شخص ہے جو مال جمع کرتا ہے اور ہر وقت گنتا رہتا ہے کہ کتنے ہوئے، اور خوش ہو رہا ہے کہ ہزار کے لاکھ ہو گئے اور لاکھ کے کروڑ ہو گئے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی گنتی کے ذریعہ راحت حاصل نہیں ہو سکتی۔

پیسہ بذات خود راحت کی چیز نہیں

''پیسہ'' بذاتِ خود راحت کی چیز نہیں، بذات خود انسان کو آرام نہیں پہنچا سکتا، اگر انسان کے پاس پیسہ ہو، لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہ ہو، تو وہ پیسہ راحت کا سبب بننے کے بجائے الٹا عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

عبرت ناک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کے پاس سونے چاندی کے بڑے خزانے تھے، اور وہ ہر ہفتے ان خزانوں کا معائنہ کرنے جایا کرتا تھا، اس کا

ایک چوکیدار بھی رکھا ہوا تھا، اور اس خزانے کے تالے ایسے تھے کہ کوئی آدمی اندر سے وہ تالے نہیں کھول سکتا تھا، ایک دن وہ ان خزانوں کی گنتی کرنے کے لئے اور ان کا معائنہ کرنے کے لئے اندر گیا تو وہ دروازہ بند ہوگیا۔ اب وہ اندر سے اس دروازے کو کھولنے کی ہزار کوشش کرتا، مگر نہیں کھلتا، اب وہ سارے خزانوں کے درمیان بیٹھا ہے، وہاں سونا ہے، چاندی ہے، روپیہ پیسہ ہے، زمین سے لے کر چھت تک سونا بھرا ہوا ہے، لیکن وہ نہ تو اس کی بھوک مٹا سکتا ہے، نہ اس کی پیاس بجھا سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کو باہر نکلنے کے لئے راستہ بھی فراہم نہیں کرسکتا، وہ سارا خزانہ ویسے ہی دھرا رہ گیا، اور اسی خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

روپے سے راحت نہیں خریدی جاسکتی

بہر حال! یہ روپیہ پیسہ نہ بھوک مٹا سکتا ہے، نہ پیاس بجھا سکتا ہے، اور نہ راحت پہنچا سکتا ہے، یہ راحت پہنچانا تو کسی اور ہی کی عطا ہے، وہ اگر راحت پہنچانا چاہے تو دس روپے میں پہنچادے، اور اگر نہ پہنچانا چاہے تو دس کروڑ میں نہ پہنچائے۔ کتنے بڑے بڑے امیر و کبیر ہیں، دولت مند ہیں، سرمایہ دار ہیں، خزانہ رکھنے والے ہیں، لیکن رات کو جب سونے کے لئے بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی، کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، باوجودیکہ خزانے موجود ہیں، بینک بیلنس موجود ہے، کوٹھیاں کھڑی ہیں، کارخانے چل رہے ہیں، لیکن رات کو نیند نہیں آتی، رات کی نیند کی لذت سے محروم ہیں۔ اور کتنے مزدور ایسے ہیں جنہوں

نے صبح سے لے کر شام تک بمشکل پچاس ساٹھ روپے کمائے، اور پھر شام کو خوب بھوک کی حالت میں ڈٹ کر روٹی کھائی، اور رات کو جو سوئے تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر صبح تازہ دم ہو کر بیدار ہوئے۔ اب بتایئے کہ وہ لاکھ روپے زیادہ فائدہ مند ہیں یا پچاس روپے زیادہ فائدہ مند ہیں، اس پچاس روپے نے اس کو فائدہ اور آرام اور راحت تو پہنچایا، اور وہ لاکھ روپے کمانے کے بعد بستر پر کروٹیں بدل رہا ہے۔

خراب پیسہ کام نہیں آتا

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگنے کی ہے، وہ پیسے کی زیادتی نہیں ہے، بلکہ پیسے کی برکت مانگنے کی چیز ہے۔ آج یہ تصور ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا ہے، آج تو یہ فکر ہے کہ کسی طرح پیسے بڑھ جائیں، اِدھر سے اُدھر سے، حلال و حرام سے، جائز و ناجائز طریقے سے، سچ بول کر یا جھوٹ بول کر، کسی طرح پیسے زیادہ ہو جائیں۔ مثلاً کسی سے ہزار روپے رشوت کے لے لئے، اور بہت خوش ہیں کہ آج ہزار روپے کما کر گھر لے جا رہا ہوں، لیکن جب گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ فلاں بچہ بیمار ہے، اس کو لے کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے، ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھ دیے، اس کے ٹیسٹ کرانے میں ہی ہزار روپے خرچ ہو گئے، اب دیکھئے کہ اس کو ہزار روپے تو ملے، لیکن ان کا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ ایک شخص حلال کمانے والا شام کو سو روپے کما کر گھر لایا، اس کا ایک ایک روپیہ اس کی جان کو لگا، اور اس کا ایک ایک روپیہ اس کو راحت پہنچانے کا سبب بنا، اور اللہ

تعالیٰ نے اس کو بے شمار مصیبتوں سے بچالیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگنے کی ہے، وہ رزق میں برکت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

مالدار طبقہ زیادہ پریشان ہے

جب اللہ تعالیٰ یہ برکت عطا فرماتے ہیں تو روکھی سوکھی روٹی میں بھی عطا فرمادیتے ہیں، اسی میں زندگی کا عیش عطا فرمادیتے ہیں، اور اگر برکت نہیں ملتی تو پھر کروڑوں میں نہیں ملتی۔ لوگ میرے پاس آکر اپنے حالات بتاتے ہیں، اور مشورہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری حالت دیکھ کر لوگ ان پر رشک کرتے ہیں کہ ان کے پاس کتنی بڑی دولت ہے، کیسے ان کی کوٹھی بنگلے ہیں، کتنے ان کے نوکر چاکر ہیں، کیسی ان کی گاڑیاں اور کاریں ہیں۔ لیکن جب وہ اندر کی زندگی کا حال آکر بیان کرتے ہیں، اور اپنی بے چینی اور بے تابی کا اظہار کرتے ہیں، تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ ظاہر میں جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ ان مصیبتوں کے سامنے ہیچ ہیں جن کا یہ لوگ شکار ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی تصور نہیں کرسکتا کہ اتنا مال و دولت رکھنے والا آدمی پریشان ہوگا اور اتنی مصیبت میں ہوگا، لیکن ایسے لوگ موجود ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو تھوڑا کماتے ہیں، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے راحت عطا فرمارکھی ہے۔

برکت نہیں تو مال بیکار ہے

بہرحال! اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں میں یہ نکتہ بٹھا دے کہ گنتی کوئی چیز نہیں، اصل چیز برکت ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ یا اللہ! میرے رزق میں اضافہ کر دیجئے، بلکہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے۔ یہ برکت ان کی عطا ہے، وہیں سے یہ برکت حاصل ہوتی ہے، اگر تم دنیا کا مال و دولت خوب کما لو، لیکن اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہیں ہے تو وہ سب بیکار ہے، اور اگر ان کی طرف سے برکت حاصل ہے تو پھر تھوڑی چیز میں بھی راحت حاصل ہو جاتی ہے۔

گھر کی کشادگی مانگنے کی چیز ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں، اگر انسان اپنی ساری حاجتوں کا تصور بھی کرے کہ مجھے اس دنیا میں کیا کیا چیزیں درکار ہے اور تصور کر کے مانگنا چاہے تب بھی وہ چیز نہیں مانگ سکتا جس کا مانگنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے۔ بہرحال! دنیا کی چیزوں میں گھر کی کشادگی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے اور حاصل کرنے کی چیز ہے اور انسان کی سعادت کا حصہ ہے۔

''نیک پڑوسی'' عظیم نعمت

دوسری چیز جو مسلمان کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ہے، وہ ''نیک پڑوسی'' ہے۔ اگر کسی کو نیک پڑوسی مل جائے تو یہ عظیم نعمت ہے، آج کے دور میں لوگوں نے اس نعمت کو بھلا دیا ہے، آج کے کوٹھی بنگلوں میں پڑوس کا تصور ہی نہیں رہا، سالہا سال سے ایک جگہ پر رہتے ہیں، مگر یہ پتہ نہیں ہے کہ دائیں طرف کون رہتا ہے اور بائیں طرف کس کا مکان ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پڑوس کے اتنے حقوق ہیں اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام مجھے اس کی اتنی تاکید فرماتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوس کو انسان کی میراث میں وارث ہی بنا دیا جائے گا، پڑوس کی اتنی اہمیت ہے۔ لہٰذا جب مکان تلاش کرو تو جہاں اس میں اور چیزیں دیکھو، وہاں یہ بھی دیکھ لو کہ اس کا پڑوس کیسا ہے؟ آیا شریف اور نیک لوگوں کا پڑوس ہے تو سمجھو کہ یہ نعمت ہے، اس لئے کہ انسان کا صبح شام پڑوس سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کی صحبت انسان کو اٹھانی پڑتی ہے، اب جیسا پڑوس ہوگا، ویسی صحبت ہوگی، اور صحبت کا انسان کی زندگی پر انتہائی اثر پڑتا ہے، اچھی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بری صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے، اس لئے فرمایا کہ نیک پڑوسی بڑی عظیم نعمت ہے۔

حضرت ابوحمزہؒ کا واقعہ

محدثین میں ایک بزرگ ہیں جن کی کنیت ''ابوحمزہ'' ہے، ان کو ''سُکّری'' یا ''سُکَّرِی'' بھی کہا جاتا ہے، عربی میں ''سُکر'' نشے کو کہتے ہیں اور ''سُکَّر'' چینی کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام ''ابوحمزہ سُکری'' اس لئے پڑ گیا تھا کہ ان کی باتوں میں اتنا نشہ تھا کہ جب یہ لوگوں سے باتیں کرتے تھے تو ان کی باتیں اتنی لذیذ ہوتی تھیں کہ سننے والوں کو لذت کا نشہ آ جاتا تھا۔ اور ''سُکَّری'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی باتیں چینی کی طرح میٹھی ہوتی تھیں، ان کی باتوں میں حلاوت اور مٹھاس تھی۔

ایک مرتبہ ان کو پیسوں کی ضرورت پیش آئی، ان کے پاس ایک بڑا مکان تھا، مکان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی جس کو بیچ کر پیسے حاصل کریں، انہوں نے ارادہ کیا کہ اس بڑے مکان کو بیچ کر کسی اور جگہ پر چھوٹا مکان خرید لوں اور جو پیسے بچیں اس سے اپنی ضرورت پوری کرلوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک خریدار سے مکان کا سودا کرلیا اور ایک دو دن کے اندر مکان خالی کر کے اس کے حوالے کرنے کا وعدہ کرلیا۔

پڑوسیوں کو جب معلوم ہوا کہ ''ابوحمزہ سُکری'' مکان بیچ کر کہیں اور جا رہے ہیں تو سارے پڑوسی مل کر ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارا محلّہ چھوڑ کر جا رہے ہیں، ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمارا محلّہ نہ چھوڑیں، اور جتنے پیسے خریدار اس مکان کے بدلے آپ کو

دے رہا ہے، ہم سب مل کر اتنے پیسے آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں، لیکن آپ کا یہاں سے ہمارا پڑوس چھوڑ کر جانا قابل برداشت نہیں، اس لئے کہ آپ کے پڑوس کی بدولت ہمیں بہت سی نعمتیں میسّر ہیں، ہمیں ایسا پڑوس ملنا مشکل ہے۔ بہرحال! اگر نیک اور خوش اخلاق اور اللہ والا پڑوس مل جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو انسان کی خوش نصیبی کی علامت قرار دیا۔

خوش گوار سواری، عظیم نعمت

تیسری چیز جو ایک مسلمان کی سعادت اور خوش نصیبی کی علامت ہے، وہ ہے "خوش گوار سواری" یعنی اگر انسان کو اچھی سواری مل جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور انسان کی خوش نصیبی ہے اور خوش گوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس میں انسان آرام سے سفر کر سکے۔

تین چیزوں میں نحوست

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بالکل برعکس بات ارشاد فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں نحوست تین چیزوں میں ہے، یعنی اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی، ایک گھر، دوسری سواری، تیسری عورت۔ ویسے تو بدشگونی لینے کو اور کسی چیز کو منحوس قرار دینے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً یہ سوچنا کہ فلاں

چیز کی وجہ سے مجھ پر آفتیں آ رہی ہیں، یا فلاں چیز کی وجہ سے مصیبتیں اور بیماریاں آ رہی ہیں، یہ بدشگونی لینا کہ میری بیوی میں بدشگونی ہے، یا میرے گھر میں بدشگونی ہے، یا میری سواری میں بدشگونی ہے، حدیث شریف کی رو سے یہ سب ممنوع ہے۔

مکان میں نحوست کا مطلب

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی، کیونکہ نحوست کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ہر وقت مشکلات کا شکار رہے۔ بالفرض اگر کسی انسان کو خراب گھر مل گیا، اب چونکہ گھر ایسی چیز نہیں ہے جس کو انسان صبح شام بدلتا رہے، بلکہ ایک عرصہ تک اس کے اندر انسان کو رہنا پڑتا ہے، لہٰذا جب تک وہ گھر موجود ہے، اس وقت تک اس کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، اور جتنے دن وہ اس میں رہے گا، وہ جان کو آ جائے گا، اس اعتبار سے مکان کے اندر نحوست ہے۔

سواری میں نحوست

دوسری چیز ''سواری'' ہے، اگر انسان کو سواری خراب مل گئی، تو سواری ایسی چیز نہیں ہے کہ انسان روز روز اس کو بدلتا رہے، اگر غلط سواری مل گئی تو وہ روز جان کھائے گی، مثلاً آج کل لوگوں کے پاس گاڑیاں ہیں، اگر کسی انسان کو

خراب گاڑی مل گئی تو اس کے لئے مصیبت بن جائے گی، کبھی راستے میں رک جائے گی، کبھی اس کو دھکے مار کر اسٹارٹ کرنا پڑے گا۔ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے تھے، ان کے پاس ایک گاڑی تھی، ان کے بارے میں سارے محلے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر ان کو شام کے پانچ بجے کہیں جانا ہوتا تو صبح نو بجے سے وہ گاڑی کو ٹھیک کرنے میں لگ جاتے، کبھی اس کے اوپر لیٹے ہیں اور کبھی نیچے لیٹے ہیں، کبھی دائیں طرف لیٹے ہیں اور کبھی بائیں طرف لیٹے ہیں، اور سارا دن اس کی مرمت میں لگے رہتے تھے۔ لہٰذا اگر انسان کو گاڑی خراب مل جائے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے کہ اگر انسان اس پر سواری کرنے کے بجائے پیدل چلا جائے تو اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سواری میں نحوست ہے، یعنی اس کی تکلیف مستقل ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس کو بدل ڈالو اور اچھی سواری خرید لو۔

اچھی بیوی دنیا کی جنت

تیسری چیز ''بیوی'' ہے۔ اگر شوہر کو بیوی خراب مل جائے یا بیوی کو شوہر خراب مل جائے تو پھر زندگی بھر کا عذاب ہے، اگر شوہر کو اچھی بیوی مل جائے اور بیوی کو اچھا شوہر مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور دنیا کی جنت ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بڑا خوبصورت جملہ ارشاد فرماتے تھے کہ:

''دنیا کی جنت یہ ہے کہ میاں بیوی ایک ہوں اور نیک

ہوں"۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبیعتیں ملی ہوئی ہوں اور دونوں نیک ہوں تو یہ دنیا کی جنت ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہو تو زندگی بھر کا عذاب ہے، روزانہ صبح سے شام تک جھک جھک ہوتی ہے، کوئی راحت نہیں، بلکہ ہر وقت کی ایک مصیبت ہے۔ بہر حال! حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہے، لہٰذا ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! ان کے شر سے محفوظ رکھئے، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ یا اللہ! گھر دیجئے تو راحت کا گھر عطا فرمایئے، سواری دیجئے تو راحت کی سواری عطا فرمایئے، اور زندگی کا ساتھی دیجئے تو راحت کا ساتھی عطا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ تمام سعادتیں عطا فرمائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

بُرے پڑوسی سے پناہ مانگنا

اگلی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بُرے پڑوسی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كان من دعاء النبي صلى الله عليه وسلم:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ دَارِ الْمَقَامِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ ۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگا کرتے تھے، ان میں ایک دعا

یہ بھی تھی کہ اے اللہ! میں آپ کی بُرے پڑوسی سے پناہ مانگتا ہوں، لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ ایسی جگہ جہاں پر مجھے کافی عرصہ رہنا ہو، وہاں مجھے بُرا پڑوسی نہ ملے، اس لئے کہ ایسا پڑوسی جو راستے میں سفر کے دوران ساتھ ہوگیا، وہ تو تھوڑی دیر کا پڑوسی ہے، وہ تو مجھ سے جدا ہو جائے گا، لیکن میں ایسے پڑوسی سے پناہ مانگتا ہوں جس کے ساتھ مستقل رہنا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بُرا پڑوسی بھی پناہ مانگنے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بُرے پڑوسی سے پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ خاتون جہنمی ہے

ایک اور حدیث جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

قال رجل یا رسول اللہ! إن فلانۃ تقوم اللیل و تصوم النہار و تفعل وتصدّق و تؤذی جیر انہا بلسانہا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا خیر فیہا ھی من أھل النار۔ قالوا: وفلانۃ تصلی المکتوبۃ وتصدق بالاتوار ولا تؤذی أحداً، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ھی من أھل الجنۃ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو عورتیں ہیں، ان میں سے ایک عورت ایسی ہے جو رات بھر تہجد پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے اور بہت سے نیک عمل کرتی ہے۔ ''تفعل'' میں معلوم نہیں کتنے نیک اعمال کا ذکر ہوگا، مثلاً تلاوت کرتی ہے، تسبیح پڑھتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے، اور صدقہ بھی کرتی ہے، یعنی اللہ کے راستے میں پیسے بھی خرچ کرتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ یہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد آپ سے پوچھا کہ اس عورت کا کیا حکم ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت میں کوئی بھلائی نہیں، یہ عورت جہنمی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ عورت رات کو تہجد پڑھ رہی ہے اور دن میں روزہ رکھ رہی ہے، اس کے علاوہ ''تلاوت، ذکر، صدقہ خیرات'' سب کچھ کر رہی ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عورت جہنمی ہے، کیونکہ یہ عورت اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچا رہی ہے۔

یہ خاتون جنتی ہے

پھر ایک دوسری عورت کے بارے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک اور عورت ہے جو صرف فرض نماز پڑھتی ہے، نفلی نماز وغیرہ نہیں پڑھتی، یعنی تہجد وغیرہ کی پابند نہیں ہے، صرف فرائض وسنن پر اکتفا کر لیتی ہے،

اور اگر صدقہ بھی کرتی ہے تو بس پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کر دیتی ہے، یعنی کوئی قیمتی چیز بھی صدقہ نہیں کرتی، لیکن یہ خاتون کسی کو تکلیف بھی نہیں پہنچاتی۔ یہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس عورت کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ خاتون جنتی ہے، یعنی جنت والوں میں سے ہے۔

جہنمی ہونے کی وجہ

اب آپ ذرا ان دونوں عورتوں میں مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ایک عورت تو عبادت میں لگی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں لگی ہوئی ہے، تہجد پڑھتی ہے، اشراق پڑھتی ہے، چاشت پڑھتی ہے، اور صدقہ خیرات بہت کرتی ہے، لیکن اس کی زبان میں ڈنگ ہے، جب کسی سے بات کرتی ہے تو اس کو ڈنگ مارتی ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اہل جہنم میں سے قرار دیا، کیوں؟ اس لئے کہ تہجد، اشراق، چاشت، تسبیحات وغیرہ یہ سب نفلی عبادتیں ہیں، اگر کوئی کرے تو اس پر ثواب ہے اور اگر کوئی نہ کرے تو اس پر اس کو کوئی گناہ نہیں، لیکن دوسرے کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچانا حرام قطعی ہے، اور دوسرے کو اپنی زبان کی تکلیف سے بچانا فرض عین ہے، اور زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالنا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے یا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے دوسرے کی دل شکنی ہو جائے، یہ بڑا خطرناک عمل ہے۔

یہ زبان جہنم میں ڈالنے والی ہے

ایک اور حدیث ہے جو بڑے ڈرنے کی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی چیز انسان کی زبان ہے۔ انسان کی زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے غلط استعمال کرنے کے نتیجے میں انسان کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دوسری عورت کے بارے میں لوگوں نے بتایا کہ وہ نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی، لیکن وقت پر اپنے فرائض بجالاتی ہے، اور تھوڑا بہت نفلی صدقہ بھی کر دیتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ایسی عورت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

نفلی عبادات گناہوں کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں

اس کے ذریعہ یہ بتلانا منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ نفلی عبادتوں کو بڑا پسند فرماتے ہیں اور نفلی عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے، لیکن نفلی عبادتوں پر بھروسہ کر کے صریح گناہ کا ارتکاب کرنا، یا یہ سمجھنا کہ میں تو بہت زیادہ نفلی عبادتیں کرتا ہوں یا کرتی ہوں، لہٰذا میں تو بڑا عابد زاہد ہوں، اور پھر اس کے نتیجے میں مخلوق کو حقیر سمجھنا اور ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرنا، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے ان کی دل شکنی ہو، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے،

اور اس صورت میں اس کی نفلی عبادتیں اس کو ان گناہوں کے عذاب سے نہیں بچاسکتیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اس لئے کہ اس نے بندوں کے حق کو پامال کیا اور بندوں کی دل شکنی کی۔

زبان کی حفاظت کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ "توذی بلسانها" یعنی وہ عورت زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ جب بھی وہ کسی سے بات کریں گے تو ٹیڑھی بات کریں گے، یا کوئی اعتراض کر دیں گے، یا کوئی شکایت کر دیں گے، کوئی ایسا انداز اختیار کریں گے جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے گا، العیاذ باللہ۔ یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی عادت ہو، وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور اپنی عاقبت اور آخرت کی فکر کرتے ہوئے اپنی زبان کی حفاظت کریں، اس لئے کہ یہ عمل انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

مفتی اعظمؒ کا بیواؤں کی خدمت کرنا

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک استاذ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، جو دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ ان کے علم اور فقہ کا سارے ملک میں ڈنکا بجا ہوا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب وہ صبح

دارالعلوم دیوبند میں سبق پڑھانے کے لئے جاتے، تو مدرسہ کے آس پاس محلّے میں جو بیوہ عورتیں رہتی تھیں، پہلے ان کے پاس جاتے اور ان سے کہتے کہ بی بی! اگر بازار سے تمہیں کوئی سودا منگوانا ہے تو بتادو، میں لادیتا ہوں۔ اب ایک خاتون نے کہا کہ میرے لئے آلو لے آئیں، دوسری نے کہا کہ میرے لئے دال لے آئیں، کسی نے کہا کہ میرے لئے دھنیہ پودینہ لے آئیں۔ پھر بازار جاتے، وہاں سے سودا خریدتے، اور ان کی پوٹلیاں بنا کر گھر گھر تقسیم کرتے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ کوئی خاتون کہتی کہ مولوی صاحب میں نے تو ٹماٹر منگوائے تھے، آپ آلو لے آئے۔ کوئی خاتون کہتی کہ میں نے اتنا منگوایا تھا، آپ اتنا لے آئے۔ وہ جواب میں فرماتے کہ اچھا بی بی کوئی بات نہیں، میں دوبارہ بازار جاکر بدل کر لے آتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جاکر وہ چیز بدلواتے اور دوبارہ پہنچاتے۔ یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم بن کر بیٹھنے سے پہلے اپنے محلّے کی بیواؤں کے یہ کام کرتے تھے۔

کسی کو منہ پر نہیں جھٹلانا چاہئے

آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ کوئی شخص آپ کے سامنے چاہے کتنی ہی غلط بات کہہ رہا ہو، لیکن آپ سے اس کے منہ پر یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تم غلط بات کہہ رہے ہو، تاکہ کہیں اس کی دل شکنی نہ ہو جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ غلط بات کو صحیح تو نہیں کہہ سکتے، لہٰذا آپ اس شخص کی بات کی کوئی تاویل کرکے اس سے فرماتے کہ اچھا شاید آپ کی بات کا یہ مطلب ہے۔ خود ہی اس کی کوئی

تاویل کرکے اس کی بات کو صحیح کر دیتے تھے، لیکن کسی کے منہ پر اس کو جھٹلانے سے ہمیشہ پرہیز کیا کرتے تھے۔ یہ کون تھے؟ یہ ہندوستان کے "مفتی اعظم" تھے، جن کے فتویٰ پر ہندوستان کے تمام علماء سرِ تسلیم خم کیا کرتے تھے۔ آج ان کے فتاویٰ دس ضخیم جلدوں میں شائع ہونے کے باوجود بھی مکمل نہیں ہوئے، جنہوں نے اپنے فتووں سے ساری دنیا کو سیراب کیا۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی دیکھ کر پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنا بڑا عالم ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی دوسرا بات کر رہا ہو، اگرچہ وہ بات غلط ہو، اس کی بات کو رد کرنے کے بجائے ایسا عنوان اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کی دل شکنی نہ ہو۔

حقیقی مسلمان کون؟

یہ بڑے کاٹنے کی بات ہے کہ آدمی ہر وقت اس کی فکر کرے کہ میری زبان سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ ہے مسلمان کی تعریف۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے کہ:

تمام عمر اسی احتمام میں گزری
کہ آشیاں کس شاخ چمن پہ بار نہ ہو

یعنی میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہی سارے آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔

پڑوسن کی بکری کا روٹی کھا جانا

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کے پاس جانے کے لئے باریاں مقرر فرمائی ہوئی تھیں، ایک دن ایک کے پاس اور دوسرے دن دوسری کے پاس۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس روز میری باری تھی۔ ویسے تو ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کی خوب خدمت کرے، اس کو اچھے سے اچھا کھانا کھلائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی محبت کرتی تھیں، ایسی محبت تو دنیا میں کوئی بیوی کر ہی نہیں سکتی۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ خواہش ہوئی کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لا رہے ہیں تو آپ ﷺ کے لئے اچھا کھانا بنالوں لیکن اچھا کھانا کس طرح بنائیں، اس لئے کہ جو کچھ آتا تھا وہ تو اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں کچھ جو پڑے تھے، میں نے ان کو چکی میں پیس کر ان کا آٹا بنایا اور پھر اس کی ایک روٹی بنائی، خیال یہ تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ان کی خدمت میں پیش کروں گی، جب حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو چونکہ سردی کا موسم تھا اور آپ ﷺ کو سردی لگ رہی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گرم بستر کا انتظام کر دیا، آپ ﷺ لیٹ گئے اور آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس انتظار میں تھی کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوں تو جو روٹی میں نے آپ کے لئے پکائی ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

اتنے میں پڑوس کے گھر کی بکری ہمارے گھر میں آئی اور وہ روٹی جو میں نے اتنی محنت اور چاہت سے پکائی تھی، وہ بکری اٹھا کر لے گئی، میں اس بکری کو اپنی آنکھوں سے روٹی لے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، اس لئے میں نے اس بکری کو نہیں روکا، تاکہ کہیں شور کی وجہ سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے، یہاں تک کہ وہ بکری روٹی اٹھا کر گھر سے باہر چلی گئی۔ اس کے روٹی لے جانے سے مجھے بہت سخت صدمہ ہوا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، جیسے ہی آپ بیدار ہوئے تو میں دروازے کی طرف بھاگی کہ شاید وہ بکری کہیں نظر آ جائے۔

روٹی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف مت دینا

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھبراہٹ کی حالت میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے

سارا قصہ سنا دیا کہ میں نے اتنی محنت سے روٹی آپ کے لئے پکائی تھی، مگر بکری وہ روٹی لے کر بھاگ گئی، اس لئے مجھے بڑا صدمہ ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روٹی کا جو کچھ بچا ہوا حصہ تمہیں مل جائے وہ لے آؤ، اور اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو کوئی تکلیف مت دینا اور اس کو بُرا بھلا مت کہنا کہ تمہاری بکری میری روٹی کھا گئی اور میرا نقصان کر گئی۔ اب دیکھئے کہ اس موقع پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ اپنے پڑوسی کو برا بھلا مت کہنا، اس لئے کہ اس میں اس پڑوسی کا قصور نہیں ہے، اور اگر اس کا قصور بھی ہو تب بھی اگر تمہاری ایک روٹی چلی گئی تو کیا ہوا، اس کے ساتھ تو تمہیں عمر بھر نباہ کرنا ہے، اگر تم اس کے ساتھ لڑائی مول لوگی تو اس سے ہمیشہ کے لئے تعلقات خراب ہوں گے، اور یہ تعلقات اس روٹی کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہیں۔

ہم اس روٹی کی قدر کیا جانیں

آج ہم لوگ اس زمانے کا ذرا تصور کریں تو ہم لوگ اس روٹی کی قدر و قیمت نہیں پہچان سکتے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکائی تھی۔ اس لئے کہ آج تو اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراوانی کر دی ہے، روٹی کی کوئی قدر و قیمت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، اگر آج ایک روٹی چلی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اس وقت تو یہ عالم تھا کہ ذرا سا جو پڑا ہوا تھا، اس کو پیس کر بمشکل ایک روٹی تیار کی، وہ روٹی بھی بکری اٹھا کر لے گئی۔ لیکن اس کے باوجود

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو تکلیف مت دینا۔

ایسا پڑوسی جنت میں نہیں جائیگا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لایدخل الجنّة من لایأ من جاره بوائقه۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۶۹۰۸)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی تکلیف دہی سے محفوظ نہ ہو۔ گویا کہ جنت میں داخل ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ اپنی ذات سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَظِّفوا افنیتکم۔

(ترمذی شریف، کتاب الادب، باب ماجاء فی النظافة)

اپنے گھر کے سامنے والی جگہ کو صاف کیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ گھر کے سامنے اور آس پاس کوڑے کرکٹ کے انبار لگا دو، جس کے نتیجے میں پڑوسیوں کو بھی اس سے تکلیف پہنچے اور آنے جانے والوں کو بھی تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنے گھر کے اندر جھاڑو دیکر سارا کوڑا دوسرے کے گھر کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں، یہ "بوائق الجار" ہے، جس کے نتیجے میں وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اگر سب لوگ اس حدیث پر عمل کرلیں اور ہر شخص اپنے گھر کے آس پاس کا علاقہ صاف

ستھرا رکھنے کی کوشش کرے تو پھر شہر میں "بلدیہ" کی ضرورت نہ رہے۔

ایک نومسلم انگریز کا واقعہ

چونکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس لئے صفائی ستھرائی بھی دین کا حصہ ہے۔ آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صفائی ستھرائی دنیاداری کا کام ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جامع مسجد دہلی کے پاس ایک انگریز رہتا تھا، وہ مسلمان ہوگیا، اب وہ مسجد میں نماز کے لئے آنے لگا، جب اس کو وضو کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ وضو خانے میں وضو کرتا۔ اس نے دیکھا کہ یہ وضوخانہ بہت گندا ہو رہا ہے، اس کی نالیاں بہت خراب ہو رہی ہیں، کہیں کائی جم رہی ہے، کہیں ناک کی ریزش پڑی ہوئی ہے، کہیں کچھ پڑا ہے، کہیں کچھ، کچھ دن تک تو دیکھتا رہا، ایک دن اس نے سوچا کہ جب کوئی اور آدمی اس کی صفائی نہیں کر رہا ہے تو چلو میں ہی اس کی صفائی کر دوں۔ چنانچہ اس نے جھاڑو لے کر وضوخانے کی نالیوں کو صاف کرنا شروع کر دیا، کسی شخص نے دیکھا کہ یہ انگریز نالیاں صاف کر رہا ہے تو اس نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ یہ انگریز مسلمان تو ہوگیا ہے لیکن انگریزیت کی خوبو اس کے دماغ سے اب تک نہیں گئی۔

مطلب یہ تھا کہ یہ صفائی ستھرائی انگریزیت کی خوبو ہے، اس صفائی کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ اپنے گھر کے آس پاس کی جگہوں کو بھی صاف کرو، یہ بھی پڑوسیوں

کے حقوق میں داخل ہے۔

پڑوس کے ہدیہ کی قدر کرنی چاہئے

ایک روایت میں حضرت عمرو بن معاذ اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یانساء المؤمنات: لاتحقرنّ احداکن لجارتھا ولو کراع شاۃ محرقاً۔

(کنز العمال، حدیث نمبر ۲۴۹۳۷)

یہ روایت کرنے والی صحابیہؓ ہیں، ان کے ذریعہ آپ نے امت کی تمام عورتوں کو یہ پیغام دیا کہ اے مسلمان عورتوں! تم میں سے کوئی عورت اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے، اور اگر کوئی پڑوسن تمہیں ہدیہ بھیج رہی ہے تو اس کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ ہدیہ ایک بکری کا جلا ہوا پایہ ہی کیوں نہ ہو، اور یہ نہ کہو کہ اس پڑوسن نے کیسی معمولی چیز بھیج دی۔ ارے تم اس کو مت دیکھو کہ اس نے کیا چیز بھیجی، وہ چھوٹی ہے یا بڑی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اس نے کس محبت اور خلوص کے ساتھ وہ ہدیہ بھیجا ہے، لہٰذا اس ہدیہ کی قدر کرو اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کا غلام ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام سے فرمایا کہ اے لڑکے! جب تم کھال اتار چکو تو سب سے پہلے اس کا گوشت ہمارے یہودی پڑوسی کو بھیجنا۔ ایک صاحب جو قریب میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے تعجب سے کہا: "الیھودی! أصلحک اللّٰہ" کیا یہودی کو گوشت بھیجنا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔ مطلب یہ تھا کہ یہودی جو خدا کا دشمن ہے، آپ اس کو ہدیہ بھیج رہے ہیں، آپ کا یہ عمل قابل اصلاح ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

يوصي بالجار حتى خشينا أنه سيورثه۔

(مصنف ابن أبي شیبہ۔ کتاب الادب، باب ماجاء في حق الجوار)

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسی کے بارے میں وصیت فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ آپ اس کو ہمارا وارث بنا دیں گے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک

اس حدیث کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بتلا دیا کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی جو تعلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اس کا تعلق ایمان اور کفر سے نہیں ہے، لہٰذا اگر پڑوسی کافر بھی ہے تب بھی بحیثیت پڑوسی کے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، اس کے کفر سے نفرت کرو، اس کے فسق و فجور سے نفرت کرو، لیکن اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس لئے کہ یہی حسن سلوک بالآخر دعوت کا ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ جب تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرو گے تو اس کی برکت سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دیں۔ قرون اولیٰ میں جو اسلام پھیلا، وہ درحقیقت اسی خوش اخلاقی سے پھیلا، اسی حسن سلوک سے پھیلا، لہٰذا اگر کوئی کافر ہے تو اس کے کفر سے اور اس کی بداعمالیوں سے نفرت کرو اور اس کے قریب مت پھٹکو، لیکن جہاں تک اس کے اداء حقوق کا تعلق ہے، وہ تمہارے ذمے ضروری ہیں، اگر وہ پڑوسی ہے تو پڑوس ہونے کا حق ادا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

❁

جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

جمعۃ الوداع کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

مبارک مہینہ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اللہ جل شانہ کا بڑا انعام وکرم ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو ایک رمضان کا مہینہ اور عطا فرمایا، یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں بندوں پر جھوم جھوم کر برستی ہیں، جس میں اللہ جل شانہ کی رحمت بندوں کی مغفرت کے لئے بہانے ڈھونڈتی ہے، چھوٹے چھوٹے عمل پر اللہ جل شانہ کی طرف سے رحمتوں اور مغفرتوں کے وعدے ہیں۔ یہ مبارک مہینہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا، اور آج اس مبارک مہینے کا آخری جمعہ ہے، اور اس مبارک مہینے کے ختم ہونے میں چند دن باقی ہیں۔

آخری جمعہ اور خاص تصورات

اس آخری جمعہ کے بارے میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں کچھ خاص تصورات ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں

یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آخری جمعہ جس کو "جمعۃ الوداع" بھی کہتے ہیں، یہ کوئی مستقل تہوار ہے اور اس کے کچھ خاص احکام ہیں، اس کی کوئی خاص عبادتیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی ہیں۔ اور لوگوں نے اس دن عبادت کرنے کے مختلف طریقے گھڑ رکھے ہیں، مثلاً جمعۃ الوداع کے دن اتنی رکعتیں نوافل پڑھنی چاہئے اور ان رکعتوں میں فلاں فلاں سورتیں پڑھنی چاہئے۔

جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں

خوب سمجھ لیجئے کہ اس قسم کی کوئی ہدایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی، جمعۃ الوداع بحیثیت جمعۃ الوداع کوئی تہوار نہیں، نہ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی احکام الگ سے عطا فرمائے، نہ اس دن میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ بتلایا، نہ اس دن میں کسی خاص عمل کی تلقین فرمائی جو عام دنوں میں نہ کیا جاتا ہو۔ بلکہ یہ عام جمعوں کی طرح ایک جمعہ ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ویسے تو رمضان المبارک کا ہر لمحہ ہی قابل قدر ہے لیکن رمضان کا جمعہ بڑا قابل قدر ہے۔ حدیث شریف کے بیان کے مطابق رمضان "سیّد الشھورٌ" ہے، یعنی تمام مہینوں کا سردار ہے، اور جمعہ "سیّد الایامٌ" ہے، یعنی تمام دنوں کا سردار ہے، لہٰذا جب رمضان المبارک میں جمعہ کا دن آتا ہے تو اس دن میں دو فضیلتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک رمضان کی فضیلت، اور دوسری جمعہ کی فضیلت، اس لحاظ سے رمضان کا ہر جمعہ بڑا قابل قدر ہے۔

یہ آخری جمعہ زیادہ قابل قدر ہے

اور آخری جمعہ اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے کہ اس سال یہ مبارک دن دوبارہ نہیں ملے گا، سارے رمضان میں چار یا پانچ جمعے ہوتے ہیں، تین جمعے گزر چکے ہیں اور یہ اب آخری جمعہ ہے، اب اس سال یہ نعمت میسر آنے والی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اگر زندگی دی تو شاید آئندہ سال یہ نعمت دوبارہ مل جائے، اس لئے یہ ایک نعمت ہے جو ہاتھ سے جاری ہے، اس کی قدر و منزلت پہچان کر انسان جتنا بھی عمل کر لے، وہ کم ہے۔ بس اس جمعۃ الوداع کی یہ حقیقت ہے، ورنہ یہ نہ تو کوئی تہوار ہے، نہ اس کے اندر کوئی خاص عبادت اور خاص عمل مقرر ہے۔

جمعۃ الوداع اور جذبۂ شکر

البتہ جب جمعۃ الوداع کا دن آتا ہے تو دل میں دو قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مؤمن کے دل میں یہ جذبات پیدا ہونے چاہئیں، ایک مسرت اور شکر کا جذبہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا، اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ بات قابل شکر اور قابل مسرت ہے، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لئے کہ نہ جانے کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو گزشتہ سال ہمارے ساتھ روزوں میں تراویح میں شریک تھے، لیکن اس سال وہ زمین کے نیچے جا چکے، ان جانے والوں سے اس رمضان کے ایک ایک لمحے

کی قدر و قیمت پوچھئے کہ وہ یہ حسرت کر رہے ہیں کہ کاش کہ ان کو رمضان کے کچھ لمحات اور مل جاتے تو وہ اپنے اعمال میں اضافہ کر لیتے، لیکن ان کا وقت ختم ہو چکا، اب حسرت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کے یہ لمحات عطا فرما رکھے ہیں۔

غافل بندوں کا حال

اور اس لحاظ سے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں کہ جن کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا، العیاذ باللہ العلیّ العظیم۔ نہ ان کو روزے رکھنے سے کوئی غرض، نہ تراویح پڑھنے سے کوئی مطلب۔ اللہ بچائے! آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، رمضان کے آنے پر ان کے نظام الاوقات میں، ان کے کھانے پینے کے اوقات میں اور ان کے سونے اور جاگنے کے اوقات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسے غافل لوگوں میں شامل نہیں فرمایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق بخشی، تراویح پڑھنے کی توفیق بخشی، اگر ہم بھی ان میں شامل ہو جاتے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا، اس لئے شکر ادا کرنے اور مسرت کا موقع ہے۔

نماز روزے کی ناقدری مت کرو

ہمارے ذہنوں میں بعض اوقات جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے روزہ

تو رکھ لیا لیکن روزے کا حق ادا نہیں کیا، تراویح تو پڑھ لی لیکن اس کا صحیح حق ادا نہ ہوسکا، تراویح میں نہ خشوع تھا اور نہ خضوع تھا، دل کہیں تھا، دماغ کہیں تھا، اسی حالت میں ہم نے تراویح ادا کرلی۔ یہ خیال لاکر بعض لوگ اس روزے کی اور تراویح کی ناقدری کرتے ہیں۔ ارے بھائی! یہ ناقدری کی چیز نہیں، یہ نماز کیسی بھی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار میں حاضری کی توفیق عطا فرما دی، یہ توفیق بذات خود نعمت ہے، پہلے اس توفیق پر شکر ادا کرو۔ اس حاضری کی ناقدری مت کرو، یہ نہ کہو کہ ہم نے نماز کیا پڑھی، ہم نے تو ٹکریں مارلیں اور اٹھک بیٹھک کرلی۔ ارے اللہ جل شانہ کو تمہارے ساتھ کچھ خیر ہی کا معاملہ کرنا تھا، اس لئے تمہیں مسجد کے دروازے پر لے آئے، اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ خیر مقصود نہ ہوتی تو تمہیں ان لوگوں میں شامل کردیتے جنہوں نے کبھی مسجد کی شکل تک نہیں دیکھی، اس لئے ان عبادات کی ناقدری نہ کرو بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

سجدہ کی توفیق عظیم نعمت ہے

ہم نے جیسی تیسی نماز پڑھ لی، نہ اس میں خشوع تھا اور نہ خضوع تھا، وہ نماز بے جان اور بے روح سہی، لیکن ؎

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے

وہ سجدہ جسے ترے آستاں سے نسبت ہے

یہ سجدہ جسے اللہ تعالیٰ کے آستانے پر کرنے کی توفیق ہوگئی، یہ بھی ایک نعمت ہے،

پہلے اس کا شکر ادا کرلو۔ بیشک ہم اس کا حق ادا نہیں کر پائے، بیشک ہماری طرف سے اس میں کوتاہیاں رہیں، لیکن ان کوتاہیوں کا علاج یہ نہیں کہ ان عبادات کی ناقدری شروع کر دو، بلکہ ان کوتاہیوں کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو، استغفار کرو، اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے مجھے عبادت کی توفیق عطا فرمائی، اس پر آپ کا شکر ہے، لیکن مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی، اے اللہ! میں اس پر استغفار کرتا ہوں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کوتاہیوں کا ازالہ فرمادیں گے۔

آج کا دن ڈرنے کا دن بھی ہے

لہٰذا آج کا دن ایک طرف تو خوشی کا اور شکر ادا کرنے کا دن ہے، دوسری طرف یہ ڈرنے کا دن ہے۔ اس بات کا ڈر جس کا بیان ایک حدیث میں آیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تاکہ جمعہ کا خطبہ دیں۔ آپ ﷺ اپنے منبر پر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا منبر تین سیڑھیوں پر مشتمل تھا، آپ ﷺ سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے سوچا کہ سب سے اوپر والی سیڑھی پر خطبہ دینا ادب کے خلاف ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں دوسری

سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے سوچا کہ میرے لئے تو اس دوسری سیڑھی پر بھی کھڑے ہو کر خطبہ دینا ادب کے خلاف ہے جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں تیسری اور آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سے آج تک یہ معمول چلا آرہا ہے کہ خطباء تیسری سیڑھی پر خطبہ دیتے چلے آرہے ہیں۔

تین دعاؤں پر تین مرتبہ آمین

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس دن صحابہ کرامؓ نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین''۔ صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا کہ آپ ﷺ نے دعا تو کوئی نہیں مانگی، لیکن تینوں سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے ''آمین'' فرمایا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ ﷺ نے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے تین مرتبہ ''آمین'' فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جب میں منبر پر چڑھنے کے لئے آیا اور پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام میرے سامنے آئے، انہوں

نے ایک دعا کی اور میں نے اس دعا پر ''آمین'' کہی، جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو اس وقت انہوں نے دوسری دعا کی، میں نے اس پر ''آمین'' کہی، جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انہوں نے تیسری دعا کی، میں نے اس پر ''آمین'' کہی۔

ان دعاؤں کی اہمیت کے اسباب

آپ ان دعاؤں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ دعا مانگنے والے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اور اس پر ''آمین'' کہنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الاولین والآخرین ہیں، اور جمعہ کا دن، خطبہ کا وقت، مقام بھی مسجد نبوی، اس دعا کی قبولیت میں کسی بھی انسان کو شک نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ مگر ڈرنے کی بات یہ ہے کہ یہ دعا درحقیقت ''بددعا'' تھی، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے بددعا مانگی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ''آمین'' کہی۔ وہ بددعائیں کیا تھیں؟

والدین کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرنا

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، اس وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا کی کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر بھی اپنی مغفرت نہ کرا سکا۔ یعنی جس شخص کے والدین بڑھاپے کی

حالت میں پہنچ چکے ہوں، اس کے لئے جنت حاصل کرنا آسان ہے، کیونکہ اگر وہ ایک قدم بھی والدین کی خدمت میں اٹھا لے گا اور ان کے دل کو خوش کر دے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے والدین کو دیکھ لے تو اس کے لئے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا۔ لہٰذا جب ایک نگاہ ڈالنے کا یہ ثواب ہے تو ان کی خدمت اور اطاعت کرنے کا کیا اجر وثواب ہوگا، اس کا اندازہ آپ لگائیں۔ اور والدین انسان کی دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں۔ اور ماں باپ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کو ذرا خوش کر دو تو وہ تمہیں ڈھیروں دعائیں دیتے ہیں، اس لئے والدین کی خدمت اور اطاعت کر کے جنت حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ لیکن جس شخص نے والدین کو ان کے بڑھاپے کی حالت میں پانے کے باوجود اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا، وہ شخص برباد ہو جائے۔

حضور ﷺ کا نام سن کر درود شریف نہ پڑھنا

پھر جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو اس وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا فرمائی کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا، مگر اس نے آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کائنات میں ایک صاحب ایمان کے لئے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے بڑا محسن کوئی اور نہیں ہوسکتا، پوری انسانیت کے لئے آپ ﷺ سے بڑا محسن کوئی پیدا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے قربانیاں دے کر، فقر و فاقہ اٹھا کر، تنگیاں اور مصیبتیں جھیل کر لڑائی لڑ کر تمہارے لئے ایمان کی دولت چھوڑ گئے، اب تمہارے دل میں اس احسان کا اتنا بھی احساس نہ ہو کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آنے پر آپ ﷺ پر درود ہی نہ بھیجے، یہ کتنی بڑی ناشکری اور احسان فراموشی ہے، جس پر جبرئیل امین علیہ السلام نے بددعا دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''آمین'' کہی۔

درود پڑھنے میں بخل نہ کریں

درود شریف کا کوئی بھی صیغہ پڑھ لینے سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی ان میں سے ایک درود ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو اس پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ضرور کہتے ہیں، الحمدللہ اب بھی یہ معمول جاری ہے، لہٰذا صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے بھی یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ ہمارے ہاں جو یہ رواج چل پڑا ہے کہ لکھتے وقت پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنے کے بجائے صرف ''صلعم'' لکھدیا یا صرف ''ؐ'' لکھدیا، اس طریقے سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ یہ سارا بخل کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنا ہے؟ یہ طریقہ قابل ترک ہے، اس کے بجائے بولنے میں بھی اور لکھنے میں بھی پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ادا کرنا چاہئے، ورنہ اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں ہم اس بددعا کے مستحق

نہ بن جائیں۔

رمضان گزر جانے کے باوجود مغفرت نہ ہونا

جب تیسری سیڑھی پر آپ ﷺ نے قدم رکھا تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا فرمائی کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے یعنی وہ شخص تباہ ہو جائے جس پر پورا رمضان المبارک کا مہینہ گزر جائے اور وہ اپنی مغفرت نہ کرالے۔ لہٰذا آج کا دن ڈرنے کا ہے اس بات سے کہ خدا نہ کرے، کہیں ہم اس حدیث کی وعید کے مصداق نہ بن جائیں کہ سارا رمضان گزر جائے اور ہم اپنی مغفرت نہ کرالیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کا مہینہ تمہارے گناہ دھونے کے لئے اور تمہارا میل کچیل صاف کرنے کے لئے عطا فرمایا تھا، اور تمہارے گناہوں کو مغفرت کے تالاب میں ڈبو کر پاک صاف کرنے کے لئے دیا تھا، اس مہینے میں مغفرت کرانا کوئی مشکل نہیں تھا، ساری رات اللہ کا منادی آواز لگا رہا تھا کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا جس کو میں رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے آزار جس کی آزاری اور مصیبتوں کو میں رفع کروں؟ رات بھر اللہ کا منادی یہ ندائیں لگا رہا تھا۔

مغفرت کے بہانے

اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم روزے رکھ لو گے تو تمہارے پچھلے

گناہ معاف کر دیں گے، تراویح کا اہتمام کرلو گے تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیں گے، کسی اللہ کے بندے کو افطار کرا دو گے تو اس پر تمہاری مغفرت کر دیں گے، جو روزہ تم نے رکھا ہے، اس کے لمحے لمحے پر عبادت لکھی جا رہی ہے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری مغفرت کے لئے اتنے بہانے بنا رکھے تھے، لہٰذا مغفرت حاصل کرنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع نہیں تھا، جس نے یہ موقع بھی گنوا دیا، اس کے لئے جبرئیل امین علیہ السلام نے یہ بددعا فرمائی، اس لئے یہ ڈرنے کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھو

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ رکھو کہ انشاء اللہ ہم اس بددعا میں شامل نہیں، جب اس ذات نے روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور یہ وعدہ فرمایا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا، میں اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دوں گا، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی توقع اور امید رکھنی چاہئے کہ انشاء اللہ ہماری بھی مغفرت فرما دیں گے۔ البتہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ضرور ڈرتے رہو، اسی کا نام ایمان ہے۔ ''الایمان بین الخوف والرجاء'' یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

عیدگاہ میں سب کی مغفرت فرمانا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مسلمان سارے مہینے روزہ رکھنے اور

تراویح پڑھنے کے بعد عید کی نماز ادا کرنے کے لئے عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں! تم تو کہتے تھے کہ ابن آدم زمین پر جاکر فساد مچائے گا، آج اس ابن آدم کو عیدگاہ کے میدان میں دیکھو، اور مجھے بتاؤ کہ ایک مزدور جس نے اپنی مزدوری پوری کرلی ہو، اس کو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! جس مزدور نے اپنا کام پورا کرلیا ہو، اس کا صلہ یہ ہے کہ اس کو پوری پوری مزدوری دیدی جائے، اس میں کوئی کمی نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ بندے جو میرے سامنے ہیں، ان پر رمضان میں جو فریضہ عائد کیا تھا وہ انہوں نے پورا کردیا، اب یہ مجھے پکارنے کے لئے عیدگاہ میں جمع ہوئے ہیں اور مجھ سے دعا کرنے کے لئے آئے ہیں، میں اپنی عزت وجلال کی، اپنی بادشاہت اور اپنے کرم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کے دن میں ان سب کی دعائیں قبول کروں گا اور ان کو میدان عید سے اس طرح واپس بھیجوں گا کہ ان سب کی مغفرت ہوچکی ہوگی اور ان کی سیئات کو بھی حسنات سے بدل دوں گا۔

ورنہ توفیق کیوں دیتے؟

اگر میدان عید میں بلاکر یہ نوازش فرمانی مقصود نہ ہوتی، ہماری اور آپ کی مغفرت کرنی مقصود نہ ہوتی تو پھر رمضان میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق ہی کیوں دیتے؟ مسجد میں آنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق

ہی کیوں دیتے؟ جب انہوں نے ان عبادات کی توفیق دی ہے تو ان کی رحمت سے امید یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے، مغفرت کا ارادہ فرمایا ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تو ہماری مغفرت کا ارادہ فرمارہے ہیں اور ہم اس فکر میں لگے ہوئے ہوں کہ کسی طرح اور گناہوں کے اندر اضافہ کرلیں، اس لئے کہ ہم تو گناہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں اور اپنے اعمال کے ذریعہ اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہمیں مغفرت نہیں چاہئے۔

عید کے دن گناہوں میں اضافہ

چنانچہ جیسے ہی عید کا دن آیا، بس گناہوں کا سیلاب اُمڈ آیا، نہ اللہ کا کوئی خیال، نہ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی فکر، نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا کوئی احساس۔ اس عید کے دن گناہوں پر گناہ ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی جارہی ہیں، گانا بجانا جو کافروں کا خوشیاں منانے کا طریقہ تھا وہ ہم نے اختیار کرلیا، خواتین نے بے پردگی اور بے حجابی اختیار کرلی اور اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی خلاف ورزی کرکے عید کا دن منایا جارہا ہے۔ یہ کیسی عید ہوئی؟ وہ تو مغفرت کا ارادہ فرمارہے ہیں، لیکن ہم نے گناہ کرکے جہنم میں جانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مسلمانوں کی عید اقوام عالم سے نرالی ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو عید عطا فرمائی ہے، وہ سارے اقوام عالم کی عیدوں سے نرالی ہے۔ ساری دنیا میں جو عیدیں منائی جاتی ہیں، وہ کسی تاریخی واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہیں، مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش پر ''کرسمس'' کا دن مناتے ہیں، یہ پیدائش ایک واقعہ ہے، یقینی طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۵ ؍دسمبر کو پیدا ہوئے تھے، بلکہ ان کے جانے کے تین سو سال بعد لوگوں نے یہ تاریخ مقرر کرلی۔ اسی طرح دنیا بھر کے جتنے ادیان ہیں، ان کے تہوار ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو تہوار عطا فرمائے ہیں، وہ ماضی کے کسی واقعہ سے وابستہ نہیں ہیں، بلکہ یہ تہوار اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر عطا فرمائے جس موقع پر ہر سال مسلمانوں کے لئے خوشی کا واقعہ پیش آتا ہے، چنانچہ عید الفطر اس موقع پر عطا فرمائی جب مسلمان روزے کی عظیم الشان عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس طرح ہر سال یہ نعمت مل رہی ہے اور خوشی حاصل ہو رہی ہے اور اس پر شکر کے طور پر عید آ رہی ہے، اور عید الاضحیٰ اس موقع پر عطا فرمائی جب مسلمان دوسری عظیم الشان عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں۔

عید کی خوشی کا مستحق کون؟

لہٰذا تم نے چونکہ رمضان المبارک کے روزے رکھے ہیں، اور تم نے

تراویح پڑھی ہیں، اس لئے تم اس عید الفطر کے انعام کے مستحق ہو اور تم نے چونکہ حج کی عبادت انجام دی ہے، اس لئے اس عید الاضحیٰ کے انعام کے مستحق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشی منانے کا جو طریقہ عطا فرمایا ہے وہ بھی دنیا کی ساری قوموں سے نرالہ ہے، وہ یہ کہ عید کی نماز کے لئے میدان میں آجاؤ، دوسرے ایام میں تو مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے، لیکن عید کے دن میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے، لہٰذا عید کے دن نوازش اور رحمت کی بارش کرنے کے لئے میدان میں بلایا، اور میدان میں آنے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کردو، تاکہ جو لوگ غریب ہیں، جن کے چولہے ٹھنڈے ہیں، ان کو کم از کم اس دن یہ فکر نہ ہو کہ کھانا کہاں سے آئے گا؟ خوشی منانے کا یہ نرالہ انداز عطا فرمایا، لیکن ہم نے یہ طریقہ چھوڑ کر کافروں کا طریقہ اختیار کرلیا، جس طرح وہ لوگ گانے بجاتے ہیں، اور فحاشی اور عریانی میں اپنے تہواروں کے اوقات صرف کرتے ہیں، ہم نے بھی اسی طرح شروع کردیا۔ اللہ تعالیٰ تو مغفرت فرمانا چاہتے ہیں، لیکن ہم نے گناہ کے کام کرنے شروع کردیئے، یہ بالکل مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو صحیح فکر عطا فرمائے اور رمضان کی برکات عطا فرمائے اور عید کی صحیح خوشیاں عطا فرمائے اور گناہوں، نافرمانیوں اور معصیتوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❀❀❀

❀

عید الفطر
ایک اسلامی تہوار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب . جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عید الفطر

ایک اسلامی تہوار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰىكُمْ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظيم، وصدق رسوله النبی الكريم، ونحن علي ذٰلک من الشاهدين والشاكرين والحمدللّٰہ ربّ العالمين

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں

بزرگان محترم و برادران عزیز! اللہ جل شانہ کا اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا اور اس مہینے کی برکتوں سے ہمیں نوازا، اور اس میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور پھر اس مبارک مہینے کے اختتام پر اس مہینے کی انوار و برکات سے مستفید ہونے کی خوشی میں ''عیدالفطر'' عطا فرمائی۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

للصائم فرحتان فرحة عند افطاره و فرحة حين يلقى ربهٗ۔

(نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لئے دوخوشیاں رکھی ہیں: ایک خوشی وہ ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ قیامت کے روز اپنے پروردگار سے جاکر ملاقات کرے گا۔ اصل خوشی تو وہی ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت نصیب ہوگی، انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہرصاحب ایمان کو یہ خوشی عطا فرمائے۔آمین۔

افطار کے وقت خوشی

لیکن اس آخرت کی خوشی کی تھوڑی سی جھلک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی رکھ دی ہے، یہ وہ خوشی ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ افطار دو قسم کے ہیں: ایک افطار وہ ہے جو روزانہ رمضان میں روزہ کھولتے وقت ہوتا ہے، اس افطار کے وقت ہر روزہ دار کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔دیکھئے! سارے سال کھانے پینے میں اتنا لطف اور اتنی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو لطف اور خوشی رمضان المبارک میں افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، ہر شخص اس کا تجربہ کرتا ہے۔ علماء کرام روزانہ کے اس افطار کو ''افطار اصغر'' کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرا افطار وہ ہے جو رمضان المبارک کے ختم پر ہوتا ہے جس کے بعد عیدالفطر کی خوشی ہوتی ہے، اس کو ''افطار اکبر'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سارے مہینے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں روزے رکھنے اور اس کی بندگی اور عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عید کے دن خوشی اور مسرت عطا فرماتے ہیں۔ یہ خوشی آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہونے والی خوشی کی

ایک چھوٹی سی جھلک ہے جو اللہ تعالیٰ نے عید کی شکل میں بندوں کو عطا فرمائی ہے۔

اسلامی تہوار دوسرے مذاہب کے تہواروں سے مختلف ہے

اور یہ بھی اسلام کا نرالا انداز ہے کہ پورے سال میں صرف دو تہوار اور دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں، جبکہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور ملتوں میں سال کے دوران بہت سے تہوار منائے جاتے ہیں، عیسائیوں کے تہوار الگ ہیں، یہودیوں کے تہوار الگ ہیں، ہندوؤں کے تہوار الگ ہیں، لیکن اسلام نے صرف دو تہوار مقرر کئے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ اور ان دونوں تہواروں کو منانے کے لئے جن دنوں کا انتخاب کیا گیا، وہ بھی دنیا سے نرالے ہیں، اگر آپ دوسرے مذاہب کے تہواروں پر غور کریں گے تو یہ نظر آئے گا کہ وہ لوگ ماضی میں پیش آنے والے کسی اہم واقعہ کی یادگار میں تہوار مناتے ہیں۔ مثلاً عیسائی ۲۵، دسمبر کو ''کرسمس'' کا تہوار مناتے ہیں، اور بقول ان کے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست نہیں، لیکن انہوں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ ۲۵ر دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ کی پیدائش کی یاد میں انہوں نے ''کرسمس'' کے دن کو تہوار کے لئے مقرر کر لیا۔

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے گئے، اس

دن کی یاد میں یہودی اپنا تہوار مناتے ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں بھی جو تہوار ہیں، وہ بھی ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔

اسلامی تہوار ماضی کے واقعہ سے وابستہ نہیں

جبکہ اسلام نے جو دو تہوار ''عید الفطر'' اور ''عید الاضحیٰ'' مقرر کیے ہیں، ماضی کا کوئی واقعہ اس دن کے ساتھ وابستہ نہیں، یکم شوال کو عید الفطر منائی جاتی ہے اور دس ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے، ان دونوں تاریخوں میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسلام نے نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے میدان میں فتح حاصل کرنے کو ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب کے دن کو ''عید'' کا دن قرار دیا، اور جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا اور بیت اللہ کی چھت سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان پہلی مرتبہ گونجی، اس دن کو بھی ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اور خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے مالا مال ہے، لیکن اسلام نے ان میں سے کسی واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔

''عید الفطر'' روزوں کی تکمیل پر انعام

جن ایام کو اسلام نے تہوار کے لئے مقرر فرمایا، ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ نہیں جو ماضی میں ایک مرتبہ پیش آ کر ختم ہو چکا ہو، بلکہ اس کے بجائے ایسے خوشی کے واقعات کو تہوار کی بنیاد قرار دیا جو ہر سال پیش آتے ہیں اور ان کی خوشی میں عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عیدیں ایسے موقع پر مقرر فرمائی ہیں جب مسلمان کسی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، چنانچہ عید الفطر رمضان کے گزرنے کے بعد رکھی ہے کہ میرے بندے پورے مہینے عبادت کے اندر مشغول رہے، پورے مہینے انہوں نے میرے خاطر کھانا پینا چھوڑے رکھا، نفسانی خواہشات کو چھوڑے رکھا، اور پورا مہینہ عبادت کے اندر گزارا، اس کی خوشی اور انعام میں یہ عید الفطر مقرر فرمائی۔

''عید الاضحیٰ'' حج کی تکمیل پر انعام

اور عید الاضحیٰ ایسے موقع پر مقرر فرمائی جب مسلمان ایک دوسری عظیم عبادت یعنی حج کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حج کا سب سے بڑا رکن وقوف عرفہ ۹ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا ہے، اس تاریخ کو پوری دنیا سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان میدان عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس عبادت کی تکمیل کے اگلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری عید مقرر فرمائی۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ

ماضی کے وہ واقعات جو ایک مرتبہ پیش آئے اور ختم ہوگئے، وہ واقعات تمہارے لئے عید کی بنیاد نہیں، بیشک تمہاری تاریخ ان واقعات سے جگمگا رہی ہے اور تمہیں ان پر فخر کرنے کا بھی حق پہنچتا ہے کہ تمہارے آباء واجداد نے یہ کارنامے انجام دیئے تھے، لیکن تمہارے لئے ان کا عمل کافی نہیں، تمہارے لئے تمہارا اپنا عمل ہونا ضروری ہے، کوئی شخص آخرت میں صرف اس بنیاد پر نجات نہیں پائے گا کہ میرے آباء واجداد نے اتنے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے، بلکہ وہاں پر ہر آدمی کو اپنے عمل کا جواب دینا ہوگا۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؎

تھے تو وہ آباء تمہارے مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

لہٰذا محض پرانے واقعات پر خوشی مناتے رہنا، صاحب ایمان کے لئے یہ کافی نہیں، بلکہ خود تمہیں اپنے عمل کو دیکھنا ہے، اگر تمہارے اپنے عمل کے اندر اچھائی ہے تو خوشی منانی ہے اور اگر برائی ہے تو رنج کرنا ہے اور ندامت کا اظہار کرنا ہے۔

عید کا دن ''یوم الجائزہ'' ہے

بہرحال! یہ عید الفطر خوشی منانے کا اور اسلامی تہوار کا پہلا دن ہے، حدیث میں اس کو ''یوم الجائزہ'' بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے مہینے کی عبادتوں پر انعام دئے جانے کا دن ہے جو ''مغفرت'' کی

شکل میں دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ گزر جانے کے بعد عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصحاب ایمان کی طرف اشارہ کر کے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں۔

انسان کی تخلیق پر فرشتوں کے اعتراض کا جواب

اس لئے فخر فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جا رہا تھا تو ان فرشتوں نے اعتراض کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ۔

(سورۃ البقرہ، آیت ۳۰)

آپ مٹی کے اس پتلے کو پیدا کر رہے ہیں جو زمین پر جا کر فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا اور ایک دوسرے کے گلے کاٹے گا، اور ہم آپ کی تسبیح و تقدیس کے لئے کافی ہیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۳۰)

میں اس مخلوق کے بارے میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے اندر اگرچہ میں نے فساد کا مادہ بھی رکھا ہے، فساد پھیلانے کی بھی صلاحیت اس کے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود جب یہ مخلوق میرے حکم کی تعمیل کرے گی اور عبادت اور بندگی کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے

بڑھ جائے گی۔ کیونکہ تمہارے اندر میں نے فساد کا مادہ ہی نہیں رکھا، چنانچہ اگر تم گناہ کرنا بھی چاہے تو گناہ نہیں کر سکتے، نہ تم کو بھوک لگتی ہے، نہ تم کو پیاس لگتی ہے، نہ تمہارے دل میں جنسی اور نفسانی خواہشات پیدا ہوتے ہیں، تمہیں تو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ بس ''اللہ اللہ'' کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ لیکن اس انسان کو بھوک بھی لگے گی، پیاس بھی لگے گی، جنسی خواہشات بھی پیدا ہونگیں، اور جب میں اس مخلوق سے یہ کہہ دوں گا کہ مت کھانا، جب میں اس سے کہہ دوں گا کہ مت پینا تو اس حکم کے نتیجے میں انسان سارا دن اس طرح گزار دیگا کہ اندر سے پیاس لگ رہی ہوگی، فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہوگا، کمرے میں دوسرا کوئی انسان دیکھنے والا نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود صرف میرے ڈر سے اور میری عظمت کے خیال سے اور میرے حکم کی اطاعت میں یہ اپنے ہونٹوں کو خشک کئے ہوئے ہوگا۔ اس صفت کی وجہ سے یہ انسان تم سے بھی آگے بڑھ جائے گا۔

آج میں ان سب کی مغفرت کر دونگا

بہرحال! عید الفطر کے دن جب مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہی فرشتوں کے سامنے جنہوں نے اعتراض کیا تھا، فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے فرشتوں! یہ ہیں میرے بندے جو عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اور بتاؤ کہ جو مزدور اپنا کام پورا کرلے اس کو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے فرماتے ہیں کہ جو مزدور اپنا کام پورا کرنے، اس کا صلہ یہ

ہے کہ اس کو اس کی پوری پوری مزدوری دیدی جائے، اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں، میں نے رمضان کے مہینے میں ان کے ذمے ایک کام لگایا تھا کہ روزہ رکھیں اور میری خاطر کھانا پینا چھوڑ دیں اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں، آج انہوں نے یہ فریضہ پورا کرلیا، اور اب یہ اس میدان کے اندر جمع ہوئے ہیں، اور مجھ سے دعا مانگنے کے لئے آئے ہیں، اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہوں، اپنے علوِ مکان کی قسم کھاتا ہوں کہ آج میں سب کی دعائیں قبول کروں گا اور میں ان کے گناہوں کی مغفرت کروں گا اور ان کی برائیوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب روزہ دار عیدگاہ سے واپس جاتے ہیں تو اس حالت میں جاتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہوچکی ہوتی ہے۔

عیدگاہ میں نماز ادا کی جائے

یہ کوئی معمولی انعام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے مجمع کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کے لئے اس بات کو سنت قرار دیا کہ مسلمان بڑی سے بڑی تعداد میں کھلے میدان میں جمع ہوں اور مجمع کثیر ہو، کیونکہ مجمع جب بڑا ہوگا تو اس مجمع میں نہ جانے کس اللہ کے بندے کی برکت سے اللہ تعالیٰ پورے مجمع پر فضل فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی تو ایسی ہے کہ اگرچہ انعام کے مستحق تو چند افراد ہوتے ہیں، جنہوں نے صحیح

معنی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو مجھ جیسے ناکارہ بھی اگر وہاں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ان چند افراد کی تو مغفرت کردوں اور باقی لوگوں کی نہ کروں، یہ میری رحمت سے بعید ہے، لہٰذا سب کو اپنے فضل و کرم سے نواز دیتے ہیں۔

اپنے اعمال پر نظر مت کرو

لہٰذا یہ عید کا دن جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا اور اس دن میں عید کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، یہ زندگی کے اندر انقلاب لانے والا واقعہ ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انشاء اللہ سب کی مغفرت فرمادی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید رکھنی چاہئے۔ ہمارے دلوں میں یہ جو خیالات آتے ہیں کہ ہم نے بیشک عبادت تو کرلی، لیکن اس عبادت کا حق تو ادا نہ ہوسکا، کیا ہمارے روزے، کیا ہماری نمازیں، کیا ہماری تلاوت، کیا ہمارا ذکر و تسبیح، نہ اس میں خشوع و خضوع ہے، نہ اس میں آداب کی رعایت ہے، نہ اس میں شرائط پوری ہیں، لہٰذا ان عبادات کے نتیجے میں کیسے یہ امید باندھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان عبادات کو قبول کرکے ہماری مغفرت فرمادی ہوگی۔

ان کے فضل سے امید رکھو

خوب یاد رکھیں! اپنے اعمال کے ذریعہ تو امید نہیں باندھنی چاہئے،

کیونکہ ہمارے اعمال تو اس لائق ہی نہیں ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل ہوں، ان کے شایان شان ہوں۔ ہاں، ان کی رحمت سے ضرور امید باندھیں، ان کے فضل و کرم سے امید باندھیں، بیشک یہ اعمال ہماری نسبت سے کھوٹی پونجی ہے، لیکن ان کی رحمت سے امید ہے کہ ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو بھی قبول فرمالیں گے۔ جب انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ میں تمہاری برائیوں کو بھی اچھائیوں سے تبدیل کردوں گا، یعنی یہ اعمال جو تم ہماری بارگاہ میں پیش کر رہے ہو، اس میں بہت سی خامیاں ہیں اور بہت سی برائیاں ہیں، لیکن جب تم میرے خاطر یہاں آئے ہو تو میں تمہاری برائیوں کو بھی اچھائیوں سے بدل دوں گا، لہٰذا ہر مؤمن کو یہ امید رکھنی چاہئے کہ اس رمضان میں میری مغفرت ہوگئی، اس لئے کہ جب انہوں نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے تو ضرور کردی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں گے اور مجھے جنت میں داخل کردیں گے، ایسا شخص اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اور جو شخص اپنے عمل پر بھروسہ کر رہا ہے کہ میں نے چونکہ اچھا عمل کیا ہے، اس لئے میں ضرور جنت میں جاؤں گا، ایسا شخص بھی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عمل بھی کئے جاؤ لیکن اپنے عمل پر بھروسہ مت کرو، اللہ تعالیٰ کی

رحمت سے امید باندھو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرو۔

عمل کئے بغیر امید باندھنا غلطی ہے

عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں باندھنا اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ میری رحمت اسی شخص پر متوجہ ہوتی ہے جو عمل کرتا ہے، اگر کوئی شخص عمل ہی کچھ نہیں کرتا، بلکہ غفلت میں وقت گزار رہا ہے، تو ایسے شخص کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، اسی طرح شدید العقاب بھی ہے، اس لئے جو شخص عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں باندھ رہا ہے وہ درحقیقت اپنے کو دھوکہ دے رہا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے عمل کرلیا اور قدم آگے بڑھادیا، لیکن اس میں نقص اور کوتاہیاں رہ گئیں، تو چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے قدم بڑھایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرما دیتے ہیں اور اس کی کوتاہیوں کو درگزر فرما کر ان کو حسنات سے بدل دیتے ہیں۔ لہٰذا عمل بھی کرتے رہو اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرو۔

یہی معاملہ ہمارا ہے، نہ ہمارے روزے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہیں، نہ تراویح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہیں، نہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق ہے، لیکن اگر ان کی رحمت پر نظر کریں تو وہ یہ فرمارہے ہیں کہ میں تمہاری برائیوں کو بھی حسنات سے بدل دوں گا، اس لئے امید یہ رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا

فرمایا ہے اور ہماری مغفرت فرمادی ہے۔

آئندہ بھی اس دل کو صاف رکھنا

اور مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے باطن میں گناہوں کا جو میل کچیل تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو دھو کر صاف کر دیا، اب تم سب سفید صاف ستھرے دھلے ہوئے کپڑے کے مانند ہو، اب صاف کپڑے کی حفاظت کرنا، کیونکہ کپڑا جتنا سفید صاف اور دھلا ہوگا، اتنا ہی اس پر دھبہ بُرا معلوم ہوگا، اور اگر کپڑا پہلے سے میلا ہے، اس پر داغ دھبے لگے ہوئے ہیں، اس پر ایک داغ اور لگ جائے تو پتہ بھی نہیں چلے گا، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آج عید کے دن ہمیں اور آپ کو دھو کر صاف اور اجلا کر دیا، تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس کپڑے کی حفاظت کریں اور اب گناہ کا دھبہ نہ لگے، اب اس پر معصیت اور نافرمانی کا داغ نہ لگے۔ اور اس فکر میں نہ رہو کہ اگر داغ لگ بھی گئے تو اگلے رمضان میں دوبارہ دھل جائیں گے، ارے کس کو معلوم ہے کہ اگلا رمضان نصیب ہو یا نہ ہو، کس کو معلوم ہے کہ آئندہ گناہ سے توبہ کی توفیق ملے گی یا نہیں، لہٰذا آئندہ آنے والی زندگی میں گناہ کے دھبہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو۔

خلاصہ

بہرحال جو آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی کہ:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

یعنی میں نے یہ عید کا دن ایسے موقع پر مقرر کیا ہے کہ جس میں تم رمضان کے روزوں کی گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ شکر گزار بننے کا راستہ یہی ہے کہ جس ذات نے تمہاری برائیوں کو بھی حسنات سے بدل دیا ہے، اس کی نافرمانی سے اور گناہوں سے اور معصیتوں سے آئندہ زندگی کو بچانے کی فکر کرو۔

آج کا دن ہمارے اور آپ کے لئے الحمدللہ خوشی کا دن بھی ہے، فرحت کا دن بھی ہے، اور اللہ کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھنے کا دن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس فریضے کی ادائیگی کی توفیق بھی عطا فرمائے اور آئندہ زندگی کو گناہوں سے، معصیتوں سے اور نافرمانیوں سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جنازے کے آداب

چھینکنے کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جنازے کے آداب

اور

چھینکنے کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنه قال:
أمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بسبع
بعیادة المریض واتباع الجنائز و تشمیت
العاطس ونصر الضعیف و عون المظلوم و
إفشاء السلام و ابرار المقسم . . الخ
(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب إفشاء السلام)

جنازے کے پیچھے چلنے کا حکم مردوں کیلئے ہے

ایک مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے دو کا بیان پیچھے ہو چکا، نمبر ایک: سلام کا جواب دینا، نمبر دو: مریض کی عیادت کرنا۔ تیسرا حق جو اس حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے "اتباع الجنائز" جنازوں کے پیچھے جانا۔ یہ بھی بڑی فضیلت والا کام ہے اور مرنیوالے کا حق ہے۔ البتہ یہ حق مردوں پر ہے، عورتوں پر یہ حق نہیں ہے، اور عیادت مریض کا عمل مرد کے لئے بھی ہے اور عورت کے لئے بھی ہے اور عیادت مریض کا جو ثواب مرد کے لئے ہے، وہی ثواب عورت کے لئے بھی ہے۔ لیکن جنازوں کے پیچھے جانا صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، البتہ خواتین تعزیت کے لئے جاسکتی ہیں، اور "انشاء اللہ" اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو تعزیت کرنے میں بھی وہی اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا جو مردوں کو جنازے کے پیچھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کے پیچھے چلنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من شهد الجنازة حتى يصلى عليها فله قيراط، ومن شهدها حتى تدفن فله قيراطان، قيل: وما القيراطان؟ قال: مثل الجبلين العظيمين۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن)

فرمایا کہ جو شخص جنازے کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جانے تک حاضر رہے، اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ کسی صحابیؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دو قیراط کیسے ہونگے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوں گے۔ بہرحال، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن تک شریک ہونے کا بڑا عظیم ثواب ہے۔

جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟

جنازہ کے پیچھے جانے کا عمل ایسا ہے جو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی

کوئی شخص ہوگا جو کبھی بھی جنازے کے پیچھے نہیں گیا ہوگا، بلکہ ہر شخص کو اس عمل سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن صحیح طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بھی ایک رسمی خانہ پری ہوکر رہ جاتا ہے، مثلاً بعض اوقات جنازہ میں شرکت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر شرکت نہ کی تو لوگ ناراض ہو جائیں گے، یہ نیت اور مقصد غلط ہے۔ اس لئے جنازہ میں شرکت کرتے وقت اپنی نیت درست کرلو اور یہ نیت کرلو کہ میں اس مسلمان کا حق ادا کرنے کے لئے شرکت کر رہا ہوں، اور جنازے کے پیچھے چلنا چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور آپ ﷺ کا حکم ہے، اس لئے میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں شریک رہا ہوں۔ اس نیت سے جب شرکت کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل بڑے اجر و ثواب کا باعث بن جائے گا۔

جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

دوسرے یہ کہ جنازہ میں شرکت کرنے کا طریقہ سنت کے مطابق ہونا چاہئے، ناواقفیت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم بہت سی سنتوں پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بلاوجہ اجر و ثواب ضائع کر دیتے ہیں، ذرا سا دھیان اگر کرلیں گے تو ایک ہی عمل میں بہت سارے ثواب حاصل ہو جائیں گے۔ مثلاً ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ جب جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے تو ایک آدمی بلند آواز سے نعرہ لگاتا ہے "کلمہ شہادت" اور دوسرے لوگ اس کے جواب میں بلند آواز سے "اشہد ان لا الہ الا

اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ" پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ عمل نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرامؓ نے کیا، اور نہ ہی ہمارے بزرگان دین سے یہ عمل منقول ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ذکر بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے، اور جنازے کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ خاموش چلے، بلاضرورت باتیں کرنا بھی اچھا نہیں، لہٰذا "کلمہ شہادت" کا نعرہ لگانا یا "کلمہ شہادت" بلند آواز سے پڑھنا سنت کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں

اور خاموش چلنے میں حکمت یہ ہے کہ خاموش رہ کر یہ غور کرو اور سوچو کہ جو وقت اس پر آیا ہے، تم پر بھی آنے والا ہے، یہ نہیں کہ اس جنازے کو تو تم لے جا کر قبر میں دفن کر دو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے، لہٰذا خاموش رہ کر اس موت کا مراقبہ کرو کہ ایک دن اسی طرح میں بھی مر جاؤں گا اور میرا بھی جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا اور مجھے بھی قبر میں دفن کر دیا جائے گا اس طرح موت کا مراقبہ کرنے کے نتیجے میں دل میں کچھ نرمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا احساس بڑھے گا، اس لئے خاموش رہ کر موت کا مراقبہ کرنا چاہئے، البتہ کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کر سکتے ہیں، کوئی ناجائز اور حرام نہیں ہے، البتہ ادب کے خلاف ہے۔

جنازے کے آگے نہ چلیں

ایک ادب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جارہے ہوں تو جنازہ آگے ہونا چاہئے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلیں، دائیں بائیں چلیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن جنازے کے آگے آگے چلنا ٹھیک نہیں، ادب کے خلاف ہے۔ البتہ کندھا دینے کی غرض سے وقتی طور پر آگے بڑھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن کندھا دینے کے لئے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے دو رویہ لمبی قطار لگا لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں جنازہ کے ساتھ چلنے والے تمام لوگ جنازہ سے آگے ہو جاتے ہیں اور جنازہ پیچھے ہو جاتا ہے، یہ طریقہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ

اسی طرح جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میت کے دائیں ہاتھ کی طرف والا پایہ اپنے داہنے کندھے پر رکھیں اور کم از کم دس قدم چلیں، یہ افضل ہے، بشرطیکہ دس قدم چلنے کی طاقت ہو۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ ابھی ایک نے جنازہ کندھے پر رکھا اور دوسرے شخص نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو لے لیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی کمزور اور ضعیف آدمی ہے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس سے جلدی لے لیں تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ پھر میت کے دائیں پاؤں کی

طرف کا پایہ اپنے داہنے کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اور پھر میت کے بائیں ہاتھ کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر میت کے بائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اس طرح ہر شخص جنازے کے چاروں اطراف میں کندھا دے اور چالیس قدم چلے، یہ طریقہ سنت سے زیادہ قریب ہے اور افضل ہے، اگرچہ اس کے خلاف کرنا ناجائز نہیں ہے، لیکن سنت کا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

آج کل جنازہ لے جاتے وقت دھکم پیل ہوتی ہے، کندھا دینے کے شوق میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو دھکا دیدیا جاتا ہے اور اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم ایذاء مسلم کر کے حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں، کندھا دینے کا ثواب ضائع کر کے الٹا گناہ کما رہے ہیں۔ اس لئے ایسا نہ کرنا چاہئے، بلکہ اطمینان سے کندھا دینا چاہئے اور دوسروں کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ دوسرا مسلمان بھائی کندھا دیتے ہوئے دس قدم پورے کر لے، اس کے بعد آپ اس سے لے لیں۔

جنازے کو تیز قدم سے لے کر چلنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جنازہ لے جانے کا یہ ادب بھی بیان فرمایا کہ جب جنازہ لے کر جاؤ تو ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ، آہستہ مت چلو، اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں پہنچانے میں کیوں دیر کرتے؟ اس کو جلدی اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دو،

اور اگر وہ دوزخی ہے۔ معاذ اللہ۔ تو دوزخ والے کو جلدی اس کے ٹھکانے تک پہنچا کر اپنے کندھے سے اس بوجھ کو دور کر دو۔ البتہ اتنی تیزی بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے جنازہ حرکت کرنے لگے، ہلنے لگے، بلکہ متوسط انداز کی چال سے چلو اور اس کو جلدی پہنچا دو۔

جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا

اسی طرح ایک ادب اور سنت یہ ہے کہ قبرستان میں جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر نیچے نہ رکھ دیا جائے، اس وقت تک لوگ نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں، البتہ جب جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص کمزور اور ضعیف ہے، وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لہٰذا ہر عمل اتباع سنت کی نیت سے اور اس کا اہتمام کر کے کرے تو پھر ہر ہر موقع پر کیا جانے والا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے۔

اسلامی الفاظ اور اصطلاحات

چوتھا حق جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ ''تشمیت العاطس'' یعنی چھینکنے والے کے ''الحمد للہ'' کہنے کے جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہ'' کہنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ''تشمیت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو الفاظ احادیث میں مروی ہیں یا قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ الفاظ بھی سیکھنے چاہئیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چاہے وہ

با قاعدہ عالم نہ ہو اور اس نے کسی مدرسہ سے علم دین حاصل نہ کیا ہو، لیکن وہ اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات سے وہ اتنا مانوس ہوتا تھا کہ بہت سے اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات لوگوں کی زبانوں پر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء کی تصانیف، کتابیں، تقاریر، وعظ وغیرہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، معاشرے میں ان اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کا عام رواج تھا، اس کا بڑا فائدہ تھا۔

اسلامی اصطلاحات سے ناواقفی کا نتیجہ

لیکن اب ان اسلامی اصطلاحات سے رفتہ رفتہ ناواقفیت اس درجہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اس درجہ ان سے غافل اور لاعلم ہو گئے ہیں کہ اگر عام لفظ بھی اگر ان کے سامنے بولا جائے تو اس طرح حیرت سے چہرہ تکنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ بول دیا۔ اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی قریب ہی زمانے کی لکھی ہوئی علماء کی تصانیف، کتابیں، ملفوظات اور مواعظ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب آج کے دور کا عام آدمی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو نہیں سمجھتا، اس لئے کہ عام آدمی ان الفاظ سے اور ان اسلامی اصطلاحات سے نابلد ہے، ان سے مانوس نہیں، اور نہ ہی ان الفاظ کے سمجھنے کی طرف دھیان اور توجہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان علماء کی تصانیف اور مواعظ اور ملفوظات کے استفادہ سے محروم رہ جاتا

ہے۔

انگریزی الفاظ کا رواج

لہٰذا یہ وبا اور بیماری ہمارے اندر پھیل گئی ہے کہ ''اسلامی اصطلاحات'' ہماری بول چال سے خارج ہو گئی ہیں اور دوسری طرف انگریزی زبان داخل ہو گئی، آج اگر کوئی شخص تھوڑا سا پڑھ لکھ لے اور میٹرک کر لے یا انٹر پاس کر لے تو اب وہ اپنی گفتگو میں آدھے الفاظ انگریزی کے بولے گا اور آدھے الفاظ اردو کے بولے گا، حالانکہ نہ تو اس کو اردو پوری طرح آتی ہے اور نہ انگریزی پوری طرح آتی ہے، تو انگریزی الفاظ بولنے کا اتنا خیال ہے، لیکن اسلامی اصطلاحات سے اتنا بعد اور اتنی دوری ہے کہ ان کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ ان کو بھی سیکھنے کی فکر کرنی چاہئے۔

آج ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' لکھی ہے، انہوں نے لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ ایک عام آدمی کو آسان انداز میں قرآن کریم کی تفسیر سمجھ میں آ جائے۔ لیکن بہت سے لوگ آ کر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اس سے بھی کوئی آسان تفسیر لکھ دیں تو کہیں گے کہ وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے

اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ ورنہ آج سے پچاس سال پہلے کا ایک عام آدمی جس نے باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کیا تھا، اس کے خطوط میں ایسے بہت سے الفاظ نظر آئیں گے کہ آجکل کا گریجویٹ اور ایم اے بھی اس خط کو نہیں سمجھ سکتا۔ بہرحال! اس کی فکر کرنی چاہئے، اس لئے جب حدیث سنا کریں تو اس کے الفاظ سے بھی اپنے کو مانوس کیا کریں۔

چھینکنے کے آداب

بہرحال! یہ لفظ ''تشمیت'' ہے۔ اس لفظ کو ''س'' سے ''تسمیت'' پڑھنا بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والے کو ''الحمدللہ'' کہنا چاہئے، اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے اس کو ''یرحمک اللہ'' کہنا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، یہ ''یرحمک اللہ'' کے الفاظ کہنا ''تشمیت'' ہے۔ یہ عربی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اس بات کی دعا دینا کہ وہ صحیح راستے پر رہے۔

جمائی سستی کی علامت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والا ''الحمدللہ'' کہے اور اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ویسے تو ہر فعل اللہ تعالیٰ کے شکر کا متقاضی ہے، لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ:

التثاؤب من الشیطان والعطاس من الرحمٰن

یعنی ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہوتی ہے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ''جمائی'' سستی کے وقت آتی ہے اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو سستی آ رہی ہے، اور ''سستی'' شیطانی اثرات لئے ہوئے ہوتی ہے جو انسان کو بھلائی سے، نیک کاموں سے اور صحیح طرز عمل سے باز رکھتی ہے، اگر انسان اس سستی پر عمل کرتا چلا جائے تو بالآخر وہ ہر طرح کی خیرات سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس سستی کو دور کرو، کاہلی کو دور کرو اور جس خیر کے کام میں سستی آ رہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کر کے وہ خیر کا کام کر گزرو۔

حضور ﷺ کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسَلِ

اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس لئے کہ یہ سستی بہت خراب چیز ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اگر کسی کو سستی ہوتی ہو تو اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ اس سستی کا مقابلہ کرے، مثلاً سستی کی وجہ سے دل چاہ رہا ہے کہ گھر میں پڑا رہوں اور کام پر نہ جاؤں، تو

اس کا علاج یہ ہے کہ زبردستی کر کے کھڑا ہو جائے اور اس سستی کا مقابلہ کرے۔ اور "جمائی" اس سستی کی ایک علامت ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جمائی" شیطانی اثرات کی حامل ہے۔

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور چھینک کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چھینک "رحمٰن" کی طرف سے ہے، یعنی اللہ جل شانہ کی رحمت کا ایک عنوان ہے۔ ایک چھینک وہ ہوتی ہے جو نزلہ اور زکام کی وجہ سے آنی شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل آتی چلی جاتی ہے، یہ تو بیماری ہے، لیکن اگر ایک آدمی صحت مند ہے اور نزلہ زکام کی کوئی بیماری نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو چھینک آ رہی ہے تو اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمٰن کی طرف سے رحمت کی علامت ہے۔ چنانچہ اطباء نے لکھا ہے کہ بعض اوقات انسان کے جسم پر کسی بیماری کا حملہ ہونے والا ہوتا ہے تو چھینک اس حملے کو روک دیتی ہے، اس طرح یہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے یہ تو ظاہری رحمت ہے، ورنہ اس کے اندر جو باطنی رحمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ چونکہ چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عنوان میں سے ایک عنوانات ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو "الحمدللہ" کہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

ان احکام کے ذریعہ قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر موقع پر رجوع کرو، اور ہر ہر موقع پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس وقت یہ پڑھ لو، اس وقت یہ پڑھ لو، یہ سب اس لئے کہا جا رہا ہے تا کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہو جائے اور ہر تغیر کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے۔ ساری عبادتوں، سارے زہد، سارے مجاہدوں، ساری ریاضتوں اور سارے تصوف اور سلوک کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل ہو جائے۔ اس رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختلف طریقے تلقین فرمائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چھینک آئے تو فوراً کہو: الحمد اللہ۔

یہ سنت مردہ ہوتی جا رہی ہے

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی اور اس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اور اس وقت اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ الحمد للہ نہیں کہے گا، بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب ہر چیز مٹتی جا رہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ سنت بھی مردہ ہوتی جا رہی ہے،

اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے جب چھینک آئے تو فوراً کہو: ''الحمدللہ''

چھینکنے والے کا جواب دینا واجب ہے

پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے والے کے پاس بیٹھا ہے اور اس نے یہ سنا کہ چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' کہا تو اس سننے والے پر شرعاً واجب ہے کہ جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے، اسی کا نام ''تشمیت'' ہے۔ اور یہ جواب دینا صرف سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ جواب نہیں دے گا تو اس کو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت واجب ہے کہ چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' کہا ہو، اور اگر چھینکنے والے نے ''الحمدللہ'' نہیں کہا تو پھر سننے والے پر ''یرحمک اللہ'' کہنا واجب نہیں۔

البتہ واجب علی الکفایہ ہے

البتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی آسانی فرما دی ہے کہ اس کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے، یعنی واجب علی العین نہیں ہے کہ ہر سننے والے پر جواب دینا ضروری ہو، بلکہ اگر سننے والے دس افراد ہیں اور ان میں سے ایک نے ''یرحمک اللہ'' کہہ دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا۔ لیکن ساری مجلس میں کسی ایک فرد نے بھی ''یرحمک اللہ'' نہیں کہا تو تمام افراد ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

فرض عین اور فرض کفایہ کا مطلب

یہ سب اصطلاحات بھی جاننے کی ہیں اور سیکھنی چاہئیں۔ دیکھئے! ایک ہے ''فرض عین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ہر ایک آدمی پر فرض ہے، جیسے نماز ہر ہر آدمی پر علیحدہ علیحدہ فرض ہے، ایک کی نماز سے دوسرے کی نماز ادا نہیں ہوتی، اس کو ''فرض عین'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے ''فرض کفایہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بہت سے افراد میں سے ایک دو افراد نے بھی وہ کام کرلیا تو سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، جیسے نماز جنازہ ''فرض کفایہ'' ہے، اگر چند افراد بھی نماز جنازہ ادا کرلیں گے تو سب کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔

سنت علی الکفایہ

مثلاً رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ''سنت مؤکدہ علی الکفایہ'' ہے۔ یعنی اگر محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی مسجد میں جاکر اعتکاف میں بیٹھ گیا تو تمام اہل محلہ کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اگر ایک شخص بھی اعتکاف میں نہیں بیٹھا تو سارے محلے والے ترک سنت مؤکدہ کے گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب دینا ''واجب علی الکفایہ'' ہے، یعنی اگر مجلس میں ایک شخص نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب ترک

واجب کے گناہ گار ہوں گے۔

یہ مسلمان کا ایک حق ہے

ہم لوگ ذرا جائزہ لیں کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس واجب سے کتنی غفلت برتتے ہیں۔ اوّل تو چھینکنے والا ''الحمدللہ'' نہیں کہتا، اور اگر وہ الحمدللہ کہے تو سننے والے ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ جواب دینے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعہ یہ بتا رہے ہیں کہ ''تشمیت'' کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اس کے ذمے واجب ہے۔

کتنی مرتبہ جواب دینا چاہئے

البتہ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی یہ فرما دی ہے کہ ایک تو اس حق کو ''واجب علی الکفایہ'' قرار دیا، دوسرے یہ کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو مسلسل چھینکیں آ رہی ہیں اور وہ مسلسل الحمدللہ کہہ رہا ہے، اور سننے والا مسلسل ''یرحمک اللہ'' کہتا جا رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دوسرے کام چھوڑ کر بس یہی کرتا رہے۔ تو اس کے بارے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب بتا دیا کہ اگر ایک مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا واجب ہے، اور دوسری مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا سنّت ہے، اور تیسری مرتبہ جواب دینا بھی سنّت ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اس کے بعد اگر

چھینک آئے تو اب جواب نہ تو واجب ہے اور نہ سنت ہے، البتہ اگر کوئی شخص جواب دینا چاہے تو جواب دیدے، انشاء اللہ اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کا طرزِ عمل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے الحمدللہ کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' فرمایا، دوسری مرتبہ پھر چھینک آئی، آپ ﷺ نے پھر جواب دیا ''یرحمک اللہ'' تیسری مرتبہ پھر چھینک آئی آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ جواب دیا ''یرحمک اللہ'' جب چوتھی مرتبہ ان کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رجل مزکوم'' یعنی ان صاحب کو زکام ہے، اور اس مرتبہ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

(ترمذی، کتاب الادب باب ماجاء کم یشمّت العاطس)

اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ مسئلہ بتا دیا کہ تیسری مرتبہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! شریعت نے ہماری اور آپ کی سہولت کے لئے کن کن باریکیوں کی رعایت فرمائی ہے، تاکہ یہ نہ ہو کہ آدمی

واجب ہے جب چھینکنے والا ''الحمد للہ'' کہے، اگر چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، لیکن جواب دینا اچھا ہے، تاکہ چھینکنے والے کو تنبیہ ہو جائے کہ مجھے ''الحمد للہ'' کہنا چاہئے تھا۔

حضور ﷺ کا جواب نہ دینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے ''الحمد للہ'' کہا، آپ ﷺ نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صحابی کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا، آپ ﷺ نے ''یرحمک اللہ'' بھی نہیں کہا۔ ان صحابیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان صاحب کو تھوڑی دیر پہلے چھینک آئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کو ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ دعا دیدی تھی اور اب مجھے چھینک آئی تو آپ ﷺ نے مجھے دعا نہیں دی۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ان صاحب نے ''الحمد للہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا، اس لئے میں نے ان کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا، تم نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا، اس لئے میں نے جواب میں ''یرحمک اللہ'' نہیں کہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''یرحمک اللہ'' کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا ''الحمد للہ'' کہے۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی ایجاب التشمیت بحمد العاطس)

چھینکنے والا بھی دعا دے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب "الحمدللہ" کے جواب میں سننے والے نے "یرحمک اللہ" کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ "یھدیکم اللّٰہ" کہے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ "یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم" کہے۔ اس لئے کہ جب سننے والے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو اب جواب میں چھینکنے والا اس کو یہ دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے سب کام ٹھیک کر دے۔ ان احکام کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالی جا رہی ہے، کیونکہ جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے دعا کرتا ہے تو اس دعا کی قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ دوسروں کے لئے دعا کیا کرو۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء کیف تشمیت العاطس)

ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر

دیکھئے! چھینک ایک مرتبہ آئی، لیکن اس میں تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہوگیا، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگیا اور تین دعائیں ہوگئیں۔ اور دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہوا، اور اس تبادلے کے نتیجے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کرنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہوگیا۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بہرحال! ''تشمیت'' کرنا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور واجب ہے۔

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچواں حق یہ بیان فرمایا: ''نصر الضعیف'' یعنی کمزور کی مدد کرنا۔ اسی کے ساتھ چھٹا حق یہ بیان فرمایا ''عون المظلوم'' یعنی مظلوم کی مدد کرنا۔ یعنی جو شخص کسی ظلم کا شکار ہے، اس سے ظلم دور کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا بھی ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن پر حق ہے، اور یہ انسان کے اندر جتنی استطاعت ہو، اس استطاعت کی حد تک دوسرے مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے، اگر ایک مؤمن قدرت کے باوجود دوسرے مؤمن کو ظلم سے نہ بچائے یا اس کی مدد نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

مظلوم کی مدد واجب ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب المؤاخاۃ)

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے اور تم اس کو روک سکتے ہو، تو ایسے موقع پر اس کو بے یارومددگار چھوڑنا جائز

نہیں، بلکہ اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائیگا

بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ اگر کچھ لوگ یہ دیکھ رہے ہوں کہ کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے، چاہے وہ ظلم جانی ہو یا مالی ہو، اور ان کو اس ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی اور اس شخص کو ظلم سے بچانے کی قدرت ہو، پھر بھی وہ اس ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، اور اس کو ظلم سے نہ بچائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔

عذاب کی مختلف شکلیں

پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عذاب اسی قسم کا ہو جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آئے، مثلاً آسمان سے انگارے برسیں، یا طوفان آجائے، یا ہوا کے جھکڑ چل پڑیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، اللہ تعالی ہمیں اپنے عذاب اور عتاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ہم دن رات جو دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، بدامنی اور بے چینی کا دور دورہ ہے، کسی شخص کی جان، کسی کا مال، کسی کی عزت اور آبرو محفوظ نہیں، ہر شخص بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے عنوانات ہیں، یہ سب عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔ اب یہ تو دور آگیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے

ایک انسان پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اور اس کو ظلم سے بچانے کی قدرت بھی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو ظلم سے بچانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خاص طور پر جب سے ہمارے یہاں مغربی تہذیب کا سیلاب امڈ آیا ہے اور لوگوں کے پاس دولت آگئی ہے تو اس دولت نے لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیا ہے کہ مروت، انسانیت، شرافت سب کچل کر رہ گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لہٰذا ان جدید آلات نے مروت کے احساس کو کچل دیا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت شاندار کار سڑک پر گزری، جس میں کوئی صاحب بہادر بیٹھے تھے، اور اس کار نے ایک راہ گیر کو ٹکر ماری، وہ سڑک پر گرا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا، مگر ان صاحب بہادر کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کار روک کر دیکھ لے کہ کتنی چوٹ آئی، صرف اتنا ہوا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر گرا ہوا ہے، بس

یہ دیکھ کر وہ روانہ ہوگیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دولت نے اور اس مغربی تہذیب نے ہمیں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ کسی آدمی کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے وقعت ہوکر رہ گئی ہے، آج کا انسان انسان نہیں رہا۔

مسلمان کی مدد کرنے کی فضیلت

واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کرے، آپ کی سنت یہ ہے کہ آدمی ضعیف کی مدد کرے اور مظلوم کے ساتھ تعاون کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلت بھی ارشاد فرمائی ہے کہ:

واللّٰہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ۔

(مسند احمد ج ۲، ص ۲۷۴)

یعنی جب تک مسلمان کسی معاملے میں اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس کے کام بناتا رہتا ہے۔

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا اچھا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کے یہاں یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم کسی محدث کے پاس حدیث پڑھنے جاتا ہے تو استاذ اس طالب علم کو سب سے پہلے یہ حدیث سناتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمة)

رحم کرنے والوں پر "رحمٰن" رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اور جو آدمی زمین والوں پر رحم کرنا نہیں جانتا، اس کو آسمان والے سے بھی رحمت کی توقع مشکل ہے۔ بہرحال! ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی اعانت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم شعار ہے۔

قسم کھانے والے کی مدد کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں، ان میں سے ساتواں حق جو حدیث میں بیان فرمایا: وہ ہے "اِبْرَار الْمُقْسِم" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب وہ اس قسم کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسے مسلمان کی مدد کرنا تا کہ وہ اپنی قسم پوری کرلے، یہ بھی مسلمان کے حقوق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خندہ پیشانی سے ملنا سنّت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

خندہ پیشانی سے ملنا سنّت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ
نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ
اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا
مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ
لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ
سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن عطاء بن یسارٍ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ قال:
لقیت عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی
اللّٰہ تعالیٰ عنہ، فقلت اخبرنی عن صفۃ
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی التوراۃ

قال فقال أجل واللّٰه إنه لموصوف فی
التوراة ببعض صفته فی القرآن یٰأیها النبی
إنا ارسلنٰک شاهدًا ومبشراً ونذیرا وحرزًا
للأمّیین انت عبدی و رسولی سمیتک
المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخّاب
فی الأسواق ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن
یعفو ویصفح ولن یقبضه اللّٰه تعالیٰ حتی
یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا إله الا
اللّٰه فیفتح بها اعیناً عمیا و آذا ناً صماً
وقلوباً غلفًا۔

(بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ ۴۸، باب ۳)

خندہ پیشانی سے پیش آنا خلق خدا کا حق ہے

یہ ایک طویل حدیث ہے اور اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب الانبساط الی النّاس" کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور لوگوں میں گھلے ملے رہنا۔

یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الأدب المفرد" کے نام سے لکھی ہے، اور اس میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جمع کی ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی آداب سے متعلق ہیں، اور ان

آداب کی آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تلقین فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک ادب اور ایک سنت یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ کھلے ملے رہو اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔

اور یہ خلق خدا کا حق ہے کہ جب اللہ کے کسی بندے سے ملاقات ہو تو اس سے آدمی خندہ پیشانی سے ملے، اپنے آپ کو بہ تکلف تندخو اور سخت مزاج نہ بنائے کہ لوگ قریب آتے ہوئے وحشت کریں، خواہ اللہ پاک نے دین کا یا دنیا کا بڑے سے بڑا مقام یا منصب عطا فرمایا ہو، وہ اس مقام کی وجہ سے اپنے آپ کو لوگوں سے کٹ کر سخت مزاج بن کر نہ بیٹھے بلکہ کھلا ملا رہے، یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

اس سنت نبوی ﷺ پر کافروں کا اعتراض

بلکہ یہ وہ سنت ہے جس پر بعض کافروں نے اعتراض کیا تھا۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۝

(سورۃ الفرقان، آیت ۷)

اور کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی پھرتا ہے۔

کفار سمجھتے تھے کہ بازاروں میں پھرنا منصب پیغمبری کے خلاف ہے۔ یہ اس وجہ

سے سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو دیکھا تھا کہ جب وہ بادشاہت کے منصب پر فائز ہو جاتے تھے تو عوام سے کٹ کر بیٹھ جاتے تھے، عام آدمی کی طرح بازاروں میں نہیں آتے تھے، بلکہ خاص شاہانہ شان وشوکت سے آتے تھے۔ تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبری اتنا بڑا اور اونچا مقام ہے کہ بادشاہت تو اس کے مقابلے میں گرد ہے۔

لیکن قرآن کریم نے ان کے اس خیالِ باطل کی تردید کی، اس لئے کہ پیغمبر تو آتے ہی تمہاری اصلاح کے لئے ہیں، لہٰذا دنیا کا بھی ہر کام عام انسانوں میں گھل مل کر کر کے دکھاتے ہیں، اور اس کے آداب اور اس کی شرائط بتاتے ہیں، نہ یہ کہ اپنے آپ کو عوام سے کاٹ کر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا پیغمبروں کا بازاروں میں، چلنا پھرنا اور ملنسار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مقتدا (مقتدا کا مطلب ہوتا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اطاعت کرتے ہوں) بننے کے بعد لوگوں سے کٹ کر بیٹھ گیا اور اپنی شان بنالی تو اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔

فرمایا کہ ایک عام آدمی کی طرح رہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔

ملنساری کا نرالا انداز

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے سوق مناقہ (سوق مناقہ مدینہ منورہ کا ایک بازار تھا جو اب حرم شریف کی توسیع والے حصے میں شامل ہوگیا ہے، میں نے بھی کسی زمانے میں اس کی زیارت کی تھی) میں تشریف لے گئے، تو وہاں ایک دیہاتی تھے حضرت زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیہات سے سامان لاکر شہر میں بیچا کرتے تھے، سیاہ رنگ تھا اور غریب آدمی تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے ان کے پیچھے گئے اور ان کی کولی بھرلی اور ان کو پیچھے سے کمر سے پکڑ لیا پھر آواز لگائی کہ **من یشتری ھذا العبدمنی** کون ہے جو مجھ سے یہ غلام خریدے گا؟ آپ ﷺ نے مزاح فرمایا۔ جب حضرت زاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز پہچان لی تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ اور ملانے کی کوشش کی اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ﷺ اس غلام کو فروخت کریں گے تو بہت کم پیسے ملیں گے، اس لئے کہ سیاہ فام ہے اور

معمولی درجے کا آدمی ہے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اے زاہد! اللہ کے ہاں تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے جارہے ہیں اور کس طرح ایک معمولی درجے کے آدمی کے ساتھ مزاح فرمارہے ہیں۔ دیکھنے والا یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ کتنا الوالعزم پیغمبر ہے کہ جس کے سامنے جبرئیل امین ؑ بھی پر جلتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مفتی اعظم پاکستان ہے یا عام راہگیر؟

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے مطب میں بیٹھا ہوا تھا (حضرتؒ کا مطب اس وقت برنس روڈ پر ہوتا تھا اور ہمارا گھر بھی اس زمانے میں اس کے قریب ہی ہوا کرتا تھا) دیکھا کہ مطب کے سامنے فٹ پاتھ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ میں تھیلی لئے ہوئے ایک عام آدمی کی طرح جارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مفتی اعظم پاکستان جس کے چاردانگ عالم میں علم وفضل اور تقویٰ کے گن گائے جاتے ہیں، وہ اس طرح ایک عام آدمی کی طرح ہاتھ میں تھیلی لے کر پھر رہا ہے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ان کو دیکھ کر کوئی پہچان سکتا ہے کہ یہ مفتی اعظم پاکستان ہیں؟

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص تعلق عطاء فرما دیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ اس طرح گھلا ملا کر رکھتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس مقام کے آدمی ہیں۔

اور یہی سنّت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، نہ یہ کہ آدمی اپنی شان بنا کر رکھے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں تکلف سے کام لے۔

مسجد نبوی ﷺ سے مسجدِ قباء کی طرف عامیانہ چال

ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی ﷺ سے پیدل چل کر ایسے ہی دوستانہ ملاقات کے لئے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے جو مسجد قباء کے قریب رہتے تھے، تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ ان کے گھر کے دروازے پر جا کر تین دفعہ آواز دی، شاید وہ صحابی کسی ایسی حالت میں تھے کہ جواب نہیں دے سکتے تھے، تو قرآن پاک کے حکم کے مطابق:

وإذا قيل لكم ارجعوا فارجعوا۔

جب تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مسجد نبوی ﷺ تشریف لے آئے۔ کوئی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، دوست سے ملنے گئے تھے، اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کیا، نہیں ہوئی ملاقات، واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور فداء ہونے لگے کہ میری کیا حیثیت کہ آپ میرے در پہ تشریف لائے۔

شاید یہ مشکل ترین سنت ہو

ویسے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنتیں ایسی ہیں کہ ہر سنت پہ انسان قربان ہو جائے۔ لیکن ایک سنت ترمذی شریف کی ایک روایت میں آئی ہے، میں سمجھتا ہوں شاید اس پر عمل کرنا مشکل ترین کام ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اس سے چہرہ نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ خود ہی چہرہ نہ پھیر لے، اپنی طرف سے بات کاٹتے نہیں تھے۔

کہنے کو آسان بات ہے، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب سینکڑوں آدمی رجوع کرتے ہوں، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی اپنی مشکل بیان کر رہا ہے، تو آدمی کا دل چاہتا ہے کہ میں جلدی جلدی ان سے نمٹ جاؤں۔

اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جب بولنے پر آجائیں تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کہ جب تک وہ نہ رک جائے اس وقت تک اس سے نہ ہٹے، یہ بہت زیادہ مشکل کام ہے۔

لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو جہاد میں بھی مشغول ہیں، تبلیغ

میں بھی مصروف ہیں، تعلیم میں بھی مصروف ہیں، جو پوری دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ایک بوڑھیا بھی راستہ میں پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس وقت تک اس سے نہیں پھرتے جب تک کہ پوری طرح اس کو مطمئن نہیں کر دیتے۔

مخلوق سے محبّت کرنا، حقیقتاً اللہ سے محبّت کرنا ہے

یہ صفت انسان کے اندر اس وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب مخلوق کے ساتھ اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے کیا محبت کرو گے، اللہ کی ذات کو نہ دیکھا، نہ سمجھا، نہ اس کو تم تصور میں لا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے محبت ہے تو میری مخلوق سے محبت کرو اور میری مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک عکس تمہاری زندگی میں آئے گا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ باب قائم کر رہے ہیں۔ "باب الانبساط إلى الناس" کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کے ساتھ گھلا ملا رہنا اور اس طرح رہنا "کاحدمن الناس" جیسے ایک عام آدمی ہوتا ہے، یعنی اپنا کوئی امتیاز پیدا نہ کرنا، یہ مقصود ہے اس باب کا۔ اس میں حدیث نقل کی ہے حضرت عطاء ابن یسار تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی، وہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات ہوئی حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی امتیازی خصوصیات

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں، اور ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو اپنی کثرت عبادت میں مشہور تھے، بہت عابد وزاہد بزرگ تھے، اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی کثیر تعداد میں روایت کی ہیں۔

ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ انہوں نے توراۃ، زبور، انجیل کا علم بھی کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہوا تھا، حالانکہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں بہت تحریفیں کر دی ہیں اور اپنی اصلی حالت میں برقرار نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کو اس نقطہ نظر سے پڑھنا تاکہ ان کی حقیقت معلوم ہو اور یہودیوں اور عیسائیوں کو تبلیغ کرنے میں مدد ملے تو پڑھنے کی اجازت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کچھ توراۃ یہودیوں سے پڑھی ہوئی تھی۔

توراۃ میں اب بھی کتاب اللہ کا نور جھلکتا ہے

توراۃ اگرچہ مکمل طور پر پہلے کی طرح نہیں ہے، یہودیوں نے اس میں بہت زیادہ تحریفات کر دی ہیں، بہت سے حصے حذف کر دیے ہیں، نئے اضافے کر دیے، الفاظ کو بدل دیا، لیکن اس کے باوجود کہیں کہیں پھر بھی کتاب

اللہ کا نور جھلکتا ہے۔

اسی وجہ سے اس میں اب بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارتیں اور آپ ﷺ کی صفات موجود ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اور زیادہ واضح تھیں، اسی وجہ سے قرآن کریم کہتا ہے کہ:

یہ یہودی آپ ﷺ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح
اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

اس لئے کہ توراۃ میں جو علامتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی تھیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ایسی صفات کے حامل ہوں گے، ایسا ان کا حلیہ ہوگا، اس خاندان کے ہوں گے، اس شہر میں ہوں گے، یہ ساری تفصیل مذکور تھی۔ تو جو یہودی ان کتابوں کے عالم تھے وہ اپنی آنکھوں سے وہ علامتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے تھے کہ پائی جارہی ہیں، مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے۔ تو حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے توراۃ پڑھی ہے، توراۃ میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مذکور ہیں وہ ہمیں بتلائیں۔

بائبل سے قرآن تک

یہ کتابیں ان لوگوں نے اتنی بگاڑ دی ہیں، اس کے باوجود اس میں بعض

ٹکڑے ایسے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ ان کی مشہور کتاب بائبل جس کو ''کتاب مقدس'' بھی کہتے ہیں، اس کو یہودی بھی مانتے ہیں اور عیسائی بھی مانتے ہیں، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں آج بھی موجود ہیں۔ مجھے توراۃ کا ایک جملہ یاد آ گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

''جو فاران سے طلوع ہوگا۔ سلاح میں بسنے والے
گیت گائیں گے، قیدار کی بستیاں حمد کریں گی''

فاران نام ہے اس پہاڑ کا جس پر غارِ حرا واقع ہے۔

''سلاح'' نام ہے اس پہاڑ کا جس کا ایک حصہ ثنیۃ الوداع ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس پر بچیوں نے کھڑے ہو کر یہ ترانے پڑھے تھے کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

اور قیدار نام ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا، اور ان کی بستیاں عرب میں آباد ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی اولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے تو ان کی بستیاں حمد کریں گی۔

آپ ﷺ کی صفات توراۃ میں بھی موجود ہیں

بہر حال، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: ہاں میں بتاتا ہوں۔

واللہ إنه لموصوف فی التوراۃ ببعض صفته

فی القرآن۔

اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کی بعض صفات توراۃ میں

ایسی مذکور ہیں جو کہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہیں۔

پھر انہوں نے قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی:

یا یھاالنبی انا ارسلنک شاھدًا ومبشراً

ونذیرًا ط

اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

گواہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام دیا گیا تھا تو کس نے اس پر عمل کیا اور کس نے نہیں کیا، اس بات کی گواہی دیں گے۔

ومبشراً: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے ہوں گے۔

ونذیرًا: اور جہنم سے ڈرانے والے ہوں گے۔

یہ آیت قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، پھر آگے توراۃ کی عبارت پڑھ کر سنائی کہ:
وحرزاً للامیین، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان پڑھ لوگوں کے واسطے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ اُمی کا لفظ خاص طور سے لقب کے طور پر عربوں

کے لئے بولا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا تو یہ تو راۃ میں تھا کہ امتیوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ آگے فرمایا:

وانت عبدی ورسولی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت توراۃ میں فرمارہے ہیں کہ اے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم میرے بندے ہو اور پیغمبر ہو۔

وسمیتک المتوکل۔

اور میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والا۔ آگے صفات بیان فرمائیں کہ وہ نبی کیسا ہوگا؟ فرمایا:

لیس بفظ ولا غلیظ۔

وہ نہ تو سخت گو ہوگا اور نہ سخت طبیعت والا ہوگا۔

فظ کے معنی ہیں جس کی باتوں میں سختی ہو، کرختگی ہو۔

ولا سخاب فی الاسواق۔

اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا۔

ولا یدفع السیئۃ بالسّیئۃ۔

اور وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔

ولکن یعفو ویصفح۔

لیکن وہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہوگا۔

ولن یقبضہ اللہ تعالیٰ حتی یقیم بہ الملۃ

العوجاء بان يقولوا: لا إله إلا الله۔

اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کردے، اس طرح کہ وہ کہدیں: لا إله إلا الله۔

ويفتح بها اعينا عميا واذانا صماً وقلوبا غلفا

اور اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھیں کھولدے گا اور بہرے کان کھولدے گا، اور وہ دل جن کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ان کے ذریعے کھل جائیں گے۔

اور یہ صفات تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ توراۃ میں آج بھی موجود ہیں۔

توراۃ کی عبرانی زبان میں آپ علیہ السلام کی صفات

چونکہ محاورے ہر زبان کے مختلف ہوتے ہیں، تو اصل توراۃ عبرانی زبان میں تھی، اس کا ترجمہ جب اردو میں کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں کہ:

وہ مسکلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا، ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔

اور عبرانی زبان کے محاورے میں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ:

وہ کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا اور عفو و درگزر سے کام لے گا اور اس کے آگے پتھر کے بت اوندھے

منہ گریں گے۔

اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح کیا تو پتھر کے بت جو خانہ کعبہ میں نصب تھے وہ اوندھے منہ گرے، یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ میں نے جو "اظہار الحق" کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے کیا ہے، اس کی تیسری جلد کا چھٹا باب انہی بشارتوں پر مشتمل ہے۔ میں نے دو کالم بنا کر ایک کالم میں بائبل کی عبارت دوسرے کالم میں وہ احادیث لکھی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آئی ہیں، پھر ان کو موازنہ کرکے دکھایا کہ بائبل میں یہ آیا ہے اور قرآن کریم میں یا حدیث میں یہ آیا ہے۔ تو اتنی تحریفات کے باوجود آج بھی یہ صفات بائبل میں باقی ہیں۔

حدیثِ مذکورہ سے امام بخاریؒ کی غرض

لیکن جس غرض سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لے کر آئے ہیں، وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات پچھلی کتابوں میں بیان ہوئے وہ کیا تھے، اور اس پیشگوئی میں جو آپ ﷺ کی امتیازی صفات ہیں اور سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں وہ کیا ہیں؟

وہ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرخت نہیں ہیں اور ترش مزاج نہیں ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

یہ سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت

میں اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تو جتنی برائی کی ہے اتنا بدلہ لے سکتے ہو، ایک تماچہ مارا ہے تو تم بھی اتنے ہی زور سے ایک تماچہ مار سکتے ہو جتنا زور سے اس نے مارا، اس سے کم و بیش نہ ہو، اس کی اجازت ہے۔ لیکن اجازت ہونا اور بات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونا اور بات ہے۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی شخص سے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

برائی کا جواب حسنِ سلوک سے دینا

یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظیم الشان سنت ہے۔ ہم نے سنتوں کو چند ظاہری سنتوں کی حد تک محدود کرلیا ہے، مثلاً سنت ہے کہ مسواک کرنا چاہئے، داڑھی رکھنی چاہئے، اور ظاہری وضع قطع سنت کے مطابق کرنی چاہئے۔ یہ سب سنتیں ہیں، ان کی اہمیت سے بھی جو انکار کرے وہ سنتوں سے ناواقف ہے، لیکن سنتیں اس حد تک محدود نہیں، عام تعلقات اور معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرزِ عمل تھا، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ اور جس اہتمام کے ساتھ دوسری سنتوں پر عمل کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں بلکہ برائی کا بدلہ حسنِ سلوک سے دیں، سنت کے مطابق اچھائی سے دیں۔ اب ذرا ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اس سنت پہ کتنا عمل کر رہے ہیں؟

ہمارے ساتھ اگر کسی نے برائی کی ہے تو کتنا انتقام کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور کتنی اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر غور کرو تو معاشرے کے فساد کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو چھوڑ دیا ہے، ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس نے چونکہ میرے ساتھ برائی کی ہے، میں بھی اس سے برائی کروں گا، اس نے مجھے گالی دی ہے، میں بھی دوں گا، اس نے مجھے میری شادی پر کیا تحفہ دیا تھا تو میں بھی اتنا ہی دوں گا، اور اس نے شادی پر تحفہ نہیں دیا تھا تو میں بھی نہیں دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کچھ بدلہ کرنے کے لئے ہو رہا ہے، بدلہ کرنے والا درحقیقت صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل من اذا قطعت رحمه وصلها ۔

(بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرا تو قطع رحمی کر رہا ہے اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے، اور یہ جواب میں قطع رحمی کرنے کی بجائے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر متوسلین اور خدام وغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک صاحب آئے جو

حضرت کے کوئی رشتہ دار تھے، داڑھی مونچھ صاف، عام آدمیوں کی طرح تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں، انتہائی بے ادبانہ لہجے میں جتنے الفاظ برائی کے ان کے منہ میں آئے کہتے ہی گئے۔ آگے سے حضرت ان کی ہر بات پہ کہہ رہے ہیں کہ بھائی ہم سے غلطی ہوگئی ہے، تم ہمیں معاف کردو، ہم انشاء اللہ تلافی کر دیں گے، تمہارے پاؤں پکڑتے ہیں، معاف کردو۔ بہرحال، ان صاحب کا اس قدر شدید غصے کا عالم کہ دیکھنے والے کو بھی برداشت نہ ہو، بالآخر ٹھنڈے ہوگئے۔

بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس اللہ کے بندے کو کوئی غلط اطلاع مل گئی تھی، اس وجہ سے ان کو غصہ آ گیا تھا، اگر میں چاہتا تو ان کو جواب دے سکتا تھا اور بدلہ لے سکتا تھا، لیکن اس واسطے میں نے اس کو ٹھنڈا کیا کہ بہرحال یہ رشتہ دار ہے اور رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں، تو رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق کرلینا آسان ہے، لیکن تعلق جوڑ کر رکھنا یہ ہے درحقیقت تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور یہ ہے لا یدفع السیئۃ بالسیئۃ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ پیار سے، محبت سے، شفقت سے اور خیرخواہی سے دو۔

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، عجیب ولی اللہ بزرگ تھے، دارالعلوم میں مہتمم کے معنی گویا کہ سب سے بڑے،

عہدے پر فائز، حضرت نے ایک گائے پال رکھی تھی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کو لے کر آرہے تھے کہ راستے میں مدرسہ کا کوئی کام آگیا، اسی طرح مدرسے آئے اور گائے مدرسے کے صحن میں درخت کے ساتھ باندھ کر دفتر میں چلے گئے۔

وہاں دیوبند کے ایک صاحب آئے اور چیخنا شروع کر دیا کہ یہ گائے کس کی بندھی ہے؟ لوگوں نے بتایا مہتمم صاحب کی ہے، تو کہنے لگے اچھا! مدرسہ مہتمم کا کمیلا بن گیا، ان کی گائے کا باڑا بن گیا، اور مہتمم صاحب مدرسے کو اس طرح کھا رہے ہیں کہ مدرسے کے صحن کو انہوں نے اپنی گائے کا باڑا بنالیا ہے۔ شور سن کر وہاں ایک مجمع اکٹھا ہوگیا، اب سراسر الزام سراسر ناانصافی، حضرت وہاں کام کر رہے تھے، اندر آواز آئی تو باہر نکلے کہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ صاحب ناراض ہو رہے ہیں کہ مہتمم صاحب نے یہاں گائے باندھ دی، کہنے لگے کہ ہاں واقعی یہ مدرسہ ہے اللہ کا، مجھے گائے یہاں نہیں باندھنی چاہئے تھی، یہ گائے میری ذاتی ہے اور یہ صحن مدرسہ کا ہے، مجھ سے غلطی ہوگئی، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ یہ گائے آپ ہی لے جاؤ۔ وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ لے کر چلتا بنا۔

اب آپ دیکھئے کہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے، اتنے بڑے ولی اللہ اور اتنے بڑے خادم دین کے اوپر ایک معمولی آدمی اتنی گرمی دکھا رہا ہے سب لوگوں کے سامنے، بجائے اس کے کہ اس کو بدلہ دیا جاتا، گائے بھی اسی کو دے

دی۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور لا یدفع السیئة بالسیئة پر عمل۔

آپ کی ساری سنتوں پر عمل ضروری ہے

درحقیقت سنت صرف یہ نہیں ہے کہ آسان آسان سنتوں پر عمل کرلیا جائے، بلکہ ہر ایک سنت پر عمل کی فکر کرنی چاہئے، اور انسان اس سنت کے جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی معاشرے کا فساد ختم ہوگا، غور کرکے دیکھ لو اور تجربہ کرکے دیکھ لو کہ جو بگاڑ پھیلا ہوا ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے دور ہونے کا نتیجہ ہے۔

ولکن یعفو ویصفح۔

لیکن وہ معاف فرمادیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہہ دے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جواب نہیں دیتے۔ اور جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ بھی یہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا کچھ حصہ ہم کو بھی عطا فرما دے۔

یہ سب کچھ اس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، معلوم نہیں ہم کہاں چلے گئے ہیں، کس وادی میں بھٹک رہے ہیں، یہاں بیٹھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا کم از کم تھوڑی دیر دھیان ہو تو شاید دلوں میں کچھ داعیہ پیدا ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ عمل

کی توفیق عطا فرمادے۔ اس کی عادت ڈالو، اس کے لئے خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے، دل پر جبر کرنا پڑتا ہے، دل پر پتھر رکھنے پڑتے ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی منزل کی طرف جانا ہے تو یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ گھونٹ

حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی گھونٹ جو انسان پیتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند نہیں جتنا کہ غصے کا گھونٹ پیتا۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۳۲۷)

یعنی جب غصہ آ رہا ہو اور غصے میں آدمی آپے سے باہر ہو رہا ہو اور اسمیں اندیشہ ہو کہ وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا دے گا، اس وقت غصے کے گھونٹ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پی جانا اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔

والکٰظمین الغیظ والعافین عن الناس ○

(آل عمران، آیت ۱۳۴)

قرآن کریم نے ایسی ہی مدح فرمائی ہے ایسے لوگوں کی کہ جب بھی غصہ آئے اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں، تو ٹھیک ہے تمہیں شریعت نے جائز حدود میں بدلہ لینے کا حق دیا ہے، لیکن یہ دیکھو کہ بدلہ لینے سے تمہیں کیا فائدہ؟ فرض کرو کہ ایک شخص نے تمہیں تماچہ مار دیا تو اگر تم بدلہ لینے کے لئے ایک تماچہ اس

کے مار دو تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اگر تم نے اس کو معاف کر دیا اور یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو معاف کرتا ہوں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں صابرین کا اجر

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

إنما یوفی الصّٰبرون اجرهم بغیر حساب ○

(سورۃ الزمر، آیت نمبر۱۰)

بے شک صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر
عطا فرمائیں گے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معاف کرنے کا عادی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے میرے بندوں کو معاف کیا تھا، تو میں اس کو معاف کرنے کا زیادہ حق دار ہوں، تو اس کی خطائیں بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

عفو وصبر کا مثالی واقعہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دو آدمی آپس میں لڑے، لڑائی میں ایک کا دانت ٹوٹ گیا، جس کا دانت ٹوٹا وہ شخص اس کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا اور کہا کہ دانت کا بدلہ دانت ہوتا ہے، لہٰذا قصاص دلوایئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تمہیں حق ہے، لیکن کیا فائدہ، تمہارا دانت تو ٹوٹ ہی گیا، اس کا بھی توڑیں، اس کی بجائے تم دانت کی دیت لے لو، دیت پر صلح کرلو۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں دانت ہی توڑوں گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر چلو، اس کا بھی دانت توڑتے ہیں۔

راستے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، بڑے درجے کے مشہور صحابی ہیں، انہوں نے کہا کہ بھئی دیکھو! تم قصاص تو لے رہے ہو مگر ایک بات تو سنتے جاؤ، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے اور پھر جس کو تکلیف پہنچی ہے وہ اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت معاف فرمائیں گے جبکہ اس کو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی، یعنی آخرت میں۔

تو یہ شخص یا تو اتنے غصے میں آیا تھا کہ پیسے لینے پر بھی راضی نہیں تھا، جب یہ بات سنی تو کہا کہ:

أ أنت سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے سُنی ہے اور میرے ان کانوں نے سنی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے

تو جاؤ اس کو بغیر کسی پیسے کے معاف کرتا ہوں، چنانچہ معاف کر دیا۔

ہم میں اور صحابہ کرامؓ میں فرق

احادیث ہم بھی سنتے ہیں اور وہ حضرات بھی سنتے تھے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کان میں پڑا تو بڑے سے بڑا قصد و ارادہ اور بڑے سے بڑا منصوبہ اس ارشاد کے آگے ایک پل میں ڈھیر کر دیا۔

ہم صبح سے شام تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں لیکن ان پر عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس پڑھنے اور سننے کے نتیجے میں ہماری زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آتا، لیکن صحابہ کرامؓ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا میں بھی عزت دی تھی اور آخرت میں بھی انشاء اللہ ان کا عظیم مقام ہوگا۔

مذکورہ حدیث کا آخری ٹکڑا

اس میں دوسری بات آگے یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کرلیں۔ ٹیڑھی قوم سے مراد بت پرستوں والی عرب قوم، کہ ان کے اندر شرک تو تھا ہی اور دماغ میں یہ خناس بھی تھا کہ ہم ساری مخلوق سے برتر ہیں، اپنے آپ کو خدا جانے کیا کچھ سمجھتے تھے، ان کو سیدھا کرنے کے لئے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

چنانچہ ۲۳ سال کی مدت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پورے جزیرہ عرب پر لا الہ الا اللہ کی حکومت قائم فرمادی۔ اور آگے فرمایا کہ:

یفتح بھا اعیناً عمیاً۔

اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھولے گا اور ان کے دلوں کے پردوں کو ہٹائے گا۔ یہ سب الفاظ توراۃ کے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضور ﷺ کی آخری وصیتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حضور ﷺ کی آخری وصیتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن نعیم بن یزید قال حدثنا علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لماثقل قال: یا علی: أئتنی بطبق

أكتب فيه مالا تضل أُمتى، فخشيت أن يسبقني فقلت: إنى لأ حفظ من ذراعى الصحيفة وكان رأسه بين ذراعه وعضدى يوصى الصلاة والزكاة وماملكت أيمانكم، وقال كذالِكَ حتى فاضت نفسه و امره بشهادة ان لا إله إلاالله وأن محمداً عبده ورسوله من شهد بهما حرّم على النار۔

(الادب المفرد، باب نمبر ٨٢۔ حسن ملکہ)

مرض وفات میں لکھنے کے لئے تھال منگوانا

یہ روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس روایت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ آپ کی یہ بیماری کئی روز تک جاری رہی اوران ایام میں آپ ﷺ مسجد نبوی میں بھی تشریف نہ لاسکے۔ آخری دن جب آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب تھا، اس وقت کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی! میرے پاس کوئی تھال لے آؤ جس میں وہ بات لکھدوں کہ جس کے بعد میری امت گمراہ نہ ہو۔ اس زمانے میں کاغذ کا اتنا زیادہ رواج نہیں تھا، اس لئے کبھی چمڑے پر لکھ لیا، کبھی درخت کے پتوں پر لکھ لیا۔ کبھی

ہڈیوں پر لکھ لیا، کبھی مٹی کے برتن پر لکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لکھنے کے لئے تھال منگوایا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں لکھنے کے لئے کوئی چیز تلاش کرنے کے لئے جاؤں گا تو کہیں میرے پیچھے ہی آپ کی روح پرواز نہ کر جائے، اس لئے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ جو کچھ فرمائیں گے، میں اس کو یاد رکھوں گا اور بعد میں اس کو لکھ لوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس میرے بازوؤں کے درمیان تھا، اس وقت آپ کی زبان مبارک سے جو کلمات نکل رہے تھے، وہ یہ تھے "نماز کا خیال رکھو، زکوٰۃ کا خیال رکھو اور تمہاری ملکیت میں جو غلام اور باندیاں ہیں، ان کا خیال رکھو اور

اشهد ان لا إله الا الله وأشهد أن محمدًا

عبده و رسوله

کی گواہی پر قائم رہو، جو شخص اس گواہی پر قائم رہے گا، اللہ تعالیٰ جہنم کو اس شخص پر حرام فرمادیں گے" یہ نصیحتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں ارشاد فرمائیں۔

مذکورہ بالا واقعہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا۔ اس

میں کئی باتیں سمجھنے کی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لکھنے کے لئے کاغذ طلب کرنا

پہلی بات یہ ہے کہ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ خاص اس دن کا واقعہ ہے جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وصال سے تین دن پہلے ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، اس دن بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل اور ناساز تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے پاس تھے، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قریب تھے، اس وقت بھی آپ ﷺ نے ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا کہ کوئی کاغذ وغیرہ لے آؤ تاکہ میں ایسی بات لکھدوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ رہے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، اور اس حالت میں اگر آپ ﷺ کچھ لکھوانے کی مشقت اٹھائیں گے تو کہیں آپ ﷺ کی طبیعت اور زیادہ خراب نہ ہو جائے، اس وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اور آپ پہلے ہی بہت سے ارشادات بیان فرما چکے ہیں، اس لئے اس وقت یہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

شیعوں کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر بہتان

یہ واقعہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا، اس کو شیعوں نے ایک پہاڑ بنالیا اور اس کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد کیا کہ۔ معاذ اللہ۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت لکھنے سے روکا، اور درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ وصیت لکھنا چاہتے تھے کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنائیں، مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے اس منشاء کو سمجھ گئے تھے، اس لئے انہوں نے بیچ میں آکر آپ ﷺ کو اس وصیت کے لکھنے سے منع فرمادیا اور رکاوٹ ڈال دی، جس کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کی وصیت نہ لکھوا سکے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر شیعوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف تہمتوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

یہ بہتان غلط ہے

حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھا کہ ایسا نہ ہو کہ لکھنے کی مشقت کی وجہ سے آپ کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کوئی بہت اہم بات لکھنی ہوگی تو صرف میرے کہنے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بیان کرنے سے نہیں رکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر

کوئی بات بیان کرنی ہوتی اور اس بات کو آپ ضروری بھی سمجھتے تو کیا صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منع کرنے کی وجہ سے اس بات کو بیان کرنے سے رک جاتے؟؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حق بات پہنچانے میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ یہ حماقت اور گمراہی کی بات ہے جو ان شیعوں نے اختیار کی ہے۔

حضرت علی ﷺ پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟

اور دوسری طرف بعینہ یہی واقعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تھال لے لاؤ تاکہ میں کچھ لکھ دوں، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں لکھنے کے لئے تھال لینے جاؤں گا تو میرے پیچھے کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر جائے، اس لئے وہ بھی لکھنے کے لئے کوئی چیز نہیں لائے۔ اب دیکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وہی کام کیا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، لہٰذا اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔

بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ وصال

سے تین دن پہلے پیش آیا، اور اس واقعہ کے بعد تین دن تک آپ ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے، لہٰذا اگر کوئی ضروری بات لکھوانی تھی تو آپ ﷺ بعد میں بھی لکھوا سکتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ عین وصال کے وقت پیش آیا، اور اس واقعہ کے فوراً بعد آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ لہٰذا اگر اس واقعہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض ہوسکتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادہ ہوسکتا ہے۔

دونوں بزرگ صحابہ نے صحیح عمل کیا

بات دراصل یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے وہی کام کیا جو ایک جانثار صحابی کو کرنا چاہئے تھا، دونوں یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہے۔ ہم اور آپ اس وقت کی کیفیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے جو اس موقع پر صحابہ کرامؓ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیمار دیکھ کر گزر رہی تھی۔ یہ وہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سانس کے بدلے ہزاروں زندگیاں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، آپ ﷺ کی بیماری اور آپ ﷺ کی تکلیف ان حضرات کے لئے سوہان روح تھی۔ اسی لئے ان دونوں حضرات نے وہی کام کیا جو ایک جانثار صحابی کو کرنا چاہئے تھا، وہ یہ کہ ایسے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان تکلیف سے بچایا جائے، اور یہ دونوں حضرات جانتے تھے کہ آپ کی ساری زندگی اللہ جل شانہ کے دین کا پیغام پہنچانے میں اور پھیلانے میں صرف ہوئی، اور کوئی ضروری بات ایسی

نہیں ہے جو آپ ﷺ نے واشگاف الفاظ میں بیان نہ فرمادی ہو، اس لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو اسی وقت لکھوانا ضروری ہو، اور اگر کوئی بات ایسی ہوگی بھی تو ہم اس کو زبانی سن کر یاد رکھیں گے۔

وہ باتیں آپ ﷺ نے ارشاد بھی فرمادیں

پھر ساتھ ہی اس حدیث میں یہ بھی آ گیا کہ آپ جو باتیں لکھوانا چاہتے تھے، وہ اسی وقت ارشاد بھی فرمادیں، جس کی وجہ سے پتہ چل گیا کہ آپ کیا لکھوانا چاہ رہے تھے، اور وہی باتیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت فرمادیں، جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آگئی کہ وہ باتیں جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار تاکید فرما چکے تھے، اسی کو اور زیادہ تاکید کے ساتھ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کی خاطر لکھوانا چاہ رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلَاۃَ وَالزَّکَاۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔

اب نماز کی تاکید اور زکوٰۃ کی تاکید اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کوئی نئی بات نہیں تھی، لیکن صرف اس لئے یہ باتیں بیان فرمائیں تاکہ امت کو پتہ چل جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے جاتے جاتے جن باتوں کی تاکید فرمائی، وہ یہ تھیں۔ لہٰذا نہ خلافت کا کوئی مسئلہ تھا اور نہ ہی اپنے بعد کسی کو جانشین بنانے کا معاملہ تھا۔ بہرحال! شیعوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اعتراضات کا جو طوفان کھڑا کیا تھا، اس کا اس حدیث سے بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہی

معاملہ پیش آیا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ

دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوئی، وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں تھال منگوایا، لیکن یہ دونوں حضرات یہ چیزیں نہیں لائے، اب بظاہر دیکھنے میں یہ نظر آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی، لیکن تعمیل نہ ہونے کی وجہ۔ معاذ اللہ۔ یہ نہیں تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی، بلکہ وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات جانتے تھے کہ اگر اس وقت کوئی چیز لکھنے کے لئے لائیں گے اور آپ کچھ لکھوائیں گے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اور زیادہ بار ہوگا۔

یہ بے ادبی نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنا بڑا کوئی کام کرنے کو کہے اور چھوٹے یہ دیکھیں کہ اس کام سے ان کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کی طبیعت پر بار ہوگا، تو بڑے کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھوٹے یہ کہہ دیں کہ اس کام کو دوسرے وقت کے لئے مؤخر کر دیں تو اس میں نہ تو کوئی نافرمانی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بے ادبی ہے، بلکہ ادب کا اور محبت کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ ان کی راحت کا

اور ان کی صحت کا خیال کیا جائے۔

پورے دین کا خلاصہ

تیسری بات جو اس حدیث کو بیان کرنے کا اصل مقصود ہے، وہ نصیحتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمائیں اور جن باتوں کی تاکید فرمائی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری زندگی دین کے جو احکام آپ بیان فرماتے رہے اور جو تعلیمات لوگوں کے سامنے پھیلاتے رہے، ان کا خلاصہ وہ باتیں ہیں جو آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ارشاد فرمائیں۔ ایک اور حدیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں آپؓ نے فرمایا کہ آخری وقت میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آہستہ ہوگئی تو میں نے آپ ﷺ کے منہ پر کان لگا کر سنا تو آخری وقت تک آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

یعنی نماز کا خیال کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال کرو۔

نماز اور ماتحتوں کے حقوق کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دین کے احکام اور تعلیمات میں جن چیزوں کا سب سے زیادہ اہتمام تھا، وہ حقوق اللہ میں نماز

تھی۔ ایک اور روایت میں اَلصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جن حقوق کا سب سے زیادہ اہتمام تھا، وہ دو قسم کے حقوق تھے: ایک جانی اور ایک مالی، جانی حقوق میں نماز اور مالی حقوق میں زکاۃ، اور حقوق العباد میں غلاموں اور خادموں اور نوکروں اور ماتحتوں کے حقوق۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر اور تشویش یہ تھی کہ کہیں میری امت میرے بعد دین کے ان احکام میں کوتاہی نہ کرے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان میں کوتاہی کا نتیجہ تباہی ہے، جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، اس لئے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ ﷺ نے ان کی تاکید فرمادی۔

آخرت میں نماز کے بارے میں سب سے پہلے سوال ہوگا

قرآن وحدیث نماز کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں، جگہ جگہ اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ کے الفاظ بار بار ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آخرت میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، نماز کا حساب ہوگا کہ کتنی نمازیں پڑھیں، کتنی نمازیں چھوڑیں، کتنی نمازیں قضاء کرکے پڑھیں۔ آخرت کی تیاری کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی نماز کا محاسبہ کرے کہ میرے ذمے کوئی نماز باقی ہے یا نہیں؟

اجمالی توبہ کا طریقہ

اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ان کے پاس اصلاحی تعلق قائم کرنے کی غرض سے آتا ہے یا ان سے بیعت کرتا ہے تو سب سے پہلے ''تکمیل توبہ'' کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک ''اجمالی توبہ'' ہوتی ہے اور ایک ''تفصیلی توبہ'' ہوتی ہے۔ ''اجمالی توبہ'' یہ ہے کہ ''صلاۃ التوبہ'' کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے اور پھر خشوع خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام پچھلے گناہوں سے توبہ کرے کہ یا اللہ! مجھ سے سابقہ زندگی میں جتنے گناہ ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، اور جتنے فرائض و واجبات مجھ سے چھوٹے ہیں، میں آپ کے حضور ان سب سے معافی مانگتا ہوں، سب سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے اور میری توبہ کو قبول فرما لیجئے۔ یہ ''اجمالی توبہ'' ہے۔

سابقہ نمازوں کا حساب

اجمالی توبہ کرنے کے بعد پھر تفصیلی توبہ کرے۔ تفصیلی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں جو غلطیاں ہوئی ہیں، ان میں سے جن کی تلافی ممکن ہے، ان کی تلافی شروع کر دے۔ مثلاً یہ دیکھے کہ ماضی میں میری نمازیں چھوٹی ہیں یا نہیں؟ انسان جس دن بالغ ہو جاتا ہے اس دن سے اس پر نماز فرض ہو جاتی ہے، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو، لڑکے کا بالغ ہونا یہ ہے کہ اس پر علامات بلوغ

ظاہر ہو جائیں اور لڑکی کا بالغ ہونا یہ ہے کہ اس کے ایام ماہواری شروع ہو جائیں، اور بالغ ہوتے ہی دونوں پر نماز فرض ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تفصیلی توبہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھے کہ جس دن سے بالغ ہوا ہوں، اس دن سے آج تک میری کوئی نماز چھوٹی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں چھوٹی تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور اگر چھوٹی ہیں تو پھر اس کا حساب لگائے کہ میرے ذمے کونسی نماز کتنی باقی ہیں، اگر پوری طرح ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن نہیں ہے تو پھر محتاط اندازہ لگائے، اگر بالغ ہونے کی تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر چودہ سال کی عمر کے بعد سے حساب لگائے، اس لئے کہ ہمارے علاقوں میں چودہ سال پورے ہونے پر بچے بالغ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ اندازہ لگائے کہ چودہ سال کی عمر سے لے کر آج تک کتنی نمازیں قضا ہوئی ہوں گی، اس کا ایک محتاط اندازہ لگالے، اندازہ لگانے کے بعد کسی کاپی میں نوٹ کرلے۔ مثلاً اندازہ لگانے کے بعد پتہ چلا کہ تین سال کی نمازیں باقی ہیں، اب کاپی کے اندر لکھ لے کہ تین سال کی نمازیں میرے ذمے ہیں، اور پھر آج ہی سے ان کو ادا کرنا شروع کردے۔ یہ قضاء عمری کہلاتی ہے۔

قضاء عمری ادا کرنے کا طریقہ

قضاء عمری کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز پڑھنا شروع کردے، مثلاً فجر کے ساتھ فجر، ظہر کے ساتھ ظہر، عصر کے ساتھ عصر، مغرب کے ساتھ مغرب اور عشاء کے ساتھ عشاء۔ اور ہر قضاء نماز کی

نیت کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً فجر کی نماز قضا کر رہا ہے تو یہ نیت کرے کہ میرے ذمے جتنی فجر کی نمازیں قضاء ہیں، ان میں سے سب سے پہلی فجر کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ اسی طرح ظہر کی نماز قضاء کرتے وقت یہ نیت کرے کہ میرے ذمے ظہر کی جتنی نمازیں قضاء ہیں، ان میں سے سب سے پہلی ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں اسی طرح عصر، مغرب اور عشاء میں نیت کرے، اور اگلے روز پھر یہی نیت کرے، اور اس سے اگلے روز پھر یہی نیت کرے۔

نمازوں کے فدیہ کی وصیت

اور اپنی کاپی کے اندر یہ تحریر لکھدے کہ میں آج کی تاریخ سے قضاء عمری شروع کر رہا ہوں اور ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھ رہا ہوں، اور تین سال کی نمازیں میرے ذمے قضاء ہیں، اگر قضاء نمازیں پوری ہونے سے پہلے میرا انتقال ہو جائے تو بقیہ نمازوں کا فدیہ میرے ترکہ میں سے ادا کر دیا جائے۔ اگر آپ نے یہ وصیت نہیں لکھی تو پھر وارثوں کے ذمے یہ واجب نہیں ہوگا کہ وہ آپ کی نمازوں کا فدیہ ضرور ادا کریں۔ کیونکہ یہ تمہارا مال اس وقت تک تمہارا ہے جب تک تمہاری آنکھ کھلی ہوئی ہے، جب مرض وفات شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے وہ مال تمہارا نہیں رہتا بلکہ تمہارے وارثوں کا ہو جاتا ہے، اور اب تمہارے لئے اس مال میں صرف ایک تہائی کی حد تک تصرف کرنا جائز ہے، ایک تہائی سے زیادہ تصرف کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر تم نے نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت نہیں کی تو اگر چہ تمہارے وارثوں کو لاکھوں روپے مل گئے

ہوں، تب بھی ان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ تمہاری نمازوں کا فدیہ ادا کریں، ہاں، اگر وہ اپنی خوشی سے تمہاری نمازوں کا فدیہ ادا کر دیں تو ان کو اختیار ہے۔ اس لئے ہر شخص کو یہ وصیت لکھنی چاہئے کہ اگر میں اپنی زندگی میں اپنی نمازوں کی قضاء نہ کرسکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے ترکے سے میری نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ اور ساتھ میں نمازیں پڑھنا شروع کردو، اگر یہ دو کام کر لئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اگر بالفرض نمازیں پوری ہونے سے پہلے ہی وفات ہوگئی تو انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر یہ دو کام نہ کئے، نہ تو وصیت کی اور نہ ہی نمازوں کو ادا کرنا شروع کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جیسے عظیم الشان فریضے سے یہ شخص غافل ہے۔

آج ہی سے ادائیگی شروع کردو

دنیا کے سارے کام دھندے چلتے رہیں گے، لیکن ہر انسان کے لئے سب سے ضروری کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں، اگر باقی ہیں تو آج ہی سے ان کو ادا کرنا شروع کر دے، کل پر نہ ٹالے۔ یہ شیطان بڑی عجیب چیز ہے، یہ انسان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ مجھے شیطان بہکا رہا ہے، چنانچہ یہ شیطان مسلمان کے دل میں یہ خیال نہیں ڈالے گا کہ نماز کوئی ضروری چیز نہیں ہے، اس کو چھوڑ دو، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ مسلمان کے دل میں یہ خیال ڈالے گا کہ نماز ویسے تو بڑی ضروری چیز ہے، لیکن ایسے وقت میں نماز شروع کرو کہ اس کے بعد پابندی سے

پڑھو، لہٰذا آج تو ذرا طبیعت مائل نہیں ہے، کل سے نماز شروع کریں گے، یا پرسوں سے شروع کریں گے، کیونکہ اگر تم نے نماز شروع کر کے کل کو چھوڑ دی تو الٹا تم پر وبال ہوگا، لہٰذا ابھی مت شروع کرو، پہلے فلاں کام نمٹالو، اور ہفتہ دس دن کے بعد شروع کرو گے تو پھر پابندی ہو جائے گی۔ اس طرح شیطان ٹالتا رہتا ہے، چنانچہ جس کام کی وجہ سے نماز کو ٹلایا تھا، جب وہ کام ہوگیا تو اگلے ہفتہ اور کوئی کام سامنے آ جائے گا، اس طرح شیطان آج کو کل پر اور کل کو پرسوں پر ٹلاتا ہی چلا جائے گا اور پھر زندگی بھر وہ "کل" نہیں آتی۔

آج کا کام کل پر مت ٹلاؤ

کام کرنے کا راستہ یہی ہے کہ جس کام کو کرنا ہے، اس کو ٹلانا نہیں ہے، اس کام کو آج ہی سے اور ابھی سے اور اسی وقت سے شروع کر دیا جائے تب تو وہ کام ہو جائے گا، لیکن اگر تم نے اس کو ٹلا دیا تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ پھر وہ کام نہیں ہو پائے گا۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَاِذَا

اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَعُدَّ

نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ

یعنی جب صبح کا وقت ہو تو شام کا انتظار مت کرو، اور جب شام کا وقت ہو تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور اپنے آپ کو قبر والوں میں سے سمجھو، گویا کہ میں آج قبر میں

جاننے والا ہوں، لہٰذا کسی کام کو ٹلاؤ نہیں۔

صحت اور فرصت کو غنیمت جانو

بہر حال! جب گزشتہ زمانہ کی نمازیں ادا کرنی ہی ہیں تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟ جب یہ ضروری کام ہے تو اس کو فوراً کرو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے صحت دے رکھی ہے، کیا پتہ کل کو بیماری آ جائے اور اس کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے فراغت دے رکھی ہے، کل کو یہ فراغت باقی رہے یا نہ رہے۔ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی تلافی کا جذبہ دیا ہوا ہے، کل کو یہ جذبہ باقی رہے یا نہ رہے، لہٰذا جب نمازوں کی ادائیگی کا خیال آیا ہے تو اس کو ٹلاؤ نہیں، بلکہ ابھی سے اور اسی وقت سے شروع کر دو۔

قضاء نمازوں کی ادائیگی میں سہولت

پھر قضاء نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت رکھی ہے کہ اس کو ایسے وقت میں بھی پڑھا جاسکتا ہے جس وقت میں دوسری نمازیں نہیں پڑھی جاسکتیں، مثلاً صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک کوئی نفل یا سنت پڑھنا جائز نہیں، لیکن قضاء نماز کی اس وقت بھی اجازت ہے، یا مثلاً عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک کوئی نفل یا سنت نہیں پڑھ سکتے، یہاں تک کہ طواف کی دوگانہ بھی عصر کے بعد پڑھنا جائز نہیں، بلکہ اگر کسی نے عصر کی نماز کے بعد کئی طواف کر لئے ہیں تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد

تمام واجب طواف ایک ساتھ ادا کرے، لیکن قضاء نماز اس وقت بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت اور آسانی اسی لئے دی ہے کہ مسلمان کو جب بھی اپنی قضاء نمازوں کو ادا کرنے کا خیال آئے تو وہ اسی وقت سے ادا کرنا شروع کر دے، اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

بیدار ہوتے ہی پہلے نماز فجر ادا کرو

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ ارشاد یاد رکھنے کا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے جن کی نمازیں کسی وجہ سے قضاء ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا کہ:

مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ اَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ وَقْتُهَا۔

(مصنف بن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۶۴)

یعنی اگر کوئی شخص نماز سے سو گیا اور نیند کی حالت میں نماز کا وقت گزر گیا، اور جب بیدار ہوا تو وقت گزر چکا تھا، یا کوئی شخص نماز پڑھنا بھول گیا اور اس وقت یاد آیا جب نماز کا وقت گزر چکا تھا، تو ایسے شخص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی وہ بیدار ہو اور جس وقت اس کو یاد آئے تو فوراً نماز پڑھ لے، کیونکہ جس وقت اس کو نماز پڑھنا یاد آیا، اس کے لئے نماز کا وقت وہی ہے۔

فجر کے لئے بیدار ہونے کا انتظام کرلو

مثلاً کوئی شخص اٹھنے کے لئے پورا انتظام کر کے سوئے، یعنی کسی شخص کو جگانے کے لئے کہہ دیا، اور گھڑی کا الارم بھی لگا دیا. لیکن اس کے باوجود وقت پر آنکھ نہیں کھلی، اور اس وقت آنکھ کھلی جب سورج نکل چکا تھا، تو چونکہ بیدار ہونے کا انتظام کر کے سویا تھا، اس لئے انشاء اللہ گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ جیسے ہی آنکھ کھلے تو اس وقت پہلا کام یہ کرے کہ وضو کر کے نماز ادا کرے، اس لئے کہ اس کے لئے یہی نماز کا وقت ہے، اس وقت یہ نہ سوچے کہ نماز قضاء تو ہو ہی گئی، چلو بعد میں پڑھ لوں گا، اب تو جس وقت بھی پڑھوں گا قضاء ہی ہوگی، بلکہ اسی وقت نماز پڑھ لے، اس کو آگے نہ ٹالے۔ اگر یہ کرلیا تو انشاء اللہ نماز قضاء کرنے کا گناہ بھی نہیں ہوگا، اور اگر بیدار ہونے کا انتظام نہیں کیا تھا تو پھر گناہ گار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قضاء نماز کے لئے اتنی آسانیاں رکھ دیں تاکہ بندے کے ذمے نماز چھوڑنے کا وبال اور قضاء کا بوجھ نہ رہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بڑے مہربان ہیں، اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کے ذمے نماز کا کوئی حساب باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زکوٰۃ کا پورا پورا حساب کرو

دوسری چیز ''زکوٰۃ'' کا بیان فرمایا، زکوٰۃ کی اہمیت بھی نماز کے برابر ہے، جہاں قرآن کریم میں نماز کا حکم آیا، اسی کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی آیا، فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔

(سورۃ البقرہ)

''زکوٰۃ'' کا بھی یہی حکم ہے کہ تکمیل توبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی ٹھیک ٹھیک ایک ایک پائی کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔ ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے بارے میں بھی بڑی غفلت پائی جاتی ہے، جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زکوٰۃ دینے کا اہتمام کرتے ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں، وہ بھی زکوٰۃ کا پورا حساب صحیح کر کے بہت کم نکالتے ہیں، بلکہ ویسے ہی اپنے مال کا اندازہ کر کے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ہماری تاجر برادری میں اندازہ کر کے زکوٰۃ نکالنے کا زیادہ رواج ہے، حالانکہ زکوٰۃ نکالنے کا پورا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال کا پورا صحیح حساب کر کے پھر زکوٰۃ نکالنی چاہئے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

ہم نے یہاں ''بیت المکرم مسجد'' کے احاطے میں ''مرکز الاقتصادی الاسلامی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے، اس ادارہ سے ایک فارم

شائع کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا حساب کس طرح لگایا جائے، اور زکوٰۃ کون کونسی چیزوں پر واجب ہوتی ہے، اور اس کا ایک کمپیوٹر پروگرام بھی بنایا گیا ہے، ضرورت کے وقت اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال! تکمیل توبہ کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ مال کا پورا پورا حساب کرکے زکوٰۃ نکالی جائے۔ آپ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے جاتے اس بات کی نصیحت فرما رہے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ یہ دو چیزیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اللہ کے بارے میں ذکر فرمائیں۔

غلام اور باندیوں کا خیال رکھو

اس کے بعد تیسری چیز ''حقوق العباد'' میں سے بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو جو تمہارے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہیں۔ عربی زبان میں اس لفظ سے ''غلام'' اور ''باندی'' مراد ہوتے ہیں، قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں بار بار استعمال ہوا ہے۔ پہلے زمانے میں غلام اور باندیاں ہوتی تھیں جو انسان کی ملکیت ہوتی تھیں، لہٰذا اس لفظ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ غلاموں اور باندیوں کا خیال رکھو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔

"مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" میں تمام ماتحت داخل ہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں پر لفظ "مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" میں صرف غلام اور باندیوں کی بات نہیں ہے، بلکہ اس لفظ سے ہر طرح کے ماتحت مراد ہیں۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ "مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کا ترجمہ "ماتحت لوگ" سے کیا کرتے تھے، لہٰذا نوکر، ملازم، سب اس میں داخل ہیں۔ اسی طرح جو شخص دوسرے لوگوں پر امیر ہو، اس امیر کے ماتحت جتنے لوگ ہوں، وہ سب اس میں داخل ہیں، اور اس میں "خواتین" بھی داخل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گھرانے کا امیر مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا اس لفظ میں عورتیں بھی داخل ہیں۔ بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا جامع لفظ بیان فرمایا جس میں تمام ماتحتوں کے حقوق داخل ہو گئے۔

ماتحت اپنا حق نہیں مانگ سکتا

اس لفظ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جو لوگ بھی تمہاری ماتحتی میں ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ نے تم کو حاکم بنایا ہے، ان کے حقوق کا خاص طور پر خیال رکھو۔ اس کی تاکید اس لئے فرمائی کہ جو آدمی برابر کا ہوتا ہے، وہ تو کسی بھی وقت اپنے حق کا مطالبہ کر لیتا ہے، لیکن جو بیچارہ ماتحت ہے، اس کے لئے اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں تمہارا رتبہ اور درجہ حائل ہے،

بعض اوقات وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں بے زبان ہوتا ہے، لہٰذا جب تک تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوگا اور جب تک تمہارے دل میں اس بات کا خیال نہیں ہوگا کہ مجھے خود اس کے حقوق کا خیال رکھنا ہے، اس وقت تک اس کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہو سکتے۔

نوکر کو کمتر مت تصور کرو

اسی طرح آج کل جو ملازمین اور نوکر ہوتے ہیں، ان کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنا بڑی جاہلیت کی بات ہے، اگر تم نے کسی کو اپنا نوکر رکھا ہے، چاہے وہ گھر کے کام کے لئے ہی کیوں نہ رکھا ہو، صرف اتنی بات ہے کہ تم نے اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، وہ نوکر معاہدے کا ایک فریق ہے، تم نے اس کی خدمات خریدی ہیں اور اس نے اپنی خدمات تمہیں فروخت کی ہیں اور اس کے بدلے میں تم نے اس کو پیسے اور تنخواہ دینے کا التزام کیا ہے، لہٰذا تم بھی معاہدے کے ایک فریق ہو اور وہ بھی معاہدے کا ایک فریق ہے۔

تم اور تمہارا نوکر درجے میں برابر ہیں

فرض کرو کہ تم کہیں بازار میں کسی دکان پر جاؤ اور دکاندار سے کوئی سودا خریدو، تم اس کو پیسے دے رہے ہو اور دکاندار سودا دے رہا ہے، تو کیا اس لین دین کرنے کے نتیجے میں تمہارا درجہ زیادہ ہوگیا اور دکاندار کا درجہ کم ہوگیا؟ نہیں، بلکہ تم دونوں برابر کے فریق ہو، تم پیسے دے رہے ہو اور وہ سودا دے رہا

ہے۔ اسی طرح تمہارا ملازم اور تمہارا نوکر بھی اس معنی میں تمہارے برابر کا فریق ہے کہ تم پیسے دے رہے ہو اور وہ اپنی خدمات دے رہا ہے، لہٰذا درجہ کے اعتبار سے اس کو کمتر یا حقیر سمجھنا اور اس کو حقارت سے دیکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

تمہارے نوکر تمہارے بھائی ہیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْہُ تَحْتَ یَدِہٖ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ۔

(بخاری، کتاب العتق، باب: العبید اخوانکم الخ)

یعنی تمہارے خادم، نوکر اور ملازم، سب تمہارے بھائی ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے، لہٰذا ان کو اسی کھانے میں سے کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور اسی کپڑے میں سے پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتحتوں کے بارے میں یہ تعلیم دی، یہ نہیں کہ اگر وہ تمہارا ملازم ہو گیا تو اب وہ جانور ہو گیا، اور پھر اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرو، اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرو، ارے وہ ملازم تمہارا بھائی ہے، اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کو تم پر زیادہ قدرت حاصل ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ اپنے غلام پر غصہ کر رہے تھے اور ڈانٹ رہے تھے اور قریب تھا کہ وہ اس غلام کو ماریں۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان سے فرمایا کہ:

لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ۔

(مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک)

یعنی جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ تم پر قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا اگر تم اس کے ساتھ غصہ کا معاملہ کرو گے یا اس کو مارو گے یا اس کے ساتھ زیادتی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ تم سے لیں گے۔ اب ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان دیکھئے کہ غصہ آ رہا ہے، اشتعال کی حالت میں ہیں اور غلام کو مارنے کے قریب ہیں، اور مارنے کے لئے ہاتھ اٹھالیا ہے، لیکن جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جملہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے، اسی وقت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ کہاں تو غصہ آ رہا ہے اور اس کو ڈانٹ رہے ہیں اور کہاں اس کو بالکل آزاد کر دیا۔

یہ احمقانہ خیال ہے

کبھی کبھی ہمارے دماغوں میں یہ احمقانہ خیال آ جاتا ہے کہ کاش ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے۔ یاد رکھئے! یہ احمقانہ خیال ہے۔ کیونکہ اگر اس زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کس اسفل السافلین میں ہوتے، العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو جو مقام دیتے ہیں اس کا ظرف دیکھ کر دیتے ہیں، یہ صحابہ کرامؓ ہی کا ظرف تھا کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا حق ادا کر گئے، صحابہ کرامؓ اپنے ایک ایک عمل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت اور تعمیل کی مثال قائم کر کے چلے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمے پر ان کے سارے جذبات قربان تھے۔

زیادہ سزا دینے پر پکڑ ہوگی

بہرحال، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جاتے جاتے یہ ارشاد فرما گئے کہ اپنے ماتحتوں کا خیال کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ کی تلافی تو یہ استغفار سے ہو جاتی ہے، لیکن اگر تم نے اپنے ماتحتوں پر ظلم اور زیادتی کر لی اور وہ ماتحت بھی بے زبان ہے جو تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا تو اس کے ساتھ کی گئی زیادتی کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میرا غلام کوئی غلطی کرے یا کوئی غلط کام کرے تو میں

اس کو سزا دے سکتا ہوں یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ سزا تو دے سکتے ہو مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہاری سزا اس کی غلطی کے برابر ہونی چاہئے، لہٰذا اگر تمہاری سزا اس کی غلطی سے کم رہی تو اللہ تعالیٰ تمہارا حق اس غلام سے آخرت میں دلا دیں گے، لیکن اگر تمہاری سزا اس کی غلطی سے بڑھ گئی تو قیامت کے روز اس کا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس زیادتی کا بدلہ تم سے دلوائیں گے۔ یہ سن کر وہ صحابی چیخ پڑے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے زیادتی ہوگئی ہو، آپ نے فرمایا کہ کیا قرآن کریم میں تم نے یہ آیت تلاوت نہیں کی؟

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○

(سورۃ الزلزال: آیت ۸،۷)

جو شخص ایک ذرہ کے برابر بھی بھلائی کرے گا، وہ آخرت میں اپنے سامنے اس کو دیکھے گا، اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا، آخرت میں اپنے سامنے اس کو دیکھے گا۔ اس لئے اپنے ماتحت کو سزا تو دو لیکن تول کر دو، جتنا اس کا قصور ہے، کہیں اس سے زیادہ تو سزا نہیں دے رہے ہو؟ ان صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو بڑا مشکل کام ہے، میں کہاں سے برابری کا پیمانہ لاؤں گا، لہٰذا آسان راستہ یہ ہے کہ میں اپنے غلام کو آزاد ہی کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس غلام کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ماتحتوں کے اتنے حقوق رکھے ہیں۔

حضور ﷺ کی تربیت کا انداز

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت اُم سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خادم نہیں ہے ، ہم کیوں نہ اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیں کہ یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں میاں بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، اس وقت یہ بچے تھے، انہوں نے آ کر عرض کیا کہ یہ ہمارا لڑکا بڑا عقلمند اور ہوشیار ہے، ہمارا دل چاہتا ہے کہ یہ آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کے لئے بطور خادم کے کام کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا، چنانچہ ان کے ماں باپ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، اس عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا رویہ رکھا؟ اس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، لیکن اس عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اُف تک نہیں کہا، اور نہ ڈانٹا، نہ ڈپٹا، نہ کبھی مجھ سے یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ یہ

کام کیوں نہیں کیا؟ یہ معمولی بات نہیں، کہنے کو تو آسان ہے، لیکن جب کوئی اس سنّت پر عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اس وقت اس کو پتہ چلے کہ اس سنت پر عمل کرنے کے لئے کتنا دل گردہ چاہئے، ہم آسان آسان سنّتوں پر عمل تو کر لیتے ہیں، لیکن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ کا واقعہ

خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا کہ فلاں کام کر آؤ، میں گھر سے نکلا تو باہر کچھ کھیل تماشہ ہو رہا تھا، میں اس کھیل تماشے میں لگ گیا اور جس کام کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا وہ بھول گیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ میں واپس آکر بتاؤں کہ اس کام کا کیا ہوا؟ جب کافی دیر گزر گئی اور میں واپس نہ پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور جا کر وہ کام خود کر لیا جس کے لئے مجھے بھیجا تھا، آپ وہ کام کر کے واپس آئے تو آپ نے دیکھا کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوں، جب میری نظر آپ ﷺ پر پڑی تو مجھے خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، آپ ﷺ نے مجھے کام سے بھیجا تھا اور میں کھیل میں لگ گیا، مجھے صدمہ بھی ہوا اور فکر بھی ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں گے۔ چنانچہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر

عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں وہ کام کرنا بھول گیا اور بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، میں وہ کام خود کر آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو نہ ڈانٹا، نہ ڈپٹا اور نہ کوئی اور سزا دی۔

حسن سلوک کے نتیجے میں بگاڑ نہیں ہوتا

آج ہم لوگ تاویلیں گھڑ لیتے ہیں کہ اگر ہم اپنے نوکر اور اپنے خادم کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کریں گے تو وہ سرکش ہو جائے گا، وہ ہمارے سر چڑھ جائے گا وغیرہ۔ یہ دیکھئے کہ آخر یہ خیال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو آتا ہوگا کہ اگر میں سختی نہیں کروں گا تو یہ سرکش ہو جائے گا، لیکن آپ جانتے تھے کہ جس حسن سلوک کا معاملہ میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں، اس کے اندر تادیب اور تعلیم کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ اس دس سال کے عرصے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر کوئی بگاڑ پیدا نہیں ہوا۔ بہر حال، یہ وہ حسن سلوک ہے جس کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جس کی تاکید فرمائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے، آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو ڈانٹ

رہے ہیں، وہ غلام حبشی تھا، اس لئے اس کو یہ کہہ رہے تھے کہ اے حبشی! تو یہ کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ الفاظ سنے تو آپ نے فرمایا:

یا أباذر: فِیْكَ امرء اِنَّكَ الجاهلية۔

اے ابوذر! تمہارے اندر ابھی تک جاہلیت کی خوبو باقی ہے، اس لئے تم اپنے غلام کو حبشی کہہ کر خطاب کر رہے ہو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو پڑے، اور پھر بعد میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے کو یاد کیا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں یہ جملہ فرمایا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غلام پر ناراض ہونا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے غلام پر ناراض ہو رہے تھے اور اس کو لعنت کا کلمہ کہہ رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو فرمایا کہ:

لعّانين و صديقين كلا و ربِّ الكعبة۔

یعنی صدیق بھی بنتے ہو اور لعنت بھی کرتے ہو، ربِّ کعبہ کی قسم یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر صدیق ہو تو لعنت نہیں کرسکتے، اگر لعنت کر رہے ہو تو صدیق نہیں ہوسکتے۔ یہ سُنتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانپ گئے اور اس غلام کو جس کو لعنت کر رہے تھے، اس کو تو آزاد کیا ہی ہوگا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے غلام اس دن آزاد کر دیئے۔

ماتحتوں سے توہین کا معاملہ نہ کرو

بہرحال! اپنے غلاموں، اپنے ماتحتوں اور اپنے نوکروں کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں ہمارے اوپر جو غفلت طاری ہے کہ جب چاہا ان کو برا بھلا کہہ دیا، جب چاہا ان کو گالی دیدی، یا ان کو ایسا کلمہ کہہ دیا جو دل توڑنے والا ہو، یا ان کو تحقیر اور توہین کے انداز میں ڈانٹ دیا، یہ سب منع ہے۔ لہٰذا اگر تمہارا کوئی نوکر ہے تو اس کو بھائیوں کی طرح رکھو، بھائیوں جیسا سلوک کرو، اس کے بارے میں یہ سوچو کہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہے، اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے، اس کے دل میں بھی خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اس کے دل میں بھی جذبات اور خیالات ہیں، اس کی بھی ضروریات اور حاجتیں ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ نوکر کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرو۔

یہ مغربی تہذیب کی لعنت ہے

امیر اور مامور کے درمیان، حاکم اور محکوم کے درمیان، افسر اور ماتحت کے درمیان جو دیواریں کھڑی کی ہیں، وہ مغربی تہذیب نے کھڑی کی ہیں، جس کے نتیجے میں آج افسر کا معاملہ اپنے ماتحت کے ساتھ جانوروں جیسا ہو کر رہ گیا ہے، آج اس کے اثرات ہمارے معاشرے میں بھی پھیل رہے ہیں،

ڈرائیور کے ساتھ سلوک

آج ڈرائیور کے ساتھ ہمارے معاشرے میں جانوروں جیسا سلوک

ہوتا ہے۔ البتہ اہل عرب کے اندر اب تک قدیم اسلامی معاشرے کی کچھ جھلکیاں باقی ہیں، وہ لوگ اپنے ڈرائیور کو بھائیوں جیسا درجہ دیتے ہیں، چنانچہ گاڑی میں سفر کر کے جب کسی جگہ پر اتریں گے تو اس ڈرائیور سے کہیں گے "شکراً یا اخی" یعنی آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ جب کہیں کھانا کھائیں گے تو ڈرائیور کو ساتھ بٹھا کر کھلائیں گے، اس کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کریں گے، یہ سب قدیم اسلامی معاشرے کی جھلک ہے۔

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ ڈرائیور کو ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے، خود گھر میں بیٹھ کر کھا لیتے ہیں اور وہ باہر گاڑی میں بیٹھا ہوتا ہے، اس کے کھانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ سب باتیں ہمارے اندر غیر اسلامی معاشرے کی آ گئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے ان واقعات سے ظاہر ہوتی ہے جو میں نے بیان کئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

یہ دنیا کھیل تماشہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ

وَتَفَاخُرٌ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِي الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ

كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ

فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطَامًا ○

(سورۃ حدید، آیت ۲۰)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی ایک عجیب وغریب حقیقت بیان فرمائی ہے۔ ہم لوگ جو صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک اسی دنیا کی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اور اسی سوچ بچار میں سارا وقت صرف کر رہے ہیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ دنیا کمالوں، کس طرح زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کرلوں، کس طرح زیادہ سے زیادہ راحت مل جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت بیان فرما دی ہے کہ تم دن رات جس چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہو، اس کی حقیقت کیا ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے یہ دنیا میرے آگے

چنانچہ فرمایا کہ ''یہ دنیاوی زندگی کھیل کود ہے اور زینت اور سجاوٹ کا سامان ہے، اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و دولت میں اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا؛'' ساری دنیاوی زندگی کا حاصل بس یہی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اس دنیاوی زندگی کی حقیقت کا اگر تم جائزہ لے کر دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں مختلف زمانوں سے گزرتا ہے، ایک زمانے میں کسی ایک چیز سے دل لگاتا ہے، وہی چیز اس کو جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور اسی پر فریفتہ ہوتا ہے، اس کے ملنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے نکل جانے سے اس کو رنج و تکلیف اور صدمہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اس دور سے گزر کر دوسرے دور میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت اسی چیز پر جس سے پہلے دل لگایا تھا، ہنستا ہے کہ افسوس! میں نے کس چیز پر دل لگایا تھا، اور اس کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے، اور اب نئی چیزوں سے دل لگاتا ہے۔ اور پھر جب یہ دوسرا دور گزر جاتا ہے اور وہ انسان تیسرے دور میں داخل ہو جاتا ہے تو جن چیزوں سے پہلے دل لگایا تھا، ان پر سے اب دل ہٹ گیا اور تیسری چیز کے ساتھ دل لگالیا اور اس پر فریفتہ ہونا شروع کر دیا اور اس وقت وہ پچھلی باتوں کو سوچ کر اپنی بیوقوفی پر ہنستا ہے کہ میں نے کس کے ساتھ دل لگایا تھا۔

زندگی کے مختلف مراحل

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پوری انسانی زندگی کے ان مراحل کو بیان فرمایا ہے، اولاً جب انسان اس دنیا میں آتا ہےتو جب تک وہ چھوٹا سا بچہ ہوتا ہےتو اس کی ساری کائنات، سارے شوق، سارے ارمان کھیل کود سے وابستہ ہوتے ہیں۔

اور پھر کھیل کود کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک کھیل وہ ہوتا ہے جس میں ہار جیت ہوتی ہے، ایک ہار گیا اور دوسرا جیت گیا، دوسرا کھیل وہ ہوتا ہے جو بالکل بے مقصد ہوتا ہے، اس میں نہ ہار ہوتی ہے اور نہ جیت ہوتی ہے۔

پہلا مرحلہ: بے مقصد کھیل

ابتداء میں جب بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے، اس وقت اس کے سارے شوق ایسے کھیل سے وابستہ ہوتے ہیں جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر اس کے ہاتھ میں آپ نے ایک جھنجھنا پکڑا دیا، اب وہ اسی سے کھیل رہا ہے، اس میں ہار جیت کے کوئی معنی نہیں، اس کھیل کا کوئی مقصد نہیں، اور وہ بچہ اسی جھنجھنے کو اپنی ساری کائنات سمجھتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس بچے کے ہاتھ سے وہ جھنجھنا چھین لے تو وہ بچہ رونا شروع کر دے گا، اور وہ یہ سمجھے گا کہ میری ساری دنیا لٹ گئی، اس لئے کہ اس بچے کے سارے شوق اور سارے ارمان اس جھنجھنے سے وابستہ ہیں۔

دوسرا مرحلہ: بامقصد کھیل

اس کے بعد جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوا اور اس کو تھوڑی سمجھ آنی شروع ہوئی تو اب وہی جھنجھنا جو اس کی ساری کائنات تھی، اب وہ اسکی نظروں میں بے حقیقت ہوگیا اور اس سے نفرت ہوگئی، اس کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا، اب اگر کوئی شخص بازار سے اس کے لئے ایک جھنجھنا خرید کر لائے اور اس سے کہے کہ میں تیرے لئے یہ جھنجھنا لایا ہوں، تو اب اس بچے کو نہ صرف یہ کہ خوشی نہیں ہوگی بلکہ اس لانے والے پر غصہ آئے گا کہ میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں جو تم میرے لئے جھنجھنا لے آئے۔ اور اب وہی بچہ اپنی پہلی زندگی پر ہنسے گا کہ میں کس بے حقیقت چیز سے دل لگائے ہوئے تھا۔

اب اس بچے کی طبیعت ایسے کھیلوں کی طرف راغب ہوگئی جس کے کوئی معنی ہوتے ہیں اور جس میں ہار جیت ہوتی ہے اور اس میں اس کا دل لگا ہوا ہے، دن رات کے سارے اوقات اسی میں صرف کر رہا ہے، کوئی شخص اس کو کھیل سے منع کرے تو اس پر اس کو غصہ آتا ہے کہ یہ کیوں منع کر رہا ہے۔

تیسرا مرحلہ: زیب وزینت کی فکر

اس کے بعد جب وہ بچہ اور بڑا ہوا اور جوانی کا دور آگیا تو اب وہ کھیل جو بچپن میں مرغوب تھے، مثلاً گلی ڈنڈا، آنکھ مچولی، وغیرہ، وہ سب اب اس کی نظروں میں بے حقیقت ہوگئے، اب اگر کوئی بچہ اس کو آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے

بلائے تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھے گا اور یہ کہے گا کہ میں کیا تمہاری طرح چھوٹا بچہ ہوں جو تم مجھے آنکھ مچولی کھیلنے بلا رہے ہو، گویا کہ اب تک جن کھیلوں کے ساتھ دلچسپی تھی، وہ اب ختم ہوگئی، اب جوانی میں کھیل کود کے بجائے زیب و زینت سے دلچسپی ہوگئی، مثلاً یہ کہ کپڑے اعلیٰ درجے کے پہنوں، فیشن کے مطابق ہوں، میرا جسم، میرا لباس، میرے سر کے بال، میرے جوتے یہ سب زینت والے ہونے چاہئیں، تاکہ جب لوگ میری طرف دیکھیں تو دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ اب جوانی کے دور میں زینت سے دلچسپی ہوگئی، لیکن جوانی سے پہلے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ اس وقت تو یہ حالت تھی کہ اگر کپڑے میلے ہو رہے ہیں تو ہوا کریں، ٹوپی ٹیڑھی ہو رہی ہے تو ہوا کرے، بس اس کو تو اپنے کھیل سے مطلب ہے، لیکن اب یہ حال ہے کہ اگر کھیل بھی رہا ہے تو اس کا خیال بھی ساتھ لگا ہوا ہے کہ کپڑے خراب نہ ہو جائیں، کہیں ان کی استری خراب نہ ہو جائے، اور ہر وقت اپنے جسم اور اپنے لباس کو بنانے اور سنوارنے میں لگا ہوا ہے۔ یہ جوانی کا دور تھا۔

چوتھا مرحلہ: کیریئر بنانے کی فکر

اس کے بعد جب وہ اور بڑا ہوگیا اور اب جوانی ادھیڑ پن میں داخل ہونے لگی اور ۳۵ سال یا ۴۰ سال کی عمر ہوگئی تو اب زینت کا دور ختم ہوگیا۔ اب تک تو یہ خیال ہوتا تھا کہ کپڑوں پر شکن نہ آئے، اب اس طرف دھیان باقی نہیں رہا، کپڑوں پر شکنیں آ جائیں اور ان کی کریز ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ

نہیں، لیکن اس دور میں سرمایہ فخر جمع کرنے کی فکر لگ گئی، مثلاً یہ کہ تعلیم حاصل کرے۔ فلاں ڈگری بھی حاصل کرلوں اور فلاں سے آگے نکل جاؤں، فلاں عہدہ مل جائے، فلاں منصب حاصل ہو جائے اور لوگوں میں میری شہرت ہو جائے وغیرہ، وہ ان چیزوں کے تصور میں لگ کر زینت کا خیال دل سے نکل گیا۔ اس لئے کہ اب اپنے بچے بھی ہو گئے، کوئی بچہ سر پر چڑھ رہا ہے، کوئی گود میں بیٹھا ہے، کپڑے خراب ہو رہے ہیں، لیکن اس کی طرف کوئی دھیان نہیں ہے، اب سارا دھیان اس طرف ہے کہ میرا کیریئر بن جائے۔

پانچواں مرحلہ: دولت جمع کرنے کی فکر

اور پھر جب جوانی کا دور گزرنے کے بعد بڑھاپے کا دور آیا تو اب زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ مال کسی طرح زیادہ جمع ہو جائے اور میں مال اور اولاد کی تعداد میں دوسروں سے آگے نکل جاؤں۔ اس لئے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ اولاد کی کثرت پر فخر کیا کرتے تھے اور اس فکر میں رہتے تھے کہ جتنی اولاد زیادہ ہو، اتنا ہی اچھا ہے، اور اب زمانہ بدل گیا ہے، اب کثرت اولاد پر اتنا فخر نہیں کیا جاتا، لیکن اب اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ میرا فلاں بیٹا امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، فلاں بیٹا فلاں انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، فلاں بیٹا یہ ملازمت کر رہا ہے اور فلاں بیٹا اس عہدے پر فائز ہے۔

سابقہ مرحلہ سے بیزاری

آپ نے دیکھا کہ جب انسان ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ پچھلے مرحلہ کو بے حقیقت سمجھتا ہے، وہی زیب و زینت جو جوانی مین بڑی محبوب تھی، لیکن بڑھاپے میں پہنچنے کے بعد نہ ٹوپی کا خیال ہے، نہ کپڑوں کا خیال ہے، بلکہ جب نوجوانوں کو سنگار پٹار میں وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم اس میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جوانی کے دور میں خود بھی ان کاموں میں وقت ضائع کرکے آئے ہیں، لیکن اب اس کو برا سمجھ رہے ہیں، اب ان کے دل میں اس کام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا ہر نئے مرحلے میں پہنچنے کے بعد انسان پچھلے مرحلے سے بیزار ہو جاتا ہے اور اس پر ہنستا ہے اور اس کو حقیر اور بے حقیقت سمجھتا ہے۔

چھٹا مرحلہ: آنکھیں بند ہونے کے بعد

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہے ہیں کہ تم اس مرحلہ پر آ کر رک گئے، حالانکہ آنکھیں بند ہونے اور قبر میں پہنچنے کے بعد آخرت کی زندگی کا مرحلہ شروع ہونے والا ہے، اس وقت دنیا کی یہ ساری چیزیں جن پر تم دنیا میں آپس میں لڑتے اور مرتے تھے، جن پر فریفتہ تھے، یہ سب چیزیں اسی طرح بے حقیقت نظر آئیں گی جس طرح چھوٹا بچہ جس کو ''جھنجھنا'' بڑا عزیز تھا، لیکن بعد

میں وہ بے حقیقت ہو گیا۔ ایسے ہی آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی یہ چیزیں بے حقیقت نظر آئیں گی، لیکن چونکہ ابھی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے جس مرحلہ سے وہ گزر رہا ہوتا ہے، اس مرحلہ کی دلچسپی کو اپنا سب کچھ سمجھے ہوئے ہوتا ہے، اور اس مرحلہ سے آگے اس کی نگاہ نہیں ہوتی، اس لئے وہ دنیاوی زندگی سے فریب اور دھوکہ کھا جاتا ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال

اللہ تعالیٰ اس آیت میں انسانی زندگی کے مراحل بیان فرما کر آگے اس دنیاوی زندگی کی مثال بیان فرماتے ہیں:

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔

یعنی اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی اور اس بارش کے نتیجے میں خشک پڑی ہوئی زمین پر سبزہ اُگ آیا اور سبزی اور ترکاریاں پیدا ہو گئیں اور کھیت ہرے بھرے ہو گئے، وہ ہرے بھرے کھیت کسانوں کو بہت پسند آتے ہیں، لیکن کچھ وقت کے بعد وہی سبز کھیتی زرد پڑ جاتی ہے اور زرد پڑنے کے بعد وہ کھیتی آخر میں بھوسہ بن جاتی ہے اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

یہی حال اس دنیاوی زندگی کا ہے، یہاں کی ہر چیز ابتداء میں بڑی خوبصورت اور بڑی خوشنما نظر آتی ہے، کھیل بھی اچھا لگ رہا ہے، زینت بھی

اچھی لگ رہی ہے، فخر بھی اچھا لگ رہا ہے، مال و دولت بھی اچھا لگ رہا ہے، لیکن آخرت میں جب تم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچو گے تو یہ سب بھوسہ نظر آئے گا۔

ماں کا پیٹ اس کیلئے کائنات ہے

مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی انہی باتوں کو اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، اس بچے میں چار ماہ کے بعد روح پڑ جاتی ہے اور وہ ایک زندہ وجود بن جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دل بھی ہے اور اس کے پاس دماغ بھی ہے اور اس کے اندر اپنی بساط کی حد تک سمجھ بوجھ بھی ہے۔ اس وقت اس بچے سے اس دنیا کی حقیقت کے بارے میں کوئی سوال کرے تو وہ بچہ یہ کہے گا کہ میری ساری کائنات یہی ماں کا پیٹ ہے، اس کی پوری دنیا اس ایک ڈیڑھ فٹ جگہ میں منحصر ہے، جہاں پر اس کی غذا خون ہے، وہی غذا اس کے لئے لذیذ اور مزیدار بنی ہوئی ہے۔

بچے کو ان باتوں پر یقین نہیں آئے گا

اگر کوئی شخص اس بچے سے کہے کہ جس جگہ کو تم اپنی ساری دنیا اور ساری کائنات سمجھ رہے ہو، یہ تو ایک گندی جگہ ہے اور نجس اور ناپاک جگہ ہے اور یہ اتنی چھوٹی جگہ ہے کہ حقیقی دنیا تمہاری اس دنیا سے لاکھوں اربوں اور کھربوں گنا

زیادہ بڑی ہے، اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس حقیقی دنیا میں جانے والے ہو۔ یہ باتیں سن کر وہ بچہ کبھی ان باتوں پر یقین کرنے پر تیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے یہ دنیا دیکھی نہیں ہے اور نہ اس کے تصور میں یہ دنیا آسکتی ہے، کیونکہ اس نے تو صرف ماں کے پیٹ کی دنیا دیکھی ہے اور اسی کو وہ اپنا سب کچھ سمجھتا ہے۔

یہ خون میری غذا ہے

اسی طرح اگر اس بچے کو کوئی شخص یہ کہے کہ یہ خون جو تم پی رہے ہو، یہ بہت گندی چیز ہے اور ناپاک ہے، اور جب تم ماں کے پیٹ سے باہر نکلو گے تو تم خود بھی اس سے گھن کرو گے اور یہ خون تمہیں پسند نہیں آئے گا۔ تو وہ بچہ اس شخص کی یہ بات کبھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اس خون سے تو میری زندگی وابستہ ہے، اگر میں یہ نہ پیوں تو میں مرجاؤں، اسی کے اندر مجھے لذت آتی ہے اور مجھے مزہ آتا ہے، یہی میری غذا ہے اور اسی سے میری زندگی ہے۔

بہرحال! یہ باتیں اس بچے کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اور کبھی بھی تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

دنیا میں آنے کے بعد یقین آنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے کہ ماں کا پیٹ جو ایک گندی جگہ ہے، اس سے یہ جب حضرتِ انسان باہر تشریف لاتے ہیں تو ترکِ وطن کے صدمے میں روتے ہوئے آتے ہیں، اس لئے کہ اسی ماں کے پیٹ سے دل لگایا ہوا تھا اور اسی کو اپنا سب کچھ سمجھا ہوا تھا، اب جب دنیا میں آ گئے تو حیران ہو رہے ہیں کہ معلوم نہیں میں کہاں پہنچ گیا، بعد میں جب آنکھیں کھلیں تو پتہ چلا کہ ماں کے پیٹ کے بارے میں کہنے والا مجھ سے جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ صحیح کہہ رہا تھا اور واقعتہً وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں تھی، اور حقیقت میں تو دنیا یہ ہے جس کے اندر میں اب آیا ہوں، یہ دنیا تو بڑی شاندار، بڑی مزیدار اور بڑی پرلطف ہے، یہ تو بڑی خوشنما اور بڑی خوبصورت ہے۔

رفتہ رفتہ ہر چیز کی حقیقت کھل جائے گی

اب پیدا ہونے کے بعد جس کمرے میں وہ مقیم تھا، اسی کمرے کو سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اگر اس بچے سے کوئی یہ کہے کہ اس کمرے کی تو کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کمرے کے باہر بہت بڑا مکان ہے، اور اس مکان کے باہر بہت بڑا شہر ہے، اور اس شہر کے پیچھے بہت بڑا ملک ہے، اور ملک کے پیچھے بہت بڑی دنیا ہے، اور یہ دنیا چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے۔ چونکہ اس بچے نے اب تک دنیا کا صرف ایک کمرہ دیکھا تھا، اس لئے چوبیس ہزار آٹھ سو مربع میل میں پھیلی ہوئی یہ دنیا اس کے تصور میں نہیں آ سکتی، لیکن جب وہ اس کمرے سے باہر نکلے گا تو اس وقت اس کو نظر آئے گا کہ اس کمرے جیسے

بہت سے کمرے اور بھی ہیں، اور جب وہ اس گھر سے نکلے گا تو اس کو شہر نظر آئے گا، اور جب شہر سے نکلے گا تو اس کو ملک نظر آئے گا اور ملک سے نکلے گا تو اس کو دنیا نظر آئے گی۔

یاد رکھئے! انسان کی عقل اپنے مشاہدے کی حدود کے اندر محدود ہو کر سوچتی ہے، اور صرف مشاہدہ کے اندر آنے والی چیزوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ رکھا ہے، مشاہدے سے باہر کی چیزیں اس عقل کے اندر نہیں آتیں۔

ایک بڑھیا کا واقعہ

میں ایک مرتبہ ہندوستان گیا، وہاں پر اپنے ایک عزیز سے ملنے کے لئے ایک دور دراز علاقے کے ایک گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ گاؤں بہت چھوٹا تھا اور شہر سے بہت دور واقع تھا۔ اس گاؤں میں ایک بوڑھی خاتون تھیں، ان خاتون کو جب پتہ چلا کہ کراچی سے کوئی آدمی آیا ہے تو وہ خاتون مجھ سے ملنے کے لئے آگئیں اور مجھ سے پوچھا کہ تم کراچی سے آئے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں کراچی سے آیا ہوں، اس نے کہا کہ تم میرے بیٹے حسن کو جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا، وہ کہنے لگیں کہ تم کراچی میں رہتے ہو اور حسن کو نہیں جانتے؟ وہ بڑھیا بے چاری یہ سمجھ رہی تھی کہ جس طرح اس گاؤں میں ہر آدمی دوسرے آدمی کو جانتا ہے، اسی طرح کراچی میں رہنے والا بھی ہر آدمی دوسرے آدمی کو جانتا ہوگا۔ میں نے اس بڑھیا کو بتایا کہ کراچی بہت بڑا شہر ہے اور اس شہر میں بہت سارے لوگ رہتے ہیں، وہاں ایک آدمی دوسرے

آدمی کو نہیں جانتا۔ لیکن آخر وقت تک بڑھیا کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک شہر میں رہتے ہوئے دو آدمی ایک دوسرے کو کیوں نہیں جانتے؟ میں نے سمجھایا کہ آپ کے اس گاؤں سے میرٹھ تک جتنا فاصلہ ہے، کراچی اتنا بڑا ایک شہر ہے، اور اس میں تیس پینتیس لاکھ آدمی رہتے ہیں (اس وقت اتنی ہی آبادی تھی) لیکن یہ بات اس بڑھیا کی سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ انھوں نے ساری عمر اس چھوٹے سے گاؤں میں گزاری تھی، اس گاؤں سے باہر کی کسی چیز کو قبول کرنے اور سمجھنے کو وہ تیار نہیں تھی۔

اس بڑھیا کا قصور نہیں

مجھے خیال آیا کہ اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں، یہی کام ہم بھی کرتے ہیں، ہم نے ذرا سا ملک دیکھ لیا، ذرا سی دنیا دیکھ لی، اور اب اسی دنیا کو ہم سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ تم نے اس دنیا میں جو دل لگا رکھا ہے، اور اسی دنیا کی حدود میں جو چکر لگا رہے ہو، اس کے آگے بھی اور کائنات ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۔

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۳)

یعنی ایسی جنت ملنے والی ہے جس کی چوڑائی تمام زمین و آسمان کے برابر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے تمہیں پوری کرۂ زمین سے دس گنا

زیادہ جنت دیدی۔ وہ شخص کہے گا کہ اے پروردگار! آپ رب العالمین ہیں اور مجھ سے مذاق فرمارہے ہیں؟ چونکہ وہ بے چارہ ابھی دنیا ہی کی حدود کے اندر محدود تھا، اس کے تصور میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایک ادنیٰ جنتی کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ جنت مل سکتی ہے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں مذاق نہیں کررہا ہوں، واقعۃً تمہیں دس گنا زیادہ جنت دیدی ہے اور تمام اہل جنت کے مقابلے میں سب سے کم جگہ تمہیں دی جارہی ہے۔

ہمارے دماغ محدود کر دیے گئے

آج کی موڈرن تعلیم نے ہمارے دماغ اتنے محدود کردئے ہیں کہ جب یہ باتیں ہمارے سامنے کہی جاتی ہیں تو ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ارے یہ باتیں اسی طرح سمجھ میں نہیں آرہی ہیں جس طرح اگر ماں کے پیٹ میں بچے سے یہ کہا جاتا کہ نو ماہ بعد جس کمرے میں تم جانے والے ہو، وہ تمہاری اس دنیا سے ستر گنا زیادہ بڑا ہوگا، جس طرح وہ بات اس بچے کی عقل میں نہیں آسکتی، اسی طرح یہ بات آج ہماری عقل میں نہیں آرہی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے اور دیکھنے والوں نے دیکھی ہے، دیکھنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی اطلاع ہمیں دی ہے۔

دنیاوی زندگی دھوکہ ہے

بہرحال! قرآن کریم اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ جن چیزوں سے تم

دل لگائے بیٹھے ہو، ان کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ جو چیزیں ایک مرحلہ میں محبوب تھیں، وہی چیزیں اگلے مرحلہ میں تمہیں قابل نفرت معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

(سورۃ الحدید، آیت ۲۰)

یعنی دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے، ہر وقت دھوکہ کھا رہے ہو، بچپن میں دھوکہ کھایا، جوانی میں دھوکہ کھایا، بڑھاپے میں دھوکہ کھایا، اور اب بھی پیغمبروں کی بات نہیں مانو گے تو دھوکہ کھاؤ گے، اس لئے اس دنیا میں دل نہ لگانا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے بچپن کا واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کا ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جب میں چھوٹا تھا تو اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اس زمانے میں ایسے کھیل ہوتے تھے جس میں خرچ کچھ نہیں ہوتا تھا لیکن ورزش پوری ہوتی تھی۔ چنانچہ درختوں سے ''سرکنڈے'' توڑ لیتے اور پھر ان کو کسی اونچی جگہ سے نیچے کی طرف لڑھکاتے، بچوں میں اس بات میں مقابلہ ہوتا کہ کس کا سرکنڈا سب سے آگے نکلتا ہے، جس کا سرکنڈا آگے نکل جاتا وہ جیت جاتا اور وہ بچہ دوسرے بچوں کے سرکنڈوں پر قبضہ کر لیتا۔ اور ''سرکنڈے'' کو پھینکنے کا ایک خاص طریقہ ہوتا تھا، اگر اس طریقے سے پھینکا جاتا تو وہ سرکنڈا سب سے آگے نکل جاتا تھا۔ میرا چچا زاد بھائی بڑا ہوشیار تھا،

وہ جانتا تھا کہ کس طرح سے سرکنڈا پھینکا جائے تو وہ آگے نکل جائے گا، چنانچہ وہ بھی اوپر سے اپنا سرکنڈا پھینکتا اور میں بھی پھینکتا، لیکن ہر مرتبہ اس کا سرکنڈا آگے نکل جاتا اور پھر وہ میرے سرکنڈے پر قبضہ کرلیتا، یہاں تک کہ میں نے جتنے سرکنڈے جمع کئے تھے، وہ سب اس نے جیت لئے۔ آج بھی مجھے اس روز کی دل کی کیفیت یاد ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ سرکنڈے کیا گئے کہ میری کائنات ویران ہوگئی، میری دنیا اندھیری ہوگئی، میرا سب کچھ لٹ گیا، اس دن کے صدمہ کی کیفیت آج بھی مجھے یاد ہے۔

وہاں پتہ چل جائے گا

لیکن آج جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ کس بیوقوفی اور حماقت میں مبتلا تھا، کس چیز کو کائنات سمجھا ہوا تھا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد فرماتے کہ کل قیامت کے دن جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی اور جنت اور جہنم کے مناظر سامنے آئیں گے، اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زمین، یہ جائیدادیں، یہ ملیں، یہ کارخانے، یہ کاریں، یہ بنگلے وغیرہ جس پر لڑائیاں ہورہی تھیں، جس پر جھگڑے ہورہے تھے، جس پر مقدمہ بازیاں ہورہی تھیں، یہ سب ان سرکنڈوں سے زیادہ بے حقیقت ہیں۔

دنیا کی حقیقت پیش نظر رکھو

اس وقت آنکھوں پر ان دنیاوی لذتوں کا اور خوشنمائیوں کا اور

خوبصورتیوں کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور اس کے نتیجے میں انہی چیزوں کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم ہم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس دنیا میں رہو اور اس دنیا کو برتو، لیکن اس دنیا کی حقیقت کو نہ بھولو، یہ دنیا بہت بے حقیقت چیز ہے۔ البتہ یہ دنیا ضرورت کی چیز ہے، ضرورت کے وقت اس کو ضرور استعمال کرو، لیکن اس کو دل میں جگہ مت دو، اس کے ساتھ دل نہ لگاؤ، اس کو اپنے دل و دماغ پر سوار مت کرو، اس کو اپنے اوپر حاوی اور غالب نہ ہونے دو، جس دن یہ دنیا تمہارے اوپر غالب آ گئی، اس دن یہ دنیا تمہیں ہلاک اور تباہ کر دے گی۔

یہ ہے اس دنیا کی حقیقت، اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے بار بار انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے، اور انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد وارثان نبی اسی کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ آ کر لوگوں کو یہ بتائیں کہ جس چیز پر تم مر رہے ہو، وہ بہت بے حقیقت چیز ہے، اس کو ضرورت کے تحت ضرور اختیار کرو، لیکن دن رات اس کے اندر انہماک پیدا نہ کرو۔

یہ دنیا قید خانہ ہے

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔

یعنی یہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ جنت ہونے کا مطلب یہ

ہے کہ اس کی منزل مقصود ہی یہ دنیا ہے، اس دنیا سے آگے زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ اور قید خانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مؤمن کو اس دنیا میں تکلیف ضرور ہوگی، بلکہ قید خانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا مؤمن کے لئے ایک عارضی رہائش گاہ ہے، جیسے قید خانہ عارضی ہوتا ہے، اسی لئے مؤمن اس دنیا سے دل نہیں لگاتا، اور صبح سے لے کر شام تک کی ساری محنت اسی پر خرچ نہیں کرتا۔ مؤمن کے لئے یہ دنیا قید خانہ تو ہے، لیکن قید خانے میں تکلیف ہونا تو کوئی ضروری نہیں، ایسے بھی قید خانے ہوتے ہیں جس میں آدمی آرام سے کھا پی رہا ہے اور مزے اڑا رہا ہے، جیسے آج کل جیل کے اندر A کلاس ہوتی ہے، جس میں وی آئی پی لوگ رکھے جاتے ہیں، اور ان کو وہاں وی آئی پی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ مثلاً اعلیٰ درجے کے بستر ہوتے ہیں، اعلیٰ درجے کے کھانے مہیا ہوتے ہیں، باورچی موجود ہیں، جیسا کھانا چاہیں، ان سے پکوالیں۔ کمرہ میں ایئر کنڈیشنڈ لگا ہوا ہے، اخبار اور رسالے وقت پر پہنچائے جاتے ہیں، تمام سہولتیں موجود ہیں، ہر قسم کی راحت اور آرام کا سامان موجود ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ''قید خانہ'' ہے۔ کوئی اگر اس آرام دہ قید خانے میں رہنے والے سے کہے کہ ''آپ کو تو یہاں بڑا آرام مل رہا ہے، براہ کرم آپ ساری عمر یہاں تشریف فرما رہیں'' تو وہ شخص کبھی بھی وہاں رہنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ آرام و راحت سب کچھ صحیح، لیکن یہ قید خانہ ہی ہے، اور یہ ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، بلکہ عارضی طور پر رہنے کی جگہ ہے، چنانچہ وہ وہاں سے نکلنے کی فکر کرے گا۔

مؤمن کی خواہش جنّت میں پہنچنا ہے

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے۔ یعنی اگر اس کے پاس دنیا میں مال و دولت ہو، نوکر چاکر ہوں، کوٹھی بنگلے ہوں، کاریں ہوں، دکان اور کارخانے سبھی کچھ ہو، لیکن مؤمن کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں ہوتی کہ اس کو یہ چیز چھوڑ کر جانا ہے اور یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دنیا قید خانہ ہے، اس لئے ایک مؤمن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن اصلی یعنی جنّت میں پہنچ جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تیار کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

اس لئے ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ میں جلد اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤں، تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث سنائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

اس سے ملنے کو پسند فرماتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے ملنا مرے بغیر ممکن نہیں، اور موت ایسی چیز ہے کہ کون آدمی ہے جو اس کو پسند کرتا ہو، بلکہ ہم میں سے ہر شخص موت کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی بھی شخص اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مؤمن اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا اور جنت کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں جلدی سے اس مقام تک پہنچ جاؤں، ملاقات کو پسند کرنے کا یہ مطلب ہے، جبکہ کافر کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوتی، یا تو کافر کو اس بات کا یقین ہی نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی آنے والی ہے، اور اگر اس کو آخرت کا یقین ہوتا ہے تو اس کو یہ دھڑکہ اور خطرہ لگا ہوتا ہے کہ کہیں مجھے وہاں پر جہنم میں نہ ڈالا جائے، اسی وجہ سے کافر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو مزے اڑانے ہیں، یہیں پر اڑالو، بقول کسی کے:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں، جن کو دنیا اور آخرت کی حقیقت حال معلوم ہوتی ہے، ان کا ذہن وطن اصلی کی طرف مائل رہتا ہے اور وطن اصلی میں جانے کا شوق ان کے دل میں رہتا ہے۔

الحمدللہ وقت قریب آرہا ہے

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، جو بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں اوران کے حالات اورواقعات بڑے عجیب وغریب ہیں، کسی شخص نے ان کی داڑھی کے سفید بال دیکھ کر ان سے کہا کہ آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں۔ انہوں نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں! بال سفید ہوگئے ہیں، الحمدللہ وقت قریب آرہا ہے، منزل قریب آرہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وطن اصلی کی طرف جانے کے اشتیاق اور انتظار میں ہیں، اس لئے کہ مؤمن یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں اور وہاں پر میری حاضری ہوجائے۔ بہرحال! اس دنیا میں رہو، دنیا کو برتو، دنیا کے حقوق ادا کرو، لیکن اس دنیا کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دو۔

ترک دنیا مقصود نہیں

لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آدمی دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے، یا دنیا میں کمانے کا دھندا چھوڑ بیٹھے، یا بیوی بچوں کو چھوڑ بیٹھے، یا دنیا کے تعلقات کو خیرآباد کہدے۔ یاد رکھئے! ان میں سے کوئی چیز مطلوب نہیں، اگر یہ چیزیں مطلوب اور مقصود ہوتیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح زندگی نہ گزارتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رہتے ہوئے سبھی کچھ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوی بچے بھی

تھے، آپ کے تعلقات بھی تھے، آپ کے دوست احباب بھی تھے، لہٰذا یہ چیزیں مطلوب نہیں۔

دنیا دل و دماغ پر سوار نہ ہو

بلکہ مطلوب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک نہ ہو، انہماک کا مطلب یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ایک ہی فکر، ایک ہی سوچ دل پر مسلط ہے کہ یہ دنیا کس طرح سے زیادہ سے زیادہ حاصل کروں؟ آخرت کا کوئی خیال ہی نہیں آتا، یہ بات نہیں ہونی چاہئے۔ لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے کہ کیا چوبیس گھنٹے کی سوچ بچار میں کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب ہم وہاں آخرت میں پہنچیں گے تو وہاں کیا ہوگا؟ جنت ہوگی، جہنم ہوگی، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی ہوگی۔ کیا ان باتوں کا خیال آتا ہے یا نہیں؟ اگر خیال آتا ہے تو یہ دیکھو کہ دوسرے خیالات کے مقابلے میں ان خیالات کا کیا تناسب ہے؟ مثلاً چوبیس گھنٹوں میں سے چھ گھنٹے تو سونے کے نکال دو، باقی اٹھارہ گھنٹوں میں سے کتنا وقت ایسا گزرتا ہے جس میں آخرت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور آتا ہے۔ اگر آخرت کا خیال اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خیال نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اندر انہماک ہے، یہ انہماک درست نہیں، اس انہماک سے بچو۔

دنیا ضروری ہے، لیکن بیت الخلاء کی طرح

یاد رکھئے! یہ دنیا ضروری تو ہے، اس دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے،

اس لئے کہ اگر پیسہ پاس نہ ہو تو کیسے زندگی گزارے گا، کھانا نہ ہو تو کیسے زندہ رہے گا، اگر کمانے کے اسباب اختیار نہیں کرے گا تو کیسے زندہ رہے گا، لہٰذا دنیا کی ضرورت تو ہے، لیکن دنیا کی ضرورت ایسی ہے جیسے مکان کے اندر بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی مکان میں بیت الخلاء نہ ہو تو وہ مکان ناقص ہے، لیکن آدمی مکان میں بیت الخلاء اس لئے بناتا ہے تاکہ اس سے ضرورت پوری کرے، البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیت الخلاء بنانے کے بعد صبح سے شام تک ہر وقت اس بیت الخلاء کے بارے میں سوچتا رہے کہ اس کے اندر کیا کیا آرام کی چیزیں لگاؤں، کس طرح اس کو آراستہ کروں۔ لہٰذا بیت الخلاء اتنا ضروری نہیں ہے کہ آدمی اسی کی سوچ میں منہمک ہو جائے۔ اسی طرح یہ دنیا بھی ضروری ہے، لیکن یہ انہماک کہ صبح سے لے کر شام تک اسی دنیا کی فکر، اسی کی سوچ، اسی کا خیال دل پر سوار رہے، یہ بات غلط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی دنیا کو دین بنانے کے نسخے بتا دیئے، تاکہ اسی دنیا کو ہم آخرت کے لئے زینہ بنالیں، اور اسی دنیا کو جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے لئے سیڑھی بنالیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح کئے جو اس زمانے کے سپر پاور تصور کئے جاتے تھے۔

آپؓ نے بیک وقت دونوں سے لڑائی کی اور دونوں کو فتح کیا، اور دونوں کے خزانے لاکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاکر ڈھیر کیے گئے، ایک مرتبہ جو سونا چاندی آیا اور اس کو جب مسجد نبوی ﷺ میں رکھا گیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ڈھیر کے پیچھے چھپ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس سونا چاندی کو دیکھ کر آپؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس دنیا کی کچھ نہ کچھ محبت تو آپ نے ہماری سرشت میں داخل فرمائی ہے، وہ محبت تو باقی رہے گی، اس محبت کے زائل ہونے کی ہم آپ سے دعا نہیں کرتے۔ لیکن ہم آپ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ دنیا جو آپ ہمیں عطا فرما رہے ہیں، اس کو ہماری آخرت درست کرنے کا ذریعہ بنا دیجئے، ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کی محبت بالکل ختم کر دیجئے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس دنیا کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دنیا کو آخرت کا زینہ بنا دیجئے۔

اس دنیا کو آخرت کا زینہ بناؤ

اس دعا کے اندر آپؓ نے دنیا کی ساری حقیقت کھول دی، وہ یہ کہ اگر یہ دنیا بذات خود آجائے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اس کی نوازش اور اس کا کرم ہے، لیکن اس دنیا کو اس طرح استعمال کرو کہ وہ دنیا تمہاری آخرت بنانے کا ذریعہ بن جائے، یہ نہ ہو کہ اس دنیا کے حاصل کرنے کی خاطر اللہ کے حکم کو بھی چھوڑ دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھی چھوڑ دیا۔

حرام طریقے سے دنیا حاصل نہیں کرونگا

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دنیا کس طرح دین بن سکتی ہے اور کس طرح آخرت مانے کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ اس مقصد کے لئے ان دو باتوں کو پلّے باندھ لیں، ایک یہ کہ اس بات کا عہد کرلیں کہ اس دنیا کی کوئی بھی چیز، چاہے وہ روپیہ ہو یا پیسہ ہو، اسباب ہو یا سامان ہو، وہ ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے، حرام طریقے سے حاصل نہیں کرنی ہے، نہ سود کے ذریعہ، نہ رشوت کے ذریعہ، نہ جوے کے ذریعہ، نہ جھوٹ بول کر، نہ فریب دے کر، نہ دھوکہ دے کر، نہ کسی کی دل آزاری کرکے، نہ کسی کا دل دکھا کر، اس بات کا عہد کرلیں کہ زندگی بھر ایک پیسہ بھی اس طریقے سے حاصل نہیں کروں گا، بلکہ جو کچھ کماؤں گا، حلال طریقے سے کماؤں گا۔

حرام کاموں میں استعمال نہیں کرونگا

• دوسرے اس بات کا عہد کرلیں کہ جو چیز حلال طریقے سے آئے گی، اس کو حلال طریقے سے استعمال کروں گا، حرام طریقے سے استعمال نہیں کروں گا، ناجائز طریقے سے استعمال نہیں کروں گا، اور اس چیز پر اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کروں گا، جو نعمت ملے گی اس پر یہ کہوں گا کہ یا اللہ! میں اس قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ چیز دی جائے، یہ آپ کی عطا ہے، آپ کا کرم ہے، اس پر آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

بہر حال! دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے اور دنیا کی محبت کے مذموم نتائج سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دنیا کو حلال طریقے سے حاصل کرو اور حلال طریقے سے خرچ کرو، اور جو حلال طریقے سے حاصل ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

قارون کا کیا حال ہوا؟

قارون کا نام آپ نے سنا ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ بہت بڑا دولت مند، بہت بڑا سرمایہ دار تھا، اتنا بڑا دولت مند تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں طاقت ور لوگوں کی ایک جماعت اٹھایا کرتی تھی۔ اس زمانے میں چابیاں بھی بڑی وزنی بنائی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ یہ دولت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، اس لئے اس پر نہ اتراؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں فرماتے ہیں، اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف مت کرو۔

ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے کہا کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے، یہ میرے علم کی بدولت مجھے ملا ہے، اور میں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے، لہٰذا اس پر شکر کیوں ادا کروں؟ چنانچہ قارون پی دولت پر اترانے لگا اور اس نے تکبر شروع کر دیا اور اس مال کو اپنی قوت با وکا نتیجہ قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مال کو اس کے لئے عذاب بنا دیا، زلزلہ آیا اور

اس کے سارے خزانے زمین میں دھنس گئے، یہ تو قارون کی دولت تھی جو اسے لے ڈوبی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی دنیا ملی

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت اور سلطنت دی، مال و دولت دی، ایسی دولت اور ایسی حکومت ان کو دی کہ ان کے بعد ایسی دولت اور ایسی حکومت کسی اور کو نہیں دی گئی، چنانچہ انہوں نے خود یہ دعا کی تھی کہ:

هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ

(سورۂ ص، آیت ۳۵)

یعنی اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرمایئے کہ میرے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہ ملے۔ ایسی سلطنت مانگنے کا منشا یہ تھا کہ تاکہ لوگوں کو دکھایا جائے کہ اتنی بڑی دولت اور اتنی بڑی سلطنت ہونے کے بعد اس دولت اور اس دنیا کو کس طرح دین بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب ایسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل ہوگئی کہ ان کی حکومت تمام انسانوں پر، تمام جنات پر، جانوروں پر، پرندوں پر، درندوں پر قائم ہے اور ان سب جانوروں کی بولیاں بھی جانتے ہیں، ایسی سلطنت حاصل ہونے کے باوجود سینہ تنا ہوا نہیں ہے، گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکا ہوا ہے اور زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ۔ (سورۃ النمل، آیت ۱۹)

اے اللہ! مجھے اس کی توفیق عطاء فرمایئے کہ جو نعمت آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے، میں اس کا شکر قول وفعل سے ادا کرتا رہوں۔

دونوں میں فرق

دونوں میں فرق دیکھئے کہ یہ دنیا قارون کے پاس بھی تھی، اور یہ دنیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی تھی، لیکن قارون کی دنیا اس کو زمین کے اندر دھنسانے کا سبب بن گئی اور آخرت میں جہنم میں جانے کا مستحق بنا دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دنیا نے ان کو دنیا میں بھی پیغمبری کا مرتبہ عطا کیا اور بادشاہت کا مرتبہ عطا کیا، اور آخرت میں بھی جنت کے اعلیٰ مقام دلانے کا سبب بن گئی۔

زاویۂ نگاہ بدل لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات بیان فرمایا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''دین'' زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، یہ دنیا وہی رہے گی، لیکن اگر تم ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لو گے تو وہی دنیا دین بن جائے گی۔ اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ جیسے آج کل ایسی تصویریں ہوتی

ہیں کہ اگر ان کو ایک طرف سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ کعبہ شریف کی تصویر ہے، اور اگر اسی تصویر کو دوسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ روضہ اقدس کی تصویر ہے، اور اگر تیسرے رُخ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ مسجد اقصیٰ کی تصویر ہے، حالانکہ وہ ایک ہی تصویر ہے، لیکن زاویۂ نگاہ کے بدلنے سے اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اسی طرح اس دنیا کے اندر زاویۂ نگاہ بدل لو، تو یہی دنیا ''دین'' بن جاتی ہے اور آخرت کا زینہ بن جاتی ہے۔

زاویۂ نگاہ بدلنے کا طریقہ

پھر اس کا طریقہ بتایا کہ کس طرح زاویۂ نگاہ کو بدلا جائے، فرمایا: اگر تم تجارت کر رہے ہو یا ملازمت کر رہے ہو تو اس کے اندر یہ نیت کرلو کہ یہ تجارت اور یہ ملازمت میں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر عائد کئے ہیں۔ اور میں اس تجارت میں حلال طریقے سے کمانے کا اہتمام کروں گا، ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہیں کماؤں گا، اس نیت اور اہتمام کے بعد تم جو تجارت اور ملازمت کر رہے ہو، یہی عبادت اور یہی دین بن گیا۔

یا مثلاً گھر میں داخل ہوئے [illegible] نے کا وقت آیا، اب کھانا کھانا بھی دنیا ہے، کونسا انسان ہے جو کھانا نہیں کھاتا [illegible] یک کافر انسان بھی کھانا کھاتا ہے، ایک فاسق و فاجر اور غافل انسان بھی کھانا کھاتا ہے، لیکن اس کے کھانے [illegible] وہ

ایک جانور کے کھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسری طرف ایک وہ مؤمن بھی کھانا کھاتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار ہے، جب وہ کھانا شروع کرے گا تو پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کھانے کو اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کر رہا ہوں جو "رحمٰن" ہے اور "رحیم" ہے، اس کے ذریعہ وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کھانے کو مہیا کرنا میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، میری یہ مجال نہیں تھی کہ میں یہ کھانا حاصل کرسکتا، بلکہ یہ کھانا میرے مالک کا عطیہ ہے اور اس کا دیا ہوا ہے، اسی کا نام لے کر کھاتا ہوں، اے اللہ! یہ کھانا آپ کی نعمت ہے، اور اس کو آپ کی نعمت سمجھ کر کھا رہا ہوں، اپنے نفس کا حق ادا کرنے کے لئے کھا رہا ہوں۔

کھانے پر شکر ادا کرو

جب کھانا کھا چکو تو یہ دعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَ آوَانَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ کھانا کھلایا۔ بعض روایتوں میں لفظ "وَرَزَقَنَا" کا اضافہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ رزق دیا، "رزق" دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کھانا ہمیں مل گیا اور ہمارے پاس آیا، اور "اَطْعَمَنَا" کا مطلب یہ ہے کہ اس رزق کو کھانے کا موقع فراہم کیا۔ ورنہ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ "رزق" تو حاصل ہے، دستر خوان پر

اعلیٰ درجے کے کھانے چنے ہوئے ہیں، بریانی ہے، پلاؤ ہے، قورمہ بھی ہے، کباب بھی ہے، لیکن معدہ خراب ہے اور پرہیز کی وجہ سے ان میں سے کوئی چیز نہیں کھاسکتے اب "رَزَقْنَا" تو پایا گیا، لیکن "اَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا، رزق موجود ہے، لیکن کھانے کی سکت نہیں ہے، لہٰذا اس نعمت پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جب کھانا کھانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا اور کھانا کھانے کے بعد اس پر شکر ادا کرلیا تو اب وہ پورا کھانا عبادت بن گیا اور یہ دنیا کا عمل دین بن گیا۔ اسی کو زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کہا جاتا ہے، اسی کی دعوت دینے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا یہی مطلب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر اس دنیا کی محبت کو غالب نہ ہونے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دنیا کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ

دنیا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن

الدنيا حلوة خضرة، وان الله تعالىٰ مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون فاتقوا الدنيا واتقوا النساء۔

(صحیح مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء، حدیث نمبر۲۷۴۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، یعنی ایک انسان کو دنیا کی شان وشوکت، دنیا کی لذتیں، دنیا کی خواہشات بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہیں، گویا کہ یہ دنیا خوشنما بھی ہے اور بظاہر خوش ذائقہ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہاری آزمائش کا ایک ذریعہ بنایا ہے، اور تم کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ تم اس دنیا میں کیسا عمل کرتے ہو، کیا دنیا کی یہ ظاہری خوبصورتی اور خوشنمائی تمہیں دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور تم اس دنیا کے پیچھے لگ جاتے ہو یا تم اللہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی جنت اور آخرت کو یاد کرتے ہو اور اس کی تیاری کرتے ہو؟

لہٰذا تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو، اس لئے کہ عورت بھی مرد کے لئے دنیا کے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے، اگر انسان جائز طریقے کو چھوڑ کر ناجائز طریقے سے عورت سے لطف اندوز ہو، تو پھر یہ عورت دنیا کا دھوکہ اور فریب ہے۔

حقیقی زندگی

عن سهل بن سعد رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: اَللّٰهم لا عیش الاّ عیش الآخرة۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، حدیث نمبر ۴۰۹۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

یعنی دنیا کی زندگی تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ہیچ در ہیچ ہے۔

قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں

عن أنس رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: یتبع المیت ثلاثة، أهله وماله وعمله، فیرجع اثنان و یبقی واحد یرجع أهله وماله ویبقی عمله۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، حدیث نمبر ۶۵۱۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کا جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، ایک عزیز و اقارب جو اس شخص کو دفن کرنے کے لئے جاتے ہیں، دوسرا اس کا مال ساتھ جاتا ہے۔ (اس لئے کہ بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ مرنے والے کا مال قبرستان تک ساتھ لے جاتے ہیں) اور تیسرا اس کا عمل ہے جو اس کے ساتھ جاتا ہے، پھر فرمایا کہ قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد دو چیزیں تو واپس لوٹ آتی ہیں، ایک عزیز و اقارب اور دوسرے اس کا مال وغیرہ، اور تیسری چیز یعنی اس کا عمل، وہ اس کے ساتھ قبر میں جاتا ہے۔

مال اور عزیز و اقارب کام آنے والے نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ میت کے اہل وعیال اور عزیز و اقارب جن کو وہ اپنا محبوب سمجھتا تھا، جن کو اپنا پیارا سمجھتا تھا، جن کے ساتھ محبتیں اور تعلقات تھے، جن کے بغیر ایک پل گزارنا مشکل معلوم ہوتا تھا، وہ سب اس کو قبر کے اندر کام آنے والے نہیں، اور وہ مال جس پر اس کو بڑا فخر اور ناز تھا کہ میرے پاس اتنا مال ہے، اتنا بینک بیلنس ہے، وہ بھی سب یہاں رہ جاتا ہے وہ چیز جو اسکے ساتھ قبر کے اندر جاتی ہے وہ اس کا عمل ہے جو اس نے دنیا میں رہ کر کیا تھا، اس کے علاوہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کسی میت کو دفن کرنے کے بعد اس کے عزیز و اقارب وہاں سے جانے لگتے ہیں تو ان کے جانے کے وقت میت ان کے قدموں کی آواز سنتا ہے، اور

یہ آواز اس کو یہ بتانے کے لئے سنائی جاتی ہے کہ جن لوگوں پر تم بھروسہ کئے ہوئے تھے، جن کے ساتھ تمہارے صبح وشام گزر رہے تھے، جن کی محبت پر تم نے بھروسہ کر رکھا تھا، وہ سب تمہیں اس گڑھے میں اتار کر چلے گئے، حقیقت میں وہ تمہارا ساتھ دینے والے نہیں تھے، گویا کہ مال بھی ساتھ چھوڑ گیا اور عزیز واقارب بھی ساتھ چھوڑ گئے، صرف ایک عمل ساتھ جا رہا ہے، اب اگر نیک عمل ساتھ میں ہے تو اس صورت میں قبر کا وہ گڑھا جس کو دیکھ کر ایک زندہ انسان کو وحشت معلوم ہوتی ہے، وہ گڑھا اس نیک عمل کے نور کی وجہ سے منور ہو جاتا ہے، اس میں روشنی ہو جاتی ہے، اس میں وسعت ہو جاتی ہے، اور پھر وہ قبر کا گڑھا نہیں رہتا، بلکہ جنت کا ایک باغ بن جاتا ہے۔

جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب نیک عمل والا بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے کہ:

"نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا أحبّ أهله اليه۔

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، حدیث نمبر ۱۰۷۱)

کہ اب تمہارے لئے جنت کی کھڑکی کھول دی گئی ہے، اب جنت کی ہوائیں تمہارے پاس آئیں گی، تم اس طرح سو جاؤ جس طرح دلہن سوتی ہے اور اس دلہن کو سب سے زیادہ محبوب شخص بیدار کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا بیدار

نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر عمل اچھا ہے تو وہ قبر کا گڑھا ابدی راحتوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اور وہ جنت کا ایک باغ بن جاتا ہے۔ اور خدا نہ کرے اگر عمل خراب ہے تو پھر وہ جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے، اس کے اندر عذاب ہے، اور عذاب اور تکلیفوں کا سلسلہ قبر کے اندر ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی کہ اے اللہ! میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس دنیا میں اپنا کوئی نہیں

لہٰذا اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ حقیقت بیان فرمارہے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا اور لوگ قبر کے گڑھے میں تمہیں رکھ کر چلے جائیں گے، اس وقت تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس دنیا میں اپنا کوئی نہیں، نہ عزیز و اقارب اور رشتہ دار اپنے ہیں اور نہ یہ مال اپنا ہے، لیکن اس وقت پتہ چلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر اس وقت اپنی حالت بدلنا بھی چاہے گا اور اپنی اصلاح کرنا چاہے گا تو اس کا وقت گزر چکا ہوگا، بلکہ جب وہ وقت آ جائے گا تو پھر اس کو مہلت نہیں دی جائے گی، چنانچہ لوگ اپنا برا انجام دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ایک مرتبہ ہمیں پھر دنیا میں بھیج دیجئے کہ وہاں جا کر خوب صدقہ خیرات کریں گے اور نیک عمل کریں گے، لیکن باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ:

ولن یؤخر اللّٰہ نفسا اذا جاء أجلها۔

(سورۃ المنافقون: آیت ۱۱)

کہ جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو مؤخر نہیں کرتے۔ موت کا وقت آ جانے کے بعد کسی نبی کو، کسی ولی کو، کسی صحابی کو اور کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی کو مؤخر نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس وقت اپنی اصلاح کا خیال آنے کا فائدہ کچھ نہیں ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے ہمیں باخبر کر رہے ہیں کہ اس وقت کے آنے سے پہلے یہ بات سوچ لو کہ اس وقت یہ سب تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، تم اکیلے رہ جاؤ گے اور صرف تمہارا عمل تمہارے ساتھ جائے گا۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ

اب اکیلے ہی چلے جائینگے اس منزل سے ہم

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ آج ہی سے اس بات کا استحضار کرلو، پھر تمہیں یہ نظر آئے گا کہ دنیا کی ساری لذتیں، منفعتیں، دنیا کے کاروبار، دنیا کی خواہشات ہیچ در ہیچ ہیں، اور اصل چیز وہ ہے جو آخرت کے لئے تیار کی گئی ہو۔

جہنم کا ایک غوطہ

عن أنس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ

صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یوتی بأنعم اهل الدنیا

من اهل النار يوم القيٰمة فيصبغ في النار صبغة ثم يقال: يا ابن آدم هل رأيت خيراً قط هل مرّبكَ نعيم قط فيقول: لا واللّٰه يارب! ويؤتي بأشد الناس بؤساً في الدنيا من أهل الجنة فيصبغ صبغةً في الجنة فيقال له يا ابن آدم: هل رأيت بؤساً قط هل مرّبكَ شدّةً قط فقول: لا واللّٰه يا ربّ! مامرّبي بؤس قط ولا رأيت شدةً قط۔

(صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أهل الدنیا فی النار، حدیث نمبر ۲۸۰۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو بلائیں گے جس کی ساری زندگی نعمتوں میں گزری ہوگی، اور دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ جس کو دنیا کی نعمتیں میسر آئی ہونگی، یعنی مال سب سے زیادہ، اہل وعیال زیادہ، نوکر چاکر، دوست احباب، کوٹھی بنگلے، اور دنیا کے اسباب عیش وعشرت سب سے زیادہ اس کو ملے ہوں گے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بلائیں گے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب سے یہ دنیا پیدا ہوئی، اس وقت سے لے کر قیامت کے دن تک جتنے انسان پیدا ہوئے، ان میں سے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے گا جو اس دنیا میں سب سے زیادہ مالدار، سب سے زیادہ خوش حال اور سب سے

زیادہ خوش وخرم رہا ہوگا، اور اس کو جہنم کے اندر ایک غوطہ دیا جائے گا اور ملائکہ سے کہا جائے گا کہ اس کو جہنم کے اندر ایک غوطہ دلا کر لے آؤ، پھر اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تم نے کبھی کوئی راحت اور آرام اور خوش حالی دیکھی ہے؟ کیا تم پر کبھی کوئی نعمت گزری، یعنی مال و دولت، عیش و آرام کچھ ملا ہے؟ وہ شخص جواب میں کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے کبھی راحت و آرام، عیش وعشرت، مال و دولت کی شکل تک نہیں دیکھی۔ وہ ساری عمر جو دنیا کے اندر نعمتوں میں، راحتوں میں، مال و دولت میں، عیش و آرام میں گزاری تھی، جہنم کے ایک غوطے سے وہ سب نعمتیں اور راحتیں بھول جائے گا، اس لئے کہ اس ایک غوطے میں اس کو اتنی اذیت، اتنی تکلیف اور اتنا عذاب اور اتنی پریشانی ہوگی کہ وہ اس کی وجہ سے دنیا کی نعمتیں بھول جائے گا۔

جنّت کا ایک چکر

اس کے بعد ایک ایسے شخص کو بلایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تنگ دستی، پریشانی اور فقر و فاقے کا شکار رہا ہوگا، گویا کہ دنیا میں اس نے اس طرح زندگی گزاری ہوگی کہ کبھی راحت و آرام کی شکل ہی نہیں دیکھی ہوگی، اس کو بلا کر جنّت کا ایک چکر لگوایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کو ذرا جنّت میں سے ایک مرتبہ گزار کر لے آؤ اور پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا کبھی تم نے فقر و فاقہ دیکھا؟ کیا کبھی تم پر سختی اور پریشانی کا زمانہ گزرا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ خدا کی قسم! میرے اوپر تو کبھی کوئی سختی اور

پریشانی کا زمانہ نہیں گزرا اور کبھی مجھ پر فقر و فاقہ نہیں گزرا۔ اس لئے کہ دنیا کی ساری زندگی جو مصیبت، پریشانی اور آلام میں گزاری تھی، جنت کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ سب بھول جائے گا۔

دنیا بے حقیقت چیز ہے

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتیں ہیں اور ان کے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا کی نعمتیں آخرت کے مقابلے میں اتنی بے حقیقت، اتنی ناپائیدار اور ہیچ در ہیچ ہیں کہ جہنم کی ذراسی تکلیف کے سامنے دنیا کی ساری راحتیں انسان بھول جائے گا، اور ساری عمر کی تکلیفیں اور مصائب و آلام جنت کا ایک چکر لگانے کے بعد بھول جائے گا۔ یہ دنیا اتنی بے حقیقت چیز ہے، جس کے خاطر تم دن رات دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہو، صبح سے لے کر شام تک، شام سے لے کر صبح تک ہر وقت دماغ پر یہی فکر مسلط ہے کہ کس طرح دنیا زیادہ سے زیادہ کما لوں؟ کس طرح پیسے جوڑ لوں؟ کس طرح مکان بنالوں؟ کس طرح زیادہ سے زیادہ اسباب عیش و عشرت جمع کرلوں؟ دن رات بس اسی کی دوڑ دھوپ ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ذرا سوچ لو کہ کس چیز کی طلب میں تم لگے ہوئے ہو، اور اس کے مقابلے مین آخرت کی نعمتیں اور تکلیفیں بھولے ہوئے ہو۔ ''زہد'' اسی کا نام ہے کہ انسان دنیا کی حقیقت کو پہچان لے اور دنیا کے ساتھ وہی معاملہ کرے جس کی وہ مستحق ہے، اور آخرت کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کی وہ مستحق ہے۔

دنیا کی حیثیت ایک پانی کا قطرہ ہے

عن المستور بن شدّاد رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: واللہ ما الدنیا فی الآخرۃ الامثل ما یجعل احد کم اصبعہ فی الیم فلینظر بم ترجع۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فناء الدنیا، حدیث نمبر ۲۸۵۸)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر وہ انگلی نکال لے یعنی اس انگلی پر جتنا پانی لگا ہوا ہوگا، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی اتنی بھی حیثیت نہیں، اس لئے کہ سمندر پھر بھی متناہی ہے، غیر متناہی نہیں ہے، اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں، لافانی ہیں، کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں، اس لئے دنیا کی آخرت کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو نسبت سمندر کو انگلی میں لگے ہوئے پانی سے ہوتی ہے، لیکن سمجھانے کے لئے فرمایا کہ دنیا بس اتنی ہے جتنا انگلی ڈبونے سے پانی لگ جاتا ہے، باقی آخرت ہے۔

اب عجیب بات یہ ہے کہ انسان صبح سے شام تک اس انگلی پر لگے ہوئے پانی کی فکر میں تو ہے اور اس سمندر کو بھولا ہوا ہے جس سمندر کے ساتھ مرنے کے بعد واسطہ پیش آنا ہے۔ اور خدا جانے اس کے ساتھ کب واسطہ پیش آ

جائے، آج پیش آ جائے، کل پیش آ جائے، کسی وقت کی گارنٹی نہیں، ہر لمحے پیش آ سکتا ہے۔ اسی غفلت کے پردے کو اٹھانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے کہ آنکھوں پر جو غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں دن رات کی دوڑ دھوپ اس انگلی میں لگے ہوئے پانی پر لگی ہوئی ہے، اس سے توجہ ہٹا کر آخرت کے سمندر کی طرف توجہ لگائیں۔

دنیا ایک مردار بکری کے بچے کے مثل ہے

عن جابر رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مرّ بالسوق والناس کنفتیہ فمرّ بجدی اسک میت فتناولہ فأخذ باذنہ ثم قال: أیکم یحب أن ھذالہ بدرھم فقالوا: مانحبّ أنہ لنابشیئی وما نصنع بہ؟ قال: أتحبون انہ لکم؟ قالوا واللّٰہ لو کان حیاً کان عیباً فیہ لانہ اسک فکیف و ھو میت! فقال: فو اللّٰہ للدنیا أھون علی اللّٰہ من ھذا علیکم۔

(صحیح مسلم، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۲۹۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بازار میں گزرے، اور آپ کے دونوں طرف لوگ چل رہے تھے، تو آپ بکری کے ایک مردار بچے کے پاس سے گزرے، وہ بکری کا بچہ بھی عیب

دار تھا، یعنی چھوٹے کانوں والا تھا اور مردار بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مردار بچے کو کان سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر فرمایا کہ تم میں سے کون شخص بکری کے اس مردار بچے کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ایک درہم تو کیا، معمولی چیز کے بدلے میں بھی اس کو کوئی لینے کو تیار نہیں ہے، ہم اس کو لے کر کیا کریں گے؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درہم میں نہ سہی، کیا تم میں سے کوئی اس کو مفت میں لینے کو تیار ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم! اگر یہ بچہ زندہ بھی ہوتا تو بھی یہ عیب دار تھا، اس لئے کہ اس کے کان چھوٹے ہیں، تو جب زندہ لینے کیلئے کوئی تیار نہ ہوتا تو مردار لینے کو کون تیار ہوگا؟

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری نظروں میں بکری کے اس مردار بچے کی لاش جتنی بے حقیقت اور ذلیل چیز ہے، اس سے زیادہ بے حقیقت اور ذلیل چیز یہ دنیا ہے جو تمہارے سامنے ہے، تم میں سے کوئی شخص بھی اس مردار بچے کو مفت میں لینے کو بھی تیار نہیں، اور وہ دنیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حقیقت اور ذلیل ہے، تم اس کے پیچھے دن رات پڑے ہوئے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا یہ انداز تھا، صحابہ کرامؓ کو جگہ جگہ اور قدم قدم پر اس دنیا کی بے ثباتی بتانے کے لئے آپ ایسی باتیں ارشاد فرماتے تھے۔

اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردوں

وعن أبی ذر رضی اللّٰہ عنہ قال: کنت أمشی مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حرّۃ المدینۃ فاستقبلنا احد فقال: یا أبا ذر! قلت: لبیک یا رسول اللّٰہ ! قال: مایسرنی أن عندی مثل احد ھذا ذھبا تمضی علیّ ثلاثۃ ایام وعندی عنہ دینار الا شئی ارصدہ لدین الاّ ان اقول بہ فی عباداللّٰہ ھکذا و ھکذا و ھکذا عن یمنیہ و عن شمالہ ومن خلفہ ثم سار فقال:

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ: مایسرنی أن عندی مثل أحد۔ حدیث نمبر ۶۴۴۴)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی درویش صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ''حرہ'' سے گزر رہا تھا۔ ''حرہ'' کالے پتھر والی زمین کو کہا جاتا ہے، جن حضرات کو مدینہ منورہ حاضری کا موقع ملا ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف کالے پتھروں والی زمین ہے، اس کو ''حرہ'' کہا جاتا ہے۔ راستے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے ہمارے سامنے احد پہاڑ آگیا اور وہ ہمیں نظر آنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب کرتے

ہوئے فرمایا کہ اے ابوذر! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، کیا بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! یہ تمہیں سامنے جو احد پہاڑ نظر آ رہا ہے، اگر یہ سارا پہاڑ سونے کا بنا کر مجھے دیدیا جائے، تب بھی مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ تین دن مجھ پر اس حالت میں گزریں کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، ہاں اگر میرے اوپر کسی کا قرضہ ہے تو صرف قرضہ اتارنے کیلئے جتنے دینار کی ضرورت ہو وہ تو رکھ لوں، اس کے علاوہ ایک دینار بھی میں اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار نہیں، اور وہ مال میں اس طرح اور اس طرح اور اس طرح مٹھیاں بھر بھر کے لوگوں میں تقسیم کردوں۔

وہ کم نصیب ہونگے

پھر آگے فرمایا کہ:

الاان الاكثرين هم الأقلون يوم القيامة إلامن قال هكذا وهكذا وهكذا وقليل ماهم۔

فرمایا کہ یاد رکھو! دنیا میں جن کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہے، بڑے بڑے مالدار، بڑے بڑے سرمایہ دار، بڑے بڑے دولت مند، وہ قیامت کے دن بہت کم نصیب ہوں گے، یعنی دنیا میں جتنی دولت زیادہ ہے، قیامت میں اس کے حساب سے آخرت کی نعمتوں میں ان کا حصہ دوسروں کے مقابلے میں کم ہوگا، سوائے ان دولت مندوں کے جو اپنی دولت کو اس طرح خرچ کریں

اور اس طرح خرچ کریں اور اس طرح خرچ کریں، یعنی مٹھیاں بھر بھر کے اللہ کے راستے میں خیرات کریں، لہٰذا جو ایسا کریں گے وہ تو محفوظ رہیں گے اور جو ایسا نہیں کریں گے، تو پھر یہ ہوگا کہ جتنی دولت زیادہ ہوگی، آخرت میں اتنا ہی کم حصہ ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ دنیا میں جن کے پاس دولت زیادہ ہے اور وہ دنیا میں خیرات وصدقات کر کے آخرت میں اپنا حصہ بڑھا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔

حضور ﷺ کا حکم نہ ٹوٹے

ساری باتیں راستے میں گزرتے ہوئے ہو رہی تھیں، پھر ایک جگہ پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اس جگہ ٹھیرو، میں ابھی آتا ہوں، اور اس کے بعد رات کے اندھیرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے گئے اور مجھے پتہ نہیں چلا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے، یہاں تک کہ آپ نظروں سے اوجھل ہوگئے، اس کے بعد مجھے کوئی آواز سنائی دی، اس آواز کے نتیجے میں مجھے یہ خوف ہوا کہ کوئی دشمن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا ہو اور اس کی یہ آواز ہو، اس لئے میں نے آپ ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن مجھے یاد آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ یہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ اپنی جگہ سے مت ہلنا اور یہیں رہنا، اس کے بعد آواز

آنے کے نتیجے میں یہ خطرہ بھی ہوا کہ کہیں کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دے، لیکن حضور ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ یہیں ٹھیرنا، کہیں مت جانا، اس لئے میں وہاں بیٹھا رہا۔

صاحب ایمان جنّت میں ضرور جائیگا

تھوڑی دیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک آواز سنی تھی جس کی وجہ سے مجھے آپ کے اوپر خطرہ ہونے لگا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے کہا جی ہاں! میں نے وہ آواز سنی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آواز درحقیقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں سے جو شخص بھی اس حالت میں مر جائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، یعنی کفر کا کوئی کلمہ نہ کہا ہو، بلکہ توحید کی حالت میں مر گیا اور توحید پر ایمان رکھتے ہوئے دنیا سے گزر گیا تو وہ ضرور جنّت میں جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ضرور جنّت میں جائے گا، اگر برے اعمال کئے ہیں تو برے اعمال کی سزا پا کر جائے گا، لیکن جنّت میں ضرور جائے گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو، تب بھی وہ جنّت میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ چاہے

اس نے زنا کیا ہو، اور چاہے اس نے چوری کی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو، لیکن دل میں ایمان ہے تو آخر میں کسی نہ کسی وقت انشاء اللہ جنت میں پہنچ جائے گا، البتہ جن گناہوں کا ارتکاب کیا، جو بداعمالیاں کیں، اس کی سزا میں پہلے جہنم میں جائے گا اور اس کو گناہوں کی سزا دینے کے لئے جہنم میں رکھا جائے گا، اگر بدکاری کی تھی، چوری کی تھی، ڈاکے ڈالے تھے، غیبت کی تھی، جھوٹ بولا تھا، رشوت لی تھی، سود کھایا تھا، ان سب گناہوں کی سزا پہلے جہنم میں دی جائے گی پھر ایمان کی بدولت انشاء اللہ آخر میں کسی نہ کسی وقت جنت میں پہنچ جائے گا۔

گناہوں پر جرأت مت کرو

لیکن کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ چلو جنت کی خوشخبری مل گئی ہے کہ آخر میں تو جنت میں جانا ہی ہے، لہٰذا خوب گناہ کرتے جاؤ، اس میں کوئی حرج نہیں۔ خوب سن لیجئے! ابھی آپ پیچھے ایک حدیث سن آئے ہیں کہ دنیا کے اندر عیش و عشرت اور راحت و آرام میں زندگی گزارنے والے کو جہنم میں صرف ایک غوطہ دیا گیا تو اس ایک غوطے نے دنیا کی ساری خوشیاں اور سارے عیش و آرام کو بھلا دیا، ساری دنیا ہیچ معلوم ہونے لگی، ساری خوشیاں غارت ہوگئیں، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ دنیا میں کوئی خوشی اور کوئی راحت حاصل نہیں کی۔ لہٰذا جہنم کے ایک غوطے کی بھی کسی کو سہار اور برداشت ہے؟ اس لئے یہ حدیث ہم لوگوں کو گناہوں پر جری نہ کرے کہ جنت میں جانا ہی ہے، اس لئے گناہ کرتے

جاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دنیا میں اس طرح رہو

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: أخذ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بمنكبيّ فقال: كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ: کن فی الدنیا کانک غریب، حدیث نمبر ۶۴۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ کندھوں پر ہاتھ رکھنا بڑی شفقت، بڑی محبت، بڑے پیار کا انداز ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے اجنبی ہو یا راستے کے راہی اور مسافر ہو۔ یعنی جیسے مسافر سفر کے دوران کہیں کسی منزل پر ٹھہرا ہوا ہوتا ہے، تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اس منزل ہی کی فکر میں لگ جائے اور جس مقصد کے لئے سفر کیا تھا، وہ مقصد بھول جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص یہاں سے لاہور کسی کام کے لئے گیا، اب جس مقصد کے لئے لاہور آیا تھا، وہ کام تو بھول گیا اور اس فکر میں لگ گیا کہ یہاں اپنے لئے مکان بنالوں اور یہاں اسباب عیش و عشرت جمع کرلوں، اس شخص سے زیادہ احمق کون ہوگا۔

دنیا ایک ’’خوبصورت جزیرے‘‘ کے مانند ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک جہاز کہیں جا رہا تھا اور وہ پورا جہاز مسافروں سے بھرا ہوا تھا، راستے میں ایک جزیرہ آیا تو جہاز کے کپتان نے اس جزیرہ پر جہاز کو روک دیا، تاکہ آگے کے سفر کے لئے کچھ راشن اور ضرورت کا سامان لے لیا جائے۔ اور اس کپتان نے اعلان کر دیا کہ ہمیں چونکہ چند گھنٹوں کے لئے اس جزیرے پر ٹھیرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی مسافر اس جزیرے پر اترنا چاہے تو اتر سکتا ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ جہاز پر جتنے لوگ سوار تھے، سب کے سب اتر کر جزیرے کی سیر کیلئے چلے گئے، جزیرہ بڑا شاندار اور خوشنما تھا، اس میں بہت خوبصورت قدرتی مناظر تھے، چاروں طرف قدرتی مناظر کا حسن و جمال بکھرا ہوا تھا، لوگ ان خوبصورت مناظر سے بہت محظوظ ہوتے رہے، یہاں تک کہ جہاز کی روانگی کا وقت قریب آ گیا تو کچھ لوگوں نے سوچا کہ اب واپس چلنا چاہئے، روانگی کا وقت آ رہا ہے، چنانچہ وہ لوگ جہاز پر واپس آ گئے اور جہاز کی عمدہ اور اعلیٰ اور آرام دہ جگہوں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے، دوسرے کچھ لوگوں نے سوچا کہ یہ جزیرہ تو بہت خوبصورت اور بہت خوشنما ہے، ہم تھوڑی دیر اور اس جزیرے میں رہیں گے اور لطف اندوز ہوں گے، چنانچہ تھوڑی دیر اور گھومنے کے بعد خیال آیا کہ کہیں جہاز روانہ نہ ہو جائے اور جہاز کی طرف دوڑے ہوئے آئے، یہاں آ کر دیکھا کہ جہاز کی اچھی اور عمدہ جگہوں پر قبضہ ہو چکا ہے، چنانچہ ان کو بیٹھنے

کے لئے خراب اور گھٹیا جگہیں مل گئیں اور وہ وہیں بیٹھ گئے اور یہ سوچا کہ کم از کم جہاز پر تو سوار ہو گئے۔ کچھ لوگ اور تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جزیرہ تو بڑا شاندار ہے، یہاں تو بہت مزہ آ رہا ہے، جہاز میں مزہ نہیں آ رہا تھا، چنانچہ وہ اس جزیرے پر رک گئے اور ان خوبصورت قدرتی مناظر میں اتنے بدمست ہوئے کہ ان کو واپسی کا خیال بھی بھول گیا، اتنے میں جہاز روانہ ہوگیا اور وہ لوگ اس میں سوار نہ ہو سکے۔ دن کے وقت تو وہ جزیرہ بہت خوشنما معلوم ہو رہا تھا اور اس کے مناظر بہت حسین معلوم ہو رہے تھے، لیکن جب شام کو سورج غروب ہوگیا اور رات سر پر آ گئی تو وہی خوبصورت جزیرہ رات کے وقت بھیانک بن گیا کہ اس خوبصورت جزیرے میں ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوگیا، کہیں درندوں کا خوف، کہیں جانوروں کا خوف۔ اب بتایئے! وہ قوم جو جزیرے کے حسن و جمال میں اتنی محو ہوگئی کہ جو جہاز جا رہا تھا، اس کو چھوڑ دیا، وہ قوم کتنی احمق اور بے وقوف ہے۔

یہ مثال بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی مثال اس جزیرے جیسی ہے، لہٰذا اس دنیا میں دل لگا کر بیٹھ جانا اور اس کی خوشنمائیوں پر فریفتہ ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے وہ قوم جو اس جزیرے کی خوشنمائیوں پر فریفتہ ہوگئی تھی، اور جس طرح اس جزیرے پر رہنے والوں کو ساری دنیا احمق اور بیوقوف کہے گی، اسی طرح اس دنیا پر دل لگانے والوں کو بھی دنیا احمق اور بیوقوف کہے گی۔

دنیا سفر کی ایک منزل ہے، گھر نہیں

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے ایک مسافر رہتا ہے اور جیسے ایک اجنبی آدمی رہتا ہے، اس لئے کہ یہ دنیا سفر کی ایک منزل ہے، خدا جانے اصل وطن کی طرف روانگی کا وقت کب آجائے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدنیا دار من لا دار له و لها یجمع من لا عقل له۔ (مسند احمد، ج ۶، ص ۷۱)

فرمایا کہ یہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اس کے لئے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہ ہو۔ یعنی کیا تم اس دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ دیکھو کہ انسان کا اپنا گھر کونسا ہوتا ہے؟ انسان کا اپنا گھر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کو مکمل اقتدار حاصل ہو، اس کے قبضے میں ہو، اس کی ملکیت میں ہو، جس وقت تک چاہے وہ اس میں رہے اور اس میں داخل ہونے سے کوئی نہ روک سکے، اور اس کو اس میں سے کوئی باہر نہ نکال سکے، وہ حقیقت میں اپنا گھر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہو کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ میرا گھر ہے، اس لئے کہ دوسرے کے گھر پر اقتدار حاصل نہیں، اور اپنا گھر وہ ہے جس پر اقتدار حاصل ہو۔

اب آپ سوچئے کہ اس دنیا کے گھر پر کس قسم کا اقتدار آپ کو حاصل ہے؟ آپ کے اقتدار کا یہ حال ہے کہ جس دن آنکھ بند ہوئی، اس دن سارے

گھر والے مل کر آپ کو قبر کے گڑھے میں پھینک کر آ جائیں گے، اب اس گھر سے آپ کا کوئی تعلق نہیں، وہ گھر کسی بھی وقت آپ سے چھن جائے گا، اور یہ مال و دولت بھی کسی وقت آپ سے چھن جائے گا، لہٰذا جس گھر پر اتنا اقتدار بھی آپ کو حاصل نہیں، اس کو آپ اپنا گھر کیسے سمجھتے ہو؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کو آخرت کا وہ گھر ملنے والا نہیں ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے، جس پر ہمیشہ قبضہ رہے گا، وہ گھر کبھی ہاتھ سے نکلنے والا نہیں، لہٰذا آخرت میں جس کا گھر نہ ہو، وہ اس دنیا کو اپنا گھر بنائے۔

دنیا کو دل و دماغ پر حاوی نہ ہونے دو

پھر آگے دوسرا جملہ ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے وہ شخص مال و دولت جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ ان احادیث سے درحقیقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس میں ضرور رہو، لیکن اس کی حقیقت سمجھ کر رہو، اس کو اپنے سوچ اور خیالات پر حاوی نہ ہونے دو، بلکہ یہ سمجھو کہ یہ دنیا راستے کی ایک منزل ہے جیسے تیسے گزر ہی جائے گی، لیکن اصل فکر آخرت کی ہونی چاہئے، یہ نہ ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اسی کی دھن اور دھیان ہے، اسی کی سوچ اور اسی کی فکر ہے، یہ مسلمان کا کام نہیں، مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ بقدر ضرورت دنیا کو اختیار کرے اور زیادہ فکر آخرت کی کرے۔

دل میں دنیا ہونے کی ایک علامت

دل میں دنیا کی محبت ہے یا نہیں، اس کی پہچان اور علامت کیا ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ صبح سے لے کر شام تک تمہاری فکر اور سوچ کیا رہتی ہے، کیا ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ زیادہ پیسے کہاں سے کمالوں؟ مال کس طرح جمع کروں؟ یا اس کا خیال بھی آتا ہے کہ مجھے مرنا بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اگر مرنے کا خیال اور آخرت کا خیال آتا ہے، پھر تو الحمدللہ، دنیا کی محبت کی مذمت جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے، وہ آپ کے دل میں نہیں۔ ہاں! اگر صبح سے لے کر شام تک دل و دماغ پر یہی چھایا ہوا ہے کہ کس طرح دنیا جمع کرلوں تو پھر وہ آخرت کو بھولے ہوئے ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ایک سبق آموز قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گلستان'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا، سفر کے دوران میں نے ایک تاجر کے گھر میں قیام کیا، اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا اور اپنی تجارت کے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، ہندوستان میں فلاں کاروبار ہے، ایران میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، خراسان میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، وغیرہ وغیرہ، سارے قصے سنانے کے بعد آخر میں کہنے لگا کہ

میری تمام آرزوئیں تو پوری ہوگئیں، میری تجارت پروان چڑھ گئی ہے، البتہ اب مجھے ایک آخری سفر تجارت کے لئے کرنے کا ارادہ ہے، آپ دعا کردیجئے کہ میرا وہ سفر کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلوں گا اور بقیہ زندگی دکان پر بیٹھ کر گزار لوں گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ وہ آخری سفر کہاں کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فلاں سامان خرید کر چین جاؤنگا، وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر چین سے چینی شیشہ خرید کر روم لے جاکر فروخت کروں گا، اس لئے کہ چینی شیشہ روم میں اچھے داموں میں فروخت ہوتا ہے، پھر روم سے فلاں سامان لے کر اسکندریہ جاؤں گا اور وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر اسکندریہ سے قالین ہندوستان لے جاکر فروخت کروں گا، اور ہندوستان سے گلاس خرید کر حلب لے جاکر فروخت کروں گا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اس نے ساری دنیا کے طویل سفر کا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ دعا کرو کہ میرا یہ منصوبہ کسی طرح پورا ہو جائے تو اس کے بعد بقیہ زندگی قناعت کے ساتھ اپنی دکان پر گزار دوں گا۔ یعنی یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی بقیہ زندگی دکان پر گزارے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ ؎

آں شنیدہ ستی کہ در صحرائے غور
رختِ سالار افتادہ اسپ طور

گفت چشم تنگِ دنیا دار را
یا قناعت پُرکند یا خاک گور

میں نے اس سے کہا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحراء میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے خچر سے گرا ہوا پڑا تھا، اس کا خچر بھی مرا ہوا پڑا تھا اور خود وہ سوداگر بھی مرا ہوا پڑا تھا، اور وہ سامان اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا قناعت پر کر سکتی ہے یا قبر کی مٹی پر کر سکتی ہے، اس کی تنگ نگاہ کو تیسری کوئی چیز پر نہیں کر سکتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ دنیا انسان کے اوپر مسلّط ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں دنیا کے سوا دوسرا خیال نہیں آتا۔ یہ ہے ''حبِ دنیا'' جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ ''حُبِ دنیا'' نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دیدے اور اس مال کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو اور وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے، بلکہ وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو، تو پھر وہ مال دنیا نہیں ہے بلکہ وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے۔ لیکن اگر اس مال کے ذریعہ آخرت کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ حُبِ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔ یہ ساری تفصیل کا خلاصہ ہے۔

دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا طریقہ

البتہ ''حُبِ دنیا'' کو دل سے نکالنے اور آخرت کی فکر دل میں پیدا کرنے کا راستہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر اس بات کا

مراقبہ کیا کرو۔ ہم لوگ غفلت میں دن رات گزار رہے ہیں، مرنے سے غافل ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں، حساب وکتاب سے غافل ہیں، جزاوسزا سے غافل ہیں، آخرت سے غافل ہیں، لہٰذا ہم لوگ ان چیزوں کا خیال بھی نہیں لاتے، اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر ہر شخص مراقبہ کیا کرے کہ ایک دن مروں گا، کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے میری پیشی ہوگی؟ کیا سوال ہونگے اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا؟ ان سب باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کیا کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

❁

سچی طلب پیدا کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

سچی طلب پیدا کریں
اور
فضول سوالات و بحث و مباحثہ سے بچیں

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهدان لااله الّاالله وحده لاشريك له، ونشهد ان سيدنا و سندنا ونبينا و مولانا محمداً عبده و رسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً —

أمّا بعد!

عن وراد قال كتب المغيرة إلى معاوية سلام عليك أمّابعد فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه

وسلم يقول : إن الله حرم ثلاثاً ونهى عن ثلاث حرم حقوق الوالد و وأدالبنات ولاوهات ونهى عن ثلاث قيل وقال و كثرة السؤال واضاعة المال

(مسلم: باب النہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ ۲/۷۶)

چھوٹے سے علم سیکھنا

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے کوئی ایسی بات لکھ کر بھیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے حاکم تھے اور بعد میں پورے عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے۔ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مخصوص علاقہ کے گورنر تھے، دونوں صحابی ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں، لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کو خط لکھا جو بظاہر ان کے ماتحت ہیں۔

اس خط میں یہ لکھا کہ آپ مجھے کچھ ایسی باتیں لکھ کر بھیجئے جو نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے سنی ہوں۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ خود صحابی ہیں اور صحابی بھی وہ جو کاتبِ وحی ہیں، یعنی ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں کہ جب کوئی وحی نازل ہوتی اور قرآن کریم نازل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم لکھوایا کرتے تھے ان میں سے حضرت معاویہؓ ہیں، تو خود صحابی ہیں، آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ ﷺ کی باتیں سنی ہیں، اس کے باوجود دوسرے صحابی سے محتاج بن

کر پوچھ رہے ہیں کہ آپؓ نے جو کچھ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بتایئے۔

علم احتیاج چاہتا ہے

آج اگر کوئی دو آدمی ہم مرتبہ بھی ہوں، ایک ہی استاذ کے شاگرد ہوں، ایک ہی شیخ کے مرید ہوں، دونوں نے اپنے اپنے استاذ اور شیخ کی صحبتیں اٹھائی ہوں، تو ہر ایک اپنے کو دوسرے سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ مجھے بھی وہی بات حاصل ہے جو اس دوسرے کو حاصل ہے۔ لیکن حضرات صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے آپ کو اس معاملہ میں ہمیشہ محتاج سمجھتے تھے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے نے کوئی ایسی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لی ہو جو میں نہیں سُن سکا، اس لئے حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے فرمایا کہ تم نے جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بتایئے تاکہ میرے علم میں اضافہ ہو۔ معلوم ہوا کہ علم نہ کسی کی جاگیر ہے اور نہ کسی کی جائیداد ہے اور نہ کوئی شخص علم کے معاملے میں کبھی بے نیاز ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ انسان کو طالبِ علم رہنا چاہئے کہ ہر وقت اس کے اندر یہ طلب رہے اور یہ جستجو رہے کہ میرے علم میں اضافہ ہو، چاہے اس کے لئے مجھے کسی چھوٹے ہی سے رجوع کرنا پڑے، لیکن اس کے ذریعہ اگر میرے علم میں اضافہ ہو جائے تو یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے۔ لہذا کبھی علم کے معاملے میں اور دین کے معاملے میں اپنے آپ کو بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے۔

جو لوگ اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا علم حاصل کر لیا، ان کے اندر یہ روگ اور بیماری ہوتی ہے کہ وہ دوسرے سے علم حاصل کرنے

کے معاملے میں اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہیں کہ مجھے اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ بعض اوقات چھوٹے کے دل پر وہ بات جاری فرمادیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں نہیں آتی۔

حضرت مفتی اعظمؒ اور طلب علم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، مفتی اعظم پاکستان، جن کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری، دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور وہیں پڑھایا۔ وہاں دارالافتاء کے صدر مفتی رہے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ:

> "میں جب کبھی کہیں جا رہا ہوتا ہوں، اور دیکھتا ہوں کہ کہیں کوئی واعظ وعظ کہہ رہا ہے یا تقریر کر رہا ہے، چاہے کتنی ہی جلدی میں ہوں لیکن تھوڑی ہی دیر کو اس کی بات سننے کے لئے ضرور کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس لئے کہ کیا پتہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی زبان پر کوئی ایسی بات جاری فرما دے جو میرے لئے فائدے مند ہو جائے۔"

یہ کون کہہ رہا ہے؟ مفتی اعظم پاکستان جن کے پاس لوگ دن رات دین حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، بڑے بڑے علماء اپنی مشکلات کو حل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ہے علم کی طلب، حالانکہ عام طور پر ان کے زمانہ میں جو واعظ وعظ کہا کرتے تھے وہ سب ان کے چھوٹے، ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگردں کے شاگرد ہوتے تھے۔ لیکن اس

لئے تھوڑی دیر کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے کہ شاید ان کے منہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کوئی ایسی بات کہلوا دے جو میرے علم میں نہ ہو اور اس سے مجھے فائدہ پہنچے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا قول زریں

اور پھر فرمایا کہ:

"بھائی! در حقیقت علم عطاء کرنا اور فائدہ پہنچانا، یہ نہ استاذ کا کام ہے، نہ واعظ کا کام ہے، نہ مقرر کا کام ہے، یہ تو کسی اور کی عطاء ہے۔ علم تو وہ (اللہ) دینے والا ہے، وہ کسی بھی ذریعہ سے دیدے، کسی کو بھی واسطہ بنا دے۔ اگر کوئی آدمی طالب بن کر طلبِ صادق لے کر جاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ استاذ کے دل پر ایسی بات جاری فرما دیتے ہیں جو اس کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، ورنہ کسی میں مجال ہے کہ وہ دوسرے کو کوئی نفع پہنچا دے، کائنات میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنی ذات سے دوسرے کو فائدہ پہنچا دے جب تک اللہ جل جلالہ کی توفیق نہ ہو اور جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ ارادہ نہ فرمائیں۔ وہ اگر چاہیں تو ایک جملہ سے فائدہ پہنچا دیں، اور وہ نہ چاہیں تو لمبی چوڑی تقریریں بیکار رہ جائیں۔"

اسی لئے ہمیشہ ہمارے بزرگوں کا یہ مقولہ رہا ہے کہ:

"طالب کی طلب کی برکت سے کہنے والے کے دل میں اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ ایسی بات جاری فرما دیتے ہیں کہ

سننے والوں کے لئے فائدہ مند ہو جاتی ہے۔"

حضرت تھانویؒ کی مجلس کی برکات

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین) ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کی مجلس میں جانے والے اگر دل میں کوئی کھٹک لے کر جائیں یا کوئی سوال لے کر جائیں اور پھر چاہے حضرتؒ کی مجلس میں جاکے ویسے ہی خاموش بیٹھ جائیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی زبان پر وہ بات جاری ہو جائے گی اور کھٹک دور ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرتؒ نے ایک دن خود فرمایا کہ:

> "لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ میری کرامت ہے کہ میری زبان سے ان کے سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ سوال کا جواب دینا اور سوال کرنے والے کی تشفی کرنا یہ تو اللہ جل جلالہ کا کام ہے، جب کوئی بندہ طالب بن کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہنے والے کے دل میں خود سے وہ بات ڈال دیتے ہیں، وہ سمجھتا ہے کہ اس کو میرے سوال کا پتہ چل گیا ہے اور اس نے یہ بات کہدی۔ اور بعض اوقات غلو کرکے اس کے بارے میں لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس کو کشف ہوتا ہے، کوئی الہام ہوتا ہے، کوئی علم غیب حاصل ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ کسی کو نہ کچھ علم غیب ہے اور نہ اپنی ذات کے اندر کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ طالب کی طلب کی برکت سے اس کی زبان پر وہ بات جاری فرما

دیتے ہیں۔"

بہر حال، یہ طلب بڑی چیز ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آیت از بالا وپست

کہ پانی کم ڈھونڈو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس زیادہ پیدا ہو گی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اوپر اور نیچے سے تمہارے لئے پانی اُبال دیں گے۔

تو یہ پیاس بڑی عجیب و غریب چیز ہے، جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو عطاء فرما دیتے ہیں تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مختلف ذرائع سے اس کی پیاس کو بجھانے کا سامان فرما دیتے ہیں۔ لیکن اصل چیز طلب ہے۔

آگ مانگنے کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ اس کی مثال دیتے تھے کہ ایک عورت تھی، اس کے گھر میں آگ کی ضرورت تھی۔ پہلے زمانہ میں آگ جلانا ایک مسئلہ ہوتا تھا، اب تو ذرا سا چولہے کا بٹن دبایا اور آگ جل گئی، لیکن پہلے زمانہ میں آگ جلانا ایک مسئلہ ہوتا تھا، پہلے جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاؤ، پھر ان کو جلاؤ، پھونکنی سے اس کے اندر پھونک مارو، تب جا کر کہیں آگ سلگتی تھی، اور اس میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ تو عورتیں یہ کرتی تھیں کہ جب آگ کی ضرورت ہوتی اور اپنے گھر میں آگ نہ ہوتی تو اپنی پڑوسن سے مانگ لیتی تھیں کہ بہن! اگر تمہارے ہاں آگ جل رہی ہو تو ایک انگارا دیدو، پھر وہ کڑچھے میں آگ لے کر اپنے چولہے کو جلا لیا کرتی تھیں۔ بہر

حال، اس عورت نے اپنی پڑوسن سے کہا کہ بی بی! میرے گھر میں آگ ختم ہوگئی ہے، اگر تمہارے گھر میں آگ ہو تو دیدو۔ پڑوسن نے کہا کہ بی بی میں ضرور دیدیتی مگر میرا چولہا تو خود ہی ٹھنڈا ہے، چولہے میں آگ نہیں ہے۔ مانگنے والی نے کہا کہ اگر اجازت دو تو میں ذرا راکھ کو کرید کر دیکھ لوں، ہو سکتا ہے کوئی چنگاری مل جائے۔ پڑوسن نے کہا کہ ہاں دیکھ لو۔ چنانچہ اس عورت نے چولہے کی راکھ کو کرید کے دیکھا تو اندر ایک چھوٹی سی چنگاری مل گئی، تو خاتون نے کہا کہ مجھے تو چنگاری مل گئی، میرا مقصد حاصل ہوگیا اور میں اس سے اپنا کام چلالوں گی، وہ لے کر چلی گئی اور جاکے اس سے آگ جلالی۔

طلب کی چنگاری پیدا کرو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! اس نے جب چولہے کو کریدا تو کریدنے کے نتیجے میں اندر سے چنگاری نکل آئی اور اس سے آگ بن گئی، لیکن اگر کوئی معمولی سی چنگاری بھی نہ ہوتی تو پھر اس کو ہزار کریدتی رہتی، مگر اس سے کچھ بھی نہ بنتا اور نہ آگ سلگتی، لیکن چونکہ چنگاری تھی تو اس کو کریدنے سے اور اس کو ذرا سا دوسری لکڑیوں پر استعمال کرنے سے وہ آگ بن کر بھڑک گئی اور پورا چولہا جل پڑا تو حضرت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی استاذ یا شیخ کے پاس جاتا ہے تو اگر اندر چنگاری ہے تو شیخ اس کو کرید کر اس کو آگ بنادے گا، لیکن اگر اندر چنگاری ہی نہیں ہے تو وہ شیخ اور استاذ ہزار کریدتا رہے اور ہزار اس کے اندر محنت کرتا رہے، مگر چونکہ اندر چنگاری ہے نہیں، اس لئے وہ آگ نہیں بنتی۔ اور یہ چنگاری طلب کی چنگاری ہے، جستجو کی چنگاری ہے۔ اگر انسان کے اندر علم حاصل کرنے کی طلب ہو، اس کے بعد وہ استاذ کے پاس جائے گا تو وہ کریدے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ

کے فضل و کرم سے وہ چنگاری آگ بن جائے گی، لیکن اگر طلب ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تو یہ درحقیقت اللہ جل جلالہ کی سنت ہے کہ جب کوئی بندہ کسی کے پاس طلب لے کر جاتا ہے تو دینے والے تو وہ ہیں، قلب پر وہ جاری فرما دیتے ہیں۔

درس کے دوران طلب کا مشاہدہ

جو لوگ دین کے علوم پڑھاتے ہیں، ان کو اس بات کا تجربہ ہے۔ مثلاً رات کو اگلے دن پڑھانے والے سبق کا مطالعہ کیا، اس کی تیاری کی، تیاری کر کے درس گاہ میں گئے، جب پڑھانا شروع کیا تو عین سبق کے دوران ایسی بات دل میں آتی ہے کہ رات کو گھنٹوں تیاری کرنے کے باوجود ذھن میں نہیں آئی تھی، لیکن پڑھاتے پڑھاتے ذھن میں آگئی۔ وہ کہاں سے آئی ہے؟ وہ کسی طالب کی طلب کی برکت ہوتی ہے کہ کوئی طالب سچی طلب لے کر آیا تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی برکت سے وہ بات دل میں ڈال دی جو خود سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی لئے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ بھائی! جب کوئی شخص وعظ کہہ رہا ہو تو اپنے آپ کو بے نیاز نہ سمجھو، کیا پتہ اگر تم سچی طلب لے کر گئے تو اس کی زبان سے اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی بات جاری فرمادیں جو تمہارے لئے نفع کا سامان بن جائے۔

کلام میں تاثیر من جانب اللہ ہوتی ہے

ایک اور بات حضرت فرماتے تھے وہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ جل جلالہ کی طرف سے معاملہ ہوتا ہے کہ کسی وقت کسی بات میں اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی تاثیر پیدا فرمادیتے ہیں کہ اس بات میں دوسرے وقت میں وہ تاثیر نہیں ہوتی،

وہ بھی کسی طالب کی برکت ہے۔ کسی نے ایک وقت میں ایک جملہ کہا، اس کا ایسا اثر ہوا کہ دل پلٹ گیا، وہی جملہ کوئی دوسرا آدمی کسی دوسرے وقت میں کہہ دے تو بعض اوقات اس کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ تو کیا پتہ میں جس وقت جارہا ہوں، اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی زبان پر کوئی ایسی بات جاری فرمادیں جو اس لمحے میں میرے لئے مؤثر ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا واقعہ

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آج ہم جن کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ اولیاء کرامؒ کا جو شجرہ ہے اس میں فضیل بن عیاضؒ سرِفہرست آتے ہیں۔ دراصل یہ ڈاکو تھے، ڈاکے ڈالا کرتے تھے اور ایسے ڈاکو تھے کہ مائیں بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں کہ بیٹا سو جاؤ ورنہ کہیں فضیل نہ آجائے، اور قافلے گزرتے تھے اور یہ قافلوں کو لوٹتے تھے اور قافلے والے جب کہیں پڑاؤ ڈالتے تو کہتے تھے کہ یہ فضیل کا علاقہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ فضیل یا اس کے آدمی آکر ہمیں لوٹ لیں۔ ایک دن کسی کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے گئے، آخر شب کا وقت تھا، وہاں اللہ کا کوئی بندہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی کہ:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ○

(سورۃ الحدید، آیت ۱۶)

قرآن کریم کے بھی انداز خطاب عجیب و غریب ہوتے ہیں یعنی:

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے آگے پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق

بات نازل فرمائی ہے اس کے آگے وہ اپنے آپ کو سر تسلیم
خم کر لیں، کیا اب بھی وقت نہیں آیا۔

ڈاکہ ڈالنے جا رہے ہیں اور ڈاکہ ڈالنے کے لئے کمند لگائی ہوئی ہے، کان میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑ گئی، بس اس لمحے میں اللہ تعالیٰ نے کیا تاثیر رکھی تھی، حالانکہ ہزار مرتبہ خود بھی یہ آیت پڑھی ہوگی، آخر کو مسلمان تھے، قرآن پڑھا ہی ہوگا، لیکن اس وقت میں جب اس آدمی کی زبان سے یہ آیت کریمہ سنی تو اس نے ایک انقلاب برپا کر دیا، اسی وقت اسی لمحے دل میں آیا کہ میں ڈاکہ ڈالنا اور سارے غلط کام چھوڑتا ہوں اور وہیں سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ:

بَلٰى يَارَبِّ قَدْ آن

ترجمہ: اے پروردگار! اب وہ وقت آگیا:

اور سارا ڈاکہ چھوڑ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مقام بخشا کہ اتنے بڑے اولیاء میں سے ہیں کہ آج سارے اولیاء اللہ کا شجرہ ان سے جا کر ملتا ہے۔

کس لمحے میں کس آدمی کی زبان سے نکلی ہوئی کونسی بات اثر کر جائے یہ انسان پہلے سے اندازہ نہیں کر سکتا، اس لئے کبھی بھی اپنے آپ کو کسی دوسرے کی نصیحت سے بے نیاز نہ سمجھیں، کیا معلوم، اللہ تبارک و تعالیٰ کس بات سے اصلاح فرمادیں، یہی معاملہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

اب دیکھئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اونچے درجے پر ہونے کے اپنے ماتحت کو خط لکھ رہے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی بات لکھئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔

ان کے جواب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہ تکلف نہیں کیا کہ حضرت! آپ تو مجھ سے بڑے عالم ہیں، آپ کو میں کیا لکھوں بلکہ میں زیادہ محتاج ہوں، آپ مجھے لکھئے۔ اس قسم کے الفاظ نہیں لکھے بلکہ یہ سوچا کہ جو میرے علم میں ہے وہ میں بتا دیتا ہوں، چنانچہ انہوں نے بھی خط میں لکھ دیا، اب سنئے کیا حدیث لکھی:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد خط میں لکھ کر بھیجا وہ تین سطریں بھی پوری نہیں ہیں، بلکہ ڈھائی سطروں میں آیا ہے۔ عام طور پر اگر کوئی آدمی سوچے کہ ایک بڑا آدمی مجھے کہہ رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مجھے لکھ کر بھیجو تو یہ اتنا بڑا آدمی ہے اس کو چھوٹی سی بات لکھ کر کیا بھیجوں؟ کوئی لمبی چوڑی تقریر ہو، کوئی لمبا چوڑا وعظ ہو، کوئی لمبے چوڑے ارشادات ہوں۔ لیکن انہوں نے ڈھائی سطروں میں مختصر سی بات لکھ کر بھیج دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی اور حضرت معاویہ بھی مطمئن ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اعتبار اس کا نہیں ہے کہ کتنی لمبی بات کہی جا رہی ہے، کتنا وقت لیا جا رہا ہے؟ اعتبار اس کا ہے کہ کیا بات کہی جا رہی ہے؟ وہ بات مختصر ہی سہی لیکن نافع ہے تو اس کو انسان پلّے باندھ لے اور اس پر عمل کرے تو اس کی نجات ہو جائے گی، لمبی چوڑی تقریروں کی حاجت نہیں، لمبے چوڑے بیانات کی بھی حاجت نہیں۔ لہذا اگر پوچھنے والے کے دل میں طلب ہو اور کہنے والے کے دل میں اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ ایک جملے سے فائدہ پہنچا دیتے ہیں، اور اگر (خدا نہ کرے) سننے والے کے دل میں طلب نہ ہو، یا کہنے والے کے دل میں اخلاص نہ ہو تو گھنٹوں تقریر

کرتے رہو، ایک کان سے بات داخل ہو جائے گی اور دوسرے کان سے نکل جائے گی، دل پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ لیکن جب اخلاص ہو تو چھوٹی بات بھی کارآمد ہو جاتی ہے۔

مختصر حدیث کے ذریعہ نصیحت

چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ چھوٹی سی حدیث بطور نصیحت کے لکھ کر بھیج دی کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھ چیزوں سے منع فرمایا کرتے تھے، مقصد یہ تھا کہ ان کو اگر پلے باندھ لوگے تو ان شاء اللہ اس سے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا فائدہ پہنچ جائے گا، وہ چھ چیزیں کیا ہیں جن سے منع فرمایا؟

چھ چیزیں

وہ چھ چیزیں یہ ہیں:

﴿۱﴾ عَنْ قِيْلَ وَقَالَ

قیل و قال سے اور فضول بحث و مباحثہ سے منع فرماتے تھے۔

﴿۲﴾ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ

اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے تھے۔

﴿۳﴾ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ

اور سوال کی کثرت سے کہ ہر وقت آدمی سوال ہی کرتا

رہے، اس سے منع فرماتے تھے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ مَنْعٍ وَهَاتِ

اور اس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی دوسروں کو تو دے نہیں اور خود مانگتا رہے۔

﴿۵﴾ وَعُقُوقِ الْاُمَّهَاتِ

اور ماؤں کی نافرمانی سے منع فرماتے تھے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ وَأْدِ الْبَنَاتِ

اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے۔

یہ چھ چیزیں لکھ کر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بھیجیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اب ان چھ چیزوں کی تھوڑی سی تفصیل سن لیجئے۔

پہلی چیز: فضول بحث و مباحثہ

پہلی چیز کہ جس سے رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ قیل و قال ہے یعنی فضول بحث و مباحثہ جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، اسی میں فضول کی گفتگو بھی داخل ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اب بظاہر تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہو رہی ہے، وقت گزاری ہو رہی ہے، اور فضول گفتگو ہو رہی ہے، بحث و مباحثہ کسی بات پر چل رہا ہے۔

وقت کی قدر کرو

لیکن اس لئے منع فرمایا کہ اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں اور آپ کو جو زندگی عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑی عظیم دولت ہے، ایک ایک لمحہ اس کا قیمتی ہے، کچھ پتہ نہیں کب یہ زندگی چھن جائے اور کب ختم ہو جائے۔ اور یہ اس لئے ملی ہے تاکہ انسان اس زندگی کے اندر اپنی آخرت کی بہتری کا سامان کرے، جس انسان کے اندر ذرا بھی عقل ہو گی وہ اپنی زندگی کے لمحات کو اور اس قیمتی دولت کو اصل مقصد کے حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے گا، اور بے کار اور بے مصرف کاموں میں خرچ کرنے سے بچے گا۔ اب فرض کرو کہ اگر کسی نے ایسا کام کر لیا یا وقت کو ایسے کام میں صرف کر لیا جس کا فائدہ نہ دنیا میں ہے نہ دین میں ہے، تو بظاہر تو لگتا ہے کہ کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، لیکن اسی وقت کو اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کرتا تو آخرت کی کتنی نیکیاں اور کتنا اجر و ثواب جمع کر لیتا۔

گویائی عظیم نعمت

اسی طرح اللہ جلّ جلالہ نے ہمیں اور آپ کو گویائی کی قوت عطاء فرمائی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ ساری عمر انسان سجدہ میں پڑا رہے تو بھی اس کا شکر ادا نہ ہو، ان لوگوں سے پوچھو جو اس گویائی کی قوت سے محروم ہیں، جو بولنا چاہتے ہیں مگر بول نہیں سکتے، اپنی دل کی بات کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے، ان کے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کے دل میں امنگیں پیدا ہوتی ہیں کہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے کچھ کہہ دیں، مگر کہنے سے محروم ہیں۔ ان سے پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو

یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اور یہ نعمت ایسی ہے کہ انسان اگر اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرے تو نیکی کا پلڑا ابھر جاتا ہے اور کتنا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے، اور اسی کو انسان اگر غلط کام میں خرچ کرے، مثلاً گناہ کی بات میں، جھوٹ میں، غیبت میں، دل آزاری میں، تو یہ چیز ایسی ہے کہ اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

انسان کو جہنم کے اندر اوندھے منہ گرانے والی کوئی چیز
اس سے زیادہ سخت نہیں ہے جتنی انسان کی زبان ہے۔

یہ زبان سب سے زیادہ انسان کو اوندھے منہ گرائے گی۔ اگر زبان قابو میں نہیں ہے، جھوٹ بات زبان سے نکل رہی ہے، غیبتیں نکل رہی ہیں، دل آزاری کی باتیں نکل رہی ہیں تو وہ انسان کو جہنم میں لے جائے گی۔

حضور ﷺ کی نصیحت

حضور اقدس سرور دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اس زبان کو فضول بحث و مباحثہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا، جس کا نہ دنیا میں فائدہ ہے اور نہ آخرت میں فائدہ ہے تو تم ایک بڑی دولت کو بلاوجہ ضائع کرنے والے ہو گے۔ کیونکہ جب انسان بحث و مباحثہ میں پڑے گا تو کبھی جھوٹ بھی نکلے گا، غیبت بھی ہوگی، کبھی اور بھی باتیں ہوں گی اور فضول باتوں میں لگا ہوگا، تو گناہ میں بھی مبتلا ہوگا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان صحیح مصرف میں زبان استعمال کرنے سے محروم ہوتا چلا جائے گا۔ (العیاذ باللہ) اس لئے قیل و قال اور فضول بحث و مباحثہ سے اجتناب کرو۔

صحابہؓ اور بزرگانِ دین کا طرز عمل

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے فضول بحث و مباحثہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ وہ اس قول پر عامل تھے کہ:

قل خیراً والا فاصمت

یا تو اچھی بات کہو ورنہ خاموش رہو۔

چنانچہ وہ فضولیات کے اندر پڑتے نہیں تھے۔ اور ہمارے جو بزرگ اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان کے ہاں جب کوئی اصلاح کرانے کے لئے جاتا تھا تو اصلاح کے اندر پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ زبان قابو میں کرو اور فضول بحث و مباحثہ سے اجتناب کرو۔

اصلاح کا ایک واقعہ

پہلے بھی شاید آپ کو واقعہ سنایا تھا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دہلی میں ان کی بڑی شہرت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کا بڑا فیض پھیلایا، دو طالب علم بلخ سے آپ کی شہرت سُن کر حاضر ہوئے، حضرت سے بیعت ہونے اور اصلاح کرانے کا ارادہ تھا، جب حضرت کی مسجد میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو رہا تھا تو وضوء کرنے بیٹھ گئے، ایک طالب دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ حوض جس سے ہم وضوء کر رہے ہیں یہ بڑا ہے یا وہ جو ہمارے بلخ میں ہے؟ تو دوسرے نے کہا کہ وہ بلخ والا بڑا ہے، اس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ دہلی کا حوض بڑا ہے۔ اب اس

موضوع پر دونوں کے درمیان دلائل کا تبادلہ شروع ہوا، ایک کہہ رہا ہے وہ بڑا ہے دوسرا کہہ رہا ہے یہ بڑا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ بھی وہیں وضو فرمارہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ یہ دونوں آدمی اس طرح بحث کر رہے ہیں۔ جب نماز ہوگئی تو یہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے یہ طے کرلو کہ ہماری مسجد کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے۔ یہ مسئلہ طے کرلو تو پھر آگے بات چلے۔ اب وہ بڑے شرمندہ ہوئے، لیکن حضرت نے فرمایا کہ جب تک یہ اہم مسئلہ طے نہ ہو اس وقت تک بیعت کرنا فضول ہے۔ لہذا پہلے اس حوض کو ناپو، پیمائش کرو اور پھر واپس جاکر اس حوض کو ناپو، اس کے بعد فیصلہ کرو کہ یہ بڑا ہے یا وہ بڑا ہے، جب یہ کام کرلو گے تو پھر تمہیں بیعت کریں گے۔

اور پھر فرمایا کہ تمہاری اس گفتگو سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ فضول بحث و مباحثہ کرنے کی عادت ہے جس کا کوئی مصرف نہیں، اور دوسری بات یہ کہ بات میں تحقیق نہیں، آپ نے ویسے ہی اندازے سے دعویٰ کرلیا کہ یہ بڑا ہے، اور آپ نے ویسے ہی اندازہ سے دعویٰ کرلیا کہ وہ بڑا ہے، تحقیق کسی نے کی نہیں، تو معلوم ہوا کہ زبان سے بات کرنے میں تحقیق نہیں اور فضول بحث و مباحثہ کی عادت ہے، اس کی موجودگی میں اگر آپ کو کچھ ذکر و اذکار بتاؤں گا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا جب تک یہ عادت ختم نہ ہو، اور یہ عادت اسی طرح ختم ہوگی کہ ایک مرتبہ تمہیں سبق مل جائے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہذا واپس جاؤ اور پیمائش کرنے کے بعد پھر واپس آنا تو بات چلے گی۔

آج کل کی پیری مریدی

اب آج کل تو پیری مریدی یہ ہوگئی ہے کہ کچھ اذکار بتا دیئے اور کچھ وظائف بتا دیئے اور خواب کی تعبیر بتا دی، اور یہ بتا دیا کہ فلاں مقصد کے لئے یہ پڑھو اور فلاں مقصد کے لئے یہ پڑھو، یہ پیری مریدی ہوگئی۔ حالانکہ پیری مریدی کا اصل مقصد تھا "اصلاح نفس۔" اب ان کو ساری عمر کے لئے ایسی نصیحت ہوگئی کہ اب آئندہ کسی فضول بحث میں نہیں پڑیں گے۔ ارے بھائی! اگر یہ پتہ بھی چل جائے کہ یہ بڑا ہے یا وہ بڑا ہے تو کیا حاصل؟ دنیا میں کیا فائدہ ہوا؟ اور آخرت میں کیا فائدہ؟ اس لئے یہ چیز انسان کو خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کی طرف لے جاتی ہے اور بالآخر گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مرزا صاحبؒ نے یہ ایسا سبق دیدیا کہ آئندہ کبھی عمر بھر بحث نہیں کی ہوگی۔

مذہبی بحث و مباحثہ

بعض اوقات یہ بحث و مباحثہ مذہب کے نام پر اور دین کے نام پر ہوتا ہے، ایسے سوالات جو نہ قبر میں پوچھے جائیں گے، نہ حشر میں اور نہ نشر میں، نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں اس کی پرسش ہوگی، اس کے اوپر لمبی چوڑی بحث چل رہی ہے۔ اور مناظرے ہو رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں اِدھر کا بھی وقت برباد ہو رہا ہے اور اُدھر کا بھی وقت برباد ہو رہا ہے۔ یہ بحث اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انّ المراء یذھب بِنُوْرِ الْعِلْمِ

یہ بحث و مباحثہ علم کے نور کو زائل کر دیتا ہے، علم کا نور ختم کر دیتا ہے۔

فالتو عقل والے

اکبر الہ آبادی مرحوم جو تنزیہ شاعر ہیں لیکن بعض اوقات بڑے حکیمانہ اشعار کہہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ۔

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

مطلب یہ ہے کہ فضول بحث و مباحثہ کا کام وہ کرے جس کے پاس فالتو عقل ہو، اور فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں۔ جس مسئلہ کا سوال نہ قبر میں ہوگا، نہ حشر میں، نہ نشر میں، نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کبھی پوچھیں گے، اور اُس کے بارے میں لمبی چوڑی بحثیں کر رہے ہیں، اس کے اندر وقت کو ضائع کر رہے ہیں، حالانکہ نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل و قال سے اور فضول بحث و مباحثہ سے منع فرمایا ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے اندر یہ فضول بحث و مباحثہ بے انتہا پھیل گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو دین کے ضروری مسائل اور احکام تھے اس سے تو لوگ جاہل رہ گئے، اس کا پتہ نہیں اور فضول بحثوں کے اندر پڑے ہیں، تاریخی بحثوں کے اندر مبتلا ہیں۔ مثلاً اب اس میں بحث ہو رہی ہے کہ یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اور وہ فاسق تھا کہ نہیں تھا؟ بھائی! تم سے کوئی قبر میں اس کے بارے میں پوچھے گا؟ یا تم سے پوچھ کر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کریں گے؟ یا تمہارے اوپر اس کے اعمال کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ اس کی مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی۔

یزید کے فسق کے بارے میں سوال کا جواب

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے کسی نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ حضرت! یزید فاسق تھا یا نہیں تھا؟ والد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی میں کیا جواب دوں کہ فاسق تھا یا نہیں تھا، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ پتہ نہیں میں فاسق ہوں یا نہیں، مجھے تو اپنی فکر ہے کہ پتہ نہیں میرا کیا انجام ہونا ہے، دوسروں کے بارے میں مجھے کیا فکر جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس جا چکے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: یہ امت ہے جو گزر گئی، ان کے اعمال ان کے ساتھ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

بہر حال، کیوں اس بحث کے اندر پڑ کر اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہو اور دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہو کہ کس کی مغفرت ہوگی اور کس کی نہیں ہوگی۔ اس قسم کے بے شمار مسائل ہمارے معاشرے کے اندر کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس پر قیل و قال ہو رہی ہے، بحثیں ہو رہی ہیں، مناظرے ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی جا رہی ہیں، وقت برباد ہو رہا ہے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فضول کی بحثوں سے منع فرمایا ہے۔

سوالات کی کثرت سے ممانعت

دوسرا لفظ بھی اس کے ساتھ ہے، وہ ہے "وکثرۃ السوال" سوالوں کی کثرت سے منع فرمایا۔ جس آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ جو کام کی بات ہے وہ کرے اور فضول باتوں سے اجتناب کرے، اس کے دل میں سوالات بہت پیدا ہوتے ہیں اور وہ کثرت سے سوال کرتا رہتا ہے۔ سوال وہ کرو جس کا تعلق تمہاری عملی زندگی سے ہے، سوال وہ کرو جس کے بارے میں تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ باقی ماضی کے بارے میں سوالات اور دوسرے فضول باتوں کے بارے میں سوالات، ان کا کچھ حاصل نہیں۔

احکام کی حکمتوں کے بارے میں سوالات

میں یہاں خاص طور پر دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، جو ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے احکام کی حکمتوں کے بارے میں لوگ بکثرت سوالات کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز حرام کیوں ہے؟ فلاں چیز منع کیوں ہے؟ دین کے معاملے میں یہ کیوں ہے؟ ہمارے معاشرے میں یہ سوالات بہت پھیل گئے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ سوالات کرتے تھے، لیکن اس میں "کیوں" کا لفظ کہیں نہیں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ جو بات کر رہے ہیں یہ کیوں کر رہے ہیں؟ یا یہ حرام کر رہے ہیں تو کیوں کر رہے ہیں؟

ایک مثال

اب آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود حرام کیا، یعنی قرضہ دے کر اس کے اوپر زیادہ پیسے لینا سود ہے، قرآن نے اس کو حرام کہا اور کہا کہ جو یہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سُن لے۔ اتنی زبردست وعید بیان فرمائی۔ اس کے بارے میں تو صحابہ کرامؓ یہ سوال کیسے کرتے کہ یہ کیوں حرام ہے؟ یہاں تک کہ بعد میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سود کی حرمت کی طرف لے جانے والے کچھ معاملات کو بھی حرام کیا۔ مثلاً ایک بات یہ حرام کی کہ اگر کوئی شخص گندم کو گندم سے بیچ رہا ہے تو چاہے ایک طرف گندم اعلیٰ درجہ کا ہو اور دوسری طرف معمولی درجہ کا ہو تب بھی دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے، اگر اعلیٰ درجہ کا گندم دو سیر ہو اور ادنیٰ درجہ کا گندم چار سیر ہو اور دونوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ فروخت کیا جائے تو اس کو بھی آپ نے حرام اور ناجائز فرمایا، یا مثلاً اچھی کھجور ایک سیر اور خراب کھجور دو سیر اگر آپس میں بیچی جائیں تو فرمایا کہ یہ بھی حرام ہے۔ اب بظاہر تو عقل میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ایک اچھے درجے کا گندم ہے تو اس کی قیمت بھی زیادہ ہے، اس کا فائدہ بھی زیادہ ہے اور جو ادنیٰ درجے کا گندم ہے اس کی قیمت بھی کم ہے اور اس کا فائدہ بھی کم ہے تو اگر ادنیٰ درجے کے دو سیر اور اعلیٰ درجے کا ایک سیر ملا کر فروخت کیا جائے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ لیکن جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ گندم کی بیع جب گندم سے ہوگی تو برابر سرابر ہونا چاہئے، چاہے اعلیٰ درجے کا ہو یا ادنیٰ درجے کا ہو، کسی ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر نہیں فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ جبکہ

وہ اعلیٰ ہے اور یہ ادنیٰ ہے۔ وجہ یہ تھی کہ لفظ "کیوں" کا سوال صحابہ کرامؓ کے ہاں نہیں تھا، اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا بھروسہ تھا کہ جو حکم یہ دے رہے ہیں وہ برحق ہے، ہماری سمجھ میں آئے تو برحق ہے، نہ آئے تو برحق ہے، ہمیں حکمت کے پیچھے پڑنے کی حاجت نہیں، جب ہمیں کہدیا کہ حرام ہے، تو حرام ہے۔

یہ تھا صحابہ کرامؓ کا طریقہ، آج سب سے زیادہ "کیوں" کا سوال ہے، آج جو گندم کی بات میں عرض کر رہا ہوں، یہ کسی کے سامنے عرض کر کے دیکھ لو، وہ چھوٹتے ہی یہ کہے گا "کیوں؟ یہ کیوں ناجائز ہے؟" سب سے پہلے اس کا سوال یہی ہوگا۔ اور اسے تو چھوڑ دو، آج کل جو قرض والا اصل سود ہے اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام کیوں ہے؟

بہر حال، کثرتِ سوال ایک بڑی بیماری ہے، احکام شرعیہ کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ یہ کیوں ہے، یہ سوال ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص ویسے ہی اپنی زیادتی اطمینان کے لئے پوچھے تو چلو گوارا ہے۔ لیکن اب تو باقاعدہ اسی لئے پوچھا جاتا ہے کہ اگر ہماری سمجھ میں اس کی وجہ آگئی تو حرام سمجھیں گے اگر نہیں آئی تو حرام نہیں سمجھیں گے۔ اللہ بچائے۔ یہ بات انسان کو بعض اوقات کفر تک لے جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے، آمین۔ کثرتِ سوال میں ایک پہلو یہ ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنا جن کا انسان کے عقیدے سے یا اس کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، یا ایسے ہی فضول سوالات جیسے یہ سوال کہ یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ جنگ میں کون باطل پر تھا اور کون حق پر تھا؟ یا تاریخی واقعات کی تفصیلات پوچھنا اور ان کے اندر جھگڑا

کرنا، یا ایسے عقائد کے بارے میں سوالات کرنا جو بنیادی عقائد نہیں ہیں، جن کے بارے میں حشر نشر کے اندر کوئی سوال نہیں ہوتا ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ ان کے بارے میں سوالات کرنے کے بجائے جو تمہاری عملی زندگی کے معاملات ہیں، حرام و حلال کے، جائز و ناجائز کے، ان کے بارے میں سوال کرو، اور ان کے اندر بھی جو سوالات ضروری ہیں، ان کے اندر اپنے آپ کو محدود رکھو۔ حضرات صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سوال بہت کم کیا کرتے تھے، جتنی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لی، اس پر عمل کرتے تھے، سوال کم کرتے تھے، لیکن سوال جو کرتے تھے وہ عملی زندگی سے متعلق کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بیان برختم قرآن کریم ودعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۲

صفحات :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ختم قرآن کریم ودعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ

مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ صدق اللّٰه العظيم۔

(سورۃ القدر)

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس وقت کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنا پیش نظر نہیں ہے لیکن اللہ جل شانہ نے ہمیں اور آپ کو ایک بہت بڑے انعام سے نوازا ہے اور ایک بہت بڑا اکرم فرمایا ہے، اس وقت اس انعام اور کرم پر شکر کا اظہار کرنا مقصود ہے، اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ جل جلالہ کے حضور اپنے مقاصد اور حاجات کے لئے دعا کرنا مقصود ہے۔

عظیم انعام سے نوازا ہے

وہ انعام یہ ہے کہ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور آپ کو تراویح کے اندر قرآن کریم مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے، آج جبکہ ہماری نگاہیں اور ہمارے خیالات مادہ پرستی کے ماحول میں بھٹکے ہوئے ہیں، اس ماحول میں قرآن کریم کی تلاوت اور تراویح کی اس نعمت کا صحیح صحیح اندازہ ہمیں اور آپ کو نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں، لیکن جس وقت یہ آنکھیں بند ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی، اس

وقت اندازہ ہوگا کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت، یہ روزہ، یہ تراویح، یہ نمازیں، یہ تسبیح، یہ سب کتنی بڑی دولت ہیں۔ اس لئے کہ وہ جہاں ایسا ہے کہ وہاں کی کرنسی یہ روپیہ پیسہ نہیں ہے، بلکہ وہاں کی کرنسی یہ نیکیاں ہیں اور یہ اعمال ہیں، یہ نمازیں، یہ روزے، یہ تسبیحات، یہ تراویح، یہ سجدے، یہ تلاوت، یہ چیزیں وہاں کام آنے والی ہیں، یہ روپیہ پیسہ وہاں پر کام آنے والا نہیں۔

''تراویح'' ایک بہترین عبادت

یوں تو رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس کا ہر ہر لمحہ رحمتوں کا لمحہ ہے، برکات کا لمحہ ہے، لیکن رمضان المبارک میں جو خصوصی عبادتیں مشروع فرمائیں، ان میں یہ تراویح کی عبادت ایک عجیب و غریب شان رکھتی ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں ان ایام کے اندر یہ نماز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دی ہے۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ صِیَامَ رَمَضَانَ وَ سَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہٗ

(نسائی، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رمضان کے دنوں میں روزے فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے کو سنت قرار دیا۔ یہ سنت ایسی ہے کہ اس کے نتیجے میں اور دنوں کے مقابلے میں بیس رکعتیں

زیادہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، اور بیس رکعتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو روزانہ چالیس سجدے زیادہ کرنے کی توفیق حاصل ہو رہی ہے، اور اگر پورے مہینہ کا حساب لگایا جائے اور مہینے کو ۳۰ دن کا شمار کیا جائے تو ایک مہینے میں ایک صاحب ایمان کو بارہ سو سجدے زیادہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو رہی ہے۔

''سجدہ'' ایک عظیم نعمت

اور یہ ''سجدہ'' ایسی عظیم نعمت ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ عظیم نعمت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے اللہ سے جتنا قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اور کسی حالت میں اتنا قریب نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں سورۂ اقرأ کی آخری آیت جو آیت سجدہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

(سورۂ علق، آیت ۱۲)

یعنی سجدہ کرو اور میرے قریب آ جاؤ۔ یہ کتنا پیارا اور محبت کا جملہ ہے کہ سجدہ کرو اور میرے پاس آ جاؤ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور اتنا قرب حاصل کرنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی اور نہیں ہے کہ انسان سجدے میں چلا جائے۔ جس وقت بندے نے اللہ جل شانہ کے حضور سجدے میں پیشانی ٹیک دی تو اس دم ساری کائنات اس پیشانی کے نیچے آ گئی۔

”نماز“ مؤمن کی معراج ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ”معراج“ عطا فرمائی، جس میں آپ کو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اور ”سدرۃ المنتہیٰ“ سے بھی آگے پہنچایا، جہاں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی آپ کا ساتھ نہ دے سکے، اس مقام تک پہنچایا۔ جب آپ واپس تشریف لانے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان حال سے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ یا اللہ! آپ نے مجھے تو قرب کا یہ مقام عطا فرما دیا، لیکن میری امت کا کیا ہوگا؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے جو تحفہ عطا فرمایا، وہ پانچ نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا، اور ان نمازوں میں سجدے کا تحفہ عطا فرمایا اور یہ اعلان فرما دیا گیا کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

یعنی نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔ اگرچہ ہم نے آپ کو یہاں بلا کر معراج عطا فرمائی، لیکن آپ کی امت کے لئے یہ اعلان ہے کہ جو بندہ میرا قرب چاہتا ہے، وہ جب سجدے میں سر رکھ دے گا تو اس کی معراج ہو جائے گی، جب بندے نے سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر رکھ دیا تو بس اس سے بڑی دولت اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ میاں نے مجھے پیار کر لیا

ہمیں تو اس دولت کے عظیم ہونے کا اندازہ نہیں ہے، اس لئے کہ دلوں

پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس کی لذت اور حلاوت عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ سجدہ کیا چیز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ چپکے سے کہنے لگے کہ میاں اشرف علی! کیا بتاؤں، جب سجدہ کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیار کرلیا۔ ان کو سجدہ کے اندر یہ دولت نصیب ہوتی تھی۔

یہ پیشانی ایک ہی چوکھٹ پر ٹکتی ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے، ان کا ایک شعر ہے:

اگر سجدہ میں سر رکھ دوں
زمین کو آسماں کر دوں

بہرحال! یہ سجدہ معمولی چیز نہیں ہے، یہ پیشانی کسی اور جگہ پر نہیں ٹکتی، یہ پیشانی صرف ایک ہی بارگاہ میں، ایک ہی چوکھٹ پر، ایک ہی آستانے پر ٹکتی ہے، اور اس آستانے پر ٹکنے کے نتیجے میں اس کو جو قرب کی دولت حاصل ہوتی ہے، اس دولت کے آگے ساری دنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت سنتے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو روزانہ چالیس مقامات قرب زیادہ عطا فرمائے ہیں، ہر صاحب ایمان کو اس تراویح کی بدولت روزانہ چالیس مقاماتِ قرب زیادہ حاصل ہو رہے ہیں، یہ معمولی دولت نہیں۔ پھر اس تراویح میں یہ مقاماتِ قرب تو تھے ہی، ساتھ ساتھ یہ حکم دیدیا کہ اس تراویح میں میرا کلام پڑھ کر اس کو پورا کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ کے ساتھ نہیں سنتے جتنی توجہ کے ساتھ اپنے کلام کی تلاوت کو سنتے ہیں۔ لہٰذا تراویح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

ختم قرآن کے موقع پر دو کام کریں

آج الحمد للہ قرآن کریم پورا ہوگیا، ہم نے غفلت کے عالم میں سن کر ختم کرلیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، لہٰذا یہ معمولی نعمت نہیں ہے جو آج ختم قرآن کے موقع پر ہمیں آپ کو حاصل ہو رہی ہے، اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی عبادت کی توفیق عطا فرمائیں تو بزرگان دین کا کہنا ہے کہ اس موقع پر دو کام کرنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ اس عبادت کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے

اور یہ کہنا چاہئے کہ اے اللہ! میں تو اس قابل نہیں تھا مگر آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس عبادت کی توفیق عطا فرمادی۔ دوسرے یہ کہ استغفار کرو، اور یہ کہو کہ اے اللہ! آپ نے تو مجھے عبادت کی توفیق عطا فرمائی تھی، لیکن اس عبادت کا جو حق تھا، وہ مجھ سے ادا نہ ہو سکا، اس عبادت کے جو حقوق اور آداب تھے وہ میں بجا نہ لا سکا، اس میں مجھ سے کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں، اے اللہ! اس پر مجھے معاف فرما۔

عبادت سے استغفار

قرآن کریم نے ''سورۃ ذاریات'' میں اللہ کے بندوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

كَانُوْ قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

(سورۃ الذاریات، آیات ۱۷۔۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے رات کے وقت بہت کم سوتے ہیں، بلکہ رات کے اکثر حصے میں اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں، اور جب سحری کا وقت ہو جاتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ استغفار کا کیا موقع ہے؟ استغفار تو اس وقت ہوتا ہے جب کسی سے کچھ گناہ ہوا ہو، کوئی غلطی ہوئی ہو، یہ تو ساری رات عبادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہے تو اب صبح

کے وقت استغفار کیوں کر رہے ہیں؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی عبادت سے استغفار کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہم نے عبادت تو کی، لیکن عبادت کا جو حق تھا، وہ ہم سے ادا نہ ہوا، اس لئے اپنی اس کوتاہی اور غفلت پر استغفار کر رہے ہیں۔

عبادت کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟

لہٰذا جس عبادت کی توفیق ہو جائے، اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرو کہ یا اللہ! عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا۔

مَاعَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

اور کون شخص ہے جو عبادت کا حق ادا کر سکے؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ ساری رات اس طرح کھڑے ہوکر عبادت کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم آجاتا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ہم عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔

مَاعَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

لہٰذا ہر عبادت کے موقع پر شکر بھی کرو اور اس کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقولہ سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ عبادت کرنے کے بعد یہ کہتا ہے "الحمدللہ، استغفر اللہ" تو شیطان کہتا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ دی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شیطان کا حملہ دو ہی طرح سے ہوتا ہے، یا تو اس طرح حملہ کرتا ہے کہ عبادت کے نتیجے میں انسان کے دل میں غرور پیدا کر دیتا ہے کہ میں نے بڑی عبادت کرلی، مجھ سے بڑا کام سرزد ہوگیا اور میں تو اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا، جب دل میں یہ غرور پیدا ہوا تو ساری عبادت اکارت گئی۔ اس غرور کا راستہ لفظ "الحمدللہ" سے بند ہوگیا، اور اس کے ذریعہ یہ اقرار کرلیا کہ جو عبادت میں نے ادا کی، وہ حقیقت میں میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اے اللہ! یہ عبادت آپ کے کرم اور توفیق سے انجام پائی ہے۔

عبادات رمضان پر شکر کرو

کتنے لوگ ایسے ہیں کہ رمضان المبارک آیا اور چلا گیا، لیکن اس کے باوجود ان کے گھر میں پتہ نہیں چلا کہ کب رمضان آیا تھا اور کب چلا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں میں سے نہیں بنایا، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں جیسی تیسی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، روزہ رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی، تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اس پر شکر ادا کرو اور کہو "الحمدللہ" اے اللہ! آپ کا کرم اور شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بہرحال! شیطان کا ایک حملہ تو دل میں غرور پیدا کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے۔

اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرو

شیطان کا دوسرا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیری نماز کیا، تیرا روزہ کیا؟ تو نے نماز کیا پڑھی، تو نے تو ٹکریں ماریں، اور غفلت کے عالم میں نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا، تو نے تو عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ خیال ڈال کر اس کے اندر مایوسی پیدا کر دیتا ہے، اس مایوسی کا توڑ ''استغفر اللہ'' ہے، یعنی بیشک عبادت کے ادا کرنے میں میری طرف سے کوتاہی ہوئی، لیکن میں تو کوتاہیوں کا پلندا ہوں، اے اللہ! ان کوتاہیوں کی طرف سے میں آپ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔ اور استغفار کی خاصیت یہ ہے کہ جس کوتاہی سے استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص استغفار کرنے کا عادی ہو اس کی کوتاہیاں اور گناہ نامۂ اعمال سے مٹتے رہتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جو شخص عبادت کرنے کے بعد یہ دو کلمات زبان سے ادا کر لے، ایک ''الحمد للہ'' اور دوسرے ''استغفر اللہ'' اے اللہ! آپ کی توفیق پر شکر ہے اور میری کوتاہیوں پر استغفار ہے۔ تو اس کے بعد وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انشاء اللہ قبول ہو جائے گی اور شیطان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔

ان کی رحمت پر نظر رہنی چاہئے

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رمضان المبارک میں

عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، ہماری طرف سے تو غفلت ہی غفلت ہے، کوتاہی ہی کوتاہی ہے، لیکن بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ کے، ہم اپنی غفلت اور کوتاہی کو دیکھیں یا ان کی رحمت کو دیکھیں۔ ارے! ان کی رحمت ایسی وسیع اور زبردست ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، اس کے مقابلے میں ہم اپنی کوتاہیوں کو کیوں لے کر بیٹھ جائیں اور اس کا مراقبہ کیوں کریں؟ ارے! ہم اللہ کی رحمت کا مراقبہ کریں۔ بہرحال! آج ہم دو کام کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ایک اس کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لئے اور دوسرے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنے کے لئے، انشاء اللہ اگر ہم نے یہ دو کام کر لئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انوار و برکات، جو تجلیات، جو رحمتیں اور جو اجر و ثواب اس تراویح میں اور قرآن کریم کی تلاوت میں رکھا ہے، انشاء اللہ ہمیں اور آپ کو اس سے محروم نہیں فرمائیں گے۔

قبولیتِ دعا کے مواقع جمع ہیں

آج کی رات رمضان المبارک کی رات ہے، عشرۂ اخیرہ کی بھی رات ہے، اور عشرۂ اخیرہ کی بھی طاق رات ہے جس میں شب قدر ہونے کا بھی احتمال ہے اور قرآن کریم کے ختم کا موقع بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس موقع پر جو دعا کی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور قبول ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے

رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں، اور ان ہواؤں کے چلنے کے دوران جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ امید ہے کہ یہ لمحات بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کے لمحات ہیں، انشاء اللہ جو دعا کی جائے گی، وہ دعا قبول ہوگی۔

اہتمام سے دعا کریں

اب ہم سب مل کر اہتمام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں، اور اس دعا کے اندر اپنی ذاتی حاجتوں کو بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اپنے اعزہ و اقارب کے لئے بھی دعا کریں، اپنے دوست واحباب کے لئے بھی دعا کریں، اپنے ملک وملّت کے لئے بھی دعا کریں۔ عالم اسلام اس وقت دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے، اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نرغے سے عالم اسلام کو نکالے، جتنے لوگ ہیں جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں، افغانستان میں، کشمیر میں، الجزائر میں، تیونس میں جہاد ہو رہا ہے، ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور فرمائے اور ان کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

اجتماعی دعا بھی جائز ہے

دعا میں افضل یہ ہے کہ ہر آدمی انفرادی طور پر خود دعا کرے، بس وہ ہو اور اس کا اللہ ہو، تیسرے آدمی کا درمیان میں واسطہ نہ ہو۔ اور اجتماعی دعا سنّت

نہیں ہے، لیکن جہاں مسلمان جمع ہوں، اور وہاں سب مل کر اکھٹے دعا کرلیں تو یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں ہے، اس لئے کہ بعض اوقات آدمی کے دل میں بہت سی دعائیں نہیں آتیں، تو وہ دوسرے کی دعا پر ''آمین'' کہہ دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس دعا کی برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت یہ اجتماعی دعا کی جارہی ہے، اس میں پہلے وہ دعائیں کی جائیں گی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اس کے بعد اردو میں اپنی حاجتوں کی دعائیں ہوں گی، اس کے بعد ہر شخص خاموشی سے اپنی اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگے گا۔

دعا سے پہلے درود شریف

سب حضرات پہلے تین تین مرتبہ درود شریف پڑھ لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

عربی دعائیں

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابِ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ عَلٰى طَاعَتِكَ ۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّانَسْئَلُكَ تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَنَسْئَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ وَنَسْئَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ ۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ ، وَاَغْنِنَا بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ـ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ التَّوْفِيْقَ لِمَحَابِّكَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ ـ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قُلُوْبِنَا لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنَا طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُوْلِكَ وَعَمَلاً بِكِتَابِكَ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا نَخْشَاكَ كَاَنَّا نَرَاكَ اَبَداً حَتّٰى نَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنَا بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنَا بِمَعْصِيَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّا تِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَرِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتَنَا فِيْ قُبُوْرِنَا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا

بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَاماً وَّنُوْراً وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَانَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَاجَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلاَوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ قُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلاَءَ اَحْزَانِنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تُخَلِّطَ الْقُرْآنَ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلُ بِهٖ اَجْسَادَنَا بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اردو میں دعائیں

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہماری تمام خطاؤں کو درگزر فرما۔

یا اللہ! ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہمارے تمام اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے، خفیہ، علانیہ ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو اور ہمارے متعلقین اور احباب سب کو اپنی مغفرت کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! آپ نے رمضان کے مبارک مہینے میں جن بے شمار انسانوں کی مغفرت کے وعدے فرمائے ہیں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ یا اللہ! ہمارے استحقاق پر نظر نہ فرما، اپنی رحمت پر نظر فرما:

اَللّٰهُمَّ عَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے مغفرت کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں جن لوگوں کو آپ جہنم سے رہائی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں، یا اللہ! ہم سب کو اور ہمارے گھر والوں کو اور متعلقین اور احباب کو ان میں شامل فرما۔ یا ارحم الراحمین! جو انوار و برکات آپ نے اس مبارک مہینے میں مقدر فرمائے ہیں، وہ سب ہمیں عطا فرما اور ان سے محروم نہ فرما۔

یا اللہ! اس مبارک مہینے میں جن جن عبادات کی توفیق عطا فرمائی، یہ سب آپ کا کرم اور انعام ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو قبول فرما۔ اور جو کوتاہیاں ہوگئیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہماری تراویح کو قبول فرما، تلاوت قرآن کریم کو اپنی رحمت سے قبول فرما اور جو ذکر کی توفیق

ہوئی، اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما۔ یا اللہ! رمضان کی جو باقی ساعات ہیں، ان سے صحیح معنی میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما، ان ساعات میں تلافی مافات کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے تمام حاضرین کو ان کے تمام جائز مقاصد میں کامیابی عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آئے ہیں، اپنی رحمت سے ان سب کو پورا فرما۔ یا اللہ! ہم میں اور ہمارے متعلقین اور احباب میں جو جو بیمار ہیں، ان سب کو اپنی رحمت سے شفاء کاملہ عاجلہ عطا فرما۔ یا اللہ! ان کو تندرستی عطا فرما۔ یا اللہ! جو تنگ دست ہیں ان کی تنگ دستی کو دور فرما، یا اللہ! جو محتاج ہیں ان کی احتیاج کو رفع فرما۔ یا اللہ! جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کا سامان فرما۔ یا اللہ! جو بے روزگار ہیں، ان کو روزگار عطا فرما۔ یا اللہ! جو بے اولاد ہیں، ان کو صالح اولاد عطا فرما۔

یَا اَللّٰہُ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا غِیَاثُ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ، یَا اَمَانُ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ، یَا مُجِیْبَ دَعْوَۃَ الْمُضْطَرِّیْنَ۔ رَحْمَانَ الدُّنْیَا وَ رَحِیْمَھَا، اِرْحَمْنَا بِرَحْمَۃٍ تُغْنِیْنَا بِھَا عَنْ رَحْمَۃِ مَنْ سِوَاکَ۔

یا ارحم الراحمین! جو جو دعائیں اس مبارک مہینے میں مانگنے کی توفیق ہوئی، اپنی رحمت سے ان ساری دعاؤں کو قبول فرما۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا بِدُعَائِكَ شَقِيًّا، وَكُنْ لَنَا رَؤُوْفًا رَحِيْمًا، يَاخَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَاخَيْرَ الْمُعْطِيْنَ اِلَيْكَ نَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِنَا وَقِلَّةَ حِيْلَتِنَا - رَبِّ تَقَبَّلْ دَعْوَتَنَا وَاغْسِلْ حَوْبَتَنَا وَاَجِبْ دَعْوَتَنَا وَثَبِّتْ حُجَّتَنَا وَسَدِّدْ لِسَانَنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

یا اللہ! اس رمضان کے دنوں میں اور راتوں میں جو دعائیں کرنے کی ہمیں توفیق ہوئی، یا اللہ! ان سب دعاؤں کو قبول فرما۔ یا اللہ! جو حاجتیں ہمارے دلوں میں تھیں اور ہم ان کو آپ سے نہیں مانگ سکے، ان کو بھی قبول فرما۔ یا اللہ! اس رمضان کے مہینے میں آپ کے نیک بندوں نے جہاں کہیں جو جو دعائیں مانگیں اور وہ دعائیں ہمارے حق میں مناسب اور بہتر ہوں، یا اللہ! اپنی رحمت سے ان کو بھی ہمارے حق میں قبول فرما۔ یا اللہ! کسی رحمت سے محروم نہ فرما۔

یا ارحم الراحمین! اپنے فضل سے اس قرآن کریم کو جن جن لوگوں نے پڑھ کر ختم کیا، ان کو دنیا و آخرت میں جزاء خیر عطا فرما، ان کو اس قرآن کریم کے انوار و برکات عطا فرما۔ یا اللہ! سننے والوں کو بھی اس کی برکات سے بہرہ ور فرما۔

یا اللہ! ہمارے ملک میں امن و امان قائم فرما، اس کی حفاظت فرما۔ یا

اللہ! اس ملک کو شریعت کا گہوارہ بنا۔ یا اللہ! ہمیں اس ملک میں شریعت نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! جو لوگ اس ملک میں شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کر رہے ہیں، اپنی رحمت سے ان کی کوششوں کو بارآور فرما اور ان کی کوششوں میں صدق و اخلاص پیدا فرما، یا اللہ! ان کو ترقیاں عطا فرما۔ اور جو لوگ اس راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں، اپنے فضل و کرم سے ان کو ہدایت عطا فرما، یا اللہ! ان کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں کو دور فرما۔

یا اللہ! عالم اسلام میں جہاں جہاں مسلمان کسی مشکل کا شکار ہیں، اس مشکل کو آسان فرما۔ یا اللہ! مجاہدین افغانستان کی مدد فرما! یا اللہ! مجاہدین کشمیر کی مدد فرما۔ یا اللہ! الجزائر میں جو مسلمان ستم رسیدہ ہیں، اپنی رحمت سے ان کی مدد فرما اور ان کی مشکلات کو دور فرما۔ یا اللہ! اپنے کلمے کو سربلند فرما۔ یا اللہ! عالم اسلام دشمنوں کے جس نرغے میں ہے، اپنی رحمت سے اس نرغے کو توڑ دے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو سربلندی عطا فرما، عزت و شوکت عطا فرما، اپنے دین کی طرف لوٹنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے دلوں کو پھیر دے، دلوں میں دین کی عظمت اور محبت پیدا فرما اور دین پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

یا اللہ! سب کچھ آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، دل بھی اور دماغ بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اعمال بھی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ہمارے دلوں، ہمارے دماغوں اور ہمارے اعمال کو دین کے رُخ پر ڈال دے۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے اسلام کو سربلند فرما، مسلمانوں کو سربلند فرما۔ یا اللہ! تمام حاضرین کی حاجتوں کو پورا فرما، ان کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔ یا اللہ! جن

جن لوگوں نے ہم سے دعا کے لئے کہا ہے، ان سب کی دلی مرادوں کو پورا فرما۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے اس دارالعلوم کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! یہاں کے اساتذہ، طلباء اور ملازمین کو صدق و اخلاص عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرما۔ یا اللہ! یہاں سے آپ کے دین کے خادم اور اللہ والے پیدا فرما، دین پر عمل کرنے والے پیدا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے تمام منصوبوں کو عافیت اور سہولت کے ساتھ پردہ غیب سے پورا فرما۔ یا اللہ! اس کی مشکلات کو آسان فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں مقامات عالیہ عطا فرما۔ یا اللہ! اس دارالعلوم کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں بہترین جزاء عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاسَئَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

الرَّحِيْمُ - وَصَلَّى اللّٰه تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ - آمِيْنَ - بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

❁

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

جلد اول (۱)

عنوان | صفحہ نمبر

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

اصلاحی خطبات

جلد ۱۳

- مسنون دعاؤں کی اہمیت
- صبح کے وقت کی دعائیں
- بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں
- گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کی دعا
- "بسم اللہ" کا عظیم فلسفہ
- کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا
- وضو کے دوران اور بعد کی دعائیں
- مصیبت کے وقت کی دعا
- مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں
- سوتے وقت کی دعائیں اور اذکار

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

۱۳

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ فروری ۲۰۰۳ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ☎ ۴۹۱۶۰۳۳

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی
- مکتبہ الاسلام، البی فلورمل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللّٰہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور

ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تومی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی تیرھویں جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ البتہ یہ جلد دوسری جلدوں سے کچھ مختلف ہے۔ اس لئے کہ یہ جلد ان خطبات پر مشتمل ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے جمعہ کی نماز سے پہلے جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی میں دیئے، تقریباً دو سال سے حضرت مولانا مدظلہم اپنے خطبات میں مسنون دعاؤں کی تشریح فرما رہے تھے۔ حضرت والا کی دلی خواہش تھی کہ مسنون دعاؤں کی یہ تشریح علیحدہ جلد میں یکجا ہو کر آجائے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا مدظلہم کی دلی خواہش پوری فرما دی۔ اب یہ مسنون دعاؤں کی تشریح کا بہترین گلدستہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گلدستہ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب دعا

ولی اللہ میمن

۲۷/ جنوری ۲۰۰۳ء

مسنون دعاؤں کی اجمالی فہرست
جلد ۱۳

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
مسنون دعاؤں کی اہمیت	

عنوان	صفحہ نمبر

وضو ظاہری اور باطنی پاکی کا ذریعہ ہے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

| **ہر کام سے پہلے "بسم اللہ" کیوں** | |

وضو کے دوران کی مسنون دعا

صفحہ نمبر	عنوان
۱۱۳	ظاہری اور باطنی میل کچیل دور ہو جائے
۱۱۳	صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کی معافی
۱۱۴	گھر میں دونوں قسم کی کشادگی مطلوب ہے
۱۱۵	گھر کا اصل وصف ''سکون'' ہے
۱۱۵	گھر میں خوبصورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے
۱۱۶	تین چیزیں نیک بختی کی علامت ہیں
۱۱۶	دلوں کا ملا ہوا ہونا بھی کشادگی میں داخل ہے
۱۱۷	برکت کی دعا کی وجہ
۱۱۷	مانگنے کی چیز ''برکت'' ہے
۱۱۹	سبق آموز واقعہ
۱۱۹	اللہ تعالیٰ یہ دولت لے لیں اور سکون کی نیند دیدیں
۱۲۰	آج سب کچھ ہے، مگر برکت نہیں
۱۲۰	آج وقت میں برکت نہیں
۱۲۱	حضور ﷺ کے وقت کی برکت
۱۲۲	حضرت تھانویؒ اور وقت کی برکت
۱۲۲	برکت حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے
۱۲۳	تمام حاجتیں ان دعاؤں میں سمٹ گئیں
۱۲۳	وضو کے دوران کی دوسری دعا
۱۲۴	وضو کے بعد کی دعا
	وضو کے دوران ہر عضو دھونے کی علیحدہ دعا
۱۲۶	تمہید
۱۲۷	وضو شروع کرتے وقت کی دعا

عنوان	صفحہ نمبر

نماز فجر کیلئے جاتے وقت کی دعا

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
یہ کامیابی کا زینہ ہے	۲۴۵
دن کے درمیانی اور آخری حصے کے لئے دعائیں	۲۴۶

گھر سے نکلنے اور بازار جانے کی دعا

عنوان	صفحہ نمبر

گھر میں داخل ہونے کی دعا

کھانا سامنے آنے پر دعا

کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا

عنوان	صفحہ نمبر
پانی کی نعمت پر شکر	۲۹۶
کھانا کافی ہونے کی نعمت پر شکر	۲۹۶
رہائش کی نعمت پر شکر	۲۹۷
تمام نعمتوں کے جمع ہونے پر شکر	۲۹۷
اسلام کی دولت پر شکر	۲۹۷
معنی کی کائنات پوشیدہ ہے	۲۹۸
خلاصہ	۲۹۸

سفر کی مختلف دعائیں

قربانی کے وقت کی دعا

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
سوتے وقت کی دعائیں اور اذکار	

مسنون دعاؤں کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسنون دعاؤں کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

(سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آپ ﷺ نے مانگنے کا طریقہ سکھایا

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ ﷺ نے قدم قدم پر ہمیں اللہ جل شانہ سے دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا، ورنہ ہم وہ لوگ ہیں کہ محتاج تو بے انتہا ہیں، لیکن اس کے باوجود مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا کہ کس طرح مانگا جائے، ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کیا مانگا جائے؟

ہر عمل کے وقت علیحدہ دعا

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا طریقہ بھی سکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو، اور صبح سے لے کر شام تک انسان جو بے شمار اعمال انجام دیتا ہے، تقریباً ہر عمل کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تلقین فرما دی۔ صبح کو جب بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب استنجاء کے لئے بیت الخلاء میں جانے لگو تو یہ دعا پڑھو، جب بیت الخلاء سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب وضو کرنا شروع کرو تو یہ دعا پڑھو، وضو کے دوران یہ دعا پڑھتے رہو، جب وضو سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا پڑھو، جب وضو کر کے نماز

کے لئے مسجد جاؤ تو مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھو، جب مسجد سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھو، جب بازار میں پہنچو تو یہ دعا پڑھو، گویا کہ ہر ہر نقل و حرکت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تلقین فرمادیں۔

کثرت ذکر کا حکم

یہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کے لئے ایک نسخہ اکسیر بتادیا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگتا رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔

(سورۃ الاحزاب:۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابیؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

اَنْ یَکُوْنَ لِسَانُکَ رَطْبًا بِذِکْرِ اللّٰهِ

یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ جل شانہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت

تمہاری زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی نہ کسی طرح جاری رہے۔ لہٰذا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیا اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ذکر سے بے نیاز ہیں

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرت سے ذکر کرنے کا جو حکم دے رہے ہیں، کیا اس لئے حکم دے رہے ہیں کہ "العیاذ باللہ" ہمارے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کو فائدہ پہنچتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اس سے مزہ آتا ہے کہ میرے بندے میرا ذکر کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، وہ ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر ساری کائنات ملکر ہر وقت اور ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی شانِ کبریائی میں، اس کے جمال و جلال میں اور اس کی عظمت میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ساری کائنات "العیاذ باللہ" یہ فیصلہ کرلے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرنا اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دے اور ذکر سے غافل ہو جائے اور معصیتوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اس کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوتی، وہ ذات تو بے نیاز ہے، وہ تو "صمد" ہے، وہ ہمارے اور آپ کے ذکر سے بھی بے نیاز ہے، ہمارے سجدوں سے بھی بے نیاز ہے، ہماری تسبیح سے بھی بے نیاز ہے، اس کو ہمارے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہمارا فائدہ ہے

لیکن ہمیں یہ جو حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ وہ فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنے جرائم اور جتنی برائیاں ہوتی ہیں، ان سب برائیوں کی جڑ اللہ تعالیٰ سے غفلت ہے، جب اللہ جل شانہ کی یاد سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، تب وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہو اور دل میں یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر اس سے گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔

غفلت سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے

چور جس وقت چوری کرتا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتا ہے، اگر وہ غافل نہ ہوتا تو چوری کا ارتکاب نہ کرتا۔ بدکار جس وقت بدکاری کرتا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو بدکاری کا ارتکاب نہ کرتا۔ اسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا:

لا یزنی الزانی حین یزنی و ھو مؤمن ولا

یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن۔

(بخاری، کتاب الحدود، باب الزنا وشرب الخمر)

یعنی جس وقت زنا کرنے والا زنا کرتا ہے اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ مؤمن نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اس کا ایمان مستحضر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی یاد مستحضر نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب چور چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا، اگر مستحضر ہوتا تو وہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ لہٰذا ساری برائیاں، ساری بداخلاقیاں، سارے مظالم جو دنیا میں ہو رہے ہیں، ان کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونا ہے، اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔

دنیاوی ضرورتوں کے ساتھ کیسے ہر وقت ذکر کرے؟

اب سوال یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو کثرت سے کیسے یاد کرے؟ اس لئے کہ وہ تو ہر وقت دنیا کی ضرورتوں میں، دنیاوی تعلقات میں اور دنیا کے کام دھندوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت سے اس کا آسان طریقہ بتا دیا، وہ یہ کہ جب کوئی نئی حالت پیش آئے تو اس نئی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، جب ہر نئی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گے تو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں پیوست ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ ہر وقت کی کوئی نہ کوئی دعا آپ ﷺ نے جو سکھائی ہے، وہ اسی لئے سکھائی ہے تاکہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا عادی بنے اور اس کے نتیجے میں رجوع الی اللہ کا عادی بنے اور اس کا تعلق اللہ

تعالیٰ سے مضبوط ہو جائے۔

یہ دعائیں آپ ﷺ کا معجزہ ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعائیں علوم کا ایک جہاں ہیں، اگر انسان صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعاؤں کو غور سے پڑھ لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا رسول ہونے میں کوئی ادنی شبہ نہ رہے، یہ دعائیں بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہیں اور آپ کا معجزہ ہیں، کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی ذاتی عقل اور ذاتی سوچ سے ایسی دعائیں مانگ ہی نہیں سکتا جیسی دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگیں اور اپنی امت کو وہ دعائیں تلقین فرمائیں، ایک ایک دعا ایسی ہے کہ انسان اس دعا پر قربان ہو جائے۔

یہ دعائیں الہامی ہیں

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دعائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر الہام ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کے قلب پر القاء فرمایا کہ مجھ سے یوں مانگو۔ اللہ تعالیٰ کی شان بھی عجیب وغریب ہے کہ دینے والے اور عطا کرنے والے بھی خود ہیں اور بندے کو دعا کرنے کا طریقہ بھی خود سکھاتے ہیں۔ یہ دعا سکھانے کا طریقہ ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دعا کی تلقین

جب حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہو گئی اور گندم کے درخت سے کھالیا تو بعد میں اپنی غلطی کا احساس تو ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، لیکن اس غلطی کی تلافی کیسے ہو اور اس کی معافی کیسے مانگوں؟ اس کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس کا طریقہ سکھایا۔ فرمایا:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ

(سورۃ البقرۃ، آیت ۳۷)

یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کلمات سکھائے کہ مجھ سے یوں کہو اور اس طرح توبہ کرو، وہ کلمات یہ تھے:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝

(سورۃ الاعراف، آیت ۲۳)

خود ہی معاف کرنے والے ہیں، خود ہی توبہ قبول کرنے والے ہیں اور خود ہی الفاظ سکھا رہے ہیں کہ ہم سے ان الفاظ سے توبہ کرو تو ہم تمہاری توبہ قبول کرلیں گے۔

مسنون دعائیں درخواست کرنے کے فارم ہیں

دیکھئے! جب کسی دفتر میں کوئی درخواست دی جاتی ہے تو اس درخواست

کے فارم چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اعلان ہوتا ہے کہ ان فارموں پر درخواست دی جائے، ان فارموں پر درخواست منظور کرنے والا خود الفاظ لکھدیتا ہے تاکہ درخواست دینے والے کے لئے آسانی ہو جائے اور اس کو مضمون بنانے کی تکلیف نہ ہو، بس اس فارم کو پڑھ کر دستخط کر کے ہمیں دیدو۔ اسی طرح یہ مسنون دعائیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے کے فارم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں عطا فرمائے ہیں کہ جب ہم سے مانگنا ہو تو اس طرح مانگو جس طرح ہمارے نبی اور ہمارے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہے۔

مانگنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں

اللہ جل شانہ کی بارگاہ بھی ایسی بارگاہ ہے کہ اس سے جتنی چیزیں مانگی جائیں اور جتنی دعائیں کی جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے اور نہ ہی ناراض ہوتے ہیں، بلکہ اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یسأل اللّٰہ یغضب علیہ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔

دنیا میں کوئی شخص کتنا بڑا سخی کیوں نہ ہو، اگر کوئی شخص اس سے صبح کے وقت مانگنے چلا جائے، پھر ایک گھنٹہ کے بعد مانگنے چلا جائے، پھر ایک گھنٹے کے بعد

دوبارہ اس کے گھر پہنچ جائے، تو وہ سخی بھی تنگ آ کر اس سے یہ کہہ دے گا کہ تو نے تو میرا پیچھا ہی پکڑ لیا، کسی طرح میری جان چھوڑ۔ لیکن اللہ جل شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ بندے جتنا اس سے مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنا ہی ان سے راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو اور بڑی سے بڑی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

اس لئے خیال ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مراحل پر جو دعائیں مانگی ہیں، ان دعاؤں کی تھوڑی سے تشریح آپ حضرات کے سامنے عرض کر دیا کروں، تا کہ وہ حقائق اور معارف جو ان دعاؤں میں پوشیدہ ہیں، ان کا کچھ حصہ ہمارے سامنے آ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر موقع کی دعائیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سوکر اُٹھنے کی دُعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سوکر اُٹھنے کی دُعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ○ آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذلك من الشاهدین والشاکرین

والحمدللہ رب العلمین۔

سوکر اٹھنے کی دعا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو دعائیں ارشاد فرمائیں، ان دعاؤں کی تھوڑی تھوڑی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے وہ دعا جو بیدار ہوتے وقت پڑھنا منقول ہے، اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کے وقت بیدار ہوتے تو یہ کلمات فرماتے:

الحمدللّٰہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا و الیہ النشور

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر جانا ہے۔ اس دعا میں ایک طرف تو اس بات پر شکر ادا ہو رہا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی مل گئی، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ میں سوتے سوتے مرجاتا جیسے بہت سے لوگ سوتے سوتے مرجاتے ہیں، لیکن اے اللہ! آپ نے مرنے کے بعد مجھے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ دوسری طرف اس دعا میں اس بات کا استحضار ہو رہا ہے کہ یہ زندگی جو مل گئی ہے، یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک وقت مجھے ضرور اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

وہ شخص کیسا دن گزاریگا؟

لہٰذا جو شخص صبح اٹھتے ہی اپنے اللہ کو یاد کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے اور جو زندگی ملی ہے اس کو نعمت سمجھ رہا ہے اور ساتھ میں یہ بھی سمجھ رہا

ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے بلکہ ایک وقت مجھے یہاں سے جانا بھی ہے، اگر ایک شخص صبح اٹھ کر یہ باتیں سوچے گا تو ایسا شخص اس دن کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں گزارنے کی کوشش کرے گا۔

وہ شخص ناکام نہیں ہوگا

جب ایک شخص نے صبح اٹھتے ہی کوئی کام نہیں کیا، نہ ابھی وضو کیا، نہ کسی سے بات کی، نہ کوئی اور کام کیا بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور یہ دعا پڑھ لی:

الحمدللّٰہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا والیہ النشور

کیا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نامراد کریں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ناکام کریں گے جو صبح اٹھ کر سب سے پہلے یہ کہتا ہے کہ یا اللہ! میں کسی سے تعلق قائم نہیں کرتا بلکہ سب سے پہلے آپ سے تعلق جوڑتا ہوں۔

فرشتے اور شیطان کا مقابلہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بندہ صبح بیدار ہوتا ہے تو بیدار ہوتے ہی اس کے پاس ایک فرشتہ اور ایک شیطان پہنچ جاتا ہے، شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص میرا بن جائے اور صبح سے ہی میں اس کو اپنے قابو میں کرلوں اور اپنے ماتحت کرلوں اور یہ شخص میرے حکم پر چلے، جبکہ فرشتہ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دن گزارے، پھر دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے کہ دیکھیں یہ شخص شیطان کی بات مانتا ہے یا فرشتے کی بات مانتا ہے۔ حدیث

شریف میں آتا ہے کہ اگر اس وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلے تو شیطان نامراد ہو جاتا ہے کہ اب یہ میرا بندہ نہیں رہا، اس نے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلیا، لہٰذا اب میرا اس کے اوپر بس نہیں چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور شیطان نامراد ہو جاتا ہے۔

رات کو پھر مقابلہ

اسی طرح رات کو جب بندہ سونے کا ارادہ کرتا ہے اور بستر کی طرف جانے لگتا ہے تو اس وقت بھی ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کے پاس آجاتے ہیں، شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ میرا بندہ بن کر سوئے تاکہ رات کو اگر اس کا انتقال ہو جائے تو میں اس کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں، لیکن اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوتا ہے تو شیطان نامراد ہو جاتا ہے کہ اب اس کے اوپر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ یہ بات حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ اس لئے فرمایا کہ صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلو۔

صبح کی دعا

وہ اللہ کا بندہ جس نے صبح سب سے پہلے اٹھتے ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرلیا اور پھر اس کے بعد بھی جو کام کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر کر رہا ہے، جب صبح ہو رہی ہے تو یہ دعا کر رہا ہے:

اللّٰھمّ بك اصبحنا وبك أمسينا وبك نحيٰ
وبك نموت واليك النشور۔

اے اللہ! یہ جو صبح ہو رہی ہے، یہ آپ کی بدولت ہو رہی ہے، اگر آپ کی رحمت نہ ہوتی تو یہ صبح کہاں سے آتی۔ ذرا غور کریں کہ ان الفاظ میں کیا کیا معانی پوشیدہ ہیں، ایک یہ کہ سوتے سوتے ہمارا انتقال نہیں ہوا، ہم مرے نہیں، کتنے لوگ ہیں جو سوتے سوتے مر جاتے ہیں۔

دن کی روشنی اللہ تعالیٰ کی نعمت

دوسرے یہ کہ یہ جو صبح ہوئی، کیا ہمارے بس میں تھا کہ اس صبح کو لے آتے، اگر رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہوتا اور چھایا ہی رہتا تو کیا ہمارے بس میں تھا کہ ہم روشنی نکال لاتے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی
یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰـہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ ○

(سورۃ القصص: آیت ۷۱)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر دائمی طور پر رات مسلط کر دے تو کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے۔ یا اللہ! یہ صبح آپ کے تخلیق کردہ نظام کے تحت ہو رہی ہے، آپ نے ایسا نظام مقرر کر دیا ہے کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو ستارے نکل آتے ہیں پھر جب ستارے غروب ہوتے ہیں تو سورج نکل آتا ہے۔ اس دعا میں اسی طرف اشارہ ہے کہ

اللّٰھمّ بك اصبحنا و بك أمسینا و بك نحیٰ و بك نموت

آخر میں فرمایا و الیك النشور۔ اس جملے سے یہ بات یاد دلائی جا رہی ہے کہ آخر میں اے اللہ! آپ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

شام کی دعا

پھر جب شام ہو جائے تو یہ دعا پڑھو:

اللّٰھمّ بك أمسینا و بك اصبحنا و بك نحیٰ و بك نموت

یا اللہ! یہ جو شام ہوئی، یہ بھی آپ کی بدولت ہوئی اور جو صبح ہوئی تھی وہ بھی آپ کی بدولت ہوئی تھی، ہم آپ کی بدولت زندہ ہیں اور آپ کی بدولت مرتے ہیں، آخر میں آپ کی طرف ہمارا ٹھکانہ ہوگا۔

ایسا شخص محروم نہیں ہوگا

جب بندہ صبح شام اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محروم کر دیں گے؟ ایسا بندہ کبھی محروم نہیں ہوسکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں ان کا اہتمام کریں، خود بھی ان کو یاد کریں اور اپنے بچوں کو بچپن سے ان اذکار کے پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ان دعاؤں پر کبھی کبھی ترجمہ کے ساتھ غور کیا کریں کہ معانی کی عجیب کائنات ان کے اندر پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿
✿

بیت الخلاء میں داخل ہونے

اور نکلنے کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا

اور

اس کی حکمتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ
دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)
آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ
النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین
والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین۔

تمہید

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں: ان دعاؤں کی تھوڑی تھوڑی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، ان میں سے پہلی دعا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیدار ہوتے وقت پڑھنا منقول ہے، اس کی تھوڑی سی تشریح پچھلے جمعہ میں عرض کی تھی۔ (افسوس کہ یہ دعا ریکارڈ ہونے سے رہ گئی، اس وجہ سے قلم بند نہ ہوسکی۔ میمن)

بیت الخلاء میں جانے کی دعا

بیدار ہونے کے بعد عام طور پر انسان کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ تلقین فرمائی ہے کہ جب آدمی قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جانے لگے تو داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

(بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الخلاء)

اے اللہ! میں خبیث مذکر مخلوقات سے اور خبیث مؤنث مخلوقات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

دین اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ ان مواقع پر جہاں پر انسان ذکر کرتے ہوئے شرماتا ہے، وہاں کے لئے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نہ کوئی دعا اور کوئی نہ کوئی ذکر تلقین فرمایا ہے، تاکہ اس موقع پر بھی انسان کا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ قائم رہے۔

خبیث مخلوقات سے پناہ مانگنے کی حکمت

اس دعا میں خبیث مذکر اور خبیث مؤنث مخلوقات سے پناہ مانگنے کی جو تلقین فرمائی گئی ہے، اس کی حکمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمائی کہ:

ان ھذہ الحشوش محتضرۃ فاذا اتی احدکم الخلاء فلیقل اعوذ باللّٰہ من الخبث والخبائث

(ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب مایقول الرجل اذا دخل الخلاء)

یعنی وہ مقامات جہاں انسان قضاء حاجت کے لئے جاتا ہے، وہ شیاطین کی

آماجگاہ ہوتے ہیں، کیونکہ شیاطین عام طور پر گندے اور ناپاک مقامات پر پائے جاتے ہیں، اور چونکہ یہ خود خبیث مخلوق ہے، اس لئے گندی جگہ کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تم ان گندے مقامات پر جاؤ تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ، کیونکہ وہ شیاطین بسا اوقات تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

شیاطین کا جسمانی نقصان پہنچانا

اب سوال یہ ہے کہ یہ شیاطین انسان کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس کی تفصیل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی، لیکن دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین جسمانی طور پر بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور روحانی طور پر بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جسمانی نقصان یہ پہنچا سکتے ہیں کہ تمہیں ظاہری گندگی میں ملوث کر دیں اور اس کے نتیجے میں تمہارے کپڑے اور جسم ناپاک ہو جائیں۔ اور بعض اوقات جسمانی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں، چنانچہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شیاطین نے ان گندے مقامات پر باقاعدہ کسی انسان پر حملہ کیا اور بالآخر اس کو موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ بہرحال! ان مقامات پر اس بات کا احتمال ہے کہ شیاطین کی طرف سے انسان کی صحت کو نقصان پہنچانے والے کام سرزد ہوں۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے جراثیم شیاطین ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں، لہٰذا ان مقامات پر انسان کی صحت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے اور جسمانی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔

روحانی نقصان پہنچانا

اس کے علاوہ شیاطین روحانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ ان مقامات پر شیاطین موجود ہوتے ہیں اور انسان وہاں پر ستر کھلا ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، اس وقت شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے، غلط قسم کے خیالات، غلط قسم کی خواہشات، غلط قسم کی آرزوئیں انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، چنانچہ ان مقامات پر انسان کے سفلی جذبات، سفلی خواہشات زیادہ زور دکھاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی پناہ شامل حال نہ ہو تو انسان ان مقامات پر گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے تم اللہ جل شانہ کی پناہ میں آ جاؤ اور یہ کہو کہ یا اللہ! میں ایسی جگہ پر جا رہا ہوں جہاں شیاطین کا اجتماع ہوگا اور جہاں شیاطین انسان کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں تاکہ ان شیاطین کے شر سے محفوظ رہوں۔

اس دعا کا دوسرا فائدہ

اس دعا کے پڑھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گئے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ جڑ گیا، اس گندی حالت میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے ہے، اس کے

نتیجے میں وہ انشاء اللہ وہاں پر گناہوں سے اور غلط کاموں سے محفوظ رہے گا۔

بایاں پاؤں پہلے داخل کرنا

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سنت قرار دیا کہ جب آدمی بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بایاں پاؤں اندر داخل کرے اور اندر داخل ہونے سے پہلے وہ دعا پڑھ لے جو اوپر گزری۔

بیت الخلاء سے نکلتے وقت کی دعا

پھر انسان جب فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر نکلے تو اس وقت کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دعا تلقین فرمائی اور دوسرا ادب بیان فرمایا۔ وہ یہ کہ جب باہر نکلنے لگو تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالو اور پھر یہ دعا پڑھو:

غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

(ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب مايقول اذا خرج من الخلاء)

"غُفْرَانَكَ" کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ کس چیز سے مغفرت مانگتا ہوں؟ اس لئے کہ اس موقع پر بظاہر کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر دو باتوں سے مغفرت مانگتا ہوں۔ ایک اس بات سے کہ اس وقت میں جس حالت میں تھا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلط عمل سرزد ہو گیا ہو، اس سے مغفرت مانگتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم

سے مجھ پر جتنے انعامات فرمائے ہیں، میں ان انعامات پر شکر کا حق ادا نہیں کر پایا، اب ایک نعمت اور مجھے حاصل ہوگئی ہے۔

جسم سے گندگی کا نکل جانا نعمت ہے

کیونکہ جسم سے نجاست کا نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ اب اس وقت اے اللہ! آپ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس نعمت کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، اس پر میں آپ سے پہلے ہی مغفرت مانگتا ہوں۔

مغفرت مانگنے کے بعد یہ دعا فرمائی:

الحمدللّٰہ الذی أذھب عنّی الأذی و عافانی

یعنی اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ سے گندگی کو دور کر دیا اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔ اگر اس دعا میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اس مختصری دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معانی کی عظیم کائنات بیان جمع فرما دی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری دعا بھی منقول ہے جس میں اس سے زیادہ وضاحت ہے۔

دوسری دعا

وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے واپس تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَہٗ وَاَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَہٗ وَاَذْھَبَ عَنِّیْ اَذَاہُ۔ (کنزالعمال، حدیث نمبر ۱۷۸۷۷)

اس دعا میں عجیب وغریب فقرے ہیں، ایسے فقرے کہنا پیغمبر کے علاوہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کھانے کی لذت عطا فرمائی اور اس کھانے میں جو قوت والے اجزاء تھے اور جو میرے جسم کو طاقت بخش سکتے تھے، وہ اجزاء میرے جسم میں باقی رکھے اور جو اجزاء تکلیف دہ اور گندے تھے، وہ میرے جسم سے دور کر دیے۔ آپ غور کریں کہ انسان دن رات یہ کام کرتا رہتا ہے لیکن اس کے نعمت ہونے کی طرف دھیان نہیں جاتا۔

زبان کے ذائقے کیلئے کھاتے ہیں

ہم جب کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے پیش نظر صرف زبان کا ذائقہ اور لذت ہوتی ہے، کھاتے وقت اس طرف دھیان نہیں ہوتا کہ یہ کھانا ہمارے اندر جا کر کیا فساد مچائے گا، چنانچہ جس چیز کے کھانے کو دل چاہا، لسٹم پسٹم کھالیا، روٹی بھی کھالی، گوشت بھی کھالیا، چاول بھی کھالئے، پھل بھی کھالئے، میٹھی چیز بھی کھالی، کبھی چٹخارے دار چیز بھی کھالی، سب کچھ منہ کے ذریعہ اندر جارہا ہے، لیکن کچھ پتہ نہیں کہ یہ سب کچھ اندر جا کر کیا فساد مچائے گا۔ اب اگر آپ ان اشیاء کا تجزیہ کریں جن کو آپ بغیر سوچے سمجھے کھاتے رہے ہیں تو یہ نظر آئے گا کہ کسی چیز کا جسم پر کوئی اثر ہے اور کسی چیز کا جسم پر کوئی اثر ہے۔

جسم کے اندر خودکار مشین لگی ہوئی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر انسان کے جسم میں خودکار مشین لگائی ہوئی ہے، وہ مشین تمہارے کھانے کے تمام اجزاء کا تجزیہ کرتی ہے، جو اجزاء جسم کے لئے نقصان دہ ہیں، ان کو الگ کرتی ہے، اور جو اجزاء فائدہ مند ہیں، ان کو الگ کرتی ہے، اگر یہ مشین خراب ہو جائے تو تمہارے لئے آج ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے باوجود اور لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کرانے کے باوجود بھی یہ فیصلہ کرانا آسان نہ ہوتا کہ کون سے اجزاء تمہارے لئے مفید ہیں اور کون سے اجزاء تمہارے لئے مضر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم کے اندر جو مشین رکھی ہے، وہ مشین خود ٹیسٹ کرتی ہے اور اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جو کچھ اس بے وقوف انسان نے کھایا ہے، اس نے تو صرف اپنی زبان کے ذائقے کی خاطر کھالیا ہے، اس غذا کے کتنے حصے سے خون بنانا ہے اور کتنے حصے سے ہڈیوں کو طاقت پہنچانی ہے، کتنے حصے سے گوشت بنانا ہے، کتنے حصے سے بینائی کو تقویت دینی ہے، کتنے حصے سے بالوں کو تقویت دینی ہے اور بالوں کو لمبا اور سیاہ کرنا ہے۔ یہ خودکار مشین اس غذا کے ہر حصے کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتی ہے۔

جسم کے اجزاء اور ان کے کام

اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس غذا میں کون سے اجزاء مضر ہیں کہ اگر وہ اجزاء جسم کے اندر رہ گئے تو وہ اجزاء اس آدمی کو

بیمار کر دیں گے اور یہ بیماریوں کا شکار ہو جائے گا، پھر ان مضر اجزاء کو یہ مشین الگ کرتی ہے۔ اس پوری مشین کے ہر حصے نے اپنا اپنا کام الگ الگ تقسیم کر رکھا ہے، مثلاً معدہ کھانے کو ہضم کرتا ہے، جگر خون بناتا ہے، گردہ یہ کام کرتا ہے کہ جسم کو جتنے پانی کی ضرورت ہے، اس کو باقی رکھتا ہے اور باقی زائد پانی کو پیشاب بنا کر خارج کرتا ہے، آنتیں سارے فضلے کو جمع کر کے خارج کرتی ہیں۔ اور ہر انسان کے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسا سیورج نظام قائم فرما دیا ہے کہ آج کی بڑی سے بڑی سائنس کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ایسا سیورج نظام قائم کر دے، یہ نظام اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی طلب کے بغیر، محنت کے بغیر اور اس کے لئے پیسے خرچ کئے بغیر دے رکھا ہے۔

اگر گردہ فیل ہو جائے تو!

اگر اس مشین کے کسی پرزے میں ذرا سی خرابی پیدا ہو جائے، مثلاً گردہ فیل ہو گیا اور باقی سب پرزے صحیح کام کر رہے ہیں، جگر بھی صحیح کام کر رہا ہے، دل بھی صحیح ہے، معدہ بھی صحیح ہے، آنتیں بھی صحیح کام کر رہی ہیں، صرف گردہ فیل ہو گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشین جو سیال اشیاء میں سے مفید اجزاء کو باقی رکھنے کے لئے اور مضر اجزاء کو خارج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، وہ مشین کام نہیں کر رہی ہے، اب جب ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ہر ہفتہ میں تین مرتبہ ڈائی لیسز (گردوں کی صفائی) کرانا ہوگا، اس کے نتیجے میں تھوڑا بہت اس کا تدارک ہو جائے گا، اور ایک ڈائی لیسز پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگا، جس کا

مطلب یہ ہے کہ گردہ کے عمل کو صرف اس حد تک برقرار رکھنے کے لئے کہ انسان زندہ رہ سکے، اس پر ایک ہفتہ میں ہزار ہا روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

یہ مشین ہر ایک کو حاصل ہے

لیکن اللہ جل شانہ نے ہر انسان کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو، ہر ایک کو یہ مشین دے رکھی ہے، یہ خودکار مشین ہے جو بغیر مانگے ہوئے اور بغیر پیسہ خرچ کئے ہوئے دے رکھی ہے۔ اس مشین کا ہر جز اپنا اپنا کام رہا ہے اور اس کام کرنے کے نتیجے میں جو اجزاء قوت والے اور جسم کے لئے فائدہ مند ہیں، ان کو محفوظ رکھ رہا ہے اور جو بے فائدہ ہیں ان کو پیشاب پاخانہ کے ذریعہ خارج کر رہا ہے۔

قضاء حاجت کے بعد شکر ادا کرو

اس لئے جب تم قضاء حاجت سے فارغ ہو تو اس پر شکر ادا کرلو اور کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

دیکھئے! یہ کام ایک مسلمان بھی کرتا ہے اور ایک کافر بھی کرتا ہے، لیکن مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تم بیت الخلاء سے باہر نکلو تو ذرا اس کا تصور کرلیا کرو کہ یہ نجاست، یہ گندگی، یہ تکلیف دہ اجزاء، اگر میرے جسم سے خارج نہ ہوتے بلکہ اندر ہی رہ جاتے تو نہ جانے یہ میرے جسم کے اندر کیا خرابیاں اور کیا بیماریاں پیدا کرتے، اے اللہ! آپ کا شکر ہے اور آپ کا فضل و کرم ہے کہ آپ نے مجھ سے یہ گندگی دور فرما دی اور مجھے عافیت عطا فرما دی۔

ذرا دھیان سے یہ دعائیں پڑھ لو

اگر ہر مسلمان روزانہ بیت الخلاء جاتے وقت داخل ہونے کی دعا پڑھے اور نکلتے وقت خارج ہونے کی دعا پڑھے اور اس دھیان کے ساتھ پڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے تو کیا اس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کی عظمت اور محبت پیدا نہیں ہوگی؟ کیا اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا نہیں ہوگی کہ جو مالک بے نیاز میرے جسم میں اتنی قیمتی مشینیں لگا کر میرے لئے یہ کام کرا رہا ہے، کیا میں اس کے حکم کی نافرمانی کروں؟ کیا میں اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاؤں؟ کیا میں اس کی مرضی کے خلاف زندگی گزاروں؟ کیا میں اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال کروں؟ اگر انسان یہ تصور کرنے لگے تو پھر کبھی گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لو، یہ کوئی منتر نہیں ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے اور معانی کی پوری کائنات ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا ان دعاؤں کو پڑھنے کی عادت ڈالئے اور اس تصور کے ساتھ پڑھیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وضو

ظاہری اور باطنی پاکی کا ذریعہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَاِنِّى قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (سورة البقرة، آیت ۱۸۶)
آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم
وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی
ذٰلک من الشاھدین والشاکرین
والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، وہ اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کا احساس اور اس کے ساتھ تعلق کو قوی کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی تشریح گزشتہ چند جمعوں سے شروع کی ہے۔ جب انسان صبح کے وقت بیدار ہو، اس وقت کیا دعا پڑھے؟ اور جب آدمی اپنی طبعی ضرورت کے لئے بیت الخلاء جائے تو اس وقت کیا دعا پڑھے؟ اور وہاں سے جب باہر نکلے تو اس وقت کیا دعا پڑھے؟ ان دعاؤں کی تشریح پچھلے جمعوں میں عرض کر دی۔

سب سے پہلے نماز کی تیاری

جب آدمی اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلے وضو کرے، اگر صبح صادق سے پہلے اٹھنے کی توفیق ہوئی ہے تو وضو کر کے تہجد کی نیت سے چند رکعات ادا کرلے، اور اگر فجر کے وقت بیدار ہوا ہے تو مسلمان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز ادا کرے اور نماز کی ادائیگی کے لئے پہلے وضو کرے۔

وضو کا ظاہری اور باطنی پہلو

اس وضو کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی پہلو ہے۔ اس کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ انسان کے ہاتھ منہ صاف ہو جائیں اور اس کا میل کچیل دور ہو جائے۔ اس مقصد کے تحت تو سب انسان ہاتھ منہ دھوتے ہیں، چاہے وہ مسلمان ہو، چاہے وہ کافر ہو۔ وضو کا باطنی پہلو یہ ہے کہ جس طرح وضو سے ظاہری اعضاء دھل رہے ہیں اور ان اعضاء کا میل کچیل دور ہو رہا ہے اور صفائی حاصل ہو رہی ہے اسی طرح جب یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہو رہا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو رہا ہو اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہو رہا ہو تو اس عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن کے اندر ایک روحانیت اور نورانیت پیدا فرما دیتے ہیں اور قلب میں ایمان کا نور پیدا فرما دیتے ہیں اور اتباع سنت کی برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ وضو کے یہ دو

فائدے ہیں۔

تیمّم میں باطنی پہلو موجود ہے

چنانچہ اگر کسی وقت انسان کو وضو کے لئے پانی نہ ملے یا پانی تو ہے لیکن بیماری کی وجہ سے وہ پانی استعمال نہیں کرسکتا، تو اس وقت شریعت کا حکم یہ ہے کہ وضو کے بجائے تیمم کرلو، یعنی مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھ پر پھیرلو۔ اس تیمّم میں ہاتھ اور چہرے کی ظاہری صفائی کا تو کوئی پہلو نہیں ہے، بلکہ الٹا ہاتھ اور چہرے پر مٹی لگا رہے ہیں، لیکن باطنی پہلو پھر بھی موجود ہے، وہ یہ کہ اس تیمم کے ذریعہ باطن کے اندر روحانیت اور نورانیت پیدا ہو رہی ہے اور دل میں ایمان کا نور حاصل ہو رہا ہے۔

صرف ظاہری صفائی مقصود نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے ذریعہ محض ہاتھ منہ کو ظاہری میل کچیل سے صاف کرلینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ چیز مقصود ہوتی تو اللہ تعالیٰ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم نہ دیتے، بلکہ یہ حکم دیتے کہ ایسی صورت میں اسپنج کرلیا کرو اور اپنے تولئے کو پانی سے بھگو کر منہ اور ہاتھ پر پھیرلیا کرو، تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے ہاتھ منہ کا میل کچیل دور ہو جائے، لیکن اللہ جل شانہ نے اس صورت میں اسپنج کا حکم دینے کے بجائے تیمم کا حکم دیا۔

روح کی صفائی بھی مقصود ہے

اب بظاہر تو یہ بات الٹی معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ اگر پانی سے منہ دھوتے تو ہاتھ منہ کی مٹی دور ہوتی، اور اب تیمم کا حکم دے کر یہ کہا جا رہا ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھ پر پھیرلو۔ اس کے ذریعہ یہ حقیقت بتلانی مقصود ہے کہ نہ پانی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ وضو کی کوئی حقیقت ہے، بلکہ اصل بات ہمارے حکم کی اتباع میں ہے، جب ہم نے یہ حکم دیا کہ پانی استعمال کرو تو وہ پانی تمہارے لئے پاکی، صفائی، نورانیت اور روحانیت کا سبب بن گیا اور جب ہم نے یہ کہا کہ مٹی استعمال کرو تو وہی مٹی جو بظاہر دیکھنے میں انسان کو میلا بناتی ہے لیکن وہ تمہاری روح کو پاک و صاف کر دے گی اور تمہارے باطن کے اندر نور پیدا کر دیگی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو کا اصل مقصد صرف ہاتھ منہ کی صفائی نہیں ہے بلکہ روح کی صفائی بھی مقصود ہے۔

وضو کی حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ

چنانچہ آجکل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کرنے کا جو حکم دیا تھا، اس کا مقصود ظاہری صفائی حاصل کرنا تھا، اور وضو میں پاؤں دھونے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس زمانے میں عرب کے لوگ کاشتکاری کا کام کرتے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے پاؤں میلے ہو جاتے تھے، اب تو آدمی صاف ستھرا رہتا ہے، ہر وقت موزے اور بوٹ پہنے ہوئے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے پاؤں کو مٹی لگتی ہی نہیں، لہٰذا اگر ہم

پاؤں نہ دھوئیں یا جو کپڑے کے موزے ہم نے پہنے ہوئے ہیں، اس کے اوپر مسح کرلیں تو مقصد حاصل ہو جائے گا، پھر پاؤں دھونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ باتیں وضو کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنیاد پر کہی جاتی ہیں، اس لئے کہ لوگ وضو کی حقیقت صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں صاف ہو جائیں۔

ورنہ نیت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی

یاد رکھئے! صرف ہاتھ پاؤں کا صاف ہو جانا تنہا یہ مقصد نہیں ہے، کیونکہ اگر تنہا یہ مقصد ہوتا تو پھر شرعاً یہ حکم نہ ہوتا کہ جب آپ نے ایک مرتبہ اچھی طرح منہ ہاتھ دھو لئے، لیکن وضو کی نیت نہیں کی تو وضو کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں تو صاف ہو گئے اور وضو بھی ہو گیا، لیکن وضو کے انوار و برکات حاصل نہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف ہاتھ پاؤں کا صاف ہونا تنہا یہ مقصود نہیں۔

دوبارہ وضو کرنے کا حکم کیوں؟

اسی طرح اگر کسی شخص نے نیت کر کے وضو کیا اور ہاتھ پاؤں اچھی طرح دھو لئے، لیکن وضو کرنے کے بعد ہی وضو ٹوٹ گیا، اب شریعت کا حکم یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرلو۔ اگر صرف ہاتھ پاؤں کی صفائی مقصود ہوتی تو دوبارہ وضو کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، کیونکہ ابھی ابھی تو اس نے وضو کیا ہے اور مکمل صفائی حاصل کی ہے، لیکن حکم یہ ہے کہ اگر وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرو۔ اس لئے کہ صرف ظاہر کی صفائی مقصود نہیں، بلکہ باطن کی صفائی بھی مقصود ہے، اور باطن کی

صفائی یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر ہر لمحے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا تابع بن جائے، اس کے حکم کا فرمانبردار بن جائے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ اس طرح پیدا ہو جائے کہ جب اس کا حکم آ جائے گا تو میں اس کے حکم کے آگے سر جھکا دوں گا، چاہے وہ حکم میری سمجھ میں آ رہا ہو یا سمجھ میں نہ آ رہا ہو، اس حکم کی عقلی حکمت معلوم ہو یا معلوم نہ ہو، اسی کا نام باطن کی صفائی ہے۔

حکم ماننے سے روحانیت مضبوط ہوگی

لہٰذا اگر کسی نے ابھی وضو کیا اور وضو کرتے ہی وضو ٹوٹ گیا، تو اب اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ نیا وضو کرو، حالانکہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے، کیونکہ ابھی ابھی تو وضو کر کے بیٹھے ہیں، ابھی ابھی تو لئے سے ہاتھ منہ صاف کئے ہیں، اب دوبارہ وضو کرنے سے کیا حاصل؟ لیکن عقل میں اس حکم کی حکمت نہ آنے کے باوجود جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہ کام کرے گا تو اس کے باطن میں اتباعِ سنت کا نور پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے جذبے کے نتیجے میں اس کی روحانیت مضبوط ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا۔

پاکی اور صفائی میں فرق

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکی اور صفائی دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہ بات درست نہیں، پاکی اور صفائی میں فرق ہے، اسلام میں پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے، تنہا صفائی سے کام نہیں چلے گا، لہٰذا اگر آپ

نے صفائی تو حاصل کر لی لیکن پاکی حاصل نہیں کی تو مقصود حاصل نہیں ہوا، کیونکہ ''پاکی'' کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ یہ پاک ہے تو وہ پاک ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ یہ کہہ دیں کہ یہ ناپاک ہے تو وہ ناپاک ہے، لہٰذا اگر کوئی چیز دیکھنے میں کتنی ہی صاف نظر آ رہی ہو، لیکن اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ چیز پاک نہیں تو مقصود حاصل نہیں ہوا۔

خنزیر صاف ہونے کے باوجود ناپاک ہے

دیکھئے! خنزیر کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ وہ ناپاک ہے۔ اب آج کل جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں وہ خنزیر کی بہت صاف ستھرے فارم میں پرورش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ دیکھنے میں بڑا صاف ستھرا نظر آتا ہے، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ خنزیر سر سے لے کر پاؤں تک ناپاک ہے، چاہے وہ دیکھنے میں کتنا ہی صاف ستھرا نظر آ رہا ہو، لہٰذا وہ صاف تو ہے لیکن پاک نہیں ہے۔

شراب صاف ہونے کے باوجود ناپاک ہے

دیکھئے! شراب کو اللہ تعالیٰ نے ناپاک قرار دیا ہے اور بالکل اسی طرح ناپاک ہے جس طرح پیشاب ناپاک ہے، اب وہ شراب دیکھنے میں بظاہر صاف ستھری ہے، صاف شفاف خوبصورت بوتلوں میں رکھی ہوئی ہے، اور باقاعدہ لیبارٹریز میں ٹیسٹ کی ہوئی ہے کہ اس میں کوئی مضر صحت جراثیم موجود

نہیں ہیں، لیکن ان سب کے باوجود وہ شراب ''پاک'' نہیں، اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے فرما دیا کہ یہ ناپاک ہے، اب بندہ کا کام یہ ہے کہ اس کو ناپاک ہی سمجھے۔

وہ پانی ناپاک ہے

یا مثلاً ایک بالٹی پانی کی بھری ہوئی ہے، اس بالٹی میں ایک قطرہ پیشاب کا گر گیا، دیکھئے! پیشاب کے ایک قطرے کے گرنے سے بظاہر بالٹی کے پانی کے صاف ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر اسی بالٹی کے پانی سے کوئی کپڑا دھوئے گے تو وہ کپڑا بالکل صاف ستھرا ہو جائے گا، لیکن وہ کپڑا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پاک نہیں ہوگا، چنانچہ اگر اس کو پہن کر نماز پڑھوگے تو نماز نہیں ہوگی۔

پاکی اور صفائی دونوں مطلوب ہیں

اور اگر ایک کپڑے میں پیشاب کا قطرہ لگ گیا اور آپ نے اس کپڑے کو تین مرتبہ پانی سے دھولیا تو وہ کپڑا پاک ہو جائے گا، اگرچہ وہ میلا ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا وہ کپڑا صاف تو نہیں ہے لیکن پاک ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صاف چیز پاک ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر پاک چیز صاف بھی ہو، دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اسلام میں دونوں چیزیں مطلوب ہیں، پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جمعہ کے روز طہارت

بھی حاصل کرو، غسل کرو، وضو کرو، پاک کپڑے پہنو، لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ جتنا ہو سکے انسان جمعہ کے دن صاف کپڑے پہن کر مسجد میں آئے، میلے کچیلے کپڑے پہن کر نہ آئے، تاکہ ساتھ بیٹھنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ لہٰذا اسلام میں پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے اور ایک کو حاصل کرنے سے دوسرا حاصل نہیں ہوتا، وضو کے اندر اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں رکھی ہیں، اس میں پاکی بھی ہے اور صفائی بھی ہے۔

انگریزوں کی ظاہری صفائی کی حقیقت

یہ انگریز اور مغربی ممالک کے لوگ دیکھنے میں بڑے صاف ستھرے نظر آتے ہیں اور ساری دنیا پر ان کی صفائی ستھرائی کا رعب جما ہوا ہے، لیکن اگر ان کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ ان کے یہاں پاکی کا کوئی تصور نہیں، چنانچہ جب وہ لوگ قضاء حاجت سے فارغ ہوتے ہیں تو اس کے بعد پانی کے استعمال کا کوئی تصور نہیں، صرف ٹائیلٹ پیپر سے اپنی نجاست صاف کر لیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ انسان ٹائیلٹ پیپر سے کس حد تک نجاست کو صاف کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی نے بہت زیادہ صفائی حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے یہ کیا کہ غسل کرنے کے ٹب میں پانی بھر کے اسی گندگی اور ناپاکی کی حالت میں جا کر بیٹھ گیا اور اسی میں بیٹھ کر صابن بھی لگا لیا، اب اس ٹب کا پانی صابن اور نجاست کا مکسچر بن گیا اور اسی مکسچر میں اس نے دو چار غوطے لگا لئے، غوطے لگانے کے نتیجے میں ظاہری طور پر جسم پر

سے میل کچیل صاف ہوگیا۔ اور اگر کسی کو اس سے زیادہ صفائی کا خیال آیا تو اس نے شاور لے لیا اور اس سے اپنے بدن کو دھولیا، لیکن اکثر شاور کی نوبت نہیں آتی، بلکہ اسی حالت میں ٹب سے نکل کر جسم خشک کرلیا اور پاؤڈر اور کریم لگا کر ظاہری ٹیپ ٹاپ کر کے غسل خانے میں سے باہر آ گئے اور صاف ستھرے ہوگئے، یہ ہے ان انگریزوں کی صفائی کی حقیقت۔

مسلمانوں میں پاکی اور صفائی کا اہتمام

لیکن اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو دونوں چیزوں کا ایک ساتھ حکم دیا، طہارت کا بھی حکم دیا اور نظافت کا بھی حکم دیا، فرمایا کہ پاک بھی رہو اور صاف ستھرے بھی رہو۔ اسی لئے اللہ جل شانہ نے استنجاء کرنے کا ایسا طریقہ مقرر فرمایا کہ گندگی سے پاکی حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ آپ اگر مسلمانوں کے علاقوں کے علاوہ دنیا کے جس علاقے میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو قضاء حاجت کے بعد صفائی ستھرائی حاصل کرنے کا ایسا انتظام نہیں ملے گا جو مسلمانوں کے ہاں آپ کو نظر آئے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دونوں باتوں کا حکم دیا ہے، طہارت کا بھی اور صفائی کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یہ نعمت مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

ایک یہودی کا اعتراض اور اسکا جواب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کرنے کی عملی صورتیں صحابہ کرامؓ کو سکھائیں، یہاں تک کہ ایک یہودی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے بطور اعتراض کے یہ کہنے لگا کہ:

علمكم نبيكم كل شئى حتى الخراء

یعنی تمہارے نبی ﷺ بھی بڑے عجیب ہیں کہ تمہیں گندی باتیں بھی سکھاتے ہیں کہ بیت الخلاء میں کس طرح داخل ہوں اور کس طرح فارغ ہوں۔ اس نے یہ بات اعتراض کے طور پر کہی کہ نبی کی شان تو بڑی ہوتی ہے، وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں کیوں الجھتے ہیں۔ جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اجل

یعنی ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ قضاء حاجت کا طریقہ بھی سکھایا ہے، کیونکہ ہمارے نبی ہمارے اوپر شفیق باپ کی طرح ہیں، ماں باپ جس طرح بچے کو دوسری باتیں سکھاتے ہیں، اسی طرح بچے کو یہ بھی سکھاتے ہیں کہ قضاء حاجت کیسے کی جائے اور پاکی کیسے حاصل کی جائے۔

قضاء حاجت کے بارے میں حضور ﷺ کی تعلیم

چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ جب قضاء حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلے کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھو اور نہ ہی قبلے کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔ اور ہمیں حکم فرمایا کہ تین پتھر استعمال کرو۔ اس زمانے میں پتھر استعمال ہوتے تھے۔ اور ہمیں وہ چیزیں بتائیں کہ ہم کس چیز سے استنجاء کر سکتے

ہیں اور کس چیز سے استنجاء نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تم تو ان چیزوں پر اعتراض کر رہے ہو لیکن ہمارے لئے یہ باعث فخر ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ سب باتیں بتائی ہیں اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ایسا جامع دین عطا فرمایا ہے۔

وضو سے ظاہری اور باطنی پاکی حاصل ہوتی ہے

بہرحال! جو وضو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے، یہ محض ہاتھ منہ صاف کرنے کا ذریعہ نہیں، بیشک اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ہاتھ منہ صاف ہوتے ہیں، اور جو شخص دن میں پانچ مرتبہ وضو کرے گا، اس کے جسم پر گندگی نہیں رہے گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ وضو ایک روحانی عمل بھی ہے جس کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جارہی ہے، باطن کا تزکیہ کیا جارہا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کے وقت تمہاری زبان پر ذکر ہونا چاہئے، تاکہ باطن کی صفائی پختہ اور مستحکم اور دیرپا ہو جائے، چنانچہ فرمایا کہ وضو کرتے وقت بلاضرورت باتیں مت کرو اور یہ کوشش کرو کہ جتنا وقت وضو میں لگ رہا ہے، وہ وقت بھی اللہ کے ذکر میں صرف ہو۔ چنانچہ احادیث میں وضو کے دوران جو اذکار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، ان کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

آج کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم وضو کرنے بیٹھو تو اس وقت ذرا دھیان اور توجہ کو اس طرف لگاؤ کہ جو کام میں شروع کر رہا ہوں، اس سے صرف ظاہری اعضاء ہی کی صفائی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

میرے باطن کو بھی صاف کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا مجھے یہ کام سنت کے مطابق کرنا چاہئے، تاکہ یہ دونوں مقصد ایک ساتھ حاصل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ'' کیوں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ
النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین
والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، گزشتہ چند جمعوں سے ادعیہ ماثورہ کا ذکر چل رہا ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ وضو کے اندر دو پہلو ہیں، ایک پہلو اعضاء کی ظاہری صفائی کا ہے اور دوسرا پہلو باطنی طہارت کا ہے، یعنی وضو سے صرف وضو کے اعضاء ہی صاف نہیں ہوتے بلکہ وضو سے ایک باطنی طہارت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ وضو کرنے والے کے دل اور روح کے اندر ایک نور پیدا کر دیتے ہیں۔

وضو سے باطنی نور بھی مقصود ہے

ایک شخص مسلمان نہیں ہے، وہ اگر وضو کے سارے کام کرے، مثلاً ہاتھ دھوئے، کلی کرے، ناک صاف کرے، منہ دھوئے، سر کا مسح کرے، پاؤں بھی دھوئے، تو اس کے نتیجے میں صفائی تو حاصل ہو جائے گی، لیکن اس وضو کا نور اور اس کی روحانی برکات اس کو حاصل نہیں ہوں گی۔ لہٰذا مسلمان کو

جو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ نماز سے پہلے وضو کرے، اس کا مقصد محض ظاہری بدن کی صفائی نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس وضو کے ذریعہ اس کے باطن میں اور اس کی روح میں ایک نور اور برکت پیدا ہو اور اس کے باطن کی بھی صفائی ہو جائے۔

وضو کی نیت کریں

اس باطن کی صفائی کے لئے ضروری ہے کہ انسان وضو کرنے سے پہلے نیت کرے، کیونکہ اگر کسی شخص نے وضو کی نیت کے بغیر ہاتھ پاؤں دھو لئے تو اگرچہ وضو ہو جائے گا، لیکن چونکہ یہ نیت نہیں تھی کہ میں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کر رہا ہوں، اس لئے باطنی انوار و برکات اس وضو کے ذریعہ حاصل نہیں ہوں گے۔ لہٰذا سب سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔

وضو سے پہلے "بسم اللہ" پڑھیں

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ وضو کرنے سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وضو کرے، یعنی بسم اللہ پڑھ کر وضو کرے تو یہ وضو اس کے جسم کے تمام اعضاء کی طہارت کا سبب بن جائے گا، اور اگر کوئی شخص "بسم اللہ" پڑھے بغیر وضو کریگا تو صرف وہی اعضاء صاف ہوں گے جن کو اس نے وضو میں دھویا ہے۔ اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنے کو جو سنت قرار دیا گیا ہے، وہ اس لئے ہے تاکہ وضو سے پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔

''بسم اللہ'' ظاہری اور باطنی نور کا ذریعہ ہے

آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ایک شخص وضو سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھ لے تو اس میں کونسی محنت خرچ ہوتی ہے، کونسی اس میں مشقت ہوتی ہے، کونسا اس میں وقت خرچ ہوتا ہے، کونسا اس میں پیسہ خرچ ہوتا ہے، لیکن یہ چھوٹا سا عمل انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کی طہارت اور نور کا سبب بن جاتا ہے۔ بعض اوقات دھیان نہ کرنے کی وجہ سے ہم لوگ اس قسم کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں، اس لئے وضو شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

وضو گناہوں کی صفائی کا ذریعہ بھی ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی ''بسم اللہ'' پڑھ کر وضو کرتا ہے تو جس وقت وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے سے اس نے جو گناہ صغیرہ کئے ہوتے ہیں، وہ سب چہرہ دھونے سے دھل جاتے ہیں۔ اب ظاہر میں تو ہمیں یہ نظر آ رہا ہے کہ وضو کے ذریعہ چہرے کا گرد و غبار اور میل کچیل دھل گیا اور چہرہ صاف ستھرا ہو گیا، لیکن جو چیز ہمیں نظر نہیں آ رہی ہے، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب تم چہرہ دھوتے ہو تو تمہارے چہرے سے جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں، وہ بھی ساتھ میں دھل

جاتے ہیں، اور جب تم ہاتھ دھوتے ہو تو تمہارے ہاتھ سے جتنے گناہ ہوئے ہیں وہ بھی دھل جاتے ہیں، اور جب تم سر کا مسح کرتے ہو تو اس کے ساتھ تمہارے سر کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور جب تم کانوں کا مسح کرتے ہو تو اس کے ساتھ تمہارے کانوں کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور جب تم پاؤں دھوتے ہو تو جن گناہوں کی طرف تم پاؤں سے چل کر گئے، ہو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتے ہیں، یہاں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان وضو کرکے فارغ ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو چکا ہوتا ہے۔

صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

لیکن اس حدیث میں جن گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، وہ صغیرہ گناہ ہیں، لیکن کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اسی طرح جو گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوں، مثلاً کسی بندہ کا حق پامال کیا ہو تو وہ اس بندے سے اپنا حق معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ ہر وضو میں تمہارے صغیرہ گناہ معاف فرما رہے ہیں، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا:

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْماً ۝

(سورۃ النسآء، آیت ۳۱)

یعنی اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو جو تمہارے چھوٹے گناہ ہیں، ان کا کفارہ ہم خود کرتے رہیں گے اور ایک باعزت جگہ یعنی جنت میں داخل کریں گے۔ اور دوسری آیت میں چھوٹے گناہوں کی معافی کا ایک قاعدہ بیان فرمایا کہ:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔

(سورۂ ھود، آیت ۱۱۴)

بیشک نیکیاں چھوٹے گناہوں کو دھوتی رہتی ہیں۔

مثلاً کوئی صغیرہ گناہ ہوگیا، اس کے بعد وضو کرلیا تو وہ گناہ معاف ہوگیا، اور نماز کے لئے مسجد کی طرف چلے تو اب ہر ایک قدم پر ایک صغیرہ گناہ معاف ہو رہا ہے، نماز پڑھنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کرتے رہیں گے، بشرطیکہ تم کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں آدمی جب وضو کر رہا ہے تو اس وضو سے صرف جسم کی ظاہری صفائی ہی حاصل نہیں ہو رہی بلکہ اس وضو سے اس کے باطن کی بھی صفائی ہو رہی ہے، اس وضو سے اس کے گناہ بھی معاف ہو رہے ہیں اور اس کے دل میں نور بھی پیدا ہو رہا ہے، اس لئے فرمایا کہ ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ پڑھ کر وضو شروع کرو۔

''بسم اللہ'' کا فائدہ

حدیث شریف میں ''بسم اللہ'' کے سلسلے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ۔

یعنی دنیا یا آخرت کا ہر اہم کام اگر ''بسم اللہ'' سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ادھورا اور ناقص ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور اگر اسی کام کو ''بسم اللہ'' پڑھ کر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کام میں برکت عطا فرمائیں گے اور اس میں دین کا بھی فائدہ ہوگا اور دنیا کا بھی فائدہ ہوگا۔

''بسم اللہ'' پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر کام کرو تو مکمل اور ''بسم اللہ'' کے بغیر کام کرو تو وہ کام ادھورا ہے اور ناقص ہے، حالانکہ دنیا کا ایک کام ہم نے ''بسم اللہ'' کے بغیر کر لیا تو بظاہر دیکھنے میں یہ نظر آ رہا ہے کہ وہ کام پورا ہو گیا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ وہ کام ناقص اور ادھورا ہے۔ اور بعض جگہوں پر ''بسم اللہ'' کو اتنی اہمیت دی کہ اگر وہ کام ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر کر لیا تو وہ کام شرعاً معتبر ہی نہیں۔ مثلاً آپ نے ایک حلال جانور ذبح کیا، لیکن ذبح کے وقت قصداً ''بسم اللہ'' نہیں پڑھی،

اب صرف عقل سے سوچنے والے لوگ تو یہ کہیں گے کہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھنے سے جانور پر کیا فرق پڑا؟ اگر ''بسم اللہ'' پڑھ کر ذبح کرتے، تب بھی رگیں کٹتیں اور اگر ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر ذبح کیا تب بھی رگیں کٹ گئیں اور خون اتنا ہی نکلا، اور شریعت نے جانور کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ خون اس کے جسم میں رہ کر گوشت میں فساد پیدا نہ کرے اور پھر وہ گوشت انسان کی صحت کے لئے مضر نہ ہو۔ یہ مقصد تو بسم اللہ پڑھے بغیر ذبح کرنے سے بھی حاصل ہوگیا، پھر ''بسم اللہ'' نہ پڑھنے سے کیا نقصان ہوا؟

وہ جانور حلال نہیں

لیکن ایسے جانور کے بارے میں قرآن کریم کا صریح ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔

(سورۃ الانعام، آیت ۱۲۱)

یعنی جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو ہرگز مت کھاؤ اور ایسے جانور کو کھانا فسق ہے۔

یعنی ایسے جانور کو کھانا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسے شراب پینا، خنزیر کھانا، زنا کرنا گناہ ہیں۔ اب بظاہر تو ایسا جانور بالکل صاف ستھرا ہے، اس کی ساری رگیں کٹی ہوئی ہیں، خون نکلا ہوا ہے، صرف یہ کہ ذبح کے وقت زبان سے بسم اللہ نہیں پڑھی۔

کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھنے کا اس جانور پر کیا اثر پڑ گیا؟ اگر بسم اللہ پڑھ لیتے تو کیا اس ''بسم اللہ'' کی آواز اس کے کان کے اندر پہنچ جاتی؟ یا یہ ''بسم اللہ'' کوئی منتر ہے کہ اس کے پڑھنے سے وہ حلال ہو جاتا؟

ذبح کے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنے میں عظیم حقیقت

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ ذبح کے وقت ''بسم اللہ'' پڑھنے کا حکم دے کر ایک عظیم حقیقت کی طرف انسان کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ذرا یہ تو سوچو کہ جس جانور کو تم ذبح کر رہے ہو، یہ بھی تو تمہاری طرح جاندار ہے، ہم نے اس کو بھی پیدا کیا اور تمہیں بھی پیدا کیا، تم بھی جاندار ہو اور یہ بھی جاندار ہے، اور جاندار ہونے کی حیثیت سے جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے اور تمہیں کوئی زخمی نہ کرے، اسی طرح جانور بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور کوئی زخم نہ لگائے۔ اور جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تم زندہ رہو، تمہیں موت نہ آئے اور تمہیں ہر وقت موت سے ڈر لگتا ہے، اسی طرح جانور بھی چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہیں، ان کو موت نہ آئے اور ان کو بھی موت سے ڈر لگتا ہے، یہ جانور بھی تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بھی جان ڈالی ہے۔ اگر کوئی شخص تمہارے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کر کے تمہیں کھانا چاہے تو تمہیں کس قدر برا لگے گا اور اس کو تم اپنے اوپر کتنا ظلم سمجھو گے۔

تم جانور کو موت کے گھاٹ کیوں اتار رہے ہو؟

لہٰذا تم اپنے ذبح ہونے کو تو برا سمجھتے ہو اور اپنی موت کو تو تم اتنا مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھتے ہو اور ہماری ہی پیدا کی ہوئی مخلوق کے گلے پر روزانہ چھری پھیر کر اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے ہو، کبھی تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ میں اس مخلوق پر ظلم کر رہا ہوں، یہ مخلوق بھی تو جاندار ہے، لیکن میں نے اپنے ذائقے کی خاطر اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ذرا سوچو کہ تم یہ کیا کام کرنے جا رہے ہو؟ اپنے ذائقے کے خاطر ایک مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہو؟

یہ جانور تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں

اگر اس عمل کا جواز ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ جس پیدا کرنے والے نے اس جانور کو بھی پیدا کیا اور تمہیں بھی پیدا کیا، اسی پیدا کرنے والے نے یہ تقسیم کر دی کہ اگرچہ جانور بھی ہماری جاندار مخلوق ہے، لیکن ہم نے اس کو ایک دوسری جاندار مخلوق کی خاطر پیدا کیا ہے، یعنی یہ جانور بکرا، دنبہ، گائے، اونٹ، یہ سب اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پیدا فرمائے ہیں، اور چونکہ ان کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ یہ انسان کو فائدہ پہنچائیں، اس وجہ سے تم روزانہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کو کھاتے ہو اور دنیا میں اس کو کوئی ظلم نہیں سمجھتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۲۹)

یعنی زمین میں جو کچھ ہے، اے انسان! ہم نے تیرے لئے پیدا کیا ہے، لہٰذا جانور کو ذبح کر کے کھانا تمہارے لئے حلال اور جائز ہے۔

لیکن جس وقت تم ذبح کا عمل کرو، اس وقت اس حقیقت کا اعتراف کرو کہ جانور کو ذبح کرنا اصولاً میرے لئے ظلم تھا، لیکن میرے لئے میرے خالق نے اس ظلم کو جائز کر دیا اور میرے نفع کی خاطر میرے مالک نے اس کو میرے لئے حلال کر دیا۔ اس لئے جب تک تم یہ اعتراف نہیں کرو گے کہ اس جانور کو میرے خالق نے میرے لئے حلال کیا ہے ورنہ یہ میرے لئے حلال نہیں تھا، اس وقت تک وہ جانور تمہارے لئے حلال نہیں۔

''بسم اللہ'' ایک اقرار ہے

لہٰذا جس وقت تم ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر یا ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر جانور کو ذبح کر رہے ہو تو یہ کوئی منتر نہیں ہے جسے زبان سے پڑھ رہے ہو، بلکہ اس کے ذریعہ تم اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہو کہ میں یہ جانور اس اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں جس نے اس مخلوق کو میرے لئے پیدا کیا اور میرے لئے حلال کر دیا۔ اور ساتھ میں جب تم نے ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھا تو تم نے اس کے ذریعہ اس بات کا اقرار کر لیا کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اور چونکہ وہ سب سے بڑا ہے، اس لئے وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ

کرے کہ کونسی مخلوق کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے، اب اس اعتراف کے بعد جب تم جانور کے گلے پر چھری پھیرو گے تو وہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائے گا، لیکن اگر تم نے غفلت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اعتراف کئے بغیر اس کے گلے پر چھری پھیردی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس جانور کے حلال ہونے کی شرط پوری نہیں کی، لہٰذا وہ جانور تمہارے لئے حرام ہے۔ ایسا جانور اس جانور کی طرح ہے جو اپنی موت مرگیا ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ اس جانور کا خون بہہ گیا ہے اور ڈاکٹر بھی اس کے بارے میں رپورٹ دیدیں گے کہ طبی اعتبار سے اس جانور کا کھانا صحت کے اعتبار سے نقصان دہ نہیں ہے، لیکن قرآن کریم یہ فتویٰ دے رہا ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ تم نے اس پر اللہ کا نام نہیں لیا ہے۔ ''بسم اللہ'' پڑھنے سے ایک تو یہ اعتراف ہو رہا ہے۔

''بسم اللہ'' کی ایک اور حقیقت

دوسرے ''بسم اللہ'' سے ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو تمہارے لئے پیدا کیا، اس لئے تمہارے لئے اس کا کھانا حلال ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے اندر وہ کون سے سرخاب کے پر ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ ساری مخلوق تمہاری تسکین کے لئے پیدا فرمادی ہے، حالانکہ تم درخت کے پتوں پر بھی گزارہ کرسکتے تھے، اور ان پتوں کے ذریعہ بھی تمہاری بھوک مٹ جاتی، سبزیوں سے بھی تمہاری بھوک مٹ

جاتی، زمین سے اُگنے والی چیزوں سے بھی مٹ جاتی، لیکن صرف تمہارا ذائقہ بہتر کرنے کے لئے اور تمہیں اچھی غذا فراہم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی اور تمہیں اس کی اجازت دیدی کہ تم اس کو موت کے گھاٹ اتارتے رہو اور اس کے ذریعے اپنے لئے لذت کا سامان فراہم کرتے رہو۔

جان بھی لے لو اور ثواب بھی لوٹو

کسی نے بکرے کی زبان میں ایک خوبصورت نظم کہی تھی کہ یہ جانور جس کو انسان کاٹتا بھی ہے اور اس کی قربانی بھی کرتا ہے، گویا کہ جانور کو کاٹتا بھی ہے اور الٹا ثواب بھی لیتا ہے۔

وہی ذبح بھی کرے ہے
وہی لے ثواب الٹا

لہٰذا جانوروں کو کاٹ بھی رہا ہے، ثواب بھی حاصل کر رہا ہے اور اپنی لذتوں کی تسکین بھی کر رہا ہے۔ اس پر کسی نے بکرے کی زبان میں نظم کہی تھی کہ بکرا اپنی زبان حال سے یوں کہتا ہے ۔

نسلوں کو نگل لیا ہے تو نے
پھر بھی نہیں تیری اشتہاء کم

اگر حساب لگا کر دیکھو کہ ایک انسان پیدائش سے لے کر مرتے دم تک کتنے

بکرے اور کتنی گائیں کھالیتا ہے، کتنی نسلیں اس نے اپنے حلق سے اتاری ہوں گی، لیکن پھر بھی اس کی بھوک کم نہیں ہوتی۔

انسان ایک بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سارے جانوروں پر یہ فوقیت عطا کر دی کہ تم اپنی لذت کی خاطر اِن کو موت کے گھاٹ اتارتے رہو، تو آخر تمہارے اندر ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے جانور تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے؟ اس کے برعکس حکم کیوں نہیں ہوا کہ گائے بھینسوں سے کہا جاتا کہ وہ انسان کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں، کیونکہ وہ تمہارے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہیں، اگر گائے کا مقابلہ کسی بڑے سے بڑے صحت مند طاقتور انسان سے کیا جائے تو بھی گائے انسان سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ثابت ہوگی، لیکن اس کے باوجود طاقت ور سے کہا جارہا ہے کہ تو اس کمزور انسان کی خاطر قربان ہو جا، اس کی کیا وجہ ہے کہ انسان کو جانوروں پر فضیلت اور فوقیت عطا کی گئی؟

اس فوقیت کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ درحقیقت انسان کو کسی اور بڑے مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ بڑا مقصد قرآن کریم نے ان الفاظ سے بیان فرما دیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

(سورۃ الذٰریٰت، آیت ۵۶)

یعنی میں نے انسان اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ انسان عبادت کرتا ہے، پھر تو یہ بیشک اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسری مخلوقات سے کام لے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور ان سے لذت حاصل کرے۔ لیکن اگر انسان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد کو بجا نہیں لاتا تو پھر اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے گلے پر چھری پھیرے اور اس کو اپنی لذت کے لئے استعمال کرے۔

"بسم اللہ" کے ذریعہ دو حقیقتوں کا اعتراف

لہٰذا جب انسان جانور کو ذبح کرتے وقت "بسم اللہ" پڑھ رہا ہے تو اس کے ذریعہ وہ دو حقیقتوں کا اعتراف کر رہا ہے، ایک تو وہ اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے میرے لئے اس جانور کو حلال کر دیا، ورنہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے جیسے جاندار کو ذبح کر کے کھاؤں، اس لئے میں پہلے اس کی عظمت کا اعتراف کرتا ہوں اور اس کی حکمت اور اس کی قدرت کاملہ کا اعتراف کرتا ہوں۔

دوسرے وہ اس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ جانور جو حلال کیا ہے، یہ ویسے ہی حلال نہیں کر دیا، بلکہ اس لئے حلال کیا ہے کہ میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے اور مجھے اس مقصد کو پورا کرنا چاہئے۔ لہٰذا "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کرنے والا ان دو حقیقتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ذبح کر رہا ہے۔ اگر انسان ان دو حقیقتوں کو سمجھ لے اور

ان کو یاد رکھ لے تو اس کی زندگی سنور جائے۔

بہرحال! جانور پر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' پڑھنے کا یہ فلسفہ ہے جو میں نے تفصیل سے عرض کیا۔ یہ میں نے آپ کے سامنے ''جانور'' کی ایک مثال عرض کی، ورنہ دنیا کے ہر کام کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر شروع کرو اور جو کام اللہ کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے گا، وہ ادھورا اور ناقص ہوگا، اسی طرح وضو کو بھی ''بسم اللہ'' پڑھ کر شروع کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

✿✿✿
✿

بسم اللہ کا عظیم الشان فلسفہ و حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

”بسم اللہ“

کا عظیم الشّان فلسفہ وحقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

کل أمر ذی بال لا یبدأ فیہ ببسم اللّٰہ الرحیم أقطع ۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۴۹۱)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! پچھلے جمعہ کو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بارے میں کچھ گزارشات عرض کی تھیں، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر کوئی اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، وہ ادھورا اور ناقص ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو یہ تلقین فرمائی کہ اپنی زندگی کا ہر اہم کام اللہ کے نام سے شروع کرے۔

ہر کام سے پہلے "بسم اللہ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ایک ایسا کلمہ ہے جو ہمیں ہر کام سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا، صبح کو بستر سے بیدار ہوتے وقت، غسل خانے میں جاتے وقت، غسل خانے سے نکلتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، پانی پینے سے پہلے، بازار میں جانے سے پہلے، مسجد میں داخل ہونے سے پہلے، مسجد سے باہر نکلتے وقت، کپڑے پہنتے وقت، گاڑی چلاتے وقت، سوار ہوتے وقت، سواری سے اترتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت۔ تمام اوقات میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا کلمہ ہم سے کہلوایا جارہا ہے۔

ہر کام کے پیچھے نظام ربوبیت

جیسا کہ پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ یہ کوئی منتر نہیں ہے جو ہم سے پڑھوایا

جا رہا ہو، بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم الشان فلسفہ ہے اور ایک عظیم الشان حقیقت کی طرف اس کے ذریعہ متوجہ کیا جا رہا ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا جو بھی کام انسان کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں، دیکھنے میں چاہے یہ نظر آ رہا ہو کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ میری کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے، لیکن اگر انسان گہری نظر سے دیکھے تو اس کو اپنی کوشش اور محنت کا عمل دخل اس میں بہت تھوڑا نظر آئے گا اور اس کے پیچھے اللہ جل شانہ کا بنایا ہوا عظیم الشان نظام ربوبیت کام کرتا نظر آئے گا۔

ایک گلاس پانی پر نظام ربوبیت کارفرما ہے

مثال کے طور پر دیکھئے! ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب پانی پیو تو پانی پینے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھو۔ دیکھنے میں تو یہ نظر آتا ہے کہ پانی پینا معمولی بات ہے، گھر میں پانی مہیا کرنے کے لئے ہم نے پائپ لائن لے رکھی ہے اور پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کولر اور فرج موجود ہے، چنانچہ آپ نے فرج سے ٹھنڈا پانی نکالا اور گلاس میں بھرا اور پی لیا۔ اب بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ اس ٹھنڈے پانی کا حصول ہماری اپنی محنت اور کوشش اور پیسہ خرچ کرنے کا نتیجہ ہے، لیکن یہ خیال بہت کم لوگوں کو آتا ہے کہ یہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی جو ہم نے ایک لمحے میں حلق سے نیچے اتار لیا، اس پانی کو ہمارے حلق تک پہنچانے کے لئے اللہ جل شانہ کی نظام ربوبیت کا عظیم کارخانہ کس طرح کام کر رہا ہے۔

زندگی پانی پر موقوف ہے

دیکھئے! پانی ایسی چیز ہے کہ اس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْئٍ حَيٍّ۔ (سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰)

یعنی ہم نے ہر جاندار کو پانی ہی سے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا پانی صرف انسان کا ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کا اصل مبدأ بھی ہے اور اس کی زندگی کا دارومدار بھی اسی پر ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے اس کائنات میں پانی اتنی وافر مقدار میں پیدا فرمایا کہ اگر اس روئے زمین پر ایک تہائی خشکی ہے تو دو تہائی سمندر کی شکل میں پانی ہے، اور اس سمندر میں بھی بے شمار مخلوقات کا جہان آباد ہے جو ہر روز پیدا ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں، اگر سمندر کا یہ پانی میٹھا ہوتا تو جو جانور اس پانی میں مر کر سڑتے ہیں، ان کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ جل جلالہ کی حکمت بالغہ نے اس پانی کو کھارا اور نمکین بلکہ کڑوا بنایا، تاکہ اس کے نمکین اجزاء اس پانی کو خراب ہونے اور سڑنے سے محفوظ رکھیں۔

پانی صرف سمندر میں ہوتا تو کیا ہوتا؟

پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما دیتے کہ ہم نے تمہارے لئے سمندر کی شکل میں پانی پیدا کر دیا ہے اور اس کو خراب ہونے اور سڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے اندر نمکیات بھی پیدا کر دی ہیں، اب تم جانو تمہارا کام جانے، تمہیں اگر پانی کی ضرورت ہو تو جا کر سمندر سے پانی بھرو اور

اس کو میٹھا کرو اور پیو اور اس کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ اگر یہ حکم دیدیا جاتا تو کیا کسی انسان کے بس میں تھا کہ وہ سمندر سے پانی لے کر آئے اور اس سے اپنی ضروریات پوری کرے؟ چلیں! اگر سمندر سے پانی لے بھی آئے تو پھر اس کو میٹھا کیسے کرے؟

پانی کو میٹھا کرنے اور سپلائی کرنے کا خدائی نظام

سعودی عرب میں سمندر کے پانی کو میٹھا کرنے کے لئے ایک زبردست پلانٹ کروڑوں اور اربوں روپے کے خرچ سے نصب کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے جگہ جگہ یہ اعلان لگایا گیا ہے کہ اس پانی کو میٹھا کرنے کے لئے بہت بڑی رقم خرچ ہوئی ہے، اس لئے اس کو احتیاط سے استعمال کیا جائے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے انسان کی خاطر سمندر کا پانی میٹھا کرنے کے لئے یہ نظام بنایا کہ سمندر سے ''مون سون'' کے بادل اٹھائے اور اس بادل میں ایسا خودکار پلانٹ نصب کر دیا کہ وہ پانی جو سمندر کے اندر کڑوا اور کھارا تھا، جب وہ بادل کی شکل میں اوپر اٹھتا ہے تو اس کی کڑواہٹ دور ہو جاتی ہے اور وہ پانی میٹھا بن جاتا ہے، اور پھر وہ لوگ جو سمندر سے ہزاروں میل دور آباد ہیں اور ان کے لئے سمندر سے پانی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بادلوں کی شکل میں مفت ''کارگو سروس'' مہیا فرمادی۔

بادل مفت کارگو سروس مہیا کرتے ہیں

پچھلے دنوں میں نارو ے گیا، وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ چونکہ یہاں کا

پانی بہت اچھا اور صحت بخش سمجھا جاتا ہے، لہٰذا بہت سے ممالک یہ پانی یہاں سے امپورٹ کرتے ہیں، چنانچہ وہ پانی بڑے بڑے کنٹینرز میں پانی کے جہازوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں ایک لیٹر پانی پر ایک ڈالر خرچ آتا ہے جو ہمارے حساب سے ۶۲/ روپے بنتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے لئے، اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں، بادلوں کی شکل میں یہ کارگو سروس مفت مہیا کر دی ہے، یہ بادل سمندر سے پانی اٹھا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنا دیا کہ روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جو اس ''کارگو سروس'' سے فیض یاب نہ ہوتا ہو، بادل آتے ہیں، گرجتے ہیں، پانی برساتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

پانی کی ذخیرہ اندوزی ہمارے بس میں نہیں

جب بادلوں کے ذریعہ ہمارے گھر تک پانی پہنچا دیا تو اب اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم نے تو تمہارے گھر تک پانی پہنچا دیا، اب تم خود ذخیرہ کر کے سال بھر کا پانی جمع کر لو اور حوض اور ٹنکیاں بنا کر اس کے اندر محفوظ رکھو، کیا انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ بارش کے موقع پر سال بھر کے لئے پانی کا ذخیرہ کر لیتا؟ کیا انسان کے پاس ایسا اسٹوریج نظام ہے کہ سال بھر کا پانی اس کے اندر جمع کر لے اور پھر پورے سال اس میں سے پانی لے لے کر استعمال کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ اس کمزور اور ضعیف انسان کے بس میں یہ بھی نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بارش کو جتنا تم جمع کر سکتے ہو اور

استعمال کر سکتے ہو کرلو، باقی سارے سال کے لئے ذخیرہ کرنے کی ذمہ داری بھی ہم ہی لیتے ہیں۔

یہ برفانی پہاڑ کولڈ اسٹوریج ہیں

چنانچہ ان بادلوں کا پانی پہاڑوں پر برسایا اور ان پہاڑوں کو اس پانی کے لئے ''کولڈ اسٹوریج'' بنا دیا اور ان پہاڑوں پر وہ پانی برف کی شکل میں محفوظ کر دیا اور اتنی بلندی پر اس پانی کو محفوظ کر دیا کہ کوئی خراب کرنے والا اس پانی کو خراب کرنے کے لئے وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اتنے ٹمپریچر پر رکھا کہ وہاں سے پگھل بھی نہ سکے۔ یہ بلند پہاڑ ایک طرف انسان کو خوشنما نظارہ مہیا کر رہے ہیں اور دوسری طرف انسان کے لئے زندگی بھر کے لئے پانی کے ذخیرہ کو محفوظ کر رہے ہیں۔

دریاؤں اور ندیوں کے ذریعہ پانی کی فراہمی

اگر اس مرحلے پر انسان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم نے تمہارے لئے پہاڑوں پر پانی کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، اب جس کو ضرورت ہو وہاں سے جا کر لے آیا کرے۔ کیا انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں سے اس برف کو پگھلا کر اس پانی کو اپنی ضرورت میں استعمال کرے؟ یہ بھی انسان کے بس میں نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ذمہ داری بھی ہم ہی پوری کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ تم اپنی کرنیں اس برف پر ڈالو اور اس برف کو پگھلاؤ، اور پھر اس پانی کے لئے دریاؤں اور

ندیوں کی شکل میں راستے بھی اللہ پاک نے بنا دیئے، چنانچہ وہ برف پانی کی شکل میں پہاڑوں سے نیچے اترتا ہے اور دریاؤں اور ندیوں کی شکل میں بہتا ہوا پوری دنیا کے اندر سپلائی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تہہ میں پانی کی سوتیں اور رگیں اس طرح بچھا دیں جس طرح پائپ لائنیں بچھائی جاتی ہیں، اب تم دنیا کے جس خطے میں چاہو زمین کھودو اور پانی برآمد کرلو۔

یہ پانی ہم نے پہنچایا ہے

بس انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ جو پانی اللہ تعالیٰ نے سمندر سے اٹھاکر پہاڑوں پر برسایا اور پھر پہاڑوں سے پگھلا کر زمین کے ایک ایک گوشے میں پہنچایا ہے، اس پانی کو ذرا سی محنت کر کے اپنے گھر تک لے آئے۔ لہٰذا جو پانی تم اپنے حلق سے اتار رہے ہو، اگر غور کرو تو یہ نظر آئے گا کہ اس تھوڑے سے پانی پر کائنات کی ساری طاقتیں صرف ہوئی ہیں، تب جاکر یہ پانی تمہارے منہ تک پہنچا۔ اس لئے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ پانی پیتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھو، اس کے ذریعہ انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے حلق تک اس پانی کا پہنچنا تمہارے زور بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے جس کے ذریعہ انسان اس پانی سے سیراب ہو رہا ہے۔

جسم کے ہر ہر عضو کو پانی کی ضرورت ہے

پھر ہم نے گلاس میں پانی بھرا اور اس کو حلق سے نیچے اتار لیا، اب

آگے کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ وہ پانی کہاں جا رہا ہے اور جسم کے کس حصے کو کیا فائدہ پہنچا رہا ہے؟ اس غریب انسان کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں، بس وہ تو اتنا جانتا ہے کہ مجھے پیاس لگی تھی، پانی پیا وہ پیاس بجھ گئی، اس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ پیاس کیوں لگی تھی؟ اور پیاس لگنے کے بعد جب پانی پیا تو اس پانی کا انجام کیا ہوا؟ اس کو کچھ نہیں معلوم۔ ارے تمہیں پیاس اس لئے لگی تھی کہ تمہارے جسم کے ایک ایک عضو کو پانی کی ضرورت تھی، صرف منہ کو اور حلق کو ہی ضرورت نہیں تھی، بلکہ جسم کے تمام اعضاء کو پانی کی ضرورت تھی، اگر جسم میں پانی نہ ہو تو انسان کی موت واقع ہو جائے، ذرا کسی کو دست لگ جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں جسم کے اندر پانی کی کمی ہو جاتی ہے تو اس وقت کمزوری کی وجہ سے انسان کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ضرورت سے زائد پانی نقصان دہ ہے

لہٰذا ایک طرف تو انسان کے جسم کے ہر ہر عضو کو پانی کی ضرورت ہے، اس لئے انسان کو پیاس لگتی ہے اور وہ پانی پیتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی جسم کے اندر ضرورت سے زیادہ نہ ہو جائے، کیونکہ اگر ضرورت سے زیادہ پانی جسم کے اندر جمع ہو جائے تو جسم پر ورم آ جاتا ہے اور سوج جاتا ہے، یا یہ پانی اگر جسم کے اندر کسی ایسی جگہ پر رک جائے جہاں رکنا نہیں چاہئے تو اس کے نتیجے میں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً اگر وہ پانی پھیپھڑوں میں رک جائے تو انسان کو ٹی بی ہو جاتی ہے، پسلیوں میں پانی رک

جائے تو دمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر ضرورت سے زیادہ پانی جمع ہو جائے تو وہ بھی انسان کے لئے خطرہ ہے، اور اگر پانی کم ہو جائے یا ختم ہو جائے تو بھی انسان کے لئے خطرہ ہے، انسان کے جسم کے اندر پانی ایک خاص حد تک رہنا ضروری ہے۔

جسم میں خودکار میٹر نصب ہے

پانی کی وہ حد کیا ہے؟ ایک انسان جو اَن پڑھ ہے، جس کو ایک حرف پڑھنا نہیں آتا، وہ کیسے پہچانے کہ کتنا پانی میرے جسم میں ہونا چاہئے اور کتنا نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے جسم میں ایک خودکار میٹر نصب کر دیا ہے۔ جس وقت انسان کے جسم کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو پیاس لگ جاتی ہے۔ پیاس کیوں لگ رہی ہے؟ اس وجہ سے نہیں لگ رہی ہے کہ حلق خشک ہے اور ہونٹ خشک ہیں، بلکہ اس وجہ سے لگ رہی ہے کہ تمہارے جسم کو پانی کی ضرورت ہے، انسان کو اس ضرورت کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیاس کو پیدا کر دیا، ایک بچہ جو کچھ نہیں جانتا، لیکن یہ ضرور جانتا ہے کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے، اس کو بجھانا چاہئے۔

جسم کے اندر پانی کیا کام کر رہا ہے؟

پھر جسم کے اندر پہنچنے کے بعد وہ پانی جسم کے اندر کی پائپ لائن کے ذریعہ ان تمام مقامات تک پہنچ رہا ہے جہاں اس کی ضرورت ہے، اور جو پانی ضرورت سے زائد ہے، وہ جسم کی صفائی کرنے کے بعد پیشاب کے ذریعہ باہر

آ جاتا ہے، تا کہ وہ گندا پانی جسم کے اندر باقی نہ رہے۔

ہم اور آپ ایک لمحہ کے اندر پانی پی لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ پانی کہاں سے آیا تھا اور کس طرح ہمارے منہ تک پہنچا اور نہ یہ سوچا کہ اندر جانے کے بعد اس کا کیا انجام ہونے والا ہے اور کون اس پانی کی نگرانی کر رہا ہے؟ لہٰذا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا کلمہ درحقیقت ہمیں ان سارے حقائق کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

ہارون رشید کا ایک واقعہ

ہارون رشید ایک مرتبہ اپنے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، پینے کے لئے پانی منگوایا، قریب میں مجذوب صفت بزرگ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے، جب ہارون رشید پانی پینے لگے تو انہوں نے ہارون رشید سے کہا کہ امیر المومنین! ذرا ایک منٹ کے لئے رک جائیں، وہ رک گئے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کو اس وقت پیاس لگ رہی ہے اور پانی کا گلاس آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ بتائیں کہ اگر آپ کو ایسی ہی پیاس لگ رہی ہو اور آپ کسی صحراء یا جنگل میں ہوں اور وہاں پانی موجود نہ ہو اور پیاس شدت کی لگ رہی ہو، تو آپ ایک گلاس پانی حاصل کرنے کے لئے کتنی دولت خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ اگر شدید پیاس کے عالم میں پانی نہ ملے تو چونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں موت ہے، تو اپنی جان بچانے کے لئے

میرے پاس جتنی دولت ہوگی، خرچ کردوں گا تاکہ جان بچ جائے۔ یہ جواب سننے کے بعد حضرت بہلول مجذوبؒ نے فرمایا کہ اب آپ ''بسم اللہ'' پڑھ کر پانی پی لیجئے۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی سے بھی کم ہے

جب بادشاہ پانی پی چکے تو حضرت بہلول مجذوبؒ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! میں ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا سوال ہے؟ بہلول مجذوبؒ نے فرمایا کہ سوال یہ ہے کہ یہ پانی جو آپ نے ابھی پیا ہے، اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر ہی رہ جائے اور باہر نہ نکلے اور پیشاب بند ہو جائے، اب مثانے کے اندر پیشاب بھرا ہوا ہے اور باہر نکالنے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو باہر نکالنے کے لئے کتنی دولت خرچ کردیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ اگر پیشاب نہ آئے بلکہ پیشاب آنا بند ہو جائے اور مثانہ پیشاب سے بھر جائے تو یہ صورت بھی ناقابل برداشت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے علاج کے لئے جتنی دولت مانگے گا، میں اس کو دے دوں گا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پوری سلطنت بھی مانگے گا تو میں دے دوں گا۔ بہلولؒ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! اس کے ذریعہ میں یہ حقیقت بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کے برابر بھی نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارا نظام مفت میں دے رکھا ہے، مفت میں پانی مل رہا ہے اور مفت میں خارج ہو رہا ہے، اس کے خارج کرنے کے لئے کوئی قیمت اور کوئی پریشانی اٹھانی نہیں پڑتی۔

”بسم اللہ“ کے ذریعہ یہ اعتراف کرنا ہے

بہرحال! اللہ جل شانہ نے ہر انسان کو یہ نظام مفت میں دے رکھا ہے، کیونکہ اس نے نہ کوئی پیسہ خرچ کیا اور نہ ہی محنت اٹھائی۔ اس لئے یہ جو حکم دیا جارہا ہے کہ پانی پینے سے پہلے ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ پڑھو، اس کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نظام ربوبیت کا کرشمہ ہے اور اس کے ذریعہ یہ اعتراف بھی ہو رہا ہے کہ یا اللہ! ہمارے بس میں یہ نہیں تھا کہ ہم یہ پانی پی سکتے، اگر آپ کا بنایا ہوا یہ کارخانہ ربوبیت نہ ہوتا تو ہم تک یہ پانی کیسے پہنچتا، آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم تک یہ پانی پہنچایا، اور جب یہ پانی آپ نے ہی پہنچایا ہے تو اے اللہ! ہم آپ ہی سے یہ درخواست اور دعا کرتے ہیں کہ جو پانی ہم پی رہے ہیں، یہ پانی جسم کے اندر جانے کے بعد خیر کا سبب بنے اور کوئی فساد نہ پھیلائے، کیونکہ اگر اس پانی میں بیماریاں اور خرابیاں ہوں گی تو یہ پانی جسم میں فساد مچائے گا، اسی طرح اگر جسم کے اندر کے نظام میں خرابی پیدا ہو جائے، مثلاً جگر اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو وہ پانی جسم کے اندر تو جائے گا لیکن اس پانی کو صاف کرنے کا اور گندگی کو باہر پھینکنے کا جو نظام ہے وہ خراب ہو جائے گا، اس لئے ہم پانی پیتے وقت دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس پانی کا انجام بھی بخیر فرما دے۔

انسانی گردے کی قیمت

کراچی میں گردے کے ایک اسپیشلسٹ ہیں، ان سے ایک مرتبہ

میرے بھائی صاحب نے پوچھا کہ آپ انسانی گردہ ایک انسان کے جسم سے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کر دیتے ہیں، لیکن اب تو سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے تو کوئی مصنوعی گردہ کیوں نہیں بنالیا جاتا، تا کہ دوسرے انسان کے گردے، کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے؟ وہ ہنس کر جواب دینے لگے کہ اول تو سائنس کی اس ترقی کے باوجود مصنوعی گردہ بنانا بڑا مشکل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گردے کے اندر جو چھلنی لگائی ہے، وہ اتنی لطیف اور باریک ہے کہ ابھی کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی جو اتنی لطیف چھلنی بنا سکے، اگر بالفرض ایسی مشین ایجاد بھی کر لی جائے جو ایسی چھلنی بنا سکے تو اس کے تیاری پر اربوں روپے خرچ ہوں گے، اور اگر اربوں روپے خرچ کر کے ایسی چھلنی بنا بھی لی جائے تب بھی گردے کے اندر ایک چیز ایسی ہے جس کو بنانا ہماری قدرت سے باہر ہے، وہ یہ کہ گردے کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دماغ بنایا ہے جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس آدمی کے جسم میں کتنا پانی رکھنا چاہئے اور کتنا پانی باہر پھینکنا چاہئے۔ ہر انسان کا گردہ اس انسان کے حالات کے مطابق، اس کی جسامت کے مطابق اور اس کے وزن کے مطابق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کتنا پانی اس کے جسم میں رہنا چاہئے اور کتنا پانی باہر پھینکنا چاہئے، اور اس کا یہ فیصلہ سو فیصد درست ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ اتنا پانی جسم میں روکتا ہے جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت سے زائد پانی کو پیشاب کی شکل میں باہر پھینک دیتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اربوں روپیہ خرچ کر کے ربر کا مصنوعی گردہ بنا بھی لیں، تب بھی ہم اس میں دماغ نہیں بنا سکتے جو اللہ تعالیٰ

نے ہر انسان کے گردے میں پیدا فرمایا ہے۔

جسم کے اندر کارخانہ ربوبیت

قرآن کریم بار بار اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (سورۃ الذاریات، آیت ۲۱)

تم اپنی جانوں میں غور کیا کرو کہ تمہارے جسم میں ہماری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا کیا کارخانہ کام کر رہا ہے، اس پر کبھی غور کیا کرو۔ اور اس گردے کا انجام بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ کب تک یہ گردہ کام کرے اور کب یہ کام کرنا بند کر دے۔ لہٰذا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا یہ پیغام ہے کہ ایک طرف یہ یاد کرو کہ یہ پانی تمہارے پاس کیسے پہنچا اور دوسری طرف یہ خیال کرو کہ یہ پانی تمہارے جسم کے اندر جا کر فساد نہ پھیلائے بلکہ یہ پانی صحت اور برکت کا سبب بنے، اور اس بسم اللہ کے پڑھنے میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اعتراف ہے اور دوسری طرف یہ دعا اور درخواست ہے کہ ہم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہم یہ پانی پی تو رہے ہیں لیکن یا اللہ! یہ پانی اندر جا کر کہیں فساد کا سبب نہ بن جائے، بلکہ یہ پانی صحت اور صلاح وفلاح کا سبب بنے۔ پانی پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا یہ فلسفہ ہے، لہٰذا پانی پیتے وقت اس فلسفہ کو سامنے رکھو پھر دیکھو کہ پانی پینے میں کیا لطف ہے اور کیا برکت ہے اور اس طرح پانی پینے کو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے عبادت بھی بنا دیں گے اور اس پر

اجر وثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

محبت اور خشیت پیدا ہوگی

اور جب پانی پیتے وقت یہ فلسفہ سامنے رکھو گے تو کیا اس کے نتیجہ میں اس ذات سے محبت پیدا نہیں ہوگی؟ جب تم اس تصور کے ساتھ پانی پیو گے تو یہ چیز تمہارے دل میں اللہ جل شانہ کی محبت میں اضافہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اضافہ کرے گی اور اس محبت کے نتیجے میں تمہارے دل میں خشیت پیدا ہوگی اور پھر یہ خشیت تمہیں گناہوں سے بھی روک دے گی۔

کافر اور مسلمان کے پانی پینے میں فرق

ایک کافر بھی پانی پیتا ہے، لیکن وہ غفلت کی حالت میں پانی پیتا ہے، اپنے خالق اور مالک کو یاد نہیں کرتا، ایک مؤمن بھی پانی پیتا ہے، لیکن اس تصور اور دھیان کے ساتھ پیتا ہے، اگرچہ پانی کی نعمت اللہ تعالیٰ نے کافر کو بھی دے رکھی ہے اور مؤمن کو بھی دے رکھی ہے، لیکن ایک ایسے شخص کے پانی پینے کی کیفیت میں جو ناشکرا ہے اور ایک ایسے شخص کے پانی پینے میں جو شکر گزار ہے، ان دونوں میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے، وہ فرق یہ ہے کہ مؤمن کو چاہئے کہ وہ دھیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے پانی پئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس اور اعتراف کرتے ہوئے پانی پئے اور برکت کی دعا کرتے ہوئے پانی پئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وضو کے دوران اور بعد کی دعائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

وضو کے دوران کی مسنون دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ
نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ
اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ
وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔
أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و
صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی
ذٰلک من الشاھدین والشاکرین
والحمد للّٰہ ربّ العالمین

اَدعیہ ماثورہ کی تشریح کا بیان پچھلے کئی جمعوں سے چل رہا ہے۔ پچھلے جمعہ وضو کے اذکار کا بیان شروع کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ وضو شروع کرنے سے پہلے جو ذکر مسنون ہے، وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے، اس کی کچھ تفصیل گزشتہ جمعہ کو عرض کر دی تھی۔

وضو کے دوران کی دعا

وضو کرنے کے دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا بکثرت مانگا کرتے تھے، وہ یہ دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

تین جملوں کی جامعیت

یہ دعا تین جملوں پر مشتمل ہے، پہلا جملہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ۔

اے اللہ! میرے گناہ کی مغفرت فرما۔

دوسرا جملہ ہے:

وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ۔

اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی اور وسعت پیدا فرما۔

تیسرا جملہ ہے:

وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرما۔

اگر آپ غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ تینوں جملے ایسے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ بھی اللہ جل شانہ اس دعا کو قبول فرمالیں تو دنیا و آخرت میں انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ کیونکہ یہ گناہوں کی مغفرت، گھر کی کشادگی اور رزق کی برکت کی دعا ہے، اگر انسان کو یہ بات حاصل ہو جائے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے اور اس کے گھر میں کشادگی حاصل ہو جائے اور رزق میں برکت ہو جائے تو انسان کو اور کیا چاہئے، دنیا اور آخرت کی ساری حاجتیں اور سارے مقاصد اور سارے اغراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں جملوں میں سمیٹ دیے ہیں، کیونکہ ان میں سے پہلی دعا آخرت کے بارے میں ہے اور دوسری دعائیں دنیا سے متعلق ہیں۔

پہلا جملہ: طلب مغفرت

پہلا جملہ جو آخرت سے متعلق ہے، وہ یہ ہے

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ۔

اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اب اگر کسی کو مغفرت مل گئی تو اس کو آخرت کی ساری نعمتیں حاصل ہوگئیں، کیونکہ جنت میں جانے میں رکاوٹ یہ گناہ ہیں، جب اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں تو یہ رکاوٹ دور ہوگئی اور جنت پکی ہوگئی۔ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو گناہوں سے پاک ہو، غلطیوں سے مبّرا ہو، ہر انسان سے کبھی نہ کبھی کوئی غلطی کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا ہو جاتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے بے نیاز ہو۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذات ایسی تھی جن کو مکمل طور پر گناہوں سے پاک کہا جاسکتا ہے، آپ ﷺ کی ذات گناہوں سے اس طرح معصوم تھی کہ کوئی گناہ آپ سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی چھوٹی موٹی بھول چوک ہو بھی گئی ہو تو اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔

(سورۃ الفتح، آیت ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی تمام بھول چوک کو بھی معاف فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً

یعنی میں روزانہ ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اور یہ ستر کا لفظ بھی گنتی کے بیان کے لئے ارشاد نہیں فرمایا بلکہ کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بیان فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ستر سے زیادہ مرتبہ آپ استغفار کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا مغفرت طلب کرنا

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ حکم فرمارہے ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمایئے کہ اے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور آپ سارے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کثرت سے استغفار فرمارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، اس کے بعد بھی آپ سے یہ کہا جارہا ہے کہ آپ مجھ سے مغفرت طلب کریں، ایسا کیوں ہے؟

نامعلوم گناہوں سے استغفار

بات دراصل یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ گناہ اور بُرائی سمجھتا ہے، وہ اسی سے پرہیز کرلے گا، لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ سے یہ غلط کام ہوا

ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ غلط کام ہوتا ہے۔

مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں، یہ نماز حقیقت میں تو بڑی عبادت ہے، بڑے ثواب کا کام ہے اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، لیکن جس انداز میں ہم نماز پڑھتے ہیں کہ جیسے ہی تکبیر تحریمہ ''اللہ اکبر'' کہہ کر نیت باندھی تو بس ایک سوئچ آن ہوگیا اور پھر وہ زبان آٹومیٹک طریقے پر چل رہی ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار ہے، اور جو الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں، نہ ان کی طرف توجہ ہے، دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے، دھیان کہیں ہے، اگر نماز کے بعد یہ پوچھا جائے کہ پہلی رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی تو بعض اوقات وہ بھی یاد نہیں آتا۔ حالانکہ یہ نماز درحقیقت اللہ جل شانہ کے دربار میں حاضری ہے اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری ہے، اگر ایک معمولی سے بادشاہ اور معمولی سے سربراہ حکومت کے دربار میں تمہاری حاضری ہو جائے اور وہاں پر یہ رویہ اختیار کرو کہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو اور تمہارا دماغ اپنے دفتر میں ہو یا گھر میں ہو یا تجارت میں ہو، نہ تم اس بادشاہ کی بات سن رہے ہو اور نہ تمہیں اس بات کا دھیان ہے کہ میں بادشاہ کے دربار میں کیا درخواست پیش کر رہا ہوں، تو بادشاہ کے دربار میں ایسی حاضری قابل سزا ہونی چاہئے کہ تم بادشاہ کے دربار میں آئے ہو یا اپنا کاروبار کرنے آئے ہو۔ اصل تقاضہ تو یہ تھا کہ اس حاضری کو منہ پر مار دیا جائے اور اس حاضری پر سزا دی جائے۔

ہماری نمازیں ان کی شایانِ شان نہیں

لیکن اللہ جل شانہ کا بڑا کرم ہے کہ ہماری ان زیادتیوں کے باوجود اور ہماری طرف سے ان کوتاہیوں کے باوجود محض اپنے فضل وکرم سے ان نمازوں کو قبول فرمالیتے ہیں۔ لہٰذا یہ نماز جس کو ہم عبادت کہہ رہے ہیں، حقیقت شناس نگاہوں سے دیکھو تو یہ نماز اللہ تعالیٰ کی توہین ہے، مگر اس طرح نماز پڑھتے ہوئے ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں۔ اس لئے بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں یہ خیال بھی نہیں آتا، لیکن حقیقت میں وہ مغفرت کے قابل ہوتی ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاعْفُ عَنَّا وَتَكَرَّمْ
وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَالَا نَعْلَمُ

اے اللہ! ہماری مغفرت فرمایئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور ہمیں معاف کر دیجئے اور کرم فرمایئے اور ہمارے ان گناہوں سے درگزر کیجئے جو آپ کے علم میں ہیں، کیونکہ آپ کے علم میں ہمارے وہ گناہ بھی ہیں جو ہمارے علم میں نہیں۔ یہ گناہ ہم نے کئے تھے، لیکن ہمیں ان کے گناہ ہونے کا پتہ نہیں، لہٰذا کوئی انسان کسی بھی لمحے استغفار سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

توبہ سے ترقی درجات

استغفار کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا نسخہ کیمیا عطا فرمایا ہے کہ یہ مٹی کو سونا بنا دے اور گندگی اور نجاست کو پاک چیز میں تبدیل کر دے۔ گناہ گندگی اور نجاست ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ گناہ کرنے کے بعد خلوص دل سے استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو وہ گناہ اس کی ترقی درجات کا سبب بن جاتا ہے، گناہ ہو جانے کے بعد جب دل میں ندامت، شرمندگی اور عاجزی پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ یا اللہ! مجھ سے سخت غلطی ہوئی، اپنی رحمت سے مجھے معاف فرما دیں تو یہ معافی انسان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گندگی کو بھی پاکی سے تبدیل فرما دیتے ہیں، اس لئے ہر مرحلے پر استغفار کرتے رہنا چاہئے، یہاں تک کہ عبادت کے بعد بھی استغفار کرنا چاہئے۔

نماز کے بعد استغفار کیوں ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو سلام پھیرنے کے بعد پہلا لفظ جو زبان سے ادا فرماتے، وہ تین مرتبہ استغفار ہوتا تھا، ''استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ'' اب سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ استغفار تو کسی گناہ کے بعد ہونا چاہئے، لیکن یہاں تو ایک عبادت انجام دی اور ایک ثواب کا کام کیا، اس کے بعد استغفار کیوں کیا؟

استغفار اس بات سے کیا کہ یا اللہ! نماز ادا کرنے کا جو حق تھا، وہ ہم سے ادا نہیں ہوسکا۔

مَا عَبَدْ نَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

اے اللہ! ہم سے آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں ہوپایا، نہ جانے کتنی کوتاہیاں اور کتنی غلطیاں اس عبادت کے اندر سرزد ہوئیں، اے اللہ! ہم پہلے آپ سے ان کوتاہیوں اور غلطیوں پر مغفرت مانگتے ہیں جو ہم سے اس نماز کے ادا کرنے کے دوران سرزد ہوئیں۔

ہر عبادت کے بعد دو کام کرو

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کوئی عبادت انجام دے تو اس عبادت کو انجام دینے کے فوراً بعد دو کام کرے، چاہے وہ عبادت نماز ہو، تلاوت ہو، صدقہ ہو، روزہ ہو، ذکر ہو، ان سب کے بعد دو کام انجام دے، ایک یہ کہ ''الحمد للہ'' کہے اور دوسرے ''استغفر اللہ'' کہے۔ الحمد للہ اس بات پر کہے کہ اے اللہ! آپ نے مجھے یہ عبادت انجام دینے کی توفیق عطا فرمادی، اگر آپ توفیق نہ دیتے تو مجھ سے یہ عبادت انجام نہ پاتی، اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی توفیق نہ ہوتی، لہٰذا پہلے اس عبادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرلو کہ اس نے اتنی توفیق دیدی کہ اس کی بارگاہ میں آکر کھڑے ہوگئے، ورنہ کتنے لوگ ہیں جو اس سے

محروم ہیں۔

حق عبادت ادا نہ ہوسکنے پر استغفار

پھر اس کے بعد "استغفر اللہ" کہے کہ یا اللہ! اس عبادت کا جو حق تھا وہ مجھ سے ادا نہ ہوسکا، جس طرح اس عبادت کو ادا کرنا چاہئے تھا، اس طرح ادا نہیں کیا، اس لئے اے اللہ! میں اس کوتاہی پر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا انسان کسی بھی لمحے استغفار سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ بڑی عظیم دولت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائیں، ان میں استغفار کو بھی شامل فرمایا، چنانچہ وضو کے دوران کی دعا میں بھی پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ۔

ظاہری اور باطنی میل کچیل دور ہو جائے

وضو کے دوران اس جملے کو پڑھنے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ جس وقت انسان وضو کرتا ہے تو اس کے ذریعہ وہ اپنے ظاہری اعضاء کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے، اس جملے کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے والے کو اس طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے باطنی میل کچیل کی صفائی کا بھی خیال کرے اور اس کی بھی فکر کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وضو کے ذریعہ اس نے اپنے چہرے کو تو دھو کر صاف کرلیا اور اب وہ چہرہ صاف ستھرا نظر آ رہا ہے، لیکن باطن کے اندر گناہوں کی گندگی جمی ہوئی ہے تو پھر اس ظاہری صفائی کا

بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جب تم ظاہری اعضاء کو دھور ہے ہو اور اس کا میل کچیل دور کر رہے ہو تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے اندرونی میل کچیل کی صفائی بھی مانگو اور کہو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ۔

اے اللہ! میرے اندر کے میل کچیل کو بھی صاف کر دیجئے اور میرے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے۔

صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کی معافی

اس دعا میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صغیرہ گناہ تو وضو کے ذریعہ خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں، چاہے توبہ کرے یا نہ کرے، چنانچہ جو صغیرہ گناہ ہاتھوں کے ذریعہ کئے ہیں، وضو میں ہاتھ دھونے سے وہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، آنکھ سے جو گناہ کئے ہیں، وہ چہرہ دھونے سے معاف ہو جاتے ہیں، کان سے جو گناہ کئے ہیں، وہ کان کا مسح کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں، جو گناہ پاؤں کے ذریعہ چل کر کئے ہیں، وہ پاؤں دھونے سے معاف ہو جاتے ہیں، لہٰذا صغیرہ گناہ تو اس طرح خود بخود معاف ہو جاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہ خود بخود معاف نہیں ہوتے جب تک توبہ نہ کی جائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ ترتیب بتا رہے ہیں کہ صغیرہ گناہ تو اللہ تعالیٰ خود معاف فرما رہے ہیں البتہ کبیرہ گناہوں کے لئے تم اللہ تعالیٰ سے اس وقت مغفرت مانگ لو اور کہو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ۔

اے اللہ! جو میرے بڑے گناہ ہیں، ان کی بھی مغفرت فرما، اس طرح صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو بندہ نیک نیتی سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما ہی دیتے ہیں بہرحال! یہ جملہ تو آخرت سے متعلق ہے۔

گھر میں دونوں قسم کی کشادگی مطلوب ہے

اس کے بعد دو جملے دنیا سے متعلق ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ

اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ گھر کی کشادگی مطلوب ہے، تنگی مطلوب نہیں۔ اور یہ کشادگی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کشادگی ظاہری ہوتی ہے کہ گھر لمبا چوڑا ہے، کمرے بڑے ہیں، صحن بڑا ہے، برآمدہ وسیع وعریض ہے، ایک کشادگی تو یہ ہے۔ دوسری کشادگی معنوی ہے، وہ یہ کہ جب آدمی گھر کے اندر جائے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، آرام اور راحت نصیب ہو، لیکن اگر گھر تو بہت بڑا ہے، بڑی کوٹھی اور بنگلہ ہے، مگر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کا طرز عمل اور بیوی بچوں کا طرز عمل ایسا ہے جس سے انسان کو ضیق اور تنگی ہوتی ہے اور اس گھر میں اس کو آرام اور سکون نہیں ملتا تو اس صورت میں گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی، وہ کشادگی

بیکار ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کشادگی مانگی، اس کے اندر دونوں قسم کی کشادگی داخل ہے، یعنی اے اللہ! ظاہری کشادگی بھی عطا فرما اور باطنی کشادگی بھی عطا فرما، تاکہ جب میں گھر میں جاؤں تو راحت اور سکون نصیب ہو۔

گھر کا اصل وصف ''سکون'' ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا

(سورۃ النحل، آیت ۸۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے سکون کی جگہ بنایا۔ لہٰذا گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، اگر سکون نصیب نہیں تو پھر وہ گھر چاہے کتنا ہی بڑا بنگلہ ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر جھونپڑی ہو اور اس کے اندر سکون حاصل ہو جائے تو وہ بڑے بڑے محلات سے بہتر ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

گھر میں خوبصورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ میرے گھر کو خوبصورت بنا دیجئے یا میرے گھر کو عالیشان بنا دیجئے، بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کشادگی'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گھر کی اصل صفت یہ ہے کہ اس میں کشادگی ہو، تنگی نہ ہو، کیونکہ اگر تنگی ہوگی تو وہ انسان کے لئے تکلیف دہ ہوگی اور کشادگی انسان کے لئے راحت کا سبب ہوگی، باقی ٹیپ ٹاپ اور آرائش یہ زائد چیزیں ہیں، انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ گھر کے اندر کشادگی ہو، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔

تین چیزیں نیک بختی کی علامت ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں انسان کی سعادت میں سے ہیں، ایک اچھی بیوی، دوسرے کشادگی والا گھر، تیسرے خوشگوار اور آرام دہ سواری۔ اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

دلوں کا ملا ہوا ہونا کشادگی میں داخل ہے

پھر ''کشادگی'' کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو، بلکہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر تو بڑا ہے لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو وہ گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہو سکے گی۔ لہٰذا اس دعا کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر کے ماحول کے اندر راحت ملے، یہ نہ ہو کہ گھر میں داخل ہو کر انسان ایک عذاب

کے اندر مبتلا ہو جائے۔

برکت کی دعا کی وجہ

تیسرا جملہ ارشاد فرمایا:

وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ

اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ اس جملہ میں بھی غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ اے اللہ! مجھے بہت زیادہ رزق عطا فرما، میرے مال میں اضافہ فرما، بلکہ یہ دعا فرمائی کہ میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سبق دے دیا کہ مال و دولت ہو یا دنیا کے اور ساز و سامان ہوں، چاہے کھانے پینے کا سامان ہو یا پہننے اور اوڑھنے کا سامان ہو، یا گھر کے اندر برتنے کا سامان ہو، یہ سب رزق کے اندر داخل ہے، بہر حال! یہ جتنے بھی سامان ہیں، محض ان کی گنتی بڑھ جانے سے کچھ نہیں ہوتا، یا بینک بیلنس بڑھ جانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مال میں برکت نہ ہو۔

مانگنے کی چیز ”برکت“ ہے

اگر اللہ تعالیٰ برکت عطا فرما دیں تو مزدور کی تھوڑی سی تنخواہ میں بھی برکت عطا فرما دیتے ہیں جس سے اس کو سکون اور چین نصیب ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ برکت اٹھا لیں تو کروڑ پتی اور ارب پتی انسان کے لئے اس کا مال راحت کا سبب بننے کے بجائے الٹا عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے فرما

دیا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز گنتی کا اضافہ نہیں ہے بلکہ مانگنے کی چیز "برکت" ہے۔ گنتی کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے کافر کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ ہمزہ میں فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ○ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○

(سورۃ ہمزہ، آیت ۱-۲)

افسوس ہے اس کافر کے لئے جو دوسروں پر طعنے مارتا پھرتا ہے اور دوسروں کی عیب جوئی کرتا پھرتا ہے اور مال جمع کر کے پھر ہر وقت گنتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس کو گنتی کرنے میں مزہ آتا ہے کہ اب اتنے ہو گئے اور اب اتنے ہو گئے۔ قرآن کریم نے اس کو مذمت کے پیرائے میں بیان فرمایا کہ گنتی بڑھ جانے میں دھوکہ ہی دھوکہ ہے، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس گنتی بڑھنے کے نتیجے میں تجھے سکون کتنا ملا اور تجھے راحت اور آرام کتنا نصیب ہوا، اگر گنتی تو لاکھوں اور اربوں تک پہنچ گئی اور جائیدادیں بنالیں، لیکن خود جیل خانے میں پڑا ہے تو وہ ساری دولت راحت کا سبب بننے کے بجائے الٹا عذاب کا سبب بن رہی ہے، اس دولت میں برکت نصیب نہیں ہوئی۔ دوسری طرف ایک معمولی سے مزدور کو جو آٹھ گھنٹے محنت کرنے کے بعد تھوڑے سے پیسے ملے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پیسوں میں برکت عطا فرما دی، اس کے نتیجے میں اس نے بھرپور بھوک کے ساتھ کھانا کھایا، اطمینان کے ساتھ وہ کھانا ہضم ہوا اور رات کو آٹھ گھنٹے تک بھرپور نیند لی اور صبح تازہ دم ہو کر بیدار ہوا۔

سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ لکھنو کے ایک بہت بڑے نواب صاحب بہت بڑے جاگیردار تھے، ان کے محلات اور قلعے تھے، نوکر چاکر، حشم و خدم تھے، انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا تھیں، مگر ان نواب صاحب کے معدے میں ایک ایسی بیماری ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان کے معالج نے یہ کہہ دیا تھا کہ اب آپ کی غذا ساری عمر ایک ہی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ بکری کا آدھا پاؤ قیمہ لیا جائے اور اس کو ململ کے کپڑے میں رکھ کر اس کا جوس نکالا جائے، بس وہ جوس آپ کی غذا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی چیز آپ نہیں کھاسکتے۔ اب گھر میں انواع و اقسام کے کھانے پک رہے ہیں، پھل فروٹ موجود ہیں، میوے موجود ہیں، اور دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں، لیکن نواب صاحب کو صرف قیمہ کا جوس ملتا ہے اور کچھ نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ یہ دولت لے لیں اور سکون کی نیند دیدیں

ایک دن وہ نواب صاحب دریائے گومتی کے کنارے اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے اور دریا کا نظارہ کررہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک مزدور آیا، دوپہر کا وقت تھا، وہ دریا کے کنارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور پھر اس نے اپنی گٹھری کھولی اور اس میں سے جو کی دو موٹی موٹی روٹیاں نکالیں اور پیاز نکالی، اور پھر ان

روٹیوں کو اس پیاز کے ساتھ خوب شوق اور رغبت کے ساتھ کھایا، پھر دریا سے پانی پیا اور پھر اسی درخت کے نیچے سو گیا اور خراٹے لینے شروع کر دیے۔ نواب صاحب اوپر سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ نواب صاحب نے کہا کہ میں اس پر راضی ہوں کہ یہ ساری دولت، یہ کوٹھی، یہ بنگلے وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ مجھ سے لے لیں اور آرام وسکون کی جو نیند اس مزدور کو حاصل ہے، وہ مجھے مل جائے۔ لہٰذا دولت ہے لیکن برکت نہیں۔

آج سب کچھ ہے، مگر برکت نہیں

اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارا آج کا مسئلہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن برکت نہیں ہے، جو شخص ماہانہ ایک ہزار روپے کما رہا ہے اور وہ شخص جو ماہانہ ایک لاکھ روپے کما رہا ہے، دونوں کی زبان سے ایک ہی جملہ سننے کو ملے گا کہ "گزارہ نہیں ہوتا"، بلکہ بعض اوقات لاکھوں کمانے والا اس مزدور کے مقابلے میں زیادہ شکوہ کر رہا ہوتا ہے جو مہینے میں دو ہزار روپے کماتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج برکت اٹھ گئی ہے، نہ مال میں برکت ہے، نہ کھانے میں برکت ہے، نہ پانی میں برکت ہے، نہ لباس میں برکت ہے، نہ اوقات میں برکت ہے۔

آج وقت میں برکت نہیں

آج کے دور میں سائنس کی ایجادات نے انسان کا کتنا وقت بچایا ہے۔ پہلے زمانے میں پکانے کے لئے چولہا جھونکنا پڑتا تھا، لکڑیاں سلگائی جاتی

تھیں، اگر ایک کپ چائے بنانی ہو تو آدھا گھنٹہ چاہئے۔ مگر آج کے دور میں تم نے چولہے کا کان موڑا اور چولہا جل گیا اور دو منٹ میں چائے تیار ہوگئی، گویا کہ اس چولہے نے تمہارا آدھا گھنٹہ بچالیا۔ لیکن ذرا غور کرو کہ یہ آدھا گھنٹہ کہاں گیا؟ اسی طرح پہلے سفر پیدل ہوتے تھے یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتے تھے، آج تیز رفتار سواریاں موجود ہیں، یہاں تک کہ صرف تین گھنٹے میں ایک برّاعظم سے دوسرے برّاعظم میں پہنچ سکتے ہو، چوبیس گھنٹے میں پوری دنیا کے گرد چکر لگا سکتے ہو، لہٰذا ان تیز رفتار سواریوں سے ہمارا کتنا وقت بچ گیا، لیکن اس کے باوجود یہ رونا ہے کہ وقت نہیں ملتا، فرصت نہیں ہے۔ نئی ایجادات نے جو اوقات بچائے وہ کہاں گئے؟ یہ سب اوقات بے برکتی کی نذر ہو رہے ہیں کہ اوقات میں برکت نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے وقت کی برکت

جب اللہ تعالیٰ وقت میں برکت عطا فرماتے ہیں تو پھر تیئیس سال کے اندر پوری دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے! اگر تعلیم کی طرف نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساری عمر تعلیم ہی دیتے رہے، اگر اصلاح کے کام کی طرف دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ ساری عمر لوگوں کی اصلاح ہی کرتے رہے، اگر جہاد کے کام کو دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ آپ ساری عمر جہاد ہی کرتے رہے، لیکن اللہ جل شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیئیس سال میں سارے بڑے بڑے کام

انجام دلوا دیئے، یہ سب وقت کی برکت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں جو برکت عطا فرمائی تھی، سرکار کے ان غلاموں کے اوقات میں بھی وہ برکت عطاء فرما دی جنہوں نے آپ ﷺ کی غلامی کو سر کا تاج سمجھا، تھوڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی کتنے بڑے بڑے کام لے لئے۔

حضرت تھانویؒ اور وقت کی برکت

بہت دور کی بات نہیں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھئے! ایک ہزار تصانیف چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے، آج اگر کوئی شخص ان کی تصانیف کو اوّل سے آخر تک صرف پڑھنا ہی چاہے تو اس کے لئے بھی سالہا سال درکار ہیں۔ ان تصانیف کے ساتھ ساتھ مجالس بھی جاری تھیں، اصلاح و ارشاد کا کام بھی جاری تھا، خط و کتابت بھی جاری تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں یہ برکت عطا فرمائی تھی۔

برکت حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ سے اصل مانگنے کی چیز برکت ہے، جب یہ برکت اٹھ جاتی ہے تو پھر رونا ہی رونا ہوتا ہے، کھانے میں رونا، پینے میں رونا، پیسے میں رونا، مکان میں رونا، وقت میں رونا، ہر چیز میں رونا ہوتا ہے، یہ سب برکت کے فقدان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ یہ دعا کرو کہ:

وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ

اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرما۔

وہ رزق چاہے تھوڑا ہو لیکن برکت والا ہو، پھر دیکھو کہ اس رزق میں کیا لطف آتا ہے۔

تمام حاجتیں ان دعاؤں میں سمٹ گئیں

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا جو تین دعائیں وضو کے دوران تلقین فرمائیں، اگر انسان پانچوں نمازوں کے وقت وضو کرتے ہوئے یہ دعائیں مانگے تو کبھی نہ کبھی تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے انشاء اللہ۔ اور جب اس نیت سے یہ دعائیں مانگو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگی ہیں تو ممکن نہیں ہے کہ یہ دعائیں قبول نہ ہوں، انشاء اللہ ضرور قبول فرمائیں گے اور دنیا و آخرت کی کوئی حاجت ایسی نہیں ہے جو ان تین دعاؤں میں سمٹ نہ گئی ہو۔

وضو کے دوران کی دوسری دعا

وضو کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دوسرا ذکر ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے دوران یہ ذکر فرمایا کرتے تھے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وضو کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ ذکر فرمایا کرتے تھے۔

وضو کے بعد کی دعا

وضو کے ختم ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے اور پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دیجئے۔ اس دعا کی کچھ تفصیل اور بزرگوں نے وضو کے دوران جو ہر ہر عضو کے دھونے کے وقت کی دعائیں بتائی ہیں، اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ کو اس کی تفصیل عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائے، ہمارے گھروں میں بھی کشادگی عطا فرمائے اور ہمارے رزق میں بھی برکت عطا فرمائے اور وضو کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وضو کے دوران ہر عضو دھونے کی علیحدہ دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَاِنِّى قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ـ
(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو ان دعاؤں کا بیان ہوا تھا جو دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے دوران پڑھنا ثابت ہیں، لیکن بزرگوں نے وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت مستقل دعاؤں کی بھی تعلیم دی ہے، یہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت نہیں کہ آپ وضو کے دوران فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے اور فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے، البتہ یہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دوسرے مواقع پر پڑھنا ثابت ہے۔ بزرگوں نے وضو کے دوران اعضاء کو دھوتے وقت بھی ان دعاؤں کو پڑھنے کی تعلیم دی تاکہ انسان کا وضو کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے اور اللہ

تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتا رہے۔

وضو شروع کرتے وقت کی دعا

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب آدمی وضو شروع کرے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ الْاِسْلَامِ۔

یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بلند اور عظیم ہے اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ملت اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

گٹوں تک ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب گٹوں تک ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّؤْمِ وَ الْهَلَاكَةِ۔

اے اللہ! میں آپ سے خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور نحوست اور ہلاکت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

کلّی کرنے کی دعا

اس کے بعد جب کلّی کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ وَ ذِکْرِكَ
وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔

یا اللہ! تلاوت قرآن کریم کرنے پر اور آپ کا ذکر کرنے پر اور آپ کا شکر ادا کرنے پر اور آپ کی بہتر طریقے سے عبادت کرنے پر میری اعانت فرما۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب ناک میں پانی ڈالے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَۃَ النَّارِ

اے اللہ! مجھے جنّت کی خوشبو سنگھایئے اور جہنم کی خوشبو نہ سنگھایئے۔

چہرہ دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب چہرہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ

اے اللہ! جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، اس دن میرے چہرے کو سفید بنایئے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۶)

اس دن میدان حشر میں کچھ چہرے سفید چمکتے ہوئے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، مؤمنوں کے چہرے جنہوں نے عمل صالح کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا
فَاقِرَةٌ ۝ (سورۃ القیامۃ، آیت ۲۲ تا ۲۵)

یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے تو شاداب ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اور کچھ چہرے مرجھائے ہوئے پژمردہ اور کملائے ہوئے ہوں گے اور ان کا یہ گمان ہوگا کہ اب ہمارے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

(سورۂ عبس، آیت ۳۸ تا ۴۲)

یعنی بہت سے چہرے اس دن روشن، ہنستے اور خوشیاں کرتے ہوں گے اور کچھ

چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر اس دن غبار اور سیاہی چھائی ہوگی، یہی لوگ کافر اور فاجر ہوں گے۔

قیامت کے دن اعضاء چمکتے ہونگے

بہر حال! میدان حشر ہی میں چہروں کی سیاہی اور سفیدی سے انسان کو اپنے انجام کا پتہ لگ جائے گا کہ مجھے کہاں جانا ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں وضو کرنے کے عادی تھے، اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کے چہرے، ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، یہ سب اعضاء چمکتے ہوئے ہوں گے اور اس چمک کی وجہ سے دور سے یہ نظر آئے گا کہ یہ بندہ نماز کے لئے وضو کیا کرتا تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کے لوگ "غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ" کی صورت میں اٹھائے جائیں گے، یعنی ان کے چہرے بھی سفید ہوں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی سفید ہوں گے۔ چونکہ وہ دن آنے والا ہے اور چہرے کی سفیدی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی علامت ہے اور چہرے کی سیاہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہونے کی علامت ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران چہرہ دھوتے وقت یہ دعا کیا کرو کہ:

اے اللہ! میرا چہرہ اس دن سفید رکھئے جس دن کچھ
چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔

دایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد دایاں ہاتھ کہنی تک دھوئے تو اس وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ
حِسَابًا یَّسِیْراً۔

اے اللہ! میرا نامہ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں دیجئے گا اور میرا حساب آسان فرمایئے گا۔ اس دعا میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ○ فَسَوْفَ
یُحَاسَبُ حِسَاباً یَّسِیْراً ○ وَیَنْقَلِبُ
اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْراً ○

(سورۃ انشقاق، آیت ۷ تا ۹)

یعنی جس شخص کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور پھر وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ یعنی اس سے سرسری حساب لے کر اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ۔ کیونکہ جس شخص سے باقاعدہ حساب لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنے ایک ایک عمل کا پورا حساب دو تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ۔

(ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب عیادۃ النساء)

یعنی جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے اور اس کو ایک ایک عمل کا جواب دینا پڑے تو بالآخر اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مجموعی زندگی درست کرنے کی فکر کریں

یہ ایمان کی دولت ایسی چیز ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دولت کسی کو عطا فرما دیتے ہیں تو اس پر یہ کرم ہوتا ہے کہ اگر اس کی مجموعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزری ہے، اگرچہ اس سے چھوٹے چھوٹے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کتاب میں زیادہ جانچ پڑتال نہیں کریں گے بلکہ اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے، بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی اور پیشی ہونے کے بعد اس کا نامہ اعمال سرسری طور پر دکھا دیا جائیگا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں گے اور جنت میں بھیج دیں گے۔ لیکن جس شخص کی مجموعی زندگی معصیت میں گزری ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھولا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہی دل سے جاتا رہا تھا، ایسے شخص سے حساب پورا پورا لیا جائے گا، اور جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے گا وہ عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ اسی لئے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ یہ دعا مانگا کرو کہ:

اے اللہ! میرا نامہ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں عطا فرمایئے گا اور میرا حساب آسان لیجئے گا۔

عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اردو میں یہ دعا کرلیا کرو۔

بایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا
مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ

اے اللہ! میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ
دیجئے گا اور نہ پشت کی طرف سے دیجئے گا۔

قرآن کریم میں آیا ہے کہ مؤمنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کافروں کو اور بدعمل لوگوں کو ان کا نامہ اعمال پشت کی جانب سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ:

اے اللہ! میرا نامہ اعمال نہ تو بائیں ہاتھ میں دیجئے
اور نہ پشت کی جانب سے دیجئے تاکہ کافروں اور
بدعملوں میں میرا شمار نہ ہو۔

سر کا مسح کرتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب انسان سر کا مسح کرے تو اس کے لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ
لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ۔

اے اللہ! مجھے اپنے عرش کا سایہ عطا فرمایئے گا اس
دن جس دن آپ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی
سایہ نہیں ہوگا۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب میدان حشر میں لوگ جمع ہوں گے تو وہاں پر شدید گرمی کا عالم ہوگا اور سورج قریب ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگ اس دن اپنے پسینے میں غرق ہوں گے، بعض لوگوں کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا، بعض لوگوں کی کمر تک پسینہ ہوگا، بعض لوگوں کے سینے تک پسینہ ہوگا اور بعض لوگوں کے ہونٹوں تک پسینہ ہوگا، اس طرح لوگ اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن کی اس گرمی سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ:

اے اللہ! جس دن آپ کے عرش کے سائے کے
علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، مجھے اس دن اپنے عرش کا
سایہ عطا فرما۔

عرش کے سائے والے سات افراد

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے، ان میں سات قسم کے لوگوں کا بطور

خاص ذکر فرمایا:

(۱) ایک وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری ہو اور بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا ذوق عطا فرمایا ہو۔

(۲) دوسرے وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا ہوا ہو، ایک نماز پڑھ کر گھر گیا، اب دوسری نماز کی فکر اور اس کا انتظار لگ گیا کہ مجھے دوبارہ مسجد میں جانا ہے۔

(۳) تیسرے وہ شخص جس کو کسی صاحب منصب اور حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو، لیکن اس نے جواب میں کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(۴) چوتھے وہ شخص جس نے دوسرے شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کی ہو، کسی دنیاوی غرض کے لئے دوستی اور محبت نہ کی ہو۔

(۵) پانچویں وہ شخص جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا ہو کہ کیا دیا ہے۔

(۶) چھٹا وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے نتیجے میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۷) ساتویں امام عادل۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اس لئے سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! مجھے اس دن عرش کا سایہ عطا فرما جس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی

سایہ نہیں ہوگا۔

گردن کے مسح کے وقت کی دعا

اس کے بعد جب آدمی گردن کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ۔

اے اللہ! میری گردن کو آگ (جہنم) سے آزاد کر دیجئے۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب داھنا پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْاَقْدَامُ۔

اے اللہ! میرے پاؤں کو اس دن پل صراط پر ثابت قدم رکھئے گا جس دن وہاں پر لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

یہ پل صراط جہنم کے اوپر ایک پُل ہے جس سے گزر کر آدمی جنت میں جائے گا، جو لوگ جہنمی ہوں گے ان کے پاؤں اس پُل پر پھسل جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ جہنم کے اندر جا گریں گے۔

پل صراط پر ہر ایک کو گزرنا ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جہنم میں آنکڑے لگے ہوئے ہیں، جب کوئی جہنمی اس پل کے اوپر سے گزرے گا تو نیچے سے آنکڑا آکر اس کو کھینچ کر جہنم میں گرادے گا۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ یہ وقت بہت سخت ہوگا اور ہر شخص کو اس پل پر سے گزرنا ہوگا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ (سورۂ مریم، آیت ۷۱)

یعنی تم میں سے ہر شخص کو جہنم پر سے گزرنا ہی ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر ہو، نیک ہو یا برا ہو۔ لیکن اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے اور وہ اطاعت گزار ہوگا تو وہ بجلی کی طرح تیزی سے اس پل پر سے گزر جائے گا، جہنم کی کوئی تپش اس کو نہیں پہنچے گی، لیکن اگر وہ کافر ہوگا یا فاسق و فاجر ہوگا تو اس صورت میں جہنم کے آنکڑے اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! مجھے اس دن ثابت قدم رکھئے گا جس دن لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا

وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ۔

اے اللہ! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور میں نے جو کچھ عمل کیا ہے اپنے فضل سے اس کا اجر مجھے عطا فرمائیے اور جو میں نے تجارت کی ہے یعنی جو زندگی گزاری ہے، جو حقیقت میں تجارت ہی ہے، اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے، تو اے اللہ تعالیٰ! میری زندگی کی تجارت کو گھاٹے کی تجارت نہ بنائیے گا بلکہ نفع کی تجارت ہو کر آخرت میں اس کا اجر مجھے مل جائے۔

بہرحال! بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہنا چاہئے، بہترین دعائیں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دوسرے مواقع پر ان دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، اگرچہ وضو کے وقت پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر ان میں ایک دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی تو انشاء اللہ تعالیٰ بیڑہ پار ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں یہ ساری دعائیں قبول فرمالے۔ آمین۔ دعاؤں کے عربی الفاظ یاد کرلیں اور جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اس وقت تک اردو ہی میں مانگ لیں، تو اس وضو کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی صفائی بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکات ہم سب کو عطا فرمائے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وضو کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ
نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّهْدِهِ
اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ
وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً
عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔
اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! اللہ جل شانہ سے تعلق قوی اور مضبوط کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعیہ ماثورہ تعلیم فرمائی ہیں، صبح سے شام تک تمہاری زندگی میں جو مختلف موڑ آتے ہیں، ہر موڑ کے لئے ایک دعا تلقین فرمادی ہے کہ یہ دعا مانگا کرو، جب صبح بیدار ہو تو یہ دعا کرو، جب گھر سے باہر نکلو تو یہ دعا کرو، جب بازار جاؤ تو یہ دعا کرو، جب بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ دعا کرو، جب مسجد میں جاؤ تو یہ دعا کرو، وغیرہ۔ انہی ادعیہ ماثورہ میں سے بعض کی تشریح پچھلے جمعوں میں عرض کی تھی۔

وضو کے دوران پڑھنے کی دعا

وضو کی دعاؤں کا بیان چل رہا تھا، وضو کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا پڑھا کرتے تھے وہ یہ تھی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ
وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وضو کے دوران اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وضو کے بعد آپ ﷺ یہ پڑھا کرتے تھے:

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

وضو کے بعد کی دعا

جب آدمی وضو سے فارغ ہو جائے تو اس وقت کیا دعا کرے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر دو دعائیں پڑھنا ثابت ہے، ایک یہ کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جب بندہ وضو کرتا ہے تو ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ باطنی صفائی بھی کرتے جاتے ہیں، اور ہر عضو سے ارتکاب کئے ہوئے صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتے جاتے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب بندہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو وہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہوتا ہے۔ البتہ ابھی اس کے ذمے کبیرہ گناہ باقی ہوتے ہیں، اب کبیرہ گناہوں سے پاکی کے لئے اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

یعنی اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو طہارت اور پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔

صغیرہ کے ساتھ کبیرہ کی بھی معافی

اس دعا میں دو جملے ارشاد فرمائے، ایک جملہ یہ کہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے۔ اس جملے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وضو کے ذریعہ صغیرہ گناہ تو معاف ہو گئے، اس لئے کہ صغیرہ گناہ نیک اعمال کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہوں کے بارے میں قانون یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اس لئے اس موقع پر یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ! میرے صغیرہ گناہ تو معاف ہو گئے لیکن میرے بڑے بڑے گناہ ابھی باقی ہیں، ان سے پاک ہونے کے لئے اے اللہ! مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے تاکہ اس توفیق کے بعد میں توبہ کروں اور اس کے نتیجے میں میرے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں۔

بار بار توبہ کرنے والا بنا دیں

اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں مبالغہ کا صیغہ کیوں استعمال فرمایا، جبکہ

اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ سے توبہ کرے گا، میں اس کے گناہ معاف کردوں گا، اب بہت توبہ کرنے کا کیا مطلب؟ مطلب اس کا یہ ہے کہ یا اللہ! میں اس وقت تو توبہ کرلونگا اور اس کے نتیجے میں آپ میری مغفرت بھی فرمادیں گے، لیکن اس کے بعد بھی مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے، نہ جانے کب دوبارہ پھسل جاؤں اور پھر دوبارہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤں، اگر ایسا ہو جائے تو اے اللہ! مجھے دوبارہ توبہ کرنے کی توفیق دیجئے گا؟ جس طرح انسان کے کپڑے ایک مرتبہ دھلنے کے بعد دوبارہ میلے ہو جاتے ہیں اور ان کو دوبارہ دھونے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے، اسی طرح انسان توبہ کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور پاک ہونے کے بعد جب وہ دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر ناپاک ہو جاتا ہے اور پھر دوبارہ توبہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اول تو میری حفاظت فرمایئے اور اگر گناہ ہو جائے تو مجھے دوبارہ توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔

بہت زیادہ رجوع کرنے والا بنادیں

اس جملے کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اس میں لفظ "توّاب" آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "بہت لوٹنے والا اور بہت رجوع کرنے والا" دعا کے اب معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو ہر وقت آپ سے رجوع کرتے ہیں، ہر وقت آپ کی طرف لوٹتے ہیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر رکھا ہے، ان کو جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو یہ

لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ دعا اس وقت کی جا رہی ہے جب آدمی ابھی وضو سے فارغ ہوا ہے اور وضو کے دوران بھی ادعیہ ماثورہ پڑھتا رہا ہے، اب یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے کثرت سے آپ کی طرف رجوع کرنے والا بنا دیجئے تاکہ ہر وقت میں آپ سے رابطہ قائم رکھوں۔

باطن کو بھی پاک کرنے والا بنا دیں

اس دعا کا دوسرا جملہ یہ ہے:

وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو کوشش کر کے پاکی حاصل کرتے ہیں۔ ''طاہر'' کے معنی ہیں ''پاک'' لیکن لفظ مُتَطَهِّرِيْنَ ''باب تفعّل'' سے ہے اور باب تفعّل کی خاصیت مشقت اور تکلف ہے، لہٰذا اس لفظ کے معنی یہ ہوئے کہ جو اہتمام کر کے اور کوشش کر کے پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہری پاکی کے ساتھ ساتھ باطنی پاکی بھی حاصل کرتے ہیں اور اپنے دل کی دنیا کو بھی پاک کرتے ہیں۔ لہٰذا اے اللہ! وضو کرنے کے نتیجے میں میرے اعضاء تو دھل گئے اور ان پر جو ظاہری میل کچیل تھا وہ بھی زائل ہو گیا، لیکن اب میرے باطن کا میل کچیل بھی دور کر دیجئے۔ وضو کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تو یہ دعا پڑھنا ثابت ہے۔

وضو کے بعد کی دوسری دعا

وضو کے بعد ایک اور ذکر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، آپ یہ پڑھا کرتے تھے:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد کرتا ہوں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں آپ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ اس دعا میں بھی وہی بات دوبارہ آ گئی، یعنی صغیرہ گناہ تو وضو سے خود بخود معاف ہو گئے تھے، کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ کی ضرورت تھی، اس لئے وضو کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:

اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اے اللہ! میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور آپ سے توبہ کرتا ہوں۔ لہٰذا توبہ کے ذریعہ کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کرالیا۔

ایسا شخص محروم نہیں رہے گا

آپ ذرا تصور کریں کہ جو انسان دن میں پانچ مرتبہ وضو کرے گا اور وضو کرنے کے دوران وہ اذکار پڑھے گا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے اور ہر وضو کے بعد یہ کہے گا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ

اور یہ کہے گا کہ اے اللہ! میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، تو گویا کہ وہ شخص دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ اور استغفار کرے گا، تو کیا اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے؟ کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ مضبوط تعلق نہیں عطا فرمائیں گے؟ جو بندہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنی طرف رجوع کرنے والا بنا دیجئے اور اپنی طرف مائل ہونے والا بنا دیجئے تو کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ محروم فرما دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ارے وہ تو رحمٰن الرحیم ہیں، وہ تو ہمارے پروردگار ہیں، اگر ایک بیٹا اپنے باپ سے یا اپنی ماں سے روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ایک درخواست کرے، وہ درخواست بھی نامعقول نہ ہو، تو کیا کوئی باپ ایسا ہوگا جو اس کی درخواست کو قبول نہیں کرے گا؟ ضرور قبول کرے گا، اللہ تعالیٰ تو ماں باپ سے کہیں زیادہ رحیم وکریم ہیں، مہربان ہیں، وہ کیسے بندے کی اس دعا کو رد فرما دیں گے، بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ دعا ضرور قبول ہوگی اور قبول ہونے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے ساتھ مضبوط تعلق عطا فرمائیں گے اور اس تعلق کے نتیجے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی زندگی درست ہو جائے گی۔

بہرحال! یہ وضو کے بعد پڑھنے کی دعائیں تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

نماز فجر کیلئے جاتے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز!

فجر کی نماز کے لئے جب مسلمان بیدار ہوگا اور وضو کرے گا اور وضو کے بعد وہ نماز فجر باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف جائے گا تو فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستے میں جو دعا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْراً وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْراً وَ عَنْ یَمِیْنِیْ نُوْراً وَعَنْ یَسَارِیْ نُوْراً وَ فَوْقِیْ نُوْراً وَ تَحْتِیْ نُوْراً وَ اَمَامِیْ نُوْراً وَ خَلْفِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ لِیْ نُوْراً وَ اَعْظِمْ لِیْ نُوْراً اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْراً۔

(صحیح مسلم)

اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما دیجئے۔ دیکھئے! فجر کا وقت ہے اور آدمی نماز فجر کے لئے جا رہا ہے، اس وقت میں رات کی تاریکی جا رہی ہوتی ہے اور دن کی روشنی آ رہی ہوتی ہے، دن کی روشنی کی آمد کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! یہ ظاہری روشنی تو آپ پھیلا رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں بھی نور عطا فرمائیے، میری آنکھوں میں نور عطا فرمائیے، میرے کانوں میں نور عطا فرمائیے، میرے دائیں طرف نور ہو، میرے بائیں طرف نور ہو، میرے اوپر نور ہو، میرے نیچے نور ہو، میرے آگے نور ہو، میرے پیچھے نور ہو، اے اللہ! میرے لئے نور مقرر فرما دیجئے، اے اللہ! میرے نور کو بڑا کر دیجئے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرمائیے۔ ایک روایت میں اس لفظ کا اضافہ ہے کہ:

وَاجْعَلْنِیْ نُوْراً۔

اے اللہ! مجھے سراپا نور بنا دیجئے۔ فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ایسا شخص محروم نہیں رہے گا

اگر ایک شخص روزانہ بلا ناغہ صبح کے وقت نماز کے لئے جاتے ہوئے راستے میں یہ دعا مانگ رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے سراپا نور بنا دیجئے، میرے دل میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور ہو، میرے کانوں میں نور ہو، میرے آگے، میرے پیچھے، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے دائیں، میرے بائیں نور ہو،

میرے ہر طرف نور ہو، اے اللہ! مجھے نور بنا دیجئے، تو کیا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں فرمائیں گے؟ جو شخص روزانہ یہ دعا مانگ رہا ہو اور ایسے وقت میں مانگ رہا ہوں جب کہ وہ بستر کو چھوڑ کر نیند کی قربانی دے کر اپنی خواہشات کو پامال کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے نکلا ہے، وضو کر کے پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جا رہا ہے، کیا اس کی دعا قبول نہیں فرمائیں گے؟ کیا اس کو نور عطا نہیں فرمائیں گے؟ ضرور عطا فرمائیں گے۔

دل کے اندر نور ہونے کا مطلب

پھر ہر چیز کا نور الگ ہوتا ہے، چراغ اور بجلی کا نور روشنی ہے، آنکھوں کا نور بینائی ہے، لیکن یہ بینائی ظاہری نور ہے، البتہ ہر چیز کا حقیقی اور باطنی نور یہ ہے کہ جب اعضاء میں وہ نور پیدا ہو تو یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں، یہ ہے اصل نور۔ لہٰذا اس دعا میں یہ جو فرمایا کہ میرے قلب میں نور ہو، قلب میں نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرے قلب میں ایسے خیالات آئیں جو منور ہوں، ایسے ارادے پیدا ہوں جو نور والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں، اور قلب کے اندر سے نفاق کی بیماری دور ہو، قلب کے اندر سے تکبر دور ہو، قلب کے اندر سے حسد نکل جائے، حرص نکل جائے، مال و جاہ کی محبت نکل جائے اور اس کی جگہ اللہ جل شانہ کی محبت دل میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا ہو، نیکیوں کی محبت دل میں پیدا ہو، یہ سب قلب کا نور ہے۔ جب انسان روزانہ

اللہ تعالیٰ سے یہ نور مانگے گا تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو نور نہیں دیں گے؟ ضرور دیں گے۔ البتہ مانگنے والا صدق دل سے مانگے، حسن نیت سے مانگے، توجہ اور اہتمام اور دھیان سے مانگے تو انشاء اللہ یہ نور ضرور عطا ہوگا۔

آنکھ میں نور ہونے کا مطلب

اور اس دعا میں یہ جو فرمایا کہ میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آنکھ جائز اور حلال چیز کو دیکھے اور ناجائز چیز سے پرہیز کرے، ایسی چیز کو دیکھے جس کو دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ بنائی ہے، اس کا دنیا میں بھی فائدہ ہے اور آخرت میں بھی فائدہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ آنکھ کا جائز اور مستحب بلکہ واجب استعمال ہے۔

ماں باپ کو دیکھنے سے حج وعمرہ کا ثواب

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اولاد اپنے باپ کو یا ماں کو یا دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں تو ایک مرتبہ ان

پر محبت کی نگاہ ڈالنا ایک مقبول حج اور ایک مقبول عمرہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اب ہم حج کے لئے کتنی محبت کرتے ہیں اور عمرہ کرنے کیلئے کتنی مشقت اٹھاتے ہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے والدین کی نعمت عطا کی ہوئی ہے، وہ دن میں سینکڑوں مرتبہ حج وعمرہ کا ثواب حاصل کر لیتا ہے، یہ آنکھ کا صحیح استعمال ہے۔ لیکن اگر یہ آنکھ ناجائز جگہ پر پڑے، مثلاً لذت حاصل کرنے کی نیت سے نامحرم کو دیکھے، یا کسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے، ذلت کی نگاہ سے دیکھے، تو یہ اس آنکھ کا ناجائز استعمال ہے، یا کوئی شخص اس آنکھ کو دوسرے کی دل آزاری کے لئے استعمال کرے، یا کوئی ایسی چیز اس آنکھ سے دیکھے جس کو اس کا مالک چھپانا چاہتا ہے، تو یہ آنکھ کا ناجائز استعمال ہے۔

دوسروں کے گھروں میں جھانکنا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی دوسرے کے گھر جاؤ تو پہلے اجازت لے لو، اجازت لینے سے پہلے کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اسی حدیث میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ نَظَرَ فَقَدْ دَخَلَ۔

یعنی ایک شخص ابھی دوسرے کے گھر میں داخل نہیں ہوا اور ابھی اس کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی، لیکن وہ گھر کے اندر جھانک رہا ہے، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اجازت لینے کے انتظار میں دروازے پر

کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے کھڑے اندر جھانکنا شروع کر دیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اجازت کے بغیر اندر جھانکنا بھی جائز نہیں۔

ایک واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک کنگھی تھی جس کے ذریعہ آپ اپنے جسم پر خارش فرما رہے تھے، اچانک آپ ﷺ کی نظر دروازے پر پڑی تو دیکھا کہ کوئی شخص دروازے کے سوراخ سے اندر جھانک رہا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو صاحب اندر جھانک رہے تھے ان کی نیت خراب نہیں ہوگی، کیونکہ عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی ایسی چیز ہوتی نہیں تھی کہ آدمی چوری کرنے یا ڈاکہ ڈالنے کے لئے آئے، بظاہر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جھانک رہا تھا کہ آپ ﷺ کو دیکھوں کہ آپ ﷺ کیا کر رہے ہیں، لہٰذا ان کی نیت بظاہر خراب نہیں تھی لیکن چونکہ اجازت کے بغیر جھانک رہے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس طرح جھانکتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے کہ تم اس لائق ہو کہ اس کنگھی سے تمہاری آنکھ پھوڑ دی جائے۔

یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اجازت کے بغیر دیکھے اور وہ گھر والا اس دیکھنے والے شخص کی آنکھ پھوڑ دے تو وہ شخص اپنے آپ کو ملامت کرے، پھوڑنے والے کو ملامت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے اتنی سخت سزا اس کی بیان فرمائی۔ بہر حال! یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے۔ اسی طرح ایک شخص کا گھر اونچا ہے اور دوسرے شخص کا گھر نیچے کی طرف ہے، اور اوپر گھر والا شخص نیچے والے گھر میں جھانک رہا ہے تو یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے اور ناجائز استعمال ہے۔

آنکھوں کے ذریعہ گناہ اور ثواب دونوں کما سکتے ہو

لہٰذا اس نگاہ کے ذریعہ اگر کوئی شخص چاہے تو روزانہ بیسیوں مرتبہ حج و عمرہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور اس نگاہ کے ذریعہ اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جمع کر سکتا ہے، اور یہی نگاہ ہے کہ اگر انسان اس کو غلط استعمال کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں گناہوں کا انبار جمع ہوتا رہے گا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری آنکھ میں نور عطا فرمایئے۔ اس نور سے مراد ظاہری بینائی نہیں، ظاہری بینائی تو الحمد للہ پہلے سے موجود ہے، بلکہ اس نور سے مراد آنکھ کا وہ نور ہے جو آنکھ کو جائز استعمال کی حد کے اندر محدود رکھے اور اس کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

کان میں نور ہونے کا مطلب

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے کان میں

نور عطا فرما۔ اب کان میں نور عطا فرمانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نور کے نتیجے میں کان میں کوئی بلب جل جائے گا یا کوئی چراغ جل جائے گا، بلکہ کان میں نور عطا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کان صحیح کاموں میں استعمال ہو، ناجائز کاموں سے وہ بچے، مثلاً اس کے ذریعہ قرآن کریم کی تلاوت سنی جائے جس کے نتیجے میں ایک ایک لفظ تمہارے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر رہا ہے، اس کان کے ذریعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنو اور دین کی باتیں سنو تو اس صورت میں یہ کان عبادت میں مصروف ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اجر و ثواب عطا فرما رہے ہیں۔

کان کا صحیح استعمال

ایک شخص کسی کے پاس دین کا علم حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے یا دین کی بات سننے کے لئے جاتا ہے تو اس کے بارے میں حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقاً اِلَى الْجَنَّةِ۔

(مسلم شریف، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)

یعنی جو شخص علم کی بات سننے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس راستے پر چلنے کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گھر سے چل کر مسجد کی طرف آتا ہے اور نماز پڑھنے کے ساتھ

ساتھ اس کے دل میں یہ نیت بھی ہے کہ میں مسجد میں جاکر دین کی باتیں سنوں گا اور قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور دین کے احکام سنوں گا تو یہ کان کا صحیح استعمال ہے، اس کے نتیجے میں اس کو حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

کان کا غلط استعمال

لیکن اگر کوئی شخص اس کان کے ذریعہ فحش باتیں سنتا ہے یا گانا بجانا سنتا ہے، یا نامحرموں کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان کی باتیں سنتا ہے، یا اس کان کے ذریعہ غیبت سنتا ہے تو یہ سب کان کا غلط اور ناجائز استعمال ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! میرے کان میں نور عطا فرما، یعنی یہ کان جائز اور حلال کام میں استعمال ہو اور ناجائز اور حرام کام سے بچے، اور یہ کان جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے، یہ کان کا نور ہے۔

دائیں بائیں، آگے پیچھے نور ہونا

اس کے بعد یہ دعا فرمائی کہ میرے دائیں نور عطا فرما، میرے بائیں نور عطا فرما، میرے آگے نور عطا فرما اور میرے پیچھے نور عطا فرما۔ یعنی اے اللہ! میں جس جگہ بھی چل کر جاؤں، وہاں مجھے نورانی ماحول عطا فرمایئے، ایسا ماحول ہو جو مجھے نیکیوں پر ابھارے اور گناہوں سے بچائے، جو مجھے آپ کی یاد

دلائے اور میرے دل میں آخرت کی فکر پیدا کرے۔

شیطان چار طرف سے حملہ کرتا ہے

جس وقت اللہ تعالیٰ ابلیس کو جنت سے نکال رہے تھے تو پہلے تو اس نے یہ چالاکی کی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مہلت مانگ لی کہ اے اللہ! مجھے قیامت تک زندگی عطا فرمادیں، قیامت تک مجھے موت نہ آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک زندگی عطا فرمادی۔ جب اس کو مہلت مل گئی تو پھر کہتا ہے کہ اب میں آپ کی مخلوق کو گمراہ کروں گا، قرآن کریم میں ہے:

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷)

یعنی انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے آگے سے اس کے پیچھے سے اس کے دائیں طرف سے اور اس کے بائیں طرف سے آؤں گا، چاروں طرف سے انسان پر حملے کروں گا، آپ ان میں سے اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے، وہ ناشکرے ہوں گے اور آپ کے احکام کی تعمیل نہیں کریں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اسی وقت فرمادیا تھا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ میں دائیں طرف سے آؤں گا اور بائیں طرف سے آؤں گا اور چاروں طرف سے آؤں گا اور آپ اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے، یہ تو کیا شیخی بھگارتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ:

میرے بندوں پر داؤ نہیں چلے گا

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۔ (سورۃ الحجر، آیت ۴۲)

یعنی جو میرے بندے ہوں گے، ان پر تیرا کوئی قابو نہیں چلے گا، ان پر تیرا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا، ہاں تیرا وار ان پر کارگر ہوگا جو میری بندگی سے ہٹے ہوئے ہوں گے، جو میرا بندہ نہیں بننا چاہتے اور میری بندگی سے انحراف کرنا چاہتے ہیں، وہ تیرے جال میں آ جائیں گے، لیکن جہاں تک میرے بندوں کا تعلق ہے، یعنی جن کو اپنا بندہ ہونے کا احساس ہوگا اور اس احساس کے نتیجے میں وہ مجھ سے رجوع کرتے رہیں گے اور یہ کہتے رہیں گے کہ یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں، ہمیں اس شیطان سے بچالے، میرے ان بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا، ان پر تیرا قابو نہیں ہوگا۔ مگر وہ لوگ جو گمراہ ہیں، جن کو یہ احساس ہی نہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، جو اس زمین پر خدا بن کر رہنا چاہتے ہیں، فرعون بن کر رہنا چاہتے ہیں، وہ تیرے داؤ میں آ جائیں گے، لیکن میرے بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا۔

میرے بندے کون ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے "بندے" سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "میرے

بندے" کہہ کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اس سے وہ بندے مراد ہیں جن کے دل میں عبدیت کا جذبہ ہو، بندگی کا جذبہ ہو اور جو مجھ سے رجوع کریں، جہاں شیطان گمراہ کرے اور اپنا داؤ چلائے تو وہ فوراً میری طرف رجوع کریں کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے پریشان کر رہا ہے، یہ مجھے بہکانا چاہتا ہے، اے اللہ! مجھے بچا لیجئے۔ ایسے بندوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلے گا۔

شیطان کے حملے سے بچاؤ

لہٰذا چونکہ شیطان نے یہ کہا تھا کہ میں انسان کو بہکانے کے لئے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے آؤں گا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے آگے بھی نور عطا فرما، پیچھے بھی نور عطا فرما، دائیں بھی نور عطا فرما اور بائیں بھی نور عطا فرما۔ وہ شیطان تو ظلمت اور تاریکی لا رہا ہوگا، وہ تو معصیت کا اندھیرا لا رہا ہوگا، اے اللہ! آپ ہمارے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں نور پیدا فرمائیں، تاکہ اس کی لائی ہوئی ظلمت سے ہماری حفاظت ہو جائے۔ اب جو شخص صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے گا تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو نور نہیں دیں گے؟ ضرور دیں گے۔ ارے انہوں نے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یہ الفاظ القاء فرمائے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ الفاظ سکھائے، لہٰذا جب انہی کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ سے یہ چیز اس طرح مانگو تو کیا پھر بھی نہیں دیں گے؟ یہ کام تو ایک معمولی

شریف انسان بھی نہیں کرسکتا۔

کوئی شریف انسان بھی ایسا نہیں کریگا

ایک فقیر آدمی تھا، وہ تم سے مانگ رہا تھا، تم نے اس سے کہا کہ میرے گھر چلو، ہم تمہیں دیں گے، پھر تم اس کو اپنے ساتھ گھر لائے، جب گھر پہنچے تو تم نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ اس فقیر نے کہا کہ مجھے اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اب تم نے اس سے کہا کہ بھاگ جاؤ۔ بتایئے کوئی شریف انسان یہ کام کرے گا؟ کوئی احمق اور کمینہ شخص ہی ایسا کام کرسکتا ہے، کیونکہ گھر پر ساتھ لایا ہے، اسی لئے لایا ہے تاکہ اس کو کچھ دے۔

مانگنے والا ہونا چاہئے

اسی طرح جب اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یہ دعائیں ہم سے منگوائیں اور فرمایا کہ مجھ سے مانگو تو اس بات میں کوئی ادنی شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں کہ وہ نہیں عطا کریں گے بلکہ وہ ضرور عطا کریں گے، بس مانگنے والا چاہئے۔ اور جب وہ نور عطا کریں گے تو پھر شیطان کا داؤ ہمارے اوپر نہیں چلے گا، انشاء اللہ۔ کیونکہ شیطان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ہمیں زبردستی جہنم میں گھسیٹ کر لے جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ

اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَائُهُمُ الطَّاغُوْتُ
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُوْلٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۷)

اللہ ولی ہے یعنی اللہ ذمہ دار ہے، اللہ دوست اور نگراں ہے ایمان والوں کا کہ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں، ان کے ذمہ دار اور ان کے ولی اور سرپرست شیاطین ہیں جو ان کو نور سے تاریکیوں اور اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ جہنم والے ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

ہم زبردستی نور نہیں دیتے

لہٰذا اللہ تعالیٰ تو ایمان والوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر لانا چاہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ہم سے نور مانگو، جب تم مانگو گے تو ہم تم کو ضرور دیں گے۔ ہاں! اگر تم ایسے بے نیاز بن جاؤ اور یہ کہو کہ آپ نور دیا کریں لیکن ہمیں ضرورت نہیں، العیاذ باللہ، تو اس کے بارے میں قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے کہ:

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۔

(سورۃ ھود، آیت ۲۸)

کیا زبردستی ہم تم کو دے دیں جب تم اس کو ناپسند کر رہے ہو؟ جب تم نور لینا

نہیں چاہتے، جب تم ہدایت لینا نہیں چاہتے، پھر بھی ہم زبردستی تم پر نور اور ہدایت تھوپ دیں، ہم ایسا نہیں کریں گے۔

طلب کا اظہار کر کے قدم بڑھاؤ

ہم تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تمہاری طرف سے طلب کا اظہار ہو جائے اور پھر اس طلب کے مطابق تھوڑا قدم بڑھا دو، پھر ہم تم کو دیں گے۔ جب تم فجر کی نماز کے لئے آ رہے ہو، اس وقت تمہارا قدم خیر کی طرف، ایمان کی طرف، عمل صالح کی طرف اٹھا ہوا ہے، اس وقت تم زبان سے نور مانگتے ہوئے چلے جاؤ تو انشاء اللہ ضرور عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اور سب مسلمانوں کو یہ نور ہدایت عطا فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

مسجد میں داخل ہونے
اور مسجد سے نکلنے کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے ان ادعیہ ماثورہ کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف مرحلوں میں تلقین فرمائیں۔ اب تک چند دعاؤں کی تشریح بیان کر دی گئی ہے یعنی بیدار ہوتے وقت کی دعا، وضو کے دوران پڑھنے کی دعائیں اور صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، آخر میں اس کا بیان ہوا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ پڑھیں

اس کے بعد انسان مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوتا ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت جو دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

بعض روایتوں میں دعا سے پہلے بسم اللہ اور درود شریف کے اضافہ کے ساتھ اس طرح یہ دعا منقول ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ والصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انسان مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے اللہ کا نام لے اور "بسم اللہ" کہے، تاکہ اس کے ذریعہ اس بات کا اقرار ہو جائے کہ میرا مسجد میں

آنا اللہ جل شانہ کی توفیق سے ہے، اس لئے میں اللہ کا نام لے کر اس کی نعمت کا اعتراف کر کے اور اس کی توفیق کا سہارا لے کر مسجد میں داخلہ ورہا ہوں۔

دعا کے ساتھ درود شریف پڑھیں

''بسم اللہ'' پڑھنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے اور یہ کہے:

وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کیونکہ جس نیکی کے کرنے کی توفیق ہو رہی ہے، وہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتلقین کا صدقہ ہے، اگر آپ کی تعلیمات نہ ہوتیں اور آپ ﷺ کی رہنمائی نہ ہوتی تو کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ جائے۔ اس درود شریف کے ذریعہ اس بات کا اعتراف ہے کہ میں جو مسجد کے دروازے تک پہنچا اور مسجد کے اندر داخل ہونے کی جو توفیق ہو رہی ہے، یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہے۔ لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو اس کے ذریعہ ایک طرف آپ ﷺ کے احسان کا اعتراف ہے۔

درود شریف میں اپنا فائدہ بھی ہے

دوسری طرف درود شریف پڑھنا خود اپنے فائدے کی چیز ہے، کیونکہ جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو یہ ایک ادنیٰ امتی کی طرف سے درحقیقت ایک ہدیہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا جا

رہا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول رہا ہے کہ جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ اس ہدیہ کا کوئی نہ کوئی بدلہ کسی بھی عنوان سے اس کو ضرور عطا فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی زندگی بھر کا معمول تھا۔ لہٰذا جب کوئی امتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے تو آپ کی صفت ''رحمۃ للعالمین'' سے یہ امید ہے کہ آپ جس طرح زندگی میں ہر ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے تو اس درود وسلام کے ہدیہ کا بدلہ بھی ضرور عطا فرمائیں گے، اب عالم دنیا میں اس کا بدلہ دینا تو ممکن نہیں، البتہ عالمِ آخرت میں اس کا یہ بدلہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اس درود وسلام بھیجنے والے امتی کے حق میں دعا فرمائیں، لہٰذا جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود وسلام کا ہدیہ بھیجا تو امید یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت اور دعائے رحمت ہمارے شامل حال ہو جائے گی، اور جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا ہمیں ملے گی تو اس کے نتیجے میں مسجد میں داخلہونے کے بعد ایسی عبادت کرنے کی توفیق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوگی۔ انشاء اللہ۔

رحمت کے دروازے کھل جائیں

مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھنے کے بعد یہ دعا تلقین فرمائی: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔ یعنی اے اللہ! مسجد کا دروازہ تو میرے لئے کھلا ہوا ہے اور میں اس میں داخل ہو رہا ہوں، لیکن میرا مسجد کے اندر داخلہ اسی وقت کارآمد اور مفید ہوسکتا ہے جب اے اللہ! آپ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیں، ورنہ مسجد میں تو فاسق و فاجر لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں، تماشائی بھی داخل ہو جاتے ہیں، محض سیر و تفریح کرنے والے بھی داخل ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ غیر مسلم بھی داخل ہو جاتے ہیں، لیکن اے اللہ! میں مسجد میں اس آرزو کے ساتھ داخل ہو رہا ہوں کہ میرا یہ داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بنے۔

''باب'' کے بجائے ''ابواب'' کہنے کی حکمت

اور پھر اس دعا میں یہ نہیں فرمایا: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ بَابَ رَحْمَتِكَ اے اللہ! اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیجئے، بلکہ یہ فرمایا: اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مختلف عنوان ہیں، مختلف انواع و اقسام ہیں اور ہر قسم کا ایک دروازہ ہے، لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی تمام قسموں کا محتاج ہوں اور میں ان سب کے کھولنے کی دعا مانگتا ہوں، اے اللہ! میرے لئے وہ سب کھول دیجئے۔

رحمت کی مختلف قسمیں ہیں

اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کیا کیا قسمیں ہیں؟ کوئی انسان ان کا احاطہ

نہیں کرسکتا، دنیا کے اندر نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں، قبر میں نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں، آخرت میں نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں۔ اور پھر دنیا میں نازل ہونے والی رحمتوں کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً صحت اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے، رزق اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے، پھر صحت کے اندر رحمتوں کی کئی قسمیں ہیں، جسم کی صحت علیحدہ رحمت ہے، دماغ کی صحت علیحدہ رحمت ہے۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک جتنے اعضاء ہیں، ان سب کی صحت اللہ تعالیٰ کی علیحدہ علیحدہ رحمتیں ہیں۔ اس کے دل پر نازل ہونے والی رحمتیں، خیالات پر نازل ہونے والی رحمتیں، ارادوں پر نازل ہونے والی رحمتیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو انسان صحت مند زندگی نہیں گزار سکتا، اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو دل میں پاکیزہ ارادے پیدا نہیں ہوتے بلکہ برائیوں کے ارادے جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی رحمت کی جتنی قسمیں ہیں، میں ان سب کے دروازے کھولنے کی دعا کرتا ہوں۔

"رحمت عطا فرما دیں" کیوں نہیں فرمایا؟

پھر ایک طریقہ مانگنے کا یہ تھا کہ اے اللہ! میں آپ کی ساری رحمتوں کا محتاج ہوں، آپ مجھے وہ سب رحمتیں عطا فرما دیجئے۔ یہ کہنے کے بجائے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے اوپر اپنی رحمت کے سارے دروازے کھول دیجئے۔ اس سے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ اے اللہ! میں اس وقت مسجد میں

داخل ہو رہا ہوں اور ایک مسلمان کا مسجد میں داخل ہونے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر نماز پڑھے اور آپ کی عبادت کرے، تو اے اللہ! میں مسجد میں داخل ہو کر جن عبادات کو انجام دینے جا رہا ہوں، اے اللہ! یہ عبادتیں میرے لئے رحمت کے دروازے بن جائیں، نماز پڑھوں تو ایسی پڑھوں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہو، تلاوت کروں تو ایسی کروں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہو، ذکر کروں تو ایسا کروں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والا ہو۔ لہٰذا میں مسجد میں عبادت کرنے کے لئے داخل تو ہو رہا ہوں لیکن یہ عبادت اسی وقت کارآمد ہے جب آپ کی طرف سے اخلاص شامل حال ہو جائے، ورنہ اگر میں مسجد میں داخل بھی ہو گیا اور وہاں جا کر نماز بھی پڑھ لی لیکن وہ نماز اخلاص سے نہیں پڑھی اور سنت کے مطابق نہیں پڑھی، بلکہ دکھاوے کے لئے پڑھی اور غلط طریقے پر بے ادبی کے ساتھ پڑھی تو اس نماز کے بارے میں اگرچہ مفتی یہ فتویٰ دے گا کہ یہ نماز درست ہو گئی، لیکن اے اللہ! آپ کی بارگاہ میں تو قابل قبول نہ ہو گی اور آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی نہ ہو گی، لہٰذا میرے لئے رحمت کا ایسا دروازہ کھول دیجئے کہ اس کے نتیجے میں میری یہ عبادت آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق بن جائے اور آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی بن جائے اور آپ کی بارگاہ میں قابل قبول ہو جائے۔

نماز شروع ہونے سے پہلے رحمت کو متوجہ کرنا

دیکھئے! ابھی نماز شروع نہیں ہوئی اور ابھی عبادت شروع نہیں ہوئی، لیکن پہلے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اے اللہ! جب تک

آپ کی توفیق اور رحمت شامل حال نہ ہوگی، اس وقت تک وہ عبادت جو مسجد میں جا کر کروں گا، کارآمد اور مفید نہیں ہو سکتی، اس لئے میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔

تاکہ یہ وقت میں برباد نہ کر دوں

یہ بھی تو ممکن ہے کہ مسجد میں داخل تو ہو جاؤں لیکن اپنی طبیعت کی ناپاکی کی وجہ سے عبادت کے بجائے کسی اور غلط کام میں مشغول ہو جاؤں، مثلاً مسجد میں جا کر لوگوں سے باتیں کرنا شروع کر دوں یا مسجد میں جا کر تجارت شروع کر دوں، چونکہ یہ سب احتمالات موجود ہیں، لہٰذا اے اللہ! پہلے ہی قدم پر میں آپ سے دعا کر رہا ہوں کہ میرا مسجد میں داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بن جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس وقت کو ضائع کر دوں اور غلط کاموں میں برباد کر دوں۔

کیا ایسا شخص محروم رہے گا؟

اب آپ اندازہ لگایئے کہ جو بندہ بیدار ہوتے ہی اپنے اللہ کو پکار رہا ہے اور اس کا شکر ادا کر رہا ہے، اور جب بیت الخلاء میں جا رہا ہے تو اپنے اللہ کو پکار رہا ہے، جب بیت الخلاء سے باہر نکل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے، جب وضو کر رہا ہے تو ہر عضو دھوتے وقت اپنے مالک کو پکار رہا ہے، اور جب وضو کر کے فارغ ہوتا ہے تو اس وقت اپنے مالک کو پکار رہا ہے، اور فجر کی نماز کے لئے جب مسجد کی طرف جا رہا ہے تو راستے میں دعائیں کرتا جا رہا

ہے، اب جب مسجد میں داخل ہو رہا ہے تو یہ دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ محروم فرما دیں گے؟ اللہ جل شانہ جو ارحم الراحمین ہیں اور ہر بندے پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، کیا وہ ایسے بندے کو محروم فرما دیں گے؟ جب اس بندے نے صدق دل سے مانگ لیا کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، انشاء اللہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا تو ایسی عبادت کی توفیق ہوگی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہوگی، یہ اس دعا کا عظیم فائدہ ہے۔

دعا کرتے وقت سوچ لیا کریں

ہم مسجد میں داخل ہوتے وقت عادۃً یہ دعا پڑھ تو لیتے ہیں، لیکن یہ پورا پس منظر ذہن میں نہیں ہوتا، اس لئے ذرا یہ سوچ کر مانگو کہ مسجد میں داخل ہو رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کے دروازے کھولنے کی استدعا کر رہا ہوں تو انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رضا کے مطابق عبادت کی توفیق بخشیں گے۔

مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھ لیں

جب مسجد میں داخل ہوگئے اور ابھی جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ''تحیۃ المسجد'' کی نیت سے پڑھ لیں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ ان رکعتوں کو ''تحیۃ المسجد'' کہا جاتا ہے۔ لفظ ''تحیۃ'' عربی زبان میں اس جملے کو کہتے ہیں جو کوئی شخص دوسرے سے ملاقات کے وقت اس کے استقبال کرنے کے لئے کہتا ہے، جیسے مسلمانوں کا تحیۃ ''السلام علیکم'' ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو وہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہہ کر اس کا استقبال کرتا ہے، اس کو عربی میں ''تحیۃ'' کہا جاتا ہے۔ دوسری قومیں دوسرے الفاظ استعمال کرتی ہیں، کوئی ''گڈ مارننگ'' کہتا ہے کوئی ''گڈ ایوننگ'' کہتا ہے، کوئی ''نمستے'' کہتا ہے، یہ سب ''تحیۃ'' ہے، اسی طرح ان دو رکعتوں کا نام ''تحیۃ المسجد'' رکھا گیا ہے، یعنی یہ دو رکعتیں تمہاری طرف سے مسجد کے نام ایک ''تحیۃ'' ہے، مسجد سے تمہاری ملاقات ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت اور اس میں داخل ہونے کی توفیق ہوئی تو جس طرح تم کسی انسان سے ملتے وقت پہلے اس کو ''السلام علیکم'' کرتے ہو، اسی طرح جب تم مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے مسجد کو سلام کرلو اور دو رکعت پڑھ لو، اور اس بات کا اعتراف کرلو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس میں حاضری کی توفیق ہوئی ہے، اس حاضری کی توفیق کے نتیجے میں اس کا اس طرح اکرام کر رہا ہوں کہ داخلے کے فوراً بعد دو رکعت ادا کر رہا ہوں، لہٰذا اگر ابھی جماعت کھڑی نہیں ہوئی تو پہلے دو رکعت ''تحیۃ المسجد'' کی نیت سے پڑھ لینی چاہئے۔

سنتوں میں تحیۃ المسجد کی نیت کرنا

یہ بات یاد رکھیں کہ جن نمازوں میں فرض سے پہلے سنت مؤکدہ ہیں،

جیسے ظہر میں فرضوں سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، تو اس میں بہتر تو یہ ہے کہ ''تحیۃ المسجد'' کی دو رکعتیں علیحدہ پڑھیں اور چار رکعت سنت مؤکدہ علیحدہ پڑھیں، لیکن اگر وقت میں گنجائش نہیں ہے تو شرعاً ہمارے لئے یہ آسانی کر دی گئی ہے کہ جو چار رکعت سنت آپ پڑھ رہے ہیں، اسی میں ''تحیۃ المسجد'' کی نیت بھی کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ دونوں کا ثواب عطا فرمائیں گے، سنتوں کا بھی اور تحیۃ المسجد کا بھی۔

جماعت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے یہ دعا پڑھیں

''تحیۃ المسجد'' پڑھنے کے بعد وقت باقی ہو اور جماعت کھڑی ہونے میں دیر ہو تو اس وقت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے تو وہ شخص ایسا ہے جیسا کہ وہ جنت کی کیاریوں میں بیٹھا ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جب تم جنت کی کیاریوں مین بیٹھو تو جنت کے پھل بھی کھایا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کے پھل کیسے کھائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو تو جتنی دیر بیٹھے ہو اتنی دیر یہ کلمات پڑھتے رہا کرو:

سبحان اللّٰہِ والحمد لِلّٰہ ولا اِلٰہ الا اللّٰہ وَاللّٰہ اکبر

یہ کلمات پڑھنا ایسا ہے جیسے جنت کے پھل کھانا، کیونکہ اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ تمہیں آخرت میں پھل ملیں گے۔ لہٰذا جتنا وقت مسجد میں گزرے، اس وقت

یہ کلمہ تمہاری زبان پر رہے۔

مسجد میں کرنے کے کام

بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لئے وقت کی کمی کی وجہ سے ''تحیۃ المسجد'' پڑھنے کا موقع نہ ہو تو اس وقت اس کو چاہئے کہ وہ یہ کلمات پڑھتا رہے تو وہ شخص انشاء اللہ ''تحیۃ المسجد'' کی فضیلت سے محروم نہیں رہے گا۔ اس کے علاوہ مسجد کے آداب کا خیال رکھو اور مسجد میں بیٹھ کر بلاضرورت فضول باتیں نہ کرو، ذکر اللہ کی طرف متوجہ رہو، تلاوت قرآن کا موقع ہو تو تلاوت کرلو، نفلیں پڑھتے رہو، اور جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اس کے آداب اور سنتوں کے مطابق نماز ادا کرو۔

ان سب کاموں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو دعا داخل ہوتے وقت مانگی تھی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، انشاء اللہ مسجد میں رہتے ہوئے رحمت کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کی وجہ سے ایسی عبادت کی توفیق ہو جائیگی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوگی۔ اب جب نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلو گے تو کامیاب و کامران ہوکر باہر نکلو گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق کامل عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

مسجد سے نکلتے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ
الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْ خُلُوْنَ
جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ○

(سورۃ المؤمن، آیت ۶۰)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

مسجد سے نکلتے وقت یہ پڑھیں

بزرگان محترم و برادران عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کا بیان چل رہا ہے، گزشتہ جمعہ مسجد میں داخل ہونے کی دعا کی تشریح عرض کی تھی۔ اور مسجد سے باہر نکلتے وقت جو دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے وہ یہ ہے:

بسم اللّٰہ والصّلاۃ والسّلام علی رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ
اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں نکالے

مسنون یہ ہے کہ جب آدمی مسجد سے باہر نکلے تو بایاں پاؤں پہلے

نکالے۔ بظاہر تو یہ معمولی سی بات ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں داخل کرے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے، لیکن جب بندہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ کام کرتا ہے تو اللہ جل شانہ کی طرف سے ''محبوبیت'' کا پروانہ اس کو مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (   )

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں سے فرمایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں کیا جائے، وہ انسان کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے، چاہے وہ عمل دیکھنے میں کتنا ہی چھوٹا نظر آ رہا ہو۔

وہ شخص فضیلت سے محروم ہو گیا

دایاں پاؤں پہلے داخل کرنے میں اور بایاں پاؤں پہلے نکالنے میں کوئی محنت خرچ نہیں ہوتی، کوئی وقت زیادہ نہیں لگتا، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، لیکن اگر آدمی اس بات کا ذرا اہتمام کرلے اور دھیان سے بایاں پاؤں پہلے نکالے تو اتباع سنت کی عظیم فضیلت اس کو حاصل ہو جاتی ہے، اور اگر بے دھیانی میں دایاں پاؤں پہلے نکال دیا تو اگرچہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا، لیکن اتباع سنت کی عظیم فضیلت سے وہ محروم ہو گیا۔ لہٰذا اس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ

جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو دایاں پاؤں پہلے داخل کریں اور جب باہر نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں۔

داخل ہونے اور نکلنے کی دعاؤں میں فرق

اور مسجد سے نکلتے وقت یہ مختصری دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ دیکھئے جب مسجد میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت یہ دعا کی تھی:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے اور جب باہر نکل رہے ہیں تو اب یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ داخل ہوتے وقت اللہ کی رحمت مانگی گئی تھی اور اب نکلتے وقت اللہ کا فضل مانگا جا رہا ہے۔ بظاہر رحمت اور فضل میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، لیکن قرآن و حدیث کی اصطلاح میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

''رحمت'' سے مراد دینی نعمت

قرآن کریم میں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی دینی نعمت ہوتی ہے جو

انسان کو دینی معاملات میں حاصل ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ انسان کو صحیح طور پر عبادت کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے، انسان کو اخلاص کی اور اتباع سنت کی توفیق حاصل ہو جائے، یہ سب دینی رحمت ہیں، اور مسجد میں انسان اس لئے داخل ہوتا ہے کہ وہاں جا کر عبادت انجام دے، اس لئے داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگی گئی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے یعنی دینی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے، تا کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد مجھے عبادت کی توفیق ہو اور نماز ٹھیک طریقے پر انجام دوں اور آپ کی عبادت اخلاص کے ساتھ انجام دوں، ورنہ یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ آدمی مسجد میں داخل ہونے کے بعد فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کر دے یا ایسے کاموں میں وقت گزار دے جس کا کچھ حاصل نہیں۔

''فضل'' سے مراد دنیاوی نعمت

اور ''فضل'' کا لفظ قرآن و حدیث میں اکثر و بیشتر دنیوی نعمتوں کے لئے آتا ہے، مثلاً یہ کہ رزق اچھا ملے، روزگار اچھا ملے، آمدنی اچھی ہو، صحت حاصل ہو، گھر میں خوشحالی ہو، ان سب نعمتوں کو ''فضل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں نماز جمعہ کے بارے میں آیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ط
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا

قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (سورۃ الجمعۃ، آیت ۹،۱۰)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو اور بیع وشرا اور تجارت کے معاملات ترک کردو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے۔ آگے ارشاد فرمایا: جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا ''فضل'' تلاش کرو۔ اللہ کا ''فضل'' تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں، تجارت، روزگار کے ذرائع تلاش کرو۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی تجارت کو اور مال کو ''فضل'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسجد سے نکلنے کے بعد فضل کی ضرورت

لہٰذا جب عبادت کرنے کے بعد آدمی مسجد سے باہر نکلے گا تو باہر اس کو دنیاوی ضروریات پیش آئیں گی اور دنیوی حاجتیں اس کو لاحق ہونگی اور ان حاجتوں کو پورا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اس موقع پر یہ دعا مانگی جارہی ہے کہ اے اللہ! میں اب کاروبار زندگی میں نکل رہا ہوں اور معرکہ حیات میں داخل ہو رہا ہوں، اے اللہ! اس معرکہ حیات میں مجھے اپنا فضل عطا فرمایئے، آپ کا رزق حلال مجھے حاصل ہو، آپ کی طرف سے مجھے کاموں میں برکت حاصل ہو، میرے کاموں میں نور ہو اور جائز طریقے سے میں آپ کا رزق حاصل کروں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کی ضرورت تھی، اس لئے اس

وقت ''رحمت'' طلب کی اور مسجد سے باہر نکلنے کے بعد ''فضل'' کی ضرورت تھی، اس لئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا ''فضل'' طلب کیا۔ کیسی باریکی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تلقین فرمائی ہیں، جس وقت انسان کی جو حاجت ہے، اس حاجت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے وہ دعا تلقین فرمائی جو اس وقت کے مطابق ہے۔

اگر یہ دعائیں قبول ہو جائیں تو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک دعا بھی قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، اگر یہ دعا قبول ہو جائے اور رحمت کے دروازے کھل جائیں تو ساری دینی نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ اور باہر نکلتے وقت جب یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں آپ سے فضل کا سوال کرتا ہوں، اگر یہ دعا قبول ہو کر ''فضل'' مل جائے تو دنیا کی تمام حاجتیں اور تمام مقاصد اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورے ہو جائیں۔

دنیاوی نعمتیں اللہ کا فضل کیسے ہیں؟

جیسا کہ میں نے بتایا کہ قرآن و حدیث میں جب ''فضل'' کا لفظ آتا ہے تو عام طور پر اس سے رزق، تجارت اور معیشت کے دوسرے وسائل مراد ہوتے ہیں، لہٰذا تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل

کے اندر شامل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ملازمت کو تجارت کو زراعت اور معیشت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کیوں کہا گیا؟ حالانکہ آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ تجارت تو ایک دنیوی معاملہ ہے اور ایک رواج چلا آرہا ہے کہ ایک شخص اپنا سامان لے جا کر بازار میں بیٹھ جاتا ہے، خریدار آ کر اس سے سامان خریدتے ہیں، اس کے نتیجے میں بیچنے والے کو نفع حاصل ہوتا ہے، یا کوئی شخص ملازم ہے تو وہ پورے مہینے محنت کرتا ہے اور وقت لگاتا ہے تو اس کے نتیجے میں مہینے کے ختم پر اس کو تنخواہ مل جاتی ہے، یا کوئی زراعت کرتا ہے اور ہل جوتتا ہے، بیج ڈالتا ہے، پانی ڈالتا ہے، محنت کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں چھ مہینے کے بعد اس کی فصل تیار ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ سب چیزیں تو انسان کی اپنی محنت کے نتیجے میں حاصل ہو رہی ہیں، تو پھر ان کو اللہ کے ''فضل'' سے کیوں تعبیر کیا جا رہا ہے؟

انسان کو دھوکہ لگ گیا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان چیزوں کے لئے لفظ ''فضل'' استعمال فرما کر ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف انسانوں کو متوجہ کیا ہے اور ایک بہت بڑے دھوکہ سے نکالا ہے۔ وہ یہ کہ انسان نے جب تجارت کرنے کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا، دکان لگائی، اس دکان میں سامان جمع کیا، اس دکان پر بورڈ لگایا اور پھر صبح سے شام تک اس دکان میں بیٹھا رہا اور اس کے نتیجے میں اس کو منافع ملا اور آمدنی ہوئی تو اس انسان کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ یہ جو آمدنی مجھے حاصل ہوئی، یہ میری محنت اور میری قوت بازو کا نتیجہ ہے، میں

نے چونکہ پیسہ لگایا، میں نے محنت کی، میں نے وقت لگایا تو اس کے نتیجے میں مجھے یہ منافع حاصل ہوا، پھر اس دھوکہ کے نتیجے میں وہ انسان انہی ظاہری اسباب کو رزق حاصل ہونے کا اصل سبب سمجھنے لگتا ہے۔

اللہ کے فضل کے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتے

قرآن کریم ہمیں اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ خدا کے لئے اس دھوکے میں مت آنا، کیونکہ یہ آمدنی اور جو منافع مل رہا ہے، بیشک تم نے اس کو حاصل کرنے کے لئے محنت کی ہے، تم نے سرمایہ لگایا ہے، تم نے وقت خرچ کیا ہے، لیکن اگر ہمارا "فضل" شامل نہ ہوتا تو پھر تم ہزار محنت کرتے، ہزار سرمایہ لگاتے، ہزار وقت لگاتے تب بھی تمہیں ایک پیسے کی آمدنی نہ ہوتی، تمہارے اختیار میں تو بس اتنا تھا کہ تم دکان کھول کر بیٹھ گئے، لیکن گاہک کو لانا تمہارے اختیار میں نہیں تھا، کتنے لوگ ایسے ہیں جو دکان کھول کر بیٹھتے ہیں، صبح سے لے کر شام تک دکان کھولے بیٹھے ہیں لیکن گاہک نہیں آتا، گاہک کو کون بھیج رہا ہے؟ کون اس کے دل میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ فلاں دکان پر جا کر سامان خریدو؟ حالانکہ وہی سودا دوسری دکان پر بھی مل رہا ہے، وہ گاہک وہاں کیوں نہیں جا رہا ہے، تمہارے پاس کیوں آ رہا ہے؟ لہٰذا تجارت کے ظاہری اسباب تو تم نے جمع کر لئے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب میں تاثیر پیدا کر کے ان کو تمہارے لئے آمدنی کا ذریعہ بنانا، یہ اللہ جل شانہ کے فضل کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔

ایک سبق آموز واقعہ

میرے بڑے بھائی محمد ذکی کیفی مرحوم، لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی دکان تھی، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک دن جب صبح میں اٹھا تو بہت تیز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، بارش مسلسل جاری تھی، یہاں تک کہ دکان کھولنے کا وقت آ گیا اور سڑکوں پر گھٹنوں کے برابر پانی بہہ رہا تھا، اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت دکان کھولنے سے کیا حاصل!! بارش تیز ہو رہی ہے، لوگوں کے لئے گھر سے باہر نکلنا مشکل ہے، بہت شدید ضرورت کے لئے تو کوئی شخص گھر سے باہر نکلے گا، لیکن اس وقت دینی کتاب خریدنے کے لئے کون نکلے گا، اگر افسانوں اور ناولوں کی دکان ہوتی تو شاید اس موسم کی دلچسپی کے لئے کتاب خریدنے آ جاتے، لیکن یہ تو خشک دینی کتابوں کی دکان ہے، کون ایسے موسم میں کتاب خریدنے آئے گا، لہٰذا دکان کھولنے کی کیا ضرورت ہے، چلو آج چھٹی کر لیں۔

لیکن ساتھ ساتھ اس کا جواب بھی میرے دل میں آیا کہ ارے بھائی! تمہارا کام یہ ہے کہ جا کر دکان کھولو، گاھک کو بھیجنا نہ بھیجنا تمہارا کام نہیں، تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دکان کھول کر بیٹھ جاؤ، اگر اللہ کو منظور ہوگا تو گاھک بھیج دیں گے، منظور نہیں ہوگا تو نہیں بھیجیں گے، لیکن اگر تم گاھک کی فکر میں پڑ گئے تو دکان چل گئی۔ چنانچہ میں نے چھتری اٹھائی اور پانی کے اندر چلتا ہوا دکان پر آ گیا اور دکان کھول کر بیٹھ گیا، اور یہ سوچ کر کہ گاھک تو کوئی آئے گا نہیں،

بیٹھ کر تلاوت شروع کر دی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد میری حیرت کی انتہا ہو گئی کہ لوگ برساتیاں پہن کر اور چھتریاں تان کر دکان پر آنا شروع ہو گئے اور کتابیں خریدنے لگے، میں حیران تھا کہ اس بارش کے موسم میں ان کو ان کتابوں کی ایسی فوری کیا ضرورت پیش آئی کہ یہ لوگ کتابیں خریدنے آرہے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ جواب بھی ذہن میں آیا کہ یہ لوگ خود نہیں آرہے ہیں بلکہ کوئی بھیجنے والی ذات ان کو بھیج رہی ہے۔

دینے والا کوئی اور ہے

یہ ہے اللہ کا فضل، انسان کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے اور وہ ظاہری اسباب جمع کر کے یہ سوچنے لگتا ہے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے وہ مجھے ظاہری اسباب سے مل رہا ہے، میری دکان سے مل رہا ہے، میری محنت سے مل رہا ہے۔ ارے حقیقت میں دینے والا کوئی اور ہے، بیشک تمہارے ذمے یہ ضروری ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو بلکہ محنت کرو، اپنا وقت لگاؤ، لیکن محنت اور وقت لگانے کے بعد اس محنت اور وقت کو کارگر بنانے والا سوائے اللہ کے فضل کے کوئی اور نہیں ہے، اگر ان کا فضل نہ ہو تو سارا دن دکان پر بیٹھے رہو اور کوئی گاہک نہ آئے۔

ایک اور واقعہ

جب میرا پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں حجاز مقدس جانا ہوا تو ایک صاحب نے وہاں پر اپنا ایک بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں بازار میں کپڑا خریدنے

گیا، ایک دکان پر جا کر کپڑا دیکھا، کپڑا پسند آیا تو میں نے اس سے بھاؤ تاؤ کیا اور سودا کرلیا، میں نے اس سے کہا کہ اس میں سے اتنا کپڑا مجھے کاٹ دو، اس دکان دار نے کہا کہ آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا کہ پسند ہے، پھر اس نے کہا کہ دام مناسب ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں مناسب ہیں، وہ دکاندار کہنے لگا کہ آپ ایسا کریں کہ یہی کپڑا سامنے والی دکان پر اسی دام میں مل جائے گا، آپ وہاں سے جا کر لے لیں۔ میں بڑا حیران ہوا اور اس دکاندار سے کہا کہ میرا سودا آپ سے ہوا ہے، بات آپ سے ہوئی ہے، اب میں دوسری دکان سے کیوں لوں؟ دکاندار نے کہا کہ آپ کو تو کپڑا خریدنے سے مطلب، آپ اس بحث میں نہ پڑیں اور وہاں سے جا کر کپڑا خرید لیجئے۔

میں نے کہا کہ میں سودا وہاں سے نہیں لوں گا، میرا سودا تو آپ سے ہوا ہے، آپ سے ہی لوں گا، ورنہ آپ اس کی وجہ بتائیں کہ آپ سے کپڑا نہ لوں اور اس دکاندار سے جا کر لوں۔ اس دکاندار نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس صبح سے بہت سے گاہک آچکے ہیں اور صبح سے لے کر اب تک الحمدللہ میری آمدنی ہو چکی ہے، لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے سامنے والا دکاندار صبح سے اپنی دکان پر بیٹھا ہے، مگر اس کے پاس صبح سے اب تک کوئی گاہک نہیں آیا، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس بھی گاہک آئے، اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم یہ کپڑا وہاں سے خرید لو تاکہ اس کی بکری ہو جائے۔

اسلامی معاشرے کی ایک جھلک

یہ درحقیقت اس معاشرے کی چھوٹی سی جھلک تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطے میں پیدا فرمایا تھا کہ صرف اپنا پیٹ نہیں دیکھنا بلکہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنی ہے۔ بہرحال! جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بڑی قدر ہوئی اور میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں یہ کپڑا وہاں سے خریدلوں گا۔

فضل کے بغیر اسباب میں تاثیر نہیں

لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس تاجر کے دل میں یہ بات ڈالنے والا کون تھا کہ تم اپنے گاھک سے فائدے اٹھانے کے بجائے اس گاھک کو دوسرے کے پاس بھیجو؟ یہ اللہ کا ''فضل'' نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ دنیا کی ان نعمتوں کو اپنا ''فضل'' قرار دے کر انسان کو اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ تم جو محنت اور کوشش کرتے ہو اور سرمایہ لگاتے ہو، بیشک یہ سب ظاہری اسباب ہیں، لیکن تم اس دھوکے میں نہ آنا کہ ان اسباب کے اندر تاثیر بذات خود موجود ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو اس وقت تک ان اسباب میں تاثیر نہیں آسکتی۔

ملازمت کیلئے ڈگریاں کافی نہیں

آپ نے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھ کر ڈگریاں حاصل کرلیں اور

بڑے اعلیٰ درجے کے عہدے پر کام کرنے کے قابل ہوگئے اور آپ ایسی صلاحیت کے مالک ہوگئے کہ آپ کو سونے میں تولا جائے، لوگ آپ کی عزت کریں، لیکن کتنے ڈگریوں والے اور صلاحیتوں والے ایسے ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں مگر ان کو ملازمت نہیں ملتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈگریاں حاصل کرلینا ایک سبب ہے، صلاحیت حاصل کرلینا ایک سبب ہے، لیکن اس سبب کو مؤثر بنا کر اس کے ذریعہ اچھی ملازمت دلوا دینا، یہ اللہ کے "فضل" کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

کھیتی اگانا انسان کے اختیار میں نہیں

دیکھئے! کسان زمین پر ہل چلاتا ہے، اس کو نرم کرتا ہے، اس کو صاف کرتا ہے، اس میں سے پتھر نکالتا ہے، اور اس طرح اس زمین سے کھیتی نکلنے کے موانع کو اپنی طرف سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر بیج ڈالتا ہے اور پانی دیتا ہے، یہ سب محنت وہ کرتا ہے، لیکن کسان کی اس محنت کو بارآور کرنا اور اس نے جو بیج زمین کے اندر ڈالا تھا، اس کو پھاڑنا اور اس میں سے کونپل نکالنا اور اس کونپل کے زمین کے پیٹ کو چاک کرکے باہر نکلنا اور پھر کونپل سے پودا بننا اور اس پودے سے درخت بننا اور اس درخت پر پھل لگنا، یہ سب کام اللہ کے "فضل" کے بغیر نہیں ہوسکتے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ

نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝

(سورۃ الواقعہ، آیت ۶۳، ۶۴)

یعنی زمین میں جو چیز تم بوتے ہو، اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ تم نے تو بس بیج ڈال دیا، لیکن اس بیج کا پھٹنا اور اس میں سے شگوفے پھوٹنا اور اس میں سے کلی نکلنا وغیرہ، یہ کام تمہارے بس میں ہیں؟ نہیں، اگر ساری دنیا کی سائنس کی طاقتیں بھی لگا دو تب بھی تم یہ کام نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا فضل شامل حال نہ ہو۔ اس لئے دنیا میں تمہیں جتنی نعمتیں مل رہی ہیں، وہ سب ''فضل اللہ'' ہیں، اور تم نے معیشت کے جتنے ذرائع اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ سب ہمارے فضل و کرم سے بارآور ہوتے ہیں، لہٰذا ہمارے فضل و کرم کو بھول کر کچھ حاصل کرنا چاہو گے تو منہ کی کھاؤ گے، کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فضل کے اندر ساری نعمتیں داخل ہیں

لہٰذا جس وقت تم مسجد سے باہر نکل رہے ہو تو اس وقت ہم سے ہمارا ''فضل'' مانگو اور کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ

اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ اس ''فضل'' کے اندر دنیا کی ساری نعمتیں آ گئیں، اگر کوئی شخص تاجر ہے تو اس ''فضل'' میں اس کی تجارت کی کامیابی آ گئی، اگر کوئی شخص ملازم ہے تو اس کی ملازمت کا رزق حلال اس میں آ گیا، اگر کوئی شخص کاشتکار ہے تو اس کی فصل کی خوبی اس کے

اندر آگئی، اور اس کے علاوہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً صحت کی نعمت، خوشحالی کی نعمت، گھر والوں کی خوشحالی کی نعمت اور اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد کی نعمت وغیرہ، یہ سب نعمتیں اس دعا کے اندر آگئیں۔ اس لئے اگر یہ چھوٹی سی دعا ایک مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو دنیا کی ساری مصیبتیں دور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

سورج نکلتے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

(سورۃ المؤمن، آیت ۶۰)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے اور سب سے آخری دعا جس کا بیان گزشتہ جمعہ ہوا، وہ مسجد سے نکلنے کی دعا تھی کہ جب آدمی مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

نماز اشراق کی فضیلت

البتہ جب آدمی نماز فجر سے فارغ ہو جائے تو اگر اس کے لئے ممکن ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کے بجائے مسجد ہی میں بیٹھ جائے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے بعد جس جگہ نماز پڑھی ہے، طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے اور اس دوران ذکر کرتا رہے، تسبیحات پڑھتا رہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے اور دعائیں کرتا رہے، پھر جب سورج طلوع ہونے کے بعد بلند ہو جائے، اس وقت دو رکعت یا چار رکعت اشراق کی نماز پڑھے تو اس شخص کو ایک حج اور ایک

عمرے کا ثواب ملے گا۔

روزانہ ایک حج اور ایک عمرہ کریں

اب آپ اندازہ لگائیں کہ آدمی حج ادا کرنے کے لئے کیا کچھ خرچ کرتا ہے، کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، عمرہ ادا کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس چھوٹے سے عمل پر ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں، ان کو اس فضیلت سے فائدہ اٹھانا چاہئے، یہ عمل کوئی فرض و واجب نہیں ہے، اگر کوئی شخص نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہے لیکن بڑی فضیلت والا عمل ہے۔

سورج نکلتے وقت کی دعا

مسجد میں بیٹھنے کے دوران جس وقت سورج طلوع ہو تو اس وقت وہ کلمات ادا کرے جو کلمات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورج نکلتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ یُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا۔

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہمارا یہ دن واپس کر دیا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک اور برباد نہیں کیا۔ اس دعا میں دو جملے ہیں، لیکن ان دو جملوں میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے، اللہ جل جلالہ کی عظمت اور اس کی قدرت کاملہ کی اور اس کی حکمت بالغہ کی اور اس کے انعامات کے اعتراف کی کائنات پوشیدہ ہے۔ جب عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اس وقت اردو

میں یہ دعا کرلیا کریں کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے یہ دن ہمیں واپس کر دیا۔ اس شکر کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم رات کو سو رہے تھے، کیا ہمیں اس وقت معلوم تھا کہ صبح کو ہماری آنکھ کھلے گی یا نہیں؟ زندگی کے یہ لمحات سوتے میں ختم تو نہیں ہو جائیں گے، نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو رات کو اچھے خاصے سوئے اور پھر سوتے ہی رہ گئے اور دن کے آنے سے پہلے ہی ان کے دل پر ایسا حملہ ہوا کہ انہیں دن دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

سوتے وقت روح قبض ہو جاتی ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝

(سورۃ الزمر، آیت ۴۲)

یعنی موت کے وقت اللہ تعالیٰ انسانوں کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔ اب موت کے وقت انسان کا سارا جسم تو ویسا ہی نظر آتا ہے، بس جسم کے اندر جو روح تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبض فرمالیا۔ آگے فرمایا اور جن کی موت کا وقت نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو بھی روزانہ نیند کے وقت قبض فرمالیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سونے کے بعد ہمیں کچھ احساس اور شعور باقی نہیں ہوتا، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روح جزوی طور پر

جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے، پھر جن کے لئے تقدیر میں موت لکھی ہوتی ہے ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ واپس نہیں چھوڑتے، یعنی سوتے سوتے میں موت واقع ہو جاتی ہے اور جن کی موت ابھی مقدر نہیں ہے ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ واپس چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ وہ روح دوبارہ جسم میں واپس چلی جاتی ہے اور آدمی دوبارہ بیدار ہو جاتا ہے اور پہلے جس طرح چاق و چوبند تھا، دوبارہ چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔

سونے سے پہلے کی دعا

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ سونے سے پہلے قرآن کریم کی اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ
اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا
فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔

یعنی اے میرے پروردگار! میں نے آپ ہی کے نام سے بستر پر اپنا پہلو رکھا ہے اور آپ ہی کے نام سے اٹھاؤں گا، اگر آپ میری روح کو روک لیں، یعنی سوتے ہوئے میری روح کو قبض کرلیں تو اس کی مغفرت فرما دیجئے گا اور اگر آپ اس روح کو چھوڑ دیں یعنی زندگی کی حالت میں صبح کو بیدار کر دیں تو اس کی حفاظت فرمایئے گا جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی میری روح کا واپس آنا اسی وقت فائدہ مند ہے جب آپ

کی حفاظت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہو، وہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو، وہ بداعمالیوں میں مبتلا نہ ہو، وہ جہنم کا شکار نہ ہو اور شیطان کے جال میں نہ پھنسے۔ کون ایسی دعائیں مانگے گا جو دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مانگ کر تشریف لے گئے۔ بہرحال! یہ دعا کرکے آپ سویا کرتے تھے۔

یہ دن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے

اور پھر جب رات گزر گئی اور صبح ہوگئی اور دن نکل آیا اور سورج نکل آیا تو اس سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ، یہ رات میرے لئے موت کا پیغام نہیں لائی تھی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک دن مزید عطا فرما دیا ہے۔ اس لئے سورج نکلتے وقت دعا فرما رہے ہیں کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے یہ دن ہمیں واپس لوٹا دیا۔ آج اس وقت جمعہ کے دن ہم سب یہاں جمع ہیں، ہم میں سے کسی کو علم ہے کہ کل کا دن ہمیں ملے گا یا نہیں؟ لہٰذا دن کے آغاز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ یہ دن جو تمہیں ملا ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی عظیم نعمت ہے، اگر یہ دن تمہیں نہ ملتا تو تم کیا کرلیتے، اس لئے پہلے تو اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرو اور پھر اس دن کو صحیح مصرف میں اور صحیح کاموں میں خرچ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دن غفلت میں ضائع ہو جائے۔

اگر یہ دن نہ ملتا تو!

اور اگر یہ دن تمہیں نہ ملتا بلکہ سوتے میں تمہیں موت آگئی ہوتی اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوتی اور اعمال خراب ہونے کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوتا تو اس وقت یہ حسرت ہوتی کہ کاش! مجھے زندگی کا ایک دن اور مل جائے تو اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلوں اور اپنی سابقہ زندگی کی گندگی کو صاف کرلوں اور اپنا حساب برابر کرلوں۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس حسرت کے بغیر تمہیں یہ دن دیدیا ہے تو اب اس دن سے کام لو اور اس کو ان کاموں میں خرچ کرو جس کے نتیجے میں بعد میں تمہارے لئے حسرت کا سبب نہ بنے۔ چلئے آج کا دن تو آپ کو مل گیا، لیکن اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ اگلا دن تمہیں ملے گا یا نہیں؟ لہٰذا آج کے اس دن کو صحیح کاموں میں خرچ کرو۔

وقت آجانے کے بعد مہلت نہیں ملے گی

قرآن شریف میں ہے کہ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کی پیشی ہوگی تو اس وقت ایک بندہ کہے گا کہ:

لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (سورۃ المنٰفقون، آیت ۱۰)

یعنی اے اللہ! آپ نے مجھے موت دیدی لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت اور دیدیجئے اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے تو پھر آپ دیکھئے گا کہ میں کتنا نیک بن جاؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا۔ (سورۃ المنٰفقون، آیت ۱۱)

یعنی جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی کی موت میں کوئی

تاخیر نہیں کرتے، ایک منٹ ادھر سے ادھر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کے ذریعہ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاکر یہ کہو کہ اے اللہ! مجھے ایک دن کے لئے اور دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ اس میں توبہ کرکے نیک بن جاؤں۔ آج تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نیا دن عطا فرمایا ہے، اس دن کے بارے میں یہ سمجھو کہ تم موت کے منہ سے نکل کر آرہے ہو۔

یہ سمجھو کہ یہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہے

ذرا تصور کرو کہ ایک آدمی کے لئے پھانسی کا حکم ہوچکا ہے، آج اس کو پھانسی دی جانی ہے، پھانسی کا پھندا لٹکا ہوا تیار ہے، اس آدمی کو پھانسی کے تختے پر لے جایا گیا اور بس اتنی دیر باقی ہے کہ جلاد رسی کھینچ کر کام تمام کردے۔ اس وقت اگر کوئی حاکم یہ کہے کہ ہم تمہاری پھانسی کو ایک دن کے لئے مؤخر کرتے ہیں، لہٰذا آج کے بجائے کل پھانسی دی جائے گی۔ بتایئے! ایک طرف تو اس کو خوشی کتنی ہوگی؟ دوسری طرف وہ شخص وہ ایک دن کس طرح گزارے گا؟ اسی کی طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم توجہ دلا رہے ہیں کہ یہ جو تمہیں نیا دن ملا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے پھانسی کا حکم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دن اور عطا فرما دیا، جس طرح تم وہ دن گزارتے، آج کا دن بھی اسی طرح گزارو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن اَبی نعمؒ کا واقعہ

جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں، وہ ہر دن اسی طرح گزارتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن اَبی نعم رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے تھے اور بڑے جلیل القدر محدث تھے۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے زمانے کے جتنے بزرگان دین ہیں، ان سب سے ملاقات کروں اور ان سے یہ پوچھوں کہ اگر آپ کو کسی طرح یہ پتہ چل جائے کہ کل بارہ بجے آپ کو موت آنے والی ہے اور آپ کے پاس زندگی کے صرف چوبیس گھنٹے باقی ہیں تو آپ ان چوبیس گھنٹوں میں کیا عمل کریں گے؟ ان صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ ہر بزرگ کی الگ شان ہوتی ہے اور ہر ایک کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں، اس لئے ہر بزرگ وہ کام بتائے گا جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ فائدے والا اور سب سے زیادہ اجر و ثواب والا ہوگا۔

چنانچہ وہ شخص مختلف بزرگوں کے پاس گئے، ہر بزرگ نے مختلف جواب دیے، جب حضرت عبدالرحمٰن بن اَبی نعمؒ کے پاس پہنچے اور ان سے سوال کیا کہ آپ ان چوبیس گھنٹوں میں کیا عمل کریں گے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی کام کروں گا جو آج کر رہا ہوں۔ یعنی میں نے تو ہر دن ایسا بنایا ہوا ہے گویا کہ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہے، لہٰذا جو عمل میں کرتا ہوں، اس پر کسی دوسرے عمل کا اضافہ نہیں کرسکتا۔ بہرحال! اس دعا کے پہلے

جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آج کا دن ہمیں واپس دے دیا۔ اس جملے میں یہ سارے مضامین پوشیدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا

اس دعا میں دوسرا جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوبِنَا

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا۔ یہ جملہ بھی اپنے اندر معنی کی ایک کائنات رکھتا ہے، اس جملہ میں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم سے اس دنیاوی زندگی میں نہ جانے کتنے گناہ سرزد ہو رہے ہیں اور ان گناہوں کی وجہ سے ہم اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم پر عذاب نازل ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔

قوم عاد پر عذاب

آج اگر ہم اپنی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو یہ نظر آئے گا کہ وہ بڑے بڑے گناہ جن کی وجہ سے پچھلی امتوں میں پوری پوری قوم کو تباہ کر دیا گیا، تقریباً وہ سب گناہ آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے ہوا کا عذاب نازل فرمایا، تین دن تک اس طرح ہوا کا طوفان آیا کہ بعض دیکھنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ طوفانی ہوا عورتوں اور جانوروں کو اڑا کر لے گئی

اور بادلوں سے ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔

قوم ثمود اور قوم شعیب پر عذاب

قوم ثمود کو ایک ایسی چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کیا کرتی تھی، تولتے وقت ڈنڈی مارنے کی عادت تھی، ان پر ''یوم الظلۃ'' کا عذاب اس طرح آیا کہ تین روز تک شدید گرمی پڑی، آسمان سے آگ برس رہی تھی اور زمین شعلے اُگل رہی تھی، تین دن کی گرمی سے بلبلا اٹھے، اس کے بعد اچانک ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں اور بستی سے باہر کھلے میدان میں ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور اس میں سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی، چونکہ وہ قوم تین دن سے گرمی کی سختی برداشت کر رہی تھی، جب اس ٹھنڈے بادل کو بستی کے باہر دیکھا تو پوری قوم بستی سے باہر نکل کر اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی، جب ساری قوم جمع ہوگئی تو اس بادل سے انگارے برسائے گئے اور ان انگاروں کے نتیجے میں پوری قوم تباہ ہوگئی۔ یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ وہ کفر و شرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔

قوم لوط پر عذاب

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر بدفعلی کی وجہ سے اور لوگوں کا مال لوٹنے کی وجہ سے عذاب آیا۔ یعنی ایک تو خلاف فطرت بدفعلی کا ارتکاب

کرنے کی عادت تھی، دوسرے لوگوں کا مال لوٹ کر اسکو ناحق کھانے کی عادت تھی، ان دو خرابیوں کی وجہ سے ان پر پتھروں کی بارش کا عذاب آیا، اور دوسرا عذاب یہ آیا کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں، اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا گیا۔ آج بھی ان کی بستیوں کا حشر اردن میں دیکھا جاسکتا ہے، میں نے خود جا کر دیکھا ہے۔ وہ جگہ جہاں ان کی بستیاں آباد تھیں، آج وہاں پر ایسا سمندر ہے جس میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، جس کی وجہ سے اس کو ''بحر میت'' کہا جاتا ہے، اگر کوئی مچھلی دریا سے اس سمندر میں آجائے تو وہ فوراً مر جاتی ہے۔

دنیا کا سب زیادہ پست علاقہ

جغرافیہ کے ماہرین نے بتایا ہے کہ وہ جگہ جہاں لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں، وہ جگہ آج سارے روئے زمین پر سب سے زیادہ پست جگہ ہے، یعنی وہ جگہ سطح سمندر کے اعتبار سے پورے کرۂ ارض میں سب سے زیادہ نچلی جگہ ہے، چنانچہ جگہ جگہ پر راستے میں بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ اب اس کی سطح اتنی نیچے ہوگئی، اب اتنی نیچے ہوگئی، اب اتنی نیچے ہوگئی۔ قرآن کریم نے یہ جو فرمایا تھا کہ:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (سورۃ الحجر، آیت ۷۴)

یعنی ہم نے اس کے بلند مقامات کو نیچے کر دیا۔ آج بھی انسان اس کا مشاہدہ وہاں پر کرسکتا ہے۔

امت محمدیہ ﷺ عام عذاب سے محفوظ ہے

بہرحال! پچھلی امتوں پر ان کی مختلف بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختلف اوقات میں مختلف عذاب نازل کرتے رہے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت محمدیہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ خصوصیت بخشی ہے کہ اس امت پر کوئی ایسا عذاب عام نہیں آئے گا جو پوری اُمت کو ایک ہی مرتبہ ہلاک کردے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (سورۃ الانفال، آیت ۳۳)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک آپ ان کے اندر موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہے کہ آج شدید بداعمالیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اس امت پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمائیں گے جس میں پوری امت تباہ و برباد ہو جائے۔

جزوی عذاب اُمت محمدیہ ﷺ پر آئیں گے

لیکن خوب یاد رکھئے! اس اعلان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جزوی عذاب سے بھی چھٹی مل ہوئی ہے، بلکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بھی جزوی عذاب آئیں گے، کبھی زلزلے کے

ذریعہ سے تباہ کیا جائے گا، کبھی صورتیں مسخ کی جائیں گی، کبھی پتھر برسیں گے، کبھی ہواؤں کے طوفان آئیں گے۔ لہٰذا جزوی عذاب کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جزوی عذاب مختلف مواقع پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع آفتاب کے وقت یہ دعا فرمائی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ یُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے یہ دن ہمیں واپس دیدیا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔ ایک نبی ہی کا مقام ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے دعا کرے۔ اس دعا میں صرف دو فقرے ہیں، لیکن ان میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے، ایک طرف ان میں اللہ جل شانہ کے انعامات کا شکر بھی ہے اور دوسری طرف اللہ کے عذاب سے خوف اور خشیت بھی ہے اور اس میں گناہوں سے توبہ کرنے کا موقع مل جانے کا اعتراف بھی ہے اور ساتھ ساتھ یہ دعوت بھی ہے کہ جب ایک نیا دن ملا ہے تو اس دن کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے میں صرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کی خصوصیات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁

❁

صبح کے وقت پڑھنے کی دعائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

صبح کے وقت پڑھنے کی دعائیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گزشتہ جمعہ کو اس دعا کی تشریح عرض کی تھی جو دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورج نکلتے وقت پڑھا کرتے تھے، وہ دعا یہ تھی:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ یُهْلِکْنَا بِذُنُوْبِنَا۔

پھر دن کے آغاز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چند اور دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جب بلند ہو جائے اور نماز پڑھنا جائز ہو جائے یعنی سورج طلوع ہونے کے تقریباً بارہ منٹ کے بعد تو پہلے اشراق کی نماز پڑھیں اور پھر یہ دعائیں پڑھیں، کیونکہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت یا چار رکعت نماز ''اشراق'' کی نیت سے پڑھنا ثابت ہیں اور احادیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہ دو رکعت گویا کہ اس بات کا شکرانہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک دن اور عطا فرمایا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز اشراق کے بعد پڑھی جائیں اور فجر کی نماز کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

پہلی دعا

پہلی دعا جو دن کے آغاز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیٰی وَبِکَ نَمُوْتُ۔

اے اللہ! ہماری صبح بھی آپ ہی کے کرم سے ہے اور ہماری شام بھی آپ ہی کے کرم سے ہے اور ہماری زندگی بھی آپ ہی کی بدولت ہے اور جب ہمیں موت آئے گی تو وہ موت بھی آپ ہی کی طرف سے ہے۔

اس دعا میں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے صبح سے لے کر شام تک کے سارے اوقات اللہ جل شانہ کے مرہون منت ہیں۔

دوسری دعا

صبح کے وقت دوسری یہ دعا پڑھنا ثابت ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَ خَیْرَ مَابَعْدَہٗ۔

اے اللہ! جو دن شروع ہو رہا ہے، میں اس دن کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں اور اس دن کے بعد جو دن آنے والے ہیں، ان کی بھی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں۔

اس دعا میں لفظ ''خیر'' بیان فرمایا، جس کے معنی ہیں ''بھلائی'' یہ اتنا جامع اور عام لفظ ہے کہ اس میں دنیا اور آخرت کی ساری حاجتیں جمع ہو جاتی ہیں، لہٰذا جب یہ کہا کہ میں اس دن کی بھلائی مانگتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن میں جو بھی واقعہ پیش آئے اور جو حالات پیش آئیں، وہ میرے لئے خیر ہوں اور وہ میرے لئے بھلائی کا سبب ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دعاؤں میں سے ایک دعا بھی اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ چنانچہ اس دعا میں بھی دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں جمع ہیں۔

تیسری دعا

پھر ایک اور دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ''خیر'' کی

تھوڑی سی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهٗ وَ نَصْرَهٗ وَ نُوْرَهٗ وَ بَرَكَتَهٗ وَهُدٰيهُ۔

اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی بھلائی اور اس دن کی فتح اور اس دن میں آپ کی مدد اور نصرت اور اس دن کا نور اور اس دن کی برکت اور اس دن میں حاصل ہونے والی ہدایت مانگتا ہوں۔

لفظ ''فتح'' کی تشریح

اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فتح'' کا لفظ ارشاد فرمایا۔ ہماری اردو زبان اتنی تنگ ہے کہ عربی کا لفظ ''فتح'' کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس کا یہ ترجمہ کیا کہ اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی فتح مانگتا ہوں، کیونکہ اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس لفظ کی پوری پوری نمائندگی کر سکے۔

''فتح'' کے لفظی معنی ہیں ''کھولنا'' جیسے کوئی چیز بند ہے اور پھر اس کو کھول دیا جائے تو اس کے لئے فتح کا لفظ بولا جائے گا۔ چنانچہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلعہ فتح کر لیا یا فلاں شہر فتح کر لیا، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پہلے ہمارے لئے بند تھا اور ہمارا اس پر قابو نہیں تھا اور ہمیں اس بات کی طاقت نہیں تھی کہ اس کے اندر داخل ہو سکتے، لیکن وہ فتح ہو گیا ہے اور ہمارے لئے کھل گیا ہے۔

لہٰذا اردو میں سب سے قریب تر اس کا ترجمہ "دروازے کھول دینا" ہو سکتا ہے۔

رحمت کے دروازے کھول دے

لہٰذا اس دعا کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! میں آپ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے اس دن کے اندر اپنی توفیق اور رحمت کے دروازے کھول دیں۔ کیونکہ انسان جب دن کے آغاز میں اپنی سرگرمیوں میں داخل ہوتا ہے، مثلاً صبح کے وقت روزی کمانے کے لئے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس وقت انسان کو قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دروازے بند ہیں، پھر بعض اوقات وہ رکاوٹیں برقرار رہتی ہیں اور انسان اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ غیب سے وہ رکاوٹ دور فرما دیتے ہیں اور انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

دروازہ کھل گیا

مثلاً آپ دفتر یا دکان جانے کے لئے گھر سے نکلے، اب آپ سواری کے انتظار میں کھڑے ہیں اور سواری نہیں مل رہی ہے، بس میں سوار ہونا چاہتے ہیں لیکن بس نہیں آرہی ہے، یا ٹیکسی کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی ٹیکسی نہیں مل رہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رکاوٹ ہے اور ابھی دروازہ بند ہے، پھر

اچانک بس آ گئی یا ٹیکسی مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دروازہ کھل گیا اور جو رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی۔ یا مثلاً آپ کسی کام کے لئے سرکاری دفتر گئے، وہاں جاکر دیکھا کہ لمبی قطار لگی ہوئی ہے، آپ بھی قطار میں کھڑے ہوگئے اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگے، مگر آپ کا نمبر ہی نہیں آ رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دروازہ بند ہے اور کوئی رکاوٹ ہے، لیکن اچانک یہ ہوا کہ آگے کے لوگ جلدی جلدی فارغ ہوگئے اور آپ کا نمبر جلدی آ گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رکاوٹ دور ہوگئی اور جو دروازہ بند تھا وہ کھل گیا۔ دنیا کے اور آخرت کے ہر کام میں آپ کو یہ سلسلہ نظر آئے گا۔

دروازہ کھل جانا ''فتح'' ہے

بعض اوقات یہ رکاوٹ اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ انسان اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتا اور بعض اوقات وہ رکاوٹ جلدی دور ہو جاتی ہے اور انسان اپنے مقصد کو جلدی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ جو رکاوٹ دور ہو رہی ہے اور دروازے کھل رہے ہیں، اس کا نام ''فتح'' ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دن کے آغاز میں یہ دعا فرما رہے ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ هٰذَا الْیَوْمِ وَفَتْحَهٗ

یعنی اے اللہ! آپ نے زندگی کا ایک نیا دن عطا فرما دیا ہے، اب اس دن میں اپنے کاروبار زندگی میں داخل ہوں گا، وہاں قدم قدم پر رکاوٹیں آئیں گی، اے اللہ! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ رکاوٹیں دائمی نہ ہوں، بلکہ وہ

رکاوٹیں دور ہو جائیں اور آپ کی طرف سے دروازے کھل جائیں۔

زندگی ''جہد مسلسل'' سے عبارت ہے

اگر ہر شخص صبح سے لے کر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ یہ ساری زندگی اس طرح گزر رہی ہے کہ رکاوٹیں آتی ہیں، کبھی وہ رکاوٹیں جلدی ختم ہو جاتی ہیں اور کبھی دیر سے ختم ہوتی ہیں اور کبھی باقی رہتی ہیں، کبھی انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی ناکام ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میرے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوا کرے بلکہ میں جو چاہوں وہ کام ہو جایا کرے تو یہ بات اس دنیا کے اندر تو ممکن نہیں ہے یہ حالت تو انشاء اللہ تعالیٰ جنّت میں حاصل ہوگی، وہاں پر آدمی جو چاہے گا وہ ہوگا، جو مانگے گا وہ ملے گا، لیکن اس دنیا میں بڑے سے بڑے بادشاہ، بڑے سے بڑے صاحب اقتدار، بڑے سے بڑے دولت مند کو بھی یہ بات نصیب نہیں کہ جو وہ چاہے وہ ہو جائے اور وہ جو مانگے وہ مل جائے، بلکہ یہ دنیا کی زندگی تو معرکہ کارزار حیات ہے، یہ زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے، اس میں رکاوٹیں آتی بھی ہیں اور دور بھی ہوتی ہیں، یہاں دروازے بند بھی ہوتے ہیں اور کھلتے بھی ہیں۔

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے آغاز میں دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں کارزار زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، معرکہ زندگی میں اترنے والا ہوں، یہاں قدم قدم پر رکاوٹیں آئیں گی، اے اللہ! میرے لئے

دروازے کھول دیجئے، تاکہ وہ رکاوٹیں دائمی اور ابدی نہ ہوں۔

''بیماری'' ایک رکاوٹ ہے

دیکھئے! بیماری آگئی تو یہ بیماری ایک رکاوٹ ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے معمولات زندگی ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اب بیماری کو دور کرنے کے لئے دوا کھائی تو اب وہ دوا اثر ہی نہیں کر رہی ہے اور دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے، یہ رکاوٹ ہے، لیکن اچانک بعد میں دوا سے فائدہ ہونا شروع ہو گیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھل گیا، اس کا نام ''فتح'' ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! جب میں صبح کے وقت زندگی کا آغاز کروں اور کاروبار زندگی میں اتروں تو اس وقت آپ کی طرف سے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور جو رکاوٹیں آئیں آپ ان کو دور فرما دیں۔

نماز میں سستی ایک رکاوٹ ہے

آپ اندازہ کریں کہ اگر کسی بندے کو صرف یہ بات حاصل ہو جائے کہ اس کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہوں، دنیا کے معاملات میں بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں اور دین کے معاملات میں بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں تو اس کو اور کیا چاہئے۔ یہ مثالیں تو میں نے دنیا کے معاملات میں بتائیں۔ آخرت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کوئی طاعت کرنا چاہتا ہے اور

عبادت کرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہے لیکن درمیان میں رکاوٹ آجاتی ہے، مثلاً فجر کی نماز پڑھنے کے لئے بیدار ہونا چاہتا ہے لیکن نیند کا غلبہ ہے، تو یہ ایک رکاوٹ ہے جو اس کو نماز سے روک رہی ہے اور دروازہ بند ہے، لیکن اس وقت اس کے دل میں یہ خیال آگیا کہ یہ نماز پڑھنا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس کو ضرور پڑھنا چاہئے، اس خیال کے آتے ہی طبیعت میں ہمت پیدا ہوگئی اور اٹھ کر نماز کے لئے چل پڑا، تو اب یہ اس کے لئے دروازہ کھل گیا اور رکاوٹ دور ہوگئی۔

گناہوں کے داعیے رکاوٹ ہیں

یا مثلاً آپ کسی کام سے گھر سے باہر نکلے، لیکن باہر آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے، چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات اس کو اس بات پر ابھار رہی ہیں کہ وہ اس کو غلط استعمال کرکے لذت حاصل کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہے، دروازہ بند ہے، اور نفس کا تقاضہ اتنا شدید ہے کہ آدمی مغلوب ہو رہا ہے، نفس و شیطان کا بہکانا اتنا شدید ہے کہ انسان ہتھیار ڈالے جارہا ہے، لیکن جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس نفس و شیطان نے مجھے مغلوب کر رکھا ہے، اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمادے کہ میں اس گناہ سے بچ جاؤں، چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں توفیق مل گئی اور اس گناہ سے بچنے کی ہمت ہوگئی اور دروازہ کھل گیا۔ بہرحال! دنیا کے کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی دروازہ کھلنے

کی ضرورت ہے، اور ہم اس بات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں کہ اس کی طرف سے دروازہ کھل جائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دن کے شروع ہی میں یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! اس دن کی بھلائی عطا فرما اور اس دن کی ''فتح'' عطا فرما، تاکہ رکاوٹیں دور ہوں اور دروازے کھل جائیں۔

لفظ "نَصْرَہٗ" کی تشریح

اس کے بعد تیسرا لفظ ارشاد فرمایا: "نَصْرَہٗ" ۔ "نَصْرَ" کے معنی ہیں ''مدد'' یعنی اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی مدد مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ انسان صبح سے شام تک کی زندگی میں جتنے کام انجام دیتا ہے، ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو پھر انسان کوئی بھی کام اس دنیا میں انجام نہیں دے سکتا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دن کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ سے یہ التجا اور درخواست فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی نصرت میرے شامل حال رہے اور میں جب بھی کوئی کام کرنے جاؤں تو آپ کی طرف سے میری مدد ہو، چاہے وہ دنیا کا کام ہو یا آخرت کا کام ہو۔

انسان کا کام صرف اسباب جمع کرنا ہے

دیکھئے! انسان کے اختیار میں بس اتنا ہے کہ وہ کسی کام کے اسباب مہیا کرلے، لیکن ان اسباب کا کارگر ہونا، ان سے فائدہ حاصل ہونا اور ان سے

مقصود حاصل ہو جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے پیسے جمع کیے، دکان بنائی، اس دکان میں سامان رکھا اور اس دکان میں جا کر بیٹھ گیا۔ یہ کام تو اس کے اختیار میں تھے جو اس نے انجام دے دیے، لیکن اس دکان پر گاہک کا آنا اور سامان کو پسند کرنا اور اس سامان کی جو قیمت طلب کی جا رہی ہے، اس قیمت کے ادا کرنے پر تیار ہو جانا، یہ کام انسان کے اختیار میں نہیں۔ وہ کون ذات ہے جو اس کی دکان پر گاہک کو بھیج رہا ہے، وہ کون ذات ہے جو گاہک کے دل میں یہ ڈال رہا ہے کہ اس دکان میں فلاں چیز رکھی ہے تم پسند کرلو، کون اس گاہک کے دل میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ اس چیز کو اتنی قیمت پر خریدلو۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ وہ دکان کھول کر مال سجا کر بیٹھے ہیں لیکن گاہک نہیں آتا، یا گاہک آتا ہے لیکن چیز پسند نہیں کرتا، یا چیز پسند کرتا ہے لیکن اس کی جو مناسب قیمت ہے، وہ دینے پر تیار نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ دکاندار دکان کھولے بیٹھا ہے لیکن فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اب ظاہری اسباب تو اس نے جمع کر لیے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ کی طرف سے مدد اور نصرت نہیں جس کے نتیجے میں یہ سارے اسباب بے کار ہو گئے۔

صحت حاصل ہونا اختیار میں نہیں

یا مثلاً انسان کے اختیار میں اتنا ہی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو وہ کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرے اور وہ ڈاکٹر اس کو دوا لکھ دے، پھر وہ شخص بازار سے وہ دوا خرید کر لے آئے اور اس دوا کو کھالے، لیکن دوا کے کھا لینے کے بعد

وہ دوا کارگر ہو، وہ دوا فائدہ پہنچائے اور بیماری کو دور کرے اور اس کے نتیجے میں شفا حاصل ہو جائے، یہ انسان کے بس کا کام نہیں جب تک اللہ جل شانہ کی طرف سے مدد اور نصرت نہ ہو۔

ملازمت مل جانا اختیار میں نہیں

یا مثلاً انسان کے اختیار میں اتنا ہی ہے کہ اپنے روزگار اور ملازمت کے لئے درخواست دیدے، لیکن وہ درخواست منظور ہو جائے اور ملازمت مل جائے اور اس کے بعد دونوں کے درمیان مناسبت بھی قائم ہو جائے اور اس کام کے نتیجے میں تنخواہ مل جائے، یہ انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کی ضرورت ہے۔ یہ تو دنیا کے کام ہوئے۔

خشوع وخضوع اختیار میں نہیں

دوسری طرف آخرت کے کاموں میں بھی یہی اصول ہے۔ مثلاً انسان کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ مسجد جا کر نماز کی نیت باندھ لے، لیکن اس کا دل اور اس کا دماغ اور اس کی توجہ اللہ جل شانہ کی طرف ہو جائے اور اس کی نماز میں خشوع اور خضوع پیدا ہو جائے، یہ اس کے اختیار میں نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔ بہرحال! دنیا اور آخرت کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں اللہ جل شانہ کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

دن کے آغاز میں ''نصرت'' طلب کرلو

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دن کے شروع ہی میں یہ دعا مانگ رہے ہیں اور گویا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! یہ دن شروع ہو رہا ہے، میں کاروبار زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، معرکہ حیات پیش آنے والا ہے، نہ جانے کیسے حالات پیش آئیں، نہ جانے کیا واقعات سامنے آئیں، اس لئے مجھے ہر ہر قدم پر آپ کی نصرت درکار ہے، میں آپ سے آپ کی نصرت مانگتا ہوں۔

لفظ ''نورہ'' کی تشریح

آگے چوتھا لفظ ارشاد فرمایا ''وَنُوْرَهٗ'' یعنی میں آپ سے اس دن کا نور مانگتا ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دن تو ہوتا ہی نور ہے، اس لئے کہ ''نور'' کے معنی ہیں ''روشنی'' اور دن کے اندر روشنی ہی ہوتی ہے، جب سورج نکلتا ہے تو ساری کائنات منور اور روشن ہو جاتی ہے، مؤمن اور کافر، فاسق و فاجر، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دن کی روشنی عطا فرماتے ہیں، پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ اے اللہ! مجھے اس دن کا نور عطا فرما؟

نور سے دل کا نور مراد ہے

بات دراصل یہ ہے کہ اس دعا میں نور سے مراد یہ ظاہری روشنی نہیں، بلکہ یہ دعا کی جا رہی ہے کہ اے اللہ! ظاہری روشنی تو آپ نے اس دن کے

ذریعہ سب کو عطا فرمادی، مؤمن کو بھی اور کافر کو بھی، فاسق کو بھی اور فاجر کو بھی، بچے کو بھی اور بوڑھے کو بھی، مرد کو بھی اور عورت کو بھی، لیکن اے اللہ! میرے لئے تنہا یہ ظاہری روشنی کافی نہیں جب تک آپ مجھے میرے دل کا نور عطا نہ فرمائیں۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ ۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

لہٰذا صرف آنکھوں کا نور کافی نہیں بلکہ باطن کا نور اور دل کے نور کی ضرورت ہے۔

اپنے رضا والے کاموں کی توفیق دے

اس لئے یہ دعا کی جارہی ہے کہ اے اللہ! آپ نے یہ جو ظاہری روشنی پیدا فرمائی ہے، یہ اس لئے پیدا فرمائی ہے تاکہ لوگ اس روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنے کام انجام دیں، کیونکہ اگر اندھیرا ہوتا اور سورج نہ نکلتا تو کوئی آدمی اپنا کوئی کام انجام نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۔ (سورۂ روم، آیت ۲۳)

یعنی ہم نے تمہیں یہ دن اس لئے دیا ہے تاکہ اس دن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ لہٰذا یہ تو ہماری جسمانی ضرورت ہے کہ ہمیں یہ روشنی ملے، لیکن میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! دن کی یہ روشنی اس وقت کارگر ہوگی

جب میں اس روشنی میں کام بھی نور والے کروں، ظلمت والے کام نہ کروں۔ اور نور والے کام وہ ہیں جن کے کرنے سے آپ راضی ہوتے ہیں، اور جن کاموں کے کرنے سے آپ راضی نہیں، وہ کام چاہے کتنے ہی درخشاں اور تاباں نظر آتے ہوں، لیکن حقیقت میں وہ ظلمت اور اندھیرے ہیں، اس لئے میں آپ سے اس دن کا نور مانگتا ہوں۔

کام کی ظلمت سے دل میں گھٹن ہوتی ہے

یہ ''نور'' کا لفظ بڑا جامع ہے، قرآن و حدیث میں ''نور'' ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔ آپ دنیا کے اندر بہت سے کام انجام دیتے ہیں، لیکن بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو انجام دینے کے بعد طبیعت میں بہت نشاط اور انشراح ہوتا ہے، خوشی اور اطمینان اور سکینت حاصل ہوتی ہے، اور بعض کام ایسے کرتے ہیں کہ ان کو انجام دینے کے بعد طبیعت میں انقباض ہوجاتا ہے، گھٹن اور الجھن ہو جاتی ہے، اطمینان اور سکون نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کسی کام کے کرنے میں بڑا لطف اور مزہ تو آیا لیکن اس کے کرنے کے بعد طبیعت میں گھٹن اور ایک الجھن پیدا ہوگئی، تو یہ گھٹن اور الجھن اس کام کی ظلمت ہے اور اس ظلمت نے دل کو گھیرا ہوا ہے۔

کام کے نور سے دل میں انشراح

بعض اوقات ایک کام انجام دینے سے طبیعت کے اندر خوشی پیدا ہوگئی،

اطمینان اور سکون حاصل ہوگیا، سکینت حاصل ہوگئی، یہ درحقیقت اس کام کا نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے ذریعہ عطا فرمایا۔ صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھیں، ہر انسان کو یہ حالت پیش آتی ہے، کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ اس لئے دن کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیں کہ اے اللہ! وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمایئے جس کے نتیجے میں دل کا نور حاصل ہو اور جس سے قلب کو سکون اور اطمینان نصیب ہو۔

لفظ "بَرَكَتَهٗ" کی تشریح

اس کے بعد پانچواں لفظ ارشاد فرمایا: "وَبَرَكَتَهٗ" اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی برکت مانگتا ہوں۔ یہ "برکت" بڑی عجیب چیز ہے۔ اردو میں یا دنیا کی دوسری زبان میں اس کا ایک لفظ کے ذریعہ ترجمہ کرنا ممکن نہیں۔ ہم لوگ "برکت" کا لفظ ہر وقت بولتے رہتے ہیں، اور اسی برکت سے لفظ "مبارک" نکلا ہے، کسی کا نکاح ہوگیا، تو کہتے ہیں نکاح مبارک ہو، شادی مبارک ہو، مکان بن گیا مبارک ہو، گاڑی مبارک ہو، کاروبار مبارک ہو، ملازمت مبارک ہو، دن رات "مبارک" کا لفظ استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن اس لفظ کا مطلب بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔

برکت کا مطلب

"برکت" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی چیز کا حقیقی فائدہ انسان کو عطا فرمادیں اور تھوڑی محنت و مشقت سے اور تھوڑے پیسے سے

زیادہ فائدہ حاصل ہو جائے، اس کا نام ''برکت'' ہے۔ یہ ''برکت'' خالص اللہ جل شانہ کی عطا ہے، انسان پیسے سے چیز خرید سکتا ہے لیکن اس کی ''برکت'' پیسے سے نہیں خرید سکتا اور نہ محنت سے حاصل کر سکتا ہے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، انہی کی طرف سے نصیب ہوتی ہے، جس پر ان کا فضل ہوتا ہے، اسی کو یہ برکت عطا ہوتی ہے۔

بیڈ روم کی برکت نہیں ملی

مثلاً آپ نے ایک بڑا عالیشان مکان بنالیا، اس مکان پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا، اس کو زیب و زینت سے آراستہ کرلیا، دنیا کی تمام ضروریات اس مکان کے اندر جمع کرلیں، اس مکان کا بیڈ روم بڑا شاندار بنایا، اس کے اندر شاندار قسم کا بیڈ لگایا، اس پر عالیشان گدا لگایا، اس بیڈ کے چاروں اطراف کا ماحول بڑا خوبصورت بنایا، اس کے اندر خوشبو چھڑکی، یہ سب کچھ کرلیا، لیکن جب رات کو آ کر اس بیڈ پر لیٹے تو ساری رات نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتے بدلتے رات گزر گئی۔ بتایئے! وہ بیڈ روم جو لاکھوں روپے میں تیار کیا اور اس کے اندر سارے اسباب جمع کیے، لیکن جب اس میں نیند نہیں آئی تو کیا وہ بیڈ روم کسی کام کا ہے؟ اس بیڈ روم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اب ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں اور نیند کی گولیاں کھا رہے ہیں، اس کے نتیجے میں کبھی نیند آتی ہے اور کبھی نہیں آتی، لہٰذا بیڈ روم تو حاصل ہو گیا لیکن اس کی برکت نہ ملی۔

گھر ملا لیکن برکت نہ ملی

اسی طرح گھر خریدا، لیکن اس گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوا ہے، کبھی یہ چیز ٹوٹ گئی اور کبھی وہ چیز ٹوٹ گئی، کبھی اس چیز کی مرمت کرا رہے ہیں اور کبھی دوسری چیز کی مرمت کرا رہے ہیں، کبھی اس چیز پر ہزاروں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور کبھی دوسری چیز پر خرچ ہو رہے ہیں، لہٰذا گھر تو ملا لیکن گھر کی برکت نہ ملی۔ اب بتایئے! کیا یہ برکت بازار سے خرید کر لا سکتے ہیں؟ لاکھوں روپے خرچ کر کے گھر تو بنا سکتے ہیں لیکن اس گھر کی برکت پیسوں سے نہیں خرید سکتے۔

گاڑی ملی لیکن برکت نہ ملی

یا مثلاً آپ نے پیسے خرچ کر کے گاڑی تو خرید لی لیکن وہ گاڑی کبھی اسٹارٹ ہونے سے انکار کر رہی ہے اور اس کو دھکا لگانا پڑ رہا ہے اور کبھی وہ مکینک کے پاس کھڑی ہے، یہ سب پریشانیاں ہو رہی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ گاڑی تو ملی لیکن گاڑی کی برکت نہ ملی۔

جھونپڑا ملا اور برکت بھی ملی

دوسری طرف وہ شخص ہے جس نے حلال کمائی سے جھونپڑا بنایا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اس میں آرام سے رہتا ہے، رات کو عشاء کی نماز کے بعد گھر میں آتا ہے اور بستر کے تکیے پر سر رکھتے ہی نیند کی آغوش میں چلا جاتا

ہے اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند کر کے صبح اٹھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو جھونپڑا بھی ملا اور جھونپڑے کی برکت بھی ملی اور اس کی راحت بھی ملی۔

یہ سب اسباب راحت ہیں

آج کی دنیا نے راحت کے اسباب کا نام راحت رکھا ہوا ہے، مال و دولت کا نام، مکان کا نام، گاڑی کا نام راحت رکھا ہوا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سب چیزیں راحت کے اسباب تو ہیں لیکن حقیقی راحت نہیں، حقیقی راحت تو کہیں اور سے عطا ہوتی ہے، وہ اگر دینا چاہے تو جھونپڑے میں راحت و آرام عطا فرما دے اور اگر وہ راحت چھیننا چاہے تو بڑے بڑے محلات کے مکینوں سے چھین لے۔ لہٰذا ''برکت'' اللہ تعالیٰ کی اس عطا کا نام ہے جو اپنے بندے کو اس طرح عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز سے بہت سے کام بن جاتے ہیں۔

''مبارک ہو'' کا مطلب

لہٰذا ہم جو دوسروں کو یہ دعا دیتے ہیں کہ ''مبارک ہو'' اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! آپ نے اس کو راحت کا سبب تو عطا فرمایا، اب اس سبب کو کارگر بھی بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ اس کو راحت بھی عطا فرما دیجئے۔

آج ہر شخص پریشان ہے

آج ہر شخص کو یہ شکایت ہے کہ اس آمدنی میں گزارہ نہیں ہوتا، جو شخص

تین ہزار روپے ماہانہ کما رہا ہے، اس کو بھی یہی شکایت ہے، جو شخص دس ہزار روپے کما رہا ہے، اس کو بھی یہی شکایت ہے اور جو ماہانہ تیس ہزار روپے کما رہا ہے، وہ بھی یہی شکایت کرتا ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص ماہانہ ایک لاکھ روپے کما رہا ہے، وہ بھی یہی کہتا ہے کہ گزارہ نہیں ہوتا، جب مہینے کی آخری تاریخیں آتی ہیں تو جیبیں خالی ہو جاتی ہیں، جو پریشانی تین ہزار روپے کمانے والے کو ہے، وہی پریشانی ایک لاکھ روپے کمانے والے کو بھی ہے۔

تین لاکھ روپے ماہانہ آمدنی والے کا حال

ایک شخص کی آمدنی تین لاکھ روپے ماہانہ تھی، میں نے اپنے کانوں سے ان کی زبان سے بھی یہی سنا کہ گزارہ نہیں ہوتا۔ بات اصل یہی تھی کہ تین لاکھ تو مل رہے ہیں، لیکن تین لاکھ کی برکت نہیں مل رہی ہے، وہ برکت اللہ تعالیٰ نے چھین لی ہے، اور اس لئے چھین لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں زندگی گزاری جارہی ہے، اب برکت کہاں سے آئے؟

وقت نہ ہونے کا سب کو شکوہ ہے

ہر شخص کی زبان پر یہ شکوہ ہے کہ وقت نہیں ملتا، کسی سے کہا جائے کہ فلاں کام کرلیا کرو تو فوراً جواب میں کہیں گے کہ وقت ہی نہیں ملتا، کیا کریں فرصت ہی نہیں ہے۔ آج ضروری کاموں کے لئے وقت نہیں ملتا، کیوں وقت نہیں ملتا؟ حالانکہ سب کو دن رات میں ۲۴ گھنٹے کا وقت دیا گیا ہے، چاہے وہ

فقیر ہو یا امیر ہو، غریب ہو یا سرمایہ دار ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، مزدور ہو یا کسان ہو یا افسر ہو، چوبیس گھنٹے کا وقت تو سب کو دیا گیا ہے، پھر وقت کیوں نہیں ملتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت تو سب کے پاس ہے، لیکن اس وقت کی برکت نہیں ہے، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب دن شروع ہوا اور کب ختم ہو گیا۔ کیونکہ وقت کی قدر دلوں میں نہیں ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ جب یہ وقت برباد کر دیا تو کتنی بڑی دولت برباد کر دی، اس لئے وقت کے اندر بے برکتی ہے۔

دن کے آغاز میں برکت کی دعا کرلو

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! دن شروع ہو رہا ہے، اس لئے میں آپ سے اس دن کی برکت بھی مانگتا ہوں تاکہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جائے، یہ برکت صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

وقت بچانے کے اسباب

آج کے اس جدید دور میں وقت بچانے کے اتنے اسباب پیدا ہو گئے ہیں جس کا شمار نہیں کر سکتے، چنانچہ جو سفر پہلے گھوڑوں اور اونٹوں پر مہینوں میں ہوا کرتا تھا، آج وہ سفر ایک گھنٹے میں ہوائی جہاز کے ذریعہ ہو جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں یہ تھا کہ اگر کھانا پکانا ہے تو پہلے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ، ان کو سکھاؤ، پھر ان کو سلگاؤ، صرف چولہا جلانے کے لئے ایک گھنٹہ درکار ہوتا تھا،

اس کے بعد کھانا پکانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا وہ اس کے علاوہ ہوتا تھا، ایک چائے بھی پکانی ہے تو ایک گھنٹہ کم از کم لگتا تھا۔ لیکن آج یہ صورت ہے کہ اگر تمہیں چائے پکانی ہے تو تم نے ماچس جلائی اور چولہے کا کان مروڑا اور دو منٹ میں چائے تیار کرلی۔ اب سوال یہ ہے کہ آج تمہارے چائے پکانے میں جو ۵۸ منٹ بچ گئے، وہ ۵۸ منٹ کہاں چلے گئے؟

جو وقت بچا وہ کہاں گیا؟

پہلے زمانے میں روٹی پکانے کے لئے خواتین پہلے چکی کے ذریعہ گندم پیستی تھیں، پھر اس کا آٹا بنا کر اس کو گوندتیں، پھر روٹی پکاتیں، سالن بنانا ہوتا تو پہلے تمام مصالحے پیستیں اور پھر ہانڈی چڑھاتیں، صبح سے لے کر دوپہر تک سارا وقت صرف کھانا پکانے میں صرف ہو جاتا تھا۔ آج وہ کھانا ایک گھنٹہ میں تیار ہو جاتا ہے، جو کام پہلے پانچ گھنٹے میں ہوتا تھا، وہ اب ایک گھنٹے میں ہونے لگا اور اس کے نتیجے میں چار گھنٹے بچے، یہ چار گھنٹے کہاں گئے؟ لیکن پھر بھی یہ شکایت ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ کیوں؟ یہ سب اس لئے کہ آج وقت تو ہے لیکن وقت کی برکت اٹھ گئی ہے۔

گناہ برکت کو ختم کر دیتے ہیں

اور یہ درحقیقت گناہوں کا خاصہ ہے، یہ گناہ برکت کو ختم کر دیتے ہیں، پیسوں کی برکت بھی، اوقات کی برکت بھی اور کاموں کی برکت بھی اٹھا دیتے

ہیں۔ لہٰذا ان گناہوں کے نتیجے میں نہ پیسوں میں برکت رہی، نہ اوقات میں برکت رہی اور نہ کاموں میں برکت رہی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دن کے شروع ہی میں یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! دن شروع ہونے والا ہے، اب میں کاروبار زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے برکت عطا فرما دیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں برکت کی مثال

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ذی الحج کی صبح "مزدلفہ" میں فجر کی نماز ادا کی، فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک وہاں پر وقوف فرمایا اور دعائیں فرمائیں۔ پھر اونٹ پر سوار ہو کر "منیٰ" تشریف لائے، پھر "منیٰ" میں جمرہ عقبیٰ کی رمی فرمائی، اس کے بعد آپ نے سو اونٹوں کی قربانی فرمائی، جس میں سے تریسٹھ اونٹ خود اپنے دست مبارک سے قربان فرمائے۔

پھر ہر اونٹ کے گوشت میں سے ایک ایک پارچہ کاٹا گیا، اور پھر ان تمام گوشت کے پارچوں سے شوربہ تیار کیا گیا، تاکہ تمام اونٹوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت نصیب ہو جائے، اور پھر آپ نے ہر پارچہ میں سے تھوڑا تھوڑا تناول فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے سر کا حلق فرمایا، اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں پر طواف زیارت فرمایا، طواف زیارت کے بعد واپس "منیٰ" تشریف لائے اور ظہر کی نماز "منیٰ" میں ادا

فرمائی۔

آج اگر ہمیں ایک اونٹ ذبح کرنا ہو تو ہمیں اس کے لئے پورا دن چاہئے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ ذبح کرنے کے ساتھ اتنے سارے کام انجام دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی یہ سب کام انجام دیئے۔ یہ درحقیقت وقت کی برکت تھی، جو شخص جتنا اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا اور جس کو اللہ تعالیٰ عبادات کی توفیق عطا فرمائیں گے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے، اس کے اوقات میں اتنی ہی برکت ہوگی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے شروع ہی میں برکت کا سوال کرلیا۔

لفظ "ھُدَاہُ" کی تشریح

اس دعا میں آخری لفظ یہ ارشاد فرمایا: "وَھُدَاہُ" یعنی اے اللہ! مجھے اس دن میں ہدایت عطا فرما۔ "ہدایت" کے لفظی معنی ہیں "سیدھا اور صحیح راستہ پالینا" مثلاً ایک شخص کسی منزل کی طرف جارہا ہے، اگر اس کا راستہ صحیح نہیں ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ محنت کرے گا، اس کو تھکن بھی ہوگی، وقت بھی صرف ہوگا، لیکن فائدہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسان کو اپنی زندگی کے ہر لمحے میں منزل تک پہنچنے کے لئے صحیح راستہ درکار ہے، اگر راستہ غلط ہو تو انسان اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے دن کے آغاز میں ہی یہ دعا مانگ لی کہ جو کام بھی میں کروں، وہ صحیح راستے سے کروں، غلط راستے پر نہ

پڑوں اور ہدایت سے نہ بھٹک جاؤں، بلکہ آپ کی طرف سے ہدایت میرے شامل حال رہے۔

دنیا وآخرت کے کاموں میں ہدایت کی ضرورت

اب دنیا کے کاموں کے لئے بھی ہدایت درکار ہے اور آخرت کے کاموں کے لئے بھی ہدایت درکار ہے، مثلاً کوئی شخص روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلے تو اس میں بھی ہدایت درکار ہے، تاکہ وہ شخص ایسا راستہ اختیار کرے جو اس کو روزی فراہم کرنے کا صحیح ذریعہ ہو، اگر وہ روزی کمانے کے لئے غلط راستے پر چل پڑے تو محنت بے کار جائے گی اور روزی بھی حاصل نہ ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی بے روزگار ہے اور وہ ملازمت کی تلاش میں ہے، اب وہ کبھی ایک جگہ درخواست دے رہا ہے، کبھی دوسری جگہ درخواست دے رہا ہے، کبھی کسی شخص سے فرمائش کر رہا ہے کہ مجھے ملازم رکھ لو، کبھی دوسرے سے فرمائش کر رہا ہے، چنانچہ اس نے ملازمت کے لئے دس جگہوں پر درخواستیں دیں، لیکن وہ تمام جگہوں پر ناکام ہو گیا اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا اس کی محنت بھی اکارت گئی اور وقت بھی برباد ہوا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔

ہدایت حاصل ہو جائے تو کام بن جائے

لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں وہ جگہ ڈال دے جہاں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملازمت مقدر فرمائی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پہلی ہی

مرتبہ درخواست دے گا تو اس کی درخواست قبول ہو جائے گی اور ملازمت پر بلالیا جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی یہ دعا کرلینی چاہئے کہ اے اللہ! آپ نے جس کام میں میرے لئے خیر مقدر فرمائی ہے، اس کا سراغ مجھے پہلی مرتبہ ہی میں مل جائے تاکہ مجھے اِدھر اُدھر بھٹکنا نہ پڑے۔

جب اللہ تعالیٰ دلوں کو جوڑتے ہیں تب ہدایت حاصل ہوتی ہے اور نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً ملازمت تلاش کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ تم فلاں جگہ درخواست دو اور دوسری طرف ملازم رکھنے والے کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو ملازمت پر رکھ لو، نہ اس کی قدرت میں یہ بات تھی کہ وہ اس پر زور ڈالتا کہ مجھے ضرور ملازمت پر رکھ لو اور نہ اس کے قبضے میں یہ بات تھی کہ صحیح ملازم تلاش کرلے۔ یہ دنیا تو اللہ تعالیٰ کا کارخانہ قدرت ہے کہ ہر ایک کے مفاد کو دوسرے سے وابستہ کر رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں انسانوں کو روزی حاصل ہوتی ہے۔

''اِتفاق'' کوئی چیز نہیں

ویسے تو انسان کے ساتھ دن رات واقعات پیش آتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات انسان غفلت کی وجہ سے ان واقعات کو اتفاق کا نتیجہ سمجھتا ہے اور دوسروں سے کہتا ہے کہ ''اتفاق سے ایسا ہوگیا'' مثلاً وہ کہتا ہے کہ میں گھر سے باہر نکلا تو اتفاق سے ایک آدمی مل گیا اور اس نے کہا کہ مجھے ایک ملازم کی تلاش ہے، میں نے کہا کہ میں فارغ ہوں، چنانچہ اس نے مجھے ملازم رکھ لیا۔

اس کا نام اس نے ''اتفاق'' رکھ دیا، حالانکہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو ایک حکیم مطلق کا کارخانہ حکمت ہے، اس کی منصوبہ بندی کے تحت سب کچھ انجام پا رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ تم گھر سے نکلے اور تمہاری اس آدمی سے ملاقات ہوگئی، بلکہ وہ کسی کا بھیجا ہوا آیا تھا اور تم بھی کسی کے بھیجے ہوئے گئے تھے، دونوں کا آپس میں ملاپ ہوگیا اور بات بن گئی۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت ہے۔

میرا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی تفسیر اردو زبان میں لکھی ہے جو ''معارف القرآن'' کے نام سے مشہور ہے، لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ہم اس کا انگریزی ترجمہ کرنا چاہتے تھے، ایک صاحب نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی وہ سورہ بقرہ ہی کا ترجمہ کر رہے تھے، جب سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر پر پہنچے۔

إنا لِلّٰہ وانا إلیہ راجعون۔

تو ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ بہت اچھا ترجمہ کرنے والے تھے، ان کے انتقال کے بعد میں کافی عرصہ تک تلاش کرتا رہا کہ کوئی اچھا ترجمہ کرنے والا مل جائے لیکن کوئی نہیں مل رہا تھا، اس دوران ایک مرتبہ میری حاضری مکہ مکرمہ میں ہوئی، میں نے وہاں جا کر ''ملتزم'' پر اور دعاؤں کے ساتھ ایک دعا یہ بھی کی کہ

یا اللہ! آپ کے کلام پاک کی تفسیر کا ترجمہ کرنے کا کام ہے، کوئی مناسب آدمی نہیں مل رہا ہے، اے اللہ! اپنی رحمت سے اچھا آدمی عطا فرما دے جو اس کام کی تکمیل کر دے۔

یہ دعا کر کے واپس جب پہنچا تو میرے دفتر میں مجھے اطلاع ملی کہ ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ کی غیر موجودگی میں وہ آئے تھے اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، میں نے کہا کہ ان کو بلا لیں، اگلے دن وہ ملاقات کے لئے آ گئے اور آ کر انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں میرے بیٹے رہتے ہیں، میں بھی وہاں گیا ہوا تھا، جب میں وہاں سے واپس آ رہا تھا تو راستے میں عمرہ کرنے کے ارادے سے سعودی عرب چلا گیا، عمرہ ادا کرنے کے بعد میں نے ''ملتزم'' پر جا کر یہ دعا کی کہ یا اللہ! میری باقی زندگی قرآن شریف کی خدمت میں صرف کرا دے۔ میں نے سنا ہے آپ کے والد صاحب کی جو تفسیر ہے ''معارف القرآن'' آپ اس کا انگریزی میں ترجمہ کرانا چاہتے ہیں، اس کام کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ملتزم پر یہ دعا کر کے آ رہے ہیں کہ مجھے قرآن کریم کی کوئی خدمت عطا فرما دیجئے اور میں یہ دعا کر کے آ رہا ہوں کہ قرآن کریم کی خدمت کرنے والا عطا فرما دیجئے، دونوں کی دعائیں مل گئی ہیں، لہٰذا آپ خود سے یہاں نہیں آئے ہیں بلکہ کسی کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ کے بندے کسی معاوضے کے بغیر اور کسی دنیاوی لالچ کے بغیر خالص اللہ کے لئے سالہا سال سے یہ کام کر رہے ہیں، الحمد للہ پانچ جلدیں اس کی چھپ چکی ہیں (لیکن

افسوس کہ چند روز پہلے ان کا بھی انتقال ہوگیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون) اب دیکھنے والے سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ اتفاقاً یہاں پہنچ گئے۔ لیکن یاد رکھئے! اس کائنات میں کوئی کام ''اتفاق'' سے نہیں ہوتا بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام حکمت کے تحت ہوتا ہے۔

البتہ بعض اوقات جب ہمیں کسی کام کا ظاہری سبب آنکھوں سے نظر نہیں آتا تو ہم اپنی حماقت سے کہہ دیتے ہیں کہ اتفاق سے ایسا ہوگیا، حقیقت میں اتفاق کوئی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حکمت ہوتی ہے۔

دن کے آغاز میں ہدایت مانگ لیں

لہٰذا جب ہم دن کے شروع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے آج کے دن میں ہدایت عطا فرمائیے، دنیا کے کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! آج کے دن میری کوششیں بیکار نہ جائیں بلکہ میں آج کے دن وہی کام کروں جس میں آپ نے میرے لئے خیر مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا جب انسان کی زندگی میں کشمکش کے مواقع آتے ہیں کہ یہ کام کروں یا یہ کروں، یہاں جاؤں یا وہاں جاؤں تو ان سب مواقع میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت درکار ہے، اس لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! وہ راستہ اختیار کرنے کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک میرے لئے دنیا وآخرت کے اعتبار سے بہتر ہے۔

یہ بڑی جامع دعا ہے

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو دیکھ لیجئے کہ کسی بھی انسان کی دنیا کی، آخرت کی، معاش کی، معاد کی کوئی حاجت ایسی ہے جو اس دعا میں آپ ﷺ نے طلب نہ فرمائی ہو؟ یہ بڑی جامع دعا ہے۔ اگر کسی کو عربی میں دعا یاد نہ ہو تو اردو میں مانگ لے کہ اے اللہ! میں اس دن کی خیر مانگتا ہوں اور اس دن کی فتح مانگتا ہوں تا کہ کوئی رکاوٹ نہ آئے، اگر کوئی رکاوٹ آئے تو وہ کھل جائے، اور اس دن میں آپ کی مدد مانگتا ہوں، اور اس دن کا نور مانگتا ہوں اور اس دن کی برکت مانگتا ہوں اور اس دن کی ہدایت مانگتا ہوں۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی اگر ایک دعا بھی قبول ہو جائے تو انسان کی دِلدّر دور ہو جائیں، اور اس کا بیڑہ پار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

صبح کے وقت کی ایک اور دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

(سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گزشتہ دو جمعوں سے ایک دعا کی تشریح کا بیان چل رہا ہے جو دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ایک اور دعا یہ مانگا کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلاَحاً وَّاَوْسَطَهٗ فَلاَحاً وَّ آخِرَهٗ نَجَاحًا۔

اے اللہ! اس دن کے ابتدائی حصے کو میرے لئے نیکی کا ذریعہ بنا دیجئے یعنی جب یہ دن شروع ہو تو میرے کسی نیک عمل سے شروع ہو اور دن کے اوّل حصے میں نیکی کروں۔ اور اے اللہ! دن کے درمیانی حصے کو میرے لئے فلاح بنا دیجئے۔ اور اے اللہ! دن کے آخری حصے کو میرے لئے کامیابی بنا دیجئے۔

دن کا آغاز اچھے کام سے کرو

اس دعا کے اندر آپ نے دن کو تین حصوں میں تقسیم فرما دیا، یعنی اے اللہ! دن کے ابتدائی حصے میں مجھے صالح اور نیک عمل کرنے کی توفیق ہو۔ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو یہ تعلیم دیدی کہ اگر تم دن کو اچھا گزارنا چاہتے ہو اور بہتر نتائج حاصل کرنا چاہتے ہو تو دن کے اوّل حصے کو نیک کاموں میں لگاؤ، اور آپ اس کی دعا بھی کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے اس کی توفیق دیجئے کہ میں دن کے اوّل حصے کو نیک کام میں لگاؤں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کی سنت یہ ہے کہ جو بندہ دن کے اوّل حصے کو نیک کاموں میں لگائے گا تو آپ اس کا دن اچھا گزروائیں گے۔

صبح اٹھ کر یہ کام کرو

اسی وجہ سے بستر سے اٹھنے کے بعد پہلا فریضہ اللہ تعالیٰ نے یہ عائد فرمایا ہے کہ نماز فجر کے لئے آ جاؤ۔ یہ تو فرض ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جب سورج طلوع ہو کر تھوڑا سا بلند ہو جائے تو اس وقت اشراق کی دو رکعت ادا کرلو، یہ فرض نہیں، واجب نہیں، سنت مؤکدہ بھی نہیں بلکہ نفلی نماز ہے، لیکن اس نفلی نماز کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتے ہیں کہ:

یا ابن آدم! ارکع لی رکعتین فی اوّل النھار

اکفک آخرہ۔

اے ابن آدم! تو اوّل دن میں میرے لئے دو رکعتیں پڑھ لیا کر تو میں تیرے لئے دن کے آخر تک حامی اور مددگار رہوں گا۔

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میرے دن کے آغاز کو نیک عمل کا حصہ بنا دیجئے کہ مجھے اس میں نیک عمل کی توفیق ہو جائے تا کہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت میرے ساتھ رہے۔

دن کا آغاز رجوع الی اللہ سے

اس دعا کے ذریعہ اپنی امت کو یہ ترغیب دیدی کہ دن کے اوّل حصے کو رجوع الی اللہ میں صرف کرو، فجر کی نماز تو پڑھنی ہی ہے لیکن اس کے بعد کچھ اشراق کی نوافل پڑھ لو، کچھ قرآن کریم کی تلاوت کرلو اور کچھ ذکر کرلو، تسبیحات پڑھ لو، دعائیں کرلو۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر جس وقت بھی کیا جائے فضیلت کی چیز ہے لیکن صبح کے وقت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت رکھی ہے۔

صبح کے وقت نئی زندگی کا ملنا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت کو ایسا بنایا ہے کہ اس وقت کائنات کی ہر چیز میں نئی زندگی آتی ہے، سوئے ہوئے لوگ بیدار ہوتے ہیں، کلیاں چٹکتی ہیں، غنچے کھلتے

ہیں، پھول کھلتے ہیں، پرندے جاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وقت نئی زندگی عطا کرنے والا ہے، اگر اس نئی زندگی کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزاروگے تو تمہارے قلب کے اندر رجوع اِلی اللہ کا نور پیدا ہوگا، اتنا نور دوسرے اوقات میں ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوگا۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ اگر فجر کے وقت مسلمانوں کی کسی بستی سے گزر جاؤ تو ہر گھر سے تلاوت قرآن کریم کی آواز آیا کرتی تھی، چاہے وہ کسی عالم کا گھر ہو، یا جاہل کا ہو، پڑھے لکھے کا گھر ہو یا اَن پڑھ کا ہو۔ مجھے بچپن کا وہ دور یاد ہے کہ جب سارے گھروں سے صبح کے وقت تلاوت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر ایک نورانیت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستیوں سے گزرو تو تلاوت کی آواز آنے کے بجائے فلمی گانوں کی آوازیں آتی ہیں۔

صبح کے وقت ہمارا حال

ایک شاعر گزرے ہیں ''مجید لاہوری مرحوم'' یہ روزنامہ جنگ میں مزاحیہ نظمیں لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا تھا کہ:

پہلے کے لوگ سویرے اٹھتے تھے

اور اٹھ کر قرآن پڑھا کرتے تھے

یہ سو کر نو بجے اٹھتے ہیں

اور اٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں

جب دن کا پہلا حصہ ہی ایسے کام میں لگا دیا جو گناہ کا کام ہے یا بیکار کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوگئے تو پھر سارے دن کے کاموں میں نور کہاں سے آئے گا؟ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے اور بڑا نور رکھا ہے، اگر انسان اس وقت کو اللہ کے ذکر میں اور تلاوت میں اور تسبیحات میں صرف کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا نور حاصل ہوگا۔

صبح کے وقت میں برکت ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِھَا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے صبح سویرے کے وقت میں برکت رکھی ہے۔ اور یہ بات آپ نے صرف ذکر اور عبادت کی حد تک بیان نہیں فرمائی بلکہ ایک شخص جو تاجر تھے، ان سے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ تم صبح سویرے اپنی تجارت کے کام انجام دیا کرو۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد میں نے اس پر عمل کیا اور صبح ہی اوّل وقت میں تجارت کا عمل شروع کر دیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے اتنا مال عطا فرمایا کہ لوگ مجھ پر رشک کرنے لگے۔

کاروبار مندہ کیوں نہ ہو؟

اب ہمارے یہاں ساری قدریں الٹ گئیں، دن کے گیارہ بجے تک بازار بند رہتا ہے، گیارہ بجے کے بعد کاروبار شروع ہوتا ہے، گیارہ بجے کا مطلب ہے دوپہر، دن کا ایک پہر تو بیکار نیند اور غفلت کی حالت میں اور گناہوں میں گزر گیا، اس طرح آدھا دن تو گنوا دیا۔ پھر ہر شخص کی زبان پر یہ رونا ہے کہ کاروبار مندہ ہے، چلتا نہیں ہے لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ جس ذات کے قبضہ قدرت میں کاروبار کی ترقی اور زوال ہے، اس کے ساتھ کیسا تعلق قائم کیا ہوا ہے، حالانکہ کاروبار میں ترقی کا طریقہ یہ ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں سارے معاملات ہیں، اس کے ساتھ تعلقات قائم کرو، اس کی بات مانو اور اس کی دی ہوئی برکت سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس ذات کے ساتھ تو تعلق خراب کر رکھا ہے اور پھر یہ رونا رو رہے ہو کہ کاروبار مندہ ہے۔

یہ کامیابی کا زینہ ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے دن کے اوّل حصے کو ''صلاح'' بنا دیجئے یعنی نیکی والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ان کلمات کے ذریعہ دعا بھی فرما دی اور امت کو سبق اور پیغام بھی دیدیا کہ اے میری امت! تم اگر کامیابی چاہتے ہو تو دن کے اوّل حصے کو ''صلاح'' بناؤ۔

دن کے درمیانی اور آخری حصے کے لئے دعائیں

آگے فرمایا کہ اے اللہ! اس دن کے بیچ کے حصے کو "فلاح" بنا دیجئے یعنی میں اس دن میں وہ کام کروں جو میرے فلاح کے ہیں۔ اور اے اللہ! اس دن کے آخری حصے کو میرے لئے "نجاح" یعنی کامیابی بنا دیجئے۔ یعنی جب میں دن کی جدوجہد کے بعد شام کے وقت گھر میں داخل ہوں تو میں پوری طرح کامیاب ہو کر جاؤں اور مطمئن ہو کر جاؤں کہ آج کا دن میں نے صحیح مصرف پر لگایا ہے اور اس کا صحیح نتیجہ مجھے حاصل ہوا ہے، اگر یہ دعا قبول ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دعائیں کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور یہ دعائیں قبول بھی فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

گھر سے نکلنے کی دعا
اور
بازار میں داخل ہونے کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ○

(سورة البقرة: ۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون دعاؤں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے، جب صبح کے وقت انسان اپنی ابتدائی ضروریات پوری کر کے گھر سے نکلتا ہے۔ تو گھر سے باہر قدم نکالتے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰہِ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اس دعا میں دو کلمات تو ایسے ہیں جو ہر مسلمان کو یاد ہوتے ہیں، ایک پہلا کلمہ "بِسْمِ اللّٰہِ" اور آخری کلمہ "وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

درمیان میں دو کلمے اور ہیں، ایک کلمہ ہے "وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰہِ" اور دوسرا ہے، "وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ" یہ دونوں بھی چھوٹے کلمے ہیں، ان کا یاد کرنا بھی کچھ مشکل نہیں۔

اللہ کا سہارا لے لو

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اس گھر سے قدم نکال رہا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ جب انسان گھر سے نکلتا ہے تو کسی نہ کسی مقصد سے نکلتا ہے، کسی کا مقصد دوسرے سے ملنا ہوتا ہے، کسی کا مقصد بازار سے خریداری ہوتا ہے، کسی کا مقصد بیچنا ہوتا ہے، کوئی ملازمت کی غرض سے، کوئی تجارت کی غرض سے، کوئی زراعت کی غرض سے نکلتا ہے، لیکن اس مقصد میں کامیابی ہوگی یا نہیں ہوگی، اس کا کسی کو پتہ نہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم کسی کام کے لئے نکلے ہو تو اللہ کا سہارا لے لو اور یہ کہہ دو کہ جو میں دوسرے سہارے اپنے کام کے لئے اختیار کروں گا، وہ تو ظاہری اسباب ہیں، لیکن حقیقی سہارا تو اے اللہ! آپ ہی کا ہے۔

اللہ کے سہارے پر بھروسہ کرلو

مثلاً کسی جگہ جانے کے لئے وہ ظاہری سہارا یہ اختیار کرے گا کہ کسی سواری میں سوار ہو جائے گا تاکہ وہ سواری اس کو منزل تک پہنچا دے، لیکن کیا معلوم کہ سواری ملے یا نہ ملے، اگر وہ سواری مل جائے تو معلوم نہیں کہ کتنی دور

وہ سواری ساتھ چلے اور وہ صحیح منزل پر پہنچا سکے یا نہ پہنچا سکے، راستہ میں کوئی ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے یا اور کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو جائے۔ یہ سارے احتمالات موجود ہیں۔ اس لئے گھر سے نکلتے وقت انسان یہ کہہ دے کہ میں ظاہری سہارے اختیار تو کروں گا، لیکن کسی سہارے پر بھروسہ نہیں، بھروسہ تو صرف آپ کے سہارے پر ہے۔

اب یہ سفر عبادت بن گیا

اب جو بندہ گھر سے نکلتے وقت اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور یہ کہہ دے کہ اے اللہ! میں آپ ہی کا سہارا پکڑ رہا ہوں اور آپ ہی پر بھروسہ کر رہا ہوں، ان ظاہری اسباب پر، اس سواری پر اور ان آلات پر بھروسہ نہیں، میرا بھروسہ تو اے اللہ! آپ پر ہے، تو جو بندہ اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں فرمائیں گے؟ اور جب ان کا سہارا پکڑ لیا تو اب یہ سارا سفر عبادت بن گیا۔

ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں

آگے فرمایا:

"وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

یعنی کسی کے اندر کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے مگر وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ یعنی میں جو چل رہا ہوں، یہ چلنے کی طاقت بھی اللہ کی دی ہوئی ہے، اگر میں کسی

سواری پر سوار ہوں گا اور وہ سواری چلے گی تو وہ سواری بھی اللہ کی دی ہوئی قوت سے چلے گی، اور اگر اس کے ذریعہ کسی منزل پر پہنچوں گا تو یہ پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء ہوگی، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا تاکہ تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے اور تمہارا گھر سے نکلنا بھی عبادت بن جائے۔

اس کے بعد اگر کسی سواری پر سوار ہوں تو اس موقع کی دعا پیچھے بیان میں عرض کر دی تھی، وہ دعائیں سوار ہوتے وقت پڑھ لیں۔

بازار ناپسندیدہ جگہیں ہیں

اس کے بعد آپ کسی ضرورت کی چیز خریدنے کے لئے یا اپنی دکان کھولنے کے لئے بازار کی طرف چلے، تو بازار کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان احبّ البلاد الی اللّٰہ المساجد و ابغض البلاد الی اللّٰہ الأسواق۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل الجلوس فی مصلاہ)

یعنی اس روئے زمین پر جتنی جگہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی نزدیک سب سے پسندیدہ جگہ مسجدیں ہیں جہاں اس کے بندے اس کے سامنے آ کر سربسجود ہوتے ہیں اور اپنی بندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سب سے ناپسندیدہ اور

مبغوض جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بازار ہیں، اس لئے کہ بازار میں گناہ، معصیت اور فسق و فجور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

بازار کے اندر ہونے والی برائیاں

بازاروں میں تاجر لوگ گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً تاجر لوگ گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے فحش تصاویر لگاتے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگوں کے سفلی جذبات برانگیختہ کر کے ان کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں، عورت کو ایک بکاؤ مال قرار دے کر اس کے ایک ایک عضو کو بر سر بازار رسوا کیا جا رہا ہے تا کہ لوگ آ کر ہماری دکان سے مال خریدیں۔ اس کے علاوہ جھوٹ اور دھوکے کا بازار گرم ہے، حقیقت میں جو صفت موجود نہیں ہے، اس کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا دھوکہ، فریب، جھوٹ، فحاشی اور عریانی اور ان کے علاوہ بے شمار برائیاں بازاروں میں پائی جاتی ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔

ایسے تاجر فجار بنا کر قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے

اگر صحیح معنی میں وہ مسلمانوں کا بازار ہو اور سارے تاجر اور خریدار اسلام کے احکام کی پابندی کریں تو پھر وہ بازار بھی عبادت گاہ بن جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ''رہبانیت'' کی تعلیم نہیں دی کہ دنیا کو چھوڑ کر جنگل

میں بیٹھ جاؤ، بلکہ ہمیں اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے اسلامی احکام کی پابندی کی تلقین فرمائی۔ تاجروں کے بارے میں ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ التُّجَّارَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّاراً اِلَّا مَنِ اتَّقَی اللّٰهَ وَبَرَّ و صَدَقَ۔

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار)

یعنی تاجر لوگ آخرت میں فاجر بنا کر اٹھائے جائیں گے، "فاجر" کے معنی ہیں "گناہ گار" سوائے ان کے جو متقی ہوں اور نیک کام کریں اور سچائی سے کام لیں۔

امانت دار تاجروں کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا

دوسری طرف ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَاءِ۔

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار)

یعنی اگر کوئی تاجر سچا اور امانت دار ہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حشر انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ فرمائیں گے۔ چونکہ بازار میں انسان اس لئے بیٹھتا ہے کہ لوگوں سے پیسے کھینچے، اس لئے اس

موقع پر اکثر ناجائز امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے، جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسم کھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ بازار بدترین جگہیں ہیں۔

بلاضرورت بازار مت جاؤ

چونکہ یہ بازار بدترین جگہیں ہیں، اس لئے بلاضرورت وہاں مت جاؤ، ضرورت ہو تو بیشک جاؤ لیکن ویسے ہی گھومنے کے لئے بازار جانا ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ وہاں فسق و فجور کے ہرکارے پھر رہے ہیں، گناہوں کے داعیے انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ وہاں پر کس گناہ کے جال میں پھنس جاؤ، اس لئے بلاضرورت مت جاؤ۔

بازار جاتے وقت یہ دعا پڑھ لیں

ہاں! جب ضرورت کی وجہ سے بازار گئے تو اس موقع کے لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے جاتے تو یہ ذکر فرماتے:

لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہٗ لہٗ الملك ولہ الحمد یحیی و یمیت و ھو علی کل شئی قدیر

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کی ہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی

موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

بازار پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

یہ کلمات بازار پہنچتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے۔ کیوں ادا فرمائے؟ اس لئے ادا فرمائے تاکہ بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ میں ایک ایسے خالق اور مالک کا بندہ ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے حکم اور اسی کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اور بازار میں پہنچنے کے بعد عام طور پر انسان کو اس احساس سے غفلت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ بازار میں دنیا کی چمک دمک انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے جس سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس چمک دمک کو دیکھ کر کہیں یہ انسان اپنے خالق و مالک کو نہ بھلا بیٹھے، اس لئے اس دعا کے ذریعہ بتا دیا کہ دنیا کی یہ چمک دمک اپنی جگہ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کی اس چمک دمک سے مرعوب ہو کر اور اس سے دھوکہ کھا کر اپنے مالک کے حکم کے خلاف کوئی کام کر بیٹھو، لہٰذا دنیا کو برتو لیکن دنیا کے پیدا کرنے والے کو مت بھولو۔

دنیا کی حقیقت یہ ہے

یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے عجیب چیز بنائی ہے، اس دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں، اگر آدمی کے پاس پیسے نہ ہوں، کھانے کو کوئی چیز میسر نہ ہو، پہننے کو کپڑا نہ ہو، رہنے کو مکان نہ ہو تو وہ کیسے زندہ رہے گا؟ لیکن اگر یہی دنیا انسان کے

دل و دماغ پر چھا جائے اور اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے تو اس سے زیادہ مہلک کوئی چیز نہیں اور اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں۔ اس لئے ایک مؤمن کو اس دنیا میں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے رہنا پڑتا ہے، اس کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ میں اس دنیا کو برتوں ضرور لیکن یہ دنیا میرے دل کے اندر داخل نہ ہو جائے، اس کی محبت میرے اوپر غالب نہ آ جائے، یہ دنیا مجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا ذریعہ نہ بنے، ایک مؤمن کو یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

صحابہ کرام اور دنیا

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تربیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شان سے فرمائی تھی کہ دنیا ان کے قدموں میں ڈھیر ہوئی، قیصر وکسریٰ کے خزانے ان کے اوپر نچھاور کیے گئے اور روم اور ایران کی عالیشان تہذیبیں انہوں نے فتح کیں اور ان تہذیبوں کے بازاروں میں بھی پہنچے اور ان تہذیبوں کی چمک دمک کو بھی دیکھا، لیکن وہ چمک دمک اور ان بازاروں کی رونق ان کو دھوکہ نہ دے سکی۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ کتابوں میں آتا ہے کہ انہوں نے روم کے ایک شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور رومی لوگ قلعہ میں

بند ہو کر لڑ رہے تھے، جب محاصرہ لمبا ہو گیا تو شہر والوں نے ایک چال چلی اور یہ فیصلہ کیا کہ ان مسلمانوں کے لئے شہر کا دروازہ کھول دیا جائے اور ان کو اندر داخل ہونے دیا جائے، اور چال یہ چلی کہ وہ دروازہ کھولا جو شہر کے بارونق بازار سے گزرتا تھا جس کے دونوں طرف عالیشان دکانیں تھیں اور ہر دکان پر زیب و زینت کے ساتھ ایک عورت کو بٹھا دیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ عرب کے صحراء نشین لوگ ہیں اور مدتوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، فاقہ مست لوگ ہیں، جب یہ اچانک بازار میں داخل ہوں گے اور وہاں کی زرق برق دکانیں دیکھیں گے اور ان دکانوں میں حسین و جمیل عورتوں کو بیٹھا ہوا دیکھیں گے تو اس کے نتیجے میں یہ ان دکانوں کی طرف اور ان عورتوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور ہم پیچھے سے ان پر حملہ کر کے ان پر فتح پالیں گے، دوسری طرف عورتوں کو بھی یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ اگر کوئی تم سے تعرض کرے تو انکار مت کرنا۔

چنانچہ شہر کے امیر نے اچانک حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پیغام بھیجا کہ ہم اپنے شہر کا دروازہ کھول رہے ہیں، آپ اپنے لشکر کو لے کر اندر آجائیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ پیغام سنا تو اپنے لشکر سے کہا کہ تمہارے لئے دروازہ کھول دیا گیا ہے، تم اس کے اندر داخل ہو جاؤ، لیکن میں تمہارے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں، اس آیت کو اپنے ذہن میں رکھنا اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہونا، وہ آیت یہ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

یعنی آپ مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور پورے بازار سے گزر گیا لیکن کسی ایک شخص نے دائیں بائیں نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ وہاں کیا ہے، یہاں تک کہ محل پر قبضہ کرلیا۔

جب اہل شہر نے یہ منظر دیکھا کہ یہ ایسی قوم ہے جو فاتح بن کر شہر میں داخل ہوئی ہے اور راستے کے دونوں طرف جو زرق برق دکانیں تھیں اور جو حسین وجمیل عورتیں تھیں ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور سیدھے محل پر پہنچ گئے ہیں تو ان کو دیکھ کر یہ یقین ہوگیا کہ ضرور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، اور صرف یہ منظر دیکھ کر شہر کے اکثر لوگ مسلمان ہوگئے اور کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ لیا۔

دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو

اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ۔

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

چاہے کتنے بڑے سے بڑے جہاں دار آجائیں یا دنیا کی رونقیں آجائیں،

لیکن ان کا دل ہر وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا تھا اور آخرت کے ساتھ لگا ہوا تھا، اس لئے دنیا ان کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بیشک دنیا میں رہو، بازار میں جاؤ، دنیا کو برتو، لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ:

تم شوق سے کالج میں پلو، پارک میں پھولو
چاہے غبارے میں اڑو، چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کہیں بھی چلے جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ کو اور اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرو، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار جاتے ہوئے ہر مسلمان کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی، جو بندہ بازار جاتے ہوئے یہ کلمات پڑھ لے گا تو انشاء اللہ بازار کی رنگینیاں اور بازار کی رونقیں اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کر پائیں گی۔

خرید و فروخت کے وقت کی دعا

پھر جب بازار میں پہنچ گئے اور وہاں کچھ خریداری کرنی ہے یا سامان فروخت کرنا ہے تو اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ صَفْقَۃٍ خَاسِرَۃٍ وَیَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ۔

اے اللہ! میں کسی گھاٹے کے سودے سے آپ کی پناہ
مانگتا ہوں اور جھوٹی قسم سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب انسان سودا کرتا ہے تو بعض اوقات فائدہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نقصان ہو جاتا ہے اور بعض اوقات جھوٹی قسم کھانی پڑ جاتی ہے۔ اس لئے دعا کرلی کہ اے اللہ! میں آپ سے گھاٹے کے سودے سے پناہ مانگتا ہوں اور جھوٹی قسم سے پناہ مانگتا ہوں، تا کہ گھاٹے کا سودا بھی نہ ہو اور کہیں جھوٹی قسم کھانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔

ایسا بندہ ناکام نہیں ہوگا

اب جو بندہ گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام لے رہا ہے اور اللہ کا سہارا لے کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے نکل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا اعتراف کر کے نکل رہا ہے اور پھر جب بازار میں آ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر رہا ہے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے تو ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ کبھی خائب اور ناکام و نامراد نہیں فرمائیں گے۔ بہرحال! یہ وہ دعائیں تھیں جو بازار سے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور ان کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین۔

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، آخر میں صبح کے وقت جو دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مانگا کرتے تھے، ان کی تھوڑی سی تشریح عرض کی تھی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اس موقع کے لئے جو دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَ خَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا۔

داخلے کی بھلائی مانگتا ہوں

یہ مختصری دعا ہے لیکن اس دعا میں معنی کی ایک کائنات پوشیدہ ہے، اس دعا میں کیا کیا چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لیں۔ اس دعا کے

پہلے جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے اپنے داخلے کی بھلائی مانگتا ہوں، یعنی داخلے کے بعد مجھے اچھے حالات سے سابقہ پیش آئے، کیونکہ میں کچھ دیر تک گھر سے باہر رہا، مجھے نہیں معلوم کہ میرے پیچھے گھر میں کیا واقعات پیش آئے، اے اللہ! اب جب کہ میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں تو وہاں پر میں اطمینان کا، مسرّت کا اور بھلائی کا منظر دیکھوں اور عافیت کا منظر دیکھوں۔

میرا داخلہ اچھا ہو جائے

کتنی مرتبہ انسان کے ساتھ یہ واقعات پیش آتے ہیں کہ اچھی حالت میں گھر سے نکلا اور کچھ دیر گھر سے باہر رہا، لیکن جب دوبارہ گھر میں داخل ہوا تو منظر بڑا تشویش ناک نظر آیا، مثلاً کسی کو بیمار دیکھا یا کسی کو کسی حادثے کا شکار دیکھا یا کسی کو کوئی پریشانی پیش آگئی، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی کہ اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے کی بھلائی چاہتا ہوں تاکہ داخل ہونے کے بعد مجھے عافیت کا منظر نظر آئے، گھر والے عافیت سے ہوں، کوئی پریشانی کی بات نظر نہ آئے، کوئی معصیت اور گناہ کی بات پیش نہ آئے، اے اللہ! میرا داخلہ اچھا ہو۔

نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ

یعنی اے اللہ! میں آپ سے گھر سے نکلنے کی بھی بھلائی مانگتا ہوں کہ میرا گھر سے نکلنا بھی بہتر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں کافی دیر تک گھر میں رہوں گا، لیکن ہمیشہ تو گھر میں رہنا نہیں ہوگا بلکہ کسی موقع پر دوبارہ گھر سے نکلنا ہوگا، لہٰذا جب دوبارہ نکلوں تو اس نکلنے کے وقت بھی میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے اور اس وقت بھی بھلائی ہی بھلائی ہو اور عافیت ہی عافیت ہو۔ اس جملہ کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کناروں کا احاطہ فرما دیا کہ میرا داخلہ بھی بہتر ہو اور جب نکلوں تو میرا نکلنا بھی بہتر ہو۔ گویا کہ جب تک میں گھر میں رہوں، عافیت سے اور اطمینان سے رہوں، کوئی تکلیف پیش نہ آئے اور کوئی پریشانی سامنے نہ آئے۔

''بھلائی'' بہت جامع لفظ ہے

اس دعا میں آپ نے ''خیر'' کا لفظ استعمال فرمایا، جس کے معنی ہیں ''بھلائی'' یعنی داخلے کے وقت بھی بھلائی ہو اور نکلنے کے وقت بھی بھلائی ہو۔ یہ ''بھلائی'' ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں دین و دنیا کی ساری حاجتیں جمع ہیں، دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ آدمی کو عافیت میسّر ہو، صحت میسّر ہو، کوئی بیماری نہ ہو، کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو، گھر کے سب افراد خیر و عافیت سے ہوں، کوئی معاشی تنگ دستی نہ ہو۔ اور آخرت کی بھلائی بھی اس دعا میں شامل ہے کہ اے اللہ! جب تک میں گھر میں رہوں، مجھے آخرت کے اعتبار سے بھی بھلائی

نصیب ہو، یعنی گناہ اور معصیت کا ارتکاب نہ کروں، آپ کو ناراض کرنے والا کوئی عمل مجھ سے سرزد نہ ہو اور اپنے بیوی بچوں کو گناہوں سے محفوظ پاؤں۔

جب انسان یہ دعا مانگتے ہوئے گھر میں داخل ہو رہا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر کی پوری زندگی اس دعا کے اندر داخل ہوگئی اور دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں اس دعا کے اندر آگئیں۔

اگر بھلائی مل جائے تو بیڑہ پار ہے

اگر ہر مسلمان روزانہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگے اور ذرا دھیان سے مانگے اور مانگنے کے انداز میں مانگے، توجہ کر کے مانگے، چاہے اردو ہی میں مانگے کہ اے اللہ! میں داخلے کی بھی بھلائی چاہتا ہوں اور نکلنے کی بھی بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر یہ ایک دعا اپنے تمام لوازم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو سارے دِلدّر دور ہو جائیں اور گھر کی ساری زندگی جنت کی زندگی بن جائے اور گھر کی زندگی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے داخل ہوتے ہیں

آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا۔

ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر داخل ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں نے دعا تو مانگ لی کہ میرے حالات درست ہوں لیکن حالات کو میں خود سے درست کرنے پر قادر نہیں ہوں، میرے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ گھر میں جاکر جو منظر دیکھوں، وہ میرے اطمینان اور مسرّت کا ہو، جب تک آپ کی مشیت اور فیصلہ شامل حال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ بات نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں آپ کا نام لے کر داخل ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے نکلتے ہیں

آگے فرمایا:

وَ بِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا۔

اور اللہ ہی کا نام لے کر ہم نکلتے ہیں۔ جب داخل ہوں تو اللہ کا نام لے کر داخل ہوں اور جس وقت گھر سے باہر نکلیں تو اس وقت بھی اللہ کا نام لے کر نکلیں، اس دعا کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارا داخلہ اور خارجہ دونوں درست فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں

آخر میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا۔

اور اللہ ہی پر جو ہمارا پروردگار ہے، ہم بھروسہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہم نے دعا تو کرلی اور آپ سے مانگ لیا کہ خیر ہی خیر ہو، کوئی شر

پیش نہ آئے، لیکن اگر بالفرض اس دعا کے مانگنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جو بظاہر دیکھنے میں خیر نہیں لگ رہا ہے تو اے اللہ! ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ سے مانگا نہیں تھا، اس وقت تک تو کچھ بھی ہو سکتا تھا، بڑے سے بڑا شر پیدا ہو جاتا، لیکن اے اللہ! جب ہم نے معاملہ آپ کے حوالے کر دیا اور آپ سے خیر مانگ لی اور اس یقین کے ساتھ مانگ لی کہ آپ ضرور عطا فرمائیں گے، پھر اگر اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ پیش آگیا جو بظاہر دیکھنے میں خیر نہیں معلوم ہو رہا ہے بلکہ بُرا لگ رہا ہے تو بھی ہمیں آپ پر یقین اور بھروسہ ہے کہ جو واقعہ بظاہر شر نظر آ رہا ہے اور دیکھنے میں یہ ناگوار معلوم ہو رہا ہے لیکن آپ کے فیصلے کے مطابق ہمارے حق میں وہی بہتر ہے۔

ہمیشہ عافیت مانگو

درحقیقت ایک مؤمن کا یہی کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر ہی مانگے اور عافیت ہی مانگے، کبھی مصیبت نہ مانگے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو کہ یہ ناگوار واقعہ بھی ہمارے لئے مآل کار بہتر اور خیر ہوگا، کیونکہ ہم نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے۔

جیسے بیٹا اپنے کو باپ کے حوالے کر دے

اس کی بغیر مثال کے نظیر یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے ایک بیٹا اپنا معاملہ باپ کے حوالے کر دیتا ہے کہ آپ میری تربیت کیجئے اور میرے دنیا و آخرت کے مفادات کی نگرانی کیجئے۔ اب باپ اس کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے، اس نگرانی کے نتیجے میں بعض اوقات باپ کوئی ایسی بات بھی کر گزرتا ہے جو بیٹے کو بظاہر ناگوار معلوم ہوتی ہے، بیٹے کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ یہ بات ہوتی، لیکن باپ جانتا ہے کہ مجھے اس بیٹے کی تربیت کرنی ہے اور اس تربیت کے نقطہ نظر سے یہ بات ضروری ہے۔

مثلاً بیٹا کسی جگہ تفریح کے لئے جانا چاہتا ہے اور باپ جانتا ہے کہ اس کا وہاں جانا مآل کار فائدہ مند نہیں ہوگا، لہٰذا باپ بیٹے کو تفریح کے لئے جانے کی اجازت نہیں دیتا، اب بیٹے کو صدمہ اور رنج ہو رہا ہے کہ میرا دل تفریح کو چاہ رہا تھا لیکن باپ نے مجھے روک دیا۔ اب بظاہر باپ کا تفریح پر جانے سے روک دینا بیٹے کے لئے ناگوار ہے، لیکن چونکہ معاملہ باپ کے حوالے کر دیا گیا تھا، وہی اس کی بہتری جانتا ہے، اس لئے اگر وہ بیٹا سعادت مند ہے تو اسے یہ یقین ہونا چاہئے کہ اگرچہ تفریح کی اجازت نہ دینا مجھے ناگوار ہوا لیکن فیصلہ میرے باپ ہی کا بہتر ہے، مآل کار اور انجام کار میرا فائدہ اسی میں ہے۔

دعا کر کے اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتے ہو تو اس دعا کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تم نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ مثلاً آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے فلاں بیماری ہو رہی ہے، میری اس بیماری کو دور فرما۔ لیکن دعا مانگنے کے باوجود وہ بیماری نہیں جا رہی ہے، ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ وہ بیماری لمبی ہوگئی اور بہت عرصہ کے بعد وہ بیماری دور ہوئی۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو دعا مانگی تھی وہ قبول نہ ہوئی، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تلقین فرما رہے ہیں کہ دعا مانگنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اپنا معاملہ اپنے اللہ کے حوالے کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میری خواہش یہ ہے کہ میری یہ بیماری دور ہو جائے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو مزید چند دن جاری رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیماری کا جاری رہنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے، کیونکہ تم نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا، اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کیا ہوتا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کیا ہوتا تو پھر یہ بیماری تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تو اب یہ بیماری تمہارے حق میں بہتر ہے۔

بیماری کے ذریعہ تمہاری صفائی مقصود ہے

وہ بیماری تمہارے حق میں کیسے بہتر ہے؟ وہ اس طرح بہتر ہے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو بیماری کے دوران اس کو جتنی تکلیفیں پہنچتی ہیں، وہ سب اس کے حق میں کفارہ سیئات ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ تم اس حالت میں ان کے پاس جاؤ کہ تمہارے نامہ اعمال میں گناہ موجود ہوں، اس لئے اسی دنیا میں معاملہ صاف کر کے تمہیں اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ بیماری تمہارے حق میں خیر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہئے، بیماری نہیں مانگنی چاہئے۔

یہی معاملہ یہاں پر ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کر لی کہ اے اللہ! میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، گھر میں اچھا منظر دیکھوں، اور دنیا وآخرت کی بھلائی مانگتا ہوں، نکلنے کے وقت بھی اور داخل ہونے کے وقت بھی اور گھر میں رہنے کے دوران بھی بھلائی مانگتا ہوں، لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ پر جو ہمارا پروردگار ہے، اس پر بھروسہ ہے۔

اپنے پروردگار پر بھروسہ ہے

دیکھئے! یہاں پر صرف یہ نہیں کہا کہ:

وَعَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا۔

بلکہ "رَبِّنَا" لفظ بڑھا کر یہ فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔

یعنی ہمیں اس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے جو ہمارا پروردگار ہے اور ہمارا پالنے والا ہے۔ جب وہ ہمارا پروردگار ہے تو وہ جو فیصلہ ہمارے حق میں کرے گا، وہی فیصلہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا، وہی جانتا ہے کہ نظام ربوبیت کے تحت کونسی چیز میرے حق میں بہتر اور فائدہ مند ہے، لہٰذا ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، ہم اپنی عقل نہیں چلاتے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے بلکہ اپنا معاملہ اس کے حوالے کرتے ہیں اور اسی کے بھروسہ پر ہم گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔

عافیت کی زندگی حاصل ہوگی

آپ اندازہ لگائیں کہ جو بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں آپ ہی کے نام سے داخل ہو رہا ہوں اور جب نکلوں گا تو آپ ہی کے نام سے نکلوں گا، اور جو بندہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں نے سارا بھروسہ آپ کی ذات پر کر دیا، اے اللہ! میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ میرے پروردگار ہیں، آپ جو فیصلہ کریں گے وہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ تو جو بندہ یہ سب دعائیں کر کے گھر میں داخل ہو رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اس کو نامراد فرما دیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس کو محروم فرما دیں گے؟ نہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کی زندگی کو عافیت کی زندگی بنائیں گے، دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔

خلاصہ

بہرحال! یہ وہ دعا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخلے کے وقت تلقین فرمائی، اس کو یاد کرلیں، جب تک الفاظ یاد نہ ہوں تو اس وقت تک اردو ہی میں دعا کرلیا کریں کہ یا اللہ! گھر میں داخلے کی بھلائی بھی چاہتا ہوں اور گھر سے نکلنے کی بھی بھلائی بھی چاہتا ہوں، آپ کے نام سے داخل ہوتا ہوں اور آپ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اس بات کی عادت ڈال لو کہ جب بھی گھر میں داخل ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلو، انشاء اللہ تعالیٰ اس دعا کے انوار و برکات کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کھانے سے پہلے
اور بعد کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

کھانا سامنے آنے پر دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

کھانا سامنے آنے پر دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی کھانے کی چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتی تو آپ اس وقت یہ کلمات فرمایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے مجھے میری قدرت اور طاقت کے بغیر یہ رزق عطا فرمایا۔ اس دعا کے اندر اس بات کا اعتراف ہے کہ میرے اندر نہ قدرت تھی اور نہ طاقت تھی کہ میں یہ رزق اپنے لئے مہیا کرسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میری طاقت اور قدرت کے بغیر یہ رزق مجھے عطا فرمایا۔ لہٰذا سنت یہ ہے کہ جب کسی کے سامنے کوئی کھانے کی چیز آئے تو وہ یہ کلمات کہے۔

مسلمان کو کافر سے ممتاز کرنے والا جملہ

اگر حقیقت پر غور کریں تو یہ جملہ ایک مسلمان کو کافر سے اور ایک اللہ

کے بندے کو غافل سے ممتاز کرتا ہے، اس لئے کہ وہ مسلمان کھانا سامنے آنے کے بعد اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ کھانا میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ یہ کھانا اللہ جل شانہ کی عطا ہے جو میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر مجھے عطا ہوا ہے۔ جبکہ ایک غیر مسلم اور ایک کافر یہ سوچتا ہے کہ یہ کھانا میرے خون پسینہ کی محنت سے حاصل ہوا ہے، میں نے مزدوری کی، میں نے محنت کی، میں نے ملازمت کی، میں نے تجارت کی، میں نے زراعت کی، اس کے نتیجے میں مجھے پیسے ملے اور ان پیسوں کے ذریعہ میں بازار سے کھانا خرید کر لایا، اس میں اللہ تعالیٰ کا کہاں دخل آ گیا؟ نعوذ باللہ۔

قارون کا دعویٰ

قرآن کریم میں قارون کا ذکر آتا ہے کہ وہ بہت بڑا سرمایہ دار اور بہت بڑا دولت مند تھا، اس کے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان خزانوں کی صرف چابیاں اٹھانے کے لئے لوگوں کی ایک طاقت ور بڑی جماعت درکار ہوتی تھی، صرف ایک آدمی ان چابیوں کو نہیں اٹھا سکتا تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا مال عطا فرمایا تھا۔ لیکن جب مال کی وجہ سے اس کے دماغ میں تکبر آ گیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند شخص ہوں اور میں بڑا آدمی ہوں، چنانچہ جب اس سے کہا گیا کہ یہ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس لئے تم غریبوں کا بھی کچھ خیال کرو اور ان کو اس مال میں سے کچھ دو تو جواب میں اس نے کہا کہ:

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ۔ (القصص:۷۸)

یعنی جو کچھ میرے پاس مال اور سرمایہ ہے، یہ میرے علم کا کرشمہ ہے، میں نے یہ علم حاصل کیا کہ روپیہ کیسے کمایا جائے اور اس علم کے بعد میں نے محنت کی، اس محنت کے نتیجے میں یہ خزانہ جمع ہو گیا، لہٰذا یہ تو میرے علم کا کرشمہ ہے، کسی کی عطا نہیں ہے۔ یہ قارون کی ذہنیت تھی، ایک کافر سرمایہ دار کی اور ایک کافر دولت مند کی یہ ذہنیت تھی۔

قارون کا انجام

تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ جب وہ اپنے تمام خزانوں اور لاؤلشکر کے ساتھ نکلا تو ظاہر میں لوگوں نے تو اس کی دولت دیکھ کر کہا:

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔

کاش ہمیں بھی ایسی ہی دولت ملی ہوتی جیسی قارون کو ملی ہے، یہ تو بڑا خوش نصیب آدمی ہے۔ لیکن کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل کیا، اس عذاب کے نتیجے میں زلزلہ آیا اور اس کا سارا خزانہ زمین میں دھنس گیا اور وہ خود بھی زمین میں دھنس کر ہلاک ہو گیا۔

صرف اسباب جمع کرنا انسان کا کام ہے

بہرحال! ایک کافر اور ایک غیر مسلم کی ذہنیت اور سوچ یہ ہے کہ جو کچھ مجھے مل رہا ہے، یہ میری قوت بازو کا کرشمہ ہے، میری محنت کا صلہ ہے، میرے

علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ لیکن ایک مسلمان کا کہنا یہ ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اے اللہ! آپ کی عطا ہے اور میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان ذرا سا غور کرے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ انسان کا کام بس اتنا ہے کہ وہ اسباب کو جمع کرنے کی کوشش کر لے، انسان کا کام زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ وہ دکان کھول کر بیٹھ جائے، لیکن اگر وہ دکان کھول کر بیٹھ جائے اور کوئی گاہک نہ آئے تو وہ کیا کرلے گا۔ اور اس دکان کو بھی اپنے اسی ہاتھ سے اور جسم کی اسی طاقت کے ذریعہ کھول رہا ہے جو اسی کی عطا کی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس طاقت کو سلب کرلے۔ دکان میں اسی لئے بیٹھا تھا کہ صحت مند تھا، ہاتھ پاؤں ٹھیک ٹھیک کام کر رہے تھے، اگر بیمار ہوگیا ہوتا یا ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہوتے، اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا ہوتا تو ایسی حالت میں اس کی مجال تھی کہ وہ دکان کھول کر بیٹھ جاتا؟

گاھک کون بھیج رہا ہے؟

بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ دکان کھول کر بیٹھنا اس کا اپنا عمل ہے، لیکن اس میں ذرا غور کرو کہ اس دکان پر گاھک کون بھیج رہا ہے؟ کون گاھک کے دل میں یہ ڈال رہا ہے کہ اس دکان سے جا کر سودا خریدو؟ اور پھر اس گاھک کے ذریعہ جو پیسے حاصل ہو رہے ہیں وہ پیسے تو بذات خود ایسی چیز نہیں ہیں کہ انسان اس کو کھا کر اپنی بھوک مٹالے یا اس کو پی کر اپنی پیاس بجھالے بلکہ پیسے کے ذریعہ سے اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کی جاتی ہیں اور ضرورت

کی چیزیں عام طور پر بازار میں ملتی ہیں تو ذرا غور کرو کہ وہ کون ذات ہے جس
نے یہ بازار قائم کیا ہے اور کون وہ ذات ہے کہ جو کسی کے دل میں یہ خیال
ڈال رہا ہے کہ فلاں جگہ جا کر روٹی کی دکان کھول لو اور کسی کے دل میں یہ
خیال ڈال رہا ہے کہ تم گوشت کی دکان کھول لو، تم چینی کی دکان کھول لو، تم
گندم کی دکان کھول لو، تم کپڑے کی دکان کھول لو، تم جا کر جوتے کی دکان
کھول لو۔ کس نے یہ دنیا کا نظام بنایا ہے؟ کیا کوئی عالمی کانفرنس ہوئی تھی کہ
جس میں طے یہ کیا گیا تھا کہ فلاں شخص آٹا بیچے گا، فلاں شخص چینی فروخت
کرے گا، فلاں شخص گھی کی تجارت کرے گا اور فلاں شخص تیل کی تجارت کرے
گا۔

پیسہ سب کچھ نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا یہ نظام اس طرح بنایا کہ ایک شخص کے دل میں
یہ ڈال دیا کہ تم تیل کی تجارت کرو، دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈال دیا
کہ تم چینی کی تجارت کرو، تیسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ تم پھل کی
تجارت کرو۔ اس نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ جب آدمی پیسے لے کر بازار جاتا ہے تو
اس کو ضرورت کی ہر چیز بازار میں مل جاتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا یہ نظام
نہ ہوتا تو آدمی پیسے لئے پھرتا رہتا لیکن اس کو ضرورت کی چیز نہ ملتی۔

ایک سبق آموز واقعہ

میرے ایک دوست واقعہ سنارہے تھے کہ میں ایک مرتبہ رمضان

المبارک میں عمرہ ادا کرنے جارہا تھا، میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی سفر کر رہے تھے جو بہت بڑے مالدار تھے، ساتھ میں بیٹھ کر باتیں شروع ہوگئیں، میں نے ان سے کہا کہ رمضان کا موسم ہے، رمضان میں لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا پہلے سے اس بات کا اہتمام کر لیجئے گا کہ قیام کے لئے مناسب جگہ مل جائے، کھانے پینے کا مناسب انتظام ہو جائے تاکہ وقت پر حرم میں حاضری ہو جائے۔ وہ صاحب اپنی دولت کے گھمنڈ اور فخر میں مبتلا تھے، اس لئے میری باتوں کے جواب میں کہنے لگے کہ پیسوں سے سب کچھ ہو جاتا ہے، بس پیسہ ہونا چاہئے، اگر پیسہ ہے تو سب کچھ ہے، اس لئے آپ ہماری فکر نہ کریں، ہمارے پاس پیسہ بہت ہے، میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

دو دن کے بعد پھر ان مالدار صاحب سے اس حالت میں ملاقات ہوئی کہ وہ حرم کی سیڑھیوں پر اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی صاحب! خیریت تو ہے؟ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ آج سحری کھانے کو نہ ملی۔ میں نے ان سے کہا کہ سحری کیوں نہیں ملی، آپ کے پاس پیسے تو بہت تھے؟ وہ کہنے لگے کہ پیسے تو میرے پاس تھے، جب میں پیسے لے کر قیام گاہ سے سحری کے لئے نکلا تو وہاں اتنی لمبی لائن لگی ہوئی تھی کہ جب ہمارا نمبر آیا تو سحری کا وقت ختم ہو چکا تھا، اس لئے سحری نہ مل سکی۔

پھر وہ صاحب کہنے لگے کہ میں جو آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ پیسے سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے، آج اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھا دیا کہ پیسے سے ہر کام نہیں ہوسکتا، جب تک ہم نہ چاہیں اور جب تک ہماری طرف سے توفیق نہ ہو

اور ہماری طرف سے حالات سازگار نہ کئے جائیں تو اس وقت تک پیسے سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ پیسے سے آپ دنیا کی ہر راحت خرید لیں، یہ پیسہ تو ہم نے راحت کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے لیکن یہ پیسہ بذات خود راحت کی چیز نہیں ہے، اس لئے یہ سوچنا کہ ہم پیسے سے سب کچھ خرید لیں گے، یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اگر تم نے پیسہ کما بھی لیا لیکن کمانے کے بعد اس کے ذریعہ سے مناسب رزق کا حاصل ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے ماتحت ہے، انسان کی قدرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس رزق کو مہیا کر سکے۔

ہر چیز اللہ کی عطا کی ہوئی ہے

بہر حال! ہمارے اور آپ کے سامنے جب کھانا سامنے آتا ہے تو ہم غفلت کے عالم میں فوراً کھانا شروع کر دیتے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دور رس نگاہیں کھانا سامنے آنے کے بعد یہ دیکھ رہی ہیں کہ یہ کھانا میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے جسم میں قوت اور صحت بھی اسی نے دی ہے اور اس قوت کے ذریعہ میں نے روزی کمائی اور روزی کمانے کے اسباب اختیار کیے، دکان کھولی، ملازمت کی، کاشتکاری کی، یہ قوت بھی اسی کی عطا ہے، اور پھر ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد ان اسباب کو مؤثر بنانا بھی اسی ذات کا کام ہے، اسی ذات نے گاہکوں کو آمادہ کیا کہ وہ میری دکان پر آئیں، اسی نے میرے افسر کو اس پر

آمادہ کیا کہ وہ مجھے ملازم رکھ لے، ورنہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی بڑی بڑی ڈگریاں ہاتھ میں لے کر پھرتا ہے مگر ملازمت نہیں ملتی، بے روزگاری کا عالم ہے۔ لہٰذا ملازمت دینا بھی اسی کا کام ہے، پھر ملازمت دینے کے بعد جو کام سپرد کیا گیا ہے، اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی طاقت عطا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ اور پھر آخر میں ملازم رکھنے والے کے دل میں یہ خیال ڈالنا کہ اس کو اتنی تنخواہ دو، یہ بھی اسی کا کام ہے۔ اور تنخواہ ملنے کے بعد جب ہاتھ میں پیسے آگئے تو ان پیسوں کے ذریعہ میری راحت اور ضرورت کی چیزیں عطا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ لہٰذا اوّل سے لے کر سارے کام اسی کی طرف سے ہو رہے ہیں، میں تو بس ایک بہانہ ہوں۔ یہی معنی ہیں اس دعا کے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ۔

یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے مجھے میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر یہ رزق عطا فرمایا۔ بہرحال! کھانا سامنے آنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک تو یہ دعا فرماتے تھے۔

کھانا سامنے آنے پر دوسری دعا

کھانا سامنے آنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دوسری دعا یہ فرماتے:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْہِ وَاَنْعِمْنِیْ خَیْرًا مِنْہُ

اے اللہ! اس کھانے میں میرے لئے برکت عطا فرما

اور آئندہ مجھے اس سے بھی اچھا کھانا عطا فرمایئے۔

اس دعا میں آپ نے دو جملے ارشاد فرمائے۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ میرے لئے اس کھانے میں برکت عطا فرمایئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ رزق آپ کی عطا تو ہے لیکن جب تک آپ کی طرف سے اس میں برکت نہیں ڈالی جائے گی، اس وقت تک یہ رزق میرے حق میں فائدہ مند نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر اس رزق میں برکت نہ ہوئی تو اس سے میری بھوک نہیں مٹے گی۔

برکت کے معنی

کیونکہ برکت کے معنی ہیں کہ آدمی کے پاس چیز تھوڑی ہو لیکن اس سے فائدہ زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے برکت کی دعا فرما رہے ہیں کہ یہ کھانا جو میرے سامنے آیا ہے، یہ کھانا میرے لئے اور میرے گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے اور اس سے سب کی بھوک مٹ جائے، اگر برکت نہ ہو تو کھانا زیادہ ہونے کے باوجود بھوک نہیں مٹتی۔ برکت کے ایک معنی تو یہ ہوئے۔

برکت کے دوسرے معنی

برکت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب یہ کھانا میرے جسم کے اندر پہنچے تو صحت اور قوت کا ذریعہ بنے، بیماری اور تکلیف کا ذریعہ نہ بنے۔ ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کھانا سامنے آیا اور لذیذ معلوم ہوا تو لذت کے شوق میں زیادہ کھاگئے، اس کے نتیجے میں بدہضمی ہوگئی، اب دست آنے شروع ہوگئے،

الٹیاں شروع ہوگئیں اور ایک وقت کے کھانے نے تین دن تک بستر پر ڈالے رکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا اچھا بھی تھا، لذیذ بھی تھا اور صحت مند بھی تھا لیکن اس کھانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہیں تھی، اس لئے کھانا سامنے آنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ کھانا آپ کی عطا ہے اور یہ بڑی عظیم نعمت ہے، لیکن یہ نعمت اسی وقت فائدہ مند ہوگی جب آپ اس میں برکت ڈالیں گے، اس لئے میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں اور محتاج بن کر مانگتا ہوں کہ اے اللہ! میرے لئے اس کھانے میں برکت ڈال دیجئے۔

برکت تلاش کرو

متعدد احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ کھانے میں برکت تلاش کرو۔ لہٰذا جب کھانا شروع کرو تو یہ کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ۔

اللہ کے نام سے شروع کر رہا ہوں اور اللہ کی برکت کا طلب گار ہوں۔

اسی طرح اگر کھانا کھاتے وقت انگلیوں پر کھانا لگ جائے تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیوں کو خود چاٹ لے یا دوسرے کسی کو چٹا دے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہوگی، کیونکہ اگر ان انگلیوں پر کچھ کھانا لگا رہ گیا اور تم نے جا کر ہاتھ دھو لئے تو

کھانے کے کچھ اجزاء پانی کے ساتھ گٹر میں چلے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں رزق کی بے حرمتی ہو جائے گی۔

انگلیاں چاٹنے میں برکت کا حصول

انگلیاں چاٹنے کا دوسرا فائدہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کھانے کے کونسے حصے میں برکت ہے، ہوسکتا ہے کہ جو کھانا تم نے کھایا، اس میں برکت نہ ہو اور جو حصہ تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہو، اس لئے فرمایا کہ ان انگلیوں کو چاٹ لو۔

تین انگلیوں سے کھانا

البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کھانا تناول نہیں فرماتے تھے کہ پانچوں انگلیاں کھانے میں ملوث ہو جائیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور چھوٹے نوالے لیتے تھے اور اس زمانے میں عام طور سے کھانے میں خشک چیزیں ہوتی تھیں۔ بہرحال! جب کھانا سامنے آتا تو ایک تو آپ برکت کی دعا فرماتے۔

اس سے اچھا عطا فرمائیے

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

وَاَطْعِمْنِیْ خَیْرًا مِّنْهُ۔

یعنی اے اللہ! مجھے آئندہ اس سے بھی اچھا کھانا عطا فرمایئے۔ کیونکہ ہم آپ کی عطا اور بخشش سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتے، جب آپ کی عطا ہو تو اس کو آپ سے محتاج بن کر مانگیں گے اور عبدیت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محتاج بن کر مانگے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ غسل فرمارہے تھے، اس دوران آسمان سے آپ کے اوپر سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہوگئیں، اب حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل چھوڑ کر سونے کی تتلیاں جمع کرنی شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب! ہم نے پہلے ہی سے تمہیں بہت ساری نعمتیں نہیں دے رکھی ہیں، اس کے باوجود اب تم سونے کے پیچھے بھاگ رہے ہو؟ جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ! بیشک آپ نے مجھے بیشمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، میں ان کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا، لیکن جب آپ مزید عطا فرمارہے ہیں تو اے اللہ! میں آپ کی بھیجی ہوئی برکت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، جب آپ دے رہے ہیں تو میرا کام یہ ہے کہ میں محتاج بن کر اس کو وصول کروں۔

اَللّٰھُمَّ لا غِنی بی عن برکتك یا ربّ۔

کہیں دماغ خراب نہ ہوجائے

لہذا ایسا نہ ہو کہ جب آدمی کے سامنے اچھا کھانا آجائے تو اس کا دماغ

خراب ہو جائے اور یہ سوچے کہ مجھے تو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا مل گیا ہے، اب میں دوسرے کھانے سے بے نیاز ہوں۔ اس جملہ نے اس سوچ اور خیال کو ختم کر دیا کہ بے شک آپ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، یہ آپ کا بہت بڑا انعام ہے جس پر میں شکر ادا نہیں کرسکتا، لیکن میں اب بھی آپ کی عطا کا محتاج ہوں اور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے اور اچھا عطا فرمائیے۔

خلاصہ

آپ اندازہ کریں کہ جو انسان کھانا سامنے آنے کے بعد کھانا شروع کرنے سے پہلے ہی یہ اعتراف کر رہا ہے کہ اے اللہ! یہ کھانا آپ کی عطا ہے، اس پر میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ کی تعریف کرتا ہوں، میری قوت اور میری قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے اس کھانے کی برکت مانگتا ہوں اور آئندہ اس سے بہتر رزق عطا فرمائیے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ اس کے کھانے میں برکت نہیں ڈالیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ کھانے کے ذریعہ اس کے اندر نور پیدا نہیں کریں گے؟ یقیناً ایسے انسان کے کھانے میں پینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور برکت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دعا کے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

❁

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَكُمْ

(سورۃ مؤمن:٦٠)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق

رسوله النبی الکریم ونحن علی ذلك من

الشاهدین والشاکرین والحمدللہ ربّ العالمین

کھانا شروع کرنے سے پہلے کی دعا

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان کا بیان ایک عرصہ سے چل رہا ہے۔ اس سے پہلے اس دعا کی تشریح بیان کی تھی جو دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانا سامنے آنے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ کھانا شروع فرماتے تو اس وقت آپ یہ دعا پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَكَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی

بسم اللہ پڑھنے کا فلسفہ

یہ وہی ''بسم اللہ'' ہے جس کا فلسفہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا یہ درحقیقت بندے کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ اے اللہ! یہ جو کچھ میں کھانا شروع کرنے والا ہوں، یہ سب آپ کی عطا ہے اور آپ کا انعام واحسان ہے اور اب میں آپ

ہی کے نام سے اس کو کھانا شروع کرتا ہوں۔

”بسم اللہ“ بھول جانے پر درمیان طعام کی دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھانے کے شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جس وقت یاد آجائے اس وقت یہ دعا کرلے کہ:

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ آخِرَہٗ

یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ کھا رہا ہوں، اوّل میں بھی اللہ کا نام اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔ اس لئے یہ مت سوچو کہ اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گئے تو بات ختم ہوگئی اور موقع ہاتھ سے نکل گیا، نہیں، بلکہ جب یاد آجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لو۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ایک مسلمان کے کھانے میں اور ایک کافر کے کھانے میں یہی فرق ہے، ایک اللہ کی بندگی کا احساس رکھنے والے کے کھانے میں اور ایک غافل انسان کے کھانے میں یہی فرق ہے، کھانا مسلمان بھی کھاتا ہے اور کھانا کافر بھی کھاتا ہے، لیکن وہ کافر غفلت کے عالم میں کھاتا ہے، وہ اپنے پروردگار کو بھولے ہوئے ہے، صرف کھانے کی لذت حاصل کرنا اور اپنی بھوک مٹانا اس کے پیش نظر ہے، اس لئے وہ کھانا کھانا ایک دنیاوی کام ہوکر رہ گیا ہے، لیکن

ایک مسلمان اور اللہ جل جلالہ کی یاد رکھنے والا انسان جب کھانا کھاتا ہے تو چونکہ وہ کھانے کا عمل اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسا ہوا ہے، اس لئے وہ کھانا کھانا بھی اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

کھانے کے بعد کی دعا

جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو اس موقع کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَ کَفَانَا وَ
اَوَانَا وَارْ وَآنَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا۔ دیکھئے! جس وقت کھانا سامنے آیا تھا، اس وقت یہ دعا کی تھی کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں یہ رزق دیا اور یہاں یہ دعا کی جارہی ہے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں نعمتیں علیحدہ علیحدہ ہیں، رزق دینا الگ نعمت ہے اور کھلانا الگ نعمت ہے۔

رزق علیحدہ نعمت، کھلانا علیحدہ نعمت

یہ ہوسکتا ہے کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو، لیکن انسان اس کو نہ کھا سکے۔ مثلاً ایک انسان کے پاس طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں، انواع و اقسام کے کھانے موجود ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ پھل موجود ہیں، لذّت والی چیزیں

سب موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے کھانے سے منع کر دیا ہے کہ خبردار! کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا، صرف سوپ پینے کی اجازت ہے اور کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "رَزَقْنَا" تو پایا گیا لیکن "اَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا، رزق تو حاصل ہے لیکن کھانے کی توفیق حاصل نہیں۔

ایک نواب صاحب کا قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے لکھنؤ کے ایک بڑے نواب صاحب کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی ساری نعمتیں دی ہوئی تھیں، روپیہ، پیسہ، کوٹھیاں، بنگلے، کاریں، نوکر چاکر، سب کچھ تھا، لیکن بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے ان کو ہر چیز کھانے سے منع کر دیا تھا، صرف اس کی اجازت تھی کہ ایک پاؤ قیمہ لے کر اس کو پکائیں پھر اس قیمہ کو ململ کے کپڑے میں چھان لیں، اس قیمہ کا جوس آپ پی سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "رَزَقْنَا" تو پایا گیا لیکن "اَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا۔

بہر حال! اگر اللہ تعالیٰ نے رزق بھی دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس رزق کو کھانے کی بھی توفیق دی ہے اور صحت بھی دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو نعمتیں مستقل نعمتیں ہیں، رزق دینا ایک مستقل نعمت ہے اور اس کو کھانے کی توفیق دینا ایک مستقل نعمت ہے۔ اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

کرنا چاہئے کہ اے اللہ! اس بات پر بھی شکر ہے کہ آپ نے رزق عطا فرمایا اور اس بات پر بھی شکر ہے کہ آپ نے کھلایا۔

پانی کی نعمت پر شکر

آگے ارشاد فرمایا "وَسَقَانَا" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں پلایا۔ اگر کھانے کے لئے کھانا موجود ہوتا لیکن پینے کے لئے پانی نہ ہوتا تو وہ کھانا عذاب بن جاتا، اس لئے اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے کھانا بھی دیا اور پینے کو بھی دیا۔

کھانا کافی ہونے کی نعمت پر شکر

تیسرا جملہ عجیب ارشاد فرمایا: "وَكَفَانَا" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اس کھانے کو ہمارے لئے کافی بنا دیا۔ اردو میں "کافی بنا دینے" کا مطلب اتنا جامع نہیں، عربی زبان میں کافی بنا دینے کا مطلب بہت وسیع ہے، ایک مطلب تو یہ ہے کہ کھانا اتنا تھا کہ وہ ہمارے لئے کافی ہوگیا اور اس کے ذریعہ ہماری بھوک مٹ گئی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے سے ہمیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، اگر بالفرض کھانا تو وافر مقدار میں مل جاتا لیکن کھانے کے دوران کوئی بُری خبر آجاتی مثلاً کسی عزیز یا دوست کے انتقال کی خبر آجاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کھانے کی ساری حلاوت ختم ہو جاتی اور اس کی وجہ سے وہ کھانا کافی نہ ہوتا۔

رہائش کی نعمت پر شکر

چوتھا جملہ ارشاد فرمایا "وَآوَانَا" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں ٹھکانہ دیا۔ کیونکہ اگر کھانے کو بھی مل جاتا اور پینے کو بھی مل جاتا لیکن سر چھپانے کو گھر نہ ہوتا تو یہ کھانا بے کار ہو جاتا۔ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں سر چھپانے کو گھر بھی عطا فرمایا جس میں ہم آرام کرسکیں۔

تمام نعمتوں کے جمع ہونے پر شکر

پانچواں جملہ ارشاد فرمایا "وَاَرْوَانَا" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں سیراب کر دیا۔ سیراب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کھانے اور پینے سے متعلق جتنی نعمتیں ہوسکتی تھیں، وہ سب آپ نے ہمارے لئے جمع فرمادیں۔

اسلام کی دولت پر شکر

پھر آخری جملہ ارشاد فرمایا: "وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں مسلمانوں میں سے کر دیا۔ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ بالفرض اگر ہمیں کھانا تو اچھا میسر ہوتا اور پیٹ بھر کر خوشگوار حالات میں کھانا کھاتے، پینے کو پانی بھی میسر ہوتا، سر چھپانے کو گھر بھی میسر ہوتا، لیکن ایمان کی دولت نہ ہوتی تو یہ سب نعمتیں بے کار تھیں، اس لئے کہ ایمان کے بغیر ان نعمتوں کا انجام جہنم کی سزا کی شکل میں ہمیں بھگتنا پڑتا، اس لئے اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ نعمتیں بھی عطا فرمائیں اور پھر ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا اور ہمیں اسلام کی اور ایمان کی،

توفیق عطا فرمائی۔

معنی کی کائنات پوشیدہ ہے

آپ دیکھیں کہ اس دعا کے الفاظ چند سیکنڈ میں زبان سے ادا ہو جاتے ہیں لیکن ان الفاظ میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے۔ جو اللہ کا بندہ ہر کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور یہ درخواست پیش کرتا ہو اور اس طرح شکر ادا کرتا ہو، کیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں سے محروم فرما دیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس پر کرم نہیں فرمائیں گے؟ کیا اس کی دنیا و آخرت بہتر نہیں ہو جائے گی؟ یقیناً ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی۔

خلاصہ

یہ مختصر سی دعا ہے، اگر ہر مسلمان اس کے پڑھنے کا اہتمام کر لے اور ذرا دھیان کر کے پڑھے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، ان کی دی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس میں میرے لئے برکت عطا فرمائی ہے اور یہ سوچ کر دعا کرے گا تو اس کا رُواں رُواں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوگا، اور شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷)

اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر اور تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

سفر کی مختلف دعائیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ط اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّھُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، متعدد دعاؤں کے بارے میں تفصیلی بیان ہو چکا۔ جب صبح کو انسان اپنی ابتدائی ضروریات پوری کرنے کے بعد گھر سے نکلتا ہے اور اپنی عملی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے بے شمار حاجتیں ہوتی ہیں، کبھی ان حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے اس کو سواری کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس مقصد کے لئے جا رہا ہے اس میں کامیابی چاہتا ہے، اس لئے جب آدمی گھر سے نکلے تو اس وقت یہ دعا کرلے کہ یا اللہ! جس مقصد کے لئے میں جا رہا ہوں، اس مقصد میں مجھے کامیابی عطاء فرمائیے اور اس مقصد کو میرے لئے آسان کر دیجئے۔ یہ دعا کرنے کے بعد گھر سے نکلے۔

سواری پر بیٹھنے کی دعا

اس کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

(سورۃ الزخرف، آیات ۱۳۔۱۴)

قرآن کریم میں اس دعا کا ذکر گھوڑوں اور اونٹوں کی سواری کے سیاق میں آیا ہے کہ جب گھوڑوں اور اونٹوں پر سواری کرو تو یہ دعا پڑھو۔ اب چونکہ گھوڑوں اور اونٹوں کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے دوسری سواریاں پیدا فرما دی ہیں، اس لئے جب ان سواریوں پر سوار ہوں تو اس وقت یہ دعا پڑھیں۔

ان جانوروں کو تمہارے تابع بنا دیا ہے

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا یعنی رام کر دیا اور ہمارے اندر اپنی ذات میں وہ طاقت نہیں تھی کہ اس سواری کو اپنے لئے رام کر لیتے اور ہم سب کو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔ یہ دعا اس وقت بتائی گئی تھی جب گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر ہوتے تھے۔ لہٰذا اس دعا کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جب تم گھوڑے پر سواری کر رہے ہو، ذرا اس بات پر غور کرو کہ تم زیادہ طاقت ور ہو یا گھوڑا زیادہ طاقت ور ہے؟ اگر طاقت کے اعتبار سے موازنہ کرو تو تمہارا گھوڑے سے کوئی مقابلہ نہیں، گھوڑا تم سے کہیں زیادہ طاقت والا ہے۔ آج کل تو انجنوں کی طاقت کو گھوڑے کی طاقت سے ناپتے ہیں کہ یہ انجن اتنے ''ہارس پاور'' کا ہے اور یہ انجن اتنے ''ہارس پاور'' کا ہے۔ بہر حال! یہ گھوڑا

انسان سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہے، لیکن اتنا قوی جانور تمہارے ہاتھ میں ایسا رام ہو گیا ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کے منہ میں لگام ڈال کر اس کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے، کبھی گھوڑے نے پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ تم مجھ پر کیوں سواری کرتے ہو، تم کمزور ہو، میں زیادہ طاقت ور ہوں، لہٰذا میں تمہارے اوپر سواری کیوں نہ کروں؟ تم مجھ سے خدمت کیوں لے رہے ہو، تم میری خدمت کیوں نہ کرو؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان جانوروں کو تمہارے تابع فرمان بنادیا ہے، تمہارے ہاتھ میں مسخر کر دیا ہے، تمہارے ہاتھ میں رام کر دیا ہے۔

اونٹ تمہارا تابع ہے

یہ صرف گھوڑے کی خصوصیت نہیں بلکہ اور جتنے جانور جن سے انسان کام لیتا ہے، ان سب کا یہی حال ہے، اونٹ گھوڑے سے بھی زیادہ طاقت والا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اونٹ کے بارے میں فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ

(سورۃ الغاشیۃ، آیت ۱۷)

کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔

یہ اونٹ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عجوبہ ہے۔ اسی طرح گائے ہے، تم روزانہ اس کا دودھ نکال کر پیتے ہو، اس گائے نے کبھی انکار نہیں کیا، نہ کبھی یہ کہا کہ میں تمہاری خدمت کیوں کروں؟ تم میری خدمت کیوں نہ کرو؟ ان ساری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے تابع فرمان کر دیا اور تمہارے کام پر لگا دیا، یہ اللہ

تعالیٰ کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔

انسان اس موقع پر اللہ کو یاد کرے

جب تم ان سب مخلوقات کے مخدوم بنے پھرتے ہو تو آخر تمہارا بھی تو کچھ فرض ہے یا نہیں؟ تم ان سب سے کام لے رہے ہو، لہٰذا جب تم ان سے کام لو اور ان پر سواری کرو تو زبان سے یہ کہہ دو کہ:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ۝ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ۔ (الزخرف: ۱۳۔۱۴)

اگر اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کے دل میں یہ بات نہ ڈالی ہوتی کہ انسانوں کی خدمت کرو بلکہ خود انسان کو اپنے طور پر ان جانوروں کو رام کرنا پڑتا تو یہ بات انسان کے بس میں نہیں تھی۔

موجودہ دور کی سواریوں کا قرآن میں ذکر

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دعا کا موقع اس وقت تھا جب گھوڑوں اور اونٹوں پر سواری ہوتی تھی اور ان جانوروں کو انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا اور اب چونکہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سواری نہیں ہوتی، اس لئے اس دعا کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں، بلکہ جتنی سواریاں پیدا ہونے والی تھیں اور جو سواریاں قیامت تک پیدا ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ان سب کا ذکر قرآن کریم میں پہلے ہی فرما دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ (سورۃ النحل، آیت ۸)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گھوڑے، گدھے اور خچر پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور تمہارے لئے یہ زینت کا بھی سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا کریں گے جو تم ابھی نہیں جانتے۔

جس وقت قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، اس وقت صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سواری کے لئے وہ چیزیں پیدا کرے گا جو تم ابھی نہیں جانتے، لہٰذا اس کے اندر موٹر بھی آ گئی، اس میں ریل بھی آ گئی، ہوائی جہاز بھی آ گیا، اور قیامت تک جتنی سواریاں پیدا ہونے والی ہیں، وہ سب اس میں آ گئیں۔

قرآن کریم میں ہوائی جہاز کا ذکر

سورۃ یاسین میں ایک جگہ کشتی کا ذکر فرمایا کہ ہم نے سمندر میں سفر کے لئے کشتی پیدا کی، اس کے بعد فرمایا:

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُوْنَ (سورۃ یٰس، آیت ۴۲)

تمہارے لئے کشتی جیسی ایک اور سواری پیدا کی ہے جس میں آئندہ تم سواری کرو گے۔

بہت سے علماء نے فرمایا کہ اس سے ہوائی جہاز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا جتنی سواریاں ہیں، وہ سب اللہ جل شانہ کی تخلیق ہیں، انسان نے ان کو بیشک

اپنی ذہانت اور عقل سے ایجاد کیا ہے، لیکن یہ عقل اور ذہانت کس کی دی ہوئی تھی؟ کس نے وہ سمجھ اور ذہانت بخشی؟ کس ذات نے علم عطاء کیا جس کے ذریعہ وہ ان سواریوں کو ایجاد کرسکے؟ لہٰذا وہ حکم جو گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے تھا، وہ آج کی تمام سواریوں کے لئے ہے، چاہے وہ سائیکل ہو، چاہے موٹر سائیکل ہو، موٹر کار ہو، بس ہو، رکشہ ہو، ریل ہو، جہاز ہو، ان سب پر یہ حکم لاگو ہوتا ہے، کیونکہ یہ سواریاں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر فرمادی ہیں۔

موجودہ دور کی سواریاں بھی مسخر کردی گئیں

لہٰذا اس مسخر کرنے کا ادراک کرکے یہ دعا پڑھ لو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لئے مسخر فرمادی۔ کیونکہ بعض اوقات یہ سواریاں بھی خراب ہو جاتی ہیں، چل کر نہیں دیتیں بلکہ پریشان کرتی ہیں، لیکن اس وقت جب میں ان پر سوار ہو رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے مسخر کر دیا ہے، میں اس سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ جب ایک مرتبہ تم اس بات کا احساس اور ادراک کرلو گے تو ایک طرف تو تمہارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا اور دوسری طرف تمہارا یہ سوار ہونا اور یہ سفر کرنا پورا کا پورا عبادت بن گیا، اس لئے کہ تم نے یہ سفر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کے انعام پر شکر ادا کرنے کے بعد شروع کیا ہے اور شکر بڑی عظیم عبادت ہے۔

اس سفر میں اصل سفر کو یاد کرو

پھر آخر میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ: وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

یعنی ہم ایک دن اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی ہم جو سفر کر رہے ہیں، یہ تو ایک چھوٹا سا سفر ہے جس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے، یہ بھی دنیا ہے اور وہ بھی دنیا ہے، لیکن اصل سفر ایک آنے والا ہے جو دنیا سے آخرت کی طرف ہوگا، اِس عالم سے اُس عالم کی طرف ہوگا، اس فانی جہان سے ابدی اور دائمی جہان کی طرف ہوگا۔ لہٰذا اس آخری جملے میں اس طرف توجہ دلا دی کہ یہ سفر تو معمولی ہے، اگر اس سفر میں کامیاب ہوں تو کوئی بہت بڑا فائدہ نہیں اور اگر ناکامی ہو تو کوئی بہت بڑا نقصان نہیں، لیکن وہ سفر جس میں انسان بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جائے گا، وہ سفر بڑا عظیم الشان ہے، اس کی فکر کرنی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے اس معمولی سفر کی بھلائی کی خاطر ہم اس بڑے سفر کو قربان کر دیں اور اس کو بھول جائیں، بلکہ ہمیں اس موقع پر اس بڑے سفر کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ لہٰذا کو یہ کہو:

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

کہیں یہ سفر آخرت کو تباہ نہ کر دے

لہٰذا جس کام کے لئے جا رہے ہو، اس کام کو کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھو کہ وہ کام کہیں آخرت کے سفر میں رکاوٹ نہ بن جائے اور آخرت کے سفر کو خراب نہ کر دے اور ہمارا انجام بُرا نہ ہو جائے۔ بہر حال! یہ دعا تین جملوں پر مشتمل ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ
مُقْرِنِیْنَ ○ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

(سورۃ الزخرف، آیات ۱۳۔۱۴)

اگر آدمی ذرا سا ان کو سمجھ کر پڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سواری کی یہ نعمت عطاء فرمائی ہے جس کو قابو کرنا میرے بس میں نہیں تھا، اور ایک دن بڑا سفر پیش آنے والا ہے جو یا تو بالآخر ہمارے لئے دائمی عذاب کا ذریعہ ہوگا یا دائمی نعمتوں کا ذریعہ ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس چھوٹے سے سفر میں ہم کوئی ایسا کام کر گزریں جو ہماری آخرت کو تباہ کرنے والا ہو۔

لمبے سفر پر جاتے وقت حضور اقدس ﷺ کا معمول

یہ تو وہ دعا تھی جو ہر قسم کی سواری کے لئے پڑھی جاتی ہے، چاہے وہ سفر چھوٹا ہو یا بڑا ہو، قریبی مسافت پر جانا ہو یا بعید کی مسافت پر جانا ہو، لیکن اگر کوئی شخص لمبے سفر پر اور اپنے شہر سے باہر دوسرے شہر کی طرف جا رہا ہو تو اس موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور عظیم دعائیں تلقین فرمائی ہیں، یہ ایسی دعائیں ہیں کہ کوئی انسان اس طرح مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ مدینہ منورہ سے باہر کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے تین مرتبہ تکبیر فرماتے:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

اس کے بعد جب سواری پر سوار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ○ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف:۱۳۔۱۴)

اس کے بعد ایک عجیب دعا یہ فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَ هْلِ اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ۔

سفر میں اللہ تعالیٰ کو ساتھی بنالیں

اس دعا میں پہلا جملہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ

اے اللہ! ہم آپ کو سفر میں اپنا ساتھی بناتے ہیں کہ آپ سفر میں ہمارے ساتھی ہیں۔ کیونکہ ہر انسان کو سفر میں ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے، اور جب سفر میں کوئی دشواری پیش آ جائے تو وہ ساتھی کام دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم سفر پر روانہ ہو رہے ہیں، اس سفر میں ہم آپ کو اپنا ساتھی بناتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ رہیے گا۔ بتایئے! جب سفر میں اللہ تعالیٰ ساتھ ہو جائیں تو کہاں دشواری پیش آ سکتی ہے، کہاں پریشانی آ سکتی ہے۔ اگر یہ دعا قبول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ واقعی ہمارے ساتھی بن جائیں تو پھر ہر کام آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کو گھر والوں کیلئے نگران بنالیں

دوسرا جملہ ارشاد فرمایا: وَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَ هْلِ۔

اس جملے میں عجیب بات ارشاد فرمائی، وہ یہ کہ آپ سفر میں ہمارے ساتھی بھی ہوں اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کے نگہبان بھی ہوں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ہمارے ساتھ ہوگا تو پھر گھر میں وہ نگہبان بن کر نہیں رہے گا، لیکن اے اللہ! آپ ایسے ہیں کہ جو ہر جگہ موجود ہیں، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ سفر میں بھی ہوں اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کے نگران اور نگہبان بھی بن جائیں اور ان کی حفاظت فرمائیں۔

دونوں مشکلات حل ہوگئیں

انسان جب کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے دو بڑی فکریں ہوتی ہیں۔ ایک فکر یہ ہوتی ہے کہ میرا سفر آسان ہو جائے، اس میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور میں اپنے سفر کے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ دوسری فکر یہ ہوتی ہے کہ میں گھر سے باہر جا رہا ہوں، میرے پیچھے میرے گھر والوں کا کیا ہوگا؟ وہ کہیں کسی مشکل کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا میں مسافر کی دونوں مشکلات کو حل فرما دیا کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اپنے سفر کو بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو۔ اگر مسافر کی یہ دونوں دعائیں قبول ہو جائیں تو پھر مسافر کی کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی۔

اے اللہ سفر آسان فرمادے

پھر تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ۔

اے اللہ! ہمارے اس سفر کو آسان کر دیجئے اور اس کی دوری اور فاصلے کو لپیٹ دیجئے۔

جب مسافر لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ مسافت بڑی لمبی ہوتی ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، اس لئے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے تاکہ کہ یہ سفر آسان ہو جائے اور اس سفر کی لمبی مسافت سمٹ جائے، یعنی ہمیں پتہ بھی نہ چلے اور ہم منزل تک پہنچ جائیں۔

سفر کی مشقتوں سے پناہ مانگ لیں

اس کے بعد ایک دوسری دعا اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآ بَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ۔

اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے سفر میں مشقتیں اور مصیبتیں پیش آئیں اور اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میرے سامنے کوئی دکھ دینے والا منظر آ

جائے۔

یعنی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی حادثہ یا ایکسیڈنٹ ہو جائے یا کوئی تصادم ہو جائے، لہٰذا ایسا منظر جو برا ہو اور تکلیف دینے والا ہو اے اللہ! میں اس سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

واپسی پر گھر والوں کی خیریت کی اطلاع ملے

پھر فرمایا: وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ۔

اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ جب میں واپس لوٹ کر اپنے گھر آؤں تو وہاں آ کر کوئی بُرا منظر دیکھوں۔

جب انسان سفر میں ہوتا ہے تو اس کو اس بات کی بھی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ جب میں واپس گھر جاؤں تو میرے گھر والے خوش و خرم ہوں، ان کو اچھی حالت میں دیکھوں، وہ بیمار نہ ہوں، کسی حادثے کا شکار نہ ہوں اور ان کو اطمینان کی حالت میں پاؤں۔ اس لئے دعا کر لی کہ اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں گھر والوں کو بُرے حال میں پاؤں یا اپنے مال کو برے حال میں پاؤں یا اپنی اولاد کو برے حال میں پاؤں۔ اے اللہ! جب میں واپس آؤں تو یہ سب اچھی حالت میں مجھے دکھائی دیں۔

اس دعا کی جامعیت

بتایئے! کیا کوئی شخص ایسی دعائیں مانگے گا؟ کسی کے حاشیہ خیال میں

یہ بات آسکتی ہے کہ وہ مسافر ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگے، مسافر کی جتنی ضروریات ہوسکتی ہیں، وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں میں جمع فرمادیں۔ ''اللہ اکبر'' کے ذریعہ سفر کا آغاز کیا، جب سواری پر بیٹھے تو:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ○ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

والی دعا پڑھی اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ کے حوالے کردیا اور یہ دعا کرلی کہ اے اللہ! ہر قسم کی مشقت اور مصیبت سے بچایئے گا اور خیر و عافیت سے واپس لایئے گا۔ یہ دعائیں کرنے کے بعد سفر شروع کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا۔

نئی بستی سے گزرتے وقت کی دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ سفر کے دوران کسی نئی بستی سے گزرتے تو اس موقع پر یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَافِیْھَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَافِیْھَا۔

اے اللہ! جس بستی سے میں گزر رہا ہوں، اس بستی کی بھلائیاں عطاء فرمایئے اور اس بستی کے جو اچھے لوگ

ہوں، ان سے واسطہ ڈالئے اور اس بستی میں جتنی
اچھائیاں ہیں، ان سے میرا واسطہ پڑے۔ اور اے
اللہ! میں اس بستی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس
بستی کے بُرے رہنے والوں سے اور اس بستی میں جو
برائیاں ہیں، ان سے پناہ مانگتا ہوں، ان سے مجھے
بچائیے گا۔

یہ دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پڑھتے جب کسی نئی بستی سے گزرتے، چاہے وہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

کسی بستی میں داخل ہوتے وقت کی دعا

اور اگر کسی بستی میں ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تو اس بستی میں داخل ہونے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَ حَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا۔

اے اللہ! ہمیں ان بستی والوں کی نظر میں محبوب بنا
دیجئے، یعنی ایسا بنا دیجئے کہ یہ ہم سے محبت کریں اور
اس بستی کے جو نیک لوگ ہیں ان کی محبت ہمارے دل
میں پیدا کر دیجئے۔

پہلے جملے میں تو یہ فرمایا کہ اس بستی کے سارے باشندوں کے دل میں ہماری محبت پیدا کر دیجئے، چاہے وہ صالح ہوں یا نہ ہوں، لیکن دوسرے جملے میں یہ

فرمایا کہ اس بستی کے جو صالح اور نیک لوگ ہوں، ان کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دیجئے۔ کیونکہ جب آدمی کسی نئی بستی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے کہ معلوم نہیں کہ کونسا شخص میرے ساتھ کیا معاملہ کرے، اس لئے دعا کرلی کہ اے اللہ! ہماری محبت ان کے دلوں میں ڈال دیجئے، اور ان کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دل میں آجائے۔ یہ دعا کرنے کے بعد بستی میں داخل ہوتے اور وہاں قیام فرماتے، اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکت سے ان کے ہر سفر کو کامیاب بنا دیتے تھے۔

خلاصہ

بہرحال! یہ چند دعائیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں مانگا کرتے تھے، ہر مسلمان کو ان کے پڑھنے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ اور یہ درحقیقت مسلمان اور کافر میں ایک بہت بڑا امتیاز ہے کہ کافر بھی سوار ہوتا ہے اور مؤمن بھی سوار ہوتا ہے، لیکن کافر غفلت کی حالت میں سوار ہوتا ہے، اور اس کا دھیان اپنے خالق کی طرف نہیں ہوتا، جبکہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کے ساتھ، اس کے ذکر کے ساتھ، اس کے شکر کے ساتھ اور اس کی نعمتوں کے اعتراف کے ساتھ سوار ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں اس کا پورا سفر عبادت بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قربانی کے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام: آیت ۱۶۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العالمین

دو عظیم عبادتیں

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام و کرم ہے کہ پچھلے ہفتہ مسلمان دو عظیم عبادتوں کی ادائیگی سے فارغ ہوئے، ایک حج کی عبادت سے جس میں لاکھوں مسلمانوں نے حصہ لیا اور دوسری قربانی کی عبادت سے، الحمدللہ لاکھوں مسلمانوں نے یہ عبادت انجام دی، یہ دونوں عبادتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو انہی ایام کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں یہ عبادتیں انجام نہیں دی جاسکتیں، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی بھی عمل میں اپنی ذات میں کوئی شرف اور فضیلت نہیں بلکہ یہ صرف اللہ جل شانہ کا حکم ہے جو کسی عمل کو برگزیدہ اور باعث اجر وثواب بنا دیتا ہے۔

قربانی کے وقت یہ دعا پڑھیں

روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کی عبادت انجام دیتے تو یہ دعا فرماتے:

اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ

قربانی کے وقت جو کلمات آپ نے ارشاد فرمائے، ان میں بڑا عظیم سبق ہے، ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے کہ "میری نماز اور میری قربانی و عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو ربّ العالمین ہیں، اے اللہ! یہ قربانی جو میں

آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں، یہ جانور بھی آپ ہی نے مجھے عطاء فرمایا تھا اور اس جانور کو آپ ہی کی بارگاہ میں مجھے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ ان کلمات کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ کوئی بھی عبادت ہو، چاہے وہ نماز ہو، چاہے وہ روزہ ہو، چاہے وہ صدقہ و خیرات ہو، چاہے وہ حج ہو، چاہے وہ قربانی ہو، جب تک اس عبادت سے مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا نہیں ہے، اس وقت تک اس عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اگر کوئی آدمی عبادت کرے لیکن اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے بجائے مخلوق کو راضی کرنا مقصود ہو، دکھاوا یا نام نمود اور شہرت مقصود ہو تو پھر اس عبادت کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی، اعمال کے اندر جو وزن پیدا ہوتا ہے وہ اخلاص سے ہوتا ہے، جتنا زیادہ اخلاص ہوگا، وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا ہی مقبول ہوگا اور اس پر اجر و ثواب ہوگا۔

لفظ "نُسُك" کی جامعیت

اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "نُسُك" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں تین معانی کے لئے آتا ہے، "نُسُك" کے ایک معنی قربانی کے ہیں اور حج کے ارکان کو بھی "نُسُك" کہا جاتا ہے، یہ دوسرے معنی ہیں۔ اور لفظ "نُسُك" ہر قسم کی عبادت پر بھی بولا جاتا ہے، یہ تیسرے معنی ہیں۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ استعمال فرمایا، وہ صرف قربانی کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام عبادتوں کے لئے جامع ہے۔

میرا جینا مرنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

یہ بات تو ہر مسلمان کو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جو بھی عبادت ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے، اگر کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ دو کلمے اور ملا دیئے، وہ یہ ہیں: ''وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ'' جس کے معنی یہ ہیں کہ میرا جینا اور میرا مرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، یہ بات تو سمجھ میں آ رہی ہے، قربانی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی، اور ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، یہ بات بھی سمجھ میں آ رہی ہے، لیکن ''جینا'' اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ''مرنا'' اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

سب کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے چاہئیں

درحقیقت اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سبق دیدیا، وہ یہ کہ ایک مسلمان کی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا ہر کام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہونا چاہئے، چاہے وہ دیکھنے میں دنیا کا کام نظر آ رہا ہو، چاہے وہ دیکھنے میں اپنے نفس کی خواہشات کی تسکین کا کام نظر آ رہا ہو، لیکن ایک مؤمن کے وہ سب کام اللہ تعالیٰ کی خاطر ہونے چاہئیں۔

مؤمن اور کافر میں فرق

اور اس کے ذریعہ یہ بتلا دیا کہ ایک مؤمن کی زندگی میں اور ایک کافر

کی زندگی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ دونوں کام ایک طرح کے کرتے ہیں لیکن مؤمن کا مقصد کچھ اور ہے اور کافر کا مقصد کچھ اور ہے۔ مثلاً جب آدمی صبح بیدار ہوتا ہے تو کچھ کھاتا پیتا ہے اور پھر روزی کمانے کے لئے باہر نکلتا ہے، اگر کوئی ملازم ہے تو وہ ملازمت پر جاتا ہے، اگر کوئی تجارت پیشہ ہے تو وہ تجارت کے لئے جاتا ہے، اگر کوئی زراعت پیشہ ہے تو وہ کاشتکاری کے لئے جاتا ہے، ہر شخص اپنے اپنے کام کے لئے نکلتا ہے، یہی کام مؤمن بھی کرتا ہے اور یہی کام کافر بھی کرتا ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ ایک مؤمن کا کام کافر کے کام سے مختلف ہونا چاہئے، کافر کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کا جہنم بھر دیا جائے، پیٹ میں جو بھوک کی آگ لگی ہوئی ہے، اس کو بجھا دیا جائے اور بس، اس مقصد کے لئے وہ کھا پی رہا ہے اور روزی کمانے کے طریقے بھی اختیار کر رہا ہے، اس سے آگے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

مؤمن شکر ادا کر کے کھاتا ہے

اور ایک مؤمن بھی یہ سب کام کرتا ہے، لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعام و کرم اور اس کی نعمتوں کے استحضار کے ساتھ کھاتا ہے کہ میں یہ جو کھانا کھا رہا ہوں، یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ یہ کھانا کسی دینے والے کی دین اور اس کی عطاء ہے، پھر اس ذات کا شکر ادا کر کے کھاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ کھاتا ہے، اس میں حلال و حرام کا امتیاز کرتا ہے کیا چیز میرے لئے حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ یہ نہیں کہ جو چیز

زبان کو اچھی لگی، اس کو کھانا شروع کر دیا۔

یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں

تیسری بات یہ ہے کہ وہ کھانا بھی اس لئے کھاتا ہے کہ یہ جان بھی میری اپنی نہیں ہے بلکہ یہ جان کسی اور ذات کی ملکیت ہے جس نے یہ فرما دیا ہے کہ:

لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۴)

زمین و آسمان میں پائی جانے والی تمام اشیاء کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا ہماری جان بھی اسی کی ملکیت ہے، ہم جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہاتھ ہمارے ہیں، یہ پاؤں ہمارے ہیں، یہ آنکھیں ہماری ہیں، یہ کان ہمارے ہیں، حقیقت میں یہ ہمارے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، البتہ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے یہ اعضاء فائدہ اٹھانے کے لئے ہمیں عطاء فرما رکھے ہیں، اور جب یہ جان اس کی ملکیت ہے اور اس نے ہمیں فائدہ اٹھانے کے لئے عطاء فرمائی ہے تو اس کے کچھ حقوق بھی ہم پر رکھے ہیں۔

جان کا بھی تم پر حق ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے! میں تجھے یہ جسم دے رہا ہوں، یہ جان دے رہا ہوں، اب اس جسم اور جان کی حفاظت کرنا بھی تیرا فریضہ ہے، میری طرف سے تجھ پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ اس جسم اور جان کی حفاظت کرنا، اور اس جسم اور جان کی حفاظت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس کو غذا دے، اگر تو اس کو غذا نہیں دے گا تو یہ جسم کام کرنا چھوڑ دے گا اور بے کار

ہو جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا، لہذا جسم کو غذا دینا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق ہے۔ اسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

وان لنفسك عليك حقًا

یعنی تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، وہ حق یہ ہے کہ اس جان کو صحت مند رکھنے کی کوشش کرو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بالکل کھانا پینا چھوڑ دے اور جان بوجھ کر بھوکا رہے تو اس کے لئے ایسا کرنا شرعی اعتبار سے گناہ ہے، اس لئے کہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے اور اس جان کا حق ہے کہ اس کو غذا دی جائے، اگر بالکل بھوکا رہے گا تو وہ حق ادا نہیں ہوگا اور گناہ ہوگا۔

بھوک ہڑتال کرنا جائز نہیں

یہی وجہ ہے کہ آج کل لوگ جو بھوک ہڑتال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کھائیں گے اور کچھ نہیں پئیں گے۔ اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا کہ شرعی اعتبار سے یہ ہڑتال جائز نہیں، اس لئے کہ یہ جان اپنی ملکیت نہیں کہ اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو، چاہو تو اس کو بھوکا مار دو، بلکہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے، اس کا حق ہے کہ اس کو وقت پر کھانا کھلاؤ۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا معمول

جب نیا نیا اسلام آیا تو صحابہ کرامؓ میں عبادت کرنے کا بڑا جذبہ تھا، چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ دن

بھر روزے سے رہتے تھے اور رات بھر تہجد پڑھتے تھے، دن میں کھاتے نہیں تھے اور رات کو سوتے نہیں تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو تنبیہ فرمائی کہ یہ طریقہ درست نہیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فان لا هلك عليك حقاً وإن لنفسك عليك حقاً الخ

(ابو داؤد، ابواب قیام اللیل، باب مایؤ مر بہ، من القصد فی الصلاۃ)

یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پاس آنے والے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ مؤمن سارے حقوق کو ایک ساتھ ادا کرتا ہے، یہ نہیں کرتا کہ ایک طرف کو ڈھلک گیا اور دوسروں کے حقوق پامال کر دیے، اس لئے روزانہ سارا سال روزہ رکھنا مکروہ ہے، پسندیدہ نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں نفس کا حق فوت ہو رہا ہے۔

جان کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے

لہٰذا ایک مؤمن اگر کھانا کھاتا ہے تو وہ درحقیقت اس لئے کھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کہ اپنے اس نفس کی حفاظت کرو۔ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو واضح طور پر صحت کے لئے مضر ہو اور جس کے نتیجے میں بیمار پڑنے کا غالب گمان ہو تو ایسا کام کرنا شرعاً بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ جان اپنی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے، جب تک اس نے یہ جان ہمیں دی ہوئی ہے، اس وقت تک اس کی حفاظت ہمارے ذمے ضروری ہے۔

مؤمن سب کام اللہ تعالیٰ کیلئے کرتا ہے

لہٰذا اگر مؤمن کھانا کھا رہا ہے تو وہ درحقیقت اپنے نفس کا حق ادا کرنے کے لئے کھا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا استحضار کر کے شکر ادا کر کے کھا رہا ہے اور حلال وحرام کی تمیز کر کے کھا رہا ہے، ان تین باتوں کی وجہ سے اس مؤمن کا کھانا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور عبادت ہے۔ اگر مؤمن روزی کمانے کے لئے جا رہا ہے تو بظاہر وہ دنیا داری کا کام ہے، لیکن ایک مؤمن کے روزی کمانے میں اور ایک کافر کے روزی کمانے میں یہی فرق ہے، ایک مؤمن جو روزی کماتا ہے تو اس نیت کے ساتھ کماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے میرے نفس کے حقوق بھی رکھے ہیں، میری بیوی کے اور میرے بچوں کے میرے ذمے حقوق رکھے ہیں، ان سب کے حقوق ادا کرنے کے لئے میں روزی کما رہا ہوں اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ حلال وحرام کی تمیز کے ساتھ کماؤں گا، جائز روزی کماؤں گا اور ناجائز سے پرہیز کروں گا۔ اس طرح ایک مؤمن کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتے ہیں اور ہونے چاہئیں، یہاں تک کہ اگر وہ تفریح کر رہا ہے تو وہ تفریح بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے اور یہ نیت کرے کہ میں اس لئے تفریح کر رہا ہوں تاکہ میرے جسم اور ذہن اور قلب کا حق ادا ہو، اس نیت سے وہ تفریح بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگئی۔ مؤمن کا سونا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس لئے کہ وہ سوتے وقت یہ نیت کرتا ہے کہ میں اس لئے سو رہا ہوں کہ یہ میرے نفس کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور جائز طریقے سے

سو رہا ہوں، اس نیت سے یہ سونا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا۔

یہ ایک نسخہ کیمیا ہے

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمہ ارشاد فرمایا، یہ ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے جو مؤمن کی زندگی کے ہر کام کو خالص اللہ کے لئے بنانے والا ہے اور عبادت قرار دینے والا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ "میرا جینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"۔

میرا مرنا بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

آخر میں فرمایا:

وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

میرا مرنا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ مرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس بات پر ایمان رکھے کہ جو وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا سے جانے کا مقدر فرما دیا ہے، وہی وقت برحق ہے، میں صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آج دنیا سے جاؤں یا کل جاؤں یا ایک سال بعد جاؤں یا دس سال بعد جاؤں، فیصلہ اسی کا ہے، اسی کی مشیت ہے اور اسی کی حکمت ہے، اور اس حکمت کے تحت یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ مجھے کب تک اس دنیا میں رہنا ہے اور کب اس دنیا سے جانا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ احینی ما علمت الحیاۃ خیراً لی

وتوفنی اِذا علمت الوفاۃ خیراً لی

اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھئے جب تک میرا زندہ رہنا آپ کے علم کے مطابق میرے حق میں بہتر ہو، اور جب آپ کے علم کے مطابق میرا مرنا بہتر ہو جائے تو مجھے موت دید یجئے۔ آدمی اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہ کرے۔

خودکشی حرام کیوں ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ''خودکشی'' کرنا حرام ہے، کیونکہ وہ فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے کہ تمہیں کب اس دنیا سے جانا چاہئے، یہ فیصلہ تم اپنے ہاتھ میں لے رہے ہو، یہ جان تمہاری اپنی ملکیت نہیں ہے کہ اس کے ساتھ جیسا چاہو سلوک کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جو اس نے عطاء کی ہے۔ لہٰذا اس جان کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ موت کی تمنا کرنا بھی ناجائز ہے۔

موت کی دعا کرنا جائز نہیں

موت کی دعا کرنا بھی ناجائز ہے، چنانچہ بہت سے لوگوں کی زبانوں پر یہ جملہ آجاتا ہے کہ یا اللہ! میرا حال بہت خراب ہے، مجھے موت ہی دیدے۔ العیاذ باللہ العلیّ العظیم۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ارے تمہیں کیا معلوم کہ اگر اس وقت تمہاری موت آجائے تو تمہارا کیا انجام ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ تمہارے حق میں کب تک زندہ رہنا بہتر ہے۔ اگر ایک لمحے کے لئے یا ایک گھنٹے کے لئے موت مؤخر ہو جائے تو کیا معلوم کہ اس ایک گھنٹے میں تمہیں وہ کام کرنے کی توفیق ہو جائے جو تمہارے سارے پچھلے گناہوں کو دھو دے اور تمہارا بیڑا پار کر دے، لہٰذا موت کی تمنا مت کرو، نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حضرت خباب بن ارت ﷺ کی بیماری

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگئے اور انتہائی شدید تکلیف میں تھے، کوئی صاحب ان کی عیادت کے لئے گئے تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آج مجھے اتنی شدید تکلیف ہے کہ اگر موت کی تمنا کرنا جائز ہوتا تو میں موت کی تمنا کرتا، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے میں موت کی تمنا نہیں کرتا۔

موت کی تمنا کرنا

موت کی تمنا کرنا اس لئے منع ہے کہ تم یہ فیصلہ کرنے والے کون ہو کہ تمہارے حق میں جینا بہتر ہے یا مرنا بہتر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اسی کے اوپر یہ فیصلہ چھوڑ دو اور اسی سے مدد مانگو۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو موت بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہ معنی ہیں اس دعا کے کہ:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

صبح اٹھ کر یہ نیت کرلو

اسی لئے میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو بھائی! تمہیں بڑی کام کی بات بتا:

ہوں کہ صبح کو جب نماز فجر کے لئے اٹھو تو نماز فجر کے بعد یہ نیت کرلو کہ یا اللہ! آج صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں جو کام کروں گا، اے اللہ! آپ کے لئے کروں گا، کھاؤں گا تو آپ کے لئے کھاؤں گا، روزی کماؤں گا تو آپ کے لئے روزی کماؤں گا، سوؤں گا تو آپ کے لئے سوؤں گا، کسی سے ملاقات کروں گا تو آپ کے لئے کروں گا، کسی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا تو آپ کے لئے کروں گا، عبادت کروں گا تو آپ کے لئے کروں گا، اے اللہ! میں ہر کام میں آپ کے لئے کروں گا، اور یہ پڑھو:

اِنَّ صَلاَ - ' وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ گزارش پیش کردو کہ اے اللہ! میں یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ جو کچھ کام کروں گا، آپ کو راضی کرنے کے لئے کروں گا۔

کام کے شروع میں نیت درست کرلیں

شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب آدمی کسی کام کے شروع میں کوئی نیت کرلیتا ہے تو کام کے دوران اگر غفلت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ شروع کی نیت کو معتبر مان لیتے ہیں۔ مثلاً جب نماز شروع کی تو اس وقت یہ نیت کرلی کہ میں یہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں اور پھر ''اللہ اکبر'' کہہ کر نیت باندھ لی تو اب نماز کے دوران اِدھر اُدھر کے غیر اختیاری خیالات آرہے ہیں، اس وقت یہ دھیان بھی نہیں رہتا کہ میں یہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ جب میرے بندے نے نماز کے

شروع میں یہ نیت کرلی تھی کہ میں یہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں تو میں اس کی پوری نماز کو عبادت میں لکھوں گا اور اس کو اپنے لئے ہی قرار دوں گا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

صبح اٹھ کر یہ دعا پڑھ لو

لہٰذا جب صبح اٹھ کر تم نے یہ نیت کرلی کہ آج کے دن میں جتنے کام کروں گا، وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کروں گا، پھر درمیان اگر کچھ غفلت بھی ہوگئی، مثلاً کھانا کھاتے وقت اس نیت کا خیال نہ آیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ شروع میں کی ہوئی نیت یہاں آ کر لگ جائے گی۔ اسی طرح جب روزی کمانی شروع کی اور اس نیت کا خیال نہ آیا تو وہ صبح کے وقت کی ہوئی نیت یہاں بھی لگ جائے گی، اس طرح دن بھر کے جتنے جائز اور مباح کام ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس نیت کے نتیجے میں وہ سب کام عبادت بن جائیں گے۔ اس لئے ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ صبح اٹھ کر یہ کہہ دیا کرو:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جو کچھ ہوگا اے اللہ! آپ کے لئے ہوگا، اس طرح تمہاری پوری زندگی عبادت بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مصیبت کے وقت کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مصیبت کے وقت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَقَالَ رَبُّکُمَ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ

دَاخِرِیْنَ۔ (سورۃ المؤمن: آیت ۶۰)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گزشتہ تقریباً ایک سال سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، اب چند دعائیں باقی ہیں، انشاء اللہ ان کی تشریح کر کے اس سلسلے کو مکمل کرنے کا ارادہ ہے، اللہ جل شانہ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

دنیا میں کوئی تکلیف سے خالی نہیں

جب آدمی صبح کے وقت کاروبار زندگی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر اس کو ہر قسم کے حالات اور واقعات سے سابقہ پیش آتا ہے کوئی انسان اس روئے زمین پر ایسا نہیں ہے جس کو ان حالات اور واقعات سے کبھی بھی تکلیف نہ پہنچی ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، بڑے سے بڑا دولت مند، بڑے سے بڑا حاکم، بڑے سے بڑا صاحب اقتدار، یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اگر انسان ہے اور وہ اس دنیا میں ہے تو اس کو کبھی نہ کبھی تکلیف ضرور پہنچے گی، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

مومن اور کافر میں فرق

لیکن تکلیف پہنچنے پر ایک کافر کے رویہ میں اور ایک مسلمان کے رویہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جب کافر کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس تکلیف کا زبان سے اظہار کرتا ہے، بعض اوقات روتا چلاتا ہے، بعض اوقات شکوہ کرتا ہے، بعض اوقات وہ تقدیر کا گلہ کرنے لگتا ہے اور ''نعوذ باللہ'' اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔

تکلیف کے وقت کی دعا

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کو یہ تلقین فرمائی کہ جب کبھی تمہیں کوئی تکلیف کی بات پیش آئے تو یہ کلمات پڑھو:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْتَسِبُ لَکَ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اْجُرْنِیْ فِیْھَا وَ اَبْدِلْنِیْ خَیْراً مِنْھَا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تکلیف پہنچنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بڑی مصیبت آجائے بلکہ اگر چھوٹی سی تکلیف پہنچے تو بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب چراغ گل ہوگیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔

”اِنَّا لِلّٰہِ“ کا مطلب

یہ جملہ درحقیقت بڑا عجیب جملہ ہے، اگر انسان اس جملے کو سوچ سمجھ کر زبان سے ادا کرے تو دنیا کی کوئی مصیبت اور کوئی تکلیف ایسی نہیں ہے جس پر یہ جملہ ٹھنڈک نہ ڈالدیتا ہو۔ اس جملہ کا معنی یہ ہیں کہ ”ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی کی مملوک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ اور جب یہ کہا ”انا للہ“ کہ ہم تو ہیں ہی اللہ کے بندے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق اور مالک ہے، لہٰذا اگر ہمیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

دیکھنے میں یوں محسوس ہورہا ہے کہ ہمیں تکلیف پہنچی ہے، ہمیں پریشانی لاحق ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں اللہ جل شانہ کی حکمت اس میں حاوی ہے اور یہ کام اس کی حکمت کے بغیر نہیں ہوسکتا، جو تصرف ہماری ذات میں چل رہا ہے، وہ سب حکمت پر مبنی ہے اور اس پر کسی کو گلہ شکوہ کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا مطلب

دوسرا جملہ ہے: وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی یہ تکلیف جو پہنچی ہے، یہ

ہمیشہ رہنے والی نہیں، ایک وقت آئے گا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اگر ہم نے اس مصیبت پر صبر کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا تو اس کے نتیجے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے پاس اجر حاصل ہوگا۔

دوسری دعا کا مطلب اور ترجمہ

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْتَسِبُ لَکَ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اْجُرْنِیْ
فِیْھَا وَ اَبْدِلْنِیْ خَیْراً مِنْھَا۔

اے اللہ! میں اس مصیبت میں آپ سے ثواب طلب کرتا ہوں، یعنی یہ تکلیف جو مجھے پہنچی ہے، آپ کی رحمت سے مجھے امید ہے کہ اس مصیبت کے عوض آپ مجھے آخرت میں ثواب عطاء فرمائیں گے، لہٰذا آپ مجھے اس پر اجر عطاء فرمایئے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلی کہ اے اللہ! جو تکلیف پہنچنی تھی وہ پہنچ گئی اور چونکہ وہ تکلیف آپ کی طرف سے آئی ہے، اس لئے میں اس پر راضی ہوں، لیکن ساتھ ہی آپ سے یہ التجاء ہے کہ اس مصیبت کے بدلے مجھے آخرت میں اجر عطاء فرمایئے۔

مصیبت کا بدل مانگئے

اب اس پر کسی کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ جب تم مصیبت پر راضی ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت پر اجر بھی مانگ رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مصیبت باقی رہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلا جملہ ارشاد

فرما کر اس خیال کی تردید فرمادی، چنانچہ فرمایا کہ یہ کہو کہ اے اللہ! مجھے اس مصیبت کے بدلے کوئی بہتر چیز عطاء فرما دیجئے۔ یعنی میں اگرچہ آپ کے فیصلے پر راضی ہوں اور آپ کے فیصلے پر مجھے کوئی گلہ اور شکوہ نہیں ہے اور نہ اعتراض ہے، لیکن اے اللہ! میں کمزور ہوں، میں مصیبت کا تحمل نہیں کرسکتا، اس لئے آپ میری کمزوری پر رحم فرمایئے اور آپ مجھ سے یہ مصیبت دور فرما دیجئے اور اس کے بدلے میں مجھے اچھی حالت عطاء فرما دیجئے۔

مصیبت دور ہونے کی دعا کیجئے

لہٰذا اس دعا میں ایک طرف تو جو مصیبت اور تکلیف پہنچی ہے، اس تکلیف اور مصیبت پر گلہ اور شکوہ کوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا اعلان ہے، دوسری طرف اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کہ اے اللہ! میرے اندر اس مصیبت اور تکلیف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر یہ مصیبت مزید جاری رہے تو میں بے صبری کا شکار ہو جاؤں، اس لئے اے اللہ! میں آپ سے دعا یہی کرتا ہوں کہ مجھ سے یہ مصیبت اور تکلیف دور فرما دیجئے۔ اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزوں کو جمع فرمادیا۔

میرے والد ماجد اور بیماری

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، شدید تکلیف میں مبتلا تھے، ایک طرف دل کی تکلیف،

دوسری طرف بواسیر کا پھوڑا نکل آیا، تیسری طرف جسم پر ہر پیز کی پھنسیاں نکل آئی تھیں جو شدید تکلیف دہ ہوتی ہیں، ڈاکٹروں کا کہنا یہ تھا کہ ان پھنسیوں میں ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی نے آگ کا انگارہ جسم پر رکھ دیا ہو۔ اسی حالت میں جوان بیٹے کے انتقال کی خبر آگئی اور بیماری کی وجہ سے بیٹے کے جنازے میں بھی شرکت کے متحمل نہیں تھے، اس حالت میں زبان سے یہ کلمہ نکلا: یا اللہ! رحم فرما، یا اللہ! رحم فرما، یا اللہ! رحم فرما۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ یہ میں نے کیا جملہ زبان سے نکال دیا، "یا اللہ رحم فرما" اس جملے کا کہیں یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ اب تک رحم نہیں فرما رہے تھے۔ ارے ہم تو اللہ تعالیٰ کے رحم میں جی رہے ہیں، یہ تھوڑی سی تکلیف ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی ہر وقت بارش ہو رہی ہے۔ لہٰذا اب میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! اس تکلیف کی نعمت کو راحت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجئے۔ یعنی یہ تکلیف بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس لئے کہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ نے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ بڑا عظیم الشان ہے، لہٰذا یہ تکلیف بھی نعمت ہے، لیکن ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اور اپنے ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے اس نعمت کو نعمت نہیں سمجھتے، لہٰذا اے اللہ! اس تکلیف کی نعمت کو راحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔

یہ تکالیف بھی نعمت ہیں

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جتنی بھی تکلیفیں پیش آتی ہیں، چاہے وہ صدمہ ہو یا رنج ہو، کوئی فکر ہو، کوئی تشویش ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نعمت ہیں۔ اس لئے نعمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب تکلیفیں اپنی حکمت سے مؤمن کے اوپر ڈالی ہیں اور یہ سب مؤمن کے لئے ثواب اور ترقی درجات کا ذریعہ بن رہی ہیں اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ لیکن ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے بجائے ہمیں راحت کی نعمت عطاء فرمایئے اور اس پر شکر کی توفیق عطاء فرمایئے۔

تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس مصیبت کے بدلے اس سے بہتر کوئی ایسی چیز عطاء فرما دیجئے جس کو میں برداشت کرسکوں اور جو میری کمزوری کے مطابق ہو۔ لہٰذا جب بھی انسان کو کوئی صدمہ، تکلیف، مصیبت پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور کہے یا اللہ! یہ مصیبت پیش آگئی ہے، آپ اس پر مجھے ثواب دیجئے اور اس کے بدلے مجھے راحت عطاء فرما دیجئے۔ جب یہ دو کام کر لئے تو یہ مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ نعمت بن جائے گی اور رحمت کا ذریعہ بن جائے گی۔

یہ نسخہ بظاہر دیکھنے میں چھوٹا سا ہے لیکن اس پر عمل کر کے دیکھیں۔ لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی پہنچے یا چھوٹے سے چھوٹا صدمہ بھی پیش آئے، بس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے یہ بات کہہ دو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتے ہیں اور کیسے تمہارے درجات میں ترقی عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سوتے وقت کی دعائیں

واذکار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

سوتے وقت کی دعائیں اوراذکار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ـ

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم وصدق

رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰه ربّ العلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! کچھ عرصہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعاؤں کا بیان چل رہا ہے اور ان میں سے بہت سی دعاؤں کی تشریح اور وضاحت آپ حضرات کے سامنے پچھلے بیانات میں پیش کی گئیں، آج یہ اس سلسلے کی شاید آخری کڑی ہے اور یہ آخری کڑی ان دعاؤں پر مشتمل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے سے پہلے پڑھنا ثابت ہے، آج ان کا تھوڑا سا بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق بیان کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

سونے سے پہلے "استغفار"

یوں تو سونے سے پہلے ایک مسلمان کے لئے مختصر مختصر بہت سے کام ہیں جن کو انجام دینا بہت مناسب اور ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب آدمی رات کو بستر پر سونے کے لئے جاتا ہے تو ایک دن کی تمام کارروائیوں کا اختتام بستر پر ہوتا ہے، اس وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ رات کو سونے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ آدمی سارے دن کی کارروائیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال لے کہ جب آج صبح میں بیدار ہوا تھا، اس وقت سے لے کر سونے تک میں نے کتنے کام کئے، ان میں سے کتنے کام اچھے تھے اور کتنے کام برے تھے، اور

پھر اجمالی طور پر انسان اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لے کہ یا اللہ! میں نے آج کا جو دن گزارا ہے، اس میں نہ جانے مجھ سے کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی، نہ جانے کہاں کہاں میرے قدم صحیح راستے سے پھسلے ہوں گے، کہاں کہاں میری نگاہ بہکی ہوگی، کہاں کہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہوگا، اے اللہ! اب میں دن ختم کر رہا ہوں، اس وقت میں آپ سے سارے دن کی خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

اگلا دن ملے یا نہ ملے

لہٰذا رات کو سوتے وقت دن بھر کے گناہوں سے توبہ استغفار کر لے، اس لئے کہ رات کی نیند بھی ایک قسم کی چھوٹی موت ہے، آدمی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، اور نہ جانے کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ آدمی رات کو سویا اور پھر بیدار نہ ہوا، لہٰذا یہ معلوم نہیں کہ اگلا دن ملتا ہے یا نہیں، اگلے دن کے آنے سے پہلے ہی اپنی پچھلی ساری زندگی کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاف کر لے اور توبہ استغفار کر لے۔

توبہ کا مطلب

توبہ کا مطلب یہ ہے کہ جتنے گناہ یاد آ رہے ہیں، ان پر ندامت کا اظہار کرے اور ان کو آئندہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر لے۔ بس یہ کام کر لے تو پھر اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ دن بھر کی جتنی غلطیاں اور کوتاہیاں اور گناہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف

فرمادیں گے۔

سوتے وقت کی دو دعائیں

سوتے وقت پہلی دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ یہ ہے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَحْیٰی وَبِکَ اَمُوْتُ اے اللہ! میں آپ ہی کے نام سے زندہ ہوں اور آپ ہی کے نام سے مروں گا۔ اس کے بعد ایک دوسری دعا سونے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے، وہ بہترین دعا ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنْتَ تَوَفَّاھَا لَکَ مَمَاتُھَا وَ مَحْیَاھَا اِنْ اَحْیَیْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ وَاِنْ اَمَتَّھَا فَاغْفِرْلَھَا وَ ارْحَمْھَا

یہ لمبی دعا ہے لیکن مسنون دعاؤں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، یاد کر لینے سے انشاء اللہ یاد ہو جائے گی۔ اور جب تک اس دعا کے عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اس وقت تک اردو ہی میں یہ دعا مانگ لی جائے، انشاء اللہ اس کا بھی فائدہ ہوگا۔

نیک بندوں کی طرح زندگی کی حفاظت

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور آپ ہی مجھے موت دیں گے، یعنی زندگی بھی مجھے آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور زندگی کا خاتمہ بھی آپ ہی کے ذریعہ ہوگا۔ میری زندگی اور موت سب آپ کے ہاتھ میں ہے، اے اللہ! اگر آپ مجھے دوبارہ زندہ کریں، یعنی سونے کے

بعد دوبارہ بیداری عطاء فرمائیں تو پھر میری اسی طرح حفاظت کریں جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی میں سونے کے لئے جا رہا ہوں، یہ بھی عارضی موت ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ دوبارہ بیدار ہوں گا یا نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھے دوبارہ زندگی عطاء فرمائی تو وہ زندگی اسی وقت فائدہ مند ہے جب آپ مجھے اس طرح اپنی حفاظت میں لے لیں جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کو حفاظت میں لیتے ہیں۔

فاسقوں اور فاجروں کی حفاظت کیوں؟

کیونکہ حفاظت تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ فاسقوں اور فاجروں کی بھی کرتے ہیں، کافروں اور غیر مسلموں کی بھی حفاظت کرتے ہیں، چنانچہ اس حفاظت کی وجہ سے بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اور فاسق و فاجر ہیں، وہ دنیا میں خوب پھل پھول رہے ہیں، اگر ان کو دنیا میں کوئی خطرہ پیش آتا بھی ہے تو وہ اس خطرہ سے نکل آتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ دنیا علیم وحکیم کا کارخانہ ہے، جس کا کہنا یہ ہے کہ:

ما پروریم دشمن و ما میکشیم دوست
کس راچرا وچوں نہ رسد در قضاءِ ما

یعنی بعض اوقات ہم دشمن کو پالتے ہیں اور اس کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور دوست کو مار دیا جاتا ہے۔

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے

دیکھئے! بڑے بڑے کافر، فرعون، نمرود، ہامان، قارون، جنہوں نے ”انا

ولا غیری" کے نعرے لگائے، لیکن اس کے باوجود ایک عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ نے ان کی رسی دراز کی اور ان کو ڈھیل دی اور ان کی حفاظت کرتے رہے، جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو آروں سے چروا دیا گیا۔ لیکن یہ سب کام انہی کی حکمت سے ہو رہے ہیں، دشمنوں کو ایک وقت تک ڈھیل دی جاتی ہے، جب وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پکڑ لیتے ہیں، فرعون نے ایک وقت تک خدائی کے دعوے کئے، لوگوں پر ظلم وستم کے شکنجے کسے، لیکن بالآخر اس کا یہ انجام ہوا کہ سمندر میں غرق ہوا۔

اچانک ان کی گرفت ہوگی

لہٰذا حفاظت تو ان کافروں کی بھی ہو رہی ہے اور دشمنوں کی بھی ہو رہی ہے، چنانچہ آج کے حالات کو دیکھ لیں کہ کس طرح عالم اسلام ابتری کا شکار ہے اور دشمنانِ اسلام نے بظاہر قوت حاصل کی ہوئی ہے اور برتری حاصل کئے ہوئے ہیں اور ان کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ حفاظت ایک وقت تک ہوگی، جب اللہ تعالیٰ ان کو پکڑنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اچانک سخت گرفت میں پکڑ لیں گے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (سورۃ البروج)

یعنی تیرے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے۔

سامری کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک "سامری" جادوگر تھا جو کافر تھا اور جس نے ایک بچھڑا بنا کر لوگوں کو کہا کہ اس

کی پوجا کرو، اس ''سامری'' کی پرورش کا بھی عجیب وغریب واقعہ ہے، وہ یہ کہ چونکہ یہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھا، اور فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بچوں کے قتل کا حکم دیدیا تھا، اس لئے جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح اس کو تابوت میں رکھ کر دریا میں یہ سوچ کر ڈال دیا تھا کہ اگر اس کی زندگی ہوگی تو بچ جائے گا، ورنہ کم از کم میری آنکھوں کے سامنے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا میں ایک تابوت کے اندر ایک بچہ ہے، اس کو نکالو اور پہاڑ کی چوٹی پر جو غار ہے، اس کے اندر رکھ دو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کو اٹھا کر غار کے اندر رکھ دیا، اور پھر اس کی اس طرح پرورش کی روزانہ دودھ اور شہد لاکر اس کو چٹایا کرتے تھے، اس ''سامری'' کا نام بھی موسیٰ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ذریعہ

جس موسیٰ کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی وہ تو اتنا بڑا بت پرست نکلا کہ بنی اسرائیل کے اندر بت پرستی کا بانی بن گیا، جبکہ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ذریعہ کرائی، فرعون کے گھر میں جس موسیٰ کی پرورش ہوئی وہ پیغمبر بنے اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جس موسیٰ کی پرورش ہوئی وہ کافر ہوا اور بت پرست ہوا۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کا کارخانہ ہے، کسی انسان کی عقل اور فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی بات کو ایک عربی شاعر نے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا

ہے کہ:

وَ مُوْسَی الَّذِی رَبَّاہُ جِبْرَئِیْلُ کَافِرٌ
وَ مُوْسَی الَّذِی رَبَّاہ فِرْعَونُ مُرْسَلٌ

یعنی وہ موسیٰ جس کی پرورش جبرئیل علیہ السلام نے کی، وہ کافر نکلا اور وہ موسیٰ جس کی پرورش فرعون نے کی، وہ رسول بنا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کارخانہ ہے۔

سوتے وقت حفاظت کی دعا کرنا

بہر حال! اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق حفاظت تو کافروں اور فاسقوں اور فاجروں کی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا سوتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

اے اللہ! جب میں بیدار ہوں تو میری حفاظت فرمایئے، لیکن جیسے آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح حفاظت فرمایئے۔

یعنی جب میں صبح کو بیدار ہوں اور زندگی کے کارزار میں داخل ہوں تو پھر میری حفاظت فرمایئے کہ میرے قدم گناہ کی طرف نہ بڑھیں اور معصیت کی طرف نہ بڑھیں بلکہ آپ کی اطاعت کی طرف بڑھیں۔

اگر موت آجائے تو مغفرت

آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:

وَاِنْ اَمَتَّھَا فَاغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا۔

یعنی اے اللہ! اگر میرے مقدر میں یہ ہے کہ اس نیند کے بعد میں بیدار نہ ہوں بلکہ مجھے موت دینی مقصود ہے تو اے اللہ! میری مغفرت فرمایئے اور مجھ پر رحم فرمایئے۔ لہٰذا رات کو سوتے وقت زندگی اور موت دونوں کے بارے میں یہ دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمادی۔ بتایئے! اگر انسان کی یہ دعا قبول ہو جائے یعنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت مل جائے، اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت مل جائے۔ اور اس کو کیا چاہئے۔

سوتے وقت کے دوسرے اذکار

روایات میں آتا ہے کہ اگر انسان رات کو سوتے وقت سورۃ بقرہ کے آخری رکوع اور سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی تلاوت کرلے تو یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ رات کو سوتے وقت سورۃ ملک کی تلاوت کرنا ایسا عمل ہے جو انسان کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ توبہ اور استغفار کرلے۔ اور آخری دعا جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دعا کے بعد کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکالے بلکہ دعا کے بعد فوراً سو جائے، یہ وہ دعا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو تلقین فرمائی کہ جب تم رات کو سوتے وقت بستر پر داہنی کروٹ پر لیٹو تو اس وقت یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَ اَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ

اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔

اے اللہ! میں نے اپنی جان آپ کے حوالے کر دی اور میں نے اپنا چہرہ آپ کی طرف کر دیا اور میں نے اپنے سارے معاملات آپ کے سپرد کر دیے۔

تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد

دیکھئے! انسان کے ساتھ ہزاروں حاجتیں اور ہزاروں ضرورتیں لگی ہوئی ہیں، چنانچہ سوتے وقت بھی اس کے دماغ میں یہ خیالات آتے ہیں کہ کل کو کیا ہوگا؟ کس طرح کماؤں گا؟ پیسے کہاں سے آئیں گے؟ بچوں کا کیا ہوگا؟ اس طرح کے بہت سے خیالات انسان کے دل پر مسلط ہوتے ہیں، لیکن اب رات کا وقت ہے، سونے کے لئے بستر پر لیٹا ہوا ہے، کچھ نہیں کر سکتا، اس لئے اس وقت یہ دعا کر لو کہ اے اللہ! میں نے اپنے سارے معاملات آپ کے سپرد کر دیے، جو واقعات مجھے کل پیش آنے ہیں، وہ سب آپ کے سپرد ہیں، اے اللہ! ان میں آپ میرے لئے بہتری پیدا فرما دیجئے۔

بیداری کے آخری الفاظ

آگے فرمایا کہ:

اے اللہ! میں نے اپنی پشت آپ کے آگے رام کر دی، اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو آپ نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن کریم، اور جو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دنیا میں بھیجے، میں ان پر
ایمان لاتا ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ تمہاری بیداری کے آخری الفاظ ہونے چاہئیں، اس کے بعد سو جاؤ اور زبان سے کوئی کلمہ نہ نکالو۔ تو اس کے نتیجے میں انشاء اللہ یہ ساری نیند بھی نور اور عبادت بن جائے گی اور اگر اس حالت میں موت آ گئی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ سیدھے جنت میں لے جائیں گے۔

اگر نیند نہ آئے تو یہ پڑھے

اگر آدمی سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا اور اس کو نیند نہیں آ رہی ہے تو اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَاَنْتَ
حَیٌّ قَيُّوْمٌ لَاتَاخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ۔ يَاحَیُّ
يَاقَيُّوْمُ اِهْدِئْ لَيْلِي وَاَنِمْ عَيْنِي۔

یا اللہ! ستارے چھپ گئے اور آنکھیں پرسکون ہو گئیں،
آپ حیّ و قیوّم ہیں۔ آپ کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند،
اے حیّ و قیوّم میری رات کو پرسکون بنا دیجئے اور میری
آنکھ کو نیند عطاء فرما دیجئے۔

یہ کلمات پڑھ لو گے تو ان کلمات کی برکت سے اللہ تعالیٰ شیاطین کے شر سے

محفوظ فرمائیں گے۔

بہر حال! یہ چند اعمال اور چند دعائیں سوتے وقت کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اختتامی کلمات

ادعیہ ماثورہ کا بیان جو کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اب میں اس کو ختم کرتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اب دوسرے موضوعات پر بیان کروں گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں قدم قدم پر ہمارا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ مستحکم کرنے کے لئے یہ مسنون دعائیں تلقین فرمائیں، ان میں سے ہر ہر دعا ایسی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو دنیا و آخرت میں انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے ہر مسلمان کو ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے اور ان کو یاد کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور صحیح وقت پر ان دعاؤں کو دھیان کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دعاؤں کے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

اصلاحی خطبات

جلد ۱۴

- حج ایک عاشقانہ عبادت
- محرم اور عاشورہ کی حقیقت
- مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ
- کامیاب مؤمن کون؟
- نماز کا مسنون طریقہ
- نماز میں آنے والے خیالات
- برائی کا بدلہ اچھائی سے دو
- اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں
- زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب
- زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

۱۴

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت ☜ مئی ۲۰۰۴ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳ ☎
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت ☜ /_ روپے

ملنے کے پتے

❁ میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱: لیاقت آباد، کراچی ۱۹
❁ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
❁ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
❁ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
❁ اقبال بک سینٹر صدر کراچی
❁ مکتبۃ الاسلام، البی فلورل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللہ وکفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور

ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی چودہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ تیرہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے چودہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے چودہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب دعا

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۱۴

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

شب قدر کی فضیلت

عنوان	صفحہ نمبر
دین اسلام میں انسانی فطرت کا خیال	۵۳
حضرت عمر فاروقؓ کا حجر اسود سے خطاب	۵۳
ہرے ستونوں کے درمیان دوڑنا	۵۴
اب مسجد حرام کو چھوڑ دو	۵۴
اب عرفات چلے جاؤ	۵۵
اب مزدلفہ چلے جاؤ	۵۵
مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھنا	۵۵
کنکریاں مارنا عقل کے خلاف ہے	۵۶
ہمارا حکم سب پر مقدم ہے	۵۷
حج کس پر فرض ہے؟	۵۸

حج میں تاخیر کیوں؟

عنوان	صفحہ نمبر
حج فرض ہونے پر فوراً ادا کریں	۶۲
ہم نے مختلف شرائط عائد کر لی ہیں	۶۲
حج مال میں برکت کا ذریعہ ہے	۶۳
آج تک حج کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا	۶۴
حج کی فرضیت کیلئے مدینہ کا سفر خرچ ہونا بھی ضروری نہیں	۶۴

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

عنوان	صفحہ نمبر

درس ختم صحیح بخاری

کامیاب مؤمن کون؟

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

نماز میں آنے والے خیالات

صفحہ	عنوان
۲۳۳	نماز کا چوتھا مقام: قبلیہ سنتیں
۲۳۳	چاروں مقدمات پر عمل کے بعد خشوع کا حصول
۲۳۴	خیالات کی پرواہ مت کرو
۲۳۴	ان سجدوں کی قدر کرو
۲۳۵	نماز کے بعد کے کلمات
۲۳۶	خلاصہ

خشوع کے تین درجات

عنوان	صفحہ

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

صفحہ	عنوان

اوقات زندگی بہت قیمتی ہیں

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

عنوان	صفحہ

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

شب قدر کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

شب قدر کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ○ تنزل

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

(سورۃ القدر)

آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین

آخری عشرہ کی اہمیت

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! اللہ جل شانہ کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو اپنی زندگی میں ایک اور رمضان المبارک عطاء فرمایا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس رمضان کے بیس ایام گزر گئے اور اب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ آخری عشرہ پورے رمضان کا عطر ہے اور نچوڑ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آخری عشرہ کو ایسی خصوصیات اور فضائل سے نوازا ہے کہ سارے سال پھر ایسے ایام دوبارہ آنے والے نہیں۔

آخری عشرہ میں حضور ﷺ کی کیفیت

یوں تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی مقدس ہے اور مبارک ہے، اس کی ایک ایک گھڑی اور اس کا ایک ایک لمحہ قابل قدر ہے، لیکن خاص طور پر یہ آخری عشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص کیفیات رکھتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ

آخری عشرہ داخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوتی کہ:

شَدَّ مئزرہ وأحْیٰی لیلہ و أیقظ أھلہ

(صحیح بخاری، فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے یعنی رات بھر عبادت میں محنت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے اور اپنی رات جاگ کر گزارتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔ عام دنوں میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز روزانہ پڑھا کرتے تھے جس کی رکعتیں لمبی لمبی ہوتی تھی، کبھی آپ تہجد میں آدھی رات گزار دیتے تھے اور کبھی ایک تہائی رات گزار دیتے تھے، لیکن رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان راتوں میں عبادت کے لئے آپ اپنی کمر کس لیتے تھے۔

عام دنوں میں تہجد کیلئے بیدار ہونے کا انداز

عام دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اس طرح بیدار ہوتے کہ:

انتعل رویداً ، وأخذ رداءہ رویداً، ثم فَتَحَ
البَابَ رُوَیْدًا۔

(نسائی، کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ)

آہستگی سے جوتے پہنے، اور آہستگی سے اپنی چادر اٹھائی۔ پھر آہستگی سے دروازہ کھولتے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اٹھنے کی آواز سے اور دروازہ

کھولنے کی آواز سے عائشہ صدیقہ کی آنکھ کھل جائے۔ کیونکہ تہجد پڑھنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کوئی شخص خود اٹھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو اٹھنے اور تہجد پڑھنے کی توفیق دیدی ہے تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ اٹھے تو پورے محلے والوں کو بھی جگائے یا اپنے گھر والوں کو بھی جگائے بلکہ اس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے کسی عمل سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھلے تاکہ سونے والے کو تکلیف نہ ہو، کیونکہ تہجد پڑھنا فرض و واجب نہیں، لہٰذا اپنے تہجد کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانا اور اس کی نیند میں خلل ڈالنا جائز نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تو اس طرح اُٹھتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ نہ کھلے۔

آخری عشرہ میں گھر والوں کو بیدار کرنا

لیکن رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ "ایقظ اھلہ" یعنی اپنے سب گھر والوں کو بھی جگاتے اور ان سے فرماتے کہ اٹھ جاؤ، یہ آخری عشرہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا موسم بہار ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں برس رہی ہیں، ایسے وقت میں سوتے رہنا محرومی کی بات ہے، اس لئے جاگ کر اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کو اپنے دامن میں بھر لو۔

پچھلی امتوں کے عبادت گزاروں کی عمریں

اسی آخری عشرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات "لیلۃ القدر" رکھی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے؟ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے پچھلی امتوں کے عابدین کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں۔ خود قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا۔

(سورۃ العنکبوت: آیت ۱۴)

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی عمر نو سو پچاس سال ہوئی۔ ان کے علاوہ اور اُمتوں کے لوگوں کی عمریں بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں، کسی کی عمر پانچ سو سال ہوئی، کسی کی عمر سات سو سال ہوئی، کسی کی عمر ہزار سال ہوئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسرت

جب صحابہ کرامؓ کے سامنے ان کی عمروں کا ذکر آیا تو صحابہ کرام نے اپنی حسرت کا اظہار فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لمبی لمبی عمروں والے لوگ تھے اور جتنی عمر لمبی ہوئی اتنی ہی ان کو عبادت کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا زیادہ موقع ملا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اپنے دامن بھر لئے، کیونکہ ساری عمر عبادت میں گزاری تو ان کی نمازوں

کی تعداد زیادہ ہوئی، روزوں کی تعداد زیادہ ہوئی، ذکر وتسبیح کی تعداد زیادہ ہوئی، اور ہماری عمریں تو کم ہیں، ہم کتنی بھی عبادتیں کرلیں، پھر بھی ان کے برابر نہیں پہنچ سکتے جن کی عمریں لمبی ہوئیں، کیا ہم ان سے پیچھے رہ جائیں گے؟

لیلۃ القدر خیر ہی خیر ہے

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ سورۃ قدر نازل فرمائی جس میں بتادیا کہ اے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم! تم گھبراؤ نہیں، بیشک تمہاری عمریں ان لوگوں کے مقابلے میں کم ہیں، لیکن ہم تمہیں ایک رات ایسی دے دیتے ہیں کہ اگر اس ایک رات میں عبادت کرلو گے تو وہ ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوگی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ''خیر'' کا لفظ استعمال فرمایا، عربی جاننے والے جانتے ہیں کہ خیر کے معنی ہیں ''بہت بہتر''۔ دیکھئے! دو چیزوں کے درمیان ایک انیس بیس کا فرق ہوتا ہے، اس موقع پر ''خیر'' کا لفظ نہیں بولا جاتا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''بیس، انیس'' کے مقابلے میں ''خیر'' ہے، لیکن جب دو چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو تو اس وقت ''خیر'' کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے یوں بولا جاسکتا ہے کہ ''آسمان'' زمین سے خیر ہے۔

ہزار مہینوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے

لہٰذا قرآن کریم نے یہ جو فرمایا کہ:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے کے برابر ہے، نہ یہ معنی ہیں کہ وہ رات ایک ہزار ایک مہینے کے برابر ہے، بلکہ یہ رات ایک ہزار مہینے سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کا حساب ہم نہیں کر سکتے۔

اس نعمت کو تلاش کرو

البتہ یہ اللہ جل شانہ کی حکمت ہے کہ اتنی بڑی نعمت اگر ویسے ہی دیدی جاتی تو ناقدری ہوتی، اس لئے فرمایا کہ اس نعمت کے حصول کے لئے تھوڑی سی تکلیف بھی اٹھاؤ وہ یہ کہ ہم تمہیں یہ نہیں بتاتے کہ یہ شب قدر کون سی رات میں ہے؟ البتہ اتنا بتا دیتے ہیں کہ یہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے یعنی اکیسویں شب، تیئیسویں شب، پچیسویں شب، ستائیسویں شب اور انتیسویں شب میں سے کسی ایک رات میں یہ شب قدر آتی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک سال شب قدر پچیسویں شب میں آئے تو آئندہ سال بھی پچیسویں شب میں آئے گی بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک سال یہ رات اکیسویں شب میں آئے، دوسرے سال پچیسویں شب میں آجائے اور تیسرے سال ستائیسویں شب میں آجائے۔ مختلف راتوں میں بدل سکتی ہے۔ لہٰذا اگر شب قدر کو پانا ہے اور اس کی فضیلت حاصل کرنی ہے تو پھر ان پانچوں راتوں میں جاگنے کا اہتمام کریں، اتنی بڑی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ان پانچ راتوں میں جاگ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔

یہ رات اس طرح گزارو

بعض لوگ اس رات کے لمحات کو فضول گنوا دیتے ہیں، بعض لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ رات نیک کاموں میں گزرے لیکن حقیقت میں نیکی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ رات تو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنائی کہ بندہ خلوت اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے رب کے سامنے عرض معروض کرے، عبادت کرے، نماز پڑھے، تلاوت کرے، ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، دعائیں کرے۔ اس رات میں سب سے اچھی عبادت یہ ہے کہ آدمی لمبی لمبی صورتوں کے ساتھ نوافل پڑھے، ان نوافل میں لمبا قیام کرے، لمبا رکوع کرے، لمبا سجدہ کرے اور رکوع اور سجدے میں مسنون دعائیں مانگے۔

دوسرے نمبر پر تلاوت کرے، تیسرے نمبر پر ذکر اور تسبیح پڑھے۔ مثلاً:

سُبْحَانَ اللّٰہِ و بحمدہ سُبْحَانَ اللّٰہِ العظِیم۔

کی تسبیح پڑھے، تیسرا کلمہ پڑھے، درود شریف پڑھے، استغفار کی تسبیح کرے اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ تسبیحات زبان پر جاری رہیں، اگر کسی کام میں بھی مشغول ہو تو اس وقت بھی تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ اور اس رات میں دعائیں کریں، کیونکہ ان راتوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کو دعائیں بہت پسند ہیں، اس لئے اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگو، اگر دنیا کی حاجت بھی مانگو گے تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔ مثلاً آپ یہ دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! میرا قرض ادا کرادے، یہ دنیا کی حاجت ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی

ثواب عطا فرمائیں گے، یا مثلاً آپ یہ دعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے رزق دیدے اور حلال روزگار دیدے، یہ دنیا کی حاجت ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے۔ بہرحال یہ رات ان کاموں کے لئے ہے۔

یہ رات جلسہ اور تقریروں کیلئے نہیں ہے

لیکن بعض لوگوں نے یہ رات اجتماعی کاموں کے لئے بنادی اور اس کو میلے کرنے کی رات بنادی کہ آج فلاں صاحب کی تقریر ہوگی، جلسہ ہوگا، دعوت ہوگی اور کھانا کھلایا جائے گا، اب سارا وقت انہی کاموں کی نذر ہو رہا ہے۔ ارے بھائی! اس رات کی فضیلت بیان کرنے کے لئے اور اس رات کو گزارنے کا طریقہ سکھانے کے لئے جلسہ اور تقریر پہلے کرلو اور جب یہ رات آجائے تو پھر عبادت میں لگ جاؤ کیونکہ یہ رات عمل کرنے کی رات ہے، اس رات میں جلسہ وتقریر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص میدان جنگ میں جاکر ٹریننگ حاصل کرنا شروع کردے، میدان جنگ میں آنے سے پہلے ٹریننگ حاصل کرلو، اگر یہاں آکر تم ٹریننگ حاصل کروگے تو معاملہ بگڑ جائے گا، اس لئے کہ یہ وقت ٹریننگ حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ وقت تو لڑنے کا ہے۔ اسی طرح یہ رات تعلیم حاصل کرنے اور سیکھنے کی نہیں ہے بلکہ یہ عمل کرنے کی رات ہے۔ اس لئے اس رات کو تقریروں میں اور جلسوں اور تقریبات میں ضائع کرنا یہ اوقات کی ناقدری ہے۔

یہ تنہائی میں گزارنے کی رات ہے

یہ رات تو اس کام کی ہے کہ آدمی ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھا ہو اور وہ ہو اور اس کا اللہ ہو اور اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق قائم کیا ہوا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور عرض معروض کر رہا ہو، یہ ہے اس رات کا صحیح مصرف۔ اس رات میں لوگوں نے اپنی طرف سے میلے ٹھیلے بنا دئے ہیں، اس سے پرہیز کرو اور اس کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو اور تنہائی میں عبادت کرنے کی کوشش کرو۔

شریعت میں اجتماعی نفلی عبادات بھی پسندیدہ نہیں، لہٰذا اس رات میں جو شبینے ہوتے ہیں، یہ بھی پسندیدہ نہیں، افضل یہ ہے کہ عبادت تنہائی میں ہو، کیونکہ ان شبینوں میں بہت سے مفاسد شامل ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں گھر پر رہوں گا تو سو جاؤں گا، ایسا شخص مسجد میں آکر عبادت کر لے تاکہ اس کی نیند بھاگ جائے، اس حد تک گنجائش ہے، لیکن یہ بات سمجھ لیں کہ جو فضیلت گھر کے کونے میں بیٹھ کر عبادت کرنے میں حاصل ہوگی، مسجد میں آکر عبادت کرنے میں وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی اِلاّ یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔

ہر کام کو اس کے درجے پر رکھو

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے درجے پر رکھا ہے، مثلاً جو نمازیں فرض ہیں، ان کے بارے میں تو یہ تاکید ہے کہ مسجد میں آکر سب کے ساتھ

جماعت سے ادا کرو، لیکن نفلی نمازوں کے لئے تاکید یہ ہے کہ ان کو گھر میں ادا کرو، تنہائی میں پڑھو اور اجتماع سے پرہیز کرو، اسی وجہ سے نفلوں کی جماعت جائز ہی نہیں۔ بہرحال! جب شریعت کی طرف آؤ تو پھر شریعت کے احکام کا لحاظ کرو، یہ نہ ہو کہ دین پر عمل کرنے کے جوش میں آ کر شریعت کے احکام پامال کرنا شروع کر دو۔

یہ مانگنے کی راتیں ہیں

بہرحال! اس طرح یہ بقیہ راتیں گزارنے کی ضرورت ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ان راتوں میں عبادت کی توفیق دیدے تو معلوم نہیں کہ کس کس کا بیڑہ پار ہو جائے۔ لہٰذا ان راتوں میں اپنے دنیا کے مقاصد، دین کے مقاصد، معیشت کے مقاصد، ملک و ملت اور قوم کے مقاصد، یہ سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دو اور دعا کرو کہ یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمارے حالات کی اصلاح فرما دے۔ اگر اس طرح ہم نے یہ راتیں گزار لیں تو پھر انشاء اللہ یہ رمضان بھی مبارک، یہ راتیں بھی مبارک، اس کی دعائیں بھی مبارک۔ اللہ تعالیٰ اس رمضان کا ایک ایک لمحہ صحیح مصرف میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان سلامتی سے گزار دو

جیسا کہ رمضان کے شروع میں عرض کیا تھا کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے کہ:

من سلم له رمضان سلمت له السنة۔

یعنی جس شخص کا رمضان سلامتی کے ساتھ گزر جائے، اس کا سال بھی سلامتی کے ساتھ گزرتا ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک کے جتنے ایام باقی ہیں، ان میں اس بات کی کوشش کرلیں کہ یہ سلامتی کے ساتھ گزر جائیں، یعنی ان میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو، نہ آنکھ کا گناہ ہو، نہ کان کا گناہ ہو، نہ زبان کا گناہ ہو، نہ ہاتھ پاؤں کا کوئی گناہ سرزد ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو، اگر اس طرح سلامتی کے ساتھ رمضان گزار دیا جائے تو انشاء اللہ بقیہ سال بھر کے لئے سلامتی اور خیر کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حج ایک عاشقانہ عبادت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حج ایک عاشقانہ عبادت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً۔

(سورۂ آل عمران: آیت ۹۷)

أمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم وصدق
رسوله النبی الکريم و نحن علی ذلك من
الشاهدين والشاکرين والحمدللّٰهِ ربّ العالمين

اشہر حج

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! رمضان المبارک گزر جانے کے بعد شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، شوال کا مہینہ ان مہینوں میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ جل شانہ نے ''اشہرالحج'' یعنی حج کے مہینے کہا ہے، کیونکہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن کو اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینے قرار دیے ہیں۔

رمضان المبارک سے لے کر ذی الحجہ تک کے ایام اللہ تعالیٰ نے ایسی عبادتوں کے لئے مخصوص فرمائے ہیں جو خاص انہی ایام میں انجام دی جاسکتی ہیں، چنانچہ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے روزے کے لئے اور تراویح کے لئے مقرر فرمایا اور شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے مہینے حج کے لئے اور قربانی کے لئے مقرر فرمائے، حج اور قربانی ایسی عبادتیں ہیں جو ان ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں نہیں انجام دی جاسکتیں۔ گویا کہ عبادات کا ایک سلسلہ ہے جو رمضان المبارک سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر جاکر ختم ہوتا ہے، اس لئے ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا تقدس حاصل ہے۔

ماہ شوال کی فضیلت

رمضان المبارک تو تمام مہینوں میں مبارک مہینہ ہے، شوال کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شوال کے مہینے میں چھ

روزے رکھ لے تو اللہ تعالیٰ ا کو سارے سال روزے رکھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ ہر نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتے ہیں، لہٰذا جب ایک شخص نے رمضان المبارک میں تیس روزے رکھے تو اس کا دس گنا تین سو ہوگیا اور چھ روزے جب شوال میں رکھے تو ان کا دس گنا ساٹھ ہوگیا، اس طرح تمام روزوں کا ثواب مل کر تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہوگیا اور سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے رمضان کے ساتھ شوال میں چھ روزے رکھ لئے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔ شوال کے چھ روزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ چھ روزے عیدالفطر کے فوراً بعد رکھ لئے جائیں، لیکن اگر فوراً نہ رکھ سکیں تو شوال کے مہینے کے اندر اندر پورے کرلیں۔

ماہ شوال اور امورِ خیر

اسی شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور اسی مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ لہٰذا اس ماہ میں برکتوں کے بہت سارے اسباب جمع ہیں۔

ماہ ذیقعدہ کی فضیلت

اسی طرح ذیقعدہ کا اگلا مہینہ بھی ''اشہر الحج'' میں شامل ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران حج کے علاوہ چار عمرے ادا فرمائے، یہ چاروں عمرے ذیقعدہ کے مہینے میں ادا

فرمائے۔ اس لحاظ سے بھی اس ماہ کو تقدس حاصل ہے۔

ماہ ذیقعدہ منحوس نہیں

ہمارے معاشرے میں ''ذیقعدہ'' کے مہینے کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے اور اس کو ''خالی'' کا مہینہ کہا جاتا ہے یعنی یہ مہینہ ہر برکت سے خالی ہے، چنانچہ اس ماہ میں نکاح اور شادی نہیں کرتے اور کوئی خوشی کی تقریب نہیں کرتے، یہ سب فضولیات اور توہم پرستی ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بہر حال! یہ مہینے حج کے مہینے ہیں، اس لئے خیال ہوا کہ آج حج کے بارے میں تھوڑا سا بیان ہو جائے۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے

یہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کے چار ارکان ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج، ان چاروں ارکان پر اسلام کی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے عبادت کے جو مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں، ان میں سے ہر طریقہ نرالی شان رکھتا ہے، مثلاً نماز کی الگ شان ہے، روزہ کی ایک الگ شان ہے، زکوۃ کی الگ شان ہے، حج کی الگ شان ہے۔

عبادات کی تین اقسام

عام طور پر عبادتوں کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، ایک ''عبادات

بدنیہ'' جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اور بدن کے ذریعہ ان کی ادائیگی ہوتی ہے، جیسے نماز بدنی عبادت ہے۔ دوسری ''عبادات مالیہ'' جس میں بدن کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جیسے زکوٰۃ اور قربانی۔

تیسری عبادات وہ ہیں جو بدنی بھی ہیں اور مالی بھی ہیں، ان کے ادا کرنے میں انسان کے بدن کو بھی دخل ہوتا ہے اور مال کو بھی دخل ہوتا ہے، جیسے حج کی عبادت۔ حج کی عبادت میں انسان کا بدن بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کا مال بھی خرچ ہوتا ہے، اس لئے یہ عبادت بدن اور مال دونوں سے مرکب ہے۔ اور اس حج کی عبادت میں عاشقانہ شان پائی جاتی ہے، کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ارکان رکھے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

اِحرام کا مطلب

جب یہ حج کی عبادت شروع ہوتی ہے تو سب سے پہلے احرام باندھا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چادریں باندھنا ہی احرام ہے، حالانکہ محض ان چادروں کا نام احرام نہیں بلکہ ''اِحرام'' کے معنی ہیں ''بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا'' جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے اوپر بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننا حرام، خوشبو لگانا حرام، جسم کے کسی بھی حصے کے بال کاٹنا حرام، ناخن کاٹنا حرام اور اپنی بیوی کے ساتھ جائز نفسانی خواہشات پوری کرنا حرام۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''احرام'' رکھا گیا ہے۔

اے اللہ! میں حاضر ہوں

اور جب انسان حج یا عمرہ کی نیت کر کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ - لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ - اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ - لاَ شَرِيْكَ لَكَ -

جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں حاضر ہوں، کیوں حاضر ہوں؟ اس لئے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس وقت اللہ تعالی نے ان کو حکم فرمایا کہ:

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ -

(سورۃ الحج: آیت ۲۷)

اے ابراہیم! لوگوں میں یہ اعلان فرما دیں کہ وہ اس بیت اللہ کے حج کے لئے آئیں، پیدل آئیں اور سوار ہو کر آئیں، دور دراز سے اور دنیا کے چپے چپے سے یہاں پہنچیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا تھا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ کی عبادت کے لئے یہاں آؤ۔ یہ اعلان آپ نے پانچ ہزار سال پہلے کیا تھا، آج جب کوئی عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ -

اے اللہ! میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں۔ اور جس وقت بندہ نے یہ کہہ دیا کہ میں حاضر ہوں، بس اسی وقت سے احرام کی پابندیاں شروع ہوگئیں، چنانچہ اب وہ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، بال نہیں کاٹ سکتا، ناخن نہیں کاٹ سکتا اور اپنی جائز نفسانی خواہشات بھی پوری نہیں کرسکتا۔

احرام کفن یاد دلاتا ہے

گویا اللہ جل شانہ کی پکار پر ایک عاشق بندے نے اپنے پروردگار کے عشق میں دنیا کی آسائشیں اور راحتیں سب چھوڑ دیں، اب تک وہ سلے ہوئے کپڑے پہنا ہوا تھا، وہ سب اتار دیے، اب وہ دو چادریں پہنا ہوا ہے جو اسے اس کے کفن کی یاد دلا رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوگا تو اس وقت تیرا یہی لباس ہوگا، چاہے وہ بادشاہ ہو، چاہے سرمایہ دار ہو، چاہے فقیر ہو، سب آج دو چادر پہنے ہوئے ہیں اور انسانی مساوات کا ایک منظر پیش کر رہے ہیں، جس شخص کو دیکھو وہ آج دو چادروں میں ملبوس نظر آرہا ہے۔

''طواف'' ایک لذیذ عبادت

پھر وہاں بیت اللہ کے پاس پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اس ''طواف'' میں ایک عاشقانہ شان ہے، جس طرح ایک عاشق اپنے محبوب کے گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، اسی طرح یہ اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ اور یہ چکر لگانا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اس طواف میں ایک

ایک قدم پر ایک ایک گناہ معاف ہو رہا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہو رہا ہے۔
جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے طواف کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شاید روئے زمین پر طواف سے زیادہ لذیذ عبادت کوئی اور نہ ہو۔

اظہار محبت کے مختلف انداز

انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ عشق ومحبت کا اظہار کرے، اس کے گھر کا چکر لگائے، اس کے دروازے کو چومے اور اس سے لپٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اس تقاضے کی تکمیل کے سارے اسباب اس بیت اللہ میں جمع فرما دیے ہیں۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ اس کو گلے لگاؤں، اس کے پاس رہوں، اب اللہ تعالیٰ سے محبت تو ہے لیکن اس کو گلے سے نہیں لگا سکتے، براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدم بوسی نہیں کر سکتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندو! تم یہ کام براہ راست تو نہیں کر سکتے، اس لئے تم ایسا کرو کہ یہ میرا گھر ہے، تم اس گھر کے چکر لگاؤ اور اس کے اندر میں نے ایک حجر اسود رکھ دیا ہے، تم اس حجر اسود کو چومو، یہ تمہارا حجر اسود کو چومنا یہ تمہارے عشق ومحبت کا اظہار ہوگا اور اگر مجھ سے لپٹنے کو دل چاہتا ہے تو میرے اس گھر کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار ہے جس کو ملتزم کہتے ہیں، اس دیوار سے لپٹ جاؤ اور یہاں لپٹ کر تم جو کچھ مجھ سے مانگو گے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دوں گا۔ یہ عاشقانہ شان اللہ تعالیٰ نے اس حج کی عبادت میں رکھی ہے، آدمی کو اپنے جذبات کے

اظہار کا اس سے بہتر موقع کہیں اور نہیں مل سکتا جیسا وہاں موقع ملتا ہے۔

دین اسلام میں انسانی فطرت کا خیال

ہمارے دین اسلام کی بھی عجیب شان ہے کہ ایک طرف بُت پرستی کو منع کر دیا اور اس کو شرک اور حرام قرار دیدیا اور یہ کہدیا کہ جو شخص بُت پرستی کرے گا وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہے، اس لئے کہ یہ بُت تو بے جان پتھر ہیں، نہ ان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہے، لیکن دوسری طرف چونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے، اس محبت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ایک نشان بنا دیا اور ساتھ میں یہ بتا دیا کہ بیت اللہ کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، لیکن چونکہ ہم نے اس کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ کہدیا کہ یہ ہمارا گھر ہے اور ہم نے ہی اس کے اندر پتھر رکھ دیا ہے تاکہ تمہارے جذبات کی تسکین ہو جائے، اب نسبت کے بعد اس گھر کے چکر لگانا اور اس پتھر کو چومنا عبادت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا حجر اسود سے خطاب

اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور حجر اسود کے پاس جا کر اس کو بوسہ دینے لگے تو اس حجر اسود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ سنت جاری فرمادی، اس لئے اس کا چومنا اور بوسہ دینا عبادت بن گیا۔

ہرے ستونوں کے درمیان دوڑنا

طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے جارہے ہیں اور جب سبز ستون کے پاس پہنچے تو دوڑنا شروع کردیا، جسے دیکھو دوڑا جارہا ہے، بھاگا جارہا ہے، اچھے خاصے سنجیدہ آدمی، پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، جن کو کبھی بھاگ کر چلنے کی عادت نہیں، مگر ہر ایک دوڑا جارہا ہے، چاہے بوڑھا ہو، جوان ہو، بچہ ہو، یہ کیا ہے؟ یہ اس لئے دوڑا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہاں دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامِ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری قرار دیدیا کہ جو حج کرنے آئے گا، وہ صفا مروہ کے درمیان چکر لگائے گا اور دوڑے گا۔

اب مسجد حرام کو چھوڑ دو

جب ۸/ذی الحجہ کی تاریخ آگئی تو اب یہ حکم آیا کہ مسجد حرام کو چھوڑ دو اور منیٰ میں جاکر پانچ نمازیں ادا کرو، حالانکہ اطمینان سے مکہ میں رہ رہے تھے اور مسجد حرام میں نمازیں ادا کر رہے تھے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا، لیکن اب یہ حکم آگیا کہ اب مکہ سے نکل جاؤ اور منیٰ میں جاکر قیام کرو اور پانچ نمازیں وہاں ادا کرو۔ کیوں؟ اس حکم کے ذریعہ یہ

بتلانا مقصود ہے کہ نہ مسجد حرام میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے اور نہ بیت اللہ میں اپنی ذات کے اعتبار سے کچھ رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم میں ہے، جب تک ہمارا حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں رہو، اس وقت تک مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر مل رہا تھا اور اب ہمارا حکم یہ ہے کہ یہاں سے جاؤ تو اب اس کے لئے یہاں رہنا جائز نہیں۔

اب عرفات چلے جاؤ

منیٰ کے قیام کے بعد اب ایسی جگہ تمہیں لے جائیں گے جہاں حدِ نگاہ تک میدان پھیلا ہوا ہے، کوئی عمارت نہیں اور کوئی سایہ نہیں، ایک دن تمہیں یہاں گزارنا ہوگا۔ یہ دن اس طرح گزارنا کہ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کرلینا اور پھر اس کے بعد سے لے کر مغرب تک کھڑے ہو کر ہمیں پکارتے رہنا اور ہمارا ذکر کرتے رہنا، ہم سے دعائیں کرنا اور تلاوت کرنا اور مغرب تک یہاں رہنا۔

اب مزدلفہ چلے جاؤ

اور عرفات میں تو تمہیں خیمے لگانے کی اجازت تھی، اب ہم تمہیں ایسے میدان میں لے جائیں گے جہاں تم خیمہ بھی نہیں لگا سکتے، وہ ہے ''مزدلفہ'' لہٰذا غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور رات وہاں گزارو۔

مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھنا

عام دنوں میں تو یہ حکم ہے کہ جیسے ہی غروب آفتاب ہو جائے تو فوراً

مغرب کی نماز ادا کرو، لیکن آج یہ حکم ہے کہ مزدلفہ جاؤ اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کرو۔ ان احکام کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے کہ جب تک ہم نے کہا تھا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھو، اس وقت تک جلدی پڑھنا تمہارے ذمے واجب تھا، اور جب ہم نے کہا کہ تاخیر سے پڑھو تو اب تاخیر سے پڑھنا تمہارے ذمے ضروری ہے، لہٰذا کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔

کنکریاں مارنا عقل کے خلاف ہے

قدم قدم پر اللہ تعالیٰ عام قانونوں کو توڑ کر بندے کو یہ بتا رہے ہیں کہ تیرا کام تو ہماری عبادت کرنا اور ہمارا حکم ماننا ہے، اور کوئی چیز اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جب تک ہمارا حکم نہ ہو۔ اب مزدلفہ سے پھر واپس منیٰ آؤ اور تین دن یہاں گزارو، اب یہاں تین دن کیوں گزاریں؟ یہاں کیا کام ہے؟ یہاں تمہارا کام یہ ہے کہ یہاں منیٰ میں تین ستون ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے، ہر آدمی روزانہ تین دن تک ان کو سات سات کنکریاں مارے۔ ذرا اس عمل کو عقل وخرد کی ترازو میں تول کر دیکھو تو یہ عمل فضول اور بیکار نظر آئے گا، گزشتہ سال پچیس لاکھ مسلمانوں نے حج کیا اور یہ پچیس لاکھ انسان تین دن تک منیٰ میں پڑے ہوئے ہیں جن پر کروڑوں اور اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں اور ان میں ہر ایک کو یہ دھن ہے کہ میں ان جمرات کو سات سات کنکریاں ماروں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، معقول آدمی ہیں، مگر جس کو دیکھو وہ کنکریاں ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور پھر ان جمرات کو مار کر خوش ہو رہا ہے کہ میں

نے یہ عمل پورا کرلیا۔

ہمارا حکم سب پر مقدم ہے

کیا یہ کنکریاں مارنے کا عمل ایسا ہے جس پر اربوں روپیہ خرچ کیا جائے؟ بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی کام میں عقل وخرد کی بات نہیں، جب ہمارا حکم آجائے تو وہی کام جس کو تم دیوانگی سمجھ رہے تھے، وہی عقل کا کام بن جاتا ہے، جب ہمارا حکم آگیا کہ ان پتھروں کو مارو تو تمہارا کام یہ ہے کہ مارو، اسی میں تمہارے لئے اجر وثواب ہے، اسی عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند کررہے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اپنے دلوں میں عقل وخرد کے جو بت تعمیر کئے ہوئے ہیں، اس حج کی عبادت کے ذریعہ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو توڑ رہے ہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ بتارہے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی چیز قابل تعمیل ہے تو وہ ہمارا حکم ہے، جب ہمارا حکم آجائے تو وہ حکم عقل میں آئے تو، عقل میں نہ آئے تو، تمہیں اس حکم کے آگے سر جھکانا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، پورے حج کے اندر یہی تربیت دی جارہی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص حج مبرور کرکے آتا ہے تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے جیسے آج وہ اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کا یہ مقام رکھا ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

یہ حج کس پر فرض ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً

یعنی اللہ کے لئے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں اور یہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت اور صلاحیت رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ سواری کا انتظام کر سکے۔ فقہاء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے ذریعہ وہ حج پر جا سکے اور وہاں حج کے دوران اپنے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کر سکے اور اپنے پیچھے جو اہل وعیال ہیں، واپس آنے تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کر سکے، ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

لیکن آج کل لوگوں نے حج کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر رکھی ہیں جن کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں۔ ان کے بارے میں آئندہ جمعہ انشاء اللہ تفصیل سے عرض کرونگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

حج میں تاخیر کیوں؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حج میں تاخیر کیوں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً ۔

(سورۂ آل عمران: آیت ۹۷)

أمنت بالله صدق الله مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہِ ربِّ العالمین

حج فرض ہونے پر فوراً ادا کریں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو اسی آیت پر بیان کیا تھا، اس آیت میں اللہ جل شانہ نے حج کی فرضیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر واجب ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ حج کرے۔ یہ حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور صاحب استطاعت پر اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے۔ اور جب یہ حج فرض ہو جائے تو اب حکم یہ ہے کہ اس فریضے کو جلد از جلد ادا کیا جائے، بلا وجہ اس حج کو مؤخر کرنا درست نہیں، کیونکہ انسان کی موت اور زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اگر حج فرض ہونے کے بعد اور ادائیگی سے پہلے انسان دنیا سے چلا جائے تو یہ بہت بڑا فریضہ اس کے ذمے باقی رہ جاتا ہے، اس لئے حج فرض ہو جانے کے بعد جلد از جلد اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

ہم نے مختلف شرائط عائد کر لی ہیں

لیکن آج کل ہم لوگوں نے حج کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر لی ہیں، بہت سی ایسی پابندیاں عائد کر لی ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کے دنیوی مقاصد

پورے نہ ہو جائیں مثلاً جب تک مکان نہ بن جائے یا جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے، بلکہ جب انسان کے پاس اتنا مال ہو جائے کہ اس کے ذریعہ حج ادا کر سکے یا اس کی ملکیت میں سونا اور زیور ہے اور وہ اتنا ہے کہ اگر اس کو وہ فروخت کر دے تو اس کی رقم اتنی وصول ہو جائے گی جس کے ذریعہ حج ادا ہو جائے گا، تب بھی حج فرض ہو جائے گا، لہٰذا حج فرض ہو جانے کے بعد اس کو کسی چیز کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

حج مال میں برکت کا ذریعہ ہے

لہٰذا یہ سوچنا کہ ہمارے ذمے بہت سارے کام ہیں، ہمیں مکان بنانا ہے، ہمیں اپنی بیٹیوں یا بیٹوں کی شادی کرنی ہے، اگر یہ رقم ہم حج میں صرف کر دیں گے تو ان کاموں کے لئے رقم کہاں سے آئے گی؟ یہ سب فضول خیالات اور فضول سوچ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس حج کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حج ادا کرنے کے نتیجے میں آج تک کوئی شخص مفلس نہیں ہوا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (سورۃ الحج: آیت ۲۸)

یعنی ہم نے حج فرض کیا ہے، تاکہ اپنی آنکھوں سے وہ فائدے دیکھیں جو ہم نے ان کے لئے حج کے اندر رکھے ہیں۔ حج کے بے شمار فائدے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق

میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

آج تک حج کی وجہ سے کوئی فقیر نہیں ہوا

حج بیت اللہ کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے، آج تک کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس شخص نے چونکہ اپنے پیسے حج پر خرچ کر دیے تھے، اس وجہ سے یہ مفلس اور فقیر ہو گیا۔ البتہ ایسے بے شمار لوگ آپ کو ملیں گے کہ حج کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں برکت عطا فرمائی اور وسعت اور خوشحالی عطا فرمائی، لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک دنیا کے فلاں فلاں کام سے فارغ نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کریں گے۔

حج کی فرضیت کیلئے مدینہ کا سفرخرچ ہونا بھی ضروری نہیں

چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے اور فرض و واجب بھی نہیں ہے، اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جا کر حج کر لے اور مدینہ منورہ نہ جائے تو اس کے حج میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری عظیم سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو عطا فرمائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لہٰذا چونکہ مدینہ منورہ کا سفر حج کے ارکان میں سے نہیں ہے، اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر حج تو ادا کر سکتا ہے لیکن مدینہ منورہ جانے کے پیسے نہیں

ہیں، تب بھی اس کے ذمے حج فرض ہے، اس کو چاہئے کہ حج کر کے مکہ مکرمہ ہی سے واپس آجائے، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی حاضری ایسی عظیم نعمت ہے کہ انسان ساری عمر اس کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کہ اس حج کو فلاں کام ہونے تک مؤخر کر دیا جائے، یہ خیال درست نہیں۔

والدین کو پہلے حج کرانا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم والدین کو حج نہیں کرا دیں گے، اس وقت تک ہمارا حج کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ خیال اتنا عام ہو گیا ہے کہ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں لیکن میرے والدین نے حج نہیں کیا، لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ اگر والدین کے حج سے پہلے تم حج کرلو گے تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا۔ یہ محض جہالت کی بات ہے، ہر انسان پر اس کا فریضہ الگ ہے، جیسے والدین نے اگر نماز نہیں پڑھی تو بیٹے سے نماز ساقط نہیں ہوتی، بیٹے سے اس کی نماز کے بارے میں الگ سوال ہوگا اور ماں باپ سے ان کی نمازوں کے بارے میں الگ سوال ہوگا۔ یہی معاملہ حج کا ہے، اگر ماں باپ پر حج فرض نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں، اگر وہ حج پر نہیں گئے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے تو آپ کے لئے حج پر جانا ضروری ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلے والدین کو حج کرائے اور پھر خود کرے، یہ سب خیالات غلط ہیں، ہر انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کا مکلف ہے، اس کو اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہئے۔

حج نہ کرنے پر شدید وعید

ہم میں سے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ذاتی ضروریات اور ذاتی کاموں کی خاطر لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، یورپ کا سفر کرتے ہیں، امریکہ اور فرانس اور جاپان کا سفر کرتے ہیں، لیکن اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر پر حاضری دیدیں، یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے، چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور پھر بھی وہ حج کئے بغیر مر جائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ لہٰذا یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ انسان اس حج کے فریضے کو ٹلاتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ جب فرصت اور موقع ہوگا تو حج کرلیں گے۔

بیٹیوں کی شادی کے عذر سے حج مؤخر کرنا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادیاں کرنی ہیں، جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا، لہٰذا پہلے بیٹیوں کی شادی کریں گے پھر حج کریں گے۔ یہ بھی بیکار بات ہے، یہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ جب بیٹی کی شادی ہو جائے گی تو اس کے بعد نماز پڑھوں گا۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو فریضہ عائد کیا ہے وہ فریضہ ادا کرنا ہے، وہ کسی اور بات پر موقوف نہیں۔

حج سے پہلے قرض ادا کریں

البتہ حج ایک چیز پر موقوف ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہے تو قرض کو ادا کرنا حج پر مقدم ہے۔ قرض کو ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے کہ انسان کے اوپر قرض نہیں رہنا چاہئے، جلد از جلد قرض کو ادا کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سے کام حج پر مقدم کر رکھے ہیں، مثلاً پہلے میں اپنا مکان بنالوں یا پہلے مکان خریدلوں، یا پہلے گاڑی خریدلوں، پھر جاکر حج کرلونگا، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

حج کیلئے بڑھاپے کا انتظار کرنا

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جب بڑھاپا آجائے گا تو اس وقت حج کریں گے، جوانی میں حج کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حج کرنا تو بوڑھوں کا کام ہے، جب بوڑھے ہو جائیں گے اور مرنے کا وقت قریب آئے گا تو اس وقت حج کرلیں گے۔ یاد رکھئے! یہ شیطانی دھوکہ ہے، ہر وہ شخص جو بالغ ہو جائے اور اس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ حج ادا کر سکے تو اس پر حج فرض ہو گیا اور جب حج فرض ہو گیا تو اب جلد از جلد اس فریضے کو انجام دینا واجب ہے، بلا وجہ تاخیر کرنا جائز نہیں، کیا پتہ کہ بڑھاپے تک وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ بلکہ درحقیقت حج تو جوانی کی عبادت ہے، جوانی میں آدمی کے قویٰ مضبوط ہوتے ہیں، وہ تندرست ہوتا ہے، اس وقت وہ حج کی مشقت کو آسانی کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ بڑھاپے میں حج کریں گے، یہ بات درست

نہیں۔

حج فرض ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کردیں

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کردوں کہ اگر بالفرض کوئی شخص حج فرض ہو جانے کے باوجود اپنی زندگی میں حج ادا نہ کرسکا تو اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ اگر میں زندگی میں حج فرض ادا نہ کرسکوں تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکے سے کسی کو میری طرف سے حج بدل کے لئے بھیجا جائے۔ کیونکہ اگر آپ یہ وصیت کردیں گے تب تو آپ کے وارثین پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں ورنہ نہیں۔

حج صرف ایک تہائی مال سے ادا کیا جائیگا

اور وارثین پر بھی آپ کی طرف سے حج بدل کرانا اس وقت لازم ہوگا جب حج کا پورا خرچہ آپ کے پورے ترکے کے ایک تہائی کے اندر آتا ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا ترکہ تین لاکھ روپے بنتا ہے یا اس سے زیادہ، تو اس صورت میں یہ وصیت نافذ ہوگی اور ورثاء پر لازم ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل کرائیں، لیکن اگر حج کا خرچ ایک لاکھ روپے ہے اور آپ کا پورا ترکہ تین لاکھ سے کم ہے تو اس صورت میں ورثاء پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ آپ کی طرف سے حج بدل ضرور کرائیں، کیونکہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہ مال جو ہمارے پاس موجود ہے، اس مال پر ہمارا اختیار اس وقت تک ہے جب تک ہم پر مرض الموت طاری نہیں ہو جاتا، ہم اس مال کو

جس طرح چاہیں استعمال کریں، لیکن جیسے ہی مرض الموت شروع ہو جاتا ہے، اس وقت اس مال پر سے ہمارا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور یہ مال وارثوں کا ہو جاتا ہے البتہ اس وقت صرف ایک تہائی مال کی حد تک ہمارا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

تمام عبادات کا فدیہ ایک تہائی سے ادا ہوگا

لہٰذا اگر ہمارے ذمے نمازیں رہ گئی ہیں تو ان نمازوں کا فدیہ اس ایک تہائی سے ادا ہوگا، اگر روزے چھوٹ گئے ہیں تو ان روزوں کا فدیہ بھی اسی ایک تھائی سے ادا ہوگا، اگر زکوۃ باقی رہ گئی ہے تو اس کی ادائیگی بھی اسی ایک تہائی سے ہوگی، اگر حج رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی ایک تہائی سے ادا ہوگا اور ایک تہائی سے باہر کی وصیت وارثوں کے ذمہ لازم نہیں ہوگی۔ اس لئے زندگی میں حج ادا نہ کرنا بڑا خطرناک ہے، کیونکہ اگر ہم وصیت بھی کر جائیں کہ ہمارے مال سے حج ادا کرا دیا جائے لیکن ترکہ اتنا نہ ہو جس کے ایک تہائی سے حج ادا ہو سکے تو ان کے ذمے اس وصیت کو پورا کرنا لازم نہیں ہوگا، اگر حج کرا دیں تو یہ ان کا ہم پر احسان ہوگا اور اگر حج نہ کرائیں تو ان پر آخرت میں کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

حج بدل مرنے والے کے شہر سے ہوگا

بعض لوگ حج بدل کراتے وقت یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم یہاں کراچی سے حج بدل کرائیں گے تو ایک لکھ کا خرچ ہوگا، اس لئے ہم مکہ مکرمہ میں ہی کسی

کو پیسے دیدیں گے، وہ وہیں سے حج ادا کرلے گا۔ یاد رکھئے! اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر اس طرح حج بدل ادا نہیں ہوتا، اگر میں کراچی میں رہتا ہوں اور میرے ذمے حج فرض ہے تو اگر میں کسی کو اپنی طرف سے حج بدل کے لئے بھیجوں تو وہ بھی کراچی سے جانا چاہئے، یہ نہیں کرسکتا کہ مکہ مکرمہ سے کسی کو پکڑ کر دو سو روپے میں حج کرالیا، چونکہ میں کراچی میں رہتا ہوں، اس لئے میرے وطن سے ہی حج بدل ہوگا، مکہ مکرمہ سے نہیں ہوگا۔

عذر معقول کی وجہ سے مکہ سے حج کرانا

یہ اور بات ہے کہ ایک آدمی دنیا سے چلا گیا اور اس نے ترکہ بالکل نہیں چھوڑا، اب اس کے ورثاء نے سوچا کہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ کسی کو مکہ مکرمہ ہی سے بھیج کر اس کی طرف سے حج کرادیں۔ تو قانون کے اعتبار سے تو وہ حج بدل نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول کرلیں تو یہ ان کا کرم ہے اور نہ ہونے سے یہ صورت بہرحال بہتر ہے۔ لیکن اصول اور قانون وہی ہے کہ جس شخص کے ذمے حج واجب ہے، حج بدل والے کو اسی شخص کے شہر سے جانا چاہئے۔

قانونی پابندی عذر ہے

آج کل یہ حال ہے کہ حج کرنا اپنے اختیار میں نہیں رہا، کیونکہ حج کرنے پر بہت ساری قانونی اور سرکاری پابندیاں عائد ہیں، مثلاً پہلے درخواست دو پھر قرعہ اندازی میں نام آئے وغیرہ۔ لہٰذا جب کسی شخص پر حج

فرض ہوگیا اور اس نے حج پر جانے کی قانونی کوشش کرلی اور پھر بھی نہ جاسکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہے، لیکن اپنی طرف سے کوشش کرے اور حج پر جانے کے جتنے قانونی ذرائع ہوسکتے ہیں ان کو اختیار کرے، لیکن آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جانے کی فکر ہی نہ کرے تو یہ گناہ کی بات ہے۔

حج کی لذّت حج ادا کرنے سے معلوم ہوگی

جب آپ ایک مرتبہ حج کر کے آئیں گے تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس عبادت میں کیا چاشنی ہے؟ کیسی لذت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عجیب ہی کیف رکھا ہے۔ حج کے اندر سارے کام عقل کے خلاف ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عبادت میں عشق کی جو شان رکھی ہے، اس کی وجہ سے اس عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت، اس کے ساتھ عشق انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ حج سے واپس آتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حج نفل کیلئے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں

اور جب آدمی ایک مرتبہ حج کر کے واپس آتا ہے تو اس کی پیاس اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر بار بار جانے کو دل چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار جانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی، فرض تو زندگی میں ایک مرتبہ کیا ہے، لیکن دوبارہ جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، جب بھی موقع ہو، آدمی نفلی حج پر جاسکتا ہے۔ مگر اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ نفلی عبادتوں کی وجہ سے کسی

گناہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیونکہ نفلی عبادت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں اور دوسری طرف گناہ سے بچنا واجب تھا، مثلاً جب حج کی درخواست دی جاتی ہے تو اس میں یہ لکھنا پڑتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، اب آپ نے نفلی حج کے لئے یہ لکھ کر دیدیا کہ میں نے اس سے پہلے حج نہیں کیا، یہ آپ نے جھوٹ بولنے کا گناہ کرلیا اور جھوٹ بولنا حرام ہے، جھوٹ سے بچنا فرض ہے، گویا کہ آپ نے نفلی عبادت کے لئے جھوٹ کا ارتکاب کرلیا اور شریعت میں نفلی عبادت کے لئے جھوٹ کے ارتکاب کی کوئی گنجائش نہیں، ایسا جھوٹ بولنا ناجائز اور حرام ہے۔

حج کیلئے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں

اسی طرح اگر اسپانسر شپ کے تحت حج کی درخواست دینی ہو تو اس کے لئے باہر سے ڈرافٹ منگوایا جاتا ہے، بعض لوگ یہاں سے خرید لیتے ہیں جس کے نتیجے میں سودی معاملہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ اب حج نفل کے لئے سودی معاملہ کر کے جانا، شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

حج نفل کے بجائے قرض ادا کریں

اسی طرح ایک شخص کے ذمے دوسروں کا قرض ہے تو قرض کی ادائیگی انسان پر مقدم ہے، اب وہ شخص قرض تو ادا نہیں کر رہا ہے لیکن ہر سال حج پر جارہا ہے، گویا کہ فرض کام کو چھوڑ کر نفل کام کی طرف جارہا ہے، یہ حرام اور ناجائز ہے۔

حج نفل کے بجائے نان ونفقہ ادا کریں

اسی طرح ایک شخص خود تو نفلی حج اور نفلی عمرے کر رہا ہے، جبکہ گھر والوں کو اور جن کا نفقہ اس شخص پر واجب ہے ان کو نفقہ کی تنگی ہو رہی ہے، یہ سب کام ناجائز ہیں یہ افراط ہے۔

بلکہ اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ فلاں کام میں اس وقت خرچ کی زیادہ ضرورت ہے تو ایسی صورت میں نفلی حج اور نفلی عمرے کے مقابلے میں اس کام پر خرچ کرنا زیادہ باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا حج نفل چھوڑنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین اور فقہاء میں سے ہیں اور صوفی بزرگ ہیں، یہ ہر سال حج کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اپنے قافلے کے ساتھ حج پر جارہے تھے تو راستے میں ایک بستی کے پاس سے گزر ہوا، بستی کے قریب ایک کوڑے کا ڈھیر تھا، ایک بچی بستی سے نکل کر آئی اور اس کوڑے میں ایک مردار مرغی پڑی ہوئی تھی، اس بچی نے اس مردار مرغی کو اٹھایا اور جلدی سے اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ بچی ایک مردار مرغی کو اٹھا کر لے جارہی ہے، چنانچہ آپ نے آدمی بھیج کر اس بچی کو بلوایا کہ تم اس مردار مرغی کو کیوں اٹھا کر لے گئی ہو؟ اس بچی نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے گھر میں کئی روز سے فاقہ ہے اور ہمارے پاس اپنی جان بچانے کا

کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اس مردار مرغی کو کھالیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم حج کا یہ سفر ملتوی کرتے ہیں اور تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہم حج پر نہیں جائیں گے، جو پیسہ ہم حج پر خرچ کرتے، وہ پیسہ ہم اس بستی کے لوگوں پر خرچ کریں گے، تاکہ ان کی بھوک پیاس اور ان کی فاقہ کشی کا سدباب ہو سکے۔

تمام عبادات میں اعتدال اختیار کریں

لہٰذا یہ نہیں کہ ہمیں حج کرنے اور عمرہ کرنے کا شوق ہو گیا ہے، اب ہمیں اپنا یہ شوق پورا کرنا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں شریعت کے دوسرے تقاضے نظرانداز ہو جائیں۔ بلکہ شریعت نام ہے توازن کا، کہ جس وقت میں اور جس جگہ میں جو ہم سے مطالبہ ہے، اس مطالبے کو پورا کریں اور یہ دیکھیں کہ اس وقت میرے مال کا زیادہ صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے جس کی اس وقت میں زیادہ ضرورت ہے؟ نفلی عبادتوں میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ کو حج کے انوار و برکات عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

محرم اور عاشوراء کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ۔

(سورۃ التوبۃ: آیت ۳۶)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العالمین

حرمت والا مہینہ

بزرگان محترم اور برادرانِ عزیز! آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے اور تین دن کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ عاشوراء کا مقدس دن آنے والا ہے۔ یوں تو سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں، ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا خصوصی طور پر حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ''عاشوراء'' کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا، بعد

میں جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کو سنّت اور مستحب قرار دیا۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ عاشوراء کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ نے بیان فرمائی۔

''یوم عاشوراء'' ایک مقدّس دن ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس دن سمجھا جاتا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے اور قرآن کریم نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد پیش آیا، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا اس روز واقع ہونا یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید فضیلت

کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت کا مرتبہ اس دن میں عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا تھا، بہر حال! یہ عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہات

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیا فضیلت دی ہے؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے گلزار بنایا تو وہ عاشوراء کا دن تھا اور قیامت بھی عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں، کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور

پیچھے سے فرعون کا لشکر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں، اس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ان راستوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے پار چلا گیا اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے جو نسبتاً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں، ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں، ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماوراء بات ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اس روز سنت والے کام کریں

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کے لئے منتخب کر لیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو۔ سنت کے طور پر اس دن کے لئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے، اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا تو آپ ﷺ روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو ''عاشوراء'' کا دن آیا تو آپ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ میں یہ ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم مسلمان بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن میں چونکہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی، اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی

اس دن روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا روزہ بھی رکھوں گا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں ملی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہاء عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا، یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اس کو عاشوراء کے دن روزہ کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر یہ ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی، بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں، ہم بھی اس دن وہی عبادت کر رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے، اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں یہ احکام جابجا ملیں گے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، مثلاً فرمایا:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب فی العمائم)

یعنی مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے

جب عبادت کے اندر اور بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو دوسرے کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بُری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں، تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَن تشبه بقوم فهو منهم۔

(ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة)

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ مکروہ ضرور ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی چھوڑ دیں

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا، اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے، ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں، ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں،

ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا، اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کے لئے اس کو چھوڑیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی مت کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں، جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں

بہرحال! اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، لیکن روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن لوگوں نے جو اور اعمال اختیار کر رکھے ہیں، ان کی قرآن کریم اور سنت میں کوئی بنیاد نہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن کھچڑا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہیں پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اور تابعینؒ نے اور بزرگان

دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے، اس کے آگے لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں، ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ:

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔

(سورۃ التوبۃ، آیت ۳۶)

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں لیکن بہت سے اہل سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لئے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁
❁

کلمہ طیبہ کے تقاضے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

کلمہ طیّبہ کے تقاضے

اور

اللہ والوں کی معیّت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط يٰاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ O امنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

(سورۃ التوبۃ، آیت ۱۱۹)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج اس مبارک مدرسہ میں حاضر ہوکر ایک زمانہ دراز کی دلی تمنا پوری ہو رہی ہے، عرصہ دراز سے اس مبارک درسگاہ میں حاضری کا شوق تھا اور میرے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم العالیہ (اب ان کا انتقال ہو چکا ہے، رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت اور ان کی صحبت سے استفادہ کی غرض سے بار بار یہاں آنے کو دل چاہتا تھا، لیکن مصروفیات اور مشاغل نے اب تک مہلت نہ دی، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ آج یہ دیرینہ آرزو اس نے پوری فرمائی۔ یہاں حاضری کا میرا اصل مقصد حضرت دامت برکاتہم کی زیارت اور ان کے حکم کی تعمیل تھی، جب میں یہاں حاضری کا ارادہ کر رہا تھا تو ذہن میں بالکل نہیں تھا کہ ماشاء اللہ اتنا بڑا مسلمانوں کا اجتماع موجود

ہوگا اور ان سے خطاب کرنے کی نوبت آئے گی۔ بہرصورت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے حضرت مولانا کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع کی بھی زیارت کی توفیق عطا فرمائی جو خالصتاً اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اللہ کے دین کی طلب کی خاطر اس صحن میں جمع ہے۔

ان کا حسن ظن سچا ہو جائے

میرے بزرگ حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابیاں عطا فرمائے اور ان کے فیوض سے ہمیں مستفید فرمائے، انہوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں جو تعارفی کلمات ارشاد فرمائے، وہ میرے لئے باعث شرم ہیں اور یہ ان کی شفقت ہے اور کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں ان خیالات کا اظہار فرمایا، میں سوائے اس کے اور کیا عرض کروں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اس حسن ظن کو میرے حق میں سچا فرما دے، آپ حضرات سے بھی اسی دُعا کی درخواست ہے۔

سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر آپ حضرات کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہم العالی سے بھی پوچھا کہ کس موضوع پر بیان کروں؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، یہاں بیٹھنے کے بعد دل میں ایک بات آئی اور اسی کے بارے میں چند مختصر گذارشات آپ حضرات کی خدمت

میں عرض کروں گا۔

یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت کا نتیجہ ہے

میں دیکھ رہا ہوں کہ ماشاء اللہ مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع ہے کہ چہروں پر مسرّت کے آثار ہیں، شوق و ذوق کے آثار ہیں، طلب کے آثار ہیں۔ یہ آخر کیوں؟

دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھ جیسا ایک ناکارہ مفلسِ علم بے عمل انسان ان کے سامنے بیٹھا ہے، اکثر حضرات وہ ہیں کہ جن سے اس سے پہلے ملاقات کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، لیکن آخر وہ کیا بات ہے کہ اک ان دیکھا شخص جس کو پہلے کبھی دیکھا نہیں، کبھی برتا نہیں، ایسے شخص کو دیکھنے کے لئے اتنا شوق و ذوق! اس کی بات سننے کے لئے اتنا ذوق و شوق! یہ آخر کیا بات ہے؟ ذہن میں یہ آیا کہ میری حالت تو جو کچھ ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے۔ لیکن جو طلب اور جو ذوق و شوق لے کر یہ اللہ کے بندے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس صحن کے اندر جمع ہوئے ہیں، یہ ہم سب کے لئے اتنی بڑی سعادت اور اتنی بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اس کا بیان الفاظ سے نہیں ہوسکتا۔ یہ درحقیقت محبت ہے، ایک شخص سے نہیں، ایک ذات سے نہیں، یہ محبت ہے اللہ کی اور اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اس کی خاطر یہ سب نظارے دیکھنے میں آتے ہیں اور میں یہ نظارے آج پہلی مرتبہ نہیں دیکھ رہا ہوں، اس سے پہلے بھی ایسے ایسے مقامات

پر دیکھے ہیں جہاں اس کا کوئی تصور بھی انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔

کلمہ طیبہ نے ہم سب کو ملا دیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے بہت سے ملکوں میں جانے کا موقع فراہم فرمایا، ایسے ایسے کفرستانوں میں جہاں کفر کی ظلمت چھائی ہوئی ہے، اندھیرا چھایا ہوا ہے، ایسی ایسی جگہوں پر جو ہماری زبان نہیں جانتے، ایک جملہ ہم بولیں تو وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے، وہ اگر کوئی جملہ بولیں تو ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، لیکن ابھی گزشتہ سال مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا، آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور وہاں پر کافر اور غیر مسلم آباد ہیں، لیکن وہاں پر اللہ کے مسلمان بندے بھی ہیں، وہاں جا کر پہلی بار یہ بات تحقیق سے معلوم ہوئی کہ چین کے اندر مسلمانوں کی تعداد کم از کم آٹھ کروڑ ہے۔ جب گاؤں اور دیہات میں یہ اطلاع پہنچی کہ پاکستان سے کچھ مسلمان آ رہے ہیں تو گھنٹوں پہلے سے دونوں طرف دو رویہ قطاریں لگا کر انتظار میں کھڑے ہو گئے، حالانکہ برف باری ہو رہی تھی، لیکن اس انتظار میں کہ پاکستان سے کچھ مسلمان آئے ہیں ان کو دیکھیں، چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے اور انہوں نے ہمیں دیکھا تو کوئی جملہ وہ ہم سے نہیں کہہ سکتے تھے اور ہم کوئی جملہ ان سے نہیں کہہ سکتے تھے، کیونکہ وہ ہماری زبان نہیں جانتے اور ہم ان کی زبان نہیں جانتے، لیکن ایک لفظ ایسا ہے جو ہمارے دین نے ہمیں مشترک دے دیا ہے، خواہ کوئی زبان انسان بولتا ہو، اپنے دل کی ترجمانی وہ اس لفظ کے ذریعہ کر سکتا ہے، وہ ہے السلام علیکم

ورحمۃ اللہ! تو ہر شخص دیکھنے کے بعد السلام علیکم کا نعرہ لگاتا اور یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے درمیان پیدا فرما دیا، چاہے وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، کوئی زبان بولتا ہو، بات اس کی سمجھ میں آتی ہو یا نہ آتی ہو، اس کی معاشرت، اس کی تہذیب اور اس کی قومیت کچھ بھی ہو، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ یہ مسلمان ہے اور کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے رشتہ میں ہمارے ساتھ شریک ہے تو اس کے لئے دل کے اندر محبت کے جذبات ابھرنے شروع ہو جاتے ہیں، ہمیں اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے رشتوں میں جوڑا ہے، ان میں جو سب سے مضبوط رشتہ جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا، جو کبھی کمزور نہیں پڑسکتا، وہ رشتہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا رشتہ۔

اس رشتے کو کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی

میرا بنگلہ دیش جانے کا اتفاق ہوا، جو کبھی بہرحال پاکستان ہی کا حصہ تھا، مشرقی پاکستان کہلایا کرتا تھا، وہاں لوگوں کے اندر یہ بات مشہور ہے کہ جب سے بنگلہ دیش الگ ہوا، اس وقت سے پورے بنگلہ دیش میں ڈھاکہ سے لے کر چٹاگام اور سلہٹ تک کسی جگہ اردو سنائی نہیں دیتی، اس لئے کہ اردو کا تو بیج مار دیا گیا، بلکہ اردو کا لفظ سن کر لوگوں کو غصہ آتا ہے کہ اردو زبان میں کیوں بات کی گئی؟ بنگلہ زبان میں بات کرو یا انگریزی میں۔

جب چٹاگام پہنچا تو وہاں یہ اعلان ہوگیا کہ فلاں میدان میں بیان ہوگا،

چنانچہ وہ میدان پورا بھر گیا، اس مجمع کے اندر میں نے اردو میں بیان کیا۔ اس میں لوگوں کا اندازہ یہ تھا کہ کم از کم پچاس ہزار مسلمانوں کا اجتماع تھا اور لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ بنگلہ دیش بننے کے بعد اتنا بڑا اجتماع ہم نے نہیں دیکھا، اور لوگوں کا کہنا یہ بھی تھا کہ اگر کوئی اتنے بڑے جلسے کے اندر اردو زبان میں بیان کرے تو لوگ اس کے خلاف نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں، احتجاج شروع کر دیتے ہیں، لیکن لوگوں نے میری بات اتنی محبت سے، اتنے پیار سے اور اتنے اشتیاق سے سنی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہاں بھی میں نے یہ بات عرض کی کہ ہمارے درمیان سرحدیں قائم ہوسکتی ہیں، پولیس اور فوج کے پہرے حائل ہوسکتے ہیں، دریا اور سمندر اور پہاڑوں کے فاصلے حائل ہوسکتے ہیں، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے رشتے میں پرو دیا ہے کہ اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی، اور وہ ہے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس کلمہ کے ذریعہ زندگی میں انقلاب آجاتا ہے

یہ کلمہ جس نے ہمیں اور آپ کو جوڑا ہوا ہے، عجیب و غریب چیز ہے، عجیب و غریب مناظر دکھاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ایسا ہے کہ انسان کی زندگی میں اس کلمے کے پڑھتے ہی اتنا بڑا انقلاب برپا ہوتا ہے کہ اس سے بڑا انقلاب کوئی ہو نہیں سکتا، ایک شخص جو اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے کافر تھا، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس شخص نے یہ کلمہ

نہیں پڑھا تھا اس وقت تک وہ جہنمی تھا، اللہ کا مبغوض تھا، دوزخ کا مستحق تھا، اور اس کلمے کو پڑھنے کے بعد ایک لمحے کے اندر وہ شخص جنتی بن گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بن گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من قال لا الٰه الا اللّٰه دخل الجنة۔

جو شخص لا الہ الا اللہ کہدے بس جنّتی ہے۔

گناہوں کی سزا بھگتے گا اگر گناہ کیے ہیں، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر انجام اس کا جنّت ہے۔ گناہ کیے، غلطیاں کیں، کوتاہیاں کیں، اگر اس نے توبہ نہیں کی تو سزا ملے گی، لیکن سزا ملنے کے بعد آخری انجام اسکا جنّت ہے۔ یہ میری بات نہیں، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے کہ اس سے زیادہ سچا اس کائنات میں کوئی اور کلام ہو نہیں سکتا کہ وہ جنّتی ہے، اور کلمہ شریف پڑھنے کے بعد ایک شخص جہنم کے ساتویں طبقے سے نکل کر جنّت الفردوس کے اعلیٰ ترین طبقے تک پہنچ جاتا ہے۔

ایک چرواہے کا واقعہ

غزوہ خیبر کا واقعہ یاد آیا، غزوہ خیبر وہ جہاد ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے خلاف حملہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تھے، خیبر کے قلعے کے باہر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس میں کئی دن گزر گئے، لیکن قلعہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اندر سے یہودیوں کا

ایک چرواہا باہر نکلا، وہ بکریاں چرا رہا تھا، سیاہ فام تھا، کالی رنگت تھی اور کسی یہودی نے اس کو بکریاں چرانے کے لئے اپنا نوکر رکھا ہوا تھا، وہ بکریاں چرانے کی غرض سے خیبر کے قلعے سے باہر نکلا، تو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ اس نے یہ سن رکھا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاز سے یہاں پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہیں، یثرب کے بادشاہ ہیں، اس کے دل میں خیال آیا کہ ذرا میں بھی دیکھوں، آج تک میں نے کوئی بادشاہ نہیں دیکھا، اور دیکھ کے آؤں کہ یثرب کا بادشاہ کیسا ہے اور وہ کیا بات کہتا ہے؟ لوگوں سے پوچھا کہ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے اشارہ کر کے بتا دیا کہ فلاں خیمہ کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ اوّل تو وہ خیمے کو دیکھ کر ہی حیران رہ گیا، اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب یہ یثرب کے بادشاہ ہیں اور جن کی قوت اور طاقت کا ڈنکا بجا ہوا ہے تو ان کا جو خیمہ ہوگا وہ قالینوں سے مزین ہوگا، اس میں شاندار پردے پڑے ہوئے ہوں گے، باہر پہرے دار کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہوں گے۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک معمولی کھجور کا بنا ہوا خیمہ نظر آ رہا ہے، نہ کوئی چوکیدار ہے نہ کوئی پہردار ہے، نہ کوئی مصاحب ہے نہ کوئی ہٹو بچو کے نعرے لگانے والا ہے۔ خیر وہ چرواہا اندر داخل ہوگیا، اندر سرکار دو عالم رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو بڑی عجیب وغریب نورانی صورت نظر آئی، وہ جلوہ نظر آیا تو دل کچھ کھنچنا شروع ہوا، جا کر عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں پر کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام اور آپ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کیا ہے؟ نبی کریم سرور دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تو ایک ہی دعوت ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ مانو اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لو، کچھ نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ جہاں آرا اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان دونوں کا طبیعت پر اثر ہونا شروع ہوا تو اس نے پوچھا: اچھا یہ بتائیے کہ اگر میں آپ کی اس دعوت کو قبول کرلوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا انجام یہ ہوگا کہ تم تمام مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کرلو گے، ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے اور جو ایک مسلمان کا حق ہے وہی تمہارا بھی حق ہوگا۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ ساری عمر کبھی یہ بات اس کے تصور میں بھی نہیں آئی تھی کہ کوئی سردار یا کوئی بادشاہ یا کوئی سربراہ مجھے گلے لگا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، میرے جسم سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کیسے سینے سے لگائیں گے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب تم یہ ایمان قبول کرلو گے تو پھر سب تمہیں سینے سے لگائیں گے، تمہارے حقوق تمام مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنے بڑے بادشاہ ہوکر مجھ سے مذاق کی بات کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ مجھے گلے سے لگائیں گے، نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں مذاق نہیں کرتا، واقعۃً میں اس دین کا پیغام لے کر آیا ہوں جو کالے اور گورے، امیر

اور ماموں، غریب اور سرمایہ دار کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا، وہاں تو فضیلت اس کو حاصل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو۔اس واسطے تم ہمارے برابر ہو گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ پھر اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمداً رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب میں مسلمان ہو چکا، اب مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ میرے ذمہ فرائض کیا ہیں؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے وقت میں مسلمان ہوئے ہو کہ نہ تو یہ کوئی نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھوائی جائے، نہ یہ رمضان کا مہینہ ہے کہ تم سے روزہ رکھوایا جائے، نہ تمہارے پاس مال و دولت ہے کہ تم سے زکوٰۃ دلوائی جائے۔ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ وہ عبادتیں جو عام مشہور ہیں ان کا تو کوئی موقع نہیں، البتہ اس وقت خیبر کے میدان میں ایک عبادت ہو رہی ہے اور یہ وہ عبادت ہے جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ، تو آؤ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جہاد میں شامل تو ہو جاؤں لیکن جہاد میں دونوں باتیں ممکن ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان اپنا خون دے کر آئے، تو اگر میں اس جہاد میں مر گیا اور شہید ہو گیا تو پھر میرا کیا ہوگا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں سیدھے

جنّت الفردوس کے اندر لے جائیں گے، تمہارے اس سیاہ جسم کو اللہ تبارک و تعالیٰ منور جسم بنا دیں گے، نورانی جسم بنا دیں گے، اور تم کہتے ہو کہ میرے جسم سے بدبو اٹھ رہی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو میں تبدیل فرمادیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو بس مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔ وہ جو بکریاں لے کر آیا تھا اس کے بارے میں نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بکریاں جو تم لے کر آئے ہو، یہ کسی اور کی ہیں، ان کو پہلے واپس کر کے آؤ۔ اندازہ لگایئے! میدان جنگ ہے، دشمن کی بکریاں ہیں، وہ چرواہا دشمن سے بکریاں باہر لے کر آیا ہے، اگر آپ چاہتے تو ان بکریوں کے ریوڑ کو پکڑ کر مال غنیمت میں شامل فرمالیتے، لیکن وہ چرواہا ان کو بطور امانت لے کر آیا تھا اور امانت کو واپس دلوانا یہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سرفہرست تھا، اس واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ان بکریوں کو قلعے کی طرف بھگا دو تا کہ یہ شہر کے اندر چلی جائیں اور جو مالک ہے اس تک پہنچ جائیں تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں واپس کروائیں پھر اس کے بعد وہ چرواہا جہاد میں شامل ہو گیا، کئی روز تک جہاد جاری رہا، جب جہاد ختم ہوا اور نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول شہداء اور زخمیوں کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تو جہاں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور متعدد صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے، دیکھا کہ ایک لاش پڑی ہوئی ہے، اس کے گرد صحابہ کرامؓ جمع ہیں اور آپس میں یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ یہ کس کی لاش ہے؟ اس واسطے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پتہ نہیں تھا کہ

یہ کون ہے، پہچانتے نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، جا کر دیکھا تو یہ وہی اسود غالبی چرواہے کی لاش تھی، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ شخص بھی عجیب و غریب انسان ہے، یہ ایسا انسان ہے کہ اس نے اللہ کے لئے کوئی سجدہ نہیں کیا، ایک نماز نہیں پڑھی، اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا، اس نے ایک پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ سیدھا جنّت الفردوس میں پہنچا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیا ہے، میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا یہ انجام فرمایا۔ بہرحال! یہ جو میں عرض کر رہا تھا کہ ایک لمحے میں یہ کلمہ انسان کو جہنم کے ساتویں طبقے سے نکال کر جنّت الفردوس کے اعلیٰ ترین طبقے تک پہنچا دیتا ہے، کوئی مبالغہ کی بات نہیں، واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا کلمہ بنایا ہے۔

کلمہ طیبہ پڑھ لینا، معاہدہ کرنا ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کلمہ جو اتنا بڑا انقلاب برپا کرتا ہے کہ جو پہلے دوست تھے وہ دشمن بن گئے، جو پہلے دشمن تھے وہ اب دوست بن گئے، بدر کے میدان میں باپ نے بیٹے کے خلاف اور بیٹے نے باپ کے خلاف تلوار اٹھائی ہے اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے، تو اتنا بڑا انقلاب جو برپا ہو رہا ہے، کیا یہ کوئی منتر ہے یا کوئی جادو ہے کہ یہ منتر پڑھا اور جادو کے کلمات زبان

سے ادا کئے اور اس کے بعد انسان کے اندر انقلاب برپا ہوگیا۔ ان الفاظ میں کوئی تاثیر ہے یا کیا بات ہے؟ حقیقت میں یہ کوئی منتر یا جادو یا طلسم قسم کے کلمات نہیں، حقیقت میں اس کلمہ کے ذریعہ جو انقلاب برپا ہوتا ہے یا وہ اس واسطے ہوتا ہے کہ جب میں نے کہہ دیا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے ایک معاہدہ کرلیا اور ایک اقرار کرلیا اس بات کا کہ آئندہ حکم مانوں گا تو صرف اللہ کا مانوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکاؤں گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود قرار نہیں دوں گا، کسی اور کی بات اللہ کے خلاف نہیں مانوں گا۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو انسان نے کرلیا اور جب اللہ کو اللہ قرار دے لیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو پیغام لے کر آئیں گے، اس کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گا، چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، چاہے عقل مانے یا نہ مانے، دل چاہے یا نہ چاہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حکم آ گیا تو اس کے بعد پھر اس کی سرتابی کرنے کی مجال نہیں ہوگی۔ یہ ہے معاہدہ، یہ ہے اقرار، یہ ہے میثاق، یہ ہے اعلان اس بات کا کہ آج سے میں نے اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے تابع بنالیا۔ انسان جب یہ اقرار کرلیتا ہے اور یہ معاہدہ کرلیتا ہے تو اس دن سے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب برپا ہوجاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کے کیا تقاضے ہیں؟

اس سے پتہ چلا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ محض کوئی زبانی جمع خرچ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ لیا اور بات ختم ہوگئی، بلکہ آپ نے جس دن یہ کلمہ پڑھا اس دن آپ نے اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کر دیا اور اس بات کا وعدہ کر لیا کہ اب میری کچھ نہیں چلے گی، اب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تابع زندگی گزاروں گا۔ لہٰذا اس کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے کچھ تقاضے ہیں کہ زندگی گزارو تو کس طرح گزارو، عبادت کس طرح کرو، لوگوں کے ساتھ معاملات کس طرح کرو، اخلاق تمہارے کیسے ہوں، معاشرت تمہاری کیسی ہو، زندگی کے ایک ایک شعبے میں ہدایات ہیں جو اس کلمے کے دائرہ کے اندر آتی ہیں، اور وہ ہدایات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے بھی دے کر گئے ہیں اور اپنے افعال سے بھی، اپنی زندگی کی ایک ایک نقل وحرکت سے اور ایک ایک ادا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا طریقہ سکھا کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، اور زندگی اس کے مطابق گزارنے کا نام ہی درحقیقت تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کا ڈر، کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور معاہدہ تو کر لیا لیکن میں جب آخرت میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے کہ جو معاہدہ میں نے کیا تھا، میں نے اس

معاہدہ کو پورا نہیں کیا، اس بات کا خوف اور اس بات کے ڈر کا نام ہے تقویٰ!

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

پورا قرآن کریم اس سے بھرا ہوا ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، سارے دین کا خلاصہ اس تقویٰ کے اندر آ جاتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ:

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام بھی عجیب وغریب ہے، کلام اللہ کے عجیب وغریب اعجازات ہیں، ایک جملہ کے اندر باری تعالیٰ جتنا کچھ انسان کے کرنے کا کام ہوتا ہے وہ بھی سارے کا سارا بتا دیتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کا جو طریقہ ہے اور اس کا جو آسان راستہ ہے وہ بھی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو بتا دیتے ہیں کہ ویسے کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا، ہم تمہیں اس کا راستہ بتائے دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اختیار کرلیا تو اب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، تقویٰ میں سبھی کچھ آ گیا، لیکن سوال پیدا ہوا کہ تقویٰ کیسے اختیار کریں؟ تقویٰ تو بڑا اونچا مقام ہے، اس کے لئے بڑے تقاضے ہیں، بڑی شرائط ہیں، وہ کیسے اختیار کریں، کہاں سے اختیار کریں؟ اس کا جواب اگلے جملے میں باری تعالیٰ نے دے دیا کہ ویسے تقویٰ اختیار کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا لیکن آسان راستہ تمہیں بتائے دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کونو مع الصادقین سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ، صادقین کے ساتھی بن

جاؤ۔ سچے کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ سچ بولتے ہوں اور جھوٹ نہ بولتے ہوں، بلکہ سچے کے معنی یہ ہیں کہ جو زبان کے سچے، جو بات کے سچے، جو معاملات کے سچے، جو معاشرت کے سچے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اپنے کئے ہوئے معاہدے میں سچے ہیں، ان کے ساتھی بن جاؤ اور ان کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کرو، جب اٹھنا بیٹھنا شروع کرو گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے تقویٰ کی جھلک تمہارے اندر بھی پیدا فرما دیں گے۔ یہ ہے تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ اور اسی طریقہ سے دین منتقل ہوتا چلا آیا ہے، نبی کریم سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جو دین آیا ہے وہ سچے لوگوں کی صحبت سے آیا، صادقین کی صحبت سے آیا۔

صحابہؓ نے دین کہاں سے حاصل کیا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دین کہاں سے حاصل کیا؟ کسی یونیورسٹی میں پڑھا؟ کسی کالج میں پڑھا؟ کوئی سرٹیفکیٹ حاصل کیا؟ کوئی ڈگری لی؟ ایک ہی یونیورسٹی تھی وہ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، آپ ﷺ کی صحبت اٹھائی، اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کا رنگ چڑھا دیا، ایسا چڑھایا ایسا چڑھایا کہ اس آسمان و زمین کی نگاہوں نے دین کا ایسا چڑھا ہوا رنگ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا، نہ اس کے بعد دیکھ سکے گی۔ وہ لوگ جو دنیا کے معمولی معمولی معاملات کے اوپر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے تھے، ایک دوسرے

کے خون کے پیاسے بن جاتے تھے، ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے، ان کی نظر میں دنیا ایسی بے حقیقت ہوئی اور ایسی ذلیل ہوئی اور ایسی خوار ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے اور آخرت کے بہبود کے آگے ساری دنیا کے خزانوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

حضرت عبیدہ بن جراحؓ کا دنیا سے اعراض

حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں جو اس زمانے کی سپر پاور سمجھی جاتی تھیں (جیسے آج کل روس اور امریکہ) ان کا غرور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں خاک میں ملادیا۔ عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے کہ دیکھیں کیا حالات ہیں؟ تو وہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں، دل میں شاید یہ خیال ہوگا کہ عبیدہ بن جراح مدینے سے آئے ہیں اور شام کے گورنر بن گئے ہیں، مدینہ منورہ کا علاقہ بے آب و گیاہ تھا اور اس میں کوئی زرخیزی نہیں تھی، معمولی کھیتی باڑی ہوا کرتی تھی اور شام میں کھیت لہلہا رہے ہیں، زرخیز زمینیں ہیں اور روم کی تہذیب پوری طرح وہاں پر مسلّط ہے تو یہاں آنے کے بعد کہیں ایسا تو نہیں کہ دنیا کی محبت

ان کے دل میں پیدا ہوگئی ہو اور اپنا کوئی عالی شان گھر بنالیا ہو جس میں بڑے عیش وعشرت کے ساتھ رہتے ہوں۔ شاید اسی قسم کا کچھ خیال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہوا ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی یعنی عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ امیر المومنین! آپ میرا گھر دیکھ کر کیا کریں گے، آپ میرا گھر دیکھیں گے تو آپ کو شاید آنکھیں نچوڑنے کے سوا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بھائی کا گھر دیکھوں۔ حضرت عبیدہؓ ایک دن ان کو اپنے ساتھ لے کر چلے، چلتے جارہے ہیں چلتے جارہے ہیں، کہیں گھر نظر ہی نہیں آتا، جب شہر کی آبادی سے باہر نکلنے لگے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ بھائی! میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتا تھا، تم کہاں لے جارہے ہو؟ فرمایا امیر المومنین! میں آپ کو اپنے گھر ہی لے جارہا ہوں، بستی سے نکل گئے تو لے جاکر ایک گھاس پھونس کے جھونپڑے کے سامنے کھڑا کردیا اور کہا امیر المومنین! یہ میرا گھر ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جھونپڑے کے اندر داخل ہوئے، چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھنے لگے، کوئی چیز ہی نظر نہیں آتی، ایک مصلی بچھا ہوا ہے، اس کے سوا پورے اس جھونپڑے کے اندر کوئی اور چیز نہیں، پوچھا کہ عبیدہ! تم زندہ کس طرح رہتے ہو، یہ تمہارے گھر کا سامان کہاں ہے؟ تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے بڑھ کر ایک طاق سے پیالہ اٹھا کر لائے، دیکھا تو اس پیالے

کے اندر پانی پڑا ہوا تھا اور اس میں روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے اور عرض کیا کہ امیر المومنین! مجھے اپنی مصروفیات اور ذمہ داریوں میں مصروف رہ کر اتنا وقت نہیں ملتا کہ میں کھانا پکا سکوں، اس لئے میں یہ کرتا ہوں کہ ہفتہ بھر کی روٹیاں ایک خاتون سے پکوالیتا ہوں اور وہ ہفتے بھر کی روٹی پکا کر مجھے دے جاتی ہے، میں اس کو اس پانی میں بھگو کر کھالیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندگی اچھی گزر جاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تمہارا اور سامان؟ کہا کہ اور سامان کیا یا امیر المومنین! یہ سامان اتنا ہے کہ قبر تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو رو پڑے اور کہا کہ عبیدہ! اس دنیا نے ہم میں سے ہر شخص کو بدل دیا، لیکن خدا کی قسم تم وہی ہو جو سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امیر المومنین! میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے گھر پر جائیں گے تو آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ وہ شخص ہے جو شام کا گورنر تھا، آج اس شام کے اندر جو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر نگیں تھا، مستقل چار ملک ہیں، اس شام کے گورنر تھے، عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں دنیا کے خزانے روزانہ ڈھیر ہو رہے ہیں، روم کی بڑی بڑی طاقتیں عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سن کر لرزہ براندام ہیں، ان کے دانت کھٹے ہو رہے ہیں عبیدہؓ کے نام سے، اور روم کے محلات کے خزانے ہزرو جواہر اور زیورات لاکر عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں میں ڈھیر کئے جا رہے ہیں، لیکن عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ٹھوکر مار کر

اس پھونس کے جھونپڑے میں رہ رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جو جماعت تیار کی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس روئے زمین پر ایسی جماعت مل ہی نہیں سکتی، دنیا کو ایسا ذلیل اور ایسا خوار کر کے رکھا کہ دنیا کی کوئی حقیقت آنکھوں میں باقی رہی ہی نہیں تھی، اس واسطے کہ ہر وقت دل میں یہ خیال لگا ہوا تھا کہ کسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، زندگی ہے تو وہ زندگی ہے، یہ چند روزہ زندگی کیا حقیقت رکھتی ہے، یہ حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں جاگزیں فرما دی تھی، اسی کا نام تقویٰ ہے۔ یہ کہاں سے حاصل ہوئی؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چند دن جس نے گزار لئے، اس کے دل میں دنیا کی حقیقت بھی واضح ہوگئی اور آخرت بھی سامنے آ گئی، تو دین اس طریقہ سے چلتا آیا ہے۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے، صحابہ کرامؓ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے اور اسی طریقہ سے آخر دم تک دین اس طرح پھیلا ہے اور پہنچا ہے۔ جن کی زندگیاں تقویٰ کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں، جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضوں کو جاننے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے، یہ کتابیں پڑھنے سے نہیں

آتی، یہ محض تقریریں سن لینے سے یا کر لینے سے نہیں آتی، یہ آتی ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے سے، اس کا طرز عمل دیکھنے سے، اس کی زندگی کی ادا کو پڑھنے سے، اور اس طرح دین کا یہ رنگ انسان کے اندر منتقل ہوتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کتابیں پڑھ کر دین حاصل کر لوں گا تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ بالکل صحیح بات کہی ہے ۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

دین کتاب پڑھ لینے سے نہیں آتا، لفاظیوں سے نہیں آتا، بلکہ بزرگوں کی نظر سے اور ان کی صحبت سے دین آتا ہے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سچے لوگوں کی اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، تو اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں بھی متقی بنا دیں گے، تمہارے اندر بھی وہ رنگ پیدا ہو جائے گا۔

سچے اور متقی لوگ کہاں سے لائیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سچے لوگ کہاں سے لائیں؟ ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی سچا ہوں، میں بھی صادق ہوں اور اسی فہرست میں داخل ہوں، بلکہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! آج کل تو دھوکہ بازی کا دور ہے، ہر شخص لمبا کرتا پہن کر اور عمامہ سر پر لگا کر اور داڑھی لمبی کر کے کہتا ہے کہ میں بھی صادقین میں داخل ہوں، اقبال نے کہا تھا ۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

یہ حالت نظر آتی ہے تو اب کہاں سے لائیں وہ صادقین جن کی صحبت انسان کو کیمیا بنا دیتی ہے، وہ کہاں سے لائیں اللہ والے جن کی ایک نظر سے انسان کی زندگیاں بدل جاتی ہیں، وہ جنید وہ شبلی رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے اولیاء کرام اس دور میں کہاں سے لے کر آئیں، کس طرح ان کی صحبت حاصل کریں، آج کل تو عیاری کا اور مکاری کا دور ہے۔

ہر چیز میں ملاوٹ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ اس کا ایک بڑا عمدہ جواب دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میاں لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کل صادقین کہاں سے تلاش کریں؟ ہر جگہ عیاری مکاری کا دور ہے، تو بات دراصل یہ ہے کہ یہ زمانہ ہے ملاوٹ کا، ہر چیز میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، چینی میں ملاوٹ، آٹے میں ملاوٹ، دنیا کی ہر چیز میں ملاوٹ، یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ زہر میں بھی ملاوٹ۔ کسی نے لطیفہ سنایا کہ ایک شخص نے ہر چیز میں ملاوٹ دیکھی کہ کوئی چیز خالص نہیں ملتی تو عاجز آ گیا، اس نے سوچا کہ میں خودکشی کرلوں، اس دنیا میں زندہ رہنا فضول ہے جہاں پر کوئی چیز خالص نہیں ملتی، نہ آٹا خالص ملے، نہ چینی خالص ملے، نہ گھی خالص ملے، کچھ بھی خالص نہیں، تو اس نے سوچا کہ خودکشی کرلینی چاہئے اور اس دنیا سے چلے

جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ بازار سے زہر خرید کر لایا اور وہ زہر کھالیا، اب کھا کر بیٹھا ہے انتظار میں کہ اب موت آئے اور تب موت آئے، لیکن موت ہے کہ آتی ہی نہیں، معلوم ہوا کہ زہر بھی خالص نہیں تھا، تو دنیا کی کوئی چیز خالص نہیں، ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو بھائی آٹے میں بھی ملاوٹ ہے اور یہ آٹا بھی خالص نہیں ملتا، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر آٹا خالص نہیں ملتا تو کسی نے آٹا کھانا چھوڑ دیا کہ صاحب آٹا تو اب خالص ملتا نہیں، لہٰذا اب آٹا نہیں کھائیں گے، اب تو بھس کھایا کریں گے، یا گھی اگر خالص نہیں ملتا تو کسی نے گھی کھانا چھوڑ دیا کہ صاحب گھی تو اب خالص ملتا نہیں، لہٰذا اب مٹی کا تیل استعمال کریں گے، کسی نے بھی باوجود اس ملاوٹ کے دور کے نہ آٹا کھانا چھوڑا، نہ چینی کھانی چھوڑی، نہ گھی کھانا چھوڑا، بلکہ تلاش کرتا ہے کہ گھی کونسی دکان پر اچھا ملتا ہے اور کونسی بستی میں اچھا ملتا ہے، آدمی بھیج کر وہاں سے منگواؤ، مٹھائی کونسی دکان والا اچھی بناتا ہے، آٹا کس جگہ سے اچھا ملتا ہے، وہاں سے جا کر تلاش کر کے لائے گا، اسی کو حاصل کرے گا، اسی کو استعمال کرے گا۔ تو فرمایا کہ بے شک آٹا گھی چینی کچھ خالص نہیں ملتی، لیکن تلاش کرنے والے کو آج بھی مل جاتی ہے۔ اسی طرح مولوی بھی خالص نہیں ملتا، لیکن تلاش کرنے والے کو آج بھی مل جاتا ہے، اگر کوئی اللہ کا بندہ تلاش کرنا چاہے، طلب کرنا چاہے تو اس کو آج کے دور میں بھی صادقین مل جائیں گے، یہ کہنا بالکل شیطان کا دھوکہ ہے کہ آج کے دور میں صادقین ختم ہو گئے۔ ارے جب اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم صادقین

کے ساتھی بن جاؤ، یہ حکم کیا صرف صحابہ کرامؓ کے دور کے ساتھ مخصوص تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ اس پر عمل کر سکیں، بیسویں صدی میں آنے والے اس پر عمل نہیں کر سکتے؟ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے ہر حکم پر قیامت تک جب تک مسلمان باقی ہیں عمل کرنا ممکن رہے گا، تو اس کے معنی خود بخود نکال لو کہ صادقین اس وقت بھی ہیں، ہاں تلاش کرنے کی بات ہے، یہ نہیں کہ صاحب ملتا ہی نہیں، لہٰذا بیٹھے ہیں، تلاش کرو گے اور طلب پیدا کرو گے تو مل جائے گا۔

جیسی روح ویسے فرشتے

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود خواہ کسی حالت میں ہوں، گناہ میں، معصیت میں، کبائر میں، فسق و فجور میں مبتلا ہوں، لیکن اپنے لئے صادقین تلاش کریں گے تو معیار سامنے رکھیں گے جنید بغدادیؒ کا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اور بایزید بسطامیؒ کا اور بڑے بڑے اولیا کرامؒ جن کے نام سن رکھے ہیں کہ صاحب! ہمیں تو ایسا صادق چاہئے جیسا کہ جنید بغدادیؒ تھے یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم ہو ویسے ہی تمہارے مصلح ہوں گے، تم جس معیار کے ہو تمہارے لئے یہی لوگ کافی ہو سکتے ہیں، جنید و شبلی کے معیار کے نہ سہی لیکن تمہارے لئے یہ بھی کافی ہیں۔

مسجد کے مؤذن کی صحبت اختیار کرلو

بلکہ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ میں تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طلب لے کر اپنی مسجد کے ان پڑھ مؤذن کی صحبت میں جا کر بیٹھے گا تو اس کی صحبت سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ اس واسطے کہ وہ مؤذن کم از کم پانچ وقت اللہ کا نام بلند کرتا ہے، اس کی آواز فضاؤں میں پھیلتی ہے، وہ اللہ کے کلمے کو بلند کرتا ہے، اس کی صحبت میں جا کر بیٹھو، تمہیں اس سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ یہی شیطان کا دھوکا ہے کہ صاحب! ہمیں تو اس معیار کا بزرگ اور اس معیار کا مصلح چاہئے۔ یہ انسان کو دھوکا دینے کی بات ہے، حقیقت میں تمہاری اپنی اصلاح کے واسطے تمہارے معیار کے اور تمہاری سطح کے مصلح آج بھی موجود ہیں۔

بھائی بات لمبی ہوگئی، میں عرض یہ کرنا چاہ رہا تھا کہ دین حاصل کرنے کا اور اس کی سمجھ حاصل کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کا کوئی راستہ آج کل کے حالات میں اس کے سوا نہیں ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنا دامن پکڑا دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اللہ والے کی صحبت عطا فرمادے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں (بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ وہاں بھی جا کر یہ بات کہنے کی نوبت آتی ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ صاحب ہم کہاں جائیں تو بتانے کے لئے ذرا دشواری ہوتی ہے) لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا اتنا بڑا کرم

ہے اتنا بڑا کرم ہے کہ آپ اس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے کہ اس بستی میں جو دور افتادہ بستی ہے، کسی کے منہ پر کوئی بات کہنا اچھا نہیں ہوتا، مگر ہمارا دین وہ ہے جو بے تکلف ہے تو اس بے تکلفی کی وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے اندر آپ اور ہم سب پر یہ بڑا فضل فرمایا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم العالیہ کو اس بستی کے اندر بھیج دیا، اور انہیں کا یہ نور ظہور ہے جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، یہ مدرسہ، یہ بڑا اجتماع، یہ مسلمانوں کے اندر دینی جذبات، یہ ذوق وشوق اور یہ جوش وخروش، یہ سب کچھ ایک اللہ والے کے دل کی دھڑکنوں سے نکلنے والی آہوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ نعمت میسّر ہے اور ہماری قوم کا حال یہ ہے کہ جب تک نعمت میسّر رہتی ہے اس کی قدر نہیں پہچانتے، جب چلی جاتی ہے تو قوم اس کو سر پر بٹھانے کے لئے تیار، اس کا عرس منانے کے لئے تیار، اس کے مزار پر چادریں چڑھانے کے لئے تیار، اس کو آسمان پر اٹھانے کے لئے تیار، لیکن جب تک وہ نعمت موجود ہے قدر نہیں پہچانیں گے، قدر نہیں مانیں گے، ہمیشہ اس میں عیب ہی نظر آتے رہیں گے، تنقیدیں ہی کرتے رہیں گے، لہٰذا جہاں کوئی اللہ والا بیٹھ گیا ہو، اس کو بہت ہی غنیمت سمجھ کر اس سے استفادہ کی کوشش کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو وہ مقام بخشا ہے کہ لوگ سفر کر کے آئیں اور آکر استفادہ کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بستی کے اندر آپ کو یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہوئی ہے۔ میں دور سے آنے والا، اوّل تو کچھ آتا جاتا نہیں،

کوئی اہلیت نہیں، کوئی صلاحیت نہیں، میں آپ سے کیا عرض کروں، لیکن اگر اتنی بات آپ حضرات کے ذہن میں بیٹھ جائے اور اس نعمت کی قدر پہچاننے کی کوشش کرلیں اور اس سے استفادہ کی کوشش کرلیں تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑے بڑے جلسوں اور تقریروں کا خلاصہ اور اس کا فائدہ حاصل ہوگیا، یوں تو جلسے اور تقریریں اور کہنا سننا تو بہت ہوتا رہتا ہے اور عام طور پر لوگ کہتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، لیکن کم از کم اگر دل میں یہ داعیہ اور یہ شوق پیدا ہوجائے کہ کسی اللہ والے کی صحبت سے استفادہ کرنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس مجلس کا فائدہ حاصل ہوگیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، صادقین کی صحبت عطا فرمائے، ان کی محبّت اور ان کی خدمت کے ذریعہ دین کا صحیح مزاج ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁
❁

مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں ہمارا فریضہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔ أَمَّا بَعۡدُ!

امریکہ کا افغانستان پر حملہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! جیسا کہ آپ حضرات موجودہ صورت

حال سے واقف ہیں اور اس وقت کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس وقت دنیائے کفر کی طرف سے خاص طور پر امریکہ کی طرف سے تکبر کا اعلیٰ ترین مظاہرہ ہو رہا ہے، اس نے شاید اپنے بارے میں یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کے پاس خدائی آگئی ہے اور وہ ایسے متکبرانہ بیانات اور ایسی متکبرانہ کارروائیاں اس دھڑلے کے ساتھ کر رہا ہے کہ گویا پوری دنیا کی خدائی اس کے قبضے میں آگئی ہے۔

ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ

لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے بھی عجیب وغریب ہیں کہ جو ملک اس قدر تکبر کے اندر ڈوبا ہوا ہے اور لوگ اس کے آگے اس قدر ڈرے سہمے ہوئے ہیں کہ پوری دنیا میں کوئی بھی حق بات کہنے کی جرأت نہیں کر رہا ہے اور دنیا کا طاقتور ترین ملک ہے، وہ دنیا کے کمزور ترین ملک پر حملہ آور ہے۔ وہ ایک ایسے ملک پر حملہ آور ہے کہ اس سے زیادہ کمزور اور اس سے زیادہ بے سروسامان ملک کوئی اور نہیں، اور جس کو دنیا ملک اور حکومت تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، گویا کہ دونوں کے درمیان ہاتھی اور چیونٹی کا بھی مقابلہ نہیں جو اس وقت ان دونوں کے درمیان ہو رہا ہے۔

اللہ کی قدرت کا کرشمہ

لیکن اللہ جل شانہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ آج ایک ہفتہ سے اس عظیم ترین طاقت کی طرف سے بموں اور میزائلوں کی بارش ہو رہی ہے جس کو

سپر پاور کہا جاتا ہے اور جو خدائی کا دعویٰ کر رہی ہے، یہ بارش اس ملک پر ہو رہی ہے جو دنیا کا کمزور ترین ملک ہے، ہر رات اور ہر صبح بموں اور میزائلوں کے ذریعہ قیامت توڑی جا رہی ہے اور ساری طاقت کا زور اس پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اس کے تکبر کا تو یہ عالم تھا کہ اس کے خیال میں ایک دو دن کے اندر معاملہ نمٹا دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے دکھا رہا ہے کہ ایک ہفتہ کی مسلسل بمباری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی ایسا بڑا نقصان جو ان کے حق میں مہلک ہو، وہ ابھی نہیں تک پہنچا سکے اور بار بار کے اس اعلان کے بعد کہ اب ہم زمین سے حملہ کریں گے لیکن ابھی تک زمین سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دیکھئے

میرے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے پاس دو روز پہلے کابل سے ایک صاحب کا فون آیا، بھائی صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کابل میں مقیم ہیں اور روزانہ کابل پر بمباری ہو رہی ہے، روزانہ میزائلوں کی بارش ہو رہی ہے تو وہاں کیا حال ہے؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں کچھ پٹاخے ضرور چھوٹے ہیں اور اس سے بعض لوگ زخمی اور بعض شہید بھی ہوئے ہیں لیکن الحمدللہ! ہماری طاقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برقرار ہے۔

خدائی اللہ تعالیٰ کی ہے

ان واقعات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ وہ ملک جس کی گردن تکبر اور غرور کی وجہ سے تنی ہوئی ہے، سینہ اکڑا ہوا ہے، اس نے اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے کے باوجود اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود ابھی تک اپنے مقاصد حاصل نہیں کرسکا، اللہ تعالیٰ دکھا رہے ہیں کہ خدائی تیری نہیں ہے، خدائی اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد دین کی مدد پر آئیگی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ قانون بیان فرمادیا:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ (سورۃ محمد: آیت ۷)

اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ لہٰذا اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت میں کمی آجائے یا نصرت نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد نہیں کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آرہی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے کے لئے مسلمان کمربستہ ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور مدد آتی ہے۔

جہاد ایک عظیم رکن ہے

لہٰذا آج دین کے اس عظیم رکن کے بارے میں بیان کرنا ہے جس کو ہم نے ایک عرصہ دراز سے فراموش کر دیا ہے، وہ ہے ''جہاد'' کا رکن، جس طرح

اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہم پر فرض فرمائے ہیں، اسی طرح ایک عظیم فریضہ ''جہاد'' کا فریضہ ہے، یہ وہ فریضہ ہے کہ ہماری تقریروں میں، ہمارے وعظوں میں، ہماری مجلسوں میں عرصہ دراز سے اس کا بیان چھوٹا ہوا ہے۔

کفار سب مل کر مسلمانوں کو کھانے کیلئے آئیں گے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہارے دشمن تمہیں تباہ کرنے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جس طرح دسترخوان پر کھانے کے لئے دعوت دی جاتی ہے، وہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ان پر حملہ کریں، آؤ ان کو لوٹیں، آؤ ان کو کھائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات صحابہ کرامؓ کی سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ انہوں نے تو کھلی آنکھوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے تھے اور انہوں نے تو یہ دیکھا تھا کہ صرف ۳۱۳ نہتے مسلمان ایک ہزار مسلح سورماؤں پر غالب آگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح ونصرت سے نوازا، اس لئے انہیں تعجب ہونے لگا کہ دشمن کیسے مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔

مسلمان تنکوں کی طرح ہونگے

اس لئے صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن وہ مسلمان سیلاب

میں بہنے والے تنکوں کی طرح ہونگے جو گنتی میں تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن ان کی اپنی طاقت نہیں ہوتی بلکہ وہ سیلاب کی رو میں بہتے چلے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی ناکامی کے دو اسباب

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مسلمانوں کی ایسی حالت کیوں ہوگی؟ تو جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ دنیا کی محبت تم پر غالب آجائے گی اور تم موت سے ڈرنے لگو گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردو گے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وجوہات بیان فرمائیں، ایک یہ کہ دنیا کی محبت غالب آجائے گی، اپنے مال کی، اپنے گھر اولاد کی اور اپنے گھر بار کی محبتیں غالب آجائیں گی اور پھر ان محبتوں کی وجہ سے تم موت سے ڈرنے لگو گے کہ کہیں موت نہ آجائے اور اسی موت کے ڈر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو ترک کردو گے، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا یہ حشر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ترکِ جہاد کے گناہ میں مبتلا ہیں

ایک عرصہ دراز سے ہم لوگوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑا ہوا ہے اور اس ترکِ جہاد فی سبیل اللہ کے گناہ میں مبتلا ہیں، اس کے نتیجے میں یہ صورت حال پیدا ہوئی جو ہمارے سامنے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ اللہ کے بندے جہاد کا کام لے کر اٹھے اور انہوں نے یہ کام شروع کیا، اب اس

وقت اس کا موقع ہے کہ دین کے اس رکن اعظم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے اندر حصہ دار بننے کی ہر مسلمان سعادت حاصل کرے، اس میں حصہ دار بننے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کو ذرا تفصیل سے سمجھ لینا چاہئے۔

جہاد کی فرضیت کی تفصیل

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک پر کوئی غیر مسلم طاقت حملہ کر دے تو اس ملک کے تمام باشندوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر وہاں کا امیر جہاد کے لئے بلائے تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا فرض ہوگا، اور اگر اس ملک کے لوگ دشمن کے حملے کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو برابر والے ملک کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، اگر وہ بھی مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو پھر ان کے برابر والے ملک کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، اسی طرح پورے عالم اسلام کی طرف یہ فریضہ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

لہٰذ شریعت کے مندرجہ بالا حکم کی روشنی میں اگر دیکھا جائے کہ جب افغانستان پر امریکہ نے حملہ کر دیا ہے تو افغانستان کے مسلمانوں پر تو جہاد فرض ہو چکا ہے، لیکن اگر وہ مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں تو افغانستان سے متصل ہمارے ملک پاکستان والوں پر جہاد فرض ہو جائیگا۔

جہاد کی مختلف صورتیں

''جہاد فی سبیل اللہ'' کے معنی ہیں ''اللہ کے راستے میں کوشش کرنا''۔ البتہ اس کوشش کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ براہ راست لڑائی

میں شمولیت اختیار کی جائے، اس طریقے کو ''قتال فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ ''قتال فی سبیل اللہ'' کرنے والوں کو مدد پہنچائی جائے، یہ مدد پہنچانا بھی ''جہاد فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے۔

آج کی جنگ میں اگر پاکستان کے سارے لوگ افغانستان کی سرحد پر پہنچ جائیں اور اپنے آپ کو لڑائی کے لئے پیش کر دیں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچنے کے بجائے اُلٹے مسائل پیدا ہو جائیں گے، لہٰذا پاکستان کے رہنے والوں پر جہاد اس معنی میں فرض ہے کہ افغانی بھائیوں کی اعانت اور مدد کرنے کا جو طریقہ جس شخص کے اختیار میں ہے، اس کے ذمے ضروری اور واجب ہے کہ وہ اس طریقے کو اختیار کرے اور اس کے ذریعہ مدد پہنچائے، لہٰذا ہر شخص جائزہ لے کہ میں اپنے افغان بھائیوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں، پھر جو حضرات ٹریننگ یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، وہ افغانی بھائیوں سے رابطہ کریں، اگر ان کو ضرورت ہو تو وہ جا کر باقاعدہ لڑائی میں شریک ہوں۔

مالی مدد کے ذریعہ جہاد

اور جو حضرات ٹریننگ یافتہ نہیں ہیں، وہ دوسرے ذرائع سے مدد کریں، اس وقت افغان بھائیوں کو پیسوں کی بھی ضرورت ہے، ان کو اشیاء اور ساز و سامان کی بھی ضرورت ہے، ان کو اسلحہ کی بھی ضرورت ہے، ان کو دواؤں کی بھی ضرورت ہے، ان کو طبی امداد کی بھی ضرورت ہے، لہٰذا جو شخص پیسوں کے ذریعہ ان کی مدد کر سکتا ہے، وہ پیسوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے۔

فنی مدد کے ذریعہ جہاد

اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہاں پر علاج کے لئے ڈاکٹروں کی ضرورت ہے تو وہ اپنی خدمات پیش کرے، اگر کسی نے ابتدائی طبی امداد کی تربیت لے رکھی ہے تو وہ اپنی خدمات پیش کرے اور یہ سب خدمات منظم طریقے پر پیش کریں۔

اگر کوئی شخص تربیت یافتہ ہے اور وہ براہ راست لڑائی میں شرکت کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اپنے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے نہیں جا سکتا ہے تو دوسرا شخص اس کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کا ذمہ لے کر اس کو جہاد کے لئے روانہ کرے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہاد پر جانے والوں کے لئے سامان تیار کرے وہ بھی مجاہد ہے اور جو شخص جہاد پر جانے والے کے گھر کی دیکھ بھال کرے اور ان کی کفالت کرے تو وہ بھی مجاہد ہے۔

قلم کے ذریعہ جہاد

اگر کوئی شخص ان کی مدد کے لئے قلم سے کام لے سکتا ہے تو وہ اپنے قلم کو حرکت میں لائے، اگر کوئی اپنی زبان سے کام لے سکتا ہے تو وہ زبان کو حرکت میں لائے۔

حرام کاموں سے بچیں

مسلمان حکومتیں جو غلط راستے پر چل رہی ہیں اور افسوس ہے کہ ہماری حکومت نے بھی غلط فیصلہ کر لیا ہے، تو اب حکومتوں سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ

افغان بھائیوں کی حمایت کریں، یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس احتجاج میں شرعی احکام کی رعایت رکھی جائے، اس میں کوئی کام شریعت کے خلاف نہ ہو، توڑ پھوڑ کرنا، آگ لگانا، املاک کو نقصان پہنچانا، یہ سب شرعاً حرام ہیں، حرام کام کرکے آدمی جہاد نہیں کرسکتا، لہٰذا خود بھی ایسے کاموں سے پرہیز کریں اور اپنے ملنے جلنے والوں کو بھی متوجہ کریں اور اگر کوئی کرنا چاہے تو اس کو اس عمل سے روکیں، یہ حرام کام ہیں، حرام کام کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ دوسری طرف ایسے کاموں سے تحریک کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان کاموں سے بچتے ہوئے اپنے جذبات کے اظہار کے جو طریقے ہیں، ان کے اندر حصہ لیں، یہ بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔

لہٰذا ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ میں اپنے بھائیوں کی کیا مدد کرسکتا ہوں اور کس طرح کرسکتا ہوں، اس طرح مدد کی جائے۔

دشمن کے بجائے اللہ سے ڈرو

بہرحال! ایسے موقع پر جیسے ہم اس وقت دوچار ہیں اور ساری امت مسلمہ پریشانی کے اندر مبتلا ہے، اس موقع پر ایک تو قرآن کریم کی یہ آیت یاد رکھنی چاہیے:

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

(سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۵)

بیشک یہ شیطان ہے جو (تمہیں مرعوب کرنے کے لئے) اپنے دوستوں (یعنی ہم مذہب کفار) سے ڈرانا چاہتا ہے لیکن اگر تم مؤمن ہو تو ان سے ڈرنے کے بجائے مجھ سے ڈرو۔

کاش! آج کی مسلم حکومتیں قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لیتیں، آج انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدائی امریکہ کے ہاتھ میں آ گئی ہے، اس کے نتیجے میں ہر شخص حق بات کہنے اور حق پر ڈٹ جانے سے ڈر رہا ہے، اگر آج مسلمان اس حکم پر عمل کر لیتے تو امت مسلمہ کا مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

دنیا کے وسائل مسلمانوں کے پاس ہیں

اللہ تعالیٰ نے پوری امت مسلمہ کو مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک ایسی زنجیر میں پرو دیا ہے کہ اسلامی ملکوں کا ایک تار بنا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بہترین وسائل ان کو مہیا فرمائے ہیں، ان کے پاس وہ سرمایا ہے جس پر دنیا رشک کرتی ہے، ان کے پاس تیل ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بہتا ہوا سونا ہے، یہاں تک کہ یہ مقولہ مشہور ہو گیا ہے کہ جہاں مسلمان ہوتے ہیں وہیں پر تیل ہوتا ہے، اس کے علاوہ بہترین انسانی وسائل اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا کے بیچوں بیچ آباد ہیں، ان کے پاس جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے وہ مقامات ہیں کہ اگر یہ ان کا صحیح استعمال کریں تو ساری دنیا کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں، ان کے پاس "آبنائے باسفورس" ہے، ان کے پاس "نہر سوئز" ہے۔

مسلمانوں کے روپے سے ''امریکہ'' امریکہ ہے

اور انہی مسلمانوں کا روپیہ ہے جس نے ''امریکہ'' کو ''امریکہ'' بنایا ہوا ہے، مسلمانوں کے روپے امریکہ کے بینکوں میں رکھے ہوئے ہیں، آج اگر مسلمان وہ روپیہ وہاں سے نکال لیں تو ان کی معیشت بیٹھ جائے۔

اللہ تعالیٰ پر نظر نہ ہونے کا نتیجہ

یہ ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی ہیں، لیکن یہ ساری طاقتیں اس وجہ سے بے اثر ہوگئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ نہیں، اس کی وجہ سے ہم پر ایسی حکومتیں مسلّط ہیں جو امریکہ کے کارندے ہیں، اس کے اہل کار ہیں، اس کے پٹھو ہیں جو ساری مسلم دنیا پر مسلّط ہیں، اس کے نتیجے میں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ سے خوف ہوتا اور دشمن کو خدا سمجھنے کا تصور دل میں نہ ہوتا تو آج یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔

عام مسلمان تین کام کریں

لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اگر عام مسلمان ایک تو یہ وتیرہ اپنالیں کہ اللہ سے ڈریں اور دشمن سے نہ ڈریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور سیدھے راستے پر چلیں تو انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آئے گی اور ضرور آئے گی۔

* دوسرے یہ کہ ہر شخص یہ جائزہ لے کہ میں اپنے افغان بھائیوں کی کیا مدد کرسکتا ہوں اور کس شکل میں کرسکتا ہوں، اس شکل میں مدد کرے اور تیسرا کام یہ کہ

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلَ.

کا کثرت سے ورد کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار کرے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اب اس متکبر کے دن گنے جاچکے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اس کا غرور ٹوٹ کر رہے گا اور اس کا غرور خاک میں ملے گا، اللہ تعالیٰ اس کا سر نیچا کر کے دکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں

اور یہ مدد تو ہر وقت ہر مسلمان کر ہی سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اور مچل مچل کر دعائیں مانگے کہ یا اللہ! اس متکبر کے غرور کا انجام ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سپر پاور کا انجام ان گناہ گار آنکھوں کو دکھا دیا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا، اب اس متکبر (امریکہ) نے اس زمین پر خدائی کا دعویٰ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا انجام بھی مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دکھائے۔ چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

دعا اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاؤ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ
فَاِذَا لَقِيْتُمْ فَاثْبُتُوْا۔

یعنی اپنی طرف سے دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی سے مقابلہ کرو۔ اور قرآن کریم نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْراً اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ جل شانہٗ سے ہر وقت اپنا رابطہ بھی استوار رکھتا ہے، اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو، چلتے پھرتے یہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی مدد فرمائے اور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد فرمائے اور ان کے غرور کو خاک میں ملائے، آمین۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں وہ کام کرنے کی توفیق دے جو ہمارے ذمے فرض ہے۔ آمین۔

مالی تعاون کے لئے ہمارے شہر کراچی میں اس وقت کئی ادارے کام کر رہے ہیں، ان کے ذریعہ مالی تعاون کر سکتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

درس ختم صحیح بخاری

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس ختم صحیح بخاری ۱۴۲۰ھ

جامعہ دار العلوم کراچی

(عبارت از طالب علم محمد اظہر سلمہ)

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على نبيه الكريم، وعلى آله وأصحابه والأئمة المحدثين. أما بعد:

باب قول الله تعالى: ﴿ونَضَعُ المَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن، وقال مجاهد: القسطاس العدل بالرومية، ويقال: القسط مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر.

سند حدیث

فضيلة الشيخ القاضي المفتي محمد تقي العثماني حفظكم الله وأكرمكم في الدارين، حدثكم والدكم فضيلة الشيخ فقيه الملة المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى عن فضيلة الشيخ الإمام أنور شاه الكشميري عن الشيخ شيخ الهند محمود الحسن رحمه الله تعالى.

ح. وحدثكم فضيلة الشيخ المفتي رشيد أحمد حفظه الله تعالى، عن الشيخ حسين أحمد المدني، عن شيخ الهند الشيخ محمود

الحسن العثماني، عن الشيخين الجليلين الشيخ العلامة محمد قاسم النانوتوی والعلامة رشید أحمد الکنکوهی، وهما یرویانه عن العارف بالله الشیخ عبد الغنی المجددی، عن مولانا الإمام الحجة الشیخ محمد إسحاق الدهلوی، عن الشاه عبد العزیز الدهلوی، عن العارف بالله الشیخ ولی الله أحمد بن عبد الرحیم النقشبندی، قال: اخبرنا الشیخ أبوطاهر محمد بن إبراهیم الکردی، قال: أخبرنا والدی الشیخ إبراهیم الکُردی.

قال: قرأت علیّ الشیخ أحمد القشاشی، قال: أخبرنا الشیخ أحمد بن عبد القدوس النشاوی، قال: اخبرنا الشیخ محمد بن احمد الرملی، عن الشیخ زکریا بن محمد أبی یحیٰی الأنصاری، قال: قرأت علی الشیخ الحافظ الحجة أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، عن الشیخ إبراهیم بن أحمد التنوخی، عن الشیخ أحمد بن أبی طالب، عن الشیخ السراج الحسین بن المبارك، عن الشیخ عبد الأول بن عیسی الهروی، عن الشیخ عبد الرحمن بن مظفر الداؤدی، عن الشیخ عبد الله بن أحمد السرخسی، عن الشیخ أبی عبد الله محمد بن یوسف الفربری، عن الإمام الجلیل الحافظ الحجة أمیر المؤمنین فی الحدیث أبی عبد الله محمد بن إسماعیل بن إبراهیم بن المغیرة بن بردزبة الجعفی البخاری رحمهم الله تعالی ومتّعنا بفیوضهم، آمین.

قال : حدّثنا أحمد بن اشکاب، قال: حدثنا محمد بن فضیل، عن عمارة بن القعقاع، عن أبی زرعة، عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم أجمعین قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم:

کلمتان حبیبتان إلی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم.

خطاب از حضرت مولانا محمدؐ تقی عثمانی مدظلہم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم باحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

تمہید

حضرات علماء کرام، میرے عزیز طالب علم ساتھیو اور معزز حاضرین: اللہ جل جلالہ کا عظیم انعام اور کرم ہے کہ آج دار العلوم کے تعلیمی سال کا آخری درس ہو رہا ہے، اور ہمارے دینی مدارس کی روایت کے مطابق یہ آخری درس صحیح بخاری شریف کے آخری باب اور آخری حدیث کا درس ہوتا ہے۔ آج جبکہ اس مبارک مجلس کا انعقاد ہو رہا ہے، اس میں ایک طرف تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے شکر ادا کرنے کے لئے الفاظ ملنے مشکل ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے اس تعلیمی سال کو تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ کی جدائی

دوسری طرف اس احساس سے دل و دماغ متأثر ہے کہ صحیح بخاری شریف کا

یہ آخری درس ۱۳۹۶ھ (مطابق ۱۹۷۶ء) تک میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ دیا کرتے تھے، پھر حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد ۱۳۹۶ھ سے ہمارے مخدوم بزرگ اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس اللہ سرہ اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھاتے رہے، گذشتہ سال ۱۴۱۹ھ (مطابق ۱۹۹۸ء) تک ہم اور آپ ان کے درس سے فیض یاب ہوتے رہے، آج وہ بھی ہم میں موجود نہیں ہیں، اور ان کی غیر موجودگی کا احساس اس موقع پر بہت شدت کے ساتھ دل ودماغ پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے فیوض کو جاری اور ساری فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات اور ان کے نقش قدم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دنیا کا عظیم صدمہ

اس روئے زمین پر کوئی صدمہ اور کوئی غم اس غم اور صدمہ سے زیادہ سنگین پیش نہیں آیا جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نبی کریم سرکار دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت پیش آیا، اگر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قربانی اور بڑی سے بڑی کوشش کسی انسان کے لکھے ہوئے وقت کو ٹلا سکتی، تو سرکار دو عالم ﷺ کے صرف ایک سانس کے بدلے صحابہ کرام ہزاروں لاکھوں زندگیاں نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن یہ اللہ جل شانہ کا بنایا ہوا کارخانۂ حکمت ہے جس میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہونا ہی ایک مؤمن کا کام ہے۔ صدمہ اور غم ایک طبعی اور فطری بات ہے، بلکہ جانے والے کا حق بھی ہے، لیکن اس صدمہ اور غم میں اللہ

جل شانہ کی تقدیر اور اسکے فیصلے پر کوئی اعتراض کسی مؤمن کیلئے ممکن نہیں۔ اسکے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم ہے، اور "إنا لله وإنا إليه راجعون" کے یہی معنی ہیں۔ آج اس اجتماع میں علماء، اولیاء، صلحاء جمع ہیں، میں ان سے گزارش کرونگا کہ وہ آج کے اس اجتماع میں خاص طور پر حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کی مغفرت کیلئے اور ان کے درجات کی بلندی کیلئے اور پسماندگان کے صبر جمیل کے لئے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کیلئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔

کتب حدیث کے درس کا طریقہ

ہمارے دینی مدارس میں حدیث شریف کی کتابیں اس طرح پڑھائی جاتی ہیں کہ طالب علم حدیث کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کو سن کر اس کی تصدیق اور توثیق کرتا ہے۔ اور پھر اس حدیث کے معانی اور مطالب اور اس کے مفاہیم اور اس سے متعلق مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ طریقہ کار جو ہمارے مدارس دینیہ میں جاری ہے - اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم اور دائم رکھے، آمین۔ آج برصغیر میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے دینی مدارس کے علاوہ روئے زمین پر کہیں بھی یہ طریقہ کار اب باقی نہیں رہا۔ حدیث کی چار کتابیں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد، یہ چاروں کتابیں اوّل سے لیکر آخر تک طالب علم استاذ کے سامنے بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ اس طرح سے مکمل حدیث کی کتابیں پڑھنے کا طریقہ اب دنیا میں شاید کہیں اور باقی نہیں رہا، بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں احادیث کی منتخبات مقرر ہیں، بس وہ چند منتخب احادیث پڑھادی جاتی ہیں، ان کے یہاں نہ تو سند محفوظ رکھنے کا اہتمام ہے نہ روایت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام ہے۔

حدیث سے پہلے "سند حدیث" پڑھنا

لیکن ہمارے بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ جو طریقہ کار تجویز فرمایا ہے، آج بھی الحمد للہ ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ صحیح بخاری کا آخری باب اور اسکی آخری حدیث ہے جو عزیز طالب علم (مولوی محمد اظہر بن مولانا منظور احمد سلمہٗ) نے آپ کے سامنے پڑھی، اس باب اور اس حدیث کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے تعارف کے طور پر یہ بتادینا مناسب ہے کہ عزیز طالب علم نے جو عبارت پڑھی ہے، اس میں حدیث کی عبارت پڑھنے سے پہلے ناموں کا ایک طویل سلسلہ پڑھا، ناموں کا یہ طویل سلسلہ کتاب میں لکھا ہوا موجود نہیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے پڑھا، پھر اس کے بعد وہ حدیث پڑھی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت فرمائی ہے۔

ہمارے مدارس دینیہ میں عام طور پر جو طریقہ رائج ہے، وہ یہ ہے کہ درس کے شروع میں حدیث کی عبارت پڑھنے سے پہلے طالب علم یہ پڑھتا ہے:

"بالسند المتصل منا إلى الإمام البخاری رحمه الله تعالى، قال حدثنا"

اور بعد میں اختصار کے طور پر "به قال حدثنا" کہنے پر اکتفا کرتا ہے۔ لیکن اس وقت چونکہ آخری حدیث پڑھی جارہی تھی تو طالب علم نے مناسب سمجھا کہ صرف اجمالی حوالے کے بجائے ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک جتنے واسطے ہیں، ان سب کا ذکر کر کے ان کے واسطے سے حدیث پڑھی جائے۔

"سند حدیث" اُمت محمدیہ کی خصوصیت

بظاہر تو یہ معمولی بات نظر آتی ہے لیکن اسکے پیچھے عظیم فلسفہ اور عظیم

حکمت ہے جو ہمارے اور آپ کیلئے بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ابھی طالب علم نے جو سند پڑھی، اس سلسلہ سند میں میرے استاذ سے لیکر جناب نبی کریم ﷺ تک جتنے حضرات علماء کرامؒ گزرے ہیں جن کے ذریعہ یہ علم حدیث ہم تک پہنچا، ان سب کا نام لیا، یہاں تک کہ یہ سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ تک پہنچا۔ یہ چیز صرف اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو حاصل ہے جو اس روئے زمین پر کسی دوسرے مذہب اور ملت والے کو حاصل نہیں، کوئی بھی مذہب اور ملت والا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مقتدیٰ یا اسکے پیغمبر اور نبی کی باتیں ان تک اس طرح پہنچی ہیں کہ ان کے بارے میں خم ٹھونک کر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکے کہ یہ باتیں یقیناً ہمارے نبی نے کہی ہیں۔ یہ اعتماد نہ کسی یہودی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی تورات کے بارے میں کہدے۔ نہ کسی نصرانی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی انجیل کے بارے میں یہ بات کہدے۔ جب آسمانی کتابوں کا دعویٰ کرنے والے اپنی آسمانی کتابوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتے تو اپنے پیغمبر کی باتوں اور ان کی سنتوں کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

تورات اور انجیل قابل اعتماد نہیں

آج اگر یہودی مذہب کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ تورات جس کو تم خدا کی کتاب اور آسمانی کتاب کہتے ہو، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ تورات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی؟ اگر یہ سوال کیا جائے تو بغلیں جھانکنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ یہی حال انجیلوں کا ہے،

اور آج کل دنیا میں جو انجیلیں موجود ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں، بلکہ آپ کے حالات زندگی لوگوں نے جمع کیے اور ان کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ الہام کے ذریعہ جمع کیے ہیں، لیکن موجودہ لوگوں کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ کتابیں انہی لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں؟ انکے پاس کوئی ثبوت کوئی سند اور کوئی دلیل موجود نہیں۔

"احادیث" قابل اعتماد ہیں

لیکن اس اُمت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آج جب ہم کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تو اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اسکی نسبت درست ہے۔ اور آج اگر کوئی ہم سے یہ پوچھے کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ بات نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی تو ہم اسکے جواب میں وہ پوری سند پیش کردیں گے جو ابھی طالب علم نے آپ کے سامنے پڑھی۔

راویان حدیث کے حالات محفوظ ہیں

اور پھر صرف اتنی بات نہیں کہ ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک کے صرف نام محفوظ ہیں بلکہ آپ ان ناموں میں سے کسی نام پر انگلی رکھ کو پوچھ لیں کہ یہ آدمی کون تھا؟ یہ کس زمانہ میں پیدا ہوا تھا؟ کن اساتذہ سے اس نے تعلیم حاصل کی تھی؟ کیسا حافظہ اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا؟ اس کی ذھانت کی کیفیت کیا تھی؟ دیانت اور امانت کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا سارا کچا چٹھا اور ایک ایک راوی کا سارا ریکارڈ کتابوں کے اندر محفوظ ہے۔

یہ صحیح بخاری آپ کے سامنے موجود ہے۔ اسکے کل ۱۱۲۸ صفحات ہیں، اس کے ہر صفحے پر کم از کم دس بارہ حدیثیں موجود ہیں، اور ہر حدیث کے شروع میں مختلف راویوں کے نام ہوتے ہیں، آپ ان میں سے کسی راوی کا انتخاب کریں اور پھر کسی عالم سے آپ پوچھ لیں کہ اس راوی کے حالات زندگی کیا ہیں؟ کتابوں کے اندر اس راوی کی ولادت سے لیکر وفات تک کے متعلقہ حالات سب مدوّن اور محفوظ ہیں۔ اسکے حالات زندگی کیوں محفوظ کیے گئے؟ اس لئے کہ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کی تھی، لہٰذا اسکے بارے میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسکی روایتِ حدیث پر اعتماد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟

علماء جرح و تعدیل کا کمال

پھر راویوں کے یہ حالات زندگی بھی صرف سُنی سُنائی باتوں کی بنیاد پر نہیں لکھے گئے، بلکہ ایک ایک راوی کے حالات کی جانچ پڑتال کے لئے اللہ جل شانہ نے ایسے عظیم علماء جرح و تعدیل پیدا فرمائے جو ایک ایک راوی کی دُکھتی ہوئی رگوں سے واقف تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا، فرمایا کرتے تھے کہ:

”حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کے رجال کی پہچان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اگر تمام راویانِ حدیث کو ایک میدان میں کھڑا کر دیا جائے اور پھر حافظ شمس الدین ذہبیؒ کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ ایک ایک راوی کی طرف انگلی اٹھا کر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ اور حدیث میں اس کا کیا مقام ہے؟

ان ائمہ جرح و تعدیل کو اللہ تعالیٰ نے ایسا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ آج کے دور میں کہنے والے بہت آرام سے یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں بھی "اجتہاد" کا حق ملنا چاہئے کیونکہ ہم بھی قرآن و حدیث کے علم میں وہی مقام رکھتے ہیں جو پچھلے لوگوں کو عطا ہوا تھا، اور یہ لوگ "هم رجال ونحن رجال" کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ؂

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ان حضرات علماء کو اللہ تعالیٰ نے جو حافظہ، جو علم، جو تقویٰ، جو جد و جہد اور قربانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا، اسکی کوئی اور توجیہ اسکے علاوہ نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاص مقصد کیلئے ان کو پیدا فرمایا تھا کہ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی حفاظت فرمائیں۔

ایک محدث کا واقعہ

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الکفایۃ" میں جو اصول حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ ایک محدث جو جرح و تعدیل کے امام تھے، ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

جب ہم کسی راوی حدیث کے حالات کی تحقیق کیلئے اسکے گاؤں اور اسکے محلے میں جایا کرتے تھے (جانا بھی اس طرح ہوتا تھا کہ جب یہ پتہ چلتا کہ فلاں شخص جو فلاں شہر میں رہتا ہے، وہ حدیث روایت کرتا ہے، اور وہ شہر سینکڑوں میل دور ہوتا تھا، اور ہوائی جہاز کا زمانہ نہیں تھا کہ ہوائی جہاز میں ایک دو گھنٹے کے اندر دوسرے شہر پہنچ گئے، بلکہ اس زمانے میں اونٹوں پر گھوڑوں پر اور پیدل سفر ہوتے تھے، یہ سفر صرف اس بات کی

تحقیق کیلئے کرتے کہ یہ معلوم کریں کہ جس راوی نے یہ حدیث روایت کی ہے وہ کس مقام کا ہے؟) تو اس کے وطن میں جاکر اسکے حالات کی چھان بین کرتے، اب اسکے پڑوسیوں سے، اسکے ملنے جلنے والے دوستوں سے، اور اسکے اعزہ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ آدمی کیسا ہے؟ یہ شخص معاملات میں کیسا ہے؟ اخلاق میں کیسا ہے؟ نماز روزے میں کیسا ہے؟ یہاں تک کہ جب ہم بہت زیادہ کھود کرید کرتے تھے تو بعض مرتبہ لوگ ہم سے یہ پوچھتے کہ کیا تم اپنی لڑکی کا رشتہ یہاں کرنا چاہتے ہو؟ اس وجہ سے تم ان کے حالات کی اتنی چھان بین کر رہے ہو؟ جواب میں ہم کہتے کہ بھائی کوئی رشتہ تو نہیں کرنا چاہتے، لیکن انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی ایک حدیث روایت کی ہے، لہٰذا ہمیں یہ تحقیق منظور ہے کہ آیا ان کی روایت کردہ حدیث کو معتبر مانیں یا نہ مانیں؟

فن ''اسماء الرجال''

اس طرح ایک ایک راوی کے حالات کی تحقیق کر کے یہ حضرات علماء جرح و تعدیل فن ''اسماء الرجال'' کی کتابیں مدوّن کر گئے ہیں۔ ہمارے جامعہ دارالعلوم کراچی کے کتب خانہ میں ''اسماء الرجال'' کا ایک پورا سیکشن علیحدہ ہے، جس میں ایک ایک کتاب تیس تیس جلدوں میں موجود ہے، جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے راویان حدیث کے حالات درج ہیں۔ آپ بخاری شریف بلکہ صحاح ستہ اور حدیث کی کوئی بھی کتاب لیجئے اور اس کتاب کی کوئی بھی حدیث لیجئے اور اس حدیث کی سند میں سے کسی ایک راوی کا انتخاب کر لیجئے، اور پھر ''اسماء الرجال'' کی کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب سے اس راوی کے حالات دیکھ

لیجئے۔ یہ فن "اسماء الرجال" کی تدوین صرف اس اُمت محمدیہ کا اعزاز ہے۔

"سند" کے بغیر حدیث غیر مقبول

جب تک حدیث کی یہ کتابیں "صحاح ستہ" وغیرہ وجود میں نہیں آئی تھیں، اس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص کوئی حدیث سناتا تو اس پر یہ لازم اور ضروری تھا کہ وہ تنہا حدیث نہ سنائے، بلکہ اس حدیث کی پوری سند بھی بیان کرے کہ یہ حدیث مجھے فلاں نے سنائی، اور فلاں کو فلاں نے سنائی، اور فلاں کو فلاں نے سنائی۔ پہلے پوری سند بیان کرتا پھر حدیث سناتا، تب اسکی بیان کردہ حدیث قابل قبول ہوتی تھی، اور سند کے بغیر کوئی شخص حدیث سناتا تو کوئی اسکی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔

کتب حدیث کے وجود میں آنے کے بعد سند کی حیثیت

اللہ تعالیٰ ان حضرات محدثین کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے تمام حدیثیں ان کتابوں کی شکل میں جمع فرمادیں، لہٰذا اب ان کتابوں کے تواتر کے درجے تک پہنچ جانے کے بعد سند کی اتنی زیادہ تحقیق کی اور اسکو محفوظ کرنے کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ اب تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ ہے، لہٰذا اب ہر حدیث کے ساتھ پوری سند کا بیان کرنا ضروری نہیں، بلکہ اب حدیث بیان کرنے کے بعد "رواہ البخاری" کہہ دینا کافی ہو جاتا ہے۔

لیکن اسکے باوجود ہمارے بزرگوں نے یہ طریقہ باقی رکھا کہ اگرچہ ہر حدیث کے بیان کرتے وقت پوری لمبی سند بیان نہ کی جائے، لیکن روایت اور اجازت کے

طور پر اس پوری سند کو محفوظ ضرور رکھا جائے، کیونکہ اگر ہر حدیث سے پہلے یہ طویل سند بیان کی جائیگی تو لوگوں کے لئے دشواری ہو جائیگی، لہٰذا اب اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس حدیث کو "امام بخاریؒ" نے روایت کیا ہے، اور ہم سے لیکر امام بخاریؒ تک پوری سند ہمارے پاس محفوظ ہے جو آج عزیز طالب علم نے ہمارے سامنے پڑھی۔ یہ تو اس سند کا ظاہری پہلو تھا۔

راویان حدیث، نور کے مینارے

اس سند کا ایک باطنی پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جن مقدس بندوں کو اپنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے تحفظ کے لئے منتخب فرمایا، ان کی سعادت کا کیا مقام ہو گا؟

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نے یہ خاص سعادت صرف ان حضرات کو عطا فرمائی جن کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا، وہ جس سے چاہیں جو کام لے لیں۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی، ان میں سے ایک ایک فرد ہمارے لئے مینارۂ نور ہے، ہمارے سر کا تاج ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں کیا انوار و برکات ودیعت فرمائے ہیں جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ خدمت لی۔ لہٰذا سلسلہ سند میں آنے والے راویوں کے نام محض "نام" نہیں ہیں، بلکہ یہ نور کے مینارے ہیں جن کا سلسلہ جا کر جناب رسول اللہ ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔

☆☆☆

راویانِ حدیث کی بہترین مثال

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) ایک بڑی پیاری مثال دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تم راستوں میں بجلی کے کھمبے دیکھتے ہو جن کے ذریعہ یہ بجلی ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ بلب جو جل رہا ہے اس میں روشنی کہاں سے آرہی ہے؟ یہ روشنی ان سینکڑوں کھمبوں کے طویل سلسلے کے ذریعہ اس بلب تک پہنچ رہی ہے، اور ان کھمبوں کا طویل سلسلہ جاکر "پاور ہاؤس" سے جڑا ہوا ہے، اور اس بلب میں "بجلی" دراصل پاور ہاؤس سے آرہی ہے۔ اور اب ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ اس بلب کا سوئچ آن کردیں، سوئچ آن ہوتے ہی اس بلب کا رابطہ ان کھمبوں کے واسطے سے "پاور ہاؤس" سے جڑ گیا۔

اسی طرح ہم سے لیکر جناب رسول اللہ ﷺ تک جو پورا سلسلہ سند ہے، اس میں جو راویانِ حدیث ہیں، وہ درحقیقت "پاور ہاؤس" سے جوڑنے والے کھمبے ہیں، جس وقت تم یہ کہتے ہو "حدثنا فلاں" گویا کہ اس وقت تم نے سوئچ آن کردیا۔ اور اس کے نتیجے میں اس "سلسلۃ الذھب" (سونے کا زنجیر) کے ذریعہ تمہارا سلسلہ براہ راست علوم نبوت کے "پاور ہاؤس" یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جڑ گیا۔

لہٰذا جو شخص بھی اس "سلسلۃ الذھب" میں شامل ہو گیا اور اس کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرمائیں گے تو یہ بندہ گندہ جو اس "سلسلۃ الذھب" کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ اس پر بھی اپنے فضل کی بارش کی چھینٹیں ڈال

دیں گے۔ اس لئے اس سلسلۃ الذھب کے ساتھ جڑ جانا بھی بڑی عظیم نعمت اور عظیم سعادت ہے۔ آج ہم اور آپ کو اس کی عظمت کا احساس نہیں، لیکن جب یہ ظاہری آنکھیں بند ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوگی، اس وقت پتہ چلے گا کہ اس "سلسلۃ الذھب" سے وابستگی کا کیا عظیم فائدہ حاصل ہوا۔

آدمی قیامت میں کس کے ساتھ ہوگا؟

میرے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ارشاد فرمائی، وہ ایک حدیث سے بھی ثابت ہے، وہ یہ کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس عمل کا تو کوئی زیادہ ذخیرہ نہیں ہے، "لکنی احب اللہ ورسولہ" لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"المرء مع من أحب"

انسان کا انجام ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ لہٰذا اگر تم اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت کرتے ہو تو انشاء اللہ تمہارا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی خوشی ہمیں آپ کا یہ ارشاد سنکر حاصل ہوئی کہ آپ نے فرمایا "المرء مع من أحب"۔

بہرحال، جب اس "سلسلۃ الذھب" کے ساتھ محبت اور عقیدت کا رشتہ جوڑ لیا تو اس حدیث کی رو سے جس میں یہ وعدہ فرمایا کہ "المرء مع من احب" انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی کرم فرمائیں گے جو اس سلسلے سے وابستہ ہو جائیں گے۔

یہ اس "سند" کا مختصر تعارف تھا جو عزیز طالب علم نے آپ کے سامنے

پڑھی۔

صحیح بخاری کا مقام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات محدثین میں سے ہیں کہ جن کی کتاب کے بارے میں ساری اُمت نے باجماع یہ کہا ہے کہ یہ کتاب "أصح الکتب بعد کتاب اللہ" یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب "صحیح بخاری" ہے۔ اور اُمت نے یہ بات ویسے ہی نہیں کہدی بلکہ علماء جرح و تعدیل نے ایک ایک حدیث کی چھان پھٹک کرنے کے بعد اور جرح و تنقید کی بیشمار چھلنیوں میں چھاننے کے بعد یہ نتیجہ نکالا اور پھر پوری اُمت اس پر متفق ہو گئی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات لاکھ احادیث میں سے ان احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جو اس صحیح بخاری میں لکھی ہیں۔ اور یہ انتخاب بھی اس طرح کیا کہ پہلے تو حدیث کو جانچنے کے جو فنی طریقے ہیں، ان میں سے ایک ایک طریقے کو بروئے کار لا کر ایک ایک حدیث کو پرکھا اور اس کی سند کو جانچا، اور ایک ایک حدیث پر جانچنے اور پرکھنے کے تمام فارمولے پورے کرنے کے بعد بھی اس پر اکتفا نہیں کیا۔

حدیث لکھنے سے پہلے کا اہتمام

بلکہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرمایا، دو رکعتیں پڑھیں اور استخارہ فرمایا، استخارہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا تھا کہ یا اللہ! میں نے اپنی محنت اور مشقت اور اپنی معلومات کی حد تک بیشک چھان پھٹک کر لی اور اس کے لحاظ سے یہ حدیث مجھے صحیح معلوم ہو رہی ہے، لیکن اس کتاب میں یہ حدیث لکھوں یا نہ لکھوں؟ اس کے لئے استخارہ کر رہا ہوں۔ پھر استخارہ کرنے کے بعد جب دل

مطمئن ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انشراح عطا فرمایا، اس کے بعد کتاب میں وہ حدیث لکھی۔

تراجم ابواب کی باریک بینی

ایک طرف احتیاط اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف اس کتاب کی ترتیب ایسی قائم فرمائی اور پھر اس پر عنوانات ایسے قائم فرمائے، جن کو "تراجم ابواب" کہا جاتا ہے، جو ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتے ہوئے علماء کرام کو ایک ہزار سال ہو گئے ہیں، اس کے باوجود ابھی تک کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس دریا کے تمام موتی اس نے دریافت کر لئے ہیں۔

کتاب التوحید آخر میں لانے کی وجوہات

یہ صحیح بخاری کا آخری باب اور آخری حدیث ہے۔ یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب و غریب طریقہ اختیار فرمایا، وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو "کتاب التوحید" پر ختم فرمایا ہے، "باب بدء الوحی" اور اس کی حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے کتاب کو شروع فرمایا۔ پھر اس کے بعد "کتاب الایمان" لائے پھر "کتاب العلم" پھر تمام شعبہائے زندگی سے متعلق جتنی احادیث ہیں، ان کے ابواب لائے۔ لیکن آخر میں "کتاب التوحید" لے آئے۔ بظاہر ہونا یہ چاہئے تھا کہ جہاں "کتاب الایمان" لائے تھے اس کے ساتھ "کتاب التوحید" لے آتے، کیونکہ "توحید" تو ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور ایمان کی سب سے پہلی شرط ہے، لہٰذا اس کا تعلق کتاب الایمان سے تھا۔ لیکن امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شروع میں کتاب الایمان قائم کر دی، پھر دوسرے ابواب لاتے رہے، یہاں تک کہ کتاب کے بالکل آخر میں "کتاب التوحید" لے کر آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیوں کیا؟ اب شراح حدیث نے اپنے اپنے قیاسات سے اس سوال کا جواب دیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیوں کیا؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ دراصل شروع میں جو کتاب الایمان لائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے جو ایجابی تقاضے ہیں یعنی یہ کہ ایمان کن کن چیزوں پر ہونا چاہئے، ان کا ذکر تو وہاں کر دیا۔ اور کتاب التوحید میں ایمان کے سلبی تقاضے بیان فرمائے یعنی کونسے عقیدے غلط ہیں اور کون سا عقیدہ باطل ہے؟ ان باطل اور گمراہ عقیدوں اور ایسے عقیدے رکھنے والے گمراہ فرقوں کی تردید فرمائی۔ بعض حضرات نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ "اسلام" توحید ہی توحید ہے۔ ایمان سے اسلام شروع ہوتا ہے۔ اور توحید پر ختم ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس طریقہ کے ذریعہ اس حدیث کا مصداق بننا منظور ہے۔ جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"من كان آخر كلامه "لا إله إلا الله" دخل الجنة"

(ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین)

جس شخص کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ" ہوگا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور توحید چونکہ "لا الہ الا اللہ" سے عبارت ہے، اس لئے کتاب التوحید کو سب سے آخر میں لائے۔ تاکہ آخری کلام توحید اور لا الہ الا اللہ کا ہو کر اس حدیث کا مصداق بن جائے۔ بہرحال، یہ مختلف حضرات محدثین کے مختلف

قیاسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر کیا بات تھی۔

کتاب التوحید کو اس باب پر ختم کرنے کی وجہ

پھر اس کتاب التوحید کو بھی اس "باب" پر ختم کیا ہے: "باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ یہ باب اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قائم فرمایا، کہ ہم قیامت کے دن انصاف کرنے کے لئے ترازوئیں قائم کریں گے۔ یہ باب قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد فرقہ معتزلہ کے اس عقیدے کی تردید ہے جو یہ کہتا تھا کہ اعمال کے وزن کی کوئی حقیقت نہیں۔

کتاب التوحید آخر میں لانے کا راز

لیکن اس کتاب التوحید کو وزن اعمال پر ختم کرنے میں ایک اہم راز یہ ہے کہ انسان کی تکلیفی زندگی کا اختتام بھی وزن اعمال پر ہوگا، لیکن انسان کی تکلیفی زندگی کی ابتداء نیت سے شروع ہوتی ہے، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو "انما الاعمال بالنیات" سے شروع فرمایا، اس کے بعد انسان اپنی زندگی میں مختلف اعمال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے۔ اور موت کے بعد برزخ کا عالم شروع ہو جاتا ہے اور برزخ کے عالم کے بعد پھر حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی اور وہاں پر اعمال کا وزن ہوگا، وزن اعمال کے بعد پھر جنت اور دوزخ کی شکل میں جزا اور سزا ہوگی۔ لہٰذا جزا اور سزا سے پہلے اللہ تعالیٰ وزن اعمال فرمائیں گے اور اس کے نتیجے میں جزا اور سزا ملے گی لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ تکلیفی زندگی کا اختتام وزن اعمال پر جا کر

ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا اختتام بھی وزن اعمال پر فرمایا۔ اور آخری باب اس آیت ﴿ونضع الموازين القسط ليوم القيمة﴾ پر قائم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو ترازو قائم کرنے کی کیا ضرورت

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وزن اعمال کے لئے ترازوئیں قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اللہ جل جلالہ عالم الغیب ہیں، "علیم بذات الصدور" ہیں، ہر شخص کے عمل اور فعل سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کس شخص نے کیا عمل کیا اور کیسا عمل کیا؟ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان بھی ہے کہ اس کے کسی عمل پر کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں، اور آپ عادلِ مطلق بھی ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے وہ یقیناً یہ بھی مانے گا کہ آپ سے ظلم سرزد نہیں ہو سکتا، آپ کا ہر کام عدل پر مبنی ہے "وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ" لہٰذا اگر ترازوئیں قائم کئے بغیر اور اعمال کا وزن کئے بغیر ویسے ہی اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے کہ یہ شخص جنت میں جائے گا اور یہ شخص جہنم میں جائے گا، تو اس صورت میں کون شخص اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اعتراض یا چون وچرا کرتا، اس لئے کہ کسی کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق بھی ہیں، عالم مطلق بھی ہیں اور عادلِ مطلق بھی ہیں، لہٰذا کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں تھی۔

تاکہ انصاف ہوتا ہوا دیکھیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے اعمال کے وزن کے لئے ترازوئیں قائم کر کے مخلوق کو یہ سبق دیدیا کہ ہم بھی کسی شخص کی سزا کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتے جب تک

اس کے سامنے ثبوت فراہم نہ کر دیا جائے، لہٰذا ہر شخص کو قیامت کے روز اس کی سزا کا ثبوت فراہم کر کے اس سے کہا جائے گا "اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا" (اسراء: ۱۴) یہ ہے تمہارا اعمال نامہ تم اس کو خود پڑھ کے اپنا حساب خود کرلو، لہٰذا ہر شخص پر یہ ثابت کر دیا جائے گا کہ اس نے یہ غلطی کی ہے۔ یہ سب وزن اعمال یہ بتانے کے لئے کیا جائے گا کہ انصاف صرف قائم نہیں کیا جاتا بلکہ انصاف اس طرح ہونا چاہئے کہ انصاف ہوتا ہوا نظر بھی آئے، تب جا کر پتہ چلے گا کہ ہاں حقیقت میں اب انصاف ہوا، اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کی مجال نہ ہو۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ وزنِ اعمال کے ذریعہ مخلوق کو انصاف ہوتا ہوا دکھائیں گے تو مخلوق کو اپنے درمیان فیصلے کرتے وقت انصاف دکھانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ اگر قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا چاہے تو وہ نہیں کرسکتا، جب تک اس کے سامنے ثبوت موجود نہ ہو۔

اعمال غیر مجسم ہونے کی وجہ سے وزن کس طرح ہوگا؟

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن"

یعنی بنی آدم کے اعمال اور اقوال سب کا وزن ہوگا۔ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان عقل پرست لوگوں کی تردید فرمائی جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو کوئی ایسی چیز نہیں ہیں جن کو ترازو میں تولا جائے، ترازو میں تولنے کے لئے کوئی جسم ہونا چاہئے، اور اعمال تو اعراض ہیں، ان کو کس طرح ترازو میں تولا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا بلکہ اعمال

ناموں کا وزن ہوگا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نہ تو اعمال کا وزن ہوگا اور نہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا بلکہ عمل کرنے والے انسانوں کا وزن ہوگا، اور جس انسان کے اعمال اچھے ہونگے اس انسان کا وزن زیادہ ہو جائے گا، اور جس انسان کے اعمال اچھے نہیں ہونگے، ان کا وزن کم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اعمال کے وزن پر قادر ہیں

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں، نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا، اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ انسانوں کا وزن ہوگا، سیدھی سی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ اعمال کا وزن ہوگا تو اب یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اعمال ہی کا وزن ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے؟ تو یہ سوال فضول ہے، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، جب اجسام کے اندر وزن کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں تو اعراض کے اندر بھی وزن کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں۔ آج کی سائنس نے تو یہ بات اب جاکر بتائی ہے کہ حرارت اور گرمی اور سردی تولی جاسکتی ہے اور آواز کی رفتار ناپی جاسکتی ہے، لہٰذا جب سائنس آوازوں کو اور گرمی اور سردی کو تولنے پر قادر ہے تو وہ ذات جو قادر مطلق ہے، اگر وہ انسانوں کے اعمال تولنے کے لئے کوئی میزان قائم کردے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

ہماری عقل ناقص ہے

رہا یہ سوال کہ کس طرح تولے جائیں گے؟ سو یہ سوال فضول ہے، کیونکہ

ہماری یہ محدود عقل اس طریقہ کار کا احاطہ نہیں کر سکتی جو قادر مطلق اس وقت عمل میں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ اور کیا اس کی تفصیلات ہوں گی، ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم بالا کے حالات ہم اور آپ اس دنیا میں بیٹھ کر اس چھوٹی سی عقل سے سمجھ سکتے ہی نہیں؟ جو الفاظ قرآن کریم میں جس طرح آئے ہیں، ان پر اسی طرح ایمان لے آؤ، اسی میں عافیت ہے۔

جنّت کی نعمتیں عقل سے ماوراء ہیں

مثلاً قرآن کریم میں آیا ہے کہ جنت میں انار ہونگے، کھجور ہوگی، پھل ہونگے، لیکن وہ پھل کیسے ہونگے اور وہ انار کیسے ہونگے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا نام تو بیشک انار اور کھجور کا ہے، لیکن جنت کے انار اور کھجور اور پھل کو دنیا کے انار اور کھجور سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ جنت کی نعمتوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"مالا عین رأت، ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر"

(مسند احمد: ج ۲ ص ۴۳۸)

جنت میں جو نعمتیں ملنے والی ہیں اس کو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے اس کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر اس کا خیال تک گزرا۔ لہٰذا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ میزان کیسی ہوگی؟ کتنی بڑی ہوگی؟ کس طرح اس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا؟ یہ سب فضول بحثیں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے، لیکن تولے ضرور جائیں گے۔

وزن اعمال کا استحضار کرلیں

یہاں پر یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اعمال کا وزن ضرور ہوگا، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں بیان کردہ یہ ایک جملہ کہ "وانّ أعمال بني آدم وقولهم يوزن" صرف اس ایک جملے ہی کو ہم اپنے لوح قلب پر لکھ لیں کہ بنی آدم کے اعمال اور اقوال تولے جائیں گے، تو پھر اس دنیا سے ساری بدعنوانیاں، سارے جرائم اور سارے گناہ مٹ جائیں۔ آج دنیا میں جتنے جرائم ہو رہے ہیں وہ اس وجہ سے ہو رہے ہیں کہ اس وزن اعمال کا دھیان اور استحضار نہیں، اور اس پر مکمل اعتقاد نہیں، اسلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتے جاتے یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ یاد رکھنا! یہ اعمال تولے جائیں گے، لہٰذا اس کتاب میں پیچھے جو اعمال بیان کئے گئے ہیں، ان سب کو اس دھیان سے کرو کہ ایک ایک کو تولا جاتا ہے۔

زبان سے نکلنے والے اقوال کا وزن

پھر فرمایا "وقولهم يوزن" یعنی صرف اعمال ہی نہیں، بلکہ زبان سے نکلنے والا کلمہ بھی تولا جائے گا۔ اسی مناسبت سے اس باب میں یہ حدیث لائے ہیں "كلمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان" یعنی یہ دونوں کلمے میزان عمل کے اندر بڑے بھاری ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کلمے بھی تولے جائیں گے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنے منہ سے ایسا کلمہ نکال دیتا ہے کہ وہ تو اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ منہ سے کیا نکال دیا لیکن صرف اس

ایک کلمہ کی وجہ سے جہنم کا مستوجب بن جاتا ہے، اور بعض اوقات انسان اپنی زبان سے ایسا کلمہ نکال دیتا ہے کہ وہ اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ منہ سے کیا نکال دیا، لیکن صرف اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادیتے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

اس لئے زبان سے نکلنے والے کلمات بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، اور اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو، یعنی یہ سوچو کہ یہ بات بولنے کی ہے بھی یا نہیں؟ اور آخرت میں جب اس بات کا وزن ہو گا تو اس وقت میرا انجام کیا ہو گا؟

اعمال کی گنتی نہیں ہو گی

اس جملے سے اس طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہو گا، اعمال کی گنتی نہیں ہو گی۔ یعنی عمل کے اندر کیفیت کا اعتبار ہو گا کہ اس عمل میں کتنی للّٰہیت ہے، کتنا خلوص ہے، عمل کی ظاہری شکل وصورت کا اعتبار نہیں ہو گا اور نہ گنتی کا اعتبار ہو گا، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لیبلوکم ایکم احسن عملاً﴾ (سورۃ الملک: ۲)

یعنی دنیا میں یہ آزمانا مقصود ہے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے، "اکثر عملاً" نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ کوئی عمل ہو، اس میں یہ دیکھو کہ اس کے اندر وزن بھی ہے یا نہیں؟

☆☆☆

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعمال کے اندر وزن کیسے پیدا ہوتا ہے؟ زبان حال سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اعمال میں وزن پیدا کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ہے تو میری اس کتاب کی پہلی حدیث پڑھ لو۔ وہ ہے "انما الأعمال بالنیات" یعنی تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، جب کسی عمل کو کرتے وقت نیت خالص اللہ جل جلالہ کے لئے کرلو گے تو اس کے ذریعہ تمہارے عمل میں وزن پیدا ہو جائے گا۔ یا یوں کہہ دیا جائے کہ دو چیزوں سے عمل میں وزن پیدا ہوتا ہے، ایک اخلاص سے، دوسرے اتباع سنت سے۔ یہ دونوں عمل کے لئے لازمی شرطیں ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو اس عمل میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ چاہے دیکھنے میں کتنا ہی بڑا نظر آ رہا ہو۔

ریاکاری سے وزن گھٹتا ہے

اگر ایک شخص نے بظاہر بڑے خشوع خضوع سے لمبی چوڑی نماز پڑھی، قیام لمبا کیا، قرأت لمبی کی، لیکن اس کا مقصود دکھاوا تھا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس نماز کا کوئی وزن نہیں، بلکہ الٹا گناہ کا موجب بن جائے گی، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

من صلّی یرائی فقد اشرک باللہ

(مسند احمد، جلد ۴ ص ۱۲۶)

یعنی جس شخص نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ یا مثلاً اللہ تعالیٰ کے راستے میں لاکھوں روپے خرچ کردیے،

لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ اپنی سخاوت کے قصیدے پڑھوانا مقصود تھا، تو اس عمل کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر صرف ایک پیسہ اللہ کے راستے میں اخلاص کے ساتھ خرچ کردیا، مقصود اللہ کو راضی کرنا تھا تو اسی ایک پیسے کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا وزن ہوگا۔

اتباع سنّت سے وزن بڑھتا ہے

دوسری چیز جس سے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے، وہ ہے "اتباع سنت" جس کو دوسرے لفظوں میں "صدق" کہا جاتا ہے، یعنی جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے، اس طریقے کے مطابق عمل کروگے تو اس عمل میں وزن پیدا ہوگا، اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے کروگے تو وزن نہیں ہوگا۔ چنانچہ جتنی "بدعات" ہیں، ان میں بعض اوقات اخلاص ہوتا ہے، اور بظاہر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا منظور ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس عمل میں طریقہ وہ نہیں ہوتا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے، اس لئے اس عمل میں وزن نہیں ہوتا۔ ایسے عمل کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (سورہ کہف:)

یعنی قیامت کے روز ہم ان کے اس عمل میں کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے

آج کل کوئی شخص اگر غلط طریقے سے عمل کر رہا ہو اور اس کو اس پر ٹوکا جائے کہ بھائی! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے تو جواب میں فوراً یہ کہتے ہیں کہ ہماری

نیت صحیح ہے، حدیث میں ہے کہ "انما الاعمال بالنیات"۔ ایسے لوگوں کو بس یہ ایک حدیث یاد ہو گئی ہے اور اس حدیث کو محل بے محل استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھئے! تنہا نیت کافی نہیں جب تک طریقہ وہ نہ ہو جو جناب رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آپ نے لاہور جانے کی نیت کرلی اور کوئٹہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے، اب آپ کی نیت تو بالکل درست ہے، لیکن جس گاڑی کا آپ نے انتخاب کیا ہے وہ گاڑی آپ کو کوئٹہ لے کر جائے گی، آپ کی نیت کی برکت سے وہ گاڑی آپ کو لاہور لیکر نہیں جائیگی۔ بالکل اسی طرح آپ نے جنت جانے کی نیت کرلی اور راستہ جہنم جانے والا اختیار کیا تو صرف اس نیت کی برکت سے آپ جنت میں نہیں پہنچیں گے۔ اس لئے ہر عمل کے اندر دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک صدق اور ایک اخلاص، ان دونوں کے مجموعے سے عمل کے اندر وزن پیدا ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہو تو وہ عمل بے وزن ہو جاتا ہے۔

لفظ "قسط" کی تشریح

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقال مجاھد: القسطاس العدل بالرومیة" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ ہے کہ جب کوئی لفظ آتا ہے تو اس کی مناسبت سے قرآن کریم کے کسی اور لفظ کی بھی تشریح فرمادیا کرتے ہیں۔ چونکہ "قسط" کا لفظ آیا تھا، اس کے مناسب دوسرا لفظ "قسطاس" قرآن کریم کی اس آیت "وَزِنوا بِالقِسْطَاسِ المُسْتَقِيمِ" میں آیا ہے۔ اس لئے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرمارہے ہیں "القسطاس" العدل بالرومیة" یعنی لفظ "قسطاس" رومی زبان میں عدل کے

معنی میں آتا ہے۔ ویقال: "القسط" مصدر المقسط۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ لفظ "قسط" "مقسط" کا مصدر ہے۔ اب یہاں یہ عجیب بات نظر آرہی ہے کہ لفظ "قسط" ثلاثی مجرد ہے، اور "مُقسط" ثلاثی مزید ہے، لہٰذا لفظ "قسط" "مُقسط" کے لئے کیسے مصدر بن جائے گا؟۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے، یعنی اس کے دو معنی ہیں، اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کے متضاد ہیں، یعنی ایک معنی "انصاف" کے ہیں، اور دوسرے معنی "ظلم" کے بھی ہیں۔ لیکن عام طور پر جب یہ لفظ باب افعال میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کے معنی "انصاف" کرنے کے ہوتے ہیں، اور جب مجرد میں "قَسَطَ یَقسِطُ" میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کے معنی ظلم کرنے کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے، لیکن استعمال کرتے وقت اکثر و بیشتر بابوں کے درمیان فرق کر دیا ہے، البتہ بعض اوقات اس کے برعکس بھی استعمال کر لیا جاتا ہے کہ مجرد سے انصاف کے معنی میں اور باب افعال سے ظلم کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے۔

حجاج بن یوسف کا واقعہ

"حجاج بن یوسف" جس کا ظلم و ستم بہت مشہور ہے اور جس نے بیشمار علماء کرام، قراء اور حفاظ کو قتل کرادیا۔ اس نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو بہت اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، ایک مرتبہ بلوایا، اور پوچھا کہ "ماتقول فِيَّ" میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اب حجاج بن یوسف جیسا جابر انسان حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ رہا ہے کہ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اب اگر صحیح بات بتائیں تو سر قلم ہونے اور

سزائے موت جاری ہونے میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی، کوئی مقدمہ عدالت میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں، بس حجاج کا ایک حکم جاری ہو جانا کافی ہے۔ اور اگر اپنی ضمیر کے خلاف غلط بات بتائیں تو یہ گوارا نہیں، لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ مقام نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ حق کے علاوہ کوئی اور بات زبان سے نکلے، جواب میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انت القاسط العادل"

قاسط کے معنی اگرچہ "ظلم کرنے والے" کے بھی ہوتے ہیں اور "انصاف کرنے والے" کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن لفظ "قاسط" کے بعد جب "العادل" بھی کہہ دیا تو اس کے معنی متعین ہو گئے کہ یہاں پر "قاسط" کو "عادل" کے معنی میں لیا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ جواب سن کر لوگ حیران ہوئے اور تعجب کرنے لگے کہ آپ نے حجاج بن یوسف کی شان میں تعریفی جملہ کہدیا۔ لیکن حجاج بڑا گھاگ اور زبان وادب کا بھی بڑا ماہر تھا، چنانچہ جب لوگوں نے جواب کی پسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم اس نے کیا کہا ہے، اس نے یہ کہا ہے کہ "تو ظالم ہے تو کافر ہے" اس لئے کہ "قاسط" جب مجرد میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی عموماً "ظالم" کے ہوتے ہیں، اور لفظ "عادل" کہکر اس نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ثم الذین کفروا بربهم یعدلون﴾ (سورۃ الانعام: ۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس آیت میں کفر اور شرک کے لئے لفظ "عدل" استعمال فرمایا ہے، لہٰذا اس نے درحقیقت مجھے لپیٹ کر کافر اور ظالم کہا ہے۔ بہر حال، اس موقع پر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ سے فائدہ اٹھایا۔

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امّا القاسط فھو الجائر، یعنی لفظ "قاسط" کے عام طور پر جو معنی ہیں وہ "ظالم" کے آتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے: ﴿ واما القاسطون فکانوا لجھنّم حطبًا﴾ (سورۃ الجن: ۱۵) یعنی ظالم لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

احمد بن اشکاب والی روایت آخر میں لانے کی وجہ

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری حدیث بیان فرمائی:

حدثنا احمد بن اشکاب، قال: حدثنا محمد بن فضیل. عن عمارة بن القعقاع، عن أبی زرعة، عن أبی ھریرة رضی اللہ عنه وعنھم قال: قال النبی ﷺ "کلمتان حبیبتان الی الرحمن، خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان فی المیزان، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم.

یہی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں دو جگہوں پر پہلے بھی ذکر فرمائی ہے۔ البتہ وہاں پر ان کے استاذ دوسرے ہیں۔ کتاب الدعوات میں یہی حدیث اپنے استاذ زہیر بن حرب کی سند سے ذکر کی ہے۔ اور کتاب الأیمان میں اپنے استاذ قتیبہ بن سعید کی سند سے ذکر فرمائی ہے، اور یہاں پر اپنے استاذ احمد بن اشکاب کی سند سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو صحیح بخاری کے شارح ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دراصل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ احمد بن اشکاب سے یہ حدیث سب کے آخر میں سنی تھی، جب کہ دوسرے اساتذہ سے یہی حدیث پہلے سن چکے تھے، اس وجہ سے سب سے آخر میں وہ

روایت لائے جو احمد بن اشکاب سے سنی تھی۔ البتہ بعد کے جو تین راوی ہیں یعنی محمد بن فضیل، عمارۃ بن قعقاع اور ابو زرعۃ۔ یہ تینوں راوی تمام روایتوں میں موجود ہیں، اور صرف انہی سے یہ حدیث مروی ہے، اسی وجہ سے اصطلاح حدیث میں یہ حدیث غریب ہے۔

دو کلمات کی تین صفات

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، اور میزان عمل میں بہت بھاری ہیں۔ وہ دو کلمے یہ ہیں "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم. اس حدیث میں ان کلمات کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ یہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔ اب حدیث میں "حبیبتان الی اللہ" بھی کہہ سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے "حبیبتان الی الرحمن" فرمایا۔ اس سے درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ جب یہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں تو جو شخص ان کلمات کی قدر پہچان کر ان کو پڑھے گا وہ شخص ضرور رحمٰن کی صفتِ رحمت کا مورد بن جائے گا۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ کلمات زبان پر بہت ہلکے ہیں، یعنی ان کو نہ تو پڑھنے میں کوئی دقت اور مشقت ہے اور نہ یاد کرنے میں کوئی دقت اور مشقت ہے، ایک ہی مجلس میں یہ کلمات یاد ہو جاتے ہیں۔ تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ "ثقیلتان فی المیزان" یعنی میزان عمل میں ان کا وزن بہت بھاری ہے۔ میزان عمل کا وزن ہمیں یہاں نظر آنے والا نہیں، بلکہ وہاں جا کر ان کا وزن معلوم ہوگا۔ اس لئے یہ بتایا ہی نہیں جا سکتا کہ "ثقیلتان فی المیزان" کے اندر کیا کچھ معارف پوشیدہ ہیں اور ان کلمات کا کیا

وزن ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم

سبحان اللہ کے معنی

"سبحان اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ جل شانہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ ہماری اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس کا صحیح صحیح ترجمہ ہو نہیں سکتا، بس ترجمہ کا کام چلا لیتے ہیں۔ "سبحان اللہ" کا جو حقیقی مفہوم ہے اور اس کے پیچھے جو تاثیر ہے، اس کو انسان ترجمے کے ذریعہ دوسری زبان میں منتقل کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا کام چلانے کے لئے یہ ترجمہ کر لیتے ہیں کہ "میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں" اور پاکی بیان کرنے کے معنی یہ ہیں کہ میں اس بات کا اقرار اور اعلان اور اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کی ذات بے عیب ہے، اس ذات میں کوئی عیب نہیں۔ اسی کو "تنزیہ" کہا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ قرار دینا۔ یہ معنی ہوئے "سبحان اللہ" کے۔

"وبحمدہ" کا ترجمہ اور ترکیب

"وبحمدہ" یہ بھی عجیب کلمہ ہے۔ اس کلمہ کو سیدھے سادے طریقے سے بھی کہا جا سکتا تھا کہ: "سبحان اللہ والحمد للہ" جیسا کہ دوسری حدیث میں کہا بھی گیا ہے، اور دونوں کلمات کے بے شمار فضائل ہیں، لیکن سیدھے سادے جملے کو چھوڑ کر ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس کی ترکیب کرنے میں لوگوں کو دشواری پیش آئی کہ اس جملہ "وبحمدہ" کی کیا ترکیب کریں؟ اس جملہ میں "واؤ" عاطفہ ہے، یا حالیہ ہے یا کچھ اور ہے؟ اور یہ "ب" کس معنی میں ہے؟

لیکن بحث اور تفصیل کے بعد شراح کی جو متفق علیہ بات سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ اس میں "واؤ" حالیہ ہے، اور "ب" تلبّس کے لئے ہے، اور اب "سبحان اللہ وبحمدہ" کے معنی یہ ہوئے کہ "أُسَبِّحُ اللهَ تعالیٰ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِہٖ" یعنی میں جس وقت تسبیح کر رہا ہوں، ٹھیک اسی وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں۔

دیکھئے: "سبحان اللہ وبحمدہ" کا سادہ ترجمہ تو یہ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے اور میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ لیکن اس ترجمہ میں ذرا سا یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس میں کوئی عیب نہیں، یہ تعریف اللہ تعالیٰ کی علوشان کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہے۔ جیسے کسی بڑے اور شریف آدمی کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے، یا یہ آدمی برا نہیں ہے۔ یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں جب اس کی بہت زیادہ تعریف کرنی منظور نہیں ہوتی، اس لئے تعریف کا کلمہ کہنے کے بجائے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص برا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف یہ کہہ دیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی عیب نہیں، تو یہ کم درجے کی تعریف ہوتی، اگرچہ بعد میں یہ بھی کہہ دے کہ "میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں"، کیونکہ یہ ایک مستقل جملہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کلمہ نے اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بے عیب تو کیا جائے لیکن اس کی صفت کمال کا ذکر نہ کیا جائے، اس لئے فرمایا "سبحان اللہ وبحمدہ" یعنی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں اور ٹھیک اسی وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں، تاکہ "حمد" بیان کرنے میں کوئی وقفہ نہ آئے بلکہ دونوں باتیں ایک ساتھ آجائیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب بھی ہے اور تمام صفات کمال کی جامع بھی ہے،

لہٰذا میں اس ذات کی "حمد" بھی ساتھ ساتھ بیان کرتا ہوں۔

اللہ کی ذات اور صفات سب بے عیب ہیں

اب کہنے میں تو یہ معمولی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، لیکن جس وقت بندہ سوچ سمجھ کر اس کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پھر اس کی صفات بھی بے عیب ہیں، اس کے فیصلے بے عیب ہیں، اس کی شریعت بے عیب ہے، اس کے احکام بے عیب ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے بے عیب ہونے پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے ایمان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ پھر وہ اس کی شریعت کے ایک ایک حکم کو بے عیب سمجھ کر اس پر ایمان لائے اور پھر اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو بے عیب سمجھ کر اس پر راضی ہو جائے۔ لہٰذا اس کلمہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کے اندر رضا بالقضاء بھی داخل ہے، شریعت پر عمل بھی داخل ہے اور سنت پر عمل بھی اس میں ہے۔

"سبحان اللہ العظیم" کے معنی

دوسرا جملہ حدیث کا یہ ہے "سبحان اللہ العظیم" یعنی میں اس اللہ کی تسبیح کرتا ہوں جو عظمت والا ہے۔ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! اس حدیث کے پہلے جملے "سبحان اللہ وبحمدہ" سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے اور تمام محامد کی جامع ہے اور قابل تعریف ذات وہ ہوتی ہے جس میں جمال ہو۔ لہٰذا یہ جملہ صفتِ جمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور دوسرا جملہ

"سبحان اللہ العظیم" یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لہٰذا پہلے جملے میں باری تعالیٰ کے جمال کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں باری تعالیٰ کے جلال کا بیان ہے، اور جب باری تعالیٰ کے جمال کا تصور کرو گے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جمال کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ محبوب ہوتا ہے اور اس کی طرف دل راغب ہوتے ہیں اور اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور جلال کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں خوف پیدا ہوگا، اور جب محبت اور خوف یہ دونوں مل جاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں خشیت پیدا ہوتی ہے۔

"خشیت" کیا چیز ہے

یاد رکھئے! "خشیت" عام ڈر اور خوف کا نام نہیں، جیسے ایک ڈر سانپ اور بچھو سے، بھیڑیئے سے، درندوں سے اور ڈاکوؤں سے ہوتا ہے، اس کا نام "خشیت" نہیں، بلکہ "خشیت" اس ڈر اور خوف کا نام ہے جو محبت سے ناشی ہے، جو اللہ جل شانہ کی محبت سے پیدا ہوتی ہے، اس کا نام حقیقت میں خشیت ہے۔ جیسے باپ کا خوف، استاذ کا خوف، شیخ کا خوف، یہ سب خوف محبت اور عقیدت سے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ باپ نے زندگی بھر بیٹے کو کبھی مارا نہیں، ڈانٹا بھی نہیں، لیکن جب بیٹا اس باپ کے پاس سے بھی گزرتا ہے تو قدم کانپنے لگتے ہیں۔ یہ رعب کس چیز کا ہے؟ درحقیقت یہ رعب محبت سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا باری تعالیٰ کی محبت درحقیقت باری تعالیٰ کی خشیت سے ناشی ہے، اس لئے محبت اور خوف کے مجموعہ کا نام "خشیت" ہے۔ اب "سبحان اللہ وبحمدہ" سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوئی۔ اور "سبحان اللہ العظیم" سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوا، اور دونوں کا مجموعہ "خشیت" ہے، اور سارے اعمال واخلاق کا

حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ کی خشیت پیدا ہو جائے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بالکل آخر میں اس لئے لائے کہ تمام علوم کا خلاصہ "خشیت اللہ" ہے۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں

علم کی علامت "خشیت" ہے، اگر دل میں خشیت پیدا ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ علم حاصل ہوا، اور اگر "خشیت" پیدا نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ علم نہیں آیا، صرف الفاظ و نقوش آگئے۔ لہٰذا جاتے جاتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر علم کا نتیجہ حاصل کرنا ہے تو اپنے اندر خشیت پیدا کرو، اور "خشیت" پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کلمات کا استحضار کرو اور کثرت سے ان کا ذکر کرو۔

ان کلمات کو صبح و شام پڑھنا

اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت "سبحان اللہ وبحمدہ" سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ شام تک اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں اگرچہ وہ ریت کے ذرات کے برابر ہوں۔ اور اگر شام کو یہ کلمات سو مرتبہ پڑھے تو صبح تک تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ اتنی عظیم فضیلت ان کلمات کی بیان فرمائی ہے۔

خلاصہ

آج کی اس مجلس کا خلاصہ دو باتیں ہیں، ان دو باتوں پر ہم عمل کرلیں تو یہ مجلس ہمارے لئے کار آمد اور مفید ہوگی، پہلی بات یہ ہے کہ اس بات کا استحضار

اور دھیان پیدا کریں کہ ہمارے اعمال کا وزن ہوتا ہے۔ اور اعمال کے اندر وزن پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں: ایک "اتباع سنت" اور دوسرے "اخلاص" ہے۔ اور یہاں سے اس بات کی فکر لیکر جائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دونوں چیزیں ہمارے اندر پیدا فرمادیں، تاکہ آخرت میں ہمارے اعمال وزنی ہو جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دو کلمات جن کو حدیث میں اتنی عظیم فضیلت دی گئی ہے، ان کلمات کو حرز جان بنائیں، اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ کلمات زبان پر ہوں، اور اگر اس نیت سے پڑھیں کہ ان کے ذریعہ میرے اندر "خشیت" پیدا ہو تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ وہ مقصد حاصل کرادیں گے اور "خشیت" پیدا فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کامیاب مؤمن کون؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

کامیاب مؤمن کون؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ٥ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ٥ فَمَنِ

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

(سورۃ المؤمنون: ۱تا۷)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰه ربّ العٰلمین

حقیقی مؤمن کون ہیں؟

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! میں نے ابھی آپ کے سامنے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیتیں تلاوت کی ہیں، یہ آیتیں اٹھارویں پارے کے بالکل شروع میں آئی ہیں، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''مؤمنین'' کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ صحیح معنی میں ''مؤمن'' کون لوگ ہیں؟ ان کی صفات کیا ہیں؟ وہ کیا کام کرتے ہیں اور کن کاموں سے بچتے ہیں؟ ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جو مؤمنین ان صفات کے حامل ہوں گے، ان کو فلاح حاصل ہوگی۔

کامیابی کا مدار عمل پر ہے

ان آیات کی ابتداء ہی ان الفاظ سے فرمائی:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

یعنی ان مؤمنین نے فلاح پائی جن کے اندر یہ صفات ہیں۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر مسلمان فلاح چاہتے ہیں تو ان اعمال کو اختیار کرنا

ہوگا، یہ صفات اپنانی ہوں گی اور اس بات کی پوری کوشش کرنی ہوگی کہ جو باتیں یہاں بیان کی جارہی ہیں ان کو اپنی زندگی کے اندر داخل کریں، کیونکہ اسی پر مسلمانوں کی فلاح کا دارومدار ہے اور اسی پر فلاح موقوف ہے۔

فلاح کا مطلب

پہلے یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ ''فلاح'' کا کیا مطلب ہے؟ جب ہم اردو زبان میں ''فلاح'' کا ترجمہ کرتے ہیں تو عام طور پر اس کا ترجمہ ''کامیابی'' سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ہمارے پاس اردو زبان میں اس کے معنی ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ موجود نہیں، اس وجہ سے مجبوراً اس کا ترجمہ ''کامیابی'' سے کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں عربی زبان کے لحاظ سے اور قرآن کریم کی اصطلاح کے لحاظ سے ''فلاح'' کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے، اس لفظ کے اصل معنی یہ ہیں ''دنیا و آخرت میں خوشحال ہونا'' دنیا و آخرت دونوں کی خوشحالی کے مجموعے کو ''فلاح'' کہا جاتا ہے، چنانچہ اذان میں ایک کلمہ کہا جاتا ہے: ''حَيَّ عَلَى الفلاح'' آؤ فلاح کی طرف، اذان کے اس کلمہ سے بھی یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت دونوں کی خوشحالی چاہتے ہو تو نماز کے لئے آؤ اور مسجد میں پہنچو۔ بہرحال! ''فلاح'' کا لفظ بڑا ہی جامع اور مانع لفظ ہے۔

قرآن کریم میں سورۃ بقرہ کی ابتداء میں بھی فلاح کا لفظ استعمال ہوا ہے:

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ...... اُولٰٓئِكَ عَلٰى

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یعنی جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، قرآن کریم پر اور قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ لہٰذا ''فلاح'' کا لفظ بڑا جامع ہے اور دنیا و آخرت کی تمام خوشحالیوں کو شامل ہے۔

کامیاب مؤمن کی صفات

اس ''سورۃ المؤمنون'' میں یہ کہا جارہا ہے کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جن کے اندر وہ صفات ہوں گی جو آگے مذکور ہیں، پھر ایک ایک صفت کو بیان فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور بیہودہ اور فضول باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور زکوٰۃ کے حکم پر عمل کرنے والے ہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور اپنی امانتیں اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ یہ ساری صفات ان آیات کریمہ میں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ہر صفت تفصیل اور تشریح چاہتی ہے، ان صفات کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، اگر ان صفات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیں اور ان صفات کی اہمیت ہمارے ذہنوں میں پیدا فرما دیں اور ان صفات پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں تو انشاء اللہ ہم سب فلاح یافتہ ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ ان صفات

کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ ان کے بیان میں چند ہفتے لگ جائیں، ایک ایک صفت کا بیان ایک ایک جمعہ کو ہوتا جائے گا تو ساری صفات کا انشاء اللہ بیان ہو جائے گا۔

پہلی صفت: خشوع

پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ گویا کہ فلاح کی اولین شرط اور فلاح کا سب سے پہلا راستہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف یہ کہ نماز پڑھے بلکہ نماز میں خشوع اختیار کرے، کیونکہ نماز ایسی چیز ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ۶۲ سے زیادہ مقامات پر اس کا حکم فرمایا، حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ حکم دیدیتے تو بھی کافی تھا، کیونکہ اگر ایک مرتبہ بھی قرآن کریم میں کسی کام کا حکم آجائے تو اس کام کو کرنا انسان کے ذمے فرض ہو جاتا ہے، لیکن نماز کے بارے میں باسٹھ مرتبہ حکم دیا کہ نماز قائم کرو۔ اس کے ذریعہ اس حکم کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ نماز کو معمولی کام مت سمجھو اور یہ نہ سمجھو کہ یہ روزمرہ کی روٹین کی ایک معمولی چیز ہے بلکہ مؤمن کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے سب سے اہم کام نماز پڑھنا ہے نماز کی حفاظت کرنا ہے، اور نماز کو اس کے احکام اور آداب کے ساتھ بجالانا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا دور خلافت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے دوسرے خلیفہ ہیں، ان کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں کو فتوحات بہت زیادہ ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کی شوکتوں کا پرچم سرنگوں کیا، قیصر و کسریٰ کے محلات مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ ایک دن میں نے حساب لگایا تو یہ بات سامنے آئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر نگیں ممالک کا کل رقبہ آج کے ۱۵ ملکوں کے برابر ہے، یعنی آج پندرہ ممالک ان جگہوں پر قائم ہیں جہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت تھی۔ یہ ایسے امیر المؤمنین تھے کہ فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ اے عمر! تیری حکومت میں ایک کتا بھوکا مر گیا تھا، اتنی زیادہ ذمہ داری کا احساس کرنے والے تھے۔ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حالی بھی عطا فرمائی، کوئی شخص ان کی حکومت میں بھوکا نہیں تھا، سب کو انصاف مہیا تھا، عدل و انصاف کا دور دورہ تھا، مسلمانوں کے ساتھ، غیر مسلموں کے ساتھ؛ مردوں کے ساتھ، عورتوں کے ساتھ، بوڑھوں کے ساتھ، بچوں کے ساتھ انصاف کا عظیم نمونہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت نے پیش کیا۔

حضرت عمرؓ کا سرکاری فرمان

اتنی بڑی حکومت کے جتنے فرمان رواں تھے اور مختلف صوبوں میں جتنے گورنر مقرر تھے اور مختلف شہروں میں جو حاکم مقرر تھے، ان سب کے نام

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سرکاری فرمان بھیجا، یہ فرمان حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مؤطا'' میں لفظ بہ لفظ روایت کیا ہے، اس فرمان میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

إنَّ أهم أمركم عندي الصلاة فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه ومن ضَيَّعَها فهو لما سواها اضيع۔

(مؤطا امام مالک کتاب وقوت الصلاۃ حدیث نمبر ۶)

میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر مداومت کی، اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ اور چیزوں کو زیادہ ضائع کرے گا۔ ضائع کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، اور یہ معنی بھی ہیں کہ نماز پڑھے گا لیکن غلط طریقے سے پڑھے گا، اور ضائع کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ نماز پڑھنے میں لاپرواہی سے کام لے گا۔

نماز کو ضائع کرنے سے دوسرے امور کا ضیاع

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حکام کو یہ فرمان اس لئے لکھ کر بھیجا کہ عام طور پر حاکم کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میرے سر پر تو قوم کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں، لہٰذا اگر میں ان ذمہ داریوں کی خاطر کسی وقت کی نماز قربان بھی کردوں تو کوئی حرج نہ ہوگا، کیونکہ میں بڑے فریضے کو ادا کر رہا ہوں ـــــ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکموں کی اس غلط فہمی

کو دور فرما رہے ہیں کہ تم یہ مت سمجھنا کہ حاکم بننے کے بعد تمہاری ذمہ داریاں نماز سے زیادہ فوقیت رکھتی ہیں، بلکہ میرے نزدیک سب سے اہم کام یہ ہے کہ تمہاری نماز صحیح ہونی چاہئے، اگر اس نماز کی حفاظت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہو گے اور اگر تم نے نماز کو ضائع کر دیا تو تمہارے دوسرے کام اس سے زیادہ ضائع ہوں گے اور پھر حکومت کا کام تم سے ٹھیک نہیں چلے گا کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق تمہارے شامل حال نہ رہی تو پھر تمہارے کام کیسے درست ہوں گے۔

آجکل کی ایک گمراہانہ فکر

آج کل ہمارے معاشرے میں ایک گمراہی پھیل گئی ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دماغ میں یہ بات آگئی ہے کہ بہت سے کام ایسے ہیں جو نماز سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات ان لوگوں کے اندر پیدا ہوگئی ہے جو دین کے کام میں مشغول ہیں، دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں، جہاد کا کام کر رہے ہیں، سیاست کا کام کر رہے ہیں، یہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑا کام کر رہے ہیں، لہٰذا چونکہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں، اس لئے اگر کبھی اس بڑے کام کی خاطر نماز چھوٹ گئی یا نماز میں کمی آگئی یا نماز میں کوئی نقص واقع ہوگیا تو کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ ہم اس سے بڑے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہم دعوت و تبلیغ کے کام میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں لگے ہوئے ہیں، جہاد کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سیاست کے کام

میں یعنی دین کو اس دنیا میں برپا کرنے اور اقامت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے اگر ہماری جماعت چھوٹ جائے گی تو ہم گھر میں نماز پڑھ لیں گے اور اگر نماز کا وقت نکل گیا تو قضاء پڑھ لیں گے۔ یاد رکھئے! یہ بڑی گمراہانہ فکر ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور گمراہی کا علاج

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ دین کا کام کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا سیاست کا علم بردار کون ہوگا؟ ان سے بڑا جہاد کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا داعی اور ان سے بڑا مبلغ کون ہوگا؟ لیکن وہ اپنے تمام فرمانرواؤں کو باقاعدہ یہ سرکاری فرمان جاری کررہے ہیں کہ میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے اہم چیز نماز ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو تمہارے اور کام بھی درست ہوں گے اور اگر اس کو ضائع کردیا تو تمہارے اور کام بھی خراب ہوں گے۔

اپنے کو کافروں پر قیاس مت کرنا

تم اپنے آپ کو کافروں پر قیاس مت کرنا، غیر مسلموں پر قیاس مت کرنا اور یہ مت سوچنا کہ غیر مسلم بھی تو نماز نہیں پڑھ رہے ہیں مگر ترقی کررہے ہیں، دنیا میں ان کا ڈنکا بج رہا ہے، خوشحالی ان کا مقدر بنی ہوئی ہے اور دنیا کے اندر انکی ترقی کے ترانے پڑھے جارہے ہیں۔ یاد رکھو! تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرنا، اللہ تعالیٰ نے مؤمن کا مزاج اور مؤمن کا طریقہ زندگی کافر

کے مقابلے میں بالکل مختلف قرار دیا ہے، قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ مؤمن کو فلاح نہیں ہوسکتی جب تک وہ ان کاموں پر عمل نہ کرے جو یہاں بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے سب سے پہلا کام نماز ہے۔

نماز میں خشوع مطلوب ہے

لہٰذا اگر تم فلاح چاہتے ہو تو اس کی پہلی شرط نماز کی حفاظت ہے۔ پھر یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ فلاح پائیں گے جو نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح پائیں گے جو اپنی نماز میں ''خشوع'' اختیار کرنے والے ہیں۔ خشوع کا کیا مطلب ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو ''خشوع'' عطا فرمادے۔ آمین۔

''خضوع'' کے معنی

دیکھئے! دو لفظ ہیں جو عام طور پر ایک ساتھ بولے جاتے ہیں، ایک ''خشوع'' دوسرا ''خضوع'' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے بڑے خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھی۔ خشوع ''ش'' سے ہے اور خضوع ''ض'' سے ہے، دونوں کے معنی میں تھوڑا سا فرق ہے، خضوع کے معنی ہیں ''جسم کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دینا'' یعنی جب نماز میں کھڑے ہوئے تو جسم کو اللہ جل شانہ کے آگے جھکا دیا۔ جسم کو جھکا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوئے تو تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے کھڑے ہوئے، رکوع کیا تو اس کے آداب کے ساتھ رکوع کیا، سجدہ کیا تو اس کے آداب کے ساتھ سجدہ کیا، گویا کہ ''اپنے

ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا'' یہ معنی ہیں خضوع کے، لہٰذا خضوع کا تقاضہ یہ ہے کہ جب آدمی نماز میں کھڑا ہو تو اس کے تمام اعضاء ساکن اور ساکت ہوں اور ان کے اندر حرکت نہ ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ (البقرہ:۲۳۸)

یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہوں تو قانت بن کر کھڑے ہوں۔ قانت کے معنی ہیں سکون کے ساتھ کھڑا ہونا، لہٰذا نماز میں بلاوجہ اپنے جسم کو ہلانا، بلاوجہ بار بار ہاتھ اٹھا کر اپنے جسم یا سر کو کھجانا، کپڑے درست کرنا، یہ سب باتیں خضوع کے خلاف ہیں۔

نماز میں اعضاء کو حرکت دینا

فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے ایک رکن مثلاً قیام میں تین مرتبہ بار بار بلاضرورت اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر کوئی کام کرے گا تو اس کی نماز ہی ٹوٹ جائے گی، اور اگر تین مرتبہ سے کم کیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی لیکن نماز کی جو شان ہے اور جو سنت طریقہ ہے وہ حاصل نہیں ہوگا، نماز کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔ آج کل ہماری نمازوں میں یہ خرابی کثرت سے پائی جاتی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے جسم کو بلاوجہ حرکت دیتے ہیں، یہ بلاوجہ حرکت دینا خضوع کے خلاف ہے اور سنت کے اور نماز کے آداب کے خلاف ہے۔

تم شاہی دربار میں حاضر ہو

جب تم نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہوتے ہو۔ اگر کسی سربراہ مملکت کا دربار ہو اور اس دربار میں پریڈ ہو رہی ہو تو اس پریڈ میں جو شریک ہوتا ہے وہ پریڈ کے آداب کی پوری پابندی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، وہ یہ نہیں کرتا کہ کبھی سر کھجا رہا ہے، کبھی ہاتھ کھجا رہا ہے، کبھی کپڑے درست کر رہا ہے، کیونکہ کسی بادشاہ کے دربار میں یہ حرکتیں نہیں کی جاتیں۔ جب دنیا کے عام بادشاہوں کا یہ حال ہے تو تم تو احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑے ہو جو سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہے، اس کے دربار میں کھڑے ہو کر ایسی بیجا حرکتیں کرنا بالکل مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے دربار کے تمام آداب کا لحاظ کر کے کھڑا ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک اور خضوع

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ گرمی کے موسم میں رات کے وقت اپنے گھر کی چھت پر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کے پڑوسی ان کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چھت پر کوئی لکڑی کھڑی ہے جس میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو تو قانت بن کر اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر سمجھ کر کھڑے ہو۔

گردن جھکانا خضوع نہیں

نماز میں کھڑے ہونے کا جو سنت طریقہ ہے، اس کے مطابق کھڑا ہونا ہی خضوع ہے۔ بعض لوگ خضوع پر عمل کرتے ہوئے قیام کی حالت میں بہت جھک جاتے ہیں اور سینہ بھی جھکا لیتے ہیں، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ قیام کی حالت میں آدمی سیدھا کھڑا ہو اور گردن اس حد تک نیچی ہو کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہو، اس سے زیادہ گردن کو جھکا لینا کہ تھوڑی سینے سے لگ جائے، یہ سنت کے خلاف ہے۔ اور بلا وجہ نماز کے اندر حرکت کرنا بھی خلاف سنت ہے، ہاں اگر کبھی بہت زیادہ خارش ہو رہی ہو تو کھجانا جائز ہے، لیکن بلا وجہ حرکت کرنا سنت کے خلاف ہے۔ بہر حال! خضوع کے معنی ہیں ''اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا لینا۔''

خشوع کے معنی

دوسرا لفظ ہے ''خشوع'' اس کے معنی ہیں ''دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکا لینا'' یعنی دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر لینا، دونوں کا مجموعہ خشوع خضوع کہلاتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نماز خشوع خضوع کے ساتھ پڑھو، یہ دونوں کام ضروری ہیں۔

خضوع کا خلاصہ

آج میں نے مختصراً ''خضوع'' کے بارے میں عرض کر دیا، اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں جو سنت طریقہ ہے، اس کے مطابق اپنے اعضاء کو لے آؤ اور بلاضرورت اعضاء کو حرکت نہ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ کس طرح سنت کے مطابق اعضاء کو لائیں، اس کے لئے میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو ''نمازیں سنت کے مطابق پڑھیے'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے، انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہوگیا ہے، اس رسالے کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ اپنے اعضاء کو نماز کے اندر رکھنے کے کیا آداب ہیں، اگر اس پر عمل کرلیا جائے تو

اور خضوع حاصل ہو جائے گا۔ خشوع کس طرح حاصل ہوگا؟ اس کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁❁❁
❁

نماز کی اہمیت

اور اس کا صحیح طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نماز کی اہمیت اور

اس کا صحیح طریقہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۝ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۝ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۝ (سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۴)

آمَنْتُ باللّٰہِ صدق اللّٰه مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰه ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، یہ سورۃ مؤمنون کی آیات ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جن سے فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے، اگر یہ صفات کسی کو حاصل ہو جائیں تو اس کو فلاح حاصل ہوگئی یعنی اس کو دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگئی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہوگئی۔

خشوع اور خضوع کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح پانے والے مؤمن بندے وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ مؤمن کے تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز کی ادائیگی ہے، اسی لئے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی صفات میں سب سے پہلے ''نماز میں خشوع'' کی صفت ذکر فرمائی ہے۔ عام طور پر دو لفظ نماز کے اوصاف کے سلسلے میں بولے جاتے ہیں۔ ایک خضوع اور دوسرا خشوع، ''خضوع'' ضاد سے ہے اور ''خشوع'' شین سے ہے۔ ''خضوع'' کے معنی ہیں: انسان کا اپنے ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا۔ اور ''خشوع'' کے معنی ہیں: انسان کا اپنے دل کو

اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینا۔ نماز میں دونوں چیزیں مطلوب ہیں یعنی نماز میں خضوع بھی ہونا چاہئے اور خشوع بھی ہونا چاہئے۔

''خضوع'' کی حقیقت

''خضوع'' کے لفظی معنی ہیں ''جھک جانا'' یعنی اپنے آپ کو نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا کرنا کہ تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، غفلت اور لاپرواہی کا عالم نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑا ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ نماز میں کھڑے ہونے کا کونسا طریقہ باادب ہے اور کونسا طریقہ بے ادب ہے؟ اس کا فیصلہ ہم اپنی عقل سے نہیں کر سکتے بلکہ اس کی تفصیل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ لہٰذا نماز پڑھنے کا ہر وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، وہ باادب ہے اور جو طریقہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو، وہ بے ادب ہے۔ اس لئے نماز اس طریقے سے پڑھنی چاہئے جس طریقے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی۔ ایک مرتبہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

صَلُّوْا کَمَارَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔

یعنی تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہٰذا جو طریقہ نماز پڑھنے کا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جس طریقے کی آپ نے تلقین فرمائی، وہ طریقہ باادب ہے، کوئی دوسرا شخص اپنی عقل سے اس میں کمی اور اضافہ نہیں کر سکتا۔

حضرات خلفاء راشدینؓ اور نماز کی تعلیم

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جو طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا، اس کو یاد رکھیں، اس کو محفوظ رکھیں اور اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنی نمازوں کو اس کے مطابق بنائیں۔ چنانچہ حضرات خلفاء راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی آدھی دنیا سے زیادہ پر حکومت تھی، لیکن جہاں کہیں جاتے، وہاں پر لوگوں کو بتاتے کہ نماز اس طرح پڑھا کرو اور خود نماز پڑھ کر بتاتے کہ آؤ، میں تمہیں بتاؤں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ تمہارا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو جائے۔

اعضاء کی درستی کا نام خضوع ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شاگردوں سے فرماتے:

الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

کیا میں تمہیں وہ نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا نماز میں خضوع بھی مطلوب ہے کہ اس نمازی کے سارے اعضاء سنت کے مطابق انجام پائیں، نمازی کے ظاہری اعضاء کا سنت کے

مطابق بنالینا یہ خشوع کی طرف جانے کی پہلی سیڑھی ہے، اور جب آدمی اپنے اعضاء کو درست کرلے گا اور کھڑے ہونے، رکوع کرنے، سجدہ کرنے اور بیٹھنے میں وہ طریقہ اختیار کرلے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل متوجہ کرنے کی پہلی سیڑھی ہے۔

نماز میں خیالات آنے کی ایک وجہ

آج ہمیں اکثر و بیشتر یہ شکوہ رہتا ہے کہ نماز میں خیالات منتشر رہتے ہیں، کبھی کوئی خیال آرہا ہے، کبھی کوئی خیال آرہا ہے اور نماز میں دل نہیں لگتا، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نماز کا ظاہری طریقہ سنت کے مطابق نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا اہتمام کیا، بس جس طرح بچپن میں نماز پڑھنا سیکھ لی تھی، اسی طرح پڑھتے چلے آرہے ہیں، یہ فکر نہیں کہ واقعۃً یہ نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ یہ نماز اتنا اہم فریضہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اس پر سیکڑوں صفحات لکھے ہوئے ہیں جن میں نماز کے ایک ایک رکن کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ کیسے اٹھائیں، قیام کس طرح کریں، رکوع کس طرح کیا جائے، سجدہ کس طرح کیا جائے، قعدہ کس طرح کیا جائے، ان سب کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہے، لیکن ان طریقوں کے سیکھنے کی طرف دھیان نہیں، بس جس طرح قیام کرتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح قیام کرلیا، جس طرح ابتک رکوع سجدہ کرتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح رکوع سجدہ کرلیا، لیکن ان کو ٹھیک سنت کے مطابق انجام دینے کی فکر نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور نماز کا اہتمام

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمر کے آخری دور میں فرمایا کرتے تھے کہ آج مجھے قرآن و حدیث اور فقہ پڑھتے پڑھاتے ہوئے اور فتاویٰ لکھتے ہوئے ساٹھ سال ہو گئے ہیں اور ان کاموں کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں ہے لیکن ساٹھ سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات نماز میں ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ اب میں کیا کروں؟ پھر نماز کے کتاب اٹھا کر دیکھنی پڑتی ہے کہ میری نماز درست ہوئی یا نہیں؟ میرا تو یہ حال ہے، لیکن میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ساری عمر نماز پڑھتے چلے جا رہے ہیں اور کبھی کسی وقت دل میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میری نماز سنت کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ کبھی ذہن میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہنوں میں اس بات کی اہمیت ہی نہیں کہ اپنی نمازوں کو سنت کے مطابق بنائیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی سب سے پہلے نماز کا طریقہ درست کرے۔

قیام کا صحیح طریقہ

اب میں مختصراً نماز کا صحیح طریقہ عرض کر دیتا ہوں، ان آیات کی تفسیر انشاء اللہ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا۔ جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو تو

اس میں سنت یہ ہے کہ آدمی کا پورا جسم قبلہ رُخ ہو، لہٰذا جب کھڑے ہوں تو سب سے پہلے قبلہ رُخ ہونے کا اہتمام کرلیں، سینہ بھی قبلہ رخ ہو، اگر کسی وجہ سے سینہ تھوڑی دیر کے لئے قبلہ سے ہٹ گیا تو نماز تو ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے یہ نہیں کہتے کہ جاؤ ہم تمہاری نماز قبول نہیں کرتے، لہٰذا نماز تو ہو جائے گی لیکن اس نماز میں سنت کا نور حاصل نہ ہوگا، سنت کی برکت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ اس طرح کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کا رُخ اگر قبلہ کی طرف ہو جائے تو جسم کا ایک ایک حصہ قبلہ رُخ ہو جائے گا، اب بتایئے کہ اگر انسان اس طرح سنت کے مطابق پاؤں رکھے تو اس میں کیا تکلیف ہو جائے گی؟ کوئی پریشانی لاحق ہو جائے گی؟ یا کوئی بیماری لاحق ہو جائے گی؟ کچھ بھی نہیں، صرف توجہ اور دھیان کی بات ہے، کیونکہ توجہ، دھیان اور اہتمام نہیں ہے، اس لئے یہ غلطی ہوتی ہے، اگر ذرا دھیان کرلیں تو سنت کے مطابق قیام ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں وہ نماز خضوع کے دائرے میں آ جائیگی اور اس نماز میں سنت کے انوار و برکات حاصل ہو جائیں گے۔

نیت کرنے کا مطلب

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت کردوں۔ وہ یہ کہ نیت نام ہے دل کے ارادہ کرنے کا، بس آگے زبان سے نیت کرنا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ آج بہت سے لوگ نیت کے خاص الفاظ زبان سے ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں

مثلاً چار رکعت نماز فرض، وقت ظہر کا، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، پیچھے پیش امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے اللہ اکبر۔ زبان سے یہ نیت کرنے کو لوگوں نے فرض و واجب سمجھ لیا ہے، گویا اگر کسی نے یہ الفاظ نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ امام صاحب رکوع میں ہیں، مگر وہ صاحب اپنی نیت کے تمام الفاظ ادا کرنے میں مصروف ہیں اور اس کے نتیجے میں رکعت بھی چلی جاتی ہے، حالانکہ یہ الفاظ زبان سے ادا کرنا کوئی ضروری اور فرض و واجب نہیں، جب دل میں یہ ارادہ ہے کہ فلاں نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ رہا ہوں، بس یہ ارادہ کافی ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

اسی طرح جب تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کو سنت کے مطابق اٹھائیں، بلکہ جس طرح چاہتے ہیں ہاتھ اٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز شروع کر دیتے ہیں۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اور انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لو کے برابر آ جائیں، یہ صحیح طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسرے طریقے ہیں، مثلاً بعض لوگ ہتھیلیوں کا رُخ کانوں کی طرف کر دیتے ہیں، بعض لوگ آسمان کی طرف کر دیتے ہیں، یہ سنت طریقہ نہیں، اگر اس طریقے سے ہاتھ اٹھا کر نماز شروع کر دی تو نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن سنت کی برکت اور سنت کا نور حاصل نہ ہوگا، صرف دھیان اور توجہ کی بات ہے، اس توجہ کی وجہ سے یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ہاتھ باندھنے کا صحیح طریقہ

اسی طرح ہاتھ باندھنے کا معاملہ ہے، کوئی سینے پر باندھ لیتا ہے، کوئی بالکل نیچے کر دیتا ہے اور کوئی کلائی پر ہتھیلی رکھ دیتا ہے۔ یہ سب طریقے سنت کے خلاف ہیں، سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر پہنچے کو پکڑ لے اور درمیان کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ لے اور ناف کے ذرا نیچے ہاتھ باندھ لے۔ یہ ہے مسنون طریقہ۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے سنت کی برکت بھی حاصل ہوگی اور نور بھی حاصل ہوگا، اگر اس طریقے کے خلاف ویسے ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ دو گے تو کوئی مفتی یہ نہیں کہے گا کہ نماز نہیں ہوئی، نماز درست ہو جائے گی، لیکن سنت کے طریقے پر عمل نہ ہوگا، بس ذرا سی توجہ اور دھیان کی بات ہے۔

قرأت کا صحیح طریقہ

ہاتھ باندھنے کے بعد ثنا "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" پڑھے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور سورۃ پڑھے۔ ایک نمازی یہ سب چیزیں نماز میں پڑھ تو لیتا ہے لیکن اردو لہجہ میں پڑھتا ہے، یعنی اس کا لب ولہجہ اور اس کی ادائیگی سنت کے مطابق نہیں ہوتی اور پڑھنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ اور اس کے ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جائے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تجوید اور قرأت سیکھنا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ اس کا سیکھنا کچھ مشکل نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں جو حروف استعمال

ہوئے ہیں، وہ کل ۲۹ حروف ہیں اور ان میں سے اکثر حروف ایسے ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں، ان کو صحیح طور پر ادا کرنا تو بہت آسان ہے، البتہ صرف آٹھ دس حروف ایسے ہیں جن کی مشق کرنی ہوگی، مثلاً یہ کہ ''ث'' کس طرح ادا کیا جائے۔ ''ح'' کس طرح ادا کی جائے اور ''ض'' اور ''ظ'' میں کیا فرق ہے۔ اگر آدمی ان چند حروف کی کسی اچھے قاری سے مشق کر لے کہ جب ''ح'' ادا کرے تو ''ہ'' زبان سے نہ نکلے، کیونکہ ہمارے یہاں ''ح'' اور ''ہ'' کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جاتا، لیکن عربی زبان میں دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، بعض اوقات ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ لینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ان حروف کی مشق کرنا ضروری ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں، لیکن چونکہ ہمیں اس کی فکر نہیں ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ اور التفات نہیں ہے۔

خلاصہ

اپنے محلّے کی مسجد کے امام صاحب یا قاری صاحب کے پاس جاکر چند دن تک مشق کرلیں گے تو انشاء اللہ تمام حروف کی ادائیگی درست ہو جائے گی اور نماز سنّت کے مطابق ہو جائے گی۔ آج یہ چند باتیں قیام اور تکبیر تحریمہ سے لےکر سورۃ فاتحہ تک کی عرض کردیں، باقی زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نماز کا مسنون طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نماز کا مسنون طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ والَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَامَلَکَتْ

اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ○فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ (سورۃ المؤمنون: ۱تا۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی چند آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، جن کی تشریح کا سلسلہ میں نے دو ہفتے پہلے شروع کیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مؤمنو کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ وہ فلاح یافتہ ہیں اور جن کو دنیا و آخرت میں فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے سب سے پہلی صفت جس کا ان آیات میں بیان کیا گیا، وہ نماز میں خشوع اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک ''خشوع'' اور دوسرا ''خضوع''۔ خشوع کے معنی ہیں ''دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا'' اور ''خضوع'' کے معنی ہیں، اعضاء کو سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دینا۔ گزشتہ جمعہ یہ بیان شروع کیا تھا کہ نماز میں اعضاء کس طرح رکھنے چاہئیں جس کے نتیجے میں ''خضوع'' حاصل ہو، تکبیر تحریمہ کا

طریقہ اور ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ اور قرأت کا صحیح طریقہ عرض کر دیا تھا۔

قیام کا مسنون طریقہ

قیام یعنی نماز میں کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی بالکل سیدھا کھڑا ہو اور نگاہیں سجدے کی جگہ پر ہوں، سجدے کی جگہ کی طرف نظر ہونے کی وجہ سے انسان کے جسم کا اوپر والا تھوڑا سا حصہ آگے کی طرف جھکا ہوا ہوگا، اس سے زیادہ جھکنا پسندیدہ نہیں، چنانچہ بعض لوگ نماز میں بہت زیادہ جھک جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کمر میں خم آجاتا ہے، یہ طریقہ پسندیدہ نہیں بلکہ سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا قیام کے وقت اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ کمر میں خم نہ آئے البتہ سر تھوڑا سا جھکا ہوا ہو تاکہ نظریں سجدے کی جگہ پر ہو جائیں۔ یہ کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ ہے۔

بے حرکت کھڑے ہوں

اور جب کھڑا ہو تو آدمی یہ کوشش کرے کہ بے حس و حرکت کھڑا ہو اور جسم میں حرکت نہ ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۳۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز میں کھڑے ہوں تو بے حرکت کھڑے ہوں۔ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، جب کھڑے ہوتے ہیں تو جسم کو آگے پیچھے حرکت دیتے رہتے ہیں، بلاوجہ کبھی اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہیں، کبھی پسینہ پونچھتے ہیں، کبھی کپڑے ٹھیک کرتے ہیں، یہ ساری باتیں اس ''قنوت'' کے

خلاف ہیں جس کا قرآن کریم نے ہمیں اور آپ کو حکم دیا ہے۔

تم احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑے ہو

جب نماز میں کھڑے ہو تو یہ تصور کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو، جب آدمی دنیا کے کسی معمولی حکمران کے سامنے بھی کھڑا ہوتا ہے تو ادب کا مظاہرہ کرتا ہے، کوئی بدتمیزی نہیں کرتا، لاپرواہی سے کھڑا نہیں ہوتا، تو جب تم احکم الحاکمین کے سامنے پہنچے ہو تو وہاں پر لاپرواہی کا مظاہرہ کرنا اور ڈھیلا ڈھالا کھڑا ہونا اور اپنے ہاتھ پاؤں کو بلا وجہ حرکت دینا، یہ سب نماز کے ادب کے بالکل خلاف ہے اور سنت کے بھی خلاف ہے۔ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک رکن میں بلاضرورت ہاتھ کو تین مرتبہ حرکت دے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی تفصیل میں نے گزشتہ جمعوں میں عرض کر دی تھی۔

رکوع کا مسنون طریقہ

قیام کے بعد رکوع کا مرحلہ آتا ہے جب آدمی رکوع میں جائے تو اس کی کمر سیدھی ہو جائے، بعض لوگ رکوع میں اپنی کمر کو بالکل سیدھا نہیں کرتے، یہ سنت کے خلاف ہے، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کمر بالکل سیدھی ہو اور ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر گھٹنے پکڑ لینے چاہئیں، اور گھٹنے بھی سیدھے ہونے چاہئیں اس میں بھی خم نہ ہو، اور ڈھیلے ڈھالے نہ ہوں، بلکہ کسے ہوئے ہوں، یہ رکوع کا سنت طریقہ ہے، اس طریقے

میں جتنی کمی آئے گی اتنی ہی سنت سے دوری ہوگی، اور نماز کے انوار و برکات میں کمی آئے گی۔

"قومہ" کا مسنون طریقہ

رکوع کے بعد جب آدمی "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے، اس کو "قومہ" کہا جاتا ہے اس قومہ کی ایک سنت آج کل متروع ہوگئی ہے، وہ یہ کہ اس قومہ میں بھی آدمی کو کچھ دیر کھڑا ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ ابھی پوری طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ سجدے میں چلے گئے۔ ایک حدیث میں ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جتنی دیر آپ رکوع میں رہتے، اتنی ہی دیر قومہ میں بھی رہتے، مثلاً اگر رکوع میں پانچ مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا تو جتنا وقت پانچ مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہنے میں لگا اور وہ وقت آپ نے رکوع میں گزارا، تقریباً اتنا ہی وقت آپ قومہ میں گزارتے تھے، اس کے بعد سجدہ میں تشریف لے جاتے، آج ہم لوگ رکوع سے اٹھتے ہوئے ذرا سی دیر میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہیں اور پھر فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں، یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں۔

"قومہ" کی دعائیں

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ قومہ میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمِلأَ مَابَيْنَهُمَا وَ مِلأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ۔

بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ
كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى ۔

اس سے پتہ چلا آپ ﷺ اتنی دیر قومہ میں کھڑے رہتے جتنی دیر میں یہ الفاظ ادا فرماتے۔ لہٰذا قومہ میں صرف قیام کا اشارہ کر کے سجدہ میں چلے جانا درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی آدمی سیدھا کھڑا ابھی نہیں ہوا تھا کہ وہیں سے سجدے میں چلا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے۔

ایک صاحب کی نماز کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک صاحب آئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنی شروع کر دی، لیکن نماز اس طرح پڑھی کہ رکوع میں گئے تو ذرا سا اشارہ کر کے کھڑے ہو گئے اور قومہ میں ذرا سے اشارہ کر کے سجدہ میں چلے گئے اور سجدہ میں گئے تو ذرا سی دیر میں سجدہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے جلد جلد ارکان ادا کر کے نماز مکمل کر لی، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

وعلیکم السلام ، قم فصل فانک لم تصل۔

یعنی سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ صاحب اٹھ کر گئے اور دوبارہ نماز پڑھی، لیکن دوبارہ بھی اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلی مرتبہ پڑھی تھی، اس لئے کہ ان کو اسی طرح پڑھنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ:

قم فصل فانک لم تصل۔

جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ پھر انہوں نے جاکر اسی طرح پڑھی اور واپس آئے تو پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ

قم فصل فانک لم تصل۔

جاؤ نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے ان سے یہی بات ارشاد فرمائی تو ان صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﷺ مجھے بتا دیجئے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، اور مجھے کس طرح نماز پڑھنی چاہئے؟ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کا صحیح طریقہ بتایا۔

ابتداءً نماز کا طریقہ بیان نہ کرنے کی وجہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ تو

فرمادیا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی، پہلی مرتبہ میں ان کو نماز کا صحیح طریقہ کیوں نہیں بتایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ان صاحب کو خود پوچھنا چاہئے تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں نماز پڑھ کر آرہا ہوں، آپ فرما رہے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی، مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟ جب انہوں نے نہیں پوچھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں بتایا، اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بتلا دیا کہ جب تک انسان کے دل میں خود طلب پیدا نہ ہو، اس کو تعلیم دینا بعض اوقات بیکار ہو جاتا ہے، اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ ان کے اندر خود طلب پیدا ہو، جب تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس لوٹا دیا، اس وقت انہوں نے کہا کہ:

یا رسول اللہ ﷺ: أرني وعلّمني

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے سکھایئے کہ کس طرح نماز پڑھنی چاہئے۔ اس وقت پھر آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھنا سکھایا۔

اطمینان سے نماز ادا کرو

بہرحال! ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طلب کا انتظار تھا کہ جب ان کے اندر طلب پیدا ہو تو ان کو بتایا جائے، دوسری طرف یہ بات تھی کہ آپ نے سوچا کہ جب یہ دو تین مرتبہ نماز دھرائیں گے، اور اس کے بعد نماز کا صحیح طریقہ سیکھیں گے تو وہ طریقہ دل میں زیادہ پیوست ہوگا اور اس بتانے کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ اس لئے آپ ﷺ نے تین مرتبہ ان کو نماز

پڑھنے دیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب تم نماز پڑھو تو ہر رکن کو اس کے صحیح طریقے پر ادا کرو، جب قرأت کرو تو اطمینان سے تلاوت کرو، جب کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو، اور جب رکوع میں جاؤ تو اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، یہاں تک کہ تمہاری کمر سیدھی ہو جائے، جب رکوع سے کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ کہ کمر میں خم باقی نہ رہے، اس کے بعد جب سجدہ میں جاؤ تو اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو اور جب سجدہ سے اٹھو تو اطمینان کے ساتھ اٹھو، اس طرح نماز کی پوری تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلائی، اور تمام صحابہ کرامؓ نے وہ تفصیل سنی۔ جن صحابہ کرامؓ نے نماز کے بارے میں یہ تفصیل سنی تو انہوں نے فرمایا کہ ان صاحب کی وجہ سے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نماز کے شروع سے لے کر آخر تک پورا طریقہ سننا اور سیکھنا نصیب ہو گیا۔

نماز واجب الاعادہ ہوگی

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رکوع میں یا قومہ میں یا سجدہ میں اس قسم کی کوتاہی رہ جائے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا اگر رکوع کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی، یا قومہ کے اندر کمر سیدھی نہیں ہوئی اور بس اشارہ کر کے آدمی اگلے رکن میں چلا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ

کرتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے نماز واجب الاعادہ ہے۔ اس لئے اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ قومہ میں بھی اتنا ہی وقت لگائے جتنا وقت رکوع میں لگایا ہے۔

قومہ کا ایک ادب

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ رکوع سے قومہ میں کھڑے ہوئے تو اتنی آپ ﷺ دیر کھڑے رہے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ ﷺ بھول تو نہیں گئے کیونکہ آپ ﷺ نے رکوع لمبا فرمایا تھا اس لئے قومہ بھی لمبا فرمایا اور اس کے بعد آپ ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے۔ یہ قومہ کا ادب ہے۔

سجدہ میں جانے طریقہ

قومہ کے بعد آدمی سجدہ کرتا ہے۔ سجدہ میں جانے کا طریقہ یہ ہے آدمی سیدھا سجدے میں جائے، یعنی سجدے میں جاتے وقت کمر کو پہلے سے نہ جھکائے جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اس وقت تک اوپر کا بدن بالکل سیدھا رہے، البتہ جب گھٹنے زمین پر رکھدے اس کے بعد اوپر کا بدن آگے کی طرف جھکاتے ہوئے سجدے میں چلا جائے، یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے سے جھک جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لیکن فقہاء کرام نے اس طریقے کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔

سجدہ میں جانے کی ترتیب

سجدہ میں جانے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر ٹکنے چاہئیں، اس کے بعد ہتھیلیاں، اس کے بعد ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر ٹکنی چاہئے اور اس کو آسانی سے یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو عضو زمین سے جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی پہلے جائے گا، چنانچہ گھٹنے زمین سے زیادہ قریب ہیں اس لئے پہلے گھٹنے جائیں گے پھر ہاتھ قریب ہیں تو ہاتھ پہلے ٹکیں گے۔ اس کے بعد ناک قریب ہے اس کے بعد آخر میں پیشانی زمین پر ٹکے گی۔ سجدہ میں جانے کی یہ ترتیب ہے، اس ترتیب سے سجدے میں جائے۔

پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹیکنا

اور سجدہ کرتے وقت یہ سب اعضاء بھی سجدے میں جاتے ہیں، لہٰذا سجدہ دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پاؤں، ناک اور پیشانی یہ سب اعضاء سجدے میں جانے چاہئیں اور زمین پر ٹکنے چاہئیں۔ بکثرت لوگ سجدے میں پاؤں زمین پر نہیں ٹیکتے، پاؤں کی انگلیاں اوپر رہتی ہیں اگر پورے سجدے میں ایک لمحہ کے لئے بھی انگلیاں زمین پر نہ ٹکیں تو سجدہ ہی نہیں ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی البتہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ''سبحان اللہ'' کہنے کے بقدر انگلیاں زمین پر ٹک گئیں تو سجدہ اور نماز ہو جائے گی، لیکن سنت کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ پورے سجدے میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر ٹکی ہوئیں ہوں، اور ان انگلیوں کا رخ بھی قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر انگلیاں زمین پر ٹک تو

گئیں لیکن ان کا رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوا تو بھی سنت کے خلاف ہے۔

سجدہ میں سب سے زیادہ قرب خداوندی

یہ سجدہ ایسی چیز ہے کہ اس سے زیادہ لذید عبادت دنیا میں کوئی اور نہیں، اور سجدہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی اور ذریعہ نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی حال میں اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کر رہا ہوتا ہے اس وقت اس کا پورا جسم پورا وجود اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا تمام اعضاء کو جھکا ہوا ہونا چاہئے اور اسی طریقے پر جھکا ہونا چاہئے جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا اور جس پر آپ ﷺ نے عمل فرمایا۔

خواتین بالوں کا جوڑا کھول دیں

اس لئے فرمایا گیا کہ عورتوں کے لئے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ نماز ہو جائے گی اس لئے کہ علماء کرام نے فرمایا کہ اگر بالوں کو جوڑا بندھا ہوا ہوگا تو بال سجدے میں نہیں جائیں گے کیونکہ اس صورت میں بال اوپر کی طرف کھڑے ہوں گے، اور سجدے کی پوری کیفیت حاصل نہ ہوگی، اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے جوڑے کو کھول لیں، تاکہ بال بھی سجدے میں نیچے کی طرف گریں اوپر کی طرف کھڑے نہ رہیں اور ان کو بھی سجدے کے انوار و برکات حاصل ہو جائیں، کیونکہ سجدے کے علاوہ کسی اور حالت میں اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل نہیں

ہوتا۔

نماز مومن کی معراج ہے

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا ایسا عظیم مرتبہ عطا فرمایا جو کائنات میں کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ اس مقام پر پہنچے جہاں جبرئیل امین علیہ السلام بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا قرب خاص عطا فرمایا، جس کا ہم اور آپ تصور بھی نہیں کر سکتے، معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے زبان حال سے یہ عرض کیا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے تو قرب کا اتنا بڑا مقام عطا فرما دیا میری امتیوں کو یہ مقام کیسے حاصل ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں نماز کا تحفہ دیدیا، اور فرمایا کہ جاؤ اپنی امت سے کہنا کہ پانچ نماز پڑھا کرے اور جب نماز پڑھیگی تو اس میں سجدہ بھی کرے گی اور جب سجدہ کرے گی تو ان کو میرا قرب حاصل ہو جائے گا اسی لئے فرمایا گیا کہ:

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

نماز مومنین کی معراج ہے۔ کیونکہ ہمارے اور آپ کے بس میں یہ تو نہیں ہے کہ ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے ملأ اعلیٰ میں پہنچ جائیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہر مومن کو یہ معراج عطا ہو گئی کہ سجدے میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ سجدہ معمولی چیز نہیں۔ اس لئے اس کو قدر سے کرو۔

سجدہ کی فضیلت

جس وقت تم اپنے سارے وجود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا رہے ہوتے ہو اس وقت ساری کائنات تمہارے آگے جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

سر بر قدم حسن، قدم بر کلاہ و تاج

جس وقت تمہارا قدم حسن پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس وقت تمہارا پاؤں سارے کلاہ و تاج پر ہوتا ہے۔ ساری کائنات اس کے نیچے ہوتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں ؎

یہ سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ ایک سجدہ ہزار سجدوں سے نجات دیدیتا ہے، کیونکہ اگر یہ سجدہ انسان نہ کرے تو ہر جگہ سجدہ کرنا پڑتا ہے، کبھی حاکم کے سامنے، کبھی افسر کے سامنے، کبھی امیر کے سامنے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کر رہا ہے، وہ کسی اور کے آگے سجدہ نہیں کرتا۔ لہٰذا اس سجدے کو قدر اور محبت سے کرو پیار سے کرو۔

سجدہ میں کیفیت

حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، وہ عجیب شان

کے بزرگ تھے، جب واپس آنے لگے تو چپکے سے ان سے کہنے لگے:

"میاں اشرف علی! ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ جب میں سجدے میں جاتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا۔

بہرحال! یہ سجدہ محبت سے کرو پیار سے کرو کیونکہ یہ سجدہ تمہیں ہزار سجدوں سے نجات دے رہا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کررہا ہے جو اور کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

سجدہ میں کہنیاں کھولنا

لہٰذا جب سجدہ کرو تو اس کو صحیح طریقے سے کرو، سجدہ میں تمہارے اعضاء اسی طرح ہونے چاہئیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ کہنیاں پہلو سے جدا ہوں۔ البتہ کہنیاں پہلو سے الگ ہونے کے نتیجے میں برابر والے نمازی کو تکلیف نہ ہو، بعض لوگ اپنی کہنیاں اتنی زیادہ دور کردیتے ہیں کہ دائیں بائیں والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ طریقہ بھی سنت کے خلاف ہے، جائز نہیں۔ اس لئے کہ کسی انسان کو تکلیف پہنچانا کبیرہ گناہ ہے— اور سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے، زیادہ کی توفیق ہو تو پانچ مرتبہ، سات مرتبہ، گیارہ مرتبہ کہے، اور محبت، عظمت اور قدر سے یہ تسبیح پڑھے۔

جلسہ کی کیفیت و دعا

جب پہلا سجدہ کرکے آدمی بیٹھتا ہے تو اس کو جلسہ کہتے ہیں۔ جلسہ میں کچھ دیر اطمینان سے بیٹھنا چاہئے، یہ نہ کریں کہ بیٹھتے ہی فوراً دوبارہ سجدے میں چلے گئے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جلسے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اتنی دیر بیٹھا کرتے تھے جتنی دیر سجدے میں، جتنا وقت سجدے میں گزرتا۔ تقریباً اتنا ہی وقت جلسے میں بھی گزرتا تھا، یہ سنت بھی متروک ہوتی جارہی ہے اور جلسے میں آپ سے یہ دعا پڑھنا ثابت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِی۔

لہٰذا اتنا وقت جلسے میں گزرنا چاہئے جس میں یہ دعا پڑھی جاسکے۔ اور پھر دوسرے سجدے میں جائے۔

بہرحال! یہ ایک رکعت کا بیان تکبیر تحریمہ سے لے کر سجدہ تک کا ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو باقی بیان اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❀❀❀
❀

نماز میں آنے والے خیالات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

نماز میں آنے والے خیالات سے بچنے کا طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ

الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٥
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ
حٰفِظُوْنَ ٥ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ٥ (سورۃ المؤمنون: ۱تا۶)
آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ مومنون کی ابتدائی چند آیات ہیں۔ جن کی تفسیر کا سلسلہ میں نے چند ہفتے پہلے شروع کیا تھا۔ ان آیات میں باری تعالیٰ نے مومنین کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ جو ان کے لئے فلاح کا سبب ہیں اور ''فلاح'' ایسا جامع لفظ ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کی کامیابی آجاتی ہے۔ فلاح یافتہ مومنو کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٥

یعنی وہ مومن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل پچھلے بیانات میں عرض کرچکا ہوں۔

خشوع کے تین درجے

گزشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ ''خشوع'' حاصل کرنے کے تین درجے اور تین سیڑھیاں ہیں، پہلی سیڑھی یہ ہے کہ جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہو ان الفاظ کی طرف توجہ ہو، دوسری سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کے معانی کی طرف توجہ ہو، تیسری سیڑھی یہ ہے کہ انسان نماز اس دھیان کے ساتھ پڑھے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ تصور باندھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں —— ان آیات میں یہ جو فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ اس سے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ صرف نماز پڑھنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ نماز پڑھنے کے اندر خشوع پیدا کرنے کی بھی کوشش کرو۔

خیالات آنے کی شکایت

اکثر لوگ بکثرت یہ شکایت کرتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے خیالات بکثرت آتے ہیں۔ بھائی! ان خیالات کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس صورت حال کا مداوا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے، پریشان ہونے سے کوئی کام نہیں بنتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تکلیف اور تعب ہے اس کو دور کرنے کے راستے اختیار کرنے چاہئیں۔ ان تکلیف دہ اور نفس کو دور کرنے کے راستے کیا ہیں؟

نماز کے مقدمات

پہلا راستہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے نماز سے پہلے کئی مقدمات قائم کئے ہیں۔ یعنی نماز تو اصل مقصود ہے۔ لیکن اس نماز سے پہلے ایسے مقدمات اور کچھ ایسی تمہیدات رکھی ہیں جن کے واسطے سے انسان اصل نماز تک پہنچتا ہے۔ وہ سب مقدمات اور تمہیدی کام ہیں، اگر ان کو انسان ٹھیک ٹھیک انجام دیدے تو اس کی وجہ سے خیالات میں کمی آئے گی۔

نماز کا پہلا مقدمہ ''طہارت''

نماز کے مقدمات میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ''طہارت'' رکھی ہے کیونکہ ہر نماز کے لئے طہارت اور پاکی حاصل کرنا ضروری ہے، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مفتاح الصلاۃ الطھور۔

یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے۔ دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتقبل الصلاۃ بغیر طھور۔

یعنی کوئی نماز طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں۔

طہارت کی ابتداء استنجاء سے

طہارت کا سلسلہ ''استنجاء'' سے شروع ہوتا ہے اور استنجاء کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انسان استنجاء کے وقت طہارت حاصل کرنے کا اچھی طرح اطمینان حاصل کرے اور اگر پیشاب کے بعد قطرے آنے کا خطرہ ہو تو اس وقت تک انسان فارغ نہ ہو جب تک قطرہ آنے کا خطرہ ہو، فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''استبراء'' کہا جاتا ہے کیونکہ اگر پاکی صحیح نہیں ہوئی اور کپڑوں پر یا جسم پر نجاست کے اثرات باقی رہ گئے تو اس کے نتیجے میں انسان کے خیالات مشوش ہوتے ہیں۔

ناپاکی خیالات کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے کچھ خواص بنائے ہیں ناپاکی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ناپاک اور گندے خیالات اور شیطانی وساوس پیدا کرتا ہے، لہٰذا نماز کا سب سے پہلا تمہیدی کام یہ ہے کہ ناپاکی کی دور کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

نماز کا دوسرا مقدمہ ''وضو''

اس کے بعد دوسرا تمہیدی کام ''وضو'' رکھا ہے، یہ وضو بھی بڑی عجیب و غریب چیز ہے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان وضو کرتا ہے اور وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے نتیجے میں

آنکھوں سے کئے ہوئے تمام صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ دھو دیتے ہیں، اسی طرح جس وقت انسان ہاتھ دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے کئے ہوئے صغیرہ گناہ دھو دیتے ہیں اور جس وقت وہ پاؤں دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں سے کئے ہوئے گناہ معاف فرما دیتے ہیں —— اور جو چار اعضاء وضوء میں دھوئے جاتے ہیں عام طور پر یہی چار اعضاء انسان کو گناہ کی طرف لے جاتے ہیں انہی اعضاء کے ذریعہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ جب بندہ نماز کے لئے میرے دربار میں حاضر ہو تو اس سے پہلے وہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہو، اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، اس کا پاؤں گناہوں سے پاک ہو گیا ہو۔ البتہ گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

وضو سے گناہ دھل جانا

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب کوئی وضو کر رہا ہوتا تھا تو اس کے وضو کے بہتے ہوئے پانی میں آپ کو گناہوں کی شکلیں نظر آتی تھیں کہ فلاں گناہ دھل کر جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کشف عطا فرمایا تھا —— بہرحال! اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے وضو اس لئے رکھا ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ ظاہری صفائی حاصل ہو، بلکہ باطنی صفائی اور گناہوں کی صفائی بھی حاصل ہو جائے۔

کونسے وضو سے گناہ دھل جاتے ہیں

لیکن وضو سے یہ فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی سنت کے مطابق وضو کرے اور اس طرح وضو کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب وضو فرماتے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے وضو فرماتے، یہ وضو کے آداب میں سے ہے، اسی طرح وضو شروع کرتے وقت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا کرتے تھے اور وضو کے دوران باتیں نہیں کرتے تھے وضو کی طرف دھیان فرماتے۔

وضو کی طرف دھیان

وضو کی طرف دھیان ہونے میں سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب آدمی اپنا چہرہ دھوئے تو اس طرف دھیان کرے کہ میرے چہرے کے گناہ دھل رہے ہیں۔ جب آدمی ہاتھ دھوئے تو یہ دھیان کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو میں ہاتھ دھوتے وقت ہاتھ کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو اس وقت میرے ہاتھ کے گناہ دھل رہے ہیں۔ اسی طرح پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرے، فضول پانی نہ بہائے۔ جتنے پانی کی ضرورت ہے۔ بس اتنے پانی سے وضو کرے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إياك والسرف وان كنت على نهر جار

یعنی پانی کو فضول بہانے سے بچو۔ چاہے تم کسی بہتے دریا پر کیوں نہ کھڑے ہو؟ اگر پانی کا دریا بہہ رہا ہے تم اس دریا سے جتنے پانی سے بھی وضو کرو گے تو اس کے نتیجے میں دریا کے پانی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اس کے باوجود فرمایا کہ اس موقع پر اسراف سے بچو اور فضول پانی مت بہاؤ۔

وضو کے دوران دعائیں

اور وضو کے دوران دعائیں کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک آپ ﷺ کثرت سے:

اشهد ان لا اله اِلا اللّٰه واشهد ان محمدًا عبده و رسوله۔

پڑھا کرتے تھے، اور دوسری یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذَنْبِي وَ وَسِّعْ لِي فِي دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ۔

اور وضو کے بعد آپ ﷺ یہ پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

اگر آدمی ان آداب کے ساتھ وضو کرے تو ایسے وضو کا خاصہ یہ ہے کہ وہ طرح

طرح کے خیالات جو آپ کے دل و دماغ میں بسے ہوئے ہیں۔ ان سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف دماغ کو متوجہ کر دیتا ہے۔

وضو میں بات چیت کرنا

لیکن ہماری غلطی سب سے پہلے وضو سے شروع ہوتی ہے، جب ہم وضو کرنے بیٹھے تو دنیا کے سارے خرافات وضو کے دوران چلتے رہتے ہیں۔ بات چیت ہو رہی ہے، گپ شپ ہو رہی ہے۔ ہواس باختہ حالت میں وضو کر رہے ہیں، بس جلد جلد اپنا فرض ساقط کیا، اور فارغ ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس وضو کے فوائد وثمرات حاصل نہیں ہوتے، اس کے بجائے اگر دھیان کے ساتھ اور آداب کے ساتھ وضو کرے اور وضو کے دوران دعائیں پڑھتا رہے یہ اس سے نماز کی پہلی تمہید اور پہلا مقدمہ درست ہو جائیگا۔

نماز کا تیسرا مقدمہ ”تحیۃ الوضو والمسجد“

نماز کا تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب وضو کر کے مسجد میں آؤ تو مسجد میں جماعت سے کچھ دیر پہلے پہنچ جاؤ اور تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت ادا کرو، یہ دو رکعت واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہیں۔ لیکن بڑی فضیلت والی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال: جب میں معراج پر گیا، اور وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت کی سیر کرائی تو میں نے تمہارے قدموں

کی چاپ اپنے سے آگے سنی، جیسے کوئی بادشاہ سے آگے کوئی باڈی گارڈ چلا کرتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا کونسا عمل ہے جو تم خاص طور پر کرتے ہو، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام بخشا کہ جنت میں تمہیں میرا باڈی گارڈ بنا دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور کوئی عمل تو مجھے یاد نہیں آ رہا ہے البتہ ایک بات ہے وہ یہ ہے کہ جب سے اسلام لایا ہوں اس وقت سے میں نے یہ تہیہ کیا تھا کہ جب بھی وضو کروں گا تو دو رکعت اس وضو سے ضرور ادا کروں گا۔ چنانچہ جب سے اسلام لایا ہوں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نفل تحیۃ الوضوء ضرور ادا کرتا ہوں۔ چاہے نماز کا وقت ہو یا نہ ہو۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا۔

تحیۃ المسجد کس وقت پڑھے

بہرحال! ہر وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے میں دو منٹ خرچ ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر آدمی بھول کر بیٹھ گیا اور بعد میں یاد آیا تو اس وقت پڑھ لے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔ یہ نماز کی تیسری تمہید ہے۔

نماز کا چوتھا مقام: قبلیہ سنتیں

نماز کا چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز سے پہلے کچھ رکعتیں سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مثلاً فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور عصر سے پہلے اور عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ رکھی گئی ہیں۔ مغرب کی نماز کو چونکہ جلدی پڑھنے کا حکم ہے اس لئے مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی اتنی فضیلت نہیں ہے۔ لیکن بعض روایات میں اس وقت بھی دو رکعتیں ثابت ہیں۔ لہٰذا فرض نماز سے پہلے جو نمازیں پڑھی جارہی ہیں وہ تیسری تمہید ہیں۔

چاروں مقدمات پر عمل کے بعد خشوع کا حصول

ان چاروں مقدمات سے گزرنے کے بعد جب فرض نماز میں شامل ہوگا تو اس کو وہ شکایت پیش نہیں آئے گی جو عام طور پر لوگوں کو پیش آتی ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارا دل کہیں ہوتا ہے اور دماغ کہیں ہوتا ہے اور حواس باختہ حالت میں نماز ادا ہوتی ہے —— اذان اور فرض نماز کے درمیان جو پندرہ منٹ یا زیادہ کا وقفہ رکھا جاتا ہے یہ وقفہ اس لئے رکھا جاتا ہے تاکہ اس وقفہ کے دوران انسان یہ تمہیدات پوری کرے، یعنی اطمینان سے وضو کرے، پھر تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد اطمینان سے ادا کرے اور پھر سنتیں ادا کرے۔ ان سب تمہیدات کے بعد جب فرض نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو انشاء

اللہ تعالیٰ خشوع، یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔ ان تمہیدات میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔لیکن ان کی وجہ سے ہماری نمازیں درست ہو جائیں گی اور اس کے نتیجے میں صلاح فلاح حاصل ہو جائے گی۔

خیالات کی پرواہ مت کرو

اس کے بعد یہ بھی عرض کردوں کہ ان تمہیدات کو انجام دینے کے بعد پھر بھی فرض نماز میں خیالات آتے ہیں تو اس صورت میں بالکل گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر وہ خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔بعض لوگ ان خیالات کی وجہ سے اس نماز کی ناقدری کرنا شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز کیا ہے؟ ہم تو ٹکریں مارتے ہیں، بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری نماز بالکل بیکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو خیالات بہت آتے ہیں اور خشوع بالکل نہیں ہوتا۔

ان سجدوں کی قدر کرو

یاد رکھئے! یہ سب ناقدری کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں پسند نہیں ارے یہ تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز پڑھنے کی توفیق تو ہوئی، بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کی توفیق تو ملی، پہلے اس توفیق اور نعمت پر شکر ادا کرو کہ ان کے دربار میں آکر نماز ادا کرلی نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، اگر ہم بھی محروم ہوگئے ہوتے تو کتنی بڑی محرومی کی

بات ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے حاضری کی جو توفیق عطا فرمادی یہ کوئی معمولی نعمت نہیں۔

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جس کو تیرے آستاں سے نسبت ہے

تیرے آستانے پر سر ٹیکنے کا ایک ظاہری موقع جو مل گیا یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، لہٰذا اس پر شکر ادا کرو —— البتہ اپنی طرف سے جو کوتاہی ہوئی ہے اور خشوع حاصل نہیں ہوا، خیالات آتے رہے اس پر استغفار کرو۔

نماز کے بعد کے کلمات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان ہر فرض نماز کے بعد دو کام کرلے۔ ایک یہ کہ "الحمدللہ" کہے اور دوسرے "استغفر اللہ" کہے۔ الحمدللہ کے ذریعہ اس بات پر شکر کہ یا اللہ! آپ نے اپنے دربار میں حاضری کی اور نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمادی۔ اور "استغفر اللہ" اس بات پر کہ یا اللہ! آپ نے توفیق عطا فرمادی تھی، لیکن میں اس نماز کا حق ادا نہیں کرسکا اور جیسی نماز پڑھنی چاہئے تھی ویسی نماز نہ پڑھ سکا میں اس پر استغفار کرتا ہوں —— حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ "استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، پڑھا کرتے تھے حالانکہ نماز پڑھی ہے، کوئی گناہ نہیں کیا۔ لیکن اس بات پر استغفار کیا کرتے تھے کہ یا اللہ جیسی نماز آپ کی شایان شان پڑھنی چاہئے تھی ویسی نماز ہم نہیں

پڑھ سکے۔ اس وجہ سے استغفار کر رہے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال! اس نماز کی ناقدری بھی نہ کرو اور خود پسندی اور عجب میں بھی مبتلا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو توفیق دی ہے اس پر شکر ادا کرو، اور جو کوتاہی ہوئی ہے اس پر استغفار کرو اور اپنی طاقت کی حد تک اس نماز کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر جاری رکھو، اور ساری عمر ایسا کرتے ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمالیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خشوع کے تین درجات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

خشوع کے تین درجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (سورۃ المؤمنون:۱تا۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کو میں نے اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا تھا کہ نماز میں خضوع بھی مطلوب ہے اور خشوع بھی مطلوب ہے۔ خضوع کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء سے ہے اور خشوع کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ خضوع کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اعضاء اس طرح ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے نماز کے مختلف ارکان کی حیثیت آپ حضرات کے سامنے بیان کی تھی۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا طریقہ، کھڑے ہونے کا طریقہ، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ کا طریقہ عرض کر دیا تھا۔ اب دو تین باتیں اس سلسلے میں باقی ہیں اس کے بعد ''خشوع'' کا مطلب اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ عرض کرنا ہے۔

رکوع اور سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں

ایک بات یہ ہے کہ جب آدمی رکوع میں ہو تو ہاتھ کی انگلیاں کھلی ہونی

چاہئیں، اور گھٹنوں کو انگلیوں سے پکڑ لینا چاہئے اور سجدہ کی حالت میں مسنون یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں بند ہوں اور ہاتھ اس طرح رکھے جائیں کہ چہرہ ہاتھوں کے درمیان آجائے اور ہتھیلیاں کندھوں کے قریب ہوں انگوٹھے کانوں کی لو کے سامنے ہوں اور کہنیاں پہلو سے علیحدہ ہوں، ملی ہوئی نہ ہوں۔

التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ

جب آدمی التحیات میں بیٹھے تو التحیات میں بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا ہو اور اس پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو، اور بایاں پاؤں بچھا کر آدمی اس کے اوپر بیٹھ جائے۔ اور ہاتھ کی انگلیاں رانوں پر اس طرح رکھی ہوئی ہوں کہ انکا آخری سرا گھٹنوں پر آرہا ہو۔ انگلیوں کو گھٹنوں سے نیچے لٹکانا اچھا نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

اور جب سلام پھیرے تو سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب دائیں طرف سلام پھیرے تو پوری گردن دائیں طرف موڑلی جائے اور اپنے کندھوں کی طرف نظر کی جائے اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت پوری گردن بائیں طرف پھیر دی جائے اور بائیں کندھوں کی طرف نظر کی جائے۔ یہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ اگر ان باتوں کا خیال کرلیا جائے تو نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی برکات حاصل ہوتی ہیں اور اس کے ذریعہ نماز کے

اندر خشوع حاصل ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اور ان باتوں میں نہ زیادہ وقت لگتا ہے نہ زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں نماز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

خشوع کی حقیقت

دوسری چیز جس کا آج بیان کرنا ہے وہ ہے، ''خشوع'' اس کے معنی ہیں دل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا، یعنی انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کو اس بات کا احساس ہو کہ میں اللہ جل شانہ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ (بخاری — باب بدء الوحی)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ سامنے نظر آ رہے ہوں اور اگر یہ تصور جمانا ممکن نہ ہو تو پھر کم از کم یہ تصور جماؤ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خشوع کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

وجود کے یقین کیلئے نظر آنا ضروری نہیں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے ہیں، اور نہ ہم یہ

بات دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، آنکھوں سے یہ بات نظر نہیں آرہی ہے، لہٰذا ان باتوں کا تصور کیسے باندھیں؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز آنکھوں سے دیکھ کر معلوم نہیں ہوتی، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن دل میں اس کے موجود ہونے کا اتنا یقین ہوتا ہے جیسے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ مثلاً یہ میری آواز لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ مسجد سے باہر بھی جاری ہے۔ اب جو لوگ مسجد سے باہر ہیں وہ مجھے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن میری آواز سن کر ان کو اس بات کا یقین حاصل ہے کہ میں مسجد کے اندر موجود ہوں اور ان کو اتنا ہی یقین حاصل ہے جتنا آنکھ سے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی آدمی کے موجود ہونے کا علم دیکھے بغیر صرف آواز سن کر ہو رہا ہے۔ کوئی شخص اگر کہے کہ تم نے بولنے والے کو آنکھ سے دیکھا نہیں ہے پھر تمہیں اس کے موجود ہونے کا یقین کیوں ہو رہا ہے۔ وہ یہ جواب دے گا کہ میں اپنے کانوں سے اس کی آواز سن رہا ہوں، جس سے پتہ چل رہا ہے کہ وہ آدمی موجود ہے۔

ہوائی جہاز میں انسان موجود ہیں

آپ صبح شام ہوائی جہاز اڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس جہاز میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی نظر نہیں آتا، نہ چلانے والا نظر آرہا ہے، لیکن آپ کو سو فیصد یقین ہے کہ اس جہاز میں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی پائلٹ اس جہاز کو چلا رہا ہے حالانکہ اس پائلٹ اور اس کے اندر بیٹھنے والوں انسانوں کو آپ نے آنکھوں

سے نہیں دیکھا، کیونکہ جہاز بغیر پائلٹ کے نہیں چلتا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جہاز چل رہا ہو اور اس کے اندر پائلٹ موجود نہ ہو، اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ یہ جہاز بغیر پائلٹ کے خود بخود ہوا میں اڑتا جا رہا ہے تو آپ اس کو بیوقوف اور احمق قرار دیں گے۔

روشنی سورج پر دلالت کرتی ہے

مسجد کے اندر باہر سے روشنی آ رہی ہے اور سورج نظر نہیں آ رہا ہے، لیکن ہر انسان کو سو فیصد یقین ہے کہ اس روشنی کے پیچھے سورج موجود ہے، حالانکہ سورج آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا ہے لہٰذا جس طرح روشنی کو دیکھ کر سورج کا پتہ لگا لیتے ہو اور جس طرح ہوائی جہاز کو دیکھ کر اس کے چلانے والے کا پتہ لگاتے ہو۔ اسی طرح یہ سارا عالم جو پھیلا ہوا ہے، یہ پہاڑ یہ جنگل، یہ ہوائیں، یہ پانی یہ سمندر، یہ دریا، یہ مٹی، یہ آب و ہوا، یہ سب کچھ کسی بنانے والے پر دلالت کر رہا ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کر رہی ہے

لہٰذا جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوا ہو تو اس وقت اس بات کا تصور کرے کہ میرے سامنے جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ جل شانہ کی ذات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ یہ روشنی جو نظر آ رہی ہے اس کے پیچھے سورج ہے، لیکن سورج کے پیچھے کون ہے؟ سورج کس نے پیدا کیا؟ اور اس کے اندر روشنی

کس نے رکھی؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور وجود پر دلالت کر رہی ہے۔ لہٰذا نماز کے اندر آدمی یہ تصور باندھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اور اللہ جل جلالہ مجھے دیکھ رہے ہیں اور اللہ جل جلالہ کے میرے سامنے ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، یہ تصور جما کر نماز پڑھ کر دیکھو کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ کیفیت عطا فرما دے۔ آمین۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

الفاظ کی طرف دھیان پہلی سیڑھی

یہ نماز پڑھنے کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اس اعلیٰ درجے تک پہنچنے کے لئے کچھ ابتدائی سیڑھیاں ہیں، ان سیڑھیوں کو اگر آدمی رفتہ رفتہ قطع کرتا جائے تو اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتے ہیں، وہ سیڑھی کیا ہے؟ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ آپ نماز میں جو الفاظ زبان سے نکالیں ان کی طرف دھیان رہے۔ مثلاً آپ نے زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ادا کریں۔ اس وقت آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ادا کر رہا ہوں۔ لیکن آج کل ہماری نماز کے اندر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس وقت "اللّٰہ اکبر" کہہ کر نیت باندھی تو بس ایک سوئچ آن ہو گیا اور مشین چل پڑی چونکہ نماز پڑھنے کی

عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے زبان سے الفاظ خود بخود نکلنے لگے، اور مشین چل رہی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ میں نے پہلی رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی یہ صورت حال اکثر و بیشتر پیش آتی ہے۔

خشوع کی پہلی سیڑھی

اگر خشوع حاصل کرنا ہے تو پہلا کام یہ کرو کہ جب نماز پڑھنا شروع کرو تو زبان سے جو الفاظ ادا کر رہے ہو دھیان اس کی طرف ہو --- انسان کی خاصیت یہ ہے کہ ایک غیر مرئی چیز جو آنکھوں سے نظر نہیں آرہی ہے اس کی طرف دھیان جمانا شروع میں دشوار ہوتا ہے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خشوع حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کی طرف دھیان جماؤ۔

معنی کی طرف دھیان دوسری سیڑھی

دوسری سیڑھی یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی کی طرف دھیان کرو، جس وقت زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ادا کیا تو اس کے معنی کی طرف دھیان کرو کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے اور ان الفاظ کے ذریعہ میں اللہ جل شانہ کی تعریف کر رہا ہوں۔ جب "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" ادا کرو تو اس وقت دل میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا تصور دل میں

ہو کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں۔ جس وقت ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' ادا کرو اس وقت یہ دھیان کرو کہ میں اللہ جل شانہ کو قیامت کے دن کا مالک قرار دے رہا ہوں۔ جس وقت ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' زبان سے ادا کرو اس وقت اس کے معنی کو ذہن میں لائے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور جس وقت ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کہا اس وقت یہ معنی ذہن میں مستحضر کرے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ اے اللہ! مجھے صراط مستقیم عطا فرما دے، جس وقت ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَالضَّآلِّيْنَ'' کہے اس وقت یہ معنی ذہن میں لائے کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں کا راستہ دکھا دے جن پر آپ نے انعام فرمایا، اور ان لوگوں کا راستہ مجھے نہیں چاہئے جن پر آپ کا غضب ہوا۔ اور جو گمراہ ہوئے۔

لہٰذا پہلے الفاظ کی طرف دھیان کرے، پھر معنی کی طرف دھیان کرے، بہرحال! اپنی طرف سے نماز کے اندر اس بات کی کوشش کی جائے کہ دھیان ان چیزوں کی طرف رہے۔ جب ان چیزوں کی طرف دھیان رہیگا تو پھر جو ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں وہ انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے۔

نماز میں خیالات آنے کی بڑی وجہ

پھر یہ بھی عرض کردوں کہ یہ جو دوسرے خیالات آتے ہیں اس کی بہت بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم وضو ڈھنگ سے نہیں کرتے، سنت کے مطابق

نہیں کرتے، حواس باختہ حالت میں ادھر ادھر باتیں کرتے ہوئے وضو کرلیا۔ حالانکہ وضو کے آداب میں سے یہ ہے کہ وضو کے دوران باتیں نہ کی جائیں۔ بلکہ وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور آدمی اطمینان سے وضو کر کے ایسے وقت میں مسجد میں آئے جبکہ نماز کھڑی ہونے میں کچھ وقت ہو اور مسجد میں آکر آدمی پہلے سنت اور نفل ادا کرلے کیونکہ یہ سنت اور نفل جو نماز سے پہلے رکھی گئی ہیں یہ درحقیقت فرض نماز کی تمہید ہیں تاکہ فرض نماز سے پہلے ہی اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور اِدھر اُدھر کے خیالات آنا بند ہو جائیں۔ ان سب آداب کا لحاظ کر کے جب آدمی نماز پڑھے گا تو پھر دوسرے خیالات نہیں آئیں گے۔

اگر دھیان بھٹک جائے واپس آجاؤ

لیکن انسان کا دماغ چونکہ بھٹکتا رہتا ہے اس لئے ان تدابیر کے اختیار کرنے کے باوجود غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں، جب دوبارہ متنبہ ہو جائے تو پھر دوبارہ ان الفاظ کی طرف دھیان لے آئیں۔ مثلاً جس وقت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھا اس وقت تک دھیان حاضر تھا، لیکن جب ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' پڑھا اس وقت دھیان غیر اختیاری طور پر کہیں اور بھٹک گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کہا اس وقت خیال آیا کہ میں تو کہیں اور بھٹک گیا تھا۔ تو اب دوبارہ دھیان کو واپس

لے آؤ۔ اسی طرح جتنی مرتبہ دھیان بھٹکے واپس آجاؤ۔ یہی کام کرتے چلے جاؤ۔

خشوع حاصل کرنے کیلئے مشق اور محنت

یاد رکھئے اس دنیا کے اندر کوئی بھی مقصد بغیر محنت اور مشق کے حاصل نہیں ہوسکتا، جو کام بھی کرنا ہو اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح خشوع حاصل کرنے کے لئے کچھ محنت اور مشق کرنی پڑتی ہے۔ وہ مشق یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرلے کہ جب نماز پڑھیں گے تو اپنا دھیان ان الفاظ کی طرف رکھیں گے جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہیں اور اگر ذہن بھٹکے گا تو دوبارہ ان الفاظ کی طرف واپس آجائیں گے، پھر بھٹکے گا تو پھر واپس آجائیں گے۔ جتنی مرتبہ بھٹکے گا اتنی مرتبہ واپس آئیں گے، جب اس پر عمل کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اگر ذہن دس مرتبہ بھٹکا تھا تو آئندہ کل انشاء آٹھ مرتبہ بھٹکے گا۔ اگلے دن انشاء اللہ چھے مرتبہ بھٹکے گا۔ اس طرح یہ تناسب انشاء اللہ کم ہوتا چلا جائے گا بس انسان یہ سوچ کر چھوڑے نہیں کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہے اور میری کوشش کرنا فضول ہے بلکہ لگا رہے کوشش کرتا رہے ساری عمر کوشش کرتا رہے چھوڑے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک دن ایسا وقت آئے گا جب تمہارا زیادہ ذہن نماز ہی کی طرف اور الفاظ کی طرف ہوگا۔

تیسری سیڑھی اللہ تعالیٰ کا دھیان

جب یہ بات حاصل ہو جائے تو اس کے بعد تیسری سیڑھی پر قدم رکھنا

ہے وہ تیسری سیڑھی یہ ہے کہ نماز کے اندر اس بات کا دھیان ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اور جب یہ دھیان حاصل ہو جائے گا تو بس مقصد حاصل ہے انشاء اللہ -- یہ ہے خلاصہ خشوع حاصل کرنے کا جس کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○

یعنی وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، وہ فلاح یافتہ ہیں۔ ہم نے ان کو دنیا و آخرت میں فلاح دیدی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری نمازوں میں خشوع پیدا فرما دے، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دھیان کو مجتمع فرما دے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

برائی کا بدلہ اچھائی سے دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ○فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ○(سورۃ المؤمنون: ۱تا۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی ان صفات کو بیان کیا ہے جو ان کی دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں، لہٰذا اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو تو ان کے لئے ان صفات کا اہتمام کرنا ضروری ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصّل بیان الحمدللہ ہو چکا ہے۔

مؤمنوں کی دوسری صفت

دوسری صفت یا دوسرا عمل جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے وہ ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں اور کنارہ کشی اختیار

کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان سے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو اس کا جواب ترکی بہ ترکی دینے کے بجائے اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو لغو باتوں سے اور لغو افعال سے بچاتے ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا۔ ایسی بزرگ ہستی کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، شاہی خاندان کے شہزادے تھے، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل پڑے اور قربانیاں دیں۔ ایک مرتبہ دھلی کی جامع مسجد میں خطاب فرما رہے تھے، خطاب کے دوران بھرے مجمع میں ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا (العیاذ باللہ) ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ اتنے بڑے عالم اور شہزادے کو ایک بڑے مجمع میں یہ گالی دی اور وہ مجمع بھی معتقدین کا تھا۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تو اس کو سزا دیتا، اگر وہ سزا نہ بھی دیتا تو اس کے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر دیتے، ورنہ کم از کم اس کو ترکی بہ ترکی یہ جواب تو دے ہی دیتے کہ تو حرام زادہ، تیرا باپ حرام زادہ، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو پیغمبرانہ دعوت کے حامل تھے، جواب میں فرمایا:

آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے

گواہ تو آج بھی دلی میں موجود ہیں۔

اس گالی کو ایک مسئلہ بنا دیا لیکن گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ شرعاً تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے، تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ معاف کر دینے اور درگزر کر دینے کا شیوہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

انتقام کے بجائے معاف کر دو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کونسی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا، اگر تم انتقام نہیں لوگے بلکہ درگزر کر دوگے اور معاف کر دوگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کر دیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن۔ لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑ دو، معاف کر دو اور درگزر کر دو۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ اولیاء کرام کی شانیں عجیب وغریب ہوتی ہیں، کسی کا کوئی رنگ ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کی کوئی شان ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ ان اولیاء کرام کی مختلف شانیں دیکھوں کہ وہ کیا شانیں ہوتی ہیں۔ ان بزرگ نے ان سے فرمایا کہ تم کس چکر میں پڑ گئے، اولیاء اور بزرگوں کی شانیں دیکھنے کی فکر میں مت پڑو بلکہ اپنے کام میں لگو۔ ان صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں! میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کیسے کیسے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ دہلی کی فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ اپنے ذکر واذکار میں مشغول نظر آئیں گے، تم جاکر ہر ایک کی پشت پر ایک مکہ مار دینا، پھر دیکھنا کہ اولیاء کرام کی شانیں کیا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے، وہاں جاکر دیکھا تو واقعتہً تین بزرگ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہیں، انہوں نے جاکر پہلے بزرگ کو پیچھے سے ایک مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں بلکہ اپنے ذکر واذکار میں مشغول رہے۔ جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر ان کو مکہ مار دیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر ان کا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں لگی۔

اس کے بعد یہ صاحب ان بزرگ کے پاس واپس آئے جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔ ان بزرگ نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ

بڑا عجیب قصہ ہوا، جب میں نے پہلے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا بھی نہیں اور جب دوسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے بھی پلٹ کر مجھے مکہ مار دیا، اور جب تیسرے بزرگ کو مکہ مارا تو انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں مکہ مارا تھا انہوں نے زبان سے کچھ کہا تھا؟ ان صاحب نے بتایا کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا، بس مکہ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں

ان بزرگ نے فرمایا کہ اب سنو! پہلے بزرگ جنہوں نے بدلہ نہیں لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ میں اپنا وقت بدلہ لینے میں کیوں ضائع کروں، اگر اس نے مجھے مکہ مارا تو میرا کیا بگڑ گیا، اب میں پیچھے مڑوں، اور یہ دیکھوں کہ کس نے مارا ہے اور پھر اس کا بدلہ لوں، جتنا وقت اس میں صرف ہوگا وہ وقت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کیوں نہ صرف کر دوں۔

پہلے بزرگ کی مثال

ان پہلے بزرگ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ نے بلایا اور اس سے کہا کہ تم میرے پاس آؤ، میں تمہیں ایک عالیشان انعام دوں گا۔ اب وہ شخص اس انعام کے شوق میں دوڑتا ہوا بادشاہ کے محل کی طرف جا رہا ہے، وقت کم رہ گیا ہے اور اس کو وقت پر پہنچنا ہے، راستے میں ایک شخص نے اس کو

مکہ مار دیا، اب یہ شخص اس مکہ مارنے والے سے الجھے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا کہ میں جلد از جلد کسی طرح بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں؟ ظاہر ہے کہ اس مکہ مارنے والے سے نہیں الجھے گا بلکہ وہ تو اس فکر میں رہے گا کہ میں کسی طرح جلد از جلد بادشاہ کے پاس پہنچ جاؤں اور جا کر اس سے انعام وصول کروں۔ اسی طرح یہ بزرگ اس مکہ مارنے والے سے نہیں اُلجھے بلکہ اپنے ذکر میں مشغول رہے۔ تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

دوسرے بزرگ کا انداز

دوسرے بزرگ جنہوں نے بدلہ لے لیا، انہوں نے یہ سوچا کہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جتنی زیادتی کوئی شخص تمہارے ساتھ کرے، اتنی زیادتی تم بھی اس کے ساتھ کر سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ اب تم نے ان کو ایک مکہ مارا تو انہوں نے بھی تمہیں ایک مکہ مار دیا، تم نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو انہوں نے بھی زبان سے کچھ نہیں کہا۔

بدلہ لینا بھی خیر خواہی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیا، یہ بدلہ لینا بھی درحقیقت اس شخص کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچائے یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے، اور وہ صبر کر جائیں تو ان کے صبر کے نتیجے میں وہ شخص تباہ

و برباد ہو جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب۔ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ساتھ کی ہوئی زیادتی پر ایسا عذاب نازل فرماتے ہیں کہ ایسے عذاب سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیونکہ اس ولی کا صبر اس شخص پر واقع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ والے بعض اوقات اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی کا بدلہ لے لیتے ہیں تاکہ اس کا معاملہ برابر ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کا عذاب اس پر نازل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کیوں بدلہ لیتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر اشکال ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ اولیاء اللہ تو اتنے شفیق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے، لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر بدلہ نہ لیا جائے تو وہ ضرور عذاب دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی شفقت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے مقابلے میں زیادہ ہوگئی۔ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ شیرنی کو اگر کوئی جا کر چھیڑ دے تو وہ شیرنی طرح دے جاتی ہے اور بدلہ نہیں لیتی اور اس پر حملہ نہیں کرتی، لیکن اگر کوئی جا کر اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑ دے تو پھر شیرنی اس کو برداشت نہیں کرتی بلکہ چھیڑنے والے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں لوگ گستاخیاں کرتے ہیں، کوئی شرک کر رہا ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کر رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے تحمل سے اس کو درگزر فرما دیتے ہیں، لیکن اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرنا اللہ تعالیٰ کو برداشت نہیں ہوتا، اس لئے یہ گستاخی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ منقول ہے کہ کسی اللہ کے ولی نے بدلہ لے لیا، وہ بدلہ لینا اس کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ اگر بدلہ نہ لیا تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا کیا عذاب اس پر نازل ہو جائے گا۔

تیسرے بزرگ کا انداز

جہاں تک تیسرے بزرگ کا تعلق ہے: جنہوں نے تمہارا ہاتھ سہلانا شروع کر دیا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ خدا پر رحمت اور شفقت کا وصف عطا فرمایا تھا، اس لئے انہوں نے پلٹ کر ہاتھ سہلانا شروع کر دیا۔

پہلے بزرگ کا طریقہ سنّت تھا

لیکن اصل طریقہ سنّت کا وہ ہے جس کو پہلے بزرگ نے اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچایا ہے تو میاں! کہاں تم اس سے بدلہ لینے کے چکر میں پڑ گئے، کیونکہ اگر تم بدلہ لے لو گے تو تمہیں کیا فائدہ مل جائے گا؟ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ سینے کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، لیکن اگر تم اس کو معاف کر دو گے اور درگزر کر دو گے تو سینے کی آگ کیا بلکہ جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے گی، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

معاف کرنا باعث اجر وثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں، خاندانوں میں، ملنے جلنے والوں میں، دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا اور فلاں نے یہ کر دیا، اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں، دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں، اس کو طعنہ دے رہے ہیں، دوسروں سے اس کی بُرائی اور غیبت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ لیکن اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر دو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (سورۃ الشوریٰ: آیت ۴۳)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ (سورۃ حٰم السجدہ: آیت ۳۴)

دوسرے کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے، وہ سب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ

حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۳۵)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ طعنہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو بھی جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ:

اِنَّا لَنَرٰکَ فِیْ سَفَاھَۃٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ

(سورۃ الاعراف: آیت ۶۶)

نبی سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو، احمق ہو اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں، تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں، ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں، لیکن دوسری طرف جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاھَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ الاعراف: آیت ۶۰)

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب

العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جارہا ہے کہ:

إِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ (سورۃ الاعراف: آیت ۶۰)

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں:

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (سورۃ الاعراف: آیت ۶۱)

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

رحمت للعالمین کا انداز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا، ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے، گھٹنے خون سے لہولہان ہو رہے ہیں، لیکن زبان پر یہ الفاظ جاری ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

اے اللہ! میری اس قوم کو ہدایت عطا فرما، کیونکہ یہ جاہل ہے اور اس کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے، اس وجہ سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں

دیتے، وہ اہل مکہ جنہوں نے مکہ میں رہنے والے صحابہ کرامؓ کی زندگی عذاب کر دی تھی، ان صحابہ کرام کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جارہا ہے، پتھر کی سلیں ان کے سینوں پر رکھی جارہی ہیں، ان کا بائی کاٹ کیا جارہا ہے، ان کا کھانا پانی بند کیا جارہا ہے، ان کے قتل کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ ۱۳ سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو ظلم کی چکی میں پیسا، لیکن اسی شہر مکہ میں فتح مکہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن کر داخل ہوئے تو اس موقع کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں اس شان سے داخل ہو رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو اس کی گردن تنی ہوئی ہوتی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن جھکی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان مبارک پر یہ آیات جاری ہیں:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً۔ (سورۃ الفتح: آیت ۱)

یعنی ہم نے آپ ﷺ کو فتح مبین عطا فرمائی۔

عام معافی کا اعلان

اور اس وقت آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے، جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے، جو شخص ابوسفیان

کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ پھر آپ نے تمام اہل مکہ کو جمع کر کے فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم و انتم الطلقاء۔

آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اور تم سب آزاد ہو۔

یہ سلوک آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔

ان سنّتوں پر بھی عمل کرو

بہرحال! انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ بُرائی کا جواب بُرائی سے مت دو، گالی کا جواب گالی سے مت دو بلکہ اپنے مقابل کے ساتھ احسان کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جتنے طریقے ہیں وہ سب سنّت ہیں، ہم نے صرف چند ظاہری چیزوں کا نام سنّت رکھ لیا ہے، مثلاً داڑھی رکھ لینا، خاص طریقے کا لباس پہن لینا، جتنی سنّتوں پر بھی عمل کی توفیق ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن سنّتیں صرف ان کے اندر منحصر نہیں، بلکہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے کہ بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، اگر اس سنت پر عمل ہو جائے تو ایسے شخص کے بارے میں قرآن شریف کا ارشاد ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۳)

جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو البتہ یہ بڑے

ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

یہ بڑے ہمت کی بات ہے کہ آدمی کو غصہ آرہا ہے اور خون کھول رہا ہے، اس وقت آدمی ضبط کر کے حدود پر قائم رہے اور سامنے والے کو معاف کردے اور راستہ بدل دے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (سورۃ الفرقان: آیت ۷۲)

یعنی جو لغو باتوں سے کنارہ کش رہنے والے ہیں۔

اس سنت پر عمل کرنے سے دنیا جنت بن جائے

آپ حضرات ذرا سوچیں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت حاصل ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی جھگڑا باقی رہے گا؟ سارے جھگڑے، سارے فسادات، ساری عداوتیں، ساری دشمنیاں اس وجہ سے ہیں کہ آج اس سنت پر عمل نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمادیں تو یہ دنیا جو آج جھگڑوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے، جس میں عداوتوں کی آگ سلگ رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں جنت بن جائے، گل وگلزار بن جائے۔

جب تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو

جب بھی آپ کو کسی سے تکلیف پہنچے تو یہ سوچو کہ میں بدلہ لینے کے کس چکر میں پڑوں، ہٹاؤ اسکو اور اللہ اللہ کروں اور اس کو معاف کردوں۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کرلی، آپ نے اس سے

زیادہ زیادتی کرلی، اب دوسرا شخص اس زیادتی کا بدلہ لے گا اور پھر آپ اس سے بدلہ لیں گے، اس طرح عداوتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کی کوئی انتہا نہیں، لیکن بالآخر تمہیں کسی مرحلے پر ہار ماننی پڑے گی اور اس جھگڑے کو ختم کرنا ہوگا، لہٰذا تم پہلے دن ہی معاف کر کے جھگڑا ختم کردو۔

چالیس سالہ جنگ کا سبب

زمانہ جاہلیت میں ایک طویل جنگ ہوئی ہے جو ''جنگ بسوس'' کہلاتی ہے، اس جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کی مرغی کا بچہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص کے کھیت میں چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے پودے خراب کر دیئے، بس اس پر لڑائی شروع ہوگئی، ان دونوں کے قبیلے اور خاندان والے آگئے، پہلے لاٹھیاں نکلیں اور پھر تلواریں نکل آئیں، پھر یہ لڑائی چالیس سال تک جاری رہی، جب باپ کا انتقال ہوتا تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا اور سب کام کر لینا لیکن میرے قاتلوں کو معاف نہ کرنا۔ صرف ایک مرغی کے بچے کی وجہ سے چالیس سال تک لڑائی چلتی رہی، اگر پہلے دن ہی قرآن کریم کی اس آیت:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

پر عمل کر لیتے تو یہ لڑائی اسی دن ختم ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمادے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اوقات زندگی بہت قیمتی ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ۝ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۝

(سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الكريم ونحن علی ذلك من الشاهدين والشاكرين والحمدللّٰہ ربّ العلمین

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی ان صفات کو بیان فرمایا ہے جو ان کی دنیا وآخرت میں فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہیں جو صفات ان آیات میں۔ بیان کی گئی ہیں ان میں سے پہلی صفت ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصل بیان الحمدللہ پچھلے چند جمعوں میں ہو چکا۔

آیت کا ایک مطلب

دوسری صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو تم ترکی بترکی اس کا جواب نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، بلکہ اس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اس کو معاف کر دو۔ اس کی تفصیل گزشتہ جمعہ عرض کر دی تھی۔

آیت کا دوسرا مطلب

اس آیت کریمہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو فضول کاموں سے بچتے ہیں۔ یعنی ایسے کاموں سے بچتے ہیں جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہے، ''لغو'' کے معنی ہیں وہ کام جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ کام فضول ہے، اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ آخرت میں ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے، سبحان اللہ، اور اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ دنیا میں ہے، تو وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ایسا کام جس کا فائدہ نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں ہے، ایسے کام کو ''لغو اور فضول'' کہتے ہیں۔

کام سے پہلے سوچو

اس آیت کریمہ نے یہ بتادیا کہ مؤمن کو چاہئے کہ وہ جو بھی کام کرنے جا رہا ہے، اس کے بارے میں پہلے سے یہ سوچے کہ اس کا کوئی فائدہ دنیا یا آخرت میں ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی فائدہ ہے تو بیشک وہ کام کرلے لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہے تو بلا وجہ اپنے اوقات کو اس لغو اور فضول کام میں برباد نہ کرے۔

زندگی بڑی قیمتی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو زندگی عطا فرمائی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے اور ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ لمحات ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے ہیں تاکہ ہم ان لمحات کو دنیا یا آخرت کے کسی مفید کام میں صرف کریں، اگر ہم ان لمحات کو فضول اور بے فائدہ کاموں میں صرف کر رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لئے فرمایا کہ اپنے آپ کو بے فائدہ کاموں میں مت لگاؤ اور اس میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔

فضول بحث ومباحثہ

مثال کے طور پر بہت سے لوگ فضول بحثوں میں الجھتے رہتے ہیں جن کا کوئی حاصل اور نتیجہ نہیں، دو چار آدمی کہیں بیٹھ گئے تو کسی موضوع پر بحث شروع ہوگئی، اب ایک شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور دوسرا شخص

اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور اس بحث و مباحثہ کے اندر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، حالانکہ اگر اس بحث کا تصفیہ بھی ہو جائے تو بھی نہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا، ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے اوقات کو فضول بحثوں میں برباد کرے۔

آج کل ہمارے معاشرے میں فضول بحثوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، کوئی بھی مسئلہ اٹھا دیا اور اس میں دو فریق بن گئے اور بحث شروع ہوگئی، حالانکہ وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اگر اس کا تصفیہ بھی ہو جائے تو دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دھلی میں قیام تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ساتھ میں بڑے نازک مزاج بھی تھے، ان کی نازک مزاجی کے بڑے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ دو طالب علموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ہم ان کی خدمت میں جائیں اور ان سے بیعت ہوں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں۔ چنانچہ یہ دونوں طالب علم اپنے شہر ''بلخ'' سے جو اس وقت ترکستان کا حصہ تھا، وہاں سے سفر کر کے دھلی پہنچے، دھلی

کی جس مسجد میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، اس مسجد میں گئے، نماز کا وقت قریب تھا، یہ دونوں وضو کرنے کے لئے مسجد کے حوض پر بیٹھ گئے اور وضو کرنا شروع کیا حضرت مرزا صاحب بھی کہیں قریب تھے، البتہ یہ دونوں طالب علم حضرت مرزا صاحب کو پہچانتے نہیں تھے، وضو کے دوران ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہماری بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے؟ دوسرے طالب علم نے کہا کہ مجھے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے، پہلے طالب علم نے کہا کہ نہیں، بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے، اس پر دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئی، ایک کہتا کہ بلخ والا حوض بڑا ہے اور دوسرا کہتا کہ دھلی والا حوض بڑا ہے اور دلائل دینے شروع کر دیے اور وضو بھی کرتے رہے لیکن وضو ختم ہوگیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

فضول کاموں کا شوق ہے

پھر ان دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! ہم آپ سے بیعت ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بیعت کا معاملہ تو بعد میں ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فیصلہ ہوا یا نہیں کہ دھلی کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے اب وہ دونوں بڑے شرمندہ ہوئے اور کہا کہ حضرت! فیصلہ تو ہوا نہیں، فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ پہلے یہاں کا حوض ناپو اور پھر واپس جا کر بلخ کا حوض ناپو اور اس مسئلہ کا تصفیہ

کرو، بیعت کی بات بعد میں کرنا۔ آپ دونوں کی اس بحث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کو فضول کاموں میں مشغول رہنے کا بڑا شوق ہے فرض کرو کہ اگر یہ پتہ بھی چل گیا کہ بلخ کا حوض بڑا ہے یا دہلی کا حوض بڑا ہے تو اس سے دنیا یا آخرت میں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ تم نے اس فضول بحث میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔

بے تحقیق بات کہنا

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کے اندر تحقیق اور احتیاط نہیں ہے، بغیر ناپے ہوئے تم میں سے ایک نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہاں کا حوض بڑا ہے اور دوسرے نے دعویٰ کر دیا کہ وہاں کا حوض بڑا ہے، حالانکہ تم میں سے کسی کو یقینی علم حاصل نہیں ہے اور پھر بھی آپس میں بحث کرنی شروع کر دی۔ یہ دونوں باتیں ایک مؤمن کی شان کے خلاف ہیں، مؤمن کی شان یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

مؤمنین وہ ہیں جو فضول اور لغو بحث سے پرہیز کرتے ہیں،

شریعت کے حکم میں تحقیق کرنا

یہاں تک فرمایا گیا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص حکم نہیں دیا بلکہ اس کے بارے میں شریعت نے چھوٹ دی ہے تو اس کے اندر مزید تحقیق میں پڑنا بھی پسند نہیں کیا گیا، اس لئے کہ شریعت نے جب عام حکم

دیا ہے اور اس کے لئے کوئی خاص حکم مقرر نہیں کیا تو خواہ مخواہ اس کی فکر میں پڑنا اور اس کے اندر بحث کرنا کوئی عقل مندی کا کام نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا خوبصورت جواب

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھر کے قریب ایک نہر ہے، میں اس نہر میں نہانے کے لئے جاتا ہوں، جب میں اس نہر میں داخل ہوتا ہوں تو نہر میں داخل ہوتے وقت مجھے اپنا منہ مغرب کی طرف کرنا چاہئے یا مشرق کی طرف کرنا چاہئے؟ یعنی قبلہ کی طرف کروں یا دوسری طرف کروں؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ تم اپنا منہ اپنے کپڑوں کی طرف کرلیا کرو کہ کوئی تمہارے کپڑے لے کر نہ بھاگ جائے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ جب شریعت نے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نہاتے وقت اپنا منہ مغرب کی طرف کرو یا مشرق کی طرف کرو تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو پابند کرنا عقل مندی کا کام نہیں۔

بنی اسرائیل کا گائے کے بارے میں سوالات

قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ میں یہ واقعہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک گائے ذبح کرو، کوئی قید اور کوئی شرط نہیں لگائی۔

اب سیدھی سی بات یہ تھی کہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پر عمل ہو جاتا، لیکن بنی اسرائیل نے سوالات شروع کر دیئے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی کھال کیسی ہونی چاہیے؟ وہ گائے مذکر ہو یا مؤنث ہو؟ جب انہوں نے سوالات کر کے خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کرنا شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی بتا دیا کہ گائے ایسی ہو، ان صفات کی حامل ہو اور اس کا رنگ زرد ہو، اب اس زمانے میں زرد رنگ کی گائے ملتی نہیں تھی، تلاش کر کے تھک گئے، بالآخر بڑی مشکل سے ایک صاحب کے پاس وہ گائے مل گئی پھر اس کو ذبح کیا۔ قرآن کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے:

فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ:۷۱)

یعنی آخر میں جا کر انہوں نے وہ گائے ذبح کی، ورنہ قریب تھا کہ وہ ذبح نہ کر پاتے، اس لئے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لی تھیں۔

زیادہ سوالات مت کرو

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ـ

(سورۃ المائدۃ:۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات مت کرو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لئے ناگواری کا سبب ہو۔ لہٰذا خواہ مخواہ ایسی

چیزوں کے پیچھے پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

فضول سوالات کی بھرمار

میرے پاس لوگوں کے بکثرت فون آتے ہیں اور مسائل پوچھتے ہیں اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ حلال، حرام یا جائز اور ناجائز کا مسئلہ پوچھ لیا، لیکن بسا اوقات سوال کرنے والے بالکل فضول سوال کرتے ہیں مثلاً ایک صاحب نے ایک مرتبہ فون کیا اور پوچھا کہ اصحاب کہف کا جو کتا تھا اس کا رنگ کیا تھا؟ اور یہ سوال بھی اس وقت کیا جب کہ رات کو سونے کا وقت تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کتے کا رنگ معلوم کرنے کی ضرورت کیسے پیش آئی؟ جواب میں کہا کہ ہم چند دوست بیٹھے ہوئے تھے تو ہمارے درمیان یہ بحث چل پڑی، اس بحث کے تصفیہ کے لئے آپ سے سوال کر رہا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ اس کتے کا رنگ کالا تھا یا سفید تھا تو اس کے نتیجے میں تمہیں دنیا یا آخرت کا کونسا فائدہ حاصل ہو جائے گا؟ یہ فضول باتیں ہیں جن کا آپ سے نہ قبر میں سوال ہوگا اور نہ حشر میں سوال ہوگا۔ بہت سے لوگ مذہب اور دین کے نام پر ایسی بحثیں شروع کر دیتے ہیں اور پھر اس پر آپس میں مناظرے ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی جا رہی ہیں، مقالات لکھے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے پر تنقید ہو رہی ہے۔

''یزید'' کے بارے میں سوال

یا مثلاً لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ''یزید'' جہنمی ہے یا جنتی ہے؟ فاسق ہے یا نہیں؟ ارے بھائی! اگر تمہیں پتہ بھی چل جائے کہ یزید فاسق نہیں تو کونسی تمہیں ایسی بات معلوم ہو جائے گی جس کے بارے میں آخرت میں تم سے سوال ہوگا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ ایک مجلس میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! میں یزید کے بارے میں کیا بتاؤں، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ میں فاسق ہوں یا نہیں؟ جس شخص کو اپنی فکر پڑی ہوئی، ہو وہ دوسرے کے بارے میں کیا فکر کرے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(البقرۃ:۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اعمال جو زندگی میں انجام دینے ہیں، جن کے نتیجے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونے والا ہے، جو حلال و حرام ہیں اور جائز ناجائز ہیں، ان کی فکر کرو، فضول بحثوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

ایک لمحہ میں جہنم سے جنت میں پہنچنا

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اتنا قیمتی ہے کہ اگر تم چاہو تو ایک منٹ کے اندر اپنے آپ کو جنت الفردوس کا مستحق بنالو۔ اگر ایک انسان ایک منٹ کو صحیح استعمال کرے تو ایک منٹ کے اندر جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے۔ ایک ستر سال کا کافر اگر سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهُ اللّٰهَ۔

تو وہ ایک منٹ میں کو جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گیا۔ ایک بڑا گناہ گار جس نے ہزاروں لاکھوں گناہ کر لئے لیکن ایک مرتبہ سچے دل سے کہے کہ اے اللہ! میں اپنی ساری پچھلی زندگی سے توبہ کرتا ہوں، سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، جس لمحہ میں اس نے توبہ کرلی، اسی لمحہ میں وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں پہنچ گیا۔ اگر ایک لمحہ کے اندر آپ نے ''سبحان اللہ کہہ دیا یا الحمدللہ کہہ دیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ کلمات انسان کے میزانِ عمل کو بھر دیتے ہیں۔

زندگی عظیم نعمت ہے

یہ سب چیزیں ابھی نظر نہیں آرہی ہیں، لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی اور انسان دوسرے عالم میں پہنچے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی تھی۔ لہذا جو لمحات تم صحیح کام میں صرف کر کے اس کے ذریعہ جنت کے ذرو

جواہر کما سکتے ہو، ان لمحات کو تم ٹھیکروں اور پتھروں میں ضائع کر رہے ہو؟ زندگی کا ایک ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تمہیں زندگی کے مزید لمحات میسر آجائیں تو ان لمحات میں نہ جانے کس نیکی کی توفیق ہو جائے جو تمہارا بیڑہ پار کردے، اس وجہ سے یہ مت کہو کہ یا اللہ! میں مرجاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، یہ بڑی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کرو، اس نعمت کو فضول بحثوں میں اور فضول کاموں میں صرف کرنا مناسب نہیں۔

مجلس آرائی مت کرو

اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ فضول مجلس آرائی کرنا اور گپ شپ کرنا اور اس میں گھنٹوں گزار دینا پسندیدہ عمل نہیں، بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہو۔ ہاں! دنیا کے فائدے کے جو کام ہیں، ان کو کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، وہ دنیا کے فائدے کے کام کرو، اگر نیت صحیح ہو تو وہ دنیا کے کام بھی دین بن جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا طریقہ درست کردے اور ہماری نیت درست کردے تو وہ کام جن کو ہم دنیا کے کام کہتے ہیں، وہ بھی آخرت کے کام بن جائیں گے، لیکن ایسے کام جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے، ان سے اعراض کرو۔

نسخۂ اکسیر

اگر یہ نسخہ ہم پلّے باندھ لیں، جس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم کرنے جائیں، ایک لمحہ کے لئے پہلے یہ سوچ لیں کہ اس کام سے کوئی فائدہ دنیا یا آخرت کا ہوگا یا نہیں؟ اگر فائدہ ہو تو بیشک وہ کام کرلیں اور اگر فائدہ نہ ہو تو اس کام کے پیچھے نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اپنی رحمت سے قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زکوۃ کی اہمیت
اور اس کا نصاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا نصاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا ـ

أمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ (سورۃ المؤمنون: ۱۔۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، ان میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو لغو کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ ان دونوں صفات کا تفصیلی بیان گزشتہ جمعوں میں ہو چکا۔ فلاح یافتہ مؤمنوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۝

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے دو معنی

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے مراد فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور دوسرا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہاں ''زکوٰۃ'' کے وہ مشہور معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں ''اپنے اخلاق کو پاک صاف کرنا'' عربی زبان میں ''زکوٰۃ'' کے معنی ہیں ''کسی بھی چیز کو گندگی سے، آلائشوں سے، اور نجاست سے پاک

کرنا''، زکوٰۃ کو بھی زکوٰۃ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے مال کو پاک کر دیتی ہے، جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے وہ مال گندا ہے اور ناپاک ہے۔ بہرحال، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں زکوٰۃ کے معنی ہیں ''اپنے اخلاق کو پاک کرنا'' بُرے اخلاق سے اپنے آپ کو بچانا، لیکن یہ کام کہ اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق سے بچایا جائے، یہ ایک عمل چاہتا ہے، اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○

یعنی جو لوگ اپنے آپ کو بُرے اخلاق سے بچانے کے عمل سے گزرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو پاک کر لیتے ہیں۔ بہرحال اس آیت کریمہ کی یہ دو تفسیریں ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت

آج اس آیت کے مشہور معنی کے اعتبار سے تفسیر عرض کرتا ہوں، یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ ''زکوٰۃ'' اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ارکان اور فرائض میں سے ہے اور جس طرح نماز فرض ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ قرآن کریم نے بے شمار مواقع پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ۔

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ ان آیات کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ

جس طرح نماز کی ادائیگی انسان کے لئے فرض اور ضروری ہے، اسی طرح زکوۃ کی ادائیگی بھی انسان کے لئے اتنے ہی درجے میں فرض اور ضروری ہے، نماز اگر بدنی عبادت ہے جس کو انسان اپنے جسم کے ذریعہ ادا کرتا ہے تو زکوۃ ایک مالی عبادت ہے جس کو انسان اپنے مال سے ادا کرتا ہے۔

زکوۃ ادا نہ کرنے پر وعید

اس کے چھوڑنے پر قرآن و حدیث میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

(سورۃ التوبۃ: آیات ۳۴، ۳۵)

یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ کر کے جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کو خرچ نہیں کرتے یعنی جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں خرچ نہیں کرتے، مثلاً زکوۃ کی ادائیگی اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی، اور قربانی کرنے کا جو حکم دیا ہے اور اسی طرح دوسرے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے کا جو حکم دیا ہے، ان احکام پر عمل نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کو دردناک عذاب ہونے والا

ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس عذاب کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس مال کو اور سونے چاندی کو انہوں نے جمع کیا تھا، اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان کی پیشانیاں اس مال سے داغی جائیں گی، جیسے لوہے کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور وہ انگارہ بن جاتا ہے، اسی طرح ان کے مال اور سونے چاندی کو جہنم کی آگ پر گرم کیا جائے گا اور جب وہ آگ پر انگارہ کی طرح بن جائے گا تو اس کے بعد ان کی پیشانیاں اس سے داغی جائیں گی اور ان کے پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے پاس جمع کر کے رکھا تھا، آج تم اس مال کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کر کے رکھا تھا۔ یہ کتنی سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے بیان فرمائی، اس سے پتہ چلا کہ یہ زکوٰۃ کتنا عظیم فریضہ ہے۔

زکوٰۃ کے فائدے

اللہ تعالیٰ نے یہ زکوٰۃ کا فریضہ ایسا رکھا ہے کہ اس کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن اس کے فائدے بھی بیشمار ہیں، ایک فائدہ یہ ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مال کی محبت سے محفوظ رکھتا ہے، چنانچہ جس کے دل میں مال کی محبت ہوگی، وہ کبھی زکوٰۃ نہیں نکالے گا، کیونکہ بخل اور مال کی محبت انسان کی بدترین کمزوری ہے اور اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے ذریعہ فرمایا ہے۔ زکوٰۃ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بے شمار غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ اندازہ لگایا کہ اگر پاکستان کے تمام لوگ ٹھیک ٹھیک زکوٰۃ نکالیں اور اس زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر خرچ کریں تو

یقیناً اس پاکستان سے غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہت سے لوگ تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو بہت سے لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں تو وہ ٹھیک ٹھیک نہیں نکالتے بلکہ اندازے سے حساب کتاب کے بغیر نکال دیتے ہیں اور پھر وہ اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس زکوٰۃ کا مصرف براہ راست غریب لوگ ہیں، اس لئے شریعت نیز زکوٰۃ کو بڑے بڑے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی، لیکن لوگ اس مسئلے کی پرواہ نہیں کرتے اور زکوٰۃ کو مختلف مصارف پر خرچ کر لیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے غریبوں کو جو فائدہ پہنچنا چاہئے تھا وہ فائدہ ان کو نہیں پہنچ رہا، اگر ٹھیک ٹھیک حساب کر کے صحیح مصرف پر زکوٰۃ خرچ کی جائے تو چند ہی سال میں ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے اسباب

لیکن یہ زکوٰۃ جتنا بڑا فریضہ ہے اور جتنے بے شمار اس کے فائدے ہیں، اتنی ہی اس کی طرف سے ہمارے معاشرے میں غفلت برتی جارہی ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اس وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے کہ ان کے دلوں میں اسلام کے فرائض، واجبات اور ارکان کی اہمیت ہی نہیں ہے، جو پیسہ آ رہا ہے آنے دو، غنیمت ہے اور اس کو اپنے اللّے تللّے میں خرچ کرتے رہو، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا بننے سے محفوظ رکھے، آمین۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ ہم تو دینی کاموں کے لئے پیسے دیتے رہتے ہیں، کبھی کسی کام کے لئے اور کبھی کسی کام کے لئے، لہٰذا ہماری زکوٰۃ تو خود بخود نکل رہی ہے۔ اب الگ سے

مسائل سے ناواقفیت

بعض لوگ وہ ہیں جن کو پتہ ہی نہیں کہ زکوٰۃ کس وقت فرض ہوتی ہے، وہ لوگ زکوٰۃ کے احکام سے ناواقف ہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کس شخص پر فرض ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ذمے زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہے، حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ ایسا اس لئے سمجھ رہے ہیں کہ ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں کہ کس شخص پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں وہ لوگ زندگی بھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم رہتے ہیں۔

زکوٰۃ کا نصاب

خوب سمجھ لیں کہ شریعت نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے، جس شخص کے پاس وہ نصاب موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اور وہ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت معلوم کرلی جائے، آج کل کے لحاظ سے اس کی قیمت تقریباً چھ ہزار روپے بنتی ہے۔ لہٰذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چھ ہزار روپے نقد ہوں یا سونے کی شکل میں ہوں یا چاندی کی شکل میں ہوں یا مال تجارت کی شکل میں ہوں، اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، بشرطیکہ یہ روپے اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہوں یعنی روزمرہ کی ضروریات اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی ضرورت سے زائد ہوں البتہ اگر کسی شخص پر

قرض ہے تو جتنا قرض ہے، وہ اس زکوٰۃ کے نصاب سے منہا کرلیا جائے گا، مثلاً یہ دیکھا جائے کہ یہ رقم جو ہمارے پاس ہے، اگر اس کو قرض ادا کرنے میں صرف کر دی جائے تو باقی کتنی رقم بچے گی، اگر باقی چھ ہزار روپے یا اس سے زائد نہ بچے تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر چھ ہزار روپے یا اس سے زائد بچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ضرورت سے کیا مراد ہے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس چھ ہزار روپے تو ہیں، مگر وہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے رکھے ہیں اور شادی کرنا ضرورت میں داخل ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ یہ خیال غلط ہے، اس لئے کہ ضرورت سے مراد زندگی کی روزمرہ کی کھانے پینے کی ضرورت مراد ہے یعنی اگر وہ ان روپوں کو خرچ کر دے گا تو اس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں بچے گا اپنے بیوی بچوں کو کھلانے کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن جو رقم دوسرے منصوبوں کے لئے رکھی ہے مثلاً بیٹیوں کی شادی کرنی ہے یا مکان بنانا ہے یا گاڑی خریدنی ہے اور اس کے واسطے رقم جمع کر کے رکھی ہے تو وہ رقم ضرورت سے زائد ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زکوٰۃ سے مال کم نہیں ہوتا

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو یہ پیسے بیٹی کی شادی کے لئے رکھے ہیں، اب اگر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں گے تو وہ رقم ختم ہو جائے گی۔ یہ کہنا

درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ تو بہت معمولی سی یعنی ڈھائی فیصد اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے یعنی ایک ہزار پر پچیس روپے فرض کئے ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس چھ ہزار روپے ہیں تو اس پر صرف ڈیڑھ سو روپے زکوٰۃ فرض ہوگی جو بہت معمولی مقدار ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ مفلس نہیں ہوتا بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ عطاء فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

ما نقصت صدقة من مال

یعنی کوئی صدقہ اور کوئی زکوٰۃ کسی مال میں کمی نہیں کرتی۔ مطلب یہ ہے کہ انسان زکوٰۃ کی مد میں جتنا خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی مال اور عطاء فرماتے ہیں اور کم از کم یہ تو ہوتا ہی ہے کہ جتنا مال موجود ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت عطاء فرماتے ہیں کہ وہ کام جو ہزاروں میں نکلنا چاہئے تھا، سینکڑوں میں نکل جاتا ہے۔

مال جمع کرنے اور گننے کی اہمیت

آج ہماری دنیا مادہ پرستی کی دنیا ہے، اس مادہ پرستی کی دنیا میں ہر کام کا فیصلہ گنتی سے کیا جاتا ہے، ہر وقت انسان یہ گنتا رہتا ہے کہ میرے پاس کتنے پیسے ہیں، کتنے پیسے آئے اور کتنے پیسے چلے گئے۔ جس کو قرآن کریم میں اس

طرح بیان فرمایا ہے کہ:

جَمَعَ مَالاً وَّ عَدَّ دَهُ (الهمزة: ۲)

یعنی مال جمع کرتا ہے اور گنتا رہتا ہے۔ لہٰذا آج گنتی کا دور ہے، یہ دیکھتے ہیں کہ کتنی گنتی بڑھی اور کتنی گھٹ گئی۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں گنتی گھٹنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑے مال میں کتنا کام نکال دیا اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے نتیجے میں گنتی بڑھ گئی تو اس بڑھے ہوئے مال کے نتیجے میں کتنی بے برکتی آ گئی، کتنے مسائل کھڑے ہوگئے اور کتنی مصیبتوں کا سامنا ہوگیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ جو بندہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

فرشتے کی دعا کے مستحق کون؟

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے جو مسلسل یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ مُمْسِكًا تَلَفًا۔

اے اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہو اور جو صدقہ خیرات کرنے والا ہو، اس کو اس کے مال کا دنیا ہی میں بدلہ عطا فرمایئے۔ آخرت میں اس کو عظیم ثواب ملنا ہی ہے لیکن وہ فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کو دنیا میں بھی بدلہ عطا فرمایئے اور جو شخص اپنا مال کھینچ کر اور چھپا کر رکھتا ہے تاکہ مجھے خرچ نہ کرنا پڑے، اے اللہ! اس کے مال پر بربادی ڈالیئے اور اس کے مال کو

ہلاک فرمایئے۔ لہٰذا یہ سوچنا کہ ہم نے تو فلاں مقصد کے لئے یہ پیسے رکھے ہیں اور وہ مقصد بھی ضروری ہے، وہ مقصد بیٹی کی شادی ہے، گھر بنانا ہے، گاڑی خریدنی ہے، اگر ہم نے زکوٰۃ دیدی تو وہ پیسے کم ہو جائیں گے، یہ خیال درست نہیں، بلکہ اگر تم نے زکوٰۃ دیدی اور اسکے ذریعہ ظاہری طور پر کچھ کمی بھی آگئی تو یہ کمی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اور دیدیں گے اور جو مال بچا ہے، اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے انشاء اللہ تمہارا کام نہیں رکے گا۔

زکوٰۃ کی وجہ سے کوئی شخص فقیر نہیں ہوتا

آج تک کسی شخص کا کام زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے نہیں رکا بلکہ میں چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ کوئی شخص آج تک زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس نہیں ہوا، کوئی شخص ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو، لہٰذا یہ جو لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ جو رقم حج کے لئے رکھی ہوئی ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ بات غلط ہے، کوئی رقم کسی بھی مقصد کے لئے رکھی ہے اور وہ رقم تمہاری روزمرہ کی ضروریات سے فاضل ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زیور پر زکوٰۃ فرض ہے

اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم تو نہیں ہے لیکن اس کے پاس زیور کی شکل میں سونا یا چاندی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، اکثر و بیشتر گھروں میں اتنا

زیور ہوتا ہے جو نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے، لہٰذا جس کی ملکیت میں وہ زیور ہے، چاہے وہ شوہر ہو یا بیوی ہو یا بیٹا اور بیٹی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر کی ملکیت میں ہے تو شوہر پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بیوی کی ملکیت میں ہے تو بیوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ آج کل ملکیت کا معاملہ بھی صاف نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر بات صاف اور واضح ہونی چاہئے۔ لہٰذا یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ یہ زیور کس کی ملکیت ہے؟ شوہر کی ملکیت ہے؟ یا بیوی کی ملکیت ہے؟ اگر اب تک واضح نہیں تھی تو اب واضح کرلو کہ کس کی ملکیت ہے؟ جس کی ملکیت ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شاید آپ پر زکوٰۃ فرض ہو

بہرحال نصابِ زکوٰۃ کے بارے میں یہ شریعت کا دستور ہے، اگر اس کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ بہت سے لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اس وجہ سے وہ لوگ زکوٰۃ کے فریضے کی ادئیگی سے محروم رہتے ہیں۔ یہ نصابِ زکوٰۃ سے متعلق مختصر مسئلہ تھا، اگر زندگی باقی رہی تو تفصیل انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

زکوٰۃ کے چند اہم مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ (سورۃ المؤمنون: ۱ـ۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے ان آیات پر بیان ہو رہا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے دو صفات کا تفصیلی بیان ہو چکا، تیسری صفت کا بیان چل رہا ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ کی اہمیت اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید اور زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو تفصیل سے عرض کر دیا تھا، آج زکوٰۃ کے بارے میں چند مسائل بیان کرنے کا ارادہ ہے جن سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم لوگ اس فریضے کو صحیح طریقے پر ادا نہیں کر رہے ہیں۔

مالکِ نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی ملکیت کا مکلف بنایا ہے، ہر انسان پر اس کی ملکیت کے حساب سے احکام جاری ہوتے ہیں، مثلاً اگر باپ صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ اس کی ملکیت کے حساب سے واجب ہے، اگر بیٹا بھی صاحب نصاب ہے تو بیٹے پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، اگر شوہر صاحب نصاب ہے اور بیوی بھی صاحب نصاب

ہے تو شوہر پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور بیوی پر اس کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، ہر ایک کی ملکیت کا الگ الگ اعتبار ہے۔

باپ کی زکوٰۃ بیٹے کے لئے کافی نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کا جو بڑا اور سربراہ ہے، چاہے وہ باپ ہو یا شوہر ہو، اگر اس نے زکوٰۃ نکال دی تو سب کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب گھر کے دوسرے افراد کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ جس طرح باپ کے نماز پڑھ لینے سے بیٹے کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیٹے کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی اور جس طرح شوہر کے نماز پڑھ لینے سے بیوی کی نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ بیوی کو اپنی نماز الگ پڑھنی ہوگی، اسی طرح زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ گھر کے اندر جو شخص بھی صاحب نصاب ہے، چاہے وہ باپ ہے، بیٹا ہے، بیٹی ہے، بیوی ہے، شوہر ہے، سب پر اپنی اپنی ملکیت کے حساب سے الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مال پر سال گزرنے کا مسئلہ

ایک اور مسئلہ جس میں لوگوں کو بکثرت غلط فہمی رہتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے، سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگ اس مسئلہ کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ ہر ہر مال پر الگ الگ سال گزرنا ضروری ہے، حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سارے سال صاحب نصاب رہے۔

مثلاً کسی شخص کے پاس یکم رمضان المبارک کو دس ہزار روپے آگئے، اب یہ شخص صاحب نصاب ہوگیا، اب اگر سال کے اکثر حصے میں اس کے پاس ان میں سے چھ ہزار روپے موجود رہے ہیں یا چھ ہزار روپے کی مالیت کا زیور رہا ہے، یا مال تجارت رہا ہے تو وہ صاحب نصاب ہے، اگر درمیان سال میں اس کے پاس اور روپے آگئے تو اس پر علیحدہ سے مکمل سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگلے رمضان کی پہلی تاریخ کو جتنی رقم یا زیور یا مال تجارت ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دو دن پہلے آنے والے مال میں زکوٰۃ

مثلاً یکم رمضان سے دو دن پہلے اس کے پاس دس ہزار روپے مزید آگئے تو اب یکم رمضان کو اس دس ہزار روپے میں بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس پر علیحدہ سے سال گزرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص پورے سال صاحب نصاب رہا ہے، اس لئے اگر درمیان میں کوئی اضافہ ہو جائے تو ان پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں۔

زکوٰۃ کن چیزوں میں فرض ہوتی ہے؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ زکوٰۃ ان چیزوں میں فرض ہوتی ہے (۱) نقد روپیہ، چاہے بینک میں ہو یا گھر پر ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (۲) سونے چاندی اور زیور پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، چاہے زیور استعمال ہو رہا ہو یا یونہی رکھا ہوا ہو، اور وہ زیور جس کی ملکیت میں ہوگا اسی

پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں بڑی بدنظمی پائی جاتی ہے، گھر میں خاتون کے پاس جو زیور ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے، کیا وہ عورت کی ملکیت ہے یا شوہر کی ملکیت ہے؟ شرعی اعتبار سے اس کو واضح کرنا ضروری ہے۔

زیور کس کی ملکیت ہوگا؟

مثلاً شادی کے موقع پر عورت کو جو زیور چڑھایا جاتا ہے، اس میں سے کچھ زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے اور کچھ زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو زیور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ سو فیصد لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اور لڑکی ہی پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے اور جو زیور لڑکے والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک طرح سے عاریتاً دیا جاتا ہے، اس کا مالک لڑکا ہوتا ہے، لہٰذا اس زیور کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر لڑکا اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں یہ زیور دیدیا، تم اس کی مالک ہو، تو اب زیور عورت کی ملکیت میں آجائے گا اور اس کی زکوٰۃ عورت ہی پر فرض ہوگی۔ لہٰذا اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ گھر میں جو زیور ہے، وہ کس کی ملکیت ہے؟ اس کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو زیور شوہر کی ملکیت ہے، اس کی زکوٰۃ شوہر پر فرض ہوگی اور جو زیور عورت کی ملکیت ہے، اس کی زکوٰۃ عورت پر فرض ہے۔

زیور کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

زیور کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیور کا وزن کرلیا جائے، چونکہ زکوۃ سونے کے وزن پر فرض ہوتی ہے، اسلئے اگر زیور میں موتی لگے ہوئے ہیں یا کوئی اور دھات اس کے اندر شامل ہے تو وہ وزن میں شامل نہیں ہوں گے، لہٰذا خالص سونا دیکھا جائے کہ اس زیور میں کتنا سونا ہے؟ پھر اس وزن کو کسی جگہ لکھ کر محفوظ کرلیا جائے کہ فلاں زیور کا اتنا وزن ہے۔ پھر جس تاریخ میں زکوۃ کا حساب کیا جائے مثلاً یکم رمضان کو زکوۃ کی تاریخ مقرر کی ہوئی ہے تو اب یکم رمضان کو بازار سے سونے کی قیمت معلوم کی جائے کہ آج بازار میں سونے کی کیا قیمت ہے؟ قیمت معلوم کرنے کے بعد اس کا حساب نکالا جائے کہ اس زیور میں کتنی مالیت کا سونا ہے۔ اس مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ نکالی جائے، مثلاً اگر اس سونے کی مالیت ایک ہزار روپے ہے تو اس پر ۲۵ روپے زکوۃ واجب ہوگی اور اگر دو ہزار ہے تو ۵۰ پچاس روپے واجب ہوگی اور اگر چار ہزار روپے ہے تو سو روپے زکوۃ واجب ہوگی، اس طرح حساب کرکے ڈھائی فیصد زکوۃ ادا کردی جائے۔ سونے کی قیمت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوۃ کا حساب کررہے ہیں، جس دن آپ نے سونا خریدا تھا، اس دن کی قیمت خرید معتبر نہیں ہوگی۔

مال تجارت میں زکوۃ

تیسری چیز جس میں زکوۃ فرض ہوتی ہے، وہ مال تجارت ہے مثلاً کسی

شخص نے کوئی دکان کھولی ہوئی ہے، اب اس دکان میں جتنا مال رکھا ہے، اسکی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت اس طرح لگائی جائے گی کہ اگر اس کا پورا سامان آج ایک ساتھ فروخت کیا جائے تو اس کی کیا قیمت لگے گی، بس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کرنا ہوگا۔

کمپنی کے شیرز میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کسی کمپنی کے شیرز خریدے ہوئے ہیں تو وہ شیئرز بھی مال تجارت میں داخل ہیں، لہٰذا ان شیئرز کی جو بازاری قیمت ہے، اس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا ہوگا۔ آج کل کمپنیاں خود شیئرز کی زکوٰۃ کاٹ لیتی ہیں، لیکن وہ کمپنیاں شیئرز کی اصل قیمت پر زکوٰۃ کاٹتی ہیں، بازاری قیمت پر نہیں کاٹتیں، مثلاً ایک کمپنی کے شیئرز کی اصل قیمت دس روپے ہے اور بازار میں اس کی قیمت پچاس روپے ہے، اب کمپنی تو دس روپے کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ لے گی لیکن درمیان میں چالیس روپے کا جو فرق ہے، اس کی زکوٰۃ شیئرز ہولڈرز کو خود ادا کرنی ضروری ہے۔

مکان یا پلاٹ میں زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے یعنی اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس پلاٹ کو فروخت کر کے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس مکان اور پلاٹ کی مالیت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر کسی شخص نے کوئی مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدا بلکہ

رہائش کی نیت سے خریدا ہے یا اس نیت سے خریدا ہے کہ میں اس مکان کو کرایہ پر دے کر اس سے آمدنی حاصل کروں گا تو اس صورت میں مکان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جو کرایہ آئے گا وہ نقدی میں شامل ہو کر اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

خام مال میں زکوٰۃ

بہرحال بنیادی طور پر تین چیزیں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (۱) نقدی (۲) زیور (۳) مال تجارت۔ مال تجارت میں خام مال بھی شامل ہوگا، مثلاً اگر کسی کمپنی کے اندر خام مال پڑا ہوا ہے تو زکوٰۃ کا حساب جس دن کیا جائے گا، اس دن اس خام مال کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ضروری ہوگی اور جو مال تیار ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بیٹے کی طرف سے باپ کا زکوٰۃ ادا کرنا

لیکن اگر زکوٰۃ گھر کے تین افراد پر الگ الگ فرض ہے اور ان میں کوئی ایک دوسرے کو اجازت دیدے کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ میری طرف سے زکوٰۃ ادا کر دیں، پھر وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے، چاہے اپنے پیسوں سے ادا کر دے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کے تین بیٹے بالغ ہیں اور تینوں صاحب نصاب ہیں، یعنی تینوں بیٹوں کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر قابل زکوٰۃ اثاثے موجود ہیں، لہٰذا تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے اور

باپ پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے علیحدہ زکوٰۃ فرض ہے، لیکن اگر باپ اپنے بیٹوں کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، بشرطیکہ بیٹوں کی طرف سے اجازت ہو، اجازت کے بعد اگر باپ ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

بیوی کی طرف سے شوہر کا زکوٰۃ ادا کرنا

اسی طرح اگر شوہر بھی صاحب نصاب ہے اور بیوی بھی صاحب نصاب ہے، کیونکہ اس کے پاس اتنا زیور ہے جو نصاب زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہے، لیکن بیوی کے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں، اب وہ بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور تو نہیں کرسکتی لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ تمہاری زکوٰۃ میں ادا کر دیتا ہوں اور بیوی اس کو اجازت دیدے اور پھر شوہر اپنے پیسوں سے اس کی زکوٰۃ ادا کردے تو بیوی کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ البتہ اگر شوہر بخیل ہے اور بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، تب بھی بیوی پر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا، چاہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اس کو اپنا زیور ہی کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔

زیور کی زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں چاندی کی انگوٹھیاں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ

انگوٹھیاں کہاں سے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے یہ کہیں سے حاصل کی ہیں، اس لئے کہ یہ مجھے اچھی لگ رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ نکالتی ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اس کے بدلے تمہیں آخرت میں آگ کی انگوٹھیاں پہنائی جائیں تو بیشک اس کی زکوٰۃ نہ نکالو، لیکن اگر آگ کی انگوٹھیاں پہننے سے بچنا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا خواتین کو زیور کی زکوٰۃ ادا کرنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ زیور ان کی ملکیت ہو۔

عورت کی ملکیت میں ہو زیور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیور یا تو اس نے اپنے پیسوں سے خریدا ہو یا کسی نے اس کو ہدیہ میں دیا ہو یا وہ شادی کے موقع پر اپنی ماں کے گھر سے لائی ہو یا شوہر وہ زیور مہر کے طور پر بیوی کی ملکیت میں دیدے، مثلاً مہر پچاس ہزار روپے تھا اور شادی کے موقع پر شوہر کی طرف سے زیور چڑھایا گیا، لیکن چونکہ اس وقت کوئی وضاحت شوہر نے نہیں کی تھی، اس لئے وہ زیور شوہر کی ملکیت میں تھا، اب اگر وہ شوہر یہ کہہ دے کہ میں نے شادی کے موقع پر جو زیور چڑھایا ہے، وہ میں تمہیں مہر کے طور پر دیتا ہوں، یہ تمہارا مہر کا حصہ ہے تو اس صورت میں اس زیور کے ذریعہ مہر ادا ہو جائے گا اور بیوی اس زیور کی مالک بن جائے گی، اب اس زیور کی زکوٰۃ بیوی پر فرض ہوگی،

شوہر پر فرض نہیں ہوگی، اب بیوی کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے، چاہے خود پہنے یا فروخت کر دے یا کسی کو دیدے، شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ بیوی کو ان کاموں سے روکے، اس لئے کہ وہ زیور اب اس کی ملکیت میں آچکا ہے۔

بہرحال ہر چیز کا یہی حکم ہے کہ جو شخص جس چیز کا مالک ہے، اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی، البتہ اگر دوسرا شخص اس کی اجازت سے رضاکارانہ طور پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مثلاً بیوی کی طرف سے شوہر دیدے یا اولاد کی طرف سے باپ دیدے بشرطیکہ اجازت ہو، بغیر اجازت کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ اس کا اپنا فریضہ ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقفیت بہت پھیلی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، لیکن بسا اوقات وہ زکوٰۃ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتی اور اس کے نتیجے میں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کا وبال سر پر رہتا ہے۔ اس لئے خدا کے لئے زکوٰۃ کے بنیادی مسائل کو سیکھ لیں، یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں، کیونکہ انسان کے پاس جتنے اثاثے ہیں، ان میں سے صرف تین چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ایک سونا چاندی پر دوسرے نقد روپے پر اور تیسرے سامانِ تجارت پر یعنی ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ان کے علاوہ گھر کے اندر جو استعمال کی اشیاء ہیں مثلاً گھر کا فرنیچر، گاڑی، رہائشی مکان، استعمال کے برتن وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں، البتہ گھر میں یا بینک میں جو رقم رکھی ہے یا گھر میں جو زیور اور سونا چاندی ہے یا کوئی مکان یا پلاٹ فروخت

کرنے کی نیت سے خریدا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر رہنے کے لئے مکان خریدا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہرحال زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ آسان ہے، زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن ذرا سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے اس ستون کو صحیح سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

عنوان　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　صفحہ نمبر

جلد اول (۱)

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (۴)

جلد پنجم (۵)

جلد ششم (۶)

جلد ہفتم (۷)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

جلد ۱۳

اصلاحی خطبات

جلد ۱۵

- تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک
- اچھے اخلاق کا مطلب
- دلوں کو پاک کریں
- نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ
- آنکھیں بڑی نعمت ہیں
- خواتین اور پردہ
- بے پردگی کا سیلاب
- امانت کی اہمیت
- عہد اور وعدہ کی اہمیت
- نماز کی حفاظت کیجئے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

۱۵

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط وترتیب ☜ مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت ☜ مئی ۲۰۰۵ء
مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
باہتمام ☜ ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳
ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)
قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی
- مکتبہ الاسلام، البی فلورل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمدللہ و کفی، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور

ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی پندرہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ چودہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے پندرہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصہ میں یہ جلد تیار ہوکر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے پندرہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طالب دعا
ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۱۵

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر :۔

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
تزکیہ کیا چیز ہے؟	

صفحہ نمبر	عنوان

اچھے اخلاق کا مطلب

دلوں کو پاک کریں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

تصوف کی حقیقت

نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

عنوان	صفحہ نمبر

آنکھوں کی حفاظت کریں

عنوان	صفحہ نمبر

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

خواتین اور پردہ

عنوان	صفحہ نمبر
عورت کو دھوکہ دیا گیا	۱۹۵
عورت پر ظلم کیا گیا	۱۵۶
ہمارے معاشرے کا حال	۱۹۶
ایسی مساوات فطرت سے بغاوت ہے	۱۹۷

بے پردگی کا سیلاب

عنوان	صفحہ نمبر

امانت کی اہمیت

۱۳۲
۲۳۲

صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۳	جماعت سے نماز پڑھنے کے فائدے
۲۹۴	عیسائیت کی تقلید نہ کریں
۲۹۵	خواتین اوّل وقت میں نماز ادا کریں
۲۹۵	نماز کی اہمیت دیکھئے
۲۹۶	جنت الفردوس کے وارث

تعویذ گنڈے
اور جھاڑ پھونک

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک

کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً ۔ اَمَّا بَعْدُ :

امت محمدیہ کی کثرت

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے موسم حج کے موقع پر ساری امتیں پیش کی گئیں۔ یعنی بذریعہ کشف آپ کو تمام پچھلی امتیں دکھائی گئیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرے انبیاء کی امتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی

گئیں۔ اور ان کے ساتھ امت محمدیہ بھی آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ تو مجھے اپنی امت کی تعداد جو کہ بہت بڑی تھی، اس کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ اس لئے کہ دوسرے انبیاء کے امتیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی، جتنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد تھی۔

کثرتِ امت دیکھ کر آپ کی خوشی

دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ جب گذشتہ انبیاء کی امتیں آپ کے سامنے پیش کی جانے لگیں تو بعض انبیاء کی امت میں دو تین آدمی تھے، کسی کے ساتھ دس بارہ تھے، اس لئے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے والے محدود چند افراد تھے بعض انبیاء پر ایمان لانے والے دس بارہ افراد تھے، بعض پر ایمان لانے والے سو افراد تھے، بعض پر ایمان لانے والے ہزار تھے۔ جب یہ امتیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو آپ کو ایک بڑا گروہ نظر آیا، آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی امت تعداد کے اعتبار سے بہت زیادہ تھی، پھر بعد میں آپ کے سامنے ایک اور بڑا گروہ پیش کیا گیا جو سارے میدان پر چھا گیا، اور اور سارے پہاڑوں پر چھا گیا، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ یا محمد! اَرَضِیْتَ ؟ کیا آپ راضی ہوگئے؟ یعنی کیا اس سے خوش ہیں کہ آپ کی امت کی

اتنی بڑی تعداد ہے جو کسی اور پیغمبر کی امت کی نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا: نَعَمْ یَا رَبِّیْ ! ہاں اے میرے پروردگار، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ الحمد للہ ،میری امت کے اندر اتنی بڑی تعداد لوگوں کی موجود ہے۔

ستر ہزار افراد کا بلا حساب جنت میں دخول

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری سنائی کہ :

" اِنَّ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعِيْنَ اَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ "

(بخاری کتاب الطب، باب من لم یرق)

یعنی یہ جو امت آپ کو نظر آ رہی ہے اس میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، ان سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ پھر اس کی شرح فرمائی کہ وہ لوگ جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر یہ چار صفتیں ہوں گی۔

چار اوصاف والے

پہلی صفت یہ ہے کہ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ ،یعنی وہ لوگ جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ لوگ بیماری کا علاج داغ لگا کر نہیں کرتے ،اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی بیماری کا کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا تو اس وقت وہ لوگ لوہا گرم کر کے بیمار کے جسم سے لگاتے تھے۔ تیسری

صفت یہ کہ وہ بد شگونی نہیں لیتے کہ فلاں بات ہوگئی تو اس سے بُرا شگون لے لیا۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ ان باتوں کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ چار صفتیں ہوں گی وہ ان ستر ہزار افراد میں داخل ہوں گے جو بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

ستر ہزار کا عدد کیوں؟

اور یہ جو ستر ہزار افراد بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے، ان کے لئے جو عدد بیان کیا گیا ہے کہ وہ ستر ہزار ہوں گے، بعض حضرات نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ واقعۃً وہ ستر ہزار افراد ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ستر ہزار کا لفظ یہاں عدد بیان کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے، جیسے کوئی شخص کسی چیز کی کثرت کو بیان کرتا ہے تو اس کے لئے عدد بیان کر دیتا ہے، جبکہ مقصود عدد بیان کرنا نہیں ہوتا، بلکہ کثرت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی اس عدد سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس امت کے بے شمار افراد کو بلا حساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ جو ستر ہزار افراد ہوں گے، پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو جنت میں داخل فرمادے۔ آمین

ستر ہزار میں شامل ہونے کی دعا

جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایک صحابی حضرت عُکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا کہ :

یا رَسُوْلَ اللّٰہِ : فَادْعُ اللّٰہَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ

یا رسول اللہ : میرے لئے آپ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں داخل فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کے لئے دعا فرمادی کہ یا اللہ، ان کو ان لوگوں میں داخل فرمادے جو بلا حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہونے والے ہیں ۔ بس ان کا تو پہلے مرحلے پر ہی کام بن گیا۔ جب دوسرے صحابہ کرام نے دیکھا کہ یہ تو بڑا اچھا موقع ہے تو ایک صاحب اور کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ، میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں داخل فرمادیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

سَبَقَکَ بِھَا عُکَاشَۃُ

یعنی عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ مطلب یہ تھا کہ چونکہ سب سے پہلے انہوں نے دعا کی درخواست کر دی، میں نے اس کی تعمیل کر دی، اب یہ سلسلہ مزید دراز نہیں ہوگا، اب اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے اس کو داخل فرمائیں گے۔

ہر مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہیے

اس حدیث میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے بشارت ہے، اور ان لوگوں کے لئے بڑی بشارت ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس جماعت میں داخل فرمالیں جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کر دی جائے گی۔ ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں شامل فرمالیں، لیکن ان کی رحمت کے پیش نظر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ امتی بھی یہ دعا مانگ سکتا ہے کہ یا اللہ، میں اس قابل تو نہیں ہوں، لیکن آپ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ میرے جیسے آدمی کو بھی بلا حساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔ آپ کی رحمت کی وسعت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بلا حساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔

تکلیف یقینی اور فائدہ غیر یقینی والا علاج

بہر حال، اس حدیث میں چار صفات بیان فرمائی ہیں کہ جن میں یہ چار صفات پائی جائیں گی، وہ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ علاج کے وقت داغ نہیں لگاتے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ لوگ جب کسی بیماری کا علاج کرتے اور کوئی دوا کارگر نہ ہوتی تو ان کے یہاں یہ بات مشہور تھی کہ لوہا آگ پر گرم کر کے اس بیمار

کے جسم پر لگایا جائے۔اس کے ذریعے مریض کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ظاہر ہے کہ جب جلتا ہوا لوہا جسم سے لگے گا تو کیا قیامت ڈھائے گا۔ان کا خیال یہ تھا کہ یہ علاج ہے اور اس سے بیماری دور ہوتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ علاج کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ اس طریقہ علاج میں تکلیف نقد ہے اور فائدہ یقینی نہیں، اور وہ علاج جس میں تکلیف تو نقد ہو جائے اور فائدہ کا پتہ نہ ہو کہ فائدہ ہوگا یا نہیں، ایسا علاج پسندیدہ نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔

علاج میں بھی اعتدال مطلوب ہے

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ درحقیقت یہ داغنے کا طریقہ علاج کے اندر غلو اور مبالغہ ہے، عرب میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ " آخِرُ الدَّوَاءِ اَلْکَیُّ" یعنی آخری علاج داغ لگانا ہے۔بتلانا یہ مقصود ہے کہ جب آدمی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرانا سنت ہے، لیکن علاج ایسا ہونا چاہیے جو اعتدال کے ساتھ ہو، یہ نہیں کہ علاج کے اندر آپ انتہا کو پہنچ جائیں، اور مبالغہ سے کام لیں، یہ بات پسندیدہ نہیں۔ یہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کی کمی ہے، جس کی وجہ سے آدمی مبالغہ کر رہا ہے، انسان اسباب ضرور اختیار کرے، لیکن اعتدال کے ساتھ کرے، حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اَجۡمِلُوۡا فِیۡ الطَّلَبِ "

(کنز العمال حدیث ۹۲۹۱)

یعنی ایک اجمالی کوشش کرو، اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یہ ہے سنت، لہٰذا علاج میں اس طرح کا انہماک، اور بہت زیادہ غلو یہ پسندیدہ نہیں۔

بدشگونی اور بدفالی کوئی چیز نہیں

دوسری صفت جو بیان فرمائی وہ بدشگونی ہے، اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے کہ بد شگونی لینا کہ فلاں عمل سے یہ بدفالی ہوگئی، مثلاً بلی راستہ کاٹ گئی تو اب سفر ملتوی کردیں، وغیرہ۔ یہ سب باتیں جاہلیت کے زمانے کی باتیں تھیں، اور اس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کی کمی تھی، اس وجہ سے فرمایا کہ وہ لوگ بدشگونی نہیں کرتے۔

تعویذ گنڈوں میں افراط و تفریط

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے، یعنی وہ لوگ جو جنت میں بلا سبب داخل ہوں گے وہ جھاڑ پھونک کے ذریعے علاج نہیں کرتے۔ اسکے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان افراط و تفریط پائی جارہی ہے، بعض لوگ وہ ہیں جو سرے سے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کے بالکل ہی قائل نہیں، بلکہ وہ لوگ اس قسم کے تمام کاموں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ

تو اس کام کو شرک قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف بعض لوگ ان تعویذ گنڈوں کے اتنے زیادہ معتقد اور اس میں اتنے زیادہ منہمک ہیں کہ ان کو ہر کام کے لئے ایک تعویذ ہونا چاہیے، ایک وظیفہ ہونا چاہیے، ایک گنڈا ہونا چاہیے، میرے پاس روزانہ بے شمار لوگوں کے فون آتے ہیں کہ صاحب بچی کے رشتے نہیں آرہے ہیں، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، روزگار نہیں مل رہا ہے، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، میرا قرضہ ادا نہیں ہورہا ہے، اس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں، دن رات لوگ بس اس فکر میں رہتے ہیں کہ سارا کام ان وظیفوں سے اور ان تعویذ گنڈوں سے ہوجائے، ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جھاڑ پھونک میں غیر اللہ سے مدد

یہ دونوں باتیں افراط و تفریط کے اندر داخل ہیں، اور شریعت نے جو راستہ بتایا ہے وہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، جو قرآن و سنت سے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ جھاڑ پھونک کی کوئی حیثیت نہیں، اور تعویذ کرنا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ اس روایت میں ان لوگوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اس سے ہر قسم کی جھاڑ پھونک مراد نہیں، بلکہ اس حدیث میں زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا جو طریقہ تھا، اس کی طرف اشارہ ہے، زمانہ جاہلیت میں عجیب و غریب قسم کے منتر لوگوں کو یاد ہوتے تھے، اور یہ مشہور تھا کہ یہ منتر پڑھو تو اس سے فلاں بیماری سے افاقہ

ہو جائے گا، فلاں منتر پڑھو تو اس سے فلاں کام ہو جائے گا، وغیرہ، اور ان منتروں میں اکثر و بیشتر جنات اور شیاطین سے مدد مانگی جاتی تھی، کسی میں بتوں سے مدد مانگی جاتی تھی۔ بہر حال ان منتروں میں ایک خرابی تو یہ تھی کہ ان میں غیر اللہ سے اور بتوں سے اور شیاطین سے مدد مانگی جاتی تھی کہ تم ہمارا یہ کام کردو، اسی طرح ان منتروں میں مشرکانہ الفاظ ہوتے تھے،

جھاڑ پھونک کے الفاظ کو مؤثر سمجھنا

دوسری خرابی یہ تھی کہ اہل عرب ان الفاظ کو بذات خود مؤثر مانتے تھے، یعنی ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تاثیر دیگا تو ان میں تاثیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی تاثیر کے بغیر تاثیر نہیں ہوگی، بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان الفاظ میں بذات خود تاثیر ہے، اور جو شخص یہ الفاظ بولے گا اس کو شفا ہو جائے گی۔ یہ دو خرابیاں تو تھیں ہی۔ اس کے علاوہ بسا اوقات وہ الفاظ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے معنیٰ ہی سمجھ میں نہیں آتے تھے، بالکل مہمل قسم کے الفاظ ہوتے تھے، جن کے کوئی معنیٰ نہیں ہوتے تھے، وہ الفاظ بولے بھی جاتے تھے، اور ان الفاظ کو تعویذ کے اندر لکھا بھی جاتا تھا۔ درحقیقت ان الفاظ میں بھی اللہ کے سوا شیاطین اور جنات سے مدد مانگی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب شرک کی باتیں تھیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے جھاڑ پھونک کے طریقے کو منع فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس قسم کے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں میں مبتلا نہیں ہوتے، یہ وہ لوگ

ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ لہٰذا اس حدیث میں جس جھاڑ پھونک کا ذکر ہے اس سے وہ جھاڑ پھونک مراد ہے جس کا زمانہ جاہلیت میں رواج تھا۔

ہر مخلوق کی خاصیت اور طاقت مختلف

اس کی تھوڑی سی حقیقت بھی سمجھ لیجئے کہ یہ کارخانہ حیات یہ کائنات کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں مختلف خاصیتیں اور مختلف تاثیریں رکھ دی ہیں، مثلاً پانی کے اندر یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ پیاس بجھاتا ہے، آگ کے اندر جلانے کی خاصیت رکھ دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ تاثیر آگ سے نکال دیں تو آگ جلانا چھوڑ دے گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اسی آگ کو اللہ تعالیٰ نے گلزار بنا دیا تھا۔ ہوا کے اندر تاثیر الگ رکھی ہے۔ مٹی کی تاثیر الگ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا فرما دی ہیں، انسان، جنات، جانور، شیاطین، وغیرہ، اور ان میں سے ہر ایک کو کچھ طاقت دے رکھی ہے، انسان کو طاقت دے رکھی ہے، گدھے گھوڑے کو بھی طاقت دے رکھی ہے، شیر اور ہاتھی کو بھی طاقت دے رکھی ہے، اور ہر ایک کی طاقت کا معیار اور پیمانہ مختلف ہے، شیر جتنا طاقتور ہے، انسان اتنا طاقتور نہیں ہے، سانپ کے اندر زہر رکھ دیا، اگر وہ کسی کو کاٹ لے تو وہ مر جائے، اسی طرح بچھو کے اندر زہر رکھ دیا ہے، لیکن اس کے کاٹنے سے مرتا نہیں، بلکہ تکلیف ہوتی ہے۔ بہر حال ہر

خاصیتیں مختلف ہیں، اور طاقتیں مختلف ہیں۔

جنات اور شیاطین کی طاقت

اسی طرح جنات اور شیاطین کو بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ طاقتیں دے رکھی ہیں، وہ طاقتیں انسان کے لئے باعثِ تعجب ہوتی ہیں، مثلاً جنات کو اور شیاطین کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ کسی کو نظر نہ آئے، یہ طاقت انسان کو حاصل نہیں، اگر انسان یہ چاہے کہ میں کسی کو نظر نہ آؤں، تو وہ ایسی صورت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر انسان یہ چاہے کہ میں ایک لمحہ میں یہاں سے اڑ کر امریکہ چلا جاؤں تو یہ طاقت اس کو حاصل نہیں ہے۔ لیکن بعض جنات اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ یہ شیاطین لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیرنے کے لئے بعض اوقات انسانوں کو ایسے کلمات کہنے کی ترغیب دیتے ہیں جو شرک والے ہیں، وہ شیاطین انسانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم وہ کلمات کہو گے جو شرک والے ہیں اور نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرو گے تو ہم خوش ہوں گے، اور جو طاقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے، اس کو تمہارے حق میں استعمال کریں گے۔

اس عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں

مثلاً فرض کریں کہ کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے، اور وہ بیچارہ ڈھونڈتا پھر رہا ہے، اب اگر کسی جن یا شیطان کو پتہ چل گیا کہ وہ کہاں پڑی ہوئی ہے تو وہ اس

چیز کو اٹھا کر ایک منٹ میں لاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ طاقت دی ہے۔ اس شیطان نے اپنے معتقدین سے یہ کہہ رکھا ہے کہ اگر تم یہ کلمات کہو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا، اور وہ چیز لاکر دیدوں گا۔ اس کا نام "جادو" اس کا نام "سحر" اور "کہانت" ہے، اور اسی کو "سفلی" عمل بھی کہا جاتا ہے، اس عمل کا تعلق نہ کسی نیکی سے ہے، نہ تقوی سے، نہ دین سے ہے، اور نہ ہی ایمان سے، بلکہ بدترین کافر بھی اس طرح کے شعبدے دکھا دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ ان کے ہاتھ میں بعض جنات اور شیاطین مسخر ہیں، وہ جنات ان کا کام کر دیتے ہیں، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت پہنچا ہوا آدمی ہے، اور بڑا نیک آدمی ہے، حالانکہ اس عمل کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس عمل کے لئے ایمان بھی ضروری نہیں، اسی لئے سفلی عمل اور سحر کو حدیث شریف میں سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور سحر کرنے والے کی نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ بہرحال یہ طریقہ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا کہ اگر اللہ پر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو پھر یہ شرکیہ کلمات کہہ کر اور فضول مہمل کلمات ادا کر کے شیاطین کے ذریعہ کام کرانا شریعت میں ناجائز اور حرام ہے، اور کسی مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔

بیمار پر پھونکنے کے مسنون الفاظ

لیکن ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے منتروں کے

بجائے اور شرکیہ کلمات کے بجائے آپ نے خود اللہ جل شانہ کے نام مبارک سے جھاڑ پھونک کیا۔ اور صحابہ کرام کو یہ طریقہ سکھایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جائے تو یہ کلمات کہو :

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَذْهِبِ الْبَأسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيُ

لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ کَ ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

(ابوداود، کتاب الطب، باب فی التمائم)

اور بعض اوقات آپ نے کلمات سکھا کر فرمایا کہ ان کلمات کو پڑھ کر تھوکو، اور اس کے ذریعہ جھاڑو، آپ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس کی تلقین بھی فرمائی۔

معوذتین کے ذریعہ دم کرنے کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ کا معمول تھا کہ رات کو سونے سے پہلے معوذتین پڑھتے، اور بعض روایات میں " قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ " کا بھی اضافہ ہے، یعنی "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ان تینوں سورتوں کو تین تین مرتبہ پڑھتے، اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتے، اور پھر پورے جسم پر ہاتھ پھیرتے۔ یہ جھاڑ پھونک خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ

شیطانی اثرات سے حفاظت رہتی ہے، سحر سے اور فضول حملوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

مرض وفات میں اس معمول پر عمل

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں تھے، اور صاحب فراش تھے، اور اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ اپنا دست مبارک پوری طرح اٹھانے پر قادر نہیں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ رات کا وقت ہے، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر یہ عمل فرماتے رہے کہ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے تھے، اور پھر ان ہاتھوں کو سارے جسم پر پھیرتے تھے۔ لیکن آج آپ کے اندر یہ طاقت نہیں کہ یہ عمل فرمائیں۔ چنانچہ میں نے خود معوذتین پڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر دم کیا، اور آپ ہی کے دست مبارک کو آپ کے جسم مبارک پر پھیر دیا، اس لئے کہ اگر میں اپنے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تو اس کی اتنی تاثیر اور اتنا فائدہ نہ ہوتا جتنا فائدہ خود آپ کے دست مبارک پھیرنے سے ہوتا۔ اور بھی متعدد مواقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ اگر جھاڑ پھونک کرنی ہے تو اللہ کے کلام سے کرو، اور اللہ کے نام سے کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں یقیناً جو تاثیر ہے وہ شیاطین کے شرکیہ کلام میں کہاں ہوسکتی ہے۔ لہٰذا آپ نے اللہ کی

اجازت عطا فرمائی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ

روایات میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کا ایک قافلہ کہیں سفر پر جارہا تھا، راستے میں ان کا زادراہ، کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا، راستے میں غیر مسلموں کی ایک بستی پر اس قافلے کا گزر ہوا، انہوں نے جاکر بستی والوں سے کہا کہ ہم مسافر لوگ ہیں، اور کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ہے، اگر تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان ہو تو ہمیں دیدو، ان لوگوں نے شاید مسلمانوں سے تعصب اور مذہبی دشمنی کی بنیاد پر کھانا دینے سے انکار کردیا کہ ہم تمہاری مہمانی نہیں کرسکتے۔ صحابہ کرام کے قافلے نے بستی کے باہر پڑاؤ ڈال دیا، رات کا وقت تھا، انہوں نے سوچا کہ رات یہاں پر گزار کر صبح کسی اور جگہ پر کھانا تلاش کریں گے۔

سردار کو سانپ نے ڈس لیا

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس بستی کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا، اب بستی والوں نے سانپ کے کاٹنے کے جتنے علاج تھے، وہ سب آزما لیے، لیکن اس کا زہر نہیں اترتا تھا، کسی نے ان سے کہا کہ سانپ کا زہر اتارنے کے لئے جھاڑ پھونک کی جاتی ہے، اگر جھاڑ پھونک جاننے والا ہو تو اس کو بلایا جائے، تاکہ وہ

آ کر زہر اتارے۔ انہوں نے کہا کہ بستی میں تو جھاڑ پھونک کرنے والا کوئی نہیں ہے، کسی نے کہا کہ وہ قافلہ جو بستی کے باہر ٹھہرا ہوا ہے، وہ مولوی قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں، ان کے پاس جا کر معلوم کرو، شاید ان میں سے کوئی شخص سانپ کی جھاڑ جانتا ہو، چنانچہ بستی کے لوگ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور پوچھا کہ کیا آپ میں کوئی شخص ہے جو سانپ کے ڈسے کو جھاڑ دے، بستی کے ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں جھاڑ دوں گا، لیکن تم لوگ بہت بخیل ہو کہ ایک مسافر قافلہ آیا ہوا ہے، ہم نے کہا کہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کردو، تم نے ان کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بستی والوں نے کہا کہ ہم بکریوں کا پورا گلہ آپ کو دیدیں گے، لیکن ہمارے آدمی کا تم علاج کردو۔

سورۂ فاتحہ سے سانپ کا زہر اتر گیا

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ مجھے جھاڑ پھونک تو کچھ نہیں آتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یقیناً برکت ہوگی، اس لئے میں ان لوگوں کے ساتھ بستی میں گیا، اور وہاں جا کر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہا، سورۂ فاتحہ پڑھتا اور دم کرتا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کا زہر اتر گیا، اب وہ لوگ بہت خوش ہوئے، اور بکریوں کا ایک گلہ ہمیں دیدیا، ہم نے بکریوں کا گلہ ان سے لے تو لیا، لیکن بعد میں خیال آیا کہ ہمارے لئے ایسا

کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ بکریاں ہمارے لئے حلال بھی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لیں، اس وقت تک ان کو استعمال نہیں کریں گے۔

(بخاری، کتاب الطب، باب النفث فی الرقیۃ)

جھاڑ پھونک پر معاوضہ لینا

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ سنایا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ، اس طرح بکریوں کا گلہ ہمیں حاصل ہوا ہے، ہم اس کو رکھیں یا نہ رکھیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کو رکھنا جائز ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ سانپ کے کاٹنے کا یہ علاج ہے؟ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، میں نے سوچا کہ بے ہودہ قسم کے کلام میں تاثیر ہو سکتی ہے تو اللہ کے کلام میں تو بطریق اولیٰ تاثیر ہوگی، اس وجہ سے میں سورۃ فاتحہ پڑھتا رہا، اور دم کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فائدہ پہنچا دیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس عمل سے خوش ہوئے، اور ان کی تائید فرمائی، اور بکریوں کا گلہ رکھنے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ اب دیکھئے، اس واقعے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک کی نہ صرف تائید فرمائی، بلکہ اس عمل کے نتیجے میں بکریوں کا جو گلہ بطور انعام کے ملا تھا، اس کو رکھنے کی اجازت

عطا فرمائی، اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ عمل فرمایا اور صحابہ کرام سے بھی کرایا۔ یہ تو جھاڑ پھونک کا قضیہ ہوا۔

تعویذ کے مسنون کلمات

اب تعویذ کی طرف آیئے، تعویذ کاغذ پر لکھے جاتے ہیں، اور ان کو کبھی پیا جاتا ہے، اور کبھی گلے اور بازو میں باندھا جاتا ہے، کبھی جسم کے کسی اور حصے پر استعمال کیا جاتا ہے، خوب سمجھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کوئی تعویذ لکھا ہو، لیکن صحابہ کرام سے تعویذ لکھنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو یہ کلمات سکھائے تھے کہ:

﴿اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ اللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ﴾

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے، اور یہودی ان کے دشمن تھے، اور ان کے خلاف جادو وغیرہ کرتے رہتے تھے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات سکھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم یہ کلمات خود پڑھا کرو، اور اپنے اوپر اس کا دم کرلیا کرو، پھر انشاء اللہ کوئی جادو تم پر اثر نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔

ان کلمات کے فائدے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر رات کو سوتے ہوئے کسی کی آنکھ گھبراہٹ سے کھل جائے، اور اس کو خوف محسوس ہو تو اس وقت یہ کلمات پڑھ لے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بڑی اولاد کو تو یہ کلمات سکھا دیے ہیں، اور یاد کرا دیے ہیں، تا کہ اس کو پڑھ کر وہ اپنے اوپر دم کرتے رہا کریں، اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہیں، اور جو میرے چھوٹے بچے ہیں وہ یہ کلمات خود سے نہیں پڑھ سکتے، ان کے لئے میں نے یہ کلمات کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے، اور ثابت ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کسی عورت کی ولادت کا وقت ہو تو ولادت میں سہولت پیدا کرنے کے لئے تشتری یا صاف برتن میں یہ کلمات لکھ کر اس کو دھو کر اس خاتون کو پلا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ولادت میں سہولت فرما دیتے ہیں، اسی طرح بہت سے صحابہ اور تابعین سے منقول ہے کہ وہ لکھ کر لوگوں کو تعویذ دیا کرتے تھے۔

اصل سنّت ''جھاڑ پھونک'' کا عمل ہے

لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اور احادیث سے یقیناً وہی بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ کہ تعویذ کا فائدہ ثانوی درجے کا ہے، اصل فائدے کی چیز ''جھاڑ پھونک'' ہے، جو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، یہ عمل آپ نے خود فرمایا، اور صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی، اس عمل میں زیادہ تاثیر اور زیادہ برکت ہے، اور تعویذ اس جگہ استعمال کیا جائے جہاں آدمی وہ کلمات خود نہ پڑھ سکتا ہو، اور نہ دوسرا شخص پڑھ کر دم کر سکتا ہو، اس موقع پر تعویذ دیدیا جائے، ورنہ اصل تاثیر ''جھاڑ پھونک'' میں ہے۔ بہر حال صحابہ کرام سے دونوں طریقے ثابت ہیں۔

کون سے ''تمائم'' شرک ہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے، اور گناہ ہے، اس کی وجہ ایک حدیث ہے جس کا مطلب لوگ صحیح نہیں سمجھتے، اس کے نتیجے میں وہ تعویذ لٹکانے کو ناجائز سمجھتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْکٌ

(ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی التمائم)

''تمائم'' تمیمۃ کی جمع ہے، اور عربی زبان میں ''تمیمۃ'' کے جو معنی ہیں اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں تھا، اس لئے لوگوں نے غلطی سے اس کے معنی ''تعویذ'' سے کر دیے، اس کے نتیجے میں اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ ''تعویذ شرک ہے''

اب لوگوں نے اس بات کو پکڑ لیا کہ ہر قسم کا تعویذ شرک ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں "تمیمۃ" عربی زبان میں سیپ کی ان کوڑیوں کو کہا جاتا ہے جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ دھاگے میں پرو کر بچوں کے گلوں میں ڈال دیا کرتے تھے، اور ان کوڑیوں پر مشرکانہ منتر پڑھے جاتے تھے، اور دوسری طرف یہ کہ ان کوڑیوں کو بذات خود مؤثر سمجھا جاتا تھا، یہ ایک مشرکانہ عمل تھا، جس کو "تمیمۃ" کہا جاتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی کہ تمائم شرک ہے۔

جھاڑ پھونک کے لئے چند شرائط

لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعہ جھاڑ پھونک کا تعلق ہے، وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ سے ثابت ہے، اس لئے وہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے جواز کے لئے چند شرائط انتہائی ضروری ہیں، ان کے بغیر یہ عمل جائز نہیں۔

پہلی شرط

پہلی شرط یہ ہے کہ جو کلمات پڑھے جائیں ان میں کوئی کلمہ ایسا نہ ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگی گئی ہو، اس لئے کہ بعض اوقات ان میں "یا فلاں" کے الفاظ ہوتے ہیں، اور اس جگہ پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام ہوتا ہے، ایسا تعویذ، ایسا گنڈا، ایسی جھاڑ پھونک حرام ہے، جس میں غیر اللہ سے مدد لی گئی ہو۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر جھاڑ پھونک کے الفاظ یا تعویذ میں لکھے ہوئے الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی ہی معلوم نہیں کہ کیا معنی ہیں، ایسا تعویذ استعمال کرنا بھی ناجائز ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی مشرکانہ کلمہ ہو، اور اس میں غیر اللہ سے مدد مانگی گئی ہو، یا اس میں شیطان سے خطاب ہو، اس لئے ایسے تعویذ بالکل ممنوع اور ناجائز ہیں۔

یہ رُقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

البتہ ایک ''رقیہ'' ایسا ہے جس کے معنی ہمیں معلوم نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا کہ ایک عمل ایسا ہے کہ اگر سانپ یا بچھو کسی کو کاٹ لے تو اس کے کاٹنے کا اثر زائل کرنے کے لئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ہم یہ الفاظ پڑھتے ہیں کہ:

شَجَّةٌ قَرْنِيَّةٌ مِلْجَةُ بَحْرٍ قَفْطَعْ

اب اس کے معنی تو ہمیں معلوم نہیں، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا، شاید یہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں۔ اور یہ حدیث صحیح سند کی ہے، اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ صرف یہ ایک ''رقیہ'' ایسا ہے جس کے معنی معلوم نہ ہونے کے باوجود اس کے ذریعہ جھاڑ پھونک بھی جائز

ہے، اور اس کے ذریعہ تعویذ لکھنا بھی جائز ہے۔ البتہ اس پر ایسا بھروسہ کرنا کہ گویا انہی کلمات کے اندر بذات خود تاثیر ہے، یہ حرام ہے، بلکہ ان کلمات کو ایک تدبیر سمجھے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہر حال، تعویذ اور جھاڑ پھونک کی یہ شرعی حقیقت ہے، لیکن اس معاملے میں افراط و تفریط ہو رہی ہے، ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو اس عمل کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں، ان کی تفصیل تو عرض کر دی۔

تعویذ دینا عالم اور متقی ہونے کی دلیل نہیں

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس سارا دین ان تعویذ گنڈوں کے اندر منحصر ہے، اور جو شخص تعویذ گنڈا کرتا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے، وہ بہت بڑا نیک آدمی ہے، متقی اور پرہیزگار ہے، اسی کی تقلید کرنی چاہیے، اس کا معتقد ہونا چاہیے۔ اور جو شخص تعویذ گنڈا نہیں کرتا یا جس کو تعویذ گنڈا کرنا نہیں آتا اس کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو دین کا علم ہی نہیں۔ بہت سے لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں کہ فلاں مقصد کے لئے تعویذ دیدیجئے، میں ان سے جب کہتا ہوں کہ مجھے تو تعویذ دینا نہیں آتا تو وہ لوگ بہت حیران ہوتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو اتنا بڑا دار العلوم بنا ہوا ہے، اس میں تعویذ گنڈے ہی سکھائے جاتے ہیں، اور اس میں جو درس ہوتے ہیں وہ سب تعویذ اور جھاڑ پھونک کے ہوتے ہیں، لہٰذا جس کو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا نہیں آتا، وہ یہاں پر اپنا وقت ضائع

کررہے ہیں۔ اس لئے جو اصل کام یہاں پر سیکھنے کا تھا، وہ تو اس نے سیکھا ہی نہیں۔

تعویذ گنڈے میں انہماک مناسب نہیں

ان لوگوں نے سارا دین تعویذ گنڈے میں سمجھ لیا ہے، اوران لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا کی کوئی غرض ایسی نہ ہو جس کا علاج کوئی تعویذ نہ ہو، چنانچہ ان کو ہر کام کے لئے ایک تعویذ چاہیے، فلاں کام نہیں ہو رہا ہے، اس کے لئے کیا وظیفہ پڑھوں؟ فلاں کام کے لئے ایک تعویذ دیدیں۔ لیکن ہمارے اکابر نے اعتدال کو ملحوظ رکھا کہ جس حد تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا، اس حد تک ان پر عمل کریں، یہ نہیں کہ دن رات آدمی یہی کام کرتا رہے، اور دین و دنیا کا ہر کام تعویذ گنڈے کے ذریعہ کرے، یہ بات غلط ہے، اگر یہ عمل درست ہوتا تو پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی، بس کافروں پر کوئی ایسی جھاڑ پھونک کرتے کہ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آکر ڈھیر ہو جاتے۔ آپ نے اس جھاڑ پھونک پر کبھی کبھی عمل بھی کیا ہے، لیکن اتنا غلو اور انہماک بھی نہیں کیا کہ ہر کام کے لئے تعویذ گنڈے کو استعمال فرماتے۔

ایک انوکھا تعویذ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دیہاتی آدمی آیا، اس کے دماغ میں یہی بسا ہوا تھا کہ مولوی اگر تعویذ گنڈا نہیں جانتا تو وہ بالکل

جاہل ہے، اس کو کچھ نہیں آتا، چنانچہ آپ کو بڑا عالم سمجھ کر آپ کے پاس آیا، اور کہا کہ مجھے تعویذ دیدو، مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو تعویذ آتا نہیں، اس نے کہا کہ اجی نہیں مجھے دیدو، حضرت نے فرمایا کہ مجھے آتا نہیں تو کیا دیدوں؟ لیکن وہ پیچھے پڑ گیا کہ مجھے تعویذ دیدو، حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھوں، تو میں نے اس تعویذ میں لکھ دیا کہ ''یا اللہ یہ مانتا نہیں، میں جانتا نہیں، آپ اپنے فضل وکرم سے اس کا کام کر دیجئے'' یہ لکھ کر میں نے اس کو دیدیا کہ یہ لٹکا لے، اس نے لٹکالیا، اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعہ اس کا کام بنادیا۔

ٹیڑھی مانگ پر نرالا تعویذ

حضرت ہی کا واقعہ ہے کہ ایک عورت آئی، اور اس نے کہا کہ جب میں سر کے بال بناتی ہوں تو مانگ ٹیڑھی بن جاتی ہے، سیدھی نہیں بنتی، اس کا کوئی تعویذ دیدو۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے تعویذ آتا نہیں، اور اس کا کیا تعویذ ہوگا کہ مانگ سیدھی نہیں نکلتی، مگر وہ عورت پیچھے پڑگئی، حضرت فرماتے ہیں کہ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے ایک کاغذ پر لکھ دیا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اھدنا الصراط المستقیم، اس کا تعویذ بنا کر پہن لو تو شاید تمہاری مانگ سیدھی ہو جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھی کردی ہوگی۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کی زبان سے کوئی کلمہ نکل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دیتے ہیں۔ بہر حال، بزرگوں کے واقعات

اور حالات میں یہ جو لکھا ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ نے یہ کلمہ لکھ دیا، اس سے فائدہ ہوگیا وہ اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے سے کوئی درخواست کی گئی، اور اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ کلمات لکھ دوں، شاید اس سے فائدہ ہوجائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ فائدہ دیدیا۔

ہر کام تعویذ کے ذریعہ کرانا

آج کل یہ صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ہر وقت آدمی اسی جھاڑ پھونک کے دھندے میں لگا رہتا ہے، ہر وقت اسی تعویذ گنڈے کے چکر میں لگا رہتا ہے کہ صبح سے شام تک جو بھی کام ہو وہ تعویذ کے ذریعہ ہو، فلاں کام کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، فلاں کام کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، ملازمت کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، بیماری کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، ہر چیز کا الگ تعویذ ہونا چاہیے، ہر چیز کی ایک الگ دعا ہونی چاہیے۔ تعویذ گنڈے میں اتنا انہماک اور غلو سنت کے خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی جھاڑ پھونک کی ہے، لیکن یہ نہیں تھا کہ دنیا کے ہر کام کے لئے جھاڑ پھونک کر رہے ہیں۔ کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہے ہیں، لڑائی ہو رہی ہے، کہیں یہ منقول نہیں کہ کفار کو زیر کرنے کے لئے آپ نے کوئی جھاڑ پھونک کی ہو۔

تعویذ کرنا نہ عبادت نہ اس پر ثواب

ہاں: دعا ضرور فرماتے تھے، اس لئے کہ سب سے بڑی اور اصل چیز دعا ہے،

یاد رکھیے، تعویذ اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج جائز ہے، مگر یہ عبادت نہیں، قرآن کریم کی آیات کو اور قرآن کریم کی سورتوں کو اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کو اپنے کسی دنیوی مقصد کے لئے استعمال کرنا زیادہ سے زیادہ جائز ہے، لیکن یہ کام عبادت نہیں، اور اس میں ثواب نہیں ہے، جیسے آپ کو بخار آیا، اور آپ نے دوا پی لی، تو یہ دوا پینا جائز ہے، لیکن دوا پینا عبادت نہیں، بلکہ ایک مباح کام ہے، اسی طرح تعویذ کرنا اور جھاڑ پھونک کرنا، اس تعویذ اور جھاڑ پھونک میں اگرچہ اللہ کا نام استعمال کیا، لیکن جب تم نے اس کو اپنے دنیاوی مقصد کے لئے استعمال کیا تو اب یہ بذات خود ثواب اور عبادت نہیں۔

اصل چیز دعا کرنا ہے

لیکن اگر براہ راست اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ: اپنی رحمت سے میرا یہ مقصد پورا فرما دیجئے، یا اللہ: میری مشکل حل فرما دیجئے، یا اللہ: میری یہ پریشانی دور فرما دیجئے، تو اس دعا کرنے میں ثواب ہی ثواب ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو، اور اگر دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کرو تو زیادہ اچھا ہے، اس سے یہ ہوگا کہ جو مقصد ہے وہ اگر مفید ہے تو انشاء اللہ حاصل ہوگا، اور ثواب تو ہر حال میں ملے گا، اس لئے کہ دعا کرنا چاہے دنیا کی غرض سے ہو وہ ثواب کا موجب ہے، اس لئے کہ دعا کے بارے میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ" دعا بذات خود عبادت ہے۔

تعویذ کرنے کو اپنا مشغلہ بنالینا

لہٰذا اگر کسی شخص کو ساری عمر جھاڑ پھونک کا طریقہ نہ آئے، تعویذ لکھنے کا طریقہ نہ آئے، لیکن وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو یقیناً اس کا یہ عمل اس تعویذ اور جھاڑ پھونک سے بدرجہا افضل اور بہتر ہے۔ لہٰذا ہر وقت تعویذ گنڈے میں لگے رہنا یہ عمل سنت کے مطابق نہیں۔ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جس حد تک ثابت ہے اس کو اسی حد پر رکھنا چاہیے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جھاڑ پھونک کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن ہر وقت اس کے اندر انہماک اور غلو کرنا اور اس کو اپنا مشغلہ بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں، بس، تعویذ گنڈوں کی یہ حقیقت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

روحانی علاج کیا ہے؟

اب لوگوں نے یہ تعویذ گنڈے، یہ عملیات، یہ وظیفے، اور جھاڑ پھونک ان کا نام رکھ لیا ہے "روحانی علاج" حالانکہ یہ بڑے مغالطے اور دھوکے میں ڈالنے والا نام ہے، اس لئے کہ روحانی علاج تو دراصل انسان کے اخلاق کی اصلاح کا نام تھا، اس کے ظاہری اعمال کی اصلاح اور اس کے باطن کے اعمال کی اصلاح کا نام تھا،

یہ اصل میں روحانی علاج تھا، مثلاً ایک شخص کے اندر تکبر ہے، اب یہ تکبر کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً حسد پیدا ہوگیا ہے، وہ کیسے زائل ہو؟ یا مثلاً بغض پیدا ہوگیا ہے، وہ کیسے زائل ہو؟ حقیقت میں اس کا نام ''روحانی علاج'' ہے، لیکن آج اس تعویذ گنڈے کے علاج کا نام روحانی علاج رکھ دیا ہے، جو بڑے مغالطے والا عمل ہے۔

صرف تعویذ دینے سے پیر بن جانا

اور اگر کسی شخص کا تعویذ گنڈا اور جھاڑ پھونک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب ہوگیا تو اس شخص کے متقی اور پرہیزگار ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص دینی اعتبار سے مقتدیٰ بن گیا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں تاثیر رکھ دی ہے، جو شخص بھی اس کو پڑھے گا، تاثیر حاصل ہو جائے گی۔ یہ بات اس لئے بتا دی کہ بعض اوقات لوگ یہ دیکھ کر کہ اس کے تعویذ بڑے کارگر ہوتے ہیں، اس کی جھاڑ پھونک بڑی کامیاب ہوتی ہے، اس کو ''پیر صاحب'' بنا لیتے ہیں، اور اس کو اپنا مقتدیٰ قرار دیتے ہیں، چاہے اس شخص کی زندگی شریعت کے احکام کے خلاف ہو، چاہے اس کی زندگی سنت کے مطابق نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی اتباع کرنے والے بھی خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

ایک عامل کا وحشت ناک واقعہ

میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک وحشت ناک منظر دیکھا، وہ یہ کہ ایک

مسجد میں جاتا ہوا، معلوم ہوا کہ یہاں ایک عامل صاحب آئے ہوئے ہیں، نماز اور سنت وغیرہ پڑھ کر باہر نکلا تو دیکھا کہ باہر لوگوں کی دورویہ لمبی قطار لگی ہوئی ہے، اور عامل صاحب مسجد سے باہر نکلے، تو لوگ قطار میں کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے منہ کھول دیے، اور پھر پیر صاحب نے ایک ایک شخص کے منہ کے اندر تھوکنا شروع کردیا، ایک شخص داہنی طرف، پھر بائیں طرف کے منہ میں تھوکتے، اس طرح ہر شخص کے منہ میں اپنا بلغم اور تھوک ڈالتے جارہے تھے، اور پھر آخر میں کچھ لوگ بالٹیاں، ڈونگے اور جگ لیے کھڑے تھے، اور ہر ایک اس انتظار میں تھا کہ پیر صاحب اس کے اندر تھوک دیں، تاکہ اس کی برکتیں اس کو حاصل ہوجائیں۔ یہ بات اس حد تک اس لئے پہنچی تھی کہ اس کے تعویذ گنڈے کارآمد ہوتے تھے۔

حاصلِ کلام

خدا کے لئے اس معاملے میں اپنے مزاج کے اندر اعتدال پیدا کریں، راستہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، یا آپ کے صحابہ کرام نے اختیار فرمایا۔ اور یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ اصل چیز براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا ہے، کہ یا اللہ: میرا یہ کام کردیجئے، اس سے بہتر کوئی تعویذ نہیں، اس سے بہتر کوئی کام نہیں۔ اور یہ جھاڑ پھونک اور یہ تعویذ کوئی عبادت نہیں، بلکہ علاج کا ایک طریقہ ہے، اس پر کوئی اجر وثواب مرتب نہیں ہوتا،

یہی وجہ ہے کہ اس کی اجرت لینا، دینا بھی جائز ہے، اگر یہ عبادت ہوتی تو اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوتا، کیونکہ کسی عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص تلاوت کرے، اور اس پر اجرت لے تو یہ حرام ہے، لیکن تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے۔ بہر حال، اگر واقعۃً ضرورت پیش آجائے تو حدود و قیود میں رہ کر اس کو استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اس کی حدود و قیود سے آگے بڑھنا، اور ہر وقت انہی تعویذ گنڈوں کی فکر میں رہنا یہ کوئی سنت کا طریقہ نہیں، اور حدیث شریف میں یہ جو فرمایا کہ وہ لوگ بلا حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے اس حدیث کے ایک معنی تو میں نے بتادیے کہ اس سے زمانہ جاہلیت میں کی جانے والی جھاڑ پھونک مراد ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جو جائز جھاڑ پھونک ہے اس میں بھی غلو اور مبالغہ، اور اس میں زیادہ انہماک بھی پسندیدہ نہیں، بلکہ آدمی اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھے، اور جب ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، یہی بہترین علاج ہے، اس کے نتیجے میں یہ بشارت بھی حاصل ہوگی، جو اس حدیث کا میں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کا مصداق بنادے، اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلا حساب داخلہ نصیب فرمادے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تزکیہ کیا چیز ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

''تزکیہ'' کیا چیز ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـ

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ (سورۃ المومنون: ۱-۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر اور تشریح کافی عرصہ سے چل رہی ہے، ان آیتوں کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ جل شانہ نے وہ بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ایک مسلمان سے مطلوب ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرے مؤمن بندے ان صفات کے حامل ہوں اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جو ان صفات کے حامل ہوں گے اور جو یہ کام کریں گے ان کو فلاح حاصل ہوگی اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات کا حامل بنائے اور یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تین صفات کا بیان

ان صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، اس کی تفصیل بقدرِ ضرورت الحمدللہ بیان ہو چکی۔ دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ لغو اور بے ہودہ اور فضول کاموں میں نہیں پڑتے، یعنی اپنا وقت بے فائدہ کاموں میں صرف کرنے کو پسند نہیں کرتے، فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں، اس کا بیان بھی الحمدللہ تفصیل

سے ہو چکا۔ تیسری صفت اس آیت میں بیان فرمائی:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ زکوٰۃ بھی بڑا اہم فریضہ ہے اور دین کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے۔ اس کے بارے میں پچھلے دو تین جمعوں میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے اور اس کے بارے میں جو ضروری مسائل تھے وہ بھی بیان کر دیئے۔ آج اس آیت کا دوسرا مطلب عرض کرنا ہے۔

آیت کا دوسرا مطلب

عربی زبان کے اعتبار سے اس کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ مطلب یہ ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں اور پاکی اختیار کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ جب ہم عربی سے اردو ترجمہ کرتے ہیں تو عربی لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اردو میں صحیح لفظ نہیں ملتا، ہمارے پاس چونکہ لفظ "زکوٰۃ" کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہے، اس لئے ہم اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاکی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر پاکی سے جسم کی پاکی مراد نہیں، کیونکہ جسم کی پاکی کے لئے عربی زبان میں "طہارت" کا لفظ بولا جاتا ہے بلکہ اس سے "اخلاق" کی پاکیزگی مراد ہوتی ہے، اس کو عربی زبان میں "زکوٰۃ" اور "تزکیہ" کہا جاتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ وہ لوگ

ہیں جو اپنے اخلاق کو پاک صاف رکھتے ہیں اور ان کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اخلاق کے اندر جو گندگیاں اور نجاستیں شامل ہو جاتی ہیں، ان سے وہ اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم بڑا وسیع ہے اور اس کا پس منظر بڑا ہمہ گیر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد

لیکن اس بات کو سمجھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ قرآن کریم نے کم از کم چار جگہوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں، اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کیوں بھیجا؟ کیا کام آپ کے سپرد کئے گئے؟ کیا کام آپ کو انجام دینے تھے؟ قرآن کریم نے چار مقامات پر ان کاموں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۹)

اس آیت میں سب سے پہلا کام یہ بیان فرمایا: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ۔ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کریں۔ دوسرا کام یہ بیان فرمایا: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیات کی لوگوں کو تعلیم دیں، کیونکہ ہماری کتاب کو لوگ براہ راست سمجھ نہیں

سکیں گے۔ تیسرا کام یہ بیان فرمایا: وَالْحِکْمَۃَ۔ اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، دانائی اور عقل مندی کی باتوں کی تعلیم دیں۔ چوتھا کام یہ بیان فرمایا: وَيُزَكِّيهِمْ۔ اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو پاک صاف اور پاکیزہ بنائیں۔

تزکیہ کی ضرورت کیوں؟

اب آپ غور کریں کہ اس آیت میں تزکیہ کے بیان سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے کا ذکر آگیا، اس کے بعد قرآن کریم کی تعلیم دینے اور سکھانے کا ذکر آگیا، اس کے بعد حکمت کی باتیں سکھانے کا ذکر آگیا، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ تنہا یہ تین کام کافی نہیں، ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال واخلاق کو پاکیزہ بنائیں؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے قرآن کریم نے سکھا دیا اور اس کا مطلب سمجھا دیا اور حکمت کی باتیں بتادیں پھر یہ اضافی کام کیوں بتایا کہ آپ لوگوں کو پاک صاف کریں؟

تھیوریکل (لکھائی پڑھائی کی) تعلیم کے بعد ٹریننگ ضروری ہے

اس کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات جان لیں کہ دنیا میں جتنے علوم و فنون اور ہنر ہیں، ان کی ایک نظریاتی اور تھیوریکل تعلیم ہوتی ہے کہ اس میں اس علم کی تھیوری اور نظریہ بتا دیا، اس کو ''تعلیم'' کہا جاتا ہے، لیکن دنیا کے کسی فن کو

سمجھنے کے لئے محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی جب تک اس کی عملی تربیت اور عملی ٹریننگ نہ دی جائے۔ آپ اگر ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو کیا میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ لینے سے آپ ڈاکٹر بن جائیں گے؟ نہیں، بلکہ اگر آپ نے میڈیکل سائنس کا پورا کورس پڑھ لیا اور نظریاتی طور پر سمجھ بھی لیا کہ کیا کیا بیماریاں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ان کا علاج کیا ہوتا ہے؟ اگر یہ سب تفصیلات آپ نے معلوم کر لیں تب بھی آپ ڈاکٹر نہیں بنیں گے، آپ ڈاکٹر اس وقت بنیں گے جب آپ کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر تربیت لے لیں کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے اور کس طرح مرض کی تشخیص کی جاتی ہے اور کس طرح دوائیں تجویز کی جاتی ہیں اور کس طرح مریض کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے، جب تک آپ یہ تربیت حاصل نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ علاج کرنے کے قابل نہیں بنیں گے، یہی وجہ ہے کہ وہ یونیورسٹیاں جو میڈیکل سائنس کی تعلیم دیتی ہیں، وہ تعلیم مکمل کرانے کے بعد ہاؤس جاب کو لازمی قرار دیتی ہیں کہ کسی اسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر یہ سیکھنا پڑے گا کہ کس طرح علاج کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹی میں جو پڑھا تھا وہ نظریاتی تعلیم تھی اور اسپتالوں میں جا کر جو ہاؤس جاب کیا جا رہا ہے یہ تربیت اور ٹریننگ ہے۔

آپ کو تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے بھیجا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کاموں کے لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی نظریاتی تعلیم بھی دیں اور یہ

بھی بتائیں کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ اور ساتھ میں آپ لوگوں کو تربیت بھی دیں اور ان کا تزکیہ بھی کریں اور ان کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال و اخلاق کو گندگیوں سے پاک کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں۔ یہ چیزیں صرف کتابیں پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتیں، نظریہ سمجھا دینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ یہ چیزیں صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جب انسان کسی کی صحبت میں ایک مدت تک رہتا ہے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا ہے تو اس کے طرز عمل کی خوشبو رفتہ رفتہ اس انسان کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ دوسری تفسیر کے لحاظ سے اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکیزہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر جسم کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا، اگر کپڑے کو گندگی سے پاک کرنا ہو تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا، لیکن اخلاق اور اعمال کو پاکیزہ بنانے اور ان کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا انکو پانی سے دھو دیا جائے؟ یا ان اعمال کو غسل دیدیا جائے؟

''دل'' انسان کے اعمال کا سرچشمہ ہے

خوب سمجھ لیں کہ اعمال اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ

انسان دنیا کے اندر جو بھی کام کرتا ہے، درحقیقت اس عمل کا سرچشمہ اور اس کا منبع اس کی اصل انسان کے دل میں ہوتی ہے، پہلے انسان کے دل میں اس عمل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اس سے وہ عمل سرزد ہوتا ہے مثلاً آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو پہلے آپ کے دل میں یہ ارادہ پیدا ہوا کہ آج جمعہ کا دن ہے اور مجھے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا چاہئے اور جا کر نماز ادا کرنی چاہئے، لہٰذا پہلے ارادہ پیدا ہوا اور پھر اس ارادے میں پختگی آئی اور طبیعت میں جو سستی پیدا ہو رہی تھی، اس سستی کا مقابلہ کر کے اس ارادے کو پختہ کیا اور پختہ ارادے کے نتیجے میں آپ کے پاؤں مسجد کی طرف چلنے لگے، اگر آپ پختہ ارادہ نہ کرتے تو آپ کے پاؤں مسجد کی طرف نہ چلتے۔ ہاں اگر کوئی آدمی پاگل ہو جائے تو اس کے ہاتھ پاؤں بے ارادہ حرکت کر سکتے ہیں، لیکن جب تک انسان کے اندر عقل اور شعور موجود ہے، اس کے دل میں جب تک کسی کام کا ارادہ پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک وہ کوئی عمل نہیں کر سکتا، چاہے وہ اچھا کام ہو یا برا کام ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ انسان کے اعمال کا سرچشمہ انسان کا ''دل'' ہے۔

دل میں لطیف قوتیں رکھی گئی ہیں

یہ ''دل'' اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب چیز بنائی ہے، بظاہر دیکھنے میں تو یہ خون کا لوتھڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لوتھڑے کے ساتھ کچھ لطیف قوتیں وابستہ کر دی ہیں، وہ قوتیں نہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی کسی لیبارٹری میں ان قوتوں کو ٹیسٹ کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ قوتیں اس دل کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں۔

چنانچہ اس دل میں خواہشیں پیدا ہوتی ہیں کہ یہ کام کرلوں اور فلاں کام کرلوں، یہ ''خواہشیں'' دل میں پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''ارادے'' پیدا ہوتے ہیں، اسی دل میں ''جذبات'' جنم لیتے ہیں، اسی دل میں ''غصہ'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی دل میں دنیا بھر کی ''امنگیں'' پیدا ہوتی ہیں، اسی دل میں ''صدمہ'' آتا ہے، اسی دل میں ''غم'' پیدا ہوتا ہے، اسی دل میں ''خوشی'' آتی ہے، یہ سب چیزیں دل کے اردگرد گھومتی ہیں۔

''دِل'' میں اچھی خواہشیں پیدا ہونی چاہئیں

اب اگر اچھی خواہشیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان سے اچھے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر دل میں غلط خواہشیں پیدا ہو رہی ہیں تو انسان کے ارادے بھی خراب ہوں گے اور اعمال بھی خراب ہوں گے۔ اس لئے انسان کی ساری بھلائی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے دل میں ایسی خواہشیں پیدا ہوں جو نیک ارادوں کو جنم دیں، جس کے نتیجے میں اچھے اعمال وجود میں آئیں اور ایسی خواہشات دل میں پیدا نہ ہوں جس سے انسان غلط راستے پر پڑ جائے یا اگر ایسی خواہشات دل میں پیدا ہوں تو وہ مغلوب ہوں جس سے انسان غلط راستے پر نہ پڑ جائے۔ انسان کے تمام اعمال اسی اصول کے تحت گھومتے ہیں۔

''دِل'' کی اہمیت

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ

الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ۔

خوب سن لو! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جائے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے خوب سن لو کہ وہ لوتھڑا ''دل'' ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ج ۳ ص ۱۵۲)

یہ 'دل' بڑی عجیب چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ انسان کی ظاہری زندگی بھی اس پر موقوف ہے اور باطن کی اچھائی اور برائی بھی اس پر موقوف ہے، جسمانی صحت کا ''دل'' پر موقوف ہونا تو ہر انسان جانتا ہے کہ جب تک یہ ''دل'' ٹھیک کام کر رہا ہے، اس وقت تک انسان زندہ ہے۔ یہ ''دل'' انسان کی پیدائش سے بھی پہلے اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اس کا کام جاری رہتا ہے، اس کی کبھی چھٹی نہیں ہوتی، کبھی اس کے کام میں کوئی وقفہ نہیں آتا، اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، اس کا کام یہ ہے کہ وہ ایک منٹ میں بہتر ۷۲ مرتبہ پورے جسم میں خون پھینکتا ہے اور پھر واپس لیتا ہے، اس کو اس کام سے کبھی آرام نہیں ملتا، جبکہ دوسرے اعضاء کے کاموں میں وقفہ بھی آ جاتا ہے اور دوسرے اعضاء کو آرام بھی مل جاتا ہے، مثلاً اگر آدمی سو رہا ہے تو سوتے وقت آنکھوں کو آرام مل گیا، کانوں کو آرام مل گیا، جسم کے دوسرے اعضاء کو آرام مل گیا، لیکن سونے کی حالت میں بھی دل اپنا کام کر رہا ہے، یہاں تک کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی دل کا کام جاری رہتا ہے، اس لئے کہ جس دن اس دل نے آرام کر لیا، اس دن

اس انسان کی موت ہے اور انسان کی زندگی ختم ہے۔

جسم کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دل صحیح ہے اور تندرست وتوانا ہے تو سارا جسم توانا ہے اور جس دن یہ بیمار ہو جائے، اس دن انسان کے جسم کے لئے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ:

نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

یعنی کوئی بیماری دل کی بیماری کے برابر نہیں، یہ تو دل کی ظاہری حالت تھی۔

"دِل" کا ارادہ پاک ہونا چاہئے

دل کی باطنی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دل کے اندر جو لطیف طاقتیں پیدا فرمائی ہیں، جن کے نتیجے میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور جذبات جنم لیتے ہیں، جن کے ذریعہ ارادے پیدا ہوتے ہیں، وہ لطیف طاقتیں اگر پاک صاف ہیں تو پھر انسان کے اعمال بھی پاک صاف ہوں گے اور اگر وہ لطیف طاقتیں پاک نہیں بلکہ خراب اور گندی ہیں تو اعمال بھی خراب ہوں گے، اگر ایک عمل بظاہر دیکھنے میں اچھا نظر آ رہا ہے، نیک عمل نظر آ رہا ہے، لیکن دل کا وہ ارادہ اور وہ خواہش جس نے اس عمل کو جنم دیا، اگر وہ پاک نہیں تو وہ عمل بھی پاک نہیں ہے۔

نیک ارادے کی مثال

مثلاً اس وقت ہم سب یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہیں، نماز پڑھنا بظاہر نیک اور اچھا عمل ہے، اگر آپ کے دل نے آپ سے یہ نیک عمل اس لئے کروایا کہ نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے میں اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ثواب دیں گے، اگر اس ارادے سے عمل کیا تو وہ عمل اچھا ہے اور نیک ہے۔ لیکن اگر دل نے یہ ارادہ کیا کہ میں نماز جمعہ اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ لوگوں میں شہرت حاصل کروں کہ یہ آدمی بڑا نیک نمازی ہے، بڑا عابد و زاہد ہے، بڑا متقی پرہیزگار ہے، مسجد میں صف اول میں جاکر نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں عمل تو اچھا ہے لیکن ارادہ غلط ہے، خواہش غلط، دل نے غلط راستہ سمجھایا، اس لئے یہ عمل بھی اکارت اور بے کار ہوگیا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر یہ قلب ٹھیک ہے اور یہ صحیح قسم کے جذبات پیدا کر رہا ہے اور صحیح ارادے پیدا کر رہا ہے تو بیشک تمہارے سارے اعمال درست ہیں، لیکن اگر یہ قلب ٹھیک نہیں ہے اور یہ غلط راستے بتارہا ہے تو تمہارے اعمال بھی غلط ہیں، چاہے وہ اعمال دیکھنے میں کتنے ہی اچھے ہوں۔

دل کے اعمال میں حلال بھی ہے اور حرام بھی

بہرحال! اس دل میں اچھی خواہشات پیدا ہوں، اچھے جذبات پیدا ہوں صحیح ارادے پیدا ہوں اسی کا نام ''تزکیہ'' ہے، کیونکہ ''تزکیہ'' کے معنی ہیں

اپنے قلب کو غلط خواہشات اور غلط جذبات اور غلط ارادوں سے پاک کرنا۔ جس طرح وہ اعمال جو ہم ظاہر میں ادا کرتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، یہ سب ظاہری اعمال ہیں اور ہمارے ذمے فرض ہیں، اور جس طرح کچھ اعمال ظاہری حرام ہیں، جیسے شراب پینا حرام ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے، رشوت دینا حرام ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قلب کے اعمال میں بھی کچھ اعمال فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور کچھ اعمال حرام اور ناجائز قرار دیئے ہیں۔

''اخلاص'' دل کا حلال عمل ہے

مثلاً ''اخلاص'' دل کا عمل ہے، ہاتھ پاؤں، ناک، کان، زبان کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ اخلاص دل میں جنم لیتا ہے اور باطنی عمل ہے اور یہ اخلاص حاصل کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، جیسے رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ فرض ہے، کیونکہ اگر اخلاص دل میں نہیں تو پھر ظاہری اعمال بھی بیکار ہیں، مثلاً نماز اگر اخلاص کے بغیر پڑھیں گے تو یہ عمل بھی بیکار ہوگا۔

''شکر'' اور ''صبر'' دِل کے اعمال ہیں

اسی طرح نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، یہ دل کا عمل ہے، آدمی دل سے یہ تصور کرے کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس نعمت سے نوازا ہے، اس کو ''شکر'' کہتے ہیں، یہ

دل کا عمل ہے اور فرض ہے۔ اسی طرح ''صبر'' ہے، صبر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آ جائے یا تکلیف پہنچ جائے، تو اس تکلیف پر انسان دل میں یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ اس کی حکمت کے مطابق ہے، اس کا نام ''صبر'' ہے اور یہ دل کا کام ہے، اس کو حاصل کرنا فرض ہے۔ اس طرح کے بہت سے اعمال ہیں جو انسان کے دل سے متعلق ہیں، ان کو ''اخلاق'' کہا جاتا ہے اور یہ ''اخلاق'' حاصل کرنا فرض ہے۔

''تکبر'' دل کا حرام فعل ہے

کچھ ''اعمال'' دل سے متعلق ایسے ہیں جو حرام ہیں، مثلاً تکبر کرنا، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' یعنی مجھ جیسا کوئی نہیں ہے اور سب لوگ میرے آگے حقیر اور ذلیل ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں ہی سب سے بڑا ہوں، یہ ''تکبر'' ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ تکبر زبان سے ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ زبان سے تو وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں بہت حقیر ہوں، بہت ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، لیکن اس کے دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ تکبر دل کی باطنی بیماری ہے اور حرام ہے اور یہ تکبر اتنا شدید حرام ہے کہ خنزیر کھانے سے بھی زیادہ حرام ہے، شراب پینے سے بھی زیادہ حرام ہے، اس لئے کہ تکبر کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنے والا ہے، کیونکہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ

تعالیٰ کے لئے ہے، اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہا ہے۔ بہرحال تکبر بہت بڑی بلا اور حرام ہے۔

''تزکیہ'' اسی کا نام ہے

اسی طرح ''حسد'' دل کی بیماری ہے، یعنی کسی دوسرے انسان کو کوئی نعمت مل گئی، اب اس نعمت کو دیکھ کر دل میں جلن پیدا ہو رہی ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں مل گئی، یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے اور یہ حرام ہے۔ بہرحال جس طرح ظاہری اعمال میں سے کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب ہیں، کچھ حرام ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے جو جذبات خواہشات اور ارادے ہیں، ان میں سے کچھ فرض و واجب ہیں اور کچھ حرام ہیں، ان میں سے جو فرض و واجب ہیں، انسان ان کو برقرار رکھے اور جو گناہ اور حرام ہیں، ان سے اپنے دل کو بچالے، اس کا نام ''تزکیہ'' ہے اور اسی کا نام ''قلب کو پاک کرنا'' ہے، لہٰذا اس آیت میں فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وہ لوگ جو تزکیہ کرنے والے ہیں۔ یعنی اپنے قلب کو ناپاک اخلاق سے، ناپاک جذبات سے، ناپاک ارادوں سے پاک کرتے ہیں، وہ لوگ ''فلاح یافتہ'' ہیں۔

تصوّف کی اصل حقیقت

آپ حضرات نے ''تصوّف'' کا لفظ بار بار سنا ہوگا، آج لوگوں نے تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اس کو ایک ملغوبہ بنا دیا ہے،

حالانکہ تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمہارے جذبات صحیح ہونے چاہئیں، تمہارے اخلاق صحیح ہونے چاہئیں، تمہاری خواہشات صحیح ہونی چاہئیں اور ان کو کسی طرح صحیح کیا جائے۔ یہ اعمال ''تصوف'' کے اندر بتائے جاتے ہیں۔ ''تصوف'' کی حقیقت بس اتنی ہے، اس سے آگے لوگوں نے جو باتیں تصوف کے اندر داخل کر دی ہیں، اس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح فقہاء ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزے، زکوٰۃ، حج، بیع وشراء، نکاح وطلاق کے احکام بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیاء کرام دل میں پیدا ہونے والے جذبات کے احکام بیان کرتے ہیں

خلاصہ

بہرحال! قرآن کریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بیان فرمائے، ان میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کے اخلاق کا تزکیہ کرنا تھا، اس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۝

اس کی مزید تشریح انشاء اللہ آئندہ جمعوں میں عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب حضرات کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اچھے اخلاق کا مطلب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

''اچھے اخلاق'' کا مطلب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

خٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ۱۔۷)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق
رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من
الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز! سورۃ المؤمنون کی ان ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنو کی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فلاح یافتہ ہیں، ان صفات میں سے جس صفت کا بیان چل رہا ہے وہ ہے

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○

جیسے پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، پہلی تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور دوسری تفسیر کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اپنے آپ کو پاک صاف کرنے والے ہیں، اپنے اخلاق کو گندگیوں اور ناپاکیوں سے محفوظ رکھنے والے ہیں اور اچھے اخلاق کو اختیار کرنے والے ہیں۔

''دِل'' کی کیفیات کا نام ''اخلاق'' ہے

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ آج کل عرف عام میں ''اخلاق'' کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی دوسرے سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے، مسکراکر اس سے مل لے اور نرمی سے بات کرلے، ہمدردی کے الفاظ اس سے کہے، بس اسی کو ''اخلاق'' سمجھا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ شریعت کی نظر میں ''اخلاق'' کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے، اس مفہوم میں بیشک یہ باتیں بھی داخل ہیں کہ جب انسان دوسرے سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے، اظہار محبت کرے اور اس کے چہرے پر ملاقات کے وقت بشاشت ہو، نرمی کے ساتھ گفتگو کرے، لیکن ''اخلاق'' صرف اس طرزِ عمل میں منحصر نہیں بلکہ ''اخلاق'' درحقیقت دل کی کیفیات کا نام ہے، دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جو خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا نام ''اخلاق'' ہے۔ پھر اچھے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے جذبات میں اچھی اور خوشگوار باتیں پیدا ہوتی ہوں اور برے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں خراب جذبات اور غلط خواہشات پیدا ہوتی ہوں۔ لہٰذا شریعت کا ایک بہت اہم حصہ یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرے اور دل میں پرورش پانے والے جذبات کو اعتدال پر لائے۔

فطری جذبات کو اعتدال پر رکھیں

اس کی تھوڑی سی تشریح یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں کچھ فطری جذبے رکھے ہیں، وہ اس کی فطرت کا حصہ ہیں، کوئی انسان ان سے خالی نہیں، مثلاً ''غصہ'' ہے جو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے، کسی میں کم ہوتا ہے کسی میں زیادہ، لیکن ہوتا ضرور ہے یا مثلاً شہوت اور جنسی خواہش ہے جو ہر انسان کے اندر ہوتی ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ، یا مثلاً اپنی عزتِ نفس کا خیال کہ میں ذلیل نہ ہو جاؤں، بلکہ مجھے عزت حاصل ہو جائے، یہ جذبہ ہر انسان کے دل میں ہوتا ہے، یہ سب فطری جذبات ہیں جو انسان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں، لیکن ان جذبات کو اعتدال پر رکھنا ضروری ہے اور ان کو اعتدال پر رکھنے کا نام ہی ''حسن اخلاق'' ہے، اگر یہ اعتدال کے اندر ہیں تو بڑی اچھی بات ہے اور آدمی کے اخلاق پاکیزہ ہیں اور درست ہیں اور قابل تعریف ہیں، لیکن اگر اخلاق اعتدال سے گھٹے ہوئے ہیں یا اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں تو دونوں صورتوں میں انسان کے اخلاق خراب ہیں اور ان کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

''غصہ'' فطری جذبہ ہے

مثلاً ''غصہ'' ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں پیدا فرمایا ہے، یہ غصہ ضروری بھی ہے، کیونکہ اگر انسان کے اندر ''غصہ'' بالکل نہ

ہوتو انسان اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک شخص پر دوسرا شخص حملہ آور ہے اور اس کے اوپر ناجائز حملہ کر رہا ہے مگر وہ شخص خاموش بیٹھا ہے، اس کو غصہ ہی نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ''غصہ'' اعتدال پر نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اس کے باپ پر یا اس کے بھائی پر یا اس کی بیوی پر حملہ کر رہا ہے اور یہ شخص خاموش بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہے اور اس کو غصہ ہی نہیں آ رہا ہے تو یہ بے غیرتی ہے، بے حمیتی ہے اور شریعت میں اس بے غیرتی اور بے حمیتی کا کوئی جواز نہیں۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

آج عراق میں ہمارے بھائیوں پر وحشت اور بربریت والا حملہ ہو رہا ہے اور کتنے مسلمان ایسے ہیں جو نہ صرف یہ کہ خاموش ہیں اور ان کو غصہ نہیں آ رہا ہے، بلکہ ان کے ساتھ تعاون بھی کر رہے ہیں، ان کو اپنی فضائی حدود اور زمینی حدود فراہم کر رہے ہیں اور غیر مسلموں کے ہیڈ کوارٹر ان کے ملک میں قائم ہیں، یہ بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصے کا جو جذبہ اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا، وہ صحیح جگہ پر استعمال نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ یہ غصہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھا ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اپنا دفاع کرے، اپنے عزیز و اقارب اور گھر والوں کا دفاع کرے، اپنے دین کا دفاع کرے، اپنے ہم مذہب لوگوں کا دفاع کرے اور پوری انسانیت پر ہونے والے ظلم کا دفاع کرے، اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ غصہ رکھا ہے۔

غصہ کو صحیح جگہ پر استعمال کریں

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ (سورۃ التوبۃ، آیت نمبر ۱۲۳)

یعنی جو کفار تمہارے قریب ہیں، ان سے لڑائی کرو اور ان کفار کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ ان کے خلاف تمہارے دلوں میں غصہ ہے اور سختی ہے۔ لہٰذا اگر یہ غصہ صحیح جگہ پر ہے تو یہ غصہ قابل تعریف ہے اور اچھے اخلاق کی نشانی ہے، مثلاً اگر گھر پر ڈاکو حملہ آور ہو گئے اور میرے پاس اتنی طاقت بھی ہے کہ میں ان پر حملہ کرسکوں لیکن میں خاموش بیٹھا ہیں اور ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اور مجھے غصہ ہی نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بے غیرت ہوں، شریعت کو یہ مطلوب نہیں، لہٰذا اگر انسان غصہ کو صحیح حدود میں استعمال کرے اور صحیح جگہ پر استعمال کرے تو یہ غصہ اچھے اخلاق کی نشانی ہے۔

”غصہ“ حد کے اندر استعمال کرے

میں نے دو لفظ استعمال کئے، ایک یہ کہ غصہ کو صحیح جگہ پر استعمال کرے اور غلط جگہ پر استعمال نہ کرے، یعنی جہاں غصہ کرنا چاہئے وہیں پر غصہ کرے۔ دوسرے یہ کہ غصہ کو حدود میں استعمال کرے، یعنی جتنا غصہ کرنا چاہئے اتنا ہی کرے، اس سے زیادہ نہ کرے، مثلاً آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اولاد غلط

راستے پر جارہی ہے، گناہوں کا ارتکاب کر رہی ہے، اس کے اعمال خراب ہو رہے ہیں، آپ نے اس کو دو تین بار سمجھایا اور نصیحت کی، اس نے آپ کی نصیحت نہیں مانی تو اس موقع پر غصہ کا آنا صحیح محل صحیح جگہ پر ہے، غلط جگہ پر نہیں ہے، کیونکہ واقعۃً وہ غصہ کی بات تھی، لیکن جب اپنی اولاد پر غصہ کا اظہار کرنے پر آئے تو غصہ کا اتنا اظہار کیا کہ بچے کی چمڑی ادھیڑ دی، اس صورت میں غصے کا محل تو صحیح تھا لیکن وہ غصہ حد کے اندر نہیں تھا بلکہ حد سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گیا اور اعتدال سے نکل گیا تو یہ غصہ قابل تعریف نہیں، یہ اچھے اخلاق میں داخل نہیں۔

"غصہ" کی حدود

لہٰذا غصہ کے اندر دو باتیں ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ غصہ صحیح جگہ پر آئے اور غلط جگہ پر نہ آئے اور دوسرے یہ کہ جب غصہ کا اظہار ہو تو وہ غصہ حد کے اندر ہو نہ حد سے کم ہو اور نہ حد سے بڑھا ہوا ہو۔ اس غصے کی حدود بھی شریعت نے متعین کر دی ہیں، ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تعلیم دو تاکہ بچپن سے اس کو نماز کی عادت پڑ جائے، سات سال کی عمر میں مارنے کا حکم نہیں ہے، اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے اور اس وقت تک اس کو نماز پڑھنے کی عادت نہ پڑی ہو تو اب اس کو نماز پڑھانے کے لئے مارنے کی بھی اجازت ہے، یہ حد مقرر کر دی لیکن یہ فرما دیا کہ چہرے پر مت مارو چہرے پر مارنا، جائز نہیں اور

ایسی مار نہ مارو جس سے جسم پر نشان پڑ جائے۔ یہ حدود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز کھول کھول کر سمجھا کر واضح کر دیں۔ یہ تو ایک مثال ہے۔

''عزت نفس'' کا جذبہ فطری ہے

ایک اور مثال لے لیجئے۔ مثلاً دل میں عزتِ نفس کا داعیہ پیدا ہونا کہ میں لوگوں کے سامنے ذلیل نہ ہوں اور بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان کے میری عزت ہونی چاہئے۔ اس حد تک یہ جذبہ قابل تعریف ہے، یہ جذبہ برا نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے ہمیں اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں عزتِ نفس کا جذبہ بالکل نہ ہو تو وہ انسان دوسروں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جائے، جو چاہے وہ اس کو ذلیل کر جائے۔ لیکن اگر ''عزتِ نفس'' کا جذبہ حد سے بڑھ جائے اور دل میں یہ خیال آئے کہ میں سب سے بڑا ہوں، میں عزت والا ہوں اور باقی سب لوگ ذلیل ہیں اور حقیر ہیں تو اب یہ دل میں ''تکبر'' آ گیا، اس لئے کہ ''تکبر'' کے معنی ہیں ''اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا''۔

''عزتِ نفس'' یا ''تکبر''

آپ کو بے شک یہ حق حاصل ہے کہ آپ یہ چاہیں کہ میں دوسروں کی نظر میں بے عزت نہ ہوں، لیکن کسی بھی دوسرے شخص سے اپنے آپ کو افضل سمجھنا کہ میں اس سے اعلیٰ ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ خیال لانا جائز نہیں،

مثلاً آپ امیر ہیں، آپ کے پاس کوٹھی بنگلے ہیں، آپ کے پاس بینک بیلنس ہے، آپ کے پاس دولت ہے اور دوسرا شخص غریب ہے، ٹھیلے پر سامان بیچ کر اپنا پیٹ پالتا ہے، اپنے گھر والوں کے لئے روزی کماتا ہے، اگر آپ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے، میری عزت اس کی عزت سے زیادہ ہے، میں اس سے افضل ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، اس کا نام ''تکبر'' ہے، یہ ''عزتِ نفس'' کا جذبہ اپنی حد سے آگے بڑھ گیا۔

''تکبر'' مبغوض ترین جذبہ ہے

اب یہ ''جذبہ'' اتنا خبیث بن گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ''تکبر'' سے زیادہ کسی جذبے سے نفرت نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین جذبہ انسان کے اندر ''تکبر'' ہے، حالانکہ ''عزتِ نفس'' قابلِ تعریف چیز تھی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئی تو اس کے نتیجے میں وہ ''تکبر'' بن گئی اور تکبر بننے کے نتیجے میں وہ مبغوض بن گئی۔ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ۔ (مشکوۃ، باب الغضب والکبر) بڑائی تو تنہا میرا حق ہے۔

''اللہ اکبر'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الجاثیۃ۔۳۷)

اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی۔

لہٰذا جو بندہ یہ کہتا ہے کہ میں دوسروں سے بڑا ہوں، میرا درجہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے اور میں افضل ہوں اور دوسرے سب لوگ مجھ سے

چھوٹے ہیں اور حقیر ہیں تو یہ "تکبر" کی حد ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے، اس کا انجام دنیا میں بھی بُرا ہے اور آخرت میں بھی بُرا ہے۔

"متکبر" کو سب لوگ حقیر سمجھتے ہیں

دنیا کے اندر تو یہ صورت ہوتی ہے کہ "متکبر" اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا رہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ساری مخلوق اس کو بُرا سمجھتی ہے، اس لئے کہ جو شخص متکبر ہو اور لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ یہ شخص متکبر ہے اور اس کے اندر تکبر ہے تو کوئی بھی شخص اس سے محبت نہیں کرے گا بلکہ ہر شخص اس کو بُرا سمجھے گا۔ ایک عربی کہاوت ہے جو بڑی خوبصورت ہے، اس کہاوت میں "متکبر" کی مثال دی ہے، فرمایا کہ "متکبر" کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، وہ جب اوپر سے لوگوں کو دیکھتا ہے تو سب لوگ اس کو چھوٹے نظر آتے ہیں، اس لئے وہ ان سب کو چھوٹا سمجھتا ہے اور ساری مخلوق جب اس کو دیکھتی ہے تو وہ چھوٹا نظر آتا ہے، اس لئے وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ بہرحال! دنیا کے اندر صورت یہ ہوتی ہے کہ ساری مخلوق "متکبر" کو بُرا سمجھتی ہے، اور چھوٹا سمجھتی ہے چاہے اس کے دبدبہ اور اس کی طاقت کی وجہ سے مخلوق اس کے سامنے بات نہ کر سکے، لیکن کسی کے دل میں اس کی عزت اور محبت نہیں ہوتی۔

''امریکہ'' انتہائی تکبر کا مظاہرہ کر رہا ہے

آج ''امریکہ'' تکبر میں نمرود اور فرعون کے درجے تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ چکا ہے، لوگوں کی زبانیں تو بعض اوقات اس کے سامنے اس کے ڈر کی وجہ سے نہیں کھلتیں لیکن اس کی نفرت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، مسلمان اور غیر مسلم اور خود اس کے وطن کے رہنے والے اس سے نفرت کر رہے ہیں۔ اس لئے دنیا کے اندر ''متکبر'' کو نفرت ملتی ہے، عزت نہیں ملتی اور آخرت میں متکبر کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔

''تکبر'' دوسری بیماریوں کی جڑ ہے

اور یہ ''تکبر'' ایسی بیماری ہے جس سے بے شمار بیماریاں جنم لیتی ہیں، اسی ''تکبر'' کے نتیجے میں ''حسد'' پیدا ہوتا ہے، اسی سے ''بغض'' پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ فلاح ان کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے اخلاق کو ان تمام بیماریوں سے پاک کریں، ان کو جب غصہ آئے تو صحیح جگہ پر آئے اور جب غصہ کو استعمال کریں تو حدود کے اندر استعمال کریں، وہ اگر اپنی عزت کا تحفظ کریں تو حدود کے اندر کریں، تکبر نہ کریں اور جو کام کریں اخلاص کے ساتھ کریں، کسی کام میں دکھاوا اور نام ونمود نہ ہو، اسی کا نام ''اخلاق کی صفائی'' اور ''اخلاق کا تزکیہ'' ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

میں ہے اور جس کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اس لئے تشریف لائے کہ لوگوں کے اخلاق کو پاک صاف کریں۔

''اخلاق'' کو پاک کرنے کا طریقہ ''نیک صحبت''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ ان اخلاق کو پاک کرنے کا طریقہ وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اختیار فرمایا، وہ ہے ''نیک صحبت''، اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ کے اخلاق کو معتدل بنا دیا، صحابہ کرامؓ نے اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا، اس طرح کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے آپ کو اصلاح کے لئے پیش کیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں گے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھیں گے، اپنی زندگی میں اس کی اتباع کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات مانیں گے۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک صحابیؓ کو دیکھ رہے ہیں، تمام صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، ان کے حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، بعض اوقات خود صحابہ کرامؓ اپنے حالات آپ کے سامنے آ کر بیان کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل میں اس کام کا خیال پیدا ہوا، میرے دل میں اس کام کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم فلاں کام اس حد

تک کر سکتے ہو، اس سے آگے نہیں کر سکتے، چنانچہ رفتہ رفتہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کے نتیجے میں یہ ہوا کہ وہ اخلاق جو سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے، وہ اخلاق ان صحابہ کرامؓ میں منتقل ہو گئے۔

زمانہ جاہلیت اور صحابہؓ کا غصہ

زمانہ جاہلیت میں صحابہ کرامؓ کی قوم ایسی قوم تھی جس کا غصہ حد سے گزرا ہوا تھا، ذرا سی بات سے آپس میں جنگ چھڑ جاتی اور بعض اوقات چالیس چالیس سال تک وہ جنگ جاری رہتی، لیکن جب وہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایسے موم بن گئے کہ پھر جب ان کو غصہ آتا تو صحیح جگہ پر آتا اور حد کے اندر رہتا، جتنا غصہ آنا چاہئے اتنا ہی غصہ آتا، اس سے آگے نہیں آتا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سن کر کانپ جاتے تھے کہ اگر ان کو غصہ آ گیا تو ہماری خیر نہیں، اسی غصے کے عالم میں ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور نیا دین لے کر آئے ہیں اور پرانے دین کو غلط قرار دیتے ہیں، لہٰذا میں ان کا سر قلم کروں گا۔ لمبا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کان میں قرآن کریم کی آیات ڈال دیں اور ان آیات قرآنی کو انقلاب کا ذریعہ بنا دیا اور دل میں اسلام گھر کر گیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی

پوری جان نچھاور کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غصہ میں اعتدال

پھر جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے آئے اور آپ کی صحبت اٹھائی تو وہ غصہ جو انتہاء سے گزرا ہوا تھا، اس غصے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تربیت سے اور اپنے فیض صحبت سے ایسا معتدل کر دیا کہ جب آپ خلیفہ اور امیر المؤمنین بن گئے تو ایک دن جب آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت آپ کے سامنے رعایا کا بہت بڑا مجمع تھا، اس مجمع میں آپ نے ایک سوال کیا تو جواب دینے کے لئے ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے عمر! اگر تم ٹیڑھے چلو گے تو ہم اپنی تلوار سے تمہیں سیدھا کریں گے۔ یہ بات اس شخص سے کہی جارہی ہے جس کی آدھی دنیا پر حکومت ہے، کیونکہ زمین کا جتنا حصہ ان کے زیر حکومت تھا، آج اس زمین پر پچیس حکومتیں قائم ہیں، لیکن اس دیہاتی کے الفاظ پر عمر بن خطاب کو غصہ نہیں آیا بلکہ آپؓ نے اس وقت یہ فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دیں۔ بہرحال! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ غصہ جو زمانہ جاہلیت میں ضرب المثل تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے اثر سے وہ غصہ معتدل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کے آگے رک جانے والے

اور جب غصہ کا صحیح موقع آجاتا اور ظالم اور جابر حکمرانوں کے خلاف لڑائی اور جہاد کا وقت آتا تو قیصر و کسریٰ بڑی کی بڑی طاقتیں آپ کے نام سے لرزہ براندام ہو جاتیں اور ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، آپ نے ہی قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو تخت و تاراج کیا۔ تو جہاں غصہ نہیں آنا تھا وہاں نہیں آیا اور جہاں جس درجے میں غصہ آنا تھا، وہاں اسی درجے میں آیا، اس سے آگے نہ بڑھا۔ آپ ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰهِ

یعنی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کے آگے رک جانے والے تھے۔ یہ بات کہاں سے حاصل ہوئی؟ کیا کتابیں پڑھ کر اور فلسفہ پڑھ کر یہ بات حاصل ہوئی؟ نہیں بلکہ اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ تھا، وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اخلاق کو مجلّیٰ مزکّیٰ اور مصفّیٰ کر دیا۔

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو

پھر یہی طریقہ صحابہ کرامؓ نے اپنے شاگردوں یعنی تابعین کے ساتھ اور تابعین نے اپنے شاگردوں کے ساتھ برتا، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ

نیارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

یعنی اگر اپنے اخلاق درست کرنا چاہتے ہو تو ان کی صحبت اختیار کرو جن کے اخلاق درست ہیں۔ لہٰذا اپنی صحبت درست کرو اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اللہ والے ہوں، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، آخرت کی فکر ہو، جن کے اخلاق مصفّٰی اور مجلّٰی ہو چکے ہوں۔ اب کیسے ان کی صحبت اختیار کی جائے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ کو عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دلوں کو پاک کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

دلوں کو پاک کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ـ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ٥ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ٥ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ٥ (سورۃ المؤمنون: ۱۔۴)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں ان کی تشریح پچھلے چند جمعوں سے بیان کی جا رہی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ ان کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں۔ اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ انسان کے جتنے اعمال وافعال ہیں، وہ سب اس کے اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں، اگر انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو وہ اچھے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے اور اگر وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ برے اخلاق کے نتیجے میں کرتا ہے، اگر انسان کے اخلاق درست ہو جائیں تو اس کی ساری زندگی درست ہو جائے اور اگر اس کے اخلاق خراب ہو جائیں تو ساری زندگی خراب ہو جائے۔

دل کی اہمیت

اسی بات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (اتحاف السادۃ المتقین، ج۳ ص۱۵۳)

یعنی جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، وہ لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں جو جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں، اگر وہ صحیح نہ ہوں تو انسان کی پوری زندگی خراب ہو جاتی ہے۔

فساد کی وجہ اخلاق کی خرابی ہے

ہمارے موجودہ حالات میں اور اس دور میں اس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ ہمیں اپنے اردگرد جو فساد پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اگر اس میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ فساد درحقیقت اس بات پر مبنی ہے کہ آج اخلاق کے درست کرنے کا اہتمام نہیں، اگر ہمارے دلوں میں جذبات صحیح پرورش پاتے، نیک خواہشات پیدا ہوتیں تو آج ہمیں اپنے گردوپیش میں اتنا بڑا فساد نظر نہ آتا، کوئی ظالم دوسرے پر ظلم اس لئے کرتا ہے کہ اس کے دل میں ایسے جذبات اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں جو شیطانی جذبات اور شیطانی خواہشات ہیں، جو گندگیوں اور نجاستوں سے بھری ہوئی ہیں، کوئی آدمی عریانی اور فحاشی میں اس لئے مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں گندی خواہشات اور گندے جذبات پیدا ہو رہے ہیں، اگر یہ گندے خیالات اور جذبات پیدا نہ ہوتے تو وہ

فحاشی اور عریانی کے کام نہ کرتا، اسی چیز نے ہمارے معاشرے میں فساد پھیلایا ہوا ہے۔

اخلاق کی خرابی کے نتائج

خاص طور پر معاشرت کے ماحول میں اور معیشت کے ماحول میں اور سیاست کے ماحول میں ان اخلاق کی خرابی نے ہمیں اسفل السافلین میں پھینکا ہوا ہے، آج ہمارے ملک میں جو حالات چل رہے ہیں، اس میں ہر شخص یہ شکوہ کر رہا ہے کہ رشوت کا بازار گرم ہے، کرپشن پھیلا ہوا ہے، حرام کھانے کے لئے لوگ منہ کھولے بیٹھے ہیں اور حرام مال کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح شیر مادر حلال ہے، اسی طرح رشوت کا مال بھی حلال ہے، دھوکے کا مال بھی حلال ہے، جھوٹ کے ذریعہ آنے والا مال بھی حلال ہے، بلکہ بسا اوقات وہ لوگ جو اپنی ذاتی زندگی میں نمازیں پڑھتے ہیں، عبادتیں ادا کرتے ہیں، وعظ و تقریر بھی سنتے ہیں، لیکن جب وہ لوگ دنیا کے کاروبار میں داخل ہوتے ہیں اور روپے پیسے کے معاملات کرتے ہیں تو اس میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے، وہ یہ نہیں سوچتے کہ پیسہ جو میں کما رہا ہوں، یہ حلال کما رہا ہوں یا حرام کما رہا ہوں، یہ لقمہ جو میرے منہ میں جا رہا ہے، یہ حلال کا لقمہ ہے یا حرام کا لقمہ ہے، بلکہ آج پیسے حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں، جھوٹا سرٹیفکیٹ بنانے میں کوئی خوف نہیں، جھوٹی شہادت دینے میں کوئی عار نہیں، جب روپے پیسے کا معاملہ آجاتا ہے تو ساری دین داری اور

سارا تقویٰ دھرا رہ جاتا ہے۔

روپیہ حاصل کرنے کی دوڑ

آج یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے جتنا روپیہ سمیٹا جائے سمیٹ لو، چاہے حلال طریقے سے ہو یا حرام طریقے سے ہو، بس پیسہ آنا چاہئے، اس کے لئے اگر رشوت لینی پڑے تو رشوت لو، اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دو، اس کے لئے اگر دھوکہ دینا پڑے تو دھوکہ دو، اگر جھوٹے کاغذات بنانے پڑیں تو جھوٹے کاغذات بناؤ، اگر جھوٹی گواہی دینی پڑے تو جھوٹی گواہی دو، جو کچھ کرنا پڑے، کر گزرو، لیکن پیسہ آنا چاہئے۔ آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اس ذہنیت اور اس فکر کا نتیجہ ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت کی کمی کا نتیجہ

اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مسلمان بھائیوں کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی تو پھر دنیا کی محبت اور دنیا کے مال و دولت کی محبت دل پر غالب نہ ہوتی اور آدمی دنیا کے حصول کے لئے حلال وحرام کو ایک نہ کرتا۔

عراق پر امریکہ کا حملہ

آج پوری امت مسلمہ کے دل ان واقعات کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں جو ''عراق'' میں گزشتہ دنوں پیش آئے، سقوط بغداد کا المناک سانحہ جو پیش

آیا، اس پر ہر مسلمان کا دل مرجھایا ہوا ہے، لوگ پریشان ہیں اور یہ پریشانی بھی بجا ہے، کیونکہ ایک مسلمان ملک پر ظلم اور تشدد کے ساتھ حملہ کیا گیا اور ساری دنیا تماشہ دیکھتی رہی اور کوئی مسلمان ملک اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھ سکا، اس واقعہ کی وجہ سے پوری امت مسلمہ میں ایک بے چینی، ایک اضطراب، ایک صدمہ، ایک افسوس اور ایک رنج کی کیفیت ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد اور اس پر عمل چھوڑنے کا نتیجہ

لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر ہمارے اوپر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور اس دنیا میں یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص جیسے اسباب اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ویسا نتیجہ عطا فرمائیں گے۔ صدیوں سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے ارشادات کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، قرآن کریم کے ارشادات میں ایک اہم ارشاد یہ ہے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(سورۃ الانفال: آیت نمبر ۶۰)

یعنی تم جتنی زیادہ سے زیادہ اپنی قوت بنا سکتے ہو اور قوت حاصل کر سکتے ہو، وہ قوت حاصل کرو۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے ذریعہ مسلمانوں کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم ایسی قوت حاصل کرو جس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کے دشمن پر

اور اپنے دشمن پر رعب طاری کرسکو۔ اس حکم کا تقاضہ یہ تھا کہ پوری امت مسلمہ جہاں کہیں بھی ہو، اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرے، اپنے دفاع کے لحاظ سے، سازوسامان کے لحاظ سے اور معیشت کے لحاظ سے اپنے آپ کو مضبوط بنائے۔

مسلمان وسائل سے مالا مال ہیں

لیکن بحیثیت مجموعی اگر امت مسلمہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئے گا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے بجائے اپنی ساری لگام غیروں کے ہاتھ میں دی ہوئی ہے۔ آج مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تاریخ میں روئے زمین پر اتنی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی، آج مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنے وسائل کبھی نہیں رہے، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے اتنی دولت کبھی ان کے پاس نہیں رہی، دنیا کے عظیم ترین وسائل پیداوار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خطے میں عطا فرمائے ہیں، تیل یہاں نکلتا ہے، گیس یہاں نکلتی ہے، سونا یہاں نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہترین انسانی صلاحیتیں یہاں عطا فرمائی ہیں اور سارے کرۂ زمین کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ پورے کرۂ زمین کا دل مسلمانوں کے پاس ہے۔

ذاتی مفاد کو سامنے رکھنے کے نتائج

مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل اسلامی ملکوں کا سلسلہ ہے، گویا

کہ ایک زنجیر ہے جس میں مسلمان پروئے ہوئے ہیں، درمیان میں صرف دو ملک حائل ہیں، ایک اسرائیل اور ایک بھارت۔ دنیا کی عظیم ترین شاہراہیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، نہر سوئز ان کے پاس ہے، آبنائے باسفورس ان کے پاس ہے، خلیج عدن ان کے پاس ہے، اگر مسلمان متحد ہوکر اپنی اس طاقت کو استعمال کریں تو غیر مسلموں کے ناک میں دم کردیں، لیکن مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان تمام وسائل سے فائدہ اٹھانے کے بجائے ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو سوچ رہا ہے، اس ذاتی مفاد کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ممالک جن کے اندر سونے کی ریل پیل ہے، جن کے یہاں تیل بے تحاشہ پیدا ہو رہا ہے، انہوں نے اپنی ساری زندگی کا دارومدار دوسرے ممالک سے درآمد کئے ہوئے سامان پر رکھا ہوا ہے، ان کے اپنے ملک میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ان ممالک میں ایسے افراد تیار کئے جاتے ہیں جو اس دور کے لحاظ سے ساز وسامان تیار کرسکیں اور مناسب اسلحہ تیار کرسکیں۔

ہم لوگ خودغرضی میں مبتلا ہیں

یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ اس ساری دولت پر اور سارے وسائل پر خودغرضی کا شیطان مسلط ہے، ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ مجھے پیسے ملنے چاہئیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں یا حرام طریقے سے ملیں، وقتی طور پر میں خوش ہوجاؤں، وقتی طور پر میرا کام بن جائے وقتی طور پر مجھے راحت مل جائے، چاہے اس کی خاطر مجھے قوم اور ملک کو داؤ پر لگانا پڑ جائے، چاہے اس کی خاطر

مجھے اپنی پوری ملت کو بیچنا پڑ جائے، لیکن میں کسی طرح اپنا الو سیدھا کرلوں۔ یہ وہ ماحول ہے جس میں ہم اور آپ زندگی گزار رہے ہیں اور حکام سے لے کر عوام تک ہر شخص اس بیماری میں مبتلا ہے۔

ہمارے ملک میں کرپشن

آج ہر شخص کرپشن کا رونا رو رہا ہے، ہر شخص یہ کہتا ہے کہ حکومت کے کسی دفتر میں جاؤ تو اس وقت تک کام نہیں بنتا جب تک پیسے نہ کھلائے جائیں، دفتروں میں لوگ حرام کھانے کے لئے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ یہ شکایت ہر شخص کر رہا ہے، لیکن جب اس کو موقع مل جائے تو وہ بھی اپنا منہ کھولے بغیر نہیں رہتا اور وہ اس سے زیادہ رشوت لے گا جتنی وہ دوسروں کے رشوت لینے کی شکایت کر رہا تھا، وہ دوسروں سے زیادہ کرپشن کا مظاہرہ کرے گا، جھوٹے سرٹیفکیٹ بنائے گا، جھوٹی شہادتیں دے گا، یہ سب کام ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں ہو رہے ہیں۔

دنیا میں کامیابی کیلئے محنت شرط ہے

بیشک یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بنائی ہے، لیکن یہ دنیا اس لئے بنائی ہے کہ اس میں محنت اور جدوجہد کر کے حلال اور جائز طریقے سے کماؤ اور اس کے وسائل کو اپنی بہتری کے لئے اور امت کی بہتری کے لئے استعمال کرو، یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں بنائی تھی کہ ہر انسان دوسرے کو دھوکہ دے کر اور فریب دے کر دولت کمائے اور دوسروں پر ڈاکہ ڈالے اور اپنی تجوریاں بھرتا

چلا جائے اور ملک وملت کو فراموش کر دے، آج مسلمانوں نے چونکہ یہ وتیرہ اختیار کیا ہوا ہے، اس لئے ان کی ہر جگہ پٹائی ہو رہی ہے، دشمن سے کیا شکوہ کریں، دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں تباہ کرے، شکوہ اور گلہ تو اپنا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسا بنالیا ہے کہ دنیا کی جو قوم چاہے آکر ہم پر ڈاکہ ڈالے اور خوشی کے تازیانے بجاتے ہوئے یہاں سے چلی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اصول

یاد رکھئے! یہ صورت حال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (سورۃ الرعد: آیت نمبر ۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جو قوم خود اپنے آپ کو بدلنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یہ قرآن کریم کا ارشاد ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا کہ اگر تم اپنے آپ کو نہیں بدل سکتے تو تمہاری حالت بھی نہیں بدلے گی، اگر تم اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پٹ رہے ہو تو پھر تمہاری پٹائی اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک تم اپنے کرتوت نہیں چھوڑو گے۔

ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوئیں؟

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی دعائیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ سے اتنا مانگا گیا، لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوئیں، ہمیں فتح نہیں دی گئی اور دشمن کو فتح

ہوگئی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں کے ایمان متزلزل ہو رہے ہیں، لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کو کیوں نہیں آیا؟ ہماری مدد کیوں نہیں کی؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا عالم اسباب بنائی ہے، جب تم اپنی حالت بدلنے کے لئے تیار نہیں ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہو، بلکہ جہاں تمہیں چار پیسے کا نفع مل رہا ہو، وہاں تم اللہ کو بھلا بیٹھتے ہو اور رسول کو بھی بھلا بیٹھتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کیوں کریں گے؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (سورۃ التوبۃ: آیت نمبر ۶۷)

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ دیا۔

ہم پورے دین پر عامل نہیں

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو کہاں بھلایا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ نماز پڑھو، ہم نماز پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جمعہ کی نماز کے لئے آؤ، ہم جمعہ کی نماز کے لئے آ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ رمضان میں روزے رکھو تو ہم روزے رکھ رہے ہیں، لہذا ہم نے اللہ کو نہیں بھلایا۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگوں نے صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کو

دین سمجھ لیا ہے اور زکوٰۃ دینے اور حج کرنے اور عمرے کرنے کو دین سمجھ لیا ہے، حالانکہ دین کے بے شمار شعبے ہیں، اس میں معاملات بھی ہیں، اس میں معاشرت بھی ہے، اس میں اخلاق بھی ہے، یہ سب دین کے شعبے ہیں، اب ہم نے نماز تو پڑھ لی اور روزہ بھی رکھ لیا، زکوٰۃ کا وقت آیا تو زکوٰۃ بھی دیدی، عمرے کر کے خوب سیر سپاٹے بھی کر لئے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنے مصالح کو قربان کرنے کا موقع آتا ہے تو وہاں پھسل جاتے ہیں اور تاویل شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل سب لوگ ایسا کر رہے ہیں اور حالات ایسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلائے ہوئے ہیں، خاص طور سے اپنی معاشرت کی زندگی میں، اپنے معاملات کی زندگی میں، اخلاق کی زندگی میں اور سیاست کی زندگی میں اسلام کو اور اسلامی احکام کو فراموش کیا ہوا ہے۔

ہم دشمن کے محتاج بن کر رہ گئے ہیں

اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنے لئے طاقت کو جمع کرو، لیکن ہم نے یہ طاقت جمع نہیں کی اور پھر یہ طاقت کیسے حاصل ہوتی جب کہ ہمارے سارے وسائل رشوت کی نذر ہو رہے ہیں، کرپشن کی نذر ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر وقت اپنے دشمنوں کے سامنے بھیک کا پیالہ لئے کھڑے ہیں اور ان سے مانگتے ہیں کہ خدا کے لئے ہماری مدد کرو۔ اب اگر وہ دشمن ہماری پٹائی کرتا ہے یا ہم پر حکومت کرتا ہے تو پھر اس کا شکوہ کیوں

کرتے ہیں؟ کیونکہ ہم نے خود اپنے آپ کو ان کا محتاج بنا دیا ہے اور اپنے حالات ہم نے ایسے بنا رکھے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہماری زندگی ان پر موقوف ہوگئی ہے، لہٰذا ان سے کیا شکوہ؟ شکوہ تو اپنا ہے کہ ہم نے خود اپنے کو ذلیل کیا۔ اگر آج بھی ہمارے پاکستان جیسے ملک کے وسائل ٹھیک دیانتداری اور امانت داری کے ساتھ استعمال ہوں اور ہم یہ تہیہ کرلیں کہ ہم اپنی چادر کی حد تک پاؤں پھیلائیں گے اور اپنے وسائل کے دائرے میں رہ کر کام کریں گے اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال کریں گے تو پھر ہمیں بھیک کا پیالہ لے کر دوسروں کے پاس جانا نہیں پڑے گا اور ہم خود کفیل ہو جائیں گے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے اور اپنی قوت مجتمع کریں گے، لیکن اس ملک میں رشوت اور کرپشن نے ہماری زندگی کو تباہ کیا ہوا ہے۔

اس واقعہ سے سبق لو

بہرحال! یہ جو کچھ ہوا (کہ امریکہ نے عراق پر حملہ کر کے وہاں کی حکومت کو تخت و تاراج کر دیا اور خود قابض ہوگیا) اس پر صدمہ تو اپنی جگہ ہے، لیکن ہمیں اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، وہ سبق یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ تہیہ کرلے کہ آج کے دن کے بعد کوئی حرام لقمہ ہمارے پیٹ میں نہیں جائے گا، کوئی حرام پیسہ ہمارے گھر میں نہیں آئے گا، رشوت کا پیسہ نہیں آئے گا، دھوکے کا پیسہ نہیں آئے گا، جھوٹ کا پیسہ نہیں آئے گا، سود کا پیسہ نہیں آئے گا، گھر میں جو پیسہ آئے گا وہ حلال کا اور محنت کا پیسہ آئے گا۔ میں آپ

حضرات سے اللہ کے بھروسے پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس دن قوم نے یہ تہیہ کرلیا تو انشاء اللہ کوئی دشمن ان پر فتح یاب نہیں ہو سکے گا۔

معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہوتی ہے

لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ ہی خراب ہے تو اگر ہم نے اپنے اندر کوئی تبدیلی کربھی لی تو ہم اکیلے پورے معاشرے کو کیسے بدل سکتے ہیں؟ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا، ہماری تبدیلی سے معاشرے پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اگر ہر آدمی یہی سوچتا رہے تو کبھی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی، اصلاح اس طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کو درست کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں کم از کم ایک برائی اس دنیا سے دور ہو جاتی ہے، جب ایک برائی دور ہوئی تو امید کا ایک چراغ جل گیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ماحول میں روشنی پیدا فرما دیتے ہیں۔

آپ یہ تہیہ کرلیں

بہرحال! ایک طرف تو یہ ہو کہ ہر انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور یہ تہیہ کرے کہ میں اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ نافرمانی جس نے سارے معاشرے میں فساد مچایا ہوا ہے، نہیں

کروں گا یعنی کرپشن نہیں کروں گا اور کوئی حرام پیسہ میرے گھر میں نہیں آئے گا۔ اور دوسرے طرف اس ملک کے وسائل صحیح طور پر استعمال ہونے لگیں تو اس ملک کو بھی ترقی حاصل ہوگی اور اس کے اندر قوت آئے گی اور جب قوت آجائے گی تو کسی دشمن کو جرأت نہیں ہوگی کہ وہ بری نظر اس پر ڈالے۔

امریکہ کی بزدلی

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اتنی بڑی سپر طاقت (امریکہ) جس کی طاقت اور قوت کا دنیا بھر میں ڈنکا بجا ہوا ہے، اس کو بھی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہتے مسلمان ہاتھ آئے، فغانستان جس کے پاس کوئی جنگی تیارہ نہیں تھا، نہ اس کے پاس جدید اسلحہ تھا، نہ اس کے پاس کوئی منظم فوج تھی یا وہ ملک (عراق) جس پر سالہا سال سے پابندیاں عائد تھیں جو دوا کی ایک پڑیا بھی باہر سے نہیں منگوا سکتا تھا اور جس کے تیاروں کو اڑنے سے روکا ہوا تھا ان کے اوپر اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور پھر امریکہ نے اکیلے حملہ نہیں کیا بلکہ برطانیہ اور دوسرے اتحادی ملکوں کی فوج کے ساتھ حملہ کیا، جب تک سوویت یونین (روس) موجود تھا، اس وقت تک اس کو کسی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، لیکن جب اس کا مدمقابل ختم ہوگیا اور نہتے مسلمان ہاتھ آگئے تو ان نہتوں پر حملہ کرنے اور ان پر اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

ایسے حملے کب تک ہونگے؟

لہٰذا جب تک امت مسلمہ اپنے آپ کو ایسا مدمقابل نہیں بنائیں گے کہ

دشمن جب اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر جھرجھری آ جائے، اس وقت تک یہ ہوتا رہے گا کہ کل افغانستان پر حملہ کیا اور آج عراق پر حملہ کر دیا اور آئندہ کل کسی اور مسلم ملک پر حملہ کر دے گا۔ لیکن اگر امت مسلمہ قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کر لے کہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔

یعنی جو قوت تم تیار کر سکتے ہو وہ قوت تیار کرو۔ تو پھر انشاء اللہ دشمن ہمارے اوپر بری نگاہ ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کر سکے گا۔ البتہ یہ قوت اس کرپشن کے ماحول میں تیار نہیں ہو سکتی، یہ قوت اس وقت تیار ہوگی جب ہم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں گے اور اس کرپشن کو ختم کریں گے۔

دلوں کو ان بیماریوں سے پاک کرلو

اور یہ ساری خرابی اس لئے پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے دلوں میں مال کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں دنیاوی عیش و عشرت کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، دل میں خود غرضی اور مفاد پرستی کی محبت بیٹھی ہوئی ہے، اس محبت نے ہمیں تباہ کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔

یعنی فلاح پانے والے مؤمنین اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنانے والے ہیں، اگر تم اپنے آپ کو ان بیماریوں سے پاک صاف بنالو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تصوف کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تصوف'' کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ علیہِ ونعُوْذُ باللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاشرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا ومَوْلاَنا مُحمَّدا عَبْدُہٗ و رسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی علیْہِ وَعلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ

حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ١-٧)

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذٰلك من الشاهدين والشاكرين والحمدللّٰه رب العٰلمين

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنین کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے چوتھی آیت میں ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ فلاح پانے والے مؤمن وہ ہیں جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب ہے زکوٰۃ ادا کرنا۔ اور دوسرا مطلب ہے اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانا۔ اس دوسرے مطلب کو بیان کرنے میں کئی جمعے گزر گئے، آج اس کا تتمہ عرض کرنا ہے۔ پھر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلی آیتوں کی طرف متوجہ ہوں گے۔

باطن سے متعلق لازم احکام

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری ظاہری زندگی سے متعلق کچھ احکام ہم پر لازم کئے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ، اسی طرح

ہمارے باطن سے متعلق بھی کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے عائد فرمائے ہیں، مثلاً یہ کہ انسان کے دل میں ''اخلاص'' ہونا چاہئے، ریاکاری نہیں ہونی چاہئے، انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونی چاہئے، انسان کے دل میں تواضع ہونی چاہئے، اپنی بڑائی دل میں نہ ہونی چاہئے، جب ''صبر'' کرنے کا موقع آئے تو انسان کو صبر کرنا چاہئے، جب شکر کا موقع آئے تو ''شکر'' کرنا چاہئے۔ ان سب احکام کا تعلق انسان کے قلب اور باطن سے ہے۔

باطن سے متعلق حرام کام

اسی طرح باطن سے متعلق بہت سے کام حرام ہیں، مثلاً ''حسد'' کرنا حرام ہے، ''تکبر'' کرنا حرام ہے، کسی سے ''بغض'' رکھنا حرام ہے، ریاکاری اور نام ونمود کرنا حرام ہے۔ ان اخلاق کو درست کرنا اور ان کو پاکیزہ بنانا بھی ایک مؤمن کا انتہائی اہم فریضہ ہے، صرف اتنی بات کافی نہیں کہ آپ نے نماز پڑھ لی اور رمضان کے روزے رکھ لئے اور زکوٰۃ ادا کردی، موقع ہوا تو حج کرلیا اور عمرہ کرلیا، بات ختم ہوگئی، ایسا نہیں ہے، بلکہ باطن کے ان اعمال اور اخلاق کی اصلاح ضروری ہے کہ دل میں ''تکبر'' نہ ہو ''حسد'' نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، نام و نمود نہ ہو، دنیا کی محبت دل میں بیٹھی ہوئی نہ ہو، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں ہو، یہ سب چیزیں باطن کے اندر حاصل ہونی ضروری ہیں۔

یہ چیزیں تربیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں باطن کے اندر کیسے حاصل ہوں؟ خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں محض کتابیں پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، محض تقریریں سن لینے سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے لئے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو پاکیزہ بنائیں اور ان کے دلوں سے بداخلاقی کی گندگیاں دور فرمائیں، یہ کام تربیت کے ذریعہ ہوتا ہے، ہمارے اسلامی علوم میں ''تصوف'' جس علم کو کہا جاتا ہے، اس کا اصل مقصد تربیت اخلاق ہی ہے۔ آپ نے ''فقہ'' کا لفظ سنا ہوگا، ''فقہ'' اس علم کو کہا جاتا ہے جس میں ظاہری اعمال کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ کیا کام جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ نماز کے اوقات کیا ہیں؟ نماز کس طرح درست ہے اور کس طرح فاسد ہو جاتی ہے؟ روزے کے کیا احکام ہیں؟ زکوٰۃ کے کیا احکام ہیں؟ حج کے کیا احکام ہیں؟ یہ سب باتیں علم فقہ کے اندر بیان کی جاتی ہیں اور ان احکام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔

''علم تصوف'' کے بارے میں غلط فہمیاں

لیکن اخلاق سے متعلق جو باتیں میں عرض کر رہا ہوں، ان کا بیان اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ ''علم تصوف'' میں بتایا جاتا ہے۔ آج ''علم تصوف''

کے بارے میں لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں، بعض لوگ تو سمجھتے ہیں کہ ''تصوف'' کا شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور قرآن کریم اور حدیث مبارکہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ ''تصوف'' کو اختیار کرنا بدعت ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ نے اخلاق کو درست کرنے کا جو حکم دیا ہے، وہی ''تصوف'' کا موضوع ہے، اس لئے یہ ''تصوف'' قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کے خلاف نہیں۔ جبکہ دوسرے بعض لوگوں نے ''تصوف'' کو غلط معنی پہنا دیئے ہیں، ان کے نزدیک ''تصوف'' کے معنی ہیں مراقبے کرنا، کشف حاصل ہونا، الہام ہونا، خواب اور اس کی تعبیر اور کرامات کا حاصل ہونا وغیرہ۔ ان کے نزدیک اسی کا نام ''تصوف'' ہے، اس کے نتیجے میں ان لوگوں نے بعض اوقات تصوف کے نام پر ایسے کام شروع کر دیئے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں تو تصرف کر لئے۔

تصوف کے بارے میں دو تصرف

ایک تصرف تو یہ کیا کہ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو ''صوفی'' کہلاتے ہیں مگر ساتھ میں بھنگ بھی پی رہے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ بھنگ مولویوں کے لئے حرام ہے لیکن صوفیوں کے لئے حلال ہے، اس لئے کہ ہم تو بھنگ پی کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ خدا جانے کہاں کہاں کے خرافات، غلط عقیدے، مشرکانہ خیالات داخل کر دیئے اور اس کا نام ''تصوف'' رکھ دیا۔

دوسرا تصرف یہ کیا کہ مرید پیر کا غلام ہے، جب ایک مرتبہ کسی کو پیر بنالیا تو اب وہ پیر چاہے شراب پیئے، چاہے جوا کھیلے، چاہے حرام کاموں کا ارتکاب کرے، سنتوں کو پامال کرے، لیکن پیر صاحب اپنی جگہ برقرار ہیں، مرید کے ذمے ان کے قدم چومنا لازم ہے اور ہر چند روز کے بعد اس پیر کو نذرانہ پیش کرنا لازم ہے، کیونکہ جب تک وہ پیر صاحب کو اس طرح خوش نہیں کرے گا، جنت کے دروازے اس کے لئے نہیں کھل سکتے، العیاذ باللہ العلی العظیم۔ ''تصوف'' کا یہ تصور نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ حدیث میں ہے، اس تصور کا کوئی تعلق شریعت اور سنت سے نہیں ہے۔

تصوف کا اصل تصور

جبکہ ''تصوف'' کا اصل تصور ''اخلاق'' کی اصلاح اور باطنی اعمال کی اصلاح تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص کسی متبع سنت، صحیح علم رکھنے والے، صحیح عقیدہ رکھنے والے شخص کو اپنا مقتدا بنائے، جس نے خود اپنی تربیت کسی بڑے سے کرائی ہو اور اس سے جاکر کہے کہ میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں اور وہ پھر اس کی رہنمائی کرے جس طرح صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقتدا بنایا کہ آپ ہمارے مربی ہیں، ہماری تربیت کرنے والے ہیں، ہمارے اعمال واخلاق کو درست کرنے والے ہیں، اس لئے آپ کی اطاعت ہمیں کرنی ہے۔ یہ تصور بالکل درست تھا اور یہ پیری مریدی صحیح تھی اور قرآن وحدیث کے مطابق تھی۔ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اچھے اخلاق

اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

یعنی مجھے تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے تاکہ میں لوگوں کے اخلاق درست کروں اور اس کی تکمیل کروں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردیا تھا کہ آپ جس طرح کہیں گے اسی طرح کریں گے، ہمارا دل چاہ رہا ہو یا نہ چاہ رہا ہو، ہماری عقل میں بات آرہی ہو یا نہ آرہی ہو، لیکن آپ جو کچھ فرمائیں گے، ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اخلاق کو ایسا مجلّٰی اور مصفّٰی فرمادیا کہ اس روئے زمین پر اور اس آسمان کے نیچے ایسے بہترین اخلاق والے انسان ان کے بعد پیدا نہیں ہوئے۔ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ کسی بھی وقت اپنے نفس سے غافل نہیں ہوتے تھے، اگرچہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت حاصل ہوگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا نے ان کو کندن بنادیا تھا، لیکن اس کے باوجود ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم صحیح راستے سے بھٹک نہ جائیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور جنت کی بشارت

حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ

عمر بن خطاب ہوتے۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سن لیا کہ عمر جنت میں جائے گا۔ جنہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ اے عمر! میں جب معراج پر گیا اور جنت کی سیر کی تو وہاں جنت میں ایک بہت شاندار محل دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر بن خطابؓ کا محل ہے، میرا دل چاہا کہ میں محل کے اندر جا کر دیکھوں، لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی کہ تم بڑے غیور آدمی ہو، اس لئے تمہارے گھر میں تمہاری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو رو پڑے اور فرمایا کہ "اوَعليك يا رسول الله اغار" یا رسول اللہ! کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کروں گا۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور خوف

ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو آپ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی تھے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتا رکھی تھی کہ مدینہ میں فلاں فلاں شخص منافق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کو قسم دے کر فرمایا کہ خدا کے لئے بتا دو کہ منافقین کی جو فہرست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بتائی ہے، اس فہرست میں کہیں میرا نام تو نہیں

ہے۔ یہ ڈر اس لئے لگا ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو بیشک میری حالت ٹھیک ہوگی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ خوشخبری دی، لیکن کہیں بعد میں میری حالت خراب نہ ہوگئی ہو اور بعد میں میرے اخلاق تباہ نہ ہوگئے ہوں، اس وجہ سے مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ یہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ ہر وقت اور ہر آن ان کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ہمارے اعمال میں اور ہمارے اخلاق میں خرابی نہ آ جائے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا پرنالہ توڑنا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، اس وقت بارش ہو رہی تھی، آپ نے دیکھا کہ کسی شخص کے گھر کے پرنالے سے مسجد نبوی کے صحن میں پانی گر رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ گھر کے پرنالے سے مسجد کے اندر پانی نہیں گرنا چاہئے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں ہے کہ لوگ اس کے اندر اپنے گھر کے پرنالے گرایا کریں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ غلط بات ہے، مسجد کسی کی جاگیر نہیں ہوتی اور اس کے اندر گھر کا پرنالہ گرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ کہہ کر آپ نے وہ پرنالہ توڑ دیا۔

میری پیٹھ پر کھڑے ہوکر پرنالہ لگاؤ

اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور پوچھا کہ امیر المؤمنین! آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد نبوی وقف ہے اور اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہ پرنالہ تمہارے ذاتی گھر کا ہے، اس کا مسجد میں گرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ یہ پرنالہ لگانا جائز نہیں تھا، اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ پرنالہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگایا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگائے ہوئے پرنالے کو آپ نے توڑ دیا؟ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سناٹے میں آگئے اور پوچھا اے عباس! کیا واقعی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ کرو کہ میں ابھی یہاں جھک کر کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری پیٹھ پر کھڑے ہوکر ابھی اسی پرنالے کو درست کرو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ رہنے دیں، آپ نے اجازت دیدی، بات ختم ہوگئی، میں پرنالے کو لگوالوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ کوئی شخص میری کمر پر کھڑے ہوکر اس پرنالے کو نہ لگا

دے، اس لئے کہ ابن خطاب کی یہ مجال کیسے ہوئی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دیئے ہوئے پرنالے میں تصرف کیا اور اس کو توڑ دیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کمر پر سوار کرکے اس پرنالے کو درست کرایا۔

ایسا کیوں کیا؟

ایسا کیوں کیا؟ یہ اس لئے کیا تاکہ دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ اب میں حاکم بن گیا ہوں اور میرا حکم چلتا ہے، اب میں فرعون بن گیا ہوں جو چاہوں کروں، اس لئے اس عمل کے ذریعہ اس خیال کو ختم فرمایا اور اپنے نفس کی اصلاح فرمائی۔ بہرحال ہر لمحہ ان کو اس بات کی فکر تھی کہ ہمارے اخلاق درست ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ اور نفس کی اصلاح

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور بے شمار احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، پڑھنے پڑھانے والے تھے، صوفی منش بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کو بحرین کا گورنر بنا دیا گیا، اب دن میں یہ وہاں کا انتظام کرتے اور شام کو روزانہ یہ معمول تھا کہ سر پر لکڑیوں کا گٹھر سر پر رکھتے اور بیچ بازار سے گزرتے اور لکڑیاں بیچتے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرا نفس بڑا شریر ہے، مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ حاکم بننے کی وجہ سے کہیں میرے دل میں تکبر نہ آجائے، لہٰذا

میں اپنے نفس کو اپنی حقیقت بار بار دکھاتا رہتا ہوں کہ تیری حقیقت یہ ہے۔

ہمارا حال

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے نفس کی اصلاح کرنے اور اپنے اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنے دل سے تکبر، حسد، بغض، عداوت اور نفرت ختم کرنے کے لئے بڑی محنت اور مجاہدے کئے، یہی کام صوفیاء کرام کراتے ہیں، جو لوگ ان کے پاس اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں، یہ حضرات صوفیاء کرام ان کے اخلاق کی نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے اندر کچھ خرابی ہے یا کوئی عیب ہے یا ہمارے اخلاق خراب ہیں یا ہمارے اندر تکبر پیدا ہو رہا ہے، خود پسندی آرہی ہے، ریاکاری پیدا ہو رہی ہے، نام ونمود پیدا ہو رہا ہے یا دنیا کی محبت دل میں بیٹھ رہی ہے، ان باتوں کا خیال شاذ ونادر ہی کسی کو آتا ہوگا، بلکہ صبح سے شام تک زندگی کے اوقات گزر رہے ہیں اور ان برائیوں کے ہونے اور نہ ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ برائیاں ایسی ہیں کہ انسان کو خود پتہ نہیں چلتا کہ میرے اندر یہ برائی ہے، چنانچہ تکبر کرنے والے کو خود یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں تکبر کر رہا ہوں، تکبر کرنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم تکبر کرتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تو تکبر نہیں کرتا، کوئی متکبر یہ نہیں کہے گا کہ میں متکبر ہوں یا کوئی حسد کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ میں حسد کرتا ہوں، حالانکہ اس کے دل میں تکبر اور حسد بھرا ہوا ہے۔

کسی معالج کی ضرورت

اور یہ بُرائیاں ایسی ہیں جو انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں، اس لئے کسی معالج کی ضرورت ہوتی ہے جو اس بات کو پہچانتا ہو کہ یہ بیماری اس کے اندر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا علاج کرے۔ اسی کا نام ''تصوف'' اور پیری مریدی ہے اور ''تصوف'' کی اصل حقیقت یہی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں ان کی صحبت اختیار کرو۔ جب تم ان کی صحبت اختیار کرو گے تو ان کا رنگ ڈھنگ تمہارے اندر منتقل ہوگا، ان کا مزاج تمہاری طرف منتقل ہوگا اور جب تمہارے اندر کوئی بیماری پیدا ہوگی تو وہ پہچان لیں گے اور پہچان لینے کے بعد وہ تمہاری بیماری کا علاج کریں گے اور تمہاری اصلاح کریں گے۔ اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور اپنی اصلاح کرنے کا یہی طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔

اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ

بہرحال! قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق کسی اللہ والے سے جو علم صحیح رکھتا ہو اور عقیدہ صحیح رکھتا ہو اور بظاہر متبع سنت ہو اور خود اس نے اپنی

اصلاح کسی بزرگ سے کرائی ہو، اس سے رجوع کرنا اور پھر اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا، اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا آسان راستہ ہے۔

یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں

آج لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ ہم اپنی اصلاح کے لئے کس کے پاس جائیں؟ کوئی مصلح نظر ہی نہیں آتا، پہلے زمانے میں بڑے بڑے بزرگ اور بڑے بڑے مشائخ ہوا کرتے تھے، جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت علامہ شبلی اور حضرت معروف کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ، اب یہ حضرات تو موجود نہیں

؎ خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری ہے

لہٰذا جب کوئی مصلح نہیں ہے تو اب ہماری چھٹی، ہم جو چاہیں کریں، کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

مصلح قیامت تک باقی رہیں گے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، تو یہ حکم صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ حکم قیامت تک

کے لئے ہے، لہٰذا اس آیت میں یہ خوشخبری بھی ہے کہ قیامت تک اللہ والے باقی رہیں گے، صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر چیز میں ملاوٹ

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل ملاوٹ کا زمانہ ہے، ہر چیز میں ملاوٹ ہے، گندم میں ملاوٹ، گھی میں ملاوٹ، دودھ میں ملاوٹ، کوئی چیز اصلی نہیں ملتی، لیکن اس ملاوٹ کی وجہ سے کیا ہم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ چونکہ فلاں چیز میں ملاوٹ ہے، اس لئے فلاں چیز نہیں کھائیں گے، مثلاً گھی اور تیل میں ملاوٹ ہے، لہٰذا آئندہ گھی اور تیل استعمال نہیں کریں گے بلکہ گریس استعمال کریں گے، ایسا نہیں کرتے، بلکہ ہم اس ملاوٹ کے دور میں بھی تلاش اور جستجو کرتے ہیں کہ کہاں پر گھی اچھا ملتا ہے، کہاں پر تیل اچھا ملتا ہے، پھر وہاں سے حاصل کرکے استعمال کرتے ہیں۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب ہر چیز میں ملاوٹ ہے تو اللہ والوں میں بھی ملاوٹ ہے، لیکن کوئی جستجو کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح جگہ پر پہنچا دیتے ہیں، آج بھی اصلاح کرنے والے ختم نہیں ہوئے۔

جیسی روح ویسے فرشتے

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ آج کے دور میں یہ تلاش کریں گے کہ مجھے تو اصلاح کرانے کے لئے جنید بغدادی چاہئیں، مجھے تو شیخ عبدالقادر جیلانی چاہئیں تو یہ حماقت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے، جیسے تم

ہو، اسی معیار کے تمہارے مصلح بھی ہوں گے۔ لہٰذا آج پرانے دور کے معیار کا مصلح تو نہیں ملے گا، لیکن ایسا مصلح ضرور مل جائے گا جو تمہاری اصلاح کے لئے کافی ہو جائے گا، اس لئے کسی اللہ والے کو تلاش کرو اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرو اور اپنے حالات کی اصلاح کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ضرور مدد فرمائیں گے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن کریم نے اس آیت میں ہمیں اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ اخلاق سے مراد ہے باطن کے اعمال اور ان کو پاکیزہ بنانے کا بہترین اور آسان راستہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ہے، لہٰذا اللہ والوں کو تلاش کرو اور ان کی صحبت اختیار کرو اور اپنی اصلاح ان سے کرانے کی کوشش کرو، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

نکاح

جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر، ۱۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نکاح جنسی تسکین کا جائز ذریعہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا۔ مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡکَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔

اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلاَتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ○ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ○ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوۡنَ○ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ○ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کو فلاح نصیب ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک مؤمن کی فلاح کا دارومدار ان صفات پر ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، لہٰذا ہر مومن کو یہ صفات حاصل کرنے کی فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ ان صفات میں سے تین صفات کا بیان پچھلے جمعوں میں متفرق طور پر ہوا ہے، نمبر ایک: نماز میں خشوع اختیار کرنا، نمبر دو: لغو باتوں سے پرہیز کرنا، نمبر تین زکوٰۃ ادا کرنا اور اپنے اخلاق کو درست کرنا۔ ان تین کا بیان الحمدللہ بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

چوتھی صفت

چوتھی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور سوائے کنیزوں

کے کہ ان کے ذریعہ اگر لوگ اپنی خواہش پوری کریں تو ان پر کوئی ملامت نہیں اور جو لوگ ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہیں تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یہ آیات کا ترجمہ تھا۔

جنسی جذبہ فطری ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم مسئلے کی طرف تمام مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے، وہ مسئلہ ''انسان کی جنسی خواہش کی تسکین'' کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ہر انسان میں ایک جنسی جذبہ موجود ہے اور یہ جنسی جذبہ انسان کی فطرت کے اندر داخل ہے۔ یعنی ہر انسان کو اپنی مخالف سمت یعنی عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

دو حلال راستے

اللہ تعالیٰ نے اس جذبے پر کوئی پابندی اور قدغن نہیں لگائی، لیکن اس کے لئے دو راستے قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ یہ دو راستے تو حلال ہیں اور ان دو کے علاوہ جنسی خواہش پوری کرنے کے سارے راستے حرام ہیں اور ایک مؤمن کے لئے واجب ہے کہ وہ ان سے پرہیز کرے۔ دو حلال راستوں میں سے ایک تو نکاح کا راستہ کہ انسان نکاح کرکے اپنی بیوی کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرے، یہی راستہ اس کے لئے حلال ہے بلکہ باعث اجر و

ثواب بھی ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں کنیزیں ہوا کرتی تھیں جن کو باندی اور لونڈی بھی کہا جاتا ہے، پہلے زمانے میں جنگ کے دوران جو لوگ قیدی ہو جاتے تھے تو ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز اور باندی بنالیا جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو ساری دنیا میں یہ طریقہ جاری تھا اور آپ کے بعد بھی صدیوں تک جاری رہا، ان کنیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے آقاؤں کے لئے حلال کر دیا تھا، بشرطیکہ وہ کنیز مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ جنسی خواہش پوری کرنے کے یہ دو طریقے تو حلال ہیں، ان کے علاوہ انسان جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کرے، وہ حرام ہے اور جو ان طریقوں کو اختیار کرے وہ حد سے گزرنے والا ہے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔

اسلام کا اعتدال

اللہ تعالیٰ نے جو دین عطا فرمایا ہے، اس کی ہر چیز میں اعتدال اور توازن کو مدنظر رکھا ہے، ایک طرف انسان کی ایک فطری خواہش ہے اور کوئی انسان اس خواہش سے مستثنیٰ نہیں ہے، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر، بڑے سے بڑا بزرگ، بڑے سے بڑا ولی، اس خواہش سے مستثنیٰ نہیں، ہر ایک کے دل میں یہ خواہش پائی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس انسانی خواہش کو نسل انسانی کی بڑھوتری کا ذریعہ بنایا ہے کہ انسان کی نسل اسی خواہش کے نتیجے میں بڑھتی ہے، لہٰذا یہ خواہش فطری ہے اور جب یہ خواہش فطری ہے تو شریعت نے یہ نہیں کہا کہ یہ جنسی جذبہ خراب ہے، یا گندہ ہے، یا ناپاک ہے، یا حرام ہے،

اس جذبہ کو حرام قرار نہیں دیا، البتہ اس جذبہ کو تسکین دینے کے لئے ایک جائز راستہ مقرر کر دیا، اس جائز راستے سے اس جذبے کی جنسی تسکین چاہو کرو، وہ تمہارے لئے حلال ہے، لیکن اس کے علاوہ جو راستے ہیں، وہ چونکہ دنیا میں فساد پھیلانے والے ہیں، وہ انسان کو انسانیت کے جامے سے نکال دینے والے ہیں، اور حیوانیت کے راستے ہیں، اس لئے شریعت نے ان پر پابندی عائد کر دی ہے، ان کو ناجائز قرار دیا ہے اسلام میں یہ اعتدال اور توازن ہے۔

عیسائیت اور رہبانیت

''عیسائیت'' کو آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ عیسائی مذہب میں راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کا ایک نظام مشہور ہے جس کو ''رہبانیت'' کہا جاتا ہے، عیسائی راہبوں کا کہنا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنی ہے تو اس کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ دنیا کی ساری لذتوں کو چھوڑ دو اور ان کو خیر باد کہدو، جب تک دنیا کی ساری لذتیں نہیں چھوڑ دو گے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا لہٰذا اگر کھانا کھانا ہے تو بس بقدر ضرورت روکھا پھیکا اور بدمزہ کھانا کھاؤ، مزے کی خاطر اور لذت کی خاطر کوئی اچھا کھانا مت کھاؤ، اور اگر کھانے میں لذت حاصل کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ نہیں مل سکتے، اسی طرح تمہیں اس جنسی خواہش کو بھی دبانا پڑے گا، اگر جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے نکاح کا راستہ اختیار کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک تم شادی کو نہیں چھوڑ دو گے، بیوی بچوں کو نہیں چھوڑ دو گے اور

دنیا کے سارے کاروبار کو نہیں چھوڑو گے، چنانچہ انہوں نے خانقاہیں بنائیں، ان خانقاہوں میں راہبوں کی کھیپ کی کھیپ آ کر مقیم ہوئی اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم دنیا کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

عیسائی راہبہ عورتیں

آپ نے عیسائی ''نَن'' کا نام سنا ہوگا، ''نَن'' وہ عورتیں ہوتی تھیں جنہوں نے اپنی زندگی خانقاہ کے لئے وقف کر دی تھیں اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی تھیں کہ ساری عمر وہ شادی نہیں کریں گی۔ ایک طرف ''راہب'' مرد ہیں جنہوں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ شادی نہیں کریں گے اور کیونکہ اگر شادی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، دوسری طرف ''نَن'' خواتین ہیں جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ شادی نہیں کریں گی، کیونکہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اور ان کا کہنا یہ تھا کہ جب تک نفس کو نہیں کچلیں گے اور جب تک خواہشات کو نہیں دبائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا نہیں کریں گے۔ عیسائیت میں یہ نظام جاری تھا۔

یہ فطرت سے بغاوت تھی

لیکن یہ نظام فطرت سے بغاوت کا نظام تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جنسی جذبہ رکھا ہے اور کوئی انسان اس جذبے سے مستثنیٰ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ جذبہ تو رکھ دیں اور اس کی تسکین کا کوئی حلال اور جائز راستہ نہ بتائیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کی حکمت سے بعید

ہے۔ چنانچہ فطرت سے بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ وہ عیسائی خانقاہیں جن میں راہب مرد اور نن عورتیں رہتی تھیں رفتہ رفتہ یہ خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے، اس لئے کہ وہ مرد اور عورتیں انسان اور بشر تھے، ان کے دل میں جنسی خواہش کا جذبہ پیدا ہونا لازم تھا۔ اس جذبے کو پورا کرنے کے لئے شیطان نے ان کو راستے سجھائے۔

شیطان کی پہلی چال

چنانچہ شیطان نے ان کو یہ راستہ سمجھایا کہ اپنے نفس کو جتنا کچلو گے اور جتنا اپنے نفس پر ضبط کرو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی، اور جب خواہش بہت زیادہ شدید ہو رہی ہو اس وقت میں اس نفس کو کچلو گے تو اللہ تعالیٰ بہت راضی اور خوش ہوں گے، لہٰذا ایسا کریں کہ راہب مرد اور راہب عورت دونوں ایک کمرے میں رہیں۔ ایک کمرے میں رہنے کے نتیجے میں خواہش زیادہ ابھرے گی، اور اس کو زیادہ سختی سے دبانا پڑے گا، اور زیادہ سختی سے دبائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ راضی ہوں گے، چنانچہ مرد و عورتیں ایک کمرے میں رہنا شروع ہو گئے۔

شیطان کی دوسری چال

اس کے بعد شیطان نے یہ سجھایا کہ ابھی اور زیادہ نفس کو کچلنے کی ضرورت ہے لہٰذا راہب مرد اور راہب عورت ایک چار پائی پر سوئیں، اس کے نتیجے میں جب خواہش زیادہ پیدا ہوں تو ان کو دبائیں اور کچلیں تو اللہ تعالیٰ اس

سے اور زیادہ خوش اور راضی ہوں گے۔ چنانچہ جب ایک ساتھ چارپائی پر سوئے تو نتیجہ ظاہر ہے اس کے نتیجے میں بالآخر یہ ساری خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے، عام زندگی میں اتنی بدکاری نہیں تھی جتنی بدکاری ان راہبوں کی خانقاہوں میں پیدا ہوئی۔ یہ سب فطرت سے بغاوت کا نتیجہ تھا۔

نکاح کرنا آسان کر دیا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو دین عطا فرمایا اس میں اس انسانی فطرت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ چونکہ یہ جنسی خواہش انسان کی فطرت کا ایک جذبہ ہے لہٰذا اس تسکین کا ایک حلال راستہ ہونا چاہئے۔ اور وہ حلال راستہ ''نکاح'' ہے، پھر اس نکاح کو شریعت نے اتنا آسان کر دیا کہ اس میں کوئی پائی پیسے کا خرچ نہیں ہے، کسی تقریب کی ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ مسجد جانا اور کسی سے نکاح پڑھوانا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کے لئے بس اتنی شرط ہے کہ میاں بیوی اور دو گواہ مجلس کے اندر موجود ہوں، اور اس مجلس میں دو گواہوں کے سامنے لڑکا یہ کہہ دے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکی جواب میں یہ کہے کہ میں نے قبول کیا یا لڑکی یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکا جواب میں یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، بس نکاح ہو گیا۔

عیسائی مذہب میں نکاح کی مشکلات

جبکہ عیسائیوں کے یہاں ''کلیسا'' کے باہر نکاح کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اگر دو مرد عورت دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کر لیں تو عیسائی مذہب

میں وہ نکاح نہیں ہوگا، بلکہ عیسائی مذہب میں نکاح اس وقت منعقد ہوگا جب مرد وعورت کلیسا میں جائیں اور وہاں کے پادری کی خوشامد کریں اور اس پادری کو فیس ادا کریں، وہ پادری اپنی فیس وصول کرنے کے بعد نکاح پڑھنے کے لئے خاص وقت مقرر کرے گا اس وقت میں جب پادری نکاح پڑھائے گا تب نکاح منعقد ہوگا ورنہ نکاح نہیں ہوسکتا۔ شریعت اسلام نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نکاح کسی اور سے پڑھوایا جائے بلکہ دو مرد دعورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں اور مہر مقرر کرلیں بس نکاح منعقد ہوگیا۔

خطبہ واجب نہیں

البتہ سنت یہ ہے کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھ لیا جائے اگر شوہر پڑھ سکتا ہے تو وہ خود خطبہ پڑھ لے، کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں، لیکن عام طور پر شوہر کو خطبہ نہیں آتا اس لئے قاضی صاحب کو بلاکر خطبہ پڑھوایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے، تاکہ سنت کے مطابق نکاح ہو جائے، ورنہ اسلام میں نہ خطبہ پڑھنا شرط ہے نہ مسجد میں جانا شرط ہے، نہ کسی قاضی سے نکاح پڑھوانا شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو اتنا آسان کردیا تاکہ انسان کی فطری خواہش غلط راستے تلاش نہ کرے اور جب فطری خواہش پیدا ہو تو انسان کے پاس اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے حلال راستہ موجود ہو۔

شادی کو عذاب بنالیا

آج ہم نے نکاح کو معاشرے میں ایک طومار بنالیا ہے، شادی کو ایک عذاب بنالیا ہے، آج کوئی شخص اس وقت تک شادی نہیں کرسکتا جب تک اس

کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے موجود نہ ہوں، کیونکہ اس کو تقریب کے لئے پیسے چاہئیں، مہندی کی رسم کے لئے پیسے چاہئیں، منگنی کی رسم کے لئے پیسے چاہئیں اور ان تمام کاموں میں اتنے آدمی بلانا ضروری ہے اور شادی کے لئے اتنا زیور چاہئے اتنے کپڑے چاہئیں، ولیمہ کی دعوت ہونی چاہئے، اس طرح نکاح میں رسم و رواج نے ہزار طور مار بنا دیئے ہیں، جس نے نکاح کو ایک عذاب بنا دیا ہے، جبکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور شادی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور سابقین اولین جو بالکل ابتداء اسلام میں ہی اسلام لے آئے یہ ان میں سے ہیں۔ اور ان دس خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی کہ یہ جنت میں جائیں گے۔ یہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آگئے ایک دن یہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے آئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ ان کے کپڑوں پر زرد رنگ کی خوشبو لگی ہوئی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہارے کپڑے یہ زرد رنگ کیسے لگا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا ہے، اس نکاح کے وقت خوشبو لگائی تھی۔ یہ اس خوشبو کا نشان ہے۔ اب دیکھئے کہ نکاح کرلیا اور اس نکاح کی تقریب میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا تک نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے کوئی شکایت نہیں کی کہ واہ بھائی! تم نے اکیلے اکیلے نکاح کر لیا، ہمیں بلایا بھی نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ ساری شرطیں اور قیدیں جو ہم نے لگا رکھی ہیں کہ جب تک ہزار آدمی نہ بلائے جائیں جب تک شامیانہ نہ لگایا جائے جب تک ہال بک نہ کرایا جائے اس وقت تک شادی نہیں ہوگی، اسلام میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان چیزوں کا تصور نہیں تھا، تا کہ نکاح کو اتنا آسان کر دیا جائے کہ انسان جنسی خواہش کی تسکین کے لئے غلط راستے تلاش نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور نکاح

ایک اور انصاری صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد چہیتے صحابی اور لاڈلے صحابی تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے برسبیل تذکرہ ذکر کر دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نکاح کر لیا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا یا بیوہ سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری چھوٹی چھوٹی ۶ بہنیں ہیں۔ ان کو ایسی عورت کی ضرورت تھی جو سمجھدار ہو، اور ان کی تربیت بھی کر سکے اب اگر میں کسی کنواری سے نکاح کرتا تو وہ ان کی پوری دیکھ بھال نہ کر سکتی، اس لئے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے نکاح میں برکت دے۔

یہاں بھی نہ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، اور نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا اور ہمیں نہیں پوچھا۔ نکاح کے بارے میں اسلام کا یہ مزاج تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا۔ آج نے ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کے نتیجے میں اپنے نکاح اور شادی میں اتنی رسمیں بڑھالی ہیں کہ وہ نکاح ایک عذاب بن کر رہ گیا ہے اور ایک عام آدمی کے لئے نکاح کرنا بڑا مشکل ہوگیا ہے۔ بہرحال! شریعت نے نکاح کا راستہ آسان کر دیا کہ اس طرح نکاح کرلو اور اس نکاح کے ذریعے اپنی جنسی خواہش جائز ذریعہ سے پوری کرلو۔ اسلام نے رہبانیت کی دعوت نہیں دی کہ تم نکاح کو بالکل چھوڑ دو۔

جائز تعلقات پر اجر وثواب

پھر نہ صرف یہ کہ نکاح کی اجازت دی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میاں بیوی کے درمیان جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں وہ نہ صرف جائز ہیں بلکہ وہ تعلقات ثواب کا ذریعہ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنی بیوی کے ساتھ جو ازدواجی تعلق قائم کرتے ہیں وہ تو ہم اپنی ذاتی لذت حاصل کرنے کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں ثواب کیوں دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ لذت حرام طریقے سے حاصل کرتے تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بیشک گناہ ہوتا، آپ نے فرمایا کہ جب تم حرام طریقے کو چھوڑ دیا اور اللہ

تعالیٰ کے حکم پر حلال طریقہ اختیار کر رہے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس حلال طریقے پر ثواب عطا فرماتے ہیں، اور یہ عمل تمہارے لئے اجر کا سبب بنتا ہے۔

نکاح میں تاخیر مت کرو

اور پھر اس حلال طریقے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی آزادی دیدی کہ میاں بیوی پر اس بارے میں اوقات کی کوئی پابندی نہیں، مقدار کی اور عدد کی کوئی پابندی نہیں اور طریقوں کی بھی کوئی خاص پابندی نہیں، اس طرح سے اس میں آزادی دیدی تاکہ انسان ناجائز راستے تلاش نہ کرے۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس تمہاری لڑکی کا رشتہ آئے اور ایسے لڑکا کا رشتہ آئے جو تمہیں پسند ہو، تمہیں ظاہری اعتبار سے بھی اور دین کے اعتبار سے بھی اچھا لگتا ہو، اور تمہارا کفو بھی لگتا ہو تو اس رشتے کو قبول کرلو اور پھر فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ چنانچہ وہ فتنہ اس طرح پھیل رہا ہے کہ گھر میں لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں اور رشتے بھی موجود ہیں، لیکن جہیز کا انتظار ہے اور اس بات کا انتظار ہے کہ باپ کے پاس لاکھوں روپے آجائیں تو پھر وہ اپنی بیٹی کی شادی کر کے ان کو رخصت کرے۔ لیکن وہ لڑکیاں بھی تو انسان ہیں، ان کے دلوں میں بھی جذبات ہیں، ان کے دلوں میں بھی خواہشات ہیں۔ جب وہ خواہشات جائز طریقے سے پوری نہیں ہوں گی تو شیطان ان کو ناجائز طریقے کی طرف لے جائے گا، اور اس سے فتنہ و فساد پھیلے گا۔ معاشرے کے اندر آج دیکھ لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

ارشاد سے روگردانی کے نتیجے میں کیسا فتنہ اور فساد پھیلا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ سب حرام راستے ہیں

بہر حال! شریعت نے ایک طرف اس خواہش کی تسکین کا جائز طریقہ بتا دیا اور دوسری طرف یہ کہہ دیا کہ اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ بربادی کی طرف لے جانے والے ہیں ان سے بچو اور جو لوگ ان راستوں کی طرف جائیں گے وہ لوگ اپنی حد سے گزرنے والے ہیں اور عذاب کو دعوت دینے والے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یعنی عفت و عصمت کی زندگی گزاریں اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے جو حلال طریقے ہیں صرف ان پر اکتفا کریں ان پر عمل کئے بغیر ان کو نہ دنیا میں فلاح حاصل ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں فلاح حاصل ہو سکتی ہے۔

اختتام

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عفت اور عصمت کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس کے لئے قرآن وسنت نے کیا تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، یہ ایک مستقل موضوع ہے، اب وقت ختم ہو چکا ہے انشاء اللہ اگر زندگی رہی تو اگلے جمعہ کو اس کی تفصیل عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے عفت و عصمت کی دولت عطا فرمائے، اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آنکھوں کی حفاظت کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آنکھوں کی حفاظت کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! گزشتہ کئی جمعوں سے فلاح یافتہ مومنوں کی صفات کا بیان چل رہا ہے، تین صفات کا بیان تفصیل سے ہو چکا۔ چوتھی صفت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے کہ ان کے ذریعہ جو شخص اپنی جنسی خواہش پوری کرے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہے تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں ہماری ہر جائز خواہش کو تسکین دینے کا صاف ستھرا پاک راستہ موجود ہے۔ انسان کا جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس جذبہ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی قدغن کوئی پابندی عائد نہیں فرمائی، لیکن یہ بتا دیا کہ اس جنسی جذبہ کی تسکین کا جائز راستہ

نکاح ہے۔ اب اگر انسان اس راستے سے اس جذبہ کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے۔ بلکہ باعث اجر وثواب ہے، لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے اور نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرنا چاہے تو یہ حد سے تجاوز ہے۔ فساد کا راستہ ہے۔ فتنہ کا راستہ ہے اور یہ انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہ مغربی تہذیب ہے

جن جن معاشروں میں نکاح سے ہٹ کر بغیر نکاح کے جنسی خواہش کی تسکین کا دروازہ کھولا گیا، وہ اخلاقی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے تباہی کا شکار ہوئے، آج مغربی دنیا یورپ اور امریکہ کی تہذیب کا دنیا میں ڈنکا بجا ہوا ہے، لیکن انہوں نے جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کے علاوہ دوسرے راستے اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس جنسی خواہش نے ان کو کتوں اور گدھوں اور بلیوں کی صفت میں شامل کر دیا۔ بعض معاشرے ایسے ہیں جن کے ریکارڈ پر یہ بات موجود ہے کہ یہاں کی ستر اسی فیصد آبادی حرام کی اولاد ہیں اور خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ فیملی سسٹم کا ستیاناس ہو گیا۔ باپ بیٹے، ماں، بیٹی، بھائی، بہن کے تصورات ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ آج مغربی دنیا کے مفکرین چیخ رہے ہیں کہ ہم نے اس جہت سے اپنے آپ کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے یہ اس لئے کہ قرآن کریم نے جو راستہ بتایا تھا کہ نکاح کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرو، اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار کر لئے۔

یہ جذبہ کسی حد پر رکنے والا نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ اگر یہ جنس خواہش کا جذبہ جائز حدود کے اندر ہے تو یہ جذبہ بقاء نوع انسانی کا جذبہ بنتا ہے اور انسان کو بہت سے فوائد پہنچاتا ہے، لیکن جس وقت یہ جذبہ جائز حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے تو یہ جذبہ ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ مٹنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتا ہے، اگر کوئی انسان ناجائز طریقے سے اپنی خواہش کو پوری کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پھر کسی حد پر نہیں رکتا، کسی حد پر اسکو قرار اور چین نہیں آتا، وہ اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور کبھی اس کی پیاس اور بھوک نہیں مٹتی، جیسے جو شخص استسقاء کا مریض ہوتا ہے وہ ہزار مرتبہ بھی پانی پی لے، اور مٹکے کے مٹکے اپنے پیٹ میں داخل کر لے پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی یہی صورت حال اس وقت ہوتی ہے جب جنسی جذبہ اپنی معقول حدود سے تجاوز کر جائے، وہ جذبہ پھر کسی حد پر رکتا نہیں ہے۔

پھر بھی تسکین نہیں ہوتی

آج مغربی دنیا میں یہی صورت حال ہو رہی ہے۔ ایک طریقے سے جنسی خواہش کی تسکین شروع کی۔ لیکن پوری تکمیل نہ ہو سکی، پھر اور آگے بڑھے پھر بھی پوری تسکین نہ ہوئی اور پھر اور آگے بڑھے پھر بھی تسکین مکمل نہ ہوئی یہاں تک کہ اب صورت حال یہ ہے کہ مغربی دنیا میں ایسے بے شمار واقعات سامنے آ رہے ہیں کہ اب بعض لوگوں کو جنسی خواہش کی تسکین اس وقت تک

نہیں ہوتی جب تک وہ کسی خاتون کے ساتھ جنسی خواہش بھی پوری کرنے کے بعد اس کو قتل بھی کریں۔

حد سے گزرنے کا نتیجہ

مغربی دنیا کا یہ عجیب منظر ہے کہ جہاں ان کے معاشرے نے عورت کو اتنا سستا کر دیا کہ قدم قدم پر عورت سے تسکین حاصل کرنے کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، کوئی قدغن اور کوئی پابندی ان پر نہیں، لیکن جن ملکوں میں عورت اتنی سستی ہے انہی ملکوں میں زنا بالجبر کے واقعات ساری دنیا سے زیادہ ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ جنسی خواہش کی تسکین کر لینے کے بعد بھی نفس کو قرار نہیں آیا، اب یہ خیال آیا کہ زبردستی کرنے میں زیادہ لذت ہے اور پھر زبردستی کی انتہاء حد یہ ہے کہ جس عورت سے جنسی تسکین حاصل کی جارہی ہے اس کو اسی وقت میں قتل کرنا بھی جنسی تسکین کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ آج اس معاشرے میں ایسے واقعات بھرے پڑے ہیں کہ اب فکر رکھنے والے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے معاشرے کو کس تباہی کے دھانے پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس نکاح کے بندھن سے ہٹ کر جنسی خواہش کی تسکین کا راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور حد سے گزرنے کے بعد بھی ان کو کسی حد پر قرار نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے نکاح کے ذریعہ ہم نے تمہارے لئے ایک جائز راستہ پیدا کر دیا، اس جائز راستے کی فضیلت رکھدی کہ اگر انسان اپنی بیوی کے ساتھ اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرے تو یہ نہ صرف جائز

ہے بلکہ اس پر اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ باقی سب راستے حرام کر دیئے۔

پہلا بند: نظر کی حفاظت

اب حرام راستوں اور طریقوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے پہرے بٹھا دیئے ہیں کہ اگر ان پہروں کا لحاظ رکھا جائے تو انسان کبھی بھی جنسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوسکتا، ان میں سے سب سے پہلے اپنی نظر کی حفاظت کا حکم دیا۔ رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: النظر سھم من سھام ابلیس ۔ یعنی انسان کی نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ یعنی شیطان انسان کو اس نگاہ کے ذریعہ غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اور اس نظر کو غلط جگہ پر ڈلوانا چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں فاسد جذبات ابھرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بالآخر انسان کو عملی گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

نگاہیں نیچے رکھیں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

آپ مؤمنین سے کہدیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، گویا کہ یہ بتلا دیا کہ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے، کسی

نامحرم عورت پر لذت لینے کی غرض سے نگاہ ڈالنا زنا کی پہلی سیڑھی ہے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العینان تزنیان، وزنا ھما النظر۔ یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے آنکھوں سے غیر محرم کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا یہ زنا کی پہلی سیڑھی ہے، شریعت نے اس پر پابندی عائد فرما دی ہے۔

آجکل نظر بچانا مشکل ہے

آج کل کے معاشرے میں جہاں چاروں طرف انسان کی نگاہ کو پناہ نہیں ہے، چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ نگاہ کو نیچے رکھو اور اپنی نگاہ کا غلط استعمال نہ کرو۔ آج کا نوجوان یہ کہے گا کہ نگاہ کو نیچے رکھ کر اور چاروں طرف سے آنکھیں بند کر کے چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے کہ کہیں بورڈ پر تصویر نظر آ رہی ہے اور کہیں اخبارات میں تصویریں نظر آ رہی ہیں، کسی رسالے کو دیکھو تو اس میں تصویر موجود، بازار سے کوئی چیز خریدو تو اس پر تصویر موجود بے پردہ عورتیں ہر جگہ باہر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، اس لئے نظریں بچانا تو بڑا مشکل کام ہے۔

یہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے

لیکن اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ذرا اس پر غور کرو کہ یہ آنکھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ ایک ایسی مشین اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے جو پیدائش سے لیکر مرتے دم تک بغیر کسی پیسے اور

بغیر محنت کے یہ مشین کام کر رہی ہے اور اس طرح کام کر رہی ہے کہ جو چیز چاہو اس کے ذریعہ دیکھ لو جو چاہو لطف اٹھالو، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشین کے اندر غور کرنے کی توفیق دے تب پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ میں کیا کارخانہ فٹ کر رکھا ہے، جو آنکھوں کے اسپیشلسٹ ہیں، انہوں نے کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسپتالوں میں ساری عمر لگادی، لیکن اب تک یہ دریافت نہیں کر سکے کہ کیا کارخانہ کیا ہے؟ اس کارخانے کے اندر کتنے پردے ہیں؟ کتنی جھلیاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس میں کتنے پردے فٹ کر رکھے ہیں؟ لیکن چونکہ یہ مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی پائی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا ہے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔ اس وجہ سے اس نعمت کی قدر نہیں۔

آنکھوں کی حفاظت کیلئے پیسہ خرچ کرنے پر تیار

جس دن آنکھ کی بینائی پر ذرہ برابر فرق آجائے تو تمہارے جسم میں زلزلہ آجاتا ہے کہ کہیں میری بینائی نہ چلی جائے، اور اگر خدانہ کرے یہ بینائی چلی جائے تو پھر انسان ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ چاہے میری دولت چلی جائے، لیکن میری بینائی مجھے واپس مل جائے تاکہ میں اپنی بیوی کو دیکھ سکوں، میں اپنے بچوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے ماں باپ کو دیکھ سکوں۔ بینائی جانا تو درکنار بلکہ اگر بینائی میں ذرہ فرق آجائے کہ ٹیڑھا نظر آنے لگے یا آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچنے لگیں یا آنکھوں کے سامنے حلقے اور دائرے نظر آنے لگیں تو انسان گھبرا جاتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا اور پھر آنکھوں کے اسپیشلسٹ کے پاس بھاگتا ہے اور ہزاروں خرچ کرتا ہے کہ

کسی طرح میری آنکھوں کا یہ نقص دور ہو جائے لیکن ہمیں اور آپ کو یہ دولت ملی ہوئی ہے اور مرتے دم تک کام کرتی ہے نہ اس کی سروس کی ضرورت، نہ اس میں تیل ڈالنے کی ضرورت۔

آنکھ کی پتلی کی عجیب شان

اور اس آنکھ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب و غریب نظام بنایا ہے مجھے ایک آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انسان جب روشنی میں جاتا ہے تو اس کی آنکھ کی پتلی پھیلتی ہے اور جب اندھیرے آتا ہے تو اس آنکھ کی پتلی کے پٹھے سکڑتے ہیں کیونکہ اندھیرے میں صحیح طور پر دیکھنے کے لئے اس کا سکڑنا ضروری ہے اور اس ڈاکٹر نے بتایا کہ اس سکڑنے اور پھیلنے کے عمل میں انسان کی آنکھ کے پٹھے سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور یہ کام خود بخود ہوتا ہے۔ اگر یہ کام انسان کے سپرد کیا جاتا، اور یہ کہا جاتا کہ جب تم اندھیرے میں جاؤ تو یہ بٹن دبایا کرو اور جب روشنی میں جاؤ تو یہ دوسرا بٹن دبایا کرو، تب تمہاری آنکھیں صحیح کام کریں گی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی انسان کی سمجھ میں یہ بات آتی اور کسی کی سمجھ میں نہ آتی اور غلط وقت پر بٹن دبا دیتا اور ضرورت سے زیادہ بٹن دبا دیتا تو خدا جانے اس آنکھ کا کیا حشر بنا تا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک آٹو میٹک سسٹم اس آنکھ کے اندر لگا دیا کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق اس آنکھ کی پتلی پھیلتی بھی ہے اور سکڑتی ہے۔

آنکھ کی حفاظت کا خدائی انتظام

اور یہ آنکھ اتنی نازک ہے کہ شاید پورے جسم انسانی میں اس سے زیادہ

نازک کوئی چیز نہ ہو۔ آپ کو تجربہ ہوا ہوگا کہ اگر انسان کی آنکھ میں ریت یا مٹی کا معمولی سا ذرہ جس کو دیکھنا بھی مشکل ہو، اگر وہ انسان کی آنکھ میں چلا جائے تو انسان بے تاب ہو جاتا ہے اور درد سے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور یہ آنکھ انسان کے چہرے میں بالکل سامنے ہے کہ اگر انسان کے سامنے سے اس پر حملہ ہو یا کسی سے تصادم ہو تو اس کی چوٹ سب سے پہلے انسان کے چہرے پر پڑتی ہے، لیکن آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پہرے دار بٹھا دیئے یہ ماتھے کی ھڈی اور رخسار کی ھڈی، ان دونوں ھڈیوں کے قلع میں انسان کی آنکھ کو رکھ دیا تاکہ اگر چہرے پر کوئی چوٹ پڑے تو ھڈیاں اس کو برداشت کریں اور آنکھ محفوظ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پلکوں کے دو پردے آنکھوں کے اوپر ڈال دیئے تاکہ کوئی گرد و غبار اس کے اندر نہ جائے، اگر کوئی مٹی یا گرد و غبار اڑ کر آئے گا تو یہ پلکیں اس کو اپنے اوپر لیلیں گی اور آنکھوں کو بچالیں گی۔ جب انتہاء ہو جائے تب جاکر آنکھ پر چوٹ پڑتی ہے ورنہ آنکھ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خودکار نظام بنادیا ہے۔ ان کے ذریعہ انسان کے چہرے کا حسن بھی ہے اور اس آنکھ کی نعمت کی حفاظت بھی ہے۔

نگاہ پر صرف دو پابندیاں ہیں

یہ سب انتظام اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے اور اس انتظام کے لئے کوئی پیسہ نہیں مانگا کہ جب تم اتنے پیسے دو گے تو آنکھ ملے گی بلکہ یہ خودکار مشین پیدائش کے وقت سے تمہارے حوالے کر دی ہے۔ صرف اتنا فرمایا کہ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو جہاں چاہو، استعمال کرو، صرف چند جگہیں ہیں ان میں اس کو استعمال نہ کرنا، اس آنکھ کے ذریعہ آسمان کو دیکھو، زمین کو دیکھو، اچھے مناظر کو

دیکھو، باغات کو دیکھو، پھلوں کو پھولوں کو دیکھو، دریاؤں اور نہروں کو دیکھو، پہاڑوں اور اچھے مناظر کو دیکھو۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو دیکھو، اور ان سے لطف اٹھاؤ۔ صرف دو چیزوں سے بچو، ایک یہ کہ کسی نامحرم عورت پر لذت لینے کی نیت سے نگاہ مت ڈالو اور کسی انسان کی طرف حقارت کی نظر سے مت دیکھو، بس آپ کے اوپر یہ دو پابندیاں ہیں، باقی سب کچھ دیکھنا تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس سرکاری مشین کو جتنا چاہو استعمال کرو۔

اگر بینائی واپس دیتے وقت شرط لگادی جائے

اگر پھر بھی انسان کہے کہ یہ کام بڑا مشکل ہے، ساری کائنات کا نظام دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انتظام تمہیں دے رکھا ہے، خدا نہ کرے اگر کسی دن تمہاری آنکھ کا پردہ پھٹ جائے، خدا نہ کرے کسی دن تمہاری آنکھ کی بینائی جاتی رہے، اس وقت اگر تم سے یہ کہا جائے کہ یہ بینائی تمہیں واپس تو مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ فلاں فلاں چیز نہیں دیکھو، تو جواب میں وہ شخص کہے گا کہ ساری زندگی ان چیزوں کو نہ دیکھنے کا بونڈ لکھوالو، لیکن مجھے بینائی واپس دیدو، تاکہ اس کے ذریعہ میں اپنی بیوی بچوں کو دیکھ سکوں، اپنے بہن بھائیوں کو دیکھ سکوں، میں اپنے گھر کو دیکھ سکوں۔ اس وقت تو بونڈ لکھنے کے لئے تیار ہو جائے گا، اس لئے کہ بینائی جا چکی ہے اور اب کے واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بوڈ لکھوائے بغیر تمہیں یہ نعمت دے رکھی ہے۔ لیکن یہ نعمت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جس جگہ یہ بینائی استعمال کرنے

کے لئے دی ہے صرف اس جگہ استعمال کرو۔

نگاہ ڈالنا اجر وثواب کا ذریعہ

اور اگر صرف اس جگہ پر استعمال کرو گے تو اس کے نتیجے میں تمہارے اعمال نامے میں نیکیوں کے ڈھیر لگتے چلے جائیں گے اور آخرت میں اجر و ثواب کے خزانے اکھٹے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کو ایک مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھے تو ایک نگاہ ڈالنے سے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شوہر اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے اپنے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ نگاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

نظر کی حفاظت کا ایک طریقہ

خدا نہ کرے اگر آدمی اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کرے اور اس کے ذریعہ نامحرموں کو لذت لینے کی غرض سے دیکھے تو اس نگاہ کے بارے میں فرمایا کہ شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

آج ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کے دور میں آنکھوں کو بچانا بڑا مشکل ہے اس لئے کہ ڈھونڈنے سے بھی ملتی نہیں آنکھوں کو پناہیں، کہاں جائیں؟ اور

کس طرح بچیں؟ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم یہ تصور کرو کہ آج اگر ہماری بینائی جاتی رہے اور پھر کوئی تم سے یہ کہے کہ تمہاری بینائی واپس مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ اس بینائی کو کسی نامحرم کو دیکھنے میں استعمال نہیں کرو گے، اگر یہ پکا وعدہ کرو اور پختہ عہد کرو اور لکھ کر دو تب بینائی واپس ملے گی، ورنہ نہیں ملے گی۔ بتاؤ کیا تم اس وعدہ کرنے اور لکھنے پر تیار ہو جاؤ گے یا نہیں؟ کونسا انسان ہے جو لکھنے اور وعدہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور کون انسان ہوگا جو یہ کہے گا کہ اگر میں نامحرم کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر مجھے بینائی نہیں چاہئے۔ کوئی انسان ایسا کہے گا؟ ہرگز نہیں کہے گا۔ اگر تم اس وقت وعدہ کرنے اور لکھ کر دینے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو جس مالک کریم نے وہ بینائی تم سے کوئی معاہدہ کئے بغیر پہلے سے تمہیں دے رکھی ہے اور بعد میں وہ مالک تم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اس نگاہ کو غلط استعمال نہ کرو تو پھر تمہیں کیوں مشکل نظر آتی ہے؟ پھر کیا پریشانی لاحق ہوتی ہے، لہٰذا جب بدنظری کا موقع سامنے آئے تو یہ تصور کرلو کہ اگر میں بدنظری کروں گا تو میری بینائی چلی جائے گی۔

ہمت سے کام لو

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنی بینائی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو حقیقت میں بینائی نہیں ہے، بلکہ وہ تو اندھاپن ہے اور بینائی تو اس کی جاچکی ہے، قرآن کریم میں فرمادیا کہ:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَفِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (سورۃ الراء، آیت ۷۲)

لہٰذا انسان یہ عہد کر لے کہ میں اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت اور حوصلے میں عہد میں بڑی طاقت رکھی ہے، یہ انسان کی ہمت ربر کی طرح ہے اس کو جتنا چاہو کھینچ لو، جب انسان اس ہمت کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ہمت میں برکت اور ترقی عطا فرماتے ہیں۔

خلاصہ

بہر حال! اس نگاہ پر دو پابندیاں عائد کی گئی ہیں ایک یہ کہ نامحرم عورت کو لذت کی نگاہ سے دیکھنا، اور دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا کسی مسلمان پر پر حقارت کی نظر ڈالنا یہ بھی آنکھ کا گناہ ہے۔ ان دونوں گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلیا جائے تو انشاء اللہ زندگی درست ہو جائے گی، اور خیالات و جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائیں گے، اور آخرت کی بھی تیاری ہو جائے گی اور اگر یہ طریقہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مشین کو علی الاطلاق استعمال کر رہے ہیں، اس پر کوئی قید اور کوئی پابندی نہیں لگا رہے ہیں تو یہی آنکھ آپ کو جہنم کے گڑھے میں لے جا کر ڈالے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دے گی، اس لئے اس آنکھ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آنکھ کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ مضمون ابھی باقی ہے لیکن وقت ختم ہو چکا ہے زندگی رہی تو اگلے جمعہ میں انشاء اللہ عرض کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! سورۃ مؤمنوں کی پانچویں اور چھٹی آیت کا بیان گزشتہ دوجمعوں سے چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مؤمنوں کی فلاح کے لئے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی طبیعت میں ایک جنسی جذبہ رکھا ہے اور چونکہ اسلام ایک دین فطرت ہے، لہٰذا اس جنسی جذبے کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال راستہ تجویز فرما دیا، وہ نکاح کا راستہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے اس فطری جذبے کی تکمیل کرے، تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر وثواب بھی ہے۔ لیکن اس نکاح کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے والے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ قرآن کریم نے لفظ تو

بہت مختصر استعمال فرمایا کہ وہ حد سے گزرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم میں بہت ساری خرابیاں داخل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ جو شخص نکاح کے رشتے کے باہر اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرنا چاہے وہ شخص معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ پھیلاتا ہے، یہ اس آیت کے مطلب اور تشریح کا خلاصہ ہے۔

پہلا حکم: نگاہ کی حفاظت

شریعت نے جہاں ناجائز جنسی تسکین کا راستہ بند کیا اور اس کو حرام قرار دیا تو اس کے لئے فضا بھی ایسی سازگار پیدا فرمائی۔ جس میں اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لئے آسان ہو جائے، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے نکاح کے راستے کو آسان سے آسان فرمایا ہے۔ لیکن ہم نے اپنے معاشرے میں طرح طرح کی رسموں اور قیدوں سے اس نکاح کو جکڑ کر اپنے لئے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ تمام دروازے بند فرمائے جو انسان کو بدکاری کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا حکم نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا کہ اپنی نگاہ کو پاکیزہ رکھو، اور اس کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

النظر سهم مسموم من سهام ابليس۔

یہ نظر شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ بعض اوقات صرف ایک نگاہ انسان کے دل کی حالت کو خراب کر دیتی ہے، اس میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک غلط نگاہ کے نتیجے میں انسان کی سوچ

انسان کی فکر، اس کے خیالات اس کے جذبات اور بعض اوقات اس کا کردار بھی خراب ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے پہلا پہرہ انسان کی نگاہ پر عائد فرمایا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ نگاہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کوئی انسان بینائی سے محروم ہو تو وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ بھی خرچ کر کے بھی یہ نعمت حاصل نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں مفت میں بغیر معاوضے کے عطا فرما رکھی ہے، اس لئے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی اور یہ نعمت پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہتی ہے یہ نازک اتنی ہے کہ اگر ذرا اس کے اندر کوئی بال آ جائے، ذرا خراش لگ جائے تو یہ بیکار ہو جائے، لیکن اتنی نازک مشین پوری زندگی انسان کا ساتھ دیتی ہے اور اس طرح ساتھ دیتی ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے نہ اس کو پٹرول اور تیل کی ضرورت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ آٹومیٹک نظام کے تحت اس کی سروس بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کو غذا بھی پہنچاتے رہتے ہیں چنانچہ جو لقمہ تم اپنی بھوک مٹانے کی خاطر کھاتے ہو اسی لقمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جسم کے ہر حصے کو غذا پہنچاتے ہیں اسی طرح آنکھ کو بھی پہنچاتے ہیں۔

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں

یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ لذت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنے کام نکالو، اس آنکھ پر صرف چیزوں کو نہ دیکھنے کی پابندی عائد کی گئی ہے کہ ان چیزوں کی طرف مت دیکھنا، وہ یہ کہ کسی نامحرم خاتون کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے مت دیکھنا، ایسا کرنے کو گناہ قرار دیا گیا اور فرمایا کہ یہ آنکھوں کا زنا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

العینان تزنیان و زنا هما النظر۔

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ لذت کی غرض سے شہوت کی نگاہ سے کسی غیر محرم کو دیکھنا یہ بدنظری ہے، اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب تمہاری نگاہ محفوظ ہوگی تو تمہارے خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے، تمہارے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے، اور پھر تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔

شرمگاہ کی حفاظت آنکھ کی حفاظت پر ہے

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مؤمنوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور یہ تمہارے لئے پاکی حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے اور عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچیں رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ شرمگاہ کی حفاظت کا راستہ یہ ہے کہ اس کا آغاز آنکھ کی حفاظت سے ہو، اور جب آنکھ محفوظ رہے گی تو پھر تمہاری شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی اور تم بدکاری سے محفوظ رہو گے۔ یہ حکم کسی مولوی اور ملا کا بیان کردہ حکم نہیں ہے، یہ کسی قدامت پسند، مذہبی، دہشت گرد کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن کریم کے اندر بیان فرمایا ہے۔

قلعے کا محاصرہ کرنا

جب تک مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان فتنوں اور فسادات سے محفوظ رکھا، میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا تھا جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت عبیدۃ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے درجے کے صحابہ میں سے ہیں، اور شام کے فاتح ہیں، اس لئے کہ شام کے بہت سے علاقوں کی فتح کا سہرا اللہ تعالیٰ نے ان کے سر رکھا بعد میں وہ شام کے گورنر رہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غیر مسلموں کے قلعے پر حملہ کیا، اور اس قلعے کا محاصرہ کرلیا،

محاصرہ لمبا ہوگیا اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ جب قلعہ کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں تو انہوں نے ایک سازش تیار کی، وہ یہ کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں، آپ اپنی فوج کو لے کر شہر میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ سازش کی کہ شہر کا دروازہ جس طرف کھلتا تھا اس طرف بہت لمبا بازار تھا۔ جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں اور وہ بازار شاہی محل پر جا کر ختم ہوتا تھا ان لوگوں نے بازار کے دونوں طرف عورتوں کو مزین کر کے اور آراستہ کر کے ہر دکان پر ایک ایک عورت کو بٹھا دیا، اور ان عورتوں کو یہ تاکید کر دی کہ اگر یہ مجاہدین داخل ہونے کے بعد تمہیں چھیڑنا چاہیں اور تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو تم انکار مت کرنا، رکاوٹ مت ڈالنا، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ لوگ حجاز کے رہنے والے ہیں مہینوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، جب اندر داخل ہونے کے بعد اچانک ان کو خوبصورت اور آراستہ عورتیں نظر آئیں گی تو یہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے، اور جب یہ ان کے ساتھ مشغول ہوں گے، اس وقت ہم پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں گے۔

مؤمن کی فراست سے بچو

منصوبہ بنا کر قلعے کے والی نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم ہار مان گئے ہیں اور اب ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں آپ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو جائیں۔ جب

حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پیغام ملا۔ جب اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں تو فراست ایمانی بھی عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور اللّٰهِ۔

یعنی مؤمن کی فراست سے بچو، کیوں وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ جب یہ پیغام ملا تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ کا ماتھا ٹھنک گیا کہ اب تک یہ لوگ مقابلے کے لئے تیار تھے اور دروازہ نہیں کھول رہے تھے، اور اب اچانک یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے دروازہ کھولنے کی پیش کش کر دی، اور فوجوں کو داخل ہونے کی اجازت دیدی، اس میں ضرور کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔

پورا لشکر بازار سے گزر گیا

چنانچہ آپ سارے لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن نے ہتھیار ڈالدیئے ہیں اور وہ ہمیں داخل ہونے کی دعوت دے رہا ہے، آپ لوگ بیشک داخل ہوں، لیکن میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں آپ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں، اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (سورۃ النور، آیت ۳۰)

یعنی مومنوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکیزگی کا راستہ ہے۔ چنانچہ لشکر قلعے کے اندر اس شان سے داخل ہوا کہ ان کی نگاہیں نیچی تھیں اور اسی حالت میں پورے بازار سے گزر گئے اور شاہی محل تک پہنچ گئے اور کسی نے دائیں بائیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کیا فتنہ ان دکانوں میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے

جب شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کونسی مخلوق ہے اس لئے کہ کوئی فوج فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتی ہے تو سینہ تان کر داخل ہوتی ہے آزادی کے ماحول میں داخل ہوتی ہے، اور لوٹ مار کرتی ہے اور عصمتیں لوٹتی ہے، لیکن یہ عجیب وغریب لشکر اس شان سے داخل ہوا کہ چونکہ ان کے امیر نے کہدیا تھا کہ نگاہیں نیچی رکھنا تو سب کی نگاہیں نیچی تھیں، اور اس حالت میں پورا لشکر اس بازار کو پار کر گیا۔ اور شہر کے بے شمار لوگ صرف یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ''اسلام'' تلوار سے پھیلا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اس کردار سے پھیلا تھا صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے پھیلا تھا۔ بہرحال! آنکھوں کو نیچے رکھنے کے عمل نے نہ صرف یہ کہ ان کو جسمانی اور

نفسانی اور شہوانی فتنے سے محفوظ رکھا، بلکہ اس ذریعہ سے دشمن کے منصوبے اور ان کی چال سے بھی حفاظت فرمائی۔

شیطان کا حملہ چار اطراف سے

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اور اس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اور میری یہ دعا بھی آپ نے قبول کرلی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا کہ:

لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷)

یعنی میں ان کے سامنے سے حملہ کروں گا، ان کے پیچھے سے حملے کروں گا، دائیں سے حملے کروں گا، بائیں طرف سے حملے کروں گا، اور آپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا۔ لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دو سمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اور ایک نیچے کی جہت۔ لہٰذا یہ چاروں سے تو حملہ آور ہے اور اس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے، یا نیچے ہے اور اوپر کے راستہ کا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو، اور اس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو، اس کی طرف انابت کرو اور کہو کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل و کرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچایئے، لہٰذا اوپر کا راستہ تو شیطان سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

نیچے کا راستہ محفوظ ہے

اور نیچے کا راستہ شیطان سے اس لئے محفوظ ہے تاکہ تم نگاہ کو نیچے کر کے چلو، دائیں بائیں آگے پیچھے ان چاروں طرف سے شیطان کا حملہ ہو سکتا ہے، لیکن نیچے کی جہت شیطان کے حملے سے محفوظ ہے۔ جب تم نیچے نگاہ کر کے چلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنی نگاہ کو نیچے کر کے چلو تاکہ اس فتنے میں مبتلا نہ ہو۔ بہر حال! یہ نگاہ کا فتنہ انسان کے باطنی اخلاق کو باطنی کیفیات کو تباہ کرنے والا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ بلا ایسی پھیل گئی ہے کہ شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے بچا ہوا ہوگا۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ چاروں طرف نگاہ کو متوجہ کرنے اور نگاہ کو لبھانے کے سامان بکھرے پڑے ہیں، ہر طرف سے دعوتِ نظارہ مل رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا اس معاشرے میں پردہ تھا حجاب تھا حیاء تھی شرم تھی اور انسانیت کی اعلیٰ صفات اس کے اندر موجود تھیں۔ لیکن آج کے معاشرے میں بے پردگی، بے

حیائی، بے شرمی اور فحاشی اور عریانی کی دوڑ چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے کسی طرف نگاہ کو پناہ نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دھیان

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں اور ایک مؤمن کے اندر اپنے آپ پر قابو پانے کا جو ملکہ ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کو ہر وقت پیش نظر رکھے وہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑ گیا ہے اس کی وجہ سے چاروں طرف بدنظری کا فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنا جس وقت مشکل ہوجاتا ہے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل وکرم ہوتا ہے اور اتنا ہی اس حکم پر اجر وثواب بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔

اچٹتی نگاہ معاف ہے

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر پہلی مرتبہ بلا قصد اور بلا ارادہ کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ حکم یہ ہے کہ جب بے اختیار نگاہ پڑے تو فوراً ہٹالو، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لک النظرۃ الاولی ولیست لک الثانیہ۔

یعنی پہلی نگاہ تمہارے لئے ہے، یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں لیکن اگر دوسری نگاہ ڈالی اور اس کو باقی رکھا تو یہ گناہ ہے اور قابل مؤاخذہ ہے، لہٰذا اگر کبھی بلا اختیار

نگاہ پڑ جائے تو یہ سمجھ کر فوراً ہٹائے کہ یہ میرے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور یہ مراقبہ کرے کہ جس وقت میں آنکھ کا غلط استعمال کر رہا ہوں، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لے لے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ جب تک تم بدنگاہی نہیں چھوڑو گے اس وقت تک یہ بینائی نہیں ملے گی تو میں ہزار مرتبہ اس بدنگاہی کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ جب میں اس وقت اس گناہ سے بچنے کے لئے تیار ہو سکتا ہوں تو آج بھی یہ سوچ کر تیار ہو سکتا ہوں کہ میرے مالک نے مجھے اس گناہ سے منع کیا ہے۔

یہ نمک حرامی کی بات ہے

آدمی یہ سوچے کہ جس محسن نے بلا معاوضہ بے مانگے بلا قیمت یہ نعمت مجھے دے رکھی ہے اس کی مرضی کے خلاف اس کو استعمال کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی نمک حرامی کی بات ہے، اس نمک حرامی سے بچنے کے لئے میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں اور پھر ہمت کر کے اس نگاہ کو ہٹالے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت دی ہے، اپنی ہمت سے بڑے بڑے پہاڑ سر کر لیتا ہے، لہٰذا اس ہمت کو استعمال کرو اور اس نظر کو ہٹالو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نگاہ کو غلط جگہ سے ہٹالے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی روحانی لذت عطا فرمائیں گے جس کے آگے بدنگاہی کی لذتیں ہیچ در ہیچ ہیں، ان لذتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

اس کے علاوہ یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں بے ہمت ہیں بے حوصلہ ہوں اے اللہ! جب آپ نے یہ کام گناہ قرار دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھے ہمت بھی عطا فرمایئے، مجھے حوصلہ بھی دیجئے، اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمایئے کہ میں آپ کے اس حکم پر عمل کرسکوں، اور آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو صحیح استعمال کرسکوں، غلط جگہ استعمال کرنے سے بچوں۔ خاص طور پر اس وقت جب آدمی گھر سے باہر نکلے، چونکہ وہ اس وقت فتنے کے ماحول کی طرف نکل رہا ہے، نہ جانے کونسا فتنہ پیش آجائے، اس لئے گھر سے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں عہد تو کرتا ہوں کہ آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو غلط استعمال نہیں کروں گا لیکن مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے اور میں اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک آپ کی مدد شامل نہ ہو، اس لئے یا اللہ! مجھے اپنے فضل و کرم سے اس فتنے سے بچالیجئے۔ یہ دعا مانگ کر گھر سے باہر نکلو اور ہمت کو کام میں لاؤ، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کرو۔ اگر انسان یہ کام کرتا رہے تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس فتنے سے محفوظ رہ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خواتین اور پردہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

خواتین اور پردہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

(سورۃ المؤمنون: ۱-۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذٰلك من الشاهدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو مؤمن ان صفات کے حامل ہوں گے ان کو دنیا و آخرت کی فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ جو مؤمن اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ وہ پاک دامنی اختیار کرتے ہیں اور عفت و عصمت اختیار کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات اور جنسی خواہشات کو صرف جائز حدود کی حد تک محدود رکھتے ہیں، جائز حدود کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات قائم ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیئے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جو لوگ اس نکاح کے رشتے سے باہر اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کرنا چاہتے ہیں، وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، کیونکہ اس کا انجام دنیا میں

بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی خراب ہے۔

پہلا حکم: آنکھ کی حفاظت

میں نے عرض کیا تھا شریعت نے ہمیں جہاں پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کہ اپنی جنسی خواہشات کو جائز حدود کے اندر محدود رکھیں، اس سے باہر نہ نکلیں، اس مقصد کے لئے شریعت نے بہت سے ایسے احکام دیئے ہیں۔ جن کے ذریعہ ایک پاکدامن معاشرہ وجود میں آسکے، اس پاکدامن معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے آنکھ کی حفاظت کی ضرورت ہے، اس کے لئے کان کی حفاظت کی ضرورت ہے، اور اس کے ایسا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ جس میں یہ سفلی اور ناپاک جذبات یا تو پرورش ہی نہ پائیں، یا اگر پرورش پائیں تو پھر ان کو ناجائز تسکین کا راستہ نہ ملے۔ ان میں سے ایک حکم جس کا پچھلے دو جمعوں میں بیان ہوا، وہ تھا ''آنکھ کی حفاظت'' شریعت نے آنکھ پر یہ پابندی لگائی ہے کہ وہ کسی نامحرم کو لذت لینے کی غرض سے نہ دیکھے۔

دوسرا حکم: خواتین کا پردہ

پاکیزہ معاشرہ وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم جو عطا فرمایا، وہ ''خواتین کا پردہ'' ہے اوّلاً تو خواتین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳)

یہ خطاب ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین کو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریکہائے زندگی کو ہو رہا ہے، ان سے یہ فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنے گھر میں قرار سے رہو، اور اس طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو جس طرح زمانہ جاہلیت میں عورتوں کا طریقہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں پردہ کا کوئی تصور نہیں تھا، اور خواتین زیب و زینت کر کے گھر سے باہر نکلتیں اور لوگوں کو بدکاری پر آمادہ کرتیں، قرآن کریم ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آپ لوگ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

خواتین گھروں میں رہیں

لہٰذا خواتین کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہیں اور گھروں کو سنبھالیں، بلا ضرورت عورت کا گھر سے باہر نکلنا پسندیدہ نہیں کیونکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت بلا ضرورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے، اس لئے اصل حکم یہ ہے کہ خواتین حتی الامکان گھروں میں رہیں، اور اگر کسی ضرورت سے گھر سے نکلیں تو اس طرح بناؤ سنگھار کر کے نہ نکلیں جیسا کہ جاہلیت کی عورتوں کا طریقہ تھا۔

آجکل کا پروپیگنڈہ

یہاں دو باتیں ذرا سمجھنے کی ہیں اور آج کل کے ماحول میں خاص طور پر

اس لئے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آج کل پروپیگنڈے کا ایک طوفان امڈ رہا ہے اور یہ پروپیگنڈہ غیر مسلموں کی طرف سے تھا اب نام نہاد مسلمانوں کی طرف سے بھی پروپیگنڈے کا ایک طوفان ہے، وہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اسلام نے اور ان مولویوں نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دیا ہے اور اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔

آج پروپیگنڈے کی دنیا ہے

آج کی دنیا پروپیگنڈے کی دنیا ہے۔ جس میں بد سے بدترین جھوٹ کو پروپیگنڈے کی طاقت سے لوگوں کے دلوں میں اس طرح بٹھا دیا جاتا ہے جیسے کہ یہ پکی اور سچی حقیقت ہے۔ جرمنی کا مشہور سیاست دان گزرا ہے جس کا نام تھا ''گوئیرنگ'' اس کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا میں جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ پھیلاؤ کہ دنیا اس کو سچ سمجھنے لگے، یہی اس کا فلسفہ ہے۔ آج چاروں طرف اسی فلسفہ پر عمل ہو رہا ہے۔

یہ اصولی ھدایت ہے

چنانچہ آج یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ یہ اکیسویں صدی ہے۔ اس میں عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دینا پرلے درجے کی دقیانوسیت ہے اور رجعت پسندی ہے، اور زمانہ کی ترقی کے ساتھ قدم ملا کر چلنے والی بات نہیں ہے۔ غور سے یہ بات سن لیں کہ قرآن کریم عورتوں سے یہ جو کہہ رہا ہے کہ

اپنے گھروں میں قرار سے رہو، ایک بڑی اصولی ہدایت ہے جو اللہ جل شانہ نے عطا فرمائی ہے۔

مرد اور عورت دو الگ الگ صنفیں

یہ اصولی ہدایت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو صنفیں پیدا فرمائی ہیں ایک مرد اور ایک عورت، دونوں مختلف صنفیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تخلیق مختلف طریقے سے کی ہے، مرد کی جسمانی ساخت کچھ اور ہے، عورت کی جسمانی ساخت کچھ اور ہے، مرد کی صلاحیتیں کچھ اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں کچھ اور ہیں، مرد کے دل میں پیدا ہونے والے افکار کچھ اور ہیں، عورت کے دل میں پیدا ہونے والے افکار کچھ اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے اندر یہ اختلاف اس لئے رکھا ہے کہ دونوں وظیفہ زندگی الگ الگ ہیں لیکن آج ''مساوات مرد وزن'' کا نعرہ لگایا جاتا ہے کہ جو کام مرد کرے وہ کام عورت بھی کرے، یہ مساوات کا نعرہ درحقیقت فطرت سے بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صنفوں میں اس لئے اختلاف رکھا ہے کہ دونوں کا وظیفہ زندگی بھی مختلف ہے، دونوں کا دائرہ کار بھی مختلف ہے۔

ذمہ داریاں الگ الگ ہیں

دیکھئے انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک گھر کے باہر کی ذمہ داری کہ وہ گھر سے باہر وہ اپنی روزی کمانے

کا کام انجام دے، تجارت کرے، زراعت کرے، ملازمت کرے، مزدوری کرے، اور اس کے ذریعہ پیسے کمائے، اور اپنے لئے روزی کا سامان مہیا کرے۔ ایک ضرورت یہ ہے، دوسری گھر کے اندر کی ذمہ داری کہ اس کے گھر کا نظام صحیح ہو، اور گھر کے نظام کے اندر اگر بچے ہیں تو ان کی تربیت درست ہو، گھر کی صفائی ستھرائی ٹھیک ہو، اور گھر کے اندر چین وسکون کی زندگی گزاریں، اور گھر کے اندر کھانے پینے کا بندوبست ہو۔ لہٰذا گھر کے باہر کی ذمہ داریاں بھی ہیں، اور گھر کے اندر کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔

حضور ﷺ کی تقسیم کار

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فطری نظام بنایا تھا اس پر ہزار ہا سالوں سے عمل ہوتا چلا آرہا تھا، بلاقید مذہب وملت، دنیا کی ہر قوم، ہر مذہب اور ہر ملت میں یہی طریقہ کار رائج تھا کہ مرد گھر کے باہر کی ذمہ داریاں پوری کرے گا۔ اور عورت گھر کے اندر کا انتظام کریگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو ان کے درمیان بھی یہی تقسیم کار فرمائی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا کام کمانا ہے، جاؤ، باہر جا کر کماؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم گھر کے اندر رہ کر گھر کی ذمہ داریاں سنبھالو۔ یہ فطری تقسیم ان دونوں کے درمیان فرمائی جو ہزاروں سال سے چلی آرہی تھی۔

صنعتی انقلاب کے بعد دو مسئلے

سولہوی صدی عیسوی کے بعد جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو تجارتوں کا میدان وسیع ہوا تو ایک مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ مرد کو پیسے کمانے کے لئے لمبے لمبے عرصے تک اپنے گھروں سے باہر رہنا پڑتا تھا، سفروں پر رہنا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے دور رہتا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہوا کہ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں زندگی گراں ہوگئی۔ جس کی وجہ سے مرد کو یہ بات گراں معلوم ہوئی کہ میں اپنی بیوی کا خرچہ بھی اٹھاؤں۔ ان دو مسئلوں کا حل یورپ کے مرد نے یہ تلاش کیا کہ اس عورت سے کہا کہ تمہیں خوامخواہ ہزاروں سال سے گھر کے اندر قید رکھا ہوا ہے لہٰذا تم بھی گھر سے باہر نکلو اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرو، اور دنیا کی جتنی ترقیاں ہیں وہ سب تم حاصل کرو۔ اس کے ذریعہ یورپ کے مرد کا اصل مقصد یہ تھا کہ عورت کے اخراجات کی جو ذمہ داری مرد کے کندھے پر تھی، وہ ذمہ داری عورت ہی کے کندھے پر ڈال دے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ جب عورت بازار میں اور سڑکوں پر آجائے گی تو پھر اس کو بہلا پھسلا کر اپنا مطلب پورا کرنے کی پوری گنجائش ہر جگہ میسر ہوگی۔

آج عورت قدم قدم پر موجود

لہٰذا اب یورپ میں یہ قصہ ختم ہوگیا کہ بیوی اکیلی گھر میں بیٹھی ہے اور مرد کو لمبے لمبے سفر پر جانا ہے، اور وہ اتنے لمبے عرصہ تک اس بیوی کے قرب

سے لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، یہ بات ختم ہو چکی اب تو قدم قدم پر عورت موجود ہے، دفتروں میں عورت موجود، بازاروں میں عورت موجود، ریلوں میں عورت موجود، جہازوں میں عورت موجود اور ساتھ مین یہ قانون بھی بنا دیا گیا کہ اگر دو مرد و عورت آپس میں رضامندی سے جنسی تسکین کرنا چاہیں تو ان پر کوئی رکاوٹ عائد نہیں ہے۔ نہ قانون کی رکاوٹ ہے نہ اخلاقی رکاوٹ ہے۔ اب عورت ہر جگہ موجود ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانے کے راستے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، اور مرد کے سر پر عورت کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے، بلکہ عورت سے یہ کہدیا گیا کہ تمہیں کماؤ بھی اور قدم قدم پر ہمارے لئے لذت حاصل کرنے کے اسباب بھی مہیا کرو۔

مغرب میں عورت کی آزادی کا نتیجہ

عورت کے ساتھ یہ فراڈ کھیلا گیا اور اس کو دھوکہ دیا گیا، اور اس کا نام ''تحریک آزادی نسواں'' رکھا گیا، یعنی عورتوں کی آزادی کی تحریک، اس فراڈ کے ذریعہ عورت کو گھر سے باہر نکال دیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح اٹھ کر شوہر صاحب اپنے کام پر چلے گئے اور بیوی صاحبہ اپنے کام پر چلی گئیں اور گھر میں تالا ڈال دیا۔ اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کو کسی چائلڈ کیر کے سپرد کر دیا گیا، جہاں پر اس کو انائیں تربیت دیتی رہیں، باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا سے محروم وہ بچہ چائلڈ کیر میں پرورش پا رہا ہے، جو بچہ ماں باپ کی شفقت اور محبت سے محروم ہو کر دوسروں کے ہاتھوں میں پلے گا، اس کے دل میں باپ کی کیا عظمت ہوگی

اور ماں کی کیا محبت ہوگی۔

بوڑھا باپ ''اولڈ ایج ہوم'' میں

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب باپ صاحب بوڑھے ہوتے ہیں تو بیٹے صاحب ان کو لے جایا کر ''اولڈ ایج ہوم'' میں داخل فرما دیتے ہیں کہ تم نے ہماری پیدائش کے بعد ''چائلڈ کیئر'' کے حوالے کر دیا تھا، اب ہم تمہیں تمہارے بڑھاپے میں ''اولڈ ایج ہوم'' کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ایک ''اولڈ ایج ہوم'' کے نگران نے مجھے خود بتایا کہ ایک بوڑھے صاحب ہمارے ''اولڈ ایج ہوم'' میں تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو میں نے ان کے بیٹے کو ٹیلیفون کیا کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، آپ آ کر ان کی تجہیز و تکفین کر دیجئے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میرے باپ کا انتقال ہوگیا، لیکن مشکل یہ ہے کہ آج مجھے بہت ضروری کام درپیش ہیں، لہٰذا میں نہیں آ سکتا، آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیں، اور جو پیسے خرچ ہوں، اس کا بل میرے پاس بھیج دیجئے۔

مغربی عورت ایک بکاؤ مال

آج مغرب کا یہ حال ہے کہ وہاں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے، ماں باپ کے رشتوں کی جو مٹھاس تھی وہ فنا ہو چکی، بھائی بہن کے تعلقات ملیا میٹ ہو چکے، ایک طرف تو خاندانی نظام تباہ ہو چکا اور دوسری طرف وہ عورت ایک

کھلونا بن گئی، چاروں طرف اس کی تصویر دکھا کر اس کے ایک ایک عضو کو
برسر بازار برہنہ کر کے اس کے ذریعہ تجارت چمکائی جارہی ہے۔ اس کے ذریعہ
پیسے کمانے کا انتظام کیا جارہا ہے۔

عورت کو دھوکہ دیا گیا

اس عورت سے یہ کہا گیا تھا کہ تمہیں گھروں کے اندر قید کر دیا گیا ہے۔
تمہیں باہر اس لئے نکالا جارہا ہے تاکہ تم ترقی کرو، تم سربراہ مملکت بن جانا، تم
وزیر بن جانا، تم فلاں فلاں بڑے عہدوں پر پہنچ جانا، آج امریکہ کی تاریخ
اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ پوری تاریخ میں کتنی عورتیں امریکہ کی صدر بنیں؟ یا سربراہ
بنیں، یا وزراء بنیں؟ ایک خاتون بھی صدر نہیں بنی، صرف دو چار عورتیں وزراء
بنیں، لیکن ان دو چار عورتوں کی خاطر لاکھوں عورتوں کو سڑکوں پر گھسیٹ لیا گیا۔
آج وہاں جا کر دیکھ لیجئے، دنیا کا ذلیل ترین کام عورت کے سپرد ہے۔ سڑکوں
پر جھاڑو دے گی تو عورت دے گی، ہوٹلوں میں ویٹرس کا کام عورت کرے گی،
بازاروں میں سیلز گرل کا کام عورت کرے گی، ہوٹلوں میں بستروں کی چادر
عورت تبدیل کرے گی، اور جہازوں میں کھانا عورت سرو کرے گی۔ وہ عورت
جو اپنے گھر میں اپنے شوہر کو اپنے بچوں کو اور اپنے ماں باپ کو کھانا سرو کر رہی
تھی، وہ اس کے لئے دقیانوسیت تھی، وہ رجعت پسندی تھی، وہ عورت کے لئے
قید تھی، اور وہی عورت بازاروں کے اندر، ہوٹلوں کے اندر، ہوائی جہازوں کے
اندر سیکڑوں انسانوں کو کھانا سرو کرتی ہے، اور ان کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ

بنتی ہے تو یہ عزت ہے اور یہ آزادی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

عورت پر ظلم کیا گیا

ایک طرف تو عورت کا حشر کیا یہ اور دوسری طرف وہ لوگ جو آزادیٔ نسواں کے علمبردار کہلاتے ہیں انہوں نے عورت پر جو ظلم کیا ہے تاریخ انسانیت میں اس سے بڑا ظلم نہیں ہوا، آج اس کے ایک ایک عضو کو بیچا جا رہا ہے، اور اس کی عزت اور تکریم کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں، اور پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم عورت کے وفادار ہیں، اور عورت کی آزادی کے علمبردار ہیں۔ اور جس نے عورت کے سر پر عفت وعصمت کا تاج رکھا تھا اور اس کے گلے میں احترام کے ہار ڈالے تھے، اس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے عورت کو قید کر دیا۔ اور یہ عورت ایسی مخلوق اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے کہ جو چاہے ان کو بہکا دے، اور اپنا اُلو سیدھا کر لے، چنانچہ آج ہماری مسلمان خواتین نے بھی ان ہی کی لے میں لے ملانی شروع کر دی۔

ہمارے معاشرے کا حال

آپ کو یاد ہوگا کچھ دن پہلے ہمارے ملک کے ایک معروف رہنما نے یہ کہدیا تھا کہ ''مردوں کو چاہیئے کہ وہ عورتوں کے خرچ کا انتظام کریں، عورتوں کو

بلاوجہ گھر سے باہر نکل کر اپنے معاش کا انتظام کرنا ٹھیک نہیں ہے'' اس کے جواب میں جو خواتین ماڈرن کہلاتی ہیں اور اپنے آپ کو خواتین کے حقوق کی علمبردار کہتی ہیں، انہوں نے ان صاحب کے خلاف ایک جلوس نکالا، اور یہ کہا کہ ان صاحب نے ہمارے خلاف یہ بات کہی ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ آپ کو اپنے معاش کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے لوگ آپ کے لئے یہ خدمت انجام دینے کو تیار ہیں۔ اس پر عورتوں کو خوش ہونا چاہئے، مگر جھوٹ کا یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں عالمی طور پر پھیلایا گیا ہے، اس لئے خوش ہونے کے بجائے یہ کہا جارہا ہے کہ یہ صاحب خواتین کے حقوق تلف کرنا چاہتے ہیں اور جلوس نکالنے والی وہ عورتیں ہیں جنہوں نے خواتین کے حقیقی مسائل سمجھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ ان خواتین نے ائیرکنڈیشنر محلات میں پرورش پائی ہے۔ دیہات میں جو عورت بستی ہے اس کے کیا مسائل ہیں، اس کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، کبھی ان کے مسائل کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے نزدیک صرف مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں مغرب کے لوگ یورپ اور امریکہ کے لوگ یہ کہدیں کہ ''ہاں تم لوگ روشن خیال ہو'' اور تم لوگ اکیسوی صدی کے ساتھ چلنے والے ہو، بس یہ مسئلہ ہے، ان کے نزدیک کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔

ایسی مساوات فطرت سے بغاوت ہے

بہرحال آج یہ پروپیگنڈہ ساری دنیا میں پھیلایا ہوا ہے کہ یہ مسلمان،

یہ مولوی ملا لوگ عورتوں کو گھروں میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے دو مختلف دائرہ کار تجویز کئے ہیں، مرد کے لئے الگ، عورت کے لئے الگ، اس لئے مرد کی جسمانی ساخت اور ہے، اور عورت کی جسمانی ساخت اور ہے۔ مرد کی صلاحیتیں اور ہیں، عورت کی صلاحیتیں اور ہیں۔ لہٰذا مساوات کا یہ نعرہ لگانا کہ عورت بھی وہی سب کام کرے جو کام مرد کرتا ہے تو یہ فطرت سے بغاوت ہے، اور اس کے نتیجے میں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے، اگر ہم اپنے معاشرے میں خاندانی نظام کو بچانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے خواتین کو پردہ میں رکھنا ہوگا، اور مغرب کے پروپیگنڈہ کے اثرات کو اپنے معاشرے سے نکالنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو مغربی آفات سے محفوظ فرمائے، اور چین وسکون کی زندگی ہم سب کو عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁

بے پردگی کا سیلاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے پردگی کا سیلاب

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَ نَستَعِینُہٗ وَ نَستَغفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ اَعمَالِنَا۔ مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لاشَرِیکَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَولاَنَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَ رَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسلِیمًا کَثِیرًا۔

اَمَّا بَعدُ! فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ○ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ○ قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ ○ اَلَّذِینَ ھُم فِی صَلاَتِہِم خٰشِعُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُونَ ○ وَالَّذِینَ ھُم

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ
اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○
(سورۃ المؤمنون: ۱۔۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کافی عرصے سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، پچھلے دو جمعوں سے چوتھی صفت کا بیان چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن کی ایک لازم صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ پاک دامن ہو، عفت اور عصمت کا خیال رکھنے والا ہو۔ اس صفت کے بیان کے ضمن میں یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا فطرت والا دین عطا فرمایا ہے جس میں انسان کی تمام جائز خواہشات اور ضروریات کی پوری رعایت ہے۔

جنسی تسکین کا حلال راستہ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک جنسی جذبہ رکھا ہے، مرد کو عورت کی طرف کشش ہوتی ہے اور عورت کو مرد کی طرف کشش ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس جنسی جذبہ کی تسکین کا ایک حلال راستہ اہل ایمان کے

لئے پیدا کر دیا، وہ ہے نکاح کا راستہ، نہ صرف اس راستے کو جائز قرار دیا بلکہ سنت قرار دیا، بعض حالات میں تو اس کو واجب قرار دیا اور اس نکاح کو باعث اجر وثواب بتایا، اس نکاح کے ذریعہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کرے تو اس پر اجر وثواب کا وعدہ ہے، ایک حلال راستہ متعین کر دینے کے بعد اور اس کو باعث اجر وثواب قرار دینے کے بعد انسان سے یہ کہا گیا کہ اس حلال راستے سے ہٹ کر جنسی خواہش کی تسکین کا جو راستہ بھی اختیار کرو گے، وہ گناہ ہوگا، لہٰذا حلال راستے کی حد تک محدود رہو۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے نکاح کرنے میں رکاوٹ ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ راستہ کھولیں، اس وقت تک وہ عفت اور پاکدامنی اختیار کرے اور اپنے نفس پر کنٹرول کرے، لیکن نکاح کے دائرے سے ہٹ کر اپنی جنسی جذبے کی تسکین کرنے کو حرام اور ناجائز قرار دیدیا۔

انسان کتے اور بلی کی صف میں

اس کی وجہ یہ ہے کہ تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اگر انسان ایک مرتبہ اس جائز اور حلال راستے سے ہٹ کر اپنے نفسانی خواہشات کی تکمیل کا راستہ ڈھونڈے گا تو پھر وہ کسی حد پر قائم نہیں رہتا، بلکہ پھر وہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ کتوں اور بلیوں کو مات کر دیتا ہے، گدھوں اور گھوڑوں کو مات کر دیتا ہے اور اس کے باوجود اس کی خواہشات کی مکمل تسکین نہیں ہوتی۔ آج مغربی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اس کا واضح ثبوت ہے، انہوں نے شادی اور نکاح سے باہر

ہٹ کر اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے راستے تلاش کیے، تو آج وہ اس حد پر پہنچ گئے ہیں کہ کوئی شریف انسان اس کا تصور تک نہیں کرسکتا، ماں اور بیٹے کا فرق مٹ چکا ہے، بہن اور بھائی کا فرق مٹ چکا ہے اور اس حد پر پہنچ گئے ہیں کہ کتے اور بلی بھی ان کی حرکتوں سے شرما جائیں، اس کے باوجود ان کی خواہشات کی تسکین نہیں ہوتی۔

نہ بجھنے والی پیاس بن جاتی ہے

آپ سب حضرات جانتے ہوں گے کہ مغربی ممالک میں بدکاری کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے، کسی بھی عورت کو راضی کر کے اس کے ساتھ بدکاری کر لینے کے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، اس کے باوجود ''زنا بالجبر'' کے واقعات سب سے زیادہ مغربی ملکوں میں ہوتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جذبہ ایسا ہے کہ جب ایک مرتبہ حد سے آگے گزر جائے تو کسی حد پر اس کو قناعت نہیں ہوتی، وہ ''استسقاء'' کا مریض بن جاتا ہے، جیسے ''استسقاء'' کا مریض کتنا ہی پانی پی لے، اس کی پیاس نہیں بجھتی، اور وہ ''جوع البقر'' کا مریض بن جاتا ہے، کیونکہ ''جوع البقر'' کا مریض کتنا ہی کھانا کھالے، لیکن اس کی بھوک نہیں مٹتی، اسی طرح ناجائز ذریعہ سے جنسی خواہش پورے کرنے والے کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اب لذت اور لطف کے کسی درجے پر قرار نصیب نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ پیاسا کا پیاسا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے بتادیا کہ اس حلال دائرے میں

رہو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل جائے گی۔

حرام سے بچنے کیلئے دو پہرے

اب حلال دائرے میں رہنے کے لئے اور حرام طریقوں سے بچنے کے لئے شریعت نے جو پہرے لگائے اور بدکاریوں کے جن راستوں کو بند کیا، ان کا ذکر پچھلے جمعہ کو شروع کیا تھا، ان میں پہلا پہرہ ''آنکھ کی حفاظت'' ہے، جس کا بیان پچھلے دو جمعوں میں تفصیل سے ہوگیا۔ دوسرا پہرہ ''خواتین کا پردہ'' ہے، جس کے بارے میں فرمایا کہ مرد کا دائرہ کار اور ہے اور عورت کا دائرہ کار اور ہے، مرد گھر کے باہر کا انتظام کرے اور عورت گھر کے اندر کا انتظام کرے اور عورتوں سے کہا گیا کہ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جیسے جاہلیت کے زمانے میں عورتیں بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلا کرتی تھیں، اس طریقے سے تم باہر نہ نکلو، لہٰذا خواتین کو پہلے یہ بتایا گیا کہ تمہارا اصل مقام تمہارا گھر ہے۔

خاندانی نظام کی بقاء پردہ میں

اور صرف اتنی بات نہیں کہ وہ گھر میں رہیں بلکہ اس کے ذریعہ پورے فیملی سسٹم اور پورے خاندانی نظام کا اصول بیان کیا جارہا ہے کہ اگر خاندان کے نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں یہ تقسیم کار کرنی پڑے گی کہ مرد گھر کے باہر کے کام دیکھے اور عورت اپنے گھر کا انتظام کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، گھر کا نظم ونسق بھی درست رکھے اور باہر نکل کر وہ لوگوں کی ہوس ناک نگاہوں کی تسکین کا ذریعہ نہ بنے۔

مغرب کا عورت پر ظلم

مغرب نے عورت کے ساتھ یہ ظلم کیا کہ اس کو اپنی تجارت چمکانے کا ذریعہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے عورت کے سر پر عفت اور عصمت کا جو تاج رکھا تھا اور اس کے گلے میں جو عزت کے ہار ڈالے تھے، ان کو ملیامیٹ کر کے اس کو ''سیلزگرل'' بنا دیا اور اشتہارات کے اندر اس کو عریاں کر کے اس کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ ہم سے مال خریدو۔ یہ سارے کام جو اہل مغرب کر رہے ہیں، یہ ان کو مبارک ہوں، لیکن اہل اسلام کی خواتین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی کہ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور اگر کسی ضرورت سے نکلنا پڑے تو ضرورت کے تحت نکلنا منع نہیں، لیکن اس طرح بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کر کے نہ نکلو جس سے معاشرے میں فتنے پھیلیں۔

عورت اور لباس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کے جسم میں مرد کے لئے ایک کشش رکھی ہے، وہ فطری کشش ہے، اس وجہ سے خواتین کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو اپنے جسم کی نمائش نہ کریں اور جو لباس وہ اپنے گھروں میں اپنے محرموں کے سامنے پہنیں، وہ اتنا چست نہ ہو کہ اس کے ذریعہ جسم کے نشیب وفراز اس میں سے نمایاں ہو جائیں اور وہ لباس اتنا بارک نہ ہو کہ اس سے جسم جھلکے۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رُبَّ کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة

(بخاری۔ کتاب الادب، باب التکبیر والتسبیح عند التعجب)

بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں لباس تو پہنتی ہیں لیکن وہ آخرت میں برہنہ اور ننگی ہونگی، اس لئے کہ وہ لباس یا تو باریک بہت ہے یا بہت چست ہے جس کے نتیجے میں جسم ظاہر ہو رہا ہے۔

لباس کے دو مقصد

قرآن کریم نے فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (سورۃ الاعراف: آیت نمبر ۲٦)

قران کریم نے اس آیت میں لباس کے دو مقصد بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ وہ تمہارے ستر کو چھپائے اور دوسرے یہ کہ وہ تمہارے لئے زینت کا سبب ہو۔ آج کی دنیا نے لباس کا پہلا مقصد ختم کر دیا، وہ چست لباس جس سے انسان کا ستر ظاہر ہو، وہ لباس شرعی اعتبار سے لباس کے اصل مقصد کو فوت کر رہا ہے، اس لئے ایسا لباس پہننا جائز نہیں۔ آج مردوں نے بھی ایسا لباس اپنالیا ہے اور عورتوں نے بھی ایسا لباس اپنالیا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود شرم والے حصے نمایاں ہو رہے ہیں اور لباس کا مقصد ہی فوت ہو رہا ہے۔ بہرحال! شریعت نے عورت کو پہلا حکم یہ دیا ہے کہ ایسا چست اور ایسا تنگ اور باریک لباس نہ پہنے جس کے اندر سے اس کا جسم جھلکے، اس لئے کہ سوائے چہرے اور ہاتھوں کے پورا جسم عورت کا ستر قرار دیا گیا ہے۔

باہر نکلنے کے وقت عورت کی ہیئت کیا ہو؟

دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے یا نامحرم مردوں کے

سامنے آئے تو اس وقت اس کے پورے جسم پر کوئی چیز ہونی چاہئے، چاہے وہ چادر ہو یا برقع ہو جو اس کے پورے جسم کو ڈھانپ رہا ہو، تاکہ وہ لوگوں کے لئے فتنے کا باعث نہ بنے اور اس کے ذریعے معاشرے کے اندر فتنہ نہ پھیلے۔ اور ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ کوئی خاتون ایسا زیور پہن کر گھر سے باہر نہ نکلے جو بجنے والے ہوں، کیونکہ اس کی آواز سے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوگی۔ اور ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نہ نکلے، کیونکہ خوشبو کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہوگی۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے۔

چہرہ کا پردہ ہے

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ باقی جسم کا پردہ تو ہے لیکن چہرے کا پردہ نہیں ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ اوّل تو چہرے کا پردہ ہے، قرآن کریم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ (سورۃ الاحزاب: آیت ۵۹)

اس آیت میں ''جَلَابِيْب'' کا لفظ اختیار فرمایا ہے، یہ جمع ہے ''جِلْبَاب'' کی اور ''جِلْبَاب'' اس چادر کو کہا جاتا ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ اس میں اور ''برقع'' میں فرق صرف یہ ہے کہ ''برقع'' سلا ہوا ہوتا ہے اور جلباب سلی ہوئی نہیں ہوتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین ''جلباب'' ہی استعمال کیا کرتی تھیں۔ اس

آیت میں فرمایا کہ "آپ تمام مؤمن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی جلابیں اپنے اوپر جھکالیں" اس آیت میں "جھکانے" کا حکم دیا ہے، تاکہ عورت کے چہرے کو اس طرح منظر عام پر نہ لایا جائے جو فتنے کا سبب بنے۔ لہٰذا اوّل تو چہرے کا پردہ ہے اور قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہے۔

یہ پردہ سے آزاد ہونا چاہتے ہیں

لیکن میں کہتا ہوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے، وہ لوگ درحقیقت پردہ ہی سے اپنے کو آزاد کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو لوگ چہرے کے پردے کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے آج تک کبھی ان عورتوں پر نکیر نہیں کی کہ جو باہر نکلتی ہیں تو ان کا چہرہ تو درکنار بلکہ ان کا سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے، ان کا گلا کھلا ہوا ہوتا ہے، ان کے بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی پنڈلیاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں اور ان خواتین نے ایسا چست اور تنگ لباس پہنا ہوا ہوتا ہے جو فتنے کا سبب ہے، لیکن یہی لوگ ایسی خواتین پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔ ہاں! اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں کہ چہرے کا پردہ ہے یا نہیں۔

مرد و عورت کا فرق ختم ہو چکا

آج معاشرے میں چاروں طرف جو فساد پھیلا ہوا ہے، اس فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے ان احکام سے روگردانی کی جا رہی ہے، قرآن کریم کے ان احکام کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے، ہر معاملے میں تقلید کرنی ہے تو مغرب کی تقلید کرنی ہے، اگر نقل اتارنی ہے تو مغربی ملکوں کی نقل اتارنی

ہے، وہاں مرد وعورت کا کوئی امتیاز ہی نہیں رہا اور اس درجہ امتیاز ختم ہو چکا ہے کہ بعض اوقات یہ پہچاننا مشکل ہوتا ہے کہ سامنے سے آرہا ہے یا آرہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دو الگ الگ صنفیں بنائی ہیں، ان کے درمیان فرق ہونا چاہئے، امتیاز ہونا چاہئے اور پتہ چلنا چاہئے کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث، مرد ہے یا عورت، لیکن آج کی اس نئی تہذیب نے یہ امتیاز ہی ختم کر دیا ہے کہ مرد ہے یا عورت۔

ہم مغرب کی تقلید میں

مغربی ممالک جس راستے پر جا رہے ہیں، اسی راستے پر ہم بھی چل پڑے ہیں اور جس طرح وہاں مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہے، ہر ہر قدم پر مرد اور عورت گھلے ملے ہیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہیں، وہی حال ہمارے یہاں ہو رہا ہے، ہماری شادیوں کی دعوتوں میں بھی خواتین بن سنور کر، بناؤ سنگھار کے ساتھ، زیب و زینت کے ساتھ آتی ہیں اور آنے کا بڑا مقصد اپنے لباس اور اپنے زیور کی نمائش ہوتی ہے اور ان دعوتوں میں مرد وعورت کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا جب مردوں کی نشست الگ ہوتی تھی، عورتوں کی نشست الگ ہوتی تھی، اب وہ قصہ ہی ختم ہوگیا، اب تو شادی بیاہ کی تقریبات میں مرد وعورت آزادانہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر جو فساد پھیل رہا

ہے، وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے، دن رات گھروں میں لڑائیاں ہیں، فتنے ہیں اور ناجائز تعلقات قائم ہو رہے ہیں۔

بے پردگی کا سیلاب آ رہا ہے

یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کا نتیجہ ہے، کیونکہ قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ عفت اختیار کرو، عصمت اختیار کرو، پاکدامن بنو، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے جو راستے شریعت نے بتائے ہیں، ان میں سے جو ایک اہم راستہ ''پردہ'' کا تھا، وہ ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اور بے پردگی کا یہ سیلاب پچھلے تقریباً سو سال سے امڈا ہے، ورنہ اس سے پہلے اس بات کا تصور تک نہیں تھا کہ مسلمان عورت بے پردہ ہو کر باہر نکلے گی۔ اور پردہ کا یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آ رہا تھا، لیکن جب انگریز کے اقتدار کا زمانہ آیا تو اس نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مہذب ہونے، تعلیم یافتہ ہونے اور موڈرن ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ عورت بے پردہ ہو، اس وقت سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی شروع ہوئی اور جب یہ بے پردگی شروع ہوئی تھی، اس وقت اِکا دکا خواتین نے پردہ چھوڑا تھا، بیشتر خواتین پھر بھی پردے سے رہتی تھیں، لیکن رفتہ رفتہ بے پردگی کی مقدار بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ:

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں
اکبر غیرت قومی سے زمین میں گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں: عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عورت کی عقل پر پردہ

اکبر مرحوم نے بڑی حقیقت کی بات بیان کی کہ درحقیقت یہ پردہ جو عورت کا تھا، مرد کی عقل پر پڑ گیا، لیکن میں کہوں گا کہ عورت کی عقل پر زیادہ پڑ گیا، اس لئے کہ وہ مغرب کے فریب اور دھوکہ میں آگئی اور اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچا کہ میرے لئے کیا مفید ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔ سب سے زیادہ فراڈ تو اس عورت کے ساتھ کھیلا گیا اور سب سے زیادہ پردہ تو اسی کی عقل پر پڑا کہ اس نے اپنے عفت و عصمت کا مقام چھوڑ کر اور عزت و احترام کا مقام چھوڑ کر اپنے آپ کو ایک بکاؤ مال بنا دیا۔

پروپیگنڈے کا اثر

اللہ بچائے، یہ پروپیگنڈہ ایسی چیز ہے جو جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہے، چنانچہ پردہ کے معاملے میں پروپیگنڈے کے ذریعے جھوٹ کو ایسا سچ بنایا گیا ہے کہ آج مرد و عورت سب اس جھوٹ کے فریب کے اندر مبتلا ہیں، آج مغربی قوم کا یہ وتیرہ ہو گیا ہے کہ پروپیگنڈے کے زور پر جس جھوٹ کو چاہے سچ بنا کر دکھا دے، اس جھوٹے پروپیگنڈے نے سارا نظام تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

کیا آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی؟

آج ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر عورت کو پردے میں بٹھا دیا تو ملک کی آدھی آبادی کو آپ نے بیکار چھوڑ دیا جس کا کوئی مصرف نہیں، آج یہ بات بڑے زور و شور سے کہی جا رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ بات

اس ملک میں کہی جاتی جہاں روزگار کی شرح سو فیصد ہوتی اور جتنے لوگ کام کرنے والے ہیں، سب برسرروزگار ہوتے، تب تو یہ بات اچھی معلوم ہوتی، لیکن جس ملک میں بڑے بڑے ڈاکٹر، پی ایچ ڈی اور ماسٹر کی ڈگریاں رکھنے والے، بی اے کی ڈگریاں رکھنے والے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں، وہاں جو مرد تعلیم یافتہ ہیں ان کو تو تم نے ابھی تک روزگار فراہم کیا نہیں، اور پھر یہ کہتے ہیں کہ عورت کو پردے میں رکھنے کی وجہ سے آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی۔

کام وہ ہے جس سے پیسہ حاصل ہو

اور پھر ان کا یہ کہنا کہ ''آدھی آبادی بیکار ہو جائے گی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک کام وہ ہے جس کے ذریعہ پیسہ حاصل ہو، لیکن اگر کوئی شخص خاندانی نظام کو درست کرنے کے لئے اور گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنانے کے لئے کام کر رہا ہے، تو وہ ان کے نزدیک کوئی کام نہیں ہے، حالانکہ گھر کے ماحول کو سدھارنا اور فیملی سسٹم کو برقرار رکھنا، ایک بہت بڑا کام ہے جو ایک عورت کر رہی ہے، لہٰذا وہ ایک عظیم فریضہ انجام دے رہی ہے اور بہت بڑا کردار ادا کر رہی ہے جس کے نتیجے میں ایک بہترین معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اب بھی ہوش میں آجائیں

بہرحال! میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے اب بھی ہمیں ہوش آجائے۔ الحمدللہ ہمارا ملک ابھی اس درجے پر نہیں پہنچا جہاں سے واپسی ممکن

نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس دور میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ فضا رفتہ رفتہ بدل رہی ہے، مختلف دعوتی کاموں کی بنیاد پر لوگوں کو کچھ ہوش آ رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کی کوششوں کی بنیاد پر علماء کی اصلاحی مجالس کی بنیاد پر الحمدللہ خواتین میں یہ شعور پیدا ہو رہا ہے کہ ہم انگریز عورتیں نہیں ہیں، ہم مغرب کی پروردہ عورتیں نہیں ہیں، بلکہ ہم مسلمان عورتیں ہیں اور مسلم معاشرے کی پیداوار ہیں، اور ان کے اندر اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت کا شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ پردے کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بے پردگی کا فساد برپا ہوا تھا کہ بازار میں برقع نظر ہی نہیں آتا تھا، اب الحمدللہ برقعے نظر آ رہے ہیں اور خواتین پردے کی طرف آ رہی ہیں، اس لئے ابھی ماحول ایسا بگڑا نہیں ہے کہ اس سے واپسی کی توقع نہ ہو۔

عقلوں پر سے یہ پردہ اٹھالیں

لیکن جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ مردوں کی عقلوں پر پردہ پڑ چکا ہے، اگر مرد حضرات اپنی عقلوں سے یہ پردہ اٹھالیں اور وہ اپنے گھر کے ماحول میں شریعت کے ان احکام کی پابندی کرائیں تو انشاء اللہ یہ فضا بدل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فلاح کا جو وعدہ قرآن کریم نے کیا ہے، وہ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

✿✿✿

امانت کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

امانت کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَ مٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○

(سورۃالمؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت با اللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین،

تمہید

بزرگان محترم وبرادران عزیز: سورۃ المومنون کی ان ابتدائی آیتوں کا بیان کئی مہینوں سے چل رہا ہے۔ یہ وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لغو اور بے ہودہ کاموں اور باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں، تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زکاۃ انجام دیتے ہیں، اس کے دو معنی عرض کیے تھے، ایک یہ کہ وہ لوگ زکاۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کرتے ہیں، چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اپنی عفت اور عصمت کا تحفظ کرنے والے ہیں، اس صفت کا بیان پچھلے پانچ چھ جمعوں میں ہوتا رہا ہے۔

امانت اور عہد کا پاس رکھنا

اس سے اگلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، آج اس آیت کریمہ کا بیان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ یعنی ایک مؤمن کی دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی امانت کا پاس رکھے اور اپنے عہد کا پاس رکھے، قرآن کریم میں یہ دونوں چیزیں الگ الگ بیان فرمائی ہیں، ایک امانت اور ایک عہد۔ مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ امانتوں کا پاس کرنے والا ہے، اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔

امانت قرآن و حدیث میں

ان میں سے پہلی چیز ''امانت'' ہے، اور فلاح کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ انسان امانت میں کوئی خیانت نہ کرے، بلکہ امانت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اہل تک پہنچائے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

(النساء:۵۸)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے مستحق لوگوں تک پہنچاؤ۔ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیہ کان منافقاً خالصاً اذا حدث کذب واذا وعد اخلف وَاذا اؤتمن خان۔

(بخاری۔ کتاب الایمان، باب علامات المنافق)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی انسان میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے۔ پہلی یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، دوسری یہ کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے یا جب اس کو کسی چیز کا امانت دار بنایا جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ یہ منافق کی علامات ہیں، مؤمن کا کام نہیں۔ اس لئے اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

امانت اٹھ چکی ہے

آج ہمارے معاشرے میں یہ خیانت پھیل گئی ہے، نبی کریم ﷺ کا وہ ارشاد

ہمارے اس دور پر صادق آرہا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ امانت دنیا سے اٹھ جائے گی، اور لوگ کہا کریں گے کہ فلاں ملک میں فلاں شہر میں فلاں بستی میں ایک شخص رہتا ہے، وہ امانت دار ہے۔ یعنی امانت دار لوگ ختم ہو جائیں گے، سب خائن ہو جائیں گے، اور اِکا دُکا لوگ ہوں گے جو امانت کا پاس رکھنے والے ہونگے۔ ایک مؤمن کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیانت نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امین ہونا

نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے بھی پورے مکہ میں ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے مشہور تھے، یعنی آپ سچے تھے، آپ کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آتا تھا، آپ امانت دار تھے، جو لوگ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے ان کو پورا بھروسہ ہوتا تھا کہ نبی کریم ﷺ اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ چنانچہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما رہے تھے، اس وقت یہ عالم تھا کہ کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے، آپ کے خلاف قتل کے منصوبے بنائے جارہے تھے، اس حالت میں رات کے وقت آپ کو اپنے شہر مکہ مکرمہ سے نکلنا پڑا۔ اس وقت بھی آپ کو یہ فکر تھی کہ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی ہیں، ان کو اگر پہنچاؤں گا تو یہ راز کھل جائے گا کہ میں یہاں سے جارہا ہوں تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امانتیں سپرد فرمائیں، اور ان کو اپنے بستر پر لٹایا، اور ان سے فرمایا کہ میں جارہا ہوں، تم یہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچاؤ، اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ آجانا۔ اور وہ امانتیں صرف مسلمانوں کی نہیں تھیں، بلکہ کافروں کی بھی تھیں، وہ کافر جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، جو آپ کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کررہے تھے، ان کی

امانتوں کو بھی ان تک واپس پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

غزوہ خیبر کا ایک واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر میں یہودی آباد تھے، اور ان کی خصلت شروع ہی سے سازشی ہے، مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، اور خیبر ان کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کی سازشوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے خیبر شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر کئی قلعوں پر مشتمل تھا، یہودی اس محاصرے کے دوران شہر کے اندر بند تھے، اور نبی کریم ﷺ کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

اسود چرواہا

جب محاصرے کو چند دن گزر گئے تو ایک چرواہا جس کا نام روایتوں میں ''اسود'' آتا ہے۔ جو لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ بکریوں کو چرانے کی خاطر قلعے سے باہر نکلا، باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے، اس چرواہے کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر دیکھوں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا ان کا پیغام ہے؟ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے لشکر کے قریب آ گیا۔ اور لشکر والوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بادشاہ تو کوئی نہیں ہے، البتہ نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی قیادت میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔ وہ ہمارے قائد ہیں۔ اس چرواہے نے کہا کہ کیا میں ان کو دیکھ سکتا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کیوں نہیں دیکھ

سکتے؟ چرواہے نے پوچھا کہ ان کا محل کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے، وہ سامنے کھجور کے پتوں کا چھپر ہے، اس کے اندر وہ تشریف فرما ہیں، جاؤ، اور جاکر ان سے مل لو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں جاکر بادشاہ سے مل لوں؟ میں تو ایک غلام آدمی ہوں، سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، بکریاں چراتا ہوں، میں کسی بادشاہ سے کیسے مل سکتا ہوں؟۔ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو کسی سے ملنے میں کوئی عار نہیں ہے چاہے وہ کیسا بھی آدمی ہو۔

حضور سے مکالمہ

چنانچہ وہ چرواہا حیرت کے عالم میں نبی کریم ﷺ کے خیمے میں پہنچ گیا، اور اندر جاکر سرکار دو عالم ﷺ جلوہ جہاں آرا کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اس چرواہے نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا پیغام لیکر آیا ہوں کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے صرف اللہ کی عبادت کی جائے، یہی میری بنیادی دعوت ہے، اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس دعوت کو قبول کرلوں اور اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کردوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ اور یہ موجودہ زندگی تو عارضی ہے، ناپائیدار ہے، ہر ایک کو اس دنیا سے جانا ہے، اور مرنے کے بعد جو زندگی ملے گی وہ دائمی اور ابدی ہوگی، اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

اور اسود مسلمان ہو گیا

پھر چرواہے نے سوال کیا کہ اچھا اگر میں مسلمان ہو گیا تو یہ مسلمان مجھے کیا سمجھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہیں اپنا بھائی سمجھیں گے، اور تمہیں اپنے سینے سے لگائیں گے، اس چرواہے نے حیرت سے پوچھا کہ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ جبکہ میں سیاہ فام آدمی ہوں، اور میرے سینے سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں کوئی مالدار آدمی مجھے سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں ہے، آپ فرمارہے ہیں کہ یہ مسلمان مجھے گلے لگائیں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بدبو کو خوشبو میں تبدیل کر دیں گے، اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو تابناکی میں تبدیل کر دیں گے۔ اس اللہ کے بندے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے پورا کلمہ پڑھا:

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله"

اور ایمان لے آیا۔

پہلے بکریاں مالکوں تک پہنچاؤ

ایمان لانے کے بعد حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ میں ایمان لے آیا ہوں اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں، جو آپ حکم دیں گے اس کو بجالاؤں گا۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلا کام یہ کرو کہ یہ بکریاں جو تم لیکر آئے ہو، یہ تمہارے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، تم اس معاہدے کے تحت یہ بکریاں لائے ہو کہ تم ان کو چراؤ گے، اور چرانے کے بعد ان کو واپس کرو گے۔

لہٰذا پہلا کام یہ کرو کہ ان بکریوں کو واپس لے جاؤ، اور خیبر کے اندر لے جا کر ان کے مالکوں تک پہنچا آؤ۔

سخت حالات میں امانت کی پاسداری

ذرا اندازہ لگایئے کہ حالتِ جنگ ہے، اور دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اور جنگ کی حالت میں نہ صرف یہ کہ دشمن کی جان لینا جائز ہو جاتا ہے، بلکہ جنگ کی حالت میں اس کے مال پر بھی قبضہ کر لینا جائز ہو جاتا ہے، ساری دنیا کا یہی قانون ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کھانے کی کمی تھی، اور کھانے کی کمی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے مجبور ہو کر گدھے ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھانے کی کوشش کی، بعد میں حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا کہ گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، چنانچہ گدھے کے گوشت کی پکی ہوئی دیگیں الٹی گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس حالت میں تھے، لیکن چونکہ وہ چرواہا ایک معاہدے کے تحت وہ بکریاں لے کر آیا تھا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا۔

تلوار کے سائے میں عبادت

چنانچہ وہ چرواہا قلعے کے اندر گیا، اور قلعے کے اندر بکریاں چھوڑیں، اور پھر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب کیا کروں؟ اب صورت حال یہ تھی کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت تھا کہ آپ اس کو نماز کا حکم دیتے، نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ اس کو روزے کا حکم دیتے۔ اور نہ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کو زکاۃ کا حکم

دیتے، نہ حج کا موسم تھا کہ اس سے حج کرایا جاتا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو ایک عبادت ہو رہی ہے، جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جارہی ہے وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا تم اس جہاد میں شامل ہو جاؤ اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس جہاد میں شامل ہو گیا تو اس میں امکان یہ بھی ہے کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر گیا تو میرا کیا ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے، اور تمہارے بدن کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ کا بندہ جہاد میں شامل ہو گیا، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑا، اور شہید ہو گیا۔

جنت الفردوس میں پہنچ گیا

جب غزوہ خیبر ختم ہوا تو رسول کریم ﷺ میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے ہوئے تھے، ایک جگہ دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کا ہجوم ہے، آپ قریب پہنچے اور پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں، اس میں ہمیں ایک لاش نظر آرہی ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، اس آدمی سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ اسلئے سب آپس میں رائے زنی کر رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ اور کس طرح شہید ہوا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ، آپ نے دیکھا تو یہ وہی اسود چرواہا تھا، نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس کو نہیں پہچانتے، لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک سجدہ بھی نہیں کیا، اور جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیا ہے، اور اسکے جسم کی بدبو کو مشک وعنبر سے زیادہ حسین خشبو سے تبدیل کردیا ہے۔

امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں

اب دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے عین حالتِ جنگ میں جہاں میدان کارزار کھلا ہوا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے کے خلاف جانیں لینے کے لئے تیار ہیں۔ وہاں پر بھی نبی کریم ﷺ نے اس بات کو گوارا نہیں فرمایا کہ یہ چرواہا امانت میں خیانت کرے، اور مسلمان ان بکریوں پر قبضہ کرلیں۔ بلکہ ان بکریوں کو واپس فرمایا، یہ ہے امانت کی اہمیت اور اسکی پاسداری۔ جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے ثابت کیا، لہٰذا امانت میں خیانت کرنا یہ مؤمن کا کام نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے، ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے ۔۔۔ یہ تین اوصاف جس انسان میں پائے جائیں گے تو وہ مؤمن نہیں کہلائے گا، بلکہ منافق ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خیانت سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

●●●●

●●

امانت کا وسیع مفہوم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

امانت کا وسیع مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: ۱تا۸)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز: سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین کی ان صفات کو بیان فرمایا ہے، جن پر ان کی صلاح وفلاح کا دارومدار ہے، ان صفات میں سے اکثر کا بیان پہلے ہو چکا ہے، گذشتہ جمعہ کو ''امانت'' کا بیان شروع کیا تھا کہ مسلمان وہ ہے جو امانت کا پاس کرتا ہے، میں نے یہ عرض کیا تھا کہ امانت میں خیانت کرنا کتنا بڑا جرم اور کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور بہت سی امانتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر وبیشتر ہم لوگوں کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ بھی امانت ہے، اور ہم لوگ اس میں خیانت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور دل میں کسی جرم اور گناہ کا شعور بھی نہیں ہوتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے اس گناہ سے توبہ اور استغفار کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔

ہمارے ذہنوں میں امانت

چنانچہ عام طور سے لوگ امانت کا جو مطلب سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کچھ پیسے یا اپنی کوئی چیز ہمارے پاس لاکر رکھوادی، اور ہم نے اس کو حفاظت سے رکھ دی، اور اس چیز کو خود استعمال نہیں کیا، اور کوئی گڑبڑ نہیں کی، خیانت نہیں کی۔ بس امانت کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں، بے شک امانت کا ایک پہلو یہ بھی ہے، لیکن قرآن وحدیث میں جہاں امانت کا لفظ آیا ہے اس معنیٰ اور اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور بہت کشادہ ہے، بہت ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔

یہ زندگی اور جسم امانت ہیں

سب سے پہلی چیز جو امانت کے اندر داخل ہے، وہ ہماری "زندگی" ہے، یہ ہماری زندگی جو ہمارے پاس ہے۔ اسی طرح ہمارا پورا جسم سر سے لیکر پاؤں تک یہ امانت ہے، ہم اس جسم کے مالک نہیں، اللہ جل شانہ نے یہ جسم جو ہمیں عطا فرمایا ہے، اور یہ اعضاء جو ہمیں عطا فرمائے ہیں، یہ آنکھیں جس سے ہم دیکھتے ہیں، یہ کان جس سے ہم سنتے ہیں، یہ ناک جس سے ہم سونگھتے ہیں، یہ منہ جس سے ہم کھاتے ہیں، یہ زبان جس سے ہم بولتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، بتاؤ! کیا تم یہ اعضاء کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاوضے کے اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے پیدا ہونے کے وقت سے ہمیں دیدیے ہیں، اور ہمیں یہ فرما دیا کہ ان اعضاء سے اور ان قوتوں سے لطف اٹھاؤ۔ ان اعضاء کو استعمال کرنے کی تمہیں کھلی اجازت ہے۔ البتہ ان اعضاء کو ہماری معصیت اور گناہ میں مت استعمال کرنا۔

خودکشی کیوں حرام ہے

چونکہ یہ زندگی یہ جسم اور یہ اعضاء امانت ہیں، اسی وجہ سے انسان کے لئے خودکشی کرنا حرام ہے، اور اپنے آپ کو قتل کر دینا حرام ہے، کیوں حرام ہے؟ اسلئے کہ یہ جان اور یہ جسم ہماری اپنی ملکیت ہوتا تو ہم جو چاہتے کرتے، چاہے اس کو تباہ کرتے یا برباد کرتے یا آگ میں جلا دیتے۔ لیکن چونکہ یہ جان اور یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اسلئے یہ امانت اللہ کے سپرد کرنی ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس بلائیں گے، اس وقت ہم جائیں گے، پہلے سے خودکشی کر کے اپنی جان کو ختم کرنا امانت میں خیانت ہے۔

اجازت کے باوجود قتل کی اجازت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہدے کہ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھے قتل کردو، یا میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ لو، میرا پاؤں کاٹ لو۔ کوئی شخص چاہے کتنی ہی اجازت دیدے، اور اسٹامپ پیپر پر لکھ دے کہ میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرے شخص کے لئے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے یہ میرے پیسے ہیں تم لیلو، اور تم ان پیسوں کو جو چاہو کرو، تو دوسرے شخص کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ پیسے لے لے اور جو چاہے کرے۔ لیکن جان لینے اور اعضاء کاٹنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ یہ جسم اور جان ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہیں۔ اور جب امانت ہیں تو اس کو اس کام میں استعمال کرنا ہے جس کی مالک اجازت دے، اور اس کام سے ان کو بچانا ہے جس سے مالک ناراض ہو، اور جو مالک کو ناپسند ہو۔

اوقات امانت ہیں

اسی طرح زندگی کے یہ لمحات جو گزر رہے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ان لمحات کو ایسے کام میں صرف کرنا ہے جو دنیا کے لحاظ سے یا آخرت کے لحاظ سے فائدہ مند ہو، اور جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو، اگر ان لمحات کو اس کے خلاف کاموں میں خرچ کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔

قرآن کریم میں امانت

یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں

فرمایا ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ
حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ

(الاحزاب : ۷۲)

فرمایا کہ اس امانت کو ہم نے آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ یہ امانت تم اٹھا لو تو ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا کہ نہیں یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے، اور اس امانت کے اٹھانے سے ڈرے، وہ امانت کیا تھی؟ وہ امانت یہ تھی کہ ان سے کہا گیا کہ ہم تمہیں عقل دیں گے، اور سمجھ دیں گے، تمہیں زندگی دیں گے، اور یہ عقل، یہ سمجھ اور یہ زندگی تمہارے پاس ہماری امانت ہوگی، اور ہم تمہیں بتا دیں گے کہ فلاں کام میں اس زندگی کو خرچ کرنا ہے، اور فلاں کام میں نہیں کرنا، اگر تم اس زندگی کو ہمارے احکام کے مطابق استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہوگی، اور اگر ہمارے احکام کے خلاف استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جہنم ہوگی، اور دائمی عذاب ہوگا۔

آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے

جب اس امانت کی پیش کش آسمانوں پہ کی گئی کہ تم یہ امانت اٹھا لو تو آسمانوں نے کہا کہ ہم موجودہ حالت میں بہتر ہیں، اگر یہ امانت ہم نے لے لی تو پتہ نہیں کہ اس کو سنبھال سکیں گے یا نہیں۔ اور اگر نہ سنبھال سکے تو آپ کے فرمان کے مطابق دائمی جہنم کے مستحق ہوں گے، اور ہمیشہ کے لئے ایک عذاب کھڑا ہو جائے گا اس لئے یہ بہتر ہے کہ نہ ہمیں جنت ملے، اور نہ جہنم ملے، اس وقت عافیت سے تو ہیں۔ چنانچہ آسمانوں

نے انکار کر دیا۔

پھر اس امانت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیش کیا کہ تو بہت بڑا اور ٹھوس کرہ ہے، تیرے اندر پہاڑ ہیں، سمندر ہیں، درخت، جمادات، نباتات تیرے اندر ہیں، تم یہ امانت لیلو، تو زمیں نے کہا کہ میں اس کے اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، اگر یہ امانت میں نے اٹھالی تو خدا جانے میرا کیا حشر بنے گا، لہٰذا اس نے بھی انکار کر دیا۔

اس کے بعد پہاڑوں پر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو پیش کیا کہ تم سخت جان ہو، اور لوگ سخت جان ہونے میں پہاڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں، تم یہ امانت اٹھالو، انہوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم یہ امانت نہیں لیتے، موجودہ حالت ہماری بہتر ہے، اور اگر اس آزمائش میں پڑ گئے تو پتہ نہیں کامیاب ہوں گے، یا ناکام ہوں گے، اور اگر ناکام ہوئے تو ہمارے اوپر مصیبت آجائے گی۔

انسان نے امانت قبول کرلی

اس کے بعد ہم نے امانت انسان پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھالو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ ازل میں انسانوں کی تخلیق سے ہزار ہا سال پہلے ان تمام روحوں سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں، ان سب روحوں کو جمع فرمایا، اور ہر روح ایک چھوٹی سی چیونٹی کی شکل میں سامنے آئی، اور اس وقت ان کے سامنے یہ امانت پیش کی کہ آسمان، زمیں اور پہاڑ تو سب اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر گئے، تم یہ امانت لیتے ہو؟ اس انسان نے کہا کہ ہاں میں لیتا ہوں، جب انسان نے قبول کر لیا تو یہ امانت اس کے پاس آگئی۔

لہٰذا یہ زندگی امانت ہے، یہ جسم امانت ہے، یہ اعضاء امانت ہیں، اور عمر کا ایک

ایک لمحہ امانت ہے، اب جو اس امانت کا پاس کرے وہ انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ فلاح یافتہ ہے، یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(الانفال : ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے امانت لی تھی، اور اللہ کے رسول نے تمہیں اس امانت کے بارے میں بتا دیا تھا، اس امانت کے خلاف خیانت نہ کرو، اور جو امانتیں تمہارے پاس موجود ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرو۔ امانت کا سب سے پہلا مفہوم یہ ہے۔

ملازمت کے فرائض امانت ہیں

امانت کا دوسرا مفہوم اس کے علاوہ ہے جس کو عام طور پر لوگ امانت نہیں سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص نے کہیں ملازمت اختیار کی ہے، اس ملازمت میں جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں وہ امانت ہیں، ان فرائض کو وہ ٹھیک ٹھیک بجالائے۔ اور جن اوقات میں اس کو ڈیوٹی دینے کا پابند کیا گیا ہے، ان اوقات کا ایک ایک لمحہ امانت ہے۔ لہٰذا جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں، اگر وہ ان فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام نہیں دیتا، بلکہ کام چوری کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہے، اور امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

وہ تنخواہ حرام ہوگئی

مثلاً ایک شخص سرکاری دفتر میں ملازم ہے، اور اس کو اس کام پر لگایا گیا ہے کہ

جب فلاں کام کے لئے لوگ تمھارے پاس آئیں تو تم ان کا کام کر دینا۔ یہ کام اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے جسکی وہ تنخواہ لے رہا ہے، اب کوئی شخص اس کے پاس اس کام کے لئے آتا ہے، وہ اس کو ٹلا دیتا ہے، اس کو چکر کھلا رہا ہے، تا کہ یہ تنگ آکر مجھے کچھ رشوت دیدے۔ آج کے سرکاری دفتر اس بلا سے بھرے پڑے ہیں، آج سرکاری ملازم جس عہدے پر بھی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو شخص میرے پاس آرہا ہے اس کی کھال اتارنا اور اس کا خون نچوڑنا میرے لئے حلال ہے۔ یہ امانت میں خیانت ہے، اور وہ اس کام کی جو تنخواہ لے رہا ہے، وہ تنخواہ بھی حرام ہو گئی۔ اگر وہ اپنے فرائض ٹھیک انجام دیتا، اور پھر تنخواہ لیتا تو وہ تنخواہ اس کے لئے حلال ہوتی، اور برکت کا سبب ہوتی۔ لہٰذا اس کام کرنے پر جو رشوت لے رہا تھا وہ تو حرام ہی تھی، لیکن اس نے حلال تنخواہ کو بھی حرام کر دیا، اس لئے کہ اس نے اپنے فریضے کو صحیح طور پر انجام نہیں دیا۔

ملازمت کے اوقات امانت ہیں

اسی طرح ملازمت کے لئے یہ طے کیا تھا کہ میں آٹھ (۸) گھنٹے ڈیوٹی دونگا، اب اگر اس آٹھ (۸) گھنٹے کی ڈیوٹی میں سے کچھ چوری کر گیا، اور کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لیا تو جتنا وقت اس نے اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، اس وقت میں اس نے امانت میں خیانت کی، کیونکہ یہ آٹھ (۸) گھنٹے اس کے پاس امانت تھے، اس کے لئے جائز نہیں تھا کہ اس میں اپنا کوئی ذاتی کام کرے، یہ اوقات بک چکے، اب اگر اس وقت میں دوستوں سے باتیں شروع کر دیں یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور جتنی دیر یہ خیانت کی اتنی دیر کی تنخواہ اس کے لئے حلال نہیں۔

پسینہ نکلا یا نہیں؟

میں کہا کرتا ہوں کہ آجکل جب لوگ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں تو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بھی تو دیکھو کہ پسینہ نکلا بھی یا نہیں؟ ہمیں پسینہ نکلنے کی تو کوئی فکر نہیں ہے کہ جس کام میں میرا پسینہ نکلنا چاہیے تھا وہ نکلا یا نہیں؟ اور واقعۃً ہم اجرت کے حق دار بنے یا نہیں؟ اس کو تو کوئی نہیں دیکھتا، بس یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مزدوری ادا کرو۔ بہر حال! یہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اور یہ اوقات کا چرانا یہ سب امانت میں خیانت ہے، اور اس کے عوض جو پیسے مل رہے ہیں وہ حرام ہیں، وہ انسان اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھا رہا ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون کا اصول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کے لئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئیگا، اور فلاں کتاب پڑھائیگا، اور مدرسہ کی طرف کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا، اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کے لئے آ گیا، اور اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا، اور اس وقت واپس گیا، اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو گیا، اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارا پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا

کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے، اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں ترچ کردیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے۔ اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دیکر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔

تنخواہ کاٹنے کی درخواست

الحمد للہ، ہم نے دارالعلوم میں بھی یہ طریقہ رکھا ہوا ہے، اور صدر سے لیکر چپراسی تک ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاتا ہے کہ جتنا وقت ذاتی مصروفیات میں استعمال ہوا ہے، اس کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں تنخواہ بڑھانے کی مثالیں تو بہت ملیں گی، لیکن کوئی درخواست آپ نے ایسی نہیں دیکھی ہوگی جس میں اس نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے ملازمت کے اوقات کے دوران اتنی دیر اپنا ذاتی کام کرلیا تھا، لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لو، کیونکہ وہ حرام ہے، وہ میرے لئے حلال نہیں۔ آج اس کا کسی کو خیال نہیں۔

اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دو

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج یہ نعرہ تو لگایا جاتا ہے کہ ہمارا حق ہمیں پورا ملنا چاہیے، لیکن ہم اپنا فریضہ پورا ادا کریں، اور ہمارے ذمہ جو واجبات ہیں ان کو ادا کریں، اس کی کسی کو فکر نہیں۔ قرآن و حدیث یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے فرائض بجالانے کی فکر کرے، جب ہر انسان اپنے فرائض صحیح طور پر بجالائیگا تو دوسروں کے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے۔ بہرحال، اوقات میں چوری کرنا امانت میں خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں اچھی خاصی حلال ملازمت کی آمدنی کو حرام بنالیتے ہیں۔ اگر یہی سرکاری ملازم صبح کو صحیح وقت پر آئے، اور شام کو صحیح وقت پر جائے، اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر بجالائے، اور دل میں یہ نیت کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی مخلوق کی خدمت کے لئے یہاں بیٹھا ہوں، چونکہ اپنا پیٹ

اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تنخواہ ضروری ہے اس وجہ سے تنخواہ لیتا ہوں، لیکن میری نیت یہ ہے کہ میں مخلوق کی خدمت کروں، تو اس صورت میں یہ پورے آٹھ (۸) گھنٹے اس کیلئے عبادت اور اجر و ثواب کا باعث بن جائیں گے، اور تنخواہ بھی حلال ہوگی۔ لیکن اگر اوقات کی چوری کرلی، یا اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دیئے تو اس نے حلال آمدنی کو حرام بنالیا، اس تنخواہ کو آگ کے انگارے بنالئے۔

حلال اور حرام میں فرق ہے

آج ان پیسوں میں فرق نظر نہیں آرہا ہے، بلکہ حلال اور حرام دونوں دیکھنے میں یکساں نظر آرہے ہیں، لیکن جب یہ ہماری ظاہری آنکھیں بند ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ حرام آمدنی جو لے کر آیا تھا وہ آگ کے انگارے تھے، جو وہ اپنے پیٹ میں بھر رہا تھا، قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا
یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ

(النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ آج ہماری پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے، کسی کو سکون نہیں ہے، کسی کو چین نہیں ہے، کسی کو آرام نہیں ہے، کسی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، ہر ایک انسان بھاگ دوڑ میں مبتلا ہے، یہ سب اس لئے ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اس قوم کی گھٹی میں پڑ گئی ہے، اور جس قوم کو حلال اور حرام کی پرواہ باقی نہ رہی ہو، وہ فلاح کہاں سے پائے گی، قرآن کریم کا فرمان یہ ہے کہ فلاح ان لوگوں کو ملے گی جو امانتوں کا اور عہد کا پاس کرنے والے ہیں۔

عاریت کی چیز امانت ہے

امانت کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی چیز آپ کے پاس عاریتاً آگئی ہے، ''عاریت'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی سے کوئی چیز استعمال کے لئے لے لینا، مثلاً کوئی کتاب دوسرے سے پڑھنے کے لئے لے لی، یا دوسرے کا قلم لے لیا، یا گاڑی لے لی، یہ چیزیں امانت ہیں، لہٰذا پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ جب ضرورت پوری ہو جائے اس کے بعد جلد از جلد اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک چیز وقتی ضرورت کے ساتھ آپ نے دوسرے سے لے لی تھی، اب ضرورت ختم ہوگئی، لیکن وہ چیز آپ کے پاس پڑی ہوئی ہے، واپس پہنچانے کی فکر نہیں ہے۔ اور اصل مالک بعض اوقات مانگتے ہوئے شرماتے ہیں کہ اگر میں نے مانگا تو اس کو برا لگے گا، لیکن اس کو ضرورت ہے اور اس کے دل پر ایک تشویش ہے کہ میری یہ چیز فلاں کے پاس ہے، اور آپ نے بے پرواہی میں وہ چیز ڈال رکھی ہے، تو جتنی دیر وہ چیز اس کے مالک کی خوش دلی کے بغیر آپ کے پاس رہے گی، اتنی دیر آپ امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور امانت کی فکر

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ، جب آخری عمر میں بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے، اور صاحب فراش ہو گئے تھے، اور دل کی تکلیف تھی، چارپائی سے اٹھ کر چلنا مشکل ہوتا تھا، اس لئے اپنی چارپائی پر ہی سارا کام انجام دیتے تھے، کھانا بھی چارپائی پر کھاتے تھے، اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو ہمیں حکم

دیتے کہ یہ برتن فوراً باورچی خانے میں پہنچا دو، بعض اوقات ہم کسی کام میں مشغول ہوتے اور برتن پہنچانے میں کچھ تاخیر ہو جاتی تو ناراض ہو جاتے۔ اسی طرح کوئی دوسری چیز دوسرے کمرے سے اس کمرے میں آجاتی تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپسی کا حکم دیتے کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت! یہ سب آخر گھر ہی کی چیزیں ہیں اگر ان چیزوں کو اپنی جگہ رکھنے میں تھوڑی تاخیر ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور آپ تاخیر کی وجہ سے اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہیں؟

اس وقت جو جواب دیا اس سے اندازہ ہوا کہ یہ اللہ والے کتنی دور کی بات سوچتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں یہ لکھ دیا ہے کہ جتنی اشیاء اس کمرے میں ہیں، وہ صرف میری ملکیت ہیں، اور باقی گھر کی ساری اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کر چکا ہوں، وہ میری ملکیت میں نہیں ہیں، اب اگر کوئی چیز باہر سے یہاں آجاتی ہے تو وہ ان کی ملکیت ہے، اور میرے پاس امانت ہے، اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اسے اس کے اصل مالک تک جلد از جلد پہنچاؤ۔

موت کا دھیان ہر وقت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر میرا اس حالت میں انتقال ہو جائے، اور وہ چیز میرے کمرے میں پڑی رہ جائے، اور جبکہ وصیت نامے میں میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ جو چیزیں میرے کمرے میں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں، تو اس وصیت کے اعتبار سے جو چیزیں میری ملکیت نہیں وہ میری ملکیت شمار ہو جائیں گی، اور اندیشہ ہے اس کے نتیجے میں حقدار کا حق فوت ہو جائے گا، اس وجہ سے میں یہ چاہتا ہوں کہ جو چیز باہر سے آئے وہ جلد از جلد اپنی

جگہ پر پہنچ جائے۔۔۔۔اب آپ امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ یہ سب شریعت کے احکام ہیں، جن کا شریعت نے حکم دیا ہے لیکن ہم لوگ دن رات ان احکام سے لاپرواہی میں مبتلا ہیں، دوسروں کی چیز ہمارے پاس پڑی ہوئی ہے، ہمیں اس کو واپس کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ کسی بیچارے نے آپ کے پاس اپنے برتنوں میں کھانا بھیج دیا تھا، اب آپ کھانا کھا کر ختم کر چکے، لیکن برتن پڑے ہوئے ہیں، ان کو بھجوانے کا کوئی اہتمام نہیں، حالانکہ وہ برتن آپ کے پاس امانت ہیں، اگر اس دوران وہ برتن آپ کے پاس ٹوٹ جائے تو اس کا وبال آپ کے ذمے ہوگا، چونکہ آپ نے بروقت واپس کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔

دوسرے کی چیز کا استعمال

ایک بات یہ ہے کہ اگر دوسرے کی چیز ہمارے استعمال میں ہے تو اس چیز کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، مالک نے جس کام کے لئے دی، اس کام میں استعمال کرنا تو جائز ہے، کیونکہ اس کی مرضی اس میں شامل ہے، لیکن اس کی مرضی کے خلاف چوری چھپے استعمال کیا جائے گا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، اور بڑا گناہ ہے، مثلاً کسی نے آپ کو کسی خاص مقصد کے استعمال کے لئے گاڑی دیدی تو اب خاص مقصد میں استعمال کرنا تو جائز ہے، لیکن اس خاص مقصد کے علاوہ دوسرے کسی کام میں استعمال کرلی تو ناجائز، حرام اور امانت میں خیانت ہے۔

دفتری اشیاء کا استعمال

جو لوگ دفتر میں ملازم ہوتے ہیں، ان کو دفتر کی طرف سے بہت سی چیزیں استعمال کرنے کے لئے ملتی ہیں، اب دفتر کے قواعد اور ضوابط کے تحت تو ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز

ہے، اور اگر ان قواعد اور ضوابط کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے، اور امانت میں خیانت ہے۔ مثلاً دفتر کی طرف سے آپ کو پین ملا ہے، پیڈ ملا ہے، لفافے ملے ہیں، یا دفتر میں آپ کے فون لگا ہوا ہے، یا دفتر کی طرف سے آپ کو گاڑی ملی ہوئی ہے، یا موٹر سائیکل ملی ہوئی ہے۔ اور اب ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں دفتر کے کچھ قواعد ہیں کہ ان قواعد کے تحت ان اشیاء کو استعمال کیا جائے، تو اب قواعد کے دائرے میں ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، ان قواعد سے الگ ہٹ کر آپ نے ان اشیاء کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کرلیا تو خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں خیانت کا عظیم گناہ انسان کے ذمے لازم آجاتا ہے، کہاں تک شمار کیا جائے ورنہ زندگی کے ہر شعبے میں کہیں نہ کہیں ہمارے پاس امانت موجود ہے۔

دواؤں کا غلط استعمال

ایک صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے علاج کرانا بہت آسان کردیا ہے، میں نے پوچھا کہ کیسے آسان کردیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب ہیں وہ ہم پر بڑے مہربان ہیں، ان کو اپنے دفتر سے علاج کی سہولت ملی ہوئی ہے، وہ جو دوا خریدتے ہیں، اس کا بل دفتر میں جمع کرادیتے ہیں، دفتر والے وہ رقم ان کو ادا کردیتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہہ دیا ہے کہ تمہیں جب بھی کوئی دوائی خریدنی ہو، تم خرید کر بل مجھے دے دیا کرو، میں دفتر سے اس کی رقم وصول کر کے تمہیں دیدیا کروں گا، اس طرح تمہیں یہ دوائیاں مفت مل جایا کریں گی۔

اب دیکھئے کہ ان صاحب کو دفتر والوں نے یہ سہولت دے رکھی تھی کہ ان کے گھر کا کوئی آدمی بیمار ہو جائے، اور اس کے علاج پر جو خرچہ آئے تو اس کا بل جمع کرادیں تو

ان کو دفتر سے پیسے مل جائیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ سخاوت شروع کر دی کہ اپنے پڑوسیوں کو اور اپنے دوستوں کو اس میں شامل کر لیا، اب جھوٹ اس کے اندر موجود ہے، دغابازی اس کے اندر موجود ہے، اور امانت میں خیانت اس میں موجود ہے، اس لئے کہ جو رقم تمہیں مل رہی ہے وہ امانت ہے، جہاں استعمال کرنے کی اجازت ہے بس وہیں پر استعمال کرنا آپ کے لئے حلال ہے، اس کے علاوہ حرام ہے، وہ صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نیکی کر رہے ہیں دوسروں کے ساتھ، لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا گناہ ہے، جس کے نتیجے میں آخرت میں گردن پکڑی جائے گی۔

حرام آمدنی کا ذریعہ

یہ تو صرف سخاوت کی حد تک بات تھی، جب کہ بہت سے لوگوں نے اس کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، مثلاً دوسرے سے کہہ دیا کہ تم دوا خرید کر بل ہمیں دیدو جو پیسے ملیں گے، اس میں سے آدھے تمہارے، آدھے ہمارے۔ آج امانت کا لحاظ نہ رکھنے کے نتیجے میں معاشرہ تباہ ہو چکا ہے، اور یہ جو دن رات مصیبتیں، پریشانیاں، بیماریاں اور دشمنوں کے حملے، بدامنیاں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، یہ سب کیوں نہ ہو، جبکہ ہم نے اپنے آپ کو ان کاموں کے لئے منتخب کر لیا ہے جو کافروں کے تھے، ان کافروں نے کم از کم اپنی حد تک امانت اور دیانت کو اپنا لیا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عروج دیدیا۔ اور ہم نے قرآن کریم کی ہدایات کو ترک کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہر جگہ پست اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

باطل مٹنے کے لئے آیا ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ایک بڑی خوب صورت بات فرمایا کرتے تھے، جو

ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہیے، فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں ابھرنے کی صلاحیت ہی نہیں، قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ :

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

(بنی اسرائیل : ۸۱)

یعنی باطل تو دبنے کے لئے اور مٹنے کے لئے آیا ہے، ابھرنے کے لئے نہیں آیا، لیکن اگر کسی باطل قوم کو تم دیکھو کہ وہ دنیا کے اندر ابھر رہی ہے اور ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے۔ باطل میں ابھرنے کا دم نہیں تھا۔

حق صفات نے ابھار دیا ہے

لہٰذا یہ ہمارے دشمن جن کو ہم روزانہ برا بھلا کہتے ہیں، چاہے وہ امریکہ ہو، یا برطانیہ ہو، انہوں نے دنیا کے اندر جو مقام حاصل کیا ہے وہ باطل کی وجہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ کچھ حق کی صفات ان کے ساتھ لگ گئی ہیں، جو انہوں نے ہم سے لی ہیں، وہ یہ کہ ان کے اندر آپس کے معاملوں میں امانت داری ہے، اور خیانت سے حتی الامکان اکثر و بیشتر لوگ پرہیز کرتے ہیں، وہاں بھی سب لوگ ایک جیسے نہیں ہیں، وہاں پر بھی بڑے بڑے دھوکہ باز پڑے ہوئے ہیں، لیکن عام طور پر آپس کے معاملات میں انہوں نے امانت اور دیانت کو اپنایا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص صحیح راستہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عروج دیں گے، آخرت میں اگرچہ ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، لیکن دنیا میں ان کو ترقی دیدی جائے گی، اور مسلمانوں نے یہ چیزیں چھوڑ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج دنیا کے اندر ذلیل ہو رہے ہیں۔

مجلس کی باتیں امانت ہیں

ایک اور چیز ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے وضاحت کے ساتھ توجہ دلائی، چنانچہ آپ نے فرمایا " اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ " یعنی انسانوں کی مجلسوں میں کہی گئی بات بھی "امانت" ہے، مثلاً دو چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی ایک نے کوئی بات کہی، تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بات کو کہیں اور جا کر نقل کر دیں، اس لئے کہ جو بات اس کے منہ سے نکل کر آپ کے کان میں پڑی ہے، وہ آپ کے پاس اس کی امانت ہے، لہٰذا اگر وہ بات کسی اور سے بیان کرنی ہے تو پہلے اس سے اجازت لو کہ میں تمہاری یہ بات فلاں سے نقل کرنا چاہتا ہوں، آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کے بغیر اس بات کو کہیں اور جا کر بیان کرنا امانت میں خیانت ہے۔

راز کی بات امانت ہے

اسی طرح کسی نے آپ کو اپنے راز کی کوئی بات کہہ دی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس کو اپنی حد تک رکھنا، تو جب تک اس کی مرضی نہ ہو، اس بات کو کہیں اور جا کر نقل کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق امانت میں خیانت ہے۔ آج ہم لوگوں کا حال یہ ہے اگر دوسرے کے راز کی کوئی بات معلوم ہوگئی تو اب اس کو ساری دنیا میں گاتے پھر رہے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت کے اندر داخل ہے۔

اعضاء امانت ہیں

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھو تو انسان کا اپنا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ جسم سر

سے لیکر پاؤں تک ہماری ملکیت نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے استعمال کے لئے ہمیں دیا ہوا ہے، یہ ہمارے ہاتھ، یہ ہمارے پاؤں، یہ ہماری آنکھیں، یہ ہمارے کان کیا ہم ان کو کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ یا خود ہم نے بنائے تھے؟ بلکہ یہ سب اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت دیے ہیں۔ یہ آنکھیں بھی امانت ہیں، ہمارے کان بھی امانت ہیں، ہمارے ہاتھ بھی امانت، ہمارے پاؤں بھی امانت، لہٰذا جب امانت ہیں تو اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے گا وہ امانت میں خیانت ہوگی۔

آنکھ کی خیانت

مثلاً اگر آنکھ سے ان چیزوں کو دیکھا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں، اور نامحرم پر لذت لینے کے لئے نگاہ ڈالی جارہی ہے، ایسی فلمیں دیکھی جارہی ہیں جن کا دیکھنا حرام ہے، تو یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں استعمال ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی تھی کہ تم اس سے نفع اٹھاؤ، دنیا کے حسین مناظر اس کے ذریعے دیکھو، اس کے ذریعے اپنی بچوں کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے والدین کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے بھائی، بہن اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہو، اور اس کے ذریعے دنیا کے کام چلاؤ۔ لیکن تم نے اس آنکھ کو فساد میں استعمال کر لیا، گناہ اور معصیت میں استعمال کر لیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

کان اور ہاتھ کی خیانت

یہ کان تمہیں اس لئے دیے گئے تھے کہ اس کے ذریعے ضرورت کی باتیں سنو، اچھی باتیں بھی سنو، اور تفریح کی باتیں بھی سنو، لیکن معصیت کی باتیں سننے سے تمہیں روکا گیا تھا۔ لیکن تم نے اس کان کو معصیت کی باتیں سننے میں استعمال کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت

میں خیانت ہوئی۔

یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے تھے تاکہ تم اس کے ذریعے جائز مقاصد حاصل کرسکو، کماؤ، محنت کرو، جدوجہد کرو۔ لیکن تم نے یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے پھیلا دیے، جہاں پھیلانا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ ہاتھ کا غلط استعمال ہے، جو امانت میں خیانت ہے۔ یا ان ہاتھوں سے ایسی چیز پکڑ لی جس کا پکڑنا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ امانت میں خیانت ہے۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

ہر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، لوگ کیا کر رہے ہیں، ان کو دیکھ کر میں بھی ان جیسا بن جاؤں، اس کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ہر انسان کے دل میں ضمیر کی شمع روشن ہو جائے، تقوے کی شمع روشن ہو جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اگر ایک آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے، اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے، اور اس طرح ماحول میں اجالا ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر انسان اپنی جگہ پر امانت کا پاس کرنے کی فکر کرے، یہ نہ سوچے کہ ساری دنیا ایک طرف جارہی ہے، میں اکیلا کیا کروں گا۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی کام ہوا ہے وہ اکیلے ہی انسان سے ہوا ہے، پیغمبر جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ تنہا ہوتے ہیں، کوئی ان کے ساتھ نہیں ہوتا، لیکن جب کام شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے، اور قافلہ بنتا گیا

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور امانتوں کا پاس رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

✿✿✿

عہد اور وعدہ کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عہد اور وعدہ کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلاَ نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلاَتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلاَّ عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذلک من الشاهدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز: سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان کی تشریح کا سلسلہ کافی عرصے سے چل رہا ہے، اور ہم اس آیت کریمہ تک پہنچے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ'' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں کا لحاظ کرتے ہیں، اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں، امانتوں کی رعایتوں سے متعلق میں نے گذشتہ دو جمعوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کی مختلف صورتیں بیان کی تھیں کہ امانت میں کیا کیا چیزیں داخل ہوتی ہیں، اور امانت میں خیانت کرنا، اور امانت کا پاس نہ رکھنے کی کیا کیا صورتیں ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکی ہیں، اور ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے۔

قرآن وحدیث میں عہد

دوسری چیز جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کی گئی ہے، وہ ''عہد کا لحاظ'' رکھنا، یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ جو عہد کر لیتا ہے یا جو وعدہ کر لیتا ہے وہ اس کا پورا پاس کرتا ہے، پورا لحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ'' اور ''عہد'' کی پاسداری کا حکم دیا ہے، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

(بنی اسرائیل: ۳۴)

یعنی جو عہد کرو اس کو پورا کرو، کیونکہ اس عہد کے بارے میں تم سے آخرت میں سوال ہوگا۔

کہ تم نے فلاں وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا یا نہیں کیا؟ فلاں عہد کیا تھا، پورا کیا یا نہیں کیا؟
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ "

(المائدہ: ۱)

اے ایمان والو! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو۔ بہر حال؛ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی تاکید آئی ہے، اور یہ بھی مسلمان کے مسلمان ہونے کی علامت قرار دی گئی کہ مسلمان کبھی عہد شکنی نہیں کرتا، جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔ اور وعدہ کو پورا نہ کرنا یہ منافق کی علامت قرار دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: آیۃ المنافق ثلاث

" اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا اؤتمن خان "

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اسکے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق)

وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لو

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی کام بھی مؤمن کا کام نہیں، مسلمان کا کام نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، یا وعدہ خلافی کرے، یا امانت میں خیانت کرے۔ آدمی وعدہ کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ میں اس وعدے کو پورا کرسکوں گا یا نہیں، وعدہ کرنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جب سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے تمام نتائج کو سامنے

رکھنے کے بعد جب ایک وعدہ کرلیا تو اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس وعدے پر قائم رہے۔ صرف ایک صورت ہے جو شریعت نے جائز قرار دی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن کوئی حقیقی عذر پیش آگیا، اور عذر کی حالت اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمائی ہے، اس صورت میں دوسرے آدمی کو بتادے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، لیکن مجھے کچھ عذر پیش آگیا ہے، جس کی وجہ سے میں یہ وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہوں۔

عذر کی صورت میں اطلاع دے

مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی سے وعدہ کرلیا کہ میں کل تمہارے گھر آؤں گا، اور ارادہ بھی تھا کہ کل اس کے گھر جائیں گے، لیکن بعد میں تم بیمار ہوگئے، یا گھر میں کوئی اور بیمار ہوگیا، اور اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے پاس رہنا ضروری ہے، اور جانا ممکن نہیں ہے، تو یہ ایک عذر ہے اور عذر کی صورت میں اگر کوئی شخص وعدہ پورا نہ کرے تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں۔ البتہ اس صورت میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ سامنے والے کو ایسے وقت میں بتادیا جائے کہ وہ کسی الجھن اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ بہر حال؛ وعدہ پورا کرنا ایمان کی علامت ہے، اور وعدے کی خلاف ورزی کو حضور اقدس ﷺ نے نفاق کی علامت قرار دی ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک صحابی کسی بچے کو اپنے پاس بلانا چاہتے تھے، اور وہ بچہ ان کے پاس نہیں آرہا تھا، اور آنے سے انکار کررہا تھا ان صحابی نے اس بچے کو ترغیب دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ آؤ بیٹا ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، جب حضور اقدس ﷺ نے ان کے یہ الفاظ سنے

''کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے'' تو آپ نے ان صحابی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تمہارا واقعی اس بچے کو چیز دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی بہلانے کے لئے آپ نے اس سے یہ کہہ دیا تھا؟ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی، اور میرا ارادہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس کو کھجور دیدوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر واقعی تمہارا کھجور دینے کا ارادہ تھا، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہارا دل میں اس کو کچھ دینے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ محض اس کو اپنے پاس بلانے کے لئے اس کو یہ کہہ دیا کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ خلافی ہوگی۔

بچے کے ساتھ وعدہ کر کے پورا کریں

اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے میں دوہرا نقصان ہے، ایک نقصان تو وعدہ خلافی کے گناہ کا ہے، اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ پہلے دن سے ہی بچے کے ذہن میں آپ یہ بات ڈال رہے ہیں کہ وعدہ کر کے مکر جانا کوئی خرابی کی بات نہیں، بچہ کا ذہن ایسا صاف ہوتا ہے جیسے سادہ پتھر، اس پر جو چیز نقش کر دی جائے تو ہمیشہ کے لئے وہ چیز نقش ہو جاتی ہے۔ گویا کہ پہلے دن سے آپ نے وعدہ خلافی کا بیج بچے کے ذہن میں بو دیا، اب اگر وہ بچہ آئندہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرے گا تو اس وعدہ خلافیوں کے گناہ میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنے طرز عمل سے اس کو وعدہ خلاف بنایا، اس لئے بچے کے ساتھ خاص طور پر اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یا تو بچہ سے وعدہ کرو نہیں، اگر وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، تاکہ بچے کو یہ احساس ہو کہ جب کوئی وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کو پورا کیا جاتا ہے۔

بچے کے اخلاق بگاڑنے میں آپ مجرم ہیں

ہمارے معاشرے میں اس معاملے کے اندر غفلت اور بے احتیاطی بہت عام ہے،

کہ بچے کو تعلیم دلانے کے لئے اچھے سے اچھے اسکول میں داخل کر دیا، لیکن گھر کا ماحول ایسا بنایا ہوا ہے جس سے اس بچے کا مزاج و مذاق اس کے اخلاق و کردار خراب ہو رہے ہیں۔ مثلاً آپ گھر سے باہر کہیں جا رہے ہیں، اور بچہ ضد کر رہا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب آپ نے اس بچے سے جان چھڑانے کی خاطر کوئی وعدہ کر لیا کہ میں تمہارے لئے ایک چیز لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، آپ نے اس بچے کو بہلا تو دیا، لیکن جو وعدہ آپ نے اس بچے کے ساتھ کیا تھا، وہ پورا نہیں کیا تو ایک طرف تو آپ وعدہ خلافی کے مجرم بنے، دوسرے یہ کہ اس بچے کی تربیت خراب کرنے کے مجرم بنے، اس بچے کا ذہن پہلے دن سے آپ نے خراب کر دیا۔ لہٰذا بچے کے ساتھ معاملات کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

بچوں کے ذریعے جھوٹ بلوانا

ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی بکثرت عام ہے کہ ایک شخص آپ کے گھر پر آپ سے ملنے کے لئے آیا، یا کسی کا فون آیا، اور بچے نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں، یا فلاں صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کا ان صاحب سے بات کرنے کو اور ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، اس لئے آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اب بچہ تو یہ دیکھ رہا ہے کہ ابا جان گھر پر موجود ہیں، لیکن میرے ابا گھر پر موجود ہونے کے باوجود مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ جا کر جھوٹ بول دو کہ گھر پر موجود نہیں ہیں، تو آج جب آپ اس سے جھوٹ بلوائیں گے تو کل جب وہ جھوٹ بولے گا تو کس منہ سے آپ اس کو جھوٹ بولنے سے روکیں گے۔ اس لئے کہ آپ نے تو خود اس کو جھوٹ بولنے کا عادی بنا دیا، اپنے ذرا سے مفاد کی خاطر جھوٹ کی

سنگینی اس بچے کے دماغ سے منادی تو اب اگر وہ بچہ جھوٹ بولے گا، اور اس بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ جائے گی تو اس گناہ میں آپ بھی برابر کے شریک ہوں گے، اور آپ نے اس بچے کی زندگی تباہ کردی۔ اس لئے کہ جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے تو دنیا میں کہیں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اس پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس لئے بچوں کے ساتھ معاملات کرنے میں خاص طور پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بچوں کو سچائی سکھائی جائے، ان کو امانت داری سکھائی جائے، ان کو وعدے کی پابندی سکھائی جائے۔

حضور کا تین دن انتظار کرنا

روایات میں ایک واقعہ آتا ہے، جو نبوت کے عطا ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کسی شخص کے ساتھ معاملہ ہوا، اور آپس میں یہ طے ہوا کہ فلاں جگہ پر کل کو آپس میں ملاقات کریں گے۔ دن، جگہ اور وقت سب طے ہوگیا۔ جب وقت مقررہ آیا تو رسول کریم ﷺ اس جگہ پر پہنچ گئے، اب آپ وہاں جاکر کھڑے ہو گئے، مگر وہ شخص جس سے وعدہ کیا ہوا تھا، وہ اس جگہ نہیں آیا، انتظار کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے، مگر وہ شخص نہیں آیا، رسول کریم ﷺ وہاں کھڑے رہے، روایات میں آتا ہے کہ تین دن تک متواتر حضور اقدس ﷺ نے اس شخص کا انتظار کیا، صرف ضرورت کے لئے گھر جاتے، پھر واپس اس جگہ آجاتے۔ تین دن بعد جب وہ صاحب آئے تو آپ نے صرف اتنا کہا کہ تم نے وعدے پر نہ آکر مجھے تکلیف پہنچائی۔ تو صرف وعدے کو پورا کرنے کے لئے کہ کہیں اس وعدے کی خلاف ورزی نہ ہو جائے، تین دن تک متواتر آپ نے وہاں انتظار فرمایا۔

حضرت حذیفہ کا ابوجہل سے وعدہ

حضور اقدس ﷺ نے ایسے ایسے وعدوں کو نبھایا کہ۔۔۔ اللہ اکبر آج اس کی

نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور ﷺ کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہوگئی، اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس ﷺ سے لڑنے کیلئے جارہا تھا، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑ لیا، اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں، ابوجہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جا کر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لوگے، انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور ﷺ سے ملاقات اور زیارت ہے۔ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جا کر صرف ملاقات کروگے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لوگے، انہوں نے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے، اور راستے میں ملاقات ہوگئی۔

حق اور باطل کا پہلا معرکہ "غزوہ بدر"

اب اندازہ لگائیے کہ اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ (غزوہ بدر) ہو رہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہوگیا۔ وہ "بدری" کہلایا، اور صحابہ کرام میں "بدری" صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور اسمائے

بـدریـین" بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔وہ "بـدریین" جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ پیشن گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر، جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔بخشش فرمادی، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہرحال؛ جب حضور اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنادیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ لیا تھا۔اور ہم نے وعدہ کرکے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے،اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے،آپ اس میں تشریف لے جارہے ہیں۔ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہوجائیں،اور جہاں تک اس وعدے کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے،اور اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے،اس لئے ہم نے وعدہ کرلیا،لیکن آپ ہمیں اجازت دیدیں۔کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں،اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہوجائے۔

(الاصابة ج ١ ص ٣١٦)

تم وعدہ کرکے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں،تم وعدہ کرکے آئے ہو،اور زبان دے کر آئے ہو،اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جاکر محمد ﷺ کی زیارت کروگے،لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لوگے،اس لئے میں تم کو جنگ میں

حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کر لیتا، مثلاً یہ تاویل کر لیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کر لیتا کہ یہ حالتِ عذر ہے اس لئے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جہاد میں شامل ہوتا ہے اور کفر کا مقابلہ کرتا ہے۔ جبکہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں۔ جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھا لیے ہیں، یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جا رہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

جہاد کا مقصد حق کی سربلندی

یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہو رہا ہے۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بے کار جا رہی ہیں، اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل و دماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ

اس وقت مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کردو، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے۔ چلو، یہ کام کرلو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کرلیا جائے، اس کو نبھاؤ، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دونوں کو غزوہ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے وعدہ کا ایفاء۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگر آج اس کی مثال تلاش کریں تو اس دنیا میں ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟ ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ انہوں نے یہ مثالیں قائم کیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے۔ اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ برسرپیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کر لی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تا کہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو اس وقت میں فوراً حملہ کر دوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی۔ پھر کہیں جا کر لشکر روانہ ہوگا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا۔ اس لئے معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں گا اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دوں گا تو جلدی فتح حاصل ہو جائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندران کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیدیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جا رہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے

کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں :

"الله اکبر ، الله اکبر ، قفوا عباد الله قفوا عباد الله"

اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ نے دیکھا کہ وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ :

" وفاء لا غدر وفاء لا غدر "

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں، عہد شکنی نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں۔ اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا تھا۔ اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :

من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلنه و لا يشدنه

الى ان يمضى اجل له او ينبذ اليهم على سواء

(ترمذی ، کتاب الجہاد ، باب فی الغدر ، حدیث نمبر ۱۵۸۰)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے۔ یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان

کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیدیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آ گئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بنا پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ حاصل کرنا پیشِ نظر نہیں تھا۔ کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی۔ بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو گیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لئے واپس لوٹ گئے۔۔ یہ ہے وعدہ، کہ جب زبان سے بات نکل گئی، تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

حضرت فاروق اعظم اور معاہدہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ "جزیۃ" ایک ٹیکس ہوتا ہے، جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

جب معاہدہ ہوگیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آگیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز تو بہت اچھی ہے، اور فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو۔ وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس کے ادا کیا ہے، وہ ہم آپ واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے۔ اور اب آپ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔ یہ مثالیں ہیں، اور میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ کسی نے اپنے مخالف مذہب والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہو۔

بہرحال: مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ عہد اور وعدے کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وعدے کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر طرح کی عہد شکنی اور خلاف ورزی سے محفوظ رکھے، اس کی مزید تفصیل اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون ۱ تا ۸)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و

نحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین ،

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز : گذشتہ جمعہ کو سورۃ المومنون کی اس آیت کا بیان کیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والے مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ " وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ " یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس کرتے ہیں، اس کی رعایت رکھتے ہیں ۔ قرآن کریم وحدیث شریف میں عہد اور وعدہ کی پابندی کی کتنی تاکید آئی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت اور سنت میں اس کی کیسی عظیم مثالیں قائم فرمائی ہیں ۔ اس کے بارے میں کچھ روایات اور واقعات گذشتہ جمعہ کو عرض کئے تھے ۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کے سلسلے میں ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلانی ہے، جس کی طرف سے ہم لوگ بکثرت غفلت میں رہتے ہیں، یعنی بعض عہد ایسے ہیں جو ہم نے باندھے ہیں، لیکن دن رات اس کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں ۔ اور یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں ۔ اور کوئی گناہ ہم سے سرزد ہو رہا ہے ۔

ملکی قانون کی پابندی لازم ہے

اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی شخص جس ملک کا باشندہ ہوتا ہے، اور اس کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ عملاً اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قانون کی پابندی کروں گا، اب اگر آپ کسی ملک کی شہریت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور درخواست دیتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ میں آپ کے ملک کی شہریت تو چاہتا ہوں، لیکن آپ کے قانون پر عمل نہیں

کروں گا، تو کیا دنیا کا کوئی ملک ایسا ہے جو آپ کو شہریت دینے پر تیار ہو جائے؟ لہٰذا جب کوئی انسان کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ یا تو زبان سے یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا، جیسے ہم اس ملک کے اندر پیدا ہوئے ہیں، تو شہریت حاصل کرنے کے لئے ہمیں زبانی درخواست دینے کی ضرورت تو پیش نہیں آئی، لیکن عملاً یہ معاہدہ کرلیا کہ ہم اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا شہری ہونے کے ناطے ہم اس ملک کے قانون کی پابندی کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔

خلافِ شریعت قانون کی مخالفت کریں

البتہ مسلمان کا جو عہد ہوتا ہے، چاہے وہ کسی شخص سے ہو، یا کسی ادارے سے ہو، یا حکومت سے ہو۔ وہ ایک بنیادی عہد کا پابند ہوتا ہے، یہ بنیادی عہد وہ ہے جو ایک مسلمان نے کلمہ شہادت " اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله " پڑھتے ہوئے کیا، اس عہد کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مانتا ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتا ہوں، لہٰذا آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں گا۔ یہ سب سے پہلا عہد ہے جو انسان نے مسلمان ہوتے ہی کرلیا ہے، یہ عہد تمام عہدوں پر بالا ہے، اس کے اوپر کوئی اور عہد نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر اس کے بعد آپ کسی سے کوئی عہد کرتے ہیں مثلاً کسی حکومت سے یا کسی ادارے سے یا کسی شخص سے کوئی عہد کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک آپ کا قانون مجھے اللہ کے کسی قانون کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہ کرے اس وقت تک میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو مجھے اللہ کی نافرمانی پر مجبور کرتا ہے، تو اس قانون کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اس قانون کی مخالفت واجب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قانون

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ملک میں رہتے تھے، اور نبی بننے سے پہلے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کر دیا تھا، جس کا واقعہ مشہور ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر استغفار کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے:

لهم علي ذنب (سورۃ الشعراء : ۱۴)

یعنی میرے اوپر ان کا ایک گناہ ہے اور میں نے ان کا ایک جرم کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو جرم اور گناہ قرار دیتے تھے اور اس پر استغفار فرمایا کرتے تھے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، بلکہ ایک مظلوم کی مدد فرمائی تھی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا، اس لئے یہ حقیقۃً گناہ نہیں تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی بھی نہیں تھا، لیکن چونکہ صورت گناہ کی سی تھی، اس لئے آپ نے اسے گناہ سے تعبیر فرمایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قبطی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ تو کافر تھا، اور کافر بھی حربی تھا، لہٰذا اگر اسے جان بوجھ کر بھی قتل کرتے تو اس حربی کافر کو قتل کرنے میں کیا گناہ ہوا؟ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس لئے گناہ ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے شہر میں رہ رہے ہیں تو عملاً اس بات کا وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، اور ان کا قانون یہ تھا کہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قتل کیا، وہ اس قانون کی خلاف ورزی میں کیا، لہٰذا ہر حکومت کا ہر شہری، چاہے حکومت مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت ہو، عملاً اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے گا، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے۔

ویزا لینا ایک معاہدہ ہے

لیکن جو قانون مجھے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ کوئی ایسا حکم مجھ پر عائد کر رہا ہے جس سے کوئی معصیت اور کوئی گناہ لازم نہیں آتا تو اس قانون کی پابندی بحیثیت اس ملک کے شہری ہونے کے مجھ پر واجب ہے، اس میں مسلمان ملک ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر آپ کسی غیر مسلم ملک کا ویزا لے کر وہاں جاتے ہیں۔ تو ویزا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس ملک سے درخواست کی ہے کہ میں آپ کے ملک میں آنا چاہتا ہوں، اور آپ کے ملک کے قانون کی پابندی کروں گا جب تک وہ قانون مجھے کسی گناہ پر مجبور نہیں کرے گا۔ یہ ایک عہد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس ملک میں انسان رہتا ہے، اس ملک کے قانون کی پابندی بھی اس پر اس کے عہد کی پابندی کی وجہ سے لازم ہوگی۔

اس وقت قانون توڑنے کا جواز تھا

آج ہمارے معاشرے میں یہ فضا عام ہوگئی ہے کہ قانون شکنی کو ہنر سمجھا جاتا ہے، قانون کو علانیہ توڑا جاتا ہے، اور اس کو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سمجھا جاتا ہے، یہ ذہنیت درحقیقت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ جب ہم ہندوستان میں رہتے تھے، اور وہاں انگریز کی حکومت تھی، انگریز غاصب تھا، اس نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا، اور مسلمانوں نے اس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، ۱۸۵۷ء کے موقع پر اور بعد میں بھی اس کے ساتھ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اور انگریز کی حکومت کو مسلمانوں نے کبھی دل و جان سے تسلیم نہیں کیا۔ لہٰذا ہندوستان میں انگریز کی حکومت کے خلاف علماء کرام نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ قانون توڑو، کیونکہ انگریز کی حکومت جائز حکومت نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء اس فتوی کی مخالفت کرتے تھے، بہر حال؛ اس وقت قانون توڑنے کا ایک جواز تھا۔

اب قانون توڑنا جائز نہیں

لیکن انگریز کے چلے جانے کے بعد جب پاکستان بنا، تو یہ ایک معاہدے کے تحت وجود میں آیا، اس کا ایک دستور اور قانون ہے، اور پاکستان کے قانون پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے کہ جب تک وہ قانون ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی پابندی واجب ہے، اس لئے کہ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم اس ملک کے شہری ہیں، اس لئے ہم اس کے قانون کی پابندی کریں گے۔

ٹریفک کے قانون کی پابندی

اب آپ ٹریفک کے قوانین لے لیجئے۔ قانوناً بعض مقامات پر گاڑی کھڑی کرنا جائز ہے، اور بعض مقامات پر ناجائز ہے، جہاں گاڑی کھڑی قانوناً منع ہے وہاں گاڑی کھڑی کرنے میں قانون کی بھی خلاف ورزی ہے، اور عہد کی بھی خلاف ورزی ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عہد کیا ہے کہ میں اس قانون کی پابندی کروں گا۔ بعض مقامات پر گاڑی کی رفتار متعین کر دی جاتی ہے کہ اس رفتار پر گاڑی چلا سکتے ہیں، اس سے زیادہ رفتار پر گاڑی چلانے میں قانون کی خلاف ورزی تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عہد کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے شرعاً بھی گناہ ہے۔ یا مثلاً سگنل بند تھا، مگر آپ سگنل توڑ کر نکل گئے، آپ اس کو بڑی دلاوری اور بہادری سمجھ رہے ہیں کہ ہم سگنل توڑ کر نکل گئے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت گناہ ہے، گناہ اس لئے ہے کہ آپ ایسے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ فلاح عامہ سے متعلق ایک قانون ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا معاہدے کی خلاف ورزی ہے، اور اس آیت کی خلاف ورزی ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی۔

ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کرنا

اسی طرح جب آپ دوسرے کسی ملک میں ویزا لے کر جاتے ہیں تو گویا کہ آپ نے معاہدہ کیا ہے کہ ویزے کی جو مدت ہے اس مدت تک میں وہاں ٹھہروں گا، اس کے بعد واپس آجاؤں گا۔ اب اگر آپ مدت گزرنے کے بعد مزید وہاں قیام کررہے ہیں تو معاہدے کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ اور جتنے دن آپ وہاں قیام کررہے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ آپ پر لازم آرہا ہے۔

آج ہماری پاکستانی قوم ساری دنیا میں بدنام ہے، لوگ پاکستانی کا نام سن کر بدکتے ہیں، پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر شک میں پڑ جاتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ کیا دھوکہ دے رہا ہوگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں سے گئے، اور وہاں جاکر ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے ویزے کی مدت ختم ہوچکی ہے، پھر ذلیل وخوار ہوکر نکالے جاتے ہیں، بعض اوقات جیلوں میں بند کردیے جاتے ہیں، تکلیفیں بھی اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ، دنیا کے اندر یہ ذلت حاصل ہورہی ہے، اور آخرت میں عہد شکنی کا گناہ ہورہا ہے۔

ظالم حکومت کے قوانین کی پابندی بھی لازم ہے

بعض لوگ آج کل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ملک میں جو حکومتیں ہیں، وہ خود ظالم حکومتیں ہیں، رشوت خور ہیں، بدعنوان ہیں، مفاد پرست ہیں، اپنے مفاد کی خاطر پیسے لوٹ رہے ہیں، لہٰذا ایسی حکومت کے قوانین کی پابندی ہم کیوں کریں؟

خوب سمجھ لیجئے! جیسا کہ پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوجہل سے کئے ہوئے معاہدے کا بھی احترام کیا، کیا ابوجہل سے زیادہ گمراہ کوئی ہوگا؟ کیا

ابوجہل سے بڑا کافر کوئی ہوگا؟ لیکن وہ وعدہ جو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد نے ابوجہل سے کیا تھا، اور ابوجہل نے زبردستی ان سے وعدہ لیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چونکہ ابوجہل سے وعدہ کر چکے ہو، لہٰذا اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ جس شخص سے آپ عہد کر رہے ہیں وہ چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو، چاہے وہ فاسق ہو، بدعنوان ہو، رشوت خور ہو، لیکن جب آپ نے اس سے عہد کیا ہے تو اب اس عہد کی پابندی آپ کے ذمے لازم ہوگی۔ ان کے ظلم اور ان کے فسق و فجور کا گناہ ان کے سر ہے، ان کی بدعنوانیوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں دیں گے، وہ جانیں ان کا اللہ جانے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نے جو معاہدہ کیا ہے، ہم اس کی پابندی کریں۔

خیانت کرنے والے سے خیانت مت کرو

حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" و لا تخن من خانک "

دو لفظوں کا جملہ ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا عظیم اور سنہرا اصول ان دو لفظوں میں بیان فرما دیا، فرمایا کہ جو تم سے خیانت کرے، تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ مت کرو، وہ اگر خیانت کر رہا ہے، وہ اگر دھوکہ باز ہے، وہ اگر بدعنوان ہے، اسکا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی بدعنوانی شروع کر دو، تم بھی اس ساتھ خیانت کرو، تم بھی اس کے ساتھ عہد شکنی کرو، تم بھی گناہ کا ارتکاب کرو۔ بلکہ ان کا عمل ان کے ساتھ ہے، تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے، لہٰذا حکومت چاہے کتنی ہی بری کیوں نہ ہو، لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے تو اس معاہدے کی پابندی تمہارے اوپر لازم ہے۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط

آپ نے سنا ہوگا کہ "صلح حدیبیہ" کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے ایک صلح نامہ لکھا تھا، اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں پر اس شخص کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آجائے گا تو مکہ والوں پر یہ واجب نہیں ہوگا کہ اس کو واپس کریں۔ یہ ایک امتیازی قسم کی شرط تھی جو مشرکینِ مکہ نے رکھی تھی، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مصلحت کے لحاظ سے اس شرط کو بھی قبول کرلیا تھا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ سے تو کوئی شخص مرتد ہوکر مکہ مکرمہ نہیں جائے گا، اس وجہ سے آپ نے یہ شرط قبول کرلی تھی، لیکن یہ شرط کہ اگر کوئی شخص ہجرت کرکے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا تو اس کو واپس مکہ مکرمہ بھیجا جائے گا، یہ شرط بھی مصلحتاً آپ نے قبول فرمائی تھی۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجاء

ابھی صلح نامہ لکھا جارہا تھا، اور ابھی بات چیت ہورہی تھی کہ اس دوران حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے، اور مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئے تھے، اور ان کا باپ کافر تھا، اس نے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، اور روزانہ ان کو مارتا تھا، یہ بیچارے روزانہ اسلام کی خاطر اپنے باپ کے ظلم وستم کا سامنا کرتے تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر آئے ہوئے ہیں۔ اور وہاں ان کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے تو وہ کسی طرح ان بیڑیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ پہنچ گئے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کس طرح وہاں پہنچے ہوں گے جبکہ

''حدیبیہ'' کا مقام مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ کس مشقت اور تکلیف کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود وہاں پہنچے ہوں گے۔ اور آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری زندگی اجیرن ہو چکی ہے، باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں، وہ صبح شام مجھے مارتا ہے، خدا کے لئے مجھے اس ظلم سے بچایئے، میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔

ابو جندل کو واپس کرنا ہوگا

وہ شخص جس کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا، وہ اس وقت وہاں موجود تھا، اس شخص سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بہت ستم رسیدہ ہے، کم از کم اس کی اجازت دیدو کہ میں اس شخص کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس کو اپنے پاس رکھیں گے تو آپ سب سے پہلے غداری کے مرتکب ہوں گے، کیونکہ آپ نے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص بھی مکہ مکرمہ سے آپ کے پاس آئے گا آپ اس کو واپس کریں گے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص مظلوم ہے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، اور ابھی معاہدہ مکمل بھی نہیں ہوا ہے، اس پر ابھی دستخط ہونا باقی ہے۔ اس لئے اس شخص کو تم چھوڑ دو۔ اس شخص نے کہا کہ میں کسی قیمت پر اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا، اس کو واپس بھیجنا ہوگا، اب اس وقت صحابہ کرام کے جوش و خروش کا ایک عجیب عالم تھا کہ ایک شخص مسلمان ہے، کافروں ہاتھوں ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پناہ چاہتا ہے۔ لیکن اس کو پناہ نہیں ملتی۔

میں معاہدہ کر چکا ہوں

چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو جندل! میں نے تمہیں اپنے پاس رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں معاہدہ کر چکا ہوں، اور اس معاہدے کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمہیں واپس بھیجوں۔ انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ آپ مجھے درندوں کے پاس واپس بھیجیں گے؟ جو صبح شام میرے ساتھ درندگی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مجبور ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔ میں چونکہ عہد کر چکا ہوں، اس عہد کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

عہد کی پابندی کی مثال

آپ اندازہ لگایئے، اس سے زیادہ عہد کی پابندی کی کوئی مثال شاید دنیا نہ پیش کر سکے کہ ایسے ستم رسیدہ شخص کو واپس کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی کے لئے اور اسباب پیدا کر دیئے، جس کا لمبا واقعہ ہے۔ بہر حال؛ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ بھی عہد کی کس قدر پابندی فرمائی۔ لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہے، وہ کافر ہے، یا فاسق ہے، یا بدعنوان ہے، یا رشوت خور ہے، جب عہد کر لیا تو اب اس کی پابندی ضروری ہے۔ ہاں، یہ ضروری ہے کہ ایسے رشوت خور کرپٹ حکام کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے عادل حکمران لانے کی کوشش اپنی جگہ لازم اور ضروری ہے، لیکن جہاں تک عہد کا تعلق ہے، اگر ان حکام کے ساتھ کوئی عہد کیا ہے تو اس عہد کی پابندی ضروری ہے۔

جیسے اعمال ویسے حکمران

یاد رکھیے: ہم ہر وقت یہ جو حکومت کا رونا روتے رہتے ہیں، اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیں۔ کاش کہ ہماری سمجھ میں آجائے، اور ہمارے دل

میں اتر جائے۔آپ نے فرمایا :

" اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ "

یعنی تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں ۔اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکمران بھی درست ہوں گے، اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔لہٰذا اگر ہم اپنے معاملات، اپنی عبادات، اپنی معاشرت، اپنے اخلاق کو دین کے مطابق کرلیں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کرپٹ اور بدعنوان اور خطا کار حکمران جو ہم پر مسلط ہورہے ہیں، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی جگہ عادل حکمران عطا فرمائیں گے۔لیکن پہلے ہم اپنے حصے کا کام کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے عہد کی پابندی کی جتنی اقسام ہیں ، ان سب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان آیات کریمہ میں ہماری فلاح کے جو طریقے بتائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری زندگیوں کے اندر پیوست فرمادے۔آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

✿✿✿✿✿

نماز کی حفاظت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نماز کی حفاظت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا

عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ٥ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ٥ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ٥ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ٥ اَلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ٥

(سورۃ المؤمنون : ۱ تا ۱۱)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذٰلک من الشاهدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: یہ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات ہیں، جن کا بیان کافی عرصہ سے چل رہا ہے، ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنوں کی صلاح وفلاح کے لئے جو صفات ضروری ہیں، ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، الحمدللہ، ان تمام صفات کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے، آج اس سلسلے کا آخری بیان ہے، یہ بیان اس آخری آیت کے بارے میں ہے جو مؤمنوں کی صفات کے بیان میں ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ٥ اُولٰٓئِکَ هُمْ

الْوَارِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ○

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی پابندی اور حفاظت کرنے والے ہیں، اور یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت الفردوس جنت کے اندر اعلیٰ مقام ہے۔

تمام صفات ایک نظر میں

یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے آخر میں پھر ایک مرتبہ ان تمام اوصاف پر نظر ڈال لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ وہ مؤمن فلاح یافتہ ہیں جن کی صفات یہ ہیں، نمبر(۱) وہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، نمبر(۲) وہ مؤمن جو لغو، فضول اور بے فائدہ کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں، نمبر(۳) وہ مؤمن جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، اس سلسلے میں میں نے بتایا تھا کہ اس کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو ان کے ذمے فرض ہے، دوسرے معنی ہیں کہ وہ اپنے اخلاق کو برائیوں سے پاک کرتے ہیں، لہٰذا نمبر(۴) یہ ہوا کہ وہ اپنے اخلاق کو بری عادتوں سے پاک کرنے والے ہیں، نمبر(۵) یہ ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور اپنی زرخیز کنیزوں کے، پہلے زمانے میں کنیزیں ہوتی تھیں، ان سے جنسی خواہش پوری کرنا جائز تھا، ان کا ذکر ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی جنسی خواہش کو قابو میں رکھتے ہیں، اور

صرف اپنی بیویوں کے ساتھ یا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جن کنیزوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کو حلال قرار دیا ہے، صرف ان کے ساتھ قائم کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو شخص ان کے علاوہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرے گا، وہ حد سے گزرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مجرم ہے، نمبر (٦) یہ ہے کہ وہ مؤمن اپنی امانتوں کا پاس کرنے والے ہیں، یعنی جو امانت ان کے پاس رکھوادی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرتے، نمبر (۷) یہ ہے کہ وہ "عہد" کا پاس کرنے والے ہیں، جو عہد کسی سے کرلیا وہ اس کی عہد شکنی نہیں کرتے، ان سب صفات کا بیان تفصیل سے الحمد للہ ہو چکا ہے۔

پہلی اور آخری صفت میں یکسانیت

آخر میں اللہ تعالیٰ نے آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ" وہ مؤمن کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، قرآن کریم نے یہ آٹھ صفات بیان فرمائی ہیں جو مؤمنوں کی فلاح کے لئے ضروری ہیں۔ ان صفات کو شروع بھی نماز سے کیا گیا، اور نماز ہی پر ختم کیا گیا، چنانچہ سب سے پہلی صفت یہ بیان فرمائی تھی کہ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، اور آخری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے

فلاح حاصل کرنے کا سب سے اہم راستہ ''نماز'' ہے۔ نماز میں خشوع اختیار کرنے کا مطلب پہلے تفصیل سے عرض کر دیا تھا۔

نماز کی پابندی اور وقت کا خیال

نماز کی حفاظت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں، ایک یہ کہ انسان نماز کی پابندی کرے، یہ نہ ہو کہ آدمی گنڈے دار نماز پڑھے، کبھی پڑھے اور کبھی چھوڑ دے، بلکہ پابندی کے ساتھ آدمی نماز کا اہتمام کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نماز کے اوقات کا پورا خیال رکھے، اللہ تعالیٰ نے یہ نمازیں اوقات کے ساتھ مشروط رکھی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا

(النساء: ۱۰۳)

یعنی نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا فریضہ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا ہے کہ فلاں نماز کا وقت اتنے بجے شروع ہوتا ہے، اور اتنے بجے ختم ہوتا ہے، جیسے نماز فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے، اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہر نماز کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ لہٰذا صرف نماز کی پابندی نہیں، بلکہ نمازوں کے اوقات کی بھی پابندی ہے کہ وقت پر انسان نماز

پڑھے۔

یہ منافق کی نماز ہے

ایک حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہوتی ہے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، اور ایک آدمی بے پرواہ ہوکر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ جب سورج کنارے آلگا (جب سورج کنارے پر آجائے اور پیلا پڑ جائے اس طرح کہ انسان اس سورج کو کسی تکلیف کے بغیر آنکھ سے دیکھ سکے تو ایسے وقت میں عصر کی نماز مکروہ ہوجاتی ہے) تو اس وقت اٹھ کر اس نے جلدی سے چار ٹھونگیں ماریں، اور نماز ختم کردی، یہ منافق کی نماز ہے۔ لہٰذا بات صرف یہ نہیں کہ نماز پڑھنی ہے، فریضہ سر سے ٹالنا ہے، بلکہ اس کے اوقات کا بھی لحاظ رکھنا ہے کہ وہ صحیح وقت پر ادا ہو۔ اب فجر کی نماز کا وقت طلوع آفتاب پر ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز پڑھ لی جائے۔ اگر ایک آدمی بے پرواہ ہوکر پڑا سوتا رہا، اور پھر طلوع آفتاب کے بعد اٹھ کر نماز پڑھے تو اس شخص نے قضا نماز تو پڑھ لی، لیکن یہ نماز کی حفاظت نہ ہوئی، اس لئے کہ اس میں وقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اس وقت نماز ادا نہیں کی گئی۔

اللہ کی اطاعت کا نام دین ہے

بار بار آپ حضرات سے عرض کرتا رہتا ہوں کہ دین نام ہے اللہ تعالیٰ کے حکم

کی اطاعت کا، کسی وقت کے اندر کچھ نہیں رکھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیدیا کہ فلاں نماز کو فلاں وقت سے پہلے پہلے ادا کرو، تو اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اس وقت سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر آفتاب طلوع ہو رہا ہے، اور اس وقت کوئی شخص نماز پڑھنے کی نیت باندھ لے تو ایسا کرنا حرام ہے۔ لہٰذا وقت کے اندر نماز پڑھنا اور اوقات کی پابندی کرنا نماز کی محافظت کے مفہوم میں داخل ہے۔

جماعت سے نماز ادا کریں

تیسری بات جو نماز کی محافظت کے مفہوم میں داخل ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کو اس کے مکمل طریقے سے ادا کیا جائے، اور مکمل طریقے سے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز ادا کرنے والا مرد ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرے۔ مرد کے لئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، جو واجب کے قریب ہے، بلکہ بعض علماء کرام نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب کہا ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔ ایک مرد گھر میں اکیلا نماز پڑھے تو یہ ناقص ادائیگی ہے، فقہاء کرام اس کو اداء قاصر کہتے ہیں، اداء کامل یہ ہے کہ آدمی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ فضیلت اور ثواب کے لحاظ سے بھی جماعت سے نماز ادا کرنے کا درجہ زیادہ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز پڑھنے پر ستائیس گنا ثواب زیادہ دیا جاتا ہے۔ اب مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنے میں چند منٹ زیادہ خرچ ہوں گے، اس کی خاطر اتنا بڑا ثواب چھوڑ دینا، اور نماز کی ادائیگی کو ادھورا اور ناقص بنا لینا کتنے بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ لہٰذا مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں آ کر نماز ادا کریں۔

نماز کے انتظار کا ثواب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسجد کو اپنا گھر بنایا ہے، اس لئے انسان نماز کے انتظار میں جتنی دیر مسجد میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نماز کا ثواب دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً آپ حضرات اس وقت یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں، اور اس لئے بیٹھے ہیں کہ نماز کا انتظار ہے، جتنی دیر آپ بیٹھے ہیں، چاہے خاموش ہی بیٹھے ہیں، کوئی کام بھی نہیں کر رہے ہیں، نہ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ تلاوت کر رہے ہیں، نہ ذکر کر رہے ہیں، بلکہ خالی بیٹھے ہیں، لیکن چونکہ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں، اس لئے اس پر وہی ثواب ملے گا جو نماز پڑھنے پر ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا اگر آدمی پہلے سے مسجد میں پہنچ جائے تو اس کو مسلسل نماز کا ثواب ملتا رہے گا، اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہر حال؛ نماز کی حفاظت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے۔

ان کے گھروں کو آگ لگادوں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب آپ مسجد نبوی میں امامت فرمارہے ہوتے تھے تو تمام صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کرتے تھے، لیکن کچھ منافق قسم کے لوگ جماعت سے نماز ادا نہیں کرتے تھے، اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے، چونکہ منافق تھے، ان کے دل میں ایمان تو تھا نہیں، صرف زبان سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں، اسلئے وہ لوگ بہانے بناتے، اور جماعت میں حاضر نہ ہوتے، البتہ کسی صحابی سے یہ تصور نہیں ہوتا تھا کہ وہ جماعت کی نماز چھوڑے گا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کبھی اس طرح کروں کہ نماز کی امامت کے لئے مصلی پر کسی اور کو کھڑا کردوں، اور ان سے کہوں کہ نماز شروع کردو، اور پھر میں لوگوں کے گھروں پر جاکر دیکھوں کہ کون کون بیٹھا ہے جو جماعت میں نہیں آیا، اور جن لوگوں کو میں دیکھوں کہ وہ جماعت میں شامل نہیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔

جماعت سے نماز پڑھنے کے فائدے

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدمے اور غصے کا اندازہ لگایئے، اس لئے کہ مسجد کے میناروں سے آواز بلند ہورہی ہے کہ حیَّ علی الصلوٰۃ حیَّ علی الفلاح نماز کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، لیکن یہ شخص گھر میں بیٹھا

ہے، اور اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے محفوظ رکھے، آمین۔ اگر ہم لوگ گھر میں بیٹھے ہیں، اور جماعت میں نہیں آ رہے ہیں، اس وقت اس حدیث کا تصور کرلیا کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہتا ہوگا کہ ہمارے گھروں کو آگ لگادیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسجد کو اپنا گھر بنایا ہے، اور اس کو امت مسلمہ کے لئے مرکز بنایا ہے، وہ یہاں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور پھر اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے حالات سے بھی واقفیت ہوتی ہے، پھر مل جل کر کوئی کام بھی کرسکتے ہیں، بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں مسجد کے اندر آؤ۔

عیسائیت کی تقلید نہ کریں

یہ جو ہمارے یہاں تصور پھیل گیا ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے گا تو جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آئیں گے، اور سارے ہفتے میں مسجد کے اندر آنے کا خیال نہیں آتا، یہ درحقیقت ہم نے اسلام کو عیسائی مذہب پر قیاس کرلیا ہے، عیسائی مذہب والے صرف اتوار کے دن اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں، باقی دنوں میں چھٹی، اور اب تو اتوار بھی ختم ہوگیا، یورپ اور امریکہ میں جاکر دیکھو کہ کلیسا

ویران پڑے ہوئے ہیں، اور پادری صاحبان بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں، عبادت کے لئے وہاں کوئی آتا ہی نہیں، بہرحال: ایک عرصہ دراز تک اتوار کے دن آیا کرتے تھے۔ اللہ بچائے؛ ہم نے بھی سمجھ لیا کہ صرف جمعہ کے دن مسجد میں جانا چاہیے، حالانکہ جس طرح جمعہ کی نماز فرض ہے، اسی طرح پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اور جس طرح جمعہ کے دن مسجد میں نماز ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح عام دنوں میں بھی مسجد میں جاکر نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔ بہرحال: جماعت سے مسجد میں نماز ادا کرنا نماز کی حفاظت کے مفہوم میں داخل ہے۔

خواتین اوّل وقت میں نماز ادا کریں

خواتین کے لئے حکم یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے فوراً بعد جلد از جلد نماز ادا کرلیں، خواتین اس سلسلے میں بڑی کوتاہی کرتی ہیں کہ نماز کو ٹلاتی رہتی ہیں، اور ایسے وقت میں نماز پڑھتی ہیں جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے، ان کے لئے افضل یہ ہے کہ اوّل وقت میں نماز ادا کریں، اور مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں جاکر نماز ادا کریں۔

نماز کی اہمیت دیکھئے

اور اللہ تعالیٰ نے فلاح یافتہ بندوں کی صفات کا بیان شروع بھی نماز سے کیا تھا، اور ختم بھی نماز پر کیا، یہ بتانے کے لئے کہ ایک مؤمن کا سب سے اہم کام نماز

ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت تھی۔ آجکل تو لوگ چھوٹی چھوٹی حکومتیں لئے بیٹھے ہیں، اور اپنے آپ کو بادشاہ اور سربراہ اور نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ نگیں ان کے دورِ خلافت میں جتنا رقبہ تھا، آج اس وقت اس رقبے میں تقریباً ۱۵ خودمختار ملک بنے ہوئے ہیں، جبکہ فاروق اعظم تنہا اس کے حکمران تھے، اس وقت ان کی قلمرو میں ان کی ماتحت جتنے گورنر تھے، ان کے نام خط لکھا جو "مؤطا امام مالک" میں موجود ہے، اس خط میں فرمایا کہ:

ان اھمّ امرکم عندی الصلاۃ، فمن حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ، و من ضیعھا فھو لماسواھا اضیع۔

(مؤطا امام مالک، کتاب وقوت الصلاۃ حدیث نمبر ٦)

یاد رکھو کہ تمہارے سب کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت کی، اور اس پر مداومت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ اور چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔

جنت الفردوس کے وارث

بہرحال؛ اس لئے قرآن کریم نے ان صفات کے بیان کو شروع بھی

نماز سے کیا، اور ختم بھی نماز پر کیا، ان صفات کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں گی۔ یعنی (۱) نماز میں خشوع (۲) فضول کاموں سے بچنا (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) اخلاق کی درستی (۵) عفت وعصمت کی حفاظت (۶) امانتوں اور عہد کی پابندی (۷) نمازوں کی حفاظت۔ یہ ہیں وہ لوگ جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ ساری صفات عطا فرمائے، اور یہ ساری صفات عطا فرما کر اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

عنوان　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　صفحہ نمبر

جلد اول (۱)

جلد دوم (۲)

جلد سوم (۳)

جلد چہارم (٤)

جلد پنجم (٥)

جلد ششم (٦)

جلد ہفتم (٧)

جلد ہشتم (۸)

جلد نہم (۹)

جلد دہم (۱۰)

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

جلد ۱۳

جلد ١٤

اصلاحی خطبات

جلد ۱۶

- وقت بڑی نعمت ہے
- قناعت اختیار کرو
- دوسروں کے لئے پسندیدگی کا معیار
- بدعات حرام کیوں؟
- ہر خبر کی تحقیق ضروری ہے
- اللہ کا حکم بے چون و چرا تسلیم کرو
- گناہ چھوڑ دو، عابد بن جاؤ گے
- اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ
- بڑوں سے آگے مت بڑھو
- ملاقات اور فون کرنے کے آداب
- زبان کو صحیح استعمال کریں
- حق کی بنیاد پر دوسرے کا ساتھ دو

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

١٦

اصلاحی خطبات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ اشاعت	۵؍اکتوبر ۲۰۰۶ء
مقام	جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
باہتمام	ولی اللہ میمن ۴۹۱۶۰۳۳
ناشر	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	خلیل اللہ فراز (0321-2606274)
قیمت	=/روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸؍۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر، صدر کراچی
- مکتبۃ الاسلام، البی فلور مل، کورنگی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ، وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب ساڑھے چار سو سے زائد ہو گئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا، اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ

''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد بیاد تو می زنم، چہ عبارت و چہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں، اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی سولہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، پندرہویں جلد کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے سولہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضا ہوا، اور اب الحمد للہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات انتھک محنت اور کوشش کر کے سولہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے، اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

طالب دعا

ولی اللہ میمن

اجمالی فہرست

جلد ۱٦

عنوان	صفحہ نمبر

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

صحت اور فرصت کی قدر کرلو

عنوان	صفحہ نمبر

وقت بڑی نعمت ہے

عنوان	صفحہ نمبر

نظام الاوقات کی اہمیت

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

گناہ چھوڑ دو، عابد بن جاؤ گے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان | صفحہ نمبر

''قناعت'' اختیار کرو

عنوان	صفحہ نمبر

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

عنوان	صفحہ نمبر

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

عنوان	صفحہ نمبر

دوسروں کے لئے پسندیدگی کا معیار

عنوان	صفحہ نمبر

چار عظیم صفات

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

بڑوں سے آگے مت بڑھو

عنوان	صفحہ نمبر

بدعات حرام کیوں؟

عنوان	صفحہ نمبر

آواز بلند نہ کریں

عنوان	صفحہ نمبر

ملاقات اور فون کرنے کے آداب

صفحہ نمبر	عنوان

ہر خبر کی تحقیق کرنا ضروری ہے

عنوان	صفحہ نمبر

زبان کو صحیح استعمال کریں

عنوان	صفحہ نمبر

اللہ کا حکم بے چون و چرا تسلیم کرلو

عنوان	صفحہ نمبر

حق کی بنیاد پر دوسرے کا ساتھ دو

صحت اور فرصت کی قدر کرلو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحت اور فرصت کی قدر کرلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ما جاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ۶۰۴۹)

دل نرم کرنے والی احادیث

بزرگان محترم و برادران عزیز! حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل کتاب "کتاب الرقاق" کے نام سے محدثین قائم فرماتے ہیں، اور اس باب میں وہ

احادیث لاتے ہیں جو انسان کے دل میں نرمی اور رقت پیدا کرتی ہیں، اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں، دنیا سے بے رغبتی اور زھد پیدا کرتی ہیں، ایسی احادیث کو "رقاق" کہا جاتا ہے، بعض محدثین نے تو اس موضوع کی احادیث پر مستقل کتاب مرتب کر دی ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الزھد والرقاق" حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الزھد" ہے، حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الزھد" ہے۔ اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عجیب احادیث ہیں جن کے الفاظ تو مختصر ہیں، لیکن وہ احادیث معنی کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں، اگر آدمی ان پر غور کرے تو وہ احادیث انسان کی اصلاح کے لئے بے نظیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان احادیث کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

یہ بہت اہم حدیث ہے

اس وقت میں نے انہی احادیث میں سے ایک حدیث آپ کے سامنے تلاوت کی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح البخاری" میں "کتاب الرقاق" کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور اسلوب بڑا عجیب وغریب ہے، جب وہ کسی کتاب میں کوئی باب قائم کرتے ہیں، اور پھر اس کے تحت جو حدیث لاتے ہیں، وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوتا ہے، "کتاب الرقاق" میں سب سے پہلے اس حدیث کو لا کر گویا انہوں نے اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ اس موضوع پر جو احادیث ہیں، ان میں یہ حدیث "اصل" کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہ حدیث دوسری احادیث کے لئے "جڑ" اور "بنیاد" ہے، اور واقعۃً اس حدیث میں بڑی عجیب وغریب ہدایت ہے۔

حضرت مفتی صاحب اور حدیث بالا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بکثرت یاد دلایا کرتے تھے، اور بے شمار مرتبہ اس حدیث پر بیان بھی فرمایا، بلکہ جب آپ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد پہلی مرتبہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، تو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلباء نے درخواست کی کہ کچھ بیان فرمائیں۔ اس موقع پر آپ نے ان کے سامنے جو بیان فرمایا، اس میں فرمایا کہ آپ حضرات شاید اس انتظار میں ہوں گے کہ میں یہاں کوئی علمی تقریر کروں گا، یا دارالعلوم دیوبند میں کسی پیچیدہ مسئلہ پر بیان کروں گا، لیکن بات یہ ہے کہ یہ علمی گناہ میں پہلے یہاں دارالعلوم دیوبند میں بہت کر چکا ہوں، لہذا میں اس کے بجائے کوئی خشک بات کہنا چاہتا ہوں، اور پھر آپ نے یہی حدیث پڑھی اور اس کی تشریح فرمائی۔

حدیث کا ترجمہ

بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ" فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ جب یہ نعمت ہمیں حاصل ہے تو اب ہمیشہ ہمارے پاس رہے گی، ایک "صحت" کی نعمت اور دوسرے "فراغت" کی نعمت۔ ان دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بکثرت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

ہر نعمت پر تین حق۔

انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہر آن ہر لمحہ بارش کی طرح برس

رہی ہیں، انسان ان نعمتوں کو شمار بھی نہیں کرسکتا، اور ہر نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کی قدر پہچانی جائے، اس پر شکر ادا کیا جائے، اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے، ہر نعمت پر یہ تین حق ہیں، اگر انسان ہر نعمت پر یہ تین حقوق ادا کرنے لگے تو اس کا بیڑا پار ہو جائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ انسان ان کے بارے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے، وہ نعمتیں ہیں، "صحت" اور "فراغت"۔ انسان اس دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ یہ صحت اس وقت جو مجھے حاصل ہے، وہ رہے گی، آج میں تندرست ہوں تو کل بھی رہوں گا، اور پرسوں بھی رہوں گا، اس دھوکے کے نتیجے میں صحت کے دن گزرتے چلے جاتے ہیں، اور انسان اپنے نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے، یہی معاملہ "فراغت" کا ہے کہ انسان کو اس وقت فراغت میسر ہے، اور وقت خالی ہے، اب وہ یہ سوچتا ہے کہ میں فارغ ہی رہوں گا، لہٰذا وہ نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے۔

صحت اور فراغت کی قدر کرلو

یہاں تک کہ وہ "صحت" جس کی بنیاد پر نیک کاموں کو ٹال رہا تھا کہ آج نہیں کل کروں گا، پرسوں کروں گا، وہ صحت ڈھل جاتی ہے، اور انسان پر بیماری آجاتی ہے، اور پھر کام کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ فراغت میں بھی کاموں کو ٹالتا رہا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے، کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، یہاں تک کہ فراغت ختم ہو جاتی ہے، اور مشغولیت آجاتی ہے، اور پھر وقت نہیں ملتا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! صحت کی جو نعمت ہے، اس کی قدر پہچانو، اور اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرلو۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے فراغت کی نعمت دی ہے، اس کی قدر پہچان لو، اس کو کسی صحیح مصرف پر خرچ کرلو، تو دھوکے سے بچ جاؤ گے۔

ورنہ یہ ہوتا ہے کہ نیک کاموں کو ٹالتے ٹالتے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے، اور پھر دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے، اس وقت یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش اپنی جوانی کی حالت میں اور اپنی صحت کی حالت میں اپنی فراغت کی حالت میں کچھ کام کرلیا ہوتا، اور آخرت کے لئے کوئی پونجی جمع کرلی ہوتی۔

شیطان کے بہکانے کا انداز

دیکھئے! جو آدمی صاحب ایمان ہوتا ہے، اس کو شیطان براہ راست اس طرح نہیں بہکاتا کہ تو بے ایمان ہو جا، یا تو نماز چھوڑ دے، یا روزہ چھوڑ دے۔ ایک صاحب ایمان کو اس طرح نہیں بہکاتا... کیوں؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحب ایمان ہے، اگر اس سے یوں کہا جائے گا کہ تو بے ایمان ہو جا، یا تو نماز چھوڑ دے، یا روزہ چھوڑ دے تو وہ کبھی بھی اس کی یہ بات نہیں مانے گا۔ اس لئے شیطان صاحب ایمان پر دوسرے حربے آزماتا ہے، وہ اس طرح کہ صاحب ایمان نے یہ سنا کہ فلاں نیک کام ہے، اس کو کرنا چاہیے، اب شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ ہاں یہ نیک کام ضرور کرنا چاہیے، لیکن جلدی کیا ہے؟ آج ذرا مصروفیت ہے، فلاں فلاں کام کرنے ہیں، کل سے یہ کام شروع کریں گے، جب کل آجائے گی تو شیطان یہ بہکائے گا کہ آج تو فلاں عذر پیش آگیا، فلاں کام پیش آگیا، کل سے شروع کریں گے، کل کل کرتے اس نیک کام کو ٹالتا جائے گا، اور وہ کل کبھی نہیں آئے گی۔ یہ ہے شیطان کا حربہ جو صاحب ایمان پر آزماتا ہے۔

نوافل اللہ کی محبت کا حق ہیں

دل میں یہ خیال اور فکر تو ہے کہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو، اور نیکیوں کا حساب و کتاب ہو تو ہماری نیکیوں کا پلہ

جھک جائے، یہ خیال اور فکر تو ہے، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت ٹالنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، مثلاً یہ تو معلوم ہے کہ جس طرح فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں، اسی طرح نوافل بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، اس لئے بندہ کچھ نوافل بھی ادا کرے، کچھ ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، دعائیں کرے، اور جب تک انسان نوافل ادا نہیں کرتا، عام طور پر اس وقت تک فرائض و واجبات میں بھی استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ یا مثلاً تہجد کی نماز ہے، آدمی روز یہ سوچتا ہے کہ تہجد کی نماز پڑھنی چاہیے، اب شیطان اس کو یہ نہیں کہے گا کہ تہجد مت پڑھنا، اس سے تمہاری نیند خراب ہوگی، بلکہ اس طرح بہکائے گا کہ ہاں تہجد پڑھنا بڑی اچھی بات ہے، لیکن انشاء اللہ کل سے شروع کریں گے، اور کل الارم لگا کر سوئیں گے، جب کل آئی تو کوئی اور عذر کر دیا کہ آج تو نیند کا غلبہ ہے، کل سے شروع کریں گے۔ اس طرح وہ ٹالتا رہے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ "صحت" کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، جس میں وہ تہجد کی نماز پڑھ سکتا تھا، وہ نعمت اسی ٹالنے میں برباد ہو رہی ہے۔

جنت اور مغفرت کی طرف دوڑو

یا آج فراغت حاصل ہے، تہجد پڑھنے کے لئے وقت نکال سکتا ہے، لیکن اس کو ٹال کر وقت برباد کر رہا ہے۔ اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب بھی کسی نیک کام کا موقع ملے، یا نیک کام کا خیال آئے تو پھر اس کو انجام دینے میں دیر مت کرو، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ

(ال عمران:۱۳۳)

فرمایا کہ اپنے پروردگار کی مغفرت حاصل کرنے کی طرف تیزی سے دوڑو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، بلکہ اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرو، اور اس مغفرت اور جنت کی طرف جانے کے لئے ریس لگاؤ۔

نیک کام کو ٹالو نہیں

شیطان کا کام ہے "ٹالنا" اور پیغمبر کا کہنا ہے کہ جس نیک کام کے کرنے کا خیال اور موقع آیا ہے، اس کو ٹالو نہیں، بلکہ اسی وقت کر گزرو، اگر اس کو کل پر ٹالو گے تو پتہ نہیں کل موقع رہے یا نہ رہے، کل کو وقت ملے یا نہ ملے، کل کو یہ جذبہ موجود رہے یا نہ رہے، کچھ پتہ نہیں۔

نیک کام کا خیال "اللہ کا مہمان" ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو نیک کام کرنے کا خیال دل میں آتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلوں، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں "وارد" کہتے ہیں، یعنی دل میں یہ بات وارد ہوئی کہ میں فلاں کام کرلوں، نماز پڑھ لوں، تہجد پڑھ لوں، اوابین پڑھ لوں، اشراق پڑھ لوں، چاشت پڑھ لوں، صدقہ کردوں، مسلمان بھائی کی مدد کردوں، کسی کا دکھ دور کرنے کی کوشش کرلوں، اس قسم کے خیال کو "وارد" کہتے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس کی تھوڑی سی قدر کرلی، خاطر مدارت کرلی تو یہ مہمان پھر آئے گا۔ خاطر مدارت اس طرح کی کہ جس نیکی کا خیال دل میں آیا تھا، اس پر عمل بھی کرلیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور تمہیں کسی دوسرے نیک کام کی دعوت دے گا، اور اگر تم نے اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو چونکہ یہ مہمان بڑا غیرت مند

ہے، اور بڑا غیور مہمان ہے، اگر تم نے ایک مرتبہ اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو یہ مہمان تمہارے پاس آنا چھوڑ دے گا۔ اور اس وقت سے پناہ مانگو جب یہ مہمان آنا چھوڑ دے، اور "مہمان آنا چھوڑ دے" کے معنی یہ ہیں کہ اب دل میں نیکی کا خیال ہی نہیں آرہا ہے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ بچائے، اور اب دل پر مہر لگ گئی، اور دل پر زنگ لگ گیا، اب نیک کام کرنے کا خیال ہی دل میں نہیں آتا۔

گناہ چھوڑنے کا کام مت ٹالو

بہرحال! اپنی اصلاح کو کس بات پر ٹال رہے ہو؟ گناہ چھوڑنے کو کس وجہ سے ٹال رہے ہو؟ مثلاً کوئی مسلمان صاحب ایمان کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور کسی گناہ کا عادی بن گیا ہے، تو اب صاحب ایمان ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ یہ گناہ مجھے چھوڑنا چاہیے، اب شیطان اس کو اس طرح نہیں بہکائے گا کہ یہ تم بڑا اچھا کام کر رہے ہو، لہٰذا اس کو کیے جاؤ، اس لئے کہ وہ شیطان جانتا ہے کہ یہ شخص صاحب ایمان ہے، اور یہ میری بات نہیں مانے گا، بلکہ شیطان اس سے کہے گا کہ یہ کام تو بہت خراب ہے، اور اس کام کو چھوڑنا ہے، لیکن ایک مرتبہ کرلو، پھر چھوڑ دینا۔ جب ایک مرتبہ وہ گناہ کرلیا تو پھر کہے گا کہ ایک مرتبہ اور سہی، پھر چھوڑ دینا، اس طرح وہ انسان کو گناہ کے اندر لگائے رکھتا ہے، اور اس کو نجات نصیب نہیں ہوتی۔

گناہوں سے نجات کا یہ طریقہ نہیں

گناہوں سے نجات کا یہ راستہ نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ میں ایک مرتبہ اور یہ گناہ کرلوں، پھر چھوڑ دوں گا، بلکہ گناہوں سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ آدمی آج ہی سے وہ گناہ چھوڑ دے، اپنے دل پر چوٹ لگا کر اپنے آپ کو گناہوں سے فارغ

کرو، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ شیطان کا ایک بڑا دھوکہ جس میں وہ اچھوں اچھوں کو مبتلا کردیتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے کہ چلو یار یہ گناہ کر ہی لو، تاکہ دل میں اس کی حسرت باقی نہ رہے، بلکہ ایک ہی مرتبہ بھڑاس دل سے نکل جائے، ورنہ کل کو دل میں یہ حسرت رہے گی کہ تم نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ یہ گناہ کر گزرو، پھر توبہ کرلینا، استغفار کرلینا، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس طرح شیطان اس کو بہکاتا ہے، اور وہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، آمین۔

گناہ کرنے سے تسکین حاصل نہیں ہوتی

ہمارے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کا انتہائی فتنہ انگیز حربہ ہے، اس لئے کہ وہ شخص جب ایک مرتبہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر گزرا تو اب آسانی سے وہ گناہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کہ اب تک اس کو گناہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہورہا تھا، جب ایک مرتبہ گناہ کرلیا تو اس کے اندر اب حوصلہ پیدا ہوگیا، اور جب حوصلہ پیدا ہوگیا تو اب اس گناہ کی خواہش میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ کیونکہ گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی بھی تسکین نہیں بخشتا، یہ نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ گناہ کرکے فارغ ہوگئے اور اب دل بھر گیا۔ گناہ کی مثال تو خارش کی سی ہے کہ کھجاتے رہو، اور مزہ لیتے رہو، لیکن کھجانے کے نتیجے میں کبھی بھی تسکین نہیں ہوگی، بلکہ بیماری اور بڑھتی چلی جائے گی۔ یہی گناہ کی خاصیت ہے، اس سے کبھی بھی تسکین نہیں ہوسکتی، جب ایک مرتبہ گناہ کرے گا تو پھر خواہش اور زیادہ بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، یہ سوچنا کہ ایک مرتبہ گناہ کرکے جی بھرلوں گا، یہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے، جب

تک انسان اس کے اندر مبتلا رہے گا، کبھی بھی اس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق نہیں ہوگی۔

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر لینا حماقت ہے

شیطان یہ جو دھوکہ دیتا ہے کہ گناہ کرلے، پھر توبہ کر لینا، ارے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ توبہ کا موقع ملے گا، اور توبہ کی توفیق ہوگی یا نہیں؟ کیا کسی نے ضمانت دیدی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کا موقع مل جائے گا؟ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کر لینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوالینا، اور اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں میں نے بچھو کے ڈسے کا عمل سیکھا تھا، اور بڑا مجرب عمل تھا، چنانچہ دیوبند کے پورے قصبے میں یہ بات سب کو معلوم تھی، جب بھی کسی کو بچھو ڈس لیتا تو اس کو فوراً میرے پاس لاتے، میں عمل پڑھ کر دم کر دیتا، فوراً وہ زہر اتر جاتا۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک مرتبہ رات کو میری والدہ کو اسٹور سے کچھ نکالنا کے لئے وہاں جانے کی ضرورت پیش آئی، اسٹور میں اندھیرا تھا، گھر میں ایک لالٹین تھی، اور میں اس وقت لالٹین کی روشنی میں کچھ لکھنے کا کام کر رہا تھا، میری والدہ نے کہ میں اسٹور میں جانا چاہتی ہوں، اور وہاں اندھیرا ہے، ذرا ایک منٹ کے لئے لالٹین مجھے دیدیں تو میں اپنا کام کرلوں، والد صاحب کو اپنے لکھنے کے کام میں خلل ڈالنا دشوار ہو رہا تھا، اس لئے والد صاحب نے کہا کہ ویسے ہی چلی جاؤ، وہ چیز اسٹور کے اندر سامنے ہی رکھی ہے، اٹھالو، والدہ صاحبہ نے کہا کہ وہاں تو بچھو ہوتے ہیں، اگر بچھو نے کاٹ لیا تو؟ والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے منہ سے نکل گیا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟ مطلب یہ تھا کہ میرے پاس تو ایسا عمل موجود ہے

جس سے بچھو کے کاٹنے کا سارا اثر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا تمہارا کیا نقصان کرے گا اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا۔ اب والدہ صاحبہ بغیر لالٹین کے چلی گئیں، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ والدہ کے اسٹور میں قدم رکھتے ہی بچھو نے کاٹ لیا۔ اب والد صاحب کے پاس آئیں تو والد صاحب نے اپنا وہی عمل شروع کیا، فرماتے ہیں کہ میں عمل کر کر کے تھک گیا، لیکن بچھو کا زہر اتر کے نہیں دیا۔ زہر اتارنے کے جتنے طریقے تھے، جو سینکڑوں مرتبہ کے آزمائے ہوئے تھے، وہ سب طریقے آزما لئے، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اس واقعہ سے تین سبق

فرمایا کہ اس واقعہ سے تین سبق ملے، ایک یہ کہ انسان کو کوئی بڑا بول منہ سے نہیں نکالنا چاہیے، اور میرے منہ سے یہ بڑا بول نکل گیا تھا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ کسی عمل میں، کسی دوا میں، کسی وظیفے میں، کسی تریاق میں کچھ نہیں رکھا، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو، شفاء انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے، صحت انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ تیسرا یہ سبق یہ ملا کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کر لینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوا لینا، جیسے وہ حماقت اور بے وقوفی تھی، ایسے ہی یہ بھی حماقت اور بے وقوفی ہے، کیا معلوم کے گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو یا نہ ہو، توبہ کے لئے وقت ملے یا نہ ملے، اس لئے کہ توبہ کی توفیق بھی اللہ کی عطا ہے، ان کی عطا کے بغیر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اور پھر جو آدمی اتنی جرأت کر رہا ہو کہ گناہ کر کے توبہ کر لوں گا، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے توبہ کی توفیق ہی سلب کر لیں، اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔

جب ہاتھ پاؤں حرکت کرنا چھوڑ دیں گے

بہر حال! وقت گزر رہا ہے، اور انسان دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا حاصل یہ نکلا کہ صحت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان کو غنیمت سمجھو، اور اسی طرح فراغت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان کو غنیمت سمجھو، ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ:

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا، جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

ابھی تو ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، اس وقت اگر کچھ کر لو گے تو نیکیوں کا سرمایہ جمع ہو جائے گا، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب نہ ہاتھ چلیں گے، اور نہ پاؤں چلیں گے، کوئی شخص بھی اس وقت سے مستثنیٰ نہیں۔

کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟

ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے، جس میں اسی مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے اللہ کے بندو! نیک کام کرنے کے لئے کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ فرمایا:

هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا، اَوْ غِنًى مُطْغِيًا، اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا، اَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا، اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا، اَوِ الدَّجَّالَ، فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ، اَوِ السَّاعَةَ، فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی المبادرۃ بالعمل)

کیا فقر و فاقہ کا انتظار ہے؟

"فَقْرًا مُنْسِيًا" کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ ابھی تو پیسے ہیں، کل

صدقہ کردیں گے، پرسوں کردیں گے، تو کیا تم اس بات کا انتظار کررہے ہو کہ تمہارے اوپر فقر و فاقہ آجائے، مفلسی آجائے، جو فقر و افلاس تمہیں صدقہ و خیرات کرنے کو بھلا دے، کیا اس وقت کا انتظار کررہے ہو؟ کیا اس وقت صدقہ کرو گے؟ ارے بھائی! جب آج تمہارے پاس پیسے موجود ہیں تو ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، کل کو معلوم نہیں کیا صورت ہو۔

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

"اَوْ غِنًی مُّطْغِیًا" کیا تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو تمہیں سرکش بنا دے۔ یعنی نیک کام کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ آج تو نفلیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے، ابھی تو اپنی تجارت میں اور ملازمت میں مصروف ہوں، جب ذرا فارغ البالی حاصل ہو جائے گی تو اس وقت نفلیں بھی پڑھیں گے، اور تہجد بھی پڑھیں گے، اشراق اور چاشت بھی پڑھیں گے، اور صدقہ کریں گے، ابھی تو فارغ البالی نہیں ہے، ابھی تو ذرا تجارت کو ترقی دینی ہے، مال بڑھانا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو تمہیں سرکش بنا دے، کیا معلوم کہ جب خوشحالی اور مالداری حاصل ہو جائے تو دماغ سے اللہ کی یاد ہی نکل جائے، اور پھر نیکی کرنے کا خیال ہی ختم ہو جائے، اور پھر تکبر اور سرکشی میں ایسے مبتلا ہو جاؤ کہ پھر کسی نیکی کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

"اَوْ مَرَضًا مُّفْسِدًا" یا اس وقت نیکی کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ اس وقت ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، صحت حاصل ہے، اور عافیت حاصل ہے، فلاں نیک کام کل سے کریں گے، پرسوں سے کریں گے، اس طرح ٹالتے ٹالتے تمہارے اوپر

کوئی بیماری آجائے، جو تمہیں فساد میں مبتلا کردے، اور پھر تم کچھ کرنے کے قابل ہی نہ ہو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

"اَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا" یا اس وقت نیک کاموں کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ ابھی تو میں جوان ہوں، لہٰذا نیک کاموں کی کیا جلدی ہے، ابھی تو جوانی میں کچھ لذتیں حاصل کرلیں، جوانی کا کچھ مزہ لے لیں، جوانی میں عیش و عشرت کرلیں، جب ذرا عمر ڈھل جائے گی، اس وقت انشاء اللہ توبہ بھی کریں گے، اور نیکیاں بھی کریں گے، تہجد بھی پڑھیں گے، مسجد میں بھی جایا کریں گے، صدقہ و خیرات بھی کریں گے۔ آج یہ تصور بے شمار نوجوانوں کے ذہن میں رہتا ہے کہ ارے بھائی جوان ہیں، نیک کام کرنے کی کیا جلدی ہے، اور یہ لوگ ان نوجوانوں کو ملامت کرتے ہیں جو اللہ کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم ایسے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سٹھیا ڈالے، جب بڑھاپا آئے گا تو اس وقت تمہاری یہ حالت ہوگی کہ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت، نہ کام کرنے کی طاقت اور قوت، اس وقت اگر کوئی نیک کام کرنا بھی چاہو گے تو حسرت کے سوا اور کیا ہوگا، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبر یست

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، اور بکریوں کو کھانے سے توبہ کرلیتا ہے، لیکن وہ اس لئے توبہ کرتا ہے کہ اب چیر پھاڑ کرنے کی طاقت ہی نہیں رہی، اب اگر بکری پر حملہ کرنا چاہے، تب بھی نہیں کرسکتا، تو اب توبہ

کر کے بیٹھ گیا، تو کیا توبہ ہوئی؟ لہٰذا بڑھاپے میں توبہ کر لینا کوئی کمال نہیں، اس لئے کہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی توبہ کر لیتا ہے، پرہیزگار بن جاتا ہے، ہاں جوانی کی حالت میں توبہ کرنا، اللہ کے حکم کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو کچلنا اور پامال کرنا، یہ ہے پیغمبروں کا شیوہ۔

یہ ہے شیوہ پیغمبری

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، اور صحت کے اعلیٰ مقام پر ہیں، حسن جمال کے اعلیٰ مقام پر ہیں، یہاں تک کہ دل میں گناہ کا خیال بھی آرہا ہے، لیکن خیال آنے کے باوجود اپنے کو اس گناہ سے بچایا، یہ ہے شیوہ پیغمبری۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم نیک کاموں کے لئے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو، جب کہ اس وقت تم کچھ کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔

کیا موت کا انتظار کر رہے ہو؟

پھر فرمایا "اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا" کیا تم نیک کاموں کو ٹال کر موت کا انتظار کر رہے ہو، یاد رکھو موت تمہارے پاس اچانک آجائے گی، وہ سب قصہ ختم کر دے گی، پھر فرمایا "اَوِ الدَّجَّالَ، فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ" یا تم نیک کاموں کو ٹال کر دجال کا انتظار کر رہے ہو کہ جب دجال آجائے گا تو میں نیک کام کروں گا۔ ارے دجال تو وہ ہے کہ جتنی غائب چیزوں کا انتظار کر رہے ہو، ان میں سے بدترین چیز "دجال" ہے، جب دجال کا فتنہ آئے گا تو اس وقت پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور نیکی کا موقع نہیں ملے گا، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنے سے پناہ مانگی۔ کیا تم قیامت کا انتظار کر رہے ہو؟ "اَوِ السَّاعَةَ، فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ" کہ جب قیامت آئے گی اس وقت نیک کام کریں گے، وہ قیامت تو بڑی مصیبت کی

چیز ہے، اس وقت توعمل کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ اپنی اصلاح کے لئے، نیکیوں کی طرف بڑھنے کے لئے، گناہوں سے بچنے کے لئے، اور تقوی اختیار کرنے کے لئے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کے لئے آخر کون سے وقت کا انتظار کر رہے ہو؟ کچھ نہیں! بلکہ ہم لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ صحت ہمیشہ رہے گی، اور فراغت ہمیشہ رہے گی۔

خلاصہ

بہر حال! یہ حدیث توجہ دلا رہی ہے کہ اس زندگی کے جو لمحات اللہ جل شانہ نے ہمیں عطا فرمائے ہوئے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، اس کو تول تول کر خرچ کرو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرو، اور نفس و شیطان سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرو، خواہشات کے غلام نہ بنو کہ جو جی میں آیا بس اس کے پیچھے چل پڑے، جو شخص نفس کا غلام ہو کر زندگی گزارے تو یہ کوئی زندگی نہیں، ایسی زندگی سے اللہ کی پناہ مانگو، کوشش بھی کرو، اس کے لئے دعا بھی کرو کہ اوقات زندگی صحیح مصرف پر خرچ ہوں، اور صحت و فراغت کے لمحات کی قدر رہو، اور اس کو صحیح طریقے پر خرچ کرنے کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

وقت بڑی نعمت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت بڑی نعمت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اما بعد فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ما جاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ۶۰۴۹)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ کل بھی میں نے یہی حدیث تلاوت کی تھی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ

دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت کی نعمت اور دوسری فراغت کی نعمت" اس حدیث کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ " دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں لوگ گھاٹے کے سودے میں ہیں" گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نعمتوں کو تاجر کے مال تجارت سے تشبیہ دی ہے کہ یہ "وقت" ایک مال ہے، جیسے کوئی شخص تجارت میں اپنا سرمایہ لگا رہا ہے، وہ سرمایہ اس لئے لگاتا ہے تاکہ اس میں اضافہ ہو، بڑھوتری ہو، اور نفع ہو۔ لیکن اگر تجارت کے اندر فائدہ اور نفع ہونے کے بجائے اصل سرمایہ ہی ڈوب جائے تو یہ خسارہ ہے، نقصان اور گھاٹا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت اور فراغت کو تاجر کے سرمائے سے تشبیہ دی ہے کہ یہ صحت جو تمہیں ملی ہوئی ہے، یا یہ فراغت جو تمہیں ملی ہوئی ہے، یہ تمہارا سرمایہ ہے، اور اس سرمائے کے ذریعے نفع حاصل ہونا چاہیے، اور وہ نفع یہ ہے کہ دنیا کے اندر بھی بہتری ہو، اور یہ صحت و فراغت آخرت کی بہبود کے لئے استعمال ہو۔

پھر وہ سرمایہ ڈوب گیا

اگر اس صحت کی نعمت کو ضائع کر دیا، ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی نفع بخش کام میں نہیں لگایا، بلکہ فضول ضائع کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرمایہ ڈوب گیا۔ یا جو فراغت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی تھی، اس کو غلط مصرف میں استعمال کر لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرمایہ ڈوب گیا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن میں اکثر لوگ خسارہ اٹھاتے ہیں، اور ان کا سرمایہ بھی ڈوب جاتا ہے، اور نفع بھی حاصل نہیں ہوتا۔

عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب و غریب تعلیم دی

ہے، اور حقیقت کو بیان فرمایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہم سب لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اوقات زندگی کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی فکر نہیں ہے، اوقات زندگی بے فائدہ ضائع ہو رہے ہیں، ایک وقت ایسا آئے گا جس میں انسان حسرت کرے گا کہ کاش! میں ان اوقات زندگی کو صحیح کام میں خرچ کر لیتا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آخر میں جا کر یہ انجام ہوتا ہے کہ:

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگِ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

یعنی صبح شام ہو گئی، شام صبح ہو گئی، دن گزرتے چلے گئے، گزرتے چلے گئے، اور اس وقت میں جو کام کرنا چاہیے تھا، وہ نہ کر سکا۔

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

انبیاء علیہم السلام اسی لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اور آپ کو اس پر متنبہ کریں کہ خدا کے لئے اس نعمت کی قدر کر لو، یہ صحت جو ملی ہوئی ہے، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں، فراغت کے جو لمحات ملے ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

(مشکاۃ، کتاب الرقائق، رقم ۵۹۸۷)

جوانی کو غنیمت سمجھو

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، ایک یہ کہ اپنی جوانی کو

غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ بڑھاپا آجائے، جوانی میں طاقت ہے، قوت ہے، جذبہ ہے، کرنا چاہو گے تو اس جوانی کو استعمال کر کے پہاڑ بھی ڈھو سکتے ہو، اور محنت کر کے اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ کر سکتے ہو۔ لیکن جب یہ جوانی گزر جائے گی، اور بڑھاپا آجائے گا، تو ہاتھ پاؤں نہیں چلیں گے، ان میں طاقت ختم ہو جائے گی، اس وقت اگر کرنا بھی چاہو گے تو نہیں کر سکو گے۔

صحت کو غنیمت سمجھو

دوسرے یہ کہ ''بیماری'' سے پہلے ''صحت'' کو غنیمت سمجھو، کیونکہ جب بیماری آجائے گی تو پھر کچھ نہیں بن پڑے گا، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دی ہے اس کو غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ فقر و فاقہ کی نوبت آجائے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس کو اس کے صحیح مصرف پر خرچ کرلو، جب فقر آجائے گا تو پھر کچھ نہیں کر سکو گے۔

عبرتناک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا جو بڑا عبرتناک ہے، وہ یہ کہ ڈھاکہ میں ایک نواب صاحب تھے، بہت بڑے رئیس اور صاحب جائیداد تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو بہت دولت چھوڑ گئے، ان کا ایک بیٹا تھا، اور ایک بیٹی تھی، یہ دونوں تو نواب زادے تھے، ان کے دماغ عرش معلی پر رہتے تھے، کسی سے بات کرنے کو تیار نہیں، اور اپنے تکبر اور غرور میں مست تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صاحب زادے کو ماچس جلانے کی ضرورت پیش آگئی، اور جب تیلی کو ماچس پر رگڑا، اور تیلی جل گئی تو اس میں سے ایک بُو نکلی، اور وہ بُو صاحب زادے کو بہت پسند آگئی کہ یہ بو بہت اچھی ہے، چنانچہ اس کے بعد صبح سے

لے کر شام تک ان کا یہ مشغلہ ہو گیا کہ ماچس خریدی جارہی ہیں، اور یہ صاحب زادے اس کو جلا کر اس کی بُو سونگھے جا رہے ہیں، اور اس سے لطف لے رہے ہیں، اور اس میں پیسہ برباد ہو رہا ہے۔

صاحب زادی کا حال

صاحب زادی ایک مرتبہ بازار گئیں، اور کپڑا خریدا، اور جب دکاندار نے قینچی سے کٹ لگا کر ہاتھ سے کپڑا پھاڑا تو اس کی آواز صاحب زادی کو پسند آگئی، اب واپس گھر آکر بازار سے مزید کپڑے منگوا کر ان کو پھڑوایا جا رہا ہے، اب دن رات صاحب زادی کا یہی مشغلہ ہو گیا کہ کپڑوں کے تھان کے تھان منگواتیں، اور ان کو اپنے سامنے پھڑواتیں، اور اس کی آواز سن کر لطف اندوز ہوتیں، اور اسی میں پیسہ برباد ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دولت انہی دو مشغلوں میں ختم ہو گئی، اور بعد میں یہ دونوں بھیک کا پیالہ لے کر بازار میں مانگا کرتے تھے، اور جس بازار میں مانگتے تھے، وہ آج بھی "بیگم بازار" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک وقت تھا جب اپنا روپیہ پیسہ صحیح مصرف میں خرچ کر سکتے تھے، لیکن ایسا وبال آیا کہ فقر و فاقہ کی نوبت آگئی، اب اگر صحیح مصرف پر خرچ کرنا بھی چاہیں تو اس کا کوئی راستہ نہیں، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ وہ مال چھن جائے۔

فرصت کو غنیمت سمجھو

چوتھا یہ کہ "وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ" یعنی جب فرصت میسر ہو، اور آدمی کے پاس وقت ہو، اس کو غنیمت سمجھے، قبل اس کے کہ مشغولیت آجائے، اور کوئی وقت کام کرنے کے لئے نہ ملے۔ آخر میں فرمایا "وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ" گویا کہ آخر میں

خلاصہ دیدیا کہ مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو، یہ زندگی سرمایہ ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہوا ہے، اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرلو، اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرلو گے تو یہی زندگی آخرت کا سرمایہ بن جائے گی۔

زندگی کو تول تول کر خرچ کرو

یہ جو حکم ہے کہ موت کی تمنا مت کرو، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اس وقت موت آگئی کیا پتہ کیا انجام ہوگا، اور اس وقت جو زندگی ملی ہوئی ہے اس کا ایک ایک لمحہ اس وجہ سے قیمتی ہے کہ نجانے کون سا لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کسی کام میں صرف ہوجائے، وہ تمہارا بیڑا پار کرادے۔ اس لئے اس زندگی کو غنیمت سمجھو، اس لئے کہ یہ زندگی تمہاری نہیں ہے کہ تم اپنی ملکیت سمجھ کر جس طرح چاہو خرچ کرو، یہ امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں دی گئی ہے، اور اس مقصد کے لئے دی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعہ آخرت کا سرمایہ بناؤ۔ لہٰذا اس زندگی کو تول تول کر خرچ کرو۔

"فرصت نہیں" ایک بہانہ ہے

آج ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کیا ہمارے اوقات صحیح استعمال ہورہے ہیں؟ یہ زندگی صحیح مصرف پر گزر رہی ہے؟ فضولیات میں، بے فائدہ کاموں میں، لایعنی امور میں تو خرچ نہیں ہورہی ہے؟ ہر آدمی اس کا جائزہ لے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ زندگی کا اکثر نہیں تو بہت بڑا حصہ ہم فضولیات میں خرچ کردیتے ہیں، آج جس سے بات کرو تو ایک جملہ ہر آدمی کی زبان پر ہے کہ "فرصت نہیں ہے" "وقت نہیں ہے" کیوں فرصت نہیں؟ اگر تم حساب کرکے وقت خرچ کرو تو تمہیں فرصت ہی فرصت مل جائے۔

پچاس سال پہلے کا تصور

آج سے پچاس سال پہلے کا تصور کرو تو اس میں نہ گیس کی سہولت ہے، نہ مصالحہ پیسنے کی مشین ہے، نہ آٹا گوندنے کی مشین ہے، ہر کام ہاتھ سے کیا جارہا ہے، چولھا جلانے کے لئے آدھا گھنٹہ درکار ہے، اگر چائے بھی پکانی ہو تو صرف چولھا جلانے کے لئے آدھا گھنٹہ چاہیے۔ اس وقت یہ صورت ہے کہ چولھے کا کان مروڑا، اور چولھا جل گیا، اب یہ آدھا گھنٹہ بچ گیا، سوال یہ ہے کہ آدھا گھنٹہ کہاں گیا؟ پہلے خواتین خود چکی میں آٹا پیستی تھیں، پھر آٹا خود گوندتیں، پھر روٹی پکاتیں، اب تو پسا ہوا آٹا موجود ہے، مشین نے اس کو گوندیا، اس کو خاتون نے توے پر ڈالا، روٹی پک گئی۔ پہلے مصالحے سل پر پیسے جاتے تھے، اب مشین کے ذریعہ ایک منٹ میں مصالحہ تیار۔ پہلے سفر میں بہت وقت لگتا تھا، لاہور جانا ہو، ریل سے جائیں تو چوبیس گھنٹے پہنچنے میں لگتے تھے، اب ہوائی جہاز سے صبح جاؤ، اور شام کو کام کر کے کراچی واپس آجاؤ، یہ سارا وقت بچ گیا، لیکن یہ وقت کہاں گیا؟ پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ "فرصت نہیں ملتی" "وقت نہیں ملتا" یہ سارا وقت فضولیات میں چلا گیا، ٹیپ ٹاپ میں یہ وقت گیا، لایعنی امور میں گیا، لیکن کسی صحیح مصرف میں استعمال نہیں ہوا۔

"ام الامراض" وقت کی قدر نہ کرنا

میرے بھائیو! میں آپ سے پہلے اپنے آپ سے خطاب کر کے کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہماری بہت بڑی بیماری جو "ام الامراض" ہے، وہ "وقت کی قدر نہ کرنا" ہے، اور اوقات کو لایعنی امور میں صرف کرنا ہے، کبھی کہیں کھڑے ہو گئے، اور فضول باتیں شروع کر دیں، اور وقت ضائع کر دیا، جس کے نتیجے میں نہ اوقات میں برکت رہتی ہے، اور نہ ہی کام نمٹتے ہیں، اور یہ رونا ہر

وقت رہتا ہے کہ ''وقت نہیں'' ''فرصت نہیں''۔ اگر اللہ تعالیٰ وقت کی قدر پہچاننے کی توفیق دے تو یہ سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ مثلاً آپ کسی کی عیادت کرنے کے لئے گئے تو جو سنت طریقہ عیادت کرنے کا ہے، اگر اس طریقے سے عیادت کرو گے تو نہ اپنا وقت ضائع ہوگا اور نہ ہی دوسرے کا وقت ضائع ہوگا، نہ یہ کہ وہاں جا کر جم کر بیٹھ گئے، اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہیں، اور دوسرے کا وقت بھی ضائع کر رہے ہیں۔ یا مثلاً کسی سے ملاقات کے لئے گئے تو سنت طریقے سے ملاقات کرو، ضرورت کی بات کر کے اور تھوڑا بہت ہنسی مذاق کر کے رخصت ہو جاؤ، لیکن ملاقات کے اندر گھنٹے گزار دینا تو اپنے سرمائے کو فضول ضائع کر دینا ہے، جیسے نواب زادے نے ماچس جلانے میں اپنا سرمایہ ضائع کر دیا تھا، یا جیسے نواب زادی نے کپڑے پھاڑنے میں اپنا سرمایہ ضائع کر دیا تھا، اسی طرح ہم لوگ بھی فضولیات میں اپنے وقت کا سرمایہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔

بزرگوں کا وقت کو استعمال کرنے کا انداز

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اوقات کو تول تول کر خرچ کرو، مثلاً پہلے سے یہ ذہن میں رہے کہ فلاں موقع پر مجھے پانچ منٹ کا وقت ملے گا، میں اس میں فلاں کام کرلوں گا۔ جن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ وقت کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، ان کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہوتا، اور کچھ نہیں تو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، جو اونچے درجے کے محدث، فقیہ اور عالم تھے، تصانیف کے دریا بہا دیے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ لکڑی کے قلم سے لکھتے، تو لکھتے لکھتے قلم کی نوک جب گھس جاتی تو چاقو سے اس پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی، جتنی دیر قلم پر چاقو سے قط لگاتے، اس

وقت کو بھی ضائع نہیں کرتے تھے، اس وقت کو ذکر اللہ میں صرف کرتے تھے۔

بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع کرنا

بہر حال صبح سے شام تک کے اوقات کا جائزہ لو کہ میں ان اوقات کو کہاں خرچ کر رہا ہوں، مفید کاموں میں خرچ کر رہا ہوں، یا فضول کاموں میں خرچ کر رہا ہوں، یا مضر کاموں میں خرچ کر رہا ہوں۔ یاد رکھیے! جو وقت بے فائدہ اور فضول کاموں میں صرف ہو رہا ہے وہ بھی درحقیقت مضر ہی ہے، کیونکہ وقت کا سرمایہ بے کار ضائع ہو رہا ہے۔ دیکھیے! تاجر ہر وقت اپنا فائدہ دیکھتا ہے، اگر کسی کام میں فائدہ نہ ہو تو فائدہ نہ ہونے کو وہ نقصان سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ نقصان تو اصل میں اس کو کہا جائے گا جب سرمایہ ڈوب جائے، لیکن تاجر نفع نہ ہونے کو بھی نقصان میں شمار کرتے ہیں۔

چار پیسے کا فائدہ

ہمارے ایک دوست حکیم نظامی صاحب مرحوم تھے، وہ ایک دن قصہ سنا رہے تھے کہ یہ جو بنیے ''ہندو تاجر'' ہوتے تھے، یہ ہر قسم کی تجارت کرتے تھے، اور تجارت میں بڑے ماہر ہوتے تھے، اگر وہ بنیا ''میمن'' بھی ہو تو وہ اور زیادہ ماہر ہوتا تھا، جیسے ''کریلا نیم چڑھا'' ہمارے ایک میمن دوست یہ سنا رہے تھے کہ ہمارے یہاں میمنوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک میمن تاجر کا جب انتقال ہوا تو اس سے فرشتوں نے پوچھا کہ تمہیں ''جنت'' میں لے جائیں یا ''جہنم'' میں لے جائیں؟ تو اس تاجر نے جواب دیا کہ جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو، وہاں لے جائیں۔

ایک بنیے کا قصہ

بہر حال ایک بنیا عطار تھا، دواؤں اور عطروں کی دکان تھی، ایک دن اس کو

کہیں جانا پڑ گیا تو اس نے دکان پر اپنے بیٹے کو بٹھا دیا، اور اس سے کہا کہ دیکھو! ذرا خیال سے کام کرنا، اور دیکھو! یہ دو شیشیاں بظاہر دیکھنے میں ایک جیسی لگتی ہیں، لیکن ان دونوں کی قیمت میں بڑا فرق ہے، یہ شیشی دو روپے کی ہے، اور یہ دوسری شیشی دو سو روپے کی ہے، اس لئے احتیاط سے کام لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دو سو والی شیشی دو روپے میں فروخت کر دو، اور اس کے نتیجے میں بڑا نقصان ہو جائے، بیٹے نے کہا ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا، اس کے بعد وہ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد وہ بیٹا اپنے دماغ میں یہ بات بٹھا رہا تھا کہ یہ بوتل دو روپے کی ہے، اور یہ بوتل دو سو روپے کی ہے، بار بار اس کا ذہن میں تکرار کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک خریدار آگیا، تو بیٹے نے غلطی سے دو سو روپے والی بوتل دو روپے میں فروخت کر دی۔ جب بنیا واپس آیا تو بیٹے سے پوچھا کہ کیسا رہا، اور ان بوتلوں میں سے کوئی بوتل تو نہیں بکی؟ بیٹے نے کہا کہ ہاں ایک بوتل بکی، پوچھا کہ کتنے میں بیچی؟ بیٹے نے کہا: دو روپے میں، وہ بنیا ماتھا پکڑ کر بیٹھ گیا کہ تو نے میرا اتنا نقصان کر دیا، تو حرام خور ہے، میں تجھے اتنا سمجھا کر گیا تھا، مجھے جس بات کا خطرہ تھا، وہ ہی ہوا، بیٹے کو خوب ڈانٹا۔ اس بیٹے کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے باپ کا نقصان کر دیا، اب اس بیٹے پر ندامت، شرم، پشیمانی، اور صدمہ طاری ہو گیا، اور سارا دن اسی صدمے میں گزر گیا کہ میں نے اپنے باپ کا اتنا بڑا نقصان کر دیا، جب سارا دن اس طرح گزر گیا کہ صدمے کی وجہ سے بیٹے نے نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا تو بنیے نے کہا بیٹے! خیر جو نقصان ہونا تھا، وہ ہوا، لیکن یہ تم نے جو بوتل دو روپے کی بیچی اس میں چھ پیسے پھر بھی نفع کے ہیں، اپنی جیب سے کچھ نہیں گیا، البتہ جو غم ہے وہ اس بات کا ہے کہ جو نفع کمانا تھا، وہ نہیں کمایا، ورنہ اصلی سرمایہ نہیں ڈوبا۔

فائدہ نہ ہونا نقصان ہے

بہرحال تاجر اس حساب سے کام کرتا ہے کہ اگر نفع نہیں ہوا تو وہ بھی نقصان اور گھاٹا ہے۔ اسی طرح زندگی کے لمحات کے اندر یہی حساب کرلو کہ زندگی کے جس لمحے سے دنیا کا یا آخرت کا فائدہ نہیں پہنچا تو وہ بھی نقصان اور گھاٹا ہے، اس لئے کہ یہ عمر عزیز گزرتی چلی جارہی ہے۔ اب دو باتیں عرض کرتا ہوں، جو بزرگوں سے سنی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمادے تو انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے۔ امید ہے کہ زندگی کارآمد ہوجائے گی، وہ دو باتیں یہ ہیں۔

وقت کی اہمیت کا احساس پیدا کرو

پہلی بات یہ کہ ذہن میں اس بات کی اہمیت بٹھاؤ کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، وقت کی اہمیت کا احساس دل میں بٹھائیں، اگر وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی، میں بے شمار لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کے دلوں میں وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بات چیت میں گزار دیا تو اس میں کیا نقصان ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں، جو حدیث میں نے تلاوت کی اس کے الفاظ کو یاد کرو، اور پھر بار بار اس کا تصور کرو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ:

نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة و الفراغ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ما جاء فی الصحة والفراغ، حدیث نمبر ۶۰۴۹)

اور آپ کے دوسرے ارشاد کا تصور کرو جس میں آپ نے فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ

قَبلَ شُغلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبلَ مَوتِكَ ۔

(مشکاۃ، کتاب الرقاق، رقم ۵۹۸۷)

جب بار بار ان احادیث کے الفاظ اور معانی کا تصور دل میں لاؤ گے تو رفتہ رفتہ وقت کی اہمیت دل میں پیدا ہو گی، اور اس کے نتیجے میں وقت ضائع کرنے سے بچنے کی کوشش کرو گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور وقت ضائع کرنے سے بچائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

نظام الاوقات کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نظام الاوقات کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

اما بعد فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحة والفراغ، رقم الحدیث: ٦٠٤٩)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ایک حدیث کا بیان گذشتہ دو دنوں سے چل رہا ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت اور وقت کی اہمیت

کو بیان فرمایا ہے، وقت کو صحیح مصرف میں لانے اور ضائع ہونے سے بچانے کا بہترین "گر" یہ ہے کہ صبح بیدار ہونے سے لے کر شام تک اور رات کو سونے تک کے تمام اوقات کا ایک ٹائم ٹیبل بنالو، اور پھر اسی ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی کے ایام گزارنے کی کوشش کرو۔

اپنا نظام الاوقات بنالو

صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کر اپنی ضروریات اور اپنے مشاغل کا حساب کریں کہ کس کام کے لئے کتنے وقت کی ضرورت ہے، اس ضرورت کے اعتبار سے اپنا نظم الاوقات مقرر کرلو، اس نظم میں اپنے نفس کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو، اپنے گھر والوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو، اپنے اوپر جو ذمہ داریاں ہیں، ان کا بھی لحاظ رکھو، اور دنیا و آخرت کے سارے کاموں کا لحاظ رکھتے ہوئے نظام الاوقات بناؤ، مثلاً سونے کے لئے ۶ گھنٹے سے ۸ گھنٹے کا وقت مقرر کرلو، کھانے کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا، وہ مقرر کرلو، گھر والوں کے ساتھ کتنا وقت گزارنا ہے، اس کو مقرر کرلو، عبادات میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، اپنے معاشی مشاغل میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، اپنے علمی مشاغل میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، غرض یہ کہ ان سب باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نظام الاوقات بناؤ۔

شیطان کی کوشش

جب ایک مرتبہ نظام الاوقات بنالیا تو اب اس کی پابندی کرو، نظام الاوقات میں ساری باتوں کی رعایت کرلو، اس بات کا پورا عزم رکھو کہ نظام الاوقات میں جس کام کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے یہ وقت اسی کام میں صرف

ہوگا، چاہے دل پر آرے چل جائیں، چاہے اس کام میں دل نہ لگ رہا ہو، چاہے اس کام سے دل گھبرا رہا ہو۔ یاد رکھیے کہ جب آپ نظام الاوقات بنا کر اس کے اندر کام کریں گے تو شیطان ضرور دخل دیگا، اور اس میں ڈنڈی مارنے کی کوشش کرے گا، اور تمہارا دل اس کام سے ضرور گھبرائے گا، اور دل اس کام میں نہیں لگے گا، بس یہی امتحان کا وقت ہے، اگر اس دل گھبرانے کے نتیجے میں تم نے کام چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان تم پر غالب آ گیا، اور تم نے شیطان کی بات مان لی۔

شیطان کمزور ہے

اور اگر تم نے یہ ٹھان لی کہ نہیں، میرا دل لگے یا نہ لگے، دل گھبرائے یا نہ گھبرائے، میں یہ کام ضرور کروں گا، اس لئے کہ میں دل لگنے کا پابند نہیں، میں تو یہ وقت اسی کام میں صرف کروں گا، جب یہ تہیہ کر لو گے تو شیطان بہکانا چھوڑ دے گا۔ شیطان بہت کمزور ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (النساء: ٧٦)

یعنی شیطان کا مکر بہت کمزور ہے۔ اس لئے یہ شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے جو اس کے آگے دب جائے، یہ شیطان کمینہ دشمن ہے، اور کمینہ دشمن کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کے سامنے بھیگی بلی بن جائے تو وہ دشمن شیر ہو جاتا ہے، اور اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے، اور جو شخص اس دشمن کے سامنے ڈٹ جائے تو یہ دب جاتا ہے۔

شیطان ڈھیر ہو جائے گا

لہٰذا اگر شیطان کے سامنے تم نے ہتھیار ڈال دیے اور یہ کہا کہ ابھی تو

کام کرنے سے دل گھبرا رہا ہے، ابھی تو نیند آ رہی ہے، حالانکہ نیند کا چھ گھنٹے کا وقت پورا ہو چکا ہے، یا سستی ہو رہی ہے، اور آپ کام چھوڑ کر نیند اور سستی کے چکر میں لیٹ گئے، گویا کہ شیطان نے تم کو دبا لیا، اور تم دب گئے۔ اور اگر تم نے کہا کہ نہیں، نیند آئے، یا سستی ہو، یا کچھ بھی ہو، یہ وقت تو میرا فلاں کام کرنے کا ہے، میں وہی کام کروں گا، تو بس شیطان وہیں ڈھیر ہو جائے گا۔ بہر حال دل لگے یا نہ لگے، کام چلے یا نہ چلے، اس لئے کہ بعض اوقات یہ بھی ہوگا کہ جس کام کے لئے وقت مقرر کیا تھا، بظاہر وہ کام پورا نہیں ہو رہا ہے، تو یہ تہیہ کر لے کہ چاہے پورا نہ ہو رہا ہو، لیکن میں اسی کام کے لئے بیٹھوں گا، بہر حال! اپنے نفس پر زبردستی کیے بغیر کام نہیں ہوتا۔

ہر کام میں ایک مرحلہ

میں آپ کو تجربہ کی بات بتاتا ہوں، وہ یہ کہ جو کام پابندی سے کرنے کا ہوتا ہے، اس میں ایک ایسا مرحلہ ضرور آتا ہے کہ جس میں آدمی اس کام سے گھبرا جاتا ہے، بس وہی مرحلہ امتحان کا وقت ہے، اگر تم گھبرا کر وہ کام چھوڑ بیٹھے تو سمجھ لو کہ شیطان تم پر حاوی ہو گیا۔ اور اگر تم نے اس مرحلہ پر یہ ٹھان لی کہ نہیں، میں یہ کام کر کے رہوں گا، چاہے کچھ بھی ہو جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شیطان پر غالب آگئے، اور تم فتح یاب ہو گئے، پھر انشاء اللہ آئندہ کے لئے آسانی ہو جائے گی۔

کب تک دل کی گھبراہٹ کے غلام رہو گے

یہ گُر کی بات یاد رکھنا کہ جو "نظم الاوقات" مقرر کیا ہے، اس پر زبردستی اپنے آپ سے عمل کرانا ہے، مثلاً ایک وقت آپ نے تلاوتِ قرآن کریم کے

لئے مقرر کر لیا، تو جب وہ وقت آئے تو فوراً جلدی سے قرآن شریف لے کر بیٹھ جاؤ، اگر اس وقت نیند آرہی ہو، سستی ہو رہی ہو، تو اپنے آپ سے کہہ دو کہ چاہے نیند آئے، یا سستی ہو، میں تو اس وقت تلاوت کروں گا، اور یہ وقت اسی کام میں صرف کروں گا، جب چند روز اس طرح کرو گے تو طبیعت اس کی عادی ہو جائے گی۔ اسی طرح نماز ہو، روزہ ہو، تلاوت ہو، ذکر ہو، تسبیح ہو، وظیفے ہوں، یا دنیا بھر کے اور کام ہوں، وہ سب اسی اصول کے تحت آتے ہیں، کہیں اس سے تخلف نظر آئے گا۔ لہٰذا اپنے دل کی گھبراہٹ کے غلام مت بنو، میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ فلاں عمل کرتے وقت گھبراہٹ ہوتی ہے، ارے بھائی! اس گھبراہٹ کے کب تک غلام بنے رہو گے، جو کام کرنا ہے، وہ دل کے گھبرانے کے باوجود کر گزرو۔

صرف دو باتوں پر عمل کر لو

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ”وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ کسی طاعت کی انجام دہی میں اگر سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جب کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، سارے تصوف کا حاصل یہی ہے“

اپنے آپ سے مقابلہ کرنا ہوگا، لڑائی لڑنی ہوگی، لہٰذا اپنے نفس سے لڑے، شیطان سے لڑے، اور اپنے اوپر زبردستی کرے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، یہ محنت تو کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ

(العنکبوت:۲)

''کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ دیں گے صرف ان کے ایمان لانے پر، اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا''

یہ سب آزمائشیں ہیں، بہرحال نظام الاوقات بناؤ، اور پھر اس کی پابندی کرو، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

سستی کے غلام کب تک رہو گے

ہم لوگوں میں سے اکثر کا تو حال یہ ہے کہ ''نظام الاوقات'' ہی بنا ہوا نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، بس جو کام سامنے آیا، وہ کرلیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، جس کام میں زیادہ وقت لگانا چاہیے تھا، اس میں کم وقت لگا دیا، اور جس کام میں کم وقت لگانا تھا، اس میں زیادہ وقت لگا دیا۔ لہٰذا اولاً تو نظام الاوقات ہی بنا ہوا نہیں، اور اگر کسی بندے نے نظام الاوقات بنا لیا ہے تو اب اس کی پابندی نہیں ہے، اور پابندی نہ ہونے پر عذر یہ ہے کہ دل نہیں لگتا، گھبراہٹ ہوتی ہے، سستی آجاتی ہے۔ ارے بھائی کب تک سستی کے غلام بنے رہو گے؟ جب موت آکر دروازے پر دستک دے گی، اس وقت پتہ چلے گا کہ کس کے غلام بنے ہوئے تھے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ:

اِغْتَنِمْ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، رقم: ۵۹۸۷)

مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت جان لو۔

فجر کے بعد دعا کرلو

ایک اور بات تجربہ کی بتاتا ہوں، وہ یہ کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اللہ

تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ دن طلوع ہو رہا ہے، اور اب میں کارزار زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اس دن کے لمحات کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما، کہ کہیں وقت ضائع نہ ہو جائے، کسی نہ کسی خیر کے کام میں صرف ہو جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَ لَمْ یُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا

یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے یہ دن ہمیں دوبارہ عطا فرما دیا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔ ہر روز سورج نکلتے وقت یہ کلمات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تو اس کے مستحق تھے کہ یہ دن ہمیں نہ ملتا، اور اس دن سے پہلے ہی ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیے جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہلاک نہیں کیا، اور یہ دن دوبارہ عطا فرمایا۔ لہٰذا پہلے یہ احساس دل میں لائیں کہ یہ دن جو ہمیں ملا ہے، یہ ایک نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطا فرما دی ہے، اس دعا کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ ہر دن کی قدر اس طرح کرو جیسے ہم سب رات کے وقت ہلاک ہونے والے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے زندگی دیدی، اب یہ جو نئی زندگی ملی ہے، وہ کسی صحیح مصرف میں استعمال ہو جائے۔

ان دعاؤں کا معمول بنالیں

حدیث شریف میں وہ دعائیں منقول ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کو فجر کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم سب بھی نماز فجر کے بعد اس

کے پڑھنے کا معمول بنالیں، وہ دعائیں یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَخَیْرَ مَا بَعْدَہٗ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْیَوْمِ (ترمذی،ابواب الدعوات،باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں، اور اس کے بعد کی خیر طلب کرتا ہوں، اور اس دن کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَفَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَبَرَکَتَہٗ وَ عَافِیَتَہٗ وَھُدَاہٗ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح حدیث نمبر ۴۹۲۰)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں، اور اس دن کی کامیابی، نصرت، نور، برکت، عافیت اور ہدایت طلب کرتا ہوں۔

اور یہ پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلَاحًا، وَاَوْسَطَہٗ فَلَاحًا، وَ آخِرَہٗ نَجَاحًا

اے اللہ! آج کے دن کے ابتدائی حصہ کو میرے لئے صلاح بنادیجئے، اور اس کے درمیانی حصہ کو فلاح، اور آخری حصہ کو میابی بنادیجئے۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں ہیں، ان کو یاد کرلیں، اور روزانہ صبح کے وقت ان کو پڑھا کریں، اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں کہ: اے اللہ! اس دن کے ایک ایک لمحے کو اپنی رضا کے مطابق صرف کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہر حال! پہلے نظم الاوقات بناؤ، اور پھر اس بات کا عزم کرو کہ میں اس کی پابندی کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اور توفیق مانگو، اس کے بعد کارزار زندگی میں داخل ہوجاؤ۔

رات کو سوتے وقت دن کا جائزہ

پھر رات کو سوتے وقت اپنا دن بھر کا جائزہ لے لو کہ آج صبح میں نے جو ارادہ کیا تھا، اس پر کس حد تک قائم رہا، اور کہاں کہاں بھٹک گیا، جہاں بھٹک گئے تھے، اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کر کے دوبارہ اپنے عزم کو تازہ کرلو، اور جس حد تک قائم رہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، ساری عمر یہی کام کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بیڑہ پار کر دیں گے۔

شام کا انتظار مت کرو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ

یعنی جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو، اور جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو، اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ کب موت آجائے، اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو، یعنی یہ سمجھو کہ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔

اگر یہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہو تو

لوگوں کو بھی عجیب طرح کے شوق ہوتے ہیں، ایک صاحب کو یہ شوق ہوا کہ اپنے زمانے کے جتنے بزرگ ہیں، ان کے پاس جاؤں، اور ان سے یہ سوال کروں کہ اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ کل آپ کا انتقال ہونے والا ہے، اور زندگی کا صرف ایک دن باقی ہے، تو اس ایک دن میں آپ کیا کریں گے؟ اس شخص کا مقصد یہ تھا کہ میں جب مختلف اللہ والوں کے پاس جا کر یہ سوال کروں گا تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ جواب میں وہی عمل بتائیں گے جو ان کے

نزدیک سب سے زیادہ قابل اجر وثواب ہوگا، اور باعث نجات ہوگا۔ بہر حال!
مختلف لوگوں کے پاس یہ سوال لے کر گئے، اسی دوران ایک مشہور محدث
حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی گئے، اور ان سے بھی یہ
سوال کیا کہ اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ کل آپ کا انتقال ہونے والا ہے، تو اس
دن میں آپ کیا عمل کریں گے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی عمل
کروں گا جو روزانہ کرتا ہوں، اس میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا، اس لئے کہ میں
نے اپنا نظام الاوقات ہی ایسا بنایا ہوا ہے کہ گویا میرا ہر دن آخری دن ہے، صبح
سے لے کر شام تک کی زندگی کو میں نے اس طرح ڈھال لیا ہے کہ گویا کہ جو کام
مجھے زندگی کے آخری دن میں کرنے چاہئیں، وہ میں آج کر رہا ہوں۔

ہم ٹائم ٹیبل پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟

ایک صاحب نے یہ اشکال پیش کیا کہ "نظام الاوقات" بنا کر اس پر عمل
کرنا آپ جیسے حضرات کے لئے تو ممکن ہے، جن کی بات سب مانتے ہوں،
اور جو وقت آپ نے مقرر کرلیا ہے تو اب لوگ اس کی رعایت کرتے ہیں، اور
کوئی شخص آکر آپ کو آپ کے معمول کے خلاف کسی اور کام میں لگانا چاہے تو
نہیں لگا سکتا۔ اس لئے آپ کے لئے تو نظام الاوقات بنانا ٹھیک ہے۔ لیکن ہم
جیسے عام آدمی کا یہ حال ہے کہ اگر اس نے ایک نظام الاوقات بنایا، کل کو کسی
بڑے کا کوئی حکم آگیا کہ اس وقت میں تم فلاں کام کرو، ایسا شخص کیا کرے؟
پھر آپ کے پاس تو نوکر چاکر ہیں، خدمت کرنے والے بھی ہیں، دوسروں
کے پاس تو نوکر چاکر نہیں، اب اگر گھر میں اچانک کوئی بیماری کھڑی ہوگئی، اس
کی وجہ سے دوا لانے کے لئے جانا پڑا، یا کوئی بچہ بیمار ہوگیا تو ایسا شخص اپنے

نظام الاوقات کی پابندی کیسے کرسکتا ہے؟

ٹائم ٹیبل کی خلاف ورزی کی کب گنجائش ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو میں نے کہا کہ آدمی نظام الاوقات بنا کر اس کی پابندی کرے، چاہے کچھ بھی ہو جائے، اس کا مطلب یہ تھا کہ سستی کی وجہ سے، یا کاہلی کی وجہ سے، یا دل گھبرانے کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک نہ کرے۔ یہ جو میں نے کہا تھا کہ "کچھ بھی ہو جائے، نظام الاوقات پر عمل کرے" اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے دل پر آرے چل جائیں، مشقت معلوم ہو، یا محنت معلوم ہو، یا دل گھبرانے لگے تو اس گھبراہٹ، سستی، کاہلی اور مشقت کی وجہ سے اپنے نظام الاوقات کو نہ چھوڑے، لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آ گئی جو عذر شرعی ہے، یا جو وقت کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے تو اس کی بناء پر نظام الاوقات کے خلاف کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس لئے کہ نظام الاوقات کا اصل مقصد یہ ہے کہ زندگی کے اوقات صحیح مصرف پر خرچ ہوں، اور یہ اوقاتِ زندگی ایسے کام میں صرف ہوں جس میں یا تو دنیا کا فائدہ ہو، یا دین کا فائدہ ہو، فضول وقت ضائع نہ ہو۔

اس وقت تلاوت چھوڑ دو

مثلاً فرض کریں کہ آپ نے نظام الاوقات تو یہ بنایا تھا کہ فلاں وقت میں قرآن کریم کی تلاوت کروں گا۔ لیکن گھر میں کوئی بیماری کھڑی ہوگئی، اور اس بیماری کی وجہ سے آپ کو فوراً ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا، اور تلاوتِ قرآن کریم کا معمول چھوٹ گیا۔ لیکن اس کے بدلے میں ایک اور ثواب کا کام آ گیا، وہ ہے اپنے گھر والوں کی تیمارداری، اور ان کا علاج، یہ بھی اپنے فرائض میں داخل

ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تلاوت سے بھی افضل ہے، کیونکہ تلاوت نفل ہے، اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھنا فرض ہے، اور فرض میں مشغول ہونا نفل میں مشغول ہونے سے افضل ہے، اس وجہ سے وہ معمول چھوٹنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آئی، بلکہ اس جگہ پر اس سے بہتر عمل آگیا، اور اس پر اجر وثواب بھی ملا، لہٰذا اوقاتِ زندگی ضائع نہ ہوئے، بلکہ وہ کام میں لگ گئے۔

''سستی'' عذر نہیں

البتہ اگر یہ ہو کہ تلاوت کا ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا، اب اس وقت نیند آرہی ہے، اور تلاوت میں دل نہیں لگ رہا ہے، اور اس کی وجہ سے تلاوت چھوڑ دی تو یہ ہے وہ صورت جس کے بارے میں میں نے عرض کیا کہ اپنے اوپر زبردستی کر کے، کاہلی اور سستی کو دبا کر اس وقت کو اسی معمول میں صرف کرو۔ البتہ اگر کسی بڑے کا حکم آجائے تو چونکہ بڑے کا حکم تو ماننا ہے، اب اگر اس کی وجہ سے معمول چھوٹ جائے تو اور بات ہے، البتہ اس صورت میں بھی بڑے سے گزارش کی جاسکتی ہے کہ یہ میرے فلاں کام کا وقت ہے، اگر آپ کی طرف سے اجازت ہو، اور وقت میں گنجائش ہو تو پہلے میں معمول پورا کرلوں، بعد میں یہ کام کرلوں، اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو معمول کو چھوڑ کر پہلے وہ کام کرلوں، یہ بھی ثواب کا کام ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور معمول کی پابندی

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، وہ ایک مرتبہ حضرت کے گھر تھانہ بھون تشریف لائے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاذ کے آنے پر اتنی خوشی ہوئی، اور

ان کا اتنا اکرام کیا کہ ایک وقت میں دسترخوان پر ۵۲ قسم کے کھانے تیار کرائے، جب کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے استاذ سے فرمایا کہ حضرت! میں نے یہ وقت "بیان القرآن" کی تالیف کے لئے مقرر کر رکھا ہے، اگر آپ کی طرف سے اجازت ہو تو کچھ دیر جا کر اپنا معمول پورا کرلوں، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں، بھائی ضرور جاؤ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تالیف کے کام کے لئے بیٹھ گیا، لیکن کام میں دل نہیں لگا، اس لئے کہ استاذ تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے پاس بیٹھنے کو دل چاہ رہا ہے، اس لئے دو تین سطریں لکھیں، تاکہ ناغہ کرنے کی بے برکتی نہ ہو، اور پھر استاذ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارے بھائی! تم تو بہت جلدی آ گئے؟ میں نے کہا کہ حضرت! کام میں دل ہی نہیں لگا، میں نے سوچا کہ ناغہ نہ ہو، معمول پورا ہو جائے، اس لئے دو تین سطر لکھ کر معمول پورا کرلیا، اور حاضر ہو گیا۔ وہ بڑے بھی ایسے ہی تھے، ایسے نہیں تھے کہ اس بات پر ناراض ہو جاتے، اور کہتے کہ لو ہم تو تمہارے پاس آئے، اور تم تصنیف کرنے جا رہے ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے استاذ تھے، اس لئے اجازت دیدی۔

اس وقت معمول ٹوٹنے کی پرواہ نہ کرو

اصل بات یہ ہے کہ سستی اور گھبراہٹ اور کاہلی کی وجہ سے معمول میں ناغہ نہ ہونے دو، ہاں اگر کسی اور کام کا حقیقی تقاضا پیدا ہو جائے، اور اس کی وجہ سے معمول ٹوٹے، تو ٹوٹ جائے، اس کی پرواہ نہ کرو، اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس دوسرے کام پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر و ثواب عطا فرمادے۔

میری ایک الجھن

ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ میری اک بڑی الجھن چند لمحوں میں دور فرمادی۔ میں ''صحیح مسلم شریف'' کی شرح ''تکملہ فتح الملہم'' جس زمانے میں لکھ رہا تھا، اس وقت میں نے روزانہ دو گھنٹے اس کام کے لئے مقرر کیے ہوئے تھے، اور کتب خانے میں اوپر جاکر لکھا کرتا تھا۔ بعض اوقات میرے ساتھ یہ ہوتا کہ میں کتب خانے میں جاکر اپنی جگہ پر بیٹھا، اور کتابوں کا مطالعہ کیا، اور لکھنے کے لئے ذہن بنایا، اور ہاتھ میں قلم اٹھایا، اور ابھی دو سطریں لکھی تھیں کہ ایک صاحب پہنچ گئے، ''اسلام علیکم'' کہا، اور مصافحہ کیا، اور کوئی مسئلہ پیش کردیا کہ یہ میرا مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مطالعہ کے بعد لکھنے کے لئے ذہن کو جو تیار کیا تھا، وہ سب ختم ہوگیا۔ بہرحال! ان صاحب کا مسئلہ حل کیا، اور ان کو رخصت کیا، پھر دوبارہ مطالعہ کرکے دوبارہ لکھنے کے لئے ذہن بنایا، اتنے میں دوسرے صاحب آگئے، اور ''السلام علیکم'' کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا، اور اپنا مسئلہ پیش کردیا۔ ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا، اس کے نتیجے میں ذہن میں بڑی الجھن اور پریشانی رہتی تھی۔

یہ تصنیف کس کے لئے لکھ رہے ہو؟

ایک دن میں نے حضرت عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت میرے ساتھ یہ قصہ رہتا ہے، اور اس کی وجہ سے بڑی تکلیف اور کوفت ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے وقت ضائع ہوجاتا ہے، اور تصنیف کا کام نہیں ہوتا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ: ارے بھائی! تم یہ جو تصنیف لکھ رہے ہو، یہ کس کے لئے لکھ رہے ہو؟ کیا اپنے مزے کے لئے اور لذت حاصل کرنے کے لئے لکھ

رہے ہو؟ یا اللہ کو راضی کرنے کے لئے لکھ رہے ہو؟ اگر مزے، لذت اور اپنی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ تصنیف لکھ رہے ہو تو پھر تو ملاقات کے لئے آنے والوں کی وجہ سے تمہیں بیشک تکلیف ہونی چاہیے، لیکن اس صورت میں اس تصنیف پر تمہیں اجر و ثواب کچھ نہیں ملے گا، اور اگر اللہ کو راضی کرنے کے لئے لکھ رہے ہو تو پھر اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جو مہمان تمہارے پاس آیا ہے، معقول حد تک اس کا اکرام کرنا ہے، یہ اکرام کرنا بھی اللہ جل شانہ کی عبادت ہے، جس طرح تصنیف کرنا عبادت ہے، یہ بھی ثواب کا کام ہے، وہ بھی ثواب کا کام ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ہی اس مہمان کو تمہارے پاس بھیج دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو تمہارا تصنیف کا کام کرنا مطلوب نہیں، بلکہ اس وقت مطلوب یہ ہے کہ یہ آدمی ہم تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، اس کا مسئلہ حل کرو، لہٰذا چونکہ اس مہمان کا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لئے اس پر راضی ہو جاؤ، اگرچہ تم نے اپنی طرف سے یہ تجویز کیا تھا کہ اس وقت جا کر تصنیف کروں گا، لیکن تم کیا، اور تمہاری تجویز کیا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت دوسرا کام تمہارے ذمہ لگا دیا، لہٰذا اس سے دلگیر اور پریشان مت ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک شعبہ ہے۔ اس جواب کے ذریعے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے دماغ کا دروازہ ہی کھول دیا، اس کے بعد اگرچہ اب بھی کسی کے بے وقت آنے سے طبعی تکلیف تو ہوتی ہے، لیکن عقلی طور پر الحمد للہ اب اطمینان رہتا ہے کہ اس کے آنے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔

دین نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا

اس کے بعد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم بات ارشاد

فرمائی، فرمایا کہ دیکھو! "دین" نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا کہ اس وقت دین کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام "دین" اور "اتباع" ہے، اپنا شوق پورا کرنے اور اپنی تجویز پر عمل کرنے کا نام دین نہیں، مثلاً یہ کہ میں نے اپنا ایک معمول بنالیا ہے، اب چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے، اور وقت کا مطالبہ کچھ بھی ہو، لیکن میں اپنے معمول کو پورا کروں گا۔ یہ کوئی معقول بات نہیں۔

ایک نواب صاحب کا لطیفہ

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک نواب صاحب تھے، انہوں نے ہر کام کا ایک ضابطہ مقرر کر رکھا تھا، اور ان کا نظام الاوقات بھی ایک ضابطہ تھا کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک ہم سوئیں گے، فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہم ناشتہ کریں گے، فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہم چہل قدمی کریں گے۔ اب انہوں نے ضابطہ یہ مقرر کر دیا کہ رات کو گیارہ بجے ہم سوئیں گے، اور صبح چھ بجے تک سوئیں گے، اب اگر نہیں بھی سو رہے ہوتے تو ان کا کہنا تھا کہ میں "ضابطے" میں سو رہا ہوں، اگر صبح چھ بجے سے پہلے آنکھ کھل گئی تو لیٹے ہوئے ہیں، اور ضابطے میں سو رہے ہیں۔ ایک دن صبح پانچ بجے آنکھ کھل گئی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بندر کمرے میں آیا، اور ان کی ٹوپی لے کر بھاگ گیا، دوبارہ بندر آیا، اور ان کی لاٹھی اٹھا کر لے گیا، پھر آکر دوسرا کوئی سامان لے گیا، جب چھ بجے تو فوراً اٹھے اور شور مچانا شروع کر دیا کہ سب مر گئے ہیں، دیکھو بندر ہمارا سامان لے جا رہا ہے، اب ملازموں پر برسنا شروع کر دیا کہ سب بے پرواہ ہیں۔ اب ملازمین دوڑے

ہوئے آئے، اور پوچھا کہ حضور بندر آپ کا سامان لے گیا؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ بندر لے گیا، کیا آپ نے اس کو دیکھا؟ ہاں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے لے جاتے ہوئے دیکھا، ملازمین نے کہا کہ حضور آپ نے اس کو کیوں نہیں روکا؟ نواب صاحب نے جواب دیا، ارے بے وقوف! اس وقت ضابطے میں ہم سو رہے تھے، لہٰذا جب ہم سو رہے تھے تو ہم اس کو کیسے روکتے۔ بہر حال! ایسا ضابطہ کہ آدمی وقت کے تقاضے کو چھوڑ کر ضابطے ہی کے چکر میں پڑا رہے، یہ دین کا تقاضا نہیں، اگر تم نے ایک وقت کو کسی خاص کام کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت کا تقاضا کوئی اور آگیا تو اب اس تقاضے کو پورا کرنا ضروری ہے۔

کام کی اہمیت یا وقت کا تقاضا

یہ بڑی اہم بات ہے، اور سمجھنے کی بات ہے، اس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے دین کی تعبیر میں، دین کی تشریح میں، اور دین پر عمل کرنے میں بہت گھپلا واقع ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب دل پر کسی خاص کام کی اہمیت سوار ہو جاتی ہے کہ یہ کام کرنا ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وقت کا تقاضا کسی اور کام کے کرنے کا ہوتا ہے، تو اب اس شخص کو اس وقت کے تقاضے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک مولانا صاحب ہیں، ان کو سبق پڑھانا ہے، اور اس کے لئے مطالعہ کرنا ہے وغیرہ، ان کاموں کی اہمیت تو ان کے دل میں ہے، لیکن میرے گھر والوں کے بھی کچھ حقوق میرے ذمہ ہیں، اور مجھے کچھ وقت ان کو بھی دینا چاہیے، اس کی طرف مولانا صاحب کو دھیان نہیں، حالانکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت کو آپ گھر والوں کے لئے استعمال کریں۔

بیوی کی تیمارداری، یا چلّہ میں جانا

یا مثلاً ہمارے تبلیغی بھائی ہیں، ان میں بسا اوقات یہ غلو پیدا ہو جاتا ہے کہ بیوی گھر میں بیمار پڑی تھی، ہم اس کو بیمار چھوڑ کر چلّے میں چلے گئے، اس لئے کہ اللہ کے راستے میں نکل گئے۔ ارے بھائی! اس وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی خبر گیری کرتے، اس کی بیمار پرسی کرتے، ایسے وقت میں تبلیغ کے لئے جانے میں کوئی ثواب نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نوجوان آیا، اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ جہاد میں جانے کا شوق ہے، اور اس غرض کے لئے میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ واپس جاؤ، اور جا کر ان کو ہنساؤ، اس لئے کہ ان کو رلا کر جہاد میں شریک ہونے کی کوئی فضیلت نہیں۔

نماز حرم شریف میں یا مسجد شہداء میں

بہر حال! یہ جو وقت کے تقاضے ہیں، ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے، جو حضرات عمرہ یا حج پر مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو وہاں بھی تبلیغی بھائی ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں، اور ان سے کہتے ہیں کہ حرم شریف میں نماز پڑھنے پر تو ایک لاکھ کا ثواب ملے گا، اور مسجد شہداء جو تبلیغی مرکز ہے، وہاں نماز پڑھنے پر انچاس کروڑ کا ثواب ملے گا۔ یہ بدفہمی کی بات ہے، اس لئے کہ ایک شخص یہاں سے حج کرنے کے لئے یا عمرہ کرنے کے لئے گیا تو اس نے اپنی زندگی کی مصروفیات میں سے یہ وقت حرم میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے کے لئے نکالا ہے تو اب اس کو اس وقت یہ کام کرنے دو، اب اس کو حرم

سے نکال کر مسجد شہداء لے جانا معقول بات نہیں، کیونکہ یہ عمل وقت کے تقاضے کے خلاف ہے، اس لئے کہ اس کے پاس تبلیغ کے لئے ساری عمر پڑی ہے، اور یہ کام اپنے ملک اور اپنے شہر میں آکر بھی کر سکتا ہے، لیکن حرم میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے کی فضیلت تو اپنے شہر میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

اب رمضان میں اعتکاف کا زمانہ آرہا ہے، اب سننے میں یہ آیا ہے کہ بعض تبلیغی بھائی اعتکاف کرنے والوں سے یہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کرنے میں اتنا ثواب نہیں، باہر جا کر تبلیغ کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔ حالانکہ اعتکاف پورے سال کے دوران صرف دس دن ہوتا ہے، اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت اس پر عمل کیا جائے، اب اعتکاف چھڑوا کر تبلیغ کی دعوت دینا غلو ہے، اس لئے کہ اس کام کے لئے سال کے باقی دن موجود ہیں۔ اسی لئے ہمارے حضرت عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "دین نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا" اور میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "دین نام ہے اتباع کا، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں" مثلاً ہمیں جہاد میں جانے کا شوق پیدا ہو گیا، یا تبلیغ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، تدریس کا شوق پیدا ہو گیا، یا تصنیف کرنے کا شوق ہو گیا، اب اپنے شوق کو پورا کر رہے ہیں، اور یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وقت کا تقاضا کیا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ بڑا اہم نکتہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں اور دماغوں میں بٹھا دے، آمین۔

ہر صدمہ اللہ کی طرف سے ہے

لہٰذا اگر اپنے بنائے ہوئے نظام الاوقات میں اور اپنے معمولات میں کوئی خلل وقت کے کسی جائز تقاضے کی وجہ سے واقع ہو تو اس پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی مایوس ہونا چاہیے، نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے ہمارا نقصان ہو گیا، بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات ڈبل فائدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس عمل کی وجہ سے نظام الاوقات میں خلل واقع ہوا، بعض اوقات وہ عمل زیادہ افضل ہوتا ہے، اور پھر معمول ٹوٹنے کا طبعی صدمہ اور طبعی غم ہوتا ہے، اگرچہ عقلی طور پر اطمینان رہتا ہے، اور ہر رنج اور ہر صدمہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ ہے، اس لئے کہ اس دنیا میں ایک مؤمن کو کوئی رنج نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں یا تو اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں، یا اس کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

سستی سے بچو

ہاں! جو چیز بچنے کی ہے، جس سے مکمل احتراز اور پرہیز لازم ہے، وہ یہ کہ سستی کی وجہ سے، کاہلی کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ کام میں دل نہیں لگ رہا ہے، یا اس وجہ سے کہ دل گھبرا رہا ہے، ان وجوہات کی وجہ سے اپنا نظام الاوقات توڑنا یا معمول چھوڑنا خطرناک بات ہے، اور جو شخص ان وجوہات سے اپنا نظام الاوقات توڑے گا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی حاصل کرنے والے کو تو سستی سے لڑنا پڑے گا، اپنی کاہلی سے بھی لڑنا پڑے گا، دل کی گھبراہٹ کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

صحابہ کرام کا طرز عمل

اپنے اس طرز عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بعض مرتبہ لوگ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی قربانیوں کا حوالہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جب تک قربانی نہیں دیں گے اس وقت تک دین کا غلبہ نہیں ہوتا، اور دین کے اندر اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہوتا، اس کے بارے میں صحابہ کرام کی مثالیں موجود ہیں، جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آج ہی شادی ہوئی، اور نئی بیوی گھر میں موجود ہے، اور اگلے دن جہاد میں جانے کا اعلان ہو گیا تو ابھی یہ غسل جنابت بھی نہ کر پائے تھے کہ جہاد میں شامل ہو گئے۔ اب وقت کا تقاضا تو یہ لگتا ہے کہ ابھی گھر میں نئی بیوی آئی ہے، اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے، لیکن یہ صحابی اس بیوی کو چھوڑ کر جہاد میں چلے گئے۔

یہ قیاس درست نہیں

خوب سمجھ لیجئے! دو باتیں الگ الگ ہیں، جن کو صحابہ کرام کی مثالوں میں ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے، ایک یہ کہ بعض اوقات حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے گھر والوں کو ایسے موقع پر چھوڑا جب کہ گھر سے نکلنا فرض عین ہو گیا تھا۔ مثلاً دشمن حملہ آور ہو گیا، اور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نفیر عام آ گئی کہ ہر شخص جہاد میں نکل جائے، اب ہر شخص پر فرض عین ہے کہ وہ جہاد میں حصہ لے، اس صورت میں نہ والدین کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے، یہاں تک فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے، اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکل سکتا ہے، یہ ایک غیر معمولی صورت حال ہے، جبکہ

دشمن حملہ آور ہوگیا، اس وقت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ جہاد میں جاتے۔ اب اس واقعہ کو اس بات پر چسپاں کرنا کسی طرح مناسب نہیں جہاں پر نکلنا فرض عین نہیں، اسی طرح اس واقعہ کی بنیاد پر یہ کہنا کہ قربانی کے بغیر کام نہیں چلے گا، یہ زیادتی ہے، کسی طرح بھی درست نہیں۔

کسی کا حق ضائع نہیں کیا

دوسری طرف وہ مثالیں ہیں جن میں کسی صحابی نے اپنی ذات پر مشقت برداشت کر کے جہاد کیا، یا تبلیغ میں نکلے، دعوت میں نکلے، لیکن دوسرے کسی صاحب حق کا حق ضائع نہیں کیا۔

یہ کام ہر ایک پر فرض نہیں

تیسری طرف بعض صحابہ کرام کے افعال ایسے ہیں، جو بہت اعلیٰ درجے کے مقام کے ہیں، ہمیں بیشک اس بات کی کوشش تو کرنی چاہیے کہ اس مقام کا تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ عطا فرما دے، لیکن ہر آدمی پر فرض نہیں کہ اس سے مطالبہ کیا جائے کہ تم ایسا ضرور کرو۔ مثلاً حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران ایک پرندہ باغ کے اندر آ گیا، اور اب وہ پرندہ باغ سے نکلنا چاہتا تھا، مگر باغ کے گنجان ہونے کی وجہ سے اس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا، اب نماز کے دوران ان کا خیال باغ کی طرف چلا گیا کہ میرا باغ کتنا گنجان ہے کہ اس میں پرندے کو داخل ہونے کے بعد اس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے، جب نماز ختم کی تو انہوں نے سوچا کہ یہ تو بڑا غلط کام ہوا کہ نماز کے دوران میرا دل اپنے باغ کی وسعت کی طرف لگ گیا، جس کی وجہ سے نماز کی خشوع کا حق ادا نہ ہوا، اور اس

باغ کی وجہ سے میرا دھیان بھٹکا، اس لئے میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔

یہ دین کی صحیح تشریح نہیں

اب اگر یہ کہا جائے کہ جو کام حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، یہ کام ہر مسلمان پر فرض ہے، اگر ایک منٹ کے لئے بھی نماز میں دھیان کہیں اور جائے تو یہ گناہ ہے، اور جس چیز کی طرف دھیان گیا، اس چیز کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ اگر اس واقعہ سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے تو دین کی صحیح تشریح نہیں ہوگی، یہ تو ان کا اعلیٰ مقام تھا کہ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے ذکر سے اور اللہ سے غافل ہونے پر اپنے لئے اتنی بڑی سزا مقرر فرمائی، لہٰذا یہ واقعہ لوگوں کو اس غرض کے لئے تو سنایا جائے کہ صحابہ کرام کے بلند مقام کو دیکھو کہ انہوں نے نماز میں خشوع ہونے کو کتنا اہم قرار دیا، جب وہ خشوع کو اتنا اہم سمجھتے تھے تو ہم بھی تو کچھ کریں، اس مقصد کے لئے تو یہ واقعہ بیان کرنا درست ہے۔ لیکن یہ واقعہ بیان کر کے یہ کہنا کہ ایسا کرنا ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں، اور یہ دین کی صحیح تشریح نہیں ہوگی۔

دین کا ہر کام وقت کے تقاضے کے تابع ہے

لہٰذا چاہے درس و تدریس ہو، چاہے وعظ و تبلیغ ہو، چاہے جہاد ہو، یہ سب کام وقت کے تقاضوں کے تابع ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کیا تقاضا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ غزوہ تبوک کا موقع ہے، ہر شخص آگے بڑھ کر جہاد میں حصہ لے رہا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کرام کو ترغیب دی جارہی ہے، یہ ترغیب سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بھی جہاد

میں جانے کا شوق پیدا ہو رہا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم جہاد میں مت جاؤ، بلکہ عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ منورہ میں رک جاؤ، اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہادری میں، شجاعت میں، جرأت میں بہت سے صحابہ کرام سے زیادہ تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یا رسول اللہ میں یہاں عورتوں اور بچوں کے پاس رہ جاؤں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے پیچھے مدینہ منورہ میں اس طرح رہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے رہے، اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینے میں رہنے کی ترغیب دی، اس لئے کہ ان کے لئے وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مدینے میں رہ کر عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کریں، اور جہاد کو قربان کر دیں۔

حضرت عثمان غنیؓ کو غزوہ بدر سے روک دیا گیا

غزوہ بدر کا موقع ہے، وہ بدر جس کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" فرمایا، جس غزوہ میں شامل ہونے والا شخص بدری کہلایا، جن کے نام پڑھ کر لوگ دعائیں کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں، وہ بھی اس غزوہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، لیکن ان کی بیوی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں، وہ بیمار ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کی تیمارداری کے لئے رک جاؤ، اور جہاد میں مت جاؤ۔ اب دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیوی کی تیمارداری کے لئے جہاد سے روک

دیا، اور غزوہ بدر جیسی عظیم فضیلت سے بظاہر ان کو محروم کر دیا۔ لیکن حقیقت میں وہ محروم نہیں ہوئے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "بدریین" میں شمار فرمایا، اور مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا۔

کس وقت کیا مطالبہ ہے

بہر حال! عرض یہ کرنا تھا کہ یہ دین کا بڑا اہم نکتہ اور بڑا اہم باب ہے کہ کس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اور اس مطالبے پر مجھے کس طرح عمل کرنا ہے؟ دین کی یہ فہم عام طور پر بزرگوں کی صحبت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، بلکہ آدمی اپنے دماغ سے اجتہاد ہی کرتا رہتا ہے کہ اس وقت مجھے دین کا یہ تقاضا معلوم ہو رہا ہے۔

عمل پابندی سے کرو

خلاصہ یہ نکلا کہ نظام الاوقات کی پابندی بڑی اچھی چیز ہے، اس کے بغیر آدمی کے اوقات صحیح مصرف پر خرچ نہیں ہوتے، عمر بے کار چلی جاتی ہے۔ لیکن جہاں نظام الاوقات کا ٹوٹنا کسی جائز وجہ سے ہو، یا وقت کے کسی اہم تقاضے کی بناء پر ہو تو اس پر کوئی غم اور افسوس نہیں کرنا چاہیے، اس لئے کہ مقصود تو عمر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا تھا، ایک کام میں نہیں تو دوسرے کام میں ہو گیا۔ ہاں! سستی کاہلی اور دل کی گھبراہٹ کی وجہ سے معمول کو قضا کرنا برا ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر العمل ما دیم علیه و ان قل

یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، وہ ہے جو پابندی سے کیا جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ نہیں کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آیا تو

ساری رات عبادت میں گزار دی، اور جب رمضان گیا تو فرض نماز بھی گئی، یہ صحیح طریقہ نہیں، اس میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ برکت اس میں ہے کہ تھوڑا عمل کرو، لیکن پابندی کے ساتھ کرو، جس کام کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے، جب وہ وقت آجائے تو وہ کام کرلو، چاہے دو منٹ کے لئے یا پانچ منٹ کے لئے کر لو، لیکن کرو ضرور۔

بہترین مثال

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ تھوڑا عمل جس کو پابندی سے کیا جائے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کا نلکا، اب اگر نلکے کو پریشر کے ساتھ کھولا جائے، اور اس کے نیچے ایک پتھر رکھ دیا جائے، اور ایک گھنٹے تک کھلا رکھنے کے بعد اس کو بند کر دیا جائے تو اس پتھر پر اس پانی گرنے کا کوئی اثر واقع نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نلکے سے ایک ایک قطرہ پانی کا اس پتھر پر ٹپکاؤ، اور سال بھر تک وہ پانی ٹپکتا رہے تو وہ پانی پتھر میں سوراخ کر دے گا، حالانکہ پہلے والا پانی پریشر کے ساتھ نکل رہا تھا، لیکن اس نے پتھر میں کوئی اثر نہیں کیا، جبکہ ایک قطرہ پانی جس کا کوئی وزن نہیں تھا، لیکن وہ سال بھر پڑتا رہا تو اس نے پتھر میں سوراخ کر دیا۔ اسی طرح جو عمل تھوڑا ہو، لیکن پابندی کے ساتھ ہو، وہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

گناہ چھوڑ دو
عابد بن جاؤ گے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہ چھوڑ دو، عابد بن جاؤ گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ـ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ـــ اما بعد فعن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ ، وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا ، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ ،وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ ـ

(او کما قال علیه الصلوٰة والسلام)

تمہید

یہ ایک حدیث ہے، جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا کہ میں پانچ باتیں کہتا ہوں، کون شخص ہے جو ان پانچ باتوں کو یاد رکھے، اور ان پر عمل کرے، اور یہ باتیں دوسروں کو بتا کر ان کو بھی ان پر عمل کرائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: انا یا رسول اللہ ﷺ! میں ان پانچ باتوں کو یاد بھی رکھوں گا، اور عمل کرنے کی بھی کوشش کروں گا، اور دوسروں تک ان کو پہنچاؤں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں پر گن کر یہ کلمات ارشاد فرمائے، ان میں سے ایک ایک کلمہ جوامع الکلم کے اندر شامل ہے، ہر جملہ اور ہر کلمہ اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے تو ہمارا سارا معاملہ درست ہو جائے۔

عبادت گزار کیسے بنو گے؟

پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ ’’اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ‘‘ یعنی تم حرام کاموں سے بچو تو تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کے ذریعے یہ حقیقت واضح فرما دی کہ فرائض و واجبات کی تعمیل کے بعد سب سے زیادہ اہم چیز مؤمن کے لئے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ناجائز و حرام کاموں سے بچائے، نفلی عبادتوں کا معاملہ اس کے بعد آتا ہے، اگر کوئی شخص اس دنیا میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچالے تو ایسا شخص سب سے زیادہ عبادت گزار ہے، چاہے وہ نفلیں زیادہ نہ پڑھتا ہو۔

نفلی عبادات نجات کے لئے کافی نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کے ذریعہ ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ ہم لوگ بسا اوقات نفلی عبادتوں کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں، مثلاً نوافل پڑھنا، تسبیح، مناجات، تلاوت وغیرہ، حالانکہ ان میں کوئی ایک کام بھی ایسا نہیں جو فرض ہو، چاہے نفلی نمازیں ہوں، یا نفلی روزے ہوں، یا نفلی صدقات ہوں، ان کو تو ہم نے بڑی اہمیت دی ہوئی ہے، لیکن گناہوں سے بچنے کا اور ان کو ترک کرنے کا اہتمام نہیں، یاد رکھیں کہ یہ نفلی عبادات انسان کو نجات نہیں دلا سکتیں، جب تک انسان گناہوں کو نہ چھوڑے۔ اب رمضان المبارک کا مہینہ چل رہا ہے، اس ماہ مبارک میں لوگوں کی نفل عبادات کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ نفلیں پڑھ لیں، تلاوت زیادہ کرلیں، ذکر و تسبیح زیادہ کرلیں، یہ بھی اچھی بات ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ میں نفل عبادات تو کر رہا ہوں، ساتھ میں گناہ بھی تو کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ان کے اندر مبتلا ہو رہا ہوں، دونوں کا اگر موازنہ کریں تو یہ نظر آئے گا کہ نفلی عبادات سے جو فائدہ ہو رہا تھا، وہ گناہوں کے ذریعے نکل رہا ہے۔

گناہوں کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ نے اپنے کمرے کا ائیر کنڈیشن تو چلا دیا، لیکن دروازے اور کھڑکیاں کھلی پڑی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے ٹھنڈک آرہی ہے، اور دوسری طرف سے ٹھنڈک نکل رہی ہے، اور باہر کی گرمی بھی اندر آرہی ہے، اور اس کے نتیجے میں کمرہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا ہے، اور

ائیر کنڈیشن چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ اسی طرح آپ نے نفلوں کا ائیر کنڈیشن تو لگالیا، ذکر اور تلاوت کا ائیر کنڈیشن تو لگا لیا، لیکن گناہوں کی کھڑکیاں چاروں طرف سے کھلی ہوئی ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ان عبادات سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا، وہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

حلال کھانے کی فکر کرو

اب رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کا کتنا اہتمام ہم لوگ کر رہے ہیں، جو لوگ پنج وقتہ نمازوں میں کوتاہی کرتے ہیں، ان کو بھی رمضان میں تراویح کی لمبی لمبی بیس رکعتوں میں کھڑے ہونے میں کوئی تأمل نہیں ہوتا، اور رات کو سحری کے وقت تہجد بھی پڑھ لیتے ہیں، لہٰذا نفلی عبادات تو ہو رہی ہیں۔ لیکن اس شخص کو یہ فکر نہیں کہ جب شام کو افطار کرنے کے لئے دسترخوان پر بیٹھیں گے تو وہ کھانا حلال ہوگا یا حرام ہوگا؟ سارا دن روزہ رکھا، رات کو تراویح ادا کی، تہجد پڑھے، لیکن منہ میں جو لقمہ جا رہا ہے، وہ حلال کا ہے یا حرام کا ہے، اس کی فکر نہیں، اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ اصل فکر اس کی کرو کہ کوئی گناہ تم سے سرزد نہ ہو، اگر یہ کر لیا تو پھر چاہے نفلی عبادات تم نے زیادہ نہ کی ہوں، تو بھی تمام لوگوں میں تم سب سے زیادہ عبادت گزار لکھے جاؤ گے۔

دونوں میں سے کون افضل ہے؟

اس بات کو ایک مثال سے اور زیادہ واضح طریقے پر سمجھ لیں، فرض کریں کہ ایک شخص نفلی عبادات بھی کرتا ہے، ذکر میں تلاوت میں مشغول رہتا ہے، ہر وقت اس کی تسبیح چلتی رہتی ہے، لیکن ساتھ میں وہ گناہ بھی کرتا رہتا

ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے زندگی بھر ایک نفلی عبادت نہیں کی، لیکن زندگی بھر اس نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا، بتاؤ! ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ وہ شخص افضل ہے جس نے گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی گزاری، اگرچہ نفلی عبادتوں میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے، اس شخص سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے نفلی عبادات کیوں نہیں کیں؟ کیونکہ نفلی عبادات فرض نہیں ہیں، لہٰذا انشاء اللہ وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس کے برخلاف پہلا شخص جو نفلی عبادات میں تو بہت مشغول رہا، لیکن ساتھ ساتھ گناہ بھی کرتا رہا، اور گناہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا: مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) لہٰذا اس سے یہ سوال ہوگا کہ تو نفلی عبادات تو کرتا رہا، اور یہ گناہ کا کام بھی کرتا رہا، نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص بڑے خسارے میں ہوگا۔

دو عورتوں کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دو عورتوں کا ذکر کیا گیا، ایک عورت تو بہت عبادت میں مشغول رہتی ہے، نوافل بہت پڑھتی ہے، لیکن زبان کی خراب ہے، اور اپنی زبان سے لوگوں کو اور خاص کر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ دوسری عورت صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرتی ہے، نفلی عبادات زیادہ نہیں کرتی، لیکن زبان کی بڑی میٹھی ہے، اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتی ہے، اس کی پڑوسنیں اس سے خوش ہیں، پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ ان میں سے کون سی عورت افضل ہے؟ وہ عبادت گزار خاتون، یا یہ پرہیز گار خاتون؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دوسری خاتون پہلی خاتون

کے مقابلے میں بدرجہا فضیلت رکھتی ہے، بلکہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پہلی خاتون جہنمی ہے، اور دوسری خاتون جنتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

زیادہ فکر اس کی کریں

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ نفلی عبادات بیشک اعلیٰ درجے کی نعمت ہے، ضرور ان کو انجام دینا چاہیے، لیکن اس کے ساتھ زیادہ فکر اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کرنی چاہیے۔ رمضان المبارک میں تو الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے روزے رکھے، تلاوت بھی خوب کی، تراویح بھی باجماعت ادا کی، تہجد بھی پڑھے، نوافل بھی پڑھیں، اعتکاف بھی کیا، لیکن ادھر رمضان رخصت ہوا، ادھر دوبارہ وہی پرانی زندگی شروع ہوگئی، اب نہ آنکھ کی حفاظت، نہ زبان کی حفاظت، نہ کان کی حفاظت، نہ حلال وحرام کی فکر، جس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں جو پونجی نیکیوں کی جمع کی تھی، وہ جاکر لٹا دی۔ لہٰذا فکر اس کی کرنی ہے کہ گناہوں سے بچ جائیں، اور گناہوں سے بچنے کا پکا عزم بھی کریں، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے گناہوں سے بچنے کی توفیق کی دعا بھی کریں کہ یا اللہ! مجھے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی دیدے۔

یہ بڑی خطرناک بات ہے

یہ جو میں نے عرض کیا کہ ہمارے دلوں میں نفلی عبادات کی تو اہمیت ہے، لیکن گناہوں سے بچنے کی اہمیت اور فکر نہیں، یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں، شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ اس لئے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں، جن کو ہم گناہ سمجھتے ہیں، اور گناہ سمجھنے کی وجہ سے ان سے

نفرت بھی ہوتی ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانے کی کچھ فکر بھی ہو جاتی ہے، الحمدللہ، لیکن کتنے گناہ ایسے ہیں جن کو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، یہ بڑی خطرناک بات ہے، کیونکہ انسان بیماری کو بیماری سمجھے گا تو اس کا علاج بھی کرے گا۔ خاص طور پر شریعت کے یہ تین شعبے، یعنی: معاملات، معاشرت اور اخلاقیات ایسے ہیں، جن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہماری ساری کوششیں اکارت ہو رہی ہیں، معاملات میں حلال و حرام کی فکر، معاشرت میں حلال و حرام کی فکر، اخلاقیات میں حلال و حرام کی فکر ختم ہوتی جارہی ہے، اور ان کو ہم نے دین سے خارج کر دیا ہے، زبان کی حفاظت، آنکھ کی حفاظت، کان کی حفاظت کی طرف دھیان نہیں۔

بدگمانی کو چھوڑو

چند موٹے موٹے گناہوں کے بارے میں تو ذہن میں یہ ہے کہ یہ گناہ ہیں، بس ان سے بچ جاؤ، الحمدللہ، ان سے بچے ہوئے ہیں، مثلاً اللہ کا شکر ہے کہ شراب نہیں پیتے، اللہ کے فضل و کرم سے خنزیر نہیں کھاتے، اللہ کے فضل و کرم سے زنا میں مبتلا نہیں ہوتے۔ لیکن اور جو بے شمار گناہ ہیں، مثلاً غیبت کا گناہ ہے، اس سے ہم نہیں بچتے، دن رات ہماری مجلسیں غیبت سے بھری ہوئی ہیں۔ بدگمانی کا گناہ ہے، قرآن کریم میں ہے کہ "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" لیکن ہم لوگ دوسرے آدمی کی طرف سے اپنے دل میں بدگمانی لئے بیٹھے ہیں، اور اس کو پکار رہے ہیں، لیکن ہم لوگ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے، یہ بات ذہن میں لے کر بیٹھ گئے کہ فلاں شخص نے میرے خلاف یہ عمل کیا ہوگا، اور اب اس کو اپنے دماغ و دل میں پکا لیا، یہ ہمارا عمل "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" میں داخل

ہوگیا، لیکن یہ احساس نہیں کہ یہ گناہ ہے۔

افواہ پھیلانا گناہ ہے

ایک بے تحقیق بات سنی، اور اس کی تحقیق کیے بغیر کہ وہ بات درست ہے یا نہیں، اس کو آگے چلتا کر دیا، اور اس کو کسی اور کے سامنے بیان کر دیا، یا افواہ پھیلا دی۔ اس عمل کو کوئی شخص بھی گناہ نہیں سمجھتا، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

یعنی یہ بات بھی جھوٹ میں داخل ہے کہ انسان نے جو کچھ الٹا، سیدھا، صحیح، غلط سنا، اور بلا تحقیق اس کو آگے بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ گناہ ہے، مگر ہم اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔

ملازمت کے اوقات پورے دے رہے ہو؟

لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم حلال کھا رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ سود نہیں کھا رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ جُوا نہیں کھیل رہے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ شراب بیچ کر پیسے نہیں کما رہے ہیں۔ لیکن ذرا یہ تو دیکھو کہ اگر تم ملازم ہو تو کیا ملازمت کا جو وقت مقرر تھا وہ پورا وقت ملازمت کے کام میں لگایا یا نہیں؟ یا ڈنڈی مار گئے، اگر پورا وقت نہیں لگایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا وقت تم نے بیچا تھا، اور جس کے بدلے میں تمہیں تنخواہ مل رہی تھی، اس میں سے جتنا وقت تم نے ملازمت کے کام میں نہیں لگایا، اس کے بدلے میں جو تنخواہ تم نے وصول کی، وہ تنخواہ حرام ہو گئی، اور جب تنخواہ حرام ہو گئی تو اب ان پیسوں سے جو کھانا خریدا وہ کھانا حرام ہو گیا، اور جو افطاری کا سامان خریدا وہ حرام۔

لہٰذا یہ بھی حرام خوری میں داخل ہے۔

جاپانی کہہ کر مال فروخت کرنا

اگر کوئی شخص تاجر ہے، اور اس نے اس تجارت میں کسی قسم کا دانستہ یا نادانستہ دھوکہ کیا ہے، مثلاً پاکستان میں بنا ہوا مال تھا، اس کو جاپانی کہہ کر بیچ دیا تو حرام کیا، اور اس کے نتیجے میں جو پیسے حاصل ہوئے وہ حرام ہوئے، اور ان پیسوں سے جو کھانا خریدا وہ حرام، اب پیٹ میں حرام لقمہ جارہا ہے، حلال کا لقمہ نہیں جارہا ہے،

سٹہ کھیلنا حرام ہے

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے جو بڑے عبادت گزار اور تہجد گزار تھے، ان کی تہجد میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، اور ذکر واذکار اور تسبیحات کے پابند تھے۔ تاجر آدمی تھے، ان کی دکان بھی تھی، معلوم ہوا کہ وہ رات کو گھنٹوں تہجد بھی پڑھتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، تسبیحات بھی پڑھتے ہیں، اور دن میں جاکر ''سٹہ'' بھی کھیلتے ہیں، اور وظیفے اس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں تاکہ سٹے کا نمبر معلوم ہو جائے۔ یہ تو بالکل واضح گناہ ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ گناہ ہے۔

جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوانا

لیکن میں ان چیزوں کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جن کے بارے میں یہ احساس بھی نہیں کہ میں یہ کوئی گناہ کا کام کر رہا ہوں۔ مثلاً جھوٹا سرٹیفکٹ بنوالینا آج عام ہو چکا ہے، چھٹی لینی ہے، اور ویسے نہیں مل سکتی، تو کسی ڈاکٹر سے جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوالیا، اور اس کی بنیاد پر چھٹی حاصل کر لی، اس کے نتیجے میں

خود بھی گناہ کیا، اور جس ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ بنوایا، اس کو بھی گناہ میں مبتلا کیا، کیونکہ اس ڈاکٹر نے جھوٹ بولا، اور رشوت بھی لی، اس لئے کہ للہ فی اللہ تو اس نے یہ کام کیا نہیں ہوگا، اس طرح اس ڈاکٹر نے رشوت لینے کا گناہ بھی کمایا، اور جھوٹ بولنے کا گناہ بھی کمایا، اور یہ صاحب اس گناہ کا سبب بنے۔ یہ سب گناہ تو ہوئے، اس کے علاوہ یہ کہ مہینے کے آخر میں جو تنخواہ ملی، اس تنخواہ میں سے اتنا حصہ حرام کا شامل ہوگیا۔

عبادت نام ہے بندگی کا

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اتق المحارم تکن اعبد الناس'' یعنی عبادت گزاری یہ نہیں کہ آدمی رات کو خوب نفلیں اور تہجد پڑھ رہا ہے، بلکہ عبادت گزاری یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے انسان اپنے آپ کو محفوظ کرلے، اصلی عبادت گزاری یہ ہے، اس لئے کہ عبادت کے معنی ہیں بندگی، اور بندگی کا پہلا جز اللہ کے حکم کی اطاعت ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں تو وہ بندگی کیا ہوئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ تو کرلیا، لیکن ساتھ میں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا، میں وہی کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا، یہ کیا بندگی ہوئی؟ لہٰذا اطاعت بندگی کا جزو اعظم ہے، اس لئے یہ فکر ہونی چاہیے کہ ہم کوئی کام اللہ جل شانہ کے حکم کے خلاف اور نافرمانی میں نہ کریں۔

زبان کی حفاظت کرو

خاص طور پر جو عرض کرنا ہے، اور جس میں عام ابتلاء رہتا ہے، ان میں سے ایک تو زبان کے گناہ ہیں، ایک آنکھ کے گناہ، ان دونوں گناہوں میں

اچھے اچھے لوگ مبتلا ہیں، جو لوگ بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں، متقی و پرہیزگار نظر آتے ہیں، وہ بھی اگر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ وہ بھی زبان کے گناہ اور آنکھ کے گناہ میں مبتلا ہیں، لہٰذا یہ فکر ہونی چاہیے کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو۔ ایک حدیث میں حضو اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی کلمہ بے پرواہی میں ایسا نکال دیتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔ مثلاً اس نے کسی وقت کسی جذبے کے ساتھ اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے ''الحمد للہ'' کہہ دیا، یا ''سبحان اللہ'' کہہ دیا، یا کوئی اور ذکر کر لیا، ایسے اخلاص اور جذبے کے ساتھ کیا کہ میرے مولیٰ نے اس کو قبول فرمالیا، اور اسی پر بیڑا پار کر دیا۔ یا زبان سے کوئی ایسا کلمہ کہا جس سے ٹوٹے دل کا علاج ہو گیا، اور اس کے دل کو تسلی ہو گئی، اب بظاہر تو تم نے اہتمام کر کے وہ کلمہ نہیں کہا تھا، لیکن چونکہ اس کے ذریعے ٹوٹے دل کی تسلی ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا، اس کی بدولت تمہارا بیڑہ پار کر دیا، اور جنت میں پہنچا دیا۔

زبان سے نکلنے والا ایک کلمہ

پھر آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے جس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا، لیکن اس ایک کلمہ کی بدولت وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کلمہ اس کو جہنم میں اتنی گہرائی میں پھینک دیتا ہے کہ جو ستر سال کی مسافت پر ہوتی ہے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کر دی، کسی کا دل توڑ دیا، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، جس کے نتیجے میں

اس کلمے نے اس کو ستر سال کی مسافت کی گہرائی میں پہنچا دیا۔ جب ایک کلمہ اس حد تک گہرائی میں پہنچا دیتا ہے تو یہ زبان جو ہر وقت صبح سے لے کر شام تک بے مہا با قینچی کی طرح چل رہی ہے، معلوم نہیں کہ جہنم کی کتنی گہرائی میں ہمیں ڈال دے۔

مجالس میں غیبت اور تنقید

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کو اوندھے منہ جہنم میں گرانے والی کوئی چیز ''زبان'' سے زیادہ خطرناک نہیں۔ لیکن کیا ہمیں اس کی کچھ فکر ہے کہ اس زبان کو روکیں، اور اس کو قابو کرلیں، اور اس کو صرف اللہ جل شانہ کی مرضیات میں استعمال کریں، اور اللہ جل شانہ کی معصیتوں اور گناہوں میں اس کو استعمال نہ کریں۔ اگر مجلس میں بیٹھے ہیں تو غیبت ہو رہی ہے، لیکن ہمیں کوئی پرواہ نہیں، اگر کسی سے گفتگو ہو رہی ہے، تو بعض لوگوں کو گفتگو کے دوران دوسروں پر تنقید کا بڑا شوق ہوتا ہے، اور اس تنقید کے نتیجے میں دوسروں کو ڈنگ مارتے ہیں، دوسروں کا دل توڑتے ہیں، لیکن اس شخص کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

پہلے تولو پھر بولو

ارے بھائی! جھوٹ ہو، غیبت ہو، بے تحقیق باتیں ہوں، ان سب سے بچو، خلاصہ یہ کہ زبان کو سوچ سوچ کر استعمال کرو، وہ جو بزرگوں نے فرمایا کہ ''پہلے تولو پھر بولو'' یہ نہ ہو زبان بے مہابہ چل رہی ہے، اور اس کی پرواہ نہیں ہے کہ میری زبان سے کیا نکل رہا ہے، اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس لئے سوچ کر بولو، اور جب کسی سے بات کرو تو ڈرتے ہوئے بات کرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری زبان سے اس کو تکلیف پہنچ جائے، اور آخرت میں اللہ جل شانہ کے

پاس مجھے اس کا جواب دینا پڑے، اس کی فکر کرو۔ لہٰذا اپنی زبان کو، اپنی آنکھ کو، اپنے کانوں کو گناہوں سے بچاؤ، کیونکہ جس طرح غیبت کرنا ناجائز ہے، اسی طرح غیبت سننا بھی ناجائز ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اتق المحارم تکن اعبد الناس'' حرام کاموں سے بچو تو تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔

حقیقی مجاہد کون؟

نفلیں پڑھنا تو سب کو نظر آتا ہے، اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ بڑا عابد و زاہد آدمی ہے۔ لیکن گناہوں سے بچنا اور بچنے کی فکر کرنا ایسی چیز ہے، جو دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتی۔ مثلاً دل میں گناہ کا تقاضا ہوا، اور آدمی نے اس تقاضے کو دبادیا، اور اس تقاضے پر عمل نہیں کیا، یہ اتنا بڑا اجہاد ہے جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ'' اتنا بڑا اجہاد کرلیا، اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، اس میں کوئی شہرت بھی نہیں ہوتی، نہ اس میں ریاکاری کا احتمال ہے، بلکہ اپنے کو بچا کے رکھنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة:۱۸۳)

اس آیت میں روزے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، اور گناہوں سے بچنے کی فکر کا نام ''تقویٰ'' ہے، لہٰذا اس ماہ رمضان میں یہ فکر پیدا کرنی ہے، اللہ تعالیٰ ان روزوں اور تراویح کی برکت سے یہ فکر

ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے، اور جب رمضان المبارک ختم ہو تو اس کے بعد بھی ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے والے بن جائیں، اور یہ فکر پیدا ہو جائے کہ یہ گناہ کتنی مہلک چیز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، اگر آنکھ کی حفاظت، زبان کی حفاظت، کانوں کی حفاظت، دل کی حفاظت کرلیں، تو پھر دیکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کیسے انوار و برکات نازل ہوتے ہیں۔

آنکھ، کان، زبان بند کرلو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی نور حق ، بر من بخند

مولانا فرماتے ہیں کہ اپنی آنکھ بند کرو، بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اہتمام کرو کہ یہ آنکھ ناجائز جگہ پر نہ دیکھے، کانوں کو بند کرو، کانوں کو بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی فکر کرو کہ یہ کان گناہ کی کوئی بات نہ سنے، جیسے گانا سننا، غیبت، جھوٹ نہ سنے، اور ہونٹوں کو بند کرو کہ کوئی غلط بات منہ سے نہ نکلے۔ یہ تین کام کرلو، یہ تین کام کرنے کے بعد اگر اللہ کا نور نظر نہ آئے تو مجھ پر ہنس دینا۔ یہ بات وہ شخص کہہ رہا ہے جس کی ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں گزری، نورِ حق اس وقت نظر آتا ہے جب آدمی اپنے آپ کو ان گناہوں سے محفوظ کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس حدیث کے اس ارشاد پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آج اس حدیث کے ایک جملے کا بیان ہوگیا، باقی کا بیان انشاء اللہ کل کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قناعت اختیار کرو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

''قناعت'' اختیار کرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيراً۔۔ اما بعدفقد قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گذشتہ کل ایک حدیث کا بیان شروع کیا تھا، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو پانچ باتیں مجھ سے سیکھے، اور خود بھی عمل کرے، اور دوسروں تک ان باتوں کو پہنچائے، اور

عمل کرائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں، تو آپ نے یہ پانچ باتیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان فرما دیں، جن میں سے پہلا جملہ وہ تھا جس کی تشریح میں نے کل عرض کی تھی، ''اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ''یعنی تم حرام چیزوں سے بچو تو تم سارے لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کے عبادت گزار ہونے کے لئے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کرے، اور تقویٰ اختیار کرے، اگر گناہوں سے تو پرہیز نہیں کیا، اور نفلی عبادتیں خوب ہو رہی ہیں، تو محض نفلی عبادتوں کی کثرت سے انسان عبادت گزار نہیں بنتا، جب تک اس کے ساتھ ساتھ گناہوں کو بھی ترک نہ کرے، اس کی تھوڑی سے وضاحت اور تفصیل عرض کر دی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ظاہر کے گناہ، باطن کے گناہ، حقوق اللہ سے متعلق گناہ، معاشرت سے متعلق گناہ، اخلاق سے متعلق گناہ، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں سے نجات عطا فرما دے، آمین۔

قسمت کے لکھے ہوئے پر راضی ہو جاؤ

دوسرا فقرہ جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے کہ:

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، اگر تم راضی ہو جاؤ گے تو تم دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ ''غنی'' کا عام طور پر ترجمہ ''مالدار''

اور ''دولتمند'' سے کیا جاتا ہے، جس کے پاس دولت اور پیسہ زیادہ ہو، وہ غنی ہے، حقیقت میں ''غنی'' کے معنی ''دولتمند'' کے نہیں ہیں، بلکہ حقیقت میں ''غنی'' کے معنی ہیں ''وہ شخص جو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو'' چونکہ جس شخص کے پاس دولت ہے، پیسہ ہے، امیر آدمی ہے، ایسا شخص کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی سے اس کو مانگنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اس وجہ سے اس کو ''غنی'' کہتے ہیں، ورنہ اصل میں ''غنی'' کے معنی ''مالداری'' کے نہیں، بلکہ اس کے اصل معنی ''حاجت سے بے نیاز'' ہونے کے ہیں کہ آدمی کو کسی دوسرے کی حاجت نہیں۔

غنی کون؟

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ

اصل میں ''غنی'' روپے، پیسے اور سامان کی کثرت سے نہیں ہوتی، بلکہ اصل میں ''غنی'' نفس کا ''غنی'' ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تقدیر پر ''قناعت'' ہو جائے، اور اس صورت میں وہ دوسروں سے بے نیاز ہو جائے کہ بس جو مجھے مل گیا وہ ہی میرے لئے کافی ہے، انسان کے دل میں جب یہ خیال پیدا ہو جائے تو انسان ''غنی'' ہے۔ اس لئے کہ پیسہ بذاتِ خود تو کوئی چیز نہیں، کیا پیسوں کو بھوک کے وقت کھالو گے؟ نہیں۔ یا اس کو کپڑوں کی جگہ پہن لو گے؟ نہیں۔ بلکہ پیسوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو تنگ دستی نہ ہو، اس کی ضرورت پوری ہو جائے، اور دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ اب اگر ایک آدمی کے پاس بہت سارا روپیہ ہے، بینک بیلنس ہے، کوٹھی بنگلہ ہے، کاریں ہیں، دنیا

کا سارا ساز و سامان موجود ہے، ان سب کے ہونے کے باوجود اس کے اندر "بے نیازی" پیدا نہیں ہوئی، پھر بھی وہ شخص دوسروں کا حاجت مند رہا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو "غنیٰ" حاصل نہیں۔ دوسرا شخص وہ ہے جس کی آمدنی کم ہے، گنتی میں اس کے پیسے کم ہیں، لیکن وہ شخص دوسروں سے بے نیاز ہے، وہ کسی کے مال کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھتا، کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی کے پیچھے نہیں پھرتا، یہ شخص "غنی" ہے، اس کو "غنیٰ" حاصل ہے، لہٰذا اصل غنیٰ دل کا غنیٰ ہے کہ دل دوسروں سے بے نیاز ہو جائے۔

غنیٰ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت

بہر حال! اس جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کام کی بات ارشاد فرمارہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، وہ یہ کہ اپنی قسمت پر راضی ہو جاؤ تو ساری دنیا میں سب سے "غنی" تم ہو گے۔ اس جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی تلقین فرمائی، ایک "قناعت" دوسرے "رضا بالقضاء" تقدیر پر راضی ہونا، اگر یہ باتیں حاصل ہو جائیں تو تم سارے انسانوں میں "غنی" ہو جاؤ گے، پہلی بات ہے "قناعت" قناعت کے معنی ہیں جائز اور مناسب تدبیر اور دوڑ دھوپ کے بعد حلال طریقے سے جو کچھ مجھے مل گیا، بس وہ میرے لئے کافی ہے، مجھے اور زیادہ کی ہوس نہیں، حرص نہیں، اس کا نام ہے قناعت، یہ بہت اہم صفت ہے، جو ہر مؤمن کے اندر مطلوب ہے، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعا مانگی ہے، فرمایا:

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ

اے اللہ! جو رزق آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس پر مجھے قناعت بھی عطا فرما۔ اس قناعت کے بغیر انسان کو راحت اور سکون حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی

قناعت حاصل کرنے کے لئے آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ دل میں خواہشات تو بے شمار پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ ایسا بن جاؤں، مجھے اتنی دولت حاصل ہو جائے، مجھے کوٹھی اور بنگلہ حاصل ہو جائے، کاریں مل جائیں، یہ سب خواہشات تو دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، لیکن اس روئے زمین پر کون سا انسان ایسا ہے جس کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہو؟ کوئی ہے؟ نہیں۔ چاہے بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، چاہے بڑے سے بڑا ولی اللہ ہو، بڑے سے بڑا صوفی ہو، بزرگ ہو، عالم ہو۔ کوئی نہیں ہے جس کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہو، یہ تو دنیا ہے، جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں تمہاری کچھ خواہشات پوری ہوں گی، اور کچھ نہیں ہوں گی، جب ہر خواہش پوری نہیں ہوگی تو اب دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یا تو ساری زندگی خواہش پوری نہ ہونے پر کڑھتے رہو، اور یہ شکوہ شکایت کرتے رہو کہ میری فلاں خواہش پوری نہیں ہوئی، میں فلاں چیز چاہ رہا تھا، وہ نہیں ملی، ساری زندگی اس حسرت اور افسوس میں گزار دو۔ اس لئے کہ تقدیر سے زیادہ تو تمہیں کبھی کوئی چیز نہیں مل سکتی، چاہے رو، چاہے فریاد کرو، چاہے کڑھتے رہو، اور لوگوں کے سامنے شکوے کرتے رہو، ملے گا وہی جو تقدیر میں لکھا ہے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

دوسری صورت یہ ہے کہ جو کچھ مل رہا ہے اس کو ہنسی خوشی قبول کر لو، اور

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ، اور قناعت اختیار کرلو، بس یہی دو صورتیں ہیں، لہٰذا اللہ جل شانہ کی تقدیر پر اور اس کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ کہ تمہیں جتنا کچھ دیا ہے، تمہارے لئے وہی مناسب ہے۔ البتہ جائز اور حلال طریقوں سے تدبیر کرنا منع نہیں، لیکن تدبیر کرنے کے بعد جو مل گیا، اس پر خوش ہو جاؤ کہ ہاں! میرا حق اتنا ہی تھا، جو مجھے میرے اللہ نے دیا، اب اس سے زیادہ کی ہوس میں مبتلا ہو کر خود بھی پریشان ہونا اور دوسروں کو بھی پریشان کرنا، اور اس کے لئے جائز اور ناجائز طریقے استعمال کرنا یہ وہ بلا ہے جس میں آج پوری دنیا مبتلا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے کے ذریعے اس سے بچانے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

جائز اور حلال طریقے سے اعتدال سے کماؤ

پہلی بات یہ ہے کہ دولت اور پیسے کے حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام تدبیر نہ ہو، بلکہ جو طریقہ بھی پیسے کمانے کا اختیار کرو وہ حلال اور جائز ہونا چاہئے، اور جو کچھ ملے اس پر قناعت اختیار کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جائز اور حلال طریقوں کو بھی اعتدال کے ساتھ اختیار کرو، یہ نہیں کہ صبح سے کر شام تک بس پیسے کمانے میں منہمک ہے، اور دنیا کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہے، سب کچھ مل جانے کے باوجود خواہش یہ ہے کہ اور مل جائے، اس دنیا کی حرص و ہوس اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ ہر وقت دل و دماغ پر دنیا کی فکر سوار ہے۔ ایک مؤمن کے اندر یہ چیز مطلوب نہیں، چاہے وہ جائز اور حلال طریقے سے کر رہا ہو، اس لئے کہ جائز اور حلال طریقوں کے اندر بھی اعتدال مطلوب ہے، یہ نہ ہو کہ دنیا کو اپنے اوپر اس طرح سوار کرلیا کہ اب خواب بھی اس کے آرہے

ہیں، بقول شخصے کہ جس تاجر کے دماغ پر دنیا سوار ہوتی ہے، جب وہ رات کو بستر پر لیٹتا ہے تو آسمان کے ستارے بھی اس کو آپس میں تجارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ حالت اچھی نہیں۔

پیسوں کو خادم بناؤ، مخدوم نہ بناؤ

ارے بھائی! یہ پیسہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا خادم بنا کر پیدا کیا ہے کہ تمہاری خدمت کرے، نہ یہ کہ یہ پیسہ تمہارا مخدوم بن جائے، اور تم اس کے خادم بن جاؤ کہ میں کس طرح اس کو حاصل کرلوں، کس طرح اس کو رکھوں، کہاں خرچ کروں؟ اور کس طرح مزید پیسہ پیدا کروں؟ ہم نے الٹا معاملہ کرلیا ہے کہ وہ پیسہ جو ہمارا خادم تھا، ہم نے اس کو مخدوم بنادیا ہے۔ اب اس پیسے کے پیچھے اپنی جان بھی جارہی ہے، صحت بھی خراب ہورہی ہے، دین بھی خراب ہورہا ہے، لوگوں سے تعلقات بھی خراب ہورہے ہیں، اور دن رات یہی فکر ہے۔

سبق آموز واقعہ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ''گلستان'' میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر پر تھا کہ ایک شہر میں ایک تاجر کے گھر میں مقیم ہوگیا، بہت بڑا تاجر تھا، اس کا گھر بھی عالیشان تھا، اور اس میں دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ جب دستر خوان پر کھانے کے لئے بیٹھے تو بات چیت شروع ہوئی، اس تاجر کی عمر تقریباً ۷۰ سال تھی، میں نے اس تاجر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال و دولت سے نوازا ہے، اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ اس تاجر نے کہا کہ میں نے ساری دنیا میں گھوم لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا، لیکن میرے دل میں ایک حسرت ہے وہ یہ کہ میں ایک آخری تجارتی چکر لگانا چاہتا

ہوں، اس کے بعد اپنی بقیہ زندگی اپنے وطن میں گزاردوں گا، میں نے پوچھا کہ وہ آخری چکر کہاں کا ہے؟ اس تاجر نے اس آخری چکر کی تفصیل یہ بتائی کہ میں ایران سے گندھک خرید کر چین جاؤں گا، وہاں سے چینی برتن خریدوں گا، وہ برتن روم میں لے جاکر فروخت کروں گا، اور روم سے ریشم خرید کر ہندوستان میں فروخت کرون گا، اور ہندوستان سے لوہا خرید کر حلب میں فروخت کروں گا، اور حلب کا آئینہ خرید کر یمن میں فروخت کروں گا، اور یمن سے چادریں خرید کر ایران میں فروخت کروں گا، اور اس کے بعد سفر چھوڑ کر ایک دکان میں بیٹھ کر بقیہ زندگی گزاردوں گا، اس کے بعد اس نے شیخ سعدی سے کہا کہ تم بھی تو کہو، تم نے جو سفر میں دیکھا سنا ہو اس کے بارے میں بتاؤ، شیخ سعدی نے کہا کہ یہ دو شعر سن لو:

آں شنیدستی که در صحرائے غور
بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحراء میں ایک سردار اپنے خچر پر سامان لے جارہا تھا، خچر نے اس تاجر کو نیچے گرایا، وہ تاجر مرگیا، اور تجارت کا سارا سامان جنگل میں پڑا رہ گیا، وہ بکھرا ہوا سامان زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیادار کی تنگ نظر کو یا تو قناعت بھر سکتی ہے، یا قبر کی مٹی بھر سکتی ہے، اس کے بھرنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ (گلستان سعدی، ص ۱۲۰)

انسان کا پیٹ قبر کی مٹی بھر سکتی ہے

شیخ سعدیؒ کے یہ اشعار درحقیقت ایک حدیث کا مضمون ہیں، جس میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

لو كان لابن آدم وادياً من ذهب لا بتغىٰ ان يكون له واديان، ولو كان له واديان من ذهب لابتغىٰ ان يكون له ثالثاً ، ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب۔

* اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ میرے پاس سونے کی دو وادیاں ہو جائیں، اور اگر دو وادیاں سونے سے بھری ہوئی مل جائیں تو وہ چاہے گا کہ مجھے تیسری وادی مل جائے، اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اس کا پیٹ ہر وقت خالی رہتا ہے، اور کا دل چاہتا ہے کہ اس کے اندر اور آ جائے، اور آ جائے، اور یہ پیٹ اس وقت بھرے گا جب وہ قبر میں جائے گا، اور قبر کی مٹی اس میں داخل ہوگی تب وہ بھرے گا، اس سے پہلے قناعت حاصل نہیں ہوگی۔

حرص وہوس چھوڑ دو

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر راحت چاہتے ہو تو قناعت پیدا کرو، وہ یہ کہ جائز اور حلال طریقے سے جو کچھ مجھے مل رہا ہے، وہ الحمد للہ میرے لئے ایک نعمت ہے، مجھے زیادہ کی ہوس نہیں۔ ایک بہت بڑا فتنہ جو ہمیشہ سے ہے، لیکن آج یہ فتنہ بہت بڑھا ہوا ہے، وہ حرص و ہوس ہے، مثلاً یہ حرص ہے کہ فلاں کے پاس جیسا بنگلہ ہے، میرے پاس بھی ویسا بنگلہ ہو، فلاں کے پاس جیسی گاڑی ہے، میرے پاس بھی ویسی گاڑی ہو، فلاں کے پاس جیسا کارخانہ ہے، میرے پاس بھی ایسا کارخانہ ہو۔ بلکہ میں اس سے بھی آگے بڑھ جاؤں، آگے بڑھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، اگر فرض کرو

کہ اس دوڑ کے باوجود حلال وحرام کی فکر ہے، تب بھی اپنے دل کا سکون تو اس دوڑ کے نتیجے میں غارت کیے ہوئے ہے کہ مجھے اور مل جائے، اور مل جائے۔

اپنے سے اونچے آدمی کو مت دیکھو

اب سوال یہ ہے کہ قناعت کیسے پیدا ہوگی؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ دنیا کے معاملات میں اپنے سے اونچے آدمی کو مت دیکھو، بلکہ اپنے سے نیچے آدمی کو دیکھو، اس لئے کہ اگر اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو گے تو ہر وقت دل میں یہ حسرت رہے گی کہ اچھا اس کے پاس ایسی گاڑی ہے، میرے پاس بھی ایسی گاڑی ہونی چاہئے، اس کے پاس ایسا مکان ہے، میرے پاس بھی ایسا مکان ہونا چاہئے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہوس بڑھتی چلی جائے گی، لیکن جب تم اپنے سے نیچے آدمی کو دیکھو گے تو اس صورت میں شکر کے جذبات پیدا ہوں گے، تم یہ سوچو گے کہ یہ بھی میری طرح گوشت پوست کا انسان ہے، اور یہ اس حالت میں زندگی گزار رہا ہے، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ نوازا ہے، مجھے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، یہ سوچنے سے انسان کے اندر ''قناعت'' پیدا ہوگی۔ لہٰذا اپنے سے کمتر کو دیکھا کرو۔

حضرت ابن عونؒ کا واقعہ

محدثین میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ، وہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زندگی میں میرا دولتمندوں اور مالداروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ''فلم ارا کثر ھما منی'' یعنی مجھ سے زیادہ کوئی غمگین نہیں تھا، اس لئے کہ میں جس شخص کو دیکھتا، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے، اس کا کھانا میرے کھانے سے اچھا ہے، اس کا گھر میرے گھر سے اچھا

ہے، اس کی سواری میرے سواری سے اچھی ہے، اس لئے میں ہر وقت دل میں پریشان اور غمگین رہتا، پھر بعد میں میں نے فقراء اور غریبوں کی مجالست اور ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا اختیار کیا تو ''فاسترحت'' مجھے آرام مل گیا، کیوں؟ اس لئے اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہر شخص مالی اعتبار سے مجھ سے کمتر ہے، اور یہ دیکھتا ہوں کہ میرا مکان ان کے مکانات سے اچھا ہے، میری سواری ان کی سواری سے اچھی ہے، میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے اچھے ہیں، اب میں اپنی اس حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سب کے مقابلے میں اچھی حالت میں رکھا ہے۔

دنیا کا مہنگا ترین بازار

ارے بھائی! اگر تم اپنے سے اوپر دیکھنا شروع کرو گے تو اوپر والوں کی کوئی حد اور انتہا ہی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میں امریکہ میں گیا، امریکا کے شہر لاس اینجلس میں ایک بازار ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا مہنگا ترین بازار ہے، اس بازار میں میرا جانا ہوا، میرے میزبان نے ایک دکان کی طرف اشارہ کیا، اور کہا کہ یہ دکان ایسی ہے کہ اس دکان میں رکھی ہوئی اشیاء کی قیمتیں تصور سے بھی زیادہ ہیں، مثلاً یہ موزے جو سامنے رکھے ہوئے ہیں، ان کی قیمت 200 ڈالر ہے، اور یہ سوٹ تیس ہزار ڈالر کا ہے، ہمارے حساب سے بارہ لاکھ روپے کا ایک سوٹ، اور یہ دکان دار صرف کپڑے اور سوٹ فروخت نہیں کرتا، بلکہ یہ مشورہ بھی دیتا ہے کہ آپ کے جسم پر کس قسم کا، کس ڈیزائن کا اور کس کلر کا لباس مناسب ہوگا، اور اس مشورے کے دس ہزار ڈالر الگ چارج کرتا ہے، اور پھر اس سوٹ کی تیاری پر چالیس، پچاس ہزار ڈالر الگ ہوں

گے، اس طرح ایک سوٹ جو آپ سر سے لے کر پاؤں تک پہنیں گے پچاس
، ساٹھ ہزار ڈالر میں تیار ہوگا۔

شہزادہ چارلیس اور دلی خواہش

اور اس شخص سے لباس کے بارے میں مشورہ لینے کے لئے مہینوں پہلے وقت لینا پڑتا ہے، اور برطانیہ کے شہزادہ چارلیس نے اس سے وقت مانگا تو دو مہینے بعد کا وقت ملا، اب وہ شہزادہ چارلیس دو مہینے تک تکلیف میں رہا، اس لئے کہ اس کا دل چاہ رہا ہے کہ اس سے ملاقات کی فضیلت مجھے حاصل ہو جائے، اور پھر اس کے مشورے سے تیار کردہ سوٹ میں بھی پہنوں، اور پیسے خرچ کرنے کے لئے بھی تیار ہے، لیکن اس کے باوجود بھی دل کی خواہش پوری نہیں ہو رہی ہے۔ یہ بھی دولت خرچ کرنے کا ایک طریقہ ہے، اب اس کو دیکھو، اور سوچو کہ میں اس طرح لباس تیار کرا کر پہنوں، نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری زندگی حسرت میں گزر جائے گی، لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اپنے سے اوپر دیکھنا شروع کرو گے تو اس کی کوئی حد نہیں۔

کس طرف دیکھو گے؟

جس بازار کا میں یہ واقعہ بتا رہا ہوں، اسی بازار سے دو میل کے فاصلے پر ایک اور بازار میں یہ منظر بھی دیکھا کہ وہاں پر لوگ ٹرالیاں لے کر جا رہے ہیں، اور کوکا کولا، اور پیپسی کولا کے خالی ڈبے جمع کر رہے ہیں، اور ان کو فروخت کر کے اپنا پیٹ پال رہے ہیں، اور رات کو سوتے وقت اسی ٹرالی میں سے ایک کمبل نکالا، اور راستے کے کنارے ٹرالی کھڑی کی، اور وہیں فٹ پاتھ پر سردی میں سو گئے۔ اب بتاؤ! اُدھر دیکھو گے؟ یا اِدھر دیکھو گے؟ اگر اُدھر دیکھو

گے تو تمہارا پیٹ کبھی نہیں بھرے گا، کبھی تمہاری آنکھ سیر نہیں ہوگی، کبھی تمہیں آرام اور سکون حاصل نہیں ہوگا، لیکن اگر دوسری طرف دیکھو گے اور یہ سوچو گے کہ یہ بھی اللہ کے بندے ہیں، کس طرح رات گزارتے ہیں، ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر سو کر رات گزار رہے ہیں، اللہ نے مجھے تو راحت اور آرام والا مکان عطا فرمایا ہے، اس سوچ کے نتیجے میں اطمینان اور سکون عطا ہوگا۔ اس لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بتا دیا کہ دین کے معاملے میں اپنے سے اعلیٰ کو دیکھو، اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر کو دیکھو، تو اس کے نتیجے میں شکر پیدا ہوگا، اور قناعت پیدا ہوگی۔

حرص و ہوس انسان کو جلاتی رہتی ہے

قناعت سے بہتر کوئی دولت نہیں، کیونکہ جب انسان کے دل میں ہوس کی آگ لگ جاتی ہے تو پھر اس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہوتی، پھر یہ ہوس انسان کو جلاتی رہتی ہے، اور حاصل کچھ نہیں ہوتا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی، ہم سب کو یہ دعا مانگنی چاہئے، اگر عربی الفاظ یاد ہو جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ اردو میں ہی مانگ لیا کریں، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ اخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَۃٍ لِّیْ مِنْکَ بِخَیْرٍ

اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے، اس پر مجھے قناعت عطا فرما دیجئے، اور جو نعمتیں مجھے حاصل نہیں ہیں، ان کے بدلے میں مجھے اپنی طرف سے جو میرے حق میں بہتر ہو وہ عطا فرما۔ ہو سکتا ہے کہ میں جس چیز کی خواہش کر رہا ہوں، وہ میرے حق میں ٹھیک نہ ہو، مناسب نہ ہو، لیکن آپ اپنے فضل و کرم سے جو ہمیں عطا فرمائیں گے، وہی میرے حق میں مناسب ہوگا،

وہی مجھے عطا فرمادیں۔

ایک خوبصورت دعا

ایک اور دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکھائی کہ:

اَللّٰھُمَّ مَارَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ ،
وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ

کیا عجیب و غریب دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، فرمایا کہ اے اللہ! میری پسندیدہ چیز جو آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے، اس چیز کو ان کاموں کا ذریعہ بنا دیجئے جو آپ کو پسند ہیں۔ اور میری پسندیدہ چیز جو آپ نے مجھے نہیں دی تو اس کے بدلے میں مجھے وہ چیز عطا فرما دیجئے جو آپ کی پسند ہے۔ نبی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص یہ دعا مانگ ہی نہیں سکتا، بہرحال! قناعت کے بغیر اس دنیا میں راحت حاصل نہیں ہوسکتی۔

دولت نے بیٹے کو باپ سے دور کر دیا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ والد صاحب کے جاننے والوں میں ایک تاجر تھے، ان کا ایک کاروبار کراچی میں تھا، ایک ممبئی میں، ایک سنگاپور میں، ایک بنکاک میں تھا، کئی شہروں میں فیکٹریاں لگی ہوئی تھیں، ایک بیٹا سنگاپور میں کام کررہا ہے، ایک بنکاک میں کام کررہا ہے، ایک ممبئی میں کام کررہا ہے، اور خود کراچی میں کام کررہے ہیں۔ والد صاحب نے ایک دن ان سے پوچھا کہ آپ کی اپنے بیٹوں سے ملاقات ہو جاتی ہے؟ جواب میں کہنے لگے کہ میری اپنے بیٹے سے ملاقات کو اتنے سال ہوگئے ہیں، گویا کہ ایک بیٹا اپنے کاروبار میں مگن ہے، اور دوسرا بیٹا اپنے کاروبار میں مگن

ہے، اور باپ اپنے کاروبار میں مگن ہیں، سالہا سال سے باپ نے اپنے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی، اور بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی، اور پیسوں کی گنتی میں روز اضافہ ہو رہا ہے۔ ارے بھائی! جن پیسوں کے نتیجے میں انسان کو اپنی اولاد سے، اپنے باپ سے ملنے کی نعمت نصیب نہ ہو، ایسا پیسہ کس کام کا؟

اولاد کا قرب بڑی نعمت ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک کافر کا واقعہ بیان کیا ہے، جو بڑا اکڑ قسم کا کافر تھا اور ہم نے اس کو کیسی نعمتوں سے نوازا تھا، فرمایا:

وَ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (المدثر:۱۲،۱۳)

یعنی ہم نے اس کو مال بھی بے انتہا دیا تھا، اور اس کو اولاد بھی دی تھی جو اس کے پاس موجود تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اولاد کا پاس موجود ہونا یہ اللہ جل شانہ کی عظیم نعمت ہے، اگر انسان کے پاس روپیہ پیسہ تو ہو لیکن اولاد قریب نہ ہو تو ان پیسوں کا کیا فائدہ؟

اس مقدار پر راضی ہو جاؤ

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر تم صحیح معنی میں مالداری چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ اس مقدار پر راضی ہو جاؤ جو اللہ جل شانہ نے تمہاری قسمت کے حساب سے تمہیں عطا فرمادی، تو پھر انشاء اللہ راحت اور آرام میں رہو گے، اور پھر کسی کے محتاج نہیں ہو گے، اور نہ کسی کی طرف تمہاری نگاہیں اٹھیں گی، اور تم سیر چشم رہو گے۔ لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ ہو گے تو پھر ہزار ہاتھ پاؤں مارتے رہو، اور دل میں غمگین

بھی ہوتے رہو، کبھی بھی دل کا غنیٰ حاصل نہیں ہوگا، جو اصل مقصود ہے۔

میرے پیمانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے میں دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے، ایک قناعت حاصل کرنے کی، دوسرے رضا بالقضاء کی، آج مختصراً ''قناعت'' کے بارے میں عرض کردیا کہ اپنے تمام معاملات میں جائز اور حلال طریقے سے جو کچھ حاصل ہورہا ہے، اس پر خوش ہو جاؤ، دوسروں کی طرف مت دیکھو کہ دوسروں کے پاس کیا ہے؟ ارے بھائی! دوسرے کا معاملہ وہ جانے، تمہارا معاملہ تم جانو، تم اس فکر میں کیوں پڑے ہو کہ دوسرے کے پاس کیا ہے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا خوبصورت، بڑا معنی خیز شعر ہے، اگر انسان اس پر عمل کرے تو اس کو بڑا سکون حاصل ہو جائے، فرماتے ہیں:

مجھ کو اس سے کیا غرض کس جام میں ہے کتنی مئے
میرے پیمانے میں لیکن حاصلِ میخانہ ہے

مجھے اس سے کیا غرض کہ کس کے گلاس میں کتنی ہے، ہاں مجھے جو کچھ ملا ہے، وہ میرے لئے حاصل میخانہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے، درحقیقت وہی میرے لئے کافی ہے، قناعت یہ ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے پر راضی ہو جاؤ، اور اس کو اپنے لئے نعمت سمجھو، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور دوسروں کی طرف دیکھ کر حرص و ہوس میں مبتلا نہ ہو۔

تجارت کو ترقی دینا قناعت کے خلاف نہیں

یہاں میں ایک اور وضاحت کردوں، وہ یہ کہ لوگ بعض اوقات ''قناعت'' کا مطلب یہ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اس ساری گفتگو کا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو شخص تاجر ہے اس کو آگے تجارت بڑھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، قناعت کا مقصد یہ نہیں، میں نے تین الفاظ استعمال کیے، ایک یہ کہ مال کمانے ۔ طریقہ جائز ہو، دوسرے وہ مال حلال ہو، تیسرے یہ کہ اعتدال کے ساتھ ہو، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَ تَوَکَّلُوْا عَلَیْہِ '' لہٰذا اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کمانے کو اپنے اوپر سوار نہ کرو، مال کے خادم نہ بنو، اب اگر ایک شخص جائز طریقے سے اور اعتدال کے ساتھ اپنے کاروبار کو بڑھا رہا ہے، تو شریعت نے اس پر نہ صرف یہ کہ پابندی عائد نہیں کی، بلکہ یہ عمل قناعت کے بھی منافی نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے کاروبار کو ناجائز اور حرام طریقے سے بڑھا رہا ہے، وہ تو بالکل ہی حرام ہے، دوسرا یہ کہ اگرچہ ناجائز کا ارتکاب نہیں ہو رہا ہے، لیکن اعتدال سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے کہ دن رات مال بڑھانے کے علاوہ کوئی اور فکر ہی نہیں ہے، یا اس کاروبار کے نتیجے میں دوسروں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، یہ بھی اعتدال سے بڑھنے میں داخل ہے، تیسرے یہ کہ آدمی اس کاروبار میں ایسا مشغول ہو گیا ہے کہ اب اس کو کسی دینی محفل میں جانے کی فرصت نہیں، دین کی بات سیکھنے کی فرصت نہیں، کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھنے کی فرصت نہیں، یہ بھی اعتدال سے خارج ہے، اور قناعت کے خلاف ہے۔

بہرحال! اعتدال کے ساتھ، جائز طریقے سے دنیا کماؤ، اور جو ملے اس

پر راضی رہو، بس اسی کا نام قناعت ہے، اس دنیا میں قناعت کے علاوہ راحت حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو قناعت کی دولت عطا فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ،صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً ۔۔۔ اما بعدفقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : وَارْضِ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ۔

تمہید

یہ ایک حدیث ہے جس کا بیان گذشتہ دو تین روز سے چل رہا ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ جملے ارشاد فرمائے، اور ہر جملہ ایک

مستقل نصیحت پر مشتمل ہے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ۔ گناہوں سے بچو تو تم ساری دنیا میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: وَارْضِ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ تو تم سارے انسانوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس دوسرے جملے میں دو نصیحتیں ہیں، ایک یہ کہ انسان قناعت اختیار کرے، یعنی جائز اور حلال طریقے سے جو کچھ اسے مل رہا ہے اس پر صبر اور شکر کرے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی تقدیر پر اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہے، جس کو "رضا بالقضاء" کہتے ہیں، قناعت کے بارے میں گزشتہ کل کچھ گذارشات عرض کر دی تھیں۔

اس کائنات میں تین عالم ہیں

اس جملے کا دوسرا پہلو "رضا بالقضاء" ہے، یہ صرف مال و دولت ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ زندگی میں انسان کے ساتھ جتنے واقعات پیش آتے ہیں، ان سب میں اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا "رضا بالقضاء" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں، ایک عالم وہ ہے جس میں خوشی ہی خوشی ہے، راحت ہی راحت ہے، رنج کا وہاں نام نہیں، تکلیف کا وہاں گزر نہیں، وہ عالم جنت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔ دوسرا عالم وہ ہے جہاں تکلیف ہی تکلیف ہے، رنج ہی رنج ہے، صدمہ ہی صدمہ ہے، وہ ہے عالم جہنم، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے پناہ میں رکھے، آمین۔ ان دونوں کے درمیان یہ "عالم دنیا" ہے، جس

میں خوشی بھی ہے، رنج بھی ہے، راحت بھی ہے، تکلیف بھی ہے، اس کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو خوشی ہی خوشی ملی ہو، صدمہ نہ ملا ہو، یا جس کو صدمہ ہی صدمہ ملا ہو، خوشی نہ ملی ہو، بلکہ دنیا میں دونوں چیزیں ملی جلی چلتی ہیں۔

رنج اور تکلیف ضرور پہنچے گی

لہٰذا اس دنیا میں ایسے واقعات لازماً پیش آنے ہیں جو انسان کی طبیعت کے خلاف ہوں گے، جن سے انسان کو صدمہ اور رنج پہنچے گا، تکلیف پہنچے گی، لیکن اس تکلیف کے نتیجے میں چاہے آدمی روئے، چاہے اظہار رنج کرے، لیکن اس کا دل اس بات پر راضی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو فیصلہ کیا ہے، وہ فیصلہ برحق ہے، اگرچہ اس سے مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اسی کا نام "رضا بالقضاء" ہے، مثلاً کوئی بیماری آگئی، اب اس بیماری کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، صدمہ بھی ہے، آہ بھی منہ سے نکل رہی ہے، رونا بھی آرہا ہے، لیکن دل اس بات پر مطمئن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو بیماری بھیجی ہے، ان کا فیصلہ برحق ہے، مجھے اس پر کوئی شکوہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مجھے کوئی شکایت نہیں، اس کا نام "رضا بالقضاء" ہے، جو مطلوب ہے۔

دل میں شکایت نہ ہو

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ آنکھ سے آنسو جاری ہیں، دل میں صدمہ ہو رہا ہے، لیکن ہم چونکہ اللہ جل شانہ کے فیصلے پر راضی ہیں، لہٰذا ہم وہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لہٰذا "رضا بالقضا" میں دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں کہ صدمہ بھی ہے، آنسو بھی بہہ رہے ہیں، تکلیف بھی ہو رہی

ہے، لیکن دل اللہ جل شانہ کے فیصلے پر مطمئن ہے کہ اس نے تقدیر میں جو کچھ لکھا تھا وہ برحق تھا، اور حکمت کے عین مطابق تھا، یہ ہے "رضا بالقضاء" اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمادے، آمین۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ یہ کہنا شروع کردے کہ یہ مصیبت مجھ پر ہی کیوں آئی؟ ایسا میں نے کون سا گناہ کرلیا جس کی پاداش میں پکڑا گیا۔ العیاذ باللہ۔ اس قسم کے کلمات زبان سے نکل جاتے ہیں، یہ درحقیقت بے صبری ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوہ ہے، جس سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہئے، اور کبھی ایسا جملہ زبان پر نہیں لانا چاہئے۔

رونے کی اجازت دیدی

یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ باوجودیکہ ان کا ہر فیصلہ حکمت کے عین مطابق ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصیبت اور تکلیف پر رونے کی اجازت دے رکھی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ یہ حکم بھی دے سکتے تھے کہ میں نے یہ فیصلہ اپنی حکمت کے مطابق کیا ہے، اور اسی میں تمہارے لئے خیر ہے، اور اس پر تمہیں رونے کی اجازت نہیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ضعف اور ہماری کمزوری سے باخبر ہیں، اور جانتے ہیں کہ اس بندے کو ہماری حکمتوں کا پتہ نہیں، لہٰذا اگر یہ رورہا ہے تو رونے دو، بلکہ فرمایا ہم رونے پر اور دل کے صدمے پر تمہیں اجر بھی دیں گے، بس ایک بات کا مطالبہ ہے، وہ یہ کہ ہمارے فیصلے پر اعتراض نہ کرنا، شکایت نہ کرنا۔

جو اللہ کی مرضی وہی میری مرضی

اسی واسطے حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے

کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ اس شخص کا کیا مزاج پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، یعنی اپنے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ میرے مزاج کے مطابق ہو رہا ہے، اس لئے مجھ سے زیادہ خوشی میں عیش و آرام میں کون ہوگا؟ سوال کرنے والے نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج تک کسی شخص کے بارے میں نہ یہ سنا اور نہ یہ دیکھا کہ ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہو، یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہوا کہ جو انبیاء کرام نے چاہا ہو وہ ہو گیا ہو، آپ کے ساتھ یہ کیسے ہو گیا؟ جواب میں حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے، یعنی جو میرے مولیٰ کی مشیت، وہ ہی میری بھی مرضی، میرے مولیٰ نے جو فیصلہ کر دیا، میں بھی اس پر راضی ہوں، بس اب کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، اس لئے کہ میری مرضی وہی ہے جو اللہ کی مرضی ہے۔

حضرت خضرؑ سے ملاقات کا حکم

بھائی! اگر انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جائے تو اس سے زیادہ راحت کا کوئی اور کام نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی کیوں ہو جائے؟ جبکہ بظاہر وہ فیصلہ دیکھنے میں برا اور تکلیف دہ معلوم ہو رہا ہے، اس کی وجہ اللہ جل شانہ نے سورۃ الکہف میں بیان فرمادی، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان فرمایا ہے، اس ملاقات کا سبب یہ ہوا کہ کسی شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ

اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ ظاہر ہے کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے، اور پوری روئے زمین پر آپ کا مقام سب سے اعلیٰ تھا، اس لئے انہوں نے کہہ دیا کہ "سب سے بڑا عالم میں ہوں" اس لئے کہ پیغمبر سے بڑا عالم تو کوئی ہوتا نہیں، لیکن اللہ جل شانہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب پسند نہیں آیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہہ دیا، اور ساتھ میں ان کو تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ علم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے تھا، اور یوں کہنا چاہئے تھا کہ ہمیں کیا معلوم کہ کون بڑا عالم ہے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہم تمہیں ایک ایسے بندے کے پاس بھیجتے ہیں جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاموش نہ رہنا

اور یہ حکم دیا کہ کچھ دن ان کے پاس رہو، اور ان کی صحبت حاصل کرو، اب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پابندی لگا دی کہ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو خاموش رہنا ہوگا، میرے سے کوئی سوال کرنے کی اجازت نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے وعدہ کرلیا کہ اچھی بات ہے، مگر جب ان کے ساتھ سفر پر چلے تو دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام جو کام کررہے ہیں وہ الٹا کررہے ہیں، چنانچہ دریا پار کرنے کے لئے کشتی میں بیٹھے تو اس کشتی کے تختے نکال دیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے، آپ سے خاموش نہیں رہا گیا، آپ نے فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا (الکہف: ۷۱)۔ (یعنی تم نے ایک عجیب چیز کرلی) حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تو پہلے

ہی کہہ دیا تھا کہ خاموش رہنا، کچھ مت بولنا، جب تک میں نہ بتاؤں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اچھا معاف کرو: لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا (الکہف: ۷۳)۔ (میرے بھولنے پر مواخذہ نہ کریں، میرا کام مجھ پر مشکل مت کیجئے) جب آگے چلے تو دیکھا کہ ایک بچہ کھیل رہا ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچے کو قتل کر دیا، اب وہ بچہ نابالغ معصوم، وہ بچہ کسی گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوا، ایسے بچے کو قتل کر دینا بڑا سنگین گناہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر تھے، ایسے فعل کو کیسے برداشت کر سکتے تھے، فوراً انہوں نے اور زیادہ شدت سے اس عمل پر نکیر کی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا (الکہف: ۷۴)۔ یہ تو تم نے بہت برا کام کیا کہ ایک بچے کو مار ڈالا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ چپ چاپ چلنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس قسم کے منظر دیکھنا میرے بس کی بات نہیں، اب اگر میں بولوں تو آپ کا راستہ الگ، میرا راستہ الگ، میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

ان کی دنیا اور ہے

اس طرح اللہ جل شانہ نے مختلف واقعات دکھائے، اب دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدہ کر چکے تھے کہ آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی کروں گا، اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ میں سوال نہیں کروں، تو میں سوال نہیں کروں گا، لیکن جب وقت آیا تو ہر جگہ پوچھا، ہر جگہ اعتراض کیا، کیوں؟ اس لئے کہ وعدہ اپنی جگہ تھا، لیکن شریعت کا حکم اپنی جگہ تھا، شریعت کا حکم یہی ہے کہ اگر تم کسی بچے کو قتل ہوتا دیکھ رہے ہو تو اس کو روکو، اس وقت خاموش رہنا شریعت کا تقاضا

نہیں۔ بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے ان تمام امور کی وجہ بیان کی کہ میں نے کون سا کام کیوں کیا تھا، کشتی کا تختہ کیوں نکالا تھا؟ بچے کو قتل کیوں کیا تھا؟ اور وہ دیوار کیوں سیدھی کی تھی؟ اس کی تفصیل بتاتا ہوں کہ اس بچے کے پیچھے کیا مقاصد تھے؟ چنانچہ وہ مقاصد بتا دیے، سمجھ میں بھی آ گئے، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ آگے نہیں چلے، اس لئے کہ ان کی دنیا اور ہے، ہماری دنیا اور ہے، ہمارا تمہارا میل نہیں ہو سکتا۔

ہر واقعہ میں حکمتیں پوشیدہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جو بھیجا تھا، اس کے ذریعے درحقیقت یہ دکھانا تھا، اور اس حقیقت کی وضاحت ذہن نشین کرانی تھی کہ کائنات میں جو واقعات پیش آ رہے ہیں، تم ان واقعات کی صرف ظاہر پر مت جاؤ، بلکہ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی نہ جانے کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری عقل کی ادراک سے ماوراء ہیں۔ ایک دنیا وہ ہے جس کو "تشریعی دنیا" کہا جاتا ہے، یعنی اللہ کی شریعت کی دنیا جس میں ظاہری احکام کے ہم مکلف ہیں، مثلاً یہ کہ کسی کو نقصان مت پہنچاؤ، کسی کو تکلیف مت دو، کسی کو قتل مت کرو، کسی کی آبروریزی نہ کرو وغیرہ، اور ہم ان ظاہری احکام کے مکلف ہیں۔

بچے کو قتل کرنے کی حکمت

لیکن کائنات میں جو واقعات ہمیں ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کو ہم دیکھتے اور سنتے ہیں، ہم ان واقعات کو اپنے محدود مفاد کے دائرے میں رہ

کر سوچتے ہیں، جبکہ ان واقعات کا فیصلہ اس ذات کی طرف سے ہو رہا ہوتا ہے جس کے قبضہ قدرت میں پوری کائنات کی وسعتیں ہیں، وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اب حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے میں دیکھئے کہ انہوں نے اس بچے کو قتل کر دیا، اگر حضرت خضر علیہ السلام اس کو قتل نہ کرتے، بلکہ اچانک وہ بچہ مر جاتا، یا کوئی دوسرا آدمی اس کو قتل کر دیتا تو آپ اس وقت یہی سوچتے کہ یہ بہت برا کام ہوا، اس لئے کہ یہ نابالغ اور معصوم بچہ تھا، اور کسی نے اس کو قتل کر دیا، آپ اس بچے کو مظلوم سمجھتے، اور اس پر ترس کھاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا کہ یہ واقعہ ظاہری نظر میں تو بہت برا تھا، لیکن اس واقعے کے پیچھے کائنات کے مجموعی نظام کے تحت جو حکمت تھی وہ کچھ اور تھی، اس لئے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر سرکش ہونے والا تھا، اور یہ بچہ اپنے ماں باپ کو بھی دین سے گمراہ کر دینے والا تھا، لہٰذا ہم نے اس بچے کو ختم کر دیا، اور اس کے بدلے دوسرا بچہ دیدیا، حضرت خضر علیہ السلام نے یہ حکمت بتادی۔

اپنی عقل کو چھوڑ دو

لیکن اگر انسان اپنی عقل سے سارے فیصلے کرنے لگے تو وہ یہاں پر اعتراض کر سکتا ہے کہ اس بچے کو پیدا کر کے مار دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ اس بچے کو پیدا ہی نہ کرتے، اور اس کے ماں باپ کو پہلے ہی اچھا بچہ دیدیتے، ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس کا کیا جواب ہے؟ یاد رکھئے انسان کے پاس آخر کار اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انسان اپنی عقل کے ہتھیار ڈال دے، اور یہ کہہ دے کہ یہ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہو رہے ہیں، ہماری محدود عقل اس کی حکمتوں اور اس کے فوائد کا ادراک کر ہی نہیں سکتی۔ بہر حال!

بظاہر بچے کے قتل کا واقعہ برا نظر آرہا ہے، لیکن پوری کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے وہ عظیم واقعہ ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں

ان کی حکمت اور مصلحت کو دیکھئے کہ فرعون کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرارہے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے "سامری" کی پرورش کرارہے ہیں:

وَ مُوْسیٰ الَّذِیْ رَبَّہٗ جِبْرِیْلُ کَافِرٌ
وَمُوْسیٰ الَّذِیْ رَبَّہٗ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

سامری کا نام بھی "موسیٰ" تھا، اس کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی، جب فرعون نے بچوں کے قتل کا حکم جاری کیا تو اس وقت سامری کی پیدائش ہوئی تو سامری کی ماں نے اس کو پہاڑ کی ایک غار میں رکھ دیا، اس غار میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کو بھیج دیا کہ اس غار میں ایک بچہ پڑا ہوا ہے، اس بچے کو کھلاؤ پلاؤ، اور اسکی پرورش کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام روزانہ اس بچے کو کھلاتے پلاتے تھے۔ لیکن وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد "سامری" جادوگر کافر بن گیا، اس شعر میں یہی کہا جارہا ہے کہ جس موسیٰ کو جبرئیل امین نے پالا وہ کافر ہوگیا، اور جس موسیٰ کو فرعون نے پالا وہ پیغمبر ہوئے، یہ تو ان کی حکمت اور قدرت کے کرشمے ہیں، جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

عبرتناک واقعہ

ایک قصہ کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ قصہ کتنا مستند اور درست ہے؟ یہ تو اللہ

ہی کو معلوم ہے، لیکن یہ قصہ بڑا عبرتناک ہے، وہ یہ کہ اللہ جل شانہ نے ملک الموت سے پوچھا کہ میں نے تمہیں انسانوں کی روحیں قبض کرنے پر مقرر کر رکھا ہے، اور تم بے شمار انسانوں کی روحیں روزانہ قبض کرتے ہو، کیا کبھی کسی شخص کی روح قبض کرتے ہوئے تمہیں ترس بھی آیا؟ جواب میں ملک الموت نے کہا کہ ہاں! ترس آیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کس پر ترس آیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ دو آدمیوں پر مجھے ترس آیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کون سے دو آدمیوں پر تمہیں ترس آیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ سمندر میں جہاز جارہا تھا، طوفان آیا، اور طوفان میں وہ جہاز تباہ ہوگیا، لوگ ڈوب گئے، کچھ لوگ جنہیں تختوں کا سہارا مل گیا، وہ بچ گئے، ایک عورت جو حاملہ تھی، وہ بھی کسی طرح ایک تختے پر سوار ہوگئی، اور اسی تختے پر وہ کنارے کی طرف جارہی تھی کہ اس کا بچہ پیدا ہوگیا، جب بچہ پیدا ہوگیا تو آپ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ ماں کی روح قبض کرلو، میں نے سوچا کہ یہ بچہ ابھی دنیا میں آیا ہے، نہ اس بچے کا کوئی گھر ہے، نہ اس کا باپ ہے، نہ کوئی اور رشتہ دار دیکھنے والا ہے، لے دے کے ایک ماں تھی، اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیدیا، مجھے اس بچے پر ترس آیا کہ یہ بچہ سمندر کے بیچ میں تختے پر کس طرح زندگی گزارے گا۔

شداد پر ملک الموت کا ترس کھانا

اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اور کس پر ترس آیا؟ جواب میں ملک الموت نے کہا کہ ایک بادشاہ تھا، جس نے دنیا میں ایک جنت بنوائی، اور اپنا زندگی بھر کا سرمایہ اس جنت کو بنانے پر خرچ کردیا، اور بڑی عالیشان جنت بنارہا تھا، اور اس نے یہ تہیہ کیا تھا کہ جب تک وہ جنت مکمل طور پر تیار نہیں ہوجائے گی، اس

وقت تک اس کے اندر داخل نہیں ہوں گا، جب مدتوں کے بعد تیار ہوگئی تو اس وقت اس نے اس جنت کے اندر جانے کا ارادہ کیا، جب وہ اندر داخل ہونے لگا اور ابھی اس کا ایک پاؤں جنت کے اندر تھا، اور ایک پاؤں جنت کے باہر تھا، اس وقت آپ کا حکم آ گیا کہ اس کی روح قبض کرلو، اس وقت مجھے اس پر ترس آیا کہ یہ شخص کیسا ہی برا سہی، لیکن اس نے اتنی محنت و مشقت سے وہ جنت بنوائی تھی، کم از کم اندر جا کر اس جنت کو دیکھ ہی لیتا، اور کم از کم اس کی محنت کا کچھ صلہ اس کو دنیا کے اندر مل جاتا۔

ایک آدمی پر دو مرتبہ ترس کھانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ملک الموت! تم نے ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ ترس کھایا، اس لئے کہ یہ بادشاہ وہی بچہ تھا جس کو تختے پر تیرتا ہوا تم نے دیکھا تھا، اور اس کی ماں کی روح قبض کرتے وقت تم نے اس بچے پر ترس کھایا تھا، وہی بچہ اب بادشاہ بن گیا تھا، اور اب اس بادشاہ کی روح قبض کرتے ہوئے تم نے دوبارہ اس پر ترس کھایا، بہر حال! ان کی حکمت کے بھید کون جان سکتا ہے؟ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ اور کس کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے؟ یہ بات انسان کی عقل سے ماوراء ہے کہ اس کائنات کا نظام کس طرح چل رہا ہے؟ ایک عقل مند انسان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جائے، اور ہتھیار ڈال دے کہ ہاں! جو آپ کا فیصلہ ہے وہی درست ہے، میں یہ نہیں جان سکتا کہ اس فیصلے کے پیچھے کیا حکمت پوشیدہ ہے، یہ انہی کے فیصلے ہیں کہ بڑے بڑے سرکش اور بڑے بڑے نافرمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں، وہ لوگ اس دنیا

میں بڑھ رہے ہیں، ترقی کر رہے ہیں، ان کا ڈنکا بج رہا ہے، ان کے پاس دولت آرہی ہے، ان کے پاس ہر قسم کے وسائل موجود ہیں، اور جو اپنے پیارے ہیں، جو اپنے محبوب ہیں، ان کو آروں سے چروایا جارہا ہے، حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کو آروں سے چروادیا، یہ انہی کے فیصلے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست

کس را چون و چرا نہ رسد در قضاء ما

ہم بعض اوقات اپنے دشمن کو پالتے ہیں، اور اپنے پیاروں کو مروادیتے ہیں، ہمارے فیصلے میں کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر بلائیں سب سے زیادہ

ارے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ اللہ کے لاڈلے کون ہوں گے؟ لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

سب سے زیادہ بلائیں اور آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں، پھر جو ان سے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے ان کے اوپر آتی ہیں۔ اس لئے کائنات میں واقع ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کے سواء کوئی چارہ کار نہیں کہ انسان ان واقعات میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوجائے کہ ان کا جو بھی فیصلہ ہے، اس کی حکمتیں وہی جانتے ہیں، ہم نہیں جانتے، بس ہمارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور قدرتوں کے آگے سر جھکادیں، اس میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، اس کا جو فیصلہ ہے وہ برحق ہے۔

زلزلہ آنے میں حکمت اور مصلحت

اب ہمارے ملک میں چند روز پہلے زلزلہ آیا، یہ کتنی بڑی آفت اور مصیبت تھی، کتنے شہروں میں ہمارے مسلمان بہن بھائی پریشانی کا شکار ہو گئے، اب بظاہر دیکھنے میں اس واقعے میں کوئی خیر کا پہلو نظر نہیں آتا، بظاہر یہ واقعہ برا ہی برا ہے، ہزاروں انسان اس میں شہید ہوئے، ہزاروں انسان زخمی ہوئے، ہزاروں انسان بے گھر ہوئے، لیکن اگر ایک شخص صاحب ایمان ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس واقعے کے پیچھے کیا مصلحتیں کام کر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کیا بھلائیاں پیدا کرے گا، اور کائنات کے مجموعی نظام کے اعتبار سے اس کے اندر کیا خیر کا پہلو ہے؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اس کائنات کا کوئی ذرہ کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہلتا، اور کوئی حرکت اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بغیر نہیں ہوتی، لہٰذا سر تسلیم خم ہے، جو کچھ ہوا، وہ ان کی حکمت کے عین مطابق ہوا، چاہے ہماری سمجھ میں وہ حکمت آئے، یا نہ آئے، ہم اس پر کوئی رائے زنی نہیں کرتے۔

یہ زلزلہ عذاب تھا یا نہیں؟

اب آج کل اخبارات میں، رسائل میں اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ یہ زلزلہ عذاب ہے یا نہیں؟ ایک قوم کا کہنا یہ ہے کہ یہ عذاب ہے، اور ایک قوم اس کے عذاب ہونے کی نفی کر رہی ہے، خوب سمجھ لیں کہ پورے جزم، وثوق اور یقین کے ساتھ اس زلزلہ کے بارے میں کوئی بات کہنا انسان کے دسترس سے باہر ہے، اس لئے کہ وہ یقین کہاں سے لائے

گا؟ کیا تمہارے پاس وحی آئی تھی؟ لہٰذا کائنات کے ان واقعات کے بارے میں کس بنیاد پر یقین کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہو؟ ارے یہ سارے واقعات تو اس ذات کی طرف سے کنٹرول ہو رہے ہیں جس کے ہاتھوں میں پوری کائنات کی باگ دوڑ ہے، وہی فیصلہ کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ اس فیصلے کے پیچھے کیا اسباب ہیں؟ کیا فائدے اور حکمتیں ہیں؟ یہ سب ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

تفویض کا' اختیار کرو

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کا جو واقعہ بیان فرمایا، وہ یہی بات سمجھانے کے لئے بیان فرمایا کہ جب اس کائنات میں غیر اختیاری واقعات رونما ہوں تو اس میں اپنی عقل دوڑانے کے بجائے اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو، اور تفویض کامل اختیار کرو۔ یہاں بھی ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ جزم اور یقین کے ساتھ کوئی رائے زنی نہ کرے، بلکہ یہ کہے کہ ہمیں اس کے بارے میں معلوم نہیں۔ دیکھئے! ایک ہوتا ہے "عذاب" جو کافروں پر آتا ہے، اس کا قاعدہ قرآن کریم نے یہ بتایا کہ جب تک کوئی ڈرانے والا ہم ان کے پاس نہیں بھیجتے اس وقت تک ہم کسی پر اس طرح کا عذاب عام جاری نہیں کرتے، اور جو صاحب ایمان ہیں ان کو بھی ان کی بد اعمالیوں کی سزا بعض اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتے ہیں، جیسے قرآن کریم نے فرمایا:

مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ: ۳۰)

لیکن وہ عذاب عام کی شکل میں نہیں ہوتا کہ پوری کی پوری قوم ہلاک

ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو عذاب عام سے محفوظ رکھا ہے، ہاں البتہ انفرادی طور پر ایک آدمی، یا ایک قبیلہ، ایک خاندان، یا ایک شہر کے لوگ اپنی کسی بدعملی کی وجہ سے کسی عذاب میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

زلزلہ میں بے شمار فوائد

اب یہ اتنا بڑا زلزلہ آیا، جس میں لاکھوں انسان متاثر ہوئے، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس کا متاثر ہونا سزا تھا، کس کا متاثر ہونا بلندی درجات کا سبب تھا، اس لئے کہ بعض اوقات اپنے نیک بندوں کو بھی اس قسم کے مصائب میں ڈال دیتے ہیں، اور اس سے ان کے درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے، ان کو وسعت کے مقام سے سرفراز کرنا مقصود ہوتا ہے، اگر دنیا میں رہتے تو نہ جانے کیا انجام ہوتا۔ کسی کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ ان مصائب کو بنادیتے ہیں، کسی شخص کے لئے ان واقعات کو تنبیہ اور تازیانہ بنادیتے ہیں، کسی کے دل کا حال پلٹنے کے لئے اس کو ذریعہ بنادیتے ہیں کہ اب تک ایسا منظر اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا، اب تک ایسی آوازیں اپنے کانوں سے نہیں سنی تھیں، اس کے نتیجے میں دل غفلت میں مبتلا تھا، اب وہ آوازیں سن لیں، اور وہ منظر دیکھ لیا، اب دل میں ڈر پیدا ہو گیا، اور تنبیہ ہو گئی، خدا کو معلوم ہے کہ اس واقعے میں کس کس کے لئے کیا کیا مقاصد تھے، کیا کیا فوائد تھے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے۔

تخریب کے بعد تعمیر ہوتی ہے

دیکھئے! ایک تخریب ہے، ایک تعمیر ہے، ہر تخریب کے بعد ایک تعمیر ہوتی ہے، بحیثیت مجموعی پورے نظام کائنات کے تناظر میں دیکھا جائے تو بسا

اوقات تخریب ایک تعمیر کا پیش خیمہ بنتی ہے، ایک عمارت منہدم ہوتی ہے، اس کی جگہ دوسری بہتر عمارت کھڑی ہوتی ہے، ایک قوم جاتی ہے، اس کی جگہ دوسری اس سے بہتر قوم آتی ہے، یہ سب فیصلے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کائنات کے اندر کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہم جزم اور وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ عذاب تھا یا یہ عذاب نہیں تھا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہاں اس بحث میں پڑنے کے بجائے ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم سے متاثرین کی جتنی مدد ہو سکتی ہے، ہم وہ مدد کریں، جان سے، مال سے اور محنت سے جو خدمت ان کی بن پڑے وہ خدمت کریں، جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہیں، ان کے لئے دعاء مغفرت کریں، جو موجود ہیں ان کے لئے دعاء صحت کریں، اور ساتھ ساتھ توبہ و استغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کریں، اور دعا کے ذریعے رجوع کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ فرمادے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ

اپنے اعمال کے درست کرنے کی فکر کرو، کچھ پتہ نہیں کہ کس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں سزا میں مبتلا کر دے، اس لئے یہ سب عبرت حاصل کرنے کے مقامات ہیں، اس عبرت کے ذریعے اپنے حالات کی اصلاح کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے تو اس میں "رضا بالقضاء" مطلوب ہے کہ جو فیصلہ میرے مالک نے کر دیا، وہی برحق ہے، ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کے سواء کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ اَغْنَى النَّاسِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھ دیا، چاہے وہ روپے پیسے، دل، یا دنیا

کے دوسرے واقعات ہوں، ان پر راضی ہو جاؤ، اور راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی شکوہ دل میں نہ ہو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینیہ کے عین مطابق سمجھو:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یہ جو کچھ ہو رہا ہے انہی کہ حکمت سے ہو رہا ہے، جب ان کی حکمت سے ہو رہا ہے تو تم اس پر راضی ہو جاؤ، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے رضامندی اختیار کر لی تو تم لوگوں میں سب سے زیادہ "غنی" ہو جاؤ گے، اس لئے کہ تم نے اپنے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تابع کر دیا۔ کائنات میں سب کچھ ان کے فیصلے سے ہو رہا ہے، اور تمہیں ان کے فیصلوں پر کوئی شکوہ شکایت نہیں، لہٰذا تم سب سے غنی ہو گئے، اور کسی کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل کرم سے، اپنی رحمت سے ہمیں رضا بالقضاء عطا فرمائے، اپنے ہر فیصلے پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور رضا بالقضا کے جو ثمرات دنیا و آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ وہ تمام ثمرات ہمیں عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

ایمان کی علامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔۔ اما بعدفقد قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا۔

تمہید

گذشتہ چاردن سے ایک حدیث کا بیان چل رہا ہے، جس میں نبی کریم سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کو پانچ نصیحتیں

فرمائیں، اور ساتھ میں یہ ہدایت فرمائی کہ یہ باتیں خود بھی یاد رکھنا، اور ان کو دوسروں تک بھی پہنچانا، خود بھی عمل کرنا، اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا۔ یہ پانچ نصیحتیں پانچ جملوں پر مشتمل ہیں، پہلا جملہ یہ تھا کہ "اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ" یعنی حرام چیزوں سے، ناجائز چیزوں سے اور گناہوں سے بچو، تو تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ دوسرا جملہ یہ تھا کہ "وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ" یعنی اللہ جل شانہ نے تمہیں جو کچھ دیدیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، تو تم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے، ان دونوں جملوں کا بیان گذشتہ تین دنوں میں ہو گیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ "وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا" یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، تو تم مسلمان بن جاؤ گے۔ اس جملے کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ گویا کہ مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، اور اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویدار تو ہو، لیکن اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے تو حقیقت میں وہ مسلمان نہیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، تو مسلمان بن جاؤ گے، اس جملے میں اس قدر وزنی الفاظ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، اور قرآن و حدیث پڑوسی کے حقوق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔

جبرئیل علیہ السلام کا مسلسل تاکید کرنا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام آکر مجھے مسلسل پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں تاکید کرتے رہے، کرتے رہے، کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ شاید کوئی حکم ایسا آنے والا ہے کہ پڑوسی بھی وارثوں میں شمار ہو جائے گا، یعنی جس طرح کسی کے مرنے پر اس کی میراث عزیز واقارب اور رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، شاید کوئی حکم ایسا آنے والا ہے کہ اب پڑوسی کو بھی میراث میں سے حصہ دیا جائے گا۔

پڑوسیوں کی تین قسمیں

قرآن کریم نے پڑوسیوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک "الجار ذی القربی" دوسرے "الجار الجنب" تیسرے "صاحب بالجنب" اور تینوں کے حقوق ادا کرنے اور تینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔ پہلی قسم ہے "الجار ذی القربی" یعنی وہ پڑوسی جس کے گھر کی دیوار آپ کے گھر کی دیوار سے ملی ہوئی ہو، دوسری قسم "الجار الجنب" یعنی وہ پڑوسی جس کی دیوار تو نہیں ملی ہوئی ہے، تھوڑا سا فاصلہ ہے، لیکن وہ بھی بالکل قریب ہے۔ دونوں الفاظ علیحدہ لاکر قرآن کریم نے یہ بتادیا کہ یہ مت سمجھنا کہ بس تمہارا پڑوسی وہی ہے جس کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے، بلکہ اگر تھوڑا فاصلہ ہو، لیکن تقریباً ایک ہی جگہ پر رہنے والے ہیں، صرف راستے اور دیواریں الگ ہیں تو وہ بھی تمہارا پڑوسی ہے، اس کا بھی خیال رکھو۔

تھوڑی دیر کا ساتھی

پڑوسی کی تیسری قسم یہ بیان فرمائی کہ "الصاحب بالجنب" میں اس کا ترجمہ یہ کرتا ہوں، "تھوڑی دیر کا ساتھ" اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی سواری میں مثلاً بس میں سفر کر رہے ہیں، اب برابر والی سیٹ پر کوئی آدمی آکر بیٹھ گیا، وہ "صاحب بالجنب" کہلائے گا، یا آپ ریل گاڑی میں یا ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہیں، برابر والی سیٹ پر دوسرا آدمی بیٹھا ہے، وہ "صاحب بالجنب" ہے، حالانکہ وہ شخص اجنبی ہے، اس سے پہلے کبھی اس کو نہیں دیکھا، نہ اس سے ملاقات ہوئی، اور نہ آئندہ ملاقات ہونے کی امید ہے، لیکن چونکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارے ساتھ ہو گیا ہے، قرآن کریم نے فرمایا کہ اس کا بھی حق ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یا آپ کہیں لائن میں لگے ہوئے ہیں، اس قطار میں آپ سے آگے ایک آدمی کھڑا ہے، آپ کے پیچھے ایک آدمی کھڑا ہے، یہ دونوں آپ کے "صاحب بالجب" ہیں، اسکے بھی حقوق ہیں، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم ہے۔

اللہ کو وہ بندہ بڑا پسند ہے

قرآن کریم نے پڑوسیوں کی یہ تینوں قسمیں الگ الگ کر کے اس لئے بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ بڑا پسند ہے جو اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو۔ اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے، لیکن عملاً چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جن کو دور کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ عمل کے وقت نفس و شیطان انسان کو مختلف تاویلیں سمجھا دیتا ہے، اور ساتھ میں دل میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر دیتا

ہے، جس کے نتیجے میں اس حکم پر عمل کرنے سے محرومی ہو جاتی ہے۔

یہ نئی تہذیب ہے

جب تک مکانات تسلسل کے ساتھ ہوا کرتے تھے، اس وقت لوگ اپنے پڑوسیوں کا لحاظ رکھتے تھے، اس کے ساتھ تعلقات ہوتے تھے، بعض اوقات خون کے رشتوں سے زیادہ قوی تعلق پڑوسیوں کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ لیکن جب سے یہ کوٹھی، بنگلے بننے شروع ہوئے تو اس کے نتیجے میں یہ ہو رہا ہے کہ بسا اوقات رہتے رہتے سالہا سال گزر جاتے ہیں، لیکن یہ پتہ نہیں ہوتا کہ پڑوس میں کون رہ رہا ہے، اس نئی تہذیب نے پڑوسی ہونے کا مسئلہ ہی ختم کر دیا۔ ہم لوگ برنس روڈ پر ایک فلیٹ میں رہا کرتے تھے، اور جس دن اس فلیٹ میں جا کر آباد ہوئے تو آس پاس کے لوگ ملنے کے لئے آگئے، اور آپس میں ایسے تعلقات ہو گئے جیسے عزیزوں اور رشتہ داروں کے درمیان ہوتے ہیں، وہاں پانچ سال رہنے کے بعد لسبیلہ ہاؤس میں منتقل ہوئے تو وہاں پر ایک پلاٹ پر والد صاحب نے مکان بنوایا تھا، اس مکان کی چار دیواری تھی، اور چاروں طرف کوٹھی بنگلے والے تھے، اب ہفتوں گزر گئے، لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ داھنی طرف کے مکان میں کون رہتا ہے، بائیں طرف کے کان میں کون رہتا ہے، آگے کون ہے، پیچھے کون ہے؟ نہ کسی سے ملاقات ہے، تو ایک دن والد صاحب نے بڑا اھتمام کر کے برابر والوں کے پاس جا کر ملاقات کی، تاکہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ پھر فرمانے لگے کہ دیکھو! جب ہم فلیٹ میں رہنے گئے تھے تو سارے محلے کے لوگ ملاقات کے لئے جمع ہو گئے، اور انہوں نے ہمارا استقبال کیا، اور تعلق اور محبت کا اظہار کیا، اور یہاں یہ صورتِ حال ہے،

علاقوں کے درمیان یہ فرق ہے، بہر حال کوٹھی بنگلوں میں یہی ہوتا ہے کہ سالہا سال رہنے کے باوجود پتہ نہیں چلتا کہ ہمارے پڑوس میں کون رہتا ہے۔

آگ لگنے کا واقعہ

میں ایک مرتبہ اسلام آباد میں ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا، وہ ایک بنگلہ تھا، رات کے ۳ بجے اس میں آگ لگ گئی، اور اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا، اور ہم لوگوں کی جان بچالی۔ فائر بریگیڈ والے آئے، اور انہوں نے آگ بجھائی، لیکن میں نے دیکھا کہ صبح ۸، ۹ بجے تک کارروائی ہوتی رہی، لیکن برابر کے بنگلے والوں کو کوئی خبر نہیں تھی، کسی کو کوئی توفیق نہیں ہوئی کہ یہاں ہمارے پڑوس میں آگ لگ گئی تھی تو پتہ کریں کہ ان کا کیا حال ہے، کوئی مرا، کوئی زخمی ہوا۔ ان کو آنے کی فرصت ہی نہیں تھی، کیونکہ جو مصیبت آئی وہ دوسروں پر آئی، ہمارے اوپر نہیں آئی۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ پڑوس کے ساتھ تعلقات اور حسن سلوک کی فضیلت جو قرآن وحدیث میں بیان فرمائی تھی، وہ ختم ہو چکی، اب تو نفسا نفسی کا عالم ہے، بس میں ہوں، میرا گھر ہے، میرا مکان ہے، میری فیملی ہے، اور بس آگے کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

جھونپڑی والا بھی پڑوسی ہے

دوسرے اگر کسی کو پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا کچھ خیال بھی ہے تو پڑوسی اس کو سمجھا جاتا ہے جو مالی اعتبار سے میرا ہم پلہ ہو، اگر میرے برابر میں کوئی جھونپڑی ہے، اور اس میں کوئی شخص رہتا ہے تو وہ پڑوسی نہیں۔ پڑوسی وہ ہے کہ اگر میرا بنگلہ ہے تو اس کا بھی بنگلہ ہو، اگر وہ جھونپڑی

والا ہے تو اس کو پڑوسی کے حقوق دینے کو تیار نہیں، اس کے بارے میں تو خیال ہی نہیں آتا کہ یہ میرا پڑوسی ہے، کیا اس وجہ سے وہ تمہارا پڑوسی نہیں کہ وہ بیچارہ غریب ہے؟ اس کا بنگلہ نہیں، بلکہ اسکی جھونپڑی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم آپس میں پڑوسیوں کا اجتماع کرو گے، اور دعوت کرو گے تو صرف بنگلے والوں کی دعوت کرو گے، جھونپڑی والوں کو دعوت میں شامل نہیں کرو گے، لہذا دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ پڑوسی وہ ہے جو مال کے اعتبار سے، منصب کے اعتبار سے، عہدہ کے اعتبار سے، معاشی اعتبار سے میرا ہم پلہ ہو، ورنہ وہ پڑوسی نہیں۔ حالانکہ حقیقت میں پڑوسی وہ ہے جو تمہارے گھر کے پاس رہتا ہو، اگر وہ تمہارے گھر کی دیوار کے ساتھ رہتا ہے تو پہلی قسم کا پڑوسی ہے، اور اگر تھوڑے فاصلے پر رہتا ہے تو دوسری قسم کا پڑوسی ہے، دونوں میں سے ایک میں ضرور داخل ہے، اگرچہ وہ جھونپڑی میں رہتا ہے۔ بلکہ جھونپڑی والے پڑوسی کے حقوق زیادہ ہیں، اس لئے کہ اگر کسی دن اس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو تو اس کا پڑوسی گناہ گار ہوگا، بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں جس کے پڑوس میں کوئی آدمی بھوکا سو جائے۔

مفتی اعظم ہند کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات کئی بار سنی کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کے فتاوی کی دس جلدیں "فتاوی دار العلوم دیوبند" کے نام سے چھپ چکی ہیں، دار العلوم دیوبند کے "مفتی اعظم" فتوی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، ان کے

گھر کے قریب تین چار بیوہ خواتین رہا کرتی تھیں، ان کا معمول یہ تھا کہ جب دارالعلوم جانے کے لئے اپنے گھر سے نکلتے تو پہلے ان تمام بیوہ خواتین کے گھر جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ بی بی! تمہیں بازار سے کچھ سودا منگوانا ہو تو بتادو، میں لادیتا ہوں، اب کوئی خاتون کہتیں کہ اتنا ہرا دھنیہ، اتنا پودینہ، اتنی سبزی اور اتنے ٹماٹر لے آنا، تمام خواتین سے سودا پوچھتے، پھر بازار جاتے، بازار سے سودا خریدتے، ہر بیوہ کے گھر وہ سودہ پہنچاتے، پھر دارالعلوم تشریف لے جاتے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ کوئی خاتون یہ کہتی کہ مولوی جی! تم غلط سودا لے آئے، میں نے تو فلاں چیز منگوائی تھی، آپ فلاں چیز لے آئے، یا میں نے تو اتنی مقدار میں منگوائی تھی، آپ اتنی لے آئے، فرماتے: اچھا بی بی، کوئی بات نہیں، میں واپس بازار چلا جاتا ہوں، اور ابھی بدلوا کر لے آتا ہوں، چنانچہ دوبارہ بازار جاتے، وہ چیز بدلواتے، پھر لا کر اس بیوہ کے حوالے کرتے، پھر دارالعلوم تشریف لے جاتے، روزانہ کا یہ معمول تھا، ان کا سب سے پہلا کام اپنے پڑوسیوں کی خبر گیری کرنا تھا۔

یہ کیسے لوگ تھے؟

وہ شخص جس کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے، وہ شخص جس کے فتاوی کو اتھارٹی تسلیم کرلیا گیا ہے، دنیا بھر سے لوگ اس کے پاس سوالات کرنے آرہے ہیں، نہ جانے کتنے لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چومنے والے موجود ہیں۔ لیکن ان کا یہ حال ہے کہ فتوی کا کام شروع کرنے سے پہلے بیوہ خواتین کی خبر گیری کررہے ہیں، یہ لوگ ویسے ہی بڑے نہیں بن گئے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے ذریعے صحابہ کرام کے دور کی

یادیں تازہ کردیں، اور واقعہ بھی یہی ہے، جن علماء دیوبند کے ہم نام لیوا ہیں، یہ محض اس وجہ سے نہیں کہ بس ان سے عقیدت ہوگئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک ایک فرد سنت نبوی کا جیتا جاگتا پیکر تھا، اور یہ صرف نماز روزے میں نہیں، بلکہ زندگی کے ایک ایک شعبے میں سنت نبوی پر عامل تھا۔

ساری زندگی کچے مکان میں گزار دی

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث تھے، ساتھ میں کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے، مالی اعتبار سے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا، خوشحال تھے، لیکن مکان کچا تھا، جب بارش ہوتی تو ہر بارش کے موقع پر یہ ہوتا کہ کبھی اس مکان کی چھت ٹوٹ جاتی، کبھی اس کی دیواریں کمزور ہو جاتیں، کبھی برآمدہ گر جاتا، اور جب برسات کا موسم ختم ہوتا تو دوبارہ اس کی مرمت کرواتے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! ہر سال برسات میں مکان میں ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے، آپ مشقت اور تکلیف اُٹھاتے ہیں، پھر دوبارہ مرمت کروانی پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت دے رکھی ہے، آپ ایک مرتبہ اپنے مکان کو پکا کروالیں، تو یہ بار بار کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ چونکہ طبیعت میں ظرافت بھی تھی، اس لئے جواب میں فرمایا: واہ مولوی شفیع صاحب! آپ نے کیا بہترین مشورہ دیا ہے، ہم تو بڈھے ہوگئے، ساری عمر گزر گئی، اور اتنی بات ہماری عقل میں نہیں آئی، واہ، سبحان اللہ! کیا عقلمندی کی بات کہی، ماشاء اللہ۔ اتنی بار انہوں نے یہ جملے دھرائے کہ میں شرم سے پانی پانی ہوگیا، اور بہت

شرمندہ ہوا، والد صاحب نے کہا کہ حضرت! میرے سوال کرنے کا مقصد آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ مکان پکا نہ بنانے میں کیا حکمت ہے؟ جب بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا میرے ساتھ آؤ، میرا ہاتھ پکڑا، اور گھر کے دروازے پر لے گئے، اور پوچھا کہ:

یہ گلی جو تمہیں یہاں سے نظر آرہی ہے، اس میں تمہیں کوئی پکا مکان نظر آرہا ہے؟ کسی کا مکان پکا نہیں، اب ساری گلی کے تمام پڑوسیوں کے مکان تو کچے ہوں، اور میرا مکان پکا ہو تو پکا مکان بنا کر میاں صاحب کیا اچھا لگے گا؟ اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ ساری گلی والوں کے مکان پکے کرادوں، لہٰذا جیسے میرے پڑوسی ہیں، میں بھی ویسا ہی سہی۔

اس طرح ساری زندگی کچے مکان میں گزار دی، صرف اس لئے کہ پڑوسیوں کے دل میں یہ حسرت نہ ہو کہ میاں صاحب کا مکان پکا ہے، اور ہمارا مکان کچا ہے، حالانکہ مکان پکا بنالینا کوئی گناہ نہیں تھا، نہ شریعت نے منع کیا تھا، نہ حرام قرار دیا تھا، لیکن پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ ان کے دل میں یہ خیال اور یہ حسرت نہ ہو کہ میاں صاحب کا مکان پکا ہے، اور ہمارا مکان کچا ہے۔

تاکہ پڑوسیوں کو حسرت نہ ہو

میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی مرحوم اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب کے پاس گیا، آموں کا موسم تھا، میاں صاحب نے آم پیش کئے کہ آم کھاؤ، اور اس زمانے میں آم چوس کر کھائے

جاتے تھے، جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہو گئیں تو میں نے پوچھا کہ ان کو باہر پھینک دوں؟ اور اُٹھا کر دروازے کی طرف چلا، حضرت نے پوچھا کہ کہاں چلے؟ میں نے کہا حضرت باہر پھینکنے کے لئے جا رہا ہوں، حضرت نے فرمایا: نہیں، اس کو باہر مت پھینکو، میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب باہر دروازے پر اتنے سارے چھلکے اور گٹھلیاں محلے کے بچوں کو نظر آئیں گی، ان میں سے بہت سے غریب ہیں، جو آم کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے تو ہو سکتا ہے کہ ان کو دیکھ کر ان کے دل میں حسرت پیدا ہو، اور یہ حسرت پیدا ہونا اچھی بات نہیں، اس لئے ان کو باہر نہیں پھینکنا، بلکہ چھلکے بکریوں کو کھلا دیتا ہوں۔ یہ ہیں پڑوسیوں کے حقوق، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا" جس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو مسلمان ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

ساتھ کی دکان والا پڑوسی ہے

یہ پڑوسی صرف گھر کی رہائش میں نہیں ہوتا، بلکہ دکان کا بھی پڑوسی ہوتا ہے، اگر آپ کی دکان کے ساتھ دوسرے کی دکان ہے تو وہ بھی آپ کا پڑوسی ہے، اس کے بھی حقوق ہیں۔ لیکن آج کل کمپیٹیشن اور مقابلے کا دور ہے، اس لئے برابر کی دکان والے کے ہم پر کیسے حقوق؟ بس ہم کسی طرح اس سے آگے بڑھ جائیں۔ لیکن شریعت کی نظر میں وہ پڑوسی ہے، اور پڑوسی ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنیاد پر وہ تمہارے حسن سلوک کا حقدار ہے، جس معاشرے میں اسلامی تعلیمات کا چلن تھا، جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا، وہاں دکان کے برابر والا پڑوسی بھی حقوق

رکھتا تھا، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ غیر معمولی طریقے پر ہوتا تھا۔

سبق آموز واقعہ

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ۱۹۶۶ء کی بات ہے، مکہ مکرمہ میں عمرہ کے لئے میرا جانا ہوا، میرے بڑے بھائی جناب ولی رازی صاحب ساتھ تھے، اس وقت تک مکہ مکرمہ میں قدامت کے آثار باقی تھے، اور ایسی جدت ابھی نہیں آئی تھی، ہم نے وہاں تقریباً دو مہینے قیام کیا، اس وقت جوانی تھی، ہر جگہ جانے اور پرانی اور قدیم جگہیں دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک بازار میں ہم گئے تو ایک صاحب جو وہاں جا کر مقیم ہو گئے تھے، انہوں نے بتایا کہ یہاں تو عجیب منظر ہے کہ جیسے ہی اذان ہوئی تو اپنی دکان کو کھلا چھوڑ کر اور سامان پر بس کپڑا ڈال کر نماز کے لئے چلے گئے، کوئی چوری اور ڈاکے کا خطرہ نہیں ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے اس سے زیادہ عجیب حالت دیکھی کہ میں ایک مرتبہ اسی بازار میں ایک دکان والے کے پاس کپڑا خریدنے گیا، میں نے ایک کپڑا دیکھ کر اسے پسند کرلیا، دام پوچھے تو دام بھی مناسب تھے، میں نے کہا کہ اتنا کپڑا پھاڑ دو، دکاندار نے پوچھا کہ آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا: ہاں، دام بھی ٹھیک ہیں؟ میں نے کہا: ٹھیک ہیں، پھر دکاندار نے کہا کہ ایسا کریں کہ یہی کپڑا سامنے والی دکان سے لے لیں، میں نے کہا کہ وہاں سے کیوں لوں؟ سودا تو آپ سے ہوا ہے، دکاندار نے کہا کہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، آپ کو یہی کپڑا اسی دام میں وہاں سے مل جائے گا، وہاں سے لیلو، میں نے کہا کیا وہ آپ کی دکان ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، میری دکان نہیں ہے، میں نے کہا کہ میرا سودا تو آپ سے ہوا ہے، میں تو آپ ہی سے

لوں گا، اور میں نے کہا کہ جب تک آپ وجہ نہیں بتائیں گے اس وقت تک نہیں لوں گا، دکاندار نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس صبح سے لے کر اب تک آٹھ دس گاہک آچکے ہیں، اور سامنے والی دکان میں صبح سے لے کر اب تک کوئی گاہک نہیں آیا، اس لئے میں نے چاہا کہ اس کی بھی بکری ہو جائے، اس لئے تمہیں اس کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ ہے مسلمان معاشرے کی ایک جھلک جو اس وقت تک باقی تھی۔

آج طلب دنیا کی دوڑ لگی ہوئی ہے

یہ جو آج مصیبت ہمارے اندر آ گئی ہے، کہ بس مجھے مل جائے، دوسرے کو ملے یا نہ ملے، بلکہ دوسرے سے چھین کر کھا جاؤں، دوسرے سے لوٹ کر کھا جاؤں، یہ آفت طلب دنیا کی دوڑ کی وجہ سے آ گئی ہے، اب دیکھئے اوپر والے واقعے میں دکان کے پڑوسی کا خیال ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک ہو رہا ہے۔ وہ مسلمان جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، جس کے دل میں اللہ کے رسول کی عظمت اور محبت ہو، وہی یہ سلوک کر سکتا ہے، دوسرا شخص یہ عمل نہیں کر سکتا، اس لئے کہ تاجر تو یہ کہتا ہے کہ میں تو یہاں نفع کمانے بیٹھا ہوں، میں اپنی دکان کی بکری کرنے کے لئے بیٹھا ہوں، دوسروں کی دکان کی بکری کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں۔ لیکن جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ایمان رکھتا ہو کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ وہی شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہے، دوسرا نہیں کر سکتا۔

برصغیر میں اسلام کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

ہم اپنی برصغیر کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ اس علاقے میں

اسلام کی جو روشنی آئی، اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا جو نور پھیلایا، درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کا نتیجہ تھا، یہاں پر ابتداء میں کوئی اسلامی لشکر اس علاقے کو فتح کرنے کے لئے نہیں آیا تھا، اور یہاں کوئی تبلیغی جماعت نہیں آئی تھی، جس نے تبلیغ کر کے لوگوں کو مسلمان بنایا ہو، بلکہ یہاں پر سب سے پہلے مالابار کے علاقے میں بعض تابعین، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ صحابہ بھی مالابار کے ساحل پر اترے، اور وہاں پر انہوں نے اپنی تجارت شروع کی، اور اس تجارت میں انہوں نے جس سچائی کا، اور جس امانت داری کا، دیانت داری کا اور انسان دوستی کا ثبوت دیا تو اس سے لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچنا شروع ہو گئے، اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ جو دین ان کو یہ باتیں بتا رہا ہے، اس دین کو ہمیں بھی قبول کرنا چاہئے، چنانچہ ان تاجروں کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوئے، اور اس طرح سب سے پہلے اسلام مالابار میں آیا، پھر مالابار سے پورے برصغیر میں اسلام پھیلا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو فرما رہے ہیں کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تو تم مسلمان بن جاؤ گے، یعنی تمہارے مسلمان ہونے کا ایک مظاہرہ دنیا کے سامنے آئے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کو اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت

بہرحال! پہلی قسم کا پڑوسی وہ ہے جس کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہو، اور دوسری قسم کا پڑوسی وہ ہے جو ذرا فاصلے پر ہو، لیکن قریب ہی ہو، دونوں کے حقوق ہیں، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا پڑوسی اپنا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھنا چاہے تو اس کو منع مت کرو،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث لوگوں کو سنا رہے تھے تو لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ دیوار ہماری ہے، ہماری ملکیت ہے تو کیا یہ ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم پڑوسی کو اس کے اوپر شہتیر رکھنے سے منع نہ کریں، ان کی حیرانگی کو دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، چاہے تمہیں کتنا برا لگے، لیکن میں اس ارشاد کو تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کر رہوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں یہ ارشاد سنا کر رہوں گا۔ حالانکہ اپنی دیوار پر پڑوسی کے شہتیر رکھنے کی اجازت دینا فرض و واجب نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں یہ کام کرنا چاہئے۔

پڑوسی کے حقوق میں غیر مسلم داخل ہے

ایک بات اور سمجھ لیں کہ پڑوسی کے حقوق میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں، یعنی پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اگر غیر مسلم آپ کے مکان کے برابر میں رہتا ہے تو اس کا بھی یہی حق ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، لہٰذا بعض اوقات یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تو کافر ہے، اس کے ساتھ حسن سلوک کیوں کریں؟ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ پڑوسی ہونے کے ناطے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا تمہارے لئے باعث اجر و ثواب ہے، اور اگر پڑوسی ہونے کی بنیاد پر تم نے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا، اور اس کو ہدیہ تحفہ بھیج دیا، اس کی کوئی مدد اور تعاون کر دیا تو یہ سب اللہ جل شانہ کی رضا کے مطابق ہے، اور کیا بعید کہ تمہارے حسن سلوک کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان ڈال دے، نہ جانے کتنے غیر مسلم تھے، مسلمانوں کے پڑوسی

ہونے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمادی۔ لہٰذا پڑوس چاہے مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو، غریب ہو، یا امیر ہو، یا فاسق و فاجر ہو، وہ بھی اپنے فسق فجور کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے حقوق سے محروم نہیں۔ ہاں! حسب موقع، مناسب وقت پر اس کو نیک باتوں کی تلقین کرتے رہو۔

تھوڑی دیر کا ساتھی

پڑوسی کی تیسری قسم ہے "صاحب بالجنب" یعنی تھوڑی دیر کا ساتھی، جیسے بس میں، جہاز میں، ریل گاڑی میں آپ کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے والا صاحب بالجنب ہے، یا کسی مجلس میں، مسجد میں، درسگاہ میں، کلاس میں جلسہ گاہ میں تمہارے قریب بیٹھنے والے یہ سب صاحب بالجنب ہیں۔ ہم ذرا اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم اسلامی تعلیمات سے کتنی دور چلے گئے ہیں، ریل میں سفر کرتے وقت اور جہاز میں سفر کرتے وقت آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ہر جگہ خود غرضی کا رجحان ہے، مجھے اچھی جگہ مل جائے، چاہے دوسرے کو ملے یا نہ ملے، مجھے راحت مل جائے، دوسرے کو راحت ملے یا نہ ملے، عام طور پر یہ مزاج بن گیا ہے۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جو شخص صاحب بالجنب ہے، وہ تمہارا ساتھی ہے، چاہے تھوڑی دیر کے لئے ساتھی بنا ہو، لیکن اس ساتھی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔

اہل مغرب کی ایک اچھی صفت

آج ہم لوگ اہل مغرب کو برا بھلا تو بہت کہتے رہتے ہیں، وہ ہیں بھی اسی لائق کہ ان کو ایسا کہا جائے، لیکن کچھ صفات ایسی ہیں، جو ان لوگوں نے مسلمانوں والی اپنالی ہیں۔ یہ دنیا دار العمل اور دار الاسباب ہے، جو شخص بھی

کوئی سبب اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں اچھا نتیجہ دیں گے۔ چنانچہ اہل مغرب کا ایک مزاج ہے کہ کسی ایک کام کے لئے اگر تین آدمی کسی ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو فوراً قطار اور لائن بنالیں گے، مثلاً اگر ٹکٹ خریدنا ہے، یا بس میں، یا ریل میں، یا جہاز میں سوار ہونا ہے، تو لائن بنا کر سوار ہوں گے، اگر تین آدمی جمع ہو گئے، تو خود بخود لائن بنالیں گے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کریں گے، یہ وہاں کا عام مزاج ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کبھی ان کے درمیان لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا، نہ کبھی چھینا چھپٹی ہوتی ہے، نہ دھینگا مشتی ہوتی ہے، سب کام آرام سے ہو جاتے ہیں، پوری قوم کا یہ مزاج بن گیا ہے۔

ہماری ''خودغرضی'' کا واقعہ

میں اپنا واقعہ بتاتا ہوں، ایک مرتبہ مجھے پی آئی اے کے طیارے میں نیویارک سے کراچی آنا تھا، جس مرحلے تک گوروں کی حکمرانی تھی وہاں تو ہر جگہ لائن لگی ہوئی تھی، لائنوں سے گزرتے ہوئے سب کام ہو گئے، لیکن جب بس میں بیٹھنے کا موقع آیا تو وہ چونکہ ہمارے پاکستانی بھائیوں کے انتظام میں تھا۔ بارش ہو رہی تھی، اور جہاز لیٹ ہو گیا تھا، اس لئے بسوں کے ذریعے ہوٹل جانا تھا۔ اب بس میں بیٹھنے کے لئے جو دھکم پیل ہوئی کہ الامان الحفیظ، کمزور آدمی کا تو بس میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہر آدمی یہ چاہتا تھا کہ میں دوسروں کو پیچھے دھکیل کر پہلے بس میں سوار ہو جاؤں۔ میں نے دل میں کہا کہ وہ کافر تھے، اور یہ ماشاء اللہ مسلمان ہیں۔ یہ ہے ''خودغرضی'' کہ مجھے پہلے موقع مل جائے، میں سوار ہو جاؤں، میرا کام ہو جائے، میں آگے بڑھ جاؤں، دوسروں کو پیچھے چھوڑ دوں، یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے ان باتوں کو دین سے خارج

کردیا ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین صرف نفلیں پڑھنے اور تسبیح پڑھنے کا نام ہے۔

مصافحہ کرنے پر ایک واقعہ

اور دیکھئے! مصافحہ کرنا کوئی فرض واجب نہیں، زیادہ سے زیادہ سنت ہے، اس مصافحہ کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف دینا، نقصان پہنچانا، دھکے دینا حرام ہے، ایک حرام کام کر کے ہم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ صوبہ سرحد کے ایک علاقے میں جانا ہوا، وہاں کی مسجد میں اجتماع ہوا، اور میرا بیان ہوا، دروازے اس مسجد کے چھوٹے تھے، دونوں طرف کھڑکیاں تھیں، برآمدہ بھی تھا، صحن بھی تھا، لوگ دور دور سے بیان سننے کے لئے آئے ہوئے تھے، مسجد کا ہال، برآمدہ اور صحن سب لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب بیان ختم ہوا، اور مصافحے کی نوبت آئی، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ برآمدے اور صحن کے لوگ کھڑکیوں کے ذریعے اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے، اور اس کے نتیجے میں مسجد کی کھڑکیاں ٹوٹ گئیں۔ مقصد ان کا صرف یہ تھا کہ مصافحہ کرنے کا موقع نہ نکل جائے، دماغ میں یہ بات تو بیٹھی ہوئی تھی کہ مصافحہ کرنا سنت ہے، اور مصافحہ کرنے کی فضیلت دل و دماغ میں تھی، لیکن یہ ذہن سے نکل گیا کہ مسجد میں دھکم پیل کرنا، اور دوسروں کو اذیت دینا حرام ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہماری قوم کی صحیح تربیت نہیں ہوئی، اس کے نتیجے میں یہ فساد پھیلا ہوا ہے۔

حجر اسود پر دھکم پیل

حجر اسود پر جا کر دیکھیں، کیا ہو رہا ہے، سارے علماء اور فقہاء یہ مسئلہ لکھ لکھ کر چلے گئے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا بڑی فضیلت کی چیز ہے، لہٰذا کسی شخص کو تکلیف پہنچائے بغیر بوسہ دے سکتے ہو تو دیدو، ورنہ بوسہ دینا کوئی ضروری

نہیں، فرض وواجب نہیں۔ مگر آج وہاں دھکم پیل ہو رہی ہے، دوسروں کو تکلیف دی جارہی ہے، اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے گناہ کا ارتکاب کیا جارہا ہے، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ آج دین کے تصور میں یہ باتیں داخل ہی نہیں کہ دوسرے کو تکلیف دینا کوئی گناہ کا کام اور حرام ہے۔ بہر حال! اگر ہم سب مل کر ایک کام کے لئے گئے ہیں تو ہم سب ایک دوسرے کے لئے "صاحب بالجنب" ہیں، ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہیں، اگر لائن بنالو گے تو سب کو موقع مل جائے گا، مگر اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں۔

ایک سنہری بات

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک سنہری بات فرمایا کرتے تھے، جو دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرمایا کرتے تھے کہ: باطل میں تو اُبھرنے کا دم ہی نہیں، قرآن کریم نے فرمادیا: اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: ۸۱) باطل تو مٹنے کے لئے اور دبنے کے لئے آیا ہے، وہ کبھی ابھر نہیں سکتا۔ اور اگر تم کسی باطل قوم کو دیکھو کہ وہ دنیا میں اُبھر رہی ہے، ترقی کر رہی ہے، تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے، اس حق چیز نے اس کو اُبھار دیا ہے، ورنہ باطل میں اُبھرنے کی طاقت نہیں تھی۔ آج ہم امریکہ کو، برطانیہ کو اور مغربی طاقتوں کو جتنا برا بھلا کہتے رہیں، ان پر لعنتیں بھیجتے رہیں، لیکن ان کی ترقی ان کی فحاشی اور عریانی کی وجہ سے نہیں، ان کے غلط عقائد کے وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی ترقی ان صفات کی وجہ سے ہے، جو درحقیقت اسلام کی بتائی ہوئی صفات تھیں، انہوں نے ان صفات کو اختیار کر لیا۔ مثلاً محنت، جفاکشی، دیانت داری، تجارت میں امانت داری، اور انسانوں کے حقوق کا خیال رکھنا، یہ سب باتیں وہ ہیں جس

نے ان کو دنیا میں ترقی دیدی۔ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جیسا سبب اختیار کرے گا ویسا اس کو دنیا میں پھل مل جائے گا۔

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ

بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے دین کو خانوں میں بانٹ رکھا ہے، ایک قوم نے ایک خانے کو لے لیا، اور اس کو دین سمجھ لیا، اور اس خانے سے باہر کی بات اس کے نزدیک دین نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً" اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ یہ نہیں کہ رمضان المبارک میں تو خوب نفلیں بھی پڑھیں، اعتکاف بھی کیا، رات کو جاگ بھی لیا، تلاوت بھی کر لی، جب رمضان ختم ہوا اور مسجد سے باہر نکلے تو قصائی بن گئے، لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں، معاشرت میں خیانت کرنے لگے، آج کی دنیا کرپشن سے بھری ہوئی ہے، اس کے نتیجے میں ہم پر عذاب نہیں آئے گا تو کیا آئے گا؟ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین۔ بہر حال! اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما رہے ہیں کہ تم خود بھی ان باتوں کو سنو، اور دوسروں تک پہنچاؤ، اگر تم مسلمان بننا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

دوسروں کیلئے پسندیدگی کا معیار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۶

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دوسروں کیلئے پسندیدگی کا معیار

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَ نَستَعِینُہٗ وَ نَستَغفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیہِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ اَعمَالِنَا۔ مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَن یُّضلِلہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَ اَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَولَانَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَ رَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسلِیماً کَثِیراً۔ اَمَّا بَعدُ فَقَد قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفسِکَ۔

تمہید

ایک حدیث کا بیان کئی روز سے چل رہا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نصیحتیں فرمائیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تاکید فرمائی کہ وہ خود ان باتوں کو سمجھیں اور عمل کریں، اور دوسروں تک بھی اس کو پہنچائیں، ان میں سے تین نصیحتوں کا بیان گذشتہ دنوں میں ہوا، اللہ

تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ:

وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ

یعنی دوسروں کے لئے وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ ان نصیحتوں میں سے ایک ایک نصیحت اتنی جامع، اتنی مانع اور ہمہ گیر ہے کہ اگر انسان کو ان پر عمل کی توفیق ہو جائے تو اس کی ساری زندگی سنور جائے، یہ نصیحت بھی انہی میں سے ہے کہ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک ایسا معیار عطا فرما دیا کہ اس کے ذریعے معاشرت کے جتنے اسلامی احکام ہیں، وہ سب اس ایک جملے کے اندر آجاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے وہ عقائد اور عبادات کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق معاملات سے بھی ہے، معاشرت سے بھی ہے، اخلاق سے بھی ہے، اور دین کا ایک بہت بڑا باب ''معاشرت'' ہے، یعنی آپس میں ملنے جلنے میں اور آپس میں رہنے سہنے میں کیا آداب ہونے چاہئیں؟ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاری جائے؟ یہ معاشرت کا باب ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اپنی مجددانہ تعلیمات میں ''معاشرت'' کو بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔

مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ میرے مریدین

اور متعلقین میں سے کسی کے بارے میں جب مجھے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے ذکر، تسبیح یا نوافل کے معمولات میں کوتاہی کی ہے تو اس سے رنج ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اگر مجھے یہ پتہ چلے کہ کسی نے معاشرتی احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے تو اس سے مجھے نفرت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معاشرتی احکام کا تعلق حقوق العباد سے ہے، جن کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان میں کوتاہی کا ارتکاب کر لے تو یہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، اس لئے معاشرتی احکام کی خلاف ورزی بڑا سنگین معاملہ ہے۔

مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

بہر حال! معاشرتی احکام کا ایک بہت بڑا باب ہے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آداب معاشرت'' کے نام سے ایک پورا رسالہ لکھا ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو لوگ تربیت کے لئے تھانہ بھون جایا کرتے تھے، ان کے لئے معاشرت کے احکام پر پابندی کا بہت اہتمام ہوتا تھا، اسی لئے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو صوفی بننا ہو تو کہیں اور چلا جائے، (صوفی سے مراد جس کو عرف عام میں ''صوفی'' کہتے ہیں) اور اگر کسی کو ''آدمی'' بننا ہو تو وہ یہاں آجائے، کیونکہ وہاں اس بات کو دیکھا جاتا تھا کہ اس کے نشست و برخاست کے انداز میں، اس کے ملنے جلنے کے طریقہ کار میں اسلامی احکام جھلک رہے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے؟ بہر حال! معاشرت دین کے احکام کا عظیم باب ہے، اب اگر معاشرت کے سارے احکام کا خلاصہ نکالنا چاہیں تو یہ حدیث ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ

سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ" اس کا خلاصہ ہے، یعنی تمہاری ذات سے دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، نہ جسمانی تکلیف پہنچے، نہ روحانی تکلیف پہنچے، نہ نفسیاتی تکلیف پہنچے، نہ ذہنی تکلیف پہنچے، وہ ہے مسلمان، اوراس کی ذات ی بھی طرح سے دوسروں کے لئے تکلیف کا سبب نہ بنے، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ "معاشرت" کے سارے احکام اسی حدیث کے گرد گھومتے ہیں کہ آدمی اس کا اہتمام کرے کہ مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

ہر کام کو اس معیار پر تولو

آدمی جو بھی کام کرے اس میں اس بات کا لحاظ کرے کہ میرے اس کام سے دوسرے کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے؟ اگر اس کا لحاظ کرلیا تو سارے معاشرتی احکام کی پابندی ہوگئی، اور سارے حقوق العباد ادا ہو گئے، لیکن اس کا پتہ کیسے لگایا جائے کہ مجھ سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اس کا معیار یہ حدیث ہے کہ "اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ" "دوسروں کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، ہر چیز کو اس معیار پر تول کر دیکھو تو پتہ چلے گا کہ دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کام کو چھوڑ دو۔

کھانے کے بعد پان کھانا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں تو اس قسم کا تصوف ہے، اگر مراقبے اور مجاہدے والا تصوف چاہتے ہو تو کہیں اور چلے جاؤ، ہمارے یہاں تو اسی کی تربیت دی جاتی ہے کہ ایک انسان دوسرے

انسان کے لئے باعث تکلیف نہ بنے، میں نے یہ واقعہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ میرے بھائی جناب محمد ذکی کیفی مرحوم، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ جب یہ بچے تھے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں والد صاحبؒ کے ساتھ جایا کرتے تھے، حضرت والا بچوں سے بہت پیار کیا کرتے تھے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سال رمضان تھانہ بھون میں بچوں کے ساتھ گزارتے تھے، بچے چونکہ قواعد وضوابط سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس لئے بڑے بڑے لوگ تو خانقاہ میں قیام کے دوران اس بات سے ڈرتے تھے کہ کوئی بات حضرت والا کے مزاج کے خلاف نہ ہو جائے، لیکن بچے آزادی سے حضرت والا کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ حضرت والا کا معمول یہ تھا کہ کھانا کھانے کے بعد چونا کتھا اور چھالیہ کے بغیر پان کا پتہ چبالیا کرتے تھے، اس لئے کہ یہ پتہ ہاضم ہوتا ہے، اور نقصان سے خالی ہے، میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی مرحوم کے ذمے یہ کام سپرد تھا کہ تم کھانے کے بعد گھر سے پان لایا کرو، اسی وجہ سے حضرت والا نے ان کا نام "پانی" رکھ دیا تھا۔

پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو

جب بھائی صاحب مرحوم نے لکھنا سیکھا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تم پہلا خط حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھو، چنانچہ والد صاحب نے ان سے خط لکھوا کر حضرت کی خدمت میں بھیجا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو جواب دیا، اس میں علم کا ایک باب کھول دیا، جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:

تمہارا خط ملا، بڑا دل خوش ہوا کہ تم نے لکھنا سیکھ لیا، اب تم اپنے خط کو اور زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کرو، اور نیت یہ کرو کہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو، دیکھو میں تمہیں ابھی سے "صوفی" بنا رہا ہوں۔

جو بچہ ابھی لکھنا سیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ ٹیڑھا سیدھا لکھے گا، اس وقت اس بچے سے یہ فرمارہے ہیں کہ خط کو درست بناؤ، تاکہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو، اور ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ دیکھو! میں تمہیں ابھی سے "صوفی" بنا رہا ہوں، کوئی یہ پوچھے کہ خط درست ہونے سے صوفی کا کیا تعلق؟ اس لئے ہمارے دماغ میں تو یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ جو شخص جتنا بڑا بے ڈھنگا، اتنا بڑا صوفی، جو جتنا غلیظ اور میلا کچیلا، وہ اتنا ہی بڑا صوفی، اور جس کا کوئی کام ڈھنگ کا نہ ہو، وہ اتنا ہی بڑا صوفی۔

مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہوسکتا

اس جواب کے ذریعے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتادیا کہ در حقیقت صوفی وہ ہے جو اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو تکلیف سے بچایا جائے، اور اللہ کے بندوں کو راحت پہنچائی جائے، اس لئے حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! میں تمہیں ابھی سے صوفی بنا رہا ہوں۔ آج کل لوگوں نے خانقاہوں میں رہنے، ریاضتیں کرنے، مجاہدے کرنے، مراقبات، کشف وکرامات کا نام "تصوف" رکھ دیا ہے، لیکن حضرت والا نے حقیقت واضح فرمادی کہ اس کا نام "تصوف" نہیں۔

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی محض تسبیح پڑھ لینے، اور مصلّے پر بیٹھ جانے اور گدڑی پہن لینے کا نام تصوف نہیں، بلکہ مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہوسکتا۔ بہر حال! اصل بات یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے۔

اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو!

اس کا معیار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ جب بھی کسی کے ساتھ معاملہ کرو تو اس کو اپنی جگہ پر کھڑا کرو، اور اپنے آپ کو اس کی جگہ پر کھڑا کرو، اور دیکھو کہ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو مجھ پر کیا گزرتی، میں اس سے خوش ہوتا یا ناخوش ہوتا، مجھے اس سے راحت ملتی یا تکلیف ہوتی، یہ سوچ لو، اب اگر تمہیں اس معاملے سے تکلیف ہوتی تو پھر تم وہ معاملہ دوسرے کے ساتھ نہ کرو۔ یہ جو ہم نے دو پیمانے بنالئے ہیں کہ اپنے لئے کچھ اور دوسرے کے لئے کچھ اور، اس کا راستہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے بند فرمادیا کہ بس! ایک پیمانہ ہونا چاہئے، اپنے لئے بھی وہی پیمانہ اور دوسرے کے لئے بھی وہی پیمانہ۔

فرائض کی پرواہ نہیں، حقوق کا مطالبہ پہلے

ایک شخص کہیں ملازم ہے، یا مزدور ہے، اس کو یہ حدیث تو خوب یاد رہتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، یہ حدیث تو خوب یاد رہتی ہے، لیکن اس کا خیال نہیں کہ پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟ جس کام کے لئے اسے ملازم رکھا تھا، اس

نے وہ کام صحیح طور پر انجام دیا یا نہیں؟ اس کی کوئی پرواہ اور فکر نہیں۔ آج کل مختلف انجمنیں قائم ہیں، پوری دنیا میں ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں، مثلاً "انجمن تحفظ حقوق مزدوراں"، "تحفظ حقوق ملازمین"، "تحفظ حقوق نسواں" وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے حق کی وصولی کا مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہئے، اور میرے ذمے جو دوسرے کا حق ہے، اس کا کوئی خیال نہیں، جو ملازم ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میری پوری مزدوری ملنی چاہئے، لیکن میرے ذمے جو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، وہ پورا وقت ملازمت میں دیتا ہوں یا نہیں؟ یا اس میں ڈنڈی مار جاتا ہوں، اس کی طرف بالکل دھیان نہیں، وفتر میں تاخیر سے پہنچ رہے ہیں، اور تاخیر سے پہنچنے کے بعد بھی اپنے فرائض منصبی ادا نہیں کر رہے ہیں، ملازمت کے اوقات کے دوران اپنے ذاتی کاموں میں مصروف ہیں، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کیا، وہ دوسروں کے لئے پسند نہیں کر رہے ہیں، اپنے لئے کچھ اور معیار ہے، دوسروں کے لئے کچھ اور معیار ہے، اگر ان سے کہہ دیا جائے کہ چونکہ اس وقت تم نے وقت پورا نہیں دیا، اس لئے تمہاری تنخواہ وضع کی جائے گی تو اب اس کے خلاف لڑائی اور جھگڑا اور جلسے اور جلوس شروع ہو جائیں گے کہ ملازمین کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں۔

ملازمت میں یہ طریقہ کار ہو

یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ اپنے لئے اور معیار ہے، اور دوسرے کے لئے اور معیار ہے، اپنے فرائض کی طرف تو نگاہ نہیں ہے، بس اپنے حقوق کی طرف نگاہ جا رہی ہے۔ یہ صرف سرکاری ملازمین کے لئے نہیں، بلکہ جو

حضرات علماء مدارس میں پڑھا رہے ہیں، یا مدارس میں ملازم ہیں، ان میں سے کسی اللہ کے بندے کے دل میں شاید ہی یہ خیال آتا ہوگا کہ میری یہ تنخواہ حلال ہو رہی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں دارالعلوم کراچی میں تو یہ قانون ہے کہ تمام اساتذہ اور ملازمین اپنی آمد و رفت کا وقت لکھ دیتے ہیں، اگر درس میں زیادہ تاخیر ہو تو اس کی تنخواہ خود بخود وضع ہو جاتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھانہ بھون میں جو مدرسہ تھا، وہاں اگرچہ اس قسم کا نظام نہیں تھا، لیکن استاذ خود مہینے کے آخر میں ایک درخواست لکھتا کہ اس ماہ کے دوران مجھے اتنی تاخیر ہوئی تھی، یا میرے اتنے ناغے ہوئے ہیں، اس لئے اتنی تنخواہ میری تنخواہ سے وضع کر لی جائے۔ آج ہر شخص اپنے حقوق کے مطالبے کے نعرے لگا رہا ہے، لیکن کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں فرائض منصبی میں کتنی کوتاہی کر رہا ہوں۔

تنخواہ گھٹانے کی درخواست

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالبعلم تھے، پھر وہاں کے استاذ ہوئے، پھر شیخ الحدیث ہوئے، جب بخاری شریف پڑھاتے ہوئے ایک مدت گزر گئی تو مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت کی تنخواہ بڑھانی چاہئے، ایک مدت سے آپ پڑھا رہے ہیں، اس وقت آپ کی تنخواہ دس روپے ماہوار تھی، لہٰذا آپ کی تنخواہ پندرہ روپے ماہوار کی جاتی ہے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے باقاعدہ ایک درخواست مجلس شوریٰ کے نام لکھی، اور اس میں لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مجلس شوریٰ نے میری تنخواہ بڑھادی ہے، لیکن مجھے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا، اس لئے

کہ پہلے تو میرے قوی مضبوط تھے، وقت بھی زیادہ دیتا تھا، اب تو میرے قوی بھی کمزور ہو رہے ہیں، اور وقت بھی زیادہ نہیں دے پاتا، اس لئے اب میری تنخواہ بڑھانے کے بجائے گھٹائی جائے۔ تنخواہ بڑھانے کی درخواست تو آپ نے دیکھی ہوگی، لیکن وہاں تنخواہ گھٹانے کی درخواست دی جا رہی ہے۔

دو پیمانے بنا رکھے ہیں

جن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر ہوتی ہے، جو یہ جانتے ہیں کہ حقوق کے مطالبے سے پہلے اپنے فرائض کی ادائیگی کا دھیان رکھنا ہے، ان کا یہ مزاج ہوتا ہے۔ آج دنیا میں جھگڑے اس لئے ہو رہے ہیں کہ ہم نے دو پیمانے مقرر کر رکھے ہیں، اگر میں دوسرے کو ملازم رکھا ہوا ہوں تو میں یہ چاہوں گا کہ کس طرح اس کی کھال کھینچ لوں، اور اجرت کم سے کم دوں، اور اگر میں ملازم ہوں تو میں یہ چاہوں گا کہ اجرت مجھے زیادہ سے زیادہ مل جائے، اور کام کم سے کم کروں، اس لئے یہ سارے جھگڑے ہو رہے ہیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل ہو جائے کہ اگر تم ملازم ہو تو یہ سوچو کہ اگر دوسرا شخص میرا ملازم ہوتا تو میں اس سے کیا چاہتا، اور اگر تم نے کسی کو ملازم رکھا ہوا ہے تو یہ سوچو کہ اگر میں ملازم ہوتا تو میں اپنے آجر سے کیا چاہتا، وہ ادا کرو۔ اسی طرح میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، اس میں زیادہ دخل اس بات کا ہے کہ وہاں پر بھی دو پیمانے ہیں، وہاں پر اس حدیث پر عمل ضروری ہے کہ ان کے لئے بھی وہی پسند کرو، جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، یعنی اگر تم شوہر ہو تو تم یہ دیکھو کہ میں اپنی بیوی سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتا ہوں، اور اس کی کس بات سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے؟ اور

اس کی کس بات سے مجھے راحت پہنچتی ہے؟ پھر تم بھی اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرو، جو اس کو راحت پہنچانے والا ہو، تکلیف پہنچانے والا نہ ہو۔ اگر تم بیوی ہو تو تم یہ دیکھو کہ مجھے اپنے شوہر کی کس بات سے اور کس سلوک سے تکلیف پہنچتی ہے؟ اور کس بات سے اور کس سلوک سے راحت پہنچتی ہے؟ پھر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اس کو راحت پہنچانے والا ہو۔

ساس بہو کے جھگڑے کی وجہ

ساس بہو کے جھگڑوں سے ہمارا پورا معاشرہ بھرا ہوا ہے، بے شمار گھرانے اس فساد کا شکار ہیں، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس حدیث پر عمل نہیں ہو رہا ہے، جب تک ساس صاحبہ بہو تھیں، اس وقت تک وہ اپنی ساس سے کیسے سلوک کی توقع رکھتی تھیں، اور جب خود ساس بن گئیں ہیں تو اب اپنی بہو کے ساتھ کیسا معاملہ کر رہی ہیں، یہ دو پیمانے الگ الگ بنائے ہوئے ہیں کہ اپنے لئے پیمانہ اور ہے، اور دوسرے کے لئے پیمانہ اور ہے، اگر ایک پیمانہ ہو جائے تو یہ سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔

اس طریقے کو ختم کرو

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۞ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۞

(المطففین: ۱۔۳)

فرمایا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر کہ جب اپنا حق لینے کا موقع آئے تو پورا پورا لیں، کوئی کسر نہ چھوڑیں، اور جب دوسرے کو دینے کا وقت آئے تو اس

میں ڈنڈی مار جائیں۔ بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے ایسا معیار بیان فرمادیا کہ جس کے ذریعے ہم اپنے معاشرتی طرزِ عمل کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہم سے کہاں غلطی ہورہی ہے؟ بس جہاں غلطی ہورہی ہے اس کو درست کرلو تو اللہ تعالیٰ اس کی برکات ایسی عطا فرمائیں گے کہ ہمارے دین و دنیا سنور جائیں گے۔

میری مخلوق سے محبت کرو

میرے شیخ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے، تو میری مخلوق سے محبت کرو، تم مجھ سے کیا محبت کروگے، کیونکہ تم نے نہ مجھے دیکھا ہے، نہ تمہارے اندر دیکھنے کی طاقت ہے، اس لئے تم مجھ سے کیا محبت کروگے؟ میری محبت کا عنوان یہ ہے میری مخلوق سے محبت کرو، میرے بندوں سے محبت کرو۔ حضرت والا کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت کسی کے دل میں ڈالتے ہیں تو پھر اس کا معاملہ یہ ہوجاتا ہے کہ ہر مخلوق خدا سے اس کو محبت ہوتی ہے، اس کے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہیں ہوتا، اس کے دل میں کسی کے خلاف بغض نہیں ہوتا، جیسے کسی نے کہا کہ:

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

آئین ما ست سینہ چوں آئینہ داشتن

اب کسی کے خلاف نہ تو غصہ ہے، نہ کینہ ہے، نہ بغض ہے، نہ عداوت ہے، بلکہ ہر حال میں دوسرے کے حق میں خیر خواہی ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

چنانچہ اپنے بزرگوں کو ہم نے ایسا پایا کہ ان سے تعلق رکھنے والے جتنے لوگ ہوتے تھے، ان میں سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ ان بزرگ کو مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے، اور یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چلی آرہی ہے، ہر صحابی یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبت ہے، یہاں تک کہ اس کو یہ خیال ہوتا تھا کہ سب سے محبوب ہی میں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بعد میں مسلمان ہوئے، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہوں، اب سابقین اولین میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا انداز دیکھ کر دل میں یہ خیال آیا کہ شاید میں زیادہ محبوب ہوں، اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ بیٹھے کہ یا رسول اللہ! آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ محبت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے، اس وقت راز کھلا کہ ان کے مقابلے میں ابوبکر سے زیادہ محبت ہے۔ اب دل میں خیال آیا کہ ابوبکر صدیقؓ تو بہت اونچی شخصیت ہیں، ان سے تو آپ کو بہت محبت ہوگی، اب دوسرے نمبر پر میں زیادہ محبوب ہوں گا، لہٰذا پھر سوال کرلیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محبت ہے یا حضرت عمر فاروقؓ سے زیادہ محبت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر سے، فرماتے ہیں کہ اب مزید سوال کرنے سے میں ڈر گیا کہ اب مزید سوال کروں گا تو پتہ نہیں کون سے نمبر پر جاؤں گا۔ بہر حال! ان کے دل میں خیال

اس لئے آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل ہر ایک صحابی کے ساتھ ایسا تھا کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبت ہے۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا ہر ایک کے لئے دعا کرنا

ہم نے اپنے بزرگوں میں بھی یہی طرز عمل دیکھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جتنے متعلقین ہیں، ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کو مجھ سے زیادہ محبت ہے، ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت دل میں ڈال دی تو اپنی مخلوق کی ایسی محبت دل میں ڈال دی کہ ہر ایک کی خیر خواہی، ہر ایک سے محبت، ہر ایک کا خیال، حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کسی ملنے جلنے والے سے ملاقات ہو جاتی تو فرماتے، ارے بھائی! ہم تمہارے لئے بہت دعا کرتے ہیں، اور روزانہ دعا کرتے ہیں، اب اگر توریہ کریں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہوں گے تو تم بھی ان کے اندر داخل ہو جاتے ہو گے۔ لیکن حضرت والا کی یہ مراد نہیں تھی کہ عمومی طور پر اس طرح دعا کرتا ہوں، بلکہ واقعۃً خصوصی طور پر نام لے کر ہر ایک کے لئے دعا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ روزانہ ہر ایک کے لئے کس طرح دعا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے پانچ نمازوں کو تقسیم کر رکھا ہے، مثلاً فجر کی نماز کے لئے یہ طے کر رکھا ہے کہ اپنے جو بڑے ہیں، جیسے والدین، اساتذہ، مشائخ، ان سب کے لئے فجر کی نماز کے بعد دعا کروں گا، ظہر کی نماز کے لئے یہ طے کر رکھا ہے کہ اپنے برابر کے دوست واحباب ہیں، ہم سبق ہیں، ان کے لئے دعا

کروں گا، اور عصر کی نماز کے بعد اپنے سے چھوٹوں کے لئے اور اپنے متعلقین کے لیے دعا کروں گا، مغرب کے بعد اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے دعا کروں گا، اس طرح میں نے پانچ نمازوں کو اپنے ملنے جلنے والوں اور اہل خانہ کے لئے بانٹ رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے اپنے وقت پر ہر ایک کے لئے دعا ہو جاتی ہے، الحمد للہ۔ یہ دعائیں کیوں ہو رہی ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی بدولت اپنی مخلوق کی محبت دل میں ڈال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل میں بھی یہ محبت پیدا فرمادے، آمین۔ بہر حال! یہ چوتھی نصیحت تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پانچویں نصیحت

پانچویں نصیحت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ "لا تکثر الضحک، فان کثرۃ الضحک تمیت القلب" یعنی بہت زیادہ ہنسا مت کرو، اس لئے کہ کثرت سے ہنسنا دل کی موت کا باعث ہوتا ہے، اس سے انسان کا دل مر جاتا ہے۔ یہاں ہنسنے سے قہقہہ مار کر ہنسنا مراد ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں یہ ہے کہ آپ قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے، زیادہ تر تو تبسم فرماتے تھے، مسکراتے تھے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعض اوقات ہنسنے کے دوران آپ کا منہ کھل جاتا تھا، اور داڑھیں ظاہر ہو جاتی تھیں، لیکن قہقہہ مار کر ہنسنا کہیں ثابت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت ہنسنے ہنسانے میں لگا رہے، اور مسخرہ بن جائے تو یہ پسندیدہ نہیں، البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ہنسی

مذاق بھی جائز ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مذاق کیا ہے۔ بہر حال! یہ اس حدیث کا حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں ان پانچوں نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

چار عظیم صفات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

چار عظیم صفات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اما بعد!عن عبد اللہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال:قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:اَرْبَعٌ اِنْ کُنَّ فِیْکَ فَلَا عَلَیْکَ مَافَاتَکَ مِنَ الدُّنْیَا،حِفْظُ اَمَانَۃٍ، وَصِدْقُ حَدِیْثٍ ، وَحُسْنُ خَلِیْقَۃٍ ،وَعِفَّۃٌ فِیْ طُعْمَۃٍ اَوْ کَمَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔

یہ چار صفتیں بڑی دولت ہیں

ایک حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول

ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ: اربع ان کن فیك فلا علیك مافاتك من الدنیا، فرمایا کہ چار صفتیں ہیں کہ اگر وہ تمہارے اندر پیدا ہو جائیں تو اگر دنیا کی کوئی نعمت تمہیں نہ ملی ہو تو تمہیں اس کا کوئی غم نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ چار صفتیں اتنی بڑی دولت ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی اور دولت کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ چار صفتیں دنیا کی ساری دولت سے بالاو برتر ہیں، وہ چار صفتیں کیا ہیں؟ فرمایا:

حِفْظُ اَمَانَةٍ، وَصِدْقُ حَدِيْثٍ، وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ، وَعِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ

اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

وہ چار صفتیں جو دنیا کی ساری دولتوں سے بڑھ کر دولت ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت ''امانت کی حفاظت'' کرنا، دوسری صفت ''بات کی سچائی'' تیسری صفت ''خوش اخلاقی'' اور چوتھی صفت یہ کہ ''جو لقمہ کھا رہے ہو اس کا پاک دامن ہونا'' کہ اس میں حرام کا شائبہ نہ ہو، یہ چار صفتیں بہت مختصر ہیں، لیکن اتنی جامع ہیں کہ سارا دین ان کے اندر سمٹ آیا ہے۔

پہلی صفت: امانت کی حفاظت

پہلی صفت بیان فرمائی کہ ''امانت کی حفاظت'' قرآن و حدیث کے ارشادات اس کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (النساء:۵۸)

اور حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں

خیانت کرنے کو منافق کی خصلت قرار دیا ہے، فرمایا کہ تین باتیں جس کے اندر پائی جائیں وہ پکا منافق ہے، ان میں سے ایک ہے ''وعدہ خلافی'' اور دوسرے ''امانت میں خیانت'' اور تیسرے ''جھوٹ بولنا'' ان تین چیزوں کو آپ نے نفاق کی علامت قرار دیا، مسلمان کا کام نہیں کہ وہ یہ تین کام کرے، بہر حال! ''امانت'' وہ چیز ہے جس کی رعایت سے مسلمان مسلمان بنتا ہے۔

نبوت سے پہلے آپ کے مشہور اوصاف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم صفت جو عطاء نبوت سے پہلے سے لوگوں میں معروف تھی، وہ صادق اور امین ہونا تھی، یعنی سچائی اور امانت داری، بڑے سے بڑا دشمن بھی اپنی امانت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھوانے کے لئے تیار تھا، یہاں تک کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے، اس وقت لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا، یہ آپ کا خاص وصف تھا، جو کافروں میں بھی معروف اور مشہور تھا۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ''امانت'' کا خصوصی خیال رکھے۔

امانت کا وسیع مفہوم

لیکن امانت کا مطلب عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی آدمی ہمارے پاس پیسے یا کوئی چیز لا کر رکھوا دے، ہم اس کو صندوقچی میں بند کر کے رکھ دیں، اور جب وہ طلب کرے تو اس کو واپس کر دیں، اور خیانت یہ ہے کہ اس کو کھا

جائیں۔ چونکہ جان بوجھ کر اس قسم کی خیانت الحمدللہ سرزد نہیں ہوتی، اس لئے ہم مطمئن ہیں کہ ہم امانت دار ہیں، اور ہم امانت کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لیکن امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، بے شمار چیزیں اس کے اندر داخل ہیں، جس کی پوری تفصیل ایک بیان میں عرض کی تھی، وہ بیان چھپ چکا ہے۔

(اصلاحی خطبات، جلد ۳)

دوسری صفت: بات کی سچائی

دوسری صفت جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ ہے ''صدق حدیث'' بات کی سچائی، یعنی آدمی جھوٹ نہ بولے، غلط بیانی نہ کرے۔ دیکھئے! ایک تو کھلا جھوٹ ہوتا ہے، جس کو ہر ایک جھوٹ سمجھتا ہے، اور دوسرا ہوتا ہے پوشیدہ قسم کا جھوٹ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس شخص کو دین کا اور جھوٹ سے بچنے کا تھوڑا بہت دھیان ہے، وہ عام طور پر کھلے جھوٹ سے تو پرہیز کرتا ہے، اور اگر اس کا کسی دینی حلقے سے تعلق ہے تو وہ کھلا جھوٹ بولتے ہوئے ڈرے گا، لیکن جھوٹ کی کچھ شکلیں ایسی ہیں جو ہمارے معاشرے میں سرایت کر گئی ہیں، اور ان کے جھوٹ ہونے اور گناہ ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہ ایک آدمی کی بات دوسرے کو نقل کرنے میں بے احتیاطی اور لاپرواہی برتی جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل بات تو کچھ تھی، لیکن آگے نقل ہوتے ہوتے اس کا حلیہ ایسا بگڑا کہ اصل بات سے کوئی نسبت ہی باقی نہیں رہی، اور غلط بات پھیل گئی، ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ نقل کرتے وقت یہ احتیاط نہیں کی کہ جو بات جس طرح کہی جارہی ہے، وہ بات اسی طرح یاد رکھوں، اور اسی

طرح آگے نقل کردوں، بلکہ سنا کچھ، اور سمجھا کچھ، اور پھر اس میں اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر آگے چلتا کر دیا، اب اس کو جھوٹ بھی نہیں سمجھا جاتا۔

بات کیا سے کیا بن جاتی ہے

میرے پاس تقریباً پانچ دس جگہوں سے خطوط آئے، اور یہ لکھا کہ ایک صاحب اپنی تقریروں میں آپ کی طرف منسوب کر کے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ٹیپ ریکارڈر پر قرآن کریم سننا گانے سننے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اب میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ میں نے کبھی یہ مسئلہ یہ بیان کیا ہو، جب میں نے اس میں غور کیا کہ یہ بات کہاں سے چلی ہے تو اندازہ ہوا کہ ایک مرتبہ ایک مجلس کے اندر میں وعظ کیا، اس مجلس میں سے ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ اگر ٹیپ ریکارڈر پر قرآن کریم کی تلاوت سن رہے ہوں، سجدہ تلاوت آ جائے تو سجدہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ میں نے یہ جواب دیا تھا کہ وہ تلاوت جو ٹیپ ریکارڈر میں ہوتی ہے، وہ حقیقی تلاوت کے حکم میں نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ اب چونکہ میں نے یہ کہہ دیا کہ ٹیپ ریکارڈر کی تلاوت حقیقی تلاوت کے برابر نہیں، تو یہاں سے انہوں نے یہ سمجھا کہ پھر وہ تلاوت حرام اور ناجائز ہے، اور اس کو اپنی طرف سے آگے بڑھا دیا کہ وہ تلاوت گانے سننے سے بدتر ہے، اور یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا، بلکہ بے احتیاطی اور لاپرواہی سے اپنے خیالات کو اس میں داخل کر دیا۔

میری طرف منسوب ایک خواب

ابھی چند روز پہلے جناب بھائی کلیم صاحب مجھے یہ بتا رہے تھے کہ جن

علاقوں میں زلزلہ آیا ہوا ہے، وہاں میری طرف منسوب ہو کر یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ اس نے ایک خواب دیکھا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رمضان المبارک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زلزلے کو ہلکا کر دیا، اور عید کے بعد اس سے بڑا زلزلہ آئے گا، اب میرے پاس ٹیلیفون آرہے ہیں کہ کیا آپ نے یہ خواب دیکھا ہے؟ خدا جانے یہ بات کہاں سے نکلی، اور کس طرح چلتی کر دی، پہلی بات کا تو کچھ سراغ لگ گیا تھا، اس کا تو کوئی سراغ بھی نہیں ملا کہ کہاں سے نکلی ہو گی۔

نقل کرنے میں احتیاط کریں

غرض یہ کہ بات کو آگے نقل کرنے میں احتیاط ختم ہو چکی ہے، شریعت اور دین نے جتنا اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ آدمی کے منہ سے کوئی بات غلط نہ نکلے، آج اتنی ہی بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس کے نتیجے میں فتنے اور فساد پھیل رہے ہیں، افواہیں پھیل رہی ہیں، یا تو بات آگے نقل ہی مت کرو، اور اگر بات آگے نقل کرنی ہے تو خدا کے لئے اپنی جانو پر رحم کھاؤ، اور جو بات دوسروں تک پہنچانی ہے اس کو صحیح صحیح یاد کرو کہ کیا کہا گیا، پھر آگے پہنچاؤ۔

ایک محدث کی احتیاط

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتاب ''الکفایہ'' میں ایک محدث کا واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ ایک حدیث سنایا کرتے تھے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ حدیث روایت کرنے والے حدیث روایت کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں، حدثنا فلان قال: حدثنا فلان قال: حدثنا فلان۔ حدثنا کے معنی ہیں مجھے فلاں نے یہ حدیث سنائی۔ بہر حال! وہ محدث ایک حدیث کو اپنے استاد کی

طرف منسوب کر کے سناتے تو یوں کہتے:

حدثنا فلان قال:ثنا فلان

پورا لفظ "حدثنا" کے بجائے "ثنا" کہتے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ لفظ پورا "حدثنا" کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب میں استاد کے درس میں پہنچا تو استاد نے درس شروع کر دیا تھا، اور میرے آنے سے پہلے "حد" کا لفظ کہہ چکے تھے، اور میں نے "حد" کا لفظ ان کی زبان سے نہیں سنا، بلکہ صرف "ثنا" سنا، لہٰذا اب اگر میں آگے روایت کرتے ہوئے پورا لفظ "حدثنا" کہوں گا تو جھوٹ ہو جائے گا، اس لئے میں صرف "ثنا" کہتا ہوں۔ اس احتیاط کے ساتھ یہ احادیث ہم تک پہنچی ہیں، ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو محفوظ کرنے میں اتنی احتیاط کی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور احتیاط

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، آپ خودرائی کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> جب تک تمہارے ''ضابطے'' کے بڑے موجود ہوں تو ان سے مشورہ کرو، جب وہ نہ رہیں تو برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو، اور جب وہ بھی نہ رہیں تو چھوٹوں سے مشورہ کرو، بغیر مشورہ کے کوئی کام مت کرو۔

پھر خود بھی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ضابطے'' کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے؟ اور کون چھوٹا ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، اس لئے کہ حقیقت میں بڑائی اور چھوٹائی تقویٰ کی وجہ سے ہے اور اللہ کی اطاعت کی بنیاد پر ہے، لیکن ''ضابطے'' میں ہم دیکھتے ہیں کہ ''باپ'' بیٹے سے بڑا ہے، استاد شاگرد سے بڑا ہے، شیخ مرید سے بڑا ہے، یہ سب ''ضابطے'' کے بڑے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کون بڑا ہے، اللہ ہی جانتا ہے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت والا یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جب تک ''بڑے'' موجود ہوں، بڑوں سے مشورہ کرو، لیکن چونکہ دماغ میں وہ ترازو لگا ہوا ہے کہ کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلے، اس ترازو نے صرف ''بڑا'' نہیں کہنے دیا، بلکہ یہ کہلوایا کہ ''ضابطے کے بڑے'' تاکہ بات نفس الامر کے خلاف نہ ہو۔

غفلت اور لاپرواہی بڑی بلا ہے

جب دل میں فکر پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ صحیح لفظ دل میں ڈال دیتے ہیں کہ انسان اس وقت یہ لفظ استعمال کرے، سب سے بڑی ''بلا'' غفلت ہے، بے پرواہی ہے، اس بات سے غفلت کہ میرے منہ سے کیا لفظ نکل رہا ہے، بس جو چاہے الم غلم نکل جائے، کوئی پرواہ نہیں، اس ''بلا'' نے ہمیں ''صدق حدیث'' سے دور کر دیا ہے، ''بات کی سچائی'' یہ ہے کہ جو لفظ منہ سے نکلے وہ تلا ہوا نکلے، وہ سو فیصد صحیح ہو، اس میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ وہ جھوٹ کی حد تک پہنچ

جائے، تھوڑا بہت مبالغہ تو محاورۃً آدمی بول دیتا ہے، لیکن ایسا مبالغہ جو جھوٹ کی حد تک پہنچ جائے، یہ "صدق حدیث" کے خلاف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جب زبان سے کوئی لفظ نکال رہے ہو تو ذرا دھیان سے نکالو۔

اگر آپ کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہو تو

اور اس کا بہترین معیار میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا، اور الحمد للہ دل میں اتر گیا، وہ یہ کہ جب کوئی کلمہ زبان سے کہو، یا قلم سے لکھو تو سوچ لو کہ یہ بات مجھے کسی عدالت میں ثابت کرنی ہے، آپ ذرا اس کا تجربہ کریں کہ اگر آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ آج آپ ان دو گھنٹوں کے درمیان جو بات کریں گے وہ ریکارڈ ہو کر تھانے میں پیش ہوگی، اور اس کی بنیاد پر آپ کو گرفتار کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا، پھر بتاؤ کہ ان دو گھنٹوں میں کس طرح گفتگو کرو گے؟ کیا اس وقت بھی بے سوچے بولتے چلے جاؤ گے، یا زبان پر کوئی قدغن لگے گی؟ اس وقت اگر تم سے کوئی بات کرنا چاہے گا تو تم کہو گے کہ ارے بھائی اس وقت تو میری ہر بات ریکارڈ ہو رہی ہے، اور اسی پر میری گرفتاری اور رہائی کا فیصلہ ہونا ہے، لہٰذا اس وقت مجھ سے ایسی فضول باتیں نہ کرو، نہ کرواؤ، اس وقت تمہارے منہ سے کیسے موتی کی طرح تلے ہوئے الفاظ نکلیں گے۔

ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ارے بھائی! یہ ٹیپ ریکارڈر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کے لئے لگا ہوا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّالَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (سورۃ ق:۱۸)

اور اسی ٹیپ ریکارڈر کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا کہ تم سچ بول رہے تھے، یا جھوٹ بول رہے تھے، لہٰذا جب اس وقت بولنے میں احتیاط کرتے تو اب یہ سوچ کر احتیاط کرلو کہ ایک ایک لفظ جو منہ سے نکل رہا ہے آخرت میں اس کی جواب دہی ہونی ہے، لہٰذا سوچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے منہ سے بات نکالو، جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوتی ہے وہ بولنے میں بہت احتیاط کرتے ہیں، صرف ضروری بات ہی زبان سے نکالتے ہیں، ورنہ وہ خاموش رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ''امانت داری'' بھی عطا فرمائیں، اور ''صدق حدیث'' بھی عطا فرمائیں کہ جو بات منہ سے نکلے، وہ سو فیصد درست ہو۔

تیسری صفت: خوش اخلاقی

تیسری صفت جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ ہے ''حسن خلیقة'' یعنی خوش اخلاقی، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''مؤمن خوش اخلاق ہوتا ہے، بد اخلاق، کینہ پرور، لوگوں کے ساتھ درشت کھردرا معاملہ کرنے والا نہیں ہوتا، یہ ایک مسلمان کی شان نہیں، مسلمان تو دوسرے لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا ہے، سختی کا برتاؤ نہیں کرتا۔

خوش اخلاقی کیا چیز ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ''خوش اخلاقی'' کیا چیز ہے؟ اور کس طرح پیدا

ہوتی ہے؟ یہ طویل الذیل موضوع ہے، مختصر وقت میں بیان کرنا مشکل ہے، مختصر بات یہ ہے کہ خوش اخلاقی صرف اس کا نام نہیں کہ آپ نے ظاہری طور پر دوسرے سے مسکرا کر بات کرلی، یہ بھی بیشک خوش اخلاقی کا ایک حصہ ہے، لیکن اگر ظاہری طور پر تو آپ مسکرا کر بات کررہے ہیں، اور دل میں بغض بھرا ہو ہے، یہ تو خوش اخلاقی کا مصنوعی مظاہرہ ہوا، جس میں اخلاص نہ ہوا، بلکہ ایک بناوٹی کارروائی ہوئی، جو ایک مؤمن کے لئے زیبا نہیں۔

مغربی ممالک اور خوش اخلاقی

آج کل مغربی ممالک میں اس موضوع پر بہت کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آئیں؟ اور لوگوں کو کس طرح اپنی طرف مائل کریں؟ لوگ ایسی کتابوں کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، ان کتابوں میں یہ لکھتے ہیں کہ جب لوگوں سے ملو تو اس طرح ملو، جب باتیں کرو تو اس طرح باتیں کرو، اس طرح لوگوں کے ساتھ پیش آؤ، یہ خوش اخلاقی کا طریقہ ہے۔ لیکن اس خوش اخلاقی کا مطلب صرف یہ ہے کہ دوسرے کے دل کو اپنے حق میں کیسے مسخر کریں؟ دوسرے کے دل میں اپنی عظمت کیسے پیدا کریں؟ بس اس کے لئے خوش اخلاقی کے سارے طریقے اختیار کیے جارہے ہیں، وہ خوش اخلاقی جو "دین اسلام" کے اندر مطلوب ہے، اور جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا، اس خوش اخلاقی کا مقصد دوسرے کو مسخر کرنا نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بحیثیت ایک مسلمان کے میرا فرض ہے کہ میں دوسروں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤں، لہٰذا دونوں مقصد میں زمین وآسمان کا

فرق ہے، اس لئے کہ وہاں جو خوش اخلاقی ہو رہی ہے، وہ لوگوں کو اپنا بنانے کے لئے ہو رہی ہے، اپنا گاہک بنانے کے لئے ہو رہی ہے، مارکیٹنگ کے لئے ہو رہی ہے، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خوش اخلاقی مطلوب ہے، وہ خوش اخلاقی دوسروں کو مسخر کرنے کے لئے نہیں، بلکہ خود اپنے فائدے کے لئے ہے کہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائی سے خندی پیشانی کے ساتھ ملوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو، تاکہ میرا اللہ راضی ہو جائے۔

تجارتی خوش اخلاقی

آج کل لوگ مغربی قوم کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ یہ بڑے خوش اخلاق ہیں، اور ان کی خوش اخلاقی کی تعریف کر کے بسا اوقات مسلمانوں اور اسلام کے مقابلے میں ان کی برتری دل میں آنے لگتی ہے۔ ٹھیک ہے، بعض لوگ حقیقی معنوں میں خوش اخلاق ہوتے ہوں گے، لیکن عام طور پر ان کی خوش اخلاقی تجارتی ہے، وہ مارکیٹنگ کی خوش اخلاقی ہے، ایک سیلز مین جو ایک دکان پر کھڑا ہوا ہے، وہ اگر اپنے گاہکوں سے مسکرا کر بات نہ کرے، اور خوش اخلاقی سے پیش نہ آئے تو کون اس کا سامان خریدنے آئے گا، وہ تو اپنی تجارت کی خاطر اور اپنے نفع کی خاطر لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے پر مجبور ہے، لیکن اگر آپ اس سے یہ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ بڑے خوش اخلاقی سے پیش آرہے ہو، تو میرے لئے دس روپے کم کر دو، تو پھر وہ ساری خوش اخلاقی رخصت ہو جائے گی، اس لئے کہ وہ ساری خوش اخلاقی تو اس

لئے ہو رہی ہے کہ میں اس سے زیادہ سے زیادہ پیسے کھینچ لوں، اور اپنا سامان اس کو فروخت کروں، یہ کیا خوش اخلاقی ہوئی؟ خوش اخلاقی وہ ہے جو انسان کے دل سے اٹھے اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہو، جس کا مقصد آخرت کی فلاح ہو، دنیا کے اندر اس کا صلہ مطلوب نہ ہو، یہ ہے "خوش اخلاقی"۔

خوش اخلاقی کیسے پیدا ہوگی؟

یہ خوش اخلاقی کیسے پیدا ہوگی؟ یہ سارا "تصوف اور سلوک" درحقیقت اسی خوش اخلاقی کو پیدا کرنے کا علم ہے، لوگ بزرگوں کی صحبت میں جو جاتے ہیں، وہ درحقیقت اسی خوش اخلاقی کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے جاتے ہیں، اس کا ایک پورا انتظام ہے، جس کو اس وقت پوری تفصیل سے بیان کرنا تو ممکن نہیں، لیکن میرے نزدیک خوش اخلاقی کی جو کلید ہے، وہ اس وقت عرض کر دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ خوش اخلاقی کی بنیادی کنجی اگر حاصل ہوگئی تو خوش اخلاقی حاصل ہوگئی، وہ ہے "تواضع" یہ ساری خوش اخلاقی کی بنیاد ہے، اگر تواضع پیدا ہوگئی تو اب "متواضع" آدمی بد اخلاق نہیں ہوسکتا، اس لئے بد اخلاقی جب بھی ہوگی اس میں تکبر شامل ہوگا، اور تواضع کا مطلب ہے "اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا" اور دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھنا، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا، اگر آدمی کے دل میں یہ بات آجائے کہ میں چھوٹا ہوں، باقی سب بڑے ہیں، اور بڑے ہونے سے مراد "عمر" اور "علم" میں بڑا ہونا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت میں اور تقویٰ میں نیکی میں سب مجھ سے بڑے ہیں، یا فی الحال بڑے ہیں، یا فی المآل ان کے بڑے ہونے کا احتمال ہے۔

تواضع پیدا کریں

لہٰذا دل میں اپنی کوئی بڑائی نہ ہو، بلکہ یہ سوچے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی عطا ہے، جب چاہیں واپس لے لیں، نہ میں اپنی ذات میں کوئی کمال رکھتا ہوں، نہ میرے پاس اپنی ذات میں کوئی خوبی ہے، اور دوسری مخلوق سب کو اللہ تعالیٰ نے بڑا نوازا ہوا ہے۔ یہ اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا تواضع ہے، جب ایک شخص کے دل میں تواضع ہوگی، اور وہ یہ کہے گا کہ میں چھوٹا ہوں، یہ بڑا ہے، تو کیا ایسا شخص کسی بڑے کے ساتھ بداخلاقی کرے گا؟ نہیں کرے گا، اس لئے کہ بداخلاقی اس وقت ہوتی ہے جب دل میں اپنی بڑائی ہو، اور دوسروں کی تحقیر ہو کہ میں تو بڑا آدمی ہوں میرے حقوق لوگوں پر ہیں، اور لوگوں پر واجب ہے کہ وہ میرا فلاں حق ادا کریں، اگر وہ میرا حق ادا نہیں کر رہے ہیں تو وہ غلطی کر رہے ہیں، لہٰذا میں ان کے ساتھ اچھے انداز میں پیش نہیں آؤں گا، ساری بداخلاقی کی بنیاد اور جڑ یہ ہے۔

تواضع سے بلندی عطا ہوتی ہے

اگر تواضع پیدا ہو جائے تو پھر کوئی ''بداخلاقی'' سرزد نہیں ہوگی، اس لئے میں کہتا ہوں کہ خوش اخلاقی کی کلید اور بنیاد تواضع ہے، اور بداخلاقی کی بنیاد تکبر اور عجب ہے، اگر انسان اس تکبر اور عجب کا علاج کروالے، اور تواضع پیدا کرنے کی تدبیر اختیار کرلے، اور کسی اللہ والے کی صحبت کے نتیجے میں یہ تواضع پیدا ہو جائے تو پھر انشاء اللہ بداخلاقی قریب نہیں آئے گی، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ

یعنی جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔

اپنی حقیقت پر غور کریں

لہٰذا تواضع اختیار کرنے کے لئے انسان کو پہلے تو اپنی حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ میں کیا ہوں، قرآن کریم نے دو لفظوں میں انسان کی حقیقت بیان کردی، فرمایا کہ:

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ ، مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَہٗ (عبس:۱۸،۱۹)

اگر انسان اس میں غور کرے تو سارا تکبر ختم ہو جائے گا، وہ یہ کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا؟ تمہاری اصل بنیاد کیا؟ وہ ایک نطفہ ہے، دوسری جگہ فرمایا کہ:

اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ (المرسلٰت:۲۰)

کیا ہم نے تمہیں ایک ذلیل اور گندے پانی سے پیدا نہیں کیا؟ یہ تمہاری اصل ہے، اگر انسان اپنی اس اصل میں غور کرے تو کبھی دماغ میں تکبر نہ آئے، اور پھر تو جب مرے گا تو اپنے پیارے اور اپنے محبت کرنے والے بھی تجھے گھر میں رکھنا گوارہ نہیں کریں گے، اس لئے کہ بدبو پیدا ہو جائے گی، اور سڑ جائے گا، لہٰذا تجھ کو لے جا کر قبر میں دفن کریں گے، وہ تیری ابتداء ہے، یہ تیری انتہاء ہے۔

''بیت الخلاء'' دکان معرفت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی اگر تمہارے دل میں اپنی بڑائی آئے تو اس وقت یہ تصور کرلیا کرو کہ بیت الخلاء میں میری کیا پوزیشن ہوتی ہے، میری اس حالت کو کوئی دیکھ لے تو مجھ سے گھن کرے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے جسم پر کھال کا پردہ ڈال رکھا ہے، ورنہ ذرا سی کھال کہیں سے الگ کردو تو یہ نظر آئے گا کہ اندر نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے، کہیں خون ہے، کہیں پیپ ہے، کہیں پیشاب ہے، کہیں پاخانہ ہے، بس اس کھال کے پردے نے ان تمام نجاستوں کو چھپا رکھا ہے۔ یہ ہے تمہاری حقیقت، ویسے تو بڑا غرور ہے کہ میں ایسا ہوں، ویسا ہوں، یہ کردوں گا، وہ کردوں گا، ذرا سا دماغ کا اسکروڈھیلا ہوجائے تو سب ختم ہوجائے گا، پھر بھی کہتے ہو کہ میں بڑا ہوں، تو یہ شیطان تمہیں دھوکے میں ڈال رہا ہے، لہٰذا اپنی اصل پر غور کرو۔

اپنے آپ کو خادم سمجھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے کہ یہ سارا فساد اس بنیاد پر ہے کہ تم نے اپنے آپ کو مخدوم بنایا ہوا ہے، ارے اپنے آپ کو خادم سمجھو کہ میں خادم ہوں، میں چھوٹوں کا بھی خادم ہوں، بڑوں کا بھی خادم ہوں، البتہ خدمت کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، اگر استاد اپنے شاگرد کو پڑھا رہا ہے، یہ بھی خدمت کررہا ہے، اس لئے استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو طالب علموں کا خادم سمجھے، کبھی تعلیم اور تلقین کے ذریعے خدمت

ہوتی ہے، لہٰذا یہ سمجھو کہ میں اپنی بیوی بچوں کا بھی خادم ہوں، اپنے بہن بھائیوں کا بھی خادم ہوں، اپنے عزیز و اقارب کا بھی خادم ہوں، خادمیت اختیار کرو، پھر جب بھی کسی سے واسطہ پیش آئے تو یہ سمجھو کہ میں جس سے بات کر رہا ہوں، میں اس کا خادم ہوں۔

منصب کے تقاضے پر عمل کرنا دوسری بات ہے

اگر کوئی بڑا ہو، صاحب اقتدار ہو، اس کے سامنے تو سبھی کو سر جھکانا پڑتا ہے، اسی کا حکم ماننا پڑتا ہے، اس کے سامنے سب تواضع کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سامنے بولتی بند ہو جائے گی۔ لیکن وہ تواضع جو قابل تعریف اور قابل تحسین ہے، وہ یہ کہ اپنے برابر والوں کے ساتھ اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے، البتہ بعض اوقات کسی منصب کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے پر غصہ کرے، مثلاً ایک ملازم کام ٹھیک نہیں کر رہا ہے، اب اس کی اصلاح کے لئے بعض اوقات غصہ بھی کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات سزا بھی دینی پڑ جاتی ہے، بعض اوقات استاد شاگرد کو سزا دیتا ہے، بعض اوقات باپ بیٹے کو سزا دیتا ہے۔ یہ سزا دینا بھی خدمت ہے، لیکن اس وقت آدمی یہ سوچے کہ میں اپنے فریضہ منصبی کو ادا کرتے ہوئے یہ کام کر رہا ہوں، اس وجہ سے یہ کام نہیں کر رہا ہوں کہ میں بڑا ہوں، اور یہ مجھ سے چھوٹا ہے، اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مقام مجھ سے بہت اونچا ہو۔

خوبصورت مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر

بادشاہ نے اپنے کسی غلام کو چوکیدار بنا کر کھڑا کر دے کہ تم دروازے پر کھڑے ہو جاؤ، اور صرف ان لوگوں اندر آنے دو جن کو اجازت ہو، اور دوسروں کو اندر مت آنے دینا، اب اگر کوئی شہزادہ بھی آئے گا تو چوکیدار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ شہزادے سے کہے کہ پہلے اپنی شناخت پیش کرو کہ تم کون ہو؟ پھر اندر آنے کی اجازت ہوگی، اگر وہ زبردستی اندر داخل ہونا چاہے گا تو چوکیدار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو روک دے۔ اب دیکھئے کہ چوکیدار شہزادے کو روک رہا ہے، اور بظاہر اس پر حکم چلا رہا ہے، لیکن بتاؤ ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ جس وقت وہ چوکیدار شہزادے کو روک رہا ہوتا ہے، اس وقت بھی اس کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں ہوتی کہ میں شہزادے سے افضل ہوں، یا میں بڑا ہوں، اور یہ چھوٹا ہے، بلکہ اس کے دل میں اس وقت بھی یہ بات ہوتی ہے کہ بڑا تو شہزادہ ہی ہے، لیکن میں فرض منصبی کی ادائیگی کی خاطر اس کو روکنے پر مجبور ہوں۔

استاذ، شیخ اور باپ کا ڈانٹنا

اسی طرح اگر کوئی استاذ کسی شاگرد کو ڈانٹ رہا ہے، یا کوئی شیخ مرید کو ڈانٹ رہا ہے، یا کوئی باپ بیٹے کو ڈانٹ رہا ہے، یا اس کو کسی کام سے روک رہا ہے، تو اس کو یہ تصور کرنا چاہئے کہ میں اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہوں، حقیقت میں شاید یہ اللہ کا بندہ مجھ سے درجات کے اعتبار سے آگے بڑھا ہوا ہو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں آنے والوں کے لئے بڑے اصول مقرر فرمائے تھے، جب کوئی شخص ان اصولوں کی خلاف ورزی

کرتا تو اس کی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی۔ ان سب کے باوجود حضرت والا فرماتے ہیں کہ الحمدللہ میں جب بھی کسی کو ڈانٹتا ہوں تو دل میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ میں چوکیدار ہوں، اور یہ شہزادہ ہے، میرا چونکہ فرض منصبی ہے، اس لئے ڈانٹ رہا ہوں، ورنہ حقیقت میں یہی مجھ سے افضل ہے۔ دوسرا یہ کہ جس وقت ڈانٹ رہا ہوتا ہوں، اس وقت دل میں یہ بھی کہہ رہا ہوتا ہوں کہ یا اللہ! جس طرح میں اس سے مؤاخذہ کررہا ہوں، میرا آخرت میں اس طرح مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، بتایئے! جو شخص اپنے سے چھوٹے کے بارے میں دل میں یہ تصور بٹھا رہا ہو کہ یہ شہزادہ ہے، میں چوکیدار ہوں، اس کے دل میں تکبر کہاں سے آئے گا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی ایسی تواضع پیدا فرمادے، آمین۔

تواضع بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے

یہ تواضع صحبت سے حاصل ہوتی ہے، متواضعین کی صحبت اختیار کرے گا، تواضع آئے گی، متکبروں کی صحبت اختیار کرے گا تو تکبر آئے گا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صفت تواضع سے نوازا ہے، ان کی صحبت اختیار کرے، اور اپنی حقیقت پر غور کرتا رہے، اور یہ سمجھے کہ آخرت میں جو کچھ ملنے والا ہے وہ تنی ہوئی گردنوں کو نہیں ملے گا، بلکہ جھکی ہوئی گردنوں کو ملنے والا ہے، شکستگی کا مظاہرہ کرنے والوں کو، فنائیت کا مظاہرہ کرنے والوں کو، اپنی بڑائی دل میں نہ لانے والوں کو ملنے والا ہے۔

جنت مسکینوں کا گھر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جنت اور جہنم کے درمیان

مناظرہ ہوا کہ کون افضل ہے؟ جہنم اس بات پر فخر کرنے لگی کہ میں متکبروں کا گھر ہوں، جابروں کا گھر ہوں، یعنی میرے اندر والے بڑے بڑے متکبرین ہیں، کوئی بادشاہ ہے، کوئی جابر ہے، کوئی وزیر ہے، کوئی فرعون ہے، میں ان کا گھر ہوں، اور جنت کہتی ہے کہ میں مسکینوں کا گھر ہوں، ''مسکین'' اس کو کہتے ہیں جس کی طبیعت میں عاجزی ہو، مسکنت ہو، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ احْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ

اے اللہ! مسکینی کی حالت میں مجھے زندہ رکھیے، اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجیے، اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔ تو جنت یہ کہہ رہی ہے کہ مسکینوں کا گھر ہوں، بہرحال! مسکنت اور عاجزی اور فروتنی انسان کو جنت میں لے جاتی ہیں۔ تکبر اور گھمنڈ اور بڑائی انسان کو جہنم میں لے جانے والی ہیں، لہٰذا اپنے اندر تواضع پیدا کرنے کی فکر کرلو، اور اگر یہ پیدا ہوگئی تو پھر خوش خلقی خود بخود پیدا ہو جائے گی۔

چوتھی صفت: لقمہ کا پاک ہونا

چوتھی صفت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ "عِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ" یعنی تمہارا لقمہ پاک اور حلال ہونا چاہیے، ''عفت'' کے لفظ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جو چیز صریح گناہ اور حرام ہے، اس سے بچنا ہی ہے، لیکن جہاں حرام کا شبہ ہو، اس شبہ والی چیز سے بھی بچنا ضروری ہے، اور مشتبہ چیز بھی

اپنے پیٹ میں نہ لے جاؤ، حتی الامکان اس کی کوشش کرو۔ بعض اوقات ایک چیز "فتوی" کی رو سے حلال تو ہوتی ہے، لیکن مشکوک ہوتی ہے، اور مشکوک ہونے کی صورت میں اگر وہ چیز حقیقت میں بھی حرام ہوئی تو چاہے اس کے کھانے کا گناہ آپ کو نہ ہو، اس لئے کہ فتوی کے رو سے وہ حلال تھی، لیکن چونکہ وہ چیز نفس الامر میں حرام تھی، اس لئے اس چیز کے برے اثرات اخلاق پر ضرور پڑتے ہیں۔

حرام کی ظلمت اور نحوست

ہم لوگوں کی تو حس خراب ہوگئی ہے، اس لئے حرام کھالیں، یا مشکوک کھالیں، کچھ پتہ نہیں چلتا، سب چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، لیکن جن کو اللہ تعالی حس عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ چلتا ہے کہ حلال اور حرام میں کیا فرق ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک دعوت میں چلا گیا، اور پہلے سے پتہ نہیں تھا کہ اس شخص کی آمدنی حرام ہے، ناواقفیت میں چلا گیا کہ وہ مسلمان ہے آمدنی حلال ہوگی، اس لئے کچھ کھا لیا، اور جب پتہ چلا تو فوراً کھانا چھوڑ کر کھڑا ہوگیا، لیکن وہ ایک دو لقمے جو نادانی میں کھالئے اس کی ظلمت قلب میں ایک مہینے تک محسوس ہوتی رہی، وہ ظلمت یہ تھی کہ بار بار دل میں گناہوں کے خیالات آتے رہے کہ یہ گناہ کرلوں، فلاں گناہ کرلوں، حالانکہ فتوی کی رو سے وہ حلال تھا، اس لئے کہ پتہ نہیں تھا۔

حلال کھانے کی نورانیت

ذرا غور کریں کہ ہم لوگ کس شمار وقطار میں ہیں، ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلتا

کہ کس میں نور ہے، اور کس میں ظلمت ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ دیوبند میں ایک گھسیارے تھے، جو گھاس کاٹ کر اس کو فروخت کرکے زندگی بسر کرتے تھے، اس میں سے دو پیسے بچا کر دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اساتذہ کی دعوت کیا کرتے تھے، اور اس دعوت میں خشکہ اور دال پکاتے تھے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے مہینوں سے اس اللہ کے بندے کی دعوت کا انتظار رہتا تھا کہ کب یہ دعوت کریں گے، اس لئے کہ جس دن ان کی دعوت کھالیتا ہوں، مہینوں تک اس کا نور اپنے قلب میں محسوس کرتا ہوں۔

بہرحال! اگر کھانے میں پاکدامنی حاصل کرنی ہے، اس کے لئے مشکوک غذاؤں سے بھی حتی الامکان پرہیز کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ سب کو بھی ان چاروں صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین

۲۰۷

بڑوں سے آگے مت بڑھو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

بڑوں سے آگے مت بڑھو

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ،وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَاوَنَبِیَّنَاوَمَوْلَانَامُحَمَّداًعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْالَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ○ (سورۃالحجرات: ۱،۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ

النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للہ ربّ العلمین.

سورۃ الحجرات دوحصوں پر مشتمل ہے

بزرگان محترم و برادران عزیز! میں نے آپ کے سامنے سورۃ الحجرات کی ابتدائی دو آیات تلاوت کیں، یہ سورۃ دو حصوں پر منقسم ہے، پہلا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور آپ کے ساتھ معاملات کرنے کے آداب پر مشتمل ہے، یعنی مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے، دوسرا حصہ مسلمانوں کے باہمی معاشرت اور تعلقات کے احکام اور آداب پر مشتمل ہے۔

قبیلہ بنوتمیم کے وفد کی آمد

اس سورۃ کا پہلا حصہ جس واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوا، وہ واقعہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنوتمیم کا ایک وفد مسلمان ہوکر آیا، اس زمانے میں مختلف قبائل کے وفود اسی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی تعلیمات حاصل کر رہے تھے، جب کوئی وفد واپس جانے کا ارادہ کرتا تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے ایک کو ان کا امیر مقرر فرما دیتے، تاکہ آئندہ وہ امیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ رکھے، اور آپ کے احکام اپنے قبیلے کے لوگوں تک پہنچانے میں معاون ثابت ہو۔

حضرات شیخین کا اپنے طور پر امیر مقرر کرنا

جب قبیلہ بنو تمیم کا وفد آیا اور اسلامی تعلیمات حاصل کر کے جانے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے اندر بھی ایک کو امیر مقرر کرنا تھا، لیکن ابھی تک آپ نے کسی کو متعین فرما کر اعلان نہیں کیا تھا، صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی تشریف فرما تھے، قبل اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قبیلہ بنو تمیم کے لئے کسی امیر کا تعین فرمائیں، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپس میں یہ مشورہ شروع کر دیا کہ بنو تمیم میں سے کس کو امیر بنانا چاہئے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قعقاع ابن معبد کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی، اور ہر ایک نے اپنی تجویز کے حق میں دلائل دینے شروع کر دیے، اس گفتگو کے دوران ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں، جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں موجود تھے، اس موقع پر سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

دو غلطیاں سرزد ہوئیں

ان آیات نے حضرات شیخین کو متنبہ فرمایا کہ اس خاص واقعہ میں دو باتیں غلط ہوئیں، ایک یہ کہ جب ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ موضوع چھیڑا نہیں تھا کہ کس کو امیر بنایا جائے؟ نہ آپ نے خود کوئی اعلان کیا تھا، نہ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تھا کہ بتاؤ کس کو امیر بنایا جائے؟ تو حضور کے اعلان سے پہلے اور مشورہ طلب کرنے سے پہلے یہ گفتگو جو شروع کی گئی یہ مناسب

نہیں تھی، بلکہ غلط اور قابل اعتراض تھی۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ گفتگو کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، حالانکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف فرما ہوں تو کسی شخص کا بلند آواز سے بولنا آپ کی تعظیم اور تکریم کے مناسب نہیں تھا، اس لئے آئندہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

پہلی غلطی پر تنبیہ

بہرحال! سورۃ الحجرات میں سب سے پہلے ان دو غلطیوں پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو،

یہ اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے، اس آیت کا پس منظر وہی ہے کہ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم میں سے کسی کو امیر بنانے کا مسئلہ چھیڑا نہیں تھا، نہ خود آپ نے اعلان کیا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تھا، اس سے پہلے اپنی طرف سے اس کی گفتگو چھیڑ دینا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کے مرادف تھا، اس پر تنبیہ فرمائی۔

یہ قرآن قیامت تک رہنمائی کرتا رہے گا

لیکن قرآن کریم کا یہ عجیب و غریب معجزانہ اسلوب ہے کہ بسا اوقات ایک آیت کسی خاص واقعہ پر نازل ہوتی ہے کہ کوئی واقعہ پیش آیا، اور اس میں مسلمانوں کو تعلیم دینی مقصود تھی، کوئی ہدایت دینی مقصود تھی، اس پر آیت نازل فرما

دی، لیکن یہ قرآن کریم قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے آیا ہے، اس لئے الفاظ ایسے لاتے ہیں کہ جس سے وہ رہنمائی اس واقعہ کی حد تک محدود نہ رہے، بلکہ قیام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ایک ابدی رہنمائی ثابت ہو۔ چنانچہ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ بنوتمیم کے وفد میں سے کسی ایک کو امیر بنانے کے سلسلے میں تم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پہلے کیوں بات شروع کردی، یہ نہیں فرمایا، بلکہ ایک عام حکم دیدیا کہ "اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو" اس ایک جملے سے بہت سارے احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا احکام ہیں؟ آج کی محفل میں اسی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

حضور کی اجازت کے بغیر گفتگو جائز نہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو" اس حکم سے ایک براہ راست مفہوم تو یہ نکل رہا ہے کہ جو موضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی چھیڑا نہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور اجازت کے بغیر گفتگو کرنا جائز نہیں، یہ تو ایک واقعہ تھا، لیکن ہوسکتا ہے کہ آئندہ بھی اس طرح کی صورت پیش آجائے، اس لئے یہ حکم دیدیا کہ جو معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی چھیڑا نہیں، اس پر اپنی طرف سے رائے زنی شروع نہ کرو۔

عالم سے پہلے گفتگو کرنا جائز نہیں

اسی آیت کے تحت علماء کرام نے فرمایا کہ چونکہ یہ قرآن کریم قیامت تک کے لئے ابدی ہدایت ہے، لہٰذا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے درمیان

تشریف فرما نہیں رہے، لیکن ان کے وارثین انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

العلماء ورثة الانبياء

یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ یہی حکم ان مقتدا علماء کا بھی ہے، جن کی بات لوگ سنتے ہوں، اور مانتے ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کا علم عطا فرمایا ہو، ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر ان کی مجلس میں کوئی سوال کیا گیا ہو تو ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر کسی شخص کا ان عالم کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے بول پڑنا اس عالم کی تعظیم وتکریم کے بھی خلاف ہے، اور آداب مجلس کے بھی خلاف ہے، اور بے ادبی ہے، یا ابھی تک کسی موضوع پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی، اس سے پہلے لوگوں نے خود سے آپس میں اس موضوع پر گفتگو شروع کردی، یہ بھی آداب مجلس کے خلاف ہے، اور بے ادبی ہے، البتہ اگر خود صاحب مجلس مشورہ طلب کرے کہ فلاں مسئلہ ہے، آپ حضرات اپنے رائے دیں، تو اس صورت میں آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ یا اگر کسی موضوع پر کوئی بات چھیڑنی ہے تو پہلے صاحب مجلس سے اجازت لے کہ کیا اس مسئلے پر گفتگو کرلی جائے؟ اگر وہ اجازت دیدے تو پھر بے شک اس پر گفتگو کریں، لیکن بغیر اجازت کے گفتگو شروع نہ کریں، کیونکہ اس کے نتیجے میں صاحب مجلس سے آگے بڑھنا لازم آئے گا، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، اس آیت کا ایک براہ راست مفہوم تو یہ تھا۔

راستے میں نبی یا علماء سے آگے بڑھنا

اس آیت سے دوسرا حکم یہ نکل رہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کہیں تشریف لے جا رہے ہوں تو راستے میں چلنے کے دوران ان سے آگے بڑھنا بے ادبی ہے، آپ کی عظمت کا اور آپ کی تعظیم و تکریم کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ کے ساتھ چلیں تو ذرا سا پیچھے ہو کر چلیں، آگے آگے نہ چلیں، یہ بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے، اس حکم کے بارے میں بھی مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ حکم بھی قیام قیامت تک کے لئے ہے، لہٰذا انبیاء کرام کے وارثین کے بارے میں بھی یہ حکم ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے کسی بڑے کے ساتھ، مثلاً کسی عالم کے ساتھ، شیخ کے ساتھ، استاد کے ساتھ چل رہا ہے تو اس کو ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے، یا تو ساتھ ساتھ چلے، یا ذرا سا پیچھے رہے، آگے بڑھنا بے ادبی ہے، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، یہ دوسرا حکم تھا۔

سنت کی اتباع میں کامیابی ہے

تیسرا حکم جو اس آیت سے نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ تمہاری دنیا و آخرت کی صلاح اور فلاح اور کامیابی کا دارومدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہے، لہٰذا جو آپ کی سنت ہو، اس پر عمل کرو، آپ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، یعنی آپ نے جس طرح زندگی گزاری ہے، جس میں آپ نے تمام اہل حقوق کو ان کا حق دیا، اپنے نفس کا حق ادا کیا، اپنے گھر والوں کا حق ادا کیا، اپنے ملنے جلنے والوں کا حق ادا کیا، اپنے دوست و احباب کا حق ادا کیا، اس طرح تم بھی حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارو، ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کا شائبہ پیدا ہو جائے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو۔

تین صحابہ کے عبادت کے ارادے

ایک حدیث میں آتا ہے کہ چند صحابہ کرام تشریف فرما تھے، انہوں نے

آپس میں یہ گفتگو شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتا، اور آپ گناہوں سے معصوم ہیں، آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی، اور اگر کوئی بھول چوک ہوتو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ:

لَقَدْ غَفَرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (سورة الفتح:۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی بھول چوک بھی معاف کردی ہیں، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے آپ تو سو بھی جاتے ہیں، اور دن میں افطار بھی کر لیتے ہیں، لیکن ہمیں تو جنت کی بشارت نہیں ملی ہے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہوئی ہے، اس وجہ سے ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، اس گفتگو کے بعد ان میں سے ایک صحابی نے یہ کہا کہ میں آج سے رات کو نہیں سوؤں گا، بلکہ ساری رات تہجد پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ اب میں ساری زندگی روزے رکھوں گا، کوئی دن بھی روزے کے بغیر نہیں گزاروں گا۔ تیسرے صحابی نے کہا کہ زندگی بھر شادی نہیں کروں گا، تاکہ میں بیوی بچوں میں مشغول ہونے کے بجائے عبادت میں مشغول رہوں، اور عبادت سے غافل نہ ہوں۔

کوئی شخص نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا

اب آپ دیکھئے کہ ان تین صحابہ نے جو ارادے کئے وہ نیکی کے ارادے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ ان صحابہ کرام نے یہ ارادے کئے ہیں، تو آپ نے ان تینوں کا بلوایا، اور ان سے فرمایا کہ:

أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ أَنَا

یعنی اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت مجھے حاصل ہے، اتنی معرفت کائنات میں کسی کو حاصل نہیں، اور اللہ کا خوف اور تقویٰ جتنا اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے، کائنات میں کسی کو اتنا تقویٰ حاصل نہیں، اس کے باوجود میں سوتا بھی ہوں، اور رات کو اٹھ کر نماز بھی پڑھتا ہوں، کسی دن روزہ رکھتا ہوں، کسی دن روزہ نہیں رکھتا، اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یاد رکھو! اسی سنت میں تمہارے لئے نجات ہے۔

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

''اگر کوئی شخص میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ مجھ سے نہیں ہوگا''

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ دنیا و آخرت کی ساری صلاح اور فلاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں ہے، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نبی سے آگے بڑھ جاؤں، یاد رکھیے! کوئی شخص بھی نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حقوق کی ادائیگی اتباع سنت ہے

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عبادت فرض کی ہے، اور عبادت کی ترغیب دی ہے، اسی طرح تم پر کچھ حقوق بھی عائد کئے ہیں، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملنے جلنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، جب تم ان تمام حقوق کی ادائیگی ایک ساتھ کرو گے تو اتباع سنت ہوگا۔ لیکن اگر راہبوں کی طرح جنگل میں جا کر بیٹھ گئے اور یہ کہا کہ میں دنیا

کو چھوڑ کر یہاں پر ''اللہ اللہ'' کروں گا، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع نہیں ہے۔ بہر حال! اس آیت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، بلکہ جس کام کو جس حد میں کرنے کا حکم دیا ہے، اس کام کو اسی حد میں رکھو، اس سے آگے نہ بڑھو۔

دین ''اتباع'' کا نام ہے

یاد رکھیے! اپنی خواہش اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ دین نام ہے اتباع کا، اللہ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نام ''دین'' ہے، لہٰذا جس وقت اللہ اور اللہ کے رسول کا جو حکم آجائے اور آپ کی اتباع کا جو تقاضا ہو، وہی خیر ہے اور وہی اطاعت ہے، اور اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، اپنی طرف سے کوئی راستہ مقرر کر کے چل پڑنا کہ میں تو یہ کروں گا، یہ بات صحیح نہیں۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، مجھے تو وہ کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے، تو گویا وہ شخص یہ دعوا کر رہا ہے کہ میرا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اونچا مقام ہے، میں بڑا آدمی ہوں، اس لئے یہ کام میں نہیں کرتا۔ العیاذ باللہ۔ یہ بھی درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے میں داخل ہے، اس کی متعدد مثالیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات میں ملتی ہیں۔

بارش میں گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جب بارش ہو رہی

ہو، اور کیچڑ اتنا زیادہ ہو جائے کہ لوگوں کو اس میں چلنے میں بہت زیادہ دقت ہو، اور پھسلنے کا اندیشہ ہو، پاؤں لت پت ہو جائے، اور کپڑے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے ایسے موقع پر رخصت دی ہے کہ مسجد کے بجائے آدمی گھر میں نماز پڑھ لے۔ اب آج کل ہم لوگ شہر میں رہتے ہیں، جہاں گلیاں اور سڑکیں پکی بنی ہوئی ہیں، اس لئے یہاں بارش ہونے سے یہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی کہ اتنا کیچڑ ہو جائے کہ آدمی کے لئے چلنا دشوار ہو جائے۔ لیکن جہاں کچے مکانات اور کچی گلیاں ہوں، وہاں آج بھی یہ حکم موجود ہے کہ ایسی صورت میں جماعت معاف ہو جاتی ہے، اور آدمی کے لئے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، وہ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے تھے، اذان کا وقت ہو گیا، اور ساتھ ہی تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، مؤذن نے اذان دی، اس کے بعد آپ نے مؤذن سے کہا کہ یہ اعلان کر دو کہ "الصلوۃ فی الرحال" یعنی سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی الفاظ ثابت ہیں کہ ایسے موقع پر یہ اعلان کر دینا چاہئے۔ اب لوگوں کے لئے یہ بات بڑی اجنبی تھی، اس لئے کہ ساری زندگی تو دیکھتے آرہے تھے کہ مسجد سے تو یہ اعلان ہوتا ہے کہ "حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح" نماز کے لئے آؤ، کامیابی کے لئے آؤ، لیکن یہاں الٹا اعلان ہو رہا ہے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو، چنانچہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کیا کہ حضرت! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کر رہے

ہیں؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: نعم افعل ذلک من ھو خیر منی و منک، ہاں میں ایسا ہی اعلان کراؤں گا، کیونکہ یہ اعلان اس ذات نے بھی کرایا ہے، جو مجھ سے بھی بہتر ہے، اور تم سے بھی بہتر ہے، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے تو اعلان کرنا برا لگتا ہے، اور مجھے ایسا اعلان کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا، اور یہ رخصت دی، اور تم کہتے ہو کہ میں یہ رخصت نہیں دیتا، مجھے یہ اعلان کرنا برا لگتا ہے۔ بہر حال! دین کے کسی بھی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی تعلیم سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے سے ممانعت بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

اللہ سے ڈرو

آگے فرمایا'' وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ''اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں، اور سب کچھ جانتے ہیں۔ بہر حال! اللہ اور اللہ کے رسول سے آگے بڑھنے کی تین مثالیں تو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیں، کچھ اور مثالیں ابھی بیان کرنا باقی ہیں، وقت ختم ہو رہا ہے، اللہ نے زندگی عطا فرمائی تو آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

بدعات حرام کیوں؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدعات حرام کیوں؟

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَاوَنَبِیَّنَاوَمَوْلَانَامُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم○بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورۃ الحجرات: ۱)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذٰلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات کا بیان گذشتہ جمعہ کو شروع کیا تھا، پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ: اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس آیت سے

کئی احکام نکلتے ہیں، جن میں سے تین احکام کا بیان گذشتہ جمعہ کو ہو چکا ہے۔

دین میں اضافہ کرنا

اس آیت سے چوتھا حکم یہ نکل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ کامل اور مکمل دن ہے، جس کی صراحت قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمائی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ: ۳)

یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر کامل کر دیا، لہٰذا کوئی بھی ایسا عمل جو حقیقت میں دین نہیں ہے، اور جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلقین نہیں فرمائی تھی، اور قرآن کریم میں اس کا حکم نہیں آیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس کو اختیار نہیں کیا تھا، ایسے نئے عمل کو ہم دین کا حصہ سمجھ کر شروع کر دیں، اور اس عمل کو واجب یا سنت قرار دیں، یا اس عمل کے ترک کرنے والے پر ملامت شروع کر دیں، یہ طرز عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کے مرادف ہے، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔

ان چیزوں کا استعمال جائز ہے

دیکھئے! بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھیں، نہ ان کا رواج تھا، لیکن زمانے کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ چیزیں وجود میں آئیں، اور لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بجلی نہیں تھی، آج ہمارا بجلی کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں پنکھے نہیں تھے، آج ہمارا پنکھے کے بغیر گزارا

نہیں۔ اس زمانے میں گھوڑے اور اونٹوں پر سفر ہوتا تھا، آج موٹروں کی، بسوں کی، ریلوں اور ہوائی جہازوں کی بھرمار ہے، ان کے بغیر گزارا نہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا، مثلاً کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ پنکھا چلانا سنت ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ بجلی جلانا واجب ہے، اور شرعی اعتبار سے ضروری ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ریل میں سفر کرنا سنت یا مستحب ہے، یا واجب ہے، لہٰذا کوئی شخص ان چیزوں کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا، بلکہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے نئے طریقے وجود میں آتے رہتے ہیں، اس لئے شریعت نے بھی ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی، ان سب چیزوں کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

لیکن کوئی نیا کام انسان اس خیال سے شروع کرے کہ یہ دین کا حصہ ہے، یا یہ سوچے کہ یہ کام واجب ہے، یا سنت ہے، یا فرض ہے، یا مستحب ہے، یا یہ ثواب کا کام ہے، حالانکہ وہ کام نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ آپ نے اس کا حکم دیا، اور نہ صحابہ کرام نے وہ کام کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملے میں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں استغفر اللہ۔ شریعت میں اسی کا نام "بدعت" ہے، "بدعت" کے لفظی معنی ہیں "نئی چیز"، لہٰذا لغت کے اعتبار سے تو یہ پنکھا بھی بدعت ہے، یہ بجلی بھی بدعت ہے، یہ ٹائلز اور ماربل بھی بدعت ہے، یہ کاریں یہ بسیں اور یہ ہوائی جہاز بھی بدعت ہے۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" اس نئے کام کو کہا جاتا ہے جس کا حکم نہ قرآن کریم نے دیا ہو، اور نہ ہی سنت سے اس کا ثبوت ہو، اور نہ صحابہ کرام نے

اس پر عمل کیا ہو، اور نہ ہی اس کی تلقین کی ہو، ایسے کام کو شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" کہا جاتا ہے، بدعت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

یعنی ہر وہ نیا کام جو دین میں پہلے داخل نہیں تھا، اور نہ دین کا حصہ تھا، آج اس کو دین میں داخل کر دیا گیا، وہ "بدعت" ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

بدعت گمراہی کیوں ہے؟

"بدعت" گمراہی کیوں ہے؟ اس لئے کہ بدعت میں اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ جو شخص بدعت کو اختیار کرنے والا ہے وہ درحقیقت یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے جو دین ہمیں دیا تھا وہ ادھورا اور ناقص تھا، آج میں نے اس میں اس عمل کا اضافہ کر کے اس کو مکمل کر دیا۔ گویا کہ آدمی عملی طور پر بدعت کے ذریعہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نکل جاؤں۔ جو چیز دین میں داخل کی جاتی ہے بظاہر دیکھنے میں وہ ثواب کا کام معلوم ہوتی ہے، عبادت لگتی ہے، لیکن چونکہ وہ عبادت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہوتی، اس لئے وہ عبادت بدعت ہے، اور بدعت گمراہی ہے۔ جتنی بدعات ہوتی ہیں ان میں براہ راست گناہ کا کام نہیں ہوتا، لیکن چونکہ اس عمل کو کسی اتھارٹی کے بغیر دین کے اندر شامل کر دیا گیا، اس عمل کے بارے میں ہمارے پاس قرآن کی اور سنت کی کوئی اتھارٹی نہیں تھی، بلکہ ہم نے اپنی طرف سے اس کو دین میں داخل کر دیا، اس لئے

وہ بدعت بن گئی۔

شب برأت میں سو رکعت نفل پڑھنا

مثلاً بعض لوگوں نے ۱۵/شعبان کی رات یعنی شب برأت میں لوگوں کے لئے نماز کا ایک خاص طریقہ مقرر کردیا، وہ یہ کہ ایک ہی تحریمہ اور ایک سلام کے ساتھ سو رکعتیں نفل پڑھیں، اور ہر رکعت میں خاص خاص سورتوں کا پڑھنا مقرر کردیا کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ، دوسری میں فلاں سورۃ اور تیسری میں فلاں سورۃ وغیرہ۔ ایک زمانے میں یہ طریقہ اتنی شہرت اختیار کرگیا تھا کہ جگہ جگہ باقاعدہ جماعت کے ساتھ سو رکعتیں پڑھی جارہی تھیں، اگر کوئی شخص یہ سو رکعتیں نہیں پڑھتا تو اس کو برا کہا جاتا کہ اس نے شب برأت نہیں منائی۔ اب آپ دیکھیں کہ جو شخص شب برأت میں سو رکعتیں پڑھ رہا ہے، کیا وہ کوئی چوری کررہا ہے، یا ڈاکے ڈال رہا ہے، یا وہ بدکاری کررہا ہے، نہیں، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوکر اللہ کا ذکر کررہا ہے، رکوع، سجدے کررہا ہے، لیکن تمام علماء امت نے فرمایا کہ یہ عمل گناہ ہے، اور بدعت ہے، ناجائز ہے، اس لئے کہ اس نے اپنی طرف سے دین میں ایک چیز کا اضافہ کردیا، جو دین کا حصہ نہیں تھا، لہٰذا یہ عمل بدعت ہوگیا، اور گناہ ہوگیا۔

ہم کوئی گناہ کا کام نہیں کررہے

اگر ان سے پوچھا جائے کہ بھائی تم یہ جو عمل کررہے ہو، اس کا نہ تو قرآن کریم میں کہیں ذکر ہے، نہ حدیث شریف میں اس کا کہیں ذکر ہے، یہ عمل تو بدعت ہے، یہ کیسے جائز ہوگیا؟ وہ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم کوئی گناہ کررہے ہیں، یا ہم چوری ڈاکہ ڈال رہے ہیں؟ بلکہ ہم تو قرآن کریم پڑھ رہے

ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کررہے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کررہے ہیں، کوئی گناہ کا کام تو نہیں کررہے ہیں۔

مغرب کی تین کے بجائے چار رکعت پڑھیں تو کیا نقصان

خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی بھی عبادت اس وقت تک عبادت کہلانے کی مستحق نہیں جب تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی سند موجود نہ ہو، ورنہ وہ عبادت بدعت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، اور ہر نماز کی رکعتوں کی تعداد متعین فرمائی ہے کہ فجر میں دو رکعت فرض پڑھو، اور ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار رکعت فرض پڑھو، اور مغرب میں تین رکعت پڑھو، اب اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ یہ تین رکعتوں کی تعداد تو اچھی معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا مغرب میں تین کے بجائے چار رکعت پڑھوں گا، اب اگر کوئی شخص مغرب کی تین رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھ لے تو کیا اس نے کوئی ڈاکہ ڈالا، کوئی چوری کی، کیا اس نے بدکاری کی؟ کیا اس نے شراب پی لی؟ نہیں، بلکہ اس نے تو ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، ایک رکوع زیادہ کیا، دو سجدے زیادہ کئے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح زیادہ کی۔ لیکن اس شخص نے یہ جو چوتھی رکعت اپنی طرف سے زیادہ پڑھ لی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ثواب زیادہ ملنے کے بجائے یہ ایک رکعت پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی، اور اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مغرب کی نماز کا جو طریقہ بتایا گیا تھا، اس طریقہ سے ہٹ کر اس نے اپنے طریقے پر نماز پڑھ لی، اور اس طریقہ کو دین کا حصہ سمجھ کر اس کو دین میں داخل کرلیا، اسی کا نام "بدعت" ہے۔

افطار کرنے میں جلدی کیوں؟

یاد رکھیے! دین نام ہے اس بات کا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کا جس درجہ میں حکم دیا ہے، بس اسی درجہ میں اس کی اتباع کی جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، اگر اس سے آگے یا پیچھے ہٹو گے تو وہ دین نہیں۔ اور اگر دین سمجھ کر اس کو اختیار کر رہے ہو تو وہ ''بدعت'' ہے۔ جیسے رمضان میں ہم روزہ رکھتے ہیں، روزے کے لئے صبح سحری کھاتے ہیں، سارا دن بھوکے رہتے ہیں، اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو افطار کر لیتے ہیں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہو جائے تو افطار کرنے میں جلدی کرو، افطار کرنے میں دیر مت کرو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افطار کرنے میں جلدی کیوں کریں؟ جب دن بھر اللہ کے لئے بھوکے پیاسے رہے تو اب اگر ایک گھنٹہ مزید بھوکے پیاسے رہ جائیں گے تو اس میں کیا قیامت آ جائے گی؟ اور کیا خرابی پیدا ہو جائے گی؟ بظاہر تو اس میں کوئی گناہ کی بات نظر نہیں آتی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی جلد از جلد افطار کرو، اور کچھ کھا پی لو، اس لئے کہ اللہ کا حکم یہ تھا کہ تمہیں آفتاب کے غروب ہونے تک بھوکا پیاسا رہنا ہے، اب آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ نہیں ہے، اب اگر تم اس روزے کو آگے بڑھاؤ گے اور یہ سوچو گے کہ ایک گھنٹے کے بعد افطار کروں گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روزے کی جو میعاد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی تھی، اس میں تم نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا، یہ اتباع نہیں ہوئی، اتباع تو یہ ہے کہ جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ، تو نہ کھانا عبادت ہے، اور جب وہ کہیں کہ کھاؤ تو اب کھانا واجب ہے، اگر نہیں کھاؤ گے تو گنہگار ہو گے۔

عید کے دن روزہ رکھنے پر گناہ کیوں؟

یا مثلاً روزہ رکھتے ہوئے رمضان کا پورا مہینہ گزر گیا، اور روزے رکھنے کی اتنی فضیلت ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں، اور روزے کی یہ فضیلت ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کے منہ سے جو بو آرہی ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ بو مشک وعنبر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ لیکن جب عید کا دن آگیا تو اب اگر کسی نے روزہ رکھ لیا تو وہی روزہ جو رمضان میں بڑے اجر وثواب کا موجب تھا، اب الٹا عذاب کا موجب بن جائے گا، حالانکہ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھ لے تو بظاہر تو کوئی گناہ نظر نہیں آتا، کیونکہ وہ روزہ رکھ کر ایک عبادت ہی انجام دے رہا ہے۔ لیکن چونکہ وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف عبادت کر رہا ہے، لہٰذا وہ عبادت نہیں، بلکہ وہ گناہ ہے، اس پر عذاب ہوگا۔ تو دین نام ہے "اتباع" کا، اب اگر کوئی شخص دین میں کوئی نیا طریقہ جاری کر کے اس کا نام "عبادت" رکھ دے، اور اس کو دین کا حصہ قرار دیدے، اور اس کو "سنت" کہے، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے، اور اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو اس پر لعنت وملامت کرے، اور یہ کہے کہ یہ شخص بے دین ہے، یہ طرز عمل اس کو "بدعت" بنا دیتا ہے، اور بدعت ہونے کے نتیجے میں وہ ثواب کا کام ہونے کے بجائے الٹا گناہ کا کام بن جاتا ہے، اس لئے کہ وہ شخص دین میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے گویا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، جبکہ قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا

اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ جس حد پر انہوں نے رہنے کے لئے کہا ہے، اسی حد پر رہو، اس سے آگے نہ بڑھو، اگر آگے بڑھو گے تو تم بدعت کے مرتکب ہو گے۔

سفر میں چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں؟

یا مثلاً سفر کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے رکعتوں کی تعداد کم فرمادی اور یہ حکم دیا کہ شرعی سفر کے دوران چار فرضوں کے بجائے دو فرض پڑھو۔ اب اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشک میرے لئے رکعتوں کی تعداد میں کمی کردی ہے، لیکن میرا دل نہیں مان رہا ہے، میں تو پوری چار رکعت ہی پڑھوں گا۔ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں، حالانکہ اگر وہ شخص دو رکعتیں زائد پڑھ رہا ہے تو وہ کوئی گناہ نہیں کر رہا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اضافہ کر رہا ہے، لیکن چونکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف عبادت کر رہا ہے، اس وجہ سے ناجائز اور گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر پکڑ ہو جائے گی کہ ہم نے تم سے دو رکعتیں پڑھنے کو کہا تھا، تم نے چار کیوں پڑھیں؟ معلوم ہوا کہ دین نام ہے "اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع" کا، وہ جب کم پڑھنے کا حکم دیں تو کم پڑھو، وہ جب زیادہ کا حکم دیں تو زیادہ پڑھو، لیکن اپنی طرف سے اس کے اندر کمی زیادتی تمہارے لئے جائز نہیں۔

یہ نکتہ اس لئے سمجھنا ضروری ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بے شمار طریقے دین کے نام پر جاری کر دیے گئے ہیں، اور اس طرح جاری کر دیے گئے ہیں کہ گویا کہ وہ دین کا لازمی حصہ ہیں، اگر کوئی شخص وہ کام نہ کرے تو وہ ملامتی

ہے، اس پر لعنت و ملامت کی جاتی ہے، اس پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے، اس کو برا سمجھا جاتا ہے، اور اس کو ایک طرح سے مسلمانوں کی برادری سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ وہ تمام طریقے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں، اور ان کو دین کا حصہ بنالیا گیا ہے، وہ سب "بدعات" کی فہرست میں شامل ہیں، اور یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی یہ ان کی ممانعت کر رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

شب برأت میں حلوہ گناہ کیوں؟

مثلاً شب برأت میں حلوہ پکنا چاہیے، اور یہ حلوہ شب برأت کا لازمی حصہ بن گیا ہے، اگر حلوہ نہیں پکا تو شب برأت ہی نہیں ہوئی۔ یا مثلاً رجب میں کونڈے ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص کونڈے نہ کرے تو وہ ملامتی ہے، وہ وہابی ہے، اس پر طرح طرح کی طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا کونڈے کا حکم قرآن کریم میں کہیں آیا ہے؟ یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا؟ یا صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا تھا؟ کوئی ثبوت نہیں، بس اپنی طرف سے ایک طریقہ جاری کر کے اس کو اس طرح لازمی قرار دیدیا گیا کہ اگر کوئی نہ کرے تو وہ لعنت و ملامت کا مستحق ہے، اس کو "بدعت" کہتے ہیں، اب اگر ان سے یہ کہا جائے کہ یہ عمل تو "بدعت" ہے، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں؟ ہم کوئی چوری ڈاکہ ڈال رہے ہیں؟ بلکہ اپنے گھر کے ہی آٹے سے یہ پوریاں بنائیں، اور یہ حلوہ بنایا، اور اس کو محلہ میں تقسیم کر دیا، اس میں گناہ کی کیا بات ہوئی؟ ارے بھائی! تم روزانہ پوری بناؤ،

روزانہ حلوہ بناؤ، اور اس کو تقسیم کرو، کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لیکن اس کو دین کا لازمی حصہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ جو شخص یہ کام نہیں کر رہا، وہ ملامت کا مستحق ہے، تمہارا یہ طرز عمل اس کام کو "بدعت" بنا دیتا ہے، جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

اور جو شخص اس عمل کو کسی اتھارٹی کے بغیر دین کا حصہ بناتا ہے، وہ شخص اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ

یا مثلاً شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کے عزیز و اقارب اس کے لئے ایصال ثواب کریں، کوئی بھی نیک عمل کر کے اس کا ثواب اس کو پہنچائیں، اتنی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ مثلاً تلاوت قرآن کریم کے ذریعے کسی کو ثواب پہنچائیں، نفلیں پڑھ کر پہنچائیں، تسبیحات پڑھ کر پہنچائیں، حج کر کے ثواب پہنچائیں، روزہ رکھ کر پہنچائیں، طواف کر کے ثواب پہنچائیں، عمرہ کر کے ثواب پہنچائیں، یہ سب جائز ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ایصال کرنا ثابت ہے۔ لیکن اس ایصال ثواب کے لئے شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا کہ بس اسی طریقے سے کرنا ہوگا، بلکہ سہولت کے ساتھ آدمی کو جس عبادت کا موقع ہو، اس عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب کر دے، مثلاً کسی کو تلاوت کے ذریعہ ایصال

ثواب کرنے کا موقع ہے، وہ تلاوت کے ذریعہ ایصال کردے، اگر نفلیں پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کا موقع ہو تو نفلیں پڑھ کر ایصال ثواب کردے۔ بس اخلاص کے ساتھ ایصال ثواب کردے، شرعاً ایصال ثواب کے لئے نہ تو دن مقرر ہے نہ وقت مقرر ہے، نہ اس کے لئے کوئی طریقہ مقرر ہے، نہ تقریب مقرر ہے۔

تیجہ کرنا گناہ کیوں؟

لیکن لوگوں نے یہ طریقہ اپنی طرف سے مقرر کرلیا کہ مرنے کے تیسرے دن سب کا جمع ہونا ضروری ہے، اس دن سب ملکر قرآن خوانی کریں گے، اور جس جگہ "تیجہ" ہوگا، وہاں کھانے کی دعوت بھی ہوگی۔ اگر ویسے ہی پہلے دن یا دوسرے دن یا تیسرے دن قرآن شریف اکیلے پڑھ لیتے، لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمع ہوکر پڑھ لیتے تو یہ طریقہ اصلاً جائز تھا، لیکن یہ تخصیص کرنا کہ تیسرے دن ہی قرآن خوانی ہوگی، اور سب ملکر ہی کریں گے، اور اس میں دعوت ضرور ہوگی، اور جو ایسا نہ کرے وہ "وہابی" ہے، جب اس مخصوص طریقہ کو دین کا لازمی حصہ قرار دیدیا کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں، اور اگر کوئی عمل نہ کرے تو عمل نہ کرنے کے نتیجے میں اس کو مطعون کیا جائے، اس کو گناہ گار قرار دیا جائے، تو یہی چیز اس عمل کو بدعت بنادیتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی میت کا تیجہ نہ ہوا تو کہنے والے اس میت کو طعنہ دیتے ہیں کہ:

مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود

اس طرح اس میت پر طعنہ ہورہا ہے، جو بیچارہ دنیا سے چلا گیا۔ بس لازمی سمجھنے اور طعنہ دینے نے اس عمل کو بدعت بنادیا، ورنہ ضروری سمجھے بغیر جس دن چاہو ایصال ثواب کرلو، پہلے دن کرلو، دوسرے دن کرلو، تیسرے دن کرلو،

چوتھے دن کرلو، پانچویں دن کرلو، مگر یہ تیجہ، دسواں، چالیسواں یہ سب بدعت ہیں۔

عید کے دن گلے ملنا بدعت کیوں؟

اسی طرح ہمارے یہاں یہ عام دستور ہے کہ عید کے دن عید کی نماز کے بعد آپس میں گلے ملتے ہیں، اور معانقہ کرتے ہیں۔ اب معانقہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہیں، جائز ہے، لیکن گلے ملنا اس وقت سنت ہے جب کوئی شخص سفر سے آیا ہے، اور اس سے پہلی ملاقات ہورہی ہے، تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ اس سے گلے ملا جائے، اور معانقہ کیا جائے، عام حالات میں معانقہ کرنا سنت بھی نہیں، اور گناہ بھی نہیں، مثلاً ایک مسلمان بھائی آپ سے ملنے کے لئے آیا، آپ کا دل چاہا کہ اس سے گلے ملوں، آپ نے اسے گلے سے لگالیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس میں نہ تو کوئی گناہ ہے، اور نہ یہ عمل سنت ہے، اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ عید کے روز عید کی نماز کے بعد گلے ملنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، یا یہ عمل دین کا حصہ ہے، یا اگر گلے نہ ملے تو گویا کہ عید ہی نہ ہوئی، یا گناہ کا ارتکاب ہوگیا، یا دین میں خلل واقع ہوگیا، اگر اس عقیدے کی وجہ سے کوئی شخص عید کے دن گلے مل رہا ہے تو گلے ملنا بھی بدعت اور ناجائز ہے، اگر سادہ طریقے سے صرف اپنی خوشی کے اظہار کے لئے گلے مل رہا ہے تو ٹھیک ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو سنت سمجھنا، اور اس کو عید کا لازمی حصہ قرار دینا اس عمل کو بدعت بنادیتا ہے۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

اسی طرح فرض نماز کے بعد دعا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دعا فرمایا کرتے تھے، لیکن حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دعا اس طرح ہوتی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طور پر دعا فرما رہے ہیں، اور صحابہ کرام اپنے طور پر دعا فرما رہے ہیں۔ آج کل دعا کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ امام دعا کے الفاظ کہتا ہے اور باقی لوگ اس پر آمین کہتے ہیں، یہ طریقہ روایات میں کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لیکن یہ طریقہ ناجائز بھی نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز بھی نہیں کیا، لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طریقہ اختیار کرے تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دعا کے اس طریقے کو لازمی قرار دیدے، اور اس کو نماز کا ضروری حصہ بنادے، اور اس طریقے پر دعا نہ کرنے والے پر طعن و تشنیع کرے تو اس صورت میں یہ عمل "بدعت" ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرات نے یہاں دیکھا ہوگا کہ میں جمعہ کی نماز کے بعد کبھی اجتماعی دعا کراتا ہوں، اور کبھی چھوڑ دیتا ہوں، جب پہلی مرتبہ میں نے دعا نہیں کرائی تو بہت سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت! آپ نے دعا چھوڑ دی؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے اسی لئے چھوڑی کہ لوگوں کے دلوں اس دعا کے بارے میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ یہ دعا نماز کا لازمی حصہ ہے، اور جب دعا چھوڑ دی تو لوگوں کو اشکال ہو گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اجتماعی دعا کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ بس یہ خیال اس کو "بدعت" بنادیتا ہے، اس لئے کبھی دعا کرلینی چاہیے اور کبھی چھوڑ دینے چاہیے۔

پھر یہ عمل جائز ہے

جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ "تیجہ" کرنا بدعت ہے، "چالیسواں" کرنا بدعت ہے، تو جواب میں عام طور پر لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی گناہ کا کام

نہیں کرر ہے، بلکہ ہم تو قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، اور لوگوں کی دعوت کر رہے ہیں، اور نہ قرآن شریف پڑھنا گناہ ہے، اور نہ لوگوں کی دعوت کرنا گناہ ہے۔ بیشک یہ دونوں گناہ نہیں، بشرطیکہ ان کو لازم مت سمجھو، اور اگر کوئی شخص اس میں شریک نہ ہو تو اس کو طعنہ مت دو، اور اس عمل کو دین کا حصہ مت سمجھو، تو پھر یہ عمل بیشک جائز ہے۔ جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی، اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ اور اللہ کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو" اس مفہوم میں یہ سب بدعات بھی داخل ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ کر اس کو لازمی قرار دیدیا جائے، اور جو شخص وہ طریقہ اختیار نہ کرے، اس کو مطعون کیا جائے۔

قبروں پر پھول کی چادر چڑھانا

اسی طرح قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا "بدعت" میں داخل ہے، دیکھئے! ویسے ہی آپ کا دل چاہا کہ میں اپنے باپ کی قبر پر چادر چڑھاؤں، چنانچہ اس کو دین کا حصہ اور ثواب سمجھے بغیر آپ نے قبر پر چادر چڑھادی تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس کو دین کا حصہ قرار دینا، اور باعث اجر و ثواب قرار دینا، اور اگر کوئی شخص نہ چڑھائے تو اس پر طعنہ دینا، اور یہ کہنا کہ اس نے میت کی تعظیم میں کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے، یہ چیزیں اس عمل کو بدعت بنادیتی ہیں۔ جو چیز جس حد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے، اس کو اس کی حد سے آگے بڑھانا، مثلاً جو عمل مستحب ہے، اس کو سنت کا درجہ دینا، اور جو عمل سنت ہے، اس کو واجب کا درجہ دینا، یہ سب بدعت میں داخل ہے، اور اس آیت "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" کی ممانعت کے تحت داخل ہے۔

خلاصہ

یہ "بدعت" کا مختصر مفہوم ہے، جس کا حکم اس آیت کریمہ سے نکل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں صحیح بات اتار دے، اور دین کا صحیح مطلب ہماری سمجھ میں آجائے، دین کی صحیح تشریح اور تعبیر ہماری سمجھ میں آجائے، اور ہماری زندگی اپنی رضا کے مطابق قبول فرمالے، آمین۔ خوب سمجھ لیں کہ اس بیان کے ذریعہ کسی پر اعتراض کرنا مقصود نہیں، کسی پر ملامت کرنا مقصود نہیں، ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے، ہم سب کو اپنی اپنی قبروں میں سونا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے، لہٰذا کسی بات پر ڈٹنے اور اڑنے کی بات نہیں کہ یہ طریقہ تو ہمارے باپ دادا سے چلا آرہا ہے، لہٰذا اس کو کیسے چھوڑیں؟ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں یہ بات ڈال دے کہ دین جو کچھ ہے وہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے، اس سے آگے بڑھ کر جو کام کیا جارہا ہے وہ دین نہیں ہوسکتا، چاہے اس کا رواج صدیوں سے چلا آرہا ہو، اور وہ کام قابل ترک ہے، اور چھوڑنے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

آواز بلند نہ کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آواز بلند نہ کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۲ تا ۵)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی چند آیات ہیں، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، پہلے ان آیات کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد ان کی تشریح عرض کروں گا، ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے، جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کو عقل نہیں ہے، اگر یہ لوگ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا، اللہ تعالیٰ بخشنے والے بڑے رحیم ہیں۔

دو حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دو حکم دیے گئے ہیں، ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کو آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے ہوں تو اپنی

آواز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کی جائے، اور آپ سے پست آواز میں بات کی جائے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں تو اس وقت گھر کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینا، جیسا کہ بنو تمیم کے لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر ایسا طرز عمل اختیار کیا تھا کہ گھر کے باہر سے ہی آپ کو آواز دینا شروع کر دیں کہ "یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا" اے محمد! ہمارے لئے باہر آیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان کو سمجھ نہیں ہے، پھر فرمایا اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ خود سے باہر تشریف لے آتے، اس وقت یہ لوگ آپ کی زیارت کرتے، اور آپ سے ملاقات کرتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ بہر حال! یہ دو حکم ان آیات میں بیان فرمائے ہیں۔

مجلس نبوی کا ایک ادب

پہلے حکم میں دراصل مجلس نبوی کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا، یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا گفتگو کیا کرتے ہیں، یہ ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام ڈر گئے، اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک میں آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات ان سے دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ نے کیا کہا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت سن کر بہت ڈر گئے، اور رو ئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔

دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے

یہ حکم اگرچہ براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایسا نہ کریں، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ادنیٰ تکلیف پہنچانا انسان کے ایمان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، اس لئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اس عمل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچے، اور اس کے نتیجے میں تمہارے سارے اعمال غارت ہو جائیں، لیکن اس کے ضمن میں ایک عمومی ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں تو انتہائی سنگین ہے، لیکن اگر کسی اور انسان کے ساتھ بھی ناحق معاملہ کیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ ''مسلمان'' بھی ہو، یہ بھی گناہ ہے، اور انسان کے لئے قابل احتراز ہے۔

بلند آواز سے بات کرنا پسندیدہ نہیں

یہ جو حکم فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آواز بلند مت کرو، بلکہ آہستہ آواز سے بات کرو، یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو بہت زیادہ مؤکد ہے، لیکن قرآن کریم نے دوسری جگہ عام

انسانوں کی گفتگو میں بھی بہت زیادہ بلند آواز سے بات کرنے کو پسند نہیں فرمایا،
چنانچہ سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ ؕ اِنَّ اَنۡكَرَ
الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ (سورۃ القمان:۱۹)

یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، اور اپنی آواز کو آہستہ کرو، بیشک
سب سے بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔ اس لئے کہ گدھے کی آواز بلند ہوتی
ہے، اور دور تک جاتی ہے، لہٰذا یہ اچھی بات نہیں کہ آدمی اتنی زور سے بولے جو
ضرورت سے زیادہ ہو، اور اس کی وجہ سے دوسرے انسان کو تکلیف ہو۔

بلند آواز سے کان میں خلل ہو جانا

آج کل کے اطباء اور ڈاکٹر صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی بہت زیادہ بلند آواز
میں باتیں کرتا رہے اور دوسرے کے کان میں مسلسل وہ آواز جائے، تو اس کے
نتیجے میں انسان کے کان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کے سننے کی
طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اتنی زور سے بولنا جو دوسرے انسان کی تکلیف کا
سبب ہو، اس سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ جب آدمی کسی مجمع سے خطاب کر
رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی ادب یہ ہے کہ آواز صرف اتنی بلند کی جائے کہ
مجمع کے آخر میں بیٹھنے والے تک آواز پہنچ جائے، اس سے زیادہ بلند کرنا ادب
کے خلاف ہے، پسندیدہ نہیں ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس بلند آواز کے
نتیجے میں آس پاس کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، تو یہ کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ آپ
ناحق لوگوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال

جب سے یہ ''لاؤڈ اسپیکر'' وجود میں آیا ہے، اللہ بچائے اس وقت سے ہمارے معاشرے میں اس کا اتنا غلط استعمال ہو رہا ہے، جو سراسر گناہ ہے، بعض اوقات لوگ اپنی تقریبات میں شادیوں میں لاؤڈ اسپیکر پر گانا بلند آواز سے لگا دیتے ہیں، اول تو گانا بجانا ہی ناجائز ہے، اور پھر وہ آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے سارے محلہ والے پریشان ہوتے ہیں، اگر کوئی سونا چاہتا ہے تو وہ سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی بیمار ہے اور وہ سکون چاہتا ہے تو اس کو سکون نہیں ملتا، اس طرح اس ایک عمل کی وجہ سے ڈبل گناہ ہو رہا ہے، ایک ناجائز بات کی تشہیر کرنے کا گناہ، دوسرے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا گناہ۔

دین کے نام پر ناجائز کام کرنا

افسوس یہ ہے کہ جو گانا بجانے والے لوگ ہیں، ان کو تو چلو فکر ہی نہیں ہے کہ کیا چیز گناہ ہے اور کیا ثواب ہے؟ لیکن جو لوگ دین کے نام پر کام کرنے والے ہیں، جن کو دین کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، ان کو بھی اس مسئلے کا اہتمام نہیں، چنانچہ لاؤڈ اسپیکر پر وعظ و تقریر ہو رہی ہے، یا نعتیں پڑھی جا رہی ہیں، یا قوالی ہو رہی ہے، اب اس کی وجہ سے سارا محلہ جاگ رہا ہے، جب تک وہ پروگرام ختم نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی آدمی سو نہیں سکتا، اس میں بھی ڈبل گناہ ہے، اس لئے کہ یہ گناہ کا کام دین کے نام پر کیا جا رہا ہے، اگر کوئی بیمار اس آواز کی وجہ سے پریشان ہے، اور تکلیف میں ہے، لیکن وہ اس لئے کچھ نہیں کہتا کہ اس کو یہ ڈر ہے کہ یہ تو وعظ اور تقریر ہو رہی ہے، میرا کچھ کہنا دین کے خلاف نہ ہو جائے، اس ڈر سے لوگ خاموش رہتے ہیں، حالانکہ یہ سنگین گناہ ہے۔

ایک واعظ کا واقعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ آپ جس حجرہ میں مقیم تھیں، اور جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس واقع ہے، بعض اوقات ایک واعظ صاحب وعظ کہنے کے لئے آتے، اور مسجد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے سامنے بلند آواز سے وعظ کہنا شروع کر دیتے تھے، اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو نہیں تھا، لیکن آواز بہت بلند تھی، کافی دیر تک وہ تقریر کرتے رہتے تھے، ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں آتی تھی، اب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عبادت یا کام میں مشغول ہوتیں، یا آرام کر رہی ہوتیں تو اس آواز سے ان کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت کے خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکایت کی کہ یہ واعظ صاحب یہاں آکر اتنی بلند آواز سے تقریر کرتے ہیں کہ مجھے اس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلوایا، اور ان کو سمجھایا کہ بیشک دین کی بات کہنا بڑی اچھی بات ہے، لیکن اس طرح کہنا چاہیے جس سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، لہٰذا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے سامنے اس طرح تقریر مت کرنا، اگر وعظ کرنا ہے تو کسی اور جگہ پر جا کر کرو، اگر وہیں پر وعظ کرنا ہے تو اتنی آواز سے کرو کہ وہ آواز صرف سننے والوں کی حد تک محدود رہے، دور تک نہ جائے۔

مار مار کر یہ سونٹا توڑ دوں گا

کچھ دن تک تو وہ واعظ صاحب خاموش رہے۔ لیکن بعض لوگ جذباتی

قسم کے ہوتے ہیں، ان کو وعظ کے بغیر چین نہیں آتا، وہ صاحب بھی اسی طرح
کے تھے، چنانچہ چند روز کے بعد دوبارہ اسی طرح مجمع جمع کیا، اور بڑی زور سے
تقریر شروع کردی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوبارہ حضرت عمر
فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ ان صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ
شروع کردیا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو بلایا،
اور فرمایا میں نے پہلی مرتبہ تم کو سمجھایا تھا، معلوم ہوا کہ تم نے دوبارہ یہ حرکت
شروع کردی ہے، اب اگر تیسری مرتبہ تمہاری یہ شکایت آئی تو پھر یہ جو میرے
ہاتھ میں سونٹا ہے، اس کے ذریعے مار مار کر یہ سونٹا توڑ دوں گا۔ حضرت عائشہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکایت پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنے
سخت الفاظ اس واعظ سے ارشاد فرمائے۔

بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا

اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا کسی امام کا اختلاف نہیں، ساری امت کے فقہاء
اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی بلند آواز سے کوئی بھی کام کرنا، چاہے وہ دین کا کام
ہو، جس سے دوسرے لوگوں کے کاموں مین اس طرح خلل واقع ہو کہ اگر کوئی
سونا چاہے تو وہ نہیں سو سکتا، اگر کوئی بیمار ہے تو اس کی وجہ سے وہ تکلیف میں مبتلا
ہے، ایسا کام کرنا بالکل حرام ہے، اور اگر ایسا کام دین کے نام کیا جائے تو ڈبل
حرام ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعے سے دین کی غلط نمائندگی کی جا رہی ہے۔
چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایسی جگہ پر قرآن کریم بلند آواز سے نہ
پڑھیں، جہاں لوگ سو رہے ہوں، یا جہاں پر لوگ اپنے کاموں کے اندر مشغول
ہیں، اور اس کے نتیجے میں وہ یا تو قرآن کریم سے بے التفاتی برتیں گے، یا ان

کے کاموں میں خلل واقع ہوگا، اس طرح کے بے شمار احکام ہمیں شریعت نے بتائے ہیں کہ دین کا کام بھی اس طرح کرو کہ اس سے حتی الامکان دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

تہجد کے لئے اٹھتے وقت آپ کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سو رہی ہوتی تھیں تو آپ کس انداز سے اٹھتے تھے؟ اس کے بارے میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

قَامَ رُوَيْدًا وَ فَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھیرے سے اٹھتے تھے، اور دروازہ دھیرے سے کھولتے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل جائے، حالانکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ کھل بھی جاتی تو شاید ان کو تکلیف محسوس بھی نہ ہوتی، بلکہ وہ اس کو اپنے لئے سعادت سمجھتیں، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہ تھی کہ میرے کسی عمل سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے، اور ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو، نماز پڑھ رہے ہیں تو اس انداز سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف نہ ہو۔ یہ ہے ہمارا دین، جس نے ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے دین کے احکام اور تعلیمات سے غافل ہو کر جو سمجھ میں آرہا ہے کر رہے ہیں، اور پھر اس کو اپنے دین کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہ انتہائی خطرناک بات ہے،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قانون کب حرکت میں آتا ہے

بہر حال! لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جس بری طرح ہو رہا ہے، اور جس طرح لوگوں کے لئے تکلیف کا سبب بن رہا ہے، جب کہ حکومت نے بھی یہ قانون بنا رکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال نہ ہو، لیکن اس معاشرے میں قانون کی کوئی وقعت کوئی قیمت نہیں، یہ قانون صرف اس وقت حرکت میں آتا ہے، جب حکومت کو کسی شخص سے عداوت ہو جائے، اس وقت "لاؤڈ اسپیکر ایکٹ" سامنے آجاتا ہے، لیکن آج دن رات اس قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، مگر کوئی دیکھنے والا، کوئی سننے والا نہیں۔ بہر حال! ان آیات نے ہمیں ایک ہدایت تو یہ دی کہ آواز بھی اتنی رکھو جس سے مقصد حاصل ہو جائے، آپ کو ایک پیغام پہنچانا ہے تو جس آواز سے دوسرا سن لے بس اس حد پر اس آواز کو رکھو، اس سے زیادہ آواز کو بڑھانا جو دوسروں کی تکلیف کا سبب بن جائے، اس سے ان آیات میں منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے ذکر کے لئے آواز پست رکھنے کا حکم

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام ساتھ تھے، رات کے وقت سفر ہو رہا تھا، سفر کے دوران بسا اوقات لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح وقت کٹے، چنانچہ صحابہ کرام نے سفر کے دوران بلند آواز سے ذکر شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بلند آواز سے شروع کر دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا:

اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا

یعنی تم بہری ذات کو نہیں پکار رہے ہو، اور نہ کسی ایسی شخصیت کو پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہے، بلکہ تم تو اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو، اور اس کو پکارنے کے لئے بلند آواز کی ضرورت نہیں، اگر تم آہستہ آواز سے بھی پکارو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے، اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے، اور ہر ایک کی بات سنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم قرآن کریم کے عین مطابق دی، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً

یعنی اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستگی سے پکارو۔ اس لئے دعا میں، ذکر میں، درود شریف میں آواز بلند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو سنانا مقصود ہے، اور اللہ تعالیٰ کو سنانے کے لئے آواز کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں، آہستگی سے بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے۔

آواز نکلنا بڑی نعمت ہے

یہ آواز کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے، یہ ایسی نعمت ہے کہ اگر کبھی یہ نعمت سلب ہو جائے، تو اس وقت انسان اس کو حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، جب آواز بند ہو جاتی ہے تو آدمی کو ایسی بے چینی اور بے تابی ہو جاتی ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر بیٹھے مفت میں یہ دولت دے رکھی ہے، اور اس کے ذریعہ ہم اپنی آواز دوسروں تک پہنچا کر اپنا مفہوم واضح کر دیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لہٰذا ایک طرف تو اس کا شکر ادا کرنا

چاہیے، دوسرے یہ کہ اس کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا چاہیے، غلط جگہ پر استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے، اور حد سے زیادہ استعمال نہ ہو، بس جتنی ضرورت ہے اتنی ہی استعمال ہو۔

خلاصہ

یہ سب دین کے احکام ہیں جو ہمیں ان آیات سے مل رہے ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہم نے دین کو نماز روزے کی حد تک محدود کرلیا ہے، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان کو ہم دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے، جس کی وجہ سے آج ہم معاشرتی فساد میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

ملاقات
اور فون کرنے کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۰۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ١٦

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ملاقات اور فون کرنے کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات:٤،٥)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ حجرات کی تفسیر کا بیان کئی جمعوں سے چل رہا ہے، آج میں نے آپ کے سامنے اس کی دو آیات تلاوت کیں، ان میں سے پہلی آیت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

جولوگ آپ کو آپ کے حجروں یعنی رہائش گاہ کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ ناسمجھ ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ بنو تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، ان کے اندر آداب اور تہذیب کی کمی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس وقت جبکہ آپ کے آرام کا وقت تھا، آپ کے مکان کے پیچھے سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا کہ "یا محمد اخرج الینا" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ باہر تشریف لائیں، ہم آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جولوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکار رہے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ ناسمجھ ہیں، اگر یہ لوگ آپ کو پکارنے کے بجائے باہر صبر کرتے، اور انتظار کرتے، یہاں تک کہ آپ خود سے باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ چونکہ یہ عمل ان سے نادانی میں سرزد ہوا ہے، اس لئے ان کو معاف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے، بڑا مغفرت کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے، لیکن آئندہ کے لئے سبق دیدیا۔

دور سے بلانا ادب کے خلاف ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو سبق دیے، ایک سبق یہ دیا کہ کسی بڑے کو دور سے پکارنا بے ادبی ہے، چاہے یہ پکارنا گھر کے باہر سے ہو، یا کسی اور جگہ سے ہو، اگر کسی بڑے سے آپ کو کوئی کام ہے تو اس کے قریب جا کر اس سے بات کریں۔ بلکہ عام انسانوں میں بھی یہ بے ادبی کی بات ہے، مثلاً کوئی بیٹا باپ کو اس طرح دور سے پکارے، یا کوئی شخص اپنے سے بڑے رشتے دار کو دور سے پکارے، یہ سب بے ادبی کے اندر داخل ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو یہ بے ادبی

بڑی ہی سنگین ہے، اسی لئے قرآن کریم نے یہ طریقہ بتادیا کہ دور سے آواز دینے کے بجائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جاؤ، اور پھر جو درخواست کرنی ہو "یارسول اللہ" کہہ کر درخواست کرو۔

حضور اقدس ﷺ پر درود وسلام کا طریقہ

فقہاء کرام نے اسی آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے کے باوجود اپنی قبر مبارک میں تشریف فرما ہیں، اور آپ کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے، جس طرح شہداء کے بارے میں فرمایا کہ وہ شہداء مرتے نہیں ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا معاملہ شہداء سے بھی اونچا ہے، وہ بھی زندہ ہیں، اور خاص قسم کی زندگی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما رکھی ہے، جو ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر جاؤ تو وہاں جا کر کہو:

اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام پیش کرو، لیکن جب تم روضہ اقدس سے دور ہو تو پھر تم یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

لہٰذا اس آیت کی رو سے روضہ اقدس سے دور ہونے کی صورت میں "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کہنا درست نہیں، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے پکارنا بے ادبی کی بات ہے، اور یہ آپ کی تعظیم کے خلاف ہے۔

حاضروناظر کے عقیدے سے پکارنا

خاص طور پر "الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ" کے الفاظ سے اس عقیدے سے پکارنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں، اور آپ حاضروناظر ہیں۔ اللہ بچائے۔ یہ عقیدہ انسان کو بعض اوقات شرک تک پہنچادیتا ہے، اور اگر اس عقیدے سے یہ الفاظ کسی نے کہے کہ جب ہم "الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ" کہہ کر درود بھیجتے ہیں تو آپ کی روح مبارک تشریف لاتی ہے، خوب سمجھ لیجئے یہ بات احادیث میں کہیں ثابت نہیں، دوسری طرف یہ آپ کی تعظیم کے بھی خلاف ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے سلام کریں، اور سلام لینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائیں۔ آپ ذرا اندازہ کریں کہ ہم تو یہاں بیٹھ کر پکار رہے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہم سے سلام لینے کے لئے تشریف لائے، یہ کوئی ادب کی بات ہے؟ یہ کوئی تعظیم اور محبت کی بات ہے؟ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمادیا، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر پہ آکر مجھے سلام کرے گا، میں اس کا جواب دوں گا، اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ درود مجھ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے کہ آپ کے فلاں امتی نے درود شریف کا یہ تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو حدیث میں منقول ہے۔

"یارسول اللہ" کہنا ادب کے خلاف ہے

لہٰذا آپ کی ظاہری زندگی میں جس طرح یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی آپ سے خطاب کرے، وہ قریب جاکر کرے، دور سے نہ کرے، اسی طرح آپ کی وفات کے بعد جبکہ آپ کو قبر مبارک میں دوسری حیات طیبہ حاصل ہے، وہاں بھی یہی حکم

ہے کہ قریب جاکر ان الفاظ سے سلام کرو کہ:

الصلاۃ والسلام علیك یارسول اللہ

لیکن دور سے کہنا ہے تو درود شریف پڑھو، ان الفاظ سے سلام کہنا آپ کی تعظیم اور ادب کے خلاف ہے۔ اس آیت سے ایک سبق تو یہ دیدیا۔

حضور کے دروازے پر دستک دینا

اس آیت سے دوسرا سبق یہ دیا کہ اگر کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کام ہے تو آپ کے دروازے پر دستک دے کر آپ کو باہر بلانا آپ کے ادب کے خلاف ہے، اگر کوئی بہت ضروری اور فوری کام ہو تو دوسری بات ہے، لیکن عام حالات میں آپ کے دروازے پر دستک دینا اور آپ کو باہر آنے کی زحمت دینا مناسب نہیں۔ لہٰذا اگر آپ سے کسی شخص کو کوئی کام ہے تو باہر بیٹھ کر انتظار کرے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی ضرورت سے باہر تشریف لائیں، ظاہر ہے پانچ وقت کی نماز کے لئے تو آپ باہر تشریف لاتے ہی تھے، اس کے علاوہ اور اوقات میں بھی بعض مرتبہ آپ باہر تشریف لے آتے تھے، اس وقت ملاقات کر کے اپنی ضرورت پیش کرو، یہ طریقہ تمہارے لئے ہزار درجہ بہتر ہے، چنانچہ فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

یعنی اگر یہ لوگ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بنسبت اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر باہر بلائیں۔

استاد کے دروازے پر دستک دینا

حضرات مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا کہ ہر شاگرد اور استاد کا

معاملہ بھی ایسا ہے، یعنی اگر کوئی شاگرد کسی استاد سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ شاگرد استاد کی خلوت میں خلل انداز ہو، اور استاد کے دروازے پر دستک دے کر اس کو باہر آنے کی دعوت دینے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس کا انتظار کرے، اور جب وہ استاد خود سے باہر آئے اس وقت جا کر ملاقات کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے حضور کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، لیکن دس سال کی عمر کے دوران ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی تھی کہ:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ (او کما قال)

اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ عطا فرما، اور اس کو قرآن کریم کی تفسیر کا علم عطا فرما، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اور میں آپ سے قرآن کریم کی تفسیر کا علم حاصل نہ کر سکا، دل میں خیال آیا کہ ابھی بہت سے ایسے صحابہ کرام موجود ہیں جنہوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا ہے، میں ان میں سے ایک ایک کے پاس جاؤں، اور جا کر ان سے علم حاصل کروں۔ چنانچہ جس کسی صحابی کے بارے میں مجھے علم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں تو میں سفر کر کے ان کے پاس جاتا۔

علم سیکھنے کے لئے ادب کا لحاظ

خود فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ شدید گرمی کا موسم ہے، اور عرب کی گرمی تو بہت زیادہ شدید ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا کہ آسمان سے آگ برس رہی ہے، اور زمین شعلے اگل رہی ہے، ایسی شدید گرمی میں سفر کر کے جاتا، اور جس صحابی سے علم حاصل کرنا مقصود ہوتا، اس صحابی کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا، یہ پسند نہیں تھا کہ جس صحابی کو اپنا استاد بناتا ہے، اور ان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حاصل کرنی ہیں، ان کے دروازے پر دستک دے کر ان کو باہر آنے پر مجبور کروں، یہ مجھے گوارا نہیں تھا، اس لئے دروازے پر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود سے کسی وقت گھر سے باہر نکلیں گے تو ان سے اپنی درخواست پیش کروں گا۔ اور جب میں دروازے پر بیٹھا ہوتا تو ریت کا طوفان چل رہا ہوتا، سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم مٹی سے اٹ جاتا، لیکن اس وقت بھی یہ گوارا نہیں ہوتا کہ میں دستک دے کر ان کو باہر بلاؤں، اور جب وہ خود کسی وجہ سے باہر نکلتے اور دیکھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اس طرح دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں، تو وہ مجھے سینے سے لگاتے اور کہتے کہ آپ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، آپ یہاں میرے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہیں؟ آپ نے دستک دے کر مجھے کیوں نہیں بلا لیا؟ اور گھر کے اندر کیوں تشریف نہیں لائے؟ میں عرض کرتا کہ آج میں آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے کی حیثیت سے نہیں آیا، بلکہ آج میں آپ کے شاگرد کی حیثیت سے آیا ہوں، اور آپ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کے لئے آیا ہوں، اس وجہ سے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کو تکلیف دوں، اور آپ کو گھر سے باہر بلاؤں۔ چونکہ قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے میں کہا تھا کہ بنو تمیم کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ باہر دروازے پر صبر کرتے، حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سے باہر تشریف لے آتے، اگر وہ ایسا کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے استاد کے ساتھ وہی معاملہ کیا۔

جانے سے پہلے وقت لیلو

یہ تو استاد شاگرد، باپ بیٹے اور پیر مرید کے بارے میں اُصول تھا، لیکن عام انسانوں کے ساتھ ملاقاتوں میں بھی تلقین کی گئی کہ جس شخص سے تم ملنے جا رہے ہو، حتی الامکان اس کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرو، یہ نہ ہو کہ بس کسی بھی وقت مصیبت بن کر کسی کے گھر میں وارد ہو گئے، اور اس پر مسلط ہو گئے۔ بلکہ جب کسی کے پاس ملاقات کے لئے جانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ یہ وقت اس شخص سے ملاقات کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ اس شخص کا نظم الاوقات کیا ہے؟ لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، کوئی وقت کسی شخص کے آرام کا وقت ہوتا ہے، کسی وقت کوئی شخص خلوت اور تنہائی میں اپنے گھر والوں کے پاس رہنا چاہتا ہے، کوئی شخص کسی وقت مصروف ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے یہ معلوم کر لو کہ فلاں شخص سے ملاقات کے لئے کون سا وقت زیادہ موزوں ہے؟ کہ اس وقت ملاقات کرنے سے اس کو تکلف نہیں ہوگی۔

میزبان کے حقوق مہمان پر

جس طرح مہمان کے حقوق ہیں میزبان پر کہ جب کوئی مہمان آئے تو میزبان کو چاہیے کہ اس کا اکرام کرے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے، اسی طرح میزبان کا بھی مہمان کے اوپر حق ہے، وہ یہ ہے کہ مہمان اس کے لئے مہمان بنے، وبال جان نہ بنے کہ ایسے وقت میں اس کے پاس پہنچ جائے جو اس

کے لئے مناسب نہیں تھا، لہٰذا علماء کرام نے اس آیت کے تحت یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جاؤ تو یہ اندازہ کر کے جاؤ کہ اس وقت اس سے ملنا مناسب ہوگا یا نہیں؟ اس کے بغیر اگر جاؤ گے تو تکلیف کا سبب بنو گے، اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں دو رکوع اس موضوع پر نازل فرمائے ہیں کہ جب تم کسی سے ملاقات کے لئے جاؤ تو کس طرح جاؤ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس جانے سے اس کو تکلیف نہ دو، جانے سے پہلے اجازت لو کہ میں فلاں وقت میں آؤں یا نہ آؤں؟ اور اگر دوسرا شخص معذرت کر لے کہ میں اس وقت مشغول ہوں، میں ملاقات نہیں کر سکتا تو اس کو برا نہ مناؤ، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْکٰی لَکُمْ (سورۃ النور:)

یعنی اگر میزبان تم سے یہ کہے کہ اس وقت ملنا میرے مشکل ہے، میں کسی کام میں مشغول ہوں، میرے ساتھ معذوری لاحق ہے تو اس سے برا نہ مناؤ، بلکہ واپس چلے جاؤ، تمہارے لئے واپس جانا ہی بہتر ہے۔ ان تمام اصولوں کی بنیاد یہ ہے کہ تمہارے کسی عمل سے کسی شخص کو کوئی ناواجبی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، وہ صحابی مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلے پر رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کسی صحابی سے ملنے کے لئے اس کے گھر تشریف لے جاتے تو اجازت طلب کرنے کے لئے سلام کرتے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، أ أدخل؟ کیا میں اندر آجاؤں؟ بہرحال ان صحابی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر آپ نے

حسب معمول سلام کیا، اندر سے کوئی جواب نہ آیا، آپ نے دوبارہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا، آپ نے تیسری مرتبہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ وہ صحابہ کسی اور حال میں تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دعا دے رہے ہیں، اس لئے کہ "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کے معنی ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، تو ان صحابی نے یہ سوچا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ دعائیں حاصل کرلوں، اس لئے وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے۔ دوسری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ سلام کرلیا تو واپس جانے لگے، اس لئے کہ حکم یہ ہے کہ جب تین مرتبہ اجازت مانگ چکو، اور تمہیں یہ اندازہ ہو کہ تمہاری آواز اندر والے نے سن لی ہے تو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے باوجود اگر وہ باہر نہ نکلے تو تم واپس چلے جاؤ، اس لئے کہ وہ شخص تم سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا، اور خواہ مخواہ زبردستی دوسرے پر سوار ہو جانا اسلامی آداب کا تقاضا نہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے۔ جب ان صحابی کو اندازہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جارہے ہیں، تو جلدی سے گھر سے باہر نکلے، اور جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور عرض کیا کہ آپ واپس کیوں جارہے ہیں؟ گھر کے اندر تشریف لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم یہ ہے کہ تین مرتبہ اجازت مانگو، اور جب یہ اندازہ ہو کہ اس شخص نے تمہاری آواز سن لی ہے، اس کے باوجود وہ اندر آنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے، تو واپس چلے جاؤ۔ اب دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برا نہیں منایا، اور یہ نہیں کہا کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھولا، اور اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دی، بلکہ واپس چلے گئے، ان صحابی نے فرمایا میں یہ سوچتا رہا کہ آپ کی دعائیں لیتا رہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعائیں لینے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا، تم دعائیں ویسے لے لیتے، میں باہر کھڑا انتظار کرتا رہا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔

حضور نے برا نہیں منایا

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد جب اجازت نہیں ملی تو اس پر آپ نے برا نہیں منایا، اور نہ غصہ کیا کہ ہم تمہارے گھر پہ آئے، تم نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا، بلکہ آپ واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے یہ فرمایا دیا تھا کہ اگر تم سے یہ کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو اس وقت تم واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان پر بھی میزبان کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، وہ یہ کہ بلاوجہ اس کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فون کرنے کے آداب

آج کل ملاقاتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے، اور وہ ٹیلی فون کے ذریعہ آدمی ملاقات ہے، اس میں بھی یہی احکام ہیں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں سورۃ النور کی تفسیر میں ٹیلی فون استعمال کرنے کے احکام بھی لکھے ہیں، وہ یہ کہ جب تم کسی کو ٹیلی فون کرو تو یہ دیکھو کہ میں ایسے وقت میں ٹیلی فون تو نہیں کر رہا ہوں جو اس کی تکلیف کا سبب ہو، بسا اوقات لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، بس دماغ میں خیال آیا کہ فلاں سے فلاں بات کرنی ہے، اور اسی وقت فون کر دیا، یہ دیکھے بغیر کہ اس وقت یہ اس کے آرام کا وقت ہوگا، یا نماز کا وقت ہوگا، یا دوسری ضروریات کا وقت ہوگا۔ یہ بیچارہ "مولوی" تو ساری دنیا کی میراث ہے، اس سے ملاقات اور اس سے بات کرنے کے لئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ میرے پاس تو رات کے دو بجے ٹیلی فون آجاتا ہے، ایک مرتبہ رات کے دو بجے فون آیا، میں نے پوچھا کہ فون کرنے سے پہلے گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا، اس وقت کیا ٹائم ہو رہا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں: دیکھی تو تھی، لیکن یہ خیال تھا کہ شاید آپ اس وقت تہجد کے

لئے اٹھے ہوں گے، لہٰذا اس وقت آپ کو فون کرلیں۔ اب دو بجے رات کو فون کر رہے ہیں، اور مسئلہ بھی کوئی ایسا نہیں تھا جس کی فوری ضرورت ہو، بلکہ عام مسئلہ کے لئے رات کے دو بجے فون کر رہے ہیں۔ آج اس بات کا خیال بھی دل سے اٹھ گیا کہ اگر کسی کو فون کریں تو ایسے وقت میں کریں کہ جس سے سامنے والے کو تکلیف نہ ہو۔

لمبی بات کرنے سے پہلے اجازت لیلو

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ فون کی گھنٹی بجی، اور آپ نے ریسیور اٹھالیا، لیکن آپ جلدی میں ہیں، اور آپ کو فوراً کہیں جانا ہے، مثلاً آپ کے جہاز کا وقت ہے، یا دفتر میں پہنچنا ہے، اور یا بیت الخلاء کا تقاضا ہے، اب سامنے والے نے فون پر لمبی بات شروع کردی۔ اس لئے معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی سے فون پر لمبی بات کرنے ہو تو پہلے پوچھ لو کہ میں ذرا لمبی بات کرنا چاہتا ہوں، اگر اس وقت فارغ ہوں تو ابھی کرلوں، یا دوسرا وقت بتادیں، میں اس وقت فون کرلوں گا، تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ یہ سارے آداب بھی دین کا حصہ ہیں، اسلام نے ان کی تعلیم دی ہے، لیکن ہم نے دین اسلام کو چند عبادتوں میں محدود کردیا ہے، اور معاشرت کے یہ احکام جو قرآن و حدیث میں بھرے ہوئے ہیں، ان کو دین سے خارج کردیا ہے، اس کے نتیجے میں ہماری زندگیوں میں ایک عجیب قسم کی بے چینی پیدا ہوگئی ہے۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت ان تمام آداب کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

۲۶۷

ہر خبر کی تحقیق کرنا ضروری ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر خبر کی تحقیق کرنا ضروری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ○

(سورۃالحجرات:۶)

تمہید وترجمہ

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورۃ حجرات کی تفسیر کا بیان کئی جمعوں

سے چل رہا ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری معاشرتی زندگی سے متعلق بڑی اہم ہدایات عطا فرمائی ہیں، اسی سورۃ کی ایک آیت ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اگر کوئی گناہ گار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم ذرا ہوشیاری سے کام لو، یعنی ہر شخص کی ہر بات پر اعتماد کر کے کوئی کارروائی نہ کرو، ہوشیاری سے کام لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تحقیق کرو کہ یہ خبر واقعی سچی ہے یا نہیں؟ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ نادانی میں کچھ لوگوں کو تم نقصان پہنچا دو، اور بعد میں تمہیں اپنے فعل پر ندامت اور شرمساری ہو کہ ہم نے یہ کیا کر دیا۔ یہ آیت کریمہ کا ترجمہ ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات پر بھروسہ کر کے کوئی کارروائی نہ کیا کرے، بلکہ جو خبر ملے جب تک اس خبر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اور جب تک وہ خبر صحیح ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس خبر کی بنیاد پر نہ کوئی بات کہنا جائز ہے اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی کرنا جائز ہے۔

آیت کا شان نزول

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی، جس کو اصطلاح میں "شانِ نزول" کہا جاتا ہے، واقعہ یہ تھا کہ عرب میں ایک قبیلہ "بنو مصطلق" کے نام سے آباد تھا، بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار جن کی بیٹی جویریہ بنت حارث امہات المؤمنین میں سے ہیں۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا،

میں نے اسلام قبول کر لیا، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کر لیا، اور میں نے عرض کیا کہ میں اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو بھی اسلام کی اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا، جو لوگ میری بات مان لیں گیا ور زکوٰۃ ادا کریں گے، ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا، آپ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد بھیج دیں تاکہ زکوٰۃ کی جو رقم میرے پاس جمع ہو جائے، وہ ان کے سپرد کر دوں۔

قاصد کے استقبال کے لئے بستی سے باہر نکلنا

حسب وعدہ جب حضرت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان لانے والوں کی زکوٰۃ جمع کر لی، اور وہ مہینہ اور وہ تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لئے طے ہوئی تھی گزر گئی، اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے، حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا، اور ارادہ کیا کہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ قبیلہ ''بنو المصطلق'' کے لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ فلاں تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آئے گا، اس لئے اس تاریخ کو یہ حضرات تعظیما بستی سے باہر نکلے کہ قاصد کا استقبال کریں۔

حضرت ولید بن عقبہ کا واپس جانا

دوسری طرف یہ واقعہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے

لئے بھیج دیا تھا، مگر حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستے میں یہ خیال آیا کہ اس قبیلے کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں۔ چونکہ وہ لوگ ان کے استقبال کے لئے بستی سے باہر بھی نکلے تھے، اس لئے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور زیادہ یقین ہو گیا کہ یہ لوگ شاید پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں، چنانچہ آپ راستے ہی سے واپس ہو گئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہا کہ ان لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، اور میرے قتل کا ارادہ کیا، اس لئے میں واپس چلا آیا۔

تحقیق کرنے پر حقیقت واضح ہوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر غصہ آیا، اور آپ نے مجاہدین کا ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا، ادھر سے مجاہدین کا لشکر روانہ ہوا، ادھر حضرت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوئے، جب آمنا سامنا ہوا تو حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ آپ لوگ ہمارے اوپر کیوں چڑھائی کرنے آئے ہو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری بات یہ ہوئی تھی کہ تم میں سے کوئی شخص زکوۃ وصول کرنے کے لئے آئے گا۔ لشکر والوں نے جواب دیا کہ زکوۃ وصول کرنے کے لئے ایک شخص آیا تھا، لیکن آپ لوگوں نے اس پر حملہ کرنے کے لئے لشکر اکٹھا کر لیا۔ بنوالمصطلق کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں آیا، اور نہ ہم نے لشکر اکٹھا کیا، بلکہ ہم لوگ اس خیال میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کا قاصد آنے والا ہے، اس لئے ہم لوگ روزانہ استقبال کرنے کے ارادے سے باہر نکل کر جمع ہو جاتے تھے، تب حقیقت حال کھلی، اور پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا کہ یہ غلط فہمی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے یہ سارا قصہ ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی غیر ذمہ دار آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو پہلے اس کی تحقیق کرو، تحقیق کے بغیر اس خبر کی بنیاد پر کوئی کارروائی نہ کرو۔ اس واقعہ میں ساری غلط فہمی جو پیدا ہوئی، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے آکر بتا دیا ہوگا کہ یہ لوگ تم سے لڑنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، اس لئے وہ راستے ہی سے واپس آگئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو یہ ہدایت دیدی کہ ایسا نہ ہو کہ جو بات کسی سے سن لی، بس اس پر یقین کر لیا، اور اس بات کو آگے چلتا کر دیا، اور اس خبر کی بنیاد پر کوئی کارروائی شروع کر دی، ایسا کرنا حرام ہے۔

افواہ پھیلانا حرام ہے

اس کو آج کل کی اصطلاح میں ''افواہ سازی'' کہتے ہیں، یعنی افواہیں پھیلانا، افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ برائی اس طرح پھیل گئی ہے کہ ''الامان والحفیظ'' کسی بات کو آگے نقل کرنے میں، بیان کرنے میں احتیاط اور تحقیق کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا، بس کوئی اُڑتی ہوئی بات کان میں پڑ گئی،

اس کو فوراً آگے چلتا کر دیا، خاص طور پر اگر کسی سے مخالفت ہو، کسی سے دشمنی ہو، کسی سے سیاسی یا مذہبی مخالفت ہو، یا ذاتی مخالفت ہو تو اگر اس کے بارے میں ذرا سی بھی کہیں سے کان میں کوئی بھنک پڑ جائے گی، تو اس پر یقین کر کے لوگوں کے اندر اس کو پھیلانا شروع کر دیں گے۔

آج کل کی سیاست

آج کل سیاست کے میدان میں جو گندگی ہے، اس گندی سیاست میں یہ صورت حال ہو رہی ہے کہ اگر سیاست میں ہمارا کوئی مدمقابل ہے تو اس کے بارے میں افواہ گھڑنا اور اس کو بغیر تحقیق کے آگے چلتا کر دینا، اس کا آج کل عام رواج ہو رہا ہے، مثلاً یہ کہ فلاں شخص نے اتنے لاکھ روپے لے کر اپنا ضمیر بیچا ہے، بغیر تحقیق کے الزام عائد کر دیا، یاد رکھئے! کوئی شخص کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، لیکن اس پر جھوٹا الزام عائد کرنے کا کوئی جواز نہیں، شرعاً ایسا کرنا حرام ہے۔

حجاج بن یوسف کی غیبت جائز نہیں

ایک مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف فرما تھے، کسی شخص نے اس مجلس میں حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی، حجاج بن یوسف ایک ظالم حکمران کے طور پر مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے سینکڑوں بڑے بڑے علماء کو قتل کیا۔ کسی شخص نے اس مجلس میں حجاج بن یوسف پر الزام عائد کیا کہ اس نے یہ کیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر بات کرو، یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف ظالم و جابر ہے تو اس کی غیبت کرنا حلال ہو گیا، یا اس پر بہتان باندھنا حلال ہو گیا، اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف سے سینکڑوں انسانوں کے خون کا بدلہ لے گا جو اس کی گردن پر ہیں تو تم

سے بھی اس کا بدلہ لگا کہ تم نے اس کے بارے میں جھوٹی بات کہی، یہ مت سمجھنا کہ اگر وہ ظالم ہے تو جو چاہو اس کے بارے میں جھوٹ بولتے رہو، اس پر جو چاہو الزام تراشی کرتے رہو، تمہارے لئے یہ حلال نہیں۔

سنی ہوئی بات آگے پھیلانا جھوٹ میں داخل ہے

بہرحال! کسی بھی شخص کے بارے میں کوئی بات بغیر تحقیق کے کہہ دینا یہ اتنی بڑی بیماری ہے جس سے پورے معاشرے میں بگاڑ اور فساد پھیلتا ہے، دشمنیاں جنم لیتی ہیں، عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ جب بھی تمہیں کوئی خبر ملے تو پہلے اس خبر کی تحقیق کرلو، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

یعنی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو بات سنے اس کو آگے بیان کرنا شروع کردے۔ لہٰذا جو آدمی ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کرنے لگے تو وہ بھی جھوٹا ہے، اس کو جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا۔ جب تک تحقیق نہ کرلو، بات کو آگے بیان نہ کرو۔

پہلے تحقیق کرو، پھر زبان سے نکالو

افسوس یہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ اس گناہ کے اندر ڈوبا ہوا ہے، ایک شخص کی بات آگے نقل کرنے میں کوئی احتیاط نہیں، بلکہ اپنی طرف سے اس میں نمک مرچ لگا کے اضافہ کر کے اس کو آگے بڑھا دیا۔ دوسرے شخص نے جب سنا تو اس نے اپنی طرف سے اور اضافہ کر کے آگے چلتا کر دیا، بات ذرا سی تھی، مگر وہ پھیلتے پھیلتے کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اس کے نتیجے میں دشمنیاں، عداوتیں، لڑائیاں،

قتل و غارت گری اور نفرتیں پھیل رہی ہیں۔ بہر حال! قرآن کریم ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، یہ اس لئے نہیں دی کہ اس کے ذریعہ تم جھوٹی افواہیں پھیلاؤ، اس لئے نہیں دی کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں پر الزام اور بہتان عائد کیا کرو، بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جب تک کسی بات کی مکمل تحقیق نہ ہو جائے، اس کو زبان سے نہ نکالو۔ افسوس ہے کہ آج ہم لوگ باری تعالیٰ کے اس حکم کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہم طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس برائی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

افواہوں پر کان نہ دھریں

انسان کے کانوں میں مختلف اوقات میں مختلف باتیں پڑتی رہتی ہیں، کسی نے آکر کوئی خبر دیدی، کسی نے کوئی خبر سنادی، کسی نے کچھ کہہ دیا، اگر آدمی ہر کی بات کو سچ سمجھ کر اس پر کارروائی کرنا شروع کر دے تو سوائے فتنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ ایک اور موقع پر ایسا ہوا تھا کہ منافقین مختلف قسم کی افواہیں پھیلاتے رہتے تھے، چنانچہ مسلمان سادہ لوحی میں ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر کوئی کارروائی شروع کر دیتے تھے، اس پر قرآن کریم کی ایک اور آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا کہ:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:۸۳)

یعنی منافقین کا کام یہ ہے کہ ذرا سی کوئی افواہ کان میں پڑی، چاہے وہ

حالت امن ہو، یا حالت جنگ ہو، بس فوراً اس کی نشر و اشاعت شروع کر دیتے ہیں، اور اپنی طرف سے اس میں نمک مرچ لگا کر اس کو روانہ کر دیتے ہیں، جس سے فتنہ پھیلتا ہے، مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب اس قسم کی کوئی خبر آپ تک پہنچے تو اس پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے ذمہ دار افراد کو بتاؤ کہ یہ خبر پھیل رہی ہے، اس میں کون سی بات سچ ہے، اور کون سی بات غلط ہے، اس کی تحقیق کریں، اور تحقیق کے بعد کوئی فیصلہ کریں، نہ یہ کہ خود سے اس پر کارروائی شروع کر دیں۔ یہ ایک عظیم ہدایت ہے جو قرآن کریم نے عطا فرمائی ہے۔

جس سے شکایت پہنچی ہو اس سے پوچھ لیں

افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس ہدایت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، اس کے نتیجے میں فتنے پھیلے ہوئے ہیں، لڑائیاں ہیں، جھگڑے ہیں، عداوتیں ہیں، بغض اور کینہ ہے، ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہے، اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ان سب کی بنیاد غلط افواہیں ہوتی ہیں، خاندان والوں میں یا ملنے جلنے والوں میں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ تمہارے بارے میں فلاں شخص یہ کہہ رہا تھا، اب آپ نے اس کی بات سن کر یقین کر لیا کہ اچھا فلاں شخص نے میرے بارے میں یہ کہا ہے، اب اس کی بنیاد پر اس کی طرف سے دل میں دشمنی، بغض، کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ تو میرے بارے میں یہ کہہ رہا تھا، حالانکہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر کسی بھائی کی طرف سے شکایت کی کوئی بات پہنچی ہے تو براہ راست اس سے جا کر پوچھ لے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں یہ بات فرمائی تھی، کیا یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟ اب صحیح بات کھل کر سامنے آ جائے گی۔

باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا

آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ لوگ ایک کی بات دوسرے تک پہنچانے میں بالکل احتیاط سے کام نہیں لیتے، اگر ذرا سی بات ہو تو اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، اپنی طرف سے اس کے اندر اضافہ اور مبالغہ کر دیتے ہیں، میں ایک مثال دیتا ہوں، ایک صاحب نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹیپ ریکارڈر پر قرآن کریم کی تلاوت سننے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: چونکہ قرآن کریم کے الفاظ پڑھے جا رہے ہیں تو انشاء اللہ، اللہ کی رحمت سے اس کو سننے سے بھی ثواب ملے گا، البتہ براہ راست پڑھنے اور سننے سے زیادہ ثواب ملے گا۔ اب اس شخص نے جا کر کسی اور کو بتایا ہوگا، دوسرے نے تیسرے کو بتایا ہوگا، تیسرے نے شخص نے چوتھے کو بتایا ہوگا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دن میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا، اس میں لکھا تھا کہ یہاں ہمارے محلہ میں ایک صاحب تقریر میں یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ ٹیپ ریکارڈر پر تلاوت سننا ایسا ہے جیسے ٹیپ ریکارڈ پر گانا سننا۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ بات کیا تھی، اور ہوتے ہوتے کہاں تک پہنچی، اور پھر برملا تقریر کے اندر یہ بات میری طرف منسوب کر دی کہ میں نے ایسا کہا ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ میں نے یہ بات کہی ہے۔

تُلی ہوئی بات زبان سے نکلے

بہرحال! لوگوں میں بات نقل کرنے میں احتیاط ختم ہو چکی ہے، جب کہ

مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو بات اس کی زبان سے نکلے وہ ترازو میں تلی ہوئی ہو، نہ ایک لفظ زیادہ ہو، نہ ایک لفظ کم ہو، خاص طور پر اگر آپ دوسرے کی کوئی بات نقل کر رہے ہوں تو اس میں تو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر آپ اس کے اندر اپنی طرف سے کوئی بات بڑھائیں گے تو دوسرے پر بہتان ہوگا، جس میں دوہرا گناہ ہے۔

حضرات محدثینؒ کی احتیاط

قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ جب تم نے سے کسی شخص سے کوئی بات سنی ہو، اور حالات ایسے ہیں کہ لوگ بات نقل کرنے میں احتیاط نہیں کر رہے ہیں تو ایسے حالات میں تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، یہ نہ ہو کہ جو بات سنی اس کو آگے چلتا کر دیا۔ حضرات محدثینؒ جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ کر کے ہم تک پہنچائی ہیں، انہوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کرنے میں اتنی احتیاط کی ہے کہ اگر ذرا سا بھی الفاظ میں فرق ہو جائے تو روایت نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ فرماتے تھے کہ اتنی بات ہمیں یاد ہے، اتنی بات ہمیں یاد نہیں، حالانکہ معنی ایک ہی ہیں، لیکن پھر بھی فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ کہا تھا، یا یہ لفظ کہا تھا۔

ایک محدث کا واقعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ محدثین جب کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "حَدَّثَنَا فُلَانٌ"، یعنی ہمیں فلاں نے یہ حدیث سنائی، ایک مرتبہ ایک محدث

جب حدیث بیان کر رہے تھے تو " حَدَّثَنَا فُلَانٌ" کے بجائے " ثَنَا فُلَانٌ" کہہ رہے تھے، لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ " ثَنَا فُلَانٌ" کا کوئی مطلب اور معنی نہیں ہے، آپ " حَدَّثَنَا فُلَانٌ" کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں جب استاد کے درس میں پہنچا تو اس وقت میں نے استاد کی زبان سے " ثَنَا فُلَانٌ" کا لفظ سنا تھا، شروع کا لفظ " حَدَّ" میں نہیں سن سکا تھا، اس لئے میں " ثَنَا فُلَانٌ" کے الفاظ سے حدیث سنا رہا ہوں۔ حالانکہ یہ بات بالکل یقینی تھی کہ استاد نے "حَدَّثَنَا" ہی کہا تھا، صرف "ثَنَا" نہیں کہا تھا، لیکن چونکہ اپنے کانوں سے صرف "ثَنَا" سنا تھا، "حَدَّ" کا لفظ نہیں سنا تھا، اس لئے جب روایت کرتے تو "حَدَّثَنَا" نہیں کہتے، تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے، بس جتنا سنا، اتنا ہی آگے بیان کروں گا، اس احتیاط کے ساتھ حضرات محدثین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث ہم تک پہنچائی ہیں۔

حدیث کے بارے میں ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ نہ صرف عام باتوں میں بلکہ حدیث کی روایت میں بھی احتیاط نہیں کرتے، حدیث کے الفاظ کچھ تھے، لیکن لوگ یہ کہہ کر بیان کر دیتے ہیں کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، حالانکہ اس حدیث کا کہیں سراغ نہیں ملتا، اور تحقیق کے بغیر آگے بیان کر دیتے ہیں۔

حکومت پر بہتان لگانا

آج سیاسی پارٹیوں میں اور مذہبی فرقہ واریوں میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ ایک دوسرے پر بہتان لگانے میں کوئی باک اور ڈر محسوس نہیں کرتے، بس ذرا

سی کوئی بات سنی اور آگے چلتی کر دی۔ اگر حکومت سے ناراضگی ہے، اور حکومت کے خلاف چونکہ طبیعت میں اشتعال ہے، لہٰذا اس کے خلاف جو خبر آئے، اس کو آگے پھیلا دو، اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں کہ وہ صحیح ہے، یا غلط ہے، یاد رکھیے! حکمرانوں کے اندر ہزاروں برائیاں موجود ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس پر بہتان لگانا شروع کر دو۔ افسوس یہ ہے کہ یہی معاملہ آج حکومت عوام کے ساتھ کر رہی ہے، حکومت کے ایک بڑے ذمہ دار حکمران، جو پورے ملک کے ذمہ دار ہیں، ان کو لوگوں پر بہتان لگانے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوتی۔

دینی مدارس کے خلاف دہشت گرد ہونے کا پروپیگنڈا

آج پروپیگنڈا ایک مستقل فن اور ہنر بن چکا ہے، جرمنی کا ایک سیاسی فلسفی گزرا ہے، اس نے یہ فلسفہ پیش کیا تھا کہ جھوٹ کو اتنی شدت سے پھیلاؤ کہ دنیا اس کو سچ سمجھنے لگے، آج دنیا میں سارے پروپیگنڈے کا ہنر اس فلسفے کے گرد گھوم رہا ہے، جس پر جو چاہو بہتان لگا کر اس کے بارے میں پروپیگنڈا شروع کر دو۔ آج دنیا میں یہ پروپیگنڈا شروع ہو گیا ہے کہ یہ دینی مدارس دہشت گرد ہیں، اور ان میں طلباء کو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، یہاں سے دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں، آج اس پروپیگنڈے کو تین سال ہو چکے ہیں، اور عوام نہیں، بلکہ حکومت کے ذمہ دار لوگ برملا یہ کہتے ہیں کہ مدارس کے اندر دہشت گردی ہو رہی ہے۔ مدارس کے حضرات نے ان سے کئی مرتبہ کہا کہ خدا کے لئے مدارس کے اندر آ کر دیکھو، تمہارے پاس ہتھیاروں کو پکڑنے کے حساس ترین آلات موجود ہیں، اور دہشت

گردی کے سراغ رسانی کے حساس ترین آلات موجود ہیں، وہ سب استعمال کر کے دیکھو کہ کسی مدرسے میں دہشت گردی کا سراغ ملتا ہے۔ اگر کسی مدرسے میں سراغ ملے تو ہماری طرف سے کھلی چھوٹ ہے کہ اس کے خلاف کاروائی کریں، اور ہم بھی تمہارے ساتھ اس کے خلاف کاروائی کرنے میں تعاون کریں گے۔ مگر یہ رٹ لگی ہوئی ہے کہ یہ مدارس دہشت گرد ہیں، اور پروپیگنڈے کی بنیاد پر سارے دینی مدارس کو جہاں اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کی تعلیم ہو رہی ہے، ان کو دہشت گرد قرار دیدینا، اور مغرب کے پروپیگنڈے کو آگے بڑھانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی دیانت ہے۔

دینی مدارس کا معائنہ کرلو

تعلیمی اداروں میں بھی جرائم پیشہ لوگ گھس آتے ہیں، کیا یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جرائم پیشہ لوگ نہیں ہوتے؟ ایسی صورت میں ان جرائم پیشہ افراد کے خلاف کاروائی کی جاتی ہے، یہ تو نہیں کہا جاتا کہ ساری یونیورسٹیاں دہشت گرد ہیں، اور سارے کالجز جرائم پیشہ ہیں۔ لیکن چونکہ مغرب کی طرف سے یہ پروپیگنڈا اس اصول کی بنیاد پر ہو رہا ہے کہ جھوٹ اس شدت سے پھیلاؤ کہ دنیا اس کو سچ جاننے لگے، آج دینی مدارس اور دہشت گردی کو اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مرادف ہو گئے۔ قرآن کریم کا کہنا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت میں کسی قوم کو خواہ مخواہ نقصان پہنچا دو، بعد میں تمہیں شرمندہ ہونا پڑے، اس لئے پہلے تحقیق کرلو، تحقیق کرنے کے تمام آلات اور وسائل تمہیں مہیا ہیں، آکر

دیکھ لو۔ اور دینی مدارس پر الزام لگانے والے وہ ہیں جنہوں نے آج تک دینی مدارس کی شکل نہیں دیکھی، آکر دیکھا نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے، وہاں کیا پڑھایا جا رہا ہے؟ کس طرح تعلیم دی جارہی ہے، لیکن مدارس کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے، اور جو بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔

غلط مفروضے قائم کر کے بہتان لگانا

لندن والوں نے کہہ دیا کہ یہاں جو دھماکے ہوئے ہیں، اس میں ایسا شخص ملوث ہے، جس نے یہاں کے مدارس میں کچھ دن قیام کیا تھا۔ ارے بھائی وہ شخص وہیں پلا بڑھا، اور وہیں پر برطانیہ میں کسی دینی مدرسے میں نہیں بلکہ برطانیہ کے موڈرن تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کی، اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ چند روز کے لئے پاکستان آیا تھا، تو کیا پاکستان آنے سے یہ لازم ہو گیا کہ اس نے ضرور دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی ہوگی، اور اس نے یہاں ضرور دہشت گردی کی تربیت پائی ہوگی۔ اس بنیاد پر یہ مفروضے قائم کر لینا، اور اس بنیاد پر یہ نادر شاہی حکم نافذ ہو گیا کہ جتنے غیر ملکی طلباء دینی مدارس میں پڑھتے ہیں، ان کو ملک سے رخصت کر دیا جائے۔

پہلے خبر کی تحقیق کرلو

میرے بھائیو! یہ ہمارے معاشرے کا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ عوام ہو، یا حکومت ہو، سیاسی جماعتیں ہوں، یا مذہبی فرقہ واریت ہو، سب اس میں مبتلا ہیں کہ ذرا افواہ کی کوئی بات کان میں پڑی، اس پر نہ صرف یہ کہ یقین کر لیا، بلکہ اس کو آگے پھیلایا، اور اس کی بنیاد پر کارروائی شروع کر دی، اور اس کے نتیجے میں ظلم وستم کی

انتہا کردی گئی۔ جبکہ قرآن کریم نے اس آیت میں یہ پیغام دیا ہے کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر ذمہ دار شخص کوئی خبر لے کر آتا ہے تو پہلے اس کی تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچادو، بعد میں تم لوگوں کو ندامت اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اگر ہم قرآن کریم کے اس حکم کو پلے باندھ لیں، اور زندگی کے ہر گوشے میں اس کو استعمال کریں تو یقیناً ہمارے معاشرے کے نوے فیصد جھگڑے ختم ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں قرآن کریم کی اس ہدایت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

❀❀❀

زبان کو صحیح استعمال کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر: ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبان کو صحیح استعمال کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ o (سورۃ الحجرات: ٦)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، کیونکہ یہ سورۃ مسلمانوں کے لئے بڑے اہم احکام پر مشتمل ہے، اور ہمارے درمیان جو معاشرتی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان خرابیوں کو دور کرنے کے

لئے اس سورۃ میں دی گئی ہدایات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس سورۃ کی ایک آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی جس کا بیان دو جمعوں سے چل رہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، فاسق کے معنی ہیں "گناہ گار" کے، اس سے ہر غیر ذمہ دار آدمی مراد ہے، بہر حال! اگر کوئی گناہ گار یا غیر ذمہ دار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم ہوشیار ہو جاؤ، اور پہلے اس خبر کی تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر پر بھروسہ کر کے تم کچھ لوگوں کے خلاف کارروائی کر ڈالو، اور بعد میں تمہیں اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔

ذمہ دار انسان کا رویہ اختیار کرو

جس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کی تفصیل گزشتہ جمعہ کو عرض کر چکا ہوں، اس آیت میں ایک عظیم ہدایت یہ ہے کہ مسلمان کا رویہ بڑے ذمہ دار انسان کا رویہ ہونا چاہیے، یہ نہ ہو کہ جو بات کان میں پڑی، اس پر بھروسہ کر لیا، اور اس کو آگے سنانا شروع کر دیا، اور اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی شروع کر دی، یا اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف دل میں بدگمانی پیدا کر لی، یہ سب ناجائز ہیں، اور ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، جب تک کسی معاملے کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ واقعہ سچا ہے، اس وقت تک اس پر نہ تو بھروسہ کرو، اور نہ وہ خبر دوسروں کو سناؤ، اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی کرو۔

زبان عظیم نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ جو زبان عطا فرمائی ہے، یہ اتنی بڑی اور عظیم نعمت ہے کہ ہم جب چاہیں، اور جو بات چاہیں، اپنی زبان سے نکال کر اپنے دل کی خواہش

دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا خودکار نظام بنا دیا ہے کہ ادھر دل میں ایک خیال آیا، اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ ہوا، ادھر دماغ سے لے کر زبان تک تمام سرکاری مشینیں حرکت میں آگئیں، اور اسی لمحے آپ نے وہ بات دوسروں تک پہنچا دی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ جب تم کوئی بات دوسرے تک پہنچانا چاہتے ہو تو پہلے ایک سوئچ آن کرو، اور پھر نمبر ملاؤ، اور پھر دوسرے تک بات پہنچاؤ، جیسے ٹیلی فون میں کرنا پڑتا ہے، بتایئے! اس وقت کتنی مصیبت ہوتی کہ آدمی فوراً ایک بات دوسرے سے کہنا چاہتا ہے، اور وہ دوسرا شخص سامنے موجود ہے، لیکن فوراً وہ بات اس تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ پہلے سوئچ آن کرنا پڑے گا، پھر نمبر ملانا پڑے گا، پھر بات پہنچا سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں کی تکلیف نہیں دی، بلکہ ادھر دل میں ایک خیال آیا، ادھر آپ نے زبان سے اس کو ادا کر دیا، اور دوسروں کو اپنا خیال سنا دیا۔

زبان کی قدر بے زبان سے پوچھیے

میں نے اپنی زندگی میں دو آدمی ایسے دیکھے کہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے گلے کا بانسہ جس سے آواز نکلتی ہے، وہ خراب ہو گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زبان تو حرکت کرتی تھی، لیکن آواز نہیں نکلتی تھی، ڈاکٹروں کے پاس گئے تو انہوں نے ایک آلہ تجویز کیا، اب جب بات کرنی ہوتی تو اس آلہ کو وہ گلے پر لگاتا، پھر آواز نکلتی، لیکن وہ آواز ایسی نکلتی جیسے کوئی جانور بول رہا ہے، اور بچے وہ آواز سن کر ہنستے تھے۔ میں اس شخص کی بے چینی دیکھتا کہ جب اس کو بات کہنی ہوتی تو پہلے وہ آلہ تلاش کرتا، پھر اس کو لگاتا، اور گلے کو زور سے دباتا، تب جا کر بمشکل آواز نکلتی۔ دیکھ کر عبرت ہوئی کہ یہ بھی ایک انسان ہے، اس کا بھی یہ دل چاہتا ہے کہ میں اپنے دل کی بات

جلدی سے دوسروں تک پہنچادوں، لیکن اس کو اس پر قدرت نہیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے زبان کی یہ نعمت ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے کہ ادھر دل میں خیال آیا، ادھر دوسرے تک پہنچادیا، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہے۔

تمام مشینیں حرکت کر رہی ہیں

پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب آدمی بات کرنا چاہتا ہے تو پہلے دل میں اس بات کا خیال آتا ہے، پھر وہ خیال دماغ میں جاتا ہے، اور پھر دماغ کی طرف سے زبان کے لئے حکم جاری ہوتا ہے، پھر زبان بولتی ہے۔ دیکھئے! ایک طرف دل ہے جو سوچ رہا ہے، دوسری طرف دماغ ہے، جو حکم جاری کر رہا ہے، اور تیسری طرف زبان ہے، جو حرکت کر رہی ہے، اور پھر گلے کا پورا نظام کام کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں آواز باہر نکل رہی ہے، یہ مشینریاں صرف اس لئے حرکت میں ہیں تا کہ ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچادیں، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بے مانگے مفت میں ہمیں عطا کر رکھی ہے۔

سوچ کو زبان کو استعمال کرو

اللہ تعالیٰ کا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ یہ سرکاری مشینیں جو تمہیں دیدی گئی ہیں، بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور مرتے دم تک یہ مشینیں کام کر رہی ہیں، کبھی اس مشین کو ورکشاپ بھیجنا نہیں پڑتا، کبھی ان کی اوورہالنگ نہیں کرانی پڑتی، کبھی ان کی سروس نہیں کرانی پڑتی، جو مشینیں مسلسل تمہارے ساتھ ہیں، ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ جب تم اس زبان کو استعمال کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ اس سے کیا نکال رہے ہو، یہ نہ ہو کہ زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، جو منہ میں آرہا ہے وہ زبان سے نکال رہے ہو، یہ دیکھے بغیر کہ اس سے فائدہ پہنچے گا، یا نقصان پہنچے گا،

صحیح بات کہہ رہا ہوں، یا غلط بات کہہ رہا ہوں، یہ بات اللہ کو راضی کرنے والی ہے، یا ناراض کرنے والی ہے۔ اس سرکاری مشین سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن ذرا سوچ کر فائدہ اٹھاؤ۔

ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

قرآن کریم نے فرمادیا کہ:

مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:)

انسان جو کلمہ بھی اور جو لفظ بھی زبان سے نکال رہا ہے، اس کو محفوظ کرنے والا اللہ تعالیٰ مقرر کر دیا ہے، جو ریکارڈ کر رہا ہے، آج سے پہلے تو ریکارڈ کرنے کا تصور کرنے میں دشواری ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ کس طرح ریکارڈ ہو رہا ہے، لیکن آج کل ٹیپ ریکارڈر اور دوسرے جدید آلات نے اس کا تصور آسان کر دیا ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ جو لفظ بھی زبان سے نکالا وہ ریکارڈ ہو گیا، چاہے وہ اچھی بات ہو، یا بری بات ہو، اسی طرح ہر ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، روز پیدائش سے لے کر آج تک کے، اور مرنے تک تمام الفاظ ریکارڈ کرنے کا سسٹم اللہ تعالیٰ کے یہاں موجود ہے، اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں گے تو وہاں پر وہ ریکارڈنگ سنادی جائے گی کہ تم نے فلاں وقت میں فلاں بات کہی تھی، آج اس بات کا ثبوت پیش کرو جو تم نے کہی تھی، یہ بات تم نے صحیح کہی تھی، یا غلط کہی تھی، اور تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

اس وقت کیوں محتاط گفتگو کرو گے؟

آج اگر لوگ ایک جگہ پر بیٹھے ہوں، اور یہ پتہ ہو کہ سی۔ آئی۔ ڈی کی طرف سے یہاں پر ایک ٹیپ ریکارڈر لگا ہوا ہے، اور جو شخص بھی جو بات کہے گا وہ ریکارڈ

ہو جائے گی، بتاؤ! کیا اس وقت بھی اتنی آزادی سے بولو گے؟ جیسے آج بولتے ہو، یا اس وقت بھی اسی طرح بے محابہ جو منہ میں آئے گا، بک جاؤ گے؟ نہیں، ایسا نہیں کرو گے، اس لئے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سی. آئی. ڈی نے ٹیپ ریکارڈ رلگایا ہوا ہے، اور ایک ایک کلمہ ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں اگر یہ بات حکام بالا تک پہنچ گئی تو میں پکڑا جاؤں گا، اس لئے اس مجلس میں ہر شخص محتاط ہو کر گفتگو کرے گا۔

ذمہ دار بننے کی فکر کریں

اللہ تعالیٰ نے تو چودہ سو سال پہلے سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ تمہاری ایک ایک بات اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہی ہے، لہٰذا جب بھی بولو تو سوچ سمجھ کر بولو کہ بات صحیح کہہ رہے ہو، یا غلط کہہ رہے ہو، ویسے افواہیں پھیلا رہے ہو، غیر ذمہ دارانہ گفتگو کر رہے ہو، لوگوں پر الزام لگا رہے ہو، لوگوں کی غیبتیں کر رہے ہو، لوگوں کی دل آزاریاں کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب باتوں کا جواب دینا ہوگا۔ یہ مت سمجھنا کہ بات زبان سے نکلی اور ہوا میں اڑ گئی، اور ختم ہوگئی، کوئی بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہے۔ اس لئے قرآن کریم جو ہمارے لئے پیغام ہدایت ہے، وہ ہمیں ذمہ دار بننے کی تلقین کر رہا ہے، یہ نہ ہو کہ جو بات سنی وہ آگے چلتی کر دی۔

جھوٹ کی بدترین سواری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ نے احادیث میں اس کی جو تشریحات فرمائی ہیں، اس میں ہمارے لئے مزید تنبیہ کا سامان ہے، انسان کی نفسیات سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون باخبر ہو سکتا

ہے، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بِئْسَ مَطِيَّةُ الْكَذِبِ زَعَمُوْا (او کما قال)

یعنی جھوٹ کی بدترین سواری یہ ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں، لوگوں کا خیال یہ ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن اس نے انسان کی ایک عظیم کمزوری کی نشاندھی کی ہے، وہ یہ کہ کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں، جن کو جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں ہوتا، غلط بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہوتا، ایسے لوگ تو مجرم ہیں ہی، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ میں جھوٹا نہ کہلاؤں، لوگ مجھے جھوٹا نہ کہیں، اگر کہیں جھوٹا ثابت ہو گیا تو پشیمانی اور ندامت ہوگی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں نے جھوٹ بولنے کے لئے ایک حیلہ نکالا ہے، وہ حیلہ یہ ہے کہ براہ راست جھوٹ بولنے کے بجائے یوں کہہ دیا جائے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، لوگوں کا یہ خیال ہے فلاں آدمی اتنے روپے لے کر کھا گیا، بظاہر کہنے والے نے اپنے سر سے ذمہ داری ٹال دی، اور لوگوں پر ڈال دی کہ لوگ کہتے ہیں، لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر ذمہ داری ڈال کر یہ بات لوگوں کے اندر پھیلا دوں۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو تم لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہو، یا سچا سمجھتے ہو، اگر لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہو تو پھر لوگوں کی بات کو آگے نقل کرنے تکلیف کیوں گوارا کر رہے ہو؟ اگر سچ سمجھتے ہو تو بتاؤ! تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا نہیں؟ اگر تمہارے پاس ثبوت نہیں ہے، اور تم اس کو پوری طرح سچ نہیں سمجھتے، تو پھر جس طرح براہ راست اس بات کو آگے نقل کرنا جرم اور گناہ ہے، اور جھوٹ کے زمرے میں داخل ہے، اسی طرح اگر لوگوں کے سر پر رکھ کر اس بات کو بیان کرو گے تو وہ بھی درحقیقت جرم اور گناہ ہوگا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ کی بڑی خراب سواری یہ جملہ ہے کہ "لوگ یہ کہتے ہیں"

لڑائیاں کیوں جنم لے رہی ہیں؟

یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑا کر دیکھئے کہ آج ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح افواہیں پھیلائی جارہی ہیں؟ کس طرح بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کر کے اسے آگے چلتا کیا جارہا ہے؟ اور کس طرح بے بنیاد باتوں کی بناء پر بدگمانیاں دل میں پیدا کی جارہی ہیں؟ آگے اسی سورۃ میں یہ بیان بھی آنے والا ہے کہ یہ بدگمانی بھی حرام ہے، اور بے بنیاد خبروں کی بنیاد پر بدگمانی دل میں پیدا کر کے اس کے خلاف کاروائی کی جارہی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ان احکام کی خلاف ورزی قدم قدم پر نظر آئے گی، اور یہی چیزیں ہیں جنہوں نے معاشرے کو فساد اور بگاڑ میں مبتلا کیا ہوا ہے، عداوتوں کی آگ بھڑک رہی ہے، دشمنیاں، بغض اور کینہ پیدا ہو رہا ہے، اختلافات اور جھگڑے ہو رہے ہیں، ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سارے جھگڑے ختم ہو جائیں

اگر آج ہم قرآن کریم کی اس ہدایت کو پلے باندھ لیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کو پلے باندھ لیں تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے قصے اور کتنے اختلافات اپنی موت مر جائیں، سارے جھگڑے اس لئے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم ان بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں ان ہدایات کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، اور ان پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ کا حکم بے چون و چرا تسلیم کر لو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کا حکم بے چون و چرا تسلیم کرلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ط لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ○ (سورۃ الحجرات:۷،۸)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے، گذشتہ دو تین جمعوں میں آیت نمبر چھ کی تفسیر آپ کے سامنے پیش کی تھی، جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے کر آئے تو تمہارا فرض ہے

کہ پہلے اس کی تحقیق کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس غلط خبر کی بنیاد پر کسی شخص کو نقصان پہنچا دو، اور بعد میں تمہیں پشیمانی اور ندامت ہو۔ اس کا بقدر ضرورت بیان الحمد للہ پچھلے دو تین جمعوں میں ہو چکا۔

تمہاری رائے کا حضور ﷺ کی رائے سے مختلف ہونا

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم بات کی طرف صحابہ کرام کو متوجہ فرمایا ہے، اور صحابہ کرام کے واسطے سے پوری امت مسلمہ کو متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات یاد رکھو! کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود اور تشریف فرما ہیں، اگر وہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سی باتوں میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں، یعنی جیسا تم کہو، ویسا ہی وہ کرلیں تو تم سخت مصیبت میں مبتلا اور پریشان ہو جاؤ گے۔ اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض اوقات ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں جن میں تمہاری ذاتی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے مختلف ہوگی، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا حکم دے رہے ہوں، اور تمہاری سمجھ میں وہ بات نہ آرہی ہو، یا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے دل میں ایک تقاضا پیدا ہوا کہ یہ معاملہ یوں ہونا چاہیے، اور تم نے اپنی وہ رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری وہ رائے نہیں مانی، اور فرمایا کہ میں تمہاری رائے پر عمل نہیں کرتا، تو ایسی صورت میں یہ خیال دل میں پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرما رہے ہیں، یا آپ جس بات کا حکم دے رہے ہیں، وہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

خبر کی تحقیق کر لینی چاہیے

جیسا کہ وہ واقعہ جو میں نے گذشتہ آیت کی تفسیر میں عرض کیا تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے قبیلہ بنوالمصطلق کی طرف بھیجا، اور وہ صحابی غلط فہمی میں یہ سمجھ کر واپس آگئے کہ جن لوگوں سے زکوۃ وصول کرنے جا رہا ہوں، وہ میرے دشمن ہیں، اور وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آبادی سے باہر نکلے ہیں۔ اور انہوں نے واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتا دی تو اس وقت صحابہ کرام کو بہت جوش آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نمائندہ جس کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا گیا، اور ان لوگوں نے خود بلایا کہ ہمارے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لئے ایک آدمی بھیج دیں، پھر وہ لوگ ایسی غداری کریں کہ اس قاصد کو قتل کرنے کے لئے آبادی سے باہر آ جائیں، اس وقت صحابہ کرام کو بہت غصہ آیا، اور بہت صدمہ پہنچا، اور جوش خروش کے عالم میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اب یہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان کے ساتھ نرمی برتی جائے، آپ فوراً ان پر چڑھائی کا حکم دیں، اور ان پر حملہ کر کے ان سے جنگ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ہمیں اس خبر کی تحقیق کرنی چاہیے، اس کے بعد کوئی اقدام کرنا چاہیے، چنانچہ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاملے کی تحقیق کے لئے بھیجا۔

تحقیق کے نتیجے میں بات واضح ہو گئی

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے بعض کے دل میں یہ خیال آ رہا تھا کہ یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ انہوں نے غداری کی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کی توہین کی ہے، لہٰذا اس بارے میں زیادہ تحقیق اور غور و فکر کی

ضرورت نہیں تھی، براہ راست ان پر حملہ کردینا چاہیے تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی بات نہیں مانی، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے تحقیق کے لئے بھیجا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری بات مان لیتے، اور فوراً حملہ کردیتے تو بے گناہ لوگ قتل ہوجاتے، کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے ارادے سے شہر سے باہر نہیں نکلے تھے، بلکہ وہ تو ان کے استقبال کے لئے باہر نکلے تھے، وہ تو کسی نے آکر غلط خبر دیدی تھی کہ ان کے قتل کے ارادے سے نکلے ہیں۔

رسول براہ راست اللہ کی ہدایت پر چلتے ہیں

اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری ہر بات کو مانا کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں ہی نقصان پہنچے گا، اور تم خود ہی مشکل میں پڑ جاؤ گے، اور مصیبتوں میں گرفتار ہوجاؤ گے۔ اس کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک رسول بھیجا ہے، وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے، جن پر صبح و شام وحی نازل ہورہی ہے، جنہیں وہ باتیں بتائی جارہی ہیں جو تمہارے علم میں نہیں ہیں، وہ احکام دیے جارہے ہیں جو بسا اوقات تمہاری سمجھ میں نہیں آتے، اگر وہ تمہارے پیچھے چلنے لگیں، اور جیسا تم کہو، ویسا ہی وہ کرنے لگیں تو پھر رسول بھیجنے کا منشا ہی فوت ہوگیا، پھر رسول بھیجنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ رسول تو بھیجا ہی اس لئے جارہا ہے تاکہ وہ ان باتوں کے بارے میں تمہیں بتائیں جو بسا اوقات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے یہ نہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم، یا آپ کا کوئی اقدام، یا آپ کا کوئی عمل تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو تم اس پر اعتراض کرنے بیٹھ جاؤ، یا تمہارے دل میں اس پر شبہات

پیدا ہونے لگیں۔ ارے رسول تو اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ ان باتوں کو بتائے جو تم خود اپنی سمجھ سے اور اپنی عقل سے سمجھ نہیں سکتے۔

عقل ایک حد تک صحیح فیصلہ کرتی ہے

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، اور یہ عقل اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر انسان اس کو صحیح استعمال کرے تو اس سے دنیا وآخرت کے بہت سے فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مت سمجھنا کہ یہ عقل جو تمہیں دی گئی ہے، یہ ساری کائنات کی تمام حکمتوں کا احاطہ کرسکتی ہے، یہ عقل بڑی کام کی چیز ہے، لیکن اس کی بھی کچھ حدود ہیں، یہ لامحدود نہیں، ایک حد تک یہ کام کرتی ہے، اس حد سے آگے یہ کام کرنا بند کردیتی ہے۔ جیسے آنکھ ہے، یہ بڑے اعلیٰ درجے کی نعمت ہے، لیکن ایک حد تک دیکھے گی، جہاں تک نظر آئے گا، اس سے آگے نہیں دیکھے گی۔ اسی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے، اس حد تک وہ کام کرتی ہے، اس حد سے آگے وہ کام نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور پیغمبر کو ان باتوں کی تعلیم کے لئے بھیجا ہے، جہاں انسان کی عقل کام نہیں کرسکتی، جہاں انسان کی عقل دھوکہ کھاسکتی ہے، ٹھوکر کھاسکتی ہے، اس موقع پر اللہ کا رسول ہی بتاتا ہے کہ وہ بات صحیح نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، صحیح بات وہ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ بتائی۔

رسول کا حکم مانو، چاہے عقل میں آئے یا نہ آئے

جب یہ بات ہے تو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات بتائے، یا کسی بات کا حکم دے، اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ حکم کیوں دیا؟ اس حکم کی حکمت اور مصلحت سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو ایسی صورت میں اگر تم اپنی عقل کے پیچھے چلو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول کو رسول ماننے سے انکار کردیا، رسول تو

بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ جہاں تمہاری عقل کام نہیں کر رہی تھی، وہاں پر رسول وحی کی رہنمائی سے تمہیں بہرہ ور کرے۔ اس سے ہمیں یہ ہدایت ملی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کسی بات کا حکم دیدیں، چاہے قرآن کریم کے ذریعہ حکم دیں، یا حدیث کے ذریعہ حکم دیں کہ فلاں کام کرو، یا فلاں کام نہ کرو، تو اب چاہے وہ حکم تمہاری سمجھ میں آرہا ہو، یا نہ آرہا ہو، اس حکم کی علت، اور اس کی حکمت، اور فائدہ تمہاری سمجھ میں نہ آرہا ہو، پھر بھی تمہارے ذمہ لازم ہے کہ اس پر عمل کرو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب: ۳۶)

یعنی اللہ اور اللہ کا رسول جب کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مؤمن مرد یا عورت کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار نہیں رہتا۔ اگر مؤمن ہے تو پھر اس حکم کو ماننا ہی ہوگا، اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ میری عقل ناقص ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کامل ہے، لہٰذا مجھے اس کے آگے سر جھکانا ہے۔

”حکمت“ اور ”فائدے“ کا سوال

آج ہمارے دور میں یہ ذہنیت بہت کثرت سے پھیلتی جارہی ہے کہ جب لوگوں کو شریعت کا کوئی حکم بتایا جائے کہ فلاں چیز حرام ہے، قرآن کریم نے اس کو منع کیا ہے، یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کیا ہے تو لوگ فوراً یہ سوال کرتے ہیں کہ کیوں منع کیا ہے؟ اس منع کرنے میں کیا حکمت اور کیا فائدہ ہے؟ گویا کہ وہ زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہماری سمجھ میں اس کا فلسفہ نہیں آئے گا، اور اس کی حکمت اور فائدہ ہماری عقل میں نہیں آئے گا، اس وقت تک ہم اس حکم پر عمل نہیں کریں گے۔ العیاذ باللہ العظیم۔ یہ ذہنیت عام ہو چکی ہے، خاص طور پر وہ

لوگ جو ذرا پڑھ لکھ گئے، تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر لی تو اب شریعت کے ہر حکم کے بارے یہ سوال کرتے ہیں یہ کیوں ہے؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ اور جب حکمت معلوم نہیں ہوتی اس وقت تک ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ایسا "نوکر" ملازمت سے نکال دینے کے قابل ہے

حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے "کیوں" کا سوال کرنا انتہاء درجے کی بے عقلی کی بات ہے، اس لئے کہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں، اور "بندہ" بہت ادنیٰ درجہ کی چیز ہوتی ہے۔ دیکھئے! ایک ہوتا ہے "غلام" اور ایک ہوتا ہے "نوکر"۔ ان میں ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے اعلیٰ "نوکر" دوسرے درجہ میں "غلام" اور تیسرے درجہ میں "بندہ"۔ اگر کسی نے کسی کو نوکر رکھا ہے تو وہ خاص کاموں کے لئے اور خاص اوقات کے لئے ہوتا ہے، وہ نوکر چوبیس گھنٹے کا غلام نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف آٹھ گھنٹے کام کرے گا، اور متعین کام کرے گا، اب اگر آپ نے نوکر سے کہا کہ آج بازار سے دس کلو گوشت لے آؤ، اب وہ نوکر آپ سے یہ سوال کرے کہ دس کلو گوشت کیوں لاؤں؟ آپ کے گھر میں دو افراد ہیں، ایک کلو گوشت بھی بہت ہوتا ہے، پہلے یہ بتائیں کہ یہ دس کلو گوشت کیوں منگوا رہے ہیں؟ پھر میں لاؤں گا۔ بتائیے! کیا وہ نوکر اس لائق ہے کہ اس کو گھر میں رکھا جائے؟ یا اس لائق ہے کہ کان سے پکڑ کر اس کو باہر نکال دیا جائے؟ ارے بھائی تیرا یہ کام نہیں کہ تو ہم سے پوچھے کہ کیوں یہ چیز منگوا رہے ہو؟ تیرے کو اس لئے رکھا ہے کہ جب ضرورت ہوگی تو باہر سے سودا منگوایا کریں گے، تم اگر کیوں کا سوال کرتے ہو تم نوکر رہنے کے لائق نہیں۔ حالانکہ وہ تمہارا نوکر ہے، تمہارا غلام نہیں ہے، تمہارا بندہ نہیں ہے، آپ بھی مخلوق ہیں، وہ بھی مخلوق ہے، آپ بھی

انسان ہیں، وہ بھی انسان ہے، آپ کے اندر بھی اتنی عقل ہے، جتنی عقل اس کے اندر ہے، اس کے باوجود آپ اس کے "کیوں" کا سوال گوارا نہیں کرتے۔

ہم اللہ کے "بندے" ہیں

جبکہ آپ تو اللہ کے "بندے" ہیں، نوکر نہیں ہیں، غلام نہیں ہیں، اللہ نے آپ کو پیدا کیا ہے، اللہ آپ کا خالق ہے، آپ اس کی مخلوق ہیں، اور آپ کی عقل اور اس کی حکمت میں کوئی مناسبت ہی نہیں، آپ کی عقل محدود ہے، اس کی حکمت اور سمجھ لامحدود ہے، جب وہ خالق و مالک یہ کہتا ہے کہ فلاں کام کرو، آپ کہتے ہیں کہ میں یہ کام کیوں کروں؟ جب آپ اپنے نوکر سے یہ برداشت نہیں کرتے کہ وہ آپ سے "کیوں" کا سوال کرے تو اللہ تبارک تعالیٰ سے "کیوں" کا سوال کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم اپنے خالق سے، اپنے مالک سے، اپنے آقا سے، اپنے پیدا کرنے والے سے یہ پوچھ رہے ہو کہ وہ یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟ یہ انتہاء درجے کی بے غیرتی کی بات ہے، انتہاء درجے کی بے شرمی کی بات ہے کہ اللہ اور اس رسول کے حکم پر "کیوں" کا سوال کیا جائے۔

"کیوں" کا سوال بے عقلی کی دلیل ہے

یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن ضروری نہیں کہ وہ حکمت تمہاری سمجھ میں بھی آجائے۔ لہٰذا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سر جھکائے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوسکتا، اگر وہ "کیوں" کا سوال کرتا ہے تو وہ درحقیقت بے عقلی کا سوال ہے، اگر ہر بات تمہاری عقل میں آجایا کرتی، اور اپنے ہر اچھے برے کو تم پہچان سکتے تو اللہ تعالیٰ کو نہ پیغمبر بھیجنے کی ضرورت تھی، نہ آسمان سے کوئی کتاب نازل کرنے کی ضرورت تھی، اور نہ دنیا میں وحی کا سلسلہ

قائم کرنے کی ضرورت تھی، یہ سب اس لئے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تمہاری عقل چھوٹی سی ہے، اور بہت محدود ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک کی عقل کچھ کہہ رہی ہے، اور دوسرے کی عقل کچھ کہہ رہی ہے، ایک کی عقل میں ایک بات آرہی ہے، دوسرے کی عقل میں نہیں آرہی، یہ سب عقل کے محدود ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنا حکم اسی جگہ بھیجتا ہے جہاں عقل کی پرواز رُک جاتی ہے۔ اس لئے قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ نہ تو یہ ہونا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بارے میں یہ سوال کرو کہ یہ کیوں دیا جارہا ہے؟ اور یہ حکم ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اور اس کے نتیجے میں اس حکم کو چھوڑ بیٹھو، اور نہ یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ تمہاری سمجھ میں آرہا ہے، اللہ کا رسول اس کو مانتا رہے کہ جو تم کہہ رہے ہو، وہ درست ہے۔

آج کل کے لیڈروں کا حال

آج کل کے لیڈروں کا معاملہ الٹا ہوگیا ہے، "لیڈر" اور "قائد" اس کو کہا جاتا ہے جو قوم کو لیکر چلیں، اور ان کی رہنمائی کریں۔ اگر ساری قوم ایک غلط راستے پر جارہی ہے، اور وہ لیڈر جانتا ہے کہ وہ غلط راستے پر جارہی ہے تو وہ ان کو بتائے گا کہ یہ راستہ صحیح نہیں ہے، صحیح راستہ یہ ہے۔ لیکن آج کا قائد اور رہنما عوام کے پیچھے چلتا ہے، جس سے عوام خوش ہوجائے، جس سے اس کو عوام کے ووٹ مل جائیں، لہٰذا بعض اوقات وہ جانتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، مصلحت کے مطابق نہیں ہے، لیکن چونکہ اس کو عوام کی رضامندی مطلوب ہوتی ہے، اس لئے وہ ویسا ہی کرتا ہے جیسا عوام چاہتے ہیں۔

"صلح حدیبیہ" میں دب کر صلح کیوں کی گئی؟

صلح حدیبیہ کے واقعے کو دیکھئے! صحابہ کرام جوش و خروش کی حالت میں ہیں کہ ہم حق پر ہیں، اور کفار سے مقابلہ کر کے ان کو شکست دے سکتے ہیں تو پھر دب کر صلح

کیوں کی جا رہی ہے، لیکن اللہ کا رسول ڈٹا ہوا ہے کہ اس وقت اللہ کا حکم یہی ہے کہ صلح کرلو، چاہے بظاہر دب کر صلح ہوتی نظر آرہی ہو، تب بھی یہی کرنا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر فرمادیتے کہ چلو، جنگ کرو۔ لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ صلح ہو جائے۔ تمام صحابہ کی باتوں کو آپ نے رد کردیا۔ حضرت فاروق اعظم جیسے انسان تڑپتے پھر رہے ہیں کہ یا اللہ! یہ کیا ہوگیا؟ ہم اتنی دب کر دشمن سے صلح کر رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے ہیں، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاتے ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ لیکن اللہ کا رسول اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے، کیونکہ اللہ کی وحی کے ذریعہ اس کو یہی حکم ملا ہے۔

خلاصہ

بہرحال! یہ آیت کریمہ یہ سبق دے رہی ہے کہ جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم آجائے، یا آپ کا کوئی فیصلہ آجائے تو محض سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے اس کے خلاف شکوک وشبہات کو دل میں جگہ نہ دو، صحیح راستہ وہی ہے جو انہوں نے بتایا، اگر وہ تمہاری ہر بات ماننے لگیں گے تو تم خود پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے، تم خود دکھ اٹھاؤ گے، انجام کار تمہارے لئے نقصان کا سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ حقیقت ہمارے دلوں میں ذہن نشین فرمادے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہی درحقیقت بلند وبالا ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آرہا ہو، نہ آرہا ہو، اگر ہمیں یہ بات حاصل ہو جائے تو بے شمار اشکالات اور شبہات اور وسوسے جو دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ سب ختم ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

حق کی بنیاد پر دوسرے کا ساتھ دو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر : ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق کی بنیاد پر دوسرے کا ساتھ دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

(سورۃ الحجرات:۹، ۱۰)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۃ حجرات کی دو آیتیں تلاوت کیں، سورۃ حجرات کی تفسیر کا سلسلہ پچھلے چند ماہ سے چل رہا ہے، درمیان میں وقتی مسائل کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، دو آیتیں میں نے تلاوت کیں، پہلے ان کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی ہو جائے، تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح کرائیں۔ یعنی ایسی صورت میں جب مسلمانوں دو گروہ باہم ٹکرا گئے ہوں، اور ان کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی ہو تو پہلا کام جو دوسرے مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہوتا ہے، وہ یہ کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان بیچ بچاؤ کرا کر صلح کرائے، اور حتی الامکان ان کو لڑائی سے بچانے کی کوشش کرے، اگر اس طرح کام چل جائے تو بہت اچھا ہے، مقصود حاصل ہے۔

ورنہ مظلوم کا ساتھ دو

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۔ یعنی اگر کہنے سننے سے لڑائی بند نہ ہو، اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آرہی ہو تو پھر اس وقت یہ دیکھو کہ ان میں سے کون مظلوم ہے؟ اور کون ظالم ہے؟ کون زیادتی کر رہا ہے؟ اور کون زیادتی کا شکار ہو رہا ہے؟ اگر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ایک گروہ زیادتی کر رہا ہے، اور ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے تو ایسی صورت میں تمہارا فرض ہے کہ مظلوم کا ساتھ دو، اور ظالم کے خلاف تم بھی قتال کرو، اور اس سے لڑائی کرو۔ یعنی جب صلح کی کوشش کارگر نہ ہو تو ہر مسلمان کا کام

یہ ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ پکڑے، اور مظلوم کا ساتھ دے، اور اس وقت تک ظالم سے لڑتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ کر نہ آجائے۔

نسل یا زبان کی بنیاد پر ساتھ مت دو

یہاں پر دو باتیں احادیث کی روشنی میں سمجھ میں آتی ہیں، ایک یہ کہ قرآن کریم نے سارا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ یہ دیکھو کہ کون برحق ہے، اور کون ناحق ہے، اور کون ظالم ہے، کون مظلوم ہے، اس بنیاد پر کسی کا ساتھ مت دو کہ یہ میرا ہم وطن ہے، یا میرا ہم زبان ہے، یا میری جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس بنیاد پر ساتھ مت دو، بلکہ ساتھ دینا ہو، یا لڑائی کرنی ہو، یہ دونوں اس بنیاد پر ہونے چاہئیں کہ کون ظالم ہے، اور کون مظلوم ہے، زمانہ جاہلیت سے ذہنوں میں جو تصور چلا آتا ہے، اور افسوس یہ ہے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، وہ یہ کہ جو شخص میرے قبیلے کا ہے، وہ میرا ہے، جو میری زبان بولتا ہے، وہ میرا ہے، مجھے ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے، یہ دیکھے بغیر کہ ظالم ہے، یا مظلوم ہے، وہ حق پر ہے، یا ناحق ہے، یہ تصور جاہلیت کا تصور ہے، جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے آج اس تصور کو اپنے پاؤں کے نیچے روند دیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج بھی ہماری صفوں یہ صورت حال موجود ہے کہ لوگوں نے اپنی زبان کے اعتبار سے، اپنی نسل کے اعتبار سے، اور اپنے وطن کے اعتبار سے گروہ بنائے ہوئے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے۔

ایسے معاہدے کی اجازت نہیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "لَا حِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ" یعنی زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل کے درمیان جو معاہدے ہوتے تھے

کہ ہم ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دیں گے، اسلام میں ایسے معاہدوں کی کوئی گنجائش نہیں، ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ حق اور ناحق کو دیکھے، اور ظالم اور مظلوم کو پہچانے، اگر تم دیکھو کہ مسلمان ظلم کر رہا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس ظلم سے اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرو۔

ظالم کو ظلم سے روکو

ایک طرف تو یہ اصول بیان فرمایا کہ ظالم کا ساتھ مت دو، بلکہ مظلوم کا ساتھ دو، چاہے وہ ظالم تمہارے قبیلے کا ہو، تمہارے وطن کا ہو، تمہاری زبان بولنے والا ہو۔ لیکن یہ اصول بیان کرنے کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا: کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، اگر ظالم ہو تب بھی مدد کرو، اگر مظلوم ہو تب بھی مدد کرو۔ صحابہ کرام یہ سن کر بڑے حیران ہوئے، اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ مظلوم کی مدد کریں، لیکن ظالم کی مدد کا کیا مطلب ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، چونکہ وہ ظلم کرنے کی وجہ سے جہنم کی طرف جارہا ہے، اپنی آخرت برباد کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب اپنے سر لے رہا ہے۔ اب اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، اور اس کو یہ بتاؤ کہ تم جس راستے کی طرف جارہے ہو، یہ ظلم کا راستہ ہے، اور دوزخ کا راستہ ہے، اس سے بچو، اصل مدد یہی ہے کہ انسان کو جہنم میں جانے سے روکا جائے، اللہ کے عذاب اور غضب سے روکا جائے۔

دونوں کے درمیان صلح کرادو

اس آیت کریمہ نے جو اصول بیان فرمایا، وہ یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ کون ظالم ہے، اور کون مظلوم ہے، اور اگر ظالم اپنے ظلم سے باز نہیں آتا تو تمہارا فرض ہے

کہ اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ آگے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، یعنی تمہاری بات مان کر ظلم چھوڑ دے تو اس صورت میں ان دونوں فریقوں کے درمیان صلح کراؤ۔ جب ظالم نے ہتھیار تو ڈال دیے اور ظلم سے تو باز آ گیا، لیکن دونوں فریقوں کے دلوں میں ابھی تک کدورت باقی ہے، اس کدورت کو دور کرنے کے لئے انصاف کے ساتھ ان کے درمیان مصالحت کرا دو۔ اس لئے کہ جب دو فریقوں میں لڑائی ہوتی ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہو جاتے ہیں تو اگر چہ مجموعی طور پر ایک گروہ برحق ہوتا ہے، اور دوسرا ناحق ہوتا ہے، لیکن لڑائی کے وقت دونوں کی طرف سے کچھ نہ کچھ زیادتیاں ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، جو شخص مظلوم ہے اس کی طرف سے بھی کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوئی ہوگی، جس کی وجہ سے لڑائی تک نوبت پہنچ گئی، لہٰذا جب ظالم اپنے ظلم سے باز آ گیا تو اب ہر ایک فریق کو انصاف کے ساتھ اس کی غلطی بتانے کی کوشش کرو کہ تمہارا یہ موقف درست تھا، لیکن فلاں بات غلط تھی، آئندہ کے لئے فلاں بات سے پرہیز کرنا، اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلح کرانے میں انصاف کے سے کام لو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ اصول تو پہلی آیت میں بیان فرما دیا۔

اسلامی اخوت کی بنیاد ایمان ہے

اس کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑا اصول بیان فرمایا کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

سارے مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو شخص بھی اللہ پر اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، اللہ کی کتابوں پر، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا

ہے، وہ تمہارا بھائی ہے۔ اس کے ذریعے یہ اصول بتا دیا کہ اسلام میں جو اخوت اور بھائی چارہ ہے، وہ درحقیقت ایمان اور عقیدے کی بنیاد پر ہے، رنگ، نسل، وطن، قبیلے اور برادری کی بنیاد پر نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوتیں اور فخر وغرور کے سامان سب ختم کر دیئے" اور فرمایا کہ:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں ہے، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر فوقیت حاصل ہے، اگر کسی کو فضیلت ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ جو زیادہ متقی ہے، وہ افضل ہے، چاہے وہ ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، اور جو متقی نہیں ہے، وہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر ہے، چاہے بظاہر دیکھنے میں اس کی شان وشوکت زیادہ نظر آتی ہو۔ یہ اصول بیان فرما دیا۔

مسلمان کو بے یار و مددگار مت چھوڑو

جب یہ اصول بیان فرما دیا کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، تو اس اصول کا نتیجہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:

اِنَّ الْمُسْلِمَ اَخُو الْمُسْلِمِ ، لَایَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ

یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا ایک مسلمان نہ تو دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم کرے گا، اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا، یعنی اگر اس پر ظلم اور زیادتی ہو رہی ہوگی تو مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ اس کو ظالم کے رحم وکرم پر چھوڑ دے، بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اس کا ساتھ دو، اس کی مدد کرو۔ یہ محض اخلاقی ہدایت نہیں، بلکہ تمہارا دینی فریضہ ہے کہ جب تک تمہاری استطاعت میں ہے، اس کو ظلم سے بچاؤ۔

دولت مند معاشرے کا حال

آج ہمارے معاشرے میں یہ منظر نظر آتا ہے کہ جو غریب قسم کے لوگ ہیں، وہ تو ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، لیکن دولت مند معاشرے میں یہ منظر نظر آتا ہے کہ کسی کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ میرے پڑوسی کا کیا حال بن رہا ہے، اس کے اوپر کیا گزر رہی ہے، بلکہ ہر شخص اپنے حال میں مگن ہے۔ ایک مرتبہ میں نے خود یہ منظر دیکھا کہ ایک کار نے ایک آدمی کو ٹکر ماردی، وہ شخص سڑک پر گر گیا، اور وہ کار والا مارتا ہوا نکل گیا، اس کار والے نے یہ نہیں سوچا کہ یہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کو کچھ طبی امداد پہنچاؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ دوسرے مؤمن کو بے یارومددگار چھوڑ کر اس طرح چلا جائے، بلکہ جہاں موقع ہو، اور جتنی استطاعت ہو، وہ دوسرے مؤمن کی مدد کرے، بہر حال! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" یعنی سارے مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں، چاہے وہ تمہاری زبان نہ بولتا ہو، چاہے وہ تمہاری نسل سے تعلق نہ رکھتا ہو، لیکن اگر وہ مؤمن ہے تو تمہارا بھائی ہے۔

کلمہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا رشتہ

اللہ تعالیٰ نے یہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا رشتہ ایسا مضبوط بنایا ہے کہ یہ کسی زبان کا محتاج نہیں۔ مجھے وہ منظر کبھی نہیں بھولتا کہ آج سے تقریباً ۱۵-۲۰ سال پہلے میرا چین جانا ہوا، اور اس زمانے میں چین کے اندر باہر کے لوگوں کے آنے کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا، اب بھی وہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ مسلمانوں کے ایک علاقے میں میرا جانے کا اتفاق ہوا، اس وقت وہاں برف باری ہو رہی تھی، اور درجہ حرارت منفی ۱۶ ڈگری تھا، فجر کے وقت ہمیں ایک علاقے سے گزرنا تھا، جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی، اس علاقے کے مسلمانوں کے یہ اطلاع ملی تھی کہ پاکستان

کے مسلمانوں کا ایک وفد آ رہا ہے، چنانچہ وہ لوگ کئی گھنٹے پہلے سے پہاڑی کے درمیان برف باری کے اندر صرف باہر کے مسلمانوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، جب ہمارا قافلہ ان کے قریب سے گزرا تو ان کی زبان پر صرف ایک نعرہ تھا ''السلام علیکم'' اور سلام کرتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس لئے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے اپنے وطن سے باہر کے کسی مسلمان کی شکل دیکھی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ نہ ہم ان کی زبان جانتے ہیں، نہ ان سے بات کر سکتے ہیں، نہ یہ ہماری بات سمجھیں گے، اور نہ ہم ان کی بات سمجھیں گے، خاندانی اعتبار سے، نسلی اعتبار سے، زبان کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، لیکن دل میں محبت کے دریا صرف اس لئے موجزن تھے کہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھنے والے تھے، ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' کا منظر اللہ تعالیٰ نے وہاں دکھا دیا۔

قرآنی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ

اگر دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ہر مسلمان ہمارا بھائی ہے تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے فساد، کتنے قتل وقتال ختم ہو جائیں، افسوس یہ ہے کہ آج یہ سبق ہم لوگ بھولتے جا رہے ہیں، آج مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے، آج مسلمان مسلمان کے خلاف صف آرا ہے، آج مسلمان مسلمان کو قتل کرنے کی فکر میں ہے، مذہب کے نام پر، دین کے نام پر، عبادت کے نام پر یہ سب کام ہو رہے ہیں، عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں رہیں، ان پر بھی حملے کیے جا رہے ہیں، یہ سارا فساد اس بات کا ہے کہ آج ہم قرآن کریم کی تعلیمات سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

مسلمان کو قتل کرنے کی سزا

آج ہم نے معمول کی چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے، لیکن دین کی وسیع تعلیمات جو قرآن کریم ہمیں بتلا رہا ہے، ان سے نہ صرف ہم غافل ہیں، بلکہ ان کو

دین کا حصہ سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (النساء:۹۳)

یعنی جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ:۳۲)

یعنی اگر کوئی شخص کسی ایک آدمی کو قتل کر دے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو، تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ جس دین میں ایسی ہدایات موجود ہیں، اس دین کے نام لیوا، اور اس دین کے پیروکار ایک دوسرے کے قتل و قتال میں ملوث ہوں، یہ اتنا بڑا وبال ہے جو ہمارے اوپر مسلط ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس وقت کسی کا ساتھ مت دو

ایک آخری بات اسی سلسلے میں یہ عرض کرنی ہے کہ ان آیات کریمہ میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ ظالم کا ساتھ نہ دو، بلکہ مظلوم کا ساتھ دو۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ واضح طور پر پتہ چل جائے کہ یہ شخص حق پر ہے، دوسرا ناحق ہے، اس وقت تو فرض بنتا ہے کہ حق والے کا ساتھ دیا جائے، لیکن بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں حق واضح نہیں ہوتا، مثلاً دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں، اور یہ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کون حق پر ہے، اور کون باطل پر ہے، ایسی صورت کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک وقت ایسا آئے گا کہ دو فریق آپس میں لڑ رہے ہوں گے، اور دونوں مسلمان کہلائیں گے، اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ کون حق پر ہے، اور کون باطل پر

ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اندھے جھنڈے کے تحت لڑ رہے ہوں گے، ایسے وقت کے لئے آپ نے یہ ہدایت دی کہ "فاعتزل ھذہ الفرق کلھا" تم اس وقت ان سب سے کنارہ کشی اختیار کرلو، اور کسی کا ساتھ نہ دو، نہ کسی کی حمایت کرو، نہ کسی کی مخالفت کرو، بس خاموش ہوکر اپنے کام سے کام رکھو۔ اس لئے کہ اگر تم کسی کا ساتھ دو گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مظلوم پر تمہاری طرف ظلم ہو جائے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے، اور ایسی صورت کو "فتنہ" سے تعبیر کیا ہے۔

فتنہ کے وقت اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ

"فتنہ" اسی کا نام ہے کہ انسان پر حق واضح نہ ہو، یہ پتہ نہ ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل ہے۔ اگر حق واضح ہو جائے تو وہ فتنہ نہیں، لیکن اگر حق واضح نہیں ہو رہا ہے تو وہ "فتنہ" ہے، اور فتنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ رہنے کا حکم دیا ہے، بلکہ یہاں تک آپ نے فرمایا کہ "اپنے گھر میں چپ چاپ بیٹھ جاؤ، اور باہر نکل کر لڑنے والے گروہوں کو دیکھو تک نہیں" اس لئے کہ فتنہ ایسی چیز ہے کہ اگر تم اس کی طرف دیکھو گے تو وہ فتنہ تمہیں اُچک لے گا، اس لئے اس سے دور رہو، ہمارے یہاں بہت سی لڑائیاں، بہت سے جھگڑے، خاص طور پر سیاسی نوعیت کے جھگڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عام طور پر یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی ہے کہ آدمی اس سے کنارہ کش رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان احکام اور تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

جلد گیارہوں (۱۱)

جلد بارہویں (۱۲)

جلد ۱۳

جلد ۱۴

جلد ۱۵

اصلاحی خطبات

جلد ۱۷

- کسی کا مذاق مت اُڑاؤ
- بدگمانی سے بچئے
- جاسوسی مت کیجئے
- غیبت مت کیجئے
- کون سی غیبت جائز ہے
- غیبت کے مختلف انداز
- قومیت کے بت توڑ دو
- جھگڑوں کا بڑا سبب قومی عصبیت
- زبانی ایمان قابل قبول نہیں
- اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں
- صحابہ کی نظر میں دنیا کی حقیقت
- گھر کے کام خود انجام دینے کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

جلد ۱۷

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔
تاریخ اشاعت	:	2013ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ فراز
جلد	:	17
قیمت	:	=/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

☆ میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97

☆ مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔ ☆ مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

☆ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔ ☆ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

☆ ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔

☆ کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔

☆ مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔

☆ مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ و کفی، و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی، امّا بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے، اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرو اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب پانچ سو تک ہوگئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا، اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع

کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، انکی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

ان کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نه به حرف ساخته سر خوشم، نه به نقش بسته مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چه عبارت و چه معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذریعہ آخرت ثابت ہوں، اللہ تعالیٰ نے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطابت کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ ''اصلاحی خطبات'' کی سترہویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کررہے ہیں، سولہویں کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے سترہویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضا ہوا، اور اب الحمدللہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف دو سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات انتھک محنت اور کوشش کر کے سترہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے، اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

طالب دعا

محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

جلد ۱۷

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

کسی کا مذاق مت اُڑاؤ

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

﴿بدگمانی سے بچیے﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

غیبت مت کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر

﴿کون سی غیبت جائز ہے؟﴾

﴿غیبت کے مختلف انداز﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

﴿وحدتِ اسلامی کس طرح قائم ہو؟﴾

عنوان	صفحہ نمبر

جھگڑوں کا بڑا سبب قومی عصبیت

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

گھر کے کام خود انجام دینے کی فضیلت

عنوان	صفحہ نمبر

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱)

عنوان	صفحہ نمبر
بچھو کیلئے خدائی کشتی	۲۷۷
یہ بچھو تمہارا محسن ہے	۲۷۸
کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں	۲۷۹
حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ	۲۸۰
مچھلی کا گم ہونا	۲۸۰
تم سے صبر نہیں ہوگا	۲۸۱
بچے کو قتل کر دیا	۲۸۲
ہر کام اپنے پروردگار کے حکم سے کیا	۲۸۳
ہر کام کے پیچھے حکمت پوشیدہ تھی	۲۸۴
اللہ کے فیصلے پر راضی رہو	۲۸۵
خلاصہ	۲۸۶
تفسیر سورۃ الفاتحہ (۲)	
کائنات میں بے شمار عالم	۲۹۰
سمندر میں جہاں آباد ہیں	۲۹۰
یہ دنیا نقطہ کے برابر بھی نہیں	۲۹۱
نوری سال کا مطلب	۲۹۱
دوسری آیت	۲۹۲
صفت رحمٰن کا مظاہرہ	۲۹۳
صفت رحیم کا مظاہرہ	۲۹۴

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید
(سورۃ ق: ١٨)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔
وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

کسی کا مذاق مت اڑاؤ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی کا مذاق مت اُڑاؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(سورۃ الحجرات: ۱۱)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں معاشرتی زندگی سے متعلق بہت اہم ہدایات عطا فرمائی ہیں، جن کا بیان پچھلے چند جمعوں سے

چل رہا ہے، جو آیت میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں بھی بہت اہم ہدایت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، کیا بعید ہے کہ جن عورتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے زیادہ بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعنے مت دیا کرو، اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارا کرو، ایمان لانے کے بعد سب سے بری بات یہ ہے کہ انسان کو فاسق کہا جائے، گناہ گار اور بدکار کہا جائے، اور جو ان کاموں سے توبہ نہیں کریں گے، وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ یعنی آخرت میں ان کو اپنے اعمال کا حساب چکانا ہوگا۔ یہ تو اس آیت کا ترجمہ تھا۔

کسی کا مذاق مت اڑاؤ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین کاموں سے منع فرمایا ہے، اور ان کو حرام قرار دیا ہے، نمبر ایک: کسی بھی شخص کا مذاق اڑانا، نمبر دو: طعنے دینا، نمبر تین: ں شخص کا برا نام رکھ کر اس کو اس نام سے پکارنا۔ ان تین کاموں سے منع فرمایا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر تم ان تین کاموں سے توبہ نہیں کرو گے تو تمہارا حشر ظالموں کے ساتھ ہوگا۔ ان میں سے پہلا کام ہے کسی کا مذاق اڑانا۔ قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ نہ مرد کسی مرد کا مذاق اڑائے، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ مذاق اڑانے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے ساتھ ایسا تمسخر آمیز سلوک کرنا جس سے دوسرے کو اپنی تحقیر محسوس ہو، تذلیل محسوس ہو، یہ بڑا سخت گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک باپ کی اولاد بنایا ہے، اور سب

انسان ایک اللہ کے بندے ہیں، ایک ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، لہٰذا کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، ہاں ''تقویٰ'' ایک ایسی چیز ہے جو ایک کو دوسرے پر فوقیت دلانے والی ہے۔ لہٰذا کسی کا مذاق اڑا کر اس کی تذلیل کرنا، یا اس کی تحقیر کرنا اللہ جل شانہ کو بہت ناپسند ہے۔

مذاق اڑانے کا سبب اپنے کو بڑا سمجھنا

کیونکہ جب کسی شخص کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو اس کے دو سبب ہوتے ہیں، ایک سبب مذاق اڑانے کا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسرے سے اونچا سمجھتا ہے، دوسرے سے بڑا اور افضل سمجھتا ہے کہ میں تو اعلیٰ درجے کا آدمی ہوں، اور جس کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ ذلیل اور حقیر آدمی ہے، اس سبب سے وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اور یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور اپنی بڑائی دل میں لانا، اور اپنے آپ کو دوسرے سے افضل و اعلیٰ سمجھنا یہ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ''تکبر'' ہے، جس کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

الكبرياء ردائي فمن ينازعني فيه عذبته (مسلم۔ ج:۲۔ ص:۳۲۹)

بڑائی تو میری چادر ہے، (اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بڑائی زیب نہیں دیتی) اور جو شخص میری اس چادر میں مجھ سے جھگڑا کرے گا، میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

لہٰذا اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھنا مذاق اڑانے کا پہلا سبب ہے۔

دوسرا سبب: دوسرے کو حقیر سمجھنا

مذاق اڑانے کا دوسرا سبب دوسروں کو حقیر سمجھنا ہوتا ہے، دوسروں کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے آپ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اول تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی کوئی

بنیاد نہیں، کچھ پتہ نہیں کہ کل تمہارا کیا انجام ہونے والا ہے، کس بات پر اتراتے ہو؟ کیا اپنی دولت پر اتراتے ہو؟ ارے تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جب چاہیں اللہ تعالیٰ اس کو واپس لے لیں، آپ نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا جو دولت میں کھیلتے تھے، لیکن جب حالات بدلے تو فقیر ہو کر رہ گئے، اور سب کچھ جاتا رہا۔ کیا اپنی صحت اور قوت پر اتراتے ہو؟ ارے یہ صحت اور قوت نہ جانے کتنے دن کی ہے، جب چاہیں اللہ تعالیٰ واپس لے لیں، بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو جائے، اور پھر چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ رہو۔ لہٰذا کس بات پر اتراتے ہو؟ اترانے کا کوئی موقع نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اس کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت مجھے عطا فرمادی، اور پھر اس نعمت کا حق ادا کرو، اور اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرو، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس نعمت پر اترا کر اور تکبر میں مبتلا ہو کر دوسروں کی تحقیر شروع کر دو، اور دوسروں کا مذاق اڑانا شروع کر دو۔ کس بات پر آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے؟ دولت پر، عزت پر، شہرت پر، صحت و قوت پر، علم پر، کس چیز پر انسان ناز کرے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، جب چاہیں واپس لے لیں۔

اپنی صلاحیت پر اتراتے ہو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نور اللہ مرقدہٗ، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام بخشا تھا، وقت کے ولی اللہ تھے، ایک دن بیٹھے تحریر لکھ رہے تھے، تحریر مکمل کرنے کے بعد دستخط کرنا چاہ رہے تھے تو دستخط کرنے میں کچھ دیر لگ گئی، فرمانے لگے کہ دیکھو انسان کے علم کی حالت یہ ہے کہ آج جب میں دستخط کرنا چاہ رہا تھا تو میں بھول گیا، اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے دستخط کروں، حالانکہ

روزانہ نہ جانے کتنی مرتبہ دستخط کرتا ہوں، اور اس وقت سمجھ میں نہیں آرہا تھا، چند لمحے سوچنے میں لگے کہ کس طرح دستخط کیے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دکھاتے رہتے ہیں کہ تم اپنی کسی صلاحیت پر اترانے کے قابل نہیں، اس لئے کہ جب ہم چاہیں، اس صلاحیت کو واپس لے سکتے ہیں۔ لہٰذا کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس پر انسان اترائے، اور اس کے نتیجے میں اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھنے لگے، یہ زبردست دھوکہ ہے۔

نہیں معلوم کہ میں کتے سے بہتر ہوں

ایک بزرگ غالباً حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ راستے سے گزر رہے تھے تو کسی بدخصلت انسان نے حضرت کو برا بھلا کہا، اللہ کے نیک بندوں کے دشمن بھی ہوتے ہیں، بدخواہ بھی ہوتے ہیں، اور اس نے حضرت سے کہا کہ تم تو کتے سے بھی بدتر ہو، حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک مرید نے کہا کہ حضرت! یہ شخص آپ کی شان میں اتنی گستاخی کر رہا ہے، آپ کو کتے سے بدتر کہہ رہا ہے، آپ نے اس کی بات کی طرف کوئی التفات ہی نہیں کیا؟ حضرت نے فرمایا میں اس کا کیا جواب دوں، اس لئے کہ خود مجھے بھی پتہ نہیں کہ میں واقعۃً کتے سے بدتر ہوں یا نہیں؟ اس لئے کہ یہ پتہ تو مجھے اس وقت چلے گا جب میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں پہنچوں گا، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بخش دیا، اور جنت عطا فرمادی، تب تو یہ کہہ سکوں گا کہ واقعی میں کتے سے بہتر ہوں، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش نہیں ہوتی، اور جنت کا پروانہ نہیں ملتا، بلکہ جہنم کا دھڑکہ لگا ہوا ہے، اگر خدانہ کرے اللہ تعالیٰ مجھے جہنم میں ڈال دیں تو پھر میں کتے سے بدتر ہوں گا، اس لئے کہ کتے کے لئے حساب وکتاب نہیں ہے، اس کو جہنم

میں بھی نہیں ڈالا جائے گا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ بخشا تو یہ شخص واقعۃً ٹھیک کہہ رہا ہے کہ میں کتے سے بدتر ہوں۔

اللہ کی بارگاہ میں حقیقت کھل جائے گی

واقعہ یہ ہے کہ تم چاہے اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا سمجھ لو، کسی بھی بڑے سے بڑے عہدے اور منصب پر پہنچ جاؤ، کسی ملک کے سربراہ بن جاؤ، صدر بن جاؤ، وزیراعظم بن جاؤ، ساری دنیا تمہارے ہاتھ چومنے لگے، تمہاری تعظیم کرنے لگے، لیکن حقیقت کا پتہ اس وقت چلے گا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو گی کہ واقعی تم تعظیم کے مستحق تھے یا نہیں، لہٰذا کس بات پر اکڑتے ہو؟ کس بات پر اتراتے ہو؟ لہٰذا اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھنا یہ اتنا بڑا دھوکہ ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے کو حقیر سمجھنا، اور اس کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑانا، ارے کس بنیاد پر دوسرے کو حقیر سمجھ رہے ہو؟ کیا اس وجہ سے کہ وہ بیچارہ مال و دولت کے اعتبار سے کمزور ہے اور غریب ہے؟ تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس غریب لوگوں کے لئے بڑے درجات رکھے ہیں، جن کے پاس مال و دولت تو نہیں ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اپنا مقرب بندہ قرار دیا ہے۔

غریب جنت میں پہلے جائیں گے

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ غریب لوگ امیروں کے مقابلے میں ستر سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ جس شخص کے پاس جتنی دولت ہے، اس کو اتنا ہی حساب زیادہ دینا ہوگا، ایک ایک پیسہ کا حساب دینا ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا، اور کہاں پر خرچ کیا تھا، اور جو غریب لوگ ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ:

لنگ کے زیر و لنگ کے بالا

نے غم دزد و نے غم کالا

ان کا تو یہ حال ہے کہ ایک چادر اوپر، اور ایک چادر نیچے ہے، نہ ان کو چور کا ڈر، نہ ان کو سانپ کا ڈر۔ ان کے پاس تو دولت ہی نہیں تو حساب و کتاب کس کا دیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دیکھنے میں غریب نظر آرہا ہے تو وہ حقارت کے لائق نہیں، کیا پتہ تمہیں وہ دنیا و آخرت میں تمہیں کتنا پیچھے چھوڑ جائے۔

وہ اللہ کا مقرب بندہ ہو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی

اللہ لا برہ (او کما قال)

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، چہرے پر مٹی جمی ہوئی ہے، جب وہ لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہیں تو لوگ دھکے دے کر بھگا دیتے ہیں، لیکن اللہ کے ہاں ان کی قدر و قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے قسم کھالیں کہ ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر کے دکھا دیتے ہیں، مثلاً اگر قسم کھالیں کہ بارش ہوگی تو اللہ تعالیٰ بارش برسا دیں گے۔ بہر حال! اگر سامنے سے دیکھنے میں کوئی شخص غریب نظر آرہا ہے تو اس کی غربت اور فقر کی وجہ سے کبھی بھی اس کو حقیر مت سمجھنا، اس لئے کہ درجہ کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ جانے تم سے کتنا بلند و بالا ہو۔ ٹھیک ہے تمہارے پاس کوٹھی ہے، بنگلے ہیں، کاریں ہیں، دولت ہے، لیکن اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے قرب کی دولت ہے جو تمہاری دولت سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے، اس لئے اگر کسی کو مالی اعتبار سے

کم درجے کا دیکھو تو اس کو حقیر مت جانو۔

گناہ کو حقیر سمجھو، نہ کہ گناہ گار کو

یہاں تک کہ اگر ایک شخص کسی برائی یا کسی گناہ میں مبتلا ہے، اس گناہ کو اور اس برائی کو حقیر سمجھو، لیکن اس آدمی کو حقیر نہ جانو، اس لئے کہ اس کا وہ عمل جو تمہیں نظر آرہا ہے، وہ بیشک گناہ ہے، برائی ہے، لیکن تمہیں اس کے اندرونی حالات کا کیا پتہ، ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی عمل ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے، اور اس کے گناہ اور اس کی برائی کا کفارہ ہو جائے، لہٰذا اس کی برائی اور گناہ کو بیشک حقیر سمجھو، لیکن اس آدمی کو حقیر نہ جانو، اس لئے کسی بھی اعتبار سے کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

مذاق اڑانے کی گنجائش نہیں

اور جب حقیر سمجھنے کی گنجائش نہیں، تو مذاق اڑانے کی بھی گنجائش نہیں، اس لئے فرمادیا کہ "لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ" کوئی شخص دوسرے کا مذاق نہ اڑائے، اور آگے یہ بھی فرمادیا "عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ" کچھ بعید نہیں کہ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے بدرجہا بہتر ہو۔ اور نہ مرد کسی مرد کا مذاق اڑائے، اور نہ عورت کسی عورت کا مذاق اڑائے۔

کون سا مذاق جائز ہے؟

یہاں یہ وضاحت بھی کردوں کہ یہاں مذاق سے مراد وہ مذاق ہے جس میں دوسرا انسان اپنی ذلت محسوس کرے، اور اس مذاق سے اس کی دل شکنی ہو، اس سے اس کا دل ٹوٹے، ایسا مذاق کرنا حرام ہے۔ البتہ دوست احباب آپس کی بے

تکلفی میں ہنسی مذاق کر لیتے ہیں، جس سے کسی کا دل نہیں دکھتا، اور جس سے کسی کی تحقیر اور تذلیل نہیں ہوتی، ایسا مذاق منع نہیں، بلکہ جائز ہے، اس لئے کہ اس سے کسی کی تحقیر یا تذلیل مقصود نہیں، بلکہ دل خوش کرنا مقصود ہے، یہ گناہ نہیں، بلکہ جائز ہے جب تک اس مذاق میں جھوٹ شامل نہ ہو، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مذاق کرنا ثابت ہے۔

بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر وہ پریشان ہوگئی، اور رونے لگی، آپ نے پوچھا کہ کیوں روتی ہو؟ اس نے جواب دیا: آپ نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، اور میں تو بوڑھی ہوں، آپ نے فرمایا کہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی، بلکہ وہ جوان ہو کر جائے گی۔ اب دیکھئے! یہ جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے طور پر اور مذاق کے طور پر اور خوش طبعی کے طور پر ارشاد فرمایا، بعد میں وہ خاتون بھی ہنسنے لگی کہ آپ نے کیسی بات فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق فرمایا، جو بڑا لطیف تھا، اور اس میں کوئی جھوٹ بات بھی نہیں تھی، غلط بات بھی نہیں تھی، اور تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی بھی ہوگئی۔ ایسا مذاق جائز ہے۔

ہر اونٹ کسی کا بچہ ہوگا

روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس سواری کے لئے کوئی اونٹ نہیں ہے، کوئی ایسا اونٹ دیدیں جس پر میں سواری کرسکوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ہم تمہیں ایک اونٹ کا بچہ دیدیں گے، وہ صاحب کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری کے لئے اونٹ چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اونٹ میں تمہیں دوں گا وہ بھی تو کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوگا۔ آپ نے مذاق کے طور پر یہ بات ارشاد فرمائی، اور کتنی لطیف بات کہ اس میں کوئی غلط بیانی نہیں، کوئی جھوٹ نہیں، اس کے ذریعے تھوڑی سی دل لگی اور خوش طبعی بھی ہوگئی۔

اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی تھے، جن کا نام زاہد تھا، دیہات میں رہتے تھے، اور کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، سیاہ فام تھے، جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ملاطفت اور خوش طبعی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی بازار میں تشریف لے جارہے تھے، آپ نے دیکھا کہ سامنے زاہد کھڑے ہوئے ہیں، اور ان کی پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی، اس لئے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہے تھے، آپ پیچھے سے خاموشی سے ان کے قریب گئے، اور جاکر ان کی آنکھوں پر دست مبارک رکھ دیے، اور یہ آواز دینی شروع کردی کہ یہ غلام مجھ سے کون خریدے گا؟ شروع میں وہ گھبرا گئے کہ معلوم نہیں مجھے کس نے پکڑلیا، لیکن جب آواز پر غور کیا تو پتا چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے، اور آپ نے مجھے اس طرح پکڑا ہوا

ہے تو وہ اور زیادہ اپنے جسم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے متصل کرنے لگے، اور فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ اس غلام کو بیچیں گے تو اس کی کوئی قیمت نہیں دے گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لکن عند الله لست بکاسد" یعنی تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ میں بے قیمت ہوں، لیکن اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہت بڑی قیمت ہے۔

مذاق کرنے پر سنت کا ثواب

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ اور ازواج مطہرات کے ساتھ پاکیزہ اور لطیف مذاق کیا، جس میں جھوٹ اور دھوکہ نہیں تھا، جس میں کسی کی تحقیر اور تذلیل نہیں تھی۔ ایسا مذاق کرنا جائز ہے، بلکہ اگر کسی کا دل خوش کرنے کے لئے کیا جائے تو موجب اجر و ثواب ہے، اور اگر ایسے مذاق میں یہ نیت کرلی جائے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں کر رہا ہوں تو انشاء اللہ اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔ لہٰذا بے تکلف افراد کے درمیان ایسے مذاق کرنے سے شریعت نے منع نہیں کیا، جس سے کسی کا دل نہ ٹوٹے، اور جس سے کسی کی تذلیل اور تحقیر نہ ہو۔

مذاق اڑانے کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی عورت کا ذکر کیا، وہ عورت پستہ قد تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عورت کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ کے ذریعے اس کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کو ٹوکا، اور فرمایا کہ یہ تم نے بڑی خطرناک بات کی ہے، اور اس کے نتیجے

میں فضا میں بدبو پھیل گئی ہے، اس لئے کہ تم نے ایک مسلمان کا بے عزتی کے انداز میں تذکرہ کیا، اور اس کا مذاق اڑایا، اور فرمایا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کرنا، اس لئے کہ یہ بھی غیبت کا ایک حصہ ہے اور ناجائز ہے۔ بہرحال! کسی کا اس طرح مذاق اڑانا جس سے اس کی تذلیل اور تحقیر ہو، قرآن کریم نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اس کو حرام قرار دیا ہے۔

عورتیں بھی مذاق نہ اڑائیں

آگے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا الگ ذکر فرمایا کہ:

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ

یعنی عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ مذاق اڑانے والی عورتوں سے بہتر ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کا علیحدہ ذکر فرمادیا، اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کا ذکر علیحدہ نہ بھی فرماتے، تب بھی آیت سے یہ سمجھ میں آجاتا کہ جو حکم مردوں کا ہے، وہ ہی حکم عورتوں کا بھی ہے، مردوں کے لئے مذاق اڑانا ناجائز ہے، تو عورتوں کے لئے بھی مذاق اڑانا ناجائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر علیحدہ بظاہر دو حکمتوں کی وجہ سے فرمایا، ایک تو تاکید کے لئے، اس لئے کہ کسی خاتون کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر فرمایا، عورتوں کا ذکر نہیں کیا، اس کے ذریعے بتادیا کہ عورتوں کا بھی وہی حکم ہے، جو مردوں کا ہے۔

ایک عجیب نکتہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ مذاق اڑانے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی صفت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بطور خاص عورتوں کا ذکر فرمایا۔

ایک تیسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، لیکن اگر مرد عورتوں کا مذاق اڑائیں، یا عورتیں مردوں کا مذاق اڑائیں، اس کا حکم براہ راست آیت میں موجود نہیں، حالانکہ ظاہر بات ہے کہ وہ بھی حرام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بیان فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ اس کے ذریعے یہ بتادیا کہ در حقیقت مسلمان معاشرے کی یہ خاصیت ہے کہ مرد اور عورت آپس میں مخلوط نہیں ہو سکتے، مردوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، عورتوں کی مجلس علیحدہ ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان معاشرے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی مجلس ہو تو مردوں کی مجلس الگ ہونی چاہیے، عورتوں کی مجلس الگ ہونی چاہیے، اور جب مردوں کی مجلس الگ ہوگی اور عورتوں کی مجلس الگ ہوگی، تو مرد اگر مذاق اڑائیں گے تو مردوں کا مذاق اڑائیں گے، عورتیں اگر مذاق اڑائیں گی تو عورتوں کا اڑائیں گی۔ اس میں اشارہ اس طرف کردیا کہ معاشرے میں یہ جو رواج چل پڑا ہے کہ مرد اور عورت سب اکٹھے ہیں، شادی بیاہ میں، تقریبات میں، جلسوں میں مرد عورت ایک جگہ پر جمع ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، مردوں کی نشست الگ ہونی چاہیے، عورتوں کی نشست الگ ہونی چاہیے، یہ شریعت کا بہت اہم حکم ہے، آج اس حکم کو پامال کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہرحال! ایسا مذاق اڑانا جس سے دوسرے کی تذلیل ہو، جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور دوسرا اس میں اپنی سبکی محسوس کرے، ایسا مذاق اڑانے کو قرآن کریم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس سے توبہ نہیں کرو گے تو تمہارا حشر ظالموں جیسا ہوگا۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں، باہمی

تعلقات میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو فراموش کر دیتے ہیں، اور دوسروں کی تحقیر کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ بہر حال! یہ پہلی چیز ہے جس کو اس آیت میں منع کیا گیا ہے، اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو دوسرے کاموں کے بارے میں کچھ عرض کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے، اور قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

طعن و تشنیع سے بچئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طعن و تشنیع سے بچیے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡھُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡھُنَّ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ○

(سورۃ الحجرات: ۱۱)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان کچھ عرصے سے چل رہا ہے، اور اس سورت کا دوسرا رکوع گذشتہ جمعہ کو شروع کیا تھا، پہلے رکوع کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو باہمی جھگڑوں سے منع کیا، اور اگر کہیں مسلمانوں کے درمیان کوئی نا اتفاقی یا کوئی چپقلش یا کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ اب دوسرے رکوع میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ خاص اسباب ذکر فرمائے ہیں، جن سے عموماً جھگڑا کھڑا ہوتا ہے، اگر ان اسباب کا سدباب کر دیا جائے تو جھگڑے کھڑے ہی نہ ہوں، مصالحت کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب جھگڑا کھڑا ہو جائے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ جھگڑا کھڑا ہونے ہی نہ دیا جائے، اور ان اسباب کا خاتمہ کیا جائے جن سے عموماً لوگوں کے درمیان اختلاف اور انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔

جھگڑوں کا پہلا سبب ”مذاق اُڑانا“

لہٰذا اس دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے پہلا یہ حکم دیا کہ مسلمان ایک دوسرے کا مذاق نہ اُڑائیں، اور مذاق نہ اُڑانے کا جو حکم دیا، اس کے ساتھ اس کی بنیاد اور جڑ پر بھی اللہ تعالیٰ نے ہاتھ رکھ دیا، اور یہ فرمایا کہ تم جس شخص کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہو، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ تم سے کتنا افضل اور بہتر ہو، اگرچہ دیکھنے میں وہ کمزور اور مسکین اور بے حیثیت نظر آ رہا ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں معلوم نہیں کیا مقام ہو، لہٰذا اگر تمہارے دل میں کسی کا مذاق اُڑانے کا داعیہ پیدا ہو تو دل میں یہ بات لے آؤ

کہ کیا پتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کے اندر کیا خوبی رکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے، یہ موضوع گذشتہ جمعہ میں بقدر ضرورت الحمد للہ بیان ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جھگڑوں کا دوسرا سبب ''طعنے دینا''

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ'' یعنی تم ایک دوسرے کو طعنے مت دیا کرو، ''لَمز'' کے معنی عربی زبان میں یہ ہیں کہ کسی شخص کے منہ پر اس کا کوئی عیب بیان کرنا، اور اس عیب کی وجہ سے اس کو طعنہ دینا۔ دیکھیے! ایک بات تو یہ ہے کہ آپ نے کسی کے اندر کوئی برائی دیکھی، اور اس کی اصلاح کی غرض سے، خیر خواہی کی نیت سے آپ نے اس کو تنہائی میں محبت اور پیار سے سمجھایا کہ بھائی! یہ بات اچھی نہیں، آپ کے لئے دنیا و آخرت میں مضر ہے، اس کو چھوڑ دو۔ یہ طعنہ نہیں، بلکہ یہ خیر خواہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہونا چاہیے، جیسے اگر کسی کے چہرے پر کوئی عیب لگ گیا، اب چونکہ وہ اپنے چہرے کو خود نہیں دیکھ سکتا، اس لئے جب وہ آئینہ دیکھتا ہے تو وہ آئینہ اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر یہ داغ لگا ہوا ہے۔ جس طرح آئینہ اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ'' ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے، جیسے ایک آدمی کو اپنی خرابی خود نظر نہیں آرہی ہے، دوسرا مسلمان بھائی اس کو محبت اور پیار سے بتا دیتا ہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات ہے، اس کو ذرا درست کرلو، تمہارے حق میں دنیا و

آخرت کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔

دوسروں کو خیر خواہی سے متوجہ کرو

لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ آئینہ صرف اس شخص کو خرابی بتاتا ہے جس کے اندر وہ خرابی ہوتی ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، لیکن وہ آئینہ دوسروں کے سامنے گاتا نہیں پھرتا کہ فلاں کے اندر یہ خرابی ہے، صرف اس شخص کو بتاتا ہے، اور وہ بھی پیار و محبت اور اپنائیت سے بتاتا ہے، شفقت اور خیر خواہی سے بتاتا ہے، یہ منع نہیں، یہ جائز ہے، بلکہ فضیلت کی بات ہے۔ لیکن ایک ہوتا ہے طعنہ دینا، یعنی اس کی برائی اس کے منہ پر اس طرح بیان کرنا کہ جس سے اس کا دل دکھے، جس سے اس کی توہین اور تذلیل ہو، ایسی بات اس کے منہ پر کہنا "لمز" ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا "وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ" ایک دوسرے کو طعنہ مت دو۔ اور یہ طعنہ دینا بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہو، دونوں صورتوں میں حرام ہے، اور اتنا سخت حرام ہے کہ قرآن کریم کی سورت "ہمزہ" اسی کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں فرمایا "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ" یعنی دردناک عذاب ہے اس شخص کے لئے جو دوسروں کی ان کے پیٹھ کے پیچھے توہین کرتا ہے، یا ان کے منہ پر طعنے دیتا ہے، اور ان کی تذلیل کرتا ہے،

طعنہ دینے والوں کے لئے سخت وعید

پھر اسی سورت میں آگے ارشاد فرمایا:

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ

یاد رکھو! ایسا شخص اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو اپنے اندر پڑی ہوئی ہر چیز کو ملیا میٹ کر دینے والی ہے، اور تمہیں کیا پتہ وہ "حُطَمَة" کیا چیز

ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو انسان کے دلوں تک جھانک لے گی۔ اتنی زبردست وعید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو دوسروں کی توہین کرے، چاہے پیٹھ پیچھے کرے یا منہ پر کرے۔

یہ سب طعنہ کے اندر داخل ہیں

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طعنہ دینا چاہے زبان سے ہو، چاہے اپنے کسی عمل سے ہو، مثلاً آپ نے کسی کی نقل اتار لی، جس کے نتیجے میں وہ اپنی توہین محسوس کر رہا ہے، یا اشارے سے اس کے کسی عیب کو تحقیر کے انداز میں بیان کیا، جیسے کوئی پستہ قد ہو، اور ہاتھ سے اس کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ کریں، یہ سب طعنہ دینے میں داخل ہیں، اور حرام ہیں۔

جواباً وہ تمہیں طعنہ دے گا

ساتھ میں یہاں ایک اور عجیب بات اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے، وہ قابل غور ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ'' جس کا ٹھیٹ لفظی ترجمہ کریں تو یہ بنتا ہے کہ ''اپنے آپ کو طعنہ مت دو'' حالانکہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو طعنے مت دو، لیکن الفاظ یہ لائے کہ اپنے آپ کو طعنے مت دو، اس طرز کلام سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ایک یہ کہ اگر تم کسی دوسرے کو طعنہ دو گے، اور اس کی تحقیر و تذلیل کرو گے تو تمہارے طعنے کے جواب میں وہ تمہیں طعنے دے گا، لہٰذا تمہارا دوسروں کو طعنہ دینا درحقیقت انجام کے اعتبار سے خود اپنے آپ کو طعنہ دینا ہے، اگر تم اس کو طعنہ نہ دیتے تو وہ بھی تمہیں طعنہ نہ دیتا، لیکن جب تم نے اسے طعنہ دیا تو وہ بھی جواباً

تمہیں طعنہ دے گا، اس لئے تم اپنے آپ کو طعنہ دلوانے کا سبب بن گئے۔

بھائی کی توہین اپنی توہین ہے

دوسری بات وہ جو پہلی بات سے گہری ہے، وہ یہ کہ ہم تو پہلے ہی یہ کہہ چکے ہیں کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جب بھائی بھائی ہیں تو اب اگر تم کسی دوسرے مسلمان کو طعنہ دے رہے ہو، اس کی تحقیر و تذلیل کر رہے ہو تو تم اپنے بھائی کی تذلیل کر رہے ہو۔ اگر تمہارے کسی بھائی کی تمہارے سامنے توہین کی جائے تو حقیقت میں تمہاری اپنی توہین ہے، لہٰذا جب اپنے نسبی بھائی کی توہین کو اپنی توہین سمجھتے ہو تو جن لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارا دینی بھائی بنایا ہے، اس لئے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اگر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ ان کی توہین تمہاری اپنی توہین ہے، اس لئے دوسروں کو طعنہ دینا درحقیقت اپنے آپ کو طعنہ دینا ہے۔

پوری مسلمان برادری کی توہین

اس کو زیادہ وضاحت سے یوں سمجھیں کہ مسلمان ایک برادری ہے، اور غیر مسلم اور کافر ایک برادری ہے، اگر تم اپنی برادری کے آدمیوں کو برا بھلا کہو گے اور ان کی توہین کرو گے تو جو دوسری برادری کے لوگ ہیں، یعنی غیر مسلم، ان کی نظر میں تو تمام مسلمان برابر ہیں، تو اس توہین کے نتیجے میں پوری برادری پر حرف آئے گا، اور پوری برادری کی توہین و تذلیل ہوگی۔ لہٰذا یہ مت سمجھنا کہ اگر تم نے دوسرے کو طعنہ دیدیا تو بس صرف ایک فرد کو طعنہ دیا، بلکہ حقیقت میں پوری مسلمان برادری کو طعنہ دینے کے مرادف ہے، اور پوری مسلمان برادری کو بدنام کرنے کے مرادف ہے، لہٰذا حقیقت میں وہ طعنہ تمہارے خلاف

جا رہا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ''

برے ناموں سے پکارنا

آگے پھر اللہ تعالیٰ نے طعنے کی ایک خاص صورت کو بیان فرمایا کہ:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ

یعنی ایک دوسرے کو برے برے ناموں سے مت پکارو۔ جیسے بعض اوقات کسی آدمی کے عیب کی وجہ سے لوگ اس کے اصل نام سے ہٹ کر دوسرا نام رکھ دیتے ہیں، ایسا اس کا مذاق اڑانے کے لئے یا اس کی تحقیر کے لئے کیا جاتا ہے، مثلاً ایک اچھا بھلا آدمی ہے، اس بیچارے کے پاؤں میں کچھ عذر ہے، لنگ ہے، اب لوگ اس کو لنگڑا کہہ کر پکار رہے ہیں، یا اس کی آنکھ میں کچھ کمزوری ہے، تو اس کو اندھا کہہ کر پکار رہے ہیں، یا کوئی اور نام اس کی تحقیر و تذلیل کا رکھ دیا، اس کے بارے میں قرآن کریم نے منع فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد نہ کیا کرو۔ حالانکہ یہ بات پہلے حکم ''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ'' کی ممانعت میں داخل تھی، لیکن اس کو خاص طور پر قرآن کریم نے علیحدہ ذکر فرمایا کہ طعنہ دینے کی یہ شکل جس میں دوسرے کو برے نام سے پکارا جائے، یہ بہت بری بات ہے، اس سے پرہیز کرو۔

عرفی نام سے پکارنا

بعض نام تو ایسے ہوتے ہیں جو کسی شخص کا عرف بن جاتے ہیں، جس کو وہ شخص برا نہیں مانتا، اس کو برا نہیں لگتا، اس کے ذریعے اس کی تحقیر اور تذلیل نہیں ہوتی، وہ عرفی نام اگر مشہور ہو گیا تو ایسے نام سے پکارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایسا نام جس کو وہ برا سمجھتا ہو، جس کی وجہ سے وہ اپنی توہین محسوس کرتا

ہو، ایسے نام سے پکارنے سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے۔

اصلی جڑ ''تکبر'' ہے

دیکھئے! دونوں برائیاں، یعنی کسی کو طعنہ دینا، اور کسی کو برے نام سے پکارنا، اگر ان دونوں کی اصل وجہ پر غور کریں تو وہ ''تکبر'' نظر آئے گی، ایک آدمی متکبر ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، تو ایسا شخص دوسروں کو حقیر سمجھنے کے نتیجے میں دوسروں کو طعنے دیتا ہے، اور دوسروں کو برے ناموں سے پکارتا ہے، اور برے القاب لگادیتا ہے، لہٰذا ان دونوں برائیوں کی اصل جڑ ''تکبر'' ہے، اور تکبر اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے عیوب سے تو غافل ہوتا ہے، اپنے اندر جو خرابیاں ہیں ان کی طرف دھیان نہیں ہوتا، اس لئے دوسروں کے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے، ان ساری خرابیوں کی اصل بنیاد یہ ہے۔

اپنے عیوب کا جائزہ لو

اس خرابی کا علاج یہ ہے کہ جب دوسرے شخص کا کوئی عیب سامنے آئے یا اس کے اندر کوئی خرابی نظر آئے تو آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیا کرے کہ میرے اندر کتنی خرابیاں ہیں، اگر آدمی کو اپنے اندر کی خرابیوں کا جائزہ لینے کی عادت پڑ جائے، اور خود اپنے عیوب کو وہ تلاش کرنے لگے تو کبھی اس کو دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملے، یہ سب فرصت اس وقت ملتی ہے، جب آدمی اپنے آپ کو تو بے عیب سمجھا ہوا ہے کہ ہمارے اندر کوئی خرابی نہیں، ہمارے اندر کوئی غلطی نہیں، اور دوسرے کے عیوب کی تلاش میں پڑا ہوا ہے۔ اس لئے آدمی اپنے عیوب کا جائزہ لیتا رہے، اس کا طریقہ یہ ہے

کہ صبح سے لے کر شام تک جو ہماری زندگی ہے، اس کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس میں ہم کہاں کہاں غلط کام کر رہے ہیں۔

اپنی عبادت کا جائزہ لو

مثلاً ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمارے ذمے جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان فرائض کو ہم کس حد تک بجالا رہے ہیں؟ مثلاً اللہ جل شانہ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے، تو کیا میں واقعی اس طرح پڑھتا ہوں جس طرح پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ اور کیا میں پانچ وقت مسجد میں جانے کا اہتمام کرتا ہوں؟ اور جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو کیا نماز کے تمام آداب بجالاتا ہوں؟ کیا میرے اندر واقعی وہ خشوع و خضوع ہوتا ہے جو نماز کے لئے درکار ہے؟ صرف ایک نماز کا جائزہ لے کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ سیکڑوں عیوب تو خود ہمارے اندر موجود ہیں۔

اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کا جائزہ لو

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا، تو کیا میں صحیح معنی میں زکوٰۃ کا حکم بجالاتا ہوں؟ کیا میں ٹھیک ٹھیک حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں؟ کیا رمضان کے روزے ان کے آداب کے ساتھ رکھتا ہوں؟ اگر حج میرے اوپر فرض ہے تو کیا میں نے وہ فرض ادا کیا یا نہیں؟ اگر فرض ادا کیا تو کیا واقعی اس کے آداب کے ساتھ ادا کیا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے میرے گھر والوں کے مجھ پر حقوق عائد کیے ہیں، میں ان حقوق کو بجالا رہا ہوں یا نہیں؟ کیا میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر رہا ہوں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

تعلیم دی ہے؟ میں کسی کے ساتھ ظلم تو نہیں کر رہا ہوں؟ کیا میں اپنے ملنے جلنے والوں کے ساتھ اور معاملات کرنے والوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر رہا ہوں جیسا کرنا چاہیے؟ یا ان کی حق تلفی کر رہا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بات بولنے کا حکم دیا ہے، تو کیا میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں، یا کبھی جھوٹ بھی بول لیتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے غیبت کرنے سے منع کیا ہے، تو کیا میں غیبت کرتا ہوں یا نہیں کرتا؟ ہر انسان اس طرح سے اپنا جائزہ لے کر دیکھے، تو پھر اس کو پتہ چلے گا کہ عیبوں کا پلندہ تو میں خود ہوں، خرابیوں کا پلندہ تو میں خود ہوں، اور جب میں خود خراب ہوں تو دوسروں کو کیا عیب لگاؤں، اور دوسروں کو کیا طعنہ دوں، اور دوسروں کا کیا نام رکھوں، اگر یہ بات ہمیں حاصل ہو جائے تو ہمارے اندر سے یہ گند ختم ہو جائے۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا تھا کہ:

تھے جو اپنی برائیوں سے بے خبر
رہے اوروں کے ڈھونڈتے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائی پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب تک اپنے عیوب پر نگاہ نہیں پڑی تھی، تو ساری دنیا کو طعنے دیا کرتے تھے، ساری دنیا کو برا بھلا کہتے تھے، لیکن جب اپنی برائیوں پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اور کوئی برا نہیں ہے، میں ہی سب سے زیادہ برا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے عیوب کا اور اپنی خرابیوں کا جائزہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی اصلاح کرنے کی فکر عطا فرمائے تو پھر دوسرے مسلمانوں

کے لئے طعنے کا لفظ زبان سے نکلے گا ہی نہیں۔

اپنی فکر کرو

جس کو اپنی فکر پڑ گئی ہو وہ دوسروں کی برائیوں کو کیا دیکھے، اگر میرے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، اور تیز درد ہو تو میں اپنے پیٹ کے درد کی فکر کروں گا، یا دوسروں کے نزلہ کھانسی کی فکر کروں گا، میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ کسی طرح پہلے میرے پیٹ کا درد ٹھیک ہو جائے، اس وقت میں دوسروں کے نزلہ کھانسی کا علاج پہلے کروں گا؟ یا اپنے پیٹ کے درد کا علاج کروں گا؟ ظاہر ہے کہ اپنے پیٹ کے درد کا علاج پہلے کروں گا، لیکن افسوس یہ ہے کہ روحانی اور دینی بیماریوں میں اور اخلاقی بیماریوں میں ہم یہ معاملہ نہیں کرتے، بلکہ اپنی بیماریوں سے غافل ہیں، اور دوسروں کی بیماریوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور اگر دوسرا شخص ان بیماریوں کی طرف متوجہ بھی کرے تو اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ اپنے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں تو تمام غلطیوں سے پاک اور مبرا ہوں، اور میں تو کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتا، ہمارے دماغوں میں یہ خنّاس بیٹھ گیا ہے، جس نے تکبر پیدا کیا، اور جس نے دل میں بڑائی پیدا کی، جس کی وجہ سے دوسروں کو طعنہ دینے کی جرأت ہوئی۔

خلاصہ

میرے بھائیو! اپنے عیوب کا جائزہ لیا کریں، اور دوسروں کے معاملے

میں توہین، تحقیر اور تذلیل کے کسی بھی اقدام سے پوری طرح بچنے کی کوشش کریں، اگر دنیا میں کوئی شخص کسی کو طعنہ نہ دے، کوئی شخص کسی کی توہین نہ کرے تو سارے جھگڑے دنیا سے ختم ہو جائیں، اس لئے کہ سارے جھگڑے اس قسم کی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

— وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

بدگمانی سے بچیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدگمانی سے بچئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورة الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولٰنا العظیم، و صدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا سلسلہ ایک مدت

سے چل رہا ہے، اور پچھلے بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس سورت کریمہ کا اصل مقصد مسلمانوں کو لڑائی جھگڑوں اور فتنے فساد سے بچانا ہے۔ اس سورت کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کہیں مسلمانوں کے درمیان اختلاف یا جھگڑا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کریں۔ پھر دوسرے رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بنیادی اسباب کا ذکر فرمایا ہے جن سے عموماً جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد نہ کرو، کیونکہ اس سے باہم نفرتیں پیدا ہوتی ہیں، اور ان نفرتوں کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

برا گمان قائم نہ کرو

آج جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں لڑائی جھگڑوں کے کچھ اور اسباب کا بڑی باریکی سے ذکر فرمایا ہے، اور بہت سے کاموں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اپنے دل میں اپنی طرف سے بہت سے گمان قائم کر لیتے ہو، ان سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان ایسے ہوتے ہیں جو خود گناہ ہیں، یعنی کسی بات کی تحقیق کے بغیر اور دلائل سے ثابت ہوئے بغیر کسی شخص کے بارے میں کوئی بدگمانی قائم کر لینا کہ اس نے شاید ایسا کیا ہوگا، ایسی بدگمانی سے بچو، کیونکہ ایسی بدگمانی گناہ ہے، اپنی طرف سے کسی شخص کے بارے میں کوئی خیال گھڑ لیا، یا کوئی معمولی سے بات کسی شخص کے اندر نظر آئی اور اس معمولی بات پر اپنی طرف سے ہوائی قلعے تعمیر کر لئے اور قلعے تعمیر کر کے اس کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو گئے یہ گناہ ہے، جب تک کسی کے بارے میں کوئی

بات تحقیق سے دلائل کے ساتھ آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے بارے میں کوئی برا گمان قائم نہ کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ

اسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا، یعنی مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے کی کوئی چیز چوری کر رہا ہے، جب وہ چیز لے کر آ گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ وہ شخص قسم کھا بیٹھا کہ نہیں، اللہ کی قسم میں نے چوری نہیں کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: کہ تم نے اللہ کی قسم کھالی، اللہ کا حوالہ دیدیا، لہٰذا میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں، اور اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی آنکھ سے اس کو وہ چیز لیتے ہوئے دیکھا تھا، لیکن جب اس نے اللہ کی قسم کھالی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں نے اس کو یہ چیز لیتے ہوئے تو دیکھا ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ جس شخص کی چیز یہ لے رہا ہے، اس پر اس کا کوئی حق آتا ہو، کوئی قرض واجب ہو، اور وہ شخص اس کو نہ دے رہا ہو، اس لئے اس نے اپنا حق اس طرح حاصل کر لیا ہو، لہٰذا حقیقت میں یہ چوری نہ ہو، اس لئے میں اچھا گمان کر کے اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔

بازاروں میں ملنے والا گوشت

اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی مسلمان کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھو، اور اس کام میں یہ احتمال ہو کہ اس نے یہ کام صحیح اور قاعدے کے مطابق کیا ہوگا، تو اس کام کو اس قاعدے پر محمول کر دو، اور بدگمانی مت کرو، اور یہ شریعت کا ایسا اصول ہے کہ اگر اس اصول پر عمل نہ کیا جائے تو ہماری اور آپ کی زندگی اجیرن اور دوبھر ہو جائے۔ دیکھئے! ہم روزانہ گوشت کھاتے ہیں، لیکن ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے ذبح کیا ہے، اس نے واقعۃً صحیح طریقے سے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ واقعۃً اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ وہاں دیکھ کر آتے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ وہاں جاکر دیکھو جہاں یہ جانور ذبح کئے جاتے ہیں، او وہ لوگ تو گالی گلوچ کر رہے ہوتے ہیں، اور اسی حالت میں ذبح بھی کر ڈالتے ہیں۔ اب اگر شریعت نے ہمیں اس بات کا مکلف کیا ہوتا کہ ہر گوشت کے بارے میں یہ تحقیق کرو کہ یہ کہاں ذبح ہوا ہے؟ کس نے ذبح کیا ہے؟ اللہ کا نام ذبح کرتے وقت لیا ہے، یا نہیں لیا؟ تو پھر کسی بھی انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ گوشت کھا سکے۔

وہ گوشت کھانا جائز ہے

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ مؤمنوں کے ساتھ اچھا گمان کرو، جب یہ معلوم ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہوگا، لہٰذا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم وہ گوشت کھالو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! کچھ نومسلم لوگ ہیں، جو ابھی کچھ عرصے پہلے مسلمان ہوئے ہیں، اور دیہات میں رہتے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، اور ہم ان سے گوشت لیتے ہیں، لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں لیا، کیا ہمارے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تمہارے لئے وہ گوشت کھانا جائز ہے، تم بسم اللہ پڑھ کر وہ گوشت کھالو، کیوں؟ اس لئے کہ گوشت لانے والا مسلمان ہے، لہٰذا اس کے بارے میں یہی گمان رکھنا چاہئے کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا ہوگا، لہٰذا تمہارے لئے اس کا کھانا جائز ہے، لہٰذا شریعت نے اس حد تک مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

ایسا گوشت مت کھاؤ

ہاں! اگر ایک آدمی تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک جانور ذبح کر رہا ہے، اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا، تو بیشک اس وقت تمہارے لئے جائز ہے کہ اس کا گوشت نہ کھاؤ، لیکن جب تک تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور لانے والا مسلمان ہے تو حکم یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا گمان کرو، اور یہ سمجھو کہ اس نے شریعت کے قاعدے کے مطابق ذبح کیا ہوگا، اس حد تک شریعت نے مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی کا حکم دیا ہے۔

کسی کی دولت دیکھ کر بدگمان مت ہو جاؤ

اسی طرح اور معاملات میں بھی بعض اوقات ہم لوگ تحقیق کے بغیر کسی کے بارے میں بدگمانی کر کے بیٹھ جاتے ہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے، قرآن کریم کا

ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، مثلاً کسی آدمی کے ہاں آپ نے دیکھا کہ اس کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہوگئی ہے، اس کی زمینیں اور جائیدادیں ہوگئی ہیں، اب تحقیق اور دلیل کے بغیر آپ یہ بدگمانی کرنے لگیں کہ اس کے پاس کہیں سے حرام کا پیسہ آرہا ہے، اور حرام خوری کرکے یہ جائیدادیں اور زمینیں بنارہا ہے، یہ بدگمانی کرنا آپ کے لئے جائز نہیں، جب تک یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس شخص نے واقعۃً رشوت لی ہے، یا اس شخص نے کوئی حرام کام کیا ہے، جب تک یقینی دلیل سے معلوم نہ ہوجائے اس وقت تک محض بدگمانی کرکے رائے قائم کرلینا صحیح نہیں۔

نوکر اور ملازم پر بدگمانی

یہ واقعہ بکثرت گھروں میں پیش آتا ہے کہ گھر میں کوئی چیز گم ہوگئی، اور اب تلاش کررہے ہیں، اور وہ چیز نہیں مل رہی ہے، ایسے موقع پر عموماً گھروں میں جو کام کرنے والے ملازم اور نوکر ہوتے ہیں، ان کی طرف دھیان جاتا ہے کہ انہوں نے لی ہوگی۔ اب بدگمانی کرکے یہ یقین کر بیٹھنا کہ انہوں نے وہ چیز لی ہوگی، یہ جائز نہیں، ہاں ایک احتمالی طور پر تحقیق کرنے کے لئے اگر اس سے پوچھ گچھ کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بدگمانی کی بنیاد پر اس کو چور سمجھ لینا اور اس کے ساتھ چور جیسا معاملہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یقین کے ساتھ دلائل سے اور گواہی سے ثابت نہ ہوجائے کہ واقعۃً اس نے چوری کی ہے، ایسے موقع پر ملازم کی جان پر بن جاتی ہے، اور لوگ ان کے ساتھ بعض اوقات سخت سلوک کرلیتے ہیں اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ تو بے قصور تھے۔

اسٹالن کا ایک واقعہ

روس کا ڈکٹیٹر گزرا ہے ''اسٹالن'' اس کے بارے میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نہاتے ہوئے اس کی قیمتی گھڑی گم ہوگئی، اس نے وہیں سے چوکیداروں کو فون کیا کہ میرے گھڑی گم ہوگئی ہے، اور جو ملازمین ہیں ان سب سے تفتیش کرو، اب تفتیش شروع ہوگئی، اور ملازمین پر قیامت ٹوٹ گئی، ایک گھنٹے بعد وہ گھڑی وہیں پڑی ہوئی مل گئی، اس نے پھر فون کیا کہ گھڑی مل گئی ہے، لہٰذا اب تفتیش کی ضرورت نہیں۔ چوکیداروں نے کہا کہ گھڑی تو مل گئی مگر یہاں دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ہے کہ ہاں ہم نے چوری کی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ جن دس آدمیوں نے اقرار کرلیا ان پر اس عرصے میں کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔

بدگمانی کی بنیاد پر کارروائی مت کرو

قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ محض بدگمانی کی بنیاد پر کسی کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں، ہاں تحقیق کر سکتے ہو، تفتیش کر سکتے ہو، پوچھ گچھ کر سکتے ہو، اور اس کے لئے جائز ذرائع استعمال کر سکتے ہو، لیکن کسی پر بدگمانی کر کے یقین کر بیٹھنا، اور اس بدگمانی کی بنیاد پر کارروائی کرنا ہرگز جائز نہیں، حرام ہے، بلکہ اگر کسی مسلمان کے اندر کوئی ایسی بات دیکھی جس سے شبہ پیدا ہو رہا ہے تو بھی حکم یہ ہے کہ اس کے بارے میں حتی الامکان ایسا احتمال تلاش کرنے کی کوشش کرو جو اس کے عمل کو جائز کرنے والا ہو، جیسے میں نے ابھی آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا، لہٰذا حتی الامکان مسلمان کے عمل کے صحیح محمل پر محمول کرنے کی کوشش کرو۔

صحیح بخاری کا ایک واقعہ

صحیح بخاری میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک عورت اکثر مجھ سے ملنے آیا کرتی تھیں، وہ عورت کسی اور علاقے کی رہنے والی تھیں، اور مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگئی تھیں، وہ عورت جب بھی ملاقات کے لئے آتی تو عربی کا یہ شعر ضرور پڑھا کرتی تھیں۔

ویوم الوشاح من تعاشی ربنا

الا انہا من دار الکفر نجتنی

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ دن جس میں ہار کا واقعہ پیش آیا تھا، یہ میرے پروردگار کی طرف سے بڑی عجیب کہانی ہے، لیکن اس کے نتیجے میں میں کفر سے نجات پاگئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عورت سے پوچھا کہ تم بار بار ملاقات کے وقت یہ شعر پڑھتی ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ میں ایک بستی میں رہتی تھی، ایک مرتبہ بستی کی ایک بچی ہار پہن کر گلی میں نکلی، جب وہ بچی واپس آئی تو ہار اس کے گلے میں نہیں تھا۔ اصل میں ہوا یہ تھا کہ وہ ہار کہیں اس کے گلے سے گر گیا، اوپر سے چیل آئی، اور وہ چیل ہار اٹھا کر لے گئی۔ میں قریب میں رہتی تھی، اور غریب تھی، اس لئے سب نے میرے اوپر الزام لگا دیا کہ یہ ہار اسی عورت نے لیا ہے، اس لئے کہ یہی قریب میں رہتی ہے، چنانچہ انہوں نے مجھے پکڑ کر مارنا شروع کر دیا، اور میری تلاشی شروع کر دی، یہاں تک مجھے بالکل ننگا کر کے تلاشی لی، لیکن وہ ہار نہیں ملا۔ ابھی وہ تلاشی لے رہے تھے اور مجھے مار پیٹ رہے تھے کہ اتنے میں وہ چیل جو ہار اٹھا کر لے گئی تھی، ان کے سامنے ہار ڈال کر چلی گئی، اب لوگوں کی آنکھیں کھلیں کہ ہم بیچاری کو

خواہ مخواہ مار رہے ہیں، اور اس غریب عورت پر الزام لگا رہے ہیں، حقیقت میں یہ چیل ہار لے گئی تھی۔ وہ عورت کہتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد مجھے بستی والوں سے نفرت ہوگئی، اور میں بستی سے نکل کر بھاگ گئی، کسی نے مجھے بتایا کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگئی۔ اس لئے میں یہ شعر پڑھتی ہوں کہ وہ دن جس میں ہار والا قصہ پیش آیا، وہ میرے پروردگار کی رحمت کی نشانی تھی، اگرچہ اس واقعہ کے نتیجے میں میرے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، لیکن وہ قصہ میرے لئے دار الکفر سے دار الایمان کی طرف نجات کا سبب بن گیا۔

پوچھ گچھ کرنا جائز ہے

بہر حال! ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ آپ کو کسی کے بارے میں شبہ ہو گیا، اور اس شبہ کے نتیجے میں آپ نے خواہ مخواہ مار پیٹ شروع کر دی، اور تحقیق نہیں کی، یہ بدگمانی ہے، جو جائز نہیں، ہاں مناسب انداز میں پوچھ گچھ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جس سے یقینی طور پر اس کو مجرم نہ سمجھا جائے، لیکن یقین کر کے بیٹھ جانا گناہ ہے، اسی کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

بدگمانی کے مواقع سے بچو

اور شریعت کے احکام کا حسن دیکھئے کہ ایک طرف تو ہمیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ لوگوں سے بدگمانی مت کرو، اگر کسی کے بارے میں تمہیں کوئی شبہ بھی ہوا ہے تو حتی الامکان اس کی تاویل اور توجیہ کر لو کہ شاید اس نے اس نیت سے یہ کام کیا ہوگا۔ ایک طرف تو یہ حکم دیا۔ اور دوسری طرف ہر انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

یہ ہے کہ "اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ" یعنی ایسے مواقع سے بچو جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو، کوشش کرو کہ خواہ مخواہ ایسا موقع نہ آئے کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو، اور لوگ تمہارے اوپر تہمت لگائیں، یعنی ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے دو جس سے کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو کہ یہ شخص کوئی غلط حرکت کر رہا ہے، اس سے بچو!

حضور اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عمل سے اس کی تعلیم دی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، ہر سال رمضان کے آخری عشرے میں آپ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے ملاقات کے لئے مسجد میں تشریف لائیں، رات کا وقت تھا، آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑی دیر بیٹھیں، جب واپس جانے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لئے مسجد نبوی کے دروازے پر تشریف لائے۔ اس عمل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ بیوی کا بھی ادب اور احترام واکرام اور اس کی عزت شوہر کو کرنی چاہئے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دروازے تک پہنچانے کے لئے تشریف لائے، جب دروازے پر پہنچے تو چونکہ رات کا وقت تھا، اور اندھیرا تھا، اس وقت قریب سے دو صحابہ گزر رہے تھے، آپ نے زور سے پکار کر ان صحابہ سے کہا کہ یہ خاتون جن کو میں رخصت کر رہا ہوں یہ میری زوجہ صفیہ ہیں، ان صحابہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ نے کیا بات فرمادی، آپ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِیْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

یعنی شیطان انسان کے خون تک میں سرایت کرتا ہے، لہٰذا مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں یہ خیال نہ آ گیا ہو کہ اندھیرے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خاتون کون ہیں؟ اس لئے میں نے وضاحت کردی کہ یہ میری زوجہ مطہرہ صفیہ ہیں، اب بتایئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کس کو گمان ہوسکتا تھا کہ آپ کسی غیر عورت کے ساتھ ہوں گے، لیکن اپنے آپ کو بدگمانی سے اور موضع تہمت سے بچانے کے لئے آپ نے صاف صاف بتادیا کہ کوئی خیال نہ کرنا، یہ میری بیوی ہے، آپ نے اپنے عمل سے تعلیم دیدی، اور قول سے تعلیم دیدی کہ ایسے راستے اختیار نہ کرو۔

ایسے مواقع پر مت جاؤ

اور ایسی جگہوں پر نہ جاؤ جہاں سے تمہارے اوپر تہمت لگے، جہاں سے لوگ تمہارے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہوں، ایسی جگہوں پر مت جاؤ، چاہے تم کسی مقصد کے لئے گئے ہو، لیکن وہاں پر کھڑے کھڑے لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا، معاذ اللہ! فرض کرو کوئی رقص گاہ ہے، جہاں عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، چاہے آپ وہاں کسی اور مقصد سے گئے ہوں، لیکن جو شخص بھی آپ کو وہاں کھڑا ہوا دیکھے گا تو اس کے دل میں شبہ پیدا ہوگا، لہٰذا ایسے مواقع پر مت جاؤ جہاں تہمت لگنے کا احتمال ہو۔

لین دین میں حسابات صاف رکھو

اسی لئے فرمایا کہ جہاں آپس میں روپے پیسے کے لین دین کا معاملہ ہو، وہاں حسابات صاف رکھو، چاہے معاملہ کرنے والے بھائی بھائی کیوں نہ ہوں، اور لکھت

پڑھت کے ساتھ رکھو، اور اس بات کا موقع نہ آنے دو کہ کل کو آپس میں بدگمانی ہو جائے، اور جھگڑا ہو جائے، بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب معاملہ کرنے والے بھائی بھائی ہیں، اور آپس میں محبت سے رہ رہے ہیں، اس وقت تو کوئی خیال نہیں آتا۔ لیکن جب بڑے ہو جاتے ہیں، شادیاں ہو جاتی ہیں، اولادیں آجاتی ہیں، اس وقت پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم نے حساب کتاب تو کیا نہیں تھا، پتہ نہیں ہمارا بھائی کتنا کھا گیا؟ بعد میں بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے فرمایا کہ ایسے مواقع سے بچو۔

دو تعلیمات

بہر حال! اسلام نے ہمیں ایک طرف تو یہ تعلیم دی کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ایسے مواقع سے بچے جہاں اس کے بارے میں کوئی بدگمانی پیدا ہو سکتی ہو، اور دوسری طرف یہ تعلیم دی کہ جب تک کوئی بات اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لو، یا مضبوط شہادت سے جب تک ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی دوسرے کے خلاف کسی بات کا یقین کر لینا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے کی حالت

دیکھئے! آج ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے، کہیں سیاسی مخالفتیں ہیں، کہیں جماعتی مخالفتیں ہیں، کہیں مذہبی مخالفتیں ہیں، کہیں تعصبات ہیں، اب جو ہمارا مخالف ہے، چاہے وہ مذہبی طور پر مخالف ہو، یا سیاسی طور پر مخالف ہو، یعنی مذہبی طور پر وہ کسی اور فرقے سے تعلق رکھتا ہو، جو ہمارے سے مختلف ہے، یا وہ سیاسی طور پر کسی اور سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، تو اب اسکے ساتھ خون حلال ہیں، جو چاہے اس کے بارے میں کہو، جو چاہو اس پر الزام لگاؤ، جو چاہو اس پر بدگمانی قائم کر لو، یہ

چیز آج ہمارے معاشرے میں سرایت کرچکی ہے کہ فلاں شخص تو اتنے لاکھ روپے کھا گیا، اور فلاں شخص اتنے لاکھ روپے لے کر یہ کام کرگیا، اگر پوچھا جائے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے، تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات سب لوگوں میں مشہور ہے۔ اب کوئی دلیل اور کوئی ثبوت موجود نہیں، محض بدگمانی کی بنیاد پر اس طرح کے جملے چلتے کردیے جاتے ہیں، اور اس کو بدنام کردیا جاتا ہے۔

اگر آپ کے ساتھ یہ سلوک ہو تو؟

مثلاً ہر شخص اپنے بارے میں یہ فرض کرے کہ آپ کے بارے میں کسی شخص نے لوگوں میں یہ بات اڑادی کہ آپ نے اتنے پیسے کھا کر اپنا ضمیر بیچا ہے، یا رشوت کھائی ہے، اور حقیقت میں آپ نے رشوت نہیں کھائی، تو اب آپ پر اور آپ کے دل پر کیا گزرے گی، اور جب لوگوں نے یہ الزام لگایا، اور آپ کے سر یہ جھوٹ باندھا، ان کے خلاف آپ کے دل میں نفرت اور عداوت پیدا ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ عمل نفرت اور عداوت پیدا کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، اور جب کبھی آپ کو موقع ملے گا تو آپ اس سے بدلہ لینے کی کوشش کریں گے، اور جن لوگوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے، آپ ان کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کریں گے، یہ صورت حال آج ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، جس کے نتیجے میں دلوں میں نفرتیں ہیں، عداوتیں ہیں، بغض و عناد ہے، اور ایک لا متناہی سلسلہ چلا جا رہا ہے۔

اس آیت کے حکم پر عمل کرنے کی کوشش کریں

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے اس حکم کو پس پشت ڈالا ہوا ہے، وہ یہ کہ "یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن" اے ایمان والو! تم جو

بہت سے گمان کرتے رہتے ہو، اس سے احتراز کرو، اس سے پرہیز کرو، اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، لہٰذا ان گناہوں سے پرہیز کرو، یہ پہلا حکم ہے جو اس آیت میں دیا ہے، اسی آیت کریمہ میں آگے اسی سلسلے کے کچھ اور احکام بھی ہیں، لیکن چونکہ اب وقت ختم ہو گیا ہے، انشاء اللہ زندگی رہی تو اگلے جمعہ میں عرض کردوں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

جاسوسی مت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاسوسی مت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَ لَایَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ○

(سورۃ الحجرات : ۱۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولٰنا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورت الحجرات کی ایک آیت ہے جو میں

نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں بہت سی اہم ہدایات عطا فرمائیں ہیں، جن میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ بدگمانی سے پرہیز کرو، کسی شخص کے بارے میں جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ کرو، اور کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ کسی برائی کا اعتقاد نہ رکھو، جب تک کہ تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس کی کچھ تفصیل میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تجسس کی تعریف

دوسرا حکم جو اس آیت کریمہ میں دیا ہے، وہ ہے "وَلَا تَجَسَّسُوا" جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کا تجسس نہ کرو، کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، اس کے حالات کی خفیہ طریقہ پر معلومات کرنے کی فکر میں نہ لگو، جس کو عام طور پر ''تجسس'' کہا جاتا ہے، اور اردو میں ''ٹوہ میں لگنا'' بھی کہتے ہیں، یعنی اس بات کی کوشش کرنا کہ اس کے خفیہ راز معلوم ہو جائیں، یا ایسی بات جو وہ چھپانا چاہتا ہے دوسرا آدمی اس کو خفیہ طریقہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرے، اس کی اس آیت میں ممانعت فرمائی ہے کہ اس طرح کا تجسس نہ کرو۔

دوسروں کے معاملات میں دخل مت دو

پہلا حکم تو یہ فرمایا تھا کہ بدگمانی منع ہے، یعنی بغیر تحقیق کے کسی کے بارے میں کوئی بدگمانی مت کرو، اب اگر کسی کے بارے میں تحقیق نہیں ہے، مگر تم جستجو کر کے، ٹوہ میں لگ کر، تجسس کر کے اس کی کوئی برائی معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز

نہیں، تمہیں دوسروں کے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اور اس کے کیا خفیہ راز ہیں؟ بلکہ اپنے کام سے کام رکھو، اپنی فکر کرو۔

باپ کے لئے تجسس کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات عرض کر دوں کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر شریعت کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مثلاً باپ ہے، بیٹوں کی ذمہ داری اس کے سر پر ہے، لہٰذا اگر کوئی گھر کا بڑا ہے، یا خاندان کا سربراہ ہے، اور وہ اپنے چھوٹوں اور جو افراد اس کے زیر نگرانی ہیں، ان کے حالات معلوم کرے، کہ کہیں یہ غلط راستے پر تو نہیں جا رہے ہیں، کہیں یہ بگڑ تو نہیں رہے ہیں، یہ اس ممنوع تجسس میں داخل نہیں، کیونکہ باپ کا فرض ہے کہ اگر اولاد غلط راستے پر جا رہی ہو تو اس کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرے، لہٰذا اگر باپ اپنی اولاد کے معاملات کی تحقیق کرتا ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

حاکم اور ذمہ دار کے لئے تجسس جائز ہے

یا کوئی حکمران ہے، وہ اپنی رعایا اور عوام کے حالات کی تحقیق کرتا ہے کہ کوئی شخص ایسا جرم تو نہیں کر رہا ہے کہ اس کا برا اثر سارے معاشرے پر پڑے، اس حکمران کے لئے ایسی تحقیق کرنا اور جستجو کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ادارے کا ذمہ دار ہے، اور وہ یہ تحقیق کرتا ہے کہ جو لوگ میرے ادارے میں ملازمت کر رہے ہیں، کام کر رہے ہیں، وہ اپنا کام صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟ کام چوری تو نہیں کرتے، وقت ضائع تو نہیں کرتے، یہ ساری باتیں دیکھنے

کے لئے وہ تجسس کرے تو اس کے لئے جائز ہے، بلکہ یہ اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

کون سا تجسس حرام ہے؟

اسی طرح اگر کسی کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ یہ آدمی دوسرے کو نقصان پہنچا دے گا، اب آدمی اس خیال سے تجسس کرے تا کہ میں اس آدمی کو بتا دوں کہ تمہیں یہ نقصان پہنچنے والا ہے، اس سے اپنی حفاظت کرو، ایسی صورت میں بھی تجسس کی اجازت ہے۔ لیکن جس تجسس کو قرآن کریم نے یہاں منع کیا ہے، اور یہ کہا کہ دوسروں کے خفیہ راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کا مزاج اور طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے معاملات کی تحقیق کو خواہ مخواہ اپنے ذمہ لیتے ہیں، نہ وہ کوئی سربراہ ہیں، نہ وہ اس کے مصلح اور مربی ہیں، نہ استاد ہیں، نہ حاکم ہیں، لیکن بس اس فکر میں ہیں کہ دوسرے کی کوئی برائی معلوم ہو جائے، دوسرے کا کوئی راز پتہ چل جائے، اس غرض کے تحت وہ تجسس میں لگ جاتے ہیں، اب چوری چھپے اس کی بات سن لیتے ہیں، چوری چھپے اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ تنہائی میں کیا کر رہا ہے وغیرہ، قرآن کریم نے اس کو حرام کہا ہے کہ یہ تجسس ہے اور حرام ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک واقعہ

واقعہ یاد آیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیر المومنین تھے، آدھی سے زیادہ دنیا پر آپ کی حکومت تھی، ان کا معمول یہ تھا کہ وہ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے، یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی ایسی بات تو

نہیں ہورہی جو قابل اصلاح ہو، ایک مرتبہ آپ ایک مکان کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ اندر سے گانے بجانے اور شور شرابے کی آواز آرہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی حالت میں گھر کے اندر داخل ہو گئے، دیکھا کہ کچھ لوگ شراب پی رہے ہیں، اور گانے بجانے میں مست ہیں، اور فسق و فجور کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پکڑ لیا، اور فرمایا کہ تم یہاں یہ گناہ کر رہے ہو، اور معاشرے میں فساد پھیلا رہے ہو، تو ان میں سے جو سب سے بڑا مجرم تھا، وہ بڑا چرب زبان تھا، اس نے کہا: امیر المؤمنین! ہم نے ایک گناہ کیا، یعنی شراب پی، لیکن آپ نے بہت سارے گناہ کر لئے، آپ نے پہلے تجسس کا گناہ کیا، جب کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "ولا تجسسوا" کہ تجسس نہ کرو، دوسرے یہ کہ گھر میں بلا اجازت داخل ہو گئے، جب کہ قرآن کریم کا کہنا ہے کہ جب تک اجازت نہ لی ہو، اس وقت تک دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہو، تیسرے یہ کہ آپ نے بدگمانی کی، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ بدگمانی مت کرو، لہٰذا آپ نے تو بے شمار گناہ کر لئے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ تم نے یہ باتیں میرے بارے میں کہیں کہ میں نے اتنے سارے گناہ کر لئے ہیں تو یہ اپنی طرف سے دفاع ہوگا، اور میں اپنی طرف سے دفاع نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا اس وقت تو تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، اور صبح کو تمہیں بلاؤں گا۔ چنانچہ صبح کے وقت آپ نے ان کو بلایا، اور ان کو سمجھایا کہ اللہ کے بندو! یہ تجسس کا حکم اس وقت منع ہے کہ جب کسی انسان کے ذمہ کوئی ذمہ داری نہ ہو، میرے اوپر تو پورے ملک کی ذمہ داری عائد ہے، اس وجہ سے میں نے ایسا کیا، اگر میں ایسا نہ کروں تو پورے ملک میں فساد پھیل جائے۔

تجسس کی بنیاد پر پورے معاشرے میں فساد

غرض یہ کہ جس پر ذمہ داری ہے وہ تو بے شک تحقیق کر سکتا ہے، لیکن عام لوگ ایک دوسری کی کھوج میں لگ جائیں کہ دوسرا آدمی کیا کر رہا ہے، یہ وہ تجسس ہے جس کو قرآن کریم نے منع کیا ہے، حرام قرار دیا ہے، اگر آپ معاشرے کے اندر نظر دوڑائیں تو یہ نظر آئے گا کہ آج معاشرے میں بہت سے فساد اس کی وجہ سے پھیل رہے ہیں، بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے کا راز کسی طرح معلوم ہو جائے، اور اس سے بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ تم نے چھپانا چاہا تھا، لیکن ہمیں پتہ لگ گیا، گویا کہ ایک گناہ پر فخر کر رہے ہیں، اگر ایک مسلمان اپنی کسی بات کو تم سے چھپانا چاہتا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کہ اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرو۔

یہ تجسس میں داخل ہے

یا مثلاً کوئی آدمی ٹیلیفون میں کسی سے بات کر رہا ہے، اور آپ چھپ کر دوسرے ٹیلیفون کے ذریعہ اس کی باتیں سنیں، یہ تجسس میں داخل ہے، حرام اور ناجائز ہے، اس لئے کہ آپ دوسرے کی باتیں اس کی اجازت کے بغیر سننا چاہ رہے ہیں۔ یا مثلاً دو آدمی آپس میں کسی کام کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں، تو اب تیسرے آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کے درمیان دخل اندازی کرے، اور ان کی باتیں سننے کی کوشش کرے، آج کل ٹیلیفون کے اندر یہ مسئلہ بکثرت پیش آتا ہے کہ دوسرے کی لائن اتفاق سے مل گئی، اب بیٹھ کر سن رہے ہیں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں، حالانکہ دوسرے کی باتیں اس کی اجازت کے بغیر سننا حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے، جو شخص اپنی

باتیں آپ سے چھپانا چاہتا ہے آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی باتیں سنیں۔

ایسے سوالات بھی مت کرو

بہت سے آدمی کسی آدمی سے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ جن کا وہ جواب دینا نہیں چاہتا، یا جس کو وہ چھپانا چاہتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنی آمدنی آپ کو بتانا نہیں چاہتا، کہ میری آمدنی کتنی ہے، اب اس سے سوال کریں کہ آپ کی آمدنی کتنی ہے؟ آپ کو کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ اگر وہ بتانا نہیں چاہتا تو آپ کے لئے ایسا سوال کرنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ آپ کو پتہ نہیں کہ اس کو یہ سوال پسند آئے گا یا نہیں؟ اس لئے ایسا سوال دوسرے سے کرنا ہی نہیں چاہئے۔ اسی طرح ایسا سوال کرنا کہ اس کے جواب کے نتیجے میں اس کا پوشیدہ عیب ظاہر کروانا مقصود ہو، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ آپ کو دوسرے کے عمل کے بارے میں کیا پڑی ہے کہ دوسرا شخص کیا عمل کر رہا ہے، قبر میں میدان حشر میں آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ دوسرے کے اعمال کیا تھے؟ تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا تم دوسرے کی کھوج میں دوسرے کی فکر میں مت پڑو۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے بزرگوں نے تو اس میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ اگر فرض کرو کہ دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں، اور ایسی زبان میں باتیں کر رہے ہیں کہ جس کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ تیسرا آدمی یہ زبان نہیں جانتا، جبکہ آپ وہ زبان جانتے ہیں، ایسی صورت میں ان کو بتادینا چاہئے کہ میں یہ زبان جانتا ہوں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ تھے حضرت خواجہ عزیز

الحسن مجذوبؒ، یہ اس زمانے میں ڈپٹی کلکٹر تھے، اور اس زمانے میں ''ڈپٹی کلکٹر'' بڑا اونچا عہدہ ہوا کرتا تھا، انگریزی پڑھے ہوئے تھے، لیکن حضرت تھانویؒ کی صحبت میں آکر ان کا ایسا رنگ بدلا تھا کہ سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنے میں مسجد کے ملا نظر آتے تھے، یا دینی مدرسہ کا کوئی طالبعلم ہے، حلیہ، سراپا، داڑھی، ٹوپی، کرتا، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ تھا، ایک مرتبہ یہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، گاڑی میں پہلے سے دو آدمی سوٹ پہنے بیٹھے ہوئے تھے، ان دونوں نے انگریزی زبان میں کوئی خفیہ بات کرنی شروع کر دی، تاکہ یہ نہ سمجھیں، حضرت مجذوب صاحبؒ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ لوگ انگریزی میں اس لئے باتیں کر رہے ہیں تاکہ میں نہ سمجھ سکوں، اور بات بھی مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں۔ حضرت مجذوب صاحب نے ان سے فرمایا کہ میں آپ سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو بتادوں کہ مجھے انگریزی زبان آتی ہے، لہٰذا اگر آپ مجھ سے چھپا کر کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، کیونکہ اگر آپ یہ سمجھ کر انگریزی میں بات کریں گے کہ میں نہیں سمجھوں گا تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں انگریزی سمجھتا ہوں، لہٰذا کہیں آپ دھوکہ میں نہ رہیں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی خفیہ بات میں سن لوں، یہ بات ان پر واضح کر دی، کیوں کر دی؟ اس لئے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ دوسرے کی بات سننے کی کوشش نہ کرو، جبکہ وہ تمہیں سنانا نہیں چاہتا، وہ تمہیں بتانا نہیں چاہتا، تو اس سے بالکل الگ ہو جاؤ، اور اس کو بتادو تاکہ وہ اگر اپنی بات خفیہ رکھنا چاہتا ہے تو خفیہ رکھ سکے۔

حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ

اسی طرح ایک واقعہ غالباً حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ پیش آیا، کہ وہ کہیں سفر

میں جارہے تھے، آنکھیں بند کر کے لیٹے تھے، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے وہ سورہے ہیں، دو آدمی برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے، حضرت کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سوگیا ہوں، اس وجہ سے مجھ سے چھپانے والی باتیں آپس میں کررہے ہیں، حضرت نے سوچا کہ ان کو بتادینا چاہئے کہ میں جاگ رہا ہوں، ورنہ یہ خیانت ہوجائے گی، چنانچہ ان کو بتادیا کہ معاف کرنا میں ابھی سویا نہیں ہوں، آپ کی باتیں میں سن رہا ہوں، لہٰذا یہ سمجھ کر آپ باتیں نہ کریں کہ میں سورہا ہوں، ہمارے بزرگوں نے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرنے میں اتنی احتیاط کی ہے۔

تجسس بے شمار گناہوں کا ذریعہ ہے

اگر کوئی شخص آپ کو کوئی بات بتانا نہیں چاہتا، بلکہ آپ سے چھپانا چاہتا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ، اور اس کی تحقیق اور جستجو میں مت پڑو، آج کل یہ حکم بڑا پامال ہورہا ہے، ہمارے معاشرے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ دوسرے کے راز معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ درحقیقت غیبت کا پہلا قدم ہوتا ہے، کیونکہ اگر آپ کو دوسرے کا کوئی راز معلوم ہوگیا، یا کوئی برائی معلوم ہوگئی تو کل کو وہ برائی دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھرو گے، اور غیبت کرو گے، اور اگر پوری بات معلوم نہ ہوسکی تو بدگمانی کرو گے، اور پھر اس کے نتیجے میں دوسرے پر بہتان لگاؤ گے۔ لہٰذا یہ تجسس بہت سے گناہوں کا مقدمہ بن جاتا ہے، یہ تجسس بدگمانی کا ذریعہ بنتا ہے، غیبت کا ذریعہ بنتا ہے، بہتان کا ذریعہ بنتا ہے، اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان دشمنیاں عداوتیں لڑائی اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

چار گناہوں کا مجموعہ

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرض کرو کہ آپ نے چھپ کر کسی کی بات سن لی، اب بات پوری تو سنی نہیں، کوئی ادھوری بات سن لی، اب اس ادھوری بات کو سن کر آپ نے قیاسات کا محل تعمیر کرنا شروع کر دیا کہ اس نے یوں کہا ہوگا، فلاں بات کہی ہوگی، فلاں بات کہی ہوگی، اور اس کی بنیاد پر بات آگے چلتی کر دی، تو اس میں غیبت الگ، بہتان الگ، تجسس الگ، بدگمانی الگ، اس طرح آپ کا یہ عمل چار گناہوں کا مجموعہ ہوگیا، اور اس کے نتیجے میں فساد پھیل گیا، جب وہ بات آگے پھیلے گی اور پھر حقیقت کھلے گی تو پتہ چلے گا کہ بات اتنی سی تھی، اور اس کو بڑھا کر اتنا کر دیا گیا۔

دوسروں کے بجائے اپنی فکر کریں

چونکہ اللہ جل شانہ سے زیادہ انسان کے نفس کی چوریوں کو کون جان سکتا ہے، لہٰذا وہ ہماری نفسیاتی بیماریوں کو اور نفس کی چوریوں کو پکڑ کر بتا رہے ہیں کہ خدا کے لئے یہ کام نہ کرو، ہر انسان کو اپنی قبر میں سونا ہے، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، دوسروں کے اعمال کی فکر آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ اور وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ حضرت والد صاحب نے جواب دیا کہ میں اس کی فکر کیا کروں کہ وہ فاسق تھا یا فاجر تھا، مجھے تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے کہ کہیں میں تو فاسق نہیں ہوں، میں اس کی فکر کیا کروں کہ وہ جنتی تھا یا جہنمی تھا، مجھے تو اپنی فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کہاں بھیجیں گے؟ مجھے نہ اس

کے اعمال کا جواب دینا ہے، اور نہ کوئی مجھ سے قبر میں اس کے بارے میں سوال کرے گا، نہ حشر میں مجھ سے اس بارے میں سوال ہوگا، اور نہ اس کے عمل کی کوئی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور نہ کوئی مجھ سے یہ پوچھے گا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ اور جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے اس وقت تک تمہیں جنت نہیں ملے گی، قرآن کریم کا تو یہ ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۴۱)

یہ لوگ تھے جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں، تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ لوگ کیا عمل کرتے تھے۔ لہٰذا میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ مجھے تو اپنی فکر ہے کہ میرے اعمال کیسے ہیں؟

خلاصہ

بہرحال! قرآن کریم ہمیں اور آپ سب کو یہ سبق دیتا ہے کہ بھائی! اپنی فکر کرو، اپنے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کرو، اور اس قابل بنو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤ تو تمہارا دامن پاک صاف ہو، دوسروں کی فکر کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرا کیا کر رہا ہے؟ دوسرے میں کیا عیب ہے؟ اور دوسرے کی کتنی آمدنی ہے؟ دوسرے کا کیا خرچ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ فکر تمہارے ذمہ نہیں ڈالی:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

یہ ہے پیغام جو اس آیت کریمہ کے اس مختصر جملے "ولا تجسسوا" نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

غیبت مت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۱

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غیبت مت کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ O (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورت الحجرات کی ایک آیت ہے جو میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ہمیں اور آپ کو تین گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، جن میں سے پہلا گناہ بدگمانی ہے کہ کسی شخص کے خلاف کسی دلیل اور تحقیق کے بغیر بدگمان ہو جانا، اور اس کی کسی برائی کا یقین کر بیٹھنا، یہ بدگمانی ناجائز اور حرام ہے، اور اس آیت میں اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔ دوسرا گناہ "تجسس" ہے، یعنی دوسرے کی جاسوسی کرنا، دوسرے کے اندرونی حالات کی ٹوہ لگانا، اس سے بھی اس آیت میں منع فرمایا ہے، ان دونوں گناہوں کا بیان گذشتہ جمعوں میں ہو چکا ہے۔

غیبت کی تعریف

تیسرا گناہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے، وہ ہے "غیبت" چنانچہ ارشاد فرمایا کہ "وَ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا" یعنی تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، یہ بڑا اہم حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ غیبت کے کیا معنی ہیں؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ غیبت کیا ہے؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہی بتا دیں، آپ نے اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذکرک اخاک بما یکرہ. یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کا اس کی پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا کہ جب اس کو پتہ چلے کہ میرا اس طرح ذکر کیا گیا ہے تو اس کو ناگوار گزرے، وہ اس کو ناپسند کرے، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جو بات میں اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں ذکر کر رہا ہوں، اگر وہ سچی ہو، اور وہ برائی اس کے اندر موجود ہو، کیا پھر بھی گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ برائی اس کے اندر موجود ہے تب ہی تو یہ غیبت ہے، اور اگر وہ

برائی اس کے اندر موجود نہیں ہے، اور تم اس کی طرف جھوٹ منسوب کر رہے ہو، تو پھر اس میں بہتان کا گناہ بھی شامل ہے۔ یعنی غیبت تو اسی وقت ہوتی ہے جب وہ بات جو تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو، وہ سچی ہے، اور وہ برائی اس کے اندر موجود ہے۔ لیکن چونکہ تم پیٹھ پیچھے کہہ رہے ہو، اس لئے وہ گناہ ہے، اور غیبت ہے، اور اگر تم جھوٹی بات کہہ رہے ہو تو پھر ڈبل گناہ ہے، ایک غیبت کا گناہ، اور ایک بہتان کا گناہ، اس لئے کہ تم نے اس پر جھوٹا بہتان لگا دیا ہے۔

یہ غیبت کے اندر داخل ہے

یہ صحیح حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تشریح فرمائی ہے، اور اس حدیث کے ذریعہ یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو بات فلاں شخص کے بارے میں کہہ رہے ہیں کوئی جھوٹ تھوڑی کہہ رہے ہیں، ہم تو سچ کہہ رہے ہیں کہ واقعی اس کے اندر یہ برائی پائی جاتی ہے، وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیبت نہیں ہوئی۔ لیکن اس حدیث نے بتا دیا کہ اگر تم سچی بات اس کے پیٹھ پیچھے کہہ رہے ہو، مگر اس کو یہ تذکرہ ناگوار ہو تو وہ غیبت میں داخل ہے، اور اگر جھوٹ بولا ہے تو یہ بہتان بھی ہے، ڈبل گناہ ہے۔

اس طرح کی غیبت بھی جائز نہیں

بعض لوگ غیبت کو جائز کرنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں تو یہ بات اس کے منہ پر کہنے کو تیار ہوں، اس کے ذریعے وہ بتانا چاہتے ہیں یہ غیبت نہ ہوئی، یہ خیال بھی غلط ہے، ارے منہ پر کہنا ہو تو بیشک کہو، لیکن منہ پر کہنا بھی اس وقت جائز ہے جب خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہو، فرض کرو کہ ایک آدمی نماز نہیں پڑھتا، آپ

اس کو محبت سے، پیار سے، ہمدردی سے کہیں کہ بھائی جان! نماز فرض ہے، آپ نماز پڑھا کریں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر عیب لگانے کی غرض سے، بدخواہی کی نیت سے، ذلیل کرنا، رسوا کرنا مقصود ہو تو پھر چاہے اس کے منہ پر کہو، تو بھی حرام ہے۔ اور پیٹھ پیچھے کہنا تو کسی حال میں جائز نہیں، اس لئے کہ اگر آپ کو اس کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی، خیر خواہی اور اس کی اصلاح مقصود ہوتی تو براہ راست اس سے وہ بات کہتے کہ بھائی، آپ کے بارے میں یہ خبر ملی ہے، یہ بات اچھی نہیں ہے، آپ اپنی حالت درست کر لیجئے، لیکن آپ اس کے پیچھے دوسرے لوگوں کے سامنے کہہ رہے ہیں، اس میں کوئی خیر خواہی نہیں، بلکہ بدخواہی ہے، اور اسی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

قرآن کریم میں غیبت کی شناعت

آج ہمارا معاشرہ اس گناہ سے بھرا ہوا ہے، شاید ہی کوئی مجلس خالی ہوتی ہو، جس میں کسی کی غیبت نہ ہوتی ہو، اور صبح سے لے کر شام تک، ہماری نشست و برخاست، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، ہماری گفتگو غیبت سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ گناہ اتنا شدید ہے کہ اس آیت کے اگلے حصے میں جو الفاظ غیبت کے بارے میں استعمال فرمائے، وہ کسی اور گناہ کے بارے میں استعمال نہیں فرمائے، فرمایا کہ:

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اگر کوئی تم کو ایسا گوشت کھانے کو کہے تو تم کو ناگوار ہوگا، اور تمہیں نفرت ہوگی۔ یعنی ایک تو انسان کا گوشت، یہ خود قابل نفرت چیز تھی، اور انسان بھی مردہ، اور مردہ بھی اپنا بھائی، تو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا کتنی قابل نفرت چیز

ہے، کتنی گھناؤنی بات ہے، فرمایا کہ غیبت کرنا بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ وہ آدمی جس کی تم غیبت کر رہے ہو، وہ اس وقت مجلس میں موجود نہیں ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسا تمہارا مردہ بھائی ہے، اور اس وقت موجود نہیں ہے، اور یہ جو تم اس کی برائی کر رہے ہو، تو یہ تم اس کا گوشت کھا رہے ہو، قرآن کریم نے غیبت کی اتنی زبردست وعید بیان فرمائی ہے۔

غیبت زنا سے بدتر گناہ ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے لئے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے، چنانچہ فرمایا کہ:

الغيبة اشد من الزنا

یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے۔ آپ ذرا یہ سوچیں کہ زنا اور بدکاری کے عمل کو کوئی بھی شریف آدمی پسند نہیں کرتا، ساری دنیا کے تمام مذاہب اس عمل کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں، اور بے حیائی سمجھتے ہیں، کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا، اگر معاشرے میں کوئی شخص اس کے اندر مبتلا ہو تو سارے معاشرے میں اس کی تھو تھو ہو جائے کہ یہ شخص ایسا بدکار ہے، لیکن حدیث میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ غیبت اس سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے، کیوں؟ اس لئے کہ زنا کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے، اگر کبھی توبہ کی توفیق ہو گئی، اور اس نے سچے دل سے توبہ کر لی، اور اپنے فعل پر نادم ہوا، شرمسار ہوا، رویا گڑگڑایا، اور یہ عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا، تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

غیبت میں دوسرے مسلمان کی آبرو پر حملہ ہے

لیکن غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یعنی غیبت کرنے والے نے

بندے کا حق پامال کردیا، اور اس کی آبرو پر حملہ کیا ہے، اور کسی بھی مسلمان کی آبرو پر حملہ کرنا، اور اس کو بے آبرو کرنا، یہ اتنا زبردست گناہ ہے کہ حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ شریف کا طواف کررہا تھا، طواف کرتے ہوئے آپ نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، تیرا تقدس کتنا اونچا ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر، یا اس کے مال پر، یا اس کی آبرو پر حملہ کرتا ہے تو اس کا گناہ کعبہ پر حملہ کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

ہم روزانہ بیت اللہ ڈھار ہے ہیں

ذرا تصور کریں کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کی بے حرمتی کرے، اس پر حملہ آور ہو، یا اس کو منہدم کرنے کی کوشش کرے، اور اس کو شہید کرنے کی کوشش کرے تو سارا عالم اسلام اس کے خلاف کھڑا ہو جائے گا، سارے عالم اسلام میں ایک غم وغصہ کی لہر دوڑ جائے گی، اور وہ اس بات کو کبھی برداشت نہیں کریں گے، لوگ اپنی جانیں دیدیں گے، لیکن کعبہ کی بے حرمتی برداشت نہیں کریں گے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ بے شک کعبہ کی حرمت ایسی ہی ہے کہ آدمی اس کے لئے جان بھی دیدے، لیکن ایک مسلمان کی جان، مال وآبرو کی حرمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم لوگ روزانہ مسلمانوں کی آبروؤں پر حملے کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم روزانہ کعبہ کو ڈھارہے ہیں، اور پرواہ بھی نہیں کرتے، ہماری مجلسوں میں کتنے کعبے ہیں، جو اس طرح ڈھائے جارہے ہیں، مسلمانوں کی جانوں

پر، ان کے مال پر اور ان کی آبرو پر حملے ہورہے ہیں۔ جان پر حملہ یہ بھی ہے کہ کسی کو قتل کردے، جان پر حملہ یہ بھی ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچادے، مال پر حملہ یہ بھی ہے کہ اس سے ناحق طریقے سے مال وصول کرے، اس سے رشوت لے، یا اس کو دھوکہ دے کر مال وصول کرلے، یہ سب مال پر حملے میں داخل ہے۔

غیبت کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا

اور آبرو پر حملہ کرنے میں غیبت بہتان، دل آزاری، گالی گلوچ یہ سب داخل ہیں، لہٰذا یہ اتنا بڑا گناہ ہے، اور چونکہ حقوق العباد سے اس کا تعلق ہے، اور حقوق اللہ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صرف توبہ سے بھی معاف فرمادیتے ہیں، لیکن اگر کسی بندے کا حق پامال ہوا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک اس بندے کا حق ادا نہیں ہوگا، یا جب تک وہ معاف نہیں کرے گا، اس وقت تک میں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اب بتایئے! جن جن کی ہم غیبت کرتے رہتے ہیں، ان کی معافی کا کیا طریقہ ہے؟ فرض کریں کہ ندامت بھی ہوئی، توبہ کی توفیق بھی ہوئی، اور توبہ بھی کرلی، لیکن اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ میرے جن بندوں کے حقوق پامال کئے ہیں، ان سے معافی مانگ لو۔ اب تم کہاں ان کو تلاش کروگے؟ اور کس طرح ان سے معافی مانگو گے؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا سے بھی زیادہ سنگین ہے، اس لئے کہ زنا کی معافی توبہ کرنے کے بعد آسان ہے، لیکن غیبت کی معافی آسان نہیں، اتنا سنگین گناہ ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سنگینی کے باوجود اس کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھا ہوا ہے، مجلسیں غیبتوں سے بھری ہوئی ہیں، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، افسوس یہ ہے کہ اس کی برائی دلوں سے مٹ گئی ہے، اس کی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے، غیبت کرتے وقت یہ خیال ہی نہیں آتا

کہ ہم کوئی گناہ کرر ہے ہیں۔

معافی مانگنا کب ضروری ہے؟

بہر حال! یہ بہت ہی اہم ہدایت ہے، جو قرآن کریم نے ہمیں اس آیت میں دی ہے، ہم سب کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے، صبح سے لے کر شام تک کی زندگی پر نظر دوڑانی چاہئے کہ ہم کہاں کہاں کس کس کی غیبت کرر ہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے غیبت کے گناہ سے معافی کا ایک راستہ یہ بھی رکھا ہے کہ اگر آپ کی غیبت کرنے کی خبر اس شخص کو پہنچ گئی ہے جس کی آپ نے غیبت کی ہے تب تو اسی سے معافی مانگنا ضروری ہے، لیکن اگر ابھی تک اس کو خبر نہیں پہنچی تو امید ہے کہ تنہا توبہ کرنے سے بھی وہ گناہ معاف ہو جائے گا، اس لئے کہ جب اس کو تمہاری غیبت کی خبر پہنچی تو اس سے اس کو جو رنج ہوا، جو صدمہ ہوا، اس کو جو دل دکھا تو اس کی وجہ سے اسی سے معافی مانگنا ضروری ہے، لیکن اگر اس کو خبر نہیں پہنچی تو ابھی تک یہ معاملہ اس کی دل شکنی تک نہیں پہنچا، تو امید یہ ہے کہ اگر صرف توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

بڑا حکیمانہ جملہ تھا

اب تو ہر چیز کی قدریں بدل گئی ہیں، تہذیب اور تمدن کا انداز ہی بدلا ہوا ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ پہلے ہمارے بڑوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کہیں سفر کے لئے رخصت ہور ہے ہوتے تھے تو اس وقت اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب سے کہتے کہ بھائی ہمارا کہا سنا معاف کر دینا، یہ جملہ تقریباً ہر شخص کی زبان پر ہوتا تھا، یہ بڑا حکیمانہ جملہ تھا۔ وہ اس طرح کہ ہو سکتا ہے کہ میں نے تمہارے

بارے میں کوئی بات کہدی ہو، جو تمہیں ناگوار ہوئی ہو، اور اس سے تمہارا حق پامال ہوا ہو تو خدا کے لئے معاف کر دینا، سامنے والا کہتا ہے کہ میری طرف سے معاف ہے، اس طرح معافی ہو جاتی ہے، اب چونکہ معاشرے کی قدریں ہی بدل گئی ہیں، وہ روایتیں ہی ختم ہو گئی ہیں، اب یہ جملہ بہت کم سننے میں آتا ہے، لیکن بڑا حکیمانہ جملہ ہے۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اب کہاں آدمی کو یاد رہتا ہے کہ میں نے کس موقع پر کس کی غیبت کی تھی، تو کم از کم یہ کر لے کہ جتنے لوگوں سے ملاقات ہے، ملنا جلنا ہے، ان سے کسی موقع پر اتنا ہی کہہ لو کہ بھائی میرا کہا سنا معاف کر دینا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، انشاء اللہ۔ بہر حال! اول تو اس بات کا اہتمام کریں کہ دوسرے کا ذکر برائی کے ساتھ کسی بھی حالت میں نہ آئے، بعض اوقات شیطان بہکاتا ہے کہ میں تو نیک نیتی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں، حالانکہ نیک نیتی نہیں ہوتی، محض نفسانیت ہوتی ہیں۔ اس لئے دوسرے کا ذکر برائی سے کرنے سے بالکل پرہیز ہی کریں، یہ سمجھو کہ یہ جہنم کی آگ ہے، اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے، زنا کاری سے بدتر گناہ ہے، اور ایسا گناہ ہے کہ جس کی معافی مشکل ہے، اس وجہ سے جب کبھی زبان اٹھنے لگے تو زبان کو لگام دیدو، اگر دوسرے لوگ غیبت کر رہے ہوں تو موضوع کا اور بات کا رخ بدل کر کسی اور طرف لے جاؤ، تاکہ مجلس میں غیبت نہ ہو، اس بات کی کوشش کرلو، اور اب تک جو غیبت ہوئی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے ملنے جلنے والے ہیں ان سے یہ کہدو کہ بھائی میرا کہا سنا معاف کر دینا، کوئی حق تلفی ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔

آج ہی معافی تلافی کرلو

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دردمندی سے فرماتے ہیں کہ اگر تم نے کسی پر ظلم کیا ہو تو آج اس کو معاف کروالو، ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس وقت معافی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اگر تم نے کسی کا حق پامال کیا ہے، تو آج اگر اس کو پیسے دے کر معاف کرا سکتے ہو تو پیسے دے کر معاف کروالو، اگر خوشامد کر کے معاف کروا سکتے ہو تو خوشامد کر کے معاف کروالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی دردمندی سے ہر مسلمان کو یہ تلقین فرمائی ہے، پتہ نہیں کب آنکھ بند ہو جائے، کب دنیا سے رخصت ہو جائے، اور معافی کا دروازہ بند ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی معافی کی فکر عطا کرے، اور اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کون سی غیبت جائز ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کون سی غیبت جائز ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، و الحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! یہ سورۃ الحجرات کی ایک آیت ہے، جس کا

بیان گذشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اس آیت میں باری تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے کی ہمیں اور آپ کو تاکید فرمائی ہے، وہ تین گناہ ہیں، ایک بدگمانی کا گناہ، دوسرا تجسس کا گناہ، تیسرا غیبت کا گناہ۔ پہلے دو گناہوں کا بیان گذشتہ جمعوں میں تفصیل سے ہو چکا ہے، اور گذشتہ جمعہ میں غیبت کے بارے میں کچھ گزارشات عرض کی تھیں، جس کا حاصل یہ تھا کہ غیبت کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کی مترادف قرار دیا گیا ہے، اور فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو، بلکہ اس کو بہت ہی سنگین جرم سمجھتے ہو، غیبت کرنا بھی ایسا ہی جرم ہے، اور اتنا ہی سنگین گناہ ہے۔

سچی بات کہنا بھی غیبت میں داخل ہے

پچھلے جمعے کو میں نے یہ حدیث آپ حضرات کو سنائی تھی کہ "اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" کہ غیبت زناکاری سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اب اسی غیبت کے بارے میں چند گزارشات عرض کرنی ہیں، کیونکہ اس کے بارے میں چند غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک غلط فہمی جو لوگوں میں پائی جاتی ہے وہ پچھلے جمعہ بھی عرض کی تھی، وہ یہ کہ غیبت کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ سچی بات ہے، ہم کوئی جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں، پچھلے جمعہ کو میں نے عرض کیا تھا کہ چاہے آدمی سچی بات کہے، لیکن وہ بات ایسی ہو کہ جس کی غیبت جا رہی ہے، اس کو ناگوار ہو، تو ایسی صورت میں سچی بات کہنا بھی ناجائز ہے، اور غیبت میں داخل ہے۔ اور اگر جو برائی آپ بیان کر رہے ہیں، وہ اس کے اندر نہیں ہے، تب تو دوہرا گناہ ہے، ایک غیبت کرنے کا، دوسرے بہتان لگانے کا گناہ، لیکن اگر وہ بات صحیح اور سچی ہے، تو پھر بہتان لگانے کا گناہ تو نہیں ہوگا، لیکن غیبت کرنے کا گناہ پھر بھی ہوگا،

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف یہ فرمائی کہ: ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَہُ. یعنی اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اس کو ناگوار ہو، یہ غیبت ہے، گناہ ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے، ہاں ایسی بات جو اس کو ناگوار ہی نہ ہو تو بیشک وہ کہہ سکتا ہے۔

یہ غیبت میں داخل نہیں

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھلم کھلا برائی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کی وہ برائی ہر ایک کے سامنے ہے، اور ہر ایک کو معلوم ہے، مثلاً ایک شخص کھلم کھلا سگریٹ پیتا ہے، اگر آپ اس کا پیٹھ پیچھے یہ ذکر کریں کہ وہ صاحب تو سگریٹ پیتے ہیں، تو اس میں غیبت نہیں، اس لئے کہ وہ شخص تو خود ہی کھلم کھلا وہ کام کرتا ہے، اور اس طرح کا تذکرہ اس کو ناگوار بھی نہیں ہوگا۔ یا ایک شخص کھلم کھلا شراب پیتا ہے، اور اس کو اس عمل سے کوئی شرم نہیں، اور لوگوں سے اپنے اس عمل کو چھپاتا بھی نہیں ہے، تو اگر آپ اس کے پیچھے یہ کہیں کہ وہ شراب پیتا ہے تو یہ غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ اس کو اس تذکرہ سے کوئی ناگواری نہیں ہوگی۔

یہاں ناگواری نہیں پائی جا رہی ہے

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: کل امتی معافا الا المجاھرون. یعنی میری امت میں جتنے لوگ ہیں، چاہے کیسی ہی غلطی میں مبتلا ہوں، ان کو معاف کر دیا جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، ان کی معافی نہیں ہوگی، اور ایسے لوگوں کے اس گناہ کا تذکرہ ان کی پیٹھ پیچھے بھی کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے، وہ غیبت میں داخل نہیں۔ اس

لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کا ذکر ایسے انداز میں کرنا کہ اس کو ناگوار ہو۔ یہاں تو اس کو ناگوار نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو خود کھلم کھلا یہ گناہ کرتا ہے۔ ایک آدمی ''فلم'' میں کام کرتا ہے، اس کو اس کام میں کوئی عار اور شرم نہیں ہے، اب اگر آپ پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کریں گے کہ وہ تو فلم میں کام کرتا ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ تو کھلم کھلا یہ کام کر رہا ہے، اور اس تذکرہ سے اس کو ناگواری بھی نہیں ہوگی۔

یہ بھی غیبت میں داخل نہیں

دوسری بات جو یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے اندر کوئی برائی پائی جاتی ہے، اور اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس برائی کی وجہ سے دوسرے شخص کو نقصان پہنچ جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی دھوکہ باز ہے، لوگوں سے سودے کرتا ہے، معاملات کرتا ہے، اور اس میں ان کو دھوکے دیتا ہے، اب اگر یہ دھوکہ باز کسی کے پاس معاملہ کرنے کے لئے پہنچا، آپ نے دوسرے شخص کو بتادیا کہ ذرا اس سے ہوشیار رہنا، یہ دھوکہ باز ہے، اس کے معاملات اچھے نہیں ہیں، یہ بہت سے لوگوں کو دھوکہ دے چکا ہے۔ اب دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کی برائی کی جائے تو یہ غیبت نہیں، اور اس میں غیبت کرنے کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے آدمی کی خیر خواہی کا ثواب ملے گا کہ آپ نے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اس کو نقصان سے بچالیا۔

ایسی غیبت ضروری ہے

اسی طرح ایک آدمی کسی دوسرے کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا

ہے، اور آپ کو پتہ چل گیا، تو اگر آپ متعلقہ شخص کو بتادیں کہ ذرا ہوشیار رہنا فلاں آدمی تمہارے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنا رہا ہے، اب یہ بیان کرنا بظاہر تو برائی ہے، اور اس ڈاکہ ڈالنے والے کو تمہارا یہ بتانا ناگوار بھی گزرے گا کہ اس نے میرا پروگرام بتادیا، لیکن شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر آپ دوسرے کو نہیں بتائیں گے تو دوسرا مسلمان پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا، اس کو پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی برائی بیان کریں تو یہ شرعاً جائز ہے، بلکہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ضرور اس کو اطلاع کریں۔

رشتے مشورے میں حقیقت کا اظہار

اسی طرح اگر کسی نے شادی کے لئے کسی کے ہاں رشتہ بھیج دیا، اب لڑکی والے آپ سے مشورہ کر رہے ہیں کہ فلاں کی طرف سے رشتہ آیا ہے، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اور آپ کو پتہ ہے کہ اس لڑکے کے اندر ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو آگے چل کر لڑکی کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہیں، اگر اس وقت آپ لڑکی والوں کو یہ بات بتادیں کہ اس لڑکے میں فلاں بات ہے، ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا، یہ بتادینا غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ اگر آپ نہیں بتائیں گے اور لڑکی والے غلط فہمی میں رشتہ کرلیں گے تو لڑکی کی ساری زندگی پریشانی میں گزرے گی، اس پریشانی سے بچانے کے لئے اگر آپ اس کی حقیقی برائی بتادیں، یا آپ کو شبہ ہے تو اس شبہ کا اظہار کردیں تو یہ غیبت نہیں۔ اصول یہ ہے کہ کسی دوسرے کو کسی نقصان سے بچانے کے لئے کسی کی برائی بیان کرنی پڑے تو یہ نہ غیبت ہے، نہ گناہ ہے، بلکہ ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے سامنے ایسا موقع آتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں بتاؤں

گا تو یہ غیبت ہو جائے گی، اور اس وجہ سے وہ صحیح بات بتانے سے اجتناب کرتے ہیں، یہ شریعت کا تقاضہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک آدمی دور سے آتا ہوا نظر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "بئس اخو العشیرۃ" یہ آدمی جو آرہا ہے، یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، لیکن جب وہ آپ کے پاس ملاقات کے لئے آیا تو آپ اس کے ساتھ بہت اچھے اخلاق سے پیش آئے، اچھا سلوک کیا، جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، لیکن وہ جب آگیا تو آپ نے اس کا اکرام کیا، اور بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے بد اخلاق کب پایا؟ میں تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرتا ہوں، لیکن میں نے اس کے بارے میں اس لئے بتا دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ کبھی یہ شخص تمہیں دھوکہ دے جائے۔ یعنی تم اس کو اچھا سمجھ کر اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر بیٹھو، اور بعد میں تمہیں پریشانی ہو، اس لئے میں نے تمہیں بتا دیا، لیکن جہاں تک میرے اپنے برتاؤ کا تعلق ہے، تو میرا برتاؤ تو ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا ہے، کبھی تم نے مجھے ایسا پایا کہ میں کسی کے ساتھ بد اخلاقی کی ہو؟ اب بظاہر دیکھنے میں یہ غیبت ہے، لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر یہ بات نہیں بتائی جائے گی تو اس آدمی سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا ان کے متعلقین کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لئے آپ نے پہلے سے

متنبہ فرمادیا، بہر حال! جہاں اس بات کا اندیشہ ہو وہاں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

راویوں کے حالات کی تحقیق

دیکھئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہم تک پہنچی ہیں، وہ کس طرح پہنچی ہیں؟ وہ اس طرح پہنچی ہیں کہ ایک صحابی نے ایک حدیث دوسرے کو سنائی، دوسرے نے تیسرے کو سنائی، تیسرے نے چوتھے کو سنائی، یہاں تک کہ وہ حدیث ہم تک پہنچ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کے لئے ایسے محدثین اور ایسے علماء پیدا کئے کہ جنہوں نے یہ کیا کہ جتنے روایت کرنے والے راوی ہیں، اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کررہے ہیں، ان میں سے ایک ایک راوی کی پوری زندگی کا کچا چھٹا لکھ کر چلے گئے، مثلاً میرے پاس ایک حدیث پہنچی، میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے فلاں کو یہ حدیث پہنچائی تھی، اور فلاں نے فلاں کو پہنچائی تھی، اس طرح درمیان میں آٹھ دس آدمی آگئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آٹھ دس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بات منسوب کررہے ہیں، یہ سچ منسوب کررہے ہیں، یا جھوٹ منسوب کررہے ہیں، یہ لوگ بھروسہ کرنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ علماء جرح وتعدیل نے اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھ دیں، جن میں ہر ایک راوی کا حال درج ہے، اس وقت دنیا میں حدیث کی دوسو سے زائد کتابیں ہیں، آپ ان میں سے کوئی بھی کتاب اٹھالیں، اور اس کتاب میں ایک ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہوگا کہ یہ حدیث کس کس راوی نے روایت کی ہے، اور راویوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تک پہنچتی ہے، آج آپ ان راویوں میں سے کسی کے نام پر انگلی رکھ دیں، کتابوں کے اندر اس راوی کا پورا تذکرہ مل جائے گا کہ یہ راوی کہاں پیدا ہوا تھا،

کس کس سے پڑھا تھا، اس کا حافظہ کیسا تھا، اس کے اخلاق کیسے تھے؟ اور آیا یہ راوی بھروسے کے لائق ہے یا نہیں؟ یہ سب تفصیل موجود ہے، یہ علم کسی مذہب کسی ملت میں موجود نہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں موجود ہے، اس علم کو ''اسماء الرجال'' کا علم کہا جاتا ہے، یعنی روایت کرنے والے آدمی کا علم۔

علم اسماء الرجال اور غیبت

یہ علم کیسے وجود میں آیا؟ یہ علم اس طرح وجود میں آیا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے کھڑا کر دیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی حفاظت کریں، وہ ایک ایک راوی کے حالات کی چھان بین ان کی بستی میں جا کر کیا کرتے تھے۔ غالباً حضرت یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ جو اس علم کے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی بستی میں کسی راوی کے حالات معلوم کرنے جاتے، تو ہم اس کے خاندان کے بارے میں، اس کے اخلاق کے بارے میں، اس کی نماز کے بارے میں، اور اس کے کردار کے بارے میں سوالات کرتے تو بستی والے ہم سے پوچھتے کہ کیا ان کی طرف سے آپ کی کسی لڑکی کا رشتہ آیا ہے؟ اس لئے کہ اتنی تحقیق وہی کرتا ہے جس کے گھر رشتہ بھیجا گیا ہو۔ چنانچہ اگر ان راویوں کے اندر کوئی خرابی ہوتی تو وہ بتا دیتے تھے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے، مثلاً اس کا حافظہ کمزور ہے، اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے، اس کا کردار اچھا نہیں ہے، کسی کے بارے میں کہتے کہ یہ جھوٹا ہے، کذاب ہے، اب بظاہر تو یہ غیبت ہے، اور اس لحاظ سے اسماء الرجال کا سارا علم غیبت پر مشتمل ہے، اس لئے کہ اس میں راویوں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں، لیکن یہ غیبت اس لئے کی جا رہی ہے تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کی جائے، اور لوگوں کو غلط قسم کے راویوں کے شر سے بچایا جائے، اس لئے یہ غیبت

جائز ہے۔

حدیث کے معاملے میں باپ کی بھی رعایت نہیں کی گئی

اور ان حضرات علماء نے اتنا اہتمام کیا کہ جب کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا جاتا کہ فلاں شخص کی حدیث کیسی ہے؟ بھروسہ کے لائق ہے یا نہیں؟ تو اس میں نہ رشتہ کا خیال کیا، نہ قرابت داری اور خون کا خیال کیا، بلکہ جو حقیقت ہوتی وہ بیان کر دیتے۔ ایک مشہور محدث ہیں حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ، جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں، ان کے والد بھی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ دوسرے راویوں کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں کہ فلاں بھروسے کے لائق ہے، اور فلاں بھروسے کے لائق نہیں ہے، لیکن آپ کے والد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ پہلے تو حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں مجھ سے مت پوچھو، کسی اور سے پوچھ لو، اس لئے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ حتی الامکان انسان اپنے باپ کی برائی نہ کرے، اس لئے ان کے بارے میں دوسرے بڑے بڑے علماء سے پوچھ لو، سوال کرنے والے نے پوچھا کہ حضرت! میں ان کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے والد حدیث میں کیسے ہیں؟ ان کی حدیثیں بھروسے کے لائق ہیں یا نہیں؟ حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر جھکا لیا، اور فرمایا کہ یہ دین کا معاملہ ہے، اس لئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ان کی بیان کردہ حدیث بھروسے کے لائق نہیں۔

بیٹے کی رعایت نہیں کی گئی

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ جن کی سنن ابو داؤد کے نام سے کتاب صحاح ستہ

میں شامل ہے، ان سے ان کے بیٹے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ حدیث میں کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے بیٹے کی کوئی روایت بھروسے کے لائق نہیں، بہرحال! باپ ہو، یا بیٹا ہو، بھائی ہو، یا اور کوئی رشتہ دار ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے معاملے میں ان حضرات نے کسی کے ساتھ رعایت کا معاملہ نہیں کیا۔ اب بظاہر تو پیٹھ پیچھے برائی ہو رہی ہے، اور غیبت ہو رہی ہے، لیکن اس کا مقصد چونکہ امت کو فتنے سے بچانا تھا، اور شر سے بچانا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت مقصود تھی، اس وجہ سے یہ غیبت نہیں تھی، بلکہ یہ بتانا جائز تھا۔

ظلم کا اظہار غیبت نہیں

بہرحال! اصول یہ ہے کہ جب کسی انسان کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی برائی بیان کرنی پڑ جائے تو وہ گناہ نہیں، بلکہ وہ جائز ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ایک آدمی مظلوم ہے، اور اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے، اگر وہ مظلوم کسی ایسے شخص کے پاس جا کر اپنا ظلم بیان کرے جو اس کے ظلم کو دور کر سکتا ہو، تو یہ غیبت نہیں، مثلاً ایک آدمی نے دوسرے کا مال چھین لیا، یا پیسے چھین لئے، اب اس نے اگر کسی پولیس والے کو بتایا کہ فلاں شخص نے میرے پیسے چھین لئے ہیں، اب بظاہر تو یہ پیٹھ پیچھے برائی بیان ہو رہی ہے، لیکن چونکہ یہ شخص مظلوم ہے، اس لئے اس کے بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

یہ غیبت نہیں

بلکہ ایسے حالات میں جن میں آپ اور ہم گزر رہے ہیں، اس میں جو بیچارہ

مظلوم ہوتا ہے، وہ پولیس کے پاس جاتے ہوئے بھی گھبراتا ہے، کہ وہاں جا کر الٹا میں بھی پھنس جاؤں گا، اس لئے کہ اگر عدالت میں معاملہ چلا گیا تو سالہا سال تک چکر کاٹتا پھروں گا، اور حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا لوگ مظلوم ہونے پر صبر کر لیتے ہیں، اور متعلقہ حکام کے پاس جانے سے پرہیز کرتے ہیں، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص مظلوم ہے، اور دادرسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، تو کم از کم اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اور اپنی مظلومیت کو ہلکا کرنے کے لئے اگر وہ شخص اپنے ظلم کو دوسرے کے سامنے بیان کرے کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا، اگرچہ جس شخص کے سامنے اپنا مظلوم ہونا بیان کیا وہ عام شخص تھا، لیکن کم از کم وہ تسلی دے سکتا ہے کہ بھائی! ہمیں افسوس ہے، تمہارے ساتھ بہت برا ہوا، بڑی زیادتی ہوئی، اس طرح کے دو چار تسلی کے جملے کہہ دے گا تو کم از کم اس کے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے اگر کوئی شخص اپنی مظلومیت بیان کرے تو یہ غیبت نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (سورة النساء: ۱۴۸) یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ کسی کے بارے میں برائی بیان کی جائے، ہاں جو شخص مظلوم ہو، اگر وہ اپنی مظلومیت کسی کے سامنے بیان کرے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرے، اس میں نمک مرچ نہ لگائے، اور اپنی طرف سے مبالغہ آرائی نہ کرے تاکہ دل ٹھنڈا ہو جائے، یہ غیبت کے اندر داخل نہیں، جائز ہے۔

خلاصہ

بہرحال! جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں، جہاں آدمی کو دوسرے کی برائی بیان کرنی پڑ جاتی ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، وہ حرام غیبت کی

فہرست میں داخل نہیں، لیکن عام طور پر ہماری مجلسوں میں جو غیبت ہو رہی ہے، وہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، محض مجلس آرائی کے لئے، اور گپ شپ لگانے کے لئے، محض وقت گزاری کے لئے دوسروں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں، یہ حرام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے، اور جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا سے بدتر جرم قرار دیا ہے، آج ہماری مجلسیں اس غیبت سے بھری ہوئی ہیں، اور اسی کی وجہ سے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد بن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس سنگین گناہ سے نجات عطا فرمادے، اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں پیوست کردے، اور ہمارے معاشرے کو اس گناہ سے پاک کردے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

غیبت کے مختلف انداز

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غیبت کے مختلف انداز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

گذشتہ چند جمعوں سے اس آیت کا بیان چل رہا ہے، جو آیت میں نے ابھی

آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے تین بڑے گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، پہلا گناہ ہے ''بدگمانی'' یعنی کسی شخص کے بارے میں تحقیق کے بغیر برائی کا گمان کر لینا، اور دل میں اس کو جما کر بیٹھ جانا، اس کو ''بدگمانی'' کہتے ہیں، اور دوسرا گناہ ہے ''تجسس'' یعنی دوسرے کی عیب جوئی کرنا، اور اس کی جستجو کرنا کہ یہ کیا کرتا ہے، کیا گناہ کرتا ہے، اور اس تجسس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر مجھ کو اس کی کوئی برائی معلوم ہو جائے تو میں اس کو بدنام کر دوں، یہ تجسس بھی ناجائز اور اور حرام ہے، تیسرا گناہ یہ بیان فرمایا کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ ان تینوں گناہوں کی تشریح پچھلے بیانات میں عرض کی تھی، اور آخر میں غیبت کا بیان تھا کہ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کا تذکرہ اس کی غیر موجودگی میں اس طرح کرنا کہ اس کو ناگوار ہو، اگر اس کو پتہ چل جائے کہ میرے بارے میں یہ بات کہی گئی تھی تو اس کو برا لگے، اس کو تکلیف ہو، صدمہ ہو، ایسی بات کہنے کو غیبت کہتے ہیں۔

عمل سے برائی کا اظہار بھی غیبت ہے

اور اس غیبت میں جس طرح زبان سے کوئی بات کہنا داخل ہے، اسی طرح اپنے کسی عمل سے کسی کی برائی ظاہر کرنا بھی غیبت میں داخل ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی خاتون کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا، جو پستہ قد تھیں، چھوٹا قد تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے انداز سے کیا جس سے اس خاتون کی تحقیر سمجھ میں آتی تھی کہ وہ خاتون ٹھگنی ہیں، پستہ قد ہیں، اور نقل اتار کر اس کی طرف اشارہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ تم نے جو عمل کیا، یہ اتنا بدبودار عمل ہے کہ اس کی بدبو سے

فرشتے بھاگ گئے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زبان سے کوئی کلمہ نہیں کہا تھا جو ناگواری کا سبب ہوتا، لیکن ان کا تذکرہ عملی طور پر نقل اتارتے ہوئے اس طرح کیا جس سے ان کی تحقیر اور اہانت ہوتی تھی، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی غیبت کے اندر داخل ہے۔

کسی کی نقل اتارنا

اس سے پتہ چلا کہ کسی کی نقل اس کی غیر موجودگی میں اس انداز سے اتارنا کہ جس سے لوگ ہنسیں اور اس کے بارے میں کوئی برا تأثر لیں، اور جب سامنے والے کو پتہ چلے کہ میری اس طرح نقل اتاری گئی تھی تو اس سے اس کو تکلیف ہو، یہ بھی غیبت میں داخل ہے، اور اگر نقل اتارنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس سے اس کا مذاق اڑایا جائے، اس کی تذلیل کی جائے تو پھر دھرا گناہ ہے، ایک غیبت کرنے کا گناہ، دوسرے مذاق اڑانے کا گناہ، چنانچہ پچھلی آیت میں یہ بیان ہوا تھا کہ کوئی مؤمن کسی مؤمن کا مذاق نہ اڑائے، کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔

دوسرے کا مذاق اڑانا

ہم ذرا اپنے چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھیں، یہ نظر آئے گا کہ ہمارے مجلسوں میں یہ سب کام ہوتے ہیں، ہماری مجلسوں میں دوسروں کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے، ان کا استہزاء بھی کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ مجلسیں گرم کی جاتی ہیں، اس سے مزے لئے جاتے ہیں، کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے اس پر پابندی لگا کر ہماری مجلسوں کا لطف اور مزہ ہی ختم کر رہے ہیں، کیونکہ اگر مجلسوں سے یہ چیزیں ختم کر دی جائیں تو سارا مزہ ہی ختم ہو جائے گا۔ تو میرے بھائیو! ذرا یہ سوچو کہ آپ کو تو اس کا مذاق اڑانے

میں مزہ آ رہا ہے، لیکن جس شخص کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، اس کے دل سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرے گی، اور یہ سوچو کہ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا......! اور میرا اس طرح مذاق اڑایا جاتا......! میرے اس طرح تذلیل کی جاتی تو میرے دل پر کیا گزرتی؟ اگر تم اس مذاق کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو، ارے مؤمن کا معاملہ تو وہ ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ "اَحِبَّ لِغَیْرِكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ، اِکْرَهْ لِغَیْرِكَ مَاتَکْرَهُ لِنَفْسِكَ" یعنی دوسرے کے لئے وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسرے کے لئے وہی بات ناپسند کرو جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ جب کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کی نوبت آجائے تو اپنے آپ کو اس کی جگہ کھڑا کر کے دیکھ لو کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا، اور میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا تو آیا مجھے پسند ہوتا یا ناپسند ہوتا، اس سے مجھے صدمہ ہوتا، یا خوشی ہوتی، اگر تمہیں ناپسند ہوتا، اور صدمہ ہوتا تو پھر وہ کام دوسرے کے لئے نہ کرو۔ یہ نہ ہو کہ آپ نے دو پیمانے بنالئے ہوں، ایک اپنے لئے، اور ایک دوسروں کے لئے، اپنے لئے اور پیمانہ، دوسروں کے لئے اور پیمانہ، اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جو پیمانہ اپنے لئے اختیار کیا ہے، وہی پیمانہ دوسروں کے لئے ہونا چاہئے۔

یہ سب غیبت میں داخل ہے

لہٰذا جس طرح زبان سے غیبت کرنا، کسی کی برائی ایسے انداز سے بیان کرنا جس سے اس کو ناگوار ہو، حرام ہے، اسی طرح کسی بھی ایسے عمل سے اس کی برائی بیان کرنا جس سے اس کی تحقیر اور تذلیل ہو، یا نقل اتارنا، اور اشاروں میں اس کی تحقیر کی جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہے، اور حرام ہے، اور اتنا شدید حرام ہے کہ قرآن کریم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ

اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، ایک تو انسان کا گوشت، اور انسان بھی مردہ، اور مردہ بھی اپنا بھائی، جس طرح اس کا گوشت کھانا جتنا گھناؤنا کام ہے، کسی کی غیبت کرنا بھی اتنا ہی گھناؤنا کام ہے، اور یہ غیبت کا گناہ ہمارے معاشرے میں اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ اس کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس سے خالی ہوتی ہو، جس میں کسی کی غیبت نہ ہوتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کی سنگینی کا احساس ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے، آمین

دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرو

اللہ تعالیٰ نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ واتقوا اللّٰہ، اللہ سے ڈرو، یہ لفظ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اور قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے، یا قانون بیان کرتا ہے تو اس کے ساتھ اتقوا اللّٰہ کے الفاظ ضرور ہوتے ہیں، اس کے اندر ہمارے اور آپ کے لئے ایک عظیم سبق ہے، یہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، وہ یہ کہ دنیا کا کوئی بھی قانون ہو، کوئی بھی حکم ہو، اس کو بجا لانے کے لئے اور اس کو نافذ کرنے کے لئے آپ جتنی چاہے پولیس لگا دیں، محکمے اور عدالتیں قائم کر دیں، لیکن قانون کی پابندی کروانے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر دیا جائے، اگر پولیس موجود ہے تو وہ پولیس دن کی روشنی میں اور آبادی کے اندر آپ کو ظلم سے باز رکھ سکتی ہے، لیکن رات کی تاریکی میں، اور جنگل کی تنہائی میں، یا کسی ایسی جگہ پر جہاں آپ کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو، جہاں آپ کو پولیس کا خوف نہ ہو، وہاں آدمی قانون بھی توڑ دے گا، اور حکم کی خلاف ورزی بھی کرے گا، لیکن اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا دل میں احساس ہو، تو پھر چاہے رات کی تاریکی ہو، یا جنگل کی تنہائی ہو، وہ

تقوی جو اس کے دل میں ہے، وہ اس کا ہاتھ پکڑے گا، اور وہ اس پر پہرہ بٹھائے گا کہ یہ کام ناجائز ہے، یہ کام حرام ہے، اس کام کو کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی تو میں کیا جواب دوں گا، وہاں مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا ہوگا، میں وہ عذاب کیسے برداشت کروں گا۔ یہ احساس دل میں پیدا ہو جائے تو سارے احکام پر ٹھیک عمل ہو جائے۔

قانون کی پابندی کا واحد راستہ ''خوف خدا''

اس لئے جب قرآن کریم کوئی حکم دیتا ہے، یا کوئی قانون بتاتا ہے تو اس کے فوراً بعد یہ الفاظ لاتا ہے کہ "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" اللہ سے ڈرو، کیونکہ قانون اور حکم کی پابندی کروانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں تقوی پیدا کیا جائے، سارا قرآن تقوی کے حکم سے بھرا ہوا ہے۔ بعض لوگ جو نا آشناس ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ڈرو، مجھ سے ڈرو، تو اللہ تعالیٰ اپنے آپ سے کیوں اتنا ڈراتے ہیں؟...... بات دراصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ ڈرے تو اس کی عظمت شان میں، اس کے جلال میں، اس کی کبریائی میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، اگر ساری دنیا تقوی اختیار کر لے تو اس کی عظمت شان میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا، وہ جیسا عظیم تھا، وہ اب بھی ہے، وہ بے نیاز ہے، اور اگر ساری دنیا نافرمان ہو جائے، ساری دنیا اگر غافل ہو جائے، اس کی یاد چھوڑ دے، تب بھی اس کی عظمت و جلال میں اس کی کبریائی میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

تقوی کا کانٹا دل میں لگاؤ

لہٰذا اللہ تعالیٰ یہ جو بار بار فرما رہے ہیں کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اس

سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس دن تقوی کا یہ کانٹا تمہارے دل میں لگ گیا، اس دن سے تمہاری زندگی درست ہو جائے گی، اس دن تمہارا طرز عمل درست ہو جائے گا، اگر تمہارے دل میں جرائم کے اور گناہ کے خیالات ہیں، ظالمانہ خیالات ہیں، در حقیقت وہ سب تقوی نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، لہٰذا اپنے اندر تقوی پیدا کرو۔ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ غیبت سے کیسے بچیں؟ ہر مجلس میں غیبت ہو رہی ہے، اور ہر مجلس میں کسی نہ کسی کا ذکر آ ہی جاتا ہے، اور اس کی برائی کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ دیکھئے! شیطان کا حربہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر آیا تو شروع میں ان کی اچھائی کا بیان کروائے گا کہ فلاں بڑا اچھا آدمی ہے، وہ ایسا کرتا ہے، پھر "لیکن" کہہ کر شیطان بات کا رخ موڑ دے گا کہ لیکن اس میں یہ خرابی ہے، اور یہ عیب ہے، اس طرح برائی کا ذکر شروع کروا دے گا۔

ہمارا ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

اس لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے دل میں تقوی پیدا کرو، جس دن تمہارے دلوں میں تقوی پیدا ہو گیا، اس دن سے تم گناہ سے بچ جاؤ گے۔ یہ سوچو جو کلمہ تمہاری زبان سے نکل رہا ہے، ایک ایک کلمے کا حساب ہوگا کہ کیا لفظ تم نے زبان سے نکالا تھا، اس کا حساب ہوگا، جس دن یہ احساس پیدا ہو گیا، بس اسی دن زبان پر زنجیر پڑ جائے گی، اور زبان میں احتیاط پیدا ہو جائے گی، اور پھر بے احتیاطی کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلے گا، اور پھر زبان سے جو کلمہ نکلے گا وہ احتیاط کے ترازو میں میں تلا ہوا ہوگا، اللہ جل شانہ نے چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا کہ "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" (سورۂ ق: آیت ۱۸) یعنی انسان جو لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے، اس کی نگرانی ہو رہی ہے، اس کا حساب قیامت کے روز دینا ہوگا، اور یہ بھی کہہ دیا کہ

قیامت کے روز عدالت قائم ہوگی، اور اس عدالت میں یہ بتایا جائے گا کہ اس شخص نے کیا بات کس وقت کہی تھی۔

پھر غیبت نہیں ہوگی

لیکن آج ہمیں چونکہ اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہماری ہر بات ریکارڈ ہو رہی ہے، اس وجہ سے ہماری زبان بے لگام ہے، جو منہ میں آتا ہے ہم بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں، اس لئے قرآن کریم کہتا ہے کہ "واتقوا اللّٰہ" اللہ سے ڈرو، یعنی اپنے دل میں یہ احساس پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیں اپنے ایک ایک لفظ کا جواب دینا ہے، جس دن یہ احساس پیدا ہو جائے گا، پھر کوئی غیبت زبان سے نہیں نکلے گی، کوئی جھوٹ زبان سے نہیں نکلے گا، کوئی بدگمانی نہیں ہوگی، کوئی تجسس نہیں ہوگا۔

سابقہ زندگی سے توبہ کرلیں

لیکن سوال یہ ہے کہ چلیں اب تو اپنے دل میں تقویٰ پیدا کرلیں، اور اپنے آپ کو ٹھیک کرلیں، لیکن پچھلی زندگی جو غفلت میں اور گناہوں میں گزری ہے، اس میں نہ جانے کیا کیا گناہ کرتے رہے، اس کے لئے اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔ یعنی تمہاری پچھلی زندگی جو گزر چکی ہے، اس کی طرف سے توبہ کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے توبہ کرلو، اور جن گناہوں کی تلافی کرنا ممکن ہے، ان کی تلافی کرلو، اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں گے، اور پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے، لیکن آئندہ کے لئے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرو، انشاء اللہ اس کے نتیجے میں زندگی درست ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

قومیت کے بت توڑ دو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومیت کے بت توڑ دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! ایک عرصہ سے سورۃ الحجرات کی تفسیر کا

بیان چل رہا ہے، اور جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس مبارک سورت میں اللہ جل شانہ نے ہمیں اور آپ کو ایسی ہدایات عطا فرمائی ہیں، اور ایسے اصول بیان فرمائے ہیں جو ہماری دنیا و آخرت کو سنوارنے کا ذریعہ ہیں، خاص طور پر مسلمانوں کے درمیان آپس میں جو لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، جن سے فتنہ اور فساد پھیلتا ہے، اور معاشرے میں بگاڑ آتا ہے، ان کے بنیادی اسباب کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرما کر ان اسباب کے دروازے بند کئے ہیں، چنانچہ پچھلے جمعوں میں جن اسباب کا بیان ہوا، وہ احکام یہ تھے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا مذاق نہ اڑائے، کوئی مسلمان دوسرے کا برا نام تجویز نہ کرے جو اس کو ناپسند ہو، کوئی مسلمان دوسرے کا تجسس نہ کرے، اور کوئی مسلمان دوسرے کی عیب جوئی نہ کرے، کوئی شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے، یہ سارے احکام پچھلے جمعوں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو چکے ہیں۔

تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں

آج جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ بھی سورت الحجرات کی آیت ہے، اور غیبت کی حرمت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بیان فرمائی ہے، اس آیت کا پہلے ترجمہ سمجھ لیں، اس کے بعد اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کر دوں گا، اس آیت میں بھی بہت اہم اور بنیادی اصول ہے جو اسلام کو دوسرے ادیان اور مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق دیدے تو بہت سے لڑائی جھگڑے اور بہت سے فتنے اس کی وجہ سے ختم ہو جائیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! اس میں صرف مسلمانوں سے خطاب نہیں، بلکہ پوری انسانیت سے خطاب ہے کہ اے لوگو! اے

انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، ایک مرد یعنی حضرت آدم علیہ السلام، اور ایک عورت یعنی حضرت حوا علیہا السلام، جتنے انسان اس روئے زمین پر پائے جاتے ہیں، وہ سب انہی کے بیٹے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم نے تمہاری مختلف قومیتیں بنادیں، اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے، یعنی تم سب ویسے تو ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہو، لیکن آگے چل کر مختلف قومیتیں بن گئی ہیں، کوئی عرب ہے، کوئی عجم ہے، کوئی مشرقی ہے، کوئی مغربی ہے، کوئی افریقی ہے، کوئی امریکی ہے، اور مختلف برادریاں بنادی ہیں، مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے ہیں، اور یہ جو ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا ہے، اس کی صرف ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لہٰذا صرف شناخت اور پہچان کی خاطر مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔

خاندان صرف پہچان کے لئے ہیں

کیسے پہچان سکو؟ مثلاً ایک شخص کا نام عبداللہ ہے، دوسرے شخص کا نام بھی عبداللہ ہے، تیسرے شخص کا نام بھی عبداللہ ہے، اب تینوں میں کس طرح فرق کریں، اور کیسے پہچانیں کہ اس سے مراد کون سا عبداللہ ہے؟ لہٰذا یہ کہہ دیا کہ یہ عبداللہ وہ ہے جو فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، فلاں قومیت سے تعلق رکھتا ہے، یہ پہچان کروانے کے لئے ہم نے مختلف قبیلے اور مختلف قومیتیں بنائی ہیں۔ لیکن یہ مت سمجھنا کوئی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر فوقیت رکھتا ہے، بلکہ سب قبیلے برابر ہیں، البتہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو، خواہ وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی قبیلے کا فرد ہو، کسی بھی قومیت سے تعلق

رکھتا ہو، جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہوگا وہ اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہے۔

کسی قوم کو دوسری قوم پر فوقیت نہیں

اس میں دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ایک یہ کہ کوئی بھی شخص اپنے خاندان اپنے قبیلے اپنی قومیت کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بالادستی نہ جتائے اور یہ نہ سمجھے کہ میں تو اعلیٰ درجے کے خاندان کا فرد ہوں، دوسرا شخص ادنیٰ درجہ کے خاندان کا فرد ہے، لہٰذا میں باعزت ہوں، دوسرا عزت والا نہیں، بلکہ ذلیل ہے، اور حقیر ہے، ایسا نہیں، اس لئے کہ ہم نے یہ مختلف خاندان صرف اس لئے بنائے ہیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، پہچاننے کے لئے ایک نسبت مقرر ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص ہندوستانی ہے، فلاں شخص پاکستانی ہے، فلاں شخص سندھی ہے، فلاں شخص پنجابی ہے، فلاں شخص پٹھان ہے، یہ ساری قومیتیں صرف پہچان کے لئے علامتیں مقرر کی ہیں، لیکن فضیلت اور بڑائی کسی کے لئے محض اس کے خاندان کی وجہ سے نہیں ہے، اگر کسی کو دوسرے پر فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

خاندان کی بنیاد پر بڑائی نہیں آسکتی

اس کے ذریعہ قرآن کریم نے ایک بہت بڑے فتنے کا سدباب کر دیا، وہ یہ کہ یہ جو بعض لوگوں کے دلوں میں نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بڑے ہیں، اس لئے کہ ہم بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اور فلاں گھٹیا درجے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یہ اپنی بڑائی اور دوسرے کی حقارت بکثرت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے، قرآن کریم نے فرمایا کہ بڑائی کا یہ احساس جو خاندان کی بنیاد پر ہوتا ہے، قومیتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، یہ ہمارے دین کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔

عرب قوم کی نخوت اور تکبر

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، اور آپ کے براہ راست مخاطب عرب لوگ تھے، اور عرب وہ قوم ہے جو زمانہ جاہلیت سے یہ سمجھتی چلی آرہی ہے کہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ فضیلت ہماری قوم کو حاصل ہے، اگر کوئی عرب ہے تو ہمارا بھائی ہے، اور اس کی فضیلت بھی ہے، اس کا اعلیٰ درجہ بھی ہے، اور دوسرے لوگ اس کے مقابلے میں کم حیثیت اور کم رتبے والے ہیں، یہاں تک کہ عرب لوگ دوسری قوموں کو "عجمی" کہتے ہیں، عجمی کا مطلب یہ ہے جو عربی نہیں، اور عجمی کے لفظی معنی ہیں "گونگا" گویا کہ عرب لوگ اپنے علاوہ دنیا کے سارے لوگوں کو گونگا کہتے تھے، یعنی ہم بولنے والے ہیں، ہماری زبان اعلیٰ درجے کی ہے، اور ساری دنیا ہمارے مقابلے میں گونگی ہے، عربوں میں یہ تصور تھا اگر کوئی عربی زبان میں بولے تو اس کے بارے میں کہتے کہ یہ بول رہا ہے، اور اگر کوئی شخص غیر عربی زبان میں مثلاً فارسی میں یا ترکی میں بولے تو اس کو کہتے کہ یہ شخص بڑبڑا رہا ہے، گویا کہ اس کے بولنے کو بولنا بھی نہیں کہتے تھے، اس حد تک ان کے دلوں میں اپنی عربی قومیت کی ایک نخوت تھی، ایک تکبر تھا، ایک بڑائی تھی، جو ان کے پورے معاشرے میں سرایت کیے ہوئے تھی کہ جو عرب ہیں وہ باعزت ہیں، اور جو غیر عرب ہیں وہ کم حیثیت والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نخوت کو ختم کیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے

آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا، لیکن آپ نے اپنے قول سے بھی اور عمل سے بھی اس نخوت کو مٹایا، اور اس طرح مٹایا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے تھے، سیاہ فام تھے، سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم سیاہ تھا، حبشی کہلاتے تھے، اور آزاد بھی نہیں تھے، بلکہ امیہ بن خلف کے غلام تھے، لیکن جب یہ کلمہ پڑھ لیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" تو اسی سیاہ فام حبشی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے لگایا، اور ان کو اپنے ہی خاندان کے لوگوں پر یعنی ابوجہل اور ابولہب پر فوقیت اور فضیلت عطا فرمائی، اور اس درجہ عطا فرمائی کہ ہر جگہ اور ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کا شرف عطا فرمایا، اور کائنات میں نماز کے لئے اذان دینے کا سب سے پہلا اعزاز حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، تو سارے عرب کے بڑے بڑے درجے والے اپنے خاندان کے لوگ موجود تھے، لیکن آپ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرماتے ہوئے ان سے فرمایا کہ اے بلال! جاؤ، کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ اس طرح کعبہ کی چھت پر سب سے پہلے اذان حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی۔ جب کعبہ میں داخل ہونے کا وقت آیا تو اس وقت قبیلے کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے، جو مسلمان بھی تھے، صحابی بھی تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر اپنے ساتھ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر تشریف لے گئے۔

جنت میں حضرت بلالؓ کے قدموں کی چاپ

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سے بلال! یہ بتاؤ تم کون سا ایسا اچھا عمل کرتے ہو کہ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا اونچا درجہ دیدیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر جنت کی سیر کرائی تو میں نے تمہارے قدموں کی آہٹ اپنے سے آگے سنی، تمہارا ایسا کون سا عمل ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پائلٹ بننے کی سعادت نصیب فرمائی کہ وہ آپ کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی اور عمل تو نہیں ہے، البتہ میں یہ ضرور کرتا ہوں کہ جب کبھی وضو کرتا ہوں تو اس سے تحیۃ الوضو کی دو رکعت ضرور ادا کرتا ہوں۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ان سیاہ فام حبشی کو یہ مقام عطا فرمایا، حالانکہ عرب نہیں تھے، اور سارے عرب کے لوگ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز عطا فرمایا۔

سلمانؓ میرے گھر کا ایک فرد ہے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو ایران کے رہنے والے تھے، اور کہاں کہاں کا سفر کر کے کس طرح مدینہ پہنچے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ جب اسلام لے آئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ

یعنی سلمان میرے گھر والوں میں سے ہیں، میرے گھر کا ایک فرد ہیں، آج حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار عراق میں موجود ہے، میری وہاں حاضری ہوئی، وہاں پر یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ

امیر لشکر حضرت سلمانؓ کا خطاب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران پر حملہ ہو رہا تھا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر کا امیر بنایا ہوا تھا، سارے بڑے بڑے عرب آپ کے زیر قیادت تھے، جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے بادشاہ اور امراء سے خطاب کیا تو کہا کہ دیکھو! میں ایران کا رہنے والا ہوں، لیکن بڑے بڑے اہل عرب میری اطاعت کر رہے ہیں، یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ دین عطا فرمایا جس میں کالے اور گورے کا کوئی فرق نہیں، جس میں عرب اور عجم کا کوئی فرق نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا آخری پیغام

حجۃ الوداع کے موقع پر آخری بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی موجودگی میں جو خطاب فرمایا، جس کو خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، اس میں آپ نے وہ بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں جن پر ہمارا دین قائم ہے، اور اس میں ان تمام فتنوں کی نشان دہی کی ہے، جن کی بناء پر مسلمان کسی وقت مصیبت میں واقع ہو سکتے ہیں، ان میں بہت

ساری عظیم نصیحتیں فرمائی ہیں، چنانچہ فرمایا کہ مجھے تم پر اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں شیطان تمہیں گمراہ کر کے دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا نہ کردے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے درمیان فتنے پیدا کردے، تم ایک دوسرے کے گلے کاٹتے پھرو، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سن لو "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى" فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت نہیں، اگر فضیلت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام ہے جو آپ نے پوری امت کو عطا فرمایا۔

یہ خناس دل سے نکال دو

بہر حال! پہلی بات جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ اگر کسی کے دل میں یہ خناس ہے کہ میں بہت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میری قومیت دوسروں کی قومیتوں سے اعلیٰ ہے، وہ اپنے دل سے یہ خناس نکال دے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی شخص باعزت ہے تو وہ تقویٰ کی وجہ سے ہے، محض خاندانی اور نسبی تعلق کی بناء پر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر یہ بات اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے تو پھر دوسروں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرنے اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کا جو فتنہ پیدا ہوتا ہے، وہ کبھی بھی پیدا نہ ہو۔

بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں

اللہ تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں ساری حقیقت بیان فرمادی کہ ارے بھائی! کس بات پر اکڑتے ہو؟ کس بات پر اتراتے ہو؟ جتنے انسان ہیں، وہ سب ایک

مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں، سب کی اصل ایک ہی ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام، لہٰذا یہ بات تم نے کہاں سے نکال لی کہ فلاں کو دوسرے پر فضیلت ہے، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ ، وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ

یعنی تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے کسی کو دوسرے پر اپنی فضیلت جتانے اور اپنی بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں۔

برادریوں کا تصور آج بھی

قدیم زمانے میں تو یہ بات بہت زیادہ پائی جاتی تھی، لیکن اب بھی ہمارے معاشرے میں برادریوں کا تصور موجود ہے کہ یہ ہماری برادری کا آدمی ہے، اور ہماری برادری اعلیٰ ہے، اور دوسرے کی برادری ادنیٰ ہے، اور کمتر ہے، یہ تصورات آج بھی ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ان کی بنیاد پر رویوں میں تبدیلی آتی ہے، یعنی دوسروں کے ساتھ اس بنیاد پر رویوں میں تبدیلی آجاتی ہے کہ یہ ہماری برادری کا آدمی نہیں ہے، یہ ہماری قومیت کا آدمی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ بھی مختلف ہوتا ہے، یہ رویہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بھی خلاف ہے، اور آپ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ابولہب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے، لیکن اس کے بارے میں قرآن کریم کی صورت نازل ہو رہی ہے، اور اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّ" کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، وہ ہلاک ہو جائے، دوسری طرف حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رومی

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گلے لگایا جارہا ہے، اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ ہمارے خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ایک نکتہ تو اس آیت کریمہ نے یہ بتایا۔

اتحاد کی بنیاد کیا ہونی چاہئے؟

اس آیت نے دوسرا نکتہ یہ بتایا کہ مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ آپس کا اتحاد اور گروہ بندی قبیلوں اور خاندانوں اور برادریوں کی بنیاد پر قائم کریں، بلکہ اگر اتحاد قائم ہوگا تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوگا۔ یہ بھی ایک عظیم فتنہ ہے جو زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا ہے، اور آج تک ہماری جڑوں میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے، آمین۔ وہ یہ کہ ہمارے دلوں میں یہ تصور ہے کہ جو شخص میرے قبیلے کا ہے، جو شخص میری برادری کا ہے، جو میری زبان بولتا ہے، جو میرا ہم وطن ہے، وہ تو میرا ہے، اور جو شخص دوسری زبان بولتا ہے، دوسرے وطن کا باشندہ ہے، دوسرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، وہ غیر ہے، اور اس تصور کی بنیاد پر وحدتیں قائم ہوتی ہیں، اور اس تصور کی بنیاد پر پارٹی بندی ہوتی ہے، اس تصور بنیاد پر گروہ بندیاں ہوتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کو میں اپنا سمجھتا ہوں، اپنے خاندان کا اور اپنے قبیلے کا اور اپنی قوم کا سمجھتا ہوں، اس کا مجھے ہر قیمت پر ساتھ دینا ہے، چاہے وہ حق کہہ رہا ہو، یا ناحق کہہ رہا ہو، اور جو میرے قبیلے کا نہیں ہے، میرے وطن کا نہیں ہے، مجھے اس کی مخالفت کرنی ہے، اگر میرے وطن کے آدمی میں اور دوسرے آدمی میں جھگڑا ہو جائے تو میں ہمیشہ اپنے وطن والے کا ساتھ دوں گا، جو میری زبان بولنے والا ہے، اور جو میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، اس کا ساتھ دوں گا، اور دوسرے کی مخالفت کروں گا۔ زمانہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں معاہدہ

بلکہ زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ مختلف برادریوں میں آپس میں معاہدے ہو جاتے تھے کہ ہم ہر قیمت پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، اب اگر برادری کے آدمی کا، یا جس سے ہمارا معاہدہ ہوا ہے، اس کا کسی دوسرے آدمی سے جھگڑا ہو گیا تو اب اس معاہدے کی بنیاد پر ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کا ساتھ دیں، چاہے وہ حق پر ہو، یا ناحق ہو، ظالم ہو، یا مظلوم ہو، ہر حال میں اس کا ساتھ دینا ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے یہ عظیم انقلابی اعلان فرمایا کہ "لَا حِلْفَ فِـی الْاِسْلَامِ" کہ اسلام میں اس قسم کا معاہدہ نہیں ہو سکتا کہ میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

اپنے بھائی کی مدد کرو، لیکن کس طرح؟

زمانہ جاہلیت میں ایک مقولہ مشہور تھا، اور وہ ایک اخلاقی اصول سمجھا جاتا تھا وہ یہ کہ "اُنْـصُرْ اَخَـاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو، چاہے وہ مظلوم ہو، بھائی سے مراد وہ ہے جو تمہارے قبیلے کا آدمی ہو، تمہاری قومیت سے تعلق رکھتا ہو، اس کی مدد کرو، اس کا ساتھ دو، چاہے وہ ظالم ہو، یا مظلوم ہو، جاہلیت میں یہ مقولہ مشہور تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے، جب آپ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ یہ مقولہ ٹھیک ہے، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، لیکن مدد کرنے کا طریقہ مختلف ہے، صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ظالم کی کس طرح مدد کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، اور ظلم سے اس کا ہاتھ پکڑ لو کہ

میں تمہیں ظلم نہیں کرنے دوں گا، لہٰذا اگر تمہارا بھائی، تمہارے قبیلے کا یا تمہارے وطن کا آدمی اور تمہاری قومیت کا آدمی ظلم کر رہا ہے تو بھی اس کی مدد اس طرح نہ کرو کہ تم بھی اس کے ساتھ مل کر ظلم کرنا شروع کردو، بلکہ اس کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اس ظالم کا ہاتھ پکڑلو کہ میں تمہیں ظلم نہیں کرنے دوں گا۔ بہرحال! آپ نے بھی یہی فرمایا کہ" اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا "لیکن اس کی تشریح بدل دی کہ اپنے بھائی کی اس طرح مدد کرو کہ ظالم کا ہاتھ پکڑلو۔

عظیم انقلاب برپا کردیا

بہرحال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، عرب میں اس بات کا تصور نہیں ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص اپنے قبیلے کے آدمی کے خلاف دوسرے قبیلے کے آدمی کی مدد کرے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انقلاب برپا کیا، اور عملاً پورے جزیرہ عرب میں یہ اصول پھیل گیا کہ میں اپنے قبیلے والے کا ہاتھ پکڑلوں گا، اگر وہ کسی وقت کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ کرے گا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر جگہ اس اصول کی تبلیغ فرمائی۔

ظالم حکمران کیوں مسلط ہورہے ہیں؟

آج ہمارے معاشرے میں جو فساد برپا ہے، اور ہر شخص یہ شکوہ کر رہا ہے کہ ہمارے اوپر ایسے لوگ حکمران بن کر آجاتے ہیں جو ظالم ہوتے ہیں، جو عوام کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، جو اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہیں، اور جو بے دین ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے حکمران ہمارے اوپر کیوں مسلط ہوتے ہیں؟ یہ اس لئے مسلط ہوتے ہیں کہ جب ان کو منتخب کرنے کا وقت آتا ہے تو

اس وقت قرآن کریم کا بتایا ہوا یہ اصول، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے یہ ارشادات سب پیچھے چلے جاتے ہیں۔ بتائیے! اگر انتخابات میں اپنی برادری کا آدمی بھی کھڑا ہوا ہے، اور دوسری برادری کا آدمی بھی کھڑا ہوا ہے، اور اپنی برادری کا آدمی اتنا اچھا نہیں ہے، جبکہ دوسری برادری کا آدمی اچھا ہے تو آپ ووٹ کس کو دیں گے؟ آج عام طرز عمل یہی ہے کہ سارے ووٹ برادریوں کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں، کسی برادری کے سربراہ نے جا کر بات کر لی کہ میں تمہاری برادری کا آدمی ہوں اور میں انتخابات میں کھڑا ہو رہا ہوں، لہٰذا تم میری حمایت کرنا، اب برادری کے سربراہ نے کہہ دیا کہ ہاں! ہماری پوری برادری آپ کو ووٹ دے گی۔ اب ساری برادری اس کو ووٹ دے رہی ہے، اس سے کوئی بحث نہیں کہ جس کو ہم ووٹ دے رہے ہیں وہ کیسا ہے، ظالم ہے، جابر ہے، جاہل ہے، فاسق و فاجر ہے، بددین ہے، اس سے کوئی بحث نہیں، چونکہ وہ ہماری برادری کا ہے، لہٰذا ہمارا ووٹ اسی کو جائے گا۔ یہ جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس کے نتیجے میں ہمارے اوپر ظالم و جابر حکمران مسلط ہو رہے ہیں تو کس کے کرتوت سے ہو رہے ہیں۔

حکمران تمہارے اعمال کا آئینہ

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" جو حکمران تمہارے اوپر آتے ہیں وہ سب تمہارے اعمال کا آئینہ ہوتے ہیں، اگر تمہارے اعمال درست ہوتے، اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا پاس ہوتا تو یہ ظالم اور جابر حکمران تم پر حاکم بن کر نہیں آسکتے تھے، لیکن تمہارے اعمال کی وجہ سے یہ حکمران تمہارے اوپر مسلط ہوئے۔

خلاصہ

بہر حال! خلاصہ یہ ہے کہ خاندان اور قبیلے کی بنیاد پر کسی کی حمایت کرنا اور اس کا ساتھ دینا جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جو مسلمان ہے وہ تمہارا دینی بھائی ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی خاندان کسی بھی قبیلے سے ہو، اور ظالم بھائی کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، تاکہ وہ دوسرے پر ظلم نہ کرنے پائے، اگر ہم لوگ ان باتوں پر عمل کرنے والے بن جائیں تو معاشرے سے بے شمار فسادات اور جھگڑے ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اللہ أكبر اللہ أكبر

لا إله إلا اللہ

واللہ أكبر

اللہ أكبر

وللہ الحمد

وحدت اسلامی

کس طرح قائم ہو؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وحدتِ اسلامی

کس طرح قائم ہو؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ آیت کریمہ جو ابھی میں نے آپ کے

سامنے تلاوت کی ہے، اس کا بیان پچھلے جمعہ کو شروع کیا تھا، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں صرف اس وجہ سے تقسیم کیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، لیکن تم میں سے سب سے زیادہ افضل اور باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں تقویٰ زیادہ رکھتا ہو، یعنی محض کسی خاندان سے تعلق ہونے کی بنیاد پر، یا کسی قبیلے سے تعلق ہونے کی بناء پر کوئی آدمی عزت اور شرف نہیں پاتا، بلکہ اصل عزت اس بات سے ہے کہ کون زیادہ متقی ہے، کون اللہ سے ڈرنے والا ہے، کون اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے والا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے، وہ زیادہ باعزت ہے، اور جو اطاعت میں کمزور ہے، وہ اس کے مقابلے میں باعزت نہیں۔

یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی؟

یہ آیت ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھی، اس کا شان نزول مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس شان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مکہ مکرمہ فتح کروایا کہ دس ہزار صحابہ کرام کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا تھا، لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ مکہ مکرمہ مقدس اور محترم جگہ ہے، اور حرم ہے، اس لئے وہاں خونریزی نہ ہو، اور وہاں پر قتل و قتال نہ ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص وقت میں اس بات کی اجازت دیدی تھی کہ اگر کسی وقت کافروں سے مقابلہ کرنے میں لڑائی کی اور قتل و قتال کی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے وقتی طور پر جائز قرار دیدیا تھا، لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ حرم میں خونریزی نہ ہو۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ کی شان

حالانکہ مکہ مکرمہ کے لوگ وہ تھے جنہوں نے تیرہ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو انتہائی اذیتیں دیں، لیکن آپ یہ چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ خونریزی کے بغیر فتح ہو جائے، چنانچہ اللہ جل شانہ نے اس کے اسباب ایسے مہیا فرمائے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، اس کی اکثریت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آمد کے وقت مسلمان ہوگئی، اور سب نے ہتھیار ڈال دیے، اور آپ مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اب اگر کوئی اور فاتح ہوتا تو نہ جانے خون کی کتنی ندیاں بہہ جاتیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بڑی عاجزی کے ساتھ اور تواضع کے ساتھ داخل ہوئے، اور لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا کہ جن لوگوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی، میں ان سب کو معاف کرتا ہوں، اور ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

کعبہ کی چھت پر اذان

اس کے بعد آپ مسجد حرام میں تشریف لے گئے، اور مکہ مکرمہ کا پورا شہر آپ کے کنٹرول میں آگیا تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان دو، تاکہ اللہ کے گھر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے اللہ کی توحید کا کلمہ اور رسالت کا کلمہ بلند ہو، چنانچہ اس کام کے لئے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد فرمایا کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ قریش کے

بعض لوگ جو اپنے کو کعبہ کا محافظ اور پاسبان کہتے تھے، اور ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت کڑھ رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا کہ میرا باپ اچھا تھا کہ اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا، اور یہ برا منظر دیکھنے کی اس کو نوبت نہیں آئی، اور ہمارے حصے میں یہ منظر آیا ہے کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی جا رہی ہے، اور توحید کا کلمہ بلند کیا جا رہا ہے۔

حضرت بلال ؓ باعزت ہیں

ایک اور شخص نے یہ جملہ چست کیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان دلوانی تھی تو اس کالے کوے کو (حضرت بلال کے لئے اس نے معاذ اللہ یہ الفاظ استعمال کیے) کعبہ پر چڑھا کر اذان کیوں دلوائی، کسی معزز اور شریف آدمی کو جو خاندانی اعتبار سے معزز ہوتا، اس کو اس کام کے لئے منتخب کرتے تو بات ٹھیک تھی، مگر ایک کالے حبشی کو بیت اللہ پر کھڑا کر کے اذان دلوائی...... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ اہانت آمیز کلمہ کہا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تو حبشہ کے رہنے والے تھے، دوسرے یہ کہ سیاہ فام تھے، تیسرے یہ کہ پہلے غلام تھے، بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا، اس وجہ سے ان لوگوں کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں تھی، اس لئے انہوں نے یہ فقرہ چست کیا کہ کالے کوے سے انہوں نے کعبہ پر اذان دلوائی ہے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ لوگو! یہ غلط فہمی دماغ سے نکال دو کہ تم کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے زیادہ باعزت ہو، ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تمہاری ماں ایک ہے، تمہارے باپ حضرت

آدم علیہ السلام ہیں، اور تمہاری ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں، تم سب ایک ماں باپ کے بیٹے ہو۔ اور تمہارے درمیان یہ جو مختلف قبیلے بنا دیے کہ کوئی قریش کے قبیلے سے ہے، کوئی دوسرے قبیلے سے ہے، یہ صرف اس لئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، شناخت قائم ہو سکے، ورنہ عزت کا دارومدار نہ کسی قبیلے پر ہے، نہ کسی خاندان پر ہے، نہ کسی نسب پر ہے، اور نہ کسی نسل پر ہے، اور نہ کسی وطن پر ہے، بلکہ تم میں باعزت وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ لہٰذا یہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہے ہیں، یہ اگرچہ حبشہ کے رہنے والے ہیں، اور بظاہر سیاہ فام ہیں، اور یہ غلام رہ چکے ہیں، اور کسی بڑے خاندان سے ان کا تعلق نہیں، لیکن تم سب سے زیادہ متقی ہیں، تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تم سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں، لہٰذا ان کی عزت ہے، اور یہ اللہ کی نظر میں باعزت ہیں، یہ تھا شان نزول اس آیت کریمہ کا۔

عزت کا تعلق قبیلے پر نہیں

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر اذان دیدی تو اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا، اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عَصَبَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ.

دیکھو! آج اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا یہ فخر اور غرور ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ تم جس بات پر غرور اور فخر کیا کرتے تھے کہ میں فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میں فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں، ہمارا قبیلہ باعزت ہے، ہمارے مقابلے میں دوسرے قبیلے والے کم رتبہ ہیں، یہ سارا فخر و غرور آج اللہ تعالیٰ نے پاؤں تلے روند دیا، اب یہ بات نہیں چلے گی کہ کوئی آدمی دوسرے کو اس بنیاد پر

حقیر سمجھے کہ یہ شخص نچلے درجے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، سارے خاندان اللہ کی نظر میں برابر ہیں، البتہ جس کے اندر تقوی زیادہ ہوگا، وہ اللہ کے نزدیک باعزت ہے، اس کے بعد پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر لوگوں کو سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے۔

اتحاد کی بنیاد دین ہے

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعے کو عرض کیا تھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی بنیادی اصول کو واضح فرمایا ہے، وہ یہ کہ وحدت اور اتحاد دین اور تقوی کی بنیاد پر ہونا چاہئے، سارے انسان برابر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کُلُّکُمْ مِنْ آدَمَ وَ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ. یعنی تم سب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے تھے، سب کی اصل ایک ہی ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے اندر دو جماعتیں بنا دیں، خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُؤْمِنٌ. (سورۃ التغابن: ۲) ایک مؤمن کی جماعت، اور ایک کافر کی جماعت، اور جو مؤمن ہیں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ. چاہے وہ کسی بھی خاندان اور کسی بھی وطن سے تعلق رکھتا ہو، اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اصول کے نافذ ہونے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اس اصول کو اس طرح جاری فرمایا کہ عربوں کے خاندانوں میں جو پرانے اور قدیم جھگڑے چلے آتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت ختم فرما دیا۔

دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا(سورۃ ال عمران:۳:۱۰۳)

اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم سب کو اسلام کی چھتری کے نیچے جمع کر کے سب کو بھائی بھائی بنادیا، اب تم اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی بن گئے، اور تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت وہاں اوس اور خزرج دو قبیلے تھے، جن کے درمیان ہمیشہ لڑائی چلتی تھی، سالہا سال تک جنگیں جاری رہتی تھیں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر جب ان کے دلوں کو جوڑا، اور سب اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اس کے بعد کوئی لڑائی ان کے درمیان نہیں ہوئی۔

لڑائی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے تھے، یہ غزوہ بنو المصطلق کے نام سے پیش آیا، بنو المصطلق کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک جمعیت کو لے کر خود ان پر حملہ کر دیا، تاکہ ان کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا فرمائی۔ فتح کے بعد لشکر ابھی اسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ وہاں دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوگئی، بہر حال وہ بھی انسان تھے، اور انسانوں میں کبھی کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے، اتفاق سے ان میں ایک صحابی مہاجر تھے، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، اور دوسرے صحابی انصاری تھے، جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے، دونوں میں تکرار ہوگئی، اور تکرار کے نتیجے میں تھوڑی سے ہاتا پائی بھی ہوگئی، تو جو انصاری صحابی تھے انہوں نے

یہ نعرہ بلند کردیا "یا للانصار" اے انصار مدینہ میری مدد کے لئے آؤ، جب انصاری صحابی نے انصار مدینہ کو مدد کے لئے بلایا تو جو مہاجر صحابی تھے، انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا "یا للمھاجرین" اے مہاجرین، میری مدد کے لئے آؤ، تو ایک کی دعوت پر انصاری جمع ہو گئے، اور دوسرے کی دعوت پر مہاجرین جمع ہو گئے، اور قریب تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان لڑائی شروع ہو جائے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ اچانک یہ واقعہ پیش آگیا ہے تو آپ بہت تیزی سے اس جگہ تشریف لائے، اور آپ نے مہاجرین اور انصار کو لڑائی سے روکا، اور ایک خطبہ دیا، اس خطبہ میں آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: یہ تم نے کیا نعرہ لگایا کہ اے مہاجرین آجاؤ، اے انصار آجاؤ "دعوھا فانھا منتنة" یعنی یہ جو تم نے مہاجرین اور انصاری ہونے کی بنیاد پر لوگوں کو بلایا ہے، یہ طریقہ اور یہ نعرہ چھوڑ دو، اس لئے کہ یہ بدبودار نعرہ ہے، یہ عصبیت اور تعصب ہے کہ مہاجر مہاجر کا ساتھ دے، اور انصار انصار کا ساتھ دے، یہ بدبودار طریقہ ہے، یہ شیطان کا حربہ ہے جو اس نے تمہارے درمیان کھیلا ہے، اور میرے تمہارے درمیان موجود ہوتے ہوئے تم اس قسم کے نعروں کی طرف جا رہے ہو، یہ سب شیطان کا پھیلایا ہوا فساد ہے، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

یہ بدبودار واقعہ ہے

یاد رکھو! تم میں نہ کوئی مہاجر ہے، اور نہ کوئی انصاری ہے، بلکہ سب مسلمان ہیں، ہاں جو مظلوم ہو، چاہے وہ انصاری ہو یا مہاجر ہو، اس کی مدد کرو، اور جو ظالم ہے، اس کا ہاتھ پکڑو، چاہے وہ مہاجر ہو، یا انصاری ہو، لیکن مہاجر ہونے کی بنیاد پر یا انصاری ہونے کی بنیاد پر اگر تم ایک دوسرے کو بلاؤ گے تو یہ جاہلیت کا نعرہ ہے، یہ بدبودار نعرہ ہے اس کو چھوڑ دو۔

یہ منافقین کی چال تھی

الحمدللہ! صحابہ کرام اس سے رک گئے، یہ تو وقتی طور پر شیطان نے ایک شوشہ چھوڑ دیا تھا، یہ بھی درحقیقت منافقین نے چھوڑا تھا، وہ اس طرح کہ ایک انصاری کو ایک مہاجر نے مارا تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ مہاجر تو مکہ سے آکر ہمارے یہاں مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں، اب ان کو اتنی جرأت ہو گئی کہ ہمارے ہی آدمی کو مار رہے ہیں، یہ تو ذلیل لوگ ہیں، اور ہم عزت والے ہیں، اور جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے، اس طرح کے شوشے منافقین نے پھیلائے، اور یہ کہا کہ انصاریوں کو بلاؤ، تاکہ سب اکٹھا ہو کر ان سے مقابلہ کریں۔ بہر حال! یہ منافقین کا چھوڑا ہوا شوشہ تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس طرح تردید فرمائی، اور صحابہ کرام کو اس عصبیت سے منع کیا، اس کے بعد پوری حیات طیبہ میں کبھی یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوا کہ مہاجرین اور انصاری ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو جائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کے بت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا، اور یہ تعلیم دی کہ ایک دوسرے کی مدد اس بنیاد پر نہ کرو کہ یہ میرا ہم وطن ہے، یہ میری زبان بولتا ہے، یہ میرے خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، اگر کسی کی مدد کرنی ہے تو حق اور انصاف کی بنیاد پر مدد کرو، چاہے وہ کسی بھی قبیلے کا ہو، کسی بھی خاندان کا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو۔

سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں

بہر حال! یہ اتنا بڑا اور اہم اصول ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا، جس نے سارے مسلمانوں

کو بھائی بھائی بنا دیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، جیسے ایک جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو جائے تو سارا جسم اس سے بے چین ہو جاتا ہے، سارا جسم رات کو نہیں سو سکتا، اور پورے جسم کو بخار آجاتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کے جسم کا ایک حصہ درد میں ہے۔ اسی طرح مسلمان ہیں، کہ ایک مسلمان کہیں بھی رہتا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو، لیکن جب وہ مسلمان ہے تو اس کی تکلیف ساری دنیا کے مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہے درحقیقت ''وحدت اسلامی'' جس کا درس قرآن کریم نے دیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر عمل کر کے دکھایا، افسوس ہے کہ یہ عظیم الشان درس ہم اپنی تاریخ کے مختلف مرحلوں میں بار بار بھولتے رہے ہیں، اس درس کو نظر انداز کرتے رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ہم دنیا کے اندر ذلیل ہوتے رہے، دشمنوں کے آگے مغلوب ہوتے رہے، اور دشمنوں کے غلام بنتے رہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے یہ اصول ہمارے دلوں میں اچھی طرح بٹھا دے اور ہمارے طرز عمل کو اس کے مطابق بنا دے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قومی عصبیت

جھگڑوں کا بڑا سبب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ - لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جھگڑوں کا بڑا سبب

قومی عصبیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ٥

(سورۃ الحجرات : ۱۳)

آمنت باللّٰہ صدق اللہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العلمین۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! یہ آیت کریمہ جو ابھی میں نے آپ کے

سامنے تلاوت کی ہے، یہ سورت الحجرات کی آیت ہے، جس کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، آپ نے اگر شروع سے سورت الحجرات کے مضامین کے بارے میں یہ بیانات سنے ہیں تو آپ کو اس بات کا اندازہ ہوا ہوگا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرنے کی تدبیریں بیان فرمائی ہیں، اگر مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑا ہو جائے تو عام مسلمانوں کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ ان کے درمیان مصالحت کرائیں اور اگر مصالحت نہ ہو سکے تو پھر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں۔

جھگڑے کے مختلف اسباب

پھر ان اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے جن سے عام طور پر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا مذاق نہ اڑائے، کیونکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے، اور اس سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے، اس طرح لڑائی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، پھر فرمایا کہ تم ایک دوسرے کی جستجو اور ٹوہ میں نہ پڑو کہ ایک دوسرے کا عیب تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہو، کیونکہ بسا اوقات جھگڑے اس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ایک آدمی خواہ مخواہ دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے، اس کے معاملات کی جاسوسی کرتا ہے، دوسرے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا تھا کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دو، کیونکہ طعنہ دینے سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیونکہ ایک آدمی کا اچھا نام ہے، آپ نے اس کا نام بگاڑ کر کوئی نام رکھ دیا، جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، پھر فرمایا تھا کہ ایک

دوسرے کی غیبت نہ کرو، اس لئے کہ جب سامنے والے کو پتہ چلتا ہے کہ میرے پیچھے میری برائی بیان کی گئی تھی تو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے، بہرحال! جھگڑے کے بہت سارے اسباب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرمائے ہیں، اور ان کو ختم کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

جھگڑے کا ایک اور سبب ''قومی عصبیت''

ایک اور جھگڑا جو ہمارے درمیان پیدا ہوتا ہے، اس کو ختم کرنے کا ایک بہت اہم اصول اس آیت میں بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات اس بناء پر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، اور دونوں گروہ نے اپنے خاندان، اپنے قبیلے، اپنی زبان اور اپنے وطن کے اعتبار سے اپنی اپنی جماعت بنائی ہوئی ہے، اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو تقسیم کر دیا ہے کہ یہ سندھی ہے، یہ بنگالی ہے، یہ پنجابی ہے، یہ پٹھان ہے، یہ مہاجر ہے، یہ فلاں ہے، اور صرف تقسیم ہی نہیں کیا، بلکہ ہر جماعت اپنے کو دوسرے سے زیادہ افضل اور دوسرے سے زیادہ اعلیٰ، زیادہ بلند مرتبہ سمجھتی ہے، اور دوسرے کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتی ہے، میں جس جماعت سے جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، وہ بہت عزت والا ہے، اور دوسرا جس گروہ جس جماعت سے تعلق رکھتا ہے، وہ معاذ اللہ حقیر اور ذلیل ہے، بہت سے جھگڑے اس سوچ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

شرافت کی بنیاد خاندان نہیں

قرآن کریم نے اس دوسری قسم کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے سارے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے بہت اہم اصول بیان فرمایا کہ اے لوگو! اس میں

صرف مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے، بلکہ ساری انسانیت سے خطاب ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا، تم سب کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور تم سب کی ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں، سارے انسان انہی دونوں سے پیدا ہوئے ہیں، اس کے بعد ہم نے تمہیں مختلف گروہوں اور مختلف قبیلوں میں تقسیم کر دیا، یہ فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، یہ فلاں برادری سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ تقسیم ہم نے صرف اس لئے کی ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، شناخت کر سکو، مثلاً عبداللہ کئی انسانوں کا نام ہے، لیکن ایک عبداللہ کو دوسرے عبداللہ سے ممتاز کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبداللہ وہ ہے جو کراچی میں پیدا ہوا، اور یہ عبداللہ وہ ہے جو لاہور میں پیدا ہوا، اور یہ عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یہ عبداللہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، صرف پہچاننے کے لئے ہم نے یہ قبیلے بنائے، لہٰذا شرف اور فضیلت کا مدار خاندانوں اور قبیلوں پر نہیں ہے، کوئی انسان دوسرے انسان پر اس بناء پر فوقیت نہیں رکھتا کہ وہ کسی خاص خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یا کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔

عزت کی بنیاد ''تقویٰ'' ہے

شرافت اور بزرگی اگر کسی کو حاصل ہوگی تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر ہوگی "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" تم میں سب سے زیادہ شریف، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو، جتنا متقی ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت ہوگا، چاہے وہ کسی نچلی ذات سے تعلق رکھتا ہو، یا معمولی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت عظمت والا ہے، عزت والا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کو ثابت کر کے دکھایا۔

اہل عرب اور قبائلی عصبیت

عرب کے لوگوں میں قبائلی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، فلاں قبیلہ اونچے درجے کا ہے، فلاں قبیلہ نیچے درجے کا ہے، یہ قبیلہ زیادہ بزرگی والا ہے، یہ قبیلہ کم بزرگی والا ہے، یہ تصورات ذہنوں میں پیوست تھے، اور اس طرح پیوست تھے کہ ذہنوں سے نکلتے ہی نہیں تھے، اور جب عربوں کے ہی بعض قبیلوں میں آپس میں اونچ نیچ تھی تو عرب سے باہر کے لوگوں کو کوئی درجہ دینے کا سوال ہی نہیں تھا، بلکہ اہل عرب سارے غیر عرب کو عجم کہتے تھے، اور عجم کے معنی ہیں "گونگا" یعنی سب گونگے، ان کو بولنا نہیں آتا، لہٰذا عجمیوں کو وہ نچلے درجے کا سمجھتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ کوئی آدمی چاہے کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی علاقے کا باشندہ ہو، جب وہ اللہ کا بندہ بن گیا، اور اللہ کے آگے اس نے اپنا سر جھکا دیا، اللہ کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اس نے کر لی وہ اب دوسروں پر بازی لے گیا، چاہے وہ کالا حبشی ہی کیوں نہ ہو، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام بخشا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ بتاؤ کہ کون سا عمل تم ایسا کرتے ہو کہ میں نے جنت میں اپنے سے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی؟ اذان دینے کا جو عظیم منصب تھا، اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔ دنیا دیکھتی رہ گئی کہ قبیلے کے بڑے بڑے لوگ تھے، جیسے ابو سفیان، ابو جہل اور ابو لہب،

امیہ بن خلف، یہ سب اپنے قبیلوں کے سردار سمجھے جاتے تھے، یہ سب تو ایک طرف ہٹ گئے، اور اس حبشی غلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام بخشا۔

حضرت زاہدؓ کا مقام

روایات میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں تھا، اس میں ایک صاحب رہا کرتے تھے، جو بالکل مفلس اور فقیر قسم کے آدمی تھے، سیاہ فام تھے، سارا جسم سیاہ تھا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتے تھے، کبھی کبھار کوئی چیز خریدنے کے لئے یا بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، ان کا نام زاہد تھا، جب وہ آیا کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ زاہد کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، آپ نے پیچھے سے جا کر ان کی کولی بھر لی، اور ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے، اور پھر آپ نے آواز لگائی کہ: مَنْ یَّشْتَرِیْ ھٰذَا الْعَبْدَ مِنِّیْ؟ کون ہے جو یہ غلام مجھ سے خرید لے، اس طرح مذاق میں آپ نے ان کے ساتھ خوش طبعی فرمائی۔ انہوں نے جب آواز سنی تو پہچان گئے کہ مجھے پکڑنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو اس وقت وہ اور زیادہ اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے متصل کرنے لگے، زیادہ سے زیادہ قریب کرنے لگے، اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ! کوئی اس غلام کو نہیں خریدے گا، اس لئے کہ یہ بالکل بے قیمت غلام ہے، دنیا میں کوئی اس کو خریدنے والا نہیں، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے یہاں بے قیمت نہیں ہو، اللہ کے یہاں تمہاری قیمت بہت بڑی ہے۔

حجۃ الوداع میں اہم اعلان

بہر حال! اس نخوت اور تکبر کو جو نسب کی بنیاد پر قبیلے اور خاندان اور برادری کی بنیاد پر دلوں میں بیٹھا ہوا تھا، قدم قدم پر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھا دیا، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کا مجمع تھا، اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج میں نے جاہلیت کی عصبیت کو اپنے پاؤں تلے روند دیا ہے، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى. کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، اور نہ کسی سفید فام کو کسی سیاہ پر کوئی فوقیت حاصل ہے، اگر کسی کو فوقیت حاصل ہے تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر ہے، یہ اعلان فرمایا۔

جب تک مسلمان متحد رہے

آپ نے مسلمانوں کو بار بار تاکید فرمائی کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" سارے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، چاہے وہ کسی بھی قبیلے سے، کسی بھی خاندان سے، کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس کی بار بار تاکید کیوں فرمائی؟ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ یہ پیدا ہونے والا ہے کہ لوگ مسلمانوں کے اتحاد کو صوبائی عصبیت کی بنیاد پر اور خاندانی عصبیت کی بنیاد پر، اور لسانی عصبیت کی بنیاد پر پارہ پارہ کرنے کی کوشش کریں گے، مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک جب کبھی مسلمان اللہ کے جھنڈے کے نیچے متحد ہوئے، اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آل عمران: ١٠٣) کے حکم پر عمل کیا، اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، اور

آپس میں فرقہ واریت نہ کرنے کے حکم پر عمل کیا تو مسلمان اس وقت تک مستحکم رہے، اور کسی دشمن کی جرأت نہیں ہوئی کہ بری آنکھ سے اس کو دیکھے۔

صلیبی جنگیں اور کامیابی

لیکن جب دشمنوں نے یہ دیکھا کہ طاقت کے زور پر مسلمانوں کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، صلیبی جنگوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ یہ صلیبی جنگیں مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں، لیکن ہر صلیبی جنگ میں دشمنوں نے منہ کی کھائی، اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے، اس وقت یہ حال تھا کہ صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی اور عماد الدین زنگی یہ سب غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن مسلمانوں نے ان کو اپنا امیر بنایا ہوا تھا، اپنا قائد بنایا ہوا تھا، باوجودیکہ یہ غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے کہ یہ سب "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" کے معیار پر پورے اترتے تھے، اس لئے ان کے جھنڈے تلے سب متحد تھے، نتیجہ یہ تھا کہ ہر ہر قدم پر عیسائیوں کو شکست فاش دی۔

خلافت عثمانیہ اور دشمنوں کا خوف

دشمنوں نے ایک عرصہ دراز تک جائزہ لینے کے بعد یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی قوت کا راز ان کے اتحاد میں ہے، لہٰذا انہوں نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے عصبیت کا بیج بویا، آپ کو معلوم ہے کہ جس زمانے میں خلافت عثمانیہ ترکی میں قائم تھی، اور اس کا مرکز استنبول تھا، اس وقت سارا عالم اس کے زیر نگیں تھا، اور سب نے اس کو اپنا خلیفہ مانا ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اتنا رعب ڈالا ہوا تھا کہ خلافت عثمانیہ کا نام سن کر دشمن تھرایا کرتے تھے، کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی اس کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر سکے، اور جب کبھی یورپ کے بڑے بڑے حکمرانوں نے خلافت عثمانیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو ہمیشہ منہ کی کھائی۔

دشمنوں کی چال

آخر میں دشمنوں نے یہ چال چلی۔ عربوں سے کہا کہ تم تو عرب ہو، تمہارے پاس قرآن نازل ہوا تھا، تمہارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے، تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا تھا، تم کہیں زیادہ دوسروں سے فوقیت رکھتے ہو، لیکن اس کے باوجود یہ ترک تم پر حکومت کررہے ہیں، لہٰذا ''عرب لیگ'' کے نام سے ایک تنظیم بنوادی کہ ہم عرب ہیں، اور ہم ترکوں کے زیر نگیں نہیں رہیں گے۔ دوسری طرف ترکی کو یہ سبق پڑھایا کہ تم ترکی ہو، لیکن تم نے عربی زبان اختیار کررکھی ہے، عربی رسم الخط اپنا رکھا ہے، حالانکہ عربی زبان کا تمہاری زبان سے کوئی تعلق نہیں، تمہارا رسم الخط بھی عربی نہیں ہونا چاہئے، تمہارا تعلق بھی عرب سے نہیں ہونا چاہئے، یہ کہہ کر یہاں پر ترکستان کے لوگوں کو عرب کے خلاف کھڑا کردیا۔

دشمنوں کی چال کا نتیجہ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ترکوں کے پاس حکومت آئی تو انہوں نے ملازمتوں میں ترکوں کو عربوں کے مقابلے میں فوقیت دینی شروع کردی، جس کے نتیجے میں عربوں کو یہ شکایت ہوئی کہ یہ ترک عربوں کو ملازمت نہیں دیتے، اور دوسری طرف عربوں کو یہ سکھایا کہ تمہیں ترکوں کے ماتحت نہیں رہنا چاہئے، اس کے نتیجے میں دونوں کو لڑادیا، اور ادھر ''عرب لیگ'' قائم ہوگئی، اور ادھر مصطفیٰ کمال پاشا کھڑا ہوگیا، اور اس نے کہا کہ میں خلافت کو قائم نہیں رہنے دوں گا، اور اس خلافت

کوختم کر کے ترکوں کی بالادستی قائم کروں گا، چنانچہ اس نے عربی زبان میں اذان دینی منع کردی، مسجدوں میں جولوگ عربی میں نماز پڑھیں، یا اذان دیں، اس کو جرم قرار دیدیا گیا، عربی لباس پہننا ممنوع قرار دیدیا، اس لڑائی کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ ٹوٹ گئی، اور مسلمانوں کی متحدہ قوت پارہ پارہ ہوگئی۔

اس بات کو اقبال مرحوم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

دشمنوں نے یہ چال چل کر مسلمانوں کو پارہ پارہ کردیا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خلافت عثمانیہ اتنی بڑی سلطنت تھی کہ جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اس کو بے شمار حصوں میں تقسیم کردیا، اور آج مسلمانوں کے ۵۲ ملک ہیں، گویا کہ خلافت عثمانیہ کو ۵۲ حصوں میں تقسیم کردیا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قوت پارہ پارہ ہوگئی، اور دشمنوں کی چاندنی ہوگئی، اور انہوں نے مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھ لیا۔

عصبیت بڑا فتنہ

بہرحال! یہ عصبیت اتنا بڑا فتنہ ہے کہ جو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا بہت بڑا سبب بنا، اقبال مرحوم کہتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیراہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

یعنی یہ جو نئے نئے خدا بنائے گئے ہیں، ان نئے خداؤں میں سب سے بڑا خدا یہ ہے کہ جو میرے وطن کا رہنے والا ہے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرے وطن کا رہنے والا نہیں ہے، وہ میرا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملت کا جو اتحاد تھا وہ گویا

پارہ پارہ ہوکر اس کو تم نے کفن پہنا دیا۔

آج بھی یہ فتنہ موجود ہے

یہ بہت اہم سبق ہے، جو قرآن کریم کی یہ آیت دے رہی ہے، اور آج بھی ہمارے اندر یہ فتنہ موجود ہے، وہ ہے صوبائی عصبیت کا فتنہ، یہ سندھی ہے، یہ پنجابی ہے، یہ بنگالی ہے، یہ بلوچی ہے، یہ مہاجر ہے، یہ پٹھان ہے، یہ فتنے آج ہمارے ہاں موجود ہیں، اور ان فتنوں کے نتیجے میں ہم ایک صالح اور نیک اور انصاف والی حکومت سے محروم ہیں، آپ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے کہ جب انتخابات ہوتے ہیں تو کس بنیاد پر ووٹ دیے جاتے ہیں؟ کیا کوئی یہ دیکھتا ہے کہ کون سا آدمی کردار کے اعتبار سے، اور عمل کے اعتبار سے، اور تقوی کے اعتبار سے بہتر ہے، یہ دیکھتے ہیں، یا یہ دیکھتے ہیں کہ کون میری برادری کا ہے؟ آج سارے ووٹ برادریوں کی بنیاد پر ڈالے جا رہے ہیں، فلاں میری برادری ہے، مجھے تو اسی کو ووٹ دینا ہے، چاہے یہ کیسا بھی ہو، جانتا ہے کہ وہ شخص ظالم ہے، جانتا ہے کہ وہ کرپٹ ہے، جانتا ہے کہ وہ بدقماش ہے، جانتا ہے کہ اگر وہ برسر اقتدار آئے گا تو لوگوں کا خون چوسے گا، لیکن چونکہ یہ میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا مجھے ہر حال میں اسی کو ووٹ دینا ہے۔

ورنہ ظلم برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

جب ہمارا یہ حال ہے تو پھر اگر جابر اور ظالم حکمران ہم پر مسلط ہوتے ہیں تو بتاؤ یہ کس کا قصور ہے؟ بتاؤ یہ کس کی خامی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا آئینہ ہیں۔ تم نے جو بویا ہے وہی کاٹو گے، اگر تم برادریوں کی بنیاد پر، صوبوں کی بنیاد پر اور وطن کی

بنیاد پر لوگوں کو منتخب کرتے ہو تو پھر اس بات کے لئے تیار رہو کہ تم پر ایسا حکمران آئے جو تمہارا خون چوسے، تم پر ظلم کرے، جب تک تم قرآن کریم کی اس ہدایت کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، جس کے دل میں تقوی ہو، جو متقی ہو، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا احساس رکھتا ہو، جب تک تم اس کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے، اور جب تک ایسے شخص کو منتخب نہیں کرو گے، اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہو گے، جس میں آج مبتلا ہو، ایک سے بڑھ کر ایک جابر و ظالم حکمران آتا رہے گا، اور اپنی من مانی کرتا رہے گا، اور معاشرہ خراب سے خراب تر ہوتا چلا جائے گا۔

خلاصہ

اگر قرآن کریم کی اس ہدایت کو ہم اپنالیں کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" کہ ہمیں تو وہ پسند ہے جو اللہ کا خوف رکھنے والا ہو، جو اللہ کے بندوں پر رحم کھانے والا ہو، جو اللہ کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے والا ہو، چاہے وہ برادری کا ہو، یا کسی اور برادری کا ہو، چاہے وہ ہمارے وطن کا ہو، یا کسی اور وطن کا ہو، چاہے وہ ہماری زبان بولتا ہے، یا نہ بولتا ہے، لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، تو وہ ہمارا ہے، جب تک یہ تصور پیدا نہیں کرو گے اور قرآن کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرو گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل نہیں کرو گے، اسی طرح ٹھوکریں کھاتے رہو گے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

زبانی ایمان

قابل قبول نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

زبانی ایمان قابل قبول نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ، وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا، اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ، بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(سورة الحجرات : ۱۴ تا ۱۸)

آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم، و صدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذالك من الشاهدين و الشاكرين، والحمد للّٰه رب العلمين۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! کافی عرصہ سے سورۃ الحجرات کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، اور آج میں نے اس سورت کی آخری آیات آپ حضرات کے سامنے تلاوت کیں، اس پر انشاء اللہ سورۃ الحجرات کی تفسیر مکمل ہو جائے گی، جو آیات میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان کے شان نزول کا ایک خاص واقعہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کچھ دیہاتی لوگ تھے، جن کو اعرابی کہا جاتا ہے، اور جن کو بدو بھی کہتے ہیں، یہ لوگ مدینہ منورہ میں آئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کلمہ توحید اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، اور ظاہری اعتبار سے اسلام قبول کر لیا۔

شان نزول

جب اسلام قبول کر لیا تو مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ رہے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے مطالبات شروع کر دیے کہ ہم چونکہ اسلام لے آئے ہیں، لہٰذا ہماری مالی مدد کریں، فلاں چیز ہمیں دیں، اور انداز ایسا اختیار کیا کہ گویا اسلام لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کیا ہے، اور اگر مطلوبہ چیز ان کو مل جاتی

تو وہ خوش ہو جاتے، اور اگر نہ ملتی تو انداز ایسا اختیار کرتے جیسے ہمارے مسلمان ہونے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، تو ان لوگوں کے بارے میں یہ آخری آیات نازل ہوئی ہیں۔

پہلی آیت کا ترجمہ

پہلے ان آیات کا ترجمہ سن لیں، پھر ان کی تشریح عرض کروں گا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دیہاتی لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے، ہاں! یہ کہو کہ ہم نے سر جھکا دیا ہے، ظاہری اعتبار سے تم نے اسلام قبول کر لیا ہے، ظاہری اعتبار سے تم نے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے، اور بظاہر تم نے اطاعت اختیار کر لی ہے، لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے، فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی عمل میں کمی نہیں کریں گے، بلکہ ہر عمل کا پورا پورا ثواب دیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے ہیں، بہت رحمت کرنے والے ہیں۔

دوسری آیت کا ترجمہ

اب سوال پیدا ہوا کہ یہ جو کہا گیا کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے، بلکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا ہے، تو حقیقی ایمان لانے کی علامت کیا ہے؟ اس کے بارے میں باری تعالیٰ نے اگلی آیت میں فرمایا کہ حقیقی معنی میں ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور پھر کسی شک کا اظہار نہیں کیا۔ وہی بات کہ اگر کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہو گیا تو ٹھیک ہے، اور اگر دنیاوی

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو کہنے لگے کہ ہمارے اسلام لانے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو ایمان لانا نہ ہوا، یہ تو شک اظہار ہوا، اور جبکہ صحیح معنی میں اسلام لانے والے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر شک مین مبتلا نہیں ہوتے، اور اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جدو جہد کرتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان کے دعوی میں سچے ہیں۔

تیسری آیت کا ترجمہ

آگے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان اعرابیوں اور دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتے ہو، اور بتانا چاہتے ہو کہ تم نے ایمان قبول کرلیا ہے، تم اسلام لے آئے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، اور تمہارے دل کی گہرائیوں میں جو باتیں ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اس وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کو یہ کہہ کر دھوکہ نہیں دے سکتے کہ تمہارا دین اسلام ہے، اور تم مسلمان ہو گئے ہو، حقیقت میں تم مسلمان نہیں ہوئے ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں آیت کا ترجمہ

پھر فرمایا کہ یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں اس بات کا کہ وہ اسلام لے آئے، گویا کہ اپنے اسلام لانے کا احسان آپ پر رکھتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ، اس لئے کہ اول تو تم صحیح معنی میں مسلمان ہوئے ہی نہیں ہو، ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا، تم نے صرف دنیاوی فائدے حاصل کرنے کے لئے کلمہ شہادت

پڑھ لیا ہے، لہٰذا حقیقت میں تو تم مسلمان نہیں ہوئے، لیکن اگر تم اپنے ایمان کے دعوی میں سچے بھی ہو، اور صحیح معنی میں اسلام قبول کر لیا ہو تب بھی تمہارا کوئی احسان اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے کہ تم نے اسلام قبول کر لیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے چھپے ہوئے بھید سے واقف ہے، آسمان اور زمین میں جتنے راز ہیں، جتنی خفیہ چیزیں ہیں، ان سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کو دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ اسی پر سورت ختم ہوئی، یہ تھا ان آیات کا ترجمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔

محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام ایمان نہیں

ان آیات میں دو تین باتیں ہیں، جو ہمارے اور آپ کے لئے بڑے عظیم سبق پر مشتمل ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ ایمان درحقیقت محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں کہ بس زبان سے کلمہ پڑھ لیا، اور آدمی مؤمن ہو گیا، کیونکہ ہمیں تو حکم ہے کہ اگر کوئی زبان سے کلمہ پڑھ لے تو تم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ ہے وہ صرف زبانی کلمہ پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب زبان سے جو بات کہہ رہے ہو وہ بات دل میں بھی یقین کے ساتھ جاگزین ہو، مثلاً اگر زبان سے تو یہ کہہ رہے ہو کہ "محمد رسول اللہ" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، لیکن دل میں۔ العیاذ باللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ نہیں ہے کہ ہم آپ کا حکم مانیں گے، اور آپ کی تعلیمات پر عمل کریں گے۔ یا مثلاً زبان سے تو یہ کہہ رہے ہو کہ "لا الٰہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی

اطاعت نہ کی جائے، اور عملاً تم دوسروں کی اطاعت کرتے پھر رہے ہو تو محض زبانی کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں تم مؤمن نہیں ہو سکتے۔

سلوک مسلمانوں جیسا ہوگا

دیکھئے! جہاں تک دنیا میں کسی کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا ہے، تو اس کے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم دلوں کو کرید کر نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے؟ لہٰذا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے، اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اور بظاہر اس کے عقائد میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، تو اس صورت میں ہم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے۔ جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کی بہت بڑی تعداد تھی، جو زبان سے اسلام لے آئے تھے، لیکن حقیقت میں ایمان نہیں لائے تھے، دل میں ایمان نہیں تھا، اسی لئے وہ طرح طرح کی سازشیں اسلام کے خلاف کرتے رہتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، وہ لوگ زبان سے مسلمان تھے، دل سے مسلمان نہیں تھے، ان کو منافقین کہا جاتا ہے۔

ایسا اسلام قبول نہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اگرچہ یہ دل سے مؤمن نہیں، لیکن چونکہ زبان سے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور زبان سے اقرار کر رہے ہیں، لہٰذا تم ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو، چنانچہ جب ان میں سے کوئی مر جاتا تو صحابہ کرام اس کی نماز جنازہ بھی پڑھتے تھے، اور جب کوئی ملتا تو سلام کرتے

اوران کے سلام کا جواب دیتے، ان کے اسلامی حقوق ادا کرتے تھے، لیکن قرآن کریم اس بیان سے بھرا ہوا ہے کہ یہ منافقین جہنم میں جائیں گے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (سورۃ ال عمران:۱٤٥) یعنی منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ بہر حال! دنیاوی احکام کے اعتبار سے اگرچہ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جارہا ہو، لیکن آخرت کے احکام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کا ایمان ہمارے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، ان کے دل کے اندر ایمان موجود نہیں، لہٰذا آخرت میں ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسے کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

دل میں ایمان نہ ہونے کی دلیل

بہر حال! ان آیات میں ان اعرابیوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ تم حقیقت میں ایمان نہیں لائے ہو، اگرچہ تم نے زبان سے اقرار ضرور کرلیا ہے، لیکن ابھی تک تمہارے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ تم اسلام لانے کے بعد یہ مطالبات کرتے ہو کہ چونکہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، لاؤ ہمیں اتنے پیسے دو، لاؤ ہمیں فلاں سہولت مہیا کرو، فلاں فائدہ ہمیں پہنچنا چاہئے، اور اگر وہ فائدہ تمہیں نہیں پہنچتا تو کہتے ہو کہ ہمارے اسلام لانے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بظاہر جو اسلام قبو کیا ہے وہ اس لئے قبول کیا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اللہ کو راضی کرنا پیش نظر نہیں تھا، اگر اللہ کو راضی کرنا پیش نظر ہوتا تو یہ باتیں نہ کرتے کہ اسلام لانے سے کیا فائدہ ہوا؟

اسلام کے بعد ظلم وستم کا سامنا

جب انسان ایمان لاتا ہے تو اس وجہ سے لاتا ہے کہ ایک حقیقت کو تسلیم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا؟ اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ دیکھئے! کتنے مسلمان ایسے ہیں جو ایمان لائے، لیکن ایمان لانے کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کو دنیاوی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ان کو بڑے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا، ان کو پتھروں پر لٹایا جارہا ہے، ان کو کوڑے مارے جارہے ہیں، ان کا کھانا پینا بند کیا جارہا ہے، یہ ساری باتیں ایمان لانے والوں کے ساتھ ہوئیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ان کے ایمان میں اور وقت پیدا ہوتی چلی گئی، یہ وہ لوگ تھے جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔ اور تم ایمان لانے کے بعد جو یہ کہہ رہے ہو کہ ہمیں فائدہ نہیں پہنچا، تو بات راصل یہ ہے کہ تمہارے ذہنوں میں تو دنیاوی فائدے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان تمہارے دلوں کے اندر نہیں ہے، بس دنیاوی مفادات کی خاطر تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔

دین پر چلنے سے ابتداءً آزمائش آتی ہے

ایک اور جگہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، بہت سے لوگوں کے دلوں مین بعض اوقات اس قسم کے خیالات آنا شروع ہوجاتے ہیں، جب وہ لوگ دین کی طرف اور اسلامی احکام پر عمل کرنا شروع کرتے ہیں، تو بعض اوقات ان پر کچھ آزمائشیں آتی ہیں، کبھی کوئی پریشانی کھڑی ہوگئی، کوئی بیماری آگئی، روزگار

چھوٹ گیا، آمدنی میں کمی ہوگئی، آدمی مقروض ہوگیا وغیرہ، یہ آزمائشیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں، کسی پر کسی قسم کی آزمائش، کسی پر کسی قسم کی آزمائش، ان آزمائشوں کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ چونکہ میں دین کی طرف چلا تھا تو دین پر چلنے کے نتیجے میں یہ پریشانیاں میرے اوپر آئی ہیں۔ یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، ان پریشانیوں کی وجہ سے دین برگشتہ ہونے کا کوئی جواز نہیں، بلکہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، یا اللہ! مجھے یہ پریشانی آگئی ہے، اپنی رحمت سے دور فرما دیجئے، لیکن اس کی وجہ سے دین سے برگشتہ ہو جانا بڑی ناحقیقت شناسی کی بات ہے۔

کنارے پر کھڑے ہوکر عبادت کرنے والے

ایک اور جگہ پر قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ

(سورۃ الحج: ۱۱)

فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہوکر کرتے ہیں، کنارے پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی عبادت کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہو گیا تب تو وہ مطمئن ہیں کہ اچھا ہوا کہ ہم مسلمان ہو گئے، اور اللہ کی عبادت شروع کر دی، کیونکہ دنیاوی فائدہ ہمیں حاصل ہو گیا۔ لیکن اگر اسلام لانے اور اللہ کی عبادت کرنے کے نتیجے میں کوئی فتنہ یا آزمائش پیش آجائے تو وہ لوگ الٹے منہ واپس چلے جاتے ہیں کہ اسلام لانا اور عبادت کرنا ہمیں موافق نہیں آیا، اس لئے کہ اس کی وجہ سے مجھے

دنیاوی نقصانات پیش آگئے، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی خسارے میں ہیں، اور آخرت میں بھی خسارے میں ہوں گے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ کی کوئی اطاعت اور عبادت اس وجہ سے نہ کرو کہ اس کا کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ کوئی دنیاوی فائدہ دیدے یہ اس کا کرم ہے، لیکن تم جو کوئی عبادت کرو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرو، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرو، دنیاوی فائدے کے لئے مت کرو، ایک سبق تو اس آیت کریمہ نے یہ دیا۔

ایمان لانے کا تقاضہ

دوسرا سبق اس آیت نے یہ دیا کہ:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۃ الحجرات: ۱۵)

یعنی صحیح معنوں میں مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی شک وشبہ میں نہیں پڑتے چونکہ مجھے اسلام لانے کے بعد نقصان ہوگیا اس لئے مجھے شک ہوگیا کہ اسلام برحق ہے یا نہیں، بلکہ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان سے بھی اور اپنے مال کے ذریعہ بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، اور جہاد کے معنی ہیں کوشش اور جدو جہد، جس طرح بھی ممکن ہو، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ایمان لانے کے بعد ایک تقاضہ ایمان کا یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جدو جہد کرے۔

اسلام لانے اور نیک عمل کرنے پر احسان نہ جتلاؤ

اور تیسرا اور آخری سبق جو ان آیات کریمہ نے دیا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی صحیح معنی میں بھی ایمان لائے تو اپنے اسلام لانے کا کسی پر احسان نہ جتلائے، اور جو حکم اسلام لانے کا ہے وہی حکم ہر نیک کام کرنے کا ہے، جو نیک کام کرو، وہ اللہ کے لئے کرو، اپنی آخرت سنوارنے کے لئے کرو، ثواب حاصل کرنے کے لئے کرو، اور اس کام کا کسی پر احسان نہ جتلاؤ کہ میں نے یہ کر دیا، احسان جتلانے سے اس نیکی کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم میں صدقہ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، لیکن باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ قابل قبول ہے جو کچھ تم نے صدقہ میں پیسے خرچ کئے ہیں، اس کے بعد کسی پر احسان نہ جتلائیں، اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، تب وہ صدقہ مقبول ہے، لیکن اگر صدقہ بھی کیا، اور ساتھ میں احسان بھی جتاتے رہے کہ میں یہ کرتا ہوں، میں یہ کرتا ہوں، ارے تم کیا احسان جتاتے ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اس نیک عمل کی توفیق دیدی، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہ ہوتی تو اس نیک عمل سے محروم رہتے، لہٰذا چاہے تم نے کتنی بڑی نیکی کر لی ہو، کتنا بڑا کارنامہ انجام دیدیا ہو، لیکن اس کا احسان اللہ پر اور اللہ کے رسول پر اور مسلمانوں پر نہ جتلاؤ، بلکہ شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ کا فضل و کرم ہے کہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اس عمل کی توفیق عطا فر دی، لہٰذا احسان جتلانے کا کوئی موقع نہیں۔

خلاصہ۔

بہر حال! ان آیات کے ذریعہ یہ سبق یہ دیا جارہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی

نیک عمل کی توفیق عطا فرمادے، اس کو اللہ کا کرم سمجھو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، یہ نہ کہو کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور اس پر احسان جتاتے پھرو، یہ تین سبق ہیں جو ان آیات کریمہ نے عطا فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی سمجھ عطا فرمائے، اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اعتدال

کے ساتھ زندگی گزاریں

از

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب:	قبل نماز جمعہ
اصلاحی خطبات:	جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ! عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذکر لہ صوم، فدخل علّی۔ فالقیت لہ وسادۃ من ادم حشوھا لیف، فجلس علی الارض و صارت الوسادۃ بینی و بینہ، فقال لی: اما یکفیک من کل شہر ثلثۃ ایام؟ قال: خمسًا، قلت: یا رسول اللّٰہ، احدی عشر۔ قال لا الخ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ایک طویل حدیث ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں،

اور جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں اختصار ہے، دوسری روایتوں میں ذرا تفصیل آئی ہے، وہ تفصیل یہ ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نکاح ایک بڑی شریف خاتون سے کر دیا تھا، جن کی شرافت بھی مشہور و معروف تھی، اور وہ بڑے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، جب نکاح ہو گیا، اور کچھ دن گزر گئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کی بہو اپنے شوہر سے خوش ہے یا نہیں، وہ یہ دیکھتے رہتے تھے کہ بہو کس حالت میں ہے، ایک دن انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ تم اتنے دن سے میرے بیٹے کے ساتھ رہ رہی ہو، تم نے میرے بیٹے کو کیسا پایا؟ تمہارے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ تعلقات کیسے ہیں؟ وہ شریف خاتون تھیں، انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمرو بڑے ہی بہترین آدمی ہیں، بہت نیک ہیں، اتنے نیک ہیں کہ جب سے میں ان کے گھر میں آئی ہوں ان کو دیکھتی ہوں کہ وہ سارا دن روزے سے رہتے ہیں، اور جب رات کو گھر میں آتے ہیں تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس پورے عرصے میں وہ اپنی عبادت میں اس درجہ مشغول ہیں کہ ان کو ہمارے بستر پر آنے کی فرصت نہیں۔ اس طرح ان خاتون نے ان کی نیکی اور تقوی کی تعریف کی، لیکن ساتھ ساتھ ضمناً حقیقت حال بیان کر دی کہ وہ عبادت میں اتنے مشغول ہیں کہ ان کو ہماری طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں۔

بیٹے کو نصیحت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پتہ چلا تو ان کو تشویش ہوئی، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر سمجھایا کہ ایسا کرنا

مناسب نہیں ہے، جب گھر میں بیوی موجود ہے تو اس کا بھی حق ہے کہ کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے، تمہارا یہ طرز عمل کہ سارا دن روزے سے رہو، اور ساری رات عبادت میں کھڑے ہو، یہ اعتدال سے نکلا ہوا ہے، اس کو ٹھیک کرو۔

صحابہ کرام کا حال

لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک غلبہ حال کی کیفیت طاری تھی، اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بکثرت لوگوں کا یہ حال تھا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی تھی، اور آخرت کی فکر بڑھتی تھی، ہر انسان اس فکر میں رہتا تھا کہ میری آخرت کس طرح درست ہو؟ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کر جاؤں کہ جب مروں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر اس کی رضامندی حاصل ہو سکے، ہر شخص اس فکر میں تھا، صحابہ کرام بار بار ازواج مطہرات سے جا کر یہ پوچھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ ان کا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لے جاتے ہوں گے تو غیر معمولی عبادت کرتے ہوں گے، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہوں گے، اگر اس عبادت کی تفصیل معلوم ہو تو ہم بھی اسی طرح عبادت کریں، ازواج مطہرات نے صحابہ کرام کو بتایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے ہیں تو آپ گھر میں اسی طرح رہتے ہیں جس طرح تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہو، آپ ہمارے گھر کے کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں، ہماری دلجوئی

اور خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، اور عبادت بھی کرتے ہیں۔

ہم کہاں حضور کہاں

جو صحابہ یہ سوال کر رہے تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو اور ہے، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے بارے میں یہ اعلان فرمادیا ہے کہ "قَدْ غَفَرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" اول تو آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، اگر کوئی بھول چوک ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف ہیں، اس وجہ سے اگر آپ زیادہ عبادت نہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہم تو آپ کی برابری نہیں کرسکتے، ہم نہ تو گناہوں سے معصوم ہیں، اور نہ ہماری مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں تو زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگا رہنا چاہئے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ساری رات عبادت کے لئے کھڑا رہوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں مسلسل روزے رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا، بغیر نکاح کے تنہا زندگی گزاروں گا۔

غلبہ حال کی کیفیت

بہر حال! حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنالوں، اور دنیا کے اندر جو لمحات زندگی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، ان کو غنیمت سمجھ کر ان کو اللہ کی عبادت میں خرچ کرلوں، یہ فکر ایسی دامن گیر تھی کہ ان پر غلبہ حال کی کیفیت طاری ہوگئی، ان کے والد حضرت عمرو

بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سمجھایا، تھوڑا بہت ان پر اثر ہوا، لیکن پھر وہی حالت شروع ہوگئی، کہ دن بھر روزے سے رہتے، اور رات بھر اللہ کی عبادت میں کھڑے ہوتے۔

حضور ﷺ کا خود تشریف لے جانا

جب حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قابو میں نہ آئے تو انہوں نے جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سارا ماجرا بیان فرمایا کہ میرے بیٹے کا معاملہ یہ ہے، وہ دن رات عبادت میں لگا ہوا ہے، اس کی بیوی شکوہ تو نہیں کرتی، لیکن اس کے حقوق ادا نہیں ہورہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپ خود حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اب ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ آپ ان کو اپنے پاس بلا لیتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم دیکھئے کہ بلانے کے بجائے خود ان کے گھر تشریف لے گئے، جب حضرت عبد اللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے ہیں تو اس واقعہ کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے بیٹھنے کے لئے تکیہ پیش کیا، جو چمڑے کا تھا، اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، تاکہ آپ اس پر ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین ہی پر بیٹھ گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکیہ درمیان میں رکھ لیا، اس طرح کہ وہ تکیہ میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ کو واپس تو نہیں کیا، لیکن اس وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو استعمال کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی، اس لئے اس تکیہ کو درمیان میں رکھ کر بات کرنی شروع کر دی۔

مہمان کا اکرام کریں

یہاں آداب مجلس کی بات چل رہی تھی کہ کس طرح انسان کو بیٹھنا چاہئے اور کس طرح اٹھنا چاہئے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنے کے لئے اس روایت کو یہاں لائے ہیں، کہ جب کوئی مہمان تمہارے پاس آئے تو اس کے اعزاز واکرام کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس کو ایک اچھی نشست پیش کی جائے، اس کو تکیہ وغیرہ پیش کرے، یہ ایک آنے والے مہمان کا حق ہے، خاص طور پر اگر مہمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، یا آپ کا کوئی وارث ہو (یعنی عالم ہو) تو اس کا اور زیادہ اکرام کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کرنے کا انداز

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو گئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبداللہ! کیا تمہارے لئے ایک مہینے میں تین روزے رکھنا کافی نہیں ہے؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی تھی ہر ماہ کے ایام بیض میں یعنی ۱۳/۱۴/ اور ۱۵/ تاریخ کو آپ روزہ رکھا کرتے تھے، چونکہ ہر روزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دس گناہ ثواب رکھتا ہے، لہٰذا اگر آدمی ایک مہینے میں تین روزے رکھ لے تو اس کو تیس روزوں کا ثواب ملے گا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! کیا تمہارے لئے تین روزے کافی نہیں

ہیں؟ میں نے کہا یارسول اللہ! بس میں نے اتنے الفاظ کہے اور اس کے ذریعہ میں نے التجاء کی کہ یارسول اللہ! میرے روزے اتنے کم نہ کیجئے، میرے روزوں میں کچھ اضافہ کردیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پانچ روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا یارسول اللہ! یعنی پھر التجاء کی کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، میرے لئے اور زیادہ بڑھا دیجئے، تو پھر آپ نے ان کے لئے اور بڑھا دے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ. یعنی کوئی روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں سے زیادہ افضل نہیں ہوسکتا، حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ یہ تھا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور ساری عمر آپ نے اسی طرح گزاردی، اس لئے آپ نے فرمایا کہ روزہ رکھنا ہے تو بس اسی طرح رکھو، اس سے زیادہ روزے رکھنا ٹھیک نہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راضی ہو گئے۔

جان کا بھی حق ہے

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

یَا عَبْدَ اللّٰهِ! اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا.

اے عبد اللہ! تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔

یہ جان اور جسم امانت ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ جو تمہیں جان دی ہے، اور یہ نفس جو تمہیں عطا فرمایا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت گہری بات بیان فرمائی ہے، اس سے اس بات کی طرف متنبہ فرمادیا کہ تمہاری یہ جان اور تمہارا یہ وجود اس کو تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تمہارا ہے؟ تم اس کے مالک ہو؟ ایسا نہیں، بلکہ حقیقت میں تمہارا یہ سارا وجود تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، تم اس کے مالک اور مختار نہیں ہو، اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ آنکھ میری ہے، یہ کان میرے ہیں، یہ ہاتھ میرے ہیں، یہ پاؤں میرے ہیں اس حد تک تو سمجھنا درست ہے کہ بیشک یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جائز استعمال کے لئے عطا فرمارکھی ہیں، لیکن جہاں تک ملکیت کا تعلق ہے، تو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں امانت کے طور پر دی ہیں، اور جب امانت کے طور پر دی ہیں کہ اس امانت کا تمہارے اوپر حق ہے کہ اس کا خیال رکھو، اور اس کو ہلاک نہ ہونے دو، بلا وجہ اس سے بے پروائی برت کر اس کا نقصان نہ ہونے دو۔

خودکشی کرنا کیوں حرام ہے؟

اسی وجہ سے خودکشی حرام قرار دی گئی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دے، اس کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ جان جو تمہیں دی گئی ہے یہ تمہاری نہیں ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، اس کی امانت ہے، اور جب اس کی امانت ہے تو اس امانت کا دھیان سے، فکر سے، اہتمام سے اس کو جائز کاموں میں

استعمال کرنا ہے، ناجائز کاموں میں استعمال نہیں کرنا ہے، بلکہ ناجائز کاموں سے اس کو بچانا ہے، حرام کاموں سے بچانا ہے، اور جائز کاموں میں اس کو اس طرح استعمال کرنا ہے جس سے اس کا حق ادا ہو جائے، جب یہ بات ہے تو کھانا کھانا بھی تمہاری جان کا حق ہے، پینا بھی تمہاری جان کا حق ہے، بقدر ضرورت سونا بھی تمہاری جان کا حق ہے، اگر اس جان کے حقوق ادا نہیں کرو گے، نہ اس کو کھلاؤ گے، نہ اس کو پلاؤ گے، اور بقدر ضرورت اس کو سونے نہیں دو گے تو پھر اس امانت میں تم ناجائز تصرف کرنے والے ہو جاؤ گے۔

کھانا، پینا اور سونا باعث اجر ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جتنے کام بھی اپنے جسم کے علاج کے لئے، اس کو غذا پہنچانے کے لئے اور اس کو آرام پہنچانے کے لئے کرتا ہے، اس میں اگر آدمی یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جان مجھے امانت کے طور پر عطا فرمائی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ تمہاری اس جان کا تم پر حق ہے تو جو کچھ میں کھا رہا ہوں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں کھا رہا ہوں، اگر میں پی رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پی رہا ہوں، اگر میں سو رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں سو رہا ہوں، اور اگر میں جسم کو کوئی آرام پہنچا رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پہنچا رہا ہوں کہ یہ جسم میرے پاس اللہ کی امانت ہے، اگر انسان ہر عمل کے اندر یہ نیت کر لے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ سارے اعمال یعنی کھانا بھی، پینا بھی،

سونا بھی، آرام پہنچانا بھی اجر وثواب کا سبب بن جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

زندگی کا ہر عمل باعث اجر بنالو

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کو انسان حسن نیت سے عبادت نہ بنا سکے، اور اس کو ثواب کا کام نہ بنا سکے، تم جتنے کام بھی کر رہے ہو، ان میں یہ نیت کرو کہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس امانت کا حق ادا کرنے کے لئے میں یہ کام کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ کام اجر وثواب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، یہ مت سمجھنا کہ میں نے اگر عبادت ادا کرنے کے لئے اس جان کو بہت زیادہ مشقت میں ڈالا تو مجھے اس پر ثواب بھی زیادہ ملے گا، ایسا نہیں ہے، بلکہ اس جان کا حق یہ ہے کہ تم اس کو آرام بھی دو۔

بیوی کا حق ادا کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، اگر اس آنکھ کو تم آرام نہیں دو گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ تھک جائے گی، اور بالآخر وہ کام کرنا چھوڑ دے گی۔ فرمایا کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، جب تم اس کے ساتھ نکاح کر کے اس کو اپنے گھر لائے ہو تو اس کا حق ہے کہ تم کچھ وقت اس کو دو، نفلی عبادت میں مشغول ہو کر اس کے حق کو تلف مت کرو۔

کاش میں نے رخصت پر عمل کرلیا ہوتا

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعتدال کی تعلیم دی، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ بعد میں حضرت عبداللہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرکر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت لے لی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے فرمایا کہ تین دن روزے رکھا کرو، انہوں نے کہا کہ اور زیادہ کی اجازت دیدیجئے، یہاں تک کہ آپ نے اس کی اجازت دیدی کہ ایک دن روزہ رکھا کرو، اور ایک دن افطار کیا کرو۔ بعد میں جب بوڑھے ہوگئے تو اس وقت کا اپنا واقعہ سنا رہے ہیں کہ اس وقت تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کرکر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت تو لے لی، لیکن اب مجھے خیال ہوتا ہے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ مہینے میں تین دن روزے رکھا کرو، کاش کہ میں نے اس بات پر عمل کرلیا ہوتا، اور میں نے اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالی ہوتی، اس لئے کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اقرار کرلیا کہ ایک دن روزہ رکھوں گا، اور ایک دن افطار کروں گا، تو اب ساری عمر کے لئے میرا یہ معمول بن گیا، اور اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے ہر دوسرے دن روزہ رکھنا میرے لئے دشوار ہو رہا ہے، لیکن میں اس لئے روزہ نہیں چھوڑتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ایک دن چھوڑ کے دوسرے دن روزہ رکھوں گا، تو اب اگر میں روزہ چھوڑتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی ہوگی، کاش کہ میں

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت پر عمل کر لیا ہوتا۔

تھوڑا معمول بناؤ، لیکن اسکی پابندی کرو

اس کے ذریعہ وہ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ جب کوئی بڑا تمہیں کوئی آسانی کا راستہ بتائے تو اس کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں، ارے کیا انسان اور انسان کی بہادری، ذرا دیر میں ساری بہادری دھری رہ جاتی ہے، ذرا بوڑھا ہو جائے، ذرا بیمار ہو جائے۔ لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جو بھی معمول اختیار کرو، یہ سوچ کر اختیار کرو کہ ساری زندگی اس معمول کو نبھانا ہے، وہ معمول تھوڑا ہو، لیکن پابندی کے ساتھ ہو، یہ اس سے بہتر ہے کہ ابتداء میں جوش میں آکر بہت زیادہ شروع کر دیا، لیکن بعد میں ایسے ڈھیلے پڑے کہ سب معمولات جاتے رہے، ایسا کرنا صحیح طریقے کے خلاف ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ معمول تھوڑا بناؤ، لیکن اس پر پابندی کرو۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خیر العمل ما دیم علیہ و ان قل" "بہتر عمل وہ ہے جس کی پابندی ہو، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ زیادہ اختیار کر کے پھر چھوڑ دینا مناسب نہیں، اسی لئے ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اقرؤا القرآن ما ائتلفت قلوبکم" "قرآن کریم کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تک تمہارا دل لگا رہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک وقت میں تو ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کر لیا، پھر سارے سال میں قرآن کریم کھول کر بھی نہیں دیکھا۔ بہر حال! اعتدال ہونا چاہئے، اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ نفلی عبادات ہر انسان کو ضرور کرنی چاہئے۔

نوافل محبت کا حق ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض وواجبات تو اللہ جل شانہ کی عظمت کا حق ہیں، اللہ تعالیٰ نے حاکم بن کر ہم پر لازم کر دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، حج کیا کرو، یہ سارے احکام ایک حاکم کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، لہٰذا آپ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ اس کے آگے آدمی سر تسلیم خم کرے، اور یہ احکام بجا لائے۔ اور نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، کیا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قانونی تعلق رکھو گے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی، بس وہی انجام دیں گے، اور باقی کوئی نفلی اور مستحب کام نہیں کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑا خشک اور کھردرا تعلق ہوگا۔

بیوی اور شوہر کا تعلق

دیکھئے! شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق ہوتے ہیں، کچھ تو اس تعلق کے قانونی حقوق ہوتے ہیں، مثلاً شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ وہ بیوی کا نفقہ دے، یہ اس کا قانونی حق ہے، لیکن اگر کوئی شوہر صرف اس قانونی حق پر اکتفا کرے، اور بیوی کو اچھا اچھا کھانا صبح شام کھلائے، لیکن وہ شوہر بیوی سے نہ بات چیت کرے، اور نہ کوئی دلجوئی کا کام کرے، تو یہ خشک قانونی تعلق ہوا، جس میں کوئی خوش گواری نہیں، کوئی لطف نہیں، اگر خوشگوار تعلق رکھنے ہیں تو پھر قانون سے آگے بڑھ کر اپنی محبت کا اظہار بھی کرے گا، اور محبت کے تقاضے سے بہت سے کام کرے گا۔

اسی طرح اللہ جل شانہ کے ساتھ اگر تم نے صرف قانونی تعلق رکھا کہ صرف فرائض و واجبات ادا کر لئے، باقی نہ نوافل ہیں، نہ مستحبات ہیں، نہ فضائل اعمال کی طرف توجہ ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشک تعلق ہوا، اس لئے کہ یہ نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، یہ سوچا کرو کہ جس ذات نے مجھے پیدا کیا، جس ذات نے مجھے نوازا، جس ذات کی نعمتوں کی بارش ہر آن میرے اوپر برس رہی ہے، کیا میں اس کے لئے صرف واجبات و فرائض پر اکتفاء کروں؟ نہیں، یہ ایک بندے کا کام نہیں، محبت کرنے والے بندے کا کام یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نفلی عبادات اور مستحبات کے تحفے بھی پیش کرے، نفلی عبادات اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، لہٰذا نفلی عبادات کو معمولی مت سمجھو، بلکہ نفلی عبادات کا اہتمام ہونا چاہئے، معمولات میں فرائض و واجبات کے علاوہ نفلی عبادات بھی ہونی چاہئیں، نفلی نمازیں، جیسے تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، یہ سب نوافل واجب تو نہیں ہیں، لیکن باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہے کہ بندہ ان کو بجالائے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمنا

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ میں یہ دیکھتا تھا کہ فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو مختلف صحابہ کرام آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کرتے کہ حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا،

حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اس کی تعبیر بھی بیان فرما دیتے، اگر اس خواب میں کوئی بشارت ہوتی تو اس بشارت پر مطلع فرمایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا معاملہ یہ تھا کہ جب میں سوتا تو مجھے کوئی خواب ہی نظر نہ آتا، اس لئے میرے دل میں تمنا تھی کہ کاش! مجھے بھی کوئی اچھا سا خواب نظر آئے، اور جیسے دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں، میں بھی حضور کی خدمت میں اپنا خواب بیان کروں، اور آپ اس کی کوئی تعبیر دیں، میرے دل میں اس کی بہت تمنا تھی۔

خواب اور اس کی تعبیر

ایک دن اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش اور تمنا پوری کر دی، ایک رات کو جب میں سویا تو میں نے ایک خواب دیکھا، جو بڑا اچھا خواب تھا، وہ یہ کہ دو آدمیوں نے مجھے اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیا، لمبا چوڑا سا خواب دیکھا، فجر کی نماز کے بعد سوچا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب بیان کروں، مگر مجھے کچھ حجاب سا ہو رہا تھا، تو میں نے اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہ خواب ذکر کیا، جو ام المؤمنین تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور ان سے کہا کہ تم یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر کے اس کی تعبیر معلوم کرو، انہوں نے وہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خواب سن کر فرمایا: نعم الرجل عبد الله لو كان يقوم من الليل، یعنی حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے اچھے آدمی ہیں، کاش کہ وہ رات کے وقت نماز پڑھا کرتے۔ اس جملے میں ان کی تعریف بھی کردی، اور ساتھ میں یہ پیغام دیدیا کہ وہ رات میں نماز پڑھا کریں تو ان کے لئے زیادہ خوبی کی بات ہے، جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ جملہ فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بس اسی دن سے میں نے عہد کرلیا کہ زندگی بھر رات کی نماز نہیں چھوڑوں گا، پھر ساری زندگی رات کی نماز نہیں چھوڑی، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نوافل کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ایک طرف تو نوافل کی اہمیت نہیں

بہرحال ایک طرف بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ نوافل اور فضائل اعمال کی طرف دھیان نہیں، اس کی اہمیت دل میں نہیں، خاص طور پر جب آدمی اصول فقہ میں یہ پڑھ لیتا ہے کہ مستحب اور نوافل اس کو کہتے ہیں کہ اگر کرلیں تو ثواب ہے، اور نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں، تو اب دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس کے نہ پڑھنے پر کوئی پکڑ اور گناہ تو ہے نہیں، لہٰذا اس کو چھوڑ دو، کرنے کی کیا ضرورت ہے، بعض اوقات کسی بات کا علم الٹا اثر کرجاتا ہے، نقصان پہنچا دیتا ہے، جبکہ ایک عام آدمی نے تو یہ سن رکھا ہے کہ عشاء کی نماز کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں، اس کی کوشش ہوگی کہ وہ یہ سترہ رکعتیں پوری کرے، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ عشاء کی سترہ رکعتوں میں سے اتنی رکعتیں فرض ہیں، اتنی سنت، اور اتنی مستحب ہیں، اور مستحب ہونے کا

مطلب یہ ہے کہ پڑھو تو ثواب ہے، اور نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں، تو اب اس معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستحبات اور نوافل کو چھوڑ دیا، تو بعض اوقات کسی چیز کا علم ہونا بھی نقصان پہنچا دیتا ہے۔

اذان کا جواب دینا

بہر حال ایک طرف تو یہ انتہاء ہے کہ نوافل اور مستحبات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کچھ گفتگو کر رہے تھے، اتنے میں اذان شروع ہوگئی، ان صاحب نے اپنی بات جاری رکھی، اور اذان کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا کہ بھائی اذان ہو رہی ہے، اذان کا جواب دیدیں، انہوں نے سنتے ہی فوراً کہا کہ ہاں! ہمیں سب پتہ ہے، اذان کا جواب دینا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ گویا کہ جب فرض و واجب نہیں تو اب اس کے اہتمام کی اور اس کو انجام دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اور اس طرح مستحبات اور نوافل کو بے وقعت سمجھنے، ان کو بیکار سمجھنے کی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے، جو بہت بڑی بے اعتدالی ہے۔

یہ فضائل کس کے لئے؟

ارے بھائی! یہ فضائل کس کے لئے آئے ہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نفلی عمل کی کوئی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس عمل پر یہ ثواب ملے گا، اس عمل پر یہ ثواب ملے گا، یہ کس کے لئے بیان فرمائی ہے؟ کیا فرشتوں کے لئے بیان فرمائی تھی؟ نہیں، بلکہ انسانوں کے لئے بیان فرمائی تھی، البتہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے

کہ ان کو ہمارے اوپر ایسا واجب نہیں کیا کہ ان کو چھوڑنے پر گناہ ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی اس کی طرف توجہ ہی نہ کرے۔ ایک بے اعتدالی تو یہ ہے۔

دوسری بے اعتدالی

دوسری بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ آدمی نوافل کی طرف اتنا جھکا کہ دن رات نوافل کی ادائیگی میں لگا ہوا ہے، جس کے نتیجے میں دوسرے حقوق پامال کر دیئے، نہ اپنے نفس کا حق یاد رہا، نہ اپنی بیوی بچوں کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے دوست واحباب کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے والدین کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق یاد رہے، بس نوافل و مستحبات میں لگا ہوا ہے، یہ دوسری بے اعتدالی ہے، رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب بے اعتدالی ختم فرمائی، آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: صم و افطر، قم و نم. یعنی روزے بھی رکھو، اور افطار بھی کرو، اور رات کو اللہ کی عبادت کے لئے کھڑے بھی ہو، اور سو بھی، دونوں کام ملا کر کرو، اسی کا نام "دین" ہے کہ تمام معاملات توازن کے ساتھ ہوں، کوئی کام غیر متوازن نہ ہو، سارے دین کی بھی یہی تعلیم ہے۔

دین اتباع کا نام ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "دین" اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ "اتباع" کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اس وقت مجھے اللہ جل شانہ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے؟ اور اس وقت میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہو رہا ہے؟ بس اس وقت یہی کام میرے لئے "دین" ہے،

چاہے اس وقت دوسرے کام کا شوق ہو رہا ہو، مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ نفل نماز پڑھوں، یا تلاوت کروں، لیکن باپ بیمار ہے، یا ماں بیمار ہے، یا بیوی بیمار ہے، اس کی تیمارداری کی ضرورت ہے، تو اب اس وقت یہی تیمارداری افضل ہے، اس لئے کہ وقت کا تقاضہ یہی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع اسی میں ہے۔

بہر حال! اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان اعتدال کے ساتھ زندگی گزارے، اور ہر ایک کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارے، کسی ایک طرف جھکاؤ اور میلان نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ان الذین یکسبون الاثم سیجزون ما کانوا یقترفون"

(سورۃ الانعام: ۱۲۰)

یعنی جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، قیامت کے روز

ان کے ان اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ لوگ یہاں پر کیا کرتے تھے۔

اللہ سے ڈرو (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اللہ سے ڈرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّہْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! ایک حدیث ہے جو سُلیم بن جابر ہُجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک چادر اپنے پاؤں پر ڈالے ہوئے تشریف فرما ہیں، اور اس چادر کے جھالر آپ کے قدم مبارک پر پڑے ہوئے ہیں، میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش پر ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

پہلی نصیحت ”تقویٰ“ کی

(۱) سب سے پہلے یہ نصیحت فرمائی کہ ”علیك بالتقواء اللّٰہ“ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی روش اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو ”تقویٰ“ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اسکی عظمت اور جلال کے پیش نظر ڈرتے رہنا کہ کہیں ہمارا کوئی عمل اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، یہ فکر اور یہ خلش انسان کے دل میں پیدا ہو جائے اور پھر وہ انسان اس فکر اور خلش کے مطابق عمل کرنے لگے تو اسی کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

تقویٰ کے تین درجات

بزرگوں نے فرمایا کہ تقویٰ کے تین درجات ہیں، پہلا درجہ وہ ہے جو الحمد للہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، وہ ہے شرک اور کفر سے بچنا، الحمد للہ جو مسلمان ہے، اور جو اشہد ان لا الہ اللّٰہ و اشہد ان محمداً رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھے ہوئے ہے، وہ کفر اور شرک سے محفوظ ہے، یہ تقویٰ الحمد للہ ہر مؤمن کو حاصل ہے، تقوی کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے گناہ سے بچے، یہ تقویٰ ہر مؤمن سے مطلوب ہے، جب تمہیں پہلے درجہ کا تقویٰ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہو گیا، اور تم کفر اور شرک سے بچ گئے، اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچ گئے، لیکن اگر تم سے معصیتیں اور گناہ سرزد ہوئے تو ان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں عذاب دیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ عذاب بھگتنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں بھیج دیں گے، لہٰذا گناہوں سے بچنے کی فکر یہ دوسرے درجہ کا تقویٰ ہے۔

تیسرے درجہ کا تقویٰ

تیسرے درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ آدمی شکوک وشبہات سے بھی بچے، یعنی جس کام کے گناہ ہونے کا شبہ ہو، اگر چہ مفتی نے فتویٰ دیدیا ہو کہ یہ کام تمہارے لئے جائز ہے، لیکن تمہاری طبیعت اس کام کے کرنے پر مطمئن نہیں ہے، تو ایسے کام سے بچنا تقویٰ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الاثم ما حاك فی صدرك وان افتاك المفتون

یعنی گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں بے چینی پیدا کردے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام میں نے صحیح کیا، یا غلط کیا، اور طبیعت میں رکاوٹ پیدا ہونے لگے، چاہے مفتی حضرات نے تمہارے لئے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیدیا ہو، ایسے کام کو بھی چھوڑ دو، ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دع ما یریبك الی ما لا یریبك

جس چیز کے حلال یا حرام ہونے میں شک ہو، اس کو چھوڑ دو، اور جس میں شک نہ ہو، اس کو پکڑلو، ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحلال بین و الحرام بین و بینهما امور مشتبهات

بہت ساری چیزیں حلال ہیں، ان کا حلال ہونا واضح ہے، اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا حرام ہونا واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سے معاملات ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں، جن کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ حرام ہے، یا حلال ہے، آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین کو پاک رکھنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ

وہ ایسے کاموں سے بھی بچے جو مشتبہ ہوں، یہ تیسرے درجہ کا تقویٰ ہے، اور یہ اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔

نصیحت دوسرے اور تیسرے درجہ کی تھی

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ علیك بتقواء اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے درجہ کا تقویٰ تو الحمدللہ پہلے ہی سے حاصل تھا، کیونکہ مؤمن ہیں، مسلمان ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں، اور آپ سے نصیحت مانگ رہے ہیں، اس لئے پہلے درجہ کا تقویٰ تو حاصل تھا، اب جو نصیحت فرما رہے ہیں وہ دوسرے دو درجوں کی ہے، وہ یہ کہ گناہوں سے بچو، اور شبہات سے بچو۔

ساری جدوجہد کا حاصل تقویٰ ہے

اور اگر غور کرو تو یہ نظر آئے گا کہ دین کی ساری دوڑ دھوپ کا حاصل "تقویٰ" ہے، سارا قرآن کریم اسی سے بھرا ہوا ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو، اگر یہ چیز ہمیں حاصل ہو جائے تو بیڑہ پار ہو جائے، اگر تقویٰ حاصل ہو جائے تو بس منزل مقصود مل گئی، لیکن اس منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، یعنی تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے، وہ محنت یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کی خواہشات انسان کو گناہوں پر ابھارتی ہیں، اور اس کے دل میں داعیہ پیدا کرتی ہیں کہ فلاں گناہ کرلو، فلاں گناہ کرلو، اب محنت یہ کرنی پڑتی ہے کہ جو ناجائز اور گناہ کی خواہش پیدا ہو رہی ہے اس خواہش کو پامال کر کے زبردستی اس گناہ سے بچنا ہوگا،

لوگ کہتے ہیں کہ کیا کریں نگاہ بہک جاتی ہے، نظر غلط جگہ پڑ جاتی ہے، دل میں ایسا تقاضہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی پھسل جاتا ہے ..... اس کا کیا علاج ہوگا؟

کوئی وظیفہ گناہ پروف نہیں بنا سکتا

یاد رکھیے! اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آدمی اپنے آپ پر اس معاملے میں زبردستی کرے، کوئی جھاڑ پھونک، کوئی تعویذ گنڈا، کوئی وظیفہ، کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو انسان کو گھر بیٹھے ''تقویٰ'' عطا کر دے، بعض لوگوں کے دلوں میں خیال ہوتا ہے کہ جب ہم کسی شیخ کے پاس جائیں گے تو شیخ کوئی منتر پڑھ دے گا، یا کوئی وظیفہ پڑھ دے گا تو ہم ''گناہ پروف'' ہو جائیں گے، اور پھر گناہ کا داعیہ ہی ختم ہو جائے گا، اور پھر گناہ کی خواہش ختم ہو جائے گی، یاد رکھیے! یہ سب خیال خام ہے، اس لئے کہ اگر دل میں گناہ کا داعیہ ہی نہ ہو تو پھر امتحان کس چیز کا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دارالامتحان بنائی ہے، وہ امتحان یہی ہے کہ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا یعنی دونوں باتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ڈال دی ہیں، گناہ کی خواہش بھی دل میں ڈال دی ہے، ساتھ میں تقویٰ کی اہمیت بھی دل میں پیدا کر دی ہے، اب امتحان یہ ہے کہ کیا انسان اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، اور اللہ کے ڈر، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو فراموش کر دیتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی محبت کی بنیاد پر خواہشات نفس کو پامال کرتا ہے، اور گناہ سے بچ جاتا ہے۔

ہمت میں بڑی طاقت ہے

جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں

بڑی طاقت دی ہے، انسان کی ہمت ربر کی طرح ہے کہ جس طرح ربر کو تم کھینچتے چلے جاؤ، وہ لمبی ہوتی چلی جائے گی، اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہمت عطا فرمائی ہے کہ اگر اس ہمت کو انسان استعمال کرے، اور کام میں لائے تو یہ ہمت بڑے بڑے کارنامے انجام دیدیتی ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ فضول کاموں میں اپنی ہمت کو صرف کر دیتے ہیں، اور عجیب وغریب قسم کے کرشمے دکھاتے ہیں، یہ لوگ محنت اور ریاضت کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کو ایسے کاموں پر قدرت ہوجاتی ہے، جس دیکھنے والے حیران ہوجاتے ہیں کہ یہ کام کیسے ہوگیا، مثلاً رسی باندھ کر اس رسی کے اوپر چلنا شروع کر دیا، مشق کرنے کے نتیجے میں رسی کے اوپر چلنے کی قدرت حاصل ہوگئی، اور صرف اکیلے نہیں، ایک دوسرے شخص کو اپنے کندھے پر سوار کر کے رسی پر چلتے ہیں، آج ہم سے کوئی شخص کہے کہ یہ کام کرو تو ہمیں سن کر پسینہ آجائے، اور معذرت کرلیں کہ یہ کام ہمارے بس کا نہیں، لیکن جب لوگوں نے محنت کی، ریاضت کی، مشق کی تو اس کے نتیجے میں یہ ناممکن کام ممکن ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں یہ طاقت دی ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ہارون رشید کے دربار میں ایک شخص آیا، اس نے کہا کہ میں ایک ایسا کمال دکھاتا ہوں جو دنیا میں شاید کوئی نہ دکھا سکے، ہارون رشید نے کہا کہ دکھاؤ، کیا کمال ہے؟ اس شخص نے فرش پر ایک سوئی گاڑ دی، اور دور کھڑا ہوگیا، پھر ہاتھ میں ایک دھاگہ لیا، پھر اس دھاگے کو دور سے پھینکا تو وہ دھاگہ سوئی کے ناکے میں سے پار

ہوگیا..... آپ یہ دیکھیں کہ ہاتھ میں سوئی لے کر بھی اس میں دھاگہ پرویا جائے تو اس میں بھی یہ ہوتا کہ کبھی دھاگہ ادھر نکل جاتا ہے، کبھی ادھر نکل جاتا ہے، لیکن اس شخص نے دور سے دھاگہ پھینکا اور وہ سوئی کے ناکے سے پار ہوگیا، ہارون رشید نے اپنے درباری سے کہا کہ اس شخص نے ایسا کمال دکھایا جو آج تک کسی نے نہیں دکھایا، اس شخص کو دس دینار انعام میں دو، اور دس جوتے مارو، لوگوں نے ہارون رشید سے پوچھا کہ دس دینار تو اس کے انعام کے ہوئے، لیکن یہ دس جوتے کس بات کے؟ ہارون رشید نے کہا کہ انعام تو اس بات کا کہ اس نے ایسا کرتب دکھایا جو دنیا میں کسی اور نے نہیں دکھایا، اور دس جوتے اس بات کے کہ اس نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت ایک فضول کام کی مشق میں ضائع کیا، اگر یہ محنت اور یہ وقت کسی مفید کام میں لگاتا، ایسے کام میں لگاتا جو انسانیت کے لئے فائدہ مند ہوتا، دین کے لئے فائدہ مند ہوتا تو یہ شخص کہاں سے کہاں پہنچ جاتا، ظاہر ہے کہ یہ کمال حاصل کرنے کے لئے اس نے مہینوں خرچ کئے ہوں گے، لیکن اگر دور سے سوئی میں دھاگہ ڈال دیا تو اس کا فائدہ کیا ہوا؟ اس میں نہ دنیا کا نفع، نہ آخرت کا نفع، لہٰذا وقت ضائع کرنے پر اس کے دس جوتے لگاؤ۔

نیاگرہ آبشار

اس سے یہ سبق ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں اتنی طاقت دی ہے کہ جو کام دیکھنے میں ناممکن نظر آتا ہے، اس کو ممکن کر کے دکھا دیتا ہے، امریکہ میں ایک ''نیاگرہ آبشار'' ہے، جو ساری دنیا میں مشہور ہے، جو دنیا کا سب سے بڑا آبشار

ہے، جب میں وہاں گیا کہ وہاں مجھے ایک صاحب نے ایک کتابچہ دیا، اس کتابچہ میں یہ لکھا تھا کہ اس نیاگرہ آبشار پر لوگوں نے کیا کیا کمالات دکھائے، وہ آبشار ایسا ہے کہ پورا دریا اوپر سے نیچے گر رہا ہے، اگر کوئی انسان وہاں گر جائے تو اس کی ہڈی پسلی سلامت نہ رہے، اب لوگوں نے یہ کیا کہ اس آبشار کے اوپر تار باندھے اور پھر اس تار کے اوپر چلتے ہوئے اس طرح اس کو عبور کیا کہ اپنے ہاتھوں میں بہت بڑا وزن بھی اٹھایا ہوا تھا، اب یہ اس کا ریکارڈ بن گیا، اب جو شخص وہاں جاتا ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے یہاں اتنا شاندار کارنامہ انجام دیا تھا، اس کے علاوہ اور بہت سے کمالات اس میں لکھے ہوئے تھے۔

انسان کی ہمت کی طاقت

میں اس کو پڑھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھو کہ ہمیں تو اس آبشار کے کنارے پر چلتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر ذرا پاؤں پھسل گیا تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں یہ طاقت دی ہے کہ جب انسان نے یہ ارادہ کرلیا کہ اس کو تار پر چلتے ہوئے عبور کروں گا، جب اس نے محنت کی مشق کی تو کر گیا، جس انسان کی ہمت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے تو وہ اسی طرح کے ناممکن کام بھی کر گزرتا ہے، جو انسان ہمت کے ذریعہ پہاڑوں کے سینے چیر دیتا ہے، جو انسان دریاؤں کے رُخ بدل دیتا ہے، جو انسان ہواؤں کو قابو کر لیتا ہے، کیا اس انسان کی ہمت میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے مالک نے جس کام سے اسے منع کیا ہے، وہ انسان اس کام سے رُک جائے؟ لیکن ایسے وقت میں

انسان یہ کہتا ہے کہ میری ہمت جواب دے گئی، غلط جگہ پر پڑنے سے نظر نہیں بچتی، غلط بات سننے سے کان نہیں بچتے، غلط بات بولنے سے زبان نہیں رُکتی، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہمت دی ہے تو ان کاموں سے بچنے کے لئے انسان اپنی ہمت کو استعمال کرے۔

حاصلِ تصوف

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی پورے تصوف کا حاصل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب طاعت کے انجام دینے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو انجام دے، اور اگر کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے ترقی کرتا ہے، اور اسی سے باقی رہتا ہے۔

بہر حال یہ ہمت ہے جس سے کام لینا پڑتا ہے۔

ہمت پیدا کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اس ہمت کے اندر مضبوطی کیسے آئے؟ تو دو باتیں ہیں جس کے ذریعہ ہمت کو مضبوط بنانا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے، ایک یہ ہے کہ اہل ہمت کی صحبت، یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو، ایسے لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم

کرو، جو ہمت رکھنے والے ہیں، جو اولوالعزم ہیں، اور جو اپنی زندگی میں تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہیں، جب ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو رفتہ رفتہ ان لوگوں کی ہمت کا رنگ تمہارے اندر بھی منتقل ہوتا چلا جائے گا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ یعنی اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، اور تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بن جاؤ، اگر آدمی ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جن کو حلال وحرام کی فکر نہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے اور حساب و کتاب دینے کا احساس نہیں، اگر انسان ایسے غافلوں کی صحبت میں رہے گا تو اس کے اندر بھی غفلت آجائے گی، اور اگر تقویٰ والوں کی صحبت اختیار کرے گا اور ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی ہے، اور جو اپنی ہمت کو استعمال کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے وہ بچتے ہیں، تو جتنی صحبت بڑھتی جائے گی، انشاء اللہ اتنا ہی تقویٰ بھی بڑھتا جائے گا، اور ہمت میں طاقت آتی جائے گی۔

اہل عرب میں شراب کی محبت

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شراب حرام فرمائی، اور وہ شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ان کی شراب سے محبت کا یہ عالم تھا کہ صرف شراب کے لئے عربی زبان میں دو سو الفاظ بولے جاتے ہیں، جو شراب صبح کے وقت پی جائے، اس کا نام الگ ہے، جو شراب دوپہر کو پی جائے،

اس کا نام اور ہے، جو شراب شام کو پی جائے، اس کا نام اور ہے، اگر شراب میں پانی ملا کر پیا جائے تو اس کا نام اور ہے، اور اگر دو قسم کی شراب آپس میں ملا دی جائیں تو اس کا نام کچھ اور ہے، ہر قسم کی شراب کا الگ نام ہے، ان کو شراب سے اتنی محبت تھی، اور اہل عرب کی شاعری شراب کی تعریف سے بھری ہوئی ہے، بچہ بڑا ہوتے ہی پہلے شراب پینا سیکھتا تھا، اب شراب کی تجارت بھی ہو رہی ہے، شراب پی بھی جا رہی ہے، اس کے ساتھ محبت بھی ہے، اور دنیا میں جتنی چیزیں عادت کی بنیاد پر استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً کسی کو تمباکو کی عادت ہے، کسی کو پان کی عادت ہے، کسی کو سگریٹ کی عادت ہے، ان میں سب سے خطرناک عادت شراب کی ہے، اگر کسی کو شراب کی عادت پڑ جائے، تو اللہ بچائے اس کا چھوٹنا بڑا مشکل ہوتا ہے، غالب کہتا ہے کہ:

چھوٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی ہے

جب ایک مرتبہ منہ سے لگ جائے تو چھوٹتی نہیں۔

جب شراب حرام ہوئی تو!

ایسے شرابی لوگوں کے پاس اچانک شراب چھوڑنے کا حکم آ جاتا تو ان کے لئے شراب چھوڑنا بہت مشکل تھا، اور اس کے لئے بڑی قوی ہمت درکار تھی، لیکن حضرات صحابہ کرام اجمعین کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی تو آپ نے ایسا ماحول پیدا فرما دیا کہ ہر شخص صاحب ہمت بن گیا، ہر شخص صاحب تقویٰ بن گیا، ہر شخص کے دل میں آخرت کی فکر تھی، ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ

کے سامنے جواب دہی کا احساس تھا، ہر شخص کے دل میں دنیا کی بے ثباتی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب شراب کی حرمت کا حکم آیا اور منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز لگائی کہ اَلا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ سنو! کہ شراب حرام کردی گئی ہے، تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت ایک مجلس میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، اور شراب پینے کی مجلس قائم تھی، جب کان میں یہ آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ شراب حرام کردی گئی ہے، تو اس مجلس میں جس شخص نے شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ کی طرف اٹھایا ہوا تھا، اس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ ایک گھونٹ پی لے، بلکہ اسی وقت پیالے پھینک دیئے گئے، اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے، اور تین دن تک مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی رہی، جو قوم شراب کی اتنی خوگر اور عادی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حکم آگیا کہ شراب حرام کردی گئی تو اسی وقت شراب چھوڑ دی، یہ ہمت اور تقویٰ کہاں سے پیدا ہوا؟ وہ اس طرح پیدا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا ماحول ایسا بنا دیا کہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے آخرت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، جنت اور دوزخ آنکھوں سے نظر آرہی ہے، اس وجہ سے شراب چھوڑ دی۔

بہرحال! تقویٰ حاصل کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو، لہٰذا یہ دیکھو کہ تم صبح شام کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی اس بات کو دیکھے کہ اس کا اٹھنا

بیٹھنا، اس کی دوستیاں، اس کے تعلقات، اس کا میل جول کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ اگر وہ غافل لوگ ہیں تو اس کے نتیجے میں تمہاری وہ ہمت کمزور پڑتی چلی جائے گی، اور تقویٰ کی منزل دور ہوتی چلی جائے گی، اور اگر اہل تقویٰ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے، اہل صلاح و فلاح کے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ کی ہمت میں طاقت آئے گی، بہر حال تقویٰ حاصل کرنے کے لئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اور اہل ہمت کی صحبت اختیار کی جائے۔

اللہ سے رجوع

تقویٰ حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل رجوع کرنا، یعنی یہ دعا کرنا کہ یا اللہ میں تو کم ہمت ہوں، آپ نے ہی ہمت عطا فرمائی ہے، آپ ہی اس میں برکت اور طاقت عطا فرما سکتے ہیں، یا اللہ مجھے اتنی ہمت دیدیجئے، اور میرا حوصلہ اتنا بلند کر دیجئے کہ میں نفس کی خواہشات سے اس کے بہکانے سے اپنے آپ کو بچا سکوں، اور گناہوں سے محفوظ رہ سکوں، بہر حال انسان دو کام کرے، ایک تو صحبت ٹھیک کرلے، اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی عادت ڈال لے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب گناہ کا داعیہ دل میں پیدا ہو، اور یہ خواہش دل میں پیدا ہو کہ میں فلاں گناہ کر لوں تو فوراً اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ یہ نفس و شیطان مجھے بہکا رہے ہیں مجھے

غلط راستے پر ڈالنے کی فکر میں ہیں، اے اللہ اپنے فضل و کرم سے آپ میری حفاظت فرمائیے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک عورت نے گناہ کی دعوت دی، اور دروازے بند ہیں، دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا کچھ خیال آیا، آخر انسان تھے، بشر تھے، اور بشری تقاضے ان کے اندر بھی موجود تھے، لیکن جب گناہ کا خیال آیا تو اس خیال کے وقت انہوں نے دو کام کئے، ایک کام تو یہ کیا وہاں سے بھاگے، حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ دروازے پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور باہر نکلنا ممکن نہیں ہے، لیکن انہوں نے یہ سوچا کہ میرے بس میں اتنا ہے کہ میں یہاں سے بھاگ کر دروازے تک چلا جاؤں اور اپنے حصہ کا کام کرلوں، چنانچہ انہوں نے اپنے حصہ کا کام کرلیا، اور بھاگ کر دروازے تک پہنچ گئے، ایک کام تو یہ کیا۔

اللہ کو پکارو

دوسرا کام یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا اِنْ لَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجَاهِلِیْنَ (سورۂ یوسف) اے اللہ اگر آپ نے عورتوں کا مکر مجھ سے دور نہ کیا تو میں بھی ان کی طرف مائل ہوجاؤں گا، اور میں بھی نادان بن جاؤں گا، اے اللہ اپنی رحمت سے مجھ سے یہ شر دور فرمادیجئے۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حصے کا کام کیا، اور دروازے تک دوڑے، حالانکہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو پکارا، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب بندہ اپنے حصے کا کام کرلیتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حصے کا کام کرتے

ہیں، ان کی سنت یہی ہے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ بندہ نے اپنے حصہ کا کام کرلیا، اور جتنا بچ سکتا تھا بچا، اور پھر مجھے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حصے کا کام کیا کہ دروازوں کے تالے ٹوٹ کر گر گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑو

اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگر چہ اس دنیا میں تمہیں نکلنے کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے، چاروں طرف سے گناہوں کے تقاضوں نے تمہیں گھیرا ہوا ہے، تو اس وقت تم بھی دوڑو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ایک والہانہ انداز میں دوڑے تھے، اسی طرح تم بھی جہاں تک دوڑ سکتے ہو دوڑ جاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ اے اللہ مجھے بچا لیجئے، تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں بچالیں گے، اور اگر خدانہ کرے وہ کام کرنے کے بعد بھی پاؤں پھسل گیا تو انشاء اللہ توبہ کی توفیق ہو جائے گی، لہٰذا دو کام کرو، ایک یہ کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو، جب تم لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو، باتیں کرتے ہو، مجلسیں جماتے ہو تو ان مجلسوں میں کچھ تھوڑا سا آخرت کا ذکر اور فکر بھی کرلیا کرو، یہ نہ ہو کہ جب دس آدمی بیٹھے ہیں اور گپ شپ ہو رہی ہے، تو اس گپ شپ میں صرف دنیا ہی کی باتیں ہو رہی ہیں، لیکن اگر اہل تقویٰ کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں جو باتیں ہوں گی،

وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی ہوں گی، آخرت کی فکر کی ہوں گی، اور جب بار بار ایک چیز کان میں پڑتی رہتی ہے تو کبھی نہ کبھی وہ اپنا اثر دکھاتی ہے، اس لئے اپنی مجلسوں کو دین کی باتوں سے اور آخرت کی باتوں سے آباد کرو، لہٰذا ایک کام یہ کرو کہ اپنی صحبت درست کرو، اور اپنی گفتگو کا محور اور مرکز تبدیل کرو، مجلسوں میں دنیا کی باتیں کم اور آخرت کی باتیں زیادہ کرنے کی کوشش کرو، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کو پکارو، اے اللہ میں پھنس گیا ہوں، میرا نفس مجھے بہکا رہا ہے، شیطان مجھے پریشان کر رہا ہے، اے اللہ اپنی رحمت سے مجھے بچا لیجئے، انشاء اللہ بچالیں گے، اور اگر کبھی بہک بھی گئے تو انشاء اللہ توبہ کی توفیق ہو جائے گی۔

گرنے سے مت ڈرو

لیکن یہ سب کام محنت اور مشق کرنے سے ہوتے ہیں، اور ابتداءً انسان جب کسی کام کی محنت اور مشق کرے گا تو ابتداءً دو چار مرتبہ گرے گا، مثلاً تم سائیکل چلانے کی مشق کرو، تم کو سائیکل چلانے کی عادت نہیں تھی، لیکن جب چلانے کی مشق کرو گے تو ابتداءً دو چار مرتبہ گرو گے، لیکن دو چار مرتبہ گرنے کے بعد جب چلانے کی عادت پڑ جائے گی، تو پھر پاؤں خود بخود اس طرح چلیں گے جس طرح چلنے چاہئیں، اسی طرح تقویٰ کی مشق کرنے میں بھی انسان چلتے چلتے گرتا ہے، اس گرنے میں گھبراؤ نہیں، مایوس نہ ہو جاؤ کہ ہم تو گر گئے، ہم سے تو کہا گیا تھا کہ ہمت کرو اور دعا کرو تم گرو گے نہیں۔ لہٰذا اس کو مایوسی کا ذریعہ نہ بناؤ، اس لئے کہ جب آدمی کوئی چیز سیکھنے کی مشق کرتا ہے تو مشق کے دوران گرتا بھی ہے، لیکن وہ گرنا

درحقیقت صحیح راستے پر چلنے کی تمہید بن جاتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دوست آرد دوست ایں آشفتگی

کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

یعنی اللہ تعالیٰ کو بھی بندے کی یہ بات پسند آتی ہے کہ بندہ محنت میں لگا ہوا ہے، میرے راستے پر چل رہا ہے، کبھی پاؤں بھی پھسل جاتا ہے، کبھی گر جاتا ہے، کبھی لڑھک بھی جاتا ہے، لیکن پھر اٹھ کر چل پڑتا ہے، تو فرمایا کہ میرا جو دوست ہے وہ آشفتگی کو بھی پسند کرتا ہے، اس لئے کہ وہ کم از کم اپنے کام میں اور کوشش میں لگا ہوا تو ہے، اگرچہ وہ کوشش بیہودہ سہی، یعنی اگرچہ اس کوشش میں کمال نہیں ہے، بلکہ کبھی گر گیا، پھر اٹھ کر چل پڑا، کبھی لڑھکا، پھر چل پڑا، یہ کوشش بیہودہ ہے، لیکن کوشش بیہودہ سوتے رہنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ دنیا کے ہر کام کی مشق میں یہ ہوتا ہے کہ گرتا بھی ہے، لڑھکتا بھی ہے، ناکام بھی ہوتا ہے، لیکن اگر لگا رہے تو بالآخر وہ منزل پالیتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے، انشاء اللہ منزل حاصل ہو جائے گی۔

بس چھوڑو نہیں، مایوس ہو کر نہ بیٹھو، غافل ہو کر نہ بیٹھو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رواں دواں رہو، اسی کو صوفیاء کرام ''سیر الی اللہ'' فرماتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا شروع کر دیا تو بس اب چلتے رہو، رکو نہیں، گرو یا لڑھکو، لیکن راستہ سیدھا رکھو، چلتے رہو۔

بہ صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

جب سیدھے راستے پر چل رہے ہو تو کوئی گمراہ نہیں ہے، سیدھے راستے پر چلو گے تو انشاء اللہ ایک دن منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی علیك بتقوی اللہ تقویٰ کو لازم پکڑو، اور اس کو لازم پکڑنے کا طریقہ وہ ہے جو ابھی عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللہ سے ڈرو (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اللہ سے ڈرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! ایک حدیث ہے جو سُلیم بن جابر ہُجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک چادر اپنے پاؤں پر ڈالے ہوئے تشریف فرما ہیں، اور اس چادر کے جھالر آپ کے قدم مبارک پر پڑے ہوئے ہیں، میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کی فرمائش پر ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔

پہلی نصیحت ''تقویٰ'' کی

(۱) سب سے پہلے یہ نصیحت فرمائی کہ ''علیك بتقواء اللّٰہ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی روش اختیار کرو، تقویٰ اختیار کرو، ''تقویٰ'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اسکی عظمت اور جلال کے پیش نظر ڈرتے رہنا کہ کہیں ہمارا کوئی عمل اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، یہ فکر اور یہ خلش انسان کے دل میں پیدا ہو جائے اور پھر وہ انسان اس فکر اور خلش کے مطابق عمل کرنے لگے تو اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔

دوسری نصیحت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ولا تحقرن من المعروف شیئا یعنی نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کا کوئی تصور کر سکتا ہے، جہاں جہاں سے شیطان انسان کی راہ مار سکتا تھا، وہاں وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت عطا فرمائی، فرمایا کہ نیکی کے معمولی سے معمولی کام کو بھی حقیر مت سمجھو، اس سے شیطان کے بہت بڑے دھوکے کے دروازے کو بند فرما دیا، شیطان بعض اوقات اس طرح دھوکہ دیتا ہے کہ کسی آدمی کے دل میں کوئی نیک کام کرنے کا خیال آیا کہ یہ نیک کام کرلوں، تو اب شیطان یوں دھوکہ دیتا ہے کہ ارے تم بڑے آئے نیکی کرنے والے، ساری زندگی تو گناہوں میں گزار دی، اور بڑی بڑی نیکیاں تو تم سے کی نہیں جاتیں، یہ چھوٹی سی نیکی کر کے تم کو کیا حاصل ہو جائے گا، گناہ تمہارے اتنے زیادہ، نیکیاں تمہاری کم،

اس ایک نیکی کا اضافہ کرلو گے تو کیا ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی نیکی کرنے کا جو موقع آیا تھا، اس کو بھی وہ گنوا دیتا ہے۔

چھوٹی نیکی کو حقیر مت سمجھو

فرض کرو تم ایک راستے پر چل رہو، راستے میں ایک چھلکا پڑا ہوا نظر آیا، اب تمہارے دل میں خیال آیا کہ کہیں کوئی انسان اس چھلکے کی وجہ سے پھسل کر گر نہ جائے، لاؤ اس چھلکے کو اٹھا کر راستے سے دور کر دوں۔ اب اس وقت شیطان بہکاتا ہے کہ تم بڑے آئے نیک بننے والے، نماز تم سے نہیں پڑھی جاتی، اور خدا تعالیٰ کے جو دوسرے احکام ہیں، وہ تم سے ادا نہیں کیے جاتے، گناہوں کے اندر تم لت پت ہو، اگر تم نے یہ ذرا سا چھلکا اٹھا کر پھینک دیا تو کیا تیر مار لو گے؟ کیا تمہاری نیکیوں میں بڑا اضافہ ہو جائے گا، اور کیا تمہیں جنت مل جائے گی، اس خیال کے آنے کے بعد اس نے وہ نیک کام چھوڑ دیا کہ واقعۃً یہ بات تو صحیح ہے، جب اور بڑی بڑی نیکیاں کریں گے تو یہ بھی کرلیں گے، اس وقت یہ کام کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس طرح شیطان انسان کی راہ مار دیتا ہے، اور چھوٹی سی نیکی بھی نہیں کرنے دیتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیطان کے اس بہکانے میں مت آنا، بلکہ جس وقت بھی جس نیکی کا موقع مل رہا ہے، چاہے وہ نیکی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اس نیکی کو کر گزرو، چنانچہ اگلے جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولو ان تفرغ للمستقی من دلوك فی اناء

چاہے وہ چھوٹی سے نیکی یہ ہو کہ ایک آدمی کو پیاس لگ رہی تھی، اور اس نے تم سے پانی مانگا تو تم نے اپنے ڈول میں سے تھوڑا سا پانی اس کے گلاس میں انڈیل دیا، تو اس نیک کام کو بھی حقیر مت سمجھو، بلکہ کر گزرو، آگے فرمایا:

او تکلم و وجهك منبسط

یا تمہاری کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہوئی، اور اس ملاقات میں تم اس سے خندہ پیشانی سے مل لئے، یہ بھی ایک نیکی کا کام ہے، اس کو معمولی سمجھ کر مت چھوڑو، یہ کام بھی کر گزرو۔

اخلاق سے نیکی کا وزن بڑھتا ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو ہم نے نیکی کی تقسیم کر رکھی ہے کہ یہ بڑی نیکی ہے، اور یہ چھوٹی نیکی ہے، یہ ہم نے اپنی ظاہری سمجھ سے کر رکھی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اور چھوٹی نیکی کا معیار کچھ اور ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس نیکی کی قیمت ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر انجام دی جائے، چاہے وہ چھوٹی سی نظر آ رہی ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت بڑی ہے، اس کا وزن بہت زیادہ ہے، کیونکہ جس جذبہ سے انسان وہ نیکی کر رہا ہے، وہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت رکھنے والا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے بارے میں فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَا ؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری قربانی کے جانور کا گوشت نہیں پہنچتا، اگر تم نے قربانی کے لئے بہت موٹا تازہ جانور خرید کر اس کی قربانی کر دی، تو اس کا گوشت

اور اس کا خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچے گا، بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ، تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی جو نیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گی، اگر یہ چیز دل میں موجود ہے تو پھر اگر تم نے چھوٹا سا بکرا بھی قربان کر دیا، جو بظاہر دیکھنے میں معمولی معلوم ہو رہا ہے، لاغر قسم کا ہے، لیکن خالصتاً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کی اور کوئی نیت نہیں تھی تو وہ قربانی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور باعث اجر و ثواب ہوگی۔

سبق آموز واقعہ

حدیث شریف میں سابقہ امتوں کے ایک فاسق و فاجر اور گناہ گار شخص کا واقعہ آتا ہے، کہ وہ ایک راستے سے گزر رہا تھا، راستے میں ایک کنواں آیا، اس کو پیاس محسوس ہوئی تو وہ کنویں مین اترا، اور پانی پی کر باہر نکل آیا، جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اس کنویں پر ایک کتا اپنی زبان باہر لٹکائے کھڑا ہے، اور پیاس کی شدت سے بے چین ہے، اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے، اور پیاسی ہے، میں اس کی پیاس بجھانے کا انتظام کروں، اب اس کنویں پر نہ ڈول تھا نہ رسی تھی، نہ برتن تھا جس کے ذریعہ پانی نکال کر اس کتے کو پلائے، چنانچہ وہ شخص دوبارہ کنویں میں اترا، اس نے اپنے پاؤں میں چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، اس نے وہ چمڑے کا موزہ اتارا، اور اس میں پانی بھرا، اور اس موزے کو اپنے منہ سے پکڑ کر کسی طرح کنویں سے باہر آیا، اور اس کتے کو پانی پلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صرف اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس

آدمی کی مغفرت فرمادی۔

اب اس عمل کا موازنہ دوسرے اعمال سے کرو، مثلاً ایک آدمی تہجد پڑھتا ہے، نوافل پڑھتا ہے، اور روزے رکھتا ہے، یہ بڑی بڑی نیکیاں ہیں، اور کتے کو پانی پلادینا، ان کے مقابلے میں معمولی سے نیکی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف اس ایک عمل کی بنیاد پر اس کی مغفرت فرمادی، نہ جانے کس اخلاص کے ساتھ اور کس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ کام کیا تھا کہ اس نے بیڑہ پار کردیا۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس انسان کو کس وقت کس عمل پر نواز دیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ جو بڑے عالم بھی تھے، محدث بھی تھے، صوفی بھی تھے، انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ حضرت! کیسا معاملہ ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ عجیب معاملہ پیش آیا، وہ یہ کہ ہم یہ سوچتے تھے کہ ساری عمر دین کی خدمت کرنے کی جو توفیق ہوئی، علم دین پڑھا، علم دین پڑھایا، احادیث لکھیں، وعظ کہے، تقریریں کیں، تصنیفات کیں، شاید ان بڑے بڑے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز قبول فرمالیں، تو اس کی بنیاد پر مغفرت ہوجائے۔ لیکن جب یہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بندے! تمہارا ایک عمل ایسا ہے جو ہمیں بہت پسند آیا، وہ یہ کہ ایک دن تم بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے، اور تمہارے ہاتھ میں قلم تھا، اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوا کرتے تھے، جن کو روشنائی میں ڈبو کر اس

کے ذریعہ لکھا جاتا تھا، ایک مرتبہ تم نے لکھنے کے لئے روشنائی میں قلم ڈبویا، تو اس وقت ایک مکھی آگئی، اور اس روشنائی کو پینے کے لئے اس قلم پر بیٹھ گئی، اس وقت تمہارے دل میں خیال آیا کہ یہ مکھی بھی اللہ کی مخلوق ہے، پیاسی ہے، یہ روشنائی پی لے، اور اپنی پیاس بجھالے، اس غرض سے تم نے اپنا قلم تھوڑی دیر کے لئے روک لیا، یہ جو تم نے ایک مکھی کی خاطر قلم روکا، یہ کام خالصۃً میری رضا جوئی کے لئے کیا، اور تمہارا یہ عمل ہمیں اتنا پسند آیا کہ آج ہم اس عمل کی بدولت تمہاری مغفرت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ کون سا عمل کس وقت اللہ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرلے، اور اس کی بنیاد پر وہ نوازدیں، چاہے وہ دیکھنے میں چھوٹا نظر آرہا ہو۔

بے شمار مثالیں ہیں

اس کی ایک مثال نہیں ہے، بلکہ اس قسم کے واقعات بیان کروں تو پوری مجلس میں انہی واقعات کا بیان ہوتا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بعض اوقات چھوٹے چھوٹے اعمال کی بنیاد پر بندوں کو بخش دیا۔ وہ نکتہ نواز ہیں، وہ چاہیں تو کسی بھی چھوٹے عمل پر بخش دیں، اس وجہ سے تم جو عمل کرتے جارہے ہو، بظاہر دیکھنے میں وہ چھوٹا نظر آرہا ہو، لیکن اس کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں، کیونکہ پتہ نہیں کہ وہ عمل کس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بڑا ہو جائے، اس کے بے شمار مثالیں ہیں، لیکن یہ دو مثالیں کافی ہیں۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اس کا کرم ہے، اس لئے کہ ایک ہوتا ہے "قانون" قانون تو یہ ہے کہ جو آدمی فرائض چھوڑے گا، پکڑا جائے گا، جو آدمی گناہ

کرے گا، پکڑا جائے گا، لیکن اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا معاملہ فرمائیں، اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں، اور کسی ایک عمل کی بنیاد پر انسان کی خطائیں معاف کردیں تو ان سے کون پوچھنے والا ہے۔ لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون (قرآن) ان کی رحمت کسی قاعدے اور قانون کی پابند نہیں، وہ جس کی چاہیں مغفرت کردیں، جس عمل پر چاہیں مغفرت کردیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کسی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔

ایک نیکی دوسری نیکی کا ذریعہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، جب تم ایک نیکی کروگے، اور اللہ کے لئے کروگے، اخلاص کے ساتھ کروگے، اور اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوسری نیکی کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ نیکی کو کھینچتی ہے، جب ایک عمل اللہ کو پسند آگیا، اور اللہ کی رضامندی کے لئے وہ عمل کیا گیا تھا، تو اب بظاہر اگرچہ دیکھنے میں چھوٹا لگ رہا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ مزید نیک اعمال کی توفیق اس کی بدولت عطا فرمائیں گے، اور اس طرح انسان کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ ایک نیکی کے بعد مزید نیکیوں کی توفیق ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے، اور بہت سارے واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ کسی عمل کی برکت یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زندگی کی کایا پلٹ دیتے ہیں، اور زندگی میں انقلاب آجاتا ہے، اور جس کام کی پہلے توفیق نہیں ہورہی تھی،

اب توفیق ہو جاتی ہے۔

نیکی کا خیال بڑی نعمت

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ جو خیال آیا کہ میں فلاں نیکی کرلوں، اس خیال کا دل میں آنا بڑی نعمت ہے، صوفیاء کرام اس کو اپنی اصطلاح میں ''وارد'' کہتے ہیں، یعنی دل پر یہ چیز وارد ہوئی، صوفیاء کرام یہ کہتے ہیں کہ ''وارد'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہمان ہے، اگر تم اس مہمان کی خاطر تواضع کرلو گے، اس کا اکرام کرلو گے، اس کی بات مان لو گے تو یہ مہمان پھر آئے گا۔ جس طرح ایک مہمان آپ کے گھر آیا، آپ نے اس کا بڑا اچھا اکرام کیا، ہنسی خوشی اس سے ملے، اور خندہ پیشانی سے پیش آئے، اس کی خاطر تواضع کی، اس نے اگر کوئی صحیح بات کی تو آپ نے اس کو سن لیا، اور مان لیا، وہ مہمان بڑا خوش ہو کر واپس جائے گا، اور اس کو دوبارہ آنے کی ہمت ہوگی کہ وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، بہت اچھی طرح اکرام کرتا ہے، اور اگر کوئی مہمان تمہارے پاس آیا، لیکن تم نے اس کو دھتکار دیا، اس سے صحیح طریقے سے بات نہ کی تو وہ دوبارہ تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

وارد اللہ کا مہمان

حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ ''وارد'' بھی اللہ جل شانہ کی طرف سے مہمان ہے، اللہ تعالیٰ ہی دل میں یہ خیال ڈالتے ہیں کہ تم یہ نیک کام کرلو، اس کی خاطر تواضع یہ ہے کہ اس وارد پر عمل کرلو، اگر عمل کرلو گے تو یہ اس مہمان کا اکرام ہو گا، اور جب اکرام ہوگا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا، اور دوسری نیکی کا خیال دل میں

آئے گا، لیکن اگر تم نے اس کو جھڑک دیا، اور تم نے اس کی خاطر مدارت نہیں کی، اور اس کی پرواہ نہ کی، اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، اور اس خیال کو اڑا دیا تو یہ مہمان ناراض ہو جائے گا، اور مہمان کے ناراض ہونے کے معنی یہ ہیں کہ پھر یہ مہمان نہیں آئے گا، اور آنا بند کر دے گا۔ اور اللہ بچائے، ایک مؤمن کے لئے یہ بڑی بری حالت ہے کہ یہ مہمان آنا بند کر دے، اور یہ وہ حالت ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ تو جان اور تیری خواہشات جانیں، ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں ہوگی۔ بہر حال تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ خیال اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اگر اس خیال پر عمل کر گزرو گے تو انشاء اللہ اور نیکیوں کی توفیق ہوگی، اور اگر نہیں کرو گے تو پھر نیکی کے خیال آنے بند ہو جائیں گے۔

آسان نیکیاں

اس حدیث شریف میں لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مضمون بیان فرمایا ہے کہ نیکی کے کسی کام کو حقیر اور معمولی مت سمجھو، اسی لئے میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے جسکا نام ہے "آسان نیکیاں" یہ رسالہ درحقیقت ایک طرح سے اس حدیث کی تشریح ہے اسمیں وہ نیک کام لکھ دیے ہیں جن کے کرنے میں کوئی بہت زیادہ محنت و مشقت نہیں، بلکہ کچھ محنت نہیں ہے، صرف دھیان کرنے کی بات ہے، لیکن یہ سب ثواب کے کام ہیں، اور بڑے عظیم اجر کے کام ہیں۔

اصلاح کا آغاز چھوٹی نیکیوں سے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''گناہ بے لذت'' اس رسالے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گناہ جمع کئے ہیں جن میں دنیا کا کوئی فائدہ نہیں، ان کے کرنے میں کوئی لذت نہیں، کوئی مزہ نہیں، اس لئے جمع کئے ہیں تاکہ انسان کم از کم ایسے گناہوں سے تو بچ جائے، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کی مناسبت سے ایک رسالہ ایسا ہونا چاہئے، جس کا نام ہو ''ثواب بے محنت'' یعنی وہ کام جس کے کرنے میں ثواب بھی مل جائے اور محنت زیادہ نہ کرنی پڑے، اس خیال سے میں نے یہ رسالہ ''آسان نیکیاں'' لکھا تھا، اس میں ایسے اعمال بیان کئے گئے ہیں، جن کے کرنے میں کوئی مشقت نہیں، کوئی محنت نہیں، اور کوئی وقت، کوئی پیسہ، کچھ خرچ نہیں ہوتا، اور ثواب بڑا عظیم ہے، اور آدمی کو اپنی اصلاح کا آغاز کرنے کے لئے یہ ایک اچھا راستہ ہے کہ وہ آسان آسان کام پہلے شروع کردے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آگے کے کام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمادے گا، لہٰذا یہ رسالہ پڑھ لیں، اور اس میں جو اعمال بتائے گئے ہیں اگر ان کا اہتمام اور التزام کرلیا جائے تو انشاء اللہ اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے گا، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید اعمال کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے، بہر حال دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ کسی نیک عمل کو حقیر مت سمجھو، چاہے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی انڈیل دو، یا کسی اپنے بھائی سے اس حالت میں

مل لو کہ تمہارے چہرے پر نشاط ہو، خندہ پیشانی کے ساتھ مل لو، یہ بھی بڑی عظیم نیکی ہے، اس نصیحت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ اتوار کو عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

دنیا کی حقیقت

صحابہ کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحابہ کی نظر میں دنیا کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

عن القاسم بن محمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ، ان رجلا من اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذھب بصرہ، فَعَادُوْہُ، فقال: کُنْتُ اُرِیْدُھُمَا لِاَنْظُرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَاَمَّا اِذَا قُبِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَوَاللّٰہِ مَا یَسُرُّنِیْ اَنَّ مَا بِھِمَا ظَبْیٌ مِّنْ ظِبَاءِ تَبَالَۃَ۔

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حدیث وفقہ میں بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کی بینائی جاتی رہی، آنکھ میں کوئی بیماری پیدا ہوئی، اس کے نتیجے میں بینائی جاتی رہی، لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے اور جا کر افسوس کا اظہار کیا ہوگا کہ آپ کی بینائی جاتی رہی، اس پر انہوں نے ان لوگوں کو عجیب جواب دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بینائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں چلی گئی تھی، اور بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، بہر حال انہوں نے جواب دیا کہ مجھے آنکھوں کی بینائی واپس آنے کی خواہش صرف اس لئے تھی تاکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلوں، اب جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب مجھے بینائی کے واپس آنے کی کوئی خواہش نہیں، بلکہ اگر مجھے اس بینائی کے بدلے اللہ تعالیٰ دبالہ کے ہرنوں کی سی بینائی بھی عطا فرمادے تو مجھے خوشی نہیں ہوگی، اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اٹھ گئے تو کسی اور چیز کو دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

حضور ﷺ کے حقیقی عاشق

بلکہ یہ فرمایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ اسی حال میں رہوں، اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اذا ابتلیته بحبیبتیه یرید عینیه ثم صبر عوضته الجنة

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کی سب سے محبوب چیز یعنی آنکھیں لے لیتا ہوں، جو اس کو بڑی محبوب ہوتی ہے، اور وہ پھر اس پر صبر کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کے عوض جنت کا بدلہ دیتا ہوں۔ اس لئے ان صحابی نے یہ فرمایا کہ یہ وعدہ تو

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے، لہٰذا اگر میں صبر کرلوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت کی گارنٹی ہے، باقی دنیا کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خواہش تھی، وہ اب ہو نہیں سکتا، لہٰذا اب مجھے اس بینائی کے نہ آنے کی کوئی پرواہ نہیں، یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق۔

ایک بزرگ کا حضور ﷺ کی زیارت کرنا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک بزرگ تھے، بہت عرصہ دراز سے اس بات کے متمنی تھے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونا بڑی نعمت ہے، اور بزرگوں کے مختلف مذاق ہوتے ہیں، بعض بزرگوں کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار خواب میں ہو جائے، اور بعض بزرگوں کا مذاق یہ ہے کہ ان پر خشیت اتنی غالب ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرسکیں، اسی وجہ سے اس کی تمنا بھی نہیں کرتے، وہ بزرگ پہلے مذاق والے تھے، اس لئے انہوں نے تمنا کی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک روز زیارت کرادی، اور خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، جب زیارت سے مشرف ہو چکے تو اسی خواب ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے کہ بس اب میری آنکھیں سلب ہو جائیں، اور میری بینائی جاتی رہے، اب آپ کے دیدار کے بعد کسی اور کا دیدار کرنا نہیں چاہتا، چنانچہ جب

آنکھ کھلی تو بینائی جاتی رہی، اور پھر ساری عمر کوئی چیز نہیں دیکھی۔

چھین لے مجھ سے نظر

میری بڑے بھائی جناب زکی کیفی صاحب مرحوم نے اسی واقعہ کو شعر میں نظم کیا ہے:

چھین لے مجھ سے نظرائے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

یعنی آپ کی محفل کے بعد اب کوئی محفل دیکھنے کو دل نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو عشق کا یہ مقام بخشتے ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے بعد بینائی کی خواہش ہی چھوڑ دی، بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت ان پر منکشف فرمادی تھی، ہم آپ تو درحقیقت اسی دنیا کی ادھیڑبن میں دن رات لگے ہوئے ہیں، اس دنیا کی منفعت منفعت ہے، اسی دنیا کا فائدہ فائدہ ہے، اسی دنیا کی راحت راحت ہے، اس دنیا کی تکلیف تکلیف ہے، صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت منکشف فرمادی تھی، ان کی نظر میں دنیا کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔

دنیا بے حقیقت ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّاسَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً

اگر یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر

کو اللہ تعالیٰ اس دنیا کا گھونٹ بھی نہ دیتا، لیکن چونکہ یہ دنیا مچھر کے پر سے بھی زیادہ
بے حقیقت ہے، لہٰذا یہ کافروں کو دے رکھی ہے، جتنا چاہو، لے جاؤ، مال تمہارا،
دولت تمہاری، ملک تمہارا، اقتدار تمہارا، اور اپنے محبوب بندوں کے لئے آخرت
میں نعمتیں رکھی ہیں، وہاں کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں حقیقی نعمتیں ہیں، دنیا کی نعمتیں
تو دھوکہ کا سامان ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ہمارے لئے بنایا ہے، اور
یہ کہہ دیا کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھالو، لیکن خدا کے لئے
اس دنیا سے دل مت لگاؤ، خدا کے لئے اس کی حقیقت پہچانو! یہ دنیا منزل تک پہنچنے
کا ایک راستہ بنایا ہے، اور اس کی راحت حقیقی راحت نہیں، اور اس کی تکلیف حقیقی
تکلیف نہیں۔

جسم اطہر پر چٹائی کے نشان

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک
مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے بالا خانے پر تشریف فرما تھے، اور اس وقت
ازواج مطہرات کی طرف سے بعض ایسی باتیں ہوئی تھیں کہ اس کی وجہ سے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کچھ دن کنارہ کش رہ کر گزار لوں، حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے ملنے کے لئے وہاں تشریف لائے، آپ
سے اجازت طلب کی، اندر گئے، جا کر دیکھا ایک کمرہ ہے، جو بالکل خالی ہے، اور
کمرہ میں سوائے چند کھالوں کے کچھ نظر نہیں آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور
کی چٹائی پر تشریف فرما تھے، اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر نظر

آ رہے تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس منظر کو دیکھتا رہا، یہ دونوں جہاں کے سردار ہیں، اور کس طرح سادگی کے ساتھ کھجور کی چٹائی پر اس طرح لیٹے ہوئے ہیں کہ اس چٹائی کے نشان آپ کے جسم اطہر پر نظر آ رہے ہیں، جبکہ دوسری طرف قیصر و کسریٰ جو دنیا کی سپر طاقتیں ہیں، ان کے عالی شان محلات ہیں، ان کے حشم و خدم ہیں، ان کے پاس مال و دولت ہے، ان کے پاس اسلحہ ہے، سب کچھ ان کے پاس موجود ہے، میں نے اپنا یہ خیال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اسی قسم کا ساز و سامان عطا فرما دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیصر و کسریٰ کو عطا فرمایا ہے، پھر آپ اس ساز و سامان کو دین اسلام کی خدمت کے لئے استعمال کریں۔

ان کو اچھی چیزیں جلدی دیدی گئیں

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَ فِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا بْنَ خَطَّابٍ، تِلْكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اے خطاب کے بیٹے! کیا ابھی تک تم اس سوچ میں مبتلا ہو کہ ان کو دنیا زیادہ حاصل ہوئی، اور میرے پاس اتنی دنیا نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی اچھی چیزیں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کے اندر جلدی دیدی ہیں، آخرت میں ان کو کچھ ملنے والا نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عیش و عشرت، راحت و آرام دنیا کے اندر دیدیا ہے، لیکن ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر سجا کر رکھا ہوا ہے، اور

وہاں کی نعمتیں حقیقی نعمتیں ہیں، لہٰذا ہم اس دنیا کی تکلیف اور راحت کو کیا دیکھیں، اس کی طرف کیا التفات کریں۔

یہ دنیا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے

یہ درحقیقت قرآن کریم ہی کا مضمون ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ، مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ. (القرآن)

یعنی یہ کافر لوگ جو دنیا کے اندر بڑھ رہے ہیں، اور چڑھ رہے ہیں، ان کو دنیا کے اندر بظاہر ترقی نصیب ہو رہی ہے، اور وہ ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں، ساری دنیا ان پر رشک کرتی ہے، تو تم ان کو ان کی شان وشوکت، ان کا مال و دولت ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے، اس لئے کہ یہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، وہ تھوڑا سا مزہ ہے، جس کو دنیا میں چکھ رہے ہیں، اس کے بعد ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے، لہٰذا کس چیز نے تم کو دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے، یہ دنیا کا مال و دولت، یہ دنیا کا عیش و آرام، دنیا کی شان شوکت یہ سب چند روزہ ہیں، کسی وقت بھی ختم ہو جائے گی، یہ نہیں معلوم کہ کس آدمی کو کس دن تک اور کس وقت تک میسر ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دنیا ایک پردہ ہے

دنیا کی جو حقیقت حال تھی وہ اللہ جل شانہ نے ان حضرات صحابہ کرام پر

منکشف فرمادی تھی، وہ جانتے تھے کہ یہ دنیا جو کچھ ہے، یہ پردہ ہے، اس کی راحت، اس کا آرام، اس کی دولت، اس کا مال، اس کی شان وشوکت، یہ سب پردہ ہے، جو نگاہوں پر پڑا ہوا ہے، اصل چیز تو اس کے پیچھے ہے، وہ آخرت کی زندگی ہے، جو ابدی زندگی ہے، دائمی ہے، کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لہٰذا جب دنیا کی حقیقت منکشف ہوگئی تو اب دنیا کی تکلیف بھی کوئی تکلیف معلوم نہیں ہوتی، دنیا کی راحت کا بھی کوئی احساس نہیں ہوتا، اگر آنکھ جارہی ہے تو جائے، اس آنکھ کا تو ایک ہی فائدہ تھا، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس کے ذریعہ ہوتی تھی، جب وہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، تو ہماری بلا سے یہ آنکھ رہے یا نہ رہے، یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کو عطا فرمایا تھا، اسی وجہ سے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صحابہ کرام وہ لوگ ہیں:

لَا يَبْلُغُ اَحَدُكُمْ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ

فرمایا کہ تم اس دنیا میں کتنا ہی عمل کرلو لیکن تم صحابہ کرام کے ایک مد کے برابر، بلکہ آدھو آدھ کو بھی نہیں پہنچ سکتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت ان پر منکشف فرمادی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب پر بھی دنیا کی حقیقت منکشف فرمادے، آمین

گناہوں کی جڑ. دنیا کی محبت

سارے فسادات کی جڑ دنیا کی حقیقت کو نا سمجھنا ہے، حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

یعنی دنیا کی محبت سارے گناہوں کی جڑ ہے، آج تم دنیا کے اندر جتنے فسادات دیکھ رہے ہو، جیسے بدعنوانی ہے، رشوت ہے، کرپشن ہے، ناانصافی ہے، حق تلفی ہے یہ سب اسی وجہ سے ہیں کہ لوگ دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور صبح سے لے کر شام تک ذہنوں میں اگر کوئی تصور وخیال آتا ہے، تو وہ دنیا ہی کا تصور اور دنیا ہی کا خیال آتا ہے، اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں، یہ خیال بھولا کر بھی مشکل سے آتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی آنے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب پر بھی دنیا کی حقیقت منکشف فرمادے، اور اس دنیا کی محبت دلوں سے نکال دے، اللہ تعالیٰ دنیا دے اور خوب دے، لیکن دنیا کے محبت سے بچائے، آمین

حضور ﷺ کا عیادت کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَادَ الْمَرِيْضَ جَلَسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ ثُمَّ قَالَ سَبْعَ مِرَارٍ: اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ، فَاِنْ كَانَ فِيْ اَجَلِهٖ تَأْخِيْرٌ عُوْفِيَ مِنْ وَجَعِهٖ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ اس کے سر کے پاس بیٹھتے تھے، اور سات مرتبہ دعا پڑھتے، اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ یہ مختصری دعا ہے، ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے، اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ میں عظمت والے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے کہ وہ آپ کو

شفاء عطا فرما دے، سات مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے، اگر اس مریض کی موت کا وقت ہی مقدر کے مطابق نہ آگیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے ضرور شفا عطا فرد یتے ہیں، ابوداؤد کی روایت میں یہ صراحت آئی ہے کہ موت کے سواء ہر بیماری کا یہ علاج ہے، اگر موت مقدر ہے تو موت کو تو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی، لیکن اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اس بیماری سے نجات مل جائے گی، عیادت مریض کے سلسلے میں ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ عیادت مریض کے فضائل آپ حضرات نے سنا کہ جو آدمی کسی بیمار کی عیادت کے لئے جاتا ہے، ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، اور جب تک وہ عیادت کرتا ہے وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے، بلکہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس عمل ایسے ہیں ان میں سے جس پر انسان پابندی سے عمل کرلے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا، ان چالیس میں سے ایک عمل ''عیادت مریض'' ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر انسان کسی بیمار کی عیادت کرے تو یہ بھی جنت کے اعمال میں سے ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے۔

عیادت کے لئے موزوں وقت کا انتخاب

لیکن ہر کام کے کچھ آداب ہوتے ہیں، عیادت مریض کا منشا یہ ہے کہ بیمار کو تسلی دینا، بیمار کو راحت پہنچانا، اگر اس بیمار کی کچھ مدد کر سکتے ہیں تو مدد کر دیں، کوئی راحت پہنچا سکتے ہیں تو راحت پہنچا دیں، ورنہ کم از کم تسلی تو دیدیں، جب عیادت کا مقصد مریض کو تسلی دینا، اور راحت پہنچانا ہوا تو عیادت کے وقت اس بات کا لحاظ

رکھنا بہت ضروری ہے کہ ہماری عیادت کی وجہ سے مریض کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہ
ہو، مثلاً عیادت کے لئے جاتے وقت ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جو اس کے
آرام کا وقت نہ ہو، اگر آپ ایسے وقت عیادت کے لئے چلے گئے جو اس کے آرام کا
وقت تھا، اور آپ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹا دیا، اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، تو
اس کے نتیجے میں آپ راحت کے بجائے تکلیف کا سبب بن گئے، اس لئے جانے
سے پہلے دیکھ لو کہ جس وقت میں جا رہا ہوں، اس وقت جانے سے اس کو تکلیف تو
نہیں ہوگی؟ اگر آپ نے عیادت کے ذریعہ مریض کو تکلیف پہنچادی تو عیادت کا
ثواب ملنے کے بجائے الٹا تکلیف پہنچانے کا گناہ ہوگا۔

عیادت کیا ہے؟

بعض اوقات عیادت کرنے والے مریض کے لئے ایک مستقل مسئلہ بن
جاتے ہیں، مثلاً ایسا مرض ہے کہ اس میں مریض کو یکسوئی اور تنہائی چاہئے، تا کہ
مریض کو آرام ملے، لیکن عیادت کرنے والوں کا تانتہ بندھا ہوا ہے، اس مریض کو
ان سے فرصت نہیں، اب وہ کس وقت دوا کھائے، کس وقت آرام کرے، لہٰذا اس کا
لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، عیادت کا عمل اس وقت پورا ہو جاتا ہے، جب آپ
اس کے تیمارداروں سے مل کر اس کی خیریت اور صحت دریافت کرلیں، اور اس کے
لئے دعائیں کریں، بس آپ کا کام پورا ہوگیا، اس بیمار سے ملنا ضروری نہیں،
عیادت کے وقت اس بات کا خیال رکھیں۔

عیادت مختصر ہو

دوسری بات جو بہت اہم ہے ایک دوسری حدیث میں بیان فرمادی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عادَ منکُمْ فَلْیُخَفِّف

یعنی تم میں سے جو شخص کسی کی عیادت کے لئے جائے تو وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، بلکہ مختصر بات کر کے خیریت معلوم کر کے چلا آئے، اس لئے کہ مریض کو آرام کی اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جن کو انسان دوسروں کی موجودگی میں نہیں کرسکتا، بے تکلیف نہیں ہوسکتا، عیادت کا صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا کہ مریض کے پاس اس کے سرہانے بیٹھے، دعا پڑھی، دعا کردی، اور واپس چلے گئے، اب بعض لوگ مریض کے پاس جم کر بیٹھ جاتے ہیں، اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے کہ آدمی وہاں پر جم کر بیٹھ جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور فقہاء محدثین میں سے ہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ جب مرض الوفات پیش آیا تو چونکہ ساری مخلوق ان کی گرویدہ تھی۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جب ایک مرتبہ بغداد میں تشریف لائے تو اس وقت وہاں کا بادشاہ ہارون الرشید اپنے قلعے کے برج پر بیٹھا ہوا تھا، اچانک اس نے ایک شور سنا، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کہ

دشمن نے حملہ کر دیا ہو، اس نے اپنے آدمی کو بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ کسی دشمن نے تو کہیں حملہ نہیں کر دیا، لوگوں نے واپس آکر بتایا کہ دشمن نے کوئی حملہ نہیں کیا، بلکہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سفر کر کے بغداد تشریف لائے ہیں، تو بغداد کے شہری ان کے استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے، وہاں ان کو چھینک آگئی، اس پر انہوں نے الحمد للہ کہا تو سارے مجمع نے ان کے جواب میں یرحمك الله کہا، اس کا یہ شور تھا، کسی دشمن نے کوئی حملہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو مقبولیت کا یہ مقام عطا فرمایا تھا۔

ان کی عیادت کا واقعہ

جب ان کو مرض وفات آیا تو اب لوگ بڑی تعداد میں ان کی عیادت کے لئے مسلسل آرہے تھے، ایک شخص جو بہت زیادہ معتقد تھا، وہ عیادت کے لئے آیا تو بس بیٹھ گیا، واپس جاتا ہی نہیں، اب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بار بار کروٹیں بدل رہے ہیں کہ کس طرح ان کے ساتھ معاملہ کریں، آخر کار حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ ایک طرف تو بیماری کی تکلیف ہے، دوسری طرف یہ جو عیادت کرنے والے آتے ہیں، ان کو عیادت کرنے کے آداب کا پتہ نہیں، عیادت کے لئے آتے ہیں، اور آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ شخص اب بھی نہیں سمجھا، اور اس نے کہا کہ حضرت اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں دروازہ بند کر دوں، تاکہ دوسرا کوئی آنے نہ پائے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! دروازہ بند کر دو، لیکن باہر سے جا کر بند کر دو، تب بات اس کی سمجھ

میں آئی۔

بیمار کی خدمت پوچھ کر کرے

بعض لوگ عبادت کے کاموں کو بھی اپنی بے عقلی سے اور دین کی سمجھ نہ ہونے سے گناہ بنا دیتے ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَادَ مِنْکُمْ فَلْیُخَفِّف تم میں سے جو شخص کسی کی عیادت کرے تو تخفیف سے کام لے، ہاں! بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بیمار کی خدمت کرتے ہیں، اور بیمار کو ان کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ بھی بیمار سے پوچھ لے کہ میں تمہاری خدمت کروں یا نہ کروں؟ بعض اوقات آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بیمار کی خدمت کروں گا، لیکن اس خدمت سے بیمار کو تکلیف ہوگی، لہٰذا بغیر پوچھے زبردستی خدمت کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ بہر حال! عیادت کے وقت ان تمام امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

گھر کے کام

خود انجام دینے کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر کے کام خود انجام دینے کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ "سئلت عائشة ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصنع في بيته" یعنی میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ ذرا یہ بتائیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کا اس امت پر احسان ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے وہ پہلو جو عام لوگوں

کی نظروں سے پوشیدہ تھے، ان امہات المؤمنین نے ان کو دنیا تک پہنچایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اسوہ حسنہ بنا کر بھیجا، لہٰذا جس طرح آپ گھر کے باہر کی زندگی میں اسوہ حسنہ ہیں، اسی طرح گھر کی زندگی میں بھی اسوہ حسنہ ہیں، اس لئے امت کو پتہ چلنا چاہئے کہ گھر میں جا کر آپ کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ یہ کام کیا کرتے تھے

بہر حال! اس لئے حضرت عمروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ما یصنع احدکم فی بیتہ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں وہی کام کرتے تھے جو تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں کرتا ہے، چنانچہ جب آپ گھر مین تشریف لاتے تھے تو اپنے جوتے کی مرمت بھی خود کر لیتے تھے، اور اپنے کپڑے میں پیوند بھی خود لگا لیتے تھے، کپڑا خود ہی سی لیتے تھے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اپنی بکری کا دودھ بھی خود دودھ لیتے تھے، اور اپنے کپڑوں کو دھونے کا کام بھی خود کر لیتے تھے، اور اپنے جسم کی خدمت بھی خود کر لیتے تھے، یہ طریقہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ گھر میں اختیار کرتے تھے۔

گھر کے کام عبادت

سوال کرنے والے کے پیش نظر شاید یہ بات ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں جاتے ہوں گے تو نہ جانے کیسی کیسی عبادتیں کرتے ہوں گے، اور

شاید خلوت کا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہوں گے، نفلیں پڑھتے ہوں گے، ذکر وغیرہ کرتے ہوں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں یہ کام کیا کرتے تھے، اور یہی کام درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی عبادت تھا کہ گھر کے کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔

آپ کو خود کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی

اب یہاں ذرا سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ جتنے کام جن کا ذکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، چاہے وہ کپڑے سینا ہو، یا پیوند لگانا ہو، یا کپڑے دھونا ہو، یا جوتے گانٹھنا ہو، یا بکری کا دودھ دوھنا ہو، یہ سارے کام ایسے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں کے لئے ازواج مطہرات کو ذرا سا اشارہ فرماتے، یا اپنے جانثار صحابہ کرام میں سے کسی بھی صحابی کو ذرا اشارہ فرماتے تو ان میں سے ہر شخص آگے بڑھ کر ان کاموں کو انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھتا، بلکہ آپ کے فرمانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، صحابہ کرام کو صرف اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت فلاں چیز کی خواہش ہے تو آپ کے کہے بغیر اس کو مہیا کرنے کے لئے تیار ہوتے، اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے۔

آج کی رات کوئی پہرہ دیدیتا

ایک حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے،

غزوہ خندق میں مصروفیت کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نمازیں بھی قضاء ہوئیں، نیند بھی پوری نہیں ہوئی، بھوک کی تکلیف الگ، اور خندق کھودنے کی مشقت الگ، اور ساتھ میں دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ، اتنا بڑا دشمن تیار ہو کر آیا ہے، کہیں وہ کسی وقت حملہ نہ کردے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر سونے کے لئے تشریف لائے تو اس وقت فرمانے لگے کہ کاش! آج کی رات کوئی میرے دروازے پر پہرہ دیدیتا۔ حالانکہ عام طور پر آپ کے دروازے پر کوئی پہرہ نہیں ہوتا تھا، لیکن اس رات نہ جانے آپ نے کس عالم میں یہ بات فرمائی ہوگی، شاید آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ اگر کوئی پہرہ دینے والا ہوتا تو اطمینان سے کچھ دیر نیند کر لیتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں کسی کو بلواؤں، ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک دروازے پر تلوار کی جھنکار سنائی دی، میں نے پوچھا کون؟ انہوں نے جواب دیا: سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹھے بیٹھے میرے دل میں خیال آیا کہ آج کی رات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہرہ دوں، اس خیال کے تحت یہاں آیا ہوں۔

اللہ نے خواہش پوری کردی

بہر حال! میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کو تو کسی کام کے لئے کسی سے کہنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ دل میں خواہش ہوتی ہی اللہ تعالیٰ وہ کام کرا دیتے ہیں، یہاں

دیکھئے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ بات ڈال دی، لیکن اگر کسی صحابی کو پتہ لگ جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو تمام صحابہ کرام اپنی جانیں قربان کر کے وہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں۔

ازواج مطہرات اور صحابہ کی جان نثاری

صحابہ کرام کا تو یہ حال تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے جسم اطہر سے مس کیا ہوا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، بلکہ اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کو اپنے چہروں پر اور اپنے جسموں پر مل لیتے تھے، جن صحابہ کرام کا یہ حال ہے کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا دودھ نہیں دوھیں گے؟ کیا وہ آپ کے جوتے نہیں گانٹھیں گے؟ کیا وہ آپ کے کپڑے نہیں دھوئیں گے؟ یہ تو صحابہ کرام کا حال تھا، اور ازواج مطہرات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سو جان سے فدا تھیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و ابرو کو دیکھنے والی تھیں، وہ ازواج مطہرات جنہوں نے آپ کی شان میں محبت کے قصیدے کہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

لَوَاحِی زُلَیْخَۃَ لَوْ رَأَیْنَ جَبِیْنَہٗ

لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَی الْیَدِ

یعنی زلیخا کی سہیلیاں جنہوں نے زلیخا کو طعنہ دیا تھا کہ تم یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی ہو، تو زلیخا نے ان سب کو ایک دعوت پر بلایا، اور دستر خوان پر چھریاں اور پھل رکھے، تو ان سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے

ہاتھ کاٹ دیے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر وہ زلیخا کی سہیلیاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا دیدار کرلیتیں تو اپنے سینے چیر ڈالتیں۔ بہرحال! ازواج مطہرات بھی ایسی جانثار اور وفادار تھیں، اگر ان کو یہ اندازہ ہوتا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فلاں کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود آگے بڑھ کر اس خدمت کو انجام دیدیتیں، اور اس کو اپنے لئے دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتیں۔

اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دو

اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے، اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے، جبکہ ازواج مطہرات گھر میں موجود ہیں، اور دیکھ بھی رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کام کر رہے ہیں، اور ازواج مطہرات نے ضرور یہ پیش کش کی ہوگی کہ ہم یہ کام کرلیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کے ان سب کاموں کو اپنے ہاتھ سے کرنے کا اہتمام فرمایا، کیوں؟ پہلی بات یہ ہے کہ آپ اس بات کو فضیلت سمجھتے تھے کہ آدمی اپنا خود اپنے ہاتھ سے انجام دے، یہ فضیلت کی بات ہے، اور اس کے ذریعہ اپنی امت کو تعلیم دینا چاہتے تھے کہ خواہ تمہارے پاس کتنے ہی خشم و خدم ہو جائیں، نوکر چاکر ہو جائیں، لیکن جہاں موقع آئے وہاں اپنے کام کو اپنے ہاتھ سے انجام دینے کو اپنے لئے سعادت سمجھو، یہ بندگی کا تقاضہ ہے۔

کاہلی اور سستی پسندیدہ نہیں

دو وجہ سے یہ بندگی کا تقاضہ ہے، ایک یہ وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے سے کتراتا ہے، تو اس کے دو ہی سبب ہوسکتے ہیں، ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کام چور اور سست ہے، اور کام چور ہونا اور سست ہونا دین کے اندر پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ یہ بہت بری بلا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سستی سے پناہ مانگی ہے، آپ نے ایک دعا بھی فرمائی ہے: اللھم انی اعوذ بلك من العجز والکسل. اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں عاجزی سے اور سستی سے، لہٰذا یہ سستی بہت خراب چیز ہے۔

اپنی شان مت بناؤ

دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو، کہ ہم تو بڑے آدمی ہیں، ہم اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے کیوں دھوئیں، ہم کہاں اپنے ہاتھ سے جوتے گانٹھیں، ہمارے تو نوکر چاکر موجود ہیں، یہ کام کرنا ہماری شان کے خلاف ہے، تو یہ سستی سے بھی زیادہ بری بلا ہے کہ آدمی کسی کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھے، ارے تم کیا؟ تمہاری شان کیا؟ تم اللہ کے بندے ہو، لہٰذا تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو پہچانو! اور اپنی حقیقت پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کام کیا کرو، جس سے تمہارے دل میں تواضع پیدا ہو، جس کے ذریعہ تکبر کا ازالہ ہو، جب وہ کرو گے تو انشاء اللہ دل میں تواضع پیدا ہوگی، اور جب تواضع پیدا ہوگی تو...... مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ...... یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ خاطر تواضع اختیار کرتا

ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔

گھر میں حاکم بن کر نہ بیٹھو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کام اپنے دست مبارک سے خود کر لیتے تھے، نہ ازواج مطہرات سے کرواتے تھے، نہ صحابہ کرام سے کرواتے تھے، وہ اس لئے تا کہ امت کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب میں دونوں جہاں کا سردار ہونے کے باوجود یہ سب کام انجام دے رہا ہوں تو بتاؤ تم سے ہر شخص کو کیا کام کرنا چاہئے؟ یہ نہ ہو کہ گھر میں جانے کے بعد تم حاکم بن کے بیٹھ جاؤ، اور کوئی کام انجام نہ دو، ہلنے جلنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھو، اگر سستی کی وجہ سے کر رہے ہو تو بھی بری بات ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے ایسا کر رہے ہو تو اس سے بھی زیادہ بری بات ہے، یہ شان بنانا عبدیت کے منافی ہے، خواہ تم کتنے اونچے مقام تک پہنچ جاؤ، خواہ تم گھر کے سردار بن گئے ہو، شوہر بن گئے ہو، باپ بن گئے ہو، دادا بن گئے ہو، اور سب خدمت کرنے والے موجود ہیں، پھر بھی اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی کوشش کرو۔ اگر تم کسی محکمہ کے سربراہ بن گئے ہو، یا کسی ملک کے بادشاہ بن گئے ہو، اس وقت بھی یہ مت سوچو کہ چونکہ ہم تو سربراہ بن گئے ہیں، اور یہ کام کرنا ہماری شان کے خلاف ہے، نہیں، بلکہ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دو۔ ایسا کرنے سے ایک طرف تو تمہارے اندر تواضع پیدا ہوگی، دوسری طرف جب تمہارے ماتحت تمہیں اس طرح کام کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے اندر مزید چستی پیدا ہوگی، اور وہ اپنے فرائض کو اور زیادہ بہتر طور پر انجام دیں گے، بہر حال! سرکار

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔

خود اٹھ کر پانی پی لو

ہمارے معاشرے میں اب یہ ہو گیا ہے کہ مرد صاحبان جب گھر میں تشریف لے جاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہیں، لہٰذا گھر کے اندر کوئی کام کرنا ہمارے فرض منصبی سے باہر ہے، اب گھر کے کام یا تو بیوی کرے گی، یا بچے کریں گے، یا نوکر کریں گے، اگر پانی بھی پینا ہے تو خود اٹھ کر نہیں پئیں گے، بلکہ دوسروں سے منگوائیں گے، کوئی چیز لانی ہے، تو خود اٹھ کر وہ چیز لانا ان کی شان کے خلاف ہے۔ خوب یاد رکھیں یہ بدترین بیماری ہے۔

بیوی کو کبھی حکم نہیں دیا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری شادی کو آج پچپن سال ہو گئے ہیں، الحمد للہ اس عرصہ میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے حکم کے انداز میں کسی کام کے کرنے کو نہیں کہا، وہ خود اپنی سعادت سمجھ کر میرا کام کر دیتی ہیں، اگر کسی کام کی ضرورت پیش آتی تو یہ کوشش کرتا کہ خود اٹھ کر کام کر لوں، اور اگر کسی وجہ سے خود نہیں کیا تو اس انداز سے کہا جو حاکمانہ نہ ہو، مثلاً یہ نہیں کہا کہ پانی پلا دو، ارے بھائی کوئی پانی دے گا؟

حضرت تھانویؒ کا انداز

میں نے اپنے والد ماجد سے سنا انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ

معمول بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا (کیونکہ حضرت والد صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بھی بطور مہمان کے مہینوں رہتے تھے، حضرت والا کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ حضرت والا بہت ہی شفقت و محبت فرمایا کرتے تھے، رمضان کی چھٹیوں میں حضرت والد صاحب اپنے پورے گھر والوں کے ساتھ تھانہ بھون چلے جاتے، اور وہیں مقیم رہتے، اس لئے گھر کے حالات سے بھی واقف تھے) میں نے آپ کو دیکھا کہ جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاتے اور برتن واپس بھجوانے کی ضرورت پیش آتی تو کبھی حضرت والا اپنی اہلیہ سے یہ نہیں کہتے تھے کہ برتن اٹھالو، بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ''برتن اٹھوالیں'' لہٰذا یہ حکم دینے کے بجائے کہ آپ اٹھالیں، یہ فرماتے کہ کسی کے ذریعہ اٹھوالیں، تاکہ براہ راست تحکمانہ لہجہ نہ ہو۔

کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی

ایک مرتبہ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الحمد للہ آج تک اپنی اہلیہ سے اس پچپن سال کے عرصہ میں کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی، یعنی تلخ لہجہ میں بات نہیں کی، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہوا میں اڑنا کرامت ہے، پانی میں تیرنا کرامت ہے، آگ میں جلنا کرامت ہے، ارے اصل کرامت تو یہ ہے کہ اتنی مدت تک میاں بیوی کے تعلق میں کبھی لہجہ بدل کر تلخی سے بات نہیں ہوئی، تحکمانہ انداز میں بات کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

میں تو سب کا خادم ہوں

فرمایا کرتے تھے کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، اپنی بیوی کا خادم ہوں، اپنے بچوں کا خادم ہوں، ہاں! خدمت کے انداز مختلف ہوتے ہیں، لیکن میں ہوں خادم، لہٰذا میں نے اپنے آپ کو خادم سمجھ کر ساری زندگی گزاردی۔ لیکن آج کل کے معاشرے میں مردوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ گھر کا کوئی کام کرنا نہ صرف یہ کہ ہمارے فرائض منصبی میں داخل نہیں، بلکہ ہماری شان کے بھی خلاف ہے، اور گھر کے کام کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا تکبر کی اعلیٰ قسم میں داخل ہے، اور یہ بہت بری بلا ہے۔

آج پیر صاحب بازار نہیں جا سکتے

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا، فرمایا کہ: ''جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، خواہ وہ کتنا بڑا پیر بن بیٹھا ہو'' یا جو یہ سمجھے کہ میں چونکہ پیر بن گیا ہوں، لہٰذا یہ کام میری شان کے خلاف ہے، اس کو تو طریقت کی اور تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ پیر صاحب بن گئے تو ان کا بازار جا کر کوئی چیز خریدنا ان کی توہین ہے، بلکہ وہ اپنے خادموں سے وہ چیز منگوائیں گے، اپنے مریدوں سے منگوائیں گے، وہ خود کیوں بازار جائیں گے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر تو ضرورت کی اشیاء کی خریداری کے لئے بازار جا رہا ہے، کفار انبیاء پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ:

مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ

کہ کیسا رسول ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازار میں بھی پھرتا ہے۔ اب پیغمبر تو بازار سودا خریدنے کے لئے جارہا ہے، لیکن پیر صاحب بازار نہیں جاسکتے، اس لئے کہ پیر صاحب کی شان زیادہ بڑی ہے، یہ شیطان کا خناس ہے۔

کہاں کا منصب، کہاں کی شان

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی بن گئے اور مفتی اعظم کہلانے لگے، اس وقت یہ حال تھا کہ اگر گھر میں دودھ کی ضرورت ہوئی تو پتیلی اٹھائی، اور دودھ لے کر چلے آرہے ہیں، ایک دن کسی شخص نے ان سے کہا کہ حضرت، اب آپ مفتی اعظم ہو چکے ہیں لہٰذا اب آپ اس طرح پتیلی لے کر بازار میں نہ پھرا کریں، اس لئے کہ یہ عمل آپ کے منصب سے فروتر ہے، جواب میں فرمایا کہ کہاں کا منصب؟ کہاں کی شان؟ مجھ میں اور ایک عام مسلمان میں کیا فرق ہے؟ اگر ایک عام مسلمان دودھ خریدنے کے لئے دودھ والے کی دکان پر جاسکتا ہے، تو میں کیوں نہیں جاسکتا۔

شان بنانے کی کوشش مت کرو

بہر حال! جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اور یہ سوچے کہ میری شان کے خلاف ہے کہ میں یہ کام کروں، اس کو تو طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اب گھر میں بیٹھیں ہیں، اور خود اٹھ کر پانی پینا اپنی شان کے خلاف، اور برتن دھونا شان کے خلاف، اور کپڑے دھونا شان کے خلاف، یہ بڑی خطرناک بات ہے، اس کا

مطلب یہ ہے کہ دماغ میں کبر کا خناس بھرا ہوا ہے، اور جب تک دماغ سے کبر کا خناس نہیں نکالو گے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم نہیں ہو سکتا، کیونکہ تکبر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بندگی کا تعلق ہے، تواضع کا تعلق ہے، فنائیت کا تعلق ہے، عبدیت کا تعلق ہے، شکستگی کا تعلق ہے، لہٰذا دماغ سے یہ بات نکال دو کہ فلاں کام ہماری شان کے خلاف ہے۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالو

اگر فرض کرو کہ تمہارے گھر میں نوکر بھی ہیں، خدمت گزار بھی ہیں، پھر بھی نہ چاہتے ہوئے کچھ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادت ڈالو، تاکہ دماغ سے تکبر کا خناس نکلے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کام اپنے ہاتھ سے انجام دیے، یہ اس لئے نہیں کیے کہ آپ کے پاس کوئی کام کرنے والا نہیں تھا، کیونکہ آپ کے کام کرنے والے تو اتنے تھے کہ دنیا میں کسی کے نہیں ہو سکتے، لیکن اپنی بندگی کے اظہار کے لئے یہ کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، اور ویسے بھی مکارم اخلاق میں سے یہ ہے کہ آدمی ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کا عادی رہے، آج تو آپ کے پاس نوکر چاکر ہیں، لیکن کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ یہ نوکر تمہارے پاس ہمیشہ رہیں گے؟ اگر آدمی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا عادی نہیں بنا تو ان حالات میں آدمی پریشان اور پشیمان ہوگا۔ لہٰذا دین کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی کوشش کرو۔

ایک نصیحت

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ بھائی، کبھی کبھی گھر میں برتن خود دھولیا کرو، کبھی کپڑے بھی خود دھولیا کرو، کبھی دوسرے کام کرلیا کرو، اور ان کاموں کے کرنے کا اہتمام ہونا چاہئے کہ یہ بھی تمہارے ضروری کاموں کا ایک حصہ ہیں۔ ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا پایا، باوجودیکہ بہت سے خدمت گزار موجود تھے، لیکن اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا معمول تھا۔

بیت الخلاء کا لوٹا دھولیتا ہوں

ایک مرتبہ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ وقت کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، اور ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں لگ جائے، چاہے وہ دنیا کا کام ہو، یا آخرت کا کام ہو۔ فرماتے تھے کہ اگر وقت خالی ہو، اس میں کوئی کام نہ ہو تو طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے کہ یہ وقت خالی اور بیکار جارہا ہے، پھر فرمایا کہ ہے تو شرم کی بات، لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں کہ جب میں بیت الخلاء میں بیٹھتا ہوں، تو وہاں جو وقت بیکار گزرتا ہے وہ بھی طبیعت پر بار ہوتا ہے، اس لئے کہ اس وقت آدمی زبان سے ذکر بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ اس وقت کو کام میں لینے کے لئے لوٹا دھولیتا ہوں، تاکہ وقت بھی کام میں لگ جائے، اور گھر کا ایک کام بھی نمٹ جائے۔ بہرحال! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔

یہ سب کام عبادت ہیں

یاد رکھیے! دین حاصل کرنے کی کلید ''تواضع اور فنائیت'' ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مٹانا، اور یہ اعمال افعال انسان کے اندر تواضع اور فنائیت پیدا کرتے ہیں، عبدیت پیدا کرتے ہیں، اس لئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور جس وقت گھر کے برتن دھو اس وقت دل میں یہ نیت کرلو کہ میں یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں، جب کپڑے دھو اس وقت بھی یہی نیت کرلو، جب جوتے گانٹھو اس وقت بھی یہی دعا کرلو، اور جب تم نے اتباع سنت کی نیت کرلی تو اب تمہارا کپڑے دھونا بھی عبادت، تمہارا جوتے گانٹھنا بھی عبادت، تمہارا برتن دھونا بھی عبادت، یہ سارے کام عبادت بن جائیں گے، اب اگر پانچ منٹ ان کاموں میں صرف ہوگئے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں اتباع سنت کی برکات حاصل ہوگئیں تو یہ کتنا سستا سودا ہے۔

اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت تم اتباع سنت کی نیت سے کوئی کام کر رہے ہوتے ہو، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہوتے ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

یعنی اگر تم میری اتباع کروگے، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے، لہٰذا اگر تم

حضور ﷺ کی اتباع میں برتن دھو رہے ہو تو اس وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو، اگر حضور ﷺ کی اتباع میں کپڑے دھو رہے ہو، تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن رہے ہو، ارے کہاں کی شان! کہاں کا منصب! جب ان کاموں کے کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا منصب حاصل ہو رہا ہے تو اس سے بڑا اور کیا منصب ہوگا، اس سے بڑی اور کیا شان ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ منصب عطا فرما دے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ. آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العلمین.

سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۂ فاتحہ کل سات آیات پر مشتمل

ہے، اور اس کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے اور پالنے والا ہے تمام جہانوں کا''

تمام اشیاء کی تعریف اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں جب بھی کسی چیز کی تعریف کی جائے گی تو وہ درحقیقت اللہ جل شانہ کی تعریف ہوگی، اس لئے کہ جب انسان کسی چیز کی تعریف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ تعریف اس چیز کے بنانے والے کی ہوتی ہے، اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں کہ یہ بڑی عالیشان ہے، بڑی خوبصورت ہے، تو درحقیقت وہ اس عمارت کے بنانے والے کی تعریف ہے، تو اس کائنات میں جب بھی کسی چیز کی تعریف کی جائے گی تو درحقیقت وہ اللہ جل شانہ کی تعریف ہوگی، کیونکہ حقیقت میں وہی اس چیز کا بنانے والا ہے، وہی اس چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تمام تعریفیں اللہ کی ہیں۔

تمام جہانوں کا پالنہار ہے

اور پھر اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت بیان فرمائی کہ رب العالمین ''جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا'' یہ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو ''الحمد للہ'' میں جو دعویٰ کیا گیا تھا کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، اس دعویٰ کی دلیل ہے، تمام تعریفیں اللہ کی کیوں ہیں؟ یہ اس لئے ہیں کہ وہ رب العالمین ہے، وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اس کی پرورش کرنے والا ہے، ان کا پروردگار ہے، ان کا پالنہار ہے، اور لفظ استعمال فرمایا عالمین ''تمام جہانوں کا'' اس کائنات میں جتنے جہان

پائے جاتے ہیں، انسانوں کا جہاں، جنات کا جہاں، جانوروں کا جہاں، آسمانوں کا جہاں، چاند ستاروں کا جہاں، بادلوں اور پہاڑوں کا جہاں، سمندروں اور دریاؤں کا جہاں، جتنے جہاں کائنات میں پائے جاتے ہیں، ان سب کا پروردگار ہے، ان سب کا پالنے والا ہے۔

ایک اشکال

اس جملے میں ایک عجیب قسم کا اشارہ یہ موجود ہے کہ دعوی تو یہ کیا گیا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، یعنی اللہ تبارک تعالیٰ کا ہر کام قابل تعریف ہے، تو کبھی کبھی انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں بہت سے واقعات ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو دیکھنے میں اچھے نہیں لگتے، جن کی بظاہر تعریف نہیں کی جاتی، جن کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، جن کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے، مثلاً کسی انسان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے، کسی انسان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، کسی کو ناحق قتل کیا جارہا ہے، کسی کے اوپر ڈاکے ڈالے جارہے ہیں، یہ سارے کام بھی تو اسی کائنات میں ہو رہے ہیں، اور ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں جس کی تعریف کی جاسکے، تو پھر یہ کہنا کہ اللہ کے تمام کام قابلِ تعریف ہیں یہ کیسے درست ہوا؟ جب کہ بہت سارے کام کائنات میں ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو قابل تعریف نہیں، جن کے اندر کوئی نہ کوئی تکلیف کا پہلو ہوتا ہے، کوئی منفی پہلو ہوتا ہے، جس کے بارے میں دل میں یہ خیالات اور اعتراضات اور شک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ درحقیقت ''رب العالمین'' کے لفظ میں اس سوال کا بھی جواب ہے، وہ یہ ہے کہ یہ جو تم کسی واقعہ سے

رنجیدہ ہوتے ہو، جس سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے، یا غم ہوتا ہے تو تم اپنی چھوٹی سی عقل کے دائرے میں رہ کر سوچ رہے ہو، اور اس چھوٹی سی محدود عقل کے دائرے میں رہ کر تم کسی بات کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہو کہ یہ ناگوار ہے، یہ اچھی نہیں، یہ تکلیف دہ ہے، اس میں غم ہے، اس میں صدمہ ہے، یہ تم اپنی چھوٹی سی عقل میں رہ کر سوچتے ہو، لیکن باری تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق ہے، جو پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے، جو ساری کائنات کو پال پوس رہا ہے، اس کی نگاہ میں ہے کہ کس لمحہ کون سا کام اس کائنات کی مصلحت کے مطابق ہے۔ اور کون سا کام مصلحت کے مطابق نہیں ہے، تمہاری چھوٹی سی عقل میں اس کی مصلحت نہیں آسکتی۔

تمہاری عقل کی ایک مثال

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اگر ایک بچہ کے کوئی پھوڑا نکل آیا ہے، اور کوئی ڈاکٹر اس کا آپریشن کر کے اس پھوڑے کو نکال رہا ہے، اور بچہ چیخ رہا ہے، اور چلا رہا ہے، تم اس کے چیخنے اور پکارنے کو دیکھ کر یہ سمجھو گے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اور اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے، یہ بچہ رو رہا ہے۔ اور چلا رہا ہے، اور ڈاکٹر ہے کہ اس کے اوپر نشتر چلا رہا ہے، لیکن اگر ذرا سی عقل سے کام لو گے تو پتہ چلے گا کہ اس کے ساتھ جو عمل کیا جا رہا ہے یہ درحقیقت اس کے لئے فائدہ مند ہے، یہی اس کے حق میں مفید ہے، اس کی خیر خواہی کا تقاضہ بھی یہی ہے، اس کی مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے، یہ تو ایک چھوٹی سی مثال میں نے دی، لیکن جس کے سامنے پوری کائنات کا نظام ہے، وہ ہی جانتا ہے کہ کس لمحہ کون سی بات اس کائنات کی

مصلحت کے مطابق ہے، وہ رب العالمین ہے، لہٰذا جو فیصلہ کرتا ہے، اس کا فیصلہ بر حق ہے۔ اس کا فیصلہ مصلحت کے عین مطابق ہے، کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی اس کائنات کی چھپی ہوئی مصلحتوں کو کسی اللہ والے پر ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔

ایک بچھو کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر کبیر مشہور ہے، انہوں نے اسی آیت کی تفسیر میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے، ایک بزرگ تھے، وہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ جو بغداد کا دریا ہے، اس کے کنارے جا رہے تھے، جاتے جاتے دیکھا کہ آگے ایک بڑا سا بچھو جا رہا ہے، ان بزرگ کے دل میں خیال آیا کہ اس کائنات کا کوئی بھی ذرہ کسی مصلحت اور مقصد کے بغیر حرکت نہیں کرتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے، یقیناً یہ بچھو بھی کسی کام پر جا رہا ہوگا، تو آج میں ذرا اس کا تعاقب کر کے دیکھوں کہ یہ بچھو کہاں جا رہا ہے؟ کیا کرے گا؟ دل میں یہ خیال آیا، پھر وہ اس بچھو کے پیچھے چل پڑے، آگے آگے بچھو، اور پیچھے پیچھے یہ بزرگ، بزرگ بھی چلتے رہے، وہ بچھو بھی چلتا رہا، یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر بچھو نے اپنا رُخ موڑا، اور دریا کے کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا، یہ بزرگ بھی کھڑے ہو گئے، دیکھنے کے لئے کہ اب کیا ہوتا ہے؟

بچھو کے لئے خدائی کشتی

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آ رہا ہے، وہ کچھوا تیرتا ہوا آیا، اور ٹھیک اس جگہ جہاں بچھو کھڑا ہوا تھا، کنارے سے لگ گیا، اب یہ بچھو چھلانگ لگا کر کچھوے کی پشت پر سوار ہو گیا، فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ

اللہ تعالیٰ نے بچھو کو دریا پار کرانے کے لئے کشتی بھیج دی ہے، اس کے بعد کچھوے نے پانی پر تیرنا شروع کر دیا، وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ آج اس کا تعاقب کرنا ہے کہ یہ کہاں جا رہا ہے؟ اس لئے میں نے بھی ایک چھوٹی سی کشتی لے لی، اور کشتی میں بیٹھ کر میں بھی دریا میں چل پڑا، وہ کچھوا اس کو گھماتا پھراتا دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، اور وہاں جا کر کنارے سے لگ گیا، اب بچھو اس کچھوے کی پشت سے چھلانگ لگا کر دریا کے دوسرے کنارے پر اتر گیا، میں نے بھی کشتی لگا دی اور میں بھی کنارے پر اتر گیا، اب پھر اس نے چلنا شروع کیا، خدا جانے کہاں جا رہا تھا؟ کہاں منزل تھی، لیکن میں نے چونکہ تہیہ کیا تھا کہ آج میں اس کا تعاقب کروں گا کہ یہ کہاں جا رہا ہے، آگے گئے تو وہاں ایک آدمی سو رہا تھا، میں نے سوچا کہ شاید بچھو اس آدمی کو جا کر کاٹے گا، اور شاید اسی لئے سارا سفر طے کر کے آیا ہے، چنانچہ میں بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ جب میں اس سوئے ہوئے آدمی کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا پھن اٹھا کر اس سوئے ہوئے آدمی کو ڈسنا چاہتا ہے، اس نے اپنا پھن اٹھایا ہوا ہے، اور قریب تھا کہ اس کو ڈس لے، اچانک یہ بچھو پہنچا اور اچھل کر اس سانپ کے اوپر سوار ہو گیا، اور سانپ کو اس زور سے ڈسا کہ سانپ تیورا کھا کر نیچے گر گیا، اور وہ سوتا ہوا آدمی سو رہا تھا، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟

یہ بچھو تمہارا محسن ہے

جب سونے والے شخص کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ قریب میں بچھو جا رہا ہے، تو

اس نے پتھر اٹھا کر اس بچھو کو مارنے کی کوشش کی، میں نے جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ خدا کے لئے اس کو نہ مارنا، یہ تمہارا محسن ہے، اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری جان بچانے کے لئے بہت دور سے بھیجا ہے، اگر یہ بچھو نہ ہوتا تو سانپ تمہیں ڈس چکا ہوتا، اور تم مر چکے ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بچھو کہاں سے تمہارے لئے بھیجا ہے، جس نے اس سانپ کا خاتمہ کیا جو تمہیں ڈسنا چاہتا تھا، فرماتے ہیں کہ بس یہاں آ کر میری سمجھ میں آ گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس کائنات میں کوئی نہ کوئی حرکت کسی نہ کسی مصلحت سے خالی نہیں، تو یہ ہے رب العالمین۔

کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں

کوئی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی اگر حرکت کرتا ہے، تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی مشن سونپا ہوا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ربوبیت کا ایک مظاہرہ ہے، جسکے ذریعہ وہ کائنات کا نظام چلا رہا ہے، اگر آپ غور کریں کہ وہ سونے والا آدمی جب بیدار ہوا تھا تو اس کو تو بچھو نظر آیا، اور اس کے دل میں تو یہی بات تھی کہ یہ بچھو موذی جانور ہے، اس کو مارنا چاہئے، لیکن اس کو پتہ نہیں تھا کہ یہ بچھو اس کے لئے زندگی کا پیغام لے کر آیا ہے، تو اس کائنات میں جو واقعات ہمیں نظر آتے ہیں اس میں بہت سے واقعات وہ ہیں جن کی اصلیت اور حکمت ہماری محدود عقل کے دائرے میں نہیں آتی، اس واسطے اس کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رنج کا واقعہ ہے، یہ غم کا واقعہ ہے، یہ تکلیف ہے، لیکن جو ذات اس پوری کائنات کے نظام کو چلا رہی ہے، وہی جانتی ہے کہ کس وقت کیا ہونا چاہئے؟

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریر کر رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ اس پوری دنیا میں سب سے زیادہ علم کس کے پاس ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت پیغمبر تھے، اور جب کوئی پیغمبر اس دنیا میں موجود ہو تو اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہوتا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس ہی سب سے زیادہ علم ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے، لیکن جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے، تو ان کو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے، اور یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون بڑا عالم ہے؟ یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند نہیں آئی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کہہ رہے ہو کہ تم سب سے بڑے عالم ہو، تو ہمارا ایک بندہ ہے، اس کے پاس ہم تمہیں بھیجتے ہیں، جن کو تم سے زیادہ علم ہے۔

مچھلی کا گم ہونا

چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا، پوچھا کہ یا اللہ! کیسے پہنچوں ان تک؟ کہا کہ ایک مچھلی اپنے ساتھ رکھ لینا، اور چلتے چلتے ایک جگہ ایسی آئے گی، جہاں تک تم سے وہ مچھلی گم ہو جائے گی، جس جگہ گم ہو جائے گی، اسی جگہ تم کو وہ آدمی ملے گا، چلتے رہے، یہاں تک کہ مچھلی گم ہوگئی، اور

سمندر میں چلی گئی، جوان کے ساتھی تھے حضرت یوشع علیہ السلام کو بتانا یاد نہیں رہا، آگے چلے گئے، آگے جانے کے بعد پوچھا کہ لاؤ وہ مچھلی کہاں ہے؟ تو حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا کہ جہاں ہم سوئے تھے، وہاں وہ مچھلی سمندر میں چلی گئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ذَالِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا (سورۃ الکہف:٦٤)

اسی کی تو ہم تلاش میں تھے۔ واپس پیچھے آئے، واپس آئے تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علم دیا ہے، وہ مجھے بھی نصیب ہو جائے۔

تم سے صبر نہیں ہوگا

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہو گے تو تم سے صبر نہیں ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ انشاء اللہ میں صبر سے کام لوں گا، اور جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا، کہا کہ اچھا جو کچھ بھی میں کروں اور جب تک اس کے بارے میں، میں خود تمہیں نہ بتاؤں، تو سوال نہ کرنا، اور پوچھنا نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ اور کیوں کر رہا ہوں؟ کہا کہ اچھا نہیں پوچھوں گا، اب یہ حضرت خضر علیہ السلام تو اس رب العالمین کے کارندے تھے، اور کائنات کا نظام چلانے کے لئے مقرر کئے ہوئے تھے، دونوں چل پڑے، سمندر میں جانا تھا، ایک کشتی مل گئی، کشتی والوں سے بات چیت کی، انہوں نے کچھ اجرت لئے بغیر کشتی میں سوار

کرلیا، کشتی چلتی رہی، یہاں تک کہ ایک جگہ جب پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کدال لے کر اس کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر گھبرا گئے، اور فرمایا، اللہ کے بندے! یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی اجرت کے ہمیں کشتی میں سوار کیا ہے، اور آپ نے لے کر کشتی توڑ دی، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کرسکو گے، تم سے کہا تھا کہ کچھ پوچھنا نہیں، چاروناچار کہا کہ غلطی ہوگئی، معاف کرنا، بھول گیا تھا۔

بچے کو قتل کردیا

اب آگے چلے، کشتی میں سے نیچے اترے تو ایک نابالغ بچہ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام آگے گئے، اور جاکر اس کی گردن پکڑی، اور اس کو قتل کر کے اس کی گردن الگ کردی، حضرت موسیٰ علیہ السلام زناٹے آگئے کہ ویسے ہی کسی کو ناحق قتل کرنا تو حرام ہے، اور نابالغ بچے کو قتل کرڈالا، تو نہ رہا گیا اور کہا کہ یہ کیا آپ نے ظلم اور غضب ڈھایا کہ ایک بچہ بالکل نابالغ، معصوم تھا، اٹھا کر اس کو قتل کردیا، تو انہوں نے کہا کہ پہلے ہی میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے، اب موسیٰ علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ اس آدمی کے ساتھ میرا گزارا مشکل ہے، کہا کہ اچھا اگر آئندہ پوچھوں تو مجھے آئندہ ساتھ نہ رکھنا، آگے چلے ایک بستی میں گئے، بستی والوں سے کہا کہ بھئی مہمان ہیں، اور مسافر ہیں، کچھ کھانا پینے کا بندوبست کرو، وہ کچھ بخیل لوگ تھے، انہوں نے انکار کردیا کہ ہم لوگ مہمانی نہیں کریں گے، قریب ہی میں دیکھا کہ ایک دیوار ہے، جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے

جا کر اس کی مرمت شروع کی، اور اس کو ٹھیک کر دیا، اور سیدھا کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، حضرت اس شہر میں لوگ ہماری مہمانی کرنے کو تیار نہیں تھے، یہ کام ایسا تھا کہ ذرا سی اس پر اجرت مانگ لی ہوتی تو ذرا کھانے پینے کا ہمارا بندوبست ہو جاتا، کہا کہ بس میرا اور تمہارا جدائی کا وقت آ گیا، تم سے پہلے ہی میں نے کہا تھا کہ صبر نہیں کر سکتے۔

ہر کام اپنے پروردگار کے حکم سے کیا

اب سنو! جو کچھ ہوا، اس کا کیا قصہ تھا؟ فرمایا وہ جو کشتی کا میں نے تختہ توڑا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس علاقے میں کشتی جا رہی تھی، وہاں کا بادشاہ ہر کشتی کو جو ذرا اچھی ہوتی تھی، اپنے قبضے میں لے لیتا تھا، اور یہ بیچارے مسکین لوگ تھے، جو سمندر میں کام کر رہے تھے، اگر یہ کشتی صحیح سالم وہاں پہنچتی تو بادشاہ اس پر قبضہ کر لیتا، یہ کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی، لہٰذا بادشاہ کے ظلم سے بچانے کے لئے میں اس کے اندر عیب پیدا کر دیا تھا، تاکہ بادشاہ کی نظر اس پر نہ پڑے، اور وہ جو بچہ تمہیں کھیلتا ہوا نظر آیا تھا، میں نے اس کو قتل کر دیا، بات یہ تھی کہ اس کے والدین بڑے نمازی اور نیک مسلمان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ اگر یہ بچہ بڑا ہوگا تو بڑے ہو کر اپنے والدین کو بھی کفر و شرک میں مبتلا کر دے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کو ختم کر دو، اور اس کی جگہ ان کو دوسرا بیٹا عطا کر دو، جو نیک بیٹا ہوگا، اور دیوار جو میں نے سیدھی کی تو درحقیقت اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دبا ہوا تھا، اگر یہ دیوار گر جاتی تو لوگ ان کے خزانے پر قبضہ کر کے ان کو محروم کر دیتے، اس واسطے ہم نے

چاہا کہ یہ بچے بڑے ہو جائیں، اور بڑے ہو کر اس دیوار کے نیچے سے اپنا خزانہ نکال لیں، ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، جو کام بھی میں نے کیا، پروردگار کے حکم سے کیا۔

ہر کام کے پیچھے حکمت پوشیدہ تھی

یہ سارا منظر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے دکھایا کہ ظاہری نظر میں ان میں سے ہر کام برا تھا، کشتی کا تختہ توڑ دینا، نابالغ بچہ کو قتل کر دینا، ہر کام دیکھنے میں برا تھا، لیکن وہ ذات جو اس پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اس کو پتہ ہے کہ کس وقت کون سا کام اس کائنات کی مصلحت کے مطابق ہے؟ وہ اپنی حکمت سے اپنے علم سے کرتا ہے، اس کا علم بھی کامل، اس کی حکمت بھی کامل، اس کی مصلحت بھی کامل، تم تو چھوٹی سی عقل لے کر، چھوٹا سا علم لے کر، چھوٹی سی خواہش لے کر، چھوٹا سا دماغ لے کر اس کے دائرے میں سوچتے ہو، اور یہ کہتے ہو کہ یہ بات بہت بری ہوگئی، یہ بات بہت خراب ہوگئی، لیکن وہ ذات جو اس کائنات کا نظام چلا رہی ہے، اس کو بھی پتہ ہے کہ کون سا کام کس وقت میں فائدہ مند ہے، اور کون سا کام حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے، یہ ہے ''رب العالمین'' یہ ہے تمام کائنات کے نظام کو چلانے والا، اس کو پالنے والا، اس کی پرورش کرنے والا، اس کا پالنہار، لہذا کوئی کام اس کائنات میں ایسا نہیں جو حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو، اقبال مرحوم نے کہا:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہو رہا ہے، اس کائنات کے نظام کا تقاضہ یہی ہے، اس کائنات کی مصلحت کا تقاضہ یہی ہے، ہاں! تم چونکہ معمولی سی عقل لئے بیٹھے ہو، چھوٹا سا علم لئے بیٹھے ہو، کائنات کی مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہو

اسی وجہ سے کسی واقعہ پر تم رنجیدہ ہوتے ہو، کسی واقعہ پر تمہیں تکلیف ہوتی ہے، کسی واقعہ پر صدمہ کرتے ہو، چلو صدمہ کرلو، لیکن ساتھ ساتھ یقین رکھو کہ اگرچہ مجھے صدمہ ہو رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ، اس کی مشیت اور اس کی حکمت کے عین مطابق ہے، اسی کا نام صبر ہے کہ چاہے آدمی کو تکلیف پہنچ رہی ہو، رو بھی رہا ہو، آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوں، غم کا اظہار بھی کر رہا ہو، لیکن دل اس بات پر مطمئن ہو کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے، اسی کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے، ہم اسی کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ ہے صبر۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۵۵، ۱۵۶)

ہم تمہیں آزمائیں گے، کبھی تم پر خوف کی حالت طاری ہو جائے گی، کبھی بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے، کبھی تمہارے مال میں کمی آجائے گی، کبھی تمہاری جانوں میں کمی آجائے گی، کبھی تمہارے عزیز، تمہارے رشتہ دار، تمہارے

بھائی، تمہارے دوست میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہو جائے گا، اور کبھی تمہاری پیداوار میں کمی آجائے گی، یہ سب ہوگا، اس کے ذریعہ ہم تم کو آزمائیں گے، لیکن خوشخبری دیدو ان صبر کرنے والوں کو، جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں ''اللہ کے ہیں'' کیا معنی؟ مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے، ہم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کی طرف سے رحمتیں ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو سیدھے راستے پر ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے ہی سیدھے راستے پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ

میرے بھائیو! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن کا جو کلمہ ہے، جو تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے سارے جہانوں کا، یہ دلیل ہے کہ اس بات کی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ برحق ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت، مصلحت اور حکمت کے مطابق ہو رہا ہے، اس پر ایمان لانا ایک مؤمن کا کام ہے، چاہے اس کا دل سلگ رہا ہو، دل میں صدمہ ہو رہا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہ برحق ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کے ادراک کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ (۲)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وبارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے، اس سورت میں سات آیتیں ہیں، اور پہلی آیت کا بیان پچھلے جمعہ میں بقدرِ ضرورت ہو گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو پرورش کرنے والا ہے تمام جہانوں کا۔

کائنات میں بے شمار عالم

''عالمین'' جمع ہے عالم کی، جہان کو عالم کہتے ہیں، اور جمع کا صیغہ استعمال کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات واضح کی کہ اس کائنات میں بہت سارے عالم پائے جاتے ہیں، بہت سے جہاں ہیں، ایک جہاں وہ ہے جو ہمیں اور آپ کو اپنی آنکھوں سے نظر آرہا ہے، وہ یہ دنیا ہے، اور اس دنیا کی بھی بہت ساری چیزیں ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، نہ جانے کیا کیا مخلوقات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کے اندر پیدا فرمائی ہیں، انسان ہیں، جانور ہیں، جانوروں کا ایک جہاں ہے، جانوروں کی بھی انواع واقسام ہیں، زمین پر پاؤں سے چلنے والے، رینگنے والے، خشکی پر رہنے والے، پانی میں رہنے والے، غرض اتنی قسمیں ہیں ان مخلوقات کی جن کا شمار ممکن نہیں، ہمیں زمین کی ظاہری سطح پر جو چیزیں نظر آتی ہیں، بس انہی کو جہاں سمجھتے ہیں۔

سمندر میں جہاں آباد ہے

لیکن سمندر کے اندر، سمندر کی تہہ میں کیا جہاں پوشیدہ ہے؟ اکثر انسانوں کو اس کا پتہ نہیں، مجھے دو مرتبہ سمندر کی تہہ میں جانے کا اتفاق ہوا، آب دوز کے ذریعہ، نیچے اترنے کے بعد ہی نظر آیا کہ سمندر کے نیچے جو کائنات ہے، جو ہماری سمندر کے اوپر کی کائنات سے کئی زیادہ کشادہ اور وسیع ہے، سمندر کے اندر جنگلات ہیں، پہاڑ ہیں، جانوروں کی اتنی قسمیں ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں، جن کی گنتی ممکن نہیں، عجیب رنگوں کے رنگ برنگے جانور، پہاڑ اور جنگلات اور صحراء اور ریگستان

،ایک ڈیڑھ گھنٹے اس میں رہنے کا اتفاق ہوا، کائنات کا ایک عظیم جہان ہے، جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا، غرض انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی ان مخلوقات کا جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں، اور وہ سارے جہاں اللہ تعالیٰ ہی پال رہے ہیں، وہی ان کی روزی کا انتظام کر رہے ہیں، وہی ان کو پیدا کر رہے ہیں، وہی ان کو پلا اور بڑھا رہے ہیں، ان کی ساری ضروریات کی تکمیل سمندر کی تہہ کے اندر ہو رہی ہے، جو پروردگار ہے عالمین کا، ایک عالم کا نہیں، یہ جو میں نے ساری بات ذکر کی وہ تو صرف دنیا ہے۔

یہ دنیا نقطہ کے برابر بھی نہیں

دنیا کو اگر پوری کائنات کے اندر دیکھو تو ایک چھوٹا سا نقطہ بھی نہیں ہے، دنیا تو ایک چھوٹا سا سیارہ ہے، اگر پوری کائنات کے آگے دیکھا جائے تو ایک نقطہ کے برابر بھی نہیں ہے، کتنے سیارے ہیں جو کائنات کے گرد ہر وقت گردش میں ہیں، آج کے سائنسدانوں نے جو بڑی بڑی دوربینیں ایجاد کی ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ لاکھوں نوری سال تک دیکھنے کے بعد بھی کائنات کی انتہا نہیں۔

نوری سال کا مطلب

نوری سال کی اصطلاح سائنسدانوں نے ایجاد کی، اس وجہ سے کہ فاصلوں کی گنتی ختم ہو گئی، آپ اگر کہیں کہ لاکھوں ارب اور کھرب، لیکن کھرب کے بعد تو ہمارے پاس کوئی گنتی کا راستہ نہیں، تو انہوں نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی کہ اگر روشنی کی ایک کرن سال بھر تک سفر کرے تو جتنا فاصلہ وہ سال بھر میں طے کرے گی، وہ ایک نوری سال ہوگا، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ سورج زمین سے ایک کروڑ

چھیاسی لاکھ میل دور ہے، اور وہاں سے جب سورج نکلتا ہے اور اس کی کرن جب زمین پر آتی ہے تو آٹھ سیکنڈ میں پہنچتی ہے، تو آٹھ سیکنڈ میں ایک کروڑ چھیاسی لاکھ میل طے کرتی ہے، اب اگر وہ سال بھر تک فاصلہ طے کرتی رہے تو ایک نوری سال کہلائے گا، اور کہتے ہیں کہ لاکھوں نوری سال پر کائنات پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اس کے بعد انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی دوربین جواب دے جاتی ہے، کیا کائنات ہے جو اس نے پیدا فرمائی ہے، اور وہ سب کی تخلیق کر رہا ہے، اور سب کا نظام چلا رہا ہے، سب کی پرورش کر رہا ہے، الحمدللہ رب العالمین، وہ رب ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے، یہ تو اس کی ایک آیت کا بیان ہوا۔

دوسری آیت

دوسری آیت میں فرمایا الرحمٰن الرحیم وہ باری تعالیٰ تمام جہانوں کی پرورش تو کر ہی رہا ہے، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ وہ سب پر رحم کرنے والا ہے، اور بہت رحم کرنے والا ہے، الرحمٰن الرحیم یہ دو الگ الگ لفظ قرآن کریم نے استعمال کئے، کیونکہ اردو میں کوئی اور ترجمہ ممکن نہیں، اس لئے عام طور سے ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ جو بہت مہربان ہے، نہایت رحم کرنے والا ہے، لیکن عربی زبان کے لحاظ سے دونوں کے معنی میں فرق ہے، الرحمٰن اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی رحمت بہت وسیع ہو، یعنی ہر ایک کے اوپر اس کی رحمت ہو، اس کو رحمٰن کہا جاتا ہے، اور رحیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت بہت زیادہ ہو، اور مکمل ہو، دونوں میں فرق یہ ہے، الرحمٰن میں وسعت زیادہ ہے، اور الرحیم میں گہرائی زیادہ ہے،

انگریزی میں جسے کہا جاتا کہ ایک Extensive اور ایک ہوتا ہے Intensive الرحمٰن Extensive رحمت ہے، جو تمام کائنات کو شامل ہے، اور الرحیم Intensive رحمت ہے، یعنی وہ جو مکمل رحمت ہے، بہت زیادہ رحمت ہے، یہ دونوں میں فرق ہے۔

صفت رحمٰن کا مظاہرہ

باری تعالیٰ کی صفت رحمٰن کا مظاہرہ ہوتا ہے، دنیا میں یعنی اس کی رحمت ہر ایک کو شامل ہے، یعنی وہ اپنی رحمت سے سب کو رزق دے رہا ہے، سب کی پرورش کر رہا ہے، سب کو اس نے دنیا کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا ہے، چاہے مسلمان ہو، چاہے کافر ہو، چاہے اس کا دوست ہو، چاہے اس کا دشمن، سب پر اللہ کی رحمت پھیلی ہوئی ہے، اس کی رحمت کا آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک کے قائل نہیں، وجود کا انکار کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا العیاذ باللہ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ رزق دے رہا ہے، اور خوب دے رہا ہے، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

کہ یہ زمین کی سطح اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیلا ہوا دستر خوان ہے، اور اس دستر خوان پر سب کھا رہے ہیں، چاہے اللہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، اور وہ بھی کھا رہا ہے جو دوست ہے، اور وہ بھی کھا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھا ہوا ہے،

ان کو دیکھو، کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو پروان چڑھا رہے ہیں، پرورش ان کی بھی ہو رہی ہے، صحت ان کو بھی ملی ہوئی ہے، روپیہ پیسہ بھی ان کو دیا گیا ہے، کھانے کو رزق ان کو بھی مل رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اور بہت پھیلی ہوئی ہے، وہ مسلمان پر بھی کافر پر بھی ہے، دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کافروں کو بھی دی ہیں، تو رحمٰن کے معنی ہوئے جس کی رحمت وسیع ہو۔

صفت الرحیم کا مظاہرہ

اور الرحیم کے معنی جس کی رحمت مکمل ہے، کامل ہے، بہت زیادہ ہے، اس کا مظاہرہ آخرت میں ہوگا، وہاں کافروں پر تو رحمت نہیں ہوگی، آخرت میں جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں ہوگا، لیکن جو ایمان والے ہیں ان پر مکمل رحمت ہوگی۔

دنیا میں رحمت مکمل نہیں

یہاں دنیا میں رحمت بے شک ہے، لیکن مکمل نہیں ہے، بلکہ دنیا کے اندر ہر راحت کے ساتھ تکلیف کا کانٹا لگا ہوا ہے، کوئی خوشی آتی ہے تو مکمل نہیں ہوتی، اس کے اندر بھی کوئی نہ کوئی رنج کا کانٹا لگا ہوا ہوتا ہے، کوئی راحت ملتی ہے تو وہ راحت مکمل نہیں ہوتی، اس کے اندر بھی کوئی نہ کوئی تکلیف کا شائبہ ہوتا ہے، کوئی بڑے سے بڑا حکمران، بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا ڈکٹیٹر، بڑے سے بڑا سرمایہ دار یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ مجھے راحت ہی راحت میسر ہے، بلکہ یہاں تکلیف بھی آتی ہے، پریشانی بھی آتی ہے، غم بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہی ایسی ہے۔

تین عالم

خوب سمجھ لیجئے! اللہ تعالیٰ نے تین عالم پیدا کئے ہیں، ایک عالم وہ ہے جس میں خوشی ہی خوشی ہے، راحت ہی راحت ہے، آرام ہی آرام ہے، جہاں تکلیف کا گزر نہیں، غم کا گزر نہیں، اور وہ ہے جنت، اور ایک عالم وہ ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، اللہ بچائے صدمہ ہی صدمہ ہے، عذاب ہی عذاب ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے (آمین) اور وہ ہے دوزخ، اور تیسرا عالم وہ ہے جس میں دونوں چیزیں ملی جلی ہیں، تکلیف بھی ہے، راحت بھی ہے، خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، یہ دنیا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، سب پر چھائی ہوئی ہے، لیکن مکمل نہیں، بلکہ کوئی نہ کوئی تکلیف کا کانٹا ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت ہے، کوئی بھی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں، بڑے سے بڑا دولت مند لے لو، جس کے پاس دنیا کی آسائش کے سارے سامان مہیا ہیں، اس سے پوچھو کہ کیا راحت کے علاوہ کبھی کوئی تکلیف بھی پہنچی یا نہیں پہنچی؟ تو جواب میں وہ بے شمار دکھڑے روئے گا کہ مجھے فلاں تکلیف ہے، اور فلاں پریشانی ہے، تو نہ راحت مکمل ہے، نہ تکلیف مکمل ہے، چونکہ یہ دنیا ہے، اس میں تکلیفیں بھی آتیں ہیں، اس میں غم اور صدمے بھی آتے ہیں، اس واسطے یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع تو ہے، لیکن مکمل نہیں، مکمل وہاں ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ملے گا جنت میں جانے والوں کو کہ آج کے بعد تم پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی صدمہ ہوگا، لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کہ آج کے بعد تمہیں نہ کوئی اندیشہ اور نہ کوئی غم ہوگا۔

دنیا میں دھڑکہ اور اندیشہ

دیکھو! اگر دنیا میں آپ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہوں، اور بہت لذیذ کھانا آپ کے سامنے ہو، اور بھوک بھی لگی ہوئی ہو، اور آپ کھانا کھا رہے ہوں، لذت لے رہے ہوں، لیکن ساتھ ساتھ دل میں ایک خدشہ ضرور لگا ہوا ہے کہ کہیں بدہضمی نہ ہو جائے، پیٹ خراب نہ ہو جائے، یہ دھڑکہ ضرور لگا ہوا ہے، اور اسی وجہ سے ایک حد میں جا کر دل بھر جائے گا، اور نہیں کھایا جائے گا، اگر اور کھاؤ گے تو پیٹ خراب ہو جائے گا، یہ دھڑکہ لگا ہوا ہے، لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہوں گی، ان سے نہ بدہضمی کا اندیشہ ہوگا، نہ پیٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہوگا، نہ موت کا اندیشہ ہوگا، اس کے اندر کوئی تکلیف کا شائبہ نہیں، اس کے اندر کوئی رنج و غم اور صدمہ کا شائبہ نہیں، لہٰذا وہاں جو راحت ہے وہ مکمل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عطا فرمائے (آمین) تو یہ رحمت ہے مکمل، وہ رحمٰن بھی ہے، اس کی رحمت بہت وسیع ہے، پھیلی ہوئی ہے، اور رحیم بھی ہے، اس کی رحمت بڑی مکمل ہے، اسی لئے بزرگوں نے باری تعالیٰ کے بارے میں فرمایا "رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَرَحِیْمَ الْاٰخِرَۃِ" دنیا میں وہ رحمٰن ہے، اور آخرت میں وہ رحیم ہے، اس کی رحمت مکمل ہے، یہ دو صفتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کی ایک آیت الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں بیان فرمائیں، اور اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ باری تعالیٰ کی اصل صفت رحمت ہے۔

رحمت غصہ پر غالب ہے

اور ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ

کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ:

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے، یعنی رحمت زیادہ ہے تو اصل صفت اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت کرنے والا ہے، ہاں بندے اگر نافرمانی کی روش اختیار کرلیں، بندے بندہ بننے سے انکار کردیں، بندے اللہ کی رحمت قبول کرنے سے انکار کردیں، تو پھر باری تعالیٰ ان کو سزا بھی دیتے ہیں، دیکھو! کتنے پیار سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ (النساء:۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزار رہو، اور ایمان لاؤ۔ کیا اللہ تعالیٰ کو مزہ آتا ہے تمہیں عذاب دینے میں؟ یہ اللہ تعالیٰ نے کتنے پیار سے فرمایا کہ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ؟ یہ بتلانا منظور ہے کہ ہماری اصل صفت رحمت ہے اپنے بندوں کے اوپر، اور باری تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کو نوازنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے، غضب اس وقت آتا ہے جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نافرمان بن جائے، نافرمانی کی روش اختیار کرلے۔

غلطی ہوگئی ہے تو توبہ کرلو

باری تعالیٰ تو یہ کہتے ہیں کہ خدا کے بندو! اگر تم سے غلطی بھی ہوگئی ہے، گناہ بھی ہوگئے ہیں، تو آجاؤ ہمارے پاس، نادم ہوکر آجاؤ، شرمسار ہوکر آجاؤ، اور توبہ کرلو، مغفرت مانگ لو، تو تمہارے گناہوں کو بھی معاف کردوں گا۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا. (الزمر:۵۳)

کیسے پیار سے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقین رکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔

لیکن آؤ تو سہی ہمارے پاس، ایک مرتبہ بندے بن کر آؤ تو سہی، توبہ تو کرو، ندامت کا کچھ اظہار تو کرو کہ یا اللہ غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے، تو ہم تمہارے لئے تمہارے گناہ بھی معاف کرنے کو تیار ہیں، تمہاری خطائیں معاف کرنے کو تیار ہیں، ہماری رحمت تو اتنی بڑی ہے، ستر سال انسان نے گناہوں میں گزارے ہوں، کوئی نیکی کا کام نہ کیا ہو، لیکن اس کے بعد ہوش آجائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور آکر کہہ دے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ. اور سچے دل سے توبہ کرلے اور پھر آئندہ اپنی اصلاح کا عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے ستر سال کے گناہ بھی معاف کر دوں گا۔

گناہوں پر اصرار مت کرو

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۱۳۵)

اگر ان سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہوگیا، یا انہوں نے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر کوئی ظلم کرلیا، پھر بعد میں اللہ کو یاد کرلیا، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی، اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے گناہوں کو معاف کرے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ کر گزرے ہیں اس پر اصرار نہ کریں کہ ہاں ہم نے ٹھیک کیا، جانتے بوجھتے اس کے اوپر اصرار نہ کریں، بلکہ نادم ہوکر، شرمسار ہوکر، ہماری بارگاہ میں آجائیں، تو ہم سب معاف کردیتے ہیں، دیکھو! کتنے پیار سے باری تعالیٰ بلا رہے ہیں، قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ یہ بتلا رہے ہیں کہ میری اصل صفت تو رحمت کی صفت ہے، جو غالب ہے میرے غضب کے اوپر، لہٰذا ناامید نہ ہو، اور جب بھی ہوش آجائے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد آجائے تو آجاؤ میرے پاس، مجھ سے معافی مانگ لو، استغفار کرلو، توبہ کرلو، آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کا عزم کرلو، تو میں تمہیں معاف کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی اصل صفت رحمت ہے

تو سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے بعد پہلا لفظ جو استعمال کیا، وہ رحمت کی صفت کا ہے۔ اور دیکھو تو پوری سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک صفت تو رب العالمین بیان فرمائی، ایک رحمٰن ایک رحیم اور آگے مالک یوم الدین، لیکن کہیں کوئی غصہ والی صفت نہیں بیان فرمائی، غضب والی صفت بیان نہیں کی، اس اس واسطے کہ غضب تو ایک ایسی صفت ہے جس کا مظاہرہ باری تعالیٰ بہت کم فرماتے ہیں، ورنہ اصل صفت باری تعالیٰ کی رحمت کی صفت ہے، تو سورۃ الفاتحہ میں اس

صفت کا ذکر کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ خدا کے لئے میری اس رحمت کی صفت سے فائدہ اٹھالو، اور فائدہ اٹھانے کا راستہ یہی ہے کہ میرے پاس شکر گزار بندے بن کر آؤ، اگر غلطی بھی ہوگئی ہے تو ہم جانتے ہیں تم انسان ہو، بشر ہو، غلطیوں کا پتلا ہو، غلطیاں تم سے ہوں گی، یہ بھی ہم جانتے ہیں، لیکن اس غلطی کا تریاق ہم نے تمہیں عطا کر رکھا ہے کہ جب کبھی غلطی ہو جائے تو اس پر سینہ تان کر سینہ زوری نہ کرو، اس پر اصرار نہ کرو، اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ نادم ہو کر میری بارگاہ میں آجاؤ کہ یا اللہ غلطی ہوگئی، مجھے معاف فرمادیں، جس وقت یہ کرلو گے اسی وقت معاف فرمادیں گے، یہ تریاق میں نے تم کو عطا کر رکھا ہے، بہر حال! الرحمٰن الرحیم میں رحمت کی صفت کا ذکر کر کے ایک تو اس طرف توجہ دلائی کہ اے میرے بندو! میری رحمت سے فائدہ اٹھاؤ۔

دوسروں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو

دوسری بات جو اس سے نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن ہیں، رحیم ہیں، اس کی اصل صفت رحمت کی صفت ہے، تو ہم بندوں سے بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں، ظلم کا معاملہ نہ کریں، حق تلفیاں نہ کریں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں، دیکھئے! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث پڑھانے والے محدثین اساتذہ کا صدیوں سے معمول رہا ہے کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس حدیث پڑھنے جاتا تو سب سے پہلے وہ ان کو یہ حدیث سنایا کرتے تھے، اسی لئے اس حدیث کو مسلسل بالاوّلیت

کہا جاتا ہے، اس میں تسلسل یہ قائم ہے کہ جب بھی کوئی شاگرد اپنے استاد کے پاس حدیث پڑھنے گیا تو سب سے پہلے یہ حدیث اس کو سناتے تھے، وہ کیا حدیث ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.

''جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں، ان پر رحمٰن رحم کرتا ہے، زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔

سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ جب ہم رحمٰن ہیں، ہم رحیم ہیں، تمہارے ساتھ قدم قدم پر رحمت کا معاملہ کرتے ہیں، تمہارا سارا وجود سر سے لے کر پاؤں تک ہماری رحمت کا مظہر ہے، تو پھر ہماری دوسری مخلوق کے ساتھ بھی تو رحمت کا برتاؤ کرو، ہماری دوسری مخلوق کے ساتھ بھی پیار و محبت کا معاملہ کرو، ظلم کا، سنگ دلی کا معاملہ مت کرو، رحم کا برتاؤ کرو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق پر رحم کرنا اتنا پسند ہے کہ کئی واقعات حدیث میں ایسے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس بناء پر کسی انسان کی مغفرت فرما دی کہ اس نے اللہ کی کسی مخلوق پر رحم کیا۔

ہمارے لئے تین پیغام تین سبق

تو بھئی سورۃ الفاتحہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کی صفت بیان فرمائی، اس سے تین باتیں ہمارے لئے سبق کی نکلتی ہیں، ایک

یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے، جو غالب ہے اس کے غضب پر،
دوسری یہ کہ بندوں کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ جب ہم رحمٰن اور رحیم ہیں تو ہماری
رحمت سے فائدہ اٹھاؤ، اور اپنی غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرلو، استغفار کرلو،
معافی مانگ لو، آئندہ اپنے آپ کی اصلاح کرنے کا عزم کرلو، پھر غلطی ہوجائے
نادانی میں تو پھر آجاؤ، پھر توبہ کرلو، پھر غلطی ہوجائے تو پھر توبہ کرلو۔

باز آ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ

گر کافر وگبر و بت پرستی بازآ

ایں درگہ مادر گہ ناامیدی نیست

صد بار گر توبہ شکستی بازآ

”آجاؤ واپس آجاؤ، ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے، سو مرتبہ بھی
توبہ توڑ چکے ہو تو پھر آجاؤ ہمارے پاس، پھر بھی ہم تمہاری توبہ قبول کرنے کو تیار
ہیں“ اور تیسرا پیغام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے والے ہیں تو میرے
بندو! تم بھی اپنے ساتھیوں پر اور دوسری مخلوق پر رحم کرکے دکھاؤ، مخلوق پر جتنا رحم
کروگے تو اتنا رحمٰن تم پر رحم کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ان
باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے......آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تفسیر سورۃ الفاتحہ

(۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

عدنان ضمیر مرزا

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب: جامع مسجد بیت المکرم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب: قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات: جلد نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، و نحن علی ذالك من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تین آیات میں تین صفات

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے،

درمیان میں میرے سفروں کی وجہ سے ناغے ہوتے رہے، اس سے پہلے جو بیان ہوئے تھے، وہ سورۃ الفاتحہ کی دو آیتوں کی تشریح پر ہوئے تھے، الحمد للہ رب العالمین، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا'' یہ پہلی آیت ہے، اور دوسری آیت ہے، الرحمن الرحیم ''وہ رحمٰن ہے یعنی بڑی رحمت والا ہے، جس کی رحمت سب کو عام ہے، اور وہ رحیم ہے، جس کی رحمت بہت کامل ہے، پھر آگے تیسری آیت میں فرمایا، مالک یوم الدین ''جو مالک ہے روزِ جزاء کا، ان تین آیتوں میں تین صفتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی آیت میں فرمایا کہ وہ رب العالمین ہے، دوسری آیت میں فرمایا کہ بہت رحم والا ہے، اور تیسری آیت میں فرمایا کہ روزِ جزاء کا مالک ہے، وہ دن جس میں سب انسان محشر میں اکٹھے ہوں گے، اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

تین بنیادی عقیدے

ان تین آیتوں میں باری تعالیٰ نے درحقیقت اسلام کے تین بنیادی عقیدوں کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کی دلیل بیان فرمائی، اسلام کے تین بنیادی عقائد کیا ہیں؟ ایک ہے توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، اور ایک جاننا، دوسرا ہے رسالت یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں، اور ان کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہوا، آپ آخری نبی تھے، اور انسانوں کے ذمے واجب ہے کہ وہ ان پیغمبروں کی بات مانیں، ان کو پیغمبر مانیں، یہ دوسرا عقیدہ ہے، اور تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، جس میں ہر

انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، یہ تین بنیادی عقیدے ہیں اسلام کے، (۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت۔

پہلی آیت میں عقیدہ توحید

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفت بیان فرمائی گئی کہ وہ رب العالمین ہے، وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، پوری کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے، تو یہ باری تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے، یعنی وہ ذات جو قادر مطلق ہے، جس کی قدرت اتنی بڑی ہے، کہ پوری کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، اس کو اپنی خدائی میں کسی اور کے شریک کرنے کی حاجت نہیں، اس کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ کوئی دوسرا اس کی مدد کرے، لہٰذا خدا ہے تو ایک ہی ہے، جب تم نے خدا مان لیا، اور یہ تسلیم کر لیا کہ یہ کائنات خدا کی پیدا کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، وہی اس کائنات کا نظام چلا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد کسی اور کو خدا ماننا اور کسی اور کی عبادت کرنا یہ بالکل عقل کے خلاف بات ہے، تو رب العالمین کی صفت بیان فرما کر دلیل دی گئی ہے توحید کی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی، جو ایک ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

دوسری آیت میں رسالت کی دلیل

دوسری آیت الرحمٰن الرحیم ہے، اس میں اگر غور کیا جائے تو اس کے معنی تو وہی ہیں جو میں نے پچھلے بیان میں بیان کئے تھے، اور وہ مسائل بھی اس سے نکلتے ہیں جو میں نے پہلے بیان کئے تھے، اس کے ساتھ ساتھ رسالت کے عقیدے کی بھی

ایک دلیل ہے، وہ اس طرح کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسانوں کے اوپر بے شمار ہیں، انسان کو وجود اس نے دیا، انسان کو دیکھنے، ہنسنے، بولنے کی طاقت اس نے دی، چلنے، پھرنے کی طاقت اس نے عطا فرمائی، صحت اس نے عطا فرمائی، رزق اس نے عطا فرمایا، نہ جانے کتنی نعمتیں ہیں جن کو انسان شمار نہیں کر سکتا، لیکن انسانیت پر سب سے زیادہ اہم اور ضروری رحمت یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں بھیج رہا ہے تو اس کو اندھیرے میں نہ چھوڑے، دنیا میں بھیجنے کے بعد اس کو اس بات سے ناواقف نہ رکھے کہ دنیا میں اس کو کس طرح زندہ رہنا ہے، کون سے کام کرنے ہیں، کون سے کام نہیں کرنے، اگر اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں تو بھیج دیتا اور انبیاء کا سلسلہ ایسا جاری نہیں کرتا کہ جس سے اس کو یہ پتہ چلے کہ اس دنیا میں رہ کر اس کو کون سے کام کرنے ہیں، اور کون سے نہیں کرنے، کون سی چیز اچھی ہے، اور کون سی بری ہے، اور کون سے کام وہ ہیں، جو میرے مالک کو خوش کریں گے، اور کون سے کام ایسے ہیں جو اس کو ناراض کریں گے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو یہ بات اس کی رحمت سے منافی تھی، اس کی رحمت کے شایانِ شان نہیں تھی، جب وہ رحمٰن ہے اور رحیم ہے تو ممکن نہیں تھا کہ وہ انسان کو دنیا میں بھیج دے اور اس کو یہ نہ بتائے کہ دنیا میں کس طرح رہنا ہے؟ کیا کرنا ہے، اور کیا نہیں کرنا ہے؟ لہٰذا باری تعالیٰ کی رحمت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری کا سلسلہ جاری فرمائیں، اپنی اس رحمت سے پیغمبر بھیجیں، اور ان پر وحی نازل کریں، اس وحی کے ذریعہ پیغمبر کو یہ بتائیں اور پیغمبر دنیا کو یہ بتائے کہ کون سا کام جائز ہے، اور کون

سا نا جائز ہے، کون سا کام اچھا ہے، کون سا برا ہے، اور اس دنیا میں رہنے کے لئے اس کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

علم کے حصول کے تین ذرائع

دیکھئے! جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو بھیجا تو اس میں اس کو ہر ہر قدم پر علم کی حاجت تھی کہ وہ جانے کہ کیا چیز میرے حق میں مفید ہے، اور کون سے مضر؟ کیا اچھی ہے، کیا بری ہے، کون سی چیز کا کیا مصرف ہے، یہ سارا علم حاصل ہوئے بغیر انسان دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتا تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کرنے کے لئے تین مختلف ذرائع عطا فرمائے۔

پہلا ذریعہ علم: حواس خمسہ

ایک ذریعہ دیا ہمارے حواس، آنکھیں، کان، زبان، ناک اور ہاتھ پاؤں، بہت سی چیزوں کا علم آنکھوں سے دیکھ کر حاصل کر لیتے ہیں، آنکھوں سے نظر آ رہا ہے کہ سامنے جو چیز ہے وہ ایک درخت ہے، تو اس کے درخت ہونے کا علم ہم نے اپنی آنکھ سے حاصل کیا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا علم ہم اپنی کانوں سے حاصل کر رہے ہیں، کوئی آواز سنی تو پتہ چل گیا کہ یہ آواز کس کی ہے، اور کیسی ہے، دھماکہ ہوا، اگرچہ آنکھوں سے تو نظر نہیں آ رہا، لیکن پتہ چل گیا کہ دھماکہ ہوا ہے، کسی نے کوئی ایسی چیز چھوڑی ہے جو ہلاکت والی ہے، کانوں سے پتہ چل گیا، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم زبان سے چکھ کر معلوم کرتے ہیں، کھانا سامنے آیا، زبان پر رکھا تو پتہ چلا کہ یہ کھٹا ہے یا میٹھا ہے یا نمکین ہے، تو یہ علم ہمیں زبان سے حاصل ہو

رہا ہے، بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہاتھ سے چھو کر معلوم کرتے ہیں، یہ جائے نماز ہے، اس کو ہاتھ چھوا تو معلوم ہوا کہ کوئی نرم مادہ سے بنی ہوئی ہے، ملائم ہے، تو بہت سی چیزیں ہاتھ سے معلوم ہو جاتی ہیں، بہر حال! بہت سی چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ ہمیں عطا کرتے ہیں اپنی آنکھ سے، اپنے کان، اپنی زبان سے، اور اپنے ہاتھ سے، بعض کا علم حاصل کرتے ہیں ہم ناک سے، ناک سے کس طرح کہ کوئی پھول دیکھا، سونگھا، اس کی خوشبو معلوم ہو گئی کہ یہ خوشبو دار ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا علم آنکھ سے حاصل ہو رہا ہے، کسی کا ناک سے کسی کا کان سے، کسی کا زبان سے حاصل ہو رہا ہے، اور کسی کا چھو کر حاصل ہو رہا ہے۔

حواس خمسہ کا دائرہ محدود ہے

لیکن ایک جگہ آتی ہے کہ اس موقع پر یہ پانچوں حواس ہمیں علم دینے سے قاصر ہیں، تو اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور چیز عطا فرمائی، وہ ہے انسان کی عقل، وہ اپنی عقل سے سوچتا ہے، عقل اس کو بتاتی ہے، عقل علم عطا کرتی ہے، لیکن ان سب حواس کا ایک دائرہ ہے، جس میں وہ کام کرتی ہیں، اس سے آگے بڑھ کر وہ کام نہیں کرتیں، آنکھ جو ہے وہ دیکھ تو سکتی ہے، سن نہیں سکتی، کان سن تو سکتے ہیں، دیکھ نہیں سکتے، اگر کوئی شخص آنکھ بند کر لے، اور یہ چاہے کہ میں اپنے کانوں سے کوئی چیز دیکھ لوں تو دیکھ نہیں سکتا، کوئی چاہے کہ میں کان بند کر لوں اور آنکھ سے سنوں تو آواز نہیں سن سکتا، غرض ہر ایک کا الگ الگ دائرہ ہے، اسی طرح عقل کا بھی ایک الگ دائرہ ہے، وہ عقل اس جگہ کام دیتی ہے جہاں پر حواس کام نہیں

دیتے، تو وہاں پر اللہ تعالیٰ نے عقل استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے، مثلاً اس کی آسان مثال یہ ہے کہ یہ مائکروفون ہے، میں نے آنکھ سے دیکھا تو پتہ چل گیا، اس کا رنگ کالا ہے، ہاتھ سے چھوا تو پتہ کہ سخت ہے، پلاسٹک کا بنا ہوا ہے، اور میں اپنی زبان سے جب بولا تو آواز دور تک گئی تو کان سے پتہ چلا کہ یہ آواز دور تک پہنچاتا ہے، تو یہ تینوں باتیں مجھے اپنی آنکھ سے، ہاتھ سے کان سے معلوم ہوگئیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مائکروفون کہاں سے آیا؟ تو جس شخص نے اس کو بنایا نہ تو وہ میری آنکھ کے سامنے ہے کہ میں اسے دیکھ سکوں، نہ اس کی آواز میں سن رہا ہوں، کہ آواز سن کر میں پہچان سکوں کہ یہ کس کا بنایا ہوا ہے؟ نہ وہ میرے قریب موجود ہے کہ ہاتھ سے چھوکر اس کا پتہ لگا سکوں، تو اب یہ سوال کہ کس نے بنایا؟ نہ میری آنکھ جواب دے رہی ہے، نہ میرے کان جواب دے رہے ہیں، نہ میرا ہاتھ جواب دے رہا ہے کہ کس نے بنایا؟

دوسرا ذریعہ علم: عقل

یہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور چیز دی ہے، اور وہ ہے عقل، عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ آلہ جو کہ بڑا مہنگا ہے، اس کو بڑے خاص طریقے سے بنایا گیا ہے، اس سے آواز دور تک پہنچتی ہے، یہ خود بخود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً کسی ماہر کاریگر نے اس کو بنایا ہے، اور وہ ماہر کاریگر میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس ماہر کاریگر کو میں دیکھ نہیں رہا، اس کو میں چھو نہیں رہا، لیکن یقینی طور پر میں کہہ سکتا ہوں پورے یقین کے ساتھ کہ اس کو کسی ماہر کاریگر نے بنایا ہے، یہ مجھے کہاں سے پتہ چلا کہ ماہر

کاریگر نے بنایا ہے؟ یہ میری عقل نے بتایا، جہاں میرے یہ حواس آنکھ، ناک، کان اور ہاتھ کام نہیں کررہے تھے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا ذریعہ علم عطا فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ کسی ماہر کاریگر کا بنایا ہوا ہے، یہ علم مجھے کس نے عطا کیا؟ یہ میری عقل نے عطا کیا، اللہ تعالیٰ نے وہ عقل عطا فرمائی ہے انسان کو جو اس نتیجے تک پہنچاتی ہے، لیکن جس طرح آنکھ کا کام غیر محدود نہیں، ایک حد پر جا کر رُک جاتا ہے، کان کا کام غیر محدود نہیں، ایک حد پر جا کر وہ رُک جاتا ہے، اسی طرح میری عقل کا کام بھی غیر محدود نہیں، ایک جگہ ایسی آتی ہے کہ عقل بھی جواب نہیں دے سکتی کہ وہ کیا ہے؟ مثلاً اسی کو سوچو کہ میں نے اپنی آنکھ، کان اور ہاتھ سے تو معلوم کرلیا کہ یہ آلہ ہے جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے، اور یہ مائیکروفون ہے، اور عقل سے یہ معلوم کرلیا کہ کسی ماہر کاریگر نے بنایا ہے، لیکن اس آلہ کا کون سا استعمال جائز ہے؟ کون سا ناجائز ہے؟ کون سا اچھا ہے؟ کون سا برا ہے؟ کس سے فائدہ ہوگا؟ کس سے نقصان ہوگا؟ یہ سوال جب میرے سامنے آیا تو نہ میری آنکھ اس کا جواب دے سکتی ہے، نہ کان دے سکتا ہے، نہ زبان دے سکتی ہے، نہ ہاتھ دے سکتے ہیں، اور نہ عقل دے سکتی ہے، کیونکہ عقل ہر ایک آدمی کی مختلف ہے، کوئی کہے گا کہ بہت اچھی بات ہے اگر اس میں گانے سنائیں جائیں، لوگ بہت خوش ہوں گے، ایک آدمی کی عقل یہ کہہ رہی ہے، دوسرے آدمی کی عقل یہ کہہ رہی ہے کہ نہیں صاحب اگر اس میں گانے لگائے جائیں گے تو لوگوں کے اخلاق خراب ہوں گے، تو آدمیوں کی عقلیں مختلف ہیں، تو عقل جا کر وہاں Confuse ہوگئی، کسی کی عقل کچھ کہہ رہی ہے، کسی کی

عقل کچھ کہہ رہی ہے، تو عقل مجھے کوئی حتمی جواب نہیں دے پاتی، کوئی یقینی جواب نہیں دے پاتی، ایسی جگہ جہاں حواس بھی کام چھوڑ دے، عقل نے بھی جواب دینا بند کر دیا، یا اس نے Confuse کرنا شروع کر دیا، اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔

تیسرا ذریعہ علم: وحی الٰہی

اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے تیسرا ذریعہ علم انسان کو عطا فرمایا ہے، اس کا نام وحی الٰہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ کون سا کام اچھا ہے، اور کون سا برا ہے، کون سا جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے، وحی بھیجنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کچھ برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا، اور ہر انسان کے پاس وحی آتی تو ہر انسان اس کا متحمل نہیں تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے پیدا فرمائے اور ان کے اوپر وحی نازل فرمائی، جو انسان کو بتاتی ہے کہ کون سا کام اچھا ہے، کون سا برا ہے، کون سا جائز ہے، کون سا ناجائز ہے، کون سا حلال ہے اور کون سا حرام ہے، ان برگزیدہ بندوں کا نام ہے اللہ کے پیغمبر، اللہ کے رسول، اور ان پر جو احکام نازل ہوتے ہیں، ان کا نام ہے وحی الٰہی۔

وحی الٰہی اللہ کے اختیار میں ہے

اس وحی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رحمت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ ہماری رحمت ہے، فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (الزخرف: ۳۲)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان

فرمایا اور قرآن کریم لوگوں کو سکھانا شروع کیا کہ یہ میرے پاس وحی کے ذریعہ اللہ کا کلام آرہا ہے، تو بعض نادانوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر وحی اللہ تعالیٰ کو نازل کرنی تھی تو کسی بڑے دولت مند انسان پر نازل کردیتے، کسی بڑے سردار پر کردیتے، ہمارے علاقے میں دو بڑے بڑے شہر ہیں، مکہ ہے، طائف ہے، اس وقت یہ دو بڑے شہر تھے، وہاں پر کسی سردار کے اوپر نازل کردیتے یہ کیا بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کردی قرآن نے اس کے جواب میں فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (الزخرف:۳۲)

''کیا ان کے کنٹرول اور اختیار میں ہے کہ اللہ کی رحمت کس کو دی جائے اور کس کو نہ دی جائے؟ کیا اپنے پروردگار کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟''

رحمت سے مراد یہاں پر ''وحی'' ہے، کیا یہ طے کریں گے کہ کس پر وحی نازل ہو اور کس پر نہ ہو؟ اگر انسان کے ہاتھ میں یہ نظام دے دیا جائے کہ بھئی تم طے کرو کہ کس پر وحی نازل ہو؟ تو یہ انسان تو ایسے ہیں کہ ان کے دل میں خواہشات نفس ہیں، یہ کہیں اپنی قبائلی عصبیت کی بنیاد پر کہہ دیں گے کہ فلاں شخص صحیح ہے، فلاں شخص صحیح نہیں۔

انسانوں کی رائے کا اختلاف

دیکھ لو کہ اگر اسمبلی کا ممبر ہی بنانا ہو تو کتنا اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے، ایک کہہ رہا ہے کہ اس کو بناؤ، دوسرا کہہ رہا ہے کہ اس کو بناؤ، تیسرا کہہ رہا ہے کہ میں اچھا ہوں، چوتھا کہہ رہا ہے کہ میں اچھا ہوں، اگر انسانوں کے قبضے میں دیدیا جاتا کہ تم

فیصلہ کرو کہ کس پر وحی نازل ہو؟ بتاؤ متفقہ طور پر انسان یہ کہہ سکتے تھے، تو فرماتے ہیں

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الزخرف:۳۲)

کیا تمہارے پروردگار کی رحمت کو وہ تقسیم کریں گے؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ دنیا کا رزق بھی تقسیم کرنے کے لائق نہیں، جب رزق تقسیم کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس میں نہ جانے کتنے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں، کہیں اقربا نوازی پیدا ہو جاتی ہے، کہیں کرپشن آجاتی ہے، کہیں کچھ آجاتا ہے، تو جب دنیا کے رزق تقسیم کرنے کے لائق نہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وحی کو کیسے تقسیم کریں گے؟ وہ فیصلہ تو پروردگار ہی کرتا ہے کہ کس پر وحی نازل کی جائے، تو قرآن کریم نے یہاں ''رحمۃ ربك'' سے مراد لیا ہے وحی الٰہی، رسالت پیغمبر۔

پیغمبروں کا سلسلہ رحمت ہے

''الرحمٰن الرحیم'' سورۃ الفاتحہ میں جو آرہا ہے کہ یہ وہ ذات ہے جو رحمت کرنے والی ہے اپنی بندوں پر، رحمت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو صحیح اور غلط بتانے کے لئے، اچھا اور برا بتانے کے لئے، حلال و حرام بتانے کے لئے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کرے، لہٰذا الرحمٰن الرحیم ہونے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس نے اس کائنات کو چلانے کے لئے اور انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے، اور پیغمبروں پر یقین کرنا اور ان کی بات کو ماننا یہ انسان کے لئے ضروری ہے، لہٰذا الرحمٰن الرحیم کی صفت سے باری تعالیٰ نے اسلام کے دوسرے عقیدے یعنی

رسالت اور پیغمبری کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

انسانوں کی دو قسمیں

اب کیا ہوا؟ پیغمبر آگئے اور انہوں نے لوگوں کو بتادیا، دیکھو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، یہ ظلم ہے اور یہ انصاف ہے، یہ اچھا ہے اور یہ برا ہے، یہ سب باتیں پیغمبروں نے بتادیں، اب کسی نے اس پر عمل کیا، کسی نے نہیں کیا، کوئی ان کی بات مان کر نیکی کر رہا ہے، اس نے اپنے اوپر پابندی عائد کی ہوئی ہے کہ میں تو وہی کام کروں گا جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، اور اللہ کے پیغمبروں نے مجھے حکم دیا ہے، اس سے باہر نہیں جاؤں گا، ایک آدمی یہ ہے۔

دوسرا انسان

دوسرا آدمی وہ ہے جو غفلت کے عالم میں، بے پرواہی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے، اس کو فکر ہی نہیں ہے کہ کیا حلال ہے، اور کیا حرام ہے، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے، کیا ظلم ہے اور کیا انصاف ہے، وہ لوگوں پر بے دھڑک ظلم بھی کرتا ہے، وہ قتل و غارت گری بھی مچا رہا ہے، وہ لوگوں کا مال بھی لوٹ رہا ہے، لوگوں کی بے آبروئی بھی کر رہا ہے، خدا کی نافرمانی پر تلا ہوا ہے، دنیا میں دونوں قسم کے آدمی ہیں، اگر وہ بھی زندہ رہ کے مرجائے، اور وہ بھی زندہ رہ کے مرجائے، اور پھر حساب ہو نہیں، نیک آدمی کو کوئی صلہ نہ دیا جائے، کوئی انعام نہ دیا جائے کہ تو نے بڑا اچھا کام کیا کہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھا، حلال طریقے سے زندگی گزاری، جائز طریقے سے گزاری، اور ناجائز طریقوں سے تو نے پرہیز کیا،

اس پر اس کو کوئی انعام نہ ملے، اور جو آدمی بے دھڑک نافرمانی کر رہا ہے، لوگوں پر ظلم کر رہا ہے، لوگوں سے مال چھین رہا ہے، ڈاکے ڈال رہا ہے، اس کو کچھ سزا نہ ملے تو کیا یہ باری تعالیٰ کی رحمت کا تقاضہ ہے؟ کہ وہ اچھے اور برے کو سب کو ایک لاٹھی سے ہانک دے، دیکھئے! کتنے ڈاکے پڑ رہے ہیں، ایک آدمی جو بیچارہ نیک ہے، پرہیزگار ہے، جائز اور حلال طریقے سے کما رہا ہے، اور بیچارہ مشکل سے اپنی زندگی گزار رہا ہے، راستے میں جاتا ہے، اور کوئی آدمی اس کا گن پوائنٹ کے اوپر مال چھین لیتا ہے، وہ چھین کر بھاگ گیا، کتنے واقعات ہوتے ہیں پولیس کسی مجرم کو پکڑتی بھی نہیں، اور کسی کو سزا بھی نہیں دیتی۔

روز جزاء کا ہونا رحمت کا تقاضہ ہے

اگر وہ بھی اپنا اللے تللے کر کے مر جائے، اور یہ بیچارہ اپنا مال چھن جانے کے باوجود پھر حلال طریقہ سے کمانے کی فکر میں رہے کہ میں حرام طریقوں سے نہیں کماؤں گا، اور مشکل کے ساتھ تنگی کے ساتھ زندگی گزار کر یہ بھی مر جائے، اور انصاف دونوں کا نہیں ہو، نہ اس کو انعام ملے، اور نہ اس کو سزا ملے، تو کیا اللہ کے انصاف کا یہ تقاضہ ہے، اللہ کی رحمت کا یہ تقاضہ ہے کہ نیک اور بد کو برابر کر دیں، جب یہ بات ہے تو اللہ ہی کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نیک آدمی کو انعام دے، اور بد آدمی کو سزا دے، تو لازماً یہ ضروری ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہئے جس میں نیک اور بد کا فیصلہ کیا جائے، تو اب یہ آیت کہہ رہی ہے، مالک یوم الدین وہ رحمٰن و رحیم ہے، اور رحمٰن و رحیم ہونے کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایک دن ایسا آئے، جس

میں نیکوں کو انعام ملے، اور بروں کا سزا ملے، وہ اس دن کا مالک ہے۔

تیسری آیت میں آخرت کی طرف توجہ

اسی طرح تیسری آیت میں ہمیں آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جب باری تعالٰی نے اپنی رحمت سے تمہیں حلال وحرام بتایا، اچھا اور برا بتایا، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اس پر عمل کرو، کیونکہ آخرت کے اندر تمہیں اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے مالک یوم الدین اللہ تعالٰی مالک ہے اس روز جزاء کے دن کا، یہ ہے ان تین آیتوں کی ترتیب، قرآن کریم کا خلاصہ ہے سورۃ الفاتحہ، لہٰذا اسلام کے جو بنیادی عقائد ہیں، ان کا پہلی تین آیتوں میں اشارہ کردیا گیا، توحید، رسالت اور آخرت، اللہ تعالٰی ہم سب کو ان عقیدوں کو صحیح طریقے سے جاننے ماننے اور سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

فقہی مقالات

(مکمل ۶؍جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے مقالات پر مشتمل مقبول ترین کتاب

قیمت =/ روپے

اصلاحی مجالس

(۷؍جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کی مجالس پر مشتمل اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب

قیمت : =/ روپے

خطباتِ عثمانی

(۴ر جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے خطبات کا دوسرا مجموعہ:

عام ایڈیشن : =/ روپے

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

جلد ۱۸

- یہ دنیا آخری منزل نہیں
- اللہ کا حکم سب سے مقدم ہے
- صرف اللہ سے مانگو
- اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ
- شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں
- سجدہ کسی اور کے لئے جائز نہیں
- صراط مستقیم حاصل کرنیکا طریقہ
- حاسد سے پناہ مانگو
- حسد کا علاج
- خیالات اور وہم کا علاج
- جادو اور آسیب کا علاج
- افضل صدقہ کونسا؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

جلد/ 18

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبد اللہ میمن
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ اشاعت	:	2015ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
جلد	:	18
قیمت	:	/= روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی۔
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ و کفی، و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے، اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب پانچ سو تک ہوگئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا، اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع

کرر ہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، انکی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

ان کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت و چہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذریعہ آخرت ثابت ہوں، اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطابت کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرض ناشر

الحمدللہ ''اصلاحی خطبات'' کی اٹھارویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کررہے ہیں، سترہویں کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے اٹھارویں جلد کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضا ہوا، اور اب الحمدللہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہوکر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات انتھک محنت اور کوشش کرکے سترہویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمائے، اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

طالب دعا

محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد نمبر : ۱۸

عنوان	صفحہ نمبر

فہرستِ مضامین (تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

﴿صرف اللہ سے مانگو﴾

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۷)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

﴿اپنی کوشش پوری کرو﴾

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۱)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی اہمیت

حاسد سے پناہ مانگو

تفسیر سورۃ الفلق (۱)

عنوان	صفحہ نمبر

﴿سورۃ الفلق کی تلاوت (۲)﴾

عنوان	صفحہ نمبر

﴿سورۃ الناس کی اہمیت﴾

عنوان	صفحہ نمبر

﴿جادو اور آسیب کا علاج﴾

﴿جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے﴾

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

﴿افضل صدقہ کونسا؟﴾

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ" (سورۃ النحل:۱۲۵)

یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظ حسنہ سے بلاؤ۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

یہ دنیا چند روزہ ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۴)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ. وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا كَثِيۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ﴿۴﴾ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوۡلَانَا الۡعَظِيۡمُ. وَصَدَقَ رَسُوۡلُهُ النَّبِيُّ الۡكَرِيۡمُ. وَنَحۡنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ وَالشّٰكِرِيۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ.

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۃ الفاتحہ کی پہلی تین آیات ہیں، جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اور انہی کی تشریح کا سلسلہ کچھ عرصہ

سے چل رہا ہے، پچھلے جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ ان تین آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کے تین بنیادی عقائد کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، اسلام کے تین بنیادی عقیدے یہ ہیں (۱) ایک توحید کا عقیدہ، جس کو لا الہ الا اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی اس کائنات میں اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی عبادت کے لائق ہے (۲) اور دوسرا عقیدہ رسالت کا ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف پیغمبر دنیا میں بھیجے ہیں، جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہوئی (۳) اور تیسرا عقیدہ آخرت کا ہے، یعنی مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، اور اس زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو اس کے کئے ہوئے کاموں کے مطابق یا ثواب عطا فرمائیں گے یا سزا دیں گے، تو الحمد للہ رب العالمین میں اشارہ ہے توحید کی طرف کہ جو ذات رب العالمین ہے تو یقیناً وہی تنہا عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی اور نہیں۔

انبیاء کی بعثت رحمت کا تقاضہ ہے

اور جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ کو عرض کیا تھا کہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا بیان ہے، اور اس صفتِ رحمت سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات پیدا فرمائی اور اس میں انسان کو بھیجا تو اس کی رحمت سے یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان کو اندھیرے میں چھوڑ دے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے، اور اس کو کوئی ہدایت نہ دے کہ کون سے کام کرنے کے ہیں اور کون سے کام بچنے کے

ہیں، یہی باری تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا تقاضہ تھا کہ اس دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمائیں اور ان کے ذریعہ انسان کو ہدایت دیں، اور یہ بتائیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے، کون سے کام سے انسان کو فائدہ پہنچے گا، اور کون سے کام سے انسان کو نقصان پہنچے گا، اس کے لئے رسالت کا سلسلہ جاری کیا گیا تیسری آیت ہے مالك یوم الدین ''وہ اللہ جزاء کے دن کا مالک ہے'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی تیسری صفت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ روز جزاء کا مالک ہے، یوم الدین کے معنی ہیں وہ دن جس میں حساب وکتاب کے بعد ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق صلہ دیا جائے گا، بدلہ دیا جائے گا، اس کو روز جزاء کہتے ہیں، جزاء کے معنی ہیں بدلہ، اچھا ہو یا برا، تو جس دن انسانوں کو ان کے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا اردو میں ہم اس کو ''روزِ جزاء'' کہتے ہیں، اور عربی میں اس کا نام ہے ''یوم الدین'' تو باری تعالیٰ کی صفت بیان فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مالک ہیں روز جزاء کے۔

پوری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے

یہاں پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پوری کائنات کے مالک ہیں، آج بھی مالک ہیں، اور کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نہ ہو اور باری تعالیٰ کی ملکیت میں نہ ہو، ساری بادشاہی اسی کی ہے، قرآن کریم میں ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

''اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی بھی زمینوں کی بھی'' تو مالک تو

آج بھی وہی ہیں۔

ہمیں عارضی مالک بنادیا گیا ہے

لیکن اس آیت میں اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ اگرچہ حقیقی معنی میں تو آج بھی ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن ظاہری اعتبار سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسانوں کو بعض چیزوں کا مالک بنا رکھا ہے، روپے پیسے کا مالک بنادیا، مکان کا مالک بنادیا، گاڑی کا مالک بنادیا، دکان کا مالک بنادیا، تو اللہ تعالیٰ نے مالک بنا رکھا ہے، سورۂ یسین میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ (یٰس:۷۱)

''کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں اپنے ہاتھ سے ہم نے پیدا کی تھیں، لیکن وہ مالک بنے بیٹھے ہیں ان کے''..... تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ظاہری ملکیت اور ظاہری تصرف اور قبضہ انسانوں کو دیا ہوا ہے، مختلف چیزوں پر، بادشاہتیں بھی دے رکھی ہیں، کوئی شخص کسی ملک کا سربراہ ہے، کوئی شخص کسی ملک کا صدر ہے، کوئی شخص کسی ملک کا بادشاہ ہے، ظاہری طور پر یہ سب ملکیتیں اور بادشاہتیں آج موجود ہیں، لیکن حقیقی ملکیت اور حقیقی بادشاہت اللہ ہی کی ہے، عارضی طور پر اور ظاہری طور کسی نہ کسی کو کسی چیز کا مالک بنا رکھا ہے۔

ایک دن ظاہری ملکیتیں ختم ہو جائیں گی

لیکن اشارہ اس طرف ہے کہ ایک دن وہ آئے گا، جس دن یہ ظاہری ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، یہ ظاہری بادشاہتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اس دن کوئی بادشاہ

نہیں ہوگا، اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اس وقت مالک تو ایک ہی ہوگا، مالك يوم الدين ''وہ روز جزاء کا مالک ہے'' قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب ساری ملکیتیں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ جب انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو احادیث میں آتا ہے کہ اس وقت انسان کے جسم پر کپڑے بھی نہیں ہوگے، قرآن کریم کہتا ہے:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۔ وَعْدًا عَلَيْنَا ۔ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (الانبیاء:۱۰۴)

جس طرح انسان کو شروع میں پیدا کیا تھا کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، تو اس کے جسم پر کپڑے بھی نہیں تھے، اسی طرح جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس کے جسم پر کپڑے بھی نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بعد میں دے دیے جائیں گے، لیکن اس وقت کپڑے نہیں ہوں گے تو انسانوں کو یہ دکھایا جائے گا کہ جن کپڑوں کو تم اپنی ملکیت سمجھتے تھے آج وہ کپڑے بھی تمہارے پاس نہیں ہیں، فرض کرو اگر کوئی آدمی کتنا ہی غریب ہو، فقیر ہو، فاقہ کش ہو، لیکن کچھ کچھ نہ جسم کے اوپر کپڑا تو پہنا ہوتا ہے، چاہے فاقے ہی کر رہا ہو، اس کپڑے کا تو مالک ہوتا ہے، لیکن وہاں وہ اس کپڑے کا بھی مالک نہیں ہوگا، ساری ملکیتیں ختم ہو جائیں گی۔

آج کس کی بادشاہت ہے؟

اس وقت باری تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا جائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ......؟ (المومن:۱۶)

......آج کس کی بادشاہت ہے؟......

یہ لوگ دنیا میں بادشاہ بنے پھرتے تھے، انــا ولا غیــری کے نعرے لگایا کرتے تھے، تکبر اور غرور میں ان کی گردنیں اکڑی ہوئی تھیں، سینے تنے ہوئے تھے، کہاں ہے آج وہ بادشاہ؟ کہاں ہیں آج وہ ملکوں کے سربراہ؟ جو اپنے آپ کو فرعون بنائے ہوئے تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ خود ہی جواب ارشاد فرمائیں گے:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:١٦)

''اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے''

اس پر کسی کا غلبہ نہیں، وہ سب پر غالب ہے، تو یہ ظاہری ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اس دن مالک تو ایک ہی ہوگا، ظاہری بھی، باطنی بھی، حقیقی بھی، مجازی بھی، ہر طرح کی ملکیت صرف اللہ کی ہوگی۔ یہ ہے مــالك يوم الـديـن کے معنی، مالک تو آج بھی وہی ہے، لیکن اس دن ایسا مالک ہوگا کہ یہ ظاہری ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی اور ملکیت صرف اللہ کی ہوگی، بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی۔

دنیا کی زندگی بے حقیقت ہونے والی ہے

اس تیسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تیسری صفت بیان فرما کر ہمیں اور آپ کو توجہ دلائی ہے کہ اے انسان! تو اس دنیا میں زندگی گزار تو رہا ہے اور اسی زندگی کو تو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے، اسی کی خاطر تیری دوڑ دھوپ ہے، اسی کی خاطر تو سارے جھیلے جھیل رہا ہے، لیکن تجھے پتہ نہیں، اور پتہ ہونا چاہئے ہم تجھے سورۃ الفاتحہ میں یہ بتا رہے ہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ ساری زندگی بے حقیقت معلوم ہوگی، وہ دن ہے روز جزاء کا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ دن

اس لئے رکھا ہے تا کہ ہر ایک کو اس کا بدلہ دیدیا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (المومن:۱۷)

''تا کہ ہر انسان کو بدلہ دیا جائے، ان کاموں کا جو انہوں نے دنیا میں کئے ہیں'' اس لئے ہم نے یہ دن رکھا ہے، کئی جگہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ آخرت جو مرنے کے بعد کی زندگی ہے، یہ انسان کی بڑی اہم ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر بدلہ کا دن نہ ہو کہ جو ظالم ہے اسے ظلم کا بدلہ نہ دیا جائے، جو نیک ہے اور متقی ہے اسے تقویٰ کا صلہ نہ دیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا، ظالم بھی اور مظلوم بھی، فرمانبردار بھی اور نافرمان بھی، نیک بھی اور بد بھی، سب ایک لاٹھی سے ہانک دیے گئے، دنیا میں ایک آدمی ظلم کرتا رہا اور بدیاں کرتا رہا، گناہ کرتا رہا، معصیتیں کرتا رہا، نافرمانیاں کرتا رہا، وہ بھی کھا پی کے مرگیا، اور دوسرا آدمی جس بیچارے نے محنت کی اور اپنے آپ کو برائیوں سے روکا، نیکی کے کام کئے، لوگوں کی بھلائی کے کام کئے، وہ بھی کھا پی کے مرگیا، دونوں میں کوئی فرق ہی نہیں کیا گیا، ایسا نہیں ہوگا، قرآن کہتا ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (القلم:۳۵)

''کیا ہم مجرم لوگوں کو فرمانبرداروں کی طرح بنادیں؟'' کہ ان کا بھی وہی حشر ہو جو مسلمانوں کا اور فرمانبرداروں کا ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اللہ کی رحمت سے، اللہ کے انصاف سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ سب کو برابر قرار دیدے، ایک جگہ

قرآن کریم نے یہ بات بیان فرمائی:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المؤمنون:۱۱۵)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے ویسے ہی بیکار تمہیں پیدا کر دیا ہے، اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟'' سارا کارخانہ دنیا کا اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس میں انسانوں کا امتحان مقصود ہے، کون ہے جو ہمارے حکم کے مطابق چلتا ہے؟ اور کون ہے جو ہمارے حکم کے خلاف چلتا ہے؟ جو حکم کے مطابق چلے گا اس کے لئے کوئی صلہ ہونا چاہئے، اس کے لئے کوئی انعام ہونا چاہئے، اور جو ہمارے حکم کے خلاف چلتا ہے، اس کے لئے کوئی سزا ہونی چاہئے، تو اگر آخرت نہ ہو، یہ حساب و کتاب نہ ہو، تو سب بھیڑ بکری برابر ہو جائیں، ایسا نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک دن ایسا ہونا چاہئے جس میں اچھے کام کرنے والوں کو ان کے کام کا صلہ ملے، اور برا کام کرنے والوں کو ان کی برائی کی سزا ملے، اس لئے ہم نے یہ آخرت کا دن رکھا ہے۔

کیا یہ دنیا ہی سب کچھ ہے؟

یہ بھی قرآن کریم نے جا بجا بتایا کہ تم نے تو اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے، جیسا کہ کافر کہا کرتے تھے:

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيٰ وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثية:۲۴)

''بس یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے، اسی میں ہم مرتے ہیں، اسی میں جیتے ہیں، اور ہم کو صرف زمانے کی گردش سے موت آجاتی ہے'' نتیجہ یہ ہے کہ ہر آدمی یہ کہتا ہے کہ میں بس اپنی دنیا بہتر بنالوں، چنانچہ وہ اپنی دنیا بہتر بنانے کے لئے جائز

ناجائز، حلال حرام کی تمیز مٹا دیتا ہے۔ بقول شخصے:

بابر بعیش کوش که عالم دوباره نیست

''اے بابر! خوب عیاشی کرلو اس واسطے کہ دوبارہ کوئی زندگی آنے والی نہیں''، جن لوگوں کے دل سے آخرت کی فکر مٹ جاتی ہے، جو آخرت پر معاذ اللہ ایمان نہیں رکھتے، وہ بس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، دنیا کے اندر جو کچھ کر رہے ہیں، اسی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ جب آخرت مین پہنچو گے تو وہاں جب دنیا کا تصور آئے گا تو ایسا محسوس ہوگا کہ:

لَمْ یَلْبَثُوْآ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ د بَلٰغٌ (الاحقاف:۳۵)

وہاں جا کر ایسا معلوم ہوگا کہ دنیا کی ساری زندگی دن کا ایک گھنٹہ تھی، بس جب اس دنیا کا تصور آئے گا کہ دنیا میں کیا کرتے رہے؟ تو ایسا لگے گا کہ بس دنیا میں ایک گھنٹہ گزارا ہے، یہ دنیا کی زندگی اتنی مختصر معلوم ہوگی، اس آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں، تو اس دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ چند روزہ ہے، چالیس سال جی لئے، بہت جی لئے ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال نوے سال، سو سال زیادہ سے زیادہ، لیکن وہ آخرت کی زندگی لامحدود ہے، جس کی کوئی حد ونہایت نہیں، وہاں جا کر جب دنیا کا تصور آئے گا تو ایسا لگے کا کہ دن کا ایک تھوڑا سا حصہ گزارا ہے ہم نے، اور بس ختم ہوگئی، گویا کہ تم اس دنیا کے لئے تو سب دوڑ دھوپ کر رہے ہو جو ایک گھنٹہ سے زیادہ کی حقیقت نہیں رکھتی، لیکن وہ آخرت ابدی زندگی ہے، اور قرآن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس ابدی زندگی کی بہبود کی طرف متوجہ کر، لہٰذا اس آخرت کو بنانے کی فکر کرو۔

دنیا کے لئے بس اتنا کام کرو

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِعْمَلْ لِدُنْیَاکَ بِقَدْرِ بَقَائِکَ فِیْھَا، وَاعْمَلْ لِلْآخِرَۃِ بِقَدْرِ بَقَائِکَ فِیْھَا

''دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے، اور آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے'' یہ نہیں کہ سارا کام تم نے تھوڑے دنوں کی زندگی کے لئے تو کرلیا اور آخرت کے لئے کچھ نہیں کیا، تو یہ حقیقت ہے جو قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ کی تیسری آیت میں اس کو واضح فرمایا گیا ہے کہ باری تعالیٰ مالک ہے یوم جزاء کا، یہاں تو کوئی کسی چیز کا مالک بنا بیٹھا ہے، کوئی کسی چیز کا مالک بنا بیٹھا ہے، لیکن وہاں یہ ساری ملکیتیں ختم ہوجائیں گی، اور تمہارے اعمال ہی ساتھ جائیں گے، اعمال ہی دیکھے جائیں گے کہ کیا اعمال کرکے آئے ہو دنیا میں، اس کے مطابق فیصلہ ہوگا، لہٰذا آج ہی اس دنیا میں رہتے ہوئے اس روز جزاء کا تصور کرلو، اور اس کی کچھ تیاری کرلو، اس کے مطابق زندگی گزارلو، یہ ہے پیغام اس تیسری آیت کا، اس میں تھوڑی اور بھی تفصیل ہے، لیکن اب وقت ختم ہوچکا ہے، انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی دی تو آئندہ بیان میں اس کی تفصیل عرض کردوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہمیں آخرت کی فکر عطا فرمائے، اور دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں جب وہاں پر لے جائے تو سرخروئی کے ساتھ لے جائے اور اپنی رضامندی کے ساتھ لے جائے، اور ان لوگوں میں ہمیں شامل فرمائے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کے مقامات رکھے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

یہ دنیا آخری منزل نہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ دنیا آخری منزل نہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! کچھ عرصہ سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بیان چل رہا ہے، اس سے پہلے تین آیتوں کا بیان ہوا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، پہلی آیت، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، دوسری آیت، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، تیسری آیت۔

پہلی آیت میں توحید کی طرف اشارہ

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذات تمام جہانوں کی پرورش کر رہی ہے اور تمام جہانوں کا انتظام اس نے کیا ہے، وہی اس کی خالق ہے، وہی اس کی مالک ہے، وہی اس کی منتظم ہے، تو ظاہر ہے کہ عبادت کے لائق بھی تنہا وہی ذات ہوگی، کوئی اور نہیں، تو الحمد للہ رب العالمین میں توحید کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری آیت میں رسالت کی طرف اشارہ

دوسری آیت ہے، الرحمٰن الرحیم، اس میں اسلام کے دوسرے عقیدے یعنی رسالت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجتے ہیں، جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلامؑ سے شروع ہوا، اور حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اس کی تکمیل ہوئی، کیونکہ باری تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہیں، لہٰذا اس کی رحمت کا یہی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دنیا میں اندھیرے میں نہ چھوڑے، بلکہ ان کی ہدایت اور ان کی راہنمائی کا ضرور انتظام کرے، اور ہدایت اور راہنمائی کا انتظام یہی ہے کہ اس نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا، جن کے ذریعہ ہدایت کی باتیں اپنے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔

تیسری آیت میں آخرت کا بیان

تیسری آیت ہے" مالک یوم الدین" جس کا بیان چل رہا تھا، اس میں اسلام کے تیسرے بنیادی عقیدے یعنی آخرت کا بیان ہے کہ باری تعالیٰ مالک ہے

اس یوم الدین کا یعنی حساب کے دن کا، جیسا میں نے پچھلے بیان میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مالک تو آج بھی ہے ہر چیز کا، لیکن یہاں اس کائنات میں، اس دنیا میں ظاہری ملکیتیں کچھ انسانوں کو بھی عطا کر رکھی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ میں اس لباس کا مالک ہوں، میں اس مکان کا مالک ہوں، میں اس گاڑی کا مالک ہوں، تو ظاہری ملکیتیں یہاں بھی موجود ہیں، اور حکمرانی ظاہری طور پر دنیا میں موجود ہے کہ انسان حکمران ہوتے ہیں، کوئی صدر مملکت ہے، کوئی بادشاہ ہے، کوئی وزیراعظم ہے۔

ساری حکمرانیاں اور ملکیتیں ختم ہونے والی ہیں

لیکن مالک یوم الدین فرما کر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے دن جو یوم حساب آنے والا ہے، اس دن یہ ساری ملکیتیں ختم ہو جائیں گی، اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہاں تک کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (سورة الانبياء: ۱۰٤)

جیسے ہم نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا، جب تم دنیا میں آئے تھے، کوئی چیز تمہاری ملکیت میں نہیں تھی، یہاں تک کہ لباس بھی نہیں تھا، ننگے تڑنگے آگئے تھے، کوئی چیز تمہارے پاس نہیں تھی، کسی چیز کے تم مالک نہیں تھے، جس طرح ہم نے تم کو اس وقت اس طرح پیدا کیا تھا کہ کوئی چیز تمہاری ملکیت میں نہیں تھی، اسی طرح جب آخرت میں اٹھایا جائے گا تو اس وقت بھی کوئی ملکیت تمہاری نہیں ہوگی، نہ روپیہ، نہ پیسہ، نہ کپڑا، نہ مکان، نہ سواری اور نہ کوئی اور چیز، تن تنہا چلے آؤ گے، اور یہ جتنی بادشاہتیں نظر آتی ہیں، جتنی حکمرانیاں نظر آتی ہیں کہ کوئی اپنے آپ کو صدر بنائے

بیٹھا ہے، کوئی اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے، کوئی اپنے آپ کو وزیر اعظم کہتا ہے، یہ ساری بادشاہتیں اور حکمرانیاں بھی ختم ہو جائیں گی، اس دن کوئی بادشاہ نہیں ہوگا، کوئی صدر نہیں ہوگا، کوئی وزیر اعظم نہیں ہوگا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (سورة الزمر:١٦)

قرآن کریم فرماتا ہے کہ باری تعالیٰ اس وقت آواز لگائیں گے "بتاؤ آج بادشاہت کس کی ہے؟" پھر خود ہی اللہ تعالیٰ جواب دیں گے:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورة الزمر:١٦)

"ایک اللہ کی بادشاہت ہے جو سب پر غالب ہے" تو مالک یوم الدین کے معنی یہ ہیں کہ اس دن ملکیت تن تنہا اللہ ہی کی ہوگی، ظاہری ملکیتیں بھی جو دنیا میں نظر آتی ہیں ختم ہو جائیں گی۔

تمہارے قول وفعل کا حساب ہوگا

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ میں لوگوں کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ ذرا اس دنیا میں دھیان سے رہو، ایک دن ایسا آنے والا ہے جب تمہارے ہر قول وفعل کا حساب لیا جائے گا، یہ مت سمجھو کہ منہ سے جو بات نکال دی، ہوا میں اُڑ گئی، نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورہ ق:١٨)

انسان جو لفظ بھی منہ سے نکالتا ہے اس کو لکھنے والا موجود ہے، آج تو ٹیپ ریکارڈر آگیا، لوگوں کی سمجھ میں آسانی سے آسکتا ہے کہ ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا

ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سب ہمارے یہاں محفوظ ہے۔ اگر جھوٹ بولا، یا غیبت کی، یا برا بھلا کہا کسی کو، یا کسی کا دل دکھایا تو یہ سب باتیں ہمارے ہاں محفوظ ہیں، اور کوئی اچھی بات کہی ہے، اللہ کا ذکر کیا ہے، کسی کو آرام پہنچایا ہے، کسی کی مدد کی ہے، وہ بھی ہمارے ہاں محفوظ ہے، اور ان سب کا حساب ہونے والا ہے، قیامت کے دن سب سامنے آجائے گا۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِراً (سورۃ الکھف:۴۹)

''جو کچھ عمل کیا تھا دنیا میں وہ سب تمہارے سامنے آکر موجود ہو جائے گا'' ساری فلم چل جائے گی کہ دنیا میں کیا ہوا تھا، اور کس وقت پر کیا عمل کیا تھا، اس سب کا حساب دینا ہوگا، جواب دینا ہوگا، یہ ہے عقیدۂ آخرت۔

دنیا سے ایک دن جانا ہے

یہ نہ سمجھو کہ بس دنیا میں جی لئے، جس طرح بھی جی لئے، جیسے کافروں کا یہ کہنا ہے کہ:

مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيٰ (سورۃ الجاثیۃ:۲۴)

''یعنی بس یہ دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم یہیں جیتے اور ہم یہیں مرتے ہیں'' یہ دنیا کی زندگی تو مختصر سی زندگی ہے، زیادہ سے زیادہ ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، نوے سال، بہت ہوگئی تو سو سال، اور زیادہ ہوگئی ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال، لیکن ایک زندگی ایسی آنے والی ہے، جو ہمیشہ کی ہے اور وہاں جا کر پتہ

لگے گا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (سورۃ النازعات:۴۶)

جب قیامت کے دن کو دیکھ لیں گے، اس کی وسعتیں نظر آئیں گی، تو دنیا میں جتنے دن رہے تھے اس کے بارے میں یہ کہیں گے کہ بھئی جتنے دن دنیا کے تھے وہ ایک شام تھی، یا ایک صبح تھی، ساری دنیا کی زندگی چند گھنٹے کی نظر آئے گی کہ بس چند گھنٹے دنیا میں رہ کر آ گئے، اصل زندگی تو اب ہے، وہ زندگی آنے والی ہے، تو مالک یوم الدین میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس دن کی طرف توجہ دلائی ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں رحمت والی صفات

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اپنی جو صفتیں بیان کی ہیں، سب رحمت والی صفتیں ہیں، رب العالمین، باری تعالیٰ پالنے والا ہے تمام جہانوں کا، رحمٰن ہے، اس کی رحمت سب پر چھائی ہوئی ہے، رحیم ہے، اس کی رحمت بڑی زبردست ہے، یہ صفتیں بیان کی ہیں، لیکن غصے والی صفتیں، عذاب والی صفتیں بیان نہیں فرمائیں، کیونکہ باری تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت فرمایا کہ:

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ

''میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے'' تو یہاں رحمت کی صفات بیان فرمائی ہیں، لیکن مالک یوم الدین فرما کر توجہ دلا دی کہ رحمت تو بے شک ہے میری بندوں پر، لیکن ذرا خیال رکھنا کہ اگر تم نے دنیا کے اندر کوئی غلط کام کئے تو میں

حساب بھی لینے والا ہوں، اور حساب دینے کے نتیجے میں تم بچ کے نہیں جاسکتے، باری تعالیٰ کے قہر سے، یہاں تو سفارش بھی کام آجاتی ہے، رشوت بھی کام آجاتی ہے، یہاں تو تعلقات بھی کام آجاتے ہیں، لیکن وہاں:

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ (سورۃ الانعام: ۵۱)

''اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے وہاں پر بچانے والا، اور نہ سفارش کرنے والا'' یہ عقیدۂ آخرت ہے، جو درحقیقت قرآن کریم ہمارے دلوں میں پیوست کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیج تو دیا اور ایسی دنیا میں بھیج دیا جس میں رنگینیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

یہ دنیا تمہاری آخری منزل نہیں

لیکن قرآن کریم کے ذریعہ، پیغمبروں کے ذریعہ وہ بار بار یاد دلاتا ہے کہ یاد رکھو کہ یہ دنیا تمہاری آخری منزل نہیں ہے، یہ دنیا تمہارا مقصد زندگی نہیں ہونا چاہئے، یہ دنیا تو تمہارے سفر کا ایک مرحلہ ہے، ایک آزمائش کی جگہ ہے، لہٰذا ہر قدم پر یاد رکھو کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے، آخرت کا دن، اور میرے بھائیو! در حقیقت یہی عقیدۂ آخرت ہے، جو انسانوں کو گناہوں سے، جرائم سے، ناانصافیوں سے، ظلم وستم سے بچاتا ہے، اگر دل میں آخرت کی فکر ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو، جس کو قرآن تقویٰ کہتا ہے، تو اس صورت میں انسان گناہ کے پاس بھی نہیں جائے گا، کسی پر ظلم نہیں ڈھائے گا، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ اگر ناانصافی کروں گا تو آخرت میں مجھے بہت

سنگین عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی عقیدہ صحابہ کے دلوں میں پیوست فرمایا، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آخرت کی باتیں اس طرح تفصیل سے بتائیں کہ ہمیں ہر وقت یہ لگتا تھا کہ ہم آخرت کو ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، جنت کو، جہنم کو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیشی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اول تو گناہ سرزد نہیں ہوتا تھا، اور اگر سرزد ہوتا بھی تو فوراً توبہ کی، استغفار کی، اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت وشرمندگی کی توفیق ہو جاتی ہے، صحابہ کرام کا یہ معاملہ تھا۔

آج کی دنیا جرائم اور ظلم کی دنیا کیوں؟

آج دنیا میں جرائم کا بازار گرم ہے، ناانصافیوں کا بازار گرم ہے، ظلم وستم کی چکی میں لوگ پس رہے ہیں، وجہ کیا ہے؟ کہ آخرت کی فکر نہیں، آخرت کا دھیان نہیں، اگر کوئی چور چوری کرتا ہے تو کیوں کرتا ہے؟ اس لئے کرتا ہے کہ اگر اس کو پتہ ہوتا کہ چوری کے نتیجے میں مجھے کتنے زبردست عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ چوری نہ کرتا، کوئی شخص رشوت لیتا ہے تو کیوں لیتا ہے؟ اس واسطے کہ اس کو یہ فکر ہی نہیں کہ مرنے کے بعد میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اگر اس کو یہ پتہ ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ

''رشوت لینے والا بھی اور رشوت دینے والا بھی دونوں جہنم میں ہیں'' اگر

اس بات کا پورا ایمان اس کے دل میں ہوتا، اگر اس بات کا اس کے دل میں دھیان ہوتا تو کبھی رشوت لینے کا اقدام نہیں کرتا، دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے، دوسروں کے ساتھ ناانصافیاں کرنے والے، دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے والے، دھوکہ دینے والے، ملاوٹ کرنے والے، یہ سب کام نہ کریں اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا ہو جائے، چونکہ صحابہ کرام کے دل میں یہ احساس پیدا ہو گیا تھا تو نتیجہ اس کا یہ تھا کہ اول تو گناہ ہوتا ہی نہیں تھا، اگر کبھی غلطی سے ہو گیا تو خود اپنے اوپر سزا جاری کروانے کے لئے حاضر ہو جاتے تھے۔

ایک خاتون کا سبق آموز واقعہ

دیکھئے! ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آکر عرض کیا کہ "طَهِّرْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ" یارسول اللہ! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے، مجھے پاک کر دیجئے، گناہ کیا ہو گیا ہے، بدکاری کا ارتکاب ہو گیا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر رہی ہیں کہ مجھ کو پاک کر دیجئے، مجھ پر سزا جاری کر دیجئے، جو شریعت میں اس عمل کی مقرر ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیتے ہیں، وہ دوبارہ دوسری طرف سے آتی ہیں، پھر آکر اقرار کرتی ہیں، دوسری مرتبہ بھی رُخ پھیر لیتے ہیں، پھر آتی ہیں، یہاں تک کہ چار مرتبہ اقرار کر لیا کہ یارسول اللہ! جو سزا مقرر ہے مجھ پر جاری کر دیں، وہ سزا کیا تھی؟ یہ بھی معلوم تھا ان کو کہ پتھر مار مار کر سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا، مگر اپنے آپ کو پیش کر رہی ہیں کہ یارسول اللہ! آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے دنیا کا یہ عذاب

جھیلنے کو تیار ہوں، لیکن آپ مجھے اس عمل سے پاک کر دیجئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اب تم نے اقرار کرلیا تو سزا تو تمہارے اوپر جاری ہو سکتی ہے، لیکن ابھی تمہارے پیٹ میں بچہ ہے، اور قصور جو کچھ ہوا تم سے ہوا، بچہ سے نہیں ہوا، لہٰذا میں ابھی تمہارے اوپر سزا جاری نہیں کر سکتا، واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارے یہاں بچہ ہو جائے، بچہ بھی پھر تمہارے دودھ کا محتاج ہوگا، اس بچہ کو دودھ پلاؤ، اور پھر جب بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے اور دودھ کی ضرورت اسے باقی نہ رہے تو اس وقت دوبارہ میرے پاس آنا۔

بچے کے پیدائش کا انتظار

وہ خاتون چلی جاتی ہیں، نہ کوئی F.I.R درج ہوئی، نہ کوئی رجسٹر میں نام پتہ درج کیا گیا، نہ کوئی ضمانت طلب کی گئی، چلی جاتی ہیں اور بچہ کی پیدائش کا انتظار کرتی ہیں، بچہ پیدا ہوتا ہے، پیدا ہونے کے بعد اس کو دودھ پلاتی ہیں، دو سال تک دودھ پلاتی ہیں۔ آپ ذرا تصور کیجئے کہ اس واقعہ کو ڈھائی سال گزر گئے، اتنے دن گزرنے کے بعد تو آدمی کے جوش و خروش میں بھی کمی آجاتی ہے، وقتی طور پر ندامت کی وجہ سے آدمی کے دل میں جوش ہوتا ہے کہ اپنے اوپر کسی طرح سزا جاری کرالوں، لیکن ڈھائی سال گزرنے کے بعد یہ ندامت بھی ڈھیلی پڑ جاتی ہے، اور بچہ پیدا ہو چکا ہے، اور وہ بچہ ماں کے لئے ایک عجیب کشش کا باعث ہے کہ بچہ اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اور دل لبھا رہا ہے، اور کسی رجسٹر میں نام درج نہیں ہے، کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں کہ تم آؤ اور اپنے اوپر سزا جاری کرواؤ۔

اس خاتون کی استقامت

لیکن اس خاتون کی استقامت دیکھئے، ڈھائی سال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، میں نے وعدہ کیا تھا اور یہ بچہ میں لے آئی ہوں، اس میں کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا ہے، جو اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اب اس کو میرے دودھ کی حاجت نہیں، اور اب میرے اوپر سزا جاری کردیجئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سزا جاری کی، یہاں تک کہ انہوں نے جان دیدی۔

نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی

جب نماز جنازہ پڑھنے کا وقت آیا، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جو خاتون ہیں ان سے تو ایک بدکاری کا گناہ ہوا تھا، تو آپ اس کی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے ہیں؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر بے شک اس سے غلطی ہوگئی تھی، لیکن اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اس توبہ کا دسواں حصہ بھی پورے اہل مدینہ میں بانٹ دیا جائے تو سارے اہل مدینہ کی مغفرت ہو جائے۔

یہ آخرت کے عذاب کے خوف کا نتیجہ تھا

آپ اندازہ لگایئے! نہ رپورٹ ہے، نہ ضمانت ہے، نہ کچھ ہے، لیکن اپنے آپ کو خود پیش کر رہی ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ دل میں یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ دنیا میں جو کچھ سزا مل جائے، تکلیف پہنچ جائے، مجھے گوارا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے

سامنے جب حاضر ہوں تو میرا دامن تمام گناہوں سے پاک ہو، اور مجھے انصاف دینے کا وقت آئے تو میرے پلڑے میں کوئی گناہ باقی نہ ہو، یہ فکر لگی ہوئی ہے، اس فکر آخرت نے جرائم اور ناانصافیوں کا اس طرح سد باب کیا، صحابہ کرام کی سیرتیں اٹھا کر دیکھئے، ایک ایک صحابی روشن ستارہ نظر آئے گا، عدل وانصاف کا، نیکی وتقوی کا، اس لئے کہ آخرت کی فکر دل میں سمائی ہوئی تھی، اسی آخرت کی فکر کی طرف سورۃ الفاتحہ کی تیسری آیت ''مالک یوم الدین'' توجہ دلا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے روز حساب کا، بے شک رب العالمین ہے، بیشک رحمٰن ہے، بیشک رحیم ہے، لیکن ساتھ ساتھ انصاف کرنے والا بھی ہے، لہٰذا آخرت میں تمہارے سارے اقوال و افعال کا حساب ہوگا، اس وقت کا مالک وہی ہوگا، کوئی وہاں اپنی ملکیت نہیں جتا سکتا، اس کے لئے ابھی سے تیاری کرو، تیاری کیسے کرو؟ اس کا طریقہ اگلی آیتوں میں بتایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔

﴿ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ﴾

اللہ کا حکم سب سے مقدم ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۶)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کا حکم سب سے مقدم ہے

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۶)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا كَثِيۡرًا ـ اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوۡلَانَا الۡعَظِيۡمُ، وَصَدَقَ رَسُوۡلُهُ النَّبِيُّ الۡكَرِيۡمُ، وَنَحۡنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ وَالشّٰكِرِيۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ـ

تین آیات تین عقیدے

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا بیان کچھ عرصے سے

چل رہا ہے، اور اب تک سورۃ فاتحہ کی تین آیتوں کا بیان ہوا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ " جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان تین آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے تین بنیادی عقیدوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، الحمدللہ رب العالمین کے معنی یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ جب وہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے تو تنہا وہی ہے جو خدا ہے، تنہا وہی ہے جو معبود ہے، اس کے ساتھ کوئی اور معبود شریک نہیں، تو اس سے توحید کا عقیدہ نکلتا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ " اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " اللہ تبارک وتعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے، سب پر رحم کرنے والا ہے، بہت رحم کرنے والا ہے، اس کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں بھیج کر اندھیرے میں نہ چھوڑے، بلکہ اس کو یہ بتائے کہ اس کو اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی ہے، اور اسی کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے، ان پر کتابیں اتاریں تاکہ ان کے ذریعہ انسان کو بتایا جائے کہ دنیا میں اسے کس طرح زندہ رہنا ہے، لہٰذا اس دوسری آیت سے رسالت کا عقیدہ نکلتا ہے۔

تیسری آیت "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ " میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوم حساب کا مالک ہے، اس دن کا مالک ہے جس دن تمام انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا، محاسبہ ہوگا اس میں آخرت کا عقیدہ بیان فرمایا گیا کہ یہ زندگی جس میں تم وقت گزار رہے ہو یہ

ایسانہیں ہے کہ یہیں جی کر، سو کر، کھا کر اور پی کر معاملہ ختم ہو جائے، بلکہ ایک وقت آنے والا ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے، دائمی زندگی ہے، ختم ہونے والی نہیں ہے، اور اس زندگی میں اللہ تعالیٰ تم سے اس دنیا کی زندگی میں کئے ہوئے کاموں کا حساب لیں گے، یہ نہ سمجھو کہ جو تم کھا رہے ہو، جو کچھ کر رہے ہو، زبان سے جو بات نکال رہے ہو، وہ ہوا میں اُڑ کر فنا ہو جاتی ہے، ایسا نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم نے فرمایا:

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورۃ ق: ۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے مقرر ہیں، ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب بیٹھا ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو، سب اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، اور انسان اپنی زبان سے کوئی بھی بات نکالے مگر اس کے سامنے ایک نگہبان مقرر ہے جو ہر وقت اس کی بات کو ریکارڈ کرنے کے لئے تیار ہے، جو لفظ اس نے زبان سے نکالا ہے، جو بات کہی ہے، اس کو وہ ریکارڈ کر رہا ہے، اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچو گے، اس کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ:

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (بنی اسرائیل: ۴۹)

یعنی جو کچھ عمل کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پاؤ گے، جو کچھ عمل کیا تھا بالغ ہونے سے لے کر مرتے دم تک وہ سارے کے سارے تمہارے سامنے آ موجود ہوں گے، اس کی فلم دکھا دی جائے گی کہ کیا کیا کرتے رہے ہو؟ جو عمل مجمع میں کیا تھا

وہ بھی، اور جو عمل تنہائی میں کیا تھا وہ بھی، سب دکھا دیا جائے گا:

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (بنی اسرائیل: ۴۹)

اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا، جیسے اعمال ہوں گے، ویسا ہی انجام بھی ہوگا، جو کچھ یہاں پر بوگے وہی وہاں پر کاٹو گے، تو یہ آخرت کا عقیدہ ہے، جس کی طرف مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا لفظ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے، ایک وقت آئے گا جب تمہیں اپنے قول و فعل کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا اپنا ہر کام کرتے وقت دھیان رکھو کہ کسی وقت اس کا جواب دینا ہے، لہٰذا اللہ ہی کے احکام کے مطابق اس کی دی ہوئی تعلیمات کے مطابق، اس کے بیان کئے ہوئے آداب کے مطابق اس دنیا میں زندہ رہنا ہے۔

ان سب پر عمل کیسے ہوگا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اتنا بڑا فریضہ ہمارے اوپر ڈال دیا گیا کہ دنیا میں زندہ رہو تو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق رہو، حلال طریقے سے رہو، حرام سے پرہیز کرو، فرائض و واجبات بجالاؤ، پانچ وقت نماز پڑھو، رمضان کا مہینہ آئے تو روزہ رکھو، اگر مالدار ہو تو زکوٰۃ ادا کرو، حج کرو، اور جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، حرام طریقے سے مال نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، رشوت نہ دو، سود نہ کھاؤ، اتنی ساری پابندیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رہنے والوں کے لئے عائد کی ہیں، یا اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ کیسے ہم اس کی پابندی کر پائیں گے، اس کا جواب اگلی آیتوں میں ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

یعنی اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، یعنی ہم ایمان تو لے آئے آپ کی توحید پر بھی، اس بات پر بھی کہ ایک دن مرنے کے بعد آپ کے پاس پیش ہونا ہے، اور اب عبادت بھی آپ ہی کی کرتے ہیں، بات کسی اور کی نہیں مانیں گے سوائے آپ کے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ جو ہم کہہ رہے ہیں کہ عبادت آپ ہی کی کریں گے، کسی اور کی نہیں کریں گے، یہ ہمارے بس میں نہیں ہے جب تک کہ آپ کی مدد شامل حال نہ ہو، جب تک آپ کی توفیق شامل حال نہ ہو ہم یہ نہیں کر سکتے، لہٰذا عبادت تو آپ ہی کی کریں گے، لیکن جب ہم کارزار حیات میں داخل ہوں گے تو ہمیں قدم قدم پر مشکلات محسوس ہوں گی، یا اللہ اس حکم پر کیسے عمل کریں؟ فلاں حکم پر کیسے عمل کریں؟ تو اس کا نسخہ بھی یہی ہے کہ جب کبھی مشکل ہو تو ہمارے پاس آجاؤ، ہم سے مدد مانگو، اور یہ کہو إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت کا مفہوم

إِيَّاكَ نَعْبُدُ کے معنی کیا ہیں؟ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، عبادت کے کیا معنی ہیں؟ عبادت کے معنی ہیں بندگی، بندگی کو یوں سمجھ لو جیسے غلامی، یعنی یا اللہ ہم تیری ہی غلامی کریں گے، تیرے سوا کسی اور کی غلامی نہیں کریں گے، کیا معنی؟ کہ جب تجھے ہم نے اپنا خالق مانا، اپنا مالک مانا، اپنا پروردگار مانا، اپنا معبود مانا تو

بس تیری ہی ذات ہے جو تنہا واجب الاطاعت ہے، جس کی اطاعت، جس کی فرمانبرداری ہم نے اپنے اوپر لازم کرلی ہے، جس دن یہ کہا تھا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو یہ اقرار کرلیا تھا کہ اے اللہ اطاعت اور فرمانبرداری تنہا تیرا حق ہے، تیرے سوا کسی کی فرمانبرداری نہیں، تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہنا درحقیقت اس بات کا اعلان ہے کہ ہم آپ ہی کی بات مانیں گے، اور اگر کسی اور نے ہمیں کوئی ایسا کام کرنے کو کہا جو آپ کے حکم کے خلاف ہو، اس کو چھوڑ دیں گے، آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے، چاہے وہ کہنے والا بادشاہ ہو، یا سربراہ حکومت ہو، صاحب اقتدار ہو، اپنا کوئی قریبی عزیز ہو، بیوی ہو، بچہ ہو، باپ ہو، ماں ہو۔

اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہوسکتی

اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح تعبیر فرمایا کہ

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ

ترجمہ: اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو شخص تم پر امیر بنا دیا جائے اس کی اطاعت کرو، اس کی فرمانبرداری کرو، جو حکم وہ دے اس کے مطابق عمل کرو، لیکن ساتھ ساتھ یہ فرمایا کہ اطاعت معروف یعنی نیکی میں ہے، اگر وہ کسی ایسی بات کا حکم دیتا ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو، تو پھر اس کی اطاعت نہیں، پھر اس کی فرمانبرداری نہیں ہے، صرف ان کاموں میں اطاعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیے ہیں، یا وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہیں، اسی طرح بیوی کو حکم دیا کہ شوہر کی اطاعت کرے، لیکن اگر شوہر کسی

ایسی بات کا حکم دے جو گناہ ہے تو بیوی کے ذمہ اطاعت نہیں ہے، وہ کہہ سکتی ہے کہ میں اللہ کی اطاعت کروں گی، تمہاری نہیں کروں گی، اولاد کو حکم دیا گیا کہ والدین کی اطاعت کرو، لیکن اگر والدین ناجائز بات کا حکم دینے لگیں تو اس میں والدین کی اطاعت نہیں ہے۔

والدین اور شوہر کی اطاعت میں دھوکہ

یہاں بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، تو اگر وہ کوئی بات کہیں، چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز ہو، ہمیں ماننی چاہئے، یہ بالکل غلط بات ہے، اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے دعویٰ کے خلاف ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے لگیں، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بالادست قرار دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک والدین کی اطاعت کرو، قرآن کریم میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مکہ مکرمہ میں ایسی بہت سی صورتیں پیدا ہوئی تھیں کہ اولاد مسلمان ہوگئی، اور ماں باپ کافر تھے، اور یہاں تک نوبت آگئی کہ بعض جگہوں پر ماؤں نے یہ کہہ دیا بیٹے سے کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دے، اور ہمارے دین میں واپس آجا، اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار نہیں کرے گا، اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گی، بھوک ہڑتال کردی، کہ اگر تو واپس نہیں آتا تو بھوک ہڑتال ہے، کھانا نہیں کھاؤں گی، وہ اولاد حاضر ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا رسول

اللہ اس مشکل میں پھنس گئے ہیں، ماں باپ یوں کہہ رہے ہیں، ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، ہم کیا کریں؟ تو قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (سورة الاحقاف: ۱۵)

ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اس کی ماں نے اس کو مشقت سے اٹھایا تھا، اور مشقت سے جنم دیا تھا، اور اس کو حمل میں رکھنا، اور اس کو دودھ پلانا تیس مہینے اس مشقت میں ماں نے گزارے ہیں، تو یہ ماں کا حق ہے، کہ اس کا احترام کیا جائے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

والدین کی اطاعت کی حد

اس کے بعد دوسری جگہ میں فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورة العنكبوت: ۸)

بے شک ہم نے حکم دیا ہے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا، لیکن اگر وہ تمہیں زبردستی کریں، اور تمہیں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ اس بات میں ان کی فرمانبرداری مت کرنا، لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہو، ان کی خوش آمد درآمد بھی کرتے رہو، ان کی خدمت بھی کرتے رہو، ان کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، ان کو برا بھلا مت کہو، ان کو حتی الامکان تکلیف پہنچانے سے بھی بچو، لیکن کفر و شرک کے کاموں میں اطاعت ان کی نہیں

کرنی، اطاعت اللہ کی ہے، تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تیری غلامی کرتے ہیں، کسی اور کی غلامی نہیں کرتے، اگر کوئی شخص اللہ کی غلامی چھوڑ دے، اللہ بچائے العیاذ باللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے (آمین) اللہ کی غلامی سے اپنے آپ کو نکالنا چاہے تو ہزاروں انسانوں اور مخلوقات کی اس کو غلامی کرنا پڑتی ہے۔

اللہ کی غلامی اختیار کرلو

اور جب اللہ کی غلامی اختیار کرلی، پھر سوائے اللہ کے کسی اور کی غلامی نہیں ہے، اقبال نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ایک سجدہ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کرلیا، اس کے بعد پھر ہزار سجدوں سے نجات مل جاتی ہے، پھر پیشانی سوائے اس کی بارگاہ کے نہ کہیں جھکتی ہے اور نہ کہیں ٹکتی ہے، یہ معنی ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے، تو جب اللہ کا حکم آجائے تو پھر کسی کی اطاعت نہیں، پھر صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، اسی کی فرمانبرداری ہے، تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ جو ہم ہر نماز میں بلکہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، اس کے اندر ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی غلامی کا اقرار کرتے ہیں۔

یہ جھوٹا اقرار تو نہیں کر رہے ہیں!

ذرا دیکھو یہ ہمارا اقرار کس حد تک سچا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب اللہ

تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں نماز کے اندر کھڑے ہوتے ہو تو جھوٹ بولتے ہوں، کہ
یا اللہ! ہم تیری ہی عبادت کررہے ہیں، جبکہ حقیقت میں عبادت کررہے ہیں
شیطان کی، عبادت کررہے ہیں خواہشات نفس کی، عبادت کررہے ہیں مخلوق کی،
عبادت کررہے ہیں ناجائز باتوں کا حکم دینے والوں کی عبادت کررہے ہیں، اور اللہ
کے سامنے آکر کہہ رہے ہیں کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ یعنی یا اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے
ہیں، یہ جھوٹا اقرار نہ ہو، ہم میں سے ہر شخص کو گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہئے
کہ کہیں ہماری عبادت غیر اللہ کے لئے تو نہیں ہو رہی ہے۔

عبادت کے کیا معنی؟

دیکھو عبادت صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے آگے سجدہ کیا جائے، عبادت
کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سوا کسی کو بھی انسان واجب الاطاعت نہ سمجھے، اور جب
کہیں ٹکراؤ ہو جائے تو اللہ کی بات کو ترجیح دے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دے اور کسی
کو نہیں، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا
عجیب مخلوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے پیدا فرمائی تھی، کہ بری بری
عادتیں دل میں گھر کی ہوئی تھیں، طبیعت میں جم گئی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا تو
فوراً ان کو خیر آباد کہہ دیا۔

شراب کی عادت

دیکھو شراب کی جب عادت کسی کو پڑ جاتی ہے، لت لگ جاتی ہے، تو اس کو
چھوڑنا مشکل ہوتا، آج کل تو ہم لوگ کوئی سگریٹ کا عادی بن جاتا ہے، کوئی پان

تمبا کو کا عادی بن جاتا ہے، کوئی نسوار کا عادی بن جاتا ہے، اس کو چھوڑنا کتنا مشکل لگتا ہے، لیکن شراب کی لت تو ایسی ہے العیاذ باللہ، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے کہ اگر وہ لگ جائے تو چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے، شراب کی فطرت میں ہے کہ یہ انسان کو اپنا ایسا محتاج بنا دیتی ہے کہ جب تک اللہ بچائے وہ پی نہ لے اس کو چین نہیں آتا، غالب کہتا ہے:

چھوٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

یورپ میں شراب پر پابندی کا نتیجہ

یہ سن ۱۹۲۲ء کی بات ہے، کہ یورپ میں لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ بڑی مضر ہے، بڑی خطرناک چیز ہے، لوگوں کی صحت کو خراب کر دیتی ہے، اس کی وجہ سے حادثات ہوتے ہیں، اور پتہ نہیں کیا کچھ ہوتا ہے، انہوں نے کیا کیا کہ ایک قانون بنا دیا کہ شراب بند ۱۹۲۲ء میں باقاعدہ قانون نافذ کیا گیا کہ شراب بند، کوئی شراب نہیں پیئے گا، اب قانون تو ہو گیا، اب قانون بننے کا مطلب کیا ہے؟ کہ پولیس اس کی نگرانی کرے، اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں اس کی دیکھ بھال کریں، لوگوں نے پولیس کے سامنے تو شراب پینی چھوڑ دی، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے سامنے چھوڑ دی، لیکن اپنے گھروں میں بھٹیاں بنالیں، گھروں میں بھٹیاں بن رہی ہے، اور شراب کشی ہو رہی ہے، اور لوگ پی رہے ہیں، پہلے تو کارخانوں میں شراب بنتی تھی، اور کارخانوں میں بننے کی صورت میں صفائی ستھرائی کا اہتمام ہو جاتا تھا، لیکن اب گھر کے اندر بننے لگی، تو اس میں گندگی پیدا ہو گئی، اور

اس میں اور زیادہ مضرتیں پیدا ہونے لگیں، لیکن چھوڑی ایک فرد نے بھی نہیں، کیونکہ قانون کا ڈنڈا انسان کو مجمع کے اندر تو گناہ کرنے سے روک سکتا ہے، لیکن جنگل کی تنہائی میں اور رات کی تاریکی میں اس کے اوپر کون پہرہ دے گا؟ وہ پہرہ بٹھانے والی چیز تو ایک ہی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس، جو انسان کو جنگل کی تنہائی میں بھی اور رات کی تاریکی میں بھی اس کے دل پر پہرے بٹھاتا ہے، اور وہ موجود نہیں تھا تو نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ کہہ کر قانون واپس لینا پڑا کہ ہم فیل ہو گئے، ہم شراب بند نہیں کروا سکتے۔

اہل عرب اور شراب

آیئے! اب عرب کی طرف، جس معاشرے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، وہاں شراب کا یہ عالم تھا کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، وہ اس کے اوپر ناز کرتے تھے کہ ہم بڑے شراب پینے والے لوگ ہیں، اور اس طرح گھٹی پڑی ہوئی تھی کہ شراب کے لئے عربی زبان میں دو سو لفظ ہیں، جو شراب صبح کو پی جاتی ہے اس کا الگ نام، جو شام میں پی جاتی ہے اس کا الگ نام، جو کھجور سے بنائی جاتی ہے اس کا الگ نام، جو انگور سے بنائی جاتی ہے اس کا الگ نام، جو پانی ملا کر پی جائے اس کا الگ نام، اگر اس میں شہد ملا لیا جائے تو اس کا الگ نام، اس میں سرکہ ملا لیا جائے تو اس کا الگ نام، تو دو سو نام ہیں شراب کے، اتنی محبت تھی شراب سے اور شاعر لوگ فخر کے ساتھ کہتے ہیں:

إِذَا مَا اصْطَبَحْتُ اَرْبَعًا شَدَّ مِيْزَرِيْ

''جب میں صبح کو چار شراب کے جام چڑھا کر نکلتا ہوں تو زمین پر میرا ازار گھسٹتا ہوا جاتا ہے'' اور یہ عالم تھا کہ جو شخص جتنا زیادہ شرابی ہو، وہ اتنا ہی شریف اور معزز تصور کیا جاتا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گھر گھر شراب پی جارہی تھی، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا، لیکن سارے لوگ شراب پینے میں مبتلاء تھے، اور یہاں تک کہ غزوۂ احد کے زمانے تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر بعض صحابہ کرام جنہوں نے صبح کے وقت شراب استعمال کی تھی، اس کے بعد غزوۂ احد میں شریک ہوئے، اور وہیں شہید ہو گئے، البتہ اس وقت تک کچھ تھوڑی سی خرابیاں بیان کردی تھیں قرآن کریم نے، فرمایا تھا کہ:

يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورة البقرة : ٢١٩)

لوگ آپ سے شراب کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان کو بتادو کہ اس میں خرابیاں بہت ہیں، اور کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن خرابیاں زیادہ ہیں فائدہ کے مقابلے میں! یہ نہیں کہا کہ حرام ہے چھوڑ دو، فوراً نہیں کہا، ذہن تھوڑا سا بنایا گیا تھا۔

عرب میں شراب کی حرمت کا نتیجہ

لیکن جب حکم آیا کہ:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدة : ٩٠)

یہ شراب، یہ جوا جو تم کھیلتے ہو، یہ سب شیطان کا عمل ہے، گندگی ہے، ان سے پرہیز کرو، جب یہ حکم آیا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اس روز اپنے سوتیلے باپ ابو طلحہ کے گھر میں ایک مجلس میں ساقی بنا ہوا تھا، اور لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، ابوطلحہ ان کے سوتیلے باپ تھے، ان کے گھر میں لوگ جمع تھے، اور شراب کی محفل چل رہی تھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں شراب پلا رہا تھا، ایک منادی کی آواز آئی جو گلی میں اعلان کر رہا تھا کہ:

اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

''سب سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شراب حرام کر دی گئی''

تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آواز ان صحابہ کرام کے کان میں پڑی تو جس شخص کے ہاتھ میں پیالہ تھا، اور منہ تک پہنچ چکا تھا، اس نے اس میں سے گھونٹ لینا گوارا نہیں کیا، پیالے کو زمین پر پٹخ دیا، اور کہا کہ جتنے مٹکے ہیں شراب کے سب توڑ دو، اور تین دن تک شراب مدینہ منورہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہتی رہی، آپ اندازہ لگایئے کہ ساری زندگی کی عادت، جس کے بغیر زندہ رہنا مشکل لگ رہا ہے، دل کی خواہش یہ ہے کہ پی لیں، لیکن چونکہ عہد کر چکے تھے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کریں گے، کسی اور کی نہیں کریں گے، تو اپنے نفس کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنے کی خاطر اپنی ستر سالہ عادت کو بھی اس طرح خیرآباد کہہ دیا، چھوڑ دیا، کسی کے منہ سے پھر اس کا پیالہ

نہیں لگا، جو برتن رکھے ہوئے تھے، اور جو پہلے کی شرابیں رکھی ہوئی تھیں، ان کو بھی بہا کر ختم کر دیا، بیچنا بھی گوارہ نہیں کیا، کہ پیسے ان پر لگے ہوئے ہیں، کسی کافر ہی کو کم از کم بیچ دیں، اور کچھ پیسے کمالیں نہیں!

ایک صحابی کا سبق آموز واقعہ

جس طرح اہل عرب میں شراب کی عادت تھی، اسی طرح نامحرم عورتوں سے تعلق قائم کر کے بدکاری کا بھی عام رواج تھا، تو ایک صحابی کے ایک لڑکی سے تعلقات تھے، اور جیسا کہ آزاد اور آوارہ لوگوں میں ہوتا ہے، وہ تعلقات جنسی تعلقات کی حد تک پہنچے ہوئے تھے، جب وہ مسلمان ہو گئے، مسلمان ہونے کے بعد جب کلمہ پڑھ لیا، اللہ کے سامنے اقرار کر لیا لا الہ الا اللہ کا، تو ایک دن جا رہے تھے راستے میں وہی عورت ملی، اور اس نے ان کو گناہ کی دعوت دی، تو ان صحابی نے جواب دیا کہ اب تمہارے اور میرے درمیان اسلام حائل ہو گیا ہے، میں اللہ پر ایمان لا چکا ہوں، اب میں تمہارے ساتھ وہ تعلقات قائم نہیں رکھ سکتا، جو پہلے ہمارے تمہارے درمیان تھے، اس نے اپنی محبت کا حوالہ دیا، اور اپنے عشق کا حوالہ دیا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوئے، تو اس نے کہا کہ میں نے تو اپنی ساری زندگی تم سے محبت کی ہے، اور تم سے تعلق قائم کیا ہے، اور میں کیسے تمہارے بغیر زندہ رہوں گی، ان صحابی نے جواب دیا کہ اگر رہنا ہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ میں تم سے نکاح کر لوں، لیکن نکاح بھی میں اس وقت تک نہیں کروں گا، جب تک نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں کہ غیر مسلم عورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آ کر عرض کیا، اور سارا واقعہ بتایا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ

صورتحال پیدا ہوگئی ہے، کیا میں اس سے نکاح کرسکتا ہوں؟ حضور خاموش رہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب آئے، کیونکہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا تھا، چنانچہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۱)

''اے مسلمانو! تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، اور یاد رکھو کہ ایک مؤمن باندی ایک مشرک آزاد عورت سے زیادہ بہتر ہے، چاہے وہ مشرک عورت تمہیں پسند آجائے'' یہ آیت نازل ہوگئی، انہوں نے جاکر کہہ دیا کہ ایک راستہ تھا میرے اور تمہارے درمیان تعلق باقی رہنے کا کہ نکاح ہوجاتا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم آگیا ہے، اور میں تمہارے ساتھ غیر مسلم ہونے کی حالت میں نکاح نہیں کرسکتا، لہٰذا اب میرا تمہارا راستہ کوئی نہیں۔

اللہ کے حکم کے آگے ہر چیز قربان

آپ اندازہ لگایئے! جذبات، خواہشات، کیا کچھ ہوں گے؟ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آنے کے بعد سارے جذبات فنا ہیں، ساری خواہشات قربان ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ اقرار کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، یہ ہے وہ اقرار جو ہم اور آپ سورۃ الفاتحہ کے اندر کرتے ہیں، تو بھائی اس تقاضے کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا چاہئے، اور اس کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

صرف اللہ سے مانگو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صرف اللہ سے مانگو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ،اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذالك من الشاهدين و الشاكرين، والحمد للّٰه رب العٰلمين.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا بیان کئی جمعوں سے

چل رہا ہے، پہلی تین آیتوں کا بیان الحمدللہ ہو چکا، اور چوتھی آیت یعنی "ایاك نعبد و ایاك نستعین" کا بیان چل رہا تھا" ایاك نعبد" جس کے معنی یہ ہیں یعنی اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں، اور پچھلے جمعہ کو میں نے عرض کیا تھا کہ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کو بھی انسان واجب الا طاعت نہ سمجھے، اطاعت واجب ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی۔ ہاں جن لوگوں کی اطاعت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیدیا، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

ترجمہ: "اللہ کی بھی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی بھی اطاعت کرو"

تو درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت ہے، اسی طرح والدین کی اطاعت کا بھی حکم دیا، وہ بھی اللہ نے ہی دیا، لیکن اطاعت والدین کی ہو، یا کسی حاکم کی، اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حکم نہ دیں، لیکن اگر اس کے خلاف کوئی حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں، پھر اللہ ہی کی اطاعت ہے، یہ ساری باتیں "ایاك نعبد" کے اندر داخل ہیں، اور اسی میں یہ اقرار داخل ہے کہ اے اللہ! میں اپنی پوری زندگی آپ کے حکم کے مطابق گزارنے کی کوشش کروں گا، جن کاموں کا آپ نے حکم دیا ہے، وہ بجالاؤں گا، اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رکوں گا، یہ ساری باتیں "ایاك نعبد" کے اندر داخل ہیں۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تشریح

پھر اگلا جملہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وہ بڑا معنی خیز ہے، اور ہمارے لئے اس میں بڑا عظیم سبق ہے، وہ یہ کہ "ایاك نستعین" کہ اے اللہ! ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کیا معنی؟ ہم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے، اور تیرے سوا کسی کی نہیں کریں گے، لیکن عملی زندگی میں اس پر کاربند ہونا ہمارے اپنے بس کا کام نہیں، جب تک کہ آپ کی آپ کی مدد شامل حال نہ ہو "ایاك نعبد ایاك نستعین" اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور عبادت کرنے میں آپ ہی کی مدد چاہتے ہیں، آپ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں توفیق عطا فرمایئے، ہمیں استقامت عطا فرمایئے، اور ہمیں اپنی عبادت کی توفیق دیجئے، تو یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھا کر ہمیں اور آپ کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ جب کبھی تمہیں ہمارے احکام پر عمل کرنے میں کچھ دشواری محسوس ہو، کوئی مشکل پیش آئے، تو ہم سے رجوع کرو، اور ہم سے کہو کہ اے اللہ! میں آپ کے حکم پر عمل کرنا چاہتا ہوں، لیکن دشواری پیش آرہی ہے، میرا نفس مجھے غلط راستے پر لے جارہا ہے، شیطان مجھے بہکا رہا ہے، ماحول مجھے خراب کررہا ہے، ملنے جلنے والے مجھے غلط راستے پر لے جارہے ہیں، اگر آپ نے میری مدد نہ کی، اگر آپ نے مجھے توفیق عطا نہ فرمائی تو میں بہک جاؤں گا۔

عظیم نسخہ عظیم سبق

یہ ایک عظیم نسخہ ہے جو دو لفظوں میں اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمادیا کہ ہر وقت ہم سے رجوع کرو، ہم سے اپنی لو لگاؤ، ہم سے مانگو، ہم سے مدد مانگو، ہم

سے توفیق مانگو، جو کچھ ہماری عبادت کے دائرے میں رہ کر تم کرنا چاہتے ہو وہ سب ہم سے مانگو، یہ ایک بہت عظیم سبق ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو عطا فرمایا۔

ایسے معاشرے میں کیسے چلوں؟

آج کی دنیا میں جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ شریعت کی پابندی کرو، شریعت کے احکام پر چلو، واجبات اور فرائض بجالاؤ، گناہوں سے بچو، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے اجتناب کرو، تو بعض کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ کیسے کریں؟ ماحول تو سارا کا سارا بگڑا ہوا ہے، ماحول تو الٹی سمت جارہا ہے، باہر نکلو تو نگاہوں کو پناہ نہیں ملتی، اور دفتروں میں جاؤ تو رشوت کا بازار گرم ہے، کسی مجمع میں جاؤ تو وہاں عورتوں اور مردوں کا ایسا اختلاط ہے کہ نگاہوں کو پناہ ملنا مشکل ہے، اور سارا معاشرہ الٹی سمت جارہا ہے، کوئی ایک آدمی اگر سارے معاشرے سے ہٹ کر کوئی کام کرنا چاہے تو نکو بنادیا جاتا ہے، رشوت کا بازار گرم ہے، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ دوں یا رشوت نہ لوں، نہ لوں تو چلو ٹھیک ہے، نہ دوں تو کام نہیں بنتا، لوگ مجبور ہو جاتے ہیں، سود کو شیر مادر سمجھا ہوا ہے، پورا بازار سود کے کاروبار سے بھرا ہوا ہے، ناجائز معاملات دن رات ہو رہے ہیں، حلال اور حرام کی فکر نہیں ہے، ماحول پورا غلط سمت میں جارہا ہے، میں تنہا اکیلا اس ماحول میں کیا کروں؟ کیسے چلوں؟ شریعت کے احکام پر کیسے عمل کروں؟

میدان حشر کا تصور کرو

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند

فرمائے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ذرا تصور کرو کہ میدان حشر میں تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو، اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمارہے ہیں، پوچھ رہے ہیں کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیا تھا؟ ہماری نافرمانی کیوں کی تھی؟ آپ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ میں کیا کرتا؟ آپ نے پیدا ہی ایسے زمانے میں کیا تھا جس میں چاروں طرف معصیتوں کا، گناہوں کا بازار گرم تھا، ماحول خراب تھا، کہیں پر بھی جاتا تو دین پر چلنا مشکل ہورہا تھا، تو ایسے زمانے میں آپ نے پیدا کیا تو میں مجبور ہوگیا، اور گناہ میں مبتلا ہوگیا، اگر اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں تم سے یہ کہیں کہ اگر تم کو مشکل ہورہا تھا، ماحول کے خلاف چلنا مشکل لگ رہا تھا تو ہم سے رجوع کیوں نہیں کیا؟ ہم سے کیوں نہیں مانگا؟ ہم نے تو پورے قرآن میں جگہ جگہ کہا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں''

اور تم بھی ایمان لائے تھے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اور تم ہر نماز کے اندر یہ کہتے بھی تھے ''ایاك نعبد و ایاك نستعین'' تو یہ بتاؤ جب تمہیں مشکل پیش آرہی تھی تو تم نے ہم سے رجوع کر کے کیوں نہیں مانگا؟ کہ یا اللہ میرے لئے مشکل ہورہا ہے، ماحول خراب ہے، زمانہ پلٹ چکا ہے، اس ماحول اور اس زمانے میں میرے لئے دین پر چلنا مشکل ہورہا ہے، یا اللہ مجھے اپنی رحمت سے توفیق دیدیجئے اور میری مدد فرمادیجئے، کہ میں آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے

مطابق زندگی گزاروں، ہم سے کیوں نہیں مانگا؟

اس کا کیا جواب ہے؟

بتاؤ اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں، اللہ تعالیٰ نے تو ہر روز ہر نماز میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ تم سے پڑھوائی تھی، ہر رکعت میں تم یہ کہتے تھے کہ "ایاك نعبد و ایاك نستعین" لیکن عمل کیوں نہیں کیا؟ مانگتے اللہ تعالیٰ سے کہ یا اللہ! مجھ سے نہیں ہو رہا ہے، آپ مجھے توفیق دیدیجئے، اللہ تعالیٰ سے نیاز کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی رحمت پر قدرت پر ایمان رکھتے ہوئے مانگو، یا اللہ میں پھنس گیا ہوں سود میں، سودی کاروبار میں، مجھے اس سے نکال دیجئے، یا اللہ میں پھنس گیا ہوں فلاں گناہ میں، یا اللہ مجھے اس سے نکال دیجئے، مانگتے رہو، مسلسل مانگو اللہ تعالیٰ سے۔

بے تکلفی سے مانگو

میرے حضرت تو یہاں تک فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بڑے رحیم و کریم ہیں، ماں باپ سے زیادہ شفقت کرنے والے ہیں، تو ان سے بے تکلفی سے مانگو، کہ یا اللہ یا تو مجھے توفیق دیدیجئے، ورنہ مجھ سے آخرت میں مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، آخرت میں میری پکڑ نہ فرمایئے گا، میں تو اپنا کام، اپنا معاملہ آپ کے حوالے کر رہا ہوں، میری حالت درست کر دیجئے، ورنہ آخرت میں مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمایئے گا، مانگو اللہ تعالیٰ سے، لوگ اس کو معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ بہت عظیم راستہ ہے اپنی اصلاح کا، اللہ تعالیٰ سے آدمی ہر روز بلا ناغہ لڑ لڑ کے ناز کے ساتھ مانگے۔

یہ دعا کرو

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان جائیں کہ انہوں نے کوئی چیز ہمارے لئے نہیں چھوڑی، دعا یہ تلقین فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَ نَوَاصِيْنَا وَجَوَارِحَنَا بِيَدِكَ، لَمْ تُمَلِّكْنَا مِنْهَا شَيْئًا،
فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِنَا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَ اهْدِنَا اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ

یا اللہ! ہمارے دل بھی آپ کے قبضے میں ہیں، ہمارے اعضاء و جوارح بھی آپ کے قبضے میں ہیں، اور ہم ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، ان سب کے مالک آپ ہی ہیں، آپ نے یہ ساری چیزیں اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہیں، تو اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے آپ ہی ان کے رکھوالے بن جایئے، اور ان کو سیدھے راستے پر ڈال دیجئے، یہ مانگو اللہ تعالیٰ سے، یا یہ دعا کریں، ایک اور دعا آپ نے بیان فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَاَلْتَنَا مِنْ اَنْفُسِنَا مَالَا نَمْلِكُ اِلَّا بِهٖ فَاَعْطِنَا مَا يُرْضِيْكَ

اے اللہ! آپ نے ہم سے وہ مطالبے کئے ہیں جن پر ہم عمل آپ کی توفیق کے بغیر نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ چیزیں دیدیجئے جو آپ کو راضی کرنے والی ہیں، جو شخص باقاعدہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا ہے، اور اپنی سی کوشش بھی کرتا ہے، اس لئے کہ دعا کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ آدمی دعا تو کر رہا ہے، اور کوشش چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں یہ حکم دیا ہے کہ اپنی طرف سے کوشش پوری کرو، پھر ہم سے دعا

مانگو، کوشش بھی کرے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مانگے بھی، تو اس کے بعد ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے، یا تو اللہ تعالیٰ اس کو گناہ سے بچالے گا، یا کم از کم مغفرت فرمادے گا۔

ایک سبق آموز واقعہ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، جو خود میرے ساتھ پیش آیا، آج سے بیس پچیس سال پہلے کی بات ہے، جرمنی سے ایک صاحب کا میرے پاس ایک خط آیا، جو پاکستانی تھے، اور جاکر جرمنی میں مقیم ہوگئے تھے، نام بھی مجھے ان کا یاد ہے، عبد اللطیف نام تھا ان کا، خط یہ آیا کہ میں پاکستان سے روزگار کی تلاش میں جرمنی آگیا تھا، اور اس وقت نہ کوئی دین کا خیال تھا، اور نہ کوئی فکر تھی، نہ نماز، نہ روزہ، نہ کچھ، بس پیٹ پالنے کی خاطر پاکستان چھوڑ کر جرمنی چلا گیا، اور جرمنی میں جاکر مقیم ہوگیا، وہاں رہتے رہتے میرے ایک لڑکی سے تعلقات ہوگئے، یہ جرمن لڑکی تھی، عیسائی تھی، ہوتے ہوتے تعلقات ایسے بڑھے کہ میں نے اس سے شادی کرلی، دین اسلام کی طرف کچھ خاص فکر نہیں تھی، نہ نماز، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ کچھ، لیکن شادی کرلی، شادی بھی ہوگئی، اور بے فکری سے وقت گزرتا رہا، اور بچے ہوگئے۔

میرے اندر کا مسلمان بیدار ہوگیا

جب میرا بچہ بڑا ہوا، اور پڑھنے لکھنے کے لائق ہوا تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی جو عیسائی ہے وہ میرے بچے کو عیسائی مذہب کی تعلیم دے رہی ہے، اس وقت اچانک میرے اندر کا مسلمان بیدار ہوا، اور میرے اندر سے غیرت نے مجھے للکارا

کہ یہ تیرا بیٹا ہے، اور یہ عیسائی بن رہا ہے، اسکو ماں عیسائیت کی تعلیم دے رہی ہے، اس دن سے میرے دل میں انقلاب پیدا ہوا اور میں نے سوچا کہ میں اسے روکوں، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، تم اسکو عیسائیت کی تعلیم نہیں دے سکتیں، بیوی نے کہا کہ کیوں نہ دوں؟ یہ میرا بھی بیٹا ہے، اور میں جس چیز کو حق سمجھتی ہوں، اور صحیح سمجھتی ہوں، اسی کے مطابق میں اپنے بیٹے کو بھی تعلیم دوں گی، آپکو روکنے کا کوئی حق نہیں، میں نے کہا کہ تمہیں تمہارا مذہب حق نہیں ہے، ہمارا مذہب حق ہے، اس نے کہا کہ کیوں حق ہے بتاؤ؟ اب جب بات کرنی شروع کی تو اسکو تو بہت معلومات بھی اپنے مذہب کے بارے میں تھیں، اور مجھے اپنے مذہب کے بارے میں کچھ معلومات نہیں تھیں، نتیجہ یہ ہوتا کہ جب بھی میں بحث کرتا تو وہ جیت جاتی، اور میرے پاس جواب نہ بن پاتا، یہ سب کچھ ہوتا رہا، اس کشمکش کیوجہ سے میں تھوڑا سا نماز، روزہ کی طرف بھی متوجہ ہوگیا، لیکن جب بھی بحث کرتا ہوں تو میں اس کو قائل نہیں کر پاتا، وہ میرے بچوں کو خراب کر رہی ہے، عیسائی بنا رہی ہے، خدا کیلئے میری مدد کیجئے، یہ خط میرے پاس آیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ بیچارہ اس مشکل میں مبتلا ہے، ایسی کوئی تدبیر میرے دل میں ڈال دیجئے کہ اسکا مسئلہ حل ہو جائے۔

دو باتوں پر اس کو راضی کرلو

پھر میں نے اس کو خط لکھا میری ایک کتاب ہے عیسائیت کے بارے میں ''عیسائیت کیا ہے'' اردو میں اور انگریزی میں What is Christianity کے

نام سے چھپی ہوئی ہے، تو میں نے ان کو خط میں لکھا کہ اس سے آپ خود تو بحث کرنا چھوڑ دو، بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، بالخصوص جب آپ کو دین کا کچھ پتہ ہی نہ ہو، البتہ اس کو دو باتوں پر کسی طرح راضی کرلو، ایک یہ کہ یہ کتاب بھیج رہا ہوں، اس کا یہ مطالعہ کرے، اور دوسری بات یہ کہ اس سے کہو کہ تم بھی اللہ پر ایمان رکھتی ہو، اور میں بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، تم روز رات کو بیٹھ کر یہ دعا کیا کرو یا اللہ اگر عیسائی مذہب برحق ہے تو میں عیسائی مذہب پر قائم رہوں، اور اگر دین اسلام برحق ہے تو اس کی سچائی میرے دل میں ڈال دیجئے، اور اس حقانیت کا قائل کر دیجئے، یہ دعا کیا کرے، اس پر اس کو آمادہ کرلو، تھوڑے دن بعد اس کا خط آیا کہ وہ راضی ہوگئی ہے، اور آپ کی کتاب کا مطالعہ کر رہی ہے، اور ساتھ میں وہ رات کے وقت میں یہ دعا بھی کرتی ہے، لیکن ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا، جیسی تھی، ویسی ہی ہے، کوئی میلان پیدا نہیں ہوا اسلام کی طرف، میں نے خط دوبارہ لکھا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں، اور اس سے کہو کہ یہ کام کرتی رہے، چھوڑے نہیں، میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ تو دل میں ڈال دیجئے، وہ کرتی رہی۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا

تیسرا جو خط آیا اس میں اس نے لکھا تھا مولانا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دلیل سے پہچانا ہوگا، میں نے تو اللہ میاں کو آنکھوں سے دیکھ لیا، اور اس نے یہ لکھا کہ یہ کل کا واقعہ ہے کہ وہ لڑکی کسی یونیورسٹی کے اندر کوئی امتحان دے رہی تھی، تو اس امتحان کی وجہ سے یونیورسٹی اس کو جانا تھا، میں بھی اس کے ساتھ گیا ہوا تھا، ہم نے

یونیورسٹی کا کام کیا، وہاں سے واپس آرہے تھے، اور وہ گاڑی ڈرائیو کررہی تھی، گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے اس نے اچانک گاڑی بائیں طرف کنارے کھڑی کرکے روک دی، گاڑی کے اسٹیرنگ کی طرف منہ ڈال دیا اور رونے لگی، میں سمجھا کہ خدانہ کرے کوئی دل کی تکلیف ہوئی ہے، کوئی اس کو دورہ پڑا ہے جو اچانک گاڑی روکی، اور رونے لگی، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے، تو اس کو اتنا رونا آرہا تھا کہ وہ بول بھی نہیں پارہی تھی، تو میں نے اس سے پوچھا بھئی کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟

مجھے مسلمان کرلو

تو اس نے روتے روتے مشکل سے یہ جملہ ادا کیا یعنی مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے، بس مجھے کسی جگہ لے جاکر "مسلمان کرلو" مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا، کہ یہ وہی عورت ہے جو مجھ سے بحث کیا کرتی تھی، اور آج یہ کہہ رہی ہے کہ مجھے لے جاکر مسلمان کرلو، میں نے فوراً گاڑی سنبھالی اور خود ڈرائیو کرکے جو قریب ترین اسلامک سینٹر تھا، وہاں اس کو لے گیا، اس کو کلمہ پڑھایا، دین کی بات سمجھائی، اور مسلمان ہوئی، الحمدللہ اور آج جب رات کو واپس آئے تو رمضان کے دن تھے تو آج ہم سحری میں دونوں اٹھے ہوئے ہیں، اور پہلا دن ہے کہ ہم دونوں روزہ رکھ رہے ہیں، اور اس میں آپ کو خط لکھ رہے ہیں، ایک خط اس کا تھا، اور دوسرا خط اس عورت کا تھا، میرے نام اس نے لکھا تھا کہ میں آپ کی شکر گزار ہوں، کہ آپ نے مجھے ایک ایسا طریقہ بتایا کہ جس نے مجھ پر حق کا راستہ کھول دیا، اور اب بتایئے کہ میں آگے کس طرح چلوں؟ یہ واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا۔

اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرماتے ہیں

تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے کوئی چیز مانگی جائے، خاص طور سے اگر ہدایت مانگی جائے، اگر دین پر عمل مانگا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی مانگی جائے، ممکن نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عطا نہ فرمائیں، و ایاك نستعین کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ راستہ دکھا دیا ہے کہ جب کبھی تمہیں دین پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ معلوم ہو، اس رکاوٹ کا بار بار ذکر کرنے کے بجائے ہمارے پاس آجاؤ، ہم سے کہو، کیا تکلیف ہے، کیا مشکل ہے، کیا پریشانی ہے، اور ہم سے مانگو کہ اے اللہ یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ اپنی رحمت سے دور فرما دیجئے، یہ معنی ہیں و ایاك نستعین کے کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، کر کے تو دیکھو، آج ہو یہ رہا ہے پورے معاشرے میں کہ یہ بات تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ زمانہ خراب ہے، معاشرہ بگڑا ہوا ہے، اس ماحول میں دین پر چلنا مشکل ہے، لیکن بس یہ باتیں ہی باتیں ہیں، ان باتوں کے بعد کوئی کوشش اس راستہ پر چلنے کی نہیں کی جاتی، ذہن میں بٹھایا ہوا کہ دین پر چلنا مشکل ہے، اور اس کی وجہ سے ہاتھ ہاتھ پر رکھے بیٹھے ہوئے ہیں، جس طرف معاشرہ بہا کر لے جا رہا ہے، اسی طرف بہہ رہے ہیں، نہ کوئی کوشش ہے، اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کرنے کا کوئی اہتمام ہے، کہ اس سے دعا مانگی جائے، اور اس سے توفیق مانگی جائے، راستہ یہی ہے کہ کوشش کرو، اور کوشش کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو، پھر دیکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کس طرح مدد فرماتے ہیں، اور کس طرح توفیق عطا فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

تفسیر سورۃ فاتحہ (۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذالك من الشاهدين و الشاكرين، والحمد للّٰه رب العٰلمين.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الفاتحہ کی تشریح اور تفسیر کا بیان کچھ

عرصہ سے چل رہا ہے، اور گزشتہ سے پیوستہ جمعہ میں سورۃ الفاتحہ کی چوتھی آیت یعنی "ایاك نعبد و ایاك نستعین" کا مختصر بیان میں نے کیا تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اس آیت کا پہلو

اس آیت کا ایک پہلو تو گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کو میں نے عرض کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ باری تعالیٰ روز حساب کا مالک ہے، جزاوسزا کا مالک ہے، تو سوال پیدا ہوا کہ ہم اس جزاوسزا کے دن کس طرح کامیاب ہوں؟ اور اس دنیا میں کس طرح ایسی زندگی گزاریں کہ اس یوم حساب میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں سرخرو فرمائے، تو اس آیت ایاك نعبد و ایاك نستعین میں اس کا ایک مؤثر راستہ یہ بیان فرمایا کہ جب تمہیں دین کے احکام پر عمل کرنے میں ذرہ برابر بھی دشواری محسوس ہو تو ہم سے رجوع کرو، اور یہ کہو کہ یا اللہ! ہم عبادت آپ ہی کی کرتے ہیں، لیکن آپ کی عبادت اور اطاعت کرنے میں دشواریاں پیش آرہی ہیں، مشکلات نظر آرہی ہیں، ماحول دوسری طرف لے جارہا ہے، لہٰذا "وایاك نستعین" آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، یعنی آپ کی صحیح عبادت واطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آپ کی مدد شامل حال نہ ہو، لہٰذا یہ پیغام دیا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کے لئے بھی اللہ ہی سے مدد مانگو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کرو، اس کی کچھ تفصیل میں نے گزشتہ سے پیوستہ جمعہ میں عرض کی تھی۔

اللہ ہی سے مدد مانگو

اور اس آیت میں یہ پیغام بھی دیا جارہا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی

عبادت کا اقرار کرو تو ساتھ ساتھ اللہ ہی سے مدد مانگو، اسی لئے نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی بھی یہ دعا مانگتی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلٰوۃِ وَ تَمَامَ مَغْفِرَتِكَ وَ تَمَامَ رِضْوَانِكَ

''اے اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں کہ میرا وضو بھی آپ کی مرضی کے مطابق کامل ہو، میری نماز بھی آپ کی مرضی کے مطابق کامل ہو، اور اے اللہ میں یہ مانگتا ہوں کہ میری تمام زندگی کے کام آپ کی رضا کے مطابق ہوں'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمارہے ہیں، تو ایک پیغام اور ایک پہلو تو اس آیت کا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام عبادت اور اطاعت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد مانگے بغیر ممکن نہیں۔

اس آیت کا دوسرا پہلو

اس آیت کا دوسرا پہلو یہ ہے اور وہ بھی بڑا اہم ہے، وہ یہ کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے '' وایاك نستعین '' فرمایا، یعنی ہمیں سکھایا کہ یوں کہو، اے اللہ! ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کس چیز میں آپ سے مدد مانگتے ہیں؟ اس کو متعین نہیں کیا، بس مطلق یہ کہا کہ اے اللہ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں، عربی زبان کے قاعدے سے جب کوئی شخص کسی چیز کی تعیین نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز میں مانگتے ہیں، عبادت میں آپ سے مدد مانگتے ہیں، دنیا کے ہر کام میں بھی آپ کی مدد مانگتے ہیں، آخرت کے ہر کام میں بھی آپ کی مدد مانگتے ہیں۔

ایک اور نکتہ

درحقیقت اس میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی پہلی صفات بیان فرمائی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، تو ربّ العٰلمین کا مطلب یہ تھا کہ وہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے، انسانوں کے جہاں کا بھی، جنات کے جہاں کا بھی، جانوروں کے جہاں کا بھی، ہر عالم کے جہاں کا پروردگار ہے، اس آیت کا تعلق دنیا سے ہے، یعنی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی پرورش کررہا ہے، اور مالک یوم الدین کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی جو آخرت کا مالک ہے اور الرحمٰن الرحیم جو بیچ میں آیا ہے، اس کا تعلق دونوں سے ہے، دنیا سے بھی، اور آخرت سے بھی، پہلے تو یہ بتادیا کہ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہوگا وہ ہمارے حکم سے ہوگا، وہ ہماری مشیت سے ہوگا، ہمارے فیصلے کے مطابق ہوگا، اور ہم ہی کریں گے، اب اگلی آیت میں یہ کہا جارہا ہے کہ ہم سے مدد مانگو، اور کہو وایاك نستعین، اے اللہ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں، یعنی دنیا کے ہر کام میں بھی آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور آخرت کے ہر کام میں بھی آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

یہ ایک بہت بڑا عظیم نسخہ بتادیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مجھ سے تعلق تمہارا مضبوط ہو اور تم مجھ تک پہنچو تو اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ کا بھکاری بنالو، میری بارگاہ کے بھکاری بن جاؤ، کیا

معنی؟ کہ ہر وقت مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہو، دنیا کی کوئی ضرورت پیش آئے مجھ سے مانگو، اور آخرت کی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے مانگو، ہر چیز مجھ سے مانگو، اور دنیا میں تو قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑے سے بڑا آدمی ہو اور کتنا ہی سخی اور داتا ہو، لیکن اگر کوئی آدمی اس سے بار بار مانگتا رہے کہ ابھی یہ مانگا، پھر دوسرے لمحے دوسری چیز مانگی، پھر تیسرے لمحے تیسری چیز مانگ لی، اور پھر مانگتا ہی رہے تو کچھ دنوں کے بعد وہ اکتا جائے گا، کہے کہ بھائی تو تو پیچھے ہی پڑ گیا، ایک چیز پر تو بس نہیں کرتا، تیرے کو یہ بھی دے رہا ہوں، وہ بھی دے رہا ہوں، اس کے باوجود تیرا ہاتھ پھیلا ہوا ہے، تو پھر بھی مانگتا رہتا ہے، تو وہ اس کو دھتکار کر نکال دے گا، لیکن اس کریم کی بارگاہ ایسی بارگاہ ہے وہ کہتا ہے کہ جتنا مانگو مجھ سے میں اتنا ہی تم سے خوش ہوں گا، بلکہ حدیث میں آتا ہے:

مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کیوں نہیں مانگا، بندے کا مانگنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بڑا محبوب ہے، حدیث میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگو کہ یا اللہ! میرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا ہے، اس کو درست کروا دیجئے، تو کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی بڑی سے بڑی حاجت دنیا و آخرت کی ایسی نہ ہونی چاہئے جس میں ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کر کے مانگ نہ رہے ہوں، اور یہ ایسا عجیب اور

آسان نسخہ بتایا اپنے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کا۔

ایک نادان بچے سے سبق لو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ جن کی مثنوی مشہور ہے، ایک جگہ انہوں نے مثنوی میں فرمایا کہ دیکھو کبھی تم نے چھوٹے بچے کو دیکھا؟ وہ چھوٹا بچہ جس میں سمجھ پوری طرح نہ آئی ہو، وہ ہر کام میں اپنی ماں ہی کو سب سے بڑا کارساز سمجھتا ہے، کوئی بھی مسئلہ پیش آجائے تو ماں ہی کو پکارے گا، امی امی کر کے پکارے گا، یہاں تک کہ اگر وہ گھر سے باہر ہو جہاں ماں پاس نہیں ہے، اور کوئی دوسرا بچہ اس کو مار دے یا کوئی تکلیف پہنچا دے، تو فوراً اس کی زبان پر اپنی امی کا لفظ آئے گا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ ماں اس وقت نہیں سن رہی، لیکن پھر بھی امی کہہ کے وہ پکارے گا، اور فریاد کرے گا ماں سے، تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب ماں تو ہر جگہ نہیں دیکھتی، ماں ہر جگہ نہیں ہوتی، اس کے باوجود بچہ ماں کو پکارتا ہے، اور لیکن تم جس خالق کائنات کے بندے ہو، وہ تو ہر جگہ موجود ہے، ہر جگہ سن رہا ہے، اس نے کہا:

اَنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ ۢ بَصِیۡرٌ

اللہ تعالیٰ ہر چیز دیکھ بھی رہے ہیں اور سن بھی رہے ہیں، تو کیا تم ایک بچے کی طرح بھی نہیں کر سکتے؟ اپنے خالق کائنات سے ایسا تعلق بھی پیدا نہیں کر سکتے، جو ایک بچہ اپنی ماں سے کر سکتا ہے کہ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے تو تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کرو، اس سے مانگو۔

ہر ضرورت اللہ تعالیٰ سے مانگو

بزرگوں نے فرمایا کہ آدمی جب دنیا میں زندگی گزارتا ہے تو کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں اسے کوئی حاجت نہ ہو، لہٰذا وہ ساری حاجتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا رہے، اور رٹ لگائے رکھے مانگنے کی، آپ گھر سے نکلے اور مسجد میں آئے، اور گرمی لگ رہی ہے، تو اللہ میاں سے کہو کہ یا اللہ! گرمی لگ رہی ہے، گرمی کی شدت کو دور فرمادیجئے، باہر نکلے گھر جانا ہے، کوئی سواری کی تلاش ہے، تو یا اللہ! آپ مجھے اچھی سواری دلوادیجئے، سواری میں بیٹھ گئے تو یا اللہ خیر وعافیت کے ساتھ گھر پہنچادیجئے، گھر پہنچے تو یا اللہ گھر میں داخل ہوں تو اچھا منظر دیکھوں، گھر والوں کو عافیت کے ساتھ پاؤں، کوئی پریشانی کی بات نظر نہ آئے، کوئی مشکل پیش نہ آئے، جو کام بھی کر رہے ہوں اور جس کام کا آگے ارادہ ہو، اس کام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو مسلسل پکارتے رہو، مسلسل اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگتے رہو، اس سے تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوگا، اور اس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نزدیک ترین راستہ اختیار کر رہے ہو۔

مختلف مواقع کی دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر پڑھنے کے لئے دعائی تلقین فرمائی ہیں، کہ مثلاً جب بیدار ہو، سو کر اٹھو تو یہ کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ

جب غسل خانے میں جانے لگو تو پہلے پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

یا اللہ! میں آپ سے خبیث مخلوقات سے اور نجاستوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ فارغ ہوکر واپس آؤ تو کہو:

غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ

پھر جب مسجد میں جانے لگو فجر کے وقت تو راستے میں یہ پڑھتے ہوئے جاؤ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَ عَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَ عَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَ مِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَمِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا

اور مسجد میں داخل ہونے لگو تو کہو:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

مسجد سے باہر نکلو تو کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

اور پھر جب اپنے گھر میں واپس آؤ تو کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَ خَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَ لَجْنَا وَ بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

کھانا سامنے آجائے تو کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ هٰذَا مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

کھانا شروع کرو تو کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَكَةِ اللّٰهِ

اور کھانا ختم کرو تو کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ کَفَانَا وَ آوَانَا اَرْوَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

غرض زندگی کے مختلف مرحلوں میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دعائیں تلقین فرمائی ہیں۔

ایک دعا بھی قبول ہو جائے تو

یہ دعائیں بھی بذات خود ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک دعا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑا پار ہو جائے، دیکھو! جب مسجد میں داخل ہو رہے ہو تو کیا دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔

اگر تنہا یہ چھوٹی سے دعا قبول ہو جائے بارگاہ الٰہی میں اور رحمت کے دروازے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کی طرف کھل گئے تو دنیا و آخرت کا کوئی کام ایسا نہیں ہے اس کا جو سیدھا نہ ہو جائے، ان میں ایک ایک دعا ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دعا بھی قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑا پار ہو جائے، ان دعاؤں کا ایک فائدہ تو یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو رہا ہے

لیکن دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے، بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر، انسان اپنا رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جوڑ رہا ہے، اور اپنا

تعلق مضبوط کر رہا ہے، تعلق مع اللہ کا لفظ آپ نے سنا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا مضبوط ہونا، سارے صوفیاء کرام، سارے اولیاء عظام جس مقصد کے لئے ریاضتیں اور مجاہدات کرتے رہے وہ یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا تعلق مضبوط ہو جائے، اس کا آسان راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمایا اور ایک زمانے میں میں نے یہیں پر ان دعاؤں کی تشریح عرض کی تھی، شاید سال بھر تک سلسلہ چلا تھا، اب وہ چھپ بھی گئی ہے، میرے جو اصلاحی خطبات ہیں، اس کی تیرہویں جلد میں ان دعاؤں کی تشریحات وغیرہ بھی اس کے اندر آگئیں ہیں۔ بار بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرنے کی تلقین فرمائی وہ کیوں؟ تا کہ بندہ ایاك نعبد و ایاك نستعین کا عملی مظاہرہ پیش کرے، اور کہے کہ یا اللہ ہم ہر بات میں آپ ہی سے مدد مانگ رہے ہیں، آپ ہی سے رجوع کرتے ہیں، جب بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی کثرت سے رجوع کرتا ہے تو قرآن کہتا ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِىْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ يَهْدِىْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

(سورة الشوریٰ: ۱۳)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ جسکو چاہتے ہیں منتخب کر کے اپنا بنا لیتے ہیں اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کا راستہ عطا فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

بہر حال! سورۂ فاتحہ میں پہلے ہی قدم پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ مجھ سے مانگا کرو، جوتے کا تسمہ ٹوٹے تو مجھ سے مانگو، چراغ

گل ہو جائے تو مجھ سے مانگو، بجلی چلی جائے تو مجھ سے مانگو، اگر بھوک لگ رہی ہے تو مجھ سے مانگو، پیاس لگ رہی ہے تو مجھ سے مانگو، سواری کی تلاش ہے تو مجھ سے مانگو، ہر چیز ہر لمحہ اور ہر قدم پر کچھ نہ کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو، اس میں نہ کوئی دشواری نہ کوئی وقت خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی پیسے لگتے ہیں، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اپنی حاجتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا رہے اور مانگتا رہے، تو اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کو نواز دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں کہ

آج مجھے پہنچنے میں دیر ہوئی، راستہ میں ٹریفک جام تھا، اس وجہ سے پہنچنے میں تاخیر ہوئی، تھوڑا سا وقت باقی ہے اور سورہ فاتحہ کی چوتھی آیت کا بیان پچھلے چند ہفتوں سے چل رہا تھا، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفات بیان کرنے کے بعد ہمیں اور آپ کو یہ کہنے کی تلقین فرمائی ہے" اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ " اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ آیت بظاہر دیکھنے میں چھوٹی سی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں مضامین کی ایک کائنات پوشیدہ ہے، اس کے دو پہلو تو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

اس آیت کا تیسرا پہلو

ایک تیسرا پہلو جو اس آیت کریمہ کے بالکل ظاہری مفہوم سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں ہمیں درحقیقت یہ تلقین کر رہے ہیں کہ عبادت کے لائق اللہ جل جلالہ کے علاوہ کوئی نہیں، اور یہی معنی ہیں لا الہ الا اللہ کے، جب یہ کلمہ پڑھا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو معنی یہ ہوئے" اللہ کے سوا کسی کو بھی معبود نہیں مانوں گا" لہٰذا عبادت کے جتنے کام ہیں وہ سوائے اللہ کے کسی اور کے لئے نہیں ہیں، صرف اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں، مثلاً سجدہ ہے، یہ سجدہ ایک عبادت ہے، یہ سوائے اللہ کے کسی اور کو کیا نہیں جا سکتا، یا نماز ہے تو اللہ ہی کے لئے ہوگی، سجدہ ہے تو اللہ ہی کے لئے ہوگا، طواف ہے تو اللہ ہی کے لئے ہوگا، لہٰذا یہ آیت اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ کوئی شخصیت یا کوئی ذات اللہ کے سوا کتنی ہی مقدس کیوں

نہ ہو، کتنی ہی قابل عظیم کیوں نہ ہو، لیکن سجدہ اسے نہیں کیا جا سکتا، عبادت اس کی نہیں کی جا سکتی، عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ شرک کے اندر داخل ہے

لہٰذا یہ جو ہمارے یہاں رواج چل پڑا ہے قبروں پر سجدے کرنے کا، کہتے ہیں کہ یہ بڑے ولی اللہ تھے، لہٰذا ہم ان کی قبر کو سجدہ کریں تو یہ عمل اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے بالکل خلاف ہے، سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو کرنا، قبروں کا طواف کرنا، جیسے ہمارے ہاں پیروں فقیروں کے مزارات کے اوپر عام رواج ہے، یہ اس آیت کریمہ کے تحت بالکل شرک ہے، اس لئے کہ عبادت کا کام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے کیا جائے تو یہ شرک کہلاتا ہے، جتنی بھی مقدس شخصیات ہیں ان کی تعظیم وتکریم اپنی جگہ ہے، ان کا ادب اپنی جگہ ہے، انسان کو ان کا ادب کرنا چاہئے لیکن کوئی بھی عبادت کا کام سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے سامنے نہیں کیا جا سکتا، اس آیت میں ایک تو اس بات کی وضاحت ہے۔

مدد بھی اللہ ہی سے مانگنی ہے

اس آیت میں جو دوسرا جملہ ہے "وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" اے اللہ ہم مدد بھی آپ ہی سے مانگتے ہیں، کسی اور سے نہیں، صرف عبادت کا معاملہ نہیں ہے کہ عبادت اللہ کے لئے کرنی ہے بلکہ مدد بھی اللہ ہی سے مانگنی ہے ہر معاملہ میں، یہ جو دنیا کے اندر بظاہر نظر آتا ہے کہ بعض لوگ دوسروں سے بھی مدد مانگتے ہیں، مثلاً بیمار ہو گئے تو ڈاکٹر کے پاس گئے، اور اس سے مدد لے رہے ہیں کہ بتاؤ کہ کیا دوا، استعمال

کریں، کوئی مکان تعمیر کرنا ہے تو معمار کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم ہماری مدد کرو، یہ جو دنیا کے اندر ہم مختلف کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیت میں تنبیہ اس بات پر فرما رہے ہیں کہ یہ اسباب جو تم دنیا میں اختیار کر رہے ہو اور ان اسباب کو اختیار کرنے میں کوئی گناہ بھی نہیں۔

شفا دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں

لیکن یہ ہر وقت پیش نظر رکھو کہ اصل دینے والا ایک ہی ہے، بیشک بیمار ہوئے ڈاکٹر کے پاس گئے، اس نے دوا تجویز کی، دوا آپ نے استعمال کی، یہ سب جائز ہے تمہارے لئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام ایسا بنایا ہے، لیکن یہ سمجھ لو کہ شفاء دینے والی ذات نہ ڈاکٹر کی ہے، نہ حکیم کی ہے، شفاء دینے والی ذات ایک ہی ہے، ایک ہی دوا ہے، ایک ہی بیماری ہے، ایک آدمی کو شفاء ہو جاتی ہے اور ایک کو نہیں ہوتی، ایک آدمی کے لئے ایک دوا کارآمد ہوتی ہے، دوسرے کے لئے کارآمد نہیں ہوتی، کیوں نہیں ہوتی؟ اس واسطے کے دوا بیشک ایک سبب ہے، لیکن اس سبب میں تاثیر پیدا کرنا سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کے لئے ممکن نہیں۔

دوا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہے

ہمارے ایک کرم فرما دوست تھے، بزرگ تھے، ساری زندگی ڈاکٹری کے شعبے ہی میں گزری، آخر میں ان کی عمر ۷۵ سال ہوگئی تھی، بڑے تجربے کار ڈاکٹر تھے، مختلف ہسپتالوں کے نگران بھی رہے، اور ان کا ذاتی مطب بھی بڑا پُر ہجوم ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ فرمانے لگے کہ میری ساری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ میں کسی کو

دوا دیتا ہوں تو دوا انسان کے جسم میں جانے کے بعد کہیں اور رجوع کرتی ہے، کہیں اور سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ فائدہ ہو جائے یا الٹی پڑ جائے، اور جو جواب ملتا ہے اس کے مطابق کام کرتی ہے، اس واسطے ساری زندگی کا تجربہ ہے کہ ایک ہی بیماری ہے، ایک ہی تکلیف ہے، وہی دوا ہے، ایک آدمی کو دی تھی فائدہ ہو گیا تھا، وہی دوا اسی بیماری میں دوسرے آدمی کو دی، فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ وہی بیماری پہلے آئی تھی، ایک ہی شخص کو دوا دی تھی فائدہ ہو گیا تھا، چھ مہینے کے بعد وہی شخص ہے، وہی بیماری ہے، وہی تکلیف ہے اور وہی دوا ہے، کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے ذریعہ یہ بتلا رہے ہیں کہ جن سے تم ظاہری طور پر مدد مانگتے بھی ہو دنیا میں، تو یہ سمجھ لو کہ اصل میں دینے والے وہی ہیں اور ان کی مدد سے تمہارا کام ہو جائے گا، جب تک ہماری مشیت نہیں ہوگی، جب تک جب تک ہمارا حکم نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی دوا، کوئی علاج، کوئی سبب تاثیر پیدا نہیں کر سکتا، تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا ایک پہلو یہ ہے کہ زندگی کا کوئی کام کرنے کے لئے نکلو، یا کسی شخص سے کوئی مدد مانگو، یا کوئی سبب اختیار کرو تو ہر وقت پیش نظر یہ رکھو کہ اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا سوائے اللہ جل جلالہ کے کوئی نہیں ہے۔

گاہک کون بھیج رہا ہے؟

آپ نے دکان کھول لی، مال لا کر رکھ دیا، خود جا کر دکان پر بیٹھ گئے، لیکن گاہک بھیجنے والا کون ہے؟ تمہارے اندر طاقت ہے کہ گاہک کو زبردستی پکڑ کر لے

آؤ؟ گاہک بھیجنے والا تو کوئی اور ہی ہے، وہ اپنی مشیت سے، اپنی حکمت سے، اپنی قدرت سے جس کے دل میں ڈال دے گا وہی شخص تمہارے پاس سامان خریدنے آجائے گا، اس کی مشیت ہوگی، اس کی اجازت ہوگی اور اس کا حکم ہوگا تو گاہک آکر تم سے مال خریدے گا، اور اگر اس کی مشیت نہیں ہوگی، اس کا حکم نہیں ہوگا تو تم دکان کھولے بیٹھے رہو گے، کوئی آکر پر بھی نہیں مارے گا۔

ہر کام میں اللہ سے مدد مانگو

لہٰذا جو کام کرو، جو بھی راستہ اختیار کرو، مدد اسی سے مانگو کہ یا اللہ! میں نے اپنی طرف سے تو اس کا سبب اختیار کرلیا ہے، اور میرے بس میں جتنی کوشش ہے وہ کوشش کر رہا ہوں، لیکن اے اللہ! کوئی کوشش کارآمد نہیں ہوسکتی، جب تک آپ کا حکم نہ ہو، آپ کی طرف سے تاثیر نہ ہو، اے اللہ! میں آپ سے مدد مانگتا ہوں، آپ اس کام میں تاثیر پیدا فرمادیجئے۔

انشاء اللہ کہنے کا رواج

یہ جو ہم مسلمانوں کے اندر بحمد للہ رواج ہے کہ جب کوئی آئندہ کا کام ہونے والا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ انشاء اللہ ایسا ہو جائے گا، قرآن کریم کی تعلیم ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْئٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذَالِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ

(سورة الكهف: ٢٣-٢٤)

ترجمہ: کبھی یہ نہ کہو کہ کل میں یہ کام کروں گا، جب تک یہ نہ کہو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، یعنی انشاء اللہ، انشاء اللہ کے معنی ہیں اگر اللہ نے چاہا، یہ اس لئے بتایا جارہا

ہے کہ تم نے اپنی طرف سے تو ساری کوشش کر رکھی ہے، کہ کل کو میں فلاں کام کروں گا، لیکن وہ کام واقع ہوتا ہے کہ نہیں یہ تمہارے قبضے میں نہیں ہے، اس واسطے اگر کبھی آئندہ کے لئے یا کل کے لئے کوئی بات کہو تو انشاء اللہ کہو، یعنی اگر اللہ نے چاہا تو یہ ہوگا، بہت سے ڈاکٹر بھی بغیر انشاء اللہ کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ دوا ہے، تمہیں اس سے فائدہ ہوگا کہہ دیا، بغیر انشاء اللہ کہے ہوئے، یہ بہت بری بات ہے، کہنا یہ چاہیے کہ انشاء اللہ اس دوا سے تمہیں فائدہ ہوگا، اگر اللہ نے چاہا تو فائدہ ہوگا، اس دوا کے اندر کیا رکھا ہے، کچھ بھی نہیں، آخر اس دوا کے اندر تاثیر تم نے پیدا کی تھی کہ فلاں جڑی بوٹی میں، یا فلاں کیمیکل میں یہ تاثیر ہے، تو کیا یہ تم نے پیدا کی تھی؟ ہر چیز میں تاثیر اللہ ہی نے پیدا کی ہے، وہی جب چاہے اس کو روک دے۔

آگ کو گلزار بنا دیا

وہ چاہے تو آگ کو گلزار بنا دے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو حکم دیدیا:

يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ (سورۃ الانبیاء: ۶۹)

ترجمہ: اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔

آگ کو اللہ نے سلامتی کا سبب بنا دیا، اور باغ بنا دیا، اور اگر چاہے تو باغ کو آگ بنا دے، تو اس واسطے کسی چیز پر بھروسہ نہ کرو، سوائے اللہ جل جلالہ کی تاثیر کے، اس کی مشیت کے، اس کے حکم کے، کسی اور اور پر بھروسہ نہ کرو، اسی کا نام توکل ہے کہ آپ اسباب ضرور اختیار کریں لیکن بھروسہ اللہ پر رکھیں، روزگار کی تلاش میں

نکلے ہو، تجارت کے لئے نکلے ہو، اللہ پر بھروسہ کرو، یا اللہ! میری طرف سے جو کرنے کا کام تھا، جو کچھ میرے اختیار میں کام تھا وہ میں نے کرلیا، اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ہر معاملہ میں کہو کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی موثر حقیقی مت سمجھو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی کام انجام دینے والا نہ سمجھو، یہ سمجھو کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، اسی لئے یہ تعلیم دی گئی کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس حقیقت کو سمجھنے کی بلکہ اس کو ہر آن پیش نظر رکھنے کی اور اس کا دھیان رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سجدہ کسی اور کے لئے جائز نہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سجدہ کسی اور کے لئے جائز نہیں

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّہْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ،اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، و الحمد للّٰہ رب العٰلمین.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! پچھلے دنوں میرے سفر کی وجہ سے ناغے

ہوتے رہے، لیکن اس سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تشریح کا بیان چل رہا تھا اور اس کی چوتھی آیت کے اوپر چند بیانات ہوئے تھے، اور آج بھی اسی کا تکملہ کرنا ہے، ذہن میں بات کو تازہ کرنے کے لئے پہلے چار آیتوں کا ترجمہ بیان کر دیتا ہوں کہ ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہ سب پر رحم کرنے والا ہے، بہت رحم کرنے والا ہے، جو سزا و جزاء کے دن کا مالک ہے'' یہ تو اللہ جل شانہ کی صفات کا بیان تھا، آگے ہمیں اور آپ کو یہ کہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ ہم اللہ جل جلالہ کو یہ کہیں کہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، یہ چوتھی آیت تھی جس پر میں نے تقریباً پچھلے تین جمعوں میں اس کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا تھا کہ اس سے کیا کیا سبق ملتے ہیں، اور ہماری عملی زندگی کے لئے اس سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اسی کا آج تکملہ ہے۔

دوسرے جملے میں عقیدہ توحید

''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں دو جملے ہیں، ایک جملہ ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں کرتے، اور دوسرا ''وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کہ ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کسی اور سے نہیں، جہاں تک پہلے جملے کا تعلق ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' یہ عقیدہ توحید کا لازمی تقاضہ ہے، جب آپ نے یہ کلمہ پڑھ لیا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ یعنی کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر عبادت بھی صرف اللہ ہی کی ہوگی، اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی، اسی لئے صرف اتنا

ہی نہیں کہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز نہیں، شرک ہے، بلکہ وہ سارے اعمال جن میں عبادت کا کوئی پہلو ہوتا ہے، یا عبادت کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، یا عبادت کے مشابہ کوئی کام ہوتا ہے، وہ بھی اللہ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

سجدہ کسی اور کے لئے جائز نہیں

مثلاً سجدہ کرنا، یہ عبادت کا ایک طریقہ ہے تو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو، کتنا ہی بڑا ولی ہو، کتنا ہی بڑا بزرگ ہو، اس کے آگے سجدہ نہیں ہوسکتا، سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، پیشانی صرف اللہ کے آگے جھکے گی، اس کے علاوہ کسی اور کے آگے نہیں جھکے گی۔

سجدہ تعظیمی کی بھی اجازت نہیں

ہاں ایک وقت میں سجدہ صرف عبادت کی علامت نہیں تھی، بلکہ بعض اوقات سجدہ تعظیم کے لئے بھی کیا جاتا تھا، جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے آگے سجدہ کرو، تو یہ سجدہ عبادت کا سجدہ نہیں تھا، بلکہ تعظیم کا سجدہ تھا، جو بعض امتوں میں جائز رہا، لیکن امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آپ نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ اب تعظیم کے لئے بھی کسی کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں، کوئی کتنا بڑا بزرگ ہو، کوئی ولی ہو، کوئی اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہو، اس کے آگے سجدہ جائز نہیں۔

قبروں پر سجدہ کرنا شرک ہے

لہٰذا ہمارے علاقوں میں جو طریقہ چلا ہوا ہے کہ بسا اوقات لوگ قبروں کے آگے سجدہ کرتے ہیں، تو قبروں کو سجدہ کرنے کا عمل ''ایاک نعبد'' والی آیت کے بالکل خلاف اور منافی ہے، اللہ بچائے شرک کے قریب پہنچانے والی چیز ہے کہ کسی کو سجدہ کیا جائے، دیکھو! ہمارے یہاں اولیاء اللہ کے مزارات ہیں، وہاں پر لوگ جا کر سجدہ کررہے ہیں، ایک مرتبہ میں ایک ایسے مزار کے پاس تھا تو دیکھا کہ لوگ سجدے کررہے ہیں، مجھے دیکھ کر کپکپی طاری ہوگئی کہ اللہ کے سوا ایک مسلمان کسی اور کے آگے سجدہ کرے! تو میں نے ان سے کہا کہ آپ صاحب مزار کو سجدہ کررہے ہو، اللہ کے سوا کسی اور کے آگے سجدہ کرنا شرک ہے، تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو اللہ تک انہی کے ذریعہ پہنچتے ہیں، اس واسطے ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں تاکہ اللہ تک پہنچیں۔

یہ مشرکین کا عقیدہ تھا

یہ بعینہٖ وہ بات ہے جو مشرکین مکہ کہا کرتے تھے، مکہ کے مشرکین کا اللہ پاک نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ بتوں کے آگے سجدہ کرتے تھے تو ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہا کرتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفًا (سورۃ الزمر: ۳)

یعنی ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کردیں، وہی بات آج مسلمان بھی کہہ رہے ہیں، اللہ بچائے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ یہ پیشانی اللہ نے صرف اپنے لئے بنائی ہے، یہ کسی

اور کے آگے ٹِک نہیں سکتی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے آگے جھکے گی، کسی اور کے آگے نہیں جھکے گی۔

طواف کی عبادت

اسی طرح بعض اور عبادت کے طریقے ہیں، مثلاً طواف ہے، یہ سوائے اللہ جل جلالہ کے گھر کے کسی اور جگہ کا طواف جائز نہیں، یہاں تک کہ روضۂ اقدس کا طواف بھی جائز نہیں، اللہ کے گھر کے طواف کا اللہ نے حکم دیا ہے، کسی مقبرہ پر کسی مزار پر طواف اور کسی بھی چیز کا طواف جائز نہیں، طواف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اللہ کے سوا غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔

کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں

پھر بعض چیزوں میں شریعت نے اتنی احتیاط سے کام لیا ہے کہ بعض چیزیں جو براہ راست عبادت تو نہیں ہیں لیکن عبادت کے مشابہ بن جاتی ہیں، ان سے بھی منع کیا ہے، مثلاً کسی انسان کے آگے جھکنا کہ رکوع کے قریب پہنچ جائے، یہ منع ہے، بعض لوگ کسی بزرگ کی تعظیم کرنے کے لئے یا ان کے ہاتھ چومنے کی خاطر اتنا جھک جاتے ہیں کہ وہ رکوع کے قریب قریب ہو جاتے ہیں، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ مشابہت پیدا ہو رہی ہے غیر اللہ کی عبادت کی، اس لئے اتنا نہ جھکو کہ غیر اللہ کے سامنے رکوع کے قریب پہنچ جاؤ۔

دوسروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا

طریقہ جس میں ایک آدمی خود تو بیٹھا ہوا ہو، اور دوسرے لوگ اس کے آگے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہوں، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، یہ قیصر و کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی رسم تھی کہ جب وہ کرسی پر بیٹھتے تھے تو وہ خود تو بیٹھے ہوتے تھے اور لوگ ان کے سامنے صف باندھے ہوئے کھڑے ہوتے تھے، اور اگر ہاتھ باندھے ہوئے ہیں تو وہ عبادت کے اور زیادہ قریب پہنچ گئے، ان سب چیزوں سے منع کیا گیا ہے، ان میں بڑی احتیاط چاہئے، ٹھیک ہے اللہ کے نیک بندوں کی تعظیم بہت اچھی بات ہے، جو اللہ کے ولی ہیں، جو اللہ کے نیک بندے اور بزرگ ہیں، ان کی تعظیم بہت اچھی بات ہے، لیکن تعظیم تعظیم کی حد تک ہو، آگے عبادت جیسی نہ بن جائے، ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے عبادت کا شائبہ پیدا ہو، اس کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، اس لئے فرمایا کہ "ایاك نعبد" اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، اور یہی تو وہ سجدہ ہے کہ مسلمان کی پیشانی جب اللہ جل جلالہ کے آگے ٹکتی ہے تو پھر یہ دنیا کی کسی چیز کے آگے نہیں ٹک سکتی۔

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لوگوں کو بہت مشکل لگتا ہے کہ کیسے نماز پڑھوں، اور کیسے سجدہ کروں، اس لئے اقبال کہتے ہیں:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جب اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کا عادی ہو گیا، تو پھر اس کو کہیں اور سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور جو اللہ کے آگے پیشانی نہ ٹیکے، اللہ کے آگے سجدہ نہ کرے، اس کو پتہ نہیں کہاں کہاں سجدے کرنے پڑتے ہیں، کس کس کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، کس کس کے آگے خود کو ذلیل کرنا پڑتا ہے، یہ تو وہ سجدہ ہے کہ ہزار سجدوں سے نجات دے کر ایک ہی خالق اور مالک کی طرف انسان کو پہنچاتا ہے، اس سجدے کے قدر پہچاننے کی ضرورت ہے۔

ہم تو صبح و شام دوسروں سے مدد مانگتے ہیں

دوسرا جملہ اس آیت کریمہ میں ہے "وایاك نستعین" اے اللہ! ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، یعنی آپ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے دنیا کے کاموں میں پتہ نہیں کن کن لوگوں سے مدد مانگتے ہیں، بیمار ہو گئے تو ڈاکٹر سے مدد مانگتے ہیں کہ بھائی ہمارا علاج کردو، بے روزگار ہو گئے تو کسی آدمی سے مدد مانگتے ہیں کہ مجھے روزگار دلا دو، کوئی اور مسئلہ پیش آگیا تو اس کے اندر انسانوں سے مدد مانگتے ہیں کہ مجھے فلاں چیز خریدنی ہے، میری مدد کرو، مجھے راستہ بتادو کہ کہاں جاؤں؟ وغیرہ وغیرہ...... تو دل میں خیال یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تو دنیا میں پتا نہیں کن کن سے دن رات مدد مانگتے رہتے ہیں، پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پانچ وقت نماز میں کھڑے ہو کر کہہ رہے ایاك نستعین اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں، یعنی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے، حالانکہ دوسروں سے مدد مانگ رہیں۔

دوسروں سے مدد مانگنے کی حقیقت

خوب سمجھ لیجئے کہ یہاں جو فرمایا جارہا ہے "وایاك نستعین" یہ ایک بہت عظیم حقیقت کا دھیان پیدا کرنے کے لئے فرمایا جارہا ہے، وہ یہ کہ اصل میں حقیقی مدد اسی سے مانگی جاسکتی ہے جو مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہو، اس کے اختیار میں اور اس کی قدرت میں ہو کہ وہ دوسرے کی مدد کرے، وہ مدد یہاں پر مراد ہے، ہم جو دنیا میں مدد مانگتے رہتے ہیں مثلاً بیمار ہوگئے تو ڈاکٹر کے پاس چلے گئے تو درحقیقت یہ ایک سبب کا اختیار کرنا ہے، جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود حکم دیا ہے کہ بیمار ہو جاؤ تو علاج کرو، لیکن یہ اعتقاد ہر آن اور ہر لحہ دل میں ہونا چاہئے کہ جاتو رہے ہیں ڈاکٹر کے پاس اور اس لئے جارہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ علاج کرو، لیکن شفا دینا اس کا کام نہیں، شفا دینا اس کے اختیار میں نہیں، اس کی قدرت میں نہیں، ہم اس سے جاکر اس معنی میں مدد مانگ رہے ہیں کہ اللہ نے اس کو ایک سبب بنادیا ہے۔

کیا شفاء دینا ڈاکٹر کے اختیار میں ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کے پاس یہ طاقت کہاں سے آگئی کہ وہ آپ کو شفاء دے؟ ڈاکٹر کے پاس یہ علم کہاں سے آیا کہ جس سے وہ یہ پہچانے کہ آپ کو کیا بیماری ہے؟ اس بیماری کا کیا علاج ہے؟ علم بھی تو اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے عطا کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا نہیں ہوتا تو کسی ڈاکٹر کی مجال نہیں تھی کہ وہ کسی بیماری کو پہچان سکتا، اور اسکا علاج کرسکتا، اور جو دوا اس نے تجویز کی کہ یہ دوا کھالو،

اس سے تمہیں آرام ملے گا، تو اس دوا میں تاثیر کس نے پیدا کی ہے؟ کیا ڈاکٹر نے پیدا کردی تھی؟ وہ تاثیر پیدا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا جب کسی ظاہری سبب کو اختیار کرو تو اس وقت دل کے اندر یہ بات بیٹھی ہونی چاہئے کہ اس چیز کے اندر بذات خود کوئی تاثیر نہیں ہے، نہ طاقت ہے اور نہ ہی کوئی قوت ہے کہ میری مدد کر سکے، تمام تر تاثیر، طاقت اور قوت اللہ جل جلالہ کی ہے، میں ڈاکٹر کے پاس بھی جاؤں گا، دوا بھی کھاؤں گا، لیکن مدد اللہ سے مانگوں گا کہ اے اللہ! آپ اس میں تاثیر عطا فرما دیجئے۔

مدد اللہ ہی سے مانگو

بہر حال! جو بھی سبب ہم اس دنیا میں اختیار کرتے ہیں، اس میں صرف سبب اختیار کرنا ہمارا کام ہے، حقیقی مدد سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں مانگی جا سکتی، تو تنبیہ یہ کی جا رہی ہے کہ تم اسباب تو اختیار کرو لیکن ساتھ میں یہ تصور کر لیا کرو کہ یہ اسباب کچھ بھی نہیں ہیں، جب تک کہ ان اسباب کو پیدا کرنے والا جس کے ہاتھ میں قدرت اور طاقت ہے وہ تاثیر پیدا نہ کر دے، اس وقت تک تاثیر پیدا نہیں ہوگی، لہٰذا مدد اسی سے مانگو، دوا لو لیکن مدد اسی سے مانگو کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے اس کے اندر تاثیر پیدا فرما دیجئے، یا اللہ! باہر نکل تو رہا ہوں روزگار کی تلاش میں، یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے نافع روزگار عطا فرما دیجئے، یا اللہ! میں تجارت کے لئے دکان کھول کر تو بیٹھا ہوں، لیکن اس میں گاہک بھیجنا اور اس میں نفع دینا یہ آپ کی قدرت میں ہے، لہٰذا آپ ہی عطا فرما دیجئے۔

حقیقی مؤثر اللہ ہی ہے

لہٰذا یہ ساری مددیں جو بظاہر دنیا میں ہم مانگ رہے ہیں، یہ محض اسباب ہیں، لیکن حقیقی مدد سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں مانگی جاسکتی، کبھی یہ اعتقاد نہ کرنا کہ اس دوا میں تاثیر ہے، اس سبب میں تاثیر ہے، تاثیر اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ عطا نہیں فرمائیں گے اس وقت تک کبھی تاثیر پیدا نہیں ہوگی، زمانہ جاہلیت میں یہ عقیدے پھیلے ہوئے تھے کہ فلاں چیز میں بذات خود یہ تاثیر ہے، مثلاً فلاں ستارہ نکل آئے گا تو بارش ہوگی، تو ان کے یہاں یہ ایک عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ جس وقت نکلے گا تو بارش ہوگی، اور بارش براہ راست اس ستارہ سے وابستہ ہے، وہ ستارہ بارش بھیجتا ہے۔

بارش دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر صبح کے وقت نماز فجر کے بعد دیکھا کہ ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی، آپ نے نماز کے بعد صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج اس بارش میں ہم انسانوں کے دو فریق ہوگئے ہیں، یعنی ایک فریق وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں یہ بارش اس ستارے نے دی، اور ایک فریق یہ کہتا ہے کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عطا فرمائی، تو بارش سے دونوں فائدہ اٹھارہے ہیں، لیکن پہلا فریق اس بارش کے نتیجے میں کفر میں جارہا ہے، شرک میں جارہا ہے، کیونکہ وہ کہہ رہا ہے کہ یہ بارش مجھے فلاں ستارہ نے دی ہے، اور دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور رحمت پر ایمان

لا رہا ہے، لہٰذا اس بارش کے نتیجے میں اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہورہا ہے، بہر حال جو کوئی بھی واقعہ پیش آئے تو مانگو اللہ سے کہ یا اللہ! آپ عطا فرمانے والے ہیں، بے شک ظاہری اسباب اختیار کرلو، لیکن دینے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں، ظاہری اسباب کو اختیار کرو۔

ظاہری اسباب بھی صرف زندوں سے

اسی میں یہ پہلو بھی آتا ہے کہ جو ظاہری اسباب ہیں یہ زندوں سے تو اختیار کیے جاسکتے ہیں، آدمی بیمار ہے ڈاکٹر کے پاس چلا گیا، اس سے مدد لی، اور سبب اختیار کرلیا، لیکن جو دنیا سے جاچکے، فرض کرو کوئی ڈاکٹر مر گیا، وہ بڑا ماہر و حاذق طبیب تھا، اور ہزاروں لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، جب دنیا سے چلا گیا تو اب آپ اس سے مدد مانگو، اس سے کہوں ڈاکٹر صاحب میری بیماری کے لئے مدد کردیجئے، تو یہ ہو نہیں سکتا، اس واسطے کے وہ دنیا سے جاچکا، جب دنیا میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سبب بنایا تھا، اور اس سے آپ اس معنی میں مدد مانگ سکتے تھے کہ ایک ظاہری سبب ہے، اگرچہ تاثیر اللہ کی طرف سے ہے، لیکن دنیا سے اٹھ جانے کے بعد، دنیا سے چلے جانے کے بعد پھر اس کا کوئی کردار دنیا میں باقی نہیں رہا، اس واسطے اس سے مدد نہیں مانگ سکتے۔

دنیا سے چلے جانے والے بزرگوں سے مدد

یہی حال اللہ کے نیک بندوں اور اولیاء اللہ اور بزرگوں کا کہ جب تک وہ زندہ ہیں تو آپ جا کر ان سے دعا کرواسکتے ہو کہ ہمارے لئے دعا کردیجئے کہ اللہ

ہمیں فلاں بیماری سے نجات دیدے، اللہ ہمیں قرض سے نجات دیدے، اگر وہ زندہ ہیں تو ان سے دعا کی درخواست کرنا ٹھیک ہے، لیکن جب دنیا سے جاچکے تو اب دنیا سے جانے کے بعد ان سے مانگنا کہ مجھے اولاد دیدو، میرے قرضے اترنے کا انتظام کردو، میری فلاں بیماری دور کردو، دنیا سے جانے کے بعد یہ ظاہری سبب کے طور پر بھی اب ممکن نہیں رہا، لہٰذا جو لوگ جاکر قبروں پر اور مزاروں پر مانگتے ہیں کہ اے داتا! مجھے اولاد دیدے، اے داتا! مجھے روزگار دیدے، یہ سب اللہ بچائے شرک کا شعبہ ہے، اور ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے بالکل خلاف ہے، تو بزرگانِ دین جب تک زندہ ہیں، ان سے آپ دعا کروالو، ان سے ہدایت حاصل کرلو، اور راہنمائی لے لو، لیکن جب وہ دنیا سے جاچکے تو اب ان کو پکارنا، مثلاً اے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مجھے شفاء دیدو، مجھے اولاد دیدو، مجھے روزگار دیدو، تو یہ اب نہیں ہوسکتا، جب تک وہ حیات تھے تو ان کی خدمت میں جاکر دعا کی درخواست کرسکتے تھے، وہ اللہ کے بڑے برگزیدہ ولی تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا مستجاب الدعوات بنایا تھا، ان سے دعا مانگنے کی درخواست کرسکتے تھے، لیکن جب دنیا سے چلے گئے تو اب ظاہری سبب کے طور پر بھی ان سے مانگنا توحید کے عقیدے کے خلاف ہے۔

صرف اللہ سے مانگو

اب مانگنا ہے تو اللہ سے مانگو کہ یا اللہ! مجھے اپنی رحمت سے عطا فرمادیجئے، ارے بھائی! جب اللہ تعالیٰ نے رحمت کا دروازہ کھولا ہوا ہے اور کہہ رکھا ہے کہ

میرے بندے جب میرے بارے میں پوچھیں تو ان سے کہہ دو میں ان کے قریب ہی ہوں، اور جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں، جب اتنا اعلان کر رکھا ہے تو کہیں اور جا کر مانگنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا ضرورت ہے کہ دوسرے کے پاس جائے اور مانگے؟ اللہ ہی سے مانگو، اللہ ہی سے سوال کرو، اس سے ہی مانگو، اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو دے سکے، یہ معنی ہیں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے اس آیت کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

فقہی مقالات

(مکمل ۴ رجلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے ۳۷ مقالات پر مشتمل مقبول ترین کتاب

قیمت : =/900 روپے

اصلاحی مجالس

(۶ رجلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کی مجالس پر مشتمل اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب

قیمت : =/1260 روپے

میمن اسلامک پبلشرز

اپنی کوشش پوری کرو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اپنی کوشش پوری کرو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۱)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوۡلَانَا الۡعَظِیۡمُ، وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمُ، وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰھِدِیۡنَ وَالشّٰکِرِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے دنوں میرے مختلف سفر کی وجہ سے

بہت ناغے ہوتے رہے لیکن اس سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا بیان چل رہا تھا۔سورۃ الفاتحہ کی کل سات آیتیں ہیں اور چار آیتوں کا بیان پچھلے جمعوں میں ہو چکا ہے،ان میں جو باتیں عرض کی گئیں اللہ تعالیٰ ان پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

پانچویں آیت ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ آج اس کا تھوڑا سا بیان کرنا ہے اس سے پہلی آیت تھی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپ کو یہ کہنا سکھایا کہ اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں،اور عبادت کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں ہے جب تک کہ آپ کی توفیق نہ ہو اے اللہ ہم آپ ہی کی مدد مانگتے ہیں وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد کیا مانگے؟ اگلی آیت میں سکھلا دیا گیا دعا یہ مانگو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما دیجیے یہ چھوٹا سا جملہ جس میں صرف تین لفظ ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لیکن یہ اتنی جامع دعا ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے حق میں یہ دعا قبول فرمالیں تو دنیا اور آخرت کے سارے مسئلے حل ہو جائیں یا اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما،صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ۔

سیدھا راستہ کیا ہے؟

سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے سیدھا راستہ وہ ہے جس میں اینچ پینچ نہ ہوں،موڑ توڑ نہ ہوں،اور آدمی سیدھا چلا جائے اور جا کر منزل تک پہنچ جائے،اس کو کہتے ہیں صراط مستقیم سیدھی راہ،کوئی موڑ نہیں،کوئی جھول نہیں،کوئی اینچ پینچ نہیں،سیدھا چلا جا

رہا ہے جا کر منزل تک پہنچ گیا صراط مستقیم کی ہمیں ہر چیز میں ضرورت ہے دنیا کے کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی، دنیا اور آخرت کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں صراط مستقیم کی انسان کو ضرورت نہ ہو آخرت کے لیے وہ راستہ چاہیے جو ہمیں سیدھا جنت تک پہچائے کیوں کہ آخرت کی منزل اللہ جل جلالہ کی رضا ہے، اور اللہ جل جلالہ کی رضا کا مظہر ہے جنت، ایسا سیدھا راستہ جو انسان کو جنت تک پہچا دے، دنیا کے کاموں میں بھی ہر کام میں انسان کو سیدھا راستہ یعنی صحیح طریقہ کی ضرورت ہے آپ اگر فرض کرو روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلو تو اس کے لیے بھی سیدھا راستہ چاہیے کہ کوئی ایسا راستہ ہو جو سیدھا اس روزگار تک پہنچا دے، آپ ملازمت کرنے کے لیے جا رہے ہوں، یا تجارت کرنے کے لئے جا رہے ہوں، یا کاشت کاری کرنے کے لئے جا رہے ہوں، کوئی بھی روزگار کا طریقہ اختیار کیا ہو، ہر کام میں ضرورت ہے کہ آدمی ایسا راستہ اختیار کرے جو سیدھا اس کو منزل تک پہنچائے اور دنیا کے ہر کام کو دیکھ لو کہ اس میں صحیح طریقہ اختیار کرنا یہ انسان کی ضرورت ہے، صحیح طریقہ سے کھائے پیئے، لوگوں سے معاملات کرے تو سیدھے راستے کے معاملات کرے، گھر والوں کے ساتھ معاشرت اختیار کرے تو صحیح راستے سے کرے، غرض کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں سیدھا راستہ مطلوب نہ ہو، اگر ہر چیز میں سیدھا راستہ مل جائے تو دنیا اور آخرت کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔

لفظ راستہ لانے کی وجہ

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے لفظ ''راستہ'' استعمال کیا

یعنی اے اللہ صحیح راستے کی ہدایت دے دیجئے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ راستہ کہاں لے جانے والا ہے؟ راستہ کی منزل کیا ہے؟ راستہ تو درحقیقت ایک واسطہ ہوتا ہے اصل مقصود راستے پر چل کر کوئی منزل حاصل کرنا ہوتا ہے، تو قرآن نے یہ نہیں کہا کہ کہاں کا راستہ، جنت کا راستہ، دنیا کے اندر خوشحالی کا راستہ، راحت و آرام کا راستہ، ان میں کسی چیز کی تعین نہیں کی، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ ہر چیز میں ہر کام میں چاہے وہ دنیا کا کام ہو، یا آخرت کا کام ہو اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دے دیجئے، سیدھا راستہ بجھا دیجئے، اور ہمیں سیدھے راستے پر گامزن کر دیجئے، تو یہ دعا اتنی جامع دعا ہے کہ اس میں دنیا اور آخرت کے سارے مقاصد سمٹ کر آ گئے ہیں اس لئے کہا گیا کہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے سورۃ فاتحہ اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے اھدنا الصراط المستقیم سارا قرآن تشریح ہے صراط مستقیم کی، یہ صراط مستقیم کیا ہے؟ سیدھا راستہ کیا ہے؟ عقائد میں سیدھا راستہ کیا ہے؟ عبادات میں سیدھا راستہ کیا ہے؟ معاشرت میں کیا ہے؟ معاملات میں کیا ہے؟ اخلاق میں کیا ہے؟ وہ ساری تفصیلات قرآن کریم نے صراط مستقیم میں بیان فرمائی ہیں تو پورے قرآن کا خلاصہ ہے اھدنا الصراط المستقیم۔

ہدایت کی دو قسمیں

پھر دوسری بات یہاں پر قابل ذکر یہ ہے کہ ہدایت کے معنی ہوتے ہیں راستہ دکھانا اور ہدایت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ آدمی نے زبان سے بتا دے کہ دیکھو بھئی! سیدھا راستہ یہ ہے مثلاً کسی کو جانا ہے کسی منزل تک، اب ایک طریقہ

یہ ہے کہ اس کو راستہ بتانے والا یہ بتائے کہ یہاں سے مسجد سے نکلنا، پھر دائیں ہاتھ مڑ جانا، پھر بائیں ہاتھ مڑ جانا، پھر فلاں سڑک ملے گی اس میں چلے جانا، یہاں تک کہ تم اپنی منزل تک پہنچ جاؤ گے، اب یہ چلنے والے کا کام ہے کہ جو راستہ بتا دیا گیا ہے، اس پر چلتا ہوا چلا جائے، دائیں مڑے، پھر بائیں مڑے، اور جو جو سڑکوں کے نام لئے ہیں، ان سے گزرتا ہوا اپنی منزل تک پہنچ جائے، ایک طریقہ تو یہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب راستہ پوچھنے والے نے کہا کہ بھائی مجھے صدر کا راستہ بتا دو کس طرح جانا ہے؟ تو وہ بتانے والا اس کا ہاتھ پکڑے اور کہے کہ چلو میرے ساتھ چلو، اور ساتھ لے کر چلے، اس کو بتایا کچھ نہیں زبان سے، لیکن ہاتھ سے پکڑ کر لے چلا اور وہاں لے جا کر کھڑا کر دیا کہ بھائی دیکھو یہ ہے تمہاری منزل یہ ہدایت کی دوسری قسم ہے۔

پہلی ہدایت عام، دوسری خاص

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت کی پہلی قسم تو ساری انسانیت کے لیے کھول دی ہے، قرآن کے ذریعہ راستہ بتا دیا کہ دیکھو ہدایت کا راستہ یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کی توحید پر ایمان لاؤ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاؤ، اور آخرت پر ایمان لاؤ، اور جو کچھ فرائض و واجبات تم پر عائد کیے ہیں، ان کو ادا کرو، جو حرام اور ناجائز کام ہیں، ان سے بچو، اور یہ ہدایت کا راستہ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے لیے چاہے مسلمان ہوں، یا کافر ہوں یا کیسے بھی ہوں، سب کو یہ ہدایت قرآن کے ذریعہ دی ہے اور نبی کریم سرور دو عالم صلی ۔۔ علیہ وسلم کی

تعلیمات کے ذریعے، جو شخص راستہ سیکھنا چاہے اور سمجھنا چاہے قرآن میں بیان کیا ہوا ہے، اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کیا ہوا ہے۔

یہ ہدایت کی قسم ہر ایک کو دے رکھی ہے لیکن یہاں جو دعا کی گئی ہے اس جگہ وہ پہلی قسم کی ہدایت مراد نہیں، بلکہ دوسری قسم کی ہدایت مراد ہے اے اللہ ہمیں ہاتھ پکڑ کر صراط مستقیم پر لے چلئے، آپ نے بتا تو دیا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ لیکن اس صراط مستقیم پر چلنا آپ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے اے اللہ آپ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہاتھ پکڑ کر لے چلئے اور لے جا کر ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا کر دیجئے، یہ معنی ہیں اھدنا الصراط المستقیم کے ہمیں صراط مستقیم پر لے جا کر کھڑا کر دیجئے، اور یہ وہ دعا ہے کہ خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مختلف انداز سے مانگا ہے۔

ایک اور جامع دعا

ایک دعا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ نے فرمایا

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَ نَوَاصِیَنَا وَ جَوَارِحَنَا بِیَدِکَ لَمْ تُمَلِّکْنَا مِنْھَا شَیْئًا، فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَکُنْ اَنْتَ وَلِیَّنَا وَ اھْدِنَا اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ .

(ترجمہ) اے اللہ آپ ہمارے سارے وجود ہماری پیشانیاں ہمارے اعضاء وجوارح ہمارے دل سب آپ کے قبضے میں ہیں ہم ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں مالک آپ ہی ہیں، ہمارے ہاتھوں کے بھی مالک آپ، ہماری پیشانیوں

کے بھی مالک آپ، ہمارے پاؤں کے مالک بھی آپ، ہمارے دلوں کے مالک بھی آپ، سب کچھ آپ کے قبضہ قدرت میں ہے، جب سب کچھ آپ کے قبضہ قدرت اور آپ کی ملکیت میں ہے تو آپ ہی ہمارے کارساز بن جائیے اور آپ ہی ہمیں سیدھے راستے پر لا کر کھڑا کر دیجئے۔ تو یہ جو دعا بتائی ہے قرآن کریم نے، صراط مستقیم دکھانے کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ہم نے پوری طرح دکھا دی مومن، کافر، فاسق، فاجر، ہر ایک کے لیے راستہ کھلا ہوا ہے جو قرآن نے بتا دیا اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا لیکن اے مسلمانوں اب ہم سے مانگو، یا اللہ آپ ہی مجھے اپنے فضل و کرم سے ہاتھ پکڑ کر سیدھے راستے پر کھڑا کر دیجئے تا کہ ہم منزل تک پہنچ جائیں۔

تین کام کرو

دیکھو! انسان کا کام تین چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اپنی طرف سے عزم کر لے اور پکا ارادہ کر لے کہ یا اللہ میں آپ کی اطاعت کروں گا، دین کے شعبے میں اللہ تعالیٰ کی حکم کی پیروی کروں گا اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گزاروں گا، گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا واجبات اور فرائض صحیح طریقے سے ادا کروں گا، گناہ سے بچنے کی اور فرائض و وجبات ادا کرنے کی کوشش کروں گا، ایک تو یہ ارادہ کرلو، دوسرے یہ کہ جتنا تمہارے بس میں ہے وہ کوشش کرلو، یہی دو کام کرنے کے بعد پھر ہم کو پکارو کہ یا اللہ! میرے بس میں یہ تھا کہ میں عزم کر لیتا، تو میں نے عزم کرلیا، میرے بس میں تھا کہ میں اتنی کوشش کر لیتا، تو میں نے اتنی کوشش کر لی، اب آپ کو

میں پکارتا ہوں کہ آپ اپنے فضل وکرم سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے دیجئے،
یہ تین کام آدمی کرلے تو بس کامیاب ہے، پہلا عزم وارادہ اور دوسری اپنی طرف
سے کوشش اور تیسرا عزم کرکے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل

دیکھو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ قرآن کریم نے بیان کیا
ہے، قرآن کریم میں جتنے واقعات آئے ہیں، محض قصہ بیان کرنے کے لیے نہیں
آئے، بلکہ اس سے سبق دینا مقصود ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ
ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ ذلیخہ نے ان کو پھسلانے کی کوشش کی، اور انہیں
زبردست آزمائش کا سامنا ہوا، ایک عورت ہے، حسین وجمیل ہے، اور خود اپنے آقا
کی بیوی ہے، چاروں طرف سے دروازے بند کرکے ہر دروازے پر اس نے تالا
ڈال دیا، تاکہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے، اور اندر آنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہے،
اس وقت وہ پیشکش ہی نہیں بلکہ وہ حکم دے رہی ہے کہ آؤ، بدکاری کی دعوت دے
رہی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے تو زبان سے انکار کیا، لیکن وہ عورت
اصرار کرتی رہی یہاں تک کہ اپنی طرف کھینچنے لگی، تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ و
السلام اس سے چھوٹ کر دروازوں کی طرف بھاگے، حالانکہ حضرت یوسف علیہ
السلام کو آنکھوں سے نظر آرہا تھا کہ دروازے بند ہیں، دروازوں پر تالے پڑے
ہوئے ہیں، باہر نکلنے کا راستہ کوئی نہیں، لیکن انہوں نے سوچا کہ میرے بس میں اتنا
ہے کہ میں یہاں سے بھاگ کر دروازہ تک چلا جاؤں، اپنے بس کی حد تک انہوں

نے کوشش پوری کرلی، اور وہاں سے بھاگ کر دروازہ تک پہنچ گئے، اور پھر اللہ کو پکارا: اے اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا کہ میں دروازہ تک پہنچ جاتا، اور اس سے اپنے آپ کو بچالیتا، آگے پھر دروازہ کھولنا اور پھر اس سے بچانا آپ کا کام ہے، آپ راستہ کھول دیجیے، چنانچہ انہوں نے دو کام کئے، ایک یہ کہ عزم کیا کہ یہ کام نہیں کروں گا، اور دوسرے کوشش کی کہ جتنا بس میں تھا دروازہ تک پہنچ جانا، اس سے کوئی کوتاہی نہیں کی، دورازے تک پہنچ گئے، اور پھر اللہ کو بھی پکارا: یا اللہ! بچالیجیے، جب دروازہ تک پہنچے تو دروازوں کے قفل کھل گئے، تالے ٹوٹ گئے، اور دیکھا کہ ذلیخہ کا شوہر دروازہ پر کھڑا ہوا ہے

تم بھی یہ دو کام کرو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ واقعہ اس لئے بیان کیا ہے کہ سنو! جب بھی تمہیں ایسی صورتحال پیش آئے کہ جس میں تمہارے اندر گناہ کا داعیہ پیدا ہو رہا ہو، صراط مستقیم سے ہٹنے کا داعیہ پیدا ہو رہا ہو، اس وقت دو کام کرو، ایک عزم تازہ کرو کہ نہیں میں صراط مستقیم کو نہیں چھوڑوں گا، اور دوسرا جتنی تمہارے بس میں کوشش ہے، وہ کر گزرو، اس کے بعد جب اللہ کو پکارو گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری ضرور مدد کریگا، تمہیں ضرور صراط مستقیم پر پہنچائے گا، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف وار می باید دوید

کہ آج اگر تمہیں اپنے ماحول کے اندر کوئی راستہ نظر نہیں آرہا، ماحول میں فسق و فجور کی آگ بھڑکی ہوئی ہے، کفر و شرک کا دور دورا ہے، اور چاروں طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، جس طرح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام دروازوں تک بھاگے تھے، تم بھی بھاگو، جتنا بھاگ سکتے ہو بھاگو، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارو تو تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ انشاء اللہ نجات دے دیں گے۔

اس آیت کے ذریعہ یہ سبق دیا جارہا ہے

سبق اس آیت کریمہ کے ذریعہ یہ دیا جارہا ہے کہ دیکھو! یہ دعا ہم لوگ سورۃ فاتحہ میں پڑھتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانچ وقت ہر نماز میں بلکہ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تلقین کی ہے، اور **اهدنا الصراط المستقيم** اس کا لازمی حصہ ہے، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ ہر وقت مجھ سے رجوع کر کے صراط مستقیم پر چلنا مانگتا رہے، اس لئے پانچوں وقت ہر نماز میں ہر رکعت میں ہم سے یہ کلمہ کہلوایا، لیکن ہوتا کیا ہے کہ ہم لوگ رسمی طور پر پڑھ کر گزر جاتے ہیں، ہر روز پڑھتے ہیں ہر نماز میں پڑھتے ہیں، ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، لیکن غفلت کے عالم میں، دھیان کیے بغیر، بس ایک عادت کے تحت پڑھے چلے جاتے ہیں، بسا اوقات یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کیا پڑھا، اور کیا نہیں پڑھا، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اس دعا کا صحیح لطف ہے، اور اس کا جو صحیح نتیجہ ہے، وہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوتا، اگر سوچ سمجھ کر پڑھیں، اور اپنے دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہیں کہ اے

اللہ! مجھے ہاتھ پکڑ کر لے جایئے صراط مستقیم پر، تو جب دل سے مانگو گے دھیان سے مانگو گے، اور اہتمام کے ساتھ مانگو گے، دن میں پانچ مرتبہ بار بار اللہ تعالیٰ سے مانو گے، کیا وہ مالک بے نیاز تمہیں رد کر دے گا؟ چھوڑ دے گا، تمہیں شیطان کے حوالے کر دے گا، نہیں! ہرگز نہیں بلکہ ضرور بالضرور اللہ تبارک وتعالیٰ مدد فرمائے گا، شیطان کے تسلط سے بچائے گا، ہمیں اس آیت کریمہ سے یہ سبق مل رہا ہے کہ ہر وقت ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے صراط مستقیم مانگتے رہیں، یا اللہ ہاتھ پکڑ کر لے جایئے ہمیں، صراط مستقیم پر، جب بھی نماز پڑھے سوچ کر پڑھے کہ اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں۔

اس سے پہلے دو چیزیں

مگر دو چیزیں اس سے پہلے ہونی چاہیں، ایک ارادہ کہ ہم واقعی مانگ رہے ہیں، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے صراط مستقیم چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین پر عمل پیرا ہوں تو پہلے دل میں خواہش تو پیدا کرو، تڑپ پیدا کرو، عزم پیدا کرو، اور دوسرے یہ کہ جتنی تھوڑی بہت کوشش ممکن ہے وہ کر گزرو، تو پھر یہ دعا ضرور قبول ہوگی، لیکن آدمی اگر فرض کرو دل میں نیت بھی نہیں، ارادہ بھی نہیں، کوئی دلچسپی بھی نہیں، اور کوئی خواہش بھی نہیں، اور عمل میں کوئی کوشش بھی نہیں، اور پھر مانگ رہے ہیں کہ صراط مستقیم دے دو، اس کا مطلب یہ ہے کہ چل تو رہا ہے الٹا، اور مانگ رہا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سیدھا ہونا، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص مشرق کو جا رہا ہو، اور جانتا ہے کہ میں مشرق کو جا رہا ہوں، اور دعا یہ کرے کہ یا اللہ مجھے

مغرب کی طرف پہنچا دیجئے، تو یہ دعا نہیں ہے بلکہ مزاق ہے، اس واسطے کہ تو نے ارادہ کرر کھا ہے مشرق کو جانے کا، اور عمل بھی مشرق کی طرف جانے کا کر رہا ہے، اور قدم بھی اس کی طرف جانے کیلئے بڑھا رہا ہے، اور زبان سے یہ کہہ رہا ہے کہ یا اللہ مجھے مغرب کی طرف لے جائیں تو یہ مزاق ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے

اگر فرض کرو دل میں دین کی طرف چلنے کی نیت نہیں ہے، دل میں تو یہ آرزو ہے کہ ہم انگریزوں جیسے ہو جائیں، مغربیت کے سانچے میں ڈھل جائیں، اور سارا عمل بھی اسی جانب کے لئے کر رہے ہو، پھر اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! تو مجھے صراط مستقیم دیدے، تو یہ دعا نہ ہوئی مزاق ہوا، ہاں دل میں ایک مرتبہ پختہ نیت تو پیدا کرلو کہ میرے لئے دین ودنیا کی فلاح کا جو بھی راستہ، جو اللہ نے بتایا، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، میں اس کے اوپر چلنا چاہتا ہوں، اور اس کی طرف قدم بھی بڑھاتا ہوں، ہاں مشکلات آرہی ہیں، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگتا ہوں کہ یا اللہ! مشکلات دور کردے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ توفیق ہوگی، اور مدد آئے گی، اور زندگی میں انقلاب پیدا ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس دعا کو مانگنے، اور صحیح طرح مانگنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہِ رَبِّ العٰلمین

اللہ کی طرف رجوع کرو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی طرف رجوع کرو

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، و نحن على ذالك من الشاهدين و الشاكرين، والحمد للّٰه رب العٰلمين.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے جمعہ میں نے سورۃ فاتحہ کی پانچویں

آیت "اھدنا الصراط المستقیم" کی تھوڑی سی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں عرض کی تھی، اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو ہر نماز میں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کی پہلی تین آیتیں ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات کے بیان میں ہیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" چوتھی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندہ کو سکھایا ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ عرض کرے کہ "ایاك نعبد وایاك نستعین" یا اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ سے صراط مستقیم مانگئے

پھر پانچویں آیت "اھدنا الصراط المستقیم" کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگنی چاہیے کہ یا اللہ ہمیں صراط مستقیم تک پہنچا دیجیے، ہمارا ہاتھ پکڑ کر صراط مستقیم تک لے جایئے، یہ دعا سکھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس بات کی تلقین فرمائی ہے کہ تم زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کرنے کی عادت ڈالو، اسی سے مانگو صراط مستقیم ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کو دنیا و آخرت کے ہر مقصد کیلئے ضرورت ہے، جب بھی تمہیں کوئی کشمکش پیدا ہو، یا جب بھی تمہارے سامنے دو راستے آئیں، تو ہمیں پکار کر کہو: اھدنا الصراط المستقیم. یا اللہ مجھے صراط مستقیم کی توفیق عطا فرما، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو سکھایا ہے اور جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ صراط مستقیم کی ہر چیز میں ضرورت ہے کہ آدمی کو دنیا کے

کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی سیدھے راستے کی ضرورت ہے۔

ٹیڑھی مانگ کے لئے تعویذ

مجھے یاد آیا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، ایک عورت ان کے پاس آئی اور آکر کہنے لگی کہ حضرت میرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میں سر کے بال بناتی ہوں، تو میری مانگ ٹیڑھی ہو جاتی ہے، سیدھی نہیں ہوتی، بہت کوشش کی کہ سیدھی مانگ نکل جائے، لیکن سیدھی مانگ نہیں نکلتی، ٹیڑھی ہو جاتی ہے، مجھے ایسا تعویذ دیدیجئے، جس سے مانگ میری سیدھی ہو جایا کرے، بہت سی خواتین کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر کام کا تعویذ الگ ہوتا ہے، اور ہر کام کیلئے وہ تعویذ کی فکر میں رہتی ہیں، اس اللہ کی بندی کے دل میں یہ خیال آگیا کہ میری مانگ ٹیڑھی نکلتی ہے، اور سیدھی نہیں ہوتی، حضرت سے درخواست کی کہ آپ میرے لئے کوئی تعویذ ایسا بنا دیجئے، حضرت نے کہا کہ بھئی مانگ سیدھی کرنے کا کوئی تعویذ میرے علم میں تو ہے نہیں کہ کوئی تعویذ ایسا ہوتا ہو جس سے مانگ سیدھی ہو جائے، مگر وہ پیچھے پڑ گئی، نہیں نہیں، آپ تو بزرگ آدمی ہیں کوئی ایسا تعویذ نکالئے جس سے میرا مسئلہ حل ہو جائے، اور میری مانگ سیدھی ہو جائے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ یہ خاتون پیچھے بھی پڑی ہوئی ہے، اور اسے پریشانی بھی ہے، تو میرے کچھ تو سمجھ میں آیا نہیں، میں نے ایک پرچی پر قرآن شریف کی آیت، اھدنا الصراط المستقیم لکھ دی، اور کہا کہ تم اس کو سر پر لگا لیا کرو، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی سے مانگ سیدھی

نکلنے لگی، حضرت نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ ہر چیز میں صراط مستقیم چاہئے، سیدھا راستہ چاہئے، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکت سے مراد پوری کردے، حضرت کا خلوص بھی تھا، اور ان کی بزرگی اور برکت بھی تھی، اور آیت کریمہ کا مفہوم بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا اسی سے کام نکال دیا، غرض یہ کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس میں سیدھا راستہ مطلوب نہ ہو، اس آیت کے ذریعہ سکھایا یہ ہے کہ ہر چیز ہم سے مانگو، ہم سے صراط مستقیم مانگو، اور جب کبھی الجھن پیش آئے تو ہماری طرف رجوع کرو، ہم سے کہو کہ ایاك نعبد و ایاك نستعین ، اهدنا الصراط المستقيم ، اور یہ بہت بڑی عظیم بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔

آج کے دور میں ہم کس طرح عمل کریں؟

دیکھئے! آج ہم سب لوگوں کو یہ خیال رہتا ہے کہ ہم ایک ایسے دور میں پیدا ہوئے ہیں، جس میں چاروں طرف فسق و فجور کا بازار گرم ہے، آدمی باہر نکلتا ہے تو نگاہوں کو پناہ نہیں ملتی، حالات خراب ہیں، دین پر اگر کوئی چلنا بھی چاہے تو قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں، آج معاشرہ ایسا بن گیا ہے کہ اگر کوئی شخص امانت اور دیانت کے ساتھ کام کرنا چاہے تو عام طور سے اس کے راستے میں بڑے روڑے اٹکائے جاتے ہیں، بڑی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، جو تجارت کر رہے ہیں تو تجارت کرنے والوں سے پوچھو کہ اگر کوئی سچائی کے ساتھ امانت داری کے ساتھ دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا چاہے تو رکاوٹیں ہیں، اور قدم قدم پر لوگ حرام کاری کیلئے منہ

کھول کر بیٹھے ہیں، رشوت کا بازار گرم ہے، دھوکے کا بازار گرم ہے، جھوٹ کا بازار گرم ہے، پتہ نہیں کتنے تاجر حضرات میرے پاس آتے ہیں کہ اگر ہم صحیح صحیح لکھ دیا کریں کہ کتنے میں ہم نے مال منگوایا ہے، اس کا بل صحیح بنوالیں تو ہم تجارت کر نہیں سکتے، اس لئے ہمیں جھوٹے بل بنوانے پڑتے ہیں، غرض یہ ہے کہ ہر طرف گناہوں کی آگ بھڑکی ہوئی ہے تو آدمی یہ سوچتا ہے اور کبھی کبھی ہمارے بھی دل میں اور سب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے دور میں پیدا ہوئے ہیں تو ہم کیا کریں؟ کیسے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں؟ اور اس ماحول کی خرابی کی وجہ سے پھر سوچتے ہیں کہ یہ تو اس دور میں ہمارے لئے ممکن نہیں رہا کہ ہم دین کے اوپر قائم رہیں، اس واسطے لوگ مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اللہ کے دربار سوال وجواب

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ چلو یہ جو تم عذر پیش کر رہے ہو کہ بھئی ماحول خراب ہے، قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں، فسق وفجور کا بازار گرم ہے، ذرا تھوڑا سا تصور کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے باز پرس کر رہے ہیں اور تم سے پوچھ رہے ہیں کہ تم نے دین پر کیوں عمل نہیں کیا تھا؟ جھوٹ کیوں بولا تھا؟ غیبت کیوں کی تھی؟ دھوکہ کیوں دیا تھا؟ لوگوں کو فریب کیوں دیا تھا؟ آنکھوں کی حفاظت کیوں نہیں کی تھی؟ کانوں کی حفاظت کیوں نہیں کی تھی؟ زبان کی حفاظت کیوں نہیں کی تھی؟ تو تم اس کے جواب میں یہ کہتے ہو یا اللہ میں کیا کرتا؟ آپ نے پیدا ہی ایسے زمانے میں کیا تھا

جہاں چاروں طرف فسق و فجور کی دھوکے بازی کی، رشوت کی آگ سلگ رہی تھی، میں کیا کرتا؟ اگر آپ نے مجھے صحابہ کرام کے زمانے میں پیدا کیا ہوتا تو میں بھی نیک بن جاتا، لیکن آپ نے ایسے دور میں پیدا کیا جہاں چاروں طرف بددینی کا بازار گرم تھا، میں بھی اس ماحول سے متاثر ہوگیا، میں کیا کرتا؟ میں کمزور اور مجبور انسان ہوں، میں مغلوب ہوگیا۔

ہم سے رجوع کیوں نہیں کیا؟

اس کے جواب میں اگر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ پوچھیں، ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے دین پر چلنے میں رکاوٹیں آرہی تھیں، اور مشکلات آرہی تھیں تو مجھ سے رجوع کیوں نہیں کیا؟ مجھ سے مانگتے کہ یا اللہ! یہ دشواری ہورہی ہے، آپ کے حکم پر عمل کرنے میں آپ مجھ سے یہ دشواری دور کردیجئے، تم نے مجھ سے مانگا ہوتا، اور کہا ہوتا"ایاك نعبد و ایاك نستعین اهدنا الصراط المستقیم" مجھ سے مانگا ہوتا، سارا قرآن بھرا ہوا ہے اس بات سے، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور میں نے کہا تھا کہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُم، مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا، تو مجھ سے تم نے یہ سارا حال کیوں ذکر نہیں کیا اور کیوں نہیں پوچھا؟ میں اس پر کیسے عمل کروں؟ اپنی رحمت سے میرا راستہ ٹھیک کردیجئے، اب بتاؤ اس کا کیا جواب ہوگا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے کہا ہوتا کہ یا اللہ میں آپ کا بندہ ہوں، آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں، اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں، میں مجبور ہورہا ہوں، میرے حالات خراب ہورہے ہیں، آپ اپنی رحمت

سے مجھے بچا لیجئے، آپ میرے راستے کی رکاوٹیں دور کردیجئے، بلکہ ہمارے شیخ تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ بن کر باتیں کیا کرو، یا اللہ! یا یہ رکاوٹیں دور کردیجئے، ورنہ مجھ سے مؤاخذہ نہیں فرمائیے گا، مجھ سے گرفت نہ فرمائیے گا، رکاوٹ دور کردیجئے، تو اگر کوئی بندہ یہ کرتا ہے تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ یا تو رکاوٹیں دور ہوجائیں گی، یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو معذور قرار دیدینگے، تو اس واسطے یہ سکھایا ہے سورۂ فاتحہ میں کہ جہاں بھی تمہیں دشواری پیش آئے تو ہمیں پکارو۔

حضرت یونس علیہ السلام نے کس طرح رجوع کیا؟

دیکھو! حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے کہ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ السلام کو یہ آزمائش پیش آئی تھی کہ ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا تھا، اور مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے، اب اندازہ کیجئے کہ ایک جیتا جاگتا انسان مچھلی کے پیٹ میں چلا گیا اور مچھلی کے پیٹ میں جو کچھ پریشانی ہے وہ تو ہوگی، پھر اندھیرا، ماحول میں تاریکی، گھٹا ٹوپ اندھیرا تو قرآن کریم فرماتا ہے: فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. ان اندھیروں میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ السلام نے ہمیں پکارا، اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، آپ پاک ہیں ہر عیب سے، اور میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا تھا۔ اس کی سزا میں بھگت رہا ہوں، اور زبان سے تو اپنی غلطی کا اور اپنے ظلم کا اعتراف فرمایا اور پکارا کہ آپ معبود ہیں، آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، اگر میں مچھلی کے پیٹ میں گیا ہوں تو بھی آپ کی مشیت سے گیا ہوں، اور نکلوں گا تو

بھی آپ کی مشیت سے ہی نکلوں گا، اب بتاؤ اگر انسان بڑی مچھلی کے پیٹ میں چلا جائے، کوئی ہے جو اس کو بچا سکے، کوئی صورت باہر آنے کی نہیں تھی، کوئی اگر مدد کرنا بھی چاہتا کہ ان کی مدد کرے تو مدد کرنے کی قدرت نہیں تھی، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکارا اللہ تعالیٰ کو اور کہا: لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین. اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ. ہم نے ان کی پکار سنی. بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، پکارتے رہے اللہ تعالیٰ سے مایوس نہیں ہوئے، ہمت نہیں ہاری، اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے امید وابستہ رکھی، ظاہر ہے کہ پکارنا پہلے ہی شروع کردیا ہوگا اس حالت میں لیکن مدد آئی کچھ دیر کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ ہم نے مچھلی کو حکم دیا کہ نگل دو ایک کنارے پر: فَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَم. ہم نے ان کو مچھلی کے پیٹ کی گھٹن سے نجات عطا فرمائی جو ان کو مچھلی کے پیٹ میں گھٹن لاحق ہوگئی تھی، ان سے ان کو نجات عطا فرمائی۔

اسی طرح مومنین کو نجات دیتے ہیں

قرآن کریم نے اس کے بعد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْن . اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں، یہ کیا فرمادیا؟ کہ اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مومن اسطرح مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور اس کو نجات دیں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی تم تاریکیوں میں گھر جاؤ، چاروں طرف سے تم پر اندھیرا مسلط ہو جائے، اور ہر طرف سے تمہیں مایوسی

ہونے لگے تو ہمیں اس وقت پکارو تو ہم تمہیں نجات دیں گے، ہم تمہیں نجات کے راستے پر لے جائیں گے۔

مایوس مت ہو جاؤ

میرے بھائیو! اس آیت نے بھی سبق دے دیا، اور "اھدنا الصراط المستقیم" نے بھی کہ میرے بندو! گھبراؤ نہیں، پریشان نہ ہو، مایوس نہ ہو، کہ حالات کی خرابی سے مایوس ہو کر بیٹھ جاؤ، ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، اور سمجھو کہ کوئی راستہ نہیں رہا، ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ راستہ پیدا کرنے والے ہیں، اور وہ راستہ یہ ہے کہ مجھے پکارو، ایاك نعبد و ایاك نستعین ، اھدنا الصراط المستقیم ہمیں پکارو، ہم سے مانگو۔

چالیس روز تک یہ دعا کرو

اس وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہیے ہر روز بلا ناغہ، کوئی دن خالی نہ جائے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا اللہ! میں صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہوں، لیکن رکاوٹیں ہیں، مشکلات ہیں، ماحول دوسری طرف مجھے لے جا رہا ہے، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے اس ماحول کی خرابی سے بچا لیجیے، اور اپنے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے، یہ مانگو یہ ایسا عمل ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی آدمی چالیس دن یہ عمل کرے، دل لگا کر مانگے، خشوع کے ساتھ مانگے، مانگنے کی طرح مانگے تو فرماتے ہیں کہ چالیس دن عمل کر کے دیکھ لو انشاء اللہ چالیس

دن بعد اس کو دروازے کھلتے ہوئے نظر آئیں گے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کو توفیق ہوگی، اس کی زندگی میں انقلاب آئے گا، خوشگوار انقلاب، اطمینان کا انقلاب ان شاء اللہ آئے گا، لیکن کر کے تو دیکھو!

دنیا کی فکرات میں مدہوش ہیں

ہوتا یہ ہے کہ ہم لوگ غفلت میں زندگی گزار رہے ہیں، صبح سے لے کر شام تک کی سوچ بچار اور دوڑ دھوپ کا محور یہ دنیا ہی دنیا بنی ہوئی ہے کہ کس طرح ہم پیسہ زیادہ کمالیں، کس طرح ہمارا بینک بیلنس زیادہ ہو جائے، کس طرح ہمارا مکان اچھا ہو جائے، کس طرح ہمیں گاڑی اچھی مل جائے، ساری سوچ بچار کا دوڑ دھوپ کا محور بس دنیا ہے، لیکن مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ آخرت کی زندگی میں ہمارا کیا حشر ہونا ہے؟ اس کی فکر بہت کم ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بس بہانے ڈھونڈتے ہیں کہ بھئی ماحول خراب ہے، لہٰذا ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، اور کچھ کرو نہیں، جیسے زمانہ بہہ رہا ہے، اسی کے بہاؤ پر تم بھی بہو، لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، تم بھی بولو، لوگ رشوت کھا رہے ہیں، تم بھی کھاؤ، اسی بہاؤ پر گزرتے ہوئے ساری زندگی گزر جائے گی۔

روزانہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کر لیا کرو

قرآن کہتا ہے کہ خدا کے لیے ذرا سوچو، اور کچھ نہیں یہی کام کر لو، اس میں کوئی لمبی چوڑی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی، وہ یہ کہ روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر چند منٹ دعا کیا کرو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، راستہ کس طرح کھلتے ہیں، میں

نے اپنی آنکھوں سے نظارہ کیا ہے، خود تجربہ کیا ہے، کیسے کیسے لوگ جو آکر شکایت کرتے تھے کہ ہمارے اوپر دروازے بند ہیں، رحمت کے دروازے بند ہیں، انصاف کے دروازے بند ہیں، اور دین کے اوپر چلنے کے دروازے بند ہیں، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا، ان کو راستہ بتایا، انہوں نے عمل کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے دروازے کھول دیے، تھوڑی سی قربانی دینی پڑی، لیکن قربانی دینے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے، اور پہلے سے زیادہ دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا فرمائی، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

دھیان سے یہ الفاظ پڑھو

جب ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور یہ الفاظ پڑھتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. ذرا دھیان کر کے پڑھا کریں کہ ہم واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگ رہے ہیں، واقعی ہدایت مانگ رہے ہیں، واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ سے سیدھا راستہ مانگ رہے ہیں، یہ دھیان کر کے پڑھیں، الگ بیٹھ کر تنہائی میں بیٹھ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگیں، اور روز کا معمول بنالیں، پھر دیکھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کس طرح دروازے کھولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت اتنی وسیع ہے کہ یہ شیطانی اور طاغوتی چکر جو دنیا بھر میں چل رہے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ ان کو دور کرنے میں قدرت نہیں رکھتا؟ کیا ان کا بندہ اگر مانگے گا تو وہ راستے کو کھولیں گے نہیں اپنے بندے کیلئے؟ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی فرمادیا کہ

رب العالمین ہم ہیں، رحمٰن ہم ہیں، رحیم ہم ہیں، مالک یوم الدین ہم ہیں، یہ سب کچھ ہم ہیں، پھر بھی تم کہیں اور جا رہے ہو، لہٰذا پکارو تو ہمیں پکارو، اور ہم سے مانگو، سارے مسائل ہمارے سامنے پیش کرو، اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ضرور راستہ کھولیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

صراط مستقیم حاصل کرنیکا طریقہ

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صراط مستقیم حاصل کرنے کا طریقہ

تفسیر سورۃ الفاتحہ (۱۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للہ رب العلمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! آج بڑے وقفے کے بعد آپ حضرات سے

ملاقات ہوئی ہے، اس سے پہلے سورۂ فاتحہ کا درس چل رہا تھا، اسی سلسلے کو ذہن میں تازہ کرنے کیلئے میں پہلے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پیش کرتا ہوں، پھر اس کے بعد اس کی آخری آیت کے بارے میں کچھ گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ سورۂ فاتحہ چونکہ ہر نماز میں اور ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس لئے اس کے معانی اور اس کے مضامین ہم میں سے ہر شخص کو معلوم ہونے چاہئیں، تاکہ جب نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھیں تو اس کے مفہوم کی طرف ذہن جائے، سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، پہلی آیت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وہ سب پر رحم کرنے والا ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. جو مالک ہے روز جزا کا، اس دن کا جس دن سارے انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے، اور دنیا میں جو اعمال کیے ہیں ان کا حساب وکتاب ہوگا، اور اچھے کاموں کا اچھا بدلہ دیا جائے گا، اور برے کاموں کا برا بدلہ دیا جائے گا، وہ اس دن کا مالک ہے۔

سب ملکیتیں ختم ہونے والی ہیں

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ باری تعالیٰ ہر چیز کے مالک تو ہر وقت ہیں، لیکن ظاہری طور پر انسان کو ملکیتیں دے رکھی ہیں، جیسے ہم نے یہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، ہم کپڑوں کے مالک ہیں، میری جیب میں پیسے ہیں، پیسوں کا مالک ہوں، گھر میرا ہے، گھر کا مالک ہوں، لیکن آخرت میں کوئی مالک نہیں رہے گا، اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، روز جزا کا ایک ہی مالک ہے اور وہ اللہ تبارک و

تعالیٰ ہے، پھر یہ بتایا گیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کس طرح مانگا جائے چنانچہ چوتھی آیت میں فرمایا گیا: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن. اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر یہ آیت آتی ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم. چونکہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو یا اللہ آپ ہمیں صراط مستقیم کی یعنی سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمایئے، پھر آگے صراط مستقیم کی تفصیل ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ فرمایا: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ. اے اللہ ان لوگوں کے راستے کی ہدایت عطا فرمایئے جن پر آپ نے انعام فرمایا: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ. ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر آپ کا غضب نازل ہوا: وَلَا الضَّآلِّیْن. اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوگئے۔ آپ سے ہم ان لوگوں کا راستہ مانگتے ہیں جن پر آپ نے انعام فرمایا۔ یہ ہے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ۔ ان میں سے چار آیتوں کا بیان پچھلے جمعوں میں عرض کر چکا ہوں، اب پانچویں آیت کا بیان ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم. اے اللہ آپ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما دیجئے۔

صراط مستقیم کی ہر جگہ ضرورت ہے

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا سکھائی ہے، نہ صرف یہ کہ سکھائی، بلکہ لازم کر دی ہے، ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں ہم سے یہ دعا منگوائی جاتی ہے کہ یا اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما، اس دعا میں دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں جمع ہوگئی ہیں، کیونکہ صراط مستقیم کے ہم ہر جگہ محتاج ہیں، ہم جو کام بھی کرنے جارہے

ہیں اور جو مقصد بھی حاصل کرنا ہو، اس میں ہمیں سیدھا راستہ بتا دیجئے، ایسا سیدھا راستہ جو ہمیں مقصد تک پہنچا دے، اگر ایچ پیچ والا راستہ ہو، یا ٹیڑھا راستہ ہو، یا تو وہ ہمیں منزل تک پہنچائے گا نہیں، یا پہنچائے گا تو مشقت کے ساتھ اور تکلیف کے ساتھ پہنچائے گا، اس لئے ہمیں ہر کام میں صراط مستقیم کی ضرورت ہے۔

علاج میں صراط مستقیم کی ضرورت

فرض کرو بیمار ہو گئے، علاج کرنا ہے، تو علاج کے لئے بھی صراط مستقیم کی ضرورت ہے، کہ بھئی صحیح معالج ذہن میں آئے، معالج کو بھی صراط مستقیم کی ضرورت ہے کہ وہ سمجھے کہ بیماری کیا ہے اور اس بیماری میں کونسی دوا فائدہ مند ہوگی، روزی کمانے جارہے ہیں تو اس میں صراط مستقیم کی ضرورت ہے کہ کونسی روزی حلال ہے اور کونسی حرام ہے؟ اور کونسی میرے لئے فائدہ مند ہے اور کونسی فائدہ مند نہیں ہے، غرض دنیا کا کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جس میں صراط مستقیم درکار نہ ہو، اس لئے بڑی جامع دعا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سکھائی ہے۔

ہم لوگوں کی حالت

لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم لوگ جب سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، اس کے مطلب اور معنٰی کی طرف دھیان دیئے بغیر ایک رٹے ہوئے کلمات کی طرح پڑھتے ہیں، جب اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایک سوئچ اون ہو گیا، اور اس کے بعد کیسٹ چلنی شروع ہو گئی، نہ یہ پتہ کہ کیا پڑھ رہے ہیں، اور نہ یہ پتہ کہ اس کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟ نتیجہ یہ کہ اس دعا کا جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا، وہ حاصل نہیں ہوتا۔

ہر آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

حضور اقدس نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عجیب ارشاد ہے کہ جب بندہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو رب العالمین ہیں، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ ﴾

میرے بندے نے میری تعریف کی، پھر جب ہم کہتے ہیں: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ ﴾

میرے بندے نے میری ثناء کی، پھر جب بندہ کہتا ہے: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ. تو باری تعالیٰ کہتے ہیں کہ:

﴿ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ ﴾

میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، پھر جب بندہ کہتا ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ. تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ هٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ ﴾

اس نے ایسا جملہ کہا ہے، کہ آدھا میرا اور آدھا اس کا، کیا معنیٰ؟ کہ: اِیَّاكَ نَعْبُدُ. کہہ رہا ہے کہ یا اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تو یہ بات اللہ کے لئے ہے، اور جب بندہ کہتا ہے کہ: وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ. ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تو یہ مدد جو مانگ رہے ہیں، یہ اپنے لئے مانگ رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جو مانگے گا

میں اس کو دوں گا، جب بندہ کہتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم تو باری تعالیٰ وعدہ فرمالیتے ہیں کہ تم جو مانگ رہے ہو وہ دیں گے، صراط مستقیم دینے کا وعدہ فرمالیتے ہیں، ہوتا کیا ہے کہ ہم بے دھیانی سے ایک سانس میں پڑھتے ہوئے چلے گئے، آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا جواب نہ سنا، اور نہ جواب کا وقفہ دیا، جب تمہاری یہ حالت ہے تو اللہ تعالیٰ کو جواب دینے کی کیا ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت شیخ ابن اکبر علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، اور بڑے صوفیا کرام میں سے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں جب نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں، اور: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن. کہتا ہوں تو اس وقت تک آگے بڑھتا ہی نہیں جب تک اللہ جل جلالہ کا جواب سن نہ لوں، ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر ایسا بھروسہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھوں گا ہی نہیں، جب تک آپ کا جواب نہیں سن لوں گا، پھر کہتا ہوں: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم. پھر جواب سنتا ہوں، پھر آگے بڑھتا ہوں، اس لئے سورۂ فاتحہ کا ادب یہ ہے، کہ آدمی ہر آیت پر ٹھہرے، پھر آگے پڑھے، جب دھیان کے ساتھ پڑھے گا: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. کہ کس سے مانگ رہے ہو، زبان سے ہی نہیں، بلکہ دل سے مانگو، یا اللہ ہمیں صراط مستقیم چاہیے، جب دل سے مانگو گے تو اللہ تعالیٰ ضرور دیدیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ، اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اِذَا دَعَانِ (البقرة:۱۸۶)

ترجمہ: میرا بندہ پوچھے کہ میں کہاں ہوں، میں تو قریب ہی ہوں، پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، جب وہ مجھے پکارتا ہے، جب آدمی اس طرح سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ صراط مستقیم کی ہدایت ضرور ملے گی، کوئی وجہ نہیں، باری تعالیٰ کسی وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے، مانگنے والا چاہیے، مانگنے کی صحیح معنٰی میں خواہش ہو، ایک جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْن

ترجمہ: کیا ہم زبردستی ہدایت دے دیں، اور جب تمہیں ہدایت مانگنے کی طلب بھی نہ ہو۔ تمہیں ہدایت پسند نہیں، میرے بھائیو! ہم جب کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم. کہیں، تو بڑے دھیان سے مانگیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے بھکاری بن کر کہ یا اللہ ہم بھکاری بن کر آئیں ہیں، ہمیں صراط مستقیم کی بھیک چاہیے، اپنے فضل و کرم سے دید یجئے۔

صراط مستقیم حاصل کرنے کا طریقہ

دوسرا نکتہ میں نے یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ حکم دیا کہ صراط مستقیم مانگو، وہاں صراط مستقیم حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا، وہ اگلی آیت ہے: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِم. اے اللہ ان لوگوں کا راستہ میں چاہتا ہوں، جن پر آپ کے انعامات نازل ہوئے، وہ کون ہیں؟ یہ سورۃ النساء میں اللہ پاک نے ان کا ذکر کیا:

فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (النسآء:۶۹)

جن پر اللہ کا انعام ہوا ان میں سے ایک تو حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام ہیں، دوسرے صدیقین، صدیقین انبیاء کرام کے وہ پیروکار اور وہ متبعین ہیں جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کو ٹھیک کیا، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا، تیسرے شہداء، شہداء وہ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اللہ جل شانہ کے دین کیلئے قربان کیں، چوتھے صالحین، صالحین وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کی توفیق عطا فرمائی، اس آیت سے سمجھانا یہ مقصود ہے کہ اگر صراط مستقیم چاہتے ہو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگ بھی رہے ہو تو صراط مستقیم تمہیں ان حضرات کی صحبت میں ملے گی تو ان حضرات کے طریقے میں ملے گی، یہ دیکھو! انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کا طریقہ کیا تھا؟ اسے اختیار کرو، یہ دیکھو! صدیقین کا طریقہ کیا تھا؟ وہ اختیار کرو، یہ دیکھو! شہداء کا طریقہ کیا تھا؟ وہ اختیار کرو، یہ دیکھو صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ کیا تھا؟ اسے اختیار کرو، تنبیہ اس بات پر فرمادی کہ صراط مستقیم صرف کتاب پڑھنے سے نہیں آجائے گا، کہ تم نے مطالعہ کرلیا، اور پتہ چل گیا کہ صراط مستقیم کیا ہوتا ہے، نہیں؛ بلکہ اس کیلئے اپنی صحبت درست کرو، اپنا اٹھنا بیٹھنا، اپنا چلنا پھرنا، اپنی ملاقاتیں ایسے لوگوں سے رکھو، جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا، پھر تمہیں دین سمجھ میں آئے گا، پھر تم میں دین پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ فرمادیا، جو آج بھی بہت سے لوگوں

کے دلوں میں پیدا ہو رہا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہمارے لئے کافی ہے، ہمیں کسی انسان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس کتاب قرآن مجید موجود ہے، اس کے ترجمے چھپے ہوئے موجود ہیں، ترجموں کے ذریعے قرآن کریم پڑھیں گے، اور اس کے ذریعے جو مطلب سمجھ میں آئے گا اس پر عمل کریں گے، ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ نیک لوگ کیا کر رہے ہیں، اور کس طرح عمل کی تلقین کر رہے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے، اگرچہ پورا قرآن ہی صراط مستقیم ہے، لیکن اس صراط مستقیم کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ان لوگوں کا راستہ دیکھو، جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا، وہ بتائیں گے تمہیں کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا مطلب کیا ہے، اور اس پر کس طرح عمل کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے۔

دو چیزیں ساتھ ساتھ اتاریں

دو چیزیں ساتھ ساتھ اتاری ہیں، ایک تو اللہ نے کتاب اتاری، تورات آئی، انجیل آئی، زبور آئی، اور آخر میں قرآن مجید آیا، دوسرے پیغمبر بھیجے اللہ تبارک وتعالیٰ نے، کوئی کتاب بغیر پیغمبر کے نہیں آئی، کیوں؟ اس لئے تاکہ پیغمبر یہ بتائے کہ اس کتاب کا مطلب کیا ہے؟ اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ اور لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس پیغمبر کی اتباع کرو، پیغمبر کے پیچھے چلو، پیغمبر کی ذات پر ایمان لاؤ، اور اس کے طریقے پر عمل پیرا ہوں، دو چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، کتاب اللہ اور رجال اللہ، اللہ کی کتاب اور اللہ کے رجال، دونوں کے امتزاج سے دین کی صحیح سمجھ پیدا ہوتی ہے، گمراہی جو پھیلی ہے، وہ اس طرح پھیلی ہے، کہ کچھ

لوگوں نے کتاب کو تو پکڑ لیا، اور اللہ نے جو پیغمبر بھیجے تھے، اور پیغمبروں کے ذریعے ہدایت کا اور صحبت کا جو سامان دیا تھا اس سے قطع نظر کر لی، ہم بس اللہ کی کتاب پڑھیں گے، ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے، ہمیں نمونوں کی کیا ضرورت ہے، العیاذ باللہ العلی العظیم، ارے اگر نمونے کی ضرورت نہ ہوتی تو پیغمبروں کو بھیجنے کی ضرورت کیا تھی، مکہ کے کافر کہتے تھے قرآن ہمارے اوپر براہ راست کیوں نازل نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ انسانوں کی ہدایت کیلئے تنہا کتاب کافی نہیں ہوا کرتی، جب تک معلم و مربی اس کتاب کا موجود نہ ہو، یہ انسان کی فطرت ہے، دنیا کا کوئی بھی علم وفن آدمی صرف کتاب کے مطالعہ سے حاصل نہیں کرسکتا، جب تک اس کا مربی موجود نہ ہو۔

کتاب پڑھ کر ڈاکٹر نہیں بن سکتے

کوئی میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ لے، اور پڑھ کر علاج شروع کردے تو وہ قبرستان ہی آباد کرے گا، بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ کھانا پکانے کی کتابیں لکھی ہوئی ہیں، اس میں لکھا ہے کہ بریانی ایسے بنتی ہے، قورمہ ایسے بنتا ہے، کباب ایسے بنتے ہیں، تو کتاب سامنے رکھ کر بناؤ قورمہ تو خدا جانے کیا ملغوبہ تیار ہوجائے گا، جب تک کسی ماہر باورچی نے تمہیں کھانا پکانا نہ سکھایا ہو، محض کتاب دیکھ کر پکاؤ گے، تو کبھی اچھا نہیں پکا سکتے۔

اللہ کی کتاب کے لئے رسول کی ہدایت

اللہ کی کتاب جو ہدایت کا بہت بڑا سامان ہے، لیکن اس کتاب پر عمل کرکے زندگی کیسے گزاری جائے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور حالات زندگی

جب تک نہ سیکھے، اس وقت تک انسان اس کتاب کو سمجھ نہیں سکتا، اسطرح جیسے کتاب اللہ پر ایمان ضروری ہے، اللہ کے رجال پر بھی ایمان ضروری ہے، تو قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ اگر صراط مستقیم چاہتے ہو تو ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا، اس سے سمجھ میں آئے گا کہ صراط مستقیم کیا چیز ہے، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو، اچھے لوگوں سے تعلق رکھو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے تم میں اچھائیاں منتقل فرماتے ہیں: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر اللہ نے غضب کیا، اور جو گمراہ ہوئے، یعنی اچھی صحبت اختیار کرنے کی تاکید بھی فرما دی، اور بری صحبت سے احتراز کی تاکید بھی فرمائی، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کے پیچھے چل پڑو جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے، اور جو گمراہی کے راستے پر پڑے ہوئے ہیں، تو اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ صراط مستقیم کو حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا راستہ اختیار کرو، اور انکی صحبت اختیار کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت کاملہ سے ہم سب کو صراط مستقیم عطا فرمائے، اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرما کر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

سورۃ الفلق

اور سورۃ الناس کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ● مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ● وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ● وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ● وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ● قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ● مَلِکِ النَّاسِ ● اِلٰہِ النَّاسِ ● مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ● اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ● مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ●

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! کچھ عرصہ پہلے میں نے یہ سلسلہ شروع کیا

تھا کہ قرآن کریم کی جو سورتیں ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں، اور اکثر مسلمانوں کو یاد بھی ہوتی ہیں، اُن کی کچھ تفسیر اور تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی جائے، اُس سلسلہ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کافی عرصے سے چلتی رہی، الحمد للہ بقدر ضرورت اُس کا بیان مکمل ہو گیا تھا، میں کچھ وقتی مسائل آئے، جن پر بیان ہوتا رہا، اور اب پھر میں اسی سلسلہ کی طرف لوٹ رہا ہوں، اور اس کے لئے میں نے اس وقت آپ کے سامنے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تلاوت کی ہے۔

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا شان نزول

یہ دو سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس یہ قرآن کی آخری سورتیں ہیں، اور ان کو معوذتین بھی کہا جاتا ہے، معوذتین کے معنی یہ ہیں کہ وہ دو سورتیں جن میں اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان سورتوں کے نازل ہونے کا ایک خاص واقعہ ہے، جن میں یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں، صحیح احادیث میں اس کی تفصیل یہ آئی ہے کہ جب نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا، آپ نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد یہودیوں کی تھی، یہودی نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا حسد رکھتے تھے، حسد ان کو اس بات پر تھا کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے تھے، اور پچھلے تمام انبیاء کرام حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادے تھے، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام، اور ایک حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام جن

کا دوسرا نام اسرائیل بھی ہے، پچھلے جتنے انبیاء کرام آئے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں آئے، یعنی بنواسرائیل میں آئے، یہ یہودی بھی بنواسرائیل سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے آخری نبی اور سب سے آخری پیغمبر جو سب سے افضل پیغمبر بھی ہیں، یعنی نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث کیا گیا، تو یہودیوں کو یہ حسد ہوا کہ اگر چہ ان کی کتابوں میں یعنی تورات میں زبور میں انجیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارتیں موجود تھی، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے بتایا ہوا تھا کہ آخر میں ہم ایسے پیغمبر بھیجیں گے جو خاتم النبیین ہوں گے، اور جن کی نبوت ساری دنیا کے لئے ہوگی، اور قیام قیامت تک کے لئے ہوگی، یہ ساری باتیں تورات اور انجیل میں پہلے سے موجود تھیں، ان یہودیوں کو یہ خیال تھا کہ جس طرح اب تک سارے انبیاء کرام بنواسرائیل میں آتے رہے ہیں، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں آتے رہیں ہیں، اسی ترح نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی خاندان میں آئیں گے، لیکن جب وہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ السلام کی اولاد میں آگئے، تو ان کو حسد ہوگیا، اور اس حسد کی وجہ سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں ان کی طرف سے پہچانے کا سلسلہ شروع ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد یہ چاہا کہ یہودیوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہ ہو، چنانچہ ایک معاہدہ کیا کہ بھئی ہم آپس میں امن وسکون کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے، ایک بہت بڑا معاہدہ کیا نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے، ظاہر میں تو انہوں نے معاہدہ کرلیا، لیکن اندرون خانہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، قرآن کریم میں جگہ جگہ ان سازشوں کا ذکر آیا ہے۔

حسد کی وجہ سے یہودی کا جادو کرنا

اسی حسد کی وجہ سے ایک یہودی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کردیا تھا، اس جادو کی وجہ سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی، اور ناساز اس طرح ہوئی کہ بعض اوقات آپ کو ایسا ہوتا کہ ایک کام آپ نے کرلیا ہے، مگر خیال ہوتا تھا کہ نہیں کیا، اس طرح کی کیفیت اور اس کی وجہ سے ایک طرح انقباض کی کیفیت طاری رہتی، آپ کو یہ تکلیف کئی دن تک جاری رہی، ایک دن آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے جو تکلیف چل رہی ہے اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے خواب میں اس کا اصل سبب بتادیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

اور میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے آئے اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے، اور انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کی کہ ان صاحب کو کیا ہوا ہے؟ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ ان پر کسی نے جادو کردیا ہے، پہلے فرشتے نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم کے نام سے ایک یہودی ہے، اس نے جادو کیا ہے، پھر پہلے نے سوال کیا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اور کہاں کیا ہے؟ دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ کنگھے کے ذریعہ

جادو کیا ہے، اور کنگھے کے اندر جو بال آجاتے ہیں کنگا کرتے وقت ان بالوں کو بھی استعمال کیا ہے، پوچھا کہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ وہ ایک کنواں ہے بئر ذروان کے نام سے وہاں پر اس نے جادو کے کلمات پڑھ پڑھا کر وہاں دفن کر دیئے، یہ ساری تفصیل نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان فرشتوں کے ذریعہ بتادی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس تکلیف کے بارے مجھے ساری تفصیل اس طرح بتادی ہے، چنانچہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کنویں کے پاس تشریف لے گئے، اور وہاں جاکر آپ نے دیکھا کہ اس کا پانی بالکل پیلا پڑا ہوا تھا، وہاں سے وہ کنگا بھی برآمد ہوگیا، کنگھے کے اندر جو بال تھے وہ بھی برآمد ہو گئے، پھر اسی موقع پر یہ دو صورتیں نازل ہوئیں، جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھیں۔

قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔

سورة الفلق کا ترجمہ

قـــــل کے معنی ہیں کہو تو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سکھایا کہ کہو، ان الفاظ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو اور کہو: میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو صبح کے وقت پو پھٹنے کی مالک ہے، جس کے حکم سے صبح کو پو پھٹتی ہے، یعنی صبح نمودار ہوتی ہے اور میں اس سے پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ نے پیدا کی، میں پناہ مانگتا ہوں رات کے اندھیرے سے جب وہ پھیل جائے، اور ان لوگوں کے شر سے جو گرہوں میں پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں، اور

اس شخص کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو حسد کرنے والا ہو یعنی حسد کرے اور حسد کے نتیجے میں تکلیف پہنچائے میں اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

جیسے کہ آپ نے سنا ہوگا کہ جادوگر یہ عمل کرتے ہیں کچھ پڑھا اور گرہ بنادی، پھر کچھ پڑھا اور گرہ بنادی، پھر کچھ پڑھا اور گرہ بنادی تو ان کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں، بعض روایات میں آتا ہے کہ لبید بن اعصم یہودی جس نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، اس نے اپنی لڑکیوں کو جادو سکھایا تھا، اور ان لڑکیوں نے تانت کے دھاگے کو لے کر اس میں گرہیں باندھیں تھیں اور وہ تانت کے دھاگے کو کنگھے کے اندر لگا دیا تھا۔

ہر ایک آیت پر ایک گرہ کھول دی

قل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس ان دونوں میں گیارہ آیتیں ہیں، اور اس دھاگے کے اوپر بھی گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ایک آیت پڑھتے اور اسکی ایک گرہ کھول دیتے، دوسری آیت پڑھتے اور دوسری گرہ کھول دیتے، تیسری آیت پڑھتے پھر تیسری گرہ کھول دیتے، یہاں تک کہ گیارہ آیتیں پڑھ کر گیارہ کی گیارہ گرہیں کھول دیں، جب وہ گرہیں کھل گئیں تو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ:

''ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے میں کچھ بندھا ہوا تھا اور اب کھل گیا ہوں''

تو جادو کا جو اثر تھا اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے زائل فرما دیا۔

فرائضِ رسالت میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا

یہاں میں یہ بات بھی عرض کردوں کہ انبیاء کرام خاص طور سے افضل الانبیاء سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بھی انسان، کوئی شیطان، کوئی جن ایسا جادو نہیں کرسکتا کہ انبیاء کرام کو ان کے فرائض رسالت کو ادا کرنے میں رکاوٹ بن جائے، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اس سے محفوظ رکھتے ہیں کہ ان پر ایسی حالت طاری ہو جائے کہ جن کے نتیجے میں کہ وہ اپنی نبوت کے فرائض انجام نہ دے سکیں، ایسا نہیں ہوسکتا، دنیا کی ساری طاقتیں بھی جمع کر کے بھی کوئی انبیاء کرام اوپر ایسی حالت طاری نہیں کرسکتا، چاہے وہ جادو کے ذریعے ہو، یا کسی اور ذریعے سے ہو جس سے انبیاء کرام کے فرائض رسالت میں کوئی رکاوٹ پڑے۔

انبیاء پر جادو چل سکتا ہے

البتہ انبیاء کرام بھی انسان ہوتے ہیں، اگرچہ تمام انسانوں میں سب سے افضل ہوتے ہیں، لیکن انسان ہوتے ہیں، اور انسان ہونے کی وجہ سے ان اوپر بیماریاں بھی آتی ہیں، نزلہ بھی آگیا، بخار ہوگیا، یا کوئی اور بیماری لاحق ہوگئی، یہ انبیاء کرام کو ہوتا رہتا ہے، جس طرح اگر کوئی آدمی کھانے پینے میں بے احتیاطی کرے اس سے بیماری ہوجاتی ہے، اسی طرح انبیاء کے ساتھ بھی ہوتا ہے، اسی طرح جادو کے ذریعے کوئی بیماری آجائے تو یہ انبیاء کرام کی نبوت کے منافی نہیں ہے جس طرح عام آدمی کو بخار آسکتا ہے جس طرح عام آدمی کو نزلہ ہوسکتا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو جادو کی وجہ سے کوئی جسمانی تکلیف ہوجائے تو یہ کوئی

مستبعد بات نہیں ہیں ایسا ہو سکتا ہے اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا، اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا تھا اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر تمام حالات طاری کر کے دکھائے ہیں کہ ایسی حالت اگر طاری ہو تو آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی سنت کیا ہوگی؟ ایسے موقع پر ایک مسلمان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ ساری باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اور آپ کی سیرت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے نمونے کے طور پر بتادیں، تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لوگ حسد کی وجہ سے یا کسی اور بدخواہی کی وجہ سے دوسروں پر جادو کر دیتے ہیں تو جادو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بیماری، یہ بھی ایک ذریعہ ہے تکلیف پہنچنے کا۔ اس کا قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر آیا ہے، اس واسطے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر بھی جادو کا اثر ظاہر کرایا، اس کے ذریعہ ایک تو یہ دکھا دیا کہ جادو کرنے والا اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگالے، تب بھی نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ اس سے پوری امت کو سبق دیا کہ اگر کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ چنانچہ یہ دو سورتیں نازل فرما کر یہ بتایا کہ کسی پر جادو کا کوئی اثر ہو تو اس کو یہ سورتیں پڑھنی چاہیں اور ان سورتوں کے پڑھنے کے نتیجے میں انشاء اللہ اس جادو کا اثر اس سے زائل ہوگا اور اگر کسی پہ جادو کا اثر نہیں ہے تب بھی ان دو سورتوں کا معمول بنالینا اور پڑھنا اس کی حفاظت کا ذریعہ ہوگا انشاء اللہ وتعالیٰ۔

صبح وشام یہ سورتیں پڑھا کریں

چنانچہ ایک صحابی سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو

سورتیں مجھ پر ایسی نازل ہوئی ہیں، جو اس سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئی تھیں، اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم صبح شام اس کو پڑھا کرو، صبح کو بھی پڑھو اور شام کو بھی پڑھو، اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو بلاؤں سے، آفتوں سے، مصیبتوں سے، محفوظ رکھیں گے، اور خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دو سورتیں، سورۃ الفاتحہ، آیت الکرسی اور سورۃ البقرہ کی کچھ آیتیں اور چاروں قل پڑھا کرتے تھے اور رات کو سونے سے پہلے **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر آپ اپنے دست مبارک پر دم کرتے، اور پورے جسم پر ہاتھوں کو پھیر لیا کرتے تھے، یہ معمول نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری زندگی رہا۔

مرض الوفات میں آپ کی کیفیت

اور جب مرض وفات میں سخت بیماری کا وقت تھا، اور وفات کا وقت قریب تھا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ چونکہ میں نے آپ کو ساری زندگی دیکھا تھا کہ سونے سے پہلے آپ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے اور پھر سارے جسم پر پھیر لیتے تھے، لیکن اس وقت صورتحال ایسی تھی کہ آپ بیماری کی شدت کی وجہ سے نہ تو صحیح طرح پڑھ پا رہے تھے، اور نہ ہاتھوں میں اتنی طاقت تھی کہ آپ خود ہاتھ اٹھا کر اپنے جسم پر پھیر لیں، تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے خود **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھیں، اور اپنے ہاتھ پر دم کرنے کے بجائے سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کیا، اور اپنے ہاتھ سے آپ کے دست مبارک اٹھا کر سارے جسم پر پھیرے، تو یہ حضرت عائشہ نے بتایا کہ ساری زندگی یہ معمول رہا کہ سونے سے پہلے یہ دو سورتیں آپ تلاوت فرمایا کرتے تھے، اور یہ بھی تلقین فرمائی کہ صبح کو بھی پڑھو اور شام کو بھی پڑھو، اللہ تبارک وتعالیٰ انشاء اللہ حفاظت فرمائیں گے۔

دشمنوں کے شر سے بچنے کا مؤثر ذریعہ

تو یہ ہے ان دونوں سورتوں کے نازل ہونے کا پس منظر اور ان کا شان نزول، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ جب کسی کو ایسی صورت پیش آئے یا پیش آنے کا اندیشہ ہو تو آدمی کو یہ دونوں سورتیں پڑھنی چاہیں، اور قل کہہ کر فرمایا یہ کہو، یہ سورتیں پڑھو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں کیا کچھ تاثیر رکھی ہے، وہی جانتے ہیں، لیکن یہ انسان کو بلاؤں سے، آفتوں سے، جادو سے، دشمن کے شر سے، اور حاسد کے حسد سے بچانے کیلئے بڑا مؤثر ذریعہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

برائی کا بدلہ نہ لو، معاف کر دو

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کر دوں کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعے اس آدمی کا نام تک بتا دیا گیا تھا، جس نے جادو کیا تھا، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا دیا تھا کہ وہ لبید بن اعصم ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نام تک بتا دیا ہے، تو پھر آپ اس کا

اعلان کر دیجئے کہ فلاں شخص نے جادو کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف تو دور فرمادی، میری طبیعت الحمد للہ ٹھیک ہوگئی، اب میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس شخص کو تکلیف پہنچائیں، یعنی میں اگر نام کا اعلان کر دوں گا، تو وہ صحابہ کرام جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں نثار تھے، آپ کے پسینے کے قطرے پر خون کے قطرے بہانے کو تیار رہتے تھے، وہ اس کو مارتے، یا قتل کر دیتے، یا اس کے ساتھ کوئی اور ایسا سلوک کرتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ شر پیدا کرنا نہیں چاہتا، بس اللہ نے میری تکلیف دور کر دی یہ کافی ہے، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل نے یہ سبق دیا کہ اگر آدمی دوسرے کو تکلیف پہنچائے، یا دوسرے کے ساتھ دشمنی یا عداوت کا معاملہ کرے، تو اگر چہ شریعت نے حق دیا ہے، اس سے بدلہ لینے کا، اور اس کو سزا دلوانے کا، لیکن اگر وہ نظر انداز کر دے، اور بدلہ نہ لے تو یہ انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ ایک آدمی نے دشمنی کی تھی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی دشمنی کے اثر کو زائل کر دیا، اس کو بچالیا، لیکن دشمنی کرنے والے کا جواب دشمنی سے نہ دیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کو ایک عظیم سبق دے دیا کہ جو تمہارے ساتھ برائی کرے تو تم برائی سے بچنے کا جو طریقہ اختیار کر سکتے ہو کرلو، اپنے آپ کو برائی سے بچالو، لیکن باوجودیکہ تمہیں حق ہے اس سے بدلہ لو، لیکن اگر بدلہ نہ لو گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہوگا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نی قرآن کریم میں بھی جگہ جگہ حکم دیا ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ دفع کرو، تو یہ ایک عظیم سبق سرکار

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ میں اس امت کو دیا گیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ہمیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین) باقی تفصیل انشاء اللہ اگر اللہ نے زندگی دی تو اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین

حاسد سے پناہ مانگو

سورۃ الفلق (۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاسد سے پناہ مانگو

سورۃ الفلق (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ، وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ، وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشھدین و الشکرین ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورت جو میں نے ابھی آپ کے سامنے

پڑھی ہے سورۃ الفلق کہلاتی ہے، اور پچھلے جمعہ میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، اور اس موقع پر نازل ہوئیں جب نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کرنے کی کوشش کی تھی۔ تفصیلی واقعہ پچھلے جمعہ میں عرض کر چکا ہوں، تو اس موقع پر یہ سورتیں نازل ہوئیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ آپ یہ سورتیں تلاوت فرمائیں، ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں، اور جس دھاگے پر جادو کرنے والے نے جادو کیا تھا، اس میں بھی گیارہ گرہیں تھی، آپ ایک آیت تلاوت فرماتے اور ایک گرہ کھولتے، یہاں تک کہ گیارہ کی گیارہ گرہیں کھول دی گئیں، اور اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا جیسا کہ میں کسی قید سے آزاد ہو گیا ہوں، ان سورتوں کا نزول اسی خاص واقعہ میں ہوا، لیکن یہ پوری امت کے لئے عظیم ہدایتوں پر مشتمل سورتیں ہیں۔

پہلی آیت مطلب

فرمایا گیا قل اعوذ برب الفلق کہو میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو صبح کے وقت پو پھٹنے کی پروردگار ہے، اس آیت میں اللہ جل شانہٗ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا، لیکن اللہ جل جلالہٗ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی کہ آپ صبح کے وقت روشنی پھوٹنے کے پروردگار ہیں، یعنی جس طرح انسان روزانہ مشاہدہ کرتا ہے کہ رات آتی ہے، اور اندھیرا چھا جاتا ہے، تاریکی ہو جاتی ہے، اتنی تاریکی ہو جاتی ہے، اتنا اندھیرا ہو جاتا ہے کہ کوئی چیز نظر نہیں آسکتی، لیکن اللہ جل جلالہ اس اندھیرے کو اس

طرح رفع فرماتے ہیں کہ اسی اندھیرے سے صبح کے وقت میں پو پھٹتی ہے، یعنی روشنی نمودار ہوتی ہے، یہ روز کا مشاہدہ ہے انسان کا کہ یہ تاریکی جو چھاتی ہے، یہ ہمیشہ کے لیے نہیں چھاتی، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس تاریکی کو اس اندھیرے کو صبح کے وقت دور فرما دیتے ہیں، قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. (سورة القصص:۷۱)

ترجمہ: ذرا یہ سوچو کہ اگر یہ اندھیرا جو رات کے وقت میں چھا جاتا ہے، یہ ابدی اور دائمی ہو جائے، یعنی مستقل اندھیرا ہی اندھیرا رہے، تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے، اللہ تعالیٰ نے روشنی کا ایک ذریعہ سورج کو بنایا ہے، سورج کی روشنی ہم تک آتی ہے، اس سے دن ہوتا ہے، اس سے روشنی پھیلتی ہے، نور پھیلتا ہے، پھر اسی سورج کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نظام کے تحت چھپا دیتے ہیں، زمین گردش کرتی ہے، اور سورج پیچھے چلا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اندھیرا چھا جاتا ہے، تو دراصل اس کائنات میں اندھیرا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سورج کی روشنی کو اس طرح مقرر فرما دیا کہ اس اندھیرے میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے، اگر کسی وقت فرض کرو اللہ تعالیٰ اس کو وہاں روک دے تو رات ہی رات اندھیرا ہی اندھیرا اور ظلمت ہی ظلمت طاری رہے گی۔

چھ ماہ کی رات

اور یہ منظر ان جگہوں پر نظر آتا ہے جو بالکل انتہائی شمالی علاقے ہیں، جو دنیا

کے قطب شمالی کے قریب ہیں، وہاں چھ چھ مہینے رات رہتی ہے، اور اسی کے قریب ایک ملک "ناروے" میں مجھے بھی جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ہم ایک جگہ پر گئے تو تین دن اس طرح گزارے کہ اس میں سورج نظر نہیں آیا، مسلسل رات ہی رات رہی، وہاں مجھے یہ آیت کریمہ یاد آرہی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ . (سورۃ القصص: ۷۱)

اگر اللہ تعالیٰ اس رات کو مستقل اور دائمی کردے، اندھیرا چھایا ہی رہے تو کون ہے اللہ کے سوا جو تمہیں روشنی لا کر دے سکے؟...... افلا تسمعون؟...... کیا سنتے نہیں ہو اتنی بات؟ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے کہ اندھیرا چھاتا ہے، اور روز چھاتا ہے، تاریکی آتی ہے، روز آتی ہے، لیکن وہ ہمیشہ اور مستقل نہیں رہتی، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس تاریکی میں سے ہی نور پیدا فرما دیتے ہیں، اسی سے روشنی نکال دیتے ہیں، تو یہ ہے رب الفلق صبح کی روشنی کا مالکِ بے نیاز، اور اس سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اندھیرا انسان کے لیے اس معنی میں تکلیف دہ ہے کہ اس میں آدمی راستہ بھی بھٹک سکتا ہے، اس میں انسان گر بھی سکتا ہے، اندھیرے کے اندر گمراہی بھی اختیار کر سکتا ہے، شر کی قوتیں بھی رات کے وقت زیادہ فعال ہوتی ہیں، تو جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ تاریکی دور کر دیتے ہیں، اندھیرا دور کر دیتے ہیں، اسی طرح صبح کی روشنی بھی نمودار کرتے ہیں۔

تکلیف دور کرنے والی ذات وہی ہے

اسی طرح وہی ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی

ہے، کسی نے کوئی نقصان پہنچایا ہے، کوئی بھی زحمت تمہیں لاحق ہوئی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہاری تکلیف کو دور کرے، تمہارے صدمے کو رفع کرے، تمہاری اس اذیت کو راحت سے تبدیل کر دے، یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی لیے فرمایا: قل اعوذ برب الفلق کہو، میں پناہ مانگتا ہوں اس پروردگار کی جو پروردگار ہے صبح کو نکالنے کا۔

کس چیز کی پناہ مانگتا ہوں؟

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ میں پناہ مانگتا ہوں ان تمام چیزوں کے شر سے جو اللہ جل جلالہ نے پیدا فرمائیں، باری تعالیٰ انسانوں کا بھی خالق ہے، فرشتوں کا بھی خالق ہے، پیغمبروں کا بھی خالق ہے، شیطانوں کا بھی خالق ہے، کافروں کا بھی خالق ہے، سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اب ان میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو شر پھیلاتی ہیں، کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، ان سب کو ان الفاظ میں جمع کر دیا، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی جتنی بھی کائنات میں چیزیں پائی جاتی ہیں، مخلوقات پائی جاتی ہیں، ان سب کے شر سے میں اس رب الفلق کی پناہ مانگتا ہوں۔

تکلیف سے کوئی انسان خالی نہیں

ان دو آیتوں میں یہ تعلیم دی کہ اس کائنات میں انسان کو تکلیف تو ضرور پہنچتی ہے، کوئی کتنے بڑے سے بڑا دولت مند ہو، سرمایہ دار ہو، حاکم ہو، اور بڑے سے بڑا نیک آدمی ہو، پیغمبر ہو، نبی ہو، ولی ہو، تکلیف سے کوئی خالی نہیں، اس دنیا

میں کچھ نہ کچھ کبھی نہ کبھی تکلیف پہنچ جاتی ہے، انسان کتنا ہی اقتدار حاصل کرلے، دنیا پر اپنا رعب کا سکہ جمالے، لیکن کبھی نہ کبھی جوتا پڑھ ہی جاتا ہے، اس کے اوپر کوئی انسان ایسا نہیں کائنات میں جو یہ دعویٰ کرسکے کہ ساری زندگی میں مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

تین عالم

اللہ تعالیٰ نے تین عالم پیدا فرمائے ہیں ایک عالم ایسا ہے جس میں راحت ہی راحت ہے، آرام ہی آرام ہے، خوشی ہی خوشی ہے، وہ ہے جنت، ایک عالم ایسا ہے جس میں رنج ہی رنج ہے، تکلیف ہی تکلیف ہے، صدمہ ہی صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہ ہے جہنم، اور ایک عالم ایسا ہے جس میں دونوں چیزیں ملی جلی چلتی ہیں، کبھی تکلیف آگئی، کبھی آرام آگیا، کبھی خوشی مل گئی، وہ یہ دنیا ہے، یہ عالم ایسا ہے کہ اس میں نہ خوشی کامل ہے، نہ تکلیف کامل ہے، دونوں چیزیں ساتھ چلتی ہیں، لہٰذا تکلیف تو آئیں گی، ضرور آئیں گی۔

اللہ کی طرف رجوع کرو

لیکن جو بھی تکلیف آئے، تو اس تکلیف کے آنے پر تمہارا کام یہ ہونا چاہئے کہ تم اس تکلیف کے خالق کی طرف رجوع کر کے کہو: کہ اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اس تکلیف سے قل اعوذ برب الفلق. من شر ما خلق. اے اللہ میں آپ ہی کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو آپ نے پیدا فرمائی ہے، تو جب تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو گے، کیونکہ تکلیف بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے،

تکلیف کا سبب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پناہ میں لے لیں گے، یا تو وہ تکلیف رفع ہو جائے گی، یا تو وہ تکلیف تمہارے لیے نعمت اور رحمت بن جائے گی، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے سے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی، تیسری نہیں ہوسکتی یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مشیت کے تحت اپنی قدرت کے تحت اپنی رحمت کے تحت وہ تکلیف تم سے دور کردیں گے، اور اگر تکلیف کا دور ہونا کسی وجہ سے مقدر میں نہیں ہے، تو وہ تکلیف اور مصیبت تمہارے لیے رحمت بن جائے گی، اس معنی میں کہ اس تکلیف اور مصیبت سے تمہارے گناہ معاف ہوں گے، تمہیں اجر ملے گا، تمہیں ثواب عطا ہوگا، تم اس تکلیف پر صبر کرو گے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا پر راضی رہو گے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہو گے، تو تمہیں صبر کا اجر وثواب ملے گا۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۱۰)

صابروں کو ان کا اجر بے حساب ملے گا، یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آخرت میں صبر کرنے والوں کو صبر کا اجر دیا جائے گا، صبر کا ثواب دیا جائے گا، تو لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالوں کو قینچیوں سے کاٹا گیا ہوتا تو اس پر ہم صبر کرتے تو آج جو بے حساب اجر صابروں کو مل رہا ہے وہ ہمیں بھی ملتا۔

مومن اور کافر کے درمیان فرق

یہی فرق ہوتا ہے مومن میں اور کافر میں، کافر جس کا اللہ ایمان نہیں، اللہ

جل جلالہ کی قدرت پر، اس کی رحمت پر، اس کی حکمت پر ایمان نہیں، تکلیف اسے بھی آتی ہے، اور ایک مومن کو بھی آتی ہے، لیکن کافر تکلیف کے وقت میں گلہ شکوہ کرتا ہے کہ مجھی پر یہ برائی آنی تھی، یہ مصیبت کیوں آگئی؟ میں ہی رہ گیا تھا، اس تکلیف کے لیے گلہ شکوہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اور اس کی تقدیر کا شکوہ کرتا ہے، تو وہ تکلیف اس کے لیے سراپا تکلیف ہے، اور مصیبت ہی مصیبت ہے، ''خسر دنیا ولآخرہ'' دنیا میں بھی تکلیف اور آخرت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں، اور ایک مومن کو تکلیف آتی ہے، تو وہ چاہے اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے تدبیر بھی کرے، بیماری آگئی تو علاج بھی کرے، لیکن اللہ کے فیصلے پر راضی ہوتا ہے، گلہ شکوہ نہیں کرتا، اور اللہ ہی کی پناہ مانگتا ہے، یا اللہ میں کمزور ہوں، میں اس مصیبت کا تحمل نہیں کر پاتا، میری کمزوری پر رحم فرما کر مجھ سے یہ تکلیف دور فرما دیجئے، تو نتیجہ یہ کہ یہی مصیبت اور یہی تکلیف اس کے لیے رحمت بن جاتی ہے

تکلیف اور اندیشہ کے وقت کہو:

تو اس لیے سکھایا یہ جارہا ہے اس چھوٹے سے جملے میں کہ کہو، کب کہو؟ جب کہ تمہیں کوئی تکلیف یا تو پہنچ چکی ہو، یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، دونوں صورتوں میں کہو، اعوذ برب الفلق، من شر ما خلق۔ میں تو رب الفلق کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سبق دیا جارہا ہے، اور جب بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے، تو پھر دو حال سے خالی نہیں رہ سکتا، یا تکلیف راحت سے بدل جائے گی، یا پھر جب

تک وہ تکلیف باقی رہے گی، اس وقت تک اس کے لئے رحمت ہی رحمت بنی رہے گی، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے، یہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہے، کسی کی بنائی ہوئی بات نہیں ہے، لہٰذا جب بھی کوئی تکلیف آئے، یا اندیشہ آئندہ کے لئے پیدا ہو، تو کہو: قل اعوذ برب الفلق میں اپنے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں، وہ تکلیف چاہے انسانوں کی طرف سے آرہی ہو، کوئی دشمن ہے، وہ تکلیف پہنچا رہا ہے، یا جنات کی طرف سے آرہی ہو، شیطانوں کی طرف سے آرہی ہو، بیماری ہو، آزار ہو، فقروفاقہ ہو، تنگدستی ہو، رشتے داروں کی طرف سے تکلیف پہنچ رہی ہو، کسی کی بھی طرف سے پہنچ رہی ہو، ہر حالت میں یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگو: من شر ما خلق: اس میں ساری مخلوقات آگئیں۔

اعوذ باللہ پڑھنا

دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ نَزْغٌ فَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ :

(سورۃ حم سجدہ:۳٦)

ترجمہ: جب شیطان تمہیں کوئی کچوکہ لگائے، تو اللہ کی پناہ مانگو شیطن الرجیم سے، کچوکہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں گناہ کا ارادہ پیدا کر رہا ہے، دل میں گناہ کی طرف رغبت پیدا ہو رہی ہے کہ یہ گناہ کر گزروں، اس کی خواہش پیدا ہو رہی ہے، یہ شیطان کا کچوکہ ہے، تو فرمایا ایسے میں اللہ کی پناہ مانگو شیطان رجیم سے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم پڑھو، اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان رجیم سے، مثلاً غصہ آگیا، اور انسان آپے سے باہر ہو گیا، اور دماغ میں اشتعال برپا ہے، تو ایسے غصہ کی حالت میں بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس بات کا کہ کوئی

آدمی کسی دوسرے پر زیادتی کر گزرے، یا کوئی برا کلمہ اس کو کہہ دے، جس سے اس کا دل ٹوٹ جائے، یا گالی والی دیدے، اور اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال کرلے، یا کسی کو مار بیٹھے، لہٰذا غصہ بڑی خراب چیز ہے، یہ انسان کو بے شمار گناہوں میں مبتلا کرتا ہے، اس لیے رسول اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا تھا، مجھے کوئی مختصر نصیحت فرمائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "لَا تَغْضَبْ" غصہ نہ کرنا، بس اتنی نصیحت فرمائی کہ غصہ مت کرنا، لہٰذا غصہ بڑی خراب چیز ہے، تو جب غصہ آنے لگے، اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ میں اس غصہ سے آپے سے باہر ہو جاؤں گا، اور کوئی غلط کام کر گزروں گا، اس وقت اللہ کی پناہ مانگو اور پڑھو: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم: کیونکہ یہ شیطان ہے جو مجھے اس غصہ پر اکسا رہا ہے، تو اللہ کی پناہ مانگو کہو کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان رجیم سے، غرض کسی بھی قسم کا شر ہو، کوئی برائی سامنے آ رہی ہو، تو انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ کی پناہ طلب کرے۔

خلاصہ:

یہی مطلب ہے قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق کا، کہ کہو: اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں رب الفلق کی ہر اس چیز سے جو آپ نے پیدا فرمائی، یہ مومن کا دن رات کا وظیفہ ہے، یہ نہ ہو کہ کسی خاص وقت میں پڑھ لے، ارے بھئی جب بھی کوئی تکلیف رنج صدمہ پیش آئے، اللہ کی پناہ مانگنے کی طرف رجوع کرو، اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرو، یہ وہ چیز ہے جو انسان کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑا مظبوط کر دیتی ہے، اور یہ تعلق مع اللہ کا مظبوط ہونا ہی ساری کامیابیوں کی کنجی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمائے: آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

سورۃ الفلق کی تلاوت (۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفلق کی تلاوت

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ، مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ، وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ، و مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ـ آمنت باللّٰه صدق اللّٰه مولانا العظيم و صدق رسوله النبی الكريم و نحن على ذلك من الشهدين و الشكرين ـ

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے جمعہ سے پہلے دو ہفتوں میں سورہ فلق

کی تفسیر کا کچھ حصہ بیان کیا گیا تھا، مقصد یہ تھا کہ جو یہ سورتیں ہم نماز میں پڑھتے ہیں، ان کا کچھ مطلب ہمارے ذہن میں رہے، اور ان سورتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ دو سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس جن کو معوذتین کہا جاتا ہے، یہ دونوں سورتیں اس موقع پر نازل ہوئی تھیں جب ایک یہودی نے حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کی کوشش کی تھی، تو اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ سورتیں نازل فرمائیں، اور اس میں آپ کو ان سورتوں کو پڑھ کر جادو کے ازالہ کا حکم دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان سورتوں کی برکت سے اس جادو کا اثر زائل کر دیا، یہ سورۃ فلق جو میں نے ابھی پڑھی ہے، اس میں فرمایا گیا کہ قل اعوذ برب الفلق یہ کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو صبح کی مالک ہے، من شر ما خلق ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے، یعنی کائنات میں جتنی چیزیں ہیں، وہ اللہ جل جلالہ کی ہی پیدا کی ہوئی ہیں، لہٰذا ان میں اگر کوئی شر ہے تو اس شر کا ازالہ بھی اللہ جل جلالہ ہو کے قبضے میں ہے، لہٰذا میں اس کی پناہ مانگتا ہوں، ان دو آیتوں کی کچھ تھوڑی سی تفصیل اور تشریح میں پچھلے دو جمعوں میں عرض کر چکا ہوں۔

اس آیت میں ہر چیز سے پناہ آگئی

یہاں پہلے تو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگو جو اللہ نے پیدا کی ہے، اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی مخلوقات کے شر سے اللہ ہی پناہ مانگو، اس

میں ساری ہی چیزیں آ گئیں، مخلوقات کے تمام شر اس میں داخل ہو گئے، چاہے وہ انسانوں کے طرف سے پہنچنے والی تکلیف ہو، یا جنات کی طرف سے، یا شیاطین کی طرف سے، یا جانوروں کی طرف سے، یا درندوں کی طرف سے، یا حشرا الارض کی طرف سے، جو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہے، اس کے شر سے پناہ اس میں آ گئی، لیکن آگے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزوں کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ: ومن شر غاسق اذا وقب. میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ چونکہ عام طور سے جو لوگ جادو کرنے والے ہوتے ہیں، یا سفلی عمل کرتے ہیں، وہ زیادہ تر رات کے وقت کا انتخاب کرتے ہیں، اندھیرے کے وقت کا انتخاب کرتے ہیں، اندھیرے میں وہ شیاطین سے بھی تعلق قائم کرتے ہیں، شیطانوں سے بھی مدد مانگتے ہیں، اور رات کے وقت میں اندھیرے کے وقت میں ٹونے ٹوٹکے کیا کرتے ہیں، اس لیے خاص طور سے فرمایا گیا کہ اندھیرا جب چھا جائے اس کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ رات ہی کے وقت میں زیادہ تر جادو کے کام ہوتے ہیں۔

اندھیرے سے پناہ مانگو

لیکن ساتھ ہی اس میں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ اندھیرا ایک ایسی چیز ہے، جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگنے کی ضرورت ہے، ہم تو اندھیرا اس کو سمجھتے ہیں کہ سورج کی روشنی چلی گئی رات آ گئی اندھیرا چھا گیا، تو اس کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اندھیرا ہو گیا، لیکن حقیقت میں ہر بری چیز، ہر برا کام، ہر گناہ، اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی

حقیقت میں اندھیرا ہے، فسق و فجور، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکم عدولیاں، یہ سب اندھیرے ہیں، ظلمات ہیں، جو پھیلی ہوتی ہیں، تو ساتھ میں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب کبھی تم اندھیرے میں جاؤ، چاہے اس اندھیرے کا احساس ہو سکتا ہو، یعنی ظاہری اندھیرا ہو، یا اعمال کا اندھیرا ہو، عقائد کا اندھیرا ہو، یا نظریات کا اندھیرا ہو، ان سب اندھیروں میں اللہ جل جلالہ کی پناہ مانگو، ہوتا یہ ہے کہ جب ہم کسی برائی میں گھر جاتے ہیں، یا کوئی تکلیف ہمیں پہنچتی ہے، تو بیٹھ کر تبصرے کرتے رہتے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے، وہ ہو رہا ہے، لوگ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے، لوگوں میں وہ بات پھیل گئی ہے، اس کے شکوے کرتے پھرتے ہیں، لیکن یہ احساس اور یہ دھیان بہت کم لوگوں کو آتا ہے کہ اس اندھیرے کا علاج اگر کوئی ہے، تو وہ اللہ جل جلالہ کی دامن رحمت میں پناہ لینا ہے، اللہ کی پناہ کی طرف رجوع کرنے کی بہت کم لوگوں کو توفیق ہوتی ہے، حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جب کبھی اندھیروں میں گھرو تو ہمیں پکارو۔

حضرت یونس علیہ السلام

دیکھئے! ایک اور جگہ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا، حضرت یونس علیہ السلام کو ہر کوئی جانتا ہے کہ ان کو مچھلی نگل گئی تھی، اور مچھلی کے پیٹ میں رہے، آپ اندازہ کیجیے کہ ایک زندہ انسان اگر بڑی سی مچھلی کے پیٹ میں چلا جائے، تو کیا اس کی کیفیت ہوگی، وہ پیٹ ایسا کہ اس میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اس میں انسان کیلئے گھناؤنا ماحول اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے، جب حضرت

یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اندھیرے میں پہنچے تو قرآن کریم فرماتا ہے:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ

کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ (سورۃ الانبیاء:۸۷)

ان اندھیروں میں گھرنے کے بعد انہوں نے ہمیں پکارا، ہمیں پکار کر کہا کہ اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا، اس کے نتیجے میں میں ان اندھیروں میں گھر گیا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے اندھیروں میں گھر کر ہمیں پکارا تو "فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ" ہم نے ان کی پکار کو سنا، اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دیدی، آپ اندازہ کیجیے کہ کیسی زبردست گھٹن ہوگی، ہوا آنے کا راستہ مشکل، اگر ہوا آئے گی تو مچھلی کے سانس کے ذریعے آئے گی، جس میں بو بھی ہوگی، اور ایک انسان کے لیے ناقابل برداشت چیز ہوگی، اندھیرا ہوگا، اس گھٹن میں ہمیں پکارا تو ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دیدی" وکذلك ننجی المؤمنین" ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں، کیا معنی؟ کہ جب کبھی کوئی مومن کسی بھی اندھیرے میں گھرے گا، کسی بھی ظلمات میں گھرے گا، اور پھر ہمیں پکارے گا "لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین" تو ہم اس کو اس اندھیرے سے نجات عطا فرمادیں گے۔

اندھیرے سے پناہ کیوں؟

تو یہ جو خاص طور پر "قل اعوذ برب الفلق، من شر ما خلق" کے بعد

اندھیرے سے اس لئے پناہ مانگی جارہی ہے کہ آج اگر ہم اپنے ماحول کا جائزہ لے کر دیکھیں، تو اندھیرا ہی اندھیرا مسلط ہے، کفر کا اندھیرا، شرک کا اندھرا، فسق وفجور کا اندھیرا، گناہوں کا اندھیرا، بداعمالیوں کا اندھیرا، حرام خوروں کا اندھیرا چاروں طرف مسلط ہے، اس میں جو تعلیم دی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ اس اندھیرے میں ہماری پناہ مانگو "قل اعوذ برب الفلق، من شر ما خلق، ومن شر غاسق اذا وقب" ہر طرح کے اندھیرے سے جب وہ چھا جائے، تو اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، ہم آج کے ماحول میں شکوے تو بہت کرتے رہتے ہیں، سیاست پر تبصرے ہورہے ہیں، حالات حاضرہ پر تبصرے ہورہے ہیں، ان کے ذریعے مجلسیں گرم ہو رہی ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کہ یا اللہ ہم گھر گئے ہیں اس اندھیرے میں، اپنی رحمت سے ہمیں پناہ دے دیجئے، ہمیں اپنی رحمت سے اپنے دامن رحمت میں لے لیجئے، اور یہ اندھیرا ہم سے دور فرمادیجئے، رورو کر دعا کرنے والے شاذ ونادر ہیں، تعلیم یہ دی جارہی ہے کہ تبصرے کرنے کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا راستہ اختیار کرو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ پناہ دیں گے، اللہ تعالیٰ اس گھٹن سے نجات عطا فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

گرہ پر پھونکنے والوں کے شر سے

"من شر النفثت فی العقد" میں پناہ مانگتا ہوں ان لوگوں کے شر سے جو گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں، یہ جادو کرنے والے کیا کرتے ہیں کہ کوئی

دھاگہ لے لیا، کوئی رسی لے لی، اس پر گرہیں باندھیں، ایک گرہ باندھی اس پر پھونکا، پھر دوسری گرہ باندھی، پھر اس پر پھونکا، پھر تیسری گرہ باندھی، پھر پھونکا، یہ سب شیطانی قسم کے اعمال ہوتے ہیں جو جادوگروں کو شیطانوں نے سکھا رکھے ہیں، اور اس کے نتیجے میں کسی کے اوپر جادو کر دیا، کسی کو تکلیف پہنچادی، کسی کے درمیان نفرت پیدا کر دی وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی حرکتیں وہ گرہوں پر پھونک کر کرتے ہیں تو فرمایا کہ کہو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ان لوگوں سے جو گرہوں میں پھونک پھونک کر گرہیں باندھتے ہیں، وہ جادوگر مرد ہوں یا عورت ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو اور گرہیں

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جب رسول کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا، اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے بتادیا کہ یہ جادو فلاں جگہ ہے تو وہ ایک رسی تھی، یا دھاگہ تھا جس پر گیارہ گرہیں بندھی ہوئی تھی، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورہ فلق اور سورہ الناس دونوں تلاوت کیں، ان دونوں میں گیارہ آیتیں ہیں، ہر آیت پر آپ ایک گرہ کھولتے گئے، یہاں تک کہ گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل گئیں، اور اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا ہو گیا جیسا کہ کسی قید سے آزاد ہو گیا ہوں، اس لئے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ان لوگوں کے شر سے جو گرہوں میں پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں۔

حسد کرنے والوں سے پناہ

اور پھر آخر میں فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے، اشارہ اس طرف ہے کہ عام طور سے یہ جادو ٹونا جو لوگ کرتے ہیں، یہ حسد کی وجہ سے کرتے ہیں، ایک آمی کو اللہ تعالیٰ نے کچھ آگے بڑھادیا، اس کے پاس پیسہ زیادہ آگیا، یا اس کو شہرت زیادہ مل گئی، یا لوگوں میں وہ مقبول زیادہ ہو گیا، یا اس کو صحت اور توانائی عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ حاصل ہوگئی، تو اب لوگ اس کے اوپر حسد کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس سے بھی پناہ مانگی کہ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے، اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا کہ ساری مخلوق سے اللہ کی پناہ مانگو، لیکن بعد میں خاص طور پر ان تین چیزوں کا الگ ذکر کیا، اس واسطے کہ انسانوں کو تکلیف پہنچانے میں ان تین چیزوں کا خصوصی دخل ہوتا ہے، حسد بھی ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے محسود کو تکلیف پہنچانے کے طریقے لوگ ایجاد کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اس کو تکلیف پہنچاؤں۔

حسد کسے کہتے ہیں؟

یہاں یہ سمجھ لیجیے کہ حسد اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس سے زائل کرنے کے لیے، اس کو اس سے دور کرنے کے لیے دل میں خواہش اور جزبہ پیدا ہو جائے، اس کو حسد کہتے ہیں، مثلاً اگر کسی کے پاس پیسہ زائد آگیا تو دل میں خواہش ہو رہی ہے کہ پیسہ کم ہو جائے، اس کی آمدنی کم ہو جائے، یا ایک آدمی مشہور زیادہ ہو گیا، دل میں خیال یہ ہو رہا ہے لوگوں میں

اس کی مقبولیت کم ہو جائے، چاہے مجھے حاصل ہو یا نہ ہو، لیکن اس سے وہ نعمت زائل ہو جائے، اس کو حسد کہتے ہیں۔

رشک کرنا جائز ہے

ایک ہوتا ہے رشک، رشک کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک شخص کو نعمت حاصل ہے، دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ جیسی نعمت اس کو حاصل ہے ویسی مجھے بھی ہو جائے، یہ ناجائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر یہ رشک دین کے معاملے میں ہو، ایک آدمی کو علم زیادہ حاصل ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ویسا متقی بن جاؤں، یہ بڑی اچھی بات ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایک آدمی کا حافظہ اچھا ہے تو آدمی یہ سوچے کہ میرا بھی حافظہ ایسا ہو جائے تو یہ کوئی بری بات نہیں، نہ یہ گناہ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا رشک کرنا

حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے محدثین اور علماء میں سے ہیں، وہ جب مکہ مکرمہ گئے حج کرنے کیلئے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ زمزم پیتے وقت آدمی جو دعا کرے، وہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں:

مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ

زمزم جس نیت سے پیا جائے، اللہ تعالیٰ وہ نیت پوری فرما دیتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ جب میں نے زمزم پیا تو زمزم پیتے وقت میں نے یہ دعا کی یا اللہ! مجھے حافظ ذہبی جیسا حافظہ عطا فرما دیجئے، تو یہ رشک ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، یہ کوئی ناجائز بات نہیں، لیکن یہ جذبہ کہ دوسروں سے نعمت چھن جائے، مجھے ملے، یا نہ ملے،

یہ حسد ہوتا ہے، اللہ بچائے، یہ بہت بری بیماری ہے، بہت ہی بری بیماری ہے، اور بسا اوقات دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اور آخر کا حسد کا انجام یہ ہے کہ آدمی حسد کی آگ میں جل جل کر خود ہی بھن جاتا ہے، لیکن اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کو تکلیف پہنچادوں، اس کی غیبت کرے گا، اس کی برائیاں کریگا، لوگوں میں اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا، اور جادو کرے گا، ٹونکا کرے گا، اس قسم کے سارے شر پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

غیر اختیاری خیال پر گناہ نہیں

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں، وہ یہ کہ ایک تو ہوتا ہے انسان کے دل میں غیر اختیاری طور پر خیال پیدا ہو جانا کہ فلاں آدمی آگے بڑھ گیا، اس کی وجہ سے دل میں ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے، یہ غیر اختیاری ہوتی ہے، انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں ہوتا، غیر اختیاری طور پر دل میں خیال آ گیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس غیر اختیاری خیال پر تو کوئی مواخذہ نہیں ہے انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ انسان کے اختیار سے باہر ایک بات آ گئی، اگر چہ غیر اختیاری طور پر آیا اور گناہ نہیں ہے، لیکن خطرناک معاملہ ہے، کیونکہ دل یہ بات اگر زیادہ دیر تک بیٹھ گئی تو پھر انسان کو اپنے اختیار سے ایسا کام کرنے پر مجبور کر دے گی جو گناہ ہوگا۔ کسی کی برائی دل میں آ گئی کہ فلاں شخص بہت بڑھ رہا ہے، بہت چڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ سے دل میں گھٹن پیدا ہو گئی تو یہ گھٹن دل میں زیادہ دیر تک رہی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی وقت اس آدمی کو تکلیف بھی پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کی غیبت کرے

گا، اس کی برائی کرے گا، اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔

غیر اختیاری خیال کا علاج

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا علاج یہ ہے، ایک تو یہ خیال جو دل میں آیا ہے، اس کو دل سے برا سمجھے، یہ خیال جو میرے دل میں آیا ہے، اچھا خیال نہیں آیا، برا خیال آیا ہے، اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، یا اللہ! یہ میرے دل میں برا خیال آرہا ہے، میں اس پر استغفار کرتا ہوں، اور دوسرا علاج یہ ہے کہ جس کے بارے میں دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اس اچھائی میں زیادہ ترقی عطا فرما، اگر مال سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ مال عطا فرما، اگر شہرت سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ شہرت عطا فرما، اگر اس کی عبادت اور تقوے سے حسد ہو رہا ہے تو یا اللہ اس کو اور زیادہ عبادت اور تقوے کی توفیق عطا فرما، یہ دعا کرے یہ بڑا مشکل کام ہے، جس کے دل میں حسد کے خیالات آرہے ہوں، وہ جب یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی دے تو دل پر آرے چل جائیں گے، لیکن امام غزالی فرماتے ہیں کہ علاج یہی ہے، چاہے وہ کڑوا گھونٹ معلوم ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں، مگر اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما، اور تیسرے یہ کہ لوگوں سے اس کی تعریف کرے، یہ تین چیزیں ملیں گی کہ اس خیال کو برا سمجھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے اس پر استغفار بھی کر رہا ہے، اور ساتھ ساتھ دعا بھی کر رہا ہے کہ یا اللہ اس کے درجے اور بلند فرمادے، اور ترقی عطا فرمادے، اور لوگوں سے اس کی تعریف بھی کر رہا ہے تو انشاء اللہ یہ خیال خود اپنی موت مر جائے گا، اور انشاء اللہ حسد کا گناہ اور وبال اس کے سر پر نہیں رہے گا، یہ ہے اس شخص کا علاج جس کے دل

میں حسد کا خیال پیدا ہو رہا ہو اور یہ بیماری ایسی ہے کہ اکثر و بیشتر انسانوں میں غیر شعوری طور پر بعض اوقات پیدا ہو جاتی ہے، اس کا بڑا دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے اور جس شخص سے حسد کیا جا رہا ہے اس کے لئے آیت کریمہ ہے کہ "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے تو انشاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو حسد کے شر سے محفوظ رکھیں گے، چاہے وہ حسد کا شر جادو کی شکل میں ہو، عملیات کی شکل میں ہو، یا اور کسی طرح ہو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو محفوظ فرمائیں گے۔

حاسد سے بدلہ نہ لو، معاف کر دو

اور یہ فرمایا کہ حاسد کے حسد کا جواب نہ دو، یہ نہیں کہ وہ حسد کی وجہ سے کوئی حسد کا کام کر رہا ہے، تم بھی دشمنی کا کام شروع کر دو، بلکہ اللہ کی پناہ مانگو، اور صبر سے کام لو، اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، جب بھی کوئی آدمی کسی کی پہنچائی ہوئی تکلیف پر صبر کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو اپنی معیت عطا فرما دیتے ہیں "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ، اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" صبر کرنے والوں کو صبر کرنے کا اجر بے حساب دیا جائے گا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تعلیم یہ دی گئی ہے کہ بس یہ کہہ دو ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ٭ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ٭ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ٭ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ٭ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٭﴾ انشاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اپنی پناہ میں لے لیں گے اور ہر طرح کے شر سے حفاظت فرمائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ان تمام معاملات میں اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی پناہ عطا فرمائے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حسد کا علاج

سورۃ الفلق (۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حسد کا علاج

تفسیر سورۃ الفلق (۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے چھ سات ہفتے میرے سفروں میں

گزرے، اس لئے غیر حاضری رہی، اس سے پہلے قرآن شریف کی ان آیتوں کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا جو ہم کثرت سے نمازوں میں پڑھتے ہیں، اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ فلق کا بیان پچھلے چند جمعوں میں ہوا ہے، اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے مخلوقات کے شر سے، اور ان لوگوں کے شر سے جو دوسروں پر جادو کرنے کی فکر کرتے ہیں، اور آخر میں فرمایا،

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے، گویا اس سورت میں حسد کرنے والے کے شر سے بھی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اس میں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حاسد کا شر کیا ہوتا ہے، حسد کیا ہوتا ہے، حسد کا شر کیا ہوتا ہے۔

حسد کے معنی اور اس کے درجات

حسد کے معنی یہ ہیں کہ کسی دوسرے شخص کی اچھائی پر انسان کو دل میں کڑھن ہو کہ اس کو یہ اچھائی کیسے مل گئی؟ کسی کو مال و دولت زیادہ حاصل ہو گیا، اس کی وجہ سے دل میں جلن ہو رہی ہے کہ اس کے مال میں اتنا اضافہ کیوں ہو گیا؟ کسی کی شہرت زیادہ ہو گئی، لوگوں میں مقبولیت زیادہ ہو گئی، اس پر جلن ہو رہی ہے کہ یہ شخص لوگوں میں مقبول کیوں ہو گیا، اس کو کہتے ہیں حسد، اور یہ بہت ہی بری بلا ہے، اور صورتحال یہ ہے کہ حسد کے کئی درجے ہوتے ہیں، ایک درجہ تو یہ ہے کہ کسی کو کوئی اچھائی ملی، کوئی نعمت حاصل ہوئی، پیسہ زیادہ آ گیا، علم میں بڑھ گیا، شہرت اس کی

زیادہ ہوگئی وغیرہ وغیرہ تو اس کی اچھائی کی وجہ سے دل میں غیر اختیاری طور پر ایک کڑھن پیدا ہوتی ہے، یا تکلیف ہوتی ہے کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا، یہ غیر اختیاری طور پر بعض اوقات خیال آجاتا ہے، اگر یہ خیال غیر اختیاری طور پر آیا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں کوئی مواخذہ نہیں، کیونکہ غیر اختیاری ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ لیکن ہے خطرناک، اس لئے اس کو اچھا نہیں سمجھنا چاہیے، برا سمجھنا چاہیے، اس کی تفصیل آگے عرض کروں گا انشاء اللہ۔

حسد کا دوسرا درجہ

دوسرا درجہ یہ ہے حسد کا کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ تکلیف ہوئی اس کے آگے بڑھنے سے، بلکہ دل میں بڑی شدت کے ساتھ یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے، جو پیسہ زیادہ ملا ہے، وہ چھن جائے، کوئی مال اس کو زیادہ حاصل ہوا ہے، وہ چھن جائے، شہرت زیادہ حاصل ہوئی ہے، وہ شہرت چھن جائے، ساتھ میں دل میں یہ خواہش اور یہ آرزو بھی پیدا ہو رہی ہے اور شدت کے ساتھ پیدا ہو رہی ہے، یہ حسد کا دوسرا درجہ ہے۔

حسد کا تیسرا درجہ

اور تیسرا درجہ یہ ہے حسد کا کہ چونکہ دل میں یہ خواہش ہے کہ اس کی یہ نعمت چھن جائے تو اس سے اس نعمت کو چھیننے کے لئے کوئی عملی کاروائی کرے، مثلاً حسد کی وجہ سے لوگوں سے اس کی برائی بیان کر رہا ہے، غیبت کر رہا ہے، یا اس پر بہتان باندھ رہا ہے، یا اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ اس کو جو منصب حاصل ہوا ہے وہ

منصب چھن جائے، اس کے بڑوں کے پاس جا کر شکایت کر رہا ہے، تا کہ یہ منصب اس سے چھن جائے، چغلی کھا رہا ہے، برائی بیان کر رہا ہے، تو یہ حسد کی وجہ سے کوئی عملی کاروائی گناہ کبیرہ ہے، اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی معافی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کرے، اور گناہوں کا حاصل تو یہ ہے کہ اگر انسان کو کسی وقت بھی تنبیہ ہو جائے، اور وہ توبہ کر لے، تو توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن چونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بندوں کے حقوق سے ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف توبہ واستغفار کرنے سے یہ معاف نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ بندہ جس کے خلاف تم نے کاروائی کی ہے، وہ معاف نہ کر دے، اس کے بغیر معافی نہیں ہوگی، اس واسطے اس کا گناہ بہت شدید ہے، عام گناہوں سے زیادہ سنگین ہے۔

حسد کے پہلے دو درجوں کی حقیقت

اس میں سے جو پہلے دو درجے بتائے کہ دوسرے کی کسی اچھائی کے حاصل ہونے کی وجہ سے دل میں تکلیف ہوئی، اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ یہ تمنا بھی پیدا ہوئی کہ یہ چھن جائے، یہ دونوں باتیں غیر اختیاری طور پر ہو رہی ہیں، انسان اپنے اختیار سے اپنے دل میں نہیں لا رہا، بلکہ خود بخود بغیر اس کے یہ خیال آ گیا ہے، تو صرف اتنی بات پر اللہ تعالیٰ پکڑ نہیں کرتے، کیونکہ اس کا کوئی اثر عمل میں ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا اس بات پر پکڑ تو نہیں کرتے، لیکن ہے یہ بڑی خطرناک، کیونکہ اگر یہ خیال جو غیر اختیاری طور پر آیا ہے، یہ زیادہ دیر دل میں بیٹھ گیا، اور پھر آدمی اپنے اختیار سے بھی

اس کو سوچنے لگا، تو اپنے اختیار سے اگر سوچے گا تو گناہ ہوگا، اور زیادہ دیر تک یہ خیال دل میں بیٹھا رہا تو کسی وقت اس کو اس بات پر آمادہ کردے گا کہ جس سے حسد کر رہا ہے، اس کے خلاف کوئی کاروائی کرے، وہ کاروائی کسی بھی قسم کی ہو، اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرے، اس کے خلاف لوگوں سے غیبتیں کرے، یا اس کی برائی بیان کرے، اس کی چغلی کھائے، اس کو اس کے منصب سے ہٹانے کی کوشش کرے وغیرہ وغیرہ...... یہ ساری کاروائیاں ہو سکتی ہیں، اور لوگوں کے بس میں اور کوئی کاروائی نہیں ہوتی تو بعض اوقات جادو ٹونا شروع کر دیتے ہیں کہ حسد کی وجہ سے کوئی جادو کا عمل ایسا کر دیں جس سے اسے تکلیف پہنچے، اور یہ سورۃ فلق جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ یہ اسی قسم کے جادو کے بارے میں نازل ہوئی۔ تو یہ غیر اختیاری خیال اگر زیادہ دیر دل میں بیٹھ گیا، اور اس کی کھچڑی انسان اپنے دل ودماغ میں پکاتا رہا، تو کسی وقت اس کو وہ ناجائز اور حرام کاروائی پر بھی آمادہ کر دے گا، اس واسطے یہ ہے خطرناک، اگر خیال بھی آرہا ہے اور غیر اختیاری طور پر بھی آرہا ہے تو یہ خطرناک ہے۔

دو طریقوں سے اس کا علاج

اس لئے امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے جو بڑے زبردست عالم گزرے ہیں، اور تصوف اور سلوک کے بھی ماہر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کا غیر اختیاری خیال دل میں آرہا ہو، تو اگرچہ اس پر فوری طور سے مواخذہ اور گرفت نہیں ہے، لیکن اس کا علاج کرنے کی پھر بھی ضرورت ہے اور ہے یہ ایک بیماری، غیر اختیاری

بیماری ہے لیکن بیماری ہے اس بیماری کا علاج کرنے کی ضرورت ہے اور علاج انہوں نے فرمایا ہے کہ دو چیزوں سے علاج کرنا ہوگا، ایک علاج اس کا یہ ہے کہ یہ جو خیال اس کے دل میں آرہا ہے اور تکلیف ہورہی ہے، تمنا ہورہی ہے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے، اس خیال کو برا سمجھے کہ بھئی! دل میں یہ جو خیال آرہا ہے یہ اچھا خیال نہیں ہے، اور برا سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے کہ یا اللہ! میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے، یہ اچھا خیال نہیں ہے، اے اللہ! مجھے اس سے محفوظ رکھ، اور مجھے اس سے بچالے، ایک تو یہ اہتمام کرے آدمی کہ اس خیال کو برا سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے اس خیال کو دور ہونے کی دعا کرے۔

دوسرا علاج اس کے حق میں دعا کرے

اور دوسرا عمل جو کڑوی گولی ہے لیکن اس کے بغیر اس بیماری کا علاج نہیں ہوتا، وہ یہ کہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص سے حسد ہورہا ہے، اس کے حق میں خوب دعا کرے، مثلاً اس کے مال و دولت سے حسد ہورہا ہے تو خوب دعا کرے کہ یا اللہ اس کے مال میں اور برکت عطا فرما، اس کے مال میں اور ترقی عطا فرما، اگر اس کو کوئی عہدہ مل گیا ہے، منصب مل گیا ہے تو یا اللہ اسکے عہدہ اور منصب میں اور ترقی دے، اگر اس کی شہرت اور مقبولیت ہورہی ہے، اس کی وجہ سے حسد ہورہا ہے تو دعا کرے کہ یا اللہ اس کی شہرت میں اور اضافہ فرما، اس کی مقبولیت میں اور اضافہ فرما، جب یہ دعا کرے گا تو دل پر آرے چل جائیں گے، کیونکہ دل تو اندر سے یہ کہہ رہا ہے کہ کسی طرح اس سے یہ نعمت چھن جائے، لیکن دعا

یہ کررہا ہے کہ یا اللہ اسکو یہ اور حاصل ہو، اور ترقی ہو، تو اسکے نتیجے میں جو دل پر آرے چلیں گے، یہ اس بیماری کا علاج ہوگا۔

لوگوں کے سامنے اس کی تعریف

اور اسی کے ساتھ یہ کام بھی کرے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف بھی کرے، دوسرے لوگوں میں اس کی اچھائیاں بیان کرے، اس کے جو اچھے اوصاف ہیں وہ بیان کرے، یہاں پر بھی آرے چل جائیں گے، دل میں تو یہ آرہا ہے کہ یہ لوگوں میں بدنام ہو، اور اس کی لوگ تعریف کرنے کے بجائے لوگ برائی کریں، لیکن میں لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کررہا ہوں، تو اس سے پھر دل پر آرے چلیں گے، لیکن آرے چلنا ہی علاج ہے اس بیماری کا، یہ عمل حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے اور گویا یوں سمجھو کہ یہ علاج اس بیماری کا تریاق ہے۔

ہر شخص کا یہ حال ہے

دیکھئے! آج کی دنیا میں ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی کے بارے میں اس قسم کے خیالات پیدا ہوجاتے ہیں، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ، اور یہ بہت بڑی بیماری کی نشانی ہے، لیکن ہم پرواہ نہیں کرتے، اسکے نتیجے میں یہ بیماری بڑھ جاتی ہے، اور آگے چل کر لا علاج ہوجاتی ہے۔

حسد کرنا تقدیر پر شکوہ کرنا ہے

دیکھو! سوچنے کی بات یہ ہے کہ حسد درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیر کے اوپر اعتراض ہے، اسے یہ نعمت کیوں مل گئی، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ میاں! آپ نے اس کو یہ نعمت کیوں دیدی؟ اے اللہ! آپ نے کیوں اس کو منتخب کرلیا اس نعمت کے لئے؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہو رہا ہے، اس واسطے بڑی خطرناک چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حسد کرنے والا خود ہی اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے، اس محسود کو جس سے وہ حسد کررہا ہے، اس کو تو کوئی نقصان نہیں، لیکن حاسد دل میں کڑھ رہا ہے، اس کے دل میں جلن ہورہی ہے، اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے، جلن کڑھن میں ختم ہوجاتا ہے، نقصان اس کا صرف حسد کرنے والے کو ہوتا ہے، کسی اور کو نہیں پہنچتا، لہٰذا اس سے نجات حاصل کرنا بڑا ضروری ہے، اور نجات حاصل کرنے کا راستہ وہی ہے جو امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسکے حق میں خوب دعا کیا کرے کہ یا اللہ! اسکے درجات اور بلند کر، اسکو اور نعمتوں سے سرفراز فرما، اس کو اور نعمتیں عطا فرمادے اور دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف بھی کرے اس کی اچھائیاں بیان کرے، انشاء اللہ علاج ہوجائے گا۔

حسد کا تیسرا درجہ

تیسرا درجہ حسد کا جو ہے، اللہ بچائے، وہ تو بہت ہی خطرناک ہے، وہ یہ کہ اس حسد کی وجہ سے حاسد کسی شخص کے خلاف کوئی کاروائی کرے، اس کی برائی بیان

کررہا ہے مجمع کے اندر، اس کو بدنام کرنے کی کوششیں کررہا ہے، اس کے خلاف پروپیگنڈہ کررہا ہے، اس کے خلاف ایسی کاروائی کررہا ہے جس سے وہ اپنی موجودہ نعمت سے محروم ہوجائے، اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

میں حاسد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کی کاروائی کرے، حاسد کا شر کیا ہے؟ حاسد کا شر یہ ہے کہ وہ حسد کی بناہ پر کوئی کاروائی کرے، اگر وہ عملی کاروائی نہیں کرتا، بلکہ دل ہی دل میں کڑھ رہا ہے تو اس کا نقصان تو ہمیں کچھ نہیں پہنچتا، اس کا نقصان تو اس کو پہنچے گا، لیکن اگر حسد کی بناہ پر وہ ہمارے خلاف کوئی کاروائی کررہا ہے تو یہ اس کا شر ہے، جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

حسد کیوجہ سے کون ہمارے خلاف کارروائی کررہا ہے

جب ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہمیں نہیں پتہ کہ ہم سے کون حسد کررہا ہے اور حسد کی بناہ پر کیا کاروائی کررہا ہے، ہمیں تو کچھ پتہ نہیں، اگر پتہ ہو تو کچھ اس کا تدارک بھی کرے، لیکن حاسد کی کاروائیاں ایسی ہوتی ہیں جو بعض اوقات انسان کو پتہ نہیں لگتیں، اس واسطے اس سورۃ میں فرمایا گیا جہاں اور سب مخلوقات سے پناہ مانگو اللہ تبارک وتعالیٰ کی، وہاں حاسد کے شر سے بھی پناہ مانگو، کیونکہ تمہیں تو پتہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کس کے خلاف کیا کاروائی کررہا ہے؟ اور کس سے حسد پیدا ہورہا ہے؟ اور کون ہے جو حسد کی وجہ سے اس کی مخالفت پر تلا

ہوا ہے؟ یا اسکے راستے میں روڑے اٹکا رہا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو معلوم ہے، اس لئے اس سورۃ کے ذریعہ پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، اس آیت میں یہ بھی واضح فرمایا گیا کہ حسد ایک بہت بری بیماری اور ایک بہت بری بلا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ بھی پناہ مانگنی چاہیے کہ یا اللہ! میرے دل میں کسی بھی دوسرے کے خلاف حسد پیدا نہ ہو۔

رشک کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات واضح کردوں کہ حسد اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی کسی نعمت کو دیکھتے ہوئے یہ تمنا کرے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے، مجھے ملے یا نہ ملے اس سے چھن جائے، یہ ہے حسد، اور ایک یہ ہوتا ہے رشک، رشک اسے کہتے ہیں کہ کسی دوسرے کو کوئی نعمت حاصل ہوئی ہے تو آدمی کے دل میں یہ تمنا پیدا ہو کہ یہ نعمت جیسی اس کو ملی ہے، یا اللہ! مجھے بھی دیدے، یہ کوئی گناہ نہیں ہے، یا اللہ! جیسا علم اس کو دیا گیا ہے، ویسا علم مجھ کو بھی دیدے، جیسا تقویٰ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہوا ہے، ویسا مجھ کو بھی مل جائے، جیسی دولت اس کو ملی ہے، مجھ کو بھی مل جائے، اس قسم کی باتیں محض ایک حد تک ہوں کہ اس کو جو نعمت ملی ہے، اس کے پاس بھی رہے، اور ساتھ ساتھ مجھے بھی مل جائے، اس کو حسد نہیں کہتے، یہ حسد نہیں ہوتا، یہ رشک ہوتا ہے، اس کو حدیث میں غبطہ کہا گیا ہے، یہ کوئی گناہ نہیں، البتہ رشک کرنا چاہیے اچھی چیزوں میں، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کے اندر رشک کرنا چاہیے، اور جو برائیاں ہیں، ان کے اندر رشک نہیں کرنا چاہیے، معاذ اللہ کسی شخص کو کسی فسق و

فجور کی وجہ سے دولت مل گئی، اب اس کو رشک آرہا ہے تو یہ رشک اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ گناہ کے اندر رشک ہو رہا ہے، لیکن اگر کوئی جائز کام ہے تو اس میں رشک کوئی برا نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔

حافظ ابن حجر کی دعا

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ جب حج کرنے کے لئے گئے تو حدیث میں ہے:

مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَہٗ

جب آدمی زم زم کا پانی پیتا ہے تو اس کو پیتے وقت جو دعا کرے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرماتے ہیں تو حضرت حافظ ابن حجر نے دعا یہ کی تھی کہ یا اللہ مجھے حضرت حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ علیہ جیسا حافظ دے دیجئے، یعنی جیسا ان کا حافظ تھا، ایسا ہی حافظ ان کو بھی مل جائے تو یہ رشک ہے، اس میں کوئی مزائقہ نہیں، ہاں اگر یہ ہوتا کہ ان سے چھن جائے تو یہ حسد ہوتا، لیکن ان کو تو ملا ہی ہے، اے اللہ! مجھے بھی دیدیجئے، تو اس میں کوئی مزائقہ نہیں ہے، یہ جائز ہے، اور اس کی دعا کرنے میں بھی کوئی مزائقہ نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو حسد کی بیماری سے محفوظ رکھے، اور اس قسم کے اگر خیالات آتے ہیں، یا آئے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ انکو معاف فرمادے اور انکو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

الولاية

شرح شرح الوقاية (مکمل ۴ر جلدیں)

شرح اردو شرح الوقایۃ (آخرین)

وفاق المدارس کے نصاب میں شامل

''شرح وقایۃ (آخرین) کی بہترین اردو شرح

میمن اسلامک پبلشرز

سورۃ الناس کی اہمیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الناس کی اہمیت

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۶ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ وَالشّٰكِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے، جسے سورۃ

الناس کہا جاتا ہے، جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی، اور تقریباً ہر مسلمان کو یہ یاد ہوتی ہے، بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اس سے پہلے سورۃ الفلق ہے، اور پچھلے کچھ بیانات میں سورۃ الفلق کی بقدر ضرورت تفسیر آپ حضرات کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں، اور اس وقت یہ عرض کیا تھا کہ یہ دونوں سورتیں: قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایک ہی ساتھ نازل ہوئیں، اور اس وقت نازل ہوئیں جب کچھ یہودیوں نے حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ پر جادو کیا تھا، اور اس جادو کے نتیجے میں سرکار دو عالم ﷺ کو یہ تکلیف ہوگئی تھی کہ بعض اوقات آپ نے کوئی کام کرلیا ہوتا، مگر یہ خیال ہوتا کہ نہیں کیا، اس طرح کی صورتحال پیش آتی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو اس بات سے باخبر فرمایا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے، اور پھر اس جادو کے توڑ کیلئے یہ دو سورتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائیں، اور جس شخص نے جادو کیا تھا، اس نے کنویں میں بالوں کے اندر گرہیں باندھ کر جادو کیا تھا، نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتادیا گیا، تو آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے اور ایک گرہ کھولتے، پھر دوسری آیت پڑھتے اور پھر دوسری گرہ کھولتے، یہاں تک کہ ساری کی ساری گرہیں کھل گئیں، اللہ تعالیٰ نے پھر اس جادو کے اثر سے آپ کو محفوظ رکھا، اس میں سے پہلی سورۃ سورۃ الفلق کی تفسیر پچھلے چند بیانات میں تفصیل کے ساتھ الحمدللہ بیان ہوچکی ہے۔

سورۃ الناس کا ترجمہ

اس دوسری سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم سرور دو عالم ﷺ سے اللہ

تبارک وتعالیٰ فرمار ہے ہیں: قل اعوذ برب الناس .کہو! میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو سارے انسانوں کا پروردگار ہے :ملك الناس . جو سارے انسانوں پر بادشاہت رکھے ہوئے ہیں :اله الناس . جو سارے انسانوں کا معبود ہے، اس کی پناہ مانگتا ہوں، کس چیز سے پناہ مانگتا ہوں :من شر الوسواس الخناس . اس شیطان کے شر سے جو دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور پیچھے ہٹ جاتا ہے :الذی یوسوس فی الصدور الناس . من الجنته و الناس . چاہے وہ شیطانی عمل کرنے والا جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو۔

دونوں سورتوں میں تقابل

آپ دونوں سورتوں میں تھوڑا سا مقابلہ کر کے دیکھیں، تو پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ نے پیدا کی ہے، جتنی مخلوقات ہیں ان کے شر پناہ مانگتا ہوں، وہ چاہے انسان ہوں، وہ تکلیف پہنچانے والے دشمن ہوں، وہ جنات ہوں، چاہے وہ موذی جانور ہوں، چاہے وہ اور کوئی مخلوق ہو جو انسان کو تکلیف پہنچانے والی ہے، ان سب کے شر سے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اس سورت میں یہ فرمایا گیا ہے، اور یہ سورۃ الناس جو ہے، یہ خاص طور سے وسوسے ڈالنے والے شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کے لئے ہے، تو پہلی سورت میں درحقیقت انسان کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، ہر اس مصیبت سے، یا ہر اس تکلیف سے جو اسے کسی بھی مخلوق سے پہنچے، مثلاً کوئی دشمنی پر آمادہ ہے، تکلیف پہنچانا چاہتا ہے، حسد کرنے والا ہے، حسد کر رہا ہے، حسد کی وجہ

سے تکلیف پہنچا رہا ہے، یا اور کوئی دشمنی ہے جس کی وجہ سے وہ تکلیف پہنچانا چاہتا ہے، یا جانور ہے کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا ہے، کوئی ڈاکو ہے، کوئی چور ہے، ان سب کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، تو اس میں درحقیقت پناہ مانگی گئی ہے ان مصیبتوں سے اور ان تکلیفوں سے جو انسان کے جسم کو پہنچتی ہیں، یا پہنچ سکتی ہیں اور اس سورۃ الناس میں پناہ مانگی گئی ہے، ان لوگوں کے شر سے جو دنیا میں تو نقصان چاہے خاص نہ پہنچا ئیں، لیکن آخرت میں نقصان پہنچانے والے ہیں کہ دل میں وسوسہ ڈال کر انسان کو کفر میں مبتلا کر دیں، شرک میں مبتلا کر دیں، اللہ بچائے گناہوں میں مبتلا کر دیں، معصیتوں کا عادی بنا دیں، ان کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، تو اگر خلاصہ دیکھا جائے تو سورۃ الفلق میں پناہ طلب کی گئی ہے، ان نقصانات سے اور ان تکلیفوں سے جو انسان کے ظاہری جسم پر دنیا کے اندر پیش آئیں، ان سے پناہ مانگی گئی ہے، اور سورۃ الناس میں اس نقصان سے پناہ مانگی گئی ہے، جو انسان کو آخرت میں نقصان پہنچائے، اس کی آخرت تباہ کر دے، دنیا بھی خراب کرے اور آخرت بھی خراب کرے، تو اس سے پناہ مانگی گئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ عجیب ترتیب اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھی ہے۔

سورۂ فلق میں ایک صفت اور تین صورتوں سے پناہ

وہاں: قل اعوذ برب الفلق۔ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے:

قل اعوذ برب الفلق۔ میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو پو پھٹنے کی مالک ہے، یعنی صبح کی مالک ہے، صبح کے وقت کی مالک ہے، صرف ایک صفت ذکر فرمائی جس

کی تفصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جیسے صبح ہوتی ہے تو ظلمت چھٹ جاتی ہے، تاریکی دور ہو جاتی ہے، اندھیرا ختم ہو جاتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر اندھیرے کو دور کرنے والا، ہر تاریکی کو دور کرنے والا، ہر شر کو دور کرنے والا، وہاں صرف ایک صفت بیان کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رب الفلق، اور جن سے پناہ مانگی گئی ہے، ان کی تین صورتیں ذکر کی ہیں: ومن شر غاسق اذا وقب. ومن شر النفثت فی العقد. ومن شر حاسد اذا حسد. اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

سورۃ الناس میں تین صفات اور ایک چیز سے پناہ

اور سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں بیان کی گئیں: قل اعوذ برب الناس. ملک الناس. الہ الناس. اور جس چیز سے پناہ مانگی گئی ہے، وہ ایک ہی ہے: من شر الوسواس الخناس. تو تین صفتوں کا حوالہ دے کر ایک چیز سے پناہ مانگی گئی ہے، اور وہاں ایک صفت کا حوالہ دے کر تین چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

عجیب وغریب اشارہ

اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ اعلم، کہ دنیاوی نقصان پہنچانے والے متعدد ہیں، بہت سے ہیں، کوئی دشمن ہے، کوئی ڈاکو ہے، کوئی چور ہے، کوئی تکلیف پہنچانے والا آدمی ہے وغیرہ وغیرہ... بہت سارے ہو سکتے ہیں، اس میں جادوگر ہیں، چونکہ ان کا نقصان دنیا تک محدود رہے گا، اور دنیا ہی کی حد تک اس کا اثر ظاہر ہوگا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت کافی ہے، برخلاف سورۃ

الناس کے، وہاں ذکر ہے اس نقصان کا جو کوئی انسان کو آخرت میں پہنچائے،
شیطان جو دل میں وسوسہ ڈالے، اور اس وسوسوں کے نتیجے میں انسان اللہ بچائے
ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کفر اور ارتداد میں مبتلا ہو جائے تو ساری آخرت ہی تباہ ہوگئی
اور اگر کفر نہیں تو گناہ کا وسوسہ ڈال دے، یہ گناہ کرلو، یہ گناہ کرلو، اور انسان اس
وسوسہ کی تعمیل میں گناہ کر بیٹھے تو چاہے پوری آخرت تباہ نہ ہو، لیکن ایک مدت تک
اس کو جہنم کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور جہنم کا عذاب دنیا کی تکلیفوں کے
مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے، ساری زندگی انسان تکلیفوں میں مبتلا رہے، ایک ذرہ
برابر اسکو خوشی نہ ملے تو وہ ہلکا ہے، بہ نسبت اس کے کہ تھوڑی دیر جہنم میں چلا جائے،
جہنم کا عذاب اتنا سخت ہے، اس لئے آخرت کی تکلیف، آخرت کی مصیبت دنیا کی
مصیبت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے، لہٰذا اس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں بیان
فرمائی گئیں، پناہ مانگو، اس ذات سے جو تمام انسانوں کا پروردگار ہے، جو تمام
انسانوں کا بادشاہ ہے، جو تمام انسانوں کا معبود ہے، اسکی پناہ مانگو، اس کے حوالے
سے پناہ مانگو کہ اے اللہ آپ تو ہمارے رب ہیں، پروردگار ہیں، آپ نے پیدا کیا،
آپ ہی نے پالا پوسا، آپ ہی نے پروان چڑھایا، اور آپ ہی کی سلطنت ہے تمام
کائنات پر اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں، اور آپ ہی کی ہم عبادت کرتے ہیں، تو
ہمیں اس شیطان سے اپنی پناہ میں رکھئے جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

حفاظت پر دلالت کرنے والی صفات

اور تین صفتیں وہ ذکر کی گئی ہیں، جو حفاظت کے اوپر دلالت کرتی ہیں، رب

کے کیا معنی، وہ ذات جو پرورش کرتی ہے، پالتی ہے، پروردگار ہے، تو جب کوئی کسی
کو پالتا ہے، جیسے ماں بچہ کو پالتی ہے، باپ بچہ کو پالتا ہے، تو اس کی حفاظت کرتے
ہیں، ہر دم اس کو اپنی آنکھ کے سائے میں رکھتا ہے کہ کہیں اس کو کوئی نقصان نہ پہنچ
جائے، اسی طرح اگر کوئی بادشاہ ہو اور صحیح معنی میں بادشاہ ہو، صحیح معنی میں حکمران ہو
تو وہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے، اس کی نگہداشت کرتا ہے، کہ کوئی اسے نقصان
نہ پہنچ جائے، اور جب وہ معبود ہے تو جو بندہ اس کی عبادت کرتا ہے، اس کی وہ
حفاظت کرتا ہے، جو میری عبادت کرتا ہے میں اس کی حفاظت کرتا ہوں، تو یہ تینوں
صفتیں اللہ تعالیٰ کی ایسی ذکر فرمائی گئی ہیں، کہ جو حفاظت کا مفہوم اپنے اندر رکھتی
ہیں کہ ہم تو آپ کی عبادت کرنے والے ہیں، ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

تین صفات میں عجیب نکتہ

اور بعض علماء کرام نے اس میں یہ نکتہ بھی ذکر کیا ہے کہ: برب الناس.
ملك الناس. اله الناس. میں جو اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں ذکر کی گئی ہیں تو رب سے
اشارہ ہے، انسان کے بچپن کی طرف کہ بچپن میں اس کی نشو ونما کا دور ہوتا ہے، اس کو
اللہ تعالیٰ پالتے ہیں تو: برب الناس. یہ ہے بچوں کے لئے، بچپن کے لئے: ملك
الناس. یہ ہے جوانوں کے لئے کہ جب جوان ہوتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ میں
اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں آیا ہوں، اور جب بڑھاپا ہوتا ہے، تو بڑھاپے میں آدمی
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، عبادت میں زیادہ لگتا ہے: الہ الناس. تو اس
وقت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا، تو خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تین صفتوں کا

حوالہ دے کر اللہ تبارک وتعالیٰ تلقین فرمارہے ہیں کہ تم یہ کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں، اس ذات سے جو سارے انسانوں کا پروردگار ہے، سارے انسانوں کا بادشاہ ہے، سارے انسانوں کا معبود ہے، پناہ کس سے مانگتا ہوں: من شر الوسواس الخناس . اس شیطان کے شر سے جو وسوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے، یہ صفت بیان کی ہے شیطان کی، اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے۔

شیطان کا وسوسہ ڈالنا

حدیث میں تفصیل یہ آئی ہے کہ شیطان ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، اور اس طرح لگا ہوا کہ وقتاً فوقتاً جہاں اس کو موقع ملتا ہے انسان کو گناہ پر آمادہ کرتا رہتا ہے، یہ گناہ کرلو، وہ گناہ کرلو، کوئی نامحرم سامنے آیا، تو وہ دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس کو دیکھ کر لذت لے لو، کوئی بات کسی کی نکلی تو اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ غیبت کرلو، کوئی موقع آیا تو دل میں ڈالتا ہے کہ جھوٹ بول جاؤ، کوئی موقع آیا تو کہتا ہے کہ چلو بھئی نماز چھوڑ دو، غرض مختلف قسم کے گناہوں کا وسوسہ دل میں ڈالتا ہے۔

پیچھے ہٹ جانے کا مطلب

اور پیچھے ہٹ جانے کے کیا معنی کہ وسوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے؟ اس کے دو معنی ہیں، ایک معنی یہ ہیں کہ وسوسہ ڈالتا تو ہے، اور ترغیب دیتا ہے کہ فلاں گناہ کرلو، لیکن یہ دل میں ڈال کر اور آدمی کو غلط راستے میں لگا کر خود بھاگ جاتا ہے، یعنی اس کی ذمے داری نہیں لیتا کہ میں نے تمہیں ورغلایا تھا، لہٰذا تمہارا عذاب میں بھگت لوں گا، نہیں بس غلط راستے پر ڈال کر خود الگ ہو جائے گا، اور انسان کو اس

میں مبتلا کردے گا، ایک تو اس کے معنی یہ ہیں، اور دوسرے معنی حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، کہ شیطان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں برے برے خیالات، برے برے ارادے پیدا کرتا ہے۔

ذکر اللہ سے شیطان بھاگ جاتا ہے

لیکن ان ارادوں کے پیدا کرنے کے بعد جوں ہی اللہ کا بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرلیتا ہے تو شیطان فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے، بھاگ جاتا ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس لفظ کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ اس کے وسوسے سے زیادہ مت ڈرو، یہ ہے تو خطرناک، اگر وسوسہ کام کرگیا تو تمہاری آخرت تباہ کردے گا، لیکن زیادہ ڈرنے کی بات نہیں کیونکہ یہ وسوسہ ڈالتا ضرور ہے، لیکن جوں ہی تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کروگے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو گے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کروگے، یہ پیچھے ہٹ جائے گا، یہ معنی ہیں، الوسواس الخناس، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ . (حم سجدہ: ۳۶)

ترجمہ: ''جب تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی کچوکہ لگے'' قرآن کریم نے کچوکہ لگنے کا لفظ استعمال کیا، یعنی تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے، یا کوئی برا ارادہ ڈالے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لو، یا اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، یہ شیطان میرے دل میں یہ باتیں ڈال رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے یہ پناہ مانگ لو، اللہ تعالیٰ کی

طرف رجوع کرلو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے نتیجے میں، اور اللہ کا ذکر کرنے کے نتیجے میں، یہ پیچھے ہٹ جائے گا، پھر یہ تمہیں آگے جاکر نقصان نہیں پہنچا سکتا، اگر بندہ نے اللہ کا ذکر نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا، تو شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا، اور تمہیں گناہ میں مبتلا کر دے گا، لیکن اگر اس موقع پر تم اللہ کو یاد کرلو، اللہ کی پناہ لے لو، اللہ سے پناہ مانگ لو تو یہ شیطان پیچھے ہٹ جائے گا، اور پھر جب موقع ملے گا دوبارہ آئے گا، پھر کسی موقع پر پھر وسوسہ ڈالے گا، پھر اللہ کی پناہ لے لو گے پھر ذکر کرلو گے پھر پیچھے ہٹ جائے گا۔

خَنَّاس کے معنی بہت پیچھے ہٹنے والا

اور دیکھو یہاں قرآن کریم نے فرمایا خَنَّاسْ. خَنَّاسْ کے معنی ہیں بہت پیچھے ہٹنے والا، ایک تو ہوتا ہے خَانِس یعنی ایک مرتبہ پیچھے ہٹنے والا، اور خَنَّاس کے معنی بہت پیچھے ہٹنے والا، یعنی بار بار پیچھے ہٹنے والا، کیا معنی بار بار حملے کرتا ہے، اور بار بار پیچھے ہٹتا ہے، ہر حملے کے موقع پر آسان علاج یہ ہے کہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو، اللہ کی پناہ مانگو کہ یا اللہ! یہ دل میں خیال ڈال رہا ہے، مجھے اس کے شر سے محفوظ کر دیجئے، اور مجھے ہمت دے دیجئے، اور مجھے طاقت دے دیجئے، کہ میں اس گناہ سے بچ جاؤں، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پیچھے ہٹ جائے گا، اسی لئے فرمایا:

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (النساء: ۷۶)

ترجمہ: ”شیطان کی تدبیریں بڑی کمزور ہیں“ یہ انسان کے اوپر مسلط تو رہتا

ہے، لیکن جہاں ذرا آدمی جم گیا اس کے مقابلے پر تو یہ بھاگ جاتا ہے، پھر اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔

شیطان کے زہر کا تریاق

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اور حکمت سے یہ بات بعید ہے، کہ وہ زہر پیدا کرے، اور تریاق نہ بتلائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کوئی بیماری پیدا کی ہے، اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، جو زہر پیدا کیا ہے، تو اس کا تریاق بھی پیدا کیا ہے، تو جب شیطان کو پیدا کیا تو شیطان انسان کیلئے زہر ہے، تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے، اس کی رحمت سے، اس کی حکمت سے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ زہر تو پیدا کرے، اور تریاق نہ پیدا کرے، اللہ تعالیٰ نے تو ہر چیز کا تریاق پیدا کیا ہے۔

ایک زہریلا پودا اور اسکا تریاق

ایک مرتبہ میں ایک سفر پر جا رہا تھا، جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے قریب گاڑی میں سفر کر رہے تھے، تو راستے میں ایک جگہ ایسی آئی کہ بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی، منظر بہت اچھا تھا، تو ہم نے کہا کہ تھوڑی دیر یہاں پر رک جائیں، تو تھوڑی دیر رک کر چلیں گے، قریب میں سامنے ایک درخت نظر آیا، چھوٹا سا درخت تھا، اس کے پتے بڑے خوبصورت تھے، اور ایسے لگ رہے جیسے مخمل کے پتے ہوں، تو میں اس کی طرف بڑھا اور اس کو ہاتھ لگانے لگا، وہ جنگلی پودا تھا، میں نے اس کو ہاتھ لگانے کا ارادہ کیا، دیکھنے کے لئے کہ کیسا ہے، میرے جو ساتھی تھے انہوں نے مجھے ایک دم زور سے روکا کہ مولانا! اس کے قریب نہ جائیے، میں نے پوچھا کہ بھئی

کیوں؟ کہا کہ یہ ایسا پودا ہے کہ اس کے اوپر ہاتھ لگاؤ تو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے بچھو کے کاٹنے سے، اگر اس کو ہاتھ لگا لے انسان تو جیسے بچھو کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے، درد ہوتا ہے، اس لئے اسے ہاتھ نہ لگایئے گا، میں بڑا حیران ہوا، اور ساتھ ہی میں کہا کہ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، آپ نے مجھے بتادیا تو میں اس سے رک گیا، نجانے کتنے لوگ اجنبی جو گزرتے ہوں گے تو وہ ہاتھ لگالیں گے اور انہیں تکلیف پہنچ جائے گی، مگر انہوں نے کہا کہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جہاں یہ پودا ہوتا ہے، اسی کی جڑ میں ایک اور پودا نکلتا ہے، اور اس کو ہاتھ لگاتے ہی ساری تکلیف دور ہو جائے گی، میں نے کہا کہ: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ جو زہر پیدا فرمایا تو اس کا تریاق بھی ساتھ ساتھ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی رحمت اور حکمت کا معاملہ یہ ہے، تو اس وقت مجھے ایک یہ عبرت ہوئی کہ دیکھو کہ یہ دیکھنے میں کتنا خوبصورت پودا ہے، کتنا حسین ہے کہ بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس جاؤ، اس کو ہاتھ لگاؤ، دیکھنے میں بڑا حسین ہے، لیکن اتنا خطرناک اور اتنا زہریلا ہے کہ بچھو کے کاٹنے جیسی لہریں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

گناہ خوبصورت زہریلے پودے کی مانند ہیں

تو یہ دنیا میں جتنے گناہ ہیں، ان سب کی ایک مجسم مثال یہ پودا ہے کہ دیکھنے میں بڑے خوبصورت لگتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بڑا لطف آئے گا، بڑا مزا آئے گا، بڑی لذت حاصل ہوگی، لیکن انجام کے اعتبار سے وہ زہریلے ہیں، وہ بچھو کے کاٹنے جیسے ہیں، ایک تو یہ سبق ملا، دوسرا سبق یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ جہاں کہیں

کوئی زہر پیدا کرتے ہیں، اس کا تریاق بھی پیدا فرماتے ہیں، اس کے ازالے کی تدبیر بھی عطا فرما دیتے ہیں، تو جب شیطان کو پیدا کیا جو انسان کے لئے ایک زہر تھا، تو اس کا تریاق بھی اتنا آسان بنا دیا، اس کا تریاق یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرلو اس کی پناہ میں آجاؤ، جب شیطان تمہارے دل میں کچوکہ لگانے لگے تو اللہ کی پناہ مانگو، یا اللہ! میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے مجھے اس سے بچالے، شیطان کے شر سے بچا لیجئے، اگر پہلے خیال آجائے تو پہلے پناہ مانگ لو اللہ تعالیٰ سے، اور اگر خدا نہ کرے اس شیطان کے شر سے متاثر ہوکر، مغلوب ہوکر گناہ کا ارتکاب کرلیا تو تریاق یہ ہے کہ توبہ کرو اور کہو:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، میں توبہ کرتا ہوں، استغفار اور توبہ کرلو تو یہ تریاق ہے اس کا، ایک طرف شیطان کا شر ہے اور ہے بڑا خطرناک، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے بچنے کا طریقہ دونوں طرف رکھا ہوا ہے، دائیں بھی اور بائیں بھی، آگے بھی اور پیچھے بھی، آگے یہ کہ پناہ مانگ لو اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اور پیچھے یہ کہ اگر مبتلا ہو ہی گئے تو پھر توبہ واستغفار کرلو: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ۔ جو توبہ کرلے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور گناہوں سے وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے کہ گناہ کیا ہی نہیں تھا، تو یہ مفہوم ہے: من شر الوسواس الخناس کا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کے شر سے محفوظ رکھے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

اِصْلَاحی خُطُبَات

(مکمل ۱۸ رجلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

کے ۲۳۹ خطبات پر مشتمل مقبول کتاب

خاص ایڈیشن : =/6300روپے

عام ایڈیشن : =/4000روپے

خیالات اور وہم کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خیالات اور وہم کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بعدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٭ مَلِکِ النَّاسِ ٭ اِلٰہِ النَّاسِ ٭ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ٭ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ٭ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٭ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم۔ وصدق رسولہ النبی الکریم۔ و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے، جو میں

نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی اور اکثر مسلمانوں کو یاد بھی ہوتی ہے، اس کی کچھ تشریح میں نے پچھلے جمعہ میں شروع کی تھی، اور اس کا پس منظر یہ بتایا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ یہودیوں نے جادو کرنے کی کوشش کی تھی، اس موقع پر یہ دو سورتیں نازل ہوئی تھیں" قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس "جن کو معوذتین کہا جاتا ہے، اور اس میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، پہلی سورت کا بیان الحمد للہ مکمل ہو گیا تھا، اور دوسری سورت سورۃ الناس کی تشریح میں نے پچھلے جمعہ میں شروع کی تھی۔

سورۃ کا ترجمہ

ترجمہ سورۃ کا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں کہ "قل" تم یہ کہو کہ: کہ "اعوذ برب الناس" میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی جو تمام انسانوں کا پروردگار ہے "ملک الناس" جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے "الہ الناس" جو تمام انسانوں کا معبود ہے، اس کی پناہ مانگتا ہوں، کس چیز سے "من شر الوسواس الخناس" اس مخلوق کے شر سے جو وسوسہ ڈالتی ہے اور پیچھے ہٹ جاتی ہے یعنی شیطان، شیطان کے بارے میں حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مسلسل انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

وسوسے کی قسمیں

وسوسے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، بعض اوقات وسوسے گناہوں کے

ہوتے ہیں کہ تم فلاں گناہ کرلو، فلاں چیز جو ناجائز ہے وہ دیکھ لو، فلاں بات جو ناجائز ہے وہ سن لو، فلاں بات جو ناجائز ہے وہ زبان سے کہہ دو، فلاں کام جو ناجائز ہے وہ کرلو، اس قسم کے وسوسے گناہ میں مبتلا کرنے کے ڈالتا رہتا ہے، اور بعض اوقات ایمان کے بارے میں وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں، پتہ نہیں کہ اللہ میاں موجود ہیں کہ نہیں، مثلاً یہ وسوسہ کہ پتہ نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ہم نے جو باتیں سنی ہیں وہ درست ہیں کہ نہیں، اس قسم کی باتیں اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے، تو شیطان تو لگا رہتا ہے اس کام میں کہ انسان کے دل میں مختلف وسوسے ڈالے، لیکن حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ ایسے وسوسوں کے موقع پر اللہ کا ذکر کرلیتا ہے تو یہ شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے "من شر الوسواس الخناس" اس لئے فرمایا گیا کہ ہے تو وسوسے ڈالنے والا لیکن کمزور بھی بہت ہے، ذرا انسان اس کے آگے ڈٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلے، تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، پھر آگے اس کی صفت بیان فرمائی کہ "الذی یوسوس فی صدور الناس" جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ "من الجنة والناس" یعنی یہ وسوسے ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہیں، یعنی شیاطین اور انسانوں میں سے بھی ہیں، کہ بعض انسان وہی کام کرتے ہیں جو شیطان کا کام ہے، تو اے اللہ! میں ان دونوں کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اس پوری سورت میں درحقیقت انسان کو وسوسوں سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور اس کے لئے اللہ کی پناہ مانگنے کی دعوت دی گئی ہے۔

دل ودماغ ہروقت سوچتے ہیں

جیسا میں ابھی عرض کررہا تھا کہ انسان کا دل ودماغ یہ ہروقت کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہے، کچھ نہ کچھ خیالات آتے رہتے ہیں، کوئی لمحہ انسان کا ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی نہ کوئی خیال نہ آرہا ہو، ہرلمحہ کوئی نہ کوئی خیال آتا رہتا ہے، یہ خیالات اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں، اور شیطان چاہے وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں، اور انسانی شکل میں سب سے بڑا شیطان انسان کا اپنا نفس ہے، سارے گناہ شیطان کی وجہ سے نہیں ہوتے، ابلیس کی وجہ سے نہیں ہوتے، بہت سے گناہ انسان کی اپنی نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہوتے ہیں، تو انسان کے دل میں یہ خیالات اور وسوسے آتے رہتے ہیں، ان کا علاج کیا ہے؟ اوران کوکس طرح دور کیا جاسکتا ہے، اورکس طرح ان کے شر سے بچا جاسکتا ہے، وہ اس سورت کا موضوع ہے۔

دوقسم کے وسوسے

یہ وسوسے جو انسان کے دل میں آتے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وسوسہ وہ ہوتا ہے جو اللہ بچائے ایمان وغیرہ سے متعلق آنے لگتا ہے، کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے خواہ کتنا بھی بڑا مسلمان ہو، کتنا بڑا متقی پرہیزگار ہو، کبھی نہ کبھی اس کے دل میں کوئی خراب قسم کے وسوسے نہ آئے ہوں، دل میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے کہ ہم ایمان تو لے آئے اللہ تعالیٰ کے اوپر، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر، مرنے کے بعد کی زندگی پر، آخرت پر، جنت پر، جہنم پر،

لیکن کبھی کبھی شیطان یہ وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ باتیں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اس قسم کے خیالات انسان کے دل میں ڈالتا ہے، یہ وسوسہ اگر زیادہ پیچھے پڑ جائے تو پھر انسان کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ وسوسہ ایمان کی علامت ہے

لیکن حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو بہت سخت پریشان ہوں، اور پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں بعض اوقات ایسے وسوسے آتے ہیں، ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں ان کو زبان سے نکالنا اپنے جل کر کوئلہ ہو جانے سے زیادہ بدتر سمجھتا ہوں، یعنی خیالات تو آ رہے ہیں بار بار، لیکن وہ اتنے برے ہیں کہ مجھے جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ باتیں زبان سے ادا کروں، ایسے خیالات مجھ کو آتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب جواب دیا، فرمایا کہ اس سے بالکل پریشان مت ہو "ذاك صريح الايمان" "یہ تو عین ایمان کی علامت ہے" کیونکہ شیطان وسوسے ڈالتا ہی اس شخص کے دل میں ہے جو مؤمن ہو، اگر کوئی آدمی کافر ہے تو شیطان کو اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو پہلے ہی اس کا مطیع ہے، اس کا پیروکار ہے، اور وہ کفر میں مبتلا ہے، وہ تو پہلے ہی سے مبتلا ہے، وہ شیطان کا مقصد پورا ہو رہا ہے، اس کے پاس کیوں جائے گا، وہ تو آتا ہی صاحب ایمان کے پاس ہے، جس کے پاس ایمان ہے اس کے پاس وہ جاتا ہے، تاکہ اس کے ایمان کو خراب کرنے کی کوشش کرے، اور خوب سمجھ لو کہ جب تم کہہ رہے ہو کہ

ان کو زبان سے نکالنا جل کر کوئلہ ہو جانے سے زیادہ بدتر معلوم ہوتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ہے تمہارے دل میں جب یہ ایمان موجود ہے، تو ان وسوسوں کے آنے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں۔

چور مال والے گھر میں آتا ہے

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین...... ایسا قصہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا کہ کسی نے آکر ان سے عرض کیا کہ حضرت میں کیا کروں مجھے تو سخت پریشانی ہوگئی ہے، دل میں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں، کفر کے شرک کے، ان سے میں سخت پریشان ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، یہ تو تمہارے مؤمن ہونے کی علامت ہے، اور دیکھو! چور ڈاکو اسی گھر میں جاتا ہے جہاں کچھ مال ہو، چور ڈاکو وہیں جائے گا جہاں کچھ مال ہوگا، جہاں مال ہی نہیں، خالی ہے تو چور ڈاکو وہاں کیوں جائے گا؟ تو شیطان بھی اس جگہ جاتا ہے جہاں ایمان ہوتا ہے، ایمان کا مال ہوتا ہے، ایمان کی دولت اگر کسی کے پاس ہوتی ہے تو وہ چھیننے کے لئے جاتا ہے، اگر العیاذ باللہ کافر ہے تو اس کے پاس مال ہے ہی نہیں، ایمان کی دولت ہے ہی نہیں تو وہاں جا کر اس کو کیا ملے گا؟ یہ تو تمہارے ایمان کی علامت ہے، گھبراؤ نہیں پریشان مت ہو، اور اس کا علاج یہی ہے کہ آدمی اس سے بے پرواہی برتے، اس سے کچھ زیادہ پریشانی کا اظہار بھی نہ کرے، کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا:

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّھِمْ

شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن

(المجادلة: ۱۰)

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان ہے جو سرگوشی کرتا ہے "نجوا" کے معنی ہیں سرگوشی، یعنی تمہارے دل میں یہ وسوسے ڈالتا ہے، تاکہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے، صدمے میں مبتلا کرے، اس لئے اس قسم کے خیالات دل میں ڈالتا ہے، اس قسم کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے، اور قرآن نے واضح کہہ دیا کہ "وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" یہ مؤمنوں کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، مگر اللہ کا حکم ہو جائے تو بات دوسری ہے، مگر اللہ میاں ظالم نہیں ہیں جو بلاوجہ بندہ کو شیطان کے ہاتھوں میں مغلوب کردیں، اور شیطان کے ہاتھوں میں مقید کردیں، اس لئے یہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ اس لئے عرض کردیا کہ بہت سے صاحب ایمان کو کبھی نہ کبھی اس قسم کے شک کے وسوسے آنے لگتے ہیں، اور اس سے وہ گھبرا جاتے ہیں، قرآن وحدیث نے واضح طور پر اس کی نفی کردی، کہ گھبرانے کا موقع نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے وہ کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا تمہیں، اگر صرف وسوسے کی حد تک خیال آرہا ہے تو آنے دو، خود ختم ہو جائیں گے۔

ان وسوسوں کا علاج

ہاں البتہ اس صورت میں ان وسوسوں کا علاج وہی ہے جو اس سورت میں بتایا گیا کہ یہ کہو: قل اعوذ برب الناس ● ملك الناس ● اله الناس ● من شر الوسواس الخناس ● الذی یوسوس فی صدور الناس ● من الجنة والناس ●

یہ پڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو یہ سورت ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے، پڑھ لے تو اچھا ہے، ورنہ اپنی زبان میں مانگ لو کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے پریشان کر رہا ہے، اپنے رحمت سے مجھے اپنی پناہ میں لے لیجئے، بس انشاء اللہ تعالیٰ بالکل محفوظ ہو جاؤ گے، اس کی پرواہ بھی مت کرو، اور یہی معنی ہیں ”اَلْخَنَّاس“ کے، جب اللہ کا ذکر کرلے گا بندہ تو شیطان پیچھے ہٹ جائے گا، اللہ کے ذکر میں یہ پناہ مانگ لینا بھی داخل ہے، جب پناہ مانگ لو گے تو انشاء اللہ شیطان دور ہو جائے گا، یہ وسوسے جو ایمان وغیرہ سے متعلق آتے ہیں، عقائد کے متعلق آتے ہیں، ان کا تو حل خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، اور اس سورت کے اندر بھی بیان کر دیا گیا۔

وسوسہ کی ایک قسم ”اہم“

ایک اور وسوسہ ہے جو وہم کی بیماری ہو جاتی ہے، مثلاً وسوسے آرہے ہیں کہ میں ناپاک ہوگیا، پاکی ناپاکی کے مسئلے میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، شریعت نے تین مرتبہ وضو کے اندر ہاتھ پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے، ہاتھوں کو، منہ کو، پاؤں کو تین تین مرتبہ دھولیں اتنا حکم ہے، اب بعض اوقات شیطان یہ وسوسے ڈالتا ہے کہ نہیں تیرا تو وضو ہی نہیں ہوا، تین مرتبہ دھونا تیرے لئے کافی نہیں ہے، تیرا پاؤں خشک رہ گیا، تیری کہنی خشک رہ گئی، تیرا ہاتھ خشک رہ گیا، اس قسم کے وسوسے ڈالتا ہے، اور درحقیقت اس قسم کے وسوسے ڈالنے سے اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ میں تو پاک ہوا ہی نہیں، اب وہ بار بار وضو کرائے گا، یہاں تک کہ ایک ایک نماز میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا، جب ایک نماز میں ایک گھنٹہ

لگے گا تو ایک وقت ایسا آئے گا، کہ وہ یہ سوچے گا کہ یہ تو بڑا مشکل ہو گیا میرے لئے نماز پڑھنا، اس طرح وہ نماز چھڑوادے گا، تو یہ وسوسہ بھی شیطان ڈالتا ہے، اور بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہم کی بیماری یہ بھی شیطانی تصرف ہے۔

اس وہم کا علاج

اس کا علاج بزرگوں نے یہ فرمایا، کہ جس چیز کا وہم پیدا ہو رہا ہے، آدمی اس کی زبردستی خلاف ورزی کرے، مثلاً تین مرتبہ ہاتھ اچھی طرح دھو لیے مناسب طریقے پر جیسے دھوئے جاتے ہیں، پھر بھی یہ خیال آرہا ہے کہ میرا ہاتھ خشک رہ گیا لاؤ، دوبارہ دھولوں تو اب اس کی مخالفت کرو، اور کہو نہیں نہیں، اب دوبارہ نہیں دھوں گا، زبردستی اس کی مخالفت کرے تو اس صورت میں رفتہ رفتہ وہ شیطان مایوس ہو جائے گا، یہ تو میرا کہنا مانتا نہیں ہے لہٰذا اس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اور وہ بھاگ جائے گا، اس کا یہی علاج ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ہمارے بزرگوں میں سے شاید حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وضو کر رہا تھا، جب وضو کر کے فارغ ہو کر چلا تو ذہن میں خیال آیا کہ کہنی خشک رہ گئی ہے، میں نے سوچا کہ یہ شبہ دل میں پیدا ہوا ہے، تو اس کو دور کرنا چاہیے، چنانچہ دوبارہ واپس گیا اور جا کر کہنی کے اوپر پانی ڈال کر خشکی کا جو خیال تھا وہ دور کر لیا، پھر چلا، تھوڑی دور گیا تو خیال آیا کہ شاید بائیں کہنی خشک رہ گئی ہے، یہ دل میں خیال آیا تو میں نے کہا کہ یہ شبہ کیوں چھوڑیں،

دوبارہ گئے اور جا کر دوسری کہنی بھی دھو لی، پھر ذرا آگے چلے تو پھر خیال آیا کہ ٹخنہ خشک رہ گیا ہے، جب تیسری مرتبہ یہ خیال آیا تو میں نے دل میں کہا کہ اچھا یہ حضرت آپ ہیں، یہ کہہ کر میں نے کہا کہ آج ہم بغیر وضو ہی کے نماز پڑھیں گے، تم کہتے رہو کہ وضو نہیں ہوا، آج ہم بغیر وضو ہی کے نماز پڑھیں گے، اور پھر یہ فرمایا کہ اگر میں اس وقت یہ نہ کہتا تو یہ زندگی بھر کا وظیفہ ہو گیا تھا، وہ زندگی بھر اسی شک میں، اسی وسوسے میں اور اسی وہم میں مبتلا رکھتا، اور ہر تھوڑی دیر کے بعد اس قسم کے وسوسے ڈالتا، لہٰذا الحمد للہ اس کا علاج ہو گیا، اس کے بعد پھر وہ وسوسہ نہیں آیا، بہر حال! علاج اس کا یہی ہے کہ زبردستی اس وہم کی مخالفت کی جائے۔

نماز میں وہم کا واقعہ

بعض مرتبہ نماز کے اندر ہوتا ہے کہ پتہ نہیں نماز صحیح ہوئی کہ نہیں ہوئی، یہ اتنی کثرت سے وسوسے ڈالتا ہے کہ اس میں لوگ پریشان ہوتے رہتے ہیں، ایک ایسے ہی صاحب تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ نماز میں میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، یہ وہم ہوتا تھا اور آکر انہوں نے یہ کیفیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب نماز پڑھتا ہوں تو ایسا خیال ہوتا ہے کہ وضو ٹوٹ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حکیم کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارا وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ تم کوئی بدبو محسوس نہ کرو، یا آواز نہ سن لو، حالانکہ وضو ٹوٹنے کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی بدبو محسوس کرے، یا آواز سنے، مثلاً ریح خارج ہو گئی ہے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن

اس سے یہ فرمایا کہ تمہارا وضو اس وقت تک نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ تمہیں بدبو نہ آجائے، یا آواز نہ آجائے، اس وقت تک تمہارا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

بعض لوگوں کی غلطی

بعض لوگ اس حدیث کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ بھئی حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدبو جب تک نہ آئے، یا آواز جب تک نہ ہو، اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا، مجھے خود ایک صاحب ملے جو کہتے تھے کہ بھئی ہم مولوی ملاؤں کے پیچھے نہیں جاتے، ہم تو قرآن وسنت کو براہ راست دیکھتے ہیں، براہ راست قرآن شریف کے اور حدیث کی کتابوں کے ترجمے پڑھیں گے اور جو مطلب سمجھ میں آئے گا اس پر عمل کریں گے، یہ ان کا ذہن تھا جیسا کہ آج کل بہت سے لوگوں کا ہوتا ہے، تو ایک مرتبہ یہ حدیث پڑھ لی انہوں نے کہ حضور اقدس صلی اللہ وعلیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک بو نہ ہو، آواز نہ ہو، جب تک وضو نہیں ٹوٹتا تو وہ فرمانے لگے کہ حضور نے یہ فرمایا ہے، لہٰذا ہمارے لئے تو حضور کا قول حجت ہے، امام ابوحنیفہ کچھ کہہ رہے ہیں، امام شافعی کچھ کہہ رہے ہیں، اور ائمہ کچھ کہہ رہے ہیں، لیکن حضور کا قول حجت ہے، لہٰذا وہ ساری عمر خود عمل اس پر کرتے رہے کہ جب تک بو نہ آئی اور آواز نہ آئی، سمجھا کہ وضو نہیں ٹوٹا، چاہے یقین ہو گیا ہو وضو ٹوٹنے کا۔

خودرائی سے گمراہی پیدا ہوتی ہے

تو یہ گمراہیاں درحقیقت خودرائی سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچتا ہے کہ

بھی مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تو براہ راست قرآن و حدیث پڑھوں گا، ترجمے چھپے ہوئے ہیں، اور اس کا مطلب نکال لوں گا، حقیقت اس کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک ایسے وہمی شخص سے فرمائی تھی جس کو بار بار وہم ہوتا تھا وضو ٹوٹنے کا، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ایسے وہم اور وسوسے کا علاج یہی ہے کہ آدمی اس وسوسے اور وہم کے خلاف زبردستی عمل کرے، اس کے بغیر اس بیماری سے نجات نہیں مل سکتی، تو ایک تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہم کے خلاف زبردستی عمل کرے۔

وہم کا دوسرا علاج

اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سورت سورۃ الناس کو کثرت سے پڑھے، اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے کہ یا اللہ! مجھے یہ وسوسے کی اور وہم کی بیماری ہورہی ہے، آپ اپنی رحمت سے میرے اس وہم کو دور فرمادیجئے تو انشاء اللہ پھر اس کو نقصان نہیں ہوگا۔

وہم سے زندگی اجیرن

اللہ بچائے یہ وہم کی بیماری ہوجائے تو آدمی کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، کسی کو اپنی بیوی کے بارے میں وہم پیدا ہوجاتا ہے کہ پتہ نہیں یہ میرے ساتھ وفادار ہے کہ نہیں، اور اس کی وجہ سے بڑی مصیبت میں خود بھی رہتا ہے اور بیوی کو بھی رکھتا ہے، کسی کو وہم پیدا ہوگیا کہ میرے منہ سے تو طلاق نکل جاتی ہے ہر وقت بیوی کے لئے، اب ہر وقت یہ محسوس کرتا ہوں جیسے کہ میں طلاق دے رہا ہوں، اور بیوی میرے اوپر حرام ہوگئی، یہ ساری وہم کی بیماریاں وسوسے کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی کی وجہ سے کہ

آدمی اس وہم کے اوپر بھروسہ کر لیتا ہے، اور بھروسہ کر کے اس کے اوپر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے، اگر اس کی خلاف ورزی کر لے تو یہ بیماری رفتہ رفتہ دور ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کی اور ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے، اور بھائی یہ سورت پڑھتے رہنے سے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے سے امید ہے انشاء اللہ اس سے بھی نجات ملے گی۔

خلاصہ

وسوسے کی دو قسمیں میں نے عرض کیں، ایک جو ایمان و عقائد سے متعلق وسوسے ڈالتا ہے شیطان، اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور اس کی پرواہ ہی نہ کرے، ایسے موقع پر میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مانگیں ہیں، ادعیہ ماثورہ جو مختلف کتابوں میں مثلاً مناجات مقبول میں لکھی ہوئی ہیں، ان دعاؤں کو پڑھنے سے بھی اس قسم کے وسوسوں کا سدباب ہوتا ہے، ایسے حالات میں آدمی یہ دعائیں کثرت سے پڑھے تو اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھتے ہیں، اور دوسری قسم وسوسے کی جو وہم کی شکل میں آتی ہے، اور آدمی کو پریشان کرتی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگے، اور اس وسوسے کے خلاف عمل کرے، اور تیسری قسم وہ ہے اللہ بچائے جس میں تقریباً سب ہی انسان مبتلا ہوتے ہیں، وہ ہے گناہ کا وسوسہ، یہ گناہ کرلو، یہ گناہ کرلو، اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اس کی تفصیل اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

جادواور آسیب کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جادو اور آسیب کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً.

اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ● مَلِکِ النَّاسِ ● اِلٰہِ النَّاسِ ● مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ● اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ● مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ● آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم. وصدق رسولہ النبی الکریم. و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! کوئی ایسی صورت پیش آئے جو بظاہر تکلیف

وہ ہوتو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو وسوسہ ڈالنے والے کی ذات سے، میں نے عرض کیا تھا کہ وسوسوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، اوران وسوسوں کا کیا علاج ہے وہ میں پچھلے جمعہ عرض کر چکا ہوں۔

وسوسہ ڈالنے والے شیطان اور انسان

آج جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ قرآن کریم نے آخر میں یہ فرمایا کہ یہ وسوسے ڈالنے والے ہمیشہ شیطان ہی نہیں ہوتے، جنات ہی نہیں ہوتے بلکہ انسان بھی ہوتے ہیں، من الجنة والناس ، لوگوں کے دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں، وہ بعض اوقات جنات ہوتے ہیں، اور بعض اوقات انسان بھی ہوتے ہیں، جنات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ابلیس تو ایک ہے، جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، لیکن اس کے چیلے چانٹے، اس کے شاگرد بہت سے ہیں، ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ جنات میں سے ہیں، شیطان انہیں دنیا بھر میں بھیجتا رہتا ہے، اور وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔

شیطانوں کا اجتماع اور کارکردگی

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کبھی کبھی ایسا کرتا ہے، شیطان سے مراد ابلیس، جو ان سب کا سرغنہ ہے، وہ کبھی کبھی سمندر کے اوپر، اپنے سارے لوگوں کا اجتماع کرتا ہے، اور اپنے چیلے چانٹوں سے رپورٹ لیتا ہے، کہ بتاؤ تم میں سے کس نے کیا کام کیا، کس نے کیا کام کیا، کس نے کیا کارنامہ انجام دیا، حدیث میں آتا ہے کہ وہ سمندر میں ایک بڑا سا

تخت بچھا کر بیٹھتا ہے، اور جتنے اس کے چیلے چانٹے ہوتے ہیں، اس کے لشکر کے افراد ہیں، وہ جمع ہوتے ہیں، ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا کام کیا بتاؤ، تو ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک مسلمان کے دل میں ایسا خیال پیدا کیا کہ اس نے نماز چھوڑ دی اور نماز کو نہیں جاسکا، وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے اچھا کام کیا تم نے، لیکن کوئی خاص بات نہ ہوئی، دوسرا کھڑا ہوتا ہے کہ ایک شخص تھا جس کے دل میں زکوٰۃ اور صدقات دینے کا خیال آیا تھا تو میں نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تو اگر پیسے خرچ کرے گا تو تیرے پاس کمی پڑ جائے گی، لہٰذا وہ اس سے رک گیا، اس نے کہا کہ تو نے بھی ٹھیک کیا، لیکن کوئی خاص بات نہ ہوئی، کوئی بڑا کارنامہ نہ ہوا، تیسرا کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ فلاں شخص روزہ رکھنا چاہ رہا تھا میں نے اس کے دل میں بات ڈالی وہ روزے سے رک گیا، بہر حال مختلف لوگ اپنی اپنی کارگزاریاں بیان کریں گے کہ ہم نے فلاں کو نماز سے روک دیا، فلاں کو ذکر سے روک دیا، فلاں کو تلاوت قرآن سے روک دیا، فلاں کو روزے سے روک دیا، فلاں کو عبادت سے روک دیا، وہ کہے گا ٹھیک ہے لیکن تم نے کوئی بڑا کارنامہ نہیں دکھایا۔

میں نے میاں بیوی میں لڑائی کروادی

ایک بڑا شیطان کھڑا ہوگا، اور کہے گا کہ جی میں نے یہ کام کیا کہ دو میاں بیوی بڑی ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے، اور دونوں میں بڑا اتحاد تھا، بڑا اتفاق تھا، بڑی محبت تھی، اور ان کی زندگی بڑی خوش گوار گزر رہی تھی، میں نے ایک ایسا حربہ استعمال کیا کہ دونوں کے درمیان چپقلش ہوگئی، اور چپقلش کے نتیجے میں دونوں کے

درمیان لگائی بجھائی کرتا رہا، شوہر کو بیوی کے خلاف بھڑکاتا رہا، بیوی کو شوہر کے خلاف بھڑکاتا رہا، نوبت یہاں تک آئی کہ وہ محبت کرنے والے میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے، اور طلاق ہوگئی، اور دونوں کا خاندان اجڑ گیا، تو ابلیس کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا ہاں تو ہے جس نے صحیح کارنامہ انجام دیا، اس کو گلے سے لگائے گا، یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حدیث میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان میں سب سے خطرناک شیطان وہ ہے، جو دو محبت کرنے والے مسلمانوں کے درمیان عداوت کا بیج ڈال دے، ایک دوسرے کے خلاف دشمن بنا دے۔

شیطان کے چیلے بہت ہیں

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شیطان ابلیس ایک اکیلا نہیں وہ تو ایک ہی ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا، لیکن اس کے متبعین اور پیروکار اور اس کے شاگرد اور چیلے بہت سارے ہیں، جو دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، تو قرآن کریم میں ہے کہ شیطان ابلیس یہ کہہ رہا تھا کہ میں انسانوں کو بہکاؤں گا تو قرآن نے بھی کہا تھا جو تیرا دل چاہے کر لے، تو اپنے سارے لشکر کو لے آ، اور میرے بندوں کو بہکانے کی کوشش کر لے، جو بندے مجھ سے تعلق رکھنے والے ہوں گے، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، یہ قرآن کریم میں ہے، یہاں پر سورۃ الناس میں کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، اس سے مراد شیطان کے چیلے چانٹے ہیں، وہ ڈالتے ہیں، اس کے بارے میں قرآن کریم نے خود فرمادیا کہ

گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ ہیں تو یہ شیطان کے چیلے چانٹے۔

شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے

حدیث میں آتا ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح سرایت کرتا ہے، جس طرح رگوں میں خون سرایت کر جاتا ہے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے تو وہاں ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعتکاف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کیلئے آئیں، کچھ دیر رہیں پھر واپس جانے لگیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہنچانے کیلئے مسجد کے دروازے تک آئے، جب وہاں پہنچے تو رات کا اندھیرا تھا، حضور کے ساتھ ایک خاتون تھیں اور وہ ظاہر ہے پردے میں ہوں گی، وہ پردے میں تھیں تو اس واسطے دو صحابی قریب سے گزرے تو آپ نے ان صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ دیکھو! یہ میرے ساتھ جو خاتون ہیں، یہ میری اہلیہ صفیہ ہیں، تو وہ صحابہ بڑے حیران ہوئے کہ یارسول اللہ! آپ کو یہ کہنے کی ضرورت کیا کہ یہ صفیہ ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے کہا کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح رگوں میں خون سرایت کرتا ہے، تو مبادا کہیں ایسا نہ ہو کہ دل میں خیال آجائے کہ حضور کے ساتھ رات کے وقت یہ خاتون کون تھیں؟ تو اس واسطے تمہیں وسوسہ آجاتا اور تمہارے دل میں شیطان وسوسہ ڈال دیتا، اس لئے میں نے اس وسوسے کو دور کرنے کیلئے تمہیں یہ بتادیا کہ میری بیوی ہیں، کوئی اور عورت نہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے آپ کو تہمت کے مواقع سے بچانا چاہیے، اور

اگر کہیں تہمت کے لگنے کا اندیشہ ہو تو اس کی صفائی کر دینی چاہیے، تو حضور نے واضح کر دیا، لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون دوڑتا ہے۔

شیطان کے حربے کمزور ہیں

لیکن ساتھ میں قرآن کریم نے یہ بھی فرمادیا کہ باوجود اس کے شیطان کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ انسان کے جسم کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کرے، لیکن:

اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا (النساء:۷۶)

قرآن کہتا ہے کہ شیطان کے جتنے حربے ہیں وہ سب بہت کمزور ہیں، اور آپ نے ابلیس سے کہہ دیا تھا:

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ (الحجر:۴۱)

ابلیس سے کہہ دیا تھا کہ جو صحیح معنی میں میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، تو تسلی دینے کیلئے فرمادیا کہ یہ ہم نے تمہاری آزمائش کے لئے پیدا تو کیا ہے لیکن اس کو بہت کمزور بنایا ہے، ذرا سا آدمی ڈٹ جائے اس کے مقابلے پر تو وہ فوراً نرم پڑ جاتا ہے، فوراً کافور ہو جاتا ہے، اور ذرا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لے تو شیطان کا مکر زائل ہو جاتا ہے، لہٰذا بہت ڈرنے کی بات نہیں کہ آدمی سوچے کہ میں تو بری طرح پھنس گیا، میرے اوپر تو شیطان اس طرح مسلط ہے کہ میری رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے، لہٰذا اب اس سے بچنا تو ممکن نہیں! ایسا نہیں، قرآن نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا مکر بہت

کمزور ہے، ہاں طاقت اس کو اس شخص پر حاصل ہوتی ہے جو اس شیطان کے مکر سے بچنا ہی نہیں چاہتا ہو، وہ خود شیطان کے آگے آگے ہو گیا اور اس سے بچنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کر رہا تو پھر بے شک اس کے اوپر وہ قابو پا لیتا ہے، دیکھو مخلوق میں بہت ساری مخلوقات ایسی ہوتی ہیں، جو ویسے تو بڑا شور شرابا دکھاتی ہیں، بڑی فوں فاں کرتی ہیں، بڑا جوش و خروش دکھاتی ہیں، لیکن ذرا آدمی کوئی ڈٹ جائے تو فوراً بیٹھ جاتی ہیں، یہ عام طور پے جو رزیل قسم کی مخلوقات ہوتی ہیں وہ ایسی ہی ہوتی ہیں، تو شیطان بھی اسی میں سے ہے، اگر آپ اس سے ڈر گئے اور آپ نے اس شیطان کے آگے ہتھیار ڈال دیے، اور یہ کہا کہ بھئی جیسا تو کہے گا میں ویسا ہی کرونگا تو وہ حاوی ہو جائے گا، اور ساری زندگی خراب کرے گا، لیکن اگر کوئی آدمی اس کے سامنے ڈٹ جائے کہ میں تیرا کہنا نہیں مانوں گا اور ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ میں آجائے، اور سورۃ الناس پڑھ کر اللہ کی پناہ لے لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو بچا لیتے ہیں۔

نفس بھی وسوسے ڈالنے والا ہے

اسی طریقے سے فرمایا کہ کچھ وسوسے ڈالنے والے انسانوں میں سے ہیں، من الجنۃ و الناس، اب انسانوں میں وسوسے ڈالنے والا سب سے پہلے تو ہمارا نفس ہے، نفسانی خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں اور ان نفسانی خواہشات کے نتیجے میں آدمی بہک جاتا ہے، دل چاہ رہا ہے فلاں گناہ کر لو، دل چاہ رہا ہے فلاں گناہ کر لو تو اس دل کے چاہنے کے پیچھے جب چل پڑتا ہے آدمی کہ دل کی ہر خواہش کو پورا

کروں گا، جو دل میں آئے گا کروں گا، جو جی چاہ رہا ہے کروں گا، تو پھر نفس اس کے اوپر قابو پالیتا ہے، اور قابو پانے کے ساتھ پھر وہ آدمی اللہ بچائے غلط راستے پر پڑجاتا ہے۔

نفس کے بہکانے کا علاج

لیکن اس کا علاج بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب کبھی تمہارے دل کی خواہش تمہیں گناہ کی طرف لے جارہی ہو تو اس وقت ایک دم سے اس دل کی خواہش کے پیچھے نہ چل پڑو، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو کہ یا اللہ! میرا نفس مجھے بہکا رہا ہے، مجھے غلط راستے پر ڈال رہا ہے آپ مجھے اس سے بچالیجئے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ کر اپنے آپ کو سنبھالو، ذرا سوچو کہ یہ کام جس کی طرف میرا نفس مجھے لے جارہا ہے یہ آیا کرنے کا بھی ہے یا نہیں، اس کا انجام دنیا وآخرت میں کیا ہوگا، قرآن کریم میں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ (اعراف: ۲۰۱)

وہ لوگ غور کرتے ہیں کہ یہ راستہ صحیح ہے یا غلط ہے تو غور کے نتیجے میں اچانک ان کو صحیح راستہ نظر آجاتا ہے، جس وقت گناہ کا خیال آئے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ وسوسہ ہے جو نفس دل میں ڈال رہا ہے، اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اس گناہ سے بچنے کی کوشش کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کس طرح بچے

دیکھو! نفس وشیطان نے ذلیخا کو بہکایا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام

پر ڈورے ڈالے، اور اس نے چاروں طرف سے دروازے بند کر دیے، اور تالے ڈال دیئے کہ کہیں بھاگ نہ سکیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی، قرآن کریم فرماتا ہے: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ . وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ. بہرحال! حضرت یوسف علیہ السلام انسان تھے اور بشر تھے، نبی ہونے کے علاوہ بشر تھے، اور ساتھ ساتھ سارے بشری تقاضے اور بشری خواہشات ان کے دل میں بھی موجود تھیں، اور اور بھرپور جوانی ہے اور غیر شادی شدہ ہیں، اور اس حالت میں ایک عورت اس طرح دروازے بند کر کے دعوت گناہ دے رہی ہے، تو قرآن کریم کہتا ہے کہ کچھ کچھ خیال ان کے دل میں بھی آچلا تھا، لیکن خیال آنے کے باوجود فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی کہ یا اللہ! اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں، اور یہ خواہش بھی دل میں پیدا ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنے کرنے کا جو کام تھا کہ جتنا بھاگ سکیں بھاگ جائیں، باہر نکلنے کا راستہ نہیں ہے، لیکن اللہ کی پناہ مانگ کر دروازے تک بھاگے، اور اپنے کرنے کا کام اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جائیں، لیکن بچانا آپ کا کام ہے، اور آپ اپنے فضل وکرم سے مجھے بچا لیجئے، دوڑے تو تالے ٹوٹتے گئے، اور زلیخا کا شوہر وہیں دروازے کے باہر مل گیا تو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا، دعا کیا مانگی:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ (یوسف:۳۳)

یا اللہ! اگر آپ نے ان عورتوں کا مکر مجھ سے دور نہ کیا تو میں بھی مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف، میرے دل میں بھی میلان پیدا ہو جائے گا، اور جاہلوں کی

فہرست میں، میں بھی شامل ہو جاؤنگا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور انہیں بچالیا، تو یہ ہے طریقہ جو قرآن کریم نے تلقین فرمایا ہے، کہ جب کبھی نفس بھکائے یا کوئی انسان بھکائے، بظاہر تو وہ انسان ہے لیکن گناہ کی دعوت دے رہا ہے تو وہ کام شیطان کا کر رہا ہے کہ دل میں وسوسے ڈال رہا ہے گناہ کرنے کے، اس وقت میں بھی اللہ کی پناہ مانگو، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کام سے بچالیجئے۔

دو کام کرنے چاہئیں

دو کام کرنے ہیں ایک اللہ کی پناہ مانگنی ہے، اللہ سے دعا کرنی ہے، اور دوسرا جتنی کوشش انسان کے بس میں ہے اس گناہ سے بچنے کی وہ کرلے، کوشش تو کرنی پڑے گی، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگے، کوئی آدمی کوشش تو الٹی کرے، گناہ کی طرف چلے اور کہے کہ یا اللہ مجھے بچالیجئے، یہ تو مزاق ہے، یہ دعا نہیں، یعنی اپنی سی کوشش کرے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بچالیتے ہیں، اس سورت کریمہ کا یہ خلاصہ ہے۔

سوتے وقت پڑھ کر دم کریں

اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے سے پہلے یہ دو سورتیں پڑھتے تھے: قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس. پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے، اور ان ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیر لیتے، تین مرتبہ ایسا کرتے تھے، یہ حفاظت کے لئے ہے شیطان سے، اور نقصان پہنچانے والی تمام مخلوقات سے، جادو سے، سحر سے، شیطانوں کے تصرفات سے، انسانوں کے

تصرفات سے، حفاظت کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ سونے سے پہلے دونوں ہاتھوں پر یہ سورتیں پڑھ کر دم کرتے، اور پورے جسم پر پھیر لیتے تھے، یہ عمل تین مرتبہ کرتے تھے۔

مرض الوفات میں بھی دم کرتے

یہاں تک کہ جب مرض وفات ہوا، جس مرض میں وفات ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اس وقت آپ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ بیماری کی وجہ سے خود یہ عمل کرنے کی طاقت نہیں تھی، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ چونکہ میں نے ساری زندگی آپ کو یہ عمل کرتے دیکھا تھا، تو میں چاہتی تھی کہ یہ بیماری ہے اس میں بھی یہ عمل جاری رہے، میں چاہتی تھی کہ: قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس. پڑھ کر آپ کے سارے جسم پر دم کر دوں، لیکن میں نے سوچا کہ اگر میں اپنے ہاتھوں پر پڑھ کر دم کروں گی تو اس سے وہ برکت نہیں ہوگی تو میں نے یہ دونوں سورتیں پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اٹھایا اپنے ہاتھوں سے، اور پھر دست مبارک پر ہی دم کیا اور آپ ہی کے دست مبارک لے کر آپ کے جسم مبارک پر پھیر لیے، تو یہ ایسا عمل ہے، جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے محفوظ رکھتا ہے، لوگ آج کل بڑے جادو ٹونے کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، اور عملیات تعویذ گنڈے اور نہ جانے کیا کچھ کرتے ہیں، لیکن جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ یہ ہے، جو آدمی یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ شیطان کے شر سے بھی محفوظ رہے گا، اور جادوگروں کے شر سے

بھی محفوظ رہے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آجکل بدامنی کا دور دورہ ہے

آخر میں یہ بات آپ سے عرض کرنی ہے کہ ہمارے ملک میں ہر شخص پریشان بھی ہے اور بے چین بھی ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ دشمنوں کے نرغے کی وجہ سے ملک کی بقا خطرے میں پڑی ہوئی ہے، اور روز بدامنی کا کوئی نہ کوئی واقعہ کہیں نہ کہیں پیدا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ مسجدیں بھی اس بدامنی اور دہشت گردی سے محفوظ نہیں رہیں، آپ نے پڑھا ہوگا کہ خیبر میں مسجد میں عین جمعہ کے وقت ایسی کاروائی ہوئی جس میں ستر سے زیادہ افراد شہید ہوئے، اور اس طرح کی کاروائیاں مختلف جگہوں پر ہوتی رہیں ہیں، لاہور میں بھی یہ واقعہ پیش آیا اور اسلام آباد میں بھی، اور ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان یہ حرکت نہیں کرسکتا کہ مسجد کے اوپر حملہ آور ہو، نمازیوں کے اوپر حملہ آور ہو، نماز پڑھتے ہوئے لوگوں پر حملے کرے، یہ بیرونی سازشوں کا سلسلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں، اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہماری بداعمالیوں کو معاف فرمائے، اور ہمیں اس بدامنی کی صورتحال سے محفوظ رکھے، دوسرا یہ ہے کہ حتی الامکان اللہ تعالیٰ ہی نے حکم دیا ہے کہ اصل حفاظت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتی ہے نہ کوئی نقصان، لیکن ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ انسان کو اپنی

حفاظت کے لئے جتنے مناسب ذرائع کرسکتا ہو وہ کرنا بھی سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، بعض اوقات دشمن کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو صحابہ کرام آپ کے گرد پہرا دیا کرتے تھے آپ کی حفاظت کے لئے، اور جب مدینہ منورہ پر حملے کا اندیشہ تھا تو صحابہ کرام مدینہ منورہ کا پہرا دیا کرتے تھے، اور اس پہرے کی بھی عظیم فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، لہٰذا جو مناسب حد تک جو تدبیر انسان اختیار کرسکتا ہو وہ اختیار کرنی چاہئے، اس لئے چونکہ مسجدوں کو بھی نشانہ بنایا جارہا ہے اور یہاں کچھ مشتبہ قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں۔

مسجد میں آنے والوں کی چیکنگ کی جائے گی

اس لئے یہاں اس مسجد میں انتظام کیا گیا ہے کہ یہاں داخلے کے وقت جو بھی حضرات تشریف لاتے ہیں مسجد میں ان کی اسکینگ کے ذریعے چیکنگ کی جائے گی، اس میں سب ہی کا فائدہ ہے، سب ہی کی حفاظت کا ایک انتظام ہے اگرچہ سچی بات یہ ہے کہ مسجدوں میں اس قسم کے انتظامات اچھے نہیں لگتے، یہ اللہ کا گھر ہے، اس میں جو بھی آئے جس وقت بھی آئے اس کو منع نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان حالات کے تناظر میں جن سے ہم گزر رہے ہیں اس کی وجہ مسجد کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے، جو حضرات یہاں آئیں گے ان کی اسکینگ کی جائے گی، اور اسکینگ کرکے پھر ان کو اندر آنے کی اجازت دی جائے گی تاکہ جتنا انتظام جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارے بس میں ہے حفاظت کا، یہ سارے نمازی جو آتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت انجام دینے کے لئے آتے ہیں، اور یہ مسجد

کی انتظامیہ کی امانت ہے ہمارے پاس یہ سارے نمازی اس کے لحاظ سے اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے، امید ہے آپ حضرات اس سے تعاون کریں گے، اور اسی کو اس تناظر میں دیکھتے ہوئے اس تعاون پر عمل کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو اپنے حفظ وایمان میں رکھے۔

وآخردعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰـہَ اِلَّااللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَـہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَـا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بعدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ● مَلِکِ النَّاسِ ● اِلٰہِ النَّاسِ ● مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ● اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ● مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ● آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم. وصدق رسولہ النبی الکریم. و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین.

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے جس کی

کچھ تشریح کا بیان پچھلے چند جمعوں سے چل رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، یہ قرآن کریم کی آخری دوسورتیں "قل اعوذ برب الفلق اورقل اعوذ برب الناس" یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پراس وقت نازل ہوئی تھیں جب کچھ یہودیوں نے آپ پر جادو کرنے کی کوشش کی تھی، تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تلقین فرمائی گئی کہ آپ ان دوسورتوں کے الفاظ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگئے، پہلی سورۃ "سورۃ الفلق" تھی، جس کا بیان بقدر ضرورت ہو چکا ہے، دوسری سورۃ یہ "قل اعوذ برب الناس" ہے جس کو "سورۃ الناس" کہا جاتا ہے، اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ فرمارہے ہیں "قل" آپ کہیے، کیا کہیے؟ "اعوذ برب الناس" میں پناہ مانگتا ہوں تمام انسانوں کے پروردگار کی "ملک الناس" تمام انسانوں کے بادشاہ کی "الٰہ الناس" تمام انسانوں کے معبود کی، اس سے مراد تو حق تعالیٰ ہیں لیکن یہاں تین صفتیں ذکر فرمائیں کہ جو سارے انسانوں کا پروردگار ہے اس کی، جو سارے انسانوں کا بادشاہ ہے اس کی، جو سارے انسانوں کا معبود ہے اس کی "من شر الوسواس الخناس" اس کی پناہ مانگتا ہوں اس شیطان کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے "من الجنۃ والناس" چاہے وہ جنات میں سے ہو، یا انسانوں میں سے ہو، یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

میری پناہ مانگو

پچھلے دو جمعوں میں اس کی تشریح میں عرض کر چکا ہوں، جس کا خلاصہ یہ تھا

کہ جب کبھی کوئی وسوسہ، کوئی برا خیال، گناہ کا ارادہ، گناہ کی خواہش، یا اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں کوئی بدگمانی - العیاذ باللہ - کا کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، یا اللہ! میں اس وسوسے کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اس میں ہر قسم کا وسوسہ داخل ہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ خود فرمایا ہے کہ میری پناہ مانگو تو یقیناً جو اس پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ عطا فرمائیں گے، یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک کریم ذات کسی سے کہے کہ تم میری پناہ مانگو اور جب وہ پناہ مانگے تو کہے کہ بھاگ جاؤ، میں تمہیں پناہ نہیں دیتا، ایک معمولی شریف آدمی بھی یہ کام نہیں کر سکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات جو رحمٰن رحیم ہے اس سے یہ ممکن نہیں ہے۔

قرآن کریم کی دعا رد نہیں ہو سکتی

اسی لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن کریم نے جو دعائیں بتائی گئی ہیں کہ یہ دعا مانگو، یہ دعا مانگو، ان دعاؤں کا رد ہونے کا امکان ہی نہیں، کیونکہ جب خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ. یہ کہوائے میرے پروردگار مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما تو بہترین رحم کرنے والا ہے، تو جب اللہ تعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ یہ کہو یعنی درخواست کا مضمون بتا رہے ہیں، جب کسی کے سامنے درخواست پیش کی جاتی ہے، اس میں ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی اپنے الفاظ میں پیش کرے، دوسری شکل یہ ہے کہ جس کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ خود بتا رہا ہے کہ ان الفاظ سے

مجھے درخواست دو تو وہ کیسے رد ہوگی؟ اس واسطے جب اللہ کی پناہ مانگے گا انسان اس قسم کے تمام وساوس کے شر سے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ضرور پناہ عطا فرمائیں گے، بشرطیکہ سچے دل سے مانگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کی پناہ لی

دیکھئے! حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے، زلیخا نے ان پر ڈورے ڈالے اور چاروں طرف سے دروازے بند کر دیئے، اور گناہ کی دعوت دی، جس کو دعوت دی جارہی تھی وہ بھی انسان تھا، بشر تھا، اس کے دل میں بھی بشری تقاضے اور بشری خواہشات موجود تھیں، وہ فرشتہ نہیں تھا، چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا. یعنی عورت نے تو ارادہ کر ہی لیا تھا گناہ کرنے کا، ان کے دل میں بھی کچھ کچھ خیال آچلا تھا اگر اللہ کی دلیل نہیں دیکھ لی ہوتی، وہ بشر تھے اگر خیال نہ آتا اور خواہش نہ پیدا ہوتی اور بچ جاتے تو کوئی کمال کی بات نہیں تھی، لیکن بھرپور جوانی ہے، بشری تقاضے پوری طرح موجود ہیں، قوت اور طاقت موجود ہے، اور دل میں خواہش بھی پیدا ہو رہی ہے، لیکن اس کے بعد بچے، یہ ہے کمال جو پیغمبروں کا کمال ہے، قرآن کریم کہتا ہے دو کام کیے، ایک کام یہ کیا جو دل میں خیال آچلا تھا اللہ سے اس کی پناہ مانگی، اے اللہ! میرے دل میں یہ خیال آنے لگا ہے، حالات ایسے ہو گئے ہیں، اگر آپ نے نہ بچایا تو میں بچ نہیں سکوں گا، تو پناہ مانگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اور دوسرا کام یہ کیا کہ میرے بس میں اتنا ہے کہ دروازے تک بھاگ جاؤں، اپنے بس میں جتنی بچنے کی کوشش تھی وہ پوری کرلی،

اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی ہے کہ میں بھاگ کر دروازے تک چلا جاؤں، معلوم بھی ہے کہ دروازے پر تالے پڑے ہوئے ہیں میں بھاگ کر باہر نہیں نکل سکتا، لیکن میرے بس میں اتنا ہے کہ میں دروازے تک پہنچ جاؤں تو کسی طرح بھاگ کر دروازے تک پہنچ گئے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیکھا کہ بندہ نے اپنا کام پورا کرلیا، جتنا بھاگ سکتا تھا بھاگ گیا اور پھر میری پناہ مانگ لی تو اب میرا کام ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دروازے کے تالے توڑ دیئے، تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید

خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگر تمہیں گناہوں سے نکلنے کا راستہ نظر نہ آرہا ہو تو جہاں تک بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ، اور پھر اللہ سے مانگو کہ یا اللہ! میرا کام اتنا تھا آگے تیرا کام ہے۔

جنگ آزادی کا ایک واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ سن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب انگریزوں کے خلاف لڑائی ہورہی تھی تو جگہ جگہ پھانسیاں لگائی ہوئی تھیں، لوگوں کو پھانسیاں دی جارہی تھیں، اور ظلم وتشدد کا بازار گرم تھا، آج ہمیں یہ تشدد پسند کہتے ہیں، لیکن ان کی تاریخ ظلم وبربریت سے بھری ہوئی ہے، بربریت کا بازار گرم تھا، اسی میں ایک اللہ والے ایک گھر میں ان لوگوں کے شر سے اپنے آپ کو بچا کر ٹھہرے ہوئے تھے، کئی دن اسی حالت میں گزر گئے نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پینے کو

کچھ تھا، باہر نکل نہیں سکتے تھے، باہر نکلتے تو انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے، جب کئی دن گزر گئے اور بالکل جان لبوں تک آ گئی تو سوچا کہ کیا کروں پانی ہے نہیں، پیاس شدید لگی ہوئی ہے، جان پر بنی ہوئی ہے، تو دل میں یہ سوچا جتنا میرے بس میں کام ہے وہ تو کرلوں اور پھر اللہ سے مانگوں، تو ایک پیالہ پڑا ہوا تھا پاس اور بھوک پیاس کی کمزوری سے چلنا ممکن نہیں تھا، پیالے کو ہاتھ میں لیکر سرک سرک کر سرک سرک کر صحن تک پہنچ گئے اور صحن میں لے جا کر پیالہ رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا ہی تھا کہ میں سرک کر پیالہ یہاں رکھ دوں، اب بارش نازل کرنا یہ آپ کا کام ہے، اپنے فضل سے آسمان سے مجھے اس میں پانی عطا فرما دیجئے، یہ دعا کی، جب بندہ نے اپنا کام پورا کرلیا اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں اب میرا کام ہے، بادل آئے، بارش برسی اور پیالہ پانی سے بھر گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگنے کے ساتھ ساتھ آدمی اپنے کرنے کا کام ہے وہ کرلے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے، جتنی گناہ سے بچنے کی کوشش ہوسکتی ہے وہ کرلے پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے تو ممکن نہیں ہے کہ وہ رد کردیں۔

اس سورۃ میں یہی سکھایا گیا ہے

تو یہ سکھایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں کہ اپنا کام کرو اور پھر میری پناہ مانگو، اور شیطان سے پناہ مانگو، نفس کے شر سے پناہ مانگو، کوئی برا ساتھی مل گیا ہے وہ غلط راستے پر چلا رہا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے، وہ دلوں میں غلط باتیں ڈال رہا ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے میری پناہ مانگو، حدیث

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی یا اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ''من صاحب السوء '' برے ساتھی سے، جس کی صحبت مجھے خراب کردے میں اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، پناہ مانگنے کی عادت ڈالو اللہ تبارک وتعالیٰ سے، ہر برے کام سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو۔

نماز حاجت پڑھ کر

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ پناہ مانگنے کا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد مانگنے کا سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہے، کہ آدمی براہ راست اللہ سے مانگے، نماز حاجت پڑھے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی بھی حاجت پیش آئے، کوئی بھی ضرورت پیش آئے، کوئی مشکل پیش آجائے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور اسے پیش کرنا ہو تو دو رکعتیں نماز حاجت کی نیت سے پڑھو اور نماز پڑھ کر پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو، اس کے کچھ الفاظ بھی حدیث میں آئے ہیں، وہ یاد کر لئے جائیں تو اچھا ہے، یہ دعا مناجات مقبول میں بھی لکھی ہوئی ہے، اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہے، یہ یاد کرلو تو اچھا ہے، لیکن بالفرض یاد نہ بھی ہو تو ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم '' کہہ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور وہ حاجت پیش کرو، یا اللہ مجھے یہ حاجت پیش آرہی ہے اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ عطا فرمادیجئے، یہ نماز حاجت پڑھ کر دعا مانگنے کا طریقہ تمام حاجات، تمام مشکلات کو حل کرنے کے لئے سب سے زیادہ افضل، موجب ثواب اور سب سے زیادہ مؤثر ہے، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ نے یہ تلقین فرمائی۔

ہر چیز کا ایک تعویذ ہوتا ہے

میں یہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آج کل ہمارے ماحول میں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے، یا جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو لوگ تعویذ گنڈے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، کہ کوئی تعویذ بتادو، یا دیدو تو تعویذ کی فکر زیادہ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے نماز حاجت پڑھ کر دعا کرنے کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقہ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو، یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے، اس میں ثواب بھی ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا فائدہ بھی ہے اور ساتھ ساتھ مؤثر بھی سب سے زیادہ ہے، تعویذ گنڈے سے زیادہ مؤثر ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں تعویذ گنڈے کو سب سے زیادہ مؤثر سمجھ کیا گیا ہے، اور لوگوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ بھائی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی تعویذ ہونا چاہیے، فلاں چیز کا تعویذ دیدو، فلاں چیز کا تعویذ دیدو، یہاں تک کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت آئی اور آکے سر ہوگئی کہ جی میری مانگ صحیح نہیں نکلتی، جب میں بال بناتی ہوں تو ٹیڑھی نکلتی ہے، کنگی کرتی ہو تو مانگ سیدھی نہیں نکلتی، تو کوئی ایسا تعویذ ایسا دیدو کہ مانگ سیدھی نکلا کرے، انہوں نے کہا کہ اس کا کوئی تعویذ ہے ہی نہیں، اس نے کہا نہیں، اس کا کوئی تعویذ دیدو، آپ عالم آدمی ہو، اور کوئی تعویذ دیدو، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عالم جو ہوتا ہے وہ سارا علم دین پڑھتا ہے وہ سارا علم تعویذ گنڈے کے لئے پڑھتا ہے، جس کو تعویذ گنڈے نہیں آتے تو وہ عالم ہی نہیں ہے، تو آج کل لوگوں کے ذہن میں علم منحصر ہو گیا

ہے، خاص طور سے خواتین کے ذہن میں کہ اگر یہ عالم ہے تو کوئی نہ کوئی تعویذ نکالے گا اور ایسا دے گا کہ جس سے میرا مقصد حاصل ہو جائے۔

حضور نے کبھی تعویذ نہیں دیا

خوب سمجھ لیجئے کہ ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تعویذ نہیں دیا، ہاں کبھی کبھی جھاڑ پھونک کی ہے کیونکہ قرآن نے یہ کہا کہ "قل" کہو، زبان سے کہو، تو بعض اوقات بیماروں کے اوپر جھاڑ پھونک کی ہے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اشْفِ اَنْتَ الشَّافِيُ لَا شِفَاءَ اِلَّاشِفَائُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرَ سَقَمًا. پڑھ کر دم کر دیا اور فرمایا: اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمَ اَنْ يَّشْفِيَكَ. یہ کہہ کر دم کر دیا، اور اس طرح کے کچھ ذکر ہیں ان کو پڑھ کر دم کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ان دعاؤں کا ترجمہ یہ ہے کہ: اللہ جو سارے انسانوں کا پروردگار ہے یہ بیماری دور فرما: اَنْتَ الشَّافِيُ. آپ ہی شفا دینے والے ہیں: لَا شِفَاءَ اِلَّاشِفَائُكَ. آپ کے سوا کوئی شفا نہیں دے سکتا: شِفَاءً لَّا يُغَادِرَ سَقَمًا. ایسی شفاء دیدیجئے جس کے بعد کو بیماری باقی نہ رہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے: اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمَ اَنْ يَّشْفِيَكَ. میں اس عظمت والے اللہ سے سوال کرتا ہوں جو سارے عرش کا مالک ہے کہ وہ آپ کو شفاء دیدے، یہ حضور سے ثابت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزوں کے لئے جھاڑ تو کی ہے، دم تو کیا ہے، لیکن تعویذ لکھ کر کسی کو نہیں دیا، نہ کسی صحابی سے کہا کہ تم اس کو لکھ کر دیدو۔

صحابہ کرام کا تعویذ لکھنا

البتہ جو لوگ زبان سے خود نہیں پڑھ سکتے ان کے لیے بعض صحابہ کرام نے یہ کیا

کہ ان کو تو زبان سے یاد نہیں رہے گا کہ یہ پڑھے اور اپنے اوپر دم کرے، لاؤ اس کو لکھ کر دے دیں تو یہ باندھ لے، اپنے بازو پر باندھ لے، یا گلے میں ڈال لے، یہ بعض صحابہ سے منقول ہے لہٰذا وہ ناجائز نہیں ہے، کوئی قرآنی آیات کا تعویذ گلے میں ڈال لے تو ناجائز نہیں ہے، لیکن یہ بھی سمجھ لیں کہ وہی تعویذ جائز ہے جس میں یا تو قرآن کریم کی آیات ہوں یا اس میں کوئی دعا ہو، ذکر ہو، اس کے معنی سمجھ میں آتے ہوں۔

ایسے تعویذ حرام ہیں

ایسے تعویذ جس میں ایسی بات لکھی ہوئی ہو جس کا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، ایسا تعویذ حرام ہے، اگر اس میں کوئی ایسی عبارت لکھی ہوئی ہے، ایسی بات لکھی ہوئی ہے، جس کا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آرہا تو ایسا تعویذ استعمال کرنا ناجائز ہے، بعض تعویذ ایسے ہوتے ہیں جس میں غیر اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے، وہ چاہے نبی ہو، چاہے ولی ہو، اور چاہے کتنا بڑا بزرگ ہو، اللہ کے سوا کسی سے مراد نہیں مانگی جاتی اور وہ شرک کے قریب انسان کو پہنچا دیتی ہے، ایسے تعویذ بالکل حرام ہیں، اور انسان کو شرک کے قریب پہنچا دیتے ہیں، اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ تعویذ میں اگر کوئی ایسی بات لکھی ہوئی ہے جو ہم اور آپ سمجھتے نہیں ہیں تو کیا پتہ اس میں کوئی غیر اللہ سے مدد مانگ لی گئی ہو، کوئی شرک کا کلمہ اس کے اندر موجود ہو، اس واسطے ایسا تعویذ استعمال کرنا بالکل جائز نہیں ہے، لیکن اگر قرآن کریم کی آیات ہیں، ان کو بھی ادب کے ساتھ استعمال کیا جائے، یا کوئی ذکر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا، یا کوئی

دعا ہے جو تعویذ میں لکھ دی گئی تھی تو وہ جائز ہے، لیکن اس میں کوئی ثواب نہیں۔

تعویذ دینا روحانی علاج نہیں

لوگ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ یہ تعویذ گنڈے کرتے ہیں گویا یہ روحانی علاج ہے، اس کا نام روحانی علاج رکھا ہوا ہے، کوئی روحانی علاج نہیں ہے، وہ ایسا ہی علاج ہے جیسا کہ آپ حکیم کے پاس گئے، ڈاکٹر کے پاس گئے، ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے پاس گئے، ایسے ہی کسی عامل کے پاس چلے گئے، اس کو روحانی علاج کہنا ہی غلط ہے، وہ بھی جسمانی علاج ہے، اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے، نہ کوئی ثواب ہے، نہ کوئی تقدس اس سے وابستہ ہے، بس ایک جائز کام ہے۔

تلاوت کا ثواب نہیں ملے گا

اور یہ بھی سمجھ لیں، کہ اگر کسی خاص مقصد کیلئے آدمی قرآن کی آیت پڑھتا ہے تا کہ میری بیماری دور ہو جائے، میرا قرضہ ادا ہو جائے، مجھے روزگار مل جائے، میری اولاد ہو جائے تو اس میں تلاوت کا ثواب نہیں ملتا، وہ ٹھیک ہے جائز ہے، لیکن تلاوت کا ثواب اس وقت ملتا ہے جب خالص اللہ کے لئے پڑھے، اللہ کے لئے پڑھے گا تلاوت کرے گا تو ثواب ملے گا لیکن اگر وہ کسی ذاتی مقصد کے لئے پڑھ رہا ہے تو جائز ہے، کوئی گناہ بھی نہیں ہے، تو بھائی یہ غلط فہمیاں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

علاج کا صحیح طریقہ

.وطریقہ اللہ نے بتایا کہ "قل اعوذ برب الناس" پڑھو اور جو طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ دعا کرو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اور دعا ایسی چیز ہے کہ

اگر دنیاوی مقصد کے لئے بھی کر رہے ہو تو اس پر بھی ثواب ہے، اگر کوئی دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ میرا قرضہ ادا فرما دیجئے، یا اللہ مجھے روزگار دلوا دیجئے، یا اللہ مجھے اولاد دیدیجئے، یا اللہ مجھے بیماری سے شفاء دیدیجئے، مانگ رہے ہو اپنے لئے لیکن ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب لکھا جا رہا ہے، عبادت ہے، لیکن تعویذ گنڈے تو کوئی عبادت نہیں ہے، ہاں جائز ہے جیسے اور علاج کرتے ہو یہ بھی علاج ہے، ہمارے معاشرے میں کہ ہر چیز کا حل تعویذ گنڈے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور جو تعویذ گنڈا دے وہ بہت بڑا عالم ہے، اور وہ بہت بڑا پیر ہے، اور اگر نہ دیں تو سمجھیں گے کہ اس نے تو زندگی برباد کردی، کچھ پڑھا لکھا ہی نہیں۔

عجیب وغریب تعویذ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور آکر کہنے لگا کہ کوئی تعویذ دیدو فلاں چیز کا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے نہیں آتا اس کا کوئی تعویذ، میں دعا کروں گا، کہنے لگا کہ نہیں تعویذ دو تو حضرت نے فرمایا کہ دعا آتی ہے مجھے، تعویذ نہیں آتا مجھے، وہ پیچھے ہی پڑ گیا، دیہاتی آدمی تھا، حضرت نے سوچا کہ دیہاتی آدمی ہے اس کو میں رد کروں گا، تو اس کا دل ٹوٹے گا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرکے ایک تعویذ لکھ دیا، اور اردو میں لکھ دیا کہ ''یا اللہ میں جانتا نہیں، یہ مانتا نہیں، آپ اپنے فضل وکرم سے اس کی مراد پوری فرما دیجئے'' یہ دعا لکھ کر دیدی، اللہ تعالیٰ نے اسی سے فائدہ کردیا۔

تعویذ کی ابتداء

یہ تعویذ نہ قرآن میں آئے اور نہ حدیث میں آئے لیکن پیدا اسی لئے ہوئے کہ کسی بزرگ نے کوبات کوئی کلمہ لکھ کر دیدیا، اللہ تعالیٰ نے اس میں تاثیر پیدا کردی فائدہ ہوگیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ فلاں چیز کا تعویذ ہوگیا، یہ بخار کا تعویذ ہے یہ سر کے درد کا تعویذ ہے، اس طرح تعویذ پیدا ہوگئے لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب بھی انسان کو کوئی حاجت کوئی مشکل کوئی پریشانی آئے تو جو طریقہ قرآن نے بتایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، اس کی طرف زیادہ توجہ دو اور اس کو زیادہ اہم سمجھو، اس کو زیادہ مؤثر سمجھو، اور دوسری چیزوں کو اس کے مقابلے میں کمتر سمجھو، اب الٹا سمجھ لینا کہ تعویذ کو دعا سے افضل سمجھ لینا کہ ہر چیز کا ایک تعویذ ہوتا ہے تو یہ خیال ایک غلط خیال ہے اور یہ قرآن وسنت کو صحیح مرتبہ نہ دینے کے مترادف ہے، میں کہتا ہوں اس سے زیادہ مؤثر نہ تعویذ ہے، یہ گنڈا ہے، نہ کوئی اور جھاڑ پھونک ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا ہے اس کو یاد کرلو، نماز حاجت اور اس کے بعد کی جو دعا ہے، اس دعا کو یاد کر کے ہر مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس پر عمل کرنے توفیق عطا فرمائے۔

آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ

کچھ عرصہ پہلے اسلامی بینکاری کے مسئلے پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم پر اعتراضات لگا کر ان کے خلاف فتویٰ جاری کیا گیا۔ اس فتویٰ کا جواب جامعہ طیبہ کے استاد الحدیث مولانا ثاقب الدین صاحب نے اپنے بعض رفقاء کے ساتھ مل کر تحریر کیا، جو کتابی صورت میں ''اسلامی بینکاری اور متفقہ فتویٰ کا تجزیہ'' کے نام سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔

رعایتی قیمت محدود مدت کیلئے ہے۔

=/470 نہیں۔ صرف =/200

اپنے قریبی اسلامی کتب خانہ سے طلب فرمائیں۔

رعایتی قیمت انتہائی مناسب

میمن اسلامک پبلشرز

محمد مشہود الحق کلیانوی
0313-920 54 97
0322-241 88 20
E-mail : memonip@hotmail.com

سادہ زندگی اپنایئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سادہ زندگی اپنایئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔اما بعد:

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تقوم الساعۃ حتٰی یبنی الناس بیوتًا یوشوھا وشی المرو۔ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

قیامت کی ایک نشانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ لوگ ایسے گھر نہ بنائیں جن کو وہ ایسے نقش ونگار سے آراستہ کریں گے جیسے نقش ونگار والے کپڑے یعنی گھروں میں کپڑوں کی طرح نقش ونگار بنے ہوں گے، اس حدیث کا مقصد قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت کو بیان کرنا ہے، یعنی قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو خوبصورت، مزین منقش بنانے میں پیسے خرچ کریں گے، اور محنت صرف کریں گے، اس مزین کرنے کو قیامت کی علامت قرار دیکر ایک ہلکا سا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں کہ آدمی گھروں کے نقش ونگار پر اتنی محنت اور اتنے پیسے صرف کرے۔ اس کو حرام اور ناجائز تو نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً اسکی ممانعت نہیں فرمائی، لیکن اس کو علامت قیامت میں شمار کر کے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا ہے، کیونکہ یہ اچھی بات نہیں۔

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں انسان زندگی گزار رہا ہے، یہ کوئی ہمیشہ رہنے کی جگہ تو ہے نہیں، یہ تو ایک عارضی مسافر خانہ ہے، جس میں کچھ دن کے لئے انسان آیا ہے، لہذا اس میں آدمی کو زیادہ توجہ اس بات کی طرف دینی چاہیے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بنائے، اور یہاں رہتے ہوئے وہ آخرت کی بہبودی اور بہتری کا سامان کرے، اسی لئے حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ

فرمایا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو، جیسے تم اجنبی ہو، یا مسافر ہو، مسافر جب سفر میں جاتا ہے تو وہ مسافر اپنے مقصد کی طرف متوجہ رہتا ہے، یہ نہیں کہ سفر کی منزل میں جی لگا کر بیٹھ جائے، اور اپنا سب کچھ سفر کی منزل پر خرچ کر دے۔

دنیا میں کتنے دن رہنا ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيْهَا.

وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيْهَا.

فرمایا کہ دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے، اور آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے، لیکن تم نے صبح سے لیکر شام تک کی اپنی زندگی اسی دنیا کے درست کرنے پر لٹا رکھی ہے، ایک مؤمن کا یہ کام نہیں، مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ مجھے کتنے دن دنیا میں رہنا ہے، اور کتنے دن آخرت میں رہنا ہے، کیونکہ آخرت کی زندگی ابدی ہے، جاودانی ہے، ختم ہونے والی نہیں ہے، لہٰذا یہاں رہتے ہوئے انسان کو زیادہ عمل آخرت کے لئے کرنا چاہیے، اور دنیا کے لئے اتنا کرے جتنا دنیا میں رہنا ہے، اس لئے مکان کی بہت زیادہ آرائش اور زیبائش کی لگن پسندیدہ نہیں ہے۔

معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک

راستے سے گزر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک صحابی اپنے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، مکان بھی کوئی پختہ اور عالیشان نہیں تھا، بلکہ ایک جھونپڑی تھی، جس کو وہ درست کر رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا، آپ نے اسکو دیکھ کر فرمایا:

اَلْاَمْرُ اَعْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ ۔

فرمایا کہ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے، یعنی تم اس جھونپڑی کی مرمت میں لگے ہوئے ہو، جبکہ کچھ پتہ نہیں کہ کب موت آجائے، اس زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں، یعنی اس جھونپڑی کی تیاری کے مقابلے میں موت کا معاملہ اور جلدی کا ہے، آپ نے ان صحابی کو مرمت کرنے سے منع نہیں فرمایا، اور یہ نہیں فرمایا کہ تم کیوں اس کی مرمت کر رہے ہو،؟ حرام اور ناجائز بھی نہیں کہا، لیکن توجہ اس طرف دلا دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کی مرمت میں لگ کر یہ بھول جاؤ کہ ایک دن یہاں سے جانا ہے، اور آخرت سے غافل ہو جاؤ۔

دل ودماغ پر آخرت کی فکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کے دل میں ہر وقت آخرت کی فکر اور آخرت کا تصور اس طرح جاگزیں کرتے تھے کہ ہر وقت انسان کی آنکھوں کے سامنے یہ منظر رہے کہ مجھے اس دنیا سے جانا ہے، اور آخرت میرے سامنے ہے، اگر یہ بات حاصل ہو جائے تو ساری زندگی سنور جائے، صحابہ کرام فرماتے تھے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور آپ کی

باتیں سنتے تھے تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم اپنی آنکھوں سے جنت اور دوزخ دیکھ رہے ہیں، دل و دماغ پر آخرت کی فکر اس طرح جاگزیں فرمادیتے تھے کہ ہر وقت آخرت کا تصور ایک مؤمن کے سامنے رہتا تھا۔

حضور ﷺ کا مکان

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا تھا، اور اس کے اوپر بالوں کی ٹاٹ کا ایک پردہ پڑا رہتا تھا، سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکان تھا، ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ اس حجرے کے دروازے دو تھے یا ایک دروازہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ دروازہ تو ایک ہی تھا۔ اتنا سادہ مکان تھا جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سادگی اختیار کر کے دکھادی۔

میرا دنیا سے کیا کام

آپ نے فرمایا:

مَالِیَ وَلِلدُّنْیَا مَا اَنَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا

فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا کام! میری مثال تو ایک ایسے سوار کیسی ہے، جو سوار ہو کر کہیں جارہا ہے، اور اس نے سفر کے دوران تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے نیچے سایہ لیا، اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا، اس طرح سادگی کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر فرمائی۔

گھر کا نقش ونگار علامت قیامت

جس ذات نے اس سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی ہو، جسکے سامنے ہر وقت آخرت کا منظر ہو، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ایسے گھر بنائینگے جن پر دیدہ زیب اور خوشنما قسم کے نقش ونگار ہوں گے جیسے نقش ونگار کپڑوں پر بنائے جاتے ہیں، آپ نے اس چیز کو حرام تو نہیں فرمایا، لیکن ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسے نقش ونگار بنانے میں لگا ہوا ہے، وہ اپنی آخرت کو بھولا ہوا ہے، اگر آخرت سامنے ہوتی تو جتنا وقت، جتنا پیسہ، جتنی محنت وہ اس نقش ونگار میں صرف کر رہا ہے، اسکے بجائے وہ اتنی محنت، اتنا پیسہ، اتنا وقت اپنے آخرت کے گھر کو بنانے میں صرف کرتا، اسلئے آپ نے فرمایا کہ یہ عمل علامات قیامت میں سے ہے۔

یہ تقوی کے خلاف ہے

آج ہم اپنے گردوپیش میں نظر اٹھا کر دیکھ لیں کہ یہ علامت کس طرح پوری ہو رہی ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ کس کس طرح گھروں کو مزین اور منقش کیا جارہا ہے، یہ تو ہے تقوی کہ آدمی آخرت کو پیش نظر رکھے، اور دنیا سے اتنا جی نہ لگائے، جہاں تک فتوی کا تعلق ہے اور مفتی صاحب سے پوچھا جائے کہ کتنا نقش ونگار جائز ہے؟ تو وہ مفتی یہی جواب دیگا کہ اگر خلاف شرع نقش ونگار نہ ہو، مثلاً تصویر وغیرہ نہ ہو تو اس کو حرام اور ناجائز نہیں کہیں گے۔

مکان کا پہلا درجہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ

درجات بیان فرمائے ہیں، فرمایا کہ ایک درجہ مکان کا یہ ہے کہ وہ مکان قابل رہائش ہو، وہ مکان ایسا ہے کہ آدمی اس کے اندر زندگی بسر کرلے، اور دھوپ سے بچاؤ ہو جائے، بارش سے بچاؤ ہو جائے، موسم کے برے اثرات سے بچاؤ ہو جائے، مثلاً ایک مکان بنایا، اس میں نہ پلستر کرایا، اور نہ رنگ وروغن کرایا، تو ایسا مکان رہائش کے قابل ہے۔

مکان کا دوسرا درجہ

دوسرا درجہ مکان کا یہ ہے کہ رہائش کے ساتھ اس مکان میں آسائش اور آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہے، مثلاً اگر کسی مکان پر ٹین کی چادروں کی چھت ہو تو ایسا مکان رہائش کے قابل تو ہے، لیکن اس مکان میں آسائش اور آرام نہیں، اس لئے کہ اگر بارش ہو جائے تو وہ چھت ٹپکنے لگتی ہے، پانی اندر آجاتا ہے، گرمی میں ٹین کی چادریں گرم ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں گرمی بڑھ جاتی ہے، اور تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا اس مکان میں رہائش تو ہے، لیکن آسائش نہیں، اب اگر آسائش اور آرام حاصل کرنے کے لئے چھت پکی ڈلوادو تاکہ بارش میں ٹپکے نہیں، اور گرمی میں زیادہ تپے نہیں تو یہ آسائش ہے، یہ بھی شرعاً جائز ہے، اور شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔

مکان کا تیسرا درجہ

تیسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہے، آسائش بھی ہے، آرام بھی ہے، لیکن آرائش نہیں، یعنی اس مکان میں کوئی سجاوٹ نہیں ہے، مثلاً گھر بنالیا، لیکن اس میں

پلستر نہیں کیا، یا پلستر کرلیا، لیکن رنگ وروغن نہیں کیا، تو ایسا مکان قابل رہائش بھی ہے، اور فی الجملہ اس میں آسائش بھی حاصل ہے، لیکن آرائش نہیں ہے، اس لئے کہ دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا، اب اگر کوئی شخص اپنا دل خوش کرنے کے لئے اس مکان پر رنگ وروغن بھی کروالے، اور اس کو مناسب درجے میں خوبصورت بنالے تو یہ آرائش حاصل کرنا بھی شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اس آرائش سے مقصد اپنا دل خوش کرنا ہو، کہ یہ میرا گھر ہے، جب میں اس گھر میں داخل ہوں تو مجھے آرام بھی ملے، اور اس مکان کو اچھا اور خوبصورت دیکھ کر میرا دل بھی خوش ہو، تو اس نیت سے آرائش کرنے پر شریعت نے پابندی نہیں لگائی، ناجائز قرار نہیں دیا، حرام نہیں کیا۔

دو بھائیوں کا واقعہ

البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ جب گھر کے اندر رہائش بھی ہے اور آسائش بھی حاصل ہے، آرائش بھی حاصل ہے، اور وہ مکان اچھا بھی لگ رہا ہے تو جب اس گھر میں داخل ہو تو اللہ کو یاد کرو کہ یہ مکان میرے اللہ کی عطا ہے، یہ طریقہ بھی قرآن نے بتادیا: سورۃ الکھف میں اللہ تعالیٰ نے دو بھائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ دو بھائی تھے، ایک بھائی مؤمن تھا، اور ایک بھائی کافر تھا، جو کافر بھائی تھا، اس کے بڑے عمدہ قسم کے بڑے شاندار باغ تھے، اس باغ میں ہر طرح کے پھل تھے، اور ہر طرح کے منافع اس کو حاصل تھے، جو مؤمن بھائی تھا، وہ کم مال والا تھا، اس کے پاس مال ودولت زیادہ نہیں تھی، وہ کافر بھائی اپنے مال ودولت پر فخر کیا کرتا تھا، اور اپنے بھائی سے کہتا کہ میرا مال بھی تجھ سے زیادہ ہے، اور میری جماعت بھی تجھ

سے زیادہ ہے، میرے ملنے والے، میرے دوست احباب، اور میرے معاونین بھی تجھ سے زیادہ ہیں، تیرا مال بھی کم ہے، اور تیرے پاس مددگار بھی کم ہیں، اور جب اپنے باغ میں داخل ہوتا تو اپنے بھائی سے کہتا کہ تو جو یہ کہتا رہتا ہے کہ ایک دن یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔

مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا . وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا. (الکہف: ۳۶،۳۵)

میرا خیال تو نہیں کہ یہ اتنا شاندار باغ اور اتنا عالیشان باغ یہ سب کبھی ختم ہو جائیں گے اور میرا یہ خیال نہیں کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں گے، اور اگر بالفرض اس کا مؤمن بھائی اس کو سمجھاتا کہ ارے بھائی: یہ سب کچھ باغ اور اس کے پھل وغیرہ یہ سب اللہ جل شانہ کی عطا ہے، اس لئے اس باغ پر مت اترا، اس پر تکبر اور فخر مت کر بلکہ اس کے بجائے جب تو اس باغ میں داخل ہوا کرے تو یوں کہا کر:

مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (الکہف: ۳۹)

گھر میں داخل ہوتے وقت یہ کہو

اس کے ذریعے قرآن کریم نے ہم سب کو یہ سبق سکھا دیا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو، یا اپنی کسی جائداد میں داخل ہو، اور وہ اچھی لگے تو زبان سے یہ الفاظ کہے کہ، ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس کائنات میں ہو رہا ہے اور جو کچھ مجھے ملا ہے، وہ اللہ جل شانہ کی مشیت سے ملا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کو قوت حاصل نہیں، کسی کے بس میں نہیں تھا

کہ وہ اپنے زور بازو سے یہ مکان بنالیتا، یہ باغ کھڑا کر دیتا، یہ جائداد بنالیتا، یہ جو کچھ ہے، سب اللہ جل شانہ کی عطا ہے۔ ماشاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ،

کافر کے باغ کا انجام

وہ مؤمن بھائی اس سے یہ کہتا کہ اگر چہ تم یہ دیکھ رہے ہو کہ میرے پاس مال کم ہے، میری اولاد کم ہے، یہ تو دنیا کے اندر ہوتا رہتا ہے، اور کچھ پتہ نہیں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مجھے تیرے باغ سے زیادہ بہتر باغ دیدیں، اور تیرے باغ کو تباہ کر دیں، اس لئے تجھے اس باغ کے ہونے پر اکڑنا اور اترانا نہیں چاہیے، قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ بعد میں اس کافر کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اس باغ کو جس کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ یہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، اس کو اس طرح تباہ کیا کہ بعد میں پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ یہاں کوئی باغ ہوا کرتا تھا۔

گھر کی نعمت پر اللہ کا شکر

اس واقعہ کو نقل کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیدیا کہ جب آدمی اپنی کسی نعمت میں داخل ہو، جو اس کی آنکھ کو اچھی لگ رہی ہو تو اس کو یہ الفاظ کہنا چاہیے، ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ: لہٰذا جب کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھر کی نعمت حاصل ہو، وہ گھر رہائش کے قابل بھی ہے، اس میں آسائش بھی ہے، آرائش بھی ہے، تو پھر ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ جب اس میں داخل ہو تو وہ یہ کہے کہ: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ: اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ! میں اس قابل نہیں تھا، آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمادی: اللھم لک الحمد و

للک الشکر: اے اللہ، آپ کا شکر ہے، آپ کا کرم ہے، اس کا بنانا میرے بس میں نہیں تھا، یہ آپ کی عطا ہے، جب وہ یہ عمل کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس گھر کے فتنے سے محفوظ رکھیں گے۔

حضور ساری تکلیفیں جھیل گئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شکر بہت سی بیماریوں کا علاج ہے، آج کل ہم لوگ ایسے دور میں ہیں کہ الحمدللہ دنیا میں ہر ایک کو ایسی نعمتیں میسر ہیں کہ عہد رسالت میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں ان نعمتوں کا تصور بھی نہیں تھا، آج کے دور کا غریب سے غریب تر آدمی بھی کھجور کی ٹہنیوں سے گھر بنانے کا تصور نہیں کرے گا کہ میں کھجور کی ٹہنیوں سے گھر بنا کر اس میں زندگی گزاروں، اور اس پر ٹاٹ کے پردے لٹکادوں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے گھر میں زندگی گزاردی، آج کوئی اس بات کا تصور کرے گا کہ تین مہینے تک گھر میں چولھا نہ جلے، اور صرف کھجور اور پانی سے گزارہ ہو، کوئی غریب سے غریب تر ان باتوں کا تصور نہیں کرے گا، ساری سختیاں آپ نے جھیل لیں کہ دو وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، یہ ساری سختیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جھیلیں ہیں، آج ہم میں سے کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ وہ ان سختیوں کا تصور بھی کر سکے۔

امت کیلئے آسانی کے دروازے بند نہیں کئے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو اتنی سختیاں گزار گئے، اور خود تو اتنی

مشکلات والی زندگی بسر کر کے تشریف لے گئے، لیکن اپنی امت کے لئے دروازے بند نہیں کیے، اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر جنت چاہتے ہو تو ایسی زندگی گزارو، اس کے بغیر تمہیں جنت نہیں ملے گی، بلکہ امت کے لئے آسانی اور وسعت والا راستہ اختیار فرمایا، اگر آج ہم سے یہ مطالبہ ہوتا کہ تم اس وقت تک نجات نہیں پاؤ گے، اور تم اس وقت تک اللہ کے محبوب نہیں بن سکو گے، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار نہیں کر سکو گے، جب تک تم اس طرح کی زندگی نہ گزارو جس طرح کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے گزاری تو اس مطالبہ پر بڑے بڑے علماء، بڑے بڑے صوفیاء، اور اولیاء اس میں فیل ہو جاتے، کس میں یہ طاقت ہے کہ اس طرح کی زندگی گزارنے کا حوصلہ کر لے۔

میرے سرکار نے بھی تو ایسی زندگی گزاری

رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ خود یہ سختیاں برداشت کر کے امت کے ادنیٰ ترین غریب ترین فرد کے لئے مثال قائم کر گئے، ورنہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیش و عشرت کی زندگی گزاری ہوتی، اور شاندار مکانات میں رہے ہوتے، اور اچھا کھانا کھایا ہوتا، اور زندگی کے لطف اور مزے حاصل کئے ہوتے تو اس امت کے غریب افراد یہ سوچتے کہ ہم تو بہت محروم رہ گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے غریب ترین فرد کی سطح پر آکر زندگی گزاری، تاکہ امت کے غریب سے غریب آدمی کو یہ بھی تسلی رہے کہ میرے سرکار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی زندگی گزاری ہے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مجاہدہ تم کہاں سے کروگے، جو مجاہدہ صحابہ کرام کر گئے، البتہ اتنا کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت دی ہے، اور تمہیں یہ فراخی اور خوش عیشی دی ہے تو کم از کم ان پر شکر ادا کرنے کی تو عادت ڈال لو، اور جب کبھی کوئی نعمت حاصل ہو اس وقت یہ تصور کرو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی تنگی کی زندگی گزاری، یہ تصور کرو کہ صحابہ کرام نے کیسی تنگی کی زندگی گزاری، آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فراخی اور یہ خوش عیشی عطا فرمائی ہے، پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی فاقہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے کبھی فاقہ کرنے کا تصور تک نہیں دیا، اور جن گھروں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری، ایسے گھروں میں کبھی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں آیا، یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہیں: اللھم لك الحمد ولك الشكر . لہٰذا جب گھر میں داخل ہو، اور یہ نعمتیں سامنے آئیں تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور کہو: ماشاء الله لاقوة الابالله . اور یہ کہو: اللھم لك الحمد ولك الشكر

یہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں

جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال کرو تو یہ سوچو کہ ہم یہ جو عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، یہ رخصت کا مقام ہے، یہ عزت کا مقام نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت دیدی ہے کہ چونکہ تم کمزور ہو، لہٰذا اس طرح زندگی گزار لو،

ورنہ یہ دنیا اس لائق نہیں تھی کہ اس میں ایسے مکان بنائے جاتے، ایسے عیش وعشرت کے اندر رہا جاتا، یہ دنیا تو ایک گزرگاہ تھی، یہ دنیا تو ایک مسافر خانہ تھی، لہٰذا ہمیں مسافروں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیے تھی، اور دوسرے یہ سوچو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کس طرح کی زندگی گزاری ہے، اور ہم ان کے مقابلے میں کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

ہماری اور ان کی زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اس کا تصور کرو، اور پھر اس بات پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں، اور ان نعمتوں کے استعمال کو حلال بھی کر دیا، جائز بھی کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر ادا کرنا

اور شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی تصور کرو کہ اس نعمت کو حاصل کرنا میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے: ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الاباللہ۔ اور اس کے بعد جب اس نعمت سے لذت اٹھاؤ تو اس وقت بھی اللہ کا شکر ادا کرو، اور یہ شکر بھی اللہ سے مانگو، اس لئے شکر کرنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں، شکر کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ دیکھئے! حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کیا نہیں دیا تھا، حکومت دی، سلطنت دی، محلات دیے، حشم وخدم دیے، غلام دیے، انسانوں پر حکومت دی، جنات پر حکومت دی، چرندوں اور پرندوں پر

حکومت دی، جب یہ نعمتیں حاصل ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۔ (النمل: ۱۹)

اے میرے پروردگار، مجھے اس بات کی توفیق دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکوں، یعنی صرف شکر ادا نہیں کیا، شکر کی دعا کی، اور اللہ تعالیٰ سے شکر مانگا کہ یا اللہ، جب تک آپ کی طرف سے شکر کی توفیق عطا نہیں ہوگی میں شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، لہٰذا شکر کرنا بھی آپ ہی سے مانگتا ہوں، اور یا اللہ! نعمتیں تو آپ نے ساری دی ہیں، لیکن میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ کا شکر ادا کروں، اور یہ مانگتا ہوں کہ ایسا نیک عمل کروں جو آپ کو پسند آجائے، یعنی کوئی نیک عمل اپنی ذات میں نیک عمل نہیں، جب تک کہ وہ عمل آپ کو پسند نہ ہو، اور آپ کی رضا کے مطابق نہ ہو، اور اے اللہ، اپنی رحمت سے نیک بندوں میں داخل کرلیجئے، ایک مؤمن اور ایک کافر میں یہی فرق ہے۔

ناشکری کی وجہ سے قارون کا انجام

دیکھئے! قارون کو صرف خزانہ ملا اسکو حکومت نہیں ملی، نہ انسانوں پر ہے، نہ جنات پر، نہ چرندوں اور پرندوں پر، صرف دولت مل گئی تو وہ اس پر کہتا:

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص: ۷۸)

یہ دولت تو مجھے اپنے علم کی بدولت ملی ہے، میرا ہنر ایسا تھا، میرا علم ایسا تھا کہ

اس کی وجہ سے یہ دولت حاصل ہوگئی، اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کر رہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری دولت اس کے لئے زمین میں دھنسنے کا ذریعہ بن گئی۔

حضرت سلیمان کی کیفیت

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ ان کے پاس اتنی بڑی حکومت تھی کہ دنیا میں آج تک کسی کو اتنی بڑی حکومت نہیں ملی، لیکن اس کے باوجود ان کا سینہ تنا ہوا نہیں، گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا ہوا ہے کہ اے اللہ! میں تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بھی قابل نہیں، اپنی رحمت سے مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق بھی دیدیجئے، اور اس بات کی توفیق دیدیجئے کہ ان نعمتوں کو صحیح استعمال کرلوں، اور آپ کو راضی کرنے والے عمل کرلوں،

اس کی قدر کرو

آج اگر ہم سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ ہم سب اپنے پختہ مکانات کو چھوڑ کر جھونپڑوں میں رہنے لگیں تو سب یہ سن کر بھاگ جائیں گے، کسی کے بس کا یہ کام نہیں، لہٰذا یہ مطالبہ نہیں، البتہ مطالبہ تم سے یہ ہے کہ جو نعمت تمہیں ملی ہوئی ہے، اسکی قدر کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی ایسی عیش وعشرت کی زندگی بسر نہیں کی، اور نہ صحابہ کرام نے ایسی زندگی بسر کی، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عیش وعشرت کی زندگی دیدی ہے، اس کی قدر کرو، اور اس کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی عطا کا دھیان کرو، اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگو کہ یا اللہ! جب آپ نے ہمیں یہ نعمت دیدی ہے تو اس نعمت کو آپ اپنی مرضیات میں استعمال بھی کرائیے۔

اپنی رضا کے کاموں میں استعمال کرائیے، اور اس کو میرے لئے آخرت کا ذریعہ بنائیے، اور اس کو جہنم کا ذریعہ نہ بنائیے۔

ایک ایک نعمت پر شکر

گھر اچھا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، گھر کا ساز و سامان اچھا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کھانا سامنے آیا، اور برتن اچھے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، پانی پیا اور گلاس اچھا لگا، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، بستر اچھا ہے، کمرہ اچھا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، جو بھی نعمت ہو، اس کو دیکھو، اور غور کرو، اور کہو، ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ، اور دعا کرو کہ یا اللہ! ہم شکر تو ادا کر سکتے ہی نہیں، آپ کی نعمتوں کا شکر ہم سے ادا ہو ہی نہیں سکتا، لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ شکر ادا کرنے کی توفیق دیدیجئے۔

رات کو سوتے وقت شکر کے الفاظ

رات کو سوتے وقت ذرا اہتمام کے ساتھ نعمتوں کا جائزہ لے لیا کرو، کہ کیا کیا نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں، جائزہ لے کر ایک ایک نعمت پر شکر ادا کرو، اور یہ کہو:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَدَدَ خَلْقِكَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ رِضَا نَفْسِكَ، وَعَدَدَ نِعَمِكَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ زِنَةَ عَرْشِكَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ مِدَادَ كَلِمٰتِكَ، اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ .

اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے، آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کے کلمات لکھنے کے لئے سیاہی درکار ہے، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کی مخلوقات کی گنتی ہے، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کی نعمتیں ہیں، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جس سے آپ راضی ہو جائیں، اے اللہ! میں تو آپ کی ثناء کا حق ادا نہیں کرسکتا، میں تو آپ کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، آپ ویسے ہیں جیسے کہ آپ نے اپنی خود ثنا کی ہے۔

شکر کے اور الفاظ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَّعَ دَوَامِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا مَعَ خُلُوْدِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا مُنْتَهٰى لَهٗ دُوْنَ مَشِيَّتِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا يُرِيْدُ قَائِلُهٗ اِلَّا رِضَاكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ طَرْفَةِ كُلِّ عَيْنٍ وَتَنَفُّسِ كُلِّ نَفْسٍ.

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے الفاظ سکھائے کہ ہم کہاں سے ایسے الفاظ لاتے، ایسے الفاظ سے حمد کرنا ہمارے بس میں نہیں تھا، لیکن آپ نے ہمیں سکھا دیے، فرمایا کہ یہ کہو کہ اے اللہ! آپ کے لئے ہمیشگی والا شکر جب تک کہ آپ ہمیشہ باقی ہیں، اے اللہ! آپ کے لئے ایسا شکر کہ اس شکر کی انتہاء آپ کی مشیت کے بغیر نہ ہو، یعنی جب تک آپ کی مشیت اس شکر کے ساتھ ہو، وہ شکر جاری رہے، اے اللہ! آپ کے لئے ایسا شکر کہ اس شکر ادا کرنے والے کا مقصد صرف آپ کی رضا مندی ہو، اے اللہ! ہر پلک جھپکنے پر آپ کا شکر، اور اے اللہ! ہر

سانس کے آنے جانے پر آپ کا شکر، بتایئے، یہ کس کے بس میں تھا کہ شکر کے لئے ایسے الفاظ لاتا، اور شکر کا یہ انداز اختیار کرتا، یہ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی شکر کا یہ انداز اور یہ الفاظ سکھا گئے۔

شکر کے نتیجے میں فتنہ سے حفاظت

رات کو سونے سے پہلے کم از کم ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا استحضار کر کے اس طرح شکر ادا کرو، اور یہ کہو کہ اے اللہ! میرے بس میں تو نہیں کہ ہر نعمت کا علیحدہ علیحدہ شکر ادا کرسکتا، لیکن اس وقت اتنا شکر ادا کر رہا ہوں، اے اللہ! جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے، اتنا شکر جتنی آپ کی مخلوقات کی گنتی ہے، اے اللہ! اتنا شکر جتنی آپ کے کلمات کے لکھنے کے لئے سیاہی درکار ہے، جب رات کو سونے سے پہلے اس طرح شکر ادا کرو گے تو کچھ نہ کچھ تو حق ادا ہو جائے گا، انشاء اللہ، اس شکر کی بدولت اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو تمہارے حق میں فتنہ بننے سے محفوظ رکھیں گے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (حوالہ)

یعنی یہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے، اور آزمائش ہے، پتہ نہیں کب یہ تمہارے قدموں کو ڈگمگا دے، کب تمہیں غلط راستے پر ڈال دے، کب تمہارے دل میں دنیا کی محبت اس طرح پیوست کر دے کہ تم اللہ سے غافل ہو جاؤ، جب اللہ کی نعمتوں کا اس طرح سے شکر ادا کرو گے جس طرح اوپر بتایا تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو تمہارے حق میں فتنہ بننے سے محفوظ

کردیں گے، پھر یہ نعمت تمہارے حق میں زادآخرت بن جائے گی۔

مکان کا چوتھا درجہ حرام ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مکان کے چار درجے بیان فرمائے، ایک رہائش، ایک ایک آسائش، ایک آرائش، یہ تین درجے تو جائز ہیں، بشرطیکہ وہ کام کرو جو اوپر عرض کئے کہ جب اس مکان میں داخل ہو تو کہو: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ، اللھم لک الحمد و لک الشکر۔ البتہ چوتھا درجہ ہے، نمائش، یہ حرام ہے، زہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف یہ بات نہیں کہ مکان بنایا جو قابل رہائش تھا، اس میں آرام کا انتظام بھی کرلیا، آرائش کا بھی انتظام کرلیا، لیکن اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ سوچا کہ آج کل فلاں کام کا فیشن چلا ہوا ہے، جب تک وہ کام نہیں کرائیں گے، تو لوگ میری وقعت نہیں کریں گے، لہٰذا مکان میں یہ کام بھی ہونا چاہیے، اب وہ کام صرف نمائش کے لئے کرایا جارہا ہے، لہٰذا وہ کام حرام اور ناجائز ہے۔

لباس میں چار درجے

اور جو حکم مکان کا ہے، وہ لباس کا بھی ہے، اور لباس کے اندر بھی چاروں درجات ہیں، اگر ٹاٹ کا لباس بنا کر پہن لیا، اس سے ستر پوشی ہوگئی، مقصد حاصل ہوگیا، اگر ایسا لباس بنالیا جو ذرا آرام دہ ہے، باریک لباس ہے اس میں گرمی زیادہ نہیں لگتی، یہ دوسرا درجہ یعنی آسائش ہے، اور اگر اس لباس میں تھوڑی سی زینت حاصل کرلی، تاکہ ذرا دل خوش ہوجائے، یہ آرائش ہے، جو جائز ہے، لیکن اس خیال

سے خاص لباس سلوایا کہ آج کل فیشن یہ چلا ہوا ہے اگر اس طرح کا لباس نہیں سلوایا
تو ناک کٹ جائے گی، اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ دقیانوس ہے، یہ بیک ورڈ ہے،
اب لباس میں جو تصرف کیا جارہا ہے، وہ یہ بتانے کے لئے کیا جارہا ہے کہ ہم بھی
اسی دور کے باشندے ہیں۔ ہم بھی اسی فیشن ایبل زمانے کے لوگ ہیں، لہٰذا فیشن
کے مطابق ہم لباس پہنیں گے، فیشن کے مطابق مکان بنائیں گے، اب یہ سب کام
نمائش اور دکھاوے کیلئے اپنے کو بڑا قرار دینے کے لئے ہورہے ہیں، اور لوگوں پر
اپنی بڑائی جتانے کے لئے ہورہے ہیں، اپنی دولت کی نمائش کے لئے ہورہے ہیں،
لہٰذا یہ کام حرام اور ناجائز ہیں، اس کی اجازت نہیں، لہٰذا تین درجے تو جائز ہوئے،
یعنی رہائش، آسائش، آرائش، اور چوتھا درجہ ہے نمائش جو حرام ہے، اس سے ہر
مؤمن کو پرہیز کرنا چاہیے۔

کھاؤ بھی من بھاتا، پہنو بھی من بھاتا

اسی لئے ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے
چاہے لباس اچھا پہن لو، چاہے مکان اچھا بنالو، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی
نعمت کی قدر کرو، لیکن لوگوں کے دکھانے کی خاطر کوئی کام نہ کرو، ہمارے یہاں
ہندی کی ایک مثال مشہور ہے کہ:

کھاؤ من بھاتا، پہنو جگ بھاتا۔

جگ ہندی زبان میں دنیا کو کہا جاتا ہے، من کے معنی ہیں، دل، بھاتا، کے
معنی ہیں، پسند آنا، مطلب یہ ہے کہ وہ چیز کھاؤ جو اپنے دل کو پسند ہو، یہ نہ ہو کہ خود کو

وہ چیز پسند نہیں، لیکن لوگوں کو پسند ہے، اس لئے کھا رہے ہیں، اور لباس ایسا پہنو جو ساری دنیا کو پسند آئے، تمہیں پسند آئے یا نہ آئے، یہ ہندی کی مثل ہے، لیکن یہ مثل اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ:

کھاؤ بھی من بھاتا، پہنو بھی من بھاتا

یعنی اپنی پسند کا کھاؤ، اور اپنی پسند کا پہنو، یہ نہیں کہ جو جگ پسند کرے آدمی وہ پہنے، چاہے اپنے کو پسند ہو یا نہ ہو، لہٰذا کھاؤ بھی من بھاتا اور پہنو بھی من بھاتا، اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

خلاصہ

بہرحال، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات میں سے یہ بات بیان فرمائی کہ مکان کو اس طرح نقش ونگار سے آراستہ کرنا جس طرح کپڑوں کو کیا جاتا ہے، اور مکان کے نقش ونگار میں غلو کرنا اور اسراف کرنا ٹھیک نہیں، جتنی سادگی اختیار کرسکو، اتنا بہتر ہے، یہ کام حرام اور ناجائز نہ سہی، لیکن مزاج شریعت اور مزاج دین کے زیادہ مطابق یہ ہے کہ جتنی سادگی کی زندگی بسر کرسکو اتنا بہتر ہے، اس حدیث کی یہی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

افضل صدقہ کونسا؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۱۸

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

افضل صدقہ کونسا؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی رسول الله صلی الله عليه وسلم: يا رسول الله: اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ. تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا. وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ. (صحيح البخاری. كتاب الوصايا. باب الصدقة عند الموت)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

سب سے افضل صدقہ

یہ بھی عجیب حدیث ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے

ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ای صدقۃ اعظم اجرا. یا رسول اللہ! کون سے صدقہ سب سے زیادہ اجر والا ہے؟ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو تم صحت کی حالت میں کرو، اور اس حالت میں جس وقت تمہارے دل میں مال کی محبت ہے، صحیح، کے معنی تندرست، اور شحیح کے معنی، دل میں مال کی محبت ہونا، اور تمہیں اس بات کا اندیشہ بھی ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں فقیر ہو جاؤں، تنگدست ہو جاؤں، اور اس بات کی امید بھی ہو کہ شاید تمہارے پاس مال زیادہ آ جائے تو تم غنی اور مال دار ہو جاؤ، ایسے وقت میں جب تم اللہ کے راستے میں صدقہ کرو گے تو اس کا اجر و ثواب سب سے زیادہ ہوگا۔

صدقہ میں تاخیر مت کرو

پھر آگے ارشاد فرمایا: ولا تمھل، یعنی صدقہ کرنے میں دیر مت کرو، اس کو ٹلاؤ نہیں، یہاں تک کہ جان تمہاری حلق تک پہنچ جائے، اور نزع کا عالم طاری ہو جائے، تو اس وقت تم یہ کہو کہ فلاں کو اتنا مال دیدو، فلاں کو اتنا دیدو، اس سے کچھ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اب تو وہ مال تمہارا رہا ہی نہیں، اب تو یہ مال تمہارے وارثوں کا ہو گیا، اب تمہارے پاس اس مال کو دوسرے کو دینے کی گنجائش ہی نہیں، بہر حال! صدقہ میں سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو اس حالت میں کرو جب تم صحت مند ہو۔

مرض الموت میں مال کی ملکیت میں کمی

اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ جب آدمی بیمار ہو جائے، اور اسی بیماری

میں اس کا انتقال ہو جائے، تو ایسی بیماری کو مرض الموت کہا جاتا ہے، اور مرض الموت میں پہنچنے کے بعد انسان کی ملکیت اپنے مال پر محدود ہو جاتی ہے، پوری زندگی میں جس مال کو وہ اپنا مال کہتا رہا کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا پیسہ ہے، یہ میرا مکان ہے، یہ میری گاڑی ہے، ادھر اس کا مرض الموت شروع ہوا، ادھر اس کی ملکیت میں کمی آگئی، اب اس کے مال پر اس کی ملکیت نہیں رہی، اب اگر اس وقت میں کسی کو اپنا مال دینا چاہے تو ایک تہائی سے زیادہ نہیں دے سکتا، اگر کسی کے لئے وصیت کرنا چاہے کہ فلاں کو اتنا مال دیدو، یا میرا اتنا مال فلاں مسجد میں لگا دینا تو اب ایک تہائی سے زیادہ پر یہ وصیت جاری نہیں ہوگی، اس لئے کہ اب اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو گیا، لہٰذا اب تمہیں جائز نہیں کہ تم اس مال کو صدقہ کرو، یا ہبہ کرو، یا مسجد میں لگاؤ، ان میں سے کوئی کام نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ اس مال سے اپنے نماز روزے کا فدیہ بھی نہیں دے سکتے، بس اب ایک تہائی کی حد تک دے سکتے ہو اس سے زیادہ نہیں۔

انسان کے مال کی حقیقت

یہ ہے انسان کے مال کی حقیقت جس کو وہ اپنا مال کہہ رہا ہے، جس کی خاطر دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہے، جس کے اوپر دنیا آخرت ایک کر رکھی ہے، لیکن وہ مال مرض الموت شروع ہوتے ہی انسان کے تصرف سے اس طرح نکل جاتا ہے کہ اب یہ مال اس کا نہیں رہا، اب یہ مال وارثوں کا ہے، لہٰذا ایک تہائی کی حد تک تصرف کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

صدقہ کرنا اس وقت فائدہ مند ہے جب انسان صحت مند ہو۔

صحت میں انسان کی کیفیت

انسان کی طبیعت بھی عجیب ہے کہ جب تک وہ صحت مند ہے تو اس وقت خوب سینہ تان کے چلتا ہے، اور کبھی اس کو یہ دھیان نہیں آتا کہ ہو سکتا ہے کہ بیمار ہو جاؤں، اور نہ دنیا سے جانے کا دھیان آتا ہے، اور صحت کے عالم میں مزے اڑانے کا تصور آرہا ہے، عیش وعشرت کا تصور آرہا ہے، مرنے کا تصور نہیں آتا، بیمار ہو جانے کا تصور نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا تصور نہیں آتا، صحت کے عالم میں یہ امنگ ہوتی ہے کہ ان پیسوں کو عیش وعشرت میں استعمال کروں، ان سے مزے اڑاؤں، اور اس کے ذریعے دنیا کی مزید دولت جمع کروں، اس وقت اگر صدقہ کرو گے تو امنگوں کو کچل کر صدقہ کرو گے، اس صدقہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب زیادہ ہے۔

مال سے محبت کے وقت صدقہ کرو

آگے فرمایا کہ: شحیح یعنی اس حال میں صدقہ کرو جب تمہارے دل میں مال کی محبت ہو، اس وقت صدقہ کرنے کا ثواب زیادہ ہے، یہ نہیں کہ جب آدمی دنیا سے جارہا ہے، اس کو پتہ ہے کہ میرے جانے کا وقت آچکا ہے، اور ساری دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ جاتا ہے، اور اپنے ساتھ قبر میں لے جا نہیں سکتا، اس لئے اس وقت دل میں مال کی محبت اس درجے میں نہیں رہی، اس لئے اس وقت وہ یہ سوچتا ہے کہ چلو صدقہ ہی کردو، جیسے کہتے ہیں ''مری بکری اللہ میاں کے نام'' اس وقت

میں صدقہ کرنے پر اتنا اجر وثواب نہیں، اس لئے فرمایا کہ جس وقت مال کی محبت
دل میں ہے، اور نفس یہ کہہ رہا ہے کہ اس مال کو جمع کر کے اپنے پاس رکھ لے، اور
اس کے ذریعے عیش و عشرت کا سامان جمع کر لے، اس وقت اگر نفس کے اس تقاضے
کو دبا کر اس مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو اس میں بڑا اجر وثواب ہے۔

قرآن کریم نے بھی جگہ جگہ اس کو بیان فرمایا ہے کہ

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ (حوالہ)

یعنی جو شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں عزیز و اقارب کو، رشتہ داروں
کو، یتیموں اور مسکینوں کو دیتا ہے، باوجودیکہ اس کے دل میں مال کی محبت ہے، اور
دل یہ کہہ رہا ہے کہ مال کو اپنے پاس روک کے رکھو، لیکن وہ شخص اس کے برعکس محبت
کے تقاضے کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے رہا ہے، یہ صدقہ باعث اجر وثواب
ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا. (حوالہ)

یعنی وہ لوگ یتیم کو مسکین کو، اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اس وقت جبکہ مال
کی محبت دل میں موجود ہو، اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر تنبیہ فرمائی کہ ہم جو تمہیں صدقہ
کرنے پر اجر دیتے ہیں تو تمہارے دل میں مال کی محبت جتنی زیادہ ہوگی، اتنا ہی
صدقہ کرنے پر اجر زیادہ ملے گا، ایک اور جگہ فرمایا۔

لَنْ تَنَالُو الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْ مِمَّا تُحِبُّوْنَ (حوالہ)

یعنی تم اس وقت تک نیکی اور تقویٰ کا مقام حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم
اس مال سے خرچ نہ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔

قدر و قیمت گنتی کی نہیں

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر و قیمت گنتی کی نہیں ہے، بلکہ اس جذبہ کی قدر و قیمت ہے جس جذبے کے ساتھ صدقہ کیا جا رہا ہے، کہ اس آدمی کو مال کی محبت صدقہ کرنے سے روک رہی تھی، اس کے راستے میں مال کی محبت رکاوٹ بن رہی تھی، اسکو صدقہ کرنے کی طرف جانے نہیں دے رہی تھی، اس کے باوجود اس نے اللہ تعالیٰ کا تصور کر کے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دھیان کر کے اپنی اس محبت کو کچل دیا، جب اس محبت کا کچلا، اور اللہ کے راستے میں اپنا مال صدقہ کر دیا، تو یہ کچلی ہوئی محبت کشتہ بن گئی، اور اس کے اندر قوت پیدا ہو گئی، اس پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

اس لئے اس حدیث میں فرمایا کہ وہ صدقہ افضل ہے جو صحت کی حالت میں ہو، اور دل میں مال کی محبت ہونے کی حالت میں ہو، اور اس وقت یہ بھی اندیشہ ہو کہ کہیں صدقہ کرنے کے نتیجے میں میں تنگدست نہ ہو جاؤں، اور صدقہ نہ کرنے کے نتیجے میں مالداری کی امید بھی ہوتی ہے، اس وقت میں صدقہ کرنا افضل ہے۔

صدقہ کرنے کی جلدی کرو

پھر آگے فرمایا کہ جب دل میں صدقہ کرنے کا تقاضہ پیدا ہو تو اب دیر نہ کرو، جب دل میں داعیہ پیدا ہوا تو اس داعیے پر عمل کر لو، یہ بات صرف صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تمام نیکیوں کا یہی حال ہے، مؤمن کے دل میں جب کسی نیکی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہ نیک کام کر لوں تو اس وقت شیطان ڈنڈی مارنے کی کوشش

کرتا ہے، وہ شیطان اس مؤمن سے یہ نہیں کہتا کہ جو تو نیک کام کرنے جارہا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ مؤمن اس کی بات نہیں مانے گا، بلکہ شیطان اس سے یہ کہتا ہے کہ بہت اچھی بات ہے، تمہارے دل میں بڑا اچھا داعیہ پیدا ہوا ہے، یہ نیک کام ضرور کرنا چاہیے، مگر اس کام کو کرنے کی جلدی کیا ہے؟ کل کرلینا۔ پرسوں کرلینا، شیطان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مؤمن کے دل میں کسی نیکی کا داعیہ پیدا ہوگا، وہ اس میں دیر کرائے گا، اس کو مؤخر کرائے گا، اس کو ٹلائے گا، اب جو شخص شیطان کے اس جال میں آجاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کل آتی ہے تو پھر اس سے کہتا ہے کہ جلدی کیا ہے؟ کل کرلینا، ابھی تو بہت عمر پڑی ہے، اس طرح شیطان اس نیک کام کو ٹلاتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ داعیہ کمزور ہوکر ختم ہو جائے گا، اور اس کو نیک کام کرنے نہیں دے گا۔

اب یہ مال فلاں کا ہو چکا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ وہ شخص نیک کام کرنے کو اور صدقہ کرنے کو ٹلاتا چلا گیا، اور یہ سوچتا رہا کہ یہ رقم صدقہ جاریہ میں لگاؤں گا، اس کے ذریعے مسجد بناؤں گا، فلاں جگہ لگاؤں گا، لیکن لگایا نہیں، یہاں تک کہ موت کے دروازے پر پہنچ گیا، اور جان حلق میں آکر اٹک گئی، اس وقت یہ سوچتا ہے کہ چلو اب اس داعیے کو پورا کرلوں، اور کہتا ہے کہ فلاں کو اتنا دیدو، فلاں کو اتنا دیدو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اب کیا کہہ رہے ہو فلاں کو اتنا، فلاں کو اتنا، ارے یہ مال اب تو کسی اور کا ہو چکا، وہ مال تو وارث کا ہو چکا، بہر حال! ابھی

شیطان کے اس داؤ میں نہ آؤ، جب کبھی اللہ تعالیٰ دل میں نیکی کا داعیہ پیدا فرمائیں، چاہے وہ صدقہ کا داعیہ ہو، عبادت کا ہو، نیکی کا ہو، خیرات کا ہو، نماز کا ہو، ذکر کا ہو تلاوت کا ہو، اس داعیے کو ٹلاؤ نہیں، بلکہ فوراً اس پر عمل کرو، اس لئے کہ ٹلانے کے نتیجے میں اس پر عمل کرنے کی پھر نوبت نہیں آئے گی، لہٰذا اس کو جلدی کرنے کی کوشش کرو۔

تردد کی صورت میں مشورہ کرلو

زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ اگر اس نیک عمل کے کرنے میں کچھ تردد ہو تو اپنے بڑے سے، اپنے شیخ سے، اپنے رہنما سے مشورہ کرلو، کہ دل میں اس نیک کام کا داعیہ، اس صدقہ کا داعیہ، پیدا ہو رہا ہے، کروں یا نہ کروں؟ یہ چیز صحابہ کرام سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل میں جب کسی نیکی کا داعیہ پیدا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر فرماتے کہ یا رسول اللہ، دل میں یہ خیال آ رہا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمالی تو آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ میں اپنا سارا مال اس توبہ کے شکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کردوں، لیکن فوراً خود اس خیال پر عمل نہیں کیا، اس لئے کہ یہ عمل کہ سارا مال صدقہ کردوں، یہ عمل مناسب ہے یا نہیں؟ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس داعیے پر عمل کرنے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ بَعۡضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكَ ۔

فرمایا کہ سارا مال صدقہ مت کرو، بلکہ کچھ مال اپنے پاس رکھو، اسی میں بہتری ہے، گویا کہ آپ نے حد بتادی کہ اس حد تک کرو، اس حد سے آگے مت کرو۔

نیکی کے داعیہ کو ٹلاؤ نہیں

بہر حال! جب فرض و واجب عبادات کا دل میں داعیہ پیدا ہو تو اس میں کسی مشورے اور کسی استخارے کی ضرورت نہیں، وہ تو فرض ہے، واجب ہے، اس کو تو کرنا ہی ہے، لیکن جب نفلی عبادات کا نفلی نیکیوں کا دل میں داعیہ پیدا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اپنے شیخ سے، اپنے رہنما سے، اس کے بارے میں پوچھ لیا جائے، تاکہ کوئی کام اپنی خودرائی سے نہ ہو، اس لئے کہ خودرائی کے کام میں برکت نہیں ہوتی، جب آدمی کسی بڑے کے کہنے سے کوئی کام کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوتی ہے، لیکن اس داعیے کو اس طرح مت ٹلاؤ کہ وہ ٹلتے ٹلتے بالآخر وہ داعیہ ختم ہی ہو جائے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے بارے میں یہ سبق دیدیا، بلکہ ساری نیکیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کے اندر ٹلانے کا معاملہ انسان کو نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دوسرے سے کوئی حاجت طلب کرنے کا طریقہ

ایک اور حدیث پڑھ لیتے ہیں:

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُ قَالَ: اِذَا طَلَبَ اَحَدُكُمۡ

الْحَاجَةَ فَلْيَطْلُبْهَا طَلَبًا يَسِيرًا. فَإِنَّمَا لَهُ مَا قُدِّرَ لَهُ. وَلَا يَأْتِيْ أَحَدُكُمْ صَاحِبَهُ فيمدحه فيقطع الله.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو افقہ صحابہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں، بڑے درجے کے صحابہ کرام میں سے ہیں، ان کا یہ مقولہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، ظاہر میں تو یہ ان کا اپنا مقولہ ہے، لیکن صحابہ کرام اس قسم کی جو باتیں بیان فرماتے ہیں، وہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہوتی ہیں، فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی حاجت طلب کرے تو آرام سے طلب کرے، زیادہ اصرار نہ کرے، مثلاً ایک شخص کسی دوسرے سے بطور قرض کوئی رقم مانگ رہا ہے، یا کوئی اور اپنی حاجت دوسرے سے پوری کرانا چاہتا ہے تو اس کے سامنے اپنی حاجت تو بیان کردے کہ مجھے فلاں حاجت ہے، آپ پوری کردیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتے ہیں۔

اللہ سے مانگنے میں اصرار کرو

بہرحال! دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے اپنی حاجت ذکر کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس طرح مانگو کہ اس پر کوئی بوجھ نہ بنے، ایسا اصرار کرنا کہ بس سر پر سوار ہوگئے کہ میں ہر قیمت پر یہ ضرورت پوری کرا کر جاؤں گا، لے کر جاؤں گا، ایسا اصرار کسی مخلوق سے کرنا جائز نہیں، ہاں! ایسا اصرار کرنا ہو تو اللہ میاں

سے دعا کے اندر اصرار کرو کہ یا اللہ! میں تو یہ چیز لے کر ہی جاؤں گا، اس کے بغیر نہیں ٹلوں گا، وہاں یہ اصرار کرلو، لیکن مخلوق سے مانگنے میں اصرار نہ ہو، بس اپنی بات نرمی سے اور آہستگی سے کہہ دو، جس سے اس کے دل پر بوجھ نہ پڑے۔

حاجت طلب کرتے وقت تعریف مت کرو

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ تمہارا کام اتنا ہے کہ اپنی کوشش کرلو، ملے گا وہی جو تقدیر میں لکھا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ طلب یسیر کرو، یعنی اجمالی طلب کرو، پھر آگے فرمایا: وَلَا يَأْتِيَ اَحَدُكُمْ صَاحِبَهٗ فَيَمْدَحُهٗ. یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے کوئی ضرورت پیش آگئی، اور اس سے کچھ مانگنا پڑ گیا تو اب جا کر اس کی تعریفیں شروع کردیں، اور اس کی چاپلوسی کرنی شروع کردی، مثلاً یہ کہ آپ تو بڑے سخی ہیں آپ تو ایسے ہیں، ویسے ہیں، ساری دنیا آپ کی تعریف کرتی ہے، وغیرہ...... تاکہ یہ شخص اپنی تعریف سن کے لٹو ہو جائے، اور پھر میرا کام کردے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ جب کسی سے کوئی چیز طلب کر رہے ہو تو اس کی تعریف مت کرو، کیوں؟ اس لئے کہ جب دوسرے آدمی کی زیادہ تعریف کی جاتی ہے تو اس تعریف کے نتیجے میں وہ بعض اوقات فتنہ کا شکار ہو جاتا ہے، عجب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے خواہ مخواہ آپ نے تعریف کر کے ان فتنوں میں مبتلا کردیا، اس لئے کسی کے منہ پر زیادہ تعریف کرنا غلط ہے، بس جو بات اور جو ضرورت اس سے کہنی ہے وہ کہہ دو کہ مجھے یہ ضرورت ہے، یہ کام ہے، آپ کر سکتے ہیں تو کردیں، آپ کی مہربانی ہوگی، اس سے زیادہ نہ اصرار کرو، اور نہ تعریف کرو،

اور نہ تملق اور چاپلوسی سے کام لو۔

اصرار سے لیا جانے والا مال حلال نہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں یہ تعلیم دی، ظاہر ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم ہے، لہٰذا اس سے وہی سبق ملا جو بار بار آپ حضرات کے سامنے عرض کرتا رہتا ہوں، کہ اپنے کسی عمل سے دوسرے کو تکلیف میں مبتلا نہ کرو، کیونکہ جب زیادہ اصرار سے طلب کرو گے تو وہ بیچارہ مجبور ہو جائے گا، اس کے ذہن پر بوجھ پڑے گا، اس بوجھ کے نتیجے میں وہ آپ کو کچھ دیدے گا، لیکن طیب نفس سے نہیں دے گا، اور طیب نفس سے نہ دینے کی صورت میں اس کا حلال ہونا بھی آپ کے لئے مشکل ہے، اس وجہ سے اپنی کسی حاجت کو دوسرے سے مانگنے میں اصرار کرنا جائز نہیں، اور اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے اس حدیث کے مقتضی پر عمل کرنے کی توفیق فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات مکمل

جلد (۱۱)

جلد (۱۲)

جلد (۱۳)

جلد (۱۴)

جلد (۱۵)

اصلاحی خطبات

جلد ۱۹

- توہین رسالت اسباب اور سدِّ باب
- موسیقی اور ٹی وی چینلز کا فساد
- ماحولیاتی آلودگی اور اس کے اسباب
- دینی مدارس کیا ہیں؟
- مسلمانانِ عالم کی پستی کے دو سبب
- طلباء دورۂ حدیث سے الوداعی نصیحتیں
- قرآن کریم کی تعلیم عظیم خدمت ہے
- دین کی دعوت دینے کا طریقہ
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم
- زبان اور رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں
- دار العلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب
- اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

جلد/19

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مفتی محمد عبداللہ میمن
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

تاریخ اشاعت : 2015ء

باہتمام : محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497

کمپوزنگ : خلیل اللہ

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز

جلد : 19

قیمت : =/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی۔
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد نمبر : 19

فہرستِ مضامین

(تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان | صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

توہین رسالت

اسباب اور سدباب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد انور حسین

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توہین رسالت

اسباب اور سدّ باب

مغربی ممالک کی طرف سے توہین رسالت کا ناپاک سلسلہ ۲۰۰۶ء سے شروع ہوا تھا، جب سے اب تک یہ مکروہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے، اس موضوع پر جن حضرات کو حق تعالیٰ نے قابل قدر خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا نام نامی سرفہرست ہے، حضرت والا مدظلہم کے تحریری وتقریری ارشادات کا خلاصہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل مولانا محمد انور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے۔ جو ہدیہ قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ..............................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

مذاکرہ کی غرض وغایت

حضرات علمائے کرام اور قابل احترام سامعین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و

برکاتہ۔ سید الاولین والآخرین سرکار دو عالم رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے سلسلے میں مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر غور وفکر کرنے اور ان کے مطابق اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے آج یہ مبارک مذاکرہ منعقد ہوا ہے۔

حالات کا پس منظر

حالات کے جس پس منظر میں یہ مبارک مناظرہ منعقد ہوا ہے، اس سے ہر مسلمان واقف ہے، اور اس وقت پورے عالم اسلام میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پوری مسلم دنیا میں ان دریدہ دہن اور بد باطن افراد کی حرکت کے خلاف اضطراب، غم وغصہ اور احتجاج کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہے، جنہوں نے محسن انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اپنی اس شرمناک حرکت پر کسی ندامت کا اظہار کرنے کے بجائے اور اس پر معافی مانگنے کے بجائے اپنی اس حرکت کے جواز میں مختلف حیلے بہانے تراشے جارہے ہیں، کہا جارہا ہے کہ ان بد باطن افراد کے خلاف کوئی کارروائی آزادیٔ اظہار رائے کے اصولوں کے خلاف ہے۔

اہل مغرب کی مکاری

اہل مغرب کا ایک عرصہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے کچھ خوبصورت الفاظ گھڑ لئے ہیں، اور ان کو اپنی زندگی کا محور قرار دے کر دنیا بھر میں اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، یہ الفاظ ایسے ڈھیلے ڈھالے ہیں کہ ان الفاظ میں وہ جس معنی کو چاہیں داخل کر دیں، اور جس معنی کو چاہیں نکال دیں۔ جمہوریت، انسانی حقوق اور پرامن بقائے باہمی، یہ سارے ایسے الفاظ ہیں جن کا دن رات راگ الاپا جاتا ہے، لیکن اگر ان کی تہہ میں عملی کارروائیوں کو دیکھا جائے تو سوائے اس کے اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ سے جب تک ان کے سیاسی اور ذاتی مفادات کو برتری و تقدم حاصل ہو، اس وقت تک تو ان کا تحفظ و احترام لازمی ہے، لیکن جب انہی الفاظ سے ان کا کوئی ذاتی مفاد ٹکرا جائے تو نہ آزادیٔ اظہار رائے باقی رہتی ہے، نہ انسانی حقوق اور نہ پرامن بقائے باہمی۔

آزادیٔ اظہار رائے کا مقصد

ہم جانتے ہیں کہ مغرب نے یہ خوبصورت الفاظ دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے گھڑے ہوئے ہیں، یہ آزادیٔ اظہار رائے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، اور جس کے پردے میں وہ شرمناک گستاخی کی جا رہی ہے، جسکے مقابل اس روئے زمین پر کسی اور گستاخی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس آزادیٔ اظہار رائے کا حال یہ ہے کہ یورپ اور دیگر متعدد ممالک میں یہ قانون نافذ ہے کہ یہودیوں کے ''ہولوکاسٹ'' کے خلاف اگر کوئی تاریخی تحقیق بھی کرنا چاہے تو اسے اس کی اجازت نہیں ہے، اور

قانون اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ان حالات کی کھوج کرید میں پڑے کہ یہودیوں کو جرمنی سے جب نکالا گیا تھا تو کتنے افراد واقعۃً قتل ہوئے تھے، اور کتنے قتل نہیں ہوئے تھے، اگر کوئی شخص علمی بنیاد پر یہ تاریخ تحقیق کرنا چاہے تو یہ قانوناً جرم ہے، پھر بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ہر کسی کو اظہار رائے کی آزادی ہے۔

درس عبرت

مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ آج سے چند سال پہلے جب پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، تو ان کی طرف سے پوری مغربی دنیا میں یہ فریاد کی جارہی تھی کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے، پاکستان میں آزادی اظہار رائے پر پابندی عائد کی جارہی ہے، ان ہی دنوں میں ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ مغرب کے وقت گھر کی گھنٹی بجی، باہر نکل کر دیکھا تو ہمارے پاکستان کے وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر پیرس سے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر کو لے کر تشریف لائے ہیں اور عجیب بات یہ تھی کسی سابقہ اجازت کے بغیر یہ حضرات تشریف لائے، اور مجھ سے کہا کہ ہم آپ کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کس موضوع پر آپ انٹرویو لینا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ مجھے پیرس سے اس مشن پر بھیجا گیا ہے کہ میں جنوبی ایشیا کے لوگوں کا سروے کروں کہ ان کے ذہنوں میں آزادیٔ اظہار رائے کا کیا تصور ہے؟ اور آزادیٔ اظہار رائے کے بارے میں وہ کیا موقف رکھتے ہیں؟ انہوں نے پہلے مجھ سے معذرت کی کہ ہم آپ سے Appointment لئے بغیر آگئے، مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ بہت مختصر وقت کے لئے آئے ہیں، اسی لئے وہ پہلے

سے Appointment بھی نہیں لے سکے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہنے لگے میں کل کراچی پہنچا ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ اب آگے آپ کا کیا پروگرام ہے؟ تو کہنے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے، اور دو دن وہاں رہ کے پھر میں نئی دہلی جاؤں گا، وہاں سے کوالالمپور جانا ہے۔

میں نے پوچھا کل کتنے دنوں کا دورہ ہے؟ کہنے لگے کہ ایک ہفتہ میں یہ دورہ مکمل ہو جائے گا، میں نے کہا کہ کراچی میں جو آپ کل سے اب تک رہے، تو ذرا یہ فرمائیے کہ کتنے لوگوں کا انٹرویو آپ نے لیا؟ کہنے لگے کہ پانچ آدمیوں کا انٹرویو لے چکا ہوں، چھٹے آپ ہیں، میں نے کہا کہ ان چھ آدمیوں کا انٹرویوں لے کر آپ نے پورے کراچی کا سروے مکمل کر لیا، اور کل جو آپ اسلام آباد جا رہے ہیں تو ایک دن یا دو دن رہ کر پانچ چھ آدمیوں کا انٹرویو لے کر وہاں کا سروے مکمل کر لیں گے، اور اس کے بعد پھر دہلی اور کوالالمپور جائیں گے، اور ایک ہفتے کے اندر یہ سروے مکمل کر کے آپ اپنی رپورٹ Submit کر دیں گے، تو یہ فرمائیے کہ یہ سروے کیا واقعی کوئی سنجیدہ سروے ہے جو اتنی مختصر مدت میں کیا جا رہا ہے؟

کہنے لگے کہ میں مجبور ہوں، مجھے اتنا ہی وقت دیا گیا ہے، اور وقت کی کمی کے باعث میں اس سے زیادہ لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکتا، اس لئے انہی افراد سے انٹرویو کر کے میں اپنا سروے مکمل کر دوں گا، میں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس اتنا ہی کم وقت تھا کہ آپ پانچ چھ افراد سے زیادہ کسی سے ملاقات نہیں کر سکتے تھے، تو آپ کو کس نے مشورہ دیا تھا کہ سروے کریں، اگر سروے کرنا ہی تھا تو اس کے

لئے وقت نکالتے، لیکن اگر آپ تھوڑے سے وقت میں چند افراد کی بات سن کر پورے جنوبی ایشیا کی طرف ایک نقطۂ نظر منسوب کرنے والے ہیں تو معاف کیجئے اس غیر سنجیدہ سروے میں، میں پارٹی بننے کو تیار نہیں، لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آپ میرے مہمان ہیں، بیشک چائے پیجئے، میں آپ کی خاطر تواضع کروں گا، لیکن جہاں تک انٹرویو کا تعلق ہے تو میں آپ کو کوئی انٹرویو نہیں دوں گا۔

ہمارے ملک کی وزارت خارجہ کے افسر جوان کے ساتھ تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ جناب دیکھئے یہ صاحب بہت دور سے آئے ہیں، کم از کم کچھ تو آپ ان کی رعایت کر لیجئے، میں نے کہا کہ مہمان کی حیثیت سے رعایت یہ ہے کہ میرے پاس چائے پیئیں، لیکن جہاں تک معاملے کی بات ہے تو میں ایسے غیر سنجیدہ سروے میں حصہ لینے کو تیار نہیں ہوں، جس کا مقصد دنیا کو دھوکہ دینا ہو، جنوبی ایشیا کے چند افراد کا انٹرویو کر کے سارے جنوبی ایشیا کے سر پر ایک مؤقف تھوپ دینا ہو، یہ بالکل غلط طرز عمل ہے، آپ مجھے بتائیں کہ کیا میری بات غلط ہے؟ مجھے سمجھا دیں کہ اتنے دنوں میں سروے ہوسکتا ہے؟ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن میں آپ سے محض التماس کرتا ہوں کہ میں بہت دور سے آیا ہوں، کچھ تو میری باتوں کا جواب دیدیں، میں نے کہا کہ میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا، چونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے آخر کار وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

آزادی اظہار رائے کیا ایبسلوٹ ہے؟

پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک سوال آپ سے کرلوں؟ وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے سوال کرنے آیا تھا، آپ الٹا مجھ سے سوال کرنے لگے، میں نے کہا کہ میں تو آپ سے اجازت مانگ رہا ہوں، اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کروں گا اور اگر اجازت نہیں دیں گے تو سوال نہیں کروں گا، انہوں نے کہا: اچھا کہیے۔

میں نے کہا کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ آزادیٔ اظہار رائے کے بارے میں ایک تحقیق کرنے نکلے ہیں، اور آپ کے ادارے نے اس آزادیٔ اظہار رائے کو اپنا Moto بنایا ہوا ہے، آپ یہ بتایئے کہ آپ کے خیال میں آزادیٔ اظہار رائے بالکل ایبسلوٹ (Absolute) ہے، اس کے اوپر کوئی شرط، کوئی قید، کوئی پابندی نہیں؟ یا یہ کہ اسکے اوپر کوئی شرط اور پابندی عائد ہوتی ہے؟ کہنے لگے کہ میں مطلب نہیں سمجھا۔

میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص یہ کہے کہ جتنے بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں، ان سب نے قوم کی دولت کو لوٹا ہے، لہٰذا میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان سرمایہ داروں کی تجوریوں پر، ان کے خزانوں پر، ان کے بینک بیلنس پر ڈاکے ڈالیں، اور پیسے اکٹھے کر کے غریبوں کی مدد کریں، تو بتایئے کہ کیا اس بات کی آپ اجازت دینگے؟ آپ اس ایکسپریشن (Expression) کی فریڈم (Freedom) کے بھی قائل ہیں کہ اس کی بھی آزادی ملنی چاہیے کہ لوگ ڈاکے ڈالنے کی دعوت دیدیں، جب کہ مقصد ان کا نیک ہو کہ غریبوں کی امداد کی جائے؟ کہنے لگے نہیں،

اس کی اجازت نہیں ہو سکتی، میں نے کہا کہ اگر اس کی اجازت نہیں ہو سکتی تو مطلب یہ ہے کہ فریڈم آف ایکسپریشن (Freedom of expression) یہ بالکل ایبسلوٹ (Absolute) چیز نہیں ہے، مطلق چیز نہیں ہے کہ اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہ ہو، کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو پابندیاں عائد ہوں گی۔

میں نے کہا کہ بتایئے وہ پابندیاں کیا ہیں؟ اور کون مقرر کرے گا؟ کس کے پاس یہ اتھارٹی (Authority) ہے کہ وہ یہ پابندیاں عائد کرے کہ فریڈم آف ایکسپریشن (Freedom of expression) پر یہ پابندی ہونی چاہیے، اور یہ پابندی نہیں ہونی چاہیے؟ اگر آپ کے ادارے نے اس کے بارے میں کوئی تحقیق کی ہو تو براہ کرم مجھے اس سے مطلع فرمائیں، کہنے لگے کہ اس سے پہلے ہم نے اس موضوع پر سوچا نہیں ہے، اور اگر ہمارے ادارے میں اس پر کوئی کام ہوا ہوگا تو ہم آپ کو اس سے مطلع کریں گے، میں نے کہا کہ آپ ضرور مطلع کریں، لیکن میں آپ سے یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب زندگی بھر نہیں دے سکتے کہ آخر آزادیٔ اظہار رائے پر پابندی کس قسم کی ہو سکتی ہے، اور کون سی اتھارٹی ہے جو یہ طے کرے کہ کون سی پابندی معقول اور جائز ہے، اور کون سے پابندی ناجائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آج انسانوں کا ایک گروہ یہ کہے گا کہ فلاں پابندی ہونی چاہیے، اور دوسرا گروہ کہے گا کہ فلاں پابندی ہونی چاہیے، اور متفقہ بنیاد انسانوں کے درمیان فراہم ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

اس کا تو ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ جس ذات نے اظہار رائے کی

طاقت انسان کی زبان کو اور قلم کو عطا کی ہے، اسی ذات سے پوچھا جائے کہ کون سی آزادی اے اللہ! تیرے نزدیک جائز ہے، اور کون سی آزادیٔ اظہار رائے تیرے نزدیک ناجائز ہے، جب تک اللہ جل جلالہ کے آگے سر نہیں جھکایا جائے گا، اور اللہ جل جلالہ کے پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر نہیں رکھا جائے گا، تو کوئی بھی شخص اس کا معیار اور اس کی کوئی بنیاد فراہم نہیں کر سکتا، چنانچہ آج اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں، وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، آج تک پلٹ کر انہوں نے اس سوال کا جواب دینے کی یا اس کے بارے میں کوئی وضاحت کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی، اس لئے کہ ان کے پاس کوئی جواب تھا ہی نہیں۔ بہرحال! یہ سارے الفاظ یعنی آزادیٔ اظہار رائے، پرامن بقائے باہمی اور انسانی حقوق وغیرہ یہ اس وقت تک ہیں، جب تک یہ الفاظ ان کے اپنے مفادات کو سرو کر رہے ہوں۔

وہی انسانی حقوق کے علم بردار جب افغانستان اور عراق پر بمباری کرتے ہیں، بے گناہ بچوں اور عورتوں کو شہید کرتے ہیں، تو اس وقت کوئی انسانی حقوق کی بات ان کے دماغ میں نہیں آتی، اور وہی لوگ جو آزادیٔ اظہار رائے اور انسان کی آزادی کے قائل تھے آج یہ قانون بنا رہے ہیں کہ جس پر چاہو حملہ کر دو، جب چاہو حملہ کر دو، جس سرحد کو چاہو پار کر لو، ان الفاظوں کے ذریعے آخر کب تک انسانیت کو دھوکا دیا جائے گا۔

نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم تو یہ ہے کہ

دریدہ دہن ہزار بدزبانیاں کیا کریں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال میں ان کی بدباطنی سے ایک حبہ برابر کوئی کمی نہیں آتی، جب تک اس کائنات کے اوپر اللہ جل جلالہ کی حکمرانی قائم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وتقدیس کے گیت گائے جاتے رہیں گے، اللہ جل جلالہ نے خود قرآن کریم میں فرمادیا ہے:

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (الحجر: ۹۵)

''جو لوگ تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں ہم تمہارے لئے ان کی سازشوں کے خلاف کافی ہیں''

قرآن کریم نے خود فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح: ٤)

''ہم نے آپ کے تذکرے کو بلند مقام عطا کیا ہے''

لہٰذا یہ ہزار بدباطنیاں کیا کریں، لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

ہاں! ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ جب کبھی ایسی گستاخی کی جائے تو اس پر مسلمان اپنے ردعمل کا اظہار کریں، اور اس کا اصل ردعمل تو وہ ہے جو ہماری تاریخ میں غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کر کے دکھایا، اور ہماری تاریخ غازی علم دین شہید جیسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن ہم یہاں دور بیٹھ کر کیا کر سکتے ہیں، اس کے بارے میں الحمد للہ اس مذاکرے کے اندر بہت سی تجاویز

آپ حضرات کے سامنے آئی ہیں، ہمیں قومی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اس بد باطنی کے خلاف احتجاج کو قوت کے ساتھ جاری رکھنا ہے، اور یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ مغربی طاقتیں۔ ٹھیٹھ لفظوں میں اگر میں لفظ استعمال کروں۔ تو ہماری اردو زبان کا محاورہ ہے کہ ''یہ لوگ جوتے کے آشنا ہیں'' یعنی ان کے اوپر دباؤ ڈالنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، اور جس دن ان کو اپنی تجارت میں خسارہ نظر آئے گا اس دن ان کے آزادئ اظہار رائے کے سارے خواب بکھر جائیں گے۔

اس لئے مسلمانوں سے ہمیں اس مذاکرے کے ذریعے یہ اپیل کرنی چاہیے کہ حکومت بائیکاٹ کرے یا نہ کرے، لیکن مسلمان اس بات کا تہیہ اور عہد کریں کہ جن ملکوں میں یہ گستاخی کی گئی ہے، ان ممالک کی مصنوعات کی خرید و فروخت ہم بند کر دیں، جو امپورٹر ہیں وہ امپورٹ کرنا بند کر دیں، جو تاجر ہیں، وہ ان کی مصنوعات کو فروخت کرنا بند کر دیں، اور جو صارفین ہیں وہ ان کو خریدنا بند کر دیں۔

جس وقت یہ مسئلہ پاکستان میں اتنی شدت سے نہیں اٹھا تھا، لیکن بہت سے عرب ممالک میں اٹھ چکا تھا، میں اس وقت سعودی عرب میں تھا، اور یہ منظر میری آنکھوں نے دیکھا کہ حکومت کی طرف سے کوئی باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا کہ عوام ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، لیکن وہاں کی بڑی بڑی سپر مارکیٹوں نے اپنے ہاں یہ بورڈ لگائے ہوئے تھے کہ ہمارے ہاں کوئی شخص ڈنمارک کی کوئی چیز خریدنے کے لئے نہ آئے اور صرف یہ ہی نہیں کہ جتنا اسٹاک پہلے سے موجود ہے

پہلے وہ بیچ دیں، اور اس کے بعد پھر بائیکاٹ کریں، بلکہ ان کی الماریوں کے شیلف خالی پڑے ہوئے تھے، وہاں پر لکھا ہوا تھا کہ ڈنمارک کی مصنوعات اس جگہ ہوا کرتی تھیں، ہم نے سب نکال کر باہر پھینک دی ہیں، عوام نے یہ سلسلہ شروع کیا، اور جب اس معمولی پیمانے پر چند ملکوں میں یہ کام ہوا تو آپ نے دیکھا کہ کچھ نہ کچھ حرکت شروع ہوگئی، اور یہ کہا گیا کہ ہماری مصنوعات کا بائیکاٹ ہو رہا ہے ہمیں نقصان پہنچ رہا ہے۔

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری محبت کا سب سے پہلا اور ادنیٰ ثبوت کم از کم یہ تو ہو کہ اگر ہم پہلے ڈنمارک کا مکھن کھایا کرتے تھے تو وہ کھانا بند کردیں، کیا ہمیں وہ مکھن زیادہ عزیز ہے یا جناب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت زیادہ عزیز ہے؟ اگر ہم ان کی دیگر مصنوعات استعمال کیا کرتے تھے تو ان کا استعمال بند کردیں، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ان مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

بین الاقوامی سطح پر حکومت کا یہ فریضہ ہے اور صدر مملکت سے ہماری جو ملاقات ہوئی، اس میں بھی ہم نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ایسا بین الاقوامی قانون منظور کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

الحمد للہ! مسلمانوں کے نزدیک نہ صرف سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں۔ یہ قرآن کریم کا اعلان ہے :

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة: ۲۸۵)

''ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے''

لہٰذا کسی بھی نبی کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی، چاہے وہ زبانی ہو، تحریری ہو، تصویر کی شکل میں ہو، اسکیچ کی شکل میں ہو، یا کسی بھی شکل میں ہو، اس کو سخت ترین سزا کا مستوجب قرار دیا جائے اور جب تک یہ نہیں ہوتا مسلمانوں کو اپنا احتجاج جاری رکھنا چاہیے۔

بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ بھئی کب تک احتجاج کرتے رہو گے؟ ارے ہم اس وقت تک احتجاج کرتے رہیں گے جب تک نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کو مکمل تحفظ نہیں دیا جاتا، اس واسطے جب تک یہ احتجاج جاری نہیں رہے گا، اس وقت تک مغربی دنیا پر دباؤ نہیں پڑے گا، لہٰذا بین الاقوامی سطح پر اگر آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ مؤثر اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک یہ احتجاج جاری نہیں رہے گا۔

احتجاج کی شرعی حدود

ہاں! یہ ضرور ہے کہ احتجاج کے لئے بھی جس طرح نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے، وہاں آپ کی اطاعت بھی ایک مسلمان کا شیوہ ہونی چاہیے، اس احتجاج میں اگر کسی بے گناہ کی جان جاتی ہے، یا کسی بے گناہ کے مال کو لوٹا جاتا ہے، یا اس کو آگ لگائی جاتی ہے، تو اس کا جواز نہ اسلام میں ہے، نہ اخلاقی اعتبار سے اس کا کوئی جواز ہے، اور یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

کے خطبہ کے موقع پر یہ اعلان فرمایا :

أَلَا إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا

''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے اوپر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے، اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے''

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور طواف کرتے کرتے آپ نے کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے بیت اللہ! تیری عظمت اور تیری تقدیس کتنی بڑی ہے۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنے، آپ نے دو تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے کہ اے بیت اللہ! تیری عظمت اور تیری تقدیس کتنی بڑی ہے، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے بیت اللہ! تیری عظمت بہت بڑی ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کی عظمت اور جس کی تقدیس تجھ سے بھی زیادہ ہے، پھر فرمایا کہ وہ ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، اس کی حرمت اور تقدیس ہے، یہ کعبہ سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کی جان پر، یا اس کے مال پر، یا اسکی آبرو پر حملہ کرتا ہے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اس سے بھی بڑا مجرم ہے جو کعبے کو۔ معاذ اللہ۔

ڈھانے کا ارتکاب کرے، اس سے مکمل اجتناب اور پرہیز کرتے ہوئے ہمیں عوامی طور پر یہ احتجاج جاری رکھنا چاہیے، اور گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہیے، اور بین الاقوامی سطح پر اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کسی طرح ساری دنیا میں اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ادنیٰ توہین قابل تعزیر اور سخت ترین سزا کی مستوجب قرار پائے۔

بہرحال! ان گستاخانہ خاکوں کے ضمن میں یہ تین طرح کے اقدامات کی تجاویز پیش خدمت ہیں، جن میں سیاسی، معاشی اور تبلیغی سطح پر جدوجہد کرنی شامل ہے۔

(۱)...سیاسی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری حکومت ڈنمارک کے سفیر کو نکال دے، اور اپنے سفیر کو بلالے، اگر اس طرح تمام مسلم ممالک کریں، تو اس کا خاطرخواہ اثر پڑسکتا ہے۔

(۲)...معاشی سطح پر ان ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، جن میں گستاخانہ خاکے شائع ہوئے ہیں اور فلم بنائی گئی ہے، کیونکہ ڈنمارک حکومت نے نیم دلانہ قسم کے اقدامات کیے ہیں، اس گستاخ پر مقدمہ نہیں چلایا۔

(۳)...تبلیغی سطح پر یہ معاملہ میڈیا پر لانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یورپ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جن کو ان معاملات کی سرے سے معلومات ہی نہیں ہوتیں، وہ معاشی مصروفیات میں سارا دن گزار دیتے ہیں، آج دنیا میں تعلیم و تبلیغ کا وسیع ذریعہ میڈیا ہے، ہم تبلیغی معاملے پر احساس جرم کا اعتراف کرتے ہیں، اسلام کو صحیح طور پر پیش کرنے میں ہم نے مجرمانہ کوتاہی سے کام لیا ہے۔ اللہ جل جلالہ

اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کا وہ حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ جل جلالہ کی رضا کے مطابق ہو۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

زبان اور رنگ و نسل کی بنیاد پر

کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی وکیل احمد

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	ناظم آباد پیٹرول پمپ، عیدگاہ میدان، کراچی۔
تاریخ خطاب	:	یکم شوال ۱۴۳۲ھ
وقت خطاب	:	قبل از نماز عید
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

زبان اور رنگ و نسل کی بنیاد پر

کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

ناظم آباد کراچی کی وسیع و عریض عیدگاہ میں طویل عرصے سے نماز عید کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے متعلق ہے، جہاں بہت بڑی تعداد میں لوگ نماز عید ادا کرتے ہیں، اس دفعہ عید الفطر ۱۴۳۲ھ کے اس عظیم اجتماع سے آپ نے جو خطاب فرمایا، اس میں آپ نے رمضان المبارک میں پیش آنے والے قتل و غارت گری کے المناک واقعات کے تناظر میں بڑی دلسوزی کے ساتھ مسلمانوں کو باہمی منافرت سے بچنے اور الفت و محبت کیساتھ رہنے کی مؤثر تلقین فرمائی اور قرآن و سنت کی روشنی میں جان، مال اور عزت و آبرو کی حرمت و حفاظت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت والا دامت برکاتہم کا حکمت و بصیرت اور سوز دروں سے معمور یہ خطاب ہر کلمہ گو مسلمان تک پہنچنا چاہیے۔ چنانچہ مولوی وکیل احمد صاحب اس خطاب کو ضبط تحریر میں لے آئے، قارئین کے استفادہ کیلئے یہ خطاب شائع کیا جارہا ہے...... بشکریہ البلاغ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَ

لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٭ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ٭ (البقرة: ۱۸۵) آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمِ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عید کو ہم سب کے لئے، پورے ملک وملت کے لئے، عالم اسلام کے لئے اور پوری امت اسلامیہ کے لئے برکتوں اور رحمتوں کی عید بنائے، آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پر اللہ جلالہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں رمضان کا مقدس مہینہ عطا فرمایا اور اس مہینے میں اپنے فضل وکرم سے روزے رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی اور قرآن کریم کی تلاوت کی توفیق عطا فرمائی۔

انعام کی رات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عید کا یہ دن رمضان کی عبادتوں کے انعام کی طور پر مقرر فرمایا ہے، عید کی جو رات گزری ہے، اسے حدیث میں ”لَيْلَةُ الْجَائِزَةِ“ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ انعام کی رات ہے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کی اتباع میں رمضان میں جو عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اس رات میں مؤمنوں کو انعام عطا فرماتے ہیں۔

محنت کا صلہ

مسلمان جب عید گاہ میں عید کی نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اگر کسی مزدور نے اپنا کام پورا کر لیا ہو تو اس کا کیا انعام ہونا چاہیے؟ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ یا اللہ! جس مزدور نے اپنی محنت پوری کر لی، اپنا کام پورا کر لیا، اس کا صلہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی پوری پوری اجرت اس کو ادا کی جائے، اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عید گاہ کے اندر جو مسلمان جمع ہیں، ان کے ذمہ میں نے جو عبادت فرض کی تھی، انہوں نے وہ عبادت مکمل طور پر ادا کر دی، اور آج یہاں اس میدان عید میں میرے پاس جمع ہوئے ہیں، اور مجھ سے دعائیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں، میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ آج ان سب کی دعائیں قبول کروں گا، اور جب یہ عید گاہ سے واپس جائیں گے تو اس طرح جائیں گے کہ ان سب کی مغفرت ہو چکی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی سیئات یعنی خطاؤں کو بھی میں اچھائیوں سے بدل دوں گا، اور جب یہاں سے واپس جائیں گے، تو ان کی مغفرت ہو چکی ہو گی، اتنی عظیم بشارت ہے، اتنا عظیم انعام ہے، جو اللہ جل جلالہ

عید کے موقع پر اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان کی عبادات مکمل کرانے کے بعد اپنی ساری نااہلیوں کے باوجود، اپنی ساری خطاؤں کے باوجود ہمیں اپنی بارگاہ میں اپنی رحمت کے مناسب انعام لینے کے لئے جمع کیا، ہم اپنی ذات میں کسی انعام کے مستحق نہیں ہیں، ہم کیا، ہماری عبادتیں کیا، ہمارے روزے کیا، ہماری تراویح کیا، ہمارا ذکر و تسبیح کیا، لیکن یہ ان کی رحمت ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے فرماتے ہیں کہ میں اس کی سیئات کو بھی حسنات یعنی نیکیوں میں تبدیل کر دوں گا۔

عمل میں کوتاہی بھی نیکی سے بدل دیجائے گی

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں سیئات سے مراد گناہ بھی ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ روزے رکھنے میں تراویح پڑھنے میں، قرآن کریم کی تلاوت میں جو کوتاہیاں ہوئیں، جو غلطیاں ہوئیں، جو حق تلفیاں ہوئیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان ساری حق تلفیوں کو معاف فرما کر ان کو حسنات یعنی نیکیوں کے دائرے میں لکھ دیں گے ''یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَاتٍ'' تو عید کا دن ہمارے لئے بڑی ہی خوشی کا، بڑی ہی سعادت کا اور بڑی ہی خوش نصیبی کا دن ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں انعام عطا کرنے کیلئے عیدگاہ میں جمع فرماتے ہیں۔

اس موقع پر دو تین باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ اور اس کے بعد عید کا دن ہمیں اس لئے عطا فرمایا ہے کہ سال کے گیارہ مہینوں میں ہم نے اپنے وجود میں جو گندگیاں جمع کی تھیں، اللہ

تبارک وتعالیٰ رمضان کی اس بھٹی سے گزار کران گندگیوں کو صاف فرماتے ہیں، اور عید کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرما کر کہ ان سب کی مغفرت کر کے واپس بھیجوں گا ہمیں اس طرح بنا دیتے ہیں جیسے ہم آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔

اپنے صاف ستھرے وجود پر گناہوں کا داغ نہ لگنے دیں

اللہ تعالیٰ بندوں کو اس طرح بنا دیتے ہیں جیسے ایک میلا کپڑا کسی دھوبی کے پاس جانے کے بعد پاک صاف اور ستھرا، چٹا ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ عید کے دن مسلمانوں کو پاک صاف اور چٹا بنا دیتے ہیں، اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کپڑا جتنا صاف ہو، جتنا دھلا ہوا ہو، جتنا چمکدار ہو، اس پر اگر ایک بھی داغ لگ جائے تو وہ اتنا ہی برا لگتا ہے۔ اگر ایک کپڑا میلا ہے، جس پر دس ہزار داغ لگے ہوئے ہیں، اس پر اگر ایک داغ اور لگ جائے تو وہ اتنا برا نہیں لگے گا، لیکن اگر کپڑا ایسا ہے جو ابھی دھل کر آیا ہے، اور نیا اور صاف اور چٹا کپڑا ہے، اس کے اوپر اگر ایک چھوٹا سا داغ بھی لگ جائے گا تو وہ داغ بہت برا لگے گا۔

”عید“ کا دن زندگی کے ایک نئے موڑ کا دن

ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو آج ہماری ایک نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے، اس لئے ہمیں اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس پاک صاف اور سفید چٹے وجود کے اوپر گناہوں کے داغ نہ لگیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے داغ نہ لگنے پائیں، اور جس طرح رمضان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر ہم نے اپنا کھانا چھوڑ دیا تھا، پینا چھوڑ دیا تھا، جنسی خواہشات

کو چھوڑ دیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ہمارے لئے کھانا حلال کردیا، پینا حلال کردیا، لیکن جو چیزیں گناہ ہیں، معصیتیں ہیں، ان کو اپنی آنے والی زندگی میں اسی طرح چھوڑیں گے جیسے روزہ کی حالت میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر کھانا، پینا چھوڑ دیا تھا، عید کے دن کا ایک عظیم سبق تو یہ ہوا۔

امت مسلمہ سازشوں کے جال میں پھنسی ہوئی ہے

دوسری بات جو عید کے ماحول میں بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ بڑی دردمندی کے ساتھ میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے رمضان کا مبارک مہینہ عطا فرمایا اور عید کی نماز کے لئے، عیدگاہ کے میدان میں مغفرت کیلئے، دعائیں قبول کرنے کیلئے جمع فرمایا، یہ اس کا فضل وکرم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ ہمارا رمضان اس طرح گزرا ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کا رمضان اور عید ایک ایسی حالت میں آرہی ہے کہ آج ہمارا شہر، ہمارا ملک اور پورا عالم اسلام مسائل کے جال میں پھنسا ہوا ہے، مشکلات کے جال میں پھنسا ہوا ہے، دشمنوں نے ہمارے لئے طرح طرح کی سازشوں کے جو جال تیار کئے ہیں، ان میں خود ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے، اپنی نادانیوں کی وجہ سے، اپنی بے وقوفیوں کی وجہ سے، اپنی حماقتوں کی وجہ سے، اپنی ہوس پرستیوں کی وجہ سے، اپنی مفاد پرستیوں کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رمضان جیسے مقدس مہینے کے اندر بھی وحشت اور بربریت اور درندگی کے ایسے مناظر سامنے آئے ہیں، جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مسلمان نے

مسلمان کو ذبح کیا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں، ناک کان کاٹے ہیں۔

کافروں کا مثلہ بھی حرام ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے خلاف جہاد کے لئے جب کوئی لشکر بھیجتے تھے تو مستقل طور پر یہ ہدایت فرماتے تھے کہ ''لا تقتلوا ولیدا ولا امرأة و لا شیخافانیا و لا تمثلوا و لاتغدروا'' خبردار! کسی بچے کو نہ مارنا، کسی عورت کو قتل مت کرنا، کسی بوڑھے کو قتل مت کرنا، اور اگر کوئی جوان تمہارے مقابلے میں آیا ہوا ہے، اور اس کو قتل کرنے کی نوبت آئے تو کبھی مثلہ نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان کو کاٹنا تمہارے لئے حرام ہے، کافر جو کہ دشمن ہیں، اور تلوار لے کر مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے کے لئے میدان جنگ میں اترے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں بھی حکم یہ تھا کہ ان کا مثلہ نہ کرنا، ان کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، ان کے ناک کان کو نہ کاٹنا، وہ کافر جو مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے، ان کے خلاف جہاد کے دوران بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بیان فرمائی تھی۔

مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے

کافروں کے خلاف جہاد کے دوران تو یہ حکم تھا مگر رمضان کے اس مقدس مہینے میں مسلمان نے مسلمان کا مثلہ کیا، مسلمان نے مسلمان کو ذبح کیا، مسلمان نے مسلمان کو گولیوں سے چھلنی کیا اور اس کا مثلہ کرکے بوریوں میں بند کرکے، اس کی لاشیں پھینکیں، اس پر اگر ہم شرم سے ڈوب مریں تو بھی کم ہے، یہ دشمنوں کی سازش ہے جس کا ہم اس قدر شکار ہوگئے ہیں کہ اس کی برائی بھی دل سے مٹ رہی ہے،

انسانی جان کو مکھی مچھر سے زیادہ بے حقیقت قرار دے دیا گیا ہے، مکھی مچھر کو مارتے ہوئے بھی انسان کو کبھی خیال آجاتا ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، لیکن انسانوں کو قتل کرتے ہوئے، انسانوں کے بچوں کو مارتے ہوئے، ان کی عورتوں کو قتل کرتے ہوئے، مریضوں اور بیماروں کو قتل کرتے ہوئے، بوڑھوں پر حملہ کرتے ہوئے ہماری رگِ حمیت نہیں پھڑکتی، کوئی غیرت نہیں جاگتی، انسانیت کا کوئی خیال دل میں پیدا نہیں ہوتا، اس حالت میں ہم نے یہ رمضان گزارا ہے، اور نہ جانے ہمارے کتنے بھائیوں اور بہنوں کے خاندان اُجڑے ہیں، ان کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے، یہ اس لئے کہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے جو جنگ جو کافر حربی کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے، یہ بہت بڑا اجتماعی گناہ اور بہت بڑا اجتماعی جرم ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے توبہ کی توفیق دے۔

کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں

ہم لوگ نبی کریم سرورِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی، سیاسی، متعصبانہ، رنگ و نسل پر مبنی خیالات اور جذبات کے اندر بہے جا رہے ہیں، نبی کریم سرورِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا تھا، انسانیت کا منشورِ اعظم نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا، اور اس میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ آج جاہلیت کی تمام رسمیں میں نے اپنے پاؤں تلے روندی ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مجمع ہے، اور آپ

اس میں یہ فرمارہے ہیں کہ اے مسلمانو! میری بات غور سے سنو، مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم دوبارہ بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، اللہ نے تمہیں بت پرستی سے نجات دی، توحید کی نعمت عطا فرمائی، اسلام کی دولت بخشی، مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے جانے کے بعد دوبارہ بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، بتوں کے آگے جھکنا شروع کر دو گے، لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خود تمہارے درمیان تلوار چل جائے، اور ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جو لوگ موجود ہیں وہ میری یہ بات سن کر ان تمام مسلمانوں تک پہنچا دیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں کہ آج سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نعروں کو میرے پاؤں تلے روند دیا ہے، اور میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر آپ نے فرمایا کہ آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے، تم سب بھائی بھائی ہو، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہے تو وہ تقوی کی وجہ سے ہے، تم میں سے جو شخص زیادہ تقوی رکھنے والا ہوگا، اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوگا، اللہ کے حکموں پر زیادہ چلنے والا ہوگا، وہ تم میں فضیلت والا ہوگا، لیکن کوئی عربی کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا، کوئی رنگ ونسل والا دوسرے رنگ ونسل والے پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا، یہ فرما کر

آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا'' اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ '' اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ میرا فرض یہ تھا کہ میں ان لوگوں کو آگاہ کردوں تو اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔'' اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ '' اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ ''اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ '' اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ تین مرتبہ آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

عید الاضحیٰ کا خطبہ

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے دن آپ یہ بات ارشاد فرما چکے تھے، آپ نے دوسرا خطبہ اس سے اگلے دن دس ذی الحجہ کو منیٰ میں دیا، اور یہ عید کا دن تھا، عید کے دن یعنی یوم نحر کو عید کا خطبہ تو ہوتا ہے، لیکن کوئی خطبہ الگ سے حج کا نہیں ہوتا، حج کا خطبہ صرف عرفات کے دن ہوتا ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دن رات اپنی امت کی جو فکر سوار تھی، اس کی وجہ سے عید کے دن آپ نے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا، اور دوبارہ جمع کر کے لوگوں سے پوچھا کہ ذرا مجھے بتاؤ! آج کون سا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا'' اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ '' آپ نے فرمایا کہ کیا آج عید کا دن نہیں ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا ہاں؛ آج عید کا دن ہے، آپ نے فرمایا: اچھا یہ جگہ کون سی ہے؟ یہ شہر کون سا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا یہ حدود حرم کا علاقہ ہے (منیٰ حدود حرم میں ہے) فرمایا کہ مہینہ کون سا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا کہ ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں داخل ہے، تو آج یہ دن بھی حرمت والا، یہ جگہ بھی حرمت والی، یہ مہینہ

بھی حرمت والا، آج میں تم سے کھلم کھلا یہ بات کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو اتنی ہی حرمت رکھتی ہے، جتنی حرمت آج کے دن کی ہے، جتنی حرمت آج اس جگہ ''حدود حرم'' کی ہے، جتنی حرمت ذوالحجہ کے اس مہینے کی ہے، لہٰذا خدا کے لئے اس حرمت کو پامال نہ کرنا، کسی کی جان پر، کسی کے مال پر، کسی کی آبرو پر حملہ آور نہ ہونا، پھر آپ نے فرمایا'' **الا فلیبلغ الشاھد الغائب** '' جو لوگ میری یہ بات سن رہے ہیں، وہ میری یہ بات دوسروں تک پہنچا دیں، آخری حج کے موقع پر اتنی تاکید کے ساتھ آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

رنگ ونسل کے فتنے سے بچیں

خطرہ بت پرستی کا نہیں، خطرہ اس بات کا ہے کہ شیطان تمہارے دلوں میں رنگ ونسل کے فتنے پیدا کرے گا، بھائی بھائی سے لڑے گا، اور کہے گا کہ تم فلاں قوم سے تعلق رکھتے ہو، تم فلاں قوم سے تعلق رکھتے ہو، اور ان کے درمیان آپس میں جنگ وجدال پیدا کرے گا، فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اپنی پرستش سے مایوس ہو چکا، اب شیطان کی عبادت یہاں پر نہیں کی جائے گی، لیکن شیطان تمہارے اندر یہ فتنے پیدا کرے گا کہ تم اردو بولنے والے ہو، تم پشتو بولنے والے ہو، تم سندھی بولنے والے ہو، تم بلوچی بولنے والے ہو، لہٰذا ان کے درمیان آپس میں رنجشیں پیدا کر کے شیطان آپس میں لڑائی پیدا کرے گا۔

ایک مسلمان کی جان کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روایت فرماتے

ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، اسی دوران سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے گھر! اے بیت اللہ! ''ما اکرمك، ما اعظم حرمتك او کما قال علیه الصلوٰة والسلام ''اے بیت اللہ! تو کتنا مقدس ہے، اے بیت اللہ! تیری عزت اور عظمت کتنی بڑی ہے، دو تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں سن رہا تھا کہ آپ بیت اللہ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ تیری عزت بہت بڑی ہے، تیرا تقدس بہت بڑا ہے، تیری عظمت بہت بڑی ہے، لیکن ساتھ ہی پھر فرمایا: ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت، جس کا تقدس، جس کی عزت، اے بیت اللہ! تجھ سے بھی زیادہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ اس کائنات میں کون سی چیز ایسی ہوگی جس کی حرمت اور تقدس بیت اللہ سے بھی زیادہ ہو، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ایک چیز ایسی ہے جس کی عزت، حرمت، تقدس بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے، اور وہ ایک مسلمان کی جان ہے، اس کا مال، اس کی آبرو ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر، اس کے مال پر، اس کی آبرو پر ناحق حملہ کرتا ہے تو وہ اس شخص سے زیادہ بد بخت ہے، زیادہ گناہ گار اور زیادہ مجرم ہے جو معاذ اللہ بیت اللہ کو ڈھانے کی کوشش کرتا ہے۔

ہر مسلمان بیت اللہ کا محافظ ہے

ذرا سوچیں تو سہی آج اگر کسی مسلمان کے سامنے خدانہ کرے یہ بات آئے

کہ کوئی بد بخت بیت اللہ کی طرف بُری نگاہ سے دیکھ رہا ہے، اور اس کو خدا نہ کرے منہدم کرنے کی فکر میں ہے تو کیا کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، اسے برداشت کرے گا؟ وہ اپنی جان قربان کر دے گا، اپنی اولاد کو قربان کر دے گا، لیکن بیت اللہ کی حرمت پر حرف نہیں آنے دے گا۔

دردمندانہ نصیحت

میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا واسطہ دے کر جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (النساء:۹۳)" یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا واسطہ دے کر آپ سے انتہائی دردمندی کے ساتھ، انتہائی دلسوزی کے ساتھ یہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے دشمنوں کی سازشوں سے باخبر رہیں، اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے

جو لوگ مسلمانوں کے درمیان نسلی اور لسانی تعصبات کو ہوا دے رہے ہیں، ان کی بات پر کسی وقت کان نہ دھریں، اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، خواہ وہ کوئی بھی زبان بولنے والا ہو، کسی بھی جگہ کا رہنے والا ہو، کوئی بھی رنگ و نسل رکھتا ہو، سب اللہ کے بندے ہیں، سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، مسلمان تو درکنار ہمارے معاشرے میں جو غیر مسلم امن کے ساتھ رہتے ہیں، اسلام نے ان کی جان کو بھی حرمت عطا کی ہے، ان کو

مارنا، اور انکو قتل کرنا بھی حرام قرار دیا ہے، مسلمانوں کا معاملہ تو اور زیادہ سخت ہے۔

ایک نئی زندگی کا آغاز کیجئے

خدا کے لئے ہوش میں آیئے، اس سے سوائے دشمن طاقتوں کے اور کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا، رمضان گزارنے کے بعد ہم عید کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے جمع ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، اپنے گناہوں سے مغفرت مانگنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، یوں سمجھیں آج ہماری ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، آج ہم ایک نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں، آج یہاں جتنے لوگ موجود ہیں، ان میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کا تعلق مختلف گروہوں سے، مختلف جماعتوں سے، اور مختلف انجمنوں سے ہوگا، ان کا اپنا اپنا حلقہ اثر ورسوخ ہوگا، میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ میدان عیدگاہ سے یہ عہد کر کے اٹھیں کہ جو دشمن مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا رہے ہیں، ہم ان کی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، اور جس دن مسلمانوں نے یہ عزم کر لیا کہ ہم ان دشمنوں کی سازشوں کا حصہ نہیں بنیں گے، یقین رکھئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد آئے گی "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (سورہ محمد: ۷) "اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جما دے گا۔ تمام لوگوں کی جانیں بے مقصد جا رہی ہیں، محض دشمنیوں میں جا رہی ہیں، لیکن اگر کوئی جان اللہ کے حکم کو نافذ کرنے میں چلی جائے تو وہ جان درحقیقت بڑی قیمتی جان ہے۔

امن وامان کی فضا پیدا کیجئے

میرے بھائیو اور دوستو! آج میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ اللہ کے نام پر یہ عہد کرلیں کہ ان باہمی نفرتوں کو ختم کریں گے، ان کے اسباب کا ازالہ کریں گے، اور امن وامان کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، اور جو لوگ اس امن و امان کی فضا کو خراب کرنا چاہتے ہیں، انکے ساتھ کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

"وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوْزَنُ"

بنی آدم کے اعمال بھی اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں بھی قیامت کے دن میزان عمل کے اندر تولی جائیں گی، اور سب کا وزن ہوگا۔

موجودہ پرآشوب دور میں

علماء کی ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی عبدالتواب
مولوی اعجاز احمد صمدانی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامعہ دار العلوم کراچی
تاریخ خطاب	:	۵/اگست ۲۰۰۷ء
وقت خطاب	:	بروز اتوار، گیارہ بجے دن
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ پرآشوب دور میں

علماء کی ذمہ داریاں

۲۰رجب ۱۴۲۸ھ، ۵راگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار تقریباً گیارہ بجے دن جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی نے صحیح بخاری کے آخری باب کا درس دیا، جس نے حضرت والا دامت برکاتہم نے موجودہ حالات کے تناظر میں طلبہ و سامعین کو قیمتی نصائح اور چشم کشا ہدایات سے نوازا، جسے مولوی عبدالتواب، اور مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے قلم بند کیا، ان ہدایات کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اصلاحی خطبات میں شامل کیا جارہا ہے۔........(ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تمہید

امابعد! یہ صحیح بخاری کا آخری درس ہے اور اس درس پر انشاء اللہ ہمارے دارالعلوم کا تعلیمی سال کا اختتام ہوگا، صحیح بخاری کے آخری درس کے بارے میں پہلے یہ اہتمام ہوتا رہا ہے کہ اس میں لوگوں کو مدعو کیا جاتا تھا، پہلے سے اس کا اعلان بھی ہوتا تھا، اور تقریب کی سی شکل بن جاتی تھی، لیکن اکابر نے یہ محسوس کیا کہ ہر

سال اس تقریب کا اہتمام کرنا کہیں آگے چل کر کسی مفسدہ کا سبب نہ بن جائے، اس لئے کسی اعلان کے بغیر پچھلے سال بھی اور اس سال بھی یہ آخری درس معمول کے مطابق کرنے کا نظم طے ہوا، اور اس کے مطابق ہم اور آپ یہاں پر جمع ہیں۔

اس موقع پر صدر دارالعلوم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم مجلس میں خطاب بھی فرمایا کرتے تھے، اور دعا بھی کرایا کرتے تھے، لیکن آپ حضرات کو یہ معلوم ہوگا کہ پچھلے دنوں ان کی آنکھ کا آپریشن ہوا، اور اس کی وجہ سے وہ صاحب فراش ہیں، امید ہے کہ سب حضرات ان کی صحت کاملہ کے لئے دعا گو ہوں گے، ہمارے ایک اور استاد حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، وہ بھی اپنی ناسازی طبع کی بناء پر اس مجلس میں موجود نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی صحت کامل عاجل عطا فرمائے۔ آمین

ہر قول و فعل میزان عمل میں تولا جائے گا

صحیح بخاری کا یہ آخری باب ہے، جس میں امام بخاریؒ نے قرآن کریم کی ایک آیت کو باب کا عنوان اور ترجمۃ الباب بنایا ہے، جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ اور فرمایا کہ باب قول اللہ تعالیٰ ''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' یہ باب اللہ جل جلالہ کی اس قول کی تشریح میں ہے، جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن انصاف کے لئے ترازوئیں قائم کریں گے، اور پھر اس کی آگے تشریح یہ فرمائی کہ ''وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ'' بنی آدم کے اعمال بھی اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں بھی قیامت کے دن میزان عمل کے اندر تولی

جائیں گی، اور سب کا وزن ہوگا، یہ ہے باب کا عنوان، اور اس باب پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے، اور جیسا کہ آپ حضرات صحیح بخاری کے درس کے دوران دیکھتے چلے آئے ہیں کہ امام بخاریؒ کے عجیب وغریب مدارک ہیں، جن کے تحت وہ ترجمۃ الباب قائم فرماتے ہیں۔ یہاں درحقیقت امام بخاریؒ نے کتاب کو ختم کرنے کے لئے اس باب کا انتخاب یہ تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جو کچھ اس کتاب میں آپ حضرات نے اول سے لے کر آخر تک پڑھا ہے، جو احکام آپ نے پڑھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات آپ نے پڑھیں، ان تمام کا آخری انجام یہ ہے کہ جو عمل بھی آپ سے صادر ہوگا، یا جو بات آپ کے منہ سے نکلے گی، بالآخر اللہ جل جلالہ کے یہاں میزان عمل میں اس کو تولا جائے گا "فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَا اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ "

اگر ان اعمال واقوال کا وزن زیادہ ہوا تو ایسی زندگی اس شخص کو ملے گی جو خوشیوں ہی خوشیوں کی زندگی ہوگی، اور اگر خدانہ کرے ان کے میزان عمل میں کمی آگئی، ترازو ہلکی پڑگئی تو اس کا ٹھکانہ ایک دردناک گڑھے میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین

درحقیقت امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کرکے جاتے جاتے ہمیں اور آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے ہر ہر قول وفعل میں، ہر ہر نقل وحرکت میں یہ دیکھیں کہ جو کام کرنے جارہے ہیں، میزان عمل میں اس کا وزن کتنا ہوگا، آیا وہ عمل اپنے اندر کوئی وزن رکھتا ہے یا نہیں، اگر وزن رکھتا ہے تو بے شک وہ کام کرو، لیکن وہ عمل جو بے

وزن اور بے حقیقت ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہو تو ایسے عمل سے احتراز کرو۔

اعمال میں وزن پیدا کرنے کی دو شرطیں

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو؟ کون سی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے عمل میں وزن پیدا کرے، اور اس کو زیادہ وزنی بنائے تو اس کے لئے خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن وسنت کے احکام پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے کی دو شرطیں ہیں، یہ دو شرطیں پائی جائیں گی تو چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی وزن پیدا ہوگا۔ اور اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو، یا العیاذ باللہ دونوں مفقود ہوں تو اس عمل میں کوئی وزن نہیں، اس کا کوئی بہتر نتیجہ آخرت میں نکلنے والا نہیں، وہ دو شرطیں کیا ہیں؟ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح کے مطابق وہ دو چیزیں یہ ہیں، ایک صدق دوسرے اخلاص۔ یہ اصطلاحات آپ نے بھی سنی ہوں گی، صدق کے معنی یہ ہیں کہ جو عمل بھی کیا جائے، وہ اس طریقے کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا، یا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا، اس طریقے کے مطابق عمل ہوگا تو وہ صدق ہے۔

اور دوسری چیز ہے اخلاص، یعنی اس کو عمل میں لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، اس کی رضا جوئی مقصود ہو، ریاکاری، دکھاوا، یا کوئی اور دنیاوی غرض اس سے وابستہ نہ ہو، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے نماز اگر ٹھیک ٹھیک اس طریقہ کے مطابق پڑھی جائے جو شریعت نے مقرر کیا ہے، اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت ہے ''صلّوا کما رأیتمونی أصلّی '' تو نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط، آداب، مستحبات کے ساتھ ادا کرنا یہ صدق ہے، اور اس نماز کے ادا کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ میں اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کے لئے پڑھ رہا ہوں، اس کی بندگی کے لئے پڑھ رہا ہوں، اس کے حکم کی تعمیل میں پڑھ رہا ہوں، اور اس کا مقصد سوائے اللہ جل شانہ کی رضا جوئی کے کوئی اور نہیں، تو یہ اخلاص ہے۔

یہ دو شرطیں ہیں عمل میں وزن پیدا کرنے کے لئے، اس کے بغیر عمل میں وزن پیدا نہیں ہوگا، اگر اخلاص ہو یعنی نیت اللہ ہی کو راضی کرنے کی ہو، لیکن صدق نہ ہو، یعنی عمل شریعت کے مطابق نہ ہو، سنت کے مطابق نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کے مطابق نہ ہو، تو وہ اخلاص تو ہے لیکن صدق نہیں، لہٰذا وہ عمل بے وزن ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، وہ کسی شمار میں نہیں ''وَ قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا'' (الفرقان:۲۳)

ہندو جوگیوں کے مجاہدے بے حیثیت کیوں ہیں؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی جا کر دیکھ لو، گنگا کے کنارے کتنے ہندو جوگی ہیں، جو انتہائی سخت محنتیں اور مشقتیں برداشت کر رہے ہیں، کسی نے ہاتھ اونچا کیا ہوا ہے تو سالوں سے ہاتھ اونچا کئے کھڑا ہے، کسی نے ایک ٹانگ اُٹھائی ہوئی ہے تو سالہا سال سے ایک ٹانگ اُٹھایا ہوا کھڑا ہے، کوئی سانس روک کر بیٹھا ہوا ہے، گھنٹوں اس کی مشق کر رہا ہے، یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟ دل میں نیت یہی ہے کہ ہم اللہ کو

راضی کریں، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت مقصود ہے، تو اخلاص تو ہے، لیکن عمل چونکہ صحیح نہیں، شریعت کے مطابق نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں، اس واسطے وہ عمل بے کار ہے، بے حیثیت ہے، بے وزن ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں "فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا" وہ اُڑتے ہوئے غبار کی طرح ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

بدعت کا حکم

جتنی بدعات ہیں ان کا بھی حال یہی ہے، اکثر و بیشتر دل میں نیت اچھی ہوتی ہے، یعنی نیت اللہ کو راضی کرنے ہی کی ہوتی ہے، عبادت کرنا مقصود ہوتا ہے، بعض اوقات دنیا داری مقصود نہیں ہوتی، اور دیکھنے میں عمل بظاہر ایسا نظر آتا ہے جس میں کوئی حرج بھی نہیں، یہ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، یہ جو رسمیں ہمارے ہاں رواج پائی ہوئی ہیں، اس میں قرآن خوانی ہوتی ہے، سب لوگ جمع ہوتے ہیں، سب مل کر قرآن پڑھتے ہیں، تو بظاہر دیکھنے میں عمل ٹھیک ہے، اور اخلاص بھی ہے کہ مقصود اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت ہے، لیکن چونکہ وہ عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے طریقہ پر نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نہیں، اس واسطے بے اثر ہے، بے وزن ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (الکہف:۱۰۳، ۱۰۴)

سنت و بدعت کی وضاحت بذریعہ مثال

ہمارے ایک بزرگ تھے، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے...... اللہ تعالیٰ ان کے

درجات بلند فرمائے۔آمین...... حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو تبلیغی جماعت کے بڑے سرکردہ افراد میں سے تھے، اور حضرت والد صاحب سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور کبھی کبھی کراچی آنا ہوتا تو حضرت والد صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا ایک عجیب خواب بیان کیا، وہ خواب بڑا عجیب وغریب اور معنی خیز تھا، خواب بیان فرمانے لگے کہ میں نے آپ کو یعنی حضرت والد صاحبؒ کو خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ درس دے رہے ہیں، اور پیچھے تختہ سیاہ ہے...... بلیک بورڈ...... اور سامنے آپ درس دے رہے ہیں، درس دیتے ہوئے تختہ سیاہ پر ایک کا ہندسہ بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ایک کا ہندسہ ہے، پھر اس کے دائیں طرف ایک نقطہ لگا دیا، جیسے اردو میں ایک صفر لکھا جاتا ہے، تو پوچھا کہ اب کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ دس ہو گیا، پھر ایک اور نقطہ لگایا، پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ سو ہو گیا، پھر ایک اور نقطہ لگایا، پوچھا اب کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا ہزار ہو گیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا، دس ہزار ہو گیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا ایک لاکھ ہو گیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا دس لاکھ ہو گیا، فرمایا کہ دیکھو جتنے نقطے لگتے جا رہے ہیں اس میں دس گنا اضافہ ہوتا جا رہا ہے، پھر وہ سارے نقطے مٹا دیے جو دائیں طرف لگائے گئے تھے، اور پھر بائیں طرف نقطے لگانا شروع کئے، اور کہا کہ دیکھو یہ ایک ہے، اور یہی نقطہ جو میں نے دائیں طرف لگایا تھا، اب بائیں طرف لگا دیا، تو بتایئے کہ کیا ہوا؟ کہا کہ اب اعشاریہ ایک ہو گیا، جس کا معنی ایک کا دسواں حصہ، ایک نقطہ اور لگایا اب کیا ہوا؟ کہا اب اعشاریہ صفر ایک ہو گیا یعنی سوواں حصہ، ایک نقطہ اور لگا دیا اب کیا ہوا؟ کہا کہ اعشاریہ صفر صفر

ایک ہوگیا، یعنی ایک ہزار واں حصہ، ایک نقطہ اور لگادیا، دس ہزارواں حصہ، فرمایا کہ بائیں طرف لگانے سے یہ عدد بڑھنے کے بجائے گھٹ رہا ہے، اور دائیں طرف لگانے سے عدد میں دس گنا اضافہ ہو رہا ہے، پھر فرمایا کہ یہ کرنے کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ دائیں طرف لگنے والے نقطے سنت ہیں، اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سب بدعت ہیں، یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت پر عمل کیا جائے تو ''کل حسنة بعشر امثالها'' کے مطابق اس کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہی چلا جائے گا، اور اگر اس کے بائیں طرف نقطے لگائے جائیں تو بظاہر وہ دیکھنے میں ویسے ہی نقطے ہوں، لیکن چونکہ عمل غلط ہے، خلاف سنت ہے، لہٰذا اجر بڑھنے کے بجائے گھٹتا چلا جائے گا ''کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار'' یہ بڑی حکیمانہ بات ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کو خواب میں دکھائی گئی۔

تو بات یہ ہے کہ جو عمل سنت کے مطابق نہ ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں، اس میں صدق نہیں، اور قبولیت عمل اور وزن کی پہلی شرط مفقود ہے کہ صحیح طریقہ کے مطابق ہو، یہ بڑا اہم نکتہ ہے جو ہر ہر قدم پر یاد رکھنے کا ہے کہ بہت مرتبہ لوگ نیت تو صحیح کر لیتے ہیں، لیکن چونکہ عمل شریعت اور سنت کے مطابق نہیں ہوتا، تو محض نیت کے اچھے ہونے سے وہ عمل مقبول نہیں ہو جاتا، اس کو صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

صرف نیت کا صحیح ہونا کافی نہیں

آج کل یہ وبا عام ہے کہ جہاں کسی کو کسی غلط کام پر متنبہ کیا گیا تو وہ جھٹ یہ

کہتا ہے کہ ''انما الاعمال بالنیات'' کہ ہماری نیت تو صحیح ہے، لہٰذا ہمارا عمل بھی ٹھیک ہے، مقبول ہے، آپ کو اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کسی کو کہا جائے کہ یہ جو نماز آپ پڑھ رہے ہو، صحیح طریقہ سے نہیں پڑھ رہے، کہتے ہیں کہ جی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ سب قبول کرنے والے ہیں۔

میرے والد صاحبؒ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، تو وہاں منیٰ میں ملک کے نامور قائد تھے، ان سے ملاقات ہوگئی، وہاں بر سبیل تذکرہ ان سے والد صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ نے رمی کر لی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو رمی نہیں کی، لیکن اپنے کسی آدمی کو نامزد کر دیا تھا، وکیل بنا دیا تھا، اس نے جا کر رمی کر لی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص جمرات تک خود چل کر جا سکتا ہو، اس کے لئے کسی کو وکیل بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، کہنے لگے کہ جی نہیں''''اعمال تو نیت سے ہوتے ہیں، اور ہماری نیت صحیح تھی، لہٰذا رمی ہوگئی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ تو پھر اس آدمی کو بھی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، یہیں بیٹھے بیٹھے نیت کر لیتے۔ میرے عزیزو! یہ مغالطہ بڑا کثیر الوقوع ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ شریعت کا یہ حکم نہیں، سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ آیا وہ طریقہ اور عمل جو تم کرنے جا رہے ہو وہ شریعت کے دائرہ میں ہے یا نہیں، اگر شریعت کے دائرہ میں نہیں ہے، اگر وہ جائز حدود میں نہیں آتا، اگر وہ سنت کے مطابق نہیں ہے، تو چاہے نیت تمہاری کتنی بھی اچھی ہو، وہ عمل قبول نہیں ہوسکتا، یہ ہے پہلی شرط کسی عمل میں وزن پیدا کرنے کی، اور دوسری شرط اخلاص ہے کہ جو عمل کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے کیا جائے، دکھاوا مقصود نہ ہو، نام

ونمود مقصود نہ ہو۔

بعض لوگوں نے دنیاوی اغراض اور دنیاوی حکمتیں نکال کر انکو ان عبادتوں کا اصل مقصد بتانا شروع کر دیا، چنانچہ کہتے ہیں کہ نماز اس لئے مشروع ہے تاکہ پانچ وقت انسان کی جسمانی ورزش ہو، اور جماعت سے نماز اس لئے رکھی گئی ہے، تاکہ لوگ مسجد میں آئیں، اور مسجد میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے ملیں، حالات پوچھیں، اور ایک وحدت کا مظاہرہ ہو، روزہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ فاقہ کرنا چاہیے، تاکہ صحت درست ہو اور حج اس لئے رکھا گیا ہے کہ ساری مسلمانوں کی انٹرنیشنل اینول کانفرنس ہے جو وہاں منعقد ہوتی ہے۔

یہ ساری باتیں ایک لحاظ سے درست بھی ہیں، اس معنی میں کہ ان عبادتوں کے کچھ ثانوی اور ضمنی فوائد ہیں جو ان سے حاصل ہوتے ہیں، بے شک نماز کے اندر یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ آدمی کی ورزش بھی ہوتی ہے، مسجد میں جاتے ہیں تو دوسروں کے حالات سے بھی باخبر ہوتے ہیں، یہ فوائد بے شک ہوتے ہیں، لیکن ثانوی درجے میں، حکیم سعید صاحب مرحوم نے یہ بتلایا کہ مجھے ایک دل کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے یہ کہا تھا کہ دل کی بہترین ورزش یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھے جیسے التحیات میں بیٹھتا ہو، اور پھر گردن دائیں بائیں کرے، یہ دل کی سب سے بہترین ورزش ہے۔ تو یہ فوائد بے شک ہیں، لیکن ثانوی درجے کے ہیں، اصل مقصود نماز سے یہ ورزش کرنا نہیں ہے، اصل مقصود اور کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے، اس حکم کی تعمیل مقصود ہے، اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہے، جو آدمی یہ مقصود بنائے گا کہ نماز سے میری ورزش ہوگی، تو

نماز ہی نہیں ہوگی۔ بس اللہ کو راضی کرنے کے لئے عبادت کرے اور ضمنی طور پر اگر یہ فائدہ حاصل ہو جائے تو بے شک وہ فائدہ ہے، اس فائدے کا انکار نہیں کیا جا سکتا، تو اس لئے ہر عبادت میں مقصود اللہ کو راضی کرنا ہو۔

مخلوق کو راضی کرنا مقصود نہ ہو

مخلوق کی رضامندی، مخلوق کو خوش کرنا، مخلوق کی تعریف حاصل کرنا کہ مجھ سے راضی ہو جائیں، یہ مجھ سے خوش ہو جائیں، یہ میری تعریف کرنے لگیں، یہ اخلاص نہیں، یہ اخلاص کے خلاف ہے، اور آجکل کا ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ لوگ اپنے ہر عمل میں رضائے خلق چاہتے ہیں، مخلوق راضی ہو جائے، دل میں یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں لوگ ہم سے ناراض نہ ہو جائیں، کہیں یہ خفا نہ ہو جائیں، کہیں یہ ہم سے بددل اور بداعتقاد نہ ہو جائیں، ان کے دل سے ہماری عقیدت ختم نہ ہو جائے، احترام ختم نہ ہو جائے، بہت سارے اقدامات اس لئے کئے جاتے ہیں کہ لوگ راضی ہوں، عوام راضی ہوں، عوام خوش ہو جائے، اور یہ ذہنیت پیدا کی ہے ووٹوں والی سیاست نے، مقصود چونکہ یہ ہے کہ لوگوں سے ووٹ لئے جائیں، لہٰذا جب تک ان کو راضی نہیں کریں گے، ان کو خوش نہیں کریں گے، اور جب تک ان کے دل میں اپنا اعتقاد پیدا نہیں کریں گے، اس وقت تک ووٹ حاصل نہیں ہوگا۔

قائد کسے کہتے ہیں؟

میرے والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ قائد یا لیڈر تو اس کو کہتے ہیں کہ جو لوگوں کی راہنمائی کرے، قیادت کے معنی ہیں راہنمائی کرنا، لہٰذا ہونا تو یہ چاہیے کہ

عوام قائد کے پیچھے چلیں، لیکن آج کا قائد الٹا ہوتا ہے، آج کا قائد خود عوام کے پیچھے چلتا ہے، بعض اوقات جان رہا ہوتا ہے کہ عوام غلط سوچ رہے ہیں، غلط راستے پر جارہے ہیں، وہ جانتا ہے کہ صحیح راستہ کوئی اور ہے، لیکن مقصود چونکہ عوام کو خوش کرنا ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ضمیر کے خلاف عوام کے پیچھے چل پڑتا ہے، تو یہ اخلاص کے منافی ہے، اخلاص وہ ہے کہ جس میں انسان اپنے اللہ کے حکم کے مطابق کام کرے، اس کا اپنے اللہ کے ساتھ رشتہ مضبوط ہو، اور اس کے مطابق اپنے تمام اعمال و اقوال کو ڈھالے، اور جس بات کو اپنے ضمیر کے لحاظ سے درست سمجھتا ہو، اس بات کو اس کے مطابق انجام دے، اس بات سے قطع نظر کرکے کہ عوام اس سے خوش ہوں گے، یا ناخوش ہوں گے۔

صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

صلح حدیبیہ کا واقعہ دیکھئے، صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم اجمعین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر چکے ہیں، جس کے بارے میں بعض صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ مرنے پر بیعت کی تھی، کہ یا تو ہم لڑ کر مر جائیں گے، یا فتح پائیں گے۔ سبحان اللہ، جوش و خروش کا یہ عالم۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں، صلح کرنی ہے۔ اور صلح کرنے میں جو شرائط ہیں، بظاہر وہ دبی ہوئی شرائط ہیں، کافروں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہمارا کوئی آدمی آئے گا تو تمہیں واپس کرنا پڑے گا، تمہارا کوئی آدمی ہمارے پاس آئے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے، اور عین اس وقت جبکہ یہ شرائط لکھی جارہی تھیں تو ابو جندل جن کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی

تھیں، گھسٹ گھسٹ کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، اور مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو میرے اوپر ظلم ہو رہا ہے، میرے اوپر تشدد ہو رہا ہے، میری جان پر بنی ہوئی ہے، اس حالت میں تم مجھے کیسے کافروں کے حوالے کر دو گے؟

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ لکھنے والے سے کہتے ہیں کہ کم از کم ان کو مستثنیٰ کر دو، وہ نہیں مانتا، دوبارہ فرماتے ہیں، نہیں مانتا، یہاں تک کہ جب وہ نہیں مانتا تو صحابہ کرام جوش میں اُبل رہے ہیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسلام کی، دین کی خیر خواہی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس شرط کو منظور کر لیا جائے۔ ابو جندل کو اسی حالت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا، اس وقت کے بارے میں حضرت سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ اگر ساری زندگی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی سرتابی کرنی ہوتی تو اس دن کر چکے ہوتے، کیونکہ دل و دماغ جوش و خروش سے بھرپور تھے، اور دل و دماغ اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ ان کافروں سے صلح کی جائے جو اتنے عرصے سے مسلمانوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیس رہے ہیں، لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صلی نے فرمایا کہ صلح کرنی ہے تو سارے صحابہ کرامؓ نے سر جھکا لیا، اگرچہ دل میں غیظ و غضب اُبل رہا تھا، لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ یہ صحابہ کرامؓ جن سے میں نے موت پر بیعت لی ہے، اگر میں صلح کروں گا تو یہ میرے خلاف بغاوت کر دیں گے۔

جو اللہ کا حکم تھا، جو ملت اسلامیہ کی خیر خواہی کی بات تھی، وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دی، کیونکہ اللہ کو راضی کرنا مقصود تھا، مخلوق کو راضی کرنا مقصود

نہیں تھا، اس کے نتیجے میں کیا ہوا؟ آپ نے پڑھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام باندھ کر آئے تھے، اور کفار کے دباؤ میں احرام کھولنا پڑ گیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ سارے مسلمان احرام کھول دیں، ساری حیات طیبہ میں ایک وہی واقعہ ہے، کہیں اور اس کی نظیر نہیں ملے گی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ احرام کھول دیں، لیکن ایک صحابی بھی احرام کھولنے کے لئے نہیں اٹھا، وہ صحابہ کرام جو آپؐ کے ایک لفظ پر جان دینے کو تیار، آپ فرما رہے ہیں کہ احرام کھول دو، لیکن انہوں نے احرام نہیں کھولا، یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تشویش ہونے لگی کہ یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک بات کہہ رہا ہوں اور صحابہ کرام میں سے کوئی آگے بڑھ کر اس پر عمل نہیں کر رہا۔

یہاں تک کہ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی تشویش کا اظہار کیا کہ آج عجیب واقعہ ہوا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی صحابی نے میرے حکم کے بعد اس کی تعمیل میں دیر کی ہو، لیکن آج یہ عجیب منظر نظر آ رہا ہے کہ میں اعلان کر رہا ہوں، لیکن صحابہ کرام عمل کے لئے کھڑے نہیں ہو رہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑا حکیمانہ مشورہ دیا، عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، یہ کچھ اور ارادے لے کر آئے تھے، اور آج ان کے ان ارادوں پر پانی پھر رہا ہے، اس کی وجہ سے ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ آج آپ کے حکم کی تعمیل نہ کریں، لیکن اس دل کے ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس میں دیر لگ رہی ہے، آپ ایسا کریں کہ کسی سے نہ کہیں کہ احرام کھولو، آپ خود میدان میں جا کر بیٹھ

جائیں اور کسی حلاق کو بلا کر اپنے سر کا حلق کروانا شروع کر دیجئے، پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشورے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے، اور سر کا حلق کرانا شروع کیا، پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا کہ جس صحابی کو دیکھو وہ آگے بڑھ کر حلق کروانے کی فکر کر رہا تھا، اور پھر اس کے بعد کسی کو تامل نہیں ہوا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قائد وہ ہے کہ عوام جس کے پیچھے چلیں، نہ یہ کہ وہ عوام کے پیچھے چلے، اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام کی رضا مقصود ہوتی تو آپ صلح گوارا نہ فرماتے، اور آپ فرماتے کہ یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے، خفا ہو جائیں گے، لہٰذا میں جہاد کا اعلان کرتا ہوں، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات حق سمجھی، اس کے مطابق عمل کیا، اور عوام کو اپنے پیچھے چلایا، نہ یہ کہ عوام کے پیچھے خود چلنا شروع کر دیا۔

نیلسن منڈیلا کا طرز عمل

یہ حدیث آپ نے پڑھی ہے کہ ''کلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو احق بها'' حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں سے بھی ملے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، تو آپ کو ایک کافر کی مثال دیتا ہوں، آپ نے نام سنا ہوگا کہ جنوبی افریقہ کے لیڈر ''نیلسن منڈیلا'' جس نے ۲۷ سال انتہا درجہ کی بربریت والی قید میں گزارے، اس نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے، اور جب وہ چھپی تھی اتفاق سے وہاں سے میرے ایک دوست نے بھیجی، تو میں نے دو تین راتوں

میں ہی پوری پڑھی، بڑی دلچسپ سوانح عمری تھی، بڑی سبق آموز تھی۔

وہ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں نے اپنی ساری جد جہد اسی جنوبی افریقہ کوانگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے کی، اور آپ کو پتہ ہے کہ وہاں پر جو غلامی کی نوعیت تھی وہ یہ تھی کہ جتنے حقیقی باشندے تھے اس علاقے کے، ان کو غلام بنایا ہوا تھا، اس طرح کہ ہر چیز میں نسلی امتیاز تھا، علاقے مقرر ہیں کہ یہاں گورا داخل ہوسکتا ہے، کالا نہیں آ سکتا، گورے کا کتا جا سکتا ہے، کالا انسان نہیں جاسکتا، اس قسم کے قوانین تھے، اور سارے بڑے بڑے شہر روشنیوں سے جگمگا رہے تھے، اور کالوں کے جو علاقے تھے، وہاں پر بجلی میسر نہیں تھی، اندھیرے میں ڈوبے ہوتے تھے، اس نے آزادی کی تحریک شروع کی، اور آزادی کی تحریک ہی کے دوران پتہ نہیں کتنے ساتھیوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ناحق چھین لئے گئے، کھالیں اتار لی گئیں، اور نیلسن منڈیلا کو خود ۲۷ سال ایسی جیل میں رہنا پڑا جو تمام انسانی حقوق سے محروم تھی، آپ اندازہ کیجئے کہ جس شخص کے ساتھ اتنا ظلم ہوا، اس کے انتقامی جذبات کیا ہو سکتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ میں ۲۷ سال تک سوچتا رہا، افریقین نیشنل کانگریس کا میں قائد تھا، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ ان گوروں کے حکمران نے مجھ سے رابطہ کیا کہ میں آپ سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں، اس وقت میں نے غور کیا کہ اگر اس وقت ان سے بات چیت کروں تو پوری جماعت مجھ سے باغی ہو جائے گی۔

۲۷ سال کی جد و جہد کے بعد میں نے ان سے بات چیت شروع کی، دوسری طرف میں یہ سوچتا رہا کہ ہوسکتا ہے کہ اس بات چیت کے نتیجے میں کوئی ایسا

حل نکل آئے جس سے میری قوم خونریزی سے بچ جائے، جانیں جو جانے والی ہیں اس سے بچ جائیں، اور کوئی پر امن راستہ نکل آئے۔ تو میں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو میرے سامنے دو خطرے تھے، ایک خطرہ تھا کہ میری قوم مجھ سے باغی ہو جائے گی، اور جو مجھ کو لیڈر سمجھتے ہیں وہ میری لیڈری سے دستبردار ہو جائیں گے، دوسری طرف خطرہ یہ تھا کہ میری قوم کے ہزار ہا افراد خون میں نہا جائیں گے، مجھے کوئی ایک صحیح راستہ اختیار کرنا تھا، تو میں نے پہلا راستہ اختیار کیا، اور میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ انسان کی بہترین فتح یہ ہے کہ وہ اپنی ضمیر کے مطابق صحیح فیصلہ کر رہا ہو، اگرچہ ساری دنیا اس کی مخالف ہو۔ چنانچہ میں نے وہی فیصلہ کیا، اور اسی فیصلہ کے نتیجے میں جنوبی افریقہ پر امن طور پر آزاد ہوا۔ ایک طرف روڈیشیا تھا جو آج زمبادے کہلاتا ہے، جہاں آزادی سے پہلے خون کی ندیاں بہہ گئیں، اور جب آزادی لوگوں کو حاصل ہوئی تو آزادی کی خوشی منانے والے کم تھے، اور اپنے مرنے والوں پر ماتم کرنے والے زیادہ تھے، لیکن جنوبی افریقہ پر وہ وقت آگیا جس میں پر امن طریقہ پر آزادی حاصل کی، اور پورا جنوبی افریقہ اس طور پر آزاد ہوا کہ پوری تاریخ میں ایسی آزادی کی مثال نہیں ملتی۔

میں یہ عرض یہ کر رہا تھا کہ جو عمل کرو وہ اللہ کیلئے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے ہو، آج کی سیاست میں، آج کی تحریکات میں جو بنیادی عنصر آگیا ہے، وہ یہ کہ عوام کو راضی کیا جائے، لوگوں کو خوش کیا جائے، اگر ہم یہ نہیں کریں گے تو ہماری قوم ہم سے باغی ہو جائے گی، ہماری قوم ہم سے ناراض ہو جائے گی، ہمارا اعتماد دلوں سے مٹ جائے گا، یہ خیال جو آرہا ہے، یہ اخلاص کے منافی ہے۔ یہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے منافی ہے، اور اگر کرنا ہے تو وہ کام کرو جو اللہ کو راضی کرنے والا ہو۔

میں ایک عرصہ تک اسلامی نظریاتی کونسل میں رہا، وفاقی شرعی عدالت میں بھی رہا، اور مختلف مراحل پر بہت سے ایسے مناظر اور مواقع سامنے آئے کہ لوگوں نے مجھے آکر کہا کہ آپ جو کام کرنے جارہے ہو، قوم کو کیا جواب دو گے؟ اور اگر یہ کام کرلو تو قوم کو جواب دے سکو گے؟ تو میں نے عرض کیا کہ بھائی! مجھے الحمد للہ اس بات کی فکر نہیں ہے کہ قوم کو کیا جواب دوں گا، لیکن یہ فکر ضرور ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ اگر قوم کو جواب دینے کے لئے مجھے جواب مل گیا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو جواب دینے کے لئے مجھے جواب نہ ملا تو کیا تم مجھ کو گارنٹی دیتے ہو کہ تم مجھے دوزخ سے بچالو گے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی سے بچالو گے؟ تو میرے بھائیو! آج کے ماحول میں یہ بات بہت اہم ہے کہ انسان جو کام کرے، انسان وہ اپنے ضمیر کے مطابق فیما بینہ وبین اللہ۔ یہ دیکھے کہ آیا وہ شریعت وسنت کے دائرے میں ہے یا نہیں، یاد رکھیں کہ اعمال میں وزن دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، ایک صدق سے کہ طریقہ صحیح ہو، شریعت وسنت کے مطابق ہو، اور دوسرا یہ کہ اخلاص کے ساتھ ہو، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو، کسی اور کو راضی کرنا مقصود نہ ہو، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں یہ باب قائم کیا، اور درحقیقت اگر غور کرو تو اس سے اشارہ بخاری کی سب سے پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات و انما لامر مانوی" کی طرف ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو صدق واخلاص کی دولت سے مالا مال

فرمائے، اور اس کے نتیجے میں ہمارے اعمال میں وزن پیدا فرمائے۔ آمین

تشریح کلمات

آگے فرماتے ہیں، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ

اَلْقِسْطَاسُ

اَلْعَدْلُ فِي الرُّوْمِي امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق قرآن کریم کے لفظ کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا، رومی زبان میں قِسْطَاسُ عدل کو کہتے ہیں، وَيُقَالُ اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ، باب افعال سے ہے کہ اَقْسَطَ يُقْسِطُ اِقْسَاطًا انصاف کرنا، اور مجرد میں قَسَطَ يَقْسِطُ کے معنی ظلم کے ہوتے ہیں۔

دو محبوب کلمے

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، رحمٰن اللہ جل جلالہ کے اسماء حسنی میں سے ہیں، رحمٰن کا انتخاب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب رحمٰن کو محبوب ہیں تو جو شخص پڑھے گا وہ رحمٰن کو محبوب ہوگا، یعنی اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی، چونکہ رحمٰن کو محبوب ہیں تو کسی کو خیال ہو سکتا تھا کہ پھر تو وہ مشکل قسم

کلمات ہوں گے، فرمایا نہیں" خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ" زبان پر ادائیگی کی اعتبار سے بڑے ہلکے ہیں، ان کے ادا کرنے میں کوئی دشواری کوئی مشقت نہیں ہے، جب ہلکے ہیں تو پھر شاید میزان عمل میں بھی ہلکے ہوں گے، فرمایا نہیں" ثقيلتان في الـمـيـزان " میزان عمل میں ان کا وزن بہت زیادہ ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر کہ اعمال واقوال کا بذات خود قیامت کے دن وزن کیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو" ثَـقِيْـلٌ فِـي الْـمِيْـزَان " قرار دیا ہے، اور جب تک کوئی ضرورت نہ ہو تو حقیقت ہی مراد لی جائے گی، مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، لہٰذا حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ بذات خود اعمال کا وزن ہوگا، یہی اہل سنت کا مسلک ہے کہ بذات خود اعمال ہی کا وزن ہوگا، اقوال ہی کا وزن ہوگا، اور پھر ان کلمات کی تشریح فرمائی کہ وہ کلمات کیا ہیں" سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ " یہ دو کلمے ہیں، پہلا کلمہ ہے" سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ " اگر اس کا ترجمہ کریں تو معنی یہ ہیں کہ میں اس بات کا اعلان واقرار کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تنزہ کا کلمہ ہے، تو سبحان اللہ کے معنی یہ کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور وبحمدہ کے معنی یہ ہیں کہ سارے اوصافِ کمال اس میں جمع ہیں، کمالات کی وہ جامع ہے، چونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور کمالات کی جامع ہے، لہٰذا تمام تعریفیں اسکی ہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہ ان کلمات کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ سبحان اللہ وبحمدہ جو ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی شان محبوبیت کا مظہر ہے، جو ذات بے عیب ہو، اور جس میں سارے کمالات پائے جاتے ہوں، وہ

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں

کہ یہ خشیت ہی علم کی اصل علامت ہے، علم کا اصل فائدہ ہے، بہرحال؛ یہ دو کلمے جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو ختم کیا ہے، یہ دو کلمے اللہ تبارک و تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنے والے ہیں، اور ساتھ ساتھ اس سے یہ پیغام بھی مل گیا کہ اس کتاب کے ختم کرنے پر تمہاری ضابطے کی تحصیل علم کی تکمیل تو ہوگئی، لیکن اس کا جو اصل مقصود ہے وہ خشیت اللہ ہے، اور وہ اب تک حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ وہ خشیت نصیب فرمائے۔ آمین

فراغت پانے والے طلبہ کی ذمہ داریاں

اب آخر میں چند گزارشات ہیں جو اپنے عزیز طلبہ سے کرنی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس سال تقریباً ۴۰۰ طلباء دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے درس نظامی کا نصاب پورا کر رہے ہیں، جن کو اصطلاح میں فارغ التحصیل ہونا کہتے ہیں، اگرچہ مجھے یہ لفظ پسند نہیں۔ اور ۳۶ طالبات ہیں، جنہوں نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی ہے، اور عالم کا نصاب پورا کیا ہے، الحمد للہ قرأت کے شعبہ میں بھی ۱۶ طالب علم ہیں، جنہوں نے قرأت کی تکمیل کی ہے، اور ۳۰ طالب علم ہیں جنہوں نے تجوید کا نصاب مکمل کیا ہے۔ اللہ جل جلالہ کا فضل وکرم ہے اور اس کا انعام ہے کہ اس نے ان طلباء کو منزل تک پہنچایا، اور وہ اساتذہ قابل صد مبارکباد ہیں جنہوں نے دن رات محنت کر کے ان طلباء کو اس منزل تک پہنچانے کی خدمت

انجام دی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے، آمین۔ آج کے اس درس کے بعد صرف دورۂ حدیث کا نہیں، بلکہ دارالعلوم کے تمام تعلیمی شعبوں کا تعلیمی سال انتہاء کو پہنچ گیا ہے، اور اب تعطیلات شروع ہونے والی ہیں، ہمارے دارالعلوم کی جو رونق ہے، وہ طلباء کے دم سے ہے، اور کچھ دنوں میں امتحان ہو جائے گا، اور یہ طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ خاص طور سے وہ طلباء جنہوں اس سال درس نظامی کی تکمیل کی ہے، ان سے چند ضروری گزارشات کرنی ہیں، سب سے پہلے تو ان کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، ان کے والدین، ان کے اساتذہ اور ان کے گھر والوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو منزل تک پہنچایا، لیکن اس مبارکباد کے ساتھ ساتھ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ دستار، جس کو آج دستار فضیلت کہا جاتا ہے، آج آپ کے سروں پر رکھی جانے والی ہے، جہاں یہ ایک خوش نصیبی کا تاج ہے، جو آپ کے سروں پر رکھا جارہا ہے، وہاں یہ ایک بہت بڑا بوجھ بھی ہے، بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے، بہت بڑی مسؤلیت کا بارگراں بھی ہے، جو آپ کے سروں پر رکھا جارہا ہے، آج تک آپ کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں تھی، آپ پڑھنے میں مشغول تھے، آپ کی ذمہ داری درس یاد کرنے کی حد تک محدود تھی، عملی زندگی میں آپ سے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کہ آپ کو کیا کرنا ہے، اور کیا نہیں کرنا، لیکن جب یہاں سے آپ نکلیں گے تو اب ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ آپ کے سر پر آئے گا، یہ ذمہ داری یوں تو ہر دور میں بہت بڑی ذمہ داری ہے، لیکن ہمارے اس دور میں جو پر آشوب ہے، فتنوں سے بھرا ہو دور ہے، اس میں یہ ذمہ داری اور یہ مسؤلیت اور زیادہ اہم اور زیادہ بھاری ہو جاتی ہے،

سب سے پہلی ذمہ داری جو آپ کے اوپر عائد ہورہی ہے، وہ یہ ہے کہ جو کچھ تعلیمات آپ نے یہاں رہ کر حاصل کی ہیں، ان پر کتنا عمل آپ کی عملی زندگی میں اور آپ کے کردار میں ظاہر ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنتیں آپ نے پڑھی ہیں، وہ کس حد تک آپ کی زندگی میں شامل ہوئی ہیں، اور آپ کے کردار پر اثر انداز ہوئی ہیں، آپ کے گھر والے جو سالہا سال سے آپ کے اس دن کے منتظر تھے کہ آپ فارغ التحصیل ہو کر ان کے پاس پہنچیں، ان کو شاید آپ کی علمی تحقیقات سے اتنی غرض نہ ہو، لیکن وہ یہ ضرور دیکھیں گے کہ آپ کے واپس آنے کے بعد آپ کے اخلاق میں، آپ کے کردار میں اور آپ کے اعمال میں کوئی فرق واقع ہوا یا نہیں، کیا ماں باپ کے ساتھ آپ کا جو پہلے برتاؤ تھا، اب بھی وہی ہے، یا ماں کے ساتھ حسن سلوک میں اضافہ ہوا ہے، بہن بھائیوں کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو تقاضہ ہے، وہ آیا آپ کی زندگی میں پورا ہو رہا ہے یا نہیں، یہ چیزیں ہیں جو قدم قدم پر جانچی جائیں گی، آپ گھر سے باہر نکلیں گے تو آپ کو اس نظر سے تولا جائے گا کہ جس ادارے سے آپ تعلیم حاصل کر کے آئے ہو، اور جو تعلیم حاصل کر کے آئے ہو، وہ آپ کے کردار میں منعکس ہے کہ نہیں، آپ کے اخلاق میں علم کے ساتھ حلم پیدا ہوا کہ نہیں، خشیت اللہ کے آثار نظر آتے ہیں کہ نہیں، آپ کی عبادات پہلے سے بہتر ہوئیں کہ نہیں، آپ کے معاملات، آپ کے اخلاق اور آپ کی بصیرت پہلے سے بہتر ہوئی کہ نہیں، یہ چیز آپ کے قدم قدم پر جانچی جائے گی، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ لوگ جانچیں یا نہ جانچیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جانچنے والا ہر قدم پر مقرر ہے، ایک وہ شخص ہے جو جاہل

ہو، جس کے پاس علم کی دولت نہ ہو، اگر وہ کسی بدعملی کا ارتکاب کرتا ہے تو سزا تو اس کو بھی ہے، لیکن اللہ بچائے کہ جس کو علم کی دولت نصیب ہے وہ اگر اس عمل کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا بھی زیادہ ہے، اور اس کا وبال بھی شدید تر ہے، آپ نے آیت کریمہ پڑھی ہوگی :

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ (الاحزاب:۳۲)

اور فرمایا کہ :

مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (الاحزاب:۳۰)

ازواج مطہرات سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے کسی غلط کاری کا ارتکاب کیا تو تمہارے اوپر عذاب بھی دوگنا ہوگا، اور اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جس شخص کو بھی علم کے مواقع میسر ہوں، یا ایسا ماحول میسر ہو جس ماحول کے اندر اس کو بہتر تربیت حاصل کرنی چاہیے تھی، اس کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر اب وہ کسی بدعملی کا شکار ہوگا تو اس کی سزا بھی اللہ جل جلالہ کے ہاں دگنی ہے، وبال بھی اس کا دوہرا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے آپ سب کو اور ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہرحال؛ قدم قدم پر اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی جو کچھ بھی نقل و حرکت ہو، وہ اس علم کے مطابق ہو جو آپ نے یہاں پڑھا ہے۔ پھر آپ کی ذمہ داری صرف اپنے عمل کی حد تک محدود نہیں، بلکہ جو کچھ علم آپ نے حاصل کیا ہے، اس کو دوسروں تک پہنچانے اور

پھیلانے کی ذمہ داری بھی علماء کرام پر عائد ہوتی ہے۔

لہٰذا تبلیغ و دعوت اور دین کی نشر و اشاعت، اس کی مسئولیت بھی آپ کے سر پر ہے، یہ جو دستار آپ کے سر پر رکھی جارہی ہے اس کی مسئولیت کا بوجھ بھی آپ کے سر پر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے میرے بھائیو! کہ آج جس ماحول میں آپ میدان عمل میں اتر رہے ہو، یہ بڑا فتنوں کا دور ہے، بڑا پر آشوب دور ہے، یہ ایسا دور ہے کہ جس میں آپ کو دنیا نے سب سے بڑا نشانہ بنایا ہوا ہے، اس بات اندازہ اس بات سے بھی ہوگا کہ پوری دنیا میں مدارس کے خلاف ایک تحریک جاری ہے، اور اب دشمن نے اس بات کا ادراک کیا ہے کہ یہ دینی مدارس ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، بے چارے یہ چٹائی پر بیٹھ پر قال اللہ وقال الرسول کرنے والے پہلے لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آتے تھے، جس کی وجہ سے چپکے چپکے کام ہو رہا تھا، اور الحمد للہ بہت ساری خامیوں کے باوجود یہاں سے جو لوگ پیدا ہوتے تھے، اللہ کے فضل و کرم سے ہر میدان میں دین کی خدمت کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اور ان کے ذریعہ دین کا کلمہ پھیل رہا تھا، مجھے تو الحمد للہ ساری دنیا کے ہر گوشے میں جانے کا موقع ملا ہے، جہاں کہیں دین کا کوئی آواز نظر آتا ہے، اگر اس کے پیچھے دیکھو تو انہی دینی مدارس کے یہ سادہ فارغ التحصیلوں میں سے کوئی نظر آئے گا، جس نے وہاں پر دین کا آوازہ بلند کیا، میں آپ کو کیا مثالیں پیش کروں، وقت نہیں ہے، بے شمار دنیا کے ان گوشوں میں، دور افتادہ اور دور دراز کے گوشے جہاں کسی آدمی کے پہنچنے کی توقع نہیں وہاں پر دیکھا کہ لوگ بیٹھیں ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، اور دین کی بات ہو رہی ہے، پوچھا کہ بھائی یہ کام کون کر رہا ہے،

جواب دیا کہ وہ ایک صاحب ہیں، پوچھا کون صاحب ہیں؟ جواب ملا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ تھے، ان سے پڑھ کر یہاں پر انہوں نے یہ سلسلہ جاری کیا، تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتگان نور شریعت نہ پھیلا رہے ہوں۔ الحمد للہ یہ بات پہلے لوگوں کی نگاہوں میں نہیں تھی، لیکن اس دشمن نے اس بات کا پورا احساس کرلیا ہے کہ دین نہیں مٹایا جاسکتا، جب تک یہ چٹائی پر بیٹھنے والے ملا موجود ہیں، اور اس کو اقبال مرحوم نے آج سے نصف صدی سے بھی پہلے ساٹھ پینسٹھ سال پہلے انہوں نے دشمنان اسلام کی زبان سے یہ بات کہی تھی کہ :

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

یہ فکر دشمن کو پیدا ہوئی ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ دینی مدارس کو ختم کرنے کے درپے ہے، طرح طرح کے طعنے، طرح طرح کے الزامات ان مدارس کے اوپر لگائے جارہے ہیں، ان مدارس کے طلباء کے اوپر لگائے جارہے ہیں، کہا گیا کہ بھائی: یہ تو بس نماز روزہ کو جانتے ہیں، اور دنیا سے کسی بات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، دنیا کی کسی بات سے واقف نہیں ہیں، ان کے نصاب میں تبدیلی ہونی چاہیے، ان کے نصاب میں نئی چیزیں داخل ہونی چاہئیں...... اچھا نئی چیزیں داخل کردیں، دینی مدارس کے رہنماؤں نے سوچ سمجھ کر، جو ہمارے مزاج کے مطابق

تھیں، وہ چیزیں داخل کردیں، اب کیا ہے؟ اب یہ کہ یہ دہشت گرد ہیں، یہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں، اور دہشت گرد ہونے کے ناطے گردن زدنی ہیں، اچھا بھئی آپ دورہ کر کے دیکھ لو، مدارس میں دہشت گردی کہاں ہو رہی ہے، اول سے لے کر آخر تک خوردبین لگا لگا کر دیکھ لیا، دورے کروا لئے، اور سروے کرائے گئے، یہاں تک کہ حکام نے بھی کہہ دیا کہ بھائی کوئی دہشت گردی کا سراغ نہیں ملا ان مدارس میں۔ اب کیا ہے؟ اب یہ فکر ہے کہ یہ جو ہم نے دہشت گرد کہا تھا اب ثابت کرنا چاہیے کہ یہ واقعی دہشت گرد ہیں، اور اس کے لئے سازشیں ہو رہی ہیں، اس کے لئے فتنے کھڑے کئے جا رہے ہیں، تا کہ خود اپنے عمل سے ثابت کر دیں کہ دہشت گرد ہیں۔ تو میرے بھائیو! یہ وہ زمانہ ہے، یہ وہ پرفتن دور ہے کہ جس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کونسی حرکت کا سرا کس قوت کے ہاتھ میں ہے، کون اس کی ڈوری ہلا رہا ہے، یہاں کھڑے کھڑے آدمی بک جاتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میں بک گیا، یہاں پر کھڑے کھڑے وہ دشمنوں کے ہاتھ میں استعمال ہو جاتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں استعمال ہو گیا، یہ ایسا پرفتن دور ہے، اس میں بڑے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، اس دور میں بڑی ہوشمندی اور بڑی دانشمندی درکار ہے، یہ جذبات کی رو میں بہنے کا زمانہ نہیں ہے، نہ ناخن تدبیر سے ان گرہوں کو کھولنے کا زمانہ ہے، بلکہ اس میں دانشمندی کے ساتھ، حقیقت پسندی کے ساتھ یہ سوچ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ امت اسلامیہ کے لئے کون سا راستہ زیادہ بہتر ہے۔

دیکھو اللہ نے مجھے دنیا بہت دکھائی ہے، اور عالم اسلام کا کوئی قابل ذکر خطہ

ایسا نہیں جسے میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، اور اس کی تاریخ کا میں نے مطالعہ نہ کیا ہو، ماضی قریب میں مصر، شام، عراق، الجزائر اور تونس یہ جتنے بڑے بڑے ممالک تھے، ان سب میں دشمنوں کا طریقہ واردات یہ ہوا کہ وہاں پر جوش جذباتی تحریکیں کھڑی کردی گئیں، انہوں نے کہا کہ ہم شریعت نافذ کرنے کے مدعی ہیں، اور بزورِ شمشیر کریں گے، قوت سے کریں گے، تشدد سے کریں گے، اور یہ تحریکیں جس کسی حد تک پہنچتی تھیں تو انہیں سختی سے کچل دیا گیا کہ اس کے بعد برسوں تک آواز نہیں آئی...... مدرسے بے نشان ہوگئے، تعلیمی ادارے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے تھے سب ختم ہوگئے۔

مصر جیسا ملک، جہاں جامعہ ازہر جس کی صدیوں پہلے کی روایات ہیں، اور خدمات ہیں، جس کو ایسا تہس نہس کیا گیا کہ آج وہاں سے سود کے حلال ہونے کا فتوی جاری کیا جارہا ہے، اور طرح طرح کے فسق و فجور کے فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، جب فرانس میں بل پاس ہوا کہ عورتیں اسکارف نہیں پہن سکتیں، تو شیخ الازہر کا فتویٰ جاری ہوا کہ عورتوں کو اسکارف اتار دینا چاہیے، اور یہ جو بینکوں کا سود ہے وہ حلال ہے، اور جو دینی مدارس تھے، ان کا تو تیر مارا جاچکا ہے، شام جاکر دیکھو، حما کے شہر میں ہزارہا علماء کو ایک حملہ کے اندر ختم کردیا گیا، اور مدرسے قائم تھے، فنا کردئے گئے، عراق جاکر دیکھو، بعث پارٹی کے آنے کے بعد، جبکہ بعث پارٹی کے آنے سے پہلے عراق کے چپے چپے میں دینی مدارس قائم تھے، اور میں جب عراق گیا وہاں ایک شیخ تھے، الشیخ عبدالکریم المدرس ان سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے درسی کتب کے بارے میں پوچھا تو میں نے درس نظامی میں داخل کتب

کا نام لیا تو وہ رو پڑے کہ ان کتابوں کو ہم پڑھا پڑھایا کرتے تھے، لیکن آج اس کا نام ونشان مٹا دیا گیا، خدا کے لئے آپ لوگ اس کا تعاقب کریں، پورے عالم میں یہ کیفیت آرہی ہے، دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ کس جذباتی نعرے میں کتنا جوش وخروش ہے، اوراس میں کتنی جذباتی کشش ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس ماحول میں جس میں ہم جی رہے ہیں، اس میں ہمارے لئے تحفظ کا اوراپنے ان دینی اداروں کو بچانے کا اور دینی مدارس میں تربیت کو جاری رکھنے کا، اور قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں کو باقی رکھنے کا راستہ کیا ہے، اگر آج ہم نے اس بات کو نہ سمجھا یقین رکھو کہ ہم بازی ہار جائیں گے، مار کھائیں گے، اگر ہم نے ہر جذباتی نعرے کے پیچھے چلنے کی عادت نہ چھوڑی، اور ہر جذباتی نعرے کے اوپر لبیک کہنے کا وطیرہ نہ چھوڑا، ہم جلد ہار جائیں گے، اوراس ملک کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اکابر نے ان دینی مدارس کو جو دین کی بنیاد ہے، اور دین کے کلمہ کی بنیاد ہے، انہوں نے جس طرح محفوظ رکھا ہے، ہم اس ورثہ کو ضائع کر دیں گے، لہٰذا یہ ساری باتیں مدارس کو براہ راست دیکھے بغیر صرف پروپیگنڈے کے لئے کی جارہی تھیں، دینی مدارس کے اکابر نے پہلے ہی سے نصاب پر نظر ثانی کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا، اور جو مضامین علماء کے لئے ضروری اور ان کے مزاج کے مطابق تھے، وہ ان مدارس کے نصاب میں داخل کر لئے تھے، لہٰذا اعتراض کرنے والوں سے کہا گیا کہ آؤ، اور ہمارے مدارس کا جائزہ لو، یہاں تمام ضروری مضامین پڑھائے جارہے ہیں، جب یہ پروپیگنڈا نہ چلا تو کہا گیا کہ دینی مدارس میں دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں، ان میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی

مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرو، شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکہ اور بہت بڑا جال یہ ہوتا ہے کہ وہ نوجوانوں کو جن کے ذہن کچے ہوتے ہیں، ناتربیت یافتہ، ناتجربہ کار ہوتے ہیں، جذبات سے بھرپور ہوتے ہیں، ان کو اپنے بڑوں سے کاٹ دیتا ہے، اوران کا رشتہ اکابر سے توڑ دیتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں وہ بھیڑیا ان بھیڑوں کو جب چاہے ہڑپ کر لے، واحد راستہ یہ ہے کہ اپنے بڑوں پر اعتماد رکھو، یا تو کسی کو اپنا بڑا بناؤ نہیں، اور جب بنایا ہے تو اس پر اعتماد کرو، اور اس اعتماد کی بنیاد پر اپنے قول وفعل کا فیصلہ کرو، ورنہ یہ جذبات نہ جانے تمہیں کس بھیڑیے کے منہ میں لے جائیں گے، اور کیا انجام پیدا کریں گے، لہٰذا بڑوں کی سرپرستی میں، بڑوں کی نگرانی میں، بڑوں کی رہنمائی میں جو کام کرو، ان کے مشورے سے کرو، فرمایا جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ضابطے کے بڑے اس لئے کہا کہ حقیقت میں بڑا کون ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے، اور جب ضابطے کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابر والوں سے مشورہ کرو، اور شذوذ کا راستہ اختیار نہ کرو، یہ نصیحت عام دنوں میں بھی اہم تھی، لیکن آج کے دن نے اس کو مؤکد بنا دیا، جب باہر نکلو گے تو طرح طرح کے نعرے سنائی دیں گے، طرح طرح کی دعوتیں آئیں گی، ان میں بھٹک جانے کا اندیشہ بھی ہے، لہٰذا اپنے بڑوں سے رابطہ رکھو، اپنے بڑوں سے مشورہ کرتے رہو، اپنے لئے رہنمائی حاصل کرتے رہو، انشاء اللہ صلاح کا فیصلہ ہوگا۔ ان چند گزارشات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

موسیقی

اور ٹی وی چینلز کا فساد

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

موسیقی اور ٹی وی چینلز کا فساد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ! عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ : خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِلَى السُّوْقِ، فَمَرَّ عَلٰى جَارِيَةٍ صَغِيْرَةٍ تُغَنِّيْ، فَقَالَ: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَوْ تَرَكَ اَحَدًا لَتَرَكَ هٰذِهٖ.
اَوْ كَمَا قَالَ .

سلام پھیلانے کے لئے بازار جانا

حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بازار کی طرف نکلا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ویسے تو ضرورت کے

وقت بازار تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن بعض اوقات صرف اس غرض سے بازار کی طرف جاتے تھے کہ جو بھی بازار میں اور راستے میں ملے گا، میں اس کو سلام کروں گا، اور سلام کرنے کی فضیلت حاصل کروں گا۔

بازار جانا تقویٰ کے منافی نہیں

اس سے پتہ چلا کہ اگر کسی حاجت اور ضرورت کے تحت بازار جانا ہو، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہے، تو یہ بازار جانا تقویٰ کے، یا نیکی کے، یا عالم ہونے کے، اور اللہ والا ہونے کے منافی نہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ والے بن گئے، یا عالم بن گئے، یا متقی اور پرہیزگار بن گئے تو اب بازار جانا ہمارے لئے عیب کی بات ہے، اور بازار جانا ہماری شان کے خلاف ہے، بزرگوں نے فرمایا کہ یہ خیال تکبر ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ بازار جایا کرتے تھے، اور کافر لوگ انبیاء علیہم السلام پر یہی اعتراض کیا کرتے تھے کہ :

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۷)

یعنی یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بازاروں میں جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے کفار کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملا کہ یہ کیسا رسول ہے، جو بازاروں میں بھی جاتا ہے، ان کے ذہنوں میں نبی کے بارے میں تصور یہ تھا کہ جب کوئی اللہ والا ہے تو اس کو گھر کے اندر بیٹھنا چاہیے، اور اس کو تو ہر وقت مصلے پر بیٹھا ہوا ہونا چاہیے، اور دنیا کے کام دھندوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار تشریف لے جانا

جبکہ خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت بازار تشریف لے جاتے تھے، اور اپنی خریداری خود کرلیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو محض دیکھنے کے لئے بازار تشریف لے جاتے تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی تھے حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ سیاہ فام تھے، اور کسی دیہات میں رہتے تھے، اور اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، اور بازار میں جاکر بیچتے تھے، غریب آدمی تھے، اس لئے لوگوں کی نظروں میں ان کی خاص وقعت نہیں تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت کرتے تھے، اور حضور ان سے محبت کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارا دیہاتی ہے، اور ہم ان کے شہری ہیں۔

اللہ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ صحابی بازار میں کھڑے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے سے گئے، اور جاکر ان کی کولی بھرلی، یعنی پیچھے سے جاکر کمر سے ان کو لپٹا لیا، اور پکڑ لیا، اور پھر آپ نے آواز لگائی کہ "مَنْ یَشْتَرِیْ ھٰذَا الْعَبْدَ مِنِّیْ؟" کوئی ہے جو مجھ سے یہ غلام خرید لے، انہوں نے آواز سے پہچان لیا کہ مجھے پیچھے سے پکڑنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چنانچہ وہ اپنے جسم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے اور زیادہ ملانے کی کوشش کرنے لگے، اور فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے فروخت کریں گے تو آپ کو بہت کم قیمت ملے گی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ

''یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں ہے'' بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے، اب وہ شخص جو دیہات سے آیا ہے، غریب ہے، اس کو کوئی پہچاننے والا نہیں ہے، کوئی جاننے والا نہیں، کوئی اس کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے والا نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دلداری فرما رہے ہیں، اور اس کے دلداری کے لئے بازار کے اندر یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کی بولی لگا رہے ہیں۔

ہم بازار جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی عظمت کی اعلیٰ دلیل ہے کہ بازار میں تشریف لے جانا، اور بازار جا کر اس دیہاتی کے ساتھ ایسا معاملہ فرمانا، اور یہ آواز لگانا کہ کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خرید لے۔ اگر کوئی پیر صاحب ہوتے تو اول تو بازار جانے سے شرمائیں کہ بازار جانا تو ہماری شان کے خلاف ہے، اور پھر اس طرح ایک معمولی آدمی کو پیچھے سے جا کر پکڑ لینا، اور پھر آواز لگانا، یہ سب باتیں آج کل کے پیر صاحبان کی شان کے خلاف ہیں، لیکن حقیقت میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ

انسان خواہ علم وتقوی کے کتنے بھی اونچے مقام پر پہنچ جائے، لیکن وہ انسانوں کے ساتھ گھلا ملا رہے، اپنی کوئی شان الگ سے نہ بنائے، اور لوگوں کے ساتھ عام آدمیوں کی طرح رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر کے معمولات

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی صحابی نے ان سے پوچھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لاتے ہیں تو آپ کے معمولات کیا ہوتے ہیں؟ صحابہ نے یہ سوال اس خیال سے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو افضل الانبیاء والمرسلین ہیں، اس لئے گھر میں تشریف لے جانے کے بعد نہ جانے کتنی عبادت کرتے ہوں گے، کتنے ذکر کرتے ہوں گے، لہٰذا اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہیے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے ہیں، وہ ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسے تم اپنے گھر میں ہوتے ہو، اور جس طرح تم اپنے گھر کے کام کرتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر کے کام کرتے ہیں، البتہ جب حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی آواز کان میں آجاتی ہے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اس طرح تشریف لے جاتے ہیں جیسے آپ ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

بعض صحابہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے بارے میں سوال

یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام نے جا کر ازواج مطہرات سے پوچھا کہ آپ چونکہ ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتی ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ گھر

میں آپ کے اعمال کیا ہوتے ہیں؟ ان صحابہ کرام کے پیش نظر یہ تھا کہ آپ کی عبادت کے اعمال ان ازواج مطہرات کے ذریعہ معلوم ہو جائیں گے، جب ازواج مطہرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال بتائے تو ان صحابہ کرام نے ان اعمال کو بہت کم سمجھا، اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے معصوم بنایا ہے، اور اگر کبھی آپ سے کوئی بھول چوک بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف ہے، اس لئے آپ کو اتنی زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں، لیکن ہم چونکہ عام آدمی ہیں، ہم سے گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں، لہٰذا ہمیں آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، پھر ان میں سے ایک صحابی نے کہا کہ اب آئندہ میں ساری زندگی روزہ رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، دوسرے صحابی نے کہا کہ میں آئندہ ساری رات اللہ کی عبادت کروں گا، اور نمازیں پڑھا کروں گا، اور کبھی بھی رات کو نہیں سوؤں گا، تیسرے صحابی نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس لئے کہ کہیں بیوی بچوں کے مشغلے میں لگ کر اللہ کی عبادت سے غافل نہ ہو جاؤں۔

جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں

اتنے میں نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے، آپ کو پتہ چلا کہ ان حضرات صحابہ نے یہ ارادے کئے ہیں، ایک نے یہ ارادہ کیا کہ میں ساری عمر روزے رکھوں گا، دوسرے نے یہ ارادہ کیا کہ میں ساری زندگی رات

کو نہیں سوؤں گا، تیسرے نے یہ ارادہ کیا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے مقابلے میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا تقوی سب سے زیادہ اختیار کرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی سب سے زیادہ مجھے حاصل ہے، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں، اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، یہی میری سنت ہے ''فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ'' جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ لہٰذا تم لوگوں نے جو ارادے کئے ہیں، وہ غلط ہیں اور میری جو سنت ہے تم لوگ اس کو اختیار کرو۔

عام آدمی کی طرح زندگی گزارو

اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان علم کے، تقویٰ کے، فضل کے چاہے کتنے بھی اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ گھلا ملا رکھے، اپنی کوئی خاص شان نہ بنائے، اپنا الگ کوئی رتبہ قائم نہ کرے، بلکہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اس کو ہمارے طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، لہٰذا عام آدمی کی طرح زندگی گزارو۔

حضرت سلیمان اعمش اور ان کے شاگرد

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہوا ایک اور واقعہ یاد آیا، یہ بھی بڑا سبق آموز واقعہ ہے، ایک مشہور محدث گزرے ہیں، حضرت سلیمان اعمش رحمۃ

اللہ علیہ، یہ بڑے اونچے درجے کے محدث ہیں، اور حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، عربی میں "اعمش" اس کو کہا جاتا ہے، جس کی آنکھ چندھی ہو، ان کی آنکھ چندھی تھی، پلکیں گری ہوئیں تھیں، ایسا شخص جب روشنی کے سامنے آتا ہے تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، حضرت سلیمان اعمش ایسے ہی تھے، اتفاق سے ایک شاگرد ان کے پاس آیا، جو ٹانگ سے معذور تھا، لنگڑا تھا، شاگرد بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، بعض شاگرد وہ ہوتے ہیں جنہوں نے استاذ سے سبق پڑھا، اس کے بعد اپنے کام میں مشغول ہو گئے، پھر استاذ کہاں، شاگرد کہاں، لیکن بعض شاگرد ایسے ہوتے ہیں جو استاد کے ساتھ چمٹ کر رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت استاذ کے ساتھ ہیں، جہاں استاذ جا رہے ہیں، شاگرد بھی ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ شاگرد جو لنگڑے تھے، یہ بھی ایسے ہی تھے کہ ہر وقت اپنے استاذ کے ساتھ لگے رہنے کی فکر میں رہتے تھے۔

تم ہمارے ساتھ بازار مت جایا کرو

جب یہ دونوں استاذ شاگرد بازار جاتے، تو چونکہ استاذ چندھے تھے، اور شاگرد لنگڑے تھے، اس لئے لوگ ان کو دیکھ کر ہنسی مذاق اُڑاتے کہ یہ عجیب استاذ شاگرد ہیں کہ ایک چندھا ہے، اور ایک لنگڑا ہے، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد سے کہا کہ تم میرے ساتھ بازار مت جایا کرو، شاگرد نے پوچھا کیوں نہ جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ جب ہم دونوں بازار جاتے ہیں تو لوگ مذاق اُڑاتے ہیں کہ استاذ چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے، شاگرد نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں تو کیا اب ہم ساتھ جانا بند کر دیں، اور کہا کہ

مَالَنَا نُؤجَرُ وَ يَأثَمُوْنَ ہمیں کیا ہے اگر مذاق اُڑاتے ہیں، ہمیں تو ان کے مذاق اُڑانے پر ثواب ملتا ہے، اور وہ گنہگار ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ لوگ ایک ایسی چیز پر مذاق اُڑا رہے ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر ہے، کیا چندھا ہونا ہمارے اختیار میں تھا؟ یا لنگڑا ہونا ہمارے اختیار میں تھا؟ بے اختیار ایک چیز پیدا ہوگئی ہے، اس کی وجہ سے وہ مذاق اُڑا رہے ہیں تو اس پر ان کو گناہ ہوگا، اور ہمیں ثواب ملے گا۔

ہم بھی اور وہ بھی دونوں گناہ سے بچ جائیں

استاذ تو استاذ ہی تھے، انہوں نے شاگرد کی بات سن کر ایک بڑا عجیب و غریب جملہ ارشاد فرمایا:

نَسْلَمُ وَ يُسْلَمُوْنَ خَيْرًا مِنْ اَنْ نُؤجَرَ وَ يَأثَمُوْنَ

فرمایا کہ اگر ہم بھی سلامت رہ جائیں کہ ہمیں بھی کوئی تکلیف نہ ہو، اور وہ بھی سلامت رہ جائیں کہ انہیں بھی گناہ نہ ہو، یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ملے، اب اگر دونوں ایک ساتھ بازار جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لوگ مذاق اُڑا کر گنہگار ہوتے ہیں، ہم تو اس صورت میں گناہ سے سلامت رہ گئے، لیکن ان کو گناہ ہوا، لیکن اگر ہم ایک ساتھ بازار نہیں جائیں گے، تو وہ لوگ مذاق نہیں اڑائیں گے، تو اس صورت میں وہ لوگ بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے، اور ہم بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے، اور ہم سب گناہ سے محفوظ ہو جائیں گے، یہ بہتر ہے، بنسبت اس کے کہ ہمیں تو ثواب ملے، اور ان کو گناہ ہو، اس لئے آئندہ تم میرے ساتھ بازار مت جانا، اس سے معلوم ہوا کہ جو کام ضروری نہ ہو، اور اس کی

وجہ سے کوئی دوسرا آدمی گناہ کے اندر مبتلا ہو رہا ہو تو اس کام کو ترک کر دینا چاہیے، تا کہ اس آدمی کو گناہ سے بچایا جا سکے۔

شیطان نے بچی کو بھی نہیں چھوڑا

جو حدیث شروع میں میں نے پڑھی اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بازار کی طرف نکلے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک چھوٹی سی لڑکی کے پاس سے گزرے، اور وہ لڑکی گا رہی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس لڑکی کو گاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَوْ تَرَکَ اَحَدًا لَتَرَکَ ھٰذِہٖ

اگر شیطان کسی کو اپنے کام میں پھنسانے سے چھوڑتا تو اس بچی کو چھوڑتا، لیکن شیطان ایسی چیز ہے کہ وہ کسی کو نہیں چھوڑتا، اس نے اس بچی کو بھی اپنے کام میں لگا لیا، یعنی گانے بجانے کے کام میں لگا دیا، حالانکہ یہ بچی ناسمجھ ہے، کم عمر ہے، اسکے باوجود شیطان نے اس کو اپنے کام میں لگا دیا۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس گانے بجانے کو شیطان کے کام سے تعبیر فرمایا، اور یہ فرمایا کہ بچی شیطان کے داؤ میں آ گئی ہے، اور اس کی وجہ سے گانے بجانے میں مشغول ہے، اس سے گانے بجانے کی حرمت اور گانے بجانے کا عمل شیطانی ہونا معلوم ہوا۔

ایسے اشعار پڑھنا جائز ہے

یہاں پر اس بات کو سمجھ لیجئے کہ کون سا گانا بجانا ایسا ہے کہ جس کی شریعت میں گنجائش ہے، اور کون سے گانے بجانے کی حرمت ہے، ایک گانا تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی نے کچھ اشعار بے تکلف ترنم کے ساتھ پڑھ لئے، تو اس طرح بے تکلفی اور سادگی سے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھ لینا شریعت میں منع نہیں، بلکہ جائز ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت چند بچیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے طور پر ترانہ پڑھا کہ:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا وَدَعَا لِلّٰهِ دَاع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

ان بچیوں کو چھوڑ دو، ان کو پڑھنے دو

روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، اور آپ کے گھر میں مختلف محلوں کی چھوٹی بچیاں جمع ہو کر کوئی ترانہ ترنم سے پڑھ رہی تھیں، آپ لیٹے ہوئے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوئے، انہوں نے دیکھا کہ کچھ بچیاں گا رہی ہیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بچیوں کو ڈانٹنا چاہا کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں، آپ کے گھر میں یہ کیا کر رہی ہو؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف چہرہ کئے ہوئے لیٹے ہوئے تھے، جب آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈانٹ رہے ہیں تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک ان کی طرف کیا، اور فرمایا کہ ان بچیوں کو چھوڑ دو، ان کو پڑھنے دو، ان کی عید کا دن ہے۔

شادی کے موقع پر اشعار پڑھنے کی اجازت

لیکن یہ گانا سادگی کے ساتھ، بے تکلفی سے، ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنے کی حد تک محدود تھا، نہ اس کے ساتھ کوئی آلہ تھا، نہ کوئی موسیقی تھی، نہ کوئی چنگ ورباب تھا، نہ کوئی فنکاری کے ساتھ گانا تھا، بلکہ سادگی کے ساتھ بچیاں گا رہی تھیں، آپ نے فرمایا کہ گانے دو...... اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ کچھ بچیاں گا رہی تھیں، تو آپ نے گانے کی اجازت دی، بلکہ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ ترغیب بھی دی کہ چونکہ انصار کو یہ پسند ہے، اس لئے جب کسی لڑکی کی رخصتی ہو تو بچیوں کو بھیج دیا کریں کہ وہ تھوڑا بہت گا لیا کریں...... لیکن اس گانے کے اندر نہ آلات موسیقی ہوتے تھے، نہ چنگ و رباب ہوتا تھا، نہ باقاعدہ فنکاری ہوتی تھی، بلکہ سادگی کے ساتھ ترنم سے چند اشعار پڑھ لئے تو اس حد تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔

ایسا گانا جائز نہیں

ایک گانا وہ ہے جس کو باقاعدہ مشغلہ بنالیا جائے، جس کو باقاعدہ فن بنالیا جائے، جس کے ساتھ آلات موسیقی ہوں، مثلاً چنگ ورباب، عود، ڈھولک اور باجا

ہو، ایسے گانے پر باقاعدہ وعید آئی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے، اور اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث میں جو نکیر فرمائی ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے، اس کو شیطان کا عمل اس لئے قرار دیا کہ یہ اس ممنوع گانے میں داخل تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

شیطان کے عزائم اور ارادے

قرآن کریم میں یہ جو واقعہ آتا ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے شیطان کو جنت سے نکالا، اور راندہ درگاہ کیا تو اس شیطان نے بھی اپنے عزائم اور ارادے اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان کئے کہ آپ کے بندوں کو اس طرح گمراہ کروں گا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ (النسآء: ۱۱۹)

یعنی میں ان بندوں کو بہکاؤں گا، اور ان کو امیدیں دلاؤں گا، اور میں ان کو حکم دوں گا جس کے نتیجے میں وہ چوپاؤں کے کانوں کو تراشا کریں گے، اور میں ان کو حکم دوں گا، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔ بہر حال، اس نے اپنا یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا جواب

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جو چاہے کر لے، لیکن جو میرے نیک بندے ہیں وہ تیرے جال سے محفوظ رہیں گے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں فرمایا:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ. (بنی اسرآئیل: ٦٤)

یعنی ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ و پکار سے اور اپنی آواز سے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادہ کے ذریعہ چڑھائی کر کے، اور ان کے مال اور اولاد میں شرکت کر کے، اور ان سے جھوٹے وعدے کر کے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کر لینا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تو اپنی آواز کے ذریعہ ان کو بہکا دے، مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ شیطان کی آواز سے مراد گانا بجانا ہے، مطلب یہ ہے کہ شیطان جو لوگوں کو غلط راستے پر ڈالے گا، اور اپنی آواز کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گانے بجانے کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے گا، لہٰذا گانے بجانا شیطان کی آواز ہوئی، اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شیطان نے اس بچی کو بھی نہیں چھوڑا، اور اپنے داؤ میں پھنسا لیا، اور جتنے بھی آلات موسیقی ہیں ان کو ''مزمار الشیطان'' اور شیطانی عمل قرار دیا گیا، اور مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی، مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اس میں مبتلا ہوں۔

نام بدل کر حرام کو حلال قرار دینا

لیکن افسوس یہ ہے کہ احادیث میں جتنی شدت کے ساتھ اس کی ممانعت آئی

تھی، اور اس سے پرہیز کی تاکید کی گئی تھی، آج اتنی ہی شدت سے مسلمانوں کے گھروں میں گانے باجے کا سلسلہ بھرا پڑا ہے، شاید ہی کوئی گھر اس سے خالی ہوگا، الا ماشاء اللہ، ورنہ سب گھر اس میں مبتلا ہیں، یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے، صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے آخری زمانے میں لوگ ایسے ہوں گے کہ:

يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخُمُوْرَ وَالْمَعَازِفَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ آئیں گے جو نام بدل بدل کر حرام کو حلال قرار دیں گے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے زمانے کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہے، وہ زنا کو حلال قرار دیں گے نام بدل کر، جیسے آج ہو رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ کورٹ شپ ہے، یہ فرینڈ شپ ہے، یہ تو دوستی ہے، نام یہ رکھ لئے، جبکہ حقیقت میں یہ زنا ہیں، اور حریر یعنی ریشم کو حلال قرار دیں گے، مردوں کے لئے ریشم حرام ہے، لیکن مرد ریشم نام بدل کر پہنیں گے کہ یہ تو فیشن ہے، اور فیشن کا تقاضہ ہے، اور شراب کو نام بدل کر حلال قرار دیں گے، کہ یہ شراب نہیں یہ تو "آب جو" ہے، اب نام بدل کر اس کو پینا شروع کر دیا، اور باجے اور آلات موسیقی کو نام بدل کر حلال قرار دیں گے۔

موسیقی کا نام "آرٹ" اور "فن" رکھ دیا گیا

یعنی آلات موسیقی کا نام بدل کر اچھا سا نام دیدیں گے، جیسے آج کل یہ کہا جا

رہا ہے کہ یہ آرٹسٹ ہے، یہ تو فن کار ہے، اس کو آرٹ اور فن کا نام دیدیا گیا، اور اس کو حلال کر دیا، پہلے زمانے میں جو شخص گانے بجانے کا پیشہ کرتا تھا، اس کو "میراثی" کہا جاتا تھا، اور میراثی کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، بلکہ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو "میراثی" ہے، یہ تو "گویا ہے" گانے بجانے والا ہے، اس کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، لیکن آج وہی میراثی آرٹسٹ اور فن کار بن گیا، اور اب وہ پورے معاشرے کے لئے ایک مثالی فرد بنتا جارہا ہے، بچے، نوجوان اس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل کا نام اچھا رکھ دیا گیا، تو اب وہ لوگوں کے لئے لائق تقلید ہو گیا۔

ہر گھر کے ہر کمرے میں موسیقی کی آواز آرہی ہے

یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتادی تھی کہ یہ سب ہونے والا ہے، آج یہ سب گناہ نام بدل بدل کر رائج ہو رہے ہیں، اور مسلمانوں کے معاشرے میں پھیل رہے ہیں، خاص طور پر جب سے ریڈیو اور ٹی وی لوگوں کے گھروں کے اندر آگئے، تو ان چیزوں نے تو معاشرے میں فساد ہی برپا کر دیا اور اب ہر گھر موسیقی خانہ بنا ہوا ہے، ہر گھر میں گانے باجوں کی آوازیں گونج رہی ہیں، اس لئے کہ گھر میں ریڈیو چل رہا ہے، گھر میں ٹی وی چل رہا ہے، اور اس میں گانے آرہے ہیں، اور موسیقی آرہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو کام کسی خاص جگہ میں ہوا کرتا تھا، اب وہ کام ہر ہر گھر میں ہو رہا ہے، اور گھر کے ہر ہر کمرے میں ہو

رہا ہے، اور شیطان کی آواز کی یہ نحوست گھر کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے، العیاذ باللہ العلی العظیم۔

آج ہر شخص پریشان کیوں؟

اس کے نتیجے میں آج ہر شخص پریشان ہے، اور آج یہ نحوست آئی ہوئی ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ہمارے مقاصد پورے نہیں ہوتے، ہم ذلت میں جارہے ہیں، یہ سب کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ ہم نے اپنے گھر گانے بجانے کے مرکز بنا رکھے ہیں، شیطان کے عمل کا مرکز بنایا ہوا ہے، گھر کے کونے کونے میں گانا بجانے کی نحوست پھیلی ہوئی ہے، اس صورت میں کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی یا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا؟

بڑا خطرناک مقام

اور بڑا خطرناک مقام وہ ہوتا ہے، جب انسان کے دل سے گناہ کی برائی نکل جائے، اگر انسان گناہ کرے، اور گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے، تو پھر بھی کچھ غنیمت ہے کہ کسی وقت ندامت ہوگی، اور شرمندگی ہوگی تو اس کے نتیجے میں توبہ کی توفیق ہو جائے گی، جب کسی گناہ کی بات کو دیکھتے دیکھتے یا کسی گناہ کو سنتے سنتے کان اس کے عادی ہوجاتے ہیں، دل اس کا عادی ہوجاتا ہے، تو پھر اس گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے، اس گناہ کی تاریکی اور ظلمت کا احساس ختم ہوجاتا ہے، اللہ بچائے، یہ انسان کے لئے بڑا خطرناک موقع ہوتا ہے کہ انسان کی حس ہی مٹ چکی ہے، اب وہ بے حس ہو چکا ہے۔ بے حس ہونے کی ایک مثال یوں سمجھیں جیسے ایک آدمی کسی

بدبودار جگہ پر جائے، جب وہ پہلی مرتبہ جائے گا تو اس کے لئے وہاں جانا مشکل ہوگا، اس لئے کہ بدبو آئے گی، اور وہ پریشان ہو جائے گا، لیکن اگر وہ شخص اس جگہ پر رہنا شروع کر دے، صبح وشام وہیں رہتا رہے، رفتہ رفتہ اس کی ناک، کان اس کا سارا جسم اس بدبو کا عادی ہو جائے گا، اب اس کو بدبو محسوس ہی نہیں ہوگی، اس کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ میں کسی بدبودار جگہ پر ہوں۔

گناہوں کا احساس مٹ چکا ہے

یہی حال آج ہم لوگوں کا ہو رہا ہے، ہم لوگ گناہوں کے اندر اس درجہ گھر گئے ہیں، اور گناہوں نے ہمارے چاروں طرف اس طرح احاطہ کر لیا ہے، تو اب ان گناہوں کے گناہ ہونے کا احساس اور اس کی ظلمت کا احساس، اس کی تاریکی کا احساس مٹ رہا ہے، یہ بڑے خطرے کی بات ہے، ہر مسلمان کو اس کی فکر کرنی چاہیے۔

پیدا ہوتے ہی کان میں گانے کی آوازیں

اب نتیجہ یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی یہ آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی ہیں، اب اس بچے کے دل میں اس گناہ کی برائی کہاں سے پیدا ہوگی؟ وہ کیسے اس گناہ کی ظلمت کو محسوس کرے گا، وہ بچہ تو ظلمت کا عادی ہو کر پروان چڑھتا ہے، اسی حالت میں بڑا ہوتا ہے، اسی حالت میں وہ جوان ہوتا ہے، یہ ساری شیطانی اعمال کی ظلمتیں اس کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی ہیں، بہر حال؛ یہ بڑی فکر کرنے کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اہتمام کے ساتھ

اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اور آج ہمارے گھروں میں ریڈیو اور ٹی وی کی جو بلا مسلط ہے، اس نے گھر کے کونے کونے میں یہ شیطانی اثرات پھیلا دیے ہیں، اگر واقعتاً اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس ہے، مرنے کا احساس ہے، تو اس کی فکر کرنی چاہیے، اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ گھروں سے یہ بلا ختم ہو، اور اپنی زندگی کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمت کر کے ان عادتوں کو چھوڑ دیں

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹی وی اور کیبل اتنا زیادہ پھیل گیا ہے کہ اب اس سے بچنا مشکل ہے، اور اب کان ان گناہوں کے عادی ہو گئے ہیں، دل عادی ہو گیا ہے، ان گناہوں کی لت پڑ گئی ہے، لہٰذا اس سے کیسے نکلیں؟ خوب سمجھ لیں کہ انسان کے اندر جتنی عادتیں ہیں، وہ اختیاری ہیں، کوئی عادت اختیار سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت عطا فرمائی ہے، جب انسان اپنی ہمت کو استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ہمت میں بڑی طاقت عطا فرما دیتے ہیں، اور جب اللہ کے لئے اس ہمت کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں خصوصی برکت ڈال دیتے ہیں، اور مدد فرماتے ہیں۔

اہل عرب اور شراب کی محبت

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دیکھئے، کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو ان کی عادتیں کیا تھیں؟ وہ لوگ شراب کے عادی تھے، جبکہ شراب کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب شراب

کسی کے منہ کو لگ جاتی ہے، تو پھر چھوٹتی نہیں، غالب نے بھی یہ کہا ہے کہ :

چھوٹتی نہیں منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

جب ایک مرتبہ منہ سے لگ گئی تو اب چھوٹنا مشکل ہے، آدمی اس کا عادی بن جاتا ہے، اور اہل عرب شراب کے اتنے عادی تھے، شراب سے ان کو اتنی محبت تھی کہ عربی زبان میں صرف شراب کے ڈھائی سو نام ہیں، اگر صبح کے وقت شراب پی جائے تو اس کا نام اور ہے، دوپہر کو پی جائے تو یہ نام ہے، شام کو پی جائے تو یہ نام ہے، شراب میں پانی ملاؤ تو یہ نام ہے، کھجور سے بناؤ تو یہ نام ہے، انگور سے بناؤ تو یہ نام ہے، دونوں کو ملا کر بناؤ تو یہ نام ہے، اس طرح ڈھائی سو نام شراب کے رکھے ہوئے تھے، کیونکہ اس سے محبت زیادہ تھی۔

شراب کی حرمت پر صحابہ کی حالت

لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور آپ نے پہلے حکمت سے کام لیا، رفتہ رفتہ لوگوں کے ذہن بنائے، اور آخرت کی فکر ان کے دلوں میں پیدا کی، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا فرمایا، اور شروع میں شراب کی برائی پر آیات نازل ہوئیں، جس میں شراب کی حرمت کا صراحتاً حکم نہیں دیا گیا، لیکن شراب کی برائی بیان کی گئی، یہاں تک کہ جب صحابہ کرام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس پیدا ہو گیا تو اس کے بعد شراب کی حرمت کا حکم آ گیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت شراب کی حرمت کا حکم آیا، اس وقت میں صحابہ کرام کی ایک محفل میں ساقی بنا ہوا تھا، اور لوگوں کو شراب پلا

رہا تھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی، تو آپ نے ایک منادی بھیجا کہ جا کر مدینہ کی گلیوں میں اعلان کردو، چنانچہ اچانک اس منادی کی آواز کان میں پڑی کہ :

اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

''سن لو کہ شراب حرام کردی گئی ہے'' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آواز کان میں پڑی تو میں نے دیکھا کہ جس شخص نے اپنی منہ سے شراب کا پیالہ لگایا ہوا تھا، اس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ جو گھونٹ منہ میں ہے اس کو حلق سے نیچے اتار دوں، بلکہ اسی وقت کلی کردی، اور پیالہ توڑ دیا، جتنے شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے، وہ سب توڑ دیے گئے، اور شراب کو پانی کی طرح بہا دیا گیا، اور فرمایا کہ تین دن تک مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح شراب بہتی رہی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ شراب حرام ہے، اور شراب کے جتنے برتن تھے، جن میں شراب پی جاتی تھی، اور شراب کے مٹکے جن میں شراب بنائی جاتی تھی، ان برتنوں کے استعمال کو حرام قرار دیدیا، جو شخص شراب کا اتنا عادی ہو چکا ہو، وہ صرف ایک حکم کے آگے اس طرح چھوڑ دے، یہ بہت بڑی بات ہے۔

آخرت کی فکر سب کچھ چھڑا دیتی ہے

جب اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت عطا فرماتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر عطا فرماتے ہیں، جب انسان کو اس بات کی فکر اور دھن لگ جاتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونے والا ہے، تو پھر ان بری عادتوں کی کوئی

حیثیت نہیں رہتی، اور انسان ان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے، یہ تو شراب کا معاملہ ہوا۔

صحابہ کرام نے گانا بجانا چھوڑ دیا

یہی صحابہ کرام شعر و شاعری کے خوگر تھے، اور گانے بجانے کے بھی خوگر تھے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت کے احکام آئے تو گانا بجانا تو درکنار، ایسی شاعری جو گندی شاعری ہوا کرتی تھی، اس کو بھی ترک کر دیا، بڑے بڑے شعراء تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر و شاعری کو چھوڑ دیا، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جو بڑے اونچے درجے کے شعراء میں شمار ہوتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی تو فرمایا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، چاہے دل میں ان کاموں کے کرنے کا تقاضہ پیدا ہو رہا ہو، لیکن جب اللہ کے رسول کا حکم آ گیا تو اب شعر و شاعری کو ختم کر دیا، اور ہمت کر کے اپنے تقاضے کو دبا دیا۔ بہرحال! ان بری عادتوں کو چھوڑنے کے لئے ہمت کرو، اگر ہمت نہیں ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! ہمیں ہمت بھی عطا فرما۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کئی اندھیریوں میں گھر گئے، قرآن کریم کہتا ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں اندھیریوں میں گھر گئے اور باہر نکلنے کا راستہ کوئی نہیں تھا تو انہوں نے اندھیریوں میں گھرنے کے بعد ہمیں

پکارا کہ :

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (الانبیاء : ۸۷،۸۸)

ان تاریکیوں کے اندر ہمیں پکارا کہ اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اسی کی پاداش میں یہاں پہنچا ہوں، آپ ہی ان تاریکیوں سے نکالنے والے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کی اس پکار کو قبول کرلیا، اور ہم نے اس گھٹن سے ان کو نجات دیدی، آپ اس گھٹن کا اندازہ کریں کہ وہ مچھلی کے پیٹ کے اندر چلے گئے، وہاں کیسی گھٹن پیش آئی ہوگی۔

ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ "وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ" کہ ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذرا یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا فرمادیا کہ "وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ" کہ ہم مؤمنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں، کیا ہر مؤمن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور وہاں جاکر وہ یہ الفاظ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دیدیں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نہیں، کیونکہ وہ تو ایک واقعہ تھا، جو حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ پیش آ گیا۔ دراصل اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم بھی اسی طرح تاریکیوں میں گھر

جاؤ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام گھر گئے تھے، تو اس وقت ہمیں ان الفاظ سے پکارو کہ :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

وہ مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں تھیں، اور اگر آج تم گناہوں کی اندھیریوں میں، معصیتوں کی اندھیریوں میں، ماحول کی اندھیریوں میں گھر جاؤ تو ہمیں ان کلمات کے ذریعہ پکارو کہ اے اللہ! میں ان ظلمات میں گھر گیا ہوں، مجھے اپنی رحمت سے ان ظلمات سے نکال دیجئے، جب تم پکارو گے تو تمہیں نجات دیدیں گے۔ بہر حال! یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی ناقابل عمل بات ہے یا یہ کوئی دور از کار بات بات ہے، جب شیطان کی یہ چال ہے کہ تمہیں ان گناہوں کے اندر مبتلا کرے تو تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔

آج مسلمان گناہوں کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں

شیطان کی چال تو اپنی جگہ پر ہے، یہ دشمنان اسلام، جن کو تم دن رات گالیاں دیتے ہو، جن کو برا بھلا کہتے ہو کہ انہوں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے، ہمارے اوپر ظلم و ستم کر رہے ہیں، یہ ان کی بڑی چال ہے، اور انہوں نے اس ٹی وی کے ذریعہ، اور اس کے پروگراموں کے ذریعہ، اور فلموں کے ذریعہ انہوں نے پورے عالم اسلام پر فتح پالی ہے، جب تم ان کے پروگرام دیکھ رہے ہو، اور تم ان کی لائی ہوئی ثقافت کو دیکھ رہے ہو، اور اس ثقافت کو تم نے اپنی زندگی کا جز بنالیا ہے، اور ان کے طور طریقوں کو اپنے لئے مثال قرار دیدیا ہے تو وہ لوگ تم پر فتح تو پاچکے ہیں۔ یہ

درحقیقت ان کی چال تھی کہ مسلمانوں کو ان چکروں میں لگا دیا جائے کہ وہ ہماری ثقافت، ہمارے طور طریقے، اور ہماری تہذیب کو اختیار کریں، اور ہمارے زندگی گزارنے کے طریقوں کو اختیار کریں، چنانچہ یہ ہو رہا ہے، جو پروگرام ٹی وی پر آتا ہے، وہ ہماری زندگی کے اندر داخل ہو جاتا ہے، اور ہماری زندگی کا جز بن جاتا ہے، یہ دراصل شیاطین الجن اور شیاطین الانس کا جال ہے، جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا ہے، اس جال سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو، اور کہو" لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ "اور پھر اپنے آپ کو اس گانے باجے سے بچاؤ، یہ ظلمتوں کا ماحول ہے، یہ شیطان کا پیدا کردہ ماحول ہے، اس سے نکالو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت ہمیں اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے، اور ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اگلی روایت بھی اسی موضوع پر ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی تھی کہ "اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ " اے اللہ! ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرما۔ تفسیر قرآن کریم کا علم عطا فرما، اگرچہ اس وقت وہ کم سن بچے تھے، لیکن

اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرمایا، اور ان کو ''امام المفسرین'' کہا جاتا ہے، یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام مفسرین کے امام ہیں۔

گانے باجے کے آلات لانے والا

وہ فرماتے ہیں کہ ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ''- قَالَ الْغِنَاءُ وَ اَشْبَاهُهُ- قرآن کریم میں سورۂ لقمٰن کی یہ آیت ہے کہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (لقمٰن : ٦)

اس آیت میں ایک آدمی کا ذکر ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کافر تھا، جب وہ شام کا تجارتی سفر کرتا، تو وہاں سے فضول قسم کے قصے کہانیوں کی کتابیں، اور گانے بجانے کے آلات لایا کرتا تھا، اور مکہ مکرمہ میں لا کر ان کو پھیلایا کرتا تھا، قرآن کریم نے اس آیت میں اس کی مذمت بیان فرمائی، اور اس کے بارے میں یہ پوری آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک آدمی وہ ہے جو ''لہو'' کو یعنی اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں بازار سے خرید کر لاتا ہے، تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کرے، قرآن کریم نے ''لہوالحدیث'' کا لفظ استعمال کیا، یعنی ایسی بات جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہو، وہ خرید کر لاتا ہے۔

گانے بجانے کے آلات بھٹکانے والے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام المفسرین ہیں، اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''لہوالحدیث'' سے مراد گانا بجانا ہے، یعنی وہ شخص دوسری جگہوں سے گانے بجانے کے آلات خرید کر لاتا ہے، اور یہاں لاکر ان کو پھیلاتا ہے، اور اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے، اس کے ذریعہ بتادیا کہ قرآن کریم کی یہ آیت گانے بجانے کے مذمت کر رہی ہے، اور یہ بتا رہی ہے کہ یہ گانے بجانے کے آلات لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکانے والے ہیں، گمراہ کرنے والے ہیں، لہٰذا گانے بجانے کے آلات پر قرآن کریم میں بھی نہی وارد ہوئی ہے۔

۱۳۶ احادیث میں گانے باجے کی ممانعت

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، اور اب اس کا اردو میں ''اسلام اور موسیقی'' کے نام سے ترجمہ بھی ہو چکا ہے، اور ''مکتبہ دارالعلوم کراچی'' سے شائع ہو چکا ہے، اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶ احادیث نقل کی ہیں جن میں گانا بجانے کی ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہوئی ہے، اور اس میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھی، اس طرح سے اس کی حرمت نہ صرف احادیث سے، بلکہ کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے، جب قرآن کریم و حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے تو ہر مسلمان کو اہتمام کے ساتھ اپنے آپ کو اور بچوں کو اور اپنے گھر والوں کو ان سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

جائز تفریح پر کوئی پابندی نہیں

ہاں، جیسا کہ میں عرض کیا تھا کہ اگر سادگی کے ساتھ، ترنم سے اشعار پڑھ لئے، اور اس کو باقاعدہ فنکاری کا مشغلہ نہیں بنایا، اس کی شرعاً اجازت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نفسیات کی بھی رعایت رکھی ہے کہ انسان کو تھوڑی بہت تفریح کی بھی ضرورت ہے، اس لئے شریعت نے جائز تفریحات پر پابندی عائد نہیں کی۔ لیکن جن چیزوں سے انسان کا دل خراب ہوتا ہے، اور جو چیزیں انسان کو اللہ سے غافل بنادیتی ہیں، ان شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، اور گانا بجانا ان چیزوں میں سرفہرست ہے، اس لئے اس سے منع فرمادیا گیا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

اسلام اور مغربیت کے درمیان خلیج

اور اس کو پاٹنے کی ایک کوشش

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی یحییٰ عاصم

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : احاطہ بیت المکرم

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اسلام اور مغربیت کے درمیان خلیج

اور
اسکو پاٹنے کی ایک کوشش

مرکز الاقتصاد الاسلامی کے نام سے معیشت وتجارت کے سلسلے میں مشاورت اور اسلامی بینکاری کی تربیت فراہم کرنے کا ایک ادارہ گلشن اقبال (جامع مسجد بیت المکرم کے احاطے میں واقع ایک بلڈنگ) میں قائم ہے، یہ مرکز جامعہ دارالعلوم کراچی کا ذیلی ادارہ ہے، اور اس کے بورڈ آف ٹرسٹیز (Board of trusties) کے چیئر مین (Chairman) حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہیں، سینٹر مختلف تجارتی اور مالیاتی اداروں سے وابستہ پیشہ ور حضرات کو اسلامی معیشت سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے مختصر دورانئے کے کورس اور سیمینار منعقد کرتا رہتا ہے۔ اس سال مرکز نے (PGD) پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کورس (Post graduate diploma course) کا بھی آغاز کیا جو بحمد اللہ کامیابی سے جاری ہے، کورس کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلام نے وقیع خطاب فرمایا، جسے مولانا محمد یحییٰ عاصم صاحب نے ضبط وترتیب دیا۔ یہ خطاب نذر قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ، شعبان ۱۴۲۵ھ.....................(میمن)

الحمد لله رب العلمين ، والعاقبة للمتقين، والصلاة و السلام على خاتم النبيين، و على آله و اصحابه اجمعين، و على كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين . اما بعد !

معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا شکر کن الفاظ میں

اور کس طرح ادا کیا جائے، کہ الحمد للہ آج ہمارے المرکز الاقتصاد الاسلامی کی طرف سے پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ (Post graduate diploma) کا آغاز ہو رہا ہے، اور آج اس کا پہلا دن ہے، اس کورس کی ضرورت اور ہمارے اس ''سینٹر فار اسلامک اکنامکس'' (Centre for Islamic Economics) کے اغراض و مقاصد اجمالاً ضرور آپ کے علم میں آچکے ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ پچھلی صدیوں میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے سیاسی اقتدار اور استعمار کا نشانہ بننا پڑا، جس نے ہماری زندگی کے ہر شعبے پر منفی اثرات مرتب کئے، اور شاید ان کا سب سے ہولناک اثر یہ تھا کہ امت مسلمہ کے عوام اور امت مسلمہ کے تعلیم یافتہ طبقات کو اسلامی تعلیمات کی رہنمائی سے تقریباً محروم کر دیا۔

جو نظام تعلیم لارڈ میکالے (Lord meekly) نے اس برصغیر میں جاری کیا اور اس کے مقاصد واضح طور پر برطانیہ کے دار العوام میں بیان کئے، وہ یہ تھے:

> ''ہمیں ایک ایسی قوم پیدا کرنی ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، لیکن اپنی فکر، اپنے مزاج اور اپنی سوچ کے اعتبار سے انگریز ہو، اور ہم اپنی محکوم رعایا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کیلئے ایک ایسا درمیانی طبقہ پیدا کر لیں، جو ہماری بات ہماری رعایا تک پہنچا سکے''

یہ مقاصد انہوں نے کوئی ڈھکے چھپے نہیں رکھے تھے، بلکہ یہ الفاظ یا جو مفہوم میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، کم و بیش انہی الفاظ میں برطانیہ کے ہاؤس آف کامرس (House of commerce) میں لارڈ میکالے نے واضح کئے تھے،

اور وہ الفاظ اس کی تقریر میں موجود ہیں۔

بہت سی تدبیریں امت مسلمہ کے خلاف استعمال کی گئیں، لیکن سب سے زیادہ مؤثر تدبیر نظام تعلیم کی تبدیلی تھی، ایک ایسا نظام رائج کیا گیا جو کہ سراسر سیکولر (Saccular) تھا، اور اس میں دین اور اس کی تعلیمات کا کوئی خاطر خواہ حصہ نہ تھا، اسلامیات کا ایک مضمون ایک علیحدہ سبجیکٹ (Subject) کی حیثیت میں اگرچہ شامل نصاب رہا ہے، کہیں اختیاری اور کہیں لازمی۔ لیکن اس کی حیثیت پورے کارخانے میں ایک بے جوڑ پرزے سے زیادہ کی نہیں تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ اسلامی کی تعلیمات صرف عبادات کی حد تک محدود نہیں ہیں، اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں جامع ہدایات عطا فرمائی ہیں، قرآن کریم نے بھی، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے بھی، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کم از کم اصولی اور بنیادی ہدایات موجود نہ ہوں، خاص طور پر سیاست اور معیشت کے بارے میں اصولی ہدایات تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں، ان دونوں شعبوں میں اسلامی تعلیمات اور موجودہ دور کے نظریات کے درمیان صرف شکلی اور ظاہری ہیئت کا فرق نہیں ہے، بلکہ کانسپٹس (Concepts) کا فرق ہے، اور خاص طور میں معیشت کا ذکر کروں گا کہ آج کے دور میں معیشت انسانی زندگی کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے، اور اس کی بنیاد پر سیاسی انقلابات آئے ہیں، اسی کی بنیاد پر زندگیاں تبدیل ہوئی ہیں، اور قومیں بنی اور بگڑی ہیں۔ اس لئے معیشت کے بارے میں اللہ رب العزت نے

کچھ اصول عطا فرمائے ہیں، جو اپنے تصور کے لحاظ سے دنیا کے موجودہ چلے ہوئے نظاموں سے بہت مختلف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہر نظام، اور ہر نظریہ اپنی فطری ارتقاء کی منازل اس وقت طے کرتا ہے جب اس کو عملی طور پر اپلائی (Apply) کیا جائے، اور امپلیمنٹ (Implement) کیا جائے، اگر وہ عملی اطلاق سے محروم کر دیا جائے گا تو وہ ایک اسٹیٹک (Static) نظام کی حیثیت میں سامنے آئے گا، اور اس کے اندر جو ڈائنا مزم (Dynamism) ہے یا اس کے اندر جو دوسری صلاحیتیں ہیں اور ایولوشنز (Evolutions) کی جو پٹیشلز (Pettishals) ہیں وہ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کریم اور حدیث رسول کی صورت میں دو بنیادی سرچشمے ہمیں عطا فرمائے، جس میں دو چیزوں کا بڑا حسین امتزاج ہے، ایک اس بات کا کہ کچھ اصول ایسے ہیں جو قیامت تک نا قابل تغیر اور نا قابل تبدیل ہیں، جیسے بھی حالات آتے چلے جائیں اور زمانہ کیسے ہی پلٹے کھالے، لیکن وہ ازلی اور سرمدی اصول ہیں کہ جن میں کوئی تغیر نہیں ہوتا البتہ جہاں ان اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی عملی تطبیق کا سوال پیدا ہوتا ہے، تو اس عملی تطبیق کے لئے اسلامی شریعت اور قرآن وسنت نے انسان کو اپنی سوچ بچار کے ذریعہ راستے تلاش کرنے کا بہت وسیع میدان دیا ہے۔ جو اصول نا قابل تغیر و تبدیل ہیں وہ ایک طرف، اور تغیر پذیر معاملات دوسری طرف، ان دونوں کے درمیان شریعت نے ایک حسین امتزاج پیش کیا ہے، آپ دنیا کی نظریاتی

تاریخ پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے تو اس میں آپ کو یہ حقیقت ضرور ملے گی کہ انسانیت اس افراط و تفریط کی دو انتہاؤں میں بھٹکتی رہی ہے۔

ایک نظریہ یہ تھا اور بہت سی قومیں اور ملتیں اس کی قائل رہی ہیں کہ ہمیں مذہب میں چند اسٹیٹک (Static) غیر متحرک اور جامد اصولوں کا پابند بنایا گیا ہے، لہٰذا ہم ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے، ان کے ہاں جتنے بھی نظریات یا اصول ہیں وہ جامد ہیں، غیر متغیر ہیں، ان کے اندر تغیر اور تبدیلی کا کوئی راستہ نہیں، کوئی آدمی ذرا سا راستہ دوسری طرف نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتا۔ عیسائیت (Christianity) کے جو ابتدائی تصورات ہیں اس میں یہ بات شامل تھی کہ جو اصول یا جو قواعد یا جو نظریات مذہب والوں نے متعین کر دیئے ہیں ان سے سرمو انحراف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ نے یقیناً سنا ہوگا کہ جب گلیلیو نے دوربین ایجاد کی تو دوربین کا استعمال اور اس کے ذریعہ کائنات کی تحقیق اور اس سے استفادہ کو مذہب میں بڑا زبردست جرم قرار دیدیا گیا، آپ کو معلوم ہے کہ گلیلیو کو اس جرم کی پاداش میں زندہ جلایا گیا۔ تو دیکھئے وہاں جمود کا یہ عالم تھا کہ کوئی نظریہ، چاہے وہ انسان کی دینی زندگی سے براہ راست متعلق نہ ہو، وہ اتنا جامد اور غیر متغیر ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، ایک نظام یہ تھا۔

اس نظام کے ردعمل کے طور پر ایک دوسرا نظام مغرب میں وجود میں آیا، جس نے یہ کہا کہ جو مذہب ہمیں دوربین ایجاد کرنے اور اس کے استعمال سے روکتا

ہے ایسے مذہب کو سلام۔ چنانچہ انہوں نے دوسری انتہاء کی طرف سفر شروع کر دیا، اور کہا کہ کوئی اصول ایسا نہیں ہے، جو متغیر نہ ہوسکتا ہو، اور اب ڈائنامزم (Dynamism) کا دور ہے، اس لئے ہر چیز ڈائنامک (Dynamic) ہے، اور اب کسی چیز کو بھی معین اور جامد طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا، جیسے حالات ہوں گے، جیسے تقاضے ہوں گے، اس کے مطابق تبدیلی ہوگی، عقائد بھی بدل سکتے ہیں، نظریات بھی بدل سکتے ہیں، اخلاقی اقدار بھی بدل سکتی ہیں، یہاں تک کہ آخر میں برٹینڈرس (Bartenders) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا میں خیر و شر، اچھائی اور برائی، یہ کوئی انتہائی حیثیت نہیں رکھتے، نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) اچھائی ہے، اور نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) برائی ہے، ہر چیز اضافی حیثیت رکھتی ہے، اچھائی بھی اضافی ہے، اور برائی بھی اضافی ہے، حالات کے لحاظ سے اگر انسان کو کسی عمل میں بھلائی محسوس ہو رہی ہے تو وہ اچھی ہے، اور اگر حالات کے لحاظ سے اس کو بری لگ رہی ہے تو وہ بری ہے، لیکن کسی بھی چیز کو ہمیشہ اور دائمی طور پر اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا فلسفہ اخلاق کا یہ اصول طے پا گیا ہے کہ کوئی بھی چیز نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) اچھائی ہے اور نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) برائی ہے، اچھائی اور برائی کا فیصلہ حالات پر منحصر ہے۔

جب کوئی چیز بھی اپنی جگہ سلامت نہ رہی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی نفسانی خواہشات اس کو ایسی جگہ پر لے گئیں جہاں کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ اسی کے نتیجے میں آج برطانیہ اور دیگر بہت سے یورپی ممالک

میں تالیوں کی گونج میں ایسے کاموں کے جواز کا بل پاس کیا جاتا ہے کہ کبھی جن کا تصور بھی انسان کے لئے باعث شرم ہوا کرتا تھا۔

یہ دو انتہائیں ہیں، ایک یہ کہ جمود اتنا کہ سر مو انسان اپنی سوچ کے ذریعہ کوئی راستہ تلاش نہیں کر سکتا، اور دوسری طرف تغیر پذیری اتنی کہ ڈائنامزم (Dynamism) کے نام پر دنیا کی ہر اخلاقی قدر کو تغیر کی خراد پر گھس لیا جائے، اور کوئی قدر صحیح سالم نہ رہے۔ لیکن شریعت نے ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک حسین امتزاج پیش کیا ہے، وہ یہ کہ نہ ہر چیز قابل تغیر ہے، اور نہ ہر چیز اتنی جامد ہے کہ اس میں سر مو تبدیلی نہ آ سکے۔ بلکہ ہدایات کا ایک سیٹ وہ ہے جس کے بارے میں یہ طے ہے کہ یہ محفوظ ہے، اور اس کے اندر کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں ہو سکتا، جبکہ دوسرا سیٹ حالات زمانہ کے پیش نظر غور و فکر اور تغیر کو قبول کرتا ہے۔

فلسفۂ قانون میں ایک چیز تفصیلی بحث و مباحثہ کا موضوع بنی رہی ہے اور آج بھی آپ کسی بھی فلسفۂ قانون کی کتاب کو دیکھ لیں، تو اس میں یہ بحث آپ کو ضرور ملے گی کہ کسی بھی معاشرے کے لئے اگر کوئی قانون بنایا جائے تو آیا اس میں کچھ قدریں ایسی ہونی چاہئیں کہ جن کو ہمیشہ کے لئے قابل نفاذ سمجھا جائے؟ اور وہ قابل تغیر نہ ہوں؟ یا یہ کہ سب چیزیں قابل تغیر ہونی چاہئیں؟ بڑی بحث و تمحیص کے بعد آخر کار فلاسفہ قانون اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہر چیز کو قابل تغیر قرار دیا جائے، اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر چیز کو جامد قرار دیدیا جائے، کچھ چیزیں قابل تغیر اور کچھ ناقابل تغیر ہونی چاہئیں، اور اگر کچھ چیزیں بھی قابل تغیر نہ ہوں تو

معاشرہ کسی جامد بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔

لیکن آگے سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ کون شخص ہے جو یہ متعین کرے کہ فلاں چیز قابل تغیر ہے اور فلاں چیز قابل تغیر نہیں ہے۔ فلاسفہ قانون اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے، بعض فلاسفہ قانون نے یہ لکھا کہ ہمارے پاس ایک چیز ایسی ہے جو اس کی بنیاد فراہم کرسکتی ہے، اور وہ ہے مذہب، لیکن مذہب کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تو ساری چیزیں ناقابل تغیر ہو جائیں گی، کیونکہ جب بھی مذہب کا نام لیا جاتا تھا تو اس سے ان کا ذہن عیسائیت کی طرف ہی جاتا تھا۔ اس لئے ہمارے لئے پریشانی کا باعث یہ چیز بنی کہ وہ بنیاد کہاں سے تلاش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے، اور انسان کی نفسیات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون جانتا ہوگا، اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ انسان کے لئے دونوں قسم کی چیزوں کی ضرورت ہے، ایک طرف قرآن وسنت کی وہ ہدایات ہیں جن کے اندر کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، لیکن دوسری طرف اس کے عملی اطلاق کے لئے انسان کی سوچ و بچار، اس کی تحقیق کے لئے بڑا زبردست میدان ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ چونکہ پچھلی دو تین صدیوں سے اسلامی شریعت کے احکام اور اس کی راہنمائیاں عملی اطلاق سے محروم رہیں، بلکہ صحیح معنی میں یوں کہیں کہ انسانیت ان کے عملی اطلاق سے محروم رہی، اس وجہ سے اس کے ارتقائی پہلو لوگوں کے سامنے نہ آسکے، اور اس کے نتیجے میں یہ حالت ہوئی کہ مسلمان ملکوں اور مسلمان معاشروں میں بھی جب ہم معیشت یا تجارت کے میدان میں داخل ہوتے ہیں، تو اس میں اسلامی تعلیمات کی

کوئی پرچھائی مشکل ہی سے نظر آتی ہے، بلکہ لوگ اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہوتے چلے گئے، اور جب مختلف افراد میں فطری جنگ کھڑی ہوئی تو مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خود ان کی گدڑی میں کیا لعل چھپے ہوئے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی شریعت سے بے خبر تھے۔

موجودہ نظام تعلیم کے نتیجے میں ایک بڑی زبردست خلیج حائل ہوگئی، ایک طبقے نے دین کو سمجھنے کی کوشش کی، لیکن وہ دنیا کے چلتے ہوئے نظام یا حالات سے کما حقہ باخبر نہ ہو سکا، دوسرے طبقے نے دوسرا راستہ اختیار کیا، مگر وہ دین کی معلومات سے پوری طرح آگاہ نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو ایسی ذہنیتیں وجود میں آگئیں جن کے درمیان ایسی زبردست خلیج حائل ہوئی، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھتی تھیں، ایک دوسرے کی زبانیں نہیں سمجھتی تھیں، ایک دوسرے کی سوچ سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتی تھیں، اس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ ایک عجیب وغریب کشمکش کا شکار ہو گیا۔

ہمارا یہ سینٹر فار اسلامک اکنامکس (Centre for Islamic Economics) جو کہ دارالعلوم کا ایک شعبہ ہے، دراصل اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ مذکورہ دو طبقوں کے درمیان اور خاص طور پر معیشت کے میدان میں جو خلیج حائل ہے اس کو کسی طرح پاٹا جائے، جس وقت آپ اس کورس کا آغاز کر رہے ہیں، بالکل اسی وقت اس کے متوازی ایک دوسرا کورس تقریباً تین مہینے سے ان علماء کے لئے چل رہا ہے جو دینی علوم سے تو باخبر ہیں، مگر موجودہ معاشی حالات سے پوری طرح آگاہ

نہیں ہیں، اس کورس کے ذریعہ ان کو موجودہ معیشت کے حالات سے باخبر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جبکہ دوسری طرف ایسے کورس بھی جاری ہیں جن میں اسلامی شریعت کے بنیادی خدوخال عام لوگوں کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں۔

الحمدللہ! ابتدائی نوعیت کے کئی کورس سینٹر کی طرف سے بڑی کامیابی سے منعقد ہو چکے ہیں، اور اب پہلی بار پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کورس (Post graduate diploma course) کا آغاز ہو رہا ہے، اور مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ جونہی اس کورس کا اعلان کیا گیا تو اس میں ماشاء اللہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے بڑی ہی دلچسپی اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے، جس دلچسپی اور شوق سے اس میں شرکت کی جارہی ہے وہ بڑی ہمت افزا ہے، جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہمارے نوجوان طبقے میں الحمدللہ اپنے دین کو سمجھنے کا ایک بڑا جذبہ پایا جاتا ہے، اور ان میں اس کی فکر ہے کہ کس طرح ہم اپنے دین کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، اس پر میں آپ سب حضرات کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ ایک درمیانے درجے کا کورس ہے، اس سے پہلے والے کورسز ابتدائی نوعیت کے تھے، اور ظاہر ہے کہ ایک سال میں صرف چھٹیوں کے اوقات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کا مکمل نظام اور اس کے تمام پہلو تفصیل کے ساتھ اس طرح سامنے آجائیں کہ اس سے شریعت کا عمیق اور وسیع علم حاصل ہو جائے، لیکن اس ڈپلومہ کورس (Diploma course) کے ذریعہ درمیانی سطح کا ایک معیار تجویز کیا گیا ہے، اور سوچ سمجھ کر اس کے لئے ایسا نصاب متعین کیا گیا ہے جس سے آپ

حضرات کے سامنے کم از کم اسلامی معیشت سے متعلق احکام و ابواب اور اس کے تصورات وضاحت کے ساتھ آجائیں۔

دوسرے الفاظ میں، میں اس طرح کہوں گا کہ اب تک جو کورسز ہوتے رہے ہیں، ان کا زیادہ تر فوکس (Focus) بینکنگ (Banking) اور فائنانس (Finance) کی معلومات تھا، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بینکنگ (Banking) اور فائنانس (Finance) اسلامی احکام کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے، اور اس میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت بڑے وسیع تصورات پر مبنی ہے۔ اس لئے جب تک ان تفصیلات کو سمجھ نہ لیا جائے اس وقت تک ان جزوی تفصیلات کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہٰذا اس کورس کا منشاء یہ ہے کہ ایک محدود دائرہ میں رہنے کے بجائے اسلامی شریعت کے مختلف ابواب کے بنیادی تصورات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کئے جائیں، اور آپ حضرات ان سے باخبر ہوں، ساتھ ساتھ اس میں عربی زبان کا بھی ایک حصہ رکھا گیا ہے، تاکہ عربی زبان سے اتنی مناسبت پیدا ہوجائے جس سے اسلامی تصورات کو سمجھنے میں مدد ملے، اور اس موضوع پر اردو میں یا انگریزی میں جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، اور جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، ان سے براہ راست استفادہ ممکن اور آسان ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کورس پچھلے کورسوں سے زیادہ مددگار ثابت ہوگا، اور میں تہہ دل سے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی، اور میں اپنے ان

سب بھائیوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس موقع پر اس کورس کے افتتاح میں تشریف لا کر ہمیں اعزاز بخشا۔

جناب پرویز سعید صاحب، جناب شجاع قدوائی صاحب، جناب شعیب قریشی صاحب اور دوسرے جن حضرات نے اس موقع پر تشریف لا کر ہماری ہمت افزائی فرمائی ہے، میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ الحمد للہ اس کورس کی ترتیب میں ہمارے مرکز کے چیف ایگزیکٹیو جناب عمران صاحب کا بڑا ازبردست حصہ ہے اور ان کے ساتھ مولانا مفتی محمد یحییٰ عاصم صاحب جو اس مرکز کے مفتی ہیں، ان دونوں نے شب و روز کی محنت کے بعد اس کورس کے آغاز کو ممکن بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں عمر میں اور ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے، اور اس کورس کو آپ حضرات کے لئے اور ہم سب کے لئے نافع اور مفید بنائے، اور اس کے ذریعہ اسلامی معیشت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

دارالعلوم دیوبند

میں شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : دارالعلوم دیوبند، ہندوستان

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

دارالعلوم دیوبند
میں
شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ● وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ● مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ ● وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ● وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ● صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ● آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم ● وصدق رسولہ النبی الکریم ● و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۔

جناب صدر معظم، حضرات علماء کرام، میرے طالبعلم ساتھیو اور معزز

حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی میں بے شمار مقامات پر خطاب کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے، ملک میں بھی اور بیرون ملک میں بھی، اپنی زبان میں بھی اور دوسری زبانوں میں بھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی خطاب مجھے اتنا مشکل معلوم ہوا ہو جتنا آج معلوم ہو رہا ہے، اور وجہ اسکی یہ ہے کہ دل جن ملے جلے جذبات سے معمور ہے، ان کو الفاظ کا جامہ پہنانا اور ان کے لئے مناسب تعبیرات تلاش کرنا مجھے انتہائی دشوار معلوم ہو رہا ہے۔

آپ حضرات نے جس محبت کے ساتھ، جس خلوص کے ساتھ مجھ ناکارہ کی عزت افزائی فرمائی اور جس محبت کا معاملہ فرمایا، میرے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ موجود نہیں۔

آج کا یہ اجتماع، میرے ذہن میں یہ تھا کہ اپنے بچھڑے ہوئے ہم وطنوں، دوستوں، بزرگوں اور ساتھیوں سے ملنے کا اجتماع ہوگا، مقصود اس اجتماع کا میرے ذہن میں یہ تھا کہ محض ملاقات ہو اور ایک دوسرے سے تعارف ہو، مگر ماشاء اللہ یہ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے سر ہی سر، اسکا مجھے پہلے سے اندازہ نہیں تھا، اور نہ یہ کہ مجھے کسی طویل خطاب کی نوبت آئے گی، لہٰذا اس موقع پر اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے چند تأثرات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے انہیں صحیح طور پر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پہلی بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دل ملے جلے جذبات سے

معمور ہے، یہ خاکِ دیو بند جس پر اللہ تعالیٰ نے آج مجھے بائیس سال کے بعد پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ وہ خاک ہے جس سے خود میرے وجود کا خمیر اٹھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس دیو بند کا باشندہ اور اس دیو بند کا فرزند ہونے کا شرف بخشا، میں شباب کے عہد تک پہنچنے سے پہلے یہاں سے رخصت ہو گیا تھا، اور بچپن ہی میں میں نے اس خاک کو خیر آباد کہا تھا، لیکن آج ساٹھ سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بھی اس خاک کی محبت، اس خاک کا عشق کبھی دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکا، اور یہ عشق و محبت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاک دیو بند سے عطا فرمایا، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ میں یہاں پیدا ہوا، میرے خون کے رشتے یہاں پر موجود ہیں اور میرے اکابر کی ہڈیاں یہاں پر دفن ہیں، بلکہ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس شہر کی نسبت سے مشرف فرمایا ہے کہ جس شہر نے صرف ہندوستان ہی میں نہیں، صرف برصغیر ہی میں نہیں، پوری دنیا میں علم اور دین کا نور پھیلایا ہے، مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تقریباً ہر خطے کا سفر کروایا اور دنیا کے چھ براعظموں میں سے کوئی براعظم ایسا نہیں ہے جہاں مجھے بار بار جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو، اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات، وہاں کے حالات سے واقفیت کا موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ دیا ہو، لیکن اس دنیا کے اردگرد جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، کوئی جگہ مجھے ایسی نہیں ملی جہاں دیو بند کی روشنی نہ پہنچی ہو، اور جہاں دیو بند کے فرزند، چاہے وہ دیو بند کے نسبی فرزند ہوں، یا علمی فرزند ہوں، وہاں وہ کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

ایک مرتبہ انڈونیشیا کے دور دراز علاقے میں، جہاں پہاڑی علاقہ تھا، وہاں مجھے میرے میزبان لے گئے، لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ مصروفیات کے ہنگاموں میں چند لمحات تفریح کے میسر آجائیں، وہ ایک پہاڑی مقام تھا، وہاں ہم گھومنے کیلئے نکلے، مغرب کی نماز کا وقت آنے والا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے کسی مسجد میں لے جائیں، مسجد میں جا کر نماز مغرب پڑھی، جو صاحب امامت فرما رہے تھے، جب ان سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیو بند کے فرزند ہیں۔

ایشیا ہو، یا افریقہ ہو، یورپ ہو، یا لاطینی امریکہ ہو، آسٹریلیا ہو، یا نیوزی لینڈ ہو، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم دیو بند کے فرزند براہ راست اس سے فیض حاصل کرنے والے، یا بالواسطہ ان کے شاگرد وہاں کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔ اور نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بستی، جس کے اندر کوئی تمدنی حسن کا اندازہ نظر نہیں آتا، ایک چھوٹی سی بستی جس کی سڑکیں بھی پوری طرح پختہ نہیں، جس کے گھر بھی کچے ہیں، ایک ایسی بستی کا دنیا کے شہروں اور بستیوں سے تقابل کیا جائے تو ظاہری حسن کے اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نظر نہیں آتا، لیکن اللہ جل جلالہ کی مقبولیت اور ہی چیز ہے، وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے کو آفتاب و ماہتاب بنادے، وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے سے وہ کام لے لے جو آفتاب و ماہتاب کے بھی بس میں نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیو بند کی خاک کو ایسا ہی مقدس اور ایسا ہی ایمان افروز بنایا ہے کہ جہاں جہاں اس کا نور پہنچا ہے، جہاں جہاں اس کی روشنی پھیلی ہے، وہاں کے لوگ دیو بند سے واقف ہیں، ہم

عرب ممالک میں جاتے ہیں، عرب علماء سے ملتے ہیں، ان سے اگر ہندوستان کے کسی بڑے شہر کا نام پوچھو تو شاید سوائے دہلی اور ممبئی کے کسی اور شہر کا وہ نام نہیں لے سکیں، لیکن اگر وہ مشہور شہروں کے بعد کسی شہر کو جانتے ہیں تو وہ دیوبند کا شہر ہے، وہ اسلئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں کے اکابرین کو دین کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق دی، جن کا نور پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔

میں اس موقع پر آپ حضرات کو کیا پیغام دوں، لیکن جی چاہتا ہے کہ ایک مختصر سا پیغام آپ حضرات کی خدمت میں اس موقع پر پیش کروں، وہ یہ کہ دیوبند کی شہرت، اس کی یہ نیک نامی، اس کا یہ تقدس جو دنیا کی آخری حدود تک پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ میں یہ سوچتا ہوں کہ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم دیوبند نے علوم اور علم وتحقیق کے دریا بہائے، اگر یہ بات ہو تو میرے پاس ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی تو اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں، جن میں خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کے کام ہوتے رہے ہیں، کیا اس دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور ناموری اور اس کے نور کا سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم کے اندر کتب خانہ بڑا عظیم ہے، درس گاہیں بڑی شاندار ہیں، طلبہ بڑی کثرت سے یہاں پڑھتے ہیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سبب بھی نمایاں نظر نہیں آتا، کیونکہ ایسی اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں، جن میں طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہے، درس گاہیں بھی اچھی بنی ہوئی ہیں۔

یہاں میں اپنے ولد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، کے الفاظ عرض کرتا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے

تھے کہ دیو بند کو دیو بند بنانے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے دین کی صحیح تعبیر، دین کا صحیح تصور، دین کے اوپر صحیح اعتدال والا عمل، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اس خاک کے بوریہ نشینوں کو عطا فرمایا ہے وہ بڑے بڑے علماء و محققین میں نظر نہیں آتا، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب ممالک میں بڑے بڑے محقق علماء دیکھے، تحقیق و تدقیق کے شناور بھی دیکھے، فصاحت و بلاغت کے شہسوار بھی دیکھے، لیکن وہ البیلا رنگ جو میں نے اپنے دیو بند کے اکابر کے اندر پایا، وہ ساری دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا۔

وہ فرماتے تھے کہ میں نے اکابر کو جس طرح پایا، دین اور سنت کی جو تعبیر انہوں نے اپنے قول ہی سے نہیں کی، اپنے علم سے، اپنے طرز عمل سے، اپنی زندگی کی اداؤں سے دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ نظیر ہمیں دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''ما انا علیه و اصحابی'' کی مجسم تصویر میرے ان اکابر کو بنایا تھا، اور کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے :

اولئک ابائی فجئنی بمثلھم ۔۔۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مجھے جن اکابر کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی نظیریں میں نے نہیں دیکھیں، بات یہ تھی کہ دین کی صحیح تعبیر، سنت کا صحیح مقام اور سنت کی عملی تصویر ان کی زندگی کے اندر رچی بسی ہوئی تھی۔ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن سے پچپن تک کا زمانہ دیو بند کے اندر گزارا، اور اگر کبھی دیو بند سے چند دنوں کے لئے باہر جانا پڑتا تو مجھے شاق گزرتا تھا، وہ فرماتے تھے کہ دیو بند کی بنیادی خصوصیت درحقیقت وہ بزرگ تھے، یہ حضرات ''ما انا علیه واصحابی'' کی صحیح

تفسیر تھے، دین کا جو معتدل مزاج ہے، دین کی جو معتدل تفسیر ہے وہ اگر ہم نے کہیں دیکھی تو دیوبند کے اکابر میں دیکھی۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ یہ پانچ شعبے مل کر دین بنتا ہے، تو میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے جو ایک معتدل مزاج اپنی تحریر و تقریر سے بھی اور اپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا، درحقیقت اسی کا نام دیوبندیت ہے۔ عقائد میں اعتدال ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں اور ان سے ایک کے اوپر مجھے بھی کچھ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مسلک دیوبند کو واضح کرنے کے لئے درحقیقت کسی الگ کتاب کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کوئی فرقہ نہیں ہے جو جمہور امت سے ہٹ کر پیدا کر دیا گیا ہو، آپ اہل سنت کے عقائد کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھو، وہ مسلک علماء دیوبند ہے، اور قرآن و حدیث سے جو صحیح عقائد ثابت ہیں، ان کو اٹھا کر دیکھ لو وہ مسلک علماء دیوبند ہے، تو عقائد میں بھی اعتدال، عبادات میں بھی اعتدال، معاملات میں بھی اعتدال، معاشرت میں بھی اعتدال اور اخلاق میں بھی اعتدال، دین کی یہ صحیح تصویر ہے جو یہاں کے اکابر نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

ایک جملہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ "وہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں تھے" یعنی علم و فضل کے پہاڑ تھے،

اور تحقیق و تدقیق کے شناور تھے، لیکن ان کے سراپا کو دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اپنے علم و کمال کی ہوا بھی نہیں لگی، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر دو حرفِ علم کی تہمت قاسم کے سر پر نہ ہوتی تو لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا، اور کہاں مر گیا، یہ حضرات ایسے تھے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ مفتی اعظم ہند، جن کے فتاویٰ دس جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان کی کسر نفسی دیکھئے، محلے کی بیوہ اور ضرورت مند عورتوں کا سودا سلف بازار سے لا دیتے، اور اس میں بہت سی بار عجیب صورت حال پیش آتی، کبھی کوئی بڑی بی کہتی مفتی صاحب میں نے تو آپ کو ہرا دھنیا لانے کو کہا تھا، آپ پودینا اٹھا لائے، یا میں نے تو آپ کو پاؤ بھر کہا تھا، آپ تو آدھا پاؤ لے آئے، تو کہتے بی بی کچھ فکر نہ کرو، میں ابھی جاتا ہوں، مجھ سے غلطی ہو گئی، دوبارہ جا کر تمہارے مطلب کی چیز لے آتا ہوں، دوبارہ پہنچا دیتے، یہ مفتی اعظم ہند، نہ کوئی غرور، نہ کوئی تکبر، نہ اپنی ذات کے کمال کا کوئی احساس ہے، اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں، فنا کئے ہوئے ہیں، فرماتے تھے ''یہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہ تھے''

آج کی دنیا میں لوگوں نے دین نام رکھ لیا ہے صرف عقائد اور عبادات کا، معاملات میں حلال و حرام کی فکر نہیں، معاشرت میں حلال و حرام کی فکر نہیں، معاشرت کو دین سے خارج ہی کر دیا گیا ہے، گویا یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دین کا عظیم حصہ ہے، اس کے بارے میں قرآن کریم اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کتابیں بھری ہوئی ہیں ''المسلم من سلم

المسلمون من لسانه و یده '' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معاشرت کے تمام اصولوں کی بنیاد ہے، لیکن ہم بھول چکے ہیں اور اس کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں، اور خلاف ورزیاں کرنے کے بعد یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے کسی گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، لیکن ان بزرگوں کا معاملہ یہ تھا کہ میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ ان کی معاشرت اتنی زیادہ دوسروں کے خیال پر مبنی تھی کہ اپنی ذات سے کسی بھی دوسرے انسان کو ادنی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں، میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بعض اوقات کوئی شخص ان کے سامنے ایسی غلط بات کہہ دیتا تھا، جو بدیہی طور پر غلط ہوتی تھی، لیکن اس کے منہ پر اس کی اس طرح تردید کرنا جس سے اس کا دل ٹوٹے، یہ حضرت کو گوارہ نہیں تھا، کبھی زندگی بھر اس طرح تردید نہیں فرمائی، بلکہ اس کے قول کی کچھ اس طرح تاویل کر لیتے تھے کہ جس سے اس کی غلطی کی بھی اصلاح ہو جائے، ساتھ ہی اس کا دل بھی رہ جائے، میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب کسی نے کوئی غلط بات کہی تو اس کے جواب میں فرمایا '' بھائی گویا کہ آپ کا یہ مطلب ہے '' یا یہ فرما کر کہ '' گویا کہ آپ کا یہ مطلب ہوگا '' اس غلط بات کی تاویل کر کے، اس کو صحیح طریقے سے بتا کر اس کی غلطی پر بھی متنبہ کر دیا اور براہ راست منہ پر اس کی برائی یا اس کی دل آزاری بھی نہیں کی۔

آج کل یہ چیز کہاں؟ آج کل تو علم کا غرہ ہے، تحقیق کا پندار ہے اور اگر کسی سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ کہ اس انداز سے بات کہوں کہ

دوسرے کا دل نہ ٹوٹے، یہ کہاں ہے؟ یہ ان اکابر کا طغرائے امتیاز تھا جس پر انہوں نے اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھایا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ماشاء اللہ ان کے پوتے اب بھی موجود ہیں، ان کے اور حضرت مدنی قدس اللہ سرہ کے واقعات ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنے ہیں، ہم نے اپنے والد ماجدؒ سے سنا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں شادی تھی، تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب کہ اس وقت حضرت مدنیؒ شیخ الحدیث تھے، وہ اپنے سر پر مٹکا رکھ کر حضرت شیخ الہند کے گھر پہنچا رہے ہیں، اتنا بڑا شیخ الاسلام مگر اپنی ذات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا، ان حضرات کے ایسے اخلاق فاضلہ تھے، فرماتے تھے کہ شریعت کی جو عملی تصویر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اکابر کی زندگیوں میں دکھائی، وہ کہیں اور نظر نہیں آئی، اسی تصویر کا نام ہے دیوبندیت۔

تو بھائی پیغام جو ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ ہم الحمدللہ اپنے آپ کو دیوبند سے وابستہ کہتے ہیں، اور اس پر بجا طور پر فخر بھی کرتے ہیں، لیکن کیا واقعۃً اس دیوبند کی اس خصوصیت کا کوئی عکس، اس کا کوئی نشان ہماری اپنی زندگی میں موجود ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو اپنے آپ سے کرنا ہے، اور کیا واقعۃً ہم اپنے عمل سے دیوبند کے ان اکابر کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں یا نہیں؟ یہ ہمیں سوچنا ہے۔

دین نام ہے اعتدال کا، ہر چیز میں اعتدال، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز

میں کچھ حدود بتائی ہیں "تلک حدود اللہ" ہر چیز کی حد مقرر ہے۔ کسی سے اختلاف ہے تو اختلاف کی بھی حد ہے، کسی سے محبت ہے تو محبت کی بھی حد ہے، کسی سے عقیدت ہے تو اس کی بھی حد ہے، ہر چیز ایک حد کی پابند ہے، اور ان حدود سے جب وہ متجاوز ہوتی ہے تو کبھی بدعت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی گمراہی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی کوئی فرقہ بن جاتا ہے، دین ان حدود کی حفاظت کا نام ہے، اور ان حدود کی حفاظت کے ذریعہ جب ہم دنیا کے سامنے کوئی عمل اور کردار پیش کریں گے تو وہ درحقیقت قابل تقلید ہوگا، وہ درحقیقت دیوبند کے اکابر کی صحیح نمائندگی ہوگا، اور اگر ہم نے ان حدود کی پابندی نہیں کی تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دیوبند کی خصوصیت کو نہ سمجھ سکے، اس کو اپنی زندگیوں میں نہ ڈھال سکے، اور اس کے مطابق دیوبند کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے نہ پیش کر سکے، تو ہمیں اگر دیوبند کی طرف نسبت کرنی ہے تو بھائی ذرا محتاط ہونا پڑے گا۔

یامکن باپیل باناں دوستی　　　　یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

یا تو فیل بانوں سے دوستی نہ کرو، یا پھر اپنا گھر ویسا ہی بناؤ جیسا وہ بناتے ہیں۔ تو اگر ہم دعویدار ہیں دیوبند سے نسبت کے، وہ چاہے علمی نسبت ہو، یا عملی نسبت ہو، تو پھر ہمیں اخلاق و کردار کا جائزہ لینا چاہئے اور ہر چیز کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا جامع کمالات اس کائنات میں کون ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ نے فرمادیا کہ میری اس طرح مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کرو جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعریف

کا شاید کوئی کلمہ بھی ایسا نہ ہو جو مبالغہ سمجھا جائے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ خبردار میری تعریف میں ایسی مبالغہ آمیزی نہ کرو۔ اگر کسی سے محبت کا اظہار کرنا ہو، کسی سے عقیدت کا اظہار کرنا ہو تو وہ بھی حدود کا پابند ہونا چاہئے، کہنے والوں نے کہہ دیا کہ ہم تو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار ہیں، لہٰذا آپ کو یہ بھی کہیں گے اور وہ بھی کہیں گے، تو یہ محبت حدود سے متجاوز ہوگئی، اس نے بدعت یا شرک کی شکل اختیار کر لی۔

اور محبت سے بعض اوقات اسلامی احکام کی مخالفت بھی ہو جاتی ہے، جذبہ صحیح ہوتا ہے اور قابل قدر ہوتا ہے، مگر اس سے تکلیف پہنچ جاتی ہے، یا تو محبوب کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، یا محبوب کے ساتھ والوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم اپنی زندگی کو نظم و ضبط کا پابند بنائیں، دیکھئے سورۂ صافات میں فرمایا ''وَالصَّافَّاتِ صَفًّا'' قسم کھائی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صف بنانے والوں کی، جو صف بناتے ہیں، مفسرین فرماتے ہیں، یا تو اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو صف بنا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں، یا وہ نمازی ہیں جو صف سیدھی کر کے نماز کے اندر کھڑے ہوتے ہیں، یا وہ غازی ہیں جو صفوں کو درست رکھ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، یہ سارے کام بھیڑ بھڑکا سے بھی ہو سکتے تھے، عبادات میں بھیڑ بھڑکا بھی ہوسکتا تھا، دھکا پیل بھی ہوسکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تعریف اس بات کی فرمائی کہ بدنظمی کے ساتھ اور بے ترتیبی کے ساتھ اور اس طرح لاقانونیت کے ساتھ وہ عبادت نہیں

کرتے، عبادت کرتے ہیں تو صف بنا کر کرتے ہیں، یہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ نے، تو ہمیں نظم وضبط کی تلقین فرمائی گئی، مسجد میں جاؤ تو یہ آداب ہیں، مسجد میں جاؤ تو صف بناؤ، نظم وضبط کا اتنا بڑا حکم دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، لیکن اگر ہم محبت کے اظہار میں ان احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بھائی یہ دیوبند والی بات نہ ہوئی، یہ دیوبند کے اکابر والی بات نہ ہوئی۔

لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ دیکھو جلسے بہت ہوتے رہتے ہیں، اور اجتماعات بھی، سو وہ محض رسمی اجتماع ہو کر ختم ہو جاتے ہیں، اگر رسمی طور پر اجتماع کرنا ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ مباح ہوگا، لیکن اجتماع وہ ہے جس میں آدمی کوئی سبق لے کر اٹھے، اور اپنی زندگی میں اس کی بناء پر کوئی تبدیلی لانے کا عزم کرے، وہ ہے اجتماع صحیح معنوں میں، ورنہ نشستند، گفتند و برخاستند۔ لیکن اگر اجتماع اس لئے ہے کہ اس میں دین کی کوئی بات سیکھی اور فوراً اس پر عمل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا تو وہ اجتماع اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑا عظیم ہے، اس کے فوائد دنیا وآخرت میں ملیں گے، وہ دنیا کے لئے ایک مثال بنے گا۔

میں آج یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں، پہلے اپنے نفس سے، اور اس کے بعد تمام حاضرین سے کہ آج ہم اس اجتماع سے یہ سبق لے کر اٹھیں کہ ہم جن بزرگوں سے وابستہ ہیں، جن کی بناء پر دیوبند دیوبند بنا، ان کی سیرتوں کو پڑھیں گے، اور ان کی سیرتوں کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کی کوشش کریں گے، جن میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ دین صرف عبادات وعقائد کا نام نہیں، دین معاملات کی بھی درستگی کا نام

ہے، معاشرت کی درستگی کا بھی نام ہے، اخلاق کی درستگی کا بھی نام ہے، اب میں بہت زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا، ماشاءاللہ آپ سب حضرات اہل علم ہیں، علم دین کے طالب علم ہیں، لہٰذا میں بہت زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا، ہم یہ عزم لے کر اٹھیں کہ جب یہ اجتماع ختم ہو تو نظم وضبط کے ساتھ ختم ہو، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اجتماع اس بھیڑ بھڑ کے ساتھ ختم ہوتا ہے، جس طرح شروع ہوا تھا، یا نظم وضبط کے ساتھ ختم ہوتا ہے؟ کیوں بھائی نظم وضبط کے ساتھ ختم ہوگا؟ ترتیب کے ساتھ ختم ہوگا؟ کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی؟ کسی کو دھکا نہیں دیا جائے گا؟ وعدہ ہے؟ تو اگر یہ فائدہ حاصل ہوگیا تو انشاءاللہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگیا۔

میں ایک بات اور عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں کہ بھائی دیوبند کے نام لیوا ہونے کے ناطے انشاءاللہ یہ عزم کر کے یہاں سے اٹھیں کہ اکابر دیوبند کی سیرتوں کا مطالعہ کریں گے، اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اپنی زندگی کو نظم وضبط کا پابند بنائیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماحولیاتی آلودگی

اور اس کے اسباب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	موسسة آل البیت للفکر الاسلامی، اردن
تاریخ خطاب	:	۲۷ر ستمبر ۲۰۱۰
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماحولیاتی آلودگی

اور اس کے اسباب

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو موسسہ آل البیت للفکر الاسلامی کی طرف سے اردن میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ''ماحولیاتی آلودگی'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے پندرہویں اجلاس منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ ر ستمبر ۲۰۱۰ء میں مدعو کیا گیا تھا، جہاں حضرت والا نے فی البدیہہ عربی خطاب فرمایا تھا، اس خطاب کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے.... (میمن)

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وقائد المتقین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین و علی کل من تبعهم باحسان الی یوم الدین. اما بعد

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ نے ہمارے لئے اس مبارک ملاقات کو میسر فرمایا، اور ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں'' ماحولیاتی آلودگی'' کے موضوع پر غور کرنے کی توفیق بخشی، پھر میں عالی جناب امیر غازی بن

محمد (حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ) کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ملاقات کا انتظام فرمایا، اور موتمر کی بہترین میزبانی اور اعلیٰ انتظامات کا اہتمام فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائیں اور ان کی ان قیمتی اہداف میں صحیح سمت کی طرف رہنمائی فرمائیں، جن کے لئے وہ کوشاں ہیں، واللہ سبحانہ ہو الموافق

واقعہ یہ ہے کہ میں اس موتمر کے لئے اپنی مصروفیات اور پے در پے اسفار کی بنا پر کوئی مقالہ تیار نہیں کر سکا، اور اسی وجہ سے میں یہاں مقالہ نگار یا متکلم بن کر نہیں، بلکہ استفادے کی غرض سے حاضر ہوا تھا، لیکن میں نے پروگرام کو دیکھا کہ میرا نام اس نشست میں گفتگو کرنے والوں میں شامل کیا گیا، لہٰذا یہ جانتے ہوئے کہ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنی قیمتی ابحاث میں اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے بحث فرمائی ہے، میں اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک بات پر زور دینا چاہتا ہوں، جس کی طرف ماحولیاتی آلودگی کے مسئلے کے حل کی تلاش میں توجہ دینا مناسب ہے۔

آج کل جب کوئی مادیت سے متاثر آدمی ماحولیات کے تحفظ کے بارے میں بات کرتا ہے، تو وہ یہ سوچ کر اس پر غور کرتا ہے کہ یہ ایک ٹھیٹھ مادی موضوع ہے، لہٰذا مثال کے طور پر وہ صفائی ستھرائی اور صرف اس کے ظاہری تقاضوں کے بارے میں گفتگو کرے گا، البتہ جہاں تک اسلامی نقطۂ نظر سے ماحول کے تحفظ کا تعلق ہے تو وہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے، اور جب ہم اس موضوع سے متعلق احکام شرعیہ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت نے

''صفائی'' میں دو بہت ہی اہم بنیادی اصولوں کا اضافہ فرمایا ہے، جنہیں مادیت پرست ذہنیت نے نظر انداز کیا ہے، اور وہ اصول ہیں : طہارت اور تزکیہ

جہاں تک صفائی ستھرائی کا تعلق ہے، تو واقعۃً وہ شرعی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے، جس کی اسلامی شریعت کے بہت سے احکام میں تاکید فرمائی گئی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد امام ترمذیؒ اور دیگر ائمہ نے نقل فرمایا کہ ''اپنے گھروں کے ماحول کو صاف ستھرا کرو'' اسی طرح وہ احادیث مبارکہ ہیں جن میں انسان کے جسم، رہائش، غذاؤں، اور اس کی فضا کی صفائی کی اہمیت کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جس میں انسان جیتا ہے، ان میں سے بہت سے احکام کی تشریح اس مؤتمر میں پیش کئے جانے والے مقالوں میں فرمائی گئی ہے، لہٰذا میں اپنی گفتگو میں انہیں دھرانا نہیں چاہتا، البتہ میں ان دو آخری بنیادی نکات پر زور دینا چاہوں گا، یعنی طہارت اور تزکیہ۔ ان دونوں باتوں کا ماحولیات کی درستگی اور خرابی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فضائی آلودگی کے اسباب دو قسم کے ہیں، پہلی قسم ان اسباب کی ہے جنہیں ہم اپنی ظاہری نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں، اور دوسری قسم ان معنوی اسباب کی ہے جنہیں آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، لیکن ماحول کی صفائی اور آلودگی پر ان کا بڑا اثر پڑتا ہے، چاہے وہ بلا واسطہ طور پر ہو، یا بالواسطہ طریقے سے ہو، اور تزکیہ کا ان اسباب کے ازالے میں بڑا مؤثر کردار ہے۔

جہاں تک طہارت کا تعلق ہے تو وہ نظافت (صفائی) کے علاوہ ایک اضافی

چیز ہے، یعنی شریعت اسلامیہ کی رو سے ہر ''نظیف'' (صاف) چیز طاہر (پاک) نہیں ہوتی، اور نہ ہی ہر طاہر چیز ''نظیف'' ہوتی ہے، اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص نے اچھی طرح غسل کیا، اور ظاہری صفائی کے تمام اسباب جیسے صابون، شامپو اور مختلف خوشبوئیں استعمال کیں، اور حمام سے اس طرح نکلا کہ وہ خوشبو سے مہک رہا تھا، لیکن جونہی نکلا، کسی وجہ سے اس کا وضو جاتا رہا، تو یہ وضو کا جاتا رہنا اس کی ظاہری صفائی پر تو ادنیٰ سا بھی اثر نہیں کرے گا، لیکن اس کی طہارت (پاکی) کو زائل کر دے گا، جس کی وجہ سے وہ اگر اس وقت نماز پڑھنا چاہے تو اس کو حکم یہ ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے وضو کرے، اس کے برعکس جو رطوبتیں منہ اور ناک سے نکلتی ہیں، وہ ہیں تو پاک، لیکن نظیف نہیں ہیں، اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد سے ہٹانے اور کھرچنے کا حکم فرمایا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس ان کو ہٹایا بھی ہے۔

غرض یہ کہ اسلام طہارت اور نظافت دونوں کی تاکید کرتا ہے، اور محض کسی ایک پر اکتفاء نہیں کرتا، کیونکہ جس طرح نظافت حسی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح طہارت معنوی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ وسیع اور ہمہ گیر شئی تزکیہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تزکیہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اہم مقاصد میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ

(آل عمران:١٦٤)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے''

اگر چہ تزکیہ کا وسیع مفہوم طہارت اور نظافت کو بھی شامل ہے، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے سیاق میں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کو بُرے باطنی اخلاق جیسے تکبر، حسد، حب مال، حب جاہ، تعیش پسندی اور اس جیسی خصلتوں سے پاک کیا جائے، جنہیں علماء طریقت ''رذائل'' کا نام دیتے ہیں، اسی طرح تزکیہ میں انسان کو اچھے اخلاق جیسے اخلاص، تواضع، ایثار، بردباری، قناعت اور ان جیسی دوسری صفات سے آراستہ کرنا داخل ہے، جنہیں علماء ''اخلاق فاضلہ'' سے تعبیر فرماتے ہیں، اور یہ انسان کے باطن کو پاک کرنا ہے، جس طرح کہ طہارت اور نظافت کا مقصد انسان کے ظاہر کو پاک کرنا ہے۔

اس تمہید کے بعد اگر ہم ان فضائی مسائل کو بنظر غائر دیکھیں جن کی وجہ سے ہمارے اس کرہ ارضی کو ہمہ گیر خطرات لاحق ہیں، جیسے غلاف اوزون کا پھٹ جانا، گرمی کا بڑھ جانا، موسم میں تبدیلیاں واقع ہونا، نئی بیماریوں کا پیدا ہو جانا، جن کے بارے میں اس سے پہلے کوئی علم ہی نہیں تھا، اور گیسز اور مختلف کیمیائی مواد کے

ذریعہ پیدا ہونے والی بیماریاں، تو ان تمام چیزوں کا سبب آخر کار ہماری تعیش پسندی، شہوات اور لذت میں انہماک، مال اور منافع کو کسی بھی طریقے سے کمانے اور پیداوار کو غیر فطری تیز رفتاری سے بڑھانے کی محبت، اور ذاتی خواہشات کو معاشرے کے مفاد پر اور جلدی حاصل ہونے والے فوائد کو دیرپا فوائد پر ترجیح دینا ہی ثابت ہوتا ہے۔

ان محرکات کو سدھارنے کا تزکیہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، جو کہ انبیاء (علیہم السلام) کی بعثت اور خاص طور پر خاتم الانبیا **علیہ افضل الصلوات و التسلیم** کی بعثت کا ایک اہم مقصد ہے۔

یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کائنات کو ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور اسی طرف ارشاد باری تعالیٰ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ (سورۃ الرحمٰن: ۷، ۸، ۹، ۱۰)

''اور آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے، اور اسی نے ترازو قائم کی ہے، کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو، اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو، اور زمین کو اسی نے ساری مخلوقات کے لئے بنایا ہے''

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میزان کو زمین اور آسمان کے درمیان

میں ذکر فرمایا ہے، اور انسان کو میزان میں ظلم نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان وزمین اس توازن کے ذریعہ قائم ہیں، جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور زبردست قدرت کے ذریعے کائنات کی قوتوں میں ودیعت فرمایا ہے، اور اسی توازن میں زمین اور زمین والوں کی بہبود موقوف ہے، اور جو کچھ بھی اس حکمت آمیز توازن میں خلل ڈالتا ہے، وہ درحقیقت زمین میں بگاڑ (فساد) پیدا کرنے اور سرکشی کا مرتکب ہوتا ہے، جس کی قرآن حکیم نے مذمت فرمائی ہے، اور جس سے تمام انسانیت کو ڈرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے آلات نے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے، لیکن جب مذکورہ بالا بُرے محرکات کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں ٹیکنالوجی کے آلات کو اس قدر وسعت کے ساتھ کسی پابندی کے بغیر استعمال کیا گیا، تو یہی چیز ہے جس نے اس توازن میں خلل ڈالا، کیونکہ (مادی دنیا کے پاس) کوئی ایسی اقدار تو تھیں نہیں جن کے ذریعہ ان محرکات کو معقول حدود کے اندر لایا جاسکے، اور نہ کوئی ایسا معیار موجود تھا، جس کے ذریعہ معقول اور غیر معقول میں تمیز کی جاسکے۔

اس سے واضح ہوا کہ انسانی معاشرے کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ زندگی میں توازن پیدا کرنے والے معیاروں کو درست کرے، لہٰذا فضائی آلودگی کے مسئلے (کا حل) صرف یہ نہیں ہے کہ فضا کو اس گندگی سے صاف کرنے کی ایسی کوشش کی جائے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، بلکہ ہمیں اس کی بھی ضرورت

ہے کہ ہم زندگی میں اپنے چال چلن کو درست کریں، اور ڈھانچے کو متعین کریں جس پر ہم نے ترقی کے راستوں کو تعمیر کیا ہے، آیا وہ ہماری زندگی کے حقیقی تقاضوں پر مبنی ہیں، یا خواہشات اور نفسانی اغراض کی پیروی پر؟ اور ان معیاروں کو درست کرنے کا سوائے اسکے کوئی راستہ نہیں کہ دونوں کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم کی جائے۔

لہٰذا فضا کے مسئلے کے حل کیلئے یہ ضروری ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم سے واقف حضرات کے درمیان اور علماء شریعت کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو، تا کہ وہ اس حد فاصل تک رسائی حاصل کر سکیں جسے ہم زندگی کے ڈھانچے کی از سر نو تعمیر میں اپنا نصب العین بنائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ مؤتمر اس رابطے کو قائم کرنے اور اس مسئلے کو ایک نئے زاویے اور گہرے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی تمہید ثابت ہوگی، جو مسئلے کی ان وجوہات کی اصل جڑ تک پہنچے جو انسان کے اخلاق میں پوشیدہ ہیں۔

والله سبحانه و تعالىٰ و لى التوفيق

وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العلمين

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تعلیم و تربیت

اور اس کے انقلابی اثرات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد انور حسین

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دار العلوم کراچی۔

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تعلیم و تربیت

اور اس کے انقلابی اثرات

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ امّا بعد :

محسن انسانیت، سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے، ایسے معلم جن کی تعلیم و تربیت نے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرۂ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی، بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف، امن و سکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال کی مختصری مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا، اس برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی

انگشت بدنداں کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے، وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں، جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں، جہاں ہر طرف قتل و غارت گری کی آگ بھڑک رہی تھی، وہاں امن و آشتی کے گلاب کھل اُٹھتے ہیں، جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا، وہاں عدل و انصاف کی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں، جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جا رہے تھے، وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگتا ہے، اور بالآخر عرب کے ہی صحراء نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل و خوار تھے، ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن جاتے ہیں، اور ساری دنیا اس کے عدل و انصاف، اُن کی رحم دلی اور اُن کی شرافتِ نفس کے گن گانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا جو سو فیصد نتیجہ دنیا نے دیکھا ہے، تاریخ انسانیت کے کسی اور معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی، آج ہم اسی بات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی وہ کیا بنیادی خصوصیات تھیں، جنہوں نے دنیا بھر میں یہ حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔

موضوع تو بڑا طویل اور تفصیل کا محتاج ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے

لئے ممکن نہیں ہے، لیکن آج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کی صرف دو خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو اپنی محدود بصیرت اور مطالعہ کی حد تک مجھے سب سے زیادہ بنیادی معلوم ہوتی ہیں:

ان میں سے پہلی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت، دلسوزی و خیر خواہی اور رحم دلی و نرم خوئی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (القرآن)

”پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے نرم خو ہو گئے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو جاتے“

جس شخص نے بھی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی

انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر غضب ناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں، اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق بات ان کے دل میں اُتر جائے، اور یہ ہدایت کے راستے پر آجائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کوئی کتاب پڑھا کر، یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں، اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اس کے بجائے آپ اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبہ میں دخیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہر دکھ درد میں شریک اور ہر لمحہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے فکرمند رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی وصف کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ:۱۲۸)

''بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے، اور جو تمہاری بھلائی کا بے حد حریص ہے، اور مسلمانوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہے''

علامہ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند احمدؒ اور معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے آکر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت

دیدیجئے؟''...... ذرا تصور تو کیجئے کہ کیا فرمائش کی جارہی ہے؟ ایک ایسے گھناؤنے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش جس کی قباحت وشناعت پر دنیا بھر کے مذاہب و ادیان متفق ہیں، اور یہ فرمائش کس سے کی جارہی ہے؟ اس برگزیدہ ہستی سے جس کی عفت وعصمت کے سامنے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان کو مار پیٹ کر، یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوادیتا، لیکن یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہوجاتا تھا، بلکہ جو اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض وغضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اُسے پیار کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا، اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا ''اچھا یہ بتاؤ کہ جو عمل تم کسی اجنبی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو، اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کرلو گے؟'' نوجوان کے ذہن وفکر کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلنے لگے، اس نے کہا ''نہیں یا رسول اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تو پھر دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کرلو گے؟'' نوجوان نے عرض کیا ''نہیں یا رسول اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو بات تمہیں اپنی بہن کے لئے گوارا نہیں، دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں

کرتے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دیدے کر سمجھاتے رہے، اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ "اللّٰھم اغفر ذنبه و طھر قلبه و حصّن فرجه" یا اللہ اس کے گناہ کو معاف فرمادیجئے، اور اس کے قلب کو پاک کردیجئے، اور اس کی شرمگاہ کو عفت عطا فرمایئے، یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اُٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو چکا تھا۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان پر غیظ و غضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں آپ کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آرہی تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر و تحمل ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا، کاش کہ آج کے مصلحین، اساتذہ اور واعظین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا ہو سکیں تو آج اُنہیں اپنے نوجوانوں کی بے راہ روی کی شکایت نہ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تعلیم و تربیت کی دوسری اہم خصوصیت جسے میں اہمیت کے ساتھ اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں، اور جو احقر کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کی سب سے زیادہ مؤثر خصوصیت ہے، اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو جس جس بات کی تعلیم دی، اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و نصائح اور آپ صلی

---

(۱) مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۲۹، طبع بیروت، کتاب العلم باب فی أدب العالم

اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت صرف دوسروں کے لئے نہ تھی، بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت و سہولت عطا فرمائی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت و سہولت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے تمام مسلمانوں کی صف میں رکھنا پسند فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی، تو خود اپنا عالم یہ تھا کہ دوسرے اگر پانچ وقت نماز پڑھتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ وقت نماز ادا فرماتے تھے، جس میں چاشت، اشراق اور تہجد کی نمازیں شامل ہیں، تہجد عام مسلمانوں کے لئے واجب نہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا، اور تہجد بھی ایسی کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرمادیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محنت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے، لیکن کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود یہ عمل کر کے دکھایا کہ ساری زندگی نماز باجماعت کی جو پابندی فرمائی وہ تو اپنی جگہ ہے عین مرض وفات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑا، بلکہ دو آدمیوں کے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے، اور جماعت کے

ساتھ نماز ادا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ عام مسلمان اگر رمضان کے فرض روزے رکھتے تھے، تو آپ کا کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ تھا، عام مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کو روزہ رکھ کر شام کو افطار کرلیا کریں، لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز مسلسل اس طرح روزے رکھتے تھے کہ رات کے وقت میں بھی کوئی غذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں نہیں جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے خود اپنی عملی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا، عام مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ فریضے کے طور پر دینے کا حکم تھا، اور اس سے زیادہ حسب توفیق خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ اپنی فوری ضرورت کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرمادیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تک گوارا نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقتی ضرورت سے زائد ایک دینار بھی گھر میں باقی رہے۔ ایک مرتبہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً گھر میں تشریف لے گئے، اور جلد ہی باہر واپس آئے، صحابہ کرام نے وجہ پوچھی تو فرمایا ’’مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، مجھے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے، اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے گھر میں پڑا رہ جائے'' حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ گھر میں تشریف لائے، میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا ''ام سلمہؓ کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے'' حد یہ ہے کہ مرض الوفات کی حالت میں جب کہ بیماری کی تکلیف نے سخت بے چین کیا ہوا ہے، آپ کو یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، فوراً حکم دیتے ہیں کہ ''انہیں خیرات کردو، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں''

عام مسلمانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ جوش میں آکر اپنی ساری پونجی خیرات کردینا مناسب نہیں، بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، لیکن مسلمانوں کو اس تعلیم کا عادی بنانے کیلئے خود آپ نے اپنے عمل کا نمونہ پیش فرمایا کہ گھر میں کوئی نقدی باقی نہ چھوڑی، تاکہ لوگ اس مثالی طرز عمل کو دیکھ کر کم از کم اس حد تک آسکیں جو اسلام کو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے، چنانچہ انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ:

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲)

''تم نیکی کا مقام ہرگز اس وقت تک حاصل نہ کرسکو گے، جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو''

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت پر عمل کرنے کے لئے

مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا، وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے، اس آیت کے نازل ہونے پر تمام صحابہ کرامؓ نے اپنی پسندیدہ ترین اشیاء خیرات کر دیں، اور ایسی ایسی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جنہیں وہ سالہا سال سے حرزِ جان بنائے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی، تو خود اپنی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھایا، غزوۂ احزاب کے موقع پر جب بعض صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شدت کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ اس پر پتھر بندھا ہوا ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنا بطن مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا کہ اگر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کر رہے تھے تو ان کا آقا اور امیر (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف قیادت و نگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا، بلکہ بہ نفس نفیس کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا اور زمین کا جتنا ٹکڑا ایک عام سپاہی کو کھودنے کے لئے دیا گیا تھا، اُتنا ہی ٹکڑا اس نے اپنے ذمے لیا تھا۔

ایثار کی تعلیم ہر معلم اخلاق نے دی ہے، لیکن عموماً یہ تعلیم معلم کے الفاظ اور فلسفے سے آگے نہیں بڑھتی، اس کے برخلاف انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی زبان سے ایثار کے الفاظ کم استعمال کئے اور عمل سے اس کی تعلیم زیادہ دی، حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی ہیں، اور مرتبے کے لحاظ سے صرف عرب کی نہیں، دونوں جہاں کی قابل احترام شہزادی ہیں، لیکن چکی پیتے پیتے ان کی ہتھیلیاں گھس گئی ہیں، وہ آکر درخواست کرتی ہیں کہ مجھے کوئی خادمہ دلوادی جائے، لیکن مشفق باپ کی زبان سے یہ جواب یہ ملتا ہے کہ ''فاطمہ ابھی صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا، اس لئے تمہاری خواہش پر عمل ممکن نہیں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا درس دیا تو خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھلایا، ایک مرتبہ کسی شخص کا کچھ قرضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا، اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا مطالبہ کیا، اور اس غرض کے لئے کچھ گستاخانہ الفاظ استعمال کئے، ساری دنیا جانتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقوق العباد کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے تقاضے کے بغیر ہی اس شخص کا قرض ضرور چکاتے، اس لئے اس شخص کے پاس اس تلخ کلامی کا کوئی جواز نہ تھا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ نے اس شخص کا یہ گستاخانہ انداز دیکھا تو اسے اس گستاخی کا مزہ چکھانا چاہا، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تمام تر اشتعال انگیز اور تکلیف دہ رویے کو دیکھنے کے باوجود صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ :

دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا

''اسے رہنے دو، وہ صاحب حق ہے، اور صاحب حق کو بات کہنے کی گنجائش ہوتی ہے''

اور عفو و درگزر کا جو معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا، وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے ظلم و ستم کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا تھا، انہی لوگوں پر فتح پانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ، اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

''آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیم و تربیت جس نے دشمنوں کے دل جیتے، اور جس نے ایک وحشی قوم کو تہذیب و شائستگی کے بام عروج تک پہنچایا، اس کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تعلیم محض ایک فکر اور فلسفہ نہیں تھی، جسے خوبصورت الفاظ کے خول چڑھا کر آپ نے اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کر دیا، بلکہ وہ ایک متواتر اور پیہم عمل سے عبارت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی، چنانچہ اگر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا استقراء کر کے دیکھا جائے تو اس میں قولی احادیث کی تعداد کم ہے، اور عملی احادیث کی تعداد زیادہ ہے، علامہ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کنز العمال'' اب تک احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے جامع ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اس کتاب میں علامہ موصوفؒ نے ہر عنوان کے تحت قولی احادیث اور فعلی احادیث کو الگ الگ

ذکر کیا ہے، اگر اس کتاب ہی کا جائزہ لے لیا جائے تو بیشتر عنوانات کے تحت قولی احادیث کا حصہ مختصر اور فعلی احادیث کا حصہ زیادہ طویل نظر آتا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے روئے زمین پر جو حسین ودلکش انقلاب برپا فرمایا، اس میں زبانی تعلیم کا حصہ کم اور عملی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے۔

آج اگر ہم میں اساتذہ کی تعلیم، واعظوں کے وعظ اور خطیبوں کی تقریریں نتائج کے اعتبار سے بے جان اور اصلاح معاشرہ کے عظیم کام کے لئے بے اثر نظر آتی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آج ہمارے معلموں، واعظوں اور خطیبوں کے پاس صرف دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفے تو ضرور ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی ان دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفوں سے یکسر متضاد ہے، اور ایسی تعلیم وتربیت نہ صرف یہ کہ کوئی مفید اثر نہیں چھوڑتی، بلکہ بسا اوقات اس کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب ایک شدید ذہنی کشمکش اور فکری انتشار کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے، استاذ کا بیان کیا ہوا زبانی فلسفہ اور مقرر کی شعلہ بیان تقریریں ایک محدود وقت کے لئے انسانوں کو اپنی طرف متوجہ ضرور کرلیتی ہیں، لیکن جب تک اس کے ساتھ عملی نمونہ نہ ہوتو ان تقریروں سے صرف کان متاثر ہوتے ہیں، اور بہت زیادہ ہوا تو عقل ان کی صحت کو تسلیم کرلیتی ہے، لیکن دلوں کو متاثر کرنے اور زندگیوں کی کایا پلٹنے کا عظیم کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک معلم کی تعلیم اور واعظ کا وعظ خود اس کی اپنی زندگی میں عملی طور پر رچا بسا ہوا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے معلموں اور واعظوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس راز کو سمجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صحیح معنی میں پیروی کرسکیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

(بشکریہ البلاغ ۱۴۲۴ھ)

دینی مدارس کیا ہیں؟

ان کی بات بھی ٹھنڈے دل سے سن لیجئے!

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی۔

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس کیا ہیں؟

ان کی بات بھی ٹھنڈے دل سے سُن لیجئے!

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین، والعاقبة للمتقین، والصّلاة و السّلام علی خاتم النبیّین، وعلٰی آله واصحابه اجمعین، وعلی کل من تبعهم باحسان الی یوم الدّین. امّا بعد:

ملک کے دینی مدارس آج کل چاروں طرف سے نہ صرف تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، بلکہ ان کے خلاف یکطرفہ اعلانات اور کارروائیوں میں روز بروز شدت آرہی ہے، کسی بھی ادارے پر تنقید کوئی بری بات نہیں، اگر اس ادارے کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اور اس کے نظام اور اغراض و مقاصد کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس پر تنقید کی جائے، تو ایسی تنقید خیر مقدم کی مستحق ہے، اور اس سے ادارے کو بہتر بنانے اور ترقی دینے میں مدد ملتی ہے، لیکن اگر کوئی تنقید دور دور سے محض بدگمانیوں کی بنیاد پر کی جائے تو نہ صرف یہ کہ اس سے اصلاح حال میں کوئی مدد نہیں ملتی، بلکہ وہ بسا اوقات محاذ آرائی کی شرانگیز فضا پیدا کر دیتی ہے، اور اگر یہ تنقید اُن سرکاری ذرائع کی طرف سے ہو جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ دوڑ ہے، اور وہ اسے عملی کارروائیوں کی بنیاد بنانے لگیں، تو ایسی تنقید ظلم و ستم میں تبدیل ہو

جاتی ہے۔ دینی مدارس کی مظلومیت یہ ہے کہ آج کل وہ اسی دوسری قسم کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں جو ٹکسالی فقرے آج ہر نقاد کی زبان پر ہیں، اُن میں اکثر وہ ہیں جو ان مدارس کے مشاہدے اور معروضی تجزیہ پر نہیں، بلکہ ان مفروضوں پر مبنی ہے جو دور دور سے ذہن میں قائم کر لئے گئے ہیں، اور انہیں ایک مسلّم حقیقت سمجھ کر دن رات ان کی تشہیر کی جارہی ہے، اس بات کی تصدیق بآسانی اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جو حضرات دینی مدارس کے بارے میں یہ چلتے ہوئے فقرے تکیۂ کلام کی طرح بولتے رہتے ہیں کہ ''ان مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، دینی مدرسوں میں عصری مضامین بھی پڑھانے چاہئیں، کیا وجہ ہے کہ ان مدرسوں سے سائنسدان پیدا نہیں ہوتے؟'' وغیرہ وغیرہ ان سے یہ پوچھ کر دیکھ لیجئے کہ ''کیا آپ نے کوئی مدرسہ خود جا کر دیکھا ہے؟ کیا آپ نے اُن کے نصاب اور نظام کا جائزہ لیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا کیا مضامین کن کن مرحلوں میں پڑھاتے ہیں؟'' مجھے یقین ہے کہ ان میں سے اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا۔ اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تنقید کتنی منصفانہ اور کتنی وزن دار ہے؟

پروپیگنڈے کے اس نقار خانے میں جہاں فضا ایسی بنادی گئی ہے کہ ان دینی مدارس کی حمایت میں کچھ بولنا اپنے سر پر دقیانوسیت، رجعت پسندی، بلکہ دہشت گردی تک کا الزام لینے کے مرادف بن گیا ہے، میں آپ کو انصاف کے نام پر دعوت دیتا ہوں کہ براہ کرام ایک مرتبہ خود ان دینی مدارس کے نمائندوں کی بات

ٹھنڈے دل و دماغ سے سن لیجئے، اور ان مدارس کی صحیح صورتحال ان کی زبانی معلوم کرکے اپنے ذاتی مشاہدے سے اس کی تصدیق کر لیجئے، اس کے بعد بیشک آپ جو تنقید کریں، یا جو اصلاحی تجاویز پیش کریں، وہ خیر مقدم کی مستحق ہوں گی۔

پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس کیا ہیں؟ ہمارے ملک میں بڑی بھاری تعداد ایسے حضرات کی ہے جو دینی مدارس سے واقف ہی نہیں ہیں، اور وہ ''دینی مدرسہ'' بس ان مکتبوں کو سمجھتے ہیں جو اکثر مسجدوں میں قرآن کریم ناظرہ یا حفظ پڑھانے کے لئے قائم ہیں۔ اگرچہ ہمارے ملک میں ان مکتبوں نے قرآن کریم کی تعلیم عام کرنے اور خواندگی کی شرح بڑھانے میں بڑی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، اور یہ ''دینی مدارس'' کے نظام کا ایک حصہ بھی ہیں، لیکن ''دینی مدارس'' کے نام سے جو ادارے اس وقت موضوع بحث ہیں، وہ یہ مکتب نہیں، بلکہ وہ تعلیمی ادارے ہیں جو ''عالم دین'' کی ڈگری دینے کے لئے سولہ سالہ نصاب پڑھاتے ہیں۔ یہ دینی مدارس کسی نہ کسی ''وفاق'' یا ''تنظیم المدارس'' سے ملحق اور منسلک ہیں جو ان کے لئے نصاب متعین کرتا اور مختلف مرحلوں کا اجتماعی امتحان لے کر انہیں سند جاری کرتا ہے۔

''وفاق'' کی طرف سے ان مدارس کا جو نصاب مقرر ہے، اس کے تحت مکتب کی تعلیم (یعنی قرآن کریم ناظرہ یا حفظ اور معمولی نوشت وخواند) کے بعد تعلیم کا پہلا مرحلہ متوسطہ کہلاتا ہے، جو میٹرک کے مساوی ہے، اس مرحلے میں طلبہ کو وہ تمام مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو سرکاری اسکولوں میں رائج ہیں، ان میں اردو،

انگریزی، حساب، جغرافیہ، تاریخ، مطالعۂ پاکستان اور سائنس و معاشرتی علوم وغیرہ تمام مروجہ مضامین شامل ہیں، البتہ اس میں ان دینی معلومات کا اضافہ ہے جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہیں، عام سرکاری اسکولوں یا پرائیوٹ اداروں میں اسلامیات کا جو برائے نام حصہ ہوتا ہے، اس کے بجائے یہاں اچھے معیار کی دینی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، نیز فارسی زبان سے بھی مناسبت پیدا کی جاتی ہے، تاکہ طالب علم فارسی کے علمی اور ادبی ذخیرہ سے استفادہ کی صلاحیت حاصل کر سکے، اسکے علاوہ بہت سے دینی مدارس اسی مرحلے میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

اس طرح جب طالب علم مرحلہ متوسطہ سے فارغ ہوتا ہے، تو وہ میٹرک کی سطح تک کے تمام عصری مضامین پڑھ چکا ہوتا ہے، جو سیکولر تعلیمی اداروں میں میٹرک تک پڑھائے جاتے ہیں، بلکہ ان کے ساتھ وہ اسلامیات اور فارسی زبان کی اضافی تعلیم بھی حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

اس مرحلہ متوسطہ کے بعد ثانویہ، عالیہ اور عالمیہ کے تین مراحل ہیں، جن کا بنیادی مقصد اسلامی علوم کی تعلیم ہے، ان میں عربی زبان، اس کے قواعد، عربی ادب، عربی بلاغت، ترجمہ و تفسیر قرآن، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد اور قدیم و جدید علم کلام کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے، چونکہ خاص طور پر اصول فقہ اور کلام کے دقیق مسائل سمجھنے کے لئے منطق اور فلسفے کو بھی سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے منطق اور قدیم و جدید فلسفہ بھی نصاب کا حصہ ہے، نیز بعض مضامین جن سے ایک عالم کو بحیثیت عالم اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے واقف ہونا

ضروری یا مفید ہے، ان کو بھی تعارفی حیثیت میں داخل نصاب کیا گیا ہے، ان میں جدید فلکیات (Astronomy) معیشت وتجارت اور تقابل ادیان کے مضامین شامل ہیں۔

یہ ہے مختصراً وہ نصاب جو عالمیہ کے مرحلے تک تمام دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، اور جس کو سرکاری طور پر ایم اے عربی واسلامیات کے مساوی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے بعد بڑے دینی مدارس نے مختلف مضامین میں تخصص (Specialization) کے درجات بھی قائم کئے ہوئے ہیں، بعض مدارس میں فقہ کا تخصص، بعض میں حدیث کا تخصص، بعض میں دعوت وارشاد کا تخصص کرایا جاتا ہے، جس کی مدتیں مختلف مدارس میں ایک سال سے تین سال تک ہوتی ہیں، اور بعض مدارس میں اس تخصص کے ساتھ مختلف غیر ملکی زبانیں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہیں، تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل دوسرے ملکوں میں خدمات انجام دے سکیں، لیکن تخصص کا یہ نظام ابھی وفاق کے تحت نہیں ہے، بلکہ ہر مدرسہ اپنے طور پر اس کا انتظام کرتا ہے، اس لئے یہ نظام ابھی معیار بندی (Standardization) کا محتاج ہے۔

وفاق کی طرف سے ایک مستقل نصاب کمیٹی مقرر ہے، جو وقتاً فوقتاً نصاب کا جائزہ لے کر اس میں ترمیم واضافہ کرتی رہتی ہے۔

تمام دینی مدارس میں نہ صرف تعلیم بالکل مفت ہے، بلکہ دوسرے شہروں کے طلبہ کے لئے رہائش بھی مفت ہے، اور مستحق طلباء سے خوراک کی بھی کوئی قیمت

نہیں لی جاتی۔اور پڑھنے کے لئے کتابیں بھی بلا معاوضہ مستعار دی جاتی ہیں۔

یہ ہے دینی مدارس کا مختصر نظام، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اعتراضات اور تبصروں پر غور فرمایئے جو عام طور سے ان مدارس پر کئے جارہے ہیں۔

سب سے اہم تبصرہ جو دینی مدارس کے تقریباً تمام ناقدین کرتے ہیں یہ ہے کہ مدارس میں مروجہ عصری علوم پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، یہ صرف دینی تعلیم دیتے ہیں، اور طلبہ کو دنیوی علوم سے بالکل بے بہرہ رکھتے ہیں، بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟

اس تنقید پر غور کرتے ہوئے پہلے یہ اصولی بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس وقت دنیا میں بہت سے علوم پھیلے ہوئے ہیں، اور ایک شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بیک وقت ان تمام علوم کا ماہر ہو، یہ اختصاص (Specialization) کا دور ہے، اور بہت سے ادارے صرف کسی ایک علم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے قائم ہوتے ہیں، ان پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے علوم میں مہارت کیوں پیدا نہیں کرتے، ایک میڈیکل کالج طب کی خصوصی تعلیم دیتا ہے، تو اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ انجینئرنگ کیوں نہیں سکھاتا؟ ایک لاء کالج میں اگر قانون کی خصوصی تعلیم ہوتی ہے تو اس پر کوئی بھی معقول شخص یہ اعتراض نہیں اٹھاتا کہ اس کالج سے ڈاکٹر کیوں پیدا نہیں ہو رہے؟ اسی طرح اگر دینی مدارس صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں تو ان پر اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ یہاں سے ڈاکٹر اور انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ صحیح بات یہ ہے کہ ایک حد تک تمام وہ

مضامین پڑھانے کے بعد جن کی ہر پڑھے لکھے آدمی کو ضرورت ہوتی ہے، اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ طالب علم اپنی ایک خصوصی لائن مقرر کر کے اس لائن میں مہارت پیدا کرے، دنیا بھر میں یہی ہو رہا ہے کہ میٹرک یا اولیول کی سطح تک ضروری مضامین سب مشترک طور پر پڑھتے ہیں، اس کے بعد آرٹس، سائنس، کامرس، میڈیکل یا انجینئرنگ وغیرہ میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کی خصوصی تعلیم حاصل کی جاتی ہے، لہٰذا اگر دینی مدارس میٹرک کی سطح کے بعد صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں، تو اس حد تک کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اگر معقولیت کے ساتھ کوئی اعتراض ہوسکتا تھا تو وہ یہ تھا کہ یہ مدارس میٹرک کی سطح تک بھی وہ ضروری مضامین نہیں پڑھاتے جو آج ہر پڑھے لکھے انسان کی ضرورت ہیں، تو یہ اعتراض بلاشبہ صحیح ہوتا، اگر ان دینی مدارس کو اس طرف توجہ نہ ہوتی۔ لیکن جب سے مدارس میں وفاقوں کا نظام جاری ہوا ہے، یہ صورت حال تبدیل ہو چکی ہے، اب وفاق نے تمام مدارس کے لئے جو نصاب اور نظام لازمی قرار دیا ہے، اس کی تفصیل میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس کی رُو سے اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہر مدرسہ پر لازم ہے کہ وہ میٹرک کی سطح تک تمام مروجہ مضامین پڑھائے، جن میں ریاضی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ اور انگریزی زبان وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور اب بیشتر مدارس میں یہ نظام سالہا سال سے جاری ہے، بلکہ ان مضامین میں بہت سے مدارس کا معیار تعلیم اگر مثالی نہیں تو عام سرکاری اسکولوں کے معیار سے یقیناً بدرجہا بہتر ہے، دینی مدارس کے اپنے اجتماعی

نظام کے ذریعہ جسے وفاق المدارس یا تنظیم المدارس کہا جاتا ہے، اس رُخ پر مسلسل پیش رفت ہو رہی ہے، اور اس نظام میں جو بھی کمزوریاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کرنے پر مسلسل کام ہو رہا ہے۔

دوسرا بڑا اعتراض جسے مغربی پروپیگنڈے نے عالمگیر بنا دیا ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ ان مدارس میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، اور یہ دہشت گردوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں، دینی مدارس کے ذمہ داروں کی طرف سے بار بار یہ پیشکش کی گئی ہے کہ جس کسی کو مدارس کے بارے میں اس قسم کا شبہ ہو، اُسے کھلی دعوت ہے وہ مدرسوں کو آکر خود دیکھے، اور چاہے تو سراغ رسانی کے حساس ترین آلات استعمال کر کے پتہ لگائے کہ آیا کہیں ناجائز ہتھیاروں یا ان کی خفیہ تربیت کا کوئی نشان ملتا ہے؟ اگر کسی مدرسے کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہاں دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے، یا اس قسم کی کوئی کارروائی ہو رہی ہے تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کا نہ صرف خیر مقدم کیا جائے گا، بلکہ وفاقوں کے ذمہ دار حضرات بار بار یہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم خود بھی اس کارروائی میں تعاون کریں گے، لیکن تین سال سے مدارس کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈا جاری ہے، اور سرکاری حلقوں سے بھی یہ مجمل بات کہی جاتی ہے کہ بعض مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے، سوال یہ کہ اگر کسی مدرسے کے خلاف یہ بات ثابت ہوئی ہے تو اس کا نام اور اس کی شناخت کیوں منظر عام پر نہیں لائی جاتی؟ اور ''بعض مدرسوں'' کا لفظ استعمال کر کے تمام دینی مدارس کو آخر کیوں مشکوک اور مطعون قرار دیا جا رہا ہے؟

صورت حال یہ ہے کہ اول تو اب تک کسی بھی دینی مدرسے کے خلاف اس قسم کا کوئی الزام میری معلومات کی حد تک ثابت نہیں ہوسکا۔ چودھری شجاعت حسین صاحب کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران مدرسوں میں دہشت گردی کے الزام کی مکمل تحقیق کی، اور انہیں کسی مدرسے میں دہشت گردی کی تربیت کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن اگر فرض کریں کہ ہزار ہا دینی مدارس میں سے ایک دو مدرسوں کے بارے میں یہ الزام ثابت بھی ہوجاتا ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس کی بنیاد پر تمام دینی مدارس کو دہشت گرد قرار دیدیا جائے؟ کیا دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں بعض اوقات کچھ جرائم پیشہ افراد داخل نہیں ہوجاتے؟ کیا اس کی بنیاد پر تمام تعلیمی اداروں کو جرائم پیشہ قرار دیدینا عقل وانصاف کے کسی خانے میں فٹ ہوسکتا ہے؟

دینی مدارس کو دہشت گردی کی وارداتوں سے ہر قیمت پر منسلک کرنے کی تازہ ترین مثال لندن کے دھماکے ہیں، جن لوگوں کو اس دھماکے کا ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے، انہوں نے کسی دینی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی، وہ برطانیہ ہی میں پلے بڑھے، اور وہیں کے ماڈرن اداروں میں تعلیم پائی، ان میں سے صرف ایک کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی وقت مختصر عرصے کے لئے لاہور آیا تھا، اگر یہ بات درست ہو، تب بھی یہ عجیب معاملہ ہے کہ جہاں اس نے پوری زندگی گزاری، اسے چھوڑ کر پاکستان کے دینی مدارس کو اس لئے مطعون کیا جائے کہ وہ ایک مختصر وقت کے لئے یہاں آیا تھا، اسی واقعہ کے پس منظر میں ہماری حکومت نے دینی مدارس میں باقاعدہ ویزے پر آئے ہوئے تمام غیر ملکی طلبہ کے لئے یہ اعلان کردیا

ہے کہ انہیں فوراً ملک چھوڑنا ہوگا۔ ان میں سے بہت سے طلبہ وہ ہیں جو سالہا سال یہاں کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آئندہ مہینے اپنا آخری سال مکمل کر کے امتحان دینے والے ہیں، جس پر انہیں ڈگری ملنی ہے۔ لیکن فی الحال احکام یہ ہیں کہ انہیں اتنی بھی مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنا امتحان دے سکیں، اور اس طرح ان کے سالہا سال کی محنت اکارت کی جارہی ہے۔ یہ سراسر ظلم نہیں ہے تو کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان غیر ملکی طلبہ کا تعلیم کے لئے پاکستان آنا ملک کے لئے ایک اعزاز ہے، اور یہ اپنے اپنے ملکوں میں واپس جاکر قومی مسائل میں ہمارے ملک کے لئے غمخواری میں کسر نہیں چھوڑتے، ان کے لئے پاکستان کے دروازے بند کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اب پاکستان کے بجائے ہندوستان کا رُخ کریں گے، اور ایسی اطلاعات مل رہی ہیں کہ جو والدین اپنی اولاد کو دینی تعلیم و تربیت دلانا چاہتے ہیں، وہ اب انہیں بھارت بھیجنے کے انتظامات سوچ رہے ہیں، ان حالات میں سوال یہ ہے کہ کیا یہ ناگہانی فیصلہ ملک کے مفاد میں ہے؟ اگر کسی خاص شخص کے بارے میں کوئی الزام ہے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا، وہ کارروائی ضرور کیجئے، اور مدارس پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ اس معاملے میں حکومت کے ساتھ پورا تعاون کریں گے، لیکن سارے مدارس کے تمام غیر ملکی طلبہ کو ایک سانس میں ولیس نکالا دینا معقولیت اور انصاف کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

(بشکریہ البلاغ، شعبان ۱۴۲۶ھ)

مسلمانان عالم

کی پستی کے دو سبب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی عبدالتواب طالقانی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ١۔ کراچی ١٩

مقام خطاب : جدید جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ خطاب : ۱۴/اگست ۲۰۰۸ء

وقت خطاب : گیارہ بجے دن

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانانِ عالم کی پستی کے دو سبب

۱۱؍شعبان ۱۴۲۹ھ (۱۴؍اگست ۲۰۰۸ء) کو جامعہ دارالعلوم کی جدید جامع مسجد کے مرکزی ہال میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مخیّرین حضرات کے سامنے اپنے خطاب میں عالم اسلام کی موجودہ حالت زار کے حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی کہ دراصل ہمیں اپنی اصلاح کی فکر نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا خیال نہیں، یہ بصیرت افروز خطاب مولوی عبدالتواب طالقانی نے قلم بند کیا۔ جو ہدیہ قارئین ہے .... (میمن)

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم . اَمَّا بَعْد!

میرے محترم ساتھیو اور علماء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس موقع پر میں دارالعلوم کراچی کی طرف سے اور دارالعلوم کی انتظامیہ کی طرف سے آپ حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ حضرات یہاں تشریف لائے، یہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے لئے پہلا موقع اور تجربہ ہے کہ یہ عظیم اجتماع دارالعلوم میں منعقد ہو رہا ہے، لہٰذا اس میں بہت سی کوتاہیاں بھی ہوسکتی ہیں، اور غلطیاں بھی، آپ حضرات کی جس طرح خاطر داری ہونی چاہیے تھی، اور جس انداز سے آپ

حضرات کے لئے سہولیات کا پورا انتظام ہونا چاہیے تھا، اس میں یقیناً کوتاہیاں بھی ہوسکتی ہیں، اور غلطیاں بھی، لیکن اگر کوئی کوتاہی ہوئی بھی ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اور کوشش کے باوجود کسی مجبوری کے تحت ہوئی ہوگی، میں آپ حضرات سے اور آپ کے اخلاق کریمانہ سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر کسی قسم کی کوئی شکایت پیش آجائے تو اس کو للہ فی اللہ معاف فرمادیں، کیونکہ یہ ہمارے لئے پہلا تجربہ ہے، اور اگر کسی قسم کی کوئی تجویز ذہن میں ہو تو بلا تکلف بیان فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے اس قیام کو مبارک فرمائے، اور جس مقصد کے لئے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، اس مقصد میں مکمل کامیابی عطا فرمائے، اور آپ حضرات کو اپنی ذمہ داری سے امانت و دیانت کے ساتھ عہدہ برا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اصل تو مجھے اس موقع پر آپ حضرات سے یہی خیر مقدمی کلمات عرض کرنے تھے۔

لیکن مولانا کفایت اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب علماء کرام کا اتنا بڑا اجتماع ہے، جس میں پورے ملک کے مختلف حصوں کے علماء شامل ہیں، تو اس سے کچھ اور فائدے بھی اُٹھانے چاہئیں، تو اس نقطۂ نظر سے ایک بات ذہن میں آئی جو اس وقت آپ حضرات کی خدمت میں بطور مذاکرہ عرض کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ تمام حضرات کو اس کا مکمل

احساس و ادراک ہے کہ اس وقت پورا عالم اسلام عموماً اور ہمارا ملک خاص طور پر دشمنوں کا بہت بڑا نشانہ بنا ہوا ہے، اس وقت ساری اسلام دشمن طاقتیں متحد ہیں، اور اس فکر میں ہیں کہ عالم اسلام کی قوت کو کس طرح پارہ پارہ کیا جائے، اور جہاں کہیں اسلام و دین کی آواز بلند ہو، اس کو خاموش کیا جائے، پورے عالم اسلام میں یہی عجیب و غریب صورتحال ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر تاریخ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو اتنی بڑی تعداد مسلمان کی ساری تاریخ میں کبھی نہیں تھی، جتنی آج ہے، اور مسلمان کو اتنے وسائل کبھی میسر نہیں تھے، جتنے آج میسر ہیں۔

دنیا کو جغرافیائی نظر سے دیکھا جائے تو انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ایک زنجیر ہے، جو مسلمان ممالک سے پروئی ہوئی ہے، بیچ میں صرف دو غیر مسلم اور دشمن طاقتیں ہیں، اگر ان کو نکال دیا جائے تو پورا عالم اسلام ایک زنجیر میں جڑا ہوا ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین کا وہ خطہ مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے جو مختلف النوع وسائل سے مالا مال ہے، یہ وہ خطہ ہے جس کے ذریعہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے پوری دنیا کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے، نہر سوئز مسلمانوں کے قبضے میں ہے، جو بحر اسود کو بحر احمر سے ملاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ سے ایشیا آنے کا واحد راستہ نہر سوئز ہے، ابنائے فاسفورس بحر اسود کو بحر متوسط سے ملاتی ہے، جس کے ذریعہ روس ایشیا اور یورپ جا سکتے ہیں، مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، خلیج عدن جو درحقیقت پورے عرب ممالک کا دروازہ سمجھا جاتا ہے، وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، غرض دنیا کے اہم ترین خطے جو جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے اہم ہیں، وہ مسلمانوں کے قبضے

میں ہیں، آج کل دنیا میں سب سے بڑی دولت پیٹرول جو زرسیال ''بہتا ہوا سونا'' کہلاتا ہے، وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہے، یہاں تک کہ دنیا میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا ہے کہ ''جہاں مسلمان ہیں، وہاں تیل ہے'' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ وسائل مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں، انسانی وسائل کے اعتبار سے کرۂ زمین کا جائزہ لیں تو یہ خطہ جو مسلمانوں کے پاس ہے، موسم کے اعتبار سے، آب وہوا کے اعتبار سے، گردش لیل ونہار کے اعتبار سے معتدل ترین حصہ ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے، کتنے علاقے یورپ میں ایسے ہیں جنہیں موسم کے غیر معتدل ہونے کا شکوہ رہتا ہے، بہت سے علاقوں میں گرمی ہے تو مسلسل گرمی ہے اگر سردی ہے تو مسلسل سردی ہے، بہت سے لوگ گرمی سے ناآشنا ہیں تو بہت سے لوگ سردی سے ناآشنا ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانون کو ہر طرح کی زرعی پیداوار عطا فرمائی ہے، اس لئے یہ کہنا کوئی غلط نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے وسائل آج عالم اسلام کو عطا فرمائے ہیں، تاریخ میں اتنے کبھی نہیں تھے، لیکن حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حیثیت دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنی کمزور ہے کہ دنیا کی دوسری اقوام مسلمانوں کو نوالہ تر بنانے کی فکر میں ہیں، بلکہ بڑی حد تک بنا چکی ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے، جس میں تمہاری تعداد تو زیادہ ہوگی لیکن ''غثاء کغثاء السیل'' یعنی سیلاب میں بہتے ہوئے خس وخاشاک کی مانند ہوں گے'' آج وہ کیفیت ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی ظلم

کی روادار نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ ''وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (الشوریٰ: ۳۰) ''پس اس میں تو کسی مؤمن کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تمام مصائب ہماری بداعمالی کی بدولت ہیں، جس کا ہمیں شکوہ بھی ہے کہ مسلمان ممالک کا حکمران طبقہ مغربیت سے مرعوب ہے، حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ طبقہ اسلام دشمن عناصر کا کارندہ ہے، الا ماشاء اللہ......لیکن عام طور سے صورتحال یہ ہے کہ اگر مغربی طاقتوں کی طرف سے کوئی قانون آتا ہے، مغربی طاقتیں تو بعد میں اقدام کرتی ہیں مسلمان ملکوں کی طرف سے پہلے اقدام ہوجاتا ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جو مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے معروف ہیں، ان کے خلاف کارروائی غیر مسلم ملکوں میں بعد میں ہوئی، مسلمان ملکوں میں پہلے ہوئی، آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ برطانیہ اور امریکہ میں ابھی تک دینی مدارس موجود ہیں، اور ان کو کسی نہ کسی حد تک قائم کرنے کی اجازت بھی ہے، اگر کوئی قائم کرنا چاہے تو اصول و شرائط کے مطابق قائم کرسکتا ہے، اور الحمد للہ کر بھی رہے ہیں، لیکن آپ متحدہ عرب امارات مین قائم کرنا چاہیں، خلیج کے کسی ملک میں قائم کرنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی، کیوں؟ اس لئے کہ حکمران ''شاہ'' سے بھی بڑھ کر ''شاہ'' کے وفادار ہیں، وہ چونکہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے تیور مدارس دینیہ کے بارے میں بدلتے رہتے ہیں، اس لئے مدارس کے قیام کی اجازت نہیں دیتے، چند گنے چنے ملک ہیں جہاں اس طرح دینی مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے، جیسے پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ......اب مزید ایک دو ملکوں میں الحمد للہ اجازت مل گئی ہے، لیکن ایسا

مدرسہ بحرین، دبئی یہاں تک کہ سعودی عرب میں قائم کرنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی۔

اصل صورتحال یہ ہے کہ حکمران طبقہ کی اکثریت مغربی طاقتوں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے، الا ماشاء اللہ...... یہ حکمران کیوں ہمارے اوپر مسلط ہیں؟ اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی کہ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" اس لئے اس وقت پوری امت مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں، ان کا سبب ہمارے اعمال ہیں۔

اس لئے علماء کرام کا فریضہ ہے کہ اس صورتحال میں امت کو دو کاموں کی طرف متوجہ کریں، علماء کرام بجائے اس کے کہ تبصرے کرتے پھریں، اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوں، میرے نزدیک ہماری کامیابی دو چیزوں میں منحصر ہے، اس پر ہم بھی عمل کریں، اور دوسروں کو بھی پیغام پہنچائیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے حالات بدل دے، ایک اپنی اصلاح کی فکر کریں، اور دوسرے رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں، یہ دو چیزیں پیدا ہو جائیں تو مجھے پوری طرح یقین ہے کہ صورتحال بدل سکتی ہے، اپنی اصلاح کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (المائدۃ: ۱۰۵)

ایک تفسیر اس کی یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں اس پر عمل کرنے کی تاکید خود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا :

اِذَا رَأَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَھَوًا مُتَّبَعًا وَ دُنْیَا مُؤثَرَۃً وَّاِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَأْیِہٖ فَعَلَیْکَ بِخَاصَّۃِ نَفْسِکَ (سنن الترمذی)

جب قیامت کے قریب حالات خراب ہو جائیں، معاشری بگڑ جائے، بے دینی پھیل جائے، کفر اُمڈنے لگے، دشمنوں کی طاقتیں ہمارے خلاف استعمال ہونے لگیں تو اپنی فکر کرو، ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاؤ، آج صورت حال یہ ہے کہ جس مجلس میں بیٹھ جاؤ، جہاں چار آدمی جمع ہو جائیں، حالات کی خرابی کا شکوہ زبان پر ہوگا، تذکرہ کر رہے ہوں گے فلاں نے یہ کر دیا، فلاں نے یہ کر دیا......لیکن کیا جب ہم یہ تذکرہ کرتے ہیں تو خود بھی کبھی یہ سوچا کہ ہمارے اندر کیا خرابی ہے، ہمارے اندر کون سی کمی ہے، جس کو دور کرنا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی فکر ختم ہو رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، دوسروں کی فکر کرتا ہے، لیکن اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہے، اس لئے یہ پیغام ہر طرف پہنچانے کی ضرورت ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر پہلے کریں، آپ حضرات بہتر جانتے ہیں کہ اصلاح میں تمام شعبے داخل ہیں، اس میں عبادات بھی داخل ہیں، معاملات بھی، اخلاقیات بھی داخل ہیں اور معاشرت بھی، لیکن کون ہے جو ان چار شعبوں میں اصلاح کی فکر کر رہا ہو؟ کوئی عبادت کو دین سمجھ بیٹھا ہے، کوئی معاملات سے غافل ہے، آپ باہر جا کر دیکھیں تو رشوت خوری کا بازار گرم ہے، حلال وحرام کی فکر مٹ گئی ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال ہو رہے ہیں، اس کی فکر عوام میں زندہ کرنے کی

ضرورت ہے۔

دوسری چیز ہے رجوع الی اللہ، یہ شکوے تو ہر ایک کرتا ہے کہ بڑے بُرے حالات آگئے ہیں، لیکن اس شکوہ کے ساتھ کبھی اس طرح دعا کی جیسے مصیبت میں گرفتار ہونے والا کرتا ہے، ابھی جو مولانا صاحب آیت تلاوت فرما رہے تھے:

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ وَّ فَرِحُوْا بِھَا جَآءَتْھَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْا اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ ھٰذِہٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ (یونس: ۲۲)

اس آیت میں مشرکین کا ذکر ہے کہ جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں، اور موجوں سے واسطہ پڑتا ہے تو اللہ ہی کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔ اس وقت ہماری کیفیت بحیثیت مجموعی یہ ہے کہ ہم ایک کشتی کے سوار ہیں، اور وہ کشتی طغیانیوں میں گھری ہوئی ہے، چاروں سے طرف سے پہاڑوں کی طرح موجیں آرہی ہیں، تو ایسی حالت میں اگر ہمیں اندیشہ ہو کہ کشتی ڈوب جائے گی، اس وقت کس اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ ہم اللہ کو پکاریں گے، ہر انسان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو، وہ اللہ ہی کو اخلاص و تضرع کے ساتھ پکارے گا تو کیا اتنی ہی بے چینی کے ساتھ کبھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے، اور ایسی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا، اگر ہم اپنے گریبان میں

منہ ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں، پس یہ پیغام بھی پھیلانے اور پہنچانے کی ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

ایک وقت وہ تھا کہ جب مسلمانوں پر اجتماعی آفت آتی تھی، تو گھر گھر آیت کریمہ کا ختم ہوتا تھا، دعائیں مانگی جاتی تھیں، آج کے حالات میں بھی ہمیں یہ کرنا چاہیے، اور الحمد للہ، بعض علاقوں میں اس کا اہتمام ہوتا ہے، آپ یہ پیغام دوسروں کو پہنچائیں اور رجوع الی اللہ کر کے اس طرح دعائیں مانگیں، جس طرح کسی کا اپنا بچہ بیماری میں تڑپ رہا ہو تو اس وقت وہ کس اخلاص و زاری کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمان دشمن طاقتیں جہاں مسلمانوں کے پیچھے لگی ہوئی ہیں، وہاں ان کا سب سے بڑا نشانہ آپ لوگ یعنی دینی مدارس کے اہل علم ہیں، سب سے بڑا ہدف دینی مدارس ہیں، جن کے بارے میں یہ لوگ یہ راز پاچکے ہیں کہ اگر اسلام کا بیج مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا ہے تو ان ''ملاؤں'' کو ختم کرو، یہ ''مُلّا'' ہی ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر، راتوں کو جاگ کر اللہ کا کلمہ مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
''مُلّا'' کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

یہ حقیقت اس نے اچھی طرح سمجھ لی ہے، اور صحیح سمجھی ہے، غلط نہیں سمجھی کہ مدارس کے یہ بوریہ نشین "ملا" ہی ہیں جو دنیا کی زیب و زینت اور آرائش و نمائش سے مستغنی ہو کر اپنے دین کی آبیاری کر رہے ہیں، یہ حقیقت ہمارے دشمنوں نے پہچان لی ہے، اس لئے وہ مدارس اور اہل علم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، لیکن مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ سازش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ ہوگی "وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" لیکن ایک خطرہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر خرابی پیدا ہوگئی اور ہم نے اپنے آپ کو خراب کرلیا، ہم نے حامل دین ہونے کے باوجود دین کے بنیادی احکام کو فراموش کر دیا، اور ہم حب جاہ وحب مال کے جال میں پھنس کر اپنے اصل مقاصد سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو پھر دشمن کو کھلا میدان مل جائے گا، اور اللہ کی نصرت ہم سے ہٹ جائے گی۔

لہٰذا خطرہ دشمن سے نہیں، خطرہ ہمیں اپنے آپ سے ہے، اللہ ہمیں صراط مستقیم پر رکھے، اور ہمارے اندر اخلاص پیدا فرمائے، آمین۔ ہم جن علماء دیوبند کے نام لیوا ہیں، جس طرح انہوں نے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین کی خدمت انجام دی تھی، جب تک ہم بھی اسی طرح عمل کریں گے تو کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا، لیکن اللہ نہ کرے کہ جس اخلاص سے انہوں نے کام کیا اگر ہم اس راستے سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے، ہمارے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے تقویٰ کا، للّٰہیت کا اور مدرسے کی ایک ایک پائی کا کہ مدرسہ کا مال ہمارے ذاتی استعمال میں نہ آئے، اور وہ اس سے پوری طرح پرہیز فرماتے تھے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، انہوں نے گائے پالی ہوئی تھی، ایک دن گائے چراتے ہوئے دارالعلوم کے پاس سے گزرے تو گائے مدرسے کے صحن میں کھڑی کر دی، اور خود کسی کام میں مصروف ہو گئے، ایک شہزادے کا گزر ہوا، دیکھا تو شور مچا دیا کہ اچھا! اب دارالعلوم مہتمم صاحب کی گائے کا اصطبل بنے گا، کیا حق ہے مہتمم کا؟ یہ تو دارالعلوم کا حق ہے، مولانا نے شور سنا تو تشریف لائے، پوچھا کہ کیا قصہ ہے، سارا ماجرا سنایا گیا، اس پر مولانا نے فرمایا کہ بھئی بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں، غلطی ہم سے ہوئی، ہمیں یہاں نہیں کھڑی کرنی چاہیے تھی، یہ دارالعلوم کا صحن ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کیا کہ ہاں بھئی، ہم سے غلطی ہوئی، اور اس کی تلافی یہ ہے کہ یہ گائے تم لے جاؤ، وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا بے نیاز تھا کہ وہ لے کر چلتا بنا۔ تو اس احتیاط کے ساتھ ہمارے اکابر نے مدرسوں کو چلایا ہے۔

حافظ عبداللطیف صاحب کا قصہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ دارالعلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تو سینکڑوں مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خود ایک کونے میں بیٹھ کر اپنے گھر سے آیا ہوا، ٹھنڈا، جما ہوا کھانا، توڑ توڑ کر کھایا کرتے تھے، یہ اخلاص وللہیت اور یہ جذبہ جب تک باقی رہے گا، دشمن ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا، لیکن جب بھی زوال آئے گا تو وہ یقیناً ہماری بداعمالی کی بدولت ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ دعا ہم سب کو کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان بزرگوں کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے،

اوران کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائے، جنہوں نے ہمارے لئے روشن مثالیں اور نمونے چھوڑے ہیں، اللہ ہمیں ان کا صحیح نام لیوا بننے اوران کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

طلباء دورۂ حدیث سے

الوداعی نصیحتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی منیر احمد

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : درسگاہِ دورۂ حدیث، جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ خطاب : ۲۱ر جون ۲۰۱۱

وقت خطاب : بروز منگل، بعداز نماز عشاء

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طلباء دورۂ حدیث سے الوداعی نصیحتیں

۱۸؍رجب ۱۴۳۲ھ (۲۱؍جون ۲۰۱۱ء) منگل کے روز عشاء کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے طلبۂ دورۂ حدیث کے سامنے اپنے الوداعی خطاب میں قابل قدر نصیحتیں ارشاد فرمائیں تھیں، جس کو مولوی منیر احمد نے قلم بند فرمایا، افادۂ عام کے لئے وہ نصائح ہدیۂ قارئین ہیں۔ بشکریہ البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ............................(میمن)

میرے عزیز طلبہ!

الحمدللہ، آج ہمارے دورۂ حدیث کے سال کی تکمیل ہورہی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل و کرم ہے کہ ہمیں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پڑھنے پڑھانے کی توفیق بخشی، ورنہ ہماری ناپاک زبانیں اس قابل نہیں تھیں کہ ہم احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پڑھیں اور پڑھائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سے ان احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پڑھنے پڑھانے میں جو تقصیرات ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے، آمین۔

عبادت کی تکمیل پر دو کلمے

ہمارے شیخ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی بھی عبادت کی تکمیل پر

دو کلمے کہنے چاہئیں، ایک (۱) الحمد للہ دوسرا (۲) استغفر اللہ، الحمد للہ تو اس لئے کہنا چاہئے کہ انسان عبادت کرنے کے بعد عجب میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں نے یہ عبادت کی ہے، بلکہ الحمد للہ کہنا چاہئے کہ میں نے عبادت اللہ کی توفیق سے کی ہے، اس لئے میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، اور استغفر اللہ اس لئے کہنا چاہئے کہ آدمی یہ خیال نہ کرے کہ میری تقصیرات کی وجہ سے میری عبادت ضائع ہو گئی۔

ابھی ابتداء ہوئی ہے

میرے عزیزو! میں اکثر یہ جملہ سنتا رہتا ہوں کہ فلاں فارغ التحصیل ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نصاب تعلیم کی تکمیل ہوئی ہے نہ کہ علم کی تکمیل ہوئی ہے، بلکہ طلب علم کی ابھی ابتداء ہوئی ہے، اور طلب علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، اطلبوا العلم من المهد الى اللحد

امام ابو یوسف کا واقعہ

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جب مرض وفات میں بستر پر تھے تو ان کا ایک شاگرد ان کی عیادت کے لئے آیا، اور حضرت سے حال پوچھا، حضرت نے حال بتایا، اس کے بعد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بستر پر ہوتے ہوئے اپنے شاگرد سے سوال کیا کہ ''رمی جمار'' سوار ہو کر افضل ہے یا پیدل افضل ہے؟ ان کے شاگرد جواب صحیح نہ دے سکے تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جن جمرات کے بعد وقوف نہیں ہے وہاں سوار ہو کر افضل ہے، اور جہاں وقوف ہے وہاں پیدل افضل ہے، اس کے بعد ان کا شاگرد واپس ہونے لگا تو گھر سے رونے کی آوازیں

آنے لگیں، اور حضرت وفات پاگئے، اس کو کہتے ہیں طلب علم کا جذبہ، علم کی کسی بھی حد پر قناعت نہیں ہونی چاہئے۔

علم وہ ہے جس سے عمل کی توفیق ہو

صرف علم بمعنی ''دانستن'' علم نہیں کہلاتا، بلکہ علم وہ ہے جس کے ذریعے سے عمل کی توفیق پیدا ہو، اور صرف نقوش پڑھنا کافی نہیں ہے۔ آپ حضرات اب باہر نکلیں گے تو طرح طرح کے فتنے آپ کے سامنے آئیں گے، آپ حضرات سے کوئی یہ سوال نہیں کرے گا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ بلکہ لوگ دیکھیں گے کہ یہ پڑھ کر آیا ہے تو اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، کیا اس کے اندر اچھے اخلاق ہیں یا نہیں؟ کیا یہ غصہ کو قابو کرتا ہے یا نہیں؟ والدین، بہن بھائی اور پڑوسیوں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟ تو میرے بھائیو! اصل چیز عمل کرنا ہے، اگر احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پڑھنے کے بعد آپ کے اندر تبدیلی نہیں آئی تو آپ کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

مال کی محبت سے بچنا

احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ظاہر کے متعلق ہے، جیسا کہ حلیہ، لباس وغیرہ، الحمد للہ اس میں ہمارے طلباء کافی حد تک اہتمام کرتے ہیں۔

دوسرا پہلو ہے معاملات کا، اس کے اندر کوتاہی کی جاتی ہے، اگر عالم بن گیا اور مال کی ہوس نہ گئی تو کیا عالم بنا؟ اگر عالم بھی بھی روپے، پیسے کی خاطر اپنے دین

کو خراب کرے تو وہ عالم اور طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں ہے، حُب مال اور حُب جاہ دو بھیڑیئے ہیں، یہ انسان کے دین میں فساد پھیلاتے ہیں، اور یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، اس فتنہ میں شیطان ہمیں بہکاتا ہے۔

میرے بھائیو! فاقہ کرلینا، افلاس کو برداشت کرلینا، یہ ہزار درجہ بہتر ہے اس سے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، آزمائش کے وقت حُب مال اور حُب جاہ سے بچنا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو معیشت کی خوشحالی عطا فرمائیں، آمین۔

علماء کی بدنامی کا سبب مت بننا

میرے بھائیو! اب تک جو ہوا سو ہوا، لیکن اب آپ علم کے نمائندے بن کر جارہے ہیں، اور لوگ آپ کو خوردبین لگا لگا کر دیکھیں گے، اگر آپ کا کردار و اخلاق درست نہیں ہوگا، تو آپ کے ذریعہ سے علماء کی اور دینی مدارس کی بدنامی ہوگی، اس لئے اپنے آپ کو درست کرلو۔

میں جب شروع میں دارالاقامہ کا چکر لگاتا تھا تو طلبہ سے یہ پوچھتا تھا کہ تم کس لئے پڑھ رہے ہو، تو اکثر کا جواب یہ ہوتا تھا کہ دین کی تبلیغ کے لئے، یہ جواب تو صحیح ہے، لیکن یہ دوسری سیڑھی ہے، پہلی سیڑھی ہے عمل کی، کہ آدمی نے جو علم حاصل کیا ہے اس پر پہلے خود عمل کرے، پھر دوسروں کو تبلیغ کرے، لیکن ہم پہلی سیڑھی کو بھول جاتے ہیں، ہمیں دوسروں کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی، اور یہ سب سے بڑی بیماری ہے، ہمارے علماء دیوبند سب سے پہلے اپنی اصلاح کرتے تھے، اور اس کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ

علیہ کے پاس جاتے تھے، حالانکہ انہوں نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا، لیکن ان کو علم کی روح حاصل ہو چکی تھی۔

کبھی اپنے آپ کو ’’عالم‘‘ مت کہنا

میری آپ حضرات کو یہ نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو کبھی عالم نہ کہنا، بلکہ طالب علم ہی کہنا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء میرے پاس اسلام کی حدود کے خلاف کوئی اعتراض لے کر آئیں تو یہ ناکارہ ان کو دو منٹ میں لاجواب کر سکتا ہے، اور میں تو ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہوتی ہے، تو پہلی نصیحت آپ حضرات کو یہی ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھنا۔

کسی سے اصلاحی تعلق قائم کرلیں

دوسری نصیحت میری آپ حضرات سے یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے لئے کسی اللہ والے سے بیعت کرلیں، اس لئے کہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے، اور فتنہ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے، اس لئے کہ باطل دلائل لے کر آتا ہے، اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ حق پر کون ہے، اور آجکل فتنے بارش کی طرح برس رہے ہیں، اور فتنہ سب سے پہلا ’’خود رائی‘‘ والے کو اچکتا ہے، یعنی جو کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے باقی سب کی باتیں غلط ہیں۔ لہٰذا ان فتنوں سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی بڑے کے حوالے کر دے۔

خودرائی سے بچو

میرے عزیزو! میں آپ حضرات سے انتہائی دردمندی سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ کبھی بھی خودرائی میں مبتلا نہ ہونا، اور اپنے اکابر کے سائے میں رہنا، اگر آپکو اپنے اکابر اور اساتذہ پر اعتقاد اور اعتماد نہیں ہے تو پھر ان سے پڑھا کیوں ہے؟

وہ اوقات کس کام کے؟

آپ حضرات دین کی تبلیغ کے لئے نکلیں اور امت کے لئے فکر کریں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''دعوت اس شخص کی مؤثر ہوتی ہے جس میں دعوت کا جذبہ اس کے بشری تقاضوں کی طرح ہو جائے'' حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب بستر مرض پر تھے تو اس وقت حضرت والد صاحب رحمہ اللہ احکام القرآن پر کام کر رہے تھے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بستر علالت پر ہونے کی حالت میں لوگوں سے فرماتے کہ ذرا مولوی شفیع کو بلوا لینا، جب والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ آپ احکام القرآن میں فلاں آیت کے تحت یہ مسئلہ بھی ذکر کر دیں، اس کے بعد والد صاحب چلے جاتے، اور وہ کام کر لیتے، اس کے تھوڑی دیر بعد پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے کہ ذرا مولوی شفیع کو بلوا لینا، تو کسی نے عرض کیا کہ آپ بستر مرض پر ہیں، آپ اس طرح نہ کریں آپ کو تکلیف ہوگی، تو اس وقت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک جملہ فرمایا، وہ جملہ آپ کو سنانا ہے، اور یہ جملہ یہ ہے کہ ''وہ اوقات

زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں''

حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ

میرے بھائیو! میری ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مطالعہ کریں، چاہے ایک صفحہ ہی کیوں نہ ہو، اس کا معمول بنالیں، رفتہ رفتہ یہ مواعظ تمہیں اپنی طرف کھینچ لیں گے، اور انشاء اللہ یہ کسی شیخ کی صحبت کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور نصرت فرمائے، اور ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے، اور ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قرآن کریم کی تعلیم

عظیم خدمت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی اسعد مدنی

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : مدرسہ تحسین القرآن، نوشہرہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم کی تعلیم عظیم خدمت ہے

پچھلے دنوں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور محترم قاری عمر علی صاحب کی خصوصی دعوت پر نوشہرہ اور اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے، جہاں آپ نے دیگر اجتماعات کے علاوہ نوشہرہ میں واقع مدرسہ تحسین القرآن کے ایک بڑے اجتماع سے بھی خطاب فرمایا، یہاں اطراف کے علماء اور طلبائے مدارس بڑی تعداد میں شریک تھے، یہ چشم کشا خطاب نذر قارئین ہے، جسے مولانا محمد اسعد مدنی نے قلم بند کیا۔
بشکریہ البلاغ، صفر ۱۴۳۳ھ..............................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۞ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۞ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۞ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۞ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۞ (القیٰمۃ: ۱۶ تا ۱۹)۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

الامر فوق الادب

حضرت علمائے کرام! معزز حاضرین! اور میرے طالب علم ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ میرے لئے بہت عظیم سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ اس وقت الحمد للہ علم وفضل اور صلاح وتقویٰ کا انتہائی حسین گلدستہ اس مبارک محفل میں موجود ہے، اور اس کی زیارت اور ملاقات کا شرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا۔ اور میں اپنے بہت ہی عزیز دوست اور بھائی قاری عمر علی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ مبارک موقع مجھ ناچیز کے لئے فراہم کیا، اور سچی بات یہ ہے کہ علم وفضل کے جو پہاڑ اور صلاح وتقویٰ کے جو امین اس محفل میں تشریف فرما ہیں، ان کی موجودگی میں اس منبر پر بیٹھنا اور کچھ لب کشائی میرے لئے ایک آزمائش بھی ہے اور مجھے اس سے شرمندگی بھی محسوس ہو رہی ہے، لیکن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ''الامر فوق الادب'' جب کوئی حکم مل جائے تو چھوٹے کا کام یہی ہے کہ اس کی تعمیل کرے، چاہے اس کے دل میں ادب کا تقاضہ اس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اپنی شرمندگی کے باوجود میں تعمیل حکم میں اس وقت اس منبر پر آپ حضرات کے سامنے موجود ہوں، اور لب کشائی کی جرأت کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رضائے کامل کے مطابق وہ بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے جو میرے حق میں بھی اور سننے والوں کے حق میں بھی فائدہ مند ہو۔ آمین

ابتدائی درجات کی تعلیم بنیادی پتھر ہے

آج اس مبارک مدرسے میں حاضری کا میرا پہلا موقع ہے، لیکن سارا سال قاری صاحب مجھے خط وکتابت سے نوازتے رہتے ہیں، اور مدرسے کے حالات سے کچھ واقفیت بھی اس ذریعے سے ہوتی رہتی ہے، اور یہ معلوم کرکے اور آنکھوں سے دیکھ کر بہت مسرت اور خوشی محسوس ہورہی ہے کہ الحمد للہ اس مدرسے میں قرآن کریم کی عظیم خدمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کی توفیق سے انجام دی جارہی ہے، اور ایک ایسی خدمت انجام دی جارہی ہے کہ جس کی طرف ہمارے بہت سے مدارس کی توجہ نہیں ہے، اور وہ ہے قرآن کریم کی تعلیم وتدریس اور اس کو صحیح طرح پڑھنے پڑھانے کا اہتمام اور التزام، اس کی اس مدرسے میں خصوصی رعایت رکھی گئی ہے، یہاں الحمد للہ قرآن کریم کی تجوید اور حفظ، ناظرہ اور قرأت کی تعلیم اور اس کے ساتھ درس نظامی کے بھی کچھ درجات کا اہتمام ہے، اور میں کل ہی عرض کررہا تھا کہ جب مجھے کسی مدرسے کے بارے میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہاں دورۂ حدیث تک پورے درس نظامی کے بجائے ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دورۂ حدیث تک تمام درجات کی تعلیم کے لئے الحمد للہ ہمارے ملک میں بہت ادارے قائم ہیں، لیکن ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ دینے والے اور بنیاد کو مستحکم کرنے والے اداروں کی کمی ہے، اور یہ افسوسناک صورتحال بعض اوقات سامنے آتی ہے کہ لوگ اپنے مدرسوں میں دورۂ حدیث جاری کرنے کے شوق میں تعلیم وتدریس کے معیار سے

نیچے اتر کر طلبہ کو داخلہ دیدیتے ہیں، یہ بات ایک معیار فضیلت بن گئی ہے کہ ہمارے ہاں اتنے سو طالب علم دورۂ حدیث میں شریک ہیں، لیکن کیا دورۂ حدیث میں شریک ہونے والوں کی استعداد، ان کا تعلیمی معیار واقعۃً دورۂ حدیث کے قابل ہے یا نہیں؟ اس کی طرف بعض اوقات توجہ نہیں دی جاتی، ایسی مثالیں بھی ہیں کہ دورۂ حدیث میں پانچ چھ طالب علم ہیں، اور پانچ چھ ہی استاذ بھی ہیں، یہ بات درحقیقت اخلاص کے بھی منافی ہے اور تعلیم کے مقاصد کے بھی خلاف ہے، درحقیقت توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ کمیت کے بجائے تعلیم کی کیفیت بہتر ہو، اور اس کے لئے ابتدائی تعلیم ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے، الحمدللہ اس ادارے میں یہ اہتمام نظر آیا، اسلئے بڑی مسرت ہے، بڑی خوشی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے، اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول سے نوازے۔ آمین

قرآن کریم کی صحیح تلاوت خود مقصود ہے

اگرچہ قرآن کریم کا اصل مقصود اس کے معانی کو سمجھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے، لیکن اس کی پہلی سیڑھی، اس کی طرف چلنے کا پہلا درجہ قرآن کریم کی صحیح تلاوت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مقاصد بعثت قران کریم نے بیان فرمائے وہ ایک جگہ نہیں، بلکہ قرآن کریم کے چار مقامات پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کو بیان فرمایا گیا، ان مقاصد بعثت میں سب سے پہلا مقصد ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ'' ہے، جبکہ ''یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ'' بعد میں ہے، اور مستقل مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن اس سے پہلے ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ

آیتِہٖ" یہ ایک مستقل مقصد بعثت قرار دے کر بیان فرمایا گیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ پیغام ہدایت معنی سمجھ کر اس پر عمل کرنے کیلئے تو ہے ہی، لیکن اس کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو، یا بے سمجھے، یہ تلاوت بذات خود مقصود ہے۔

تلاوت کے آداب بھی ہیں

اور اس تلاوت کے بھی کچھ آداب ہیں، اس کا بھی خاص طریقہ مقرر ہے، اس طریقے کے مطابق تلاوت کی جائے گی تو اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں انسان کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، بشرطیکہ تلاوت کا حق ادا کیا گیا ہو"یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ" اور جو آیات ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر اس پہلو کو بڑی ہی تاکید کے ساتھ اجاگر فرمایا، علمائے کرام کا مجمع ہے، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، محض اشارے کے طور پر اس آیت کا شان نزول جو حضرات مفسرین نے بیان فرمایا ہے، عرض کرتا ہوں۔

آپ ساتھ ساتھ قرآن دھراتے جاتے تھے

ابتدا میں جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کریم لے کر آتے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے تو آپ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کوئی لفظ آپ بھول نہ جائیں، اس لئے ادھر حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دھراتے جاتے تھے، تاکہ کوئی لفظ، کوئی حرف رہ نہ

جائے، ایک طرف تو نزول وحی کا بوجھ، ایسا بوجھ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جاڑے کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے تر ہو جایا کرتی تھی، ایسا بوجھ کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا، اور اس حالت میں وحی نازل ہوئی، تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری ران پھٹ جائے گی، ایسا بوجھ کہ اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے وہ جانور بیٹھنے لگتا تھا، ایک طرف تو وحی کا ایسا بوجھ اور دوسری طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر کہ کہیں کوئی لفظ رہ نہ جائے، اس لئے ساتھ ساتھ آپ تلاوت کرتے جاتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت آپ کے اوپر یہ آیات نازل فرمائیں کہ ''لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ'' اس قرآن کے ذریعہ تم اپنی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ''لِتَعْجَلَ بِهٖ'' تاکہ جلدی جلدی اس کو یاد کرلو۔ کیونکہ ہمیں تمہاری مشقت گوارہ نہیں۔

قرآن یاد کرانا ہماری ذمہ داری ہے

قرآن کو یاد کرانا ہم نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے، ''اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ'' ہماری ذمہ داری ہے کہ اس قرآن کو تمہارے سینے کے اندر محفوظ کرلیں، اور نہ صرف محفوظ کردیں بلکہ اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی آپ کے دل میں پیوست کردیں، پھر اس پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آگے فرمایا ''فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ'' اور جب ہم پڑھ دیں، اور ہمارے پڑھنے کا کیا مطلب؟ کہ ہمارا نمائندہ، ہمارا بھیجا ہوا فرشتہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام جب وہ پڑھ دیں، یہاں حضرت جبرئیل امین علیہ

السلام کی قرأت کو اپنی طرف منسوب فرما کر یہ بھی فرما دیا کہ یہ جو کچھ جس انداز سے پڑھ رہے ہیں، وہ ہماری ہدایت کے مطابق پڑھ رہے ہیں، ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پڑھ رہے ہیں، گویا کہ ہم پڑھ رہے ہیں، جب ہم تلاوت کر دیں، تو بس اس طریقہ تلاوت کی تم بھی اتباع کرنا۔

اس کی تشریح اور توضیح ہمارے ذمہ ہے

پھر آگے فرمایا ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ '' یعنی صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کی تشریح، اس کی توضیح، اس کا مطلب سمجھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے، تمہیں اس کا بوجھ بھی اُٹھانے کی ضرورت نہیں کہ اس کے معنی محفوظ رکھنے کے لئے اپنے اوپر مشقت کرو، تو آپ دیکھئے! ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ '' یہ بعد میں ہے، لیکن جہاں تک تلاوت کا تعلق ہے، تو دو آیتیں اس کے لئے نازل فرمائیں یعنی ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَه ، فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَه '' اس کے ذریعہ یہ بتلایا کہ جو بیان ہے اور جو تشریح ہے، وہ ایک مستقل مقصد ہے، اور اس سے پہلے اس کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ جس طرح پڑھایا جارہا ہے، اسی طرح تم پڑھو، لہٰذا صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ تم جب قرآن پڑھو تو اپنے اردو طریقے سے پڑھ لو، پنجابی طریقے سے پڑھ لو، پشتو طریقے سے پڑھ لو، نہیں، نہیں، جب ہم پڑھ رہے ہیں، یعنی ہمارا فرشتہ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پڑھ رہا ہے تو تم پر بھی لازم ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو اسی طرح پڑھو۔ ان دو آیتوں کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کی تاکید فرمائی، اور اس کو ایک مستقل مقصد قرار دیا ہے۔

نسخہ پڑھ لینے سے کیا فائدہ؟

اُن لوگوں کے طریقے سے مت پڑھو جو یہ سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ قرآن تو ایک نسخۂ ہدایت ہے، اور نسخۂ ہدایت اس وقت کارآمد ہوتا ہے، جب آدمی اس کو سمجھ کر اس کے اوپر عمل کرے، بعض مرتبہ اس پر مثالیں دی جاتی ہیں، مثلاً آج کل ایک بہت بڑا طبقہ یہ مثالیں دیتا ہے کہ اگر کسی طبیب نے کوئی نسخہ لکھ کر آپ کو دیا ہے، تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب آپ وہ دوائیں لے کر جو اس نسخہ میں لکھی ہوئی ہیں، وہ استعمال کریں، لیکن اگر کوئی شخص صرف نسخہ کو پڑھتا رہے تو پڑھنے سے کیا فائدہ....؟ فائدہ تو جب ہے جب اس نسخہ کو استعمال کرے۔

قرآن کا صرف پڑھنا بھی فائدہ مند ہے

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے اندر بتا دیا کہ ہم یہ اہم نسخہ تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، اس پر عمل تو کرنا ہی ہے، اور وہ تو ہے ہی فائدہ مند، لیکن اگر تنہا اس کو پڑھو گے بھی تو پڑھنا بھی تمہارے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ ''فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَه... يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ '' چنانچہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس محبت کو دیکھئے! کہ چونکہ یہ حکم آ گیا تھا کہ تلاوت بذاتِ خود مقصود ہے اور یہ حکم آ گیا تھا ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ '' تو انہوں نے اس قرآن کریم کی تلاوت کو اسی طرح محفوظ کر لیا جیسے وہ نازل ہوئی تھی، اور جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر عمل فرمایا تھا۔

علم تجوید اور علم قراءت کی ایجاد

اس کے لئے ایک ایسا علم ایجاد کر دیا جس کی نظیر پوری کائنات میں نہیں ہے، اور وہ ہے ''علم تجوید'' اور ''علم قراءت'' آپ ساری امتوں کی تاریخ اور سارے اقوام کے علوم کی تاریخ پڑھ جائیے، کہیں آپ کو علم تجوید کے مماثل کوئی اور علم نظر نہیں آئے گا، اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اس کو ایسا علم وفن بنا دیا، اور اس علم کے اندر یہ بتا دیا کہ کون سا حرف کس طرح ادا کیا جائے گا؟ اس کا مخرج کیا ہوگا؟ اس کی صفات کیا ہوں گی؟ صفات لازمہ کون سی ہیں؟ صفات عارضہ کون سی ہیں؟ اس کو غلط طریقے سے پڑھنے کے کیا انداز ہو سکتے ہیں؟ کون سا غلط طریقہ لحن جلی میں داخل ہے؟ کون سا طریقہ لحن خفی میں داخل ہے؟ ایک ایک چیز مدوّن کر کے بتا دی، بتا دیا کہ کون سا حرف زبان کے اور تالو کے اور منہ کے کون سے حصے سے کس طرح نکلے گا؟ دیکھو ساری دنیا میں مختلف زبانیں ہیں، ہر زبان کے کچھ حروف تہجی ہیں، اور حروف تہجی کو ادا کرنے کے طریقے ہیں، لیکن کسی زبان میں آپ کو یہ علم نہیں ملے گا کہ فلاں حرف کس طرح ادا کیا جائے گا؟

انگریزی زبان ناقص ہے

دیکھئے! اس وقت دنیا میں جس زبان کا سکہ چل رہا ہے، اور ساری دنیا کے اندر جس کو انٹرنیشنل زبان کہا جاتا ہے، وہ ہے انگریزی زبان، اور ہے بھی واقعۃً بڑی وسیع زبان، انگریزی زبان کی وسعت اب کچھ کچھ عربی زبان کی وسعت کے

قریب پہنچ رہی ہے، اگرچہ ابھی وہاں تک نہیں پہنچی، لیکن قریب پہنچ رہی ہے، اتنی وسیع زبان، لیکن امریکی لوگ اس کو اور طرح پڑھتے ہیں، بولتے ہیں، اور برطانیہ کے لوگوں کا طریقہ تلفظ اور ہے، اور حضرت مفتی صاحب (حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب، مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ) تشریف فرما ہیں، جنوبی افریقہ کے لوگ اس کا تلفظ کسی اور طرح کرتے ہیں، کوئی قاعدہ اگر پوچھو کہ بھئی! یہ سی (C) بھی کاف کی آواز دیتا ہے، اور کے (K) بھی کاف کی آواز دیتا ہے، تو آیا ان دونوں کے مخرج میں کوئی فرق ہے؟ کوئی ایسا قاعدہ، کوئی ایسی کتاب، کوئی ایسا علم ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ بی (B) کا مخرج کیا ہے؟ اور سی (C) کا مخرج کیا ہے؟ اور ڈی (D) کا مخرج کیا ہے؟ اور کے (K) کا مخرج کیا ہے؟ اور ایل (L) کا مخرج کیا ہے؟ کوئی ایسی کتاب اور کوئی ایسا قاعدہ موجود نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ امریکن لہجہ ہے، یہ برٹش لہجہ ہے، لہجوں کا فرق ہے، لیکن حروف کے نکالنے کا طریقہ، مخرج، صفات، اس کا کوئی وجود نہیں۔

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے

یہ تنہا قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اتنی باریک بینی کے ساتھ، ایک ایک حرف کے مخرج کو، اس کی صفات کو، اس کی غلطیوں کو کتابوں میں مدوّن کر دیا، اور کتابوں میں مدوّن کرنے کے ساتھ ساتھ، سینہ بہ سینہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پڑھنے کا طریقہ "فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ" کی عملی تفسیر کر کے دکھا دی، یہ جو سند ابھی آپ پڑھ رہے تھے کہ یہ قرآن مجید

کی سند ہے، حالانکہ قرآن کریم تو اتر کے ذریعہ پہنچا ہے، اس کو کسی سند کی ضرورت نہیں الحمدللہ۔

ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لے لیا، اگر ساری کائنات مل کر اگر۔ خدا نہ کرے۔ قرآن کریم کے اندر کوئی تحریف کرنا چاہے، تو ان کی قدرت سے باہر ہے، ساری دنیا میں قرآن کریم کے نسخے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ کسی طرح ختم کر دیے جائیں، جب بھی قرآن کریم ختم نہیں ہو سکتا، ایک دس سال کا بچہ بھی کھڑے ہو کر پورا قرآن لکھوا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے، لہٰذا قرآن کریم کو سند کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جب تواتر ہو جاتا ہے تو تواتر کو سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسکے پڑھنے کے طریقے بھی محفوظ ہیں

لیکن اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے چونکہ صرف قرآن ہی کو محفوظ کرنا نہیں تھا، بلکہ قرآن کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ رکھنا تھا، اس لئے اس کی سند کا اہتمام بھی فرمایا، اور آج تک الحمدللہ وہ سند متصل اس طرح چلی آتی ہے، ابھی آپ نے پڑھا کہ ہم سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کس کس طرح پڑھا گیا ہے، وہ سب کچھ الحمدللہ محفوظ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

اس کتاب کی خصوصیت رکھی ہے، دنیا کی کوئی کتاب، پچھلے پیغمبروں کی کتابیں اور صحیفے کوئی اس طرح محفوظ نہیں رہ سکے، پڑھنے کے طریقے تو درکنار، الفاظ تک محفوظ نہیں رہ سکے، کوئی سند محفوظ نہیں رہ سکی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے محفوظ رہنے کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا تھا، کوئی ضمانت نہیں لی تھی، اور اس لئے نہیں لی تھی کہ اس کے بعد ''خاتم الکتاب'' آنے والی تھی، اس کے ساتھ ''خاتم الرسل'' صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے، وہ کتاب جو قیامت تک باقی رہنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا، لیکن اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اس کے الفاظ کو ہی نہیں، اس کے پڑھنے کے طریقے کو بھی اسی طرح محفوظ رکھا۔

افسوسناک صورتحال

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو بسا اوقات یہ افسوسناک صورتحال سامنے آئے گی کہ ہم دورۂ حدیث بھی کر گئے، تخصص فی الحدیث بھی کرلیا، تخصص فی الفقہ بھی کرلیا، لیکن جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو تلاوت اس طرح نہیں ہوتی، جس طرح قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ''فاتبع قرآنہ'' لہٰذا جتنی اہمیت ہم دوسرے علوم کو دے رہے ہیں تو قرآن کریم کی تعلیم کو، اس کی تلاوت کو، اس کے حفظ کو، اس کی تجوید کو کم سے کم اس کے برابر اہمیت تو دیں، اصولاً تو اس سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے تھی، لیکن یہ چیز اب ختم ہوتی جا رہی ہے، اور اس کا اہتمام اچھے خاصے فارغ التحصیل علماء کے اندر بھی کم نظر آتا ہے، اس لئے الحمد للہ یہاں اس مدرسے میں چونکہ اس کا اہتمام نظر آیا

تو اس واسطے مجھے بڑی دلی مسرت ہے، اور یہ ہمارے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے کہ ہم اپنے درجات حفظ کو اور درجات تعلیم قرآن کو اہمیت دیں۔

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجھے اس موقع پر اپنے بزرگ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری خلیفہ تھے، ہندوستان میں ابھی کچھ عرصے پہلے ان کا انتقال ہوا، ان کی بات یاد آتی ہے، اور وہ ہم سب کے لئے بڑا اہم سبق ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اکثر و بیشتر یہ دیکھتا ہوں کہ مدارس کے اندر جو درجات کتب ہیں، ان کی درس گاہیں تو بڑی عالی شان ہیں، اور ان کے اندر انتظامات بھی بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں، لیکن اگر ان کا درجۂ ناظرہ اور حفظ جا کر دیکھو، جہاں بچوں کو ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دی جا رہی ہے، وہ بالکل خراب حالت میں ہوتا ہے، ایک طرف تو وہاں کی حالت ظاہری اعتبار سے بھی خراب نظر آتی ہے، اور اساتذہ کے انتخاب میں بھی کما حقہ توجہ نہیں دی جاتی، درجۂ حفظ و ناظرہ میں تنخواہیں بھی درجات عربی کے اساتذہ کی تنخواہوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں۔

تم میں سب سے اچھا کون ہے؟

فرماتے تھے کہ بھئی تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ" پر ایمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے، چاہے قرآن کے الفاظ کی تعلیم دے رہا ہو، حفظ کی تعلیم دے رہا

ہو، قراءت کی تعلیم دے رہا ہو، تجوید کی تعلیم دے رہا ہو، اس بات کو مانو کہ وہ تم میں سب سے اچھا ہے "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه" اس بات کو مانو کہ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم دے رہا ہو، قرآن کی تعلیم میں ساری باتیں داخل ہیں، قرآن کے الفاظ کی تعلیم، قرآن کی تلاوت کی تعلیم، قرآن کے حفظ کی تعلیم، قرآن کے معانی کی تعلیم، تفسیر کی تعلیم، جو کچھ بھی ہو وہ سب "خیر کم من تعلم القرآن و علمه" میں داخل ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ معاشرے میں قرآن کریم پڑھانے والوں کو اتنا نچلا درجہ دے رکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ بتاتا ہے کہ بھئی میں مکتب میں بچوں کو قرآن کریم پڑھاتا ہوں، تو وہ یہ کہتے ہوئے بعض اوقات شرماتا ہے، اگر یہ کہے کہ میں بخاری پڑھاتا ہوں، اگر یہ کہے کہ میں دورۂ حدیث کا استاذ ہوں تو فخر کے ساتھ کہتا ہے، لیکن قرآن کریم کا ناظرہ پڑھانے والا، حفظ پڑھانے والا احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، آخر کیوں؟ لہٰذا وہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مدارس کے اندر قرآن کریم پڑھانے والوں کو، چاہے وہ مکتب میں ناظرہ و حفظ پڑھا رہے ہوں، ان کو اعلیٰ مقام دو، ان کو ایک امتیازی مقام دو، ان کی تنخواہوں کے اعتبار سے بھی، ان کے معاشرتی رتبے کے اعتبار سے بھی، ان کو اعلیٰ مقام دو، تاکہ اس کی طرف لوگوں کو توجہ ہو کہ یہ بھی بہت اہم کام ہے، اور اس کی تعلیم دینے والے بھی بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔

اپنے آپ کو کمتر مت سمجھو

ہمارے بہت سے ساتھی جو دورۂ حدیث سے فارغ ہوتے ہیں، ان کو ایسا

اوقات کتابیں پڑھانے کا موقع نہیں ملتا، تو وہ اس بات سے شرماتے ہیں کہ اگر ہم کہیں مکتب قائم کرلیں گے، تو لوگ کہیں گے کہ آٹھ سال تو تم نے درس نظامی پڑھا ہے، اور اس کے بعد مکتب میں بیٹھے بچوں کو نورانی قاعدہ اور ناظرہ پڑھا رہے ہو، خوب سمجھ لیں! کہ اگر کسی کو نورانی قاعدہ یا ناظرہ پڑھانے کا موقع مل گیا ہے، اور کتابیں پڑھانے کا موقع نہیں ملا تو یقین رکھو کہ تم ''خَیْرُ کُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَه'' کے مصداق ہو، اگر نیت تمہاری قرآن کریم کی خدمت کی ہے، لہٰذا اپنے آپ کو ان دوسرے لوگوں سے کم تر مت سمجھو، کیونکہ تم قرآن کے خادم ہو، قرآن کریم کے الفاظ کی خدمت کر رہے ہو، کسی بچے کے دل میں تم نے قرآن ڈال دیا، تو تمہارے لئے ساری زندگی دنیا و آخرت کا صدقہ جاریہ بن گیا، بس نیت درست ہونی چاہیے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری نیتیں درست رکھے، اور طریقہ درست رکھے، تو الحمد للہ جو کچھ بھی ہم پڑھائیں گے وہ انشاء اللہ ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنا کہ طلباء کی عصر کے بعد جب چھٹی ہوتی ہے، تو عصر اور مغرب کے درمیان تو وہ کھیل کود میں حصہ لیتے ہیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا بچپن میں یہ معمول تھا کہ عصر کی چھٹی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضر ہو جایا کرتا تھا، ان کی صحبت میں قیمتی باتیں سنتا تھا، بس یہی میری تفریح تھی، لہٰذا جو بھی خدمت کا موقع مل جائے، اس کو ذلیل نہ سمجھو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اعزاز ہے جو تمہیں عطا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو

میرے ایک ساتھی تھے، دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر ایک دوسرے ملک میں گئے، تو وہاں ان کو کتابیں پڑھانے کا کوئی موقع ملا نہیں، اس لئے کہ نہ وہاں کوئی مدرسہ، نہ وہاں کوئی پڑھنے والا طالبعلم، چنانچہ ان کو ایک مسجد میں مکتب کی خدمت سپرد ہوگئی، میرا ایک دفعہ وہاں جانا ہوا، تو ان کے منہ سے یہ بات نکلی کہ حضرت! مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں نے اتنے سال تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی، لیکن اب یہاں بچوں کو پڑھانے میں لگا ہوا ہوں، وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ بات ان کے منہ سے نکل گئی، میں نے کہا بھئی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، یہ وقت جو تم بچوں کی خدمت میں لگا رہے ہو، یہ معمولی خدمت نہیں ہے، ارے تم نے یہ پڑھا کیوں تھا؟ اس لئے پڑھا تھا تاکہ تم ''شیخ الحدیث'' کہلاؤ؟ اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تمہارے ہاتھ چومیں؟ اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تمہیں بڑا عالم سمجھیں؟ اگر اس لئے پڑھا تھا تو یہ پڑھنا بیکار ہے، اور اگر اس لئے پڑھا تھا کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، اگر اس لئے پڑھا تھا کہ میں اپنے دین کی خدمت (جو بھی ہو، جس وقت بھی ہو، جس جگہ بھی بن پڑے) انجام دوں، پھر تو یہ پڑھنا مبارک ہے، اس لئے اگر یہاں کوئی اور خدمت میسر نہیں تو یہ بڑی عظیم خدمت ہے، جو تم انجام دے رہے ہو، جو بچے تمہارے پاس پڑھنے کے لئے آ رہے ہیں، ان کو جب قرآن پڑھاؤ گے، اور قرآن پڑھانے کے ساتھ قرآن کے آداب و احکام کے مطابق ان کی

تربیت کرو گے، ان میں سے ایک ایک بچہ تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، اور جب یہ بچہ آگے جا کر یہی آداب، یہی اخلاق، یہی علم دوسروں کو پہنچائے گا تو وہ تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، قیامت تک اس کا ثواب تم تک پہنچے گا، اور تم کہتے ہو کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ وقت ضائع نہیں ہو رہا ہے، بلکہ بہت بڑے کام میں لگ رہا ہے، بہر حال! بھئی اس کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے۔

یہ بڑی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں

یہ جو ہمارا مزاج بنتا جا رہا ہے کہ قرآن کریم کے حفظ، ناظرہ اور تجوید کی طرف سے بے توجہی ہم لوگ برتتے ہیں، یہ بہت بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کی جو خدمت، جس انداز سے جس وقت، جس جگہ، اللہ تبارک وتعالیٰ لے لے، الفاظ کی ہو، معنی کی ہو، اس کی دعوت کی ہو، اس کی تبلیغ کی ہو، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، اس لئے جو مدارس خاص طور پر اس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ بہت عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور ہمیں قرآن کریم کی عظمت، اس کی محبت، اور اس کی صحیح خدمت کرنے کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

استاذ سبق سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرے

دوسری گزارش یہ ہے کہ ہمارے تمام مدرس دینیہ، چاہے وہ کسی درجے کے ہوں، اور چاہے اس میں کسی بھی مقام پر تعلیم دی جاتی ہو، ان سب کی اصل روح

''رجوع الی اللہ'' اور ''تعلق مع اللہ'' ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع، اگر ہر استاذ اپنی درسگاہ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے یہ دعا مانگے، چاہے راستے میں جاتے ہوئے ہی مانگے کہ یا اللہ! میں پڑھانے کے لئے جارہا ہوں، میرے اندر کوئی صلاحیت نہیں ہے، میرے اندر کوئی استطاعت نہیں ہے، آپ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے میرے قلب پر وہ جاری فرمادیجئے جو ان طالب علموں کے لئے بھی فائدہ مند ہو، اور میرے لئے بھی فائدہ مند ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے سبق پڑھاؤ گے، تو دیکھو گے کہ سبق پڑھانے کے اندر کیا انوار و برکات ہوں گے۔

طالب علم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے

طالب علم جب پڑھنے جارہا ہے، وہ بھی جاتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! جو پڑھنے جارہا ہوں اس کو صحیح طور پر سمجھنے کی بھی توفیق نصیب فرما، اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرما، اس کو یاد رکھنے کی بھی توفیق عطا فرما، رجوع الی اللہ کے ساتھ جو بھی کام کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت برگ وبار لاتا ہے، اس سے فائدہ ہوتا ہے، اس میں انوار و برکات ہوتے ہیں ''اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ '' (سبا:۹) ''منیب'' بن جاؤ، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ''اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ '' (الشوریٰ:۱۳) اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس واسطے انابت الی اللہ اور رجوع الی اللہ کو اپنا شعار بنا کر اگر ہم

خدمت انجام دیں گے تو انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان میں انوار وبرکات عطا فرمائیں گے۔

بیان کے بعد سوال وجواب مغربی طرز عمل ہے

ایک بات اور میں عرض کردوں، ہمارے ایک بزرگ تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ بڑے بزرگ اللہ والے آدمی تھے، انہوں نے ایک مرتبہ ایک بات بیان فرمائی تھی، اور مجھے اس کا بڑا عملی تجربہ ہوا، وہ یہ فرماتے تھے کہ کسی بیان کے بعد، کسی تقریر کے بعد، سوال وجواب کی جو نشست ہوتی ہے، اس کا باقاعدہ اعلان ہوتا ہے کہ بھئی سوال وجواب کی نشست ہوگی، وہ فرماتے تھے کہ یہ سوال وجواب کی نشست ہمارے ہاں مغرب سے آئی ہے، یعنی مغربی ملکوں میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی آدمی لیکچر دیتا ہے، تو لیکچر کے بعد (آنسر سیشن (Answer session) کہلاتا ہے) وہ ہوا کرتا ہے، تو وہ فرماتے تھے کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ اس طرح آنسر سیشن جو ہوتا ہے، یہ اس بیان کے مجموعی اثر وتأثر کو زائل کردیتا ہے، کیونکہ سوال وجواب کا اور محل ہوتا ہے، لہٰذا کسی اور موقع پر کسی کو سوال وجواب کرنا ہو تو وہ انفرادی طور پر کرلیا جائے۔

مجمع عام میں فقہی مسائل سے گریز کریں

دوسری بات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے تھے، اور اس کا بھی مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہوا، وہ فرماتے تھے کہ مجمع عام میں فقہی مسائل بیان نہیں کرنے چاہئیں، یعنی ایسے مسائل جس میں ذرہ برابر بھی کوئی معمولی "تشقیق" ہو وہ مجمع عام میں نہیں بیان کرنی چاہیے، کیوں؟ اس لئے کہ سننے والے بعض اوقات اس مسئلہ کو غلط سمجھتے ہیں، اور فتویٰ دینے والا یا مسئلہ بیان کرنے کرنے والا، اس مسئلہ کی جو مختلف حدود اور شرائط بیان کرتا ہے، لوگ ان حدود اور شرائط کو تو بھول جاتے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نتیجہ نکال کر لوگوں کے سامنے پھیلا دیتے ہیں کہ فلاں مولانا صاحب نے فلاں موقع پر یہ مسئلہ بیان کیا تھا، جبکہ وہ غلط ہوتا ہے، ایک تو یہ خرابی ہوتی ہے۔

مجمع عام میں مسئلہ بیان کرنے کی خرابی

دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں دوسرے شہر میں جاتا ہوں، ان سے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو میں وہاں کہتا ہوں کہ بھئی یہاں کے جو مقامی اہل فتویٰ ہیں، ان سے رجوع کرو، اس لئے کہ میرا جواب دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان کے مطابق ہوگا، یا ان کے مخالف ہوگا، اگر مطابق ہوا تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت...؟ یہیں کے لوگوں سے پوچھنا چاہیے، کیونکہ وہی جواب ملے گا جو میں دوں گا، اور اگر مخالف ہوا تو دو حال سے خالی نہیں، یا وہ سوال کرنے والے میرے معتقد ہوں گے، یا یہاں کے علماء کے معتقد ہوں گے، اگر یہاں کے علماء کے معتقد ہوں گے تو سوال کرنے والے کہیں گے کہ بھئی یہ مولانا کہاں سے آ گیا، اس نے جو مسئلہ بتایا، ہمارے عالم صاحب نے

تو اس کے مخالف بتایا تھا، اور اگر وہ میرا معتقد ہوا تو میں تو کہہ کر چلا جاؤں گا، اور وہ سوال کرنے والا مقامی اہل فتویٰ سے بدگمان ہو جائے گا کہ بھئی یہ مسئلے غلط بتا رہے تھے، فلاں بڑا مفتی آیا تھا، اس نے تو یہ مسئلہ بیان کیا تھا، اس واسطے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجمع عام میں فقہی مسائل بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا، خود مجھے اس کا تجربہ ہوا کہ ایک جگہ میں نے کہیں کوئی مسئلہ بیان کر دیا تھا، تو بعد میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے خطوط اور ٹیلی فون آئے کہ ایک صاحب جو بڑے مشہور صاحب ہیں، انہوں نے تقریر میں یہ بیان کیا کہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ٹیپ ریکارڈر پر قرآن سننا، گانا سننے سے زیادہ بدتر ہے، اب میرے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ میں نے کبھی یہ فتویٰ دیا ہو، لیکن پتہ نہیں ان صاحب نے کس بات سے یہ نتیجہ نکالا، اور نکال کر یہ فتویٰ مشہور کر دیا۔ لہٰذا مجمع عام کے اندر سوال و جواب کا اور خاص طور پر فقہی مسائل کا ذکر کرنا یہ مناسب نہیں ہے، جو گزارش کی گئی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (القرآن)

آج کس کی بادشاہت ہے؟.....

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (القرآن)

”اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے“

صدق اللہ العظیم

دین کی دعوت دینے کا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی اعجاز احمد صمدانی

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : درسگاہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد،
جامعہ دارالعلوم کراچی۔

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین کی دعوت دینے کا طریقہ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے طلباء سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے دعوت دین کے موضوع پر خطاب فرمایا، جسے مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے قلم بند فرمایا، جو ہدیہ قارئین ہے، بشکریہ البلاغ، محرم ۱۴۳۳ھ .... (میمن)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

تمہیدی کلمات

میرا ارادہ شروع میں یہ تھا کہ تعلیمی سال کے دوران بھی وقتاً فوقتاً گفتگو کرنے کا موقع ملے، لیکن آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ اس سال کئی مہینے میرے بیماری میں گزرے ہیں، اس کی وجہ سے میں اپنے روز مرہ کے فرائض بھی پوری طرح انجام نہ دے سکا، اور اس کی وجہ سے بہت سے کام جمع ہوگئے، لیکن الحمدللہ میں آپ کے اساتذہ سے شعبہ کی کارکردگی اور اس کے مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں، اور بحیثیت مجموعی یہ اطمینان ہوا ہے کہ روز بروز اس شعبہ کے معیار میں ترقی ہو رہی ہے، جس کے لئے حضرت مولانا ساجد الرحمٰن صاحب اور

حضرت مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب دونوں نے بڑی محنت سے کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ شعبہ مزید ترقی کرے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کی مجلس میں اس شعبے کے قیام کے اغراض و مقاصد اور یہاں تعلیم حاصل کرنے والوں اور فارغ ہونے والوں کے طرز عمل کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔

دعوت دین کا خلاصہ

اتنی بات تو آپ سب پر واضح ہے کہ اس شعبے کا مقصد دعوت و ارشاد کے لئے افراد تیار کرنا ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ درس نظامی کی تکمیل کے ذریعے علوم اسلامیہ سے الحمد للہ ایک طالب علم کو اچھی طرح واقفیت ہو جاتی ہے، لیکن دنیا کے ہر علم و فن کا قاعدہ یہ ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور مقصد کے ساتھ اس کے متعلقات کو بھی صحیح طریقے سے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، اس غرض سے یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا کہ فضلاء درس نظامی کو دعوت دین اور ارشاد کے لئے تیار کیا جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ ساری دعوت دین کا خلاصہ اس آیت کریمہ میں ہے، جس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل : ۱۲۵)

ترجمہ: ''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے

ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو (اور بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو"

اللہ رب العزت نے دعوت کا پورا کام تین خانوں میں سمیٹ دیا ہے کہ دعوت حکمت کے ساتھ ہونی چاہیے، موعظۂ حسنہ کے ساتھ ہونی چاہیے، اور جہاں جدال کی ضرورت ہو وہاں جدال بالتی ھی احسن ہونا چاہیے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ ان تین کاموں کو اختیار کرے۔

(۱)... حکمت (۲)... موعظۂ حسنہ (۳)... جدال بالتی ھی احسن

حکمت کیا ہے؟

حکمت کا کیا مفہوم ہے؟ حکمت کے اندر وہ علوم اور معلومات آتی ہیں جن کی داعی حق کو دعوت کے وقت ضرورت پیش آتی ہے، اور یہ لفظ دو چیزوں کو شامل ہے، ایک "علوم الواقع" ہیں، جس کا مطلب ہے کہ زمین کے اوپر جو حقائق ہیں یعنی جو واقعات پیش آرہے ہیں، جس قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں اور جس قسم کے جذبات لوگوں کے دلوں میں پروان چڑھ رہے ہیں، ان کی معرفت، یہ بھی حکمت میں داخل ہے، کیونکہ اگر آدمی کو اپنے مخاطب کے مزاج کا صحیح علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی نفسیات کیا ہیں، کس قسم کے جذبات اس کے دل میں ہیں؟ اس وقت تک وہ اپنی بات کو مؤثر طریقے سے نہیں پہنچا سکتا۔ دوسری چیز اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے عین مطابق ہو اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو سکے۔

آج کل جدید لکھنے والوں نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے ''فقہ الواقع'' اس طرح فقہ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں :

۱۔ فقہ الدین یعنی اصول شریعت اور احکام شریعت کی معرفت

۲۔ فقہ الواقع یعنی زمین کے حقائق اور واقعات کا صحیح علم، جب تک ان کا صحیح علم نہ ہو، فقہ الدین کو واقع پر منطبق کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

آپ جانتے ہیں کہ منطق میں ایک صغریٰ ہوتا ہے، اور ایک کبریٰ ہوتا ہے، کبریٰ ایک کلیہ ہوتا ہے، جبکہ صغریٰ ایک جزئیہ ہوتا ہے، جب صغریٰ اور کبریٰ دونوں ملتے ہیں تو نتیجہ نکلتا ہے، اور نتیجہ کے صحیح ہونے کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ کبریٰ صحیح ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ صغریٰ واقع کے مطابق ہو، اگر کبریٰ صحیح لگا دیا، مگر صغریٰ واقع کے مطابق نہیں ہے تو نتیجہ بھی واقع کے مطابق نہیں ہوگا، لہٰذا جس طرح کبریٰ کا علم ضروری ہے، اسی طرح صغریٰ کا علم بھی ضروری ہے، اسی صغریٰ کا دوسرا نام فقہ الواقع ہے۔

جب تک آپ زمینی واقعات سے آگاہ نہیں ہوں گے، اس وقت تک اصول شریعہ کو واقع پر صحیح طریقے سے منطبق نہیں کر سکیں گے، کس آدمی کو کس مرحلے پر کس انداز سے متاثر کیا جا سکتا ہے، یہ واقع کی بات ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو فرمایا :

اُدْعُهُمْ اِلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْا لِذَالِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ ...... الخ (شعب الایمان للبیہقی، باب الدعاء الی الایمان)

ترجمہ : ان کو لا الہ اللہ کی شہادت کی دعوت دو، اگر وہ قبول کرلیں تو انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں.....الخ

دیکھئے! نمازوں کا فرض ہونا ایک حقیقت ہے، اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا، لیکن آپ نے تدریج یہ بتائی کہ پہلے شہادتین کی دعوت دو، جب وہ قبول کرلیں تو پانچ نمازوں کی بات کرو، پانچ نمازیں قبول کرلیں تو زکوۃ کی بات کرو، اور دوسرے احکام کی بات کرو، حالانکہ اصول تو متیقن ہیں، مگر یہ اس لئے کہ مخاطب کے اوپر ایک دم سے بہت ساری چیزوں کا بوجھ نہ پڑ جائے جس کے نتیجے میں وہ بھاگ جائے۔

چونکہ واقع کا جاننا حکمت کے اندر داخل ہے اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم نے اپنے نصاب میں اس واقع کو بیان کرنے کے لئے بہت سے مضامین شامل کئے ہیں، آپ کو اگر تقابل ادیان پڑھایا جارہا ہے تو درحقیقت وہ واقع کا بیان ہے کہ دوسرے مذاہب میں کیا صورتحال ہے، اگر آپ کو انگریزی پڑھائی جارہی ہے تو وہ اس لئے کہ دنیا میں اس کا چلن ہے، اور آپ کی بات اس کے ذریعہ زیادہ مؤثر ہوسکتی ہے، آپ زیادہ اچھے طریقے سے لوگوں کی ذہنیت کو سمجھ سکتے ہیں، اور اپنی بات کو زیادہ مؤثر طریقے سے پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح جدید فلسفے کی باتیں داخل کی گئیں ہیں، وہ بھی اس لئے کہ واقع میں لوگوں کے ذہنوں میں جو خیالات پرورش پا رہے ہیں ان کو آپ سمجھیں، مختلف فرقوں کا بیان ہے تو وہ بھی اسی میں

داخل ہے۔

اپنی بات پہنچانے کا صحیح ڈھنگ آنا بھی ضروری ہے

میں سمجھتا ہوں کہ واقع کے علم کے ساتھ حکمت میں یہ بھی داخل ہے کہ واقع کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے مطابق ہو، اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو سکے۔

میں نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کا واقعہ جناب مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ان کے ایک صاحب سے دوستی کے تعلقات تھے، ان کی داڑھی نہیں تھی، مگر آتے جاتے تھے، ملاقاتیں ہوتی تھیں، ایک موقع پر مولانا نے ان سے داڑھی رکھنے کی فرمائش کر دی کہ بھئی آپ داڑھی رکھ لیں، کیونکہ یہ سنت ہے، اس نے آنا چھوڑ دیا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ "میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی" آپ کو معلوم ہے کہ روٹی پکانے کے لئے ضروری ہے کہ توے کو پہلے گرم کیا جائے، اگر توا کچا ہو یعنی گرم نہ ہو تو روٹی پکنے کے بجائے خراب ہو جاتی ہے، تو حضرتؒ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تربیت کے کچھ مراحل باقی تھے، ان کو پورا کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد اُسے احکام پر آنے کی دعوت دینی چاہئے تھی، لیکن میں نے جلدی سے کام لیا، اس کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔ بہر حال، واقع کے علم کے ساتھ ساتھ اس بات کا علم کہ کبریٰ، صغریٰ کے ساتھ مل کر کب نتیجہ نکالے گا، ان دو چیزوں کا مجموعہ "حکمت" کہلاتا ہے۔

نصاب کے ساتھ عملی مشق

پہلی چیز یعنی واقع کے علم کے لئے یہ سارا نصاب مرتب کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کو مختلف ادیان کا بھی علم ہو، مختلف نظریات اور مذاہب کا بھی علم ہو، لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا بھی علم ہو اور جدید فقہی مسائل اور موجودہ فکری گمراہیوں کا بھی علم ہو، اور دو اہم زبانوں عربی اور انگریزی پر بھی عبور ہو۔

جبکہ دوسری چیز یعنی اس کے لئے مناسب وقت کا انتخاب اور اپنی بات پہنچانے کا ڈھنگ، یہ کوئی ایسا ریاضی کا فارمولا نہیں جسے دو اور دو چار کی طرح بتا دیا جائے، اس کے لئے عملی تربیت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے ہم نے یہ چاہا کہ تبلیغی جماعت کا کام جو الحمدللہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، اور اس کا فائدہ دوسری جماعتوں سے کہیں زیادہ ہے، اُس میں آپ حضرات حصہ لیں، اس کے ذریعہ آپ کو لوگوں تک دینی بات پہنچانے اور اُسے مؤثر بنانے کا سلیقہ آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے افراد میں ایک جذبہ اور دُھن ہوتی ہے، اور دعوت کا کام دُھن اور جذبے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ ''صحیح معنی میں داعی وہ ہے کہ جس کے لئے دعوت بمنزلہ حوائج بشریہ کے ہو'' یعنی جس طرح کوئی شخص بھوکا ہو تو جب تک کھانا نہ کھالے چین نہیں آتا، پیاسا ہو تو پانی پیے بغیر چین نہیں آتا، اسی طرح داعی کو دعوت دیے بغیر چین نہیں آتا۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ماضی قریب میں اس کا صحیح مصداق مولانا شاہ

اسمٰعیل شہیدؒ ہیں کہ ان کے لئے دعوت بالکل ایسے ہوگئی تھی جیسے حوائج بشریہ ہوتے ہیں، اسی دُھن کا اثر یہ تھا کہ ایک مرتبہ طوائفوں کے اڈے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر بھی دعوت دی۔

دعوت صرف نظریاتی چیز نہیں

معلوم ہوا کہ دعوت صرف ایک نظریاتی چیز نہیں، بلکہ اس کے لئے دُھن اور لگن کی بھی ضرورت ہے، ہم نے تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کو جو رشتہ جوڑنے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کا مقصد دو چیزیں حاصل کرنا تھا۔

(۱)..... دُھن اور لگن (۲)..... دعوت دینے کا طریقہ اور سلیقہ

لیکن چونکہ اسی اختیاری رکھا گیا تھا، طلبہ پر لازم نہیں کیا گیا تھا، اس لئے اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا گیا، اب بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ لازمی کئے بغیر آپ حضرات اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس میں باقاعدہ حصہ لیں، جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے، اُس وقت تک عملی تربیت پوری طرح نہیں ہوگی اور کام ادھورا رہ جائے گا۔ اس بحث کو جانے دیجئے کہ تبلیغی جماعت کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ جن پر بعض حضرات کو اشکالات ہیں، لیکن جب کسی کام کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھنا چاہئے، جہاں تک جزوی اشکالات و اعتراضات کا تعلق ہے تو کون سا ادارہ یا جماعت ایسی ہے جو اس طرح کے جزوی اشکالات و اعتراضات سے محفوظ ہو۔

الحمد للہ، بحیثیت مجموعی اس جماعت سے امت کو بہت فائدہ پہنچا ہے، اور یہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینے کی آگ ہے، اس کا اثر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

آیت کا دوسرا جزء ہے "الموعظة الحسنة" اس کے لئے بھی تربیت کی ضرورت ہے، اس کی تفصیل ابھی گزر چکی۔

جدال کے لئے ہتھیار ہونا ضروری ہے

تیسرا جزء ہے "جدال بالتی ھی احسن" یہ اس جگہ پر ہے جہاں دعوت کو مخاطب نے قبول نہیں کیا، بلکہ وہ بحث و مباحثہ پر اتر آیا، یعنی حکمت کا بھی اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا، موعظہ حسنہ کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور بات "جدال" تک آ ہی گئی، تو شریعت نے یہ کہا کہ تمہاری طرف سے "جدال بالتی ہی احسن" ہونا چاہئے، اور جدال کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے پاس اس کے مناسب ہتھیار یعنی علمی دلائل موجود ہوں، اس کے لئے اُس نصاب کی ضرورت ہے جس کا ذکر شروع میں کیا، لیکن ان دلائل کو پیش کرنے کا انداز، تربیت اور نگرانی چاہتا ہے، یہ بھی تربیت کا حصہ ہے کہ اگر آپ کا مخاطب زیادہ مخالف و مخاصم نہ ہو تو اپنی دلیل کو اس کے سامنے حسن اسلوب سے پیش کرنا چاہئے، آپ سے علمی مقالات لکھوانا اور درس گاہ میں مختلف موضوعات پر لیکچر دلوانا اسی "جدال التی ہی احسن" کی عملی تربیت کا ایک حصہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ جن لوگوں نے اس میدان میں کام کیا ہے، اس کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

شعبے سے رابطے میں رہیں

جو حضرات اس سال تکمیل کر رہے ہیں، ان سے میری گزارش یہ ہے کہ چونکہ اس شعبے کا مقصد صرف نصاب پڑھوانا نہیں ہے، بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ یہ شعبہ رفتہ رفتہ ایک عملی تحریک کی شکل اختیار کر جائے، اس لئے فارغ ہونے والے طلبہ اس شعبہ سے رابطہ میں رہیں، ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی ایسی صورت تجویز کریں کہ اس شعبے کے قدیم فضلاء سے پیہم رابطے کی صورت قائم ہو، اُن سے مشورہ کرنے یا رہنمائی لینے کا سلسلہ جاری رہے، لہٰذا جو جہاں رہے وہ اپنے رابطے نمبر اور مکمل پتہ شعبے میں درج کروا کر جائے۔

اس کے کئی فائدے ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب کوئی نئی بات سامنے آئے گی تو آپ حضرات کے سامنے بھی آجائے گی، مشورہ بھی ہوتا رہے گا، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دارالعلوم میں مختلف اطراف سے فرمائشیں آتی رہتی ہیں کہ ان کے پاس ایسا مناسب شخص بھیجا جائے تو اس سلسلے میں بھی ہمارے لئے آسانی ہو جائے گی۔

جن طلبہ کا ابھی ایک سال باقی ہے، ان سے گزارش یہ ہے کہ جو کچھ ابھی عرض کیا ہے، اس کی روشنی میں اپنے نصاب میں خوب محنت کریں، اور تربیت کے لئے جو نظام مرتب کیا گیا ہے، اس میں بھی خوب حصہ لیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے اندر دین کی دعوت کی صلاحیت پیدا فرمائے، اور آپ کو دین کی مقبول خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سوالات و جوابات

مجلس کے آخرت میں بعض طلباء نے کچھ سوالات کیے جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں :

تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے اس کام کی کیا ضرورت ہے؟

سوال : تخصص فی الافتاء والوں کے لئے کام کرنے کی ایک لائن متعین ہے، لیکن ہم سے یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ کے کام کرنے کی کیا لائن ہے؟ اس بارے میں اگر ہمیں جامعہ سے خصوصی ہدایات اور رہنمائی فراہم کی جائے تو ہمارے لئے کام کرنے میں آسانی ہوگی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے آپ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب : پہلی بات تو یہ ہے کہ دعوت ایک ہمہ گیر مفہوم رکھتا ہے، تبلیغی جماعت کا کام بہت اچھا ہے، لیکن اس کا ایک محدود دائرہ ہے، مثلاً اس میں امر بالمعروف ہے، نہی عن المنکر براہ راست نہیں ہے، صرف مسلمانوں کو پیغام پہنچانا ہے، غیر مسلموں کو براہ راست دعوت دینا اس کا مقصد نہیں، اسی طرح جدید فکری گمراہیوں کی علمی تردید اور ازالہ اس کا براہ راست حصہ نہیں۔

یہ دعوت کے وہ گوشے ہیں کہ ان پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے، جن گوشوں میں کام کرنا تبلیغی جماعت کی حدود کار سے باہر ہے، لیکن وہاں کام کی

ضرورت موجود ہے، اس میں تحریر وتقریر کے ذریعہ کام کرنا آپ کا میدان ہے۔

(۱)..... معاشرے میں جو منکرات ہیں، ان کی نشاندہی کرنا اور تحریر وتقریر کے ذریعے انہیں مٹانے کی کوشش کرنا۔

(۲)..... غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی حقانیت واضح کر کے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا۔

(۳)..... اس وقت خود مسلمانوں میں جو طرح طرح کی فکری گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کی مؤثر علمی تردید کرنا اور احقاق حق کرنا۔

ابھی تو ان کاموں کے کرنے کا طریقہ یہی ہوگا کہ آپ اپنے دوسرے کاموں جیسے تدریس، امامت و خطابت وغیرہ کے ساتھ ساتھ ان اہم امور پر خصوصی توجہ دیں گے، البتہ ہمارے ذہن میں یہ ہے کہ ہم مستقل دعوت ہی کا ایک شعبہ قائم کریں کہ اس میں ہم اپنے فضلاء کو لے کر ایک مستقل طور پر کام کریں۔

لہٰذا "تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے آپ کی کیا ضرورت ہے؟" یہ سوال اس لئے درست نہیں کہ ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے، اسے اس دائرے میں کام کرنا ہے۔

نومسلموں کے مسائل کا حل

سوال : جو غیر مسلم مسلمان ہو جاتے ہیں، ان کو بعض اوقات مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اس سلسلے میں کیا ادارہ ہمارے ساتھ کچھ تعاون کرے گا؟

جواب : اس مقصد کے لئے کچھ ادارے باقاعدہ قائم ہیں، بعض ادارے

میرے علم میں ہیں، اگر کہیں ایسی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے رجوع کیا جا سکتا ہے، انشاء اللہ ہم بھی تعاون کریں گے۔

غیر مسلموں میں کام کرنے کا طریقہ

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ ہندوستان کے مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے وہاں ہندوؤں میں بہت کام کیا ہے، میرا وہاں جانا ہوا، تو وہاں میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جس نے لمبا کرتا پہنا ہوا تھا، اور پوری داڑھی رکھی ہوئی تھی، شلوار ٹخنوں سے اونچی تھی، مولانا نے یہ فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے بابری مسجد پر پہلی کدال چلائی تھی۔

ان کی ایک کتاب چھپ گئی ہے "نسیم ہدایت کے جھونکے" وہ مطالعہ کے قابل ہے۔

انہوں نے ہندوؤں کو دعوت دینے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے "آپ کی امانت، آپ کے حوالے" یعنی توحید ہمارے پاس پوری دنیا کے غیر مسلموں کی امانت ہے، ہم وہ امانت آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، اس کتاب نے ماشاء اللہ بہت بڑا انقلاب برپا کیا ہے، اور وہاں بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے، جس میں بڑے بڑے عہدوں والے غیر مسلم بھی شامل ہیں، اب انہوں نے پوری ایک جماعت تیار کر لی ہے جو ان کے ساتھ اس عظیم کام میں لگی ہوئی ہے۔

افتاء کی تربیت کی اجازت

سوال : عوام الناس کا زیادہ رابطہ ان علماء سے ہوتا ہے، جن سے وہ مسائل دریافت کرتے ہیں، یعنی مفتی حضرات، اس لئے اگر ہمیں بھی تمرین افتاء کی اجازت مل جائے تو ہمارے لئے عوام سے رابطہ میں آسانی ہوگی۔

جواب : فتویٰ نویسی ایک مستقل کام ہے، دو چار مہینے، بلکہ ایک سال کا کام بھی نہیں، البتہ ہم نے آپ سے فقہی موضوعات پر مقالے لکھوائے ہیں، جدید فقہی مسائل درساً پڑھائے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو اس فن سے مناسبت رہے۔

دیکھئے! ہر شعبے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، تخصص فی الافتاء کے اپنے تقاضے ہیں، اور تخصص فی الدعوة والارشاد کے اپنے تقاضے ہیں، آپ کی توجہ اپنے تقاضوں کی تکمیل پر مرکوز ہونی چاہئے، البتہ افتاء کے ساتھ مناسبت بھی فی الجملہ آپ کی ضرورت ہے، اس کے لئے وہ اقدام کیا گیا ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے دین کی اشاعت اور تبلیغ کا کام لے، اور اس کے مواقع مہیا فرمائے، اور اس کے لئے آپ کی محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بیت اللہ کی تعمیر

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی طیب منظور

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد خاتم النبیین، آزاد کشمیر

تاریخ خطاب : ۱۴/اپریل ۲۰۱۱

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیت اللہ کی تعمیر

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ۱۴؍اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات آزاد کشمیر کی معروف علمی شخصیت اور جامعہ دارالعلوم چھتر مظفر آباد کے مہتمم جناب مولانا قاضی محمود الحسن اشرف صاحب زید مجدہم کی دعوت پر جامع مسجد خاتم النبیین کی تعمیر نو کی تقریب سے خطاب فرمایا، سامعین میں سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر کے چیف جسٹس جناب خواجہ شہاد احمد، سینئر جج جناب محمد اعظم چودھری کے علاوہ آزاد کشمیر کے معتقد حضرات، نامور علماء اور عوام الناس کی بڑی تعداد موجود تھی، مولانا محمد طیب منظور صاحب نے اس بیان کو قلم بند فرمایا، اور مولانا قاضی محمود الحسن صاحب مدظلہم نے اسکی تصحیح اور تنقیح فرمائی۔ افادۂ عام کیلئے حضرت والا مدظلہم کا یہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے۔ (میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَيُزَکِّيْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ ۞ وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَ وَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ (البقرة: ۱۲۷تا۱۳۲) آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاکِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ میرے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ الحمدللہ آج اس مبارک دینی درس گاہ میں نہ صرف حاضری کا موقع ملا، بلکہ یہاں آزاد کشمیر کے علماء کرام سے اور معزز بھائیوں سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا، جیسا کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس وقت میرا اس خطے میں آنا ایک نجی اور صحت کی ضرورت کے تحت تھا، لیکن آنے سے پہلے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب

دامت برکاتہم کو ٹیلی فون کر کے یہ عرض کیا کہ میرا یہاں آنے کا ارادہ ہے، اور اگر چہ کچھ تقریبات وغیرہ کا موقع نہیں ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ یہاں حاضری ہو، اور آپ حضرات سے ملاقات نہ ہو، اور اس مبارک ادارے میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو، حضرت مولانا کا میں شکرگزار ہوں کہ انہوں نے بہت ہی محبت اور عنایت کے ساتھ اس مبارک اجتماع کا اہتمام فرمایا، اور عالی جناب چیف جسٹس آف سپریم کورٹ آزاد کشمیر کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارہ فرمائی اور مجھے ملاقات کا موقع دیا، اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام حضرات کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

مسجد کی تعمیر نو کا افتتاح

معلوم ہوا کہ الحمدللہ آج یہاں دارالعلوم اور اس کی مسجد کی تعمیر نو کا افتتاح کیا جارہا ہے، حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ مساجد کے متعلق، اور ساتھ ہی بہت نازک بات یہ فرمادی کہ مساجد کے ساتھ عدل وانصاف کا جو تعلق رہا ہے، اس کے بارے میں کچھ عرض کروں، تو مجھے یاد آیا کہ اس روئے زمین پر جس مسجد کا ذکر قرآن کریم نے اس آیت میں فرمایا ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (ال عمران : ۹۶) اسی حوالے سے چند گزارشات پیش کروں گا، جس کا پہلا مخاطب میں خود ہوں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے حاصل ہونے والے سبق کو ہمیں اپنی زندگی میں رچانے اور بسانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبوبیت

قرآن کریم نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے تعمیر کعبہ کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا جو میں نے اپنے خطبے میں پڑھی ہیں، اور عجیب انداز میں فرمایا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر یوں تو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے، اور مختلف سیاق میں ہے، لیکن اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبوبیت کا کچھ اندازہ اس بات سے کیجئے کہ پارۂ الم کے ان آخری دو رکوعوں میں دس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کسی انسان کا ایک مرتبہ بھی نام لے تو اس کے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔

قرآن کریم میں ایک صحابی کا نام

ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں صرف ایک صحابی ہیں جن کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آیا ہے، اور وہ ہیں حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا" (الاحزاب: ۳۷) تو ان کی فضیلت اور ان کی سعادت کے لئے یہ بات اتنی عظیم الشان تھی کہ یہ بات ان کے مناقب میں بیان کی جاتی ہے، تنہا یہ صحابی ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لیا، اس کے اسباب مختلف ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں اعلیٰ ترین مقام رکھتے ہیں، ان کی فضیلت بلانزاع تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر ثابت ہے، لیکن ان

کا بھی نام نہیں لیا، اشارہ کئی جگہ ہے، اور اشارہ بھی پیارے انداز میں ہے، ایک جگہ فرمایا: "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" (التوبہ: ۴۰) "دو میں کا دوسرا" یہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور سورۃ واللیل کی آیات "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی" (اللیل: ۵، ۶) میں ان کے اوصاف بیان فرمادیے، اور ان کی طرف اشارہ فرمادیا، لیکن نام نہیں لیا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ عجیب ہے، لیکن حضرت زید بن حارثہ کا قرآن کریم میں نام لیا تو ان کی سعادت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ سبحان اللہ

بیت اللہ کی تعمیر کا عظیم کارنامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہاں دو رکوعوں میں دس مرتبہ نام لے کر اللہ تعالیٰ نے ان کے عظیم ترین کارنامے کا ذکر فرمایا، چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ

اردو میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو پوری کیفیت کو صحیح طرح بیان نہیں کیا جاسکتا، لیکن کچھ تاویل اس طرح کی جاسکتی ہے "کیا وقت تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے" یعنی کتنا عظیم وقت تھا، کیسا یادگار وقت تھا، کتنا سعادت والا وقت تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے، "وَاِسْمٰعِیْلُ" اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔

ایک ادب

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ جب کوئی کام ایک بڑا اور ایک چھوٹا مل کر کر رہے ہوں، جیسے باپ اور بیٹا، استاذ اور شاگرد، تو ادب یہ ہے کہ اس کام کو اصلاً بڑے کی طرف منسوب کیا جائے، اور چھوٹے کا ذکر بعد میں کیا جائے، چنانچہ تعمیر کعبہ میں باپ اور بیٹا دونوں شریک تھے، لیکن یہاں قرآن پاک میں نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل علیہ السلام بھی ساتھ تھے، نسبت بڑے کی طرف کی گئی ہے، اور چھوٹے کا ذکر عطف کے طور پر فرمایا گیا ہے، یہی ادب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار فرمایا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کام کر رہے تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں اور صدیق اکبرؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کر رہے تھے، بلکہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کام کر رہے تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، یہ ادب قرآن کریم نے اور حدیث نے سکھایا، آج اگر کوئی چھوٹا بڑے کے ساتھ کسی کام میں لگ جائے، یا کسی کام میں شریک ہو جائے تو چھوٹا یوں کہتا ہے کہ ہم نے یہ کام کیا، اپنا ذکر پہلے کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے یہ نہیں سکھایا، بلکہ فرمایا کہ کیا وقت تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر اس طرح کر رہے تھے کہ اس کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے، حضرت اسماعیل ان کے ساتھ تھے۔

بیت اللہ کی بنیاد موجود تھی

بنیادوں کو اُٹھانے سے اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ پہلے سے بنیاد موجود تھی، بیت اللہ کی تعمیر پہلے ملائکہ نے کی، پھر آدم علیہ السلام نے کی، اور نہ جانے کتنی مرتبہ تعمیر ہو چکی تھی، بنیادیں موجود تھیں، مگر دبی ہوئی تھیں، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اوپر اُٹھا کر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ" آپ اندازہ کیجئے کہ اتنا عظیم الشان کارنامہ جسکو قرآن اس انداز سے بیان کر رہا ہے کہ کیا وقت تھا، جس میں اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جا رہا تھا، کون انجام دے رہا تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں یہ عظیم کارنامہ انجام دے رہے تھے، اس دنیا میں کسی انسان کے جتنے کام ہوتے ہیں ان میں شاید اس سے بڑا اور کوئی کارنامہ نہ ہو، اللہ کے گھر کی تعمیر کا کام ان کو سونپا گیا، اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دے رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی۔

لیکن اس عظیم کارنامے پر کوئی غرور نہیں تھا

لیکن اس کارنامے پر کائی فخر اور غرور نہیں تھا، اس پر کوئی گردن اکڑی ہوئی نہیں تھی، اس پر سینہ تنا ہوا نہیں تھا کہ میں نے یہ کارنامہ انجام دیا، زبان پر الفاظ کیا تھے؟

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اتنا عظیم الشان کارنامہ اور پھر بھی تواضع، انکساری، عبدیت، فنائیت کا یہ

مقام کہ فرمار ہے ہیں کہ یا اللہ! یہ اپنے گھر کی تعمیر کی خدمت آپ نے ہم سے لی، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول بھی فرما۔ سبق یہ دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا کارنامہ بھی انجام دے لو، بڑی سے بڑی خدمت بھی انجام دے لو، تو ذہن میں یہ بات ضرور رکھو کہ درحقیقت اس کی توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے، بندے کی طاقت نہیں تھی کہ وہ خود اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیتا، جب تک اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ لہٰذا شکر اُسی کا ادا کرو، اور اسی سے مانگو کہ یا اللہ! میرے اس عمل کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالے۔ تو سبق ہمیں یہ دیا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی خدمت انجام دینے کی توفیق مل جائے تو اس کو تکبر وغرور اور ناز کا بہانہ نہ بناؤ، بلکہ اس توفیق عمل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرو، ہماری گردن اللہ کے سامنے جھکی ہونی چاہیے، ہماری زبان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی فریاد ہونی چاہیے کہ اے اللہ! اس کو قبول فرمالے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی عاجزی

آپ دیکھئے! جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو یہ کتنا بڑا کارنامہ تھا، وہ قوم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ ﷺ کے خون کی پیاسی بنی رہی، جس نے آپ ﷺ کو گھر سے نکالا، جس نے آپ ﷺ کے خلاف قتل کی سازشیں کیں، اس قوم پر فتح حاصل ہورہی ہے، فاتح بن کر آپ ﷺ اس بستی میں داخل ہورہے ہیں، اگر کوئی اور ہوتا تو سینہ تنا ہوا ہوتا، اس کی گردن اکڑی ہوئی ہوتی، اور وہ فاتح بن کر غرور کے عالم میں وہاں پر خون کی ندیاں بہادیتا،

لیکن سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، صحابیؓ فرما رہے ہیں کہ وہ منظر مجھے آج بھی اس طرح یاد ہے کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہیں، اور آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے، اور ٹھوڑی مبارک سینے سے لگی ہوئی ہے، اور زبان مبارک پر یہ آیت ہے "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (الفتح: ۱)" یعنی کہ یہ جو فتح حاصل ہوئی ہے یہ میری قوت بازو سے نہیں، یہ اللہ جل جلالہ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" اور اس پر آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا کارنامہ، بڑی سے بڑی خدمت انجام دینے کی توفیق مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اس پر عاجزی کا اظہار کرو، اللہ سے قبولیت کی دعا مانگو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

عبادتوں کے طریقے بھی سکھا دیجئے

آگے فرمایا "اَرِنَا مَنَاسِکَنَا" اے اللہ! یہ بیت اللہ تو تعمیر کر دیا، لیکن اب ہمیں اس بیت اللہ کے حقوق ادا کرنے کے لئے جو عبادتیں کرنی ہیں، ان عبادتوں کے طریقے بھی سکھا دے "اَرِنَا مَنَاسِکَنَا" اے اللہ! ہمیں تعلیم عطا فرمائیے کہ ہم اس کا حق بھی ادا کریں ورنہ یہ نہ ہو کہ بقول شاعر:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

بیت اللہ کی تعمیر تو کر دی، لیکن اے اللہ! ہمیں اس میں عبادت کرنے کی

توفیق بھی عطا فرمادے، آگے فرمایا "وَتُبْ عَلَيْنَا" یعنی جتنی بھی عبادتیں کرلیں، اللہ کے سامنے اپنا سرنیاز جھکادیں، لیکن اے اللہ! اس میں غلطیاں تو رہیں گی، اس میں کوتاہیاں تو رہیں گی، اور ان کوتاہیوں کی وجہ سے پہلے ہی ہم آپ سے کہتے ہیں کہ "وَتُبْ عَلَيْنَا" اے اللہ! ہمیں معاف کردیجئے۔

تعمیر بیت اللہ کے وقت توبہ کی ضرورت کیوں؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کعبہ کی تعمیر ہورہی ہے، اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جارہا ہے، کیا یہ کوئی گناہ تھا کہ جس سے توبہ مانگی جائے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ ہم اس بیت اللہ کے ذریعہ اے اللہ! آپ کی عبادت انجام دیں گے، یا اس بیت اللہ کا کوئی حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے، تو ہم سے حق پوری طرح ادا نہیں ہوسکے گا، لہٰذا جو غلطیاں ہوں ان کو اپنے فضل وکرم سے معاف کردیجئے گا" "اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ" آپ بہت توبہ قبول کرنے والے ہیں، آپ رحم کرنے والے ہیں۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جو کوئی بھی عبادت یا کوئی دین کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی توفیق ہوجائے تو اس کے خاتمے پر اور اس کی تکمیل پر اللہ سے معافی مانگو، کیا معافی مانگو؟ کہ یا اللہ اس عبادت کا جو حق تھا وہ مجھ سے صحیح ادا نہیں ہوسکا، اے اللہ اپنی رحمت اور اپنی مغفرت سے اس کی تلافی فرمادے۔

عبادت میں کوتاہی سے استغفار

قرآن کریم نے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذّٰرِيٰتِ: ۱۷، ۱۸)

اللہ کے نیک بندے رات میں کم سوتے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت کے لئے ساری رات اللہ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے ہیں، لیکن جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ: یہ کیا بات ہے کہ ساری رات عبادت کرتے رہے اور صبح کو استغفار کر رہے ہیں؟ یہ کوئی گناہ تھا جس پر وہ استغفار کر رہے تھے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استغفار اس بات پر کر رہے تھے کہ رات کی عبادت میں جو کوئی کوتاہی رہ گئی ہو، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔

نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار

چنانچہ آپ نے احادیث میں پڑھا ہوگا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ فرماتے تھے ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۞ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۞ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' نماز کے بعد یہ تین مرتبہ کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ اس لئے کہ اے اللہ! نماز کا جو حق تھا، وہ میں ادا نہیں کرسکا، لہٰذا اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے، اور ہم جیسے نااہلوں کے لئے بہت بڑی عظیم تسلی کا سامان ہے، شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جس کے دل میں کبھی نہ کبھی یہ خیال نہ آتا ہو کہ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا، کیونکہ دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے، کبھی کھانے کی طرف دل جارہا ہے، کبھی کمانے کی طرف دل جارہا

ہے، دماغ کہیں اور لگا ہوا ہے، تو ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، یہ تو نماز نہیں، اس کا ایک حل یہ بتادیا کہ اپنی طرف سے خشوع حاصل کرنے کی کوشش تو کرلو، نماز کے خشوع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو الفاظ آدمی زبان سے نکال رہا ہے، دھیان اس کی طرف کرے، جب ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہا تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہہ رہا ہوں، دھیان اس طرف رہے، لیکن غیر اختیاری طور پر خیال ادھر ادھر چلا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا راستہ یہ بتایا کہ نماز کے آخر میں کہو ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ﴿ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ﴿ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ'' کہ یا اللہ یہ جو کوتاہیاں ہوئیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرمادے، اور میری مغفرت فرمادے۔

اس عبادت پر شکر ادا کرو

یہ دو کام ہیں جو کسی بھی عبادت اور دینی خدمت وغیرہ کے انجام دینے کے بعد کرنے سے انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ عبادت کے فوائد دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں گے، نمبر ایک اس عبادت کے انجام پانے پر اللہ کا شکر ادا کرو، میرے شیخ عارفی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، فرمایا کہ یہ ناقدری مت کیا کرو، ارے اللہ کی اس توفیق پر شکر ادا کرو، جس نے اپنی بارگاہ میں پیشانی ٹیکنے کی توفیق دیدی، پہلے اس پر شکر ادا کرو کہ کتنے ہیں جو اس سے بھی محروم ہیں۔

قبول ہو کہ نہ ہو، پھر بھی ایک نعمت ہے

وہ سجدہ جس کو ترے آستاں سے نسبت ہے

بارگاہ الٰہی میں پیشانی ٹک گئی یہ ایک بڑی نعمت ہے، اس پر شکر ادا کرو، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کی ناشکری مت کرو، یہ مت کہو کہ میں ٹکریں مارتا ہوں۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ ایک صاحب میرے حضرت شیخ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے، عرض کرنے لگے کہ حضرت ہمارے سجدے کیا ہیں؟ ہمارے رکوع کیا ہیں؟ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، سجدی کرتے ہیں تو اس وقت دل میں برے برے خیالات آرہے ہیں، یہ کیا سجدہ ہوا ہمارا؟ تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ بھائی تمہارا سجدہ بہت گندہ ہے، کہا: جی حضرت! ہمارا سجدہ بہت گندہ ہے، فرمایا کہ اچھا یہ گندہ سجدہ ہے تو یہ اللہ میاں کو کرنے کے لائق ہے ہی نہیں (جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اللہ کو کرنے کے لائق نہیں) تو ایسا کرو کہ یہ گندہ سجدہ مجھے کرو، میں گندہ آدمی ہوں، تو گندہ سجدہ گندے آدمی کو کردو، کہنے لگا حضرت یہ کیا بات آپ نے کہہ دی؟ پوچھا کیوں بھائی، تم کہہ رہے ہو کہ گندہ سجدہ ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہیں کیا جاسکتا، تو پھر مجھ جیسے گندے آدمی کو کرو، کہا نہیں حضرت یہ نہیں ہوسکتا، تو فرمایا کہ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ پیشانی اس کی بارگاہ کے علاوہ کہیں اور ٹک نہیں سکتی، یہ پیشانی وہیں ٹکے گی، اس لئے شکر ادا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں پیشانی ٹیکنے کی توفیق عطا فرمادی، اور یہ جو غلطیوں کی بات کر رہے ہو، گندے سجدے ہونے کی تو اس کا علاج یہ ہے کہ استغفار کرو، کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" آپ نے

توفیق دی "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ" کہ مجھ سے کوتاہی ہوئی، شکرادا کرو اور استغفار کرو۔ یہ تعلیم دی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے۔

ایک رسول بھی بھیجئے

پھر آگے فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ" کہ اے اللہ! میں نے آپ کی توفیق سے بیت اللہ تو تعمیر کر دیا، یہ عبادت گاہ بنا دی، لیکن اس عبادت گاہ کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا، جب تک کہ آپ کوئی ایسی شخصیت پیدا نہ فرمائیں، جو لوگوں کو اس بیت اللہ کی طرف راغب کرے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان سے گندگیوں کو دور کرے "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی ہے، آپ خود بھی پیغمبر ہیں، لیکن دعا یہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا، جب تک آپ ان ہی میں سے کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجیں، ایک رسول بھیجئے، جو ان ہی میں سے ہو، ان میں سے کیوں ہو؟ کیونکہ فرشتہ اگر بھیج دیں گے تو کہنے والے کہیں گے کہ اس کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے، یہ ہماری نفسیات سے واقف نہیں، تو آپ ان ہی میں سے کوئی رسول بھیجئے، جس کی زبان وہی ہو، جس کی بشری خواہشات وہی ہوں، جس کے دل میں وہی جذبات پیدا ہوں، اور جو ان کی ضروریات سے واقف ہوں اور جو ان کی نفسیات کو سمجھتا ہو۔

تلاوت قرآن خود مقصود ہے

آگے فرمایا: "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ" وہ رسول پہلا کام یہ کرے کہ آپ

کی آیتوں کی تلاوت کرے، اور ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ '' بعد میں آ رہا ہے یعنی مطلب سکھائے، معنی سمجھائے، لیکن ''يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ '' پہلے فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی کتاب میں آیتیں ہیں، ان کی تلاوت بذات خود مقصود ہے، تعلیم یعنی معنی سمجھنا وہ تو ہے ہی مقصود، اور اس پر عمل کرنا تو سعادت ہے ہی، لیکن اس کی محض زبان سے تلاوت کر لینا، یہ بھی بذات خود مقصود ہے، یہ جو آج کل لوگ حفظ قرآن کی تعلیم کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم بچے کو طوطے مینا کی طرح قرآن کریم رٹا دیتے ہو، ان کو معنی نہیں آتے، ان کو مطلب سمجھاتے نہیں ہو۔ معاذ اللہ۔ اس کا کیا فائدہ؟ لیکن قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ ''يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ '' کہ آپ کی آیات ان پر تلاوت کریں۔

قرآن کریم خود سے نہیں سمجھا جا سکتا

آگے فرمایا: ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ '' یعنی ان کو کتاب کا مطلب اور معنی سمجھایئے، اور میں آپ کو دعوی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس کو قرآن کریم کی تلاوت صحیح نہیں آتی، وہ صرف ترجموں کی مدد سے کبھی قرآن کریم کے صحیح معنی اور تفسیر سمجھ ہی نہیں سکتا، یہ جو آج کل ذہن میں ہے کہ ترجموں کی مدد سے قرآن مجید کا معنی سمجھ لیں گے، مولویوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، جو ہماری سمجھ میں آئے گا اس کے ذریعہ تفسیر کر لیں گے، قرآن اس کی تردید کر رہا ہے، ارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ترجمے کی ضرورت تھی؟ حالانکہ صحابہ کرامؓ عربی زبان کے ماہر لوگ تھے، ان کو ترجمے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن قرآن کریم کہہ

رہا ہے "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کتاب کی تعلیم دیں، معلوم ہوا کہ کتاب کی تعلیم ترجمے کے علاوہ ایک اور چیز ہے، جب تک رسول کی تعلیم ساتھ ساتھ نہیں ہوگی، محض ترجمے سے قرآن کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آجکل لوگوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ بھئی قرآن تو ساری دنیا کے لئے ہے، بلا وجہ قرآن پر علماء کی اجارہ داری قائم ہوگئی ہے، ہم خود ترجمے سے اس کا مطلب نکال سکتے ہیں، اور خود اجتہاد کر سکتے ہیں، اور اس سے ہم خود یہ نکال سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے کس بات کا حکم دیا ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

انسان کی فطرت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ بنائی ہے کہ تنہا کتاب اس کی تربیت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ کوئی مربی اور کوئی معلم اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی علم و فن بغیر استاذ، بغیر مربی کے سمجھ میں نہیں آسکتا، اور تو اور کھانا پکانے کی کتابیں چھپی ہوتی ہیں، جنہیں کک بکس کہا جاتا ہے، ان میں لکھا ہوتا ہے کہ پلاؤ کس طرح بنتا ہے؟ قورمہ کس طرح بنتا ہے؟ کباب کس طرح بنتے ہیں؟ اب اگر ایک آدمی وہ کتاب ساتھ رکھے اور اس کو دیکھ دیکھ کر بریانی بنانے کی کوشش کرے، تو پتہ نہیں کیا ملغوبہ تیار کرے گا، جب تک کوئی سکھانے والا موجود نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی کتاب بغیر پیغمبر کے نہیں بھیجی، ایسی

مثالیں تو موجود ہیں کہ پیغمبر آئے، مگر نئی کتابیں نہیں آئیں، ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کتاب آئی ہو اور پیغمبر نہ آئے ہوں، کیونکہ کتاب کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ بتلانا، یہ بغیر پیغمبر کے نہیں ہو سکتا۔

حکمت کی تعلیم بھی دیں گے

آگے فرمایا ''وَالْحِكْمَةَ'' کتاب کی بھی تعلیم دیں گے، اور حکمت کی بھی تعلیم دیں گے، حکمت کیا ہے؟ حکمت کہتے ہیں دانائی کی بات کو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دانائی کی بات بھی سکھانے کے لئے فرمایا کہ یہ بات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھائیں گے، کیا معنی کہ عقل اور دانائی تم صرف اپنے ذہن سے پیدا نہیں کر سکتے، حکمت اور دانائی وہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، اگر تم اپنی عقل سے کہنے لگو کہ فلاں چیز حلال ہونی چاہیے، فلاں حرام ہونی چاہیے، اس کو اس لئے حلال قرار دیا جارہا ہے کہ میری عقل میں آتی ہے، اور اس کو اس لئے حرام قرار دیا جارہا ہے کہ میری عقل میں نہیں آتی، یاد رکھئے! جو عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے معارض ہو، وہ عقل آگ میں جھونک دینے کے لائق ہے، عقل وہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' کتاب بھی وہ سکھائیں گے اور حکمت بھی وہ سکھائیں گے، ہاں جہاں انہوں نے کوئی بات نہیں فرمائی، تو بیشک تمہاری عقل کے لئے میدان بہت بڑا ہے، لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات فرمادی، تو عقل کی بات وہی ہے۔

ان کو پاک صاف کرلیں گے

آگے فرمایا "وَيُزَكِّيهِمْ" صرف اتنا کافی نہیں کہ کتاب پڑھادی، اس کا مطلب سمجھا دیا، اور دانائی کی باتیں بتادیں، نہیں نہیں، صرف اتنا کافی نہیں، بلکہ "وَيُزَكِّيهِمْ" اور ان کو پاک صاف بھی کرنا ضروری ہے، پاک صاف کرنے کے کیا معنی؟ کہ سب کچھ پڑھ لیا، یہ بھی پتہ چل گیا کہ کتاب کس طرح پڑھی جاتی ہے، یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ یہ بھی پتہ چل گیا کہ دانائی کی بات کیا ہے؟ ان سب باتوں کا کچھ علم حاصل ہو گیا، لیکن اس علم پر عمل کس طرح کریں گے؟ اور اس علم کو اپنی زندگی میں کس طرح رچائیں گے اور بسائیں گے؟ اس کے لئے ایک اور کام کی ضرورت ہے، اور وہ ہے "وَيُزَكِّيهِمْ" ان کو پاک صاف کرنا، یعنی ان کے دل میں جو خراب جذبات پیدا ہوں، ان کو دبائے اور جو اچھے جذبات پیدا ہوں، ان کو نکھارے اور یہ کام بغیر کسی مربی کے اور بغیر اللہ والے کی صحبت کے نہیں ہوتا، کتابیں بھی پڑھ لیں، علم بھی حاصل کرلیا، تحقیقات بھی کرلیں، دانائی کی باتیں بھی سمجھ میں آگئیں۔

چلتا نہیں مگر دلِ ناداں پہ بس ابھی

لیکن یہ جو انسان کے سینے میں دل رکھا ہوا ہے، جسے نفس کہتے ہیں، یہ محض کتابیں پڑھ لینے سے قابو میں نہیں آتا، آج دیکھو انسان چاند ستاروں پر کمندیں ڈالے ہوئے، چاند ستاروں کو فتح کر رہا ہے، لیکن انسان ابھی تک اپنے دل کے

جذبات کو قابو نہیں کر سکا۔

تسخیر کر رہا ہوں میں ماہ و نجوم کو
چلتا نہیں مگر دلِ ناداں پہ بس ابھی

دل اگر غلط راستے پر جارہا ہے تو اس کو کنٹرول کرنے کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں، اگرچہ میں نے چاند ستاروں پر کمندیں ڈالی ہوئی ہیں۔ اقبال نے کہا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کر نہ سکا

نفس کو قابو کرنے کا طریقہ

اپنے نفس پر میں قابو کیسے پاؤں؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ غلط کام ہے، لیکن نفس پر قابو نہیں، میرا دل مانتا نہیں، دل اس طرف جارہا ہے، اس کو کیسے قابو کروں، اس کو کیسے اپنے تصرف میں لاؤں؟ یہ بات بغیر تزکیہ نفس کے حاصل نہیں ہوتی، غالب نے کہا:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اُدھر نہیں آتی

تو طبیعت کو ادھر کیسے کروں؟ طبیعت کو اس طرف کیسے لے جاؤں؟ اس کے لئے ضرورت ہے تزکیہ نفس کی، اور تزکیہ نفس بغیر صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی صحبت کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اخلاق کا تزکیہ کریں اور یہ کام صحبت کے ذریعہ انجام پایا، کیسے انجام پایا؟ اس طرح کہ صحبت کے نتیجے میں وہ مخلوق وجود میں آئی جس کی نظیریں آسمان اور زمین کی نگاہوں نے نہ پہلے دیکھیں، نہ بعد میں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب کیا تھا؟

یہ سارا واقعہ بیان کر کے آگے قرآن کریم فرماتا ہے کہ ''وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ '' یہ واقعہ ہم نے بیان کر دیا، اب تم اس واقعہ سے یہ سبق لو کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کوئی بھی اعراض نہیں کر سکتا، سوائے اس کے جو اپنی ذات سے ہی بے وقوف ہو، آگے قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا خلاصہ بیان کیا کہ ''اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ '' کہ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا تھا کہ سر جھکا دو کا کیا معنی؟ کہ جو کام تمہیں کہا جائے، اپنی عقل کو بیچ میں لائے بغیر سر جھکا کر عمل کر لو، اور سر تسلیم خم کر دو، تو انہوں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا، کیسے جھکایا؟ اس کا ذکر سورۃ صافات (آیت نمبر ۱۰۲، ۱۰۳) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیٹے کو ذبح کر دو، یہ حکم خواب کے ذریعہ آیا، جو عقل کے بالکل برخلاف تھا۔ اول تو کسی کو ناحق قتل کرنا، یہ جج صاحبان بیٹھے ہوئے ہیں کتنی بڑی غلطی ہے؟ اور مقتول بھی کون ہے؟ نابالغ بچہ ہے، نابالغ کا قتل شریعت نے کسی بھی حال میں جائز قرار نہیں دیا۔ جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر بھیجا کرتے تھے تو تعلیم دیتے تھے کہ ''لا

تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا شَيْخًا" کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ ہر جہاد کے ہدایت نامے میں یہ بات شامل تھی کہ کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔

نئی تہذیب کا شاخسانہ

یہ تو نئی تہذیب نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ جس میں بچے بھی مارے جا رہے ہیں، عورتیں بھی ماری جا رہی ہیں، بوڑھے بھی قتل ہو رہے ہیں، بیمار بھی مارے جا رہے ہیں، اور ہسپتالوں پر بمباری کی جا رہی ہے، یہ سب نئی تہذیب نے پیدا کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بچے، عورت یا بوڑھے کو نہ مارا ہے نہ مارنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو جو نابالغ ہے ذبح کر دو، اور بیٹا بھی کون؟ اپنا بیٹا! اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ آجکل کی عدالت میں یہ کیس آتا ہے کہ کسی شخص نے اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس سے بڑا اور گھناؤنا جرم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال نہیں کیا کہ میں کیوں قتل کروں

لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں کہ اللہ میاں میں کیوں قتل کروں اپنے چہیتے بیٹے کو؟ جس کو مرادوں سے مانگا، دعائیں مانگ کر حاصل کیا، اس کو کیوں قتل کروں؟ کیوں کا سوال نہیں کیا، البتہ بیٹے سے امتحان لینے کے لئے ضرور پوچھا کہ بیٹا میں نے ایسا

خواب دیکھا ہے، اور انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے ''فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی '' تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹا بھی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بیٹا تھا، جس کے صلب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے، جواب میں کہتا ہے کہ ''یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ '' اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا، جس کی وجہ سے مجھے مارا جارہا ہے؟ بلکہ کہا کہ ابا جان: آپ کو جو حکم ہوا ہے کر گزریئے، اور میری فکر نہ کیجئے، آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، تب قرآن نے کہا: ''فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ '' جب دونوں نے سر جھکا دیا، سر جھکانے کے معنی یہ ہیں کہ جب پتہ چل جائے کہ اللہ کا حکم یہ ہے تو پھر چوں و چرا کی مجال نہیں۔ اور صرف خود ہی نہیں جھکایا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی وصیت کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کی، اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کی ''یَا بُنَیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ '' اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے یہ دین اسلام چن لیا ہے، اب دیکھو مرتے دم تک اللہ کے آگے سر جھکائے رکھنا۔ بہر حال! ان آیات میں بڑے عجیب انداز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔

مسجد خاتم النبیین کا سنگ بنیاد

آج ماشاء اللہ اس جامع مسجد خاتم النبیین کی نئی تعمیر کا سنگ بنیاد ہے، اس میں بھی یہی صورتحال ہے کہ پہلے سے مسجد موجود تھی، اس کی بنیادیں قائم تھیں، اب

اس کی دوبارہ بنیاد اُٹھائی جارہی ہے ''وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ'' پر عمل ہورہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو بھی ایسی مسجد بنادے جو نمازیوں سے آباد ہو، جو سبق ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے عمل سے دیا، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اور جس طرح انہوں نے فرمایا تھا کہ یا اللہ مسجد کی محض تعمیر کافی نہیں ہے، تو اس کو اپنے فضل وکرم سے ذکر وفکر سے آباد فرمادے، اور جو اس میں غلطیاں ہوں، وہ سب اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ آمین

اختتامی دعا

میں تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں حضرت مولانا قاضی محمود الحسن اشرف صاحب اور ان کے رفقاء کو جنہوں نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور یہ مسجد اور مدرسہ ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ''وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ'' پر عمل کرتے ہوئے دونوں کام ایک ساتھ ہورہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دونوں کام چلاتا رہے، اور مسجد ومدرسہ میں اپنی رحمتیں اور برکتیں عطا فرمائے، اور بہت زیادہ برکات سے نوازے، اور یہاں سے دین کے سچے خادم پیدا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد

(سورة ق: ۱۸)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔

وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی۔

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ! عَنْ علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فرقہ و فاطمۃ بنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال: الا تُصَلُّوْنَ؟ فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّمَا اَنْفُسُنَا عِنْدَ اللّٰہِ،فَاذَا شَاءَ اَنْ یَّبْعَثَنَا بَعَثَنَا،فَانْطَلَقَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وَلَمْ یَرْجِعْ اِلَیْہِ شَیْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُ وَ ھُوَ مُدْبِرٌ یَضْرِبُ فَخِذَہٗ یَقُوْلُ، وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا

(الکھف: ۵۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

ایک رات آخری شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، ہمارے گھر سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ رہتی تھیں، اور یہ گھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی پشت پر مسجد نبوی کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں اپنے گھر میں سو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر ان کو بیدار کیا، اور فرمایا: اَلَا تُصَلُّوْنَ؟ کیا تم نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہو گیا، اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہماری روحیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ہمیں بیدار کر دیتے ہیں، اور جب نہیں چاہتے تو بیدار نہیں فرماتے، جس کے نتیجے میں ہم سوتے رہ جاتے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منہ موڑ کر واپس تشریف لے جانے لگے، اور اس طرح جا رہے تھے کہ آپ اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار رہے تھے، اور قرآن کریم کی آیت پڑھتے جا رہے تھے کہ ''وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْئٍ جَدَلًا'' یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے، اور بہت بحث و مباحثہ کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بات کہی، اس پر آپ نے نکیر فرمائی کہ انسان اپنی غلطی کی تاویل کرنے کے لئے بڑی دلیلیں پیش کرتا ہے۔

بیوی بچوں کو نماز کے لئے بیدار کرنا چاہیے

اس حدیث کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بتانے کے لئے یہ واقعہ سنا رہے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا یہ جواب پسند نہیں آیا، اس

حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خود نمازوں کا اہتمام فرماتے تھے، بلکہ اپنے گھر والوں اور اپنے قریبی اعزہ کو بھی نماز کے لئے اُٹھانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ انسان کے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ خود نماز کا پابند ہو جائے، بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا پابند بنانے کی فکر اور کوشش کرے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی نماز کی پابندی کرو۔ لہٰذا انسان کی ذمہ داری صرف خود اپنی نماز پڑھ لینے سے پوری نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں جو لوگ ہیں، مثلاً بیوی، بچے، اولاد ہیں، ان کو نمازی بنانے کی فکر اور کوشش کرے، اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر وہ نماز کے وقت سو رہے ہوں تو ان کو اُٹھائے، تاکہ وہ بھی وقت پر نماز ادا کر لیں۔

یہ عمل ساری عمر کرنا ہے

یہ عمل ساری عمر کرنا ہے، چاہے وہ بچے آپ کی بات مان رہے ہیں، یا نہیں مان رہے ہیں، وہ بچے اس بات کو قبول کرتے ہیں یا نہیں کرتے، لیکن آپ کو اپنی کوشش ساری عمر جاری رکھنی ہے۔ آج بہت سی جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خود تو نماز کا پابند ہے، صف اول کا پابند ہے، مسجد میں جانے والا ہے، لیکن اولاد کو یا تو بالکل ہی نماز کی فکر نہیں ہے، یا مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنے کی فکر نہیں ہے،

ہوتا یہ ہے کہ کچھ دن تک تو شروع میں بچوں کو سمجھایا، بجھایا، بعض اوقات تنبیہ بھی کی، جب انہوں نے بات نہیں مانی تو یہ سوچا کہ یہ مانتے تو ہیں نہیں، اب کیا بار بار ان کو اُٹھائیں، اور سمجھائیں، یہ سوچ کر آدمی ہمت ہار جاتا ہے، یاد رکھئے! یہ ہمت ہارنا درست نہیں، بلکہ ساری عمر یہ عمل کرتے رہنا ہے۔

فرض نمازوں کی تاکید

شرعاً نماز کی اتنا تاکید فرمائی گئی ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو، اور ان کو نماز کی عادت ڈالو، اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے، اور پھر نماز نہ پڑھے، تو ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو، لیکن کوشش کو چھوڑو نہیں، یہ فکر کرنا ہر انسان کے ذمہ ضروری ہے۔ یہ حکم تو فرض نمازوں کے بارے میں ہے۔

نفل کے لئے اہتمام کی ضرورت نہیں

البتہ جو نمازیں نفل ہیں، جیسے تہجد کی نماز، اشراق کی نماز، چاشت کی نماز، یا اوابین کی نماز ہے، ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان نمازوں کے لئے باقاعدہ اہتمام کر کے کسی کو اُٹھانے کا حکم نہیں دیا گیا، مثلاً یہ حکم نہیں ہے کہ اگر آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو اپنے پڑوسیوں کو جا کر اُٹھائیں کہ تم بھی اُٹھو، اور نماز پڑھو، اس لئے کہ تہجد کی نماز فرض و واجب نہیں ہے، لیکن جو لوگ آپ کے زیر تربیت ہیں، مثلاً آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی اولاد ہے، آپ کے مریدین ہیں، ان کی تربیت کے لئے ان کو اٹھانا چاہیے، جیسا کہ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جا کر اٹھایا، جب کہ آپ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ دوسرے صحابہ کرام کو تہجد کے لئے اٹھایا کرتے تھے، لیکن حضرت علی اور حضرت فاطمہ اپنی اولاد تھی، اور اپنے زیر تربیت تھے، اس لئے آپ باقاعدہ اہتمام کر کے ان کے گھر تشریف لے گئے، اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور ان کو اُٹھایا۔

حضور کو یہ جواب پسند نہیں آیا

لیکن اٹھنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جواب دیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یا رسول اللہ! ہم کیا کریں، یہ ہماری نیند وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اُٹھا دیتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تو ہم سوتے رہ جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ بات تو اگرچہ صحیح تھی، اس لئے کہ ساری کائنات باری تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، لیکن اس کے اسباب مہیا کرنا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں دیے ہیں، وہ اسباب یہ ہیں کہ جب رات کو انسان سوئے تو اس بات کا اہتمام کر کے سوئے کہ صحیح وقت پر میری آنکھ کھل جائے، کسی دوسرے کو بیدار کرنے کے لئے مقرر کر دے، آج کل تو اور بہت سے طریقے آ گئے ہیں، ٹیلیفون موجود ہیں، الارم لگا دیں، لہٰذا اگرچہ اُٹھنا خود اپنے اختیار میں نہیں، لیکن اٹھنے کے اسباب مہیا کرنا یہ اختیار میں ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔

اپنی غلطی کی فوراً تاویل کرنا ادب کے خلاف ہے

اور دو وجہ سے آپ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، پہلی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا اپنے چھوٹے کو کوئی ہدایت دے، یا کوئی تعلیم دے کہ یہ کام کرو، یا کسی غلطی پر متنبہ کرے کہ یہ عمل تمہارا درست نہیں، اس موقع پر چھوٹے کا کام یہ ہے کہ بڑے کی ہدایت کو غور سے سنے، اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ میری کیا غلطی ہے، اور اس غلطی کو قبول کرے۔ اپنی غلطی کی تاویل پیش کرنا اچھی عادت نہیں، اور ادب کے خلاف ہے، چھوٹے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر بالفرض کوئی عذر ہو بھی تو اس وقت فوراً برجستہ وہ عذر پیش نہ کرے، بلکہ اس وقت بڑے کی بات سن لے، اور اس بات کو قبولیت کے انداز میں سنے، اور بعد میں کسی وقت عذر پیش کرے کہ فلاں عذر کی وجہ سے یہ کام کرلیا تھا۔ اب اگر بڑے نے آپ کو تنبیہ کی کہ فلاں کام تم نے غلط کیا، اور تم نے پلٹ کر فوراً جواب دیدیا کہ میں نے تو یہ کام نہیں کیا، یہ ادب کے خلاف ہے۔

پہلے غلطی کا اعتراف کرے

اور اس طرز عمل میں بڑی حکمت ہے، یعنی جب کوئی بڑا کسی چھوٹے کو کسی غلطی پر متنبہ کرے تو پہلا ردعمل ایک مسلمان کا یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ واقعتاً مجھ سے غلطی ہوئی ہو، اور یہ شخص بات صحیح کہہ رہا ہو، نہ یہ کہ پہلے مرحلے پر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرے۔

یہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہوگا

یہ بڑی کام کی بات عرض کر رہا ہوں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص کسی

دوسرے کو کسی غلطی پر متنبہ کرے تو پہلے مرحلے میں اس کا دفاع کرنے کے بجائے ایک لمحہ کے لئے یہ سوچو کہ یہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہوگا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ میرے اس عمل میں کوئی ایسی غلطی ہو، جو میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈال دی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے اس کے دل میں یہ بات ڈالی ہو، لہٰذا پہلے مرحلے میں دفاع کی کوشش کرنے کے بجائے، اور اس غلطی کی تاویل کرنے کے بجائے، اس کے خلاف دلیل پیش کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، اس کے نتیجے میں بسا اوقات ایسا ہوگا کہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ پہلا میرا دھیان اس غلطی کی طرف نہیں گیا تھا، اس کے کہنے سے میرا دھیان اس طرف چلا گیا، اور میری غلطی کی اصلاح ہوگئی۔

فلاں عذر کی وجہ سے یہ کام کیا تھا

اور اگر بالفرض سوچنے کے باوجود تمہاری سمجھ میں یہ آیا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میری غلطی نہیں تھی، تو اسی وقت فوراً تردید نہ کرو، فوراً اپنا دفاع شروع نہ کرو، بلکہ اس وقت اس شخص کی بات سن لو، اور جب معاملہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس وقت چاہو تو بتادو کہ حضرت! فلاں عذر تھا، جس کی وجہ سے یہ کام کیا تھا، اب پتہ نہیں کہ وہ عذر صحیح تھا، یا غلط تھا، آپ بتادیجئے، اگر وہ عذر صحیح تھا تو میں مطمئن ہوجاؤں، اور اگر وہ عذر صحیح نہیں تھا تو مجھے بتادیجئے کہ میری کیا غلطی ہے؟

مجھ سے غلطی نہیں ہوسکتی! یہ خطرناک بات ہے

لہٰذا یہ طرز عمل کہ جہاں کسی شخص نے کوئی اصلاح کی بات کی، یا آپ کی کسی

غلطی کی طرف توجہ دلائی تو فوراً اس کا جواب دینا، فوراً اس کی تاویل پیش کرنا، فوراً اس کا عذر بیان کرنا، یہ بڑی مہلک بیماری ہے، اس لئے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، اور جب آدمی کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں غلطی پر نہیں ہو سکتا تو اس آدمی کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔ جو بیمار اپنے آپ کو بیمار ہی نہ سمجھے، بلکہ یہ سمجھے کہ میں تو تندرست ہوں، ایسا بیمار اپنا علاج کیسے کرے گا؟ ڈاکٹر کے پاس تو وہ بیمار جائے گا جس کو اپنی بیماری کا احساس ہوگا، جس کو اپنی بیماری کا احساس ہی نہیں، وہ کہاں ڈاکٹر کے پاس جائے گا، اور اگر کوئی ڈاکٹر اس کو یہ بتائے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، تم اس کی فکر اور اصلاح کرو، وہ شخص جواب میں کہے گا کہ میرے اندر یہ خرابی نہیں ہے، تو اس کی بیماری کا علاج کیسے ہوگا؟ جب ڈاکٹر تشخیص کر کے یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، اور تم جواب میں کہو کہ نہیں، تم غلط سمجھے ہو، میرے اندر یہ بیماری نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بیماری بڑھتی ہی چلی جائے گی، کیونکہ اس بیماری کا علاج آپ نہیں کرا رہے ہیں۔

اپنی رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بدری صحابہ کرام میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے، انہوں نے ایک جملہ ارشاد فرمایا، جو بڑا عمدہ جملہ ہے، فرمایا:

اِتَّهِمُوْا رَأيَكُمْ

تم اپنی رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو، یعنی تمہارے دل میں اپنے بارے میں ایک

رائے پیدا ہوئی ہے کہ میں ایسا ہوں، یا میں اچھا ہوں، یا میں برا ہوں، میرے اندر فلاں خوبی ہے، اپنی اس رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو، یعنی یہ سمجھو کہ شاید میری یہ رائے غلط ہو، اور اگر کوئی دوسرا آدمی آپ کو اس طرف متوجہ کرے تو اس کو غور سے سنو، اور اس کو اپنے دل میں بٹھانے کی کوشش کرو۔

پہلا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمہیں تمہاری کسی غلطی کی طرف متوجہ کرے، یا تمہیں کوئی ہدایت دے تو تمہارا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ تم سمجھو کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہوگا، لہٰذا میں پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھوں، پہلا ردعمل تمہارا یہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ شخص میرے اندر عیب لگا رہا ہے، لہٰذا مجھے اپنا دفاع کرنا ہے، اور مجھے اس کا جواب دینا ہے، مجھے اس کی تاویل پیش کرنی ہے، اور مجھے اس کے خلاف دلیل لانی ہے۔ پہلا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پہلا ردعمل آپ کی طرف سے یہ ہونا چاہیے کہ اس شخص نے جو بات کہی ہے، مجھے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

اگرچہ وہ بات کہنے والا تمہارا مخالف ہو

یہ ردعمل اس وقت تو ہونا ہی چاہیے جب بات کہنے والا آپ کا مہربان ہو، شفیق ہو، اور آپ کا خیر خواہ ہو۔ بلکہ اگر بات کہنے والا خیر خواہ بھی نہ ہو، بلکہ وہ بات تمہارے دشمن کی طرف سے آرہی ہو، تمہارے مخالف کی طرف سے آرہی ہو، یا ایسے شخص کی طرف سے آرہی ہو جو بظاہر تمہارا معاند ہو، تب بھی تمہارا پہلا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ اس کی بات کو سنو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس معاند اور دشمن کو میری ایسی

بات نظر آ گئی ہو، جو مجھے نظر نہ آئی ہو۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مخالف

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، جو قطب الارشاد اور سید الطائفہ، اور ہمارے سارے سلسلہ کے عظیم چشم و چراغ تھے، ان کا ایک واقعہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، یہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے، اور انہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت اٹھائی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب مقام بخشا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخالف بریلوی مسلک کے تھے، یہ بریلوی حضرات ہمارے حضرات علماء پر کفر کے فتوے لگاتے رہتے تھے، چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر، حضرت شیخ الہند پر، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ فتویٰ لگا دیا تھا کہ یہ سب کافر ہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ اور ان حضرات علماء کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی توہین کرنے والے ہیں، اور اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ایک صاحب جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی صحیح تشریح کے لئے جو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، یہ صاحب ان کی تردید میں کتابیں لکھتے رہتے تھے، اور ان کتابوں میں گالیاں، اور الزام تراشی، اور بد دعائیں، اور کفر کے فتوے بھرے ہوتے تھے، اور ہر چند دن بعد ایک رسالہ شائع کرتے، اور اس میں حضرت گنگوہی

کو برا بھلا کہتے۔

یہ فضول رسالہ کیوں سناؤں

آخر عمر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی چلی گئی تھی، اس لئے خود کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے، اس لئے جب ڈاک میں خطوط آتے، یا کوئی رسالہ آتا تو اپنے رفقاء سے پڑھواتے تھے، چنانچہ یہ حضرت مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت پر مامور تھے کہ حضرت کے پاس جو ڈاک آئے، یا رسالے آئیں، وہ پڑھ کر حضرت کو سنائیں۔ جب ان بریلوی صاحب کی طرف سے رسالہ آیا، تو ایک مرتبہ تو وہ پڑھ کر حضرت والا کو سنا دیا، اس کے بعد جب کوئی رسالہ آتا، حضرت مولانا یحیٰ صاحب یہ سوچتے کہ یہ فضول رسالہ ہے، اور فضول بکواس بھری ہوئی ہے، حضرت کو سنانے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ انہوں نے وہ رسالہ نہیں سنایا۔

شاید اس میں میری واقعی غلطی کی نشاندہی کر دی ہو

جب کافی دن گزر گئے تو ایک دن حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ: کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا، بہت دن سے نہ کوئی رسالہ آیا، نہ کوئی خط آیا، جواب میں حضرت مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نے یاد کرنا تو نہیں چھوڑا، اس کا رسالہ تو اب بھی آتا ہے، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ رسالہ فضول باتوں سے اور گالیوں سے بھرا ہوتا ہے، اس لئے آپ کو سنا کر خواہ مخواہ آپ کا وقت کیوں خراب کروں، اور آپ کا ذہن کیوں خراب کروں، اس لئے میں نہیں سناتا، حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: نہیں بھائی، ایسا مت کیا کرو، ان کا جو بھی رسالہ آئے، یا جو بھی خط آئے، وہ مجھے سناؤ، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں اس کو اس نیت سے سنتا ہوں کہ شاید انہوں نے اس مین واقعۃً میری کسی غلطی کی نشاندہی کردی ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے رسالے سے اور ان کے خط سے میری غلطی کا مجھے علم ہو جائے، تو اس کی اصلاح کرلوں، میں تو بخدا اس نیت سے سنتا ہوں۔

دور کی گالیاں نہیں لگا کرتیں

اور جہاں تک گالیوں کا تعلق ہے تو بھائی، دور کی گالیاں نہیں لگا کرتی ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک مخالف فرقے کا آدمی جو مسلکاً اور عقیدۃً اپنا ہم مسلک نہیں، اور جو گالیوں سے خطاب کرتا ہے، اور اس کی ایک ایک سطر سے عناد ٹپک رہا ہے، لیکن اس کی بات بھی جب سن رہے ہیں تو پہلا ردعمل یہ نہیں کہ میں اس کا جواب دوں، اور اس کی گالیوں پر ناراضگی کا اظہار کروں، بلکہ پہلا ردعمل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر میری ایسی غلطی منکشف فرمادی ہو، جو میری سمجھ میں نہ آئی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو میری اصلاح کا ذریعہ بنادیا ہو، اس غرض سے میں یہ رسالہ سنتا ہوں۔

کسی کے ٹوکنے پر پہلا طرزِ عمل یہ ہو

یہ ہے صحیح طریقہ، اور یہ ہے صحیح طرزِ عمل کہ اگر ایک دشمن بھی تمہیں تمہاری غلطی پر ٹوکے تو پہلا طرزِ عمل یہ اختیار کرو کہ شاید واقعۃً مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو، تو اس کے ذریعہ میں اپنی اصلاح کرلوں۔ اور اگر کوئی خیر خواہ کسی غلطی پر ٹوکے تو پھر تو

بطریق اولیٰ یہ طرز عمل اختیار کریں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت لرزاں ترساں رہتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دانت سے اپنا ہونٹ کاٹا تو فوراً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دماغ اس طرف گیا کہ کہیں مجھ سے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوگئی۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کچھ کہا بھی نہیں، لیکن صرف اتنی بات کہ آپ نے اپنے دانت سے ہونٹ کاٹا تو فوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے تو کوئی غلطی نہیں ہوگئی۔

میرے بارے میں شاید کوئی آیت نازل ہوئی ہے

یہی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد حرام میں داخل ہوا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور جب مجھے آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے بے ساختہ ایک جملہ ارشاد فرمایا:

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

رب کعبہ کی قسم: وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں، یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا، میرے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میرے بارے میں قرآن کریم میں کوئی آیت نازل ہوگئی ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا

گیا ہے کہ میں بڑا خراب آدمی ہوں، یہ جملہ سن کر میں لرز گیا کہ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اور میرے بارے میں قرآن کریم نے کیا فیصلہ کر دیا ہے، چنانچہ میں ڈرتا ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کس کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ بڑے خسارے میں ہیں؟

مالدار لوگ خسارے میں ہیں

آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا ردعمل یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ خسارے میں ہیں، وہ میں ہوں گا، لہٰذا پریشان، لرزاں، ترساں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس وقت وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا، اور اس وحی کے اندر یہ بتایا جا رہا تھا کہ وہ لوگ خسارے میں ہیں جو بہت مالدار ہیں، اور مال کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلا ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس مال میں جو حقوق واجب فرمائے ہیں، اور ادا نہیں کرتے، ایسے لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔

مگر جو مٹھیاں بھر کر لوگوں کو دے

پھر فرمایا: اِلَّا مَنْ فَعَلَ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا وَھٰکَذَا

یعنی سوائے اس مالدار کے جو اس طرح دے، اور اس طرح دے، اور اس طرح دے۔ یعنی مٹھیاں بھر بھر کر لوگوں کو مال دے، اس کے علاوہ سب مالدار خسارے میں ہیں۔ بہرحال! پہلا ردعمل جو حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ شاید یہ جملہ میرے بارے میں کہا جا رہا ہے، حالانکہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم خسارے میں ہو، لیکن اس کے باوجود دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میرے بارے میں تو نہیں فرمایا۔

شاید مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے انسان، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو حضرت عمر ہوتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا، آپ نے مجھے بلوایا کہ عمر کو بلا لاؤ۔ فرماتے ہیں کہ سارے راستے میرے دماغ میں یہ خیال آتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر کچھ نازل کر دیا ہو کہ یہ عمر ٹھیک آدمی نہیں ہے۔ سارے راستے یہ سوچتے ہوئے جا رہے ہیں۔

منافقین کی فہرست میں میرا نام تو نہیں ہے

بہرحال! یہ حضرات ہر وقت اپنے آپ کا جائزہ لے رہے ہیں، ہر وقت اپنی غلطیوں کی طرف نگاہ ہے، اور اس فکر میں ہیں کہ ان کی غلطیوں کی اصلاح ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے یہ بات سن چکے ہیں کہ عمر جنت میں جائے گا، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاکر خوشامد کرتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتادو کہ منافقین کی جو فہرست تمہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی، اس فہرست میں کہیں میرا نام تو

نہیں ہے؟ تو جس شخص کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو کہ پتہ نہیں مجھ سے کس وقت کیا غلطی سرزد ہو جائے جو مجھے راندۂ درگاہ بنا دے، ایسے شخص کو جب کوئی دوسرا شخص کسی غلطی پر متنبہ کرے تو وہ کیسے اپنی غلطی کی تاویل کرے گا؟ بلکہ اس شخص کا پہلا ردعمل تو یہ ہوگا کہ شاید یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے۔

اپنی غلطی کی برجستہ تاویل مت کرو

لہٰذا اپنی غلطی کی برجستہ اور فوراً تاویل کرنا کہ جیسے ہی کسی نے کسی غلطی کی نشاندہی کی، ادھر سے فوراً تاویل شروع کر دی، یہ کوئی صحیح طرز عمل نہیں، بلکہ پہلے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، اور ٹھنڈے دل سے اچھی طرح جائزہ لے لو کہ کیا کہا جا رہا ہے، اور جائزہ لینے کے بعد تم کو سمجھ میں آیا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میری غلطی نہیں تھی، تو بھی اس وقت فوراً تردید نہ کرو، فوراً اپنا دفاع شروع نہ کرو، بلکہ اس وقت اس شخص کی بات سن لو، اور جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت چاہو تو بتا دو کہ حضرت! فلاں عذر تھا، جس کی وجہ سے یہ کام کیا تھا، اب پتہ نہیں کہ وہ عذر صحیح تھا، یا غلط تھا، آپ بتا دیجئے۔ یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے، فوراً اپنی غلطی کی تردید شروع نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اِصلاحی خُطبات

جلد ۲۰

- کون سا مال خرچ کریں اور کن لوگوں پر؟
- تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟
- اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے
- پڑوسی کے حقوق اور ہدیہ کے آداب
- اسکول اور ویلفیر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت
- ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کیجئے
- تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا
- معاشرتی برائیاں اور علماء کی ذمہ داریاں
- ظالم حکمران اور دین کے احکام پر عمل
- مدارس میں طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے؟
- ماہ ربیع الاوّل کا کیا تقاضہ ہے؟
- طالبات کے لئے تین ہدایات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

جلد 20

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ اشاعت	:	2015ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
جلد	:	20
قیمت	:	=/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی۔
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ، وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے، اس مجلس میں ہر طبقۂ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا ہے، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب پانچ سو تک ہوگئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلم بند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع بھی کیا، اب وہ تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی

خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئیں ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے، اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمد للہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور ہم سب کے لئے ذریعہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین

محمد تقی عثمانی

دار العلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ "اصلاحی خطبات" کی بیسویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کررہے ہیں، انیسویں جلد کی افادیت اور مقبولیت کے بعد بہت سے حضرات کی طرف سے بیسویں جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں محترم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے بیسویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین

چونکہ کتاب کافی ضخیم ہو چکی ہے، اس لئے خطبات کا نیا سلسلہ نئے نام سے شروع کررہے ہیں جسکی پہلی جلد انشاء اللہ بہت جلد آپکے سامنے آجائیگی، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد ۲۰

تفصیلی فہرست مضامین

اصلاحی خطبات جلد ۲۰

عنوانات — صفحہ نمبر

اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے ۴۵

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت ۶۳

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا ۸۱

##

دین اتباع اور اعمال ظاہرہ و باطنہ کی درستگی کا نام ہے ۱۵۹

کونسا مال خرچ کریں

اور کن لوگوں پر؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی
وقت خطاب	:	بعد نماز عصر
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کونسا مال خرچ کریں؟

اور

کن لوگوں پر خرچ کریں؟

الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمدٍ وخاتم النبیّین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین . امّا بعد !

عَنْ قَیْسِ بْنِ عَاصِمِ السَّعْدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ: هٰذَا سَیِّدُ اَهْلِ الْوَبَرِ، فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: مَاالْمَالُ الَّذِیْ لَیْسَ عَلَیَّ تَبِعَةٌ مِنْ طَالِبٍ وَّلَا مِنْ وَصِیْفٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ. وَ الْكَثْرَةُ سِتُّوْنَ، وَوَیْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِیْنَ، اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْكَرِیْمَةَ، وَمَنَعَ الْغَزِیْرَةَ، وَنَحَرَ السَّمِیْنَةَ، فَاَكَلَ وَاَطْعَمَ الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ الخ ...

(ادب المفرد للبخاری باب قیام الرجل لأخیہ، رقم الحدیث ۹۵۳)

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قیس بن عاصم سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، جو قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان حضرات صحابہ کرام میں سے ہیں جو رئیس، مالدار اور اپنے

قبیلے کے بڑے صاحب حیثیت بزرگ تھے، یہ اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے، جب جزیرہ عرب میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی پھیلائی، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے اور اسلام کے نور کی کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ مختلف قبائل میں اسلام پھیل رہا تھا جن علاقوں کے لوگ مسلمان ہو جاتے تو ان علاقوں کے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے اور آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے سفر کر کے آپ کے پاس آتے۔

یہ دیہاتیوں کے سردار آ رہے ہیں

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ھذا سید أھل الوبر، یہ صاحب جو آ رہے ہیں، یہ دیہاتی لوگوں کے سردار ہیں، لفظی معنی یہ ہیں کہ جو بالوں سے بنے خیموں میں رہنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ ان کے سردار ہیں۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ دیہاتوں میں عموماً جو گھر ہوتے، وہ مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، بلکہ اونٹ کے بالوں سے خیمہ نما بنا لیا جاتا تھا۔ ساری بستی ایسے بنے ہوئے گھروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اسکو عربی زبان میں "اھل الوبر" کہا جاتا تھا۔ جو مکان باقاعدہ گارے اور مٹی سے بنائے جاتے تھے، ان کو "اھل المدر" کہتے تھے عام طور پر بڑے شہروں میں مٹی کے گھر ہوتے تھے اور دیہاتوں کے گھر عام طور پر بالوں سے بنائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے شہری لوگوں کو "اھل المدر" اور دیہات کے رہنے والوں کو "اھل الوبر" کہا جاتا ہے۔

لوگوں کا ان کے مرتبہ کے لحاظ سے اکرام کرو

بہر حال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو مجمع سے فرمایا کہ "ھذا سید اھل الوبر" کہ یہ صاحب جو آرہے ہیں یہ دیہات کے لوگوں کے سردار ہیں۔ آپ نے ان کا یہ تعارف لوگوں سے اس لئے کرایا تا کہ لوگ ان کا مناسب اکرام کریں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اور آپ کی سنت تھی کہ جو شخص بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ اس کی حیثیت کے مطابق اس کا اکرام فرماتے، کیونکہ جس درجہ کا اور جس حیثیت کا جو آدمی ہے، اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے۔ چونکہ یہ اپنے علاقے کے سردار تھے اس لئے اس کے مطابق ان کا اکرام فرمایا اور لوگوں سے انکا تعارف کرایا۔

میں کتنا مال اپنے پاس رکھوں؟

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رئیس آدمی تھے، بڑے مالدار تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ!" مَا الْمَالُ الَّذِیْ لَیْسَ عَلَیَّ فِیْهِ تِبْعَةٌ مِنْ طَالِبٍ وَلَا مِنْ ضَیْفٍ" مجھے یہ بتایئے کہ کتنا مال ایسا ہے کہ اگر میں وہ مال اپنے پاس رکھوں تو میری جو ضرورتیں ہیں وہ بھی پوری ہو جائیں اور میرے پاس جو آنے والے مہمان ہیں ان کی بھی میں صحیح طریقے سے مہمانی کر سکوں؟ مطلب یہ تھا کہ ویسے تو میرے پاس بہت مال ہے، لیکن کتنا مال انسان کو اپنے پاس بقدر ضرورت رکھنا چاہئے؟ کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت بھی پوری کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس مانگنے والا آتا ہے تو

اس کے ذریعہ وہ اس کی طلب بھی پوری کردے، اور اگر اس کے پاس کوئی مہمان آتا ہے تو وہ اس کے ذریعہ اس مہمان کی خاطر تواضع بھی کرسکے، ان مقاصد کے لئے کتنا مال اپنے پاس رکھنا چاہئے؟

مالداری کا پیمانہ مویشی ہوتے تھے

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ، وَالْكَثْرَةُ سِتُّوْنَ، وَوَيْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِيْنَ.

فرمایا کہ چالیس مال ہو تو اچھا ہے، اور اگر ساٹھ ہو تو یہ بہت ہے، اور سینکڑوں والوں پہ افسوس ہے۔ اب یہاں تو اس روایت میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ وہ ''چالیس'' کیا ہیں؟ دراھم ہیں، یا دینار ہیں، یا چالیس بکریاں، یا چالیس اونٹ، لیکن حدیث کے سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس سے مراد چالیس بکریاں ہیں، چونکہ اس زمانے میں مالداری کا پیمانہ مویشی ہوتے تھے۔ لوگوں کے پاس سونا چاندی تو کم ہوتا تھا اس لئے لوگوں کی دولت کو مویشیوں سے ناپا جاتا تھا کہ اس کے پاس کتنے مویشی ہیں۔ کتنی بکریاں ہیں؟ کتنے اونٹ ہیں؟ کتنی گائے ہیں؟ اور لوگوں کا ذریعہ معاش بھی یہی تھا۔ مثلاً کسی نے بکریاں رکھی ہوئی ہیں تو ان کا دودھ نکال کر استعمال کرتا، اس دودھ کو فروخت کرکے دوسری ضرورتیں پوری کرلیتا، اگر بکری کے بچے ہوئے تو ان کو فروخت کردیا اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی، کسی بکری کو ذبح کرکے خود بھی کھایا، اور کوئی مہمان آیا تو اس کو بھی کھلا دیا۔ لہٰذا ساری ضروریات اس طرح

جانوروں سے پوری ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے مالداری کا پیمانہ جانوروں کو سمجھا جاتا تھا اور آگے بھی جانوروں کا ہی ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چالیس سے مراد چالیس بکریاں ہیں۔

کتنا مال اچھا ہے؟

بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ'' یعنی اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں ہوں تو وہ اچھا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ اتنا مال اس کے گزارے کے لئے کافی ہونا چاہئے کہ اس سے وہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ کوئی مہمان آئے تو اس کی خاطر تواضع کر سکے، اور اگر ساٹھ بکریاں ہوں تو وہ بہت ہیں، یعنی چالیس بکریاں تو بقدر ضرورت ہیں اور ساٹھ بکریاں ہوں تو وہ بہت مالدار آدمی ہے، لیکن آگے فرمایا: ''وَیْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِیْنَ''

یعنی جن کے پاس بکریاں اور دوسرے جانور سینکڑوں کی تعداد میں ہوں، ان پر افسوس ہے، کیونکہ وہ بڑے خطرے میں ہیں، اس لئے کہ بظاہر دیکھنے میں ان کی دولت بہت زیادہ ہوگئی ہے، لیکن جتنا مال زیادہ ہوتا ہے، دینی اعتبار سے اتنی ہی نزاکت زیادہ ہوتی ہے، ایک طرف تو اس پر فرائض اور ذمہ داریاں زیادہ ہوجاتی ہیں، اور دوسری طرف آدمی کے اندر مال کی محبت زیادہ ہوجاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں آدمی گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے، اور آخرت میں اس کا انجام خراب ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔

سینکڑوں والوں پر افسوس ہے

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مالداری کے تین درجے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ چالیس بکریاں ہوں تو اچھا ہے، اور اگر ساٹھ بکریاں ہوں تو بہت اچھا ہے، اور اگر سینکڑوں میں بات پہنچ جائے تو افسوس کی بات ہے، اب معاملہ خراب ہے، لہٰذا وہ لوگ جن کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں جانور ہیں، ان پر افسوس ہے، اور ان کا معاملہ خطرناک ہے البتہ آگے ایک استثناء فرمایا:

مگر وہ شخص جو اپنے مال کو اس طرح خرچ کرے

"اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْکَرِیْمَ وَمَنَعَ الْغَزِیْرَۃَ، وَنَحَرَ السَّمِیْنَۃَ، فَاَکَلَ وَاَطْعَمَ الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ"

البتہ اگر کسی شخص کے پاس جانور تو ہیں، لیکن وہ یہ کرتا ہے کہ اس کے پاس جو بہترین قسم کا جانور ہے، اس میں سے وہ لوگوں کو صدقہ میں بھی دیتا ہے، اور ان جانوروں کا دودھ بھی بے تحاشا لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اور اس کے پاس جو موٹے موٹے جانور ہیں ان کو ذبح کر کے اس سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور اس میں سے وہ خود بھی کھاتا ہے، اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں جانور ہوں تو یہ ہے تو خطرناک بات، لیکن اگر اس میں مندرجہ صفات پائی جاتی ہوں اور اس کے اندر بخل اور کنجوسی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے لئے ان جانوروں سے اچھے اور فربہ جانور خود بھی کھاتا ہے، اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، ان کو دودھ اللہ کے لئے دوسروں کو دیتا ہے، تو وہ شخص ان شاء اللہ کسی فتنے میں پڑنے سے محفوظ رہے گا۔

یا رسول اللہ میرا تو یہ حال ہے

قلت یا رسول اللہ: ما اکرم ھذا الاخلاق، لا یحل بواد انا فیہ من کثرۃ نعمی،

میں نے کہا کہ یا رسول اللہ، جو باتیں آپ بیان فرما رہے ہیں، یہ کتنی عظیم اخلاق کی باتیں ہیں کہ جس آدمی کے پاس مال ہو، وہ اس طرح لوگوں پر خرچ بھی کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرے، پھر آگے خود اپنا حال بیان فرمایا کہ یا رسول اللہ، میرا حال تو یہ ہے کہ جب مجھے کسی کو دینا ہوتا ہے تو وہ بالکل نوجوان جانور ہوتا ہے جس کے تازہ تازہ دانت نکلے ہوتے ہیں۔ میں وہ جانور صدقہ میں دیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کسی کو عاریتاً استعمال کرنے کے لئے جانور کی ضرورت ہو تو تم اسکو وہ جانور دیتے ہو یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، یا رسول اللہ، میں اپنی اونٹنیاں لوگوں کو دیدیتا ہوں، وہ اس پر سواری کرنا چاہیں تو سواری کرلیں اور دودھ استعمال کرنا چاہیں تو ان کا دودھ نکال لیں۔

میں کسی کو منع نہیں کرتا

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا حاملہ اونٹنیوں کا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، میرا معمول تو یہ ہے کہ لوگ میرے پاس رسیاں لیکر آتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ جو جانور تم لے جانا چاہتے ہو، رسی باندھ کر لے جاؤ، چنانچہ وہ اپنی پسند سے رسی باندھ کر جانور لے جاتے ہیں اور میں ان کو کسی جانور کے لیجانے سے نہیں روکتا، اور جب تک وہ لوگ چاہتے ہیں اس کو استعمال

کرتے ہیں، اور میں ان سے نہیں مانگتا، اور جب وہ خود اپنی مرضی سے جس وقت واپس کرنا چاہتے ہیں، واپس کردیتے ہیں۔

تمہیں اپنا مال زیادہ محبوب ہے یا رشتہ داروں کا؟

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنا مال زیادہ محبوب ہے یا رشتہ داروں کا مال زیادہ محبوب ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ، مجھے تو اپنا مال زیادہ محبوب ہے اور وہ مال جو میرے پاس ہو، اور جو مال میرے رشتہ داروں کے پاس ہے، وہ مال ان کا ہے، اس سے میرا کیا تعلق؟ لہٰذا مجھے تو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔

تمہارا مال صرف وہ ہے

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا مال تو وہ ہے جس کو تم نے کھا کر ختم کردیا، اور جس مال کو تم نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کردیا تو وہ مال آخرت میں ذخیرہ بن گیا، اس کے علاوہ جو باقی مال ہے وہ تمہارے رشتہ داروں کے پاس جانے والا ہے، کیونکہ جب تم مروگے تو مرنے کے بعد تمہارا ترکہ تقسیم ہوگا، اور تقسیم ہوکر وہ تمہارے وارثوں کو مل جائے گا۔ لہٰذا تمہارا مال تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھا کر اس سے فائدہ اٹھالیا، یا پھر صدقہ کردیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جاکر ذخیرہ ہوگیا۔ وہ مال انشاء اللہ تمہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیگا۔ باقی جو مال تم اپنے پاس بچا بچا کر محفوظ رکھتے ہو، یاد رکھو! وہ تمہارا مال نہیں۔ اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ کب تمہاری موت آجائے، اس کے بعد وہ مال تمہارے وارثوں کو ملے گا، لہٰذا جو مال جمع کر کے رکھ رہے ہو، وہ تمہارا نہیں ہے، وہ تمہارے وارثوں کا ہے۔

میں اپنا مال کم کرونگا

جب میں نے یہ سنا تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب آپ نے یہ بات فرمادی تو جب میں واپس لوٹ کر گھر جاؤ نگا تو میں اپنا مال کم کرونگا، یعنی اس میں سے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرونگا اور صرف اتنا ہی اپنے پاس رکھونگا، جتنا ضرورت کے مطابق ہے، تاکہ اس میں سے خود کھاؤں اور اس میں سے دوسروں کو صدقہ کروں۔ یہ باتیں کر کے وہ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے، جب ان کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، اور ان سے کہا، میرے بیٹو! میری یہ نصیحت سن لو، اس لئے کہ اتنی خیر خواہی سے کوئی اور شخص تمہیں نصیحت نہیں کریگا، جتنی خیر خواہی سے میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔

مجھ پر نوحہ مت کرنا۔ انہی کپڑوں میں دفن کرنا

میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ مجھ پر نوحہ مت کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ نام لے کر بین کیا کرتے تھے، تم ایسا مت کرنا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری نصیحت یہ کی کہ مجھے انہی کپڑوں میں کفن دینا جن کپڑوں میں میں نماز پڑھا کرتا تھا، اس زمانے میں قمیض شلوار پہننے کا رواج نہیں تھا۔ عام طور پر لباس ایسا ہوتا تھا جیسے احرام کی چادریں۔ اوپر ایک چادر اور نیچے ایک تہبند، اور وہ دو چادریں کفن میں استعمال ہو سکتی تھیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے انہی کپڑوں میں کفن دینا۔

بڑوں کو بڑائی دینا

تیسری نصیحت یہ کی کہ تم میں جو بڑے ہیں ان کو اپنا مقتدیٰ بنانا اور بڑوں سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا۔ اس لئے اگر تم نے اپنے بڑوں سے رہنمائی حاصل کی اور بڑوں کو بڑا سمجھا تو پھر سمجھو کہ تمہارا باپ تمہارے درمیان موجود ہے، یعنی میرے بعد جو تمہارے بڑے ہیں، وہ تمہارے باپ کے قائم مقام ہونگے، تمہارے لئے فائدہ مند ہونگے، اور اگر تم نے چھوٹوں کی تقلید شروع کردی اور چھوٹوں کو بڑا بنالیا تو پھر جو تمہارے بڑے ہیں وہ تمہاری نظر میں بے حقیقت ہو جائیں گے اور تم باپ سے محروم ہو جاؤ گے۔

کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ دنیا کی رغبت کم کرنا، اور اپنی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کرنا اور کسی کے سامنے کبھی ہاتھ نہ پھیلانا، اس لئے کہ دوسروں سے سوال کرنا صرف آخری درجے کی مجبوری کے وقت ہونا چاہئے۔ اس سے پہلے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہئے، بہر حال یہ طویل حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت کی ہے، اس حدیث میں کئی ہدایتیں ہیں اور رہنمائی کے پہلو ہے۔

اتنا مال جمع رکھنا توکل کے خلاف نہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم سے ایک ایسا سوال کیا جو ہر انسان اور ہر مسلمان کے کام کا سوال ہے، وہ سوال یہ کیا کہ مجھے کتنا مال رکھنا چاہئے جس سے میں اپنی ضرورت پوری کرسکوں، اور میرے اور میرے گھر والوں کے اور مہمانوں کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرسکوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ ایک دن اور رات کی روزی رکھ لو، اور باقی سب صدقہ کردو، بلکہ آپ نے فرمایا کہ چالیس بکریاں اطمینان سے زندگی گزارنے کیلئے کافی ہونی چاہئیں اور ساٹھ بکریاں اگر ہیں تو بہت ہیں، اس سے پتہ چلا کہ آدمی کو اتنا مال اپنے پاس رکھنا جس سے اپنی ضروریات پوری ہوجائیں اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے، اور جو متوقع ضروریات ہیں ان کے لئے کچھ جمع ہوجائے تو یہ بات دین کے اور توکل کے خلاف نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں، چونکہ اس زمانے میں مال کی پیمائش بکریوں کی تعداد سے ہوتی تھی، اب اگر آج کے حساب سے بھی دیکھیں تو جس شخص کے پاس چالیس بکریاں ہونگی، وہ اچھا خاصا مالدار ہوگا یا نہیں؟ اگر چھ ہزار روپے ایک بکری کی قیمت ہو تو دو لاکھ چالیس ہزار روپے ہوگئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا مال رکھنے کی اجازت عطا فرمائی، اور اسکو قابل اطمینان قرار دیا کہ اس کے ذریعہ انسان اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکے اور اس کو کسی کے سامنے دست دراز نہ کرنا پڑے، اور جو حقوق ادا کرنے کیلئے کافی ہوجائے۔

حضور کا معاملہ اپنی ذات کے لئے تھا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صحیح معنی میں دین پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے

کہ آدمی کچھ بچت نہ کرے، اور اپنے پاس بالکل مال نہ رکھے، یہ خیال درست نہیں، ہاں، یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اتنا اونچا تھا کہ آپ کے گھر مبارک میں کچھ مال نہیں رہتا تھا تو بیشک آپ کا طرز عمل یہی تھا کہ جو مال آ رہا ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے، مصلی پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اقامت ہوگئی پھر اچانک آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں تشریف لائے اور آکر نماز پڑھائی، نماز کے بعد صحابہ کرام نے پوچھا کہ اچانک جانے کی کیا وجہ پیش آئی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا، اس وقت مجھے خیال آیا کہ میرے گھر میں کچھ دینار یعنی سونے کے سکے گھر میں پڑے رہ گئے ہیں، تو مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ میرا دن اس حالت میں ختم ہو کہ میرے گھر میں سونے کے سکے پڑے رہ جائیں۔ لہٰذا میں نے ان کو ختم کیا اور صدقہ کیا اور پھر آکر نماز پڑھائی۔

ازواج مطہرات کا حال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک ہمارے گھر کے چولہوں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول تھا، دراصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر ساری سختی برداشت کر گئے لیکن امت کے لئے یہ بتایا کہ اگر تمہارے پاس چالیس بکریاں ہوں تو بھی ٹھیک ہے۔ بہر حال، توکل اور استغناء کا اعلیٰ ترین مقام جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا،

آپ کی ازواج مطہرات کو حاصل تھا۔ ان ازواج مطہرات کا یہ حال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سارے سال کا نفقہ ان کو ایک ساتھ دیدیا کرتے تھے، لیکن وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں۔ لہٰذا جو کچھ آیا وہ صدقہ کر دیا۔

ضرورت سے زائد مال خرچ کریں

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا خرچ کرو جس سے تمہاری ضروریات میں تنگی نہ آئے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ :

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ (البقرة: ۲۱۸)

کہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہم اللہ کے راستے میں کتنا خرچ کریں؟ تو اس پر فرمایا کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرو، یہ نہیں کہ اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر صدقہ شروع کر دو، یہ نہیں، بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلصَّدَقَةُ عَنْ ظَهْرِ غِنًى

(البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی، حدیث نمبر ۱۴۲۷)

یعنی صدقہ وہ ہے جو اللہ کے راستے میں دینے کے بعد بھی غنا چھوڑ جائے۔ صدقہ دینے کے بعد بھی ضرورت کے مطابق مال موجود رہ جائے۔

مال پس انداز کرنا جائز ہے

لہٰذا اگر آدمی اتنا اہتمام کرے کہ اس کے گھر کے اندر اتنا مال ہو کہ وہ مال اس کے لئے بھی کافی ہو، اور اس کے گھر والوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو، اور اگر کوئی

مہمان آجائے کہ اس کی خاطر مدارت کر سکے اور جو چھوٹی موٹی ضروریات کے لئے کچھ پس انداز کر رکھا ہو تو یہ عین جائز ہے، اس میں نہ کوئی عیب ہے، بلکہ جائز ہے، بہرحال چالیس بکری والوں کے بارے میں تو یہ فرمایا۔

زیادہ دولت والے خطرہ میں ہیں

لیکن آگے فرمایا کہ "وَیْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِیْنَ" سینکڑوں بکریوں والے۔ یعنی جن کے پاس دولت بے حد وحساب ہے، جن کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کی پوری زندگی کے لئے بھی کافی ہے، ساری ضروریات کے لئے بھی کافی ہے، گھر والوں کے لئے بھی کافی ہے، پھر بھی دولت بچ رہی ہے، ان کے بارے میں فرمایا ان پر افسوس ہے، افسوس اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے خطرے میں ہیں۔ خطرے میں اس لئے ہیں کہ جتنی دولت زیادہ ہوگی، اتنی ذمہ داریاں زیادہ ہونگی۔ مثلاً جس کے پاس تھوڑا مال ہے، اس کو زکوٰۃ کا حساب کتاب کرنا کوئی مشکل نہیں، جس کے پاس مال زیادہ ہے، اس کی زکوٰۃ کا حساب کتاب بھی زیادہ ہوگا۔ ایک روپیہ بھی زکاۃ کم نکالی تو آخرت میں پکڑا جائے گا۔

زیادہ دولت کے خراب نتائج

پھر جب دولت زیادہ آجاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر تکبر آجاتا ہے اس کے نتیجے میں انسان دوسرے کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اور دوسروں کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیتا ہے، یہ سب باتیں انسان کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنے والی ہیں، پھر دولت کی کثرت کی وجہ سے انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، یہ سب

ہلاکت میں لیجانے والی باتیں ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس بہت زیادہ اہل ہو وہ ڈرتے رہیں کہ کہیں کسی وقت ان کی پکڑ نہ ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر دولت تو بہت ہے، لیکن آدمی کے دل میں اس کی محبت نہیں ہے، اور طبیعت میں بخل نہیں ہے، بلکہ اس دولت پر شکر کرتے ہوئے اس کو استعمال کرتا ہے، اور ضرورت کے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ بھی کرتا ہے تو پھر یہ فرمایا کہ ایسا شخص خطرات سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ دولت زیادہ عطا فرما دے تو یہ اس کی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کرے اور اس کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی کوشش کرے۔

اعلیٰ مال اللہ کے راستے میں دو

اس لئے آگے استثناء فرمادیا کہ "اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْکَرِیْمَ" اس کے ذریعے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ادب بھی بتادیا کہ اللہ کے راستے میں "کریم" دے، یعنی آپکی دولت میں جو اعلیٰ قسم کی چیزیں ہیں، جو زیادہ قیمتی چیزیں ہیں، جنکی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے، وہ اللہ کے راستے میں دے، یہ نہ ہو کہ اچھا اچھا مال تو خود رکھ لیا اور جو بیکار اور سڑا گلا مال ہے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے، جیسے مثال مشہور ہے کہ "مری ہوئی بھیڑ اللہ کے نام" یعنی جو بھیڑ مر گئی اور اب کسی کام کی نہیں رہی تو اس کو اللہ تعالیٰ کے نام دیدو، اور اسکو صدقہ کردو، یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا صدقہ میں عمدہ مال دینا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ (البقرة : ۲٦۷)

یعنی تم ایسے نہ بنو کہ تمہارے پاس جو ردی مال ہے، بیکار ہے، ناکارہ ہے اور اگر وہ مال کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اسکو لینا پسند نہ کرو لیکن ایسا مال تم صدقہ کرتے ہو اور اچھا اچھا اپنے پاس رکھتے ہو یہ ٹھیک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اعلیٰ درجے کا مال دو، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران : ۹۲)

فرمایا کہ تم اس وقت تک نیکی کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اس مال میں سے خرچ نہ کرو جس سے تمہیں زیادہ محبت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام میں سے ہر ایک نے اپنا جائزہ لینا شروع کر دیا کہ مجھے سب سے زیادہ کونسا مال پسند ہے؟ اور پھر وہی مال سب سے پہلے صدقہ کر دیا۔

پھر وہ دولت تمہارے لئے خطرناک نہیں

ایک صحابی تھے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ مجھے اپنا باغ سب سے محبوب ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ پورا باغ صدقہ کر دیا۔ ایک صحابی کو اپنا کنواں سب سے محبوب تھا، وہ انہوں نے صدقہ کر دیا، کسی صحابی کو اپنا گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا، انہوں نے وہ گھوڑا صدقہ کر دیا۔ اس کے ذریعہ صدقہ کرنے کا یہ ادب بتادیا کہ ردی مال صدقہ مت کرو، بلکہ اعلیٰ درجہ کا مال، جس کو تم خود پسند کرتے ہو، اس کو

صدقہ کرو۔ اگر تم اپنی ضرورت سے زیادہ مال میں سے خرچ کر رہے ہو، تو پھر انشاء اللہ وہ دولت تمہارے لئے عذاب نہیں بنے گی۔

عاریتاً چیز دینا افضل صدقہ ہے

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک صدقہ تو وہ ہے جس میں انسان ایک شخص کو اس چیز کا مالک بنادے کہ یہ چیز تمہاری ہے، تم لے جاؤ، لیکن دوسری چیز جس کا اس حدیث میں ذکر فرمایا، وہ یہ کہ یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ کسی نے اپنی چیز دوسرے کو استعمال کے لئے عاریتاً دیدی، مثلاً آپ کے پاس سواری ہے، آپ نے وہ سواری عاریتاً دوسرے کو استعمال کے لئے دیدی، یا مثلاً آپ کے گھر میں استعمال کی کوئی چیز ہے اور دوسرا اس کو مانگ رہا ہے تو وہ چیز اس کو استعمال کے لئے دیدو۔ بعض اوقات دوسرے کو استعمال کے لئے کوئی چیز دینا طبیعت پر صدقہ کرنے سے زیادہ شاق ہوتا ہے، مثلاً آپ سے کوئی آپ کی گاڑی مانگے کہ اپنی گاڑی مجھے استعمال کے لئے دیدو، تو گاڑی دینا طبیعت پر شاق ہوتا ہے کہ کہیں یہ گاڑی کو خراب نہ کردے، لیکن حدود میں رہتے ہوئے اگر آپ کو یہ اطمینان ہو کہ یہ آدمی اس چیز کو صحیح استعمال کریگا تو اس کو عاریتاً دیدینا یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا کہ افضل صدقات میں سے ہے کہ کسی کو کوئی چیز عاریتاً دیدی جائے۔

خود کھانا بھی خطرات سے بچانے والا ہے

تیسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ یہ کہ وہ صدقہ کس کو دے؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ :

فَكُلْ وَ اَطْعِمِ الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ

یعنی خود بھی کھائے اور ضرورت مند لوگوں کو بھی کھلائے، خود کھانے کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں میں شمار فرمایا جو انسان کو دولت مندی کے خطرات سے بچانے والا ہے، اس لئے کہ بعض ایسے بخیل ہوتے ہیں جو اپنی دولت میں سے نہ خود کھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو کھانے دیتے ہیں، بس دولت کو جمع کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کی گنتی میں لگا ہوا ہے کہ اب میرے پاس کتنی دولت ہوگئی، اس کو گنتا ہے اور خوش ہوتا ہے، اس کو کھانے کی نوبت نہیں آتی، نہ خود کھا رہا ہے اور نہ گھر والوں کو کھلا رہا ہے، نہ کسی اور کو دے رہا ہے، اس سے زیادہ "خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ" کا مصداق کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس لئے فرمایا کہ آدمی خود بھی کھائے، جب اللہ تعالیٰ نے اچھا دیا ہے تو اچھا کھائے، اچھا دیا ہے تو اچھا پہنے، اور خود بھی اس نقطہ نظر سے کھائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت دی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاؤ، اور شکر ادا کرو

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ "

(ترمذی، ابواب صفة القيامة، رقم الحديث ۲۴۸۶)

فرمایا کہ جو آدمی کھائے اور شکر ادا کرے کہ اے اللہ! آپ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے آپ کی نعمت سمجھ کر میں اس کو کھا رہا ہوں، اور آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپنے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، تو جو کھائے اور شکر ادا کرے اس کا درجہ اتنا ہی ہے جیسے

کوئی روزہ رکھے اور اس پر صبر کرے، اس کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس کو بھی ملے گا جو کھا کر شکر ادا کرنے والا ہوگا۔ یہ نہیں کہ خود کھانے پر کوئی ثواب کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ خود بھی کھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

نعمت کے آثار بندے پر ظاہر ہوں

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلَیْہِ"

(ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء ان یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ، رقم الحدیث ۲۸۱۹)

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، اس نعمت کے آثار بندے پر نظر آئیں، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کو دولت مند بنایا ہے، لیکن وہ فقیر بنا پھر رہا ہے، کھانے کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر ہے، کپڑے پہنتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقیر ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، لہٰذا خود بھی کھائے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرے۔ ہاں حد سے تجاوز نہ کرے کہ ہر وقت کھانے پینے کے دھندے میں لگا ہوا ہے، بلکہ اعتدال کے ساتھ کھائے پیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

سفید پوش کی ضرورت پوری کرو

پھر آگے فرمایا کہ کس کو کھلائے؟ "اَلْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ" دو آدمیوں کا ذکر فرمایا، اس میں بھی بڑا عظیم سبق ہے، اور دراصل یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بیان فرمایا۔ "قَانِعْ" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو

''قناعت'' کرنے والا ہو، یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو بیچارہ ضرورت مند تو ہے، لیکن کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، دستِ سوال دراز نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس پر قناعت کئے بیٹھا ہے، ایسے شخص کو قانع کہا گیا ہے۔ جسے اردو میں ہم سفید پوش کہتے ہیں کہ دیکھنے میں وہ فقیر نہیں نظر آتا، نادار محسوس نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں وہ ضرورت مند ہوتا ہے، اور اپنی سفید پوشی کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ضرورت کسی کو ظاہر نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے بھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے اس کا ذکر فرمایا۔ یعنی صدقہ دینے کیلئے اور اپنا مال دینے کے لئے پہلے ایسے شخص کا انتخاب کرو جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، بلکہ قناعت کیے ہوئے ہے۔

تلاش کرنے سے مل جائیں گے

اب سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا پتہ کیسے لگے گا؟ اس لئے کہ اگر ضرورت مند آکر اپنی ضرورت کا اظہار کرے تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ ضرورت مند ہے، لیکن قانع کا پتہ اس وقت چلے گا جب تمہارے دل میں یہ دھن لگی ہوئی ہو کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں، اپنے اعزہ اور اقرباء میں، اپنے پڑوس میں ایسے افراد کو تلاش کروں، اور ان کے حالات معلوم کروں، اور جس دکھ درد میں وہ مبتلا ہیں، میں ان کی خبر گیری کروں، اور پھر بوقت ضرورت ان کی امداد کروں۔ بہر حال سب سے پہلے تمہاری امداد کے مستحق قانع ہیں۔

جو زبانِ حال سے ضرورت کا اظہار کرے

دوسرا لفظ بیان فرمایا ''اَلْمُعْتَرّ'' معتر اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے تو نہیں

مانگتا کہ مجھے دیدو، لیکن زبانِ حال سے اپنی ضرورت ظاہر کرتا ہے، مثلاً آپ کسی جگہ پر بیٹھ کر پیسے تقسیم کررہے ہیں، اس جگہ پر ایک شخص آکر اس لئے کھڑا ہوگیا کہ شاید آپ اس کو کچھ دیدیں۔ یہاں بھی اس شخص کا ذکر کیا جو زبان سے کچھ نہیں مانگتا ہے، لیکن اس کے حالات بتارہے ہیں کہ یہ مانگنا چاہتا ہے، لیکن مانگنے کے لئے الفاظ زبان پر نہیں آرہے ہیں، ایسے شخص کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ ''سائل'' کا یہاں ذکر نہیں، لیکن بعض دوسری روایات میں سائل کا ذکر بھی ہے جو اپنی زبان سے کہدیتا ہے کہ میں ضرورت مند ہوں، مجھے دیدو، بشرطیکہ وہ سائل پیشہ ور نہ ہو، بلکہ واقعی ضرورت مند ہو، بہرحال، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمادیا کہ یہ مال کن لوگوں پر خرچ کرنا چاہیے۔

تمہارا مال کونسا ہے؟

آخر میں ایک حکمت کی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ تمہیں اپنا مال پسند ہے، یا اپنے رشتہ داروں کا مال زیادہ پسند ہے؟ تمہارا مال تو وہ ہے جو تم نے کھالیا اور اپنے استعمال میں لے آئے اور ختم کردیا، یا تم نے وہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے بنک بیلنس میں وہاں جمع ہوگیا۔ وہ بنک بیلنس اتنا زبردست ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ایک دانہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہو تو وہ ایک دانہ سات سو گناہ زیادہ ہو کر آخرت میں ملے گا اور سات سو گناہ ادنی درجہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ'' (البقرة: ۲۶۱) یعنی اللہ تعالیٰ جتنا چاہتے ہیں اس کو بڑھاتے

ہیں۔لہٰذا اگر تم نے صدقہ کردیا تو گویا کہ اپنا مال آخرت کے خزانہ میں محفوظ کرلیا۔

باقی سب مال وارثین کا ہے

بہرحال جو مال تم نے کھالیا، وہ تمہارا، اور جو مال صدقہ کرے آخرت کا بنک بیلنس کرلیا، وہ تمہارا، باقی جو کچھ ہے وہ سب تمہارے رشتہ داروں میں تقسیم ہوجائے گا۔بس، تمہاری آنکھ بند ہوئی اور وہ وارثین تمہارے مال کے وارث بن گئے۔ بلکہ آنکھ بند ہونے کی بھی شرط نہیں، بس جیسے ہی مرضِ وفات شروع ہوا اس وقت سے شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم اپنے پورے مال پر تصرف نہیں کرسکتے بلکہ ایک تہائی کی حد تک تصرف کرسکتے ہو، کسی کے لئے وصیت کرنی ہو تو ایک تہائی کی حد تک، کسی کو صدقہ کرنا ہو تو ایک تہائی کی حد تک کرسکتے ہو، دو تہائی مال پر تمہارا حق ہی ختم ہوگیا اس لئے کہ وہ تو تمہارے رشتہ داروں کا مال ہے لہٰذا کس مال کو جمع کرنے فکر میں پڑے ہوئے ہو؟ بہرحال؛ اپنی صحت والی زندگی کے دوران زیادہ سے زیادہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی کوشش کرو، جس کے مصارف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمادیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اصلاح کا آغاز

اپنی ذات سے کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا عبدالرب صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ فریدیہ

اسلام آباد، پاکستان

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَرَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے

جامعہ فریدیہ، اسلام آباد، جس کے مہتمم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ہیں، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اس جامعہ میں حاضری کے موقع پر علماء اور طلباء سے خطاب کیا، جسے مولانا عبدالرب صاحب متخصص فی الافتاء، جامعہ فریدیہ، اسلام آباد نے قلم بند کیا، افادۂ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔ بشکریہ البلاغ ۱۴۳۴ھ..............................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ○ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ○ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ○ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم ○ وصدق رسولہ النبی الکریم ○ و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین ۔

حاضری کا اصل مقصد

حضرات علماء کرام اور عزیز طلباء، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج میری

حاضری کا اصل مقصد تو صرف ملاقات کی سعادت حاصل کرنا تھا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبدالغفار صاحب، اللہ تعالیٰ انکے علم میں برکت اور درجات میں ترقی عطا فرمائے، انکی محبت اور شفقت کے خیال سے حاضری کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کوئی بیان کرنا پیش نظر نہیں تھا لیکن جیسے مولانا عبدالزیز صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہم آج یک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ جہاں بھی بیٹھیں تو اپنی حالت زار پر غور کرنے اور مقدور بھر اسکی اصلاح کرنے کی کوشش کرنے کی گفتگو سے کوئی مستغنی نہیں، اسلئے تعمیل ارشاد میں چند کلمات عرض کرتا ہوں:

دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا

جب مولانا یہ فرمار ہے تھے کہ ہم اس وقت جس حالت زار سے گزر رہیں اس میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس پر کوئی گفتگو ہو جائے، تو میں نے دل ہی دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی ''یا اللہ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہم سب کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جوان حالات سے رنجیدہ، پریشان، متفکر اور مشوش نہ ہو۔ اور یہ ایمان کی علامت ہے کہ آدمی امت مسلمہ کے حالات سے فکر مند ہو اور اس کے دل میں اسکی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو۔ یوں تو اسکے علاج کے لیے بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں لیکن اے اللہ! ایسی بات دل میں ڈال دیجئے جو ہمارے لیے کارآمد ہو، مفید ہو اور جس پر ہم فوری طور پر عمل بھی کرسکیں۔ بہت سے منصوبے ایسے ہوتے ہیں کہ منصوبے کی حد تک تو ان میں بہت خوبصورت بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے لیکن ان پر جب عمل کا مرحلہ آتا ہے تو بہت سی رکاوٹیں اور مشکلات حائل ہو جاتی ہیں...... تو

ایسی مختصر بات جو مختصر وقت میں ہم کہہ سن سکیں اور اس پر عمل بھی کرسکیں۔ اے اللہ! ایسی بات دل میں ڈال دیجئے۔"

دعا کا یہ سبق میرے شیخ حضرت عارفیؒ نے دیا تھا

اور دعا کا یہ سبق میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے دیا تھا حضرت عارفی نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ "الحمدللہ کبھی اس بات میں تخلف نہیں ہوتا کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے یا سوال کرنا ہے تو الحمدللہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہوں کہ یا اللہ پتہ نہیں یہ کیا سوال کرلیگا، اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے۔" تو یہ رجوع الی اللہ کا ایک بہت عظیم سبق ہے، ہم سب اسکے محتاج ہیں۔ طالب علم ہو، استاد ہو، کوئی بھی ہو، ہر معاملہ میں اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کر کے اس سے توفیق مانگنے کی اگر عادت ہو جائے تو اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی مضبوط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ ہدایت بھی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ آیت ڈالی ہے

جب میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کے ارشاد پر دل میں دعا کی تو دل میں یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ڈال دی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (المائدہ: ۱۰۵) یہ ایک عظیم ہدایت ہے۔ یوں تو

قرآن کریم کا ہر جملہ، ہر لفظ ایک عظیم ہدایت اور روشنی ہے لیکن جس قسم کے حالات سے ہم گزر رہے ہیں اس میں یہ ایک بہت عظیم روشنی کا مینار ہے۔

موجودہ حالات میں ہمارا طرز عمل

جب فساد عام ہو جاتا ہے، فتنہ پھیل جاتا تو عام طور سے ہم لوگوں کا یہ مشغلہ بن جاتا ہے کہ جب چار آدمی بیٹھیں گے تو موجودہ حالات کی خرابی کا، لوگوں کی گمراہی کا، لوگوں کے غلط راستے پر جانے کا، فسق و فجور کا، عصیان کا، کفر و الحاد کا، کرپشن کا، رشوت ستانی کا، چوری ڈاکے کا، اغواء برائے تاوان کا تذکرہ اس طرح بیٹھ کر کرتے ہیں کہ بھئی فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، اور بس...... اس سے محفلیں گرم ہوتیں ہیں، مجلسوں کا موضوع بنتا ہے اور پھر بات وہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔

حالات خراب ہو جائیں تو سب سے پہلا کام یہ کہ اپنا جائزہ لو

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں اس پہلو کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جب فساد پھیل جائے، حالات خراب ہو جائیں، ہمارے قابو میں اس کی اصلاح نہ رہے تو اس صورت میں پہلا کام تمہارا یہ ہونا چاہئے کہ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ...... اپنا جائزہ لو ...... اپنی فکر کرو ...... اپنی فکر میں پڑ جاؤ کہ میرے اندر کیا خرابی ہے؟ ..... ہوتا کیا ہے؟ جب اس قسم کے حالات ہوتے ہیں تو ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں، دوسروں کے غلط حالات کا ذکر کرتے ہیں اس سے سوائے مایوسی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا معاملہ تو ہمارے ساتھ ہے۔ وہ جو کچھ کریں گے اس کا صلہ وہ دنیا و آخرت میں پائیں

گے۔ لیکن ہر شخص کو یہ جاننا ضروری ہے کہ میرے اندر کیا عیب ہے؟ میرے اندر کیا خرابی ہے؟ میرے اندر کیا نقص ہے؟ اور اگر ہر انسان اپنے ذاتی نقص اور عیب کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کی اصلاح کی فکر کر لے تو کم از کم ایک چراغ تو جل گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں یعنی اگر صرف مجلسوں میں گفتگو کر کے بات ختم ہو جائے اور دوسروں کے عیوب اور دوسروں کی خرابیوں اور انکی برائیوں پر بات ختم ہو جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم جب اصلاح کا علَم لے کھڑے ہوتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ ہم تو ہیں ٹھیک، جب کہ دوسرے لوگ خراب ہیں لہٰذا دوسروں کی اصلاح سے کام کا آغاز ہونا چاہئے۔

اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرو

جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرو لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ۔ اگر تم سیدھے راستے پر آ گئے تو جو لوگ گمراہی کے راستے پر جارہے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے: اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیعاً تم سب لوٹ کر میرے پاس آؤ گے فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے وہ حدیث نقل فرمائی ہے جو آپ سب حضرات کو معلوم ہوگی:

جب چار کام ہونے لگیں تو اس وقت

وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا رَاَیْتَ شُحّاً مُطَاعاً وَهَوًی مُتَّبَعاً وَدُنْیَا مُؤْثَرَةً وَ اِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَأْیٍ بِرَأْیِهٖ

فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ (مشکاۃ المصابیح باب الامر بالمعروف، ص ۴۳۷) کہ جب تم کسی زمانے میں یہ چار علامتیں پاؤ: اِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا: حرص کے جذبے کی اطاعت کی جارہی ہو: وَهَوًى مُتَّبَعًا: خواہشاتِ نفس کی پیروی ہورہی ہو: دُنْيَا مُؤْثَرَةً: دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جارہی ہو: وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ: اور ہر شخص گھمنڈ میں مبتلا ہو، دوسروں کی بات کو سننے کو تیار نہیں، ہر شخص کا خیال یہ ہو کہ ''میں جو سمجھا ہوں وہ درست ہے، دوسرے سب غلط ہیں'' اور اگر دوسرا کوئی متوجہ کرنا بھی چاہے تو سننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو، جب یہ چار علامتیں پائی جائیں تو اس صورت میں اپنے نفس کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ: وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ: اور عام لوگوں میں جو گمراہی پھیل رہی ہے، اس کے اندر جو خرابیاں پیدا ہورہی ہیں ان کی فکر چھوڑ دو، یہ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔ آپ ذرا سوچئے کہ یہ چار علامات جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ کیا ایسا نہیں لگ رہا کہ آپ ہمارے ہی دور کا نقشہ کھینچ رہے ہیں، چاروں کی چاروں باتیں اور چاروں کی چاروں علامات آج ہمارے سامنے ہیں۔ تو ایسے حالات میں حکم دیا کہ اپنے نفس کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ۔

اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟

اس حدیث کی تشریح میں بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جب یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے تو دعوت کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے، دعوت کا حکم نہیں رہتا، بس صرف اپنی اصلاح کا حکم رہ جاتا ہے، یہاں میں یہ بات واضح کردوں کہ یہ موقف

درست نہیں ہے، بلکہ اس حدیث کا جو صحیح مطلب میں نے اپنے بزرگوں سے سنا اور سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں دعوت کا کام اپنے نفس سے شروع کرو، اپنے نفس سے شروع کر کے جب آگے بڑھو گے تو پھر وہ دعوت مؤثر ہوگی کیوں کہ جب یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنی فکر کرو یعنی اپنے ذمہ جو فرائض ہیں انکو بجالانے کی فکر کرو تو فریضہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی پہلے اپنی اصلاح کرے، اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے، اپنے قریبی لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرے، اسکے بعد آگے بڑھے اور اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تبلیغ و دعوت ختم ہوگئی، جہاد ختم ہو گیا؟ نہیں! بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقطہ آغاز بتا دیا کہ چاہے دعوت ہو، یا تبلیغ ہو، یا جہاد ہو، کوئی بھی چیز ہو اسکا آغاز اپنے آپ سے کرو۔ اپنے نفس کی طرف غور کرو کہ میرے ذمہ کیا فرائض تھے اور میں ان سے کس درجہ غافل ہوں؟ میرے اندر کیا عیوب ہیں میں کس طرح انکو دور کروں۔ یہاں سے شروع کرو۔ بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ اس میں مایوسی پھیلنے والی بات ہے کہ بھئی! پھر دنیا جائے جہنم میں تم اپنی فکر کرو، بظاہر تو مایوسی اور خود غرضی کی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اسکو صحیح سمجھا جائے اور اسے نقطہ آغاز قرار دیا جائے تو یہ پھر اصلاح کا راستہ ہموار کرنے کے لیے بہترین دستور العمل ہے کہ جب ہر انسان اپنے بارے میں غور کریگا، اور اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مثلاً میں اگر جھوٹ بولتا ہوں تو جھوٹ بولنا ترک کردوں، غیبت کرتا ہوں تو غیبت کرنا ترک کردوں، میں اگر فرائض سے غفلت برتتا ہوں تو فرائض بجالانا شروع کردوں، میں اگر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں اپنے آپ کو مستغرق کردوں، اور دین کے جتنے شعبے ہیں، عقائد، عبادات ومعاملات، معاشرت، اخلاقیات۔ ان پانچوں شعبوں

کے اندر جہاں جہاں میرے اندر کوتاہی پائی جاتی ہے، اس کو میں درست کرنے کی کوشش کرنا شروع کردوں تو اس سے ایک چراغ جلے گا، ایک نمونہ پیدا ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کی سنت

جب ایک نمونہ پیدا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا چلا جائے گا اور پھر اس طرح معاشرے کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن جب میں خود تو اپنی ذاتی زندگی کے اندر فرائض سے غافل رہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف میرا رجوع نہ ہو، میں خود تو جھوٹ بولتا رہوں، میں خود تو غیبت کرتا رہوں، میں خود تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے بے فکر رہوں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتا رہوں، معاملات میرے خراب رہیں، اخلاق میرے اچھے نہ ہوں، معاشرت میری درست نہ ہوں: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ کی میں خلاف ورزی کرتا رہوں۔ میں خود تو یہ سب کچھ کرتا رہوں اور لوگوں کی اصلاح کا علَم لے کر کھڑا ہو جاؤں اور لوگوں سے کہوں کہ تم درست ہو جاؤ تو اس سے نہ تو دعوت کا صحیح فائدہ حاصل ہوگا، نہ تبلیغ کا فائدہ حاصل ہوگا، حاصل یہ ہے کہ دل میں حب مال اور شہرت طلبی کے جذبات بھرے ہوئے ہیں تو ان جذبات کے ساتھ جب میں دعوت کا کام لیکر کھڑا ہوتا ہوں تو میرے دماغ پر یہ سوار ہو جاتا ہے کہ کس طرح میں عوام میں مقبولیت حاصل کروں؟ کس طرح میری شہرت زیادہ ہو؟ کس طرح لوگ میرے تابع فرمان بنیں؟ کس طرح میرے آگے منقاد ہوں؟ یہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، ان کے نتیجہ میں کام کرنے والوں کے درمیان منافست شروع ہو جاتی ہے، ان

کے درمیان مقابلے ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے نتیجے میں ایک دوسرے کی برائیاں ہوتی ہیں۔ آپس میں انتشار بڑھتا ہے لیکن اگر آدمی اپنی طرف متوجہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسکے کام میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ کا آپ سب حضرات نے نام سنا ہوگا، بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ انکے واقعات میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ حضرت قحط پڑا ہوا ہے بارش نہیں ہو رہی۔ لوگ پریشان ہیں۔ تو فرمایا: ''بھئی یہ تو سب میرے گناہوں کی نحوست ہے، ایسا کرتا ہوں کہ میں اس بستی سے نکل جاتا ہوں تو شاید اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بستی کے اوپر نازل ہو جائے''۔ انکو یہ خیال نہیں آیا کہ اس بستی کے اندر جو فساق و فجار ہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے۔ خیال یہ آیا کہ میرے اندر کوئی خرابی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو رہی، میں اس بستی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔ تو جب انسان کو اپنی فکر پڑی ہوتی ہے، اپنے اللہ کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی فکر میں وہ غلطاں اور پیچاں ہوتا ہے تو پھر دوسروں کی برائیوں کی طرف ذہن کم جاتا ہے اور اگر جاتا بھی ہے تو رحم اور ترس کھانے کے انداز میں کہ یہ بیچارے گمراہی میں مبتلا ہیں، یعنی غلط راستے پر جا رہے ہیں۔

دوسروں کے لیے دعا کی جائے

کم از کم اتنا تو ہو کہ ہم ان کے حق میں دعا کریں کہ یا اللہ! ان کو اس گمراہی

سے نکال دیجئے۔ میرے استاد حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، وہ ہمیں سبق میں بتایا کرتے تھے کہ یہ جو حدیث میں دعا ہے کہ جب کسی کو بیمار دیکھو تو یوں کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاکَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

وہ فرماتے تھے کہ جو جسمانی بیمار ہیں ان کے بارے میں تو حدیث میں صراحت ہے لیکن جب میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ وہ کسی ناجائز کام میں مبتلا ہے اور مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جاتے ہوئے دیکھتا ہوں کہ لوگ سینما کی لائنوں میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اب تو بات بہت آگے پہنچ گئی۔ تو میں یہی دعا کرتا ہوں کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاهُمْ بِهٖ. کہ اللہ تعالیٰ نے انکو جس میں مبتلا کیا، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے عافیت عطا فرمائی۔ تو جو گناہگار ہے یعنی گناہ میں مبتلا ہے اس کے اوپر بھی ترس کھاتے کہ یہ بیچارہ جہنم کے راستے پر جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی طرح اس کو واپس لے آئے تو یہ دل میں جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالی کی طرف رجوع کے جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب آدمی کو فکر ہو اسکی کہ میری اصلاح ہو اور مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اور دوسرے انسانوں کو بھی جہنم کی آگ سے نکال سکوں تو جب یہ فکر اسکو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اس کی بات کے اندر تاثیر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

دیکھئے! حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ، اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ایسے بن گئے تھے کہ ان کے یہاں صحیح بات پہنچانا ایسا ہوگیا تھا کہ جیسے انسان کے بشری تقاضے ہوتے ہیں کہ بھوک لگی ہے تو کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ تو ایسی ایسی جگہوں پر جاکر دعوت دیتے تھے جہاں آج کے دور میں کوئی عام سا آدمی بھی دعوت کی نیت سے نہیں جاتا۔ یہ کب ہوا؟ جب اپنے نفس کو کچل چکے تھے۔ نفسانی خواہشات کو کچلا جا چکا تھا اور انہیں رجوع الی اللہ کی کیفیت نصیب ہو چکی تھی اور اپنے اخلاق و کردار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سانچے میں ڈھال چکے تھے۔ اس درجے میں ڈھال چکے تھے کہ ایک مرتبہ وہ وعظ فرما رہے تھے...... اور آپ تو جانتے ہیں کہ چوں کہ حضرت کے وعظ میں شرک و بدعت کی تردید بہت ہوتی تھی تو لوگ دشمن بھی بہت ہو گئے تھے...... تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں'' العیاذ باللہ، العیاذ باللہ مجمع سے کھڑے ہو کر ایک آدمی کہہ رہا ہے۔ آج ہم میں سے کوئی ہوتا، العیاذ باللہ تو کہتا کہ تو حرام زادہ ہے، تیرا باپ حرام زادہ ہے، سخت طیش اور غصہ کا اظہار کرتا اگر وہ خود نہ کرتا تو اس کے حواری کرتے۔ اسکی تکہ بوٹی کر ڈالتے کہ تو ہمارے استاد کو، ہمارے شیخ کو یہ کہتا ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط اطلاع پہنچی، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو آج بھی دلی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کو ایک مسئلہ بنا کر اس کا جواب دیا اس لیے کہ نفس مٹ چکا تھا کہ پرواہ

نہیں تھی کہ کوئی اچھا سمجھتا ہے یا برا سمجھتا ہے، گالی دیتا ہے یا تعریف کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو مٹا چکے تھے تو نتیجہ یہ کہ ایک ایک وعظ میں دو دو سو آدمی حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔

پورا وعظ ایک شخص کے سامنے دہرا دیا

ایک دفعہ حضرت وعظ کر کے دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے، ایک دیہاتی شخص دوڑتا ہوا آیا، انہی سے پوچھ رہا ہے کہ کیا مولوی اسماعیل کا وعظ ختم ہو گیا؟ کہا کہ ہاں بھئی ختم ہو گیا۔ کہا کہ میں تو اتنی دور سے مولوی اسماعیل کا وعظ سننے کے لیے آیا تھا مگر افسوس ہے کہ میں محروم رہ گیا مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ فکر نہ کرو میرا ہی نام اسماعیل ہے، میرے پاس بیٹھ جاؤ اور جو کچھ میں وعظ میں کہا تھا وہ میں تمہیں سنا دیتا ہوں، دو گھنٹے کا وعظ تھا اس ایک شخص کے سامنے وہ سارا وعظ دہرا دیا کسی نے کہا حضرت! آپ نے بھی کمال کیا ایک آدمی کی خاطر سارا وعظ دہرا دیا؟ فرمایا کہ میں نے تو پہلے بھی وعظ صرف ''ایک'' (یعنی اللہ کے لیے) ہی کے لیے کیا تھا اور دوسری بار بھی ''ایک'' ہی کے لیے کیا ہے۔

یہ بات جب پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کام ہے وہ ایک کے لیے ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہے اس میں شہرت، جاہ، ناموری، لوگوں میں مقبولیت کا کوئی شائبہ نہیں، کوئی اچھا سمجھے یا برا سمجھے میں تو ایک اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ تو جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی بات میں تاثیر بھی پیدا فرماتے ہیں اور پھر آگے اس کا نور بھی پھیلتا ہے۔ اسکی خوشبو بھی پھیلتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس خوشبو سے

پورے عالم کو معطر فرماتے ہیں۔

علم کے ساتھ ساتھ دل کا درد اور رجوع الی اللہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کرو

میں نے اپنے والد ماجدؒ سے سنا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے تھے۔ ان کو حضرت نے کہیں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ عالم ہو کر واپس آئے تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک مجلس ہوا کرتی تھی۔ حضرت کے جو متوسلین تھے، آتے تھے حضرت ان کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ تو جب یہ صاحبزادے آئے تو حضرت نے ان سے کہا کہ بھئی! تم نیا نیا تازہ تازہ علم حاصل کر کے آئے ہو تو آج تم وعظ کہو، وہ بڑے تازہ دم، نیا نیا علم حاصل کیا ہوا تھا، تو شیخ نے جب پیشکش کی تو انہوں نے خوشی سے قبول کر لی، مجلس جمی ہوئی تھی۔ مجلس میں وعظ کہا، لوگ سنتے رہے، سنتے رہے لیکن ٹس سے مس نہ ہوئے، جیسے تیسے ایک عالم کی بات سن لی، اس کے بعد حضرت شیخ تشریف لائے اور حضرت نے بیٹھ کر ایک جملہ فرمایا کہ بھئی ہمارا ارادہ آج روزہ رکھنے کا تھا، رات کو ہم نے دودھ رکھا تھا کہ سحری میں وہ دودھ پی لیں گے اور روزہ رکھ لیں گے مگر تقدیر غالب آئی۔ بلی آ کر دودھ پی گئی اور ہم روزہ نہ رکھ سکے۔ بس اتنا جملہ کہا تھا کہ پورا مجمع زار و قطار رونے لگا، اتنی سی بات پر مجمع پر گریہ طاری ہو گیا اور سب جھومنے لگے۔ تو بعد میں حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ دیکھو! تم گھنٹہ بھر وعظ کہتے رہے اس میں تو کچھ ہوا نہیں اور میں نے یہ ایک جملہ کہہ دیا تھا اس سے لوگوں کے دلوں پر ایسا اثر ہو گیا۔ تم تو سیکھ آئے لیکن اب اسی طرح یہ دل کا درد اور دل کا رجوع الی اللہ پیدا کرنے کی کوشش کرو، پھر تمہارا ایک کلمہ بھی چاہے وہ فصیح و بلیغ

بھی نہ ہو، ٹوٹا پھوٹا ہو اس کے اندر بظاہر مضمون بھی کوئی خاص نہ ہو، وہ بھی لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو جائے گا

اصلاح ذات کو اصلاح خلق کا ذریعہ بنالو

بہرحال، اس آیت میں "عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ" کا جو پیغام ہے وہ درحقیقت اصلاح ذات کے لیے تو ہے ہی، لیکن اصلاح ذات کو اصلاح خلق کا ذریعہ بنانے کا بہترین اور انتہائی بنیادی نسخہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجویز فرمایا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کہاں کہاں ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں؟ ہمارے اندر عیوب کہاں کہاں ہیں؟ ہمارے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں؟ ان کی اصلاح کی فکر کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط بنائیں تو پھر دیکھئے کہ اس ایک وجود سے کیسی خوشبو پھوٹتی ہے اور کس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اصلاح خلق کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کی سنت ہے۔

فی الحال اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کردو

البتہ فی الحال جب آپ تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کر دیں اور صبح سے شام تک ہر وقت دل و دماغ پر اسی علم کو پختہ کرنے اور اس کے اخلاق، اعمال، معاشرت ان سب چیزوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی فکر پیدا کریں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ طالب علم، علم تو حاصل کر رہے ہیں۔ نور الایضاح سے لیکر ہدایہ تک سب کتابیں پڑھ لیں اور اس میں پڑھ لیا کہ نماز کی سنتیں یہ ہیں، آداب یہ ہیں،

واجبات یہ ہیں، لیکن جب خود نماز پڑھنے کا وقت آیا تو نہ سنت کا لحاظ، نہ ادب کا لحاظ، بس جلدی جلدی کسی طرح وقت گزاری کر کے اس کو نمٹا دیا، نماز کا یہ حال ہے اور اسباق میں حاضری، استاد کا ادب، استاد سے استفادے کا جذبہ یہ کچھ نہیں، بس وقت گزر رہا ہے حاضری دے دی بات ختم ہوگئی، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ علم اس لیے دیا تا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ذکر کتنا کرتے ہیں؟ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کتنا بھیجتے ہیں؟ ہم سب اس کا جائزہ لے کر دیکھیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، رہائش گاہ میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ ساتھ بیٹھتے ہیں، ہم سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی؟ بدنظمی کے ذریعے دنیا کے سامنے ایک بھونڈی مثال پیش کرنا، کہ دین والے ایسے بدنظم ہوتے ہیں۔ ایسے بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ یہ ساری کی ساری باتیں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں۔ تو پہلے ہم اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ ایک بہترین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں۔

اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنا جائزہ لیتے رہیں

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ نے اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ آپ لوگوں کے لیے ڈائری بنادی ہے کہ اس کو دیکھتے جاؤ اور اپنا جائزہ لیتے جاؤ جہاں جہاں کمی ہے اس کو دور کرتے جاؤ، تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح کریں گے، تمہارے ذریعے سے دوسروں کی بھی

اصلاح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اس کی طرف متوجہ فرمادے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو بجالانے کی اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمادے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ دور آتے ہیں اور جاتے ہیں "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" یہ جو کچھ گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، بدعملیاں پھیلی ہوئی ہیں، یہ ظلمتیں ہیں، اندھیرے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ :

ظلمتوں کا جو بول بالا ہے
کوئی سورج نکلنے والا ہے

یہ ظلمتیں ہمیں خود پیغام دیتی ہیں کہ جب رات آتی ہے تو وہ ہمیشہ قائم نہیں رہا کرتی بلکہ اسکے بعد صبح صادق بھی طلوع ہوتی ہے اس کے بعد سورج بھی نکلتا ہے اس کے بعد روشنی بھی پھیلتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اب ہماری سعادت یہ ہے کہ اس صبح کا اُجالا لانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ پڑ جائے اور وہ حصہ اُسی طرح پڑے گا کہ ہم پہلے اپنے آپ سے شروع کریں اور پھر آگے بڑھیں :

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ہیں چراغ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ

کے قیام کی ضرورت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد حنیف خالد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : توحید الاسلام ٹرسٹ

بلیک برن، یوکے،

وقت خطاب : ۲۶/جون ۲۰۱۲

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مسلم ممالک میں

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت

۲۹ رجب ۱۴۳۳ھ (۲۶ جون ۲۰۱۲ء) کو بلیک برن۔ یو کے میں توحید الاسلام ریلیف ٹرسٹ کی افتتاحی تقریب میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا بصیرت افروز خطاب ہوا تھا۔ افادۂ عام کے لیے وہ خطاب محترمہ اُمّ محمد صاحبہ نے ضبط کیا، اور حضرت مولانا محمد حنیف خالد صاحب، استاذ جامعہ دار العلوم کراچی کی نظرِ ثانی کے بعد ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے (بشکریہ البلاغ، ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ)

حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

چند جذبات کا اظہار

یہ میرے لیے سعادت کا موقع ہے کہ الحمد للہ آج آپ حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور اس مبارک تقریب میں جو توحید الاسلام ریلیف ٹرسٹ کے افتتاح کے سلسلہ میں منعقد ہوئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے شرکت کی سعادت عطا فرمائی۔ اس موقع پر اپنے دو تین جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا جذبہ

ایک تو یہ کہ محبت کرنے والوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں جو تأثرات بیان فرمائے اور جس محبت کے ساتھ انہوں نے اس ناکارہ کا تذکرہ فرمایا تو اس سے مجھے ایسا لگنے لگا کہ یہ توحید الاسلام ریلیف ٹرسٹ کی افتتاحی تقریب نہیں ہے بلکہ مجھ ناکارہ کی تعارفی تقریب ہے میں اسکے بارے میں صرف اتنی ہی بات عرض کر سکتا ہوں کہ محبت کی آنکھ کو ہر بات اچھی نظر آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس محبت کی آنکھ کے حسن ظن کو میرے حق میں سچا کر دے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ من آنم کہ من دانم، اللہ تبارک وتعالیٰ ان بزرگوں کے خیالات اور ان کی خواہشات اور تمناؤں کا مجھے پورا کرنے والا بنادے۔ آمین۔ اور یہ اس کی ذات سے کچھ بعید نہیں۔

دوسرا جذبہ

دوسرا جذبہ جس کا میں اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ الحمدللہ اس وقت بہت سی خوشیاں جمع ہیں اور متعدد وجوہ سے آج کے اس اجتماع میں مسرت ہو رہی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ توحید الاسلام اسکول کے بارے میں جو تفصیلات بیان فرمائی گئیں اور آج صبح مجھ سے مولانا عبدالحمید صاحب نے اس کی جو تفصیل بیان کی، سچی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے بڑا سرمایہ فخر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں مزید ظاہری و باطنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

مسلمانوں کے حالات دیکھ کر خوشی ہوتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے تقریباً ان تمام علاقوں میں جانے کی توفیق عطا فرمائی جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، چھ کے چھ برّ اعظموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حاضری کا موقع عطا فرمایا اور مسلمانوں کے حالات دیکھنے کی بھی توفیق دی۔ مسلمان غیر مسلم ممالک میں بھی آباد ہیں اور اکثر وبیشتر جہاں جہاں پر ہمیں جانا ہوتا ہے تو ہمارا خطاب یا تقریر یا بیان کسی مسجد میں ہوتا ہے یا کسی مدرسہ میں ہوتا ہے اور وہاں الحمد للہ اچھی صورتیں نظر آتی ہیں جن کے چہروں سے نور جھلک رہا ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ دین پر کار بند ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

ایک بہت بڑا المیہ

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا المیہ ہے جو اکثر غیر مسلم ممالک میں ہمارے سامنے آتا ہے اور اس کی وجہ سے دل دکھتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بعید نہیں کہ دل روتا ہے وہ یہ کہ مسجدوں میں صف اوّل کے پابند لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھو یا ان کی اولاد کے حالات کا جائزہ لو تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اولاد بالکل دوسری طرف جا رہی ہے، بے دینی کے ماحول میں پرورش پا رہی ہے اور ماں باپ اس حد تک مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنی نمازیں بھی پڑھ لی ہیں، روزے رکھ لیے ہیں اور انہوں نے اپنی تلاوت اور روزانہ کے معمولات پورے کر لیے ہیں لیکن اولاد

کی فکر رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے۔

اپنی زندگی کا ایک عبرت ناک واقعہ

میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک ایسا عبرت ناک واقعہ عرض کرتا ہوں، ۱۹۷۸ء میرا سب سے پہلے جب امریکہ جانے کا اتفاق ہوا تھا، وہاں عربوں کی ایک اسلامی تنظیم تھی، جس نے ہمیں دعوت دی تھی، ہم نے وہ دعوت اس لیے قبول کر لی تھی کہ مسلمانوں کی دعوت ہے۔ جب وہاں حاضر ہوئے تو وہاں سب سے پہلے کھانا تھا، اس کے بعد تقریر کا پروگرام تھا، جب کھانے پر پہنچا تو ایسا معلوم ہوا جیسے ہم غیر مسلموں کی کسی دعوت میں شریک ہو گئے ہیں۔ مرد و عورت کا اختلاط، عریاں لباس اور کھانے میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں تھی، اور انہوں نے اعلان کیا کہ کسی کو حلال کھانا ہو تو وہ مچھلی پر اکتفاء کرے اور پھر اس سے پہلے انہوں نے سارے لوگوں کو ایک کروسر میں سوار کر کہ تفریح کا پروگرام بنایا تھا۔ میں اور میرے ساتھی کسی گوشے میں جا کے بیٹھے تو معلوم ہوا کہ وہ پورا کروسر رقص و موسیقی کے پروگراموں سے بھرا ہوا ہے۔ آنکھوں کو بچاتے ہوئے ایک گوشے میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے کسی طرح ہم نے مصیبت کو ٹالا۔

اسلامی تنظیم کے سربراہ کا عذر

بعد میں ان کے منتظم سے میں نے عرض کیا کہ بھائی آپ اسلامی تنظیم کے سربراہ ہیں اور مسلمانوں کا اجتماع کر رہے ہیں، آپ میں اور غیر مسلموں میں کیا فرق ہے؟ تو اس نے تقریباً روتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ یہ سمجھئے کہ یہ وہ قوم ہے جس کو اسلام سے کوئی سروکار نہیں، ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اس اجتماع کے ذریعہ کم از کم

ان کا نام مسلمان برقرار ہے، یہ ہماری ساری جدّ و جہد صرف اس حد تک ہے کہ ان کا نام مسلمان برقرار رہے اور یہ اپنے آپ کو مرتد نہ بنالیں اس لیے ہمیں یہ چیزیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے آباؤ اجداد یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ اوران کی اس نسل نے ہر چیز یہاں سے سیکھی ہے، تربیت یہاں کی ہے، ماحول یہاں کا ہے تو ہم اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔

سب سے بڑا مسئلہ اولاد کو سنبھالنے کا ہے

الحمدللہ اب صورت حال بدل رہی ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی، لیکن اس کے باوجود اب بھی بیشتر غیر مسلم ملکوں میں معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ اولاد کو سنبھالنے کا ہے اولاد کسی اور طرف جارہی ہے، ماں باپ کسی اور طرف جارہے ہیں، یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے اس مسئلے کا کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کریں۔ ساری خرابی اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ مسلم اولاد کو جب تعلیم دلانے کا وقت آتا ہے تو ماں باپ اس پر تقریباً مجبور ہوتے ہیں کہ ایسے تعلیمی اداروں میں ان کو بھیجیں جہاں کا ماحول، جہاں کی تعلیم، جہاں کی تربیت، ہر چیز کا رنگ بچے قبول کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ماں باپ کو قصہ پارینہ سمجھتے ہیں۔
اکبر مرحوم نے کہا تھا کہ:

ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

والد صاحب کی دو نصیحتیں

اس کا واحد حل یہ تھا کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کریں۔ میرے والد

ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جب جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے تو آپ نے اپنے ہر بیان میں دو نصیحتوں پر زور دیا تھا۔

مسلمان اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں

ایک نصیحت یہ کہ تم اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کرو اور تعلیمی ادارے سے مراد مدرسہ ہی نہیں، بلکہ تعلیمی اداروں سے مراد یہ ہے کہ مدارس میں عصری تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ آپ مدرسے کتنے بھی قائم کرلیں لیکن معاشرے کا جتنا فیصد حصہ مدرسوں میں آئے گا، یقیناً وہ اس تناسب سے کم ہوگا جو عصری تعلیمی اداروں میں آرہا ہے، لہٰذا مدارس کے قیام کے ساتھ عصری تعلیم کے ادارے مسلمانوں کو قائم کرنے کی حضرت والدِ ماجد تاکید فرمایا کرتے تھے الحمد للہ اب جنوبی افریقہ کے اندر ایسے بہت سے ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

اپنی مادری زبان اور اُردو زبان کی حفاظت کریں

دوسری نصیحت یہ کی کہ جو لوگ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش برصغیر کے کسی بھی علاقے سے یہاں منتقل ہوئے ہیں وہ خدا کے لیے اپنی مادری زبان کو نہ چھوڑیں اور اپنے بچوں کو مادری زبان اُردو ہو، یا گجراتی ہو، یا فارسی یا جو بھی ان کی مادری زبان ہو، اس سے اپنے بچوں کو وابستہ رکھیں اپنے گھروں کے اندر اُردو بولنے کا اہتمام کریں تاکہ وہ اُردو سے وابستہ رہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اُردو زبان عربی زبان کے بعد اسلامی علوم کے بارے میں سب سے زیادہ دولت مند زبان ہے یہاں تک کہ وہ فارسی زبان سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، اب اگر اُردو زبان کے ساتھ نئی

نسل کا رشتہ ٹوٹ گیا تو اتنے عظیم ورثے سے وہ محروم ہو جائے گی، میں بھی جب کبھی ایسی جگہوں پر جاتا ہوں تو وہاں پر حضرت والدِ ماجد کی اس بات کی یہ وصیت لوگوں تک پہنچاتا ہوں۔ الحمد للہ بعض جگہ اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں، بعض جگہ ابھی معاملہ راستے میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو تکمیل تک پہنچائیں۔

توحید الاسلام اسکول ہم سب کیلئے قابلِ فخر ہے

توحید الاسلام اسکول کے بارے میں آج جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، الحمد للہ ان کو سن کر دل باغ باغ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خواب شرمندۂ تعبیر فرمایا اور مولانا عبد الحمید صاحب نے جو تفصیلات بتائیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ نہ صرف یہ کہ اسلامی اسکول قائم ہوا، بلکہ یہ بات ہم سب کے لیے قابل فخر ہے کہ غیر مسلم ادارے اپنے معیار کو بلند کرنے کے لیے یہاں کے منتظمین کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ آ کر ان کے نظام کو درست کریں اور ان کے معیار کو بلند بنائیں، اصل میں مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے قول میں، اپنے فعل میں، اپنے کردار میں، اپنی تعلیم میں غیروں کے لیے نمونہ بنے۔

برصغیر میں اسلام کیسے آیا؟

برصغیر (ہندوستان، پاکستان) کے لوگ جو مسلمان ہیں، یہاں اسلام کس طرح آیا ہے؟ وہاں اسلام نہ جہاد کے ذریعے آیا، نہ کسی تبلیغی جماعت کے ذریعے آیا، سب سے پہلی بار اسلام کی روشنی جو برصغیر میں چمکی ہے وہ مالا بار کے علاقے میں چمکی جس کو آج کل کیرالا کہتے ہیں سب سے پہلے مسلمان تاجر وہاں تجارت کی غرض سے

پہنچے تھے، مقصود ان کا تجارت تھا، وہ نہ جہاد کرنے کے لیے آئے تھے نہ براہِ راست تبلیغ کی نیت سے آئے تھے، بلکہ تاجر کے طور پر آئے تھے، لیکن ان کے قول نے، فعل نے، ان کے کردار نے، ان کے اخلاق نے، مجسم تبلیغ کا کام انجام دیا اور مالا بار کے لوگ ان کو دیکھ کر مسلمان ہوئے، سب سے پہلے اسلام کی روشنی اس طرح پھیلی ہے۔

اصل بات تو یہ تھی ہم اپنے آپ کو ایسا دلکش ایسا معیاری بنائیں کہ ہمارے ذریعے اسلام کی طرف رغبت اور کشش پیدا ہو۔ افسوس ہے کہ ہم اس کے اُلٹ جا رہے ہیں۔ ابھی میں کل ایک نومسلم کی کتاب پڑھ رہا تھا جس مین اس نے اپنے اسلام لانے کی داستان بیان کی ہے، اور اس میں اس نے کہا ہے کہ اسلام لانے کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ میں جب مسلمانوں کے اخلاق، انکے کردار اور انکے طرزِ عمل کو دیکھتا تھا تو دل میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی کہ اگر اسلام یہی ہے تو پھر ایسا تو ہمیں بننا نہیں، لیکن بعد میں اللہ نے توفیق دی اور ذہن میں یہ بات آئی کہ اسلام کو مسلمانوں سے سمجھنے کے بجائے اسلام کو اسلام سے سمجھنا ہے، بہر حال اللہ نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ یہ اسکول ایک مثال بنا اور اسی طرز کے اور اسکول بھی مختلف علاقوں میں قائم کرنے کا ارادہ ہے اور بعض جگہوں میں ہو بھی گئے ہیں تو یہ بہت ہی مسرت کی بات ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے اس میں مزید ترقی عطا فرمائے اور اس کو دوسرے اسکولوں کے لیے ایک معیار اور مثال بنائے۔ آمین

ویلفیئر کا کام بہت اہم اور ضروری ہے

تیسرا سبب مسرت یہ ہے کہ توحید الاسلام اسکول نے آگے بڑھ کر آج سے

ویلفیئر کے کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بہت اہم اور بہت ضروری ہے اور مفید اقدام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جب پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں تو کسی حد تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور دین کے جو دوسرے شعبے ہیں ان سے غافل ہو کر انہیں بے دینوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتے ہیں، ان میں ایک بہت بڑا شعبہ ویلفیئر کا شعبہ ہے اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے۔ اس میں معاشرے کی ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہے، یہ سارے کام دین کے کام ہیں۔ وہ دین جس کے بارے میں کہا جاتا ہے :

الاسلام بضعة و سبعون شعبة اعلاها كلمة لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذى عن الطريق تواماطة الاذى عن الطريق.

نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا اور صحیح بخاری شریف میں معروف حدیث ہے کہ ایک شخص نے راستے سے کانٹا ہٹا دیا تو "فشكر الله فغفر له" اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدردانی فرمائی اور اس کی مغفرت فرمادی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "خير الناس من ينفع الناس" بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے، یہاں "من ينفع المسلمين" نہیں فرمایا، بلکہ من ينفع الناس فرمایا ہے یعنی کوئی بھی انسان ہو، جو شخص انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اُسے نبی کریم ﷺ نے خیر الناس قرار دیا ہے "نظفوا افنيتكم" فرمایا کہ اپنے گھر کے ماحول کو صاف ستھرا رکھو اور اسی میں بعض روایتوں میں اگلا جملہ فرمایا "ولا تشبهوا باليهود" کہ

یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو یعنی اس وقت یہودی لوگ گندے رہا کرتے تھے ان کے مکانات گندے ہوا کرتے تھے فرمایا کہ ان جیسے نہ بنو بلکہ اپنے مکانات کو، اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھو، ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگوں نے ان سب باتوں کو دین سے خارج کر دیا، تو ویلفیئر کا کام فلاح و بہبود کا کام ہے انسانی فلاح کا کام ہے، یہ بڑی عظیم خدمت ہے، عظیم عبادت ہے۔

مولانا جامیؒ کا فرمان

مولانا عبدالرحمٰن جامی جن کی شرح جامی ہم لوگ پڑھا کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

کہ طریقت یعنی تصوف وسلوک صرف تسبیح پڑھ لینے اور مصلیٰ بچھا دینے سے اور پھٹا پرانا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ طریقت بجز خدمتِ خلق نیست، طریقت تو مخلوق کی خدمت کا نام ہے۔

میرے شیخ حضرت عارفیؒ کی ایک عجیب بات

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ ایک عجیب بات فرمایا کرتے تھے، جو ہم سب کو یاد رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فرماتے تھے کہ دنیا میں جتنے منصب اور عہدے ہیں لوگ ان کے پیچھے بھاگتے ہیں، مثلاً میں صدر بن جاؤں، وزیرِ اعظم بن جاؤں، کسی جماعت کا صدر بن جاؤں، رہنما بن جاؤں، لیکن

ان تمام مناصب کا حال یہ ہے کہ اوّل تو ان کو حاصل کرنا اپنے اختیار میں نہیں کہ جب چاہوں صدر بن جاؤں، جب چاہوں وزیرِاعظم بن جاؤں اپنے اختیار سے باہر ہے۔ کتنی ہی خواہش کرتے رہو، الیکشن لڑتے رہو، معلوم ہوا کہ سال بھر کی کوشش کرنے کے بعد الیکشن ہار گئے تو نہ صدر بن پائے، نہ وزیرِاعظم بن پائے اپنے اختیار میں نہیں۔ اگر فرض کرو مل بھی جائے تو اس کا رہنا اختیار میں نہیں، پتہ نہیں کب نیچے سے کرسی کھسک جائے، ہم تو پاکستان میں روز یہ مناظر دیکھتے ہیں کہ ایک شخص آج ملک کا وزیرِاعظم ہے کل جیل میں ہے۔

حضرت تھانوی کو امیر بننے کی پیشکش اور آپکا جواب

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی نے ایک مرتبہ یہ پیشکش کی تھی کہ آپ ہمارے امیر بن جائیں اور امیر بن کر ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کام کریں، تو آپ نے فرمایا تھا کہ بھئی میں ایسا امیر نہیں بن سکتا کہ آج ''امیر المومنین ہوں اور کل اسیر الکافرین ہوں، تو یہ منصب اپنے اختیار میں نہیں، اس کو باقی رکھنا اپنے اختیار میں نہیں، پتہ نہیں کب کرسی کھسک جائے اور جب تک وہ منصب ہے تو اس وقت تک کیا ہوگا؟ اس وقت تک یہ ہوگا کہ بہت سے حسد کرنے والے حسد کریں گے کہ یہ پہنچ گیا، میں رہ گیا، اور بہت سے کرسی سے اتارنے کی کوشش کریں گے۔ ہر منصب میں یہ سب خطرات ہیں، تو حضرت فرماتے تھے کہ میں تم کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں، کہ اس کا حاصل کرنا اپنے اختیار میں ہے جب چاہو، حاصل کرلو اور رکھنا بھی اپنے اختیار میں ہے، کوئی تم سے چھینے گا نہیں اور تیسرا یہ کہ اس کے اوپر کوئی

حسد بھی نہیں کرے گا۔

خادم بن جاؤ

وہ عہد یہ ہے کہ خادم بن جاؤ۔ خادم بنو، یہ سمجھو کہ تم خادم بنا کر پیدا کیے گئے ہو، اپنے والدین کی خدمت، اپنے بھائی بہنوں کی خدمت، اپنے بیوی بچوں کی خدمت، اپنے استادوں کی خدمت، اپنے شاگردوں کی خدمت، اپنے ملنے جلنے والوں کی خدمت، اپنے ملک والوں کی خدمت۔ خدمت کے عنوان مختلف ہوتے ہیں تو یہ خادم کا عہد ایسا ہے کہ اسے خود اختیار کرلو اور کبھی کوئی چھینے گا نہیں کیونکہ خدمت اپنے اختیار میں ہے اور نہ کوئی حسد کرے گا، تو ہمارے حضرات اکابر جن کے ہم نام لیوا ہیں انہوں نے یہ کام کرکے دکھایا۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی دادی کے نانا ہوتے تھے، بڑے زبردست عالم، بڑے زبردست محدث، حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے بھائی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ سے اجازت حاصل تھی، بڑے اونچے درجے کے عالم تھے، اور کاندھلہ میں ان کے علم، تقوی، عبادت اور زہد کی شہرت تھی، پیدل سفر کرتے تھے، دہلی میں پڑھے، دہلی میں اس طرح تعلیم حاصل کی کہ جب دہلی میں رہے صرف روٹی کھاتے تھے، سالن نہیں کھاتے تھے، اس لیے کہ وہاں کے دکاندار سالن میں آمچور ڈالتے تھے۔ آمچور آم کی کھٹائی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ آموں کی بیع قبل بدوصلاح

ہوتی ہے لہٰذا اگرچہ فتویٰ یہ ہے کہ جب تک متعین طور پر معلوم نہ ہو تو عام لوگوں کے لیے فتویٰ کی رو سے تو جائز ہے لیکن تقویٰ یہ ہے کہ وہ سالن نہ کھایا جائے، جس میں آچور ملا ہوا ہو، اور اس آچور کی بیع قبل بدو صلاح ہوئی ہے تو دہلی میں قیام کے دوران کبھی سالن نہیں کھایا صرف روٹی پر اکتفا کرتے تھے، ایک مرتبہ کاندھلہ پیدل آرہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھا سا آدمی کچھ اپنا سامان لاد کر لیجا رہا ہے، اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کو سامان اٹھانے سے دقت ہو رہی ہے، تو حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے سلام کیا اور کہا آپ کو سامان اُٹھانے میں دقت ہو رہی ہے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں سامان اُٹھالوں، انہوں نے کہا سبحان اللہ، وہ سارا بوجھ حضرت نے اپنے کندھے پر اُٹھا لیا اور پیدل چلتے رہے، راستے میں حضرت نے پوچھا کہ بھئی آپ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ کاندھلہ جارہا ہوں۔ پوچھا کیوں جارہے ہو؟ کہا کہ وہاں ایک بڑے بزرگ ہیں ان کا نام مولانا مظفر حسین صاحب ہے ان کی زیارت کے لیے جارہا ہوں، سنا ہے بڑے بزرگ ہیں آپ جانو انہیں؟ مولانا نے کہا میں جانتا ہوں اس نے کہا سنا ہے کہ بڑے بزرگ ہیں، حضرت نے کہا ہاں نماز تو پڑھ لیتے ہیں، چلتے گئے یہاں تک کہ جب کاندھلہ میں داخل ہوئے اور حضرت کو لوگوں نے دیکھا، وہ لوگ حضرت کو پہچانتے تھے، وہ جلدی سے آگے آئے کہ حضرت نے بوجھ اُٹھایا ہوا ہے، وہ سامان ان سے لے لیا، اب وہ شخص شرمندہ ہوا اور ہاتھ جوڑنے لگا کہ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، حضرت نے فرمایا اس میں معافی کی کیا بات ہے؟ آپ کو اُٹھانے میں تکلیف ہو رہی تھی میں نے اُٹھا لیا، اس میں معافی کی کیا بات ہے آپکی

خدمت کرنے کا موقع مل گیا، بہر حال؛ ہمارے بزرگ کسی چیز سے غافل نہیں تھے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ریل سے اُترے، تھانہ بھون، چھوٹا سا اسٹیشن تھا، رات کا وقت تھا، تو دیکھا کہ ایک فیملی کے لوگ بھی اُترے ہیں وہ بھی حضرت کے یہاں جانے والے تھے اور ان کے پاس کافی سامان تھا تو وہ پکار رہے تھے قلی قلی قلی، یعنی کسی قلی کو آواز دے رہے تھے جو سامان اُٹھائے، اتفاق سے رات کا وقت تھا وہاں کوئی قلی موجود نہیں تھا، حضرت والد صاحب نے دیکھا کہ پریشان ہو رہے ہیں تو آپ نے اپنا عمامہ قلیوں کی طرح سر پر باندھا اور ان کے پاس آکر کہا فرمایئے کیا سامان ہے؟ یہ سامان ہے اُٹھاؤ۔ کتنے پیسے لوگے؟ فرمایا جو آپ کی مرضی ہو دیدینا، یہ کہہ کر وہ سارا سامان سر پر اُٹھا کر خانقاہ تھانہ بھون تک پہنچایا۔ پہونچا کر وہاں سے غائب ہو گئے۔ اگلے دن وہ صاحب جو فیملی کو لیکر آئے تھے، حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہو کر کہا کہ حضرت آپ کی کرامت ظاہر ہو گئی، حضرت نے کہا کیا کرامت؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ اس طرح میں رات کے وقت آیا، ایسا سامان تھا پتہ نہیں اللہ نے کوئی فرشتہ بھیج دیا وہ میرا سامان پہنچا کر چلا گیا اور پیسے دینے کا وقت آیا تو وہ غائب ہو گیا۔ حضرت والد صاحب سب کچھ سن رہے تھے اس آدمی کو پتہ نہیں تھا کہ کس نے یہ کام کیا تھا اور حضرت تھانویؒ کو بھی پتہ نہیں تھا۔

یہ واقعہ ہمارے والد ماجد نے ہمیں شرم دلانے کے لیے سنایا تھا۔

تو خدمتِ خلق اور خادم کا منصب ایسا ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اپنے اختیار کا ہے۔ کوئی اس کو چھینے گا نہیں، کوئی اس پر نظر نہیں لگائے گا، کوئی تم سے حسد نہیں کریگا، بس خادم بن جاؤ، سارے بکھیڑے مخدوم بننے میں ہیں، خادم بن گئے تو کوئی جھگڑا نہیں۔

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

یہ پہلو ایسا ہے کہ ہم نے چونکہ اسے چھوڑا ہوا ہے، اس لیے اسے غیروں نے اختیار کرلیا، عیسائی مشینریوں کو دیکھو کہ وہ اس خدمت خلق کے ذریعے اپنے باطل کو پھیلاتی ہیں اور ہم اس کے ذریعہ اپنے حق کو پھیلا سکتے ہیں، اس واسطے یہ ویلفیئر کا جو کام شروع ہو رہا ہے یہ بڑا ہی انشاء اللہ مبارک کام ہے۔

خدمت خلق کے کام میں نیت کیا ہونی چاہئے؟

اس کام میں نیت یہ رکھے کہ ہم مخلوق کی خدمت کرنے کے لیے یہ کام کر رہے ہیں اور مخلوق کی خدمت ان سے شکریہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ کام کر رہے ہیں "انما نطعمکم لوجه الله لا نريد منكم جزآءً ولا شكوراً" یعنی "ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ"۔ (سورۃ الانسان: ۱۰)

اس نیت کے ساتھ یہ کام ہوگا تو انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکات ظاہر فرمائیں گے۔

ایک گذارش

البتہ صرف اتنی گزارش ہے اور الحمد للہ وہ پہلے ہی سے مدّ نظر ہے کہ اس قسم کے جتنے بھی کام ہوتے ہیں، ان میں بعض اوقات ایسے مراحل بھی آجاتے ہیں، جہاں آدمی پٹڑی سے اُترنے لگتا ہے جس سے تحفظ کا راستہ یہ ہے کہ اس قسم کے جتنے بھی کام ہوں علماء کرام کی نگرانی میں ہوں۔ علماء کرام کی سرپرستی اور ان کی رہنمائی میں ہوں تاکہ کسی جگہ کسی موقع پر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں بعض اوقات ایک غیر محسوس تبدیلی ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں، میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جہاں ٹرین کی پٹڑی راستہ بدلتی ہے تو اس جگہ دونوں لائنوں کے درمیان فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا ہے، لیکن جب وہ دور چلا جاتا ہے تو فاصلہ ہزاروں میل کا ہو جاتا ہے صحیح راستہ پر رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو وہ شریعت کے دائرہ میں ہو اور علمائے کرام کی مشاورت، ان کی رہنمائی اور ان کی سرپرستی میں ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے اس کام میں برکت عطا فرمائے، ترقی عطا فرمائے، اس کام کے کرنے والوں میں صدق واخلاص پیدا فرمائے اور اس کا فائدہ اُمت کو پہنچائے۔ آمین ثم آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

❀❀❀

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا وکیل احمد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : درس گاہ دورۂ حدیث (جامعہ دارالعلوم کراچی)

وقت خطاب : ۱۰؍جون، بروز اتوار

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَرَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم پیغام

۱۹ ررجب ۱۴۳۳ھ (۱۰ رجون ۲۰۱۲ء) اتوار کے روز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کے طلباء دورۂ حدیث کے سامنے صحیح بخاری کا آخری درس ارشاد فرمایا، جسے مولانا وکیل احمد صاحب نے قلم بند فرمایا جو علماء وطلباء کے لئے بطور خاص بہت سی عام ہدایات پر مشتمل ہے، افادۂ عام کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ بشکریہ البلاغ شعبان ۱۴۳۳ھ............(میمن)

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمدٍ وخاتم النبیّین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین . امّا بعد !

تمہیدی کلمات

یہ صحیح بخاری کے آخری باب کا درس ہورہا ہے اور اس میں الحمد للہ جامعہ دار العلوم کراچی کے چار سو سے زائد طلبہ، دورۂ حدیث کی تعلیم کی تکمیل کررہے ہیں اور اس کے ساتھ الحمد للہ مدرسۃ البنات میں تقریباً چھتیس طالبات بھی دورۂ حدیث کی تکمیل میں شریک ہیں چنانچہ آج کا یہ درس بنین اور بنات دونوں کا مشترک درس ہے اس لئے مدرسۃ البنات میں ہماری جو ہونہار طالبات دورۂ حدیث کی تکمیل کررہی ہیں ان

سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنی کتابیں کھول کر سامنے رکھیں اور اس درس میں وہ بھی شریک ہوں۔

کتاب التوحید صحیح بخاری کے آخر میں کیوں ہے؟

یہ صحیح بخاری کا آخری باب ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق قرآن کریم کی اس آیت کے عنوان سے مقرر فرمایا ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (القرآن)

اور یہ صحیح بخاری کا بھی آخری باب ہے اور بخاری شریف کی آخری کتاب، کتاب التوحید بھی اس باب پر ختم ہو رہی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم فرمایا، توحید ایمانیات کا سب سے اہم عقیدہ ہے اس لئے بظاہر کتاب التوحید، کتاب الایمان کا جز ہونا چاہئے تھی، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بدء الوحی کے بعد کتاب الایمان قائم فرمائی ہے اور اس میں ایمانیات کو بیان فرمایا ہے، بظاہر اس کتاب کو کتاب الایمان کا جزء ہونا چاہئے تھا لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عجیب ترتیب رکھی ہے کہ کتاب الایمان کو بالکل شروع میں لے کر آئے ہیں اور کتاب التوحید کو سب سے آخر میں ذکر کیا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے اور یہ وجہ شارحین کی طرف سے بیان بھی کی گئی ہے کہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایک مؤمن کی ایمانی زندگی کا آغاز بھی کلمہ توحید سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بچہ جونہی پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں یہ کلمات ہوتے ہیں :

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰهِ

یہ ایمان کا پہلا بیج ہے جو اسکے قلب میں اتارا جاتا ہے، اس طرح ایک مؤمن کی زندگی کا آغاز بھی کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ سے ہوتا ہے اور اس کی زندگی کی انتہا بھی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر ہوتی ہے اور یہ جو حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ :

من کان آخر کلامه لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دخل الجنة

جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا، اس سے مراد صرف لا الہ الا اللہ کا کلمہ ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ کلمہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نہیں تھا بلکہ :

اللّٰهم الرفيق الاعلى

تھا، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا آخری کلام اسی لا الہ الا اللہ کو قرار دیا اور اس لئے کتاب التوحید بالکل آخر میں لائے۔

لیکن اس کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کتاب التوحید میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمانیات کے سلبی پہلو کو ذکر فرمایا ہے یعنی جن لوگوں نے ایمان کی تشریح مین غلط اور گمراہی کے راستے اختیار کئے تھے اور صحیح راستے سے ہٹ گئے تھے ان فرقوں کی تردید اس کتاب میں کی گئی ہے، اسی لئے اس کتاب کا دوسرا نام ''کتاب الرد علی الجہمیہ'' بھی ہے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باطل فرقوں کی تردید کے لئے کتاب التوحید آخر میں لائے ہیں اور اسی پر اپنی کتاب ختم کی ہے، اس سے کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان سے لے کر کتاب

الاعتصام بالکتاب والسنۃ تک پوری کتاب میں دین کا پورا خلاصہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شکل میں بیان فرمادیا، اس مین ایمانیات بھی آ گئے، اس میں احکام بھی آ گئے، اس میں آداب بھی آ گئے اس میں معاشرت اور اخلاق بھی آ گئے، یہ ساری چیزیں مثبت انداز میں بیان فرمانے کے بعد پھر آخر میں باطل فرقوں کے لئے یہ کتاب قائم فرمائی۔

باطل کی تردید کا بہترین طریقہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ بکثرت یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ باطل کی تردید کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حق کو واضح طور پر بیان کر کے اس پر عمل کر کے دکھاؤ اور جب مثبت انداز میں حق کی تبلیغ کرو گے، اور مثبت انداز میں حق پر عمل کر کے دکھاؤ گے تو اس سے باطل خود بخود مٹ جائے گا اور اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ اگر کسی جگہ اندھیرا پھیلا ہوا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی اندھیرے کے خلاف اٹھ لے کر اس اندھیرے کو زائل کرنے کی فکر کرے بلکہ اندھیرے کا علاج یہ ہے کہ وہاں ایک چراغ جلا دیا جائے، چراغ جلے گا تو اندھیرا خود بخود دور ہو جائے گا، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جتنے اب بیان فرمائے ہیں وہ سارے کے سارے ہدایت کے چراغ ہیں، عقائد میں بھی، احکام میں بھی، معاشرت میں بھی، عبادات مین بھی، اخلاق میں بھی، الغرض زندگی کے ہر پہلو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان فرمادیں تو اس سے باطل نظریات کی تردید خود بخود ہوگئی، تو آخر میں نتیجہ یہ نکالا کہ یہ ساری مثبت باتیں جو بیان کی گئی ہیں

آدمی ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے، اس کے نتیجے میں باطل فرقوں اور باطل افکار کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے، اس وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو سب سے آخر میں ذکر فرمایا، اور اس آخری کتاب کا عنوان "ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ" قائم فرما کر وزنِ اعمال کے سلسلے میں جو گمراہیاں بعض باطل فرقوں نے پھیلائی تھیں کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا، جیسا کہ معتزلہ کا خیال تھا انکی بھی تردید ہوگئی۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول

لیکن اگر غور کیا جائے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مدارک یہ ہیں کہ ان کی کتاب کے اختتام پر عموماً حدیث کی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے اور اس باب کی آخری حدیث کو پڑھ لینے کے بعد آدمی ضابطہ کی تحصیل حدیث کی تکمیل کر لیتا ہے، اور میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کہ امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب یہ باب پڑھا کرتے تھے اور آخری حدیث کے درس کے بعد جب کتاب بند کرتے تھے تو طلباء سے فرماتے: کہ جابلین (حضرت کا یہ بے تکلفی کا انداز خطاب تھا جو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے) جاؤ تمہیں مولوی بنا دیا، یعنی اس حدیث کے پڑھ لینے کے بعد اب تم مولوی بن گئے، اب تم عالم کہلاؤ گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو یہ امتیاز عطاء فرمایا ہے کہ جب طالب علم اس کو پڑھ لیتا ہے تو پھر اس کو عالم اور مولوی سمجھا جاتا ہے اور وہ ضابطہ کی طالب علمی سے نکل کر عملی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے، ضابطے کی طالب علمی تو درحقیقت مرتے دم تک ختم نہیں ہوتی "اطلبوا العلم من المھد الی

اللحد ''لیکن ضابطہ میں باقعدہ درس وتدریس کے ذریعہ جو طالب علمی ہوتی ہے اس کا چونکہ اس پر اختتام ہوتا ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جاؤ آج تمہیں مولوی بنادیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ اس کتاب کو یہ امتیاز عطا فرمایا ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی ایسا قائم کیا جو ایک مستقل پیغام ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام

وہ پیغام یہ ہے کہ اب تم عملی زندگی میں داخل ہو رہے ہو، اس میں داخل ہوتے وقت اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ تمہارے ایک ایک عمل اور ایک ایک قول کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا:

وان اعمال بنی آدم و قولھم یوزن

یعنی جو کلمہ تمہاری زبان سے نکلے گا، جو عمل تمہارے اعضاء وجوارح سے صادر ہوگا، ان میں سے ہر قول، ہر کلمہ، ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ونضع الموازین القسط لیوم القیامة

ہم قیامت کے دن انصاف کے لئے ترازو قائم کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے اور سورۂ زلزال میں یہ بھی فرمادیا کہ:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ

اور آپ نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا کہ :

هذه الآية الجامعة الفاذة

یہ ایک ایسی جامع آیت ہے کہ جو منفرد ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھول کر یہ بات بیان کردی کہ تمہارے ہر ہر قول وفعل کو تولا جائے گا اور ذرّہ برابر اگر کوئی نیکی کسی نے کی ہوگی تو وہ بھی انسان دیکھ لے گا اور ذرّہ برابر اگر کوئی برائی کسی نے کی ہوگی تو اس کو بھی وہاں جاکر دیکھ لے گا۔

علمی بحثیں یہیں رہ جائیں گی

جہاں تک علمی بحثوں کا تعلق ہے کہ میزان عمل میں اعمال تولے جائیں گے؟ یا افراد تولے جائیں گے؟ یا صحیفے تولے جائینگے؟ اور اعراض کو تولا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ ساری بحثیں یہیں رہ جائیں گی، ان کے بارے میں نہ تو قبر میں سوال ہوگا نہ آخرت میں سوال ہوگا لیکن اصل بات جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد خدا کے لئے اس بات کا ہر وقت مراقبہ رکھو کہ تمہارے اعمال اور اقوال کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا، یہی ہے وہ پیغام جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے آخر میں ہمیں اور آپ کو دینا چاہتے ہیں۔

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزن اعمال کا باب آخر میں قائم کرکے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے اعمال میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کرو،

تمہارے ہر عمل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں وزن ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے بزرگوں نے فرمایا کہ زبانِ حال سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمار ہے ہیں کہ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اعمال میں وزن کیسے پیدا ہوتا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ میری کتاب کی سب سے پہلی حدیث کو دیکھ لو، سب سے پہلی حدیث یہ تھی :

انما الأعمال بالنیات وانما لامرء مانوی

کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہ ملے گا جس کی اس نے نیت کی یعنی اخلاصِ عمل ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے، عمل بظاہر دیکھنے میں کتنا ہی چھوٹا سا کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا گیا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس کا وزن ہوتا ہے اور عمل خواہ کتنا بھی بڑا ہو، خدانہ کرے اگر اس میں اخلاص نہ ہو تو وہ بے وزن ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

مجھے یاد آیا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔آمین) انہوں نے اپنی آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں ایک بہت مشہور جماعت ہوا کرتی تھی جماعت الاحرار، اس کے سربراہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب تھے جو سید الاحرار کہلاتے تھے، بڑے زبردست خطیب بھی تھے اور سیاسی میدان میں ان کی بڑی جدوجہد بھی تھی، انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد آزادی کا علم انہوں نے اٹھایا ہوا تھا، مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے

پڑھانے والے آدمی تھے، مظاہر العلوم میں پہلے پڑھے اور پھر وہیں پڑھانا بھی شروع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سید الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے میری بڑی چوٹیں چلتی رہتی تھیں وہ چونکہ سیاسی آدمی تھے اور بعض حضرات جو سیاست میں خدمات انجام دیتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ بس دین کی اصل خدمت سیاست ہی ہے، جو شخص سیاسی میدان کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور شریعت کے نفاذ کیلئے جدوجہد کر رہا ہے وہ تو صحیح کام کر رہا ہے اور یہ جو مدرسوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ قال اللہ، قال الرسول کرتے رہتے ہیں، عبارتیں پڑھتے رہتے ہیں اور تشریحات کرتے رہتے ہیں ان کی کوئی خاص وقعت ان کے دل میں نہیں ہوتی جب تک کہ وہ سیاسی میدان میں بھی کوئی کارنامہ انجام دے کر نہ دکھائیں۔

حضرت نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ میری چوٹیں ان سے اس طرح کی چلتی رہتی تھیں کہ جب دارالعلام دیوبند میں کبھی کبھار مجھے دیکھتے، تو دیکھتے ہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ زمین پر بوجھ ہیں، ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، یہ لوگ دین کا اصل مقصد فراموش کئے بیٹھے ہیں اور اس زمین پر بوجھ بن کر زندگی گزار رہے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں کہ میرا ان کو براہ راست جواب دینے کو تو دل نہیں چاہتا تھا لیکن کسی ساتھی سے کہلوا دیتا تھا کہ ان سے جا کر کہو کہ ان لوگوں کے لئے مدرسے کے اندر آنا حرام ہے، ان لوگوں کا مدرسے کی روٹی کھانا حرام ہے، یہ لیڈری کرتے پھرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے والوں کی تنقیص کرتے ہیں تو ان کو مدرسہ کے اندر آنا ہی نہیں چاہئے، اس طرح کی چوٹیں ہوا کرتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب کبھی

ایک جگہ بیٹھ جاتے تو بیٹھ کر خوش طبعی بھی کرلیا کرتے تھے۔

فرمایا کہ بعد میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی توفیق دی تو ایک مرتبہ وہ رائے پور جارہے تھے، رائے پور جاتے ہوئے اچانک سہارنپور سے گزرے تو مجھ سے کہا کہ دیکھو مولوی صاحب! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں تم اس کا جواب ایک ہفتے تک سوچتے رہنا اور اس کے بعد جب میں ایک ہفتے کے بعد واپس آؤں تو جواب دینا، پوچھا کیا سوال ہے؟ سوال یہ ہے کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ اس کیلئے ایک ہفتہ انتظار کی ضرورت نہیں، میں ابھی اس کا جواب دیدیتا ہوں اور آپ اس پر ایک ہفتے تک سوچتے رہنا اگر کوئی اعتراض ہو تو پھر واپس آکر مجھے بتادینا، پوچھا کیا حقیقت ہے؟

تصوف کی حقیقت؟

فرمایا تصوف کی حقیقت ہے تصحیح نیت، تصوف کا آغاز تصحیح نیت سے ہوتا ہے اور اختتام:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ

پر ہوتا ہے، یہ جملہ میں نے ان سے کہہ دیا اور وہ چلے گئے، ایک ہفتے کے بعد واپس آئے تو آکر مجھ سے کہا دیکھو بھئی مولوی زکریا صاحب مجھے نہ تم سے محبت ہے نہ کوئی عقیدت ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں عرض کیا ''علی ہذا القیاس'' پھر کہا کہ باوجود محبت اور عقیدت نہ ہونے کہ تم نے جو جواب دیا تھا میں اس پر ایک ہفتہ سوچتا

رہا، پہلے جب میں نے سوال کیا تھا یہ سوچا تھا کہ اگر تم نے یہ جواب دیا تو اس پر یہ اعتراض کروں گا، یہ جواب دیا تو اس پر یہ اعتراض کروں گا لیکن تم نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ اس پر میں پورا ہفتہ سوچتا رہا مگر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا کہ ساری زندگی سوچتے رہو گے تب بھی اعتراض سمجھ میں نہیں آئے گا، تصوف کی حقیقت اصل میں یہی ہے کہ تصحیح نیت سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور :

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

(اللہ کی بندگی کرو اس طرح جیسا تم اسکو دیکھ رہے ہو) پر اسکی تکمیل ہوتی ہے تو دو لفظوں میں حضرت نے پورے تصوف اور تزکیہ کا خلاصہ بیان فرمادیا۔

دین نام ہے زاویۂ نگاہ کے بدل لینے کا

ہمارے حضرت والا حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ارے بھئی! دین نام ہے زاویۂ نگاہ کے بدل لینے کا، ایک زاویۂ نگاہ اپنی نفسانی خواہشات کے لئے چلا آرہا تھا، اس کو بدل کر للّٰہیت کی طرف لے گئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے اخلاص پیدا کرلیا تو بظاہر وہ عمل دنیا کا نظر آرہا تھا، وہی عمل تصحیح نیت کے ذریعے دین کا عمل بن جاتا ہے، اور اسی کے ذریعے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے۔

بہر حال؛ یہاں بات آگئی ہے اسلئے اسے مکمل کردوں کہ آپ بیتی میں حضرت نے لکھا ہے کہ بعد میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے اچھے تعلقات ہوئے اور ان کے ساتھ محبت اور احترام کا رشتہ بھی پیدا ہوا، حضرت رائے پوری سے وہ جا کر بیعت بھی ہوئے اور فرمایا کہ میں اپنے تمام بیٹوں کو آپ کی تربیت میں دینا چاہتا ہوں۔

تو حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند شرطیں لگائیں، ایک شرط تو یہ ہے کہ جب تک میرے پاس رہیں گے اخبار نہیں پڑھیں گے، اخبار نہ پڑھنا سیاسی آدمی کے لئے موت ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ کسی جلسے میں نہیں جائیں گے، چاہے وہ آپ کی تقریر والا جلسہ ہو یا میری تقریر والا جلسہ ہو، اس میں نہیں جائیں گے، انہوں نے بڑی خوش دلی سے ان شرطوں کو قبول کیا، اور کہا کہ میں سب شرطیں مانتا ہوں، اور پھر سب بچوں کو میری تربیت میں رکھا، اور ان بچوں نے بھی یہ شرطیں پوری کر کے دکھائیں کہ نہ اخبار پڑھا اور نہ کبھی کسی جلسہ میں شریک ہوئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو علم اور تزکیہ کے اعتبار سے اونچا مقام عطاء فرمایا۔

خَلقِ حسن اور خُلقِ حسن کی وضاحت

ایک حدیث آپ نے ترمذی شریف میں پڑھی ہوگی جس میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

اِنَّ اَثْقَلَ شَيْئٍ وُّضِعَ فِي الْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ

کہ سب سے وزن دار چیز جو قیامت کے دن بندے کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ خلق حسن ہے۔

یہاں خُلق حسن سے مراد یہ ظاہری اخلاق نہیں ہیں کہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ظاہری طور پر جس کا ہم مظاہرہ کر لیتے ہیں یعنی ذرا مسکرا کر مل لیئے، چاہے اندر بغض ہو، عناد ہو، حسد ہو، لیکن جب ملاقات کی تو مسکراتے ہوئے چہرے سے ملاقات کر لی اس کو عام طور سے اچھے اخلاق کہا جاتا ہے، (اور آج کی دنیا میں اس کے اوپر

کتابیں بھی چھپی ہوئی ہیں کی کس طرح لوگوں کے دلوں پر تمہارے اخلاق حسنہ کا رعب پڑے اس کے لئے کتابیں لوگوں نے چھاپ رکھی ہیں) یہ حقیقت میں خلق حسن نہیں ہے، اگر دل میں کینہ بھرا ہوا ہے، بغض بھرا ہوا ہے، حسد بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ظاہری اعتبار سے مسکرا کر مل رہا ہے تو یہ خُلق حسن نہیں ہے، یہ خُلق سئی ہے یہ ایک طرح کی منافقت ہے۔

خلق حسن کچھ اور ہی چیز ہے اور اس کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کی انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک مختلف اعضاء ہیں، جو مختلف کام کرتے ہیں، جیسے آنکھیں، ناک، کان، زبان، چہرہ وغیرہ، ان کا نام تو ہے خَلق اور ایک انسان کے باطن میں چھپی ہوئی صفات ہیں ان کا نام ہے خُلق، ظاہری اعضاء کا نام خَلق ہے اور باطنی خواہشات وجذبات کا نام خُلق ہے اور آپ نے یہ حدیث پڑھی ہوگی کہ جب آدمی آئینہ دیکھے تو دعا پڑھے کہ :

اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَأَحْسِنْ خُلُقِیْ

اے اللہ! آپ نے میری ظاہری شکل وصورت اچھی بنائی ہے تو اے اللہ! میرے خُلق کو بھی اچھا بنا دیجئے، ظاہری حسن بھی مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ حسن ہر انسان کو حاصل ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْم

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر خُلق حسن پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کسی بھی آدمی کی ظاہری خوبصورتی اس کے اعضاء کے اعتدال اور تناسب کا

نام ہے، ایک آدمی حسین اس وقت کہلائے گا جبکہ مثلاً نہ بہت لمبا ہو نہ بہت پستہ قد ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ :

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَ بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ

اگر کوئی آدمی معمول سے زیادہ لمبا ہے اس کے دیگر اعضاء کتنے ہی خوبصورت ہوں لیکن لمبا ہونے کی وجہ سے وہ خوبصورت نہیں کہلائے گا، اسی طرح اگر کسی کا قد بہت چھوٹا ہے تو وہ بھی خوبصورت نہیں کہلائے گا، کسی کی ناک ضرورت سے زیادہ لمبی ہوگئی ہے اور باقی اعضاء ٹھیک ہیں تو اس وجہ سے بھی اس کا حسن ختم ہو جائے گا، علیٰ ہذا القیاس سر سے لیکر پاؤں تک تمام اعضاء میں اعتدال ہو، تو اس کا نام ہے خَلق حسن، اسی کو خوبصورتی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس طرح خَلق حسن اعتدال اور توازن کا نام ہے اسی طرح باطنی اخلاق میں بھی خُلق حسن اسکو کہا جائیگا کہ اس کے جذبات، خواہشات، محرکات، دواعی اعتدال اور توازن کے ساتھ ہوں ان میں افراط و تفریط نہ ہو۔

غصہ اعتدال میں ہو تو خُلق حسن ورنہ خُلق سئی

مثلاً غصہ انسان کی ایک باطنی کیفیت ہے، وہ اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو یہ خُلق سئی ہے اور اگر اعتدال سے گھٹ جائے کہ جس جگہ غصہ آنا چاہئے وہاں پر بھی نہیں آ رہا تو یہ بھی خُلق سئی ہے، میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ایک صاحب کا واقعہ سنایا کرتے تھے جو بڑے اونچے درجے کے افسر تھے، انہوں نے اپنا ایک نظام زندگی بنا رکھا تھا کہ فلاں وقت سوئیں گے، فلاں وقت اٹھیں گے، فلاں وقت کھانا کھائیں

گے، فلاں وقت پانی پییں گے، فلاں وقت گھر والوں سے ملیں گے، ان سب کاموں کیلئے انہوں نے اپنا ایک نظام، بنا رکھا تھا، انہوں نے جو وقت جس کام کے لئے مقرر کیا ہوا تھا اس وقت کے بارے میں کہتے تھے کہ میں ''ضابطے'' میں اس حالت میں یہ کام کر رہا ہوں تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کے بارے میں یہ قصہ مشہور تھا کہ ایک مرتبہ صبح کو وقت مقرر سے پہلے بیدار ہو گئے مثلاً سات بجے کا وقت تھا اٹھنے کا، چھ بجے اٹھ گئے، اب اگرچہ نیند نہیں آرہی تھی، لیکن ضابطہ میں وہ سو رہے تھے، کیونکہ ضابطہ کے لحاظ سے وہ ان کے سونے کا وقت تھا، اسی حالت میں ایک بندر آ گیا، اور ان کا ہیٹ اٹھا کر لے گیا، یہ پڑے دیکھتے رہے، پھر کپڑے اٹھا کر لے گیا، اس کو بھی دیکھتے رہے، یہاں تک کہ جب سات بج گئے تو شور مچایا ارے بھئی کوئی آدمی ہے یہاں پر؟ کہاں مر گئے سب لوگ؟ یہ بندر ہمارا ہیٹ اٹھا کر لے گیا، کپڑے اٹھا کر لے گیا، انہوں نے کہا کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ بندر اٹھا کر لے گیا، انہوں نے کہا کہ میں دیکھ رہا تھا، کہ بندر اٹھا کر لے جا رہا ہے، کہا تو پھر حضرت آپ نے کیوں نہ روک دیا؟ کہا کہ بے وقوف ہم اس وقت ضابطہ میں سو رہے تھے کیونکہ ضابطے میں وہ ہمارے سونے کا وقت تھا، اب یہ سارا منظر دیکھ رہے ہیں مگر انہیں غصہ ہی نہیں آرہا، یعنی جب غصہ کا وقت تھا اس وقت تو غصہ کیا نہیں اور جب وقت ختم ہو گیا اس وقت نامناسب غصہ کرنا شروع کر دیا، غصہ جہاں آنا چاہئے وہاں نہیں آیا تو یہ اعتدال سے کم ہو گیا اور جہاں نہیں آنا چاہئے تھا وہاں آ گیا اور جتنا آنا چاہئے تھا اتنا نہیں آیا تو اعتدال سے زیادتی ہو گئی۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے تحت، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کے مطابق اور بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں غصہ اعتدال پر آجاتا ہے تو پھر یہ خُلق حسن بن جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کردی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُسے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے جب سینے پر چڑھ بیٹھے تو ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے تحت اس نے معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تھوک دیا، جوں ہی تھوکا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اب تو اور زیادہ اس کو سزا دینی چاہئے تھی کہ اس نے ایسی حرکت کی کہ آپ کے منہ پر تھوکا، تو فرمایا کہ پہلے جو مجھے غصہ آیا تھا جس کے تحت میں نے اس کو گرایا تھا، وہ غصہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے تھا، لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو اب اگر میں غصہ کرتا تو اپنی ذات کے لئے کرتا، اور میں اپنی ذات کے لئے غصہ کرکے انتقام لینا نہیں چاہتا، اب غصے کے معاملے میں ایک میٹر لگا ہوا ہے کہ کس جگہ غصہ درست اور کس جگہ نادرست ہے اس میں اعتدال اور توازن پیدا ہوگیا، تو یہ غصہ خُلق حسن میں تبدیل ہوگیا۔

تو نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ وزن دار چیز جو بندے کے ترازو میں رکھی جائے گی، وہ خُلق حسن ہے، خُلق حسن کا مطلب یہ ہے کہ غصہ اپنے موقع پر اعتدال کے ساتھ ہو، شہوت اپنے موقع پر اعتدال کے ساتھ ہو، اپنی عزت نفس اپنے موقع پر ہو اور اعتدال کے ساتھ ہو، اگر آگے بڑھ جائے گی تو تکبر بن جائے گی اور اگر پیچھے ہٹ جائے گی تو وہ تذلیل نفس اور کفرانِ نعمت بن جائے گی۔ تو خُلق

حسن کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے باطنی جذبات اعتدال پر آجائیں، اور اعتدال پر آنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کی کسوٹی پر اتریں اور یہ چیز اللہ والوں کی صحبت اور ان کے آگے اپنے آپ کو پامال کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جب آدمی کے دل میں یہ غرہ ہوتا ہے کہ میں تو عالم ہوں اور عالم ہونے کے غرہ کے نتیجے میں اس کے دل میں کبر پیدا ہوتا ہے، گھمنڈ پیدا ہوتا ہے، تو پھر وہ کسی سے اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے رجوع نہیں کرتا، لیکن جس کے دل میں یہ فکر ہوتی ہے کہ مجھے وہ خُلق حسن حاصل ہو تو وہ کسی اللہ والے کے پاس جاتا ہے اس سے کہتا ہے کہ تم تول کر دیکھو کہ میرے یہ اخلاق حسن ہیں کہ نہیں اگر ہیں تو الحمد للہ! اگر نہیں ہیں تو اعتدال پر لانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔

بہرحال؛ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے اندر وزن اعمال کی طرف توجہ دلا کر ہمیں اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ اب تم نے ظاہری علم تو حاصل کر لیا اور ظاہری علم کے اندر جو کچھ تعلیمات قرآن وسنت کی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں معلوم ہو گئیں لیکن اب فکر اس کی کرنی ہے کہ اپنے اعمال واقوال کو خود تولو کہ یہ خُلق حسن کے معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے بھائی یہ بہت بڑا عظیم پیغام ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دے رہے ہیں کہ اب اپنے اخلاق کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرو جو معیار اللہ تعالیٰ نے خُلق حسن کا تجویز کیا ہے تاکہ وہ تمہارے نامۂ اعمال میں وزن پیدا کرے اور تمہاری میزانِ عمل وزنی ہو۔

خُلق حسن کا نمونہ بن کر دکھایئے

میں نے اپنے ساتھیوں سے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ آپ لوگ جب واپس اپنے گھروں میں یا اپنے علاقوں میں جائیں گے تو وہاں کوئی آپ سے جہمیہ کا مذہب اور

کرامیہ کا مذہب اور معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید نہیں پوچھے گا، ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، ایمان بسیط ہے یا مرکب ہے، شاید یہ سوال کوئی آپ سے وہاں نہیں کرے گا اور نہ اس کے بارے میں آپ سے جاننا چاہے گا، لیکن جس چیز کو جانچا جائے گا، وہ یہ ہوگا کہ آیا یہ شخص جیسا پہلے غصہ سے بھرا ہوا گیا تھا کہ جب آتا تھا تو نہ زمین کو دیکھتا تھا، نہ آسمان کو دیکھتا تھا، اور نہ اچھے کو دیکھتا تھا، نہ برے کو دیکھتا تھا، جو منہ میں آتا تھا بک دیتا تھا اور جو ہاتھ میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا، آیا اس کی وہی کیفیت اب بھی ہے یا اس کے اندر فرق پیدا ہوا ہے؟ اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ :

اللّٰھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم

''کہ یا اللہ! مجھے علم سے غنا عطا فرما اور حلم کے ذریعہ میرے اندر زینت پیدا فرما''

وہ حلم جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تھی وہ اس میں پیدا ہوئی یا نہیں ہوئی؟ ان چیزوں کو خاص طور پر دیکھا جائے گا۔

والدین کی خدمت کیجئے

والدین کے ساتھ جس طرح کا سلوک پہلے تھا کیا اب بھی ویسا ہی ہے؟ جس طرح پہلے والدین کی نافرمانی کر بیٹھتے تھے، والدین کی خدمت نہیں کرتے تھے، والدین کی خدمت کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے، اب بھی والدین کی خدمت کے حوالے سے اگر آپ کا وہی اصول چلا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ محض ظاہری طور پر وہ علم تو حاصل ہوگیا جو ابلیس کو بھی حاصل ہے، لیکن وہ علم جس کو خلق حسن کہا جائے جو میزان عمل میں وزن پیدا کرے وہ حاصل نہیں ہوا، دنیا میں بھی، قبر میں بھی اور آخرت میں

بھی ان چیزوں کو دیکھا جائے گا، لہٰذا اب اپنے اخلاق کو اس اعتدال اور توازن پر لانے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے ہمارے اعمال خلق حسن کے زمرے میں شامل ہوں اور خلق حسن کے زمرے میں شامل ہو کر میزان عمل میں وزن پیدا کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو العیاذ باللہ جیسا میرے والد ماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جاء حمارًا صغيرًا و رجع حمارًا كبيرًا ''کہ جب آیا تھا تو چھوٹا گدھا تھا، اور واپس لوٹا تو بڑا گدھا تھا'' یعنی پہلے عمر چھوٹی تھی اب بڑی ہو گئی تو یہ ساری باتیں اس سے نکل رہی ہیں کہ وزن اعمال ہوگا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ بنی آدم کے اعمال بھی تولے جائیں گے اور ان کے اقوال بھی تولے جائیں گے۔

بظاہر تو اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ انسانوں کو تولا جائے گا، یا صحائف کو تولا جائے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ براہِ راست اعمال ہی تولے جائیں گے، اور تمہارا قول بھی تولا جائے گا یہ بات خاص طور پر ہم جیسے طالبوں کے لئے بہت اہم ہے کیونکہ ہمیں قول سے بہت واسطہ پیش آتا ہے کیونکہ لوگوں کو ہم مسئلے قول کے ذریعے ہی بتاتے ہیں۔ وعظ اس سے کہتے ہیں، درس اس سے دیتے ہیں احقاق حق اس سے کرتے ہیں ابطال باطل اس سے کرتے ہیں تو سارا کچھ قول کے ذریعے ہو رہا ہے۔

جو بات منہ سے نکالو سو فیصد درست ہونی چاہئے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتے ہوئے یہ پیغام ہمیں دے رہے ہیں کہ جو بات منہ سے نکالو وہ سو فیصد درست ہونی چاہئے، وہ اعتدال کے ترازو میں تلی ہوئی ہونی

چاہئے، نہ اس میں افراط ہو نہ تفریط ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ سے ایسا مبالغہ نکل جائے جو مبالغہ خلاف واقع کی حد تک پہنچ جائے، ایسا مبالغہ ہو جائے کہ جس میں کسی کی دل آزاری ہو جائے، ایسا مبالغہ ہو جائے کہ جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے، تم جب باہر نکلو گے تو تمہیں مسئلے بھی بتانے ہوں گے، اس وقت نپی تلی عبارت میں بتاؤ، اس میں اپنی طرف سے ایسے الفاظ شامل نہ کرو جس سے مسئلہ کچھ سے کچھ ہو جائے، اس لئے کہ یہ قول بھی تولا جائے گا، جب باطل کا ابطال کرو تو اس وقت بھی اپنے قول کو جانچ کر دیکھو کہ یہ سو فیصد درست ہے یا نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ باطل کے ابطال میں تم حد سے تجاوز کر جاؤ، اور اگر حد سے تجاوز کرو گے تو وہ ابطالِ باطل نہیں ہوگا بلکہ اس سے فتنے پیدا ہوں گے۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ

میرے والد ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا تھا اور ایک ایسے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ جب خود حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے میں نے ایک کتاب لکھی تھی اور یہ کتاب صدر ایوب خان مرحوم کے زمانے میں نافذ ہونے والے عائلی قوانین کی تردید میں تھی ایک صاحب جو بظاہر مولوی صاحب کہلاتے تھے انہوں نے ان قوانین کی تائید میں کتاب لکھی تھی، والد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس کا جواب لکھو، میں نے جواب لکھا تقریباً ۲۰۰، ۲۵۰ صفحات کا اور نئے نئے فارغ التحصیل ہوئے تھے، ادبی عبارتیں لکھنے کا بھی بڑا شوق تھا، تو اس کے اندر میں نے بڑے طنز و تشنیع کے تیر چلائے تھے اپنی عبارت آرائی اور مضمون نگاری کا مظاہرہ کیا تھا۔

تم نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو جب میں نے وہ کتاب سنائی تو پوری کتاب سننے کو بعد فرمایا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس کے لئے لکھی ہے؟ اگر تم نے یہ کتاب اپنے ہم خیال لوگوں کے لئے لکھی ہے کہ جو تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کو پڑھ کر بڑی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے اور اس لئے لکھی ہے تا کہ لوگ تمہاری تعریف کرتے ہوئے کہیں کہ تم نے بڑا زبردست جواب دیا ہے اور تم نے ان کی بولتی بند کردی ہے تو تمہاری یہ کتاب بڑی کامیاب ہے بہت شاندار فقرے تم نے چست کئے ہیں اور بڑے ادبی انداز میں اور بڑے فصیح و بلیغ انداز میں تم نے یہ جواب لکھا ہے لہٰذا یہ تمہارا مقصد پوری طرح حاصل ہو جائے گا، جب تمہارے ہم خیال لوگ اس کو پڑھیں گے تو بہت تعریف کریں گے لیکن اگر تم نے اس لئے لکھی ہے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے وہ اس کو پڑھ کر حق کی طرف آجائے تو تمہاری اس کتاب کی ایک دمڑی قیمت نہیں ہے اس لئے کہ تم نے پہلے ہی قدم پر ان کے اوپر طنز کر کے ان کو اپنا دشمن بنالیا اور دشمن بنا کر ان کے دل میں دفاع کا جذبہ پیدا کر دیا ہے وہ اس کتاب کو پڑھ کر یہ سوچیں گے کہ یہ تو ہماری مخالفت میں لکھی گئی ہے لہٰذا ان کے دل میں مدافعانہ جذبات پیدا ہوں گے، اس لحاظ سے تمہاری اس کتاب کی دمڑی قیمت نہیں ہے۔

ایک قادیانی کا خط

پھر حضرت والدِ ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے اپنا واقعہ سنایا کہ جب میں قادیانیوں

کے جواب میں کتاب ختم نبوت تالیف کی تو اس میں بھی قادیانیوں کے خلاف سخت زبان استعمال کی تھی اس طرح جیسے تم نے اس میں کی ہے، جب اس کا پہلا ایڈیشن چھپا، یا کسی رسالہ میں اس کی قسطیں شائع ہوئیں تو ایک قادیانی کا میرے پاس خط آیا اور اس نے یہ لکھا کہ آپ نے جو کتاب لکھی ہے اس کے دلائل تو بڑے مضبوط ہیں، ان دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں قادیانیت سے توبہ کرلیتا لیکن ساتھ ہی ایک چیز ایسی ہے جو مجھے قادیانیت سے توبہ کرنے سے روک رہی ہے، اور وہ یہ کہ آپ نے جو اندازِ کلام اختیار کیا ہے وہ اتنا سخت ہے اور اس میں اتنی دل آزاری ہے کہ میرے ذہن میں یہ آیا کہ اس قسم کا سخت اور دل آزار کلام اہل حق کا شیوہ نہیں ہوا کرتا، اس واسطے مجھے تردد ہوگیا کہ میں قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام لے آؤں یا نہ لاؤں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس خط کو پڑھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا اور میں نے پوری کتاب پر نظرِ ثانی کی اور نظر ثانی کر کے ایسے الفاظ اس میں سے نکال دیئے اور پھر وہ کتاب دوبارہ شائع ہوئی۔

یاد رکھنے کی بات

یہ واقعہ حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس موقع پر سنایا، اور فرمایا کہ یاد رکھو! کہ یہ آج کل جو فیشن چل گیا ہے کہ جب کسی کی تردید کرنی ہو تو اس تردید کے اندر سخت کلامی کی جائے، اس میں طنز کیئے جائیں لیکن یاد رکھو کہ یہ پیغمبرانہ طریقہ نہیں ہے، پیغمبروں کا طریقہ تو یہ ہے کہ ان کے مخاطبین کتنی بھی بد سے بدتر گمراہ قوم ہو، پیغام یہ دیا جاتا ہے کہ :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : ٤٤)

یہ کون فرما رہا ہے وہ ذات جس کے علم ازلی میں یہ بات موجود ہے کہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں اس کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے وہ اپنی اسی گمراہی کی حالت میں غرق ہوگا پھر بھی یہ فرمایا کہ :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰهٰ : ٤٤)

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں جن کے علم ازلی میں یہ بات موجود ہے کہ وہ نہ نصیحت قبول کرے گا، نہ اس کے دل میں خشیت پیدا ہوگی لیکن پیغام یہ دیا کہ داعی کا کام یہ ہے کہ وہ یہ امید اپنے دل میں رکھے کہ شاید اس کے دل میں خشیت آجائے، شاید اس کے دل میں خشیت پیدا ہو جائے، لہٰذا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر مصلح نہیں ہو سکتے اور تمہارے مخالف فرعون سے بڑھ کر گمراہ نہیں ہو سکتے لیکن جب وہاں :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : ٤٤)

فرمایا گیا ہے تو یہاں اس کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا۔

پھر ایک جملہ فرمایا کہ جب کوئی بات منہ سے نکالو، یا قلم سے نکالو تو پہلے یہ سوچ لو کہ اس کو کسی عدالت میں ثابت کرنا ہے، اگر تمہارے پاس اس کا اس درجہ ثبوت موجود ہے کہ تم کسی عدالت میں اس کو ثابت کر سکو تب زبان سے نکالو اور قلم سے نکالو ورنہ نہ نکالو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی کے اندر تم کو کسی عدالت کے اندر ثابت کرنا پڑ جائے اور اگر دنیا میں ثابت کرنا نہ پڑا تو آخرت میں تو ثابت کرنا ہی پڑے گا لہٰذا جو بات زبان سے نکالو اور قلم سے نکالو تو یہ یاد رکھو کہ اس کو تولا جائے گا اس کو تولنے سے پہلے خود

تول لو، پہلے تولو پھر بولو، اس کو تول کر دیکھو کہ آیا واقعۃً یہ بات صحیح ہے اور سو فیصد درست ہے یا نہیں "و ان اعمال بنی آدم و قولھم یوزن" .... یہ ایک پیغام عظیم ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

❀❀❀

ظالم حکمران
اور دین کے احکام پر عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال، کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظالم حکمران
اور
دین کے احکام پر عمل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ ، وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا۔ اما بعد : عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ قَالَتْ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ الصَّامِتِ، قَالَ: سَأَلْتُ خَلِیْلِیْ اَبَاذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، فَقَالَ: أَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِوُضُوْءٍ، فَحَرَّکَ رَاْسَہٗ وَعَضَّ عَلٰی شَفَتَیْہِ، قُلْتُ: بِأَبِیْ أَنْتَ وَ اُمِّیْ، آذَیْتُ، قَالَ: لَا، و لٰکِنَّکَ تُدْرِکُ اُمَرَاءَ اَوْ اَئِمَّۃً یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِیْ؟ قَالَ: صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا، وَاِنْ اَدْرَکْتَ مَعَھُمْ فَصَلِّ، وَلَا تَقُوْلَنَّ: صَلَّیْتُ فَلَا أُصَلِّیْ۔

حدیث کا ترجمہ وتشریح

حضرت عبد اللہ بن صامت رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں، اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے خلیل حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی سوال کیا، تو حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا۔ یعنی کسی موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانا چاہتے تھے، اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں آپ کے لئے وضو کا پانی لے کر آؤں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی خدمت کے مواقع تلاش کرتے رہا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں وضو کا پانی لے کر آپ کی خدمت میں گیا، آپ نے غیر معمولی طریقے سے اپنے سر مبارک کو حرکت دی، اور اپنے ہونٹوں کو کاٹا۔ جیسے آدمی غصہ کے وقت دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے، اس طرح کاٹا، میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں نے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچا دی؟ یعنی آپ نے اپنے سر کو غیر معمولی جنبش دی ہے، اور اپنے ہونٹ دانتوں سے کاٹے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے کسی عمل سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بارے میں بڑے فکر مند رہتے تھے کہ کہیں ان کی ذات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ناگواری پیش نہ آئے۔ اس لئے ان کو شبہ ہوا کہ میری کسی غلط

حرکت کی وجہ سے آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی، اس لئے انہوں نے یہ سوال کیا۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'لا' تم سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت کی وجہ بیان فرمائی، دراصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بذریعہ وحی، آئندہ پیش آنے والے کچھ واقعات بتائے گئے تھے، وہ واقعات آپ کے لئے باعث تعجب بھی تھے، اور باعث افسوس بھی تھے، لہٰذا آپ نے جو ہونٹ کاٹے، اور سر مبارک کو جنبش کی، یہ ان واقعات پر افسوس اور تعجب کے اظہار کے طور پر آپ نے یہ حرکت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ایک تو قرآن کریم کی صورت میں آتی تھی کہ آپ پر اللہ جل جلالہ کا قرآن نازل ہوتا تھا، اور ایک وحی غیر متلو ہوتی تھی، جس میں اللہ جل شانہ کی طرف سے آپ کو یا تو کوئی ہدایت دی جاتی تھی، یا آئندہ آنے والے واقعات کی خبر دی جاتی تھی، اس وقت بظاہر اس طرح کی وحی نازل ہوئی۔

حکمران نماز کو مؤخر کریں گے

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

وَلٰكِنَّكَ تُدْرِكُ اُمَرَاءَ اَوْ اَئِمَّةً يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا

یعنی تم آئندہ زمانے میں ایسے حکمرانوں کو پاؤ گے، یعنی میرے دنیا سے

جانے کے بعد کچھ ایسے حکمران آئیں گے جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا کریں گے، یعنی نماز کا جو صحیح وقت ہے، جس میں نماز پڑھنی چاہیے، اس وقت میں پڑھنے کے بجائے نماز پڑھنے میں دیر کر دیا کریں گے۔

جو حکمران، وہی امام مسجد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی اور آپ کے بعد خلفاء راشدین میں بھی یہ سنت جاری رہی اور بعد میں بھی امراء نے اس سنت کو کافی عرصہ تک جاری رکھا کہ جو شخص ملک کا حکمران ہوتا تھا، وہی نماز کی امامت کراتا تھا، اور نماز پڑھایا کرتا تھا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکمران بھی تھے، اور مسجد نبوی میں امامت بھی آپ ہی فرماتے تھے، آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ بھی یہ طریقہ جاری رکھا کہ نماز آپ ہی پڑھایا کرتے تھے، ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ امامت آپ ہی کرایا کرتے تھے، ان کے بعد جو امراء آئے انہوں نے بھی یہ طریقہ جاری رکھا۔ لیکن بعض امراء ایسے تھے جو دین کی حدود کی اتنی زیادہ پابندی کرنے والے نہیں تھے، لہٰذا وہ نماز تو پڑھاتے تھے، لیکن نماز پڑھانے میں تاخیر کر دیا کرتے تھے۔

نمازوں کو مؤخر کرنے والے حکمران

یہ بات خاص طور پر حجاج بن یوسف اور زیاد بن اَبی سفیان کے بارے میں

مشہور ہے کہ یہ کوفہ کے گورنر بنائے گئے تھے، اور حجاج بن یوسف بڑے خطیب آدمی تھے، جب خطبہ دینے اور تقریر کرنے پر آتے تو بہت لمبی تقریر کرتے، شعلہ بیان قسم کا خطیب تھا، اور خطبہ میں گھنٹوں گزار دیتا، جب جمعہ کی نماز کا خطبہ دینا شروع کیا تو اتنی دیر لگادی کہ عصر کا وقت قریب آ گیا، اور نماز میں تاخیر ہوگئی۔ بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امراء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کچھ ایسے حکمرانوں کو پاؤ گے جو نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر کر دیں گے، اور نمازیں پڑھنے میں دیر کر دیں گے۔

ایسے مواقع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ "فَمَا تَأْمُرُنِي" یا رسول اللہ جب کبھی ایسا واقعہ پیش آئے تو میں کیا کروں؟ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ نماز پڑھنے کے لئے ان کا انتظار کروں؟ یا میں اپنی نماز پڑھ لوں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا" کہ تم تو اپنے وقت پر نماز پڑھ لیا کرو، یعنی جب نماز کا وقت آجائے، اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ انتظار کے نتیجے میں وقت گزر جائے گا، تو نماز اپنے وقت پر پڑھ لو۔ "فَإِنْ أَدْرَكْتَ مَعَهُمْ فَصَلِّ" اور بعد میں اگر تمہیں ان کے ساتھ بھی جماعت مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو۔ یعنی نفل کی نیت سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ، اور اس وقت یہ نہ کہو کہ "صَلَّيْتُ فَلَا أُصَلِّي" میں نماز پڑھ چکا ہوں، اب نماز نہیں پڑھوں گا، یہ مت کہو، بلکہ ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔

مستحب وقت سے تاخیر کیا کرتے تھے

اس حدیث کی تشریح میں فقہاء کرام نے دو احتمال بیان فرمائے ہیں، ایک احتمال تو یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ کہا جارہا ہے کہ ان حکمرانوں نے نماز پڑھنے میں دیر کر دی، لیکن دیر کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ نماز قضا ہوگئی، بلکہ اس نماز کا جو مستحب وقت تھا، جس میں وہ نماز پڑھنی چاہیے تھی، اس سے دیر کر دی، اور بعد میں جب انہوں نے نماز پڑھی تو اس کے وقت کے اندر ہی پڑھی، لیکن مستحب وقت کے گزر جانے کے بعد آخر وقت میں جا کر پڑھی۔ ایسے مواقع کیلئے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم دیا کہ چونکہ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کتنی دیر کر کے نماز پڑھیں گے، کہیں نماز قضا نہ کر دیں، اس لئے تم اس کے مستحب وقت میں اپنی نماز پڑھ لو، اور ان کا انتظار نہ کرو۔

حکمران نماز قضا کر دیا کریں گے

اور بعض حضرات نے اس حدیث کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ حکمران اپنی نماز قضا کر دیا کرتے تھے، مثلاً جیسے جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے آئے، اور اتنی لمبی تقریر کی، اور اتنا لمبا خطبہ دیا کہ ظہر کی نماز کا وقت نکل گیا، اور عصر کی نماز کا وقت داخل ہوگیا، ایسے مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم وقت پر اپنی نماز پڑھ لو۔

نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہونے کا حکم

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب وہ لوگ اپنی نماز جماعت سے پڑھیں تو تم ان کے ساتھ شامل ہو جایا کرو، یعنی نفل کی نیت سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اور اس حکم پر عمل صرف ظہر کی نماز میں اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے، مثلاً ظہر کی نماز اگر کسی شخص نے کسی وجہ سے تنہا پڑھ لی، اور بعد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو اس شخص کو اس جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہو جانا چاہیے۔ یا کسی شخص نے عشاء کی نماز تنہا پڑھ لی، بعد میں جماعت کھڑی ہو گئی تو اس شخص کو نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے، اس لئے کہ اپنی نماز جو پڑھی تھی وہ تو فرض ادا ہو گئی، اب نفل کی نیت سے شامل ہو جائے، لہٰذا اس پر عمل صرف ظہر کی نماز اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے، فجر کی نماز میں اس لئے اس پر عمل نہیں ہو سکتا کہ جب فجر کی نماز ادا کر لی، تو اب فجر کے بعد کوئی نفلی نماز نہیں پڑھ سکتے، اس وقت نفل پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح اگر عصر کی نماز کسی آدمی نے پڑھ لی تو اب مغرب تک کوئی نفل نماز پڑھنا آدمی کے لئے جائز نہیں ہوتا، لہٰذا اب دوبارہ اس وقت نفل کی نیت سے جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے، اور مغرب میں اس لئے عمل نہیں کر سکتے کہ جب مغرب کی تین رکعت فرض پڑھ لیے، تو اب دوبارہ جماعت میں اس لئے شامل نہیں ہو سکتے کہ نفل کی تین رکعت نہیں ہوتیں، یا دو رکعت ہوں گی، یا چار ہوں گی۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو عمل تلقین فرمایا اس پر عمل صرف ظہر اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے۔

نماز سے انکار مت کرو

دوسری بات جو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، وہ یہ کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو تم دوبارہ شامل ہو جاؤ، اور یہ مت کہو کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، اس لئے اب نہیں پڑھوں گا۔ اس کے بھی دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے کہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے، جب نماز پڑھنے کا موقع آجائے، چاہے نفلی ہی نماز کیوں نہ ہو تو اس سے اعراض کرنا، یا انکار کرنا یہ ایک مؤمن کا کام نہیں۔ لہٰذا اگر تم اپنے فرض پڑھ بھی چکے ہو، تو بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ، اور یہ مت کہو کہ میں اپنی نماز پڑھ چکا ہوں، اب نہیں پڑھوں گا، یہ کہنا ایک مؤمن کے لئے اچھا نہیں ہے، بلکہ مستحب اور بہتر ہے کہ وہ جماعت میں شامل ہو جائے، اور نفل کی نیت کر لے، انشاء اللہ اس کو ثواب ملے گا۔ اس صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "یوں نہ کہو" یہ ارشاد استحباب والا ہے، یعنی ایسا کرنا مستحب ہے، فرض و واجب نہیں۔

ظلم سے بچنے کے لئے نماز پڑھ لو

دوسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو علم عطا فرمایا گیا تھا کہ آئندہ دور میں ایسے حکمران آئیں گے، جو نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر کر دیں گے، ساتھ میں آپ کو یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ حکمران بڑے ظالم قسم کے لوگ ہوں گے، اور جو لوگ ان کی منشاء کے مطابق کام نہیں کریں گے،

ان سے بعض اوقات انتقام بھی لیں گے، اور ان کو سزا بھی دیں گے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اور زیاد بن ابی سفیان وغیرہ کے بارے میں تاریخی روایات میں ایسی باتیں موجود ہیں کہ جب کسی شخص کے بارے میں پتہ چلتا کہ یہ ہماری منشاء کے خلاف چل رہا ہے تو جس طرح کا چاہتے، ان پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب ان کی جماعت کھڑی ہو جائے تو ان سے یہ نہ کہو کہ میں اپنی نماز پڑھ چکا ہوں، اس لئے میں نماز نہیں پڑھوں گا، یہ مت کہو، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ تمہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائیں گے کہ تم نے اپنی نماز کیوں پڑھ لی، اور ہمارا انتظار کیوں نہیں کیا؟ لہٰذا ان کے ظلم سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھ لو۔

ظالم کے ظلم سے بچنے کی تدبیر کرو

اس حدیث میں یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ اگر ظالم حکمران ہوں، اور ان کے ظلم سے بچنے کے لئے آدمی کسی ایسی تدبیر کا انتخاب کرے جس میں کسی حرام کا ارتکاب نہ کرنا پڑتا ہو، تو ایسا کر لینا چاہیے، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ظلم کا نشانہ بنانا اچھا نہیں، چنانچہ صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا۔ جس وقت حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام بھی موجود تھے، اور کوفہ اور بصرہ میں ان کی حکومت تھی، وہاں پر بہت سے صحابہ کرام کا بھی اجتماع تھا، روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی جمعہ کی نماز کے

لئے بیٹھے رہا کرتے تھے، اور لمبا چوڑا خطبہ چل رہا ہے، اور نماز کا وقت گزرا جا رہا ہے، لیکن حجاج بن یوسف خطبہ دینے میں لگا ہوا ہے، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چپکے سے کسی گوشہ میں جا کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اور پھر بعد میں جب جماعت کھڑی ہوتی تو ان کے ساتھ بھی نماز میں شامل ہو جاتے تھے، تاکہ ان کے ظلم و ستم سے بچ سکیں۔

مسلمانوں کے درمیان تلواریں چلنا گوارہ نہیں

اس وقت بہت لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ آپ کیوں ان کے خلاف بغاوت نہیں کرتے؟ یہ لوگ تو ایسے ہیں جو بہت سے کام خلاف شرع کرتے ہیں، اور نماز کے وقت بھی تاخیر کر دیتے ہیں۔ جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تلواریں چلیں، اور مسلمان ایک دوسرے کو ماریں، یہ کسی طرح بھی مجھے گوارہ نہیں، اس لئے میں خاموشی سے اپنی نماز پڑھ لیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، تم لوگ اپنے اعمال کو درست کرو، تمہارے عمال بھی درست ہو جائیں گے۔

جیسے اعمال، ویسے حکمران

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پر ظالم حکمران مسلط ہو جائیں، تم ان کو برا بھلا نہ کہو، ان کو گالی مت دو، بلکہ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی کوشش کرو، اس لئے کہ حکمرانوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اور حکمرانوں کے دلوں کو سخت کرنا اور نرم کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ

قدرت میں ہے، لہٰذا بجائے اس کے کہ ان حکمرانوں کو برا بھلا کہتے رہو، تم اپنے اعمال کو درست کرو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اپنے اعمال کی اصلاح کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! ان حکمرانوں کے دلوں کو ہمارے لئے نرم کر دیجئے، اور جب تمہارے اعمال درست ہوں گے، تو پھر انشاء اللہ تمہارے اوپر حکمران بھی اچھے مقرر فرمادیں گے، فرمایا کہ یہ تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں، جیسے تم ہو گے، ویسے ہی حکمران تمہارے اوپر مسلط کئے جائیں گے، اگر تمہارے اعمال درست ہیں، اور تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار رہے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر حکمران بھی ایسے مقرر فرمائیں گے، جو تمہارے حق میں نرم ہوں گے، تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے، اور لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے والے ہوں گے، اور اگر تم خراب ہو، تمہارے اعمال خراب ہیں، تمہارے اخلاق خراب ہیں، تمہاری معاشرت خراب ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ایسے حکمران مسلط کر دے گا، جو تمہاری زندگی اجیرن کر دے گا۔

عالم اسلام کی پریشانی کا حل

آج ہم سب اسی صورتحال سے دوچار ہیں، عالم اسلام کا کون سا خطہ ایسا ہے کہ جس میں صحیح عادل، انصاف کرنے والا حکمران ہو، سارا عالم اسلام ایسے حکمرانوں سے بھرا ہوا ہے، جو ظالم ہیں، جابر ہیں، یا شریعت کے خلاف کرنے والے ہیں، یا غیر مسلموں کے پٹھو ہیں، انہی کے کارندے ہیں، انہی کا کام کرنے

والے ہیں، اور پورے عالم اسلام پر مسلط ہیں، لیکن اسکا حل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اپنا معاملہ اپنے اللہ کے ساتھ درست کرلو، گالی دینے سے کچھ نہیں ہوگا کہ ان حکمرانوں کو گالیاں دیتے رہو، ان کو برا بھلا کہتے رہو، اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، اپنے اعمال واخلاق درست کرنے سے مسئلہ حل ہوگا، اور اپنے نفس کی اصلاح کرنے سے مسئلہ حل ہوگا، جب یہ کام کرلو گے تو پھر یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھے حکمران عطا فرمادینگے یا انہیں حکمرانوں کے دلوں کو تمہارے حق میں نرم کردیں گے۔

ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے

آج ہم دوسرے سارے ہتھکنڈے اختیار کرنے کی فکر میں تو رہتے ہیں، مگر اپنی اصلاح کی فکر بہت کم لوگ کرتے ہیں، آج سارا عالم اسلام پریشان ہے، اور اپنی بے بسی کا احساس محسوس ہورہا ہے کہ کافر لوگ ہم پر مسلط ہیں، وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اور بالکل وہی صورتحال ہے جس کی پیشن گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں کو کھانے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی، جس طرح دسترخوان پر ایک شخص دوسرے شخص کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ کھالو، وہی صورتحال آج سارے عالم اسلام میں بنی ہوئی ہے، اور اس کی وجہ سے لوگوں کے اندر مایوسی ہے، لوگوں پر بے بسی کا عالم طاری ہے، صدمہ ہے، رنج ہے، غم وغصہ ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے

لیکن یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اور اس میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جیسے سبب اختیار کرو گے ویسے نتائج نکلیں گے، معجزات اور کرامات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غیر معمولی واقعات، یہ سب استثنا آت ہیں، یہ اصل قانون نہیں ہے، اگر اصل قانون یہ ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام کو دعوت دینے کے لئے نہ جہاد کی ضرورت پیش آتی، اور نہ کوئی اور مشقت اٹھانے کی ضرورت پیش آتی، نہ کفاران پر ظلم وستم ڈھاتے، بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لاتے، معجزہ ظاہر ہوتا اور سارے لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پھر جہاد کی ضرورت نہیں تھی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکلیفیں اٹھائیں، آپ نے بھی فاقے سہے، آپ نے بھی ظلم وستم برداشت کئے، آپ کے صحابہ کرام کے سینوں پر پتھر کی سلیں رکھی گئیں، اور کتنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بے گناہ شہید کیا گیا، اوران پر ظلم وستم کے شکنجے کسے گئے، اور جہاد کے مواقع پر کبھی بدر کا معرکہ پیش آرہا ہے، کبھی احد کا معرکہ پیش آرہا ہے، اور کبھی حنین کا معرکہ پیش آرہا ہے، اوراس میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو رہا ہے، آپ کے رخسار مبارک پر خود کی کڑیاں گھس رہی ہیں، آپ کے چہرے پر زخم آرہے ہیں، یہ سارے واقعات یہ بتانے کے لئے پیش آئے کہ یہ دنیا ہم نے عالم اسباب بنائی ہے، اگر صرف معجزے سے ہی سارے کام چلانے ہوتے، اور صرف خوارق عادت ہی سے سارا کام چلانا ہوتا تو پھران سب بکھیڑوں کی ضرورت ہی نہیں تھی، پہلے ہی

دن سب کافروں کو مسلمان کر دیا جاتا۔

کبھی قدرت کے مظاہرے بھی دکھاتے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اس عالم میں جیسے اسباب اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ ویسا ہی نتیجہ عطا فرمائیں گے۔ ٹھیک ہے اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو بحیثیت مجموعی راضی کر لیا، اگرچہ تھوڑی بہت غلطیاں بھی ہوئیں تو ایسی صورت میں کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مظاہرے بھی معجزات اور کرامتوں کی صورت میں، خوارق عادت کی صورت میں دکھاتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ کوئی اصول نہیں، بلکہ وہ ایک استثناء ہے، قاعدہ یہی ہے کہ اس عالم اسباب میں جیسے اسباب اختیار کرو گے، ویسا ہی نتیجہ نکلے گا۔

دنیا کا دل مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے

آج عالم اسلام پر نظر دوڑا کر دیکھو، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک عالم اسلام پھیلا ہوا ہے، اور اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ تمام ممالک ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اگر کرۂ ارض پر نظر ڈال کر دیکھو تو دنیا کا دل مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان ملکوں کی زنجیر اس طرح بندھی ہوئی ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل مسلمانوں ملکوں کا سلسلہ جڑا ہوا ہے، صرف دو غیر اسلامی ممالک درمیان میں حائل ہیں، ایک اسرائیل، اور ایک بھارت۔ آج دنیا کے اہم ترین مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، نہر سوئز مسلمانوں کے پاس ہے، خلیج عدن مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، آبنائے باسفورس ان کے قبضے میں ہے، خلیج فارس ان کے قبضے میں

ہے، اگر مسلمان اپنے وسائل کو صحیح استعمال کریں تو غیر مسلموں کی ناک میں دم کر دیں، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنے وسائل عطا فرمائے ہیں کہ پوری تاریخ میں اتنے وسائل کبھی حاصل نہیں ہوئے۔

مسلمان آج بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہیں

لیکن ان تمام وسائل کے باوجود مسلمانوں کی روزانہ کیوں پٹائی ہو رہی ہے؟ وہ اس وجہ سے کہ آج مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے روگردانی میں مبتلا ہیں، دیکھنے میں آج مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن آج مسلمانوں پر وہی بات صادق آرہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ :

وَ لٰكِنَّهُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ

یعنی مسلمان ایسے ہوں گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے، جن کی اپنی کوئی طاقت نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑا ہوا ہے۔

صرف نماز کی حد تک مسلمان ہیں

آپ کہیں گے کہ ہم نمازیں تو پڑھتے ہیں، اور مسجدیں بھی آباد ہیں، اذان بھی سنائی دیتی ہے، جمعہ کے دن بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ہماری یہ حالت کیوں ہوگئی؟ بات دراصل یہ ہے کہ اول تو نماز پڑھنے والے، اور عبادت کرنے والے جو ہیں، اگر ان کا تناسب پوری آبادی کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ کتنے فیصد لوگ عبادتیں انجام دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں،

اور مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، پورے عالم اسلام میں کتنے فیصد لوگ یہ عبادتیں انجام دیتے ہیں۔ اور پھر ایسے لوگ جو نمازیں تو ٹھیک ادا کرتے ہیں، لیکن جب بازار جاتے ہیں، اور معاملات کرتے ہیں، یا جب دوسرے لوگوں کے ساتھ معاملات اور معاشرت کرتے ہیں تو اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پامال کر دیتے ہیں، اور حلال و حرام کی فکر نہیں کرتے۔

ہر شخص حرام مال حاصل کر رہا ہے

آج حرام خوری شیر مادر بن چکی ہے، ہر آدمی کا منہ کھلا ہوا ہے کہ کسی طرح حرام کھالوں، اور جس طرح بھی پیسے بن پڑے، بنالوں، چاہے وہ حلال طریقے سے ہو، یا حرام طریقے سے ہو، دھوکے سے ہو، یا فریب سے ہو، جھوٹ بول کر ہو، یا رشوت دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو، لیکن میرے پاس پیسے آنے چاہئیں۔ آج ہمارے ملک پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے وسائل دیے ہیں کہ اسکی کوئی حدوحساب نہیں، لیکن لوگ ان وسائل کو حرام طریقے سے کھا رہے ہیں، اسکے نتیجے میں وہ وسائل ضائع ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، لہٰذا اگر ان بداعمالیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی پٹائی ہو رہی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

یہ دعائیں کیسے قبول ہوں گی

لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے طالبان کے حق میں اتنی دعائیں مانگی تھیں، اور قبول نہ ہوئیں، اور عراق کے حق میں دعائیں مانگیں، وہ قبول نہ ہوئیں۔ جمعہ کی نماز کے لئے میں مسجد بیت المکرم گیا، وہاں کچھ لوگ مجھ سے ملے، اور کہنے لگے کہ ہم

نے اتنی ساری دعائیں کی تھیں، وہ کہاں چلی گئیں؟ یاد رکھئے! اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو ایسا لگتا ہے کہ ان دعاؤں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جارہا ہو، اور دعا یہ کررہا ہو کہ یا اللہ! مجھے مغرب میں پہنچادیجئے۔ وہ دعا کیسے قبول ہوگی! آج ہم لوگوں نے راستہ تو وہ اختیار کر رکھا ہے جو ہلاکت اور بربادی کا راستہ ہے، جو تباہی کا راستہ ہے، اور دعائیں یہ مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں عافیت اور سلامتی دیدیجئے، بتایئے! یہ دعائیں کیسے قبول ہوں گی۔

تم اپنے حالات تبدیل کرو

ہاں! جو لوگ اخلاص کے ساتھ دعائیں مانگ رہے ہیں، اور مانگتے رہے ہیں، ان کی ایک دعا کی قبولیت تو یقینی ہے کہ انشاء اللہ ان کو ان دعاؤں پر اجر و ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، اور دعائیں کرنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ لہٰذا ان دعاؤں کا یہ فائدہ تو بیشک ان کو حاصل ہوگا۔ لیکن دنیا میں ان دعاؤں کے نتائج اسی وقت ظاہر ہوں گے جب تم اپنے حالات تبدیل کروگے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے، جب تک لوگ اپنے حالات خود نہ بدلیں۔ لہٰذا جب تک اپنے حالات کی اصلاح نہیں کروگے، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کروگے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو زہر قاتل سمجھنا

ہے، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کرو گے کہ حرام کا کوئی لقمہ پیٹ میں نہیں جائے گا، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کرو گے کہ ہم جو کچھ کریں گے وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کریں گے، اس وقت تک یہ صورتحال نہیں بدل سکتی۔

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

بہر حال! مایوسی کی بات نہیں، اور نہ غیر معمولی صدمہ کرنے کی بات ہے، صدمہ تو بیشک ہے، لیکن اس صدمہ کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ حالات کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیے، اپنے حالات کا جائزہ لے کر، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اور پھر اپنے حالات کو درست کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں، اپنی معیشت کو درست کریں، اور اپنی معاشرت کو درست کریں، جب تک ہم یہ نہیں کریں گے، اس وقت تک پٹائی تو ہوگی، اسلئے کہ ہم نے اسباب ہی ایسے اختیار کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب پر رحم فرمائے، اور ہماری شامت اعمال کو دور فرمائے، اور ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماہ ربیع الاوّل

کا کیا تقاضہ ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا عبدالتواب صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد، جامعہ دار العلوم کراچی

وقت خطاب : ۲۶ ربیع الاول

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ماہ ربیع الاول کا کیا تقاضہ ہے؟

پچھلے ماہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ربیع الاول کی مناسبت سے بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ جسے مولانا عبدالتواب صاحب نے قلم بند فرمایا، افادۂ عام کے لئے یہ خطاب نذر قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ۔
ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ.................................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔ (الاحزاب : ۲۱) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ ،

وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

بزرگان محترم و برادران عزیز! ربیع الاول کا مہینہ گزر رہا ہے، اور جب یہ مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں جگہ جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں محفلیں منعقد ہوتی ہیں، گلی گلی، محلہ محلہ جلسے ہوتے ہیں، اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بیان ہوتا ہے۔

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے، جس میں کسی دن کے منانے کی کوئی تعلیم نہیں دی گئی، اور اگر اسلام میں کسی کے یوم پیدائش یا یوم وفات منانے کا کوئی تصور ہوتا تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بڑھ کر کوئی اور دن اس کا مستحق نہیں تھا، اس لئے کہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے وہ اس کائنات کا سب سے عظیم ترین دن تھا، اس سے زیادہ مسرت کا، اس سے زیادہ برکت کا اور اس سے زیادہ عظمت کا دن شاید کوئی اور نہ ہو، جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں رسمی مظاہروں پر کوئی زور نہیں دیا گیا، عام دنیا کی قوموں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے بڑے لیڈروں اور بڑے بڑے رہنماؤں کے لئے کوئی دن مناتی ہیں، کسی کی پیدائش کا دن، کسی کی وفات کا دن، اس دن انہوں نے جتنا چاہا ان کا تذکرہ کرلیا، ان کی شان میں قصیدے پڑھ لئے، ان کی تعریفیں بیان کردیں لیکن اس کے بعد سارا

سال نہ ان کی تعلیمات کا کوئی ذکر ہے، نہ ان کی زندگی کا کوئی ذکر ہے، اور نہ ہی ان کے پیغامات کو پھیلانے کی کوشش ہے، بس ایک رسمی مظاہرہ سال بھر میں ایک دفعہ کرلیا اور سمجھے کہ ان کی تعلیمات کا ہم نے حق ادا کر دیا۔

ہمارا دین عملی دین ہے، اور یہ ہم سے عمل کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے اس میں اس قسم کے دن منانے کی کوئی حیثیت ہی نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جن میں سے ایک ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فداکار اور عاشق تھا کہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے تھوک بھی گرتا تو وہ اسے زمین پر نہ گرنے دیتا، بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے کر جسم پر مل لیتا، اگر کسی کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک نہ پہنچتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم پر مل لیتا، ایسے عاشق اور ایسے فداکار تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جن کے ادب، تعظیم اور محبت کا عالم یہ تھا کہ جنگ اُحد کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا چاہتے ہیں کہ سارے تیر اپنے اوپر لے لوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ آنے دوں، لیکن خیال یہ ہے کہ اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا، اور تیر اپنے سینے پر لئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے گی، عین جنگ کے موقع پر بھی یہ گوارہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو، چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف رُخ کر کے اور کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تیر اپنی پشت پر لیتے ہیں، یہ جانثاری اور فدا کاری کے نمونے کسی اور قوم میں نہیں ملیں گے، لیکن ایسے جانثار اور فدا کار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سو سال تک زندہ رہے، کسی نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش یا یوم وفات نہیں منایا، یہاں تک کہ تاریخ بھی یقینی طور پر محفوظ نہیں رکھی کہ کس تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے، عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ ۱۲ رربیع الاول کو پیدائش ہوئی اور ۱۲ رہی کو وفات ہوئی، مگر تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، مختلف روایتیں ہیں، کسی کے مطابق ۳ رکو ہوئی، کسی کے مطابق ۹ رکو ہوئی، اور کسی کے مطابق ۱۲ رکو ہوئی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن کسی بھی صحابی نے تاریخ یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔

ربیع الاول کے مہینے میں اگرچہ دن منانے کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تاریخ کوئی بھی ہو، تین ہو، یا نو ہو، یا بارہ ہو۔

جب یہ مہینہ آتا ہے تو اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بہر حال تازہ ہو جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے مختلف جگہوں پر سیرت طیبہ کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ان سیرت طیبہ کی محفلوں سے ہم اور آپ کوئی فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ان سیرت طیبہ کی محفلوں سے ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آرہی ہے یا نہیں؟ کیا ان محفلوں کے ذریعہ ہمارے دلوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا کوئی جذبہ بیدار ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ وہ سیرت طیبہ ہے جس نے ۲۳ رسال کے مختصر عرصے میں دنیا بھر میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا، جو لوگ جنگلی تھے، وحشی تھے، جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے، ۲۳ رسال کی اس سیرت طیبہ نے ان کی زندگیوں کو نکھار کر پوری دنیا کے لئے پیشوا اور قائد بنا دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک پہاڑ کے دامن سے گزر رہے تھے، اس وقت وہ امیر المؤمنین تھے، امیر المؤمنین کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے اعتبار سے تقریباً آدھی دنیا کے حکمران تھے، جو علاقہ ان کی حکومت میں ان کے زیر نگیں تھا، آج اس میں کم از کم پچاس حکومتیں قائم ہیں، اتنی بڑی ان کی حکومت تھی، اور اتنی بڑی ریاست کے حکمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزر رہے ہیں، پہاڑ کے دامن میں ذرا دیر رُک گئے، اور خود اپنے آپ سے خطاب کر کے فرمایا :- قف یا ابن خطاب — اے خطاب کے بیٹے: ذرا ٹھہر اور دیکھ یہ وہ پہاڑ ہے جس کے دامن میں تو اونٹ چرایا کرتا تھا، اور تیرے پاؤں اونٹوں کے پیشاب سے تر رہتے تھے، تیری یہ اوقات تھی، اور آج تو آدھی دنیا کا حکمران بن کر لوگوں کے لئے راہنما بنا ہوا ہے، ذرا سوچ کہ تیری زندگی میں یہ عظیم انقلاب کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ کس کا صدقہ ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ یہ صرف صدقہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا جس کے نتیجے میں (تجھ جیسا) اونٹ چرانے والا آج آدھی دنیا کا حکمران بنا ہوا ہے۔ بہر حال! ۲۳ رسال کے عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا انقلاب پیدا فرمایا، اخلاق میں انقلاب، اعمال میں انقلاب، سوچ

میں انقلاب، فکر میں انقلاب، کتنی، مدت صرف ۲۳ سال کی مدت میں۔

آج وہی سیرت طیبہ ہمارے پاس ہے، اس کا ہم تذکرہ بھی کرتے ہیں، ایک دوسرے سے بیان بھی کرتے ہیں، لیکن ہماری زندگی میں کیوں انقلاب نہیں آتا؟ ہماری زندگیوں میں کیوں تبدیلی نہیں آتی؟ ہمارے اعمال میں، ہمارے اخلاق میں، ہماری فکر میں اور ہماری سوچ میں انقلاب کیوں نہیں آتا؟

یہ ہے ایک لمحۂ فکریہ جسکے بارے میں ہمیں سوچنا ہے، ابھی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت میں اس کا جواب موجود ہے، چنانچہ فرمایا:

اتنی بات کافی نہیں کہ تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصیدے پڑھ لو، نعتیں پڑھ لو، یہ بات کافی نہیں، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اس نیت سے پڑھو، سنو اور سناؤ کہ اس کو ہم اپنی زندگی کے لئے ایک مثال اور نمونہ سمجھیں گے، اور اس کی نقل اتارنے کی کوشش کریں گے، بہترین نمونہ ہے تمہارے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، کیا معنی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ اور نمونہ ایسا نہیں ہے جو بہترین مثال نہ پیش کر رہا ہو، کیا مطلب؟ اگر تم حاکم ہو تو تمہارے لئے بہترین مثال مدینہ طیبہ کے اس حاکم کی ہے جس نے چند سالوں کے اندر جزیرۂ عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا اور اگر تم دوست ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دوست میں ہے (ﷺ) اگر تم شوہر ہو تو تمہارے لئے حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

کے شوہر (ﷺ) کی زندگی میں نمونہ ہے کہ انکے شوہر (ﷺ) نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اگر تم ایک تاجر ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ اس محمد (ﷺ) کی حیات طیبہ میں ہے جو کہ تجارت کے لئے ملک شام گیا تھا، جس کا شریک سفر میسرہ کہتا ہے کہ ایسا شریک سفر میں نے زندگی میں نہ پہلے کبھی دیکھا، نہ بعد میں کبھی دیکھا، اگر تم مزدور ہو، ملازم یا کوئی اور پیشہ ور ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ وہ مزدور ہے جو حجاز کی پہاڑیوں میں بکریاں چرایا کرتا تھا، اور اگر تم کاشت کار ہو، زراعت پیشہ ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ اس کاشتکار میں ہے جس نے جرف کے مقام پر زمین میں کاشتکاری کی تھی، غرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہترین نمونہ نہ چھوڑا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھیں اور اس کی نقل اتارنے کی کوشش کریں۔ جسم سے لے کر روح تک زندگی میں جتنے مواقع ہیں، اس میں ہم حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لینے کی کوشش کریں، اگر ہم ربیع الاول میں یہی جذبہ پیدا کر لیا کریں تو یقیناً ہماری زندگی میں انقلاب آ جائے گا۔

آج میرے بزرگو! اور دوستو! میں صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ربیع الاول کا مہینہ ختم ہو رہا ہے، ذرا ہم اس کا جائزہ تو لے کر دیکھ لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہم نے بہت لیا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کون سی سنت ہے جو ہم نے اپنائی؟ کبھی جائزہ لے کر دیکھا؟ کبھی گریبان

میں منہ ڈالا؟ کبھی فہرست بنائی کہ کیا کیا سنتیں ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ کتنی سنتوں پر ہم نے عمل کیا اور کتنی سنتوں پر نہیں کیا؟

میں سمجھتا ہوں کہ اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا، آج میں سب سے پہلے اپنے آپ کو، اس کے بعد آپ حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو سمجھتے ہوئے ایک کام یہ کریں کہ اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کیا کیا سنتیں ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں، جن پر میرا عمل نہیں ہے، ان پر آج ہی سے عمل کرنے کی کوشش کریں، اور اس کے لئے آپ کو حوالہ دوں گا اپنے شیخ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا، اس میں میرے شیخ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں جمع کر دی ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

صبح سے شام تک کی زندگی کے مختلف شعبوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں کیا کیا تھیں، ان کو پڑھتے جایئے، اور اپنا جائزہ لیتے جایئے، جہاں کمی ہو، اس کو پورا کرنے کی کوشش کیجئے، دیکھئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتیں ایسی ہیں جن پر فوراً عمل کر لینے میں کوئی دشواری نہیں، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، کوئی وقت نہیں لگتا، کوئی محنت نہیں لگتی، لیکن صرف غفلت کی وجہ سے ہم نے ان کو چھوڑا ہوا ہے، ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ بیت الخلاء جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر داخل کرتے، اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر نکالتے، اگر کوئی شخص اس کا اہتمام کرے تو کیا دشواری ہے؟ کوئی

پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ کوئی وقت لگتا ہے؟ کوئی تکلیف نہیں ہوتی، مگر صرف دھیان کی بات ہے، ان سنتوں پر اس لئے عمل کیجئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر عمل کرتے تھے، یعنی ان اعمال پر اتباع سنت کی نیت سے عمل کریں، جس وقت آپ سنتوں پر عمل کر رہے ہوں گے تو اس وقت آپ اللہ کے محبوب ہوں گے۔

" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "

(آل عمران : ۳۱)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے''

اب بتایئے! کتنی عظیم سعادت صرف بے پرواہی کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرو، اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالو، تو اس میں کیا دشواری ہے، کیا مشقت ہے؟ مگر غفلت اور لاپرواہی ہے، جس کی وجہ سے ہم نے اس کو چھوڑا ہوا ہے، بہت سی ایسی سنتیں ہیں جن میں کوئی وقت نہیں لگتا، صرف لاپرواہی کی وجہ سے چھوٹی ہوئی ہیں، اس طرح بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ جن میں محنت کی ضرورت نہیں، بلکہ مختصر دھیان یا توجہ کی ضرورت ہے، جس سے ہمارے تمام اعمال صبح سے لے کر شام تک سنت کے سانچے میں ڈھل جائیں گے، اور ہر ہر قدم پر نیکی لکھی جائے گی۔

میرے عزیزو! اور دوستو! میری آخری گزارش ہے کہ روئے زمین میں اس وقت اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں، اور اگر کوئی سنت ایسی ہو جس پر آدمی عمل

نہیں کر سکتا تو اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! مجھے اس سنت پر عمل کرنے میں دشواری ہو رہی ہے، مجھے مشکلات پیش آ رہی ہیں، میری ہمت جواب دے رہی ہے، یا اللہ! آپ ہی توفیق عطا فرما دیجئے، ہمت عطا فرما دیجئے۔ اگر یہ کام ہم کر لیں گے تو ربیع الاول کا مہینہ بڑا کامیاب گزرے گا، اور اگر سارا مہینہ گزار دیا اور عمل کچھ نہ کیا تو ربیع الاول کا مہینہ کامیاب نہ رہا، دراصل ہمیں شیطان بہکاتا رہتا ہے کہ ابھی تو عمر پڑی ہے، بعد میں عمل کر لیں گے، اس پر وہ ٹلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آدمی پر آخری وقت آ جاتا ہے، اور پھر حسرت ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے والا بنا دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تعلیم

کا اصل مقصد کیا ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا بلال قاضی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : حراء فاؤنڈیشن اسکول (جامعہ دار العلوم کراچی)

وقت خطاب : ۱۲ر جنوری، دوپہر ایک بجے

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم کا اصل مقصد

اور اس کے حصول کا طریقہ کار

۲۹ رصفر ۱۴۳۴ھ (۱۲ رجنوری ۲۰۱۳ء) کو نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حراء فاؤنڈیشن اسکول (شعبہ جامعہ دارالعلوم کراچی) میں معلمین ومعلمات سے ایک راہنما خطاب فرمایا۔ اس اہم اور فکر انگیز خطاب سے سامعین نے بہت فائدہ محسوس کیا۔ جناب مولانا بلال قاضی صاحب نے قلم بند فرمایا۔ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ............................(میمن)

الحمد لله رب العٰلمين، والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الكريم، و علىٰ آله و اصحابه اجمعين ، و علىٰ كلِّ مَن تبِعهم بِاحسانٍ الىٰ يومِ الدِّين. أمّا بعد

پہلے بھی ایک دو مرتبہ یہاں حاضری ہوئی ہے اور ارادہ یہ تھا کہ آپ حضرات سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہے اور کچھ باتیں تازہ کی جاتی رہیں، لیکن اپنی مصروفیات اور سفروں کی وجہ سے کثرت کے ساتھ یہاں حاضری کا موقع نہیں ملا۔ اگر چہ دور رہ کر الحمدللہ آپ حضرات کے حالات سے فی الجملہ باخبر رہتا ہوں۔ لیکن براہِ راست آپ

حضرات سے ملاقات کا موقع کافی دنوں کے بعد مل رہا ہے۔ اور ایک ایسے موقع پر مل رہا ہے جب الحمدللہ ہماری اس ٹیم میں کچھ نئے حضرات بھی داخل ہوئے ہیں اور نئے داخلوں کی رجسٹریشن بھی شروع ہو چکی ہے۔

مقصد اصل میں اس حاضری اور آپ حضرات سے ملنے کا یہ ہے کہ ہم اپنے اصل مقصد کی طرف توجہ دیں اور اصل مقصد کو یاد رکھنے کی کوشش کریں۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی کام کسی خاص مقصد کے تحت شروع کیا جاتا ہے تو شروع میں تو اس مقصد کی اہمیت دلوں میں ہوتی ہے لیکن جب اس کام میں انسان داخل ہوتا ہے اور اس کے بہت سے عملی مسائل سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں انسان منہمک ہوتا ہے تو بعض اوقات وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں کہاں سے چلا تھا اور کیوں چلا تھا۔ اس واسطے اگر ہم تھوڑے وقفے سے اپنے مقصدِ زندگی کو اور اپنے ادارے کے مقصد کو یاد کرتے رہیں اور اسے تازہ کرتے رہیں تو امید ہے کہ وہ جذبہ جو آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، وہ ان شاء اللہ ٹھنڈا نہیں پڑے گا۔ اس مقصد کے تحت یہ حاضری ہوئی ہے اور اسی مقصد کے تحت پہلے بھی دو تین مرتبہ حاضر ہونے کا موقع ملا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور زندگی عطا فرمائی تو ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ادارے میں کام کرنے والے افراد کے بارے میں ہم آہنگ ہونا ضروری ہے

پہلی بات جو تازہ کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہم ایک ایسے ادارے مین کام کر رہے ہیں جو ایک خاص، واضح، clear cut مقصد رکھتا ہے۔ یہ کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ جس میں تعلیم کو تجارت کا ذریعہ بنایا جا رہا ہو۔ یہ محض تعلیم برائے تعلیم بھی

نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو اگر ٹھیک سمجھا جائے اور سب لوگ جو اس میں کام کر رہے ہیں وہ اس مقصد میں شریک ہوں اور اس کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کی صحیح اہمیت محسوس کریں، سب کے درمیان اس مقصد کے لحاظ سے ہم رنگی ہو، ہم آہنگی ہو تو پھر ادارہ ترقی کرتا ہے، اس کے اندر بہتری پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے اصل مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ مقصد ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو، یا تھوڑے تھوڑے وقفے سے اوجھل ہو جاتا ہو اور کسی اور مقصد کی طرف ذہن چل پڑتا ہو تو پھر ادارے کا اصل مقصود و مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔

ادارے کا مقصد ایک اچھا مسلمان پیدا کرنا ہے

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ ادارہ اس مقصد کے تحت قائم ہوا ہے کہ یوں تو ہمارے ملک میں بہت سے تعلیمی ادارے ہیں، اسکول ہیں، اُردو میڈیم بھی ہیں، انگلش میڈیم بھی ہیں، بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس ادارے کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ تعلیم ایک اچھا انسان بننے کا ذریعہ بنے، اور ایک اچھا مسلمان بننے کا ذریعہ بنے۔ یہ ہے اصل مقصود کہ ہم اس ادارے کے ذریعے نہ صرف ایک اچھا انسان بلکہ ایک اچھا مسلمان پیدا کریں۔

انگریزی نظامِ تعلیم کا مقصد ایمان کی شمع بجھانا تھا

آپ حضرات ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ نے یہ ضرور پڑھا ہوگا کہ جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوا اور اس کا پورا تسلط یہاں پر ہو گیا تو اس کے نتیجہ میں اس نے یہ دیکھا کہ مسلمان اس وقت تک قابو آنے والے نہیں جب تک ان کے ذہنوں کو

تبدیل نہ کیا جائے، ان کے دماغ نہ بدلے جائیں۔ لہٰذا اس نے شروع میں تو اسلحہ اور ہتھیاروں کے بل بوتے پر ہندوستان پر قبضہ کیا اور صرف ہتھیاروں ہی کے بل بوتے پر نہیں بلکہ آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ لوگوں کے ضمیر خرید کر، غدار پیدا کر کے، غداروں کے ساتھ معاملہ کر کے، میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کے ساتھ معاملہ کر کے مکر و فریب کے ذریعے اس ملک پر قبضہ کیا۔ لیکن اس نے یہ دیکھا کہ سیاسی طور پر ہم اگر ان پر قابو پا بھی لیں تب بھی ان کے اندر جو شمع جل رہی ہے، آزادی کی شمع، فکری آزادی کی بھی اور سیاسی آزادی کی بھی، اس شمع کو بجھایا نہیں جا سکتا۔ لھذا اس نے یہاں آ کر ہمارا نظامِ تعلیم جو عرصہ دراز سے چلا آ رہا تھا اور صرف دلّی شہر کے اندر دو سو بڑے مدرسے کالج لیول کے، جن میں تمام علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے اور ان مین اسلامی تعلیمات بھی تھیں۔ سلطان محمد تغلق کے دور میں دو سو تھے اور اس کے بعد ہوتے ہوتے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچی تھی۔ اس نے آ کر ان تعلیمی اداروں کو بند کر دیا اور ایک نیا نظامِ تعلیم ملک میں جاری کر دیا۔

لارڈ میکالے کی تقریر

اور آپ حضرات نے ضرور سنا ہوگا کہ لارڈ میکالے جو انگلینڈ کا وزیر تعلیم تھا، اس نے ہاؤس آف کامنس میں یہ تقریر کی تھی اور اس پر پوری ہاؤس آف کامنس کو قائل کیا تھا، کہ ہم انڈین کو اس وقت تک اپنا نہیں بنا سکتے جب تک ہم اپنا نظامِ تعلیم وہاں جاری نہ کریں۔ اس کی پوری رپورٹ چھپی ہوئی ہے۔ اور اس نے اس رپورٹ میں ہمارے مدارس میں پڑھائی جانے والی کتابوں کا نام لے لے کر ان کا مذاق اڑایا اور یہ

کہا کہ جب تک یہ کتابیں باقی رہیں گی اس وقت تک تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔ اور اسی رپورٹ میں یہ بھی کہا کہ ہمیں انڈیا میں ایسے لوگ درکار ہیں جو ہمارے اور انڈین قوم کے درمیان ایک واسطہ بن سکیں اور ان کے ذریعے ہم اپنا تسلط انڈیا کے مسلمانوں پر قائم کرسکیں۔ وہ ایسے لوگ ہوں جو اپنی چمڑی کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں لیکن اپنے ذہن کے اعتبار سے، اپنی فکر کے اعتبار سے، اپنی سوچ کے اعتبار سے مکمل انگریز ہوں۔ یہ بالکل صریح لفظوں میں اپنے نظام تعلیم کے بارے میں کوئی لگی لپٹی کے بغیر واضح کردیا اور آج بھی وہ رپورٹ ریکارڈ پر ہے اور اس میں یہ بات موجود ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ مقصد اس نظام تعلیم کا کیا تھا؟ مقصد یہ تھا کہ اس نظام تعلیم کے ذریعے ان کے دلوں میں جو ایمان کی شمع ہے اسے بجھایا جائے۔ ان کے اندر جو اپنے دین کے ساتھ محبت ہے اسے مٹایا جائے۔ ان کے اندر غیر مسلم فلسفوں اور غیر مسلم طریقوں سے اعراض ہے اسے ختم کیا جائے اور ان کو ہم اپنے کلرک بنا کر رکھیں۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم جو مشہور شاعر ہیں انہوں نے دو لفظوں میں سارے کھیل کو بیان کیا ہے:

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے بسولا ہٹا تو رندا ہے

یعنی جب لکڑی کو ہٹایا جاتا ہے تو پہلے بسولے کے ذریعے اسے اکھاڑا جاتا ہے، جب وہ اکھڑ جاتی ہے اور نا ہموار ہو جاتی ہے تو پھر اس پر رندا پھیرا جاتا ہے تاکہ وہ ہموار ہو جائے۔ تو شروع میں تو توپ کے ذریعے قبضہ جمایا اور جب قبضہ مکمل ہو گیا لیکن ذہنوں کی زمین ہموار نہیں تھی، اس کے لئے انگریز نے پروفیسر بھیجے کہ وہ ایسا

نظام تعلیم انہیں پلائیں جن کے ذریعے ان کے ذہن ہمارے افکار کے لئے ہموار ہوجائیں۔ جس طرح بسولا کے ذریعے پہلے لکڑی کو کریدا جاتا ہے اور پھر لکڑی کو ہموار کرنے کے لئے رندا پھیرا جاتا ہے۔ اسی طرح بسولا تھا توپ اور اسلحہ جس کے ذریعے ان کو خاک وخون میں نہلایا گیا اس کے بعد ذہن ہموار کرنے کے لئے رندا بھیجا گیا یعنی پروفیسر پہنچے۔

اکبرالہ آبادی اس کا بار بار رونا روتے رہے :

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

یعنی ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نئی تعلیم آرہی ہے یہ ہمارے لئے ایک علم فراہم کرے گی، ہمیں علوم وفنون سے آشنا کرے گی، لیکن یہ کیا خبر تھی اس کے ساتھ بے دینی بھی چلی آئے گی۔

انگریزی تعلیم کا مقصد صرف کلرک پیدا کرنا تھا

بہرحال؛ یہ ایک نظام تھا جس سے انگریز کا مقصد کوئی اچھے سائنسدان، کوئی اچھے علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد کلرک پیدا کرنا تھا۔ جو اس کے زیر تسلط رہ کر کلرکی کا فریضہ انجام دیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں کہ ہندوستان میں جب تک انگریز کی حکومت رہی، اس وقت تک کوئی نمایاں سائنسدان اس نظام سے نکل کر سامنے نہیں آیا۔ طب کے میدان میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا جس نے کوئی بہت اعلیٰ صلاحیت حاصل کی ہو۔ کوئی ریاضی دان پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ مقصود ہی یہ تھا کہ وہ علوم و

فنون میں ہمارے محتاج رہیں اور ذہنیت ہماری حاصل کریں۔ اس غرض کے تحت یہ نظام تعلیم ہم پر مسلط کیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ہمارا اصل فریضہ یہ تھا کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو، اپنی روایات کو، اپنے تقاضوں کے مطابق از سرِ نو ترتیب دیں۔ اس طرح ترتیب دیں جس سے وہ زہر نکل جائے اور علوم و فنون اور سائنس اپنی صحیح شکل و صورت میں باقی رہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ نہیں ہو سکا، حکومتی سطح پر بہت کوششیں ہوئیں لیکن وہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔

علم کی ذات میں خرابی نہیں ہوتی، خرابی طریقہ تعلیم سے پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ کسی بھی علم میں (یعنی چند بے کار علوم کے علاوہ)، کسی بھی فن میں، کسی بھی زبان میں، اپنی ذات میں کوئی خرابی اور بے دینی نہیں ہوتی۔ لیکن اس علم کو پہنچانے والے، اسے Convey کرنے والے کا کام ہوتا ہے کہ وہ اس کو کس طرح Present کرتا ہے۔ کس طرح اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اس Presentation میں وہ انسانوں کے ذہنوں میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، اور اس سے ذہن بدلتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علوم کو ایسے present کیا ہے، مثلاً سائنس کو لے لیجئے۔ اس کے تمام شعبوں یا دیگر علوم و فنون کو لے لیجئے۔ ان سب کی Presentation انہوں نے اپنے Cirriculum کے ذریعے، ٹیکسٹ بکس کے ذریعے اور اساتذہ کے ذریعے اس طرح کی ہے کہ آدمی اس کے ذریعے مادہ پرست ہوتا جائے، مادیت اس پر چھاتی جائے، روحانیت سے دور ہوتا جائے، اور اس کے نزدیک زندگی کا اصل مقصد پیسہ کمانا، مادیت میں ترقی کرنا ہو۔ اس سے آگے وہ

سوچنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور مادے سے باہر کے حقائق کو وہ خرافات سمجھ کر، یا محض ایک توہم پرستی (Superstition) سمجھ کر اس کو چھوڑ دے، یا کم از کم اس کو اہمیت نہ دے۔ اگرچہ نام سے وہ یہ کہے کہ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، میں مانتا ہوں کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، میں مانتا ہوں کہ جنت بھی اور جہنم بھی ہے۔ زبان سے ضرور کہہ دے لیکن اس کے دل میں یہ باتیں اتری ہوئی نہ ہوں۔ اس کا دل و دماغ مادے Material Benefits کی طرف چل رہا ہو، اسی میں وہ ترقی کر رہا ہو، اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہوا ہو۔ چنانچہ سائنس کے علوم کو اس طرح پڑھایا جائے اور اس کا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے اور پڑھانے والے اس کے ذریعے طلبہ کو اس طرح پڑھائیں کہ ان کے ذہن سے یہ باتیں نکلتی جائیں اور وہ مادے کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ اور اگر وہی علوم ہیں لیکن انہیں کوئی صحیح طریقے سے Present کرنے والا اور پڑھانے والا ہے تو وہ اس سے پڑھنے والے کا ذہن دوسرے رخ پر لے جائے گا۔ مثلاً سائنس ہے، ایسٹرونومی ہے، اسے پڑھانے وا اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کی ایک ایک چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سائنسدان، جو آسمانوں کی خبر لانے والے، وہ خدا کے وجود تک سے منکر ہو گئے۔ علامہ اقبال نے کہا کہ :

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وہی سائنس ہے، مگر اس کو اگر پڑھانے والا اس طرح پڑھاتا کہ یہ چاند اور سورج کی گردشیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر نشانیاں ہیں۔ سارا قرآن اس سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اس کو حقیقت پسند نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا وجود نظر آئے گا۔ انسان کا وجود سر سے پاؤں تک یہ پوری ایک کائنات ہے۔ اس کا ایک ایک عضو کائنات ہے۔ اور کس طرح اس کا میکینزم چل رہا ہے۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے۔ اگر پڑھانے والا اس نقطہ نظر سے پڑھائے تو انسان کا بالکل نقطہ نظر ہی بدل جاتا ہے۔

بہر حال؛ نہ تو کسی علم میں بے دینی ہے، نہ کسی فن میں بے دینی ہے، نہ کسی زبان میں کوئی بے دینی ہے۔ بے دینی پیدا ہوتی ہے پڑھانے والے سے۔ بے دینی پیدا ہوتی ہے اس نصاب سے جو ان علوم وفنون کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ پاکستان بننے کے بعد اپنا نظام تعلیم اس طرح استوار کرتے، جس میں سے وہ زہر نکالتے اور جو حقیقت ہے وہ سامنے آتی، اور اس علم وفن کو حاصل کرنے والی نسل ایک مسلمان ڈاکٹر، مسلمان انجینئر، مسلمان سائنسدان بن کر ابھرتے۔ یہ تھا اصل کام کرنے کا۔ لیکن افسوس ہے کہ آج پینسٹھ سال ہوگئے ہیں اور پاکستان ابھی تک سیاست کے بازی گروں کی بازی گری سے اپنے آپ کو نجات نہیں دلا سکا۔ اس کی وجہ سے یہ نظام تعلیم ملکی سطح پر پنپ نہیں پایا۔

حراء فاؤنڈیشن اسکول کے قیام کا اصل مقصد

یہ چھوٹا سا ادارہ جو ہم نے قائم کیا ہے، یہ اس مقصد کے لئے قائم کیا ہے کہ وہ زہر جو انگریز نے اپنے مقاصد اور مفادات کو حاصل کرنے کے لئے ڈالا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی طور پر اس نے پوری قوم کو غلام بنا دیا اور ہر بات میں نگاہ اس طرف اٹھتی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ان کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس طرف ذہن جاتا ہے۔ تو اب الحمد للہ یہ فکر پیدا ہو رہی ہے اور بڑھ رہی ہے کہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو اپنی اصل کی طرف لوٹیں اور اس زہر کو اٹھا کر پھینک دیں جو انگریز نے اس کے اندر ڈالا ہے۔ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایک طرف اپنے سب جیکٹس میں، اکیڈمی میں اعلیٰ معیار دیں، مگر یہ اعلیٰ معیار کی تعلیم انگریز کا غلام بنانے کے لئے نہیں، بلکہ ایک آزاد خود مختار اور عزتِ نفس رکھنے والا مسلمان بنانے کے لئے ہو۔ اس کے لئے اگرچہ ہم ابھی تک اس بات پر مجبور ہیں کہ ہم اپنی تالیفات یا اپنا سلیبس داخل نہیں کر پا رہے لیکن چونکہ کچھ کچھ یہ احساس دلایا جاتا رہا ہے، اس لئے نصاب کی کتابوں میں بھی کچھ فرق آیا ہے، اگرچہ وہ مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے۔ لیکن چونکہ نسابی کتابیں اس معیار کی نہیں ہیں جیسی ہونی چاہئیں، اس لئے اب ساری ذمہ داری پڑھانے والے کی ہو جاتی ہے کہ وہ کس طرح پڑھاتا ہے؟ اور اس کے ذہن میں کس قسم کے بچے کی نشو ونما ہے، کس قسم کا بچہ وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہم سب کچھ اعلیٰ معیار کا پڑھائیں لیکن اس میں انسان کو غلام بنانے والا زہر نہ ہو۔

انگریزی تعلیم یافتہ افراد فکری طور پر آزاد نہیں ہو سکے

آج میری عمر ستر سال تقریباً ہو گئی ہے۔ اللہ نے بہت دنیا دکھائی ہے۔ ہر طرح کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے، اور ہر طرح کے ماحول کے معاشرے میں، ہر طرح کے ذہنی سانچے کے لوگوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں آپ سے اپنے تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ تعلیم ٹھیک اسی طرح حاصل کی ہے جس طرح انگریز نے ہمارے لئے ڈھانچہ بنایا تھا، وہ فکری طور پر اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پائے۔ اور ایک طرح سے وہ ایک (احساس کمتری) inferiority complex میں مبتلا رہے کہ ہم ان سے (کمتر) inferior ہیں اور یہ احساس انہیں غلامی کے شکنجے سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ اگر کوئی ان کے بنائے ہوئے اصولوں، ان کے بنائے ہوئے دائروں، اور ان کے بنائے ہوئے اچھے برے کے معیار سے ہٹ کر کوئی بات کہتا ہے تو کوان سن کر اچھنبا بھی ہوتا ہے، طبیعت میں اعراض بھی پیدا ہوتا ہے اور اگر کوئی خاموش رہے تو رہے، لیکن دل سے اس کے دل میں یہ بات وہی ہے جو ان لوگوں نے کہی ہے۔ یہ غلامی کا ایک ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے (اللہ تعالیٰ اس کو توفیق عطاء فرمائے) کہ اس ذہنی غلامی سے ہم خود بھی نکلیں اور اپنے بچوں اور اپنی نسلوں کو بھی نکالنے کی کوشش کریں۔

اس کے لئے ہم نے ایک بہت ہی چھوٹی سی کوشش حراء فاؤنڈیشن اسکول کی شکل میں شروع کی ہے۔ اس میں آپ حضرات اس مقصد میں شریک ہو کر، اس مقصد کو اپنا کر آگے چلیں اور بچوں کی تربیت کریں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اتنے بڑے ماحول

میں اگر ایک ادارہ درست ہو گیا تو اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا۔ خوب سمجھ لیجئے، کہ اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ جب اللہ تعالی کوئی کام لیتے ہیں تو ایک چھوٹا سا چراغ بھی تاریکی میں روشنی پیدا کر دیتا ہے اور پھر اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالی کی رحمت سے پوری امید رکھتے ہوئے کہ اگر ہم اخلاص کے ساتھ، مقصدیت کے ساتھ، اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لئے یہ کام کریں گے تو یہ روشنی پھیلے گی۔ اور جس غلامی کا ہم شکار ہیں، اس غلامی سے نجات حاصل ہو جائے گی، اور ہم یہ تو کہتے ہی رہتے ہیں کہ ہم پر ایسے ایسے حکمران مسلط ہیں، لیکن یہ حکمران کہاں سے آ گئے؟ وہ حکمران اسی ذہنی غلامی کے نظام سے ابھر کر آئے ہیں، اگر ان کے اندر فکری آزادی ہوتی، اگر ان میں عزت نفس ہوتی تو آج یہ ملک اس حالت کو نہ پہنچتا۔ اس لئے اگر ہم اس فکر کو لے کر چلیں تو ان شاء اللہ تعالی کامیابی ہوگی۔ ایک بات تو یہ ہوئی۔

نیت کے اثرات نتیجے پر پڑتے ہیں

دوسری بات یہ کہ انسان کے زاویۂ نگاہ کا بڑا فرق پڑتا ہے۔ یعنی اس کی سوچ کے انداز کا اس کے طرز عمل پر اور اس کے نتائج پر بڑا فرق پڑتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ حدیث یاد ہوتی ہے کہ :

انما الأعمال بالنيات

اعمال کا دامدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ ایک ہی کام ہے اگر آپ بری نیت سے کریں تو اس کے نتائج کچھ اور ہوں گے، اور اسی کام کو اچھی نیت سے کریں تو نتائج کچھ اور ہوں گے۔ مثلاً یہی پڑھانے کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی شخص پڑھانے کا کام اس نیت سے کرتا ہے کہ میری شہرت ہو۔ میری ناموری ہو۔ مجھے دنیا بڑا عالم سمجھے، تو نیت

بری ہے۔ کیونکہ شہرت پسندی کے لئے کوئی کام کرنا اللہ تعالی کو پسند نہیں۔ اگر اسکے لئے کوئی شخص کام کرے گا تو اس کا انجام دنیا میں بھی خراب اور آخرت میں بھی خراب۔ آخرت میں تو اس لئے خراب کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: من سمّع،سمع اللّٰه به۔ جو شہرت چاہتا ہے اور اس غرض سے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو بدنام کرتا ہے۔ دنیا میں جو لوگ شہرت پسند ہوتے ہیں، وہ عام نگاہوں میں بھی کوئی اچھے نہیں سمجھے جاتے۔ وہ کام تو اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں اچھا سمجھا جائے لیکن انہیں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ عربی زبان کی ایک حکیمانہ کہاوت ہے کہ جو آدمی متکبر ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔ وہاں سے وہ ساری دنیا کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور ساری دنیا اسے چھوٹا سمجھتی ہے کیونکہ انہیں بھی وہ شخص چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ حقیقت میں متکبر کی لوگوں کے دلوں میں وقعت نہیں ہوتی، اسی طرح شہرت پسند کا بھی حال ہے۔ تو اس کا انجام دنیا میں بھی خراب اور آخرت میں بھی خراب۔ یہی پڑھانے کا کام انسان اس نیت سے کرے کہ ملازمت کر رہا ہوں، خود بھی کھاؤں گا اور بچوں کو بھی کھلاؤں گا۔ تو یہ جائز نیت ہے، ناجائز نہیں۔ لیکن ثواب کوئی نہیں۔ اسلئے کہ جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا، کیونکہ تنخواہ مل گئی، اس سے اپنا مقصد حاصل کرلیا، بات ختم ہوگئی۔ ایک دوسری نیت یہ ہوسکتی ہے کہ اس تعلیم کے ذریعے اچھے انسان اور مسلمان پیدا کریں گے، تو یہی عمل آپ کے لئے عبادت بن جائے گا، ثواب بن جائے گا، اور اس کا فائدہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہوگا۔

دیکھئے موجودہ نظام تعلیم نے ہمیں مرنے کے بعد کی زندگی سے غافل کر رکھا ہے۔ حالانکہ سب کو پتہ ہے کہ ایک دن مرنا ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو یہ کہے کہ مجھے موت نہیں آئے گی۔ یہ بھی سب مانتے ہیں کہ کسی بھی وقت موت آسکتی ہے، کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ لیکن نظام تعلیم وتربیت نے ہمیں اس طرح ڈھال دیا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے اسی دنیا کے لئے کرنا ہے۔ جس دنیا کا کچھ پتہ نہیں کہ کب ختم ہو جائے۔ آج ختم ہو جائے، کل ختم ہو جائے، ایک مہینے بعد ختم ہو جائے، ایک سال بعد ختم ہو جائے۔ ختم ہونا یقینی ہے۔ جو کچھ کرو اسی دنیا کے لئے کرو۔ یہ مزاج مادیت نے بنایا ہے۔ اس مادہ پرستی نے بنایا، جو اس نظام تعلیم نے پیدا کی ہے۔ اگر یہی تعلیم صحیح ذہنیت کے ساتھ ہوتی، تو بے شک دنیا کی ترقی بھی کرتے لیکن ساتھ ساتھ مقصود اصلی، مرنے کے بعد والی جو زندگی آنے والی ہے، جو اصلی اور جاودانی ہے، کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ جس کا فائدہ یہاں کے فائدوں سے بہت زیادہ اور جس کا نقصان یہاں کے نقصانوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے لئے تیاری کرنے کا ایک جذبہ پیدا ہوتا۔ اس مادہ پرستی کی دنیا نے وہ ذہنیت ہم سے چھین لی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ذہنیت دوبارہ واپس آئے۔ یہ ذہنیت بچوں میں پیدا ہو، طالب علموں میں پیدا ہو، بچیوں میں پیدا ہو اور پھر وہ اپنے علوم وفنون کے ساتھ ایک صحیح معنی میں مسلمان اور آزاد فکر رکھنے والے مسلمان بنیں۔ اس نیت سے اگر یہ کام کیا جائے گا تو ایک ایک لمحہ عبادت بن جائے گا۔ چاہے آپ انگریزی پڑھا رہے ہوں، چاہے حساب پڑھا رہے ہوں، چاہے سائنس پڑھا رہے ہوں، ہسٹری پڑھا رہے ہوں، کچھ بھی پڑھا

رہے ہوں۔ جو بھی پڑھا رہے ہوں گے وہ سب عبادت ہوگا۔ اس لئے کہ آپ نے پڑھانے کا مقصود درست رکھا ہے۔ بچوں کو اخلاق و کردار کی تربیت کا فائدہ نہ صرف بچوں کو پہنچے گا، بلکہ جب تک وہ بچہ اس اخلاق و کردار کا حامل رہے گا، اس کی زندگی کے تمام اعمال کا ثواب آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ وہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ جذبہ اور روح پیدا کردے، کہ ہمارے بچے جو ہمارے پاس آئے ہیں، ہمیں انہیں صحیح معنی میں مسلمان اور پاکستانی بنانا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کے لئے پوری عبادت ہوگی۔ اور جہاں جہاں یہ کوشش ہوتی ہے وہاں اس کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" قرآن کریم کا وعدہ ہے۔ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

یورپ کے اسلامی اسکول

ایک مرتبہ میں انگلینڈ میں تھا تو وہاں پورے انگلینڈ اور ویلز کے جتنے اسلامی اسکول تھے اس فیڈریشن کا سالانہ کنونیشن تھا۔ اس میں مجھے بلایا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تقریباً ہزار سے زیادہ بچے حافظ ہیں۔ اور بچیوں کا مجمع ہزاروں میں تھا مجھ سے انہوں نے کہا کہ آپ ان ہزاروں بچوں میں سے کسی بھی بچے سے یہ پوچھ لیجئے کہ فلاں وقت کی کیا دعا ہوتی ہے۔ میں نے ایسی دعائیں پوچھیں جو عام طور سے بڑوں کو بھی یاد نہیں ہوتی۔ اور کسی ترتیب کے بغیر بچے کا انتخاب کیا، اور پوچھا کہ کھانا سامنے آتا ہے تو کیا دعا پڑھی جاتی ہے؟ اس نے فرفر سنا دی۔ دوسرے سے پوچھا، تیسرے

سے پوچھا۔ سب کے سب بچوں نے سنا دیں۔ پھر بچوں سے باتیں کرنے کا موقع ملا، بچوں کے سوالات سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ انہیں یہ بات تعلیم و تربیت کے ذریعے پلا دی گئی ہے کہ ہمیں ایک دن مرنا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر جواب دینا ہے۔ یہ انگلینڈ کا ماحول ہے۔ جہاں بے دینی کی انتہا ہے۔ لیکن جنہوں نے کوشش کی اللہ تعالیٰ نے انہیں نتیجہ دکھا دیا۔

ابھی میں پچھلے سال وہاں تھا تو دیکھا کہ ایک لڑکیوں کا بہت بڑا اسلامی اسکول اے لیول تک پہنچا ہوا ہے۔ پورے انگلینڈ میں تعلیم کے معیار سے اس اسکول کو فرسٹ گریڈ دیا گیا اور جو نارمل عصری اسکول ہیں، جو وہاں کی حکومت کے زیرِ انتظام چل رہے ہیں، ان کے بارے میں حکومت نے اس اسلامی اسکول کے مہتمم کو جس کی داڑھی بھی ہے، اور عمامہ بھی پہنتے ہیں، ان سے درخواست کی کہ آپ ان تین اسکولوں کا کنٹرول سنبھالیں کیونکہ ہم سے یہ اسکول نہیں چل رہے ہیں۔ چنانچہ یہ تینوں اسکول جس میں انگریز بچے پڑھتے ہیں، اس کا انتظام ان کے حوالے کیا گیا اور اب وہ ان کے زیرِ انتظام کام کر رہے ہیں۔

دین اسلام کے نام سے شرمانا چھوڑ دیجئے

خدا کے لئے دین اور اسلام کے نام سے شرمانا چھوڑ دو، ایک مرتبہ دل میں یہ بٹھا لو۔ یہ جو ذہنیت اس نظام تعلیم نے پیدا کر دی ہے کہ لوگ ہمیں Backward نہ سمجھ لیں، یہ نہ سمجھ لیں کہ They are reverting the clock back. جب تک یہ شرم باقی ہے کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب تک ایک مرتبہ اس شرم کو

توڑ دیا، اپنی ہر ادا سے توڑ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ مسلمان ہونے پر فخر ہے، ہمیں اپنے اسلام پر فخر ہے، اپنے دین کے شعائر پر فخر ہے تو ساری دنیا اس کے آگے زیر ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے بڑی پیاری بات کہی تھی کہ :

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

جب سے ہم لوگوں کے ہنسنے سے ڈر رہے ہیں، چاروں طرف سے روز پٹائی ہو رہی ہے، ایک مرتبہ اس شرم کو توڑ دو۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر دو، اپنے طریقے پر بھروسہ کرلو، اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کرلو، اس بات پر اپنے دل میں فخر پیدا کرلو کہ ہم الحمدللہ مسلمان ہیں۔ اور ایسا ہی مسلمان سب کو بنانا چاہتے ہیں۔ جس دن یہ شرم ٹوٹ گئی اور یہ احساس دل میں پیدا ہو گیا تو آپ کا ہر عمل، ہر قول وفعل ایک مستقل دعوت ہوگا اور اس سے ان شاء اللہ ایسی نسل پیدا ہوگی جو اس ملک کو، قوم کو، ہماری ملت کو مطلوب ہے۔ اسی بات کی یاد دہانی کے لئے آج ہم جمع ہوئے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس مقصد کو سمجھنے کی اور اسے رُو بہ عمل لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان شاء اللہ مجھے امید ہے کہ الحمدللہ جو ساتھی، خواہ وہ مردوں میں ہوں یا خواتین میں، یہاں جمع ہیں وہ اسی جذبہ کے ساتھ آئے ہوں گے اور اس جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مزید ترقی دینے کی کوشش کریں گے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف اسی نقطہ نظر سے اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے
اقبالؒ

دین

اتباع کا نام ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا سید فہیم الحسن تھانوی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ اشرفیہ، لاہور

وقت خطابت : ۱۷/۱ اکتوبر، بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اتباع

اور

اعمال ظاہرہ و باطنہ کی درستگی کا نام ہے

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم مجلس صیانۃ المسلمین کے نویں سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو لاہور تشریف لائے، اور اسی روز بعد نماز عصر کی مجلس میں حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے نوازا۔ جسے مولانا سید فہیم الحسن تھانوی مدظلہم نے قلم بند کیا، آپ کا خطاب قارئین خطبات کے استفادے کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ بشکریہ ماہنامہ البلاغ دارالعلوم کراچی .... میمن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذالک من الشاهدین و الشاکرین والحمد للہ رب العلمین

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز! اس مجلس میں کوئی بات عرض کرتے ہوئے دل میں کچھ عجیب و غریب قسم کے جذبات محسوس ہو رہے ہیں۔ الحمد اللہ تقریباً ہر سال مجلس صیانۃ المسلمین کے اس ایمان افروز اجتماع میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے، جب بھی حاضری ہوئی اس غرض سے ہوئی کہ الحمد اللہ اس مجلس میں اپنے بزرگوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ یہاں تشریف لاتے ہیں، ان کی زیارت، خدمت، صحبت اور ارشادات و افادات سے استفادہ کا موقع ملے گا، اس مرتبہ بھی درحقیقت حاضر ہوتے ہوئے دل میں یہ طلب اور تڑپ تھی کہ ایسے اللہ والوں کا اجتماع جن کی زندگیاں اللہ جل جلالہ کی رضا کے مطابق بسر ہو رہی ہیں، ان حضرات کی صحبت میں چند لمحات بھی میسر آجائیں تو یہ انسان کی بڑی عظیم سعادت ہے، اور سب بڑا داعیہ اور سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ ہمارے سروں پر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم (اس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ باحیات تھے) کا سایہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، حضرت والا بھی یہاں تشریف فرما ہیں، اور حضرت والا کی خدمت اور صحبت میں جو لمحہ بھی میسر آجائے، حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کا کوئی شکر ادا نہیں ہوسکتا۔

اولیاء کی صحبت

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ وہ جو مشہور شعر ہے کہ :

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء کرام میں سے کسی کی ایک لمحے کی صحبت کا میسر آجانا سو سال کی بے ریا اطاعت سے بہتر ہے۔ والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ بعض لوگ اس شعر کو مبالغہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس شعر میں شاعرانہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے کہ ایک لمحے کی صحبت سو سال کی بے ریا اطاعت سے بہتر ہے، لیکن فرمایا کہ اس شعر میں مبالغے کا تو کیا سوال پیدا ہوتا، اصل حقیقت کو محتاط انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اگر شاعر یوں بھی کہتا تو صحیح ہوتا کہ :

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیائے کرام کی ایک لمحہ کی صحبت سو لاکھ سال کی بے ریا اطاعت سے بھی بہتر ہے، اللہ کے ولی کی ایک لمحہ کی صحبت کا میسر آجانا اتنی بڑی نعمت ہے۔

الامر فوق الادب

حاضری کی سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ الحمد للہ حضرت والا یہاں تشریف فرما ہیں، ذہن میں دور دور تک یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ اس مجلس میں مجھ ناکارہ سے کچھ کہنے کی فرمائش کی جائے گی، اول نہ تو لیاقت، نہ علم، نہ عمل۔ کہنے کے لئے جو صلاحیتیں درکار ہیں، ان سے دامن خالی، دوسرے ان بزرگانِ دین کی اور حضرت

والا کی موجودگی میں لب کشائی بڑی آزمائش معلوم ہوتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہ سکھایا ہے، جو دین کا ایک حصہ ہے کہ ''الامر فوق الادب'' یعنی بڑے اگر کوئی حکم دیں تو اس کے آگے اپنی خواہش اور اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ کر ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے، اور اپنے عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئیں۔

دین نام ہے اتباع کا

درحقیقت سارے دین کا خلاصہ یہی ہے، کیونکہ دین نام ہے اتباع کا، سر جھکا دینے کا، جو حکم آ گیا، اس کے آگے سر جھکا دیا جائے، چاہے دل چاہتا ہو، یا نہ چاہتا ہو، عقل مانتی ہو، یا نہ مانتی ہو، دل کی خواہش ہو، یا نہ ہو، اس کے آگے سر جھکا دینا یہی دین ہے، یہی اسلام ہے، اسلام کے معنی ہیں جھک جانا، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے آگے اور جسکو اپنا بڑا بنایا ہے، جس کو اپنا مقتدا بنایا ہے، اسکے حکم کے آگے جھکا دینا، یہی دین ہے، پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کی گنجائش نہیں، یہ دین درحقیقت عشق والا دین ہے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدست دیگرے دادن و حیراں بودن

یعنی عشق کیا ہے؟ سن لو! عشق یہ ہے کہ محبوب کا غلام بن جانا، دل کو محبوب کے ہاتھ میں دیدینا، اور خود حیران رہنا۔

درحقیقت دین کا خلاصہ یہی ہے، اگر یہ بات ہماری اور آپ کی سمجھ میں

آجائے تو سمجھئے کہ دین سمجھ میں آگیا، جب حکم آگیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو پھر حکمت کا، مصلحت کا، خواہش کا، عقلی دلائل کا، حجتوں کا سوال نہیں، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ حکم میرے پروردگار کا ہے، میرے پیغمبر کا ہے، میرے پروردگار کے پیغمبر وارث کا ہے، تو اب اس کے بعد اس میں سرتابی کی گنجائش نہیں۔

بیٹے کو قربان کرنے کا حکم

حکم آگیا کہ بیٹے کو قربان کردو، حکم آگیا کہ وہ بیٹا جو امنگوں سے مرادوں سے مانگا گیا ہے، وہ بیٹا جس کے لئے دعائیں کی گئیں، اور وہ بیٹا جواب چلنے پھرنے کے قابل ہوا ہے، اس کے بارے میں حکم آگیا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دو، میری مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے کہ جب حکم آگیا تو اب اس کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں کہ کیوں قربان کروں؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ آخر اس بچے نے کیا قصور کیا ہے؟ کیا گناہ کیا ہے؟ اور یہ اتنی امنگوں اور مرادوں سے مانگا گیا تھا، تو اس کو کیوں قتل کرنے کو کہا جا رہا ہے؟ اس کے گلے پر چھری پھیرنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟ یہ سوال نہیں، بس حکم آگیا تو سر تسلیم خم، یہاں تک کہ بیٹے سے بھی اس کے آزمانے کے لئے پوچھا کہ دیکھیں بیٹا کیا کہتا ہے:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى

(الصٰفّٰت : ۱۰۲)

یعنی اے میرے پیارے بیٹے: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے گلے

پر چھری پھیر رہا ہوں، تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹا بھی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بیٹا تھا، اور وہ بیٹا جس کے صلب سے سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان میرا قصور کیا ہے؟ اور اس حکم میں کیا حکمت ہے؟ بلکہ جواب دیا تو یہ دیا:

يٰاَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

(الصّٰفّٰت : ۱۰۲)

یعنی آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے ابا جان! اسے کر گزریئے، آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ نبی کا بیٹا پلٹ کر یہ نہیں پوچھتا کہ مصلحت کیا ہے، علت کیا ہے؟ بلکہ آپ کے پروردگار کا حکم ہے تو کر گزریئے، پھر چون و چرا کی مجال نہیں، پھر تو یہ کام کرنا ہی ہے، لہٰذا: اِفْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

دین حکمتوں کے تابع نہیں

درحقیقت آج کل ہم لوگوں میں جو طرح طرح کی گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، اس کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کو حکمتوں اور مصلحتوں کے تابع بنا رکھا ہے، حکمت سمجھ میں آئے گی تو دین کا حکم مانیں گے، حکمت سمجھ میں نہیں آئے گی تو اپنی عقلی تاویلیں چلائیں گے، کہیں گے کہ یہ حکم دین کا کیوں آ گیا؟ اور اس کو دین کیسے قرار دیا جائے؟ عقلی تاویلیں، عقلی حجتیں دوڑانی شروع کر دیں گے، جبکہ دین درحقیقت نام ہے سر جھکا دینے کا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آ گیا تو پھر چون و چرا کی

مجال نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہی بات ہمارے دلوں میں بٹھادے کہ ہم در حقیقت متبع بن جائیں، اتباع اور انقیاد پیدا ہو جائے، تو بس سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

حضرات صحابہ اور اتباع

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات میں نظر آتا ہے کہ جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہوتی تھی تو حضرات صحابہ کرام کی طرف سے شبہات نہیں ہوتے تھے، سوال تو کرلیا کہ اس کا کیا حکم ہے، لیکن شبہ، اعتراض جو آج کل ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم کیوں ہے؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ یہ باتیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کہیں نظر نہیں آئیں گی، ان کو شبہات پیدا نہیں ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کامل تھی، اور اس کے نتیجے میں اتباع وانقیاد کامل تھا، دراصل شبہات پیدا ہوتے ہیں عظمت کی کمی سے، کہ یہ حکم کیوں دیدیا گیا، جب دین کی، اللہ کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں جاگزین ہو تو پھر شبہات پیدا نہیں ہوتے۔

بڑوں کے حکم کی تعمیل

بہرحال! بزرگوں نے ہم کو یہ سکھایا، اس واسطے باوجودیکہ بڑی شرم معلوم

ہوتی ہے، لیکن بڑوں کے تعمیل حکم کی خاطر اور تحصیل سعادت کی خاطر کچھ عرض کرنا لازمی اور فرائض میں داخل ہوگیا، تو خیال آیا کہ کیا عرض کروں؟ درحقیقت جیسا کہ حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا تھا کہ :

عہد گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم؟ از گلاب

ہمارے جو بزرگ اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں، وہ بھی اپنی زندگی کے اندر الحمدللہ ہمارے لئے اتنا بڑا سرمایہ چھوڑ گئے، اتنی بڑی دولت چھوڑ گئے کہ اگر ہم ساری عمر اس دولت اور اس سرمائے سے ہی فائدہ اٹھاتے رہیں تو ہماری دنیا وآخرت کے لئے کافی ہے، تو خیال آیا کہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے ملفوظات میں سے کوئی ملفوظ اس انداز سے پیش کروں کہ سب سے پہلے اپنے نفس کو مخاطب کر کے آپ حضرات کو سنا دیا جائے، اس میں جو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی تشریح کے لئے دل میں بات ڈالیں، وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی جائے، تو حضرت کے ایک دو ملفوظات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، فرمایا :

ایک ملفوظ

”کچھ اعمال مامور بہا ہیں اور کچھ اعمال منہی عنہا ہیں، ظاہری بھی باطنی بھی (”مامور بہا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ ان اعمال کو کرو، اور ”منہی عنہا“ کے معنی یہ ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کو کرنے سے روکا گیا ہے کہ یہ کام نہ کرو)

اعمال ظاہرہ بھی اور اعمال باطنہ بھی، ہر دو قسم میں کچھ علمی اور کچھ عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں، مشائخ طریق طالب کے حالات اور عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتا دیتے ہیں، ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے، اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں، اس تقریر سے طریق اور مقصود دونوں واضح ہو گئے''

حضرت والا قدس اللہ سرہ کے ملفوظات میں یہ عجیب وغریب بات نظر آتی ہے کہ مختصر سے مختصر جملہ لے لیجئے، اتنا جامع ہوگا، اتنا ہمہ گیر ہوگا کہ اگر آدمی صرف اسی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دے تو اس کے لئے کافی ہے، خود بھی فرمادیا کہ اس تقریر سے طریق اور مقصود دونوں واضح ہو گئے، یعنی یہ بات واضح ہو گئی کہ مقصد کیا ہے، اور اس کے حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے، جب یہ دونوں چیزیں معلوم ہو گئیں تو عمل کرنا آسان ہوگا۔

اعمال کی تقسیم

تشریح اس کی یہ ہے کہ یہ جو حضرت نے فرمایا کہ شریعت یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف سے انسان پر کچھ اعمال فرض کئے گئے ہیں کہ یہ کام تمہیں کرنے ہیں، اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے کہ یہ کام تمہیں نہیں کرنے، جو کام کرنے کے لئے کہا گیا ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، بعض اعمال ایسے ہیں جو ہمارے ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ہاتھ پاؤں سے، ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً نماز پڑھنا، ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتا ہے، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، یہ

سب ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں، یہ اعمال ظاہرہ مامور بہا ہیں، اسی طرح کچھ اعمال جن کے کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے، مگران کا ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق نہیں، بلکہ ان کا ہمارے باطن سے تعلق ہے، یعنی ہمارے قلب سے، ہمارے دل سے تعلق ہے۔

صبر اور شکر کا حکم

مثلاً حکم دیدیا گیا ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑے، کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرو، صبر کا حکم بھی اسی طرح قرآن میں آیا ہے جس طرح نماز کا حکم آیا ہے، جس طرح "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ" آیا ہے، اسی طرح "اِصْبِرُوْا" بھی آیا ہے کہ صبر کرو، صبر نہ ہاتھ سے کیا جاتا ہے، نہ پاؤں سے کیا جاتا ہے، نہ آنکھ کان سے کیا جاتا ہے، نہ منہ سے کیا جاتا ہے، نہ زبان سے کیا جاتا ہے، یہ کہاں سے ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے دل سے۔ اسی طرح یہ حکم دیدیا کہ اگر کوئی خوشی کی بات پیش آئے، یا کوئی آرام، کوئی مسرت حاصل ہو تو اس پر شکر کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکر بھی اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح نماز، زکوۃ، حج فرض ہے، اسی طرح شکر بھی فرض ہے، اور شکر بھی محض زبان سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ اصلاً شکر قلب کا فعل ہے، دل کا فعل ہے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ فعل قلب کا ہے، انسان کے باطن کا ہے۔

تواضع کا حکم

اسی طرح قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے کہ انسان تواضع اختیار کرے، فرمایا "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ" یعنی جو شخص اللہ (کو راضی کرنے) کے لئے تواضع

(پستی) اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائے گا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ انسان سر جھکا دے، یا اپنے آپ کو ناکارہ ناچیز کہہ دے، حقیقت میں تواضع اس کا نام نہیں، بلکہ تواضع درحقیقت قلب کا فعل ہے کہ دل سے انسان اپنے آپ کو کمتر سمجھے، یہ تواضع ہے، اس کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس طرح بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہ ہمارے ظاہر سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق ہمارے باطن سے ہے، ہمارے قلب سے ہے۔

اخلاص کا حکم

اسی طرح اخلاص یعنی خلوص، جو سارے اعمال کی روح ہے، کوئی عمل بغیر اخلاص کے قبول نہیں، سارے اعمال کی روح یہ ہے کہ ان میں اخلاص ہو، اللہ کی رضا کے لئے انسان کام انجام دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے انجام دے، اپنی بڑائی پیش نظر نہ ہو، اپنی شہرت مقصود نہ ہو، نہ اپنی نام ونمود مقصود ہو، بلکہ اللہ جل جلالہ کو راضی رکھنے کے لئے انسان کام کرے، یہ ہے اخلاص، اخلاص بھی زبان سے نہیں ہوتا، ہاتھ سے نہیں ہوتا، پاؤں سے نہیں ہوتا، ظاہری اعضاء سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ انسان کے قلب کا فعل ہے، یہ قلب کے اندر ہوتا ہے، اور یہ مامور بہا ہے، اسی طرح ظاہری اعمال کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں جن سے منع کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، شراب نہ پیو، کسی شخص کی دل آزاری نہ کرو، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح کچھ اعمال قلب کے ہیں، جن سے روکا گیا ہے کہ اپنے دل میں یہ صفات پیدا نہ کرو۔

تکبر سے رکنے کا حکم

مثلاً تکبر ہے، اپنی بڑائی جتانا ہے، بڑائی کا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے، یعنی تکبر کا، اور یہ ام الامراض یعنی تمام بیماریوں کی جڑ ہے، اس لئے کہ تمام امراض باطنہ کے سوتے تکبر سے پھوٹتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکبر بہت ہی ناپسند ہے، فرمایا کہ بڑائی میری چادر ہے، جو شخص اس میں میرے ساتھ منازعت کرے گا تو میں اس کو پھاڑ ڈالوں گا، اس واسطے تکبر حرام ہے، اور اسی طرح حرام ہے، جس طرح شراب پینا، جوا کھیلنا، چوری کرنا، زنا کرنا، بدکاری کرنا، اتنا ہی حرام تکبر بھی، بغض بھی، حسد بھی ہے، یہ سارے کے سارے اعمال ہیں باطن کے، اور یہ بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح شراب پینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا حرام ہے، غرض شریعت نام ہے ان سب کے مجموعے کا، کوئی شخص ظاہری اعمال تو پورے انجام دے رہا ہے، روزہ رکھ رہا ہے، نماز پڑھ رہا ہے، زکوٰۃ دے رہا ہے، ذکر کر رہا ہے، تسبیح پڑھ رہا ہے، لیکن اعمال باطنہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا، صبر کے موقعوں پر صبر نہیں کرتا، شکر کے موقع پر شکر نہیں کرتا، اس کے قلب میں اخلاص موجود نہیں ہے، تواضع موجود نہیں ہے، اور ایثار موجود نہیں ہے، یہ اخلاق باطنہ اور اخلاق فاضلہ اس میں موجود نہیں ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا دین ناقص اور ادھورا ہے، جیسے کوئی شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے تو وہ دین کا متبع نہیں کہلا سکتا، اسی طرح نماز روزہ کرے، لیکن یہ اخلاق باطنہ اپنے اندر پیدا نہ کرے تو کبھی بھی اس کا دین کامل نہیں ہوسکتا، یا کوئی شخص چوری سے بچتا ہے، ڈاکے سے

بچتا ہے، جھوٹ سے بچتا ہے، غیبت سے بچتا ہے، لیکن تکبر سے نہیں بچتا، تکبر دل کے اندر موجود ہے، تو اس کا دین کبھی کامل نہیں ہوسکتا، دین اسی وقت کامل ہوگا جب ظاہری اعمال بھی درست ہوں، یعنی شریعت کے اور اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہوں، اور باطنی اعمال بھی درست ہوں، قلب کی بھی اصلاح ہو۔

اعمال ظاہرہ کی درستی اعمال باطنہ پر موقوف

بلکہ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اعمال باطنی کی درستی درحقیقت اعمال ظاہرہ کی درستی پر فوقیت رکھتی ہے، کیونکہ اگر اعمال باطنہ درست نہیں ہیں تو اعمال ظاہری بھی درست نہیں ہوں گے، مثلاً اگر اخلاص موجود نہیں اور آدمی نماز پڑھ رہا ہے، اللہ کی رضا جوئی مقصود نہیں ہے، بلکہ دکھاوا مقصود ہے، نام و نمود مقصود ہے، اس نماز کی ایک دمڑی قیمت نہیں، اس واسطے کہ حدیث میں ہے کہ ''مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰهِ '' جو نماز پڑھے ریا کی خاطر، دکھاوے کے لئے، تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا مخلوق کو، تو وہ نماز بھی بیکار ہے، بیکار سے مراد یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے نماز درست ہوگئی، لیکن اس پر جو ثمرہ ثواب کا مرتب ہونا ہے، وہ اخلاص کے بغیر مرتب نہیں ہوگا، اس لئے اعمال باطنہ کی اصلاح زیادہ ضروری ہے، زیادہ مقدم ہے اعمال ظاہرہ سے، پھر ایک مسئلہ یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ کے اندر جو خرابیاں جو غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کی اصلاح کے لئے کتابیں موجود ہیں، ان کو آدمی پڑھ لے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ نماز میں کیا غلطی

ہوئی، روزے میں کیا غلطی ہوئی، نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے، روزہ رکھنے کا طریقہ کیا ہے، زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے، حج کرنے کا طریقہ کیا ہے، یہ علم کتابوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر آدمی ظاہری برے کاموں میں مبتلا ہے، تو خود سمجھ جائے گا کہ میں ناجائز کام کر رہا ہوں، جھوٹ بول رہا ہوں، غیبت کر رہا ہوں، ناجائز کاموں کے اندر مبتلا ہوں، تو اس کو خود احساس ہوگا۔

باطن کی بیماریوں کا علم خود نہیں ہوتا

لیکن باطن کے امراض ایسے ہیں، باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ ان کا انسان کو خود پتہ نہیں لگتا، بیمار کو بسا اوقات خود پتہ نہیں لگتا کہ میں فلاں باطنی بیماری میں مبتلا ہوں، اس کا احساس نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی صاحب نظر اس کو نہ بتائے کہ تیرے اندر کیا بیماری ہے، اس وقت تک بیماری محسوس ہی نہیں ہوتی، ساری عمر گزر گئی، سمجھ رہا ہے کہ میں ٹھیک کام کر رہا ہوں، لیکن دل میں کچھ روگ پال رکھے ہیں، تکبر کے، خود پسندی کے، عجب کے، ریا کے، ان کے بت دل میں سمائے ہوئے ہیں، اور آدمی سمجھ رہا ہے کہ میں ٹھیک چل رہا ہوں، تو دوسرا کوئی معالج صاحب نظر بتاتا ہے کہ تیرے اندر فلاں بیماری پائی جاتی ہے، اس کی اصلاح کرنی ضروری ہے، جو ظاہری بیماریاں ہیں، ان کا احساس خود بیمار کو ہو جاتا ہے مثلاً اگر مجھے بخار چڑھ رہا ہے، تو پتہ لگ جائے گا کہ بخار آرہا ہے، لیکن تکبر ہے، اس کا پتہ بڑے بڑے صاحب نظر، بڑے بڑے اہل علم اور اہل تحقیق کو بھی نہیں لگتا، ان لوگوں کے دلوں میں تکبر سمایا ہوا ہوتا ہے، اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں تکبر میں مبتلا ہوں۔

یہ تواضع کا دکھاوا ہے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ گفتگو میں انکساری کی خاطر کہہ دیتے ہیں کہ میں بڑا ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، بڑا گناہ گار ہوں، بڑا خطا کار ہوں، اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ ان الفاظ کے استعمال کرنے میں تواضع کر رہے ہیں، اپنے آپ کو کمتر قرار دے رہے ہیں، ناچیز ناکارہ کہہ رہے ہیں، تو گویا تواضع پر عمل کر رہے ہیں، لیکن حضرت نے فرمایا کہ بسا اوقات یہ الفاظ جو تواضع کے طور پر زبان سے نکال رہا ہے، حقیقت میں یہ خود ایک بڑی بیماری ہوتی ہے، حقیقت میں یہ تواضع نہیں ہوتی، تواضع کی ریا ہوتی ہے، تواضع کا دکھاوا ہوتا ہے، اور حقیقت میں تکبر ہوتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی پلٹ کر یہ کہہ دے کہ صاحب بالکل صحیح فرمایا آپ نے، واقعتاً آپ بہت ناچیز، ناکارہ، گناہ گار اور خطا کار انسان ہیں، اگر کوئی پلٹ کر یہ کہہ دے تو بڑا برا لگے گا، بہت ناگوار ہوگا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچے دل سے نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ اس لئے کہہ رہا تھا کہ دوسرا پلٹ کر کہے کہ نہیں صاحب آپ تو بڑے عالم فاضل ہیں، آپ تو بڑے متقی پرہیز گار، بڑے نیک مقدس بزرگ ہیں، تو یہ تواضع نہ ہوئی، تواضع کی ریا ہوئی، تواضع کا دکھاوا ہوا، جو حقیقت میں تکبر تھا، تو اب بتایئے! ظاہر میں اور دیکھنے میں تو وہ شخص تواضع سے کام لے رہا ہے، لیکن حکیم الامت جانتا ہے، حکیم الامت سمجھتا ہے کہ حقیقت میں تواضع نہیں ہے، تکبر ہے، یا ریا ہے، نام نمود ہے۔

شیخ کو اپنے حالات بتلائے

غرض نفس کے امراض کا پتہ نہیں لگتا، یعنی خود بیمار کو پتہ نہیں لگتا جب تک کہ کسی معالج کی طرف رجوع نہ کرے، اور اس کے سامنے اپنے حالات نہ رکھے، اور پھر وہ جس طرح کہے اس کے مطابق عمل کرے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، اور عادتاً اس کے بغیر انسان کی اصلاح ہی نہیں ہوتی۔

صراط مستقیم کیا ہے

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے سنا ہوگا بزرگوں سے کہ سارے قرآن کریم کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے، اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ '' ہے، کیونکہ اگر صراط مستقیم مل گئی تو سبھی کچھ مل گیا، سارا قرآن کریم صراط مستقیم کی تفصیل ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے، اب یہ دیکھئے کہ قرآن کریم نے صراط مستقیم کی تفسیر کیا کی ہے، صراط مستقیم کیا ہے، تو صراط مستقیم کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ راستہ ہے، نہ کسی کتاب کا نام نہیں لیا کہ فلاں کتاب کا راستہ، بلکہ کیا فرمایا کہ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ '' کہ راستہ ان لوگوں کا جن پر اے اللہ آپ نے انعام فرمایا، آپ نے اپنی نعمت نازل فرمائی، اور وہ کون ہیں، سورۃ انعام کے اندر ان حضرات کا ذکر ہے کہ ''اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ '' یعنی جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام نازل فرمایا، وہ انبیاء ہیں، وہ صدیقین ہیں، وہ شہداء ہیں، وہ صالحین ہیں، یہ حضرات ہیں جب پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام نازل فرمایا، تو بتا دیا کہ

صراط مستقیم وہ راستہ ہے انبیاء کا، راستہ ہے صدیقین کا، راستہ ہے شہداء کا، راستہ ہے صالحین کا، تو اشارہ اس بات کی طرف ہوا کہ اگر صراط مستقیم حاصل کرنا چاہتے ہو تو کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوگی، بلکہ صراط مستقیم حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے، جن پر اللہ نے اپنا انعام نازل فرمایا، ان کی صحبت اختیار کرو، انکی اتباع کرو، انکے ساتھ رہ پڑو، ان کی ایک ایک ادا کو دیکھو، سمجھو اور اسکی نقل اتارنے کی کوشش کرو۔

اللہ والے کی صحبت اختیار کرو

لہٰذا شروع ہی سے جب سے اسلام آیا اس وقت سے آج تک دین کے حاصل کرنے کا راستہ اور آسان ترین راستہ اور فطری راستہ وہ ایک ہی ہے، اور وہ ہے کسی اللہ والے کی صحبت، کسی ایسے شخص کی صحبت جس نے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کی رضا حاصل کی ہو، ایسے شخص کی صحبت کے بغیر عادتاً اصلاح نہیں ہوتی، یعنی دین میں رسوخ حاصل نہیں ہوتا، اس وقت تک امراض ظاہرہ و باطنہ زائل نہیں ہوتے جب تک کہ اس کی صحبت حاصل نہ کرلے، آپ نے دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ کبھی کتاب تنہا نہیں بھیجی، ورنہ سیدھا سادا راستہ یہ تھا اور مشرکین کا مطالبہ بھی یہ ہی تھا کہ ہمارے اوپر براہ راست کتاب نازل کیوں نہیں ہو جاتی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کیوں بھیجی گئی، اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل تھا، جب صبح سویرے سب اٹھتے تو ہر شخص کے سرہانے ایک بہت خوبصورت جلد میں قرآن کریم کا ایک نسخہ رکھا ہوتا، اور آسمان سے آواز آجاتی کہ یہ کتاب اللہ ہے، اس کی پیروی کرو، کیا یہ کوئی مشکل کام تھا اللہ کے لئے؟ بلکہ اور ایک معجزہ ظاہر ہوتا،

ہر شخص دیکھ کر مسلمان ہو جاتا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتاب تنہا نہیں بھیجی، بلکہ کتاب کے ساتھ رسول بھیجا، ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ رسول آئے، کتاب نہیں آئی، لیکن ایسی ایک مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو، ساتھ میں پیغمبر نہ آیا ہو۔

تنہا کتاب اصلاح کے لئے کافی نہیں

کیونکہ تنہا کتاب انسان کی اصلاح کے لئے، انسان کی ہدایت کے لئے کبھی کافی نہیں ہوا کرتی، جب تک کہ اس کے ساتھ مربی نہ ہو، معلم نہ ہو، وہ آکر نمونہ نہ دکھائے، اس کی صحبت میں لوگ نہ بیٹھیں، اس وقت تک کتاب انسان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتی، اور تو اور یہ جو کھانا پکانے کی کتابیں ہیں، جن میں ہر قسم کا کھانا پکانے کے طریقے لکھے ہوتے ہیں، ان کے بارے میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہ کھانا پکانے کی کتاب چھپی ہوئی ہے، اس میں لکھا ہے کہ بریانی کیسے پکتی ہے، پلاؤ کیسے بنتا ہے، قورمہ کیسے پکتا ہے، وہ کتاب سامنے رکھ لو اور پکاؤ بریانی، بناؤ پلاؤ، اس کتاب کو دیکھ کر، اگر بریانی بناؤ گے تو سوائے اس کے کچھ عجیب قسم کا ملغوبہ تیار ہوگا، اور کوئی نتیجہ اس کا نہیں نکل سکتا، تو جیسے بریانی پکانے کے لئے بھی کسی مربی کی ضرورت ہے کہ کوئی بتانے والا بتائے گا، کوئی جاننے والا باورچی تربیت دے گا، جب آتا ہے پلاؤ پکانا، بریانی پکانا، تو جب دنیا کے کام میں یہ حال ہے تو دین کے کام بغیر مربی اور بغیر معلم کے کیسے آسکتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی صحبت سے دین حاصل کیا، اس وقت نہ کوئی کالج تھا، نہ یونیورسٹی، نہ کورس، نہ کتابیں، نہ کچھ اور، بس صحبت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل ہوگئی، صحابہؓ بن گئے۔

صحابہ کے نام کے ساتھ کوئی القاب نہیں

حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے لکھا ہے کہ اور جتنے بڑے بڑے فقہاء، علماء گزرے ہیں، ان کے بڑے بڑے القاب ہوتے ہیں، کسی کو فقیہ ملت کہتے ہیں، کسی کو محدث امت کہتے ہیں، کسی کو امام، کسی کو مفسر وغیرہ وغیرہ، طرح طرح کے خطاب دیے جاتے ہیں، لیکن حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ نے کبھی کوئی خطاب دیکھا کہ کسی نے امام ابو بکر کہا ہو، یا محدث اعظم عثمان غنی کہا ہو، صحابہ کرام کے ساتھ کوئی ایسا لقب استعمال نہیں کیا جاتا، کیوں؟ اس واسطے کہ :

حاجت مشاطہ نیست روئے زیبا را

''جس کا چہرہ ہی خوبصورت ہو اس کو زیب و زینت کی ضرورت نہیں'' اس واسطے جب کہہ دیا کہ یہ صحابی ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ساری صفات کمال جو انسان کی ہو سکتی ہیں، وہ ساری کی ساری اس کی طرف منسوب کر دی ہیں، جب صحابی ہیں تو وہ فقیہ بھی ہیں، محدث بھی ہیں، وہ مجاہد بھی ہیں، وہ اللہ کے راستے کے اندر جہاد کرنے والا بھی ہے، متقی اور پرہیزگار بھی ہے، وہ صوفی بھی ہے، وہ ولی اللہ بھی ہے، وہ سبھی کچھ ہے، یہ مقام کس چیز سے حاصل ہوا؟ صحبت سے، صحابی صحبت سے بنا ہے، یہی دین کے پھیلنے کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک چلا آ رہا ہے۔

باطنی معالج کا انتخاب کرلو

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اس ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ اعمال ظاہرہ اور باطنہ دونوں کی اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ اپنے لئے ایک باطنی معالج مقرر کرلو، اس کو اپنا مقتدا بنالو، اپنے سارے حالات اس کو بتاؤ، پھر وہ بتائے گا کہ تمہارے اندر کیا بیماری ہے، اور وہ پھر اس کی اصلاح کا طریقہ تجویز کرے گا، یہ طریقہ اس عزم کے ساتھ اپناؤ کہ اس کے کہنے کے اوپر عمل کرنا ہے، یہ خلاصہ ہے، فرمایا کہ اس سے مقصود بھی واضح ہوگیا، اور طریقہ بھی واضح ہوگیا، مقصود اعمال ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح اور طریقہ کسی شیخ کی طرف رجوع کرکے اس کی صحبت اختیار کرنا، اور اس سے اپنی اصلاح کرانا، یہ حاصل کرلو تو بس یہ سیدھا سادہ راستہ ہے، اس کے بعد کسی چیز کی حاجت نہیں، لوگ بعض غیر مقصود چیزوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ دل جاری ہو جائے، کشف ہونے لگیں، کرامات حاصل ہو جائیں وغیرہ وغیرہ، ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہیں، بس کسی اللہ والے کا دامن تھام لیا، اس کے پیچھے چل پڑے، بس یہ صراط مستقیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم کسی معالج کو اپنے لئے تجویز کرلیں، اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

پڑوسی کے حقوق

اور ہدیہ کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال، کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پڑوسی کے حقوق

اور

ہدیہ کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ۔

(بخاری شریف، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، حدیث نمبر ۲۵۶۶)

(وریاض الصالحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۲)

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! میں نے اس وقت آپ کے سامنے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر حدیث تلاوت کی ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست مسلمان خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے مسلمان عورتوں، کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لئے کسی ہدیہ کو کسی تحفہ کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ ہدیہ کسی بکری کے کھر کا کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث درحقیقت پڑوسیوں کے حقوق بیان کرنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، اور پڑوسیوں کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے اور انکے درمیان مودت اور محبت، اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کا راستہ بتادیا۔

پڑوسی کو وارث بنادیا جاتا

آج کے اس نئی روشنی کے نظام نے ''پڑوس'' کا تصور ہی ختم کر دیا ہے، سالہا سال تک پڑوس میں ساتھ رہ رہے ہیں، دونوں کے مکان ساتھ ساتھ ہیں لیکن ایک دوسرے کو نہ تو پہچانتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کا نام جانتے ہیں، نہ اس کے حالات جانتے ہیں حالانکہ ''پڑوس'' کے حقوق اتنے ہیں کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی طویل تاکید فرمائی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید شریعت میں پڑوسی کو وارث قرار دینے کا حکم آنے والا ہے، کہ شاید اللہ تعالیٰ پڑوسی کو وارث قرار دیدیں کہ انسان کا جب انتقال ہو تو اس کے ترکہ میں پڑوسی کا بھی حق ہے۔

وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کے پڑوس میں کوئی آدمی بھوکا ہو اور اس کو پتہ نہ ہو(الادب المفرد، باب لا یشبع دون جارہ، حدیث نمبر ۱۱۲) اس لئے کہ پتہ نہ ہونا بھی غفلت ہے، اس لئے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمیں کیا پتہ کہ وہ بھوکا ہے۔ ارے تمہیں کیوں پتہ نہیں؟ تمہیں اس لئے پتہ نہیں کہ تمہارے دل میں پڑوس کا احساس نہیں، تمہارے دل میں اس کے حقوق کا ادراک نہیں، اس کی اہمیت نہیں، اگر دل میں اہمیت ہوتی تو تم پتہ رکھتے کہ میرا پڑوسی کس حال میں ہے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوس کے حقوق کی اتنی اہمیت بیان فرمائی ہے تاکہ ایک دوسرے کے کام آؤ، ایک دوسرے کے حالات جاننے کی کوشش کرو، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھی رہو، ایک دوسرے کو ہدیے اور تحفے بھیجو، ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

سفر میں ساتھ بیٹھنے والے کے حقوق

جو آدمی ہر وقت آپ کے مکان کے ساتھ رہتا ہے، اس کا درجہ اور اس کے حقوق تو اپنی جگہ ہیں۔ قرآن کریم نے اس پڑوسی کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں، جو عارضی طور پر سفر میں آپ کا ساتھی بن جاتا ہے، مثلاً آپ بس میں سفر کر رہے ہیں، اور آپ کی سیٹ کے برابر دوسری سیٹ پر ایک آدمی آ کر بیٹھ گیا، قرآن کریم نے اس کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں اور اس کو "صَاحِبِ بِالْجَنْبِ" کا نام دیا۔ یا مثلاً

ریل میں سفر کر رہے ہیں، اور آپ کے ساتھ جو دوسرا آدمی بیٹھا ہے وہ آپ کا ''صاحب بالجنب'' ہے۔ جسکے معنی ہیں ''برابر میں بیٹھنے والا'' اس کے بھی اللہ تعالیٰ نے حقوق رکھے ہیں یعنی جو شخص تھوڑی دیر کے لئے آپ کا ساتھی بنا ہے اور جس نے تھوڑی دیر کے لئے ہم سفری اختیار کی ہے، اس کا بھی حق یہ ہے کہ اس کو بھی تکلیف نہ پہنچنے دو، اس کو بھی راحت پہنچانے کی کوشش کرو، تمہاری ذات سے، تمہارے عمل سے اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

چند گھنٹے کا ساتھ ہے

''صاحب بالجنب'' کے سلسلے میں یہ بھی عرض کردوں کہ صاحب بالجنب کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا بہت آسان ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ریل میں، بس میں کونسا لمبا چوڑا وقت گزارنا ہے، صرف دو گھنٹے، یا چار گھنٹے، چھ گھنٹے، چوبیس گھنٹے، ایک دن، دو دن، اس سے زیادہ تو نہیں ہوگا، اب اگر یہ مختصر وقت تم تھوڑی سی تکلیف برداشت کرتے ہوئے گزار لو اور اپنے ساتھی کو آرام پہنچا دو تو تمہارے اعمال نامے میں کتنی نیکیوں کا اضافہ ہو جائیگا۔ اس کے برخلاف اگر تم نے اس کو کوئی تکلیف پہنچا دی اور سفر مکمل ہونے کے بعد آپ کا راستہ الگ، اس کا راستہ الگ، آپ کی منزل الگ، اس کی منزل الگ، اب دوبارہ اس سے ملنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اور تکلیف پہنچانے کا گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ یہ صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کردے۔

بعد میں معافی مانگنا مشکل ہوگا

اب فرض کرو کہ سفر کے دوران آپ کے ذریعہ کسی ساتھ کو تکلیف پہنچی۔ بعد میں آپ کو افسوس ہوا کہ مجھ سے یہ بڑی غلطی ہوگئی اور اب فکر ہوئی کہ اس کی تلافی کروں؟ لیکن اب مسافر کو کہاں تلاش کروں، اور کس طرح اس سے معافی مانگی جائے، اور اس گناہ کی تلافی کرائی جائے۔ لہذا یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی تلافی بھی مشکل ہے۔ بہر حال؛ ”صاحب بالجنب“ جو عارضی طور پر تمہارے سفر میں ساتھ ہوگیا ہے، جب اس کے اتنے حقوق ہیں تو جو شخص مستقل طور پر تمہارے ساتھ میں رہتا ہے، اس کے کتنے زیادہ حقوق ہونگے۔ بہر حال، ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے مختلف حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اپنے پڑوسی کو فائدہ پہنچاؤ

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی پڑوسی تمہاری دیوار پر اپنی چھت کا شہتیر رکھنا چاہتا ہے، تو تم پڑوسی کو منع مت کرو۔ (صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یمنع جارہ جارہ ان یغرز خشبة فی جدارہ، حدیث نمبر ۲۲۶۳) حالانکہ دیوار تمہاری ہے اور تمہیں قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ تم اس کو منع کردو لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر تمہارے ذریعہ سے تمہارے پڑوسی کو کچھ فائدہ ہورہا ہے تو اس کو مت روکو بلکہ اجازت دیدو۔ ان حقوق کی ادئیگی کے لئے دلوں کا جڑا ہونا ضروری ہے، اگر دلوں میں محبت ہوگی تو ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور اگر دلوں میں محبت نہیں ہے، بلکہ نفرت ہے، عداوت

ہے، دشمنی ہے، بغض ہے، کینہ ہے، حسد ہے تو پھر کیسے حق ادا ہوگا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی ہے کہ پڑوسیوں کو کبھی کوئی ہدیہ تحفہ بھیج دینا چاہئے۔

ہدیہ دو، چاہے وہ معمولی چیز ہو

چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

تَهَادُوا تَحَابُّوا

(الادب المفرد لامام البخاری، باب قبول الهدية، حديث نمبر ۵۹۴)

تم آپس میں ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی اس لئے پڑوسیوں کو کبھی ہدیہ دیدیا کرو اس سے دلوں میں محبتیں بڑھتی ہیں۔ اگر فرض کرو کہ کوئی پڑوسن اتنی غریب ہے کہ وہ بیچاری اپنی پڑوس میں رہنے والی خاتون کو کوئی بڑا تحفہ اور ہدیہ نہیں دے سکتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر تمہارے پاس بکری کا کھر رکھا ہے تو اس کے بارے میں یہ مت سوچو کہ بکری کا کھر تو حقیری چیز ہے، اس کو کیا بھیجوں، آپ نے فرمایا کہ اس کو حقیر سمجھ کر چھوڑو نہیں۔ اس وجہ سے کہ اگر تمہارے پاس کچھ اور نہیں تھا اس لئے تم نے وہ کھر بھیج دیا تو بات اس چیز کی نہیں جو دی جارہی ہے بلکہ بات اس جذبے کی ہے جس جذبے کے ساتھ وہ چیز دی جارہی ہے، جب تم اس جذبے کے ساتھ اپنی پڑوسن کو کوئی چیز بھیجو گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دلوں میں محبت پیدا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا کہ کوئی کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کے لئے کسی ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے۔ بھیجنے والی بھی حقیر نہ سمجھے کہ

یہ چھوٹی سی چیز ہے، کیا بھیجوں؟ اور وصول کرنے والی بھی حقیر نہ سمجھے کہ اس خاتون نے میرے پاس کتنی معمولی سی چیز بھیج دی۔ بلکہ وہ یہ دیکھے کہ بھیجنے والی نے کس جذبے سے وہ چیز بھیجی ہے۔

ہدیہ جو محبت بڑھانے کا ذریعہ تھا لیکن

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''معاشرت'' کی تعلیمات ہیں، کہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جائے، انہی تعلیمات کو چھوڑ کر آج ہم نے اپنی زندگی کو جہنم بنایا ہوا ہے، عداوت کی، نفرت کی، بغض کی، کینہ کی، حسد کی آگ میں ان تعلیمات کو چھوڑنے کی وجہ سے پورا معاشرہ سلگ رہا ہے۔ ''ہدیہ'' کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبتیں بڑھتی ہیں، یہ چیز جو محبتیں بڑھنے کا ذریعہ تھی آج ہم نے اس کو نفرتیں بڑھنے کا ذریعہ بنالیا ہے، ہر چیز کو ہم نے الٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ آج ہدیہ کو ہم نے اپنی چند خود ساختہ رسموں کے تابع بنالیا ہے، مثلاً یہ کہ فلاں موقع پر ہدیہ دیا جائیگا اس سے پہلے نہیں اور وہ ہدیہ صرف اس لئے دیا جارہا ہے کہ اگر ہم نے وہ ہدیہ نہیں دیا تو معاشرے میں ہماری ناک کٹ جائیگی۔ مثلاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر ہدیہ دیا جارہا ہے اور اس لئے دے رہے ہیں کہ اگر ہم نہیں دیں گے تو ہماری ناک کٹ جائیگی۔ وہ چیز جو محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ بنتی، اس چیز کو آج ہم نے رسمی تعلق کا ذریعہ بنادیا۔

شادی بیاہ پر دیا جانے والا ہدیہ

چنانچہ جب شادی بیاہ کا موقع آتا ہے تو سب کو یاد ہوتا ہے کہ کس نے ہمارے

ہاں شادی کے موقع پر کتنے پیسے دیے تھے، بعض علاقوں میں تو باقاعدہ فہرست بنا کر لکھ لیا جاتا ہے کہ کس نے فلاں کی شادی پر کتنے دیے تھے؟ گویا کہ وہ پیسے اس کے ذمے قرض ہیں۔ جب اس کے یہاں شادی کا موقع آئیگا تو یہ پیسے وہاں ادا کرنا ضروری ہوگا اور بعض جگہوں پر فہرست بنا کر لکھا تو نہیں جاتا، لیکن دل میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کس نے کتنا دیا تھا، لہذا اب مجھے بھی اس کے یہاں اتنے ہی دینے ہیں، اس سے کم نہیں دے سکتا، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ زیادہ اس لئے نہیں دے سکتا کہ جب اس نے نہیں دیے تو میں کیوں دوں؟ اور کم اس لئے نہیں دے سکتا کہ اگر میں کم دوں گا تو معاشرے میں میری ناک کٹ جائیگی اور وہ برا مانیں گے۔

ایسا ہدیہ سود میں داخل ہے

اب اگر کسی کے پاس اتنی گنجائش نہیں تھی کہ اتنا دے جتنا اس نے دیا تھا لہذا اس نے کچھ کم دیدیا۔ اب اس کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جائیگی کہ ہم نے تمہارے ہاں فلاں تقریب میں اتنا دیا تھا اور تمہیں اتنا دینے کی بھی توفیق نہ ہوئی؟ وہ ہدیہ جو محبتیں پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا، الٹا وہ اور نفرتیں اور عداوتیں پیدا کر رہا ہے، دلوں کو جوڑنے کے بجائے دلوں کو توڑ رہا ہے۔ یہ سب شیطان کا عمل ہے، وہ اچھے خاصے کام کو اس طرح بگاڑتا ہے کہ اس کے ذریعہ جو اصل مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے : اس طرح سے ہدیہ کا لین دین جو ادلے بدلے کا لین دین ہو، یہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ''سود'' ہے۔ قرآن کریم نے سورۃ روم میں فرمایا :

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

(سورۃ الروم :۳۸)

اس آیت میں لفظ ''ربا'' سے مراد یہی ادلے بدلے کا لین دین ہے، جسکو آجکل ''نیوتہ'' کہا جاتا ہے، یہ ہدیہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہماری تقریب میں اتنا ہی دے یا اس سے زیادہ دے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح نیوتہ کے طور پر جو تم دیتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ البتہ تم جو زکاۃ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر دیتے ہو اس میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ بہر حال یہ نیوتہ جو دکھاوے کے لئے نام کی خاطر، صرف اس وجہ سے کہ ہماری ناک نہ کٹے اور ہمارا نام ہو کہ فلاں نے اس تقریب میں اتنا دیا۔ یہ ساری باتیں ہدیہ اور تحفے کی روح کو غارت کرنے والی ہیں۔

ہدیہ کے لئے تقریب کا انتظار مت کرو

کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ فلاں ہمارا عزیز ہے، یا فلاں ہمارا دوست ہے، اس کو ہم کوئی تحفہ دیدیں۔ اب گھر والوں سے مشورہ ہوا کہ کیا چیز تحفہ میں دی جائے؟ اب مشورہ کے اندر یہ بات سامنے آئی کہ اس وقت تحفہ دینے سے کیا فائدہ، ان کے گھر میں فلاں تقریب ہونے والی ہے، اس تقریب کے موقع پر دیں گے حالانکہ اس وقت جو دل میں محبت سے ہدیہ دینے کا جو داعیہ پیدا ہوا تھا، اگر اس وقت وہ ہدیہ دیتے تو اس پر اجر و ثواب ملتا، اور اس سے محبتیں بڑھتیں لیکن یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا کہ فلاں تقریب آرہی ہے، اس تقریب کے موقع پر دیدیں گے، جسکا مطلب یہ جو ہدیہ اخلاص کے ساتھ دینا تھا، اس کو ٹال دیا اور اس کو

رسم بنا دیا، یاد رکھیے! یہ بہت گھاٹے کا سودا ہے۔ تقریب کے وقت دینے میں بھی تمہارے پیسے خرچ ہوں گے۔ لیکن اب پیسوں پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا، اور اس ہدیہ سے جو فوائد حاصل ہونے چاہئیں، وہ نہیں ہوں گے۔

صرف اللہ کے لئے ہدیہ دو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محبتیں پیدا کرنے والی چیز یہ ہے کہ جب دل میں یہ داعیہ پیدا ہو کہ فلاں میرا بھائی ہے، فلاں میری بہن ہے، فلاں میرا عزیز ہے، فلاں میرا رشتہ دار ہے، فلاں میرا دوست ہے، میں اس کی کچھ خدمت کردوں، بس اس وقت اس کی خدمت کردو۔ اور جب دل میں داعیہ نہیں ہے، محض رسم کی وجہ سے مجبور ہو کر دے رہے ہیں کہ اس وقت سارے لوگ دے رہے ہیں، ہم بھی دیدیں۔ یہ کوئی بات نہیں۔ لہٰذا ایک مرتبہ ان رسموں کو ختم کر کے ان رسموں کے خلاف کھڑے ہو جاؤ اور صرف اللہ کے لئے ہدیہ لینا دینا شروع کردو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے میرا کہنا نہیں ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ "تھادَوْا تحابوا" آپس میں ہدیہ دو، محبتیں پیدا ہونگی اور اگر کسی وقت اس کے ذریعے محبتیں پیدا نہیں ہورہی ہیں بلکہ الٹا شکوے اور شکایتیں پیدا ہورہی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو ہدیہ دے رہا ہے، وہ حقیقت میں ہدیہ ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قبول نہیں ہے، اس لئے کہ تم نے اس ہدیہ کو نام ونمود اور رسموں کے تابع بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں ہے، اگر اللہ کی رضا کی خاطر چھوٹی سی چیز بھی دوگے تو اس سے محبت پیدا ہوگی۔

خاص طور پر خواتین سے خطاب کیوں؟

دیکھئے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر خواتین کو خطاب فرمایا کہ اے مسلمان عورتوں! آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دینے میں کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو، وجہ اس کی یہ ہے کہ پڑوسیوں میں آپس میں ایک دوسرے سے شکوہ شکایتیں جو ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے رنجشیں ہوتی ہیں وہ عموماً خواتین کے درمیان ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مرد تو عموماً صبح اٹھ کر اپنے کام دھندوں کے لئے چلے جاتے ہیں اور عورتوں کو زیادہ وقت گھر میں گزارنا ہوتا ہے، اس لئے ان کے درمیان رنجشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

کم اور زیادہ کی فکر چھوڑ دو

دوسرے یہ کہ ہدیہ اور تحفے کے سلسلے میں رسموں کی پابندی خواتین کے ذہنوں میں زیادہ ہوتی ہے کہ اس نے ہدیہ کم دیا، اس نے زیادہ دیا، اس لئے خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو خطاب کر کے ہدیہ کی روح بیان فرمادی، لہٰذا یہ مت دیکھو کہ ہدیہ میں کیا چیز آرہی ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کس دل سے آرہی ہے، چھوٹی سی چیز ہدیہ میں دی جارہی ہو مگر دل میں اخلاص ہو، محبت ہو تو اس چھوٹی سی چیز کی دل میں قدر و منزلت ہوگی، ہدیہ لینے میں بھی اور ہدیہ دینے میں بھی۔ بہر حال ایک اصول تو اس حدیث میں یہ بیان فرمادیا۔

ہدیہ میں کیا چیز دی جائے؟

ہدیہ کے سلسلے میں دوسرا اصول اس حدیث میں یہ بیان فرمایا جو آج ہمارے

معاشرے میں بالکل فراموش کر دیا گیا ہے، وہ یہ کہ ہدیہ دیتے وقت یہ دیکھو کہ کونسی چیز ایسی ہے کہ ہدیہ دینے میں اس کو راحت ہوگی اور خوشی ہوگی۔ اب آجکل ہمارے یہاں ایک رسم پڑ گئی کہ جب کسی کے یہاں تقریب ہوگی تو مٹھائی کا ڈبہ ہدیہ میں لے جائیں گے۔ اب ہر شخص مٹھائی کا ڈبہ لیے چلا آ رہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے گھر میں مٹھائی کا ڈھیر لگ گیا اس لئے کہ اس موقع پر کوئی اور چیز لیجانے کا رواج ہی نہیں، صرف مٹھائی لیجانے کا رواج ہے۔ اب اس مٹھائی کے ڈھیر کو گھر والے نہ کھا سکتے ہیں نہ پھینک سکتے ہیں بالآخر وہ رکھے رکھے خراب ہو جاتی ہے، یہ کیوں ہوا؟ اس لئے ہدیہ میں پیش نظر رسمی اصول ہیں، اسلامی اصول نہیں اور یہ ہدیہ اللہ کے لئے نہیں دیا جا رہا ہے، یہ ہدیہ محبتیں پیدا کرنے کے لئے نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ صرف رسم پوری کرنے کے لئے دیا جا رہا ہے۔

ایک بزرگ کے عجیب وغریب ہدیے

تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ بزرگ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے محبت رکھتے تھے، کبھی کبھی ملاقات کے لئے حضرت والد صاحب کے پاس تشریف لاتے تھے اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ سمجھ بھی عطا فرماتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ جب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو کاغذ کا ایک دستہ بطور ہدیہ لیکر آئے اور ایک مرتبہ آئے تو روشنائی کی شیشی لا کر ہدیہ میں پیش کر دی۔ جب وہ یہ چیزیں لیکر آئے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو: کوئی اور ہوتا اور اس کے دل

میں ہدیہ دینے کا خیال آتا تو بازار جا کر مٹھائی کا ڈبہ خرید کر لے آتا، اس کے دماغ میں یہ خیال نہ آتا کہ میں کاغذ خرید کر لے جاؤں۔ لیکن اس اللہ کے بندے کے دل میں ہدیہ دینے سے مقصود چونکہ راحت پہنچانا ہے اور ہدیہ دینے سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہے، اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ ان کو کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ انہوں نے سوچا کہ مفتی صاحب کو ہر وقت لکھنے کا کام رہتا ہے اور لکھنے کے لئے کاغذ کی ضرورت رہتی ہے اگر میں مفتی صاحب کے لئے کاغذ اور روشنائی لیکر جاؤنگا تو ان کے کام آئیگا۔ فرمایا کہ یہ ہدیہ رسمیات سے بالاتر ہے، لیکن اس ہدیہ میں جو نور اور برکت ہے وہ مٹھائی کے ڈبے کے ہدیہ میں نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے روشنائی کا ہدیہ لا کر دیدیا۔ آج کے دور میں کوئی آدمی روشنائی لائیگا؟ کسی کے دماغ میں یہ خیال ہی نہیں آئیگا، ان صاحب کو چونکہ یہ فکر تھی کہ کوئی ایسی چیز لے جاؤں جو ان کے کام آئے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بزرگوں کی زیارت کرادی، ان کی زیارت بھی بڑی نعمت ہے۔ یہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے ساتھی تھے، اور دوست بھی تھے، دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھا اور پھر ساتھ پڑھایا۔ اور مصنف بھی تھے، بہت سی کتابیں لکھیں اور والد صاحب نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں، ان کو والد صاحب سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے نام بھی وہی رکھے جو حضرت والد صاحبؒ نے اپنی کتابوں کے رکھے تھے۔ مثلاً حضرت والد صاحبؒ نے

قرآن کی تفسیر لکھی، اس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا، انہوں نے بھی تفسیر لکھی اور اس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا۔

دعوت کے بجائے پیسے دیدیے

ان کا قیام لاہور میں تھا۔ ایک مرتبہ جب کراچی تشریف لائے تو حضرت والد صاحب سے ملنے کے لئے دارالعلوم کراچی بھی آئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب دارالعلوم کے قریب تک بسیں نہیں آتی تھیں اور بلکہ دور اتارتیں اور پھر وہاں سے پیدل آنا پڑتا تھا، یا اپنی گاڑی سے آنا پڑتا اور دارالعلوم میں ایسے وقت پہنچے جب کھانے کا وقت نہیں تھا۔ حضرت والد صاحب بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے، حضرت والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا پروگرام ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ملاقات کر کے واپس جانا ہے، اور فلاں جگہ پر کھانے کا وعدہ کر رکھا ہے وہاں پہنچنا ہے، اور دو دن کا کراچی میں قیام ہے، اور کام بہت سارے ہیں۔ جب وہ واپس جانے لگے تو حضرت والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب ایک بات سنو، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہاری دعوت کروں کیونکہ بہت مدت کے بعد میرے پاس آئے ہو لیکن اگر میں دعوت کروں تو یہ تمہارے ساتھ عداوت ہوگی۔ اس لئے کہ اب تو آپ کسی طرح وقت نکال میرے پاس ملنے کے لئے آگئے اور اس دعوت کے لئے مجھے آپ کو دوبارہ بلانا پڑیگا یہاں کورنگی آنے کے لئے آدھا دن آدمی کے پاس ہونا چاہئے اور تمہارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ دعوت کے لئے دوبارہ آسکو، اور دل چاہ رہا ہے کہ دعوت کروں۔ ایسا کرو کہ میں دعوت پر جتنے پیسے خرچ

کرتا، اتنے پیسے میں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں اس کے نتیجے میں میری خواہش بھی پوری ہو جائیگی اور آپ کو بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ چنانچہ والد صاحب نے پچاس روپے نکال کر حضرت مولانا ادریس صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب نے وہ پیسے اس انداز میں لیے کہ جیسے ان کو کتنی بڑی نعمت مل گئی اور ان کو لیکر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ تو میرے لئے دعوت سے ہزار درجہ بہتر ہے اور قبول فرمالئے۔

دوسرے کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو

اب بتائیے، آج یہ عمل کوئی کریگا؟ آج تو رسم یہ ہے کہ گھر پر بلا کر کھانا ہی کھلاؤ۔ چاہے اس کو کتنی ہی تکلیف ہو، چاہے اس کا کتنا ہی وقت ضائع ہو، کتنے ہی اس کے پیسے خرچ ہوں، لیکن گھر پر بلا کر ہی کھانا کھلانا ہے۔ لیکن وہاں پر آپ نے دیکھا کہ "رسم" کا کوئی سوال نہیں، وہاں پر تو دل کی محبت کا سوال ہے، اخلاص کا سوال ہے۔ ارے جس سے تم کو محبت ہے، اس کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو، اس لئے محبت نام ہے، راحت پہنچانے کا۔ محبت تکلیف پہنچانے کا نام نہیں ہے کہ ایک طرف محبت ہو رہی ہے اور دوسری طرف تکلیف پہنچائی جا رہی ہے، یہ نہیں۔ بلکہ محبت نام ہے راحت رسانی کا کہ کس کام میں اس کو راحت ہوگی؟ اس کی راحت کا خیال کرو۔ آج اگر دوسرے کو دعوت کے نام پر پیسے دیدیے تو سامنے والا یہ سمجھے گا کہ مجھے بھیک دیدی اور مجھے پیسے کا بھوکا سمجھ رہا ہے اگر دعوت کرتے تو اعزاز ہوتا۔ اب پیسے دینے سے کیا اعزاز ہوگا؟ ارے بھائی: اگر ایک مسلمان بھائی آپ کو ہدیہ

دے رہا ہے، اور اخلاص کے ساتھ دے رہا ہے، محبت کے ساتھ دے رہا ہے تو بہت بڑی نعمت ہے۔

برکت والا ذریعہ آمدنی ''ہدیہ'' ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے لئے دنیا میں جتنے ذرائع آمدنی ہیں ان میں سب سے زیادہ بابرکت اور پرنور ذریعہ آمدنی کسی مسلمان کا ہدیہ محبت ہے، اس لئے کہ وہ صرف محبت کی خاطر دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دے رہا ہے، لہٰذا اس ہدیہ کو حقیر مت سمجھو۔ اسی لئے کہ فرمایا کہ اگر تمہیں خوشبو دے رہا ہے، اور عطر کی شیشی دے رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں نام و نمود نہیں ہے، اگر نام و نمود ہوتا تو کوئی بڑی چیز دیتا، بلکہ اس کے دل میں اخلاص ہے، اور اپنی محبت کا اظہار تم سے کرنا چاہتا ہے تو اب اس کو رد مت کرو، بلکہ اس کو قبول کرلو اور جب تم اس کو قبول کرلو گے تو اس میں جو برکت اور نور ہوگا، اس میں جو لطف ہوگا، وہ بڑی بڑی چیزوں سے نہیں ہوگا۔ بہر حال، اس حدیث سے ہدیہ کے بارے میں دوسرا اصول یہ پتہ چلا کہ رسم و رواج کے لئے نہیں محبت کے لئے ہدیہ دیا جائے۔

انتظار کے بعد آنے والا ہدیہ مبارک نہیں

ہدیہ کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ بھی عرض کردوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو ہدیہ ''اشرافِ نفس'' کے بغیر ملے تو اس میں بڑی برکت اور بڑا نور ہے اور جو ہدیہ اشرافِ نفس کے ساتھ ملے تو اس ہدیہ میں برکت نہیں۔ (صحیح بخاری، باب

الاستعفاف عن المسئلة. حدیث نمبر ۱۴۷۲) ''اِشرافِ نفس'' کے معنی ہیں ''نفس کا انتظار'' مثلاً اگر کسی کا اشتیاق اور انتظار لگا ہوا ہے کہ فلاں موقع آرہا ہے، فلاں شخص ہدیہ لیکر آئیگا، یہ اشراف نفسی ہے، یعنی نفس کا انتظار کرنا۔ مثلاً شادی ہورہی ہے، اب پہلے سے وہ حساب کتاب جوڑ رہا ہے کہ شادی کے موقع پر اتنی رقم بطور ہدیہ کے میرے پاس آجائیگی۔ یہ اشراف نفس ہے۔ یا مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ جب بھی ملاقات کے لئے آتا ہے تو ہدیہ لیکر آتا ہے، تو اب اس کا انتظار لگا ہوا ہے کہ وہ ہدیہ آئیگا، یہ اشراف نفس ہے۔ بہرحال، حدیث شریف میں ہے کہ جس ہدیہ میں اشرافِ نفس نہ ہو وہ ہدیہ بڑی برکت والا ہے، اور جس ہدیہ میں اشراف نفس ہو اور انتظار ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔

اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی

اس سے یہ بات نکل آئی کہ جو رسمی ھدایا ہوتے ہیں جو رسموں کے موقعوں پر دیے جاتے ہیں ان میں برکت نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ رسمی ھدایا میں اشراف نفس لازماً ہوگا، لازماً یہ انتظار ہوگا کہ یہ موقع ہے، فلاں شخص کو اتنا ہدیہ دینا چاہئے۔ اس لئے ان ھدایا میں برکت نہیں ہوتی۔ جو ھدایا بغیر رسم و رواج کے دیے جائیںگے ان میں برکت ہوگی۔ لہذا آدمی پہلے سے انتظار میں نہ بیٹھے کہ فلاں شخص ہدیہ لائیگا۔

اشرافِ نفس کی وجہ سے کھانا واپس کردیا

ایک بزرگ جو بڑے اللہ والے تھے، ان کا قصہ لکھا ہے کہ وہ دین کے کام میں لگے رہتے تھے، ایک مرتبہ ان پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ کئی روز کا فاقہ آگیا، اسی

دوران ان کے پاس ان کے شاگرد اور، مریدین آتے رہے، یہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ کسی شاگرد نے یہ محسوس کیا کہ شیخ پر کمزوری اور نقاہت کے آثار ہیں۔ ان کے اوپر فاقہ محسوس ہو رہا ہے، چنانچہ وہ شاگرد مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تا کہ شیخ کے لئے کچھ کھانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں ایک تھال کے اندر کھانا لیکر آئے اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے کہا کہ نہیں، میں یہ کھانا نہیں کھاؤنگا واپس لیجاؤ۔ جب شیخ نے کہا کہ واپس لیجاؤ، میں نہیں کھاؤنگا، تو مرید نے بھی واپس لیجانے میں کوئی تامل نہیں کیا، فوراً وہ تھال اٹھایا، اور واپس لے گیا۔ اور دس پندرہ منٹ کے بعد پھر وہ تھال لیکر آ گیا اور کہا کہ حضرت! اب قبول فرمالیں، شیخ نے فرمایا کہ ہاں بھائی لاؤ، چنانچہ وہ کھانا تناول فرمالیا۔ پہلی مرتبہ وہ کھانا رد کر دیا، اور دوسری مرتبہ وہ کھانا کھالیا۔ ایسا کیوں کیا؟ بات یہ ہوئی کہ جب وہ شاگرد مجلس سے اٹھ کر گیا، اس وقت شیخ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میرا شاگرد میرے کھانے کا انتظام کرنے گیا ہے، اب دل میں انتظار لگ گیا کہ اب یہ شاگرد کھانا لیکر آئیگا۔ جب وہ کھانا لیکر آیا تو چونکہ کھانے کا انتظار لگا ہوا تھا، اس وقت یہ حدیث ذہن میں آ گئی کہ انتظار کے بعد جو ہدیہ آئے اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لئے میں نے کھانا واپس کر دیا۔

کیسے شیخ، کیسے مرید

شاگرد بھی سمجھ گیا کہ شیخ مجھے جو واپس کر رہے ہیں وہ "اشرافِ نفس" کی وجہ سے واپس کر رہے ہیں، اس لئے وہ شاگرد کھانا واپس لے گیا اور واپس لیجانے کے

نتیجے میں انتظار ختم ہو گیا، پھر پندرہ بیس منٹ کے بعد وہی کھانا واپس لے آیا، اور کہا کہ حضرت! اب تو یہ کھانا قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ اس کو قبول کر لیا۔ یہ کیسے شیخ اور کیسے مرید اور شاگرد تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی فہم عطا فرمائی تھی۔ بہر حال، یہ ''اشرافِ نفس'' ایسی چیز ہے جو ہدیہ کی برکت کو ختم کر دیتی ہے۔

محبت کہاں سے پیدا ہو؟

اب آپ خود معاشرہ کا جائزہ لیکر دیکھیں کہ آج کے دور میں ہم شادیوں پر، تقریبات پر، ولیمہ پر، عقیقہ پر، ختنے پر جو ہدیے دیتے ہیں ان میں کیسے برکت ہو سکتی ہے؟ اور حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ ہدیے دو، آپس میں محبت پیدا ہوگی، یہ محبت کہاں سے پیدا ہو؟ جب کہ اس ہدیہ میں برکت ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے ''اشرافِ نفس'' کے بغیر آنے والے ہدیہ میں جو برکت رکھی ہے، اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرو

آج ہم لوگ ان رسموں کے اندر جکڑ گئے ہیں، ان رسموں نے ہمیں اس طرح گھیر لیا ہے جس طرح آگ لکڑی کو گھیر لیتی ہے، ان رسموں سے آزاد ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر آنا، یہ تھوڑا مجاہدہ چاہتا ہے ہمیں اپنی ناک کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کہیں یہ ناک نہ کٹ جائے، ارے یہ سوچو کہ یہ ناک کٹتی ہے تو کٹ جائے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل ہو جائے۔ اور اللہ

تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ اس کی فکر کرو اور ان رسموں سے بچ کر آپس میں محبتیں پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معاشرتی برائیاں

اور علماء کی ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : دارالعلوم رحمانیہ، مینی
ضلع صوابی، صوبہ سرحد

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشرتی برائیاں
اور
علماء کرام کی ذمہ داریاں

۲۳؍رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴؍مارچ ۲۰۰۶ء کو صوبہ سرحد کے دارالعلوم رحمانیہ، مینی ضلع صوابی میں علماء، طلباء کے ایک بڑے اجتماع سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ایک وقیع خطاب فرمایا تھا، جسے مولانا عبدالرحمٰن اویس اور مولانا اعجاز احمد صمدانی نے قلم بند کیا، افادۂ عام کے لئے وہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے .... (میمن)

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم . اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ . صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم (المائدة:٦٣)

تمہید

حضرات علماء کرام، عزیز طلبہ و طالبات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ اللہ رب العزت کا بڑا انعام ہے کہ آج یہاں آپ حضرات سے ملاقات کی سعادت

حاصل ہو رہی ہے، گذشتہ کئی سالوں سے اس جامعہ کے حضرات کی طرف سے تقاضا تھا، لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔

مجھے بتایا گیا کہ آج کے اجتماع میں بہت دور دور سے علماء کرام اور طلبہ تشریف لائے ہوئے ہیں، میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اتنی دور سے تشریف لائے، اور مجھے اپنی زیارت کا موقع فراہم فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہترین جزاء دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین

میں دین کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور یہ علماء اور طلباء کا مجمع ہے، اس لئے ان سے کوئی وعظ و نصیحت کی بات کرنا بظاہر گستاخی معلوم ہوتی ہے، لیکن اللہ رب العزت نے ہمیں ایسا عظیم دین عطا فرمایا ہے، جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ :

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر : ۳)

”یعنی اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں“

گویا اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرے، اس میں چھوٹے بڑے کی تفریق نہیں کی گئی، چھوٹا بڑے کو کوئی مشورہ دے سکتا ہے، اور بڑا چھوٹے کی خیر خواہی کے لئے اُسے حکم دے سکتا ہے، اس لحاظ سے حضرات علماء کرام کی جلالت شان کے باوجود ان کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا انشاء اللہ اپنی حدود سے تجاوز نہ ہوگا۔

علم کے فضائل کا ملنا ذمہ داریوں کی ادائیگی پر موقوف ہے

عام طور پر جب علماء اور طلباء کا مجمع ہوتا ہے تو علم اور علماء کرام کے فضائل

کے موضوع پر بات کی جاتی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اہل علم کی مجلس میں اس موضوع پر بات کرنا تحصیل حاصل ہے، علم دین کی فضیلت جاننے کے لئے یہ حدیث یاد رکھنا کافی ہے کہ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو سکھائے''

اللہ رب العزت کا انتہائی فضل وکرم اور احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہمیں اس بہترین مشغلے میں لگایا ہوا ہے، یہ احسان ایسا ہے کہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا، لیکن علماء کرام کے جتنے زیادہ فضائل ہیں، اتنی ہی زیادہ ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ہیں، اور ہمارا کام یہ ہے کہ ان فضائل پر نگاہ ڈالنے سے قبل ان ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ ان فضائل کا ملنا ان ذمہ داریوں کی ادائیگی پر موقوف ہے جو ہمارے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں، اگر یہ ذمہ داریاں پوری ہو رہی ہیں تو علم کے سارے فضائل ہمارے حصہ میں آتے ہیں، لیکن اگر خدانخواستہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر رہے ہیں تو پھر ہمیں وہ حدیث نہیں بھولنی چاہیے جس میں مذکور ہے کہ جہنم کو سب سے پہلے ایک عالم کے ذریعہ بھڑکایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس انجام سے حفاظت فرمائے۔ آمین

باعمل علماء کی نشانی

قرآن کریم میں باعمل علماء کی یہ نشانی بتلائی گئی کہ :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر : ۲۸)

''یعنی علماء کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں''

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں :

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن خواں

ترجمہ: ''اللہ کی خشیت کو علم کی نشانی سمجھو (اس مقصد کیلئے) قرآن کریم کی آیت ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ الخ'' کی تلاوت کرو''

دل میں اللہ کی خشیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت یہ خوف اور کھٹک لگی ہوئی ہو کہ میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا، اگر دل میں یہ کھٹک لگی ہوئی ہے تو سمجھو کہ واقعی اللہ نے علم عطا فرمایا، لیکن اگر بے فکری ہے، اطمینان ہے اور یہ خیال ہے کہ جو کچھ کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، تو اللہ بچائے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں خشیت نہیں۔

صرف ''جان لینا'' کافی نہیں

اگرچہ علم کے لغوی معنی ہیں ''جاننا'' لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں صرف ''جاننا'' علم نہیں، بلکہ وہ علم معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو، ایسا علم جس کے ساتھ عمل نہ ہو، قرآن کریم کی نظر میں جہل ہے، چنانچہ سورۂ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

(البقرة : ۱۰۳)

''(یہودی) خوب جان چکے کہ جس نے اختیار کیا جادو کو، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں'' پھر اسی آیت کے اگلے حصے میں فرمایا :

وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

''بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، اگر انہیں سمجھ ہوتی''

اس آیت کے ابتدائی حصے میں یہودیوں کے لئے علم کا اثبات کیا گیا، یعنی یہ بتایا گیا کہ یہودی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جادو بری چیز ہے، اور دوسرے حصے میں یہ بتا دیا کہ انہوں نے بری چیز (یعنی جادو کی قیمت) کے بدلے اپنے آپ کو بیچ ڈالا یعنی اس بری چیز کو اختیار کر لیا، کاش وہ جانتے۔ آیت کے پہلے حصے میں ان کے علم کا اثبات کیا، اور دوسرے حصے میں اُسی چیز کی نفی کر دی، گویا یہ بتلا دیا کہ انہیں لغوی معنی کے اعتبار سے تو علم حاصل تھا، لیکن علم کی حقیقت کے اعتبار سے اس کا جو تقاضا تھا، وہ ان میں موجود نہیں تھا، لہٰذا علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر صرف حروف ونقوش کو جان لینا کافی ہوتا تو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف حروف ونقوش کا جان لینا کافی ہوتا اور یہ چیز باعث فضیلت ہوتی تو شیطان بہت بڑے مرتبے پر فائز ہوتا، اسلئے کہ ایسا علم اسے بہت

زیادہ حاصل ہے۔ آپ نے امام رازیؒ کا واقعہ تو سنا ہوگا کہ ان کی موت کے وقت ان کے پاس شیطان آیا، اور توحید کے موضوع پر ان سے مناظرہ کیا، جس میں امام رازیؒ کو شکست ہوئی، حالانکہ امام رازیؒ کو علم کلام میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی، اور ان کی ساری زندگی علمی مناظروں میں گزری۔ تو شیطان کے پاس تو اتنا زیادہ علم تھا، لیکن چونکہ اس کا عمل اس علم کے مطابق نہیں تھا اس لئے وہ راندہ درگاہ ہوا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''شیطان عالم بھی ہے، عارف بھی، عاقل بھی ہے، لیکن عاشق نہیں''، علم تو اتنا زیادہ کہ امام رازیؒ جیسے متکلم کو شکست دیدی۔ عارف اتنا بڑا کہ جب جنت سے اُسے نکالا جارہا تھا تو چلتے چلتے یہ دعا مانگ لی:

رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (ص:۷۹)

''اے اللہ! مجھے قیامت تک مہلت عطا فرمایئے''

اگر کوئی اور ہوتا، جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوتی تو وہ یہ سوچتا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ غصہ میں ہیں، اور مجھے دھتکارا جارہا ہے، اس وقت اگر کچھ مانگوں گا تو کہیں اور پٹائی نہ ہو جائے، لیکن شیطان جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مغلوب الغضب نہیں ہوتے، لہٰذا اگر کوئی دینے کی چیز ہے تو اب بھی دیدیں گے، اس لئے اس موقع پر بھی اس نے دعا کر ڈالی۔ اور عاقل اتنا زبردست کہ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو عقلی جواب دیا کہ:

خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ (ص:۷۶)

''اے اللہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے''

یعنی چونکہ آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں آدم سے افضل ہوں، تو پھر میں اسے سجدہ کیوں کروں، اگر خالص عقل کی بنیاد پر دیکھا جائے تو اس دلیل کو رد کرنا آسان نہیں۔

یہ تین عین تو اس میں جمع تھے کہ عالم بھی تھا، عارف بھی تھا اور عاقل بھی تھا، لیکن ایک عین کی کمی تھی یعنی عاشق نہیں تھا، جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گیا، اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا عشق ہوتا تو یہ سوچتا کہ یہ ساری دلیلیں اور عقلی باتیں اللہ کی محبت پر قربان، میں تو یہ دیکھوں گا کہ مجھے یہ حکم کس نے دیا، معلوم ہوا کہ صرف جان لینا کچھ کمال نہیں، بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ علم کے تقاضوں پر عمل کیا جائے، اس لئے فرمایا گیا کہ علم کی نشانی یہ ہے کہ دل میں خشیت الٰہیہ ہو اور خشیت کی نشانی یہ ہے کہ ہر وقت دل میں ڈر لگا ہو کہ میرا کوئی عمل اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا، اور میرے اوپر جو ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں، ان کی ادائیگی میں مجھ سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہو رہی، لہٰذا اپنے اندر ذمہ داری کے احساس کو پیدا کرنے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

اہل اللہ کی صحبت بہت ضروری ہے

اس احساس ذمہ داری کو اپنی زندگی میں برپا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے، ہمارے سارے اکابر کا یہ معمول تھا کہ جب مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوتے تو کسی اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا علمی مقام کتنا بلند تھا، یہ دونوں حضرات جب مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو ضابطے کے پورے عالم بھی نہیں تھے، صرف قدوری، کافیہ تک کتابیں پڑھی تھیں۔

کسی نے حضرت نانوتویؒ سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے، ماشاء اللہ، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علمی مقام عطا فرمایا ہے، لیکن آپ نے ایک غیر عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا شروع کیا، حضرت نے بڑا عجیب جواب دیا، فرمایا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ اس نے بادام کے بارے میں بڑی تحقیقات کیں کہ یہ کہاں پیدا ہوتے ہیں، ان کے خواص کیا ہیں، کن کن دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں، اور انسان کے کن کن اعضاء کے لئے مفید ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ...... لیکن اس نے زندگی میں کبھی بادام کھایا نہیں، اس کے برعکس ایک شخص بادام سے متعلق اتنی تفصیلات تو نہیں جانتا، لیکن روزانہ صبح وشام بادام کھاتا ہے، بتاؤ! دونوں میں سے افضل کون ہے، ظاہر ہے کہ جو عملی طور پر اسکے فوائد حاصل کرتا ہے، وہ افضل ہے۔

یہ مثال دے کر فرمایا کہ ہم نے بادام کے فضائل اور اس کے خواص پڑھے، اس کے بارے میں تحقیقات کیں، لیکن کھایا کبھی نہ تھا، جب حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بادام اٹھا کر ہمارے منہ میں رکھ دیئے کہ یہ ہے طریقہ اس علم پر عمل کرنے کا جو تم سیکھ کر آئے ہو۔

دیکھئے! جب قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی بیان فرمائے تو ”یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ“ کو الگ بیان فرمایا، اور ”وَ

يُزَكِّيهِمْ ‘‘ کو الگ بیان فرمایا، جس میں یہ بتلایا کہ جس طرح قرآن و سنت کی تعلیم دینا آپ کا مستقل فریضہ ہے، اسی طرح ’’تزکیہ‘‘ کرنا بھی آپ کی مستقل ذمہ داری ہے، معلوم ہوا کہ صرف ظاہری علم حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ اندر کا تزکیہ کرانا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر ظاہری علم نفع مند نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات نقصان کا باعث بنتا ہے، دل کی بیماریاں جیسے تکبر، حسد، ریاکاری، حب جاہ اور حب مال اگر علم کے ساتھ پیدا ہو جائیں تو بڑی تباہی لاتی ہیں، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کھانا جتنا اعلیٰ ہوتا ہے، اگر وہ خراب ہو جائے تو اس میں بدبو بھی اتنی زیادہ پیدا ہوتی ہے، اسی طرح علم کے ساتھ جب یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو یہ تباہی بھی زیادہ لاتی ہیں۔

اہل اللہ کی خدمت میں جانے کا بنیادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں تکبر فنا کر کے عبدیت پیدا کی جاتی ہے، حب جاہ کو مٹا کر تواضع پیدا کی جاتی ہے، ریاکاری کو ختم کر کے اخلاص پیدا کیا جاتا ہے، اور جب آدمی ان صفات کے ساتھ دین کا کام کرتا ہے تو اس کی خوشبو پوری دنیا میں پھوٹ پڑتی ہے، اس لئے آپ حضرات کی خدمت میں میری پہلی گزارش یہ ہے کہ ہم صرف رسمی تعلیم پر اکتفاء نہ کریں کہ مدرسہ سے فارغ ہوئے، اور اپنے آپ کو کامل سمجھ لیا، بلکہ اپنی اصلاح کے لئے کسی متبع سنت اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوں، اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کی فکر کریں، لیکن جب تک یہ نہ ہو تو میں گزارش کروں گا کہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو اس طریق کا مجدد بنایا ہے، کم از کم ان کے مواعظ اور ملفوظات اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

مواعظ اور ملفوظات پڑھنے میں بعض مرتبہ یہ نیت بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی خاص اچھی چیز مل گئی تو جب کہیں وعظ کرنے کا موقع ملے گا تو وہاں لوگوں کو بتائیں گے، لوگ خوش ہوں گے، ہمارے علمی مقام کا اعتراف کریں گے، یہ نیت صحیح نہیں۔ اس سے عملی اعتبار سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے ملفوظات صرف اس نیت سے پڑھنے چاہئیں کہ اپنی اصلاح ہو، اگر کوئی شخص مجھے شخصیت پرستی کا طعنہ دیتا ہے تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس دور میں اس طریق کی جو فہم اور تفصیلات کا جو انداز اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو عطا فرمایا تھا، اس سے زیادہ عمیق اور دقیق فہم کہیں اور نہیں ملے گی، اسلئے یہ گزارش ہے کہ ان کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعے کو بھی اپنا معمول بنائیں۔

علماء ہر چیز میں انبیاء کے وارث ہیں

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ تزکیہ کے معاملے میں کوتاہی کرنے سے ہماری زندگی پر نقصان دہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں، ہماری کوششیں بے کار جا رہی ہیں، اور اس علم کے حاصل کرنے سے جو فوائد حاصل ہونے چاہئے تھے، وہ حاصل نہیں ہو رہے۔

ذرا سوچئے! ہر سال وفاق المدارس سے کتنے ہزار طلبہ فارغ التحصیل ہو رہے ہیں، اگر دیکھا جائے تو ہزاروں کی تعداد میں ہر سال طلبہ و طالبات فارغ التحصیل ہوتے ہیں، اگر ان اعداد و شمار کو دیکھو اور ملک کے مختلف حصوں کو بھی جمع کرو تو یقیناً اتنے افراد تیار ہو چکے ہیں کہ اگر ان سب کو پاکستان کی ایک ایک بستی پر تقسیم

کیا جائے تو ہر بستی کے حصے میں دو چار علماء آسکتے ہیں، یہ دو چار علماء وہ ہیں جنہیں ''ورثۃ الانبیاء'' ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اور نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ پوری قوم میں اکیلا ہوتا ہے، اور وہ اکیلا ہی پوری قوم کی کایا پلٹ دیتا ہے، جبکہ یہاں اتنی بڑی تعداد میں انبیاء کے وارثین تیار ہو چکے ہیں، لیکن امت کے اندر کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! علماء کو انبیا کا وارث قرار دیا گیا ہے، اور جو وارث ہوتا ہے وہ مورث کی جائیداد کی ایک ایک چیز میں وارث ہوتا ہے، اگر مورث نے ایک سوئی بھی چھوڑی ہے، تو وارث کا اس کے اندر بھی حصہ ہوتا ہے، لہٰذا انبیاء کرام نے جو کام چھوڑا، جو جد جہد چھوڑی، اور جو قربانیاں چھوڑی ہیں، وارثان انبیاء کا ان سب میں حصہ ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ وارثان انبیاء کہلا کر انبیاء کی جلالت شان میں تو ان کے وارث ہو گئے، لیکن انبیاء کی قربانیوں اور جد جہد کو وراثت میں لینے کے لئے تیار نہیں، اگر اس رواشت کو بھی لیں گے تو صحیح معنوں میں وارث کہلانے کے حقدار ہیں۔

الحمد للہ، اتنی بات تو ضرور ہے کہ علماء کرام کی وجہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہو رہا ہے، لیکن جتنا ہونا چاہئے تھا، اتنا نہیں ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے اندر ذمہ داری کا جو احساس ہونا چاہیے تھا، وہ ویسا نہیں، امت کے لئے جو تڑپ ہونی چاہیے تھی، وہ ویسی نہیں، یہ تڑپ کہ میرا ملک کہاں جا رہا ہے، میری بستی کے لوگ کہاں جا رہے ہیں، ان کے بارے میں غم اور فکر کی جو کیفیت ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے تھی، وہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بار بار کہنا پڑا :

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء : ۳)

''کیا تم اپنے آپ کو اس بات کی وجہ سے ہلاک کر ڈالو گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے''

اور بار بار یہ کہنا پڑا :

اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ : ۴۸)

تمہاری ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہے (اس کے بعد وہ مانتے ہیں یا نہیں مانتے، یہ تمہاری ذمہ داری نہیں)

اب دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تڑپ لگی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بار بار تسلی دینی پڑی، وارث نبی میں اس تڑپ کا سوواں، ہزارواں حصہ تو ہو، لیکن حال یہ ہے کہ ہمیں نہ اپنی اصلاح کی تڑپ ہے اور نہ امت کی اصلاح کی فکر ہے۔

مدارس کے معاملات میں تقویٰ اور احتیاط کی ضرورت ہے

ہم آپس میں بیٹھے ہیں، ذرا تھوڑی دیر کے لئے اس بات کا جائزہ لیں کہ ہم نے جو مدرسے قائم کر رکھے ہیں، ان کے نظم وضبط اور مالیات کے نظام میں وہ تقویٰ اور احتیاط موجود ہے جس کا مظاہرہ اکابر دیوبند نے فرمایا تھا، یا مظاہر العلوم اور سہارنپور کے علماء کرام نے فرمایا تھا۔

اکابر کے طرز عمل کی چند مثالیں

مظاہر العلوم کے مہتمم حضرت حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

معمول یہ تھا کہ جب مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا اور دور سے آنے والے مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام ہوتا تو پہلے سارے مہمانوں کو کھانا کھلاتے، پھر کھانے کی اس پوٹلی کو کھولتے جو گھر سے اپنے لئے لے کر آئے ہوتے، اس وقت تک وہ کھانا ٹھنڈا پڑ چکا ہوتا، لیکن آپ وہی ٹھنڈا کھانا تناول فرمالیتے، مدرسہ والا کھانا نہ کھاتے، کیوں؟ اس لئے کہ مدرسے کا کھانا چندے کے پیسوں کا ہے، اور یہ چندہ مہمانوں کے لئے آیا ہے، میرے لئے نہیں، اس لئے الگ جا کر کھانا کھالیا۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی چندہ جمع کرنے کے لئے گئے، وہاں سے دارالعلوم کے لئے تین سو روپے ملے، اس زمانے میں تین سو روپے بڑی رقم ہوتی تھی، واپس آرہے تھے کہ راستے میں جیب کٹ گئی، جب دارالعلوم پہنچے تو کہیں سے قرض وغیرہ لے کر یہ رقم دارالعلوم میں جمع کرائی، لوگوں نے کہا کہ حضرت! شرعاً آپ پر ضمان نہیں، اس لئے کہ آپ تو امین تھے، اور امین کی کسی تعدی اور تقصیر کے بغیر کوئی نقصان ہو جائے تو اس پر اس کا ضمان نہیں آتا، آپ نے فرمایا ''لیکن میرا اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا'' اس وقت دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے، کسی نے ان کو خط لکھ کر یہ ساری صورتحال بتائی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ سے فرمایا کہ شرعی طور پر آپ کے ذمہ ضمان نہیں ہے، اس لئے آپ اس بارے میں فکر نہ کریں، جب یہ خط مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا سارا فتویٰ میرے ہی لئے رہ گیا تھا، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اگر ان کے ساتھ

یہ معاملہ پیش آیا ہوتا تو وہ کیا کرتے؟ یہ تھا ان کے تقویٰ کا عالم۔

ایک دفعہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ اپنی گائے چرا رہے تھے، اچانک دفتر کا کوئی کام یاد آیا تو گائے چراتے چراتے دارالعلوم کے احاطے میں باندھ دی، اور خود دفتر میں چلے گئے، دارالعلوم کے ایک شہزادے آئے، انہوں نے دیکھا کہ گائے بندھی ہوئی ہے تو انہوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ دارالعلوم دیوبند مہتمم صاحب کی گائے کا اصطبل بن گیا، اب یہاں مہتمم صاحب کی گائے بندھا کرے گی، حضرت باہر آئے اور پوچھا کہ کیا شور ہے، بتایا گیا کہ فلاں صاحب شور مچا رہے ہیں، فرمایا ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مدرسہ میری ذاتی جائیداد نہیں ہے، اُسے بلا کر کہا ماشاء اللہ تم نے ٹھک کہا، لو یہ گائے تم ہی لے جاؤ، وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ گائے لے کر چلتا بنا۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں شیخ الہند کہنا ان کی توہین ہے، دراصل یہ شیخ العرب والعجم ہیں، ان کا یہ حال تھا کہ انہیں دارالعلوم دیوبند سے صرف دس روپے تنخواہ ملتی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، اس میں یہ طے کیا گیا کہ حضرت بہت پرانے بزرگ ہیں، ان کی تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے، چنانچہ تنخواہ دس روپے سے بڑھا کر پندرہ روپے کردی گئی، جب حضرت کو اطلاع ملی تو حضرت نے مجلس شوریٰ کو سخت خط لکھا کہ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ میری تنخواہ بڑھا دیں، اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، اور اب میرے اندر وہ قوت نہیں رہی جو پہلے تھی، لہٰذا تنخواہ بڑھانے کا کوئی جواز نہیں، بلکہ میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ کم کردی جائے۔

غور کیجئے! پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال ملے گی؟ آج سب لوگ تنخواہ بڑھانے کی درخواستیں دیا کرتے ہیں، لیکن یہاں تنخواہ گھٹانے کی درخواست دی جارہی ہے۔ یہ سب دیکھنے کے بعد کبھی ہم اپنا جائزہ لیا کریں کہ ہم مدرسے کے چندے کو جس طرح خرچ کرتے ہیں، کیا اس میں احتیاط ملحوظ ہے یا نہیں، اور واقعۃً مدرسہ کو جس تقوی اور طہارت کے ساتھ چلانا چاہیے تھا، اس طرح چلا رہے ہیں یا نہیں، یہ تقوی اُسی ''تزکیہ'' کا حصہ ہے جس کا ذکر پہلے ہوا۔

معاشرت، معاملات اور اخلاقیات پر بھی وعظ کرنے کی ضرورت ہے

تیسری گزارش یہ ہے کہ الحمدللہ، دینی علوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہمیں عوام میں کچھ نہ کچھ بات کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے، لیکن ان بیانات میں عام طور پر عقائد اور عبادات ہی کے موضوع پر گفتگو ہوتی ہے، حالانکہ دین صرف عقائد وعبادات کا نام نہیں، بلکہ اس میں معاشرت بھی ہے، معاملات بھی ہیں، اور باطنی اخلاق بھی داخل ہیں، لیکن ان تین شعبوں پر ہمارے بیانات نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام میں یہ تاثر پیدا ہو رہا ہے کہ دین تو بس نماز روزہ کا نام ہے، جس کی وجہ سے لوگ معاشرت، معاملات اور اخلاق کے معاملہ میں غفلت کا شکار ہیں۔

معاشرت کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

''کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''

یہ حدیث اسلامی معاشرت کا اصل الاصول ہے، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمیں اپنے ہر قول وفعل میں اس بات کا اہتمام کرنا پڑے گا کہ ہماری وجہ سے کسی کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

معاشرت کے احکام سے غفلت کا نتیجہ

ابھی مجھ سے پہلے مولانا صاحب نے مصافحہ کے بارے میں اعلان فرمایا کہ بیان کے بعد مصافحہ کی کوشش نہ فرمائیں، واقعہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بیان ہوتا ہے، یہ اعلان کرنا پڑتا ہے، کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اس لئے کہ دماغ میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ مصافحہ کرنا بڑی فضیلت کا کام ہے، حالانکہ یہ عمل زیادہ سے زیادہ سنت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اگر اس سنت کی ادائیگی میں کسی کو تکلیف بھی پہنچائی گئی تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔

ذرا سوچئے! حجر اسود کو بوسہ دینا کتنی فضیلت کی بات ہے، اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ''یہ حجر اسود زمین پر اللہ کا ہاتھ ہے، جس نے حجر اسود کو بوسہ دیا، گویا اس نے اللہ کا ہاتھ چوما'' اتنی بڑی فضیلت والے عمل کے لئے یہ حکم ہے کہ کسی کو دھکا دے کر، یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچا کر حجر اسود کا بوسہ نہ لے، جب حجر اسود کا بوسہ لینے کے لئے کسی کو تکلیف دینا جائز نہیں تو مصافحہ کے لئے دھکم پیل اور ہنگامہ آرائی کیسے جائز ہوگی؟

ایک جگہ میرا بیان ہو رہا تھا، میں مسجد کے ہال میں تھا، لوگ مسجد کے ہال، برآمدے، اور اس کے صحن کے علاوہ باہر دور دور تک موجود تھے، جب بیان ختم ہوا تو مصافحہ کرنے کے لئے سارا مجمع ٹوٹ پڑا، مسجد کا دروازہ چھوٹا تھا، وہاں سے سب لوگ اندر نہیں آسکتے تھے، اس لئے بہت سوں نے کھڑکیوں سے کودنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ مسجد کی کھڑکیاں کودنے کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، اس کے علاوہ جو انہوں نے آپس میں دھکم پیل کی، وہ الگ۔ اب دیکھئے! یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ مصافحہ کرنا ہر حال میں ضروری ہے، خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے، یہ ذہن اس لئے بنا کہ معاشرت سے متعلق شریعت کے جو احکامات ہیں، وہ ہم نے اپنے بیانات میں نہیں سکھلائے۔

ہر سال رمی کے موقع پر کچھ نہ کچھ اموات ہو جاتی ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ انتظامات ناقص ہوتے ہیں، بلکہ بڑی وجہ یہ ہے کہ رمی کرتے وقت معاشرت سے متعلق شریعت کے احکام پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں پارکنگ میں گاڑی غلط جگہ پارک کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ ساری پریشانیاں اس لئے آتی ہیں کہ ہم نے معاشرت والے حصے کو دین سے خارج کر رکھا ہے، اس کے برعکس اہل یورپ میں اگرچہ دیگر ہزار خرابیاں ہیں، لیکن وہ معاشرت کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔

یورپ کی ترقی کا راز

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں تو ابھرنے کی

طاقت نہیں، وہ تو فنا ہونے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کہیں باطل کو اُبھرتے ہوئے دیکھو تو سمجھو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے۔ اس وقت مغربی اقوام جو ترقی کر رہی ہیں، اس کی وجہ بے دینی اور عریانی نہیں، بلکہ وہ اچھی صفات ہیں، جن کو اختیار کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، اس میں ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دیدیا جاتا ہے، البتہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، ان اچھے کاموں میں ایک یہ ہے کہ ان کی زندگیوں میں نظم وضبط ہے، جہاں بھی تین آدمی کھڑے ہوں گے، فوراً لائن بنالیں گے، ایک دوسرے کو دھکا نہیں دیں گے، صفائی ستھرائی کا بہت اہتمام ہے، ان کے بیت الخلاؤں میں بھی بدبو وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جبکہ انہی ملکوں کی مسجدوں کے بیت الخلاؤں میں داخل ہونا مشکل ہوتا ہے، یہ دیکھ کر دل روتا ہے کہ کافر تو وہ کام کریں جو مسلمانوں کو کرنے چاہئیں، اور مسلمان ان احکام سے بالکل غافل ہوں، اور اس غفلت کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو معاشرت سے متعلق تربیت نہیں دی، اس لئے میری تیسری گزارش آپ حضرات کی خدمت میں یہ ہے کہ ہم اپنے وعظ و بیان میں اور تبلیغ و دعوت میں دین کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ معاشرت، معاملات اور اخلاقیات پر بھی گفتگو کریں۔

ہمارے معاشرے میں عورتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم

اور آخری بات جو اسی معاشرت کے سلسلے میں عرض کرنی ہے، یہ ہے کہ ہم جن جن بستیوں اور معاشروں میں رہتے ہیں، وہاں نہ جانے کتنی ایسی غلط رسمیں ہیں

جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، لیکن جب ہم ان معاشروں میں پہنچتے ہیں تو ان کی روک تھام کے لئے کوشش کرنے کے بجائے خود ان کا حصہ بن جاتے ہیں۔

جن حضرات نے میرے مضامین پڑھے ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ میں نے اس موضوع پر کافی مضامین لکھے ہیں کہ مغربی اقوام نے آزادیٔ نسواں کے نام سے جو تحریک چلائی ہے، وہ درحقیقت عورت کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا ہے، اسے سبز باغ دکھا کر اس کی عصمت و عفت کو لوٹا گیا ہے، ایک بڑی متدین اور پردہ نشین عورت نے مجھے خط لکھا کہ میں نے آزادیٔ نسواں سے متعلق آپ کے مضامین پڑھے ہیں، اب میں آزاد قسم کی عورتوں سے بڑے اعتماد کے ساتھ بات کرتی ہوں اور جو باتیں آپ نے کہی ہیں، ان کی وجہ سے میری باتوں میں بڑا وزن پیدا ہو جاتا ہے، لیکن ایک اہم بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتی ہوں، یہ ہے کہ مغرب کی گمراہی اپنی جگہ، لیکن ہمارے معاشرے میں بھی بعض اوقات عورتوں کے ساتھ ایسی زیادتیاں اور ظلم ہوتے ہیں، جو شریعت کے بالکل خلاف ہیں، اور علماء کرام ان کے خلاف بالکل آواز نہیں اٹھاتے، اس نے اس کی بہت سی مثالیں لکھیں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ ایک زمانے تک میں بھی عدالت میں رہا ہوں، بہت سے مقدمات میرے سامنے آتے رہے ہیں، فتوی کا کام پینتالیس سال سے کر رہا ہوں تو استفتاء بھی بہت آتے رہے ہیں، اور دن رات یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ عورتوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، مثلاً باپ نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بیٹی سے اجازت لئے بغیر اس کی شادی کر دی، بیٹی کو یہ بات کہنے کی اجازت نہیں کہ فلاں رشتہ مجھے پسند نہیں، یہ بات باپ کی غیرت کے خلاف ہے، وہ

قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے کہ تجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ تو میرے فیصلے کے خلاف زبان کھولے، نتیجہ یہ کہ اس بیچاری کی ساری زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی عام رواج ہے کہ بیٹی کو ترکہ میں سے کوئی حق نہیں دیا جاتا، اسی طرح عورت اگر بیوہ ہوجائے تو اس کے لئے دوسرے نکاح کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے، بالکل ایسا جیسے کفر۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بیواؤں کے نکاح کے بارے میں تقریر کر رہے تھے تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ دوسروں کو تو بڑی تبلیغ کرتے ہیں، خود آپ کے گھر میں آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہوئی ہے، اس کا نکاح کیوں نہیں کرتے؟ آپ کی بہن کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی، اور شاید وہ نکاح کے قابل بھی نہ رہی تھی، لیکن اعتراض کرنے والے نے اعتراض کر دیا۔

حضرت وہاں سے اٹھ کر بہن کے پاس گئے، اور ان کے پاؤں پکڑ لئے کہ خدا کے لئے میری لاج رکھ لو اور نکاح کرلو، چنانچہ ان کا نکاح کروادیا۔ تو معاشرے میں جو رسمیں شریعت کے خلاف رائج تھیں، ہمارے بزرگوں نے ان کے خلاف جہاد کیا، لیکن ہم اپنے معاشرے میں ان رسموں کے خلاف آواز اُٹھانے کے بجائے ان کے اندر بہہ جاتے ہیں۔

وراثت میں زبانی معافی کا اعتبار نہیں

دیکھئے! کراچی سے لے کر پشاور تک، اور کوئٹہ سے لے کر طورخم تک، جہاں کسی کا انتقال ہوتا ہے، اس کا سارا ترکہ اس کے بیٹے لے جاتے ہیں، بیٹیوں کو

وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا، لیکن ہم نے کتنی مرتبہ اس کے خلاف آواز اُٹھائی؟ کتنی مرتبہ اپنے وعظ میں یہ مسئلہ بیان کیا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری بہنوں نے اپنا حصہ بخش دیا، اول تو بخشا نہیں ہوتا، بلکہ بہن کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے ذرا سی زبان کھولی تو میرا بھائی میری زندگی عذاب کر دے گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ ترکے کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی وارث زبان سے کہہ بھی دے میں نے بخش دیا تو وہ بخشا معتبر نہیں، معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس کا حصہ اس کے قبضے میں دو، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اگر وہ اپنی خوشدلی سے تمہیں کچھ دینا چاہے تو دیدے، اس لئے لوگوں کا یہ حیلہ سراسر غلط اور خلاف شریعت ہے۔

یہی حال مہر کا ہے کہ نکاح کے وقت تو بھاری مہر مقرر کر لیتے ہیں، اور دینے کی نیت ہوتی نہیں، جب بیچاری کے مرنے کا وقت آپہنچا تو اس وقت اسے کہتے ہیں کہ خدا کے لئے مجھے معاف کردو، اب بیچاری کیا کہے کہ میں معاف نہیں کرتی، ظاہر ہے کہ اس موقع پر وہ زبان سے معاف کر دیتی ہے، لیکن یہ معافی شرعاً معتبر نہیں۔

ان مظالم پر بھی گفتگو کرنا ضروری ہے جو ہماری عورتوں پر کئے جاتے ہیں

مغرب نے عورتوں کو جو آزادی دی ہے، ہم بعض اوقات اس کے خلاف تو بولتے ہیں، اور بولنا بھی چاہیے، لیکن اس آزادی کا ایک سبب وہ ظلم بھی ہے جو ہمارے ہاں عورتوں سے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے، اس لئے اس آزادی کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ ان مظالم کے بارے میں گفتگو کرنا بھی ضروری ہے،

جن کی چکی میں ہماری مشرقی عورتیں پس رہی ہیں۔

یہ چند ضروری گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں، اور پیش نظر یہی ہے کہ ہم ان پہلوؤں کی طرف بھی توجہ دیں اوران ذمہ داریوں کو بھی ادا کریں تا کہ معاشرے کے اندر ہم وہ تبدیلی لانے کا ذریعہ بن سکیں جو شریعت میں مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو شریعت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

❁ ❁ ❁

ہر کام

اللہ کی رضا کے لئے کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال، کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَتَفَطَّرَ قَدَمَاہُ فَقُلْتُ لَہٗ: لِمَ تَصْنَعُ ھٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ، قَالَ: اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا

(بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک، حدیث نمبر ۴۸۳۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام

یہ ایک حدیث ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس امت پر یہ

احسان عظیم ہے کہ تقریباً دین کا آدھا نہیں تو کم از کم ایک تہائی حصہ ہم تک ان کی معرفت پہنچا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعلق بھی اس بناء پر زیادہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ذہانت، ذکاوت اور سمجھ بھی غیر معمولی عطا فرمائی تھی، وہ چونکہ ہر وقت گھر میں رہتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وفعل کو، آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتی تھیں، اور بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، اس واسطے دین کی جتنی باتیں ان کو معلوم تھیں، بہت سے دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام کو معلوم نہیں تھیں، تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، دین کا علم حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے، خاص طور پر وہ باتیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں جو گھریلو زندگی سے متعلق ہیں، وہ زیادہ تر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں، یہ حدیث بھی انہیں میں سے ہے۔

آپ کی تہجد کی نماز کا طویل ہونا

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت میں جب تہجد کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اتنی محنت فرماتے تھے اور اتنا طویل اور لمبا قیام ہوتا تھا کہ کھڑے کھڑے آپ کے پائے مبارک پھٹ جاتے تھے، بعض دوسری روایتوں میں الفاظ یہ آئے ہیں کہ:

"حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاهُ"

(بخاری، کتاب التھجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، حدیث نمبر ۱۱۰۳)

کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا، ویسے تو آپ نے سنا ہوگا کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تہجد کی نماز میں آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے، اور تین رکعتیں وتر کی، اس طرح کل گیارہ رکعتوں کا معمول تھا لیکن وہ آٹھ رکعتیں کیسی ہوتی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ :

"فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ"

(بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، حدیث نمبر ۱۱۴۷)

کہ ان رکعتوں کے حسن و جمال اور ان کے طویل ہونے کے بارے میں پوچھو نہیں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں، یعنی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس نماز کے حسن کو اور لمبائی کو بیان کریں، ہمارے پاس اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں۔

آپ کی تہجد کی نماز کو دیکھوں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، جو مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا دل چاہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد کی نماز میں شامل ہوں، دن کی پنج وقتہ نمازوں کو تو بار بار دیکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے، لیکن رات کی نماز چونکہ گھر میں پڑھی جاتی ہے اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا اس لئے خیال ہوا کہ کسی دن گھر جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز دیکھی جائے اور جب وہاں جا کر نماز دیکھنے کا خیال آیا تو سوچا کہ آپ ہی کی اقتداء میں تہجد کی نماز کیوں نہ پڑھ لیں اور بحیثیت مقتدی کے نیت باندھ کر ہم بھی شامل ہو جائیں۔

(مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب تطویل القراۃ فی صلوۃ اللیل، حدیث نمبر ۷۷۲)

نفلوں کی جماعت جائز نہیں

یہاں یہ مسئلہ عرض کردوں کہ ویسے تو نفلوں کی جماعت جائز نہیں، کوئی نفلی نماز

ہو چکا ہے تہجد کی نماز ہو یا کوئی اور نفلی نماز ہو، البتہ اتفاقی طور پر ایک دو آدمی کسی اہتمام کے بغیر کسی کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہو جائیں تو اس کی اجازت ہے۔ عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز تنہا پڑھا کرتے تھے کبھی کوئی صحابی پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے اور نیت باندھ لی تو ایک دو آدمی کی حد تک ایسا ہو جاتا تھا لیکن تہجد کی بڑی جماعت کا کرنا، باقاعدہ اہتمام کے ساتھ، لوگوں کو دعوت دیکر، اشتہار کر کے، اعلان کر کے جماعت کرنا، شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ ہمارے یہاں شبینے کا رواج چل نکلا ہے کہ باقاعدہ شبینے ہوتے ہیں، ان کا اشتہار اور اعلان ہوتا ہے کہ قرآن کریم نفلوں میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ ختم کیا جائیگا، یہ ناجائز ہے اور مکروہ تحریکی ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ جل جلالہ کے حکم کی اتباع اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نام دین ہے۔ یہ ہے "دین"۔ اور یہ سوچنا کہ صاحب! اس بہانے لوگ ذرا جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آجاتے ہیں اور رونق بھی ہو جاتی ہے، اور یہ فائدہ ہوتا ہے، اور وہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ اور اسکے رسول کے احکام اور سنت کے خلاف ہے، اور جو کام سنت کے خلاف ہے اس میں خیر نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فعل ناجائز ہے۔ ہاں! اگر اِکّا دُکّا کوئی آ کر نفل پڑھنے والے نیت باندھ لیں، جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت حذیفہ ابن

یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں آپ کی تہجد کی نماز دیکھنے کی خواہش ہوئی، اور وہ جا کر نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے، یہ جائز ہے۔

حضور کی تلاوت کا خوبصورت انداز

بہر حال؛ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شوق میں کھڑا تو ہو گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنی شروع کی تو پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی، اور تلاوت بھی آجکل کے لوگوں کی طرح نہیں کہ اگر تلاوت لمبی کرنی ہو تو گھاس کاٹنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ فرمایا کہ: "یُرَتِّلُهَا" ٹھہر ٹھہر کر، اطمینان سے، ترتیل کے ساتھ تلاوت شروع کی، اور تلاوت بھی اس شان سے جب کوئی رحمت کی آیت آتی جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ تھوڑی دیر ٹھہر کر اللہ سے دعا کرتے یا اللہ! جس رحمت کا ذکر آپ فرما رہے ہیں، وہ مجھ کو عطا فرما دیں، جب کوئی عذاب کی آیت آتی تو اس پر ٹھہر کر پناہ مانگتے کہ یا اللہ! جس عذاب کا آپ ذکر فرما رہے ہیں میں اس سے پناہ مانگتا ہوں، اور جب کوئی تسبیح کی آیت آتی جس میں یہ ذکر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو، تو آپ ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہوئے "سبحان اللہ" فرماتے، اور جب کوئی آیت ایسی آتی جس میں اللہ کی حمد کرنے کا حکم ہوتا تو آپ ٹھہر کر اللہ کی حمد فرماتے، چنانچہ نفلی نمازوں کے اندر ایسا کرنا جائز ہے، البتہ فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا جو شخص معنی سمجھتا ہو اس کو چاہئے کہ اگر قرآن پڑھتے ہوئے جنت کا ذکر آ رہا ہے تو سنت یہ ہے کہ اس جگہ پر ٹھہر جائے اور اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں دعا مانگے کہ یا اللہ! یہ

آپ جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر فرما رہے ہیں، اپنی رحمت سے مجھے عطا فرما دیجئے، جب دوزخ یا اس کے عذاب کا ذکر آئے تو ٹھہر جائے، اور دل ہی دل میں دعا مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس سے محفوظ فرما دیجئے۔

آپ بھی اس طرح تلاوت کریں

یہ عمل نفلی نمازوں میں کرنا چاہئے، خاص طور پر تہجد کی نماز میں یہ کرے۔ جو مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو، چاہے اسے عربی نہ آتی ہو، لیکن اتنا تو پتہ لگ ہی جاتا ہے کہ یہاں جنت کا ذکر ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کا ذکر اتنی جگہ کیا ہے کہ: "جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر" اتنا زیادہ کیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اتنا سمجھ لیتا ہے کہ یہاں جنت کا ذکر ہورہا ہے، وہاں جب پہنچے تو اس جگہ پر رک کر دل ہی دل میں دعا کرے۔ دل ہی دل میں اسلئے کہہ رہا ہوں کہ اپنی زبان میں اگر مانگیں گے تو وہ جائز نہیں، عربی میں تو دعا مانگ سکتے ہیں، لیکن اردو میں اپنی زبان میں دعا مانگنا جائز نہیں، اور عربی بنے گی نہیں۔ اس واسطے دل دل میں دعا مانگ لے، زبان سے نہ کہے۔ یا اللہ! یہ نعمتیں جنکا آپ ذکر فرما رہے ہیں یہ آپکا کرم ہے، آپکا انعام ہے اے اللہ! میں بھی انکا محتاج ہوں، اپنی رحمت سے مجھے بھی عطا فرما دیجئے، اور جس عذاب کا ذکر فرما رہے ہیں، میں بھی اس سے ڈرتا ہوں، اے اللہ! مجھے اس سے بچا لیجئے۔

دو رکعت میں سوا پانچ پاروں کی تلاوت

غرض یہ کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیچھے کھڑا ہوا تھا، اور اس شان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ

آپ نے سورۃ بقرہ کی سو آیتیں تلاوت فرمالیں، مجھے خیال ہوا کہ اب شاید آپ رکوع فرمائیں گے، کچھ تھکن بھی ہونے لگی، لیکن فرماتے ہیں کہ "فَمَضٰی" سو آیتیں پوری ہونے کے باوجود آپ گزر گئے اور رکوع نہیں فرمایا، یہاں تک دو سو آیتیں ہوگئیں، اس وقت خیال آیا کہ شاید اب رکوع فرمائیں گے لیکن "فَمَضٰی" آپ نے تلاوت جاری رکھی، رکوع نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب پوری سورۃ بقرۃ مکمل ہونے لگی تو مجھے خیال آیا کہ ایک رکعت میں آپکا پوری سورۃ بقرۃ پڑھنے کا ارادہ تھا لہٰذا اب آپ رکوع فرمادیں گے۔ لیکن جب سورۃ بقرۃ ختم ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آل عمران اسی انداز اور اسی شان سے شروع فرمادی۔ یہاں تک کہ آپ نے پوری سورۃ آل عمران ختم فرمائی۔ اس کے بعد رکوع فرمایا۔ غالباً ایسا ہی یاد پڑتا ہے کہ پہلی رکعت کا رکوع سورۃ آل عمران پر اور دوسری رکعت کا رکوع سورۃ نساء پر فرمایا۔ تو دو رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ نساء کی تلاوت فرمائی۔ جسکے معنی یہ ہوئے کہ دو رکعت میں تقریباً سوا پانچ پارے تلاوت فرمائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں ویسے تو آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے لیکن اس شان سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بتائیے کہ جب دو رکعتوں کا یہ عالم ہے تو کھڑے کھڑے آپ کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ اتنا طویل قیام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

خیال آیا کہ نماز توڑ کر چلا جاؤں

ایک اور صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

تہجد کی نماز دیکھنے چلا گیا میں اسی طرح پیچھے کھڑا ہو گیا، فرماتے ہیں کہ آپ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میرے دل میں برے خیالات آنے لگے، بعد میں فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیالات آنے لگے کہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھو۔ نماز توڑ کر چلے جاؤ، یہ خیال دل میں آنے لگا۔

(بخاری شریف. کتاب التہجد باب طول القیام فی صلاۃ اللیل. حدیث نمبر ۱۱۳۵)

رکوع اور سجدے بھی طویل ہوتے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روزانہ یہ منظر دیکھا کرتی تھیں، کہ آپ اتنا طویل قیام فرماتے ہیں اور پھر یہ نہیں کہ قیام ہی میں سارا زور خرچ ہو گیا، بلکہ فرمایا کہ جب آپ رکوع فرماتے تو:

"رَكَعَ مِثْلَ قِيَامِهِ أَوْ أَطْوَلَ"

(سنن النسائی. کتاب الکسوف. باب التشہد والتسلیم فی صلاۃ الکسوف. حدیث نمبر ۱۴۹۳)

کہ رکوع بھی یا تو قیام کے برابر لمبا ہوتا، یا اس سے بھی زیادہ لمبا ہوتا، اور جب سجدہ فرماتے تو وہ سجدہ رکوع کے برابر طویل ہوتا یہاں تک کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے تو آپ نے اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض ہو گئی ہو۔ یہ خیال اس لئے آیا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو نماز کے بارے میں قرآن کریم میں حکم یہ ہے کہ:

"وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ" (البقرۃ: ۲۳۸)

اللہ کے سامنے جب کھڑے ہو تو قنوت کے ساتھ بے حس و بے حرکت کھڑے ہونا چاہئے اعضاء کو حرکت نہیں ہونی چاہئے، کھڑے ہو یا رکوع میں ہو، یا سجدے میں ہو، جتنا ہو سکے اعضاء کو دوسری حرکتوں سے بچا کر ساکت اور صامت ہو کر نماز پڑھو۔

نماز میں اعضاء کو ساکن رکھنا چاہئے

آجکل ہمارے یہاں اس میں بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بلاوجہ فضول حرکتیں ہو رہی ہیں، بار بار ہاتھ اٹھا رہے ہیں، بار بار کھجا رہے ہیں، بار بار سر کو حرکت ہو رہی ہے، یہ آداب نماز کے خلاف ہے، نماز میں جتنا ہو سکے، بے حس و حرکت انسان کھڑا رہے، یا سجدے میں ہو یا رکوع میں ہو، چھوٹی نماز ہو یا بڑی نماز ہو، اس میں انسان اپنے آپکو حتی الامکان سکون کی حالت میں رکھنا چاہئے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی روح مبارک تو قبض نہیں ہوگئی؟

بہرحال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل سجدہ فرمایا اور اس میں کوئی حرکت نہیں کی، نہ پاؤں کو حرکت دی، نہ ہاتھ کو اور نہ جسم کو کوئی حرکت دی۔ اسلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپکی روح مبارک قبض تو نہیں ہوگئی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آپکے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر دیکھا۔ بہرحال: اتنا طویل سجدہ آپ نے فرمایا۔ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ آپکی یہ محنت اور مشقت دیکھتی تھیں۔

آپ کیوں اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں؟

ایک دن انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ: آپ کیوں اپنی نماز میں، قیام میں، رکوع میں، سجدے میں، اتنی محنت اور مشقت اٹھاتے ہیں، حالانکہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں اعلان فرما چکے ہیں کہ:

"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ"

(الفتح: ۲)

کہ اول تو آپ معصوم ہیں، آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ لیکن بالفرض کوئی آپ سے بھول چوک ہوجائے تو اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام بھول چوک معاف ہیں۔ گویا کہ اس کے ذریعہ یہ اعلان فرما دیا کہ آپ کے لئے جنت کی ضمانت ہے۔ اور اس میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ اس آیت کے اندر نبی کریم صلی اللہ علی وسلم کے لئے جنت کی ضمانت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی ضمانت ہے، اور جب یہ بات ہے تو آپ اتنی محنت اور مشقت کیوں اٹھاتے ہیں کہ آپ کے پاؤں پر ورم آرہا ہے، اتنا طویل قیام ہورہا ہے، اتنا طویل رکوع ہورہا ہے، اتنا طویل سجدہ ہورہا ہے۔

امامت کے وقت ہلکی پھلکی نماز پڑھاتے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نفلی نمازوں میں تھا، جو آپ گھر کے اندر پڑھا کرتے تھے، اور تنہا پڑھا کرتے تھے، البتہ جو نماز جماعت کے ساتھ ہوتی، یعنی فرض نماز جسکی آپ امامت بھی کیا کرتے تھے، اس کے

بارے میں آپ کا حکم اور معمول یہ تھا کہ:

اِذَا اَمَّ اَحَدُکُمُ النَّاسَ فَلْیُخَفِّفْ

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب امر الأمة بتخفیف الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۶۷)

کہ جو شخص تم میں سے امامت کرے، وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے، اس میں لمبا قیام، لمبا رکوع، لمبا سجدہ نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ جماعت میں کوئی بوڑھا ہوتا ہے، کوئی کمزور ہوتا ہے، کوئی حاجت ہوتا ہے، اس کو جلدی سے نماز سے فارغ ہونے کی حاجت ہوتی ہے، اس لئے جماعت کی نماز کے بارے میں تو آپ کا حکم یہ تھا، اور خود آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ نماز ہلکی پھلکی پڑھاتے۔

میں نماز کو اور مختصر کر دیتا ہوں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اوقات میں نماز پڑھاتا ہوا ہوتا ہوں (اس زمانے میں خواتین بھی جماعت کی نماز میں شرکت کے لئے مسجد آیا کرتی تھیں) اور نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی ہے تو میں اپنی نماز کو اس خیال سے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی ماں پریشان ہو رہی ہوگی، اور اگر میں نے نماز لمبی کر دی تو اس کی ماں کی پریشانی میں اضافہ ہوگا کہ میرا بچہ رو رہا ہے، اس لئے میں جلدی نماز ختم کر دیتا ہوں۔ تو جب دوسروں کے لئے امامت کر رہے ہیں تب تو اتنی ہلکی پھلکی نماز ہے، اس نماز میں عورتوں کا لحاظ ہے، بچوں کا بھی لحاظ ہے، بوڑھوں کا بھی لحاظ ہے۔ لیکن جب خود تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں تو اس وقت نماز کے

طویل ہونے کا یہ عالم ہے۔

(بخاری شریف، کتاب الاذان، باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، حدیث نمبر ۷۰۷)

ہمارا معاملہ الٹا ہوتا جارہا ہے

اللہ بچائے! ہمارا معاملہ الٹا ہوتا جارہا ہے، اگر ہمیں کبھی نماز پڑھانے کا موقع مل جائے تو اطمینان سے لمبی نماز پڑھاتے ہیں اور اگر ہم تنہا اکیلے میں نفلی نماز پڑھیں تو وہ جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس کے برعکس تھا۔

کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

بہر حال؛ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے لئے تو سب کچھ معاف ہو چکا، اور آپ کو تو جنت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی گارنٹی دی جا چکی، پھر آپ اتنی محنت اور مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

"اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا"

(مسلم شریف، کتاب صفة القیامة، باب اکثار الاعمال والاجتهاد، حدیث نمبر ۲۸۲۰)

اے عائشہ! یہ تو ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا کہ میری اگلی اور پچھلی تمام بھول چوک معاف فرمادیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! جس مالک نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، اس مالک کا شکر ادا کرنا بحیثیت ایک بندے کے میرا کام ہے۔ تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ لہٰذا یہ جو میں اتنی طویل نماز پڑھ رہا ہوں، اور محنت اٹھا رہا ہوں، یہ اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

ہو جائے۔

یہ مشقت جنت کے حصول کے لئے نہیں تھی

یہ حدیث اور آپ کا یہ ارشاد آپ حضرات نے پہلے بھی سنا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مشہور حدیث ہے، لیکن اس حدیث میں جس عظیم حقیقت کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی، وہ ہم سب کے لئے سبق آموز ہے اور یاد رکھنے اور سمجھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور آپ کا محنت اٹھانا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، یہ سب کچھ صرف جنت کے حصول کے لئے، یا دوزخ سے بچنے کے لئے نہیں تھا۔ اگر صرف جنت کے حصول کے لئے ہوتا تو آپ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی جنت میں جانے کی ضمانت موجود تھی، اس کے لئے تو اتنی محنت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے دل میں سوال پیدا ہوا۔

اللہ کی رضا کا حصول مقصود تھا

لہٰذا یہ ساری محنت اور مشقت اٹھانا اللہ تعالیٰ کے مقام رضا، اور مقام قرب اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا، جن کی نگاہ حقیقت پر ہوتی ہے، ان کی نگاہ جنت اور دوزخ پر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ جنت اور دوزخ کسی اور چیز کے عنوانات ہیں، ''جنت'' اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے اور ''دوزخ'' اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا عنوان ہے۔ ایسے بندوں کو اصل فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ میرا مالک مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے، اس کی

رضامندی حاصل ہو جائے، وہ خوش ہو جائے، اگر وہ جنت نہ بھی دے، "اعراف" میں رکھے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ حقیقت میں ان بندوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی، اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا قرب، اور اس کی طرف توجہ اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

جنت بذات خود مقصود نہیں

جنت کی نعمتیں بلاشبہ بڑی نعمت ہے، اور مانگنے کی چیز ہے، لیکن وہ جنت اس لئے محبوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا عنوان ہے، اس لئے جنت مانگتے ہیں، ورنہ اصل میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طرف ہوتی ہے۔ دوزخ سے ڈر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا عنوان ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب کا عنوان ہے، اس لئے اس سے ڈرتے ہیں۔ ورنہ اصل خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ جس مالک نے مجھ پر انعامات کی اتنی بارشیں برسائی ہیں اور جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، اس کی رضا میں فرق نہ آئے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ جنت کی گارنٹی مل چکی ہے، لیکن اس کے باوجود آپ عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ، بڑے درجے کی اولیاء اللہ میں سے ہیں، خاتون ہیں، لیکن ایسی خاتون ہیں کہ ہماری تاریخ میں جن کی مثال ملنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے انکو ولایت کا بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، بہت عبادت کیا کرتی تھیں،

اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے قلب میں اس قدر غالب تھی کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غرق رہتیں اور بعض اوقات غلبۂ حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے

ایک مرتبہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، خدا جانے یہ زیارت خواب میں ہوئی یا جاگتے میں ہوئی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضرت رابعہ نے کچھ شرمندگی کا اظہار فرمایا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ کا سامنا کرتے ہوئی شرم آتی ہے، اس لئے کہ میں اپنے دل میں اللہ جل شانہ کی محبت اتنی زیادہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس درجہ کی محبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے مجھے آپ کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رابعہ: یہ جو تم کہہ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل پر اتنی غالب ہے تو حقیقت میں وہ میری محبت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میری محبت ہے، اور میری محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، دونوں محبتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کبھی اللہ کی محبت کی غلبہ محسوس ہوتا ہے، اور کبھی میری محبت کا غلبہ محسوس ہوتا ہے، حقیقت میں دونوں ایک چیز ہیں۔ کیوں؟

دونوں محبتیں ایک ہی ہیں

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں سے آئی؟ اللہ تعالیٰ کی معرفت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی اطاعت کرنی ہے، اور اطاعت رسول بھی

اس کا لازمی حصہ ہے، لہٰذا طبعی طور پر تمہارے دل میں جو خیال آرہا ہے کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہے، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی نظر نہیں آتی، اصل میں یہ تمہارا وھم ہے، اصل میں تو وہ ایک ہی محبت ہے، چاہے اس کو اللہ کی محبت کہلو، یا رسول کی محبت کہلو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مخلوق کو راضی کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں

قرآن کریم کی ایک آیت میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ مخلوق کی رضامندی کی فکر کرتے ہیں، اور یہی فکر ان کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (توبہ: ۶۲)

یعنی یہ منافقین مسلمانوں کے سامنے اللہ کے نام پر قسمیں کھاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو راضی کرلیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے، اگر وہ لوگ سچے مسلمان ہیں۔ یعنی مخلوق کو راضی کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کو چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کریں۔

اللہ راضی تو رسول بھی راضی

اس آیت میں الفاظ یہ ہیں:

"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ"

یعنی اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا زیادہ بہتر تھا، یہاں پر عربی قاعدے

کے لحاظ سے یہ الفاظ ہونے چاہئے تھے، ’’وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُمَا‘‘، یعنی اللہ کو راضی کریں، اور اس کے رسول کو راضی کریں۔ دو کا ذکر ہے، اور عربی زبان میں دو کی اشارہ کرنے کے لئے تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی ہے، وہ ہے ’’هُمَا‘‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مفرد کی ضمیر لائے، اور یوں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ’’اس کو‘‘ راضی کریں۔ ’’ان کو‘‘ کے الفاظ نہیں لائے۔ حضرات مفسرین نے اس کے تحت فرمایا کہ واحد کی ضمیر درحقیقت اس وجہ سے لائے کہ اگرچہ اللہ اور اس کے رسول دیکھنے میں الگ الگ ہیں لیکن رضامندی کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ اگر تم اللہ کو راضی کرلو تو رسول بھی راضی، اور اگر رسول کو راضی کرلو تو اللہ بھی راضی۔ اگر دل میں اللہ کی محبت ہوگی تو رسول کی محبت بھی خود بخود دل میں آجائیگی۔ اور اگر دل میں رسول کی محبت ہوگی تو اللہ کی محبت بھی خود بخود دل میں آجائیگی۔ دونوں محبتوں میں کوئی تضاد اور فرق نہیں ہے۔

پھر تو میرے مالک کے لئے عبادت کریں گے

بہرحال ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھا کہ ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لے کر جارہی ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ رابعہ: کہاں جارہی ہو؟ جواب میں فرمایا کہ اس آگ سے جنت کو جلانے اور اس پانی سے دوزخ کو بجھانے جارہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ سارے انسانوں کی توجہ جنت اور دوزخ کی طرف لگی ہوئی ہے، کوئی شخص عبادت کررہا ہے تو وہ جنت حاصل کرنے کے لئے عبادت کررہا ہے، کوئی شخص گناہ سے

بچ رہا ہے تو وہ جہنم کے خوف سے گناہ سے بچ رہا ہے، اور میرے مالک کو سب بھلائے ہوئے ہیں، میرے مالک کی رضامندی کو سب نے بھلا رکھا ہے، جنت اور دوزخ کے لئے سب عبادت کر رہے ہیں، جب جنت اور دوزخ باقی نہیں رہیں گی پھر تو میرے مالک کے لئے عبادت کریں گے۔

اصل چیز اللہ کی رضامندی ہے

ان کا اصل مقصد درحقیقت یہ تھا کہ جنت اور دوزخ کی کوئی حیثیت نہیں، اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی ہے، وہ خوش ہو جائیں، وہ راضی ہو جائیں اور اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیں کہ:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (سورۃ الفجر: ۲۷،۲۸)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے تو مقصد حاصل ہے، تو اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، جنت اور دوزخ تو رضامندی اور ناراضگی کے عنوانات ہیں لہٰذا ان کو اصل مقصود بنانا درست نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کے مناظر دکھائے اور حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں: بعض اوقات ان کو سکرات الموت کے وقت جنت کے مناظر دکھا دیے جاتے ہیں، کہ دیکھو یہ تمہارا مقام ہے تم یہاں پہنچنے والے ہو۔ تو جب

ان بزرگ کا انتقال ہونے لگا تو ان کو بھی جنت کے باغات، محلات اور دوسری نعمتیں دکھائی گئیں تو ان بزرگ نے ان نعمتوں سے منہ پھیرلیا، اور یہ شعر پڑھا :

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ بِالْحُبِّ عِنْدَکُمْ
مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

کہ اگر میری محبت کا صلہ آپ کے نزدیک وہی تھا جو آپ نے مجھے ابھی دکھایا ہے تو میں نے اپنی ساری زندگی برباد کردی۔ مقصد یہ تھا کہ میں نے جو کچھ کیا تھا ان نعمتوں کی خاطر نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ سب کچھ یا اللہ، میں نے آپ کی رضامندی کے لئے کیا تھا۔ ان نعمتوں کے دکھانے کے بجائے یہ آواز مجھے سنادی جائے کہ آپ مجھ سے راضی ہیں تو اس کے آگے ساری نعمتیں ہیچ در ہیچ ہیں۔

ہمارے لئے جنت سے اعراض جائز نہیں

بہرحال؛ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور ہر عبادت اور ہر اطاعت میں وہی مقصود ہونی چاہئے۔ لیکن ایک بات عرض کردوں کہ میں نے حضرت رابعہ بصریہ کے اور ان بزرگ کے قصے تو سنا دیے، حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میں جنت کو آگ لگادوں، اور دوسرے بزرگ نے جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر منہ پھیرلیا۔ یہ ساری باتیں غلبۂ حال کی باتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر دل پر غالب آگیا کہ وہ اپنے حواس میں نہ رہے، اور اس کی وجہ سے یہ عمل سرزد ہوا۔ ورنہ یہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص حکمت کے تحت بنائی ہے، اب اگر کوئی شخص اس کو جلانے کا ارادہ کرے تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض

کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا غلبۂ حال کی حالت میں یہ بات ان حضرات نے کہہ دی۔ جس میں وہ حضرات معذور ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کے یہ عمل دوسروں کے لئے قابل تقلید نہیں۔ اس لئے ہمارے اور آپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم جنت سے اعراض کریں۔

اللہ سے جنت مانگو

قابل تقلید تو وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ
وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ"

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں، اور آپ سے آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے، البتہ ذہن میں یہ رکھے کہ جنت بذات خود مقصود نہیں، مقصود تو اللہ جل شانہ کی رضامندی ہے، چونکہ جنت اس رضامندی کا عنوان ہے، اور جنت کو حاصل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگنی چاہئے، کہ یا اللہ! میں آپ سے جنت مانگتا ہوں، اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ان کا مقام بلند معلوم ہوتا ہے

یہاں ایک باریک بات اور ہے، جو سمجھنے کی ہے، وہ بھی عرض کر دیتا ہوں، انشاء اللہ مفید ہوگی۔ وہ یہ کہ حضرت رابعہ بصریہ اور وہ بزرگ جو عبادت کر رہے تھے

اس سے مقصود بالذات جنت نہیں تھی، بلکہ مقصود بالذات اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تھی۔ جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے جنت دے دیجئے، اب سوال یہ ہے کہ اگر جنت مقصود بالذات نہیں ہے، تو حضور ﷺ پھر جنت مانگ کیوں رہے ہیں؟ اب بظاہر دیکھنے میں یوں معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ جو بات کہہ رہی تھیں، وہ بہت اونچے مقام کی بات تھی کہ جنت کی نعمتوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مانگ رہی تھیں۔ اسی طرح وہ بزرگ جنہوں نے جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ میں نے تو اپنی زندگی ضائع کردی۔ ان دونوں حضرات کی بات بظاہر اونچے مقام کی بات ہے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ یا اللہ! مجھے جنت دے دیجئے، یہ اس درجے کی بات نظر نہیں آتی۔

عبدیت کا مقام بلند ہے

یاد رکھئے مقام بلند وہی ہے جو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے، وہ عبدیت کا مقام ہے، وہ بندگی کا مقام ہے، وہ یہ کہ یا اللہ! میں آپکی نعمتوں کا محتاج ہوں، میں آپ کی جنت کا محتاج ہوں، اس لئے میں آپ سے جنت مانگتا ہوں۔ یہ مقام عبدیت ہے، جو اعلیٰ مقام ہے۔

ہمارے اور ان کے جنت مانگنے میں فرق

البتہ ہمارے جنت مانگنے اور ان کے جنت مانگنے میں فرق ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ سے جنت مانگ رہے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت مانگتے تھے، لیکن دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ہم جنت اس لئے مانگتے ہیں کہ

ہمارے ذہنوں میں جنت کی نعمتوں کا تصور آتا ہے کہ جنت میں فلاں نعمت ہوگی، جنت میں باغات ہوں گے، جنت میں محلات ہونگے، جنت میں بے فکری ہوگی، جنت میں نہریں ہونگی، پھل ہونگے، عیش و آرام ہوگا، ہم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے جنت مانگتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو جنت مانگ رہے ہیں کہ: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ" وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں مانگ رہے ہیں، بلکہ اس لئے مانگ رہے ہیں کہ وہ جنت اللہ جل شانہ کی عطا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور وہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا عنوان ہے، اس لئے وہ جنت کا سوال کر رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عید کے دن عیدی زیادہ مانگنے پر اصرار

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سناتا ہوں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ عید کے دن اپنے بچوں کو اور اپنی ساری اولادوں کو جمع کر کے ان میں عیدی تقسیم کیا کرتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کے تمام بیٹے الحمدللہ سب برسر روزگار کھاتے پیتے تھے۔ کسی کو کوئی تنگی اور ضرورت نہیں تھی۔ جب والد صاحب کے عیدی دینے کا وقت آتا تو سب مچل مچل کر ان سے عیدی مانگتے تھے کہ حضرت: پچھلے سال آپ نے ۲۵ روپے عیدی دی تھی، اب گرانی کا زمانہ ہے، اس سال ہم تیس روپے عیدی لینگے، وہ کہتے کہ نہیں تم زیادہ مانگ رہے ہو، ہم کہتے کہ نہیں، اب ہم عیدی بڑھا کر لینگے، کچھ ترقی ہونی چاہئے۔

اب ۲۵ روپے کے بعد ۳۰ روپے ہو گئے اور پھر ۳۵ روپے دیدیے، ہر بیٹا باقاعدہ ناز کے ساتھ مچل مچل کر دلائل پیش کر کے بڑے ذوق وشوق سے مانگتا تھا۔

نگاہ دینے والے ہاتھ کی طرف تھی

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ بیٹے حضرت والد صاحب سے پچیس روپے جو مانگ رہے تھے، کیا وہ ان پچیس روپے کی مالیت کی وجہ سے مانگ رہے تھے؟ کیا ان کے پاس پچیس روپے نہیں تھے؟ کیا اس لئے مانگ رہے تھے کہ ان پچیس روپے سے بازار سے چیز لا کر کھائینگے تو بڑا مزا آئے گا؟۔۔۔ نہیں۔۔۔ درحقیقت نگاہ ان ۲۵ روپے کے عدد پر نہیں تھی بلکہ نگاہ اس دینے والے ہاتھ پر تھی کہ کس ہاتھ سے وہ ۲۵ روپے مل رہے ہیں۔ اور جب اس ہاتھ سے مل رہے ہیں تو پھر اس کی طرف احتیاج ظاہر کرنے ہی میں لطف تھا۔ اور اس سے مچل کر مانگنے ہی میں لطف تھا۔ اس وجہ سے مچل مچل کر مانگے جا رہے تھے، اور پھر جب وہ پچیس روپے ملے تو ان کو خرچ نہیں کیا۔ بلکہ یادگار کے طور پر رکھ لیے کہ یہ ہمارے والد ماجد کے ہاتھ سے ملنے والی عیدی ہے۔

بیٹے کے مانگنے اور فقیر کے مانگنے میں فرق

ایک فقیر آدمی ہے، وہ آ کر کہے کہ مجھے پچیس روپے دیدو، تو ایک طرف یہ فقیر مانگ رہا ہے، اور دوسرے طرف بیٹے اپنے باپ سے مانگ رہے ہیں۔ اب بظاہر تو دونوں مانگ رہے ہیں، لیکن دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ فقیر تو ۲۵ روپے اس کی گنتی کی وجہ سے احتیاج کی وجہ سے مانگ رہا ہے، اور بیٹے

دینے والے ہاتھ کی وجہ سے مانگ رہے ہیں۔ بس : یہی فرق ہے ہمارے جنت مانگنے میں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت مانگنے میں، ہم جنت اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور مزے اڑانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مانگ رہے ہیں کہ یہ جنت میرے مالک کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کا مظہر ہے، اس لئے اس کے مانگنے ہی میں مزہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا تتلیاں جمع کرنا

حضرت ایوب علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ ان کے اوپر کیا کیا مصائب آئے۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ جب وہ صحت مند ہو گئے تو ایک روز وہ غسل کر رہے تھے، غسل کے دوران آسمان سے سونے کی تتلیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ انہوں نے غسل کرنا چھوڑ دیا اور سونے کی ان تتلیوں کو پکڑنے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ایوب! کیا ہم نے تمہیں ساری نعمتیں نہیں دیں؟ کیا اب بھی تمہیں سونے کی ضرورت ہے؟ تم اس کے پیچھے بھاگ رہے ہو؟ جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ لَا غِنَىٰ بِي عَنْ بَرَكَتِكَ"

(بخاری شریف، کتاب الغسل، باب من اغتسل عریاناً وحدہ فی الخلوۃ، حدیث نمبر ۲۷۹)

اے اللہ! آپ کی طرف سے جب کوئی برکت نازل ہو تو میں اس سے استغناء نہیں کرسکتا، میں اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، میں تو محتاج ہوں۔ میں تو بندہ ہوں، میں تو اس کے پیچھے بھاگوں گا۔ یا اللہ! آپ کوئی نعمت میرے اوپر نازل

فرمائیں اور میں اس کی طرف سے منہ موڑوں؟ اور اس سے اعراض کروں؟ بے نیازی برتوں؟ یہ عمل بندگی کے شایان شان نہیں۔ میری بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ جب آپ نازل فرما رہے ہیں تو آگے بڑھ کر لوں گا۔ اور یہ لینا اس وجہ سے نہیں کہ وہ سونا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ میرے مالک کی عطا ہے، وہ نازل فرما رہے ہیں اس کو بزرگوں نے اس طرح فرمایا:

چوں طمع خواھد زمن سلطان دیں

خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

کہ جب میرا مالک مجھ سے یہ چاہ رہا ہے کہ میں احتیاج کا اظہار کروں۔ طمع کا اظہار کروں، تو اس صورت میں قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت کوئی چیز نہیں۔ تو نگاہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کی طرف ہے۔ بہر حال، سنت طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے، اور خوب مانگے، دل کھول کر مانگے، البتہ ساتھ میں ذہن میں یہ خیال رکھے کہ یہ جنت مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

مبتدی اور منتہی میں بظاہر فرق نہیں ہوتا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی مثال دی ہے، عجیب و غریب مثال ہے، حضرت فرماتے ہیں صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ جو آدمی نیا نیا دین کی طرف چلنا شروع کرتا ہے، اس کو ''مبتدی'' کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک منتہی ہوتا ہے، جو سارے مراحل سے گزر کر منزل تک پہنچ گیا۔ صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ''مبتدی'' اور ''منتہی'' دونوں کی

ظاہری حالت یکساں ہوتی ہے، ایک جیسی ہوتی ہے، کس طرح؟ وہ اس طرح کہ جو مبتدی ہے اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی، کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنے دنیاوی کاموں میں بھی لگا ہوا ہے، بازار بھی جارہا ہے سودا خرید کر لارہا ہے، اپنی روزی بھی کمارہا ہے، یہ سب کام کر رہا ہے۔ اور جو منتہی ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام ان کی حالت بھی بعینہ یہی ہوتی ہے کہ وہ بھی یہ سب کام کر رہے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے کفار ان انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ:

"مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ"

(الفرقان:۷)

کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ سودا خریدتا ہے یہ تو ہم جیسا انسان ہے۔ یہ رسول کیسے ہو گیا؟ یہ کاروبار بھی کر رہا ہے، یہ بھی بکریاں چرا رہا ہے، یہ بھی مزدوری کر رہا ہے تو ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق

دیکھنے کے اعتبار سے ''مبتدی'' اور ''منتہی'' دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ فرق یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے ''مبتدی'' اگر بازار میں پھر رہے ہیں، یا بیوی بچوں سے ہنس بول رہے ہیں، یا گھر میں باتیں کر رہے ہیں تو ہم یہ سب کام اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ نبی یا منتہی جو یہ سب کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اللہ کی رضا کیلئے کر

رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ بازار میں پھر رہے ہوتے ہیں تو وہ اس لئے کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم روزی کماؤ، گھر میں خوش طبعی کی باتیں بیوی بچوں سے اس لئے کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے گھر والوں کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں۔ لہٰذا دونوں کے کاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں۔

درمیان والے کی حالت

اور جو شخص درمیان میں ہوتا ہے، وہ ان دونوں سے مختلف ہوتا ہے۔ درمیان والے کے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دن رات عبادت میں لگا ہوتا ہے۔ کبھی اس پر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور اس کی توجہ کسی اور کی طرف نہیں ہوتی، کبھی اس پر کوئی اور کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ ''متوسط'' کے حالات ہوتے ہیں، لیکن ''مبتدی'' اور ''منتہی'' کے حالات ایک جیسے ہوتے ہیں۔

دریا کے اس کنارے اور اس کنارے پر کھڑے ہونے والے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ایک مثال دے کر سمجھایا کہ یوں سمجھو کہ ایک دریا ہے، اور ایک شخص دریا کے اس کنارے پر کھڑا ہے اور دوسرا شخص دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہے۔ یہ شخص بھی کنارے پر کھڑا ہے اور وہ شخص بھی کنارے پر کھڑا ہے، اور تیسرا آدمی دریا عبور کرنے کے لئے غوطے لگا رہا ہے، اور دریا کی موجوں سے کھیل رہا ہے، ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جو شخص موجوں سے کھیل رہا ہے، وہ زیادہ بہادر آدمی ہے،

اسلئے کہ وہ طوفان سے لڑ رہا ہے۔ اور وہ دو افراد جو دو کناروں پر کھڑے ہیں، یہ سبک ساران ساحل ہیں، بالکل پرسکون ہیں، دونوں نے کوئی مشقت نہیں دیکھی، نہ موجوں سے کھیلے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسرے ساحل پر کھڑا ہے، وہ درحقیقت ان ساری موجوں سے گزر کر، ان سارے طوفانوں سے لڑ کر دوسرے ساحل پر پہنچا ہے، اور جو شخص اس ساحل پر کھڑا ہے، اس نے تو طوفان کی شکل ہی نہیں دیکھی، اس نے تو ابھی تک موجوں سے مقابلہ ہی نہیں کیا۔ اب بظاہر دونوں کناروں والے ایک جیسے نظر آرہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضور کے اور ہمارے عمل کے درمیان زمین و آسمان کا فرق

بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کے سارے کام کرتے تھے، اور ہم آپ بھی دنیا کے کام کرتے ہیں۔ ہم بھی کھاتے ہیں، آپ بھی کھاتے تھے، ہم بھی پیتے ہیں، آپ بھی پیتے تھے، ہم بھی روزی کماتے ہیں، آپ بھی روزی کماتے تھے، ہم بھی بیوی بچوں سے ہنستے بولتے ہیں، آپ بھی بیوی بچوں سے ہنستے بولتے تھے۔ لیکن دونوں کے عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ یہ کہ ہم یہ سب کام اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب اس لئے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کاموں کا حکم دیا تھا۔

ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق کرونگا

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ چیز

ایسے ہی حاصل نہیں ہوجاتی، بلکہ کوشش اور محنت کرنے کے بعد یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ تم یہ ارادہ کرلو کہ میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کروں گا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(الانعام: ۶۲)

اس میں صرف نماز روزے کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ رب العزت کیلئے ہیں، بلکہ فرمایا کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جانا، اور مرنا سب اللہ رب العزت کیلئے ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ یہ عزم کرلو کہ جو کچھ کرونگا، اللہ رب العزت کے لئے کرونگا، مثلاً روزی کماؤنگا تو اللہ کے لئے، بچوں سے بات کرونگا تو اللہ کے لئے، بیوی کے ساتھ معاملہ کرونگا تو اللہ کے لئے، اور اپنے نفس کو آرام دونگا اور سلاؤں گا تو اللہ کے لئے، کھلاؤں گا تو اللہ کے لئے، پلاؤں گا تو اللہ کے لئے، صرف زاویہ نگاہ بدلنے کی بات ہے۔ کھانا پھر بھی ملے گا، آرام پھر بھی ملے گا، لیکن جب ایک مرتبہ یہ طے کرلیا کہ میں یہ کھانا اس لئے نہیں کھا رہا کہ میرا دل چاہ رہا ہے، بلکہ میں اس لئے کھا رہا ہوں کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے، اور جب تم اس حق کو ادا کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں مدد ملے گی۔

تصویر کے دو رخ

لہٰذا اپنی نیت کو بدلنا اور اپنے زاویہ نگاہ کو بدلنا یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے، لیکن اختیار استعمال کرنے سے، محنت کرنے سے اور مشق کرنے سے حاصل ہوتا

ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آجکل خاص قسم کی تصویریں بازار میں ملتی ہین، جن کو "سہ ابعادی تصویر" کہتے ہیں کہ اس تصویر کو اگر ایک طرف سے دیکھو تو ایک چیز نظر آرہی ہے، اور جب اس کو دوسری طرف سے دیکھو تو کوئی اور چیز نظر آرہی ہے، مثلاً ایک طرف سے وہ مسجد حرام نظر آرہی ہے اور دوسری طرف سے وہ مسجد نبوی کی تصویر نظر آرہی ہے، اور تیسرے رخ سے وہ بیت المقدس کی تصویر نظر آرہی ہے، حالانکہ وہ ایک ہی تصویر ہے، لیکن رخ بدل کر دیکھنے سے تصویر بدل جاتی ہے۔

زاویہ نگاہ بدلنے کی بات ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ زاویہ نگاہ کے بدلنے کی بات ہے کہ یہ دنیا جس میں تم زندگی گزار رہے ہو، اگر تم اس دنیا کے سارے کام غفلت کے ساتھ، لاپرواہی کے ساتھ، اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے انجام دو گے تو پھر یہ دنیا ہے۔ اور یہی سارے کام اللہ کے لئے، اور اللہ کی رضا کی خاطر کرلو تو پھر یہی دنیا "دین" بن جاتی ہے۔ اور یہی دنیا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس طرح مشق کی ہے کہ میں گھر پہنچا، دستر خوان لگا، اور اس پر کھانا چنا گیا، اور بڑا لذیز کھانا ہے، اور اب بھوک لگی ہے، دل بھی کھانے کو چاہ رہا ہے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے رُک گیا کہ دل چاہنے کی خاطر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ پھر دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ یہ سنت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کر

کے اس کو تناول فرمایا کرتے تھے۔ اب میں بھی اتباع سنت میں یہ کھانا کھاتا ہوں۔ اگر وہی کھانا ایک منٹ پہلے نفسانی خواہش کی خاطر اور بھوک مٹانے کے لئے کھاتے تو وہ کھانا جائز تھا۔ مباح تھا۔ لیکن وہ کھانا دنیا تھی، اور جب یہ نیت کرلی کہ میں یہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھارہا ہوں تو وہی کھانا زاویہ نگاہ کے بدلنے سے "دین" بن گیا۔

بچے کو کس نیت سے گود میں اٹھایا

حضرت نے فرمایا کہ گھر میں داخل ہوئے اور بچہ سامنے آیا، اور کھیلتا ہوا اچھا لگا، دل چاہا کہ اس بچے کو گود میں اٹھالوں۔ لیکن اس کو اٹھانے سے رک گئے، اور سوچا کہ دل کے چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں اٹھاؤں گا۔ دوسرے لمحے دل میں یہ تصور لائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے پیار کرتے تھے اور جب کوئی بچہ سامنے آتا تو اس کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر خطبہ کے دوران حضرت حسنین مسجد میں آجاتے تو آپ ممبر سے اتر کر ان کو گود میں لے لیتے تھے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کیا کرتے تھے، اس لئے میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھا رہا ہوں۔ اگر ایک لمحے پہلے بچے کو گود میں اٹھاتے تو یہ دنیا تھی، اب جب بچے کو اٹھایا تو یہ "دین" ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سامان ہے۔

پھر سونا بھی عبادت بن گیا

فرماتے ہیں کہ میں نے اس طرح سالہا سال مشق کی ہے۔ مثلاً رات کو سونے

کے لئے بستر کے قریب پہنچے، نیند آرہی ہے، آرام دہ بستر بچھا ہوا ہے، دل چاہا کہ سو جائیں۔ لیکن نفس کی خواہش کے تقاضے پر نہیں سوئیں گے۔ پھر یہ تصور دل میں لائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میرے نفس کا اور میری آنکھ کا حق بھی رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا"

(بخاری شریف، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، حدیث نمبر ۱۹۷۵)

تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ اب میں اس حق کی ادائیگی کے لئے سوتا ہوں، تو یہ سونا بھی دین بن گیا۔ بہر حال، حضرت نے فرمایا کہ دین تو سارا زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، اگر زاویہ نگاہ بدل لوگے تو یہی دنیا دین بن جائیگی۔ اس کام کے لئے مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشق کے بعد یہ سب کام آسان ہوجاتے ہیں، سارے کام دین بن جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبادت سے مقصود اللہ کی رضا

بہر حال، ابتداء میں جو حدیث تلاوت کی تھی، اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بہت طویل نماز پڑھا کرتے تھے، جسکی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کی اگلی پچھلی تمام بھول چوک معاف ہوچکی ہیں، اس کے باوجود آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر

گزار بندہ نہ بنوں۔ بہرحال، اس حدیث سے ایک پہلو تو یہ نکلا کہ عبادت سے مقصود جنت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے، اور جنت اس لئے مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے، اس لئے جنت سے بھی ہمیں اعراض نہیں کرنا ہے، لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اصل چیز ہے۔

شکر کی حقیقت

اس حدیث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے شکر کی حقیقت معلوم ہو رہی ہے، کہ شکر کیا چیز ہے؟ وہ یہ کہ شکر صرف زبان سے یہ کہہ دینے کا نام نہیں کہ یا اللہ: آپ کا شکر ہے، الحمد للہ، صرف اتنی بات شکر ادا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس لئے کہ جو نعمت ملی، اور جس پر وہ الحمد للہ کہہ رہا ہے، اگر اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کر رہا ہے، پھر یہ کیا شکر ہوا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لیوالور لا کر آپ کو تحفۃً دے دیا کہ یہ تم رکھ لو، تمہارے کام آئیگا۔ آپ نے پہلے اس پر شکر ادا کیا، اور پھر اسی سے اس کو گولی مار دی۔ اب بتائیے کیا یہ شکر ہوا؟ نہیں۔ جس نے آپ کے ساتھ جس چیز کے ذریعے احسان کیا تھا، اسی چیز کو آپ نے اس کے خلاف استعمال کر لیا تو یہ شکر نہ ہوا۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف زبان سے شکر ادا نہ کرے، بلکہ دل سے اعتراف کرے کہ اے اللہ! میں اس نعمت کا مستحق نہیں تھا، آپ نے مجھے یہ نعمت میرے استحقاق کے بغیر عطا فرمائی ہے تو اب میں یہ کوشش کرونگا کہ یہ نعمت آپ کی نافرمانی میں استعمال نہ ہو۔

عملی شکر بھی ادا کرو

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبان سے شکر ادا کرنے پر

اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ شکر ادا فرمایا، اس سے پتہ چلا کہ جس طرح قولی شکر ہوتا ہے، اسے طرح شکر عملی بھی ہوتا ہے، عملی شکر یہ ہے کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں، ان نعمتوں کو انکی رضامندی کے کاموں میں استعمال کیا جائے، رضامندی کے خلاف استعمال نہ ہوں۔ مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ لہذا جب کبھی اس آنکھ کا تصور آئے تو یہ کہو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے یہ آنکھ کی نعمت عطا فرمائی ہے، کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، یہ جزوی شکر ادا کیا۔

آنکھ اور زبان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

لیکن اصلی شکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ کی نعمت عطا فرمائی ہے تو یہ آنکھ سرکاری مشین ہے، یہ آنکھ غلط جگہ پر استعمال نہ ہو، اور ایسی جگہ پر استعمال نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو۔ اے اللہ! آپ کا بڑا شکر ہے کہ آپ نے مجھے قوت گویائی عطا فرمائی ہے، میری زبان سلامت ہے، میں اس کے ذریعہ جو چاہتا ہوں، بول سکتا ہوں. کتنے لوگ ہیں جو اس قوت گویائی سے محروم ہیں، زبان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن نہیں کہا جاتا، اے اللہ! آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے مجھے یہ زبان عطا فرمائی۔ یہ زبان کا جزوی شکر ہو گیا۔ لیکن زبان کا اصل شکر یہ ہے کہ یہ زبان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی اور کام میں استعمال نہ ہو، اس زبان سے جھوٹ نہ نکلے. اس سے غیبت نہ نکلے، اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، اس سے کوئی کفر یا فسق کا کلمہ نہ نکلے، یہ ہے اصل شکر۔

نعمتوں کو اللہ کی رضا کے کاموں میں استعمال کرو

لہٰذا اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ زبانی شکر جزوی شکر ہے، اصل شکر وہ ہے جو عمل سے ہو، فعل سے ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے وہ فعل انجام دے، لہٰذا اس حدیث سے اس طرف توجہ دلادی کہ ساری نعمتوں کا حق شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں استعمال کیا جائے، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

استغفار کے عجیب کلمات

استغفار کے بہت سے کلمات ثابت ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استغفار یہ تلقین فرمایا کہ:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ تَقَوَّیْتُ بِهَا عَلٰی مَعْصِیَتِكَ"

اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں ان نعمتوں پر جو آپ نے مجھے عطا فرمائی تھیں، لیکن ان نعمتوں کو صحیح استعمال کرنے کے بجائے میں نے غلط استعمال کیا، اور آپ کے گناہ کے کاموں میں استعمال کیا، اے اللہ، میں اس پر استغفار کرتا ہوں۔

خلاصہ

بہر حال: ان نعمتوں کے حصول کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ اولاً زبان سے شکر ادا کرو، دوسرے اپنے اعمال اور افعال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنانے کی فکر کرو، اور اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو استغفار کرو کہ اے اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، اور میں نے اس نعمت کو آپ کی مرضی کے خلاف استعمال کرلیا۔ اے اللہ: مجھے معاف

فرمادیں۔ یہ تین کام کرلو۔ بہرحال، اس حدیث نے شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی بتادیا اور اس کی حقیقت بھی بتادی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں کے سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

طالبات کیلئے

تین ہدایات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا عبدالمالک عتیق صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : مدرسۃ البنات،

مدینہ منورہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبات کے لئے تین ہدایات

رجوع الی اللہ۔ مصنف کیلئے ایصال ثواب ۔ اللہ کا شکر

مدینہ منورہ میں جامعہ دار العلوم کراچی کے فاضل و متخصص مولانا عبد المالک العتیق صاحب نے رئیس الجامعہ دار العلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے زیر سرپرستی مدرسۃ البنات قائم کیا ہوا ہے، نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے گزشتہ دنوں مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر اس مدرسے میں طالبات سے پس پردہ خطاب فرمایا تھا، حضرت والا مدظلہم کا یہ وقیع خطاب طالبات کے لئے اہم ہدایات کا حامل ہے اس لیے افادۂ عام کے لئے شامل اشاعت ہے۔..............بشکریہ البلاغ (میمن)

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے مدرسے میں حاضری کی توفیق نصیب ہوئی اور یہ بات معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ یہاں طالبات کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے اور اب یہاں دورۂ حدیث بھی شروع ہو گیا ہے۔

ہر آن اس پر شکر کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو اس مبارک مشغلہ میں مصروف فرمایا ہے، یوں تو علم دین جس کو بھی حاصل ہو وہ ایک عظیم نعمت ہے، لیکن

خواتین میں علم دین آجائے تو اس کا عظیم نفع یہ ہے کہ اس سے آنے والی نسل کی بہتر تعلیم وتربیت بہت آسان ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کو معاشرے کی بنیاد بنادیا ہے، اور اپنی خانگی زندگی میں اور بچوں کی تربیت میں ان کا عظیم کردار ہوتا ہے۔ ماں کی گود بچہ کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے اور اس کی تعلیم وتربیت سے بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ آج جتنے بھی اولیاء محدثین، مفسرین ہیں ان کو تو سب لوگ جانتے ہیں لیکن جن ماؤں نے انکی تربیت کی اور انکو اس مقام تک پہنچایا ان کو کوئی نہیں جانتا لیکن اگر دیکھا جائے تو انکا یہ کام اور یہ کارنامہ بڑا عظیم ہے۔ بڑے بڑے علماء، فقہاء کی تو شہرت ہو جاتی ہے اور شہرت کی وجہ سے نفس کے تقاضے بعض اوقات انسان کو گمراہ کر دیتے ہیں، ان میں حب جاہ، حب مال کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

لیکن جو خواتین اپنے اپنے گوشہ میں بیٹھ کر اپنے بچوں کی تربیت کر رہی ہیں ان میں سوائے اخلاص کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک جتنی خواتین گزری ہیں ان میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مجھے یاد آتا ہے کہ ہمارے دیوبند میں ایک خاتون تھیں جن کا ذکر میں نے اپنے دیوبند کے سفرنامہ میں بھی کیا ہے، ان کا نام تھا امۃ الحنان، وہ اپنے گھر میں بچوں کو پڑھاتی تھیں۔ میں نے بھی قاعدہ بغدادیہ غیر رسمی طور پر ان سے شروع کیا تھا۔ انکے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ دیوبند میں چار پشتوں تک لوگوں نے ان سے پڑھا ہے، ہمارے بہن بھائی، پھر ان کی اولاد پھر ان کی اولادیں سب نے ان سے

پڑھا ہے، اور ان کا نام کوئی نہیں جانتا ان کے پڑھے ہوئے لوگوں نے بہت شہرت پائی، علم کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، لیکن ان کے دل میں ایمان کا، علم کا بیج کس نے ڈالا، اس کو کوئی نہیں جانتا، اور صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ بچوں کو پڑھاتی تھیں بلکہ ان کی گھریلو زندگی کی تربیت بھی کرتی تھیں، یہ ان کی غیر نصابی سرگرمیاں تھیں، دیوبند کا شاید ہی کوئی خاندان ان کی تعلیم و تربیت سے محروم رہا ہو، لیکن ان بچوں کو لوگ جانتے ہیں جو دیوبند سے پڑھ کر فارغ ہو گئے اور انکی شہرت ہو گئی، لیکن ان خاتون کو کوئی نہیں جانتا جو بچہ ان کے پاس پڑھتا تھا وہ خاتون ان کے ذاتی معاملات میں بھی دخل دیتی تھیں، میں نے تو ان سے باقاعدہ نہیں پڑھا تھا، بلکہ غیر رسمی طور پر پڑھا تھا، کیونکہ میری عمر چار پانچ سال کی تھی کہ ہم لوگ پاکستان آگئے تھے پھر بھی وہ ہمارے حالات سے باخبر رہتی تھیں اور آخری بار میری ان سے لاہور میں ملاقات ہوئی (وہ لاہور تشریف لائی ہوئی تھیں) میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ مجھے تمہارا پتہ ہے انہوں نے الفاظ استعمال کئے کہ ''عرب میں ایک بڑا اجتماع تھا اس میں تقی کو بہت اعزاز ملا تھا'' یہاں تک وہ ہمارے حالات سے باخبر تھیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے ان سے پڑھا انہوں نے صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ ان سے آداب سیکھے، شروع سے انکی اٹھان ایسی ہو گئی کہ دین اور دین سے محبت انکے دلوں میں سرایت کر گئی، اس سے اندازہ لگائیں کہ خواتین کی تعلیم و تربیت معاشرے میں کتنی نافع ہوتی ہے۔

جو طالبات یہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں انکو اپنا مقام جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالی نے ان کو ایک عظیم خدمت کے لئے مقرر کیا ہے لہذا آپ جو کچھ پڑھ رہی ہیں، اس کو شوق سے پوری محنت کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ کسی بات کو صرف جان لینا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف جان لینا فضیلت کی بات ہوتی تو پھر ابلیس سب سے بڑا عالم ہوتا کیونکہ اس کے پاس بہت علم تھا، وہ افضل الخلائق ہوتا۔ صرف جان لینا فضیلت کی بات نہیں ہے بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے، لہٰذا تعلیم کے دوران اپنی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور ساتھ ساتھ اس بات کی ضروت ہے کہ اپنے عمل کو سنت کے مطابق ڈھالا جائے اپنے اخلاق درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنے معاملات درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنی معاشرت درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنے اساتذہ سے جہاں علم سیکھیں وہاں ان سے آداب بھی سیکھیں اوران کو سنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، اللہ پاک آپ سے بہت عظیم خدمت لینے والے ہیں، اس کے لئے میں دو باتیں عرض کرتا ہوں آپ ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو یہ مقصد حاصل ہوگا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کامیابی کے لئے جو چیز اہم کردار ادا کرتی ہے وہ ہے "رجوع الی اللہ عزوجل" اللہ پاک کی طرف رجوع کرنا، اللہ پاک کے ساتھ تعلق قائم کرنا، اللہ پاک سے مانگتے رہنا، اس کے لئے رجوع الی اللہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سبق پڑھنے جائیں تو اللہ پاک سے مانگ کر جائیں کہ یا اللہ میں سبق پڑھنے جارہی ہوں اپنی رحمت سے یہ سبق میرے ذہن نشین کرادیں، اس کو اچھی طرح سمجھنے کی بھی توفیق عطاء فرمایئے۔ اور اس کو یاد بھی کرودیجئے اور اس پر عمل کی بھی توفیق عطا فرمایئے۔

جب آپ پڑھنے کے لئے سفر کرکے جارہی ہیں، اس وقت میں کوئی نئی مشقت کا اضافہ نہیں ہورہا، بلکہ اسی وقت کو ایک کام میں لگایا جارہا ہے وہ کام ہے اللہ جل شانہ سے رجوع، جاتے ہوئے یہ دعا کرتی جائیں۔ اس طرح استاد بھی جب سفر کرکے جائیں اللہ پاک کی طرف رجوع کرتے ہوئے جائیں کہ یا اللہ اپنی رحمت سے صحیح طریقے سے پڑھانے کی توفیق عطاء فرمادے، اپنی رضا کے مطابق پڑھانے کی توفیق عطاء فرمادے۔ جو بات ہم پڑھائیں وہ تیری رضا کے مطابق بھی ہو یہ دعا کرتے ہوئے جائیں یہ رجوع الی اللہ ہے، پھر جب پڑھا چکیں یا پڑھ چکیں تو یہ دعا کریں کہ یا اللہ جو کچھ پڑھایا یا پڑھا ہے اس کو محفوظ بھی رکھنے کی توفیق عطاء فرما۔

یہ کام ایسا ہے کہ اس میں کوئی پیسہ نہیں لگ رہا، کوئی تکلیف نہیں ہورہی، لیکن اس کی برکت سے جو کچھ پڑھا، اس میں نور ہوگا اور جو چیز یادرکھنے کی ہے وہ یاد رہے گی، مقصود یہ نہیں کہ امتحان دیا جائے، امتحان تو صرف اس لئے رکھا گیا کہ اس کے دباؤ کی وجہ سے آدمی محنت کر لیتا ہے، لیکن اصل مقصد تو علم کا حصول ہے، وہ علم سمجھ میں آجائے، ذہن نشین ہو، اس کے لئے اللہ پاک سے مانگتے رہنا۔ بہر حال؛ یہ رجوع الی اللہ، اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے، اسی کے ذریعہ کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں۔

دوسری بات وہ ہے جو میرے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ کی نصیحت ہے، اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے وہ فرماتے تھے کہ جو کتاب بھی پڑھنے جاؤ اس کتاب کے مصنف کو کچھ ایصال ثواب کر کے جاؤ اور جب پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تو ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر مصنف کو ثواب پہنچاؤ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے اس ایصال ثواب پر دھرا اجر ہے، ہر لفظ پر جو نیکی ملی وہ آپ کا اجر ہو گیا اور پھر ایصال ثواب خود ایک عبادت ہو گئی، آپ سوچیں کے میں کسی کے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں تو اس کا ثواب بھی ملے گا (ان شاء اللہ العزیز) اور حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ پاک سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ایصال ثواب کرنے والے سے اس مصنف کے علوم کو جاری فرمادیں اور جب بھی کسی کتاب کا مطالعہ بھی کریں تو مصنف کو ضرور ایصال ثواب کریں، ان شاء اللہ العزیز اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی نئی کتاب پڑھیں، کوئی نئی بات معلوم ہو تو اس پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی، اس پر یا اللہ تیرا شکر ہے، اور ہمیں اس کو محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔

ایک بزرگ کا مقولہ ہے:

اِذَا اَحْدَثَ اللّٰہُ لَکَ عِلْمًا فَاَحْدِثْ لِلّٰہِ عِبَادَۃً وَ لَا یَکُنْ ھَمُّکَ اَنْ تُحَدِّثَ بِہِ النَّاس

یعنی اللہ پاک جب تم کوئی بات عطا فرمائے تو تم ایک نئی عبادت کرو اور اللہ

پاک کی نئی عبادت یہ بھی ہے کہ شکر کرو کہ یا اللہ آپ نے یہ بات عطا فرمادی اس پر آپ کا شکر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ "وَ لَا یَکُنْ ھَمُّکَ اَنْ تُحَدِّثَ لِلنَّاسِ" کہ دل میں یہ فکر نہ ہو کہ اچھی بات معلوم ہوگئی، اس کو ہم لوگوں کو بتائیں گے، کوئی اچھی بات سنی، اچھی بات معلوم ہوئی تو دل میں یہ بات آئی کہ یہ بات وعظ میں بیان کردیں گے، لوگوں کو مزہ آئے گا، اگر دل میں یہ نیت پیدا ہوجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات دوسروں کو بتانے کے لئے ہے اور اپنا علم جتانے کے لئے ہے، اپنی اصلاح کی فکر نہیں، یہ تو بہت بڑی بیماری ہے جو طالب علموں میں پیدا ہوجاتی ہے۔

یہ تین باتیں ہوئیں رجوع الی اللہ، ایصال ثواب، اور اللہ تعالیٰ کا شکر۔ ان تینوں باتوں کی برکت سے جو علم میں نور، برکت اور فیض پیدا ہوگا اس کا ہم ابھی تصور بھی نہیں کرسکتے۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی درس گاہ میں آداب زندگی سیکھیں، اللہ پاک نے ہمیں ایسا دین نصیب فرمایا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے خالی نہیں، عبادات، عقائد، معاملات، معاشرت، معیشت، اخلاق غرض تمام شعبے اس میں موجود ہیں۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسے کا ماحول دین کے پانچوں شعبوں کی تصویر ہو ہر چیز میں اتباع سنت کا اہتمام ہو۔ اخلاق میں، ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں، ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں، اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ ان تمام باتوں کی عادت ڈالی جائے۔ کیونکہ طالب علمی میں جو عادت پڑ جاتی ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے اور وہ نقش ہوجاتی ہے اور اگر طالب علمی میں

بگاڑ پیدا ہوگیا تو وہ بعد میں بھی جاری رہتا ہے، لہٰذا جس طرح آپ اپنے اساتذہ سے ظاہری علم حاصل کر رہی ہیں اسی طرح ان سے تربیت بھی حاصل کریں۔ اور جو طالبات فارغ ہو رہی ہیں، فارغ ہونے کے بعد کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کریں، ان سے اپنے کاموں میں مشورہ لیتی رہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی اللہ والے سے اپنا تعلق قائم رکھیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دین ہمیں اسی طرح پہنچایا ہے کہ کتاب اللہ کے ذریعہ بھی اور رجال اللہ کے ذریعہ بھی:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اس کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا وہ لوگ جن پر اللہ پاک کا انعام ہوا، وہ لوگ یہ ہیں:

اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء: ٦٩)

بہر حال؛ ان لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صحبت ہو اور اگر ان کی صحبت نہ ہو تو کم از کم ان کی کتابیں ان کے حالات پڑھنے کا اہتمام ہو، اکابر علماء دیوبند جن سے ہم کو اللہ پاک نے فیض پہنچایا ہے، ان کے ملفوظات پڑھیں۔

حضرت حکیم الامت کے مواعظ اور ملفوظات اور شیخ الحدیث صاحبؒ کی کتاب آپ بیتی میں بہت بڑا خزانہ موجود ہے اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں اگر اس طرح

آپ علم دین حاصل کریں گی تو دین کے ساتھ آپ کا یہ تعلق برقرار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرمائیں گے، بس یہ چند باتیں ذہن میں آئیں تو مناسب سمجھا کہ آپ کو عرض کردوں، اگر کہنے والے کے دل میں اور سننے والے کے دل میں اخلاص ہے تو ساری باتیں کارآمد ہیں ورنہ اللہ بچائے یہ نہ ہو تو لمبی چوڑی تقریریں بھی بیکار ہیں، پس میں نے دو اور دو چار کر کے یہ باتیں عرض کردیں ان پر عمل کریں گی تو اللہ پاک آپ کو فائدہ دے گا اللہ پاک اس مدرسہ کو صدق و اخلاص کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اساتذہ اور طالبات کو صدق و اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

☆☆☆

تیز بارش کے دوران آپ ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ
وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ

مدارس میں

طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا سجاد احمد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ اسلامیہ، فیصل آباد

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارس میں طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے

۲۳ رجنوری ۲۰۰۴ء جمعہ کے روز جامعہ اسلامیہ فیصل آباد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی نے ایک وقیع خطاب فرمایا، جسے مولانا سجاد احمد صاحب نے قلم بند فرمایا، قارئین کے استفادے کے لئے اس کے اہم اہم حصے ذیل میں پیش خدمت ہیں.................................. (میمن)

الحمد لله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام على سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين وامام المرسلين وقائد المتقين وعلى آله واصحابه اجمعين و على كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين. اما بعد

تمہید

میرے عزیز دوست مولانا محمد طیب صاحب اور مولانا محمد زاہد صاحب نے طلباء کے سامنے کچھ نصیحت کی باتیں عرض کرنے کی فرمائش کی ہے، میں تو خود نصیحت

کا محتاج ہوں، اور دوسروں کو نصیحت کرنے کا اہل نہیں، لیکن جب کبھی ایسی نوبت آتی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے پڑھنے کے زمانے میں جب کسی استاذ سے کوئی سبق پڑھتے تھے تو اس کے بعد ہم آپس میں بیٹھ کر وہ سبق یاد کر لیتے تھے، یاد کروانے والا بھی ساتھی ہوتا تھا، یاد کروانے کی وجہ سے وہ استاذ نہیں بن جاتا تھا، اس لئے خیال ہوا کہ جو باتیں اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے سنی ہیں وہ آپ کو بھی یاد کرا دوں۔

ہم سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے طالب علم ہیں، اور یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ہمیں طالب علموں کے گروہ میں داخل کر دیا، اللہ نے ایسے گھرانے میں پیدا کیا اور ایسے والدین کی سرپرستی عطا فرمائی جنہوں نے ہمیں علم دین کی طلب میں لگایا۔

طالب علم کی تعریف

میرے والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بتاؤ طالب علم کی تعریف کیا ہے؟ پھر خود ہی فرماتے کہ تمہارے خیال میں طالب علم وہ ہے جس نے مدرسہ میں داخلہ لے لیا، اپنا نام رجسٹر میں لکھوالیا، کسی استاذ کے پاس جا کر سبق پڑھنے لگا، اس کو تم طالب علم سمجھتے ہو، حالانکہ حقیقت میں طالب علم وہ ہے جس کے دل میں علم کی طلب ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل ودماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، اس کے خیالات، اس کی سوچ، اس کا شوق، اس کی امنگ، جو کچھ ہو وہ علم کی طلب سے متعلق ہو کہ علم مجھے حاصل ہو جائے، اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی

یا کوئی بات حل نہیں ہوئی تو جب تک وہ حل نہ ہو جائے اور سمجھ میں نہ آجائے، اسے چین نہ آئے، جیسے ایک بھوکے شخص کو جب بھوک لگ رہی ہوتی ہے تو جب تک کھانا نہ مل جائے اس وقت تک اُسے چین نہیں آئے گا، اگر پیاس لگ رہی ہو تو جب تک پانی نہیں پی لے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا، اسی طرح طالب علم کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم کا بھوکا اور علم کا پیاسا ہو کہ جب تک علم حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کو آرام میسر نہ آئے، چین نہ آئے۔

"فلولا نفر" کی عجیب لطیف تفسیر

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ آپ نے سنی ہوگی جو طالب علموں کے لئے بیان کی جاتی ہے، تمام مدرسوں میں ایک طرح سے ایک سرنامے کے طور پر لکھی جاتی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (التوبة:۱۲۲)

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک تفسیر کے مطابق "لَوْلَا نَفَرَ" علم کی طلب کے لئے نکلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، قرآن نے "نَفَرَ" کا لفظ استعمال کیا "خَرَجَ" نہیں کہا، حالانکہ "خَرَجَ" اور "نَفَرَ" دونوں کا معنی ایک ہے کہ "وہ نکلا" لیکن قرآن نے "خَرَجَ" نہیں کہا، بلکہ "نَفَرَ" کہا ہے۔

نَفَرَ کیا ہوتا ہے؟

"نَفَرَ" کا اصل مطلب "نَفَرَمِنْهُ اِلَيْهِ" جس کے معنی ہوتے ہیں کہ ایک چیز سے نفرت کر کے دوسری چیز کی طرف رغبت ہو، یعنی ایک چیز سے نفرت کر کے

دوسری چیز کی رغبت کر کے آدمی نکلے جس کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ علم کے ماسوا سے نفرت کر کے اور اس سے بھاگ کر صرف علم کی طرف اپنی رغبت ظاہر کر کے نکلے، تب ہے وہ طالب علم، تو اس کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ طالب علمی کے سوا اور جتنے مشاغل ہیں، بقدر ضرورت جہاں ضرورت پیش آئے، ان کو انجام دے لے، لیکن دُھن اور دھیان لگا ہوا ہو علم کی طرف، اسی لئے کہا گیا کہ طالب علمی ایسی چیز ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، لوگ سمجھتے ہیں کہ دورۂ حدیث کر لیا تو بس طالب علمی ختم ہو گئی، حالانکہ یہ تو کبھی ختم نہیں ہوتی، یہ تو ''من المهد الی اللحد'' جاری رہتی ہے۔

اپنے اندر طلب پیدا کرو

بھائی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر آپ طالب علم ہیں تو طالب کا مادۂ اشتقاق ''طلب'' پیدا کرو، جس دن طالب علم کے اندر علم کی صحیح طلب پیدا ہو گئی تو سمجھ لو کہ کامیابی کا دروازہ کھل گیا، اللہ تعالیٰ بعض اوقات طالب علم کی طلب علم کی برکت سے ایسے نکات استاذ کے دل پر وارد فرماتے ہیں جو بعض اوقات استاذ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتے، یہاں اساتذہ بیٹھیں ہیں، یہ گواہی دیں گے کہ پڑھاتے پڑھاتے ایک دم سے دل میں ایک ایسی بات آجاتی ہے جو نہ کبھی مطالعہ میں آئی تھی نہ پہلے کبھی اس کی طرف خیال گیا تھا، اچانک قلب پر ایک نئی بات وارد ہو جاتی ہے، یہ کہاں سے آئی ہے؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ طالب علم کی طلب کی برکت سے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

علم میں کمال حاصل کرنے کے سنہری گُر

اس کے لئے بزرگوں نے اپنے تجربے سے یہ بتادیا ہے کہ مطالعہ کرنا، سبق کو توجہ سے سننا، حاضری کی پابندی، اول سے آخر تک سبق کو سننا ضروری ہے، یہ نہ ہو کہ استاذ سبق شروع کر چکا ہے، اور آپ بعد میں پہنچ گئے، بلکہ استاذ آئے یا نہ آئے، پہلے سے جاکر بیٹھنا، توجہ سے سننا، مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہیے، مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجہولات کو معلومات سے ممتاز کرلیا جائے، مطالعے کے ذریعے آدمی یہ دیکھے کہ خود سے کتنا سبق مجھے سمجھ میں آگیا، کتنا نہیں آیا، جو نہیں آیا وہ کل ستاذ سے توجہ کے ساتھ سنوں گا، تاکہ سمجھوں، پھر جب استاذ کے سامنے بیٹھو تو توجہ ساتھ سنو، اور توجہ کے ساتھ سن کر پھر بعد میں اس کو آپس میں ایک دوسرے کو لو، یہ تین کام آدمی کرلے تو انشاء اللہ علوم آسان ہو جائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کے لئے آسان فرمائیں۔

پرواہی سے علم نہیں آتا

لاپرواہی کے ساتھ علم نہیں آتا :

اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْکَ بَعْضَہٗ حَتّٰی تُعْطِیَہٗ کُلَّکَ

جب تک تم اپنا پورا وجود اس کے حوالے نہیں کروگے، اس وقت تک وہ علم کوئی حصہ آپ کو نہیں دے گا، علم بڑا غیرت مند ہے :

اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِیْهِ یَحْصِلُ بِذُلٍّ لَا عِزَّ فِیْهِ

علم ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا گزر نہیں، لیکن حاصل ہوتا ہے ایسی

ذلت سے جس میں عزت کا گزر نہیں ہے، یعنی اپنے آپ کو استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے، استاذ کا احترام کر کے، کتاب کا احترام کر کے، جو علم پڑھ رہے ہو اس کا احترام کر کے، اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کر کے حاصل کرو گے تو انشاء اللہ علم حاصل ہوگا، اور یہ پھر ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا نام نہیں ہے، دیکھو بھائی یہ علم جو ہم اور آپ پڑھتے پڑھاتے ہیں، ذرا غور کرلیا کرو کہ یہ ہم تک پہنچا کیسے ہے؟

حدیث کو لے لو، تفسیر کو لے لو، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اور اس زمانے تک جب تک کتابیں چھپ کر منظر عام پر نہیں آئیں تھیں، اس وقت تک یہ علم کس طرح حاصل ہوتا تھا، کیا کیا قربانیاں، کیا کیا مشقتیں، کیا محنتیں ہمارے اسلاف نے برداشت کیں، حضرت شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ تھے، ان کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ''صَفَحَاتٌ مِنْ صَبْرِ الْعُلَمَاءِ عَلٰی شَدَائِدِ التَّحْصِیْل ''اس کتاب کا طلبہ کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، اگر یہاں نہ ہو تو اس کو ضرور منگوالیں، اس میں انہوں نے ایسے واقعات جمع کئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ علماء نے علم حاصل کرنے میں کیسی کیسی مشقتیں اور قربانیاں دی ہیں، آج ہم امام بخاری کی کتاب پڑھتے ہیں، اور ساری دنیا اس سے فیضیاب ہو رہی ہے، لیکن امام بخاری کے اوپر سالہا سال ایسے گزرے ہیں کہ سالن نہیں کھایا، بعض روایتوں میں ہے کہ چالیس سال تک سالن نہیں کھایا، اور بسا اوقات صرف باداموں پر گزارا کیا، تین تین بادام، پانچ پانچ بادام کھالئے، بس کھانا ہوگیا، تو کیسی کیسی مشقتوں سے ان بزرگوں نے علم حاصل کیا ہے، کس طرح

ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں میل سفر کیے، آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارا علم پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے، کتاب موجود ہے، اسے خریدنے کے لئے بازار جانا نہیں پڑتا، کوئی پیسہ نہیں خرچ کرنا پڑتا، مدرسے نے خود ہی آپ کو کتابیں لے کر دیدی ہیں، لوگ استاد کے پاس سفر کر کے جایا کرتے تھے، گھوڑوں پر، اونٹوں پر، پیدل، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اساتذہ سارے اکٹھے جمع کردئے ہیں، کھانے کی فکر ہوا کرتی تھی کہ کھانا کہاں سے کھائیں گے، اور پانی کہاں سے پئیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی محنت ومشقت اور پیسہ خرچ کیے بغیر کھانا مہیا کردیا، تو پکی پکائی روٹی کی صورت میں علم آپ کے سامنے ہے، آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ اس کو منہ میں لے جا کر چبا کر حلق سے اتار دو، اور کوئی محنت نہیں، اتنا اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا، اگر وہ کام بھی ہم سے نہ بن پڑے تو بڑے ہی گھاٹے کا سودا ہے "خسر الدنیا و الآخرۃ " اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین

اپنے اندر طلبِ علم پیدا کرنے کے لئے علم کے کام کو سارے دنیا کے کاموں پر فوقیت دے کر محنت سے پڑھیں، اوقات ضائع کرنے والی چیزوں سے اس طرح بچیں جیسے زہر سے بچا جاتا ہے، یہ فضول محفلیں، فضول مجلس آرائیاں، جلسے اور جلوس اور سیاسی سرگرمیاں طالب علم کے لئے زہر قاتل ہیں، یہ ہمارے بزرگوں کا تجربہ ہے، انہوں نے تو یہاں تک فرمایا کہ طالب علم کو چاہیے کہ مغرب کے بعد اوابین کی نفلیں بھی نہ پڑھے، بلکہ دوسنتیں مؤکدہ پڑھ کر اپنے کام میں لگ جائے، تاکہ اس کا وقت علم حاصل کرنے میں صرف ہو تو جب نوافل پڑھنے سے منع کیا جارہا ہے تو

دوسری فضولیات میں وقت ضائع کرنے کی اجازت کہاں ہوسکتی ہے۔

دینی مدارس اور دوسرے اداروں میں فرق

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے شاید سنا ہوگا، یا دیکھا ہوگا کہ دنیا میں جو دوسری درس گاہیں ہیں، یونیورسٹیاں ہیں، کالجز ہیں، مصر چلے جاؤ، شام چلے جاؤ، بڑی بڑی یونیورسٹیاں بنی ہوئی ہیں، اگر دیکھا جائے تو بسا اوقات ان یونیورسٹیوں میں علم وتحقیق کا معیار خاصا بلند بھی نظر آتا ہے، لیکن ان میں اور ہمارے ان مدارس میں ایک بنیادی فرق ہے، وہ یہ کہ وہاں ایک فلسفے اور نظریئے کے طور پر علم پڑھا اور پڑھایا جارہا ہے، جبکہ ان مدرسوں کا مقصد جو دارالعلوم دیوبند کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہیں، یہ ہے کہ علم نرا علم، سوکھا روکھا علم نہ ہو، یہ نظریہ اور فلسفہ نہیں ہے، یہ علم عملی تربیت چاہتا ہے، اور طالب علمی ہی کے زمانے میں انسان کو اسلامی شریعت کی پابندی کی تربیت اس ماحول میں ملنی چاہیے، یہاں رہتے ہوئے اس بات کا عادی بننا چاہیے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ تاسیس ”درمدرسہ خانقاہ دیدیم“

دارالعلوم دیوبند کی جو بناء تھی وہ صرف کتاب پڑھانے والا مدرسہ نہیں تھا، بلکہ انسان کی عملی تربیت کی خانقاہ بھی تھی، اسی لئے اس کی تاریخ تاسیس کہی گئی ہے ”درمدرسہ خانقاہ دیدیم“ ہم نے مدرسہ میں خانقاہ دیکھی، یہ جملہ دارالعلوم کے تاسیس کی تاریخ ہے، اور میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اسی سال ان کی

ولادت ہوئی، اور پڑھنے کے بعد ساری عمر دارالعلوم دیوبند ہی میں پڑھایا، وہیں انتقال ہوا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب اس کے شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ ہوتا تھا، دن میں وہاں قال اللہ، قال الرسول کی آوازیں گونجتی تھیں، اور رات کے وقت انہی پڑھنے پڑھانے والوں کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی آوازیں آیا کرتی تھیں، تو علم کے ساتھ جب تک عمل نہ ہو، جب تک رجوع الی اللہ نہ ہو، جب تک تعلق مع اللہ نہ ہو، جب تک اتباع سنت نہ ہو، اس وقت تک یہ سوکھا، پھیکا اور روکھا علم ہے، یہ فلسفہ ہے جو بہت سے یونیورسٹیوں میں پڑھایا جارہا ہے، لیکن ان مدارس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے آدمی کو صرف علم ہی نہیں سیکھنا، بلکہ اس پر عمل کا طریقہ بھی سیکھنا ہے، اور یہ بات میں خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارے طبقے میں اس بارے میں غفلت بہت عام ہوگئی ہے کہ دین نام رکھ لیا ہے صرف عبادات کا اور ظاہری وضع قطع کا، اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادات دین کا بہت اہم شعبہ ہے، اس کی اہمیت کو کسی طرح بھی کم نہیں کیا جاسکتا، لیکن دین کے اور بھی بہت سے شعبے ہیں جن میں معاملات بھی ہیں، معاشرت بھی ہے، اخلاق بھی ہیں، دین ان سب کے مجموعے کا نام ہے، جہاں بھی جس شعبے میں بھی کمی ہوگی دین میں کمی ہوگی، تو آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کا شکر ہے، اس کا انعام ہے کہ عقائد اور عبادات کی حد تک کچھ تھوڑا بہت اہتمام ان مدرسوں میں پایا جاتا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو ان مدرسوں کو دوسرے سرکاری اداروں سے ممتاز کرتی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ عبادات کا بھی کچھ نہ کچھ اہتمام ہے اگر

چہ وہ بھی اب ڈھیلا پڑ رہا ہے، اسی طرح کم از کم ظاہری وضع قطع میں اتباع سنت کے اہتمام کا ایک جذبہ پایا جاتا ہے، جو اور جگہوں پر نظر نہیں آتا، اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، لیکن جو دوسرے شعبے ہیں، معاملات کے، معاشرت کے، اخلاق کے ان کو دین سے خارج سمجھ لیا گیا ہے، یہ حدیث دن رات پڑھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

لیکن اگر اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں تو قدم قدم پر اس حدیث کی مخالفت ہوتی ہے، معاشرے میں کس طرح رہنا چاہیے، ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اساتذہ سے کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اپنے گھر والوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، والدین کے حقوق کیا ہیں، بہن بھائیوں کے حقوق کیا ہیں، دوست احباب کے حقوق کیا ہیں؟ اور ان کو کس طرح ادا کرنا چاہیے، زندگی گزارنے کے طریقے کیا ہیں، کیا آداب ہیں، کس قسم کے اخلاق دل میں پیدا ہونے چاہئیں، تواضع ہو، اخلاص ہو، ایثار ہو، اور گندے اخلاق سے بچنا چاہیے، یعنی تکبر، حسد، بغض، ریاکاری اور حب مال اور حب جاہ سے بچے، یہ سب دین کے احکام ہیں، ان کی تربیت حاصل کرنا اور ان کی اہمیت دل میں پیدا کرنا ضروری ہے، اس بارے میں اساتذہ کرام سے استفادہ کیا جائے، ان سے علم میں بھی استفادہ کیا جائے، عمل میں بھی، عبادات میں بھی، اخلاق میں بھی، معاشرت میں بھی، اور اس کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے اسلاف کے حالات وملفوظات کا مطالعہ کیا جائے، ان

میں تربیت کا بڑا سامان موجود ہے، ہم نام لیوا تو ہیں اپنے اکابر علماء دیوبند کے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے مزاج و مذاق کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی کہ کیا تھے وہ لوگ؟ ان کی ان کے کردار کی کیا خصوصیات تھیں؟ الحمد للہ سب کی سوانح چھپی ہوئی ہیں، وہ کبھی کبھی پڑھا کریں، حضرت نانوتویؒ سے لے کر ہمارے دور کے آخری اکابر تک سب کے حالات یکے بعد دیگرے آپ کو پڑھنے چاہئیں، ان سے سبق لینا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ان باتوں مجھے اور آپ سب کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

❀❀❀❀

اجمالی فہرست

مکمل اصلاحی خطبات (بیس جلدیں)

عنوانات | صفحات نمبر

اِصْلَاحِیْ خُطْبَاتْ جلد (۱)

اصلاحی خطبات جلد (۲)

اصلاحی خطبات جلد (۳)

اصلاحی خطبات جلد (۴)

اصلاحی خطبات جلد (۵)

اصلاحی خطبات جلد (۶)

اصلاحی خطبات جلد (۷)

اصلاحی خطبات جلد (۸)

اصلاحی خطبات جلد (۹)

اصلاحی خطبات جلد (۱۰)

اصلاحی خطبات جلد (۱۱)

اصلاحی خطبات جلد (۱۲)

اصلاحی خطبات جلد (۱۳)

اصلاحی خطبات جلد (۱۴)

اصلاحی خطبات جلد (۱۵)

اصلاحی خطبات جلد (۱۶)

اصلاحی خطبات جلد (۱۷)

اصلاحی خطبات جلد (۱۸)

اصلاحی خطبات جلد (۱۹)

اصلاحی خطبات جلد (۲۰)

بحمد اللہ تعالیٰ

اصلاحی خطبات

جلد ۲۱

- کلمہ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کے تقاضے
- پہلے قدم بڑھاؤ پھر اللہ کی مدد آئیگی
- دوسروں کو تکلیف سے بچائیے
- اللہ کا بندوں سے عجیب خطاب
- بے حیائی کو روکو۔ ورنہ......
- اللہ کے ولی کو تکلیف دینے پر اعلان جنگ
- حیا کی حفاظت کے طریقے
- سجدوں کی کثرت اللہ کے قرب کا ذریعہ
- کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو
- دو عظیم نعمتیں اور ان کی طرف سے غفلت
- کون سا عمل "صدقہ" ہے
- جنت اور دوزخ پر پردے پڑے ہوئے ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

۲۱

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمّد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ اشاعت : ۲۰۱۵ء

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز

باہتمام : محمد مشہود الحق کلیانوی

جلد : ۲۱

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی ۔: 0313-920 54 97
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر اردو بازار کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک
- بیت القرآن، چھوٹی گھٹی حیدرآباد
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- دارالاخلاص، پشاور
- مکتبہ فاروقیہ، منگورا سوات

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو

چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظرثانی بھی کی ہے۔اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں،ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے،لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے،اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے،تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔لیکن الحمدللہ،ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم ، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تومی زنم ، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں،اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔آمین۔

محمد تقی عثمانی

عرض ناشر

محترم قارئین کرام ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی اکیسویں جلد آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد ۲۰ کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی گئی کہ اسی نام سے مزید اشاعت کی جائے اور اس سلسلے کو آگے جاری رکھا جائے، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں بہت کم عرصے کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں محترم جناب مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیت کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد اکیسویں کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام میں مزید صدق واخلاص نصیب فرمائیں۔ اور اس کام کو مزید بہتر کر کے پیش کرنے میں آسانی عطا فرمادیں ــــ آمین

نیز یہ کہ حضرت شیخ السلام دامت برکاتہم کیلئے دعاء فرمائیں کہ اللہ کریم حضرت مدظلہم کا سایۂ عافیت وسلامتی اور خیر وبرکت کے ساتھ تادیر سلامت رکھیں، اور ان خطبات کا مطالعہ کرنے والوں کو صدق واخلاص سے ان پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

آپ کی دعاؤں کا طالب
شیخ محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات　　　　جلد نمبر: ۲۱

تفصیلی فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

دوسروں کو تکلیف سے بچایئے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

اللہ کا بندوں سے عجیب خطاب

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

کلمہ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے تقاضے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی ال محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی
ال محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی ال ابراھیم
انک حمید مجید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمہ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ"۔

(ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۵)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث نمبر ۳۵)

ایمان کے ستر سے زائد شعبے

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ یعنی ایمان کے تقاضے اور ایمان کے مطابق

کرنے والے اعمال ستر سے زائد ہیں ___ ستر کا عدد جب اہل عرب بولتے تھے تو اس سے مراد ستر کی گنتی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کا مطلب ہوتا تھا کہ ''بہت زیادہ'' جیسے ہم بھی بعض اوقات اردو میں کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ستر مرتبہ کہی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں نے ستر مرتبہ گن کر یہ بات کہی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے بہت مرتبہ یہ بات کہی۔ لہٰذا ستر کے عدد سے کثرت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے ___ اسلئے علماء نے فرمایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ایمان کے شعبے گنتی کے اعتبار سے ستر ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے شعبے بہت زیادہ ہیں، لہٰذا ایمان کے اعمال کی تعداد ستر سے کہیں زیادہ ہے اور وہ سب شعبے ایمان کا حصہ ہیں۔ اگر انسان کسی ایک شعبے کو پکڑ کر بیٹھ جائے اور وہ یہ سمجھے کہ میں مومن کامل ہوگیا۔ یہ بات درست نہیں۔

ہر جگہ ایمان کے تقاضوں پر عمل ضروری ہے

مثلاً کسی نے نماز پڑھنی شروع کردی یا مثلاً روزہ رکھنا شروع کردیا۔ یا عبادات پر عمل کرنا شروع کردیا تو وہ آدمی یہ نہ سمجھے کہ بس میرا ایمان کامل ہوگیا اور اب مجھے کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔ مومن صرف مسجد میں اور صرف مصلے پر مومن نہیں ہوتا۔ بلکہ جس وقت وہ گھر میں بیٹھ کر گھر کے کام کر رہا ہے اس وقت بھی مومن ہوتا ہے۔ جس وقت وہ بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہے اس وقت بھی مومن، جب دفتر میں کام کر رہا ہے اس وقت بھی مومن، وہ تو ہر جگہ مومن ہے اور جب ہر جگہ مومن ہے تو پھر ہر

جگہ پر ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے۔ چاہے وہ عبادت ہو، معاملات ہوں، معاشرت ہو، اخلاقیات ہوں، جتنے بھی زندگی کے شعبے ہیں۔ ان سب میں ایک مومن کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کرے۔ اس کے تو کوئی معنی نہیں کہ مسجد میں آ کر تو عبادت کر لی اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر لیا۔ لیکن جب بازار پہنچا تو اللہ کے بجائے شیطان کو محبوب بنا لیا۔ اس کو یہ فکر نہیں کہ یہ لقمہ جو میں کھا رہا ہوں، یہ حلال کا لقمہ ہے، یا حرام کا لقمہ ہے۔ اور اپنے بیوی بچوں کو جو کھلا رہا ہوں، یہ حرام کھلا رہا ہوں یا حلال کھلا رہا ہوں۔ اگر اس کی فکر اسکے دل میں نہ ہو تو اس کا ایمان کامل نہیں۔

ایمان کے تین شعبوں کا ذکر

اس لئے آپ نے فرمایا کہ ایمان کو صرف نماز روزے میں محصور نہ کر لو۔ بلکہ ایمان کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں۔ اور ان سب شعبوں پر عمل کرنا ایک مومن کامل کے لئے ضروری ہے ـــــ ان تمام شعبوں کا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا۔ لیکن اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شعبے ذکر فرما دیئے، یہ تین شعبے اس لئے ذکر فرما دیئے تا کہ ان شعبوں کی تھوڑی سی جھلک سامنے آ جائے اور ان شعبوں کا تعارف ہو جائے کہ وہ کیا کیا شعبے ہیں جو ایمان کے تقاضے کے لئے ضروری ہیں ـــــ اس پر علمائے کرام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے "شعب الایمان" وہ درحقیقت اسی حدیث کی شرح ہے کہ ایمان کے شعبے

کیا کیا ہیں؟ چنانچہ انہوں نے قرآن وحدیث سے وہ سارے اعمال اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں کہ ایک مؤمن کو کیا کیا عمل کرنا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے اسی موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

پہلا شعبہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنا

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر تین شعبے ذکر فرما دیئے، پہلا شعبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اَفْضَلُهَا قَوْلُ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ''

یعنی ایمان کے شعبوں میں سب سے افضل شعبہ اور اعلیٰ درجے کا شعبہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنا ہے، یعنی توحید کا اقرار اور اعتراف کہ اس کائنات میں اللہ جل شانہٗ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، یہ وہ اقرار ہے جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوتا، اور یہ وہ اقرار ہے کہ اگر سچے دل سے اس کی صحیح روح کے ساتھ انسان اپنا لے تو اس کی پوری زندگی سنور جائے۔ کیونکہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ایسا کلمہ ہے کہ اس کے ذریعہ وہ انسان جو ستر سال کا کافر ہے اور وہ سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے تو اسی وقت وہ مسلمان ہو گیا۔ یہ کلمہ انسان کو جہنم سے جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ کلمہ انسان کو کفر سے ایمان میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ کلمہ انسان کو اللہ کے مبغوض ہونے سے نکال کر محبوب بنا دیتا ہے۔ ایک لمحہ پہلے اگر مر جاتا تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا، لیکن جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر اور

اعتراف اور اقرار کر کے گیا تو سیدھا جنت میں پہنچ گیا۔

غزوہ خیبر

یہ مبالغہ کی بات نہیں، بلکہ سچے واقعات ہیں کہ بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے صرف اس کلمہ کی بدولت جنت میں پہنچادیا اور جہنم سے نکال دیا۔
غزوہ خیبر جس میں حضور اقدس ﷺ نے یہودیوں پر حملہ کیا تھا، یہودی مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان پر حملہ کریں تو نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر خیبر کے مقام پر تشریف لے گئے۔ وہاں پر ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر فتح عطا فرمادی۔

خیبر کے ایک چرواہے کا واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر جس وقت مسلمانوں نے خیبر کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر کا رہنے والا ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ جس کا نام اسود تھا۔ سیاہ فام تھا اور بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ بکریاں چرانے کے لئے خیبر سے باہر آگیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ جا کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ اور کس لئے یہاں آئے ہیں۔ چنانچہ وہ بکریاں لے کر خیموں کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے پوچھا کہ تمہارے سردار کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ ہمارے سردار حضور اقدس ﷺ ہیں جو فلاں خیمہ کے

اندر مقیم ہیں، تم وہاں چلے جاؤ۔ تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی ملک کا بادشاہ یا کسی قبیلے کا سردار کسی معمولی خیمے میں مقیم ہو اور کوئی معمولی چرواہا براہ راست ان سے جا کر مل لے ____ چنانچہ اس چرواہے نے کہا کہ تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟ اتنا بڑا بادشاہ اس معمولی خیمہ میں ہوگا اور وہ مجھ سے ملاقات کرلے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم مذاق نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے سردار اور ہمارے آقا ایسے ہی ہیں۔ تم اگر ملنا چاہتے ہو تو ان کے پاس چلے جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر پیغام

وہ چرواہا چلا گیا اور حیرانی کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو نہ کوئی دربان، نہ کوئی چوکیدار، نہ کوئی روکنے والا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سادگی کے ساتھ اس خیمے میں تشریف فرما ہیں۔ جب پہلی مرتبہ چہرہ پر نظر پڑی تو چہرہ دیکھ کر دل کی دنیا بدلنے لگی۔ اس نے آکر سوال کیا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور خیبر پر حملہ کیوں کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً اس کو بتایا کہ میرا پیغام یہ ہے کہ اس کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں، لہٰذا تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اسی کو اپنا معبود قرار دو، یہ شرک کرنا چھوڑ دو ____ وہ چرواہا سیدھا سادہ آدمی تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس طرح اچانک ہوئی اور آپ کے یہ کلمات کان میں پڑے اور دل میں اتر گئے۔ اور دل کی دنیا بدلنے لگی۔

ایک مسلمان کے حقوق

پھر اس نے کہا کہ اچھا یہ بتائیں کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں اور میں یہ کلمہ "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ" پڑھ لوں تو اس وقت میرے کیا حقوق ہونگے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حقوق یہ ہونگے کہ ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے اور تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور جو حقوق دوسرے تمام مسلمانوں کو حاصل ہیں، وہی حقوق تمہیں بھی حاصل ہونگے ___ اس چرواہے نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی ملک کا بادشاہ اس سے یہ کہے کہ میں تمہیں سینے سے لگاؤں گا۔ اس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے ملک کے بادشاہ ہیں اور آپ مجھ سے مذاق کرر ہے ہیں؟ کیا آپ مجھے سینے سے لگائیں گے جبکہ میں سیاہ فام ہوں، بدصورت ہوں اور میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے۔ اس حالت میں آپ مجھے کیسے سینے لگائیں گے؟ اور کس طرح آپ مجھے اپنا جیسا سمجھیں گے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام وہ دین ہے کہ اسلام لانے کے بعد تمام انسان برابر ہو جاتے ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں رہتی۔ ہم واقعۃً تمہیں سینے سے لگائیں گے، تم جو کہتے ہو کہ میرا چہرہ سیاہ ہے، میں بدصورت ہوں، میرا جسم سیاہ ہے تو میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی سے بدل دیں گے۔ اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میرے جسم سے بدبو اٹھ رہی ہے تو جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے جسم کو خوشبوؤں سے مہکا دیں گے۔

تلواروں کے سائے میں ہونے والی عبادت

جب یہ باتیں سنیں تو چرواہے نے کہا کہ اگر یہ بات سچ کہہ رہے ہیں اور آپ اس کی گارنٹی لیتے ہیں تو پھر میں مسلمان ہوتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ کہہ کر وہ مسلمان ہوگیا ــــ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمادی ــــ پھر اس نے کہا اب میں آپ کے تابع ہوں، جو آپ کہیں گے وہ میں کروں گا، بتایئے میں کیا کروں؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے وقت میں مسلمان ہوئے ہو کہ اس وقت نہ تو نماز کا وقت ہے کہ میں تم سے نماز پڑھواؤں۔ نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ تم سے روزہ رکھواؤں، نہ تم مالدار ہو کہ تم سے زکوٰۃ دلواؤں۔ اور حج تو اس وقت فرض ہی نہیں ہوا تھا ــــ لہٰذا اس وقت تو کسی اور عبادت کا تو موقع نہیں ہے۔ البتہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہو رہی ہے جو تلواروں کے سائے میں ادا کی جاتی ہے یعنی جہاد، لہٰذا تم بھی جہاد میں شامل ہو جاؤ۔

سیدھے جنت الفردوس میں جاؤ گے

اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں جہاد میں شامل تو ہو جاؤں لیکن جب آدمی جہاد میں شامل ہوتا ہے تو دونوں ہی احتمال ہوتے ہیں یا غازی ہوگیا، یا مر گیا، اب اگر میں اس جہاد میں مر گیا تو میرا کیا انجام ہوگا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں کام آگئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدھے جنت الفردوس میں پہنچو گے اور تمہارے جسم کی سیاہی کو سفیدی سے بدل دیں گے اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیں گے۔

بکریاں واپس چھوڑ کر آؤ

اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بکریاں لے کر آیا ہوں، یہ یہودیوں کی بکریاں میرے پاس ہیں، ان کا کیا کروں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ان بکریوں کو لے جا کر شہر کے اندر چھوڑ دو تا کہ یہ بکریاں اپنے گھروں میں چلی جائیں ــــــ حالانکہ یہ جنگ کا زمانہ ہے اور یہودیوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے اور حالت جنگ میں ہیں، اور حالت جنگ میں تو کافروں کا مال بھی قبضہ کر لینا جائز ہوتا ہے ــــــ لیکن یہ چرواہا وہ بکریاں بطور امانت کے لے کر آیا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ پہلے جا کر یہ بکریاں چھوڑ کر آؤ۔

حقوق العباد کی اتنی رعایت

یہ ہے ''حقوق العباد'' بندوں کے حقوق کہ عین حالت جنگ میں بھی اس بات کو فراموش نہیں فرمایا کہ یہ بندے کا حق ہے اور کس بندے کا حق ہے؟ یہ اس بندے کا حق ہے جس کی جان لینے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ جس کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے، جس کے ساتھ جہاد ہو رہا ہے، جس پر حملہ کیا جا رہا ہے یہ ان بندوں کا حق

ہے۔اس لئے آپ نے فرمایا کہ پہلے یہ بکریاں چھوڑ کر آؤ، اس کے بعد جہاد میں شامل ہونا ___ چنانچہ وہ چرواہا واپس گیا اور بکریاں چھوڑ کر واپس آیا اور آ کر جہاد میں شامل ہو گیا۔

تم نہیں پہچانتے، لیکن میں پہچانتا ہوں

جب جہاد ختم ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ کا معمول تھا کہ جہاد کے ختم ہونے کے بعد جو حضرات زخمی ہوتے تھے، یا شہید ہو جاتے تھے ان کے معائنہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے ___ حسب معمول حضور اقدس ﷺ معائنہ کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے جا کر دیکھا کہ ایک جگہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہجوم جمع ہے۔ آپ نے جا کر پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہاں پر ایک صاحب کی لاش نظر آ رہی ہے اور اس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا کہ یہ کون ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے قریب جا کر دیکھا تو فرمایا تم اس کو نہیں پہچانتے، لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ وہ اللہ کا بندہ ہے جس نے اللہ کے راستے میں ایک سجدہ نہیں کیا، جس نے اللہ کے راستے میں ایک پیسہ خرچ نہیں کیا۔ لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا اور آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں مشک و عنبر سے غسل دیا جا رہا ہے اور اس کے جسم کو خوشبوؤں سے مہکایا جا رہا ہے۔

ایک مرتبہ اس کلمہ کا اقرار کر لیجئے

بہر حال، یہ کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ایسا عجیب و غریب کلمہ ہے کہ اگر اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے انسان مر جائے تو جہنم میں جائے گا اور اس کے پڑھنے کے بعد مرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت الفردوس عطا فرماتے ہیں ___ اس کلمہ کی بدولت انسان ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے پاس ان کے مرض وفات میں گئے اور ان سے فرمایا کہ خدا کے لئے ایک مرتبہ اس کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار کر لیجئے آگے میں نمٹ لوں گا ___ لیکن چونکہ ایمان ان کے مقدر میں نہیں تھا۔ اس لئے کلمہ پڑھنے کی توفیق نہ ہوئی اور اقرار کئے بغیر دنیا سے چلے گئے اور حضور اقدس ﷺ کی انتہائی مدد کے باوجود ایمان نصیب نہ ہوا۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" حدیث نمبر ۱۳۶۰)

یہ کلمہ ایک عہد اور ایک اقرار ہے

بہر حال، اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ کیسا کلمہ ہے جو ایک لمحہ میں انسان کو کفر سے اسلام کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ جہنم سے جنت میں پہنچا دیتا ہے، مبغوض سے محبوب بنا دیتا ہے کیا یہ کلمہ کوئی منتر ہے؟ کوئی جادو ہے کہ جس آدمی نے یہ کلمہ پڑھا وہ فوراً جہنم پروف ہو گیا؟ ___ حقیقت میں یہ کلمہ منتر اور جادو نہیں، بلکہ یہ کلمہ

پڑھنے والے کی طرف سے ایک اقرار اور ایک عہد ہے کہ میں اس کائنات میں اگر بات مانوں گا تو صرف اللہ کی بات مانوں گا۔ اگر معبود مانوں گا تو صرف اللہ کو معبود مانوں گا۔ اور معبود ماننے کا مطلب یہ ہے کہ میرے نزدیک اطاعت کے لائق اگر کوئی ذات ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے مقابلے میں میں کسی کی بات نہیں مانوں گا، چاہے وہ میرا باپ ہو، یا میری ماں ہو، یا میرا بیٹا ہو، یا میرا دوست ہو، یا میرا عزیز ہو یا میرے نفسانی جذبات آجائیں لیکن میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کی بات مانوں گا۔ یہ ایک اقرار اور معاہدہ ہے جو ایک انسان ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھ کر کرتا ہے۔

اس کلمہ کے ذریعہ ساری مخلوقات کی نفی

اور صرف زبان سے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ دل سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ معاہدہ کرنا ہے کہ یا اللہ، میں نے آج سے ہر مخلوق سے اطاعت کا تعلق کاٹ کر آپ کے ساتھ یہ تعلق جوڑ لیا ہے۔ ''لَآ اِلٰہَ'' کے اندر نفی ہے اور عربی زبان کے قاعدے کے لحاظ سے یہ ''نفی جنس'' ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ساری مخلوقات، ساری کائنات کی نفی کر رہا ہوں کہ وہ میرے معبود نہیں۔ وہ قابل اطاعت نہیں، اصل قابل اطاعت قابل عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، میں اسی کی بات مانوں گا اور اسی کی عبادت کروں گا۔ یہ اصل اقرار ہے جو انسان کو جہنم سے جنت میں پہنچا دیتا ہے اور جو انسان کو اللہ کے مبغوض ہونے سے

نکال کر محبوب بنا دیتا ہے اور یہ اقرار انسان کو کفر سے ایمان میں لاتا ہے۔

اس کلمہ میں کن باتوں کا اقرار ہے؟

بہر حال، اس کلمہ میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروں گا اور اس بات کا بھی اقرار ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کروں گا۔ توکل اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کروں گا، کسی مخلوق پر نہیں کروں گا ___ اس بات کا اقرار ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور صحیح معنی میں محبت اللہ کے سوا کسی سے نہیں ہوگی۔ رضا جوئی اور خوشنودی سوائے اللہ کے کسی اور کی مقصود نہیں ہوگی۔ ان سب باتوں کے مجموعہ کا نام ''توحید'' ہے۔ محض زبان سے کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ایک مرتبہ پڑھ دینا توحید کا مقام پیدا نہیں کرتا۔

مجھے میرا اللہ بچائے گا

اور جب دل میں ''توحید'' سما جاتی ہے تو پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک دشمن چپکے سے وہاں پہنچ گیا اور تلوار اٹھا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوا، اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بتاؤ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ ___ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہتے ہیں، اکیلے ہیں اور ایک دشمن حملہ آور ہے، اور وہ دشمن پوزیشن لئے کھڑا ہے اور ایک لمحہ میں آپ کا کام تمام کر سکتا ہے، لیکن اس وقت میں جو جملہ آپ کی

زبان مبارک پر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ:

''مجھے میرا اللہ بچائے گا''

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا مقدر کیا ہوا وقت آ گیا تو پھر مجھے کوئی نہیں بچا سکتا، اور اگر وہ وقت نہیں آیا تو پھر تم کیا، بلکہ ہزاروں افراد بھی تلوار لے کر آ جائیں تب بھی مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ___ یہ ہے اصل مقام ''توحید'' کا کہ ڈر اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اور بھروسہ اللہ کے علاوہ کسی پر نہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ بنی المصطلق، حدیث نمبر ۴۱۳۹)

وہ خزانوں کو ٹھکرا دے گا

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

موحد چہ در پائے ریزی زرش
چہ شمشیر ھندی نہی برسرش

امید وھراسش نباشد زکس
بریں ست بنیادِ توحید وبس

(گلستانِ سعدی، باب ھشتم در آداب صحبت، حکمت نمبر: ۱۰۳)

فرمایا کہ موحد وہ ہے کہ اس کے پاؤں پر سونے کے خزانے لا کر ڈھیر کر دو اور اس سے کہہ دو کہ یہ خزانے تمہیں اس وقت ملیں گے جب تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف یہ کام کر لو تو وہ خزانوں کو ٹھکرا دے گا۔ اس لئے کہ اس نے خزانوں کو اپنا معبود

نہیں بنایا، بلکہ اللہ کو اپنا معبود بنایا ہے ___ اور اگر تم موحد کے سر پر تلوار سونت کر کھڑے ہوجاؤ کہ یہ کام کر، ورنہ تیرا کام تمام ہوتا ہے تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام نہیں کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ، ایک مشہور صحابی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جہاد کیلئے لشکر کا سپہ سالار بنا کر کسی کافر بادشاہ کے خلاف بھیجا۔ جب لڑائی ہوئی تو مسلمان مغلوب ہو گئے۔ اور اس نے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گرفتار کرلیا ___ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ جو لشکر کے سپہ سالار تھے وہ بھی گرفتار ہو گئے اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی گرفتار ہو گئے۔ گرفتار کرکے اس نے اس بات پر اصرار کیا تم اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو تمہیں اذیت ناک موت کا نشانہ بنایا جائے گا ___ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان پختہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسلام کو نہیں چھوڑیں گے ___ پھر اس نے ایک آگ جلوائی اور اس کے اوپر تیل کی بڑی کڑاہی چڑھائی اور تیل کو خوب گرم کیا، جب وہ گرم ہوگیا تو ایک آدمی جو ان کے پاس قید تھا اس کو اس گرم تیل میں ڈال دیا ___ تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ تیل اتنا شدید گرم تھا کہ جیسے ہی اس شخص کو ڈالا، اس کے ہاتھ پاؤں اسی وقت فوراً الگ ہو گئے ___ اس کے بعد اس بادشاہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہی انجام تمہارا ابھی ہونے والا ہے۔ الّا یہ کہ توحید کے اقرار سے باز آجاؤ۔

تم مجھے اس انجام سے ڈراتے ہو؟

جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو جواب میں فرمایا کہ تم مجھے اس انجام سے ڈراتے ہو؟ ارے میں وہ شخص ہوں کہ جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ دیکھا ہے، اس وقت سے ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ، مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایئے گا جب تک کہ میرے جسم کا ایک ایک عضو آپ کے راستے میں زخموں سے چور نہ ہو جائے۔ تم مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ تمہیں اس کڑاہی میں ڈال دوں گا۔ اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو یہ تو عین میری دعا کی قبولیت کا وقت آ گیا ہے ____ اس بادشاہ نے بھی اپنی زندگی میں ایسا آدمی نہیں دیکھا تھا جو یہ کہے کہ میری خواہش یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں میرا سارا جسم زخموں سے چور ہو جائے ____ اس کے دل پر اس بات کا رعب پڑا کہ یہ شخص کس مقام پر ہے، کیا اس کا دل ہے، کیا اسکے جذبات ہیں، چنانچہ اسکے دل میں کچھ نرمی آ گئی۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر ۳۷۲۷۹)

کلمہ کفر کہنا کب جائز ہے؟

اس کافر بادشاہ نے کہا کہ اگر تم اپنے دین پر اتنے ڈٹے ہوئے ہو اور اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو چلو میں تمہارے ساتھ رعایت کرتا ہوں اور میں تم سے اس بات کا مطالبہ نہیں کرتا کہ ایمان چھوڑ دو۔ البتہ اگر تم ایک کام کرلو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا اور آزاد کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا کام؟ اس نے کہا کہ

تم اور تمہارے سب ساتھی میری پیشانی کو بوسہ دیں۔ جو بوسہ دیتا جائے گا میں اس کو چھوڑ دوں گا ____ اب کافر اور مشرک کی پیشانی کو بوسہ دینا، یہ اسکی عظمت اور توقیر کے مترادف ہے ____ یہ صحابہ کرام دین کی حدود کو پہچاننے والے تھے۔ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ تو کافر اور مشرک ہے، ہم تیری پیشانی پر کیوں بوسہ دیں، لیکن چونکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے سینے پر تلوار رکھ کر یہ کہے کہ تم کافر ہو جاؤ اور اپنی زبان سے کفر کا کلمہ نکالو تو اس وقت کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن اس وقت بھی افضل یہ ہے کہ زبان سے کلمہ کفر نہ نکالے اور جان دے دے۔

اس وقت اس گناہ کا ارتکاب کر لے

لیکن اگر کوئی شخص تمہیں کسی گناہ کے ارتکاب پر مجبور کرے، مثلاً یہ کہے کہ تم شراب پیو، ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ یا مثلاً کہے کہ سور کا گوشت کھاؤ، ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس وقت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس گناہ کا ارتکاب واجب ہو جاتا ہے، بلکہ اس وقت گناہ کا ارتکاب نہ کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اپنی جان کا حق یہ ہے کہ اس کو بچائے اور اس گناہ کا ارتکاب کر لے۔ اگر نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

کافر کی پیشانی پر بوسہ دینا

بہرحال، جب اس کافر بادشاہ نے یہ کہا تھا کہ اپنا دین چھوڑ دو، ورنہ تمہیں اس کڑاہی میں ڈال دوں گا، اس وقت افضل راستہ یہی تھا کہ جان دے دیتے اور کلمہ کفر زبان سے نہ نکالتے ــــ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کلمہ کفر نہیں نکالا ــــ لیکن جب اس کافر بادشاہ نے یہ کہا کہ میری پیشانی پر بوسہ دے دو تو تمہیں چھوڑ دیں گے تو کافر کی تعظیم کرنا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دینا کفر نہیں، بلکہ گناہ ہے، اب شریعت کا حکم یہ تھا کہ اس بات کو مان لیا جائے ــــ نہ یہ کہ اس کی بات نہ مان کر اپنی جان کو اور اپنے ساتھیوں کی جان کو خطرے میں ڈالا جائے ــــ چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، مجھے یہ منظور ہے۔ میں بھی تمہاری پیشانی پر بوسہ دوں گا اور میرے ساتھی بھی دیں گے۔

دین نام ہے حدود کو پہچاننے کا

درحقیقت دین نام ہے حدود کو پہچاننے کا، یہ نہیں کہ جب ایک جذبہ دل میں آ گیا تو اب اسکے نتیجے میں شریعت کے دوسرے پہلو نظروں سے اوجھل ہو گئے مثلاً دل میں یہ جذبہ آ گیا کہ اللہ کے راستے میں جان دینی ہے، چاہے وہ جان دینا شریعت کے حکم کے مطابق ہو، یا شریعت کے حکم کے مطابق نہ ہو ــــ یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جان دینی ہے تو وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق دینی ہے۔ اللہ کے حکم کے خلاف نہیں دینی ــــ اگر اللہ کا اور شریعت کا حکم آ جائے کہ

اس وقت جان مت دو تو اب نہیں دینی، اس لئے کہ یہ جان بھی بہت قیمتی ہے اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ اپنی اس جان کی بھی حفاظت کرو۔

تم نے یہ کام شریعت کی اتباع میں کیا

بہر حال حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اس کافر بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بوسہ دو۔ چنانچہ سب نے بوسہ دیا اور بوسہ دے کر پورے لشکر کو بچا کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے ــــــ ادھر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ یہ واقعہ پیش آیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ آ رہے ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت کو لے کر ان کے استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور جب وہ لشکر مدینہ پہنچا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اور لشکر کے ایک ایک ساتھی کی پیشانی پر خود بوسہ دیا اور فرمایا کہ چونکہ تم نے یہ کام شریعت کے حکم کے مطابق کیا اور شریعت کی اتباع میں کیا۔ اس لئے میں تمہاری پیشانی پر بوسہ دیتا ہوں۔

اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دو

یہ ہے کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا تقاضہ، اور یہ ہے ''توحید'' کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے تو وہاں جان کی بھی پرواہ نہیں۔ ــــــ اب ایک طرف تو اللہ کے

راستے میں شہادت حاصل کرنے کا اتنا شوق لگا ہوا ہے کہ ہر نماز میں یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ میں شہید ہوجاؤں ___ جب شہادت کا موقع آیا تو اللہ کے حکم کی خاطر شہادت کے اس موقع کو چھوڑ دیا کہ نہیں، اب مجھے اپنی جان کی حفاظت کرنی ہے ___ اس کا نام ہے ''توحید'' صرف زبان سے کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ درحقیقت یہ اس بات کا اقرار اور عہد ہے کہ اطاعت کسی کی نہیں کروں گا، سوائے اللہ کے۔ عبادت کسی کی نہیں کروں گا سوائے اللہ کے۔ محبت کسی سے نہیں کروں گا سوائے اللہ کے۔ یعنی مخلوق میں سے جس کسی سے محبت ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہوگی۔ مثلاً ماں باپ سے محبت کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، لیکن جہاں ماں باپ کی محبت میں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں تعارض ہوجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح ہوگی، اسی طرح بیوی اور شوہر سے محبت ہو تو وہ صرف اللہ کے لئے ہو، لیکن جہاں ان کی محبت کا اللہ تعالیٰ کی محبت سے تعارض ہوجائے تو وہاں اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح ہوگی۔

کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' کا مطلب

اور کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' کا مطلب یہ ہے کہ ''لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ ___ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ ___ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ ___ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللہ ___ لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللہ'' ___ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی مقصود نہیں، کوئی موجود نہیں، کوئی مطلوب نہیں، کوئی محبوب نہیں، کوئی قابل اطاعت نہیں۔ اس لئے اس

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفْضَلُهَا قَوْلُ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہ ایمان کے تمام شعبوں میں افضل ترین شعبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔

سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

چونکہ یہ کلمہ اس عظیم اقرار، اور عہد کی علامت ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام اذکار میں سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے، چنانچہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابہ، حدیث نمبر ۳۳۸۳)

اس لئے کہ یہ اتنا جامع ذکر ہے کہ اس میں سب کچھ آجاتا ہے ____ اور یہ بات کہ ایک مسلمان کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اللہ کے سوا کوئی قابل اطاعت نہیں۔ اس کلمہ کے ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ بات دل میں بٹھا دیتے ہیں، اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر کثرت سے کرو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، یہ کلمہ زبان پر ہو۔ جب زبان سے کثرت سے یہ ذکر کرو گے تو اس کی کیفیت دل کے اندر منتقل ہوگی اور اس کلمہ کا نور اس کی برکات قلب کے اندر منتقل ہونگی اور پھر وہ "قلب" اللہ تعالیٰ کی توحید کا رنگ اپنے اندر اپنا لے گا، اور جس دن توحید کا یہ رنگ دل میں، دماغ میں، اعضاء میں، جوارح میں سما گیا، اس دن دنیا کی تمام دولتیں

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے آگے ہیچ نظر آئیں گی ____ اس لئے ایمان کا سب سے افضل شعبہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو قرار دیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تکیہ کلام

اس کو حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سوچتا رہے اور کثرت سے اس کلمہ کا ذکر کرتا رہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کلمہ پڑھنے کی عادت ڈالے۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ کو دیکھا کہ ان کا تکیہ کلام ہی یہ تھا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' چلتے پھرتے بس یہی پڑھتے رہتے اور باتیں کرنے کے دوران بھی جب درمیان میں رکے تو فوراً ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھتے۔ اور زبان سے جو کلمہ نکل رہا ہے، اس کو بے حقیقت نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ زبان دل کو درست کرنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اگر زبان سے کثرت سے اس کا ذکر ہوتا رہے تو اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ اس کا رنگ دل کی طرف بھی منتقل فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋
❋

دوسروں کو تکلیف سے بچایئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی ال محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم
انک حمید مجید ٥
اللھم بارک علی محمد وعلی
ال محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی ال ابراھیم
انک حمید مجید ٥

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دوسروں کو تکلیف سے بچائیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا قَوْلُ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ، وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ"۔

(ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۵)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث نمبر ۳۵)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو اس حدیث کی کچھ تشریح کا بیان شروع کیا تھا، جو حدیث میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی، اس حدیث میں تین جملے ہیں۔ پہلے جملہ پر تفصیلی بیان الحمد للہ بقدرِ ضرورت گزشتہ جمعہ میں ہو چکا، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا

اس حدیث میں دوسرا جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

"وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ"

یعنی ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے اعلیٰ شعبہ تو کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یعنی "توحید" ہے، اور ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف کی چیز ہٹا دینا، مثلاً راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی ہے۔ اور اندیشہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہوگی، مثلاً کوئی گندی چیز ہے، یا کیلے کا چھلکا پڑا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ اس پر اگر کسی کا پاؤں پڑا تو وہ پھسل کر گر جائے گا۔ یا آم کا چھلکا پڑا ہوا ہے، ایسی چیزوں کو راستے سے ہٹا دینا بھی ایمان کا ادنیٰ ترین شعبہ ہے۔

معاشرت کا اصل الاصول

اس سے درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ دین صرف عقیدے اور عبادت کا نام نہیں بلکہ معاشرت بھی دین کا حصہ ہے۔ اور معاشرت کا اصل الاصول یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے۔ بس یہ ہے معاشرت کا "اصل الاصول"، اور اللہ تعالیٰ نے اس اصول کا اتنا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی حد نہیں۔

صف اوّل کی اہمیت

آپ نے سنا ہوگا کہ افضل ترین نماز وہ ہے جو صفِ اول میں پڑھی جائے۔ اور اسکی اتنی ترغیب احادیث میں آئی ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ پہلی صف میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے تو لوگ

صفِ اول کو حاصل کرنے کے لئے اتنی تیزی سے آگے بڑھیں کہ قرعہ اندازی کے سوا کوئی راستہ نہ رہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ"

(ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب فضل الصف المقدم: حدیث نمبر: ۹۹۷)

کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے فرشتے پہلی صف پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں ___ یہ وہ الفاظ ہیں جو قرآن کریم میں حضور اقدس ﷺ کے لئے استعمال ہوئے ہیں کہ:

"إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ" (سورۃ الاحزاب: ۵۶)

اور حدیث شریف میں یہی الفاظ حضور اقدس ﷺ نے صفِ اول والوں کے لئے استعمال فرمائے ہیں کہ صفِ اول والوں پر اللہ اور اس کے ملائکہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

اس موقع پر صف اوّل چھوڑ دو

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ

"كَانَ يُصَلِّي عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ ثَلَاثًا، وَعَلَى الثَّانِي وَاحِدَةً"

(سنن نسائی، کتاب الامامۃ، باب فضل الصف الاول علی الثانی: حدیث نمبر: ۸۱۴)

حضور اقدس ﷺ صف اوّل والوں کے لئے تین گنا زیادہ دعائیں کیا کرتے تھے۔ بہرحال! صفِ اول کو اتنی عظیم فضیلت حاصل ہے لیکن دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی فرمادیا:

مَنْ تَرَكَ الصَّفَّ الْأَوَّلَ مَخَافَةَ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِمًا فَصَلَّى فِي الصَّفِّ الثَّانِي أَوِ الثَّالِثِ أَضْعَفَ اللهُ لَهُ أَجْرَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ.

(کنز العمال، کتاب الصلاۃ، النوع الثالث فی تسویۃ الصفوف: حدیث نمبر: ۲۰۶۳۳)

کہ اگر پہلی صف میں جانے سے تمہیں اندیشہ ہو کہ پہلی صف میں جو لوگ پہلے سے کھڑے ہوئے ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی، مثلاً وہ جگہ کم ہے اور ایک آدمی کی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت میں جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچانے کی خاطر پہلی صف کو چھوڑ دے گا اور دوسری صف میں کھڑا ہو جائے گا تو اس کو صف اول میں نماز پڑھنے سے دگنا ثواب ملے گا۔ اب دیکھئے کہ کہاں تو صف اول کی اتنی فضیلت بیان ہو رہی تھی اور کہاں یہ حکم آگیا کہ صف اول کو چھوڑ دو۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے صف اول میں جانے سے اللہ کے ایک بندے کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ ایک ایک جگہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ تمہارے عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔

گردنیں پھلانگ کر آگے مت جاؤ

چنانچہ ایک طرف یہ حکم دیا کہ جمعہ کے دن نماز کے لئے جلدی مسجد کی طرف جاؤ اور آگے سے آگے بیٹھنے کی کوشش کرو۔ اس لئے کہ امام سے جتنا قریب ہوگا اتنی ہی فضیلت زیادہ ہوگی ____ لیکن دوسری طرف حکم یہ ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے مت جاؤ۔ اس لئے کہ اگر گردنیں پھلانگ کر جاؤ گے تو جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو تکلیف ہوگی گردنیں پھلانگنے کو منع فرمایا، حالانکہ آگے بڑھنے کی فضیلت اپنی جگہ موجود ہے۔ ایک ایک حکم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رعایت رکھی ہے کہ تمہاری ذات سے کسی مسلمان کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

مسلمان کی حرمت بیت اللہ سے زیادہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ طواف کر رہا تھا، طواف کرتے کرتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ!

مَا اَطْيَبَكِ وَاَطْيَبَ رِيْحَكِ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ.

(ابن ماجۃ، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن و مالہ: حدیث نمبر: ۳۹۳۲)

تو کتنی عظمت والا ہے، تو کتنی حرمت والا ہے، کتنے تقدس والا ہے، لیکن اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی عزت اور اسکی آبرو اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ حرمت والی ہے ___ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر حملہ کرے، یا اسکے مال پر حملہ کرے، یا اسکی آبرو پر حملہ کرے تو وہ اس شخص سے بڑا مجرم ہے جو بیت اللہ پر حملہ کرے ___ لہٰذا دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا کتنا بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی تکلیف دہ چیز راستے میں پڑی ہوئی ہو، اس کو ہٹانا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

دوسروں کی دیواریں خراب کرنا

جب تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ایمان کا شعبہ ہے تو تکلیف دہ چیز کو راستے میں ڈالنا کتنے بڑے گناہ کی بات ہوگی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ آج ہم نے ان چیزوں کو دین سے خارج کر دیا ہے۔ بس نماز روزے کا نام دین رکھ لیا ہے۔ باقی یہ جو چیزیں ہیں ان کا ہمارے دین سے کوئی تعلق نہیں رہا، پڑھے لکھے، سمجھ دار، نمازی، صف اول میں حاضر ہونے والے، مگر اپنی زندگی میں لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتے ___ اب آج کل لوگ دیواروں پر مختلف نعرے لکھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے دیواریں کالی

ہو رہی ہیں ___ یا دیواروں پر مختلف اشتہارات چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ جس شخص کی وہ دیوار ہے وہ اسکی ملکیت ہے۔ اب اس کی مرضی کے بغیر اس کی دیوار کو استعمال کرنا، چاہے وہ کسی دینی اشتہار کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے کی چیز کو اسکی رضامندی اور اسکی اجازت کے بغیر استعمال کرنا چوری ہے۔ یہ ڈاکہ ہے اور یہ ایسا ہی گناہ ہے جیسے چوری کرنا اور ڈاکہ ڈالنا گناہ ہے۔ آج پوری قوم اس کام میں مبتلا ہے اور دین کا نام لینے والے مبتلا ہیں۔

گھروں کے سامنے کا حصہ صاف رکھو

اسی طرح راستوں میں کچرا اور گھر کے کچرے کی تھیلیاں پھینک دی جاتی ہیں اور کسی کو اس بات کا احساس ہی نہیں کہ یہ کوئی گناہ کا کام ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''میونسپلٹی'' اور بلدیہ کے قوانین کی خلاف ورزی ہو رہی ہے ___ ارے یہ سب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قوانین ہیں جن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستے میں کوئی تکلیف کی چیز مت ڈالو۔ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ

(ترمذی شریف، کتاب الادب، باب ماجاء فی النظافہ: حدیث نمبر : ۲۷۹۹)

یعنی ''گھر کے سامنے کا جو حصہ ہے، ہر گھر والے کا فرض ہے کہ اس کو صاف رکھے،'' یہ ہے میونسپلٹی کا قاعدہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔ ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کے سامنے کا حصہ صاف رکھے، اس میں گندگی نہ ہو۔ اس لئے کہ جب لوگ اس کے پاس سے گزریں گے تو لوگوں کو اس سے تکلیف ہوگی اور مسلمان کو

تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن لوگ آج اس کو سمجھتے ہی نہیں کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے۔

آدمی بننا ہو تو یہاں آئے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اسکی بہت تاکید تھی اور سب سے زیادہ روک ٹوک بھی انہی چیزوں پر تھی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے متعلقین میں کسی کے بارے میں مجھے یہ پتہ چلے کہ وہ تہجد نہیں پڑھتا، یا وہ اشراق نہیں پڑھتا یا ذکر اور تسبیح نہیں کرتا، تو اس سے مجھے چنداں شکایت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ سب نفلی اعمال ہیں، اگر کرے گا تو ثواب ہوگا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں ____ لیکن اگر کسی کے بارے میں مجھے یہ پتہ چلتا کہ یہ کسی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچا رہا ہے تو اس سے مجھے اتنا رنج اور دکھ ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں صوفی اور درویش بننا ہو تو کہیں اور چلے جاؤ۔ آدمی بننا ہو تو میرے پاس آجاؤ۔ صوفی بننا اور درویش بننا تو بعد کی بات ہے، پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے۔ جو آدمی نہیں بنا وہ مسلمان کیا بنے گا۔ یہ ساری باتیں آدمیت کی باتیں ہیں۔

اعمال حسنہ اور اعمالِ سیئہ کی پیشی

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الأَذَى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔

(مسلم شریف، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النہی عن البصاق فی المسجد حدیث: ۵۵۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ میرے اوپر میری امت کے تمام اعمال نیک اور بد، اچھے اور برے سب پیش کیے گئے۔ یہ بتانے کے لئے کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا کام کریں گے۔ اچھے کام کیا کیا کریں گے؟ اور برے کام کیا کیا کریں گے؟ یعنی پورے اعمال حسنہ کی فہرست اور پورے اعمال بد کی فہرست میرے سامنے پیش کی گئی ___ اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کتنی بڑی فہرست ہوگی۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر قیام قیامت تک جتنے اعمال حسنہ کئے جائیں گے۔ اور جتنے اعمال سیۂ کئے جائیں گے۔ ان کی فہرست پیش کی گئی۔

کون سا عمل حسنہ اور کونسا سیئہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اعمال حسنہ میں دیکھا کہ ایک نیک عمل یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ راستے میں پڑی ہوئی کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ___ یعنی لوگوں کے گزرنے کے راستے پر گندگی پڑی ہوئی ہے یا کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی ہے جس سے گزرنے والے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ جیسے کانٹا پڑا ہے، یا کوئی ایسی چیز پڑی ہے جس سے آدمی کا پاؤں پھسل جائے وغیرہ، ایسی چیز کو راستے سے ہٹا دینا۔ اس کو بھی مستقل نیک عمل قرار دے کر اس کو نیک اعمال کی فہرست میں اللہ تعالیٰ نے شامل کیا ہوا تھا ___ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال حسنہ میں اضافہ فرمائیں گے۔ اور یہ عمل اس کا نیکی لکھا جائے گا ___ اور ایک دوسری حدیث میں صراحتاً بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ اور ان میں سے ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز

پڑی ہو تو اس کو اٹھا دینا ___ اور فرمایا کہ میرے سامنے سارے اعمال بد پیش کئے گئے ___ ان میں سے ایک عمل یہ تھا کہ بلغم جو آدمی کے منہ سے ناک سے نکلتا ہے وہ مسجد میں پڑا ہوا اور اس کو دفن نہ کیا گیا ہو یعنی اس کو صاف نہ کیا گیا ہو ___ یہ اعمال سیئہ میں سے ہے۔ یعنی گناہ کے اعمال میں سے اس کو قرار دیا۔

لوگوں کو تکلیف سے بچانا اعمال حسنہ ہے

درحقیقت اس سے اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ اعمال حسنہ میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے کوئی کام کرنا۔ چاہے وہ کام چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اب راستے میں کیلے کا چھلکا پڑا ہوا تھا، آپ نے اس کو ہٹا دیا، یہ نیک عمل ہے۔ اور اگر راستے میں کیلے کا چھلکا ڈال دیا، یہ برا عمل ہے اور گناہ ہے۔ اس لئے ہر وہ کام کرنا جس سے دوسرے انسان کو تکلیف پہنچے وہ کام گناہ ہے۔ اور یہ اعمال سیئہ میں داخل ہے ___ آج ہم نے اس کو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یہ اب کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ اب یہ حدیث ہم سب پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ راستے میں تکلیف دہ چیز ڈالنا گناہ ہے اور تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ثواب کا کام ہے ___ لیکن ہمارا اس پر عمل نہیں ہے۔

غلط جگہ گاڑی کھڑی کرنا اعمال سیئہ میں ہے

اب جو لوگ گاڑی چلاتے ہیں، یا موٹر سائیکل چلاتے ہیں، دن رات دوسروں کو تکلیف پہنچانے والے کام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایسی جگہ گاڑی کھڑی کر دی کہ جس کی وجہ سے دوسرے کے لئے نکلنا مشکل ہو گیا، یہ گناہ ہے۔ لیکن اس کو کوئی گناہ

ہی نہیں سمجھتا۔ یہ ایذاء مسلم ہے۔ دوسروں کو تکلیف دینا ہے اور یہ ایسا ہی گناہ ہے جیسے چوری کرنا اور ڈاکہ ڈالنا گناہ ہے۔ آج ہم سب نے اس کو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ گویا کہ اس کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ــــ ابھی گزشتہ ہفتہ کو اس مسجد بیت المکرم کے باہر ایک صاحب ایسی جگہ پر گاڑی کھڑی کر کے چلے گئے کہ دوسرے لوگ اپنی گاڑی نکالنا چاہیں تو نہیں نکال سکتے۔ اس شخص نے نماز پڑھنے کو تو نیک کام سمجھا اور دین کی بات سننے کو نیک کام سمجھا، لیکن یہ نہیں سمجھا کہ غلط جگہ پر گاڑی کھڑی کرنا بھی گناہ کا کام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کوئی بھی ایسا عمل جو دوسرے انسان کو تکلیف میں ڈالنے والا ہو۔ یہ بھی اعمال سیئہ میں سے ہے۔ اور گناہ کے اعمال میں سے ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اگر تم دوسرے کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم دوسروں کو تکلیف تو مت پہنچاؤ۔

ایک انگریز کا واقعہ

آج یہ سب باتیں جن کو تہذیب اور تمدن کی باتیں کہا جاتا ہے، وہ سب ہم نے غیر مسلم قوموں کی جھولی میں ڈال دی ہیں کہ وہ غیر مسلم قومیں ان تہذیب کی باتوں کی امام ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے والے ہیں۔ اور یہ سب ان کا کام ہے۔ ہم تو مسلمان ہیں۔ یہ کام ہمارے نہیں۔ ہمیں اس قسم کے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے ــــ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ جامع مسجد دہلی کے قریب ایک انگریز رہتا تھا، وہ انگریز مسلمان ہو گیا۔ اور مسجد میں نماز کے لئے آنے لگا۔ اس نے مسجد میں دیکھا کہ لوگ حوض پر وضو کر رہے ہیں اور حوض کے ساتھ جو نالی ہے وہ نالی بلغم سے تھوک سے اور ناک کی رینٹھ سے بھری ہوئی ہے۔ اور کوئی اس کو صاف کرنے والا

نہیں۔ اس بیچارے انگریز کو خیال آیا کہ اس نالی کو صاف کر دینا چاہئے۔ چنانچہ وہ کہیں سے جھاڑو لایا اور اس نالی کو صاف کرنا شروع کر دیا تا کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ جس وقت وہ صاف کر رہا تھا اس وقت ایک بزرگوار مسلمان وہاں سے گزرے انہوں نے اس انگریز کو دیکھ کر کہا کہ:

"یہ مسلمان تو ہو گیا، لیکن ابھی تک انگریزیت کی
خوبو اس کے دماغ سے نہیں گئی"۔

گویا کہ نالی صاف کرنا انگریز کا کام ہے، مسلمان کا کام نہیں ___ گویا یہ صفائی، یہ ستھرائی، یہ تہذیب، یہ سلیقہ، یہ انگریز کے کام ہو گئے۔ ان کا دین سے اور مذہب سے، اللہ سے اور اس کے رسول سے کوئی تعلق نہیں ___ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین کے ایک شعبہ کو دین سے خارج کر دینا، اللہ بچائے بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایک چیز کے بارے میں احکام بتائے ہیں۔ دیکھئے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے ناک کی رینٹھ مسجد میں ڈال دی اور اس کو صاف نہیں کیا تو یہ اعمال سیئہ میں سے ہے اور گناہ کا عمل ہے۔

سفر کے ساتھی کے بھی حقوق ہیں

بہر حال! جو بھی عمل دوسرے کو تکلیف دینے والا ہو، وہ گناہ کا عمل ہے۔ قرآن کریم کو پڑھیئے۔ اس میں جس طرح والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق کو بیان فرمایا ہے اسی طرح "صاحب بالجنب" یعنی وہ شخص جو سفر کے دوران تمہارے پہلو میں بیٹھا ہو۔ وہ صاحب بالجنب کہلاتا ہے۔ اس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی

تمہارا پڑوسی ہے۔ ایک پڑوسی وہ ہے جو گھر کے قریب رہنے کی وجہ سے ہمیشہ تمہارے ساتھ رہتا ہے، اور ایک پڑوسی وہ ہے جو سفر کرتے ہوئے وقتی طور پر تھوڑی دیر کے لئے تمہارا ساتھی بن گیا۔ اس کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو بھی تمہاری ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔ مثلاً بس میں آپ سفر کر رہے ہیں، دو آدمیوں کی سیٹ ہے، آپ اپنی جگہ پر ذرا پھیل کر بیٹھ گئے، جس کے نتیجے میں دوسرے ساتھ بیٹھنے والے کو جگہ کم ملی۔ اور اس کو تکلیف ہوئی اور آپ نے اپنے آرام کے لئے اس کو تکلیف پہنچائی۔ یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ یہ سب گناہ ثواب کے معاملات ہیں۔ آج ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے بس نماز، روزے اور تسبیح و ذکر کا نام دین رکھ دیا ہے۔ اور معاشرت کے احکام کو ہم نے بالکل دین سے خارج سمجھ لیا ہے۔ کس بات سے اور کس ادا سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے؟ کس عمل سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے؟ اس کی طرف بالکل دھیان ہی نہیں۔

راستہ بند کرنا ایذاء مسلم ہے

مثلاً آپ نے اپنے گھر کے اندر ایک تقریب منعقد کی، اس کے لئے گھر سے باہر شامیانہ باندھا اور سب آنے جانے والوں کا اور محلے والوں اور پڑوس والوں کا راستہ بند کر دیا۔ اب لوگوں کو گاڑی اپنے گھر تک لانا ممکن نہیں رہا ____ آپ تقریب منا رہے ہیں اور دوسرے لوگ آپ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہیں ____ آپ نے یہ جو دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچائی یہ گناہ کا عمل کیا، ناجائز عمل کیا۔ لیکن آج اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف میونسپلٹی کے قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، یہ کوئی گناہ نہیں۔

''معاشرت'' ہمارے دین کا حصہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تمہارا کام یہ ہونا چاہئے کہ راستے میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹاؤ، نہ یہ کہ تکلیف دہ چیز کو راستے میں ڈالو، اور لوگوں کا راستہ بند کرو۔ راستہ بند کرنا لوگوں کو اذیت دینا ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن آج ہم نے اس کو دین سے خارج کر دیا ہے ___ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں یہ جو باب قائم فرمایا ہے درحقیقت یہ بات سمجھانے کے لئے قائم کیا ہے کہ خدا کے لئے یہ نہ سمجھو کہ صرف نماز، روزہ کرلینا ہی بس دین ہے۔ یہ ساری زندگی اور زندگی کا ہر ہر عمل دین ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو دوسروں کو تکلیف پہنچانے والے اعمال سے بچاؤ ___ بہر حال، اس حدیث شریف میں فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے محاسن اعمال کی فہرست میں دیکھا تو اس میں یہ بھی پایا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا۔ اور اس امت کے برے اعمال کی فہرست کو دیکھا تو اس میں یہ بھی پایا کہ ''نخاعہ'' یعنی تھوک یا بلغم مسجد کے اندر پڑا ہوا ملا، اور اس کو دفن نہ کیا گیا ہو یعنی اس کو دور نہ کیا گیا ہو۔ مسجد کی خصوصیت نہیں بلکہ کسی بھی ایسی جگہ پر جہاں دوسروں کو گندگی سے تکلیف پہنچتی ہو، وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

رفع حاجت کے لئے جگہ کی تلاش

حدیث شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے اور راستے میں آپ کو قضاء حاجت وغیرہ کی ضرورت پیش آتی تو آپ دور کی جگہ تلاش کرتے تھے جیسے کوئی آدمی پڑاؤ ڈالنے کے لئے جگہ تلاش

کرتا ہے کہ کونسی جگہ پڑاوڈالنا زیادہ مناسب ہے۔

(ترمذی شریف ، ابواب الطھارۃ ، باب ماجاء ان النبی ﷺ کان اذا اراد الحاجۃ ابعد فی المذھب : حدیث نمبر : ۲۰)

اس لئے کہ پیشاب کرنے کے لئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ کوئی ایسی جگہ نہ ہو جو عام لوگوں کی عام راہ گزر ہو۔ اور عام راہ گزر ہونے کی وجہ سے جب لوگ گندگی کو دیکھیں تو ان کو تکلیف پہنچے۔ اس وجہ سے آپ عام راہ گزر سے ہٹ کر جگہ تلاش کیا کرتے تھے ___ اس لئے ہر عمل سے پہلے انسان یہ دیکھے کہ میرے اس عمل سے دوسرے انسان کو تکلیف تو نہیں ہوگی۔

دوسروں کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایذاء مسلم گناہ کبیرہ ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے اسی طرح بچو جس طرح تم چوری سے، ڈاکے سے، زنا سے، بدکاری سے، شراب نوشی سے بچتے ہو۔ اسی طرح بچنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋

❋

بے حیائی کو روکو۔ ورنہ......

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بے حیائی کو روکو۔ ورنہ......

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا قَوْلُ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ"۔

(ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۵)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث نمبر ۳۵)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو اس حدیث کا بیان شروع کیا تھا، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے شعبوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ایمان کا سب سے افضل شعبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"

ہے، یعنی توحید پر ایمان لانا، اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ دونوں کا تفصیلی بیان گزشتہ دو جمعوں میں ہو چکا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاص طور پر ''حیاء'' کا بیان کیوں؟

اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا ''وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ'' اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا افضل شعبہ بھی بتادیا، اور ادنیٰ شعبہ بھی بتادیا۔ اس کے بعد ایک جملہ بالکل علیحدہ عجیب انداز سے بیان فرمایا کہ ''وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ'' کہ حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔ گویا کہ پہلے ایمان کے شعبوں کی دو انتہائیں بیان فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ باقی تمام شعبے ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ لیکن ان تمام شعبوں کا بیان چھوڑ کر صرف ایک شعبہ بیان فرمادیا کہ ''حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے'' اور تمام شعبوں کو چھوڑ کر صرف اس کو خاص طور پر بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ جو درمیانی شعبے ہیں، ان میں ''حیا'' بہت ہی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا دامن نہ چھوڑنا، کیونکہ اگر اس کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو پھر گناہوں کے سیلاب کا دروازہ کھل جائے گا۔ پھر بند ٹوٹ جائے گا اور گناہوں کا سیلاب اُمڈ آئے گا۔ اس لئے خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا۔

اصل الاصول شعبہ ''حیا'' ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں ارشاد فرماتے ہیں، اس کے بارے میں قرآن

کریم کہتا ہے کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سورۃ النجم: ۴_۳)

کہ جو بات حضور اقدس ﷺ کی زبان سے نکل رہی ہے، وہ آپ کے دل سے نہیں نکل رہی ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو رہی ہے، اور اس وحی کو حضور اقدس ﷺ اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں___ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہی تھا کہ ایمان کے جتنے درمیانی شعبے ہیں، ان میں اصل الاصول کیا چیز ہے؟ اس اصل الاصول کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہے "حیا"___ اگر "حیا" سلامت ہے تو پھر سمجھ لو کہ انشاء اللہ خیر اور بھلائی ہے اگر "حیا" کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو بس سمجھو کہ بدی کا دروازہ کھل گیا۔

جب "حیا" ہی نکل گئی

اسی لئے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ"

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۳۴۸۳)

جب تم سے "حیا" جاتی رہے تو جو چاہو کرو۔ جب "حیا" دل سے نکل گئی تو پھر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ رہا۔ یہ "حیا" ایک ایسی روک ہے، ایک ایسا بریک ہے جو انسان پر لگا دیا گیا ہے، اگر یہ بریک انسان کے اندر موجود ہے تو یہ انسان کو برے کاموں سے، ناجائز امور سے، گناہوں سے روک دیتا ہے۔ اگر یہ نکل گیا تو

بات ہی ختم ہوگئی۔ یہ ایسا جملہ ہے کہ اس نے بے شمار انسانوں کی زندگی میں انقلاب برپا کئے ہیں۔

امام قعنبی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مشہور محدث گزرے ہیں جن کا نام حضرت عبداللہ بن مسلمہ قعنبی رحمۃ اللہ علیہ، یہ وہ بزرگ ہیں جو صحاح ستہ کے مصنفین کے بھی استاذ ہیں۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ بہت کثرت سے ان سے روایات نقل کرتے ہیں ــــ "حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ" ــــ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ ابتداء میں بہت آوارہ قسم کے آدمی تھے۔ جیسے آج کل غنڈہ گردی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے آدمی تھے، کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں، کسی کا مال لوٹ لیا، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، کسی کو گالی دے دی۔ شراب کباب میں مبتلا تھے۔ ایک مرتبہ دوستوں کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے اور گپ شپ ہو رہی تھی۔ سامنے سے ایک مشہور محدث حضرت امام شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرے۔ حضرت عبداللہ بن مسلمہ کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ یہ جو مولوی صاحب جارہے ہیں، ان کے ساتھ مذاق کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ آگے بڑھے اور ان کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور ان سے کہا کہ: ــــ "یَا شُعْبَہ حَدِّثْنِیْ حَدِیْثًا" ــــ اے شعبہ: مجھے کوئی حدیث سناؤ۔ اور انداز طنز اور مذاق کا اختیار کیا۔ حضرت امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں چھوڑو۔ حدیث سننے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ سامنے آکر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ مجھے حدیث سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو حدیث سنانی ہوگی، اگر حدیث نہیں سناؤ گے تو میں تمہارے ساتھ برا معاملہ کروں گا۔ حضرت

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ غنڈہ گردی پر آمادہ ہے تو فرمایا کہ تم حدیث سننا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں سننا چاہتا ہوں۔ تو سنو، چنانچہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سنائی کہ:

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ عَنْ زُهَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ.

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۳۴۸۳)

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سے حیا جاتی رہے تو جو چاہو کرو۔ اس اللہ کے بندے نے کس دل سے وہ حدیث سنائی کہ بس ان کے دل پر چوٹ لگی اور کہا کہ اے شعبہ، اب تک تو میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔ لیکن اب اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں تمہارے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں۔ چنانچہ ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور اس کے بعد اپنے سارے برے اعمال چھوڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر محدث بنے کہ آج صحاحِ ستہ ان کی روایت کردہ حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں۔ بہر حال یہ وہ حدیث ہے جس نے زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔

انسان میں اور کتے بلی میں کوئی فرق نہیں رہتا

بات دراصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا کہ جب انسان کی ”حیا“ جاتی رہے تو پھر اس میں اور کتے بلی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ آج مغربی ممالک کے اندر دیکھ لو وہاں کیا ہو رہا ہے۔ جب ”حیا“ چلی گئی تو انسان کتے بلی سے

بدتر ہوگیا ـــــ ''حیا'' کے معنی کیا ہیں؟ ـــــ ''حیا'' کے معنی یہ ہیں کہ طبیعت میں نامناسب کام سے رکاوٹ اور انقباض کا پیدا ہونا۔ یہ ''حیا'' ہی ہے جو انسان کو گناہوں سے بچاتی ہے اور اس کو ایمان کا اتنا اہم شعبہ قرار دیا گیا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبوں میں سے اس کو الگ کر کے ذکر فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں یہ چیز دیکھ رہی تھیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ قوم ''حیا'' کا دامن چھوڑ دے گی تو کہاں پہنچے گی؟ اس لئے چودہ سو سال پہلے یہ بات ارشاد فرمادی۔

''حیا'' کے پیکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

عورتوں کو تو ''حیا'' کا حکم ہے ہی، مردوں کو بھی ''حیا'' کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''کَامِلُ الْحَیَاءِ وَالْاِیْمَانِ'' یعنی کامل ایمان اور کامل حیاء والے ـــــ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اور آپ نے جو تہبند باندھا ہوا تھا وہ گھٹنے کے پاس سے کھلا ہوا تھا۔ البتہ ستر پورا ڈھکا ہوا تھا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی ـــــ فرمایا کون؟ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے ـــــ تھوڑی دیر کے بعد پھر دستک ہوئی۔ پوچھا کون؟ معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی اور آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے ـــــ تھوڑی دیر کے بعد پھر دستک ہوئی۔ پوچھا کون؟ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے تہبند کو اچھی طرح ڈھک لیا اور پھر ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا

کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی کیا وجہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے تہبند سے پورے پاؤں کو ڈھک لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ: یہ وہ شخص ہے کہ جس سے اللہ کے فرشتے بھی "حیا" کرتے ہیں، تو میں ان سے اس حالت میں کیسے ملتا کہ میرے گھٹنے کے قریب کا حصہ کھلا ہوا ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حدیث نمبر ۲۴۰۱)

ایک صحابیہ کا واقعہ

اس سے معلوم ہوا کہ "حیا" کا حکم صرف عورتوں کو ہی نہیں ہے بلکہ مردوں کو بھی "حیا" کا حکم ہے کہ اپنے کپڑوں میں، اپنے لباس میں، اپنی چال ڈھال میں، اپنے طرز عمل میں "حیا" کو سامنے رکھیں۔ اور جب مردوں کو "حیا" کا حکم ہے تو عورتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے "حیا" ہی کے لئے بنایا ہے۔ عورت "حیا" کا پیکر ہونی چاہیے۔ "حیا" عورت کا زیور ہونا چاہیے اور جس عورت کے اندر "حیا" نہیں وہ عورت کہلانے کی مستحق نہیں ــــ ایک صحابیہ نے اپنے بیٹوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں بھیج دیا۔ شاید غزوہ احد تھا، یا کوئی اور غزوہ تھا۔ ان صحابیہ کو اطلاع ملی کہ آپ کا ایک بیٹا شہید ہو گیا۔ جب ان خاتون کو بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملی تو گھبراہٹ کی حالت میں گھر سے نکل کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں ــــ اس لئے کہ جب کوئی پریشانی پیش آتی تو صحابہ کرام کے لئے ایک ہی ملجا اور ماویٰ تھا۔ اس لئے کہ وہیں دلوں

کو قرار ملتا تھا، وہیں چین اور سکون حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ خاتون بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑیں۔ اس پریشانی کے عالم میں گھر سے باہر نکلیں تو اس وقت بھی چادر اس طرح اوڑھی ہوئی تھی کہ پورا جسم اس چادر میں چھپا ہوا تھا۔ صرف ایک آنکھ کھلی ہوئی تھی، کسی نے ان خاتون سے پوچھا کہ تمہیں اتنا بڑا صدمہ پیش آیا، کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا۔ اس کے باوجود تم اس اہتمام کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں کہ تمہارا پورا جسم چھپا ہوا ہے، صرف ایک آنکھ کھلی ہے۔ اس وقت اس خاتون نے ایک خوبصورت جملہ کہا کہ:

"إِنْ أُرْزَأْ إِبْنِي فَلَنْ أُرْزَأْ حَيَائِي"

کہ میرا بیٹا مجھ سے کھویا ہے، میری "حیا" مجھ سے نہیں کھوئی۔ میرا بیٹا جاتا رہا لیکن حیا نہیں جاتی رہی۔ اگر میرا بیٹا جاتا رہا تو حیا کا دامن بھی چھوڑ کر بیٹھ جاؤں۔ یعنی بیٹا ہاتھ سے گیا، حیا ہاتھ سے نہیں گئی۔

(ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فضائل قتال الروم علی غیرهم، حدیث نمبر ۲۴۸۸)

عورت گھر کے اندر نماز پڑھے

اصل میں یہ عورت تھی جس کے دل میں "حیا" کا یہ احساس تھا اور جس کے بارے میں شریعت نے اپنے ایک ایک حکم میں اس بات کی رعایت رکھی ہے کہ وہ عورت حیا کا دامن نہ چھوڑے۔ چنانچہ خواتین کو یہ حکم دیا کہ نماز کے لئے مسجدوں میں نہ آؤ، حالانکہ مسجد کی جماعت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ گنا زیادہ ہے۔ لیکن عورت سے کہا کہ

تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ تم گھروں میں پڑھو۔ یہ اس زمانے میں حکم دیا جس زمانے میں نماز پڑھانے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو فرمایا کہ تمہارے لئے میرے پیچھے نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھو اور فرمایا کہ گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ برآمدے میں نماز پڑھے اور برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ کمرے میں پڑھے اور کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل یہ ہے کہ کوٹھری میں نماز پڑھے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہوئے ہیں۔

(کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلک، حدیث نمبر ۵۷۰)

عورت کی نماز میں پردہ کا اہتمام

شریعت نے ہر ہر قدم پر عورت کی ''حیا'' کا خیال رکھا ہے۔ چنانچہ نماز پڑھنے کا طریقہ مرد کے لئے اور ہے۔ عورت کے لئے اور ہے۔ عورت کے لئے جو طریقہ بیان فرمایا اس میں ستر اور پردہ کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے مثلاً رکوع مرد دوسرے طریقے سے کرے گا۔ عورت کسی اور طریقہ سے کرے گی۔ مرد کے لئے حکم یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں اس کی ٹانگیں بالکل سیدھی کسی ہوئی ہونی چاہئیں اور عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ رکوع میں اپنے پاؤں بالکل سیدھے نہ کرے بلکہ آگے کی طرف تھوڑا خم دے کر کھڑی ہو۔ سجدہ مرد دوسرے طریقے سے کرے گا، عورت دوسرے طریقے سے کرے گی۔ عورت کے لئے سجدے کی حالت میں پورا جسم زمین سے متصل ہونا چاہیے اور یہ سب اس وقت بھی ہے جب عورت تنہا نماز پڑھ رہی

ہے اور کوئی اسکو دیکھنے والا نہیں ہے۔

(بہشتی زیور، حصہ دوئم، صفحہ ۱۳۷، باب فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان)

مردوں کی افضل صف کونسی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین مسجد میں آتی تھیں۔ لیکن اس وقت بھی حکم یہ تھا کہ ان کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور اگر وہ مسجد میں آئیں تو ان کے لئے افضل یہ ہے کہ سب سے آخری صف میں نماز پڑھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

خَیْرُ صفوف الرِجَالِ اَوَّلُھَا وَشَرُّھَا آخِرُھَا،

وَخَیْرُ صفوف النِّساءِ آخِرُھَا وَشَرُّھَا اَوَّلُھَا

(مسلم شریف، کتاب الصلاۃ، باب تسویہ الصفوف، حدیث نمبر ۴۴۰)

یعنی مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر صف پہلی صف ہے۔ اور سب سے بری صف آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی صفوں میں سب سے بہتر صف آخری صف ہے اور سب سے بری صف پہلی صف ہے ___ یہ کیوں؟ اس لئے کہ قدم قدم پر عورت کی ''حیا'' کا لحاظ رکھا جا رہا ہے۔ تا کہ ''عورت'' عورت رہے، وہ مرد نہ بنے۔

نکاح کے ایجاب وقبول کے وقت عورت کی خاموشی

نکاح کے وقت شوہر اور بیوی کے درمیان عقد نکاح کا معاہدہ ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے نکاح کیا، اور دوسرا کہتا

ہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد سے کہا جائے کہ تمہارا نکاح فلاں عورت سے کیا گیا اور اس کے جواب میں اگر مرد خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ جب تک وہ مرد زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے قبول کیا ___ اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت سے کہا جائے کہ تمہارا نکاح فلاں مرد سے کیا گیا، تمہیں قبول ہے؟ اگر وہ عورت خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، کیوں؟ ___ اس لئے کہ عورت کے اندر ''حیا'' رکھی گئی ہے۔ اور اس کی زبان سے یہ جملہ نکلنا کہ میں نے اس نکاح کو قبول کیا، وہ ''حیا'' اس جملے کے ادا کرنے میں رکاوٹ ہوگی، اس لئے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا کہ اگر وہ عورت خاموش بھی رہے، تب بھی نکاح درست ہو جائے گا۔ البتہ اگر زبان سے انکار کر دے گی تو پھر نکاح نہیں ہوگا ___ درحقیقت اس میں عورت کی فطرت کی رعایت رکھی ہے کہ عورت کے اندر حیا ہونی چاہیے۔ اس ''حیا'' کا تقاضہ یہ ہے کہ شادی بیاہ کا لفظ زبان سے نکالتے ہوئے اسے شرم آئے۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق، حدیث نمبر ۱۴۲۰)

عورت کا غافل ہونا اس کا حسن ہے

شریعت کے جتنے احکام ہیں نماز روزے سے لے کر نکاح و طلاق تک ان میں عورت کے لئے ''حیا'' کے عنصر کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے ہر حکم میں ستر اور پوشیدگی کو مدنظر رکھا گیا ہے اور قرآن کریم میں عورتوں کی جو تعریف کی گئی ہے۔

اس میں یہ الفاظ ہیں:

اَلْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

(سورۃ النور: ۲۳)

''مُحْصَنٰتِ'' پاک دامن عورتیں، ''غَافِلَاتِ'' اس کے لفظی معنی ہیں ''غفلت میں رہنے والی عورتیں'' یعنی دنیا جہاں کے حالات سے بہت زیادہ باخبر نہیں۔ یہ عورت کے لئے تعریف کی صفت ہے کہ وہ حالات سے باخبر نہ ہو۔ مرد کے لئے غافل ہونا برائی کی صفت ہے، اس لئے کہ یہ خواتین اپنے فرائض میں منہمک ہیں۔ اس کے اندرون رات لگی ہوئی ہیں۔ اس وجہ سے یہ خواتین دنیا کے حالات سے غافل ہیں۔ لہٰذا عورت کے لئے غافل ہونا اچھی بات ہے۔

آہستہ آہستہ پردہ اٹھ گیا

اسلام نے عورت کے ''حیا'' کا جتنا پاس رکھا تھا، افسوس صد افسوس حسرت صد حسرت کہ آج شریعت کے سب احکام کو پامال کر کے آج کے اس دور میں بے حیائی قابل تعریف بن گئی ہے اور ''حیا'' کے سارے احکام کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ پہلے برقع اترا، پھر چادر اتری، پھر دوپٹہ جو گلے میں ایک لکیر کی طرح رہ گیا تھا وہ بھی اتر گیا، اب لباس بھی ایسا ہے کہ گلا کھلا، سینہ کھلا، بال کھلے، پیٹ کھلا، کمر کھلی اور اب کوئی جسم کا حصہ باقی نہ رہا جو کھلا ہوا نہ ہو۔ عورتوں کا تو یہ حال ہوا ہی تھا۔ وہ مرد حضرات جن کے ہاتھوں میں گھر کی لگام تھی ان کے دلوں سے غیرت فنا ہوگئی۔ اکبر مرحوم نے بڑی اچھی بات کہی تھی کہ:

بے پردہ مجھ کو کل نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر غیرتِ قومی سے زمین میں گڑ گیا
پوچھا جوان سے بیبیو! پردہ تمہارا کہاں گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

واقعہ یہی ہے کہ آج مردوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے بے حیائی کے مناظر دیکھتے ہیں۔ اور اس کے باوجود کانوں پر جوں نہیں رینگتی، زبان سے کچھ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

مغرب کے نقش قدم پر مت چلو

وہ باپ اور بیٹی جن کی زبان پر کبھی اس قسم کی بات نہیں آسکتی تھی لیکن آج باپ اور جوان بیٹی ایک ساتھ بیٹھ کر حیا سوز فلمیں دیکھ رہے ہیں۔ بتاؤ پھر ''حیا'' کا جنازہ تو نکل گیا اور جب ''حیا'' کا جنازہ نکل جائے تو پھر یاد رکھو جب بند ٹوٹا تو سیلاب آئے گا۔ وہ آرہا ہے، اس کی ساری ذمہ داری گھر کے بڑوں پر عائد ہوتی ہے ___ اس دور کے اندر گھر کے بڑوں نے اتنی غفلت کا مظاہرہ کیا ہے کہ ماضی میں کبھی نہیں کیا ہوگا، آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اولاد جہنم کی طرف دوڑ رہی ہے اور آگ کے انگارے کھا رہی ہے، لیکن زبان سے ایک جملہ ادا نہیں ہوتا کہ بیٹا یہ راستہ جہنم کا راستہ ہے ___ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ قوم تباہی کی طرف جا رہی ہے ___ مغرب میں تباہی انہی راستے سے آئی۔ اور آج پوری قوم نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اگر اس پر بند نہ باندھا گیا تو

یاد رکھو، وہی مناظر یہاں بھی نظر آئیں گے جو مناظر آج وہاں نظر آ رہے ہیں اور اس کی کچھ جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، آمین۔

بیوی بچوں کو بھی جہنم سے بچاؤ

صرف نماز روزہ ادا کر لیا۔ مسجد میں جا کر صف اوّل میں نماز پڑھ لی، صبح کو کچھ ذکر و تسبیح کر لیا، قرآن کریم کی تلاوت کر لی ___ لیکن بیٹی غلط راستے پر جا رہی ہے، فحش لباس پہن رہی ہے۔ بے پردہ لباس پہن رہی ہے، لیکن باپ کو کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ اس کو ٹوک دیں۔ یاد رکھو، قیامت کے روز تمہاری گردن پکڑی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تم سے پوچھیں گے کہ یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ تم نے اس کو روکنے کے لئے کیا قدم اٹھایا؟ ___ جس طرح نماز روزہ ضروری ہے، جس طرح انسان کے لئے اپنی اصلاح ضروری ہے، اسی طرح اپنے اولاد کی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرما دیا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

(سورۃ التحریم: ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ۔

آج ماں باپ ایسی بیٹی پر فخر کرنے لگے ہیں

آج خواتین نے باریک اور چست لباس پہننا شروع کر دیا۔ آج سے پہلے

کوئی خاتون ''حیا'' کے جذبے کے تحت ایسا لباس پہننے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آج وہ لباس پہن کر خواتین فخر محسوس کرتی ہیں۔ ماں اس کو دیکھ رہی ہے، باپ اس بیٹی کو دیکھ رہا ہے کہ بیٹی ایسا لباس پہن رہی ہے ٹوکنا روکنا تو دور کی بات ہے، اس پر ماں باپ آج فخر کرتے نظر آتے ہیں کہ بیٹی ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس پر ٹوکے تو باپ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ بھائی، آج کا زمانہ ہی ایسا ہے۔ زمانہ کے مطابق اولاد چل رہی ہے۔ ذرا ان کو بھی مزے اڑانے دو ـــ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یا تو تم نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ غلط تھا، یا یہ غلط ہے۔ اگر وہ طریقہ غلط تھا جو تم نے اختیار کیا تھا تو ایک مرتبہ کھل کر زبان سے کہہ دو کہ بھائی، وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا تھا، وہ غلط تھا اور وہ دین کی باتیں جو لوگ کہا کرتے تھے، وہ سب فضول باتیں تھیں۔ اب تو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیے ـــ اور تم بھی اپنا یہ لبادہ اتار کر اس صف میں شامل ہو جاؤ ـــ یا پھر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ راستہ صحیح نہیں ہے تو جب تم اپنی آنکھوں سے اولاد کو جہنم کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہے ہو اور پھر بھی تمہیں ہوش نہیں آتا۔ اس سے زیادہ غفلت کی بات اور کیا ہوگی؟

کل کو یہ اولاد تمہاری عزت اتاریگی

ماں باپ کا یہ فرض ہے۔ گھر کے ہر بڑے کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس پر ٹوکے، نرمی سے، محبت سے ذہن بنانے کی کوشش کرے۔ اور اگر نرمی اور محبت سے کام نہ بنے اور سختی کی ضرورت پیش آئے تو سختی بھی کرے۔ یاد رکھو، کل کو یہی اولاد تمہاری عزت اتار کر رکھ دے گی۔ جس اولاد کی رضامندی کی خاطر، جس اولاد کی

خوشنودی کی خاطر تم خدا کو ناراض کر رہے ہو، یہی اولاد کل کو تمہاری عزت اتارے گی اور تمہاری پگڑی اتارے گی اور اتار رہی ہے۔ اکبر مرحوم نے خوب کہا تھا:

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں۔

جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

کل یہ شکوہ مت کرنا کہ ہماری اولاد ہاتھ سے نکل گئی۔ اور یہ شکوہ مت کرنا کہ اولاد ہمارے حقوق ادا نہیں کر رہی ہے، تم نے اگر اولاد کا حق ادا نہ کیا اور اولاد کو جہنم میں جانے سے نہ روکا تو کل کو تم اس سے حقوق کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

ورنہ سر پکڑ کر روگے

میں تو ایسے کام سے وابستہ ہوں کہ دنیا بھر کے واقعات میرے سامنے آتے ہیں۔ ایسے ایسے واقعات سامنے آئے کہ باپ سر پکڑ کر روئے اور مائیں سر پکڑ کر روتی ہیں کہ ہماری بیٹی اور ہمارے بیٹے کا کیا حشر بن گیا۔ لیکن اس وقت روئے جب رونے سے کوئی فائدہ نہیں اور پانی سر سے گزر چکا۔ تباہی آچکی، اس کے بعد رونے سے کچھ حاصل نہیں۔ اگر اس برے انجام سے بچنا ہے تو خدا کے لئے پہلے دن سے رکاوٹ ڈالو اور پہلے دن سے بچوں کے ذہن بنانے کی کوشش کرو۔ پہلے دن سے حالات کو درست کرنے کی کوشش کرو۔ اور یہ دیکھنے کی کوشش کرو کہ اولاد کس طرف جا رہی ہے، پردے کا اہتمام کراؤ۔ حیا اور شرم ان کے دلوں کے اندر پیدا کرو۔ پہلے دن سے ہی ان کے دلوں میں حیا اور شرم کا بیج ڈالو۔ اگر یہ نہیں کرو گے تو جو سیلاب امڈ رہا ہے پوری

قوم اس سیلاب کے اندر بہہ جائے گی۔

کھلے عام بدکاری کا ارتکاب

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ آپس میں بدکاری کا ارتکاب کھلے عام کیا کریں گے۔ اور اس زمانے میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جو ان بدکاری کرنے والے مرد وعورت سے یہ کہے گا کہ تم یہ عمل کسی آڑ میں جا کر کرلو ــــ اس عمل سے منع کرنے کی سکت اس کے اندر بھی نہیں ہوگی۔ یہ بات سرکار دو عالم ﷺ نے اس زمانے میں فرمائی تھی جب کسی کے ذہن میں اس کا تصور بھی نہیں آسکتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے لیکن آپ یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھ لو، یہی ہورہا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ انسان گدھے کی صف میں آئے گا۔ یعنی گدھوں اور گدھیوں کے درمیان جو تعلقات ہوتے ہیں وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان ہوجائیں گے۔

”حیا“ کو بچانے کی فکر کرو

اگر اس معاشرے کا یہ انجام نہیں دیکھنا چاہتے تو خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالو، اور اپنی اولاد کو سنبھالو، اور اس بے حیائی کی لعنت سے بچنے کی فکر کرو۔ سرکار دو عالم ﷺ چودہ سو سال پہلے یہ فرما گئے کہ:

”اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ“

اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو ___ آج پورے ملک میں پورے شہر میں ہر جگہ یہ شور ہے کہ بدامنی ہے، بے چینی ہے، گھر میں سکون نہیں، باہر قدم نکالنا مشکل ہے، چوریاں ہو رہی ہیں۔ ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے ___ ارے یہ سب اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو ہم پر نازل ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ ان اعمال کی بدولت ہو رہا ہے۔ ہم نے ہی حیا کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی ___ یہ سب کچھ بھی کر رہے ہیں اور جب پریشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ کوئی وظیفہ بتا دیجئے جس سے ہمارا قرض ادا ہو جائے۔ جس سے ہماری بیماری دور ہو جائے ___ ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟ ___ اس لئے کہ سر سے لے کر پاؤں تک ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں غرق ہیں۔ جب تک انسان اللہ کی نافرمانی نہ چھوڑے اس وقت تک یہ وظیفے کچھ کام نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ فہم ہم کو عطا فرمادے اور ''حیا'' جو ہم میں سے رخصت ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو واپس لے آئے اور ہمارے دلوں میں ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا فرمادے ___ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋

❋

حیا کی حفاظت کے طریقے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

✿

ضبط و ترتیب
مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حیا کی حفاظت کے طریقے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔

(ریاض الصالحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۵)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث نمبر ۳۵)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے اس حدیث کا بیان چل رہا ہے، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے شعبوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ایمان کا سب سے افضل شعبہ

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے، یعنی توحید پر ایمان لانا، اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ دونوں کا تفصیلی بیان گزشتہ جمعوں میں ہو چکا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاص طور پر ''حیاء'' کا بیان کیوں؟

گزشتہ جمعہ کو عرض کیا تھا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا افضل شعبہ بھی بتا دیا اور ادنیٰ شعبہ بھی بتا دیا۔ اس کے بعد ایک جملہ بالکل علیحدہ عجیب انداز سے بیان فرمایا کہ ''وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ'' اس حدیث میں درحقیقت اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ''حیا'' ایمان کا ایک حصہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی کے اندر حیا نہیں ہے تو اس کا ایمان ناقص ہے۔ اگر ''حیا'' اٹھ گئی تو گویا ایمان ادھورا ہو گیا ___ اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ''

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب نمبر ۵۶، حدیث نمبر ۳۴۸۳)

جب تمہارے اندر ''حیا'' نہ رہے تو جو چاہو کرو۔ پھر تمہیں کوئی چیز روکنے والی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''حیا'' کو انسان کے دل میں ایک پہریدار بنا کر بٹھا دیا ہے۔ جو انسان کو غلط کام کرنے سے، گناہوں سے، فحاشی سے، عریانی سے، بے حیائی سے، بے شرمی سے روکتا ہے۔

انسانی فطرت میں ''حیا'' موجود ہے

کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ''حیا'' نہ رکھی ہو۔ لیکن لوگ برے ماحول کی وجہ سے، بری صحبت کی وجہ سے، بری تربیت کی وجہ سے یہ فطرت مسخ ہوجاتی ہے ___ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے، اس کے بچپن کے زمانے میں بھی اس کے اندر حیا کا مادہ ہوتا ہے، شرم کا مادہ ہوتا ہے، ایک بچہ جو ابھی ناسمجھ ہے، اسکے اندر عقل نہیں، لیکن جو باتیں فطرتاً بری ہیں، وہ بچہ ان باتوں سے شرم کرے گا اور اس کے اندر ان باتوں سے شرم کا احساس موجود ہوگا۔ مثلاً چھوٹے بچے سے پیشاب پخانے کی بات کرو، یا گندگی کی بات کرو، انسانی عورتِ غلیظہ کی بات کرو تو اس کے اندر شرم کا احساس خود بخود پیدا ہوگا۔ یہ احساس اللہ تعالیٰ نے اسکے قلب میں اور سرشت میں داخل فرمادیا ہے۔ یہ فطرت کا تقاضہ ہے۔

ماں باپ بچے کو یہودی اور نصرانی بنادیتے ہیں

لیکن جوں جوں ماحول بگڑتا ہے، صحبت بگڑتی ہے، تربیت خراب ہوتی ہے، اسی رفتار سے ''حیا'' بھی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، اَوْ يُنَصِّرَانِهِ، اَوْ يُمَجِّسَانِهِ.

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، حدیث نمبر ۱۳۸۵)

ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی فطرتِ انسانی جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو تخلیق کیا، اس پر وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے اندر فطری صفات موجود ہوتی ہیں ـــــ مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بچہ بالکل صبح سویرے بیدار ہو جاتا ہے اور رات کو جلدی سو جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ماحول کے اثر سے وہ پھر تاخیر سے بیدار ہوتا ہے، اور تاخیر سے سوتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فطرت پر پیدا کیا ہے اور ابتداء میں اس بچے کی صفات، اس کی سوچ، اس کے خیالات سب فطرت کے مطابق ہوتے ہیں ـــــ تو ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، یا نصرانی بنا دیتے ہیں، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ماں باپ کے اثر سے اور گھریلو ماحول کے اثر سے اس کے حالات بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ ایمان سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر ایک ''حیا'' کا مادہ رکھا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پتوں سے بدن ڈھانپنا شروع کر دیا

جس وقت شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا اور وہ درخت جس کے کھانے کی ممانعت کی گئی تھی، اس کے بارے میں شیطان نے کہا کہ یہ کھالو۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور اسکی باتوں میں آکر اس درخت سے کھالیا۔ تو قرآن کریم کے اندر یہ آیا ہے کہ اس درخت کے کھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جنت کا جو لباس

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو پہنایا گیا تھا۔ وہ لباس اترنا شروع ہو گیا۔ جب وہ لباس اترا، اور برہنگی کا سامنا پیش آیا اور اس وقت تک احکام بھی پورے نازل نہیں ہوئے تھے۔ احکام کی تفصیلات بھی نہیں آئی تھیں، لیکن جب ان دونوں نے یہ دیکھا کہ لباس اتر رہا ہے اور برہنگی ہو رہی ہے تو فکر دامن گیر ہوئی کہ کسی طرح اپنے آپ کو اپنے ستر کو چھپائیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ (سورۃ الأعراف: ۲۲)

یعنی ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کا ستر ظاہر ہو گیا تو دونوں نے جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنا جسم چھپانا شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات انسان کی سرشت میں اول تخلیق سے رکھ دی گئی ہے کہ وہ اپنے جسم کے پوشیدہ حصوں کو چھپائے اور یہ ''حیا'' اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اور اسکی جبلت میں داخل کر دی ہے۔ جب جبلت اور فطرت ہی خراب ہو جائے تو اس وقت اس کی ''حیا'' کا جنازہ نکل جائے گا اور اس کو احساس بھی نہیں ہو گا کہ کیا ہو گیا۔

حیا کے تحفظ کے بے شمار دروازے

چنانچہ آج کے دور میں ''برہنگی'' باقاعدہ ہنر بن گئی۔ اس وجہ سے کہ فطرت مسخ ہو گئی اور اب وہ انسان انسان نہ رہا۔ بلکہ جانور بن کر کتے اور بلی کی صف میں آ گیا۔ گدھے اور گھوڑے کی صف میں آ گیا اور اپنا لباس اتارنا شروع کر دیا ___ اللہ تعالیٰ تو مالک الملک ہیں، عالم الغیب ہیں، تمام آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں۔ اس لئے

اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر انسان اس فطرت سلیمہ کو چھوڑ کر آگے بڑھے گا تو یہ کسی حد پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس ''حیا'' کے تحفظ کے لئے بے شمار دروازے اور بے شمار بند باندھے ہیں اور دور سے احکام دینے شروع کئے ہیں، تاکہ انسان بے حیائی کے عمل کی طرف آگے نہ بڑھے۔ اس کی ''حیا'' اور ''شرم'' کا تحفظ ہو سکے۔

اپنی نگاہیں نیچی رکھو

ان تمام احکام میں سب سے پہلا حکم ''آنکھ'' سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

(سورۃ النور: ۳۱_۳۰)

آپ مؤمنین سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور مومنات سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں ___ انسان کی ''حیا'' کے تحفظ کے لئے جو بند باندھے جا رہے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا بند آنکھ پر باندھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ''

(کنز العمال، کتاب الحدود فی انواع الحدود، حدیث نمبر ۱۳۰۷۱)

کہ یہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ اور جب یہ تیر لگ جاتا ہے تو

اس کے بعد انسان غلط راستے پر پڑ جاتا ہے۔

ایک نظر انسان کو بہت دور تک لے جاتی ہے

ہمارے حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے کہ:

پڑ گئی تھی ان پہ بھولے سے نظر
بات اتنی تھی قیامت ہوگئی

بعض اوقات ایک نظر انسان کو بہت دور تک لے جاتی ہے۔ اس لئے یہ حکم دے دیا کہ اگر تمہیں ''حیا'' کا تحفظ کرنا ہے اور اس حیا کو بچانا ہے تو سب سے پہلے آنکھ کو بچانا ہے کہ یہ آنکھ غلط جگہ پر نہ پڑنے پائے۔

میں چاروں طرف سے حملہ کروں گا

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت شیطان کو راندہ درگاہ کیا گیا اور اس کو جنت سے نکال دیا گیا تو اس نے بڑی شیخیاں بگھاریں اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ، آپ نے مجھے جنت سے نکالا تو ہے اور اس آدم کو مجھ پر فوقیت فرمائی ہے تو میں بھی اس آدم کی اولاد سے بدلہ لوں گا۔ کس طرح بدلہ لوں گا؟ اس کے بارے میں قرآن کریم میں اس کا مقولہ نقل کیا ہے کہ:

لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ (سورۃ الاعراف: ۱۷)

میں آدم کی اولاد کے پاس سامنے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، اور اسکے دائیں سے آؤں گا اور اسکے بائیں سے آؤں گا۔ یعنی چاروں طرف سے ان پر حملے

کروں گا ___ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ابلیس نے چار سمت کا تو ذکر کر دیا۔ دائیں کا، بائیں کا، سامنے کا بھی، پیچھے کا بھی۔ لیکن دو سمتیں بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی سمت اور ایک نیچے کی سمت ___ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے حملے سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ یا تو اوپر سے تعلق قائم کر لو، یا نیچے سے تعلق قائم کر لو۔ اب اگر بازار میں چل رہے ہو اور اوپر کی طرف دیکھ کر چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گرو گے۔ لہٰذا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنی آنکھوں کو نیچے کر لو۔ جب آنکھیں نیچے کر کے چلو گے تو شیطان کے حملے سے بچ جاؤ گے۔ اس لئے شرعاً یہ حکم دیا گیا کہ اپنی آنکھوں کو نیچے کر کے چلا کرو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اور نگاہ کی حفاظت

اور یہ بات مسلم معاشرے کی ایک عام خصوصیت تھی کہ جو مسلمان ہے اسکی نگاہ نیچی رہے۔ وہ چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے نہیں چلتا، بلکہ اپنی نگاہ کو نیچے رکھتے ہوئے چلتا ہے ___ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ، نگاہ کو قابو کرنے کے لئے مدتوں یہ مجاہدہ اور یہ مشق کی ہے کہ کسی مرد سے بھی مدتوں آنکھ ملا کر بات نہیں کی۔ عورت تو در کنار، جن لوگوں نے حضرت سے ملاقات کی ہے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ جب حضرت بات کرتے تھے تو عموماً آپ کی نگاہ نیچی رہتی تھی تاکہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہ پڑے۔ چونکہ حضرت والا کا ''طب'' اور علاج معالجہ کا مشغلہ تھا۔ اس میں مردوں سے بھی واسطہ پیش آتا تھا، عورتوں سے بھی واسطہ پیش آتا تھا اور ہر طرح کے لوگ آپ کے پاس آیا کرتے تھے لیکن کسی سے نظر اٹھا کر بات

نہیں کرتے تھے بلکہ بات کرتے ہوئے نگاہ نیچی رہتی تھی۔

اپنی نگاہ اور دل کی حفاظت کرلو

حضرت فرماتے تھے میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا تھا کہ حضرت: اس طب کے پیشے میں تو بڑا فتنہ ہے۔ مردوں اور عورتوں دونوں سے واسطہ پیش آتا ہے، کس طرح اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچایا جائے۔ جواب میں حضرت نے صرف یہ لکھا کہ:

"اپنی نگاہ اور دل کی حفاظت کرلو، میں بھی دعا کرتا ہوں۔"

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل پتھر ہوگیا ہے۔ اب مجھے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میرے سامنے کون ہے؟ مرد ہے یا عورت ــــــ بہر حال، نگاہ کو نیچے رکھنے کیلئے مشق کی ضرورت ہے پھر اس کے نتیجے میں شیطان کے تیروں سے حفاظت ہوسکتی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

کفار کی چال

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے۔ انہوں نے شام کے اندر رومیوں کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، محاصرہ لمبا ہوگیا اور وہ قلعہ کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا اور اندر کے لوگ بھی پریشان تھے کہ اتنا لمبا محاصرہ ہوگیا۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اندر کے لوگوں نے بالآخر یہ چال

چلی کہ مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کردو۔ اور ان سے یہ کہو کہ ہم تمہارے لئے قلعہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور تم قلعہ کے اندر داخل ہوجاؤ اور چال یہ چلی کہ مسلمانوں کے پورے لشکر کو ایک سجے ہوئے بازار سے گزاریں۔ اور بازار کے دونوں طرف نوجوان لڑکیوں کو زیبائش اور آرائش کے ساتھ بٹھادیا۔ اور ان لڑکیوں سے یہ کہہ دیا کہ اگر یہ مسلمان تم سے آکر کوئی تعرض کریں تو تم مزاحمت مت کرنا۔ رکاوٹ مت ڈالنا وہ جو چاہیں کریں۔

کافروں کا مقصد

اس چال کے ذریعہ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ مسلمان کافی عرصہ سے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں اور اپنے گھر والوں سے چھوٹے ہوئے ہیں اور جب فاتحانہ شان سے شہر میں داخل ہونگے اور دونوں طرف بنی سنوری نوجوان لڑکیاں نظر آئیں گی تو یہ مسلمان ان لڑکیوں کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہوجائیں گے اور اس وقت جب یہ غفلت کی حالت میں ہونگے اس وقت ہم ان پر حملہ کرکے ان کو ختم کردیں گے ــــــ یہ پوری اسکیم بنا کر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں اور قلعہ کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں۔ آپ لشکر کو لے کر اندر داخل ہوجائیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی فراست

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا سازش ہورہی ہے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ:

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ

(ترمذی، کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورة الحجر، حدیث نمبر: ۳۱۲۷)

کہ مؤمن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بہر حال، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو پتہ تو کچھ نہیں تھا لیکن ان کی فراست نے یہ اندازہ کیا کہ یہ جو اچانک اور اتنی آسانی کے ساتھ دروازہ کھولنے کی پیش کش کردی ہے جبکہ یہ محاصرہ اتنا طویل ہو رہا تھا۔ تو ضرور ان کی کوئی سازش معلوم ہوتی ہے ___ چنانچہ جب لشکر قلعہ میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہونے لگا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے پورے لشکر کو جمع کر کے فرمایا کہ تم اس قلعہ کے اندر داخل تو ہو رہے ہو۔ بس قرآن کریم کی آیت سنتے جاؤ اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ اور یہ آیت تلاوت کی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

(سورۃ النور: ۳۰)

کہ مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور مومنات سے کہہ دو کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں ___ سننے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، اور وہ تو اس آیت پر پہلے ہی عمل کرنے والے تھے۔ اور اس وقت خاص طور پر تنبیہ ہو گئی۔ اور اسکے بعد وہ لشکر روانہ ہو گیا ___ تاریخ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ لشکر اس طرح قلعے کے اندر داخل ہوا کہ کسی ایک نے بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ دائیں کون بیٹھا ہے اور بائیں کون

بیٹھا ہے اور پورا لشکر اس بازار سے گزر گیا۔ اور کسی کو احساس بھی نہ ہوا کہ دائیں اور بائیں فتنے کے کیا سامان اکٹھا کیا ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان حضرات کو اس فتنے سے بچالیا۔

آنکھ بڑی نعمت ہے

پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے اور کب سے یہ نعمت ملی ہوئی ہے اور اس کے ذریعہ انسان کتنے کام انجام دے رہا ہے اور مفت میں یہ نعمت حاصل ہوگئی۔ اس کے لئے کوئی پائی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت نہیں کی۔ گھر بیٹھے یہ نعمت حاصل ہوگئی۔ اور ساری عمر انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، چونکہ بغیر محنت اور بغیر مشقت کے مل گئی ہے۔ بغیر پیسہ خرچ کئے مل گئی، اس لئے اسکی قدر نہیں۔ اس شخص سے پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہے، ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی اگر وہ بینائی واپس لوٹ سکے تو وہ اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے، آج خدا نہ کرے ہم میں سے کسی کی بینائی پر ذرا آنچ آنے لگے تو اس وقت اس بینائی کو بچانے کے لئے کتنے پیسے اور کتنی دوڑ دھوپ کرنے کے لئے انسان تیار ہو جاتا ہے۔ اتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے ___ اور اس کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ صرف اتنا فرمادیا کہ یہ سرکاری مشین ہے۔ اس کو صحیح جگہ پر استعمال کرو۔ غلط جگہ پر نگاہ نہ پڑے، کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑے۔ بس اتنا دھیان کرلو۔

پھر حلاوت ایمانی عطا فرماتے ہیں

ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ اگر نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کرنے کا نفسانی تقاضہ ہورہا ہو اور انسان اللہ سے ڈر کر، اللہ تعالیٰ سے خوف کھا کر اپنی اس نگاہ کو غلط جگہ سے پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس نگاہ کو پھیرنے کی برکت سے اس کو ایسی حلاوت ایمانی عطا فرماتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں بدنگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے ___ بہر حال، اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس "حیا" کی حفاظت کے لئے کتنی دور سے پہرے بٹھانے شروع کئے کہ آنکھ نیچی ہونی چاہیے لیکن یہ چیز صرف تمناؤں سے اور آرزوؤں سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ مشق کرنے سے حاصل ہوتی ہے ___ لوگ کہتے ہیں کہ کس طرح مشق کریں؟ کیسے اپنی نگاہ کو بچائیں؟ چاروں طرف فتنوں کا جہنم دہکا ہوا ہے، آنکھ کو بچانا مشکل ہے، کس طرح بچائیں؟

آنکھ کی حفاظت کے لئے ہمت سے کام لو

بھائی، آنکھ کو بچانے کا راستہ سوائے ہمت کے استعمال کے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں وہ قوت دی ہے کہ وہ اس ہمت کی بدولت بڑے بڑے طوفانوں کو سر کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں اور اس کے عزم میں بڑی برکت رکھی ہے ___ یہ جو خیال آتا ہے کہ ہم نگاہ کو بچا نہیں پاتے، یہ اس لئے کہ ہم نے نفس و شیطان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ایک مرتبہ عزم کر لو، ہمت کر لو کہ یہ "نگاہ" غلط جگہ پر نہیں پڑے گی۔ پھر دیکھو گے اس عزم اور ہمت کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ تمہاری "نگاہ" کی حفاظت فرمائیں گے۔ اس کے لئے کوئی

وظیفہ نہیں کہ وہ بتادیا جائے کہ یہ وظیفہ پڑھ لو، اس سے ''نگاہ'' کی حفاظت ہو جائے گی اور نہ اس لئے کوئی تعویذ ہے جو گھول کر پلا دیا جائے اور اس سے ''نگاہ'' کی حفاظت ہو جائے ــــــ بس اس کا تو ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ عزم کر لینا اور اس کے بعد ہمت کو استعمال کرنا، شروع شروع میں بڑی مشقت معلوم ہوگی۔ بڑی محنت معلوم ہوگی، نفس تمہیں بہت ملامت کرے گا، تمہیں دھوکے دے گا لیکن جب ایک مرتبہ آپ نے اس نگاہ کو روک لیا، دو مرتبہ روک لی، تین مرتبہ روک لیا تو اس کے بعد رفتہ رفتہ عادت پڑتی چلی جائے گی۔

خلاصہ

بہر حال ''حیا انسانی'' کے تحفظ کے لئے نگاہ کو نیچا رکھنا، یہ پہلا ''بند'' ہے جو شریعت نے باندھا ہے ــــــ دوسرا ''بند'' شریعت نے ''خواتین'' کے پردے کے حکم کے ذریعہ باندھا کہ عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔ زندگی رہی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ــــــ آمین۔

(پردہ پر تفصیلی بیان ''آزادی نسواں کا فریب'' کے عنوان سے ''اصلاحی خطبات جلد اول'' میں شائع ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋

❋

کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ تَلْقٍ۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء: حدیث نمبر ۲۶۲۶)

(ریاض الصالحین: باب بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث نمبر ۱۲۱)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ ہر صحابی کی الگ شان ہے۔

ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است

یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ درویش قسم کے صحابی تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو۔ چاہے وہ نیکی یہ ہو کہ تم اپنے کسی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو۔

خندہ پیشانی سے ملنا نیکی ہے

اس حدیث شریف میں دو باتیں ہمارے توجہ کی ہیں۔ ایک جزوی اور ایک کلی ___ جزوی بات تو یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا بھی نیکی ہے۔ اور یہ نیکی ایسی ہے کہ اس کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ خندہ پیشانی سے اس خیال سے ملاقات کرنا کہ اس کا دل خوش ہو۔ اور اس کا خیر مقدم کیا جائے۔ یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی شمار ہوتی ہے اور اس پر بھی اجر ملتا ہے ___ یہ وہ باب چل رہا ہے جن میں اس بات کا بیان ہے کہ نیکی کسی ایک کام میں منحصر نہیں۔ اگر انسان چاہے تو صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں اپنے ہر ہر کام کو نیکی بنا سکتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ اپنے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر سکتا ہے ___ صرف نماز، روزہ اور ذکر و تسبیح ہی نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کے ہر قدم پر، زندگی کے ہر کام میں نیکی موجود ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بیان فرمایا کہ کسی مسلمان سے صرف خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر تبسم

لوگوں نے دین کو اور خاص طور پر تصوف کو ایک چیستان بنا دیا ہے، اپنے ذہنوں میں لوگوں نے یہ بٹھا لیا کہ جو آدمی نیک اور دین دار ہوگا یا جو تصوف اور طریقت کے راستے پر چلنے والا ہوگا۔ وہ کبھی کسی سے مسکرا کر بات نہیں کرے گا۔ ہر وقت منہ بنا کر بیٹھ جائے گا۔ کبھی کسی سے ڈھنگ سے بات نہیں کرے گا۔ چنانچہ جو لوگ مصنوعی قسم کے درویش بنتے ہیں وہ کبھی دوسروں سے خندہ پیشانی سے بات نہیں کرتے ___ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ جب بھی میری نگاہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پڑتی اور نگاہیں ملتیں تو ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر تبسم آجاتا۔ اور آپ کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرتے ___ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوتے تو کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحک: حدیث نمبر ۶۰۸۹)

اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ___ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی گھر میں جاؤ تو کھلا ہو چہرہ لیکر گھر والوں کے پاس جاؤ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تمہارا ایسا رشتہ قائم

فرمادیا ہے کہ اس خاتون کے لئے ساری دنیا کا تبسم حرام ہے۔ اور صرف تمہارا چہرہ ہی اس کو حلال تبسم دے سکے گا۔ اس لئے یہ تمہارے فرائض میں داخل ہے اور یہ دین کا حصہ ہے کہ آدمی اس پر عمل کرے ــــ لہٰذا خندہ پیشانی سے ملنا چاہئے وہ ملنا بیوی سے ہو، رشتہ داروں سے، دوست احباب سے، یا عام لوگوں سے ہو۔ یہ بھی نیکی کا حصہ ہے ــــ یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ آدمی کے ماتھے پر ہر وقت بل پڑے ہوئے ہوں۔ اور اس کو جب کوئی انسان دیکھے تو وہ محسوس کرے کہ یہ لیا دیا انسان ہے یہ درست نہیں، بلکہ بے تکلف زندگی گزارو، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ جب بھی کسی سے مل رہے ہیں تو خندہ پیشانی سے مل رہے ہیں اور چونکہ خندہ پیشانی سے ملنا نیکی ہے لہٰذا اس نیکی کو حقیر مت سمجھو اور اگر یہ چھوٹی سی نیکی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو اس کے عوض خدا جانے تمہیں کیا کچھ مل جائے ــــ بہرحال یہ تو جزوی بات تھی۔

کسی نیک کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو

اس حدیث شریف سے جو اصولی بات نکل رہی ہے وہ یہ کہ کسی بھی نیک کام کو، خواہ دیکھنے میں وہ نیک کام کتنا ہی معمولی معلوم ہو رہا ہو، اس کو حقیر سمجھ کے چھوڑو نہیں ــــ یہ ایک عظیم الشان اصول بیان فرمادیا۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے بہکانے کی جڑ کاٹ دی ــــ ہم جیسے آدمی جو صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کن خرافات کے اندر مبتلا رہتے ہیں۔ غلطیاں ہو جاتی ہیں، کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی چھوٹی سی نیکی کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیرا نامۂ اعمال تو پہلے ہی گناہوں کی وجہ سے

سیاہ ہو چکا ہے۔ تو نے کون سی نیکی کر رکھی ہے۔ اب اگر تو یہ چھوٹی سی نیکی کر لے گا تو کون سا تیرے نامۂ اعمال میں اتنا بڑا اضافہ ہو جائے گا کہ اس سے تیری نجات بھی ہو جائے۔ اور تو جنت میں چلا جائے۔ لہٰذا جہاں تو نے اور بہت سے نیک کام چھوڑ رکھے ہیں۔ اس کو بھی چھوڑ دے۔ شیطان اس طرح انسان کو بہکاتا ہے۔

عمل وہ ہے جو ان کو پسند آجائے

سرکار دو عالم ﷺ اس حدیث کے ذریعہ اسی کی جڑ کاٹ رہے ہیں کہ کسی بھی نیکی کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔ اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اس وقت تمہارے دل میں نیکی کرنے کا جو داعیہ پیدا ہوا ہے، اگر تم نے اس داعیہ پر عمل کر لیا تو کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اسی نیکی کو قبول فرمالیں۔ اور تمہارا بیڑہ پار فرمادیں ــــ یاد رکھو انسان اعمال تو بہت سارے کرتا ہے، لیکن عمل وہ ہے جو اس کی بارگاہ میں قبول ہو جائے ــــ عمل وہ ہے جو اس کو پسند آجائے۔ ہم جو اعمال انجام دیتے ہیں اور جس کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرماتے ہیں، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھ لیتے ہیں، ذکر کر لیتے ہیں، لیکن ان اعمال کو انجام دینے کے وقت ہمارے دلوں میں کیا کیا وساوس اور خطرات ہمارے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں ــــ اگر کسی وقت ہم نے کوئی عمل کر لیا اور وہ عمل بظاہر دیکھنے میں چھوٹا ہے، لیکن اگر وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے ذریعہ حاصل ہو جائے اور اس عمل کے وقت اخلاص نصیب ہو جائے تو یہی عمل جس کو تم چھوٹا سمجھ کر چھوڑنا چاہتے تھے اسی عمل سے تمہارا بیڑا پار ہو جائے۔

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطْشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا، فَنَزَلَ فِيْهَا، فَشَرِبَ، ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطْشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطْشِ مِثْلُ الَّذِيْ كَانَ قَدْ بَلَغَ مِنِّيْ، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ، حَتّٰى رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ۔

(بخاری، کتاب المظالم، باب الآبار علی الطریق اذا لم یتأذ بہا: حدیث نمبر ۲۴۶۶)

اس حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا اور جو سفر کر رہا تھا۔ اس زمانے میں پیدل سفر ہوا کرتے تھے۔ سفر کے دوران اس کو پیاس لگی اور پانی اس کے پاس ختم ہو چکا تھا۔ پانی تلاش کیا تو اس کو قریب میں ایک کنواں نظر آیا۔ اس کے پاس آیا۔ کنواں پر ڈول وغیرہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ پانی پینے کے لئے پیاس سے مجبور ہو کر کنوئیں کے اندر اتر گیا۔ اور پانی پی لیا۔ جب کنوئیں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان نکال کر ہانپ رہا ہے۔ اور پیاس کی شدت کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ اس کتے کو اسی شدت سے پیاس لگ رہی ہے جس شدت سے مجھے

پیاس لگ رہی تھی۔ اب میں نے کنوئیں میں اتر کر پانی پی لیا۔ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور پیاس کی شدت میں مبتلا ہے۔ میں اس کو پانی پلا دوں تو جس طرح میری پیاس دور ہو گئی اسی طرح اس کی بھی پیاس دور ہو جائے ــــ اب پیاس کس طرح دور کرے؟ اس لئے کہ وہاں تو نہ ڈول تھا نہ رسی تھی۔ جس کے ذریعہ پانی نکال کر کتے کو پلاؤں ــــ اس شخص نے سوچا کہ کیا کروں؟ پھر خیال آیا کہ میرے پاؤں میں چمڑے کا موزہ ہے، کیوں نہ اس میں پانی بھر کر اس کو پلا دوں۔ چنانچہ وہ دوبارہ کنوئیں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھرا ــــ اب مسئلہ یہ تھا کہ پانی بھرے ہوئے موزے کو لے کر دوبارہ اوپر کیسے چڑھوں۔ چنانچہ اس نے اس موزے کو منہ میں دانتوں سے پکڑ لیا اور اوپر آیا۔ اور اس کتے کو پانی پلایا ــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس شخص کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اسی عمل پر اس کی مغفرت فرما دی ــــ وہ تو کریم کی بارگاہ ہے۔ اس کے یہاں عمل کی اصل اخلاص ہے۔ جس اخلاص کے ساتھ جس نیک نیتی سے کوئی عمل کیا جائے ــــ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے تو وہ عمل موقع قبول میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں ــــ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ یہ پانی پلانے والی ایک فاحشہ عورت تھی اور اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرما دی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے

والد تھے۔ ان کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ وہ کہیں سفر میں جا رہے تھے۔ راستے میں بارش ہو گئی، جاتے جاتے ایک پگ ڈنڈی پر سے گزر ہوا۔ اس پگ ڈنڈی پر ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف گندا پانی تھا۔ دیکھا تو سامنے سے کتا آ گیا۔ اور وہ کتا سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جگہ اتنی تنگ تھی کہ یا تو یہ اوپر سے گزرتے یا کتا اوپر سے گزرتا۔ دونوں کے اوپر سے گزرنے کی کوئی صورت نہیں تھی یا تو یہ نیچے اتریں اور کتا اوپر سے گزر جائے۔ یا کتا نیچے اترے اور یہ اوپر سے گزر جائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کتے سے مکالمہ

خود حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا کتے سے مکالمہ ہوا ____ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس طرح مکالمہ ہوا ____ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے دل میں گویا کتے سے باتیں کرنی شروع کیں ____ میں نے کتے سے کہا ____ دیکھو میں اس پگڈنڈی پر جا رہا ہوں اور تم سامنے سے آ رہے ہو۔ اور دونوں میں سے کوئی ایک ہی گزر سکتا ہے، ایسا ہے کہ تم نیچے اتر جاؤ تا کہ میں گزر جاؤں، کتے نے جواب دیا ____ میں کیوں اتروں۔ آپ کیوں نہیں اترتے؟ میں نے جواب میں کہا ____ بات یہ ہے کہ میں ہوں مکلف اور میرے اوپر پاک رہنا ضروری ہے۔ نماز روزہ میرے اوپر فرض ہیں۔ تم مکلف نہیں ہو، اگر تم نیچے اتر جاؤ گے اور تمہارا جسم ناپاک بھی ہو گیا تو تمہارے اوپر کوئی پکڑ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمہیں

نماز تو پڑھنی نہیں ہے ـــــ اگر میں اتر گیا اور کپڑے ناپاک ہو گئے تو نماز نہیں پڑھ سکوں گا۔ اس لئے حق میرا ہے کہ میں اوپر سے جاؤں اور تم نیچے اتر جاؤ۔

اور کتا اوپر سے گزر گیا

کتے نے جواب میں کہا کہ حضرت: آپ کو اس ظاہری دلدل کی نجاست کی تو بڑی فکر ہے کہ اگر یہ نجاست لگ جائے گی تو آپ کے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے اور آپ کا جسم ناپاک ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے یہ نہ سوچا کہ اگر میں نیچے اتر گیا اور آپ پگڈنڈی کے اوپر سے گزر گئے تو اس صورت میں بہت بڑی نجاست آپ کے دل پر لگ جائے گی۔ اور وہ یہ کہ آپ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں اور اس احساس کی وجہ سے آپ کے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہو گا۔ اور اس تکبر اور عجب کے نتیجے میں آپ کے دل پر نجاست لگ جائے گی۔ وہ نجاست جو کپڑوں پر لگ جائے گی وہ نجاست پانی سے دھل سکتی ہے لیکن عجب اور تکبر کی جو نجاست آپ کے دل پر لگ جائے گی وہ پانی سے بھی نہیں دھلے گی۔ وہ کون دھوئے گا ـــــ فرمایا کہ جب کتے کی طرف سے یہ جواب مجھے ملا تو میں اس پگڈنڈی سے نیچے اتر گیا اور وہ کتا اوپر سے گزر گیا ـــــ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس طریقے سے اپنے نفس کی اصلاح کرتے ہیں۔

کتے کو گندے نالے سے نکال دیا

یاد آیا کہ یہ مندرجہ بالا جو واقعہ پیش آیا اس سے پہلے ایک اور واقعہ حضرت شاہ

عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ پیش آیا تھا کہ ایک مرتبہ کہیں راستے میں گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک کتا پانی کے گندے نالے میں پھنسا ہوا ہے اور اس بری طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ کتا باہر نکلنا چاہ رہا ہے۔ لیکن نکل نہیں پا رہا ہے۔ ساتھ میں ایک شاگرد بھی تھے۔ آپ نے ان شاگرد سے کہا کہ دیکھو یہ کتا اس طرح نالے میں پھنسا ہوا ہے تم اس کو پکڑ کر نکال دو۔ وہ شاگرد ذرا وقار اور تمکنت والے تھے اب کتے کو گندے نالے سے ہاتھ ڈال کر نکالنا تو ان کے لئے بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے جب ان کے تذبذب کو دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم رہنے دو۔ تمہارے بس کی بات نہیں۔ پھر خود آگے بڑھے اور اس گندے نالے سے اس کتے کو نکال دیا۔ جب کتے کو نکال کر آگے کا سفر شروع کیا تو پھر آگے اوپر والا واقعہ پیش آیا۔

کتے کے ذریعہ علم عطا کرنا

بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو تم نے ہماری ایک مخلوق کے ساتھ ایک احسان کیا کہ اس کو گندے نالے سے نکال دیا تو ہم نے بھی دنیا کے اندر تو اس کا صلہ تمہیں یہ دیا کہ اسی کتے کے ذریعہ ایک ایسا علم عطا فرمایا کہ جس کے ذریعہ تم تکبر اور عجب کی گندگی سے نکل گئے۔ اب بظاہر دیکھنے میں یہ معمولی عمل ہیں کہ کتے کو پانی پلا دیا، یا کتے کو گندگی سے نکال دیا۔ لیکن اگر یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کسی نیکی کو معمولی مت سمجھو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی بخشش

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے عمر بھر حدیث، تفسیر اور فقہ کی خدمت کی۔ ساری عمر اسی کام میں گزری۔ آج پورے ذخیرہ حدیث میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھرا ہوا ہے۔ عبادت بھی بے انتہا کرتے، رات کو گھنٹوں نماز کے اندر کھڑے رہتے ___ گویا کہ مفسر، محدث، فقیہ، صوفی یہ تمام اوصاف ان کے اندر جمع تھے ___ غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حضرت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ___ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی: ___ ہمارے ساتھ تو عجیب معاملہ ہوا۔ ہم تو اپنے ذہن میں یہ سوچ کر گئے تھے کہ ہم نے حدیث کی اتنی خدمت کی، تفسیر قرآن کی خدمت کی، اتنی تصانیف لکھیں، اتنی عبادت کی، اتنی نفلیں پڑھیں وغیرہ ان کا اجروثواب ہمیں دیا جائے گا ___ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے فرمایا: دیکھو سفیان، ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا۔ اور اس عمل پر ہم تمہاری مغفرت کریں گے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسا عمل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک دن بیٹھے ہوئے حدیث لکھ رہے تھے ___ جب تم نے روشنائی میں قلم ڈال کر اس قلم سے لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک مکھی آئی اور تمہارے قلم پر بیٹھ گئی اور سیاہی چوسنے لگی۔ تم نے اس مکھی کو اڑانے کے بجائے یہ سوچا کہ یہ مکھی بیچاری پیاسی ہے چلو اس کو سیاہی چوسنے دو۔ اور تم ایک منٹ کے لئے حدیث لکھنے سے رک گئے۔ اور تم اس لئے رکے رہے تاکہ یہ مکھی اپنی پیاس بجھالے۔

میں بعد میں لکھوں گا۔ چنانچہ جب وہ مکھی سیاہی پی چکی اور پی کر خود اڑ گئی اس کے بعد تم نے لکھنا شروع کیا ــــــ چونکہ تم نے ہماری ایک مخلوق کے ساتھ یہ رحم کا معاملہ فرمایا۔ اور تمہارے اس عمل میں سوائے ہماری خوشنودی کے اور کچھ مقصود نہیں تھا۔ کوئی ریاکاری، کوئی دکھاوا، کوئی نام و نمود مقصود نہیں تھا۔ تمہارا یہ عمل ہمیں پسند آ گیا اور اس کی بنیاد پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی۔

کسی انسان کو حقیر مت سمجھو

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کو حقیر مت سمجھو، اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ فاسق نظر آتا ہے ــــــ اس کے گناہ سے نفرت کرو لیکن اس آدمی سے نفرت مت کرو۔ اس گناہ کو حقیر سمجھو لیکن اس آدمی کو حقیر مت سمجھو ــــــ ارے تمہیں تو اس کے گناہ نظر آ رہے ہیں، لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہے۔ اس کا کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائے۔ اور وہ اس گناہ والی زندگی سے نکل جائے اور آخرت میں وہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اس وجہ سے کسی انسان کو حقیر مت سمجھو۔

کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو

اور کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو۔ جب بھی کسی نیکی کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہو تو اس داعیہ کو ٹلاؤ نہیں۔ اس کو مؤخر نہ کرو۔ اور اس نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑو نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسی نیکی کی بدولت اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما دے۔ اور تمہاری مغفرت فرما دے ــــــ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کتنے مواقع نیکی کرنے

کے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات ہم یہ سوچ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے۔ چلو چھوڑو ___ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

کسی گناہ کو بھی حقیر مت سمجھو

اسی طرح ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر کرو نہیں۔ جس طرح کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑو نہیں اسی طرح گناہ کو حقیر سمجھ کر کرو نہیں ___ یہ شیطان کا ایک اور دھوکہ ہوتا ہے۔ اور انسان یہ سوچتا ہے کہ میرا نامہ اعمال تو گناہوں سے سیاہ ہو چکا ہے۔ نہ جانے کیا کیا گناہ میں نے کر رکھے ہیں۔ اگر یہ چھوٹا گناہ بھی کرلوں گا تو کیا فرق پڑے گا ___ ارے کیا پتہ کہ یہی چھوٹا گناہ تمہیں لے ڈوبے۔ اس لئے کہ گناہ کو معمولی سمجھنا اور حقیر سمجھنا یہ بذات خود ایک کبیرہ گناہ ہے۔

یہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ

بہت سے لوگ یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر صغیرہ ہے تو اس کا ارتکاب کرلیں اور اگر کبیرہ ہے تو چھوڑ دیں ___ حالانکہ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی یہ پوچھے کہ یہ چھوٹا سانپ ہے یا بڑا سانپ ہے؟ کیا کوئی شخص یہ دیکھ کر کہ یہ چھوٹا سانپ ہے اپنے آپ کو اس سے کٹوا لے گا۔ اور اس سے ڈسوا لے گا ___ ایک بڑی آگ ہے اور ایک چھوٹی سی چنگاری ہے۔ کیا کوئی شخص اس چھوٹی سی چنگاری کو اپنے کپڑوں میں رکھ لے گا؟ یہ چھوٹی سی تو ہے۔ حالانکہ وہ چھوٹی چنگاری پورے گھر کو

جلا دے گی۔ بہر حال کسی گناہ کو خواہ وہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو اس کو معمولی سمجھ کر کر لینا کبیرہ گناہ ہے۔ اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرو نہیں۔

ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے

جس طرح نیکی کی خاصیت یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے ایک نیکی کے بعد اللہ تعالیٰ دوسری نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ انسان گناہ کے اندر مبتلا ہو جائے گا تو پھر وہ دوسرے گناہ کی طرف بڑھے گا۔ ہم لوگ تو بے حس ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے اندر حس عطا فرما دے۔ آمین ___ اس لئے ہمیں تو گناہ کرنے کے بعد اس کے اثرات کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن جن لوگوں کی حس صحیح ہوتی ہے ان کو پتہ چلتا ہے کہ گناہ کرنے کے اثرات کیا ہوتے ہیں ___ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خاص اساتذہ کرام میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس کسی رئیس صاحب نے مٹھائی کے لڈو بھیج دیئے ___ یہ رئیس لوگ جو ہوتے ہیں ان کی آمدنی کے حلال اور حرام ہونے کا کچھ پتہ نہیں ہوتا ___ میں نے اس میں سے ایک لڈو کھالیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ ایک لڈو کھالیا کہ قیامت آگئی۔ اس لڈو کے کھانے کے بعد مسلسل میرے قلب میں اس کی ظلمت محسوس ہوتی رہی۔ اور بار بار کبیرہ گناہ کرنے کی خواہش اور اس کا داعیہ اتنی شدت کے ساتھ پیدا ہوتا تھا کہ دبانا مشکل ہو جاتا ___ یہ وہ بزرگ فرما رہے ہیں جن کی ساری زندگی تقویٰ اور طہارت میں گزری ___ حرام کا ایک لقمہ انسان کے اندر گناہ کے داعیے اور جذبے پیدا کرتا ہے۔

اللہ والے کی دعوت کے اثرات

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ دیوبند میں ایک اللہ والے اور نیک آدمی تھے۔ گھسیارے تھے جنگل سے گھاس توڑ کر لاتے اور بازار میں فروخت کرتے۔ یہی ان کا کمائی کا ذریعہ تھا۔ روزانہ کی آمدنی ان کی چھ پیسے ہوتی۔ ان چھ پیسوں کو اس طرح خرچ کرتے کہ دو پیسے تو گھر میں خرچ کرتے اس زمانے میں دو پیسے بھی بہت قیمتی ہوتے اور پورے دن کا گزارہ اس کے ذریعہ ہو جاتا تھا۔ اور دو پیسے صدقے کے لئے جمع کر لیتے اور دو پیسے بزرگوں کی اور اللہ والوں کی دعوت کے لئے رکھ دیتے ـــــ چنانچہ ایک مرتبہ وہ گھسیارے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے اور آ کر کہا کہ حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ حضرات کی دعوت کروں۔ حضرت نے پوچھا کہ تم کہاں سے دعوت کرو گے؟ انہوں نے تفصیل بتائی کہ میں اس طرح روزانہ چھ پیسے کماتا ہوں اور روزانہ دو پیسے دعوت کیلئے جمع کرتا ہوں۔ اب چند پیسے جمع ہو گئے ہیں ان کے ذریعہ دعوت کروں گا اور وہ پیسے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی یہ دعوت تو بہت شاندار ہے ضرور کرو ـــــ انہوں نے کہا کہ حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے جو دوسرے اساتذہ ہیں وہ بھی اس دعوت میں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب خود اساتذہ کرام کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آج بہت شاندار دعوت ہے آپ سب لوگ شریک ہو جائیں ـــــ چنانچہ تمام اساتذہ کو جمع کیا اور خود بازار گئے۔ اور جا کر ان پیسوں سے سودا خریدا۔ اور خود اپنے

ہاتھوں سے پکایا۔ اب ظاہر ہے کہ چند پیسے کے ذریعے جو کھانا پکا وہ دارالعلوم دیو بند کے تمام اساتذہ کو پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور آپ نے تمام اساتذہ کو دعوت دیدی تھی۔ اس لئے آپ نے اساتذہ سے فرمایا کہ سب لوگ ایک ایک دو دو لقمے کھالیں۔ اس لئے کہ یہ تبرک کا کھانا ہے۔ چنانچہ سب اساتذہ نے ایک ایک دو دو نوالے بڑی قدرو منزلت سے لئے ____ بعد میں اساتذہ کرام نے اور خود حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی اللہ کے نیک بندے کی دعوت کے ایک ایک دو دو نوالے کھائے تھے تو اس کے نتیجے میں مہینے بھر تک دل میں نور محسوس ہوتا رہا۔ وہ حلال آمدنی، وہ اخلاص، وہ جذبہ جس کے ساتھ انہوں نے اساتذہ کرام کی، دعوت کی یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

ہمارے دل سیاہ ہو چکے ہیں

ہم لوگ تو اپنی حس کھو چکے ہیں۔ دن رات گناہوں کی بلاؤں میں پڑ کر حلال و حرام کی تمیز مٹا کر حس کھو چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ نیکی کا کیا نور ہوتا ہے اور گناہوں کی کیا ظلمت ہوتی ہے ____ وہ اللہ والے جن کے دل آئینہ کی طرح صاف ہوتے ہیں۔ ایک صاف شفاف آئینہ ہے اس پر ایک مکھی اگر بیٹھ جائے گی اور وہ مکھی گندگی چھوڑ جائے گی تو پتہ چل جائے گا کہ اس پر گندگی لگ گئی ہے ____ لیکن ایک آئینہ وہ ہے جو بالکل میلا ہو رہا ہے اس پر بے شمار گندگی لگی ہوئی ہے اگر اس پر کوئی مکھی آ کر گندگی چھوڑ جائے تو کیا پتہ چلے گا۔ اسی طرح ان اللہ والوں کے دل

آئینہ کی طرح شفاف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں انوار عطا فرماتے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کو نیکی کا نور بھی محسوس ہوتا ہے۔ اور گناہ کی ظلمت بھی ان کو محسوس ہوتی ہے۔

ایک درخت ہٹا دینے پر مغفرت

بہر حال اس حدیث شریف میں کیسا زرین اصول بیان فرمادیا کہ کسی نیکی کے کام کو حقیر مت سمجھو۔ چاہے وہ نیکی اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا کیوں نہ ہو ___ لہٰذا جب نیکی کا خیال دل میں آئے تو اس کو کر گزرو۔ اس کو ٹلاؤ نہیں۔ آج ہم نے نیکی کو چند عبادات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ میں محصور کر لیا ہے۔ یہ بڑی گمراہی کی بات ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اللہ کا بندہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچا تو اس کی مغفرت صرف اس بنیاد پر ہوئی کہ وہ ایک راستے سے گزر رہا تھا اس نے دیکھا کہ راستے میں ایک درخت بے جگہ اگا ہوا تھا۔ جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس شخص نے سوچا کہ یہ درخت بے جگہ راستے میں اگا ہوا ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے میں اس کو راستے سے ہٹا دوں۔ تاکہ گزرنے والوں کو آرام ہو جائے۔ چنانچہ وہ درخت اس نے کاٹ دیا ___ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو اتنا پسند فرمایا کہ اس پر اس کی مغفرت فرمادی۔

یہ ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں اعلیٰ ترین شعبہ کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اعتراف اور اقرار ہے اور ادنیٰ شعبہ یہ ہے کہ راستے سے گندگی کو یا تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دیا جائے۔ اس کو ایمان کا ادنیٰ شعبہ فرمایا۔ لیکن اسی شعبہ کی بنیاد پر اس اللہ کے بندے کی مغفرت ہو گئی۔ اس لئے کسی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا مسلمان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں نیکیوں کی عظمت پیدا فرمادے ____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋

❋

کون سا عمل "صدقہ" ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ؕ
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید ؕ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کون سا عمل ’’صدقہ‘‘ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ، فَکُلُّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَکُلُّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ، وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ، وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ، وَیُجْزِئُ مِنْ ذٰلِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب صلاۃ الضحی، حدیث نمبر ۷۲۰)

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرۃ طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۱۸)

جسم کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں ___ ایک دوسری حدیث میں اس کی تعداد بھی بیان فرمائی ہے کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ فرمایا کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ واجب ہے ___ اس لئے کہ جسم کا ہر جوڑ مستقل کام کر رہا ہے اور تمہیں زندہ رہنے میں مدد دے رہا ہے۔ اس وجہ سے ہر جوڑ اللہ تعالیٰ کی مستقل نعمت ہے۔ اور روزانہ تم ان تین سو ساٹھ جوڑوں کو استعمال کرتے ہو، لہٰذا ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ ہونا چاہیے۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کسی قدر شکر ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا روزانہ کم از کم تین سو ساٹھ صدقات ہونے چاہئیں۔

بے شمار اعمال صدقہ ہیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تین سو ساٹھ صدقے روزانہ کرے تو اس نے اپنے تمام تین سو ساٹھ جوڑوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کر لیا۔

(کتاب الادب، باب اماطۃ الاذی عن الطریق: حدیث نمبر ۵۲۴۲)

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ روزانہ ایک آدمی تین سو ساٹھ صدقے کیسے کرے؟ اگر ایک صدقے میں ایک روپیہ بھی ادا کرے تو روزانہ تین سو ساٹھ روپے کا حساب بن جائے گا۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حل نکال دیا کہ صدقہ کے لئے روپیہ خرچ کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ فرمایا کہ بے شمار اعمال ایسے ہیں جن میں سے ہر عمل انسان کے جسم کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ بن جاتا ہے۔

یہ سب اعمال صدقہ ہیں

چنانچہ فرمایا "فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ" ہر مرتبہ جب تم سُبْحَانَ اللهِ کہتے ہو، یہ ایک صدقہ ہے۔ لہٰذا جب تم نے ایک مرتبہ "سُبْحَانَ اللهِ" کہا ان تین سو ساٹھ صدقوں میں سے ایک صدقہ ادا ہو گیا ــ آگے فرمایا "وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ" کہ ہر مرتبہ جب تم "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہو گے تو یہ ایک صدقہ ہے۔ فرمایا کہ "وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ" ہر مرتبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کہنا یہ ایک صدقہ ہے۔ "وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ" اور ہر مرتبہ "اَللهُ اَكْبَرُ" کہنا یہ ایک صدقہ ہے ــ اگر کوئی شخص ان کلمات کی چار تسبیحات پڑھ لے تو اس کے نتیجے میں چار سو صدقے ادا ہو گئے۔ اور آگے فرمایا کہ کسی کو نیکی کا کام کہہ دیا، یا نیکی کی بات بتا دی تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ مثلاً کسی کو نماز کے دوران غلطی کرتے ہوئے دیکھا، چپکے سے نرمی سے اس کو بتا دیا کہ تم سے یہ غلطی ہوئی ہے اس کو اس طرح درست کر لو۔ تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ یا اپنی اولاد کو نماز کی تاکید کی کہ چلو نماز کے لئے مسجد چلو۔ یہ بھی ایک صدقہ ہے ــ اسی طرح کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہیں

یاد رکھئے یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس معنی میں کہ کسی شخص کو موقع پر جبکہ غلط کام پر ٹوکنے کا موقع ہے یا کوئی اچھے کام کا موقع ہے اور اس کو اچھے کام کی طرف راغب کرنے کا موقع ہے تو اس حد تک یہ کام ہر مسلمان کے ذمے فرض عین

ہے۔ جیسے نماز اور روزہ فرض ہے۔ اور جیسے زکوۃ اور حج فرض عین ہے۔ آج ہم لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ اس وقت فرض ہے جب اس کو کہنے کی استطاعت اور قدرت ہو۔ اور اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ اس کو کہنے کے نتیجے میں کوئی ایسا فتنہ کھڑا ہو جائے گا جو میرے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ اس صورت میں کہنا فرض نہیں۔ لیکن حتی الامکان کہنا ضروری ہے۔ لیکن بات کہنے کیلئے ایسا عنوان اختیار کیا جائے جس سے دوسرے کی دل آزاری نہ ہو۔ جس سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ جس سے کسی کی رسوائی نہ ہو۔ بلکہ نرمی سے محبت سے اور دل سوزی سے بات کہی جائے۔ اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور یہ سب صدقہ ہیں۔

یہ صدقہ بھی ہیں

اور یہ صرف باہر کے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ گھر کے افراد کو بھی اس کی ترغیب دینی چاہئے۔ جیسے بیوی بچوں کو کہنا یا شوہر کا بیوی کو کہنا، باپ کا اولاد کو کہنا، یا اولاد کا ماں باپ کو کہنا۔ یہ سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہیں۔ اور یہ سب صدقہ ہیں ___ بہر حال اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ہونا چاہئے۔ یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے جب صبح کو گھر سے نکلو اور یہ مندرجہ بالا کام کرتے چلے جاؤ۔ یہ سب کام تمہارے لئے صدقہ بنتے چلے جائیں گے۔

دو نفل تمام صدقات کی طرف سے کافی ہیں

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام صدقات کے ادا کرنے کا بہت آسان طریقہ

بھی بیان فرمایا۔ فرمایا کہ۔

وَيُجْزِءُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى

یعنی یہ سارے اعمال جو اوپر بیان کئے۔ تسبیح، تحلیل، تحمید، تکبیر یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، یہ سب الگ الگ تو آدمی کر ہی سکتا ہے لیکن اگر آدمی روزانہ طلوع آفتاب کے بعد اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنا آسان کر دیا۔ اگر پھر بھی ہم نہ کریں تو اس کا تو کوئی علاج نہیں ــــ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مخلوق کی خدمت کرنا بھی نیک کام ہے

ان احادیث سے درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ نیکی کے اعمال کسی خاص طریقے میں منحصر نہیں۔ بلکہ جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے وہ صدقہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کام کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور اس کام کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے ــــ اور یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ صرف نماز روزہ ہی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال ہیں۔ بلکہ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ اگر تم اور کچھ نیک کام نہیں کر پا رہے ہو تو کسی کاریگر کی مدد کر دو۔ یعنی خدمت خلق کا کام کر لو۔ مثلاً کسی کا بوجھ اٹھوا دیا۔ کسی کے کام میں مدد کر دی۔ یا کسی کو کوئی حاجت اور ضرورت تھی آپ نے اس کی حاجت اور ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی کام کر دیا۔ یہ سب کام

ثواب کے کام ہیں۔ ایک سالک جو اس راہ پر چل رہا ہو۔ اس کیلئے صرف یہ نہیں ہے کہ وہ مصلی پر بیٹھ کر ذکر کرتا رہے بلکہ اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ مخلوق کی خدمت بھی کرے۔ بزرگوں نے یہاں تک فرمایا کہ:۔

تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی طریقت اور تصوف صرف تسبیح اور مصلّیٰ اور گدڑی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ طریقت اصل میں مخلوق خدا کی خدمت کا نام ہے۔

اپنے آپ کو خادم سمجھو

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے آپ کو ہمیشہ خادم سمجھو۔ اور دن رات اس فکر میں رہو کہ کونسی گھڑی کسی شخص کی کس طرح خدمت ہو جائے۔ اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے اعزہ واحباب کی خدمت۔ اپنے دوستوں کی خدمت، اپنے شاگردوں کی خدمت، ہر ایک کے کام خدمت کے جذبے سے بجالاؤ۔ خادم بنو، مخدومیت کا خناس دل ودماغ سے نکالو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مرض وفات

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں جب بالکل بستر سے لگ گئے۔ صاحب فراش ہو گئے۔ سخت کمزوری کا عالم تھا۔ اطباء نے ملاقات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ بولنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ ہر وقت آنکھ بند کئے

سیدھے لیٹے رہتے تھے ___ اسی حالت میں اپنے خادم مولانا شبیر علی صاحب کو آواز دی۔ ان کو بلایا جب وہ آئے تو ان سے فرمایا کہ مولوی شفیع صاحب (یعنی میرے والد ماجد صاحب) کو بلاؤ۔ چنانچہ ان کو بلا لائے۔ جب والد صاحب تشریف لائے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی آپ احکام القرآن لکھ رہے ہیں۔ تو میرے ذہن میں آیا کہ فلاں آیت کے تحت فلاں فقہی مسئلہ بھی نکلتا ہے لہٰذا جب آپ اس آیت کی تفسیر پر پہنچیں تو یہ مسئلہ بھی وہاں لکھ دیجئے گا ___ اب دیکھئے کہ شدید بیماری ہے، شدید کمزوری اور نقاہت ہے۔ بولنا مشکل ہو رہا ہے اس وقت بھی دل و دماغ پر فکر ہے کہ اپنے خدام میں سے جو لوگ تصنیف کا کام کر رہے ہیں ان کی رہنمائی فرما رہے ہیں کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو یہ مسئلہ بھی اس میں لکھ دیں۔

وہ لمحاتِ زندگی کس کام کے

مولانا شبیر علی صاحب، حضرت والا کے منہ چڑھے قسم کے خادم تھے۔ ناز کی بات بھی کر لیا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ حضرت! یہ آپ نے کیا جھگڑا کھڑا کر رکھا ہے کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد کبھی کسی کو بلا رہے ہیں کبھی کسی کو بلا رہے ہیں۔ حالانکہ اطباء نے منع کر رکھا ہے کہ کسی سے ملاقات بات چیت نہ کریں۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:

> بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، بیماری میں یہ کام نہیں کرنے چاہئیں۔ لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت خلق میں لگایا ہوا تھا۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے لہٰذا ''خادم'' بننا یہ بڑے اعلیٰ درجے کے مرتبہ کی بات ہے۔

زندگی کے کسی مرحلے پر خدمت کو مت چھوڑو

بعض لوگ اعلیٰ رتبہ اعلیٰ منصب حاصل کر لیتے ہیں۔ کسی بڑے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں ان کو کوئی درجہ اور مرتبہ مل جاتا ہے، عالم ہو گئے، فاضل ہو گئے، علامہ ہو گئے، لوگوں نے ہاتھ پاؤں چومنا شروع کر دیئے۔ یا لوگوں نے تعظیم و تکریم شروع کر دی ___ اس وقت دماغ میں یہ بات آجاتی ہے کہ ہم تو مخدوم ہو گئے۔ اور اس وقت دوسروں کی خدمت کے کام چھوڑ دیتے ہیں ___ لیکن وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ مضبوط تعلق عطا فرماتے ہیں۔ وہ مخلوق کے ساتھ شفقت اور رحمت کا برتاؤ ساری عمر مرتے دم تک کرتے رہتے ہیں۔ اور کسی وقت بھی مخلوق کی خدمت کا خیال دل سے ختم نہیں ہوتا کہ جو میرے اللہ کی مخلوق ہے اس کی خدمت اس کی خیر خواہی اور اس پر شفقت کرنی ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ عجیب وغریب بزرگ گزرے ہیں۔ کاندھلہ کے رہنے والے تھے ___ ایک مرتبہ دہلی سے کاندھلہ جا رہے تھے پیدل سفر تھا۔ کاندھلہ سے کچھ فاصلہ پر آپ

نے دیکھا کہ ایک بڑے میاں بوڑھے آدمی کچھ سامان اٹھا کر جارہے ہیں ــــ حضرت کو خیال آیا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے سامان اٹھائے جارہا ہے لیکن سامان اس سے اٹھ نہیں رہا ہے۔ جا کر ان سے کہا بڑے صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا سامان اٹھالوں ــــ وہ تو بیچارہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی آ کر اس کا سامان اٹھالے۔ چنانچہ اس بوڑھے نے کہا آپ اٹھالیں تو مہربانی ہوگی۔ چنانچہ اس کا سامان سر پر اٹھایا۔ اور کاندھلہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہ بڑے میاں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ــــ راستے میں بات چیت شروع کر دی۔ بڑے میاں نے پوچھا۔ مولوی صاحب: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ میں کاندھلے کا رہنے والا ہوں۔ اچھا تم کاندھلہ کے رہنے والے ہو۔ تم نے کبھی مولوی مظفر حسین کو بھی دیکھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں دیکھا تو ہے۔ بڑے میاں نے کہا: سنا ہے کہ وہ بڑے بزرگ آدمی ہیں؟ مولانا نے جواب میں فرمایا۔ ہاں بھائی نماز تو پڑھ لے۔ بڑے میاں نے کہا کہ میں انہی سے ملنے جارہا ہوں ــــ اب راستے میں بات چیت کرتے ہوئے چلتے رہے۔ جب کاندھلہ شہر قریب آنا شروع ہوا تو لوگ آپ کو دیکھ کر کوئی آپ کو سلام کرتا، اور کوئی آپ سے سامان لینے کی کوشش کرتا۔ اور آگے بڑھ کر آپ کی عزت اور اکرام کرتا۔ جب بڑے میاں نے یہ سب دیکھا تو بڑے سٹپٹائے کہ کیا قصہ ہے۔ جب کچھ دور چلے تو بڑے میاں کو پتہ چلا کہ مولانا مظفر حسین صاحب تو یہی ہیں۔ بڑے میاں نے کہ مولانا صاحب آپ نے بڑا غضب کر دیا کہ مجھ سے آپ نے یہ گستاخی کرائی کہ آپ نے میرا سامان اٹھایا ــــ مولانا نے فرمایا کہ اس میں گستاخی کی

کیا بات ہوئی۔ تمہیں سامان اٹھانے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے سامان اٹھا کر وہ تکلیف دور کر دی ___ اب دیکھئے۔ اتنا بڑا عالم اور اتنا بڑا صاحب مقام بزرگ لیکن جب دوسرے کو دیکھا کہ تکلیف میں ہے تو اس کو تکلیف سے بچا کر خود کو تکلیف میں ڈال دیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا واقعہ تو کچھ پرانا ہو گیا۔ ایک واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آیا۔ جو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میرے والد ماجد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو ریل گاڑی کے ذریعہ تھانہ بھون پہنچے۔ اسٹیشن پر گاڑی سے اترے اور ایک فیملی بھی گاڑی سے اتری۔ اس فیملی کے جو صاحب تھے وہ کچھ صاحب بہادر اور جنٹلمین قسم کے آدمی تھے۔ اور ان کے ساتھ ان کی بیوی بچے بھی تھے۔ اور سامان بھی تھا۔ حضرت والا صاحب کے پاس کوئی خاص سامان وغیرہ نہیں تھا۔ وہ صاحب اسٹیشن پر قلی کو پکارنے لگے اور بلانے لگے ___ اب رات کا سناٹا تھا۔ ایک یا دو بج رہے تھے۔ وہاں کوئی قلی موجود نہیں تھا۔ اور سامان اچھا خاصا تھا ___ والد صاحب نے دیکھا کہ یہ صاحب قلی کی تلاش میں پریشان ہیں عورتیں اور بچے ساتھ ہیں۔ اور کوئی قلی ان کو مل نہیں رہا ہے ___ چنانچہ والد صاحب عمامہ تو باندھتے تھے۔ اس عمامے کو اس انداز میں سر پر لپیٹا جس طرح قلی لپیٹتے ہیں۔ اور ان صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ اور جا کر کہا کہ کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا سامان اٹھانا ہے۔ والد

صاحب نے پوچھا کہاں لے جاتا ہے؟ کہا کہ تھانہ بھون میں فلاں مکان پر۔ ان صاحب نے پوچھا کہ کتنے پیسے لوگے؟ والد صاحب نے کہا جو جی چاہے دیدینا۔ چنانچہ ان کا سامان سر پر اٹھایا۔ اور چل پڑے۔ حالانکہ والد صاحب بڑے نحیف اور لاغر جسم والے تھے اور سامان اٹھانے کی عادت بھی نہیں تھی۔ خدا جانے کس طرح اٹھا کر وہ سامان ان کی جگہ تک پہنچا دیا۔ کوئی حویلی تھی۔ اس کے اندر سامان رکھا وہ صاحب بیوی بچوں کو اندر پہنچانے کے لئے گئے۔ پیچھے سے والد صاحب چپکے سے وہاں سے چلے آئے۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ بھیج دیا

وہ صاحب بھی اتفاق سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے آرہے تھے۔ جب اگلے دن صبح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے ان کی خدمت میں پہنچے تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت: آج رات تو میں نے آپ کی ایک عجیب کرامت دیکھی۔ حضرت نے پوچھا کیا؟ انہوں نے کہا میں رات کو اس طرح تھانہ بھون کے اسٹیشن پر پہنچا کوئی سامان اٹھانے والا نہیں تھا۔ میں آواز لگا رہا تھا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ بھیج دیا۔ اور اس نے اس طرح میرا سامان پہنچا دیا۔ اور خدا کا بندہ پیسے بھی لے کر نہیں گیا ___ یہ بات سوائے حضرت والد صاحب اور سوائے چند خاص لوگوں کے کسی کو پتہ نہیں تھی کہ اس رات میں اس آدمی کا سامان کس قلی نے اٹھایا تھا۔ لیکن یہ سب کیوں کیا؟ اس وجہ سے کیا کہ دل و دماغ میں بات بیٹھی ہوئی ہے کہ نیکی صرف نماز، روزے اور تسبیح کا نام نہیں بلکہ:

تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

بہرحال ہر وہ موقع جہاں سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا کوئی راستہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے کا کوئی راستہ پیدا ہو۔ اس کو غنیمت سمجھ کر اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسی تحریک چلائی جس نے پورے ہندوستان، افغانستان اور ترکی سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا ___ آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی۔ چنانچہ اجمیر میں ایک عالم تھے مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو خیال آیا کہ دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند سے ملاقات اور ان کی زیارت کرنی چاہئے۔ چنانچہ ریل گاڑی کے ذریعہ دیوبند پہنچے اور وہاں ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھے مولانا شیخ الہند سے ملاقات کے لئے جانا ہے ___ اب ساری دنیا میں تو وہ شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ مگر دیوبند میں ''بڑے مولوی صاحب'' کے نام سے مشہور تھے ___ تانگے والے نے پوچھا کہ کیا بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ تانگے والے نے حضرت شیخ الہند کے گھر کے دروازے پر اتار دیا، گرمی کا زمانہ تھا۔ جب انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے نکلا انہوں نے اس سے کہا

میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے کے لئے اجمیر سے آیا ہوں۔ میرا نام معین الدین ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تشریف لائیں۔ اندر تشریف رکھیں۔ چنانچہ جب بیٹھ گئے تو پھر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو اطلاع کر دیں کہ معین الدین اجمیری آپ سے ملنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت آپ گرمی میں آئیں ہیں تشریف رکھیں اور پھر پنکھا جھلنا شروع کر دیا ___ جب کچھ دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری صاحب نے پھر کہا کہ میں نے تم سے کہا کہ جا کر مولانا کو اطلاع دو کہ اجمیر سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہے انہوں نے کہا اچھا ابھی اطلاع کرتا ہوں۔ پھر اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے آئے۔ مولانا نے پھر کہا کہ بھائی میں یہاں کھانا کھانے نہیں آیا میں تو مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے ان سے ملاؤ۔ انہوں نے فرمایا: حضرت آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ابھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کھانا کھایا پانی پلایا ___ یہاں تک کہ مولانا معین الدین صاحب ناراض ہونے لگے کہ میں تم سے بار بار کہہ رہا ہوں مگر تم جا کر ان کو اطلاع نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ حضرت بات یہ ہے کہ یہاں شیخ الہند تو کوئی نہیں رہتا۔ البتہ بندہ محمود اسی عاجز کا ہی نام ہے ___ تب جا کر مولانا معین الدین صاحب کو پتہ چلا کہ شیخ الہند کہلانے والے محمود الحسن صاحب یہ ہیں ___ جن سے میں اب تک ناراض ہو کر گفتگو کرتا رہا۔ یہ تھا ہمارے بزرگوں کا البیلا رنگ اللہ تعالیٰ اس کا کچھ رنگ ہمیں بھی عطا فرمادے ___ آمین ___ یہ حضرات وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مٹایا ہوا تھا ہر وہ کام جس سے اللہ تعالیٰ راضی

ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت ہو جائے اس کو غنیمت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا واقعہ

انہی کا دوسرا واقعہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لئے آئے۔ رئیس خاندان سے تعلق تھا۔ دارالعلوم دیوبند آکر ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ یہ نواب خاندان کے آدمی ہیں۔ رئیس زادے مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کے طبیعت اور مزاج کے موافق ہوگا یا نہیں چنانچہ حضرت والا ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مسجد میں پہنچے ___ دیکھا کہ وہ مسجد کے ایک حجرے میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس چار پائی بھی نہیں ہے۔ خیال آیا کہ ان کو چار پائی مہیا کر دی جائے۔ چنانچہ گھر تشریف لے گئے اور خود چار پائی اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے۔ اور ان کے حوالے کی ___ اور یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث بن چکے اور ''شیخ الہند'' آپ کا لقب ہو گیا۔ اور ساری دنیا آپ کو مقتداء قرار دینے لگی۔ اس وقت بھی اپنی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا یہ اہتمام کیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے والد ماجد کے استاد اور دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے۔ ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا

کہ آپ کے گھر کے آس پاس کچھ بیواؤں کے مکانات تھے۔ آپ کا روز کا معمول تھا کہ جب آپ اپنے گھر سے دارالعلوم دیوبند جانے کے لئے نکلتے تو پہلے ان بیواؤں کے مکانات پر جاتے اور ان سے پوچھتے کہ بی بی، بازار سے کچھ سودا سلف منگوانا ہے تو بتادو، میں لادوں گا۔ اب وہ بیوہ ان سے کہتی کہ ہاں بھائی بازار سے اتنا دھنیہ، اتنی پیاز، اتنے آلو وغیرہ لادو۔ اس طرح دوسری کے پاس، پھر تیسری کے پاس جاکر معلوم کرتے، اور پھر بازار جاکر سودا لاکر ان کو پہنچادیتے۔ بعض اوقات یہ ہوتا کہ جب سودا لاکر دیتے تو کوئی بی بی کہتی، مولوی صاحب! آپ غلط سودا لے آئے، میں نے فلاں چیز کہی تھی۔ آپ فلاں چیز لے آئے میں نے اتنی منگوائی تھی۔ آپ اتنی لے آئے آپ فرماتے! بی بی، کوئی بات نہیں میں دوبارہ بازار سے لادیتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جاکر سودا لاکر ان کو دیتے۔ اس کے بعد فتاویٰ لکھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص جو بیواؤں کا سودا سلف لینے کے لئے بازار میں پھر رہا ہے۔ یہ "مفتی اعظم ہند" ہے۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ علم و فضل کا پہاڑ ہے۔ لیکن اس خدمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کے فتاوی پر مشتمل بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور ابھی تک اس پر کام جاری ہے۔ اور ساری دنیا ان سے فیض اٹھارہی ہے ـــــ وہی بات ہے کہ۔

پھوٹ نکلی تیرے پیراہن سے بو تیری

وہ خوشبو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی ـــــ آپ کا انتقال بھی اس حالت میں ہوا کہ آپ

کے ہاتھ میں ایک فتویٰ تھا اور فتویٰ لکھتے لکھتے آپ کی روح قبض ہو گئی۔ بہر حال، کسی مرتبہ پر پہنچ جائے لیکن دل و دماغ میں یہ بات بسی ہوئی ہے کہ ہم تو ساری مخلوق کے خادم ہیں۔ اور خدمت کا صرف ایک راستہ نہیں کہ بس فتویٰ لکھ دیا بلکہ خدمت کے جتنے راستے ہیں ان سب کو اختیار کرنے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ بہر حال ___ اصل بات یہ چل رہی تھی کہ کون کونسا عمل صدقہ ہے اس سلسلے کی اگلی احادیث بھی پڑھ لیتے ہیں۔

ایک اور حدیث

اگلی حدیث ہے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ تَعْدِلُ بَيْنَ الاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَبِكُلِّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری شریف، کتاب الجهاد و السیر باب من اخذ بالرکاب و نحوه: حدیث نمبر ۲۹۸۹)

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرة طرق الخیر: حدیث نمبر ۱۲۲)

یہ سب اعمال بھی صدقہ ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نیا دن جس میں سورج طلوع ہو۔ ہر انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے ـــــ یہ وہی بات ہے جو پچھلی حدیث میں بھی آئی تھی۔ آگے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کا معاملہ اور انصاف کا فیصلہ کر دینا بھی صدقہ ہے ـــــ اسی طرح ایک شخص اپنی سواری پر سوار ہونا چاہتا ہے اور تم نے اس کو اس کی سواری پر سوار ہونے کے لئے تھوڑا سا سہارا دیدیا۔ تاکہ وہ آرام سے سوار ہو جائے تو تمہارا یہ عمل بھی صدقہ ہے۔ یا کسی سوار کا سامان اٹھا کر اس کی سواری پر رکھ دیا۔ یہ عمل بھی صدقہ ہے ـــــ اور کوئی اچھی بات تم نے کسی سے کہہ دی تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ تم نے اس کو کوئی دین کی بات بتا دی۔ کوئی ہدایت دیدی۔ تم نے اس کی رہنمائی کر دی۔ کسی نیک کام کی خیر خواہی کی نصیحت کر دی ـــــ اسی طرح اچھی بات کہنے میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی دوسرے کا دل خوش کرنے کے لئے کوئی بات کہہ دی۔ جس سے دوسرے کا دل خوش ہو گیا۔ یہ بھی صدقہ ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے قدم صدقہ ہیں

آگے فرمایا کہ جب نماز کے لئے مسجد کی طرف قدم اٹھاتے ہو تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک صدقہ لکھا جا رہا ہے ـــــ اگر کسی شخص کا گھر مسجد سے دور ہو اور تین سو ساٹھ قدم کے فاصلے پر ہو تو ایک ہی نماز کے لئے جانے پر انشاء اللہ وہ صدقات

پورے ہو جائیں گے ـــــ اس لئے نماز کے لئے مسجد کی طرف چل کر جانے کو بڑی غنیمت سمجھنا چاہیے ـــــ آگے فرمایا کہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا یہ بھی صدقہ ہے۔

ایک اور حدیث

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَةٍ صَدَقَةٌ، وَکُلُّ تَکْبِیْرَةٍ صَدَقَةٌ، وَکُلُّ تَحْمِیْدَةٍ صَدَقَةٌ وَکُلُّ تَهْلِیْلَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةٌ وَفِی بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ قَالُوْا! یَا رَسُوْلَ اللهِ اَیَأْتِیْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَیَکُوْنُ لَهٗ فِیْهَا اَجْرًا؟ قَالَ: اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْهَا وِزْرٌ؟ فَکَذٰلِکَ اِذَا وَضَعَهَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَهٗ اَجْرٌ.

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف: حدیث ۱۰۰۶)

(ریاض الصالحین باب بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث نمبر ۱۲۰)

جائز جنسی تعلقات صدقہ ہیں

فرمایا کہ: ''سُبْحَانَ اللهِ'' کہنا صدقہ ہے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنا صدقہ ہے، ''اَللهُ اَکْبَرُ'' کہنا صدقہ ہے، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' کہنا صدقہ ہے۔ اور نیکی کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے ـــــ یہاں تک اگر میاں بیوی

کے درمیان آپس کے خصوصی تعلقات ہوتے ہیں وہ قائم کرے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ جب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ میاں بیوی کے باہمی جنسی تعلقات قائم کرنے پر ثواب ملتا ہے اور یہ بھی صدقہ ہے؟ حالانکہ ہم تو یہ کام اپنی خواہش نفس کو پورا کرنے کے لئے کرتے ہیں کیا اس پر بھی ثواب ملتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی خواہش نفس حرام طریقے سے پوری کرتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور گناہ ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ جب اس شخص نے حرام طریقے کو چھوڑ کر حلال طریقے سے اپنی خواہش پوری کی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر طرح سے اپنے پر پھیلائے ہوئے ہے کہ ہمارے ہر ہر عمل پر صدقہ دیا جا رہا ہے۔

صرف زاویۂ نگاہ بدلنے کی ضرورت ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! صرف زاویۂ نگاہ بدلنے کی بات ہے پھر تو ساری زندگی تمہارے لئے صدقہ ہے۔ جو کچھ عمل کر رہے ہو وہ سب صدقہ ہے۔ کھانا بھی صدقہ، پینا بھی صدقہ، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی صدقہ، سارے کام صدقہ صرف یہ کہ تم اپنا زاویۂ نگاہ بدل لو کہ یہ کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت میں کر رہا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہا ہوں۔ جب زاویہ نگاہ بدل لو گے تو پھر جو کما رہے ہو وہ بھی صدقہ، جو کھا رہے ہو وہ بھی صدقہ، جو تفریح کر رہے ہو وہ بھی صدقہ، جو ہنسا بولتا کر رہے ہو وہ

بھی صدقہ، اور یہ نماز روزہ بھی صدقہ ___ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارا زاویہ نگاہ درست فرمادے اور ہماری پوری زندگی میں اپنی اطاعت کا جذبہ ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے اور اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے ___ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

***

*

پہلے قدم بڑھاؤ

پھر اللہ کی مدد آئیگی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبد اللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے قدم بڑھاؤ
پھر اللہ کی مدد آئیگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: اِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِذَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا. وَاِذَا اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً.

(صحیح بخاری، کتاب التوحید باب ذکر النبی ﷺ حدیث نمبر ۷۵۳۶)

(ریاض الصالحین باب فی المجاہدۃ حدیث نمبر ۹۶)

حدیث قدسی

یہ حدیث قدسی ہے، حدیث قدسی اس کو کہتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کی بات نقل فرمائیں ___ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: کہ جب کوئی بندہ ایک بالشت کے برابر میرے قریب آتا ہے میری طرف آگے بڑھتا ہے یعنی میرے راستے پر چلتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب آجاتا ہوں۔ یعنی وہ ایک بالشت بڑھا اور میں ایک گز اس کی طرف بڑھ جاتا ہوں۔ اور جو بندہ ایک گز کے برابر میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ کے برابر اس کی طرف قریب آجاتا ہوں۔ اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

اللہ کے قریب آنے کی مثال

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی میرا بندہ میری طرف میرے راستے میں بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو جتنے قدم وہ اٹھاتا ہے میں اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ اس کو اپنے قریب کر لیتا ہوں ___ یہ جو فرمایا کہ اگر وہ چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت پیاری مثال سے سمجھایا کہ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ایک چھوٹا بچہ ہے۔ وہ بچہ چلنا نہیں جانتا۔ اس کا باپ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے بچے کو چلنا سکھاؤں۔ تو اب وہ باپ تھوڑی دور کھڑا ہو جاتا ہے اور بچے سے کہتا ہے کہ بیٹا میرے پاس آؤ اور قدم بڑھاؤ اور اس بچے کو قدم بڑھانا آتا نہیں ___ اب جیسے ہی

اس بچے نے ایک قدم بڑھایا تو گرنے لگا تو باپ اس بچے کو گرنے نہیں دیتا، بلکہ دوڑ کر اس بچے کے پاس آجاتا ہے اور اس بچے کو گود میں اٹھالیتا ہے کہ میرا بچہ میرے حکم کے مطابق چلنا چاہ رہا ہے، قدم بڑھا رہا ہے، لیکن بیچارہ گر رہا ہے، میں اس کو اٹھا لیتا ہوں۔

یہ بشارت ہے

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک بالشت یا ایک گز میرے قریب آتا ہے یا میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کو گرنے نہیں دوں گا۔ بلکہ آگے بڑھ کر دوڑ کر اس کو اٹھا لونگا۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے راستوں پر چلنے والوں کے لئے بشارت ہے۔

بندہ اپنے حصے کا کام کرتا ہے یا نہیں

اور درحقیقت اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میرا بندہ میری طرف آنا چاہ رہا ہے یا نہیں؟ میرا بندہ اپنے حصے کا کام کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر وہ بندہ اپنے حصے کا اتنا کام کر رہا ہے جو اس کی قدرت میں ہے اور جو اس کی استطاعت میں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی تکمیل خود فرما دیتے ہیں۔ پھر اگر بندہ گر بھی جائے تو انشاء اللہ کوئی پرواہ نہیں۔

روزانہ صبح اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ صبح اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرلیا کرو کہ یا اللہ! آج کا دن شروع ہو رہا ہے اور جب میں اپنے کاروبار زندگی میں نکلوں گا تو خدا جانے گناہوں کے کیا کیا محرکات اور کیا کیا دواعی سامنے آئیں گے۔ کیسے کیسے حالات میرے اوپر گزریں گے میں اس وقت آپ کی بارگاہ میں بیٹھ کر عزم کر رہا ہوں اور ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلوں گا۔ اور آپ کی رضا کے راستے پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یا اللہ، مجھے اپنی طاقت اور ہمت پر بھروسہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں گر پڑوں اور لڑکھڑا جاؤں، تو اے اللہ جہاں پر میں گرنے لگوں اور لڑکھڑانے لگوں تو اے اللہ: اپنی رحمت سے مجھے اس وقت تھام لیجئے گا اور مجھے غلط راستے سے بچا لیجئے گا۔ اے اللہ میرے اندر ہمت نہیں۔ حوصلہ نہیں۔ ہمت دینے والے بھی آپ ہیں۔ حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں۔ اپنی رحمت سے مجھے ہمت اور حوصلہ عطا فرما دیجئے اور اس کے بعد اگر میں گرا تو اے اللہ! آپ مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے گا۔ اور پھر میری گرفت نہ فرمائیے گا۔ آپ اگر نہیں تھامیں گے تو میں گمراہ ہو جاؤں گا ______ روزانہ صبح کے وقت یہ عہد و پیمان کرلیا کرو۔

صبح کو یہ آیت پڑھا کرو

اس کے بعد پھر حتی الامکان ہر عمل کے وقت بچنے کی پوری کوشش کرو، اس کے

باوجود بھی اگر بھول چوک سے بتقاضۂ بشریت لڑکھڑا بھی گئے تو اس وقت فوراً استغفار کرلو۔ اور توبہ کرلو۔ انشاء اللہ دوبارہ اللہ کی رحمت سے پھر صحیح راستے پر آجاؤ گے۔ اور حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ صبح فجر کی نماز کے بعد وظائف اور تسبیحات وغیرہ پڑھ کر یہ آیت پڑھا کرو۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۶۲)

اے اللہ، میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب آپ کے لئے ہے، میں اس وقت ارادہ کر رہا ہوں کہ جو کچھ کروں گا سب آپ کی رضا کے مطابق کروں گا۔ لیکن مجھے اپنی ذات پر بھروسہ نہیں۔ نہ جانے کہاں لڑکھڑا جاؤں، آپ میری مدد فرمائیں۔ یہ سب کرنے کے بعد پھر کاروبار زندگی کے اندر نکلو۔ انشاء اللہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی۔ روزانہ یہ عمل کرو پھر دیکھو۔ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں گے۔

روزانہ عزم تازہ کرو

پھر جب دوسرا دن آئے تو دوبارہ عزم تازہ کرلو۔ اور سابقہ دن کے گناہوں پر استغفار اور توبہ کرو۔ یہ سب کام کر کے دیکھو۔ کرنے سے ہوتا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو تو گناہ کرنے کی چھٹی مل گئی کہ روزانہ گناہ کرتا رہے اور توبہ اور

استغفار کر لے۔ اور روزانہ عزم تازہ کر لے۔ اور بس۔ یاد رکھو، جو شخص روزانہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کرے گا انشاء اللہ وہ شخص گناہوں سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر کبھی بتقاضہ بشری گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ہو جائے گی۔ استغفار کی توفیق ہو جائے گی انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ــــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❁❁❁

❁

اللہ کا بندوں سے عجیب خطاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کا بندوں سے عجیب خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ: یَا عِبَادِیْ: اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَ جَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا، یَا عِبَادِیْ: کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ، الخ

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم حدیث ۲۵۷۷)

(ریاض الصالحین باب فی المجاهدۃ حدیث نمبر ۱۱۱)

حدیث قدسی کا مطلب؟

یہ ایک حدیث قدسی ہے، اور جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حدیث قدسی وہ

حدیث ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی کوئی بات نقل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ــــ اللہ تعالیٰ کا ایک کلام تو قرآن کریم کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ قرآن تو لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے منزل من اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک کلام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کے علاوہ پہنچایا ہے۔ اس کے الفاظ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہوں۔ لیکن اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں ــــ بہرحال یہ حدیث قدسی ہے۔

میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ پوری عالم انسانیت سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ کیا مطلب؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ظلم کرنے کی قدرت تو ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ لیکن میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ میں کسی بھی اپنے ادنیٰ بندے پر کبھی ظلم نہیں کروں گا۔

وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ

(سورۃ ق: ۲۹)

میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ تو میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا۔ حالانکہ مجھے ظلم کرنے پر قدرت بھی تھی۔ اور اگر میں ظلم کرتا تو کوئی میرا ہاتھ پکڑنے والا بھی نہیں تھا۔ کوئی مجھے ملامت کرنے والا بھی نہیں تھا۔ کسی کے سامنے مجھے جواب دہی بھی نہیں کرنی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا کہ میں اپنے کسی

بندے پر اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو

وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا

اور جس طرح میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا۔ اسی طرح تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا کہ کوئی بندہ کسی دوسرے پر ظلم نہ کرے۔ لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو ـــــ پہلے یہ فرمایا کہ میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کرلیا۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ بندے کو حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اختیار کرے۔ فرمایا:

تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ

اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو ـــــ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں۔ تم بھی اپنے ہم جنسوں پر رحم کرو ـــــ یہ حکم دیا گیا۔ لہٰذا اس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ کسی بندے پر ظلم نہ کیا جائے۔

تم بھی ظلم سے اجتناب کرو

دوسرا اشارہ اس طرف فرمایا کہ میں نے باوجود قدرت کے کہ مجھے ظلم کرنے کی قدرت تھی اور کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔ کوئی جواب طلب کرنے والا نہیں۔ اس کے باوجود میں ظلم نہیں کرتا۔ تو اے میرے بندو۔ تم کو اور زیادہ ظلم سے اجتناب کرنا چا۔ کیونکہ تمہیں میرے پاس آنا ہے اور جوابدہی کرنی ہے۔

مجھ سے ہدایت مانگو، ہدایت دوں گا

آگے فرمایا:

"یَاعِبَادِیْ: کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِکُمْ"

اے میرے بندوں! تم سب گمراہ ہو۔ مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دیدوں۔ ہدایت اور ضلالت میرے قبضے میں ہے ___ کوئی شخص چاہے کہ میں اپنے طور پر ہدایت حاصل کرلوں۔ وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تم مجھ سے ہدایت مانگو۔ میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ یعنی تم جو دعا مانگتے ہو، اس دعا کے اندر ہدایت بھی مانگو کہ یا اللہ! مجھے ہدایت عطا فرمادے ___ اسی لئے قرآن کریم کی تمام دعاؤں کا خلاصہ یہ دعا ہے کہ:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دیدے۔ اس لئے ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دعا پورے قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور قرآن کریم کھولتے ہی پہلی چیز یہی سکھائی کہ:

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۞ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

(سورة الفاتحة: ٦-٥)

تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کو کثرت سے پڑھتے رہو، اور مانگتے رہو کہ یا اللہ مجھے ہدایت دے دیجئے۔

ہر کام کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نمازوں کے اندر تو یہ کلمات "اِهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ‘‘ پڑھتے ہی تھے۔ بلکہ عام دعاؤں میں آپ ہدایت ان الفاظ سے مانگتے۔ ’’اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ‘‘ اے اللہ! مجھے ہدایت عطا فرمایئے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھئے ___ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ساری عمران کا یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں کشمکش پیش آتی کہ یہ کام کروں یا نہ کروں، تو ایک لمحہ کے لئے دل ہی دل میں فوراً یہ دعا پڑھ لیتے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ ___ اور ___ اَللّٰهُمَّ خِرْلِيْ وَاخْتَرْلِيْ

اے اللہ۔ میرے سامنے یہ کشمکش پیش آرہی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے لئے کیا بہتر ہے۔ اے اللہ آپ مجھے ہدایت دے دیجئے۔ آپ کے نزدیک جو صورت بہتر ہو۔ وہ اختیار کرلوں ___ لہٰذا جب بھی کوئی کشمکش پیش آئے۔ اور دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ اور اس سے ہدایت طلب کرو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔

کھانا مجھ سے طلب کرو میں دوں گا

يَا عِبَادِيْ: كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ أُطْعِمْكُمْ

اے میر بندوں! تم میں سے ہر شخص بھوکا ہے۔ سوائے اس کے جس کو میں کھانا دوں ___ لہٰذا تم مجھ سے کھانا طلب کرو۔ میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔ کتنا ہی بڑا سرمایہ دار ہو۔ مگر وہ کھانا اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ چاہے گھر کے اندر ساری دنیا کی نعمتیں رکھی ہوں۔ لیکن کھانا اللہ تعالیٰ سے مانگے۔

دستر خوان اٹھاتے وقت دعا

غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مَكْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا

(بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، حدیث: ۵۴۵۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ کھانے کے بعد جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو دعا پڑھتے۔ یا اللہ، یہ کھانا جواب واپس جا رہا ہے ___ اور نفسیاتی بات ہے کہ جب آدمی کھانا کھالیتا ہے اور اس کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ تو وہی کھانا جس کی طرف بڑی رغبت تھی اور بڑا شوق تھا۔ اور دل چاہ رہا تھا کہ جلدی سے کھاؤں۔ اب پیٹ بھرنے کے بعد اسی کھانے سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اب کھانے کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا ___ اور اب اس کھانے کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے وہ کھانا بڑی حقیر چیز ہے۔ حالانکہ ابھی دس منٹ پہلے اس کھانے کی طرف بڑے شوق کا اظہار کر رہا تھا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد نفرت سے ہٹا رہا ہے۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ:

غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مَكْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا

یا اللہ: یہ کھانا میں اس لئے نہیں ہٹا رہا کہ معاذ اللہ میرے دل میں اس کی نفرت ہے۔ یا حقارت ہے، یا میں اس سے مستغنی اور بے نیاز ہوں۔ میں تو اس کو اس طرح ہٹا رہا ہوں کہ اس کی طرف میں اپنی احتیاج بھی ظاہر کر رہا ہوں۔ میں اس کا محتاج ہوں۔ البتہ اس وقت میرا پیٹ بھر گیا ہے اس وجہ سے ہٹا رہا ہوں ___ "وَلَا مَكْفُوْرٍ" اس کو ہٹانے سے ناشکری مقصود نہیں ___ "وَلَا مُوَدَّعٍ" یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لئے میں

اس کو اپنے پاس سے رخصت کر رہا ہوں۔ بلکہ مجھے دوبارہ اس کھانے کی ضرورت پڑیگی۔ ''وَلَا مُسْتَغْنِیٍ عَنْہُ'' اور میں اس کھانے سے بے نیاز بھی نہیں ہوں۔ لہٰذا کھانا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ یا اللہ، بھوک لگ رہی ہے کھانا دے دیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا۔

لباس مجھ سے مانگو میں دوں گا

یَاعِبَادِیْ: کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ

اے بندوں: تم میں سے ہر شخص برہنہ ہے۔ سوائے اس کے جس کو میں ے دوں۔ لہٰذا تم مجھ سے لباس مانگو۔ میں تم کو لباس دوں گا ___ آج ہمارے ماغ میں یہ بات آتی ہے کہ میں نے اپنے قوت بازو سے یہ لباس حاصل کیا ۔ ارے تم کیا ہو؟ اور تمہاری قوت بازو کیا ہے؟ اگر میں دینے کا ارادہ نہ کرتا تو ری یہ مجال تھی کہ تم اس کو حاصل کر لیتے۔ اس وجہ سے جب تم لباس پہنو تو تم میری رت اور میری رحمت سے مانگ کر لباس پہنو۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب س تبدیل کرتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ

اور اس کے ذریعہ اپنی احتیاج کا اظہار فرماتے کہ میں اس لباس کا محتاج ہوں۔

ے مغفرت طلب کرو میں دوں گا

آگے فرمایا:

يَاعِبَادِيْ: اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ لَكُمْ.

اے میرے بندوں!: تم دن رات خطائیں کرتے رہتے ہو۔ اور میں سارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہوں۔ لہٰذا تم مجھ سے استغفار کرو۔ مجھ سے مغفرت مانگو، میں تمہاری مغفرت کردونگا ____ مطلب یہ ہے کہ تم گناہوں کی وجہ سے مایوس مت ہوجاؤ جب گناہ ہوجائے مجھ سے استغفار کرو۔ اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا تہیہ کرو۔ میں تمہاری مغفرت کردوں گا۔

تم مجھے نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے

آگے فرمایا:

يَاعِبَادِيْ: اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ.

اے میرے بندوں! تم سب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مجھے نقصان پہنچانا چاہو تو تم کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ____ چاہے تم میرا انکار کرلو۔ یا تم میرا استہزاء کرلو معاذ اللہ ____ یا مجھ سے شکوہ کرلو۔ یا میرا گلہ کرلو۔ تم کچھ بھی کرلو لیکن تم مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے ____ اور اگر تم ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مجھے کوئی نفع پہنچانا چاہو۔ تو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

تم میری سلطنت میں اضافہ نہیں کرسکتے

آگے فرمایا:

يَا عِبَادِيْ: لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا

اے میرے بندو! اگر تم سب اگلے پچھلے جو مر چکے ہیں۔ وہ سب جمع ہو جائیں اور سارے انسان اور سارے جنات جمع ہو جائیں اور سب مل کر تم میں سے جو سب سے زیادہ اعلیٰ درجے کا متقی انسان ہے سب انسان اور سارے جنات اس جیسے متقی ہو جائیں۔ اور سب سے زیادہ متقی انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو تم سب کے اس طرح متقی بن جانے سے میری سلطنت میں ایک حبہ اضافہ نہیں ہوتا۔

تم میری سلطنت میں کمی نہیں کر سکتے

آگے فرمایا:

يَا عِبَادِيْ: لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا

اور اگر تمہارے سارے اگلے پچھلے اور تمہارے سارے انسان اور جنات سب مل کر ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے سب سے زیادہ فاسق انسان ہو۔ اور سب سے زیادہ گناہ گار انسان کی طرح بن جائیں تب بھی میری سلطنت میں ایک ذرہ بھی کمی نہیں آئے گی۔ لہٰذا تمہارے تقویٰ کا مجھے کوئی فائدہ نہیں۔ اور تمہارے فسق و فجور کا مجھے کوئی نقصان نہیں۔

میری ملکیت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی

آگے فرمایا:

یَا عِبَادِیْ: لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ۔

اے میرے بندوں! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے سارے انسان اور جنات اگر سب ایک جگہ جمع ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ اور سب مل کر مجھ سے کوئی دعا مانگیں۔ کوئی چیز مانگیں اور میں سب کو وہ چیز دے دوں جو وہ مانگیں تب بھی میری ملکیت میں اتنی کمی نہیں آتی۔ جتنی کہ سمندر میں ایک سوئی کے ڈبونے سے کمی آجاتی ہے ___ اگر سمندر میں سوئی ڈبودو اور پھر نکال لو، اور جتنا پانی اس کے ناکے میں لگا اور اس نے سمندر کے پانی میں جتنی کمی پیدا کی اتنی کمی بھی میری ملکیت میں نہیں آتی ___ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تم مجھ سے مانگتے ہوئے شرماؤ نہیں۔ مجھ سے مانگتے ہوئے یہ نہ سوچو کہ بہت کچھ مانگ لیا اب اور کیا مانگیں۔ ارے مانگو جتنا مانگ سکتے ہو مانگو۔ اگر تمہاری مصلحت کے مطابق ہوگا تو ضرور دیا جائے گا۔

عذاب کی صورت میں اپنے آپ کو ملامت کرنا

آگے فرمایا:

یَا عِبَادِیْ: اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا لَکُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا۔

فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ.

اے میرے بندوں! یہ تمہارے اعمال ہیں جو تم کر رہے ہو یہ سب اعمال ہمارے پاس محفوظ ہو رہے ہیں۔ یہ سب ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ ایک وقت ایسا آئے گا جب میں تمہیں ان اعمال کا صلہ اور بدلہ پورا پورا دوں گا۔ لہٰذا ان اعمال کے نتیجے میں اگر اس کو اس وقت بھلائی ملے اور اچھا بدلہ ملے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس کو اعمال کے بدلے میں نیک صلہ مل گیا۔ اور جس شخص کو ان اعمال کے بدلے میں بھلائی نہ ملے بلکہ عذاب کا سامنا کرنا پڑے تو وہ شخص صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ کسی اور کو ملامت نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ سزا اس کو اس کے اعمال کی وجہ سے مل رہی ہے۔ ظلم کی وجہ سے نہیں مل رہی ہے۔ ظلم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں فرما دیا کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے۔ بلکہ ہم نے تمہیں کتنی مرتبہ دعوتیں دیں کہ مجھے پکارو مجھ سے مانگو۔ مجھ سے مغفرت طلب کرو۔ مجھ سے رزق مانگو۔ مجھ سے کھانا مانگو۔ مجھ سے لباس طلب کرو۔ اس کے باوجود اگر آخرت میں تمہارا انجام برا ہو رہا ہے تو یہ تمہاری اپنی نادانی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو ملامت کرنا۔ کسی اور کو ملامت مت کرنا۔

بہت ادب کے ساتھ یہ حدیث سناتے

بہرحال یہ حدیث قدسی ہے۔ اور آخر میں راوی نے فرمایا کہ:

كَانَ أَبُوْ إِدْرِيْسَ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جَثَا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ

کہ ابو ادریس خولانی جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ جب اس حدیث کو سناتے تو گھٹنے کے بل بیٹھ جایا کرتے تھے اس خیال سے کہ یہ اللہ جل شانہٗ کا عجیب وغریب کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کلام میں اپنے بندوں کے لئے ہدایت کا پورا راستہ تجویز فرمادیا ہے۔ اس لئے بہت اہتمام کے ساتھ اور اعزاز واکرام کے ساتھ اس حدیث کو بیان فرمایا کرتے تھے۔

اہل شام کے لئے سب سے اشرف حدیث

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"لَيْسَ لِأَهْلِ الشَّامِ حَدِيْثٌ أَشْرَفُ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ"

کہ اہل شام جو احادیث روایت کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ افضل اور اس سے اشرف حدیث اور کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسے محبت کے انداز سے خطاب فرمایا ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس حدیث کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❁❁❁
❁

اللہ کے ولی کو تکلیف دینے

پر اعلانِ جنگ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے ولی کو تکلیف دینے

پر اعلان جنگ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ.

(صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع: حدیث ۶۵۰۲)

(ریاض الصالحین باب المبادرۃ الی الخیرات: حدیث نمبر ۹۵)

حدیث قدسی کیا ہے؟

وہ حدیث جس میں حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا کوئی ارشاد نقل فرمایا ہو۔ اس کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نقل فرما رہے ہیں ـــــ قرآن کریم اور "حدیث قدسی" میں یہ فرق ہے کہ

قرآن کریم میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں اور معانی بھی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔ اور حدیث قدسی میں یہ ضروری نہیں کہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے معانی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان معانی کو بعض اوقات اپنے الفاظ میں تعبیر فرماتے ہیں۔

اس سے اعلانِ جنگ ہے

بہر حال، یہ حدیث قدسی ہے جس میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے تو اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے ـــــ یہ زبردست کلمہ ہے کہ اس سے میری جنگ ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کسی اللہ کے ولی کے ساتھ کبھی کوئی گستاخی نہ کرے۔ اگر کسی معاملے میں اولیاء اللہ سے کچھ اختلافات بھی ہوں تو اس کو اختلاف کی حد تک رکھے۔ اور ان کے خلاف زبان سے کوئی گستاخی کا بے ادبی کا کلمہ نہ نکالے۔ اس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے وبال کا اندیشہ ہے اور بعض اوقات یہ وبال دنیا میں آجاتا ہے۔

اللہ سے دشمنی پر اعلانِ جنگ کیوں نہیں؟

یہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی: وہ یہ کہ بعض لوگ اس حدیث کو سن کر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخص ولی اللہ سے دشمنی کرے تو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہو رہا ہے اور دنیا ہی میں اس پر وبال آجاتا ہے ـــــ حالانکہ بہت

سے لوگ اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے احکام کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی توہین تک کرتے ہیں ___ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے، اور نہ ان کے بارے میں یہ آتا ہے کہ دنیا کے اندر ان کے اوپر وبال نازل ہوگا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

کوئی شیر کے بچے کو چھیڑے تو

ایک وعظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا، فرمایا کہ کبھی تم نے شیرنی کو دیکھا؟ اگر کوئی شخص جا کر اس شیرنی کو چھیڑے تو چونکہ شیر بڑا باوقار جانور ہے چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ یہ اس وقت تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی اس کو ستائے نہیں۔ اِلّا یہ کہ بہت بھوکا ہو ___ اس لئے اگر کوئی شخص جا کر شیرنی کو چھیڑے اور اس کو کنکر مارے تو وہ بس نظر اٹھا کر دیکھے گی۔ لیکن اس کا کوئی نوٹس نہیں لے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس شیرنی کے بچوں کو چھیڑے تو وہ جان کو آ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بے نیاز ہیں

اسی طرح اللہ جل شانہ اپنی ذات کے بارے میں بے نیاز ہیں۔ چاہے ان کی شان میں گستاخی کرے برا بھلا کہے۔ اس سے فوری بدلہ نہیں لیتے۔ آخر میں حساب کتاب کے بعد جو انجام ہوتا ہے وہ ہو جائے گا۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جو اولیاء اللہ ہیں۔ اگر کوئی ان کو برا کہے یا ان کی شان میں گستاخی کرے تو دنیا ہی میں اس پر وبال آ جائے گا ___ اس لئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

فرائض سے تقرب حاصل ہوتا ہے

پھر آگے ارشاد فرمایا:

وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ.

فرمایا کہ میرے بندے جتنے کام میرا تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں، جتنی عبادتیں کرتے ہیں۔ ان میں سب سے محبوب مجھے وہ کام ہیں جو میں نے ان پر فرض کر دیئے ہیں۔ یعنی فرائض کی ادائیگی سے سب سے زیادہ تقریب حاصل ہوتا ہے اور فرائض کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے ۔۔۔ اس سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ نوافل کے مقابلے میں فرائض کی ادائیگی مقدم ہے۔ بعض لوگ نفلی کام تو بہت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن فرائض کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ یہ صحیح طریقہ نہیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ فرائض کو بروقت اور صحیح طریقے پر انجام دینے کی کوشش کرو۔ اس سے جتنا تقرب حاصل ہوگا۔ نوافل سے اتنا تقرب حاصل نہیں ہوگا۔

وہ شخص سیدھا جنت میں جائے گا

اگر کوئی شخص ایسا ہو جس نے اپنی زندگی میں سارے فرائض ادا کئے ہوں۔ اور گناہوں سے بچتا رہا۔ لیکن عمر بھر میں ایک نفل نماز نہیں پڑھی۔ مرنے کے بعد وہ انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا ۔۔۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جو زندگی میں بہت نوافل پڑھتا رہا، لیکن ساتھ میں کچھ فرائض بھی چھوڑ دیئے یا گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا۔ تو اس کے بارے میں آخرت میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے کہ فرائض کا مقام نوافل پر مقدم ہے ۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں یہ بھی فرمادیا کہ جتنا میرا قرب فرائض

کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے اتنا کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمے قضا نمازیں ہوں، اس شخص کو چاہئے کہ نوافل کے اوقات میں بھی اپنی قضا نمازیں پڑھنے کی کوشش کرے۔ تاکہ فرائض ادا ہو جائیں۔ ہاں، جب فرائض ادا کر لئے تو اب نوافل سے میرے قرب میں اضافہ ہوگا۔

میں اس سے محبت کرنے لگوں گا

چنانچہ آگے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ. فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا.

یعنی میرا بندہ جتنے نوافل پڑھتا جائے گا۔ جتنی نفلی عبادتیں کرتا جائے گا۔ چاہے وہ نفلی نماز ہو، چاہے وہ نفلی تلاوت ہو، یا تسبیحات ہوں، نفلی ذکر ہو، نفلی صدقہ ہو، کوئی بھی نفلی عبادت ہو، میرا بندہ جتنا ان کو کرتا جائے گا وہ میرے قریب آتا جائے گا۔ اور اتنا قریب آجائے گا یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگوں گا۔

میں اس کے کان، زبان، آنکھ بن جاؤں گا

اور میں اس سے کس درجہ محبت کروں گا؟ فرمایا کہ جب میں اس سے محبت کروں گا تو میں اس کا کان بن جاؤں گا جس سے وہ سنے گا۔ میں اس کی آنکھ بن جاؤں گا جس سے وہ دیکھے گا۔ میں اس کا ہاتھ بن جاؤں گا جس سے وہ پکڑے گا۔ میں اس کا پاؤں بن جاؤں گا جس سے وہ چلے گا ___ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد

وہ جو کچھ کرے گا وہ میری منشا کے مطابق کرے گا، میری مرضی کے مطابق کرے گا، جو بات اس کے منہ سے نکلے گی وہ میری مرضی کے مطابق نکلے گی، جو کام اس سے سر زد ہوگا وہ میری مرضی کے مطابق سرزد ہوگا۔

گفتۂ اوگفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کہ اس کے منہ سے جو کچھ نکلے گا وہ اللہ ہی کا کہا ہوا ہوگا۔ گرچہ وہ بندے کے منہ سے نکل رہا ہے۔ وہ وہی کام کرے گا جو اللہ چاہتا ہے۔

آنکھ، کان، زبان بن جانے کا مطلب

یہ جو فرمایا کہ ''میں اس کی آنکھ بن جاؤں گا جس سے وہ دیکھے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ آنکھ غلط جگہ نہیں پڑھ سکتی، اب آنکھ وہی دیکھے گی جس کو میں چاہ رہا ہوں کہ دیکھے، کان وہی سنے گا جس کو میں چاہ رہا ہوں کہ سنے، ہاتھ وہی کام کرے گا جس کو میں چاہ رہا ہوں کہ کرے، پاؤں اسی طرف چلے گا جس طرف میں چاہ رہا ہوں کہ چلے، یہ صورت ہو جائے گی۔

وہ کام ہوں گے جو وہ چاہیں گے

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعلقین سے فرمایا کہ کیا بتاؤں۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ قدم قدم پر، ہر ہر لمحے مجھ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب یہ کام کرلو، اب یہ کام کرلو، اب یہ کام کرلو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔ اور میں اس آواز

کو سن رہا ہوں کہ اب یہ کرلو۔ اب یہ کرلو۔ گویا کہ جو کام ہو رہا ہے وہ ادھر کے اشارے سے ہو رہا ہے۔ اب ہر ایک کے کان میں آواز آنا ضروری نہیں۔ البتہ دل میں بات ہی وہ آئے گی جو وہ چاہیں گے، اور جس سے وہ خوش ہوں گے۔ دل میں اسی کام کا ارادہ پیدا ہوگا جس سے وہ راضی ہوں گے۔ یہ معنی ہیں اس حدیث کے کہ ”میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے گا۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنے گا۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑے گا۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے گا۔“ یہ مقام اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔

نوافل کو معمولات میں شامل کرلیں

بہر حال! نوافل بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ آگے فرمایا کہ:

وَإِنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُ

اس کے بعد جب وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اس کو دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔ یہ مقام اس کو کثرت نوافل سے حاصل ہو جاتا ہے ــــ اس لئے انسان کو چاہئے کہ فرائض کے علاوہ نوافل کو بھی اپنے معمولات میں شامل کرے۔ جب وہ نوافل کی کثرت کرے گا تو اس کے نتیجے میں اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ تقرب حاصل ہو جائے گا۔

نفلی عبادت انرجی اور طاقت ہے

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو نوافل ہیں، چاہے وہ نفلی نماز ہو، یا نفلی ذکر ہو، یا نفلی تلاوت ہو، یہ ایک انرجی اور قوت ہے۔ جب اس کو کرو گے تو

تمہارے اندر ایک قسم کی توانائی حاصل ہو جائے گی۔ اور جب یہ توانائی حاصل ہو جاتی ہے تو نفس کی خواہشات کے ساتھ مقابلہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے ___ اگر لڑائی کے لئے اسلحہ کے بغیر نکل جاؤ گے تو میدان جنگ میں شکست کھاؤ گے۔ اس لئے میدان جنگ میں انسان کو چاہئے کہ اسلحہ اور بارود لے کر چلے۔ لہٰذا جب صبح کے وقت کاروبار میں نکل رہے ہو تو آگے میدان جنگ آرہا ہے جہاں قدم قدم پر نفس اور شیطان سے لڑائی ہونی ہے۔ اس کے لئے تیار ہو کر جاؤ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح فجر کی نماز کے بعد تھوڑا سا اللہ کا ذکر کر لو۔ کچھ تلاوت کر لو۔ اس کے ذریعہ اسلحہ سے مسلح ہو کر نکلو گے تو اس سے لڑائی میں قوت حاصل ہو گی۔ اور انشاء اللہ اس کے نتیجے میں تمہیں غلبہ اور فتح حاصل ہو گی۔ اس لئے فجر کے بعد تلاوت اور تسبیحات کا معمول بنالو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ______ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋

❋

سجدوں کی کثرت

اللہ کے قرب کا ذریعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سجدوں کی کثرت

اللہ کے قرب کا ذریعہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ. وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا. مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ. وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً. اَمَّا بَعۡدُ!

عَنۡ أَبِیۡ فِرَاسٍ رَبِیۡعَۃَ بۡنِ کَعۡبٍ الۡاَسۡلَمِیِّ خَادِمِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَمِنۡ أَھۡلِ الصُّفَّۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: کُنۡتُ اَبِیۡتُ مَعَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَاٰتِیۡہِ بِوَضُوۡئِہٖ وَحَاجَتِہٖ. فَقَالَ سَلۡنِیۡ: فَقُلۡتُ: اَسۡئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الۡجَنَّۃِ. فَقَالَ: اَوَغَیۡرَ ذٰلِکَ؟ قُلۡتُ: ھُوَ ذَاکَ. قَالَ: فَاَعِنِّیۡ عَلٰی نَفۡسِکَ بِکَثۡرَۃِ السُّجُوۡدِ.

(مسلم شریف، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود والحث علیہ۔ حدیث نمبر ۴۸۹)

(ریاض الصالحین۔ باب فی المبادرۃ الی الخیرات۔ حدیث نمبر ۱۰۶)

صُفّہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی

یہ ایک صحابی ہیں حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ، یہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس گھر کے باہر مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا، جواب بھی بنا ہوا ہے۔ کچھ اللہ کے بندے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا علم حاصل کرنے کی خاطر اسی چبوترے پر آپڑے تھے۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر، اپنا گھر بار، اپنا کاروبار، اپنا روزگار چھوڑ کر اس لئے وہاں آپڑے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کا علم حاصل کریں ___ یہ چبوترہ گویا ''اسلام'' کی پہلی ''یونیورسٹی'' تھی۔ جس میں سب سے پہلے کچھ طلباء نے داخلہ لیا تھا لیکن وہ داخلہ اس طرح کا نہیں تھا کہ طلباء کے نام لکھے جارہے ہیں اور ان کے رجسٹر بنائے جارہے ہیں۔ اور ان کی حاضری ہو رہی ہے، اسی طرح نصابِ تعلیم یہ نہیں تھا کہ کوئی کتاب ہو اور کتاب کے اسباق پڑھائے جارہے ہوں یا کوئی زبان سکھائی جارہی ہو، ایک ایک لفظ کی تعلیم ہو رہی ہو بلکہ ان کا نصاب تعلیم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز تھے۔

ان کا صرف ایک مشغلہ تھا

وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس صفہ کے چبوترے پر اس لئے آکر پڑ گئے تھے یہ دیکھنے کے لئے کہ صبح سے لے کر شام تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہہ رہے ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ بس اس کو دیکھتے رہیں۔ بس یہی ان کا نصاب تعلیم تھا۔ اسی میں دنیا بھی داخل تھی اور اسی میں دین بھی داخل تھا۔ اسی میں دنیا کی تعلیم تھی اور اسی میں دین کی بھی تعلیم تھی۔ بس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو دیکھنا اور ان کو محفوظ کرنا اور آپ

کی باتیں سننا اور ان کو یاد کرنا، صبح سے لے کر شام تک کا یہی مشغلہ تھا ــــ اس کے علاوہ دنیا کا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔

ان کا ذکر، ان کی تمنا، ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل

کہ صبح سے لے کر شام تک ذکر ہے تو صرف نبی کریم ﷺ کا، مشغلہ ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کا ــــ فکر ہے تو اس بات کی کہ اس بارے میں حضور اقدس ﷺ کی سنت کیا ہے؟ تقریباً ۳۰۰ یا ۳۵۰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ہے جو ''اصحابِ صفہ'' کہلاتی ہے۔

کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے

ان کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ کھانا کہاں سے ملے گا؟ وہاں کوئی مطبخ اور باورچی خانہ نہیں تھا، باقاعدہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ــــ بس اللہ کے دین کو محفوظ کرنے کے لئے پڑے ہیں تو اب فاقے بھی گزر رہے ہیں۔ کئی کئی وقت کے فاقے ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ میں بھوک سے نڈھال ہو کر مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے ــــ اور اس زمانے میں مرگی کے دورے کا علاج یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس شخص پر مرگی کا دورہ پڑے تو اس کی گردن پر جوتے سمیت پاؤں رکھا جائے، اس سے مرگی کا دورہ کھل جاتا تھا۔ یہ علاج اس زمانے میں مشہور تھا ــــ چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے ــــ خدا کی قسم، میرے اوپر مرگی کا دورہ نہیں ہوتا

تھا بلکہ میں بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر پڑا ہوتا تھا۔ اس حالت میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑے رہتے تھے۔ صرف اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لیں اور آپ کا چہرۂ انور دیکھ لیں اور آپ کی اداؤں کا مشاہدہ کر لیں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا احسانِ عظیم

انہی کا یہ احسان عظیم ہے کہ آج انہی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہم تک (۵۳۷۴) احادیث پہنچی ہیں جو ان سے مروی ہیں حالانکہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف تین سال رہنے کا موقع ملا۔ ۷ھ ہجری میں غزوہ خیبر کے بعد اسلام لائے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین سال حیات رہے اور ان تین ساڑھے تین سال کے عرصہ میں احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ہم تک پہنچا گئے کہ تقریباً آدھا ذخیرہ حدیث ان سے مروی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہونے کی حیثیت سے

انہی اصحاب صفہ میں سے ایک صحابی ہیں جن کا نام ''ابو فراس ربیعہ بن اسلمی'' رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ قبیلہ بنو اسلم سے تعلق رکھتے تھے اور یہ اصحاب صفہ میں تو تھے ساتھ میں انہوں نے اپنی خدمات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کردی تھیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے خادم کی حیثیت سے یہاں پر رہنا چاہتا ہوں جب آپ کو کوئی کام ہو تو آپ مجھے فرمادیا کریں، میں خدمت کردیا کروں گا۔ اس میں ان کی دو لالچ تھیں۔ ایک یہ کہ اس طرح سے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا موقع ملے گا۔ اور دوسرے یہ کہ جتنا خدمت کا موقع ملے گا اتنا ہی آپ کی زیارت زیادہ ہوگی۔ آپ کے

واقعات زیادہ دیکھنے میں آئیں گے۔ آپ کے حالات زیادہ مشاہدے میں آئیں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی ضرورت پیش آتی تو پانی لوٹے میں بھر کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ اس طرح کی خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھیں۔

مجھ سے کچھ فرمائش کرو

وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دل چاہتا ہے کہ میں آج کی رات آپ کے ساتھ گزاروں اور رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہوں، آپ مجھے اجازت دے دیتے۔ ایک مرتبہ ایسے موقع پر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رات گزاری تو حسب معمول جب تہجد کی نماز کیلئے اٹھے تو میں بھی اٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وضو کا پانی لے کر آیا تا کہ آپ وضو فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے وضو فرمایا۔ اور اس وقت مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "سَلْنِی" "مجھ سے کچھ فرمائش کرو" شاید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہوگا کہ کوئی ایسی بات کہو جس کا تمہیں دل چاہتا ہو تو میں تمہارے لئے تمہاری اس حاجت کے پورا ہونے کی دعا کروں گا۔ اس لئے فرمایا کہ مجھ سے کچھ فرمائش کرو۔

جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں

اب جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ مجھ سے کچھ فرمائش کرو۔ ظاہر ہے کہ جب آپ خود فرمارہے ہے کہ فرمائش کرو، تو آپ جو دعا فرمائیں گے تو پھر اس دعا کی قبولیت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ میں اس وقت کیا مانگوں اور کس چیز کی فرمائش

کروں؟ــــ ایسے موقع پر آدمی امتحان میں پڑ جاتا ہے، ہزاروں خواہشیں دل میں آکر انسان کو گھیر لیتی ہیں لیکن یہ تو صحابی تھے اور حضور اقدس ﷺ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے۔ اس لئے ساری باتیں چھوڑ کر انہوں نے یہ کہا کہ ’’میں تو یہ مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مجھے آپ کا ساتھ عطا فرمادیں ــــ‘‘ سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ سنا کہ یہ تو یہ چیز مانگ رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اور کچھ، اور اسکے علاوہ کوئی اور چیز؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بس یہی چیز چاہتا ہوں کہ جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہوجائے۔

سارے مقاصد کی جان مانگ لی

آپ اندازہ کریں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے کیا چیز مانگ لی کہ دنیا اور آخرت کی کوئی دولت اس کے برابر ہو ہی نہیں سکتی، اس سے زیادہ بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ جنت میں حضور اقدس ﷺ کی رفاقت نصیب ہوجائے ــــ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو فہم اور سمجھ بھی عطا فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ مانگنے کیلئے بھی فہم اور سمجھ چاہیے۔ اس لئے انہوں نے وہ چیز مانگ لی جو سارے مقاصد کی جان ہے اور سارے مطلوبات کی روح ہے۔

مجھے اور کچھ نہیں چاہیے

آپ نے پوچھا: کچھ اور؟ انہوں نے کہا: کہ اور کچھ نہیں، حضور اقدس ﷺ نے یہ جو پوچھا کہ ’’کچھ اور‘‘ اس کی وجہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں ــــ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک امتحان تھا کہ ’’کچھ اور‘‘

یعنی یہ جو مانگ رہے ہیں کہ میرا ساتھ نصیب ہو جائے یہ "میرا ساتھ" نصیب ہونے کو کیا سمجھتا ہے؟ کیا ایسی چیز سمجھتا ہے کہ اس کے بعد کسی اور چیز کی بھی حاجت ہے؟ــــ بہرحال وہ صحابی اس امتحان میں پورے اترے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب آپ کا ساتھ جنت میں نصیب ہو جائے اور آپ کی صحبت مل جائے تو پھر اور کیا چاہیے؟ لہٰذا مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ بس: یہی چاہیے۔

کثرتِ سجود سے میری مدد کرو

اس وقت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ"

کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اپنے معاملے میں میری مدد کرو ــــ عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ "میری مدد کرو" مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ جنت میں رہو اور میں کوشش بھی کروں گا کہ تم میرے ساتھ رہو لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے میں میری مدد کرو۔ کیسے مدد کرو؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کو کثرت سے سجدے کیا کرو۔ اگر تم کثرت سے اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرو گے، تو میں دعا کروں گا اور میں جو تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جانے کی کوشش کروں گا اس میں میری مدد ہوگی، گویا کہ تمہارا یہ کہنا کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، یہ اب تمہارا مقصد نہیں، بلکہ میرا مقصد بن گیا۔

تنہا دعا کام نہیں دیتی

اس حدیث شریف میں دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ

مانگنا کہ مجھے جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرما دیجئے۔ یہ مانگنا بڑا مبارک ہے اور میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے ___ لیکن ایک بات یاد رکھ کہ دعا بڑی مبارک چیز ہے لیکن تنہا دعا جس میں انسان کے عمل کا کوئی دخل نہ ہو، وہ تنہا دعا کام نہیں دیتی، بلکہ دعا کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کرنا پڑتا ہے اگر انسان صرف دعا کرتا رہے اور عمل کے لئے قدم نہ بڑھائے پھر وہ دعا ''دعا'' نہیں۔ حقیقی دعا وہی ہے کہ اس راستے کی طرف قدم اٹھادے، اپنی استطاعت کے مطابق جتنا قدم اٹھا سکتا ہو۔ اپنی بساط اور اپنے حالات کے مطابق قدم اٹھائے اور پھر دعا کرے کہ یا اللہ، میں نے قدم تو بڑھا دیا۔ منزل تک پہنچانا آپ کا کام ہے۔ اے اللہ، اپنی رحمت سے مجھے منزل تک پہنچا دیجئے ___ ایسی دعا کارآمد ہوگی اور انشاء اللہ وہ دعا منزل مقصود تک پہنچا دے گی۔

یہ دعا نہیں، بلکہ مذاق ہے

لیکن اگر ایک شخص حیدرآباد جانا چاہتا ہے اور دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے حیدرآباد پہنچا دیجئے۔ لیکن سمندر کی طرف چل دیا۔ تو یہ دعا، دعا نہیں بلکہ مذاق ہے ___ صحیح دعا وہ ہے کہ دعا کے ساتھ حیدرآباد جانے والے راستے پر چل پڑے اور یہ کہے کہ یا اللہ میں نے قدم تو اٹھا دیئے لیکن یہ قدم بہت کمزور ہیں اور راستہ بہت دور کا ہے، مجھے وہاں تک پہنچنا مشکل نظر آتا ہے اس لئے اے اللہ میں نے قدم تو اٹھا دیئے، پہنچانے والے آپ ہیں۔ آپ اپنی رحمت سے مجھے پہنچا دیجئے ___ اس طریقے سے جب وہ دعا کرے گا تو انشاء اللہ وہ پہنچ جائے گا۔

بزرگوں کی دعائیں بھی کارآمد نہیں ہوتیں

اگر آدمی ایک کام کی دعا کرے اور عمل اس کا اسکے خلاف ہو تو وہ دعا نہیں بلکہ اس دعا کے ساتھ مذاق ہے۔ جیسے بعض لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے دعا کراتے ہیں کہ مجھے جنت مل جائے اور جبکہ جنت والے عمل کی طرف چلنے کا کوئی ارادہ نہیں ___ لہٰذا صرف دعا کرانا کافی نہیں بلکہ دعا کے ساتھ ساتھ اپنا رخ بھی سیدھا کرو اور اس طرف چلنا بھی شروع کرو تو پھر بزرگوں کی دعائیں بھی کارآمد ہونگی۔ اور اگر سیدھے راستے پر چلنا شروع نہیں کیا تو پھر بزرگوں کی دعا بھی کارآمد نہیں ہوگی۔

ورنہ ابوطالب جہنم میں نہ جاتے

اگر اس طرح کی صرف دعا کارآمد ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب جہنم میں نہ جاتے، جنہوں نے ساری عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی اور ہر موقع پر آپ کا ساتھ دیا ___ لیکن ایمان نہیں لائے۔ آخر وقت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے کھڑے ہو کر کہا چچا جان، صرف ایک بار یہ الفاظ کہہ دیں:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

یہ کلمہ پڑھ لیجئے آگے میں نمٹ لوں گا تاکہ ایمان کے ساتھ آپ دنیا سے رخصت ہوں لیکن چونکہ ایمان مقدر میں نہیں تھا، اس لئے ایمان نہیں لائے، کہا کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میں جانتا ہوں کہ تم سچ کہتے ہو اور تم اللہ کے رسول ہو اور توحید برحق ہے ___

لیکن اگر میں نے اس بات کو مان لیا تو مکے کی لڑکیاں یہ طعنہ دیا کریں گی کہ ابوطالب، جہنم کے ڈر سے اور آگ کے ڈر سے اپنے آبائی دین کو چھوڑ گیا ـــــ اس طعنہ کے ڈر سے ایمان نہیں لائے اور ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

(بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: انک لاتھدی من احببت، حدیث نمبر: ۴۷۷۲)

سب لوگ مسلمان ہوجاتے

اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم میں یہ حکم آگیا کہ:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

(سورۃ القصص: ۵۶)

آپ کے اختیار میں نہیں کہ جس کو آپ چاہیں ہدایت دے دیں اور جس کو چاہیں ہدایت نہ دیں۔ آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم جس کو چاہیں ہدایت دے دیں اور ہم اس کو ہدایت دیتے ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ مجھے ہدایت مل جائے اور جو ہدایت کے راستے پر چلتا ہے، قدم بڑھاتا ہے پھر ہم اس کو ہدایت دیتے ہیں ـــــ لہٰذا اگر صرف دعاؤں سے کام چلتا اور عمل کی کوئی ضرورت نہ ہوتی تو پھر سارے کفار مسلمان ہو چکے ہوتے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ سب مسلمان ہوجائیں۔ تو آپ کی خواہش کے مطابق سب مسلمان ہوجاتے، کوئی کافر نہ رہتا۔ پھر نہ ابوجہل ہوتا، نہ ابولہب ہوتا ـــــ لیکن ابوجہل اور ابولہب کافر رہے اور کافر ہی مرے ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آراء ان کی آنکھوں کے سامنے آیا، آپ کی زیارت ہوئی۔ آپ کے معجزات دیکھے اور آپ کی

سیرت طیبہ کا مشاہدہ کیا لیکن پھر بھی کفر کی ظلمت میں رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ دل میں ایمان لانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ دل میں طلب نہیں تھی۔ اپنے آپ کو بدلنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی کام نہ آئی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے

جبکہ دوسری طرف جن کے دل میں طلب ہوتی ہے، وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے تڑپ پیدا کر دی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے ہیں، کسی طرح ان کی زیارت ہو جائے۔ وہ کہاں سے سفر کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور آپ کی زیارت کی اور دیکھ کر مسلمان ہو گئے ــــ یہ سب طلب کی بات ہے۔ اور یہ طلب صرف دعا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ دعا بیشک بڑی کارآمد چیز ہے لیکن جب تک دعا کے ساتھ تھوڑا قدم نہ اٹھے اور انسان کا رُخ درست نہ ہو۔ اس وقت تنہا دعا کافی نہیں ہوتی۔

تمہیں بھی کچھ کرنا ہو گا

اس حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں دیکھئے کہ وہ کیسا لمحہ تھا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ فرمائش کرو۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لئے دعا کرنے کا دل چاہ رہا ہے اور دعا کرنے کا وقت بھی ہے کیونکہ تہجد کا وقت ہے اور ان کے دل میں خواہش بھی ہے، ایمان بھی ہے اور قدم بھی اٹھائے ہوئے

ہیں۔ اس لئے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے ان کو یہ بتلانے کے لئے کہ تنہا دعا پر بھروسہ کر کے مت بیٹھ جانا، بلکہ تمہیں خود بھی کچھ کرنا ہے، اس لئے فرمایا:

''فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ''

کہ کثرت سے سجدے کے ذریعہ میری مدد کرو ۔۔۔ اشارہ اس طرف کر دیا کہ تمہارا عمل کرنا ضروری ہے، عمل کے بغیر صرف دعاؤں اور تمناؤں سے جنت حاصل نہیں ہو سکتی۔

آرزوؤں سے جنت نہیں ملا کرتی

''اَلْجَنَّةُ لَا تَحْصُلُ بِالْاَمَانِیْ''

آرزوؤں سے جنت نہیں ملا کرتی، کسی نے خوب کہا کہ:

آرزوؤں سے بنا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

بلکہ کچھ عمل کرنا پڑتا ہے یہ اور بات ہے کہ عمل چاہے ٹوٹا ہو، ناکارہ ہو، ناقص ہو، ادھورا ہو، لیکن عمل ضرور کرے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ، میرا یہ عمل ناقص ہے، ادھورا ہے، اسکو کامل بنانا آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے کہ:

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ

(سورۃ یوسف: ۸۸)

یا اللہ، یہ کھوٹی پونجی لے کر آیا ہوں، اس ناقص کو کامل بنانا آپ کے قبضۂ قدرت میں

ہے، یا اللہ، اس کو کامل بنادیجئے ___ لہٰذا کوئی پونجی تو ہو۔ چاہے ناقص ہی ہو، وہ لے کر جائے۔ اور اسکے ساتھ دعا بھی کرے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کئی مرتبہ سنا چکا ہوں۔ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی۔ دروازے بند کردیئے اور دروازوں پر تالے ڈال دیئے۔ اب تنہائی کا عالم حضرت یوسف علیہ السلام بھی نوجوان اور نبی کے اندر جو قوت ہوتی ہے وہ بعض روایتوں کے مطابق عام آدمی کی قوت سے سو گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے نبی کے اندر بشری تقاضے عام آدمی کے مقابلے میں سو گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ بشری تقاضے موجود اور جوانی کا عالم اور خلوت اور تنہائی ایسی کہ کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس وقت گناہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس درجہ دی جاتی ہے کہ تھوڑا سا خیال ان کے دل میں بھی آجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

(سورۃ یوسف: ۲۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

لیکن اس وقت فوراً انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور کہا:

اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ

(سورۃ یوسف: ۳۳)

یا اللہ، اگر آپ مجھ سے ان کے مکر کو دور نہیں فرمائیں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور جہالت کا ارتکاب کرنے والا بن جاؤں گا ___ تو ایک طرف سے اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ یا اللہ، یہ شدید امتحان کا موقع ہے، پاؤں پھسلنے کا شدید خطرہ ہے۔ اے اللہ، آپ دستگیری فرمائیے۔ اگر آپ نے دستگیری نہیں فرمائی تو میں پھسل جاؤں گا۔

دروازوں کی طرف بھاگے

اور دوسرا کام یہ کیا کہ دروازوں کی طرف بھاگے، ان دروازوں کی طرف بھاگے کہ جن پر آنکھوں سے یہ نظر آرہا تھا کہ ان دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں لیکن اتنا کام اپنے اختیار میں تھا کہ دوڑ کر دروازے پر آجائیں۔ جب دروازے تک پہنچے اور پھر اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ یا اللہ میں کہیں اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں آپ مجھے اس فتنے سے بچا لیجئے۔ جب اپنے حصے کا کام کر چکے اور اللہ تعالیٰ کو پکار لیا تو دروازوں کے تالے ٹوٹ گئے اور دروازے کھل گئے جب باہر نکلے تو سامنے زلیخا کا شوہر عزیز مصر سے ملاقات ہو گئی اور اپنا قصہ ان کے سامنے بیان کیا۔

میرے بس میں اتنا ہی تھا

اب بظاہر حضرت یوسف علیہ السلام کا دروازوں کی طرف بھاگنا بے وقوفی کی بات تھی کیونکہ جب دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے تو ان دروازوں کی طرف

کیوں بھاگے ___ لیکن اس لئے بھاگے تا کہ یہ کہہ سکیں کہ یا اللہ میرے قدرت میں اتنا ہی تھا کہ میں دروازے تک بھاگ جاؤں پھر دروازوں کے تالے کھولنا میرے بس کا کام نہیں تھا۔ یا اللہ، یہ کام آپ کے بس کا تھا اس لئے میں نے آپ کو پکارا ___ جب بندے نے اپنے حصے کا کام کرلیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حصے کا کام کر دیا اور دروازے کھل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

یعنی اگرچہ اس دنیا میں تمہیں ہر جگہ شہوت کا بازار گرم نظر آتا ہے، نفسانی خواہشات کا بازار گرم نظر آتا ہے یہاں بھی صورت حال یہ ہے کہ بظاہر بھاگنے کا راستہ نظر نہیں آتا۔ چاروں طرف دروازے بند نظر آرہے ہیں۔

تم اپنے حصے کا کام کرو

آج ہم لوگ یہی کہتے ہیں کہ آج کل گناہوں سے بچنا بڑا مشکل ہوگیا۔ آنکھوں کو کہاں سے بچائیں، کان کو کہاں سے بچائیں۔ اپنے وجود کو کہاں سے بچائیں، چاروں طرف فتنوں کا بازار گرم ہے۔ کس طرح اپنے آپ کو ان گناہوں سے اور ان فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ پورا معاشرہ بگڑ گیا ہے، راستہ بند نظر آتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں دنیا کا راستہ بھی بند نظر آتا ہے لیکن تمہیں اسی طرح

بھاگنا چاہیے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام دروازوں کی طرف بھاگے۔ لہٰذا جب انسان اپنے حصے کا کام کرلے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے تو پھر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنے حصے کا کام نہ کرے صرف مانگتا رہے تو وہ مانگنا معتبر نہیں، وہ مذاق ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بزرگ کاندھلہ میں گزرے ہیں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کا دور تھا۔ یہ اللہ والے صحابہ کرام کے عہد کی یادیں تازہ کرنے والے تھے۔ ان کی ایک ایک ادا میں خلوص اور للّٰہیت تھی ___ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ کاندھلہ سے دہلی جارہے تھے، پیدل سفر تھا، اس زمانے میں ریل تو چلی نہیں تھی۔ چلتے چلتے راستے میں ایک بستی کے پاس سے گزرے، مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس بستی کے قریب ایک مسجد ویران پڑی ہوئی ہے، چونکہ نماز کا وقت تھا اس لئے یہ مسجد میں پہنچے۔ وہاں جاکر دیکھا تو مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں اور وہ مسجد گرد وغبار سے اٹی پڑی تھی۔ جیسا کہ مہینوں سے یہاں کوئی نہیں آیا۔ نہ کسی نے صفائی کی، چنانچہ انہوں نے اس مسجد کو صاف کیا اور ایک ساتھی ان کے ساتھ اور تھے۔ اس نے اذان کہی اور جب اذان ہوئی تو اس بستی کا ایک آدمی مسجد میں آگیا اور انہوں نے جماعت سے نماز ادا کی۔

خان صاحب کے ذریعہ مسجد آباد ہوسکتی ہے

نماز کے بعد ان کو خیال آیا کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ اس میں مسلمان آباد ہیں اور اس بستی کے کنارے ایک مسجد اس طرح ویران پڑی ہے اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں نہ اس میں اذان ہوتی ہے نہ نماز ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس بستی والوں سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے اور یہ مسجد اس طرح غیر آباد اور ویران پڑی ہے کوئی اس کو دیکھنے والا نہیں۔ کوئی اذان نہیں، کوئی جماعت نہیں ــــ اس کے آباد کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بستی والوں نے جواب دیا کہ اس بستی کے سردار اور رئیس ایک خان صاحب ہیں اور ساری بستی ان کے زیر اثر ہے۔ وہ خان صاحب اپنی بری عادتوں میں شراب و کباب، اور پینے پلانے میں مست ہیں۔ ان کے پاس بازاری قسم کی عورتوں کا آنا جانا ہے۔ ان کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور مسجد اور نماز کی طرف ان کو توجہ نہیں ہے اگر وہ خان صاحب مسجد کی طرف آنے لگیں اور ان کا دھیان مسجد کی طرف ہو جائے تو پھر یہ مسجد آباد ہو جائے گی اور بستی کے سب لوگ نمازی بن جائیں گے۔ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' یعنی لوگ اپنے سربراہ کے دین پر چلتے ہیں اسکی اتباع کرتے ہیں۔

بستی کے سب لوگ نمازی بن جائیں گے

مولانا نے پوچھا کہ وہ خان صاحب کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ برابر میں ان کی حویلی ہے۔ چنانچہ وہ مولانا صاحب اپنا سفر تو چھوڑ دیا اور اس حویلی کی

طرف چل دیئے۔ دروازے پر پہنچے تو اندر پیغام بھجوایا کہ ایک مسافر آپ سے ملنا چاہتا ہے ___ خان صاحب نے ان کو اندر بلوالیا۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ خان صاحب، میں دردمندی کے ساتھ ایک بات کہنے آیا ہوں وہ یہ کہ آپ کی بستی میں یہ مسجد ویران پڑی ہے کوئی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتا۔ چونکہ آپ اس بستی کے سردار ہیں۔ اس لئے اس کی ذمہ داری آپ کے اوپر آتی ہے۔ اگر آپ نماز کے لئے آجایا کریں گے تو پوری بستی کے لوگ نمازی بن جائیں گے اور سب کی نمازوں کا ثواب آپ کو ملے گا ___ ان مولانا صاحب کے دل میں تو آگ بھری ہوئی تھی۔ نہ جانے کس درد سے، کس اخلاص سے انہوں نے بات کہی ہوگی۔

میں مسجد نہیں جاسکتا

چنانچہ خان صاحب کے دل پر ان کی بات کا اثر ہوا اور انہوں نے کہا مولانا! بات تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ نماز پڑھنی چاہیے مگر میرے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ میں نماز کے لئے مسجد نہیں جاسکتا۔ مولانا نے پوچھا کیوں؟ خان صاحب نے کہا ایک وجہ یہ ہے کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتا، نماز پڑھنے میں مجھے اتنی دقت نہیں جتنی دقت مجھے وضو کرنے میں ہے ___ یہ وضو کرنا میرے لئے بڑا مشکل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے ساتھ دو عادتیں لگی ہوئی ہیں۔ ایک پینے پلانے کی عادت اور دوسرے عورتوں کی عادت کہ یہ آتی ہیں اور گانا بجانا کرتی ہیں۔ یہ عادتیں میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اور ان عادتوں کے چھوڑے بغیر مسجد میں جانے پر دل آمادہ نہیں ہوتا کہ ایک طرف تو یہ حرکتیں کر رہا ہے اور دوسری طرف مسجد میں جا رہا ہے۔

آپ مسجد چلے جایا کریں

مولانا صاحب نے فرمایا کہ خان صاحب! آپ نے دو باتیں کہیں۔ میں اللہ کے بھروسے پر آپ سے دو باتیں کہتا ہوں۔ ایک یہ کہ آپ نے یہ کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ آپ بغیر وضو کے نماز پڑھنے مسجد چلے جایا کریں۔۔۔ دوسری یہ کہ آپ نے جو فرمایا کہ مجھ سے یہ دو عادتیں نہیں چھوٹتیں تو یہ دو عادتیں چھوٹیں یا نہ چھوٹیں اس سے بحث نہیں، لیکن آپ مجھ سے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا وعدہ کرلیں کہ مسجد میں نماز کے لئے چلا جایا کروں گا۔۔۔ خان صاحب نے کہا، مولانا صاحب، آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں!! دوسرے یہ کہ یہ سب کام بھی کرتے رہو اور ساتھ میں نماز پڑھنے بھی چلے جایا کرو۔۔۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ میری ذمہ داری ہے، بس آپ مجھ سے وعدہ کرلیں کہ آپ نماز کیلئے مسجد میں جایا کریں گے۔ خان صاحب نے وعدہ کرلیا کہ اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں مسجد میں نماز کے لئے چلا جایا کروں گا۔

آپ نے بلا وضو نماز پڑھنے کا کہہ دیا

مولانا صاحب خان صاحب سے گفتگو کر کے واپس آئے اور دوبارہ اس مسجد میں پہنچے۔ دو رکعت نماز کی نیت باندھی، اور سجدے میں جا کر خوب ہی روئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو جو صاحب آپ کے ساتھ تھے انہوں نے پوچھا کہ مولانا، یہ آپ نے عجیب کیا۔ ایک طرف تو آپ نے خان صاحب سے یہ کہہ دیا کہ بغیر وضو کے

نماز پڑھ لیا کرو ۔۔۔ فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ بعض اوقات بغیر وضو کے نماز پڑھنا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر آدمی دین سے لاپروائی میں وضو کو چھوڑ دے اور بغیر وضو کے نماز پڑھ لے تو یہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔۔۔ ایک کام تو آپ نے یہ کیا ۔۔۔ دوسرا کام یہ کیا کہ یہاں آکر نماز پڑھی اور خوب روئے گڑ گڑائے۔ یہ کیا بات تھی؟

وضو نہیں، بلکہ غسل کر کے جا

جواب میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ خان صاحب سے یہ کہہ تو دیا کہ بغیر وضو کے نماز پڑھ لیا کر، لیکن واپس آکر میں نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس لئے رویا اور گڑ گڑایا کہ یا اللہ، میرے بس میں تو اتنا ہی تھا کہ میں اس سے یہ کہہ دیتا تو مسجد میں آجایا کر۔ اب وضو کرانا آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اے اللہ آپ اپنی رحمت سے اس کے دل میں ڈال دیجئے ۔۔۔ چنانچہ اس خان صاحب کے ساتھی کہتے ہیں کہ خان صاحب نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ میں کل سے نماز کے لئے مسجد میں جایا کروں گا۔ جب پہلی نماز کا وقت آیا تو خیال آیا کہ میں نے تو وعدہ کرلیا ہے لہٰذا مجھے نماز کیلئے جانا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ خدا کے بندے، آج تو پہلی بار مسجد کی طرف نماز کیلئے جا رہا ہے۔ مولانا نے اگرچہ تجھے کہہ دیا ہے تو بغیر وضو کے نماز پڑھ لیا کر لیکن آج چونکہ پہلی بار جا رہا ہے اس لئے آج وضو نہیں بلکہ غسل کر کے جا۔ بس خیال کے آنے کے بعد غسل کے لئے غسل خانے میں گیا، غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے، خوشبو لگائی اور پھر نماز کے لئے مسجد کی طرف گیا۔ اور مسجد میں پہنچ

کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

پنج وقتہ نمازی بن گئے

بہر حال وہ مسلمان تھا، کلمہ گو تھا اور اتنے دنوں کے بعد نماز ادا کی تو اس نماز کی برکت سے، اللہ تعالیٰ نے اسکے دل میں شراب نوشی اور طوائف بازی کا جو شوق تھا اس کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی، جب نماز کے بعد گھر واپس آئے تو ان تمام چیزوں سے نفرت ہو چکی تھی، چنانچہ شراب بھی چھوڑ دی اور ان طوائف کا آنا جانا بھی بند کرا دیا اور پکے پنج وقتہ نمازی بن گئے ___ یہ واقعہ اس وجہ سے یاد آیا کہ مولانا صاحب نے اپنی دعا میں یہ کہہ دیا تھا کہ یا اللہ، میرے بس میں اتنا تھا کہ میں اس کو مسجد تک لے آتا، آگے آپ کا کام ہے۔ میرے بس کا کام نہیں۔ حقیقت میں انسان کا کام یہ ہے کہ اپنے حصے کا کام کر لے، پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اگر اپنے حصے کا کام تو کیا نہیں اور صرف دعا مانگنی شروع کر دی تو پھر وہ دعا، دعا نہیں۔

اجازت دینے کے بعد وہ رو بھی رہا ہے

اب اگر ظاہر پرست شخص جب یہ دیکھے گا تو وہ یہی کہے گا کہ دیکھو، مولانا صاحب نے بغیر وضو کے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ اسی بات کو حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

بمے سجادہ رنگین کن گر پیر مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

ظاہری اعتبار سے یہ مت دیکھو کہ وہ وضو کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت دے رہا ہے۔ ارے جو اجازت دے رہا ہے وہ اجازت دینے کے بعد مصلیٰ پر جا کر رو بھی رہا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مانگ بھی رہا ہے۔ تم کیا جانو کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔ لہٰذا تم اس پر اعتراض مت کرو ___ بہر حال، عادت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے حصے کا کام کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور دیتے ہیں ___ بہر حال! اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سبق تو یہ دیا کہ دعا مانگنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرانا یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن یہ مت سمجھنا کہ دعا کرانے کے بعد اب چھٹی ہوگئی بلکہ تمہیں خود بھی کچھ کام کرنا ہوگا۔

نماز کی کثرت جنت کے حصول کا ذریعہ

اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سبق یہ دیا کہ جنت حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ''سجدوں کی کثرت'' ہے اور سجدوں کی کثرت سے نماز کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ آپ پانچ وقت کی نماز تو پڑھتے ہی ہیں، یہ تو ہر مسلمان پر فرض ہے وہ کثرت میں داخل نہیں۔ لہٰذا اس سے مراد نوافل کی کثرت ہے۔ یعنی فرض نمازوں کے علاوہ انسان نفل نمازیں بھی کثرت سے پڑھے۔ بعض نوافل وہ ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں داخل تھیں مثلاً تہجد، اشراق، چاشت، اوابین۔ یہ سب نوافل ہیں اور ان کو پڑھنا بھی کثرت سجود میں داخل ہے۔

''نوافل'' اللہ کی محبت کا حق ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ فرائض تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے یہ تو ادا کرنے ہی ہیں۔ اور یہ نوافل اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے ___ اگر کسی سے آپ کا تعلق ہو تو کیا وہ ایسا ہی رسمی قسم کا تعلق ہوگا؟ مثلاً میاں بیوی کا تعلق ہے۔ اب میاں کے ذمے فرض ہے کہ وہ بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ یہ نفقہ ادا کرنا اور بیوی کا مہر ادا کرنا یہ قانونی فریضہ ہے۔ اب اگر کوئی شوہر نفقہ تو ادا کرتا ہے اور مہر بھی پورا ادا کر دیا ہے لیکن سیدھے منہ سے کبھی بیوی سے بات نہیں کرتا تو کیا اس نے بیوی سے تعلق کا حق ادا کر دیا؟ ارے نان نفقہ اور مہر تو تیرے ذمے قانوناً فرض و واجب تھا لیکن اسکے ساتھ ساتھ بیوی کی دلداری اور اسکے دوسرے حقوق کی ادائیگی بھی اسکے ساتھ تعلق کا حصہ ہے۔ جب یہ نہ ہوگا صحیح معنی میں تعلق کا حق ادا نہیں ہوگا۔

عشاء کے ساتھ تہجد پڑھ لیا کرو

یا مثلاً ایک باپ ہے اب قانوناً نابالغ بیٹے کا نفقہ اس باپ پر واجب ہے۔ اب وہ بیٹے کو اچھا کھانا کھلا رہا ہے۔ لیکن اس بیٹے کو اچھی تعلیم نہیں دلا رہا ہے اسکی اچھی تربیت نہیں کر رہا ہے، اس بیٹے کی خوشی کا خیال نہیں رکھتا۔ اس صورت میں قانونی فریضہ تو ادا ہو گیا لیکن آخر بیٹے کی محبت کا بھی تو کچھ حق ہوتا ہے ___ اس لئے ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ فرائض اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں اور نوافل اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں۔ لہٰذا انسان کو فرائض کے علاوہ کچھ نوافل ادا کرنے کا اہتمام

بھی کرنا چاہیے۔ ان نوافل میں سب سے بہتر وہ نوافل ہیں جنہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمایا کرتے تھے یعنی تہجد، اشراق، اوابین اور چاشت ___ اگر رات کو اللہ تعالیٰ اٹھنے کی اور تہجد ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادے تو یہ بڑی نعمت ہے۔ اگر رات کو اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تو بزرگوں نے فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد سنتوں اور وتروں کے درمیان چار رکعت نفل بہ نیت تہجد پڑھ لیا کرے۔ اور یہ دعا کرلے کہ یا اللہ، مجھے معلوم نہیں کہ اس وقت اٹھنے کی ہمت ہو یا نہ ہو اس لئے اس وقت تہجد کی نیت سے یہ چار رکعت نفل پڑھ رہا ہوں۔ آپ اسے قبول فرمالیں۔ تو پھر انشاء اللہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تہجد کی برکات سے محروم نہیں فرمائیں گے۔

تھوڑی دیر کے لئے بستر پر بیٹھ جاؤ

دوسرا طریقہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ فرمایا کہ اگر کسی کو تہجد کے وقت اٹھا نہیں جاتا اور ہمت نہیں ہوتی تو وہ ایک کام کرلیا کرے۔ وہ یہ کہ جب کبھی رات کو آنکھ کھلے تو اس وقت تھوڑی دیر کے لئے بستر ہی پر بیٹھ جائے اور اس نیت سے بیٹھ جائے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں دنیا والوں پر نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہے کہ "ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اسکی مغفرت کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اسکو عافیت دوں؟"

(بخاری شریف، کتاب التہجد، باب الدعا والصلاۃ من آخر اللیل: حدیث نمبر: ۱۱۴۵)

یہ اعلان ساری رات ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے ___ لہٰذا اس وقت دل میں یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ کا منادی پکار رہا ہے مغفرت مانگنے کیلئے، رزق مانگنے کیلئے، عافیت مانگنے کیلئے۔ اور میں پڑا سوتا رہوں، یہ میرے لئے مناسب نہیں اس لئے تھوڑی دیر بستر ہی پر بیٹھ جائے اور کہے: یا اللہ میری مغفرت فرما دیجئے، یا اللہ مجھے رزق عطا فرما دیجئے، یا اللہ مجھے عافیت عطا فرما دیجئے ___ میں اس میں تھوڑا سا اضافہ کرتا ہوں کہ یہ بھی کہہ دے کہ یا اللہ، مجھ سے تہجد کے وقت اٹھا نہیں جاتا، آپ مجھے رات کو اٹھنے کی توفیق دے دیجئے ___ یہ دعا کر کے پھر سو جائے۔ یہ عمل روزانہ کر کے دیکھو، یہ عمل اور یہ دعا تمہیں بستر پر بیٹھے رہنے نہیں دے گی، انشاء اللہ۔ بلکہ تمہیں اٹھا کر چھوڑے گی، لیکن کر کے دیکھو۔

اشراق کی فضیلت

اور اشراق، یعنی طلوع آفتاب کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا ___ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز کے بعد اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے اور پھر طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت اشراق کی نیت سے پڑھے تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا اور پھر فرمایا، ''تَامَّةٍ. تَامَّةٍ. تَامَّةٍ'' یعنی تین مرتبہ فرمایا کہ مکمل حج و عمرے کا، مکمل حج و عمرے کا ثواب ملے گا۔ مکمل حج و عمرے کا ثواب ملے گا۔ اتنی فضیلت اشراق کی نماز کی بیان فرمائی۔

(ترمذی شریف، ابواب ماجاء فی سجود القرآن حدیث نمبر: ۵۸۶)

چاشت اور اوابین کے نوافل

''چاشت'' جس کو ''صلاۃ الضحیٰ'' بھی کہتے ہیں کہ جب سورج ذرا بلند ہوجائے تو زوال سے پہلے پہلے چار رکعت نفل چاشت کی نیت سے پڑھے۔

''اوابین'' یہ مغرب کے بعد کی چھ رکعت نفل ہیں ___ دو سنت مغرب کی ہوتی ہیں اسی میں چار رکعت نفل کا اور اضافہ کرلے۔ یہ سب ملاکر چھ رکعتیں ہوجائیں گی۔ اگر دو سنت کے علاوہ چھ رکعت نفل پڑھے تو بہت اچھا ہے لیکن اگر ان دو سنتوں کو شامل کرکے چھ رکعت ادا کرلے تو بھی اوابین ادا ہوجاتی ہے ___ بہرحال ان چار نوافل کا اہتمام کرے۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین۔

صلاۃ الحاجۃ کے ذریعہ اللہ کی طرف

اور جب کوئی حاجت پیش آئے یا جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف صلاۃ الحاجۃ کے ذریعہ رجوع کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی پریشانی پیش آتی۔ آپ فوراً جلدی سے نماز کی طرف رجوع فرماتے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''كَانَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلَاةِ''

''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى''

(شعب الایمان للبیھقی، رقم ۲۹۱۲)

(کتاب الصلاۃ، باب فی تحسین الصلاۃ والاکثار منھا)

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب وقت قیام النبی من اللیل: حدیث نمبر: ۱۳۱۹)

یعنی جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا تو آپ نماز کی طرف رجوع فرماتے۔ بہر حال، یہ جو فرمایا کہ کثرت سے سجدے کرو۔ اس سے مراد نوافل کی کثرت ہے۔

سجدہ کرو اور ہمارے قریب آجاؤ

یاد رکھئے، سجدے سے زیادہ لذیذ عبادت کوئی اور نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ سجدے کی حالت میں جتنا اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے اور کسی حالت میں اتنا قریب نہیں ہوتا ____ سورۃ اقراء جس آیت پر ختم ہو رہی ہے اس میں کتنا اچھا جملہ ارشاد فرمایا۔ وہ آیت سجدہ ہے، میں اس کی تلاوت کروں گا تو سب پر سجدہ واجب ہو جائے گا۔ آپ حضرات بعد میں وہ سجدہ ادا کر لیجئے گا۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

(سورۃ العلق: ۱۹)

یعنی سجدہ کرو اور ہمارے پاس آجاؤ، ہمارے قریب آجاؤ۔ معلوم ہوا کہ سجدہ ایسی چیز ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس کے پاس جانا ہے تو اس کا راستہ سجدہ ہے۔ سجدہ کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سجدہ کو معمولی چیز مت سمجھنا۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

جس وقت انسان کی پیشانی اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر ٹکتی ہے تو ساری کائنات

اس وقت اس پیشانی کے نیچے ہوتی ہے۔ یہ سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر ہو رہا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

کسی کا آستاں اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا

یعنی اگر تو اس چوکھٹ پر سر جھکائے گا تو وہ سر اونچا ہی رہے گا۔ وہ کسی سے نیچے نہیں رہے گا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تو جب آدمی اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر سر جھکا دیتا ہے تو ساری کائنات اس پیشانی کے نیچے ہوتی ہے۔

سجدے کی حالت میں یہ دعائیں مانگو

اسی وجہ سے سجدہ کی حالت میں دعا کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اس میں بڑا لطف آتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر سر رکھا ہوا ہے اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے۔۔۔ البتہ فرائض میں سجدہ کی حالت میں اچھا یہ ہے کہ صرف "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پڑھے۔ اگرچہ فرائض کے سجدوں میں بھی دعا کرنا جائز ہے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ صرف "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پر اکتفا کیا کرتے تھے۔

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، حدیث نمبر: ۸۷۳)

لیکن نفلوں کے سجدوں میں، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین میں بلکہ سنت مؤکدہ کے سجدوں میں بھی قرآنی دعائیں یا مسنون دعائیں جو مناجات مقبول وغیرہ میں لکھی ہوئی ہیں وہ دعا کر سکتے ہیں مثلاً سجدے میں "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھتا رہے یا سجدے میں "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ" پڑھتا رہے یا اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتا رہے اور کہے "اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ"

خواب کے بیان کے وقت دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص آپ کے سامنے خواب بیان کرتا تو آپ خواب سننے سے پہلے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

"خَیْرًا تَلَقَّاهُ وَشَرًّا تَوَقَّاهُ خَیْرٌ لَّنَا وَشَرٌّ لِّاَعْدَائِنَا"

(کنز العمال، کتاب بالمعیشۃ والآداب، حدیث نمبر: ۴۱۴۶۳)

ہر ہر موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں سکھا گئے۔ تو خواب کے بیان کرنے کے موقع پر آپ اس شخص کیلئے یہ دعا کرتے کہ: اللہ کرے کہ اس خواب کے نتیجے میں تمہیں خیر ملے اور تم شر سے بچو، اور جو خواب تم بیان کرنا چاہتے ہو وہ ہمارے لئے خیر ہو۔ اور ہمارے دشمنوں کے لئے برا ہو۔۔۔ یہ دعا کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ایک صحابی کا عجیب خواب

بہر حال، ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا خواب دیکھا؟ ان صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہوں، تلاوت کرتے کرتے سجدہ کی ایک آیت آگئی۔ میں نے سجدہ کی آیت تلاوت کی اور پھر سجدہ کیا۔ میرے سامنے ایک درخت تھا وہ درخت اپنی جگہ سے چلا اور تھوڑا سا آگے چل کر وہ بھی سجدے میں گر گیا۔ اور اس درخت میں سے سجدے کی حالت میں یہ آواز آرہی ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ عِنْدَكَ بِھَا اَجْرًا، اَللّٰھُمَّ احطط عَنِّیْ بِھَا وِزْرًا، وَاکْتُبْ لِیْ بِھَا اَجْرًا وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا۔

(ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۰۵۳)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

سَجَدَ وَجْھِیْ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ۔

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول اذا سجد، حدیث نمبر: ۱۴۱۴)

یعنی میرا چہرہ سجدہ ریز ہے اس ذات کے آگے جس نے اس چہرے کو پیدا کیا اور جس نے اس کو بنایا۔ اور جس نے اس کے آنکھ اور کان بنائے۔

ان کلمات کی آواز درخت میں سے آرہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی

خواب سنا ــــ لیکن روایت میں اس کی تعبیر کے بارے میں کوئی بات منقول نہیں کہ اسکی تعبیر بتائی یا نہیں بتائی۔

درخت کے الفاظ سے حضور ﷺ دعا کر رہے تھے

لیکن جو صحابی مجلس میں بیٹھے یہ دیکھ رہے تھے کہ ایک صحابی نے آکر یہ خواب بیان کیا، آپ نے وہ خواب سنا۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ اگلے دن میں نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور وہی الفاظ سجدے میں ادا فرما رہے ہیں جو اس شخص نے درخت کے الفاظ بیان کئے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ عِنْدَكَ بِھَا اَجْرًا، اَللّٰھُمَّ احطط عَنِّی بِھَا وِزْرًا، وَاكْتُبْ لِیْ بِھَا اَجْرًا وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا۔

یعنی اے اللہ میں جو یہ سجدہ کر رہا ہوں، اس کے ذریعہ آپ میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے، اے اللہ اس کے طفیل میرے لئے اجر لکھ دیجئے۔ اور اے اللہ اس سجدہ کو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا دیجئے یہ الفاظ دعا کے اس شخص نے بتائے تھے جس نے خواب دیکھا تھا اور خواب میں یہ الفاظ درخت سے سننے میں آئے تھے۔ لیکن چونکہ دعا کے یہ الفاظ بہت اچھے تھے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے وہ دعا خود اختیار فرمائی اور سجدے کے اندر خود یہ دعا پڑھنی شروع کر دی۔

دوسروں کے الفاظ کو اپنی دعاؤں میں شامل کرلو

اب سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ اچھی دعا کون مانگے گا، دنیا اور آخرت کی

ساری حاجتیں اور ساری ضرورتیں جتنی ہوسکتی ہیں وہ سب حضور اقدس ﷺ کی دعاؤں کے اندر موجود ہیں لیکن آپ کی حرص کا یہ عالم کہ کسی اور سے دعا کا کوئی جملہ سنا اور جو آپ کو اچھا لگا، اس کو بھی آپ نے اپنی دعاؤں کے اندر اختیار کرلیا۔ معلوم ہوا کہ جب کسی سے کوئی دعا سنو کہ وہ اس طرح دعا کر رہا ہے تو تم بھی اس دعا کو سیکھو، تم بھی انہی الفاظ سے دعا کرنے کی کوشش کرو۔

عجیب وغریب دعا

اور حضور اقدس ﷺ سے ایک عجیب غریب دعا منقول ہے۔ فرمایا:

اَیُّمَا عَبْدٍ اَوْ اَمَۃٍ مِنْ اَھْلِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَقَبَّلْتَ دَعْوَتَہٗ وَاسْتَجَبْتَ دُعَائَہٗ اَنْ تُشْرِکَنَا فِیْ صَالِحِ مَا یَدْعُوْنَکَ فِیْہِ وَ اَنْ تُشْرِکَھُمْ فِیْ صَالِحِ مَا نَدْعُوْکَ فِیْہِ

(کنز العمال، کتاب الاذکار ادعیۃ بعد الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۹۷۳)

اے اللہ، خشکی اور تری پر جس اللہ کے کسی بندے نے یا بندی نے جو کوئی دعا کبھی کی ہو اور اس دعا میں کوئی بھلائی مانگی ہو اور آپ نے اس کی اس دعا کو قبول فرمالیا ہو۔ اے اللہ وہ بھلائی مجھے بھی عطا فرما دیجئے اور اس دعا میں مجھے شریک کرلیجئے ___ اور جو دعا مجھے کرنے کی توفیق ہو۔ اے اللہ میری اس دعا میں ان بندوں کو بھی شامل فرمالیجئے ___ بہر حال کوئی حاجت اور کوئی ضرورت ایسی نہیں جو حضور اقدس ﷺ نے چھوڑ دی ہو۔ اس کے باوجود یہ دعا بھی فرمارہے ہیں۔

سجدے کی حالت میں دعا کرنا

بہرحال، یہ سورۃ اقراء میں بہت خوبصورت جملہ ہے کہ "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" "سجدہ کرو اور ہمارے قریب آجاؤ ـــ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے زیادہ اچھی دعوت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آؤ قریب آجاؤ۔ نیز سجدے کے علاوہ بیٹھ کر بھی دعا مانگنے کا دل چاہے تو بیٹھ کر دعا کرلو اور نماز کے سجدے کے علاوہ ویسے خالی سجدہ کر کے دعا مانگنا ہو تو اس میں دعا کرلو اور اس میں اردو میں دعا کر سکتے ہیں ـــ البتہ ہر نماز کے بعد سجدہ میں جا کر دعا کرنے کی عادت بنانا درست نہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت نہیں۔

اس حدیث سے دو سبق ملے

بہرحال، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے فرمادیا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو میری صحبت اور میری رفاقت حاصل کرنا چاہتے ہو تو سجدے کی کثرت سے میری مدد کرو ـــ بہرحال اس حدیث سے دو سبق حاصل ہوئے، ایک یہ کہ دعا بڑی اچھی چیز ہے لیکن دعا اسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب آدمی اپنا رخ سیدھا کر کے قدم بھی آگے بڑھائے ـــ دوسری بات یہ کہ کثرت سجود یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرماتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری رفاقت جنت میں اس کے ذریعہ نصیب ہوگی ـــ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

آپ سب حضرات سجدہ تلاوت کرلیں

اور چونکہ میں نے آج کے بیان میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے۔ اگرچہ بار بار تلاوت کی ہے، لیکن ایک سجدہ واجب ہوگیا ہے کیونکہ ایک آیت بار بار ایک ہی مجلس میں تلاوت کی جائے تو ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے۔ اس لئے آپ حضرات ایک سجدہ تلاوت ادا کرلیجئے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋
❋

دو عظیم نعمتیں

اور ان کی طرف سے غفلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

صدق اللہ العظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو عظیم نعمتیں

اور ان کی طرف سے غفلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً. اَمَّا بَعْدُ!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغُ.

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ۔ حدیث ۶۴۱۲)

(ریاض الصالحین باب فی المجاھدہ حدیث نمبر ۹۷)

حدیث کا ترجمہ

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ عجیب کلمات ہیں جو لوح دل پر نقش

کرنے کے لائق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ (انسان کو جو نعمتیں اس دنیا میں ملتی ہیں ان میں) دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی طرف سے بہت سے انسان بہت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ کس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں؟ ___ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ یہ دو نعمتیں جو ہمیں ملی ہوئی ہیں یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیں میسر رہیں گی۔ اور کبھی ان نعمتوں کے چھن جانے کا خیال نہیں آتا، اس کی وجہ سے ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں اور ان کا صحیح استعمال نہیں کرتے۔

صحت کی طرف سے دھوکہ

وہ دو نعمتیں یہ ہیں ایک صحت کی نعمت، اور ایک فراغت کی نعمت۔ ''صحت'' ایسی نعمت ہے کہ جب تک وہ انسان کو ملی ہوتی ہے تو انسان اس دھوکے میں پڑا رہتا ہے کہ میں صحت مند ہوں۔ یہ فلاں کام اگر آج نہیں کیا تو کل کرلیں گے۔ کل نہیں تو پرسوں کر لیں گے۔ پرسوں نہیں تو اس سے اگلے دن کرلیں گے ___ اس طرح کام کو انسان ٹلاتا رہتا ہے کہ ابھی تو صحت مند ہیں ___ اس شخص کو یہ خیال نہیں آتا کہ صحت کی یہ دولت کسی وقت بھی چھن سکتی ہے ___ اپنی آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے کہ ایک اچھا خاصا تندرست انسان تھا اس کو کوئی بیماری لگ گئی اور پھر ایسا بستر پر پڑا کہ پھر بستر سے نہ اٹھ سکا۔

آج میرے اندر طاقت ہے

آج عمل کرنے کی طاقت ہے، طاعت بجالانے کی بھی اور عبادت انجام

دینے کی بھی طاقت ہے، اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنے کی طاقت ہے، کل کو جب بستر پر لیٹ جائے گا تو یہ طاقت نہ رہے گی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں کہ اس وقت جب تم بستر پر پڑ جاؤ گے اس وقت تم یاد کرو گے کہ اوہو، یہ نعمت تو مجھ سے چھن گئی اب میرے پاس وہ موقع نہ رہا جس میں، میں عبادت انجام دیتا، طاعت اور نیک کام انجام دیتا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا۔ اس وقت کی حسرت کام آنے والی نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ انسان اس نعمت کی طرف سے دھوکے میں پڑا ہوا ہے کہ یہ نعمت ہمیشہ رہے گی اور اس لئے نعمت کو صحیح مصرف میں استعمال نہیں کر رہا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ اس وقت حسرت کرو، آج تم اس صحت کی قدر پہچان لو۔ اور یہ سوچو کہ پتہ نہیں کب یہ نعمت مجھ سے چھن جائے لہٰذا میں یہ کام کرگزروں۔

ابھی تو آنکھیں کھول دیتا ہوں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ایک شعر بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ:

ابھی تو ان کی آہٹ پر آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

حضرت والا کی عمر اسی ۸۰ سال ہو چکی تھی۔ بیماری اور کمزوری بھی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں رات کو تہجد کے لئے اٹھتا تو بعض اوقات کسل اور سستی ہوتی۔ اور بیماری کا احساس ہوتا، بڑھاپے کا احساس ہوتا، دل میں خیال آتا کہ تہجد کی نماز کوئی فرض

واجب تو ہے نہیں، چلو آج چھوڑ دو۔ لیکن میں یہ سوچتا کہ ابھی تو تیرے اندر اتنی طاقت ہے کہ تو چل کر مصلے تک جا سکتا ہے۔ خدا جانے کل اتنی بھی طاقت رہے یا نہ رہے۔ کل کو مصلے تک بھی جا سکے یا نہ جا سکے۔ اس لئے ابھی تو تیرے اندر اتنی طاقت ہے۔ لہٰذا اس طاقت کو غنیمت سمجھو اور مصلے پر چلے جاؤ۔ اس لئے بکثرت یہ شعر پڑھا کرتے۔

ابھی تو ان کی آہٹ پر آنکھیں کھول دیتا ہوں

وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

''آہٹ'' سے مراد دل میں نیک کام کرنے کا خیال۔ اس خیال کے آنے پر آنکھیں تو کھول رہا ہوں۔ اس کی طرف دھیان دے رہا ہوں۔ ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب میرے اندر آنکھ کھولنے کی بھی طاقت نہیں ہوگی۔ ابھی تو یہ نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر اس سے کام لے لوں۔

جو طاعت ہو سکے اس کو کر گزرو

یہی چیز ہے جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ احساس اور خیال اور داعیہ دل میں پیدا ہو جائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں یہی فرما رہے ہیں کہ یہ صحت کی نعمت ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ یہ نعمت کبھی چھن بھی سکتی ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ابد الآباد تک کی گارنٹی لے کر آیا ہو۔ ارے کل تک کی گارنٹی بھی کوئی لے کر نہیں آیا۔ خدا جانے کل کیا ہو جائے۔ اس لئے صحت کی نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی کوشش کرو۔ جو عبادت اور جو طاعت اس صحت کی حالت میں کر سکتے ہو اس کو ٹلاؤ نہیں بلکہ کر گزرو۔

فرصت کی نعمت

دوسری نعمت جس سے انسان دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ وہ ہے ''فراغت'' کی نعمت۔ اس وقت فرصت ہے، وقت ہے، اگرچہ وہ پانچ منٹ کی فرصت ہے۔ آپ نے سوچا کہ یہ پانچ منٹ کی فرصت تو ناکافی ہے، جب زیادہ لمبی فرصت ملے گی تب یہ کام کریں گے ___ اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ ارے آج تو تمہیں یہ فرصت ملی ہوئی ہے۔ خدا جانے کل کو یہ فرصت حاصل ہو یا نہ ہو۔ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو جائے۔ کل کو کوئی مشکل پیش نہ آجائے۔ جس کی وجہ سے کل کو یہ فراغت میسر نہ رہے۔ اس لئے اس وقت جتنی فراغت میسر ہے اس کو کسی نہ کسی کام میں لگا دو۔ اور اس فراغت کو اللہ کے راستے پر چلنے میں صرف کر دو۔

بعد میں اس کی قدر معلوم ہوگی

اگر ہم ''صحت''، ''فراغت'' اور ''وقت'' کی قیمت پہچان لیں۔ اور ان کو صحیح مصرف پر صرف کر لیں۔ پھر دیکھو کیا سے کیا انقلاب آجائے گا۔ چنانچہ جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے ایک ایک لمحے کی قدر کرتے ہیں کہ یہ لمحہ دوبارہ لوٹ کر آنے والا نہیں۔ آج تمہاری نظر میں ان لمحات کی کوئی قدر نہیں۔ اس لئے بیٹھ کر گپ شپ کرنے میں کئی گھنٹے گزار دیئے۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب ان کی قدر معلوم ہوگی۔

اس وقت ایک ایک منٹ قیمتی معلوم ہوتا ہے

اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کہ اگر آپ کا کوئی عزیز جہاز یا ریل سے آرہا ہے

اور آپ اس کو لینے کے لئے ایئر پورٹ پہنچ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر اس آنے والے مہمان کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت وہ انتظار کی گھڑیاں کتنی لمبی معلوم ہوتی ہیں۔ یا آپ جہاز پر سفر کرنے والے ہیں اور وہ جہاز لیٹ ہو گیا، اور اب آپ انتظار کر رہے کہ کب یہ جہاز روانہ ہو گا۔ اس وقت ایک ایک منٹ بہت بھاری معلوم ہوتا ہے یا آپ کو ایئر پورٹ پہنچنے میں تاخیر ہو گئی اور آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں نے اور تاخیر کی تو جہاز چھوٹ جائے گا۔ اس وقت ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی معلوم ہوتا ہے۔

موت ایک لمحہ کے لئے مؤخر نہیں ہوگی

اسی طرح ہم اس وقت ان اوقات کی قدر نہیں پہچان رہے ہیں لیکن جب آخری وقت آئے گا۔ اور موت کا منظر سامنے آئیگا اور عالم بالا کے مناظر سامنے آئیں گے تو اس وقت حسرت ہو گی کہ اگر مجھے تھوڑا سا وقت اور مل جاتا اور ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ اللہ'' کہہ لیتا تو میرے نامہ اعمال میں کتنا اضافہ ہو جاتا، اس وقت ان لمحات کی قدر معلوم ہو گی۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہ انسان صحت کے معاملے میں اور وقت کے معاملے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ جب آخرت میں پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا:

لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔

(سورۃ المنافقون: ۱۰)

یا اللہ: مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی تھوڑی سی مہلت اور دیجئے۔ اور پھر دوبارہ دنیا میں جا کر اتنے صدقے کروں گا اور اتنے نیک کام کروں گا کہ میں نیک صالح انسان بن جاؤں گا اس کے جواب میں اسے کہا جائے گا:

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط

(سورۃ المنافقون: ۱۱)

کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس انسان کے لئے جو وقت لکھ دیا گیا ہے اس سے ایک لمحہ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ چاہے اس وقت وہ کتنی بھی حسرت کرے، کیونکہ اس وقت کی حسرت کوئی کام نہیں آئے گی۔

ہم مہلت دے چکے

بلکہ اس وقت تو انسان سے کہا جائے گا۔:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ط

(سورۃ فاطر: ۳۷)

یعنی ہم تمہیں دنیا میں بہت مہلت دے چکے ہم نے تمہیں اتنی عمر دی تھی کہ اگر تم اس میں نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو نصیحت حاصل کر سکتے تھے۔ تمہارے پاس کتنے ڈرانے والے بھی آئے تھے، تمہارے پاس انبیاء بھیجے، تمہارے پاس رسول بھیجے، تمہارے پاس کتابیں بھیجیں، اوران انبیاء کے وارثین تمہارے پاس بھیجے اور وہ تمہیں ہمارا پیغام بار بار پہنچاتے رہے، اور بار بار ڈراتے رہے، بار بار بلاتے رہے لیکن تم نے ان کی قدر نہیں کی۔ اب تمہیں ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اس وقت ایک ایک لمحہ کی قدر معلوم ہوگی۔

ایک لمحہ میں تم جنت میں پہنچ سکتے ہو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ خدا کے لئے اپنی زندگی

کے اوقات کی قدر پہچانو۔ اگر انسان چاہے تو ایک لمحہ میں جہنم کے ساتویں طبقے سے نکل کر جنت الفردوس میں پہنچ سکتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ایک شخص جو بڑا گناہ گار ہے، یا بڑا کافر ہے۔ فسق و فجور میں مبتلا ہے لیکن اس شخص نے صدق دل سے ایک لمحہ میں یہ کہہ دیا۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

اور کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اپنے سارے اگلے پچھلے گناہوں سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تو ایک لمحہ کے اندر وہ شخص جنت الفردوس میں پہنچ گیا۔ اگر ایک لمحہ پہلے اور ان کلمات کو ادا کرنے سے پہلے مر جاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا۔ اور اگر ایک لمحہ کے بعد مرا تو سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس ایک لمحہ نے کایا پلٹ دی۔ لہٰذا یہ ایک لمحہ بھی بڑا قیمتی ہے۔ لیکن ہم لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بس اوقات کو گزار رہے ہیں۔ اور نیک کاموں کو ٹلا رہے ہیں۔ یہی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نیک کاموں کو نہ ٹلاؤ۔ کسی وقت بھی موت کا پیغام آجائے گا۔ اس وقت ان اوقات کی قدر و منزلت معلوم ہوگی۔ لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اپنی زندگی کے اندر ان اوقات کی قدر و منزلت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋

❋

جنت اور دوزخ

پر پردے پڑے ہوئے ہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنت اور دوزخ

پر پردے پڑے ہوئے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ.

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشہوات: حدیث ۶۴۸۷)

(ریاض الصالحین باب فی المجاھدۃ: حدیث نمبر ۱۰۱)

جنت اور دوزخ پر کونسے پردے؟

یہ ایک حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوزخ پر خواہشات نفسانی کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ یعنی دوزخ پر نفسانی خواہشات کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور جنت پر ان چیزوں کا پردہ ڈال دیا

گیا ہے جن کو انسان گراں اور مشکل محسوس کرتا ہے۔

یہ دنیا امتحان کا گھر ہے

یعنی اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے امتحان اور آزمائش کا گھر بنایا ہے۔ اس آزمائش کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے اور ہمت استعمال کر کے اس آزمائش میں کامیابی حاصل کرے، اگر دوزخ آنکھوں کے سامنے رکھ دی جاتی کہ یہ دوزخ ہے، جس میں آگ جلتی ہوئی نظر آرہی ہے، اس کے اندر عذاب کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا۔ اور دوسری طرف جنت بھی آنکھوں سے نظر آرہی ہوتی، اور اس جنت کی نعمتیں نظر آرہی ہوتیں۔ اس جنت کے پرکیف مناظر نظر آرہے ہوتے، اور پھر کہا جاتا کہ ان دونوں میں سے ایک راستہ اختیار کرلو۔ پھر تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ امتحان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت بھی پیدا فرمائی، اور جہنم بھی پیدا فرمائی۔ لیکن جہنم پر نفسانی خواہشات کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی نفسانی خواہشات انسان کو اس طرف لے جانا چاہتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ فلاں گناہ کرلوں۔ حالانکہ وہ گناہ دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ اور جنت پر مکروہات کا پردہ ڈال دیا۔ مکروہات وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو انسان کا نفس برا سمجھتا ہے، مثلاً یہ کہ صبح فجر کی نماز کے لئے اٹھو، بستر کو چھوڑو، نیند کو قربان کرو۔ نماز کے لئے مسجد جاؤ۔ اللہ کا ذکر کرو۔ گناہوں کے کاموں سے بچو۔ یہ سب کام وہ ہیں جن کو انسانی نفس برا سمجھتا ہے۔ لیکن انہی اعمال کا پردہ جنت پر ڈال دیا ہے۔

یہ راستہ جہنم کی طرف جا رہا ہے

بہر حال، جتنی چیزیں شہواتِ نفس ہیں۔ اور نفسانی خواہشات کے مطابق ہیں۔ اگر آدمی ان کے پیچھے اس طرح چل پڑے کہ جو اس کے جی میں آئے وہ کر گزرے اور جس چیز کا دل چاہے کر لے۔ یہ دیکھے بغیر کہ وہ حلال ہے یا حرام ہے، جائز ہے یا ناجائز ہے۔ تو یہ راستہ سیدھا جہنم کی طرف جا رہا ہے۔ مثلاً انسان کا دل کھیل تماشوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ایسے کھیل تماشوں کی طرف جو انسان کے نفس کی خواہشات کی تسکین کریں۔ پہلے انسان کو کھیل تماشوں کے لئے ان کی خاص جگہوں کی طرف جانا ہوتا تھا، ان کے لئے باقاعدہ جگہیں مقرر ہوتی تھیں۔ ان کے لئے ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا، اب تو یہ کھیل تماشے ہر گھر میں پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ شہوتیں ہیں جن کا پردہ جہنم پر پڑا ہوا ہے۔ اور پیسے خرچ کر کے آج کا انسان جہنم خرید رہا ہے۔ بازار جا کر اپنے گاڑھے خون پسینے کی کمائی خرچ کر کے دوزخ کے انگارے خرید کر اپنے گھر میں، اپنے بیڈ روم میں، اپنے بیوی بچوں کے لئے لا رہا ہے۔ اگر یہ پردہ اٹھ جائے اور نگاہِ حقیقت شناس پیدا ہو جائے تو اس وقت پتہ لگے گا کہ یہ سارے کام جو میں کر رہا ہوں یہ مجھے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔

یہ راستہ جنت کی طرف جا رہا ہے

اسی بات کو قرآن کریم نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(سورۃ التحریم: ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی جہنم سے بچاؤ۔ اور اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور دوسری طرف جنت کے اوپر مکروہات کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اب نفس یہ نہیں چاہتا کہ عبادت اور طاعت کی طرف چلے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم برداری کی طرف چلے۔ لیکن یہی راستہ جنت کی طرف جانے والا ہے۔ جو آدمی ایک مرتبہ ہمت کر لے اور شہوات کے راستے سے اپنے آپ کو بچالے۔ اور اس بظاہر پر مشقت راستے پر چل پڑے تو سیدھا انشاء اللہ جنت میں جائے گا۔

خواہشاتِ نفس کے دھوکہ میں نہ پڑو

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ کبھی خواہشات نفس کے دھوکہ میں نہ پڑو۔ اس لئے کہ ان خواہشات نفس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو یہ کہدے کہ میری ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، بڑے سے بڑا صاحب اقتدار، بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا سربراہ حکومت، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ صدمہ اس کو بھی پہنچتا ہے، غم اس کو بھی پہنچتا ہے، تکلیف اس کو بھی پہنچتی ہے۔ یہ دنیا ہمیشہ کی راحت کی جگہ نہیں، یہاں تکلیف تو پہنچتی ہی ہے اب چاہو تو زبردستی اپنے آپ کو وہ تکلیف پہنچوا لو۔ اور چاہو تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نفس کو تکلیف پہنچا لو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام سے منع کیا ہے۔ لہٰذا میں اپنے آپ کو اس کام سے ہٹاؤں گا۔

یہ عادت ختم کرو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے ذریعہ متنبہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جو خواہش دل میں پیدا ہوگئی ہے وہ ضرور پوری ہو اور اگر پوری نہ ہو تو آدمی غمگین اور پریشان ہو رہا ہے یہ عادت ختم کرو۔ یہ عادت جہنم میں لے جانے والی ہے۔ یہ جنت کی طرف جانے والا راستہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمائے ____ آمین۔

صرف عمل انسان کے ساتھ جائے گا

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ: أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ. فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ يَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقٰى عَمَلُهُ.

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت:۔حدیث ۶۵۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کا جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے۔ تو قبرستان لے جاتے ہوئے تین چیزیں اس مردے کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے گھر والے، عزیز و رشتہ دار، دوست احباب، یہ سب اس کی تدفین کے لئے قبرستان جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا کچھ مال ساتھ جاتا ہے، یعنی اس کے ساتھ چار پائی وغیرہ جاتی

ہے اور تیسری چیز اس کا عمل ہے جو اس کیساتھ جاتا ہے۔ان تین چیزوں میں سے دو چیزیں ایسی ہیں جو قبر تک جانے کے بعد واپس آجاتی ہیں۔ایک اس کے گھر والے، اور دوسرے اس کا مال ۔ یہ واپس آجاتے ہیں۔آگے جو چیز اس کے ساتھ قبر میں جاتی ہے وہ اس کا عمل ہے۔ وہ مرنے والا کتنا ہی بڑا سرمایہ دار ہو، کتنا بڑا دولت مند ہو۔ سب کچھ وہ یہاں چھوڑ کر چلا جائے گا۔اور خالی ہاتھ جائے گا۔آگے ساتھ جائیگا تو وہ اس کا عمل ہے۔

یہ سب تمہیں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مردے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے رشتہ دار اس کو دفن کر کے جب واپس جاتے ہیں تو مردہ ان واپس جانے والوں کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔ یہ درحقیقت اس مردے کے لئے یہ اعلان ہوتا ہے کہ جن لوگوں پر تم دنیا میں بھروسہ کرتے تھے کہ یہ میرے غمگسار ہیں، غم خوار ہیں، میرے دوست ہیں، میرے عزیز ہیں، میرے مددگار ہیں، میرے احباب ہیں۔ یہ میرے مصیبت میں کام آنے والے ہیں۔ دیکھو یہ سب تمہیں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔اب ان میں سے کوئی تمہاری مدد کو آنے والا نہیں۔

اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اس کے بعد جو عالم شروع ہوتا ہے اس میں نہ تو وہ عزیز اور رشتہ دار کام آتے

ہیں اور نہ وہ روپیہ پیسہ کام آتا ہے جس کے جمع کرنے میں ساری زندگی ساری عمر دوڑ دھوپ کی تھی۔ صبح سے لے کر شام تک یہی فکر دل و دماغ پر سوار تھی کہ کس طرح اور پیسے بڑھالوں۔ کس طرح اور دولت اکٹھی کرلوں۔ کس طرح اپنی دنیا کا سامان جمع کر لوں۔ وہ سارا مال و دولت سب دھرا رہ گیا۔ وہ عزیز رشتہ دار محبت کرنے والے جن کی چشم و ابرو کو دیکھا کرتا تھا کہ کہیں یہ ناراض نہ ہو جائیں۔ یہ کہیں برا نہ مان جائیں۔ ان کا دل کہیں نہ ٹوٹ جائے۔ وہ سب تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اب بس ایک ہی چیز ساتھ ہے وہ ہے انسان کا عمل۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اب آگے اکیلے ہی جانا ہوگا، اگر کوئی چیز ساتھ جانے والی ہے تو وہ صرف ''عمل'' ہے۔

کچھ سامان آگے بھیج دو

اس حدیث کے ذریعہ سرکار دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس بات کی طرف توجہ کرو کہ اس زندگی کے اندر تمہارا کوئی سامان آگے چلا جائے۔ اور وہ سامان ویسے بیٹھے بیٹھے نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ سامان کچھ عمل کرنے سے جائے گا۔ کچھ طاعات کرلو، کچھ عبادات کرلو، کچھ اپنا آخرت کا ذخیرہ بنالو وہ کام آنے والی چیز ہے۔ اور تم جن چیزوں کے لئے محنت اور دوڑ دھوپ کر رہے ہو، وہ زیادہ سے زیادہ تمہیں قبر تک پہنچا

دیں گی۔ اس کے بعد لوٹ آئیں گی۔ یہاں اس زندگی میں نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کے بجائے اس بات کی فکر کرو کہ کچھ عمل تمہارے ہاتھ آجائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کچھ عمل لے کر جاؤ تاکہ وہ جنت جو مکروہات سے چھپائی گئی ہے وہ تمہیں حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋

❋

روشن خیالی

اور

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روشن خیالی

اور

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(بخاری شریف کی آخری حدیث پر بیان)

بتاریخ ۲۲ رجب ۱۴۲۶ھ، ۲۸ اگست ۲۰۰۵ء اتوار کے روز جامعہ دارلعلوم کراچی کی جدید جامع مسجد میں ختم بخاری شریف کے موقع پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں عوام وخواص کثیر تعداد میں شریک ہوئے، اس تقریب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے نہایت عارفانہ وبصیرت افروز خطاب فرمایا۔ جس کو مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب ضبط وتحریر میں لے آئے۔ افادۂ عام کیلئے وہ خطاب ہدیہ قارئین ہے۔ بشکریہ ماہنامہ البلاغ............(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ . وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا . اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

جناب صدر، جناب علماء کرام، معزز مہمانان گرامی اور میرے عزیز طالب علم ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ اللہ جل شانہ کا بے پایاں انعام وکرم ہے کہ آج ہم اپنے تعلیمی سال کی تکمیل صحیح بخاری کی آخری حدیث کے درس کے ذریعے کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حاضری کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

عنوان باب

یہ صحیح بخاری کا آخری باب ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق قرآن مجید کی اس آیت کو عنوان بنا کر قائم کیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۴۷)

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ قیامت کے روز انصاف قائم کرنے کے لئے ہم میزان قائم کریں گے، جس کے ذریعے انسانوں کے اعمال واقوال تولے جائیں گے۔ اس آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب کا عنوان بنا کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزن اعمال کا عقیدہ بیان کیا ہے، اور اسی پر اپنی کتاب ختم کی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری کو یہ مقام کیسے ملا؟

امام بخاری رحمہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب وغریب مقام بخشا ہے، میں سوچا کرتا ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ بخاریٰ کے رہنے والے عجمی شخص ہیں، اور عجمی بھی ایسے کہ اسی صحیح بخاری میں عربی لکھتے لکھتے ایک جگہ فارسی کا لفظ لکھ گئے، جو عربی میں استعمال نہیں ہوتا، فرمایا:

وَيُذْكَرُ فِي هٰذَا الْكِتَابِ "هَمْ" هٰذَا

"ہم" فارسی کا لفظ ہے جو "بھی" کے معنی میں آتا ہے، یہاں فارسی کا لفظ عربی میں لکھ گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ بے خیالی میں ایسا ہوا ہے۔

ایسے عجمی شخص تھے اور دوسری طرف عربوں کی یہ بات معروف ومشہور بھی ہے اور ہمارے تجربے میں بھی آئی ہے کہ وہ عجمیوں کو گھاس نہیں ڈالا کرتے، ان کو اپنے عربی ہونے پر ناز ہے اور بڑی حد تک ان کا یہ ناز بجا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل کرنے کے لئے ان کی زبان کو منتخب فرمایا، اور کائنات میں آخری پیغمبر کی بعثت کے لئے انہیں منتخب فرمایا۔

اس ناز کی وجہ سے بسا اوقات وہ غیر عربی شخص کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ جیسا عجمی شخص جب عرب پہنچا اور اپنے حدیث کے فن کو لوگوں کے سامنے پیش کیا تو سارے عربوں کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں اور سب نے بالاتفاق ان کی کتاب کو "اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ" (کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) قرار دیا۔

یہ لقب یونہی عقیدت میں نہیں دیا گیا، نہ جانے کتنی چھلنیوں میں اس کو چھانا گیا، کتنے چھاجوں میں اس کو پٹکا گیا، اور تنقید اور جرح وتعدیل کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے جائزہ لینے کے بعد عرب وعجم میں، مشرق ومغرب میں اسے ''اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ'' کا لقب ملا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا علم وفن اپنی جگہ، اور علم وحدیث اور جرح وتعدیل میں ان کا مقام بلند اپنی جگہ، لیکن اس کتاب کے اس مرتبہ تک پہنچنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں، استخارہ کیا، اور پھر وہ حدیث اپنی کتاب میں لکھی، گویا ساری چھلنیوں میں چھلنے کے بعد بھی معاملہ اللہ کے حوالہ کیا، اس کتاب میں تقریباً سات ہزار حدیثیں ہیں، لہٰذا اس کتاب کی تالیف کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ ہزار رکعتیں پڑھیں اور اٹھائیس ہزار سجدے کئے، اس کے بعد یہ کتاب وجود میں آئی۔

کتاب التوحید آخر میں کیوں لائی گئی؟

اس کتاب میں ان کا انداز وصنیع عجیب وغریب ہے، ترجمۃ الکتاب کی ترتیب میں نہ جانے کیا کیا نکات پوشیدہ ہوتے ہیں، یہ حدیث جس میں انسانی اعمال کے وزن ہونے کے عقیدے کو بیان کیا گیا ہے، اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا، کیا کیا نکات ان کے پیش نظر ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن مجھ ناچیز کی سمجھ میں دو باتیں آتی ہیں، اور وہ دونوں ہمارے لئے بڑی سبق آموز ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ باب کتاب التوحید کا ایک حصہ ہے، اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جودتِ ذہن کا ایک کرشمہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کے سب سے آخر میں ''کتاب التوحید'' قائم کی ہے، اس کو ''کتاب التوحید'' بھی کہتے ہیں، اور ''کتاب الرد علی الجھمیة'' بھی کہتے ہیں، بعض نسخوں میں ''کتاب التوحید والرد علی الجھمیة'' اور بعض میں ''کتاب التوحید، الرد علی الجھمیة'' (بغیر واؤ کے) لکھا ہوا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توحید کا تعلق کتاب الایمان سے ہے، لہٰذا کتاب الایمان میں توحید کا مسئلہ بیان ہونا چاہیے تھا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان، طہارت، صلوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، تجارت، سیاست، معاشرت، اور اخلاق غرضیکہ دین کے سارے احکام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، ان کو بیان کرنے کے بعد سب سے آخر میں ''کتاب التوحید'' کیوں لائے؟ اس میں کیا راز ہے؟

عقیدہ ہر زمانے میں ایک رہا

بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے جو دین ہمیں عطا فرمایا، وہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اور آپ کے بعد سے لے کر قیامت تک ایک ہی دین ہے، ایک ہی عقیدہ ہے، اس میں سرِ مو فرق نہیں آیا، جو عقیدہ آدم علیہ السلام کا تھا، وہی نوح علیہ السلام کا تھا، اور وہی ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور وہی عقیدہ قیامت تک ساری امت کا رہے گا، زمانہ بدل جائے، انقلابات آتے رہیں، لیکن اس سے دین اور اس کے

عقائد میں کوئی فرق نہیں آئے گا، کیونکہ یہ سارے عقائد درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ وحی پر مبنی ہیں، لہٰذا عروج ہو یا زوال، اگلا زمانہ ہو یا پچھلا زمانہ، یہ عقیدہ ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

یعنی کیسے ہی حالات ہوں بہار آجائے، یا خزاں، عروج آجائے، یا زوال، دھوپ آجائے، یا چھاؤں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

میں ایک مرتبہ اندلس کی جامع مسجد قرطبہ میں گیا، یہ دنیا کی سب سے بڑی مسقف مسجد تھی، اب مسجد نبوی کی جو نئی تعمیر ہوئی ہے، یہ شاید اس کے برابر ہوگئی ہو، یا اس سے کچھ بڑھ گئی ہو، ورنہ اس نئی تعمیر سے پہلے آج بھی دنیا میں اس سے بڑی مسقف مسجد نہیں ہے، ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے آج وہ عیسائیوں کے قبضہ میں ہے، اور نہ جانے کتنے کلیسا اس میں بنے ہوئے ہیں۔ میں روتے ہوئے دل کے ساتھ اس مسجد میں حاضر ہوا، محراب کے پاس جا کر نماز پڑھنے کی توفیق ہوئی میرے ساتھ ایک ساتھی تھے، انہوں نے اذان کہی، اور ہم نے جماعت سے نماز پڑھی، جب میں سجدہ میں کہہ رہا تھا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" تو دماغ میں یہ بات آرہی تھی کہ جس وقت یہ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوا کرتی تھی، اور لوگوں کو پیشانی ٹیکنے کیلئے مشکل سے جگہ ملتی تھی اس وقت بھی کہا جاتا تھا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" اور آج جبکہ میں اور میرا ایک ساتھی یہاں نماز پڑھ رہے ہیں، اور ہماری "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" کی آواز پر

ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا، اس وقت بھی یہی کہا جارہا ہے کہ "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی"
یہ درحقیقت اس بات کا اعلان ہے کہ عروج ہو یا زوال ہو، اور خواہ زمانہ انقلابات کا
شکار ہو جائے، لیکن میرے رب کے اعلیٰ ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح اس
رب کے نازل کئے ہوئے دین کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں جو عقائد بیان کئے گئے
وہ روز قیامت تک کے لئے ہیں، ان میں کوئی فرق یا تغیر نہیں آئے گا۔

فلسفوں کی آنکھ مچولی

یہ ہے اس دین کا حال جو وحی پر مبنی ہے، ایک دوسری چیز ہے جسے فلسفہ کہا
جاتا ہے، فلسفہ خاص عقل کی بنیاد پر زندگی اور کائنات کے حقائق کا پتہ لگانے کی کوشش
کرتا ہے، اس میں وحی کی رہنمائی شامل نہیں ہوتی، ارسطو اور افلاطون سے لے کر آج
تک ہر دور میں اس فلسفے کا یہ حال رہا ہے کہ اس میں تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے، ایک
فلسفہ کہتا ہے کہ انسان ہیولہ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہے، دوسرا فلسفہ کہتا ہے کہ
انسان اجزاء لا یتجزیٰ سے مرکب ہے، کسی وقت کہا جارہا تھا کہ زمین چپٹی ہے، آنے
والوں نے کہہ دیا کہ زمین گول ہے، ایک وقت کہا گیا تھا کہ زمین ساکن ہے، اور
سورج اس کے گرد حرکت کررہا ہے، اب یہ کہا جاتا ہے کہ نہیں، زمین سورج کے
گرد گردش کرتی ہے، غرضیکہ فلسفے میں روز بروز تبدیلیاں آرہی ہیں، کل جس فلسفے کو
حقیقت مان لیا گیا تھا، آج لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

روشن خیالی

فلسفے کی بنیاد چونکہ خالص عقل پر ہوتی ہے، اس میں وحی کی رہنمائی شامل ہوتی اور عقل بڑی متکبر چیز ہے، یہ عقل ہی کا تکبر ہے جس نے شیطان کو سجدہ کر سے روک دیا تھا، اسی لئے اقبال نے کہا ہے کہ:

روز ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

اس لئے وہ عقل جو وحی کی رہنمائی سے آزاد ہو، وہ انسان کو گھمنڈ میں مبتلا دیتی ہے اور انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میرے برابر کوئی سوچنے والا نہیں، میں ہی صحیح رہا ہوں، دوسرے غلط کہہ رہے ہیں، فلسفے کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، اس میں ایک ایک بڑا گھمنڈ والا اور ایک سے ایک بڑا متکبر آپ کو ملے گا۔ جس نے اپنے زمانے جو فلسفہ پیش کر دیا اس کے بارے میں وہ یہی کہتا ہے کہ ”ہم چو ما دیگرے نیست“ (جیسا اور کوئی نہیں)

چونکہ فلسفے کی بنیاد تکبر پر ہے تو جب کسی فلسفے کا کسی زمانے میں چلن ہوتا اسکا ڈنکا بج رہا ہوتا ہے، اس کا طوطی بول رہا ہوتا ہے، اور لوگوں کے دماغ پر اس کا بیٹھا ہوتا ہے تو اس وقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی چمک دمک والی چیز ہے۔ وقت اگر دین کی کوئی بات اس فلسفے سے ٹکرا جائے تو ایک طبقہ وجود میں آتا ہے، اور طبقہ مسلمانوں کے اندر ہی سے وجود میں آتا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ دین کو کسی طرح تو موڑ کر اس نئے نظریئے کے مطابق بنا لو، انہی لوگوں کو کہا جاتا ہے ”روشن خیال“

اپنے اس طرز عمل کو روشن خیالی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ بھائی! آج تو نیا فلسفہ آ گیا، اس نے پرانے نظریات کے تار بکھیر دیئے، اور تم ابھی تک پرانے دین کو لئے بیٹھے ہو، یہ تاریک خیالی اور رجعت پسندی ہے، تنگ نظری اور قیانوسیت ہے، یہ جاہلانہ اسلام ہے، ہم آپ کو روشن خیالی اور وسیع النظری کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے دین کو اس نئے فلسفے کے مطابق ڈھال لو، تا کہ جب تم دنیا کے سامنے جاؤ تو کوئی تمہیں تاریک خیال ہونے کا طعنہ نہ دے۔

روشن خیال ہر دور میں پیدا ہوئے

یہ طبقہ مسلمانوں کے ہر دور میں پیدا ہوا، کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں، جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو اس وقت بھی ایسے بہت سے روشن خیال فرقے موجود تھے۔ معتزلہ تھے، جہمیہ تھے، کرامیہ تھے اور نہ جانے کتنے فرقے تھے، اس زمانے میں یونان کا فلسفہ پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا، اور اس کے نظریات کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے یہ چاہا کہ ہم دین کی ہر بات کو یونانی فلسفے میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کریں، لہٰذا انہیں دین کی جو بات بھی یونانی فلسفے کے خلاف نظر آتی، اس میں وہ تاویلیں کرنا شروع کر دیتے، انہی میں سے ایک بات یہ بھی تھی جو یہاں بیان ہو رہی ہے کہ قرآن مجید تو کہتا ہے کہ قیامت کے روز تمہارے ایک ایک عمل اور ایک ایک بات کا وزن ہوگا، جبکہ یونانی فلسفے کا کہنا تھا کہ تولنے کی چیز تو کوئی

جسم اور جوہر ہوا کرتا ہے، عمل تو لنے کی چیز نہیں، کیونکہ اس کا کوئی جسم نہیں ہوتا، اب یہ روشن خیال لوگ ان نصوص میں تاویل کیا کرتے تھے، جن میں وزن اعمال کا ذکر آتا ہے، اور کہتے تھے کہ قرآن مجید میں اعمال تولنے کا جو تذکرہ آیا ہے، یہ مجاز ہے، حقیقت نہیں، اور مراد یہ ہے کہ حقیقت میں اعمال نہیں تولے جائیں گے، اعمال کے صحیفے تولے جائیں گے یا انسانوں کو تولا جائیگا، یا تولنا ہی بذات خود مجاز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اعمال کا جائزہ لے کر ان کی قدر و قیمت متعین کر کے فیصلے کئے جائیں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خلاف اپنی صحیح بخاری میں کتاب التوحید قائم کی ہے، اور اس میں یہ درس دے رہے ہیں کہ اصل دین وہ ہے جو میں نے کتاب الایمان سے لے کر آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی شکل میں آپ تک پہنچا دیا، اس کو مضبوطی سے تھام لینا، بعد میں بڑے روشن خیال آئیں گے، جو تمہیں دین کے اندر تبدیلیاں کرنے کا مشورہ دیں گے۔

خبردار! ان کی طرف مت جانا

اب ذرا دیکھئے! وہی معتزلہ اور جہمیہ جو یونانی فلسفے کی پیروی کرنے کی بناء پر روشن خیال سمجھے جاتے تھے، لیکن ایک وقت آیا کہ یونانی فلسفہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور اس کے تمام نظریات باطل اور مضحکہ خیز قرار دیے گئے، اگر اس وقت ان روشن خیالوں کی بات مان لی جاتی اور دین کو اسی کے مطابق ڈھال دیا جاتا تو فلسفۂ یونان کے ساتھ العیاذ باللہ اسلام بھی گر چکا ہوتا۔

نیوٹن کا نظریہ اور سرسید احمد خان

آخری زمانے میں جب مغربی فلسفہ آیا تو مغربی فلسفے کے ایک ماہر اسحاق نیوٹن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ساری کائنات علت (Cause) اور معلول (Effect) کے نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔ مثلاً آگ علت ہے اور جلانا معلول (Effect) ہے، ان دونوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا کسی ایسی آگ کا تصور ممکن نہیں جو جلائے نہیں، اسی طرح دنیا کا سارا نظام علت اور معلول کے نظریے پر مبنی ہے۔

جب یہ نظریہ آیا تو ہمارے وہی روشن خیال لوگ پیدا ہوگئے، اب قرآن کہتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو آگ کو ٹھنڈا کردیا گیا تھا، روشن خیال لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بات مغربی فلسفے والے اور نیوٹن کے حامی لوگوں سے کہو گے تو ذرا شرماؤ گے، اسلئے قرآن مجید کی آیت میں کوئی تاویل کرو کہ آگ کی تپش زائل نہیں ہوئی تھی کوئی اور قصہ ہوا تھا۔

سرسید احمد خان صاحب پر بھی نیوٹن کا نظریہ چھایا ہوا تھا، اسی بناء پر انہوں نے "نیچر" کا نعرہ بلند کیا، چنانچہ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۶۰)

(یعنی اپنا عصا پتھر پر مار دو، پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے)

یہ بات نیچر کے خلاف ہے کہ آدمی لاٹھی مارے، اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ

پڑیں، لہٰذا انہوں نے اس آیت میں تاویل کی اور کہا کہ ''فَاضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ'' کے معنی ہیں ''تو اپنی لاٹھی ٹیک کر پہاڑ پر چڑھ جا اور جب تو پہاڑ پر چڑھ جائے گا تو آگے بارہ چشمے نظر آئیں گے، اس آیت میں لفظ ''مِنْهُ'' موجود ہے جس کا مطلب ہے ''اس سے'' یہ لفظ صاف بتلاتا ہے کہ یہ تاویل بالکل غلط ہے، لیکن سرسید احمد خان صاحب کو چونکہ نئے نظریئے کے اعتبار سے تاویل کرنی تھی اسلئے انہوں نے قرآنی الفاظ اور اس کے سیاق وسباق کا لحاظ کئے بغیر یہ فریضہ انجام دیا، اسی طرح قرآن مجید میں جنت اور اس کے انعامات، جہنم اور اسکے عقابات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب مجاز ہے، یہ صرف جاہلوں کو سمجھانے والی باتیں ہیں، ورنہ یہ ایک خاص کیفیت ہوگی جو وہاں جا کر مل جائے گی، یہ کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ نیوٹن کا نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا، اس سے مرعوب ہو کر روشن خیالی کا تقاضہ یہ سمجھا گیا کہ قرآن کی نصوص میں تاویل کر کے انہیں نیوٹن کے نظریئے کے مطابق بنا دیا جائے۔

دینی حقائق تبدیل نہیں ہوتے

ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ آئن سٹائن کا نظریہ وجود میں آ گیا، اس میں یہ کہا گیا کہ کائنات میں علت ومعلول کا کوئی وجود نہیں، بلکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ''نظریۂ اضافت'' کی وجہ سے ہے، اور اسمیں جو کچھ ہے وہ بالکل ایک دوسرے سے غیر مربوط ہے، اگر آگ جلاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آگ اور جلانے میں علت (Cause) اور معلول (Effect) کی نسبت ہے، بلکہ یہ الگ الگ چیزیں ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئی ہیں، اسی نظریہ کی بنیاد پر آج کل جدید ترقیات ہو رہی ہیں، اس

نظریہ نے آکر نیوٹن کے نظریہ کو دھوئیں کی طرح اُڑادیا،اس وقت کے روشن خیالوں نے نیوٹن کے نظریئے سے متاثر ہوکر معجزات کا انکار کیا تھا،لیکن آج کے دور میں اس نظریئے کی کچھ بھی حیثیت نہیں،غرض یہ کہ دنیا میں دن رات نظریوں کی تبدیلی کی آنکھ مچولی ہو رہی ہے،امام بخاری رحمہ اللہ اس آخری باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دین وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا،وہی حق ہے اور قیامت تک حق ہے، نظریات اور فلسفے آتے جائیں،جاتے جائیں،اس سے دین کے حقائق پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

یونانی فلسفے سے متاثر ہونے کی وجہ سے وزن اعمال کا انکار کیا گیا تھا،لیکن آج حرارت،برودت اور آواز سمیت ہر چیز تل رہی ہے،امام بخاری رحمہ اللہ نے اس زمانے میں اس فلسفے کی تردید کی۔چنانچہ آپ نے ترجمۃ الباب میں آیت قرآنی ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ (بیشک انسان کے اعمال اور اقوال تولے جائیں گے)

کون سا عمل کام آئے گا؟

یہ اس باب کے لانے کا پہلا مقصد تھا جس کا تعلق عقیدے سے ہے۔دوسرا مقصد عمل سے متعلق ہے،اس میں یہ بتایا کہ ٹھیک ہے تم نے سب کچھ پڑھ لیا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے باخبر ہوگئے،لیکن یاد رکھو کہ محض پڑھ لینا کام نہیں آئے گا،بلکہ وہ عمل کام آئے گا جس کا میزان عمل میں کچھ وزن ہو،اور اعمال میں

وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس کی طرف میں نے اپنی کتاب کی پہلی حدیث میں ارشاد کیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے کہ صبح سے لے کر شام تک کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کو ہم اخلاص کے ذریعے عبادت نہ بنا سکیں، کھانا، پینا، سونا، ملازمت کرنا، تجارت کرنا، گھر والوں سے ملنا اور دوستوں سے ملاقات وغیرہ.... یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں نیت صحیح ہو جائے تو سب عبادت لکھی جاتی ہیں، میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ صبح کو جب اٹھو تو ایک مرتبہ یہ نیت کرلو کہ اے اللہ! آج پورے دن میں جو عمل کروں گا، وہ آپ کو راضی کرنے کے لئے کروں گا۔

اور یہ شرعی مسئلہ کہ جب ایک مرتبہ نیت کرلی جائے تو جب تک اس کے معارض (مخالف) نیت نہ آجائے، وہ پہلی نیت قائم رہتی ہے، لہٰذا جب صبح کو نیت کرلی تو انشاء اللہ وہ نیت شام تک کے اعمال کیلئے کافی رہے گی، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی نیت نہ پائی جائے، ہاں؛ ہر موقع پر اگر نیت کا استحضار کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

اخلاص کی اہمیت ویسے تو زندگی کے سارے ہی شعبوں میں ہے، لیکن دین کے کام کرنے والوں کے لئے اس کی اہمیت اور زیادہ ہے، کیونکہ جو آدمی دین کی خدمت کے لئے یا اجتماعی کاموں کے لئے نکلتا ہے، تو اکثر و بیشتر شیطان اس کی راہ اس طرح مارتا ہے کہ اس کے دل میں خیال پیدا کرتا ہے کہ لوگوں میں مقبولیت کس

طرح حاصل ہوگی، اور لوگ کس طرح میرے معتقد بنیں گے، اِدھر یہ خیال پیدا ہوا، اُدھر عمل کا ثواب اکارت گیا، اس لئے کہا جا رہا ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کی کوئی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کرو۔

بولنے میں بھی سخت احتیاط کی ضرورت ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے اندر اعمال کے ساتھ اقوال کا ذکر بھی فرمایا، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صرف اعمال ہی کا وزن نہیں ہوگا، بلکہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بھی تولے جائیں گے، اسکے ذریعے طلبہ کو سبق دیدیا کہ اے طالب علمو! اب تک تم کان استعمال کر رہے تھے، سبق میں استاذ کی تقریر سن رہے تھے، لیکن جب فارغ ہوکر باہر نکلو گے تو زبان کا استعمال شروع ہوگا، اور تمہیں پڑھایا ہی اسی لئے گیا ہے کہ تم دین کا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ، یاد رکھنا! جب باہر جاکر زبان استعمال کرنے لگو تو یہ سوچنا کہ منہ سے جو بات بھی نکلے گی وہ تولی جائے گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زبان کو بے لگام چھوڑ کر جو چاہو کہتے پھرو۔

تمہارا ایک ایک لفظ تُلا ہوا ہونا چاہیے، اور اگر گفتگو ایسے شخص کے بارے میں ہو رہی ہے جو تمہارے مخالف نظریات کا حامی ہے، یا دوسرے مسلک کا آدمی ہے تو اس کے سات خون حلال نہ سمجھنا، اور اسکی غیبت پر نہ اتر آنا۔ یاد رکھو!

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا[1]

(سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۸)

(تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ اکسائے کہ تم عدل نہ کرو)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں حجاج بن یوسف کی غیبت کی جارہی تھی، تو آپ نے غیبت کرنے والے شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: یاد رکھو! اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حجاج بن یوسف سے ان بے شمار خونوں کا حساب لے گا جو اس کی گردن پر ہیں تو جو بہتان تم اس پر لگا رہے ہو، تمہیں اس بہتان کا بھی جواب دینا پڑے گا۔

لہٰذا ہر بات تول کر کرو، چاہے ابطال باطل ہی مقصود کیوں نہ ہو، اپنی بات کو اعتدال اور واقعیت کے ساتھ بیان کرو، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہے، دل چاہتا ہے کہ ہر شخص اسے اپنے لوح دل پر نقش کر لے۔ فرمایا:

"جب کوئی بات زبان سے نکالو یا قلم سے لکھو تو یہ سوچ لو کہ اس بات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا ہوگا، خواہ وہ دنیا کی عدالت میں یا آخرت کی عدالت میں"

تشریح کلمات

چونکہ ترجمۃ الباب کی آیت کریمہ میں "قِسط" کا لفظ آیا ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق اس کی لغوی تشریح کی ہے کہ "قِسط" اور "قِسطاس" دونوں کے معنی "عدل" کے ہیں، یہ بھی بتادیا کہ قِسطاس کا لفظ عربی میں رومی زبان سے آیا ہے، اور اس بات کی طرف بھی ارشاد کردیا کہ "قِسط" مصدر ہے "مُقسِط" کا (از باب افعال) مجرد میں قَسَطَ یَقسِطُ (باب ضرب)

کے معنی ظلم کرنے کے آتے ہیں، اور باب افعال سے اس کے معنی انصاف کرنے کے آتے ہیں، مجرد کا اسم فاعل "قَاسِط" ظالم کے معنی میں ہے، جبکہ باب افعال سے اسم فاعل "مُقْسِط" عادل کے معنی میں ہے۔

محبوب کلمے

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ونضع الموازین القسط حدیث نمبر ۷۵۶۳)

دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، اور میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، وہ دو کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اگرچہ اللہ جل شانہ کے اسماء حسنیٰ بہت سے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں "رحمٰن" کا لفظ استعمال فرمایا، اشارہ اس طرف ہے کہ اگر کوئی بندہ ان کلمات کو پڑھے تو انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوگی "خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ" کے اندر یہ بتلایا کہ ان کلمات کا پڑھنا کچھ دشوار نہیں، عربی کے بعض کلمات ایسے ہیں کہ عجمی لوگوں کو ان کے پڑھنے میں دقت ہوتی ہے، لیکن یہ کلمات ایسے ہیں کہ عجمی سے عجمی شخص بھی انہیں آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

اس کے ساتھ فرمایا کہ ''ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ'' (میزان عمل میں بہت بھاری ہیں) یعنی ان کا ثواب بہت زیادہ ہے، اسی جملے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال اور اقوال دونوں تولے جائیں گے، کیونکہ کسی چیز کا بھاری یا ہلکا ہونا تولنے سے معلوم ہوتا ہے۔

ان کلمات کی اتنی فضیلت کیوں ہے، اور ان میں کیا خاص انوار ہیں، اس کا اصل پتہ تو وہاں (یعنی جنت میں) جا کر چلے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے جنت میں پہنچادے، آمین۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت میں عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے، لیکن میری نظر میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بعد سب سے لذیذ بات یہ ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ وہاں ہم پر حقائق اشیاء منکشف فرمائیں گے، جن باتوں کا یہاں ہمیں پتہ نہیں چلتا، ان کی حقیقت وہاں ہمیں معلوم ہوجائے گی، البتہ یہاں پر ہماری ناقص عقل میں جو اس کی حقیقت آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ''سُبْحَانَ اللهِ'' کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے، اور ''وَبِحَمْدِهٖ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اندر تمام کمالات جمع ہیں، اور وہ تمام تعریفات کے لائق ہے، جو ذات تمام عیوبوں سے پاک ہو، اور اس میں سارے کمالات جمع ہوں، تو وہ ذات یقیناً سب سے زیادہ محبت کے لائق ہوتی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ کلمہ سمجھ کر پڑھا جائے تو اس سے انسان کے دل میں اللہ جل شانہ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور جس دن یہ محبت حاصل ہوگئی، انشاء اللہ دین پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا، اور ''سُبْحَانَ اللهِ

الْعَظِيْمِ ’’ کے اندر باری تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ذکر ہے، اور جب کسی ذات کی عظمت اور جلال کا ذکر کیا جائے تو اس کا خوف دل میں آتا ہے۔

خشیت طالب علم کی آخری منزل

’’سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ‘‘ سے اللہ جل جلالہ کی محبت پیدا ہوئی، اور ’’سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ‘‘ سے اللہ جل جلالہ رعب پیدا ہوا۔ جب دونوں چیزیں ملا دی جائیں تو اس سے خشیت پیدا ہوتی ہے، خشیت اس ڈر کا نام ہے جو کسی کی محبت کی وجہ سے پیدا ہو، جیسے باپ کا ڈر، اس کی محبت اور اس کی عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بچپن میں مجھے ایک طمانچے کے علاوہ کبھی مارا ہو، لیکن حال یہ تھا کہ جب کبھی ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے تھے تو پاؤں ٹھٹک جاتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کی مار کا خوف ہوتا تھا، بلکہ اس وجہ سے کہ اس ذات کی محبت اور عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی عمل ان کی مرضی کے خلاف ہو جائے۔ اسی کا نام ’’خشیت‘‘ ہے۔

جو شخص بھی ان کلمات کو پڑھے گا، اس کے دل میں انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خشیت پیدا ہوگی، اور خشیت ہی ایک طالب علم کی آخری منزل ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

(سورۃ فاطر، آیت نمبر ۲۸)

علماء ہی ہیں جو اللہ کی خشیت دل میں رکھتے ہیں

خشیت اللہ راانشان علم داں

آیت یخشی اللہ در قرآں بخواں

اس حدیث کو یہاں آخر میں ذکر کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سبق بھی دیدیا کہ اے طالب علمو! اب تم اپنے اپنے مقام پر واپس جا تو رہے ہو، خشیت الٰہی کو بھی ساتھ لیتے ہوئے جاؤ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باب اور حدیث سے حاصل ہونے والے تمام اسباق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❋❋❋

❋

عبادت میں اعتدال

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عبادت میں اعتدال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ، وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ. أَمَّا بَعْدُ!

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَیْہَا وَعِنْدَہَا امْرَأَۃٌ. قَالَ مَنْ ھٰذِہٖ؟ قَالَتْ ھٰذِہٖ فُلَانَۃٌ. تَذْکُرُ مِنْ صَلَاتِہَا. قَالَ مَہْ. عَلَیْکُمْ بِمَا تُطِیْقُوْنَ. فَوَاللّٰہِ لَا یَمَلُّ اللّٰہُ حَتّٰی تَمَلُّوْا. وَکَانَ أَحَبُّ الدِّیْنِ إِلَیْہِ مَادَوَامَ صَاحِبُہٗ عَلَیْہِ.

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہا، رقم الحدیث ۴۳)

(ریاض الصالحین، باب فی الاقتصاد فی العبادۃ، رقم الحدیث ۱۴۲)

تمہید

بزرگان محترم و برادرانِ عزیز! گذشتہ کئی جمعوں سے ایک باب کا بیان چل رہا تھا، جس میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وہ احادیث لائے تھے، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں عمل بھی نیک کاموں میں داخل ہے، اور نیکی صرف چند مخصوص کاموں کے اندر منحصر نہیں، بلکہ اس کے بے شمار شعبے ہیں، بے شمار طریقے ہیں، البتہ ہر وقت کا تقاضہ الگ ہے، ہر وقت کا تقاضہ جدا ہے، اگر انسان وقت کے تقاضے کے مطابق عمل کرتا رہے تو اس سے فلاح نصیب ہوتی ہے۔

عبادت میں اعتدال ہونا چاہیے

آگے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، ''باب الاقتصاد فی العبادۃ'' یعنی عبادت اور اطاعت میں میانہ روی اور اعتدال ہونا چاہیے، یہ نہ ہو کہ جب کسی نیک کام کے فضائل سنے تو اس نیک کام کو کرنے کا جوش آ گیا، اور جوش میں آ کر وہ نیک کام کرنا شروع کر دیا، اور اس کے نتیجے میں اعتدال کے راستے سے ہٹ گیا۔ اس وجہ سے یہ باب قائم فرمایا کہ طاعات اور عبادات میں بھی انسان اعتدال سے کام لے۔ اس باب میں کئی احادیث لائے ہیں، یہ سب احادیث ہمارے لئے بڑی سبق آموز ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وہ کام کرو جو طاقت کے مطابق ہو

سب سے پہلے وہ حدیث لائے ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ گھر میں بیٹھی ہوئی تھی، اور میرے پاس ایک خاتون ملنے کے لئے آئی ہوئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر کے اندر تشریف لائے، اور مجھ سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ فلاں خاتون ہیں، اس کا یہ نام ہے، اور یہ وہ خاتون ہیں جن کی نماز بہت مشہور ہے، یعنی لوگوں میں یہ شہرت ہے کہ یہ خاتون نماز بہت پڑھتی ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ نے فرمایا:

مَهْ. عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُوْنَ

فرمایا کہ چھوڑو بھی، وہ کام کرو جو تمہاری طاقت کے مطابق ہو، چونکہ یہ خاتون

بہت نمازیں پڑھتی تھیں، یہاں تک کہ لوگوں میں یہ شہرت ہوگئی کہ یہ اتنی نمازیں پڑھتی ہیں، اور صبح سے شام تک نماز پڑھنے میں لگی رہتی ہیں، سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ انسان کے مزاج و مذاق سے کون باخبر ہوگا، اس لئے آپ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ خاتون نماز کی فضیلت سن کر جوش میں آگئی ہیں، اور لمبی لمبی نمازیں شروع کردی ہیں، اور جب تک یہ جوش باقی ہے، اس وقت تک نمازیں پڑھتی جائیں گی، لیکن ایسے آدمی کے اندر جتنی تیزی سے کام کرنے کا جوش پیدا ہوتا ہے، بعض اوقات اس کام کو چھوڑنے کا جوش اس سے زیادہ تیزی سے آتا ہے، وہ کام کرتے کرتے اچانک دل اُکتا جاتا ہے، وہ اس کام کو چھوڑ دیتا ہے، اور جب چھوڑ دیا تو ایسا چھوڑا کہ پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا، اس لئے فرمایا کہ اتنا کام کرو، جتنا کام کرنے کی طاقت ہو۔

شہرت کی غرض سے عبادت بے کار ہے

یہاں جو بات قابل نظر ہے، وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہ خاتون اتنی نمازیں پڑھتی ہیں، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اس خاتون کی نماز کی شہرت بہت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر خاص طور پر ارشاد فرمایا۔ اس سے اشارہ اسی طرف فرمادیا کہ انسان کا اتنا زیادہ عمل کرنا جس سے لوگوں میں شہرت ہو جائے کہ یہ شخص فلاں عمل بہت کرتا ہے۔ اب اگر وہ شخص شہرت ہی کی غرض سے وہ عمل کر رہا ہے، تب تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ایک دمڑی قیمت نہیں، مثلاً کوئی شخص اس لئے وہ عمل کر رہا ہے کہ میری شہرت ہو جائے کہ میں بڑا عبادت گزار ہوں، میں بڑا مقدس اور پرہیزگار ہوں، میں بڑا عابد ہوں، میں بڑا ولی اللہ ہوں، اگر

اس نیت سے وہ عمل کر رہا ہے، تو اس کی ساری محنت اکارت، اس کی ایک دمڑی قیمت نہیں، اس کا ایک حبہ فائدہ نہیں۔

اخلاص رخصت ہو گیا

درحقیقت اس راستے سے شیطان انسان کی راہ مارتا ہے، جب بزرگوں کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں بزرگ اتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے، فلاں بزرگ یہ نیک عمل کیا کرتے تھے، اب یہ سن کر دل میں یہ شوق پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بھی یہ نیک عمل شروع کردیں تو ہمارے بارے میں بھی کہنے والے کہا کریں گے کہ وہ صاحب ایسے تھے جو اس طرح عمل کیا کرتے تھے۔ جب ذہن میں یہ تصور آ گیا کہ کہنے والے کہا کریں گے، تو اب اخلاص ختم ہو گیا، وہ عمل اللہ کے لئے نہ رہا، وہ عمل تو مخلوق کی تعریف حاصل کرنے کے لئے ہو گیا، وہ تو شہرت حاصل کرنے کے لئے ہو گیا۔ اور ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ شہرت کی خاطر کوئی عمل کرے۔

دو رکعت نفل ہزار رکعت سے بہتر ہیں

اگر آدمی دو رکعت نفل پڑھے، لیکن خالص اللہ کے لئے پڑھے، اخلاص کے ساتھ پڑھے، اس کا جو وزن ہے، اس کا جو اجر ہے، وہ اتنا زیادہ ہے کہ اگر اس کے مقابلے میں ہزار رکعت اس نیت سے پڑھے کہ میرے تذکرے میں یہ بات لکھی جائے کہ یہ شخص ہزار رکعت پڑھا کرتا تھا، یا جب لوگ میرا تذکرہ کریں تو یہ بات کہیں کہ یہ شخص ہزار رکعت پڑھا کرتا تھا، اس ہزار رکعت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں۔

پسندیدہ عمل میں مداومت والا عمل ہے

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے جوش میں آکر ایک عمل شروع تو کر دیا، لیکن شروع کرنے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ایسا آدمی جو جوش اور جذبات میں آکر کام شروع کرتا ہے، وہ بہت جلد اس کام کو چھوڑ بھی دیتا ہے، آج ایک ہزار رکعت پڑھ لی، اور کل کو غائب ہو گئے۔ ایسے گنڈے دار عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا :

خَيْرُ الْعَمَلِ مَادِيْمَ عَلَيْهِ وَاِنْ قَلَّ

(ترمذی شریف، کتاب الادب، باب، رقم الحدیث ۲۸۵۶)

بہترین عمل وہ ہے جس کی انسان پابندی کرے، چاہے وہ عمل تھوڑا سا ہو۔ تھوڑا عمل کرے، لیکن پابندی کے ساتھ کرے، وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہے، زیادہ فائدہ مند ہے، چنانچہ یہاں جو حدیث آئی ہے، اس میں آپ نے یہی فرمایا کہ :

وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَادَاوَمَ صَاحِبُهٗ عَلَيْهِ

کہ دین کے اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ حضور اقدس ﷺ کو وہ عمل تھا جس پر انسان مداومت کرے، اور پابندی کرے، چاہے وہ عمل تھوڑا سا ہو۔

کس کا عمل زیادہ اچھا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

قَلِيْلٌ تَدُوْمُ عَلَيْهِ اَرْجٰى مِنْ كَثِيْرٍ مَمْلُوْلٍ

(شرح نہج البلاغۃ، جزء ۱۹، ص ۱۶۹)

تھوڑا عمل ہو، لیکن اس کو پابندی سے کرو، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل سے اجر و

ثواب کی زیادہ امید ہے، بنسبت اس عمل کے کہ جو گنڈے دار ہو کہ کبھی کیا، اور کبھی چھوڑا، اس لئے نوافل اور ذکر و اذکار کے معمولات ہمیشہ اتنے مقرر کرنے چاہئیں جس کو انسان آسانی سے نبھا سکے۔ زیادہ مقرر نہ کرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(سورۃ الملک: آیت نمبر ۲)

کہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات اس لئے پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے؟ بلکہ یہ فرمایا کہ کس کا عمل اچھا ہے۔ لہٰذا عمل چاہے تھوڑا ہو، لیکن اچھا ہو، لہٰذا زیادہ عمل کرنے کی فکر نہ کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

کسی رہنما کی رہنمائی میں عمل کرے

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عمل کرنے میں کسی رہنما کی رہنمائی حاصل کرو، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمہارے لئے کتنا عمل مناسب ہے؟ اگر تم اپنی طرف سے تجویز کرو گے تو ٹھوکر کھاؤ گے، مثلاً جوش میں بہت زیادہ عمل مقرر کر لیا، لیکن چند روز کے بعد چھوڑ دیا۔ اور اگر کسی رہنما کی رہنمائی میں کرو گے تو اس پر مداومت بھی ہوگی، پابندی بھی ہوگی، اور اس میں برکت بھی ہوگی انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❋❋❋

❋

نیکیوں والے اعمال

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد کما صلیت
علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علی محمد وعلی
آل محمد کما بارکت علی
ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیکیوں والے اعمال

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : اَرَادَ بَنُوْ سَلِمَۃَ اَنْ یَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَھُمْ : اِنَّہٗ قَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّکُمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ؟ فَقَالُوْا: نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِکَ، فَقَالَ: بَنِیْ سَلِمَۃَ دِیَارَکُمْ تُکْتَبْ آثَارُکُمْ، دِیَارَکُمْ تُکْتَبْ آثَارُکُمْ

(ریاض الصٰلحین، باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر، رقم الحدیث ۱۳۶)

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل کثرۃ الخطا الی المساجد، رقم الحدیث ۶۶۵)

تم اپنے گھر ہی میں رہو

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاندان تھا، جو ''بنوسلمہ'' کہلاتا تھا، ان کے گھر مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر تھے، جس کی وجہ سے مسجد نبوی تک آنے جانے میں کافی محنت اور مشقت ہوتی تھی، اس لئے زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بنوسلمہ کے لوگ یہ چاہ رہے ہیں کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ لوگ وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبوی کے قریب آباد ہونا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا ارادہ یہی ہے کہ ہم مسجد کے قریب آجائیں، اور قرب کی وجہ سے آنے جانے میں آسانی ہو جائے، آپ نے فرمایا:

بَنُو سَلِمَة، دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ

اے بنو سلمہ، تم اپنے ہی گھروں میں رہو، جہاں تم اس وقت رہتے ہو، اس لئے کہ تم جو اپنے گھروں سے چل کر آتے ہو، تمہارا ایک ایک قدم وہاں لکھا جا رہا ہے، ان کی گنتی ہو رہی ہے کہ کتنے قدم چل کر یہ لوگ مسجد کی طرف آرہے ہیں، پھر ہر ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جا رہی ہے اور ہر ہر قدم پر گناہ معاف ہو رہے ہیں، ہر ہر قدم پر درجات بلند ہو رہے ہیں، اس لئے مسجد سے گھروں کے دور ہونے سے گھبراؤ نہیں، بلکہ اپنی جگہ پر رہو، اور آنے جانے میں جو مشقت ہو رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ اجر وثواب تمہیں حاصل ہو رہا ہے، چنانچہ ان صحابہ کرام نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو منتقل ہونے کا ارادہ ختم کر دیا، اور اپنے گھروں ہی میں رہے، اور وہاں سے آتے جاتے رہے۔

آج کے دور میں مسجد کی قربت بہتر ہے

یہ لوگ عزیمت والے اور حوصلے والے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ جانتے تھے کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ تمہارے نشان قدم لکھے جا رہے ہیں تو یہ آنے جانے کی مشقت ان کے لئے پانی ہو جائے گی، اور ان کو آنے جانے میں کوئی

دشواری محسوس نہیں ہوگی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ آنے جانے کی مشقت کی وجہ سے یہ لوگ آنا جانا ہی چھوڑ دیں گے، اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ پیغام دیا، اس لئے کہ ہر ایک شخص کو اس کے ظرف کے مطابق نسخہ بتایا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ یہ لوگ دور ہونے کی وجہ سے کبھی مسجد کی جماعت نہیں چھوڑیں گے، اور آنے جانے کی فضیلت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی، اور یہ مشقت ان کے لئے آسان ہو جائے گی، اس لئے آپ نے ان کو قریب آنے سے منع فرما دیا، ہم جیسا شخص جو بے ہمت اور بے حوصلہ ہو وہ تو مسجد سے دور ہونے کی وجہ سے جماعت ہی چھوڑ بیٹھے، لہذا جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو ایسے آدمی کے لئے بہتر ہے کہ وہ مسجد سے قریب رہے، اگر دور رہے گا تو جماعت ہی فوت ہو جائے گی، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہمت اور حوصلہ دیا ہو، اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ دور ہی رہے۔

ہمت والے کو مسجد کے قریب رہنے کی ضرورت نہیں

ایک اور صحابی کا حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ:

عَنْ اَبِي الْمُنْذِرِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَجُلًا لَا اَعْلَمُ رَجُلًا اَبْعَدَ مِنَ الْمَسْجِدِ مِنْهُ وَكَانَ لَا تُخْطِئُهُ صَلَاةٌ. قَالَ: فَقِيْلَ لَهُ: اَوْفَقُلْتُ لَهُ: لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا تَرْكَبُهُ فِي الظَّلْمَاءِ وَفِي الرَّمْضَاءِ. فَقَالَ مَا يَسُرُّنِي اَنَّ مَنْزِلِي اِلَى جَنْبِ الْمَسْجِدِ. اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ يُكْتَبَ لِي

مَمْشَايَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوْعِيْ إِذَا رَجَعْتُ إِلَى أَهْلِيْ، فَقَالَ: رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَدْ جَمَعَ اللهُ ذٰلِكَ كُلَّهُ۔

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرة طرق الخیر، حدیث نمبر ۱۲۷)
(مسلم شریف، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل کثرة الخطا الی المساجد، حدیث نمبر ۶۶۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب تھے کہ ان کا گھر مسجد سے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ دور تھا، میرے علم کے مطابق ان کے گھر سے زیادہ دور کسی اور کا گھر نہیں تھا، اور کبھی وہ کسی نماز میں پیچھے نہیں رہتے تھے، ان صاحب سے کسی نے کہا، یا میں نے ہی ان سے کہا، اگر آپ ایک گدھا خرید لیں، تاکہ آپ رات کی تاریکی میں اور دن کی گرمی میں اس پر سوار ہو کر مسجد آجایا کریں، ان صاحب نے کہا کہ مجھے تو یہ بات بھی پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے پاس ہو، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مسجد آنے تک میرے جتنے قدم ہیں، اور پھر مسجد سے واپس گھر جانے تک میرے جتنے قدم ہیں، وہ سب لکھے جائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سب اجر و ثواب جمع فرمادیا ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی کہ میرا ایک ایک قدم اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جارہی ہے، تو یہ بات سننے کے بعد مجھے مسجد کے قریب رہنا پسند نہیں، میں دور رہ کر انشاء اللہ مسجد میں پہنچوں گا، اور میرے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوگا۔

دور رہنے والا نیکیوں میں اضافہ کر رہا ہے

یہ صحابہ کرام تھے، جو بلند حوصلے والے، بلند ہمت والے تھے، ہمیں اپنے آپ کو ان پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، اللہ بچائے، اگر ہم مسجد سے دور ہوں گے، تو ہماری جماعت ہی چھوٹ جائے گی۔ اس میں اتباع کرنے کی جو چیز ہے، وہ ہے ان کا نیکی حاصل کرنے کا جذبہ، جس طرح بھی حاصل ہو، اور جو فضیلت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، وہ حاصل ہو جائے، یہ جذبہ ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد کے قریب رہتا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر کوئی شخص مسجد سے دور رہتا ہے، اور اس کو آنے جانے میں مشقت ہوتی ہے، تو وہ شخص اس حدیث کو یاد رکھے، اور یہ سوچے کہ ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لئے نیکیاں لکھی جا رہی ہیں، اور میرے نامہ اعمال میں اضافہ ہو رہا ہے، اس تصور سے ان شاء اللہ اس کی مشقت میں کمی ہو جائے گی۔

پودا اور درخت لگانے پر اجر وثواب

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ صَدَقَةٌ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ.

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرۃ طرق الخیر، رقم الحدیث: ۱۳۵)

(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب فضل الغرس والزرع، رقم الحدیث: ۱۵۵۲)

یہ باب اسی بات کے بیان میں چل رہا ہے کہ نیکی کے اعمال کسی ایک چیز میں منحصر نہیں، نماز میں، روزے میں، وضو میں، عبادات میں منحصر نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں نیکیوں کے بے شمار راستے اللہ تعالیٰ نے کھولے ہیں، اور جنت حاصل کرنے کے بے شمار راستے کھولے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مسلمان ایک پودا لگاتا ہے تو جب تک وہ پودا لگا رہے گا، اور اس پودے سے جتنے انسان جتنے جانور کوئی چیز کھائیں گے، ہر مرتبہ اس پودے لگانے والے کے اعمال میں ایک صدقہ لکھا جائے گا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اگر کسی نے درخت لگایا، اور کسی انسان یا جانور نے اس سے سایہ حاصل کر لیا، تو سایہ حاصل کرنے کا بھی اس درخت لگانے والے کو اجر ملے گا۔

چوری ہونے پر صدقہ کا ثواب

آگے فرمایا کہ اگر اس درخت سے کوئی شخص چوری کر کے کوئی پھل لے گیا، اس پر بھی اس شخص کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔ ویسے بھی اگر کسی شخص کا کوئی مال چوری ہو جائے تو اس پر اس شخص کو بہت بڑا اجر و ثواب ملتا ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے اس کو مصیبت پہنچی اور صدمہ پہنچا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ جب ان کے ہاں سے کوئی مال چوری ہو جاتا تو وہ کہتے کہ یا اللہ! میں نے یہ مال چور کے لئے حلال کر دیا، وہ فرماتے تھے کہ مال تو چوری ہو ہی گیا، اور اس کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی، اس پر ثواب ملا، اب جب حلال کر دوں گا تو اس پر مجھے صدقہ کا ثواب بھی مل جائے گا۔

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ کہیں جارہے تھے، اور ان کے ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی تھی، راستے میں کوئی چور آگیا، اور اس نے آپ سے وہ تھیلی چھینی اور بھاگ گیا۔ انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ کس نے وہ تھیلی چھینی ہے، اور حسب معمول یہ کیا کہ اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ شخص جو مجھ سے تھیلی چھین کے لے گیا ہے، یہ مال اس کے مقدر میں تھا، میں یہ مال اس کے لئے حلال کرتا ہوں۔ اور آپ گھر تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص نے میرے ایک بندے کا مال چرالیا ہے، تو اس چور پر عذاب آگیا، اب وہ چور اپنے گھر جانا چاہتا ہے، مگر اس کو راستہ ہی نہیں ملتا، ایک گلی سے دوسری گلی، دوسری گلی سے تیسری گلی گھوم رہا ہے، اور وہیں گھوم رہا ہے، باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا، اب یہ چور بہت پریشان ہوا، یہاں تک کہ شام ہوگئی، آخر میں اس کو خیال آیا کہ جس سے یہ پیسے چھینے ہیں، یہ کوئی اللہ والا معلوم ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرا راستہ بند کردیا ہے، لہٰذا مجھے ان سے معافی مانگنی چاہیے، اور ان کو یہ مال واپس کردینا چاہیے۔

چور اور میاں جی میں بحث

چنانچہ یہ چور حضرت میاں جی صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچا، اور دستک دی، اندر سے حضرت نے پوچھا کہ کون ہے؟ چور نے کہا کہ ایک ضروری کام

ہے، باہر آیئے، انہوں نے پوچھا کہ کیا ضروری کام ہے؟ چور نے کہا کہ آپ کے پیسوں کی تھیلی میرے پاس ہے، وہ آپ لے لیجئے، میاں صاحب نے جواب دیا کہ میری تو کوئی تھیلی نہیں ہے، چور نے کہا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، خدا کے لئے معاف کردیں، میں نے آپ سے یہ تھیلی چھین لی تھی، حضرت نے فرمایا کہ وہ تھیلی اب میری نہیں رہی، جس وقت تم نے مجھ سے چھینی تھی، میں نے اُسی وقت وہ تھیلی تم کو صدقہ کردی تھی، جب میری ملکیت نہیں رہی تو اب میں اسکو واپس کیسے لوں۔ چور نے کہا کہ خدا کے لئے آپ مجھ سے تھیلی واپس لے لیں، اس لئے کہ میں عذاب میں مبتلا ہوں، اور مجھے راستہ نہیں مل رہا۔ اب وہ چور اصرار کررہا ہے کہ تھیلی واپس لے لیجئے، اور یہ لینے سے انکار کررہے ہیں، جب زیادہ بحث ہوئی تو محلے والے جمع ہوگئے، محلے والوں نے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟

مجھے راستہ نہیں مل رہا ہے

چور نے کہا کہ میں یہ تھیلی ان کو واپس دینا چاہتا ہوں، یہ واپس لینا نہیں چاہتے، محلے والوں نے پوچھا کہ یہ تھیلی کس کی تھی؟ چور نے کہا کہ یہ انہی کی تھی، محلے والوں نے کہا کہ جب یہ واپس نہیں لے رہے ہیں اب تو لے کر چلا جا، چور نے کہا کہ میں کیسے لے کر جاؤں؟ مجھے تو نکلنے کا راستہ ہی نہیں مل رہا ہے، لوگوں نے ان بزرگ سے کہا کہ حضرت! جب آپ نے یہ تھیلی اس کو دیدی ہے تو اب اسکے لئے دعا کردیجئے کہ اسکو راستہ مل جائے، چنانچہ جب انہوں نے دعا کی تو اسکے بعد اسکو راستہ ملا۔ بہر حال: اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کیلئے ایسے معاملات بھی کرتے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

بہر حال؛ یہ بیان چل رہا تھا کہ اگر کوئی شخص درخت لگائے، اور اس درخت
کے پھل سے کوئی چوری کر لے تو اس پر بھی مالک کو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ نیز یہ بھی
مایا کہ اگر کسی نے درخت لگایا، اور پھل آنے سے پہلے وہ درخت کسی آفت سماوی کی
جہ سے گر گیا، اور اس درخت سے کسی انسان یا جانور نے کھایا بھی نہیں، اس پر بھی اس
صدقہ کا ثواب ملے گا۔ بہر حال؛ درخت لگانے کی اتنی فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کو نوازنے کے
نے ڈھونڈتی ہے کہ میرے بندے نے درخت لگا دیا تو اب قیامت تک جتنے
نسان جتنے جانور اس درخت سے نفع اُٹھائیں گے، ان سب کا ثواب درخت لگانے
الے کو ملے گا۔

ہ عمل جس میں ثواب کی نیت کی ضرورت نہیں

بلکہ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے
ایک عجیب بات بیان فرمائی، ویسے تو ہر عمل کا ثواب اس وقت ملتا ہے جب آدمی
عمل میں ثواب کی نیت کرے، مثلاً نماز ثواب کی نیت سے پڑھو گے تو ثواب ملے
، وضو ثواب کی نیت سے کرو گے تو ثواب ملے گا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ لیکن
یسا عمل جو دوسروں کو نفع اور فائدہ پہنچائے، اس عمل میں ثواب کی نیت کی بھی ضرورت
۔ مثلاً اگر کسی نے درخت لگایا، اور درخت لگاتے وقت ثواب حاصل کرنے کی

نیت نہیں تھی، تب بھی چونکہ یہ عمل دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا سبب بن گیا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے۔ بہرحال؛ ہر ایسا کام جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے، جس سے دوسرے لوگ نفع اُٹھائیں، وہ عمل انسان کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے، اس کام کو معمولی کام نہیں سمجھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ______ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

❋❋❋

❋

اصلاحی خطبات

جلد ۲۲

- مغربی اقوام اور سامان عبرت
- دوسروں پر ظلم سے بچیے
- وحیٔ الٰہی کی ضرورت اور اہمیت
- نیکی کی دعوت دیجیے
- وضو سنت کے مطابق کیجیے
- امر بالمعروف چھوڑنے کا وبال
- یوم جمعہ کی فضیلت اور اس کے اعمال
- سنت کی اتباع کیجیے
- نفلی عبادات پابندی سے ادا کیجیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

جلد ۲۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبد اللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ اشاعت : ۲۰۱۶ء

جلد : ۲۲

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز

باہتمام : محمد مشہود الحق کلیانوی، لیث آوٹ سیٹنگ : عبدالماجد پراچہ

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر: 13575

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی: 0313-9205497
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- مکتبہ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی ۱۴
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ بیت السلام، ڈیفنس کراچی
- بیت القرآن، چھوٹی گھٹی حیدر آباد
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، اُردو بازار، لاہور
- ادارۂ اسلامیات، لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- دارالاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک
- مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک
- مکتبہ فاروقیہ سنگورا سوات
- کتب خانہ اصلاح و تبلیغ حیدر آباد

سعودیہ عرب، کینڈا، امریکہ، افریقہ، انڈیا اور دیگر ممالک میں منگوانے کیلئے:
memonip@hotmial.com

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو

چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں،ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے،لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے،اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے،تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔لیکن الحمد للہ،ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم ، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تومی زنم ، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں،اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔آمین۔

محمد تقی عثمانی

عرضِ مرتب

(اصلاحی خطبات طبع جدید)

الحمدللہ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے خطبات کی ریکارڈنگ کرنے اوران کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ ۳/مئی ۱۹۹۱ء کو، آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے حضرت والا مدظلہم کی باقاعدہ اجازت سے شروع کیا تھا، جو تا حال جاری ہے، اور حضرت والا مدظلہم کے وہ الفاظ جو فضا کی ہواؤں میں تحلیل ہو چکے تھے، ان کو محفوظ کر کے قرطاس پر منتقل کیا، یہ عمل کتنا محنت طلب اور کتنی پابندی اور کتنا طویل وقت چاہتا ہے، اس کا اندازہ صرف اسی شخص کو ہوسکتا ہے جو اس میدان کارزار سے گزرا ہو، ورنہ موجودہ دور کے سہل پسند حضرات نے یہ طریقہ بھی اختیار کرلیا ہے کہ دوسروں کی محنت اور کاوش کو جدید انداز میں نام بدل کر بازار میں پھیلا رہے ہیں، چنانچہ آج بازار میں آپ کو بہت سی ایسی کتابیں نظر آئیں گی جن کے اندر وہی مضامین انہی عنوانات سے شائع کئے جارہے ہیں جو گزشتہ کئی سالوں سے دوسرے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں، اور سالہا سال سے لوگ ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔

بہر حال! ان خطبات کا پہلا مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے اب تک بائیس جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے، اور اب یہ مجموعہ 'جدید کمپوزنگ اور جدید طباعت' کے ساتھ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

نیز حضرت والا مدظلہم کے وہ خطبات جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ کی نماز سے پہلے بیان فرمائے گئے ہیں جو کہ پارہ عم کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تفسیر اور تشریح پر مشتمل ہیں، ان کا مجموعہ ''خطبات عثمانی'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، اور اس کی ۶ جلدیں الحمدللہ شائع ہو چکی ہیں، مزید جلدوں پر کام جاری ہے۔

اور حضرت والا مدظلہم کے وہ خطبات جو آپ نے جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال میں بیان فرمائے تھے، ان میں بے شمار خطبات وہ ہیں جن کو اب تک ''اصلاحی خطبات'' میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ وہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ منظر عام پر آنے والے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں کو آسانی کے ساتھ پایہ تکمیل پر پہنچائے، اور حضرت والا مدظلہم کے لیے اور احقر کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

والسلام

محمد عبد اللہ میمن

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
قرآن وحدیث میں سائنس اور ٹیکنالوجی	۸۲
سائنس اور ٹیکنالوجی تجربہ کا میدان ہے	۸۳
اس ملک کی بنیاد اندر سے کھوکھلی ہے	۸۳
تا کہ تم تباہی سے بچ جاؤ	۸۴
وحیٔ الٰہی کے آگے جھکنا پڑے گا	۸۴
اس ادارے کا مقصد	۸۵
یہ طعنے تمہارے گلے کا زیور ہیں	۸۵
طعنہ دینے والے فنا ہو گئے	۸۶
وحیٔ الٰہی کا نور دنیا میں پھیل جائے	۸۷
ایسے اداروں کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں	۸۸
یہ سب ان کا کرم ان کی عطا ہے	۸۹
اپنے بچوں کا چندہ دو	۸۹
③ وضو سنت کے مطابق کیجئے	۹۱
چہرہ دھونے سے آنکھ کے گناہ معاف	۹۴
ہاتھ پاؤں دھونے سے دونوں کے گناہ معاف	۹۴
تین اعمال سے گناہ معاف درجات بلند	۹۵
ناگواری کے باوجود وضو پورا کرنا	۹۶

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے	۱۰۹
نیل پالش چھڑانی ضروری ہے	۱۱۰
وضو کے دوران پڑھنے کی دعائیں	۱۱۰
ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ دعائیں	۱۱۲
وضو شروع کرتے وقت کی دعا	۱۱۲
گٹوں تک ہاتھ دھونے کی دعا	۱۱۲
کلی کرنے کی دعا	۱۱۳
ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعا	۱۱۳
چہرہ دھوتے وقت کی دعا	۱۱۳
قیامت کے دن اعضاء چمکتے ہونگے	۱۱۵
دایاں ہاتھ دھونے کی دعا	۱۱۶
مجموعی زندگی درست کرنے کی فکر کریں	۱۱۷
بایاں ہاتھ دھونے کی دعا	۱۱۸
سر کا مسح کرتے وقت کی دعا	۱۱۸
عرش کے سائے والے سات افراد	۱۱۹
گردن کے مسح کے وقت کی دعا	۱۲۱
دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا	۱۲۱
پل صراط پر ہر ایک کو گزرنا ہوگا	۱۲۱

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۲۲	بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا
۱۲۳	مسواک کی فضیلت
۱۲۴	مسواک کے فوائد
۱۲۴	ٹوتھ برش کا استعمال
۱۲۵	وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا
۱۲۶	وضو کے بعد رومالی پر چھینٹے مارنا
۱۲۶	اس شخص کے لئے جنت کی ضمانت ہے
۱۲۷	میرے باطن کو بھی پاک کر دے
۱۲۷	خلاصہ
۱۲۹	**④ یومِ جمعہ کی فضیلت اور اسکے اعمال**
۱۳۲	تمہید
۱۳۲	جمعہ کے دن کی اہمیت اور فضیلت
۱۳۳	انسان کا اصل کام صرف عبادت تھا
۱۳۴	تم اس جان کو جائز کاموں میں استعمال کرو
۱۳۴	جمعہ کے دن عبادت زیادہ کرو
۱۳۵	جمعہ کے دن کی عبادات
۱۳۶	جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
گناہ کو گناہ نہ سمجھنا بڑا خطرناک ہے	۱۸۴
شراب کی حرمت کا منکر کافر ہے	۱۸۵
سود کی حرمت کا منکر کافر ہے	۱۸۵
تیسری حدیث	۱۸۶
کل صبح میں یہ جھنڈا اس شخص کو دونگا	۱۸۶
علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟	۱۸۸
خیبر کا دروازہ اکھاڑنے والی روایت	۱۸۸
کیا میں اس وقت تک لڑتا رہوں	۱۸۹
یہ عمل سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے	۱۹۰
دعوت دینے کو نہیں چھوڑنا چاہیے	۱۹۰
فرعون کو دعوت دیتے رہے	۱۹۱
موقع کو ضائع مت کرو	۱۹۱
حضرت ڈاکٹر صاحب کو فکر	۱۹۲
دعوت کا جذبہ طبعی حاجت بن جائے	۱۹۳
جو کام خود نہیں کرتے اس کی دعوت دینا	۱۹۳
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام	۱۹۵
۳۵ سال میں پہلی مرتبہ سورۃ فاتحہ چھوٹ گئی	۱۹۵
میری مثال ایک ڈاکو جیسی ہے	۱۹۶

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
تصوف، طریقت کا مقصود ''اتباع سنت'' ہے	۲۴۰
میں نے ظاہری اور باطنی علوم حاصل کئے	۲۴۱
میں پھر ظل اور اصل تک پہنچا	۲۴۲
میں دعا کرتا ہوں آپ آمین کہیں	۲۴۳
ہمارے سلسلے میں وصول جلدی ہو جاتا ہے	۲۴۳
اتباع سنت میں محبوبیت کی شان	۲۴۴
اس وقت اللہ کے محبوب بن جاؤ گے	۲۴۵
اتباع سنت مٹی کو سونا بنا دیتا ہے	۲۴۶
اتباع سنت سے ''جذب'' حاصل ہو جائے گا	۲۴۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے	۲۴۷
جانوروں کو معلم اور مربی کی ضرورت نہیں	۲۴۸
انسان کھانا پکانے میں معلم کا محتاج	۲۴۹
علاج کرنے میں معلم کا محتاج	۲۵۰
ہر آسمانی کتاب کے ساتھ رسول ضرور آیا	۲۵۰
نبی کے نور بغیر کتاب نہیں سمجھ سکتے	۲۵۱
اپنے نبی کی نقل اتارتے جاؤ	۲۵۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کریم کا عملی نمونہ ہیں	۲۵۲
انسان کی عقل دھوکہ دینے والی ہے	۲۵۳

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مغربی اقوام اور سامانِ عبرت

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

ضبط و ترتیب : مغربی اقوام اور سامانِ عبرت

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ : ۲۲/مئی ۱۹۹۲ بروز جمعہ بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مغربی اقوام اور سامانِ عبرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ: الصِّحَّۃُ، وَالْفَرَاغُ"

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ۶۴۱۲)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز: آج آپ حضرات سے تقریباً ڈھائی

مہینے کے بعد یہاں ملاقات ہو رہی ہے۔ان میں سے ایک مہینہ تو رمضان المبارک کا گزرا۔ رمضان المبارک میں یہاں (مسجد بیت المکرم) میں بیانات کا یہ سلسلہ موقوف رہتا ہے۔ رمضان المبارک کے بعد تقریباً سوا مہینے تک مجھے کچھ طویل سفر پیش آئے۔ جن میں الحمدللہ حرمین شریفین کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔ اور اس کے علاوہ تقریباً تین ہفتے امریکہ اور کینیڈا میں گزارنے کا موقع ملا۔

ہر واقعہ اور ہر مشاہدہ سبق آموز ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ آنکھیں دیکھنے کے لئے اور مشاہدہ کے لئے عطا فرمائیں۔لیکن کوئی نظارہ اور کوئی مشاہدہ اس وقت تک مفید نہیں جب تک اس سے کوئی سبق نہ لیا جائے۔ اور اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی جائے۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے دیدہ بینا عطا فرماتے ہیں، بصیرت عطا فرماتے ہیں۔ وہ لوگ آنکھوں کے سامنے پیش آنے والے ہر واقعہ سے سبق لیتے ہیں اور اس کو اپنے لئے سرمایہ عبرت بناتے ہیں۔اور یہی فرق ہے اس شخص میں جس کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت عطا فرمائی ہو۔اور جو اس دولت سے محروم ہو ــــــ بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں آنکھ اور نگاہ ایسی چیزوں کی طرف جانے لگتی ہے۔جس کی طرف عام آدمی کی نگاہ نہیں جاتی اور اس کا مشاہدہ ہم نے اپنے بزرگوں میں کیا کہ ایک سادہ سا واقعہ جو ہمارے سامنے بھی پیش آتا ہے اور گزر جاتا ہے ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اسی واقعے سے انہوں نے ایسا سبق لیا کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ان کا ذہن اس طرف کیسے چلا گیا۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنا واقعہ سنانے لگے کہ میں ہندوستان کے کسی شہر میں سفر پر گیا ہوا تھا اور واپس آرہا تھا۔ اور تانگے میں سفر ہو رہا تھا۔ چلتے چلتے اچانک گاڑی بان نے گھبراہٹ کی حالت میں تانگے کو ایک طرف کھڑا کیا اور ہمیں کہا کہ آپ جلدی سے تانگے سے اتر جائیں ـــــ میں بڑا حیران ہوا کہ سامنے تو کوئی واقعہ ایسا سامنے نظر نہیں آرہا ہے جس کی وجہ سے یہ گھبرائے، پھر اس نے بتایا کہ یہاں اس علاقے میں ایک بہت تیز آندھی آیا کرتی ہے اور اس آندھی میں اگر آدمی سواری پر ہو، یا ویسے کھڑا ہو تو بعض اوقات وہ آندھی اس کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ اور جان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اس وقت گاڑی چلانا ٹھیک نہیں۔ اس نے آثار سے محسوس کر لیا کہ وہ آندھی آنے والی ہے۔ چنانچہ ہم اس کے کہنے کے مطابق تانگے سے نیچے اتر آئے۔ اور اب تانگے سے اتر کر سوچا کہ کہاں جانا چاہئے؟ تو مجھے ایک سایہ دار درخت نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ یہ جگہ مناسب ہے چنانچہ اس درخت کے قریب جانے لگا۔ تو اس تانگے والے فوراً پکارا کہ خبردار! درخت کے نیچے نہ جائیں اس لئے کہ جب آندھی آتی ہے تو وہ درختوں کو بھی اکھاڑ دیتی ہے۔ اور جو آدمی درخت کے نیچے ہوتا ہے وہ کچلا جاتا ہے۔ لہٰذا درخت کے نیچے نہیں، بلکہ کھلے میدان میں چلو۔ جب کھلے میدان میں پہنچے تو کہا کہ زمین پر چپک کر لیٹ جائیں، چنانچہ ہم زمین سے چپک کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک زبردست آندھی آئی جس

کا ہمیں پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس آندھی میں واقعتاً ٹیلے اڑے جا رہے ہیں اور درخت اکھڑ رہے ہیں اور گر رہے ہیں۔ اور ہم اسی حالت میں زمین سے چپک کر لیٹے رہے۔ اور وہ آندھی ہمارے اوپر سے گزرتی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ رہا۔ اور آدھے گھنٹے کے بعد فضا صاف ہو گئی۔ اور پھر اس گاڑی بان نے کہا کہ اب وہ آندھی گزر گئی ہے۔ اب دوبارہ تانگے میں سوار ہو جائیں۔ چنانچہ ہم دوبارہ تانگے میں سوار ہو گئے اور آگے کا سفر شروع کر دیا۔

زندگی کے سفر میں رہنما کی ضرورت

یہ واقعہ سنانے کے بعد میں نے اس واقعہ سے یہ سبق لیا کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ زندگی کے سفر میں کسی رہنما کی ضرورت ہے۔ اس رہنما کو پتہ ہوتا ہے کہ کب اور کس وقت اور کہاں آندھی آتی ہے۔ اور کس طرح آتی ہے اگر وہ رہنما تانگے والا نہ آتا تو ہمیں پتہ بھی نہ چلتا کہ آندھی آنے والی ہے۔ اس نے آثار سے اور قرآئن سے بتا دیا کہ آندھی آنے والی ہے ــــــ اسی طرح زندگی کے سفر کے لئے بھی ایک رہنما کی ضرورت ہے۔ جو پہلے سے بتا دے کہ تم آندھی کا نشانہ بننے جا رہے ہو۔ اسی سے بچنے کا سامان کر لو۔

ظاہری سہاروں پر بھروسہ کرنا نادانی ہے

اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملا کہ ہم نے تو درخت کے نیچے پناہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن گاڑی بان نے ہمیں درخت کے نیچے پناہ لینے سے منع کر دیا ــــــ اس

سے یہ سبق ملا کہ یہ ظاہری سہارے جو دنیا میں نظر آتے ہیں ان کو سہارا سمجھنا بڑی نادانی ہے اس لئے یہ ظاہری سہارے ان آندھیوں کے موقعوں پر انسان کو اور زیادہ کچل دیتے ہیں۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ ان ظاہری سہاروں پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اگر ہم اس ظاہری سہارے پر بھروسہ کر لیتے تو مارے جاتے۔

اپنے آپ کو خاک میں ملا دے

تیسرا سبق اس واقعہ سے یہ ملا کہ ان آندھیوں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو خاک میں ملا دے اور زمین سے چپکا دے کہ:

کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

یعنی اپنے آپ کو خاک میں ملا دے اور اپنا رشتہ اوپر والے کے ساتھ استوار کر لے۔ یہ ہے صحیح راستہ، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد جو آندھیاں چلتی ہیں وہ اوپر اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ اور اس رہنما کی رہنمائی کے نتیجے میں وہ آندھیاں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی ـــــ بہرحال، اس ایک واقعہ سے ہم نے تین سبق لئے۔ ایک یہ کہ رہنما کی ضرورت، دوسرے یہ کہ ظاہری سہاروں پر بھروسہ نہ کرنا، تیسرے کہ اپنے آپ کو مٹی میں ملانا۔ اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ استوار کرنا۔

ہر واقعہ سے عبرت حاصل کرو

آپ اندازہ لگائیں کہ اگر یہ واقعہ ہمارے آپ کے ساتھ پیش آتا، تو کیا ہمارا ذہن کبھی ان باتوں کی طرف جاتا؟ اس طرف ہماری اور آپ کی نگاہ نہ جاتی۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دیدہ بینا عطا فرماتے ہیں، بصیرت عطا فرماتے

ہیں وہ لوگ دنیا میں پیش آنے والے ہر واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی اصلاح کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝

(سورۃ الروم: ۴۲)

یعنی زمین میں چلو پھرو، لیکن محض چلنا پھرنا ہی مقصود نہیں۔ بلکہ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے انجام کو دیکھو۔ دیدہ بینا لے کر پھرو۔ اور اپنی زندگی کے لئے اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرو۔

مغربی دنیا سے عبرت کی باتیں

صحیح بات یہ ہے کہ ہماری زندگی میں پیش آنے والا کوئی بھی واقعہ ایسا نہیں ہے جس سے ہم کوئی نہ کوئی نصیحت حاصل نہ کر سکتے ہوں۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو زیادہ گہری نظر کا تقاضہ کرتی ہیں۔ اور بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ وہ نظر پیدا فرما دیتے ہیں۔ اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بالکل کھلی اور واضح ہوتی ہیں۔ ہر انسان ان کو محسوس کر لیتا ہے ــــــ گزشتہ دو تین ہفتے مجھے اس مغربی دنیا میں گزارنے کا موقع ملا۔ تو کچھ عبرت کی باتیں سامنے آئیں، خیال ہوا کہ آج آپ کی خدمت میں وہی عبرت کی باتیں عرض کروں۔ واقعۃً ہم سب کے لئے اس میں بڑے عظیم سبق ہیں اور بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا

فرمائے ـــــ آمین۔

دنیا کمانے کے لئے وہاں جا کر آباد ہوئے

پہلی بات یہ ہے کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ ان مغربی ممالک میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد وہاں جا کر آباد ہو گئی ہے۔ کچھ مسلمان پاکستان سے، کچھ ہندوستان سے۔ کچھ عرب ممالک سے، کچھ افریقی ممالک سے۔ مختلف ملکوں سے لوگ وہاں پہنچے ہیں۔ اور کچھ وہاں کے نو مسلم بھی ہیں ـــــ جو لوگ ابتداء میں ان مغربی ممالک یورپ اور امریکہ میں پہنچے تھے ان کے پیش نظر اپنی معاشی حیثیت کو مستحکم کرنا اور ملازمت کے ذریعہ یا بزنس کے ذریعہ زیادہ پیسے کمانا ان کے پیش نظر تھا۔ مغربی دنیا کی چمک دمک جس کا دور دور سے شہرہ سنا تھا اس چمک دمک کو دیکھنے کا شوق تھا۔ اور وہاں جا کر رہ جانے کی آرزو تھی۔ یہ سوچ لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے اور شاذ و نادر ہی کسی نے یہ سوچا ہوگا کہ وہاں ہم چلے گئے تو شاید دنیا تو بہتر ہو جائے لیکن دین کا کیا بنے گا؟ جاتے وقت یہ بات سوچنے والے شاذ و نادر ہی کچھ لوگ تھے۔ ورنہ اکثر لوگ صرف دنیا کی چمک دمک دیکھ کر وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر دنیا بن بھی گئی، پیسے زیادہ کما بھی لئے اور دین کو قربان کر کے کمائے تو کیا کمایا۔ اس طرف ان کا ذہن ہی نہیں گیا۔

زیادہ پیسے کمانے کے لئے غیر مسلم ملک میں آباد ہونے کا حکم

یہاں یہ مسئلہ بھی عرض کر دوں کہ کسی غیر مسلم ملک میں صرف زیادہ پیسے کمانے کی خاطر آباد ہونا، یہ شرعی اعتبار سے مکروہ اور ناجائز ہے۔ فقہاء کرام میں

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے ملک اور اپنے وطن میں اپنی ضرورت کے مطابق کھا کمارہا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ زیادہ پیسے کسی طرح کمالوں۔ اسی غرض سے کسی غیر ملک میں جا کر آباد ہونا گناہ ہے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کی شہادت قابل قبول نہیں ـــــ ہاں اگر کسی کو اپنے ملک میں پیسے نہیں مل رہے ہیں اور کھانے کو میسر نہیں یا کوئی اور مجبوری ہے تو الگ بات ہے۔ لیکن محض پیسے زیادہ کمانے کی خاطر زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر وہاں جا کر آباد ہونا شریعت کے اعتبار سے جائز نہیں۔

میں ایسے شخص سے بری ہوں

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا بَرِيءٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ

(ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب النهی عن القتل من اعتصم، حدیث نمبر ۲۶۴۵)

کہ وہ مسلمان جو مشرکین کے درمیان جا کر آباد ہو کہ اس کے چاروں طرف مشرکین اور کافر ہیں۔ اور یہ ان کے درمیان جا کر آباد ہو رہا ہے میں ایسے شخص سے بری ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے سخت الفاظ ارشاد فرمائے۔ اور پھر آگے فرمایا کہ: "لَا تَرَاءَى نَارَاهُمَا" کہ مسلمانوں اور کافروں کی بستی میں اتنا فاصلہ ہو کہ دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آئیں۔ یعنی وہ لوگ آگ جلائیں تو ان کو نظر نہ آئے۔ اور جب یہ لوگ آگ جلائیں تو ان کو نظر نہ آئے۔ اتنا فاصلہ دونوں کی

آبادیوں کے درمیان ہونا چاہئے اسی حدیث کی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ محض زیادہ پیسے کمانے کی خاطر ان ممالک میں جا کر آباد ہو جانا جائز نہیں۔

انہی کے رنگ میں پوری طرح رنگ گئے

لیکن جانے والوں میں کس کو اس مسئلہ پر عمل کرنے اور علماء کرام سے پوچھنے کا ہوش تھا۔ اس وقت تو دل و دماغ پر بات چھائی ہوئی تھی کہ وہ چمک دمک کی دنیا ہے اس میں جا کر آباد ہونا چاہئے۔ لہٰذا وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ وہاں آباد ہونے کے بعد لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو وہ لوگ جنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں کے رنگ میں رنگ گئے۔ بقول شخصے ____ ہر چہ در کانِ نمک رفت نمک شد ____ کہ جو بھی نمک کی کان میں گیا۔ وہ نمک بن گیا ____ انہوں نے یہ سوچا کہ جب ہم یہاں آ کر آباد ہو گئے ہیں تو اب ہمیں انہی کا معاشرہ انہی کی تہذیب انہی کی معاشرت انہی کا رہن سہن اختیار کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا لباس پوشاک بدل دیا۔ صورت بدل دی۔ اخلاق بدل دیئے۔ زبان بدل دی۔ گویا کہ سب کچھ بدل دیا۔ یہاں تک انہی میں گھل مل گئے ____ العیاذ باللہ ____ یہاں تک انہی میں شادی بیاہ کا سلسلہ بھی جاری کر لیا۔ صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ مردوں نے غیر مسلم عورتوں سے شادیاں کر لیں بلکہ اس کے برعکس مسلمان عورتوں نے غیر مسلم مردوں سے شادیاں کر لیں ____ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص خوردبین لگا کر بھی ان کو دیکھے تو ان کے اندر اسلام کا کوئی ذرہ نظر نہ آئے۔

اپنے آباء واجداد کا دین بھول گئے

لیکن اپنا سب کچھ بدلنے کے باوجود جو وہاں کے اصل باشندے تھے ،ان کی نظروں میں اپنا کوئی مقام حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ اس معاشرے میں پھر بھی وہ تیسرے درجے کے شہری ہی رہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ لوگ یہ بھی بھول گئے کہ ہمارے آباء و اجداد کس دین کے پیروکار تھے۔ کس دین سے تعلق رکھتے تھے ___ اللہ تعالیٰ اس انجام سے محفوظ رکھے ___ آمین۔

ان کو اپنے بچوں کی فکر لاحق ہوگئی

اس کے بالمقابل دوسری قسم کے لوگ وہ تھے کہ جو یہاں سے مغربی ممالک میں غفلت کی حالت میں گئے تھے۔ لیکن دل میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کی چنگاری لے کر گئے تھے۔ وہ چنگاری دل میں روشن اور فروزاں تھی۔ اس چنگاری نے اپنا رنگ دکھایا۔ اور رنگ یہ دکھایا کہ جب شادیاں ہوئیں اور بچے ہوئے اور جب بچے بڑے ہونے لگے تو اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ چلو ہم نے جیسی تیسی گزار لی سو گزار لی۔ لیکن ہم ان بچوں کے لئے کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اور ان بچوں کو کیا بنانا ہے؟ یہ جس معاشرے میں پل بڑھ رہے ہیں اور جس معاشرے کو چاروں طرف سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ اسی طرح پلتے بڑھتے رہے تو یہ بچے اپنے دین سے بالکل بے گانہ ہو جائیں گے۔

مسجد کو زندگی کا مرکز بنالیا

جب یہ فکر ان کے دل میں پیدا ہوئی تو اس فکر نے دل میں ایک غیر معمولی پیاس اور تڑپ پیدا کی، اب ہوش آیا کہ جو زندگی ہم نے دین سے دور رہ کر گزاری، وہ کتنی تباہی اور ہولناکی کا راستہ تھا۔ اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ بچوں کی فکر تو بعد میں کریں گے پہلے خود اپنی اصلاح کی فکر تو کرلیں ____ الحمدللہ ____ اب چند سالوں سے یہ فکر بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے ____ اور مسلمانوں میں یہ تڑپ پیدا ہو رہی ہے اس تڑپ کے نتیجے میں لوگوں نے اب وہاں پر اپنی ساری زندگی کا مرکز مسجد کو بنالیا ہے۔ اور مسجد کا نام وہاں عام طور پر ''اسلامی سینٹر'' رکھا جاتا ہے۔ اور اسی ذہن اور اس فکر والے حضرات اس ''مسجد'' کو اپنی تمام سرگرمیوں کا نقطہ آغاز بنا کر اور اپنی ساری جدوجہد کا مرکز اس مسجد کو بنایا ہوا ہے۔ اور الحمدللہ۔ یہ صورت حال دیکھنے میں آتی ہے کہ وہاں مسجدوں کی ایسی فراوانی اور کثرت نہیں ہے جیسے ہمارے ملک میں ہے کہ ہر محلے میں مسجد ہو ____ وہاں تو بہت مشکلوں سے مسجد بنتی ہے۔ اب وہاں الحمدللہ یہ صورت ہو رہی ہے کہ لوگ ''چرچ'' خرید کر ان کو مسجدوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی مساجد کی وہ فراوانی نہیں ہے جو یہاں ہے۔

دور دراز سے سفر کر کے مسجد میں حاضری

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ۴۰ میل اور ۵۰ میل دور سے سفر کر کے مسجدوں میں پہنچتے ہیں۔ اور وہاں ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئے جو

مصروف ہونے کے باوجود آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کر کے پانچوں وقت مسجد میں نماز کے لئے لازماً آتے ہیں ___ ایسے مناظر دیکھ کر انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے کہ اس ماحول اور اس معاشرے کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر یہ فکر پیدا فرمادی۔ بعض مساجد میں یہ دیکھنے میں آیا کہ سب سے زیادہ اجتماع فجر کی نماز اور عشاء کی نماز میں تھا۔ اس لئے کہ لوگ اپنے اپنے کاموں پر جانے سے پہلے فجر کی نماز میں مسجد میں پہنچ جاتے ہیں ___ اور بعض اوقات میں اس وقت بھی ۵۰۔۵۰ میل دور سے لوگ آ کر فجر کی نماز میں شامل ہوتے ہیں۔ اور اس کی فکر اور کوشش کرتے ہیں کہ مسجد کے قریب کوئی رہائش مل جائے تو بڑی نعمت ہو گی ___ اگر کوئی شخص مسجد کے قریب رہتا ہو تو اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص کتنا خوش نصیب ہے کہ اس کا گھر مسجد سے قریب ہے۔

بچوں کو اسلامی تعلیم دلانے کی فکر

اس ماحول میں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دلانا ایک بڑا زبردست مسئلہ ہے۔ اور ہر مسلمان اس مسئلہ سے دو چار ہے۔ اور روزانہ کم از کم چار یا پانچ گھنٹے صرف کر کے اپنے بچے کو اس لائق کرتا ہے کہ کسی طرح میرا بچہ قرآن کریم پڑھنا سیکھ لے۔ صبح دفتر جانے سے بچے کو "اسلامی مرکز" میں پہنچائے گا۔ اور شام کو بچے کو واپس لے کر آئے گا ___ بعض اوقات اس میں کئی کئی گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مصروف زندگی ہے اور ٹریفک کا سیلاب ہے۔ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے بچوں کو "اسلامی مرکز" میں پہنچاتے ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم

دلاتے ہیں۔

مشرق کے مسلمانوں میں بے فکری

میں یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں یہ فکر اس ماحول میں رہتے ہوئے ڈال دی ___ اور وہاں لوگوں کے اندر جتنی فکر بڑھ رہی ہے اس کے بالکل برعکس یہاں مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں میں یہ فکر گھٹ رہی ہے۔ کہ مسجد کے بالکل پاس اور مسجد کے بغل میں گھر ہے پھر بھی مسجد میں حاضر ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ہر مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا انتظام ہے، لیکن کسی کو یہ فکر نہیں کہ اپنے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دلا دیں۔ اس کی طرف دھیان نہیں۔ اس کی طرف التفات نہیں۔ دنیا کی اسی چمک دمک کی طرف دل مائل ہیں۔ اسی کی طرف سے نگاہیں خیرہ ہیں، لیکن ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں۔

یہاں کی صورت حال اور وہاں کی صورت حال

آج یہاں صورت حال یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں دین کے بارے کوئی سوال پیدا ہو جائے تو اس کا جواب حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ الحمدللہ، علماء کرام اور مفتی حضرات کی فراوانی ہے۔ کسی دارالافتاء میں ٹیلیفون کر لیں تو جواب مل جائے، ایک دو میل چلے جائیں تو بالمشافہ جواب مل جائے۔ خط میں سوال لکھ کر دارالافتاء کو بھیج دیں تو جواب مل جائے ___ لیکن مغربی ممالک میں یہ حال ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سوالات کے طوفان ہیں اور جواب دینے والا

موجود نہیں۔ اور جس جگہ بھی جانا ہوا وہاں لوگوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ مجھے تین منٹ بات کرنے کا موقع مل جائے تو میں اپنا سوال پیش کر کے جواب لے لوں۔ لوگوں میں فکر موجود ہے لیکن جواب دینے والا نہیں۔ جبکہ یہاں یہ صورت حال ہے کہ جواب دینے والے بیٹھے ہیں لیکن سوال کرنے والا نہیں۔ اور وہاں پر لوگ ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ یہاں ایسے سوالات سننے کو نہیں ملتے۔ ان کے سوالات سن کر حیرانی ہوتی ہے کہ اس ماحول میں رہتے ہوئے ان کے دلوں میں کیسے کیسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

ان وسائل کی قدر کرو اور فائدہ اٹھاؤ

وہاں یہ عجیب و غریب منظر نظر آ رہا ہے اور دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے دین پر عمل کرنے وسائل فراوانی کے ساتھ عطا فرمائے ہیں۔ وہاں تو غفلت کا یہ عالم ہے اور جہاں پر دین پر عمل کرنے کے وسائل بظاہر مسدود ہیں وہاں پر مسلمانوں کے اندر دین پر عمل کرنے کا اتنا جذبہ پیدا ہو رہا ہے ____ بہر حال یہ سب باتیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی قدر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے ملک میں پیدا فرما دیا تو اب ہم اس کی قدر کریں۔

ایک نومسلم کو جماعت چھوٹنے پر افسوس

وہاں پر ایک بہت بڑا طبقہ نومسلموں کا ہے۔ اس کو دین کی معلومات حاصل کرنے کے مواقع میسر نہیں۔ ان کے اندر اس درجہ دین کے مسائل سے ناواقفیت ہے کہ ان بچاروں پر ترس آتا ہے۔ خاص طور پر وہاں پر جو کالے مسلمان ہیں، ان

کے اندر مسلمان ہو جانے کے بعد عمل کرنے کا جذبہ بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کو معلومات حاصل نہیں۔ چنانچہ اسی سفر کے دوران ایک مرتبہ میں نیویارک میں جو کالوں کا علاقہ ہے وہاں پر ایک مسجد میں مغرب کی نماز کے لئے گیا۔ نماز کے بعد ایک کالا نوجوان جس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ بھاگتا ہوا گھبراہٹ کے عالم میں مسجد کے اندر آیا۔ اور اس نے آکر پوچھا کہ جماعت ہوگئی؟ میں نے جواب دیا ہاں: جماعت ہوگئی۔ یہ جواب سن کر ایسا لگا کہ جیسے اس کے اوپر بجلی گر گئی۔ کہنے لگا کہ افسوس ـــــ اِنَّا لِلّٰہ ـــــ میں تو جماعت میں شریک ہونے کے لئے دو میل سے بھاگتا ہوا آرہا تھا کہ کسی طرح جماعت میں شامل ہو جاؤں۔

نومسلم میں اسلامی تعلیمات کا شوق اور جذبہ

اب وہ نوجوان جس ماحول میں زندگی گزار رہا ہے اس ماحول میں فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ وہ نوجوان نماز کی تلاش میں دو میل سے بھاگتا ہوا آرہا ہے۔ اور اس کا سانس پھولا ہوا ہے ـــــ میں نے اس نوجوان کو تسلی دی کہ تم نے جماعت میں شامل ہونے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی، انشاء اللہ تمہیں ثواب مل جائے گا۔ اب تم اپنی نماز پڑھ لو ـــــ اس نوجوان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور ابھی مغرب کی نماز کا وقت باقی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ مغرب کا وقت صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ بس آدمی جماعت میں شامل ہو جائے اس کے بعد وقت نہیں رہتا۔ اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ میری نماز قضا ہوگئی۔ میں نے اس کو بتایا کہ نہیں تمہاری نماز قضا نہیں ہوئی۔ تم

نماز پڑھ لو۔ چنانچہ اس نے نماز پڑھی۔ اور نماز کے بعد مجھ سے کہنے لگا کہ جناب:
یہ بتایئے کہ مجھے مسلمان ہوئے دو سال ہو گئے ہیں۔ لیکن مجھے اسلام کی تعلیمات کا
پتہ نہیں میں نماز تو پڑھتا ہوں اور مجھے نماز ابتداء سے لے کر رکوع تک آتی
ہے۔ رکوع کے بعد کی نماز نہیں آتی۔ میں کس طرح نماز سیکھوں؟ مجھے کوئی طریقہ
بتایئے ____ میں نے اس کو مقامی لوگوں کے ساتھ تبلیغی مرکز میں بھیجا تا کہ وہاں
رہ کر نماز اور دوسری تعلیمات سیکھ لے۔ الحمدللہ وہ وہاں پہنچ گیا۔

یہاں دینی علوم کے دروازے کھلے ہیں

بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ دو سال سے مسلمان ہے اور اس
کے جذبات یہ ہیں کہ وہ دو میل سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے بھاگا
ہوا آ رہا ہے، علم سیکھنے کے مواقع نہیں ہیں اس لئے پریشان ہے کہ کہاں سے علم
حاصل کروں۔ جبکہ یہاں دین کے علوم کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ____
لیکن بے نیازی اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ کسی کو اس طرف توجہ نہیں ہے کہ وہ ذرا
دھیان دے کر دین کی باتیں سیکھ لے۔

کہیں یہ نعمت ہم سے نہ چھن جائے

قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے ڈر لگتا ہے جس میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا

اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (سورۃ محمد: ۳۸)

مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم اسلام سے روگردانی کر رہے ہو اور تم صحیح راستے پر نہیں آتے یا تم اسلام کو چھوڑ بیٹھو یا اسلام کی تعلیمات کو چھوڑ بیٹھو تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ تم اپنا ہی بگاڑ کر رہے ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ پر کسی دوسری قوم کو لے آئیں گے۔ وہ تم جیسی نہیں ہوگی ____ اللہ اس انجام سے بچائے کہ یہ دینِ اسلام کی نعمت کہیں منتقل ہو کر کسی اور کے پاس نہ چلی جائے۔

ہم نے کوئی مشقت اسلام کے لئے نہیں اٹھائی

بہرحال، ہم لوگوں نے چونکہ اسلام اور ایمان کو اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں پایا ہے۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے مسلمان والدین کو دیکھا۔ گھر سے کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' سیکھ لیا اس کو حاصل کرنے کے لئے قربانی نہیں دی۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے پاؤں میں کوئی کانٹا نہیں چبھا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا۔ کوئی مشقت نہیں اٹھائی۔ اس لئے ہمیں اس ایمان کی حلاوت معلوم نہیں۔ اس کی حلاوت ان لوگوں سے پوچھئے جو اس کو حاصل کرنے کے لئے محنتیں کرتے ہیں۔ مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ قربانیاں دیتے ہیں ان کا حال دیکھ ہم لوگ کچھ عبرت حاصل کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر بیٹھے کتنی بڑی نعمت عطا کر دی ہے ____ بہرحال، ایک عبرت کا پہلو تو یہ ہے کہ وہاں پر علم دین حاصل کرنے کے مواقع نہیں لیکن پیاس ہے۔ اور یہاں علم دین حاصل کرنے کے بے شمار مواقع موجود ہیں لیکن پیاس کی کمی ہے۔ اسی پیاس کو

پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ پیاس پیدا فرمادے اور دین کی طلب پیدا فرما اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمادے ــــــ آمین۔

ساری ترقی کے باوجود دل میں سکون نہیں

دوسرا پہلو عبرت کا یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں مغربی اقوام کی مادی بالادستی کا شہرہ ہے کہ وہ لوگ چاند تک پہنچ گئے۔ وہ لوگ مریخ تک پہنچ گئے اور انہوں نے ستاروں پر کمندیں ڈال دیں۔ انہوں نے فضا کو تسخیر کرلیا۔ سائنس کی ترقی کے اوج کمال تک پہنچ گئے ــــ ان کی اس ترقی کو دیکھ کر آنکھیں چندھیا رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان کی سائنسی ترقی کو دیکھا جائے تو واقعی وہ اوج کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ سائنسی ترقی کے ایسے ایسے کرشمے نظر آتے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے ــــ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک پہلو ایسا ہے جو ہم سب کے لئے بڑی عبرت کا ہے۔ وہ یہ کہ یہ لوگ سائنسی ترقی اور مادی ترقی کے سارے وسائل اپنے دامن میں سمیٹنے کے بعد بھی اس مغربی انسان کے دل میں ایک کسک ہے، ایک خلش ہے جو ساری اسباب راحت جمع کرنے کے باوجود وہ کسک اور خلش نہیں جاتی۔ اس خلش کا مداوا نہیں ملتا۔ دنیا کی ساری دولت سمیٹ لی، راحت اور لذت کے سارے اسباب جمع کر لئے اور خدا بیزاری پر اپنی سوسائٹی کو تعمیر کر کے جتنے لذت اور راحت کے اسباب ہو سکتے تھے وہ اختیار کر لئے۔ حلال و حرام کی فکر کو چھوڑ دیا اور خدا کو جواب دہی کا احساس ختم کر دیا ــــ اب اپنے نفس کی تسکین کے جتنے راستے ہو سکتے

تھے وہ سب چوپٹ کھول دیئے کوئی روک ٹوک، کوئی پابندی کوئی قدغن نہیں۔

دل کا سکون اللہ کے سامنے جھکنے میں ہے

سب کچھ اختیار کرنے کے باوجود جو اندر کا انسان ہے وہ مطمئن ہو کر نہیں دیتا۔ حالانکہ ساری لذتیں حاصل کر لیں۔ ساری خوشیاں حاصل کر لیں لیکن اندر کی کسک نہیں جا رہی ہے ــــــ وہ کسک یہ ہے کہ اس انسان کو پیدا کرنے والے تو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ کسی کے آگے سر نیاز خم کرے۔ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہے۔ اس کی فطرت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ جب یہ اپنی پیشانی اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے نہیں ٹیکے گا اس وقت تک اس کے دل کو سکون نہیں ملے گا۔ اطمینان نہیں ملے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝٢٨

(سورۃ الرعد: ۲۸)

قلب کا اطمینان اور سکون اگر حاصل ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے آگے سر نیاز خم کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ بات اس کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ وہ انسان انسان ہی نہیں جو اپنا سر اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ جھکائے۔ وہ انسان نعمت طمانینت سے اور نعمت سکون سے عمر بھر محروم رہے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر نیاز خم نہ کرے۔ انہوں نے خدا سے بیزار ہو کر اپنی زندگی کو تعمیر تو کر لیا۔ اور لذت اور راحت کے تمام اسباب تو سمیٹ لئے لیکن اس کے باوجود سکون نہیں ملتا۔ "پیسے" خوب موجود، بینک بیلنس بہت اعلیٰ درجے کا۔ عزت اور شہرت اور

لذتوں کے اسباب یہ سب کچھ موجود، لیکن کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ کوئی خواب آور گولیوں میں پناہ لے رہا ہے، کوئی نشے کے اندر پناہ لے رہا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نشہ کروں گا تو شاید یہ بے اطمینانی دور ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد چونکہ سکون سے محروم ہیں۔ اس لئے وہ لوگ روح کے سکون کا راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں ___ وہ ملتا نہیں۔

وہ ہندو سادھوؤں کے پیچھے چل پڑے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں کہیں تھوڑی سی روحانیت بلکہ اس کا دھوکہ بھی سامنے آجاتا ہے تو وہ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ چنانچہ ہندو وہاں پہنچ گئے۔ اور ہندو سادھوؤں نے ان سے کہا کہ ہمارے ہاں انسان کو سکون مہیا کرنے سے بہت طریقے ہیں۔ چنانچہ ان ہندوؤں کے یہاں مراقبے ہوتے ہیں اور ''یوگا'' ہوتا ہے۔ چنانچہ ان سے کہا تم یہ مراقبہ کرو، پھر دیکھو کتنا سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور روح کو قرار ملتا ہے، چونکہ وہ مادیت کی زندگی سے اکتائے ہوئے تھے، روح کے سکون کی تلاش میں تھے۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ اس کو بھی آزما کر دیکھیں۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ ان ہندو سادھوؤں نے ''یوگا'' کی مشق کرائی تو ان کو عام زندگی سے ہٹ کر تھوڑا مزہ آیا تو انہوں نے کہا کہ روح کا سکون یہاں سے ملے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندوؤں کے پیچھے چل پڑے۔ اور اس کی وجہ سے ہندو مذہب وہاں کافی مقبول ہو رہا ہے ___ بہرحال، وہاں کا انسان اس کی تلاش میں ہے کہ کسی طرح دل کو سکون ملے۔

اسلام پیش کرنے کا نادر موقع

اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اس مغربی قوم کے سامنے "اسلام" پیش کرنے کا یہ نادر ترین موقع ہے۔ اس لئے کہ جس سکون کی وہ تلاش میں ہے وہ سکون ان کو نہ "یوگا" میں ملے گا اس لئے کہ کچھ دن کے لئے عارضی سکون کا دھوکہ ہوگا پھر وہاں سے وہ واپس لوٹے گا۔ لیکن اصلی سکون اس کو مل سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ملے گا۔ اس کے علاوہ کہیں سکون نہیں ملے گا ____ لیکن جو قوم ان کے سامنے اسلام پیش کر سکتی تھی وہ قوم اسلام کی طرف داعی بننے کے بجائے اس کے راستے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

مسلمان قصوروار ہیں، اسلام نہیں

ابھی ایک مشہور گویا "یوسف اسلام" مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنا نام بھی "یوسف اسلام" رکھا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے دن تک مسلمان نہیں ہوئے۔ حالانکہ آپ کافی عرصہ سے اسلام کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ اب تک کیوں مسلمان نہیں ہوئے؟ ____ اس نے جواب میں کہا کہ جب اسلام کا اور اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرتا تھا تو میرے دل میں یہ یقین آتا تھا کہ بہترین مذہب یہی ہے لیکن جب میں اس اسلام کے پیروکار مسلمانوں کی حالت دیکھتا تھا تو دل میں رکاوٹ پیدا ہوتی کہ اگر دین برحق ہوتا تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی اور مسلمانوں کے اخلاق یہ نہ ہوتے، ان کے اعمال یہ نہ ہوتے، اس لئے میں دو سال تک اس کشمکش میں مبتلا رہا کہ اسلام قبول کروں یا نہ

کروں؟___ بعد میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب تم اس دین کو برحق سمجھ رہے ہو تو یہ جو مسلمانوں کی جو حالت بنی ہوئی ہے وہ اسلام کی وجہ سے نہیں بلکہ دین اسلام کو چھوڑنے کی وجہ سے بنی ہوئی ہے۔ اس میں دین اسلام کا کوئی قصور نہیں۔ بلکہ دین پر عمل کرنے والوں کا قصور ہے۔ وہ قصور اس دین اسلام پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔

ہم لوگ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہیں

اب وہ شخص اتنا بڑا مسلمان ہے کہ وہاں پر امریکہ میں اسلام کا بہت بڑا داعی بنا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ اسلام کی دعوت کے لئے نکلتا ہے۔ اور لوگوں میں اس کی وجہ سے اسلام کی قبولیت بڑھ رہی ہے۔ جب میں وہاں امریکہ میں تھا اسی زمانے میں اس کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ چونکہ وہ پہلے گویا تھا۔ تو کسی گانے والی کمپنی نے اس سے سوال کیا کہ آپ کے جتنے گانے تھے وہ زیادہ مشہور تھے اور اس کی رائلٹی کے لاکھوں ڈالر آپ کو ملتے تھے۔ اب وہ رائلٹی آپ سے چھن گئی، آپ کے ساتھ یہ بڑی بے انصافی کی جارہی ہے۔ کہ آپ کو رائلٹی بھی نہیں دی گئی___ اس نے جواب دیا کہ میں نے گناہ کے ذریعہ جس رائلٹی کو حاصل کیا تھا اس رائلٹی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اور میری خواہش یہ ہے کہ اس رائلٹی کا ایک ڈالر بھی میری آمدنی میں شامل نہ ہو___ بہرحال مغربی اقوام کو اسلام کی دعوت دینے کا یہ بہترین وقت ہے لیکن ہم لوگ بجائے اس کے کہ ان کو دین کی طرف راغب کریں اس اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں

''روح'' کے سکون کی دولت عطا کی ہے۔ لیکن ہم لوگ اس روح کے سکون کی دولت کو چھوڑ کر اس مادّی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح پیسے زیادہ کما لیں۔ اور لذت اور راحت کے اسباب حاصل کریں۔ اور روح کی سکون کے جو اصل راستے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ــــ یہ دوسری عبرت کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین۔

باطل کے اندر ترقی کرنے کی صلاحیت نہیں

تیسری بات جو ہمارے لئے عبرت کا سامان ہے۔ وہ یہ کہ آج پوری دنیا میں مغربی اقوام کی ترقی کا شور ہے۔ ان کے بام عروج تک پہنچنے اور پوری دنیا پر چھا جانے کا شور ہے ــــ میری والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت پیاری بات فرمایا کرتے تھے جو ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے وہ فرماتے تھے کہ ''باطل میں ابھرنے اور ترقی کرنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا:

إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

(سورۃ الاسراء: ۸۱)

یعنی باطل مٹنے والی چیز ہے۔ ابھرنے والی چیز نہیں۔ اس لئے باطل کبھی نہیں ابھر سکتا لیکن اگر کسی باطل قوم کو یا باطل شخص کو دیکھو کہ وہ ابھر رہا ہے یا ترقی کر رہا ہے تو سمجھ لو کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اور اس چیز نے اس کو ابھار دیا ہے۔ ورنہ باطل کے اندر ابھرنے کی طاقت نہیں ــــ اور دنیا میں ''حق'' سربلند ہونے کے

لئے آیا ہے اس میں جھکنے اور مٹنے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اس کے اندر ابھرنے کی صلاحیت ہے۔ اگر کسی حق قوم کو دیکھو کہ وہ گر رہی ہے وہ انحطاط اور زوال کا شکار ہے تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ کوئی باطل چیز لگ گئی ہے۔ جس نے اس کو گرایا ہے۔ ورنہ اگر حق ہی حق ہوتا تو کبھی یہ قوم نہیں گرتی۔

مغربی اقوام کی ترقی کی وجہ

اس لئے فرمایا کہ یہ مغربی اقوام اور باطل قومیں جو ترقی کر رہی ہیں اور ابھر رہی ہیں یہ اپنے باطل کی وجہ سے ترقی نہیں کر رہی ہیں۔ بلکہ کوئی حق چیز انہوں نے اپنے ساتھ لگالی ہیں۔ ان حق چیزوں نے ان کو ترقی دے دی ہے۔ اور اس کا مشاہدہ ہر جانے والا آنکھوں سے کرتا ہے کہ واقعتاً بعض اوصاف ان کے اندر ایسے ہیں جو ہمارے دین اسلام کی تعلیمات ہیں ـــــ ان تعلیمات کو اپنے معاشرے کے اندر رچا بسا دیں۔ مثلاً ان کے اندر تجارت میں دھوکہ کا تصور نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ تاجر ہونے کی حیثیت سے دوسرے کو دھوکہ دے دیں۔ اسی طرح وہاں جھوٹ کا تصور نہیں کہ جھوٹ بول کر پیسے کمالیں۔ یہ وہ حق باتیں ہیں جو اس باطل کے ساتھ لگ گئیں ـــــ اسی حق نے ان کو ابھار دیا۔ ورنہ ان کی اپنی ذات میں ابھرنے کی طاقت نہیں تھی۔

خریدا ہوا سامان ایک ہفتہ کے بعد واپس کر سکتے ہیں

آپ سامان خرید لیں۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ دکاندار کے پاس جائیں کہ اس سے کہیں کہ یہ سامان ہمیں پسند نہیں آیا۔ وہ دکاندار بے کھٹک وہ سامان واپس

لے لے گا۔ بلکہ بعض حالات میں ایک ، ماہ اور دو ماہ کے بعد بھی سامان واپس لے لیتا ہے۔ وہاں پر اس کا عام رواج ہے چاہے وہ چیز کتنی قیمتی کیوں ہو ___ ایک صاحب جو یہاں سے گئے ، انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بڑا اچھا دستور ہے ان کو کچھ لیٹر ٹائپ کرنے تھے وہ ایک ٹائپ رائٹر خرید کر لے آئے۔ ہفتہ بھر اس کو استعمال کیا ایک ہفتہ کے بعد واپس لے آئے۔ تو مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اپنی دیانت اور امانت اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کا اچھا تاثر قائم کرتے اس کے بجائے اس طرح کی حرکتیں کر کے غلط تاثر قائم کر رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اب وہاں کے لوگ ذرا محتاط ہو گئے ہیں۔

ہم نے دین کی اچھی باتیں چھوڑ دیں

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ افسوس کہ ہمارے لوگ جب ان مغربی ممالک میں جاتے ہیں تو وہاں عریانی، فحاشی اور بدمعاشی تو سیکھ کر آجاتے ہیں لیکن ان کے اندر جو اچھی باتیں ہیں ان کو نہیں سیکھتے، حالانکہ یہ حق ہے جو باطل کے ساتھ لگ گیا اور اس حق نے اس کو ابھار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے۔ اس دنیا میں اسباب کے تحت جزا اور سزا دیتے ہیں۔ اگر تم محنت کرو گے، دیانت اور امانت اور سچائی سے کام کرو گے تو دنیا کے اندر تمہیں ترقی مل جائے گی ___ اس میں کافر اور مومن کا فرق نہیں ___ بہرحال، یہ تیسرا عبرت کا سامان ہے کہ جو مسلمانوں کے کرنے کے کام تھے وہ کام انہوں نے اختیار کر لئے اور مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور اس کی وجہ سے حسرت ہوتی ہے کہ ہم کسی طرح اپنے دین کی

تعلیمات کو چھوڑ بیٹھے۔ اور دین کو ہم نے صرف عبادت کی حد تک اور نماز روزے کی حد تک محدود کرلیا۔ اور اخلاق معاشرت معاملات میں دین کی بالا دستی کو ختم کر دیا۔ اور دین پر چلنا چھوڑ دیا۔ اس کے نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے

بہر حال، یہ سب عبرت کے پہلو ہیں جو ہم سب کے لئے سوچنے کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس بگڑے ہوئے معاشرے میں کیا کر سکتے ہیں۔ ماحول ہی ایسا ہو گیا۔ یاد رکھئے ____ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ کسی شخص سے دوسرے شخص کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ خیال کرنا اور سوچنا کہ سب لوگ یہ کام کر رہے ہیں، میں بھی وہی کام کروں، یہ خیال درست نہیں، آپ وہ کام نہ کریں، کیونکہ اگر ایک انسان اپنی ذات میں درست ہو جائے تو کم از کم ایک برائی تو معاشرے سے ختم ہو گئی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ
لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ

(سورۃ المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اگر تم ہدایت پر آجاؤ، سیدھے راستے پر آجاؤ تو دوسرے لوگ جو گمراہ ہو رہے ہیں۔ ان کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ لہٰذا اپنا معاملہ درست کرلو ____ اپنی عبادات، اپنے اخلاق، اپنے معاملات،

اپنی معاشرت کو درست کرلو، اپنے آپ کو گناہ سے بددیانتی سے دھوکہ سے بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو توفیق عطا فرمائے ــــــ آمین۔

اختتام

بہرحال، یہ عبرت کے چند سبق تھے جو اس سفر میں بار بار دل کے اندر گھومتے رہے تو خیال آیا کہ آپ حضرات کو اس میں شامل کرلوں۔ شاید ان باتوں کے ذریعہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ عبرت کا کوئی سامان پیدا فرمادے اور ہماری اصلاح کا راستہ پیدا فرمادے ــــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

●●●

●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ

رب العالمین الرحمن الرحیم

مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین

اهدنا الصراط المستقیم

صراط الذین انعمت علیہم

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝

حافظ انجم محمود، فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وحیٔ الٰہی کی ضرورت اور اہمیت

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۰۔ اگست ۱۹۹۲ء
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	دارالعلوم بفیلو۔ بفیلو، امریکہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وحیِ الٰہی کی ضرورت اور اہمیت

امریکہ کے شہر بفیلو میں حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن خلیفہ خاص شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ؒ نے ایک ''دارالعلوم بفیلو'' قائم فرمایا۔ اس دارالعلوم کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو دعوت دی، اور اس افتتاح کے موقع پر ۱۸۔ اپریل ۱۹۹۲ء کو حضرت والا نے یہ بیان فرمایا۔ جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ میمن۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورۃ توبہ: ۱۲۲)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

دارالعلوم بفیلو کی افتتاحی تقریب

میرے محترم بزرگو، دوستو، بھائیو اور بہنو: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے لئے یہ بڑی عظیم سعادت کا موقع ہے اور میں اسے اپنی زندگی کے خوش نصیب ایام میں شمار کرتا ہوں کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک ایسے ادارے کی افتتاحی تقریب میں شریک ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ جو اس براعظم امریکہ میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے، امریکہ کے پھیلے ہوئے اس براعظم میں جہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں اب تک یہاں کوئی ایسا تعلیمی ادارہ موجود نہیں تھا جو مسلمانوں کی اس ضرورت کو پورا کر سکے کہ وہاں سے مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے صحیح معنی میں علماء حق پیدا ہوں۔ اور دین کی مطلوبہ خدمت انجام دے۔

امریکہ میں مدرسہ کا قیام

اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے کسی بندے کے دل میں اس کام کا داعیہ اور جذبہ، قوت اور شدت کے ساتھ پیدا فرماتے ہیں۔ میرے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے اوپر عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین ___ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ تڑپ پیدا فرمائی اور کئی سال سے اس تڑپ کے اثرات میں ان کے چہرے پر، ان کی گفتگو میں اور ان کی جدوجہد میں دیکھتا رہا ہوں۔ ان کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ امریکہ کے اس پھیلے ہوئے براعظم میں مسلمانوں کے دین کے تحفظ اور اس کی بقا کے لئے ایسے لوگ پیدا ہوں جو صحیح معنی میں حاملان دین ہوں ___ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخلصانہ جذبہ میں یہ برکت عطا فرمائی کہ ان کے اس کام میں رکاوٹیں بھی آئیں۔ دشواریاں بھی آئیں۔ لیکن ان کی اس مخلصانہ جدوجہد کا بہترین پھل اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ یہ عمارت جس میں ہم اور آپ بیٹھے ہیں اور اس کا افتتاح کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ درحقیقت اس مخلصانہ جذبے اور دعاؤں کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہ جانے کس تڑپ کے ساتھ مانگی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس دارالعلوم کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرمائے۔ آمین۔ مجھے لگ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انشاء اللہ اس ادارے میں، اس براعظم میں، اور اس کے ذریعہ سے پوری دنیا میں کوئی کام لینا منظور ہے۔ انشاء اللہ۔ جس

کے نتیجے میں غیب سے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے۔

دارالعلوم کا تعارف اور اس کی ضرورت

جہاں تک ''دارالعلوم'' کے تعارف اور اس کی ضرورت کا تعلق ہے مجھ سے پہلے حضرت مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب مدظلہم اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور ان سے پہلے میرے برادر عزیز مولانا محمد ابراہیم صاحب نے جس تفصیل کے ساتھ اور جس وضاحت کے ساتھ اس دارالعلوم کے مقاصد اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی، اللہ تعالیٰ ان کے علم میں، ان کی عمر میں اور ان کے عمل میں برکت عطا فرمائے۔ انہوں نے جس تفصیل کے ساتھ اس موضوع کا احاطہ کیا اب اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی ____ لیکن تعمیل حکم کی خاطر چند مختصر گزارشات میں بھی عرض کر کے اس سعادت میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان گزارشات کو صحیح طریقہ پر، صحیح نیت سے اور صحیح مقصد کے ساتھ کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس ترقی یافتہ دور میں قدیم نظام تعلیم کی کیا ضرورت؟

میں اس وقت ایک پہلو کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ پہلو یہ ہے کہ آج ہم اس عمارت میں بیٹھ کر اس دارالعلوم کے آغاز اور افتتاح کی جو مسرت محسوس کر رہے ہیں اور اس پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں، اس ہال سے باہر جا کر دنیا میں جاری ہوئے نظاموں سے متعارف ہو کر دیکھیں تو ہمیں کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے اور شاید کافی تعداد میں ملیں جو یہ کہیں گے کہ اس دور

میں، اس بیسویں صدی میں، اس ترقی یافتہ دنیا میں اور اس ترقی یافتہ ملک میں۔ ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی جارہی ہے جو چودہ سو سال پرانے نظام کو واپس لانے کی دعوت دینے والا ہے، جو چودہ سو سال پرانی تعلیمات کو زندہ کرنے والا ہے۔ یہ دور جس میں دنیا چاند پر پہنچ رہی ہے، جس میں مریخ پر کمندیں ڈال رہی ہے اور سائنسی ترقیات اپنے عروج پر پہنچ رہی ہیں۔ اس دور میں اس ماحول میں بیٹھ کر قرآن کریم کو بغیر سمجھے صرف یاد کرانے کی کوشش کرنا یہ چودہ سو سال پہلے اترے ہوئے قرآن کریم کی اور چودہ سو سال پہلے کہی ہوئی احادیث کی تعلیم کی کوشش کرنا، اس بیسویں صدی میں اس کی کیا ضرورت ہے؟

''علم'' کس کو کہتے ہیں؟

میں مختصراً یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ درحقیقت جو لوگ اس علم کی حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ یہ علم دین ایک پرانے نظامِ زندگی کی طرف لوٹانے والا دین ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ''علم'' کس کو کہتے ہیں؟ علم کیا چیز ہے؟ علم کے معنی کیا ہیں؟ اور کیا واقعتاً یہ سائنس اور علوم مروّجہ، ان کے حاصل کر لینے سے علم کے حاصل کرنے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے؟ یا اس کے باوجود کسی اور علم کی ضرورت ہے؟

زندگی گزارنے کے لئے علم کی ضرورت

یہ سمجھنے کے لئے میں آپ حضرات کو تھوڑا سا یہ سوچنے کی دعوت دوں گا

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا اور پیدا کیا۔ اور پیدا کرنے کے بعد اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے اگر علم نہ ہو تو انسان اس دنیا میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ لیکن اس علم کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف ذرائع عطا فرمائے۔ اور ان میں سے علم کا ہر ذریعہ اپنا ایک محدود دائرہ رکھتا ہے۔ اس دائرے کے اندر وہ علم کا ذریعہ کام کرتا ہے۔ اور اگر اس دائرے سے باہر نکل کر اس ذریعہ سے کام لینا چاہیں تو انسان اس سے کام نہیں لے سکتا۔ اور اس کو علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

حصول علم کے پانچ ذرائع

مثلاً علم کے ذرائع جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائے ہیں وہ اس کے حواس خمسہ ہیں۔ پانچ حواس۔ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، ناک۔ یہ پانچ حواس ہیں۔ جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے ___ بعض چیزوں کا علم انسان آنکھ سے دیکھ کر حاصل کرتا ہے، بعض چیزوں کا علم کان سے سن کر حاصل کرتا ہے، بعض چیزوں کا علم زبان سے چکھ کر حاصل کرتا ہے، بعض چیزوں کا علم ہاتھ سے چھو کر حاصل کرتا ہے اور بعض چیزوں کا علم ناک سے سونگھ کر حاصل کرتا ہے ___ یہ پانچ ذرائعِ علم اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔

ہر ذریعہ کا ایک دائرۂ کار ہے

ان سارے ذرائع میں اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ ہر ایک کا ایک

فنکشن ہے، ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص دائرۂ عمل ہے۔ اس دائرۂ عمل کے اندر وہ کام کرے گا۔ اس دائرہ سے باہر اس کو استعمال کروگے تو وہ کام نہیں کرے گا ــــــ مثلاً آنکھ علم کا ذریعہ ہے لیکن یہ آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ سن نہیں سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ کے ذریعہ سننے کا کام لوں، اور کان بند کردوں اور آنکھ سے سننا چاہوں تو وہ آنکھ سننے کا کام نہیں دے سکتی ــــــ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کانوں سے دیکھنے کا کام لوں، کہ آنکھیں بند کرلوں اور کان سے دیکھ کر علم حاصل کروں تو کان جواب دینے سے انکار کردے گا۔ وہ کان دیکھ نہیں سکتا۔ کسی چیز کا ذائقہ چکھنے کے لئے جو ذریعۂ علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ زبان ہے، زبان سے چکھ کر انسان کو ذائقہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میٹھا ہے یا کڑوا ہے، یا کھٹا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کام اپنی آنکھ سے لینا چاہے کہ زبان سے تو نہ چکھے، بلکہ آنکھ سے دیکھ کر یہ معلوم کرے کہ اس میں مٹھاس ہے یا کڑواہٹ ہے تو محض آنکھ سے دیکھ کر یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا ہر ایک ذریعۂ علم کا اپنا ایک دائرہ ہے۔ اس سے باہر وہ ذریعۂ علم کام نہیں دے سکتا۔

علم کا چھٹا ذریعہ "عقل"

ہاں ایک موقع ایسا آتا ہے جہاں یہ پانچوں حواس خمسہ جواب دینا بند کر دیتے ہیں۔ اس جگہ نہ آنکھ علم عطا کرتی ہے، نہ کان اور نہ زبان، نہ ہاتھ علم عطا کرتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور ذریعۂ علم انسان کو عطا فرمایا، وہ ہے انسان کی "عقل" ــــــ جہاں یہ آنکھ، کان، ناک، ہاتھ وغیرہ کام کرنا چھوڑ

دیں اور جواب دینا بند کر دیں، وہاں پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا کی ہے۔ اسی عقل سے بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔

عقل کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے؟

مثلاً میرے سامنے یہ مائیکروفون رکھا ہوا ہے۔ اس کو آنکھ سے دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ اس کا رنگ کالا ہے۔ ہاتھ سے چھو کر معلوم ہوا کہ یہ ٹھوس ہے، شاید لوہے کا بنا ہوا ہے۔ میں اس کو زبان سے چکھ کر دیکھوں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے اندر کوئی ذائقہ موجود نہیں ____ یہ تین باتیں تو میرے حواس نے بتا دیں۔ لیکن یہ بات کہ یہ مائیکروفون وجود میں کیسے آیا؟ یہ بات اگر میں اپنی آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر معلوم کرنا چاہوں تو آنکھ مجھے اس کا جواب نہیں دے گی۔ اس لئے کہ اس کے وجود میں آنے کا جو پروسیس (Process) ہے وہ میری آنکھ نے نہیں دیکھا ____ کان سے سن کر یہ علم حاصل نہیں کر سکتا، زبان سے چکھ کر حاصل نہیں کر سکتا، ہاتھ سے چھو کر حاصل نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور علم کا ذریعہ عطا فرمایا ہے وہ ''عقل'' ہے۔ میری عقل نے مجھے یہ بتایا کہ یہ مائیکروفون جو بڑے سسٹمیٹک (SYstematic) انداز میں بنا ہوا ہے اور بہت مفید کام انجام دے رہا ہے۔ یہ خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے۔ حالانکہ وہ بنانے والا میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ میں نے اپنی آنکھ سے اس کو بناتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کان سے نہیں سنا، لیکن میری عقل نے میری رہنمائی کی کہ یہ مائیکروفون خود بخود وجود میں نہیں

آسکتا اس کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے۔ لہٰذا یہ "عقل" چھٹا ذریعۂ علم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے۔

علم کا ساتواں ذریعہ "وحیِ الٰہی"

اور جس طرح حواس خمسہ کا ایک دائرہ کار تھا۔ "Juris diction" تھا۔ اور ان کا فنکشن غیر محدود نہیں تھا۔ بلکہ ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح عقل کا فنکشن (Function) بھی غیر محدود نہیں۔ وہ بھی لا محدود رہنمائی نہیں کرتی ایک محدود دائرے میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے، ایک حد تک کام کرتی ہے اور اس حد کے بعد وہ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے ___ اور جس مقام پر عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساتواں ذریعۂ علم عطا فرمایا ہے جس کا نام ہے "وحیِ الٰہی" اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ وحی، یہ وحی اس جگہ ہے جہاں تنہا عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور عقل انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور وہ انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔

عقل کا بھی ایک دائرہ کار ہے

جس طرح کوئی انسان اگر یہ چاہے کہ میں آنکھ سے کان کا کام لوں اور آنکھ سے سننا چاہوں، وہ انسان بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے کہ آنکھ دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ سننے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے ___ اسی طرح اگر کوئی شخص عقل کے ذریعہ وہ علم حاصل کرنا چاہے جو عقل کا فنکشن نہیں۔ بلکہ وہ وحیِ الٰہی

کا فنکشن ہے وہ شخص بھی اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ شخص بے وقوف ہے جو آنکھ سے دیکھنے کے بجائے سننے کا کام لینا چاہے ____ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں معلومات حاصل کرنے کی یہ ترتیب رکھی ہے۔ بہر حال وحیٔ الٰہی ایک مستقل ذریعۂ علم ہے جو اس مقام پر آتا ہے جہاں ''عقل'' کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام اور سیکولر نظام میں فرق

اسلام اور سیکولر نظام حیات میں یہی فرق ہے کہ سیکولر نظام کے پیروکار، علم کے پہلے دو ذرائع استعمال کرنے کے بعد رک جاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے پاس علم کے حصول کا کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے۔ بس ہماری آنکھ، کان، ناک ہے اور ہماری عقل ہے۔ اس سے آگے کوئی اور ذریعۂ علم نہیں ہے۔ اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ان دونوں ذرائع کے آگے تمہارے پاس ایک اور ذریعۂ علم بھی ہے اور وہ ہے ''وحیٔ الٰہی''۔

وحیٔ الٰہی کی ضرورت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ کہ عقل کے ذریعہ ساری باتیں معلوم نہیں کی جاسکتیں بلکہ آسمانی ہدایات کی ضرورت ہے، وحیٔ الٰہی کی ضرورت ہے پیغمبروں اور رسولوں کی ضرورت ہے اور آسمانی کتابوں کی ضرورت ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہمارے موجودہ معاشرے میں کس حد تک درست ہے؟

عقل دھوکہ دینے والی ہے

آج کل عقل پرستی (Rationalism) کا بڑا زور ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کو عقل کی میزان پر پرکھ کر اور تول کر اختیار کریں گے لیکن عقل کے پاس کوئی ایسا لگا بندھا ضابطہ (Formula) اور کوئی لگا بندھا اصول (principle) نہیں ہے جو عالمی حقیقت (Universal Truth) رکھتا ہو۔ جس کو ساری دنیا کے انسان تسلیم کر لیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے خیر و شر اور اچھائی برائی کا معیار تجویز کر یں۔ کون سی چیز اچھی ہے؟ کون سی چیز بری ہے؟ کون سی چیز اختیار کرنی چاہئے؟ کون سی چیز اختیار نہیں کرنی چاہئے؟ یہ فیصلہ جب ہم عقل کے حوالے کرتے ہیں تو آپ تاریخ اٹھا کر دیکھتے جایئے، اس میں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ اس عقل نے انسان کو اتنے دھوکے دیئے ہیں جس کا کوئی شمار اور حد و حساب ممکن نہیں۔ اگر عقل کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا تو انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لئے میں تاریخ سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

بہن سے نکاح خلاف عقل نہیں

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے عالم اسلام میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا۔ جس کو ''باطنی فرقہ'' اور ''قرامطہ'' کہتے ہیں۔ اس فرقے کا ایک مشہور لیڈر گزرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا ہے وہ خط بڑا دلچسپ ہے۔ جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی

گزارنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی ہے کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بڑی خوبصورت، سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے۔ اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے۔ لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ نباہ صحیح ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایک ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی، سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی، مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس بہن کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دے۔ اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت و آرام نہ دے۔ یہ بے عقلی ہے، عقل کے خلاف ہے۔ میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر ہی میں رکھیں۔

(الفرق للبغدادی ص ۲۹۷۔ بیان مذاہب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

بہن اور جنسی تسکین

اور دوسری جگہ عبید اللہ بن حسن قیروان عقل کی بنیاد پر اپنے پیروؤں کو یہ پیغام دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ:

''یہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کھانا پکا سکتی ہے، اس کی بھوک دور کرسکتی ہے اس کی راحت کے لئے اس کے کپڑے سنوار سکتی ہے، اس کا بستر درست کرسکتی ہے تو اس کی جنسی تسکین کا سامان کیوں نہیں کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔''

(الفرق للبغدادی ص ۲۹۷۔بیان مذاھب الباطنیہ للدیلمی، ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن ہے

آپ اس کی بات پر جتنی چاہے لعنت بھیجیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ خالص عقل کی بنیاد پر جو وحیِ الٰہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحیِ الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو اس عقل کی بنیاد پر آپ اس کے اس استدلال کا جواب دیں۔ خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک اس کے اس استدلال کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

عقلی اعتبار سے بداخلاقی نہیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو بڑی بداخلاقی کی بات ہے، بڑی گھناؤنی بات ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ یہ بداخلاقی اور گھناؤنا پن یہ سب ماحول کے پیدا کردہ تصورات ہیں۔ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جہاں اس

بات کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ورنہ عقلی اعتبار سے کوئی عیب نہیں۔

نسب کا تحفظ کوئی عقلی اصول نہیں

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس سے حسب ونسب کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کا جواب موجود ہے کہ نسبوں کا سلسلہ خراب ہو جاتا ہے تو ہونے دو۔ اس میں کیا برائی ہے؟ نسب کا تحفظ کون سا ایسا عقلی اصول ہے کہ اس کی وجہ سے نسب کا تحفظ ضرور کیا جائے۔

یہ بھی ہیومین ارج (Human Urge) کا حصہ ہے

اگر آپ اس استدلال کے جواب میں یہ کہیں کہ اس سے طبی طور پر نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اب یہ تصورات سامنے آئے ہیں کہ استلذ اذ بالا قارب (Incest) سے طبی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آج مغربی دنیا میں اس موضوع پر کتابیں آرہی ہیں کہ استلذ اذ بالا قارب (Incest) انسان کی فطری خواہش (Human Urge) کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کے جو طبی نقصانات بیان کئے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ وہی نعرہ جو آج سے آٹھ سو سال پہلے عبید اللہ بن حسن قیروان نے لگایا تھا۔ اس کی نہ صرف صدائے بازگشت بلکہ آج مغربی ملکوں میں اس پر کسی طرح عمل ہو رہا ہے۔

وحیٔ الٰہی سے آزادی کا نتیجہ

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو عقل کے دائرہ کار (Jurisdiction) میں نہیں ہے۔ جہاں وحیٔ الٰہی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور عقل کو وحیٔ الٰہی کی رہنمائی سے آزاد کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ ہم جنس پرستی (Sexuality) کے جواز کا بل تالیوں کی گونج میں منظور کر رہی ہے۔

اور اب تو باقاعدہ یہ ایک علم بن گیا ہے۔ میں ایک مرتبہ اتفاق سے نیویارک کے ایک کتب خانہ میں گیا۔ وہاں پر پورا ایک علیحدہ سیکشن (Section) تھا جس پر یہ عنوان لگا ہوا تھا کہ ''گے اسٹائل آف لائف (Gay Style of Life) تو اس موضوع پر کتابوں کا ایک ذخیرہ آچکا ہے اور باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں۔ ان کے گروپ اور جماعتیں ہیں۔ اور وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس زمانے میں نیویارک کا میئر (Mayor) بھی ایک Gay تھا۔

عقل کا فریب

پچھلے ہفتے کے امریکی رسالے ٹائم کو اگر آپ اٹھا کر دیکھیں تو اس میں یہ خبر آئی ہے کہ خلیج کی جنگ میں حصہ لینے والے فوجیوں میں سے تقریباً ایک ہزار افراد کو صرف اس لئے فوج سے نکال دیا گیا کہ وہ ہم جنس پرست (Homo Sexual) تھے۔ لیکن اس اقدام کے خلاف شور مچ رہا ہے۔ مظاہرے ہو رہے ہیں اور

چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ "محض جنس پرست ہونے کی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کو فوج کے عہدوں سے برخاست کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے اور ان کو دوبارہ بحال کرنا چاہئے"۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو ایک ہیومین ارج (Human Urge) ہے۔ اور آج (Human Urge) کا بہانہ لے کر دنیا کی ہر بری سے بری بات کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ سب عقل کی بنیاد پر ہو رہا ہے کہ بتاؤ عقلی اعتبار سے اس میں کیا خرابی ہے؟ اور یہ تو صرف جنس انسانی کی بات تھی اب تو بابت جانوروں، کتوں، گدھوں اور گھوڑوں تک پہنچ گئی ہے اور اس کو بھی باقاعدہ فخریہ بیان کیا جا رہا ہے۔

عقل کا ایک اور فریب

بات واضح کرنے کے لئے ایک اور مثال عرض کردوں کہ یہ ایٹم بم جس کی تباہ کاریوں سے تمام دنیا آج خوف زدہ اور پریشان ہے اور ایٹمی اسلحہ میں تخفیف کے طریقے تلاش کر رہی ہی۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopaedia of Britannica) میں ایٹم بم پر جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو ذرا کھول کر دیکھیں۔ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں ایٹم بم کا تجربہ دو جگہ پر کیا گیا ہے۔ ایک ہیروشیما اور دوسرے ناگا ساکی پر۔ اور ان دونوں مقامات پر ایٹم بم کے ذریعہ جو تباہی ہوئی اس کا ذکر تو بعد میں آگے چل کر کیا ہے لیکن اس مقالے کو شروع یہاں سے کیا گیا ہے کہ ہیروشیما اور ناگا ساکی پر جو ایٹم بم برسائے گئے اس کے ذریعہ ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں اور ان کو موت کے منہ

سے نکالا گیا۔ اور اس کی منطق یہ لکھی ہے کہ اگر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم نہ گرائے جاتے تو پھر جنگ مسلسل جاری رہتی اور اس میں اندازہ یہ تھا کہ تقریباً ایک کروڑ انسان مزید مرجاتے۔ تو ایٹم بم کا تعارف اس طرح کرایا گیا کہ ایٹم بم وہ چیز ہے جس سے ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں۔ یہ اس واقعہ کا جواز (Justification) پیش کیا جارہا ہے۔ جس پر ساری دنیا لعنت بھیجتی ہے کہ اس ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ان بچوں کی نسلیں تک تباہ کر دی گئیں، بے گناہوں کو مارا گیا اور یہ جواز (Justification) بھی عقل کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا کوئی بری سے بری بات اور کوئی سنگین سے سنگین خرابی ایسی نہیں ہے جس کے لئے عقل کوئی نہ کوئی دلیل اور کوئی نہ کوئی جواز فراہم نہ کردے۔

آج ساری دنیا فاشزم (Fascism) پر لعنت بھیج رہی ہے اور سیاست کی دنیا میں ہٹلر اور مسولینی کا نام ایک گالی بن گیا ہے۔ لیکن آپ ذرا ان کا فلسفہ تو اٹھا کر دیکھیں کہ انہوں نے اپنے فاشزم (Fascism) کو کس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی اگر فاشزم کے فلسفے کو پڑھے گا تو اسے اعتراف ہونے لگے گا کہ بات تو سمجھ میں آتی ہے، معقول بات ہے۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ عقل ان کو اس طرف لے جارہی ہے۔ بہر حال! دنیا کی کوئی بد سے بدتر برائی ایسی نہیں ہے جس کو عقلی دلیل کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو۔ اس لئے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جارہا ہے جہاں اس کے استعمال کی جگہ نہیں ہے۔

عقل کی مثال

علامہ ابن خلدون جو بہت بڑے مؤرخ اور فلسفی گزرے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی۔ ہے وہ بڑے کام کی چیز ہے۔ لیکن یہ اسی وقت تک کام کی چیز ہے جب تک اس کو اس کے دائرے میں استعمال کیا جائے۔ لیکن اگر اس کو اس کے دائرہ سے باہر استعمال کرو گے تو یہ کام نہیں دے گی اور پھر اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی ہے کہ عقل کی مثال ایسی ہے جیسے سونا تولنے کا کانٹا، وہ کانٹا چند گرام سونا تول لیتا ہے اور بس اس حد تک وہ کام دیتا ہے۔ اور وہ صرف سونا تولنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کانٹے میں پہاڑ تولنا چاہے گا تو اس کے نتیجے میں وہ کانٹا ٹوٹ جائے گا اور جب پہاڑ تولنے کے نتیجے میں وہ ٹوٹ جائے تو اگر کوئی شخص کہے کہ یہ کانٹا تو بیکار چیز ہے اس لئے کہ اس سے پہاڑ تو تلتا ہی نہیں ہے، اس نے تو کانٹے کو توڑ دیا تو اسے ساری دنیا احمق کہے گی۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس نے کانٹے کو غلط جگہ پر استعمال کیا اور غلط کام میں استعمال کیا اس لئے وہ کانٹا ٹوٹ گیا۔

(مقدمہ ابن خلدون، بحث علم الکلام، ص ۴۴۰)

اسلام اور سیکولرازم میں فرق

اسلام اور سیکولرازم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ بیشک تم عقل کو استعمال کرو۔ لیکن صرف اس حد تک جہاں تک وہ کام دیتی ہے۔ ایک

سرحد ایسی آتی ہے جہاں عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے۔ جیسے کمپیوٹر ہے۔ اگر آپ اس کو اس کام میں استعمال کریں جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے تو وہ فوراً جواب دے دے گا۔ لیکن جو چیز اس کمپیوٹر میں فیڈ (Feed) نہیں کی گئی۔ وہ اگر اس سے معلوم کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ کمپیوٹر کام نہیں کرے گا بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دے گا۔ اسی طرح جو چیز اس عقل کے اندر فیڈ نہیں کی گئی۔ جس چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے جو وحیٔ الٰہی ہے۔ جب وہاں عقل کو استعمال کرو گے تو یہ عقل غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ جس کے لئے قرآن کریم اتارا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ

(سورۃ النساء: ۱۰۵)

ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی جس سے واقع کے موافق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔

یہ قرآن کریم آپ کو بتائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہ بتائے گا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ یہ سب باتیں آپ کو محض عقل کی بنیاد پر نہیں معلوم ہو سکتیں۔

یہ بات میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ واقعتاً انسان کے پاس وحیٔ الٰہی کے سوا کوئی معیار نہیں ہے جو ان مبہم تصورات پر جائز حدیں قائم

کرنے کا کوئی لازمی اور ابدی معیار فراہم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سوا انسان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔

صرف مذہب معیار بن سکتا ہے

آپ فلسفہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کیا تعلق ہے؟ قانون میں ایک مکتب فکر ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ قانون کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اچھے برے کا تصور غلط ہے۔ نہ کوئی چیز اچھی ہے نہ کوئی چیز بری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ Should اور Should not اور Ought وغیرہ کے الفاظ درحقیقت انسان کی خواہش نفس کے پیدا کردہ ہیں۔ ورنہ اس قسم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس واسطے جو معاشرہ جس وقت جو چیز اختیار کرلے وہ اس کے لئے درست ہے۔ اور ہمارے پاس اچھائی اور برائی کے لئے کوئی معیار نہیں ہے جو یہ بتا سکے کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں چیز بری ہے۔ اور یہ اصول قانون پر مشہور ٹیکسٹ بک Jurisprudence میں ہے، اس میں اس بحث کے آخر میں ایک جملہ لکھا ہے کہ:

> ''انسانیت کے پاس ان چیزوں کے تعین کے لئے ایک چیز معیار بن سکتی تھی۔ وہ ہے مذہب (Religion) لیکن چونکہ ریلیجن (Religion) کا تعلق انسان کی بلیف (Belief) اور عقیدے سے ہے اور سیکولر نظام حیات میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس واسطے ہم اس کو ایک بنیاد کے طور پر نہیں

اپنا سکتے۔"

ہمارے پاس اس کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے

ایک اور مثال یاد آگئی ہے جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا تھا جس وقت برطانیہ کی پارلیمنٹ میں ہم جنس پرستی (Homo Sexuality) کا بل تالیوں کی گونج میں پاس ہوا۔ اس بل کے پاس ہونے سے پہلے کافی مخالفت بھی ہوئی اور اس بل پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو اس مسئلہ پر غور کرے کہ آیا یہ بل پاس ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اس کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اور فریڈ مین (Fridman) کی مشہور کتاب "دی لیگل تھیوری" (The Legal theory) میں اس رپورٹ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اس کمیٹی نے ساری رپورٹ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ چیز اچھی نہیں لگتی۔ لیکن چونکہ ہم ایک مرتبہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں قانون کو دخل انداز نہیں ہونا چاہیے اس لئے اس اصول کی روشنی میں جب تک ہم سن (sin) اور کرائم (crime) میں تفریق برقرار رکھیں گے کہ سن اور چیز ہے اور کرائم علیحدہ چیز ہے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اس عمل کو روکنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں! اگر سن اور کرائم کو ایک تصور کر لیا جائے تو پھر بیشک اس بل کے خلاف رائے دی جاسکتی ہے۔ اس واسطے ہمارے پاس اس بل کو رد کرنے

کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لئے یہ بل پاس ہو جانا چاہئے۔''

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ (Law) کو اسلامائز کیا جائے تو اس کے معنی یہی ہیں کہ سیکولر نظام نے حصول علم کی جو دو بنیادیں، آنکھ، کان، ناک، زبان وغیرہ اور عقل اختیار کی ہوئی ہیں۔ اس سے آگے ایک اور قدم بڑھا کر وحئ الٰہی کو بھی حصول علم اور رہنمائی کا ذریعہ قرار دے کر اس کو اپنا شعار بنائیں۔

اس حکم کی ریزن (Reason) میری سمجھ میں نہیں آتی

اور جب یہ بات ذہن میں آجائے کہ وحئ الٰہی شروع ہی وہاں سے ہوتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ تو پھر وحئ الٰہی کے ذریعہ قرآن وسنت میں جب کوئی حکم آجائے۔ اس کے بعد اس بناء پر اس حکم کو رد کرنا کہ صاحب! اس حکم کا ریزن (Reason) میری سمجھ میں نہیں آتا'' احمقانہ فعل ہوگا۔ اس واسطے کہ وحی کا حکم آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں ریزن کام نہیں دے رہی تھی۔ اگر ریزن کام دے چکی ہوتی تو پھر وحی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر اس حکم کے پیچھے جو حکمتیں ہیں اگر وہ ساری حکمتیں تمہاری عقل ادراک کر سکتی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ کو وحی کے ذریعہ اس کے حکم دینے کی چنداں حاجت نہیں تھی۔

قرآن وحدیث میں سائنس اور ٹیکنالوجی

یہیں سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا۔ جو اکثر ہمارے پڑھے لکھے طبقے کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ صاحب! آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ساری دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہی ہے لیکن

ہمارا قرآن اور ہماری حدیث، سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں کوئی فارمولا ہمیں نہیں بتاتے۔ کہ کس طرح ایٹم بم بنائیں کس طرح ہائیڈروجن بم بنائیں۔ اس کا کوئی فارمولا نہ تو قرآن کریم میں ملتا ہے اور نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض لوگ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں کہ ''صاحب! دنیا چاند اور مریخ پر پہنچ رہی ہے اور ہمارا قرآن ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاتا کہ چاند پر کیسے پہنچیں؟''

سائنس اور ٹیکنالوجی تجربہ کا میدان ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قرآن ہمیں یہ باتیں اس لئے نہیں بتاتا کہ وہ دائرہ عقل کا ہے۔ وہ تجربہ کا دائرہ ہے۔ وہ ذاتی محنت اور کوشش کا دائرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان کے ذاتی تجربے عقل اور کوشش پر چھوڑا ہے کہ جو شخص جتنی کوشش کرے گا اور عقل کو استعمال کرے گا تجربہ کو استعمال کرے گا اس میں آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن آیا ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کا دائرہ ختم ہو رہا تھا۔ عقل اس کا پوری طرح ادراک نہیں کرسکتی ان چیزوں کا ہمیں قرآن کریم نے سبق پڑھایا ہے ان چیزوں کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کی ہیں۔

اس ملک کی بنیاد اندر سے کھوکھلی ہے

بہرحال تنہا عقل کی بنیاد پر جو معاشرے تعمیر ہوئے، اس کے نتائج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آج بیشک پوری دنیا میں اس ملک ''امریکہ'' کا ڈنکا بجا ہوا ہے اور اس کی قوت، طاقت اور وسائل کا ڈنکا بجا ہوا ہے۔ لیکن جس

بنیاد پر اس ملک کی معاشرت کو کھڑا کیا گیا ہے۔ وہ بنیاد اندر سے کھوکھلی ہے۔ اور آج نہ سہی لیکن آئندہ آنے والی ہماری نسلیں اس چیز کو دیکھیں گی کہ اس کھوکھلی بنیاد پر جو عمارت کھڑی کی ہے وہ اس طرح گر جائے گی جس طرح ''اشتراکیت'' کی عمارت گر چکی۔ اس لئے کہ:

''بنے گا جو شاخ نازک پہ آشیانہ وہ ناپائیدار ہوگا''

تا کہ تم تباہی سے بچ جاؤ

اس لئے ہم دنیا کے لوگوں کو وحیٔ الٰہی کی طرف آنے کی جو دعوت دیتے ہیں وہ انسانیت کے فائدے کے لئے دیتے ہیں۔ ہم یہ دعوت اس لئے دیتے ہیں تا کہ تم تباہی کی طرف نہ جاؤ، تا کہ تم اس عالم کو، اس کائنات کو تباہی سے دوچار نہ کرو۔ اگر دنیا کے مادّی وسائل اور دنیا کی ان سائنسی ترقیات کے ساتھ اگر وحیٔ الٰہی کا نور بھی شامل ہو جائے تو یقین رکھو کہ ساری کائنات میں کوئی تمہیں زیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر سائنسی ترقیات اور یہ مادی علوم وحیٔ الٰہی کے نور سے محروم رہیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ اندر سے کھوکھلی ہوتی چلی جائیں گی۔ اور بالآخر انسانیت کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گی۔

وحیٔ الٰہی کے آگے جھکنا پڑے گا

میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کے ذرائع میں صرف آنکھ، کان، زبان پر اکتفا کرنا اور صرف عقل پر اکتفا کرنا اس نے انسانیت کو تباہی کے کنارے پر پہنچایا ہے، یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانیت کی صلاح اور فلاح صرف اس بات میں

مضمر ہے کہ فیکٹریاں لگ جائیں اور کارخانے کھڑے ہو جائیں۔ اعلیٰ درجے کی ایجادات وجود میں آنے لگیں۔ اور اس کے نتیجے میں چاہے انسان درندہ بن جائے، چاہے انسان انسانیت کے دائرے سے نکل جائے چاہے اس کے اندر سے اخلاق کی روح فنا ہو جائے۔ اگر یہ انسانیت کا مقصود نہیں ہے تو ایک نہ ایک دن اس انسانیت کو ''وحیٔ الٰہی'' کے آگے سر بسجود ہونا ہوگا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لینی ہوگی۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس ''وحیٔ الٰہی'' کا علم حاصل کیا جائے۔

اس ادارے کا مقصد

یہ ادارہ جس کے افتتاح کے لئے آج ہم سب یہاں جمع ہیں۔ درحقیقت اس کے ذریعہ دنیا کو یہ پیغام دینا ہے کہ ہمارا منتہاء اور مقصود درحقیقت وہ علم حاصل کرنا ہے جس کی بنیاد وحیٔ الٰہی پر ہے۔ جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہدایت پر ہے۔ اس کے لئے ہمیں ایسے افراد درکار ہیں جو اس ''وحیٔ الٰہی'' کو سمجھ سکیں۔ اور اس وحیٔ الٰہی کے پیغام کو دوسروں تک پہنچا سکیں۔ اور اس کی دی ہوئی ہدایت سے دنیا کو منور کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے یہ ادارہ وجود میں آیا ہے۔

یہ طعنے تمہارے گلے کا زیور ہیں

آپ ہزار الزام لگاتے رہئے کہ یہ فنڈامینٹلسٹ ہیں۔ یہ بیک ورڈ لوگ ہیں یہ الزامات تو داعیان حق کے گلے کا زیور ہیں۔ یہ الزامات تو انبیاء علیہم

السلام پر لگائے گئے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (سورۃ هود: ۲۷)

انبیاء علیہم السلام سے کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ تمہاری اتباع کر رہے ہیں جو تمہارے پیچھے چل رہے ہیں یہ معمولی قسم کے فقیر مسکین درویش اور رذیل قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی بات سننے کے لائق نہیں ہے۔ اگر ان الزامات سے ڈر لگ رہا ہے تو پھر تم اس کوچے میں داخل مت ہو۔

''جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں؟''

اگر تم مسلمان ہو، اگر تم کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ایمان لائے ہو تو پھر ان طعنوں سے اور ان الزامات سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے اپنے عزم کو استوار کرنا ہوگا۔ یہ طعنے اور الزامات ہر دور میں اہل حق پر لگائے جاتے رہے ہیں۔ لیکن وہ الزامات لگانے والے مٹ گئے ان کا نام و نشان دنیا سے مٹ گیا۔ آج ان کا نام لینے والا باقی نہیں رہا۔ لیکن جن پر الزامات لگائے گئے تھے ان پر رحمتیں بھیجنے والے آج دنیا میں لاکھوں افراد موجود ہیں۔

طعنہ دینے والے فنا ہو گئے

کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات نہیں لگائے گئے؟ کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات نہیں لگائے گئے؟ کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ پر الزامات نہیں لگائے گئے؟ ____ لیکن آج کوئی شخص موجود ہے جو الزامات لگانے والے کا نام جانتا ہو؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب جانتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب جانتے ہیں۔ لیکن واثق باللہ اور معتصم باللہ کا نام جاننے والے گنے چنے چند افراد دنیا میں موجود ہیں ____ لہٰذا یہ طعنے مٹ جائیں گے۔ اور یہ الزامات فنا ہو جائیں گے اگر تمہارے اندر اسی بات پر اعتماد موجود ہے۔ اگر تمہارے اندر اس بات کا یقین موجود ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین عطا فرمایا ہے۔ وہ وحیٔ الٰہی کا نور ہے۔ اور انسانیت کی صلاح و فلاح اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ تو یقیناً یہ سب الزامات ایک دن غرق ہو جانے والے ہیں۔ ان سے مرعوب ہونے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ اپنا کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق جاری رکھو تاکہ دنیا کے سامنے صلاح و فلاح کا بہترین نمونہ پیش کر سکو۔

وحیٔ الٰہی کا نور دنیا میں پھیل جائے

یہ دار العلوم آج اسی مقصد کے لئے قائم ہو رہا ہے کہ وحیٔ الٰہی کا نور اس دنیا میں پھیلایا جائے۔ اور اس وحیٔ الٰہی کے نور سے اس عالم کو منور کیا جائے۔ یہ ہم میں سے ہر شخص کا فریضہ ہے اور ہم میں سے ہر شخص سے مطالبہ ہے کہ اس تحریک کے اندر جس شخص سے جتنا تعاون کرنا ممکن ہو وہ اس میں تعاون کرے۔ یاد رکھیں ہم کسی سے بیر اور کسی سے عداوت نہیں رکھتے۔

اللہ کے بندوں سے مجھے بیر نہیں ہے

یعنی میری دنیا میں کوئی غیر نہیں ہے

ہمیں کسی سے بیر نہیں۔ کسی سے عداوت نہیں۔ ہمیں سب سے ہمدردی ہے اور بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو نور اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ اسی نور سے پوری دنیا مستفیض ہو جائے۔ پوری دنیا فائدہ اٹھائے اور یہ دنیا جس تباہی کی طرف جارہی ہے اس سے اس کو روکا جائے۔ اس کے آگے بند باندھا جائے۔

ایسے اداروں کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں

اس مقصد کے لئے سب سے پہلے ہمیں خود تیار ہونا ہے۔ اور اپنے بچوں کو تیار کرنا ہے۔ اس تیاری کے لئے یہ ادارہ وجود میں آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور بہت بڑا انعام اس ملک پر اور اس ملک کے مسلمانوں پر ہے کہ الحمدللہ ایسا ادارہ وجود میں آ گیا اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ ادارہ اس علاقے میں ایک مینارۂ ہدایت ثابت ہوگا۔ اس ادارے ساتھ ہر طرح کے تعاون کی ضرورت ہے ___ اور سب سے بڑا تعاون یہ ہے کہ اپنے بچوں کو اس ادارے میں بھیجیں ___ پیسوں کا چندہ تو ہوتا رہتا ہے اور فنڈ ریزنگ کے لئے اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ جس سے چاہتے ہیں کام لے لیتے ہیں۔ ان اداروں کی تاریخ یہ ہے کہ ان میں سالانہ بجٹ نہیں بنتا ___ اور ان اداروں میں جب کوئی مالی ضرورت پیش آتی ہے تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غیب سے افراد بھیجتے ہیں۔

یہ سب ان کا کرم ان کی عطا ہے

کراچی میں ایک چھوٹا سا دارالعلوم ہم بھی چلاتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرایا ہے کہ کبھی آج تک کسی سے چندہ کی اپیل نہیں کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی ضرورت نہیں روکی ____ اگر اخلاص دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ادارہ قائم کیا جارہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وسائل ضرور مہیا فرمائیں گے۔ رکاوٹیں آئیں گی، مشکلات آئیں گی۔ لیکن انشاء اللہ ایک نہ ایک دن یہ رکاوٹیں دور ہوں گی۔ اور اس وقت بھی یہ عظیم الشان عمارت جو آپ حضرات کے سامنے ہے چند سال قبل اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اتنی بڑی عمارت اس کام کے لئے مہیا ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمادی۔ یہ ان کا کرم ہے۔ غیب سے اسباب مہیا فرمادیئے۔

اپنے بچوں کا چندہ دو

بہرحال، اس ادارے کے لئے مسلمان فنڈز تو مہیا کریں گے لیکن جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پیسوں کے چندہ سے زیادہ بچوں کا چندہ دیا جائے۔ اپنی اولاد کا دیا جائے ____ آپ جب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اولاد جہنم کی طرف جارہی ہے، آگ کی طرف جارہی ہے تو دل میں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ اولاد کو جہنم سے بچایا جائے۔ اور اس ادارے کی طرف لایا جائے ____ الحمد للہ، مسلمانوں میں پیسوں کا چندہ دینے کا جذبہ اور

رجحان پایا جاتا ہے۔لیکن جب ان سے کہا جائے کہ اپنا بچہ دارالعلوم میں داخل کر دو تو اس موقع پر وہ پس وپیش کرتے ہیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ادارہ وحیِ الٰہی کے نور کو پھیلانے کے لئے قائم کیا جا رہا ہے تو پھر اپنے بچوں کو کیوں اس کی طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو خوب ظاہری اور باطنی ترقیات عطا فرمائے۔ اور اس کی ہر طرح سے غیبی نصرت فرمائے۔ اور یہاں پر کام کرنے والوں کو اخلاص کے ساتھ دین کے علم کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وضو سنت کے مطابق کیجئے

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

ضبط و ترتیب
مولانا محمد عبد اللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۶۔ اگست ۱۹۹۱ء
وقت	:	بعد نماز عصر
بروز	:	جمعہ
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وضو سنت کے مطابق کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ، فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ. فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ. فَاِذَا

غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ.

(ریاض الصالحین باب بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث نمبر: ۱۲۹)

(صحیح مسلم، کتاب الطہارت باب خروج الخطایامع ماء الوضوء حدیث نمبر ۲۴۴)

چہرہ دھونے سے آنکھ کے گناہ معاف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مومن بندہ وضو کرتا ہے اور وضو کے دوران جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرہ سے ہر وہ گناہ جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ گناہ پانی کے ساتھ ساتھ دھل جاتے ہیں۔ یعنی معاف ہو جاتے ہیں ____ اب روای کو یہاں شک ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ پانی کے ساتھ وہ گناہ دھل جاتے ہیں۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ گناہ نکل جاتے ہیں۔ یعنی جس وقت اس نے منہ دھویا۔ اس کے منہ سے آخری قطرے جب بہیں گے تو وہ گناہ جو اس سے آنکھوں نے کئے تھے۔ وہ گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے معاف ہو جائیں گے۔

ہاتھ پاؤں دھونے سے دونوں کے گناہ معاف

اور جب وہ ہاتھ دھوئے گا تو ہاتھ دھوتے وقت وہ گناہ جس کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا ہو گا اور ہاتھوں کے پکڑنے سے جو گناہ ہوئے ہونگے۔ وہ اللہ

تعالیٰ کی رحمت سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ وہ بھی دھل جائیں گے۔ اور معاف ہو جائیں گے۔ یا یہ فرمایا کہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ گناہ نکل جائیں گے ____ اور جب وہ اپنے پاؤں دھوئے گا۔ تو ہر وہ گناہ جس کی طرف وہ پاؤں سے چل کر گیا ہو گا۔ وہ بھی پانی سے دھل جائیں گے۔ یہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جائیں گے۔ ایک روایت میں سر کے مسح کا ذکر بھی ہے کہ جب وہ شخص سر کا مسح کرے گا تو سر کے مسح کے ساتھ جتنے گناہ سر سے سرزد ہوئے ہوں گے وہ اس کے کانوں سے نکل جائیں گے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہاں تک کہ جب اس کا وضو پورا ہو گا تو وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو چکا ہو گا۔ اتنی بڑی فضیلت حدیث میں وضو کرنے پر بیان فرمائی گئی ہے۔

تین اعمال سے گناہ معاف درجات بلند

ایک اور حدیث ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُوْ اللهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ: قَالَ: اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ، وَکَثْرَةُ الْخُطَا اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ.

(ریاض الصالحین باب بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث نمبر: ۱۳۱)

(صحیح مسلم، کتاب الطهارة باب فضل اسباغ الوضوء علی المکاره۔ حدیث نمبر ۲۵۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے پوچھا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے ہیں، اور درجات کو بلند فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تین چیز بیان فرمائیں۔

ناگواری کے باوجود وضو پورا کرنا

پہلی چیز یہ بیان فرمائی: "إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ" یعنی آدمی ناگواری کے باوجود وضو پورا پورا کرے اور اس میں کوئی کسر نہ چھوڑے ۔۔۔ باوجودیکہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس حالت میں وضو کرنے میں مشقت محسوس ہو رہی ہو۔ اور انسان کے نفس کو اس حالت میں پانی کا استعمال ناگوار ہوتا ہو۔ اس ناگواری کے باوجود انسان پورا پورا وضو کرے مثلاً سردی کا موسم ہے اور علاقہ ایسا ہے کہ وہاں سردی کے موسم میں پانی کو ہاتھ لگانا ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود انسان پورا پورا وضو کرے، کوئی کسر نہ چھوڑے ۔۔۔ یہ عمل ایسا ہے جس پر اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں۔ اور درجات بلند فرماتے ہیں۔

مسجد کی طرف کثرت سے جانا اور نماز کا انتظار کرنا

دوسرا عمل یہ بیان فرمایا: "كَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ" یعنی مسجدوں کی طرف کثرت سے جانا۔ کثرت سے قدم بڑھانا، جتنا زیادہ مسجدوں کی طرف آنا

جانا ہوگا۔ اور مسجد کی طرف جانے میں جتنے زیادہ قدم ہونگے۔ اتنے ہی اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمائیں گے اور اتنے ہی درجات کو بلند فرمائیں گے ___ تیسرا عمل یہ بیان فرمایا۔ "وَانْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ"۔ یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ ایک نماز پڑھی لیکن اب انتظار لگا ہوا ہے کہ اب مجھے دوسری نماز پڑھنی ہے۔ اور اس کا شوق لگا ہوا ہے یہ بھی ایسا عمل ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرماتے ہیں۔ اور درجات بلند فرماتے ہیں۔

یہ تینوں عمل جہاد ہیں

آگے ارشاد فرمایا: "فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطِ" کہ یہ تین اعمال جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ یہ "رِبَاط" ہیں۔ رباط کے معنی ہیں۔ "جہاد" ___ البتہ جہاد تو بڑے عمل کو کہتے ہیں جو کئی اعمال کا مجموعہ ہوتا ہے۔ لیکن جہاد کے اندر ایک خاص عمل کو "رباط" کہا جاتا ہے وہ یہ کہ اگر مسلمانوں کے لشکر نے کسی جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا ہے اور رات کے وقت اس پڑاؤ کی جگہ پر کسی کی ڈیوٹی لگادی گئی کہ وہ رات کے وقت پہرہ دے۔ تاکہ باقی لوگ سو جائیں۔ اور پہرہ دینے والے ان کی حفاظت کریں۔ تو رات کے وقت اس پہرہ دینے کو "رباط" کہا جاتا ہے۔ اور یہ جہاد کے اعمال میں سے سب سے زیادہ مشقت کا عمل سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ رات کا وقت ہے سب لوگ آرام سے سو رہے ہیں اور یہ کھڑا ہوا پہرہ دے رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مسلم ملک کی سرحد پر پہرہ دے رہا ہے تو یہ بھی ایک مشقت کا عمل ہے۔ اس لئے کہ رات کے وقت دشمن کے حملہ کا زیادہ اندیشہ ہوتا

ہے ۔۔۔۔۔ اس لئے یہ جہاد کے اعمال میں یہ سب سے زیادہ افضل عمل اور ثواب والا عمل ہے۔ جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ انسان کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح خزاں کے موسم میں درخت کے پتے جھڑتے ہیں ۔۔۔۔۔ بہر حال، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان ان تین اعمال کی پابندی کرے تو اس کا درجہ "رباط" کے برابر ہے۔ رباط کا ثواب ہے وہ ثواب ان اعمال کے ذریعہ انسان حاصل کرسکتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ۵ حدیث نمبر ۱۹۲۸۷)

وضو کی اہمیت اور فضیلت

یہ دو حدیثیں جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پڑھیں۔ ان دونوں میں جو بات مشترک ہے وہ ہے وضو کی فضیلت اور وضو کی اہمیت کو بیان کرنا۔ الحمد للہ، ہم سب کو نماز کے وقت وضو کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں اس طرف توجہ دلانی ہے کہ یہ وضو کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ جس کی انسان ناقدری کرے۔ یا اس سے بے پرواہی برتے۔ بلکہ یہ وضو ایک بڑا عظیم عمل ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابھی حدیث میں سنا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء کے گناہوں کو دھوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب انسان وضو کر کے فارغ ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

وضو سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں

یہ بات میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں یہ آتا

ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ فلاں عمل سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس سے مراد گناہ صغیرہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک گناہ کبیرہ کا تعلق ہے تو وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کرے اس وقت تک معاف نہیں ہوتے۔ لیکن صغیرہ گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی رکھی ہے کہ نیک اعمال کے ذریعہ وہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا کہ جب انسان وضو کر کے فارغ ہوتا ہے تو وہ سارے گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہوتا ہے۔

وضو سے فارغ ہوا تو پاک صاف ہو گیا

یہ اس لئے کہ جو ایک مومن آدمی ہے کہ اس کے بارے میں پہلے سے ذہن میں یہ بات طے شدہ ہے کہ مومن آدمی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اور اگر کبھی کر لیا تو وہ فوراً توبہ کرے گا۔ لہٰذا اس کے نامہ اعمال میں صرف صغیرہ گناہ ہی ہونگے۔ پھر جب وہ وضو کرے گا تو وضو کرنے کے نتیجے میں ہاتھ سے کئے ہوئے گناہ ہاتھ دھونے سے معاف ہو جائیں گے اور چہرہ دھونے سے چہرے کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور پاؤں کے گناہ پاؤں دھونے سے معاف ہو جائیں گے۔ اور جب وہ وضو کر کے فارغ ہوا تو وہ تمام گناہوں سے صاف ستھرا ہو گیا اور اس کے ذمے کوئی گناہ باقی نہ رہا۔

وضوظاہری اور باطنی پاکی کا ذریعہ

لہٰذا وضو صرف ظاہری گرد وغبار کو صاف نہیں کرتا کہ اس کے چہرے پر جو گرد وغبار لگی ہوئی تھی وہ دور ہوگئی۔ بلکہ انسان کے باطن کو بھی پاک کر دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ اس لئے یہ وضو معمولی عمل نہیں بشرطیکہ یہ وضو سنت کے مطابق اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیا جائے ــــــ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باقاعدہ ایک دوسرے کو وضو کا طریقہ سکھایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں وضو کرتا ہوں اور تم میرا وضو دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ وضو درست ہوا یا نہیں۔ اور بعض صحابہ فرماتے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے دیکھا۔ بہرحال صحابہ کرام آپس میں اس طرح وضو کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء۔ باب من مضمض واستنشق من غرفۃ واحدۃ حدیث نمبر ۱۹۱)

خلیفہ وقت وضو کر کے دکھایا کرتے تھے

بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بن گئے۔ اس وقت آدھی سے زیادہ دنیا پر ان کی حکومت تھی اور فتوحات ہو رہی ہیں۔ سارے عالم اسلام کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی فکر ذہن پر مسلط ہے۔ خلیفہ ہونے کی حالت میں سب صحابہ کرام کو اور دوسرے حضرات کو جمع کیا اور پھر فرمایا کہ میں تم کو دکھاتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ اور تم دیکھو اور اس کے

مطابق وضو کیا کرو ____ تو خلیفہ وقت اپنے خلافت کے کاموں کے ساتھ اس طرف بھی دھیان ہے کہ لوگوں کا وضو درست ہو جائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ۔ حدیث نمبر ۲۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ بھی اپنے خلافت کے دور میں لوگوں کو جمع کر کے فرماتے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ دکھاؤں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپ نے وضو کا پورا طریقہ کر کے دکھایا۔ تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں۔ لہٰذا یہ وضو معمولی چیز نہیں۔ ہم لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضو تو نماز کی تمہید ہے جس طرح چاہا، وضو کر لیا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتنا اہم بتایا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ۔ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حدیث نمبر ۱۱۱)

وضو کے کامل ہونے کی دعا

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلَاةِ وَتَمَامَ مَغْفِرَتِكَ وَتَمَامَ رِضْوَانِكَ.

(کنز العمال، کتاب الطہارۃ، اذکار الوضوء ج ۹/۱۰، حدیث نمبر ۲۶۹۸۸)

اے اللہ میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا وضو کامل ہو ____ اور میری نماز بھی کامل ہو، اور میری مغفرت بھی آپ کامل طور پر فرمائیں۔ اور مجھ سے کامل طور پر راضی بھی ہو جائیں۔ اب بتائیے کہ جس عمل کے بارے میں حضور اقدس

ﷺ یہ دعا فرمارہے ہوں وہ عمل ایسی چیز نہیں ہے جس سے بے التفاتی برتی جائے ــــ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم سب کو نماز کے لئے وضو کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ لیکن جس کی اہمیت بتائی جارہی ہے وہ یہ کہ وضو کو پورا پورا سنت کے مطابق اور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیا جائے۔

نماز میں خیالات کی کثرت

یہ جو آجکل ہم لوگوں کو کثرت سے یہ شکایت رہتی ہے کہ جیسے ہی ہم نماز میں کھڑے ہوئے بس اسی وقت وساوس، خطرات اور خیالات کا ایک طوفان شروع ہو جاتا ہے۔ جو خیالات نماز سے باہر بھی نہیں آرہے تھے نماز میں وہ خیالات آنا شروع ہو گئے ــــ یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ان بزرگ سے کہا کہ میں نے کچھ رقم کہیں رکھی تھی اور اب میں بھول گیا کہ کہاں رکھی ہے؟ کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ مجھے یاد آجائے کہ میں نے وہ کہاں رکھی ہے؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم ایسا کرو کہ دو رکعت نفل کی نیت باندھو اور تلاوت کرتے رہو اور جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے اس وقت تلاوت کرتے رہو ــــ چنانچہ وہ شخص گیا اور نفل کی نیت باندھ کر تلاوت شروع کر دی۔ اور ابھی تھوڑی سی تلاوت کی تھی کہ اس کو اچانک یاد آگیا کہ میں نے فلاں جگہ پر وہ رقم رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے جلدی سے نماز پوری کی اور جاکر وہ رقم وہاں سے نکال لی۔

اور شیطان نے نماز چھڑوادی

ان بزرگ سے پوچھا کہ حضرت، آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ نماز پڑھنے کے دوران وہ جگہ یاد آجائے گی۔ انہوں نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جو خیالات نماز سے باہر نہیں آتے وہ بھی نماز میں آنے شروع ہو جاتے ہیں ــــــ دوسرے یہ کہ تم جو رقم رکھ کر بھول گئے یہ شیطانی عمل ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ:

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ

(سورۃ الکھف: ۶۳)

اب شیطان نے اس لئے بھلایا تھا تا کہ تمہیں تکلیف ہو لیکن جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنی شروع کر دی تو شیطان کا اس میں نقصان تھا۔ اس نے سوچا کہ جتنی دیر اس کو یاد نہیں آئے گا یہ شخص نماز پڑھتا رہے گا۔ اس وجہ سے شیطان نے وہ جگہ یاد دلا دی تا کہ تم نماز پڑھنا چھوڑ دو۔

خیالات کی کثرت وضو کے ناقص ہونے سے ہے

بہر حال، ہمیں جو یہ شکوہ رہتا ہے کہ ہماری نمازوں میں وساوس، خیالات اور خطرات آتے رہتے ہیں۔ اس کے جہاں اور اسباب ہیں بزرگوں نے اس کا ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہمارا وضو صحیح نہیں ہوتا۔ اگر ہمارا وضو صحیح ہو اہتمام کے ساتھ سنت کے مطابق انجام دیا جائے تو پھر وساوس کم آتے ہیں۔ اور نماز میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ہم لوگ وضو کو ایک غیر اہم کام سمجھ کر بغیر کسی اہتمام کے جلدی جلدی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو مسنون

طریقہ بتایا اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ اور اس وضو کے جو آداب ہیں اس کو صحیح طریقے سے بجالائے۔

وضو کے آداب

وضو کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وضو کرتے وقت آدمی قبلہ رخ ہو۔ اگر وہ قبلہ رخ نہیں ہوگا تب بھی وضو تو ہو جائے گا۔ لیکن اس وضو میں سنت کا جو نور ہونا چاہئے تھا وہ پیدا نہیں ہوگا ____ دوسرا ادب یہ ہے کہ وضو شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اگر وہ ''بسم اللہ'' نہیں پڑھے گا تب بھی وضو تو ہو جائے گا۔ لیکن ''بسم اللہ'' کی برکات اس کو حاصل نہیں ہونگی ____ تیسرا ادب یہ ہے کہ وضو کے دوران غیر ضروری بات چیت نہ کرے۔ اب ایک طرف وضو بھی ہو رہا ہے اور دنیاوی باتیں اور گفتگو بھی ہو رہی ہے۔ یہ وضو کے ادب کے خلاف ہے۔ وضو کے دوران اگر کبھی ضروری بات، کوئی جملہ کہنا پڑ گیا تو اس کی اجازت ہے، لیکن غیر ضروری بات چیت نہیں ہونی چاہئے۔

وضو میں پانی کا اسراف نہ کریں

اسی طرح آجکل وضو تلکوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اور تلکوں پر وضو کرتے ہوئے پانی بے تحاشہ بہایا جاتا ہے۔ جس سے پانی کی فضول خرچی ہوتی ہے پورا تلکا کھول کر وضو کیا جا رہا ہے۔ اور پانی اس تلکے سے مسلسل بہہ رہا ہے۔

جتنا پانی ہاتھ میں لینا ہے اس سے دس گناہ پانی بہا دیا۔ یہ اسراف ہے اور پانی کی فضول خرچی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی سخت ممانعت آئی ہے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَفِی الْوُضُوْءِ اِسْرَافٌ؟ قَالَ: نَعَمْ وَاِنْ کُنْتَ عَلٰی نَهْرٍ جَارٍ

(سنن ابن ماجة، کتاب الطھارة، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء وکراھیة التعدی فیه، حدیث نمبر ۴۲۵)

ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ: کیا وضو میں اسراف ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں: چاہے تم بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ بیٹھے ہو۔ یعنی یہ بات نہیں کہ پانی کی کمی ہے۔ اس واسطے پانی کم خرچ کرو۔ بلکہ اگر تم دریا کے کنارے بیٹھے ہو۔ اور پورا دریا پانی سے بھرا ہوا ہے اور جب تم وہاں پر بیٹھ کر وضو کرو گے تو وہی پانی لوٹ کر دوبارہ دریا میں چلا جائے گا۔ لیکن پھر بھی تم فضول خرچی سے بچو۔ اس لئے کہ فضول خرچی کی عادت پڑ جائے گی۔ اور پانی اللہ جل شانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اس نعمت کو اس طرح بے تحاشہ خرچ کرنا جس سے یہ پانی فضول ضائع ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے ــــ لہٰذا صرف اتنا نلکا کھولو جس کی ضرورت ہو۔ اور جب بند کر سکو تو بند کر دو۔ مسلسل کھلا چھوڑنا درست نہیں۔

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا طریقہ

اسی طرح ادب یہ ہے کہ جب آدمی کلی کرے تو پانی منہ میں لے کر اس کو گھمائے، اگر پانی منہ کے اندر لیا اور فوراً پانی نکال دیا تو یہ کلی پوری نہ ہوئی۔ لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پانی کو تین مرتبہ منہ میں لے کر اچھی طرح گھمایا جائے۔ پھر پانی کو پھینکا جائے ـــــ اس کے بعد ناک میں پانی دینا ہے۔ اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پانی ناک کے اندر اس حد تک لے جائے کہ ناک کی ہڈی تک پانی پہنچ جائے۔ صرف پانی اندر کر کے چھوڑ دینا کافی نہیں ـــــ اس لئے کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ "اسباغ الوضوء" وضو کو پورا پورا انجام دو۔ اور پورا پورا انجام دینے کا طریقہ یہ ہے کہ جس عضو کو تم دھو رہے ہو اس کا پورا حق ادا کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب اسباغ الوضوء، حدیث نمبر ۱۳۹)

چہرہ دھونے کا طریقہ

جب چہرہ دھو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پانی لے کر اطمینان سے اپنے چہرے پر ڈالا جائے اور پیشانی جس جگہ سے شروع ہوتی ہے وہاں سے ٹھوڑی تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک پورے چہرہ پر پانی پہنچنا ضروری ہے۔ بعض لوگ اس کا خیال نہیں کرتے اور کانوں کی لو کے پاس والا حصہ خشک رہ جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کی ڈاڑھی نہیں ہوتی وہ ٹھوڑی کے نیچے تک پانی پہنچانے کا اہتمام نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ جگہ خشک رہ جاتی ہے۔ البتہ داڑھی گھنی ہو تو پھر جلد تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن پورے پورے

چہرے کو دھونا ضروری ہے۔ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ اس کا اہتمام کرنا چاہئے___ اور پانی ڈالتے وقت مارنے کا انداز نہ ہو۔ جس سے دوسروں پر چھینٹیں اڑیں۔ ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے پرہیز کریں۔

ہاتھ دھونے کا طریقہ

اس کے بعد ہاتھ دھونے کا مرحلہ آتا ہے۔ کہنیوں تک ہاتھ دھونا ضروری ہے۔ اس میں بعض اوقات جلدی کی وجہ سے کہنیاں خشک رہ جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وضونہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ وضو کے دوران جب آدمی ہاتھ دھوئے تو پانی انگلیوں کی طرف سے کہنی کی طرف بہائے۔ یہ نہ کرے کہ کہنی سے انگلیوں کی طرف بہائے۔ اور تلکے سے وضو کے دوران بعض لوگ پانی کہنیوں سے انگلیوں کی طرف بہاتے ہیں اس طرح کرنے سے وضو تو ہو جائے گا لیکن وضو کا ایک ادب چھوٹ جائے گا۔ اور ادب کے چھوٹ جانے سے اس وضو کی روح اور فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اور ''اسباغ الوضوء'' کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ ذرا سی بے توجہی سے آدمی اس فضیلت سے کیوں محروم رہے۔

سر کا مسح کا طریقہ

اس کے بعد سر کا مسح کیا جاتا ہے۔ سر کے مسح میں پورے سر کا احاطہ کرنا ضروری ہے۔ کہ سر کا کوئی حصہ چھونے سے رہ نہ جائے۔ بعض لوگ جلدی میں سر

کے تھوڑے سے حصہ کا مسح کر لیتے ہیں اور باقی حصے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگرچہ چوتھائی سر کا مسح کر لینے سے وضو ہو جاتا ہے۔ لیکن سنت یہ ہے کہ پورے سر پر ہاتھ پھیرے۔ کوئی حصہ چھوٹے نہیں ____ اس کا مسنون طریقہ بعض صحابہ کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں یعنی سب سے چھوٹی انگلی، اس کے برابر والی انگلی اور بڑی انگلی ان کو پیشانی کے اوپر بالوں پر رکھ کر مسح کرتے ہوئے پیچھے کی طرف لے جائے۔ شہادت کی انگلی اور انگوٹھا ابھی استعمال نہیں ہوا۔ اور پھر ہتھیلی سے داہنی اور بائیں طرف کا مسح کرتے ہوئے پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور پھر شہادت کی انگلی سے کانوں کے اندر کا مسح کرے۔ اور انگوٹھے سے کانوں کے باہر مسح کرے۔ اور ہتھیلی کی پشت سے گردن کا مسح کرے ____ تا کہ ہر جگہ پر نئے پانی سے مسح ہو جائے اگر جلدی جلدی میں ویسے ہی ہاتھ پھیر لیا تو مسح تو ہو جائے گا لیکن ادب اور مستحب طریقہ جو بعض صحابہ کرام نے بتایا۔ وہ ہے جو اوپر بیان کیا۔

پاؤں دھونے کا طریقہ

اس کے بعد پاؤں دھونے کا مرحلہ آتا ہے۔ پاؤں دھونے کا جو مسنون طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ انگلیوں کی طرف سے دھوتے ہوئے ٹخنوں کی طرف جائے۔ اور پانی کو انگلیوں کی طرف سے ٹخنوں کی طرف بہایا جائے۔ ٹخنوں سے انگلیوں کی طرف نہ بہائیں۔ اور پانی ڈالتے ہوئے ہاتھوں سے ملیں۔ تا کہ کوئی حصہ پاؤں کا خشک نہ رہ جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں

تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پہ نماز کا وقت آگیا۔ جماعت کھڑی ہونے لگی تو بعض حضرات صحابہ کرام نے جلدی جلدی وضو کیا۔ اس کے نتیجے میں کسی کے ٹخنے کا کچھ حصہ خشک رہ گیا کسی کا تلوے کا کچھ حصہ خشک رہ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس حصے کو دوبارہ دھو، اور فرمایا۔

وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

(صحیح بخاری، کتاب العلم باب من رفع صوته بالعلم، حدیث نمبر ۶۰)

یعنی وہ ایڑیاں یا وہ تلوے جو وضو میں خشک رہ جائیں۔ ان کو جہنم کو عذاب ہوگا۔لہٰذا پاؤں کا جتنا حصہ دھونا ضروری ہے اس کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے ـــــ بہرحال یہ وضو کرنے کا تفصیلی طریقہ تھا۔

کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے

اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جتنے اعضاء کو دھونا فرض ہے ان میں سے کسی عضو پر کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہو جو پانی کو اندر تک پہنچنے سے روکتی ہو۔ اگر اس چیز کے اوپر سے پانی بہادیا تو وضو نہ ہوگا۔ مثلاً ہاتھ پر رنگ لگ گیا۔ اور اس رنگ کی وجہ سے پانی اندر نہیں جاتا، اس حالت میں اگر وضو کریں گے تو وضو نہیں ہوگا۔ اور جب وضو نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے وضو شروع کرنے سے پہلے اس رنگ کو چھڑانا ضروری ہے ـــــ اسی طرح خواتین روٹی پکانے کے لئے آٹا گوندھتی ہیں تو بعض اوقات ہاتھوں پر کسی جگہ پر وہ آٹا لگا رہ جاتا ہے۔ اور وہ

خشک ہو کر جم جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پانی اندر نہیں جاتا جب تک اس آٹے کو چھڑا نہ لیں اس وقت تک وضو درست نہیں ہوگا۔

نیل پالش چھڑانی ضروری ہے

اسی طرح آجکل نیل پالش چل پڑی ہے۔ خواتین اس کو ناخن پر لگاتی ہیں۔ اور یہ ایسی چیز ہے جو پانی کو اندر تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ لہٰذا اس کے لگے رہنے کی صورت میں وضو درست نہیں ہوگا۔ اس کو چھڑانا ضروری ہے ____ یہ سب باتیں "اسباغ الوضوء" کے اندر داخل ہیں ____ اور یہ جو فرمایا "اسباغ الوضوء علی المکارہ" کہ باوجودیکہ وضو کرنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے اس کے باوجود وضو کامل کرے۔ لہٰذا نیل پالش کو ہٹا کر اور پھر وضو کرنا یہ "اسباغ الوضوء علی المکارہ" میں داخل ہے۔ اور اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ لہٰذا جو عورت اللہ تعالیٰ کے حکم کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کے ہٹائے بغیر میرا وضو نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے وہ اس ناخن پالش کو چھڑائے گی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ "فذلکم الرباط" اس عمل پر جہاد کے برابر ثواب ملے گا۔

وضو کے دوران پڑھنے کی دعائیں

جیسا کہ پہلے بتایا کہ وضو کے دوران باتیں کرنا تو مکروہ ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ وضو کے دوران دعائیں پڑھتا رہے۔ اور بعض دعائیں احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ____ مثلاً تین دعائیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہیں۔ ان دعاؤں کو یاد کر لینا چاہئے۔ تا کہ انسان ان کو وضو کے دوران پڑھتا رہے۔ ایک کلمہ شہادت۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(صحیح مسلم۔ کتاب الطهارة۔ باب ذکر المستحب عقب الوضوء۔ حدیث نمبر ۲۳۴)

اگر اور دعائیں یاد نہیں تو بار بار یہ کلمہ شہادت ہی وضو کے دوران پڑھتا رہے۔ دوسری دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے دوران پڑھنا ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ

(کنز العمال۔ کتاب الاذکار۔ الادعیہ المطلقة۔ حدیث نمبر ۵۰۷۷)

اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرما دیجئے اور میرے گھر میں وسعت عطا فرمایئے۔ اور میرے رزق میں برکت عطا فرمایئے ـــــ جب تک کسی کو دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں وہ معنی ہی یاد کر لے۔ اور وہی کہہ دیا کرے۔ اور تیسری دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

(سنن الترمذی۔ ابواب الطهارة۔ باب فیما یقال بعد الوضوء۔ حدیث نمبر ۵۵)

اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے کر دیجئے۔ اور مجھے بہت پاک رہنے والوں میں سے کر دیجئے ـــــ یہ تین دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے دوران پڑھنا ثابت ہیں۔

ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ دعائیں

بعض بزرگوں نے ہر عضو کو دھوتے وقت کی علیحدہ علیحدہ دعائیں بھی بتائیں ہیں۔ اگرچہ وہ دعائیں حضور اقدس ﷺ سے اس موقع پر پڑھنا ثابت نہیں ہیں۔ کہ آپ وضو کے دوران فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے اور فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے۔ البتہ یہ دعائیں حضور اقدس ﷺ ہی سے دوسرے مواقع پر پڑھنا ثابت ہے۔ بزرگوں نے وضو کے دوران اعضاء کو دھوتے وقت بھی ان دعاؤں کو پڑھنے کی تعلیم دی تاکہ انسان کا وضو کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتا رہے۔

وضو شروع کرتے وقت کی دعا

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب آدمی وضو شروع کرے تو یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ الْاِسْلَامِ.

یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بلند اور عظیم ہے اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ملت اسلام کی دولت عطا فرمائی۔

گٹوں تک ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب گٹوں تک ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْیُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْھَلَاكَةِ.

اے اللہ! میں آپ سے خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور نحوست اور ہلاکت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

کلی کرنے کی دعا

اس کے بعد جب کلی کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

یا اللہ! تلاوت قرآن کریم کرنے پر اور آپ کا ذکر کرنے پر اور آپ کا شکر ادا کرنے پر اور آپ کی بہتر طریقے سے عبادت کرنے پر میری اعانت فرما۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب ناک میں پانی ڈالے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَةَ النَّارِ.

اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سنگھایئے اور جہنم کی خوشبو نہ سنگھایئے۔

چہرہ دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب چہرہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ.

اے اللہ! جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔ اس دن میرے چہرے کو سفید بنائیے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

(سورۃ آل عمران: آیت ۱۰۶)

اس دن میدان حشر میں کچھ چہرے سفید چمکتے ہوئے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔ مومنوں کے چہرے جنہوں نے عمل صالح کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

(سورۃ القیامۃ، آیت: ۲۲ تا ۲۵)

یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے تو شاداب ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کچھ چہرے مرجھائے ہوئے پژمردہ اور کملائے ہوئے ہوں گے اور ان کا یہ گمان ہوگا کہ اب ہمارے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

(سورۃ عبس: آیت ۳۸ تا ۴۲)

یعنی بہت سے چہرے اس دن روشن، ہنستے اور خوشیاں کرتے ہوں گے اور کچھ چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر اس دن غبار اور سیاہی چھائی ہوگی۔ یہی لوگ کافر اور فاجر ہوں گے۔

قیامت کے دن اعضاء چمکتے ہونگے

بہرحال! میدان حشر ہی میں چہروں کی سیاہی اور سفیدی سے انسان کو اپنے انجام کا پتہ لگ جائے گا کہ مجھے کہاں جانا ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں وضو کرنے کے عادی تھے اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کے چہرے، ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں یہ سب اعضاء چمکتے ہوئے ہوں گے اور اس چمک کی وجہ سے دور سے یہ نظر آئے گا کہ یہ بندہ نماز کے لئے وضو کیا کرتا تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کے لوگ "غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ"۔ کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔ یعنی ان کے چہرے بھی سفید ہوں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی سفید ہوں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء حدیث نمبر ۱۳۶)

چونکہ وہ دن آنے والا ہے اور چہرے کی سفیدی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی علامت ہے اور چہرے کی سیاہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہونے کی علامت ہے اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران چہرہ دھوتے وقت یہ

دعا کیا کرو کہ:

اے اللہ! میرا چہرہ اس دن سفید رکھئے جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔

دایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد دایاں ہاتھ کہنی تک دھوئے تو اس وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا.

(کنز العمال، کتاب الطھارۃ اذکار الوضوء، ج ۹/۱۰، حدیث نمبر ۲۶۹۸۶)

اے اللہ! میرا نامہ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں دیجئے گا اور میرا حساب آسان فرمایئے گا۔ اس دعا میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۙ

(سورۃ الانشقاق: آیت ۷ تا ۹)

یعنی جس شخص کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور پھر وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ یعنی اس سے سرسری حساب لے کر اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ۔ کیونکہ جس شخص سے باقاعدہ حساب لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنے ایک ایک عمل کا پورا حساب دو تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق باب من نوقش الحساب عذب۔ حدیث نمبر ۶۵۳۶)

یعنی جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے اور اس کو ایک ایک عمل کا جواب دینا پڑے تو بالآخر اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے ـــــ آمین۔

مجموعی زندگی درست کرنے کی فکر کریں

یہ ایمان کی دولت ایسی چیز ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دولت کسی کو عطا فرما دیتے ہیں تو اس پر یہ کرم ہوتا ہے کہ اگر اس کی مجموعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزری ہے، اگرچہ اس سے چھوٹے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کتاب میں زیادہ جانچ پڑتال نہیں کریں گے بلکہ اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔ بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی اور پیشی ہونے کے بعد اس کا نامہ اعمال سرسری طور پر دکھایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں گے اور جنت میں بھیج دیں گے۔ لیکن جس شخص کی مجموعی زندگی معصیت میں گزری ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھولا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہی دل سے جاتا رہا تھا ایسے شخص سے حساب پورا پورا لیا جائے گا۔ اور جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے گا وہ عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ اسی لئے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ یہ دعا مانگا کرو کہ:

اے اللہ! میرا نامہ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں عطا فرمایئے گا
اور میرا حساب آسان کیجئے گا۔

عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اردو میں یہ دعا کرلیا کرو۔

بایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ۔

اے اللہ! میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ دیجئے گا
اور نہ پشت کی طرف سے دیجئے گا۔

قرآن کریم میں آیا ہے کہ مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کافروں کو اور بدعمل لوگوں کو ان کا نامہ اعمال پشت کی جانب سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ:

اے اللہ! میرا نامہ اعمال نہ تو بائیں ہاتھ میں دیجئے گا اور نہ
پشت کی جانب سے دیجئے تاکہ کافروں اور بدعملوں میں میرا
شمار نہ ہو۔

سر کا مسح کرتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب انسان سر کا مسح کرے تو اس کے لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا

ظِلُّ عَرْشِكَ.

اے اللہ! مجھے اپنے عرش کا سایہ عطا فرمایئے گا اس دن جس دن آپ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب میدان حشر میں لوگ جمع ہوں گے تو وہاں پر شدید گرمی کا عالم ہوگا اور سورج قریب ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگ اس دن اپنے پسینے میں غرق ہوں گے۔ بعض لوگوں کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا۔ بعض لوگوں کی کمر تک پسینہ ہوگا بعض لوگوں کے سینے تک پسینہ ہوگا اور بعض لوگوں کے ہونٹوں تک پسینہ ہوگا۔ اس طرح لوگ اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن کی اس گرمی سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ:

اے اللہ! جس دن آپ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا مجھے اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرما۔

عرش کے سائے والے سات افراد

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ ان میں سات قسم کے لوگوں کا بطور خاص ذکر فرمایا:

(۱) ایک وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری ہو اور بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا ذوق عطا فرمایا ہو۔

(۲) دوسرے وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ ایک نماز پڑھ کر گھر گیا اب دوسری نماز کی فکر اور اس کا انتظار لگ گیا کہ مجھے دوبارہ مسجد میں جانا ہے۔

(۳) تیسرے وہ شخص جس کو کسی صاحب منصب اور حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو لیکن اس نے جواب میں کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(۴) چوتھے وہ شخص جس نے دوسرے شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کی ہو کسی دنیاوی غرض کے لئے دوستی اور محبت نہ کی ہو۔

(۵) پانچویں وہ شخص جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا ہو کہ کیا دیا ہے۔

(۶) چھٹا وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے نتیجے میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۷) ساتویں امام عادل۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اس لئے سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! مجھے اس دن عرش کا سایہ عطا فرما جس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاذان وفضل المساجد باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۶۰)

گردن کے مسح کے وقت کی دعا

اس کے بعد جب آدمی گردن کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ.

اے اللہ! میری گردن کو آگ (جہنم) سے آزاد کردیجئے۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب داہنا پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْاَقْدَامُ.

اے اللہ! میرے پاؤں کو اس دن پل صراط پر ثابت قدم رکھئے گا جس دن وہاں پر لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

یہ پل صراط جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس سے گزر کر آدمی جنت میں جائے گا۔ جو لوگ جہنمی ہوں گے ان کے پاؤں اس پل پر پھسل جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ جہنم کے اندر جا گریں گے۔

پل صراط پر ہر ایک کو گزرنا ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جہنم میں آنکڑے لگے ہوئے ہیں جب کوئی جہنمی اس پل کے اوپر سے گزرے گا تو نیچے سے آنکڑا آکر اس کو کھینچ کر جہنم میں گرادے گا۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ یہ وقت بہت سخت ہوگا اور ہر

شخص کو اس پل پر سے گزرنا ہوگا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب فضل السجود حدیث نمبر ۸۰۶)

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ

(سورۃ مریم، آیت ۷۱)

یعنی تم میں سے ہر شخص کو جہنم پر سے گزرنا ہی ہے چاہے وہ مومن ہو یا کافر ہو نیک ہو یا برا ہو۔ لیکن اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے اور وہ اطاعت گزار ہوگا تو وہ بجلی کی طرح تیزی سے اس پل پر سے گزر جائے گا۔ جہنم کی کوئی تپش اس کو نہیں پہنچے گی لیکن اگر وہ کافر ہوگا یا فاسق و فاجر ہوگا تو اس صورت میں جہنم کے آنکڑے اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! مجھے اس دن ثابت قدم رکھئے گا جس دن لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِیْ مَشْكُوْرًا وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ.

اے اللہ! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور میں نے جو کچھ عمل کیا ہے اپنے فضل سے اس کا اجر مجھے عطا فرمائیے اور جو میں نے تجارت کی ہے یعنی جو زندگی گزاری ہے جو حقیقت میں تجارت ہی ہے اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہونے والا

ہے۔ تو اے اللہ تعالیٰ! میری زندگی کی تجارت کو گھاٹے کی تجارت نہ بنایئے گا بلکہ نفع کی تجارت ہو کر آخرت میں اس کا اجر مجھے مل جائے۔

بہر حال! بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہنا چاہئے۔ بہترین دعائیں ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سے بھی دوسرے مواقع پر ان دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے۔ اگرچہ وضو کے وقت پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر ان میں ایک دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی تو انشاء اللہ تعالیٰ بیڑہ پار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں یہ ساری دعائیں قبول فرمائے۔ آمین۔ دعاؤں کے عربی الفاظ یاد کرلیں اور جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اس وقت تک اردو ہی میں مانگ لیں تو اس وضو کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی صفائی بھی کریں گے۔

مسواک کی فضیلت

وضو کے دوران تین اعمال اور ہیں جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ مسواک کرنا۔ حدیث شریف میں اس کی انتہائی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ:

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ۔

(صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب السواک یوم الجمعۃ حدیث نمبر ۸۸۷)

فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر

نماز کے وقت مسواک کرنا ان کے اوپر فرض کر دیتا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو وہ اس نماز کے مقابلے میں ستر گناہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہو۔

(کنزل العمال۔ کتاب الطہارۃ۔ السواک حدیث نمبر ۲۶۱۷۶)

مسواک کے فوئدے

اور بزرگوں نے فرمایا کہ مسواک کے ستر سے زیادہ فوائد ہیں۔ اور اس میں سے ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ منہ صاف ہو جاتا ہے اور دانت صاف ہو جاتے ہیں۔ اور آجکل کی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسواک سے زیادہ بہتر دانتوں اور مسوڑھوں کے لئے کوئی اور چیز نہیں۔ مسواک کا ادنیٰ فائدہ تو یہ ہے اور مسواک کا اعلیٰ ترین فائدہ یہ ہے کہ جو شخص مسواک پابندی سے کرنے کا عادی اور پابند ہو گا اللہ تعالیٰ مرتے وقت اس کو کلمہ نصیب فرمائیں گے۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جس کے لئے لوگ ساری زندگی دعائیں کرتے ہیں۔ کہ یا اللہ میرا ایمان پر خاتمہ ہو اور مرنے کے وقت کلمہ نصیب ہو۔ مسواک کرنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ لہٰذا وضو کرتے وقت مسواک کرنی چاہئے۔

ٹوتھ برش کا استعمال

آجکل ٹوتھ برش کے ذریعہ لوگ دانت صاف کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ دانت صاف کرنے کی سنت تو ادا ہو جاتی ہے لیکن مسواک کرنے کی سنت مسواک ہی سے ادا ہوتی ہے۔ لہٰذا مسواک کا بھی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بعض صحابہ

کرام سے منقول ہے کہ وہ اپنے کان کے اوپر مسواک رکھا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آیا فوراً مسواک کر لی ــــ بہرحال مسواک کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ بڑی برکت کی چیز ہے۔ ہم لوگوں کو ان مسنون اعمال کے فضائل اور برکات کا اندازہ نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دیدۂ بینا عطا فرمائے تب پتہ چلے کہ اس میں کتنے انوار و برکات پوشیدہ ہیں۔ بس تھوڑی توجہ اور دھیان کی ضرورت ہے۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب السواک، حدیث نمبر ۴۷)

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا

وضو کے بعد حضور اقدس ﷺ نے دو عمل مستحب قرار دیئے۔ ایک یہ کہ وضو سے بچا ہوا پانی پی لیا جائے۔ اگرچہ ایک گھونٹ ہی پی لے ــــ اور خود حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا۔ اور حضرت علیؓ نے باقاعدہ لوگوں کو وضو کر کے اس کا طریقہ سکھایا۔ اور وضو کے بعد پانی پی کر دکھایا کہ حضور اقدس ﷺ وضو کے بعد تھوڑا سا پانی پی لیا کرتے تھے ــــ البتہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ وضو کے بعد پانی کھڑے ہو کر پینا چاہئے۔ اس کی زیادہ فضیلت اور زیادہ ثواب ہے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ ہر پانی کو بیٹھ کر پینا سنت ہے چاہے وہ وضو کا پانی ہو۔ یا زمزم کا پانی ہو۔ افضل یہ ہے کہ ان کو بھی بیٹھ کر پیا جائے۔ اگرچہ کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، باب الشرب قائما، حدیث نمبر ۵۶۱۶)

وضو کے بعد رومالی پر چھینٹے مارنا

دوسرا عمل یہ ہے کہ وضو کے بعد ذرا سا پانی لے کر شلوار یا پاجامہ کی رومالی پر تھوڑے سے چھینٹے مار لے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور صحابہ کرام نے اس پر عمل فرمایا ___ اس عمل کی حکمت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں ___ لیکن ہمارے بزرگ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو حکم دیا کہ وضو کا بچا ہوا پانی پی لو اور پانی کا چھینٹا رومالی پر مارو۔ اصل میں اس میں ایک عجیب حکمت ہے وہ یہ کہ جب تم نے وضو کر لیا تو وضو کے دوران تم نے ہاتھ دھو لئے۔ منہ دھویا، سر کا مسح کیا۔ پاؤں دھوئے یعنی ظاہری اعضاء کو صاف کر لیا۔ حالانکہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ اس کے ظاہری اعضاء سے زیادہ اس کا باطن پاک ہو۔ اور باطن کے اندر نورانیت پیدا ہو۔ باطن کے اندر اللہ تعالیٰ انوار و برکات عطا فرمائیں۔ اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(سنن النسائی۔ کتاب الطھارۃ باب النضح حدیث نمبر ۱۳۴)

اس شخص کے لئے جنت کی ضمانت ہے

جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ گناہوں کے سرچشمے دو ہیں۔ ایک منہ اور دوسرے شرمگاہ۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ یَضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق۔ باب حفظ اللسان۔ حدیث نمبر ۶۴۷۴)

فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دیدے ایک وہ چیزوں جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان دوسرے وہ چیز جو اس کے دونوں پیروں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں ___ بے شمار گناہ وہ ہیں جن کا تعلق یا تو زبان سے ہے یا شرمگاہ سے ہے۔

میرے باطن کو بھی پاک کر دے

بہر حال! حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہ جو اس عمل کو سنت قرار دیدیا کہ جب وضو کر چکو تو ایک گھونٹ پانی پی لو۔ یہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے کہ یا اللہ آپ نے میرے ظاہری اعضاء تو پاک کر دیئے۔ اپنی رحمت سے میرے منہ کو بھی پاک فرما دیجئے۔ اور میرے باطن کو بھی پاک فرما دیجئے ___ اور رومالی پر پانی چھینٹے مارنا اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یا اللہ آپ نے میرے ظاہر کو تو پاک کر دیا آپ میرے باطن کو بھی پاک کر دیجئے کہ میں اپنے ان گناہوں کے سرچشموں کو گناہوں میں استعمال کرنے سے محفوظ ہو جاؤں ___ بہر حال ان اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

یہ ہے ''اسباغ الوضوء'' وضو کو کامل اور مکمل کرنا۔ اگر پہلے جس طرح آپ وضو کرتے تھے اس کے بجائے اس طریقے سے وضو کریں گے۔ جو طریقہ میں نے بتایا۔ اس میں شاید ایک دو منٹ زیادہ خرچ ہو جائیں۔ لیکن یہ وضو اس طرح کا

وضو ہو جائے گا۔ جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ۔

(کنز العمال کتاب الطہارۃ اذکار الوضوء۔ حدیث نمبر ۲۶۹۸۸)

اے اللہ! میں آپ سے وضو کے کامل ہونے کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

●●●

●

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یومِ جمعہ کی فضیلت اور اسکے اعمال

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ خطاب : ۱۶۔ جولائی ۱۹۹۲ء

مقام : جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

بروز : جمعہ

بوقت : بعد نماز عصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یومِ جمعہ کی فضیلت اور اسکے اعمال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ، فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرۃ طرق الخیر۔ حدیث نمبر ۱۲۸)

(صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ۔ باب فضل من استمع وانصت فی الخطبۃ۔ حدیث نمبر ۸۵۷)

تمہید

یہ باب اس موضوع پر کافی عرصہ سے چل رہا ہے کہ اس باب ان اعمال کو بیان کیا گیا ہے جن کے ذریعہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور انسان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ نیکی ایک کام میں منحصر نہیں۔ بلکہ نیک اعمال کی بے شمار قسمیں ہیں۔ اور ان سب اعمال کا انسان کو اہتمام کرنا چاہئے۔ اسی سلسلے کی یہ حدیث ہے۔ جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وضو کرے۔ اور اچھی طرح وضو کرے۔ اور پھر جمعہ کی نماز کے لئے آئے، اور وہاں آکر جمعہ کے خطبہ کو غور سے سنے اور خاموش بیٹھا رہے تو اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک اور اس سے بھی تین دن زیادہ تک اس کے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

جمعہ کے دن کی اہمیت اور فضیلت

الحمدللہ، جمعہ کی نماز پڑھنے کی اللہ تعالیٰ اکثر مسلمانوں کو توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس کی اہمیت اور فضیلت کا احساس نہیں۔ اس وجہ سے جمعہ کی ساعات کو فضول کاموں میں صرف کر دیتے ہیں۔ یاد رکھئے۔ احادیث میں اس جمعہ کے دن کو "سید الایام" کہا گیا ہے۔ یعنی تمام دنوں کا سردار، اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کے لئے جمعہ کے دن کا انتخاب فرمایا ہے۔

(ابن ماجۃ۔ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا۔ باب فی فضل الجمعۃ، حدیث نمبر ۱۰۸۴)

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا فرمایا۔ اور جمعہ کے دن ہی ان کو جنت میں داخل فرمایا۔ اور جمعہ کے دن ہی ان کو دنیا میں بھیجا۔ اور جمعہ کے دن ہی قیامت آئے گی اور جمعہ کے دن ہی میدان حشر قائم ہوگا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب فضل یوم الجمعہ، حدیث نمبر ۸۵۴)

بہرحال، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کے لئے جمعہ کے دن کا انتخاب فرمایا۔ اور اس کو سید الایام قرار دیا۔ اور اس جمعہ کو مسلمانوں کے لئے عید کا دن قرار دیا۔

انسان کا اصل کام صرف عبادت تھا

اس کی حقیقت بزرگوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ہمارا اور آپ کا اصل کام تو عبادت تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝

(سورۃ الذریات: ۵۶)

کہ میں نے انسان اور جنات کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ بلکہ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

(سورۃ التوبۃ: ۱۱۱)

کہ ہم نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال سب جنت کے عوض خرید

لئے ہیں۔ لہٰذا اب نہ یہ جان تمہاری ہے اور نہ مال تمہارا ہے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور ان سب کا معاوضہ آخرت میں جنت کی شکل میں تمہیں ملنے والا ہے۔ لہٰذا یہ جان بھی ہماری نہیں۔ اور یہ مال بھی ہمارا نہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتے کہ دن کے ۲۴ گھنٹے اور ہفتے کے سات دن اور مہینے کے تیس دن، اور سال کے بارہ مہینے ہر وقت عبادت میں لگے رہو۔ تو یہ کوئی ظلم کی بات نہیں تھی۔ اس لئے کہ جان تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے۔

تم اس جان کو جائز کاموں میں استعمال کرو

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے اور ان کا انعام ہے کہ انہوں نے ہماری جان خرید بھی لی۔ اور اس کا اتنا بڑا معاوضہ بھی طے کر لیا کہ اس کا معاوضہ جنت ہے۔ اور پھر یہ جان ہمیں واپس بھی کر دی کہ اس کو تم اپنے کاموں میں استعمال کرو۔ اپنے مفادات میں استعمال کرو۔ دنیا کے کام دھندوں کی بھی اجازت دیدی۔ روزی کماؤ، کاروبار کرو، بیوی بچوں کے ساتھ ہنسو بولو، عزیز واقارب سے ملو، دوست احباب کے ساتھ اٹھو بیٹھو۔ یہ سب تمہارے لئے جائز ہیں ____ البتہ چند کاموں کا حکم دے دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھ لیا کرو۔ اور فلاں فلاں گناہوں سے بچا کرو۔ باقی یہ جان تمہاری ہے تم اس کو جائز کاموں میں استعمال کرو ____ اللہ تعالیٰ کے کرم کا کیا ٹھکانہ ہے۔

جمعہ کے دن عبادت زیادہ کرو

لیکن ساتھ ساتھ ہمیں غفلت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایام

ایسے مقرر کر دیئے ہیں کہ کم از کم ان ایام میں اصل حقیقت اور اصل کام کی طرف لوٹ آؤ۔ وہ ہے ''عبادت'' اور ان ایام میں عبادت کا کام زیادہ انجام دو۔ جمعہ کے دن کو پورے ہفتہ میں مقرر فرمایا گیا۔ اس کا منشا بھی درحقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کے بندے پورے ہفتے دنیاوی کاموں میں مشغول رہے کوئی ملازمت کر رہا ہے کوئی تجارت کر رہا ہے کوئی زراعت کر رہا ہے۔ لہٰذا ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرو۔ اور چھٹی اس لئے کرو کہ زندگی کا جو اصل مقصد تھا ''عبادت'' اس کی طرف لوٹ آؤ۔ اور اسی دن میں عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ عبادت کرو۔ چونکہ چھٹی کا دن ہے اس لئے اس کی بھی اجازت ہے کہ تھوڑی بہت تفریح بھی کرلو۔ اور کچھ اپنی ذاتی ضروریات بھی پوری کرلو۔ لیکن اس بات کا لحاظ رہنا چاہئے کہ یہ جمعہ کا دن چونکہ اپنے اصل مقصد زندگی کی طرف لوٹنے کا دن ہے اس لئے عام دنوں کے مقابلے میں اس میں عبادت زیادہ کرلو۔

جمعہ کے دن کی عبادات

عبادت کے لئے ایک تو مردوں پر جمعہ کی نماز فرض فرمادی۔ اور کچھ دوسرے اعمال کرنے کے لئے بتادیئے۔ مثلاً یہ کہ اس دن غسل کرنا سنت ہے۔ اور یہ غسل کرنا صرف مردوں کے لئے سنت نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی غسل کرنا سنت ہے۔ حالانکہ عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے ____ اسی طرح جمعہ کی نماز کے لئے جانے سے پہلے مردوں کے لئے خوشبو لگانا سنت ہے ____ اسی طرح افضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے جتنا جلد ہو سکے مسجد میں پہنچ جاؤ۔ یہاں تک کہ حدیث

شریف میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص دن کے اول حصے میں مسجد میں پہنچ گیا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اونٹ قربان کیا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجمعہ باب الاستماع الی الخطبۃ۔ حدیث نمبر ۹۲۹)

اس لئے جتنا جلدی ہو سکے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے مسجد میں پہنچنا لازم ہے۔ لہٰذا آدمی کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور جمعہ کے دن نوافل زیادہ پڑھے، تلاوت زیادہ کرے اور حدیث شریف میں جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس لئے جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کا اہتمام کرے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجمعہ۔ باب الساعۃ التی فی یوم الجمعہ۔ حدیث نمبر ۹۳۵)

اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو جمعہ کے دن صلاۃ التسبیح پڑھنے کا اہتمام کرے۔ بہرحال عام دنوں کے مقابلے میں جمعہ کے دن عبادت کے اعمال زیادہ انجام دینا۔ یہ جمعہ کے دن کا مقصود ہے۔

(کنز العمال۔ ج ۱/ ۲۔ کتاب الاذکار۔ سورۃ الکہف۔ حدیث نمبر ۲۶۰۲)

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

لیکن ہم نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ جمعہ کا دن تو چھٹی کا دن ہے۔ (جس زمانے میں یہ بیان ہوا تھا۔ اس زمانے میں اتوار کے بجائے جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی) لہٰذا ہر چیز سے چھٹی ہوگئی۔ اب وہ چھٹی کا دن معصیتوں میں، گناہوں میں اور لہو ولعب میں۔ ناجائز کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ پھر حدیث شریف میں

فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس گھڑی میں انسان جو دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب الساعۃ اللتی فی یوم الجمعہ، حدیث نمبر ۹۳۵)

اور جس طرح شب قدر کی تعین نہیں فرمائی اسی طرح اس ساعت کی بھی تعین نہیں فرمائی۔ اور اس کی صراحت نہیں فرمائی کہ وہ ساعت کونسی ہے۔ تاکہ ایک مسلمان جمعہ کے دن کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرے۔ اور دعا میں صرف کرے۔ اس ساعت کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جس وقت امام جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں آتا ہے اس وقت سے لے کر نماز ختم ہونے تک کا جو وقت ہے وہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔ اگرچہ مردوں کے لئے جب وہ مسجد میں بیٹھ کر خطبہ سن رہے ہوں۔ زبان سے دعا نہیں کرنی چاہیۓ۔ البتہ اس وقت دل دل میں دعا کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ اس وقت عورتیں گھر میں دعا کر سکتی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک کا جو وقت ہے وہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے اس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن عصر سے لے کر مغرب خاص طور پر اس بات کا اہتمام فرماتے کہ اس وقت میں کوئی نہ کوئی عبادت کا کام انجام دیں۔ مثلاً تلاوت، تسبیح، ذکر و اذکار اور دعا کا اہتمام فرماتے۔

(سنن الترمذی ابواب الجمعہ باب ماجاء فی الساعۃ التی ترجی فی یوم الجمعہ حدیث نمبر ۴۸۹)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جمعہ کا دن فضولیات میں گزارنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس مقصد کے لئے ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ اس دن میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو استوار اور مضبوط کیا جائے ___ جو آدمی اس طرح کرے گا تو انشاء اللہ پورے ہفتے کے گناہ اور مزید تین دن کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

•••

•

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دوسروں پر ظلم سے بچیئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۰۔دسمبر ۱۹۹۱ء
بروز	:	جمعہ
بوقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دوسروں پر ظلم سے بچئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز: آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے "بَابُ تَحْرِیْمِ الظُّلْمِ وَالْاَمْرِ بِرَدِّ الْمَظَالِمِ" یعنی ظلم کے حرام ہونے کے بیان میں، اور اگر کسی شخص نے ظلم کیا ہو تو اس کو تلافی کرنے کے بیان میں ___ اتفاق سے یہ سارے ابواب علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد سے متعلق بار بار قائم فرما رہے ہیں ___ دراصل یہ کتاب "ریاض الصالحین" علامہ نووی

ﷺ نے تصوف، طریقت، سلوک اور احسان کے بیان کے لئے لکھی ہے۔ بعض حضرات کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ تصوف اور طریقت کے ذکر سے ذہن میں ذکر، تسبیحات، اوراد ونوافل کا تصور آتا ہے۔ مجاہدات، مکاشفات اور مراقبات کا تصور آتا ہے۔ کشف وکرامت کا تصور آتا ہے اور یہاں اس کتاب میں ان چیزوں کا تو کوئی ذکر نہیں۔ کوئی بیان نہیں۔ بلکہ یہاں تو اس بات کا بیان ہے کہ زندگی کیسے گزارو، اور دوسروں کے ساتھ کیسے معاملات کرو۔

تصوف کی حقیقت

چونکہ لوگوں نے ''تصوف'' کو غلط سمجھ لیا اور جاہل پیروں نے اس کی غلط تشریح کر دی ہے۔ اس لئے ذہنوں میں ''تصوف'' کا یہ مطلب بیٹھ گیا ــــــ ورنہ حقیقت میں ''تصوف'' اسی کا نام کا ہے کہ آدمی اپنی زندگی اس طرح گزارے جس میں حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا ہوں اور حقوق العباد بھی پوری طرح ادا ہوں۔ کسی نے خواب کہا ہے کہ:

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

یعنی طریقت اور تصوف تسبیح، مصلّی اور گدڑی کا نام نہیں کہ آدمی نے تسبیح اٹھائی اور اس کو گھمانا شروع کر دیا، یا مصلّی بچھایا اور نماز شروع کر دی۔ اور درویشوں جیسا حلیہ اختیار کر لیا ــــــ یہ تصوف نہیں ــــــ بلکہ:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

کہ طریقت سوائے مخلوق کی خدمت کے اور کچھ نہیں۔

وہ شخص سیدھا جنت میں جائے گا

لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدانہ کرے کہ تسبیح، سجادہ، اور دلق کی تحقیر مقصود ہے۔۔۔ بلکہ دین یا تصوف کو ان چیزوں کے اندر منحصر سمجھ لینا درست نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص زندگی بھر نفل اور مستحب عبادت ایک بھی نہ کرے، بس فرائض، واجبات اور سنت مؤکدہ پر اکتفاء کرے اور ساتھ میں گناہوں سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق ہمارے ذمے رکھے ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک بجالائے تو انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس سے قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ نفل نماز کیوں نہیں پڑھی؟۔۔۔ دوسری طرف اگر کوئی شخص نفل نماز تو بہت پڑھے، لیکن ساتھ ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرے اور اللہ کے بندوں کے حقوق پامال کرے تو باوجودیکہ اس نے ذکر بہت کیا، تسبیحات بہت پڑھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں جا کر پہلے اپنے اعمال بد کا صلہ بھگتنا ہوگا۔

پہلی عورت جہنم میں، دوسری جنت میں

ایک حدیث شریف میں یہ واقعہ آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو خواتین کا ذکر کیا گیا۔ ایک خاتون کے بارے میں کہا گیا کہ یہ خاتون دن رات عبادت کرتی رہتی ہے، نفل پڑھتی ہے، ذکر کرتی ہے۔ تسبیحات پڑھتی ہے اور فرض نمازوں کی پابندی کرتی ہے۔۔۔ لیکن ساتھ میں وہ خاتون دوسروں کی غیبت بھی

کرتی ہے۔ اور ایک دوسری خاتون ہے جو نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی۔ لیکن اپنی زبان سے کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتی ـــــ ان دونوں خواتین میں سے کون افضل ہے؟ اور کس کا کیا انجام ہوگا؟ ـــــ نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دوسری عورت جنت میں ہے، اور پہلی عورت جہنم میں ہے ـــــ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بلند

امام محمد رحمہ اللہ جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے درجے کے شاگرد ہیں اور ہمارے پاس جو "فقہ حنفی" پہنچا ہے وہ سارا امام محمدؒ کے ذریعہ پہنچا ہے ـــــ اس لئے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے براہ راست کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ نے بہت کتابیں لکھیں ـــــ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کو ان کتابوں کے ذریعہ پھیلایا ـــــ اس لئے آج ہم سب ان کے ممنون احسان ہیں۔ اور انہوں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ روایات میں آتا ہے کہ اگر ان سب کتابوں کو جمع کیا جائے تو پورا ایک اونٹ کا بوجھ بن جائے ـــــ

یہ تصوف کی کتابیں ہیں

بہرحال: امام محمد رحمہ اللہ سے کسی سوال کیا کہ حضرت۔ آپ نے اتنی ساری کتابیں لکھی ہیں، کتابوں کے انبار لگا دیئے لیکن ہمیں آپ کی کوئی کتاب تصوف کے موضوع پر نظر نہیں آئی؟ اس لئے کہ آپ نے ساری کتابیں فقہ کے موضوع پر لکھی ہیں ـــــ جواب میں امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کیوں؟ میں نے تو دسیوں

کتابیں تصوف پر لکھی ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ کونسی کتاب؟ آپ نے فرمایا "کتاب البیوع" یعنی وہ کتاب جس میں میں نے تجارت کے احکام بیان کئے ہیں کہ کونسی تجارت حلال ہے اور کونسی تجارت حرام ہے؟ کس طرح بیچنا جائز ہے؟ اور کس طرح پہنچنا ناجائز ہے؟ یہ بیع وشراء کے احکام پر مشتمل کتابیں تصوف ہی کی تو کتابیں ہیں____

ظالم کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا

درحقیقت تصوف کا، یا طریقت کا یا سلوک کا یا دین کا بحیثیت مجموعی یہ محدود تصور بڑا غلط تصور ہے____ اس لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب "ریاض الصالحین" تصوف ہی پر ہے۔ اس اعتبار سے کہ س میں تصوف سے متعلق احادیث درج کی ہیں۔ لیکن وہ بار بار حقوق العباد سے متعلق مختلف "باب" لا رہے ہیں____ اسی ضمن میں یہاں ایک نیا باب قائم فرمایا ہے "باب تحریم الظلم" یعنی ظلم کے حرام ہونے بیان میں اور اس باب کا آغاز دو آیتوں سے کیا ہے، پہلی آیت یہ ہے۔

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾

(سورة: غافر: ۱۸)

کہ قیامت کے روز ظالموں کے لئے کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا ہوگا جس کی سفارش مانی جائے____ یعنی ان کو جہنم کے عذاب سے

بچانے کے لئے سفارش کرنے والا نہیں ہوگا، دوسری آیت یہ ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

(سورۃ الحج: ۷۱)

یعنی ظالموں کے لئے قیامت کے روز کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ان دو آیتوں سے اس باب کا آغاز کیا۔ اس کے بعد مختلف احادیث لائے۔

ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہونگی

پہلی حدیث یہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ.

(ریاض الصالحین۔ باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۰۳)

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۵۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن ظلمتوں کا ذریعہ ہوگا۔ ظلمتیں اور اندھیریاں لے کر آئے گا ــــ بلکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہونگی۔ یعنی ظلم قیامت کے دن خود اندھیرے کی شکل میں متشکل ہوکر آئے گا۔ اس سے بچو۔

بخل نے امتوں کو تباہ کر دیا

دوسرا جملہ ارشاد فرمایا کہ بخل سے بچو۔ مال کی محبت، کنجوسی، اور بخل سے بچو۔ اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلی امتوں کو بھی تباہ و برباد کیا ہے۔ کس طرح تباہ کیا؟ آگے فرمایا کہ اس بخل نے ان کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خون بہائیں۔ اور اس کے نتیجے میں انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا۔ اور حرام کاموں کا ارتکاب شروع کر دیا ___ اس کے نتیجے میں وہ سب ہلاک اور تباہ ہو گئے بہرحال، اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں سے بچنے کا حکم دیا۔ ایک ظلم اور دوسرے بخل۔ دونوں کے بارے میں تھوڑی سی تشریح عرض کرتا ہوں۔

"ظلم" کے لغوی معنی

ظلم کسے کہتے ہیں؟ عام طور پر ظلم کے بارے میں ہمارے ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کو ناحق مارنا شروع کر دے، یہ ظلم ہے ___ خوب سمجھ لیجئے کہ شریعت کی اصطلاح میں ظلم صرف مار پیٹ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اگر عربی زبان کی لغت اور ڈکشنری اٹھا کر دیکھیں تو ظلم کے معنی یہ لکھے ہوئے ہونگے کہ:

وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ

یعنی کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا۔ جس جگہ کے لئے وہ چیز وضع نہیں ہوئی جس کام کے لئے اس کو بنایا نہیں گیا۔ اس کام میں اس چیز کو استعمال کرنا "ظلم" ہے

مثلاً کوئی شخص کسی جانور سے وہ کام لیتا ہے جس کے لئے وہ پیدا نہیں ہوا۔ یہ بھی ظلم ہے۔

گائے بولی: میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ صحابہ کرام کی ایک محفل میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا۔ اس کے پاس ایک گائے تھی ــــ وہ گائے تو اس مقصد کے لئے تھی کہ اس سے ہل چلاتا، یا اس سے دودھ نکالتا۔ ایک دن اس نے یہ کیا کہ اس گائے کو سواری بنا کر اس پر بیٹھ گیا۔ جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح اس پر سواری شروع کر دی تو جب وہ شخص اس گائے پر بیٹھا تو گائے نے اس سے کہا۔

إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار، حدیث نمبر ۳۴۷۱)

میں تو اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ یعنی جس کام کے لئے تم مجھے استعمال کر رہے ہو۔ میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی ــــ حضور اقدس ﷺ کی بات سن کر صحابہ کرام کے چہروں پر تعجب کے آثار ظاہر ہوئے کہ گائے کیسے بولی؟ گائے کی تو زبان نہیں ہوتی۔ وہ بول نہیں سکتی۔ اس نے یہ کیسے کہہ دیا کہ مجھے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا؟ سرکار دو عالم ﷺ نے اس تعجب اور حیرت کے آثار محسوس کئے کہ گائے کیسے بولی ــــ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ گائے نے کیسے بات کی۔ لیکن میں اس کی تصدیق کرتا

ہوں۔ اور ابوبکر و عمر اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھے۔ اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان

اس سے اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کتنا اعتماد تھا کہ آپ نے فرمایا کہ اور لوگوں کو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے۔ لیکن ابوبکر اور عمر جب اس بات کو سنیں گے تو حیرت نہیں کریں گے کہ جب میری زبان سے سن لیا کہ ایک مخبر صادق نے یہ خبر دی ہے کہ ایسا ہوا ہے تو پھر ان کے دل میں کوئی وسوسہ، کوئی شک کوئی شبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو ایمان کا وہ مقام عطا فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب کے باب میں لائے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بڑی عظیم الشان فضیلت ہے کہ مجلس کے اندر یہ دونوں موجود بھی نہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں اس بھروسہ کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ یہ دونوں حضرات بھی تصدیق کرتے ہیں یعنی اگر وہ اگر یہ بات سنیں گے تو ان کو حیرت نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ معراج کی تصدیق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان تو یہ تھی کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں تھا کہ آپ معراج پر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ معراج سے واپس بھی تشریف لے آئے اور اس کی خبر کچھ کافروں تک پہنچ گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ میں رات کے وقت سفر کر کے بیت المقدس گیا اور پھر وہاں سے سفر کر کے ساتوں آسمانوں تک گیا اور جنت اور دوزخ کی سیر کی ـــــ یہ سن کر کافروں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ دیکھو۔ حضور کیسی فضول باتیں کر رہے ہیں کہ رات بھر میں اتنا لمبا سفر طے کر لیا اور آسمانوں تک چلے گئے ـــــ ان میں سے ایک کافر کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک پتہ نہیں تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس کافر نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس پر ایمان لائے ہو پتہ بھی ہے کہ وہ کیا کیا باتیں کر رہے ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ آج رات میں چند لمحوں کے اندر یہاں سے بیت المقدس چلے گئے اور سارا سفر چند لمحوں میں طے کر لیا۔ ایسی خلاف عقل باتیں کر رہے ہیں۔ اب بھی تم ان کی اتباع کر رہے ہو؟ ـــــ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا کہ کیا واقعی انہوں نے ایسا کہا ہے کہ رات کے چند لمحوں میں انہوں نے اتنا لمبا سفر کیا؟ اس نے کہا کہ ہاں! خود مجھ سے بتلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان کی

اس بات کی تصدیق کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں۔ اس لئے کہ چند لمحوں میں بیت المقدس تک چلا جانا یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ میں تو اس سے بڑی بات پر ایمان لا چکا ہوں کہ آسمان سے ان کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے ہیں۔ جب میں اس پر ایمان لا چکا ہوں تو یہ بیت المقدس تک چلا جانا اور وہاں سے واپس آجانا، یہ تو اس سے بہت معمولی بات ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں ــــــ یہ تھا ایمان کہ اگر آپ نے کہا ہے تو وہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔

(الخصائص الکبری للسیوطی ﷺ حدیث اسماء، صفحہ نمبر ۲۰۱)

ظلم کے معنی دوسرے کی حق تلفی کرنا

بہرحال، اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب اس شخص نے گائے پر سواری شروع کر دی تو گائے نے کہا کہ میں اس کام کے لئے پیدا نہیں کی گئی ــــــ اس سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ بھی ظلم کا ایک حصہ ہے کہ جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ جو اس کا مقصد تخلیق ہے اس کو اس سے ہٹا کر دوسری جگہ استعمال کرنا بھی ظلم ہے ــــــ بہرحال: ظلم کے لفظی معنی یہ ہیں کہ کسی بھی چیز کو بے جگہ رکھنا، یا بے جگہ استعمال کرنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ظلم کے معنی یہ ہیں کہ ''کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جس سے دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، وہ ظلم کے اندر داخل ہے۔ مثلاً کوئی شخص زبان سے ایسی بات کہہ رہا ہے۔ یا اپنے عمل سے کوئی ایسا کام کر رہا ہے جس سے دوسرے کی حق تلفی ہو رہی ہے تو یہ ظلم ہے اور یہ حرام ہے اور ظلم کی تمام وعیدیں جو حدیث میں ابھی آپ سنیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

وہ سب وعیدیں اس پر صادق آتی ہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ ظلم سے بچو۔ اس لئے کہ یہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا اور قیامت کے دن سب سے زیادہ ضرورت نور کی ہوگی۔ لیکن ظلم کرنے والوں کو نور نہیں ملے گا۔ ان کو اندھیریاں ملیں گی۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

ظلم کی تلافی دنیا میں کرلو ورنہ آخرت میں!

اگلی حدیث یہ ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ. حَتّٰی یُقَادُ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ.

(ریاض الصالحین۔ باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۰۴)

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم۔ حدیث نمبر ۲۵۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ قیامت کے روز اہل حقوق کے حقوق ضرور ادا کرو گے۔ یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا ــــــ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کوئی شخص، خواہ وہ انسان ہو، یا حیوان ہو۔ وہ اگر کسی کی حق تلفی کرتا ہے اور دوسرے پر کسی بھی نوعیت کا ظلم کرتا ہے تو یا تو وہ اسی دنیا ہی کے اندر اس ظلم کی تلافی کرلے یا اس طرح کہ وہ اس ظلم کا بدلہ دیدے یا اس صاحب حق سے

معاف کرالے ــــ اگر اس دنیا میں تلافی نہیں کرے گا تو پھر آخرت میں تو یہ حق دنیا ہی دینا ہے۔

ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دیدی جائیں گی

کیسے یہ حق دینا ہوگا؟ اس کی تفصیل دوسری احادیث میں آئی ہے کہ وہاں حق ادا کرنے کا راستہ یہ تو نہیں ہوگا تو ہم سے پیسے لے لو۔ اور ہمارا حق معاف کردو ــــ اس لئے کہ آخرت کی کرنسی تو نیکیاں ہیں۔ نیک اعمال ہیں۔ لہٰذا جو صاحب حق ہوگا۔ اس کا حق ادا کرنے کے لئے ظالم کی نیکیاں اٹھا کر اس کے نامہ اعمال میں ڈال دی جائیں گی۔ آگے ایک حدیث آرہی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نامہ اعمال میں اتنی نیکیاں نہیں ہونگی کہ اس کے ذریعہ صاحب حق کو اس کا حق ادا کیا جاسکے تو جس مظلوم پر ظلم ہوا تھا اس کے گناہ اٹھا کر ظالم کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۵۸۱)

ظالم کی چھوٹ نہیں، انسان ہو یا جانور

ان احادیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے اس بات کی تاکید فرما رہے ہیں کہ دوسرے کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں وہ تو ادا کرنے پڑیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ظالم کو ظلم کرنے کے بعد کھلی چھٹی دیدی جائے۔ بلکہ ظلم کا بدلہ تو دینا ہو گا۔ اور جس مظلوم کی حق تلفی ہوئی ہے اس کا حق تو دلوایا جائے گا۔ چاہے دنیا میں

دیدے، ورنہ آخرت میں ہم دلوائیں گے ___ اور اس کی تاکید کے لئے اس حدیث میں فرمایا کہ انسانوں کا معاملہ تو بہت آگے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے سمجھ دی ہے۔ انسان کو احکام کا مکلف بنایا ہے۔ جانور جن کے اندر عقل نہیں، تمیز نہیں، سمجھ نہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کا مکلف بھی نہیں بنایا۔ جنت اور دوزخ ان کے لئے نہیں ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں جس جانور نے دوسرے جانور پر جو ظلم کیا ہوگا۔ قیامت کے دن اس جانور سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔ گویا کہ ظالم کی چھوٹ نہیں ہوگی۔ چاہے وہ انسان ہو یا جانور ہو۔

جانوروں سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا میں جو سینگ والی بکری تھی، اور اس نے بے سینگ کی بکری کو سینگ مارا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں بے سینگ کی بکری پر ظلم ہوا۔ اس کا حق ضائع ہوا تو قیامت کے دن ان کو جہنم میں تو نہیں ڈالا جائے گا لیکن قیامت کے دن اس سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ اس کا طریقہ ہوگا کہ بے سینگ کی بکری سے کہا جائے گا کہ ہم تمہارے سینگ پیدا کر دیتے ہیں تم اس کو مار کر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ لے لو ___ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ جانوروں سے بدلہ دلوائیں گے تو انسانوں سے تو بطریق اولیٰ دلوائیں گے۔ لہٰذا یہ تو ہوگا، لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں دوسرے کا حق مار کر بچ جاؤں گا ایسا نہیں ہوگا۔ وہ بچ نہیں سکتا۔

حقوق اللہ توبہ سے معاف ہوسکتے ہیں

یہ جو گناہ اور نافرمانیاں ہیں۔ یہ تو حقوق اللہ ہیں ان کے اندر بچنے کا راستہ ہے کہ اگر انسان ان سے توبہ کر لے گا تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اگر کوئی ستر سال تک گناہ کرتا رہا۔ فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ حقوق اللہ کے خلاف گناہوں کا ارتکاب کیا۔ ستر سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے گناہوں پر ندامت اور شرم ساری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا۔ اور رو کر گڑگڑا کر عاجزی سے ندامت سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی۔ اور توبہ کر لی کہ یا اللہ! پچھلی زندگی کے سارے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ آئندہ کے لئے عزم کرتا ہوں کہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ جس لمحہ یہ کام کر لیا، ستر سالہ زندگی کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ وہ گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے گویا کہ وہ گناہ کئے ہی نہیں تھے۔ کتنا آسان معاملہ اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ کا رکھا ہے۔

حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے

لیکن ''حقوق العباد'' دوسروں کی حق تلفیاں، صرف توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوتیں۔ جب تک کہ تم اس کی تلافی نہ کر لو۔ یا جس کا حق تلف کیا ہے اس سے معافی نہ مانگ لو۔ بہرحال ــــ حضور اقدس ﷺ ان احادیث کے ذریعہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ یا تو دنیا کے اندر یہ کام کر لو کہ جن کے حقوق تمہارے ذمے ہیں ان کے حقوق ادا کر دو، ورنہ پھر آخرت میں تو ادا کرنے ہونگے، یہ مت سمجھنا کہ آخرت میں

وہ بچ جائے گا۔

ظلم کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں بیان فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ "ظلم" کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق پامال کرنا، اور حق تلفی کرنا یہ ظلم ہے۔ لہٰذا عام طور پر ذہنوں میں "ظلم" کا یہ جو تصور بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو مارے یا اس کو سزا دے یا اس کو باندھ کر رکھے۔ تو یہ ظلم ہے۔ صرف اتنی بات ظلم نہیں بلکہ دوسرے کا جو حق تم پر واجب ہے اس کو ادا نہ کرنا یہ ظلم ہے۔ البتہ ظلم کی بے شمار صورتیں ہیں۔ اگر آج ہم اپنے معاشرے کو دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارا پورا معاشرہ ظلم سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے کے حق تلف کئے جا رہے ہیں اور اچھے خاصے پڑھے لکھے، نمازی، ذکر کرنے والے، وظیفے اور تسبیحات کرنے والے بھی ظلم میں مبتلا ہیں، اور ان کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ ہم ظلم کر رہے ہیں۔

مفت کال کرنا ظلم ہے

ایک صاحب جو دین سے تعلق والے، ماشاء اللہ ان کے پاس علم بھی ہے اور نماز روزے کے پابند بھی۔ اہتمام سے مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ٹیلیفون ایکسچینج میں ان کے کوئی دوست ہیں۔ ان سے تعلق قائم ہیں۔ اس دوست نے یہ سہولت ان کو فراہم کر رکھی ہے کہ جب آپ کو کسی دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں ٹیلیفون کرنا ہو تو مجھ سے کہہ

دیا کریں میں آپ کا فون ملا دیا کروں گا۔ اور آپ اطمینان سے جتنی دیر چاہیں، بات کرلیا کریں۔ اور اس طریقہ پر مستقل طور پر یہ عمل ہو رہا ہے اور دوسرے ملک اور شہر میں گھنٹوں بات ہو رہی ہے اور ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ لائن ملانے والے ان کے دوست ہے اور اس طریقے پر مسلسل عمل جاری ہے ـــــ یہ وہ صاحب ہیں جو دین کا علم رکھتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں۔

یہ بھی دوسرے کے مال کی چوری ہے

یہ بیماری تو پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس عمل میں کیا خرابی ہے؟ مفت میں باتیں کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔ یہ تو ہمارے درمیان دوستی اور تعلقات کی وسعت کی دلیل ہے ـــــ اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ تم نے بغیر پیسوں کے بات تو کر لی۔لیکن اس عمل کے اندر تم نے کتنے انسانوں کے حقوق پامال کیے۔اور تم نے اس عمل میں کتنے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔ اور تمہارا یہ عمل دو حال سے خالی نہیں ـــــ میں نے سنا ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ جو لوگ یہ عمل کرتے ہیں وہ اس کال کا بل کسی دوسرے شخص کے بل میں داخل کر دیتے ہیں۔ اگر واقعتا ایسا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی مالی ذمہ داری کا بوجھ دوسرے شخص پر ڈال دیا۔گویا کہ دوسرے شخص کا مال تم نے غصب کرلیا اور اس کا مال تم نے چوری کرلیا۔ اور چوری کرنے کا گناہ اس عمل پر پورا صادق آرہا ہے ـــــ اگر عام آدمی چوری کرتا تو ساری دنیا اس پر تھو تھو کرتی کہ یہ چور ہے اور یہ چوری چھپے جو چوری ہو رہی ہے اس کے بارے میں دل میں خیال ہی

نہیں آتا ہے یہ چوری ہو رہی ہے۔

حکومت کا پیسہ ناجائز استعمال کرنا خطرناک معاملہ ہے

اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس لمبی کال کا بل دوسرے شخص کے بل میں تو نہیں ڈالتے بلکہ ''حکومت'' کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ اور حکومت تو ماشاء اللہ اپنی ہے اگر حکومت کا ناحق خرچہ ہوتا ہے تو اس پر دارو گیر کا سوال ہی نہیں۔ اس پر تو کسی ندامت کا احساس ہی نہیں ـــــ حالانکہ خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حکومت کا پیسہ ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو وہ ایک آدمی کے پیسے ناحق استعمال کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ برا ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور سنگین ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک آدمی کا حق پامال کرتے ہوئے اس کا پیسہ ناجائز استعمال کر لیا تو اس کی تلافی کا اگر کبھی خیال آیا تو تحقیق کر کے کہ فلاں آدمی کا پیسہ ہم نے ناجائز استعمال کر لیا تھا۔ جا کر اس سے معافی مانگ کر اس کی تلافی کرنا آسان ہے۔

حکومت کا پیسہ پوری قوم کا پیسہ ہے

لیکن حکومت کا جو پیسہ ہے وہ پوری قوم کے ایک ایک فرد کا پیسہ ہے۔ اگر حکومت کے پیسوں کو ناجائز طریقے پر استعمال کر لیا تو پھر اس کی تلافی کیسے کرو گے؟ کس کس سے معافی مانگتے پھرو گے؟ اس لئے کہ حکومت کا خزانہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ وہ ساری قوم کی امانت ہوتی ہے اس میں خیانت کرنے کے نتیجے میں اس کی تلافی تقریباً ناممکن ہے۔

اور جب قیامت کے روز حکومت کے پیسوں کی پوچھ گچھ اور سوال ہوگا اور اس کا بدلہ دلوایا جائے گا تو کیا اس وقت ساری قوم کے گناہ تم اپنے نامہ اعمال میں ڈالو گے؟ لہٰذا ایک آدمی کا حق تلف کرنے کے مقابلے میں پوری قوم کی دولت کو ناجائز استعمال کرنا بہت زیادہ سنگین معاملہ ہے۔

مدرسہ کا پیسہ بے شمار انسانوں کا پیسہ ہے

حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی ؒ جو دارالعلوم دیو بند کے مہتمم تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدرسہ کا مہتمم بننے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی دوسرے آدمی کے پیسوں کے معاملے میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے اور بعد میں اس پر شبہ ہو جائے تو جا کر اس سے معافی مانگ لوں گا۔ اور جب وہ معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بھی معاف فرما دیں گے ــــ لیکن مدرسہ میں جو پیسہ آتا ہے وہ بے شمار انسانوں کا دیا ہوا چندہ ہے۔ کسی نے ۵ روپے دیئے، کسی نے ۱۰ روپے دیئے، کسی نے ہزار روپے دے دیئے۔ کسی نے دس ہزار دے دیئے ــــ اگر ان روپوں کو غلط اور ناجائز طریقے پر استعمال کیا تو میں کس کس سے معافی مانگتا پھروں گا۔ اور کہاں کہاں جاؤں گا۔ اس لئے مجھے مدرسہ کے پیسوں کی فکر عام آدمی کے پیسوں کی فکر سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب مدرسہ کے پیسوں کا یہ معاملہ ہے تو حکومت کے پیسوں کا معاملہ کتنا نازک ہوگا؟

مولانا محمد منیر صاحب کا ایک اور قصہ

انہی مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ کا قصہ ہے، یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یادیں تازہ کر گئے ___ یہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ مدرسہ کے کس کام سے دہلی جانا ہوا۔ دہلی میں چند لوگوں نے مدرسہ کے لئے آپ کو چندہ دیا۔ اور چندہ کی رقم تقریباً تین ہزار روپے تھی۔ اس زمانہ کے تین ہزار روپے آج کے تین لاکھ سے بھی کہیں زیادہ بنتے ہیں۔ یہ رقم لے کر ریل کے ذریعہ سفر کر کے دیوبند آرہے تھے راستے میں وہ تین ہزار روپے چور ہو گئے۔ اب یہ بہت غمگین اور پریشان ہوئے۔ جب دارالعلوم دیوبند پہنچے تو ان پیسوں کی فکر لگ گئی کہ اس کا انتظام کیسے کروں۔ چنانچہ کسی طرح لوگوں سے قرض لے کر تین ہزار روپے جمع کئے اور مدرسہ میں جمع کرا دیئے۔

مدرسہ کا پیسہ امانت ہے

لوگوں نے حضرت سے کہا کہ حضرت، یہ رقم تو آپ کے پاس امانت تھی اور امانت کا حکم شرعاً یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس کوئی امانت ہو وہ اپنی حد تک اس کی حفاظت کرے اور حفاظت کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور پھر بھی کسی غیبی آفت کی وجہ سے وہ امانت ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے تو امانتدار پر اس کا تاوان اور ضمان ادا کرنا واجب نہیں ہوتا ___ اور مدرسہ کے جتنے مہتمم ہوتے ہیں وہ امین ہوتے ہیں۔ اس کا یہ تو فرض ہے کہ وہ اس کو حفاظت سے رکھے اور جس طرح انسان اپنے

مال کی حفاظت کرتا ہے اس طرح سے اس کی حفاظت کرے ____ لیکن مکمل حفاظت کے باوجود کسی نے چوری کر لی۔ یا ڈاکہ پڑ گیا یا اس مال میں آگ لگ گئی اور اس کے نتیجے میں وہ مال ضائع ہو گیا تو اس کا کوئی تاوان نہیں، کوئی ضمان نہیں۔ تاوان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس کی حفاظت میں کوتاہی کرے، ورنہ تاوان نہیں ____

قرض لے کر تاوان ادا کیا

بہرحال، لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت، شرعاً آپ کے اوپر اس کا تاوان نہیں، اس لئے کہ وہ رقم آپ کے پاس امانت تھی۔ آپ نے حفاظت تو پوری کی یہ تو تقدیر کا معاملہ ہے کہ چور نے چوری کر لی۔ لہٰذا آپ اس کا تاوان ادا نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا دل نہیں مانتا۔ میں تو تاوان ادا کروں گا ____ چنانچہ کہیں سے قرض لے کر اس کا تاوان ادا کیا۔ چونکہ لوگوں کو پتہ تھا کہ یہ بیچارے مالی اعتبار سے زیادہ صاحب حیثیت نہیں ہیں۔ جب تین ہزار روپے قرض کر کے اپنی جیب سے بھریں گے تو نہ جانے کتنی معاشی مشکلات کا شکار ہوں گے۔

اگر ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو وہ کیا کرتے

چنانچہ ان لوگوں میں سے کسی شخص نے اس واقعہ کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا جو دارالعلوم دیو بند کے سرپرست تھے۔ اور گنگوہ میں رہا کرتے تھے ان کو لکھا کہ ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اور اب یہ اس

بات پر مصر ہیں کہ وہ یہ تاوان اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ اس لئے آپ ان کو سمجھائیں اور مسئلہ بھی بتائیں کہ یہ رقم واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور آپ کے ذمہ شرعاً تاوان نہیں آتا۔۔۔۔ چنانچہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ نے ان کے نام ایک خط لکھا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا۔ افسوس ہوا۔ لیکن شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہے۔ لہٰذا آپ تاوان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیں۔ اور اس کی وجہ سے آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔۔۔۔ جب یہ خط حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو آپ نے وہ خط پڑھا۔ اور جو شخص خط لے کر آیا تھا اس سے کہا کہ بھائی، مولوی رشید احمد سے جا کر کہہ دینا کہ کیا ساری فقہ انہوں نے میرے واسطے پڑھی تھی؟ اس لئے مجھے فقہ کا مسئلہ بتا رہے ہیں کہ اس صورت میں تاوان نہیں آتا۔ ٹھیک ہے۔ فقہ کا یہ مسئلہ اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن ان سے یہ پوچھنا کہ اگر یہ واقعہ ان کے ساتھ پیش آتا تو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ وہ کیا کرتے؟ وہ تاوان دیتے یا نہیں؟ اس لئے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ مفتی تو یہ فتویٰ دیدے گا کہ اس صورت میں تاوان نہیں ہے۔ لیکن کیا پتہ! ہو سکتا ہے کہ مجھ سے حفاظت میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہو۔ اور اس کی وجہ سے آخرت میں مجھ سے پکڑ ہو جائے اور جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ مدرسہ کے لئے یہ چندہ دیا تھا قیامت کے روز ان کے حقوق پامال کرنے والا نہ بن جاؤں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ میں اضافہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ جو دار العلوم دیوبند کے

پہلے طالب علم اور بعد میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہوئے ____ اور یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے بوریے پر بیٹھ کر پورے ہندوستان کا نقشہ بدلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ تحریک ریشمی رومال اور "تحریک آزادی ہند" کے نام سے آپ نے تحریک کا آغاز کیا ____ آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور آپ کو ماہانہ دس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ اور یہ تنخواہ مدت سے چلی آرہی تھی۔ مدرسہ کے حضرات نے آپس میں طے کیا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے استاد ہیں اور آپ کا اتنا بڑا مقام ہے اور اتنے عرصہ سے ان کی تنخواہ دس روپے چلی آرہی ہے اب کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ آئندہ ماہ سے آپ کی تنخواہ ۱۵ روپے ماہانہ ہوگی۔

میری تنخواہ اب کم ہونی چاہئے

جب مہینہ ختم ہوا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۱۰ روپے کے بجائے ۱۵ روپے پہنچے تو آپ نے پوچھا کہ یہ پندرہ روپے کیسے آگئے؟ ان کو بتایا گیا کہ مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ماہ سے آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے ہوا کرے گی ____ آپ نے سن کر فرمایا کہ مجلس شوریٰ نے یہ کیا الٹا فیصلہ کر لیا؟ پہلے تو میں مدرسہ کو زیادہ وقت دیا کرتا تھا اور زیادہ اچھی طرح سبق پڑھایا کرتا تھا اور اب تو میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب تو نہ اتنی محنت کر پاتا ہوں اور نہ اتنا زیادہ وقت دے پاتا ہوں، اب تو تنخواہ کم ہونی چاہئے۔ زیادہ ہونے کا کیا سوال؟ ____ لوگوں نے کہا کہ حضرت! اب آپ کو اتنا تجربہ بھی حاصل ہو چکا ہے اور اتنے عرصہ سے آپ

یہ خدمت انجام دے رہے ہیں اس لئے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کیا گیا ہے ___ اس وقت آپ نے باقاعدہ مہتمم مدرسہ کو درخواست لکھی کہ میری تنخواہ اس ماہ سے ۱۵ روپے کردی گئی ہے اور اس میں مدرسہ کا نقصان ہے اور براہ کرم میری تنخواہ حسب معمول ۱۰ روپے ہی رکھی جائے ___ تنخواہ بڑھانے کی درخواستیں تو آپ نے بہت سنی ہونگی لیکن یہاں تنخواہ کم کرنے کی درخواست دی جارہی ہے۔ اور وہ درخواست مجلس شوریٰ میں پیش ہو رہی ہے ___ اور مجلس شوریٰ نے اس درخواست کو رد کردیا کہ نہیں۔ اب آپ کی تنخواہ ۱۵ روپے ہی رہے گی ___ یہ بزرگان دین ایسی ایسی مثالیں قائم کر گئے ہیں۔ یہ دارالعلوم دیوبند ایسے ہی دارالعلوم دیوبند نہیں بن گیا اور یہ علماء دیوبند صرف تقریر کرنے سے علماء دیوبند نہیں بن گئے، بلکہ ایسے عمل سے، ایسے کردار سے اور ایسی سیرت سے بنے ہیں۔ ان حضرات کو یہ فکر تھی کہ ایک ایک پیسہ جو آرہا ہے اس کے بارے میں یہ فکر ہے کہ کہیں دوسرے کا حق میرے پاس نہ آجائے۔ اور ان پیسوں کے نتیجے میں کسی پر ظلم نہ ہو جائے۔

پہلے سامان کا وزن کرا کر کرایہ ادا کرنا ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ جن کا نام ہم پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں ___ آج ہم نے حضرت والا کے مواعظ اور ملفوظات تو پڑھنے شروع کر دیئے اور ان کے بیان کردہ تصوف کے رموز اور حقائق بیان کرنا شروع کر دیئے۔ لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ان کا اخلاق اور کردار کیسا تھا؟ اور ان کے اعمال کیسے تھے؟ ایک مرتبہ حضرت والا سہارنپور سے تھانہ بھون ریل کے ذریعہ

جانا چاہتے تھے جب سہارنپور کے اسٹیشن پر پہنچے تو پلیٹ فارم پر گاڑی کھڑی تھی۔
اور روانہ ہونے والی تھی آپ کے پاس سامان زیادہ تھا۔یعنی جتنا سامان ایک مسافر کو
اضافی کرایہ دیئے بغیر لے جانے کی اجازت ہوتی ہے اس سے زیادہ سامان تھا۔
چنانچہ آپ سامان لے کر سامان بکنگ کرنے کے دفتر کی طرف چل پڑے۔کسی نے
کہا کہ حضرت ریل جانے کے لئے بالکل تیار ہے آپ نے فرمایا کہ پہلے سامان کا
وزن کر کے ان کا اضافی کرایہ ادا کرنا ہے۔لوگوں نے کہا کہ حضرت: گاڑی چھوٹ
جائے گی۔آپ نے فرمایا کہ گاڑی چھوٹتی ہے تو چھوٹنے دو۔لیکن سامان وزن کرائے
بغیر میں سوار نہیں ہوں گا۔

مجھے اس سے بھی آگے جانا ہے

چنانچہ بکنگ آفس پہنچے تو وہاں لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔کسی ریلوے افسر نے
دیکھ لیا کہ حضرت اس طرح سامان بک کرانے کے لئے لائن میں کھڑے ہیں اس
نے آکر کہا کہ حضرت۔یہ لائن لمبی ہے اور گاڑی جانے والی ہے۔آپ فکر نہ کریں
آپ کو کوئی نہیں پوچھے گا۔آپ گاڑی میں سوار ہو جائیں____ حضرت نے فرمایا کہ
میں تو بک کراؤں گا۔ اس نے اصرار کیا کہ آپ چلئے، میں آپ کو بٹھاتا ہوں۔
اور میں بھی اسی گاڑی میں آپ کے ساتھ سفر کروں گا۔حضرت نے پوچھا آپ کہاں
تک میرے ساتھ جائیں گے؟ اس نے کہا میں ''جلال آباد'' تک ساتھ جاؤں گا۔
آپ نے پوچھا کہ جلال آباد کے بعد آگے کیا ہوگا؟ اس نے کہا وہاں سے دوسرا گارڈ
آئے گا۔میں اس کو بتا دوں گا کہ آپ کا خیال رکھیں اور اطمینان سے اتار دیں۔آپ

نے پوچھا کہ وہ کہاں تک جائے گا؟ اس نے کہا وہ ''دہلی'' تک جائے گا۔ اور تھانہ بھون اس سے پہلے آجائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب تھانہ بھون پر اتروں گا تو وہاں کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ ''جلال آباد'' سے سوار ہونے والے گارڈ سے میں کہہ دوں گا کہ وہ تھانہ بھون کے اسٹیشن ماسٹر سے کہہ دیں کہ وہ آپ کو چھوڑ دیں ــــــ حضرت نے پوچھا کہ اچھا تھانہ بھون میں تو چھوٹ گیا۔ پھر آگے کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ آگے آپ کا گھر ہے آگے کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی آگے ایک جگہ ہے جہاں پوچھ ہو سکتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کونسی جگہ ہے؟ وہ جگہ وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی۔ وہاں پوچھ ہوگی کہ تم نے کرایہ ادا کئے بغیر زیادہ سامان کے ساتھ کیوں سفر کیا تھا؟ اور اگر وہاں کے لئے تم ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہو تو بیشک میں سامان کا وزن کرائے بغیر سوار ہو جاؤں گا۔ تب اس گارڈ کو پتہ لگا کہ حضرت والا کہاں کی بات کر رہے ہیں ــــ ساری عمر اس پر عمل کیا کہ جب کبھی زائد وزن کے سامان کے ساتھ ریل کا سفر کیا تو آپ نے اس سامان کا وزن ضرور کرایا اور اس کا کرایہ ادا کیا۔ اس کے بعد سفر کیا ــــ اس لئے کہ یہ ریل گاڑی گارڈ کی ملکیت نہیں۔ یہ پوری قوم کی ملکیت ہے۔ اور جب تک اس گاڑی کا کرایہ ضابطہ کے مطابق ادا نہیں کرو گے، اس وقت تک تمہارے لئے سفر کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ظلم اور حق تلفی ہے۔ آخرت میں تم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ کا واقعہ

یہ تھے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، لوگوں نے یہ سمجھ لیا

کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے معارف اور حقائق فرما گئے۔ بس اسی میں مست ہوتے رہو۔ لیکن ان کی عملی زندگی کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کیسی زندگی گزاری؟___ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بہت بڑے خلیفہ جو حضرت والا کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ اور حضرت نے ان کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی___ ان کا واقعہ سنئے___ وہ ایک مرتبہ سفر کر کے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ آکر سلام عرض کیا اور بچے کو ملاقات کرائی۔ اور اس کے لئے حضرت سے دعا کرائی___ حضرت نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ فلاں شہر سے ریل کے ذریعہ آرہا ہوں۔ حضرت کی باریک بینی ملاحظہ کریں کہ حضرت نے ان سے پوچھا کہ یہ بچہ بھی تم ساتھ لائے ہو؟___ انہوں نے کہا: جی ساتھ لایا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ اس بچے کی کیا عمر ہے؟ حضرت اس کی عمر کے ۱۳ سال ہونے والے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ جب آپ نے ریل میں سفر کیا تو اس بچے کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آدھا ٹکٹ لیا تھا___ آپ نے پوچھا کہ آدھا ٹکٹ کیوں لیا تھا؟___ اور آدھا ٹکٹ لینے کی کس عمر تک اجازت ہے؟___ انہوں نے جواب دیا کہ ۱۲ سال کی عمر تک آدھا ٹکٹ لینے کی اجازت ہے۔ ۱۲ سال کے بعد ٹکٹ پورا لینا ہوتا ہے۔ آپ نے پھر آدھا ٹکٹ کیوں لیا؟___ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت یہ بچہ ویسے تو ۱۳ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں چھوٹا لگتا ہے۔ اس لئے میں نے اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا___ حضرت کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ آپ کو دین کی ہوا بھی نہیں لگی۔

اس لئے آج سے آپ کی خلافت سلب ــــــ تمہیں جو خلیفہ بنایا تھا اور دوسروں کی اصلاح اور ارشاد کی جو اجازت آپ کو دی گئی تھی وہ واپس لی جاتی ہے ــــــ اس لئے کہ ۱۳ سال کے بچے کو تم نے ۱۲ سال کا بچہ ظاہر کر کے آدھے ٹکٹ پر سفر کرایا۔ یہ تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ ناجائز طریقے سے ریل کو استعمال کیا۔ اس لئے تمہاری خلافت سلب کی جاتی ہے۔

آدھا ٹکٹ لینے پر خلافت سلب کر لی

آج کل تو یہ سمجھ لیا گیا جو شخص تسبیحات اور وظائف زیادہ کرتا ہو بس اس کو خلیفہ بنا دو۔ اور شاید یہ بات سنی ہو کہ کسی نے وظیفہ اور تسبیحات میں کمی کر دی تو شیخ صاحب ناراض ہو گئے ــــــ لیکن یہ مثال آپ کو حکیم الامت حضرت تھانوی ﷫ کے علاوہ کہیں نہیں ملے گی کہ صرف اس بات پر خلافت سلب کر لی کہ ریل کا ٹکٹ پورا لینے کے بجائے آدھا لیا ــــــ یہ سب دین ہے۔ یہ جو عمل ہے کہ پورے ٹکٹ پر سفر کرنے کے بجائے آدھے ٹکٹ پر سفر کر لیا۔ یہ شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔ شریعت کے اسی حکم کے خلاف کر کے ظلم کیا، اس ظلم پر خلافت سلب کر لی۔

مجھے احسان کا درجہ حاصل ہو گیا ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب ﷫ کے پاس ایک شخص آئے۔ اور آکر عرض کیا کہ حضرت: مجھے ''احسان'' کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ ''احسان'' کا مطلب یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو کہ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم

نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ بہرحال ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت: اللہ کے فضل کرم سے مجھے احسان کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بڑی مبارک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ آمین ____ لیکن میں ایک بات آپ سے پوچھوں کہ کیا یہ ''احسان'' کا مرتبہ صرف نماز ہی میں حاصل ہوا ہے یا کسی اور جگہ بھی حاصل ہوا۔ یعنی اللہ کو دیکھنے کا مرتبہ کہ اللہ مجھے نظر آرہا ہے۔ یا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ بات صرف نماز میں ہوتی ہے۔ یا جس وقت تم گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہو اس وقت بھی یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ یا جس وقت بازار میں کاروبار کے لئے بیٹھتے ہو اس وقت بھی یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟ جب تم دوسروں سے معاملات کر رہے ہوتے ہو، اس وقت بھی یہ کیفیت ہوتی ہے یا نہیں؟ ____ ان صاحب نے جواب دیا کہ ہم تو اب تک سمجھتے آرہے ہیں کہ ''احسان'' کا درجہ صرف نماز میں ہوتا ہے کہ جب آدمی نماز پڑھے تو یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ سامنے موجود ہیں۔

ہر جگہ یہ دھیان ہو کہ اللہ دیکھ رہا ہے

حضرت نے فرمایا کہ یہی تو ساری غلط فہمی ہے۔ ارے ''احسان'' کا تعلق صرف نماز کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ہر حال میں اور ہر جگہ صفت ''احسان'' حاصل رہنا چاہئے۔ چاہے انسان مسجد میں ہو، یا بازار میں ہو، گھر میں ہو، یا دفتر میں ہو، یا سڑک پر ہو، سفر میں ہو، یا حضر میں ہو، ہر جگہ دل میں یہ دھیان ہو کہ ''اللہ'' مجھے دیکھ رہا ہے۔

بہر حال بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا بہت خیال کرنا چاہئے کہ کہیں میرے پاس دوسرے کا پیسہ تو نہیں آ گیا ہے؟ ___ اس میں بڑے بڑے متقی کہلائے جانے والے اہل تقویٰ بھی مبتلا ہیں۔ جب چاہا سرکاری بجلی کا کنکشن لے لیا۔ اور کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ حلال ہے یا حرام ہے؟ اسی عمل کے ساتھ سارے دین کے کام بھی ہو رہے ہیں۔ نمازیں بھی ہو رہی ہیں ___ ہماری زندگی کے اندر بد دینی اور اس کا عذاب اور وبال اس راستے سے بے شمار طریقوں سے داخل ہو رہا ہے ___ یاد رکھئے ___ یہ مجلس جس میں ہم اور آپ بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی رسمی وعظ اور تقریر کی مجلس نہیں۔ درحقیقت بزرگوں کی باتوں کے تکرار کی مجلس ہے۔ اور باہمی ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کی مجلس ہے۔ آپ کو خطاب کرنے سے پہلے میں اپنے آپ کو خطاب کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ مجلس اس لئے ہے کہ ہم ان باتوں کو سوچیں۔ اور جو غلط چیزیں ہمارے معاشرے میں پھیل چکی ہیں ان کی اصلاح کی فکر کریں۔

بعض وہ کام جن کو آدمی گناہ ہی نہیں سمجھتا

بعض کام وہ ہوتے ہیں جن کو آدمی گناہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ میں نے یہ گناہ کا کام کیا ہے اس کے بعد اس کے دل میں ندامت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ شرمندہ ہوتا ہے۔ اور اس سے توبہ کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے ___ مثلاً کسی شخص نے شراب پی لی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو وہ اس شراب پینے کو برا سمجھے گا۔ اور اس کے دل میں ندامت ہوگی، شرمندگی ہوگی کہ میں نے یہ غلط کام کیا ہے اور اس کے نتیجے

میں کبھی نہ کبھی اس کو توبہ کی بھی توفیق ہو جائے گی ___ یا مثلاً ایک شخص نماز نہیں
پڑھتا اس کے دل میں ندامت ہوگی کہ میں یہ برا کام کر رہا ہوں۔ گناہ کا کام کر
رہا ہوں ___ لیکن میں وہ کام بتا رہا ہوں جن کے گناہ ہونے کا بھی احساس دل
میں نہیں رہا کہ یہ گناہ کے کام ہیں۔ بلکہ یہ کام قابل تعریف ہو چکے ہیں، مثلاً ریل
گاڑی میں بے ٹکٹ سفر کرنا، یا ہوائی جہاز میں اضافی وزن کے سامان کے ساتھ
سفر کرنا اور اضافی وزن کا کرایہ ادا نہ کرنا، یہ ایک ہنر کی بات سمجھی جانے لگی
ہے۔ کہ ہمارے تعلقات بہت وسیع ہیں ہم اضافی سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر سفر کر
لیتے ہیں۔ اور ہمیں کوئی نہیں روکتا ___ اور جب اس عمل کو گناہ ہی نہیں سمجھا تو اس
پر شرمندگی اور ندامت کہاں ہوگی۔ اور جب شرمندگی اور ندامت نہیں ہوگی تو اس
گناہ سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوگی ___ آج اس کا وبال پورے معاشرے پر آیا
ہوا ہے۔ اور اس معاشرے میں ہر شخص ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا
ہے۔ جس کو جب موقع ملتا ہے وہ دوسرے کی بوٹی نوچ لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ
جانتا ہے کہ جب دوسرے کو موقع ملے گا تو وہ میری بوٹی نوچے گا ___ یہ سارا بگاڑ
اور فساد ظلم ہے اور ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنے کا وبال ہے۔ اور حقوق
کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں یہ حقوق دلوا کر رہوں گا۔ یہ نہیں ہو
سکتا کہ تم دوسروں پر ظلم کرو اور دوسروں کے حقوق پامال کرو اور پھر تم بچ جاؤ۔ یہ
نہیں ہو سکتا ___ اب یا تو دنیا میں ان حقوق کی تلافی کر لو، ورنہ آخرت میں مجھے
کرنی ہی ہے۔ اس لئے اس حدیث شریف میں فرمایا۔ "لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى
أَهْلِهَا" کہ قیامت کے دن ہر قیمت پر تمہیں حقوق ادا پڑیں گے اور ہم وہ حقوق

دلوائیں گے۔ اور جب ہم یہ حقوق جانوروں سے دلوائیں گے تو انسانوں سے کیوں نہیں دلوائیں گے؟ لہٰذا آج تم دنیا میں جو کچھ کر رہے ہو اس کو دیکھ لو کہ کیا کر رہے ہو ــــــ اور اب تک جن حقوق کو پامال کیا ہے ان کی تلافی کی فکر کر لو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرما دے اور اس کی تلافی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

***

*

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نیکی کی دعوت دیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ : یکم نومبر ۱۹۹۱ء

بروز : جمعہ

وقت : بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نیکی کی دعوت دیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز: آگے علامہ نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''ریاض الصالحین'' میں ایک نیا باب قائم فرمایا ہے۔ وہ ہے ''بَابٌ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى خَيْرٍ وَالدُّعَاءِ اِلٰى هُدًى اَوْ ضَلَالَةٍ'' یعنی یہ باب دوسروں کو بھلائی کی رہنمائی کرنے کے بیان میں ہے۔ یعنی اس باب میں اس کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی نیکی کی طرف دعوت دے یا کسی نیک کام کی طرف بلائے ___ اور دوسری طرف کوئی شخص دوسرے کو کسی برائی کی طرف دعوت دے تو

اس کے عذاب اور گناہ کا بیان اس باب میں ہے۔ اور اس باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث بیان کی ہیں۔ پہلے ان احادیث کو سن لیں اور اس کا خلاصہ سن لیں۔ اس کے بعد ان کی تشریح میں کچھ باتیں عرض کروں گا۔

پہلی حدیث

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَۃَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسلم: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ.

(ریاض الصالحین۔ باب فی الدلالۃ علی خیر، حدیث نمبر ۱۷۳)

(مسلم شریف۔ کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ حدیث نمبر ۱۸۹۳)

یہ حدیث حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو کسی بھلائی کی طرف بلائے۔ یا بھلائی کی طرف رہنمائی کرے، قول سے کرے، یا فعل سے کرے تو اس رہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس بھلائی کے کرنے والے کو ملے گا۔ یہ پہلی حدیث ہے۔

دوسری حدیث

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا.

وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِھِمْ شَیْئًا.

(ریاض الصالحین، باب الدلالۃ علی خیر، حدیث نمبر ۱۷۴)

(مسلم شریف کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ حدیث نمبر ۲۶۷۴)

یہ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی دوسرے کو ہدایت کی طرف بلائے تو اس ہدایت کی پیروی کرنے والے جتنے لوگ ہوں۔ ان سب کو جتنا ثواب ملے گا اس رہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا ___ فرض کیجئے کہ کسی شخص نے ایک بڑے مجمع کو ایک نصیحت کی اور ایسے عمل کی نصیحت کی جس پر وہ لوگ پہلے کاربند نہیں تھے۔ اس کے کہنے کی وجہ سے وہ لوگ اس بھلائی پر کاربند ہو گئے۔ تو جتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی ان سب کو جتنا ثواب ملنا ہے، اتنا ہی ثواب اس رہنمائی کرنے والے کو بھی ملے گا ___ کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس نیک عمل کرنے والوں کو جتنا ثواب ملتا تھا، ان کے ثواب کا کچھ حصہ کم کر کے اس رہنمائی کرنے والے کو دے دیا جائے گا ___ ایسا نہیں ہو گا ___ بلکہ ان عمل کرنے والوں کو جتنا ثواب ملنا ہے، وہ ثواب تو ان کو ملنا ہی ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اور اس رہنمائی کرنے والے کو بھی علیحدہ سے اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو کسی برائی کی طرف دعوت دی، گمراہی کی طرف دعوت دی، چاہے قول سے دعوت دی کہ آؤ یہ گمراہی کا کام کرو۔ یا فعل سے دعوت دی کہ اس گمراہی کے کام کی طرف کسی کو توجہ نہیں تھی۔ لیکن اس نے وہ کام شروع کر دیا۔ اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی کرنے لگے۔ تو اس کی وجہ سے جتنے لوگ اس گمراہی میں مبتلا

ہوئے ان کو تو گناہ ملے گا۔ اور اس کے علاوہ ان سب کے گناہ کے برابر اس رہنمائی کرنے والے کے نامہ اعمال میں بھی گناہ لکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے ـــــ آمین۔

یہ دونوں عظیم کام ہیں

لہٰذا کسی کی رہنمائی کرنا، چاہے اچھے کام کی طرف ہو، یا برے کام کی طرف ہو، دونوں بڑے عظیم کام ہیں۔ ایک کام سے انسان کو عظیم اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اور دوسرے سے انسان کے نامہ اعمال میں گناہوں کا ذخیرہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو یہ بات معلوم ہوئی کہ نیکی کی طرف دعوت دینا، یہ انسان کے لئے بڑا زبردست عمل ہے۔ اور اس سے انشاء اللہ بڑے اجر کی امید ہے ـــــ اور دوسری طرف کسی گناہ یا برائی کی طرف دعوت دینا، یہ انتہائی خطرناک کام ہے کہ اپنے گناہ کا وبال تو انسان کے سر پر ہے ہی، دوسروں کے گناہوں کا وبال بھی اس کے سر پر آجائے گا ـــــ اس لئے حدیث کے اس دوسرے حصے سے ایک سبق یہ ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غلط کام میں مبتلا ہے اور وہ غلط کام اس سے نہیں چھوٹ رہا ہے اور خود بھی وہ چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر بھی نہیں چھوٹتا تو ایسا شخص کم از کم اتنا کرے کہ اس غلط کام کے کرنے پر اس کے دل میں ندامت ہو۔ اور کم از کم دوسروں کو اس گناہ کی دعوت نہ دے۔ کیونکہ وہ اگر دوسروں کو اس گناہ کی دعوت دے گا۔ اور اس گناہ کی طرف بلائے گا تو جو شخص بھی اس کے بلانے کے نتیجے میں وہ گناہ کرے گا، جتنا گناہ دوسرے کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اتنا ہی گناہ اس کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

اسکے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جارہا ہے

دنیا میں ایسی بھی مثالیں ہیں کہ ایک شخص کسی گناہ میں مبتلا تھا اور اس نے دوسرے شخص کو بھی اس گناہ کے اندر مبتلا کر دیا ___ بعد میں پہلے شخص کی تو اصلاح ہو گئی اور اس نے وہ گناہ چھوڑ دیا۔ لیکن دوسرا شخص جس کو گناہ کی دعوت دے کر مبتلا کیا تھا۔ وہ شخص گناہ کرتا رہا۔ اور اس کو توبہ کی توفیق نہ ہوئی تو پہلا شخص اگرچہ اپنے عمل کے وبال سے تو بچ گیا، لیکن دوسرا شخص جو گناہ کرتا جارہا ہے وہ گناہ اس پہلے شخص کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جارہا ہے۔

علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ ضروری ہے

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

تَوْبَةُ السِّرِّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ بِالْعَلَانِيَةِ

(الزھد الکبیر للبیھقی۔ باب الورع والتقوی۔ رقم الحدیث۔ ۹۶۶)

یعنی جو گناہ پوشیدہ حالت میں کیا ہو۔ اس کی توبہ پوشیدہ حالت میں قبول ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص نے تنہائی میں لوگوں سے چھپ کر ایک گناہ کا ارتکاب کیا جب کبھی اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیں گے تو وہ شخص گوشۂ تنہائی میں بھی توبہ کر لے گا تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہو جائے گا ___ لیکن ایک شخص نے ایک گناہ کھلم کھلا علانیہ گناہ کر لیا۔ لوگوں کے سامنے کر لیا۔ تو اس گناہ کی توبہ بھی علانیہ ہونی چاہئے ___ اب اگر اس نے گناہ تو کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا تھا۔ لیکن توبہ ایک گوشہ میں چھپ کر کر لی تو یہ صحیح توبہ نہیں۔ اس لئے کہ علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ ہونی چاہئے ___ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جس گناہ میں پہلے یہ شخص مبتلا تھا اب اس

گناہ سے تائب ہو رہا ہے۔

اس وقت تک توبہ قبول نہیں ہوگی

اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے علانیہ ایک گناہ ارتکاب کیا یا کوئی غلط بات ایک مجمع میں کہی، اب اگر اس نے چھپ کر توبہ کر لی تو اس کا اپنا عمل تو جیسا کیسا ہے وہ ہوگیا ــــ لیکن جن لوگوں نے اس کے قول و فعل سے متاثر ہو کر وہ گناہ کیا ہوگا ان کی گمراہی کا سبب چونکہ یہ شخص بنا تھا۔ اس لئے ان سب کا گناہ تو اس کو ہوگا۔ اس لئے جب تک وہ علانیہ توبہ نہ کرے کہ میرا پہلے یہ عقیدہ تھا اور میں یہ عمل کرتا تھا۔ میں اب اس سے توبہ کرتا ہوں اس وقت تک توبہ قبول نہیں ہوگی۔

حجیت حدیث کے خلاف لکھنے والے صاحب کی توبہ

ایک صاحب تھے۔ انہوں نے ــــ معاذ اللہ ــــ حدیث کی حجیت کے خلاف کتابیں لکھیں کہ یہ احادیث گھڑی ہوئی ہیں۔ دین میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے ــــ اور اس موضوع پر کتابیں اور بے شمار مضامین لکھے۔ ایک موقع پر ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت ڈالی۔ اور ان کو توبہ کی توفیق ہوگئی کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور میں نے جو مضامین حدیث کی رد میں لکھے۔ وہ صحیح نہیں تھے وہ بہت مشہور و معروف آدمی تھے۔ شاید اب بھی حیات ہوں ــــ میں نے ایک مرتبہ ایک رسالہ میں ایک مضمون پڑھا جس سے مجھے اس بات کا ترشح ہوا کہ شاید یہ صاحب اپنے سابقہ عقائد سے تائب ہو گئے ہیں ــــ وہ مضمون پڑھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی لیکن اس مضمون میں بات گول مول تھی بالکل واضح نہیں

تھی ـــــ چنانچہ میں نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کا مضمون فلاں رسالے میں پڑھا ہے اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کر لی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے ـــــ لیکن آپ نے سابقہ عقائد پر اتنی کتابیں اور اتنے مضامین لکھ دیئے ہیں کہ جن لوگوں نے وہ کتابیں اور وہ مضامین پڑھے ہوں گے اور ان کے دلوں میں جو گمراہی پیدا ہوئی ہوگی اس کا سدباب اس گول مول بات سے ممکن نہیں۔ جب تک کہ یہ نہ ہو کہ جس طرح آپ نے کھلم کھلا حدیث کے خلاف کتابیں اور مضامین لکھے تھے۔ اسی طرح حدیث کی تائید میں کتابیں اور مضامین نہ لکھیں۔ اس وقت تک آپ کی توبہ مکمل نہیں ہوگی، اس لئے اگر واقعتاً آپ تائب ہو گئے ہیں، تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ تفصیل کے ساتھ اور وضاحت کے ساتھ مضامین اور کتابیں لکھ کر شائع کریں۔ چند روز کے بعد ان کا جواب آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں تو اس پر مطمئن تھا کہ میں نے توبہ کر لی ہے۔ اور اپنے سابقہ عقائد کو چھوڑ چکا ہوں۔ لیکن آپ نے جس بات کی طرف توجہ دلائی، وہ بات معقول ہے۔ لیکن میں تو اتنی کتابیں اور اتنے مضامین لکھ چکا ہوں واب کس کس پر خط تنسیخ پھیروں۔ اور کس کس مضمون کی تردید کروں۔ اس بارے میں آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ اب میں کیا کروں ـــــ میں نے ان کو لکھا کہ کم از کم ایک مضمون تو ایسا لکھ دیجئے کہ میں اپنی سابقہ تحریروں سے رجوع کرتا ہوں اور اب میرا ان خیالات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاکہ لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ آپ کے عقائد اب بدل چکے ہیں۔ اور پھر جس طرح آپ نے حدیث کے رد اور انکار میں کتابیں لکھی

تھیں۔ اسی طرح کم از کم ایک کتاب حدیث کی حجیت پر لکھ دیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے سابقہ غلطی کا کفارہ ہو جائے گا ___ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی توفیق دی، چنانچہ انہوں نے ماشاء اللہ اعلان بھی کیا اور اعلان کرنے کے بعد حدیث کی حجیت پر ایک کتاب بھی لکھی۔ ماشاء اللہ اچھی کتاب لکھی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو گناہ کھلم کھلا کر رہے تھے اگر ہم اس گناہ کی طرف سے چپکے سے توبہ کرلیں گے تو وہ گناہ ختم ہو جائے گا۔ نہیں۔ یاد رکھئے۔ اصول یہ ہے کہ:

تَوْبَۃُ السِّرِّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ بِالْعَلَانِیَۃِ

جو گناہ پوشیدگی میں کیا۔ چھپ کر کیا۔ اس کی توبہ بھی چھپ کر لے تو توبہ درست ہوگی۔ اور جو گناہ علانیہ کیا۔ اس کی توبہ بھی علانیہ کرنی ہوگی۔ اس کے بغیر وہ توبہ درست نہیں ہوگی۔

غیبت سے توبہ کا طریقہ

''غیبت'' ایک ایسا گناہ ہے جو آج ہمارے معاشرے کے اندر پھیل گیا ہے۔ ہماری کوئی مجلس غیبت سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کی غیبت کرلی۔ کسی کو برا بھلا کہہ دیا تو اگر اس کو پتہ نہیں چلا جس کی غیبت کی گئی ہے تو انشاء اللہ صرف توبہ کرلینے سے غیبت کا گناہ معاف ہو جائے گا لیکن اگر اس شخص کو علم ہو گیا کہ فلاں شخص نے میری غیبت کی تھی تو جب تک اس سے معاف نہیں کرائے گا۔ اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اس سے معاف کرانا ہے کہ میں نے فلاں موقع پر تمہاری غیبت کی تھی۔ مجھے معاف کردو۔ اس لئے کہ اب وہ گناہ اس کی ذات

کی حد تک محدود نہ رہا۔ بلکہ دوسرے تک پہنچا اور اس کے نتیجے میں اس کا دل ٹوٹا۔ اس کو تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ سے وہ حق العبد بن گیا۔ حق اللہ نہ رہا۔ لہٰذا جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی معافی نہیں ہوگی۔

ہر شخص دوسروں سے حقوق معاف کراتا رہے

ہر انسان کو ایسا کرتے رہنا چاہئے کہ جو اپنے ملنے جلنے والے ہیں ایک دوسرے سے اپنے حقوق معاف کراتے رہنا چاہئے۔ تاکہ بات چیت کے دوران اگر اونچ نیچ ہوگئی ہو یا کوئی بات ہوگئی ہو جس سے دوسرے کو تکلیف ہوگئی ہو تو اس کی طرف سے معافی مانگ لینی چاہئے۔۔۔۔ اور جب آدمی تصوف اور سلوک کے راستے پر قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے اس سے توبہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے اس توبہ کی تکمیل کا لازمی حصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی غیبتیں کی گئی ہیں۔ اور ان کو اطلاع بھی ہوگئی ہے تو ان سب سے معافی مانگ لی جائے۔۔۔۔ اس کام کے لئے اپنے ملنے جلنے والوں کے نام ایک خط اس طرح لکھے کہ:

"مجلسوں میں گفتگو کے دوران مجھ سے بے احتیاطیاں ہوئی ہونگی، ہوسکتا ہے کہ کسی موقع پر آپ کی غیبت ہوگئی ہو، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، آپ مجھے معاف کردیں۔"

برائی کی دعوت دینا بڑا خطرناک ہے

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بھلائی کی طرف دعوت دینا یہ تو اجر و ثواب کی چیز ہے لیکن برائی کی طرف دعوت دینا یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ عمل

ایسا ہے کہ دوسروں کے گناہ بھی اپنے دامن میں سمیٹ لینے والا عمل ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی گناہ میں یا کسی غلط کام میں مبتلا ہے تو کم از کم ایسا کرے کہ وہ دوسروں کو اس گناہ کی دعوت نہ دے۔ آج ہمارے معاشرے میں مصیبت یہ آگئی ہے کہ چوری بھی ہے، اور سینہ زوری بھی ہے۔ یعنی گناہ بھی ہے اور گناہ کو جائز قرار دینے کے لئے بحث و مباحثہ بھی ہے۔ اگر آج کسی سے کہا جائے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے، نہیں کرنا چاہئے وہ بحث کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے کہ اس میں کیا حرج ہے۔ یہ تو بالکل صحیح کام ہے۔ ارے بھائی: اگر تم کسی غلط کام میں مبتلا ہو تو کم از کم اس کو اپنی حد تک رہنے دو۔ دوسروں سے بحث تو مت کرو۔ دوسروں سے بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسروں کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہو کہ یہ عمل گناہ نہیں ہے بلکہ ثواب کام ہے اور اچھا کام ہے ــــــ فرض کرو کہ اگر کسی کے دل میں تمہاری غلط بات اتر گئی اور اس کے دل سے اس عمل کی برائی ختم ہو گئی تو اب ساری عمر وہ اگر اس گناہ کو کرتا رہے گا تو اس کا گناہ تمہارے اعمال نامہ میں بھی لکھا جائے گا۔ لہٰذا اگر کبھی تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو کم از کم اس کو اپنی ذات کی حد تک محدود رکھو، دوسروں سے اس پر بحث کرنے کی کوشش نہ کرو۔

گناہ کو گناہ نہ سمجھنا بڑا خطرناک ہے

دوسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی گناہ کر رہا ہے اور اس گناہ کو گناہ سمجھتا ہے لیکن اس گناہ کو چھوڑ نہیں پا رہا ہے تو امید ہے کہ کسی وقت وہ اس گناہ پر نادم اور شرمندہ ہوگا تو توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے ــــــ لیکن ایک

دوسرا شخص ایک گناہ کر رہا ہے لیکن اس گناہ کو گناہ سمجھتا ہی نہیں اور اس پر بحث کرنے کو تیار ہے۔ ایسے شخص کی اصلاح کا کوئی اور راستہ نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بیمار سمجھتا ہی نہیں، اس کے دل میں ندامت اور شرمندگی ہی نہیں ہے تو اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟

شراب کی حرمت کا منکر کافر ہے

بعض گناہ تو ایسے ہیں کہ اگر انسان ان کو گناہ نہ سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کافر ہو جاتا ہے ___ مثلاً وہ گناہ جن کو صریح لفظوں میں قرآن کریم نے گناہ کہہ دیا۔ اس کے بارے میں کوئی شخص کہے کہ میں ان کو گناہ نہیں مانتا تو وہ کافر ہو جائے گا ___ مثلاً کوئی شخص شراب کے بارے میں کہے کہ شراب حرام نہیں ہے۔ تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ شراب کو قرآن کریم نے صراحتاً حرام کہا ہے۔ اور جو شخص اس کو حلال کہہ رہا ہے وہ گویا قرآن کریم کا انکار کر رہا ہے۔ اور جو قرآن کریم کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

سود کی حرمت کا منکر کافر ہے

اس طرح کوئی شخص کہے کہ خنزیر حرام نہیں ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خنزیر کھانے میں کیا خرابی ہے۔ ایسا شخص کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح کوئی سود کو حلال کہے کہ یہ حلال ہے، حرام نہیں ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے سود کو صراحتاً حرام کہا ہے۔ اس لئے سود کو حلال کہنے والا قرآن کریم کا انکار کر رہا ہے اس لئے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے ___ اس لئے گناہ کے گناہ ہونے سے

انکار کرنا اور اس پر بحث کرنا یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اگر کفر تک نہ پہنچائے تو کم از کم اتنا تو ہوگا کہ جتنے لوگ اس گناہ کو کریں گے ان سب کا گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اس کا وبال بڑھتا چلا جائے گا۔ اس لئے اس سے بہت بچنے کی ضرورت ہے۔

تیسری حدیث

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم فرمایا، وہ یہ تھا: ''بھلائی کی طرف دوسروں کو دعوت دینا'' اور اس کے ذریعہ اس بات کی ترغیب دی کہ اگر تمہاری دعوت کی وجہ سے کوئی آدمی کسی نیک کام میں لگ گیا تو اس کی ساری نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھی جائیں گی ــــــ اسی سلسلے کی تیسری حدیث نقل فرمائی ہے کہ:

عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. الخ

(ریاض الصالحین باب الدلالۃ علی خیر حدیث نمبر ۱۷۵)

(بخاری شریف، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل من اسلم علی یدیہ رجل حدیث نمبر ۳۰۰۹)

کل صبح میں یہ جھنڈا اس شخص کو دونگا

یہ روایت حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ طویل

حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے۔ خیبر کئی بستیوں پر مشتمل تھا اور اس میں یہودی آباد تھے۔ اور مسلمانوں کو طرح طرح سے ستاتے رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ مل کر خیبر کی بستی پر حملہ کیا ــــ اور یہ خیبر کئی قلعوں پر مشتمل تھا اور وہ بہت مضبوط قلعے سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک قلعہ جس پر فیصلہ کن معرکہ ہوا وہ قلعہ ''قموس'' کہلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ کئی دن گزر گئے لیکن قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ یہودیوں نے اس قلعے کی حفاظت کے لئے زبردست انتظامات کئے ہوئے تھے۔ جب تین دن گزر گئے تو شام کے وقت حضور اقدس ﷺ نے ایک عجیب انداز کا اعلان فرمایا کہ:

''کل صبح میں یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس قلعے کو فتح فرمائیں گے۔''

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے یہ بشارت دے دی کہ کل قلعہ فتح ہو جائے گا اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ جھنڈا اس شخص کو دیا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول محبت کرتے ہیں اور وہ شخص بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے تو اس کے ذریعے گویا کہ آپ نے اس کے محبوب الٰہی ہونے کی گواہی دے دی۔ اور اپنا محبوب ہونے کی گواہی دے دی۔ صحابہ کرام نے ساری رات بڑی اشتیاق کے ساتھ گزاری کہ یہ دیکھیں کہ کل

صبح یہ سعادت کس کے مقدر میں آتی ہے۔

علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟

بلکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب صبح ہوئی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا تو ہر ایک شخص انتظار میں تھا کہ یہ سعادت کس کو ملتی ہے؟ اور یہ جھنڈا کس کو عطا ہوتا ہے؟ ــــ ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے اچک اچک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے دیکھ رہے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمادیں ــــ یہ صحابہ کرام کا جذبہ فداکاری تھا۔ جب تمام صحابہ جمع ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟

کسی صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ ان کی آنکھیں آئی ہوئی ہیں ــــ اس وقت ان کی آنکھوں میں درد تھا۔ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس لایا گیا۔ تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک نکالا اور ان کی آنکھوں میں لگایا جیسے ہی وہ لعاب لگایا۔ اسی وقت ان کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں اور درد وغیرہ سب ختم ہوگیا۔

خیبر کا دروازہ اکھاڑنے والی روایت

اس کے بعد آپ نے وہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور فرمایا کہ اب اللہ کے نام پر جاؤ اور جاکر قلعہ پر حملہ کرو ــــ یہی وہ قصہ ہے جس میں لوگوں نے

غلط داستانیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب لڑتے ہوئے خیبر کے دروازے کے پاس پہنچے تو ان کے ہاتھ میں جو ڈھال تھی وہ ٹوٹ گئی یا گر گئی اور کسی یہودی نے ان پر حملہ کیا تو آپ کے پاس اس کے حملے کو روکنے کے لئے ڈھال نہیں تھی تو اس وقت کوئی صورت نظر نہ آئی تو آپ نے خیبر کا دروازہ ایک ہاتھ سے اکھاڑ کر اس کو ڈھال بنالیا۔ اور اس یہودی کے حملے کو روکا ____ یہ سب غلط داستان ہے اس کی کوئی حیثیت اور کوئی اصلیت نہیں یہ روایت تقریباً موضوع ہے۔

کیا میں اس وقت تک لڑتا رہوں

لیکن یہ سعادت کیا معمولی سعادت ہے کہ آپ نے باقاعدہ یہ اعلان فرمایا کہ میں کل یہ جھنڈا اس کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے ____ جب آپ نے ان کو جھنڈا دے دیا تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ:

أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟

کیا میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں، یہاں تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔

اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ

ذرا ٹھہر ٹھہر کر دھیمے دھیمے جانا۔ اور پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا باوجودیکہ وہ لوگ اپنی شرارت اور خباثت میں انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن ان پر حملہ کرنے سے پہلے ایک مرتبہ ان کو اسلام کی دعوت ضرور دینا۔

یہ عمل سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا جس کی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔ فرمایا:

فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ.

اللہ کی قسم: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمادیں۔ تو یہ عمل تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔۔۔۔ اہل عرب کی سب سے بڑی دولت اونٹ سمجھی جاتی تھی۔ اور اونٹوں میں بھی سرخ رنگ کے اونٹ بہت قیمتی اور بہت بڑی نعمت سمجھے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ تمہارے ذریعے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے۔ یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے حملہ کرنے سے پہلے دعوت ضرور دینا۔

دعوت دینے کو نہیں چھوڑنا چاہیے

اس حدیث کو یہاں لا کر علامہ نووی رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ دعوت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ سوچنا کہ فلاں سے رشد و ہدایت کی امید ہی نہیں ہے۔ وہ کیا ہدایت پائے گا۔ اس کی کیا اصلاح ہوگی۔ اس کی وجہ سے دعوت دینے کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ دیکھئے۔ خیبر کے یہودیوں نے خباثت اور شرارت کی کوئی انتہا نہیں چھوڑی تھی۔ اور جب بظاہر لڑائی پر آئے ہوئے ہیں۔ تو میدان جنگ اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ حق بات کو مانیں

گے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ ان کو حق کی دعوت دو اس سے مایوس نہ ہو۔ یہی درحقیقت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا کام ہوتا ہے۔

فرعون کو دعوت دیتے رہے

دیکھئے: فرعون اور نمرود سے زیادہ گمراہ اور سرکش اور کون ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ہدایت ان کے مقدر میں نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو اس کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اس کی سرشت سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ حق بات سننے والا نہیں ہے ___ لیکن ان سب کے باوجود آپ نے دعوت دینی نہیں چھوڑی۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے پاس بھیجا اور آپ نے بار بار جا کر اس کو دعوت دی۔ اور اپنا فریضہ ادا کیا ___ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ جب آدمی دعوت اور تبلیغ کا کام کرے تو اس میں اکتائے نہیں۔ مایوس نہ ہو۔ بلکہ اپنا کام آدمی کئے جائے۔ اس سے بے نیاز ہو جائے کہ دوسرا آدمی بات مان رہا ہے یا نہیں۔ اگر مان رہا ہے تو نعمت، اگر نہیں مان رہا ہے تو کم از کم تمہارا فریضہ تو ادا ہو گیا لہٰذا آخر وقت دعوت دینی ہے۔ اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہئے۔

موقع کو ضائع مت کرو

بہرحال، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ تین حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دینے کی فکر کریں۔ اور اس بات کو غنیمت جانیں کہ کس شخص کو کوئی اچھی بات سنانے اور کہنے کا موقع مل رہا

ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں کم از کم ایک نیکی تمہارے نامہ اعمال میں لکھ دی جائے گی۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ کونسی بات انسان پر کس وقت اثر کر جائے ــــ اور اثر دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ تمہاری تو کوئی حیثیت نہیں۔ کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دینے اور اس کی اصلاح کرنے کا تمہیں ذریعہ بنایا ہو ــــ اگر تمہارے ذریعہ اس کو ہدایت مل گئی تو اس کی زندگی کے نیک اعمال تمہارے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے ــــ اس لئے اگر کسی کو بات کہنے کا موقع مل جائے تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھالو۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کو فکر

یہ کام دھن اور دھیان سے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کے اندر یہ دھن پیدا فرمادیں کہ میرے ذریعہ سے کوئی اچھی بات دوسرے کے دل میں اتر جائے۔ جب یہ دھن پیدا ہو جاتی ہے تو پھر آدمی کا ہر ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعوت بن جاتا ہے۔ ہم نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ اس دھن کے پیکر تھے۔ جب بھی کوئی شخص ان کے پاس آتا تو ان کو یہ فکر ہوتی کہ کسی طرح کوئی دین کی بات سنا کر اس کے دل میں اتار دوں۔ تاکہ دین کی ایک بات لے کر واپس جائے۔ خالی نہ جائے۔ اس دھن کا نتیجہ یہ تھا کہ جب مطب میں بیٹھ کر مریضوں کا علاج کرتے تو جو مریض آتا اس کے کان میں ایک دین کی بات ڈال دیتے۔ اور اس کے ذریعہ نہ جانے کتنے لوگوں کی اصلاح فرما دی۔ لہٰذا جب یہ دھن انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو پھر انسان ہر وقت موقع

کی تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی اچھی بات کسی انسان کے کان میں ڈال دوں۔

دعوت کا جذبہ طبعی حاجت بن جائے

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ و دعوت کا حق اس شخص کو پہنچتا ہے جس کے دل میں دعوت وتبلیغ کا جذبہ ایسا پیدا ہو گیا ہو جیسا کہ انسان کو اپنی طبعی حاجت پوری کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کو بھوک لگی ہوئی ہے جب تک وہ کھانا نہیں کھائے گا اس کو چین نہیں آئے گا۔ یا مثلاً پیاس لگی ہوئی ہے جب تک وہ پانی نہیں پی لے گا اس کو چین نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر یہ داعیہ ہو جائے کہ کوئی اچھی بات میں دوسروں تک پہنچاؤں تو اس وقت اس کی بات میں اللہ تعالیٰ تاثیر عطا فرما دیتے ہیں۔

جیسے حضرت شاہ اسماعیل شہید ؒ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ عطا فرما دیا تھا کہ جہاں کہیں بیٹھتے وہاں دین کی بات دوسرے کو کہہ دیتے۔ یہ جذبہ مشق اور ارادے اور ہمت سے پیدا ہوتا ہے۔ آدمی ایسے مواقع تلاش کرے جہاں کوئی بات دوسرے سے کہنے کا موقع مل رہا ہو۔

جو کام خود نہیں کرتے اس کی دعوت دینا

ایک بات اور ہے جو بڑی نازک بات ہے کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خود کسی چیز پر صحیح طور پر کاربند نہیں ہیں تو پھر دوسرے کو اس بارے میں کیسے نصیحت کریں۔ مثلاً فرض کرو

کہ اگر ہم سے نماز کی باجماعت پابندی صحیح طور پر نہیں ہو پاتی۔ تو میں کیسے دوسرے کو یہ نصیحت کروں کہ تم مسجد میں باجماعت نماز پڑھا کرو۔ تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے کو نصیحت کرنا ٹھیک نہیں۔ اور بعض لوگ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ

(سورۃ الصف: ۲)

اس آیت کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو کام تم خود نہیں کرتے تو دوسروں کو اس کے کرنے کو کیوں کہتے ہو۔ خوب سمجھ لیجئے۔ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس چیز پر تم خود عمل نہیں دوسروں کو بھی اس کی دعوت مت دو ـــــ لہٰذا یہ بات صحیح نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ میں تو عمل کرتا نہیں۔ لہٰذا میں دوسروں کو کیا کہوں ـــــ بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ جب میں دوسروں کو اس چیز پر عمل کرنے کو کہتا ہوں تو کیوں نہ میں خود بھی اس پر عمل کروں۔ لیکن اگر خود عمل نہیں کرتا تو دوسرے کو کہنے سے اس وجہ سے رکنا درست نہیں ـــــ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کو کہنے کی برکت سے خود اپنی اصلاح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب آدمی دوسرے سے کہے گا تو اس کا دل کبھی نہ کبھی شرمائے گا کہ میں یہ بات تو دوسرے سے کہہ رہا ہوں تو خود مجھے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جس شخص سے عمل کرنے کو کہا اس شخص کو عمل کرنے کی توفیق ہو گئی۔ اور اس توفیق کا ثواب تو تمہیں پھر بھی مل گیا۔

باوجودیکہ تم وہ نے عمل نہیں کیا۔ اور اس ثواب کی برکت سے بعض اوقات خود اس کی بھی اصلاح فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا مقام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب وغریب مقام بخشا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام بخشا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

"یہ اس مقام کے بزرگ ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ شیخ ہوتے اور میں ان کا مرید ہوتا"۔

یہ الفاظ شیخ اپنے مرید کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ یہ اس مقام کے بزرگ تھے۔ اور اتباع سنت کی مثالیں قائم فرمائیں۔

۳۵ سال میں پہلی مرتبہ سورۃ فاتحہ چھوٹ گئی

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں دستار بندی کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اور اس جلسہ میں تمام حضرات علماء کرام جمع ہوا کرتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد کسی نے حضرت والا کو دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کچھ غم کے اور صدمہ کے اور تشویش کے آثار تھے۔۔۔۔ ایسا محسوس ہوا کہ شاید کچھ طبیعت خراب ہے۔ کسی نے جا کو پوچھا کہ حضرت چہرے پر تشویش کے آثار نظر آتے ہیں۔ کیا بات ہے؟ کچھ طبیعت ٹھیک

نہیں ہے؟___ فرمایا کہ الحمد للہ، ٹھیک ہوں۔ وہ آدمی کچھ لچر قسم کا تھا۔ بار بار سوال کرنے لگا کہ حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا ہاں آج ایک صدمہ کی بات ہوگئی ہے۔ اس نے کہا حضرت بتایئے کیا بات ہوگئی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ آج جب میں مسجد میں نماز کے لئے پہنچا تو ایسے وقت پہنچا جب امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اور دوسری سورت کی تلاوت شروع کر دی تھی۔ تو آج میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں سن سکا۔ اور آج ۳۵ سال کے بعد پہلی مرتبہ ایسا ہوا___ آپ اندازہ لگایئے کہ نماز قضا نہیں ہوئی۔ جماعت قضا نہیں ہوئی۔ مسجد کی جماعت قضا نہیں ہوئی، کوئی رکعت نہیں چھوٹی، صرف اتنا ہوا کہ امام ساتھ سورۃ فاتحہ نہیں سن سکے اور ۳۵ سال کے بعد پہلی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا۔ اس پر بیٹھے ہوئے صدمہ کر رہے ہیں۔ یہ اس مقام کے بزرگ تھے۔

میری مثال ایک ڈاکو جیسی ہے

ایک دن مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مریدین اور متعلقین کا مجمع تھا۔ ان سے فرمانے لگے کہ یہ تم کہاں میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں اس لائق نہیں ہوں کہ تم مجھ سے رابطہ قائم کرو۔ یا مجھ سے اصلاحی تعلق قائم کرو۔ تم کہیں اور جاؤ اور کوئی اللہ کا نیک بندہ تلاش کرو اور اس سے تعلق قائم کرو۔ میں اس قابل نہیں ہوں___ پھر رو کر فرمانے لگے کہ میری مثال ایک ڈاکو جیسی ہے جو ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور اس کا پیشہ ہی یہ تھا کہ ڈاکے ڈال کر اور لوگوں کا مال چھین کر اپنا گزارہ کیا کرتا تھا___ ایک دن وہ کسی جگہ سے گزرا تو دیکھا کہ ایک پیر صاحب بیٹھے ہیں۔ اور اس کے آس پاس

مریدین کا ہجوم ہے۔ وہ مریدین بڑے ادب اور احترام کے ساتھ پیش آرہے ہیں۔ ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ کوئی مرید ہدیہ لا رہا ہے کوئی تحفہ لا رہا ہے۔ کوئی پھل لا رہا ہے۔ کوئی کچھ اور لا رہا ہے۔ بڑے نذرانے آرہے ہیں ـــــ اس ڈاکو نے یہ سب دیکھ کر سوچا کہ میں خواہ مخواہ یہ سب مصیبتیں برداشت کر رہا ہوں۔ رات کو جاگتا ہوں۔ اور جا کر ڈاکے ڈالتا ہوں۔ بدنامی مول لیتا ہوں۔ سزا کا اور پکڑے جانے کا خطرہ الگ رہتا ہے تو بڑی مشکل سے یہ روزی ملتی ہے۔ یہ تو بڑا اچھا دھندا ہے کہ آدمی مصلیٰ بچھا کر بیٹھ جائے اور تسبیح ہاتھ میں لے لے۔ لوگ بھی جمع ہو جائیں گے اور پھر ہدیہ تحفے لائیں گے۔ یہ تو روزی کمانے کا اچھا طریقہ ہے۔

ایک ڈاکو پیر بن کر بیٹھ گیا

چنانچہ اس ڈاکو نے سب ڈاکے ڈالنا چھوڑ دیا۔ اور مصلیٰ اور تسبیح لے کر جنگل میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور مصلیٰ بچھایا اور تسبیح ہاتھ میں لے لی ـــــ جب لوگوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک درخت کے نیچے اکیلے بیٹھے ہیں اور ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔ اور دنیا سے بالکل کنارہ کش ہے۔ تو لوگ اس کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ شروع شروع میں تو لوگوں کو بھگانا شروع کر دیا کہ چلو جاؤ مجھے پریشان مت کرو۔ اب جتنا بھگاتا لوگ اور زیادہ آنے لگے کہ یہ بڑے پیر صاحب ہیں۔ رفتہ رفتہ ایک ہجوم اس کے پاس رہنے لگا۔ اب کسی کو ڈانٹ دیا۔ کسی کو کچھ وظیفہ بتا دیا۔ کسی کو کچھ پڑھنے کو کہہ دیا۔ کسی کو تسبیحات بتا دیں۔ آہستہ آہستہ وہ ایک خانقاہ بن گئی۔ اور مریدین کا حلقہ وسیع ہو گیا۔ اور پھر ہدیئے اور نذرانے اور تحفے آنے بھی شروع ہو گئے۔ کہیں

سے کھانا آرہا ہے کہیں سے پھل آرہے ہیں کہیں سے پیسے آرہے ہیں۔رفتہ رفتہ لوگوں بیعت ہوتا شروع ہو گئے چونکہ ان مریدین کو جو وظیفے اور تسبیحات پڑھنے کے لئے بتائی تھیں۔وہ برحق تھیں۔اس میں اللہ کا نام اور اللہ کا ذکر تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ان مریدین نے بیٹھ کر وہ وظائف اور تسبیحات پڑھنی شروع کیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا شروع کیا تو ذکر کی برکات ان کو حاصل ہوئیں۔اور وہ مریدین کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند درجات عطا فرمائے۔ انوار اور برکات عطا فرمائے۔

ہمارے شیخ اعلیٰ مقام پیر ہیں

ایک دن تمام مریدین نے بیٹھ کر یہ مشورہ کیا کہ ذرا ہم یہ معلوم کریں کہ ہمارے شیخ کس مقام کے بزرگ ہیں؟ ان کا مقام کہاں ہیں؟ اس مقام کا کچھ پتہ لگانا چاہئے۔چنانچہ تمام مریدین مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔اور شیخ کا مقام معلوم کرنا چاہا تو شیخ کا مقام ہی نہ ملا۔اور کچھ پتہ نہ چلا کی شیخ کس مقام کے بزرگ ہیں ـــــــ کسی ایک مرید نے کہا کہ ہمارے شیخ ایسے اعلیٰ مقام پر ہیں کہ ہم جیسے لوگ اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔اور اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے ـــــــ آخر میں یہ مشورہ ہوا کہ شیخ ہی سے ان کا مقام پوچھو۔چنانچہ وہ سب شیخ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ حضرت آپ نہ جانے کس مقام پر فائز ہیں۔ہم نے تو آپ کا مقام جاننے کی بہت کوشش کی مراقبے کئے، چلّے کئے اور اس کے ذریعہ یہ معلوم کرنا چاہا کہ آپ کا مقام کہاں ہے؟ ہمیں تو معلوم نہیں ہو سکا آپ ہی اپنے درجے کے بارے میں کچھ بتا ئیے۔

میرا مقام تو اسفل السافلین میں ہوگا

جب یہ مریدین جو طالب صادق تھے یہ پوچھنے کے لئے آئے تو اس وقت اس شخص کے دل پر اثر ہوا کہ تو نے کیسے لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے یہ لوگ تو سچے دل سے اللہ کی طلب میں نکلے ہیں لیکن تو نے ان کو دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس وقت نے رو کر کہا کہ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرا مقام کیا ہے؟ میرا مقام تم لوگ اوپر تلاش کر رہے ہو ارے میرا مقام تو کہیں اسفل السافلین میں ملے گا آج میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں کہ میں نہ پیر ہوں نہ شیخ ہوں۔ نہ کچھ ہوں نہ میرے پاس کچھ ہے۔ میں تو ایک ڈاکو تھا اور میں لوگوں کے مال پر ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پیر بن کر بیٹھ جانے سے مال خوب آتا ہے۔ اس لئے میں نے مال کمانے کے لئے یہ دھندا شروع کر دیا۔ تم لوگ اللہ کے راستے کی سچی طلب لے کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا۔ میں ابھی تک اسی گمراہی میں مبتلا ہوں ـــــ اس لئے میرا کوئی مقام تمہیں نہیں ملے گا۔

ڈاکو کو شیخ طریقت بنا دیا

جب مریدین نے دیکھا کہ شیخ کا یہ معاملہ نکلا تو شروع میں وہ لوگ پریشان ہوئے۔ پھر بعد میں سب نے یہ کہا کہ ہمارا شیخ چاہے ڈاکو ہو یا چور ہو۔ یا کچھ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے اسی کے ذریعہ عطا فرمایا ہے ـــــ لہٰذا سب مل کر یہ دعا کرو کہ یا اللہ تو نے ہمیں اس کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی ہے۔

اے اللہ اپنی رحمت سے اس کی بھی اصلاح فرما دے۔ اور اس کو بھی کوئی مقام عطا فرما دے ____ چنانچہ سب نے مل کر دعا کی یا اللہ ہم نے اس کو اپنا شیخ بنایا تھا۔ اور آپ تک پہنچنے کے لئے بنایا تھا۔ آپ اپنی رحمت سے ان کو قبول فرما اور ان کو بھی مقام عطا فرما ____ جب سب نے مل کر دعا کی تو اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس ڈاکو بھی حقیقی معنی میں شیخ طریقت بنا دیا۔

اچھائی کی طرف رہنمائی فائدے سے خالی نہیں

بہر حال، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری مثال تو اس ڈاکو جیسی ہے جو پیر بن کر بیٹھ گیا تھا۔ بعد میں مریدین کی برکت سے اور ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی کسی مقام پہنچا دیا ____ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ بات کس تواضع کے عالم میں فرمائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی اس مقام کو جانتے ہیں۔ ہم اس مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتے ____ لیکن اس واقعہ سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی اچھائی کی طرف کسی کی رہنمائی کر دینا، چاہے آدمی خود بے عمل ہو لیکن وہ رہنمائی فائدے سے خالی نہیں ____ اس لئے کہ جس شخص کو رہنمائی کی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل کی توفیق دے دی۔ اس کو تو اس کے عمل کا ثواب ملنا ہی ہے اور اس کی برکت سے اس رہنمائی کرنے والے کو بھی ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔

شیخ کو بھی مرید سے فائدہ پہنچتا ہے

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے وہ یہ کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ اور استاد کا فیض

شاگرد کو اور مرید کو پہنچتا ہے۔ یہ بات صحیح بھی ہے اور شاگرد اور مرید کو یہی سمجھنا چاہئے کہ مجھے استاد، شیخ کے ذریعہ فیض پہنچ رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ کہ جتنا فیض مرید یا شاگرد کو استاد اور شیخ سے پہنچتا ہے شاید اس سے زیادہ فیض استاد اور شیخ کو مرید سے پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ جب ایک اللہ کا بندہ سچی طلب لے کر کسی کے پاس آتا ہے چاہے وہ شاگرد بن کر آئے۔ یا مرید بن کر آئے۔ تو شیخ کیا دے سکتا ہے۔ دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ شیخ کی کیا مجال ہے کہ وہ مرید کو کچھ دیدے۔ معطیٔ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ وہ دینے والے ہیں وہ جس کو چاہیں واسطہ بنادیں اور ان کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی واسطے کے ذریعہ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ واسطے کے ذریعہ عطا کرتے ہیں

ہمارے ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ واسطے کے ذریعہ عطا فرماتے ہیں۔ چاہے وہ واسطہ ''شجرۂ طور'' ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو شجرۂ طور کے واسطے سے ہم کلام ہوئے۔۔۔ یہ ان کی سنت ہے۔ اب وہ واسطہ جس کو چاہیں بنادیں۔۔۔ اگر طالب سچی طلب لے کر آیا ہے تو اللہ تعالیٰ شیخ کے دل میں وہ بات ڈالتے ہیں اس کی زبان پر وہ بات جاری فرماتے ہیں۔ جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے۔

آج لوگ کہتے ہیں کہ تم نے شیخ کو معبود بنالیا ہے۔ اور تم نے شیخ پرستی شروع

کر دی ہے ــــ ارے حقیقت یہ ہے کہ دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، ان کی مشیت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں مل سکتا نہ ایک ذرہ حرکت کر سکتا ہے۔ شیخ تو صرف واسطہ ہوتا ہے اور طالب کی طلب کی برکت سے دیتے ہیں۔ اگر طالب سچی طلب لے کر آیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں وہ بات ڈال دیتے ہیں جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے ــــ

استاد کو شاگرد سے فائدہ پہنچتا ہے

اس کا تجربہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جو تدریس کرتے ہیں آج مجھے تدریس کرتے ہوئے تقریباً ۴۰ سال ہو گئے ہیں میرا دن رات کا تجربہ یہ ہے کہ صبح سبق پڑھانے کے لئے رات کو مطالعہ کیا جب پڑھانے کے لئے پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ مطالعہ غلط تھا۔ عین درس دیتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بات درست نہیں تھی۔ درست بات یہ ہے۔ درس کے دوران کیوں آتی ہے؟ وہ طالب علم کی طلب کی برکت سے آتی ہے۔ اور طالب علم کا فیض استاد کو پہنچتا ہے اور بعض اوقات طالب علم ایسا سوال کر لیتا ہے جو کبھی حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا کہ وہ ایسا سوال کرے گا ــــ سوال کرنے کے دوران ہی قلب پر اس کا جواب وارد ہوتا ہے۔ اور ایسا جواب وارد ہوتا ہے جو کبھی ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا تھا ــــ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ جو طالب سچی طلب لے کر آیا ہے اس کو دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ استاد کے قلب پر اس کا جواب وارد فرما دیتے ہیں۔ اس طرح طالب علم کے ذریعہ استاد کو فائدہ پہنچا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔

مَا انْتَفَعْتُ بِهٖ مِنْكَ اَكْثَرُ مِمَّا انْتَفَعْتَ بِهٖ مِنِّیْ

(تہذیب التہذیب لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الجزء التاسع حرف میم)

یعنی جتنا فائدہ تم نے مجھ سے اٹھایا اس سے زیادہ فائدہ میں نے تم سے اٹھایا۔ یہ بات ایک استاد اپنے شاگرد سے کہہ رہا ہے۔ اور استاد بھی کون؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اب لوگ حیران ہیں کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اور استاد نے شاگرد سے کیسے فائدہ اٹھالیا؟ ــــ اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جو طالب علم سچی طلب لے کر استاد کے پاس آتا ہے تو استاد کے قلب پر اللہ تعالیٰ علوم وارد فرماتے ہیں۔

دوسروں کو ترغیب دینے کے تین فائدے

لہٰذا یہ کبھی مت سوچو کہ جب ہم فلاں بات پر عمل نہیں کرتے تو دوسروں کو اس پر عمل کرنے کے لئے کیسے کہیں؟ ارے دوسروں سے عمل کرنے کے لئے ضرور کہو اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ کبھی نہ کبھی تمہیں خود شرم آجائے گی کہ میں جب دوسروں سے کہتا ہوں تو خود کیوں نہ عمل کروں! ــــ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس نے عمل کرلیا تو اس کا ثواب تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا ــــ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی برکت سے شاید اللہ تعالیٰ تمہارے حالات کی بھی اصلاح فرمادیں۔

میں اس عمل پر تقریر کر دیتا ہوں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب اپنے اندر کوئی عیب محسوس ہوتا ہے کہ میرے عمل میں فلاں خامی ہے تو اس عیب پر وعظ اور تقریر کر دیتا ہوں۔ الحمد للہ، اس کی برکت سے اس عیب کی اصلاح ہو جاتی ہے ــــ اب دوسرا کوئی ہوتا تو وہ سوچتا کہ یہ عیب تو خود میرے اندر موجود ہے۔ میں اس کے بارے میں دوسروں سے کیسے کہوں؟ لیکن چونکہ وہ حقیقت کو جانتے تھے اس لئے فرمایا کہ میں اس عیب پر وعظ کہہ دیتا ہوں۔ اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ وہ عیب دور فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اس بات سے کبھی مت گھبراؤ کہ ہم خود عمل نہیں کر رہے ہیں تو دوسروں سے کیسے کہیں۔

بات کہنے کے آداب اور طریقے

ہاں: بات کہنے کے کچھ آداب اور کچھ طریقے ہیں۔ بعض مرتبہ کہنا فرض ہوتا ہے۔ بعض اوقات فرض کفایہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات مستحب ہوتا ہے اور اوقات مباح ہوتا ہے۔ بعض اوقات کہنا ناجائز اور گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ جا ضروری ہے کہ کس موقع پر کس طرح بات کہی جائے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ میں عرض کروں گا۔ (حضرت والا نے اس کی تفصیل بعد میں ایک بیان میں فر جو "دعوت و تبلیغ کے اصول" کے عنوان سے "اصلاحی خطبات ج ۸ میں شائع ہو ہے۔) لیکن یہ وہی بات ہے جو میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ یہ بات کہ کسی موقع

بات کہی جائے؟ اور کس طرح کہی جائے؟ اور کس انداز سے کہی جائے؟ یہ وہ معاملہ ہے کہ جس کو ۲۔ اور ۲ = ۴ کر کے سمجھانا مشکل ہے۔ اسی کو سمجھنے کے لئے شیخ کی صحبت ضرورت ہوتی ہے۔ اور صحبت کے بغیر یہ بات دل میں اترتی نہیں۔ آدمی افراط اور تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے کسی شیخ اور رہنما کی ضرور ہوتی ہے جس سے آدمی پوچھ لیا کرے یہ بات کہنے کا کیا طریقہ ہے؟

بات کہنے کی تین شرطیں

آخر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی بات کہہ کر ختم کرتا ہوں۔ کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد ہے یاد رکھنے اور لوح دل پر نقش نے کا ہے۔ فرمایا کہ:

> ''حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی بے اثر نہیں ہوتی، اگر تم کہیں دیکھو کہ بات بے اثر ہوئی، یا بے فائدہ ہوئی یا اس بات سے فتنہ پیدا ہوا تو ان تین شرطوں میں سے ایک شرط ضرور مفقود ہوگی۔ یا تو بات حق نہ ہوگی یا بات تو حق ہوگی۔ لیکن کہنے والے کی نیت صحیح نہ ہو گی۔ وہ اخلاص اور خیر خواہی سے بات نہیں کہہ رہا ہے بلکہ اپنی بڑائی جتانے کے لئے بات کہہ رہا ہے۔ اس لئے بات اگرچہ حق تھی لیکن بے فائدہ چلی گئی۔ بعض اوقات بات بھی حق ہوتی ہے اور نیت بھی حق ہوتی ہے خیر خواہی اور اخلاص

سے بات کہہ رہا ہے لیکن طریقہ حق نہیں۔ اس لئے کہ بات
اس طرح کہہ دی جیسے کہ لٹھ مار دیا۔ جس سے دوسرے کا دل
ٹوٹ گیا۔ جس کی وجہ سے وہ بات بے اثر ہو گئی لیکن اگر بات
بھی حق ہو، نیت بھی حق ہو طریقہ بھی حق ہو۔ وہ کبھی بھی بے
فائدہ نہیں ہوتی۔ اس سے کبھی فتنہ پیدا نہیں ہوتا۔''

یہ بات اگر دل میں رہے تو پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کس طرح بات میں تاثیر پیدا
فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی
توفیق عطا فرمائے ـــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

***
*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

امر بالمعروف چھوڑنے کا وبال

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۲/نومبر ۱۹۹۲ء
بروز	:	جمعہ
بوقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

امر بالمعروف چھوڑنے کا وبال

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ. وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا. اَمَّا بَعۡدُ!

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِّنۡ ذَهَبٍ فِيۡ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ وَطَرَحَهٗ وَقَالَ: يَعۡمِدُ اَحَدُكُمۡ اِلٰى جَمۡرَةٍ مِّنۡ نَّارٍ فَيَجۡعَلُهَا فِيۡ يَدِهٖ فَقِيۡلَ لِلرَّجُلِ بَعۡدَ مَا ذَهَبَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ. خُذۡ خَاتَمَكَ اِنۡتَفِعۡ بِهٖ قَالَ: لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدۡ طَرَحَهٗ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال حدیث نمبر ۲۰۹۰)

(ریاض الصالحین باب فی الامر بالمعروف والنھی المنکر۔ حدیث نمبر ۱۹۱)

تمہید

یہ باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بیان میں چل رہا ہے۔ یعنی دوسروں کو نیکی کی تاکید کرنا اور برائی اور گناہوں سے روکنا ــــــ تبلیغ و دعوت کے جو بنیادی اصول ہیں۔ وہ الحمدللہ۔ پچھلے بیانات میں تفصیل سے آچکے ہیں۔ (اصلاحی خطبات جلد ۸ میں طبع ہو چکے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اب اس موضوع سے متعلق کچھ اور احادیث ہیں۔ جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ذکر فرمائی ہیں۔ وہ احادیث ایک ایک کر کے پڑھتے ہیں۔ ان تمام احادیث میں ہمارے لئے کوئی نہ کوئی سبق موجود ہے۔

سونے کا زیور مرد کے لئے جائز نہیں

جو روایت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی ایک انگوٹھی دیکھی ــــــ سونے کا کوئی بھی زیور پہننا کسی بھی مسلمان مرد کے لئے جائز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں پر حرام کی ہیں۔ اور عورتوں کے لئے جائز قرار دی ہیں۔

(مسند الربیع کتاب الجنائز باب الکفن والغسل، حدیث نمبر ۳۷۱)

ریشم کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ریشم کا کپڑا پہننا عورتوں کے لئے جائز ہے مردوں کے لئے حرام ہے۔ سونے کا معاملہ بھی یہی ہے کہ سونے کی کوئی بھی چیز پہننا خواہ وہ انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، عورتوں کے لئے جائز اور مردوں کے لئے حرام ہے۔

یہ انگوٹھی آگ کا انگارہ ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مردوں کو یہاں دنیا میں تو سونے اور ریشم پہننے سے ممانعت کر دی گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اور عمل صالح کے ساتھ اس دنیا سے رخصت فرمائیں تو انشاء اللہ آخرت میں اور جنت میں مردوں کو بھی ریشم اور سونے کے انعامات عطا فرمائے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب الأطعمة باب الأکل فی إناء مفضض حدیث نمبر ۵۴۲۶)

یہ صاحب جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ جو شرعاً منع ہے ــــ اس روایت میں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے خود آگے بڑھ کر ان کی انگلی سے وہ انگوٹھی نکالی، اور فرش پر پھینک دی اور فرمایا کہ: تم لوگ آگ کا انگارہ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیتے ہو ــــ یعنی سونے کی انگوٹھی کو مرد کے لئے پہننا ایسا ہے جیسے آگ کا کوئی انگارہ اٹھا کر اپنے

ہاتھ میں رکھ لینا ــــ جیسے وہ مہلک چیز ہے اور انسان کے لئے انتہائی مضر اور خطرناک چیز ہے۔ اسی طرح سونے کی انگوٹھی مرد کے لئے اتنی ہی خطرناک اور مضر ہے۔

میں اس انگوٹھی کو نہیں اٹھاؤں گا

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے۔ انگوٹھی فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے ان صاحب سے کہا کہ یہ انگوٹھی آپ کی پڑی ہوئی ہے آپ اس کو اٹھالیں ــــ مقصد ان کا یہ تھا کہ انگوٹھی کا پہننا تو مرد کیلئے ناجائز اور حرام ہے لیکن اس انگوٹھی سے کوئی اور فائدہ اٹھانا۔ مثلاً اس کو بیچ کر اس سے پیسے حاصل کر لینا، یا اس کو گھر کی کسی خاتون کو دے دینا یہ تو ناجائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تو یہ تھا کہ تم اس کو ہاتھ میں نہ پہنو۔ زمین پر پڑی ہے تم اٹھا لو۔ تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھالو۔ لیکن یہ تھے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جواب میں انہوں نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ لَا آخُذُهُ أَبَداً وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے لے کر زمین پر پھینک دیا اب میری مجال نہیں کہ میں اس کو اٹھاؤں۔

حضور کے حکم کے آگے سب کچھ قربان

سونے کی انگوٹھی آج بھی قیمتی چیز سمجھی جاتی ہے اور اس دور میں تو اور زیادہ

قیمتی چیز تھی۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر پھینک دی۔ تو وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اب میری مجال نہیں کہ میں اس کو اٹھا کر کسی بھی مقصد میں استعمال کروں ـــــ حالانکہ وہ صحابی بھی یہ مسئلہ جانتے تھے کہ اس انگوٹھی کو اٹھا کر کسی اور استعمال میں لے لینا اور اس سے کوئی اور فائدہ لے لینا حرام نہیں۔ اور اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دی تھی اس لئے اس کو اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ تھے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ جب ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک بات سن لی یا آپ کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب بڑی سے بڑی خواہش اور بڑے سے بڑا شوق بلکہ بڑی سے بڑی ضرورت اس پر قربان کر دی۔

سونے چاندی کے برتن کا استعمال حرام ہے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔ چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو۔ البتہ عورتوں کے لئے زیور کے طور پر سونے کا استعمال جائز ہے ـــــ لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ سونا ہو یا چاندی۔ یہ دونوں چیز مردوں کے لئے تو حرام ہیں اور عورتوں کے لئے بھی صرف زیور کے طور پر ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن سونے یا چاندی کی کوئی اور چیز بنا لینا جو استعمال کی ہو جیسے پیالہ، گلاس، برتن، چمچہ وغیرہ ان کا استعمال نہ مرد کے لئے جائز ہے اور نہ عورت کے لئے جائز ہے۔ لہٰذا بعض گھروں میں سونا چاندی کے برتنوں کے استعمال کا جو رواج ہوتا ہے وہ شریعت میں منع ہے۔ اس سے

پرہیز کرنا چاہئے۔

آپ نے اس برائی کو ہاتھ سے روک دیا

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی جس کی وجہ سے یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔ وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں زبان سے کچھ کہے بغیر ہاتھ سے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی ــــ یہ درحقیقت اس حدیث کی عملی تفسیر ہے جو پچھلے بیان میں آئی تھی کہ اگر کوئی شخص اپنے سامنے کوئی برائی ہوتے ہوئے دیکھے تو اگر اس کے اندر طاقت ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کو روکے ــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اقتدار حاصل تھا اور آپ کے اس عمل سے کوئی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا اس وجہ سے آپ نے خود ان صحابی کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار دی اور پھینک دی۔ اور اس طرح آپ نے اس منکر اور برائی کو ہاتھ سے روک دیا۔ یہی معاملہ ہر اس شخص کا ہونا چاہئے جو صاحب اقتدار ہو۔ چاہے وہ حکومت والا اقتدار ہو یا اپنے گھر میں اپنی بیوی بچوں پر اقتدار ہو۔ یا اپنے شاگردوں اور مریدوں پر اقتدار ہو۔ اگر وہ شخص کوئی منکر دیکھے تو اس منکر کو اپنے ہاتھ سے روک دینا چاہئے۔ یہ حدیث کا دوسرا سبق ہے۔

امر بالمعروف چھوڑنے کا وبال

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ

اَنْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَاباً مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ.

(ریاض الصالحین، باب فی الامر بالمعروف حدیث نمبر ۱۹۳)

(ترمذی شریف، کتاب الفتن باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر حدیث نمبر ۲۶۹)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سب کی جان ہے ــــــ کہ تم نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے دوسروں کو روکو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دے یعنی اگر تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بالکل چھوڑ دیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب نازل فرمادے۔ اور اس عذاب کے بعد پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو گے۔ تو تمہاری وہ دعائیں قبول نہیں ہوں گی ــــــ گویا کہ دعاؤں کی قبولیت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ اس امر بالمعروف اور نہی المنکر کے فریضے کو چھوڑ دینے سے ہو جاتی ہے ــــــ جس مقام پر انسان کے ذمہ شرعاً ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تاکید کرے اور برائی سے روکے۔ اگر وہ انسان اس جگہ پر کوتاہی کرتا ہے اور اس فریضہ کو ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔

عذاب کی مختلف شکلیں

عذاب کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ عذاب کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ جیسا کہ پچھلی امتوں پر مختلف عذاب نازل ہوئے کہ کسی پر طوفان آ گیا۔ کسی پر آندھی چل

گئی۔ یا کسی پر آگ کے انگارے آسمان سے برسا دیئے گئے۔ کسی پر زلزلہ آیا۔ کہیں زمین دھنس گئی۔ عذاب کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے ____ اس قسم کا عام عذاب تو اس امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے نہیں آئے گا۔ لیکن عذاب کی دوسری صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ آمین ____ عذاب کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کے دل سے برائی کی برائی ختم ہو جاتی ہے۔ اچھائی کی اچھائی ختم ہو جاتی ہے۔ غفلت کے پردے دل و دماغ پر پڑ جاتے ہیں۔ صحیح بات سوجھتی نہیں۔ عقل ماری جاتی ہے۔ مت الٹی ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالکلیہ چھوڑ دیا جاتا تو اس میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی کی عقل خراب ہو جائے۔ غفلت میں مبتلا ہو جائے۔ اور گناہوں کی نفرت دل سے ختم ہو جائے۔ گناہوں کی طرف میلان زیادہ پیدا ہونے لگے۔ بعض اوقات یہ سب گناہ کے اثرات ہوتے ہیں۔

حرام کھانے کا نتیجہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ شیخ الحدیث تھے۔ اور حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان سے بہت زیادہ مناسبت تھی کیونکہ وہ ہر علم و فن میں ماہر تھے اور درویش صفت بزرگ تھے ____ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ کسی دوست کے گھر کھانا کھا لیا۔ اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ کھانا حلال آمدنی کا نہیں تھا۔ فرماتے تھے کہ ایک

مہینے تک اس کی ظلمت دل میں محسوس ہوتی رہی۔ اور اس کے نتیجے میں بار بار بدترین گناہوں کے جذبات دل میں پیدا ہوتے رہے کہ فلاں گناہ کرلوں۔ فلاں گناہ کر لوں ـــــ یہ وہ تھے جن کی زندگی قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے میں گزر گئی۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل میں ورع وتقویٰ میں اونچا مقام بخشا ہے ـــــ اللہ بچائے۔ ہم لوگوں کی تو حس ہی ماری گئی ہے۔ جس کی وجہ سے گناہ وثواب کا فرق مٹ گیا ہے۔ گناہ بھی کرلیا۔ اور دل میں اس کی ظلمت اور تاریکی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ بھی ایک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے ـــــ آمین۔

ہر دل سالک ہزاراں غم بود

جن کے دل صاف ہوتے ہیں۔ تقویٰ اور اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے نتیجے میں ان کے دل مصفیٰ اور مجلّٰی ہوتے ہیں۔ ان کی دل کی دنیا میں ذرہ برابر فرق آجائے تو ان پر زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر ز باغ دل خلالے کم بود

ہر دل سالک ہزاراں غم بود

کہ اگر اللہ کا راستہ قطع کرنے کے والے کے دل کے باغ سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے تو اس کے اوپر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں کہ یہ کیا ہوگیا ـــــ بہرحال عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ گناہوں کی نفرت دل سے مٹ جاتی ہے۔ گناہوں کی ظلمت کا انسان احساس کرنا چھوڑ دیتا ہے اور گناہوں سے مانوس اور اس

کا عادی ہو جاتا ہے۔

آج دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

اس لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس امر بالمعروف اور نہی المنکر کو چھوڑ دینے کا وبال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ایک عذاب بھیج دے ____ اور جب یہ کیفیت ہو جائے تو پھر تم دعائیں بھی مانگوں گے تو وہ قبول نہیں ہوں گی۔ آج ہم لوگ بعض اوقات دل میں شکوے کرتے ہیں کہ فلاں مقصد کے لئے اتنی دعائیں مانگیں مگر ہوا کچھ بھی نہیں ____ یہ شکوہ تو دل میں بہت پیدا ہوتا ہے اور یہ اعتراض اور شبہ بھی دل میں آتا ہے کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (سورۃ المومن: ۶۰)

مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ لیکن ہم نے فلاں دعا کی تھی۔ وہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ دعاؤں کی قبولیت کے راستے ہم نے خود بند کر رکھے ہیں۔ رکاوٹیں تو خود ہم نے کھڑی کر دی ہیں۔ وہ دعائیں کیسے قبول ہو؟

اس کی دعا کہاں سے قبول ہو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَاءِ وَیَقُوْلُ یَا رَبِّ، یَا رَبِّ: وَمَاۤ أَکَلُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ

فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهُ الدُّعَاءُ.

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ باب قبول الصدقۃ من الکسب حدیث نمبر ۱۰۱۵)

بہت سے ایسے لوگ جو پراگندہ بال والے، غبار آلود چہرے والے مسکین بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس آکر دعائیں مانگتے ہیں۔ لیکن کھانا اس کا حرام، پینا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، اس کی دعا کہاں سے قبول ہو ـــــ بہر حال، ہم نے اپنی آمدنی کو اپنے کھانے کو اپنے پینے کو اپنے لباس کو حرام سے نہ بچا کر قبولیت دعا کے راستے میں خود رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ اگر دعا قبول نہیں ہوتی تو اعتراض اور شبہ کیوں کیا جاتا ہے؟

اس صورت بھی دعائیں قبول نہیں ہوں گی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں دوسری وجہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دو گے تو اس وقت بھی یہ عالم ہوگا کہ تم دعائیں مانگو گے اور وہ دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائیں قبول کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ـــــ وہ اگر کسی دعا کو قبول کرلیں تو یہ ان کا کرم اور ان کی عطا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے آدمی کے دعا کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جس کا کھانا پینا حرام ہو یا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ رکھا ہو۔ جس جگہ پر شرعاً واجب تھا کہ وہ کسی کو برائی سے روکتا اور اس نے نہیں روکا۔ جہاں اس کے ذمے واجب تھا کہ وہ نیکی کا حکم دیتا اور وہاں اس نے حکم نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی دعا

قبول کرنے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس انجام سے محفوظ رکھے ــــــ آمین۔

یہ سب سے افضل جہاد ہے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

(ریاض الصالحین، باب فی الامر بالمعروف حدیث نمبر ۱۹۴)

(ابو داؤد کتاب الملاحم باب الامر والنھی حدیث نمبر ۴۳۴۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل ترین جہاد یہ ہے کہ حق کی بات اور انصاف کی بات ایک ظالم بادشاہ کے سامنے کہی جائے ــــــ کوئی ظالم صاحب اقتدار اور حاکم ہے اور اس میں ہر صاحب اقتدار داخل ہے۔ مثلاً کوئی بڑا افسر، اس کے سامنے انصاف کی بات کہنا، حق کی بات کہنا یہ بڑے اعلیٰ درجے کا جہاد ہے۔ کیوں؟ ــــــ اس لئے کہ جب وہ صاحب اقتدار بھی ہے، اور ظالم بھی ہے تم اس سے کتنی ہی نرمی سے بات کرو۔ لیکن وہ تو اپنی ناک پر مکھی بھی بیٹھنے نہیں دیتا۔ وہ تو حق بات سننے کا روادار ہی نہیں ہے۔ اس کے سامنے حق بات کہو گے تو عین ممکن ہے کہ وہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا دے۔ اس کے باوجود تم اس ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ رہے ہو تو یہ بڑا اعلیٰ ترین جہاد ہے۔

کلمۂ حق کے ساتھ نیت بھی حق ہو

بعض لوگ اس حدیث کا مطلب غلط سمجھ لیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ایک ظالم بادشاہ کے سامنے جا کر کلمہ حق کو ایک لٹھ کی طرح مار دو تو یہ افضل الجہاد ہے ____ یاد رکھئے ____ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ حق بات کہنا۔ اور حق بات وہی ہے جو حق نیت سے ہو، اور حق طریقے سے ہو۔ مثلاً خیر خواہی کی اور اصلاح کی نیت ہو، خود بڑا بننے کی اور خود کو مجاہد کہلانے کی، خود بہادر بننے کی نیت نہ ہو۔ بلکہ اللہ کی رضا مندی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت ہو۔ اس نیت کے ساتھ جب حق بات کہی جائے گی تو فائدہ کرے گی، اثر کرے گی۔

حق بات نرم انداز میں کہی جائے

اور وہ بات حق طریقہ سے کہی جائے اور حق طریقہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے بتا دیا کہ:

وَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ

(سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا جا رہا ہے اس وقت ان کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ فرعون سے نرم بات کہنا۔ سختی کی بات نہ کرنا ____ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہو سکتے۔ اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا تو جب موسیٰ علیہ السلام جیسے مصلح کو فرعون جیسے گمراہ شخص کے پاس بھیجتے ہوئے بھی یہ

پیغام دیا جارہا ہے کہ نرم بات کہنا تو آج ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس لئے ہر حال میں بات نرم انداز میں کرنی چاہئے۔ اصلاح کی غرض سے کہنی چاہئے۔ کہنے کے انداز میں تحقیر نہ ہو، تذلیل نہ ہو اور اپنی بہادری جتلانا جتانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا مقصود ہو۔

ظالم بادشاہ کو تنہائی میں نصیحت کرے

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بات کہنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ یعنی ایک طرف تو آپ نے یہ فرمادیا کہ ''ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل الجہاد ہے، اور دوسری طرف طریقہ بھی بتا دیا چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ نَصِيحَةٌ لِذِي سُلْطَانٍ فَلَا يُكَلِّمْهُ بِهَا عَلَانِيَةً وَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَلْيَخْلُ بِهِ. الخ.

(کنز العمال۔ کتاب الاخلاق الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ ج ۳/۴ حدیث نمبر ۵۶۰۰)

فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی صاحب اقتدار سے کوئی غلط کام سرزد ہوتا ہوا دیکھے یا کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس صاحب اقتدار کو علانیہ ذلیل نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے جائے۔ اور جا کر اس سے نرمی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے یہ ہے ''أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' ـــــ یہ نہیں کہ بھری محفل اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اور لوگوں سے اپنے مجاہد بننے کا سر

ٹیفکیٹ حاصل کرنے کی خاطر اس کے لئے سخت الفاظ استعمال کر لئے ــــ یہ بات درست نہیں، اصل یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ سے اللہ جل شانہٗ کو راضی کرنا مقصود ہو۔ لوگوں کی تعریف حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ اس غرض سے جو حق کلمہ کہا جائے وہ افضل الجہاد ہے۔

اس باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے گویا کہ وہ حدیث اس حدیث کی تشریح ہے۔ وہ یہ ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَلْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اَنَّ عَائِذَ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلٰی عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ زِیَادٍ فَقَالَ: اَیْ بُنَیَّ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ فَاِیَّاكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ: فَقَالَ لَهٗ: اِجْلِسْ فَاِنَّمَا اَنْتَ من نُخَالَةِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ؟ اِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ وَفِیْ غَیْرِهِمْ۔

(مسلم شریف۔ کتاب الامارۃ۔ باب فضیلۃ الامام العادل۔ حدیث نمبر ۱۸۳۰)

(ریاض الصالحین۔ باب فی الامر بالمعروف حدیث نمبر ۱۹۳)

”عبید اللہ بن زیاد“ کی شہرت اچھی نہیں تھی

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک

صحابی ہیں اور ان حضرات صحابہ میں سے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں کم عمر تھے۔ یہ صحابی اس زمانے میں بھی موجود تھے جب عبید اللہ بن زیاد کی کوفے پر حکومت تھی اور یہ وہی شخص ہے جس کے زمانے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس وقت یزید کی حکومت تھی۔ اور یزید کی حکومت میں عبید اللہ بن زیاد کوفہ کا گورنر تھا۔ اور اس کے زمانے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔۔۔ اس لئے عبید اللہ بن زیاد کی اچھی شہرت نہیں تھی۔ اس زمانے کے صلحاء اور علماء میں اور دیندار لوگوں میں وہ اچھی شہرت کا حامل نہیں تھا۔ اور بہت سے غلط کام اس کی طرف منسوب تھے۔ اور یہ بات تو واضح تھی کہ وہ بہت سخت گیر قسم کا حکمران تھا۔ بعض اوقات سخت گیری کی وجہ سے لوگوں پر ظلم بھی ہو جاتا تھا۔ بہر حال۔ یہ وہ شخص ہے۔

حضرت عائذ کے دل میں نصیحت کا خیال آیا

حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ شخص بعض اوقات عدل و انصاف کی حدود کو پھلانگ جاتا ہے اور ایسے کام کر لیتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہیں۔ گویا کہ منکر اور غلط کام ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ بحیثیت ایک مسلمان اور بحیثیت ایک صحابی کے ان کا فرض تھا کہ جا کر عبید اللہ بن زیاد کو اس کی غلطی پر ٹوکیں۔ تاکہ اس حدیث: "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائذ رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے۔

اسکو "بیٹے" کے لفظ سے خطاب کیا

اور چونکہ اس وقت یہ صحابی بڑی عمر کو پہنچ گئے تھے اور ضعیف بھی ہو چکے تھے۔اس لئے عبید اللہ بن زیاد کو "بیٹے" کے لفظ سے خطاب کیا کہ اے بیٹے: میں نے یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ___ اس کو "بیٹے" کے لفظ سے خطاب کیا۔ حالانکہ اس کے اعمال، اس کے افعال، اس کے کرتوت ایسے نہیں کہ کوئی صحابی اس کو اپنا بیٹا قرار دے کر اس سے خطاب کرے۔لیکن چونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔اور حق بات کو حق طریقے سے اور حق نیت سے کہنا تھا۔اس لئے نرم انداز میں گفتگو کرنے کے لفظ "بیٹا" کہہ کر خطاب کیا۔

نصیحت کا خوبصورت انداز

بیٹا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بدترین حکمران وہ ہے جو سخت گیر ہو، اور لوگوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے والا ہو۔ وہ بدترین حکمران ہوتا ہے ___ تو تم بھی ایسا حکمران بننے سے بچنا۔کتنے نرم اور کتنے محبت بھرے انداز میں حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرمائی۔ یہ ہے "کلمۃ حق عند سلطان جائر" یہ نہیں کہا کہ تو بڑا ظالم ہے، تو بڑا جابر ہے، اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ بلکہ نرمی کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ حق بات کہہ دی۔اب وہ اسی حق بات کو مانے یا نہ مانے۔یہ ہماری ذمہ داری نہیں۔ چونکہ اس کے مقدر میں اصلاح نہیں۔اس لئے باوجودیکہ ان صحابی نے اتنی نرمی سے بات کہی۔اس نے ان کو الٹا جواب دے دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا جواب

عبیداللہ بن زیاد نے ان سے کہا: ارے بیٹھو۔ تم تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا بھوسہ ہو ــــــ اگر آٹے کو چھانا جائے تو چھنی میں بھوسہ رہ جاتا ہے۔ تو اس نے یہ کہا کہ تم تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا بھوسہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام تو دنیا سے جا چکے۔ اور اب تم ایسے رہ گئے جیسے آٹے میں بھوسہ ہوتا ہے۔ اس لئے تمہاری بات کا کوئی اعتبار نہیں میں تمہاری بات نہیں مانتا۔

حضرت عائذ رضی اللہ عنہ کا خوبصورت جملہ

اس موقع پر حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ غصہ ہو جاتا کہ تم نے مجھے بھوسہ کہہ دیا۔ لڑائی شروع ہو جاتی۔ لیکن آپ نے صرف ایک جملہ فرمایا کہ:

وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ؟ إِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ وَفِي غَيْرِهِمْ.

یعنی یہ تم کیا بات کہہ رہے ہو کہ تم صحابہ کرام کا بھوسہ ہو۔ کیا صحابہ کرام میں بھی کوئی بھوسہ ہوتا تھا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں تو کوئی بھی بھوسہ نہیں تھا۔ بلکہ سب آٹا ہی آٹا ہیں۔ سب اعلیٰ درجے کے باکمال لوگ تھے۔ جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے ان میں بھوسہ کوئی نہیں ہوتا وہ سب اصل لوگ ہیں۔ ہاں۔ بھوسہ تو بعد کے لوگوں میں پیدا ہوا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ کرام کے بعد آئے ــــــ یہ بات بھی اپنی ذات کے لئے نہیں فرمائی۔ بلکہ ایک اصول بیان کر دیا کہ کسی صحابی کے لئے کوئی گستاخی اور توہین کا کلمہ کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔

ہم اس کی اصلاح کے ٹھیکیدار نہیں

ہم نے اپنا فریضہ نرمی سے محبت سے، شفقت سے کہہ کر ادا کر دیا۔ اب اگر دوسرے کی قسمت میں اصلاح ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ اگر اسکی قسمت میں اصلاح نہیں تو پھر ہم اس کی اصلاح کے ٹھیکیدار نہیں ہیں۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ (سورۃ الغاشیہ: ۲۲)

آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں ــــــ بعض لوگ ایسے لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں۔ باتوں سے نہیں مانتے۔ لہٰذا یہاں پر نرمی اور شفقت سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ یہاں تو لکڑ توڑ بات کرنی پڑتی ہے۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ ہم کوئی ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ دوسروں کی اصلاح ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ بتا دیا وہی طریقہ برحق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی کا حکم

کیا اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں تھا کہ فرعون کی اصلاح نہیں ہو گی ــــــ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج رہے تھے کیا اس وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے۔ اس کی اصلاح ہونے والی

نہیں۔ آخر دم تک یہ اپنی ضد اور عناد پر اڑا رہے گا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے پاس جا کر نرمی سے بات کرنا ــــ یہ بات بار بار اس لئے عرض کرتا ہوں کہ آج ہمارے معاشرے میں یا تو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فقدان ہی ہو گیا ہے۔ کوئی کرتا ہی نہیں اور اگر کوئی کرنے پر آتا ہے تو جو اس کے آداب ہیں اور جو اس کا طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بتایا اس کا خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے وہ جذبات ٹھنڈے کرتا ہے اور اپنا غصہ نکالتا ہے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کی خاطر اس طریقہ کو اختیار نہیں کرتا جو دعوت اور تبلیغ کا پیغمبرانہ طریقہ ہے ــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو صحیح طریقے سے انجام دینے کا طریقہ بھی عطا فرمائے ــــ آمین۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنَّهٗ كَانَ يَلْقَى الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: يَا هٰذَا: اِتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ. ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ اَنْ تَكُوْنَ اَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ. فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ.

(ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنهی حدیث نمبر ۴۳۳۶)

(ریاض الصالحین۔ باب الامر بالمعروف حدیث نمبر ۱۹۶)

عجیب وغریب حدیث

یہ عجیب وغریب حدیث ہے اور یہ حدیث ہم سب لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کی ہے اور اس حدیث شریف جس بات کو بیان فرمایا گیا ہے ہم سب لوگ اس معاملے میں بڑی غفلت میں مبتلا ہیں ــــ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اول واول جو خرابی پیدا ہوئی، فساد پھیلا اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں جب ان کے اندر خرابیاں پھیلنی شروع ہوئیں اس وقت جب کوئی اللہ کا بندہ کوئی خرابی ہوتے ہوئے دیکھتا تو وہ دوسرے کو ٹوکتا تو تھا مثلاً کسی شخص کو دیکھا کہ وہ کسی منکر میں، کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس سے کہتا کہ اللہ سے ڈرو۔ اور یہ عمل جو تم کر رہے ہو، یہ جائز نہیں ہے۔ یہ مت کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے حلال نہیں ــــ ایک مرتبہ اس سے کہدیا، لیکن اگلے دن دیکھا کہ وہ شخص پھر وہی گناہ کا کام کر رہا ہے اور اس نے وہ گناہ چھوڑا نہیں۔ اس کے باوجود یہ منع کرنے والا شخص دن رات اس کے ساتھ اٹھ رہا ہے، بیٹھ رہا ہے، کھا رہا ہے، پی رہا ہے، اس کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کئے ہوئے ہے۔ اور دن رات اس کے ساتھ دوستی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

میرا یہ عمل اتنا برا نہیں

اس نے ایک مرتبہ تو اس سے کہہ دیا کہ یہ کام برا ہے۔ اپنا فرض ادا کر دیا لیکن جب دن رات اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے، اسی کے ساتھ کھانا پینا ہے، اسی کے ساتھ دوستی اور خصوصی تعلقات ہیں۔ تو اس کے نتیجے میں اس کے دل میں یہ

خیال آئے گا کہ اس شخص نے مجھے کہہ دیا تھا کہ یہ کام برا ہے۔ چھوڑ دو ـــــ لیکن یہ عمل اتنا زیادہ برا نہیں ہے، اگر میرا عمل زیادہ برا ہوتا تو میرے ساتھ اس کے یہ خصوصی تعلقات نہ ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص اپنے گناہ پر اور زیادہ جری ہو گیا۔

پھر گناہ کی نفرت کم ہوتی چلی جائے گی

یاد رکھئے: گناہوں کی ظلمت ایسی چیز ہے جو اچھے اچھے انسانوں پر اثر انداز ہو جاتی ہے ـــــ جب آدمی اپنی صحبت اور دن رات کا اٹھنا بیٹھنا، خصوصی تعلقات ایسے لوگوں کے ساتھ رکھے گا جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں تو رفتہ رفتہ گناہوں کی نفرت اس کے دل سے بھی کم ہوتی چلی جائے گی ـــــ پہلے گناہ کی نفرت بہت زیادہ تھی، لیکن صبح و شام جب اس گناہ کو ہوتا ہوا دیکھتا ہے اور جو لوگ اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہے۔ کھانا پینا بھی ہے، خصوصی تعلقات بھی ہیں تو رفتہ رفتہ اس گناہ کی نفرت دل سے کم ہونا شروع ہو جاتی ہے ـــــ اور جب دل سے اس گناہ کی نفرت کم ہو جاتی ہے تو کسی دن وہ خود بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بنی اسرائیل میں فساد کا آغاز

اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ بنی اسرائیل میں خرابی و فساد کا آغاز اس طرح ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالکل تو نہیں چھوڑا بلکہ ایک مرتبہ زبان سے گناہ کرنے والے کو کہہ دیا لیکن جب اس نے گناہ نہیں

چھوڑا تو پھر بھی دن رات اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، رکھا تو اس کے نتیجے میں برائی ختم ہونے کے بجائے بڑھتی چلی گئی، اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم اپنی نجات چاہتے ہو تو دوستانہ خصوصی تعلقات ایسے لوگوں کے ساتھ رکھو جو فسق و فجور میں مبتلا نہ ہوں ــــــ جو شخص کھلم کھلا فسق و فجور مبتلا ہے تم اس کے حقوق تو ادا کرتے رہو یعنی کبھی اس سے ملاقات کر لی کبھی اس سے سلام دعا کر لی کبھی اس کی بیماری میں عیادت بھی کر لی، اس کے یہاں کسی کا انتقال ہوا تو اس کے جنازہ میں بھی شریک ہو گئے۔

صحبت انسان پر اثر انداز ہوتی ہے

لیکن دن رات کا ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا اور دوستیاں، خصوصی تعلقات ایسے لوگوں کے ساتھ رکھو گے تو یاد رکھو کہ ان کی صحبت تمہارے اوپر بھی اثر انداز ہو گی ــــــ اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ ہو گا کہ گناہوں کی برائی گناہوں کی نفرت تمہارے دل سے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خصوصیت یہ بنائی ہے کہ کسی کی صحبت اس کے اوپر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر دوستانہ تعلقات اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہونگے تو ان کی نیکی اور ان کے تقویٰ کے جذبات اس کی طرف بھی منتقل ہونگے ــــــ اور اگر فسق و فجور والے لوگوں کے ساتھ رہے گا تو ان کے فاسقانہ اور فاجرانہ خیالات اور جذبات اس کے اندر بھی منتقل ہونگے ــــــ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی بات کافی نہیں کہ اس کی برائی کرنے پر تم نے اس کو صرف ایک مرتبہ ٹوک دیا ــــــ بلکہ

اس برائی پر ٹوکنے کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ ان کی صحبت کو اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو ختم کر دینا چاہئے۔

بائیکاٹ نہیں بلکہ خصوصی تعلقات نہ رکھے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ساتھ قطع تعلق کر لیا جائے۔ اور اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ اب آئندہ اس کے ساتھ سلام وکلام بھی نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کی بیماری میں اس کی عیادت کی جائے گی اور اس کے ہاں کسی کا انتقال ہو گیا تو جنازہ میں بھی شرکت نہیں ہوگی ـــــ یہ بات ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ یہ حقوق تو ہر حال میں ادا کرنے ہیں ـــــ لیکن بات چل رہی ہے خصوصی تعلقات قائم کرنے کی کہ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا وغیرہ ایسے لوگوں کے ساتھ مت رکھو۔

اچھے لوگ آج بھی مل جائیں گے

بھائی۔ آج ہم لوگ یہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ خراب ہے۔ ہمارا ماحول خراب ہے۔ دن رات ایسے لوگوں کے ساتھ واسطہ ہے ان کے ساتھ رہتے ہوئے کس طرح ہم اپنے آپ کو بچائیں ـــــ بچانے کا راستہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں کہ آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی الحمدللہ ایسے لوگوں کا فقدان نہیں ہے جو اللہ کے دین پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ ان کو مشکلات پیش آ رہی ہیں ـــــ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہاری دوستیاں کیوں نہیں ہوتیں؟ ایسے لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کیوں نہیں ہوتے؟

ایسے لوگوں سے ملنے کا خیال کیوں نہیں آتا جو دین کی طرف راغب ہوں۔ جن کی فکر، جن کا خیال دین کی طرف ہو۔ اور جو بحیثیت مجموعی دین پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہوں ___ ایسے لوگوں کے ساتھ ہمارا اٹھنا، بیٹھنا کیوں نہیں ہے؟ ___ ایسے لوگوں کے ساتھ کیوں دوستی اور تعلقات رکھتے ہو جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہیں۔؟

آخرت فکر کرو، صحبت اچھی کرو

بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارا جو اپنا معیار زندگی ہے اس معیار کے لوگوں میں ہم اٹھتے بیٹھتے ہیں ___ بات یہ ہے کہ بھائی تو تم اپنے معیار کی فکر کرلو۔ یا آخرت کی فکر کرلو۔ اگر آخرت بنانی ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے تو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا رکھو جو تمہارے دین میں معاون ہوں۔ تمہارے تقویٰ میں معاون ہوں۔ جن کے پاس بیٹھ کر تمہیں اللہ یاد آئے۔ جن کے پاس بیٹھ کر آخرت کی فکر پیدا ہو۔ جن کے ساتھ اگر گفتگو ہو تو دین کی گفتگو ہو ایسے لوگوں کو دوستی کے لئے اختیار کرو۔

اب گناہ کی نفرت دل سے ختم ہو رہی ہے

لیکن اگر تم نے اپنے معیار زندگی کے لوگوں سے دوستی کر لی تو اس کے نتیجے میں تمہیں معیار اور اسٹیٹس تو مل جائے گا۔ لیکن ساتھ میں تمہیں آخرت سے غفلت بھی ملے گی۔ اور ساتھ میں فسق و فجور کی نفرت بھی دل سے کم ہوگی۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔

آج سے ۲۰۔۲۵ سال پہلے جن گناہوں کا تصور کر کے پیشانی پر پسینہ آتا تھا۔ آج وہ گناہ کھلم کھلا ہو رہے ہیں اور کسی کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ یہ سب کیوں ہے؟ ____ اس لئے دن رات ان گناہوں کو دیکھ دیکھ کر اور گناہوں کی محفل میں بار بار شریک ہو کر نگاہیں ان گناہوں کی عادی ہو گئیں اور نگاہیں عادی ہونے کی وجہ سے گناہ کی نفرت دل سے کم ہو گئی ہے۔

خواتین کے سفر کا انداز پہلے کیا تھا

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب خواتین تانگے میں بھی سفر کرتیں تو اس کے چاروں طرف پردے لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ اور اگر خواتین ڈولی یا پالکی میں سفر کرتیں تو دیوبند میں اس بات کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ پالکی میں خاتون کے ساتھ ایک بھاری پتھر بھی رکھ دیتے تھے۔ تا کہ اٹھانے والے کہار کو اندر بیٹھی ہوئی خاتون کے وزن کا اندازہ نہ ہو کہ اس خاتون کا وزن کتنا ہے؟ ____ جہاں یہ عالم ہو وہاں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی خاتون نقاب الٹ غیر محرموں کے سامنے جا رہی ہے۔ اگر کوئی خاتون ایسا عمل کر لیتی تو پورا معاشرہ اس پر تھو تھو کرتا تھا۔ لیکن آج یہ عالم ہے کہ خاتون کا برقعہ بھی اتر گیا اور دوپٹہ بھی اتر گیا۔ اور کسی کے ماتھے پر شکن بھی نہیں آتی ہے کہ یہ کوئی گناہ کا کام ہو رہا ہے یا ناجائز کام ہو رہا ہے۔ کیوں؟ ____ اس لئے کہ وہ گناہ ہوتے ہوتے اس گناہ کی کراہیت اور اس کی نفرت دل سے محو ہو گئی، ختم ہو گئی ____ یاد رکھئے، انسان کی زندگی میں وہ بدترین لمحہ ہے جب اس کے دل سے گناہ کی نفرت اور گناہ کی کراہیت مٹ جائے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی

ایک شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

بری صحبت کا نتیجہ

بہرحال، بری صحبت اور فاسقانہ اور فاجرانہ صحبت یہ انسان کے دل سے گناہوں کا احساس مٹا دیتی ہے۔ گناہوں کی نفرت کو کم کر دیتی ہے ـــــ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم نے دوسرے شخص سے کہہ تو دیا کہ یہ کام برا ہے۔ یہ کام نہیں کرنا چاہئے ـــــ لیکن جب تم دن رات ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھ، بیٹھ رہے ہو ان کے ساتھ تم نے دوستانہ تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں تو یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ تم زبانی طور پر تو اس سے کہہ رہے ہو کہ یہ فعل برا ہے لیکن اندر سے تمہارا دل اس عمل کو برا نہیں سمجھ رہا ہے ـــــ اگر دل اندر سے اس فعل کو برا سمجھتا تو تم ان لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرتے۔ بلکہ صاحب تقویٰ لوگوں کی صحبت اختیار کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ ـــــ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

صلى الله على حبيبه محمد وآله وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سنت کی اتباع کیجئے

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ : ۱۳۔ ستمبر ۱۹۹۱ء

بروز : جمعہ

بوقت : بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنت کی اتباع کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ،

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(سورۃ آل عمران، ۳۱)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ. وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ

وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ریاض الصالحین'' کی احادیث کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے۔ آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے "باب فی الامر بالمحافظة علی السنة وآدابها"۔ یعنی اتباع سنت کی پابندی، اور سنت میں جو آداب زندگی بتائے گئے ہیں، ان کو اختیار کرنے کا اہتمام، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

تصوف، طریقت کا مقصود ''اتباع سنت'' ہے

یوں تو نیک اعمال بے شمار ہیں۔ جن کی کوئی حد، کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے کہ نیکی کسی خاص عمل میں منحصر نہیں۔ اس لئے کہ اعمال صدق، اعمال خیر، اعمال حسنہ، ان کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن نیکی کو حاصل کرنے کا اور اللہ جل شانہ کی رضا حاصل کرنے کا صحیح راستہ ''اتباع سنت'' ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع کرنا۔ ہر شعبہ زندگی میں انسان یہ دیکھے کہ اس شعبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا؟ اور اس طریقے کو اپنائے اور اس کی نقل اتارے۔ اسی کا نام ''اتباع سنت'' ہے ـــــ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جس کے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جس میں کسی وساوس نفس کا شائبہ نہیں۔ یہ ایسا راستہ ہے جو سیدھا جنت کی طرف جاتا ہے ـــــ اس راستے میں کوئی موڑ نہیں، کوئی الجھاؤ

نہیں۔ اس راستے میں کسی رہنما کی بھی ضرورت نہیں۔ بس اتنا پوچھنے کی ضرورت تو ہے کہ سنت طریقہ کیا ہے؟ لیکن اس کے ذریعہ مقصود حاصل کرنے کے لئے کسی رہبر اور رہنما کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ ایسا سیدھا راستہ ہے۔ اسی کو بیان کرنے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرمایا ہے۔ اور سارے تصوف، سارے طریق اور سارے سلوک کا مقصود اگر کوئی ہے تو وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہے۔

میں نے ظاہری اور باطنی علوم حاصل کئے

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہرہ، علوم باطنہ، اور چاروں سلسلوں کے تمام طریقوں کا جامع بنایا تھا۔ ان کے بارے حضرت والا نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے سب سے پہلے علوم ظاہرہ حاصل کرنے سے آغاز کیا۔ قرآن کریم، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کے علوم حاصل کئے۔ اساتذہ کرام سے یہ سب علوم حاصل کئے۔ جب یہ سارے ظاہری علوم حاصل کر لئے تو مجھے خیال آیا کہ میں نے ظاہری علوم تو حاصل کر لئے لیکن یہ حضرات صوفیاء کرام جو خانقاہیں لئے بیٹھے ہیں اور لوگوں کی مختلف طریقوں سے تربیت کر رہے ہیں۔ ان کو بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ چنانچہ ان صوفیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور لوگوں کو تربیت اور تعلیم کا جو کورس کراتے ہیں، الحمدللہ میں نے اس کو مکمل کیا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ صوفیاء کرام کے اور بھی سلسلے ہیں۔ قادریہ، چشتیہ،

نقشبندیہ، سہروردیہ میں نے سوچا کہ ان کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں ایک ایک کر کے چاروں سلسلوں کے حضرات صوفیاء کرام کے پاس گیا اور ان چاروں سلسلوں کے تمام طریقوں کو حاصل کیا۔ ان کے اعمال، اذکار، تسبیحات کو حاصل کیا۔ اور ان کی تربیت حاصل کی ____ جب مجھے یہ چاروں سلسلے حاصل ہو گئے تو میں نے روحانی مدارج میں ترقی کرنی شروع کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے روحانی طور پر اتنی ترقی دی۔ اتنی ترقی دی کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا مقام عطا فرمایا۔

میں پھر ظل اور اصل تک پہنچا

یہاں تک ایک مقام ایسا آیا کہ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنائی۔ مجھے اس پر بھی بس نہ ہوا اور میں اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت کے ایسے مقام پر پہنچا کہ اگر میں اس کو علماء ظاہر کے سامنے بیان کروں تو وہ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔ اور اگر علماء باطن کے سامنے بیان کروں تو مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیں کہ میں زندیق ہو گیا۔ لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعی وہ مقام عطا فرمایا۔ اور پھر میں ''ظل'' تک پہنچا اور ظل سے پھر میں ''اصل'' تک پہنچا ____ ظل اور ''اصل'' کا کیا مطلب ہے ہم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں ____ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے روحانی ترقیات کے یہ تمام مقام عطا فرمائے۔ یہ سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد اور ان تمام احوال اور مقامات کی سیر کرنے کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرتا ہوں۔

میں دعا کرتا ہوں آپ آمین کہیں

وہ ایسی دعا ہے کہ جو شخص وہ دعا کرے گا، اور جو شخص اس دعا پر آمین کہے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے کہ:

"یا اللہ! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما، اور اتباع سنت پر مجھے زندہ رکھئے، اور اتباع سنت پر مجھے موت عطا فرما، اور اسی اتباع سنت کے ساتھ میرا حشر فرما۔"

یہ دعا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں جنہوں نے پہلے مدارس کی، اور خانقاہوں کی سیر کر لی، اور علم ظاہر اور علم باطن سب کچھ حاصل کیا۔ اور تمام روحانی مدارج طے کرنے کے بعد فرما رہے ہیں کہ مقصود اصلی درحقیقت یہ ہے کہ پوری زندگی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو۔ اور آپ کی سنت کی پیروی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سارے دین کا اول و آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اب جو شخص پہلے دن سے اس اتباع سنت کے راستے پر چل پڑے تو پھر اس کو کسی اور عمل کی ضرورت نہیں۔

ہمارے سلسلے میں وصول جلدی ہو جاتا ہے

ہمارا تصوف اور طریقت کا جو سلسلہ ہے وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ کہلاتا ہے۔ اس زمانے جو دوسرے بزرگ تھے ان کے بھی اصلاح کے

مختلف طریقے تھے اور وہ بھی اپنے اپنے طریقوں سے آدمی کو منزل تک پہنچانے کی تدبیر کیا کرتے تھے۔ البتہ مقصد سب کا ایک تھا۔ راستے اور طریقے مختلف تھے۔ اس لئے کسی کو دوسرے طریق پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ___ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں "وصول" جلدی ہو جاتا ہے اور "وصول" کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جانا۔ اور مقصود کا حاصل ہو جانا، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا مضبوط ہو جانا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں سارا زور اتباع سنت پر ہے۔ جبکہ دوسرے طریقوں میں ابتداء میں علاج معالجے کے مختلف طریقے شروع کرا دیتے ہیں جبکہ اس سلسلے میں ابتداء ہی سے اتباع سنت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

اتباع سنت میں محبوبیت کی شان

پھر فرمایا کہ "سنت" کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت پیدا ہوتی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، لہٰذا جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارے گا اور آپ کے طریقے کی اتباع کرے گا اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورۃ آل عمران، ۳۱)

یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، اس محبت کا راستہ یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ بہر حال، اتباع سنت کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

اس وقت اللہ کے محبوب بن جاؤ گے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی سنت لے لو۔ اس سنت پر تم جس وقت عمل کر رہے ہو گے اس وقت میں تم اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب بن جاؤ گے ــــــ مثلاً آپ مسجد میں داخل ہو رہے تھے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے مسجد کے اندر رکھا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں دایاں پاؤں پہلے رکھا کرتے تھے۔ اس نیت سے آپ نے بھی دایاں پاؤں پہلے رکھا۔ تو جس وقت آپ یہ کام کر رہے ہیں اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب ہو ــــــ اسی طرح آپ بیت الخلاء میں داخل ہوئے اور بایاں پاؤں پہلے رکھا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں پہلے رکھتے تھے۔ جب اس نیت سے تم نے بھی بایاں پاؤں پہلے رکھا، تو اس وقت جب کہ تم اس گندگی کے مقام میں داخل ہو رہے ہو۔ چونکہ اس وقت تم نے اللہ کے محبوب کی اتباع کر رہے ہو، اس لئے تم اس وقت بھی اللہ کے محبوب بن رہے ہو۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل ایسا نہیں ہے جو اتباع سنت کی نیت سے کیا جائے۔ اور وہ عمل انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب نہ بنائے۔ اور یہ چھوٹا ہونا عرف عام کی وجہ سے کہہ رہا ہوں ورنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت چھوٹی نہیں۔ ہر سنت عظمت والی اور محبت والی ہے۔

اتباع سنت مٹی کو سونا بنا دیتا ہے

وہ افعال جن کو ہم معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، ان افعال میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع وہ ''پارس'' ہے جو مٹی کو سونا بنا دیتا ہے۔ آخر بیت الخلاء میں تو داخل ہونا بھی ہے اب چاہو تو بے فکری کے ساتھ حیوان کی طرح داخل ہو جاؤ، اور چاہو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ایک امتی اور متبع سنت کی حیثیت سے داخل ہو جاؤ۔ اور دونوں افعال میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا، عمل وہی ہے، صرف ذرا سا دھیان کر کے اس عمل کو عبادت بنا لو۔ اور اللہ کے محبوب بن جاؤ ــــــ تمام سنتوں کا حال یہی ہے کہ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہیں۔

اتباع سنت سے ''جذب'' حاصل ہو جائے گا

اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو ''محبوبیت'' کی لازمی خاصیت ہے ''جذب'' ــــــ یعنی جو کوئی محبت کرنے والا عاشق ہوتا ہے تو اپنے محبوب کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جتنا اس کی استطاعت میں ہوگا، اتنا وہ اس کو اپنی طرف کھینچے گا۔ لہٰذا جب کوئی شخص اتباع سنت کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

(سورۃ الشوریٰ، ۱۳)

یعنی جس کو چاہیں اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اس لئے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتباع سنت کے طریق میں وصول الی اللہ اس لئے جلدی ہو جاتا ہے کہ اس طریقے میں محبوبیت ہے اور محبوبیت کا لازمی نتیجہ جذب ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے طریقوں میں لمبے لمبے مجاہدات اور ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ تب جا کر وصول ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور خاص طور پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں سارا زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے قریب کرلو، اور اتباع سنت اختیار کرلو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے

بہرحال، ہماری اور آپ سب کی دین و دنیا کی صلاح اور فلاح اتباع سنت پر موقوف ہے۔

خلاف پیمبر کسے را گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے علاوہ کسی اور راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے تو وہ نہیں پہنچ سکتا۔ چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرلے۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ''اتباع سنت'' کیوں ضروری ہے؟ اس کے لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب کے آغاز میں قرآن کریم کی جو آیات لائیں ہیں۔ ان میں اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ایک آیت تو یہ لائیں ہیں کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

(سورۃ الاحزاب، ۲۱)

فرمایا کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں اس کے طریق زندگی میں، اس کی سنت میں اور ان کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے ۔۔۔۔ بزرگوں نے فرمایا کہ بہترین نمونہ بنا کر آپ کو اس لئے بھیجا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ انسان کی اصلاح اور تربیت اور تزکیہ کے لئے تنہا کتاب کبھی کافی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کتاب پڑھ کر اور اس کے لکھے ہوئے پر عمل کر کے میری اصلاح ہو جائے تو کبھی اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ انسان کو اپنی اصلاح کے لئے ایک عملی نمونہ درکار ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نمونہ موجود ہو کہ مجھے ایسا بننا ہے تب اس کی اصلاح ہو گی اس کے بغیر اصلاح نہیں ہو گی۔

جانوروں کو معلم اور مربی کی ضرورت نہیں

جبکہ بہت سے حیوانات میں یہ بات نہیں ہے۔ مثلاً مرغی کا بچہ چوزہ آج ہی انڈے میں سے نکلا، اس کے سامنے دانہ ڈال دو وہ اس کو کھانا شروع کر دے گا۔ اس چوزے کو دانہ کھانے کے لئے کسی معلم اور مربی کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے۔ لیکن اگر انسان کا بچہ پیدا ہوا اور تم اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دو، اس کو روٹی کھانا نہیں آئے گا۔ جب تک کہ وہ

ایک مدت تک ماں باپ کو روٹی کھاتے ہوئے دیکھے گا نہیں۔ اور روٹی کھانے کی تربیت نہیں لے گا۔ اس وقت تک اس کو روٹی کھانا نہیں آئے گا ___ اسی طرح مچھلی کا بچہ سمندر کے اندر پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیا۔ اس کو تیراکی سکھانے کے لئے کسی معلم اور مربی کی حاجت نہیں۔ لیکن انسان کے بچے کا باپ بہت اچھا تیراک ہے اس کی ماں بہت اچھی تیراک ہے۔ خوب اچھی طرح تیرنا جانتی ہے اس کے ہاں بچہ پیدا ہو، اس بچے کو پانی ڈال دو کیا وہ خود بخود تیرنا سیکھ لے گا؟ ہرگز نہیں۔ تیرنا تو درکنار ماں باپ یہ چاہیں کہ جس طرح ہم چلتے ہیں بچہ بھی پیدا ہوتے ہی چلنا شروع کر دے تو وہ ایسا نہیں کرے گا۔ جب تک وہ ایک مدت چلنے کا نمونہ نہیں دیکھے گا۔ اور وہ ماں باپ کو چلتا ہوا نہیں دیکھے گا۔ اس کو چلنا نہیں آئے گا ___ یہ انسان کی خاصیت ہے کہ اس کو کوئی چیز سیکھنے کے لئے نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسان کھانا پکانے میں معلم کا محتاج

اسی طرح کھانا پکانا ایک فن ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کھانا پکانے کی ترکیب پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں کہ قورمہ اس طرح بنتا ہے۔ پلاؤ اس طرح بنتا ہے اور کباب اس طرح بنتا ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کتاب پڑھتا جاؤں اور پلاؤ پکاتا جاؤں۔ خدا جانے وہ کیا ملغوبہ تیار کرے گا ___ جب تک وہ کہ کسی ماہر پکانے والے کا نمونہ نہیں دیکھے گا، اس سے تجربہ حاصل نہیں کرے گا، اس سے تربیت نہیں لے گا۔ اس وقت تک اس کو کھانا پکانا نہیں آئے گا۔

علاج کرنے میں معلم کا محتاج

علم طب اور میڈیکل سائنس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں اور بازار میں موجود ہیں۔ ان کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں بیماری کا علاج یہ ہے اور فلاں بیماری کا یہ علاج ہے۔ اب کوئی شخص یہ سوچے کہ میں ان کتابوں کو پڑھ کر علاج کرنا شروع کردوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے علاج سے کسی کو فائدہ بھی پہنچ جائے لیکن اگر وہ اس طرح علاج کرنے کا معمول بنائے گا اور کتاب کو دیکھ دیکھ کر لوگوں کا علاج کرے گا تو سوائے قبرستان آباد کرنے کے وہ کوئی اور خدمت انجام نہیں دے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ کوئی علم، کوئی فن اس وقت نہیں سیکھ سکتا جب تک کہ اس کا کوئی عملی نمونہ اس کے سامنے موجود نہ ہو۔

ہر آسمانی کتاب کے ساتھ رسول ضرور آیا

اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل فرمائی تو اس کے ساتھ ایک رسول ضرور بھیجا ــــ ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آئے، لیکن کوئی نئی کتاب نہیں آئی۔ لیکن کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں کہ کوئی کتاب تو آئی ہو اور اس کے ساتھ رسول نہ آیا ہو۔ بلکہ ہر کتاب کے ساتھ ایک پیغمبر آیا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ انسان تنہا کتاب سے رہنمائی حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک اس کتاب کے ساتھ اس کا معلم، اس کا مربی اس کا عملی

نمونہ پیش نہ کرے۔ اس وقت تک یہ انسان ہدایت حاصل نہیں کرسکتا۔

نبی کے نور بغیر کتاب نہیں سمجھ سکتے

اس لئے اللہ جل شانہٗ جتنے پیغمبر بھیجتے ہیں۔ وہ اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ پیغمبر عملی نمونہ بن کر لوگوں کو دکھائیں کہ دیکھو: جو حکم تمہیں دیا جارہا ہے اس حکم پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ وہ پیغمبر ایک مکمل نمونہ پیش کرتے ہیں ــــــ اسی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا، اور اس کی کتنی اچھی مثال قرآن کریم نے پیش کی۔ فرمایا کہ:

لَقَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ

(سورۃ المائدۃ، ۱۵)

یعنی ہم نے تمہارے پاس دو چیزیں بھیجی ہیں۔ ایک کتاب بھیجی ہے، یعنی قرآن کریم اور دوسرے اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ایک ''نور'' بھیجا ہے ــــــ فرض کرو آپ کے پاس کتاب تو موجود ہے لیکن اندھیرا ہے۔ کیا اس اندھیرے کے اندر کتاب پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھا سکو گے؟ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ــــــ کتاب اپنی جگہ پر مکمل۔ اس کتاب میں ساری باتیں موجود، اور تم کتاب سے فائدہ بھی اٹھانا چاہتے ہو۔ لیکن چونکہ تمہارے پاس نور نہیں، روشنی نہیں۔ اس لئے تم اس کتاب کو کھول کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے ــــــ اور یہ کتاب کا نقص نہیں کہ تم اسے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ یہ نقص تمہارا ہے۔ کیونکہ تمہارے پاس ''نور'' نہیں، روشنی نہیں۔ اس لئے ہم نے اس کتاب کے ساتھ ایک ''نور'' بھی بھیجا اور وہ نور ہے جناب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور۔ آپ کی تفسیر کا نور، آپ کی تشریحات کا نور، آپ کی سنت کا نور۔ جب یہ نور کتاب اللہ کے ساتھ شامل ہوگا تو کتاب کھلی نظر آئے گی اور اس کے احکام آپ کے سامنے واضح ہوں گے اور پھر آپ کے لئے راستہ کھلے گا۔

اپنے نبی کی نقل اتارتے جاؤ

لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی کہ تنہا کتاب انسان کو کام نہیں دے سکتی اور اس کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوسکتی بلکہ پیغمبر کی تعلیم، تربیت اور نمونے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ وہ نمونہ بھی بھیج دیا۔ یعنی ایک کتاب اور اس کتاب پر عمل کرنے کا نمونہ ____ کہ جہاں کتاب سمجھ میں نہ آئے اس نمونے کو دیکھو کہ ہم نے ایک ایسا شاہکار نمونہ تخلیق کر دیا کہ اس کے اندر کوئی نقص اور کوئی عیب نہیں۔ اگر تم خوردبین لگا کر بھی دیکھو گے تو تمہیں اس کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔ کوئی نقص نظر نہیں آئے گا۔ ہم جیسا چاہتے ہیں کہ انسان بنے، ایسا بنا کر دکھا دیا کہ یہ ہے وہ انسان جو ہمارے مقصود کے مطابق زندگی گزارنے والا ہے ____ بس تمہارا کام یہ ہے کہ اس شاہکار کو دیکھتے جاؤ، اس کی ایک ایک ادا کو سمجھتے جاؤ۔ اور اس کی نقل اتارتے جاؤ۔ یہ ہے ''اسوۂ حسنہ'' جس کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمہارے لئے نمونہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن کریم کا عملی نمونہ ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اخلاق کیسے تھے؟ تو جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ

(کنز العمال، کتاب الشمائل جلد ۷/۸، رقم الحدیث ۱۸۷۱۴)

یعنی آپ کے اخلاق قرآن تھے، یعنی قرآن کریم الفاظ و معانی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اس کا عملی نمونہ ہے۔ فرض کرو کہ کتاب اللہ کا ایک لفظ بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن تم نے اس نمونے کی مکمل پیروی کر لی جو نمونہ ہم نے تمہارے لئے بھیجا تھا تو تم کامیاب ہو۔ اس لئے اتباع سنت پر جو زور دیا جاتا ہے وہ اس لئے کہ انسانیت کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کے لئے اس کو جس نمونہ کی ضرورت تھی وہ سرکار کی سنت کے اندر موجود ہے۔

انسان کی عقل دھوکہ دینے والی ہے

یہاں یہ بات عرض کر دو کہ یہ عقل انسان کو بڑے دھوکے دیتی ہے۔ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی عقل سے دیکھ لوں گا کہ کیا میرے لئے اچھا ہے اور کیا میرے لئے برا ہے۔ اس لئے مجھے نمونہ کی کیا ضرورت!____ یاد رکھو! اگر تنہا انسان کی عقل اچھے اور برے کاموں کے امتیاز کے لئے کافی ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ کو پیغمبروں کو بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر وحی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ صرف ایک حکم اللہ تعالیٰ دے دیتے کہ میں نے تمہیں عقل دی ہے تم اس کے مطابق عمل کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیوں؟ اس وجہ سے کہ یہ عقل انسان کو ایسے دھوکے دیتی ہے اور بسا اوقات انسان کو ایسی گمراہی میں جا کر گراتی

ہے کہ جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں جتنی گمراہیاں اٹھیں وہ سب عقلیت کا دعویٰ لے کر اٹھیں اور عقل کی دلیلیں لے کر اٹھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل کو ایسا لامحدود نہیں بنایا کہ ہر چیز اس کے دائرے میں آجائے اور وہ ہر چیز کو سمجھ سکے، اسی طرح آنکھ بڑی کام کی چیز ہے انسان اس کے ذریعہ ہر چیز دیکھ سکتا ہے اور دیکھ کر بہت سی باتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ آنکھ لامحدود نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ جہاں تک چاہو، دیکھتے چلے جاؤ۔ نہیں۔ بلکہ اس آنکھ کی ایک حد ہے۔ اس سے آگے یہ آنکھ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔

انسانی عقل غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقل کو بھی ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک حد تک ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔ اس حد سے آگے عقل جواب دینا چھوڑ دیتی ہے بلکہ غلط جواب دینا شروع کر دیتی ہے ـــــ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں وحی کا نور اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور عطا فرمایا ہے۔ یہ آتا ہی اس جگہ پر ہے جہاں انسان کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔

سوشلزم کی ناکامی کی وجہ

جن لوگوں نے عقل کی پیروی کی، ان کو دیکھ لو کہ آج وہ کس طرح بکھرے پڑے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل کی بنیاد پر کائنات کا نظام چلانے کے لئے اٹھے تھے اور جن کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم اس کائنات کے لئے ایسا نظام متعارف کرائیں گے کہ اس سے پہلے کسی کے دماغ میں ایسا نظام نہیں آیا تھا اور ۷۴ سال تک اپنی نظریات

کو لوگوں پر مسلط کر دیا۔ اور اس درجہ مسلط کیا کہ خود ہمارے ملک پاکستان میں بھی
ایسے لوگ کھڑے ہو گئے تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ پاکستان میں بھی
"اسلامی سوشلزم" آنا چاہئے۔ اس کا جادو اس درجہ چلا کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے
عقلمند اور سمجھدار یہاں تک کہ دیندار لوگ بھی یہ کہنے لگے کہ بات تو صحیح کہہ رہے ہیں
اور ان کی باتیں عقل میں آتی ہیں۔ اور اس کی بنیاد پر اسلامی احکام میں بھی ترمیم اور
تبدیلی کا مطالبہ بھی آنے لگا اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ بیچارہ مولوی ملا ۱۴ سو سال پرانی
باتیں لئے بیٹھا ہے۔ اور جب مولوی ان سے کہتا کہ یہ باتیں قرآن کریم کے خلاف
ہے، سنت کے خلاف ہے اور اسلامی احکام کے خلاف ہے تو اس مولوی کے خلاف یہ
الزامات لگائے گئے کہ یہ تو ۱۴ سو سال پرانی باتیں لئے بیٹھا ہے۔ یہ مولوی تو سرمایہ
داروں کا ایجنٹ ہے اور جاگیرداروں کا چیلہ ہے اس لئے یہ ان کی حمایت کی باتیں کر
رہا ہے ــــ اس طرح اس نظام نے ۷۴ سال تک اپنے نظریات کا جادو جگائے رکھا
لیکن اب اس کو دیکھ لو کہ کس طرح پچھاڑا ہوا پڑا ہے۔

صرف عقل رہنمائی کے لئے کافی نہیں

بہر حال، عقل کبھی بھی انسان کی پوری رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ
اس کی رہنمائی کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور وحی کے نور کو صحیح طور پر حاصل کرنے
کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان آپ کے
قدموں پر سر نہیں رکھے گا اسی طرح بھٹکتا رہے گا اور افراط اور تفریط کی طرف مائل ہو
جائے گا۔ اس لئے اتباع سنت کی ضرورت ہے ــــ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اس عقل کو بہت زیادہ استعمال مت کرو۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اس کائنات میں افضل ترین مخلوق اور ہماری تخلیق کا سب سے اعلیٰ ترین شاہکار ایک نمونہ کی شکل میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کی نقل اتارلو۔ چاہے وہ بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، تمہاری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے، اس کے علاوہ کوئی راستہ تمہاری کامیابی کا نہیں۔ آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ مختلف احادیث لائے ہیں:

عجیب وغریب حدیث

عَنْ اَبِیْ نَجِیْحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً وَجِلَتْ مِنْہَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْہَا الْعُیُوْنُ. فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ: کَاَنَّہَا مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا: قَالَ: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، وَاِنْ تَاَمَّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبْشِیٌّ. وَاَنَّہٗ مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ، عَضُّوْا عَلَیْہَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ، فَاِنَّ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ.

(ریاض الصالحین، باب فی الامر بالمحافظۃ علی السنۃ حدیث نمبر ۱۵۷)

(سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ حدیث نمبر ۴۶۰۷)

رخصت ہونے والے کی نصیحت

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بڑی عجیب جامع حدیث لائے ہیں۔ اس کو توجہ سے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وعظ فرمایا۔ ایسا وعظ فرمایا جو دلوں میں اتر جانے والا اور ایسا وعظ کہ اس کو سن کر لوگوں کے دلوں میں کپکپی آگئی، دل ڈرنے لگے اور لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے ـــــ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری زمانہ تھا۔ جب آپ وعظ فرما چکے تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس انداز سے آپ نے آج باتیں کی ہیں اور ہمیں نصیحتیں فرمائی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی نصیحتیں ہیں جو کسی سے رخصت ہو رہا ہو۔ اس لئے کہ جب انسان کسی سے رخصت ہو رہا ہوتا ہے تو وہ سوز و گداز کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح آپ کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی رخصت ہونے والا اپنے پیچھے رہنے والوں کو نصیحت کر رہا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھانپ گئے کہ ایسا لگتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے جانے کا وقت اب قریب آ رہا ہے۔ اس لئے آپ نے اس پرسوز انداز میں وعظ فرمایا۔ چنانچہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں کچھ وصیت فرما دیجئے۔ یعنی ہمیں کوئی ایسی جامع وصیت فرما دیجئے کہ ہم اس کو یاد رکھ لیں پھر ہمارے لئے وہ کافی ہو جائے۔ یعنی آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ اور کس طرح زندگی گزارنی چاہئے؟

پہلی نصیحت: اللہ کا خوف پیدا کرو

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحتیں فرمائیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ نصیحتیں صرف تین سطروں پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان تین سطروں میں جتنی نظریاتی اور عملی گمراہیاں بعد کے زمانے میں پیش آسکتی تھیں ان تمام گمراہیوں کے دروازے جن جن سے مسلمان گمراہ ہو سکتے تھے بند کر دیئے کہ اگر تم ان پر عمل کر لو تو تمہاری نجات ہو جائے گی۔ اور تمہیں اللہ تعالیٰ گمراہی سے محفوظ فرمائیں گے۔

سب سے پہلی نصیحت فرمائی: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ۔ میں تمہیں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا خوف دل میں پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا کرو۔ اس بات کو ہر آن مدنظر رکھو کہ یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اس دنیا کے بعد کسی اور زندگی میں جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اسی کا نام "تقویٰ" ہے۔

دوسری نصیحت: اپنے امیر اور حاکم کی اطاعت کرو

دوسری نصیحت یہ فرمائی:

وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ

فرمایا کہ میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد جو تمہارا امیر ہو، اس کی بات

سنو۔ اور اس کی اطاعت کرو۔ چاہے تمہارے اوپر حبشی غلام امیر بن کر کیوں نہ آجائے۔ تم اس کی بھی اطاعت کرنا ــــــ یہ ایک بہت اہم اصول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ــــ مسلمانوں کے اندر جتنے بھی سیاسی قسم کے اختلافات اور فتنے پیدا ہوئے اس کا سد باب اس طرح فرما دیا کہ امیر کی اطاعت کرنا اس کی بات کو ماننا چاہے وہ امیر ایسا جو تمہیں ذاتی طور پر پسند نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ امیر حبشی غلام ہو۔

حبشی غلام کی بھی اتباع کرو

اہل عرب کا معاملہ یہ تھا کہ وہ عرب سے باہر کے ہر آدمی کو "عجمی" کہتے تھے اور "عجمی" کے معنی ہیں۔ "گونگا" اور باہر کے کسی آدمی کو اپنے اوپر امیر بنانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن خاص طور پر حبشہ کے رہنے والے عام طور پر غلام بن کر آتے تھے۔ اس وجہ سے اگر وہ امیر بن کر آجائے تو عرب کے لئے اس سے زیادہ بڑی بے عزتی کی کوئی بات نہیں تھی ــــــ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال میں فرمایا کہ اگر حبشہ کا کوئی غلام بھی آکر تم پر امیر بن جائے تو تم اس کی اطاعت کرنا اور اس کی بات ماننا۔

بغاوت کرنے والے کو قتل کردو

یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ یہ ایک حدیث نہیں بلکہ بے شمار احادیث ہیں جن میں آپ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت کرو، امیر کی اطاعت کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراء الامام۔ حدیث نمبر ۲۹۵۷)

اور امیر کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ہمیشہ مذمت فرمائی۔ اور اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسلمان امیر کے خلاف علم بغاوت بلند کرے تو آپ نے فرمایا کہ: ''فَاقْتُلُوْهُ كَائِنًا مَنْ كَانَ'' اس کو قتل کر دو چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

(سنن النسائی، کتاب تحریم الدم باب قتل من فارق الجماعة حدیث نمبر ۴۰۲۸)

یہ حکم اس لئے دیا تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔ اور مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہے۔ اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق قائم رہے۔ فرض کرو کہ اگر کوئی امیر حکومت چلانے اہل نہیں ہے تو اس کو معزول کرنے کے جو جائز طریقے موجود ہیں وہ جائز طریقے اختیار کر کے اس کو معزول کرنے کی کوشش کر لو۔ لیکن جب تک وہ حاکم ہے تمہارے ذمے اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس کی تعظیم بھی واجب ہے۔

حاکم کو گالی مت دو، نہ برا کہو

ہمارے ہاں جب سے انگریزوں کی حکومت آئی تو اس وقت مسلمانوں کے اندر انگریزوں کے خلاف جذبات تھے۔ اس لئے حکومت کے خلاف معاندانہ اور مخالفانہ رویہ لوگوں کے دل میں بیٹھ گیا۔ اس سے اس حد تک تو فائدہ ہوا کہ وہ انگریز برصغیر سے چلا گیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ''حاکم'' بہت بری چیز ہے۔ اور حاکم کو برا کہنا اس کو گالی دینا اس کی بے عزتی کرنا یہ بڑے جہاد کا کام ہے اور بڑا اعلیٰ درجے کا مجاہد آدمی ہے جو یہ کام کر رہا

ہے ۔۔۔ حالانکہ یاد رکھئے۔ یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو تم پر حاکم بنا دیا ہے وہ اگر برا ہے تو بھی تم اس کو گالی مت دو بلکہ اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔ (المعجم الاوسط لطبرانی جزء نمبر ۲ حدیث نمبر ۱۶۰۶)۔ اور فرمایا کہ قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اگر تم درست ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے حاکموں کے دلوں کو تمہارے حق میں نرم فرما دیں گے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

(کنز العمال۔ ج ۶/۵ کتاب الامارۃ رقم الحدیث ۱۴۵۸۴)

عمال تمہارے اعمال کا آئینہ ہے

نیز فرمایا:

إِنَّمَا أَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ

(شرح السنة: للامام البغوی، باب مناقب قریش، حدیث نمبر ۳۸۴۵)

یہ عمال درحقیقت تمہارے اعمال کا آئینہ ہے۔ جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسے تمہارے عمال ہونگے ۔۔۔ اس لئے حکمرانوں کو گالی دینے سے کام نہیں بنتا۔ ہمارے یہاں اس بات کا رجحان پیدا ہو گیا ہے حاکم کی خوب برائی بیان کرو۔ اور اس برائی کے اندر غیبت کی بھی کوئی پابندی نہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اور سب لوگوں کی غیبت کرنا حرام ہے لیکن حاکم کی غیبت کرنا ثواب ہے ۔۔۔ اس کو جو چاہو برا بھلا کہتے رہو۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے، دیندار، تعلیم یافتہ لوگ جب دوسروں کے ساتھ مل کر بیٹھیں گے تو حاکم کو موضوع بحث بنا کر اس کے خلاف برائیاں کرنے اور غیبت

کرنے میں مبتلا ہوں گے۔ جبکہ سرکار دو عالم ﷺ نے سختی سے اس کو منع فرمایا۔ اور ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں جگہ جگہ اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ یہ اصلاح کا طریقہ نہیں۔ بلکہ فتنہ انگیزی کا اور فساد پھیلانے کا طریقہ ہے اور یہ غیبت ہے۔

حجاج بن یوسف کی غیبت جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں کسی نے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی ـــــ سارے مسلمان جانتے ہیں کہ حجاج بن یوسف وہ حکمران تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ظالم آدمی تھا۔ اس نے بہت ظلم کئے ـــــ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم ان باتوں کو بیان کرنے سے باز آجاؤ اس لئے کہ یہ غیبت ہو رہی ہے۔ اور یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حجاج بن یوسف سے ان خونوں کا حساب لیں گے جو اس کی گردن پر ہیں تو اس غیبت کا بھی حساب تم سے لیں گے جو تم اس کی کر رہے ہو۔ یہ مت سمجھو کہ چونکہ اس نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے تو اب اس کی غیبت جائز ہو گئی اس کو برا بھلا کہنا جائز ہو گیا۔ ہاں جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حاکم کی اصلاح کرنے کا موقع عطا فرمایا ہو اور اس کے غلط کاموں کو درست کرنے کا موقع دیا ہو ایسا شخص غلط کاموں کو درست کرنے کے لئے صحیح راستہ اختیار کرے اور اس کی اصلاح کی فکر کرے۔ لیکن مجلس آرائی کے لئے اور وقت گزاری کے لئے حاکم کی برائی بیان کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

حاکم کی اصلاح کا طریقہ

اب حاکم کی اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ وہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتادیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأىٰ مِنْ ذِيْ سُلْطَانٍ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلَا يُعْزِلْهُ عَلَانِيَةً، وَلْيَأْخُذْ بِيَدِهٖ

(کنز العمال، ج۳/۳، حدیث نمبر ۵۶۰۰)

فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب اقتدار میں کوئی غلط بات دیکھے یعنی ایسی بات جو شریعت کے خلاف ہے، انصاف کے خلاف ہے تو اس کو علانیہ رسوا نہ کرے۔ بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے جائے اور اس کو خلوت لے جا کر سمجھائے کہ صحیح بات اس طرح ہے۔ تمہیں اس طرح کرنا چاہئے ____ کسی بھی مسلمان کو علانیہ رسوا کرنا جائز نہیں۔ اس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احکام موجود ہیں۔

سیاست کا طریقہ انگریزوں سے لے لیا

اتفاق سے ہمارے دماغ میں ''سیاست'' کا وہ تصور آگیا ہے جو انگریز سے اور مغرب سے آیا ہے۔ اور وہ بات ہمارے دماغ میں بیٹھ گئی ہے جو وہاں سے چلی ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور آپ کی تعلیمات ہمارے دماغوں سے اوجھل ہوگئیں۔ آج جو شخص حاکم کو جتنی بڑی گالی دے گا وہ اتنا ہی بڑا حاکم قرار پائے گا۔ اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ غیبت ہو رہی

ہے اور قیامت کے روز اس کے بارے میں مجھ سے بھی سوال ہوگا۔

گناہ میں حاکم کی اطاعت جائز نہیں

بہر حال، اس حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے حاکم کی اطاعت کا حکم دیا کہ وہ حاکم تمہیں چاہے کتنا ہی ناپسند ہو لیکن جب تک وہ تمہیں کسی گناہ پر مجبور نہ کرے تو اس کی اطاعت کرو۔ ہاں جب وہ کسی گناہ پر مجبور کرے تو پھر اس کی اطاعت جائز نہیں۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

(کنز العمال، آداب الاخلاق، ج ۳/۲ حدیث نمبر ۶۲۲۲)

یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ لہٰذا اگر وہ حاکم کسی گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے تو اس کے احکام کی اطاعت اس کی فرمانبرداری تمہارے لئے لازم ہے۔

حاکم کا حکم ماننا شرعاً واجب ہے

یہاں تک فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی وقت یہ حکم جاری کر دے کہ فلاں پھل مت کھاؤ۔ جیسا کہ بعض اوقات حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ فلاں پھل کھانے سے بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ وہ مت کھاؤ تو اس صورت میں شرعاً بھی اس پھل کا کھانا جائز نہیں رہتا۔ اس لئے کہ حاکم کی اطاعت واجب ہے ___ یا مثلاً حکومت کی طرف سے یہ حکم ہے کہ سڑک پر گاڑی بائیں طرف چلاؤ اس حکم کی اطاعت شرعاً بھی واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اس حکم کی

خلاف ورزی کرے گا۔ وہ صرف قانون کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔ اس لئے کہ شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ حاکم کی اطاعت کرو۔

حاکم کی اطاعت "اُولِی الْاَمْر" کی اطاعت ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

(سورۃ النسآء، ۵۹)

اور حاکم کی اطاعت اولی الامر کی اطاعت میں داخل ہے۔ اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ سرکاری قانون ہے اگر اس کی خلاف ورزی کر لی تو کیا ہوا؟ــــــ بھائی یہ بھی گناہ ہے۔ یہ حکم بھی اولی الامر کا حکم ہے ہاں اگر کسی ناجائز کام کا حکم آجائے، پھر اطاعت کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ہر حکم ماننا واجب ہے، چاہے وہ حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوــــــ بہرحال مسلمانوں میں جو سیاسی خلفشار اور انتشار پھیلنے کا جو اندیشہ تھا اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے بند باندھ دیا کہ تم حاکم کی بات سنو۔ اور اس کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور جب تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر صحیح حاکم مقرر فرمائیں گے۔ جیسے تمہارے اعمال ویسے ہی تمہارے حاکم ہوں گے۔ لہٰذا تم ان کو برا مت ہو، اپنے آپ کو برا کہو۔ بہرحال حاکموں کی برائی اور ان کی غیبت کرنے کا طریقہ ٹھیک نہیں۔

میرے بعد تم بہت اختلاف پاؤ گے

اوپر جو بیان ہوا وہ ''سیاسی'' اختلاف کو ختم کرنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ دوسرا فتنہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک طرف جا رہا ہے اور دوسرا شخص دوسری طرف جا رہا ہے۔ ایک شخص مذہب کی تشریح ایک طریقے سے کر رہا ہے اور دوسرا شخص دوسرے طریقے سے کر رہا ہے اس صورت حال کی طرف آپ نے پہلے سے اشارہ فرما دیا۔ فرمایا۔

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا

تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات پائے گا۔ یعنی مسلمانوں کے درمیان بہت اختلافات ہونگے۔ آج وہ اختلافات نظر آ رہے ہیں۔ ہر شخص یہ پوچھتا ہے کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں۔ کوئی دیوبندی، کوئی بریلوی، کوئی سنی، کوئی شیعہ کوئی غیر مقلد تو یہ مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات میرے بعد بہت پائے گا۔ اس وقت تم کونسا راستہ کیا کرو؟

ایسے وقت میں تم میری سنت کو پکڑ لینا

آپ نے فرمایا کہ میں تم کو ایک ایسا پیمانہ بتا دیتا ہوں۔ ہر جماعت اور ہر گروہ کو اس پیمانہ پر پرکھ کر دیکھ لو۔ جو شخص اور جو جماعت اس پیمانے پر پوری اترتی ہو اس کی اتباع کرو۔ اور جو اس پیمانے سے باہر ہو سمجھ لو کہ وہ غلط ہے۔ وہ کیا پیمانہ ہے۔ فرمایا:

وَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

یعنی میری سنت کو لازم پکڑ لو۔ اور میرے بعد جو خلفائے راشدین ہیں، ان کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔ بس پھر کتنے ہی اختلاف ہوں، تمہاری نجات کے لئے کافی ہے۔ یہ پیمانہ ہمیشہ کے لئے پلے باندھ لو۔ پھر کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اور پھر کوئی سوال کرنے والا تم سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ تم گمراہ کیوں ہوئے۔

خلفائے راشدین کی سنت میری ہی سنت ہے

بہر حال، جو بھی کوئی شخص تمہارے سامنے کوئی ''نظریہ'' پیش کرے۔ یا کوئی عملی راستہ بتائے یا کوئی طریق عمل تجویز کرے تم اس کو اس پیمانہ پر جانچ لو کہ وہ میری سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور ساتھ میں اضافہ فرما دیا کہ خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس سے اشارہ فرما دیا کہ خلفائے راشدین کی سنت درحقیقت میری ہی سنت کا تکملہ ہے کیونکہ وہ میرے خلفاء اور میرے جانشین ہیں۔ اور یہ وہ جانشین ہیں جن کے ساتھ ''راشدین'' کی مہر لگی ہوئی ہے۔ راشدین کے معنی ہیں ''ہدایت یافتہ'' یعنی ان کا کام غلط نہیں ہو سکتا۔ تم ان کی اتباع کر لو۔ اور ان کے راستے پر آ جاؤ۔ لہٰذا اگر کوئی سنت میں نے جاری نہ کی ہو لیکن خلفائے راشدین نے جاری کی ہو وہ بھی سنت ہے۔

جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت

آپ حضرات دیکھتے ہیں جمعہ کی نماز میں دو اذانیں ہوتی ہیں۔ ایک پہلے اور ایک بعد میں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ دو اذانیں نہیں ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دوسری اذان جاری فرمائی۔ (سنن الترمذی: ابواب الجمعۃ باب ما جاء فی اذان الجمعۃ حدیث نمبر ۵۱۶) ویسے اگر کوئی اور جاری کرتا تو یہ بدعت ہو جاتی لیکن خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری کیا تھا۔ اس لئے یہ بھی سنت ہے۔ اور اس پر عمل کرنا بھی سنت پر عمل کرنے میں داخل ہے۔

تراویح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے

اسی طرح رمضان المبارک جو تراویح کی جماعت ہوتی ہے کہ ۳۰ دن پوری جماعت کے ساتھ تراویح ہو رہی ہے۔ اور اس میں قرآن کریم ختم کیا جا رہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس طرح نہیں پڑھی گئی۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس طرح سے تراویح کا اہتمام فرمایا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع فرمایا۔ اگر کوئی اور یہ کام شروع کرتا تو بدعت ہو جاتی۔ لیکن شروع کرنے والے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے وہ فاروق اعظم ہوتے۔ اس لئے ان کی جاری کردہ سنت بھی سنت کا حصہ ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

سنت کو مضبوطی سے تھام لو

اور صرف اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آگے فرمایا:

عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ

کہ اس کو اپنی داڑھوں سے پکڑ کر مضبوطی سے تھام کر رکھو۔ اور کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے کہ لوگ اسی کو چھوڑیں گے۔ اور جہنم کی طرف جائیں گے اسی وجہ سے فرمایا کہ اس کو اس طرح مضبوطی سے پکڑو۔ جیسے کوئی شخص اپنے دانتوں سے کوئی چیز مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ اس طرح پکڑ لو۔ اور جب اس طرح پکڑ لو گے تو کوئی گمراہ کرنے والا تمہیں گمراہ نہیں کر سکتا ــــــ ''اتباع سنت'' وہ چیز ہے جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت اور گمراہی جانچنے کا پیمانہ قرار دے دیا۔ اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر یہ کہے کہ فلاں عمل ثواب کا کام ہے تو یہ دیکھ لو کہ اس عمل کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب کا کام قرار دیا تھا یا نہیں؟ آپ کے زمانے میں یہ عمل ہوتا تھا یا نہیں؟ ــــــ یا آپ کے خلفائے راشدین نے وہ عمل کیا تھا یا نہیں؟ اس پر جانچ کر دیکھ لو، پتہ چل جائے گا۔

یہ دیکھو کہ وہ سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی تیجہ کر رہا ہے، کوئی دسواں کر رہا ہے۔ کوئی چہلم کر رہا ہے۔ کوئی ۱۲/ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منا رہا ہے۔ کوئی چراغاں کر رہا ہے اور کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ سب ثواب کے کام ہیں۔ ہم کیسے پہچانیں؟

تو پہچاننے کا راستہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اس عمل کو میری سنت پر جانچ کر دیکھ لو اگر سنت کے مطابق ہے تو کر لو۔ اگر وہ سنت کے مطابق نہیں ہے تو پھر وہ ہدایت کا راستہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ گمراہی کا راستہ ہے۔ بس اس پیمانے کو پکڑ لو۔ پھر کبھی گمراہ نہیں ہو گے ___ اللہ تعالیٰ ہم سب ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

●●●

●

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نفلی عبادات پابندی سے ادا کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۶۔ ستمبر ۱۹۹۱ء
بروز	:	جمعہ
بوقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نفلی عبادات پابندی سے ادا کیجئے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُھُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡھِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡھُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ (سورۃ حدید: ۱۶)

اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوۡلَانَا الۡعَظِیۡمُ، وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمُ، وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰھِدِیۡنَ وَالشّٰکِرِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادرانِ عزیز! علامہ نووی رحمہ اللہ کی احادیث پر مشتمل کتاب ''ریاض الصالحین'' کی احادیث کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے۔ آگے علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''باب المحافظة علی الاعمال'' اس سے پہلے جو باب چل رہا تھا وہ تھا ''باب فی الاقتصاد فی العبادة'' جس کا مقصود یہ تھا کہ عبادات میں انسان کو اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ اور جوش میں آکر اتنی زیادہ عبادت شروع نہیں کر دینی چاہئیں جس کو انسان نباہ نہ سکے۔ اور اس عبادت کی وجہ سے ان بندوں کے حقوق فوت ہونے لگیں جن کے حقوق ہمارے ذمہ ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہئے۔

عبادات میں اعتدال ہونا چاہیے

آگے علامہ نووی رحمہ اللہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جو اسی پہلے باب کا تکملہ ہے۔ وہ ہے ''باب المحافظة علی الاعمال'' یعنی اعمال کی پابندی کا بیان۔ یعنی ایک طرف تو انسان عبادت میں اعتدال سے کام لے اور اپنی وسعت، اپنی طاقت، اپنے حالات سے زیادہ عبادت کا معمول نہ بنائے ___ لیکن دوسری طرف جب اپنے حالات کے مطابق اپنی فرصت، اپنی طاقت کے مطابق جب عبادت کرنے کا ایک معمول مقرر کر لیا تو اب اس کی پابندی کرے۔ اس لئے کہ سابقہ باب کی احادیث سننے کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت بالکل پست ہو جائے کہ چونکہ یہ سن لیا کہ آدمی کو زیادہ عبادت نہیں کرنی چاہئے اور یہ سن کر آدمی عبادت کو بالکل چھوڑ بیٹھے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے نہ وہ افراط درست ہے اور نہ یہ تفریط درست ہے۔ نہ ادھر زیادتی اور نہ ادھر زیادتی۔ بلکہ ہر انسان کو اپنی وسعت اور طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے حالات اپنی فرصت اور اپنے وقت کو مدنظر

رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ نفلی عبادتیں ضرور کرنی چاہئیں۔

نفلی عبادت فرض و واجب تو نہیں

جیسا کہ میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ نفلی عبادتیں کوئی فرض و واجب نہیں کہ ہر انسان ضرور نفلی عبادت انجام دے۔ اور اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ اس نے ساری عمر کوئی نفلی عبادت نہ ہو، ایک نفل نماز نہیں پڑھی، ایک نفلی روزہ نہیں رکھا اور فرائض و واجبات اور سنت مؤکدہ پر عمل کرتا رہا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا رہا تو ایسا شخص انشاء اللہ نجات پا جائے گا ـــــ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرما دیں گے۔

نوافل اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں

لیکن عملی تجربہ یہ ہے کہ جب تک آدمی کچھ نہ کچھ نفلی عبادتوں کو معمول میں داخل نہ کرے اس وقت تک اس کے فرائض واجبات بھی کامل نہیں ہوتے۔ اور گناہوں سے بچنے کی ہمت اور طاقت بھی پوری طرح پیدا نہیں ہوتی ـــــ یہ نفل عبادتیں بڑی عجیب و غریب چیز ہیں ـــــ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ فرائض و واجبات تو اللہ جل شانہ کی عظمت کا حق ہیں۔ یہ تو ادا کرنے ہی ہیں اور یہ نوافل اللہ جل شانہ کی محبت کا حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دے دیا آدمی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ لیکن کچھ محبت کے بھی تقاضے ہوتے ہیں۔ جس ذات نے تم پر اتنی نعمتوں کی بارش کی ہوئی ہے، صبح سے لے کر شام تک اس کی نعمتوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی محبت کا بھی کچھ حق ہے۔ وہ حق یہ کہ ہم اپنی طرف سے کوئی عبادت اللہ کے حضور پیش کریں۔

نوافل فرائض وواجبات کی تکمیل کرنے والے ہیں

سچی بات یہ ہے کہ یہ نفلی عبادات فرائض کا تکملہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا تو اس کا حساب وکتاب شروع ہوگا۔ اس کے فرائض وواجبات کا حساب ہوگا۔ اگر اس کے فرائض وواجبات میں کوتاہی اور نقص ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کے اعمال کو دیکھو کہ اس کی کچھ نفلی عبادتیں ہیں یا نہیں؟ اگر نفلی عبادتیں ہیں تو پھر فرائض و واجبات کی جو کمی ہے وہ اس کے نوافل سے پوری کر دو۔۔۔ لہٰذا یہ نوافل ہمارے فرائض وواجبات کی کوتاہی کو پورا کرنے والے ہیں۔ اس دنیا میں کوئی ایسا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے تمام فرائض وواجبات کسی کوتاہی کے بغیر انجام دے دیئے ہیں، کوئی شخص ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میرے ذمے جو فرائض تھے وہ میں نے پورے کر لئے۔ اور ان فرائض میں کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کوتاہی ہو ہی جاتی ہے۔ ان کوتاہیوں کی تلافی اللہ تعالیٰ ان نوافل کے ذریعہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا نوافل کو معمولی سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔

نوافل قرب الٰہی کا ذریعہ

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا بندہ نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کو قرب کا مقام حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں کہ وہ مجھ سے اتنا ہو جاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی زبان جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھ، اس کا کان اس کی

ربانی میری مرضی کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیتے۔ بہر حال نوافل کی کثرت کا یہ انجام ہوتا ہے۔ یہ کوئی معمولی فائدہ نہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، باب التواضع، حدیث نمبر ۶۵۰۲)

تیسری بات یہ کہ اگرچہ نوافل پڑھنا فرض و واجب نہیں۔ لیکن گناہوں سے بچنا فرض و واجب ہے۔ ہر انسان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ گناہوں سے بچے۔ اور نفلی عبادتوں کی یہ خاصیت ہے کہ یہ انسان کے اندر گناہوں سے بچنے کی ہمت پیدا کرتی ہے۔ گناہوں سے بچنے کے لئے سب سے بڑا ہتھیار انسان کی ہمت ہے۔ اور کوئی ہتھیار نہیں۔ جب انسان یہ ہمت کر لے کہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا تو وہ شخص اس گناہ سے بچ جاتا ہے۔۔۔ اور انسان کی اس ہمت میں ترقی اور پختگی نفلی عبادتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ نفلی نماز، تلاوت قرآن کریم ذکر و تسبیح یہ چیزیں انسان کے اندر وہ طاقت پیدا کرتی ہیں جس کے ذریعہ انسان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

نفلی عبادات توانائی ہیں

ہمارے ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نفلی نماز، ذکر و اذکار، تسبیحات، عبادت، یہ سب انرجی ہے۔ توانائی ہے۔ طاقت ہے۔ جو انسان کو ان نفلی عبادات کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور جب انسان ضروریات زندگی کے لئے گھر سے باہر نکلے گا تو قدم قدم پر اس کے سامنے گناہ کرنے کے داعیے پیش آئیں گے۔ کہیں آنکھوں کے بہکنے کا اندیشہ ہوگا اگر انسان نے صبح کو فجر کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ ذکر و اذکار کے ذریعہ تلاوت کے ذریعہ، تسبیحات کے ذریعہ اپنے اندر یہ توانائی حاصل کر لی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب کارزار زندگی میں پہنچے گا اور وہاں گناہ کے داعیے سامنے آئیں گے اس وقت یہ توانائی کام آئے گی۔ اور جوں جوں یہ توانائی بڑھتی جائے گی اسی حساب سے ہمت میں

قوت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ اور جب ہمت میں قوت آئے گی تو انشاء اللہ گناہوں سے بچنا آسان ہوگا۔ نفلی عبادتوں کے یہ فوائد ہیں۔

بہر حال، تین باتیں میں نے عرض کیں ___ ایک یہ کہ یہ نفلی عبادات فرائض و واجبات کی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے ہیں ___ دوسرے یہ کہ ان نفلی عبادات کے ذریعہ اللہ جل شانہٗ کا قرب انسان کو حاصل ہوتا ہے ___ تیسرے یہ نفلی عبادات انسان کو وہ طاقت عطا کرتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ بہر حال نفلی عبادات کے یہ تین عظیم فوائد ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ نوافل کا کچھ نہ کچھ معمول ضرور بنائے ___ اپنے حالات اپنے اوقات اپنی ضروریات کو مد نظر رکھ کر مختصر سے مختصر معمول بنانے کی کوشش کرے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا آغاز قرآن کریم کی اس آیت سے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (سورۃ حدید: ۱۶)

فرمایا: کہ کیا ایمان والوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے پسیج جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف مائل ہو جائیں ___ یہ خطاب مسلمانوں کو ہو رہا ہے۔ وہ ایمان تو پہلے ہی لا چکے ہیں لیکن ایمان لانے کے بعد غفلت میں مبتلا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت ان کے دل میں نہیں ہے۔ اس کو اپنے معمولات میں شامل نہیں کیا ہے ___ ان سے خطاب ہو رہا ہے کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کی یاد کے لئے پسیج جائیں ___ اس کے ذریعہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا

چاہتے ہیں کہ اس آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر مسلمان کچھ نہ کچھ نفلی عبادات کا اپنا معمول ضرور بنائے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعہ بے شمار انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا۔ دو واقعات تو تاریخ میں موجود ہیں ـــــ ایک واقعہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ بڑے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ محدث بھی ہیں۔ اور بہت بڑے صوفی اور بزرگ بھی ہیں۔ اور مشائخ طریقت کے جتنے شجرے ہیں وہ سب حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ پر جا کر مل جاتے ہیں ـــــ یہ ابتدائی زندگی میں ڈاکو تھے۔ ڈاکے ڈالا کرتے تھے اور اتنے مشہور ڈاکو تھے کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مائیں اپنے بچوں کو سلانا چاہتی تھیں تو بچے سے کہتیں کہ سوجاؤ دیکھو فضیل آجائے گا۔ گویا کہ فضیل کا نام ایک خوفناک ڈاکو کی حیثیت سے ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ اور ہر انسان ان سے ڈرتا تھا ـــــ جس علاقے میں فضیل بن عیاض کا مرکز تھا، رات کے وقت قافلے والے وہاں سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ یہ فضیل کا علاقہ ہے۔ یہاں رات کو پڑاؤ نہیں ڈالنا چاہئے۔

میرے پروردگار، وہ وقت آ گیا

ایک مرتبہ کسی بڑے امیر کبیر کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اور آخری شب کو ڈاکہ ڈالنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس کے گھر میں پہنچے گھر کے بالا خانہ میں جانے کے لئے کمند ڈالی۔ اور کمند ڈال کر اس پر چڑھنا شروع کیا۔ جب اوپر پہنچے تو دیکھا کہ ایک کمرہ میں روشنی ہو رہی ہے۔ لائٹ جل رہی ہے اور اندر سے آواز آرہی ہے۔ وہاں کمرہ کے اندر رات کے آخری حصے میں کوئی اللہ کا بندہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب اس

کمرے کی کھڑکی کے قریب پہنچے تو وہ اللہ کا بندہ قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا کہ:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ (سورۃ حدید:۱۶)

یعنی اب بھی ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کی یاد کے لئے پسیج جائے۔ بس یہ آیت کان میں پڑی اور دل پر اس وقت چوٹ لگی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔ اور ہماری یاد کی طرف لوٹ آئے ____ اسی وقت سارے برے کاموں کو چھوڑنے ارادہ کر کے یہ کہتے ہوئے وہاں سے بھاگے۔

بَلٰی یَارَبِّ قَدْاٰنَ ۔ بَلٰی یَارَبِّ قَدْاٰنَ

اے میرے پروردگار وہ وقت آ گیا، وہ وقت آ گیا۔ پھر سارے چوری اور ڈاکے چھوڑ کر اور اپنی زندگی کے سارے مشاغل کو چھوڑ اور ان سے توبہ کر کے غالباً حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کرانی شروع کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ آج طریقت کے چاروں سلسلوں، یعنی چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ ان سب کی انتہاء حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ پر ہوتی ہے۔ یہ اتنا اونچا مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔ اور اس آیت نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ (تاریخ دمشق، حرف الفاء، فضیل بن عیاض، الجزء ۴۸)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

ان کے حالات بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ ان بزرگوں کے تذکرے میں بھی بڑا نور اور برکت ہے۔ ان کے ایک ایک واقعے کے اندر یہ تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ شاید ان کا یہ قصہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا

ہو گا کہ یہ امیر کبیر گھرانے کے ایک فرد تھے۔ اور خاندانی رئیس تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے بستان المحدثین میں ان کا یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ان کا ایک بہت بڑا سیب کا باغ تھا۔ اور جس طرح امیر کبیر لوگوں میں آزادی ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی آزاد منش تھے۔ نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق، پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے۔ ایک مرتبہ جب سیب کا موسم آیا تو یہ اپنے اہل وعیال سمیت اپنے باغ ہی میں منتقل ہو گئے۔ تا کہ وہاں سیب بھی کھائیں گے اور شہر سے باہر ایک تفریح کی فضا ہو گی۔ چنانچہ وہاں جا کر مقیم ہو گئے ــــ دوست واحباب کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اس لئے وہاں پر دوستوں کو بھی بلا لیا۔ رات کو باغ کے اندر گانے بجانے کی محفل جمی اور اس محفل میں پینے پلانے کا دور بھی چلا۔ یہ خود موسیقی کا آلہ رباط کے بجانے کے بہت ماہر تھے اور اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے ــــ اب ایک طرف پینے پلانے کا دور اور اس کا نشہ، اور دوسری طرف سے موسیقی کی تانے، اسی نشے کے عالم میں ان کو نیند آ گئی۔ اور وہ ساز اسی حالت میں گود میں پڑا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں رکھا ہوا ہے۔ اب اٹھ کر اس کو دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ ساز اب بجتا ہی نہیں۔ اس میں سے آواز ہی نہیں آ رہی تھی ــــ چونکہ خود اس کی مرمت کرنے اور درست کرنے کے ماہر بھی تھے۔ اس لئے اس کے تار درست کر کے مرمت کی، پھر بجانے کی کوشش کی۔ مگر وہ پھر نہیں بجتا۔ دوبارہ اس کے تار وغیرہ درست کئے۔ اور بجانے کی کوشش کی تو اب بجائے اس میں سے موسیقی کی آواز نکلنے کے قرآن کریم کی اس آیت کی آواز آ رہی تھی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ (سورۃ حدید: ۱۶)

قرآن کریم بھی عجیب عجیب انداز سے خطاب فرماتا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا

اب بھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر کے لئے پسیج جائے، اور اللہ نے جو حق بات اس قرآن کے اندر اتاری ہے۔ اس کے لئے ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو، کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟

عظیم انقلاب

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ آواز اسی ساز میں سے آرہی تھی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس کے قریب ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس پرندے کے منہ سے یہ آواز آرہی تھی ____ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیبی لطیفہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو نوازنا منظور تھا۔ بس جس وقت یہ آواز سنی۔ اسی وقت دل پر چوٹ لگی اور خیال آیا کہ اب تک میں نے اپنی عمر کس کام کے اندر گنوائی ہے۔ فوراً جواب میں فرمایا:

بَلٰی یَارَبِّ قَدْ آنَ ۔ بَلٰی یَارَبِّ قَدْ آنَ

اے پروردگار، اب وہ وقت آگیا

اے پروردگار، اب وہ وقت آگیا

اب میں اپنے ان سارے دھندوں اور مشغلوں کو چھوڑتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ہمہ تن دین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ رات کے وقت بھی ساز و رباط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں۔ پینے پلانے کا مشغلہ ہو رہا ہے۔ اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ آج پوری امت مسلمہ کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔ (بستان المحدثین ص ۱۵۵)

بہرحال، اس آیت نے جو انقلاب برپا کئے۔ اس کی مندرجہ بالا دو مثالیں تو تاریخ میں موجود ہیں۔ ہم بھی یہ آیت پڑھتے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں۔ اللہ

لیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے دلوں میں بھی اس آیت کے ذریعہ انقلاب پیدا فرما
۔ اور ہمارے دلوں میں بھی دین پر چلنے کا جذبہ اس آیت کے ذریعہ پیدا فرمادے۔
اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی صحیح راستے پر چلادے۔ آمین۔

سے زیادہ پسندیدہ عمل

اس آیت کے ذکر کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مختلف احادیث لائے ہیں۔ پہلی
یث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرمایا:

وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَادَاوَمَ صَاحِبُهُ عَلَيْهِ

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومھا۔ حدیث نمبر ۴۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے اعمال میں سب سے زیادہ پسندوہ عمل تھا جس پر اس کا
نے والا پابندی کرے۔ اس کو کسی حال میں چھوڑے نہیں ـــــ اس باب کو لانے کا
دبھی یہی ہے کہ جو عمل بھی انسان بطور معمول کے اختیار کرے اس عمل کو نبھائے، پھر
کو چھوڑے نہیں۔

فلاں شخص کی طرح نہ بن جانا

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ: لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔

(صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب مکروہ من ترک قیام اللیل، حدیث نمبر ۱۱۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں جن کا یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے
رادہ کیا تھا کہ ساری زندگی روزہ رکھوں گا۔ اور ساری رات تہجد پڑھا کروں گا۔ حضور

اقدس ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ___ لیکن دوسری طرف انہی صحابی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ۔ فلاں شخص کی طرح نہ بن جانا جو رات وقت تہجد پڑھا کرتا تھا۔ اور اس کے معمول میں تہجد پڑھنا شامل تھا لیکن بعد میں اس نے کی نماز پڑھنی چھوڑ دی۔ لہٰذا تم اس کی طرح نہ بن جانا ___ مطلب یہ کہ جب ایک عبا کو معمول میں داخل کرلیا تو اب اس کو چھوڑنا نہیں ہے بلکہ اب اس کی پابندی کرنی ہے۔

نفل کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے

اور یہ صرف تصوف ہی کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ فقہ کا بھی مسئلہ ہے، وہ یہ کہ نوافل شروع میں نفلی عبادات ہوتی ہیں، اگر کرے گا تو ثواب ملے گا، اور نہیں کرے گا کوئی گناہ نہیں ___ لیکن ساتھ میں نفل کا قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ نفل کام شرو کر دیا تو اب اس نفل کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے ___ مثلاً فرض کریں کہ میں مسجد داخل ہوا اور تحیۃ المسجد پڑھنا نفلی عبادت ہے اگر کوئی پڑھے گا ثواب ہوگا نہیں پڑ تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اگر میں نے مسجد میں آکر تحیۃ المسجد کی نیت سے نفل نماز شروع دی تو درمیان میں اس نماز کو توڑنا جائز نہیں۔ اگر بالفرض کسی وجہ سے وہ نماز توڑ پڑے تو اس کی قضا واجب ہے۔

نفلی روزہ پورا کرنا واجب ہے

اسی طرح اگر کوئی شخص نفلی روزہ رکھے۔ تو جب تک اس نے روزہ نہیں رکھا وہ نفل تھا اگر رکھے ثواب، نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جب نفلی روزہ رکھ لیا اور روزہ نیت کرلی تو اب اس روزے کی تکمیل واجب ہے۔ اب اگر کسی وجہ سے وہ روزہ توڑ دیا اس روزے کی قضا واجب ہے۔

عبادات کی پابندی کریں

دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک نفلی عبادت معمول میں داخل کر لی۔ مثلاً میں

یہ ارادہ کر لیا کہ فلاں نفلی عبادت روزانہ کیا کروں گا۔ اور پھر اس پر عمل کرنا شروع

دیا تو اس نفل کا حکم یہ ہے کہ اب اس کی پابندی کرنی چاہئے اور بغیر کیس عذر کے اس

ترک نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن کسی دن کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت چھوٹ گئی تو

نشاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہوگا ___ مثلاً فرض کیجئے کہ کسی شخص نے مغرب کی نماز کے بعد

رکعت نفل اوابین کی پڑھنے کا معمول بنا لیا۔ جب معمول بنا لیا تو اب شخص کو چاہئے

وہ اس کی پابندی کرے۔ اور اس کو روزانہ پابندی سے پڑھنے کا اہتمام کرے اور

کی کوشش کرے۔ اور بغیر عذر کے اس کو ترک نہ کرے۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے

کو ترک کر دیا تو انشاء اللہ اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ گناہ نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی عذر

بغیر بھی کسی دن اس معمول کو سستی کی وجہ سے چھوڑ دیا تو بھی انشاء اللہ گناہ نہیں ہوگا۔

اگر یہ ارادہ کر لیا کہ آئندہ اب اوابین نہیں پڑھوں گا تو اس پر گناہ ہوگا ___ جس کا

یہ ہوا کہ ایک نفلی عبادت کو معمول میں داخل کرنے کے بعد پھر بالکلیہ اس معمول

ترک کرنے کا ارادہ کر لینا یہ گناہ ہے ___ اور یہ ایسا ہی گناہ ہے جیسے نفل نماز شروع

نے کے بعد اس کو توڑنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی ہیں جس میں

پ نے حضرت عمر بن العاص ﷺ سے فرمایا کہ اس شخص کی طرح مت ہو جانا جو تہجد

ھا کرتا تھا، اور بعد میں اس شخص نے تہجد پڑھنا چھوڑ دیا۔ اس چھوڑنے کی تفصیل حکیم

مت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے وہ بیان فرمائی جو میں نے عرض کی۔

کسی دن چھوٹ جانے پر گناہ نہیں

خلاصہ اس کا یہ نکلا کہ جب انسان ایک معمول شروع کر دے تو اس کو نبھانا
ی ہے۔ اور اگر اس معمول کو ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تو گناہ گار ہو گا۔ اور اگر ترک کر
ارادہ تو نہیں کیا، لیکن غفلت یا سستی کی وجہ سے اس معمول کو بغیر عذر کے چھوڑ رہا
اگرچہ اس کو گناہ گار نہیں کہا جائے گا۔ لیکن دنیا و آخرت کی انتہا درجے کی بے بر
موجب ہو گا۔

تعداد میں کمی کر لو

اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہم جیسے کمزوروں کے لئے ا
رحمت بنا دیا تھا وہ ہمارے لئے ایسی ایسی باتیں بتا گئے، اگر ہم پھر بھی عمل نہ کریں
ہماری کوتاہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی دن کسی وجہ سے معمول پورا کرنے کی تو
نہ ہو سکی اور رات کو سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئے اور اس وقت خیال آیا کہ آج فلا
معمول پورا نہ ہو سکا تو اس معمول کو بالکل چھوڑنے کے بجائے تعداد میں کمی کر لو۔
آپ نے ''سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ'' کی ایک ایک
معمول بنا رکھا ہے اب سوتے وقت پوری تسبیح نہیں پڑھ سکتے تو ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھو۔
۳۳ مرتبہ پڑھنے کی ہمت نہیں تو ۱۱ مرتبہ پڑھو۔ ۱۱ مرتبہ پڑھنے کی ہمت نہیں تو ۳
پڑھو۔ لیکن بالکلیہ مت چھوڑو۔ تا کہ معمول پورا ہو جائے، قضا نہ ہو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور معمولات کی پابندی

یاد رکھئے معمول کے پورا ہونے میں اتنی بڑی عظیم برکات ہیں کہ آدمی
اندازہ نہیں کر سکتا۔ جس وقت کے لئے جو معمول بنا کر رکھا ہے اس کو پورا کرو۔ چاہے ا

منٹ کے لئے ہو۔ لیکن اس وقت کو اس کام میں استعمال ضرور کرو ___ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ ایک ہزار تصنیفات چھوڑ کر گئے ہیں۔ ایسی تصنیفات کہ آج ہم پوری زندگی میں اس تصنیفات کو پڑھ لیں تو بھی بڑی غنیمت کی بات ہوگی ___ ان تصنیفات کا راز یہ ہے کہ آپ نے جو معمول بنالیا اس معمول میں زندگی بھر فرق نہیں آنے دیا ___ اس حد تک پابند تھے کہ آپ کے معمول کو دیکھ وقت معلوم کیا جا سکتا تھا کہ اس وقت کیا وقت ہوا ہے۔ مثلاً اگر آپ گھر کی طرف جا رہے ہیں تو آپ کو جاتا دیکھ پتہ چل جاتا کہ اس وقت اتنے بجے ہیں۔ تصانیف کی اتنی بڑی تعداد یہ معمول کی پابندی کی برکات تھیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا صبح ناشتے کے بعد تفسیر ''بیان القرآن'' لکھنے کا معمول تھا۔ ایک دن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے اور ایسے استاد تھے کہ جب آپ تشریف لائے تو آپ کی خاطر تواضع کے لئے ۵۲ قسم کے کھانے پکوائے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بھائی تم نے اتنا تکلف کرلیا اور اتنے سارے کھانے پکوا لئے؟ جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میری طبیعت تو اب بھی سیر نہیں ہوئی، میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ جو کچھ ہے وہ نکال کر رکھ دو اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آپ کا لقب ''شیخ الہند'' غلط رکھ دیا آپ کا لقب تو شیخ العالم ہونا چاہئے تھا۔

حضرت میں اپنا معمول پورا کرلوں؟

بہر حال، جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اور صبح ان کو ناشتہ کرا چکے تو

حضرت سے فرمایا کہ اس وقت میرا ''بیان القرآن'' لکھنے کا معمول ہے اور آپ کو چھوڑ کر جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر میں نہیں گیا تو میرا یہ معمول قضا ہو جائے گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہ معمول پورا کرلوں۔ حضرت نے فرمایا تم ضرور جاؤ اور اپنا معمول پورا کرلو ___ حضرت فرماتے ہیں کہ میں گیا اور لکھنے کے لئے کاغذ اٹھایا اور قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔ لیکن میرا دل حضرت ہی کی طرف لگا ہوا تھا کہ حضرت گھر میں تشریف لائے ہوئے ہیں اس لئے قلم نہیں چل رہا تھا۔ لیکن طبیعت پر جبر کر کے دو سطریں لکھ دیں۔ اور دو سطریں لکھ کر واپس آ گیا۔ جب حضرت کی خدمت میں واپس پہنچا تو حضرت نے پوچھا کہ تم اتنی جلدی واپس آ گئے۔ میں نے کہا کہ حضرت جو میرا معمول تھا الحمد للہ وہ پورا ہو گیا۔

معمول کو کم کر دو۔ ترک مت کرو

بہر حال، اصل بات یہ ہے کہ آدمی نے جو معمول بنایا ہے اس کو کم کر دے۔ مختصر کر دے، لیکن ترک نہ کرے۔ اس لئے کہ معمول کو پابندی سے انجام دینے میں بڑی برکات ہیں۔ اگر آدمی اپنا معمول روزانہ پورا کرتا رہے تو اس کے نتیجے میں جو چیز آخر میں حاصل ہوتی ہے اس کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ چیز کیسے حاصل ہو گئی۔ اس لئے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ جو بھی معمول ہو اس کی پابندی کرو۔ اور اگر کسی دن معمول پورا نہیں ہو سکا یہاں تک رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹ گئے تو اب ان معمولات کی تسبیحات کو ۳۔ ۳ مرتبہ پڑھ لو۔ اس طرح چند منٹوں میں آپ کا معمول پورا ہو جائے گا اور غفلت سے نکل جاؤ گے۔

عمل اچھا ہو، چاہے زیادہ نہ ہو

اگر ان اذکار سے اللہ جل شانہٗ کی رضا مقصود ہو اور یہ اذکار اخلاص کے ساتھ ہوں تو ایک مرتبہ زبان سے نکلا ہوا ''سُبْحَانَ اللہِ'' بعض اوقات سو مرتبہ ''سُبْحَانَ اللہِ'' کہنے سے بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ وہ ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا خاطر اس نے وہ کلمہ ادا کیا تھا ___ دینے والے تو وہ ہیں ان کے یہاں ''اکثر عملاً'' نہیں ہے بلکہ ''احسن عملاً'' ہے۔ کہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس کا عمل اچھا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کس کا عمل مقدار میں زیادہ ہے۔ بہر حال معمول کو چھوڑو نہیں۔ اس لئے کہ معمول کو چھوڑنا غفلت کی علامت ہے۔ بے توجہی کی علامت ہے، ناقدری کی علامت ہے اس لئے کہ جو معمول تم نے بنایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا معمول ہے ___ مثلاً آپ نے یہ معمول بنالیا کہ روزانہ قرآن کریم کی اتنی تلاوت کیا کروں گا یا یہ معمول بنالیا کہ روزانہ اتنی تسبیحات پڑھوں گا یا یہ معمول بنالیا کہ اتنی رکعت نفل پڑھا کروں گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا معمول ہے۔ لہٰذا جب دربار میں حاضری کا وقت آجائے اور آدمی اس دربار میں حاضری کی ناقدری کرتے ہوئے بالکل نہ جائے اور اس معمول کو چھوڑ دے ___ یہ بڑی ناقدری کی بات ہے۔

اس وقت یہ تصور کرلیا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی معمول کے پورا کرنے کا وقت آجائے اور اس وقت طبیعت میں سستی محسوس ہو رہی ہو تو اس وقت یہ تصور کرو کہ اگر اس وقت حاکم کی طرف سے تمہارے پاس یہ حکم نامہ آجائے تو اس وقت

فوراً ہمارے پاس آجاؤ، تمہیں ایک انعام دیا جارہا ہے۔ بتاؤ اس وقت سستی باقی رہے گی؟ کیا تم حاکم وقت کو یہ جواب دو گے کہ اس وقت ذرا سستی ہو رہی ہے میں نہیں آسکتا۔ نہیں۔ بلکہ سب سستی دور ہو جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حاکم وقت کے پاس حاضر ہونے کا دل میں اہتمام ہے اور اس کی قدر ہے۔ اس کی عظمت ہے ___ بالکل اسی طرح یہ سوچو کہ میرے اللہ کے دربار میں حاضری کا وقت ہے میں اس معمول کو ضرور پورا کروں گا۔

نماز تمہیں کھینچ لے گی

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنے معمول کو مضبوطی سے پکڑلو۔ چھوڑو نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا پھر وہ معمول تمہیں پکڑ لے گا۔ وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ یعنی جب اس معمول کو کرنے کا وقت آئے گا اس وقت تمہیں چین نہیں آئے گا۔ جب تک کہ وہ معمول پورا نہیں ہو جائے گا ___ دیکھئے، جب تمہیں نماز پڑھنے کی عادت نہیں تھی، اس وقت نماز کے لئے مسجد جانا اور نماز ادا کرنا بڑا بھاری لگتا تھا لیکن جب تم نے رفتہ رفتہ پانچ وقت نماز پڑھنے کی عادت ڈال لی اب یہ حالت ہو گئی کہ جب تک نماز نہیں پڑھو گے اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔ اب خود نماز تمہیں اپنی طرف کھینچتی ہے ___ یہی حال تمام نفلی عبادات کا اور تمام معمولات کا ہے کہ شروع شروع میں زبردستی کرکے وہ عمل انجام دو گے۔ اور بعد میں وہ زبردستی کرکے تم سے وہ عمل انجام دلا دے گا ___ بہرحال، معمول پورا کرنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔

سستی کا علاج ہمت اور چستی ہے

عام طور پر معمول پورا کرنے والوں کو "سستی" کا بہانہ ہوتا ہے کہ نفس یہ کہتا ہے کہ آج ذرا سستی ہو رہی ہے، انشاء اللہ کل سے اس کی پابندی کروں گا۔ جب کل آئی تو پھر غفلت اور سستی آڑے آ گئی ___ یاد رکھئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سستی کا علاج بجز استعمال ہمت کے اور کچھ نہیں ___ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں گے تو وہ کوئی نسخہ گھول کر پلا دے گا۔ یا کوئی ایسا طریقہ بتا دے گا جس کے ذریعہ یہ سب معمولات خود بخود انجام پاتے چلے جائیں گے ___ حضرت فرماتے ہیں کہ اس سستی کا علاج سوائے ہمت کے استعمال کرنے کے کوئی اور علاج نہیں ___ لہٰذا یہ طے کر لو کہ اس سستی کا مقابلہ کرنا ہے۔ مثلاً عبادت کرنے کا دل نہیں چاہ رہا ہے۔ سستی اور کاہلی ہو رہی ہے لیکن اس سستی کا مقابلہ کرنا ہے اور جب انسان سستی کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر وہ سستی دور ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس سستی کے آگے ہتھیار ڈال دیا جائے گا تو وہ سستی غالب آتی چلی جاتی ہے۔

حاصل تصوف

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بارہا سنایا، فرمایا کہ:

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، وہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی طاعت اور عبادت کی انجام دہی میں سستی ہو، تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس عبادت کو کرے۔ اور جب کبھی کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے ___ اسی سے

تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور
اسی سے تعلق مع اللہ ترقی کرتا ہے۔"

فرمایا کہ سارے تصوف کا حاصل یہی ہے ــــ بس سستی کا مقابلہ کرو اور سستی کا مقابلہ بجز استعمال ہمت کے اور کچھ نہیں ــــ بہرحال، معمول بنانا اور پھر اس معمول کی پابندی کرنا اس کا لازمی حصہ ہے۔

جس عبادت کا موقع ملے، کر گزرو

اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عبداللہ: تم اس شخص کی طرح نہ ہو جانا جس نے تہجد کا معمول بنایا۔ اور پھر اس کو ترک کر دیا۔ یہاں ایک مسئلہ عرض کر دوں۔ کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک نفلی عبادت ایسی ہے جس کو انسان نے ابھی تک اپنے معمول میں داخل نہیں کیا۔ لیکن کسی وقت اتفاقاً اس عبادت کے کرنے کا موقع مل گیا ــــ بعض مرتبہ آدمی کسی عبادت کو انجام دیتے ہوئے اس لئے جھجکتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی تو میں اس کو کر لوں اور بعد میں اس کو نہ کر پاؤں تو کہیں اس عبادت کو چھوڑنے کا گناہ میرے اوپر لازم نہ آجائے۔

تم پر کوئی گناہ نہیں

مثلاً ایک شخص اشراق کی نماز پڑھنے کا عادی نہیں ہے لیکن ایک دن اس کو اشراق کی نماز پڑھنے کا موقع مل گیا اور اس کا دل چاہا کہ آج میں اشراق کی نماز ادا کرلوں ــــ اس وقت دل میں خیال آتا ہے کہ اگر آج میں نے یہ نماز پڑھ لی اور بعد میں نہیں پڑھی تو کہیں میں اس حدیث کے تحت گناہ گار نہ ہو جاؤں ــــ خوب سمجھ لیجئے۔ اسی

طرح انسان گناہ گار نہیں ہوتا۔ یہ جو فرمایا کہ ترک کرنے کا ارادہ کرنے سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب انسان نے اس عبادت کو معمول بنانے کا ارادہ کرلیا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں آج سے اشراق پڑھنے کا معمول بناتا ہوں اور پھر اس معمول کو ترک کردے تو اس صورت میں گناہ گار ہوگا۔ لیکن ایک شخص نے اشراق پڑھنے کا معمول نہیں بنایا، بلکہ جب کبھی موقع ملا، پڑھ لی، موقع نہیں ملا، نہیں پڑھی۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔

موقع ملنے پر تہجد اور اشراق پڑھ لے

اسی طرح کسی شخص کے چاشت کی نماز پڑھنے کا معمول نہیں ہے۔ لیکن وہ کسی دن چاشت کی نماز پڑھ لے۔ یا تہجد کی نماز پڑھنے کا معمول نہیں۔ لیکن کسی دن موقع مل گیا اور تہجد کی نماز پڑھ لی، لیکن اس کو اپنے معمول میں داخل نہیں کیا تو اس صورت میں اس کو ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں ـــــ لیکن جس نفلی عبادت کو اپنے معمول میں شامل کر چکا اور پھر ترک کرے تو اس پر گناہ ہوگا۔

دوسری حدیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ مِنَ اللَّيْلِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهٗ كَأَنَّمَا قَرَأَ مِنَ اللَّيْلِ۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل و من نام عنہ، حدیث نمبر ۷۴۷)

تہجد کو فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کے وقت اپنے کسی معمول کو سونے جانے سے ادا نہ کر سکا، مثلاً وہ روزانہ آٹھ رکعت تہجد کی پڑھا کرتا تھا کسی دن وہ سو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ بالکل تہجد نہ پڑھ سکا یا

صرف ۴ رکعتیں پڑھیں اور سو گیا۔ تو وہ شخص اگر اگلے دن صبح کو فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان اتنی رکعتیں پڑھ لے جتنی رکعتیں وہ رات کو پڑھا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا ہی لکھا جائے گا جیسا کہ اس نے رات کے وقت وہ رکعتیں پڑھیں ـــــ اس لئے کہ بندے نے ایک معمول بنا رکھا ہے وہ رات کو اٹھتا ہے اور ایک عبادت انجام دیتا ہے اور حتی الامکان اس کو پورا کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کسی دن نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس معمول کو پورا نہیں کر سکا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسانی کا راستہ پیدا کر دیا کہ وہ شخص دن میں اس معمول کو پورا کر لے تو اس کے نامہ اعمال میں تہجد کا ہی ثواب لکھا جائے گا۔

نفلوں کی قضا نہیں، تلافی ہے

نفلوں کا قاعدہ یہ ہے کہ ان کی قضا نہیں ہوتی، مثلاً کسی دن مغرب کی نماز کے بعد کی اوابین چھوٹ گئیں تو اب کی قضا نہیں۔ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ ان نفلوں کی قضا تو نہیں، لیکن تلافی کے طور پر پڑھ لینی چاہئے ـــــ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر کر رہے تھے راستے میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ ایک مسجد کے پاس گاڑی روکی اور نماز ادا کی۔ تین فرض ادا کئے اور دو سنتیں ادا کیں۔ اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر آگے روانہ ہو گئے ـــــ اور منزل مقصود پر پہنچے وہاں ایک میٹنگ میں شرکت کرنی تھی شرکت کر کے جب فارغ ہو گئے تو عشاء کا وقت ہو گیا۔ عشاء کی نماز ادا کر لی۔ جب واپس آنے لگے تو راستے میں حضرت نے پوچھ لیا بھائی: آج کی اوابین کیا ہوئی؟ ہم نے جواب دیا کہ حضرت: آج کی اوابین تو رہ گئی۔ چونکہ جلدی میں تھے وقت نہیں تھا۔ اس لئے رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کیسے رہ گئی؟ کیا اب عشاء کی نماز کے ساتھ اس کو نہیں پڑھ سکتے تھے؟ ہم نے کہا کہ حضرت سنا ہے کہ نفلوں کی تو قضا نہیں ہوتی۔ حضرت نے فرمایا: نفلوں کی قضا تو نہیں ہوتی لیکن ایک سالک کا کام یہ ہے کہ

جب اس نے ایک عبادت اپنے معمول داخل کی ہوئی ہے اور کسی کسی دن وہ اس کو انجام نہیں دے سکا تو اس کی قضا نہ سہی لیکن تلافی کے طور پر وہ رکعتیں عشاء کے بعد پڑھ لیتے۔ تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ نامہ اعمال میں جن چھ نفلوں کا نقصان ہوا تو اس کی جگہ پر دوسری چھ نفلیں آجاتیں ـــــ اور میں نے تو عشاء کی نماز کے ساتھ وہ چھ نفلیں ادا کرلیں ـــــ لہٰذا آئندہ ایسا کرلیا کرو کہ اگر کسی وجہ سے نفلیں رہ جائیں تو بعد میں کسی بھی وقت ان کو ادا کر لو۔ وہ اوابین نہ سہی، اوابین کی قضا نہ سہی، لیکن وہ چھ نفلیں تو ہوں گی۔ اور یہ چھ نفلیں ان چھ نفلوں کے نقصان کی تلافی کردیں گی جو نامہ اعمال میں کم ہوگئی ہیں۔

کھانے سے پہلے دعا بھول جائے تو درمیان میں پڑھ لے

پھر حضرت نے فرمایا کہ تم یہ کہو گے کہ مفتی حضرات کہتے ہیں کہ نفلوں کی قضا نہیں ہوتی تو یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے۔ لیکن سلوک کا مسئلہ یہ ہے کہ جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کی تلافی جس طرح اور جہاں سے ہو سکے کرلو۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ کیا تم نے وہ حدیث نہیں پڑھی جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھانا کھاتے وقت ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آجائے اس وقت: "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" پڑھ لے۔ حالانکہ بسم اللہ کا وقت بالکل ابتداء میں تھا۔ لیکن جب بعد میں یاد آجائے تو اس وقت پڑھ لے ـــــ بہرحال، جس نیکی کی توفیق ہو رہی ہے اس کو بالکلیہ چھوڑنے کے بجائے دوسرے وقت میں اس کی تلافی کرلو۔ مندرجہ بالا حدیث میں آپ نے دیکھ لیا کہ تہجد کی نماز چھوٹ گئی تو فرمایا کہ فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لو۔ وہ ایسا ہی لکھا جائے گا جیسے تم نے رات کے وقت پڑھی۔

حضور کا تہجد کو قضا کرنا

اگلی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں خود جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل منقول ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيْرِهِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً.

(ریاض الصالحین۔ باب فی المحافظة علی الاعمال حدیث نمبر ۱۵۵)
(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۷۴۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی دن تہجد کی نماز کسی تکلیف یا کسی اور عذر وجہ سے فوت ہو جاتی تو دن کے وقت میں بارہ رکعتیں آپ زائد پڑھ لیا کرتے تھے ــــ اس سے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تائید ہوتی ہے کہ نفلی عبادتوں کی قضا تو نہیں۔ لیکن آدمی کو اس کی تلافی کر لینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین۔

خلاصہ مجلس

خلاصہ آج کی مجلس کا یہ نکلا کہ انسان کو کچھ نفلی عبادتوں کا کوئی معمول ضرور مقرر کرنا چاہئے۔ اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس نفلی معمول کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور اگر کسی عذر سے وہ معمول کسی دن چھوٹ جائے تو معاف ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آدمی دوسرے وقت میں اس کی تلافی کر لے۔ اور قصد کر کے بالکلیہ اس معمول کو چھوڑ دینا ناجائز ہے ــــ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اصلاحی خطبات

جلد ۲۳

- انسان بنے کی فکر کریں
- حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو
- یہ دنیا بے حقیقت ہے
- وساوس اور خیالات کی حقیقت
- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت
- بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب اور مہر کے مسائل
- سنت کو زندہ کیجئے
- انعاماتِ رمضان پر شکر
- ظلم کی مختلف صورتیں
- حقیقی مسکین کون؟
- سب سے افضل عمل کونسا ہے؟
- مدارسِ دینیہ کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی خطبات

جلد ۲۳

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطبات : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی
اشاعت اول : ۲۰۱۶ء
جلد : ۲۳
باہتمام : شیخ محمد مشہود الحق کلیانوی
ناشر : میمن اسلامک پبلشرز
لیٹ آؤٹ سیٹنگ : عبدالماجد پراچہ
حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر: 13575

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی: 0313-9205497
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی ۱۴
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ بیت السلام، ڈیفنس کراچی
- بیت القرآن، چھوٹکی گھٹی حیدرآباد
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، اُردو بازار، لاہور
- ادارۃ اسلامیات، لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- دارالاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک
- مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک
- مکتبہ فاروقیہ منگورہ سوات
- کتب خانہ تبلیغ حیدرآباد

سعودیہ عرب، کینیڈا، امریکہ، افریقہ، انڈیا اور دیگر ممالک میں منگوانے کیلئے:
memonip@hotmial.com

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ

اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ

"اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم ، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد توی زنم ، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

عرضِ مرتب

(اصلاحی خطبات طبع جدید)

الحمدللہ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے خطبات کی ریکارڈنگ کرنے اور ان کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ ۳/مئی ۱۹۹۱ء کو، آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے حضرت والا مدظلہم کی باقاعدہ اجازت سے شروع کیا تھا، جو تا حال جاری ہے، اور حضرت والا مدظلہم کے وہ الفاظ جو فضا کی ہواؤں میں تحلیل ہو چکے تھے، ان کو محفوظ کر کے قرطاس پر منتقل کیا، یہ عمل کتنا محنت طلب اور کتنی پابندی اور کتنا طویل وقت چاہتا ہے، اس کا اندازہ صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو اس میدان کارزار سے گزرا ہو، ورنہ موجودہ دور کے سہل پسند حضرات نے یہ طریقہ بھی اختیار کر لیا ہے کہ دوسروں کی محنت اور کاوش کو جدید انداز میں نام بدل کر بازار میں پھیلا رہے ہیں، چنانچہ آج بازار میں آپ کو بہت سی ایسی کتابیں نظر آئیں گی جن کے اندر وہی مضامین انہی عنوانات سے شائع کئے جا رہے ہیں جو گزشتہ کئی سالوں سے دوسرے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں، اور سالہا سال سے لوگ ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔

بہر حال! ان خطبات کا پہلا مجموعہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے اب تک بائیس جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے، اور اب یہ مجموعہ 'جدید کمپوزنگ اور جدید طباعت' کے ساتھ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

نیز حضرت والا مدظلہم کے وہ خطبات جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ کی نماز سے پہلے بیان فرمائے گئے ہیں جو کہ پارہ عم کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کی تفسیر اور تشریح پر مشتمل ہیں، ان کا مجموعہ ''خطبات عثمانی'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، اور اس کی ۶ جلدیں الحمدللہ شائع ہوچکی ہیں، مزید جلدوں پر کام جاری ہے۔

اور حضرت والا مدظلہم کے وہ خطبات جو آپ نے جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال میں بیان فرمائے تھے، ان میں بے شمار خطبات وہ ہیں جن کو اب تک ''اصلاحی خطبات'' میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ وہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ منظر عام پر آنے والے ہیں قارئین سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں کو آسانی کے ساتھ پایہ تکمیل پر پہنچائے، اور حضرت والا مدظلہم کے لیے اور احقر کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

والسلام

محمد عبداللہ میمن

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد ۲۳

تفصیلی فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
اس آیت میں دو چیزوں کا بیان	۵۶
حقوق العباد کی رعایت	۵۶
حقوق العباد کی طرف دھیان نہیں	۵۷
حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں	۵۸
نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے	۵۹
حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتا	۵۹
حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خوف	۶۰
نابالغ بچے کی حق تلفی کی سنگینی	۶۱
بتاؤ مفلس کون ہے؟	۶۱
یہاں تک کہ سارے اعمال ختم ہو جائیں گے	۶۲
دوسروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں	۶۳
حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو	۶۴
(یہ دنیا بے حقیقت ہے)	۶۵
ظلم قیامت کے دن تاریکی کا سبب ہوگا	۶۸
پچھلی امتوں کی ہلاکت کا سبب	۶۸
مال کی محبت کی علامات	۶۹
"مال" بذات خود مذموم چیز نہیں	۶۹

عنوانات	صفحہ نمبر
مال کی تھوڑی محبت ہونی چاہئے	۷۰
حضرت میاں جی نور محمد اور چور	۷۱
وہ پیسے اس کے لئے حلال کرتا ہوں	۷۲
چور کو واپسی کا راستہ نہیں ملتا	۷۲
تم اپنے مال کی طرف سے دفاع کرو	۷۳
مال کی محبت کو اعتدال میں لائے	۷۴
مال اور انسان کی بہترین مثال	۷۵
دنیا کا طلب گار نہیں ہوں	۷۶
مال کے بارے میں ہمارا طرز عمل کیا ہے	۷۶
وہ بزرگ صبح و شام تجارت میں مشغول تھے	۷۷
ذرا میں وہ چادر اٹھا لاؤں	۷۸
وہ چادر تمہارے لئے دنیا ہے	۷۸
وہ باغ اور گھر میرے دل سے نکل گیا	۷۹
وہ ٹھیکرے کیا نکل گئے کہ دنیا لٹ گئی	۸۰
آج اس واقعے کو سوچ کر ہنسی آتی ہے	۸۰
دنیا کی ہر چیز ٹھیکروں کی مانند	۸۱
جہنم کے باہر کونے پر پہنچا دیں	۸۲
مجھے اس درخت کے نیچے پہنچا دیں	۸۳

عنوانات	صفحہ نمبر
ادنیٰ جنتی کو پورے کرۂ ارض سے دس گنا زیادہ بڑی جنت	۸۳
ایک چھوٹا بچہ اور دنیا	۸۴
جنت کی وسعت برحق ہے	۸۵
دنیا سائے کے مثل ہے	۸۶
بخل چھوڑ دو، دنیا کی محبت نکال دو	۸۷
پوری دنیا ایک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں	۸۷
(وساوس اور خیالات کی حقیقت)	**۸۹**
صرف ایک طویل حدیث	۹۲
یہ تو بڑا سخت حکم آیا ہے	۹۴
خیالات پر کنٹرول اختیار میں نہیں	۹۵
پہلے سر تسلیم خم کرو	۹۶
ہم نے مان لیا اور اطاعت کر لی	۹۷
اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے	۹۷
بھول چوک پر مؤاخذہ نہیں ہوگا	۹۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر سخت احکام	۹۹
اے اللہ: ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے گا	۱۰۱
غیر اختیاری خیالات پر مؤاخذہ نہیں	۱۰۲

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
تم کیسے منافق ہوگئے	۱۳۳
فرشتے بستروں پر آکر تم سے مصافحہ کریں	۱۳۴
ہر وقت خلش اور کھٹک دل میں رہنی چاہیے	۱۳۴
اصل مقصود اعمال ہیں	۱۳۶
لوگ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں	۱۳۶
انسان کے لئے انسان رہنا کمال کی بات ہے	۱۳۷
فرشتہ بننا کمال کی بات نہیں	۱۳۸
غلبہء حال کی کیفیت مقصود نہیں	۱۳۹
ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے	۱۴۰
مشاہدہ کا مطلب	۱۴۰
دل کی سوئی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو	۱۴۱
ہاتھ کام میں، اور دل اللہ کی یاد میں	۱۴۲
زبان سے ذکر پہلی سیڑھی ہے	۱۴۳
(سنت کو زندہ کیجئے)	۱۴۵
تمہید	۱۴۸
کوئی اچھا طریقہ جاری کرنا	۱۴۸
نیک بندوں کی دعا	۱۴۹

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۶۵	پچاس ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے برابر ثواب
۱۶۷	ان کو آخرت کی خوشیاں عطا فرمادے
۱۶۹	(انعاماتِ رمضان پر شکر)
۱۷۲	تمہید
۱۷۲	ہم سب بڑے خوش نصیب ہیں
۱۷۳	مایوسی کا کوئی راستہ نہیں
۱۷۴	عبادت کے قبول ہونے کی علامت
۱۷۴	ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے
۱۷۵	توفیق پر شکر، غلطیوں پر استغفار
۱۷۵	چالیس مقامات قرب زیادہ عطا فرمارہے ہیں
۱۷۶	سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ
۱۷۷	ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
۱۷۸	اب تمہارا سجدہ کامل اور مکمل ہو گیا
۱۷۹	ان سب کی مغفرت کر کے واپس بھیجوں گا
۱۸۰	اپنی طرف دیکھو گے تو مایوسی ہو گی
۱۸۰	تقویٰ پیدا ہوا یا نہیں؟
۱۸۱	اس تقویٰ سے رمضان کے بعد کام لو

عنوانات	صفحہ نمبر
دوسرے کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کرنے کا عذاب	۱۹۷
کرایہ داری کا معاہدہ	۱۹۹
کرایہ دار کا مکان پر قبضہ کر لینا	۱۹۹
خوش دلی کے بغیر دوسرے کا مال حلال نہیں	۲۰۰
دوسرے کی دیوار کا استعمال غصب ہے	۲۰۱
اسلام کے دعویدار اور غلط کام	۲۰۲
پہلے اس چھ فٹ کے جسم پر اسلام نافذ کرلو	۲۰۲
سیاہ کاری پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے	۲۰۳
یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں	۲۰۳
مساجد کی دیواریں محفوظ نہیں	۲۰۴
خالی جگہ پر قبضہ کرنا حرام ہے	۲۰۵
احتجاج کے نام پر دوسروں کا نقصان	۲۰۵
دوسرے کا مال خوشدلی کے بغیر حلال نہیں	۲۰۶
ایسا چندہ حلال نہیں	۲۰۶
بااثر شخصیت کا چندہ کرنا درست نہیں	۲۰۷
ظالم کو ڈھیل دے دی جاتی ہے	۲۰۸
اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی شدید ہے	۲۰۹
کوئی شخص اس دھوکہ میں نہ رہے	۲۱۰

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر
کھانا پکانے والے کو ضرور کھلایا جائے	۲۳۷
ڈرائیور کو دعوت میں ضرور شامل کرو	۲۳۷
(سب سے افضل عمل کونسا ہے؟)	**۲۳۹**
کتاب ریاض الصالحین	۲۴۱
اس باب کی اہمیت	۲۴۲
ہر کام نیکی بن سکتا ہے	۲۴۲
ہر کام میں نیکی کا پہلو تلاش کرو	۲۴۳
مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف جوابات	۲۴۴
مختلف لوگوں کے لئے حکم مختلف ہوتا ہے	۲۴۴
شیخ کی ضرورت اور اس کی اہمیت	۲۴۵
اس شخص کو ذکر سے روک دیا	۲۴۵
مجلس میں ذکر نہ کرنا چاہئے	۲۴۶
ہر شخص کی اصلاح کا طریقہ علیحدہ ہے	۲۴۷
اپنی مرضی سے علاج تجویز مت کرو	۲۴۸
ایسا شخص موت کے دھانے پر ہے	۲۴۹
ہر شخص کو اس کے مناسب جواب دیا جا رہا ہے	۲۴۹
ایمان اور جہاد افضل عمل کیوں؟	۲۵۰

عنوانات	صفحہ نمبر
کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟	۲۵۱
کسی مسلمان کی اس کے کام میں مدد کردو	۲۵۱
اپنے شر سے دوسروں کو بچاؤ	۲۵۲
جانوروں کی تین قسمیں	۲۵۳
تم گائے بھینس ہی بن جاؤ	۲۵۳
آدمی بننا ہو تو یہاں آجاؤ	۲۵۴
(مدارسِ دینیہ کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں)	**۲۵۵**
دینی مدارس کا تحفظ ہم سب پر فرض ہے	۲۵۷
ہمیں اپنے گریبان کی طرف جھانکنا چاہیے	۲۵۸
ہمارا مقصود خالص اللہ کی رضا ہو	۲۶۰
ہماری منزل مقصود ایک ہونی چاہیے خواہ طریقہ کار مختلف ہو	۲۶۲
اللہ تعالیٰ وفاق المدارس کی چھتری کو قائم و دائم رکھے	۲۶۳

***

*

الحمد لله رب العالمين

الرحمٰن الرحيم مالك يوم الدين
إياك نعبد وإياك نستعين
اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب

اور

مہر کے مسائل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

❁

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

❁

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۳/ جولائی ۱۹۹۲ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب

اور

مہر کے مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے میاں بیوی کے حقوق کا بیان چل رہا ہے، انہی حقوق کے سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا

باب قائم فرمایا ہے۔ "بَابُ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ" یعنی جو اپنے گھر والے ہیں، یعنی بیوی اور بچے، ان کو نفقہ ادا کرنے کی فضیلت اور اس کی تاکید، اس باب میں بیان کی گئی ہے، اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ، وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ، وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ، اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ.

(مسلم شریف، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال، حدیث نمبر ۹۹۵)

سب سے زیادہ اجر و ثواب والا دینار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار وہ ہے ــــ "دینار" یہ اشرفی کی طرح ایک سونے کا سکہ ہوتا تھا ــــ جو تم اللہ کے راستے میں صرف کرو، یعنی کہیں اگر جہاد ہو رہا ہے، اور آپ نے اس جہاد میں مدد کے لئے ایک دینار دیدیا ــــ اور ایک دینار وہ ہے جو تم کسی غلام کو آزاد کرنے کے لئے خرچ کرتے ہو ــــ یعنی ایک دینار میں تم نے ایک غلام خریدا، اور اس کو آزاد کردیا، یہ آزاد کرنا بڑی فضیلت کا کام ہے ــــ ایک دینار وہ ہے جو تم کسی مسکین پر صدقہ کرتے ہو۔ ایک غریب آدمی ہے، آپ نے اس پر ایک دینار صدقہ کردیا ــــ ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو ــــ یہ کل چار دینار ہوگئے ــــ ایک دینار جہاد میں خرچ کیا جانے والا، ایک دینار غلام کو آزاد کرانے

والا ___ ایک دینار مسکین کو صدقہ کیا جانے والا، ایک دینار دینار گھر والوں کے نان نفقہ پر، ان کی ضروریات میں خرچ کیا جانے والا ___

گھر کے اندر خرچ ہونے پر زیادہ ثواب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ان چار دیناروں میں سب سے زیادہ ثواب تمہیں اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا ___ عام طور پر لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کے باہر جو دینار صرف کیا اس پر ثواب ہے، اور گھر میں بیوی، بچوں پر جو پیسہ صرف کیا، اس پر ثواب نہیں ___ جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ سب سے زیادہ فضیلت والا نفقہ اور خرچ وہ ہے جو اپنی بیوی بچوں پر کیا جائے۔ بشرطیکہ حدود کے اندر ہو، اسراف اور تبذیر نہ ہو، ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے صرف کیا جائے ___ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسا دین عطا فرمایا ہے، کہ جو کام اور جو خرچہ ہمیں کرنا ہی ہے اس کو ہمارے لئے باعث اجر و ثواب کر دیا ___ صرف زاویہ نگاہ کو بدل دیا۔

زاویہ نگاہ بدل ڈالو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:
دین صرف زاویہ نگاہ کے بدلنے کا نام ہے، تمام کام وہی کرو گے جو تم پہلے کیا کرتے تھے، لیکن پہلے تم وہ کام کسی اور زاویہ سے کیا کرتے تھے، اب جب تم دین پر عمل کرنے کی طرف آ گئے تو اب کسی اور زاویہ نگاہ سے کرو ___ صرف

زاویہ کو بدل دو تو وہی دنیا دین بن جاتی ہے ـــــ یہ جو تم بیوی بچوں کو نفقہ دے رہے ہو، اور ان پر خرچ کر رہے ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب بن رہا ہے، بس یہ نیت کرنی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق میرے ذمے عائد کئے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے ان حقوق کو بجالا رہا ہوں، اس نیت سے جب تم یہ عمل کرو گے تو سارا عمل ان سب سے زیادہ موجب اجر و ثواب بن جائے گا۔

اپنی پسندیدہ چیز صدقہ کرو

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬

(سورہ آل عمران، آیت ۹۲)

فرمایا کہ تم اس وقت نیکی کا مقام حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی محبوب چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو ـــــ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال ہوا کہ جتنی محبوب چیزیں تھیں، وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر صدقہ کرنا شروع کردیں۔ کسی کو اپنا باغ سب سے زیادہ محبوب تھا، اس نے وہ باغ صدقہ کردیا، کسی کو اپنا گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا، اس کو صدقہ کردیا، کسی کو اپنا غلام سب سے زیادہ محبوب تھا، اس کو صدقہ کردیا ـــــ جس کے پاس جو کچھ محبوب اشیاء تھیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کردیں ـــــ

جو بیوی بچوں کی ضرورت سے زائد ہو، وہ خرچ کرو

یہاں تک کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ جب انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت پر آیتیں سنیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے تو انہوں نے کہا کہ گھر میں جو کچھ مال و اسباب تھا، سب کا سب لا کر صدقہ کر دیا، اور گھر میں بیوی، بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا ___ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں بیوی بچوں کے لئے گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے ___ جب کئی صحابہ کے یہ ساتھ واقعات پیش آئے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ معلوم نہیں اس طرح صدقہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ کہ سارا کچھ اللہ کی راہ میں دیدیا، اور بیوی بچوں کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا ___ اس وقت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی کیا حد ہے؟ کتنا صدقہ کرنا چاہئے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ؕ

(سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۹)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو، وہ خرچ کرو، جو اپنی ضرورت کے اندر داخل ہے، اس کو خرچ کرنا جائز نہیں ___ لہٰذا بیوی، بچوں کی ضروریات مقدم ہیں ___ ایسا نہ ہو کہ خرچ کر کے دوسروں کو تو مال دار کر دیا اور ان کے گھروں کے چراغ جلا دیئے اور اپنے گھر کا چولہا ٹھنڈا کر دیا۔ ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ___

ضرورت سے زائد ہر مال خرچ کرنا ضروری نہیں

یہی وہ آیت ہے جس کو آجکل الٹے معنیٰ پہنائے جاتے ہیں ___ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بھی تمہارے پاس ضرورت سے زائد ہو، اس کا خرچ کرنا واجب ہے ___ ایسا نہیں ___ اس لئے کہ اس آیت میں کم سے کم مقدار کا بیان نہیں ہو رہا ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار کا بیان ہو رہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا ہو، وہ اتنا ہونا چاہئے کہ اس کے خرچ کرنے کے بعد اپنی ضرورت کے مطابق گھر میں بچ جائے ___ جس زمانے میں یہاں پاکستان میں ''اشتراکیت'' کا زور شور شروع ہوا تھا، اس زمانے میں اشتراکیت پسند لوگ اس آیت کو بکثرت پڑھا کرتے تھے، اور اس سے استدلال کرتے تھے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''**العفو**'' کا لفظ فرمایا کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو وہ سب خرچ کردو ___ اور اس پر لوگ لکچر دیا کرتے تھے ___ لیکن یہ باتیں صرف لکچروں کی حد تک تھی کہ جو مال بھی ضرورت سے زائد ہو، وہ سب خرچ کردو ___ لیکن اس آیت پر عمل کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا، لیکن اس آیت سے استدلال کیا گیا کہ قرآن کریم ___ معاذ اللہ ___ پہلے سے اشتراکیت کا حامی ہے۔

بیوی بچوں کا حق مار کر خرچ کرنا جائز نہیں

خوب سمجھ لیجئے، یہ آیت جس وقت نازل ہوئی، اس وقت یہ بات نہیں تھی کہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر رہے تھے، بلکہ یہ آیت اس موقع پر نازل

ہوئی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے انتہا خرچ کر رہے تھے، اور خرچ کرنے کی جو حد تھی، اس سے زیادہ خرچ کر رہے تھے، اور اپنے بیوی بچوں کی ضرورت کے لئے بھی نہیں چھوڑ رہے تھے ___ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تو ان کو یہ بتادو کہ اتنا خرچ کرنا جائز ہے جتنا تمہاری ضرورت سے زائد ہے، اور جو ضرورت کے اندر داخل ہے، اس کو خرچ کرنا جائز نہیں، لہٰذا بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، ان کا حق پامال کر کے صدقہ کرو گے تو وہ صدقہ تمہارے لئے جائز نہیں ہوگا، بلکہ وہ تمہارے لئے حرام ہوگا ___ بہر حال! یہ نفقہ جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کر رہے ہو، اس نفقہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے اجر و ثواب ہے، اور دوسرے تمام نفقات کے مقابلے میں زیادہ ثواب ہے ___ بشرطیکہ اپنی نیت درست کرلو، اور زاویہ نگاہ بدل لو کہ یہ میں یہ اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے حق کی ادائیگی کے لئے کر رہا ہوں، تو پھر یہ دنیا تمہارے لئے بہترین دین بن جائے گی ___

بیوی کے دو مالی حقوق، مہر و نان نفقہ

چونکہ بات شوہر اور بیوی کے حقوق کے سیاق میں بات چل رہی ہے، اس لئے یہاں یہ عرض کر دوں کہ شوہر کے ذمہ بیوی کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں مالی حقوق سب سے بڑے دو ہیں ___ ایک مہر ___ اور دوسرے نان نفقہ ___ مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے ___ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے ذمہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا مہر ادا کرے اور ہمارے معاشرے میں مہر اور

نفقہ کے بارے میں چند در چند غلطیاں پائی جاتی ہیں، جن کو سمجھنا ضروری ہے ــــ

مہر بیوی کی قیمت نہیں، اعزاز ہے

مہر درحقیقت بیوی کا اعزاز ہے کہ اللہ تعالی نے یہ شرط لگا دی ہے کہ تم مہر پر ہی نکاح کرو گے، مہر کے بغیر نہیں ــــ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مہر بیوی کی قیمت ہے، گویا کہ مہر کے عوض بیوی کو شوہر نے خرید لیا ہے ــــ خوب سمجھ لیں۔ مہر کا قیمت سے کوئی تعلق نہیں ــــ بلکہ یہ اعزاز ہے ــــ دیکھئے، جب آدمی بازار سے کوئی چیز خریدتا ہے، اور اس کی قیمت ادا کرتا ہے۔ اب اگر بیچنے والا یہ کہے کہ میں اس چیز کی قیمت تم سے نہیں لیتا۔ تم مفت لے جاؤ ــــ تو اس کے لئے مفت لینا جائز ہے، اس لئے کہ دکاندار اس چیز کا مالک ہے، وہ اگر چاہے تو قیمت لے لے، چاہے تو مفت دیدے ــــ لیکن مہر کے بارے میں کوئی عورت یہ کہے کہ میں نکاح مہر کے بغیر کرتی ہوں، مفت کرتی ہوں، تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اس لئے شوہر اعزاز کے طور پر یہ مہر بیوی کو ادا کرے۔

زیادہ مہر مقرر کرنا درست نہیں

اسی وجہ سے شریعت نے یہ حکم دیا کہ مہر اتنا مقرر کیا جائے جو استطاعت کے مطابق ہو، اور جس کو شوہر واقعۃً ادا کر سکے ــــ اتنا زیادہ مہر باندھ لینا جس کو ادا کرنے سے قاصر ہو، جائز نہیں۔ مثلاً نکاح کی مجلس میں تو پتہ چلا کہ ۲ لاکھ

روپے مہر مقرر کر دیا، اور نکاح کے وقت اس کے ذہن میں یہ ہے کہ اس کو ادا تو کرنا نہیں ہے تو جب دینے کا ارادہ ہی نہیں تو اس کو دس لاکھ باندھ لو، اس سے کیا فائدہ ـــ جس کے دل میں مہر ادا کرنے کی نیت ہوگی وہ پہلے یہ سوچے گا کہ میں ادا کرسکوں گا یا نہیں، لہٰذا اتنا زیادہ مہر باندھنا جس کے ادا کرنے کی قدرت نہ ہو، یہ درست نہیں، اہتمام کے ساتھ اتنا مہر باندھنا چاہئے جو وہ واقعی ادا کر سکے ـــ یہ نہ ہو کہ مہر تو دس لاکھ باندھ لیا، اور ساری زندگی ادا نہیں کیا، اور جب مرتے وقت بستر مرگ پر آ گئے اس وقت بیوی سے کہا کہ ''بیوی مہر معاف کر دینا'' ـــ وہ بیچاری یہ کہے گی کہ میں معاف نہیں کرتی ـــ چنانچہ وہ معاف کر دیتی ہے، اور کہہ دیا جاتا ہے کہ مہر معاف کرا لیا ـــ یہ طریقہ درست نہیں ـــ لہٰذا جتنا مہر ادا کر سکتے ہو اتنا مہر مقرر کرو، اور پھر دینے کا اہتمام کرو۔

مہر کی دو قسمیں۔ مؤجل و معجّل

مہر کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک معجّل اور ایک مؤجل ـــ ایک عین والا اور ایک ہمزہ والا، مہر معجّل وہ ہے کہ جس وقت نکاح ہو رہا ہے، یا تو اسی وقت ادا کر دے ـــ اگر اس وقت ادا نہ کرے تو پھر جس وقت بھی بیوی طلب کرے، اس وقت ادا کر دے ـــ یہ معجّل ہے، عین والا ـــ اور دوسرا مؤجل ہے، اس کے لئے یا تو مدت مقرر کر دی جائے کہ اتنی مدت کے اندر ادا کر دیا جائے گا، اگر اس کی مدت مقرر نہیں کی تو پھر اس کی آخری مدت طلاق ہے، یا انتقال ہے ـــ اس وقت ادا کرنا واجب ہوتا ہے، لہٰذا مؤجل ـــ ہمزہ والا ـــ اس کے

بارے میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو زندگی بھر ادا نہیں کرنا ـــــ جب تک کہ طلاق نہ ہو، یا جب تک موت نہ آجائے ـــــ خوب سمجھ لیجئے کہ موجل کا یہ مطلب نہیں ـــــ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری حد اس کی وہ ہے، لیکن اس سے پہلے پہلے اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو ادا کرے، ہر وقت واجب ہے ـــــ لہٰذا مہر کی ادائیگی کو ایک کھیل قرار دینا جیسا کہ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے، یہ شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے، اس سے احتراز ضروری ہے۔

بہت کم مہر باندھنا جائز نہیں

دوسری طرف ایک دوسری انتہا یہ پیدا ہوگئی ہے کہ مہر بہت کم باندھا جانے لگا ہے، اتنا تھوڑا مہر باندھتے ہیں جس سے مہر کا مقصد ہی فوت ہوگیا ـــــ کئی مرتبہ میرے پاس فون آتے ہیں کہ ہم نے ۳۲ روپے مہر باندھا ہے ـــــ کسی زمانہ میں ۱۰ دس درہم کی قیمت شاید ۳۲ روپے ہوتی ہوگی، اسی ۳۲ روپے کو ایسا لازم پکڑ لیا کہ اب اس سے زیادہ مہر نہیں باندھیں گے، اور لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نے یہ شرعی مہر باندھا ہے ـــــ یاد رکھئے! یہ ۳۲ روپے شرعی مہر نہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس خاندان کی خواتین کا جو مہر مثل ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ باندھا جائے، اور اگر وہ نہ باندھے تو پھر کم از کم اتنا مہر مقرر کرے جس سے عورت کا اعزاز ہو، یہ نہ ہو کہ برائے نام معمولی مہر مقرر کر دیا، جس میں کوئی اعزاز نہ ہو، یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ نہ یہ شریعت کا تقاضہ ہے ـــــ

بیوی کو زیور دیتے وقت مہر میں محسوب کرالو

تیسرے بات جو یاد رکھنے کی ہے اور جس میں بکثرت غلطیاں پیش آتی ہیں، وہ یہ کہ بہت سے شوہر ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بیوی کو وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں، کبھی کوئی چیز دیدی، کبھی کوئی چیز دیدی۔ کبھی زیور بنادیا، کبھی کچھ رقم دیدی، لیکن مہر ادا نہیں کرتے، جبکہ مہر ادا کرنا واجب ہے، جبکہ دوسری چیزیں واجب نہیں، اور واجب کی ادائیگی، دوسری چیزوں پر مقدم ہے، لہٰذا مہر کی ادائیگی کا خیال رکھنا زیادہ مقدم ہے ــــ لہٰذا شوہر جب کوئی زیور یا نقد رقم بیوی کو دے، تو اس کی صراحت کردے کہ میں یہ زیور مہر کے طور پر دے رہا ہوں ــــ یہ تمہاری ملکیت ہوگئی، تم اس کی مالک ہو، اس طریقے سے مہر بھی ادا ہوجائے گا، اور بات بھی صاف ہوجائے گی۔

گھر کی تمام اشیاء میں ملکیت کی وضاحت

چوتھی بات جو اس سلسلے میں یاد رکھنے کی ہے، اور شاید ہی کوئی بندہ اس سے بچا ہوا ہو، ہمارے معاشرے کے سارے لوگ ہی اس میں مبتلا ہیں، وہ یہ کہ شوہر اور بیوی کی ملکیت ممتاز نہیں ہوتیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گھر میں کونسی چیز شوہر کی ملکیت ہے، اور کونسی چیز بیوی کی ملکیت ہے، اگر کوئی یہ سوال کرے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو غیریت کی بات ہے۔ ہم تو ساتھ ساتھ رہ رہے ہیں، لہٰذا ہمیں کسی امتیاز کی ضرورت نہیں ــــ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آپس جھگڑا ہوجاتا ہے، اور طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یا ان میں سے کسی ایک کا انتقال

ہو جاتا ہے تو اس وقت آپس میں جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے اور میراث کی تقسیم میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ میراث میں یہ چیز تقسیم ہوگی، یا نہیں؟___ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو کام کرو، بالکل صاف معاملہ کرو، جو زیور بنا کر بیوی کو دے رہے ہو تو صاف صاف بتادو کہ یہ ہمارا ہے اور بیوی کو عاریتاً استعمال کے لئے دے رہے ہیں، یا اس کی ملکت میں دے رہے ہیں___

شادی کے موقع پر دیا جانے والا زیور کس کی ملکیت؟

اب ہمارے معاشرے میں یہ رواج ہے کہ شادی کے موقع پر شوہر کے گھر والوں کی طرف سے بھی زیور چڑھایا جاتا ہے، اور بیوی کے گھر والوں کی طرف سے زیور چڑھایا جاتا ہے، عام طور سے ہمارے معاشرے میں رواج یہ ہے کہ جو زیور شوہر کے گھر والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ شوہر کی ملکیت رہتا ہے، اگرچہ بیوی اس کو عاریتاً استعمال کرتی ہے اور جو زیور بیوی کے گھر والوں کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، وہ بیوی کی ملکیت ہوتا ہے، لیکن بہت سی جگہوں پر اس ملکیت کو واضح نہیں کیا جاتا، اور بات کو صاف نہیں کیا جاتا، اس کی وجہ سے بہت سے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں___ اس لئے بات صاف کر دینی چاہئے___ جو زیور بیوی کی ملکیت کرنا ہو تو اس کی صراحت کر دے کہ میں نے آج سے یہ زیور تمہاری ملکیت کر دیا___ اب جب اس کی مالک ہوگئی تو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمے واجب ہوگی، اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اب وہ زیور شوہر کے ورثاء کی طرف نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ بیوی ہی کی ملکیت رہے گا۔ البتہ

اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو وہ زیور بیوی کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا ___ چونکہ یہ معاملات صاف نہیں ہوتے، اس لئے بعد میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ملکیت واضح نہ ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے

ہمارے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "میں نے الحمد للہ اپنے گھر کی ایک ایک چیز ممتاز کی ہوئی ہے کہ کونسی چیز میری ہے، اور کونسی چیز گھر والوں کی ہے، تا کہ کوئی الجھن اور کوئی اشتباہ باقی نہ رہے ___ یہ سب دین کی باتیں ہیں ___ اس لئے کہ دین صرف عبادات کی حد تک محدود نہیں، کہ بس نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اور چند وظائف اور تسبیحات پڑھ لیں، مراقبے اور چلے کر لئے، بس دین پر عمل ہو گیا، ایسا نہیں، بلکہ دین پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ ساری باتیں سیکھنے کی ہیں، اور عمل کرنے کی ہیں۔ ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے معاشرے تباہ ہو رہے ہیں ___ ہم سے پوچھئے، کتنے جھگڑے روزانہ دارالافتاء کے اندر ہمارے سامنے آتے ہیں ___ اسی وجہ سے آتے ہیں کہ ملکیتیں ممتاز نہیں، یہ پتہ نہیں کہ کونسی چیز کس کی ہے؟ ___

گھر بیوی کے نام، لیکن مالک کون؟

مثلاً ایک صاحب دارالافتاء میں آئے کہ صاحب، میرا ایک مکان تھا، وہ میں نے اپنی بیوی کے نام کر دیا تھا؟ ان سے پوچھا کہ بھائی جب تم نے اپنی بیوی کے نام کیا تھا، تو اس کی ملکیت بھی کر دی تھی؟ اور اس کا قبضہ بھی دیدیا تھا، یا صرف اس کے نام کر دیا تھا ___ جواب میں کہتے ہیں کہ اس وقت تو ذہن

میں کوئی بات نہیں تھی، بس خالی اس کے نام کر دیا تھا ـــــ جب تم اتنا بڑا کام کر رہے ہو تو اس کی حقیقت سمجھ کر کرو کہ تم کیا کر رہے ہو؟ یہ مکان بیوی کی ملکیت میں دے رہے ہو، یا ویسے کاغذی کارروائی کے طور پر اس کے نام کر رہے ہو ـــــ اس کی ملکیت میں دینا مقصود نہیں ہے۔ بات واضح کرو، اور جو کچھ کرو، اس کو کاغذ میں لکھدو، اور وصیت میں وضاحت کردو کہ یہ مکان اگرچہ میری بیوی کے نام ہے، لیکن میری ملکیت ہے ـــــ اور اگر اس کی ملکیت کر دی ہے تو ملکیت بھی واضح کرو، اور اس کا قبضہ بھی دو، تاکہ اس کی ملکیت پوری ہو جائے ـــــ دن رات یہ جھگڑے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔

گھر کی تعمیر میں کس نیت سے پیسے لگائے؟

یا مثلاً ایک صاحب دارالافتاء میں آئے اور کہا کہ میری بیوی کا مکان تھا۔ اس کی تعمیر میں میں نے بھی اتنے پیسے لگا دیئے تھے ـــــ ان صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کس نیت سے لگائے تھے؟ کیا ان پیسوں کے ذریعہ تم اس کی امداد کرنا چاہتے تھے؟ یا تم اس کے مکان میں حصہ دار بننا چاہتے تھے؟ یا تم نے قرض کے طور پر دیئے تھے؟ کوئی بات تو واضح کرو ـــــ ان صاحب نے کہا کہ اس وقت تو ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ بس تعمیر ہو رہی تھی، لگا دیئے تھے ـــــ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انتقال ہوا تو اب جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ اس مکان میں کتنا حصہ بیوی کا ہے، اور کتنا حصہ شوہر کا ہے ـــــ بہرحال! ملکیتوں کا ممتاز ہونا کہ کونسی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ دین کا بہت اہم حصہ ہے۔ جس کو صفائی معاملات کہا جاتا

ہے، اس کے بغیر ہمیشہ جھگڑے اور فساد کھڑے ہو جائیں گے ____

گھر کا ماہانہ خرچ اور ملکیت

شریعت نے یہاں تک فرمایا کہ شوہر بیوی کو گھر کا جو خرچہ ماہانہ دیتا ہے، اس خرچ میں بات واضح ہونی چاہئے کہ یہ جو خرچ دیا جا رہا ہے، یہ خرچہ بیوی کے پاس امانت ہے؟ یا اس کی ملکیت کر دیا گیا ہے؟ ____ اگر وہ خرچہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ تو اس صورت میں مہینہ پورا ہونے کے بعد جو پیسے بچ جائے ان پیسوں کو بیوی کے لئے استعمال کرنا اصلاً جائز نہیں، اس لئے کہ وہ پیسے اس کی ملکیت نہیں ہیں ____ ہاں اگر شوہر یہ کہہ دے کہ میں یہ پیسے گھر کے خرچ کے لئے دے رہا ہوں، جو بچ جائیں وہ تمہارے ہیں تم جو چاہو کرو، تو اس صورت وہ بیوی ان پیسوں کی مالک بن جائے گی ____ لیکن اس کی وضاحت ہونی چاہئے، اب آج کتنے گھرانے ایسے ہیں جس میں یہ وضاحت کی جاتی ہوگی! ____ اور جب وضاحت نہیں کی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پیسے بچے، وہ بیوی کی ملکیت نہیں ہیں، اس کے لئے ان پیسوں کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہیں ____ اگر وہ اپنے اوپر خرچ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہوگی۔ یہ گناہ میں ابتلاء اس لئے ہوا کہ بات صاف نہیں کی تھی ____ یہ سب دین کا حصہ ہے، ان سب کو واضح کرنا ضروری ہے ____ ایک ایک پیسے کے بارے میں بات واضح ہونی چاہئے، ایک ایک چیز کے بارے میں ملکیت واضح ہونی چاہئے۔

مشترک کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے

آج کل یہ وبا بھی عام ہے کہ چند بھائیوں کا مشترک کاروبار ہے، لیکن حساب کتاب کوئی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم سب بھائی ہیں۔ حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ حساب کتاب تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں میں حساب کتاب کہاں ـــــ اب اس کا کوئی حساب کتاب، کوئی لکھت پڑھت نہیں کہ کس بھائی کی کتنی ملکیت اور کتنا حصہ ہے؟ ماہانہ کس کو کتنا منافع دیا جائے گا؟ اس کا کوئی حساب نہیں، بلکہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک تو محبت و پیار سے حساب چلتا رہتا ہے، لیکن بعد میں دلوں میں شکوے شکایتیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں، کہ فلاں کی اولاد تو اتنی ہے۔ وہ زیادہ رقم لیتا ہے، فلاں کی اولاد کم ہے۔ وہ کم لیتا ہے، فلاں کی شادی پر اتنا خرچ کیا گیا، ہمارے بیٹے کی شادی پر کم خرچ ہوا، فلاں نے کاروبار سے اتنا فائدہ اٹھالیا، ہم نے نہیں اٹھایا۔ وغیرہ اس طرح کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے دور چلے گئے، یاد رکھئے! ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر کوئی مشترک چیز ہے تو اس مشترک چیز کا حساب و کتاب رکھا جائے، اگر حساب و کتاب نہیں رکھا جا رہا ہے، تو تم خود بھی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو، اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہو، یاد رکھئے! بھائیوں کے درمیان معاملات کے اندر جو محبت و پیار ہوتا ہے۔ وہ

کچھ دن چلتا ہے، بعد میں وہ لڑائی جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ لڑائی جھگڑا ختم ہونے کو نہیں آتا، کتنی مثالیں اس وقت میرے سامنے ہیں ____

ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے

بہر حال! ملکیتوں میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ باپ بیٹے کی ملکیت میں اور شوہر بیوی کی ملکیت میں امتیاز ہونا ضروری ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے گھر الگ الگ تھے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ملکیت اور میری دونوں بیویوں کی ملکیت بالکل الگ الگ کر کے بالکل امتیاز کر رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کچھ سامان بڑی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہاں ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان چھوٹی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے اور جو سامان خانقاہ میں ہے، وہ میری ملکیت ہے، آج اگر دنیا سے چلا جاؤں تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ الحمد للہ سب امتیاز موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب نے اپنے کمرے میں ایک چارپائی ڈال لی تھی۔ دن رات وہیں رہتے تھے، ہم لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد

فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو، ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ ایسی جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچا دیں گے، ایک دن خود والد ماجد قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں۔ اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ ان کی ملکیت ہے، لہٰذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آجاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو، اس لئے کہ وصیت نامہ کے مطابق وہ چیز میری ملکیت تصور کی جائے گی، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں، اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔

یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں۔

یہ مقولہ درست نہیں

بعض لوگ یہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ:

''حسابِ دوستاں در دل''

یعنی دوستوں کا حساب دل میں ہے، لہٰذا میاں بیوی کے درمیان حساب کتاب رکھنے کی ضرورت نہیں، تو "حسابِ دوستاں در دل" کا یہ مطلب نہیں کہ معاملہ مخمصہ میں ڈالے رکھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے کچھ پیسے تمہارے ذمہ آتے ہیں تو تم صاف صاف کہہ دو کہ میں نے تم کو معاف کردیا ــــــ لیکن مبہم معاملہ رکھنا کسی طرح مناسب نہیں ــــــ بہرحال! شوہر بیوی کے تعلقات میں بھی املاک کو ممتاز رکھنا ضروری ہے کہ کونسی چیز کس کی ملکیت ہے ــــــ اب ہر شخص اپنے حالات کا اندازہ کرکے دیکھ لے، کتنے گھرانے ایسے ہیں جن میں دین کے اس حکم پر عمل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ــــــ اس حکم پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے معاملات خراب ہو رہے ہیں، حلال و حرام ایک ہو رہے ہیں۔ جھگڑے اور فساد برپا ہو رہے ہیں ــــــ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ املاک ممتاز نہیں۔ یہ سب باتیں بھی نفقہ کے باب میں داخل ہیں۔ لہٰذا جو چیز تم بیوی کو دے رہے ہو، اس کے بارے میں صاف طور پر وضاحت کے ساتھ بتادو کہ یہ تمہاری ملکیت ہے، یا یہ تمہارے پاس امانت ہے، یہ بھی نفقہ کا ایک لازمی حصہ ہے۔

بیوی کو جیب خرچ بھی دینا چاہئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "نفقہ" کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ کھانے کی حد تک اور کپڑوں کی حد تک بیوی کو خرچہ دیدیا ــــــ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ بیوی کو

کچھ رقم اس کی جیب خرچ کے طور پر دو۔ جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی ضروریات میں خرچ کر سکے ـــــ بہت سے گھرانوں میں اس طرف سے غفلت ہوتی ہے ـــــ اس کا اہتمام کرنا چاہیے ـــــ یہ نہ ہو کہ جب بھی بیوی کو ضرورت پیش آئے، وہ شوہر سے مانگتی پھرے۔ یہ جیب خرچ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے ـــــ یہ نفقہ بھی اجر و ثواب کا ذریعہ ہے، لہٰذا اس کو محض ایک دنیاوی عمل سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ـــــ

اگلی حدیث بھی اسی مضمون کی ہے کہ:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ: هَلْ لِيْ مِنْ أَجْرٍ فِيْ بَنِي أَبِيْ سَلَمَةَ أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ: وَلَسْتُ بِتَارِكَتِهِمْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا. إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ؟ قَالَ: نَعَمْ. لَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ.

(بخاری شریف، کتاب النفقات، باب: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ، حدیث نمبر ۵۳۶۹)

میری دعا قبول ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آ گئی

یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، یہ حضرت ام سلمہ پہلے حضرت ابو سلمہ کی بیوی تھیں۔ جب ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں ـــــ اس کا بھی عجیب واقعہ ہے کہ جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میرے شوہر کے انتقال کا میری

طبیعت پر بہت اثر ہے ___ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ! وَاَعْقِبْنِیْ مِنْہُ عُقْبٰی حَسَنَۃً

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند المریض والمیت، حدیث نمبر ۹۱۹)

اے اللہ! میری مغفرت فرما، اور ان کی مغفرت فرما، ان کے بعد میرا انجام بہتر کردیجئے۔ اور مجھے ان سے بہتر نائب عطا فرمایئے ___ یہ دعا حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کیا کرتی تھیں۔ بعد میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو اس وقت یہ فرمایا کرتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو دعا تلقین فرمائی تھی، میں دعا میں کرتی رہی، اور اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول فرمایا کہ "ابوسلمہ" سے کہیں زیادہ افضل اور بالا برتر شوہر عطا فرمایا، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ماں کا بچوں پر خرچ کرنے پر بھی اجر وثواب

جب یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو اس وقت ان کی سابق شوہر سے اولاد تھی۔ لڑکے بھی تھے، اور لڑکیاں بھی تھیں ___ اس اولاد کے بارے میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے سابق شوہر کے لڑکے ہیں، اب میں ان کو اس طرح تو چھوڑ نہیں سکتی کہ وہ دوسروں کے دست نگر بن جائیں۔ ان پر مجھے کچھ خرچ کرنا چاہیے؟ اگر میں خرچ کروں گی تو اس پر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا یا نہیں؟ ___ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! جو کچھ بھی نفقہ تم ان کے اوپر کرو گی، اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا ___ معلوم ہوا کہ شوہر جو کچھ بیوی

پر خرچ کرے، یا باپ بیٹوں پر خرچ کرے وہ تو ہے ہی باعث اجر و ثواب ___ بلکہ ماں بھی اپنے بیٹوں پر جو خرچ کرتی ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر لکھا جاتا ہے۔

انسان کے گناہ گار ہونے کیلئے یہ کافی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَمْرٍو ابْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّضِیعَ مَنْ یَّقُوْتَ.

(ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحمن، حدیث نمبر ۱۶۹۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دے جن کی دیکھ بھال اور نفقہ اس کے ذمہ ہے ___ یعنی جن لوگوں کا نفقہ انسان کے ذمہ ہے، مثلاً بیوی، نابالغ اولاد، اور بالغ لڑکیاں، اور ماں باپ اگر کمانے سے معذور ہیں تو ان سب کا نفقہ انسان کے ذمہ واجب ہے، اگر اس نفقہ کو ادا کرنے میں انسان کوتاہی کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے یہ لوگ پریشانی کا شکار ہوتے ہیں تو یہ بات انسان کے گناہگار ہونے کے لئے کافی ہے، یعنی اس کا ان حضرات کو نفقہ نہ دینا، اس کے لئے سخت گناہ ہے ___ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ نفقہ دے گا تو ثواب ہوگا، بلکہ اس کے برعکس یہ ہے کہ اگر نفقہ نہیں دے گا تو گناہ گار ہوگا ___ جن کا نفقہ انسان کے ذمے واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں: بیوی، نابالغ اولاد، بالغ لڑکیاں، جب تک ان کا

نکاح نہ ہو جائے، اور ماں باپ، اگر وہ کمانے سے معذور ہوں ___ بلکہ اگر کوئی قریبی رشتہ دار ہو، اور وہ اپاہج ہوں، معذور ہوں، تو انکا نفقہ بھی بعض صورتوں میں انسان کے ذمے واجب ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے ___ ان سب کا نفقہ انسان کے ذمہ واجب ہے۔ اگر نفقہ نہیں دے گا تو گناہ گار ہوگا۔

فرشتوں کی انسانوں کے حق میں دعا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ___ وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا.

(بخاری شریف، کتاب الزکاۃ، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى...، حدیث نمبر ۱۴۴۲)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی جس میں دو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہوتے ہوں، یعنی ہر صبح دو فرشتے ضرور نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا رہتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفاً

اے اللہ! جو شخص خرچ کرنے والا ہو، یعنی نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے والا

ہو، جس میں بیوی بچوں کا نفقہ بھی داخل ہے، اور دوسرے نیکی کے کام بھی داخل ہیں، اس کو اس کے مال کے بدلے میں دوسرا مال عطا فرما۔ یعنی اس مال کا خلیفہ اور نائب عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا.

اے اللہ! جو شخص پیسوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ اور جہاں خرچ کرنا واجب ہے، وہاں بھی خرچ نہیں کرتا۔ اے اللہ! اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے۔ اس کے مال کو برباد کر دے ___ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مقامات پر اپنا مال خرچ کرے گا، وہ یہ نہ سمجھے کہ میرا پیسہ ہاتھ سے گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مال کا بدل دنیا اور آخرت میں عطا فرمائیں گے ___ اور جو شخص اپنے واجب حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا اور خرچ نہیں کرتا۔ دنیا میں اس کا مال چاہے گنتی کے اعتبار سے بڑھ جائے، لیکن بالآخر اس کے اوپر ہلاکت اور بربادی آتی ہے ___ اللہ تعالیٰ اس کے انجام سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۰/اپریل ۱۹۹۲ء
وقت	:	بعد نماز مغرب
مقام	:	امریکہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ

خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ
ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

(سورۃ المؤمنون، آیت ۱ تا ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ. وَصَدَقَ
رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ. وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ
الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

آیات کا ترجمہ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۃ مؤمنون کی ابتدائی آیات تلاوت کی ہیں۔ ان آیتوں میں سے آخری آیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا اس وقت مقصود ہے ___ البتہ ابتدائی آیات کا ترجمہ کر دیتا ہوں، تاکہ مناسبت پیدا ہو جائے ___ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ
صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

وہ مؤمن فلاح پاتے ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾

اور دوسرے یہ کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے اعراض کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بے فائدہ کاموں میں نہیں لگاتے، تمام گناہ بھی اس میں داخل ہو گئے، اور وہ کام بھی جن میں دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ نہیں، ان سب سے اجتناب کرتے ہیں ـــــ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾

اور وہ لوگ جو پابندی سے زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ اس کو ناجائز جگہ میں استعمال ہونے سے بچاتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

مگر اپنی بیویوں کے ساتھ، یا اپنی کنیزوں کے ساتھ (جو اس زمانے میں شرعاً جائز ہوا کرتی تھیں) اس صورت میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

جو لوگ اس کے علاوہ اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے بیوی اور کنیز کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرتے ہیں، وہ حد سے

گزرنے والے ہیں۔

اس آیت میں دو چیزوں کا بیان

آگے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

اور فلاح وہ لوگ پاتے ہیں جن کے اندر وہ صفات موجود ہوں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی یہ صفت بھی ہو کہ اپنی امانتوں اور اپنے کئے ہوئے وعدوں کا پاس کرنے والے ہوں، یعنی امانت میں خیانت نہ کریں، اور عہد کی خلاف ورزی نہ کریں۔ یعنی بدعہدی نہ کریں ___ اس آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے۔ ایک امانت کا تحفظ، اور دوسرے عہد کی پابندی ___ اس آیت میں درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ دین اسلام کا مطالبہ صرف ''عبادات'' ادا کر کے پورا نہیں ہوتا، کہ عبادتیں ادا کرلیں، نماز پڑھ لی، رمضان کے روزے رکھ لئے، زکوٰۃ ادا کردی، صرف ان سے دین کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا۔ بیشک یہ بھی دین کا بہت بڑا حصہ ہے، جس کو ''حقوق اللہ'' کہا جاتا ہے ___

حقوق العباد کی رعایت

لیکن دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہے جو ''حقوق العباد'' سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ''بندوں کے حقوق'' ___ اور بندوں کے حقوق کی پاسداری اور رعایت اتنی ہی ضروری ہے جتنی رعایت اور پاسداری اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

ضروری ہے ___ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق یعنی عبادات ادا کرتا ہے ___ لیکن بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو محض عبادتوں کے انجام دے لینے سے وہ شخص نجات اور فلاح نہیں پا سکتا، جب تک وہ حقوق العباد کو بھی اللہ تعالیٰ کے بیان کئے ہوئے طریقے کے مطابق ادا نہ کرے، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق العباد کو جو اہمیت دی ہے، اور جو اس کی تاکید فرمائی ہے، اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی تمام تعلیمات اور اسلام کے سارے احکام جس علم میں جمع کر دیئے جاتے ہیں اس کو ''علم فقہ'' کہتے ہیں۔ گویا کہ ''علم فقہ'' میں شریعت کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ کون سا کام جائز ہے، کونسا کام ناجائز ہے، کونسی چیز حلال ہے، کونسی چیز حرام ہے۔ اس ''فقہ'' کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، اس کتاب کا ایک چوتھائی حصہ تو عبادات سے متعلق ہوگا۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق ہوگا، اور اس کتاب کا تین چوتھائی حصہ حقوق العباد سے متعلق ہوگا۔

حقوق العباد کی طرف دھیان نہیں

آپ نے فقہ کی مشہور کتاب ''ھدایہ'' کا نام سنا ہوگا، یہ ہدایہ چار جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی پہلی جلد عبادت سے متعلق ہے، یعنی ''طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور باقی تین جلدیں حقوق العباد سے متعلق ہیں''، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک میرے پیدا کئے ہوئے بندوں کے حقوق ادا نہیں کرو گے، میرا حق بھی اس وقت تک ادا نہیں ہوگا'' ___ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ

دین کے احکام کا تین چوتھائی حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کی ہماری زندگی میں ہم لوگوں نے حقوق العباد سے متعلق شریعت کے احکام کو اس طرح پیچھے ڈال دیا، گویا کہ یہ دین کا حصہ ہی نہیں، بس نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، زکوٰۃ ادا کر دی، تسبیح اور وظائف پڑھ لئے، اور سمجھے کہ بس اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہو گیا۔ بندوں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہئے، بندوں کے کیا حقوق ہمارے ذمہ عائد ہیں، اس کی طرف دھیان اور التفات نہیں۔ اگر کسی سے اس بارے میں کوئی گناہ بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں، اگر گناہ سمجھ لیا تو اس پر ندامت نہیں ہوتی۔ اس گناہ پر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اور اس گناہ کو چھوڑنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

حقوق اللہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں

حالانکہ حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ آپ حضرات نے ایک تو اس بات سے لگا لیا ہو گا کہ پورے دین کا چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق ہے، اور تین چوتھائی دین حقوق العباد سے متعلق ہے____ دوسری یہ کہ ان حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین اور بڑا خطرناک ہے، وہ یہ کہ اگر کسی مسلمان سے حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی یا کوئی غلطی ہو جائے، مثلاً کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب کبھی ندامت ہو جائے، اور شرمندگی ہو جائے اور توبہ کی توفیق ہو جائے تو ایک مرتبہ بیٹھ کر صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہہ دے:

"أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ"

یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی، میں آپ سے توبہ کرتا ہوں، معافی مانگتا ہوں، یا اللہ

مجھے معاف فرما دے ___ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ گناہ معاف ہو جائے گا ___

اور اس طرح معاف ہو جائیگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

(ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، حديث نمبر ۴۲۵۰)

جو شخص کسی گناہ سے توبہ کر لے وہ ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔

نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے

بزرگوں نے فرمایا کہ صرف اتنا نہیں ہوگا کہ وہ گناہ معاف ہو گیا۔ بلکہ نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اتنے رحیم و کریم ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس بندے کے گناہ کو معاف کر دیا تو میں اس کو قیامت کے دن رسوا بھی نہیں کروں گا، کہ اس کے نامہ اعمال میں وہ گناہ باقی رہے۔ جب اس بندہ نے توبہ کر لی تو وہ اب نامہ اعمال ہی سے اس کو مٹا دیا۔ اب وہ گناہ نامہ اعمال کا حصہ ہی نہیں، گویا کہ اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے ___ بہرحال! حقوق اللہ سے متعلق کوئی بھی گناہ سرزد ہو، اس کی تلافی آسان ہے، وہ اس طرح کہ آدمی کو جب بھی توجہ ہو جائے تو وہ بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کر لے کہ یا اللہ! مجھے معاف کر دیجئے، آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا ___ بس وہ معاف ہو گیا۔

حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتا

لیکن اگر کسی بندے کا حق تلف ہوا، اس کی حق تلفی کی گئی، اور اس کا کوئی

جانی حق، یا اس کا کوئی مالی حق، کوئی آبرو کا حق، کسی نے پامال کیا تو یہ صرف توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوگا ___ فرض کیجئے کسی شخص نے دوسرے شخص کو جانی نقصان پہنچایا، اور ظلم کرتے ہوئے اس کو مارا، بعد میں خیال آیا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ___ اب اگر یہ شخص گھر کے اندر بیٹھ کر توبہ کر لے کہ یا اللہ! مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی، مجھے معاف کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک کہ وہ بندہ جس کو تم نے مارا، وہ معاف نہ کر دے۔ جا کر پہلے اس سے معافی مانگو، اگر کسی کا مالی حق تم نے دبا لیا، اس کے پیسے ناجائز طریقے پر کھا گئے تو اب یہ محض توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہوگا، یا تو اس کی تلافی کرے، یا اس کو پیسے واپس کرے۔ یا اسی سے معاف کرائے، جب تک وہ بندہ معاف نہیں کریگا، وہ گناہ معاف نہیں ہوگا ___ اللہ تعالیٰ اپنے حق کو تو ایک لمحہ میں صرف توبہ کرنے سے معاف فرما دیتے ہیں، لیکن بندے کا حق اس وقت تک معاف نہیں کرتے جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے، اور جب تک اس بندے کے حق کی تلافی نہ کی جائے ___

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خوف

اس سے بھی ''حقوق العباد'' کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق اللہ کی تلافی آسان ہے، اور حق العباد کی تلافی مشکل ___ اسی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اوّل، وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدرسہ کے چندے کے معاملے میں بڑا ڈر لگتا ہے، مدرسہ کا چندہ مجھے کسی

نے دیا، مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں غلط جگہ استعمال نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر مدرسہ کا چندہ غلط استعمال ہوا تو یہ تو بے شمار بندوں کا حق ہے، جو میں نے پامال کیا، اب میں کس کس سے معافی مانگتا پھروں گا، کس کس سے معاف کراؤں گا، اور محض توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا، اس لئے مدرسہ کے ایک ایک پیسہ کو احتیاط کے ساتھ خرچ کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں کوئی پیسہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف خرچ نہ ہو جائے، اس لئے کہ اس کی معافی آسان نہیں ہے۔

نابالغ بچے کی حق تلفی کی سنگینی

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نابالغ بچے کے ساتھ کوئی حق تلفی کرنا۔ مثلاً نابالغ بچے کو ناحق مار دیا۔ یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی معافی بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ گناہ توبہ سے معاف ہوگا نہیں، اس لئے کہ بندے کا حق ہے، اور اگر بچے سے معاف کراؤ گے تو نا قابل بچے کی معافی شرعاً معتبر نہیں، اگر وہ بچہ ہزار مرتبہ بھی کہے کہ میں معاف کرتا ہوں، تب بھی وہ معاف نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ نابالغ ہے، اور نابالغ کی معافی معتبر نہیں ــــــ اس لئے حقوق العباد جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ذمہ فرض فرمائے ہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اتنا سنگین بنایا ہے کہ اس سے بڑا خطرہ اور ڈر معلوم ہوتا ہے۔

بتاؤ مفلس کون ہے؟

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ ذرا یہ بتاؤ کہ مفلس کون ہے؟ کس کو مفلس کہتے ہیں؟ بعض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مفلس اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں۔ اس زمانے میں سونے اور چاندی کے درہم اور دینار چلا کرتے تھے۔ جس کے پاس درہم نہ ہوں، جس کے پاس دینار نہ ہوں، وہ شخص مفلس ہے ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفلس وہ نہیں، یعنی حقیقی مفلس وہ نہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں، اس لئے اگر اس کے پاس آج پیسے نہیں ہیں، تو کل اس کے پاس پیسے آجائیں گے ــــ میں بتاتا ہوں کہ حقیقی مفلس کون ہے؟ حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا، اس حالت میں حاضر ہوگا کہ نیک اعمال کے انبار لے کر آیا ہوگا۔ نمازیں، نفلیں، تلاوتیں، تسبیحات، وظائف، صدقات، خیرات، بے شمار نیک اعمال کے ڈھیر لے کر آیا ہوگا، اور اس کے نامہ اعمال میں یہ ساری نیکیاں لکھی ہوئی تھیں کہ ساری عمر وہ یہ نیک اعمال کرتا رہا ــــ لیکن اس کے ساتھ اس نے یہ کیا کہ کسی شخص کا مال ناحق کھالیا۔ کسی شخص کو گالی دیدی، کسی شخص کی غیبت کردی۔ کسی کی آبرو پر حملہ کردیا، کسی کی جان پر حملہ کردیا ــــ تو بے شمار لوگوں کے حقوق تلف کئے ہونگے۔

(مسلم شریف، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث نمبر ۱۵۸۱)

یہاں تک کہ سارے اعمال ختم ہو جائیں گے

جب حساب کتاب شروع ہوگا تو جن لوگوں کے حقوق ضائع کئے ہوں گے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہو جائیں گے کہ یا اللہ! اس نے

ہمارے حقوق غصب کئے ہیں، کوئی کہے گا کہ یہ شخص میرے پیسے کھا گیا، کوئی کہے گا کہ اس نے میری جان پر حملہ کیا تھا، کوئی کہے گا کہ اس نے میری آبرو پر حملہ کیا تھا۔ اس نے مجھے گالی دی تھی، اس نے میری غیبت کی تھی۔ لہٰذا آپ ہمارے حقوق اس سے دلوایئے ___ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس نے تمہارے جو حقوق ضائع کئے تھے، اس کی تلافی کے لئے یہاں درہم اور دینار نہیں ___ یہاں کی کرنسی تو نیک اعمال ہیں ___ اب اس کی تلافی کی صرف یہ شکل ہے کہ یہ شخص جو نیکیوں کا انبار لے کر آیا ہے، تو جس جس کا حق اس نے ضائع کیا ہے، اس کے عوض اس کی نیکیاں ان کو دیتے رہو۔ چنانچہ ایک صاحبِ حق اس کی نمازیں لے جائے گا، اور دوسرا شخص اس کے روزے لے جائے گا ___ تیسرا شخص اس کے صدقات لے جائے گا، ایک شخص اس کا حج و عمرہ لے جائے گا، ایک شخص اس کی تسبیحات اور وظائف لے جائے گا ___ چنانچہ وہ شخص جتنے نیک اعمال لے کر آیا تھا، وہ سب دوسرے لوگ لے جائیں گے ___ یہاں تک کہ سارے نیک اعمال ختم ہو جائیں گے۔

دوسروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں

اس کے بعد بھی حق کا مطالبہ کرنے والے باقی رہ جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہمارا حق دلوایئے۔ ہمیں تو ابھی تک حق نہیں ملا ___ ہمیں بھی ہمارا حق دلوایا جائے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب حقوق دلوانے کی ایک شکل ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ جو صاحب حق ہیں، ان کے نامہ اعمال میں جو گناہ ہیں، وہ

گناہ اٹھا کر اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیے جائیں ـــــ سرکار دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ حقیقی مفلس وہ ہے جو نیکیوں کے انبار لے کر آیا تھا، لیکن حقوق العباد کو تلف کرنے کے نتیجے میں وہ نیکیوں کے بجائے گناہوں کے انبار لے کر جائیگا، حقیقی معنی میں مفلس وہ ہے، کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی سامان باقی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ فرمائے ـــــ آمین۔

حقوق العباد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو

یاد رکھئے! حقوق العباد کا معاملہ اتنا نازک اور اتنا سنگین ہے، اور اتنا اہم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس حقوق العباد کے بہت سارے شعبے رکھے ہیں۔ مثلاً والدین کے حقوق، بہن بھائیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، یہاں تک کہ کافروں کے حقوق، یہاں تک جانوروں کے حقوق۔ ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احکام عطا فرمائے ہیں۔ ان سب احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر فلاح حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ دنیا بے حقیقت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ : ۲۰/دسمبر ۱۹۹۱ء

بروز : جمعہ

وقت : بعد نماز عصر

مقام : مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

یہ دنیا بے حقیقت ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ. وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ، وَاَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا. اَمَّا بَعۡدُ!

حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللّٰهِ بۡنُ مَسۡلَمَةَ بۡنِ قَعۡنَبٍ، حَدَّثَنَا دَاوٗدُ يَعۡنِيۡ ابۡنَ قَيۡسٍ، عَنۡ عُبَيۡدِ اللّٰهِ بۡنِ مِقۡسَمٍ، عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اتَّقُوا الظُّلۡمَ، فَاِنَّ الظُّلۡمَ ظُلُمَاتٌ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَاِنَّ الشُّحَّ اَهۡلَكَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ، حَمَلَهُمۡ عَلٰى اَنۡ سَفَكُوۡا دِمَائَهُمۡ

وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم الحدیث: ۴۵۷۸)

ظلم قیامت کے دن تاریکی کا سبب ہوگا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن ظلمتوں کا ذریعہ ہوگا۔ ظلمتیں اور اندھیریاں لے کر آئے گا ___ بلکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہونگی۔ یعنی ظلم قیامت کے دن خود اندھیرے کی شکل میں متشکل ہو کر آئے گا۔ اس سے بچو۔

پچھلی امتوں کی ہلاکت کا سبب

دوسرا جملہ ارشاد فرمایا کہ: بخل سے بچو۔ مال کی محبت، کنجوسی، اور بخل سے بچو اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلی امتوں کو بھی تباہ و برباد کیا۔ کس طرح تباہ کیا؟ آگے فرمایا کہ اس بخل نے ان کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خون بہائیں۔ اور اس کے نتیجے میں انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا۔ اور حرام کاموں کا ارتکاب شروع کر دیا ___ اس کے نتیجے میں وہ سب ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ بہرحال! اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں سے بچنے کا حکم دیا۔ ایک ظلم اور دوسرے بخل ___ ظلم کے بارے میں تفصیل گزشتہ جمعہ میں عرض کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

مال کی محبت کی علامات

دوسری چیز جس سے اس حدیث میں بچنے کا حکم دیا۔ وہ ہے ''شح''، شح کا ترجمہ ہم اردو زبان میں ''بخل'' ہی سے کر سکتے ہیں۔ اگر اس کی صحیح حقیقت بیان کی جائے تو وہ ہے۔ ''مال کی محبت'' ـــــ مال کی اتنی محبت کہ آدمی اس کو حاصل کرنے کی خاطر حلال و حرام ایک کر دے۔ اگر اس کے حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کا حق پامال ہو تو اس کی پرواہ نہ کرے۔ اگر بندے کا حق پامال ہو تو اس کی بھی پرواہ نہ کرے۔ بس کسی طرح بھی پیسہ آنا چاہئے۔ اور اگر کسی وجہ سے پیسہ ہاتھ سے نکل گیا تو بس گویا کہ جان نکل گئی۔ اور پیسہ کا دوسرے کے پاس چلا جانا آدمی کو گراں محسوس ہو۔ اور آدمی پر شاق گزرے۔ بس اسی کا نام ''حب مال''، اسی کا نام ''شح'' ہے۔

''مال'' بذات خود مذموم چیز نہیں

یہ مال بذات خود کوئی مذموم چیز نہیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، دولت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس کی نعمت ہے۔ اور قرآن کریم میں ''فضل اللہ'' فرمایا۔ اور اس کو ''خیر'' کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ اور خیر کے معنی ہیں ''اچھائی'' اگر یہ مال جائز اور حلال طریقے سے مل جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور اس کا حق بجالاؤ۔ اور اس مال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کرو ـــــ لیکن مال کی ایسی محبت جو دل کے اندر پیوست ہو جائے اور صبح سے لے کر شام تک مال کو حاصل کرنے کی دھن کے علاوہ کوئی اور خیال

ہی دل میں نہیں آتا۔ یہ ہے شح ــــــ یہ ہے بخل۔ یہ ہے ''حب مال'' جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور جو انسان کو ہلاک کرنے والا ہے۔

مال کی تھوڑی محبت ہونی چاہئے

لہٰذا مال تو انسان کے پاس ہو، لیکن مال کی محبت نہ ہو۔ مال کی تھوڑی بہت محبت تو انسان کی فطرت میں داخل ہے کیوں کہ انسان کو مال کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تھوڑی سی محبت تو انسان کے دل میں ہونی چاہئے۔ تھوڑی سی محبت کی حد یہ ہے کہ انسان اس محبت کے نتیجے میں اپنے خلاف ہونے والے ظلم سے دفاع کر سکے۔ اگر اتنی محبت مال کی ہو تو وہ مذموم نہیں۔ مثلاً کوئی ڈاکو چور آپ کا مال چھیننے کے لئے آجائے۔ اگر اپنے مال کی محبت نہ ہو گی تو اس چور اور ڈاکو کے لوٹ کے لے جانے کی صورت میں انسان کوئی پرواہ نہ کرے گا اور مدافعت بھی نہ کرے گا تو ایسا کرنا تو ٹھیک نہیں۔ لہٰذا اتنی محبت ہونی چاہئے جس کے نتیجے میں انسان اپنے مال کے خلاف ہونے والے ظلم کا دفاع کر سکے۔ یہ محبت مذموم نہیں۔ اگرچہ ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں کہ ان کے دل میں اتنی محبت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنا مٹا لیا کہ اب دل میں دوسری محبت داخل ہی نہیں ہو سکتی۔

حضرت میاں جی نور محمد اور چور

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق رہتے تھے۔ کوئی شخص ان کو اشرفیوں کی تھیلی دے گیا۔ ان کو بازار سے کوئی ضرورت کا سامان خریدنے کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے سوچا کہ کہاں میں ان اشرفیوں کو نکال کر گنتی کروں۔ اور ان میں سے ضرورت کے مطابق لے جاؤں۔۔۔۔ پوری تھیلی اٹھا کر بازار چلے گئے۔ بازار میں جا کر ایک دکان سے سامان خریدا۔ اور وہ تھیلی ان کو پکڑا دی کہ اپنے پیسے اس تھیلی میں سے لے لو۔ اس دکاندار نے اپنے پیسے لئے اور تھیلی واپس کر دی۔ ایک چور نے دیکھ لیا کہ یہ مولانا صاحب اشرفیوں کی تھیلی لے کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ چور آپ کے پیچھے لگ گیا۔ اور ایک جگہ موقع دیکھ کر وہ تھیلی پیچھے سے چھین لی اور لے کر بھاگ گیا۔۔۔۔ میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کون تھیلی چھین کر لے گیا اور سوچا کہ کون اس کو دیکھے اور اس کا پیچھا کرے۔ اللہ کی یاد میں جو وقت گزر رہا ہے وہ غنیمت ہے۔

جیسا کہ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا ہے کہ:

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا خدا ہی کی یاد دلا

وہ پیسے اس کے لئے حلال کرتا ہوں

جب وہ چور تھیلی لے کر چلا گیا تو حضرت نے اسی وقت دعا فرمائی کہ یا اللہ! یہ بندہ میری تھیلی لے گیا اس بچارے کو ضرورت ہوگی۔ جب یہ اس رقم کو اپنی ضرورت میں استعمال کرے اور چوری کا گناہ بھی اس کو ملے تو مجھے کیا فائدہ؟ پیسے تو میرے چلے ہی گئے اس لئے یا اللہ میں یہ تھیلی اس کے لئے حلال کرتا ہوں۔ اور میں نے وہ پیسے اس کو صدقہ کر دیئے۔ تاکہ وہ پیسے اس کے لئے حلال ہو جائیں۔ تاکہ جب وہ کھائے تو حرام نہ کھائے۔ یہاں تو میاں جی صاحب نے یہ کام کیا۔

چور کو واپسی کا راستہ نہیں ملتا

دوسری طرف جب وہ چور تھیلی لے کر بھاگا____ تو چونکہ میاں جی صاحب اللہ کے نیک بندے اور ولی تھے۔ اور ان کے ساتھ اس نے یہ سلوک کیا تو اس چور پر یہ عذاب آیا کہ وہ اس علاقے سے، محلے سے اپنے گھر جانے کے لئے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کو راستہ نہیں ملتا۔ گلیوں کے اندر گھوم رہا ہے کبھی اس گلی میں کبھی دوسری گلی میں۔ باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ آخر اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص اللہ کے نیک بندے ہیں جن کی تھیلی میں نے چھینی ہے، اور جب تک میں ان کی تھیلی واپس نہیں کروں گا اور ان سے معافی نہیں مانگوں گا اس وقت تک مجھے واپسی کا راستہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ مڑا اور میاں جی صاحب کے مکان پر پہنچا۔ اور جا کر دستک دی۔ میاں جی نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ چور نے کہا

کہ حضرت میں نے آپ کی تھیلی چھین لی تھی وہ تھیلی آپ کو واپس دینے آیا ہوں۔ آپ واپس لے لیں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تھیلی اب میری نہیں رہی۔ جس وقت تم نے مجھ سے وہ تھیلی چھینی تھی میں نے اسی وقت تمہیں صدقہ کر دی تھی۔ لہٰذا اب وہ میری رہی نہیں۔ اس چور نے کہا کہ حضرت میں تو عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس لئے کہ میں گھر جانا چاہتا ہوں مجھے راستہ نہیں مل رہا ہے خدا کے لئے آپ یہ تھیلی واپس لے لیں ـــــ اب آپس میں تکرار شروع ہو گئی۔ چور کہتا کہ تھیلی لے لیں۔ حضرت کہتے کہ یہ تھیلی میری نہیں، میں نہیں لیتا۔ محلے کے لوگ جمع ہو گئے۔ پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ چور نے پورا قصہ سنایا اور کہا کہ اب تھیلی دینا چاہتا ہوں یہ نہیں لیتے۔ لوگوں نے حضرت سے کہا کہ حضرت جب یہ شخص معافی مانگ رہا ہے تو اس کو معاف کر دیں اور تھیلی لے لیں۔ حضرت نے کہا کہ یہ تھیلی میری ملکیت نہیں رہی میں اس کو کیسے واپس لے لوں؟ میں یہ تھیلی اس کو ہبہ کر چکا ہوں۔ اس چور نے کہا کہ خدا کے لئے آپ دعا فرمادیں کہ مجھے راستہ مل جائے۔ تاکہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ حضرت نے دعا فرما دی۔ اور اس کے بعد اس کو راستہ مل گیا اور اس چور کی جان چھوٹی۔

تم اپنے مال کی طرف سے دفاع کرو

بہرحال! دنیا میں ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں کہ ایک چور ان کے ہاتھ سے پیسے چھین کر جا رہا ہے وہ اس سے پوچھ لیں کہ تو کہاں لے جا رہا ہے؟ ـــــ لیکن ہمیں آپ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تم بھی ویسا ہی کرو جیسے حضرت میاں جی نے

کیا تھا۔ ہمیں آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ لہٰذا اس مال کی طرف سے دفاع کرنا بھی تمہارا کام ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا گیا کہ:

لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ

یہ نہ کسی کو دھوکہ دیتے تھے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتے تھے۔ بہرحال ہمارے اور آپ کے لئے حکم یہ ہے کہ مال کی طرف سے دفاع کرو۔ لہٰذا اس دفاع کے لئے جتنے تعلق کی ضرورت ہے وہ معاف ہے۔ لیکن اس سے آگے مال کی محبت کا دل میں اس طرح سرایت کر جانا کہ وہ مال جس طریقے سے آ گیا بس اس کو رکھ لیا۔ چاہے وہ حلال طریقے سے آیا۔ یا حرام طریقے سے آیا، چاہے ظلم کر کے اور دوسرے کا حق مار کر ملا ہو۔ بس مال آنا چاہئے۔ مال کی ایسی محبت بالکل حرام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسی محبت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

مال کی محبت کو اعتدال میں لائے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ (سورۃ النساء: ۱۲۸)

کہ انسان کے نفس میں شح یعنی حُبِّ مال بسا ہوا ہے۔ مال کی محبت سرایت کئے ہوئے ہے لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ مال کی اس محبت کو جو اس کے دل میں بسی ہوئی ہے، اعتدال پر لائے۔ اللہ کے حکم کے تابع بنائے، اور جب تک کسی اللہ والے کی صحبت نصیب نہ ہو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ـــــ لہٰذا ایسے اللہ والوں

کی صحبت اختیار کرے جن کے دل مال کی محبت سے پاک ہو، اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال پیدا فرما دیا ہو، ان کی صحبت اختیار کرے ___ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ "مال" بذات خود برا نہیں لیکن اس کی محبت بری ہے۔

مال اور انسان کی بہترین مثال

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

فرمایا کہ مال انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہے جیسے کشتی کے لئے پانی، انسان کشتی اور مال پانی ___ جس طرح کشتی بغیر پانی کے نہیں چل سکتی اس طرح انسان بغیر مال کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان کو کھانے کو نہ ملے تو وہ کیسے زندہ رہے گا۔ لیکن یہ پانی کشتی کے لئے اس وقت رحمت ہے جب وہ پانی کشتی کے چاروں طرف ہو، ارد گرد ہو لیکن وہ پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو وہ پانی کشتی کو ڈبو دے گا ___ وہی پانی جو کشتی کو چلانے والا تھا وہی اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا ___ اسی طرح یہ مال جب تک تمہارے چاروں طرف ہے تو یہ مال اللہ کا فضل ہے، خیر ہے، تمہاری زندگی کو چلانے والا ہے۔ لیکن جس دن اس مال کی محبت تمہارے دل میں گھس گئی تو پانی اس کشتی میں گھس آیا۔ اب وہ پانی اس کشتی کو تباہ کر دے گا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب اندر زیر کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

اسی لئے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ "اِتَّقُوا الشُّحَّ"

خبردار یہ محبت تمہارے دل کے اندر داخل نہ ہو جائے۔ بقول شخصے:

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

دنیا میں ہوں۔ لیکن دنیا کی طلب اور اس کی محبت دل کے اندر نہیں۔ اگر جائز طریقے سے دولت آ گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس کا شکر ادا کرو۔ اس کو استعمال کرو۔ لیکن اگر دولت جائز طریقے سے نہیں آ رہی ہے تو اس کو ناجائز اور حرام طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اگر دولت نہ ملے تو غمگین ہو کر بیٹھ جانا کہ فلاں کو اتنی دولت مل گئی مجھے نہیں ملی۔ یہ غم اور صدمہ مہلک ہے، یہ بیماری ہے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس سے نجات عطا فرمائے ـــــ آمین۔

مال کے بارے میں ہمارا طرز عمل کیا ہے

آج ہم اگرچہ زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں مال سے محبت نہیں ہے۔ لیکن ہم اپنے طرز عمل کو دیکھیں کہ آیا مال حاصل کرنے کے لئے ناجائز طریقوں کو اختیار کر رہے ہو یا نہیں؟ اگر تم ناجائز طریقوں کو اختیار نہیں کر رہے ہو اور تمہارے سامنے ناجائز طریقے سے بڑے مال کی پیشکش کی جاتی ہے اور

جواب میں کہتے ہو کہ نہیں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ مجھے یہ مال نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ اس کے حکم کے خلاف ہے۔ اگر تم ایسا کر رہے ہو تو تمہیں تمہارا طرز عمل مبارک ہو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حُب مال سے محفوظ ہو ــــ لیکن اگر دل میں یہ خیال ہے کہ یہ اتنا بڑا مال ہے کسی طرح مجھے مل ہی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں مال کی محبت گھسی ہوئی ہے۔

وہ بزرگ صبح وشام تجارت میں مشغول تھے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک بزرگ کی بہت شہرت سنی کہ وہ بزرگ بہت اللہ والے ہیں اور ان کی صحبت میں لوگوں کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ وہ صاحب سفر کر کے ان کی خدمت میں پہنچے ــــ ذہن میں ان کے یہ تھا کہ ان بزرگ کی کوئی خانقاہ ہوگی۔ مریدین کا حلقہ ہوگا، پیر صاحب بیٹھے ہوئے ہر وقت وعظ و نصیحت کی باتیں کرتے ہوں گے ــــ لیکن جب وہاں جا کر دیکھا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ وہاں تو وہ بزرگ صبح سے شام تجارت میں مشغول ہیں، مال آرہا ہے، مال جارہا ہے۔ اس کی خرید و فروخت میں مشغول ہیں۔ صبح سے شام تک دکان پر بیٹھے ہوئے ہیں اور تجارت چل رہی ہے ــــ ان صاحب کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہ بڑے اللہ والے آدمی ہیں۔ یہ تو دنیا دار آدمی ہیں۔ اور صبح سے لے کر شام تک تجارت ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ دور سے سفر کر کے آئے

تھے۔ اس لئے سوچا کہ دو چار دن یہاں قیام کر کے دیکھوں۔

ذرا میں وہ چادر اٹھا لاؤں

ایک عصر کے بعد شیخ صاحب چہل قدمی کے لئے نکلے۔ انہوں نے بھی اجازت لے لی کہ میں بھی آپ کے ساتھ چہل قدمی کے لئے چلوں۔ انہوں نے اجازت دیدی ــــ چلتے چلتے مرید نے کہا کہ حضرت: میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دیدے تو میں آپ کے ساتھ حج پر جاؤں۔ تا کہ زیادہ سے وقت آپ کے ساتھ گزرے۔ اور حج کی عبادت بھی آپ کے ساتھ انجام دوں ــــ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا: تمہارا یہ دل چاہتا ہے؟ اس نے کہ ہاں: میرا بڑا دل چاہتا ہے۔ فرمایا کہ چلو۔ ان صاحب نے فرمایا کہ ابھی؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ ابھی چلو۔ اور یہ سڑک جس پر ہم چل رہے ہیں یہ اسی طرف جا رہی ہے۔ چلو ــــ ان صاحب نے کہا کہ خانقاہ کے کمرے میں میری چادر رہ گئی ہے۔ میں ذرا وہ چادر اٹھا لاؤں۔ پھر چلتے ہیں ــــ ان بزرگ نے فرمایا کہ تمہیں اپنی چادر کی تو اتنی فکر ہے کہ اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور تم نے یہ نہ دیکھا کہ ہماری تجارت پھیلی ہوئی ہے۔ مال آرہا ہے مال جا رہا ہے۔ دکان کھلی ہوئی ہے۔ اور آدمی کام کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ابھی چلنے کے لئے تیار ہیں۔ اور تمہیں ایک چادر کی فکر پڑ گئی کہ وہ چادر کسی طرح اٹھا لاؤں۔

وہ چادر تمہارے لئے دنیا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ اس چادر کی محبت تمہارے دل میں سمائی ہوئی ہے۔

اس لئے اس چادر کو چھوڑ کر جانا تمہیں گوارا نہیں۔ وہ چادر تمہارے لئے دنیا ہے۔ وہ چادر تمہارے لئے حب مال کا سبب ہے ___ اور میری یہ جو تجارت پھیلی ہوئی نظر آرہی ہے۔ یہ پھیلی ہوئی ضرور ہے۔ لیکن الحمدللہ اس کی محبت ایک حبہ کے برابر بھی دل میں نہیں ہے۔ اور جس وقت چاہوں ان کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں ___ لہٰذا یہ تجارت میرے لئے دنیا نہیں۔ اور تمہارے لئے یہ چادر دنیا ہے لہٰذا تھوڑے اور زیادہ کا سوال نہیں۔ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ دل میں ہے یا نہیں۔ اگر دل میں ہے تو وہ دنیا ہے۔ اور اگر دل میں نہیں۔ تو چاہے جتنی بھی ہو۔ وہ دنیا نہیں۔

وہ باغ اور گھر میرے دل سے نکل گیا

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ ہے ___ جب پاکستان بنا اور دیوبند سے رخصت ہونے کا وقت آیا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے باغ لگانے کا بہت شوق تھا اور باغ بھی آم کا، اس لئے کہ پھلوں میں آم آپ کو بہت پسند تھا۔ ابتداء میں مالی تنگی کی وجہ سے باغ نہیں لگا سکے تھے۔ آخر میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی تو اس وقت آم کا باغ لگایا اور اپنا گھر بنانے کا شوق تھا۔ اس وقت اپنا گھر بھی بنایا۔ اور ہر روز عصر سے مغرب تک کا وقت اسی باغ میں اس کی دیکھ بھال کے لئے وہیں گزارتے تھے۔ اس وقت پاکستان بننے کا اعلان ہو گیا اور آپ کا پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ ہو گیا۔ جس سال ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ اسی سال آم کے

درختوں پر پہلی مرتبہ پھول آ رہا تھا۔ چنانچہ وہ باغ اور وہ گھر چھوڑ کر پاکستان تشریف لے آئے ــــــ جب یہ ہجرت کا واقعہ والد صاحب سنایا کرتے تھے اس وقت ایک جملہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ:

''الحمدللہ میں بارہا اپنے دل کو ٹٹول چکا ہوں کہ جس دن میں نے اس باغ اور گھر سے قدم نکالا، باغ اور گھر میرے دل سے نکل گیا۔ اس کے بعد کبھی بھی یاد میں نہیں آیا کہ کیا چیز چھوڑ کر آیا ہوں۔''

وہ ٹھیکرے کیا نکل گئے کہ دنیا لٹ گئی

سچی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حقیقت کا ادراک ہمیں عطا فرما دے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ مال، یہ دولت، یہ کوٹھیاں۔ یہ بنگلے یہ کاریں وغیرہ جو کچھ بھی دولت کے اسباب ہیں یہ سب اتنے بے حقیقت ہیں کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ــــــ آپ نے چھوٹے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ ہم میں سے کون ہے جو اس دور سے نہیں گزرا۔ یہ بچے چھوٹے چھوٹے ٹھیکروں سے کھیلنا شروع کر دیتے ہیں اب بچے نے وہ ٹھیکرے جیت لئے۔ اور دوسرا ہار گیا۔ اب وہ ہار جانے والا بچہ اتنا روتا کہ یہ ٹھیکرے ہاتھ سے کیا نکل گئے گویا کہ اس کی دنیا ہی لٹ گئی۔

آج اس واقعے کو سوچ کر ہنسی آتی ہے

خود میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کا واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہ

میں بچپن میں اپنے تایا زاد بھائی کے ساتھ کھیلتا تھا۔ وہ مجھ سے بڑے تھے۔ اور دیو بند میں سرکنڈوں کے پوروں سے کھیلا کرتے تھے وہ پورے اوپر سے نیچے کی طرف لڑھکایا کرتے تھے جس کا پورا آگے نکل گیا وہ جیت جاتا تھا اور دوسرے بچے کا پورا اپنے قبضہ میں کر لیتا تھا۔ ان پوروں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی تھی ــــــ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا، وہ اتنے ہوشیار تھے کہ انہوں نے میرے سارے پورے جیت لئے۔ اور میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ مجھے آج بھی وہ کیفیت یاد ہے کہ اس دن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری ساری دنیا لٹ گئی۔ اتنا غم، اتنا صدمہ، اتنی تکلیف محسوس ہوئی گویا کہ میرا تو سارا مال جاتا رہا۔ آج جب میں اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو یہ سوچتا ہوں کہ کتنی حماقت کی بات تھی۔ اور میں کس بات پر غم اور افسوس کر رہا تھا۔ کتنی بے حقیقت چیز تھی جس پر میں رو رہا تھا۔ آج کسی کے سامنے بیان کروں تو بیان کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔

دنیا کی ہر چیز ٹھیکروں کی مانند

حقیقت یہ ہے کہ جس زمین اور جائیداد پر ہم جھگڑا کر رہے ہیں، جس مال و دولت کے پیچھے آج ہم دوڑ رہے ہیں۔ جس کو ہم نے ساری کائنات سمجھا ہوا ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے، جب تم وہاں پہنچ کر اس مال و جائیداد پر اتنا ہی افسوس کرو گے جیسا کہ بچپن میں ان ٹھیکروں کے ضائع ہونے پر افسوس کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کرو گے اس لئے کہ بچپن میں جس سے کھیلتے

تھے اس کی تو پھر بھی کوئی حقیقت تھی۔ کوئی قدر و قیمت تھی ___ اور آج تمہیں جو دولت میسر ہے۔ یہ زمین، یہ جائیداد، یہ بنگلے، یہ کاریں وغیرہ، ان کو آخرت میں جو نعمتیں ملنے والی ہیں، ان سے کوئی نسبت نہیں۔

جہنم کے باہر کونے پر پہنچا دیں

چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب جنت والے سب لوگ جنت میں چلے جائیں گے یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ بھی جنت میں چلا جائے گا۔ تو ایک آدمی جو جہنم میں جل رہا ہوگا وہ جلتے جلتے اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ یا اللہ میں یہاں جہنم میں ایک عرصہ سے جل رہا ہوں اور مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اپنی رحمت سے مجھے تھوڑی دیر کے لئے باہر جہنم کے کونے پر پہنچا دیں۔ تاکہ تھوڑی دیر کیلئے میری تکلیف کم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جب تو وہاں پہنچے گا تو کہے گا کہ مجھے اور آگے پہنچا دو۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ میں آئندہ کچھ نہیں مانگوں گا۔ بس مجھے وہاں تک پہنچا دیں ___ اللہ تعالیٰ اس کو وہاں تک پہنچا دیں گے۔ جب وہ پہنچے گا تو تھوڑی دیر تو وہ خاموش رہے گا اور پھر کہے گا کہ یا اللہ آپ نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا لیکن یہاں بھی جہنم کی آگ کی لپٹ آرہی ہے، گرمی آرہی ہے اس لئے مجھے تھوڑی دیر کے لئے ایسی جگہ پہنچا دے کہ جہاں آگ کی لپٹ اور گرمی نہ آئے۔ اور پھر مجھے واپس بھیج دینا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو نے پہلے بھی وعدہ خلافی کی، پہلے تو یہ کہہ رہا تھا کہ میں آگے

جانے کے لئے نہیں کہوں گا اور اب تو کہہ رہا ہے کہ مجھے آگے پہنچا دو۔ اور جب وہاں پہنچا دوں گا تو تو کہے گا کہ اور آگے لے جاؤ۔ وہ بندہ کہے گا کہ نہیں آگے کے لئے نہیں کہوں گا۔

مجھے اس درخت کے نیچے پہنچا دیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ پہنچا دیں گے جہاں جہنم کی لپٹ نہیں آرہی ہوگی۔ وہاں سے آگے اس کو ایک درخت نظر آئے گا چنانچہ وہ کہے گا کہ یا اللہ تو نے مجھے جہنم کی آگ سے نکال کر یہاں تک تو پہنچا دیا۔ یا اللہ۔ یہ سامنے جو درخت نظر آرہا ہے اس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے بس تھوڑی دیر کے لئے مجھے اس درخت کے نیچے پہنچا دیں ــــ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو نے پھر وعدہ خلافی کی اور اگر وہاں تک پہنچا دیا تو پھر آگے جانے کے لئے کہے گا۔ وہ کہے گا کہ نہیں۔ اب آگے نہیں مانگوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو درخت کے نیچے پہنچا دیں گے۔

ادنیٰ جنتی کو پورے کرۂ ارض سے دس گنا زیادہ بڑی جنت

جب درخت کے پاس پہنچے گا تو وہاں سے اس کو جنت نظر آئے گی۔ چنانچہ پھر وہ کہے گا کہ یا اللہ۔ آپ اتنے رحیم و کریم ہیں کہ آپ نے مجھے جہنم سے نکال کر یہاں تک پہنچا دیا ــــ اور جب یہاں تک پہنچا دیا تو اب جنت کتنی دور رہ گئی ہے۔ اس لئے یا اللہ: مجھے اس جنت کی سیر کرا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے اتنی وعدہ خلافیاں کی ہیں۔ اس کا تقاضہ تو کچھ اور تھا۔ لیکن

جب تو میری رحمت پر بھروسہ کر کے مانگ رہا ہے تو پھر جا۔ تجھ کو میں نے جنت دیدی۔ اور اتنی بڑی جنت دیدی کہ جتنا پورا کرہ ارض ہے۔ اس سے ستر گنا زیادہ جنت دے دی ــــــ اس بندہ کو اس بات کا یقین نہیں آئے گا کہ پوری زمین سے ستر گناہ زیادہ بڑی جنت؟ چنانچہ وہ بندہ کہے گا کہ آپ مالک الملک اور قادر المطلق ہیں اور آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مذاق نہیں کر رہا۔ واقعتاً تجھے میں نے جنت میں اتنی بڑی زمین دے دی جو پورے کرہ ارض سے ستر گنا زیادہ ہے ــــــ یہ وہ بندہ ہے جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ یعنی وہ شخص جو پوری کائنات میں سب سے بدعمل شخص ہوگا لیکن اس کے دل میں ایمان کا ذرہ ہوگا۔ اس کو جنت میں جو جگہ ملے گی وہ پورے کرہ ارض سے ستر گنا زیادہ بڑی جگہ ہوگی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاذان، باب فضل السجود۔ حدیث نمبر ۸۰۶)

اب اندازہ کرلیں کہ تمہاری یہ ایک ایکڑ زمین اور دو ایکڑ زمین، تین ایکڑ زمین جنت کی وسعت کے آگے کیا حقیقت رکھتی ہے؟ اس ایک ایکڑ زمین پر دن رات جھگڑے ہیں۔ لڑائیاں ہیں۔ مقدمہ بازیاں ہیں کہ فلاں نے میرا مال لوٹ لیا۔ فلاں نے میرا مال کھالیا، وہ جنت تو لا متناہی ہے۔ اس کے آگے اس پوری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔

ایک چھوٹا بچہ اور دنیا

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے وہ انسان ماں کے اس پیٹ کو پوری کائنات سمجھتا ہے۔ اسی کو اپنی پوری دنیا سمجھتا

ہے ـــــ کوئی اس بچے سے کہے کہ یہ ماں کا پیٹ تو ایک تنگ اور تاریک جگہ ہے۔ اور اس جگہ کے مقابلے میں لاکھوں کروڑوں گنا بڑی جگہ باہر ہے۔ تو یہ بات اس بچے کی عقل میں نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ اس نے ایسی وسعت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ وہ تو اپنی ماں کے پیٹ ہی کو پوری کائنات سمجھتا ہے۔ اس سے بڑی جگہ اور کہاں ہو سکتی ہے۔ یہی میری دنیا ہے اور یہی میری کائنات ہے ـــــ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر نکلے گا تو کہے گا کہ واقعتاً میں تو بہت تنگ اور تاریک جگہ میں تھا۔ اور اب وہ کمرہ جس میں وہ لیٹا ہوگا اس کمرہ کو ہی اپنی کائنات سمجھے گا ـــــ اس سے کوئی کہے کہ ارے بھائی اب بھی تو دھوکے میں ہے۔ ارے اس گھر کے اندر اتنے بڑے بڑے سات کمرے ہیں۔ اور جیسے یہ ایک گھر ہے اس جیسے لاکھوں گھر اس دنیا کے اندر موجود ہیں۔ وہ بچہ ان باتوں پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس بچے نے باہر کی دنیا دیکھی نہیں اس کے بعد جب وہ بچہ بڑا ہوا۔ اور گھر سے باہر نکلا تو اور زیادہ وسعت نظر آئی اور گاؤں سے شہر میں آیا تو اور زیادہ وسعت نظر آئی پھر شہر سے جب پورے ملک میں پھرا تو اور زیادہ وسعت نظر آئی اور جب ملک سے باہر نکلا تو دنیا کی وسعت نظر آئی۔

جنت کی وسعت برحق ہے

لیکن نامعقول انسان کی حالت یہ ہے کہ ہر ہر مرحلے پر وسعت دیکھتا آ رہا ہے کہ میں کتنی تنگ تنگ جگہوں کو پوری کائنات سمجھتا آ رہا ہوں ـــــ اور جب

آخر میں اس دنیا کی وسعت کو دیکھا تو اب یہ سمجھنے لگا کہ اس سے آگے اور کچھ نہیں ــــ اس لئے آج ہمیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اس پوری دینا سے ستر گنا بڑی جگہ اس جنتی کو ملے گی جو سب سے آخر میں جنت کا حق دار ہوگا ــــ وہ اس پر حیران ہو رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل برحق ہے۔

دنیا سائے کے مثل ہے

بہر حال! یہ دنیا اور یہ مال و اسباب اور یہ دولت وغیرہ جنت کی نعمتوں کے آگے اور آخرت کی نعمتوں کے آگے بالکل بے حقیقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یاد رکھو، اس دنیا کی مثال سائے جیسی ہے۔ انسان کا سایہ انسان کے پیچھے آتا ہے۔ اگر انسان اس سائے کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگے گا تو سایہ ہمیشہ اس سے آگے آگے رہے گا۔ وہ کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا۔ اور اگر انسان اس سایہ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چل دے گا تو وہ سایہ اس کے پیچھے پیچھے آئے گا ــــ اسی طرح اگر تم دنیا کو پکڑنا چاہو گے اس کے تعاقب میں رہو گے تو وہ دنیا تم سے آگے آگے بھاگے گی۔ اور جس دن تم نے سچے دل سے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا تو پھر یہ دنیا تمہارے قدموں میں آکر گرے گی۔ تمہارے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، ''تَأْتِيهِ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ'' لیکن سچے دل سے اس دنیا کو ٹھکرانا ضروری ہے کہ مجھے اس دنیا کی محبت نہیں۔ ہاں پھر جو دنیا مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کا کرم ہے۔ اس کو استعمال کرو۔ اور اس پر شکر

ادا کرو۔

بخل چھوڑ دو، دنیا کی محبت نکال دو

بہرحال! اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ''شح'' کو چھوڑ دو۔ دنیا کی محبت دل سے نکال دو۔ اور بخل کو چھوڑ دو اور یہ سوچو کہ چند دنوں کی زندگی ہے۔ اس چند دنوں کی زندگی میں جو کچھ مل رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور جو نہیں مل رہا ہے اس کو جائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا جائز ہے۔ اس سے آگے زیادہ اس کے کھج کاؤ میں پڑنا یہ مسلمان کا شیوہ نہیں۔ کسی نے خوب کہا کہ:

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

پوری دنیا ایک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی کہ:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ
مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا، حدیث نمبر ۲۳۲۰)

فرمایا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی حقیقت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا ____ لیکن چونکہ یہ دنیا بے حقیقت ہے اس لئے کافروں کو بھی دے رہے ہیں کہ جو چاہو کرو۔ لہٰذا اس دنیا کی بے حقیقت ہونے کا تھوڑا سا مراقبہ کیا کرو۔ کہ یہ دنیا جس کے لئے میں دن رات صرف کر رہا ہوں جس کے لئے میری ساری دوڑ دھوپ وقف ہے۔ اور جس کے ساتھ میرے غم اور خوشی وابستہ ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ رات کو سونے سے پہلے اس کا تھوڑا سا مراقبہ کر لیا کرو ____ اس کے نتیجے میں دنیا کی محبت کم ہوتی جائے گی۔ اور جب اس کی محبت کم ہو جاتی ہے تو اس کے بعد جو دنیا ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے ____ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فکر اور یہ سمجھ عطا فرما دے ____ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋

❋

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وساوس اور خیالات کی حقیقت

شیخ الاسلام
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب
مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۱۱/اکتوبر ۱۹۹۱ء
بروز	:	بروز جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وساوس اور خیالات کی حقیقت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ. وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا. اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۸۴﴾ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۸۴)

اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوۡلَانَا الۡعَظِیۡمُ، وَصَدَقَ

رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز: یہ کتاب ''ریاض الصالحین'' جو حدیث کی کتاب ہے۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مختلف شعبہ زندگی سے متعلق احادیث جمع فرمادی ہیں۔ اس کتاب میں آگے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے، ''بَابُ الْاِنْقِيَادِ لِحُكْمِ اللهِ تَعَالٰى'' یعنی اللہ جل شانہ کے حکم کے آگے سر جھکا دینے کے واجب ہونے کا بیان، یعنی اس بات کا بیان کہ جب کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کے آگے سر جھکا دے۔ اور اس حکم میں کوئی چوں وچرا نہ کرے۔ اور اس حکم، حکمت اور مصلحت کے درپے نہ ہو۔ بلکہ جو حکم دیا گیا ہے پہلا کام یہ ہے کہ اس حکم کو مان لے۔ چاہے وہ حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے ــــ اگر اس حکم میں کوئی اشکال یا اعتراض ہو، یا شبہ ہو۔ اس شبہ اور اشکال کو کسی جاننے والے کے سامنے رکھ کر پوچھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن پہلا کام یہ ہے کہ اس کے آگے سر جھکالے۔ اس کو تسلیم کرلے۔

صرف ایک طویل حدیث

اس باب میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس لئے کہ پورا قرآن کریم وحدیث اس حکم کی تائید میں بھرے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد بندے کا کام اس حکم کو تسلیم کرنا ہے۔ مان لینا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس لئے بہت زیادہ احادیث نہیں لائے۔ صرف ایک

حدیث لائے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ الآية البقرة: ۲۸۴) اشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ بَرَكُوا عَلَى الرُّكَبِ فَقَالُوا: أَيْ رَسُولَ اللهِ كُلِّفْنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نُطِيقُ: الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ وَالْجِهَادَ وَالصَّدَقَةَ، وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَا نُطِيقُهَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتُرِيدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ: سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا؟ بَلْ قُولُوا: (سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ)، فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ، وَذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ فِي إِثْرِهَا: (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ

الْمَصِيْرُ) فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ نَسَخَهَا (٣) اللهُ تَعَالٰى، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: (لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ) قَالَ: نَعَمْ (رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (١) كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ) قَالَ: نَعَمْ (رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ) قَالَ: نَعَمْ (وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ) قَالَ: نَعَمْ.

(ریاض الصالحین۔ باب الانقیاد لحکم اللہ تعالی۔ حدیث نمبر

(مسلم شریف۔ کتاب الایمان، باب بیان انہ سبحانہ وتعالی بم یکلف الا، حدیث نمبر ۱۲۵)

یہ طویل حدیث ہے۔ اس کا متن اور اس کے الفاظ میں نے اس لئے پڑھے کہ حدیث کے الفاظ میں بھی برکت ہے۔ اس لئے اس کا پڑھنا باعث اجروثواب بھی ہے۔ اور باعث خیر و برکت بھی ہے۔

یہ تو بڑا سخت حکم آیا ہے

اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی،

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ

یہ سورۃ البقرہ کے آخری رکوع کی آیت ہے۔ اسی آیت میں فرمایا کہ تم جو کچھ اپنے دلوں کی باتوں کو زبان سے ظاہر کرتے ہو یا کوئی بات تم دلوں میں چھپا لیتے ہو، دونوں پر اللہ تعالیٰ تم سے حساب لیں گے ____ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو ہر وقت اور ہر آن آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ ان کو بڑی تشویش اور فکر دامن گیر ہوئی کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جتنے خیالات آرہے ہیں، چاہے وہ زبان پر آئیں یا نہ آئیں۔ مثلاً اگر دل میں کوئی برا وسوسہ اور خیال آگیا تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں گرفت ہوگی۔ اس پر بھی جزا اور سزا مرتب ہوگی۔ لہٰذا یہ معاملہ تو بڑا سنگین اور بڑا سخت ہے۔

خیالات پر کنٹرول اختیار میں نہیں

حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر ہوئے اور اپنے گھٹنوں کے بل دو زانو ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور حدیث کے جو الفاظ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی عاجزی کے ساتھ انتہائی تواضع کے ساتھ گھٹنوں کو زمین پر ٹیک کر اور ایڑیوں کو کھڑا کر کے بیٹھتا ہے۔ اسی طرح بیٹھ گئے۔ اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سے اعمال کا حکم دیا ہے۔ مثلاً نماز کا، روزے کا، جہاد کا، صدقہ کا، یہ سارے اعمال ایسے ہیں جو ہمارے اختیار اور اور ہماری طاقت کے اندر داخل ہے ____ اور ہم ان کو انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اب ایک آیت ایسی

نازل ہوگئی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے دلوں میں جو پوشیدہ باتیں اور جو خیالات آتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ گرفت فرمائیں گے۔ اور ان کا حساب بھی ہوگا۔ یہ حکم ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ خیالات پر کنٹرول اور اختیار نہیں۔ کس وقت کوئی خیال آجاتا ہے، کسی وقت کوئی خیال آجاتا ہے۔ اس لئے اس آیت پر عمل کرنا بظاہر طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے۔

پہلے سر تسلیم خم کرو

اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی اس آیت کے مقابلے میں وہ بات کہنا چاہتے ہو جو پچھلی امتوں کے یہود و نصاریٰ نے کہی تھی کہ "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" یعنی انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ: ہم نے آپ کا حکم سن لیا لیکن ہم اس کی نافرمانی کریں گے ــــ معاذ اللہ ــــ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب میں فوراً فرمایا: یارسول اللہ، ہمارا یہ مقصد نہیں کہ "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" آپ نے فرمایا کہ پھر تم پہلے یہ کہو کہ "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہ ہم نے حکم سن لیا اور اس کو مان لیا۔ جو شبہ اور اشکال ہو رہا ہے اس کا ذکر بعد میں کرو۔ لیکن پہلے سر تسلیم خم کرو۔ اور پہلے اس حکم کے آگے سر جھکالو کہ جو حکم دیا گیا ہے ہم نے اس کو مان لیا۔ ہماری سمجھ میں آرہا ہو تو بھی مان لیا، سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو بھی مان لیا۔ یہ حکم ہمیں اپنی طاقت کے مطابق معلوم ہوتا ہو تو بھی مان لیا۔ طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہو تو بھی مان لیا۔ پہلے یہ کہو۔

ہم نے مان لیا اور اطاعت کر لی

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب تمہیں یہ جو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ جو غیر اختیاری خیالات اور وسوسے ہمارے دلوں میں آرہے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ لہٰذا دوسرے نمبر پر یہ کام کرو کہ یہ کہو:

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

اے اللہ: اے ہمارے پروردگار: ہم آپ کی مغفرت چاہتے ہیں۔ ہم نے مان لیا اور اطاعت کر لی اور آپ نے جو حکم دیا وہ برحق ہے ____ لیکن ہمیں اپنے نفس سے خطرہ ہے کہ کہیں یہ ہمیں غلط کام پر نہ ڈال دے۔ ہم سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہونگی، اے پروردگار: ہماری مغفرت فرمائیے اور آپ ہی کے پاس ہمیں لوٹ کر جانا ہے ____ اور جب حضور اقدس ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو جتنے صحابہ کرام اس وقت آپ کی مجلس میں حاضر تھے سب نے اسی وقت، اسی مجلس میں یہ الفاظ بار بار دہرائے کہ:

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

سب نے مل کر یہ الفاظ دہرائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اتنی مرتبہ دہرائے کہ ان کی زبان پر یہ الفاظ چڑھ گئے۔

اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بار بار یہ کلمات پڑھتے رہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری آیت نازل ہوئی۔ اور یہ وہ آیت ہے جو ان آیات کے

بعد ہے اور یہ سورہ بقرہ کی آخری آیت ہے۔ فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ (سورہ بقرہ، آیت ۲۸۶)

یعنی جب تم نے حکم مان لیا اور سر تسلیم خم کر دیا اور اطاعت کا مظاہر کر دیا تو اب خوشخبری سنو کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ کسی بات کا مکلف نہیں فرماتے جتنی اس کے اندر وسعت ہے، اسی کے مطابق اس کو مکلف کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں ـــــ جو کچھ اپنے اختیار سے انسان عمل کرے تو اس پر اس کو نفع بھی ملے گا اور نقصان بھی ہوگا۔ یعنی اگر نیک عمل کرے گا تو نفع ملے گا اور اگر برا عمل کرے گا تو نقصان ہوگا ـــــ اس آیت کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ یہ جو ہم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تمہاری پوشیدہ باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوگا۔ اس سے مراد وہ پوشیدہ باتیں ہیں جو تم اپنے اختیار سے کر رہے ہو۔ ان پر مؤاخذہ ہو گا۔ اور غیر اختیاری طور پر جو وسوسے اور خیالات آرہے ہیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ تمہاری وسعت سے باہر ہیں تم اس کے مکلف نہیں ہو۔

بھول چوک پر مؤاخذہ نہیں ہوگا

آگے فرمایا کہ جو اختیاری کام ہیں۔ ان پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا لیکن بہت سے اختیاری کام بھی انسان سے بتقاضہ بشریت اور بھول چوک میں غلطی سے سرزد ہو جاتے ہیں اور انجام پر نظر نہیں جاتی ان کاموں کی طرف سے بھی

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہو:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

اے اللہ: اگر ہم سے بھول ہوگئی ہو، خطا ہوگئی ہو، غلطی ہوگئی ہوتو آپ ہم سے اس پر مواخذہ نہ فرمایئے گا ـــــ جب یہ آیت نازل ہو رہی تھی اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جب اللہ کے بندے صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتے ہیں کہ "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ" تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آتا ہے کہ "نعم" ہاں، ہم نے تمہاری یہ بات مان لی اور ہم تمہاری بھول چوک پر مواخذہ نہیں کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر سخت احکام

پھر آگے فرمایا:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ

اے اللہ: ہمارے اوپر ایسا بوجھ نازل نہ فرمایئے گا جیسا کہ ہم سے پہلی امتوں پر ڈالے گئے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر جو احکام نازل ہوئے تھے وہ اتنے سخت اور اتنے گراں بار تھے کہ آج ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں اگر کپڑا ناپاک ہو جاتا تو جب تک اس کپڑے کو کاٹ کر نہ پھینک دیں، اس کے پاک ہونے کا

کوئی راستہ نہیں تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، حدیث نمبر ۲۲۶)

آج ہمارے لئے یہ حکم ہے کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو اس کو تین مرتبہ دھولیں۔ کیسی ہی نجاست لگی ہو لیکن حکم یہ ہے کہ وہ کپڑا پاک ہو گیا۔ اسی کپڑے میں نماز پڑھ سکتے ہیں ـــــ آج اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اتنا آسان کر دیا ہے کہ کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کیا ہو۔ کیسے ہی فسق و فجور میں زندگی گزاری ہو۔ اور اب وہ تائب ہونا چاہتا ہے تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ صدق دل سے یہ کہہ دے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

اسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے اور اس کی توبہ قبول فرما لیں گے ـــــ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے جب گوسالہ پرستی کی تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ تمہاری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہو گی جب تک کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑاؤ۔ اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ سینکڑوں افراد کے قتل ہونے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

(مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، باب سورۃ طٰہٰ حدیث نمبر ۱۱۱۶۶)

ایسے ایسے سخت احکام پچھلی امتوں پر آئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ دعا تلقین فرمائی کہ تم یہ دعا کرو۔ ''رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا'' اے اللہ: ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے گا جیسا بوجھ پہلے لوگوں پر ڈالا گیا تھا۔ اس دعا کے بعد بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

خوشخبری سنائی کہ اللہ جل شانہٗ نے جواب میں ''نعم'' فرمایا ہے اور تمہاری دعا قبول فرمالی ہے۔

اے اللہ: ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے گا

اس کے بعد یہ دعا کرو:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

اے پروردگار: ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے گا جس کے اٹھانے کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو۔ اس کے بعد بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے جواب میں ''نعم'' فرمایا ہے۔ اور تمہاری یہ دعا قبول فرمالی ہے۔ اور پھر آخر میں فرمایا:

وَاعْفُ عَنَّا ٙ وَاغْفِرْ لَنَا ٙ وَارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اے اللہ، ہم سے درگزر فرمائیے اور ہماری مغفرت فرمائیے۔ ہم پر رحم فرمائیے۔ اے اللہ آپ ہی ہمارے والی اور ناصر ہیں۔ اے اللہ، کافر قوم کے خلاف ہماری مدد اور نصرت فرما ــــ اس دعا کے بعد بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس دعا کے جواب میں ''نعم'' فرمایا ہے اور تمہاری یہ دعا قبول فرمالی ہے ــــ بہر حال مندرجہ بالا پوری آیات صحابہ کرام کے جواب میں نازل ہوئیں۔

غیر اختیاری خیالات پر مؤاخذہ نہیں

جب ان آیات کو ملا کر سب سے پہلے والی آیت ''وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ '' کو پڑھا جائے تو صحابہ کرام کے سوال کا جواب اس آخری آیت میں آ گیا۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ جو سمجھ رہے ہو کہ جو وسوسے تمہارے دلوں میں غیر اختیاری طور پر آ رہے ہیں ان پر بھی مؤاخذہ ہو گا۔ یہ بات درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔ لہٰذا مؤاخذہ صرف ان خیالات پر ہو گا جو آدمی جان بوجھ کر اختیار سے لے کر آئے۔ اور کسی گناہ کا پختہ ارادہ کر لے۔ اس پر مؤاخذہ ہو گا، اس سے پہلے نہیں ہو گا۔

غیر اختیاری وسوسوں پر مؤاخذہ نہیں

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے صراحتاً بھی ارشاد فرما دیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا

(بخاری شریف، کتاب العتق باب الخطا والنسیان حدیث نمبر ۲۵۲۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان کے دلوں میں آنے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے۔ کیسا ہی برے سے برا وسوسہ دل میں آ جائے کیسا ہی برے سے برا خیال دل میں آ جائے اگر وہ غیر اختیاری طور پر آیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے

یہاں اس پر مؤاخذہ نہیں ـــــ یہاں تک کہ کفر کا خیال آجائے۔ معاذ اللہ۔ شرک کا خیال آئے ـــــ معاذ اللہ ـــــ اس پر بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ـــــ لہٰذا ان وسوسوں کی طرف دھیان ہی نہ دو۔

وسوسے آنا ایمان کی علامت ہے

اس کے ذریعہ ہم لوگوں کو بہت بڑا سبق مل گیا جو اکثر و بیشتر وساوس کا شکار رہتے ہیں جن کو عجیب وغریب وسوسے آتے رہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ بتا دیا کہ ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ خیال غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو آنے دو ـــــ ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: بعض اوقات میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ مجھے جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ پسند ہے۔ بنسبت اس کے کہ وہ باتیں زبان پر لاؤں۔ وہ بڑے گھبرائے ہوئے تھے کہ کہیں میں ان وسوسوں کی وجہ سے ایمان سے خارج نہ ہو جاؤں ـــــ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ

(مسلم شریف، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسۃ فی الایمان، حدیث نمبر ۱۳۲)

فرمایا یہ وسوسے آنا ایمان کی کھلی علامت ہے۔ اس لئے کہ شیطان اسی شخص کے پاس وسوسے ڈالنے کے لئے جاتا ہے جس کے دل میں ایمان ہو۔

شیطان ایمان والے کے پاس آتا ہے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی

اچھی تشریح فرمائی۔ فرمایا کہ چور اس گھر میں جاتا ہے جہاں کچھ مال ہو۔ جہاں مال ہی نہ ہو وہاں جا کر کیا چوری کرے گا ___ شیطان بھی اسی کے پاس جاتا ہے جس کے بارے میں اس کو پتہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ایمان ہے۔ اس کے ایمان کو خراب کرنے کے لئے اس کے پاس جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے ___ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ وسوسے اور یہ خیالات جو بکثرت ہمارے دلوں میں آتے رہتے ہیں ان سے گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تو ایمان کا لازمہ ہے اور ہر ایک کے دل میں آتے ہیں۔

شیطان سرگوشی کرتا ہے

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

(سورۃ المجادلہ، آیت نمبر ۱۰)

فرمایا کہ یہ جو خیالات تمہارے دلوں میں آرہے ہیں۔ یہ شیطان تمہارے دلوں میں سرگوشی کرتا ہے۔ تاکہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے۔ لیکن یہ شیطان ان کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

گناہ کا عزم کرنے پر مؤاخذہ ہوگا

ہاں: صرف ایک خیال ہے جس پر آخرت میں پکڑ ہوگی۔ وہ یہ کہ کسی گناہ کا پختہ ارادہ کر لینا۔ جس کو ''عزم'' کہتے ہیں۔ ایسا پختہ ارادہ جس میں ذرا بھی

تردد نہ ہو۔ اس پر پکڑ ہو جائے گی۔۔۔۔ لیکن اس پختہ ارادہ سے پہلے پہلے جتنے خیالات آرہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیا اچھا ہو کہ میں یوں کرلوں۔ کیا اچھا ہو کہ میں یوں کرلوں۔ اس پر کوئی پکڑ نہیں۔ لیکن اگر پختہ ارادہ کرلیا تو اس پر پکڑ ہو گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھا کر مقابلے کے لئے آجائیں۔ اور ہر شخص دوسرے کو مارنے کے درپے ہے۔ فرمایا:

اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ كِلَاهُمَا فِي النَّار

قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ:

هذا القاتل، فما بال المقتول؟

یعنی قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آرہا ہے کہ اس نے بہت برا عمل کیا۔ لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّهٗ عَزَمَ عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ

کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا تھا اگر اس کا داؤ چل جاتا تو وہ ماردیتا۔ اتفاق سے دوسرے کا داؤ چل گیا اور وہ قاتل بن گیا۔ اور یہ مقتول بن گیا۔ لیکن اس نے بھی دوسرے کو مارنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ چونکہ اس نے پختہ ارادہ کرلیا تھا اس لئے مقتول سے بھی مؤاخذہ ہوگا۔۔۔۔ اسی طرح جس گناہ کا پختہ ارادہ کرلیا جائے۔ جس میں ذرا بھی تردد نہ ہو۔ کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہ اس گناہ کو نہیں کرپایا۔ لیکن اس کا ارادہ پختہ تھا، اس لئے اس پر مؤاخذہ ہوگا۔

گناہ کا خیال آنے پر مؤاخذہ نہیں

اور اگر پختہ ارادہ نہیں۔ صرف دل میں گناہ کرنے کا خیال آرہا ہے کہ یہ گناہ کر گزروں اور ساتھ میں یہ خیال بھی آرہا ہے کہ گناہ کرنا بری بات ہے۔ نہیں کرنا چاہئے۔ پھر خیال آیا کہ گناہ کرلوں۔ اس میں لذت اور مزہ آئے گا۔ اب بار بار یہ خیالات آرہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی مؤاخذہ نہیں ____ لہٰذا گناہ کے پختہ ارادہ کرنے سے ہر حال میں بچنا چاہئے۔ لیکن اس سے نیچے کے جو درجات ہیں خواہ نماز میں وہ خیالات آرہے ہوں یا نماز سے باہر خیالات آرہے ہوں۔ کسی حالت میں آرہے ہوں، چونکہ وہ غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں۔ اس لئے ان سے ذرہ برابر نقصان نہیں۔

نماز میں آنے والے خیالات

نمازوں میں اکثر خیالات آتے رہتے ہیں۔ اور اکثر لوگ اس کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں کہ صاحب: ہماری نماز کیا ہے؟ جب بھی نماز کے اندر کھڑے ہوتے ہیں تو کبھی کاروبار کا خیال، کبھی بیوی بچوں کا خیال، کبھی تفریحات کا خیال، بعض اوقات شہوانی اور نفسانی، فاسد قسم کے خیالات دل میں آتے رہتے ہیں۔ ایسے میں کیا ہماری نماز ہوگی۔ خوب سمجھ لیجئے۔ کہ یہ خیالات جو غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں ____ بس اپنی طرف سے آدمی نماز کے لئے اس بات کا اہتمام کر کے کھڑا ہو جائے کہ جو الفاظ میں زبان سے نکالوں گا وہ سوچ کر اور دھیان سے نکالوں گا۔ جب

زبان سے "الحمد للہ رب العالمین" کہو تو دل میں اس طرف دھیان ہو کہ میں یہ الفاظ نکال رہا ہوں۔ اپنی طرف سے اس کا اہتمام کرے۔ البتہ اگر خود سے غیر اختیاری طور پر دھیان بھٹک گیا ہو، اس کی وجہ سے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر جب خیال آجائے تو دوبارہ الفاظ کی طرف دھیان لے آئے۔ پھر دوبارہ بھٹک جائے تو پھر لوٹ آئے۔ بار بار ایسا کرے۔ اس کے نتیجے میں بھی آپ کو مکمل خشوع حاصل ہے ___ ہاں، اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لائے۔

نماز میں عبادت کا خیال لانا جائز ہے

اور اپنے اختیار سے وہ خیال لانا منع ہے جو عبادت نہ ہو۔ البتہ جو خیال عبادت کا حصہ ہو۔ وہ اپنی طرف سے لانا بھی جائز ہے ___ مثلاً ایک عالم نماز پڑھ رہا ہے اور نماز کے اندر کسی فقہی مسئلے میں الجھا ہوا ہے اور اس کو حل کر رہا ہے اس عالم کے لئے ایسا کرنا جائز ہے ___ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جہاد کے لشکر کی صفیں نماز کے اندر ترتیب دیتا ہوں ___ یعنی نماز میں کھڑا ہو کر یہ ترتیب دیتا رہتا ہوں کہ فلاں محاذ پر کس طرح صفیں بنانی چاہئیں۔ کس کو آگے کرنا چاہئے۔ اور کس کو پیچھے کرنا چاہئے۔ حالانکہ وہ اپنے اختیار سے وہ خیال لا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ جو خیال لا رہے ہیں وہ بھی عبادت ہے۔ وہ نماز کے منافی نہیں۔ اور اس کی وجہ سے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے عالم اور صوفی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کے ایک بھائی تھے جو بالکل خالص صوفی مزاج آدمی تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امامت فرماتے اور نماز پڑھاتے تو یہ بھائی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کسی نے ان کی والدہ سے شکایت کر دی کہ یہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی نماز ہی کیا ہے۔ میں ان کے پیچھے کیسے نماز پڑھوں۔ اس لئے کہ جب یہ نماز پڑھاتے ہیں تو اس وقت ان کا دل اور دماغ حیض اور نفاس کے مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس لئے یہ گندی نماز ہے۔ میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ وہ والدہ بھی امام غزالیؒ کی والدہ تھیں۔ جواب میں فرمایا کہ تمہارا بھائی تو نماز کے اندر فقہی مسائل سوچتا ہے اور نماز کے اندر فقہی مسئلے سوچنا جائز ہے اور تم نماز کے اندر اپنے بھائی کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہو اور یہ دیکھتے رہتے ہو کہ اس کی نماز صحیح ہے یا غلط ہے؟ اور نماز کے اندر یہ کام یقینی طور پر حرام ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ وہ بہتر ہے یا تم بہتر ہو؟ بہر حال امام غزالیؒ کی والدہ نے بھی یہ بات واضح فرما دی کہ نماز میں فقہی مسائلے کو سوچنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ لہٰذا اپنے اختیار سے ایسے خیالات لانا جو خود عبادت اور طاعت کا حصہ ہیں وہ بھی نماز کے خشوع کے منافی نہیں۔

آیات قرآنی میں تدبر کا حکم

چنانچہ حکم یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھتے وقت قرآن کریم کی آیات میں تدبر کرو، غور و فکر کرو۔ اب اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور نماز میں تلاوت کے وقت قرآن کریم کے اسرار و حکم کے اندر غلطاں و پیچاں ہے اور منہمک ہے، یہ سب جائز ہے اور عبادت ہی کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسا خیال جو طاعت اور عبادت کا خیال ہو ان کو اپنے اختیار سے بھی نماز میں لا سکتے ہیں۔ البتہ وہ خیالات جو طاعت اور عبادت کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً دنیا کے بارے میں خیالات کہ کس طرح دنیا کماؤں، کس طرح خرچ کروں وغیرہ تو اس قسم کے خیالات اپنے اختیار سے تو نہ لائیں، خود سے آرہے ہیں تو آنے دو۔ اس سے نماز کے خشوع میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! جب دھیان اس طرف آجائے کہ یہ خیالات آرہے ہیں پھر بھی ان خیالات کو باقی رکھا اور ان خیالات سے مزے لیتا رہا تو یہ ناجائز ہے۔ لہٰذا جب تنبہ ہو جائے تو دوبارہ نماز کی طرف لوٹ آؤ۔

یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان ہوں۔ اس لئے کہ میری نمازیں کسی کام کی نہیں۔ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو اس وقت دماغ میں ایسے شہوانی اور نفسانی خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ، تو وہ میرا سجدہ کیا ہوا،

وہ تو ویسے ہی ٹکریں مارنا ہوا۔ میں تو بہت پریشان ہوں کہ کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو سجدہ کرتے ہو تمہارے خیال میں یہ کیسا سجدہ ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! بڑا ناپاک اور بڑا گندہ سجدہ ہے اس لئے کہ اس میں ناپاک اور گندے شہوانی خیالات آتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ناپاک اور گندہ سجدہ تو اللہ میاں کو نہیں کرنا چاہئے اچھا ایسا کرو کہ تم یہ ناپاک سجدہ مجھے کرلو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو بہت پاکیزہ اور اعلیٰ قسم کا سجدہ ہونا چاہئے اور یہ ناپاک سجدہ ہے۔ یہ مجھ ناپاک کے سامنے کرلو۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ توبہ توبہ آپ کے سامنے کیسے سجدہ کرلوں؟ حضرت نے فرمایا کہ بس اس سے پتہ چلا کہ یہ سجدہ اسی ذات کے لئے ہے، یہ پیشانی کسی اور کے سامنے جھک نہیں سکتی چاہے اس سجدہ میں کیسے ہی گندے شہوانی اور نفسانی خیالات کیوں نہ آرہے ہوں لیکن یہ پیشانی اگر جھکے گی تو اسی کے در پر جھکے گی۔ لہٰذا یہ سجدہ اسی اللہ کے لئے ہے۔ اور اگر یہ فاسد خیالات غیر اختیاری طور پر آرہے ہیں تو انشاء اللہ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہیں۔

ایک ریٹائرڈ شخص کی نماز

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس سرہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک شخص ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے۔ کھانے پینے کو سب کچھ میسر ہے، بینک بیلنس موجود ہے، معاش کی

اور دنیا کمانے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ نہ اس کو ملازمت پر جانا ہے نہ اس کو تجارت کرنی ہے نہ دکان کھولنی ہے۔اس کا معمول یہ ہے کہ جیسے ہی کسی نماز کی اذان ہوئی تو اذان ہوتے ہی وہ گھر سے نکل گیا، مسجد میں پہنچ کر بہت اطمینان سے اچھے طریقے سے وضو کیا اور پھر تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کیں اور پھر سنتیں ادا کیں اور پھر جماعت کے انتظار میں بیٹھا ذکر کرتا رہا۔ جب جماعت کھڑی ہوئی تو اس نے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس کا دل اور دماغ سب نماز کی طرف متوجہ ہیں۔ جب وہ تلاوت کرتا ہے تو اس میں اس کو لطف آتا ہے۔ جب ذکر کرتا ہے تو اس میں لطف آتا ہے۔ رکوع میں بھی اور سجدے میں بھی لطف آرہا ہے۔ اس طرح پوری نماز بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کی پھر بعد کی سنتیں ادا کیں اور پھر اطمینان سے دل لگا کر دعا کی، پھر واپس گھر آگیا اور پھر دوسری نماز کے انتظار میں دل لگا ہوا ہے کہ کب اذان ہو اور کب مسجد جاؤں۔ ایک آدمی تو یہ ہے۔

ٹھیلہ لگانے والے کی نماز

دوسرا شخص بیوی بچوں والا ہے۔اس کے اوپر ہزار طرح کی ذمہ داریاں اور حقوق ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے اور اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ٹھیلہ لگاتا ہے اور آواز لگا لگا کر سامان فروخت کرتا ہے۔ اب لوگ اس کے ٹھیلے کے اردگرد کھڑے ہوئے سامان خرید رہے ہیں۔ اتنے میں اذان ہوگئی اب وہ جلدی جلدی لوگوں کو نمٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ جماعت کا

وقت آ گیا۔ تو اس نے جلدی سے اپنا ٹھیلہ ایک طرف کیا اور اس کے اوپر کپڑا ڈالا اور بھاگتے ہوئے مسجد میں پہنچا۔ جلدی جلدی وضو کیا اور جا کر امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور جلدی سے نیت باندھ لی۔ اب اس کا دل کہیں دماغ کہیں۔ ٹھیلے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ اور گاہکوں کی فکر لگی ہوئی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور جماعت سے نماز ادا کی۔ پھر سنتیں ادا کیں اور جلدی سے جا کر دوبارہ ٹھیلا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دوسرا آدمی ہے۔

کس نماز میں روحانیت زیادہ ہے؟

پھر فرمایا کہ بتاؤ ان دونوں میں سے کس کی نماز روحانیت سے زیادہ قریب ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ پہلے شخص کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے اس لئے کہ وہ اذان کے وقت گھر سے نکلا مسجد میں آکر اطمینان سے وضو کیا، تحیۃ المسجد پڑھی، سنتیں پڑھیں اور اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دوسرے آدمی کی نماز روحانیت کے زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اس نے حواس باختگی کی حالت میں نماز پڑھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے شخص کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور اس کے اوپر کوئی فکرات نہیں تھے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر ذمہ داری سے فارغ کر لیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں اس کو نماز میں بہت لذت بھی آرہی تھی اور لطف بھی آرہا تھا۔ لیکن یہ دوسرا شخص اپنا وہ ٹھیلہ چھوڑ کر آرہا ہے جس ٹھیلہ پر اس کی اپنی معیشت اور اس کے گھر والوں کی معیشت موقوف ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا وقت آ گیا تو

وہ ٹھیلہ اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے سے غافل نہیں کر سکا۔ اس ٹھیلے کو چھوڑ کر جماعت میں آکر کھڑا ہو گیا اور نماز ادا کر لی۔ اس شخص کا عمل زیادہ مشقت والا اور زیادہ مقبول اور زیادہ موجب اجر ہے۔ اگرچہ اس کے اوپر کیفیت طاری نہیں ہوئی اور نہ اس کو لذت آئی لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے اجر و ثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ انشاء اللہ۔

خیالات اور وساوس میں بھی حکمت ہے

دیکھئے! اگر ہم جیسے لوگوں کو نماز کے اندر یہ خیالات اور وساوس نہ آئیں بلکہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا خیال ہی نہ آئے اگر ہم جیسے لوگوں کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو خدا جانے ہمارا دماغ تکبر، عجب اور خود پسندی میں کہاں پہنچ جائے گا۔ اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ ہم تو بہت اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ کسی نے کہا ہے کہ ''**صلی الحائک رکعتین وانتظر الوحی**'' ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھ لی تو نماز کے بعد اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اوپر وحی آتی ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کو خشوع و خضوع والی نماز حاصل ہو جائے تو خدانخواستہ وہ پیغمبری کا یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہ کر دے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ظرف دیکھ کر یہ مقام عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا خیالات کے آنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت اور مصلحت ہے۔

نیکی اور گناہ کے ارادے پر اجر وثواب

بہر حال! اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دل کے خیالات پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے کہ گناہ کے بارے میں تو یہ اصول مقرر فرمادیا کہ اگر گناہ کرنے کے بارے میں خیال آیا اور شوق پیدا ہوا اور دل میں تھوڑا سا ارادہ بھی کرلیا کہ یہ گناہ کرلوں البتہ عزم اور پختہ ارادہ کی حد تک نہیں پہنچا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی پکڑ نہیں، بلکہ اگر بار بار گناہ کا خیال آتا رہا اور انسان اس خیال کو دفع کرتا رہا اور اس پر عمل نہیں کیا تو انشاء اللہ گناہ نہ کرنے پر اجر وثواب ملے گا کیونکہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو گناہ سے بچالیا۔ اور نیکی کے بارے میں یہ اصول مقرر فرمایا کہ اگر کسی نیکی کے بارے میں خیال آیا اور ارادہ کیا کہ فلاں نیکی کرلوں، اگرچہ اس نیکی کا پختہ ارادہ نہیں کیا تب بھی صرف ارادے پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، مثلاً یہ ارادہ کیا کہ اگر مجھے مال مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا مال صدقہ کروں گا تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ یا مثلاً یہ ارادہ کرلیا کہ جب جہاد فی سبیل اللہ کی نوبت آئے گی تو اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا اور شہادت کا درجہ حاصل کروں گا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی شہداء میں شمار فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا:

مَنْ سَئَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ

(مسلم شریف، کتاب الامارۃ باب استحباب طلب الشہادۃ حدیث نمبر ۱۹۰۹)

یعنی اگر کوئی شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے کہ اے اللہ: مجھے اپنے راستے میں شہادت کا مقام عطا فرمایئے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی میں شمار فرمائیں گے۔ چاہے بستر پر اس کو موت آئی ہو۔ بہر حال نیکی کے بارے میں قانون یہ ہے کہ پختہ ارادہ کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور گناہ کے اندر قانون یہ ہے کہ جب تک پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک مؤاخذہ نہیں فرماتے، یہ رحمت کا معاملہ ہے۔

خیالات کی بہترین مثال

بہر حال! گناہوں کے پختہ ارادہ کرنے سے بچنا چاہئے لیکن گناہوں کے جو وساوس اور خیالات آ رہے ہیں ان کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے۔ ان خیالات کی وجہ سے اپنے کام کو نہ چھوڑے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کو سربراہ وقت اور بادشاہ نے دعوت دی ہے اور بلایا ہے اب یہ شخص جلدی میں بادشاہ سے ملاقات کرنے جا رہا ہے اب کوئی شخص اس کا دامن گھسیٹتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کو روک کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح لوگ اس کو تنگ کر رہے ہیں۔ اب بتایئے کیا یہ شخص ان راستہ روکنے والوں سے الجھنا شروع کر دے گا یا اپنا سفر جاری رکھے گا؟ اگر یہ شخص راستہ روکنے والوں کے ساتھ الجھ گیا تو یہ شخص بادشاہ کے دربار میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ یہ تو پاگل اور بیوقوف لوگ ہیں، میرے راستے میں رکاوٹ بن رہے

ہیں، مجھے تو اس وقت بادشاہ کے پاس جانا ہے اور اس سے ملاقات کا اعزاز و شرف حاصل کرنا ہے تو وہ شخص ان کی طرف دھیان بھی نہیں دے گا۔ تو انشاء اللہ کسی نہ کسی دن منزل تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

***

*

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۶/اپریل ۲۰۰۳ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ. اَمَّا بَعْدُ!

حدیث اور اس کا ترجمہ

عَنْ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ کَانَ اَشْبَہَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَامًا وَّلَا حَدِیْثًا وَّلَا جِلْسَۃً مِّنْ فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا.

(السنن الکبرٰی للنسائی، باب مصافحۃ ذمی محرم، حدیث نمبر ۹۱۹۲)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی بھی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا مشابہ نہیں دیکھا باتوں میں بھی، گفتگو کے انداز میں بھی، اور بیٹھنے کے انداز میں بھی، جتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے

مشابہت رکھتی تھیں ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت بہت زیادہ تھی، یہ شباہت نقوش میں ہوگی، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بات چیت کے انداز میں بھی، گفتگو کے انداز میں بھی، بیٹھنے کے انداز میں بھی اتنی شباہت آتی تھی کہ کسی اور میں میں نے اتنی شباہت نہیں دیکھی۔

حضور کا ان کے استقبال کیلئے کھڑا ہونا

پھر فرماتی ہیں کہ جب کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کو "مرحبا" کہتے، یعنی ان کا خیر مقدم کرتے اور ان کے استقبال کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوجاتے۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علاماۃ النبوۃ فی السلام، حدیث نمبر ۳۶۲۳)

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی وجہ سے لائے ہیں کہ آپ کو یاد ہوگا کہ دو جمعہ پہلے یہ گفتگو آئی تھی کہ کسی آنے والے کی تعظیم اور تکریم میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت میں نے خلاصۃً عرض کیا تھا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خواہش ہو کہ لوگ میرے لئے کھڑے ہوا کریں، اس صورت میں تو اس کی تعظیم کیلئے نہیں کھڑا ہونا چاہئے، لیکن اگر کسی کے دل میں یہ خواہش نہیں ہے، اور آدمی کسی کا اکرام کرنا چاہتا ہے، اور اس کے استقبال کیلئے اور تعظیم میں کھڑا ہونا چاہتا ہے تو کھڑا ہونا چاہتا ہے تو کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے

آتیں تو حضور اقدس ﷺ ان کے استقبال کیلئے کھڑے ہوجاتے، اور ان کو "خوش آمدید" کہتے، ان کو بوسہ دیتے، اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر لاتے، اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی حضور ﷺ کے استقبال کیلئے کھڑی ہوجاتیں

بعض اوقات حضور اقدس ﷺ اپنی صاحبزادی سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لیجاتے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کے استقبال کیلئے کھڑی ہوجاتیں، اور آپ کو بوسہ دیتیں اور حضور اقدس ﷺ کو اکرام کے ساتھ بٹھاتیں۔ یہ ان کا معمول تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہنسنا اور رونا

آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ مرض وفات میں تھے، یعنی اس بیماری میں تھے، جس میں آپ کا وصال ہوگیا، اس بیماری میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں تو آپ نے حسب معمول ان کا استقبال کیا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو اپنے پاس بلا کر چپکے سے ان کے کان میں کوئی بات کہی جس کو میں نہیں سن سکی، اس بات کو سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے اپنے قریب بلایا، اور ان کے کان میں کچھ بات کہی، اس کو بھی میں نہیں سن سکی، لیکن اب دوسری مرتبہ بات سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے

لگیں۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی السلام، حدیث نمبر ۳۶۲۶)

ان سے اس بات کی توقع نہیں تھی

جب یہ بات میں نے دیکھی تو میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی عقلمند خاتون ہیں، اور بڑی صاحب فہم و دانش ہیں، اور تمام عورتوں پر ان کی فضیلت بالکل واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں، لیکن آج میں نے ان کے اندر عجیب بات دیکھی کہ ابھی رو رہی تھیں اور ابھی ہنسنا شروع کر دیا۔ عام طور پر جو لوگ عقلمند اور دانش مند ہوتے ہیں۔ ان سے ایسا معاملہ سرزد نہیں ہوتا کہ ابھی رو رہے ہیں اور ابھی ہنس رہے ہیں۔ جو آدمی بہت ہی جذباتی ہو یا جو سمجھ نہ رکھتا ہو، اس سے تو یہ بات سرزد ہو سکتی ہے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون سے یہ توقع نہیں ہو سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء ہو جائیگا

چنانچہ بعد میں، میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ آپ کے کان میں کوئی بات کہی تو آپ رونے لگیں اور جب دوسری مرتبہ کوئی بات کہی تو آپ ہنسنے لگیں۔ آپ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ جواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر وہ بات میں آپ کو بتا دوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء ہو جائیگا۔ اسلئے کہ آپ نے مجھے قریب بلا کر چپکے سے میرے کان میں ایک بات کہی ہے۔ جس

کا مطلب یہی ہے کہ دوسروں کو وہ بات بتلانا نہیں چاہتے۔ اگر وہ بات میں آپ کو بتادونگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء ہو جائیگا۔

چپکے سے جو بات کہی جائے وہ راز ہوتی ہے

اب یہاں پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا تھا جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ آگے آجائیگا اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہ بات کسی اور سے مت کہنا، زبان سے اس کی تاکید نہیں فرمائی تھی کہ کسی اور کو مت بتلانا، لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلا کر چپکے سے وہ بات کہی تھی، اور دوسروں کو وہ بات نہیں سنائی تھی۔ اسلئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کیا کہ اگر آپ کو دوسروں پر ظاہر کرنا ہوتا تو سب کے سامنے وہ بات کہہ دیتے۔ لیکن آپ نے چونکہ مجھے اپنے قریب بلا کر چپکے سے وہ بات کہی تھی اسلئے اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس بات کو دوسروں سے راز میں رکھنا چاہتے تھے، اسلئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نہیں بتاؤنگی۔ اسلئے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے۔

مجلس کی باتیں راز ہوتی ہیں

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب کسی نجی مجلس میں کوئی بات کہی جائے تو وہ بات دوسروں تک پہنچانا اصحاب مجلس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔ اسلئے کہ مجلس کی بات راز ہوتی ہے، یہ مسئلہ بہت کم لوگوں کو معلوم

ہوتا ہے۔اس میں بڑی بے قاعدگی اور بے احتیاطی ہوتی ہے،ایک مجلس میں چند افراد بیٹھے ہیں، آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور اس بھروسے کی بنیاد پر مجلس میں کسی موضوع پر بات کی جارہی ہے۔ یہ مجلسیں امانت ہوتی ہیں یعنی اس مجلس میں چند افراد مل کر باتیں کررہے ہیں تو اس بات کو اپنی حد تک محدود رکھنا چاہئے اور جب تک شرکاء مجلس اسکی اجازت نہ دیں وہ بات دوسروں تک نہ پہنچائیں۔کیونکہ اسکے نتیجے میں فتنے شروع ہوجاتے ہیں،دل خراب ہوجاتے ہیں،لڑائی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں۔

راز بتانا خیانت ہے

یہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص تمہارے پاس امانت کے طور پر کچھ پیسے رکھوائے اور تم اس کو کھا جاؤ، یا وہ پیسے تم کسی اور کو دیدو، یہ خیانت ہے۔اسی طرح اگر کسی نے تم سے کوئی راز کی بات کہی اور تم نے وہ بات دوسروں تک پہنچادی، یہ بھی خیانت کے اندر داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔اسلئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہیں بتائی۔حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دوسروں کو مت بتانا،لیکن آپ نے چونکہ انداز ایسا اختیار فرمایا تھا جس سے یہ معلوم ہورہا تھا کہ یہ راز کی بات ہے۔اسلئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات دوسروں کو نہیں بتائی۔

اب وہ بات راز نہیں اب بتادیتی ہوں

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا کہ یہ بات اُس وقت راز تھی جب تک حضور اقدس ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اب جبکہ حضور اقدس ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب وہ بات بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ کیا بات تھی جس پر میں پہلے روئی تھی، اور بعد میں ہنسی تھی۔ فرمایا کہ جب پہلی مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے بلایا تو اس وقت مجھ سے یہ کہا تھا کہ اب میں اس دنیا سے جانے والا ہوں اور میرے اس دنیا سے جانے کا وقت آگیا ہے۔ جب یہ بات میں نے سنی تو مجھے اس پر بے اختیار رونا آگیا اور میں رو پڑی، جیسا کہ آپ نے مجھے دیکھا۔ جب حضور اقدس ﷺ نے مجھے روتا ہوا دیکھا تو پھر دوبارہ اپنے پاس بلا کر سرگوشی کے انداز میں مجھ سے یہ کہا میں تو دنیا سے جا رہا ہوں، لیکن میرے گھر والوں میں سب سے پہلے مجھ سے آکر ملنے والی تم ہوگی۔ یعنی میرے بعد سب سے پہلے تمہارا انتقال ہوگا۔ تم آکر مجھ سے ملوگی۔ جب حضور اقدس ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو مجھے اس پر خوشی ہوئی اور اس پر میں ہنس پڑی، جیسا کہ آپ نے مجھے ہنستا ہوا دیکھا۔

حضور ﷺ سے محبت اور تعلق کی دلیل

یہ حدیث جو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے بیان فرمائی ہے، اس سے حضرت فاطمہ ؓ کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ان سے کتنی محبت تھی، کتنا تعلق تھا، اور ان کے آنے پر ان کا استقبال فرمانا، ان کا اکرام فرمانا، یہ سب حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فضیلت کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کو یہ مقام بخشا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ان کو سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نصیب فرمائے ــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

✸✸✸

✸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان بننے کی فکر کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

٭

ضبط وترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

٭

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲/اگست ۱۹۹۱ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انسان بننے کی فکر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! عَنْ اَبِيْ رِبْعِيٍّ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ الْكَاتِبِ اَحَدُ كُتَّابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ، لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ ؓ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ، نَافَقَ حَنْظَلَةُ، قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ: نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ كَاَنَّا رَاْيَ عَيْنٍ،

فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا۔

قَالَ أَبُوْبَكْرٍ رضي الله عنه. فَوَاللّٰهِ إِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا. فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ. نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا ذَاكَ. فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَ الْأَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَاتَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَ فِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَ فِيْ طُرُقِكُمْ. وَ لٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً سَاعَةً. ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرۃ والمراقبۃ و جواز ترک ذالک فی بعض الاوقات، والاشتغال بالدنیا، رقم الحدیث ۲۷۵۰)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے

یہ عجیب و غریب حدیث ہے۔ حضرت حنظلہ ابن الربیع رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں، اور یہ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو کاتب وحی تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی اور قرآن کریم نازل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا ہوا تھا، آپ ان میں

سے کسی کو بلاتے، اور انکو وحی کے الفاظ سناتے تو وہ حضرات لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ بھی ان حضرات صحابہ میں سے تھے۔

حنظلہ تو منافق ہوگیا

وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ راستہ میں گزر رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، سلام و دعا ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا :

كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟

حنظلہ کیا حال ہے؟ میں اپنی دھن میں تھا، میں نے اپنی اسی دھن میں جواب دیا کہ "نَافَقَ حَنْظَلَةُ" یعنی حنظلہ کا حال کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہوگیا، یعنی اپنے بارے میں کہا کہ میں تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"سُبْحٰنَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟"

یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور کیسے الفاظ زبان سے نکال رہے ہو کہ میں منافق ہوگیا، انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو خطرہ یہی ہے کہ میں منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتے ہیں اور آپ کے پاس بیٹھتے ہیں تو وہاں ہمارے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جنت و دوزخ کا دھیان پیدا ہوتا ہے، آخرت کا دھیان پیدا ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ ہم جنت و دوزخ اور آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے

ہیں، اور آپ ﷺ کی باتیں دل میں بیٹھ جاتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی یاد جاگزین ہو جاتی ہے، لیکن جب حضور ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر گھر آجاتے ہیں، اور اپنے بیوی بچوں سے ملتے ہیں، اور اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں، اور جب اپنی زمینوں پر جاتے ہیں تو وہ کیفیت جو دل پہ طاری ہوئی تھی، وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، یہ نفاق ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہیں تو آخرت کی فکر لگی ہوئی ہے، اور جب باہر نکلے تو دنیا کی فکر لگ گئی، یہ تو نفاق کا عمل ہے، لہٰذا میں تو منافق ہو گیا۔

صحابہ کیسے فکر مند لوگ تھے

آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کا اندازہ لگایئے کہ ان سے کوئی عمل نہیں چھوٹا، نہ کوئی نماز چھوٹی، نہ روزہ چھوٹا، نہ کوئی گناہ کا عمل کیا۔ ان میں سے کچھ نہیں ہوا، سب اعمال اپنی جگہ پر جاری ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ دل کی کیفیت جو حضور ﷺ کی مجلس میں ہوتی ہے، وہ کیفیت باہر نکل کر باقی نہیں رہتی، تو اس پر ان کو فکر لگ گئی کہ میں منافق تو نہیں ہو گیا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے اعمال چھوٹ جائیں، ہماری نمازیں قضا ہو جائیں، جماعت نکل جائے، گناہ ہو جائیں تو بھی ہم نیک کے نیک ہیں، اور متقی کے متقی ہیں، کوئی فکر نہیں، کوئی دھیان نہیں، صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ عمل تو درکنار، صرف قلب کی کیفیت میں ذرا سی تبدیلی محسوس ہوئی، تو اس پر فکر لگ گئی کہ میں منافق تو نہیں ہو گیا۔

ان کا ٹھکانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار تھا

اب کہاں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان پر حیران ہو رہے تھے کہ تم یہ کیا بات کہہ رہے ہو، لیکن جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں سنیں تو خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی فکر لگ گئی، اور فرمایا کہ تم یہ جو اپنی کیفیت بیان کر رہے ہو، یہ بات خود میرے ساتھ بھی پیش آتی ہے، میں بھی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں، تو میرے دل کا حال اور ہوتا ہے، اور آخرت آنکھوں کے سامنے نظر آتی ہے، اور جب وہاں سے باہر آتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، تو چلو دونوں مل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے ہیں اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری یہ حالت کیسی ہے؟ چنانچہ دونوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے چل پڑے۔

تم کیسے منافق ہو گئے

جب دونوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو داخل ہوتے ہی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَارَسُوْلَ اللهِ

یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گیا؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ہم آپ کے پاس آتے ہیں تو ہمارے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا

دھیان اور تصور ہوتا ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، جنت اور دوزخ ہمارے سامنے ہوتے ہیں، لیکن جب گھر میں جاتے ہیں، اور بیوی بچوں سے ملتے ہیں اور اپنے دنیاوی کام دھندوں میں مشغول ہوتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔

فرشتے بستروں پر آکر تم سے مصافحہ کریں

جب حضور اقدس ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یعنی اللہ جل شانہٗ۔ اگر تم ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہو، یعنی جس حالت میں تم میری مجلس میں ہوتے ہو، اگر ہمیشہ اسی حالت اور اسی کیفیت پر رہو، اور ہر وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کا دھیان اسی طرح رہے جیسے میری مجلس میں ہوتے ہوئے رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم سے بستروں پر آکے مصافحہ کریں۔ اور تم سے راستوں میں مصافحے کریں۔ لیکن اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہے، یہ وقت وقت کی بات ہے، یہ نفاق کی بات نہیں، کہ کسی وقت ایک کیفیت زیادہ شدت کے ساتھ دل پر طاری ہوتی ہے، اور کسی وقت وہ کیفیت باقی نہیں رہتی، لہٰذا اس سے گھبرانے کی بات نہیں، اور یہ کوئی نفاق کی بات نہیں، اس طرح سے حضور اقدس ﷺ نے ان کو تسلی دیدی کہ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

ہر وقت خلش اور کھٹک دل میں رہنی چاہیے

یہ عجیب وغریب حدیث ہے، اور اس میں اتنے مضامین پوشیدہ ہیں کہ

ان سب مضامین کو بیان کرنے کیلئے لمبا وقت درکار ہے، لیکن چند باتیں اس حدیث میں یاد رکھنے اور سمجھنے کی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی فہم عطا فرمائے اور اسکے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔۔۔ پہلی بات جو اس حدیث سے معلوم ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷡ کو ہر آن، ہر وقت یہ فکر اور دھڑکا لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں ہماری کیا حالت ہے؟ اسی فکر کا نام ''تقویٰ'' ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ ''تقویٰ'' کے معنی ہیں ''کھٹک'' اور ''خلش''، یعنی دل میں اس کھٹک کا پیدا ہو جانا کہ پتہ نہیں میرا یہ عمل درست ہو رہا ہے یا نہیں؟ میں سیدھے راستے پر جا رہا ہوں، یا غلط راستے پر جا رہا ہوں۔ یہ جو اطمینان کامل ہوتا ہے کہ میں جس راستے پر جا رہا ہوں وہ ٹھیک ہے، یہ خطرناک معاملہ ہے، آخری وقت تک اور مرتے دم تک آدمی کو یہ فکر لگی رہنی چاہیے کہ پتہ نہیں کہ میں صحیح ہوں یا غلط؟ پتہ نہیں کہ میں صحیح راستے پہ جا رہا ہوں یا غلط راستے پہ جا رہا ہوں، یہ فکر حضرات صحابہ کرام ﷡ کو لگی ہوئی تھی، اور اسی فکر نے ان کو کس بلند مقام پر پہنچا دیا۔ مولانا رومی ﷫ فرماتے ہیں:

اندریں راہ می تراش و می خراش

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

یعنی مرتے دم تک یہ فکر اور دھن لگی رہنی چاہیے کہ میرے اندر کوئی کمی تو نہیں ہے اگر کمی ہے تو اس کو دور کرنے کی فکر کروں۔ ایک سبق تو اس حدیث سے یہ ملا۔

اصل مقصود اعمال ہیں

دوسرا سبق اس حدیث سے یہ مل رہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جو تسلی دی، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین کے اندر قلب کی کیفیات و حالات بذات خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود اعمال ہیں، اگر اعمال درست ہوں، اعمال سیدھے راستے کے ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں، تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ اب آجکل جاہل پیروں اور فقیروں نے جو یہ باتیں مشہور کر دی ہیں کہ دل جاری ہونا چاہیے، اور دل دھڑکنا چاہیے، یاد رکھئے! اس کا شریعت، طریقت اور تصوف سے کوئی تعلق نہیں، اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال درست ہونے چاہئیں۔ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی کئی بار بیان ہو چکا ہے، اس لئے اس کو یہاں زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

لوگ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں

تیسرا سبق جو اس حدیث سے مل رہا ہے، وہ بڑا اہم ہے، وہ یہ کہ بظاہر یوں لگتا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اگر تمہاری حالت ایک جیسی رہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کی جو حالت میری مجلس میں رہتی ہے، وہی حالت مستقل اور ہمیشہ باقی رہے تو فرشتے تم سے آکر مصافحے کریں۔ حضور اقدس ﷺ کے اس قول سے بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہو گیا کہ انسان کی کامل حالت وہ ہے جس میں فرشتے اس سے آکر مصافحہ کریں، یعنی کمال کی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت، ہر آن اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دھیان میں

اس درجہ مستغرق اور مدہوش رہے کہ اس شخص کو کسی اور کا دھیان ہی نہ آئے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان میں مستغرق رہے، یہ ہے کمال کی حالت، جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے آکر تم سے مصافحہ کریں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ وہ حالت زیادہ کامل ہے، اور جس حالت میں تم اس وقت ہو، وہ حالت اس کے مقابلے میں ناقص ہے۔ بعض لوگ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

انسان کے لئے انسان رہنا کمال کی بات ہے

خوب سمجھ لیجئے! حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح میں عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی کہ یہ بات درست نہیں کہ وہ کامل حالت ہے جس میں فرشتے آکر مصافحہ کریں، اور جس حالت میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس وقت تھے، وہ ناقص حالت تھی، کیوں؟ اس لئے یہی حالت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھی تھی، اگر یہ حالت ناقص تھی تو پھر کیا کہنا پڑے گا کہ۔ معاذ اللہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حالت ناقص تھی، حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حالت کبھی ناقص نہیں ہوسکتی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل مخلوق اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ حالت ناقص نہیں، کامل حالت وہی ہے جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تھی، اور جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ فرشتے آکر تم سے مصافحہ کریں، اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا

ہی دھیان رہے، اور اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ کسی اور چیز کا دھیان نہ آئے تو پھر تم انسان نہیں رہو گے، فرشتے ہو جاؤ گے، اور انسان کے لئے کامل بات یہ ہے کہ وہ انسان رہے، فرشتہ بن جانا کوئی کمال نہیں، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں انسان بنایا ہے تو تم فرشتہ بننے کی کوشش کیوں کرتے ہو، انسان ہی رہو، آدمی رہو، آدمی پر آدمیت کامل ہوگی، بشریت کامل ہوگی، تو یہی تمہارا کمال ہے، اگر فرشتے ہو گئے تو یہ تمہارا کمال نہیں، بلکہ تمہارا نقصان ہے۔

فرشتہ بننا کمال کی بات نہیں

بہر حال! حضور اقدس ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے گھبرانے کی بات نہیں، اس لئے تم اس وقت جس حالت میں ہو، یہی تمہارا کمال ہے، یہی بشریت کا کمال ہے، اور تم جو یہ سوچ رہے ہو کہ جو حالت تمہاری میری مجلس میں ہوتی ہے وہی حالت تمہاری ہر حال میں برقرار رہے، وہ انسان کی حالت نہیں، وہ فرشتوں کی حالت ہے، یہ ان کے لئے کمال ہوگا، تمہارے لئے کمال نہیں، تمہارے لئے کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی دھیان رہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کام بھی تم انجام دیتے رہو، جو تمہارے فرائض میں داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی تمہارے ساتھ وابستہ کئے ہیں، وہ بھی ساتھ ساتھ ادا کرتے رہو تو یہ کمال ہے، نہ یہ کہ تم فرشتے بن جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا دھیان ہی نہ آئے۔

غلبۂ حال کی کیفیت مقصود نہیں

یہ جو بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ صبح سے لیکر شام تک استغراق کی حالت میں رہتے تھے، اور یہاں تک کہ اپنے بچوں کو نہیں پہچانتے تھے، جیسے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے پاس ان کے بچے آئے، اور آکر سلام کیا تو آپ پہچانے نہیں، اور ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی کے بچے تو ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس درجہ استغراق کہ اپنے بیٹے کو بھی نہیں پہچان رہے۔ یہ ''غلبۂ حال'' کی کیفیت ہے، اور یہ دین کے اندر مقصود نہیں، اور یہ حضرات اپنے ''غلبۂ حال'' کے اندر معذور ہیں۔ لیکن یہ کیفیت حاصل کرنے کی چیز نہیں، یہ کیفیت تمنا کرنے کی چیز نہیں کہ مجھے یہ کیفیت حاصل ہو جائے، تمنا کرنے کی چیز وہی ہے جو نبی کریم جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، چنانچہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر استغراق طاری نہیں ہوا، تمنا کرنے کی چیز یہ ہے اور یہی بشریت کا کمال ہے، کہ جہاد بھی ہو رہا ہے، اور رات میں نماز کیلئے کھڑے ہیں تو پاؤں پر ورم بھی آرہا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ بھی لگائی جا رہی ہے۔ یہ ہے کمال، اور یہی بشریت کا تقاضہ ہے۔ لہٰذا اس بات کی خواہش نہ کرو کہ جبرئیل بن جاؤں، میکائیل بن جاؤں، اسرافیل بن جاؤں، ارے آدمی بننے کی خواہش کرو کہ آدمی بن جاؤں، اور جب وہ آدمی ہوگا اور بشر ہوگا تو اس کے ساتھ بشریت کے جو تقاضے بھی لگے ہوئے ہوں، وہ بھی انجام دے گا۔

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کام تو سب کرو، لیکن اکثر وقت دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، بس یہ ہے مقصود، یہ جو طریقت اور تصوف میں ریاضتیں اور مجاہدات کرائے جاتے ہیں، اور ذکر و اذکار کرائے جاتے ہیں، ان سب کی منزل مقصود اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہو جاتا ہے، اور یہ نسبت کیا ہے؟ ''نسبت'' یہ ہے کہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے، جس کو بعض حضرات ''کثرتِ ذکر اور دوام طاعت'' سے تعبیر کرتے ہیں، زبان سے کثرت سے ذکر ہو، اور دل میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وقت گزرے، اور کوئی معصیت سرزد نہ ہو، بس اسی کا نام ''نسبت'' ہے، اور جب یہ ''نسبت'' حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس شخص کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ دفتر میں کام بھی کر رہا ہے، وہ بیوی بچوں کے ساتھ ہنس بول بھی رہا ہے، اور وہ دوکانداری بھی کر رہا ہے، اور وہ کاشت کاری بھی کر رہا ہے، لیکن اسکا رشتہ اور تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہے، اور یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، اور اسی کا نام ''نسبت باطنی'' ہے، اور اسی کو ''حصول نسبت'' بھی کہتے ہیں۔

مشاہدہ کا مطلب

اسی کو صوفیاء کرام ''مشاہدہ'' بھی کہتے ہیں، ''مشاہدہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی صفات کا مشاہدہ، اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا دل میں پیوست ہو جانا، بعض لوگ ''مشاہدہ'' کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کا دیدار'' حالانکہ اس دنیا

میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، کسی نے نہیں دیکھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نہیں دیکھ پائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دیکھ تو نہیں سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف یہ دھیان بندھ جاتا ہے کہ میں جو کام کر رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کر رہا ہوں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ کیفیت اور یہ دھیان عطا فرمادے۔ آمین۔

دل کی سوئی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو

یہ کیفیت ایسی ہے جو کہنے سننے سے سمجھ میں نہیں آتی، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کثرت سے ذکر کرتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں لگا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا دھیان اور اللہ تعالیٰ کی یاد اس کے دل میں پیوست ہو جاتی ہے، یہ ایک کیفیت ہوتی ہے، اور اس میں انسان چل پھر رہا ہے، اور دنیا کے دوسرے تمام کام بھی کر رہا ہے، لیکن اس کے دل کی سوئی اللہ جل شانہ کی طرف ہوتی ہے، جیسے آپ نے قطب نما دیکھا ہوگا، اس کی سوئی ہمیشہ ''شمال'' کی طرف رہتی ہے، اس کو چاہے کسی بھی طرف گھماؤ پھراؤ، لیکن اس کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہے گی، اسی طرح اس دل کی سوئی اللہ جل شانہ کی طرف مڑ جاتی ہے، اور آدمی کہیں بھی جائے، اور وہ کسی بھی حال میں ہو، چاہے وہ جلوت میں ہو، یا خلوت میں ہو، گھر میں ہو، یا دوکان میں ہو، بازار میں ہو، یا دفتر میں ہو، زراعت کر رہا ہو، یا تجارت کر رہا ہو، لیکن اس کے دل کی سوئی اللہ جل شانہ کی طرف مڑی ہوئی ہے، بس اسی کا نام ہے ''نسبت باطنہ'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نسبت عطا فرمادے۔ آمین

ہاتھ کام میں، اور دل اللہ کی یاد میں

لیکن اس ''نسبت باطنہ'' کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ استغراق طاری ہوگیا، اور کسی دوسری چیز کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا، ایسا نہیں، بلکہ ضرورت کے مطابق دوسری چیزوں کی طرف بھی دھیان جاتا ہے، اور انسان دوسرے دنیاوی کام بھی کرتا ہے، لیکن دل کی سوئی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوتی ہے، جیسے کسی نے خوب کہا ہے :

دل بیار دست بکار

یعنی ہاتھ تو کام کاج میں لگا ہوا ہے، لیکن دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہے، بس اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادیتے ہیں، اور یہ کیفیت نہ تو بیان کرنے سے حاصل ہوتی ہے، نہ سننے سے حاصل ہوتی ہے، بس اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے فرض کریں کہ ایک شخص کو شدید قسم کی تشویش لاحق ہے، یا اچانک کوئی غم آگیا، کوئی پریشانی آگئی، مثلاً بچہ بیمار ہوگیا، اب دن رات اس پریشانی میں مبتلا ہے، لیکن اس پریشانی کے عالم میں کھانا بھی کھا رہا ہے، اور دنیا کے دوسرے کام بھی کر رہا ہے، لیکن ذہن اس طرف لگا ہوا ہے کہ بچہ بیمار ہے۔ یا مثلاً کوئی خوشی کی خبر سُن لی، اور اس کے نتیجے میں اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ دل و دماغ پر خوشی چھاگئی، اور اب وہ اس حالت میں کام بھی کر رہا ہے، کھانا بھی کھا رہا ہے، لوگوں سے ملاقات بھی کر رہا ہے، لیکن دل پر خوشی کی کیفیت ہے، اور وہ اپنی جگہ پر برقرار ہے۔

زبان سے ذکر پہلی سیڑھی ہے

بالکل اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کا دھیان دل میں پیوست ہوجاتا ہے، اس وقت وہ دنیا کے سارے کام تو کر رہا ہوتا ہے، لیکن اس کے دل کی سوئی اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہوتی ہے، بس یہی مقصود ہے، اس کو چاہے ''نسبت'' کہو یا اس کو ''مشاہدہ'' کہو۔ یہ سب صوفیاء کرام کی اصطلاحات ہیں، لیکن حضرت تھانوی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ ان اصطلاحات کی پھیر میں مت پڑنا، حاصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مشق کرے، اور اس کا پہلا زینہ ''ذکرلسانی'' ہے کہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله جب انسان یہ ذکر جاری رکھتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ ذکر دل کی طرف منتقل ہونا شروع ہوجاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف زبان سے ذکر کرنے سے کیا حاصل۔ جب دل میں ذکر نہیں۔ بات یہ ہے جب تک زبان پر ذکر نہیں ہوگا تو پھر دل میں بھی ذکر نہیں آئے گا، اس لئے ''زبان سے ذکر کرنا'' یہ پہلی سیڑھی ہے، اس لئے چلتے پھرتے ذکر کرنے کی عادت ڈالو۔ مشق کرنے سے یہ چیز حاصل ہوجائے گی انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

١٤١٩

صَدَقَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سنت کو زندہ کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۵/اکتوبر ۱۹۹۱ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سنت کو زندہ کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

(سورۃ الفرقان: ۷۴)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ

رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ. وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ریاض الصالحین'' میں اس سے پہلے جو باب قائم فرمایا تھا۔ وہ ''بدعات'' کے بارے میں تھا کہ دین میں اپنی طرف سے کوئی نئی چیز داخل کرنا بدعت ہے۔ اس سے انسان کو بچنا چاہئے ــــــ اب اگلا باب بدعت کے مقابلے میں قائم فرمایا ہے کہ۔ ''بَابٌ فِيْ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً اَوْ سَيِّئَةً۔ یعنی یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو کوئی اچھی سنت جاری کرے۔ یعنی ایک وہ طریقہ جس کا قرآن میں، احادیث میں، صحابہ کرام کے اعمال میں دین کا حصہ ہونا مسلم ہے۔ لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب ایسے موقع پر جب کہ لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس موقع پر کوئی شخص اس سنت پر عمل کر کے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کرتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سنت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس عمل کی فضیلت اس باب میں بیان کرنی مقصود ہے۔

کوئی اچھا طریقہ جاری کرنا

اس میں دو قسم کے عمل ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی اچھا طریقہ جاری کرنا، اور دوسرے یہ کہ کوئی چھوٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنا ــــــ اچھا طریقہ جاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک عمل تھا جس کی طرف لوگوں کو توجہ نہیں ہو رہی تھی۔ اور اس

شخص نے لوگوں کو اس عمل کی طرف متوجہ کر دیا، اس بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قرآن کریم کی دو آیتیں نقل کی ہیں اور اس کے بعد ایک طویل حدیث بیان فرمائی ہے۔ پہلی آیت یہ ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا

(سورۃ الفرقان: ۷۴)

یہ سورۃ الفرقان کی آیت ہے۔ اور سورۃ الفرقان کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے "عباد الرحمٰن" کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ یعنی اللہ کے وہ بندے جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے کیا کیا اوصاف ہوتے ہیں۔ ان کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

نیک بندوں کی دعا

اس آیت میں اللہ کے ان نیک بندوں کے اوصاف میں ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہماری بیویوں اور شوہروں کو اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا ــــ "ازواج" یہ "زوج" کی جمع ہے اور یہ بیوی اور شوہر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ مرد کے لئے اس کی بیوی زوج ہے، اور عورت کے لئے اس کا شوہر زوج ہے۔ لہذا یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار: ہماری بیویوں یا شوہروں کو اور ہماری اولاد کو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ یعنی جب ان کو دیکھیں

تو ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ دل کو سکون ملے۔ عافیت اور قرار ملے ___ یعنی ان کو ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما کہ ان کو دیکھ کر ہمیں سکون، عافیت اور قرار حاصل ہو۔

ہمارے بیوی بچوں کو عبادت کی توفیق دیدیجئے

لیکن بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت میں لگا ہوا دیکھیں ___ مومن کے لئے ان کی ازواج اور ذریت کا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ ان کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ اللہ کی عبادت اور طاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ہے "قُرَّةَ اَعْيُنٍ" کی تفسیر جو بعض صحابہ کرام سے منقول ہے ___ اس میں درحقیقت یہ دعا کی جارہی ہے کہ یا اللہ ہماری بیویوں اور بچوں کو اس کی توفیق دیجئے کہ وہ آپ کی عبادت اور طاعت میں لگ جائیں اور اس لئے کہ جب وہ عبادت اور طاعت میں لگ جائیں گے تو ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔

ہم ایسے دھوکے میں آجاتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ اور یہ بہت بڑے فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ عبادت میں اور تقویٰ میں بھی بہت مشہور تھے۔ ان کے پاس بہت سارے غلام تھے، انہوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا تھا کہ جب آپ کسی غلام کو دیکھتے کہ وہ بہت اچھی طرح عبادت کررہا ہے اور رات کو تہجد میں کھڑا ہے، خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے تو اس غلام کو آزاد کر

دیتے۔ فرماتے کہ تم نے اب اللہ کی غلامی اختیار کر لی ہے۔ لہٰذا میں تمہیں اب اپنی غلامی سے نکالتا ہوں۔ اور آزاد کرتا ہوں ـــــ غلاموں نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو آزاد ہونے کا بہت آسان نسخہ ہے ـــــ چنانچہ انہوں نے یہ کیا کہ ہر روز ایک غلام عبادت کے لئے کھڑا ہو جاتا، خوب خشوع و خضوع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دکھانے کے لئے ان کے سامنے نماز پڑھتا، جب آپ اس طرح اس کو عبادت کرتے ہوئے اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اس کو آزاد کر دیتے۔ یہاں تک کہ اکثر غلام اس طرح ایک ایک کر کے آزاد ہوتے چلے گئے ـــــ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ غلام تو اخلاص کے ساتھ عبادت نہیں کر رہے ہیں، یہ تو دکھانے کے لئے اور آزاد ہونے کی غرض سے اس طرح آپ کے سامنے عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں ان کا مقصود عبادت کرنا نہیں۔ بلکہ یہ سب لوگ آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور آپ ان کے دھوکے میں آ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جواب دیا۔ فرمایا: ''وہ جانتا تو میں بھی ہوں، یہ سب لوگ آزادی کے شوق میں یہ عبادت انجام دے رہے ہیں اور عبادت کا شوق اور جذبہ ان کے اندر نہیں ہے۔ اور دھوکہ دے رہے ہیں لیکن ایک بات سن لو کہ:

مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰهِ انْخَدَعْنَا لَهُ

(تهذيب الاسماء للنووى، باب حرف العين المهملة۔ صفحه ٢٩٥)

جو شخص اللہ کے کسی کام میں دھوکہ دے ہم اس کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ یہ

مجھے دھوکہ دے کر آزاد ہو رہے ہیں اور آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی فضیلت والا عمل ہے۔ میں اس دھوکہ میں آکر عبادت کر رہا ہوں۔ اللہ کی طاعت انجام دے رہا ہوں ایک ایسا کام کر رہا ہوں، جو فضیلت والا کام ہے ___ لہٰذا اگر کوئی شخص دھوکہ دے کر ہمیں طاعت پر آمادہ کر دے تو یہ بڑا اچھا دھوکہ ہے۔ اس لئے میں اس دھوکے میں آجاتا ہوں۔

میں ایسے غلام کو آزاد کرتا ہوں

بہر حال: قرآن کریم میں فرمایا کہ:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ (سورۃ الفرقان: ۷۴)

اس میں یہ دعا کی گئی ہے کہ ہماری اولاد اور ہماری ازواج کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیے۔ اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا راستہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت میں لگے ہوئے ہوں ___ اور حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ غلام بھی سب تمہارے بھائی ہیں۔ اور تمہارے خاندان کے افراد ہیں۔ اور یہاں تک فرمایا گیا کہ ان کو ''غلام'' بھی مت کہو ___ جب ان کو دیکھیں گے کہ یہ عبادت اور طاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ عبادت دکھاوے کے لئے کر رہے ہیں۔ لیکن جب وہ اللہ کی طاعت میں لگ گئے تو میں ان کو آزاد کرتا ہوں ___ بہر حال! گھر والوں کا اللہ کی عبادت اور طاعت میں لگنا یہ بڑی نعمت ہے۔ اور اس آیت میں یہ نعمت مانگی ہے۔ اور یہ دعا سکھائی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرو۔

مجھے متقیوں کا سربراہ بنا دیجئے

اور اس آیت میں دوسرا جملہ یہ فرمایا:

وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝

اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دیجئے ـــــ یہاں پر امام سے مراد ''سربراہِ خاندان'' ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے خاندان کو متقی بنا دیجئے۔ اور ہمیں اس خاندان کا سربراہ بنا دیجئے۔ اس لئے بیوی بچوں والا شخص اپنے خاندان کا ''سربراہ'' ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے گھر کے سب لوگ متقی بن جائیں اور ہمیں ان کی سربراہی حاصل ہو جائے۔ اب بظاہر تو اس آیت میں ''سربراہ'' بننے کی دعا مانگی جا رہی ہے کہ میں سربراہ بن جاؤں اور سربراہ بننا تو ایک منصب اور عہدہ ہے اور منصب اور عہدہ کی طلب کی حدیث شریف میں ممانعت کی گئی ہے کہ کوئی شخص عہدے اور منصب کی طلب نہ کرے۔ اور خود سے مانگے ـــــ لیکن اس آیت میں کہلوایا جا رہا ہے کہ ''مجھے متقیوں کا امام بنا دیجئے ـــــ کیوں؟ اس لئے کہ متقیوں کا امام آدمی اس وقت بنے گا جب پہلے وہ خود متقی ہوگا ـــــ یعنی جب پہلے میں خود متقی ہوں گا اللہ کی عبادت اور طاعت کروں گا، گناہوں سے پرہیز کروں گا تو مجھے دیکھ کر میرے گھر والے میری پیروی کریں گے۔ اس صورت میں مجھے اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا ـــــ اور میرے گھر والے اس نیک عمل میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ اس کا بھی ثواب مجھے ملے گا۔ اس وجہ سے اس آیت کو اس باب ''مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً'' کے تحت لایا گیا کہ جو شخص اچھی سنت جاری کرے اس کی اس آیت میں دعا کرائی گئی کہ یا اللہ تعالیٰ ہم اپنے بیوی بچوں کے لئے

اچھی سنت جاری کردیں۔ اور پھر تقویٰ میں ان کے سربراہ بن جائیں۔ لہٰذا ہر شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور مانگا کرے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت تھے

اس کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل ہے۔ یہ طویل حدیث ہے۔ فرماتے ہیں۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي صَدْرِ النَّهَارِ قَالَ: فَجَاءَهُ قَوْمٌ حُفَاةٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ أَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ. بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ. فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِمَا رَأَى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ ﴿إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (انساء:۱) وَالْآيَةَ الَّتِي فِي الْحَشْرِ: ﴿اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ﴾ (الحشر:۱۸) تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ، مِنْ ثَوْبِهِ، مِنْ صَاعِ

بُرِّهِ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ، (حَتَّى قَالَ): وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ،
قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ
تَعْجِزُ عَنْهَا۔ بَلْ قَدْ عَجَزَتْ۔ قَالَ: ثُمَّ تَتَابَعَ
النَّاسُ حَتَّى رَأَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ،
حَتَّى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهُ
مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَنَّ فِي
الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ
بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ
شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ
عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ
أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

(ریاض الصالحین، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ حدیث نمبر ۱۷۱)
(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرہ، حدیث نمبر ۱۰۱۷)

چونکہ یہ طویل حدیث ہے اس لئے اس کا خلاصہ اور ترجمہ عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور قبیلہ بجیلہ کے باشندے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے شمار خصوصیتوں سے نوازا تھا۔ کسی کو کوئی خصوصیت دی کسی کو کوئی خصوصیت دی۔ اور یہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے۔ یہاں تک ان کا لقب "یُوْسُفُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ" اس امت

کے یوسف" مشہور ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا حسن جمال عطا فرمایا تھا۔ اس طرح ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ۱۰۸، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ الجزء الثانی صفحہ ۵۳۵)

چند فاقہ کش لوگوں کی حاضری

وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم دن چڑھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ آئے۔ جن کے جسموں پر کپڑا نہیں تھا اور وہ بمشکل چند چیتھڑوں اور چادر کے ٹکڑوں سے اپنا بدن ڈھانپا ہوا تھا۔ باقاعدہ کوئی لباس ان کے پاس نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ فقر فاقہ کا شکار تھے۔ اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں تلوار کو تو جسم کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ سب لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھنے والے تھے ـــ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ حال دیکھا کہ کھانے کو کچھ میسر نہیں اور جسموں پر کپڑا نہیں۔ تو صدمے سے آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا کہ یہ لوگ کس قدر فقر و فاقہ کا شکار ہیں ـــ ان کو دیکھ کر آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ غالباً اس لئے گھر میں تشریف لے گئے کہ اگر گھر میں کچھ ہو تو میں ان کو صدقہ کے طور پر کچھ دیدوں۔ لیکن شاید اس وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ پھر آپ باہر تشریف لائے۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اقامت کہی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

ہر شخص صدقہ دے

نماز کے بعد آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورۃ النساء:۱)

کہ اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ اور پھر دوسری آیت یہ تلاوت کی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورۃ الحشر:۱۸)

اے ایمان والو: اللہ سے ڈرو۔ اور ہر انسان کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے اور آخرت کے لئے کیا عمل روانہ کیا ہے ___ اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ ہر انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اس نے آخرت میں کیا بھیجا ہے۔ اس میں خاص طور پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم جو کچھ بھی صدقہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دو گے وہ صدقہ آخرت میں تمہارا بھیجا ہوا مال ہوگا۔ جو آخرت میں تمہیں وہاں پر کام آئے گا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس دینار ہے تو وہ دینار میں سے صدقہ دے۔ اگر کسی کے پاس سونا ہے تو سونے میں سے صدقہ دے، اگر کسی کے پاس چاندی ہے تو چاندی میں سے صدقہ دے۔ اگر کسی کے پاس کھجور ہے تو کھجور میں سے دے۔ اگر کسی کے پاس گندم ہے تو گندم میں سے دے۔ اور آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کسی کے پاس صرف ایک کھجور

ہے اور کچھ نہیں ہے اور اس کھجور کا ایک ٹکڑا دیدیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں نیک عمل شمار ہوگا۔

آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے دمکنے لگا

بہرحال! حضور اقدس ﷺ نے یہ خطبہ دیا۔ اور آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ یہ سامنے فقر و فاقہ زدہ لوگ موجود ہیں۔ اور صدقہ کی فضیلت سن کر حضرات صحابہ کرام ان پر صدقہ کریں گے ــــــ صحابہ کرام آپ کا مقصد سمجھ گئے۔ چنانچہ ایک صاحب وہاں سے اٹھ کر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں آئے تو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھیلی تھی۔ جس کو وہ بمشکل اٹھا پا رہے تھے۔ اور وہ تھیلی لاکر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ اور عرض کیا کہ آپ اس کو ان فقر و فاقہ زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی آنا شروع ہوئے۔ کوئی ان کے لئے کھانا لا رہا ہے۔ کوئی کپڑے لا رہا ہے۔ کوئی دوسری چیزیں لا رہا ہے یہاں تک ان کے لئے اچھا خاصا سامان جمع ہو گیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو ان حضرات کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر حضور اقدس ﷺ کے چہرے پر غم اور صدمہ کے آثار تھے۔ اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو دیکھنے کے بعد کہ انہوں نے اتنی جلدی ان کی ضروریات کا انتظام کر دیا۔ آپ کا چہرۂ انور خوشی سے دمکنے لگا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا کہ وہ سونے کا ٹکڑا ہے۔

جو شخص اچھی سنت جاری کرے گا

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی کہ:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ.

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ حدیث نمبر ۱۰۱۷)

فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کرے تو اس کو خود اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا۔ اور اس کے بعد جتنے لوگ اس نیک عمل پر کاربند ہونگے ان سب لوگوں کا اجر بھی اس شخص کو ملے گا۔ اس طرح کہ ان لوگوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص نے ایک نئی سنت جاری کی۔ اس کو دیکھ کر ایک ہزار آدمیوں نے وہی نیک عمل کر لیا تو ان ہزار آدمیوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اور جس شخص نے ان کو راستہ دکھایا اس کو ایک ہزار آدمیوں کے عمل کا ثواب ملے گا۔ گویا کہ آپ ﷺ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی جو سب سے پہلے جا کر تھیلی لے کر آیا۔ اور پھر اس کو دیکھ کر اور لوگوں کو بھی ترغیب ہوئی۔ اور انہوں نے بھی لا کر صدقہ دیا۔ چونکہ اس پہلے شخص نے یہ نیک سنت جاری کی اس لئے باقی لوگوں کا ثواب بھی اس شخص کو ملے گا۔

جو شخص برا طریقہ جاری کرے گا

اس کے برعکس اگلے جملے میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ.

فرمایا کہ جو شخص کوئی برا طریقہ جاری کرے تو اس کو خود اپنی برائی کا گناہ بھی ملے گا۔ اور اس کو دیکھ کر جتنے لوگوں نے برائی اختیار کی۔ ان سب کا گناہ بھی پہلے والے شخص کے اعمال نامے میں لکھا جائے گا۔ اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی ___ کیونکہ اس برائی کو سب سے پہلے اس نے ایجاد کیا۔ اس نے جاری کیا۔

ہر قتل کا گناہ قابیل کو بھی ملے گا

اسی وجہ سے قرآن کریم اور احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اس دنیا میں جتنے قتل ہوئے ہیں۔ ان سب کا گناہ اس شخص کو ملے گا جس نے سب سے پہلے اس دنیا میں قتل کا طریقہ جاری کیا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا ''قابیل'' جس نے سب سے پہلے اس دنیا میں قتل کیا کیونکہ اس سے پہلے قتل کرنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہ برا طریقہ جاری کیا۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (سورۃ المائدۃ: ۳۲)

کہ جو شخص ایک انسان کو ناحق قتل کرتا ہے تو گویا کہ اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔ لہٰذا برا عمل جاری کرنے کا اتنا بڑا وبال ہے کہ اس کے بعد قیامت تک جو شخص بھی وہ عمل کرے گا اس کا گناہ اس جاری کرنے والے کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا

ایک اور حدیث میں بڑی خوشخبری کا ارشاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ

(الزهد الكبير للبيهقي، فصل بيان الزهد وانواعه، حديث نمبر ۲۱۷)

فرمایا کہ میری وہ سنت جو مردہ ہوگئی ہو مردہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہو اگر کوئی اللہ کا بندہ اس مردہ سنت کو زندہ کر دے یعنی اس پر عمل کرنا شروع کر دے۔ تو اس زندہ کرنے والے کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

ہم نیک اعمال کیسے کریں؟

یہ حدیثیں ہیں جو آج کے ہمارے اس دور میں ہمارے لئے بڑی تسلی کا سامان ہیں۔ اور بڑی فضیلت اور بشارت کا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ یہ بات ہر محفل میں سننے میں آتی ہے کہ صاحب؛ ہم کیا کریں۔ ماحول ایسا خراب ہوگیا ہے۔

معاشرہ ایسا خراب ہو گیا ہے اس ماحول میں کوئی شخص بھی یہ کام نہیں کرتا۔ ہم یہ کام کیسے کریں؟ کوئی شخص بھی ہمارے ماحول میں نماز نہیں پڑھتا، ہم نماز کیسے پڑھیں۔ کوئی ہمارے معاشرے میں داڑھی نہیں رکھتا، ہم داڑھی کیسے رکھیں۔ کوئی ہمارے ماحول میں قرآن نہیں پڑھتا، ہم قرآن کیسے پڑھیں؟ کوئی ہمارے ماحول میں دین کا علم حاصل نہیں کرتا، ہم کیسے حاصل کریں؟ کوئی ہمارے ماحول میں گناہوں سے نہیں بچتا، ہم کیسے بچیں۔ جگہ جگہ لوگوں کی زبانی یہ عذر سننے میں آتے ہیں۔

دنیا والوں کے طعنہ کی پرواہ مت کرو

سرکار دو عالم ﷺ چودہ سال پہلے بتا گئے کہ اگر کوئی اور یہ اعمال نہیں کرتا تو پھر تو تمہارے لئے لوٹ کا زمانہ ہے۔ پہلے اگر عمل کرتے تو اس پر وہ اجر و ثواب نہ ملتا جو اجر و ثواب تمہیں آج مل رہا ہے کہ جس ماحول میں تم زندگی گزار رہے ہو وہاں سنتیں مردہ ہو رہی ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کو مٹایا جا رہا ہے۔ وہاں پر سرکار دو عالم ﷺ کی سنتوں کو ترک کیا جا رہا ہے۔ اس ماحول میں رہ کر جب تم کوئی ایک سنت زندہ کر دو گے تو تمہیں سو شہیدوں کا اجر ملے گا ــــــ اس لئے کہ جب تم کسی سنت کو زندہ کرنے کی طرف قدم بڑھاؤ گے تو کوئی طعنہ دینے والا تم کو طعنہ بھی دے گا۔ کوئی تمہارا مذاق بھی اڑائے گا کوئی تمہیں دقیانوس بھی کہہ دے گا ــــــ لیکن یاد رکھو کہ وہ کہنے والا جو کچھ بھی کہے گا وہ تو ہوا میں اڑ جائے گا اور دنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے کسی کی زبان سے

کوئی طعنہ نہ سنا ہو۔ اس لئے کہ دنیا والوں کی زبان کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر تم ان دنیا والوں کی مرضی اور خواہشات کے مطابق بھی چلتے رہو گے تب بھی اس کی کوئی گارنٹی ہے کہ وہ پھر تمہیں طعنہ نہیں دے گا ـــــ پھر بھی وہ تمہیں طعنہ دیں گے ـــــ البتہ فرق یہ ہوگا کہ اب وہ طعنے اللہ اور اللہ کے رسول کی وجہ سے مل رہے ہیں اور جب کوئی مسلمان اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کے لئے طعنہ کھاتا ہے تو اس طعنہ کا اجر وثواب اور اس طعنہ کی فضیلت کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ یہ وہ طعنہ ہے جو تمام پیغمبروں کو دیا گیا۔ کوئی نبی اس دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کو طعنے نہ دیئے گئے ہوں ـــــ تمام انبیاء کو طعنے دیئے گئے۔ کسی نے مجنون کہا۔ کسی نے دیوانہ کہا۔ کسی نے پاگل کہا۔ کسی نے کافر کہا۔ کسی نے کچھ کہا۔ یہ سب طعنے انبیاء علیہم السلام کو ملے۔ لہٰذا اگر اللہ کے راستے پر چلنے کی وجہ سے تمہیں بھی طعنے مل رہے ہیں یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ کرنے کی وجہ سے مل رہا۔ ہے تو یہ تو تمہارے گلے کا زیور ہے۔ اس پر فخر کرو۔ اور اس پر خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر یہ طعنہ مل رہا ہے ـــــ

یہ طعنے تمہارے گلے کا زیور ہیں

آج کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر عام روش سے ہٹ کر ایک راستہ اختیار کرتا ہے یعنی دین کا راستہ اختیار کرتا ہے اور مثلاً اس نے یہ طے کرلیا کہ آئندہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھا کروں گا اور اس نے یہ طے کرلیا کہ آئندہ

میں جھوٹ نہیں بولوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں تجارت کرتا ہوں تو اس میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اور غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا۔ رشوت نہیں دوں گا____ اور اس نے اپنی ظاہری شکل بھی سنت کے مطابق بنالی____ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر طعنوں کی بوچھاڑ ہوگئی۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ مولوی صاحب جا رہے ہیں۔ کوئی ''ملا جی'' کہہ رہا ہے۔ کوئی ''صوفی'' کہہ رہا ہے۔ کوئی کچھ اور کہہ رہا ہے۔ اور کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ یہ کیا تم بیسویں صدی میں یہ طریقہ نکال کر چل پڑے ہو۔ ساری دنیا کہیں اور جا رہی ہے اور تم کسی اور راستے پر جا رہے ہو____ خوب سمجھ لو کہ ان میں سے ایک ایک طعنہ تمہارے لئے کروڑوں روپے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ ان طعنوں کی وجہ سے سو شہیدوں کا ثواب تمہارے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔

قیامت کے دن ایمان والے ہنسیں گے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

(سورۃ المطففین: ۳۴-۳۵)

یعنی کل تم ان ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔ اور آج ایمان والے تم پر ہنسیں گے۔ تمہاری ہنسی تو ناپائیدار تھی۔ لیکن ایمان والوں کی جو ہنسی قیامت کے دن ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اور ابدالآباد کے لئے ہوگی۔

ان طعنوں کے سامنے ڈٹ جاؤ

لہٰذا ان طعنوں سے تو کوئی بھی محفوظ نہیں۔ اب چاہے یہ طعنے دنیا کی خاطر برداشت کرلو۔ یا اللہ کی خاطر برداشت کرلو۔ یہ طعنے تو ملیں گے۔ اگر یہ طعنے دنیا کی خاطر کھاؤ گے تو پھر یہ طعنے دنیا ہی کے اندر رہ جائیں گے۔ اور اگر آخرت کی خاطر کھاؤ گے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سو شہیدوں کا اجر و ثواب لکھا جا رہا ہے ____ لہٰذا ذرا کمر مضبوط کرلو کہ یہ طعنے ملیں گے اور لوگ مذاق بھی اڑائیں گے۔ برا بھلا بھی کہیں گے اور تمہارے مختلف نام بھی رکھیں گے۔ تو ان کو رکھنے دو اور تجربہ یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ ان طعنوں کے سامنے ڈٹ جائے کہ چلو ان کو طعنے دینے دو تو ایسے لوگ ہی اپنی عزت کراتے ہیں۔ اور انہی طعنہ دینے والے سے کراتے ہیں۔ اور وہی مذاق اڑانے والے بالآخر ان کے آگے جھکتے ہیں۔ جو شخص ان طعنوں سے مرعوب ہو جائے اور ڈر جائے تو اس کو پھر دنیا کے اندر بھی عزت کا راستہ نہیں ملتا۔

پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب

بہر حال! کسی سنت کو زندہ کرنا یہ معمولی بات نہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخری دور میں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں ایک آدمی جو نیک عمل کرے گا اس کو پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا ____ مثلاً ایک نماز پڑھی تو

پچاس نمازوں کے برابر ثواب ملے گا۔ ایک روزہ رکھا تو پچاس روزوں کے برابر ثواب ملے گا____ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قربان جایئے کہ انہوں نے کوئی بات تشنہ نہیں چھوڑی۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی وقت پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ایک آدمی کو پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا کیا وہ پچاس آدمی اس خراب دور کے مراد ہیں یا اس ہمارے دور کے پچاس آدمی مراد ہیں؟ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانے کے نہیں۔ بلکہ تمہارے زمانے کے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا۔

(سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن۔ باب ومن سورۃ المائدۃ۔ حدیث نمبر ۳۰۵۸)

پچاس ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے برابر ثواب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں آج ایک نماز پڑھ لو تو پچاس ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نمازوں کا ثواب کماؤ گے۔ آج ہم اپنے زمانے کو بہت برا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ لوٹ کا زمانہ ہے۔ اس میں اجر وثواب لوٹو۔ اور جو قربانیاں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اور جو قربانیاں عثمان و علی رضی اللہ عنہما نے دی تھیں۔ ان قربانیوں کے دیئے بغیر جو انہوں نے دیں تمہیں پچاس نمازوں کا ثواب مل رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات ہے؟____ لہٰذا ان طعنوں سے کبھی نہ گھبراؤ اور ان مذاق اڑانے والوں سے کبھی نہ ڈرو۔ اگر یہ تمہارا کوئی نام رکھیں اس کو ہنسی میں اڑا دیا کرو اور یہ سوچا کرو کہ یہ نادان ہیں اور حقیقت حال نہیں جانتے اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اللہ

تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

ان کو آخرت کی خوشیاں عطا فرمادے

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ کے کنارے جارہے تھے۔ وہاں سے دریا میں ایک کشتی گزری۔ اس کشتی میں کچھ نوجوان سیر و تفریح کر رہے تھے۔ اور وہ نوجوان گانا بجانا، ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ جیسا کہ تفریح کے دوران نوجوانوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور جب کسی جگہ ہنسی مذاق ہو رہا ہو اور دل لگی ہو رہی ہو اس موقع پر وہاں کوئی مولوی یا صوفی آجائے تو وہ اور مذاق کا ذریعہ بن جاتا ہے ___ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے درویش صفت مرید بھی تھے۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر ان نوجوانوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ___ کسی مرید نے حضرت سے کہا حضرت: یہ بڑے گستاخ قسم کے لوگ ہیں آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیے۔ اس لئے کہ اول تو خود گناہ کے اندر مبتلا ہیں اور جو اللہ کے بندے ہیں ان کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہے ہیں یہ کتنی بری بات ہے۔ اس لئے آپ ان کے لئے بددعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ آپ نے ان لوگوں کو یہاں دنیا میں خوشیاں عطا فرمائی ہیں کہ یہ لوگ ہنس بول رہے ہیں، اے اللہ! ان کو آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرمائیے۔ ان کو آخرت میں بھی ہنسی مذاق کا موقع عطا فرمائیے۔ ان کے اعمال ایسے کر دیجئے جس کے نتیجے میں یہ لوگ آخرت میں بھی ہنسی مذاق کر

سکیں ـــــ یہ ہیں اللہ والے۔ کہ اگر کسی نے کوئی مذاق اڑالیا۔ کسی نے کوئی طعنہ دے دیا تو میرا اس میں دنیا اور آخرت کا کیا نقصان ہوا؟ کیا میرا کوئی مال چھن گیا۔ یا میری جان چلی گئی یا آخرت میں کوئی خرابی ہوگئی؟ اس کے کہنے سے کچھ بھی نہ ہوا ـــــ اور اگر وہ تعریف کر دیتا تو اس کی تعریف سے کیا فائدہ ہوتا؟ کچھ نہیں۔ اگر کوئی معمولی آدمی کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ آپ بڑے اعلیٰ درجے کے آدمی ہیں تو اس سے کیا فائدہ؟ کچھ نہیں۔ لہٰذا نہ تو دوسرے کی تعریف سے کوئی فائدہ نہ ہی دوسرے کی برائی سے کوئی نقصان۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ دوسروں کے طعنوں کی بالکل پرواہ مت کرو۔ بس اپنا کام سنت کے مطابق کرتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے والا اور ان سنتوں کو زندہ کرنے والا بنا دے ـــــ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋

❋

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انعاماتِ رمضان پر شکر
اور
بعد رمضان نئی زندگی کا آغاز

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۱۰/اپریل ۱۹۹۲ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انعاماتِ رمضان پر شکر

اور بعد رمضان نئی زندگی کا آغاز

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ، وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئٰتِ اَعۡمَالِنَا، مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ، وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔ اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (آل عمران: آیت نمبر ۱۰۲)

تمہید

بزرگانِ محترم و برادران عزیز۔ اللہ جل شانہٗ کا کرم اور انعام ہے کہ آج ایک مہینہ کے مبارک وقفہ کے بعد پھر دوبارہ آپ حضرات سے یہاں (مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال) میں ملاقات ہو رہی ہے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و کرم ہے جو اپنے بندوں کی طرف مبذول فرماتے ہیں۔ رمضان سے پہلے جو آخری جمعہ گزرا تھا اس میں احقر نے عرض کیا تھا کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ صرف روزے کا مہینہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک تربیتی کورس ہے جس سے ہمیں گزارا جا رہا ہے۔ یہ ایک بھٹی ہے جس میں تپا کر ہمیں کندن بنایا جا رہا ہے ____ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ مہینہ نصیب ہوا۔ اور الحمد للہ اس ماہ میں اپنی بساط کی حد تک روزے کی، تراویح کی اور تلاوت کی توفیق ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ہم سب بڑے خوش نصیب ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ____ رمضان کا مہینہ ختم ہونے کے بعد جب حضرت والا کے پاس حاضری ہوتی تھی تو بہت مسرور، شاداں اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ استقبال فرماتے اور فرماتے کہ الحمد للہ ہم سب بڑے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مہینہ عطا فرمایا۔ اور آپ نے عیدگاہ والی حدیث تو سنی ہے کہ جب مسلمان عید الفطر کی نماز کی ادائیگی کے لئے عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کس طرح فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں

اور کس طرح تمام مسلمانوں کی مغفرت کا اعلان فرماتے ہیں۔ اور نہ صرف مغفرت کا اعلان فرماتے ہیں بلکہ برائیوں کے نیکیوں میں تبدیل ہو جانے کا اعلان فرماتے ہیں ____ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھنی چاہیے لہٰذا ہم سب بڑے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سب مراحل سے گزار دیا۔

مایوسی کا کوئی راستہ نہیں

اور اگر ہم اپنی طرف دیکھیں، اپنے اعمال کی طرف دیکھیں تو پھر بظاہر مایوسی ہونے لگتی ہے کہ ہم کیا اور ہمارے اعمال کیا؟ نہ روزے کا حق ادا ہوا، نہ تراویح کا حق ادا ہوا، نہ تلاوت کا حق ادا ہوا، نہ ذکر کا حق ادا ہوا اور نہ رمضان کا کوئی اور حق ادا کر پائے۔ لہٰذا اگر ہم اپنی طرف دیکھیں تو اس میں امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ لیکن جس ذات گرامی نے ان اعمال کی توفیق عطا فرمائی ہے، اگر اس کی طرف دیکھیں اور اس کی رحمت کی طرف دیکھیں تو مایوسی کا کوئی راستہ نہیں۔ جب انہوں نے روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمادی، تراویح وغیرہ کی یہ سب ان کی طرف سے تھی۔ کیا ہمارے بس میں یہ تھا کہ یہ سب اعمال ان کی توفیق کے بغیر کر گزرتے؟ جب انہوں نے توفیق عطا فرمادی تو پھر ان کی رحمت کو کیوں نہ دیکھیں تو جب انہوں نے عطا فرمائی ہے تو انشاء اللہ قبول کرنے کے لئے عطا فرمائی ہے۔

عبادت کے قبول ہونے کی علامت

بیشک ہر عبادت کے ساتھ فکر یہ ہونی چاہئے کہ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرے۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی عبادت کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ وہ عبادت ادا کر لی گئی اور پھر دوبارہ اسی عبادت کی توفیق ہو گئی تو سمجھ لو کہ پہلی عبادت قبول ہوگئی۔ مثلاً ایک نماز پڑھی، پھر دوسری نماز کی بھی توفیق ہوگئی تو معلوم ہوا کہ پہلی نماز قبول ہوگئی۔ مثلاً ایک روزہ رکھا۔ اس کے بعد دوبارہ روزہ رکھنے کی توفیق ہوگئی تو سمجھ لو کہ پہلا روزہ قبول ہوگیا ــــ اگر قبول نہ ہوتی تو دوسری عبادت کی توفیق نہ دی جاتی۔ یہ اللہ جل شانہٗ کی سنت ہے ــــ اور جب عبادت کی توفیق عطا فرمادی اگرچہ وہ عبادت ناقص ہی سی۔ تو اس کو قبولیت بھی عطا فرمائیں گے۔

ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو ہمیشہ ناقص ہی رہیں گے۔ کبھی کامل ہو ہی نہیں سکتے ــــ اور نہ ہماری عبادت کامل ہو سکتی ہے۔ اور ہماری عبادت کیا کامل ہوگی جو سارے کاملوں کے سردار سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری ساری رات نماز میں کھڑے رہتے جس کی وجہ سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

اے اللہ، ہم آپ کی عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔ اے اللہ، ہم آپ کی معرفت کا حق ادا نہ کر سکے ____ جب وہ فرما رہے ہیں کہ ہم سے عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ تو مجھ سے آپ سے کیا حق ادا ہوگا۔ لیکن ہم اپنی نااہلی کو دیکھیں یا ان کی رحمت کو دیکھیں کون سی چیز زیادہ بڑی ہے۔ ان کی رحمت زیادہ بڑی ہے یا ہماری نااہلی زیادہ بڑی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی رحمت کے برابر تو کوئی چیز ہو نہیں سکتی ____ لہٰذا جب انہوں نے ہمیں عبادت کی توفیق عطا فرمائی ہے تو ہمیں پوری امید رکھنی چاہئے کہ انشاء اللہ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہے۔ اور اس عبادت پر جو رحمت کے اور اجر و ثواب کے وعدے ہیں انشاء اللہ اپنی رحمت سے ضرور عطا فرمائیں گے۔

توفیق پر شکر، غلطیوں پر استغفار

جہاں تک عبادات میں کوتاہیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے تو اس کا علاج بھی بتا دیا کہ جب بھی کسی عبادت کی توفیق ہو جائے تو اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور اس عبادت میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان پر استغفار کرو ____ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے جن عبادات کو ادا کرنے کی توفیق دی تھی ان پر شکر ادا کرنے کا وقت ہے۔

چالیس مقامات قرب زیادہ عطا فرما رہے ہیں

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک اور بات فرمایا کرتے تھے۔ وہ

بھی یاد رکھنے کی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بے شمار انعامات رکھے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ تراویح کی نماز رکھ دی ہے۔ اور جو روزانہ ہمیں پڑھنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ تراویح اللہ تعالیٰ کا بڑا عجیب وغریب انعام ہے۔ اس لئے کہ تراویح کے اندر روزانہ بیس رکعتوں میں چالیس سجدے زیادہ کرنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ اور یہ سجدہ وہ چیز ہے کہ بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا اس سے بڑا اونچا مقام کوئی اور نہیں ہے۔

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''بندہ اپنے پروردگار سے جتنا قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اتنا کسی اور حالت میں نہیں ہوتا، سب سے زیادہ قرب سجدہ کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث ۴۸۲)

ہم اور آپ تو سجدے بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات غفلت کی حالت میں کر جاتے ہیں اور ہمیں اس قرب کے لطف کا پتہ نہیں چلتا جو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سجدے میں عطا فرما رہے ہیں۔

سجدہ کرو اور میرے پاس آ جاؤ

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو سجدے میں قرب کا خاص مقام عطا فرماتے ہیں یہ سورۃ اقراء کے آخر میں آیت سجدہ ہے جس پر سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ''سجدہ کرو، اور میرے پاس آ جاؤ''۔ یہ کتنا پیارا جملہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم سجدہ کرو

گے تو سجدہ کرتے ہی تمہیں میرا قرب حاصل ہو جائے گا۔ گویا کہ میں تمہیں اپنے قریب لے لوں گا۔ اس قرب کا لطف ہمیں محسوس نہ ہو لیکن جو اللہ والے ہیں۔ ان کو اس قرب کا لطف محسوس ہوتا ہے ___ حضرت شاہ فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ جو مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں ___ حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت والا مجھ سے چپکے سے کہنے لگے:

''میاں اشرف علی: جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا لگتا ہے
جیسے اللہ میاں نے پیار کر لیا''

یہ وہ اللہ کے بندے ہیں جن کو سجدے کی حالت میں قرب کی لذت کا احساس ہوتا ہے۔

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جس وقت یہ پیشانی اسکی بارگاہ میں ٹکتی ہے۔ اور بندہ ''سبحان ربی الاعلیٰ '' کہتا ہے کہ میں تو تیری چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہوں اور اے میرے پروردگار تو اعلیٰ ہی اعلیٰ ہے۔ جس وقت بندہ یہ کہتا ہے بس اس وقت قرب کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس سجدے کی حالت میں جب بندہ اپنی پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے تو ساری کائنات اس کے نیچے ہوتی ہے ___ ہمارے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی تھے اور شاعر بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ:

میں جب سجدہ میں سر رکھ دوں
زمین کو آسمان کر دوں

بہرحال، اللہ تعالیٰ کے حضور یہ سجدہ کوئی معمولی بات نہیں۔

یہ ایک سجدہ جسے توگراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ سجدہ معمولی چیز نہیں، یہ سجدہ مقام قرب ہے۔ اور بارگاہ الٰہی میں حاضری کا پروانہ ہے۔

اب تمہارا سجدہ کامل اور مکمل ہوگیا

بہرحال، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے ہر مومن بندے کو چالیس مقاماتِ قرب مزید روزانہ عطا فرماتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے اور اگر چالیس کو ۳۰ سے ضرب دے دو تو ۱۲۰۰ سجدے اور مقامات قرب عام دنوں سے زیادہ اللہ جل شانہٗ نے عطا فرمائے ہیں۔ کیا اب بھی شکر ادا نہیں کرو گے کہ یا اللہ: آپ نے اپنی بارگاہ میں یہ باریابی اور یہ توفیق عطا فرمائی کہ عام دنوں کے مقابلے بارہ سو مرتبہ مقامات قرب ہمیں نصیب ہوئے ___ لہٰذا اس پر شکر ادا کرو۔ البتہ سجدوں کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی کہ اس طرح سجدہ کیا کہ دل کہیں، دماغ کہیں غفلت کی حالت میں سجدہ کرلیا۔ اور مقام قرب کی نعمت کا اندازہ بھی کئے بغیر سجدہ کرلیا۔ تھکن کی حالت میں سجدہ کر رہے ہیں، اس فکر میں کہ جلدی سے یہ تراویح کی ۲۰ رکعتیں ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ یہ غفلت ہوئی۔ اس کا علاج بھی ان کی رحمت نے بتا

دیا کہ جب غفلت ہوجائے تو نماز کے بعد یہ کہو:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ.

اللہ کے حضور استغفار کرو کہ یا اللہ، آپ نے ہمیں اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی تھی لیکن ہم سے اس کی قدر نہ ہو سکی۔ ہم سے اس کا حق ادا نہ ہو سکا۔ ہم نے وہ غفلت کی حالت میں کر لی ــــ اے اللہ: ہمیں معاف فرما دے ــــ جب استغفار کرلو گے تو وہ سب کوتاہیاں بھی معاف ہو جائیں گی اور وہ اب تمہارے لئے کامل اور مکمل سجدہ لکھ دیا گیا۔ گویا کہ تم نے کامل اور مکمل سجدہ کیا۔

ان سب کی مغفرت کر کے واپس بھیجوں گا

وہ جو عیدگاہ والی حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ مزدور ہیں جنہوں نے اپنا کام پورا کرلیا ہے، اب میں ان کو پورا صلہ دوں گا۔ میری عزت و جلال کی قسم، میرے کرم کی قسم۔ میرے بلندی مقام کی قسم، میری رفعت شان کی قسم، آج میں ان سب کی مغفرت کر کے ان کو واپس بھیجوں گا۔ اور ان کی سیئات کو حسنات سے تبدیل کر دوں گا ــــ وہ برائی یہی تھی کہ وہ سجدہ غفلت میں، بے دھیانی میں کر دیا۔ بلا شوق اور ذوق کے نماز ادا کر لی ــــ ان سب سیئات کو حسنات سے تبدیل کر دوں گا۔ اگر وہ سجدہ تمہارے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ سجدہ اس لائق تھا کہ تمہارے منہ پر مار دیا جائے ــــ لیکن چونکہ وہ سجدہ ہماری توفیق سے کیا۔ ہمارے حکم سے کیا۔ اور تم

نے استغفار بھی کرلیا۔ اب وہ سجدہ کامل اور مکمل کر کے تمہارے نامہ اعمال کے اندر لکھا جائے گا۔ (شعب الایمان للبیھقی، فصل فی لیلۃ القدر، حدیث نمبر ۳۶۹۵)

اپنی طرف دیکھو گے تو مایوسی ہو گی

بہرحال، اس موقع پر دو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ایک یہ کہ اپنی کوتاہیوں پر استغفار کی، دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی توفیق پر شکر ادا کرنے کی کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں اس عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کا شکر ہے۔ آپ کا کرم ہے ـــــ جب یہ دو کام کرلو گے تو انشاء اللہ یہ پورا رمضان تمہارے لئے باعث خیر و برکت ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انوار و برکات، جو کچھ اجر وصلہ لکھ دیا ہے انشاء اللہ وہ ضرور آپ کو ملے گا۔ بشرطیکہ یہ دو کام کرلو۔ ایک شکر، دوسرے استغفار۔ ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مایوس ہونے کی بات نہیں۔ اگر تم اپنی طرف دیکھو گے تو مایوسی ہو گی۔ ارے تم اپنی طرف کیوں دیکھتے ہو؟ تم کیوں اپنے مراقبے میں لگ جاتے ہو؟ تم ان کی رحمت کو دیکھو۔ اور پھر اس کے لحاظ سے ان سے مانگو اور اسی امید سے مانگو کہ جو ثواب بتایا گیا ہے وہ انشاء اللہ ضرور ملے گا۔

تقویٰ پیدا ہوا یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ روزوں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے تم سے روزے کیا اس لئے رکھوائے کہ تم کو بھوکا اور پیاسا رکھنا مقصود تھا؟ نہیں ـــــ بلکہ ہم نے تم سے روزے اس لئے رکھوائے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ یہ

تقویٰ پیدا کرنا مقصود ہے۔ اب رمضان کے گزر جانے کے بعد دیکھو کہ آیا تمہارے اندر یہ تقویٰ پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر تقویٰ کا اعلیٰ معیار سامنے رکھ کر اپنے آپ کو دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ یہ تقویٰ ہمارے اندر پیدا نہیں ہوا ــــــ لیکن الحمد للہ ہر صاحب ایمان، روزہ دار کے اندر اس لحاظ سے تقویٰ پیدا ہوا کہ پچھلے دنوں کے مقابلے میں اس زمانے کا جائزہ لو تو یہ نظر آئے گا کہ پہلے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان زیادہ ہو چکا ہے اور حلال و حرام کی فکر، رمضان کے مہینے میں پہلے سے زیادہ معلوم ہوئی۔ عبادت کی طرف دھیان زیادہ ہوا۔ لہٰذا کچھ نہ کچھ تقویٰ کی جھلک ہر صاحب ایمان، روزہ دار کو الحمد للہ حاصل ہوئی ــــــ

اس تقویٰ سے رمضان کے بعد کام لو

رمضان المبارک میں شیطان کو قید کر دیا گیا تھا۔ اس لئے گناہوں کے داعیے بھی رمضان المبارک میں کم ہو گئے تھے ــــــ تو اگرچہ کامل تقویٰ تو حاصل نہ ہوا مگر تقویٰ کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ــــــ جب رمضان المبارک کے پورے مہینے میں تقویٰ کے تربیتی کورس سے گزر گئے تو اب اس تقویٰ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ رمضان المبارک میں کچھ دل نرم ہوا؟ کچھ دل میں گداز پیدا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ زیادہ ہوئی؟ اب رمضان المبارک کے بعد اس سے کام لے لو۔ یہ بہترین وقت ہے ــــــ اس لئے کہ جب عید الفطر کی نماز ادا کرنے کے بعد عید گاہ سے نکلے تو مغفرت کا پروانہ لے کر نکلے۔ برائیوں کے حسنات سے تبدیل ہو جانے کا پروانہ لے کر نکلے گویا کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

اور اب نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس میں اس بات کا اہتمام کر لو۔ یہی ادائے شکر بھی ہے اور یہی تقویٰ کا تقاضہ بھی ہے کہ تقویٰ کی جو شمع رمضان المبارک میں روشن ہوئی تھی اس کو آئندہ بھی فروزاں رکھنا ہے۔ اس شمع کو بجھنے نہیں دینا۔ ایسا نہ ہو کہ رمضان المبارک میں تو ہم گناہوں سے پاک صاف کر دیئے گئے اور برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئیں، لیکن رمضان المبارک کے بعد ایسی غفلت طاری ہوئی کہ سب محنت برابر ہو گئی۔ ایسا نہ ہو بلکہ اس تقویٰ کو آگے بڑھاؤ۔

رمضان کے بعد گناہوں سے اجتناب کرو

ٹھیک ہے جتنی نفلی عبادات رمضان المبارک میں کرتے تھے۔ اتنی نہ سہی، اب تراویح نہیں ہوگی، رمضان المبارک میں جتنی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اب اتنی نہ کرو، رمضان المبارک جتنا ذکر کرتے تھے اب اتنا نہ کرو۔ پہلے روزہ رکھتے تھے اب روزہ نہ رکھو، اب رمضان المبارک کے بعد زندگی کے عام معمولات شروع ہو گئے۔ لیکن ان معمولات میں اس بات کا اہتمام کر لو کہ فرائض و واجبات میں کوتاہی نہ ہو۔ اور گناہوں سے اجتناب ہو ـــــ جس اللہ نے آپ کو تقویٰ کی اس بھٹی سے گزار دیا تو اب یہ آنکھیں گناہ نہ کریں۔ یہ کان گناہ نہ کریں، یہ زبان گناہ نہ کرے۔ منہ سے گناہ کی بات نہ نکلے۔ منہ میں حرام کا لقمہ نہ جائے۔ بس اس کا اہتمام کر لو ـــــ اس لئے کہ یہ رمضان المبارک کے بعد کا زمانہ ایسا ہے کہ اگر آدمی ان باتوں پر پابندی کی کوشش کرے تو اس میں کامیابی کا زیادہ امکان ہے۔ کیونکہ دل ابھی تک نرم ہے۔ اور رمضان المبارک کے اثرات باقی ہیں۔ رمضان کے انوار باقی ہیں اور جب زیادہ وقت غفلتوں

میں گزر جائے گا تو پھر مشکل ہو جائے گی ـــــ ابھی سے عزم کر لیا جائے کہ اب ہم انشاء اللہ ایک نئی زندگی شروع کر رہے ہیں۔ اس نئی زندگی میں ہم حلال و حرام کی فکر کریں گے اور جائز اور ناجائز کی فکر کریں گے اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کی پوری کوشش کریں گے۔

نماز باجماعت اور تلاوت کا معمول بنالو

اب اپنا ایک ''نظام الاوقات'' بنالیں۔ اس ''نظام الاوقات'' میں فرائض و واجبات کو حتی الامکان صحیح طریقے سے ادا کرنے کو داخل کرلیں۔ نماز باجماعت کو اس ''نظام الاوقات'' کے اندر شامل کر لیں۔ اس لئے کہ نماز باجماعت اس تقویٰ کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔ لہٰذا کوئی نماز جماعت کے بغیر نہ پڑھے۔ بلا عذر مسجد کی جماعت نہ چھوڑے۔ عذر ہے تو بات دوسری ہے۔ اور تھوڑی سی قرآن کریم کی تلاوت کو ''نظام الاوقات'' میں شامل کر لیں ـــــ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب تراویح میں حافظ صاحب قرآن کریم ختم کرتے ہیں تو انیسویں رکعت میں حافظ صاحب سورۃ والناس پڑھ کر قرآن کریم ختم کر دیتے ہیں، اور پھر بیسویں رکعت میں سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ بیسویں میں سورہ والناس پڑھ کر ختم کر دیں ـــــ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ یہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ: وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ؟ قَالَ: اَلَّذِیْ یَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْآنِ اِلٰی آخِرِہٖ کُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ۔

کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھو جیسے کوئی مسافر سفر سے ابھی واپس آیا۔ اور پھر فوراً ہی دوسرے سفر پر روانہ ہو گیا ـــــ یعنی جس مجلس میں تم نے قرآن کریم ختم کیا ہے اسی مجلس میں تمہارا دوسرا قرآن کریم شروع ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم ختم کرنے کی چیز نہیں۔ بلکہ قرآن کریم ایسی چیز ہے کہ انسان اپنی زندگی اس میں ختم کر دے۔ لہٰذا جس مجلس میں قرآن کریم ختم کیا جا رہا ہے۔ اس مجلس ہی میں دوسرا قرآن کریم شروع ہو جانا چاہیے ـــــ

(ترمذی شریف، کتاب القرآت۔ باب ۱۳۔ حدیث نمبر ۲۹۴۸)

دوسرا قرآن کریم شروع ہو چکا

لہٰذا جن حضرات کو تراویح میں قرآن کریم پڑھ کر یا سن کر ختم کرنے کی توفیق ہوئی جس مجلس میں ان کا قرآن کریم ختم ہوا۔ اسی مجلس میں دوسرا قرآن کریم شروع ہو چکا۔ لہٰذا اب ہم سب کا دوسرا قرآن کریم شروع ہو چکا۔ لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کر لیا جائے کہ صبح کو جب تک تھوڑی سی قرآن کریم کی تلاوت نہ کر لیں۔ چاہے تھوڑی سی ہو اور ہر انسان اپنی مصروفیات کے لحاظ سے مقدار مقرر کر لے۔ ایک پارہ۔ آدھا پارہ۔ پاؤ پارہ۔ لیکن روزانہ تلاوت کرے ـــــ ایسا نہ ہو کہ رمضان المبارک میں تو ایک ایک دن میں دس دس پارے پڑھے اور رمضان کے بعد چھٹی ہو گئی۔ لہٰذا قرآن کریم کو باقاعدہ اپنے معمولات میں شامل اور داخل کر لیں۔

دعاؤں اور تسبیحات کا معمول بنا لو

تیسرے یہ کہ رمضان المبارک کا مہینہ دعاؤں کا مہینہ تھا۔ الحمد للہ اس

مبارک مہینے میں دعاؤں کی توفیق ہوئی۔ لیکن یہ نہ ہو کہ اب رمضان کے بعد دعا کرنے کا سلسلہ ختم ہو جائے، بلکہ رمضان کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا اور مانگنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ اور اس کے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ اَدعیہ ماثورہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جن کو حضرت تھانویؒ نے مناجات مقبول میں جمع فرما دی ہیں۔ روزانہ "مناجات مقبول" کی ایک منزل کی تلاوت کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ کچھ ذکر و تسبیحات بھی اپنے معمولات میں داخل کرلیں: مثلاً

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

ایک تسبیح روزانہ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

ایک تسبیح روزانہ۔ اور ایک تسبیح استغفار کی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

ایک تسبیح درود شریف کی۔ اور ایک تسبیح

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

فجر کی نماز کے بعد روزانہ ایک ایک تسبیح کا معمول بنالو۔ اور اگر اس وقت موقعہ نہ ملے تو ۲۴ گھنٹوں میں کسی بھی ایک تسبیح پڑھنے کا معمول بنالو۔

گناہ کے قریب نہ جانے کا عہد کرلو

اور اپنے نفس کے ساتھ ایک عہد کرلیں کہ دیکھو، اب تمہاری نئی زندگی

شروع ہو رہی ہے۔ اب گناہ کے قریب نہیں جانا۔ اور اپنے آپ سے وعدہ کرلو۔ کہ اب ہم گناہ کے قریب نہیں جائیں گے ــــ پھر جب کبھی کسی گناہ کا داعیہ پیدا ہو اور کسی گناہ کا محرک سامنے آئے تو اس وقت اس عہد اور وعدے کو یاد کرے کہ میں نے اپنے نفس سے یہ عہد کیا تھا۔ اب تم اس عہد پر ثابت قدم رکھنا۔ ڈگمگا مت جانا ــــ اور پھر رات کو جب بستر پر لیٹنے لگو تو اپنا جائزہ لو کہ میں نے اپنے نفس سے جو عہد کیا تھا اس پر کس حد تک قائم رہا اور کس حد تک قدم پھسل گیا۔ اور غلطی ہو گئی۔ اگر کسی موقع پر غلطی ہو گئی ہے تو فوراً استغفار کرے کہ یا اللہ: اب کی مرتبہ تو غلطی ہو گئی آپ معاف فرمادیں۔ اب آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ اسی عہد کو دوبارہ تازہ کر لے۔

سوتے وقت یہ کام کرلو

اور حضرت کی وہ باتیں جو میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ حضرت فرماتے ہیں کہ رات کو بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی استحضار کرو۔ اور ان سب نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور جو غلطیاں ہو گئی ہیں ان پر استغفار کرو۔ اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ اس کے بعد سو جاؤ۔ اور روزانہ یہ عمل کرلیا کرو۔ اگر سوتے ہوئے موت آجائے گی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ سیدھا جنت میں جاؤ گے ــــ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے، اپنے فضل سے مجھے اور آپ سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ظلم کی مختلف صورتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

❁

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

❁

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۳/جنوری ۱۹۹۲ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ظلم کی مختلف صورتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ عَنْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا، وَلَا نَدْرِيْ مَا حَجَّةُ الْوَدَاعِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ ذَكَرَ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ، فَاَطْنَبَ فِيْ ذِكْرِهٖ وَقَالَ: مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا اَنْذَرَهٗ اُمَّتَهٗ۔ الخ

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث نمبر: ۴۴۰۲)

خطبہ حجۃ الوداع

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس حدیث میں خطبہ حجۃ الوداع کا ایک حصہ نقل فرمایا ہے۔ اور یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب و غریب خطبہ ہے۔ یوں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ہمارے لئے مشعل ہدایت ہے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج جس کے صرف تین ماہ بعد آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس حج کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع آپ کے ساتھ تھا ___ آپ اندازہ لگایئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سال کی محنت کا پھل تھا۔ تئیس سال تک آپ نے جو محنت کی اور جو مشقت اٹھائی حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت میں اس کا پھل سامنے موجود تھا ___ اور ساتھ میں یہ بھی احساس تھا کہ الحمد للہ میرے آنے کا جو مشن تھا وہ اب پورا ہو رہا ہے۔ اور اب مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ لہٰذا میں اس موقع پر میں ان صحابہ کرام کو ایسی باتیں بتا تا جاؤں جو قیامت تک ان کی رہنمائی کریں۔

موت سے پہلے کی جانے والی نصیحتیں

اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے اصول بیان فرمائے اور جیسے باپ اپنے بیٹے کو رخصت ہوتے وقت نصیحت کرتا ہے تو وہ اس نصیحت میں اپنی ساری زندگی کا نچوڑ پیش کر دیتا ہے ___ فرض کرو

کہ ایک باپ ہو اور اس کی اولاد ہو، اور اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک گھنٹہ کے بعد میرا انتقال ہونے والا ہے تو وہ اپنی ساری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ان کے سامنے بیان کر دے گا کہ بیٹا! ان ان چیزوں سے پرہیز کرنا، اور یہ یہ کام کرنا۔ اس وقت وہ باپ جو وصیت کرے گا وہ کتنے دل سے کرے گا۔ اور وہ وصیت کتنی صحیح اور سچی وصیت ہوگی۔

اس سال کے بعد میں تم کو نہ دیکھ سکوں

جب باپ اپنے بیٹوں کو ایسی وصیت کرتا ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کی رحمت اور شفقت اپنی امت پر اولاد سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ کا آغاز ہی ان الفاظ سے فرمایا:

لَعَلِّي لَا أُرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هٰذَا

(ترمذی شریف۔ کتاب الحج۔ باب ما جاء فی الافاضہ من عرفات حدیث نمبر ۸۸۶)

یعنی شاید اس سال کے بعد میں تم کو نہ دیکھ سکوں۔ یعنی میری تم سے ملاقات اس جگہ نہ ہو۔ اس لئے میں تم کو ایسی باتیں بتا رہا ہوں جن کو تم پلے باندھ لو۔ یہ ہے ''خطبہ حجۃ الوداع'' جو اسلام اور دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہے ــــــ یہ خطبہ بڑا طویل ہے اور اس میں بہت ساری باتیں ہیں۔ لیکن یہاں پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطبہ کا ایک ٹکڑا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں جہاں اور بہت سی باتیں ذکر فرمائیں، وہیں پر آپ نے مسیح دجال کا جو فتنہ آنے والا ہے اس کا بھی ذکر فرمایا۔ اس کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

مسیح دجّال کی علامتیں

اس میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا ہے اور جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان سب نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا کہ یہ فتنہ آنے والا ہے کہیں تم اس فتنہ کا شکار مت ہو جانا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو ڈرایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء علیہم السلام آئے انہوں نے اپنی اپنی امت کو ڈرایا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو مسیح دجال کی علامت بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَهُ أُمَّتَهُ، أَنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ بَعْدِهِ وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيكُمْ فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأْنِهِ فَلَيْسَ يَخْفَى عَلَيْكُمْ، أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ.

(حوالہ سابقہ بخاری شریف حدیث نمبر ۴۴۰۲)

فرمایا کہ وہ علامت یہ ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی۔ بیشک تمہارا رب کانا نہیں، جبکہ اس کی آنکھ ایسی ہوگی جیسے پچکا ہوا انگور ہوتا ہے۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور وہ خدائی کے دعویٰ کی دلیل میں بعض ایسے کام کر کے دکھائے گا جس کو دیکھ کر بعض لوگوں کو شبہ ہو جائے گا۔ مثلاً وہ جب بارش برسانا چاہے گا بارش برس جائے گی ــــــ اس کی وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں گے۔

دجال ایک آنکھ سے کانا ہوگا

اور شریعت کی اصطلاح میں ایسے کاموں کو ''استدراج'' کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات کسی ظالم، فاسق، فاجر، کافر کو ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ اس ڈھیل میں بعض اوقات وہ ایسے کام کر دکھاتا ہے جو کام عادت کے خلاف اور حیرت انگیز کام ہوتے ہیں۔ یہ ''استدراج'' اور آزمائش ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دجال چاہے کتنے ہی کرشمے دکھائے، بارش برسائے، یا کوئی اور کام کرے۔ لیکن میں تمہیں اس کی علامت بتا رہا ہوں کہ وہ کانا ہوگا۔ اور اس کی داہنی آنکھ پچکے ہوئے انگور کی طرح ہوگی۔ اس لئے اس کو دیکھ کر پہچان لینا۔ کیونکہ تمہارا خدا کانا نہیں ہوسکتا۔

کونسا دن، کونسا مہینہ ہے

پھر اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا جس کی وجہ سے یہ حدیث علامہ نووی اس باب میں لائے ہیں۔ وہ یہ ہے:

أَلَا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا.

(حوالہ بالا بخاری۔ حدیث نمبر ۴۴۰۳)

ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آج کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عرفہ کا دن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عرفہ کا دن بڑی

حرمت والا دن ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ مہینہ کونسا ہے؟ صحابہ کرام ؓ نے فرمایا کہ یہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے اور ذوالحجہ کا مہینہ زمانہ جاہلیت سے بڑی حرمت والا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بڑی حرمت والا مہینہ ہے ـــــ پھر پوچھا کہ یہ جگہ کونسی ہے جہاں میں تم سے خطاب کر رہا ہوں؟ صحابہ کرام ؓ نے جواب دیا کہ یہ عرفات کا میدان ہے۔

ایک دوسرے کی جان، مال، عزت پر حملہ مت کرنا

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! آج کا یہ دن کتنا حرمت والا ہے اور یہ جگہ جہاں میں تم سے خطاب کر رہا ہوں، یہ کتنی حرمت والی جگہ ہے اور یہ مہینہ جس میں تم سے خطاب کر رہا ہوں، یہ کتنی حرمت والا مہینہ ہے۔ خوب سن لو! کہ تمہاری آپس میں ایک دوسرے کی جانیں، ایک دوسرے کے مال اور ایک دوسرے کی آبروئیں ایک دوسرے پر اتنی ہی حرمت والی ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت، آج کی جگہ کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت ہے۔ اس لئے میرے دنیا سے جانے کے بعد تم ایک دوسرے کی جان، مال اور آبرو پر حملہ آور نہ ہو جانا۔

ایک چیز کی حرمت کعبہ کی حرمت سے زیادہ ہے

اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث ابن ماجہ میں آئی ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے۔ طواف کرتے ہوئے آپ نے بیت اللہ سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے کعبہ! اے بیت اللہ! تو کتنی حرمت والا ہے، تو کتنی عظمت والا ہے، تو کتنا مقدس ہے ــــ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ کعبہ سے زیادہ حرمت اور کعبہ سے زیادہ تقدس رکھنے والی کوئی چیز ہے؟ ــــ میں نے کہا کہ "اللہ ورسولہ اعلم" کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم ــــ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت اس کعبہ سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی عزت اور آبرو۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر یا کسی مسلمان کے مال پر یا کسی مسلمان کی عزت اور آبرو پر ناحق حملہ کرتا ہے یا اس کی حق تلفی کرتا ہے تو یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی شخص بیت اللہ کو ڈھادے۔ جس طرح کعبہ کو ڈھانے والا ظالم ہے، اس سے بڑا ظالم وہ شخص ہوگا جو کسی انسان پر ظلم کرے ــــ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی جان، مال اور آبرو کی اتنی حقیقت بیان فرمائی۔

(سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن۔ حدیث نمبر ۳۹۳۲)

آج مسلمان کی جان مکھی، مچھر سے زیادہ بے حقیقت

لیکن آج کے اس دور میں ایک مسلمان کی جان اتنی ہی بے حقیقت ہے۔ بلکہ مکھی اور مچھر سے زیادہ بے حقیقت۔ آج نہ جان کی کوئی قیمت ہے اور نہ مال اور آبرو کی کوئی قیمت، دوسرے کا مال کھا گئے تو بس کھا گئے ــــ دوسرے مسلمان کی آبرو پر حملہ کرتے ہوئے اس کی غیبت کر دی تو کر دی، کسی مسلمان کی

جان لینی ہوئی تو لے لی، کوئی پرواہ نہیں۔

ایک مرتبہ ایک کوئی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مجھ سے مچھر مر گیا تو اس کا کیا فدیہ اور کیا کفارہ ادا کروں؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ خدا کے بندے! تجھے مچھر کے مرنے کی تو اتنی فکر ہو رہی ہے اور تمہاری قوم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو شہید کر دیا۔ اس وقت کفارہ کا خیال نہیں آیا کہ کیا کفارہ ادا کروں۔ اور کیا تلافی کروں؟ ــــ آج یہی صورت ہو رہی ہے کہ آج مسلمان کی جان کو مچھر اور مکھی سے زیادہ بے حقیقت سمجھ رہے ہیں اور مال اور آبرو کے بارے میں کھلی چھوٹ سمجھتے ہیں کہ جو جی میں آیا کر لیا اس کی کوئی فکر نہیں کہ میرے پاس یہ دوسرے کا مال آیا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ حدیث نمبر ۵۹۹۴)

اے اللہ! آپ گواہ رہئے گا

بہرحال! اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون کو اور تمہارے مال کو ایسی حرمت دی ہے جیسے آج کے دن کی حرمت، آج کے مہینے کی حرمت ــــ اس کے بعد پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ. قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. ثَلَاثًا

(حوالہ بالا۔ بخاری حدیث نمبر ۴۴۰۳)

کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا یا نہیں؟ میں نے ان سب کو بتا دیا اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اے اللہ! آپ گواہ رہیے گا کہ میں نے آج کے دن ان کے سامنے اپنی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

(حوالہ بالا۔ بخاری حدیث نمبر ۴۴۰۳)

میرے جانے کے بعد ایسا نہ ہو کہ تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ، اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ اس حدیث کو یہاں لانے کا منشا یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کی جان ہو یا مال ہو، یا عزت اور آبرو ہو، اس کی حرمت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت دی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی تفصیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا کہ میں نے یہ تفصیل بیان کر دی۔

دوسرے کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کرنے کا عذاب

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، إِنَّ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ.

(بخاری شریف کتاب المظالم، باب الم من ظلم شیئاً من الارض حدیث نمبر ۲۴۵۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی دوسرے کی زمین ایک بالشت برابر بھی ظلماً قبضہ کر لے تو قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا ــــ اب سوال یہ ہے کہ انسان کا گلا تو چھوٹا سا ہے سات زمینوں کا طوق بنا کر اس کے

گلے میں کیسے ڈالا جائے گا؟ ـــــ محدثین کرام نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں
کہ اس شخص کو زمین کے اندر دھنسایا جائے گا کہ زمین کے جو سات طبقات ہیں
ان سے بھی نیچے تک اس کو دھنسایا جائے گا۔ یہ عذاب کی ایک شکل ہے جو نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اب یہ سات زمینوں کا طوق بنانے اور زمین
میں دھنسانے کی شکل کیا ہوگی؟ ہم اور آپ اس کو یہاں سمجھ نہیں سکتے، اس لئے
کہ ہم اپنے ماحول اور اپنے گردو پیش کی حدود میں محدود ہیں اور آخرت کے
حالات ہماری فہم اور ادراک سے بالا تر ہیں ۔ بہرحال یہ خبر حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جس کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے کی زمین ناحق
قبضہ کرلینا، یہ کتنا سخت معاملہ ہے۔ اور حدیث شریف میں ایک بالشت کے الفاظ
ہیں کہ ایک بالشت زمین پر قبضہ کرنے کا یہ عذاب ہوگا۔ بالشت کے لفظ سے اس
طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آدمی اسی وقت غاصب سمجھا جائے
گا جب وہ لمبا چوڑا پلاٹ قبضہ کرلے۔ بلکہ چھوٹی زمین ہے لیکن وہ غصب کی ہے
اور ناحق ہے اس پر بھی یہ عذاب صادق آئے گا بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن
کے بارے میں ہم نے سمجھا ہوا ہے کہ وہ غصب کے اندر داخل نہیں۔ قبضہ کرنے
کی انتہائی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی کی زمین چھین لے، غصب کرلے اور موقع پا
کر اپنی ملکیت میں اس کو شامل کرلے۔ یہ عمل تو ہے ہی حرام اور مندرجہ بالا وعید
اس پر صادق آتی ہے۔ لیکن علماء کرام نے فرمایا کہ کسی بھی طریقے سے کسی
دوسرے کی زمین کا استعمال اس کی اجازت اور مرضی اور خوشی کے بغیر کیا جائے تو
وہ بھی اس وعید کے اندر داخل ہے۔ ان طریقوں کے بارے میں ہمارا دھیان

بھی اس طرف نہیں جاتا کہ یہ ہم دوسرے کی زمین غصب کر رہے ہیں اور اس کو ناجائز طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

کرایہ داری کا معاہدہ

آج کل ایک وبا بہت عام ہوگئی ہے۔ وہ یہ کہ مکان کا مالک کوئی اور ہے اور دوسرا آدمی اس مکان میں کرائے پر رہتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس وقت وہ کرایہ دار اس مکان کو کرایہ پر لے رہا تھا اس وقت کتنی مدت کا معاہدہ ہوا تھا؟ جتنی مدت کا معاہدہ ہو مثلاً ۳ سال، ۵ سال، ۱۰ سال کا معاہدہ ہو۔ جب وہ مدت گزر جائے تو اس کے بعد ایک دن بھی مالک کی مرضی کے بغیر اس مکان میں رہنا جائز نہیں ـــــ اور اگر کوئی مدت مقرر نہیں تھی تو اس صورت میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف ایک ماہ کی مدت کرایہ داری کے لئے معتبر ہوگی۔ اس صورت میں ہر ماہ کرایہ داری کی تجدید کرنی ہوگی۔ بہرحال جب مدت پوری ہو جائے تو مالک مکان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کرایہ دار سے مکان خالی کرالے۔

کرایہ دار کا مکان پر قبضہ کر لینا

لیکن آج کل کے قانون میں کرایہ دار کو تحفظ دیا گیا ہے کہ بعض حالات میں مالک، مکان خالی نہیں کرا سکتا۔ اس کے لئے بعض شرطیں ہیں ـــــ اب لوگ اس قانون کا فائدہ اٹھا کر مکان خالی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو کرایہ ادا کر رہے ہیں ـــــ ارے بھائی! یہ قانون اسی دنیا کی حد تک ہے جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو وہاں قانون کا یہ عذر قابل

قبول نہیں ہوگا، اس لئے کہ شرعاً وہ قانون آپ کو مکان پر قبضہ برقرار رکھنے پر مجبور نہیں کرتا اگر کوئی شخص چاہے تو خالی کر سکتا ہے۔ چونکہ مالک کی مرضی کے بغیر تم اس کے مکان میں رہائش رکھے ہوئے ہو اس لئے وہ کرایہ دینا بھی معتبر نہیں۔ اور غصب کرنے کا گناہ اپنی جگہ ہے۔ بہر حال مالک کی مرضی کے بغیر دوسرے کی ایک بالشت زمین پر بھی قبضہ کرنا حرام ہے۔ اور اس پر یہ وعید بیان فرمائی کہ سات زمینوں تک اس کو دھنسایا جائے گا۔ آجکل دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنے کی وبا بہت پھیل گئی ہے اور لوگ اس کو بہت معمولی بات خیال کرتے ہیں ۔۔۔۔ اور قانون تمہیں اس بات پر مجبور بھی نہیں کرتا کہ تم لازماً اس مکان پر قبضہ کر کے بیٹھے رہو۔ اس لئے دوسرے کے مکان پر قبضہ کر کے بیٹھنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

خوش دلی کے بغیر دوسرے کا مال حلال نہیں

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْهُ

(سنن دار قطنی کتاب البیوع حدیث نمبر ۹۱)

فرمایا کہ کسی بھی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر تمہارے لئے حلال نہیں۔ خوش دلی کے ساتھ دینا ضروری ہے۔ اگر شرما شرمی میں یا زبردستی میں دوسرے نے اپنا مال دے دیا وہ مال بھی تمہارے لئے حلال نہیں۔ ہاں: جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص سوچ سمجھ کر خوش دلی سے اپنے اختیار سے دے رہا

ہے پھر وہ مال حلال ہے۔ لہٰذا وہ کرایہ داری جو زبردستی قانون کے زور پر کرائی جاتی ہے وہ خوش دلی سے نہیں ہوتی وہ کرایہ داری حرام ہوتی ہے ـــــ اور کسی دوسرے کی زمین پر اس طرح قبضہ کرنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ آمین۔

دوسرے کی دیوار کا استعمال غصب ہے

بہرحال: بات صرف اس حد تک نہیں کہ کسی کی زمین پر قبضہ کر کے اس پر مکان بنالیا اور اس میں رہنا شروع کر دیا۔ بلکہ زمین کا یا مکان کا ایسا استعمال جو مالک کی مرضی کے خلاف ہو وہ بھی ''غصب'' کے اندر داخل ہے ـــــ مثلاً آجکل اس کا رواج عام ہو چکا ہے اور کوئی شخص اس کو برا ہی نہیں سمجھتا کہ دوسرے شخص کے مکان کی دیوار پر اشتہار لگا دیا۔ یا نعرے لکھ دیئے، اور اس کے نتیجے میں ساری دیوار کالی ہو رہی ہے ـــــ ظاہر ہے کہ کسی دوسرے شخص کے مکان کی دیوار کا استعمال اس کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر کرنا یہ بھی ''غصب'' کے اندر داخل ہے ـــــ لیکن پوری قوم اس کام پر لگی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی اصلاحی تحریکیں، بڑی بڑی جماعتیں اور انجمنیں بھی اس میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کے اموال، لوگوں کے مکانات اور دیواروں کو سیاہ کر رہے ہیں۔ اگر کوئی ان کو روکے تو وہ روکنے والا ظلم کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت دوسرے کی ملک کا، دوسرے کی جائیداد کا، دوسرے کی دیوار کا غلط استعمال ہے اور ناجائز استعمال ہے لیکن آج پوری قوم اس کے اندر مبتلا ہے۔ اور کوئی زبان کھول کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ

تم یہ کام غلط کر رہے ہو یا ناجائز کر رہے ہو، گناہ کا کام کر رہے ہو۔

اسلام کے دعویدار اور غلط کام

بلکہ بعض اوقات خود اسلامی نظام کے دعویدار، اسلامی انقلاب کے دعویدار، وہ خود یہ کام کر رہے ہیں اب ذہن میں کیسے آئے کہ یہ گناہ کا کام ہو رہا ہے، اس لئے کہ ہم خود اسلام کے علم بردار ہیں، اسلامی نظام کے قائم کرنے والے ہیں، اس لئے یہ کام حرام اور ناجائز کیسے ہوا؟ ____ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں گناہ کر کر کے، اللہ کی نافرمانی کر کر کے، لوگوں کے حقوق پامال کر کر کے اسلام نافذ کروں گا تو یاد رکھئے اس طرح اسلامی نظام کبھی نہیں آسکتا۔

پہلے اس چھ فٹ کے جسم پر اسلام نافذ کرلو

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس طرح اسلام کے نفاذ کا حکم دیا اسی طرح اسلام کے نفاذ کا طریقہ بھی بتا دیا۔ اور ہمارے ذمے کچھ حقوق و فرائض عائد فرمائے۔ جب تک ہم ان کی پابندی نہیں کریں گے اس وقت تک اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔ اور پورے ملک پر اسلام نافذ کرنا تو بہت بڑا کام ہے کسی ایک فرد کے اختیار میں نہیں کہ وہ پورے ملک پر صحیح معنی میں اسلام نافذ کر دے ____ لیکن ایک سلطنت ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دے رکھی ہے۔ وہ ہے اس کے سر سے لے کر پاؤں تک کی حکومت، یہ پانچ چھ فٹ کا جسم اس پر ہر انسان کی حکومت ہے اور ہر انسان کو اس پر کلّی اختیار حاصل ہے، کوئی دوسرا شخص اس میں

مداخلت کرنے والا نہیں۔ بھائی! پہلے اس پانچ چھ فٹ کی حکومت پر تو اسلام نافذ کر لو، اس جسم کو تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع بنا لو۔ اگر کوئی شخص اس جسم پر اسلام نافذ نہیں کر سکتا وہ پورے ملک پر کیسے نافذ کرے گا۔

سیاہ کاری پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے

بہر حال آج کسی محلے میں نکل جاؤ تو کوئی دیوار ایسی نہیں ملے گی جس پر یہ نعرے درج نہ ہوں۔ ساری دیواریں سیاہ ہیں، سارا شہر سیاہ ہو رہا ہے اور در حقیقت یہ سیاہ کاری پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے۔ کوئی ٹوکنے والا نہیں، کوئی اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک بالشت زمین دوسرے کی ناجائز طریقے پر استعمال کی تو قیامت کے روز اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی سبع ارضین حدیث نمبر ۳۱۹۸)

یہ باتیں سن کر بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے تو یہ سب دنیا داری کی باتیں شروع کر دی ہیں.... ہم تو اس خیال سے یہاں آتے ہیں کہ یہاں دین کی اور نماز، روزے کی باتیں سن لیں گے، لیکن یہاں تو دنیا داری کی باتیں ہو رہی ہیں۔

یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں

خوب سمجھ لیجئے! یہ ساری باتیں دین کا حصہ ہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ دین صرف مسجد کے اندر ہوا کرتا ہے مصلّٰی اور جائے نماز پر ہوا کرتا ہے تو وہ شخص اپنے ذہن سے یہ بات نکال دے ___ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر جگہ

''مسلمان'' بنایا ہے۔ ہمارا ہر قول و فعل، ہماری ہر نقل و حرکت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونی چاہئے ___ چونکہ اس عمل کے گناہ ہونے کا احساس نہیں۔ اس لئے اس عمل پر شرمندگی بھی نہیں اور اس لئے دوسرا شخص اس پر ٹوکتا بھی نہیں کہ تم جو یہ کام کر رہے ہو یہ غلط کام کر رہے ہو، اس کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اٹھاتا، اس لئے کہ ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب جائز ہے ___ حالانکہ یہ کام ناجائز اور حرام ہے۔

مساجد کی دیواریں محفوظ نہیں

اب یہ ہماری مسجد بیت المکرم ہے۔ اور اسی طرح دوسری مساجد ہیں ان کی دیواریں نعروں سے اور اشتہارات سے پٹی پڑی ہیں۔ اب یہ مسجد جو اللہ کا گھر ہے تو اللہ کے گھر کی دیوار کو اس کام کے لئے استعمال کرنا تو اور زیادہ بری بات ہے ___ ہاں کوئی جگہ ایسی ہو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس پر اشتہار لگانے سے کسی کو اعتراض نہیں ہوگا تو اس جگہ کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ___ لیکن اس طرح بلا امتیاز دوسروں کی دیواریں استعمال کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

ظلم اور غصب کے بارے میں اصول یاد رکھیں کہ ''ظلم'' اور ''غصب'' صرف یہ نہیں کہ دوسرے کی زمین پر قبضہ کر لیا اور اس پر مکان بنا کر بیٹھ گیا، تب ظلم ہوگا۔ بلکہ دوسرے شخص کی کوئی جگہ بھی ناجائز طور پر بلا اجازت استعمال کرنا وہ سب اس کے اندر داخل ہے ___ فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں اس پر بحث کی اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت سے جو ''پرنالہ'' نکالے گا وہ پرنالہ جتنا لمبا

نکال سکتا ہے؟ اس لئے کہ اس شخص کی ملکیت تو صرف اتنی ہے جتنا اس کا گھر ہے۔ اور جب وہ پرنالہ گھر کی چھت پر لگائے گا تو وہ "فضا" کا اتنا حصہ اپنے استعمال میں لائے گا جو اس کی ملکیت نہیں ـــــ تو اب شرعاً کسی حد تک فضا میں پرنالہ نکالنے کی اجازت ہے کہ اس سے آگے اگر پرنالہ نکالے گا تو وہ فضا کا غلط اور ناجائز استعمال ہوگا۔ فقہاء کرام نے یہاں تک بحث کی ہے۔

خالی جگہ پر قبضہ کرنا حرام ہے

اب تو ہمارا یہ حال ہے کہ جب دیکھا کہ کوئی جگہ خالی پڑی ہے چلو قبضہ کر لو اور گھیر لو۔ اور کسی ایک فرد کی چیز پر قبضہ کر لینا تو برا ہے ہی ـــــ لیکن اگر کسی مشترک چیز پر قبضہ کر لیا تو یہ اس سے کہیں زیادہ برا ہے، اس لئے کہ اگر کسی ایک فرد کی چیز پر قبضہ کر لیا تو جب کبھی توبہ کی توفیق ہوگی تو اس شخص سے معافی مانگ لے گا تو معاف ہو جائے گا ـــــ لیکن اگر پوری قوم کی مشترک چیز پر قبضہ کر لیا تو اب کس کس سے معافی مانگتا پھرے گا۔ اور کس کس سے اپنا حق معاف کراتا پھرے گا۔ اس لئے یہ اس سے زیادہ سنگین بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمیں تعلیم دی ہے اس میں یہ سب باتیں داخل اور شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ـــــ

احتجاج کے نام پر دوسروں کا نقصان

آج کے معاشرے میں عجیب رواج چل پڑا ہے کہ ان چیزوں کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں جاتا ـــــ مثلاً کسی چیز پر احتجاج کے لئے تحریک چل

پڑی۔ اور ہڑتال ہوگئی اور جلوس نکل آیا۔ اور اب جلوس کے سامنے جو آرہا ہے اس کو پتھر مارا جارہا ہے، اب گاڑی گزری تو اس پر پتھر ماردیئے، بس گزری تو اس پر پتھر ماردیئے کوئی مرے یا جیئے، کسی کی جان جائے یا کسی کا مال تباہ ہو، ان کو اس کی پرواہ نہیں، اور اس کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار ہورہا ہے۔ اور جمہوریت کے نام پر ہماری قوم نے یہ کام سیکھا ہے۔

دوسرے کا مال خوشدلی کے بغیر حلال نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے اور ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ:

لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ

(کنز العمال۔ جلد اول۔ کتاب الایمان والاسلام۔ حدیث نمبر ۳۹۳)

کہ خوشدلی کے بغیر دوسرے کا مال حلال نہیں۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کی تشریح میں یہاں تک فرمادیا کہ اگر کسی شخص نے شرما شرمی میں اپنی کوئی چیز دوسرے کو دے دی یا کسی بات کی اجازت دے دی تو وہ اجازت بھی معتبر نہیں، اس لئے کہ دیکھنا یہ ہے کہ خوش دلی سے اجازت دی یا نہیں؟

ایسا چندہ حلال نہیں

مثلاً مجمع عام میں کسی مقصد کے لئے چندہ ہورہا ہے، اور ترغیب دی جارہی ہے کہ ہر آدمی اس کے اندر چندہ دے۔ اور اس میں ہر آدمی سے شخصی خطاب کرکے چندہ مانگا جارہا ہے کہ آپ بھی چندہ دے دیجئے، آپ بھی چندہ

دے دیجئے ـــــ اب آدمی اس مجمع کے اندر شرمندگی کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں چندہ نہیں دیتا۔ اور وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں نے چندہ نہیں دیا تو میری ناک کٹ جائے گی اور مجمع کے اندر میری بدنامی ہوگی۔ چنانچہ بدنامی سے بچنے کے خیال سے اس نے چندہ دے دیا ـــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح جو چندہ وصول کیا گیا، وہ چندہ حرام ہے۔ حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ چندہ خوش دلی سے نہیں دیا گیا، بلکہ زبردستی لیا گیا۔ حلال چندہ وہ ہے جو خوش دلی سے دیا جائے، طیب نفس سے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا جائے ـــــ مخلوق کے ڈر سے جو چندہ دیا جائے وہ حلال نہیں۔

بااثر شخصیت کا چندہ کرنا درست نہیں

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی کام کے لئے چندہ کرنے جاتے ہیں، تو چندہ کے لئے ایسے بااثر شخص کا جانا جس کی بات کو آدمی رد نہ کر سکے۔ یہ درحقیقت چندہ نہیں لینا بلکہ شخصیت کا دباؤ ڈالنا ہے ـــــ اس لئے کہ جب دکاندار یہ دیکھے گا کہ اتنا بڑا آدمی میری دکان پر چل کر آیا ہے تو اس دکاندار کی مجال نہیں کہ وہ چندہ دینے سے انکار کرے ـــــ اس لئے وہ آنے والا اتنا بااثر ہے کہ اس سے انکار کے لئے زبان نہیں اٹھتی ـــــ لہٰذا یہ چندہ خوشدلی سے نہ ہوا بلکہ یہ چندہ دباؤ کے تحت ہوا۔ یہ چندہ نہیں بلکہ ''غصب'' ہے اس لئے حلال نہیں ـــــ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان

بننا اور عالم بننا تو بعد کی بات ہے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ پہلے آدمی بنو، انسان بنو۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے یا بزرگ بننا ہے تو اس کے لئے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں۔ وہاں چلے جاؤ۔ ہاں! آدمی بننا ہے تو یہاں تھانہ بھون آجاؤ اس لئے کہ یہاں آدمی بنائے جاتے ہیں۔ ان اخلاق کے ذریعہ، ان آداب کے ذریعہ، ان باتوں کا اہتمام دلوں سے کرایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان باتوں کا اہتمام ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے ——— آمین!۔

ظالم کو ڈھیل دے دی جاتی ہے

اگلی حدیث ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ. وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهٗ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ (سورة هود، آیت نمبر ۱۰۲)

(صحیح بخاری: کتاب التفسیر باب قولہ "وکذلک اخذ ربک حدیث نمبر ۴۶۸۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں، مثلاً ایک شخص ظلم کر رہا ہے تو اس کو ظلم کرنے کا موقع دیا جاتا ہے بسا اوقات اس کو فوراً نہیں پکڑتے،

بلکہ ڈھیل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے ـــ آمین ـــ یہ ڈھیل خود عذاب کی ایک شکل ہے ـــ وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جس سے کوئی غلطی ہوئی یا جس سے کوئی کام ناحق سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو اس کے عمل کا بدلہ دے کر نمٹا دیا، وہ خوش نصیب ہے۔ لیکن جس شخص کو ظلم کرنے کی ڈھیل دیدی گئی کہ گناہ کرتے رہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں ظلم اور گناہوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس ڈھیل کا انجام یہ ہوتا ہے کہ پھر اچانک اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اور جب پکڑ لیتے ہیں تو اب وہ بھاگ نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی شدید ہے

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ

(سورۃ ھود، آیت نمبر ۱۰۲)

کہ جو بستیاں ظلم کا ارتکاب کر رہی ہوتی ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ اسی طرح آتی ہے کہ شروع میں ان کو ڈھیل دی جاتی ہے، ان کو دوسروں پر ظلم کرنے کا خوب موقع دیا جاتا ہے۔ خوب ظلم کر رہی ہیں، دوسروں کا حق غصب کر رہی ہیں لیکن بعد میں اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی الیم اور بڑی شدید ہے ـــ ایک اور جگہ پر قرآن کریم نے فرمایا:

وَاُمْلِىْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ۝

(سورۃ القلم، آیت نمبر ۴۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں اور میری تدبیر بھی بڑی

مضبوط تدبیر ہوتی ہے۔ ابتداءً اللہ تعالیٰ "حِلم" کا مظاہرہ فرماتے ہیں، ڈھیل دیتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ سے پکڑ ہوتی ہے تو ایک دم سے ہوتی ہے اور اس طرح ہوتی ہے کہ پھر آدمی چھوٹ نہیں سکتا۔

کوئی شخص اس دھوکہ میں نہ رہے

بہرحال: کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں تو یہ سب کام کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا، اور نہ ان کاموں پر میری پکڑ ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے یہ سب کام ناپسند نہیں ہیں ـــــ کوئی آدمی اس دھوکے میں نہ رہے، اللہ تعالیٰ کسی بھی وقت اس کو پکڑ لیتے ہیں اور پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظلم کرنے سے محفوظ رکھے ـــــ آمین!

اگلی حدیث

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْمِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا. فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ.

(رواہ البخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ، حدیث نمبر ۶۵۳۴)

آج دنیا میں معافی تلافی کرلو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر کسی دوسرے انسان کا کوئی حق واجب ہو اور اس نے دوسرے پر ظلم کیا ہوا ہو۔ چاہے وہ ظلم اس کے مال پر کیا ہو یا اس کی آبرو پر کیا ہو۔ اس کو چاہئے کہ آج اس شخص سے معافی مانگ کر اس کو اپنے لئے حلال کر لے، اس دن سے پہلے معافی مانگ لے جس دن کہ نہ دینار ہوگا نہ درہم۔ آج تو کسی کو پیسے دے کر اس کے حق کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب نہ یہ پیسہ ہوگا، نہ دینار ہوگا، نہ سونا ہوگا، اور نہ چاندی ہوگی۔ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا کہ اگر اس شخص کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہوں گی وہ نیکیاں اٹھا کر اس مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہ ہوں گی، تو اس مظلوم کے گناہ اور اس کے ناجائز اعمال اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے ـــــ لہٰذا اس سے پہلے لوگوں سے معافی مانگ لو اور ان کے حقوق ادا کرلو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجمع عام میں اعلان

بتایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حق ادا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ لیکن ایک مرتبہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں نے کسی کا کوئی حق کبھی پامال کیا ہو، یا کسی کا مال لیا ہو، یا کسی کی جان کی حق تلفی کی ہو، وہ آج مجھ سے بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کو ناحق جانی نقصان پہنچایا ہو

تو اپنا جسم پیش کرتا ہوں۔ وہ آکر مجھ سے انتقام لے لے۔ اگر کسی کا روپیہ پیسہ میرے ذمے ہو تو وہ آج آکر مجھ سے لے لے، میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب من اسمہ ابراہیم، الجزء الثالث۔ حدیث نمبر ۲۶۲۹)

ایک صحابی کا بدلہ لینے کا ارادہ کرنا

ایک صحابی کھڑے ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے ایک مرتبہ میری پشت پر مارا تھا۔ میں اس کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی تمہیں مارا ہو، لیکن اگر تمہیں یاد ہے تو تم بدلہ لے لو۔ میری پشت حاضر ہے ـــــ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس وقت آپ نے مارا تھا۔ اس وقت میری پشت پر کپڑا نہیں تھا، میری پشت ننگی تھی۔ اور برابری کا بدلہ تو اس وقت ہوگا جب آپ کی پشت پر بھی کپڑا نہ ہو ـــــ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اچھا میں اپنی پشت سے کپڑا ہٹا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کپڑا ہٹا دیا، وہ صحابی گھوم کر گئے اور جاکر آپ کی پشت پر جو "مہر نبوت" تھی اس کو بوسہ دیا ـــــ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میرا مقصد تو بس یہی تھا۔ بدلہ لینا مقصود نہیں تھا۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الآداب، باب فی قبلۃ فی الجسد، حدیث نمبر ۵۲۲۴)

مرنے سے پہلے معافی مانگ لو

بہر حال! ان صحابی کا مقصد خواہ کچھ ہو، لیکن نبی کریم ﷺ کا مقصد اپنی امت کو تعلیم دینا تھا کہ جب وہ ذات جو ہر غلطی سے پاک ہے، اور ہر گناہ

سے معصوم ہے، اور جس کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کسی کا حق پامال کیا ہو، وہ ذات مجمع میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ اگر میرے ذمے کسی کا کوئی حق واجب ہو تو آج مجھ سے وصول کر لے تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں ـــــ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ مرنے سے پہلے لوگوں سے معافی مانگنے کا اہتمام کر لے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

اسی لئے میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرتا تھا تو آپ اس سے سب سے پہلے جو کام کرایا کرتے تھے وہ کام تھا "تکمیلِ توبہ" ـــــ یعنی انسان اپنے تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کرے، اور توبہ کرنے کے بعد جن حقوق کی تلافی کا کوئی راستہ ہو، ان حقوق کی تلافی کرے۔ مثلاً جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں ان کی قضا کرے، جو روزے چھوٹ گئے ہیں ان کی قضا کرے، زکوٰۃ کی ادائیگی رہ گئی ہے تو زکوٰۃ ادا کرے، کسی شخص کا پیسہ لیا ہوا ہے، وہ پیسہ ادا کرے، کسی کی اگر حق تلفی کی ہے تو اس کے حق کو پورا کرے ـــــ اس کے لئے ایک خط اپنے تمام ملنے جلنے والوں کے نام لکھواتے تھے کہ:

> بھائی صاحب! میرا بہت عرصہ سے آپ کے ساتھ تعلق رہا ہے، اس تعلق کے دوران ہوسکتا ہے کہ مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف بھی پہنچی ہو۔ یا میں نے کبھی آپ کی غیبت کی ہو، یا میں نے کبھی

آپ کی دل شکنی کی ہو، یا دل آزاری کی ہو تو اس کو للہ، فی اللہ
معاف کر دیں۔ اور اگر مجھ سے انتقام لینا چاہیں تو میں اس کے
لئے تیار ہوں، کوئی بدلہ لینا چاہیں تو میں اس کے لئے بھی تیار
ہوں۔

اس مضمون کا خط لکھوا کر اپنے تمام متعلقین کو بھیج دیں۔ تا کہ آج ہی معافی کا راستہ ہو جائے اور حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو جائے کہ آپ پر کسی کا حق ہے تو آج اس کو کسی طریقے سے ادا کر دے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقین کو خط

حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے ایک مضمون ''العذر والنذر'' کے نام سے لکھا، جس میں آپ نے اپنے تمام تعلقات والوں کو خط لکھا، اور اس خط کو باقاعدہ شائع کرا دیا، اس میں لکھا کہ:

آپ حضرات سے میرے تعلقات اتنے عرصہ تک رہے ہیں،
اس عرصہ میں کسی کا کوئی حق میرے ذمے رہا ہو، اور مجھے یاد نہ
رہا ہو، چاہے وہ کسی کا کوئی مالی حق ہو، تو وہ مجھے بتا دے، میں
انشاء اللہ وہ حق ادا کر دونگا اور اگر کسی کا کوئی جانی حق ہو تو یا تو وہ
مجھے معاف کر دے یا اس کا بدلہ مجھ سے آج لے لے۔

یہ خط لکھ کر اس کو شائع بھی کرایا، اور اپنے تمام اہل تعلق کو ارسال کرایا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اہل تعلق کو خط

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو جب دل کا دورہ پڑا، اور آپ ہسپتال میں زیر علاج تھے اس وقت میں جب کہ ڈاکٹروں نے بات کرنے سے بھی منع کیا ہوا تھا، اس وقت مجھے بلایا، اور فرمایا کہ میں ایک تحریر لکھنا چاہتا ہوں، لیکن میرے اندر لکھنے کی اس وقت طاقت نہیں ہے، تم میری طرف سے یہ تحریر لکھ دو، اور تمام اہل تعلقات کو وہ تحریر میری طرف سے بھیج بھی دو۔ اور اس کو ''البلاغ'' میں بھی شائع کرادو کہ:

''اگر کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہو تو وہ مجھ سے آج وصول کر لے، یا مجھے معاف کر دے۔''

اور یہ مضمون '' کچھ تلافی مافات'' کے عنوان سے ''البلاغ'' میں بھی شائع کیا گیا، اور اپنے تمام اہل تعلقات کو ڈاک کے ذریعہ بھجوایا۔

آخرت کی فکر والوں کو فکر ہوتی ہے

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس بات کی فکر عطا فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں مرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے ایک ایک عمل کی جواب دہی کرنی ہے، اور اپنے حقوق سے متعلق بھی ہمیں جواب دینا ہے۔ جن کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں، ان کو یہ فکر بھی ہوتی ہے ــــــ اور جن کو آخرت کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر ہی نہ ہو، بلکہ بس دنیا اور دنیا کے مال و متاع ہی کو سب کچھ سمجھا ہوا ہے، اور صبح سے لے کر شام تک بس اسی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ان

کو اس بات کی فکر نہیں کہ قبر میں جا کر ہمارے ساتھ کیا ہونا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر کیا ہونا ہے۔ ان کو اس کی کیا فکر ہوگی کہ کس کا حق مار لیا اور کس کا حق دبا لیا۔

ورنہ یہاں آنے اور وعظ سننے کا کوئی فائدہ نہیں

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگ جو یہاں جمع ہوتے ہیں یہ کوئی رسمی تقریر اور رسمی وعظ کے لئے جمع نہیں ہوتے، بلکہ ہم سب اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ ہم سب یہاں جمع ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر کچھ دین کی بات کر لیں، اور کچھ دین کی بات سمجھ لیں، اور دین کی باتوں کا کچھ مذاکرہ ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں کچھ عمل کرنے کا جذبہ ہمارے دلوں کے اندر پیدا ہو جائے ــــــ بات صرف اس حد تک نہیں کہ حدیث سن لی، اور اس کو سمجھ لیا، اور قصہ ختم ہو گیا۔ نہیں۔ بلکہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اپنے اہل تعلقات سے اپنے حقوق کو معاف کرانے کی فکر کرو، یا ادا کرنے کی فکر کرو، تو اب اس حدیث کو سن کر اس پر عمل کرنے کی فکر کرو۔ ہم میں سے ہر شخص اپنی صبح سے لے کر شام تک کی ماضی کی زندگی کا جائزہ لے لے، کہ میرے کن لوگوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں، میں نے کن کن لوگوں کی حق تلفی کی ہے، اور میں نے کس کس کا حق ضائع کیا ہے؟ اور آج اس حق کو معاف کرانے کی فکر کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو پھر یہاں ہمارا بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں، صرف نشستن اور گفتن اور برخاستن پر عمل ہو جائے گا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں

ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گرانی اور مہنگائی ہوگئی۔ اشیاء کے بھاؤ چڑھ گئے، چیزیں مہنگی ہو گئیں تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہت گرانی ہوگئی ہے لوگ بہت پریشان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشیاء کی قیمتیں مقرر فرمادیں کہ لوگ اس مقررہ قیمت سے زیادہ پر فروخت نہ کریں۔ اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جملے ارشاد فرمائے۔ اور یہ دونوں جملے بڑے عجیب وغریب ہیں۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اللهَ تَعَالٰی هُوَ الْمُسَعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ
وَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقَی اللهَ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ
یُطَالِبُنِیْ بِمَظْلِمَةٍ فِیْ دَمٍ وَلَامَالٍ

(ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی التسعیر، حدیث نمبر ۳۴۵۱)

کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تنگی کرتا ہے، اور کشادگی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رزق دیتا ہے۔ اور جو بازار میں دام مقرر کرتا ہے، یعنی بازار میں دام بھی اللہ تعالیٰ ہی مقرر کرتا ہے اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس حالت میں حاضر ہوں کہ اللہ کے کسی بندے کا کوئی حق میرے ذمے نہ ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے اپنی طرف سے اشیاء کی کوئی قیمت مقرر کر دی کہ فلاں سامان اس سے زیادہ قیمت پر نہیں بیچنا اور ظاہر ہے جس چیز کی جو قیمت

میں مقرر کروں گا وہ اپنے دماغ سے اور اپنی رائے سے کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس قیمت مقرر کرنے میں مجھ سے کچھ زیادتی ہو جائے اور جو چیز جس کی ملکیت ہوتی ہے اس کو اصلاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو جس قیمت پر چاہے فروخت کرے ـــــ اب اگر میں اس چیز کی کوئی قیمت مقرر کردوں گا جو اس کے حالات کے مناسب نہیں ہوگی، اور اس کے نتیجے میں اس کو جتنا فائدہ ہونا چاہئے اس کو اتنا فائدہ نہیں ملے گا، تو اس کے نتیجے میں اس کا حق میرے ذمے آجائے گا۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں تو کسی کا کوئی حق میرے دامن پر نہ رہے۔

اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کا حکم

فقہاء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جب تاجر بہت زیادہ گرانی پر آمادہ ہو جائیں اور بلا وجہ بہت زیادہ منافع وصول کرنے لگیں جس کی وجہ سے عام لوگوں کو تنگی پیش آنے لگے تو اس صورت میں حکومت کو شرعاً اشیاء کا نرخ مقرر کرنے کا حق حاصل ہے ـــــ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں فرمایا۔ اس لئے مقرر نہیں فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر میں کوئی نرخ مقرر کردوں اور وہ مقرر کردہ نرخ اس تاجر کی لاگت میں نہ آتا ہو تو اس کے نتیجے میں میری طرف سے اس پر زیادتی ہو جائے گی، اس لئے میں مقرر نہیں کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے حقوق کے بارے میں اتنی احتیاط فرمائی۔

معافی تلافی کی فکر کرو

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر ہے جن کے بارے میں یہ اعلان ہو چکا کہ اول تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر کوئی چھوٹی موٹی بھول چوک بھی ہو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف۔ جب آپ کو یہ فکر ہے تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنی ہے اور سارے حقوق العباد کے بارے میں وہاں سوال ہوگا۔ اس لئے آج ہی سے ہم سب کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اپنے تمام اہل تعلقات سے جو جو حق تلفیاں ہوئی ہوں ان کو معاف کرانے کی فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ____ آمین۔

ایک اور حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةُ. فَمَاتَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا.

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب القلیل من الغلول۔ حدیث نمبر ۳۰۷۴)

(ریاض الصالحین۔ باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۱۲)

ایک عبا کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو گیا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامان اور گودام پر نگرانی کے لئے ایک شخص کو مقرر کر رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بیت المال ہوتے تھے اس بیت المال میں حکومت کا سامان ہوتا تھا۔ جیسے آجکل اسٹور ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے بطور اسٹور کیپر ان کو اس سامان کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ ان صاحب کا نام ''کرکرۃ'' تھا۔ ان صاحب کا انتقال ہو گیا کسی نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے ___ چنانچہ صحابہ کرام کو بڑی فکر ہوئی کہ ایسی کیا بات ہو گئی؟ تو تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ جس سامان کی نگرانی ان کے سپرد تھی اس سامان میں سے ایک عباء خرد برد کر لی تھی اس کے نتیجے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دکھایا گیا کہ وہ جہنمی ہے۔

ایک چادر کی وجہ سے میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے

اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ اگر وہ چیز ناحق لی گئی ہے تو وہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔ یہ واقعہ تو ایسے صاحب کا ہے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گودام کی نگرانی کے لئے مقرر فرمایا تھا ___ ایک اور واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر پیش آیا کہ ایک صاحب جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو کفار کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ اور اتنی بہادری سے لڑے کہ اسی جہاد میں وہ شہید ہو گئے ___

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب صحابہ کرام ؓ نے شہید ہونے والوں کا ذکر کیا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا، فلاں شخص شہید ہو گیا۔ ان صاحب کا نام بھی لیا کہ وہ بھی شہید ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہو۔ اس کے بارے میں یہی گمان ہو گا وہ جنتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

كَلَّا، اِنِّيْ رَأَيْتُهٗ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم الغلول۔ حدیث نمبر ۱۱۴)

ہرگز نہیں کیونکہ میں نے اس کو ایک چادر کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے جو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لے لی تھی ــــ یہ شخص وہ تھا جس نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی اور جو جہاد کرتا رہا اور بے جگری سے لڑتا رہا۔ اور اللہ کے راستے میں جان بھی دے دی۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کے مال میں سے ناحق چادر لے لی تھی اس کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔

یہ خیانت اور ظلم ہے

اس سے اشارہ اس طرف فرما دیا کہ یہ مت سمجھو کہ یہ چھوٹی سی چیز ہے۔ اگر لے لی تو کیا ہوا ــــ نہیں، یہ خیانت ہے اور یہ ظلم ہے ــــ اور اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ آپ احادیث میں یہ پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل کا یہ ثواب ہے۔ فلاں عمل کا یہ ثواب ہے، فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وضو کرنے کے لئے جب ہاتھ دھوئے تو ہاتھ کے گناہ معاف ہو گئے جب چہرہ دھویا تو آنکھ کے گناہ معاف ہو گئے ــــ جب سر کا اور کانوں کا مسح کیا تو

کانوں کے گناہ معاف ہو گئے۔ اور جب مسجد کی طرف نماز کے لئے جا رہے ہیں تو ہر ہر قدم پر گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ اور جس شخص نے حج ادا کر لیا تو وہ تو ایسا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا یعنی گناہوں سے بالکل پاک و صاف ہو جائے گا۔

حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے

خوب سمجھ لیں کہ مندرجہ بالا تمام اعمال سے گناہوں کی معافی حقوق العباد سے متعلق نہیں ___ ان اعمال سے جو گناہوں کی معافی ہے، اول تو وہ صغیرہ گناہوں کی معافی ہے ___ اور کبیرہ گناہوں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے ___ اور توبہ سے وہ کبیرہ گناہ معاف ہوتا ہے جو حق اللہ سے تعلق رکھتا ہو، اور جو گناہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہو وہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ چنانچہ اگلی حدیث میں یہی بات بیان فرمائی گئی ہے کہ:

اگلی حدیث

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْحَارِثِ بْنِ رِبْعِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَالْإِيْمَانَ بِاللهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ تُكَفِّرُ عَنِّي

خَطَايَايَ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ إِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَتُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِي ذَلِكَ

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ الا الدین، حدیث نمبر ۱۸۸۵)

(ریاض الصالحین باب تحریم الظلم حدیث نمبر ۲۱۷)

کیا میرے سب گناہ معاف ہو جائیں گے؟

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے مجمع میں کھڑے ہوئے اور آپ نے صحابہ کرام کے سامنے خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، یہ سارے اعمال میں سب سے افضل ہے ـــــ ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ جہاد کی اتنی فضیلت بیان فرما رہے ہیں تو جب میں جہاد میں جاؤں گا تو ممکن ہے کہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں تو اگر میں شہید ہو گیا تو کیا میرے سب گناہ معاف ہو جائیں گے؟ ـــــ شروع میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نَعَمْ. ہاں اگر تم نے اللہ کے راستے میں اسی طرح جہاد کیا اور اس طرح شہید ہوئے کہ تم صابر تھے اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا، اور تم کو اس جہاد سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی، ثواب حاصل کرنا مقصود تھا، بہادر کہلانا مقصد نہیں تھا، اپنی تعریف مقصود نہیں تھی، اور تم آگے بڑھ رہے تھے اور پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے، اس حالت میں اگر تم شہید ہو جاؤ تو یقینا تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

بندے کا حق شہادت سے معاف نہیں ہوگا

یہ سن کر وہ صحابی بہت خوش ہوئے۔ لیکن تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے فرمایا کہ تم نے کیا سوال کیا تھا۔ ذرا دوبارہ وہ سوال کرنا، چنانچہ ان صحابی نے دوبارہ وہ سوال دہرا دیا کہ یا رسول اللہ اگر میں جہاد کرتا ہوا اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے یا نہیں؟ ___ آپ نے فرمایا کہ ہاں! تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ تم بے صبری کا مظاہرہ نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو، ریاکاری مقصود نہ ہو اور تم آگے بڑھ رہے ہو، پیچھے نہ ہٹ رہے ہو، اسی حالت میں اگر تم شہید ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے ___ سوائے قرضے کے، ''قرض'' سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی بندے کا کوئی حق تم پر واجب تھا تو وہ معاف نہیں ہوگا اور ابھی ابھی حضرت جبرئیل امین میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ تم یہ اضافہ

کر کے جواب دیدو ___ تاکہ لوگ غلط فہمی میں نہ رہیں۔ کہ پہلے لوگوں کے حقوق مار لیئے، لوگوں کے پیسے کھا گئے۔ پھر جہاد میں جا کر شہید ہو گئے اور یہ سمجھا کہ وہ سب حقوق بھی معاف ہو گئے تو ایسا نہیں ہو گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیجا کہ جا کر یہ وضاحت کرادو کہ جہاد میں شہید ہونے کی صورت میں صرف وہ گناہ معاف ہونگے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق شہادت کے ذریعہ بھی معاف نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں حقوق العباد کی اہمیت پیدا فرمادے ___ آمین۔

مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ میرے ساتھ اصلاحی تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وظائف اور معمولات چھوٹ گئے ہیں تو اس پر مجھے زیادہ افسوس نہیں ہوتا ___ اگر کسی کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے فلاں وقت کی فرض نماز چھوڑ دی تو اس پر مجھے رنج اور صدمہ ہوتا ہے کہ اس نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ لیکن اگر کسی متعلق کے باے میں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اللہ کے کسی بندے کا حق پامال کر دیا ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے اس لئے کہ اگر نماز چھوڑ دی ہے تو اس کی تلافی ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ اس نماز کی قضا کر لے گا اور توبہ کر لے گا تو وہ گناہ انشاء اللہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی بندے کا حق

ضائع کر دیا اور پھر اس سے معاف نہ کرا سکا تو آخرت میں اس پر پکڑ ہوگی۔

پہلے وہ معاملات اور معاشرت ٹھیک کرے

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور مجھ سے اصلاحی تعلق قائم کرے تو وہ پہلے معاملات ٹھیک کرے اور اپنے اخلاق ٹھیک کرے، اپنی معاشرت ٹھیک کرے ــــ اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ کے راستے میں جہاد میں شہید ہونے کے باوجود بھی وہ حق العبد معاف نہیں ہوگا ــــ آج ہماری دن رات کی زندگی میں معلوم نہیں کتنے بندوں کے حقوق ہم سے ضائع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم عطا فرمائے اور ان حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے ــــ آمین۔

ایک اور حدیث

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ.

(بخاری شریف کتاب الحیل باب نمبر ۱۰ حدیث نمبر ۶۹۶۷)

وہ آگ کا ٹکڑا ہے جو میں اس کو دے رہا ہوں

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ وہ روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے تصفیہ کرانے کے لئے اور فیصلہ کرانے کے لئے لے کر آتے ہو ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں پیغمبر تھے، وہاں حاکم بھی تھے اور قاضی بھی تھے۔ اس لئے لوگ اپنے معاملات کا تصفیہ اور فیصلہ کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ـــــ آپ نے ان سے فرمایا کہ میں بشر ہوں اور مجھے معاملے میں علم غیب نہیں ہوتا کہ مجھے یہ پتہ ہو کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔ لہٰذا میں تو گواہیوں کی بنیاد پر فیصلہ کر دیتا ہوں۔ لہٰذا بعض اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی تائید میں اور اپنی دلیل زیادہ مضبوط مواد لے کر آجائے اور اس کے نتیجے میں، میں اس سے متاثر ہو کر فیصلہ کر دوں ـــــ حالانکہ حقیقت میں وہ حق پر نہیں، وہ خود بھی جانتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں، میں حق پر نہیں ہوں، لیکن وہ چرب زبان ہے، اور وہ گواہیاں ایسی لے آیا ہے جو قاضی کو متاثر کر دیں۔ لہٰذا اگر ان گواہیوں کی بنیاد پر میں کسی کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ شخص خوب سمجھ لے کہ میرے اس فیصلے سے آخرت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ جو مال میں اس کو فیصلے کے ذریعہ دلواؤں گا وہ آگ کا ٹکڑا ہے جو میں اس کو دے رہا ہوں ـــــ اس کو چاہئے کہ وہ اس کو استعمال نہ کرے۔

حضور کے فیصلے کے باوجود حلال نہیں ہوگا

آپ اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس ﷺ کسی کے حق میں فیصلہ فرمادیں کہ یہ حق تیرا ہے، اس سے زیادہ مضبوط دلیل کسی کی ہوسکتی ہے؟ ___ لیکن حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ چونکہ وہ حقیقت میں تیرا نہیں ہے۔ اس لئے تمہارے واسطے اس کا استعمال کرنا حلال نہیں۔ وہ جہنم کا انگارہ ہے جو تم لے رہے ہو۔

یہ جیت بہت بڑی شکست ہے

آج ہم لوگ مقدمہ بازی کرکے، جھوٹے گواہ لاکر غلط دلیلیں لاکر قاضی کو مرعوب کردیں اور اپنے حق میں فیصلہ لے لیں، اور اس پر خوش ہیں کہ ہم جیت گئے، لیکن حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ جیت بہت بڑی ہار اور بہت بڑی شکست ہے۔ اس لئے کہ اس جیت کے ذریعہ تم جہنم کے انگارے خرید کر لے جا رہے ہو ___ اللہ تعالیٰ ہم کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسروں کے حقوق پورے طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

***

*

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حقیقی مسکین کون؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب
تاریخ	:	۲۲/مئی ۱۹۹۲ء
بروز	:	جمعہ
وقت	:	بعد نماز عصر
مقام	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حقیقی مسکین کون؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَتَعَفَّفُ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا، حدیث نمبر: ۴۵۳۹)

حقیقی مسکین کون؟

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مسکین'' وہ نہیں ہے جس کو ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں ___ یا ایک دو لقمے اس کو لوٹا دیں، مطلب یہ ہے کہ وہ گداگر یا وہ فقیر جس کا پیشہ ہی مانگنا ہے، اور وہ لوگوں سے جاکر مانگتا ہے، کسی نے اس کو ایک کھجور دیدی، وہ اس کو لے کر چلا گیا، یا کسی نے اس کو دو کھجوریں دیدی ___ یا ایک لقمہ دیدیا، یا دو لقمے دیدیئے اور وہ لے کر چلا گیا ___ یہ شخص مسکین نہیں ___ بلکہ حقیقت میں مسکین وہ ہے جو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے پرہیز کرتا ہے، اور اپنی حاجت دوسروں کے سامنے پیش نہیں کرتا، اور ہے وہ حاجت مند، اصل مسکین وہ ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مسکین کو تلاش کرو

اس حدیث کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ جب زکوٰۃ دینی ہو، یا صدقہ دینا ہو تو محض یہ نہ دیکھو کہ جس کی ظاہری حالت خراب ہے، اور تم سے مانگنے کے لئے آیا ہے، تو تم یہ سمجھو کہ بس یہ مسکین ہے، اور اس کی امداد کرو ___ بلکہ تم ایسے لوگوں کی تلاش میں رہو، جو حقیقی ضرورت مند ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ خود سے تمہارے پاس نہیں آئیں گے، اور خود سے اپنی حاجت تمہارے سامنے پیش نہیں کریں گے، لہٰذا ایسے لوگوں کی تلاش میں رہو، جو ''متعفف'' ہیں۔ یعنی جو لوگ اپنی حاجت دوسروں کے سامنے پیش نہیں

کرتے ___

زکوٰۃ نکالنی نہیں، ادا کرنی ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نکالنے کا حکم نہیں دیا ___ اور آج کل لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں ___ اور نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی صندوق سے زکوٰۃ نکال کر کہیں ڈال دو، یہ دیکھے بغیر کہ جہاں زکوٰۃ دے رہے ہیں، وہ صحیح مصرف ہے یا نہیں ___ اس لئے قرآن کریم نے زکوٰۃ ادا کرنے حکم دیا، اور فرمایا: وَآتُوا الزَّكَاةَ ___ لہٰذا یہ نہیں کہ یہ زکوٰۃ ایک بوجھ ہے جس کو اپنے اوپر سے بس اتار دینا ہے، بلکہ اس کو ادا کرو، اور ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کی تلاش میں رہو کہ کہاں اس کا صحیح مصرف ہے، کون اس کا صحیح مستحق ہے، اس کی تحقیق کر کے اپنے ذہن میں رکھو، اور ان کی فہرست بناؤ، پھر ان مستحقین تک پہنچاؤ۔

حقیقی ضرورت مندوں کی فہرست بناؤ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مستحقین کی ایک فہرست رہتی تھی، اور اپنے اقرباء اور اعزہ کا، پڑوسیوں کا، اور ملنے جلنے والوں کا دھیان رہتا تھا کہ ان میں سے کون شخص ایسا ہے جو واقعۃً مستحق ہے، لیکن دست سوال دراز نہیں کرتا، تو جب موقع آتا، ان کی اس طریقے سے امداد فرمایا کرتے تھے ___ لہٰذا محض زکوٰۃ نکال دینا کافی نہیں کہ بس سال کے پورے ہونے پر حساب لگایا اور حساب

لگا کر دیکھا کہ اتنی زکوٰۃ بن رہی ہے، اٹھا کر کسی کے بھی حوالے کر دی، ایسا نہیں کرنا چاہئیے، بلکہ اس زکوٰۃ کو صحیح مصرف تک پہنچانا یہ بھی ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے، اور اس میں یہ بات سب سے اہم ہے کہ بظاہر ایک آدمی سفید پوش نظر آرہا ہے، لیکن وہ حقیقت میں حاجت مند ہے، تو اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔

حاجت روائی کرنے والوں کو اجر و ثواب

اگلی حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَكَالْقَائِمِ الَّذِيْ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ الَّذِيْ لَا يُفْطِرُ۔

(صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب الاحسان الی الارملۃ والمسکین، حدیث نمبر: ۲۹۸۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بیوہ عورت کی مدد کے لئے کوشاں ہو، یا کسی مسکین کی حاجت روائی کے لئے کوشش کر رہا ہو، تو وہ شخص ثواب کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، اور شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا کہ وہ شخص ثواب کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے کوئی شخص ساری رات نماز میں کھڑا رہے اور ایک لمحہ کے لئے نہ بیٹھے، وہ ساری رات نماز میں گزارے، جیسے اس

شخص کو ثواب ملے گا، ویسا ثواب بیواؤں اور مسکینوں کی حاجت روائی کرنے والے کو ثواب ملے گا ___ اور جیسے وہ شخص جو مسلسل روزے رکھ رہا ہو، ایک دن کے لئے بھی افطار نہ کرے، جیسا ثواب اس کو ملے گا ویسا ہی ثواب بیوہ اور مسکین کی حاجت روائی کرنے والے کو ثواب ملے گا۔

بہت بری دعوت ولیمہ

اگلی حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ.

(مسلم شریف، کتاب النکاح، باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ، حدیث نمبر: ۱۴۳۲)

کیا عجیب و غریب ارشاد ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت بری دعوت وہ دعوتِ ولیمہ ہے کہ جن لوگوں کو اس میں بلایا گیا ہے وہ تو انکار کریں کہ میں نہیں آسکتا، اور جو اس دعوت میں آنا چاہتا ہے، اس کو روکا جا رہا ہے کہ تم مت آنا۔ مطلب یہ ہے کہ جو دولت مند اور کھاتے پیتے لوگ ہیں ان کو تو اس دعوت میں بلایا جا رہا ہے، اور یہ بلانے والا ان کی خوشامد کر رہا ہے کہ آپ تشریف لے آئیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی ___ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس وقت نہیں، میں نہیں آسکتا ___ لہٰذا جو آنے

سے انکار کر رہا ہے اس کو تو بلایا جا رہا ہے، اور جو غریب ہے، اور وہ اس دعوت میں آنا چاہتا ہے اور اس کو بلانے سے احتراز کیا جا رہا ہے ___ مطلب یہ ہے کہ خاص طور پر اہتمام کر کے دولت مند لوگوں کو جمع کیا جائے، اور غریب لوگوں کو اس سے روکا جائے، اور منع کیا جائے۔

دعوت میں غریبوں کو بھی شامل کریں

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص دعوت کرے تو وہ اس بات سے پرہیز کرے کہ اس دعوت میں صرف دولت مند لوگ جمع ہوں، بلکہ اس میں غرباء کو بھی شامل کرے، اپنے پڑوسیوں میں، ملنے جلنے والوں میں جو غریب لوگ ہیں، ان کو بھی اس دعوت میں بلائے، ایک تو اس وجہ سے کہ کم از کم وہ لوگ ایک وقت کے کھانے کی فکر سے آزاد ہو جائیں گے، اور دوسرے یہ کہ درحقیقت اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو یہ غریب اور امیر کے درمیان جو دیواریں اور فاصلے حائل ہیں کہ غریب اور امیر ایک ساتھ ایک دسترخوان پر نہیں بیٹھ سکتے، غریب اور امیر کا رتبہ برابر نہیں ہو سکتا، وہ ایک سوسائٹی کے فرد نہیں سمجھے جاتے۔ یہ منافرت اور دوری ختم ہو گی ___ لہٰذا جب ایک ہی صف میں بیٹھ کر، ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے، تو اس کے نتیجے میں یہ فاصلے اور عداوتیں دور ہو جائیں گی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی کے ساتھ اس کا حکم دیا کہ کوئی دعوت ایسی نہ ہونی چاہیے جو صرف اغنیاء اور دولت مندوں پر مشتمل ہو، بلکہ غریب لوگ بھی اس میں شامل ہوں ___ لہٰذا غریبوں کو بھی اس میں بلاؤ،

اور اپنے ساتھ بیٹھا کر اور ان کو اپنے ہم پلہ قرار دے کر ان کے ساتھ سلوک کرو۔

کھانا پکانے والے کو ضرور کھلایا جائے

اس طرح اور ایک حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اس کھانے کو پکانے میں گرمی برداشت کی، دھواں جھیلا، یعنی باورچی، اس کو اسی کھانے میں سے کھلایا جائے، اور اس کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھایا جائے لہٰذا اس کا بڑا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سب لوگ کھانا کھا گئے اور جو پکانے والا تھا یا جو خادمین تھے وہ اس کھانے سے محروم رہ گئے۔

(مسلم شریف، کتاب الأیمان، باب اطعام المملوک مما یأکل، حدیث نمبر ۱۶۶۳)

ڈرائیور کو دعوت میں ضرور شامل کرو

ایک مرتبہ ایک بڑے معروف آدمی جو دنیاوی اعتبار سے بڑا اونچا رتبہ رکھتے تھے، ان کے ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ ان صاحب کی بیٹی کی شادی تھی، اور پانچ دن تک میں صبح و شام اس شادی میں لگا ہوا تھا، ان کے مہمانوں کو لا رہا تھا۔ لے کر جا رہا تھا۔ ان کے گھر کے کاموں کو انجام دے رہا تھا۔ دعوت کا اہتمام کرتا رہا۔ لیکن ان پانچ دنوں میں ایک وقت کا کھانا بھی ان کے گھر میں نہیں کھایا ___ یہ وہ چیز ہے جس پر آنحضرت ﷺ اس حدیث میں وعید فرما رہے ہیں کہ تم دعوت میں ان لوگوں کو بلا رہے ہو جو دولت مند ہیں اور آنے سے

انکار کر رہے ہیں، ان کو بلا رہے ہو اور جو غریب لوگ ہیں، اور تمہارے گھر کے اندر کام کر رہے ہیں، ان کو تم کھانے سے محروم کر رہے ہو، ان کو ایک وقت کا کھانا بھی تمہارے گھر میں نصیب نہیں ہے۔ یہ بہت بری بات ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین کھانا، اس دعوت کا کھانا ہے اس میں ان لوگوں کو روکا جائے جو اس دعوت میں آنا چاہتے ہیں، اور ان لوگوں کو اس دعوت میں بلایا جائے جو اس دعوت میں آنے سے انکار کریں، یعنی دولت مند لوگ۔____
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❋❋❋
❋

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب : حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب دامت برکاتھم

تاریخ : ۲۹/مئی ۱۹۹۲ء

بروز : جمعہ

وقت : بعد نماز عصر

مقام : جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. اَمَّا بَعْدُ!

کتاب ریاض الصالحین

''ریاض الصالحین'' جو احادیث کی کتاب ہے جو ہم یہاں پڑھتے ہیں یہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے جس میں مختلف موضوعات پر مختلف ابواب کے تحت احادیث جمع کی ہیں۔ اب آگے ایک نیا باب قائم کیا ہے۔ ''باب'' فی بیان کثرۃ طرق الخیر'' جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ باب اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ نیک کاموں کے طریقے بہت زیادہ ہیں۔ نیکیوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کے ذریعہ ترغیب دے رہے ہیں کہ نیک اعمال کے جتنے طریقے ہیں ان سب

کو اختیار کرنے کی کوششیں کرنی چاہئے۔

اس باب کی اہمیت

یہ باب ہمارے اور آپ کے لئے اس لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ بعض نیک اعمال تو وہ ہیں جنھیں ہر شخص نیک عمل سمجھتا ہے اور حتی الامکان اس نیک عمل کو کرنے کی کوشش بھی کر لیتا ہے ___ لیکن عام طور پر ہم لوگوں نے نیکی کو انہی کے اندر منحصر سمجھ رکھا ہے ___ مثلاً نماز پڑھنا ہے۔ اب آدمی سمجھتا ہے کہ یہ نیک کام ہے، یا قرآن کریم کی تلاوت کرنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے، تسبیحات پڑھنا ہے، یہ سب کام وہ ہیں جن کو ہر آدمی نیک کام سمجھتا ہے اور کوئی آدمی یہ کام کر رہا ہو تو دیکھنے والا یہ کہتا ہے کہ یہ بڑا اچھا کام کر رہا ہے اور اگر کسی شخص کو ان نیک کاموں کے کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی ہے تو وہ بھی اس بات کی حرص کرتا ہے کہ مجھے بھی یہ نیک کام کرنے کی توفیق مل جائے۔

ہر کام نیکی بن سکتا ہے

لیکن بہت سے کام وہ ہیں جو نیکیوں والے کام ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال ہیں۔ لیکن لوگ ان کو نیک کام نہیں سمجھتے اور نہ ان کو کرنے کا اتنا اہتمام کرتے ہیں جتنا ان ظاہری نیک کاموں کو کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ نیکی کو کسی خاص جہت میں منحصر مت سمجھو کہ بس نیکی یہی ہے۔ کوئی دوسرا کام نیکی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نیک کام کا معاملہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کوئی

مرحلہ ایسا نہیں آتا جس میں کسی نہ کسی نیک کام کا موقع نہ ہو۔

ہر کام میں نیکی کا پہلو تلاش کرو

آدمی صبح کے وقت گھر سے روزی کی تلاش میں نکلتا ہے تو وہ آدمی جس، جس مرحلے سے گزرتا ہے ان تمام مراحل میں نیکی کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ بس صبح کو فجر کی نماز کے لئے مسجد چلے گئے اور وہاں پر نماز پڑھ لی۔ اور نیک کام کرلیا یا فجر کے بعد تھوڑی دیر تلاوت اور ذکرو اذکار کرلیا تو بس نیکی ہوگئی ـــــ ایسا نہیں ـــــ بلکہ ساری زندگی نیکی کی متقاضی ہے۔ اور ہر وہ کام جو انسان کر رہا ہے اس میں وہ نیک پہلو تلاش کرسکتا ہے۔ یہ اس باب کو یہاں لانے کا مقصود ہے۔ اور اس بارے میں مختلف احادیث اس باب میں لائے ہیں۔ پہلی حدیث یہ لائے ہیں:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدَبِ بْنِ جُنَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَالْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِہٖ. قُلْتُ: اَیُّ الرِّقَابِ. اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْفُسُھَا عِنْدَ اَھْلِھَا وَ اَکْثَرُھَا ثَمَنًا. قُلْتُ: فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ: قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ. قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَ یْتَ اِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ، قَالَ: تَکُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَاِنَّھَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰی نَفْسِكَ.

(صحیح بخاری، کتاب العتق، باب أي الرقاب أفضل؟ حدیث نمبر ۲۵۱۸)

(ریاض الصالحین باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث نمبر ۱۱۷)

مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف جوابات

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ سب سے افضل عمل ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ اور اس کے راستے میں جہاد کرنا ـــــ یہاں یہ بات عرض کردوں کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر یہ سوال کیا ہے کہ یا رسول اللہ کونسا عمل افضل ہے؟ ــــ آپ نے کہیں کوئی جواب دیا۔ کہیں کوئی جواب دیا۔ جیسے یہاں آپ نے یہ جواب دیا کہ "ایمان باللہ، اور جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ کسی کو آپ نے یہ جواب دیا کہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک سب سے افضل عمل ہے۔ کسی کو آپ نے یہ جواب دیا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ یعنی ہر وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔ غرض مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات دیئے۔

مختلف لوگوں کے لئے حکم مختلف ہوتا ہے

مختلف جوابات اس لئے دیئے کہ ہر موقع کا حکم مختلف ہوتا ہے، ہر انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ کسی انسان کے لئے افضل عمل یہ قرار پایا کہ وہ والدین کی اطاعت کرے۔ والدین کی خدمت کرے۔ کسی انسان کے لئے افضل عمل یہ قرار پایا کہ اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ کبھی زبان

ذکر سے غافل نہ ہو۔ بہرحال مختلف افراد کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص کے لئے الگ حکم ہوتا ہے۔ سب کے لئے ایک جامع اور مانع حکم نہیں بتایا جاسکتا کہ سب کے لئے فلاں عمل سب سے افضل ہے۔

شیخ کی ضرورت اور اس کی اہمیت

اسی لئے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ شیخ بتاتا ہے کہ کس شخص کے لئے افضل عمل کونسا ہے؟ وہ بتاتا ہے کہ تمہارے حالات کے مطابق، تمہاری ضروریات کے مطابق سب سے افضل کونسا ہے ___ جیسے ایک شخص ہے جو نمازیں بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے، تلاوت بھی کرتا ہے، ذکر بھی کرتا ہے۔ لیکن والدین کے ساتھ اس شخص کا برتاؤ اچھا نہیں ہے۔ وہ والدین کی بات نہیں مانتا، ان کی عزت نہیں کرتا۔ ان کی تعظیم نہیں کرتا۔ ان کے جو حقوق ہیں وہ ادا نہیں کرتا ___ ایسا شخص جب یہ سوال کرے گا کہ افضل عمل کونسا ہے؟ تو اس شخص کو یہی جواب دیا جائے گا کہ تیرے لئے افضل عمل یہ ہے کہ تو والدین کی اطاعت کرے۔ ایک شخص ہے جو باقی سارے اعمال تو صحیح طور پر انجام دیتا ہے لیکن ذکر اللہ کی طرف مائل نہیں ہے۔ تو اگر وہ سوال کرے کہ میرے لئے افضل عمل کونسا ہے؟ اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ تمہارے لئے ذکر اللہ سب سے افضل عمل ہے ___ بہرحال، حالات انسان کے مختلف ہوتے ہیں، مواقع مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے لحاظ سے افضل عمل بھی بدلتا رہتا ہے۔

اس شخص کو ذکر سے روک دیا

اگر آدمی خود اپنی تجویز سے اور اپنے ذہن سے اپنے لئے افضل عمل اختیار

کر لے کہ میرے لئے یہ عمل بہت اچھا ہے۔ لہٰذا میں یہ عمل کیا کروں گا۔ اس کے نتیجے میں انسان کے بہک جانے کے خطرات ہوتے ہیں۔ اس لئے شیخ کی ضرورت ہے۔ وہ شیخ بتاتا ہے کہ تمہارے لئے افضل یہ ہے ___ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو لوگ اپنی اصلاح کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب ذکر بہت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہ صاحب اپنی اصلاح کے لئے گئے تو حضرت والا نے ذکر تقریباً چھڑوا دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ذکر کرنا چھوڑ دو ___ دوسرے کام کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ شخص جو ذکر کر رہا ہے۔ اس ذکر کے ساتھ اس کے دل میں یہ خناس پیدا ہو رہا ہے کہ میں بڑا ذاکر اور بڑا عابد اور زاہد بن گیا ہوں۔ ایسی صورت میں ذکر کی کثرت فائدہ دینے کے بجائے الٹا نقصان کر جاتی ہے۔ جتنا ذکر کرے گا۔ اتنا ہی دل میں عجب اور تکبر پیدا ہوگا۔ اس لئے آپ نے اس سے ذکر چھڑوا دیا۔ بہرحال ہر انسان کے لئے حکم الگ الگ ہوتا ہے۔

مجلس میں ذکر نہ کرنا چاہئے

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کسی مجلس میں انسان بیٹھا ہو اور مجلس میں دین کی باتیں ہو رہی ہوں۔ اور یہ سن رہا ہو تو اس وقت افضل ترین عمل یہ ہے کہ دین کی بات کو سنے۔ اور توجہ کے ساتھ سنے۔ اس وقت ذکر کرنا اچھا نہیں ہے ___ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہم دین کی باتیں تو سن رہے ہیں، کوئی اور کام تو نہیں کر رہے۔ چلو بیٹھے بیٹھے ذکر ہی کر لیں ___ لیکن بزرگوں نے اس سے

منع فرمایا کہ جب مجلس کے اندر دین کی باتیں ہو رہی ہوں، قرآن حدیث کی باتیں ہو رہی ہوں، دین کے احکام بیان کئے جا رہے ہوں، اس وقت میں ذکر میں مشغول نہ ہوں۔ زبان سے بھی ذکر نہ کریں۔ بلکہ اس وقت افضل عمل یہ ہے کہ دین کی بات غور سے سنو ___ اب کوئی اعتراض کرے کہ ہمیں ذکر سے روک دیا۔ بھائی! ذکر سے نہیں روکا، بلکہ بے موقع ذکر کرنے سے روک دیا ہے۔ یہ موقع ذکر کرنے کا نہیں ہے، یہ موقع اس کا ہے کہ دین کی بات غور سے سنو اور عمل کی نیت سے سنو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ بہرحال ہر ایک کے حالات مختلف ہوتے ہیں، ہر ایک کے معاملات مختلف ہوتے ہیں۔ ماحول مختلف، واقعات مختلف اور انسان مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کے لئے حکم بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے شیخ بتاتا ہے کہ تمہارے لئے افضل عمل کونسا ہے۔

ہر شخص کی اصلاح کا طریقہ علیحدہ ہے

اس لئے شیخ کا کام بڑا نازک ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ نے دیکھا کہ کسی شخص کے دماغ میں تکبر ہے۔ تو اس شخص کے ذمے یہ ڈیوٹی لگا دی کہ مسجد میں جو نمازی آتے ہیں تم ان کی جوتیاں سیدھی کیا کرو۔ بس یہ کام کرو۔ اب ہر نماز کے بعد وہ صاحب لوگوں کی جوتیاں سیدھی کر رہے ہیں۔ نہ کوئی ذکر، نہ تسبیح، نہ کوئی وظیفہ ___ اس شخص کو جو کچھ ملنا ہوتا اس عمل سے مل جاتا تھا ___ ایک صاحب کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ ان کے دماغ میں تکبر کے آثار ہیں۔ ان صاحب کے لئے آپ نے یہ تجویز کیا کہ تم نماز کے بعد مسجد میں کھڑے ہو

کر یہ اعلان کیا کرو کہ بھائیو: میرے اندر تکبر کی بیماری ہے۔ میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بیماری کو دور فرما دے۔ اب جب وہ شخص پہلے دن کھڑے ہو کر مسجد میں اعلان کرے گا اس وقت اس کے دل پر کیسے آرے چل گئے ہونگے۔ اور انہی آروں نے اس بیماری کو جڑ سے نکال دیا ہوگا۔

اپنی مرضی سے علاج تجویز مت کرو

لیکن یہ سب کام بھی اپنی مرضی سے اور اپنی تجویز سے نہیں کرنے چاہئیں۔ کہ بس کتاب میں پڑھ لیا کہ حضرت حکیم الامت نے ایک صاحب کے لئے یہ علاج تجویز فرمایا تھا۔ اب خود بھی وہ علاج شروع کر دیا۔ مثلاً مسجد میں آنے والے نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرنی شروع کر دیں ــــ ایسا کبھی نہ کرو ــــ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب تشریف لائے۔ ان کا والد صاحب سے اصلاحی تعلق تھا۔ انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں یہ بات پڑھ لی تھی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ علاج کسی کے لئے تجویز فرمایا۔ اب جناب انہوں نے بھی اس علاج پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں آنے والوں کی جوتیاں سیدھی کرنی شروع کر دیں۔ کئی دن اس طرح گزر گئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا کہ ان صاحب نے یہ کام شروع کر دیا ہے ــــ آپ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ تم ہرگز یہ کام مت کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ نے اس کو کیوں منع کر دیا؟ آپ نے اس لئے منع کیا کہ اس شخص کو اس عمل سے فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ میں نے کتنی بڑی قربانی دی اور کتنا بڑا کام کر رہا

ہوں۔ اب بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہو رہا تھا۔ اس لئے والد صاحب نے اس سے وہ کام چھڑا دیا۔

ایسا شخص موت کے دھانے پر ہے

لہٰذا اپنی تجویز سے اپنی رائے سے کوئی علاج تجویز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہو۔ اور کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے کتاب دیکھ کر اپنے لئے نسخہ تجویز کرے کہ فلاں ڈاکٹر نے فلاں کے لئے اس بیماری میں یہ علاج تجویز کیا تھا۔ لہٰذا میں بھی اپنا علاج اسی نسخہ کے مطابق کرلوں ___ ایسا شخص ہر وقت موت کے دھانے پر ہے۔ کسی بھی وقت مر سکتا ہے ___ اسی طرح جو شخص اسی قسم کی بیماریوں میں اپنی رائے سے علاج تجویز کر لے کہ میرے لئے بہتر راستہ یہ ہے تو اس شخص کے بارے میں خطرہ ہے کہ وہ غلط راستے پر پڑ جائے گا ___ آج دنیا کے اندر جو گمراہیاں پھیل رہی ہیں، کہیں کفر کی گمراہی، کہیں اعتقاد کی گمراہی، کہیں عمل کی گمراہی، کہیں بدعات کی گمراہی وغیرہ۔ ان سب کی بنیاد ''خود رائی'' ہے۔ کہ اپنے رائے سے ایک راستہ اختیار کرلیا۔

ہر شخص کو اس کے مناسب جواب دیا جارہا ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھئے۔ سارا قرآن کریم ان کے سامنے موجود، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان کے سامنے موجود، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ان کے سامنے موجود، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کر رہے ہیں؟ وہ سب آنکھوں کے سامنے موجود، لیکن اس کے باوجود آپ سے سوال کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ!

میرے لئے افضل عمل کونسا ہے؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو علاج کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا ہے۔ اس لئے انہی سے پوچھنا ہے کہ ہمارے لئے کونسا طریقہ زیادہ مفید ہوگا ــــ اب آپ نے کسی کو کوئی جواب دے دیا۔ کسی کو کوئی جواب دے دیا ــــ اب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں تضاد ہے۔ کہ ایک شخص کو آپ نے فرمایا کہ افضل عمل ''ایمان لانا'' ہے۔ دوسرے کو فرمایا کہ افضل عمل جہاد کرنا ہے۔ کسی اور کو آپ نے فرمایا کہ افضل عمل والدین کی اطاعت ہے۔ اس طرح آپ کی باتوں میں تضاد پیدا ہو گیا ہے ــــ اب ظاہر کو دیکھنے والا انسان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں تضاد سمجھے گا۔ لیکن جو حقیقت شناس ہے، وہ جانتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے مناسب جواب دیا جا رہا ہے۔ اس کے حالات کے مطابق بات بتائی جا رہی ہے ــــ اب یہاں اس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل عمل ''ایمان باللہ'' اور اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔

ایمان اور جہاد افضل عمل کیوں؟

کہنے کو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمل بتائے۔ ایک ایمان اور دوسرے جہاد۔ لیکن اگر ذرا غور کرو تو اس میں سارا دین آ گیا۔ اس لئے کہ یہاں قتال کا لفظ نہیں لائے بلکہ ''جہاد'' کا لفظ لائے۔ اور جہاد کے معنی ہیں۔ ''اللہ کے راستے میں کوشش کرنا''۔ یہ کوشش کسی ایک طریقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ سارے اعمال جن میں اپنی اصلاح کی کوشش، اپنی بیماریوں کا علاج، یہ سب اس جہاد میں داخل ہے۔ اور باقاعدہ قتال کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

راوی فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرا سوال کیا کہ:

"قُلْتُ: اَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْفَسُھَا عِنْدَ اَھْلِھَا وَاَکْثَرُھَا ثَمَنًا"

میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کونسے غلام کو آزاد کرنا سب سے زیادہ افضل عمل ہے؟ اس زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے اور یہ معلوم تھا کہ غلام آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے ___ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلام اپنے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ نفیس ہو اور جس غلام کی قیمت زیادہ ہو۔ ایسے غلام کو آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔

کسی مسلمان کی اس کے کام میں مدد کردو

قُلْتُ: فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ: قَالَ: تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ

میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر میں یہ کام نہ کرسکوں؟ یعنی بہت اعلیٰ درجے کا غلام آزاد نہ کرسکوں تو پھر کونسا ایسا نیک عمل ہے جس سے مجھے فائدہ پہنچے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے نیکی کمانے کا راستہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کاریگر ہے، تم اس کے کام میں اس کی کچھ مدد کردو۔ یا کوئی آدمی جب اس سے کوئی کام ٹھیک سے نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ ناواقف ہے، اناڑی ہے، ناتجربہ کار ہے، وہ کام کرنا چاہ رہا ہے، لیکن اس سے نہیں ہو رہا ہے تم اس کی مدد

کردو تو یہ تمہارے لئے باعث اجر وثواب ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف فرما دیا کہ نیکی صرف ان اعمال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جن اعمال کو لوگ عام طور پر عبادت سمجھتے ہیں۔ بلکہ اگر تم نے کسی مسلمان کی کسی کام میں مدد کر دی تو یہ بھی باعث اجر وثواب ہے۔ اس کو بھی معمولی کام نہیں سمجھنا چاہئے۔

اپنے شر سے دوسروں کو بچاؤ

قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ: اَرَاَيْتَ اِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ؟ قَالَ: تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ. فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ.

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں بعض اعمال سے عاجز ہو جاؤں۔ یعنی اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض نیک اعمال نہ کر سکوں تو اس صورت میں کیا کروں؟ یعنی اعمال خیر تو بہت سارے ہیں لیکن اگر میں کمزور ہوں۔ میری ہمت اور حوصلہ کمزور ہے اسی کمزوری سے نیک اعمال زیادہ نہیں کر پا رہا ہوں تو پھر کیا کروں؟ جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نیک عمل نہیں کر پا رہے ہو تو بھی تم اپنے آپ کو محروم نہ سمجھو۔ البتہ ایک کام کر لو۔ وہ تمہارے لئے جان کا صدقہ ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہے کہ تم اپنے شر سے دوسروں کو بچاؤ۔ یعنی اپنی ذات سے کسی انسان کو تکلیف پہنچنے سے پرہیز کرو۔ بس اس بات کا اہتمام کر لو کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے ____ نہ کسی عمل سے، نہ کسی بات سے، نہ کسی ادا سے دوسرے آدمی کو تکلیف پہنچے۔ تو یہ بھی اس کی جان کا صدقہ

ہے۔اس کے لئے باعث اجر وثواب ہے۔

جانوروں کی تین قسمیں

اس کے ذریعہ معاشرت کا ایک اصول بتادیا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ میری ذات سے، میرے کسی عمل سے، میری کسی ادا سے کسی دوسرے کو کوئی ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے۔ یہ آدمیت کا تقاضہ ہے ــــ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کی تین قسمیں ہیں۔ جانوروں کی ایک قسم وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔نقصان بالکل نہیں پہنچاتے۔ جیسے گائے، بھینس، بکری وغیرہ کہ یہ جانور اپنے دودھ، اپنے گوشت اور اپنی کھال کے ذریعہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔نقصان کوئی نہیں دیتے ــــ دوسری قسم جانوروں کی وہ ہے جو تکلیف پہنچانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔وہ تکلیف ہی پہنچاتے ہیں۔ فائدہ کچھ نہیں دیتے۔ جیسے سانپ، بچھو کہ یہ تکلیف ہی دیتے ہیں۔ ان سے فائدہ کچھ نہیں۔ اور ایک قسم جانوروں کی وہ ہے جو کچھ فائدہ بھی پہنچاتے ہیں اور تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔

تم گائے بھینس ہی بن جاؤ

اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم تو اشرف المخلوقات ہو، کم از کم تم کو گائے بھینس کے درجے میں تو ہونا چاہئے کہ تمہاری ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچے، نقصان نہ پہنچے ــــ اور اگر تم دوسروں کو تکلیف پہنچاؤ گے پھر تو تم سانپ اور بچھو بن جاؤ گے جو دوسرے کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ پھر تو تم میں اور

سانپ اور بچھو میں کوئی فرق نہیں رہے گا ___ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ۔

آدمی بننا ہو تو یہاں آجاؤ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں اس بات کی تعلیم و تربیت سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ صوفی بننا ہو یا درویش بننا ہو تو کہیں اور چلے جاؤ ___ آدمی بننا ہو تو یہاں آجاؤ۔ آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ دے۔ لہٰذا کوئی اذیت دینے والا کام نہ کرو۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کوئی اور نفلی عمل جو موجب اجر و ثواب ہو، وہ تم نہیں کر پا رہے ہو، تم سے تلاوت نہیں ہو رہی ہے، ذکر اور تسبیحات نہیں ہو رہی ہے تو کم از کم تم اپنے آپ کو دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھو۔ اس کا اہتمام کر لو ___ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ___ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

***

*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدارسِ دینیہ کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی خلیل الرحمٰن وزیرستانی صاحب

درجہ تخصص فی الدعوۃ

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب	:	مولوی خلیل الرحمٰن وزیرستانی صاحب
تاریخ	:	۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
مطابق	:	۲۳/ مارچ ۲۰۱۴ء
بروز	:	اتوار
مقام	:	جامع دارالعلوم کراچی

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ (۲۳ر مارچ ۲۰۱۴ء) اتوار کے روز جامعہ دارالعلوم کراچی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ''تحفظ مدارس دینیہ'' کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس موقع پر چشم کشا اور بصیرت افروز خطاب فرمایا تھا، جسے مولوی خلیل الرحمٰن وزیرستانی، درجہ تخصص فی الدعوۃ نے قلم بند فرمایا، یہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے---------------------------(میمن)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مدارسِ دینیہ کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

معزز علماء کرام، عزیز طلباء اور معزز حاضرین ------ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں مجھ سے پہلے بڑے مفید اور گراں قدر بیانات ہو چکے ہیں اور ہم نے جو وقت اجتماع کا مقرر کیا تھا، ہم اس سے بھی آگے جا چکے ہیں، لہٰذا مجھے کسی طویل بیان کیلئے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن محض تعمیل حکم کیلئے چند کلمات بطور نکتہ نگاہ مختصر وقت میں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ صدق واخلاص کے ساتھ انہیں کہنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دینی مدارس کا تحفظ ہم سب پر فرض ہے

پہلا نکتہ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جو حضرات دینی مدارس کی خدمات کا، اس کی ضرورت کا، اور اہمیت کا اظہار فرما چکے ہیں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں، درحقیقت یہ خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ جس شخص کو،

جس ادارے کو، اور جس گروہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے چُن لیتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی خدمات آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ وہ خدمات اعتراف کی محتاج نہیں ہوتیں۔ یہ نکتہ بھی تقریباً سب ہی نے بیان کیا کہ ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ دینی مدارس کا تحفظ، ان کا دفاع اور ہر قیمت پر اُنہیں باقی رکھنے کی کوشش ہم سب کا فرض ہے جو ان شاء اللہ ہم مرتے دم تک جاری رکھیں گے اور یہ بات بھی تقریباً سب ہی نے بیان فرمائی ہے اور میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسے پر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہزار پروپیگنڈے کئے جائیں، ہزار سازشیں کی جائیں، یہ دینی مدارس اور ان کا تعلیم وتعلم کا فریضہ ان شاء اللہ باقی رہے گا، کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کرسکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ کسی عمارت کا نام نہیں ہے، مدرسہ کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں ہے، مدرسہ استاد اور شاگرد کا نام ہے، جہاں استاد اور شاگرد بیٹھ جائے، وہی مدرسہ ہے:

میں جہاں بیٹھ کے پی لوں، وہی مے خانہ بنے

یہ مدرسہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انار کے درخت کے نیچے شروع فرمایا تھا، ہماری تاریخ وہاں سے شروع ہوتی ہے، لہٰذا ان شاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو گزند نہیں پہنچاسکتی۔

ہمیں اپنے گریبان کی طرف جھانکنا چاہیے

دوسرا نکتہ میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دوسری کوئی طاقت تو ان شاء اللہ گزند نہیں پہنچاسکتی لیکن اگر ہم خود اپنے آپ کو گزند پہنچانے پر آمادہ ہوجائیں

تو پھر اس کی ذمہ داری کسی دوسرے پر نہیں بلکہ خود ہمارے اوپر عائد ہوتی ہے
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ :

مَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ:۳۰)

(تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے)

اس طرح کے اجتماعات میں محض اپنے فضائل ومناقب بیان کر لینا کافی نہیں، بلکہ اس طرح کے اجتماعات میں اپنی کمزوریوں کو بھی دیکھنا چاہیے اور اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ کہیں ہماری کوئی کمزوری، ہماری خودکشی کا سبب نہ بن جائے، لہذا اگر کوئی شخص ہمیں یہ طعنہ دیتا ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم گھڑی کی .ئی کو پیچھے لے جانا چاہتے ہو تو الحمد للہ اس کا جواب ہمارے پاس موجود ہے، .وئی ہمیں یہ طعنہ دیتا ہے کہ تمہارا نصابِ تعلیم کمزور ہے، اس کا جواب بھی .ارے پاس موجود ہے، کوئی ہمیں یہ طعنہ دیتا ہے کہ تم قرآن وسنت کی چودہ سو سال پہلے کی بات کرتے ہو تو ہم اس کا جواب دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہمیں یہ طعنہ دے کہ تمہارا مالیاتی نظام خیانتوں پر مشتمل ہے، تمہارا مالیاتی نظام سادہ نہیں اور خدانخواستہ یہ بات واقعۃً حقیقت کے طور پر ثابت ہو جائے تو .س کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں، اگر کوئی ہمیں یہ طعنہ دے کہ تمہارے مدرسوں کے دامن میں غیر ملکی سازشوں کے تحت ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو اسلام کی غلط نمائندگی کرتے ہیں، تو اس طعنے کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔
مولانا فضل الرحمن صاحب نے صحیح فرمایا کہ اس موقع پر ہمیں یعنی اساتذہ

اور طلبہ کو احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، جو کچھ ہم باہر کہہ رہے ہیں ہماری درسگاہوں کے اندر بھی ہمیں وہی بات کہنی چاہیے، استاد، طالب علم اور مدرسے کی انتظامیہ میں یک جہتی ہونی چاہیے، ایک سمت کا تعین کر کے اس طرف چلنا چاہیئے۔

ہمارا مقصود خالص اللہ کی رضا ہو

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ان مدارس کی کامیابی اور ان کا بار آور ہونا درحقیقت اس پر موقوف نہیں ہے کہ ان کا نصاب کیسا ہے؟ نصاب اگرچہ بہت اہم چیز ہے لیکن موقوف علیہ نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ پڑھنے اور پڑھانے والے کے دل میں اللہ کی رضا کی طلب ہے یا نہیں؟ اخلاص ہے یا نہیں؟ اگر اخلاص ہو تو ایک معمولی درجے کی کتاب سے بھی انسان نور حاصل کر لیتا ہے اور اگر خدانہ کرے اخلاص نہ ہو تو کتنے علوم پڑھا دو، مگر اس کا کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطبی پڑھایا کرتے تھے، حضرت شیخ الہند اپنے دور میں شیخ الحدیث کے طور پر جانے جاتے تھے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ہر روز شام کو عصر کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جانے کا معمول تھا، لوگ کھیل کود میں جایا کرتے تھے، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تشریف لے جایا کرتے تھے، تو اس زمانے کی بات حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ قطبی پڑھاتے تھے، پتہ

نہیں کتنی پرانی بات ہوگی، فرمایا حضرت شیخ الہند ﷫ قطبی کا درس دے رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ حضرت میرے والد یا والدہ کا انتقال ہو گیا ہے آپ ان کے لئے ایصال ثواب فرمادیں، تو حضرت شیخ الہند ﷫ نے طلبہ سے کہا، بھائی دیکھو یہ جو قطبی پڑھ رہے ہو اس کا ثواب ان کے والدین کو پہنچادو، طلبہ حیران ہو گئے کہ بھلا قطبی کا بھی ایصال ثواب ہوتا ہے۔ ایصال ثواب تو تلاوتِ قرآن کا اور بخاری کے ختم کا یا ان جیسی عبادات کا ہوتا ہے۔ تو حضرت شیخ الہند ﷫ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اگر دل میں اخلاص ہو تو جس طرح بخاری شریف، اگر اللہ کے دین کیلئے اور اللہ کی رضا کی طلب کے لئے پڑھنے پہ ثواب ملتا ہے، اس طرح قطبی کو بھی اللہ کی رضا کے تحت پڑھنے پہ ثواب ملے گا، لہٰذا اگر بخاری کا ایصال ثواب ہوسکتا ہے تو قطبی کا بھی ایصال ثواب ہوسکتا ہے۔

لہٰذا ہم اگر اپنی دینی ضرورت کے تحت عصری علوم کو بھی اپنے نصاب میں شامل کریں اور کر رہے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت مقصود ہو اور امت اسلامیہ کی خدمت مقصود ہو، تو ان شاء اللہ اس پر بھی ہمیں ویسا ہی اجر ملے گا جیسا کہ ہمیں قرآن و حدیث پڑھنے پڑھانے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجر ملنے کی امید ہے۔

اصل چیز اخلاص ہے، کوئی ہزار طعنے دے یا کوئی ہزار اعتراض کرے، یہ اعتراضات اور یہ طعنے تو ایک داعیٔ حق کے گلے کے ہار ہیں، یہ اس کے لئے زیور ہیں، اس طرح کے اعتراضات اور طعنے ہمیشہ پیغمبروں کو بھی ملتے رہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نہ ان طعنوں کی پرواہ کرنی چاہیے نہ کسی کی مدح وتعریف پر خوش ہونا چاہیے۔ اگر ہم کوئی بات بیان کریں یا کوئی خدمت سرانجام دیں تو اس پر یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے، لوگ ہمارے ہاتھ چومیں گے یا ہمیں اعلیٰ درجے کے القابات سے نوازیں گے بلکہ ان خدمات اور کاموں سے اصل مقصود صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی ہو، یہ اخلاص اگر ہوگا تو ان شاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ہماری منزل مقصود ایک ہونی چاہیے خواہ طریقہ کار مختلف ہو

مولانا فضل الرحمن صاحب نے بڑی اچھی بات بیان فرمائی" کہ سیاست کو دین سے الگ سمجھنا درست نہیں اور نہ یہ سمجھنا درست ہے کہ مدرسہ اور سیاست میں تضاد ہے، اس لئے کہ سیاست بھی دین کا ایک عظیم شعبہ ہے اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب نے فرمایا کہ دین کے جو مختلف شعبے ہیں ان میں سیاست بھی ایک اہم شعبہ ہے، یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بھی شخص جو دین کی صحیح سمجھ بوجھ رکھتا ہو انکار نہیں کرسکتا، مجھ جیسا طالب علم جس کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری، اس نے بھی سیاست کے موضوع پر ایک کتاب "اسلام اور سیاسی نظریات" لکھدی ہے اور اس کا ایک نسخہ مولانا فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا۔ سیاست کا دین کا لازمی حصہ ہونا ایک مسلم بات ہے۔ اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ تقسیم کار کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، تقسیم

کار کے تقاضے یہ ہیں کہ ہم سب کا مقصد تو ایک ہو، لیکن ہمارا دائرہ کار مختلف ہو، تو اس صورت میں دونوں کے تقاضوں میں جو فرق آجاتا ہے اسے تضاد پر محمول کرنا بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ ہم نے دارالعلوم کے قواعد وضوابط میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہاں رہتے ہوئے طالب علم کا سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا ممنوع ہے، اس کو یہ سمجھنا کہ یہ سیاست کو دین سے خارج کرنے والی بات ہے صحیح نہیں، بلکہ یہ ضابطہ صرف اس لئے ہے تاکہ تقسیم کار کا اصول برقرار رہے۔ تقسیم کار کے اصول کے تحت جو ہم باہمی تعاون کا کام کریں گے وہ سب دین کی خدمت شمار ہوگا، مثلاً جب کوئی شخص جہاد پر جاتا ہے تو کوئی تلوار اٹھاتا ہے، کوئی توپ داغتا ہے، کوئی ان کے لئے کھانا پکاتا ہے، کوئی ان کے لئے راحت وآرام کے انتظام کرتا ہے، یہ سب جہاد میں شریک ہیں، کیونکہ مقصد ایک ہے، لیکن تقسیم کار کے تحت مختلف فرائض مختلف افراد انجام دیتے ہیں۔ اس کے تحت ہماری گذارش یہ ہے کہ مدرسہ اور وفاق المدارس کو خالص تعلیم وتدریس کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے اور اگر یہ صرف تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں، اور سیاسی سرگرمیوں کے اندر خود داخل نہیں ہوتے، تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سیاست کو دین سے الگ سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ وفاق المدارس کی چھتری کو قائم ودائم رکھے

بہر حال یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ وفاق المدارس کی چھتری کے نیچے مختلف جماعتیں جمع ہیں جو بعض اوقات ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے کی بھی

روادار نہیں ہوتیں، اور جن کے آپس میں تنازعات بھی ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے وفاق المدارس کی شکل میں ہمیں ایک ایسی چھتری عطاء فرمادی ہے جن کے نیچے ساری جماعتیں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس چھتری کو قائم ودائم رکھیں، اللہ تعالیٰ اس میں ترقی عطافرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ وفاق المدارس کو فعال بنانے، اس کو سرگرم کرنے اور اس کے نتائج بہتر ظاہر کرنے کیلئے ہمارے استاذ گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ﷾ دامت برکاتہم کا وجود اور ان کی کوششوں کو بہت اہمیت حاصل ہے استاذ محترم کی یہ کاوشیں ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ اسی طرح وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری، اللہ تعالیٰ انکی عمر اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، وفاق المدارس کو اس درجے تک پہنچانے میں ان کی انتھک کوششوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بہتر جزاء عطافرمائے۔

میں اس موقع پر ان تمام طلبہ کو جنہوں نے پوزیشن حاصل کرنے پر انعامات حاصل کئے ہیں یا سند افتخار لی ہے ان سب کو، ان کے اساتذہ کو، ان کے والدین کو، ان کے مدارس اور ان کے تمام رشتہ داروں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اس کے ساتھ اس عظیم اور منظم اجتماع کے انعقاد پر وفاق المدارس کے تمام منتظمین، دارالعلوم کے رفقاء کار کو جنہوں نے اس میں بھرپور تعاون کیا اور تمام حاضرین کا جنہوں نے تشریف آوری سے اس اجتماع کو کامیاب بنایا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس اجتماع کو ہم سب کے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطافرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اجمالی فہرست

مکمل اِصلاحی خُطبات (بائیس جلدیں)

عنوانات | صفحہ نمبر

اِصلاحی خُطبات جلد (۱)

اِصلاحی خُطبات جلد (۲)

اصلاحی خطبات جلد (۳)

اصلاحی خطبات جلد (۴)

اِصلاحی خُطبات جلد (۵)

اِصلاحی خُطبات جلد (۶)

اصلاحی خطبات جلد (۷)

اصلاحی خطبات جلد (۸)

اِصلاحی خُطبات جلد (۹)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۰)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۱)

اصلاحی خطبات جلد (۱۲)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۴)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۵)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۶)

اِصلاحی خطبات جلد (۱۷)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۸)

اِصلاحی خُطبات جلد (۱۹)

اِصلاحی خُطبات جلد (۲۰)

اِصلاحی خُطبات جلد (۲۱)

اِصلاحی خُطبات جلد (٢٢)

اِصلاحی خُطبات جلد (۲۳)